بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غدامذھب النعمان خیر المذاھب — کالقمر الوضاح خیر الکواکب

تفقہ فی خیر القرون مع التقیٰ — فمذھبہ لاشک خیر المذاھب

(الجواھر المضیۃ ترجمۃ الامام الاعظم ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۲ ص ۴۵۵)

الحمدللہ و المنۃ کہ دریں ایام پر فتن ایں کتاب لاثانی بتائید یزدانی

المسمی بہ

سیف رحمانی

شرح خلاصہ کیدانی

تصنیف

خادم الاولیاء فقیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

قریۃ شالپین ضلع سوات حال کراچی

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

نامِ کتاب: سیف رحمانی شرح خلاصہ کیدانی

مصنّف: حضرت علامہ سید احمد علی شاہ حنفی سیفی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور خیبر پختونخواہ۔

نظر ثانی: استاذالعلماء شیخ القرآن والحدیث مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم قمرالعلوم فریدیہ رضویہ ماڑی پور روڈ کراچی وجامعہ عثمانیہ ٹھٹھہ سندھ۔

اشاعتِ اول: 14 ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ بمطابق 6 جولائی 2020ء

تعدادِ طباعت: ایک ہزار

کمپوزر: علامہ ڈاکٹر محمد افضل سیفی

ہدیہ: روپے

ناشر: شعبہ نشرواشاعت جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی

بالمقابل شیل پیٹرول پمپ والی گلی، فقیر کالونی نمبر 10 اورنگی ٹاؤن کراچی

مختصر حالات
رئیس المحدثین و رأس المجتهدین نعمان بن ثابت ابی حنیفة الصوفی الکوفی التابعی رحمہ اللہ تعالیٰ و اوصلہ الیٰ مرتبة تلیق بشانہ الاعلیٰ

نام مبارک

نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

نسب مبارک

ایک قول ہے کہ آپ عربی ہیں اور دوسرا قول ہے کہ آپ عجمی ہیں۔

عربی نسب نامہ یوں ہے:

"نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد انصاری"

اور عجمی نسب نامہ یوں ہے کہ:

"سراج الامۃ کاشف الامۃ اعظم الائمۃ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں عادل بادشاہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولد ۸۰ھ متوفی ۱۵۰ھ"۔

آپ فارسی النسب (نسبًا فارسی) ہیں۔

(امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا بیان ہے:

"ان ثابت بن النعمان بن المرزبان من ابناء فارس الاحرار واللہ ما وقع علینا رق قط"

اخرجہ الخطیب فی تاریخہ قال السیوطی فی تبییض الصحیفة فی مناقب الامام ابی حنیفة۔

(ثابت بن نعمان بن مرزبان فارس کے آزاد مردوں میں سے تھے اور خدا کی قسم ہم پر کبھی غلامی واقع نہیں ہوئی)۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ سورۃ الجمعہ آپ پر نازل ہوئی۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی: **وَ آخَرِينَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوا بِهِمۡ (الجمعۃ۳)** ایک شخص نے عرض کی: **من ھم یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فلم یراجعھم حتی سئل ثلاثا و فینا سلمان الفارسی فوضع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدہ علی سلمان ثم قال لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجال و رجل من ھؤلاء۔** یعنی وہ کون لوگ ہیں، آپ نے کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا حتیٰ کہ اس نے دو یا تین مرتبہ پوچھا اس وقت ہمارے درمیان حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو گا تو فرزندانِ فارس اس کو حاصل کر لیں گے۔[2]

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرزندانِ فارس سے ہیں اور علم و فقہ میں کمال حاصل کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ سلم کی اس پیشن گوئی کے مطابق علم کی بلندیوں پر پہنچے۔

بعض نے آپ کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے:

---

[1] تبییض الصحیفۃ بمناقب ابی حنیفۃ امام جلال الملۃ والدین سیوطی متوفیٰ ۹۱۱ھ، ص ۳۱، مطبوعۃ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء۔

[2] صحیح بخاری، رقم الحدیث:۴۸۹۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث ۲۵۴۶، جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۱۰، ۳۹۳۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث:۷۱۲۳، دلائل النبوۃ،ج۶،ص ۳۳۴، مسند احمد، ج۲، ص ۴۱۷

"نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ"[3]

مگر علامہ شبلی نے دونوں اقوال کو یوں جمع کیا ہے کہ:

"نعمان اسلامی نام ہے اور زوطی اسلام سے قبل کا اور مرزبان لقب ہے"۔

راجح قول عجمی ہونے کا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے امام اسماعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں نسب نقل کیا ہے:

"اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان"[4]

حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"صحیح روایات کی بناء پر یہ طے شدہ بات ہے کہ امام صاحب کے والد محترم کی ولادت اسلام پر ہوئی ہے"۔

اور فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک نام و نسب کے فیصلہ کے لئے سب سے زیادہ معتبر شہادت خود اہل خاندان ہی کی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں اسماعیل کے بیان کے خلاف جو بیانات بھی ہیں وہ سب مرجوح یا قابل توجیہ ہیں"۔[5]

---

[3] تبیض الصحیفہ

[4] تبیض الصحیفہ

[5] ترجمان السنۃ

کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دادا غلام تھے؟

کچھ غلط قسم کے لوگوں نے جو یہ مشہور کر دیا کہ امام صاحب کے دادا بنی تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس کے متعلق امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے امام اسماعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ثابت بن نعمان بن مرزبان فارس کے آزاد لوگوں میں سے تھے قسم بخدا ہم غلامی کی زنجیر میں کبھی بھی نہیں جکڑے گئے"۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت

"ابو ثابت نعمان بن مرزبان وہی ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نوروز کے دن فالودہ ہدیہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارا ہر دن نوروز ہے"۔ نوروز شمسی سال کے پہلے دن کو کہتے ہیں۔[6]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں ایک لشکر کا جھنڈا امام صاحب کے دادا کے پاس تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا

ثابت صغر سنی میں باب علم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار عالی میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے امام اسماعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی وہ ایسی قبول ہوئی کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جیسی شخصیت ان کے ہاں پیدا ہوئی"۔

---

[6] آئمہ اربعہ

دو باتیں

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ:

”حضرت امام صاحب کا خاندان کبھی غلامی کے بندھن میں نہیں بندھا“۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ:

”امام صاحب کے خاندان والے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو چوتھے خلیفہ راشد ہیں) کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے اور ان کی خدمت میں ہدایا بھی پیش کرتے تھے اور ان کی دعائیں بھی لیتے تھے“۔[7]

تذکرۂ اجداد

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرافتِ نسبتی کا کیا کہنا وہ بہت بلند و بالا ہے۔ شرافتِ دینی کے علاوہ دنیاوی شرافت میں بھی آپ اعلیٰ مقام پر تھے آپ کے اجداد میں آٹھ انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی آتے ہیں اور سولہ بادشاہوں کے نام آتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے نام

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت شیث علیہ السلام

(۳) حضرت نوح علیہ السلام (۴) حضرت ادریس علیہ السلام

(۵) حضرت ہود علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۷) حضرت اسحاق علیہ السلام (۸) حضرت یعقوب علیہ السلام[8]

---

[7] امام ابوحنیفہ کی زندگی

[8] امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محدثانہ جلالت شان

بادشاہوں کے نام

(۱)سامان (۲)بابک (۳)حاز
(۴)مھروس (۵)ساسان دوم (۶)اسفندیار
(۷)گشتاسپ (۸)ھراس (۹)کتمش
(۱۰)کیاسین (۱۱)کیابود (۱۲)کیقیاد
(۱۳)دار (۱۴)مرحام (۱۵)مرمان شو
(۱۶)منوچھر الکیان[9]

پیدائش

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیدائش ذوالحجہ ۸۰ھ بمطابق ۲۹۹ء میں کوفی میں ہوئی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پرورش

مفتاح السعادہ میں منقول ہے کہ:"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد جب فوت ہو گئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نکاح کیا۔ اس وقت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ معصوم بچے تھے۔ تو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سرپرستی میں پرورش پائی اور یہ آپ کے لئے منقبت عظیمہ ہے"[10]۔

---

[9] امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محدثانہ جلالت شان

[10] بتیص الصحیفہ / جہان دیدہ

نعمان نام کے لطائف واسرار

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام نعمان میں علمائے کرام نے چند نکات بیان کئے ہیں:

- نعمان بمعنی خون جس طرح خون سے جسم میں قوام ہوتا ہے، اس طرح آپ کے ذریعے ملت اسلامیہ کا قوام ہے۔
- نعمان بمعنی گل لالہ حضرت امام صاحب کے فضائل و مناقب اور کمالات ایسے خوشبودار ہیں جیسے گل لالہ (پاک صاف کردار کے مالک ہیں فضائل اس طرح مہک رہے ہیں جیسے گل لالہ کی خوشبو مہکتی ہے)۔
- نعمان بمعنی نعمت کے ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک نعمت ہیں کہ آپ کے ذریعے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن و حدیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات کی فہم نصیب فرمائی۔[11]

ابو حنیفہ کنیت کے لطائف واسرار

- بعض کہتے ہیں کہ حنیفہ آپ کی صاحبزادی کا نام تھا اس سے آپ ابو حنیفہ مشہور ہوئے، لیکن یہ راجح قول نہیں کیونکہ اولاد میں صرف "حماد" مشہور ہوئے اور کوئی بھی مشہور نہ ہوا۔

[11] الخیرات الحسان

- یہ کنیت آپ کی وصفی معنون کے اعتبار سے ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "حنیف" کہا گیا ہے، یعنی "یکسو" ایسا شخص جو ہر طرف سے کٹ کر اللہ کا ہو جائے۔ اس کو حنیف کہتے ہیں اور امام صاحب بھی ہر طرف سے کٹ کر اللہ کے ہو رہے تھے اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔
- عراق میں "حنیف" دوات کو کہتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی آخری عمر تک دوات اور قلم کو نہ چھوڑا اس لئے آپ کو ابو حنیفہ کہتے ہیں۔[12]

ائمہ شریعت کے امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام اعظم کا لقب عطا ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام بڑے بڑے ائمہ امام صاحب کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ تمام حضرات شاگرد تھے اور آگے ان کے ہزاروں شاگرد تھے، مثلاً:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور عجیب بات ہے کہ تمام محدثین کا سلسلہ امام اعظم ابو حنیفہ پر منتہی ہوتا ہے۔

چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

(ا) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ یحییٰ بن معین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[12] سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۲) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ یحییٰ بن معین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۳) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ یحییٰ بن معین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ یحییٰ بن معین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (صاحب مسند)

(۵) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، محدث عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، محدث یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۶) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۷) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ مسعر بن کدام محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دار قطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۸) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ مسعر بن کدام محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۹) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ مکی بن ابراہیم محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ ابو عوانہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۰)امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ مکی بن ابراہیم محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ ابو عوانہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن عدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۱)امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ فضل بن رکین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۲)امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ فضل بن رکین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۳)امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ فضل بن رکین محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شیخ اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[13]

ائمہ طریقت کے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علمِ ظاہر میں امامِ اعظم بنایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علمِ باطن یعنی طریقت میں بھی "امام اعظم" بنایا تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باطن کی اس نسبت کو امام جعفر صادق سے حاصل کیا پھر بہت سے معروف اولیاء اللہ اور وقت کے شیخ المشائخ نے امام صاحب کے متبع ہوئے مثلاً:

(۱)حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مشہور شیخ المشائخ)

(۲)حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے)

(۳)حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جن کی قبر پر دعا مانگنے سے بارش طلب کی جاتی تھی اور جو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے)۔

---

[13] خطباتِ فقیر، جلد دوم

(۴)حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جو شہزادے تھے پھر ایک غیبی آواز پر صوفی ہو گئے)

(۵)حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد اور بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے راوی)

(۶)حضرت داؤد طائی (تقویٰ کے پہاڑ تھے)۔

(۷)حضرت ابو حامد اللفاف (خراسان کے مشائخ میں سے تھے)

(۸)حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (فقیہہ اور محدث تھے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے)

(۹)حضرت وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ہر رات ایک قرآن ختم کرنے والے)

(۱۰)حضرت ابو بکر الوراق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شارح مختصر الطحاوی)

(۱۱)حضرت حاتم الاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۲)حضرت محمد شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۳)حضرت خلف بن ایوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[14]

جو نور افشاں تھیں لحظہ لحظہ حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دم قدم سے

وہ جلوہ گاہیں تڑپ رہی ہیں، وہ بارگاہیں ترس رہی ہیں

نفیس کیسا یہ وقت آیا، سلوک واحساں کے سلسلوں پر

جہاں مشائخ کی روشنی تھی، وہ خانقاہیں ترس رہی ہیں

---

[14] امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات، کمالات، ملفوظات

امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پیشہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذریعہ معاش

ائمہ میں کسبِ معاش اور اشاعتِ دین دو متضاد راہوں پر بیک وقت گامزن ہونے کی سب سے پہلی مثال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قائم کی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ریشمی کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور یہ آپ کا خاندانی پیشہ تھا۔ عربی میں ریشمی کپڑے کے تاجر کو "الخزاز" کہتے ہیں۔ آپ کی تجارت بہت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں کارندے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں ریشم بنانے اور ریشمی کپڑا تیار کرنے کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ جس میں بہت سے کاریگر اور مزدور کام کرتے تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ذہین ترین انسانوں میں سے تھے۔ انہوں نے فقہ، عبادت، پرہیز گاری اور سخاوت کو اپنی ذات میں جمع کیا تھا اور حکومت کے عطیے قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ خود اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کرتے تھے اور اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے یہاں ریشم بنانے کا بہت بڑا کارخانہ تھا جس میں بہت سے کاریگر اور مزدور کام کرتے تھے"۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کپڑا عراق، شام، ایران اور عرب وغیرہ کو بھی سپلائی کیا جاتا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کے باوجود دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک آنہ بھی آپ کی آمدنی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔[15]

---

[15] امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحیثیت ایک ماہر تاجر

امام ابو حنیفہ اپنی چار صفات کی بنا پر ایک کامل اور ماہر تاجر ہوئے۔

ا۔ آپ کا نفس غنی تھا۔(یعنی لالچ کا اثر کسی بھی وقت آپ پر ظاہر نہ ہوا)

۲۔ آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔

۳۔ آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔

۴۔ آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصاف عالیہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا اس کی وجہ سے آپ تاجروں کے طبقہ میں انوکھے تاجر ہوئے یہی وجہ تھی کہ بیشتر حضرات نے آپ کی تجارت کو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے۔ گویا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں۔ اور آپ ان طریقوں پر چل رہے ہیں جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔

آپ مال خریدتے وقت بھی اس طرح امانت داری کے طریقے پر عامل رہتے تھے جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔ حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی فرماتے ہیں کہ اس امت کو تجارت یا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرکے دکھائی یا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کرکے دکھائی۔[16]

---

[16] سیرت آئمہ اربعہ / امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ / سیدنا امام اعظم

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دکان کی جگہ اور اس کی فضیلت

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک دکان تھی جہاں پر کارخانے کے تیار شدہ ریشمی کپڑے فروخت ہوا کرتے تھے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دکان بیچ شہر میں جامع مسجد اور دارالامارات کے پاس حضرت عمرو بن حریث مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم الشان اور بابرکت مکان میں تھی۔ جس کی شہرت عام تھی۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ:

وَ كَانَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ خَزَّازًا وَ دُكَانُهُ مَعْرُوْفٌ فِي دَارِ عَمْرِو بْنِ حَرِيْثٍ بِالْكُوْفَه۔

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خزاز تھے اور کوفہ میں ان کی دکان حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں مشہور تھی"۔

اس مکان اور دکان کی اہمیت کے لئے جاننا ضروری ہے کہ حضرت عمرو بن حریث مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت ۱۲ سال کے تھے۔

ان کا بیان یہ ہے کہ:

"ایک مرتبہ میرے بھائی سعید بن حریث مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونا تقسیم فرمارہے تھے۔ تو مجھے بھی ایک ٹکڑا عنایت فرمایا میں نے دل میں کہا اس کو جس چیز میں لگاؤں گا برکت ہوگی۔ اور اس کا آخری حصہ اس مکان میں لگایا"۔ (جس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دکان تھی)

حضرت عمرو بن حریث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ جب کوفہ آباد ہوا تو آپ وہیں چلے آئے ابن سعد کا بیان ہے کہ:

"عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ آکر جامع مسجد کے پہلو میں ایک بڑا مکان تعمیر کیا"۔

وَهِيَ كَبِيْرَةٌ مَّشْهُوْرَةٌ فِيْهَا اَصْحَابُ الْخَزِّ الْيَوْمَ۔

"یہ بہت بڑا اور مشہور مکان تھا۔ آج کل تیسری صدی میں اس میں ریشم کا کاروبار کرنے والے رہتے ہیں"۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۸۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے اس بابرکت مکان میں دکان حاصل کرنے کے لیے بڑی کوشش کی جاتی تھی کیونکہ اس کی ہر دکان میں خیر و برکت ہوتی تھی کہ معمولی معمولی دکاندار بھی چند دنوں میں اچھے خاصے مالدار ہو جاتے تھے۔ اس دارِ کبیر میں بہت سی دکانیں تھیں جن میں ریشمی کپڑے کے تاجر رہا کرتے تھے اور روایتی طور پر بہت بعد تک یہاں ریشمی کپڑے فروخت ہوتے رہے۔[17]

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حلیہ مبارک

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت وجیہہ و شکیل اور خوبصورت آدمی تھے۔ قد درمیانی اور رنگ گندمی تھا۔ بہترین عطر استعمال کرتے تھے۔ خوشبو کی وجہ سے آپ کی آمد کا آپ کے آنے سے پہلے ہی پتہ چل جایا کرتا تھا۔

گفتگو نہایت شیریں، آواز نہایت سریلی تھی۔ ان کو دیکھنے والوں کے آپ کو حسن الوجہ، حسن الثیاب، طیب الریح، حسن المجلس شدید الکرم، حسن المواساۃ لاخوانہ بتایا ہے۔

---

[17] سیرت آئمہ اربعہ

جوتے نہایت نفیس پہنتے تھے گھر سے نکلتے تو تسمہ وغیرہ درست کر لیتے تھے۔ موزے بھی استعمال فرماتے تھے۔ کئی ٹوپیاں تھیں۔ جامع مسجد کے حلقہ درس میں لمبی سیاہ ٹوپی پہنتے تھے جو کوفہ کے تاجروں میں رائج تھی بوقت ضرورت اونی کپڑے اور سنجاف وسمور بھی استعمال کرتے تھے۔ جمعہ کے دن رداا ور قمیص (تہبند اور کرتا) پہنتے تھے۔ ایک شاگرد ابو مطیع کے اندازہ کے مطابق ان دونوں کی قیمت ۴ درہم تھی گھر میں عام طور سے چٹائی بچھی رہتی تھی۔[18]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حلیہ مبارک اکابرین کی نظر میں

یہاں پر چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں جو اکابرین امت نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلیہ مبارک کے بارے میں کہے۔

۱۔ امام نضر بن مضم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں نے فجر کی نماز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ پڑھی اس وقت میرے بدن پر قوسی کمبل تھا۔ امام صاحب کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے مجھ سے کمبل مانگا واپسی پر فرمایا کہ:

"تمہارے اس کمبل کی وجہ سے مجھے شرمندگی ہوئی"۔

میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا وہ موٹا ہے، حالانکہ وہ کمبل مجھے بہت پسند تھا، میں نے پانچ دینار میں خریدا تھا۔ اس کے بعد امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بدن پر میں نے قوسی کمبل دیکھا جس کی قیمت میرے اندازے کے مطابق ۳۰ دینار تھی۔[19]

---

[18] سیرت آئمہ اربعہ

[19] سیرت آئمہ اربعہ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو ظاہری و باطنی ہر قسم کی دل ربائی حاصل ہے، آپ کا حلیہ بیان کرنے والے حضرات بیان کرتے ہیں:

۲۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"امام صاحب میانہ قد تھے۔ یعنی نہ بہت پست قد اور نہ بہت زیادہ دراز تھے، حسین صورت اور شیرین کلام تھے"۔[20]

۳۔ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"امام صاحب نہایت خوش لباس تھے اور اس قدر خوشبو استعمال کیا کرتے تھے کہ ہم لوگ محض خوشبو سے پتہ لگا لیا کرتے تھے"۔[21]

۴۔ امام ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"امام صاحب نہایت خوبصورت اور خوش لباس تھے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ریش مبارک نہایت خوبصورت تھی، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوتا اور کپڑا نہایت عمدہ پہنتے تھے"۔

۵۔ امام ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے امام صاحب کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا، جس کی قیمت کم از کم چار سو درہم (۴۰۰ درہم) ہو گی۔

---

[20] سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[21] سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۶۔امام صاحب گو درباریوں سے بہت دور رہتے تھے لیکن خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے جو ٹوپی مقرر کی تھی (جس کا رنگ سیاہ تھا) یہ بھی امام صاحب کے پاس بیک وقت سات سات ہوا کرتی تھیں۔

امام صاحب کی یہ ظاہری نظافت اور طہارت ان کی نظافت طبع پر دلالت کرتی ہے۔

۷۔حضرت اسماعیل بن حماد بن ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی قدر دراز قامت تھے، آپ کے رنگ پر گندم گونی غالب تھی۔اچھا لباس پہنتے تھے، عام طور پر اچھی حالت میں رہتے تھے اور خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا"۔[22]

۸۔ابن خلکان اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میانہ قد، گندم گوں، خوش تقریر اور شیریں زبان تھے"۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مولد و مسکن

کوفہ کی تعمیر اور آبادی

کوفہ شہر عراق میں واقع ہے اور بغداد سے ۳۰ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ یہ تکوف الرمل سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں ریت کا تہہ در تہہ ہونا چونکہ کوفہ میں لوگوں کی کثرت تھی، اس لئے اس کا نام کوفہ رکھ دیا گیا۔[23]

---

[22] ترجمان السنہ

[23] درس مقامات

صفر ۱۶ھ سے محرم ۱۷ھ مدائن عراق کی اسلامی فوجوں کا صدر مقام رہا لیکن یہاں کی آب وہوا عربوں کو ساز گار نہ آئی۔ ان کے جسم میں توانائی نہ آئی اور ان کے رنگ متغیر ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ:

"ایسی جگہ تلاش کرو جو بری اور بحری دونوں حیثیتیں رکھتی ہو اور وہاں سے مدینہ تک بیچ میں کوئی دریا نہ پڑتا ہو"۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام پر مامور کیا تو ان دونوں حضرات نے کوفہ کی زمین کو پسند کیا۔

یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور دریائے فرات یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا اور نعمان بن منذر کے مشہور محلات خورنق اور سدیر بھی اسی نواح میں واقع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق گھاس پھوس کے مکانات بنائے گئے۔ لیکن جب آگ لگنے کے حادثات پیش آئے تو پختہ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھاؤنی کے طور پر بسایا تھا، اس سے قبل یہ علاقہ سورستان کہلاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے مطابق "ابولہیاج بن مالک اسدی" نے کوفہ کا نقشہ بنایا۔ پہلے درمیان میں ایک مربع چبوترے پر جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ جس میں ۴۰ ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ جامع مسجد کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبا ایک برآمدہ قائم کیا گیا۔ جس کی چھت رومی عمارتوں کی چھت کی طرز پر تھی۔ مسجد کے سامنے عراق کے لئے "قصر حکومت" تیار

کیا گیا۔ مسجد اور قصر حکومت کے درمیان تہ خانہ کے طور پر ۲۰۰ گز طویل بیت المال کی عمارت بنائی گئی۔

مسجد اور قصر حکومت کے چاروں طرف کچھ فاصلہ چھوڑ کر مختلف قبائل کے لئے الگ الگ محلے بسائے گئے۔ ان محلوں میں ۴۰ ہزار کی آبادی کے لائق مکانات تعمیر کئے گئے اور ہر ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

شہر کی تمام سڑکیں جامع مسجد کے سامنے سے نکلتی تھیں۔ شاہراہیں ۴۰ گز چوڑی رکھی گئیں معمولی سڑکیں ۳۰ گز اور ۲۰ گز چوڑی اور گلیاں ۷ گز چوڑی۔

شہر کی تعمیر میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ چوک اور سڑکیں اس کثرت سے ہوں کہ اہل عرب صحرا کی تازہ ہوا کے لطف سے محروم نہ ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ محرم ۱۷ھ (جنوری ۲۳۸) میں مدائن سے کوفہ منتقل ہو گئے کوفہ کی تعمیر سے دو سال قبل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر ایک شہر بصرہ کے نام سے بسایا گیا تھا پھر کوفہ اور بصرہ کی آبادی کے بعد یہ دونوں شہر اسلامی فوج کے مرکز قرار پائے۔ کوفہ اپنے عہد عروج میں ۱۶ میل کے اندر پھیلا ہوا تھا اور ۷۰ ہزار مکانات پر مشتمل تھا۔[24]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا

بالائی عراق

بالائی عراق جس کا صدر مقام کوفہ اور والی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

---

[24] تاریخ ملت

ایرانی فتوحات کے بعد "باب" آذربائیجان، ہمدان، رے، اصفہان، ماہ، موصل، قرقیسیاء وغیرہ کا تعلق کوفہ سے قرار پایا۔[25]

زیریں عراق

زیریں عراق جس کا صدر مقام بصرہ اور والی حضرت عتبہ بن غزوان تھے۔ اور ایرانی فتوحات کے بعد خراسان، سجستان، مکران، کرمان، فارس اور اہواز وغیرہ کا تعلق بصرہ سے قرار پایا۔[26]

کوفہ اور بصرہ حجاج بن یوسف کی نظر میں

ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف سے پوچھا کہ ٹھیک بتاؤ کہ بصرہ اور کوفہ میں کیا فرق ہے؟ تو حجاج نے جواب میں کہا:

"اَمَّا الْکُوْفَۃُ فَبِکْرٌ عَاطِلٌ لاَ حُلِیَّ لَھَا وَلاَ زِیْنَۃٌ وَ اَمَّا الْبُصْرَۃُ فَعَجُوْزٌ شمطاء بَخْدَاءُ ذَفْدَاءُ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ حُلِیٍّ وَزِیْنَۃٍ"۔

"یعنی کوفہ تو ایک ایسی دوشیزہ ہے جس پر نہ کوئی زیور ہے اور نہ سنگھار، لیکن بصرہ ایسی بڑھیا ہے جس کے بال کھچڑی ہیں، منہ اور بغلوں سے بو آتی ہے، مگر ہر طرح کے زیور سے آراستہ ہے"۔

کوفہ بحیثیت علم اور علماء کا شہر

کوفہ والوں کی تعلیم نظم و نسق کے لئے سرکاری طور پر امام الفقہاء حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا گیا۔ ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ امیر المؤمنین خلیفۂ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا تھا کہ:

---

[25] تاریخ ملت

[26] تاریخ ملت

"ابن مسعود کی مجھے یہاں خود بھی ضرورت تھی مگر تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لئے ان کو بھیج رہا ہوں"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد عثمانی کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی تعلیم دی۔ ان کی تعلیمی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نو آباد شہر میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہو گئے۔

حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شہر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"یہ شہر اللہ کا علم ہے، ایمان کا خزانہ ہے اور عرب کا سرمایہ ہے"۔

اس شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آکر آباد ہوئے۔ ان میں سے ۲۴ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے تھے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں حصہ لیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ۷۰ بدری صحابہ یہاں پر مرجع و مسکن تھے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں اس کو دارالخلافہ بنایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شہر میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھلا کرے کہ انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا"۔

پھر لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی خوب علمی فائدہ حاصل کیا۔ مسروق (جو کہ کبائر تابعین میں سے ہیں) نے فرمایا:

"حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا خلاصہ دو شخصوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں پایا"۔

اسی شہر سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت کا فیض آگے پھیلا۔

حضرت امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"مناسک کے لئے مکہ مکرمہ، قرأت کے لئے مدینہ منورہ اور حلال و حرام اور فقہ کے لئے کوفہ ہے"۔

راہر مزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انس بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

"جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود تھے"۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا عمل ہے"۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"تم نماز کے مسائل اہل مدینہ سے، مناسک حج اہل مکہ سے، ملاحم و غزوات کے حالات ابن ہشام سے اور رائے فقہ اہل کوفہ سے حاصل کرو"۔

اگر آج بھی رجال کی کتابیں کھولیں تو ہزاروں نام آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے۔ جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں حتیٰ کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ حدیث حاصل کرنے کے لئے کتنی بار کوفہ گیا ہوں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مولد اور ان کا علمی مسکن جس کی آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کیا گیا ہو وہ سرمو بھی کتاب وسنت سے تجاوز نہ کر سکتا ہے۔[27]

وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کوفہ میں مقیم تھے

شہر کوفہ میں ایک ہزار پچاس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقیم ہوئے، ان میں سے ۷۰ بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور ایک روایت کے مطابق ۲۴ بدری تھے، ان میں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کوفہ کے بانی تھے

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص قرشی الزہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کوفہ میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو بدری تھے

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قرشی العدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[27] تاریخ الفقہ والفقہاء / سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ / ائمہ اربعہ قدم بقدم

۶۔ حضرت زاہر بن حرام الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت زیاد بن لبید بن ثعبلہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت سہل بن حنیف الانصاری الاوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت عقبہ بن عمرو بن ثعبلہ ابو مسعود الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۔ حضرت سعد بن عبید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ حضرت خذیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۴۔ حضرت عبد اللہ بن قیس بن سلیم اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۔ حضرت عبد اللہ بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ حضرت مالک بن ربیعہ السلولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۔ حضرت کعب بن عمرو ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۰۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۔ حضرت ابو منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۔ حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۔ حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کوفہ کے امیر، حاکم، قاضی یا عامل تھے

۱۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کوفہ کے پہلے حاکم)

۲۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حاکم)

۳۔ حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حاکم)

۴۔ حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امیر)

۵۔ حضرت زیاد بن سمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امیر)

۶۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نائب امیر)

۷۔ حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کوفہ کے پہلے قاضی)

۸۔ حضرت سعید بن نمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ (قاضی)

۹۔ حضرت شریح بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ (قاضی)

۱۰۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عامل)

۱۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عامل)

۱۲۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عامل)

وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کوفہ میں مقیم تھے یا وہاں پر سکونت اختیار کی تھی

۱۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت اغر بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت سلیمان بن مرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۔ حضرت اغلب بن راجز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت اوس بن ضجع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت سیابہ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۔ حضرت ایمن بن یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۔ حضرت مطر بن عکاس السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ حضرت سبرہ بن فاکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳۔ حضرت سماک بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۴۔ حضرت یزید بن اخنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵۔ حضرت قیس بن منتفق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ حضرت عقیل بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۔ حضرت عبد اللہ بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ حضرت رفاعہ بن یثربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۔ حضرت ابو سنابل بعلک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۰۔ حضرت نوفل بن فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۔ حضرت عمیر بن نویم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۔ حضرت ہزیل بن شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۵۔ حضرت معضد بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۶۔ حضرت عبدالرحمٰن بن مل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۷۔ حضرت عبید بن خالد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۸۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۹۔ حضرت عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۰۔ حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۱۔ حضرت عبید بن عازب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۲۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۳۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۴۔ حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۵۔ حضرت مسور بن یزید الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۶۔ حضرت ابو لیلیٰ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۷۔ حضرت عابس بن عبس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۸۔ حضرت اسود بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۹۔ حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۰۔ حضرت اسود بن ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۱۔ حضرت رشید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۲۔ حضرت جاریہ بن ظفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۳۔ حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۴۔ حضرت زبیر بن ابی علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۵۔ حضرت حارث بن حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۶۔ حضرت عبد اللہ بن منتفق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۷۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۸۔ حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۹۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۰۔ حضرت غرفہ ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۱۔ حضرت زید بن خالد بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۲۔ حضرت فجیع بن عبد اللہ بکائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۳۔ حضرت عبد اللہ بن جبر خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۴۔ حضرت عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۵۔ حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۶۔ حضرت جودان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۷۔ حضرت خارجہ بن صلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۸۔ حضرت جندب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۹۔ حضرت سعد بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۰۔ حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۱۔ حضرت سعید بن حرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۲۔ حضرت جند بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۳۔ حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۴۔ حضرت انس بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۵۔ حضرت زیاد بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۶۔ حضرت عبد اللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۷۔ حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۸۔ حضرت عدی بن فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۹۔ حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۰۔ حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۱۔ حضرت ابو کاہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۲۔ حضرت اخرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۳۔ حضرت ابو المنذر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۴۔ حضرت احمر بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۵۔ حضرت مخارق بن عبد اللہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۶۔ حضرت احمر بن سواء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۷۔ حضرت جابر بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۸۔ حضرت حبہ بن جوین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۹۔ حضرت ثمانہ بن بجاد عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۰۔ حضرت حجر بن عنبس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۱۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۲۔ حضرت ثابت بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۳۔ حضرت عبد الرحمٰن بن سبرہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۴۔ حضرت ثابت بن یزید بن ودیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۵۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی سبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۶۔ حضرت ثعلبہ بن زہرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۷۔ حضرت عبد اللہ بن سلمہ مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۸۔ حضرت اوس بن اعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۹۔ حضرت عمرو بن حارث بن مصطلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۰۔ حضرت اہبان بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۱۔ حضرت عمرو بن حارث بن مصطلق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۲۔ حضرت امرؤ القیس بن عابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۳۔ حضرت شریط بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۴۔ حضرت نبیط بن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۵۔ حضرت شریک بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۶۔ حضرت عمار بن اوس بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۷۔ حضرت مالک بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۸۔ حضرت مالک بن عامر ابو عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۹۔ حضرت عامر بن شہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۰۔ حضرت عبد خیر بن یزید ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابزی خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۲۔ حضرت عمرو بن حریث قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۳۔ حضرت عمرو بن حریث مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۴۔ حضرت وہب بن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۵۔ حضرت عباد عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۶۔ حضرت عباد بن عمرو دیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۷۔ حضرت عباد ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۸۔ حضرت سلمہ بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۹۔ حضرت زاہر بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۰۔ حضرت حبہ بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۱۔ حضرت طارق بن شہاب بجلی کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ [28]

کوفہ کے وہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں موجود تھے

۱۔ حضرت اویس بن عامر قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت اسود بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۔ حضرت قاضی شریح بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت ابو وائل بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت مالک بن عامر ابو عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چند مشہور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کوفہ شہر سے وابستہ تھے

جو تابعین کوفہ شہر سے وابستہ تھے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، مگر یہاں پر ان میں سے چند ایک کے نام پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[28] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، سیرت النبی ﷺ، سیرت الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کاتبین وحی، اصحاب بدر، آفتاب ہدایت کے ۳۱۳ روشن ستارے، صفہ اور اصحاب صفہ، تاریخ اسلام (شاہ معین الدین ندوی)، تاریخ اسلام (شاہ نجیب آبادی)

۲۔ حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت سلیمان بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امام اعمش)

۵۔ حضرت حکم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت عامر بن شراحیل شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت عبد اللہ بن عون رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۔ حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ حضرت محمد بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳۔ حضرت مسعر بن کدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۴۔ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵۔ حضرت ابو اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ حضرت ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۔ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ حضرت ابو عبد الرحمٰن اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۔ حضرت حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۰۔ حضرت ابو اسماعیل بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۔ حضرت ابو بکر بن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۔ حضرت ابو عمرو بن العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۔ حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۔ حضرت عمر بن شرجیل ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۵۔ حضرت عبیدہ سلمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۶۔ حضرت سلیمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۷۔ حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۸۔ حضرت حیثمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۹۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۰۔ حضرت سلمہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۱۔ حضرت حارث بن قیس جعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۲۔ حضرت عبد اللہ بن سجزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۳۔ حضرت عبد الرحمٰن بن یزید نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۴۔ حضرت زر بن جیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۵۔ حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۶۔ حضرت فلاس بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۷۔ حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۸۔ حضرت ہمام بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۹۔ حضرت حارث بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۰۔ حضرت یزید بن معاویہ نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۱۔ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۲۔ حضرت صلہ بن زفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۳۔ حضرت شریک بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۴۔ حضرت عبید بن نفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۵۔ حضرت ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۶۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۷۔ حضرت ابو بکر بن ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۸۔ حضرت محارب بن دثار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۹۔ حضرت جبلہ بن سحیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۰۔ حضرت سعید بن اشوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۱۔ حضرت عبد اللہ بن شبرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۲۔ حضرت قاسم بن معن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۳۔ حضرت قاضی شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۴۔ حضرت حسن بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۵۔ حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۶۔ حضرت قاسم بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۷۔ حضرت امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کوفہ کے ان مجتہدین و مفتیین کا شمار اکابر تابعین میں ہے۔ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں ہیں، اہل علم حضرات ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اور یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے، ان میں سے کئی حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔[29]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قاضی القضاء کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے دو مرتبہ ظلم و ستم ہوا، پہلی مرتبہ تو کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ نے ۱۳۰ھ میں ظلم و ستم ڈھایا تھا، مگر دوسری مرتبہ خلیفہ منصور نے ۱۵۰ھ میں ظلم کیا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہو گئی۔

یہاں اب آپ کی خدمت میں پہلے ابن ہبیرہ کا ظلم بیان کیا جاتا ہے، پھر خلیفہ منصور کا ظلم بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن ہبیرہ کو غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر روزانہ ۱۰ کوڑے مارے جائیں گے۔ ان کوڑوں کی وجہ سے ضرب شدید سے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چہرہ، سر اور جسم پر سوجن آگئی، مگر اس کے باوجود امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بات پر اٹل رہے۔[30]

---

[29] تابعین کے درخشاں پہلو، تابعین کے سبق آموز واقعات، تابعین کے واقعات، ۲۱ جلیل القدر تابعین

[30] سیرت النعمان / تعارف فقہ و تصوف

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے بر سرِ میدان مگر جھکی تو نہیں

میں درد کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ۔۔۔

ایک دن جلاد آپ کو کوڑے مار رہا تھا کہ سر پر کوڑا لگنے کی وجہ سے آپ کا چہرہ متورم ہو گیا، یہ دیکھ کر آپ رو دیئے، جلاد نے کہا "قضا قبول کر لو روتے کیوں ہو؟ تو امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں مار کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس وجہ سے روتا ہوں کہ میری والدہ اس چوٹ کا نشان دیکھیں گی تو ان کو صدمہ ہو گا"۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والدہ کا مشورہ

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر بامر مجبوری امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی القضاء کا عہدہ قبول کرنے کا مشورہ دیا مگر امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتیں اور ابن ہبیرہ کی یہ دنیوی سزا مجھ پر آخرت کے ہتھوڑوں اور گرزوں کی مار سے بہت آسان ہے، بخدا میں یہ عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں گا اگرچہ ابن ہبیرہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کر ڈالے"۔[31]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علماء کا مشورہ

جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ کا مشورہ قبول نہ کیا تو اس کے بعد قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن شبرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور ابی ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے امام

---

[31] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عادلانہ دفاع

ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور حکومت کے عزائم اور ارادوں سے امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگاہ کیا اور حالات کی انتہائی نزاکت سے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہو کر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں کہا کہ:

"ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ ہم سب آپ کے بھائی اور ہم خیال ہیں اور ہم سب اس عہدے کو پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں ہم مجبور ہیں"۔

مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا کہ:

"اگر ابن ہبیرہ مجھے واسط کی مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس پر بھی آمادہ نہیں ہوں"۔[32]

سزا کی مدت

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا کتنے دن پائی؟ بعض روایات میں ۴۰ دن اور بعض روایات میں ۱۰ دن مذکور ہے۔[33]

مصیبت سے نجات کا سبب

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مصیبت سے نجات کس طرح پائی اس کے بارے میں علامہ کردری فرماتے ہیں کہ:

---

[32] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عادلانہ دفاع

[33] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

"ایک دن صبح کو ابن ہبیرہ نے کہا کہ میں نے رات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا جو میری امت کے ایک آدمی کو بلا قصور کے مارتا ہے اور اسے دھمکی دیتا ہے"۔

اس کے بعد ابن ہبیرہ نے امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہا کر دیا اور ان سے معافی مانگی۔[34]

مکہ معظمہ کا سفر

ابن ہبیرہ کے آزاد کرنے کے بعد امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی سکونت کو ترک کر دیا اور مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا اور ۱۳۰ھ سے لے کر ۱۳۶ھ تک آپ وہیں مقیم رہے، جب بنو عباس کا پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح خلیفہ بنا تب آپ دوبارہ کوفہ تشریف لائے۔ مکہ معظمہ کا یہ قیام عارضی تھا اس لئے ۱۳۲ھ میں امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ آمدورفت شروع کر دی تھی پھر ۱۳۶ھ میں مستقل طور پر کوفہ آ گئے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومیت پر اکابر کے آنسو

خدا کی قسم یاد آیا کروں گا
کہا کروگے وہ جانِ محفل کہاں ہے

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رونا

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۱۱۰ کوڑے مروائے اور روزانہ ۱۰ کوڑے لگوانے کا معمول تھا۔

---

[34] تعارف فقہ و تصوف / امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مظلومانہ حالت کو یاد کرتے تو بے اختیار ہو کر رونے لگتے اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کرتے۔[35]

امام حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رونا

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے امام اسماعیل بن حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ "میں کوفہ میں اپنے والد امام حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ایک مرتبہ کناسہ کے مقام سے گزر رہا تھا کہ میرے والد امام حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بے اختیار رو رہے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا:"

"يَا اَبَ مَا يُبْكِيْكَ"۔

"ابا جان! کون سی چیز آپ کو اس طرح زار و قطار رلاتی ہے؟"۔

فرمانے لگے:

يَا بُنَيَّ! فِيْ هَذَا الْمَوْضِعِ ضَرَبَ ابْنُ هُبَيْرَه ابی عشرة ايام فی کل يوم عشرة اسواط علیٰ ان يلی القضاء فلم يجعل۔

لخت جگر! یہی وہ جگہ ہے جہاں ابن ہبیرہ نے میرے والد (امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ۱۰ روز تک کوڑوں کی سزا دی تھی۔ اس طرح کہ روزانہ ۱۰ کوڑے لگائے جاتے تھے، تاکہ (امام

---

[35] وفیات الاعیان لابن خلکان

ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قضا قبول کر لیں مگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منصب قضا اور وزارت عدل کے بدلے کوڑوں کی سزا بخوشی قبول کر لی۔[36]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خلیفہ منصور کا ظلم و ستم اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

عتابِ دشمناں برسوں جفائے دوستاں برسوں

بہت صدمے رہی سہتی یہ جانِ ناتواں برسوں

خلیفہ منصور نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے کے لئے کوفہ سے بغداد بلوایا، اور یہ لالچ دیا کہ دنیائے اسلام کے تمام قاضی آپ کے ماتحت ہوں گے لیکن امام صاحب نے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے خلیفہ نے آپ کو قید کروا دیا۔ پھر خلیفہ روزانہ امام صاحب کی طرف پیغام بھیجتا کہ اگر آپ رہائی چاہتے ہیں تو عہدہ قبول کر لیں، لیکن امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر بار انکار کر دیتے۔ ادھر خلیفہ کے درباری جو امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین اور حاسدین تھے خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپ کی توہین ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روزانہ قید سے نکال کر ۱۰ کوڑے لگائے جائیں اور بازاروں میں گھمایا جائے اور اس مار کا اعلان کروایا جائے۔

چنانچہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دردناک طریقے سے مارا گیا۔ یہاں تک کہ خون بہہ کر امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایڑیوں پر گرنے لگا اور خون میں لت پت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بازاروں میں گشت کرایا جانے لگا اور کھانے پینے میں بھی تنگی کر دی گئی اور ۱۰ کوڑے

---

[36] امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حیرت انگیز واقعات

مارے گئے۔ اس کے باوجود امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہدہ قبول نہ کیا اور یہ فرمادیتے تھے کہ میں اس عہدے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں۔

اگر تیغ جفا ہم پر یونہی تم آزماؤ گے
ہمارے خون کے سیلاب میں ڈوب جاؤ گے

ایک روایت میں ہے کہ ۱۰ دن تک یہ انسانیت سوز ظالمانہ حرکت ہوتی رہی آخر مسلسل ضرب کی شدت سے امام صاحب نے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی:

"الٰہی! مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ"۔

چنانچہ اللہ رب العزت کی طرف سے پروانۂ موت صادر ہو گیا۔[37]

فروغ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بحالت سجدہ

اک چہکتے ہوئے بلبل کا گلا یوں گھونٹا
ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی

جیل میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا گیا تو امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فورًا سجدے میں گر گئے اور اسی حال میں امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا۔ ابو محمد حارثی نے محمد بن مہاجر سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک پیالہ پیش کیا گیا کہ اس

---

[37] تذکرۃ النعمان / مناقب للموافق / امام ابو حنیفہ

کو پی لیں مگر امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار فرمادیا متعدد بار پیالہ پیش کیا گیا مگر ہر بار انکار فرماتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ:

"مجھے معلوم ہے کہ اس میں کیا ہے؟ میں اپنے قتل میں مدد نہیں کروں گا"۔

آخر زمین پر گرادیئے گئے اور زبردستی زہر حلق میں ڈال دیا گیا جس کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔[38]

اے گل شیں اجل تجھ سے کیا نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا جس سے پورے جہاں میں ویرانی ہوئی

موفق بن احمد نے ابو حسان زیادی سے روایت کی کہ "جب امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موت کا احساس ہوا تو آپ سجدہ میں گر گئے اور اس حال میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا۔ یعقوب بن شیبہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال سجدہ کی حالت میں ہوا۔[39]

چراغ زندگی ہو گا فروزاں ہم نہیں ہوں گے
چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے دور میں ڈالی گئی تھیں مشکلیں لاکھوں
جنوں کی مشکلیں جب ہوں گی آساں ہم نہیں ہوں گے
اگر ماضی منور تھا کبھی تو ہم نہ تھے حاضر

---

[38] تذکرۃ النعمان

[39] تذکرۃ النعمان

جو مستقبل کبھی ہو گا درخشاں ہم نہیں ہوں گے
کہیں ہم کو دکھا دو اک کرن ہی ٹمٹماتی سی
کہ جس دن جگمگائے گی شبستاں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا
یہی سرخی بنے گی زیبِ عنواں ہم نہیں ہوں گے

سجدے کی فضیلت

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام احمد ابو یعلی موصل نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ۔

بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔[40]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بغاوت کا الزام اور ظلم و ستم کی اصل وجہ

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"محض قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح ظالمانہ طریقے سے شہید نہیں کرا سکتا تھا۔ دراصل امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض دشمنوں نے خلیفہ سے خفیہ طور پر کہا تھا کہ:

"امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کو خلافت عباسیہ سے بغاوت پر اکسایا تھا۔ (حضرت ابراہیم نے بصرہ میں عباسیہ

---

[40] عقود الجمان

حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا) اور امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یعنی حضرت ابراہیم کی مالی امداد بھی کی تھی۔ اس بات سے خلیفہ منصور بہت ڈرا کیونکہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عزت و وجاہت والے اور مالدار تاجر تھے۔ چنانچہ اس نے امام صاحب سے عہدہ قضا قبول کرنے کو کہا جبکہ خلیفہ کو علم تھا کہ امام صاحب ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ خلیفہ نے تو صرف اس لئے کہا تھا کہ یہ آپ کے قتل کا بہانہ بن جائے گا۔[41]

تم پھول کو چٹکی سے مل سکتے ہو لیکن
خوشبو کو بکھرنے سے نہیں روک سکو گے

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات جس دن ہوئی وہ جمعہ کا دن تھا اور شوال ۱۵۰ھ کا زمانہ تھا۔[42]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر حدیث مبارکہ میں

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم تُرْفَعُ زِیْنَۃُ الدُّنْیَا سَنَۃَ خَمْسِیْنَ وَ مِائَۃٍ۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ۱۵۰ھ میں اٹھالی جائے گی"۔

اس حدیث کی شرح میں امام کردری فرماتے ہیں کہ:

"یہ حدیث امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صادق آتی ہے کیونکہ امام صاحب ہی کا انتقال اس سن میں ہوا"۔

---

[41] الخیرات الحسان

[42] امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علماء نے اس حدیث مبارکہ کا مصداق اس لئے ٹھہرایا کیونکہ اس سال یعنی ۱۵۰ھ میں دنیا کے سب سے بڑے اور معروف جس عالم دین کی وفات ہوئی وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔[43]

ایک اعتراض کا محققانہ جواب

علامہ شبلی نے اپنے بعض مقالات میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجدد ہونے سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ مجدد ہونے کی ۳ شرطیں ہیں ان میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو اور سر فروشی کی ہو۔ اس کے بعد ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ شرط نمبر ۳ کی وجہ سے علامہ شبلی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو مجددیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے لیکن مؤدبانہ گزارش ہے کہ دو شرطیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود تھیں۔ تیسری شرط کو پورا کرنے کے لئے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ابن ہبیرہ کا کوڑے مارنا اور اسی طرح خلافت عباسیہ میں کوڑوں کی سزا پھر قید خانہ اور اس میں زہر پلا کر شہید کر دینا۔ ان سے اگر تیسری شرط پوری ہو رہی ہو یعنی مصیبتیں برداشت کرنا، جان پر کھیلنا اور سر فروشی کرنا پھر تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام مجددیت سے انکار کرنا ناانصافی ہو گی۔[44]

---

[43] الخیرات الحسان / عقود الجمان

[44] امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام ابو حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں پہلا اور آخری کیس

اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ایک موقع ایسا نظر آتا ہے جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاضی بنے اور یہ موقع امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا پہلا اور آخری موقع تھا۔

جن دنوں دجلہ کے اس پار ایک چھوٹی سی آبادی کی بنیاد پڑ رہی تھی جو بعد میں ایک بڑا فوجی کیمپ قرار پایا اور "رصافہ" کے نام سے مستقل شہر بن گیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی القضاۃ اور وزارت عدل کے جلیل منصب کو ٹھکراتے ہوئے چند ایک گھروں کی اس چھوٹی سی آبادی میں دو ایک روز کی قضا قبول کر لی۔ امام صاحب کی عدالت میں سب سے پہلا اور سب سے آخری جو مقدمہ دائر ہوا وہ ایک غریب ٹھٹھیرے (صفار) کا تھا جس کے بعد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی القضاء کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

ہوا یوں کہ ایک شخص پر دعویٰ دائر کیا گیا تھا کہ میں نے اس کو پیتل کی ایک ٹھلیا دی تھی جس کی قیمت میں دو درہم اور چار پیسے باقی ہیں اور یہ آدمی دے نہیں رہا۔

امام صاحب نے مدعی علیہ (جس پر مقدمہ تھا) کو مخاطب کر کے فرمایا:

"بھائی! اللہ تعالیٰ سے ڈر! ٹھٹھیرا جو کہہ رہا ہے بتا کہ واقعہ کیا ہے؟

مدعی علیہ نے انکار کر دیا کہ میں نے کوئی پیسے نہیں دینے، تو مدعی (جس نے مقدمہ کیا تھا) کے پاس کوئی گواہ نہیں تھے تو مدعی علیہ پر قسم آتی تھی۔ لہٰذا قانونی طریقہ اختیار کرتے ہوئے امام صاحب نے مدعی علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

قُلْ وَاللهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَا (تاریخ بغداد)

”اچھا کہو! قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے“۔

تو امام صاحب نے دیکھا کہ مدعی علیہ بغیر کسی جھجک کے بے تحاشہ قسمیں کھانے لگا۔ ایمان کی حسی ذکاوت سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطرت سرفراز تھی قسم کھانے کی یہ دلیری اور جرأت امام صاحب کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ مدعی علیہ کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بات کاٹ دی اور اسے چپ کروا دیا اور اپنے دستی بیگ سے دو بھاری بھاری درہم نکال کر ٹھٹھیرے کو دیتے ہوئے فرمایا:

”اپنے دام کے جس بقایا کا تم نے دعویٰ اس پر کیا ہے مجھ سے لے لو“۔

اس طریقہ سے مدعی علیہ کو آپ نے قسم کھانے سے روک لیا اور ساری زندگی کسی مقدمہ کے عملی تجربہ کا یہی ایک موقعہ تھا اور آخری موقعہ تھا جو آپ کو ملا تھا۔

عہدۂ قضاء سے انکار کا سبب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا، عدلیہ بالکل آزاد تھی۔ اس پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جاتا تھا۔

چنانچہ علامہ مصوی نے حاشیہ الاشباہ میں تحریر کیا ہے کہ:

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انہوں نے عدلیہ کو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا، انہی ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کے حق میں فیصلہ کر دیا تو دوسرا شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور اپنی شکایت پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لَوْ کُنْتُ اَنَا مَکَانَہٗ لَقَضَیْتُ لَکَ۔

"اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تیرے حق میں فیصلہ کرتا"۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "یہاں میرے پاس کوئی نہیں ہے اور رائے ایک مشترک چیز ہے، یعنی اس میں ہم دونوں برابر ہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفہ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس کے برخلاف بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تھا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کر دیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں خلیفہ ہارون الرشید کے خلیفہ ہونے سے پہلے تک ایسا ہی معاملہ رہا۔

چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں قاضی شریک کا بہت برا حشر ہوا۔ منصور کے بیٹے خلیفہ مہدی کے زمانے میں ایک فوجی کے خلاف قاضی عبید اللہ بن حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ ادھر پیشی ہوئی ادھر خلیفہ مہدی کا پیغام پہنچا کہ:

"دیکھو جس زمین کے متعلق فلاں افسر کا فلاں فوجی کے درمیان جھگڑا ہے اس میں فیصلہ فوجی افسر کے حق میں دو"۔

لیکن قاضی عبید اللہ نے فوجی کے خلاف فیصلہ دیا اس پر خلیفہ مہدی نے ان کو معزول کر دیا۔ بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا۔ خواہ وہ قضا کا مستحق ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو اسی کو قاضی بنا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اموی دورِ خلافت میں قاضی عابس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن مجید بھی نہیں پڑھا تھا اور لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا۔ فرائض سے بھی ناواقف تھا لیکن پورے مصر کا قاضی تھا کیونکہ اس نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دی تھیں۔ یہ حالات تھے جن کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہدہ قضا سے انکار کر دیا تھا کیونکہ

امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے متاثر نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا کہ عدل و انصاف حکومت کی مرضی کے مطابق نہ کیا جائے۔ یہ دیکھتے ہوئے امام صاحب نے عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[45]

نماز جنازہ

جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ جیل سے نکلا تو بعض روایات میں نوے ہزار اور بعض روایات میں ایک لاکھ غیر مسلموں نے جنازے کو دیکھ کر کلمہ پڑھا۔

(سبحان اللہ جس کے جنازے کو دیکھ کر اتنے لوگ مسلمان ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی میں کتنی برکت ڈالی ہوگی، اس کی زندگی میں کتنے لوگوں نے کلمہ پڑھا ہوگا۔)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غسل سے فارغ ہونے کے بعد بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقال امام صاحب کی خبر پکار دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا ۵۰ ہزار تھے تو کوئی کہتا اس سے بھی زیادہ ہیں، ان پر چھ بار نماز جنازہ ہوئی اور آخری بار آپ کے صاحبزادے امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نمازہ جنازہ پڑھی" (اس عاجز کا خیال ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا کیونکہ ایک لاکھ تو صرف جنازے کو دیکھ کر کلمہ پڑھنے والے تھے یقیناً پھر انہوں نے امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ بھی پڑھا ہوگا)

صاحب موفق لکھتے ہیں:

---

[45] امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ چھ مرتبہ پڑھی گئی اور آخری مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت حماد بن نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تقریباً ۲۰ دن تک آپ کی قبر پر نماز ہوتی رہی۔ اور ایک روایت میں ۴۰ دن تک نماز ہوتی رہی۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت اور خلیفہ منصور کی شرمندگی

امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ:

"مجھے غسل حسن بن عمارہ (بغداد کے قاضی) دیں گے اور خلیفہ کے محلات کے ارد گرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہوتی ہے۔ اس لئے مجھے مقبرہ خیزران کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے"۔

چنانچہ امام صاحب کو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساس ندامت ختم کرنے کے لئے ۲۰ دن گزرنے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر آکر نماز جنازہ ادا کی۔ جب اس کو بتایا گیا کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی وصیت کے پیش نظر یہاں دفنایا گیا ہے تو خلیفہ منصور نے کہا کہ ابو حنیفہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ خلیفہ نے کہا تھا کہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کی زندگی بھی رشک والی تھی اور آپ کی موت بھی رشک والی ہے۔

مومن خان نے خوب کہا ہے کہ:

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر اکابر کا اظہار افسوس

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص پورے عالم کو مغموم کر گیا

عبد اللہ بن واقد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اہل ہرات کے امام) فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بغداد کے قاضی) نے غسل دیا اور میں نے بدن مبارک پر پانی ڈالنے کا شرف حاصل کیا۔

۱۔ قاضی حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب غسل سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے:

"اللہ تعالیٰ آپ (ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رحمت نازل فرمائے اور آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ ۳۰ سال سے روزہ دار اور ۴۰ سال سے شب بیدار تھے۔ (اس دوران رات کے وقت) کبھی اپنے پہلو کو زمین پر نہیں لگایا۔ آپ نے اپنے بعد والوں کو تھکا دیا اور قراء کو رسوا کیا (کہ وہ آپ جیسی شب بیداری نہیں کر سکتے ہیں) وہ ہم سے بڑے فقیہہ، بڑے عابد، بڑے زاہد اور خصال خیر کو ہم سے زیادہ جمع کرنے والے تھے"۔[46]

۲۔ جب امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کی خبر ابن جریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مکہ میں پہنچی جو امام شافعی کے استاذ الاستاذ تھے تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا: "کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل وہ کبھی نہ دیکھیں گے"۔[47]

---

[46] امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثانہ جلالتِ شان

[47] الخیرات الحسان

۳۔ جب حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر آئے تو بہت زیادہ روئے اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جب انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہیں چھوڑا"۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے۔[48]

۴۔ یہ بھی کہا گیا کہ "جس رات آپ کا وصال ہوا اس رات آپ پر جنات بھی روئے"۔[49]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر آیات بشارت

ابن سماک کہتے ہیں:

جب امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دینے کے بعد میں نے دیکھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر ایک سطر میں یہ آیت لکھی ہوئی تھی کہ:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (٢٧) ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (٢٨) فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (٢٩) وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ٣٠)

ترجمہ: اے اطمینان والی جان۔ اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو۔ اور میری جنّت میں آ۔

اور دائیں ہاتھ پر یہ آیت تحریر تھی:

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل ٣٢)

ترجمہ: جنّت میں جاؤ بدلہ اپنے کیے کا۔

---

[48] الخیرات الحسان

[49] الخیرات الحسان

اور بائیں ہاتھ پر یہ آیت تحریر تھی:

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا (الکهف ۳۰)

ترجمہ: ہم ان کے نیک (اجر) ضائع نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں۔

اور شکم پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ (التوبة ۲۱)

ترجمہ: ان کا رب انہیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی۔

اور جب جنازہ اٹھایا گیا تو یہ آواز آئی کہ:

يَا قَائِمَ اللَّيْلِ يَا طَوِيْلَ الْقِيَامِ
يَا صَائِمَ النَّهَارِ خَطِيْرَ الصِّيَامِ
اَبَاحَ لَکَ مَا تَشْرَبُ مِنْ
جَنَّةِ الْخُلْدِ وَ دَارِ السَّلَامِ

ترجمہ: اے رات کو طویل قیام کرنے والے! اے دن کے وقت کثرت سے روزے رکھنے والے تمہارے لئے مباح کر دیا ہے تم جنت الخلد اور دارالسلام سے جو چاہو پیو۔

اور جب قبر میں اتارا گیا تو یہ آواز آئی:

فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّ جَنَّةُ نَعِيْمٍ۔

ترجمہ: تو راحت اور خوشبودار پھول اور نعمتوں کی جنت ہے۔[50]

صدقۃ المغابری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یہ مستجاب الدعوات میں سے تھے) نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب دفن کر دیا گیا تو تین راتوں تک غیب سے آواز آتی رہی:

ذَهَبَ الْفِقْهُ فَلَا فِقْهَ لَكُمْ

---

[50] حدائق الحنفیہ / تعارف فقہ و تصوف

فَاتَّقُوْ اللّٰہَ وَ کُوْ نُوْ اخَلَفًا
مَاتَ نُعْمَانُ فَمَنْ ھٰذَاالَّذِیْ
یُحْیِ اللَّیْلَ اِذَامَاسَجَفًا

”فقہ چلا گیا، اب تمہارے لئے فقہ نہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان (ابو حنیفہ) کے جانشین بنو، نعمان کا وصال ہو گیا۔ اب کون ہے جو شب کو بیدار ہو جب وہ پردے پھیلا دے“۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن

بغداد کی تعمیر اور آبادی

خلفائے بنو امیہ کو شکست دینے کے بعد عباسی حکومت کے پہلے حکمران ابو العباس عبد اللہ السفاح نے وقتی طور پر ہاشمیہ کو اپنا پایۂ تخت بنالیا تھا لیکن عباسی حکومت کے دوسرے حکمران ابو جعفر عبد اللہ المنصور کے زمانے میں جب حکومت کی بنیاد پوری طرح مضبوط ہو گئی اور اس کے نظام میں وسعت اور ترقی ہوئی تو خلیفہ منصور نے بغداد شہر کو آباد کرنے اور اس کو دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا جو خلیفہ منصور کی فطری ذہانت کا نتیجہ تھا۔

بغداد شہر کی بنیاد ۷۶۲ء/۱۴۵ھ میں خلیفہ منصور نے اپنے ہاتھوں سے یہ الفاظ کہتے ہوئے رکھی کہ:

بسم اللہ والحمدللہ والارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

بغداد کی تعمیر کے لئے خلیفہ منصور نے بڑا اہتمام کیا۔ مختلف مقامات کی آب و ہوا اور مٹی کا معائنہ کرنے کے بعد ارض بابل اور نینوا کا ایک خوش کن اور سرسبز و شاداب خطہ منتخب کیا جسے دریائے دجلہ سیراب کرتا تھا۔

جب جگہ کا انتخاب کر لیا گیا تو خلیفہ منصور نے یہ جاننے کے لئے کہ یہ شہر تعمیر کے بعد کیسا لگے گا ایک انوکھی ترکیب پر عمل کیا۔ خلیفہ منصور نے اس قطعہ زمین پر نقشے کے مطابق روئی کے بنولوں (کپاس کے بیجوں) سے لکیریں ڈلوائیں اور ان پر تیل چھڑکا اور پھر ان میں آگ لگوا کر ایک بلند مقام سے معائنہ کیا تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ تعمیر کے بعد یہ شہر کیسا نظر آئے گا۔

اس ترکیب پر عمل کرنے کے بعد بغداد شہر کی تعمیر کا کام شروع ہوا جس کے لئے دنیا کے مختلف ملکوں سے معمار، سنگ تراش، غبار اور نقاش اور ہر صنف کے صناع اور کاریگر وغیرہ جمع کئے گئے۔ اور جن جن ملکوں میں جو سامان تعمیر مل سکتا تھا اس سامان کو منگوایا گیا۔

بغداد شہر کا نقشہ بڑے ماہر مہندسین نے ایک دائرے کی صورت میں بنایا تھا، جس کے درمیان میں خلیفہ منصور کا محل قصر الخلد تھا (جو اپنی خوبصورتی، زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے لحاظ سے جنت کا نمونہ تھا اس کا وسطی گنبد زمین سے ۸۰ گز بلند تھا اور اس کے کلس پر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ نصب تھا) اس کے بعد حکومت کے دفاتر کی عمارتیں اور عمائدین و ارکان سلطنت اور امراء کے محلات تھے اور آخر میں عام آبادی اور بازار و باغات تھے لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد بغداد سے متصل اور اس سے الگ کرخ (جسے اب کالیہ کہتے ہیں) کے نام سے عوام کی ایک الگ آبادی قائم کر دی گئی۔

خلیفہ منصور نے شہر کو چوبیس ہزار محلوں پر تقسیم کیا اور ہر محلہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس حمام بنوایا اس کے علاوہ خلیفہ منصور کے محل کے نزدیک جامع مسجد بنوائی گئی۔

اور دریائے دجلہ اور دریائے فرات سے بہت سی نہریں کاٹ کر مسجدوں اور دوسری عمارتوں تک پہنچائی گئیں تا کہ ہر جگہ صاف اور شفاف پانی موجود ہو۔ اور ان نہروں پر ۱۲۵ پل بنوائے گئے۔ اور نہروں کے کنارے خاص شہر میں چار ہزار سبیلیں بنوائی گئیں۔

شہر کی آبادی میں ہر قبیلہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ اور مختلف چیزوں کے بازار جدا جدا ان کے ناموں سے موسوم تھے، کل سڑکیں اور گلیاں مختلف ناموں اور نسبتوں سے منسوب تھیں۔ شوارع عام چالیس گز چوڑی تھیں۔

اس کے بعد بغداد شہر کی حفاظت کے لئے اس کے گرد نوے نوے فٹ کی اونچی فصیلیں بنوائی گئیں جن میں سے ایک شاہی آبادی کے گرد تھی اور دوسری عام آبادی کے گرد تھی۔ ان دونوں فصیلوں کی چاروں سمتوں میں چار بڑے بڑے دروازے بنائے گئے جن کے نام باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان رکھے گئے اور ہر دروازے کے درمیان ایک میل کا فاصلہ رکھا گیا اور دروازوں کے اوپر اونچے برج تھے اور شاہی آبادی کی فصیل کے دروازوں پر پچاس پچاس گز گنبد اور شہ نشینیں تھیں اور گنبدوں کی چوٹی پر مختلف مجسمے تھے۔ جو ہوا کے رخ کے ساتھ ساتھ پھرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان فصیلوں کے گرد ایک وسیع خندق کھدوائی گئی تاکہ حملہ آور شہر میں داخل نہ ہوسکیں۔[51]

بغداد کے مختلف نام

بالآخر ۱۶۱ھ میں بغداد کی تعمیر کا کام مکمل ہوا تو خلیفہ منصور نے بجائے بغداد کے اس کا نام مدینۃ الاسلام رکھا لیکن یہ شہر بغداد کے نام ہی سے مشہور ہوا، بغداد کو المدورہ (گول شہر) کے نام سے بھی پکارا گیا لیکن یہ نام بھی عام نہ ہوسکا۔ اس کے علاوہ بغداد کو ام الدنیا، سید البلاد بھی کہا جاتا تھا۔[52]

---

[51] تاریخ اسلام، مقامت معین الدین، میں نے بغداد جلتے دیکھا، تاریخ ملت جلد اول، اٹلس فتوحات اسلامیہ

[52] اٹلس فتوحات اسلامیہ

بغداد نام کی وجہ تسمیہ

بغداد نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں ہر ماہ ایک میلہ (سوق) لگتا تھا۔ بغداد کے معنی ہیں "بغ داد" یا دادنامی شخص کا باغ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "بغ ایک بت کا نام تھا" اور کسریٰ نے ایک ہیجڑے کو زمین کا یہ ٹکڑا دیا تھا اور وہ ہیجڑا اپنے شہر میں بتوں کا پجاری تھا چنانچہ اس نے قطعہ زمین کا نام بغداد رکھا یعنی "بغ نے یہ (خطہ زمین) دیا ہے"۔[53]

بغداد شہر کے دو بڑے اور مشہور محلے ہیں ان میں سے ایک کو کاظمیہ اور دوسرے کو اعظمیہ کہتے ہیں۔

محلہ کاظمیہ

محلیہ کاظمیہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیٹے امام موسیٰ کاظم کے اسم گرامی سے موسوم ہے یہ محلہ دریائے دجلہ کے ایک کنارے پر کھجوروں کے باغات میں گھرا ہوا ہے۔ اور عباسی دور میں اس کا نام "کرخ" تھا۔ بغداد اور کاظمیہ کے درمیان ایک مسجد "براثا" کے نام سے معروف ہے اس مسجد کے بارے میں عام روایت یہ ہے کہ ہرزدان کی جنگ سے واپسی کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں قیام فرمایا تھا اور مسجد براثا کے اندر ایک کمرہ "مقام مریم" کہلاتا ہے۔ اور مسجد کے دروازے کے باہر ایک پتھر رکھا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس پتھر پر لٹا کر نماز ادا کی تھی۔

---

[53] اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ

امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام تقی اور حضرت بہلول کے مزارات بھی اسی محلہ کاظمیہ میں ہیں۔[54]

محلہ اعظمیہ

محلہ اعظمیہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم گرامی سے موسوم ہے، کیونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک بغداد کے اسی محلہ میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار سے ملحقہ بغداد کی سب سے بڑی مسجد ''مسجد الاعظم'' جسے ''مسجد امام ابو حنیفہ'' بھی کہتے ہیں اور مسجد کے ساتھ ہی حنیفیہ یونیورسٹی ہے۔[55]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک

۴۵۹ھ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر شرف الملک ابو سعید نے قبہ تعمیر کرایا، اور اس کے قریب مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ اس وقت ابو جعفر مسعود بن ابی الحسن عباسی بھی موجود تھے جنہوں نے یہ اشعار پڑھے:

۱۔ دیکھتے نہیں ہو علم مرچکا تھا لیکن اس کو اس قبر میں پوشیدہ ہستی نے زندہ کیا۔

۲۔ اس طرح یہ زمین بھی مرچکی تھی اس کو ابو سعد نے زندہ کیا۔

جب اسماعیل بادشاہ بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبہ اور مدرسہ کو بالکل مسمار کر دیا تھا اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا تھا، یہی معاملہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

---

[54] میں نے بغداد جلتے دیکھا

[55] میں نے بغداد جلتے دیکھا

علیہ کے مقبرے کے ساتھ کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اشرار سے بغداد کو بہت جلد پاک وصاف کر دیا۔

۹۷۴ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے از سر نو دونوں مزاروں پر قبے تعمیر کروائے جو کہ اب تک باقی ہیں۔

امام صاحب کی قبر دیکھ کر کسی عربی شاعر نے چند اشعار کہے جن کا ترجمہ پیش ہے:

۱۔امام صاحب کی قبر جنت الخلد کا ایک باغیچہ ہے۔

۲۔اس جگہ بہت زیادہ شرافتیں ابلتی ہیں۔

۳۔اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے جب تک ستارے منور ہیں۔

کسی شاعر نے اس طرح بھی کہا:

اعلیٰ علیین میں روح آپ کی سوتی رہے

بارش رحمت صدا اس قبر پر ہوتی رہے[56]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی برکتیں

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس آکر (یعنی مزار پر حاضر ہو کر) اپنی حاجات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان کرتے وقت آپ کو وسیلہ بناتے ہیں، اور اس میں کامیابی پاتے ہیں، ان حضرات میں میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔

---

[56] سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علی بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں (یعنی ان کی قبر مبارک پر جو رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں ان کو محسوس کرتا ہوں) اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں گھر یا مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرتا ہوں تو میری وہ حاجت جلدی پوری ہو جاتی ہے"۔

نامِ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دلوں کو سرور ملتا ہے

نگاہِ فکر کو تازہ شعور ملتا ہے

نصیب کیسا بھی ہو وسیلہ ابو حنیفہ کا دے کر

خدا سے جو بھی مانگو ضرور ملتا ہے[57]

نوٹ: مگر آج کل ہمارے اس معاشرے میں قبروں پر جو کچھ ہوتا ہے وہ بالکل جائز نہیں کہ ہمارے اکابر تو صرف ان بزرگ حضرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے لئے وسیلہ بناتے ہیں اور ہم لوگ اس کو غلط سمجھ کر قبر والے کو ہی مشکل کشا سمجھ لیتے ہیں اور اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سوا ان قبر والوں سے مانگنا شروع کر دیتے ہیں جو شرک ہے اور اللہ تعالیٰ شرک کرنے والوں کو معاف نہیں فرماتا۔

قرآن پاک میں شرک کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان ١٣)

ترجمہ: بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

---

[57] الخیرات الحسان، سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی اور ہدایت کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔[58]

اقدمیت واقربیت بزمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
بنسبت دیگر آئمہ مجتہدین ومحدثین

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تابعی)	متولد ۸۰ھ	متوفی ۱۵۰ھ
امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تبع تابعی)	متولد ۹۳/۹۵ھ	متوفی ۱۷۹ھ
امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۱۵۰ھ	متوفی ۲۰۴ھ
امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۱۶۴ھ	متوفی ۲۴۱ھ
امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۱۹۴ھ	متوفی ۲۵۶ھ
امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۲۰۶ھ	متوفی ۲۶۱ھ
ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۲۰۲ھ	متوفی ۲۷۵ھ
ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۲۰۹ھ	متوفی ۲۷۹/۲۷۵ھ
نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۲۱۵ھ	متوفی ۳۰۳ھ
ابنِ ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۲۰۹ھ	متوفی ۲۷۳/۲۷۵ھ
طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۲۳۹ھ	متوفی ۳۲۱ھ
دارمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متولد ۱۸۱ھ	متوفی ۲۵۵ھ

[58] (کمالات ابو حنیفہ، ص ۸۹)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں بخلاف دیگر ائمہ کے

امام محمد خوارزمی (متوفی ٦٦٥ھ) فرماتے ہیں:

واما النوع الثالث من مناقبه و فضائله التی لم یشارکه فیها احد بعده انه روی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلہٖ و سلم فان العلماء اتفقوا علی ذلک و ان اختلفوا فی عددھم فمنھم من قال انھم ستة و امراۃ و منھم من قال خمسة و امراۃ و منھم من قال سبعة و امراۃ۔[59]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کی تیسری قسم جس میں آپ کے بعد کسی امام کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ اس نے بلاواسطہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہو اور تمام علماء کرام اس مسئلے میں متفق ہیں، اگرچہ ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ چھ صحابۂ کرام اور ایک صحابیہ ہیں اور بعض کا قول ہے کہ پانچ صحابۂ کرام اور ایک صحابیہ، اور بعض کے مطابق سات صحابۂ کرام اور ایک صحابیہ ہیں۔

قد الف الامام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری المقری الشافعی جزءً فیما رواہ الامام ابو حنیفة عن الصحابة ذکر فیه قال ابو حنیفة لقیت من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلہٖ و سلم سبعة وھم (١) انس بن مالک (٢) و عبداللہ بن جزء الزبیدی (٣) و جابر بن عبداللہ (٤) و معقل بن یسار (٥) و واثلة بن الاسقع (٦) و عائشة بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنھم ثم روی له عن انس ثلاث احادیث و عن ابن جزء حدیثًا و عن واثلة حدیثین و عن جابر حدیثًا و عن عبداللہ بن انس حدیثًا و عن عائشة بنت عجرد حدیثا و روی له ایضًا عن عبداللہ بن ابی اوفی حدیثًا و الاحادیث التی اوردھا کلھا واردۃ من غیر ھذا الطریق۔[60]

---

[59] جامع مسانید، ج ا، ص ٢٢، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ذکر من ادرکہ من الصحابۃ

[60] تبییض الصحیفۃ للسیوطی، ص ٥

امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد طبری مقری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک رسالہ تحریر کیا، جس میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کو جمع کیا ہے اس میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے سات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی ہے جن میں (۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت عبد اللہ بن جزء زبیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر انہوں نے تین احادیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیں اور حضرت ابن جزء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک احادیث، حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو حدیثیں، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث اور حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث اور حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ یہ جتنی احادیث ذکر کی ہیں سب اس طریق کے علاوہ دوسرے طرق سے بھی مروی ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات از صحابہ

۱۔ عن ابی یوسف یعقوب بن ابراھیم القاضی اخبرنا ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔[61] (و بہ عن انس) سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

[61] جامع مسانید امام اعظم، ج۱، ص۲۳، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، اخرجہ الخوارزمی، تبییض الصحیفۃ، ص۷ للسیوطی

آلہٖ وسلم یقول ان اللہ یحب اغاثۃ اللھفان (وبہ عن انس) سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یقول الدال علی الخیر کفاعلہ۔[62]

امام قاضی ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریادرسی کو پسند فرماتا ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے۔

۲۔ حدثنا ابو داؤد الطیالسی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ولدت سنۃ ثمانین و قدم عبداللہ بن انیس صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم الکوفۃ سنۃ اربع و تسعین و رایتہ و سمعت منہ و انا ابن اربع عشرۃ سنۃ سمعتہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یقول حبک الشیء یعمی و یصم۔[63]

امام ابو داؤد طیالسی امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۹۴ھ میں کوفہ تشریف لائے۔ میں نے ان کی زیارت کی اور اور ان سے حدیث سنی میں چودہ سال کا تھا جب ان کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہیں کسی کی محبت اندھا و بہرہ کر دیتی ہے۔

---

[62] تبییض الصحیفۃ للسیوطی، ص۷

[63] جامع مسانید، ج۱، ص۲۳

۳۔عن ابی حنیفة عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء رجل من الانصار الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم مارزقت ولد اقط ولا ولدلی قال فاین انت من کثرة الاستغفار و کثرة الصدقة ترزق بھما الولد قال فکان الرجل یکثر الصدقة ویکثر الاستغفار قال جابر فولدله تسعة ذکور۔[64]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) مجھے کبھی اولاد نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم استغفار کی کثرت اور زیادہ صدقہ و خیرات نہیں کرتے کہ ان کی برکت سے تمہیں اولاد ہو پھر وہ شخص زیادہ خیرات اور زیادہ استغفار کرنے لگا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے نو(۹) لڑکے پیدا ہوئے۔

۴۔عن ابی حنیفة قال سمعت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم یقول من بنی للہ مسجدًا ولو کمفحص قطاة بَنَی اللہُ لَهُ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔[65]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی اگرچہ سخت پتھر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

---

[64] جامع مسانید، ج ۱، ص ۲۴، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

[65] جامع مسانید، ج ۱، ص ۲۴، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، تبییض الصحیفة، ص ۹

۵۔عن ابی حنیفة قال سمعت واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلهٖ وسلم یقول لا تظهر شماتة لاخیک فیعافیه اللہ ویبتلیک۔[66]

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اپنے بھائی کی مصیبت کو ظاہر نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے دے گا اور تم کو مصیبت میں مبتلا فرما دے گا۔

٦۔حدثنا یحییٰ ابن معین ان ابا حنیفة صاحب الرای سمع عائشة ابنة عجرد تقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلهٖ وسلم اکثر جند اللہ فی الارض الجراد لا اکله ولا احرمه۔[67]

امام یحییٰ بن معین حدیث بیان فرماتے ہیں کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا زمین میں اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ٹڈیاں ہیں، نہ میں کھاتا ہوں نہ ان کو حرام قرار دیتا ہوں۔

۷۔وَصَحَّ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ سَمِعَ الْحَدِيثَ مِنْ سَبْعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كَمَا بُسِطَ فِي أَوَاخِرِ مُنْيَةِ الْمُفْتِي، وَأَدْرَكَ بِالسِّنِّ نَحْوَ عِشْرِينَ صَحَابِيًّا كَمَا بُسِطَ فِي أَوَائِلِ الضِّيَاءِ. وَقَدْ ذَكَرَ الْعَلَّامَةُ شَمْسُ الدِّينِ مُحَمَّدُ أَبُو النَّصْرِ بْنُ عَرَبْ شَاهْ الْأَنْصَارِيُّ الْحَنَفِيُّ فِي مَنْظُومَتِهِ الْأَلْفِيَّةِ الْمُسَمَّاةِ بِجَوَاهِرِ الْعَقَائِدِ وَدُرَرِ الْقَلَائِدِ ثَمَانِيَةً مِنَ الصَّحَابَةِ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُمُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ ـــــ وَمَا وَقَعَ لِلْعَيْنِيِّ أَنَّهُ أَثْبَتَ سَمَاعَهُ لِجَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ ـــــ يُؤَيِّدُ مَا قَالَهُ الْعَيْنِيُّ: قَاعِدَةُ الْمُحَدِّثِينَ أَنَّ رَاوِيَ الِاتِّصَالِ مُقَدَّمٌ عَلَى رَاوِي الْإِرْسَالِ أَوْ الِانْقِطَاعِ؛ لِأَنَّ مَعَهُ زِيَادَةَ عِلْمٍ ، فَاحْفَظْ ذَلِكَ فَإِنَّهُ مُهِمٌّ كَذَا فِي عِقْدِ اللَّآلِئِ وَالْمَرْجَانِ لِلشَّيْخِ إسْمَاعِيلَ الْعَجْلُونِيِّ الْجِرَاحِيِّ

---

[66] جامع مسانید، ج۱، ص۲۵، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، تبییض الصحیفۃ، ص۸

[67] جامع مسانید، ج۱، ص۲۵، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، تبییض الصحیفۃ، ص۹

. وَعَلَى كُلٍّ فَهُوَ مِنَ التَّابِعِينَ ، وَمِمَّنْ جَزَمَ بِذَلِكَ الْحَافِظُ الذَّهَبِيُّ وَالْحَافِظُ الْعَسْقَلَانِيُّ وَغَيْرُهُمَا۔ [68]

(قَدْ رَوَى عَنْ أَنَسٍ) هُوَ ابْنُ مَالِكٍ الصَّحَابِيُّ الْجَلِيلُ ، خَادِمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ بِالْبَصْرَةِ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ ، وَقِيلَ ثَلَاثٍ وَتِسْعِينَ ، وَرَجَّحَهُ النَّوَوِيُّ وَغَيْرُهُ ، وَقَدْ جَاوَزَ الْمِائَةَ. قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: قَدْ صَحَّ كَمَا قَالَ الذَّهَبِيُّ إنَّهُ رَآهُ وَهُوَ صَغِيرٌ ، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: رَأَيْته مِرَارًا ، وَكَانَ يُخَضِّبُ بِالْحُمْرَةِ وَقَدْ أَطَالَ الْعَلَّامَةُ طَاشْ كُبْرَى فِي سَرْدِ النُّقُولِ الصَّحِيحَةِ فِي إثْبَاتِ سَمَاعِهِ مِنْهُ ، وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِي۔۔۔۔ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ : رَوَى عَنْهُ الْإِمَامُ هَذَا الْحَدِيثَ الْمُتَوَاتِرَ مَنْ بَنَى لله ، الخ۔ [69]

اور یہ بات صحیح ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث شریف سنی جیسا کہ منیۃ المفتی کے آخر میں اس بات کی وضاحت ہے اور سن کے لحاظ سے تقریباً ۲۰ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ پایا جیسا کہ اوائل ضیاء میں وضاحت ہے اور علامہ شمس الدین محمد ابو النصر بن عرب شاہ انصاری حنفی نے اس بات کو بیان کیا کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی اور امام عینی نے بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جماعتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سماعِ حدیث ثابت کیا اس بات کی تائید محدثین کے اس اصول سے بھی ہوتی ہے جسے علامہ عینی نے ذکر کیا کہ راویِ اتصال، راویِ ارسال و انقطاع پر مقدم ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ علم کی زیادتی ہے؛ پس اس اہم اصول کو یاد رکھو جیسا کہ عقد اللالی و المرجان للشیخ اسماعیل عجلونی جراحی میں ہے اور ہر تابعی کے لئے یہ اصول یاد رکھو اور اس بات کی تائید حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی وغیرہما نے بھی کی؛ اور امام

---

[68] ردالمحتار مع در مختار، ج۱، ص۱۴۹، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

[69] ردالمحتار، ج۱، ص۴۸

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹۲ یا ۹۳ھ میں بصرہ کے مقام پر وصال فرمایا۔ امام نووی نے اسی کو ترجیح دی اور ان کی عمر سو سے تجاوز کر گئی تھی۔ امام ابنِ حجر نے فرمایا: یہ بات درست ہے جیسا کہ ذہبی نے بھی کہا کہ امامِ اعظم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی اور ایک روایت میں ہے کہ کئی مرتبہ ان کی زیارت کی اور وہ سرخ مہندی سے داڑھی رنگتے تھے۔ اور علامہ طاش کبریٰ نے **سرد النقول الصحیحة** میں اس بات کو طوالت سے ثابت کیا کہ امامِ اعظم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت حاصل کی، اور مثبت، نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ ابنِ حجر نے فرمایا امامِ اعظم نے ان سے یہ حدیث متواتر **من بنی للہ مسجدًا** روایت کی۔

اور اگر اس سے زائد سماع از صحابہ دیکھنا ہو تو **"جامع مسانید الامام الاعظم"** اور **"تبییض الصحیفة"** کا مطالعہ کریں۔

محدث علی قاری فرماتے ہیں:

وأما تقدم قدرہ (ای قدر الامام مالک) علی أبي حنیفة فمردود لأنہ من أتباع التابعین وإمامنا من التابعین کما ذکرہ السیوطي وغیرہ۔[70]

اور بہر حال امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت دینا درست نہیں، اس لئے کہ امام مالک کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، جبکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین میں سے ہیں، جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ میں آئمہ ثلاثہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

---

[70] مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۷۶، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت

إذ ذكرنا تراجم هؤلاء الأئمة الثلاثة أن نختم برابعهم المقدم عليهم تبركا به لعلو مرتبته ووفور علمه وورعة وزهده وتحليته بالعلوم الباطنية فضلا عن الظاهره بما فاق فيه أهل عصره وفاز بحسن الثناء عليه وإذاعة ذكره وهو الإمام الأعظم ففيه أهل العراق ومن أكابر التابعين أبو حنيفة النعمان بن ثابت۔[71]

جب ہم ان ائمہ ٔ ثلاثہ کے حالات ذکر کر چکے تو ہم نے یہ متعین کیا کہ اس کا اختتام چوتھے امام جو حقیقتًا ان سب پر مقدم ہیں کہ علوِ مرتبہ، وفورِ علم، تقویٰ وطہارت، زہد وعبادت سے برکت حاصل کرتے ہوئے ان کے ذکر کے ساتھ کریں جو ظاہری علوم کے علاوہ علوم باطنیہ کا وافر حصہ رکھنے، نیز اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔۔۔ وہ امام اعظم اہل عراق کے فقیہ اور جو اکابر تابعین سے ہیں ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

محمد بن اسحاق بن ندیم لکھتے ہیں:

وكان من التابعين ولقى عدة من الصحابة وكان من الورعين الزاهدين۔

اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین میں سے تھے اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور آپ صاحبِ زہد وورع تھے۔

امام قسطلانی شافعی شارح بخاری ارشاد الساری باب وجوب الصلوٰة فى الثياب میں زیرِ حدیث سال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصلوٰة فى ثوب واحد کہ امام ابو حنیفہ کو تابعین کے زمرے میں شمار کیا۔[72]

---

[71] نقلہ الامام علی القاری مرقات، ج ۱، ص ۷۷، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

[72] کتاب الفہرست لابن ندیم، الفن الثانی، ج ۱، ص ۲۵۵، ص ۴۸۲ (اردو) مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور

كذالک من مفاخره (ای الامام) التی امتاز بها بين الائمة المشهورين كونه من التابعين۔[73]

اور اسی طرح امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مفاخر میں سے یہ بات بھی دیگر تمام ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ممتاز کرتی ہے کہ آپ تابعین میں سے ہیں۔

أنه منهم (ای من التابعين) كما في "مناقب الكردري"، وصرح به في "العناية"۔[74]

بے شک وہ تابعین میں سے ہیں جیسا کہ مناقب کردری میں ہے اور عنایہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

الصحيح المرجَّح هو كونه من التابعين، فإنه رأى أنساً رضي الله عنه بناءً على أن مجرَّد رؤية الصحابة كافٍ للتابعية كما حققه الحافظ ابن حجر في غير "التقريب" والذهبي والسيوطي وابن حجر المكي وابن الجوزي والدارقطني وابن سعد والخطيب والولي العراقي وعلي القاري وأكرم السندي وأبو معشر وحمزة السهمي واليافعي والجزري والتوربشتي (فی تحفة المسترشدين اور صاحب کشف الکشاف نے سورۃ المؤمنین میں اور صاحب مرآۃ الجنان نے) والسراج وغيرهم من المحدثين والمؤرخين المعتبرين، ومن أنكره فهو محجوج عليه بأقوالهم، وقد ذكرت تصريحاتهم وعباراتهم في رسالتي "إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة۔[75]

صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین میں سے ہیں بے شک انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی ہے اسی بنا پر کہ تابعیت کے لئے

---

[73] مقدمۃ التعلیق الممجد لعبد الحی اللکنوی، ج۱، ص۲۶

[74] التعلیق الممجد، ص۳۱

[75] مقدمۃ التعلیق الممجد، ص۳۱ و ص۳۲

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت ہی کافی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ ذہبی، امام سیوطی، امام ابن حجر مکی، محدث ابن جوزی، امام دار قطنی، ابنِ سعد، خطیب، حافظ عراقی، محدث علی قاری، اکرم سندھی، ابو معشر، حمزہ سہمی، امام یافعی، علامہ جزری، علامہ تورپشتی، سراج رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ محدثین، مؤرخین معتبرین نے اس بات کی تحقیق کی ہے۔

قال الذهبي في "تذكرة الحفاظ" (ج ١، ص ١٦٨) رأى أنس بن مالک غير مرة لما قدم عليهم الكوفة، رواه ابن سعد عن سيف بن جابر عن أبي حنيفة أنه كان يقوله۔[76]

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ (ج۱، ص۱۶۸) میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کئی بار زیارت کی جب وہ کوفہ تشریف لائے تھے اس بات کو ابنِ سعد، سیف سے، وہ جابر سے، وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

تاریخ ابن خلکان میں خطیب بغداد کی تاریخ سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔[77]

بقول ابن مبارک امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو دیکھا۔[78]

كذا في تصحيح العلامة قاسم؛ (اسی طرح تصحیح علامہ محمد قاسم میں بھی ہے)۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا۔ **قسطلانی شرح بخاری باب من لم یر د الوضو۔**[79]

---

[76] مقدمۃ التعلیق المجد، ص ۳۲ و ص ۳۳، تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص ۱۶۸

[77] حدائق الحنیفۃ، ص ۲۳

[78] حدائق الحنیفۃ، ص ۲۳

[79] حدائق الحنیفۃ، ص ۲۳، ارشاد الساری، ج۱، ص ۲۵۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت

امام ابنِ حجر مکی فرماتے ہیں:

قلائدعقود الدرر و العقبان فی مناقب ابی حنیفة النعمان میں لکھا ہے صحیح یہ ہے کہ امام نے بعض اصحاب کو دیکھا ہے۔[80]

و حقق تابعیته و رویته لبعض الصحابة بطریق القرائن۔

اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تابعی ہونا، نیز بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کرنا قرائن سے متحقق ہو گیا۔

عمدۃ القاری باب من لم یری الوضوء میں امام کے لئے رویت و روایت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثابت کی ہے اور فرمایا:

قولِ منکر متعصب کی طرف ہرگز خیال نہ کرو۔[81]

امام کے لئے رؤیتِ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالتحقیق ثابت ہے اور معتبر یہ ہے کہ روایت بھی۔[82]

ثم اقول علی سبیل التنزل، بالفرض والمحال اگر کسی محدث کے پاس ایسی نص ہے کہ جس سے وہ استاذ المحدثین و امام المجتہدین امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو ٹھکراتا ہے کہ ان کی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت باطل ہے (**نعوذ باللہ تعالیٰ**) تو اتنا قدر تو امر متحقق و اظہر من الشمس ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور

---

[80] حدائق الحنیفۃ، ص ۲۴

[81] حدائق الحنیفۃ، ص ۲۵، عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۵۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔

[82] طبقات حنیفہ للقاری، حدائق الحنیفۃ، ص ۲۶

امام صاحب کی ان سے ملاقات، رؤیت ثابت ہے اور تابعی ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ صحابی سے ملاقات، رؤیت ثابت ہو۔

ملاحظہ ہو: **التابعی مسلم لقی الصحابی عند الجمهور**[83] **وهو المستفاد من حدیث طوبیٰ لمن رانی ولمن رای من رانی۔**

جمہور کے نزدیک تابعی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں صحابی سے ملاقات کی ہو اور یہ حدیث **طوبی لمن رانی ولمن رای من رانی** (مبارک ہو اس کو جس نے مجھے دیکھا اور میرے دیکھنے والے کو دیکھا) سے مستفاد ہے۔

امام سیوطی امام دار قطنی کا قول نقل کرتے ہیں:

انه رای انسا بعینه۔[84]

بے شک امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

ملا علی قاری، امام ابنِ حجر مکی سے ناقل:

وأدرك أربعة من الصحابة بل ثمانية منهم أنس وعبد الله بن أبي أوفى وسهل بن سعد وأبو الطفيل وقيل ولم يلق أحدا منهم قلت لكن من حفظ حجة على من لم يحفظ والمثبت مقدم على النافي۔[85]

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار، بلکہ آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا جن میں سے حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ اور حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو الطفیل

---

[83] کوثر النبی للعلامۃ الفہامۃ الشیخ عبد العزیز الفرھاروی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص ۸۰

[84] تبییض الصحیفۃ، ص ۳۴، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، حدائق الحنفیۃ، ص ۲۳

[85] مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۷۸، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں اور یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی، میں کہتا ہوں لیکن جس نے یاد رکھا وہ حجت ہے اس پر جس نے یاد نہیں رکھا اور مثبت ہمیشہ نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

امام سیوطی شیخ ولی الدین عراقی کا فتویٰ نقل کرتے ہیں:

وقد رای انس بن مالک فمن یکتف فی التابعی بمجرد رویۃ الصحابی یجعلہ تابعیا۔[86]

اور امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی ہے، لہٰذا جو تابعیت کے لئے رؤیت صحابی کو کافی سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی اور امام سیوطی حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا فتویٰ نقل کرتے ہیں:

واللفظ للسیوطی: ادرک الامام ابو حنیفة جماعة من الصحابة لانه ولد بمکة سنة ثمانین من الهجرة وبها یومئذ من الصحابة عبداللّٰہ بن ابی اوفی فانه مات بعد ذالک بالاتفاق وبالبصرة یومئذ انس بن مالک ومات سنة تسعین او بعدها وقد اورد ابن سعد بسند لا باس به ان ابا حنیفة رای انسا۔۔۔۔والمعتمد علی ادراکه ماتقدم علی رویة لبعض الصحابة ما اورده ابن سعد فی الطبقات فهو بهذا الاعتبار من طبقة التابعین ولم یثبت ذلک لاحد من ائمة الامصار المعاصرین له کالاوزاعی بالشام والحمادین بالبصره والثوری بالکوفة ومالک بالمدینة ومسلم بن خالد الزنجی بمکة واللیث بن سعد بمصر۔[87]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کو پایا ہے، اس لئے کہ آپ کی کوفہ میں ۸۰ھ میں ولادت ہوئی ہے اور اس وقت وہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ

---

86 تبییض الصحیفۃ، ص ۳۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت

87 تبییض الصحیفۃ للسیوطی، ص ۳۴، مطبوعۃ دارالکتب العلمیہ، بیروت، مقدمۃ التعلیق الممجد، ص ۲۳

عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے، اس لئے بالاتفاق ان کی وفات ۸۰ھ کے بعد ہوئی ہے اور ان دنوں بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے، اس لئے کہ ان کی وفات ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوئی ہے اور ابن سعد نے ایسی سند سے جس میں کوئی کلام نہیں یہ بات بیان کی ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے۔۔۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پانے میں معتمد امر وہ ہے جو گزر چکا اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رؤیت مبارکہ کے بارے میں قابل اعتماد وہ روایت ہے جسے ابنِ سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے۔ اس اعتبار سے امامِ اعظم تابعین کے طبقے سے ہیں اور یہ مرتبہ آپ کے ہم عصر ائمہ جو دیگر شہروں میں بسے ہوئے تھے کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکا، جیسے شام سے اوزاعی، بصرہ سے حمادین (امام حماد بن سلم و امام حماد بن زید) کوفے سے امام ثوری مدینہ شریف سے امام مالک اور مکہ شریف سے امام مسلم بن خالد زنجی اور مصر سے امام لیث بن سعد۔

مولانا عبد الحیٔ لکھنوی نے لکھا ہے:

وتابعيهم ومنهم امامنا الاعظم و مقلدنا المقدم ابو حنيفة النعمان بن ثابت على ما هو الاصح الثابت۔[88]

اور ان کے تابعین اور ان میں سے ہمارے امام اعظم اور سب سے پہلے جن کی تقلید کی گئی ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جو اصح ثابت شدہ قول کے مطابق اس میں شامل ہیں۔

[88] کتاب الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ، ص ۵، طبع بمطبعۃ السعادۃ، مصر۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں:

اقدم و اسبق ایشاں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ست۔۔۔ اصحاب وے می گویند کہ وے جماعۂ از صحابہؓ را دریافت و از ایشاں روایت کردہ است انتہی ما قال صاحب جامع الاصول ویرا مسندی ست کہ احادیث را در وے از صحابۂ مذکورین روایت کردہ است گفت بندہ مسکین عبد الحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین و در واقع از حساب عقل بسے دور نماید کہ صحابہ رسول در روز گاروی باشندوی قصد ملاقات ایشاں نکند و ایشاں را در نیابد بآنکہ وجود قدوم او دریں بلاد کہ ایشاں بودہ اند ثابت شدہ و مدت بیست سال زندگانی کردہ چہ وجود صحابہ تا آخر مایہ بصحت رسیدہ است مانا کہ حق باصحاب اوست کہ گویند جماعۂ صحابہ را دریافتہ است۔ واللہ اعلم![89]

آئمہ کرام میں سب سے مقدم اور پہلے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ انہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کو پایاہے اور ان سے روایت بھی حاصل کی ہے جیسا کہ صاحبِ جامع الاصول نے کہاہے اور ان کی مسند ہے جس میں ان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کردہ احادیث مذکور ہیں۔ بندہ مسکین عبد الحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین کہتاہے کہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ انہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ پایاہو اور ان سے ملاقات نہ کی ہو، جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے شہر میں موجود ہوں۔

امام جزری امام توربشتی امام یافعی کے نزدیک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں **وھو الصحیح** (اور یہی صحیح ہے)۔

---

[89] شرح سفر السعادت، ص ۲۰

شیخ فرید الدین عطار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکرِ امام میں فرماتے ہیں:

وبسیار صحابہ ٔمشائخ را دیدہ بود چوں انس بن مالک و جابر بن عبد اللہ و عبد اللہ بن ابی اوفیٰ و واثلہ بن الاسقع و عبد اللہ الزبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[90]

اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کی، جن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد اللہ زبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہیں۔

ان کے پیشوا شبلی نعمانی نے لکھا ہے: یہ شرف ان کی (امام ابو حنیفہ کی) قسمت میں تھا کہ جن کی آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا ان کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے، لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے، اس لئے یہ مسئلہ مذہبی پیرائے میں آگیا ہے اور اس پر بڑی بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ بلاشبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر ناز تھا اور بجا تھا کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

محدثین نے جن کو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنے کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے، امام کے موافق فیصلہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فنِ حدیث کے ایک عنصر ہیں، فتویٰ لیا گیا تھا، انہوں نے یہ جواب لکھا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کئی صحابی موجود تھے اس لئے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اس وقت وہاں صحابہ میں سے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ موجود تھے کیونکہ وہ ۸۱ھ یا اس کے بعد مرے اور ابنِ سعد نے روایت کی ہے جس کی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ

---

[90] تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۲۹

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا، ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے۔ صحیح یہی ہے کہ امام ان کے ہم زمان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا، جیسا کہ ابنِ سعد نے روایت کی ہے، پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین کے طبقے میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت؛ جو ان کے ہم عصر تھے، مثلاً اوزاعی شام میں، حماد بصرہ میں، ثوری کوفہ میں، مالک مدینہ شریف میں، لیث مصر میں؛ ثابت نہیں ہوا۔ واللہ اعلم!

(اس فتویٰ کو حافظ ابو المحاسن نے "عقود الجمان" میں بعبارتہا نقل کیا ہے اور میں نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے)۔

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطے یعنی سیف بن جابر کے ذریعے سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے، یعنی ابنِ سعد نے سیف بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ ابن سعد وہ شخص ہیں جن کی نسبت علامہ نووی نے "تہذیب الاسماء" میں لکھا ہے اگرچہ ان کا شیخ واقدی ثقہ نہیں، مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں۔ سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایۃ تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر تمام بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ شمعانی مصنف کتاب الانساب، علامہ نووی شارحِ صحیح مسلم، علامہ ذہبی، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، زین الدین عراقی سخاوی، ابو المحاسن دمشقی نے، جن پر اب حدیث وروایت کا مدار ہے، قطعًا فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا (مختصر تاریخ خطیب بغداد و کتاب الانساب و تہذیب الاسماء و اللغات و تذکرۃ الحفاظ و عبر فی اخبار من غبر للذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترجمہ دیکھو)۔۔۔۔

اصولِ روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعے کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی

شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہو گا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابل میں بالکل کم رتبہ ہے۔[91]

علامہ عینی شارحِ ہدایہ (وشارح بخاری) رؤیت سے بڑھ کر روایت امام کے حامی ہیں۔[92]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تابعیت کا ثبوت نصف النہار کی طرح روشن ہوا عام ازیں کہ روایۃً ہو رؤیۃً ہو۔[93]

وصایا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا امام المسلمین ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے شاگردوں کو امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خالد سمتی، صاحبزدہ امام حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو عصمہ نوح بن مریم اور متفرق شاگردوں کو جو وصایا تحریر یا ارشاد فرمائے بلاشبہ نہ صرف امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شفیق و مہربان استاد، عظیم دانشور اور ماہر نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی اور دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں اور یہ نصیحتیں عوام اور خواص دونوں طبقے کے حضرات کے لئے یکساں نصیحت آموز ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وصیتیں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ علماء کرام و فقہاء عظام کے مابین جو اختلاف رونما ہوا ہے، وہ اخلاص فی الدین کی وجہ سے ہے، جو عین رحمت ہے۔ جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں

---

[91] سیرتِ نعمان، ج۱، ص۲۱، ۲۴، مطبع مفید عام، آگرہ ۱۸۹۲ء

[92] سیرتِ نعمان، ج۱، ص۲۴، مطبع مفید عام، آگرہ ۱۸۹۲ء

[93] (مقام امام اعظم اور فقہ حنفی، ص۸۳ تا ۱۰۴)

اختلاف، تابعین کا اختلاف، اسی طرح فقہاء اسلامی کا اختلاف جو واقع ہوا ہے حدیث شریف کی رو سے عین رحمت ہے۔

فقہی اعتبار سے امت (اہل سنت والجماعت) کے چار مکتب ہیں: (۱) حنفی، (۲) شافعی، (۳) مالکی، (۴) حنبلی۔

(نوٹ: فقہی اختلاف شرعی احکام کے طریقہ تعمیل (ادائیگی) میں ہے، نہ کہ عقائد میں۔ یہ اختلاف کبھی بھی امت میں انتشار کا باعث نہ ہوا۔ اہل سنت والجماعت کے جن دو بزرگوں نے دین کے اعتقادات کی وضاحت کی ہے ان میں ایک حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور دوسرے حضرت ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ حضرات متکلمین کہلاتے ہیں۔ اور اسی نسبت سے اہل سنت والجماعت میں کچھ لوگ اشاعرہ ہیں اور کچھ "ماتریدیہ"، دونوں حق پر ہیں۔)

فقہ اسلامی کے جو چار مذاہب یا مسالک کا اجراء جن بزرگوں سے ہوا ہے، درج ذیل ہے:

۱) مسلکِ حنفی = امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۰ھ، ان کا اصل نام نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۲) مسلکِ مالکی = حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۷۹ھ

۳) مسلکِ شافعی = حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۴ھ

۴) مسلکِ حنبلی = حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۷۱ھ

اسی طرح اور بھی مشہور امام ہوئے ہیں اور وہ بھی اہل سنت والجماعت ہی تھے۔ جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱٦۸ھ اور داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ۔ لیکن ان حضرات کی رائے آٹھویں صد ھجری تک رہی۔ اور آئمہ اربعہ کا فقہ اور مسلک ابھی تک موجود ہے۔ آپس میں اختلاف کے

باوجود ایک دوسرے کا اکرام واحترام کرتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ علومِ فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں اور کتابوں سے فائدہ حاصل نہ کرسکے تو سمجھنا چاہیئے کہ ایسا شخص فقہ اسلامی سے ناواقف ہے۔[94]

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب بغداد میں قیام پذیر تھے تو آپ فرماتے ہیں: میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو دو رکعت نفل پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور ان کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں تو میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔(کتاب خیرات الحسان)۔

نیز علماء نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے تو ان کی مسجد میں نماز حنفی طریقہ پر ادا کی، نہ رفع یدین کیئے، نہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھی، نہ آمین بالجہر۔ جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ مجھے حیاء آتی ہے کہ صاحب مزار (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مذھب کے خلاف کروں۔ اگرچہ خود مجتھد ہونے کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ (امام اعظم) کے مذھب کے خلاف تھے۔

یہاں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس موقع پر وہ ترکِ سنت کے مرتکب ہوئے، اس لئے کہ رفع یدین اور آمین بالجہر یا فجر میں قنوت پڑھنا، ان کے مسلک میں سنت ہیں۔

94(ھیوز ڈکشنری آف اسلام مطبوعہ لندن ۱۹۳۵)

اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ کوئی مجتہد اپنے مذھب یا مسلک پر ایسا محکم نہیں ہوتا کہ دوسرے مجتہدین کے مذاھب یا مسالک کو قطعاً غلط جانتا ہو۔ ہر مجتہد "قد یصیب ویخطی" کے مطابق کبھی حق کو پہنچتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور دونوں صورتوں میں اجر و ثواب کا مستحق رہتا ہے۔ یہاں بھی ایسی ہی صورت ہے کہ ایک سنت کا ترک ہوا اور دوسری سنت پر عمل ہو گیا۔ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے اور نہ کرنا بھی سنت ہے۔ اسی طرح آمین بلند آواز (بالجھر) بھی سنت ہے اور چپکے سے پڑھنا بھی سنت ہے۔

یہ قول بھی بہت مشہور ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار ہوئے تو صحت یابی کے واسطے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قمیص (کرتا) تبرکاً پہن لی۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے علمِ دین سیکھا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ (عمر ثانی) فرمایا کرتے کہ دین میں آئمہ کرام کے اختلافات کی وجہ سے بڑی آسانی پیدا ہوئی ہے۔ وہ اس اختلاف کو بڑا قیمتی اور رحمت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مبارک روایت ہے کہ "اختلاف اصحابی لک رحمۃ"[95]

(نوٹ: ملتِ اسلامیہ کی اساس (بنیاد) توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے۔ اور ایمان و اسلام کے بنیادی دو جز ہیں، (۱) عقائد، (۲) اعمال۔ عقائد کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا صدورِ جوارح یعنی اعضاء سے ہوتا ہے۔ لیکن جو درجہ عقائد کو حاصل ہے وہ اعمال کو نہیں۔ عقائد اصول کا درجہ رکھتے ہیں اور اعمال فروع کا درجہ رکھتے ہیں، اس لئے بغیر درستیٔ عقیدہ کے کوئی اعمال قبول نہیں ہوتے۔)

---

[95] (مسند الفردوس، طبقات ابن سعد

بعد میں امت اسلامیہ میں کچھ ایسے افراد پیدا ہو گئے کہ اختلافات ایک خوفناک حد تک پہنچ گئے اور بعد کے یہ اختلافات چونکہ عقائد کے بارے میں ہوئے ان کی وجہ سے امت، خاص کر اہل سنت والجماعت، فساد و انتشار کا شکار ہو گئی۔ اور ابھی تک یہ اختلافات بڑھ رہے ہیں کم نہیں ہو رہے۔ اس سلسلے میں تاریخ میں پہلا نام ابن تیمیہ (٦٦١ھ تا ٧٢٨ھ) کا آتا ہے۔ یہ بڑا ذھین وفطین عالم تھا، ١٧ سال (کی عمر) میں فتوٰی دیتا تھا اور تقریباً ٥٠٠ دینی کتابوں کا مصنف ہے۔ لیکن آخر میں اس نے اپنے آزادانہ خیالات کا اظہار کیا اور صراطِ مستقیم سے ہٹتا گیا۔ تو علماء راسخین اہلسنت والجماعت نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ابن تیمیہ کی غلط باتوں کو رد کیا اور اس کے خلاف قوی دلائل پیش کئے۔

(نوٹ: ابن تیمیہ نے دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے آئمہ کرام اور اولیاء عظام کو دل کھول کر گالیاں دی ہیں، کسی کو شیطانِ امت کا خطاب دیا ہے کسی کو اخبث القوم سے یاد کیا ہے اور کسی کو شیطان کے رفیق کا مصداق بنا کر سر پھاڑنے کی تمنا کی ہے۔ ابن تیمیہ اہل بیت کی شان میں گستاخی کرتا تھا، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عداوت و عناد رکھتا تھا۔ وہ غوث، قطب، ابدال، مناصبِ اولیاء کرام وغیرھم کا منکر تھا۔[96]

حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب شفاء السقام میں ابن تیمیہ کے عقائد کے خلاف لکھا ہے اور دلائل قائم کیے۔ مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے کتاب فوائد بھیہ میں لکھا ہے کہ علامہ سبکی نے ابن تیمیہ کے خلاف جو لکھا ہے وہ حق ہے۔

ابن تیمیہ کی اکثر کتابوں میں ایسی باتیں لکھی ہیں جو کہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔ ایک کتاب اس کا نام "**الجواب الصحیح فی رد علیٰ من بدل دین المسیح**" ہے، اس میں ابن

---

96 (فتاویٰ عزیزیہ، شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ)

تیمیہ کی بدعات کا ذکر ہے، اور توسل، شفاعت، استغاثہ انبیاء و اولیاء سے منع کیا ہے اور بعض اولیائے کرام پر کفر کا حکم کیا ہے۔ جس میں حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ اور سید عمر بن الفارض رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ بزرگوں کے نام بھی شامل ہیں۔

ابن تیمیہ کی دوسری کتاب کا نام "العرفان فی اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطٰن" ہے۔ اس میں بھی اولیاء کرام کی طرف کفر کی نسبت کی ہے، اسی طرح "منہاج السنہ" اور "المعقول و المنقول" ہیں۔ ان کتابوں میں اہل سنت وجماعت اشاعرہ اور ماتریدیہ کا رد کیا ہے اور ان کے خلاف لکھا ہے۔

اس کی ایک کتاب کا نام "عرش" ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور اللہ پاک کے لئے جہت اور مکان ثابت کیا ہے جو کہ ایک غلط عقیدہ ہے اور رب کی شان میں بڑی گستاخی ہے۔ علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی کتابوں میں یہ کتاب عرش سب سے قبیح ہے اور شیخ ابو حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عرش کے مطالعہ پر ابن تیمیہ کو لعنت بھیجی ہے۔

اسی طرح ایک کتاب جلاء العینین ہے۔ یہ لقمان آفندی آلوسی نے لکھی ہے، یہ بھی اہل سنت وجماعت کا مخالف تھا۔ ابن قیم پہلے شاگرد ہیں ابن تیمیہ کے، ان کی بعض کتابیں اچھی ہیں جس میں مشہور "کتاب الروح" اور "زاد المعاد" ہیں۔ اور بعض اہل سنت والجماعت کی مخالفت میں ہیں۔ مثلاً "اغاثۃ اللھفان فی مصاید الشیطٰن"۔ ابن عبد الہادی بھی ابن تیمیہ کے شاگرد ہوئے ہیں۔ جس نے اہلسنت والجماعت کی مخالفت میں کتاب "الصوم المبکی فی الرد علی السبکی" لکھی ہے، "جلاء الاخیاج" اور "سعادتِ دارین" ان دو کتابوں میں تعارض ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب "المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه" کے آخر میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے بہت خراب اور شنیع کلام کیا ہے اور حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے کتاب "جوهر منظم" میں ابن تیمیہ کا رد کیا ہے اور (دیگر) علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کی تفصیل فقیر محمد توکلی کی کتاب "سیرتِ رسولِ عربی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم" میں لکھی ہوئی ہے۔ ملک شام کے علامہ برھان ابن الفرکاج فرازری نے ابن تیمیہ کے خلاف ۴۰ لائنوں کا ایک مضمون لکھا ہے اور کفر کا فتویٰ دیا ہے اور مصر کے علامہ بدر بن جماعہ شافعی المذھب اور محمد بن الجریری حنفی اور محمد بن ابی بکر مالکی اور احمد عمر مقدسی حنبلی کا مشترکہ فتویٰ ہے کہ ابن تیمیہ کو قید کر دیا جائے چنانچہ دمشق میں اس کو قید کر دیا گیا تھا۔ یہ تفصیل فقیر محمد توکلی کی کتاب "سیر رسول عربی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم" میں مذکور ہے اور انہوں نے علامہ کوثر کی کتاب "الصيف الصيقل فی الرد علی ابن زخيل تكلما" سے اخذ کیا ہے۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص ابن تیمیہ کو ملحد نہ جانے تو وہ خود ملحد ہی ہو گا۔ یہ بات "دائرہ معارف اسلامیہ مطبوعہ لاھور" میں مذکور ہے۔ علامہ یوسف نبہانی کی کتاب "شواهد الحق" میں ابن تیمیہ کی کتابوں پر اور اس کے عقائد پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ابن تیمیہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسد رکھتا تھا۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اس نے اعتراضات کیے ہیں اور ان کی کتب "المنقذ من الضلال" اور "احياء العلوم" پر اعتراضات کیے ہیں۔ جبکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی شخصیت

ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ شیخ ابوالفضل فیضی نے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کچھ نازیبا اور بے ادبی کے کلمات کہے تو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فوراً اس مجلس کو چھوڑ گئے۔ بعد میں شیخ ابوالفضل نے ان سے معافی مانگی تب آپ مجلس میں واپس آ گئے۔ یہ واقعہ محمد ہاشم کشمی نے کتاب "زبدۃالمقامات" مطبوعہ کانپور میں ذکر کیا ہے۔

ابن تیمیہ کے بعد محمد ابن عبد الوھاب آیا جس نے پوری امت کو فساد و انتشار سے برباد کیا اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کے والد اور بھائی سلیمان بن عبد الوھاب بھی اس سے سخت بیزار تھے۔ ابن عبد الوھاب نے ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں سے اخذ کر کے اور اپنی ناقص رائے سے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ یہ بات کتاب "الفصل الخطاب فی رد ضلالاتِ ابن عبد الوھاب" تصنیف احمد القہانی المصری میں مذکور ہے۔ اور "مقالہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ" میں بھی صفحہ ۴۵۴ پر یہ بات لکھی ہے۔ ابن عبد الوھاب گاؤں عُیینہ علاقہ نجد میں ۱۱۵۱ھ بمطابق ۱۷۰۳ء کو پیدا ہوا۔ اس کے اعتقادات بھی ابن تیمیہ کی طرح تھے۔ حضور پاک صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم اور دیگر انبیاء کرام و اولیاء کرام کے توسل اختیار کرنے کی نفی کرتا تھا اور امکانِ کذب، امکان نظیر، استعانت، علمِ غیب، الحلف بغیر اللہ اور زیارت القبور وغیرہ کے مسائل میں بحث و مباحثہ اور فساد برپا کرتا تھا۔

مسعودی عالم ندوی کی کتاب "محمد بن عبد الوھاب" میں صفحہ ۳۳، مطبوعہ کراچی ۱۹۴۹ء میں یہ واقعہ درج ہے کہ ابن عبد الوھاب نے عیینیہ (نجد) کے امیر محمد بن سعود کو ان الفاظ میں دعوت دی: "انی ارجو ان انت قمت بنصر لا الہ الا اللہ ان یظھر کاللہ تعالیٰ او تملک نجداً و اعرابھا" (اگر لا الہ الا اللہ کی مدد کرو گے تو نجد (و اعرابھا) کی بادشاہت تمہیں مل جائے گی) تو امیر نے جواب دیا

کہ اگر ہمارا غلبہ ہوا تو ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور جو محصول (ٹیکس) میں قوم سے لیتا ہوں اس سے مجھے منع نہیں کرو گے۔ اس کے جواب میں ابن عبد الوھاب نے اطلاع دی کہ **"الدّم بالدّم والھدم بالھدم"** (میرا خون تمہارا خون اور میری شکست تمہاری شکست) اور مزید یہ کہ آپ کو مالِ غنیمت اتنا مل جائیگا کہ محصول کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس زمانہ میں نجد میں ایک بھی کافریا مشرک گھرانہ نہیں تھا، لہٰذا مسلمانوں سے لوٹے ہوئے مال کو ابن عبد الوھاب نے مالِ غنیمت کہا اور کثیر تعداد میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ یہ بات کتاب **"عنوان المجد فی تاریخ نجد"** میں بھی مذکور ہے۔

(نوٹ: ابن عبد الوھاب کو گمراہ کرنے میں برطانیہ کے انگریزی جاسوس ہمفرے کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ یہ اس زمانے میں برطانیہ کے ان نو جاسوسوں میں سے ایک تھا جو کہ برطانیہ نے ملکِ عرب کو خراب کرنے کیلئے بھیجے تھے، کتاب **"ہمفرے کے اعترافات"**)

ابن عبد الوھاب نجدی اور ان کے ہم خیال لوگوں کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ زیرِ آسمان جتنے لوگ ہیں سب مشرک ہیں اور ان کا قتل کرنا جائز ہے، یہ بات علامہ سید احمد زینی دحلان کی کتاب **"الدر السنیہ"** میں اور شامی جلد ۳ صفحہ ۳۰۹ پر مذکور ہے۔ مولانا انور شاہ کاشمیری صاحب صدر مدرس دیوبند نے کتاب فیض الباری جلد اول صفحہ ۱۷۱ پر لکھا ہے کہ ابن عبد الوھاب بے وقوف اور کم علم آدمی تھا، معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ دیتا تھا اور **"عنوان المجد فی تاریخ نجد"** میں لکھا ہے کہ (ابن عبد الوھاب) شہدائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں کو مسمار کرتا تھا اور مجاورین کو قتل کرتا تھا۔ حضور پاک صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسَلَّم کے روضہ انور کے گنبدِ خضراء شریف کو بھی

گرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن مسلمانوں کی پرزور مخالفت اور اللہ پاک کے فضل و کرم سے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ (جنت المعلیٰ اور بقیع کی موجودہ حالت اس کی گواہی ہے)۔[97]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانے میں ایک شخص محمد فاخر نامی عرب سے دہلی آیا تھا اور مزارات کی توہین اور قبّوں کو توڑنے کا پرچار کرتا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا اور دھلی کے لوگوں نے اس کو "وھابی لھابی" کہنا شروع کر دیا۔

فتاویٰ شاہ عبد العزیز صاحب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ابن عبد الوھاب کے عقائد کا رد کیا ہے۔ ابن عبد الوھاب کے چند عقائد یہ ہیں:

(۱) مَنْ تَوَسَّلَ بِا النَّبیِّ فَقَدْ کَفَرْ یعنی نبی کریم (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) کا وسیلہ اختیار کرنا کفر ہے۔ (معاذ اللہ)۔

(۲) کسی زانیہ عورت کے گھر میں ساز و موسیقی سننا گناہ نہیں البتہ مسجدِ نبوی شریف کے میناروں سے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا گناہ ہے۔ (معاذ اللہ)

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل اختیار کر کے گناہ گار ہو چکے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اور بھی بہت سارے خرافات ابن عبد الوھاب کی کتاب کشف الشبہات میں درج ہیں۔ اس کتاب کا رد لکھا گیا ہے۔ اس کا نام "تردید الخرافاتِ فی کشف الشبہات" ہے۔ مصنف حافظ

---

[97] (ولفرڈ بلنٹ کی کتاب "فیوچر آف اسلام" اور "ھیوز ڈکشنری آف اسلام")

کفایت اللہ صاحب۔ (ضلع صوابی صوبہ سرحد۔ پاکستان) ابن عبد الوھاب کی دوسری کتاب کا نام **کتاب التوحید** ہے جو کہ خرافات کا مجموعہ ہے۔

بر صغیر ہند و پاک میں ابن عبد الوھاب کے عقائد کا پرچار دو آدمیوں نے کیا ہے۔ (۱) شاہ اسماعیل دھلوی متوفی ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۳۱ء اور (۲) سید احمد بریلوی۔

سید احمد بریلوی نے تحریک وھابیت کے زمانہ میں تقریباً ۱۲۳۶ھ میں حجاز کا سفر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہاں سے کس طرح کے عقائد و خیالات و خرافات ساتھ لائے ہونگے۔ شاہ اسماعیل، شاہ ولی اللہ صاحب کا نواسہ اور بیٹا تھا شاہ عبد القادر کا اور شاہ عبد العزیز کا بھتیجا تھا۔ یہ دونوں چچا اپنے بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے لیکن جب اس نے گستاخی و بدعقیدگی شروع کی تو شاہ عبد القادر نے اس کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور اس پر سخت ناراض ہوئے تھے۔ یہ واقعہ اشرف علی تھانوی کی کتاب **"بوادر النوادر"** میں مذکور ہے۔ جس طرح ابن عبد الوھاب مسلمان کے قتل کرنے اور ان کے اموال لوٹنے کو جائز قرار دیتا تھا، اسی طرح شاہ اسماعیل کا بھی عقیدہ تھا۔

شاہ اسماعیل کے خطوط مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۹ء اور مورخہ ۱۱ اپریل ۱۸۳۰ء سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پشاور اور مضافات کے کچھ علماء اس سے ناراض تھے اور اس کے مخالف تھے۔ ان علماء نے شاہ اسماعیل اور اس کے گروہ کی درج ذیل باتیں لکھی ہیں:

(۱) مسلمانوں کی جانوں اور اموال پر بغیر کسی شرعی وجہ کے دست درازی کرتے ہیں۔

(۲) افغانیوں کی لڑکیاں جبراً ہندوستانیوں کے حوالے کرتے ہیں۔ یہ بات دائرہ معارف اسلامیہ مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۱۵۷ پر لکھی ہوئی ہے۔ اور محمد جعفر تھانیسری کی کتاب تواریخ عجیبہ" دہلی ۱۸۹۱ء اور سر سید احمد خان کی کتاب "آثار الصنادید" دھلی ۱۸۴۷ء میں بھی اس طرح لکھا ہوا ہے۔

سید احمد بریلوی کی کتاب "صراط المستقیم" میں لکھاہے کہ "وصرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گوجناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ و خر خود است۔ ترجمہ:"(غالباً نماز میں) کسی بزرگ یا شیخ کا خیال و فکر اگرچہ حضور پاک صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ذات کیوں نہ ہو، گائے و گدھے کے خیال و فکر میں مستغرق ہونے سے زیادہ براہے۔"(نعوذباللہ)

اسی طرح شاہ اسماعیل دھلوی کے گستاخانہ اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ جو اس کی کتاب "تقویۃ الایمان" میں لکھے ہوئے ہیں:

۱) ہمارا خالق اللہ ہے تو ہر ضرورت میں اللہ ہی کو پکاریں۔ مخلوق سے ہمارا کیا واسطہ وہ تو عند اللہ چوڑے چمار ہیں۔ (معاذ اللہ) یعنی اہل سنت و جماعت کے لوگ انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اور توسل اختیار کرتے ہیں، جن کے متعلق قرآن میں یہ ارشاد ہے:وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (ص ۴۷)۔یعنی یہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء عظام عند اللہ برگزیدہ اور بہتر ہیں اور لوگوں میں بھی برگزیدہ اور بہتر ہیں۔ اور شاہ اسماعیل نے ان کی طرف چوڑے چمار کی نسبت کر کے بہت بڑی گستاخی کی ہے۔

۲) جس کا نام محمد یا علی ہو تو اس کا کوئی اختیار نہیں۔(اشارہ کہاں تک پہنچتا ہے، غور کا مقام ہے)۔

۳) اللہ کے مقرب بندے ہمارے بڑے بھائیوں کی طرح ہیں یعنی حضور پاک (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) کو بھی محض ایک بڑے بھائی کا درجہ دیا اور یہ کفر ہے کیوں کہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم توامت کے اب (باپ) کی مانند ہیں اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات امت

کی مائیں ہیں۔ تو نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اَب ہوئے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأۃ میں "وَھُوَ اَبُوْ اُمِّهٖ" لکھا ہوا ہے۔ تو شاہ اسماعیل کا یہ قول آیتِ قرآن کے خلاف ہوا۔ یہ بات دیوبند کی مشہور کتاب "المهند على المفند" میں بھی ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی بھی ابن عبد الوھاب کے عقائد پر تھا اور اس کے متبعین کو اچھا سمجھتا تھا۔[98]

اس شخص نے فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ افضل المطالع مراد آباد صفحہ ۳۴ پر درودِ تاج کو بدعت اور ضلالت کہا ہے۔ **العیاذ باللہ۔**

مولوی رحمت اللہ صاحب جو کہ مہاجر مکی کے لقب سے مشہور و معروف ہیں اور علماء دیوبند ان کو شیخ الھند کہتے ہیں اور علماءِ مکہ میں سے مانتے ہیں اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رشید احمد اور اس کے تابعین کی باتیں نہیں ماننی چاہیے ہیں اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے بھی منع فرماتے ہیں۔[99]

شاہ اسماعیل کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے متعلق بعض علماء کا یہ بیان موجود ہے کہ اگر ایمان عبارت ہے کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" سے، تو پھر یہ کتاب ایمان کو ختم کرنے والی ہے نہ کہ تقویت دینے والی۔ اس لیے اس کا نام ہوا "تفویۃ الایمان"۔

مولانا مملوک علی خان صاحب اس کتاب کو "تفویۃ الایمان" کہتے ہیں، بلکہ جملہ علماء راسخین اور اولیاء کاملین اس کتاب کو تفویۃ الایمان کہتے ہیں۔ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب خلف رشید علامہ مفتی اعظم مظہر اللہ دھلوی کی بھی یہی رائے ہے۔

---

98 فتاویٰ رشیدیہ جلد اول مطبوعہ ۱۳۲۲ھ۔

99 "تقدیس الوکیل ص ۳۰۷، مطبوعہ صدیقی پریس، قصور ۱۳۸۱ھ"

یہ مختصر تاریخ اس مقصد کیلئے لکھی گئی ہے کہ مسلمانوں کو خبر دار کر کے بدعقیدہ لوگوں سے بچایا جائے۔ الحاصل شاہ صاحب نے اس کتاب میں جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے یہ سب بالکل برحق ہے، اور اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی اور غیرِ مقلد ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ حضرت شاہ صاحب کو عمرِ خضری اور صحتِ کاملہ عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ نبی الکریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَسلَّم۔

كتاب الوصية

هذا كتاب الوصية من الامام الاجل الاعظم ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ لاصحابه رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين لما مرض ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ قال اعلموا اصحابى واخوانى وفقكم الله تعالىٰ ان فى مذهب اهل السنة والجماعة اثنى عشر نوعا من الخصال فمن كان يستقيم على هذه الخصال لايكون مبتدعا ولايكون صاحب الهواء فعليكم اصحابى واخوانى ان تكونوا فى هذه الخصال حتى تكونوا فى شفاعة نبينا محمد ﷺ يوم القيامة۔

ترجمہ: جس وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار پڑ گئے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا کہ اے میرے شاگردو! اور اس مذہب کی پیروی کرنے والے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ بتحقیق اہل سنت وجماعت کے مذہب میں بارہ (۱۲) اقسام پر مشتمل عقائد اور اعمال موجود ہیں تو جو شخص ان خصائل (اعمال) پر صحیح طریقے سے گامزن ہو (عمل کر جائے) تو ایسا شخص کبھی بھی دین میں صاحب بدعت اور صاحب ہوا نہیں ہو گا تو اے میرے شاگردو اور بھائیو! آپ پر یہ بات لازم ہے کہ آپ سب ان (۱۲) خصائل کو مظبوطی سے تھامے رکھو تا کہ آپ سب کو بروز قیامت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

خصلت (۱): ان (بارہ خصائل) میں سے پہلی قسم ”ایمان“ ہے اور ایمان زبان سے اقرار (ان سب امور پر کہ جن پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے عمل فرمایا ہو۔) اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اور صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان کہا جاتا تو سارے منافقین، مؤمنین ہوتے اور اسی طرح حضور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو صرف نبوت کے ساتھ پہچاننا(بغیر اقرار اور تصدیق کے) ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر صرف معرفت ایمان ہوتی تو(عصر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں) اہل کتاب سب مؤمنین ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حق میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں ۔(یعنی ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ ہم صرف دل کی تصدیق کی وجہ سے مسلمان ہیں)اور(مؤمن بہ چیزوں پر)ایمان پر نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی کمی کیونکہ ایمان میں زیادتی، نقصانِ کفر کی صورت میں ہی ممکن ہے اور ایمان میں کمی کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ جب کفر میں اضافہ ہو پس یہ کس طرح جائز ہو گا کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں مومن اور کافر دونوں ہو حقاً(واقع میں)اور مؤمن کے ایمان میں شک نہیں ہے جس طرح کہ کافر کے کفر میں شک نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(ان دونوں گروہوں کے بارے میں) یہ لوگ (مؤمنین)سچے ایمان والے ہیں۔(اور یہ دوسرا گروہ یعنی کافر کہ) یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت میں جو لوگ گناہگار ہیں(گناہ کبیرہ میں ملوث ہیں)وہ سب مؤمنین ہیں کافر نہیں ہیں۔

تشریح: کرامیہ کا ایک گروہ اس عقیدے پر ہے کہ صرف زبان ہی سے اقرار کر لینا کافی ہے دل سے تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ ایک فاسد عقیدہ ہے۔[100]

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان تمام مؤمن بہ چیزوں پر زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

---

[100](غنیۃ الطالبین ص ۱۷۰)

عن علي بن أبي طالب الإيمانُ عقدٌ بالقلبِ و إقرارٌ باللسانِ و عملٌ بالأركانِ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ دل کے ساتھ تصدیق ہو اور زبان کے ساتھ اقرار ہو اور ارکان پر عمل ہو۔ (لیکن ہمارے نزدیک عمل ایمان کا جزو نہیں ہے)[101]

اور اجماع اس بات پر ہے کہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کو ایمان کہتے ہیں اور گناہ کرنے سے مؤمن ایمان سے خارج نہیں ہوتا، چاہے ایک گناہ بھی ہو البتہ یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عذاب دے گا یا اپنے فضل وکرم سے معاف کر دے گا۔ یہ قول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت ابو الحسن الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

اور ایک گروہ جہمیہ کا ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دل تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز دل سے ادا کرنی چاہئے ظاہری طور پر نماز ادا کرنا فرض نہیں ہے اور اس طرح حج کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ حج بھی دل سے ادا کرنا چاہئے اس کے ظاہری ارکان ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

و ذهب بعضهم الى انه يسقط عنه العبادات الظاهرة و يكون عبادته التفكر۔

---

[101] (السیوطي (۹۱۱ھ)، الدرر المنتشرة ۳۵۰ ملا علي قاري (۱۰۱۴ھ)، الأسرار المرفوعة ۱۵۸۰ الزرقاني (۱۱۲۲ھ)، مختصر المقاصد ۲۵۶ ۱۰ ابن ماجه وشرح العقائد المسمی به نبراس ص ۴۰۱)

ترجمہ: (اس گروہ جہمیہ کے) بعض لوگ (اعتقادی طور پر) اس طرف گئے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہو گئی ہیں (یعنی ان کی ضرورت نہیں ہے) اور سوچ و تفکر ہی (میں) عبادت ہے۔[102]

یہ گروہ بھی قرآن وحدیث کے مخالف ہے کیونکہ

ولقوله عَلَيْهِ السَّلَام مَن تركَ الصلاةَ متعمدًا فقد كفرَ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑی اس نے یقیناً کفر کیا۔[103]

ایک گروہ جو کہ معتزلہ اور روافض کا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان زیادہ یا کم نہیں ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ

عن أبي هريرة: جاء وفدُ ثقيفٍ إلى رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فقالوا: يا رسولَ اللهِ ، الإيمانُ يزيدُ وينقُصُ؟ فقال: لا، الإيمانُ مُكمَّلٌ في القلبِ، زيادتُه كفرٌ، ونُقصانُه شِركٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے آکر پوچھا کہ

---

[102] (شرح العقائد المسمی بہ نبراس ص ۵۶۲)

[103] (الطبراني (۳۶۰ھ)، المعجم الأوسط ۳/۳۴۳۰ المنذري (۶۵۶ھ)، الترغيب والترهيب ۱/۲۶۱۰ النووي (۶۷۶ھ)، الخلاصة ۱/۲۴۸ ۱۰ الهيثمي (۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد ۱/۳۰۰۰ ابن حجر العسقلاني (۸۵۲ھ)، التلخيص الحبير ۲/۷۱۹۰۱ الهيتمي المكي (۹۷۴ھ)، الزواجر ۱/۱۳۱ ۰ محمد بن محمد الغزي (۱۰۶۱ھ)، إتقان ما يحسن ۲/۵۷۴۰ محمد جار الله الصعدي (۱۱۸۱ھ)، النوافح العطرة ۱۰۳۷۱ ابن الملقن (۷۵۰ھ)، خلاصة البدر المنير ۱/۲۸۴۰ العراقي (۸۰۶ھ)، تخريج الإحياء ۱/۲۰۱۰ شرح عقائد المسمی بہ نبراس ص ۳۵۷)

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آیاایمان زیادہ یاکم ہوتاہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاکہ نہیں (بلکہ)ایمان (بندے کے)دل میں مکمل ہوتاہے۔اس (کے بارے)میں زیادہ ہونے کاعقیدہ کفرہے اور کم ہونے(کاعقیدہ رکھنا)شرک ہے۔[104]

معتزلہ کاایک گروہ یہ عقیدہ رکھتاہے کہ ایمان اور شرک ایک شخص میں بیک وقت پائے جاتے ہیں یعنی ایک شخص ایک ہی وقت میں مؤمن بھی ہوسکتاہے اور کافر بھی۔مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ بات نصوص میں صراحت کے ساتھ موجودہے جوکہ متن میں بھی بیان ہوچکی ہے۔

ان الکبیرۃالتی ھی غیر الکفر لاتخرج العبدالمؤمن من الایمان لبقاءالتصدیق الذی ھو حقیقۃالایمان خلافاللمعتزلۃحیث زعموا ان مرتکب الکبیرۃلیس بمؤمن و لا کافر و ھذاھو المنزلۃبین المنزلتین۔

ترجمہ: یہ کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جوکفرکے علاوہ ہیں (یعنی کفران میں شامل نہیں کیونکہ کفرتو اکبرالکبائرہے)اور مؤمن بندہ ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتاکیونکہ (کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود)مؤمن کی تصدیق قلبی توقائم ودائم ہے جوکہ ایمان کی اساس ہے۔(اوراس عقیدہ میں)معتزلہ خلاف ہیں کیونکہ ان کاگمان ہے کہ کبیرہ گناہ کا

---

[104] (أخرجه ابن ماجه (۷۴) مختصراً، والجورقاني في «الأباطيل والمناكير» (۱/۱۴۴)، وأورده ابن حبان في «المجروحين» (۱/۲۸۸) باختلاف يسير، تفسیر سمرقندی ج۲ص۹۹،شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص۴۰۲۔۱۳۱۳ھجری قمری فی المطبع الھاشمی الواقع فی بلدۃ المیرتھ۔)

مرتکب نہ ہوتو مؤمن رہتاہے اورنہ کافرہوتاہے۔اور (کفروایمان کے درمیان میں)یہی وہ تیسرا درجہ ہے جو وہ دودرجوں کے درمیان ثابت کرتے ہیں۔[105]

لاهل القبلة فی الایمان مذاهب

الاول: انه التصدیق وهومذهب الشیخ ابی الحسن الاشعری رحمه الله تعالیٰ والامام ابی منصورالماتریدی رحمه الله تعالیٰوفخر الدین الرازی رحمه الله تعالیٰوالقاضی البیضاوی رحمه الله تعالیٰومختارالشارح وجمهورالمحققین والاقرارعندهم شرط لاجراءالاحکام۔

الثانی: انه التصدیق والاقراروهومذهب جمهورالفقهاءومختارالمصنف رحمه الله تعالیٰواماماالاعظم ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔

الثالث: انه التصدیق والاقراروالعمل من اداءالماموارت ولومندوبة وترک المحظورات بحیث یکون ترک العمل کفراحتی فعل الصغیرة وترک المندوب وینسب الی الخوارج۔

الرابع: کذلک الاان ترک العمل یخرج عن الایمان ولایدخل فی الکفروینسب الی القاضی عبدالجبارو ابی الهذیل المعتزلیین واستبعدالشارح فی شرح المقاصدهذین المذهبین وقال الخروج عن الایمان بترک المندوب ممالاینبغی ان یکون مذهب العاقل۔

الخامس: انه التصدیق والاقراروالعمل من فعل الواجبات وترک المحرمات بحیث یکون ترک الواجب وفعل الحرام مخرجاعن الایمان غیرمدخل فی الکفروهومذهب ابی علی الجبائی وابنه ابی هاشم۔

السادس: انه التصدیق والاقراربحیث لایکون ترک الطاعة مخرجاعن الایمان وهومذهب اکثرالسلف ومنهم مالک رحمه الله تعالیٰوالشافعی رحمه الله تعالیٰواحمدرحمه الله تعالیٰ۔

---

[105] (شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۳۵۰-۳۱۳ ۱۳۱۳ ھجری قمری فی المطبع الھاشمی الواقع فی بلدۃ المیرتھ۔)

السابع: انه المعرفة وهو مذهب جهم بن صفوان والمعرفة اقل درجة من التصديق او اعم منه لانها قد تجامع العناد و الانكار۔

الثامن: انه الاقرار فقط وهذا مذهب الكرامية۔

التاسع: انه الاقرار بشرط المعرفة بحيث يكون الشرط خارجا عن الايمان كالوضوء الخارج عن حقيقة الصلوة وهو مذهب الرقاشي۔

العاشر: انه الاقرار بشرط التصديق الحاصل بالاختيار والكسب وهو مذهب القطان من الاشاعرة هذا ملخص ما نقل عنهم على خلاف الناقلين فى بعضها والله سبحانه اعلم۔[106]

ترجمہ: بے شک ایمان میں اہل قبلہ کے مذاہب یہ ہیں۔

اول: تصدیق کرنا یہ حضرت شیخ ابوالحسن اشعری اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی اور حضرت فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی اور مختار شارح اور جمہور محققین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک اقرار کرنا شرط ہے تاکہ احکام کو اجراء ہو سکے۔

دوم: تصدیق اور اقرار کرنا یہ مذہب جمہور فقہاء اور مصنف اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے اختیار کیا ہے۔

سوم: تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا جن پر ہمیں حکم دیا گیا ہے اگرچہ مستحب ہو اور گناہوں کو ترک کرنا اس طرح کہ ترکِ عمل کفر (کے برابر) ہے چاہے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہو یا چاہے مستحبات کو ترک کیا ہو اور یہ بات خوارج کی طرف منسوب ہے۔

---

[106] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

چہارم: (تیسرے قول ہی کی طرح ہے) لیکن ساتھ یہ بات بھی ہے کہ عمل کو ترک کرنے سے ایمان خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ بات قاضی عبدالجبار اور ابو ہذیل معتزلین کی طرف منسوب ہے اور شرح مقاصد میں شارح نے ان دو مذاہب سے دوری اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ کسی مستحب عمل کے ترک ہونے سے ایمان خارج ہونا ایسی بات ہے جس کو ایک مذہب تسلیم کرلینا کسی بھی عقلمند شخص کو مناسب نہیں ہے۔

پنجم: تصدیق اور اقرار اور واجب اعمال پر عمل کرنا اور محرمات کو ترک کرنا (اور وہ بھی) یوں کہ ترک واجب اور حرام کام کا کرنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں کرتا اور یہ ابو علی جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کا مذہب ہے۔

ششم: تصدیق اور اقرار اور عمل، اس طرح کہ اطاعت، فرمانبرداری کا ترک، ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اکثر اسلاف جن میں حضرت امام مالک اور شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین شامل ہیں ان کا مذہب ہے۔

ہفتم: معرفت حاصل کرنا یہ جہم بن صفوان کا مذہب ہے اور معرفت کا درجہ تصدیق سے کم ہے یا یہ کہ (معرفت) تصدیق سے زیادہ عام ہے کیونکہ معرفت، عناد و انکار کی جامع ہے۔

ہشتم: اقرار کرنا فقط یہ کرامیہ کا مذہب ہے۔

نہم: معرفت کی شرط پر اقرار کرنا اور وہ ایسے کہ معرفت کی شرط ہونا ایمان کا جزو نہیں ہے جیسے وضو، جو نماز کی شرط تو ہے لیکن نماز کا حصہ نہیں۔ یہ قول رقاشی کا مذہب ہے۔

دہم: تصدیق کی شرط کے ساتھ اقرار کرنا۔ایسی تصدیق جو اپنے اختیار اور کسب سے حاصل ہو اور یہ قول اشاعرہ میں سے ایک گروہ قطان کا ہے اور یہ تمام بحث وہ خلاصہ و نچوڑ ہے جو عقلاء کے (اقوال کے) خلاف نقل ہوا ہے۔واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

خوارج اور روافض کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

ولاتدخله ای العبد المؤمن فی الکفر خلافا للخوارج هم فرقه من اهل القبلة خرجوا علی امیر المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وذلک لان علیا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ومعاویة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه حکما بینهما اباموسی الاشعری وعمرو بن العاص لیسکن الحرب فقالت طائفة من اهل حروراء قریة عندالکوفة ان الفریقین کافران لانهما رضیا بحکم غیر اللّٰہ سبحانه وقال اللّٰہ تعالیٰ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ (یوسف ۴۰،یوسف ۶۷ والانعام۵۷) فقال علی رضی اللّٰہ تعالی عنه کلمة حق ارید بها باطل فارسل عبداللّٰہ بن عباس الیهم لیکشف شبهتهم فابوا الا الخروج علیه فی ربّهم حتیٰ قتل اکثرهم وکانوا اثنی عشر الفا وبقی قوم منهم علی مذهبهم وهم فرق کثیرة مجمعون علی تکفیر عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وعلی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وعائشة وطلحة وزبیر ومعاویة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم قد اخبر النبی ﷺ بانهم اهل الطاعات الکثیرة ولکن طاعاتهم لاتنفعهم وانهم من اهل النار وان علیا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه یقاتلهم ویقتلهم۔[107]

ترجمہ: داخل نہیں ہوتا یعنی مؤمن بندہ کفر میں (داخل نہیں ہوتا) خوارج کو اس بات سے اختلاف ہے (اور خوارج) اہل قبلہ سے ایک فرقہ ہے (جو) امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف (لڑنے کیلئے) نکلے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ

---

[107] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو حاکم مقرر فرمایا تاکہ جنگ بند ہو جائے پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے حروراء کے ایک گروہ سے جو کوفہ کے نزدیک ایک گاؤں ہے، کہا کہ یہ دونوں گروہ کفار سے ہیں کیونکہ یہ دونوں اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کسی غیر کے حکم پر راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔" پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ حق فرمایا اس کا ارادہ باطل کرنے پر۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان (لوگوں) کے پاس بھیجا تاکہ ان کا شبہ ظاہر ہو جائے لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جمع ہو کر لڑنے کے علاوہ کسی بات (کو ماننے) سے انکار کر دیا حتی کہ ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور یہ (قتل شدہ لوگ) بارہ ہزار تھے اور ان میں سے باقی قوم کو اپنے مذہب پر کر دیا اور اس فرقے کے لوگ بہت زیادہ ہیں اور یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تکفیر کرنے پر جمع ہوئے۔ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے خبر دار فرمایا ہے کہ "تحقیق یہ لوگ بہت طاعات گزار ہوں گے مگر ان کی طاعات گزاری سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور یہ لوگ اہل دوزخ سے ہوں گے۔" بتحقیق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو قتل کیا۔

جبریہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ:

قالو الایضر مع الایمان معصیة کمالا ینفع مع الکفر طاعة و ذهب بعضهم الی انه یسقط عنه العبادات الظاهرة و یکون عبادته التفکر و هذا کفر و ضلال۔[108]

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت کچھ نفع نہیں دیتی اوران میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہوچکی ہیں اورانسان کی (اچھے کاموں کی) سوچ و تفکر ہی عبادت ہے (حالانکہ) یہ بات (یعنی ایسا عقیدہ رکھنا) کفر و گمراہی ہے۔

جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مؤمن ہی رہتا ہے البتہ اسے اس کے گناہ کے مطابق سزا ملے گی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ فاسق، مسلم نہیں رہتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ گناہ کا عذاب مکثِ طویل (لمبے عرصے) تک حتمی ہے مگر آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہوجائے گا اس بارے میں سلف صالحین کے اقوال، اجماع اور کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ وارد ہیں۔

ایک فرقہ مرجیہ یا التارکیہ ہے:

قال لیس لله عز و جل علی خلقه فریضه سوی الایمان به فمن اٰمن به فلیفعل ماشآء۔[109]

ترجمہ: یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر ایمان لانے کے سوا کوئی کام فرض نہیں کیا۔ اس لئے جو ایمان لے آئے اس کے جو جی میں آئے کرے (اُس سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی)۔ العیاذ باللہ۔

---

[108] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۶۳۔

[109] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔

اور جہمیہ میں ایک فرقہ صالحیہ ہے یہ لوگ اپنے آپ کو حسین صالحہ کا پیروکار کہتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہی ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ پہچاننا کفر ہے اور ایمان ہی عبادت ہے ایمان کے سوا اور کوئی عبادت نہیں ہے۔[110]

ایک گروہ کرامیہ کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان صرف اقرار یعنی کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں۔

اعلم ان مذھب الکرامیۃ ان الایمان ھو الاقرار فقط۔[111]

ترجمہ: جان لو! کہ کرامیہ فرقے کا مذہب (یعنی عقیدہ) یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کو کہتے ہیں۔

ایک فرقہ خوارج کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ

فسی الایمان عندی تصدیق القلب و الاقرار باللسان و العمل بالجوارح فماھیتہ علی ھذا مرکبتہ من ثلثۃ فمن اقل بشی منھا فھو کافر و لذاقالوا مرتکب الذنب مطلقا کافر۔[112]

ترجمہ: اور ان کے نزدیک ایمان نام ہے دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاءِ جسدی کے ساتھ عمل کرنے کا۔ تو اس اعتبار سے ایمان تین چیزوں سے مرکب ہوا (یعنی تصدیق، اقرار اور عمل) پس اگر ان تینوں میں سے کسی نے ایک چیز بھی کم کر دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ گروہ کہتا ہے کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جائے گا۔

---

[110] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔
[111] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۸۷۔
[112] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

وکذلک الاان ترک العمل سیخرج عن الایمان ولایدخل فی الکفروینسب الی القاضی عبدالجبارو ابی الھذیل المعتزلیین۔[113]

ترجمہ:(ایمان کے بارے میں دس مذاہب جن میں سے چوتھا مذہب، تیسرے مذہب جیسا ہی ہے)سوائے اس کے کہ (چوتھے مذہب کے نزدیک)اگر عمل کو ترک کیا تووہ شخص ایمان سے خارج ہوجائے گالیکن کفرمیں داخل نہیں ہوگااوروہ اس بات کو قاضی عبدالجباراورابوہذیل معتزلین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک فرقہ رقاشی ہے جن کاعقیدہ یہ ہے کہ:

انہ الاقراربشرط المعرفۃ بحیث یکون الشرط خارجاعن الایمان کالوضوءالخارج عن حقیقۃالصلوۃ۔[114]

ترجمہ:تحقیق اقرارکرنا،معرفت (پہچان)کی شرط کے ساتھ معتبرہے(یعنی بغیر معرفت کے اقرارکاکچھ فائدہ نہیں)لیکن یہ معرفت کی شرط ایمان کاجزونہیں جیسے وضوء(کی شرط) نماز کا حصہ نہیں۔

فصل ۲:

العمل غیرالایمان والایمان غیرالعمل بدلیل ان کثیرامن الاوقات یرتفع العمل عن المؤمن ولایجوزان یقال ارتفع عنہ الایمان فان الحائض ترتفع عنھاالصلوۃ ولایجوزان یقال ارتفع عنھاالایمان اوامرلھابترک الایمان وقدقال لھاالشارع(علیہ الصلوۃ والسلام)دعی الصوم ثم اقضیہ ولایجوزان یقال دعی الایمان ثم اقضیہ ویجوزان یقال لیس علی

---

[113] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص۳۹۹۔

[114] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص۳۹۹۔

الفقیر الزکوۃ ولایجوز ان یقال لیس علی الفقیر الایمان ولو قال تقدیر الخیر و الشر من غیر اللہ تعالیٰ کان کافرا باللہ وبطل توحیدہ لو کان لہ التوحید۔

ترجمہ: عمل ایمان کے بغیر ہے(یعنی عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے)اور ایمان، عمل کے بغیر بھی معتبر ہے(ایمان لانا، عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فائدہ مند ہے)اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اکثر اوقات مؤمن سے عمل رہ جاتے ہیں لیکن (عمل کے چھوٹ جانے سے)یوں کہنا جائز نہیں کہ اس مؤمن سے ایمان چھوٹ گیا ہے کیونکہ حائضہ عورت سے نماز(کا عمل)ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ کہنا(کسی صورت بھی)جائز نہیں کہ اس عورت سے ایمان ساقط ہو گیا ہے یا(نماز کے چھوٹ جانے کی وجہ سے)اس کے ایمان کے چھوٹ جانے کا حکم لگا دیا جائے(اس لئے کہ نماز کا عمل اور چیز ہے جبکہ ایمان دیگر چیز ہے)اور بے شک شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس(حائضہ)کو فرمایا کہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کرلے(لیکن یہ کہنا کسی بھی صورت میں)جائز نہیں کہ تو ایمان چھوڑ دے اور بعد میں ایمان کی قضا لے آ۔اور(ایمان و عمل کے الگ الگ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ)یوں کہنا تو جائز ہے کہ فقیر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے(کیونکہ زکوٰۃ ایک عمل یا فعل ہے)لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ فقیر پر ایمان لانا فرض نہیں(کیونکہ ایمان، عمل کے علاوہ شئے ہے جو کہ عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فرض ہے)اور اگر کوئی توحید والا شخص(یعنی مسلمان)یوں کہہ دے کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی توحید باطل ہو جائے گی۔

تشریح: ایمان: جو شخص اللہ تعالی کی وحدانیت اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے مطابق وہ مسلمان ہے لیکن اگر ایک گناہ بھی قصداً کیا جیسے نماز اور روزہ قصداً چھوڑ دیا تو اس کی سزا اسے ضرور ملے گی۔

بعض مذاہب اس بات کو تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر کوئی بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

والمعتزلة والخوارج الجاعلين العمل ركنا ثالثا۔[115]

ترجمہ: معتزلہ اور خوارج عمل کو (ایمان) رکن ثالث کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے (عمل کے بغیر بھی ایمان کے معتبر ہونے کی) دلیل یہ ہے کہ وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے اور کوئی نیک عمل کرنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو ایسا شخص مومن کہلاتا ہے اور جنت کا حق دار ہو جاتا ہے اگر عمل ایمان کا جزو مانا جائے تو پھر شخص مذکور کو بے ایمان ماننا پڑے گا کیونکہ وہ عمل کے بغیر ہی مر گیا اور یہ بات محال ہے کہ ایک شخص کلمہ پڑھ کر مر جائے تو پھر بھی اسے مومن نہ کہا جائے۔

حدثنا أبو محمد بن حيان ، ثنا سلم بن عصام ، عن عمه ، ثنا الحكم ، عن زفر ، عن أبي حنيفة، عن عبدالله بن أبي حبيبة، سمعت أبا الدرداء، حدثنا ابن المقرئ، ثنا بشر الرواسي، ثنا مصعب بن عبدالله الواسطي، ثنا يزيد بن هارون، ثنا أبو حنيفة، ثنا عبدالله بن أبي حبيبة، قال قال أبو الدرداء: كنت رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: «يا أبا الدرداء من شهد أن لا إله إلا الله مخلصا ، وجبت له الجنة » ، قلت : وإن زنى ، وإن سرق فقال : « وإن رغم أنف أبي الدرداء» وزاد الحماني، ويزيد بن هارون، في حديثيهما ، وكان أبو الدرداء يقوم كل جمعة عند منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقولها ويضع أصبعه على أنفه۔[116]

---

[115] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۱۔

[116] مسند امام اعظم ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۳۸۳ وص ۱۴ باب عدم الخلود المومنین فی النار۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ سواری پر سوار تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کیلئے جنت واجب ہوگئی (حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تھوڑی دیر چپ رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہوگئی میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے پھر سکوت فرمایا اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ میں پھر بولا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے (اس بار) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور اگرچہ ابو الدرداء کی ناک گرد آلود ہو۔ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کے شاگرد عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا منظر ایسا یاد ہے گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بانسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

دوسری اہم دلیل: مومنین کے ان بچوں کی ہے جو بچپن میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے مشہور عقیدے کے مطابق ایسے بچے مومن کہلاتے ہیں حالانکہ انہوں نے کوئی عمل نہیں کیا ہوتا۔ اگر عمل کو ایمان کا جزو مان لیا جائے تو ان بچوں کو کافر کہنا پڑے گا جو کہ عمل کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے جبکہ یہ بات محال ہے اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

بعض مذاہب (مثلاً روافض) کہتے ہیں کہ بعض اشخاص سے بھی نقصان اور فائدہ ہوتا ہے جس طرح جادو کرنے سے ہوتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کاہن و جادوگر کہے کہ اس شیطانی طاقت کی وجہ سے فائدہ یا نقصان ہوتا ہے تو اس طرح کی بات کرنا باطل ہے کیونکہ یہ شخص خیر و شر کو صرف شیطانی عمل جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (۲۹) فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (۳۰) إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (النبا ۳۱)

"اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔ اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب، بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے۔"

جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور دعا، صدقہ اور نیک عمل وغیرہ فائدہ دیتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں یہ بات حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فقال: "مامن عبد قال لا إله إلا الله ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة۔[117]

"فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو کہے کہ **لا إله إلا الله** اور پھر مر جائے تو(وہ جہنم میں چلا جائے بلکہ)وہ جنت میں داخل ہو گا۔"

قدریہ وہ گروہ ہے جس کے لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال چاہے خیر ہوں یا شر اللہ تعالیٰ ان کا خالق نہیں ہے بلکہ اس کا خالق خود بندہ ہے۔معتزلہ اورامامیہ اس عقیدے میں شریک ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کا راستہ لوگوں کو دکھایا ہے اوران کو امر کیا ہے کہ وہ اس راستے کو اختیار کریں اوراسی طرح اللہ تعالیٰ نے شر کے کام بھی لوگوں کو بتادیئے ہیں اور لوگوں کو ان کاموں سے منع کیاہے اوراللہ تعالیٰ نے اعمال کی تفویض بندوں کو دی ہے اگر یہ خیر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں اوراگر شر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں جبکہ اہل سنت والجماعت کاعقیدہ یہ ہے کہ تمام افعال چاہے کفر ہو یا اسلام ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

واللہ تعالیٰ خالق افعال العباد کلھا من الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان لا کما زعمت المعتزلۃ ان العبد خالق لافعالہ۔118

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندوں کے سارے افعال چاہے کفر ہوں یا ایمان ،طاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق ہے اس طرح نہیں جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (النحل ١٧)**

"توکیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔"

---

[117] مشکوۃ کتاب الایمان فصل الاول متفق علیہ۔

[118] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ٢٦١۔

مجوسی لوگ جہان کے دو خدا مانتے ہیں ایک خیر کے کاموں کا خالق دوسرا شر کے کاموں کا خالق

اور قدریہ خلق اشیاء میں سب بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کا شریک جانتے ہیں۔

معتزلہ اور مجوسی متعدد خداؤں کا ثابت کرتے ہیں۔

ان مشائخ ماورأقد بالغوافی تضلیلھم فی ھذہ المسئلة حتی قالوا ان المجوس اسعدای احسن حالا منھم حیث لم یثبتوا الا شریکا واحدا وھواھرمن والمعتزلة اثبتوا شرکاء لا تحصیٰ۔[119]

ترجمہ: بتحقیق ماوراء النہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایا کہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کا حال بہت اچھا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیا ہے جو کہ "اہرمن" ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں شریک ٹھہرا دیتے ہیں۔)

نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((یجيء قوم یقولون: لا قدر، ثم یخرجون منه إلی الزندقة، فإذا لقیتموهم فلا تسلموا علیهم، وإن مرضوا فلا تعودوهم، وإن ماتوا فلا تشهدوا جنائزهم فإنهم شیعة الدجال، ومجوس هذه الأمة، حقاً علی الله أن یلحقهم به)).[120]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ تقدیر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیق ہو جائیں

---

[119] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۵۔

[120] مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ۔

گے جب ان سے تمہاراسامنا ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملا دے گا۔

عن سالم، عن ابن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن القدرية وقال: ((ما من نبي بعثه الله تعالى قبلي إلا حذر أمته منهم ولعنهم))۔[121]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت فرمائی اور نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔

ایک گروہ خوارج کا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

انه التصديق والاقرار والعمل من اداء المامورات ولو مندوبة وترک المخطورات بحيث يكون ترک العمل كفرا حتى فعل الصغيرة وترک المندوب۔[122]

ترجمہ: کہ (دل سے) تصدیق اور (زبان سے) اقرار کرنا اور مامورات پر عمل کرنا اگرچہ مستحب عمل ہی ہو (ایمان) ہے اور گناہوں کا ترک کرنا (بھی ایمان میں داخل کرتا ہے) تو اس حساب سے عمل کا ترک کرنا کفر ہے چاہے وہ ایک چھوٹا ہی عمل ہو یا چاہے مستحب ہی کیوں نہ ہو۔ (یعنی یہ

---

[121] مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ۔

[122] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

گروہ عمل کو ایمان کا جزو تسلیم کرتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو کافر کہتا ہے جبکہ ان کے رد میں ہمارے قوی دلائل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔)

ایک فرقہ جبائی ابن ابی ہاشم ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ

انہ التصدیق والاقرار والعمل من فعل الواجبات وترک المحرمات بحیث یکون ترک الواجب وفعل الحرام مخرجا عن الایمان غیر مدخل فی الکفر۔[123]

ترجمہ: بے شک تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا واجب اعمال میں سے ہے اور حرام کاموں کا اس طرح ترک کرنا کہ واجب بھی ترک ہو اور حرام کام بھی (سرزد) ہو جائے تو اس طرح انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے (لیکن) کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

اور ایک فرقہ معتزلہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ

فالقائل یکون العبد خالقا لافعالہ یکون من المشرکین لان قولہ زید خالق لفعلہ کقولہ زید مستحق للعبادۃ دون المؤحدین مع ان المذہب عدم تکفیر المعزلۃ لانہم من اہل القبلۃ۔[124]

ترجمہ: پس یہ کہنے والا کہ "بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے" مشرک ہو جاتا ہے اس لئے یہ قول کہ "زید اپنے فعل کا خالق ہے" ایسے ہے جیسے (یہ قول ہو کہ) زید مستحقِ عبادت ہے۔ یہ قول موحدین کا نہیں ہو سکتا لیکن معتزلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ تو اہل قبلہ ہیں۔

---

[123] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

[124] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۶۴۔

لان المعتزلة تمسکوابنصوص الوعیدعلی انه یجب عقاب العاصی علی اللہ تعالیٰ ومذھب اھل سنت والجماعت انه لایجب علی اللہ تعالیٰ شئی۔[125]

ترجمہ: کیونکہ معتزلہ نصوصِ وعید کے ساتھ دلیل دیتے ہیں کہ گناہ گار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ

ان مرتکب الکبیرة لیس بمؤمن ولا کافر وھذه ھو المنزلة بین المنزلتین۔[126]

ترجمہ: بے شک گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن (رہتا) ہے اور نہ کافر (ہوتا) ہے اور یہ درجہ (ایمان و کفر کے) دو درجوں کے درمیان ایک تیسرا درجہ ثابت کرنا ہے۔

ایک فرقہ خوارج ہے جو کہ (۲۰) فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ

فانھم ذھبواالی ان مرتکب الکبیرة بل الصغیرة ایضاً کافرولاواسطة بین الایمان والکفرلنا۔[127]

ترجمہ: یہ خوارج عقیدے کے لحاظ سے اس طرف گئے ہیں کہ (نہ صرف) گناہِ کبیرہ کرنے والا بلکہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب بھی کافر ہے اور ہمارے لئے ایمان و کفر میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

---

[125] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۸۴۔
[126] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔
[127] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

فصل نمبر۳:

نقربان الاعمال ثلثة فريضة و فضيلة و معصية۔ فالفريضة: بامر الله تعالىٰ و مشيته و محبته ورضائه وقضائه وتقديره وارادته وتوفيقه وتخليقه وحكمه وعلمه وكتابته فى اللوح المحفوظ۔ واما الفضيلة: فليست بامر الله تعالىٰ ولكن بمشيته وبمحبته وبرضائه وبقضائه وبتقديره وبتوفيقه وتخليقه وارادته وحكمه وعلمه وكتابته فى اللوح المحفوظ۔ واما المعصية: ليست بامر الله تعالىٰ ولكن بمشيته لا بمحبته وبقضائه لا برضائه وبتقديره وتخليقه لا بتوفيقه الخ وبخذلانه لا بمعونته وكتابته فى اللوح المحفوظ۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (بندوں) کے اعمال تین قسم کے ہیں۔(پہلی قسم) فرض ہے (واجبات بھی فرض ہی کے زمرے میں ہیں) اور (دوسری قسم) فضیلت ہے (جو کہ سنت، مستحب اور نوافل سے کو شامل ہے) اور (تیسری قسم) گناہ ہے (جو کہ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ سب کو شامل ہے۔)

پس فرض وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت اور اس کی محبت اور اس کی رضا اور اس کی قضا اور اس کی تقدیر اور اس کے ارادے اور اس کی توفیق اور اس کی تخلیق (پیدا کرنا) اور اس کے حکم اور اس کے علم میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض عمل کرنے پر حکم فرمایا ہے اور اس پر علم رکھتا ہے) اور یہ (فرض) لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اور فضیلت والے (جیسے سنت و مستحبات اور نوافل) اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہیں (کیونکہ امر تو وجوب کیلئے ہوتا ہے جبکہ یہ افعال تو واجب نہیں ہیں) مگر اس کی مشیت اور اس کی محبت اور اس

کی قضااور اس کی رضااور اس کی تقدیر اور اس کی توفیق اور اس کی تخلیق (پیدا کرنا)اور اس کے ارادے اور حکم اور اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔

مگر(گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہے نہ کہ اس کی محبت سے (اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کو محبوب نہیں رکھتا)۔اور گناہ اس کی قضاء وتقدیر سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔اور پیدا کرنا اور تقدیر (اللہ تعالیٰ کی)طرف سے ہے نہ کہ اس کی توفیق سے۔اور اس (اللہ تعالیٰ کے خذلان (عدم التوفیق) سے ہے نہ کہ اس کی مدد سے اور (یہ معصیت بھی)لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

تشریح:

لوح محفوظ اور قلم اور وہ سب اشیاء جو لوح محفوظ میں تحریر ہیں وہ حق اور سچ ہیں اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور گناہ کرنا اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

قُلْ إِنَّ اللہَ لَا یَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الاعراف ۲۸)

تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

اعمال کے بارے میں مندرجہ بالا متن میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جبکہ قدریہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ عمل چاہے نیک ہو یا بد بندہ اپنے اعمال کا خود فاعل ہے کیونکہ بندہ اپنے ارادے سے ہی نیک یا برا عمل کرتا ہے جبکہ روافض اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جبکہ برا عمل انسان کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ایک فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی بھی عمل پہلے سے لوح محفوظ میں درج نہیں ہوتا بلکہ عمل کے واقع ہو جانے کے بعد لوح محفوظ میں درج کیا جاتا ہے۔

اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ نیک اور برا عمل پہلے سے ہی لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے اور ہم سے اللہ تعالیٰ صادر فرماتا ہے(نعوذ باللہ من ذلک)اور یہ کہ یہ جبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے ہمارے لئے برائی لکھ دی ہے۔(لہذا ہم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔)

جبریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو نیکی کا ثواب ملے گا اور لیکن برائی پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ کفار اور گناہ گار معذور ہیں ان سے سوال نہیں ہو گا اس لئے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ جیسے کفر کے ساتھ طاعت نفع نہیں دیتی ایمان کے ساتھ معصیت بھی نقصان نہیں دیتی، ان سب نے فرمایا۔ اور اس مسئلہ کا نام مسئلہ عبادلہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے مروی ہے کہ مرجیہ پر ستر پیغمبروں نے لعنت کی۔

مرجیہ کے دو گروہ ہیں: (۱) مرجیہ مرحومہ (۲) ملعونہ۔

مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہیں اور مرجیہ ملعونہ جن پر لعنت کی گئی یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت نقصان نہیں دیتی اور عاصی پر عذاب نہیں ہو گا۔

عثمان ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ مرجیہ ہیں ؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں ۔ ملعونہ ، ہم اس

سے بیزار ہیں اور ایک مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں یہ بھی لکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ایسا ہی کہا۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدة ١١٨)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

پھر مرجیہ اور جبریہ کے کلام سے جو کفر ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور برائی حقیقت میں بندے کے افعال نہیں ہیں اور جو بندہ کرتا ہے فاعل اللہ تعالیٰ ہے، لہذا یہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو موصوف بہ قبائح کیا ہے، زنا وغیرہ سے کہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ فاعل بھی ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ان کو قبائح اور زنا وغیرہ پر عذاب دے تو یہ ظلم ہوگا اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ فعل بندے سے مجازاً ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت میں ہمیں استطاعت نہیں، بندہ درخت کی مانند ہے، جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ ہلتا ہے تو ایسے ہی بندہ درخت کی طرح مجبور ہے اور یہ کفر ہے، اس لئے کہ یہ تثلیث ہے اور کفر و معاصی اور برائیوں پر مجبور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کیلئے جائز نہیں کہ وہ سزا دے اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہے اور تخلیق کر کے اب آرام کر رہا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اور جو چیز اپنے وقت میں ظاہر ہو رہی ہے، بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہو رہی ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو شغل اور فراغت کے وصف

سے موصوف کیاہے اورانہوں نے امر و نہی کے زوال کاعقیدہ رکھااوراسی طرح ربوبیت وفعل کے زوال کااعتقاد کیا، یہ کفر ہے۔

بعض نے کہاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ میں جلائے گااورانہیں مارے گااورزندہ کرے گا، پھران کوجلااورمراہواباقی رکھے گااور یہ عقیدۂ کفر ہے، اس لئے کہ انہوں نے نص کاانکار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوعذاب دے گا، مگرافعال پرنہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہاکہ جو دل میں خیر و شر کاخطرہ گزرے تو اس کااتباع جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، یہ بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وحی اورامر کودل کے ساتھ ثابت کیااورالہام کوجائز رکھااور یہ کفر ہے۔

بعض نے کہاکہ بندہ جب غایت محبت کوپہنچتاہے اوراس کادل صاف ہوجاتاہے اور جام محبت نوش کرتاہے تواس سے شرعی تکلیف ساقط ہوجاتی ہے اوراس سے عبادت اٹھ جاتی ہے اور تفکر ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ بعض نے کہا: تفکر ادائے فرض سے افضل ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کاعقیدہ یہ ہے کہ دنیاکامال مشترک ہے، تمام بنی آدم اس میں شریک ہیں، مال دنیا آدم وحواکی وراثت ہے اور جو کوئی جس چیز کولے لے وہ اسی کاحق ہے اور کسی کو منع کرنے کاحق اور جواز نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہاکہ جس نے علم سیکھاتووہ لوگوں کے مال میں شریک ہے اور کہتے ہیں کہ جواس کو منع کرے کافر ہوجائے گااور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: بندہ ایمان اور کفر کے بغیر اور کسی چیز کامکلف نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ عبادات کا امر تکرار کو واجب نہیں کرتا اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ مؤمن حقیقت میں مؤمن نہیں ہے اور نہ ہی کافر، حقیقت میں کافر ہے کیونکہ آخرت میں ان میں تغیر جائز ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: اپنے ایمان میں بھی شک ہے اور انہوں نے کہا کہ ایمان اور شہادت کیا یہ ایمان ہے، کیا کفر زائل ہو جائے گا؟ یہ بھی کفر ہے۔ ان کے کلام میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو بدعت ہیں کفر نہیں ہیں مثلاً جیسے کہ ان کا کہنا کہ ثواب اور عتاب تقسیم کر دیا گیا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم برابر ہے کوئی کرے یا نہ کرے اور بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ افعال کیلئے تاثیر ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: **کل میسر لما خلق له**۔ ہر ایک کیلئے آسان کر دیا گیا ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ قضاء سبقت کر گئی ہے، نیک بخت کیلئے نیک بختی ہے اور بد بخت کیلئے بد بختی ہے۔

بعض (مرجیہ) کہتے ہیں: ایمان یہ ہے کہ حق و باطل میں سے تمام چیزوں کی پہچان ہو جائے اور اس کا وہ عالم ہو تو مؤمن ہے ورنہ نہیں اور یہ مسئلہ مسئلہ تقلید ہے۔

اور بعض نے کہا: ایمان عمل ہے، اقرار اور تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں ۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایمان میں استثناء و تخصیص جائز ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قیاس حجت نہیں، ایسے ہی رافضیوں نے قیاس کا انکار کیا کہ وہ حجت نہیں تو اگر ہر قیاس مراد ہے اور ہر قیاس کا انکار کیا تو یہ کفر ہے اس لئے کہ قیاس حجت ہے اور (اس حجت ہونا) نص سے ثابت ہے اور اگر بعض قیاس مراد ہے تو کفر نہیں، بدعت ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**[128]

انمایتوجه علی الجبریة القائلین بنفی الکسب و الاختیار ان الانسان عندهم کالجماد۔[129]

ترجمہ: بتحقیق جبریہ کی طرف متوجہ ہوں جو کہتے ہیں کہ (انسان) کسب اور اختیار کوئی حیثیت نہیں رکھتا (اور) یہ کہ ان (جبریہ) کے نزدیک انسان (محض) ایک بے جان چیز کی طرح ہے۔ (یعنی انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا۔)

ہمارے اور کرامیہ کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ

افعال العباد کلها بارادته تعالی و مشیته قدسبق انهما عندنا عبارة عن معنا واحد خلافا الکرامیة زعموا ان المشیة قدیمة و الارادة حادثة۔[130]

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک بندوں کے سارے افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے ہیں اور بتحقیق یہ (تفصیل) پہلے گزر چکی ہے اور یہ (ارادہ و مشیت) ایک ہی

---

[128] تمہید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۴۰۰۔

[129] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۵۔

[130] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۷۔

معنی میں ہیں (لیکن) کرامیہ فرقہ کا یہ گمان (یعنی یہ عقیدہ) ہے کہ مشیت قدیمی (ازلی) ہے جبکہ ارادہٗ (خداوندی) حادث ہے۔

اور نجاریہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ

محمدبن الحسین النجارمن انه مریدبذاته لابصفته ولایخفیٰ ان کون الذات عین الصفات مذهب المعتزلة والفلاسفة۔[131]

ترجمہ: محمد بن حسین النجار (معتزلی کا عقیدہ ہے کہ) انسان، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ اس کی صفات کا اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ذاتِ خداوندی جل جلالہ، عین صفات ہے (یعنی ذات وصفات میں کوئی فرق نہیں) **العیاذ باللہ۔**

اور فرقہ جبائیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ

وعبدالجبارمن انه مریدبارادة حادثة لافی محل ای قائمة بنفسها لانها لو حدثت فی ذاته تعالیٰ لزم قیام الحوادث به تعالیٰ اوفی محل غیر الذاته لزم اتصاف هذه الغیر بصفته الله تعالیٰ۔[132]

ترجمہ: اور عبد الجبار (کے مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ) انسان (اللہ تعالیٰ کے) حادث ارادے کی میلان رکھتا ہے نہ کہ محل کی طرف یعنی (ایسا محل جو کہ) اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں حدوث ہو سکے تو پھر یہ بات لازم آئے گی کہ اس کی ذات محلِ حوادث ہو اور اگر بغیر محلِ ذات کے ارادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات میں حدوث لازم ہو گا۔

---

[131] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶۔

[132] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶۔

ارادے کی دو اقسام:

۱۔ ارادۂ کونیہ۔ ۲۔ ارادۂ دینیہ

۱۔ ارادۂ کونیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

فَمَنْ یُرِدِ اللّٰہُ أَنْ یَھْدِیَہُ یَشْرَحْ صَدْرَہُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ یُرِدْ أَنْ یُضِلَّہُ یَجْعَلْ صَدْرَہُ ضَیِّقًا حَرَجًا کَأَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ۔ (الانعام ۱۲۵)

اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔

۲۔ ارادۂ دینیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرۃ ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

فصل نمبر ۴

نقر بان اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ من غیر ان یکون لہ حاجة او استقرار علیه وھو الحافظ للعرش وغیر العرش فلو کان محتاجا لماقدر علی ایجاد العالم وتدبیرہ کالمخلوق ولو صار محتاجا الی الجلوس والقرار فقبل خلق العرش این کان اللہ تعالیٰ فھو منزہ عن ذلک علوا کبیرا۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ بغیر اس کے کہ (اللہ تعالیٰ) عرش کا محتاج ہو یا اس پر بیٹھا ہو (جس طرح کہ مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ عرش اور غیر عرش (سب کائنات) کا حافظ ہے تو اگر (اللہ تعالیٰ) عرش کو پیدا کرنے اور عالم کی کارسازی پر قادر نہ ہوتا جس طرح دوسری مخلوق۔(کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتی۔اس بات سے حاصل یہ ہے کہ یہ ایک بدیہی یعنی کھلی اور ظاہری بات ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی غیر کو محتاج ہو تو وہ ممکنات میں سے ہو گی اور ہر ممکن چیز مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہو سکتی تو اسلئے اللہ تعالیٰ کا عرش کیلئے محتاج ہونا باطل بات ہے۔)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھنے اور آرام کرنے کا محتاج سمجھا جائے (تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا پس (ثابت ہوا کہ)(اللہ تعالیٰ) تو اس حالت سے منزہ و پاک اور بلند و بالا ہے۔

تشریح:

ہم الرحمن علی العرش استویٰ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ لا مکان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو جسم ہے اور نہ ہی وہ کوئی مکان و جہت رکھتا ہے۔

لیکن مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم، بدن، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، کان اور چہرہ رکھتا ہے۔

اور جہمیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے وجود کے ساتھ) ہر جگہ موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔'' اور وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ۔(الزخرف ۸۴) اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین

والوں کا خدا"اور إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل ۱۲۸) بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔"

اور جبکہ اہل سنت والجماعت (احناف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کا عقیدہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ متشابھات میں سے ہیں جن کی کیفیت اور درست مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک لا مکاں ذات ہے وہ نہ تو عرش کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کیلئے کوئی سمت متعین ہے اس لئے اگر کوئی گمراہ اور باطل عقیدے والا، یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے تو اس طرح وہ شخص اللہ تعالیٰ کیلئے ایک مکان ثابت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے مخلوق کی طرح تنزل اور جسم کا قائل ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے حامل گروہ (فرقہ جہمیہ) کے بارے میں فرمایا کہ ذلک من غلو و افراطھم جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حنفی مذہب غلو اور افراط سے بری ہے۔

العرش هو الجسم العظيم الذى شرفه الله سبحانه و جعله لنفسه كالسرير للملك مع تنزهه عن الجلوس والمكان كجعله الكعبة بيتاوزعم الحكماءانه فلك الافلاك المتحرك من المشرق الى المغرب ۔واعلم ان تفصيل الاجسام العلوية ممالا يعلمه الاالله سبحانه ذكره القرطبى وعن أنس قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: (ليلة أسري بي رأيت تحت العرش سبعين مدينة كل مدينة مثل مدائنكم هذه سبعين مرة مملوءة من الملائكة يسبحون الله ويقدسونه ويقولون في تسبيحهم اللهم اغفر لمن شهد الجمعة اللهم اغفر لمن اغتسل يوم الجمعة)۔[133]

---

[133] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۷-۴، تفسیر القرطبی ج ۱۸ ص ۱۱۹ تحت سورۃ الجمعۃ الآیۃ ۱۱۔

ترجمہ: عرش ایک ایسا جسمِ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف وبزرگی عنایت کی ہے اور اسے اپنے لیے وہ مرتبہ دیا ہے جیسے کسی بادشاہ کے تخت کا مرتبہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ (اللہ تعالیٰ) عرش پر بیٹھنے اور اسے اپنا مکان بنانے سے پاک اور بلند ہے جیسا کہ اس نے کعبہ معظمہ کو اپنا گھر فرمایا ہے (لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس میں رہتا ہے بلکہ اس کو اپنا گھر کہنا ایک اضافت تشریفی ہے) اور حکماء (یونانی فلاسفہ) گمان کرتے ہیں کہ فلک الافلاک (یعنی آسمان) مشرق سے مغرب کی طرف متحرک ہیں اور جان لیں کہ بڑے بڑے اجسام (یعنی سورج وچاند اور آسمان وستارے وغیرہ) کے حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی (بہتر) جانتا ہے۔ اور تفسیر قرطبی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں نے عرش عظیم کے نیچے ستر (۷۰) شہر دیکھے۔ ان میں سے ہر شہر تمہاری پوری دنیا جیسا تھا جو کہ ملائکہ سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اور اپنی حمد وثنا میں کہتے تھے کہ "اے اللہ! اس شخص کو بخش دے جو جمعہ المبارک (کی نماز میں) حاضر ہو اور اس شخص کی مغفرت فرما جو جمعہ کے دن غسل کرے"۔

قولہ تعالیٰ ید اللہ فوق ایدیھم فانھا ماولۃ بالقدرۃ وقولہ الرحمن علی العرش استویٰ فان الاستواء ماول بالعظمۃ التامۃ والقدرۃ القاھرۃ لماتمکن فی النفوس من ان العرش اعظم المخلوقات وارفعھا۔[134]

---

[134] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۱۷،

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے" تو اس کی یہ تاویل قدرت خداوندی پر ہے اور اس کا یہ قول کہ "رحمن عرش پر قائم ہے" تو استواء سے یہاں مراد کامل و مکمل عظمتِ خداوندی اور اس کی قدرتِ قاہرہ ہے جو نفوس پر اس طرح متمکن ہے کہ عرش عظیم تمام مخلوقات سے عظیم تر اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

فصل نمبر ۵:

نقر بان القران کلام اللہ تعالیٰ و وحیہ و تنزیلہ و صفتہ لاھو و لاغیرہ بل ھو صفتہ علی التحقیق مکتوب فی المصاحف مقرؤ بالالسن محفوظ فی الصدور غیر حلول فیھا و الحروف و الحبر و الکاغذ و الکتاب کلھا مخلوقة لانھا افعال العباد و کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق لان الکتابة و الحروف و الکلمات و الآیات کلھا الة القرآن لحاجة العباد الیہ و کلام اللہ تعالیٰ قائم بذاتہ و معناہ مفھوم بھذہ الاشیاء فمن قال بان کلام اللہ تعالیٰ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم و اللہ تعالیٰ معبود لایزال عما کان و کلامہ مقرؤ و مکتوب محفوظ من غیر مزایلة عنہ۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی اور اس کی نازل کی ہوئی (کتاب) ہے (اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام) صفات کی طرح نہ عین ذات ہے اور نہ ذات سے جدا بلکہ یہ (قرآن اللہ تعالیٰ) کی صفت ہے تحقیق کی بناء پر۔ (قرآن اور کلام اللہ سے مراد قرآن نفسی اور کلامِ لفظی ہے)۔ یہ (قرآن) مصاحف میں لکھا گیا ہے اور زبان سے اس کی قرأت کی جاتی ہے اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے لیکن ان میں حلول کرنے والا نہیں۔ اس کے حروف اور سیاہی اور کاغذ اور کتابت یہ سب مخلوق (حادث اور نئی اشیاء) ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور کلام اللہ

غیر مخلوق (حادث اور نئی چیز) نہیں ہے کیونکہ کتابت اور حروف اور کلمات اورآیات سب قرآن کو سمجھنے کیلئے ایک واسطہ ہیں کیونکہ بندے ان سب چیزوں کے حاجت مند ہیں اور کلام اللہ (کلامِ نفسی) تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اللہ کے معنی مذکورہ اشیاء سے سمجھے جاتے ہیں پس جو شخص اس طرح کہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کافر ہے اوراللہ تعالیٰ معبود ہے اور ہمیشہ معبود رہے گا اوراللہ تعالیٰ کا کلام پڑھا اور لکھا جاتا ہے اورزوال سے محفوظ ہے۔

تشریح:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحیٔ جلی کے ذریعے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

۷۲ فرقوں میں سے ایک کہتا ہے کہ صفتِ کلام (یعنی قرآن کریم) عین ذات خدا ہے یعنی وہ صفاتِ خدا کو عین خدا کہتے ہیں جبکہ ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

دوسرا گروہ (جسے جہمیۂ مطلق کہتے ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اورالگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اورالگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا ہو وہ مخلوق اور حادث ہوتی ہے اوراور چونکہ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے اس لئے جہمیہ کا مندرجہ بالا عقیدہ بھی باطل ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم۔[135]

---

[135] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۲۲۔

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے اور جس نے کہا کہ وہ (قرآن کریم) مخلوق تو وہ (کہنے والا) اللہ تعالیٰ سے کافر ہو گا۔

اس لئے ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے اور یہ مخلوق وحادث نہیں ہے البتہ اس کا کاغذ، حروف، آیات، کلمات، سیاہی اور کتابت یہ سب مخلوق ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور بندوں کے افعال حادث اور مخلوق ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں قرآن کریم کو سمجھنے کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔

اور ایک باطل گروہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام اللہ چونکہ نازل ہو چکا ہے اس لئے اب یہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔

اور ہم (اہل والجماعت) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ توعینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جدا ہیں۔

جہمیہ کا فرقہ عرش الٰہی، کرسی، میزان، حساب وکتاب اور قبر کے عذاب سے بھی منکر ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت ودوزخ دونوں مخلوق نہیں کیونکہ اگر یہ مخلوق ہوتیں تو ان کو ضرور فنا ہوتی۔

جبکہ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جنت ودوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی فنا کرنے پر قادر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (٢٦) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن ٢٧)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص ٨٨)

ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرنے کیلئے جنت ودوزخ کو بھی ایک لحظہ کیلئے فنا کرے گا تاہم سزا وجزا کیلئے ان کو دوبارہ قائم کردے گا اور یہ لوگ اعتراف بالقلب کے قائل ہیں اور زبان سے اقرار کے قائل نہیں اور یہ گروہ تمام صفات سے منکر ہے۔[136]

فصل نمبر ۶:

نقر بان افضل ھذہ الامة بعد نبینا محمد علیه الصلوۃ و السلام ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین لقوله تعالیٰ أُولَئِکَ الْمُقَرَّبُونَ (۱۱) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (۱۲) ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ (الوقعه ۱۳) کل من سبق فھو افضل ویحبھم کل مومن تقی ویبغضھم کل منافق شقی۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اس امت (امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد افضل ترین انسان ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں (اوران چار خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس ترتیب کیلئے) اللہ تعالیٰ کے کلام کی یہ آیت دلیل ہے۔" اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بارگاہ ہیں چین کے باغوں میں "(ان میں سے) جس نے (ایمان) کی طرف سبقت کی وہی افضل ہے ہر وہ مؤمن جو تقویٰ دار ہو وہ ان (مبارک ذوات کے ساتھ) محبت کرتا ہے اور ہر منافق بد بخت ان (مبارک ذوات کے ساتھ) بغض رکھتا ہے۔

---

[136] غنیۃ الطالبین ص ۶۸۔

تشریح:

روافض کے تمام گروہ حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت کے (پہلے) حق دار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور روافض کا ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔

وانما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلافة کتاب معتمد فی الفقه الحنفی وغیرہ کاحیاء العلوم للامام الغزالی (رحمه اللہ تعالیٰ) انه لایجوز اللعن علیه ولا علی الحجاج بن یوسف لان النبی ﷺ نهی عن لعن المصلین۔[137]

ترجمہ: اور اختلاف کی یہ بات یزید بن معاویہ کے بارے میں ہے حتیٰ کہ فقہ حنفی کی معتمد کتاب خلاصۃ الکتاب وغیرہ اور جیسے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب احیاء العلوم ہے میں لکھا ہے کہ ان (یزید بن معاویہ) پر اور حجاج بن یوسف پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے نمازیوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔

علم عقائد کی وہ قدیم ترین کتاب جس کے مصنف حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حوالے دیئے ہیں اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا درس دیا کرتے تھے۔[138]

امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے اخیر نصف کے عظیم عالم نے یزید کے بارے میں لکھا ہے۔

---

[137] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۵۱۔

[138] تمہید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ تصنیف امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟

(۱) بعض نے کہا: لعنت جائز نہیں اس لئے کہ کئی سال تک مسلمانوں کا امام بنا رہا۔

(۲) بعض نے کہا کہ یزید پر لعنت جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کو جائز رکھا اور اس پر راضی ہوا۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ یزید نے لوگوں کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ حکم دیا تھا کہ ان سے بیعت لے لو یا ان کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔ ان خوشامدیوں اور بدبختوں نے اس کے حکم کے بغیر قتل کر دیا اور یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین پر راضی ہوا۔ پس صحیح یہ ہے کہ اگر یزید نے قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم دیا اور ان کے قتل پر راضی ہوا اور اس نے اہل بیعت پر لعنت کو جائز رکھا تو یزید پر لعنت جائز ہے ورنہ پھر نہیں۔

اور ایسے ہی جس نے قتل کیا اور قتل کو حلال نہیں سمجھا اس پر بھی لعنت جائز نہیں اور قتل حلال سمجھا تو وہ کافر ہے، اس پر لعنت بھی جائز ہے۔ **و اللہ تعالیٰ جل شانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

علماء، یزید کی تکفیر اور اس کی لعن کے بارے میں تین گروہ ہیں:

امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے کافر اور لعنت اس پر جائز کہتے ہیں؛ اس لئے کہ اس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کہا: "میں نے ان کو اس کا بدلہ دیا جو انہوں نے قریش کے بزرگوں اور سرداروں کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا" اور یہ بات **فی الواقع** کفر ہے، سوا اِس کے اور افعال و اقوال اس رُوسِیاہ سے منقول ہیں جو کفر و ارتداد پر صریح دال ہوں، شراب اور حرام کاری

اس کے وقت میں علانیہ جاری ہوئی اور بے حرمتی حرمین شریفین اور وہاں کے باشندوں کی اس کے لشکر کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔[139]

اور بعض علماء اس کی تکفیر و لعن سے انکار کرتے اور کہتے ہیں: اجازت ان حرکتوں اور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی اس سے بدلیلِ قطعی ثابت نہیں اور یہ کلمہ کہ "میں نے ان سے جنگ بدر کا بدلہ لیا"، بر تقدیر ثبوت، اَحاد کے مرتبہ سے متجاوز نہیں ہو سکتا **و الیقین لا یزول إلاّ بیقین مثله** (اور یقینی بات کو رد کرنے کیلئے اسی کی مثل یقینی بات درکار ہوتی ہے) **کما تقرر في موضعه۔**

غایت کار اس کا یہ ہے کہ فاسق و فاجر تھا اور احکام شرعیہ پر قائم نہ تھا اور فاسق پر لعنت جائز نہیں۔

فاضل قونوی "شرح عمدة النسفي" میں لکھتے ہیں:

صاحبِ کبیرہ پر لعنت نہ کی جائے کہ ایمان اس کا اس کے ساتھ ہے، ارتکابِ کبیرہ سے کم نہیں ہوتا اور مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔[140]

ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں قولِ شارح "عقائد" کا یعنی: **نحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه فلعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه** مع اس کے دلائل کے رَد کرتے ہیں اور "خلاصہ" وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حجاج و یزید پر لعنت کرنا نہ چاہیے اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی لعنت سے ممانعت فرمائی ہے اور جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لعنت کرنا

---

[139] (انظر "منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص٧٣، و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة... إلخ، ص٢٢٠)

[140] ("منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص٧٣، (نقلاً عن القونوي).)

بعض اہل قبلہ پر منقول ہے؛ اس سبب سے ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کا حال جانتے تھے اور لوگ نہیں جانتے شاید وہ شخص منافق ہو یا بِاِعلامِ الٰہی اس کا کفر پر مرنا معلوم ہو۔[141]

امام غزالی "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ حکم یزید کا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کیلئے اصلاً ثابت نہیں اور بلا تحقیقات مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ کی جائز نہیں إلی أن قال لعنِ اشخاص میں خطر ہے پس اجتناب چاہے اور ترکِ لعن ابلیس میں بھی خطر نہیں فضلاً عن غیرہ (جب ابلیس کو کوئی لعنت نہ کرنے میں ایمان کو کوئی خطرہ نہیں تو دوسروں کو لعنت نہ کرنے میں ایمان کو خطرہ کیسے ہو سکتا ہے!) واللہ تعالیٰ أعلم منه قدس سرہ العزیز۔[142]

اور بعض علماء اس کی تکفیر و لعن میں توقف (سکوت اختیار) کرتے ہیں اور یہی راجح اور یہی اَسلم اور یہی ھمارے ائمہ ہدیٰ کا مذہب اَصح واَقوم ہے۔[143]

اس خبیث نے مسلم بن عقبہ مرّی کو مدینہ سکینہ پر بھیج کر ۱۷۰۰ سترہ سو مہاجرین واَنصار و تابعین کِبار کو شہید کرایا۔ تین روز اہلِ مدینہ لوٹ اور قتل اورانواعِ مصائب میں مبتلا رہے اور فوجِ اشقیاء نے مسجدِ اقدس میں گھوڑے باندھے اور کسی کو وہاں نماز نہ پڑھنے دی، اہل حرم سے یزید

---

[141]("منح الروض الأزہر"، الکبیرۃ لا تخرج عن الإیمان، ص ۷۲-۷۳، ملتقطاً۔)

[142]("إحیاء علوم الدین"، کتاب آفات اللسان، الآفۃ الثامنۃ: اللعن، ج۳، ص ۱۵۴)

[143]("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ماجری بین علي ومعاویۃ رضي اللہ عنھما، ص ۳۱۵-۳۱۶. و"الصواعق المحرقۃ"، الخاتمۃ في بیان اعتقاد أہل السنۃ...إلخ، ص ۲۲۱)

کی غلامی پر بجبر بیعت لی کہ چاہے بیچے، چاہے آزاد کرے، جو کہتا میں خدا اور رسول کے حکم پر بیعت کرتا ہوں اسے شہید کرتے۔[144]

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی بے حرمتی کر چکے، خانہ خدا پر چلے راہ میں مسلم بن عقبہ مر گیا، حصین بن نمیر نے مع فوجِ کثیر مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کو جلا دیا اور وہاں کے رہنے والوں پر طرح طرح کا ظلم و ستم کیا۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[145]

ملائکہ وانبیاء کہ بحکمِ جناب کبریا کسی پر لعنت کرتے ہیں بسببِ امتثالِ امر (حکم بجالانے) کے مشکور وماجور ہوتے ہیں جس طرح زبانیہ دوزخ (وہ فرشتے جو دوزخیوں کو آگ میں دھکیلیں گے) اور وہ فرشتے جو عذاب پر مامور ہیں اپنے کام میں محمود ہیں گویا یہ بھی کافروں کے حق میں ایک قسم کا عذاب ہے کہ مقبولانِ جنابِ احدیت اس کے ایصال پر مامور وماجور ہوتے ہیں، دوسرے شخص کو کہ قیدیوں کی تعذیب پر مقرر نہیں ان کو مارنا اور ایذا دینا موجبِ اجر نہیں اور آیہ کریمہ: (عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ) (ترجمہ کنزالایمان: "ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔" ((پ ۲، البقرۃ:۱۶۱)) اخبار ہے نہ کہ امر کہ سب آدمیوں کا مامور بنص ہونا ثابت ہو، فَتَفَكَّرۡ۔ منہ قدس سرہ۔[146]

---

[144] ("فتح الباري"، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيأً... إلخ، تحت الحديث: ۷۱۱۴، ج۱۳، ص۶۰-۶۱. و"البداية والنهاية"، وقعة الحرث، ج۵، ص۷۳۱-۷۳۲. و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة... إلخ، ص۲۲۱-۲۲۲.)

[145] (انظر "فتح الباري"، كتاب التفسير، باب قوله: ثاني اثنين... إلخ، تحت الحديث: ۴۶۶۶، ج۸، ص۲۷۹.)

[146] "مرآة الجنان"، السنة: ۶۴، ج۳، ص۱۳۴.

کسی بھی مومن کو یہ بات زیب نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو، اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔[147]

یعنی اہلسنّت کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ لوگوں کو برا بھلا کہیں یا گالی دیں یا لعنت کریں بلکہ ہم اہلسنّت کا شیوہ تو ان چیزوں سے دور رہنا ہے۔[148]

شیعہ خوارج کو کافر کہتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں اور خوارج شیعہ کو کافر و ملعون جانتے ہیں بلکہ اپنے مذہب والوں کی لعن و تشنیع میں باک (خوف) نہیں کرتے، جو شخص انکے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ لعن و تکفیر تمام اہلِ بدعت خصوصاً شیعہ کا وظیفہ ہے۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔

روافض کے اسی عقیدہ کی ایک کڑی فرقہ عبدیہ کا وہ قول ہے جس میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے نصوص سے انحراف کرکے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا اور دوسروں کو خلیفہ بنایا اس لئے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیزار ہونا ضروری ہے۔(**نعوذ باللہ من ذلک**)

ایک فرقہ مشبہہ ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملے میں ہمیں شبہ ہے اس لئے ہم ان دونوں سے بیزار ہیں۔

---

[147] "سنن الترمذي"، كتاب الطب، باب ماجاء في اللعن والطعن، ج٣، الحديث: ٢٠٢٦، ص٤١٠۔

[148] "أشعة اللمعات"، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان من الغيبة والشتم، ج٤، ص٧١. "إحياء العلوم"، كتاب آفات اللسان، ج٣، ص١٥٤۔

عن عبد الله بن مغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشک أن يأخذه))۔[149]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور انہیں ہدف ملامت نہ بنانا۔ اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے بغض کیا۔ اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا کہ اس نے مجھے ایذا اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

من سب أصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين۔[150]

ترجمہ: جو شخص میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

وقال إن شرار أمتي أجرؤهم على صحابتي۔[151]

---

[149] "سنن الترمذي"، کتاب المناقب، باب من سبّ أصحاب النبیصلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث: ۳۸۸۸، ج۵، ص ۴۶۳. العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷۔

[150] رواہ الطبرانی ج ۱۲ ص ۸۹، العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔

[151] رواہ ابن عدی وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸، جامع صغیر رقم ۲۲۸۱، جامع المعراج ص ۱۴۳۔

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا بے شک میری امت کا شریر ترین (امتی) وہ ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے۔

إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم (خط-عن ابن عمر)۔[152]

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا جس وقت آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں تو آپ ان سے کہیں کہ آپ کے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

وقال لعن اللہ من سب اصحابی۔[153]

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبہ وشکرہ واجب علی امتی۔[154]

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں: ”حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب سے بہتر اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب

---

[152] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۳۲۔

[153] رواہ الطبرانی۔ العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔

[154] رواہ ابن عساکر وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۹۔

ہیں۔[155]"

مفتری کی سزا

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ارشاد فرماتے ہیں:"نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اگر اس کے علاوہ کسی نے کوئی دوسری بات کی تو وہ مُفْتَرِی یعنی الزام لگانے والا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہے جو الزام لگانے والے کی سزا ہے۔[156] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا اِصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے استفسار کیا:"اس امت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟" فرمایا:"اس اُمت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں، ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر میں۔(یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[157]

---

[155](سنن الترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر الصدیق، الحدیث:۳۶۷۶، ج۵، ص ۳۷۲)

[156](کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابۃ، فضل الصدیق، الحدیث:۳۵۶۲۲، ج۶، الجزء:۱۲، ص ۲۲۳، جمع الجوامع، مسند عمر بن الخطاب، الحدیث:۱۰۵۸، ج۱۱، ص۲۱۹)

[157](الریاض النضرۃ، ج۱، ص۵۷)

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُما

فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مبارکہ میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شمار کرتے ان کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو۔[158] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ "ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب میں بہت زیادہ میل جول رکھنے والے تھے اور ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اس وقت ہم مراتب صحابہ یوں بیان کیا کرتے تھے، اس امت میں نبیٔ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ افضل ہیں۔ پھر ہم خاموش ہو جاتے۔"[159]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا محمد بن علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے پوچھا: "نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟" ارشاد فرمایا: "ابو بکر" میں نے کہا: "پھر کون؟" فرمایا: "عمر"۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں

---

[158] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، الحدیث: ۳۶۵۵، ج ۲، ص ۵۱۸، تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۳۴۶)

[159] (کنز العمال، کتاب الفضائل، جامع الخلفاء، الحدیث: ۳۶۱۷۷، ج ۷، الجزء: ۱۳، ص ۱۰۵)

نے دوبارہ پوچھا کہ "پھر کون؟ "تو شاید آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا نام لے لیں گے، اس لیے میں نے فوراً کہا: "حضرت سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بعد تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی سب سے افضل ہیں؟" ارشاد فرمایا: "میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔"[160]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا اصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی خدمت میں عرض کی: "اے امیر المؤمنین! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔" میں نے عرض کیا: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔" میں نے عرض کی: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔" میں نے عرض کی: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "میں۔" (یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[161]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے آگے چل رہا تھا تو نبیوں کے سردار سرکار والا تبار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اے ابو درداء! تم اس کے آگے چل رہے ہوں جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے، نبیوں اور مرسلین کے بعد کسی

---

[160] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت۔۔۔ الخ، الحدیث: ۳۶۷۱، ج ۲، ص ۵۲۲)

[161] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۴۴، ص ۱۹۶)

پر نہ تو سورج طلوع ہوا اور نہ ہی غروب ہوا کہ وہ ابو بکر سے افضل ہو۔"[162]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ میں نے نبیِ کریم رؤف، رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "نبی کے علاوہ تمام لوگوں میں سب سے **افضل ابو بکر** ہیں۔"[163]

افضلیت صدیق اکبر بزبان جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام

ایک دن نبیِ اکرم، نورِ مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر توجہ فرمائی تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نظر نہ آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کا نام لے کر دو (۲) بار پکارا، پھر ارشاد فرمایا: "بیشک روح القدس جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے تھوڑی دیر پہلے مجھے خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق ہیں۔"[164]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟" ارشاد فرمایا: "عائشہ" میں نے کہا: "مردوں میں؟" فرمایا: "ان کے والد (یعنی ابو بکر صدیق)" میں

---

[162] (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، بقیہ قولہ مروا ابا بکر ان یصلی، الرقم:۱۳۵، ج۱، ص ۱۵۲)

[163] (جمع الجوامع، الھمزۃ مع الباء، الحدیث: ۱۲۰، ج۱، ص ۳۸، تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۲۱۲)

[164] (المعجم الاوسط، من اسمہ محمد، الحدیث: ۶۴۴۸، ج۵، ص ۱۸)

نے پوچھا: "پھر کون؟ " ارشاد فرمایا: "عمر بن خطاب۔" (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم)[165]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حسان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں:

إِذَا تَذَکَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ ۔۔۔ فَاذْکُرْ أَخَاکَ أَبَا بَکْرٍ بِمَا
فَعَلَا خَیْرُ الْبَرِیَّةِ أَتْقَاهَا وَ أَعْدَلُهَا ۔۔۔ بَعْدَ النَّبِيِّ وَ أَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

ترجمہ: "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے کارناموں کو یاد کر جو نبیٔ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔"[166]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا ابو بکر بن عیاش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو یہ فرماتے سنا: وَ اللّٰہِ مَا وَلَدَ لِآدَمَ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَ الْمُرْسَلِیْنَ أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَکْر یعنی انبیاء و مرسلین کے بعد حضرت سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اولاد میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔"[167]

---

[165] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی لو کنت متخذا، الحدیث: ۳۶۶۲، ج ۲، ص ۵۱۹)
[166] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، استنشادہ فی مدح الصدیق، الحدیث: ۴۴۷۰، ج ۴، ص ۷)
[167] (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، و من فضائل عمر بن الخطاب من حدیث أبي بکر بن مالک۔۔۔ الخ، الرقم: ۵۹۸، ج ۱، ص ۳۹۴)

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ نسفی عَلَیۡہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی

حضرت امام ابن ہمام عمر بن محمود نسفی عَلَیۡہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: ''نبیٔ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد افضل البشر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم ہیں۔''[168]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام اعظم رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

حضرت سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد تمام لوگوں سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان ذوالنورین، پھر علی ابن ابی طالب رِضۡوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِمۡ اَجۡمَعِیۡن ہیں۔''[169]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شافعی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

حضرت اِمام شافعی عَلَیۡہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: ''تمام صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان و تابعین عظام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رِضۡوَانُ

---

[168] (شرح العقائد النسفیۃ، ص ۳۱۸)

[169] (شرح الفقہ الاکبر، ص ۶۱)

اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِمۡ اَجۡمَعِیۡن ہیں۔[170]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام مالک رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

حضرت سیدنا امام مالک رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ سے پوچھا گیا: "انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟" فرمایا: "حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ۔[171]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام طحاوی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

حضرت سیدنا امام ابو جعفر طحاوی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُاللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بایں طور کہ آپ کو تمام اُمت پر افضلیت وسبقت حاصل ہے، پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کے لیے خلافت ثابت کرتے ہیں۔[172]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام ابو بکر باقلانی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

فرماتے ہیں: "اہل سنت وجماعت اَسلاف کا حق پہنچاتے ہیں وہ اسلاف جن کو اللہ تعالی نے اپنے

---

[170] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، ج۸، ص۱۵)

[171] (الصواعق المحرقۃ، الباب الثالث، ص۵۷)

[172] (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص۴۷۱)

حبیب کے لیے منتخب فرمایا تھا وہ ان کے فضائل بیان کرتے ہیں اور ان میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں خواہ چھوٹوں میں یا بڑوں میں اہلسنت وجماعت ان اختلافات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق کو، پھر حضرت سیدنا عثمان کو پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب خلفاء راشدین ومہدیین ہیں اور نبی کریم، رؤف رّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اہلسنت وجماعت ان تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پر دلالت کرنے والی اور شان خلفاء میں وارد شدہ احادیث کو جھٹلاتے نہیں ہیں جو حضور اکرم، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے۔"[173]

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ تقی الدین رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "اِنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَفْضَلُ مِنْ سَائِرِ الْاُمَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَسَائِرِ اُمَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَصْحَابِہِم یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام اُمت محمدیہ سے اور تمام انبیاء کی ساری امتوں اور ان کے اصحاب سے افضل ہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اس طرح لازم تھے جس طرح سایہ جسم کو لازم ہوتا ہے حتی کہ میثاق انبیاء میں اور اسی لیے آپ نے سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق کی۔"[174]

---

[173] (کتاب التمہید، ص۲۹۵)

[174] (الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص۳۲۹)

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عبد البر رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "حضور نبیِ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے بعد جن صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو چھوڑا اُن میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اس بات پر علماء کرام کی جماعت کا اجماع ہے اور اہل علم کے ایک بہت بڑے گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں۔[175]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابو شکور سالمی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

اِمامُ المتکلمین علامہ ابو شکور سالمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "اہل سنت وجماعت نے کہا ہے کہ انبیاء ورسل اور فرشتوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔[176]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام غزالی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "نبیِ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا

---

[175] (التمھید لما فی الموطا من المعانی والمسانید، حدیث الرابع عشر، ج۸، ص۵۵۳)

[176] (تمھید ابو شکور سالمی، ص۳۶۴)

عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔[177]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام کمال الدین رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں:" جان لو کہ دوجہاں کے تاجور، سلطانِ بحر وبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، پھر حضرت سیدنا عمر، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں اور اس پر احادیث سے بے شمار دلائل موجود ہیں جو مجموعی طور پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔[178]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام قاضی عیاض رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت امام قاضی عیاض مالکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:"اللّٰہ تعالی نے میرے صحابہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم کو تمام جہانوں پر ماسوائے انبیاء ومرسلین کے منتخب فرمایاہے اور ان میں سے چار کو میرے لیے چن لیا ہے وہ چار ابو بکر، عمر، عثمان، علی ہیں اور ان کو اللّٰہ تعالیٰ نے میرا بہترین ساتھی بنایا اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے۔[179]"

---

[177](احیاء العلوم، کتاب قواعد العقائد، الرکن الرابع، الاصل السابع، ج۱، ص۱۵۸)

[178] (الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص۳۲۹)

[179](الشفا بتعریف حقوق المصطفی، ج۲، ص۵۴)

افضلیت صدیق اکبر بزبان غوث اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حسنی حسینی غوث الاعظم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: ”عشرہ مبشرہ میں سے افضل ترین چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اور ان چاروں کے لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے خلافت ثابت ہے۔[180] “

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عساکر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”حضور اکرم نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو غلبہ دیا اور انہیں مرتدین پر غالب کیا اور مسلمانوں نے ان کو خلافت میں اسی طرح مقدم کیا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو غار میں مقدم کیا پھر امام برحق حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو رونق بخشے آپ کے قاتلین نے ظلم و تعدی سے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شہید کیا پھر حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد یہ ائمہ ہیں۔[181]

---

[180] (الغنیۃ، العقائد والفرق الاسلامیۃ، ج۱، ص۱۵۷، ۱۵۸)

[181] (تبیین کذب المفتری، باب ماوصف من مجانبتہ لاھل البدع، ص۱۶۰)

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شرف الدین نووی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: ”اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُمَا ہیں۔[182]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام محمد بن حسین بغوی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: ”حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم انبیاء و مرسلین کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، اور پھر ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب سے ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پہلے خلیفہ ہیں لہٰذا وہ سب سے افضل ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، ان کے بعد حضرت سیدنا علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم افضل ہیں۔[183]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابن حجر عسقلانی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: اِنَّ الْإِجْمَاعَ اِنْعَقَدَ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّ تَرْتِيْبَهُمْ فِيْ الْفَضْلِ كَتَرْتِيْبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْن۔ یعنی اہل سنت وجماعت کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے (یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ

---

[182] (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ج۸، الجزء:۱۵، ص۱۴۸)

[183] (شرح السنۃ للبغوی، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج۱، ص۱۸۲)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم)۔"[184]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام جلال الدین سیوطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔"[185]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام عبد الوہاب شعرانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اُمت کے اولیاء کرام میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔"[186]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "یہ آیت مبارکہ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ(۵) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ ٦) حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں،

---

[184] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذ اخلیلا، تحت الحدیث:۳۶۷۸، ج۷، ص۲۹)

[185] (تاریخ الخلفاء، ص۳۴)

[186] (الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص۳۲۸)

کیونکہ ان دونوں آیتوں کا معنی ہے کہ ”اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا کہ جن پر تیرا انعام ہوا۔“اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ (النساء: ٦٩) یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صدیق پر انعام فرمایا۔اور اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں کہ صدیقین کے امام اور ان کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہی ہیں تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ”اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ اور تمام صدیقین تھے، کیونکہ اگر وہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء جائز ہی نہ ہوتی، لہٰذا ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت مبارکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔[187]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ مصلی مبارک سے پیچھے ہٹے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو آگے کیا تو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمنے فرمایا: ”ابو بکر کے سوا کوئی اور امامت کرے اللہ اور سب مومن انکار کرتے ہیں۔[188]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ قسطلانی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

حضرت علامہ احمد بن محمد بن ابو بکر بن عبد الملک قسطلاني رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر

---

[187](التفسیر الکبیر، الفاتحۃ:٦،٥، ج١، ص٢٢١)

[188](شرح الفقہ الاکبر، ص٦٤)

صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔[189]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان میر سید عبد الواحد بلگرامی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اُن کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور اُن کے بعد سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔[190]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ عبد الحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "خلفاء اَربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی تمام صحابہ سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق ہیں پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔[191] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی المرتضی

---

[189](ارشاد الساری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عثمان بن عفان، تحت الحدیث:۳۶۹۸، ج۸، ص۲۱۵)

[190](سبع سنابل، ص۷)

[191](تکمیل الایمان، ص۱۰۴)

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم ہیں۔"[192]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ عبد العزیز پرہاروی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "صوفیاء کرام کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امت میں سیدنا ابو بکر صدیق پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم سب سے افضل ہیں۔"[193]

افضلیت صدیق اکبر بزبان پیر مہر علی شاہ گولڑوی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "آیت (مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ-وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ) الآیۃ (پ ۲۶، الفتح: ۲۹) ترجمۂ کنز الایمان: "محمّد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔" میں اللہ تعالٰی کی طرف سے خلفائے اربعہ عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ سے خلیفۂ اول (حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ مراد ہیں) اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ سے خلیفۂ ثانی (حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ سے خلیفۂ ثالث (حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) اور تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا۔۔۔اِلَخ سے خلیفہ رابع (حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجۡہَہُ الۡکَرِیۡم) کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ معیت اور صحبت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ، کفار پر

---

[192] (تفہیمات الٰھیہ، ج۱، ص۱۲۸)

[193] (النبراس شرح شرح العقائد، ص۴۹۲)

شدت میں حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، حلم و کرم میں حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور عبادت و اخلاص میں حضرت سیدنا مولائے علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خصوصی شان رکھتے تھے۔[194]

افضلیت صدیق اکبر بزبان اعلی حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: "مرسلین ملائکہ و رسل و انبیائے بشر صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسلِیمَاتُہ عَلَیْھِمْ کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم تمام مخلوقِ الٰہی سے افضل ہیں، پھر اُن کی باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم۔"[195]

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدرالافاضل رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

صدرالافاضل حضرت مولانا **مفتی نعیم الدین** مراد آبادی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں:

اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد تمام عالم سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ہیں اُن کے بعد حضرت عمر اُن کے بعد حضرت عثمان اور اُن کے بعد حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم[196]

---

[194] (مہر منیر، ص ۴۲۴، اللباب فی علوم الکتاب، الفتح:۲۹، ج ۱۷، ص ۵۱۷)

[195] (فتاوی رضویہ، ج ۲۸، ص ۴۷۸)

[196] (سوانح کربلا، ص ۳۸)

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الشریعہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی **امجد علی** اعظمی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "بعد انبیاء ومرسلین، تمام مخلوقات الٰہی انس وجن وملک (فرشتوں) سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[197]"

سیدنا صدیق اکبر و عمر فاروق کی افضلیت قطعی ہے

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام **احمد رضا خان** عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "(حضرت سیدنا صدیق و عمر کی افضلیت پر) جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت و شریعت کا یہی مذہب ہے۔[198] "

جہاں نہایتیں وغایتیں ختم وہاں مقام صدیق شروع

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام **احمد رضا خان** عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان مراتب ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقاء کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلی ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال

---

[197] (بھار شریعت، ج۱، ص۲۴۱)

[198] (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص۸۱)

سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں، اس لیے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کے لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے اور ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم مُحمَّدٌ رَّسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے درمیان کوئی نہیں۔[199] "

مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ ارشاد فرماتے ہیں: "بالجملہ مسئلہ افضلیت ہر گز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف (ضعیف حدیثیں) سن سکیں بلکہ مواقف و شرح مواقف میں تو تصریح کی کہ باب عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح (خبر واحد صحیح حدیثیں) بھی نا مسموع۔[200] "

صدیق اولین ہیں خلافت کے تاجدار — بعد ان کے عمر و عثمان و حیدر ہیں بالیقین
اللہ اللہ ان کی عظمت اور شان سر بلند — انبیاء کے بعد ان کا کوئی ہمسر نہیں

صدیق اکبر صوفیاء کی نظر میں، صوفی بننے کے لیے نقش صدیق کی اتباع

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "اگر کوئی حقیقی صوفی بننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نقش قدم

---

[199] (فتاوی رضویہ، ج ۲۸، ص ۶۸۳)

[200] (فتاوی رضویہ، ج ۵، ص ۵۸۱)

پر چلے کہ صفا صدیق کی صفت ہے، کیونکہ صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اس کی اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے منقطع ہو جائے اور اس کی فرع یہ ہے کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور یہ دونوں صفتیں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ہیں تو جو اس طریقے والے ہیں آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کے امام ہیں۔"[201]

خوف و امید کی اعلیٰ مثال

حضرت سیدنا مطرف بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ارشاد فرمایا: "اگر آسمان سے کوئی یہ آواز بلند صدا دے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور اس کے فضل سے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا اور اگر آسمان سے یہ آواز آئے کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور عقاب کے سبب یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی میں ہی نہ ہوں۔" حضرت مطرف رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "بخدا! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف اور اس کی رحمت سے امید کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں مل سکے گی۔"[202]

صدیق اکبر جیسے بن جاؤ

حضرت سیدنا ابو العباس عطاء رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کے بارے میں

---

[201](کشف المحجوب، ص ۳۲، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج۳، ص ۸۰)

[202](اللمع فی التصوف، ص ۲۳۳)

پوچھا گیا: (کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ) (پ۳، اٰل عمران: ۷۹) ترجمۂ کنز الایمان: "اللہ والے ہو جاؤ۔" کہ اس فرمان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کن لوگوں جیسا ہونے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے فرمایا: اس آیت میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ تم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جیسے بن جاؤ، کیونکہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دنیا سے وصال ظاہری ہوا تو تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان شدت غم سے نڈھال تھے اور کچھ دیر کے لیے انہیں ایسا لگا جیسے اب دنیا سے اسلام کا نام ونشان ختم ہو جائے گا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی صدمہ نہ تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی ایسے تھے جنھوں نے نہایت ہی صبر و تحمل اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو پایا اور باہر آکر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے مجمع سے یہ خطاب فرمایا کہ "اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔[203]"

اس سے پتا چلا کہ ربانی یعنی اللہ والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے دل پر حوادثِ زمانہ کا کوئی اثر نہ ہوسکے یعنی اس کا دل اس کا اثر قبول نہ کرے خواہ پوری زمین اِدھر سے اُدھر ہی کیوں نہ ہو جائے۔[204]

---

[203](صحیح البخاری، کتاب المغازی، مرض النبی ووفاتہ، الحدیث: ۴۴۵۴، ج۳، ص۱۵۸، عمدۃ القاری، ج۲۶، ص۳۶۷)

[204](اللمع فی التصوف، ص۲۳۴)

صوفیاء کی بولی بولنے والے پہلے شخص

حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ ”اس اُمت کی پہلی شخصیت جس نے اشارے میں صوفیاء کی بولی سے کام لیا وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔ چنانچہ صوفیاء کرام نے اسی بولی سے ایسے ایسے لطائف اخذ کیے جس سے بڑے بڑے عقل مند حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔“

صوفیاء کی پہلی بولی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بولی

حضرت شیخ ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زبان پر سب سے پہلے صوفیاء کی بولی ظاہر ہوئی تو یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دلائی تو مختلف صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے حسب استطاعت اپنا اپنا مال بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور اس وقت حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے گھر کا سارا سامان لا کر حضور نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب پوچھا کہ: ”اے صدیق! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟“ اس پر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صوفیاء کی وہ بولی بولتے ہوئے عرض کی: ”یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! گھر والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چھوڑ کر آیا ہوں۔“[205]

---

[205](سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج ۵، ص ۳۸۰)

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے اس قول میں سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر فرمایا اور پھر ساتھ ہی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام مبارک لے دیا اور خدا کی قسم! عقیدۂ توحید رکھنے والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی انفرادیت بتانے کا اس سے بڑھ کر کوئی اور اشارہ ممکن ہی نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی حیات طیبہ میں اور بھی ارشادات ملتے ہیں جن سے صوفیاء نے بہت لطیف مسائل نکالے ہیں۔ اہل تحقیق صوفیاء انہیں جانتے اور خوب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان صوفیاء کا ان اشارات سے تعلق بھی ہے اور انہوں نے ان کو اپنا بھی رکھا ہے۔[206]

حیات صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اشارات صوفیاء رحمہم اللہ تعالٰی

انہی اشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال ظاہری پر جب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دل لرز گئے اور انہیں آپ کے وصال اور دنیا سے پردہ فرمانے پر خدشہ محسوس ہوا کہ اسلام کہیں ختم ہی نہ ہو جائے تو اس وقت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا تھا: ''اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔'' اس میں نہایت باریک اشارہ یہ تھا کہ آپ توحید الٰہی پر ثابت قدم تھے اور یہی نہیں بلکہ آپ نے تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا بھی اس عقیدۂ توحید پر یقین مضبوط فرما دیا۔

---

[206](اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

صوفیاء کی بولی، دوسری مثال

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جو صوفیاء کی بولی بولی انہیں بولیوں میں سے ایک بولی یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبیٔ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بارگاہ الٰہی میں التجاء کرتے ہوئے عرض کی کہ "الٰہی! اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر مخلص بندے شہید ہوگئے تو اس سرزمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ الٰہی! رحم فرما! کرم فرما! اور تو نے جس مدد کا وعدہ فرمایا تھا اسے پورا فرما۔" تو اس وقت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی تھے جنھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! بارگاہ الٰہی میں جو التجاء کرچکے وہ کافی ہے، اب بس کیجئے، اس سے زیادہ کچھ نہ کہیے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔" اللہ تعالٰی نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مدد کا جو وعدہ فرمایا تھا اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے: (اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا-سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال:۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: "جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔"[207]

اس آیت مبارکہ میں وعدۂ امداد الٰہی کی تصدیق تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سے

---

[207] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الانفال، الحدیث:۳۰۹۲، ج۵، ص۵۵)

صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی نے کی تھی، دیگر صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم اس وقت انتہائی پریشان ہو چکے تھے، وعدۂ امداد الٰہی کی اسی تصدیق قلبی سے آپ کے ایمان کی پختگی اور خصوصی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔[208]

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی ہر حالت اور کیفیت کے اعتبار سے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کامل واکمل تھے پھر کیا وجہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار وبے چین تھے اور بارگاہ رب العلمین میں گریہ وزاری فرمارہے تھے، جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بالکل مطمئن اور پرسکون تھے بلکہ خود آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حوصلہ دیتے نظر آرہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مقابلے میں معرفت الٰہی کے علوم یقیناً زیادہ جانتے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن میں سب سے زیادہ علم والے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وعدہ الٰہی پر حقیقی ایمان کی وجہ سے ثابت قدم تھے لیکن حضور نبیٔ اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چونکہ اللہ تعالٰی کی معرفت کا زیادہ علم رکھتے تھے کہ وہ رب عَزَّوَجَلَّ جبار وقہار ہے، وہ غنی یعنی بے پرواہ ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں، جب چاہے،

---

[208] (اللمع فی التصوف، ص۲۳۵)

جیسے چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار تھے کیونکہ آپ کو اللہ تعالٰی کے بارے میں وہ علم تھا جو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور کسی دوسرے صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب شدید آندھی آتی تو باوجودیکہ آندھیاں آتی ہی رہتی تھیں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرۂ مبارکہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حالانکہ اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ کئی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہوتے تھے اور کسی کو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ پھر حضور اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے خود یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں، اگر تم جان جاتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور تم بلند پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر روتے رہتے نیز تمہیں اپنے بستروں پر بھی کبھی چین نہ آتا۔"[209]

صدیق اکبر کے تین الہام

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے اور مخصوص بندوں کے دل میں بعض اوقات سوتے یا جاگتے میں کوئی بات اِلقا ہوتی ہے یعنی دل میں ڈالی جاتی ہے اِسے الہام کہتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وہ واحد صحابی تھے جو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں الہام و فراست کی خصوصیت رکھتے تھے اور آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ تین ۳ موقعوں پر الہام و فراست کا ظہور ہوا۔

(۱) مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال ظاہری کے بعد

---

[209] (اللمع فی التصوف، ص۲۳۶)

بعض قبائل نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تو دیگر صحابہ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان نے یہ رائے دی کہ زکوۃ روکنے والے مرتدوں سے ابھی جنگ نہ کی جائے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ان سے جنگ کرنے پر فوراً تیار ہوگئے اور مانعین زکوۃ کے بارے میں فرمایا کہ "اگر انہوں نے رسی کا ایک ٹکڑا بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عہد مبارک میں بطور زکوۃ ادا کرتے تھے تو میں اُن سے تلوار کے ذریعے جہاد کروں گا۔" چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی رائے درست ثابت ہوئی اور صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم نے مخالفت میں مشورہ دینے کے باوجود آپ کی رائے کو درست تسلیم کیا اور آپ کی رائے پر اکھٹے ہوگئے کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔[210]

(۲) جیش اسامہ کی روانگی

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کفار کی سرکوبی کے لیے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل ایک لشکر حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی سربراہی میں روانہ فرمایا تھا جو سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے انتقال کے بعد راستے میں شش و پنج کا شکار ہوگیا تھا۔ جب تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم نے حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے لشکر کو واپس بلانے پر اصرار کیا تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا کہ "جس کام کا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

---

210 (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۲، ج۱، ص۳۱، الریاض النضرۃ، ج۱، ص۱۴۷)

عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پختہ ارادہ فرمالیا تھا میں اسے ہر گز تبدیل نہیں کروں گا۔[211] ''

(۳) قبل وصال بیٹی کی خوشخبری

آپ کی فراست کا تیسرا موقع وہ تھا جب بوقت وصال آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ نے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہَا کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''اے عائشہ! میرے انتقال کے بعد مال وراثت کو اپنے دو بھائیوں اور دونوں بہنوں سب میں برابر برابر تقسیم کر دینا۔'' حالانکہ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہَا کو دو بھائیوں اور صرف ایک بہن کا پتہ تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے نکاح میں بنت خارجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہَا بھی تھیں جو اس وقت حاملہ تھیں اوراس حمل کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بچی ہو گی۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے الہام اور فراست کامل کے مطابق ویسا ہی ہوا کہ بچی کی پیدائش ہوئی۔[212]

اسی لیے نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد نوربار ہے کہ ''اِتَّقُوۡا فِرَاسَۃَ الۡمُؤۡمِنِ فَاِنَّہٗ یَنۡظُرُ بِنُوۡرِ اللہِ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے دیکھتا ہے۔[213] ''

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے ایسے اور بھی کمالات موجود ہیں جن کا تعلق اہل حقائق اور اہل دل سے ہے۔

---

[211] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج۸، ص ۶۲، الطبقات الکبریٰ، الطبقۃ الثانیۃ من المھاجرین، ج۴، ص ۵۰)

[212] (تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، ابو بکر الصدیق، فصل فی مرضہ الخ، ص ۶۳، شرح الزرقانی علی المؤطا، ج۴ ص ۶۱)

[213] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ الحجر، الحدیث: ۳۱۳۸، ج۵، ص ۸۸)

صحابہ کے مابین امتیاز صدیق اکبر

☆...حضرت سیدنا بکر بن عبد اللہ مزنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم میں اس لحاظ سے امتیاز نہیں رکھتے تھے کہ وہ روزے کثرت سے رکھتے اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں بلکہ یہ تو ان کے دل میں ایک خاص راز تھا جس کی وجہ سے وہ امتیاز رکھتے تھے۔''

☆ ...کسی صوفی کا اس امتیاز میں یہ قول ملتا ہے کہ ''آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دل میں محبت خداوندی موجزن تھی اور خلوص دل رکھتے تھے۔''

☆...حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جاتا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لوگوں سے فرماتے: ''اے لوگو! وہ آگ بجھادو جسے تم نے جلا رکھا ہے۔'' (یعنی نماز کا وقت ہوتے ہی جو کام جیسا ہے ویسا ہی چھوڑ دو)[214]

کھاتے ہی فوراً قے کر دی

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ شبہ والا کھانا کھالیا تھا جب علم ہوا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فوراً قے کر دی۔ پھر فرمایا: ''اگر یہ کھانا نکالنے میں میری جان بھی نکل جاتی تو میں اسے نکال کر ہی دم لیتا کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے میں نے سن رکھا ہے کہ جس پیٹ میں حرام کا کھانا چلا جائے تو اس سے آگ ہی بہتر

---

[214] (اللمع فی التصوف، ص۲۳۸)

رہے گی۔"[215]

کاش میں ایک سبزہ ہوتا

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ عذاب الٰہی اور یوم حساب کے ڈر سے فرمایا کرتے تھے:"کاش میں سبزہ ہوتا اور چوپائے مجھے کھا جاتے بلکہ میں پیدا ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا۔"[216]

صدیق اکبر اور تین آیتیں

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن کریم کی تین آیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا:

پہلی آیت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

(وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ-وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ(۱۰۷))(پ ۱۱،یونس:۱۰۷)

ترجمۂ کنز الایمان:"اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

---

[215] (صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاھلیۃ، الحدیث: ۳۸۴۲، ج۲، ص ۵۷۱، منھاج العابدین، الفصل الخامس فی البطن وحفظہ، ص۸۸)

[216] (جمع الجوامع، مسند ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۱۷۴، ج۱۱، ص۴۱، الطبقات الکبری، ذکر وصیۃ ابی بکر، ج۳، ص ۱۴۸)

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ فرماتے ہیں: ”اس آیت سے مجھے پتہ چل گیا کہ اگر اللہ تعالٰی میرا بھلا کرنا چاہے تو اس کے سوا اس بھلائی کو کوئی نہیں روک سکے گا، لیکن اگر اس کے حکم میں میرے لیے تکلیف لکھی ہے تو اسے بھی اسی کے سوا کوئی نہیں ٹال سکے گا۔“

دوسری آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

(فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ (البقرۃ ۱۵۲)

ترجمۂ کنزالایمان: ”تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔“ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ فرماتے ہیں: ”جب میں نے یہ آیت پڑھ لی تو میں نے اللہ تعالٰی کے سوا ہر چیز کی یاد کو ترک کر دیا اور اسی کا ذکر کرنے لگا۔“

تیسری آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

(وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزۡقُہَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَمُسۡتَوۡدَعَہَا کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (ھود:٦)

ترجمۂ کنزالایمان: ”اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمّہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہو گا سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں

ہے۔"آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: "جب سے میں نے یہ آیت پڑھ لی ہے تو خدا کی قسم! میں نے روزی کی فکر کرنا چھوڑ دی۔ [217]"

دنیاداروں کی مذمت میں صدیق اکبر کے اشعار

کہا جاتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دنیاداروں کی مذمت میں چند اشعار فرمائے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"اے دنیا اور اس کی زیب وزینت اپنا کر ناز کرنے والے! سن لے کہ مٹی ہی مٹی کی شان ہے تو اس میں عظمت کیسی؟ کوئی شریف آدمی دیکھنا چاہو تو ایسے بادشاہ کی طرف دیکھا کرو جو مسکین نما لباس پہنا کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہو گا جو لوگوں پر مہربان ہو گا اور دین و دنیا میں یہی اصلاح کر سکے گا۔ [218]"

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بہترین راہنما

حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے متعلق آتا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے توحید کا مفہوم سمجھانے کے لیے حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ فرمان سب سے بہترین راہنما ہے کہ "ذات الٰہی کتنی ستھری ہے جس نے اپنی پہچان کا صرف ایک ہی بہتر طریقہ بتلا دیا ہے کہ اس کی پہچان سے عاجز ہو جاؤ۔ [219]"

---

[217] (اللمع فی التصوف، ص۲۳۹)

[218] (اللمع فی التصوف، ص۲۴۰)

[219] (اللمع فی التصوف، ص۲۴۰)

صدیق اکبر مرید صادق ہیں

حضرت سیدنا شیخ محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: "دوسروں پر فضیلت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی دلالت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں مرید صادق کی طرح ہونا ہے جبکہ شیخ کی معیت میں اس کی فتوحات کامل ہو جائیں اور اسی وجہ سے آپ مستحق خلافت ہوئے۔ پس حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم واصل بحق نہیں ہوئے حتی کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہر طرح سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہوگئے اور آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مشاہدہ ایک عبد مخلص کی صورت میں کیا جسے اللہ تعالیٰ کی معیت میں اگر کوئی حرکت یا سکون ہے تو صرف اسی کی اجازت سے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی بالفعل دلیل

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر فضیلت کی بالفعل دلیل وہ ہے جو کہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب مال طلب فرمایا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے سارا مال لا کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جبکہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے گھر کا آدھا مال پیش کر دیا۔[220]

سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب

---

[220] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر و عمر، الحدیث:۳۶۹۵، ج۵، ص۳۸۰)

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں کے مال میں ان کے لیے کوئی حد مقرر نہ فرمائی بلکہ دونوں پر یہ امر مخفی رکھا تا کہ ہر ایک عزم کے مطابق کام کرے۔ اگر سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آپ دونوں کے لیے کوئی حد مقرر فرمائی ہوتی تو یہ اس سے آگے نہ بڑھتے اور یوں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی فضیلت بھی سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پر ظاہر نہ ہوتی۔ پس آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس امر کو مبہم رکھنے میں صرف یہی ارادہ فرمایا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی فضیلت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پر ظاہر کر کے بیان کر دی جائے۔

قول صدیق میں انتہائی ادب

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے اس قول میں کہ ”گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں“ انتہائی ادب ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالٰی کے ساتھ ملایا۔

اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پر ان کے مال سے کوئی چیز لوٹا دی تو آپ نے اسے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دست کرم سے قبول کیا ہوتا کیونکہ آپ نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے اہل خانہ کی کفایت کرتے چھوڑا ہے تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے اپنے مال میں فیصلہ نہیں کیا مگر اس کی حیثیت سے جسے مال کے مالک نے اپنا نائب بنایا ہو۔ پس اے بھائی! غور کر کہ مراتب امور کے متعلق سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کا عرفان کس قدر مضبوط ہے اور اسی وجہ سے آپ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پر فضیلت پائی۔ حالانکہ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کا

خیال تھا کہ آج وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے سبقت لے جائیں گے تو جب یہ نصف مال لانے کا واقعہ رونما ہوا تو سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہنے لگے کہ آج کے بعد میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر سبقت حاصل نہیں کر سکوں گا اور یہ مقام انہیں سونپ دیا۔ پھر رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ان کے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ کی اور یہ اس لیے تاکہ محبت میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سچائی پر جو کہ آپ کے علم میں ہے حاضرین کو متنبہ فرمادیں۔ پس اگر آپ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ان کے مال میں سے کچھ واپس کر دیتے تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں یہ احتمال راہ پاسکتا تھا کہ آپ کے دل میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ نرمی کا خیال آیا اور آپ نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر اسے بدلہ کے طور پر اس لیے پیش کر دیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ سارے کا سارا مال دینے میں ان کا نفس ہر طرح سے کھلا ہوا نہیں ہے جیسا کہ حضرت سیدنا عبد الرحمن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے ایسا واقعہ گزرا کہ وہ ایک دفعہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں اپنا سارا مال لے آئے تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے متعلق علم رکھتے کہ وہ اپنے لیے آپ کے ہوتے ہوئے کوئی ملکیت نہیں دیکھتے جیسے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے تو اس پر آپ واپس نہ کرتے۔

استحقاق امامت کا عرفان

جان لے کہ ایک شخص کے لیے استحقاق امامت چند امور کے ساتھ پہچانا جاتا ہے ایک یہ کہ

ایسی شخصیت ظاہر کرکے مقرر کرے جس کا قول قبول کرنا واجب ہو۔ جیسے نبی یا امام عادل۔ ایک یہ کہ مسلمان اس کی امامت پر اجماع کریں اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد بالاجماع سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ظاہر کرنے پر امام ہوئے۔ پھر سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، آپ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نص کے ساتھ۔ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس جماعت کی نص کے ساتھ جن کے درمیان باہمی مشورہ سے امر متعین کیا گیا۔ بے شک آپ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور معتبر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا علی مرتضی کی امامت پر اجماع کیا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُما۔ پس یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں۔[221]

ہوئے فاروق و عثمان و علی جب داخل بیعت — بنا فخرِ سلاسل صدیق اکبر کا

بَیاں ہو کس زبان سے مرتبہ صدیق اکبر کا — ہے یارِ غار، محبوبِ خدا صدیق اکبر کا

آپ کا سلسلہ نسب

حضرت سیدنا عروہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ "حضرت سیدنا امیر المومنین ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب ہے۔" مرہ بن کعب تک آپ کے سلسلہ نسب میں کل چھ واسطے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب میں بھی مرہ بن کعب تک چھ ہی واسطے ہیں اور

[221](الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص۳۲۹ ملخصا)

مرہ بن کعب پر جاکر آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کا سلسلہ سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب سے جاملتاہے۔ آپ کے والد عثمان کی کنیت ابو قحافہ ہے، آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی والدہ ماجدہ کا نام اُمُّ الخیر سلمٰی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب ہے۔ ام الخیر سلمٰی کی والدہ (یعنی امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی نانی) کا نام دلاف ہے اور یہی امیمہ بنت عبید بن ناقد خزاعی ہیں۔ امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی دادی (یعنی حضرت سیدنا ابو قحافہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی والدہ) کا نام امینہ بنت عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عُویج بن عدی بن کعب ہے۔[222]

سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کے ساتویں پشت میں ملنے کا شجرہ نسب ملاحظہ کیجئے:

نقشہ شجرۂ نسب

حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم	حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ
حضرت سیدنا عبد اللہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ	ابو قحافہ عثمان (والد) ام الخیر سلمی (والدہ)
حضرت سیدنا عبد المطلب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ	عامر صخر
حضرت سیدنا ہاشم رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ	عمرو عامر
حضرت سیدنا عبد مناف رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ	کعب
حضرت سیدنا قصی رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ	سعد

[222](المعجم الکبیر، نسبۃ ابی بکر الصدیق واسمہ، الحدیث: ۱، ج ۱، ص ۵۱، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج ۴، ص ۱۴۴)

حضرت سیدنا کلاب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	تیم
حضرت سیدنا مرۃ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	
حضرت سیدنا کعب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	
حضرت سیدنا لوئی رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	
حضرت سیدنا غالب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	
حضرت سیدنا فہر رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	
حضرت سیدنا مالک رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ	

حضرت سیدنا مالک رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ۵۸ویں پشت میں تھے۔[223]

لم ینقل عن السلف المجتھدین و العلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) و احزابہ لان غایۃ امرھم البغی و الخروج علی الامام و ھو لا یوجب اللعن۔[224]

ترجمہ: اسلاف، مجتہدین اور علماء وصالحین میں سے کسی سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے کیونکہ (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ) نے امام وقت (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے صرف بغاوت وخروج کیا جس سے لعن لازم نہیں آتا۔

---

[223] فیضان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[224] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۰۔

ذهب العمرية و الواصلية من المعتزلة الى ان الفريقين فاسقان حتى قال واصل بن عطاءلو شهدالجميع على باقةبقل لم اقبل شهادتهم وذهب الخوارج الى ان الفريقين كافران وذهب الروافض الى ان من عليا (رضی اللہ تعالیٰ عنه) فهو كافر وقال اهل السنة كان الحق مع على رضی اللہ تعالیٰ عنه وان من حاربه مخطی فی الاجتهادفهو معذور وان کلامن الفريقين عادل صالح ولايجوز الطعن فی احدمنهم للاحاديث المشهورة فی مدح الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم والنهی عن وهذاهو الحق فماذابعدالحق الا الضلال۔[225]

ترجمہ: عمریہ اور معتزلہ میں سے واصلیہ کہتے ہیں کہ دونوں گروہ (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فاسق تھے (نعوذباللہ) حتیٰ کہ واصل بن عطانے کہا کہ اگر سب لوگ ان (مذکورہ) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پاکدامنی کی گواہی دیں بھی تو میں کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ دونوں فریق (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کافر ہیں۔ (نعوذباللہ) اور روافض کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی وہ کافر ہے اوراہل سنت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور جنہوں نے ان سے جھگڑا کیا وہ اجتہادی طور پر غلطی پر تھے۔ پس وہ معذور (تصور) ہوتے ہیں اور بے شک دونوں فریق عادل وصالح تھے اور ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدح وتوصیف اوران کو گالی نہ دینے کے معاملہ میں احادیث مشہورہ موجود ہیں اور یہی بات حق وسچ ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

---

[225] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۰۳۔

قال مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شتم احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ ابابکر او عمر اوعثمان اومعاویۃ اوعمروبن العاص فان قال کانوا علی کفروضلال قتل وان شتمھم بغیر ھذا من مشاتمۃ الناس فنکل نکالاً شدیداً۔ انتھیٰ۔[226]

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت معاویہ یا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے (یا) اگر کہے کہ یہ لوگ کفر وگمراہی پر تھے تو اس شخص کو قتل کر دیا جائے اور اگر ان الفاظ کے علاوہ عام لوگوں کی گالیوں کی طرح گالی دے تو اس کو عبرتناک سزا دی جائے۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب حتی ان الرجل لیحلف ولا یستحلف ویشھد ولا یستشھد الا من سرہ بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطان مع الفذوھو من الاثنین ابعد ولا یخلون رجل بامراۃ فان الشیطان ثالثھم ومن سرقۃ حسنۃ وساوت سئۃ فھو مؤمن۔[227]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عزت واحترام کرو کیونکہ وہ تم لوگوں میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کی تعظیم کرو جو ان کے بعد ہوں گے۔ (یعنی تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پھر کذب ظاہر ہو جائے گا حتی کہ ایک شخص قسم کھائے گا حالانکہ اسے قسم کھانے کا نہیں کہا گیا ہوگا اور ایک شخص گواہی دے گا حالانکہ اسے گواہی دینے کا نہیں کہا گیا ہوگا اور

---

[226] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۱۔

[227] رواہ النسائی۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۱۔

آگاہ رہو کہ جو شخص جنت میں جاناچاہتاہو اس پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہے کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتاہے اور دو سے دور رہتاہے اور کوئی مرد، عورتوں کے ساتھ اکٹھانہ ہو کیونکہ (اگر ایسا کرے گا تو) ان میں شیطان تیسرا ہو گا۔ (یعنی گمراہ کرے گا) اور جس نے بھلائی کی چوری کی اور اس سے غلطی بھی سرزد ہو گئی تو وہ مؤمن ہے۔ (یعنی گناہ کرنے سے وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ مؤمن ہی کہلائے گا)۔

وقدحدث فی شر القررون فقة زائغة یسبون الائمة ویذمون التقلیدویدعون الناس الی ترکه مع ان جل مطاعنهم وکل دلائلهم مبنیة علی التقلیدلمن سبقهم لأنهم یقولون: خالف أبو حنیفة فی المسألة الفلانیةالحدیث الصحیح۔فان قلت۔کیف عرفت أنه حدیث صحیح ؟ویقولون:صححه الحافظ فی "الفتح" وصححه فلان وفلان۔ولا یعرفون أنه لمالم یجز لهم تقلیدأبی حنیفة کیف جاز لهم تقلیدمثل ابن حجر؟ولماحرمتم التقلیدفکیف وجب علی أبی حنیفةتقلیدابن حجر وأمثاله فی تصحیح مایصححون وتضعیف مایضعفون؟[228]

ترجمہ: بتحقیق زمانے (کے گزرنے کی وجہ سے) پیدا ہونے والے شر میں ایک فرقہ زائغہ پیدا ہوا (جس کے ماننے والے) امامان دین کو گالیاں دیتے ہیں اور تقلید کو برا جانتے ہیں اور لوگوں کو بھی ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں باوجودیکہ ان کے طعنے واضح وآشکارہیں اور جو شخص ان کی طرف میلان رکھے اس کیلئے ان کے دلائل تقلید پر مبنی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلاں فلاں مسئلے میں صحیح حدیث کے خلاف کیا اگر ان سے کہا جائے کہ آپ نے صحیح حدیث کو کیسے پہچانا؟ تو کہتے ہیں کہ اس (حدیث) کو حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے "کتاب الفتح" میں صحیح

---

[228] مقدمۃ اعلاء السنن فوائد فی علوم الفقہ ج ۲۱ ص ۷۔

شمار کیاہے اور فلاں نے بھی اس کو صحیح کہاہے(اس لئے ہمیں اس کے صحیح ہونے کا علم ہوا)انہیں خبر نہیں کہ جب ان کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہی نہیں توان کیلئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ (اوران کی طرح کے دوسرے فقہاء) کی تقلید کرنی کیسے جائز ہوئی؟اورجب وہ تقلید کو حرام کہتے ہیں توجن احادیث کووہ صحیح قراردے رہے ہیں ان کی صحت میں اور جن کو یہ ضعیف قراردے رہے ہیں ان کو ضعیف کہنے میں (حضرت امام اعظم) ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنا کیسے واجب ہو گا؟

فرقہ حشویہ کہتاہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم نہیں ہیں۔(نعوذباللہ من شرورھم)۔

وقال الامام الشیخ ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمة من الملائکة لان الامم مامورون بالاتباع للانبیاء لا الملائکة واختار القاضی عیاض عصمتھم بعدالوحی عن کل صغیرۃ وکبیرۃ ونسبه الی طائفة من المحققین وقال قداختلف فی عصمتھم قبل النبوة والصحیح ان شاءاللہ تعالیٰ تنزیھھم من کل عیب انتھی۔[229]

ترجمہ:حضرت امام شیخ ابو منصورماتریدی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایاہے کہ انبیاء علیہم السلام عصمت میں ملائکہ سے زیادہ حقدارہیں اس لئے کہ امت کوانبیاء علیہم السلام کی تابعداری کا حکم دیا گیاہے نہ کہ ملائکہ کی تابعداری کا۔قاضی عیاض نے انبیاء علیہم السلام کاوحی آنے کے بعد سارے صغیرہ وکبیرہ سے عصمت اختیار کیاہے اوراس بات کو محققین کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیاہے اور فرمایاہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں

---

[229] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۵۴۔

محققین کے اس گروہ نے اختلاف کیاہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ (انبیاء علیہم السلام) تمام عیوب سے پاک ہیں۔

فرقہ ناجیہ اہل وسنت والجماعت کاعقیدہ یہ ہے کہ خلفاءراشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی خلافت کی وہ ترتیب جو متن میں بیان ہوئی ہے وہی حق ہے اوراس امت کے بہترین انسان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے کہ

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ابو بکر وعمر خیر الاولین و الآخرین و خیر اھل السموات و خیر اھل الارضین الاالنبیین و المرسلین۔[230]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے علاوہ سب پہلوں اور پچھلوں سے بہتر وممتاز ہیں اور (نہ صرف یہ بلکہ) زمین وآسمان والوں سے بھی۔

علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ابی بكر وعمر رضی اللہ تعالی عنهما ومحبة الختنين عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنهما والختن بفتحتين زوج البنت ودليل توقفهم الاكتفابذكر المحبة فيهمامن غيرتعرض للتفضيل كمافی الشيخين وحسبک دليلاعلى الاهتمام بمسئلة الافضلية انهامن علامات السنة والانصاف اصله جعل الشئی نصفين ثم اطلق على الصلح بين الخصوم بقسمة المتاع فيه بينهمانصفين ثم اطلق على العدل بين الخصمين انه ان اريدبالافضلية كثرة الثواب ای كثرة الجزاءعلى اعمال الخير من الدرجات الرفيعة فی الجنان وكثرة التقرب الى الرحمن فللتوقف جهة لان كثرة الثواب لاتعرف

---

[230] رواہ الحاکم، ابن عدی، الخطیب، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۸۴۔

بالعقل ولذاتوقف الامام مالک قیل لہ ای الناس افضل بعدنبیھم فقال ابوبکروعمررضی اللہ تعالیٰ عنھما بلاشک فقیل لہ وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال ماادرکت احدااقتدی بہ بفضیل احدھماعلی الآخر وکذاتوقف امام الحرمین وابوعباس القلانسی۔[231]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کی نشانیاں یہ ہیں کہ فضیلت شیخین حضرت ابوبکروعمررضی اللہ تعالیٰ عنہما اورمحبت ختنین حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اورختن کالفظ زبرکے ساتھ پڑھاجاتاہے جس کے معنی ہیں بیٹی کاشوہر(یعنی داماد)۔اوران دونوں کی محبت پربغیرتعرض کے فضیلت کیلئے دلیل توقف سے اکتفاکیاہے جس طرح شیخین اوریہ دلیل کافی ہے کہ اس مسئلہ اوران دونوں کی فضیلت اورصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پرعلامات اہل سنت کااہتمام ہوجائے اورانصاف کی اصل (یعنی انصاف کی تعریف)یہ ہے کہ کسی چیزکونصف نصف (دوحصوں میں)تقسیم کرنا (انصاف کہلاتاہے)پھران دونوں کے جھگڑے کے درمیان صلح پرنصف نصف متاع تقسیم کرنے پر اطلاق کیا پھران دونوں کے جھگڑے کے درمیان عدل کااطلاق ہوابے شک افضلیت کے ارادہ کازیادہ ثواب ہےیعنی جنت میں درجات عالیہ سے اعمالِ خیرمیں زیادہ اجرہےاوررحمن کے زیادہ قریب ہوناہے۔پس توقف اس وجہ سے ہے کہ زیادہ ثواب کااندازہ عقل سے نہیں ہوتااوراسی وجہ سے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توقف کیاکسی نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیاکہ حضورنبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے لوگوں میں کون افضل ہے؟توآپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاکہ بغیرشک وشبہ کے حضرت ابوبکروعمررضی اللہ تعالیٰ عنہماحضرت امام

---

[231] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص۴۹۰۔

مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں کہ ان دونوں میں سے کون ایک دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے اوران میں سے پہلے کس کی اقتداء کروں اوراسی طرح امام حرمین اورابو عباس قلانسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔

حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہماقال کنانقول ورسول اللہ ﷺ حی افضل امتہ بعدہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فلاینکرہ رواہ الترمذی وثانیھمانصوص السلف فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خیر الناس فی ھذہ الامۃ بعدابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم انارواہ الحافظ ابو سعید السمان کمافی فضل الخطاب بل حکی ابو منصور البغدادی الاجماع علی ان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل۔[232]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم زندہ تھے اور ہم کہتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعدامت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پس ہماری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے (ہماری) اس بات سے انکار نہیں فرمایا۔ (رواہ الترمذی) اوراس بارے میں دوسری دلیل نصوص سلف ہے پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس امت کے بہترین

---

[232] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۱۔

لوگوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)(رواہ حافظ ابو سعید سمان) جس طرح فضیلتِ خطاب میں بلکہ ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا اس پر اجماع ہے کہ بے شک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهما قال اجمع المهاجرون والانصار على ان خير هذه الامة ابوبكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رواه خشيمة بن سعد وقال الامام النووی فی شرح مسلم الصحيح المشهور تقديم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتهیٰ۔[233]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصار اس بات پر متفق ہوگئے کہ اس امت میں بہترین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔(رواہ خشیمہ بن سعد)اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے کہ صحیح اور مشہور بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقدم ہونا ہے۔

اختلف الروايات فيه على اقوال فاحدها: انه بايعه فی الاول فعن ابی سعيد الخدری قال فی حديث السقيفة صعد ابوبكر المنبر فنظر فی وجوه القوم فلم ير عليا فدعاه فجاء فقال يا ابن عم رسول الله ﷺ اردت ان نفرق المسلمين فقال لا تثريب يا خليفة رسول الله ﷺ فبايعه رواه الحاكم والبيهقی وصححه ابن حبان وانما توقف ساعة لاشتغاله بغسل النبی ﷺ ثانيهما: انه بائع بعد ستة اشهر بعد موت فاطمة الزهراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا وهذا فی صحيح

---

[233] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۲۔

البخاری ومسلم وثالثهما:وهوالصحيح الجامع بين القولين انه بايعه فى اول الامرثم تأخرعن صحبةحتى اعادالبيعةبعدستةاشهر۔[234]

ترجمہ:ان اقوال کے بارے میں مختلف روایات ہیں پس ان میں سے اول:بے شک آپ نے پہلے بیعت کی پس حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایاحدیث سقیفہ میں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھے اوراپنی قوم کے چہروں کی طرف دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کونہ پایاپس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)نے ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)کو طلب کیاجب وہ آگئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاکہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چچازاد کیا آپ کاارادہ ہے کہ مسلمانوں میں جدائی پیدا کریں؟توحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاکہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے خلیفہ،تثریب(سرزنش،ملامت،طعنہ،لپٹنا)نہیں پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)نے ان(حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)سے بیعت کی رواہ حاکم وبیہقی اورابن حبان نے صحیح فرمایاکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو غسل دینے میں مصروف ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نےکچھ دیر توقف کیا۔دوم:بتحقیق آپ(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہاکی وفات کے چھ ماہ بعدبیعت کی اوریہ صحیح البخاری اور مسلم میں ہے۔سوم:اوریہ بات دواقوال کے درمیان صحیح اور جامع ہے کہ بے شک (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)خلافت کی ابتداءمیں

---

[234] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۴۹۴۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کرلی تھی پھر صحبت اختیار کرنے میں تاخیر ہوگئی حتیٰ کہ چھ ماہ بعد بیعت کا اعادہ کیا۔

فصل نمبر ۷:

نقر بان العبدمع اعماله واقراره ومعرفته مخلوق فلما كان الفاعل مخلوقا اولى ان يكون فعله ايضاًمخلوقا ولم يكن لهم طاقة لانهم ضعفاءعاجزون واللہ تعالیٰ خالقهم ورازقهم لقوله تعالیٰ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الروم ۴۰) ۔ والكسب بالعمل حلال وجمع المال من الحرام حرام الخلق على ثلثة اصناف المؤمن المخلص فی ايمانه والكافر المجاهر فی كفره والمنافق المداهن فی نفاقه واللہ تعالیٰ فرض على المؤمن العمل وعلى الكافر الايمان وعلى المنافق الاخلاص لقوله تعالیٰ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ (البقرة ۲۱)معناه یاایهاالمؤمنون اطیعوا وایهاالکافرون امنوا وایهاالمنافقون اخلصوا۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال اور اقرار اور معرفت کے ساتھ مخلوق ہے پس جب فاعل (بندہ) مخلوق ہو تو اس (بندے) کا فعل بھی بطریق اولیٰ مخلوق ہوگا اور یہ بندے (کسی چیز کو خلق کرنے کی) طاقت نہیں رکھتے کیونکہ مخلوق کمزور اور عاجز ہے (اس لئے کسی چیز کو خلق کرنے کی طاقت نہیں رکھتے) اور اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا" اور کسب کرنا (کسی بھی فن یعنی مزدوری، نجاری، تجارت اور درزی گری وغیرہ کے ذریعہ سے رزق کمانا) حلال ہے اور حرام طریقے کے ذریعہ سے مال جمع کرنا حرام ہے (جیسے چوری، رشوت، سود اور زنا وغیرہ کے ذریعہ سے)۔

مخلوق (انسان، ملائکہ اور جنات) کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں (ان میں نفاق نہیں ہوتا)۔

(دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں)جو کافر ہوں اور اپنے کفر کو ظاہر کرنے والے ہوں (یعنی علی الاعلان کہتے ہوں کہ ہم دہری، ہندو، یہودی یا نصرانی ہیں)۔

(تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں)جو منافق ہوں (باطن اور دل میں کافر ہوں اور ظاہری طور پر مسلمان ہوں)۔ اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن پر صرف عمل (نماز اور روزہ وغیرہ)فرض کیا ہے اور کافر پر ایمان لانا (فرض کیا ہے) اور منافق پر اخلاص (فرض کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”اے لوگو اپنے رب کو پوجو“ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ اے ایمان والو (اللہ تعالیٰ کی) اطاعت کرو (نماز روزہ وغیرہ ادا کرو اور زنا، قتل، شراب اور چوری وغیرہ سے پرہیز کرو)۔ اور اے کفار ایمان لاؤ۔ اور اے منافقین ایمان میں اخلاص لاؤ اور نفاق کو چھوڑ دو۔

تشریح

قدریہ اور ملاحدہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہم ہر چیز پر قادر ہیں جب ہم کوئی کام کاج کرتے ہیں تو اس کے ذریعہ سے ہم رزق حاصل کر لیتے ہیں اور اسی طرح ہم نیکی اور بدی دونوں پر بھی قادر ہیں۔

اور بعض گروہ کہتے ہیں کہ کام کاج سے تو مال ہی جمع ہوتا ہے چاہے وہ کام حرام ہو یا حلال، جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے پھر حرام سے بچنا اور حلال کو کرنا ضروی ہے۔

مرجیہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہے باقی کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

اور فرقہ سائبہ جو کہ مرجیہ فرقے کی ہی ایک شاخ ہے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایمان کا جزو نہیں ہے اور ہم (اہل سنت والجماعت) کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے تمام اوامر کو ظاہراً و باطناً اور دل وزبان سے تسلیم کرتے اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں اس لئے کہ شریعت پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا مسلمان پر فرض ہے۔

فصل نمبر ۸

نقربان الاستطاعة مع الفعل لاقبل الفعل ولابعدالفعل لانه لوكان قبل الفعل لكان العبدمستغنياعن الله تعالیٰ وقت الفعل وهذاخلاف النص لقوله تعالیٰ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنتُمُ الْفُقَرَآءُ(محمد۳۸)ولو كان بعدالفعل لكان من المحال حصول الفعل بلااستطاعة۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (کسی کام کو کرنے کی) طاقت، اس کام کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ (یہ طاقت) نہ تو اس فعل سے پہلے ہوتی ہے اور نہ ہی بعد میں۔ کیونکہ اگر فعل سے پہلے طاقت ہوتی تو بندہ اس فعل کے وقت اللہ تعالیٰ سے غنی (لاپرواہ) ہوتا (یعنی جب بندے میں پہلے سے طاقت موجود ہوتی تو وہ فعل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج نہ ہوتا) جبکہ یہ بات آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج" اور اگر وہ طاقت (یا کام

کرنے کی قدرت) فعل کے بعد پیدا ہو تو یہ بات ناممکن ہے کیونکہ طاقت وقدرت کے بغیر کسی کام کو سرانجام دینا محال ہے۔

تشریح

اہل سنت والجماعت کاعقیدہ تواوپر متن ہی میں بیان ہوگیاہے جس میں مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم ہم اس موضوع پر دوسرے فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ معتزلہ کے گروہ کاعقیدہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے جبکہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔

مضطریہ جو کہ جبریہ گروہ کی ایک شاخ ہے وہ کہتے ہیں کہ

قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔[235]

ترجمہ: انسان کے پاس تمام افعال کی طاقت اللہ کی طاقت کے برابر نہیں ہے (بلکہ بعض افعال کی طاقت انسان کو دی گئی ہے)۔

اسی طرح جبریہ فرقے کا گروہ یہ عقیدہ رکھتاہے۔

والافعالية - قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔[236]

ترجمہ: افعال واعمال توہم سے ہی اداہوتے ہیں لیکن ان کو کرنے کی طاقت ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ہم (طاقت واستطاعت میں) چوپائیوں کی طرح ہیں جو نکیل کے ساتھ باندھے ہوئے ہوتے

---

[235] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ ص۴۸۔

[236] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ ص۴۸۔

ہیں (یعنی جیسے چوپائے بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے کسی فعل کی طاقت نہیں رکھتے ایسے ہی انسان بھی بے بس ہے)۔

جبریہ فرقے کا ایک گروہ جس کا نام منبہ ہے ان کا اور مجوسی فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ

ذهب المجوس الى ان للعالم فاعلين احدهما الله تعالىٰ وهو فاعل الخير و خالق الحيوان النافع والثانی الشيطان وهو فاعل الشر و خالق الحيوان ضار۔[237]

ترجمہ: مجوسی کہتے ہیں کہ جہان کے دو فاعل ہیں (یعنی دو خدا) ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ ہے جو خیر و بھلائی کا بھی فاعل ہے اور نفع دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے جبکہ دوسرا فاعل شیطان ہے جو شر (اور گناہوں کے کاموں) کا فاعل بھی ہے اور نقصان دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے۔

علامہ محمد عبد العزیز الفرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ۔

فانهم يعتقدون آلهين يزدان خالق الخير واهرمن خالق الشر۔[238]

ترجمہ: یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معبود دو ہیں ایک یزدان، جو خیر و بھلائی کا خالق ہے اور دوسرا اَہرمن جو کہ شر کا پیدا کرنے والا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ بندہ اور اس کے افعال واعمال کا خالق حقیقی اور مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اسی لئے ثواب وعقاب کا حق دار ہے۔

---

[237] شرح العقائد النسفیۃ ج۹ ص ۶۱ طبع مکتبۃ العلم کانسی روڈ کوئٹہ۔

[238] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۲۶۵۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَ مَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصفت ۹۶)

اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ۔ (الانعام ۱۰۲)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو۔

تیسری جگہ ارشاد فرمایا کہ

وَ قَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰـہَیۡنِ اثۡنَیۡنِ اِنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (النحل ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے۔

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خالق حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذاتِ بابرکات ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ماوراء النہر کے مشائخ نے مجوسیوں اور معتزلہ کا ان الفاظ سے موازنہ کیا ہے۔

ان مشائخ ماوراءالنہر قد بالغوا فی تضلیلهم فی هذه المسئلة حتی قالوا ان المجوس اسعدای احسن حالا منهم حیث لم یثبتوا الا شریکا واحدا و هؤلاء اثبتوا اشرکاء لا تحصیٰ۔[239]

ترجمہ: بتحقیق ماوراءالنہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایا کہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کا حال بہت اچھا ہے کیونکہ

---

[239] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۲۶۵۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیاہے جو کہ ”اَہر من“ ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت میں شریک ٹھہرا دیتے ہیں)۔

لیکن معتزلہ بندے کو خالق بالذات نہیں کہتے بلکہ حادث جانتے ہیں تاہم جمہور متکلمین نے ان کے اس قول سے ان کو مشرک قرار دیا ہے۔

فصل نمبر ۹

نقربان المسح علی الخفین جائزللمقیم یوماولیلة وللمسافرثلثة ایام ولیالیھالان الحدیث وردھکذاومن انکرفانه یخشی علیه الکفرلانه ثبت بالخبرالمتواتر والقصر والافطار رخصة فی السفربنص الکتاب لقوله تعالیٰ واذاضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة وفی الافطار قوله تعالیٰ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرة ۱۸۴)

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا مقیم کیلئے ایک دن اورایک رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں جائز کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے تو جو شخص (موزوں پر مسح) سے منکر ہو (جیسے روافض) تو بتحقیق اس طرح کے شخص پر کفر کا ڈر ہے کیونکہ (موزوں پر مسح) کرنا حدیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور قصر کرنا (چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کرکے ادا کرنا) اور سفر میں روزہ نہ رکھنے میں رخصت ہے اور یہ رخصت صریح الفاظ میں قرآن سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں“

تشریح

روافض موزوں پر مسح کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ننگے پاؤں پر ہی مسح کرتے ہیں۔ موزوں پر مسح کے بارے میں روافض کے گروہوں میں بھی اختلاف ہے۔

اور بعض گروہوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رخصت کے دنوں میں یا بیماری اور سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے يخشى عليه الكفر کے الفاظ فرمائے ہیں اوراس طرح قطعی حکم نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہے اس کی وجہ جاننے سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ حدیثِ متواترہ کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم کی متواتر حدیث لفظاً اور معناً ہوتی ہے جس کا منکر یقینی کافر ہے۔ اور دوسری قسم کی متواتر حدیث ازروئے معناً ہوتی ہے نہ کہ لفظاً۔ یعنی احادیث واردہ کے الفاظ مختلف ہوں مگر اس کے معنی کسی چیز کی جانب راجع ہوتے ہوں تو اس طرح کی حدیثِ متواترہ کے منکر پر کفر کا ڈر ہے اور موزوں پر مسح کرنے والی حدیث دوسری قسم سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سفر میں چار رکعت فرض کو پورا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

وَمَن يَّتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق ۱)

اور جو اللہ کی حدّوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں سفر کی مسافت بوجھ لادے ہوئے اونٹ کی چال سے تین دن کی ہے اور آرام کرنے کا دورانیہ اس میں سے خارج ہے چنانچہ یہ مسافت تخمیناً تین فرسخ بنتی ہے جس کی مقدار ۴۸ میل یا ۷۷ کلومیٹر ہے۔

گاڑی یا جہاز کی مسافت میں تین دنوں کی شرط نہیں ہے بلکہ اگر تیز رفتار گاڑی یا جہاز نے یہ مسافت ایک دن یا اس سے کم میں طے کرلی تو بھی یہ شخص مسافر ہی شمار ہوگا۔

فصل نمبر ۱۰

نقربان اللہ تعالیٰ امر القلم بان یکتب فقال القلم ماذا اکتب یاربی فقال اللہ تعالیٰ ماھو کائن الی یوم القیمۃ لقولہ تعالیٰ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿القمر ۵۳﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو اس بات کا امر فرمایا کہ لکھو تو قلم نے عرض کیا "اے میرے رب میں کیا لکھوں" تو اللہ تعالیٰ نے (قلم کو) فرمایا کہ قیامت کے دن تک ہونے والی ہر چیز کی (تقدیر) لکھ دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " اور انہوں نے جو کچھ کیا سب کتابوں میں ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔"

تشریح

حضرت فارابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"لاتظنن ان القلم آلة جمادية" آپ یہ گمان نہ کریں کہ قلم بے چیزوں میں سے ایک آلہ ہے جیسے کہ ہمارے ہاں قلم کی جنس موجود ہے بلکہ وہ قلم جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ فرشتوں میں سے ایک نورانی فرشتہ ہے جو کہ فہم وادراک اور سوال وجواب کے قابل ہے۔

اہل وسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوح محفوظ میں ان باتوں کے لکھنے کا حکماً امر نہیں فرمایا بلکہ قلم کو لوح محفوظ میں ان سب چیزوں کے اوصاف لکھنے کا امر فرمایا جیسے خوبی اور برائی، طول وعرض، چھوٹا پن اور بڑا پن (مثلاً ٹیلہ چھوٹا اور پہاڑ بڑا ہے) کمی اور کثرت (مثلاً علماء کم اور عوام زیادہ ہیں) ہلکا پن اور بھاری پن (مثلاً قلم ہلکا ہے اور کتاب بھاری ہے) گرمی اور ٹھنڈک (مثلاً آگ گرم ہے اور برف ٹھنڈی ہے) عبادت اور نافرمانی (مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ارادے، اختیار اور اپنے کسب سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر بغیر کسی سوچ کے ایمان لائیں گے اور اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغات کریں گے اور اسی طرح لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ ابو جہل لعین اپنے ارادے، اختیار اور اپنے کسب سے اسلام منکر ہوگا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بہت نصیحتوں اور اپنے اختیار کے باوجود کفر سے ایمان لائے گا) ارادہ اور قدرت (مثلاً کسی کام کیلئے ارادہ کرنا جیسے نماز یا کسی کام پر قادر ہونا جیسے تندرست انسان نماز ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے) اور کسب یا دوسرے غیر مذکورہ اوصاف جیسے (سفید، سیاہ، اور سرخ وغیرہ) احوال (مثلاً زید تندرست ہے یا غنی ہے اور عمر بیمار یا مسکین ہے) اور اخلاق (مثلاً زید بہت اخلاق والا، سخی اور حلیم ہے اور عمر بہت بدمزاج، بخیل اور غضبناک ہے)۔

لوح محفوظ میں کسی کام کے واقع ہونے پر مطلق حکم نہیں دیا گیا(کہ زید حتماً کافر ہو جائے گا اور عمر حتماً مسلمان ہو گا۔بغیر وصف اور سبب کے)(کہ زید اور عمر کو ارادے اور کسب میں اختیار حاصل ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس طرح بھی نہیں لکھا کہ زید مؤمن ہو گا اور عمر کافر ہو گا کیونکہ اگر ایسا لکھا گیا ہوتا تو ایمان لانے پر مجبور ہوتا اور عمر کافر ہونے پر مجبور ہوتا اس لئے کہ جس چیز کے ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہو وہ حتماً واقع ہوتی ہے علاوہ ازیں جس چیز کا اللہ تعالیٰ حکم دے تو اس کے حکم کا رد کرنے والا کوئی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ زید اپنے اختیار اور قدرت سے ایمان لائے گا اور ایمان کا ارادہ کرے گا اور کفر کا ارادہ نہیں کرے گا اور لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ عمر اپنے اختیار اور قدرت سے کفر کا راستہ اختیار کرے گا اور یہ کفر کا ارادہ کرے گا اور ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان سب باتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے افعال میں جبر نہیں ہے اور دوسرا مقصد جبریہ فرقے کے عقائد کو باطل ثابت کرنا ہے کیونکہ جبریہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ

كمازعمت الجبرية انه لافعل للعبداصلاوان حركاته بمنزلة حركات الجمادات لاقدرةعليهاولاقصداوالاختيار وهذاباطل لانانفرق بالضرورةبين حركةالبطش وحركة الارتعاش ونعلم ان الاولىٰ باختياره دون الثاني۔[240]

ترجمہ: جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ کا کوئی (اختیاری) فعل ہے ہی نہیں اور اس کی حرکات، جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ان پر اسے نہ قدرت ہے نہ قصد ہے نہ اختیار۔جبکہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ ہم بدیہی (واضح)طور پر حرکتِ بطش (حملہ اور گرفت) اور حرکتِ رعشہ کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری نہیں۔

جبریہ کا گروہ قطعاً کافر ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

ا۔جبریہ کا گروہ ان آیات سے انکار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

جَزَآءًبِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴿الواقعة ۲۴﴾

صلہ ان کے اعمال کا۔

فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔(الكهف ۲۹)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

جبریہ کا گروہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بھیجے جانے سے بھی انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نہیں بھیجا۔

---

[240] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۱۲۵۔

۲۔جبریہ کے گروہ کے مطابق جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر یا اسلام لانے پر مجبور ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجنا بے فائدہ ہوا۔

۳۔جبریہ کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کیلئے کتابوں کا نازل کرنا بھی لغو ہے کیونکہ جب کتابوں میں درج اوامر و نواہی کا ان کو اختیار ہی نہیں ہے تو پھر اس کا فائدہ کیا؟

۴۔جبریہ کے مذہب کے مطابق ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ بھی لغو ہے کیونکہ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جمادات کو ثواب وعقاب نہیں دیا جائے گا بلکہ بے زبان حیوانات بھی اس سے آزاد ہیں۔

غایۃ التحقیق فی شرح العقائد یقول الفقیر سامحہ القدیر قد قال الامام ابو حامد محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فی احیاء العلوم یلزم السکوت فی ھذہ المسئلۃ ای مسئلۃ القدر و لو یتکلم فیھا یلزم وقوف الکلام عند قول الحنیفۃ رحمہ اللہ تعالی و التجاوز عنہ ضلال و زندقۃ۔

ترجمہ: غایۃ التحقیق فی شرح العقائد میں فقیر (اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے) حضرت امام ابو حامد محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ (مسئلہ قدر) میں خاموشی اختیار کرنی چاہیئے اور اگر اس (مسئلہ قدر) میں کوئی کلام کرے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس پر اس میں سکوت کرنا لازم ہے اور اگر کسی نے اس میں تجاوز کیا تو وہ گمراہ اور زندیق ہے۔

اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کیا تو روز قیامت اس کے

بارے میں اس سے پوچھا جائے گا اور جو تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ نہیں کرے گا اس سے نہیں پوچھا جائے گا۔(رواہ ابن ماجہ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف (فارسی) میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مقصد جس کو صاحب مشکوۃ نے بھی روایت کیا ہے اس میں قدر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے روکنا ہے کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ روزِ قیامت میں اس پر عتاب اور سرزنش ہے تو اس لئے بہتر بات یہ ہے کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رکھا جائے اور اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے اجتناب کیا جائے۔

بعض لوگ کبھی کبھی یہ سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قدر کے مسئلہ میں بحث نہیں کرنی چاہیئے تھی اور اسی طرح امتِ مرحومہ کے علماء کرام نے بھی عقائد کی کتب میں قدر کے مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس امت مرحومہ میں اہل بدعت وہوا پیدا ہو گئے تھے جیسے کہ جبریہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ تو اہل سنت والجماعت کے علماء کرام مجبور ہوئے کہ اپنی کتب میں اس مسئلہ کی توضیح قرآن کریم واحادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مطابق کریں تاکہ امتِ مرحومہ کو ان فرقوں کی گمراہی اور فتنے سے محفوظ رکھ سکیں اور اگر اہل سنت والجماعت کے علماء کرام اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کر لیتے تو ساری امت گمراہی اور فتنے کے راستے پر گامزن ہو جاتی۔

جآءفی الحدیث مایدل علی النھی ولکن المتاخرین اضطروا الی البحث عنھار واعلی الجبریة والقدریة والمذھب فیھاستة ۔ فاحدھا:للمعتزلة وھوان الفعل بقدرة العبدوحدھابالایجاب واضطرار۔ثانیھا:للجبریة وھوان الفعل بقدرة اللہ وحدھا ولیس

للعبدقدرة واختياربل هو كالجماد۔ثالثها:للاشعرى وهوان الفعل بقدرة الله وحدهاولكن للعبدقدرة واختيار اذا صرفهاالى الفعل خلق الله الفعل منه فالفعل مخلوق الله ومكسوب العبد۔رابعها:للفلاسفة وينسب الى امام الحرمين وهوان المؤثرقدرة العبدوحدها بالايجاب واستحالة التخلف وقال بعض المحققين مذهب الحكماءان قدرة العبد كالاسباب والادوات واما مفيدالوجودفليس الاالحق سبحانه قلت وهذاقريب من مذهب الاشعرى بل كانه هو۔خامسها:للاستاذابى اسحق الاسفرائى وهوان المؤثرمجموع القدرتين لاعلى ان كلا منهمامؤثرمستقل مايزعم فانه محال بل على ان قدرة العبد غير مستقلة بالتاثير فاذاانضمت اليهاقدرة الحق سبحانه صارت مؤثرة۔سادسها:للقاضى ابى بكر الباقلانى وهوان الموثرفى اصل الفعل قدرة الله وفى وصفه قدرة العبدومثلوه بلفم اليتيم ايذاءوتاديبافاللطم صارعن قدرةالحق سبحانه وكونه ذنبااوطاعةبقدرةالعبد۔[241]

ترجمہ:جس طرح حدیث میں اس (قضاءوقدر کے مسئلہ)میں بحث ومباحثہ سے منع فرمایا گیاہے مگر علماءمتاخرین نے حالتِ اضطرار میں (قضاء وقدر)پر بحث کو جبریہ اور قدریہ پر جائز فرمایا ہے اوران میں چھ مذاہب ہیں جن میں سے اول:معتزلہ ہے جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف بندہ کوہے سب ایجاد فعل اوراضطرار میں۔دوم:جبریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اکیلابندہ کچھ نہیں اوربندے کوکچھ قدرت اوراختیارنہیں بلکہ وہ ایک جماد(پتھر) ہے۔ سوم:اشعریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگربندہ قادر اور اختیار والاہے جو کہ فعل کو تغیر دیتاہے اللہ تعالیٰ نے اس سے مخلوق کو خلق کیاپس یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا ہے اوربندہ کاسب۔چہارم:فلاسفہ ہیں جوامام حرمین کیلئے نسبت کرتے ہیں کہ ایجاداور طلب حالت

---

[241] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۲۷۲۔

مخالفت میں موثر قدرت صرف بندے کو ہے اور مذہب کے بعض محققین حکماء نے کہا ہے کہ قدرت بندہ جس طرح اسباب اور ادوات (بیماریاں) ہیں مفید وجود نہیں مگر حق سبحانہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ مذہب اشعریہ کے نزدیک ہے بلکہ انہیں میں سے ہے۔ **پنجم**: استاذ ابواسحاق اسفرائی ہیں وہ کہتے ہیں کہ بے شک موثر مجموعہ دونوں قدرتیں ہیں نہ کہ دونوں مستقل موثر ہیں ان کا گمان ہے کہ یہ محال ہے بلکہ قدرتِ بندہ تاثیر میں غیر مستقل ہے جس وقت قدرت حق سبحانہ ضم ہو جائے تو موثر ہو جاتا ہے۔ **ششم**: قاضی ابی بکر باقلانی ہیں جو کہتے ہیں کہ بے شک اصل میں موثرِ فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور وصف میں بندے کی قدرت اور اس کی مثال یتیم کو ایذا اور تکلیف کیلئے تھپڑ مارنا ہے پس یہ تھپڑ حق سبحانہٗ کی قدرت ہو گی اور حالتِ کون اس کی گناہ اور طاعت بندے کی قدرت۔

فصل نمبر ۱۱

نقر بان عذاب القبر کائن لا محالۃ وسؤال المنکر والنکیر حق لورود الاحادیث والجنۃ والنار حق وھما مخلوقتان لا فناء لھما لقولہ تعالیٰ فی حق الجنۃ ۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿آل عمران ۱۳۳﴾ وفی حق النار۔ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ﴿البقرۃ ۲۴﴾ خلقھما اللہ تعالیٰ للثواب والعقاب والمیزان حق لقولہ تعالیٰ ۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿الاعراف ۹﴾ وقرائتہ الکتاب یوم القیامۃ حق لقولہ تعالیٰ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُورًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿الاسراء ۱۴﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ قبر کا عذاب ہونا حق ہے ناممکن نہیں ہے (سب کفار اور بعض گناہگار مؤمنوں کیلئے) اور (قبر میں) منکر و نکیر (جو کہ فرشتے ہیں) کا سوال کرنا حق ہے کیونکہ ان

کے بارے میں احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں آیاہے اور جنت ودوزخ حق ہیں اور دونوں مخلوق ہیں اور دونوں کیلئے فنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا جنت کے بارے میں فرمان ہے کہ " پرہیز گاروں کے لئے تیار رکھی ہے" اور دوزخ کے بارے میں "تیار رکھی ہے کافروں کے لئے" اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ثواب کیلئے (جنت) اور عذاب کیلئے (عذاب) پیدا کیاہے اور ترازو (اعمال کے تولے جانے کیلئے) حق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلّے بھاری ہوئے وہی مُراد کو پہنچے اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنھوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی اُن زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے" اور بروز قیامت اپنے اعمال ناموں کو پڑھنا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کُھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے"

اللهم اجعلنامن الذين ثقلت موازين حسناتهم ولاتجعلنامن الذين خفت موازين حسناتهم أمين يارحمن بحرمةشهررمضان الذی انزل فيه القرآن۔

تشریح

جہمیہ کا ایک گروہ لقیریہ، بعض معتزلہ اور روافض یہ چاروں گروہ قبر کے عذاب سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ۔

وأنكر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض، لأن الميت جماد لا حياة له ولا إدراك، فتعذيبه محال۔[242]

ترجمہ: اور بعض معتزلہ اور روافض نے قبر کے عذاب سے انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک میت بے جان و بے حس جسم ہوتا ہے نہ اس میں حیات ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا ادراک لہذا اس کو عذاب دینا محال ہے۔

لان الميت جماد بالفتح لا حيوة له ولا ادراک وفتعذبيه محال فالنصوص الناطقة به ماولة واجاب الصالحی من المعتزلة وبعض الكرامية والامام ابن جرير الطبری من اهل السنة بان الميت عذب يعذب بلا حيوة۔[243]

ترجمہ: کیونکہ میت (ایک پتھر کی طرح) بے جان شئے ہے اور اس میں زندگی نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی چیز کے ادراک کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس لئے اسے عذاب دینا محال ہے پس ان کی تاویل پر نصوص ناطق ہیں اور معتزلہ میں سے صالحہ اور بعض کرامیہ اور اہل سنت میں سے امام جریر طبری نے یہ جواب دیا ہے کہ میت کو زندگی عطا کیے بغیر ہی عذاب دیا جاتا ہے۔

لا يستلزم اعادة الروح فی البدن هذا جواب اشكال اورده المعتزلة مستدلين ادراک الالم واللذة فيمكن ان يحصل بادنی تعلق للروح بالبدن سواء كان الروح فوق السماء السابعة او محبوسا فی سجين وشبهوا هذا التعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعة على الارض وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانكار الاعادة غير موجه وقد اجاب المشائخ

---

[242] شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۱۔

[243] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۲۱۔

من هذه الآية بوجوه آخر احدها ان حيوة القبر وان كانت عندالسوال باعادة الروح فهى حيوة ضعيفة فجاز ان لايسمى زالها موتا۔[244]

ترجمہ: بدن میں روح کا داخل ہونا لازمی نہیں ہے یہ ایک اشکال کا جواب ہے معتزلہ نے ادراک ،درد اور لذت کے دلائل پیش کیے پس ممکن ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق حاصل ہو صحیح بات یہ ہے کہ روح ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے یا سجین میں قید ہے اوران کے اس شبہ کا تعلق سورج کی شعاعوں کا چوتھے آسمان سے زمین پر واقع ہونے سے ہے اور ہمارے نزدیک اس جواب میں ایک بحث ہے اوراس کے بارے میں احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ بے شک جس وقت (مردے سے) سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح بدن کی طرف لوٹ آتی ہے پس ان کا جواب جو کہ (روح کے لوٹنے) سے انکار ہے یہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور بتحقیق مشائخ کرام نے کئی ایک وجوہات سے (اس بات کا) جواب دیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ قبر میں سوال کے وقت زندگی (ملنا) بھی ایک ضعیف سی زندگی ہی ہے۔ پس اس (زندگی) کے زائل ہونے کو موت کا نام نہ دینا ہی جائز ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ

أخبر بها الصادق علي ما نطقت به النصوص, قال الله تعالي: (اَلنَّارُ يعْرَضُونَ عَلَيها غُدُوًّا وَّ عَشِيا وَ يوْمَ تَقُومُ السَّاعَة اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) [غافر:46], وقال الله تعالي: (أُغْرِقُوا فَاُدْخِلُوا نَارًا) [نوح:25], وقال النبيّ صلّي الله عليه وسلّم: ((استنزهوا عن البول فإنّ عامّة عذاب القبر منه)), وقال الله تعالي: (يثَبِّتُ الله الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ) [إبراهيم:27] نزلت في عذاب القبر۔[245]

---

[244] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۲۲۔

[245] شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۰۔

ترجمہ: مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے جیسا کہ نصوص ناطق ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " آگ جس پر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو" اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے" اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ "پیشاب سے بچو کیونکہ زیادہ تر قبر کا عذاب اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔" اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر" یہ آیت قبر کے عذاب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

قبر کے فتنہ سے امن میں رہنے کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاہے کہ

وعن أبی أمامة أن النبيﷺ قال من رابط في سبيل الله أمنه الله من فتنة القبر . رواه الطبراني في الكبير والاوسط۔[246]

ترجمہ: حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بتحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ما من مسلم يموت يوم الجمعةأو ليلةالجمعةإلا وقاه الله فتنة القبر۔[247]

---

246 مجمع الزوائد للھیثمی ج ۱۲ ص ۹۲۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶۔

247 شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶۔ سنن الترمذی ج ۳ ص ۳۸۶۔ مشکوۃ المصابیح باب الجمعۃ ج ۱ ص ۳۰۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔

ایک گروہ منصوریہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ جنت و دوزخ ایک وہم وخیال اور تصور ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اور معتزلہ کا ایک گروہ ترازو میں اعمال کے تولے جانے سے منکر ہے۔

(والوزن حقّ) لقوله تعالي: (وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ) [الأعراف:8] و((الميزان)) عبارة عمّا يعرف به كيفيّة مقادير الأعمال، والعقل قاصر عن إدراك كيفيّته، وأنكرته المعتزلة؛ لأنّ الأعمال أعراض، وإن أمكن إعادتها لم يمكن وزنها؛ ولأنها معلومة لله تعالي, فوزنها عبث. والجواب: أنه قد ورد في الحديث: ((أنّ كتب الأعمال هي التي توزن))، فلا إشكال، وعلي تقدير تسليم كون أفعال الله تعالي معلّلة بالأغراض, لعلّ في الوزن حكمة لا نطّلع عليها، وعدم اطّلاعنا علي الحكمة لا يوجب العبث۔

ترجمہ: اور اعمال کا تولا جانا برحق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور اس دن تول ضرور ہونی ہے" اور میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اعمال کی مقدار جانی جائے گی اور عقل وزن کا طریقہ جاننے سے قاصر ہے اور معتزلہ نے وزنِ اعمال کا اس لئے انکار کیا کہ اعمال عرض ہیں جن کا دوبارہ موجود کیا جانا اگر ممکن بھی ہو تو ان کا وزن کیا جانا ممکن نہیں، اور اس لئے (ان کا انکار کیا) کہ اعمال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں لہذا ان کو وزن کرنا بے فائدہ ہے۔ اور (اس کا) جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے نامہ ہائے اعمال وزن کیے جائیں گے لہذا اب کوئی اشکال نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلل

بالاعراض ہونا تسلیم کرلینے کی صورت میں (جواب یہ ہے کہ)ہوسکتاہے وزن کرنے میں کوئی ایسی حکمت جس سے ہم واقف نہ ہوں اور ہمارا حکمت سے واقف نہ ہونا اس کے عبث اور بے فائدہ ہونے کو واجب نہیں کرتا۔

عندنا انه لایجب علی الله سبحانه شئی و اذا قلنا ان المطیع یستحق الجنة و الکافر یستحق النار ان الاول اهل لفضله و الثانی اهل لعدله۔[248]

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے)نزدیک اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی لازم وضروری نہیں (یعنی نہ تو نیکوکاروں کو جنت دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور نہ گناہگاروں کو جہنم میں ڈالنا اس پر لازم ہے)اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرمانبردار (بندے)جنت کے اور کافر جہنم کے حقدار ہیں تو (اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ)پہلی قسم والے (یعنی تابعدار)اللہ تعالیٰ کے فضل کے اہل ہیں اور دوسرے (یعنی کفار)اللہ تعالیٰ کے عدل کے مستحق ہیں (لہذا اب اشکال نہ رہا)۔

شاء عفی عنه ای عن صاحب الکبیرة امابمحض فضله و امابشفاعة و ان شاء عذبه مدة ثم یدخله الجنة۔[249]

ترجمہ: پس اگر (اللہ تعالیٰ)چاہے تو گناہ کبیرہ کرنے والے کو (بھی)بخش دے لیکن یہ بخشش محض اس کے فضل سے ہوگی اور اگر بھی ہو تو (اس صورت میں بھی)اگر وہ چاہے تو کچھ مدت کیلئے عذاب دے دے اور پھر (شفاعت کی وجہ سے)جنت میں داخل کر دے۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

---

[248] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔
[249] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔

ان مکث بعض العصاۃ فی النار ساعۃ و بعضھم یوم شھر و بعضھم سنۃ و اطول مکثھم مدۃ الدنیا سبعۃ آلاف سنۃ۔[250]

ترجمہ: بعض گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں تھوڑے وقت کیلئے ڈالے گا اور بعض کو ایک دن یا مہینہ بھر کیلئے اور بعض کو سال کیلئے اور بعض کی مدتِ جہنم پوری دنیا کے دورانیے کے بھی سات ہزار گنا زیادہ ہو گی۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے ایسے شخص کی تمام نیکیاں بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہے گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا اسی طرح معتزلہ عذاب قبر اور وزنِ اعمال سے بھی منکر ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے علاوہ ازیں ان کے نزدیک زندوں کا مردوں کیلئے دعا یا صدقات و خیرات کرنا کچھ نفع نہیں دیتا اور یہ گروہ ایصال ثواب سے بھی منکر ہے۔

فصل نمبر ۱۲

نقر بان اللہ تعالیٰ یحیی ھذہ النفوس بعدالموت یبعثھم یوما کان مقدارہ الف سنۃ للجزاء و الثواب و اداء الحقوق لقولہ تعالیٰ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿الحج ۷﴾ و لقاء اللہ لاھل الجنۃ بلا کیف و لا شبیہ و لا جھۃ و شفاعۃ محمد ﷺ حق لکل من اھل الجنۃ و ان کان

[250] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔

صاحب الکبیرۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضل النساء العلمین بعد خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھی ام المؤمنین ومطھرۃ من القذف واھل الجنۃ فی الجنۃ خالدون واھل النار فی النار خالدون لقولہ تعالیٰ فی حق المؤمنین اولئک اصحب الجنۃ ھم فیھا خالدون وفی حق الکافرین اولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز آخرت مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس روز کی مقدار ایک ہزار سال ہے اور یہ کام جزاء و ثواب اور ادائے حقوق کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں" اور اہل جنت کیلئے اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف اور بلا جہت وبلا مشابہت حق ہے اور اہل جنت کیلئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت حق ہے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں اور وہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام مؤمنین کی ماں ہیں اور (زنا کی) تہمت سے پاک ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ جنت میں اور اہل دوزخ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اللہ تعالیٰ کا مومنین کے حق میں فرمان ہے۔ "وہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے" اور اللہ تعالیٰ کا کفار کے بارے میں فرمان ہے کہ "وہ جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے"

تشریح

روافض سے گروہ طیار نکلا ہے یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں اوراس کے قائل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح، اللہ تعالیٰ کی ہی روح ہے۔(نعوذباللہ من ذلک)[251]

قوله علیه الصلوة والسلام ان الله خلق آدم علی صورته اما من المتشابهات واماان یرادبالصورة الصفة فان الله تعالیٰ خلق آدم علیه الصلوة والسلام حیاعالماقادراقدرة کاسبة۔[252]

ترجمہ: ”حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کواپنی صورت پرپیدافرمایامگریہ بات تشابہات میں سے ہے صورت سے مرادصفت ہے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کوپیدافرمایاحیات کے ساتھ اورعلم کسبی کے ساتھ عالم فرمایااورقدرت کسبی کے ساتھ قادر فرمایا۔“

اسی طرح روافض کاایک دوسرا گروہ شریعیہ جو شریع سے منسوب ہے اس گروہ کے لوگ یہ اعتقادرکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانچ آدمیوں کی صورت میں اتراہےیعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ،حضرت عباس،حضرت علی،حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صورت میں۔[253]

اور معتزلہ کاعقیدہ ہے کہ اگر کوئی موحد گناہِ کبیرہ کرے توکافرنہیں ہوتا مگر ایساکرنے سے وہ ایماندار بھی نہیں رہتا۔ایمان سے خارج ہوجاتاہے اور ہمیشہ کے واسطے اسے آگ میں ڈالاجاتاہے

---

[251] غنیۃ الطالبین ص ١٦٨۔

[252] ابوالمنتھی ص ١٥۔

[253] غنیۃ الطالبین ص ١٧٦۔

اوراس گناہِ کبیرہ کے سبب اس کی جتنی نیکیاں ہوتی ہیں وہ سب باطل ہو جاتی ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت بھی اس کے حق میں نہیں ہوتی یعنی وہ اس شفاعت سے محروم رہتاہے اوراس گروہ کے اکثر لوگ قبر کے عذاب اور میزانِ عدل سے منکر ہیں۔[254]

عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یشفع یوم القیامة ثلاثة: الانبیاء ثم العلماء ثم الشہداء"۔[255]

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پھر علماء پھر شہداء۔

وجاء فی الحدیث بعد ذکر شفاعة المؤمنین واخراجھم عن النار کل من عرفوہ فیقول اللہ عز وجل شفعت الملائکة وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق إلا أرحم الراحمین فیقبض قبضة من النار فیخرج منھا قوما لم یعملوا خیرا قط۔[256]

ترجمہ: احادیث میں آیاہے کہ مؤمنین کیلئے شفاعت اوران کے جہنم سے نکل آنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی اورانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اور(دوسرے)مؤمنوں نے بھی شفاعت کرلی اب اللہ ارحم الراحمین کے علاوہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں بچا(یعنی اب میری باری ہے)پھروہ(اللہ تعالیٰ)جہنم سے(ایک کثیر تعداد میں)لوگوں کو نکال دے گا اور جہنم

---

[254] غنیۃ الطالبین ص۱۷٦۔

[255] سنن ابن ماجہ ج۴ص۲۲۴، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص۳۷۱۔

[256] صحیح مسلم ج۱ص۱۷۰۔

سے ان لوگوں کو بھی آزاد کر دے گا جنہوں نے (دنیامیں) کبھی بھی کوئی اچھاکام نہیں کیاہو گا (سوائے کلمہ طیبہ کے)۔

خلافاللمعتزلة فانهم قالوالاشفاعة لتخليص المجرم بل الشفاعة لزيادة ثواب المحسن فقط۔

ترجمہ: معتزلہ کااس میں اختلاف ہے پس بتحقیق یہ لوگ کہتے ہیں کہ مجرم کی خلاصی کیلئے شفاعت نہیں ہے بلکہ شفاعت تو نیکی کرنے والے کے ثواب میں زیادتی کے لئے ہوتی ہے۔

ان النبی ﷺ یسجدیوم القیامة ویشفع لاهل النارفیستجاب شفاعته ویؤمر باخراجهم من النارفیخرجهم حتی لایبقیٰ فیهاالاحکم القرآن علیه بالخلودوتفصیله فی البخاری والمسلم۔[257]

ترجمہ: بتحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قیامت کے دن سجدہ فرمائیں گے اوراہل دوزخ کے لئے شفاعت فرمائیں گے پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی اوران کودوزخ سے باہر نکالنے کاحکم دیاجائے گاپس سب نکل آئیں گے حتی کہ کوئی بھی باقی نہ رہے گامگروہ کہ جس کے بارے میں قرآن کادوزخ میں داخل ہونے کاحکم ہواوراس کی تفصیل بخاری ومسلم شریف میں موجودہے۔

[257] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۷۷۔رواہ البخاری ومسلم۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یصفُ أهلَ النارِ فیمرُّ بهم الرجلُ من أهلِ الجنةِ فیقولُ الرجلُ منهم یا فلانُ أما تعرفُني؟ أنا الذي سقَیتُک شربةً وقال بعضُهم أنا الذي وهبتُ لک وضوءًا فیشفعُ له فیُدخِلُه الجنةَ۔[258]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاہے اہل دوزخ کی صفوف ہوں گی پس اہل جنت میں سے ایک شخص ان کے سامنے سے گزرے گاتو ان (اہل دوزخ) میں سے ایک شخص اس سے کہے گا کہ اے فلاں آپ نے مجھے پہچانامیں وہ شخص ہوں جس نے شربت پلاکر آپ کی پیاس بجھائی تھی اوران (گناہ گاروں) میں سے بعض کہیں گے میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو وضوکیلئے پانی ہبہ کیا تھا پس اس کیلئے وہ شفاعت کرے گاتو یہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا۔

والاحادیث فی هذاالمعنی ای مغفرة غیرالشرک ولو کبیرة غیرتائب کثیرة کقوله تعالیٰ لاتقنطوامن رحمة اللہ ان اللہ یغفرالذنوب جمیعاشاملة للصغائروالکبائرمع توبة وبدونهاوقوله ان ربک لذومغفرة للناس علی ظلمهم وعن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: قالَ اللہُ تعالی: منْ علمَ أنّي ذُوقدرةٍعلی مغفرةِالذنوبِ غفرتُ لهُ ولاأبالِي، ما لمْ یشرکْ بِي شیئًا۔[259]

ترجمہ: اوراس معنی میں یعنی شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت ہو جانے میں ، چاہے وہ گناہِ کبیرہ ہی ہوں، جن سے توبہ بھی نہ کی ہو، تو (اس بارے میں) احادیث بہت زیادہ وارد ہیں

---

[258] محمدالمناوي (ت ٨٠٣)، تخریج أحادیث المصابیح ٥/٥٢• أخرجه ابن ماجه (٣٦٨٥) بنحوه، وأبویعلی (٤٠٠٦)، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٦٥١١) ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، تخریج مشکاة المصابیح ٥/١٩٦• شعیب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخریج شرح السنة ٤٣٥٣•

[259] السیوطي (ت ٩١١)، الجامع الصغیر ٦٠٣٦• صحیح۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ٣٦٤۔

جس طرح طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ یہ (بخشش) گناہِ صغیرہ اور کبیرہ چاہے توبہ کے ساتھ ہوں یا بغیر توبہ کے سب کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بے شک تیرا رب البتہ بخشش والا ہے لوگوں کی بے جا حرکتوں پر بھی۔ اور روایت کیا ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے کہ جس شخص کو یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب قدرت ہے گناہوں پر مغفرت کرنے والا ہے اور بخشش فرمادے گا تو کوئی پرواہ نہیں جبکہ شرک نہ کیا ہو۔

ایک اور گروہ روافض کا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برے الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دنیا کی تمام عورتوں سے افضل نہیں مانتا حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پاکدامن خاتون ہیں جن کی مدح وتوصیف خود قرآن نے سورہ نور میں فرمائی ہے تو جس شخصیت کی تعریف خالق دوجہان بیان فرماتا ہو اس خوش نصیب کے بارے میں نازیبا الفاظ بیان کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔

تقسیم فرقه واسماء فرقه ومذاهبها فقد ظهر لنا من اصول الفرقة۔

ترجمہ: فرقوں کی تقسیم اور فرقوں کے نام اوران کے مذاہب بتحقیق ہمارے لئے ان فرقوں کے بنیادی عقائد ظاہر ہو چکے ہیں۔

الحرورية 1 والقدرية 2 والجهمية 3 والمرجئة 4 والرافضية 5 والجبرية 6

وقدانقسمت كل فرقة منهااثنتى عشرة فرقة فصارت اثنتين وسبعين فرقة انقسمت الحروريةاثنتى عشرة فرقه فأولهم۔

ترجمہ:اور بتحقیق ان فرقوں میں سے ہر ایک کو بارہ 12 فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے تو اس طرح بہتر 72 فرقے بن جاتے ہیں حروریہ کو بارہ 12 فرقوں پر تقسیم کیا گیا جن میں سے پہلا یہ ہے۔

1۔الازرقیه:قالوا لانعلم احدامؤمناو کفروا اهل القبلة الامن دانن بقولهم۔

ترجمہ:ازرقیہ کہتے ہیں کہ ہم (کسی دوسرے فرقے کے لوگوں میں سے) کسی کو بھی مؤمن نہیں سمجھتے اور (سارے) اہل قبلہ نے کفر (اختیار) کیا ہے سوائے ان لوگوں کے جو ان (ازرقیہ) کے اقوال (اور عقائد) کے نزدیک ہوں (یعنی جو لوگ، ازرقیہ فرقے کے عقائد کے نزدیک ہیں وہ تو مؤمن ہیں اور اس کے علاوہ سب کافر ہیں۔)(نعوذ باللہ من ذلک۔)

2۔الاباضية:قالوا:من أخذبقولنافهو مؤمن و من اعرض عنه فهو منافق۔

ترجمہ:اباضیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہمارے قول کو اختیار کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے اس (ہمارے قول) سے منہ موڑا تو وہ منافق ہے۔

3۔الثعلبية:قالوا ان اللہ عزوجل لم یقض و لم یقدر۔

ترجمہ:ثعلبیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نہ تو قضاء لکھی اور نہ ہی قدر (یعنی تقدیر)۔

4۔الخازمية:قالوا لاندری ماالایمان و الخلق کلهم معذورون۔

ترجمہ:خازمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ ایمان کیا ہے اور ساری مخلوق اس سے معذور ہے۔

5۔الخلفية:زعموا ان من ترک الجهاد من ذکر او انثی کفر۔

ترجمہ: خلفیہ فرقے کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مردوں یا عورتوں میں سے جس نے جہاد کو ترک کیا(تو اس جہاد کا ترک کرنا) کفر ہے۔

6۔الکوزیۃ:قالوا:لیس لاحدان یمس احدالانہ لایعرف الطاھرمن النجس ولاان یواکلہ حتی یتوب ویغتسل۔

ترجمہ: کوزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو مس کرے اس لئے کہ وہ طہارت ونجاست میں امتیاز کرنا نہیں جانتا اور (یہ بھی جائز نہیں کہ)وہ اس وقت تک (کچھ) کھائے جب تک توبہ اور غسل نہ کرلے۔

7۔الکنزیۃ:قالوا:لایسع احداان یعطی مالہ احدالانہ ربمالم یکن مستحقابل یکنزہ فی الارض حتی یظھر اھل الحق۔

ترجمہ: کنزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا مال دینے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اکثر اوقات (لینے والا) لینے کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ (دینے والا اپنے مال کو)زمین میں (دفن کرکے)ذخیرہ کرلے حتیٰ کہ اس کو کوئی حقدار مل (تو پھر زمین سے نکال کر اس کے حقدار کو دے دے)۔

8۔الشراخیۃ:قالوا:لاباس بمس النساءالاجانب لانھن ریاحین۔

ترجمہ: شراحیہ کہتے ہیں کہ عورت کو کسی ایک جانب سے مس کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ(عورت)ایک خوشبو کی مانند ہے۔

9۔الاخنسیۃ:قالوا:لایلحق المیت بعدموتہ خیرولاشر۔

ترجمہ: اخنسیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ مردے کو مرنے کے بعد خیر وشر لاحق نہیں ہوتا۔

10۔الحکمیة:قالوا:من حاکم الی مخلوق فھو کافر۔

ترجمہ:حکمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص مخلوق پر حاکم ہو وہ کافر ہے۔

11۔المعتزلة:قالوا:اشتبہ علینا امر علی و معاویة فنحن نتبرا من الفریقین۔

ترجمہ: معتزلہ کہتے ہیں کہ (حضرت) علی اور (حضرت) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معاملہ میں ہمیں اشتباہ ہے اس لئے ہم ان دونوں گروہوں سے بیزار (لا تعلق) ہیں۔

12۔المیمونیة:قالوا:لاامام الا برضا اھل محبتنا۔

ترجمہ: میمونیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ محبت کرنے والے لوگوں کی رضامندی کے بغیر کوئی امام نہیں (بن سکتا)۔

انقسمت القدریة اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ:قدریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔الاحمریة:وھی التی زعمت ان فی شرط العدل من اللہ ان یملک عبادہ امورھم ویحول بینھم وبین معاصیھم۔

ترجمہ: احمریہ وہ فرقہ ہے جس کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کیلئے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے امور کا اختیار و ملکیت انہی بندوں کے پاس ہو تا کہ وہ اختیار ان بندوں اور ان کے گناہوں کے درمیان آڑ بن جائے۔

2۔الثنویة:وھی التی زعمت ان الخیر من اللہ و الشر من الشیطان۔

ترجمہ: یہ وہ فرقہ ہے جو گمان کرتا ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے۔

3۔المعتزلة:وھم الذین قالوا بخلق القرآن و جحدوا صفات الربوبیة۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی انکار کیا ہے۔

4۔الکیسانیة:وھم الذین قالو الاندری ھذہ الافعال من اللہ او من العباد ولانعلم یثاب الناس بعدا ویعاقبون۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا بندوں کی طرف سے اور ہم نہیں جانتے کہ لوگوں کو بعد میں ثواب دیا جائے گا یا عذاب۔

5۔الشیطانیة:قالو ان اللہ تعالیٰ لم یخلق الشیطان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا نہیں کیا۔

6۔الشریکیة:قالو ان السیئات کلھامقدرۃ الاالکفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ کفر کے بغیر باقی سب گناہ اور برائیاں تقدیر میں لکھ دی گئی ہیں۔

7۔الوھمیة:قالو الیس لافعال الخلق و کلامھم ذات و لا للحسنة و السیئة ذات۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال اور کلام کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی نیکی اور شر کا کوئی وجود ہے۔

8۔الزبریة:قالو اکل کتاب نزل من عنداللہ فالعمل بہ حق ناسخا کان او منسوخا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے پس ان کتابوں پر عمل کرنا حق ہے چاہے یہ (کتابیں) ناسخ ہوں یا منسوخ۔

9۔المسعدیة:زعموا ان من عصی ثم تاب لم تقبل توبتہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں۔

10۔الناکثیة:زعموا ان من نکث بیعة رسول اللہ ﷺ فلا اثم علیه۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بیعت توڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

11۔القاسطیة:تبعوا ابراهیم بن النظام فی قوله من زعم ان اللہ شئی فهو کافر۔

ترجمہ: قاسطیہ نے اس قول میں ابراہیم بن نظام کی پیروی کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز ہونے کا گمان کرے وہ کافر ہے۔

12۔المتبریة:قالوا لاتقبل اللہ توبة العاصی۔[260]

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

انقسمت الجهمیة اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ: جہمیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔المعطلة:زعموا ان کل مایقع علیه وهم الانسان فهو مخلوق و ان من ادعی ان اللہ یری فهو کافر۔

ترجمہ: معطلۃ کا خیال ہے کہ انسان پر جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اور ان کا یہ بھی گمان ہے کہ جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھا جائے گا (یعنی نظر آئے گا) تو (اس طرح کہنے والا) کافر ہو جائے گا۔

[260] المعتمد فی المعتقد معروف بہ رسالہ تورپشتی مطبع مظہر العجائب مدراس 1286ھ ترکی چھاپ ص 220۔

2۔المریسیة:قالوا اکثر صفات اللہ تعالیٰ مخلوقة۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔

3۔الملتزقة:جعلوا الباری سبحانہ فی کل مکان۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ میں ثابت کرتے ہیں۔

4۔الواردیة:قالوا لایدخل النار من عرف ربہ ومن دخلھا لم یخرج منھا ابدا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب کو پہچان لے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوسکتا اور جو شخص دوزخ میں داخل ہو گیا تو وہ اس سے ساری عمر نہیں نکلے گا۔

5۔الزنادقة:قالوا لیس لاحد ان نثبت لنفسہ ربا لان الاثبات لایکون الا بعد ادراک الحواس وما لایدرک لایثبت۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ ہم اپنے لئے رب کو ثابت کریں کیونکہ کسی چیز کو ثابت کرنا جو اس کے ادراک کے بعد ہی ممکن ہے (پہلے ممکن نہیں) اور جس چیز کا ادراک نہ ہو وہ ثابت نہیں کی جاسکتی (مقصد یہ کہ چونکہ انسان اپنے ظاہری حواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتا اس لئے جائز نہیں کہ وہ ادراک کے بغیر رب کو ثابت کرتا پھرے) (نعوذ باللہ من ذلک۔)

6۔الحرقیة:زعموا ان الکافر تحرقہ النار مرة واحدة ثم یبقی محترقا ابدا لایجد حر النار۔

ترجمہ: ان کا گمان (عقیدہ یہ) ہے کہ کافر صرف ایک ہی دفعہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور پھر وہ ہمیشہ جلی ہوئی حالت میں رہے گا (لیکن) آگ کی حرارت کو محسوس نہیں کرے گا۔

7۔المخلوقیة:زعموا ان القرآن مخلوق۔

ترجمہ: ان کا گمان ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

8۔الفانية:زعمواان الجنۃو الناری فنیان و منھم من قال لم یخلقا۔

ترجمہ:ان کا خیال ہے کہ جنت ودوزخ (بھی ہمیشہ کیلئے)فنا ہو جائیں گی اوران میں سے بعض ایسے ہیں کہ یہ (جنت ودوزخ)پیدا ہی نہیں کی گئیں (یا یہ کہ دونوں مخلوق نہیں بلکہ ازلی ہیں)(نعوذ باللہ من ذلک)

9۔العبدية:جحدوا الرسل و قالو اانما ھم حکماء۔

ترجمہ:انہوں نے رسل سے انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہ(رسول نہیں بلکہ)حکماء تھے۔

10۔الواقفية:قالو الانقول ان القرآن مخلوق و لاغیر مخلوق۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہم نہ (تو) قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق(یعنی ازلی)ہونے کا۔

11۔القبرية:ینکرون عذاب القبر و الشفاعة۔

ترجمہ:یہ قبر کے عذاب اور شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔

12۔اللفظية:قالو الفظنا بالقرآن مخلوق۔

ترجمہ:یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قرآن کریم کو تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

انقسمت المرجیۃاثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ:مرجیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔التارکية:قالو الیس للہ تعالیٰ علی خلقه فریضة سوی الایمان به فمن اٰمن به فلیفعل ماشاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور کچھ فرض نہیں ہے پس جو شخص (اللہ تعالیٰ)پر ایمان لے آئے تو وہ جو چاہے، کرے۔

۲۔السائبیۃ:قالوا ان اللہ تعالیٰ سیب خلقہ لیفعلوا ماشاؤا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو کھلا چھوڑ دے گا تاکہ جو اس کے دل میں آئے سو کرے۔

۳۔الراجیۃ:قالوا لایسمی الطائع طائعا ولا العاصی عاصیا لانا لاندری ماله عنداللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ تابع کو تابع اور گناہ گار کو گناہ گار کا نام نہیں دینا چاہیئے اس لئے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسے ہیں۔

۴۔السالبیۃ:قالوا الطاعۃ لیست من الایمان۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اطاعت ایمان کا حصہ نہیں ہے۔

۵۔البھیشیۃ:قالوا الایمان علم ومن لا یعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فھو کافر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک علم (کا نام) ہے اور جو شخص حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے جدا نہ سمجھے تو وہ کافر ہے۔

۶۔العملیۃ:قالوا الایمان عمل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

۷۔المنقوصیۃ:قالوا الایمان لا یزید ولا ینقص۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ تو زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کم۔

۸۔المستثنیۃ:قالوا الاستثناء من الایمان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ استثناء ایمان میں سے ہے۔

۹۔المشبهة:قالوا ابصر کبصرو ید کید۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اس طرح ہے جس طرح ہمارا دیکھنا اور اس کا ید اس طرح ہے جس طرح کہ ہمارا ہاتھ ہے۔

۱۰۔الحشوية:قالوا حكم الاحاديث كلها واحد فعندهم ان تارك لنفل كتارك الفرض۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری احادیث کا حکم ایک ہی حدیث کی طرح ہے پس ان لوگوں کے نزدیک نفل کو ترک کرنے والا اس طرح (گناہ گار) ہے جس طرح فرض کو ترک کرنے والا۔

۱۱۔الظاهرية:الذين نفوا القياس۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

۱۲۔البدعية:اول من ابتدع هذه الاحاديث فی هذه الامة۔

ترجمہ: یہ وہ گروہ ہے جس نے سب سے پہلے اس امت میں بدعات کو پیدا کیا۔

انقسمت الرافضية اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ: روافض کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔العلوية:قالوا ان الرسالة كانت الی علی و ان جبریل أخطاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ رسالت (حضرت) علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھیجی گئی تھی لیکن (حضرت) جبرائیل علیہ السلام نے خطا (غلطی) کر ڈالی (اور رسالت، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دے ڈالی) (**نعوذ باللہ من ذلک**)۔

۲۔الامرية:قالوا ان علیا شریک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی امره۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ امر رسالت میں شریک تھے۔

۳۔الشیعة:قالوا ان علیارضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیّ رسول اللہ ﷺ وولیه من بعدہ وان الامة کفرت بمبایعة غیرہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وصی ہیں اوران کے بعد ان کے ولی ہیں اور یہ امت ان (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)کے علاوہ دوسرے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)کے ساتھ بیعت کرکے کافر ہوگئ۔ (نعوذباللہ من ذلک)۔

۴۔الاسحاقیة:قالواان النبوة متصلة الی یوم القیامة وکل من یعلم علم اهل البیت فهو نبی۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ نبوت ،قیامت تک (جاری)رہے گی اوراہل بیت میں سے جو(شخص زیادہ)عالم ہو گا،وہ نبی ہو گا۔(نعوذباللہ من ذلک)

۵۔الناووسیة:قالواعلی افضل الامةفمن فضل غیرہ فقد کفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری امت میں سے افضل ہیں پس جس نے(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)کے بغیر کسی اور کو افضل جاناتو بتحقیق وہ کافر ہے۔

۶۔الامامیة:قالوالایمکن ان تکون الدنیابغیر الامام من ولدالحسین وان یعلمه جبرائیل علیه الصلوة والسلام فاذامات بدل غیرہ مکانه۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے کسی (شخص) کے بغیر دنیاکاوجود(باقی)رہناممکن نہیں ہے اور ایسے شخص کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام علم سکھاتے ہیں توجب ایسا شخص فوت ہوجاتاہے توکوئی دوسرااس کی جگہ مقرر ہوتا ہے۔

۷۔الزيدية:قالوا ولدالحسين كلهم أئمة فى الصلوات فمتى وجدمنهم احدلم تجز الصلاة خلف غيرهم برّهم وفاجرهم۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد نماز میں سب ائمہ کے امام ہیں پس جس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادمی سے کوئی موجود ہو توکسی دوسرے کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اگرچہ وہ نیکوکار ہو یابدکار۔

۸۔العباسية:زعموا أن العباس كان أولى بالخلافة من غيره۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخلوق سے خلافت کے معاملے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ اہل تھے۔

۹۔التناسخية:قالواالارواح تتناسخ فمن كان محسناخرجت روحه فدخلت فى خلق يسعدبعيشه۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ارواح تناسخ کرتی ہیں پس جو شخص نیکوکار ہو جب وہ فوت ہو جاتا ہے تواس کی روح مخلوق میں سے کسی شخص میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر اس کی زندگی صحیح گزرتی ہے۔

۱۰۔الرجعية:زعموا ان علياوأصحابه يرجعون الى الدنياوينتقمون من اعدائهم۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مرنے کے بعد)اس دنیامیں دوبارہ آئیں گے اوراپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

۱۱۔اللاعنة:یلعنون عثمان وطلحة والزبیر والمعاویة وأباموسیٰ وعائشة وغیرھم۔

ترجمہ: یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاوغیرہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (نعوذباللہ من شرورھم)

۱۲۔المتربصة:تشبھوابزیّ النساک ونصبوافی کل عصر رجلاًینسبون الیه الامر یزعمون أنه مھدی ھذہ الامة فاذامات نصبوا الاخر۔

ترجمہ: یہ (اپنے آپ کو دودھ پیتے) بچے کی طرح خیال کرتے ہیں اور ہر زمانے میں ایک شخص کو (ایسے) متعین کرتے ہیں کہ تمام امور کو اس کے ساتھ منسوب کرتے ہیں (یعنی اسے ہر معاملہ میں اپنا حاکم تصور کرتے ہیں) اوراس شخص کو اس امت کے مہدی ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور جب وہ مر جاتاہے تو اس کی جگہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کرلیتے ہیں۔

انقسمت الجبریة اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ: جبریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیاگیاہے۔

۱۔المضطریة:قالوا لافعل للآدمی بل اللہ یفعل الکل۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کا کوئی فعل نہیں بلکہ فاعل کل اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔الافعالیة:قالوا لناأفعال ولکن لاأستطاعة لنافیھا وانمانحن کالبھائم نقادبالجبل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ افعال تو ہمارے ہی ہیں لیکن ان افعال (کے ادا کرنے میں) ہمیں طاقت واستطاعت حاصل نہیں ہے اور (ہماری حیثیت ایسی ہے گویا) ہم حیوانات ہیں جن کے گلے میں نکیل

ہے(مطلب یہ کہ جس طرح حیوانات نکیل کے ساتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی کے ساتھ کچھ بھی نہیں کرسکتے ایسے ہی انسان بھی بے اختیار ہے)۔

۳۔المفروغیة:قالوا کل الاشیاء قد خلقت و الآن لا یخلق شئی۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام اشیاء(پہلے سے)پیدا کر دی گئی ہیں۔اب پیدا نہیں ہوتیں۔

۴۔النجاریة:زعمت ان اللہ تعالیٰ یعذب الناس علی فعله لا علی فعلهم۔

ترجمہ: ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اپنے فعل پر عذاب دیتا ہے نہ کہ دوسرے لوگوں کے فعل کی وجہ سے۔

۵۔المنانیة:قالوا علیک بما یخطر بقلبک فافعل ما توسمت منه الخیر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ آپ پر وہ کام لازم ہے جس کا آپ کے دل میں خدشہ ہو(لیکن)آپ کو ایسے کام کرنے چاہیئں جن سے آپ کو خیر پہنچ سکے۔

۶۔الکسبیة:قالوا لا یکتسب العبد ثوابا و لا عقابا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندہ نہ تو ثواب کا کسب کر سکتا ہے اور نہ ہی عذاب کا۔

۷۔السابقیة:قالوا من شاء فلیعمل و من شاء فلا یعمل فان السعید لا تضره ذنوبه و الشقی لا ینفعه بره۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو چاہے، وہ عمل کر لے اور جو(نہ)چاہے وہ نہ کرے کیونکہ (جو) نیک بخت ہو گا اسے اس کا گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو بد بخت ہو گا اسے اس کی نیکی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

۸۔الحبیة:قالوا من شرب کاس محبة اللہ تعالیٰ سقطت عنه عبادة الارکان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا پیالہ پی لیا تو اس سے عبادت کے ارکان ساقط ہو جاتے ہیں۔ (نعوذباللہ من ذلک)

۹۔الخوفية: قالوا من احب اللہ تعالیٰ لم يسعه ان يخافه لان الحبيب لا يخاف حبيبه۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے محبت کر لی، اسے کسی قسم کا خوف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ دوست اپنے دوست سے خوف نہیں رکھتا۔

۱۰۔الفكرية: قالوا من ازداد علما اسقط عنه يقدر ذلک من العباد۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندوں میں سے جس کا علم زیادہ ہو اس سے قدرت ساقط ہو جاتی ہے۔

۱۱۔الخشبية: قالوا الدنيا بين العباد سواء لا تفاضل بينهم فيما ورثهم ابوهم آدم۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ دنیا، بندوں کے درمیان برابر برابر (تقسیم) ہوئی ہے (یعنی) ان (بندوں) کے جد اعلیٰ حضرت آدم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ وراثت ان کیلئے چھوڑدی ہے اس میں سے کسی ایک کو دوسرے سے فالتو چیز نہیں مل سکتی (بلکہ سب کو برابر برابر حصہ ملتا ہے)۔

۱۲۔المنية: قالوا منا الفعل ولنا الاستطاعة۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ فعل (بھی) ہم سے ادا ہوتا ہے اور استطاعت بھی ہمیں (ہی) دی گئی ہے۔[261]

قال أبو الفرج الجوزي: فإن قيل هذه الفرق معروفة، فالجواب أنا نعرف الافتراق وأصول الفرق وأن كل طائفة من الفرق انقسمت إلى فرق، وإن لم نحط بأسماء تلك الفرق

---

[261] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج4 ص158 تا160۔

ومذاهبها، فقد ظهر لنا من أصول الفرق الحرورية والقدرية والجهمية والمرجئة والرافضة والجبرية۔

وقال بعض أهل العلم: أصل الفرق الضالة هذه الفرق الست، وقد انقسمت كل فرقة منها اثنتي عشرة فرقة، فصارت اثنتين وسبعين فرقة۔

انقسمت الحرورية اثنتي عشرة فرقة، فأولهم الازرقية - قالوا: لا نعلم أحدا مؤمنا، وكفروا أهل القبلة إلا من دان بقولهم۔

والاباضية - قالوا: من أخذ بقولنا فهو مؤمن، ومن أعرض عنه فهو منافق۔

والثعلبية - قالوا: إن الله عز وجل لم يقض ولم يقدر۔

والخازمية - قالوا: لا ندري ما الايمان، والخلق كلهم معذورون۔

والخلفية - زعموا أن من ترک الجهاد من ذکر أو أنثى كفر۔

والكوزية - قالوا: ليس لاحد أن يمس أحدا، لانه لا يعرف الطاهر من النجس ولا أن يؤاكله حتى يتوب ويغتسل۔

والكنزية - قالوا: لا يسع أحدا أن يعطي ماله أحدا، لانه ربما لم يكن مستحقا بل يكنزه في الارض حتى يظهر أهل الحق۔

والشمراخية - قالوا: لا بأس بمس النساء الاجانب لانهن رياحين۔

والاخنسية - قالوا: لا يلحق الميت بعد موته خير ولا شر۔

والحكمية - قالوا: من حاكم إلى مخلوق فهو كافر۔

والمعتزلة - قالوا: اشتبه علينا أمر علي ومعاوية فنحن نتبرأ من الفريقين۔

والميمونية - قالوا: لا إمام إلا برضا أهل محبتنا۔

وانقسمت القدرية اثنتي عشرة فرقة: الاحمرية - وهي التي زعمت أن في شرط العدل من الله أن يملک عباده أمورهم، ويحول بينهم وبين معاصيهم۔

والثنوية-وهي التي زعمت أن الخير من الله والشر من الشيطان۔

والمعتزلة-وهم الذين قالوا بخلق القرآن وجحدوا [صفات] الربوبية۔

والكيسانية وهم الذين قالوا: لا ندري هذه الافعال من الله أو من العباد, ولا نعلم أثياب؟ الناس بعد أو يعاقبون۔

والشيطانية-قالوا: إن الله تعالى لم يخلق الشيطان۔

والشريكية-قالوا: إن السيئات كلها مقدرة إلا الكفر۔

والوهمية-قالوا: ليس لافعال الخلق وكلامهم ذات, ولا للحسنة والسيئة ذات۔

والزبرية-قالوا: كل كتاب نزل من عند الله فالعمل به حق, ناسخا كان أو منسوخا۔

والمسعدية-زعموا

أن من عصى ثم تاب لم تقبل توبته والناكثية-زعموا أن من نكث بيعة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا إثم عليه والقاسطية-تبعوا إبراهيم بن النظام في قوله: من زعم أن الله شيء فهو كافر۔

وانقسمت الجهمية اثنتي عشرة فرقة: المعطلة - زعموا أن كل ما يقع عليه وهم الانسان فهو مخلوق۔

وإن من أدعى أن الله يرى فهو كافر۔

والمريسية قالوا: أكثر صفات الله تعالى مخلوقة۔

والملتزقة-جعلوا الباري سبحانه في كل مكان۔

والواردية-قالوا لا يدخل النار من عرف ربه, ومن دخلها لم يخرج منها أبدا والزنادقة-قالوا: ليس لاحد أن يثبت لنفسه ربا, لان الاثبات لا يكون إلا بعد إدراک الحواس, وما لا يدرک لا يثبت۔

والحرقية - زعموا أن الكافر تحرقه النار مرة واحدة ثم يبقى محترقا أبدا لا يجد حر النار۔

والمخلوقية-زعموا أن القرآن مخلوق۔

والفانية-زعموا أن الجنة والنار يفنيان، ومنهم من قال لم يخلقا۔

والعبدية-جحدوا الرسل وقالوا إنما هم حكماء۔

والواقفية-قالوا:لا نقول إن القرآن مخلوق ولا غير مخلوق۔

والقبرية-ينكرون عذاب القبر والشفاعة۔

واللفظية-قالوا لفظنا بالقرآن مخلوق۔

وانقسمت المرجئة اثنتي عشرة فرقة: التاركية - قالوا ليس لله عزوجل على خلقه فريضة سوى الايمان به، فمن آمن به فليفعل ماشاء۔

والسائبية-قالوا:إن الله تعالى سيب خلقه ليفعلوا ماشاءوا۔

والراجية - قالوا: لا يسمى الطائع طائعا ولا العاصي عاصيا، لانا لا ندري ما له عند الله تعالى۔

والسالبية-قالوا:الطاعة ليست من الايمان۔

والبهيشية - قالوا: الايمان علم ومن لا يعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فهو كافر۔

والعملية-قالوا:الايمان عمل۔

والمنقوصية-قالوا:الايمان لا يزيد ولا ينقص۔

والمستثنية-قالوا:الاستثناء من الايمان۔

والمشبهة-قالوا:بصر كبصر ويد كيد۔

والحشوية - قالوا: حكم الاحاديث كلها واحد، فعندهم أن تارک النفل كتارک الفرض۔

والظاهرية-الذين نفوا القياس۔

والبدعية-أول من ابتدع هذه الاحداث في هذه الامة۔

وانقسمت الرافضة اثنتي عشرة فرقة: العلوية - قالوا: إن الرسالة كانت إلى علي وأن جبريل أخطأ۔

والامرية-قالوا: إن عليا شريک محمد في أمره۔

والشيعة - قالوا: إن عليا رضي الله عنه وصي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووليه من بعده، وإن الامة كفرت بمبايعة غيره۔

والاسحاقية - قالوا: إن النبوة متصلة إلى يوم القيامة، وكل من يعلم علم أهل البيت فهو نبي۔

والناووسية-قالوا: علي أفضل الامة، فمن فضل غيره عليه فقد كفر۔

والامامية - قالوا: لا يمكن أن تكون الدنيا بغير إمام من ولد الحسين، وإن الامام يعلمه جبريل عليه السلام، فإذا مات بدل غيره مكانه۔

والزيدية - قالوا: ولد الحسين كلهم أئمة في الصلوات، فمتى وجد منهم أحد لم تجز الصلاة خلف غيرهم، برهم وفاجرهم۔

والعباسية-زعموا أن العباس كان أولى بالخلافة من غيره۔

والتناسخية-قالوا: الارواح تتناسخ، فمن كان محسنا خرجت روحه فدخلت في خلق يسعد بعيشه۔

والرجعية-زعموا أن عليا وأصحابه يرجعون إلى الدنيا، وينتقمون من أعدائهم۔

واللاعنة - يلعنون عثمان وطلحة والزبير ومعاوية وأبا موسى وعائشة وغيرهم

والمتربصة-تشبهوا بزي النساک ونصبوا في كل عصر رجلا ينسبون إليه الامر، يزعمون أنه مهدي هذه الامة، فإذا مات نصبوا آخر۔

ثم انقسمت الجبرية اثنتي عشرة فرقة: فمنهم المضطرية-قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔

والافعالية-قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔

والمفروغية-قالوا: كل الاشياء قد خلقت، والآن لا يخلق شئ۔

والنجارية-زعمت أن الله تعالى يعذب الناس على فعله لا على فعلهم۔

والمنانية-قالوا:

عليک بما يخطر بقلبک، فافعل ما توسمت منه الخير۔

والكسبية-قالوا: لا يكتسب العبد ثوابا ولا عقابا۔

والسابقية-قالوا: من شاء فليعمل ومن شاء [ف]-لا يعمل، فإن السعيد لا تضره ذنوبه والشقي لا ينفعه بره۔

والحبية-قالوا: من شرب كأس محبة الله تعالى سقطت عنه عبادة الاركان۔

والخوفية-قالوا: من أحب الله تعالى لم يسعه أن يخافه، لان الحبيب لا يخاف حبيبه۔

والفكرية-قالوا: من أزداد علما أسقط عنه بقدر ذلک من العبادة۔

والخشبية-قالوا: الدنيا بين العباد سواء، لا تفاضل بينهم فيما ورثهم أبوهم آدم۔

والمنيه-قالوا: منا الفعل ولنا الاستطاعة۔[262]

[262] تفسیر القرطبی ج4ص164۔

سراج الامۃ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنے شاگردوں کو وصیت کے بیان میں

ھذا کتاب الوصیۃ من الامام الاجل الاعظم ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لاصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین لما مرض ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال اعلموا اصحابی و اخوانی وفقکم اللہ تعالیٰ ان فی مذھب اھل السنۃ و الجماعۃ اثنی عشر نوعا من الخصال فمن کان یستقیم علی ھذہ الخصال لایکون مبتدعا ولایکون صاحب الھواء فعلیکم اصحابی و اخوانی ان تکونوا فی ھذہ الخصال حتی تکونوا فی شفاعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم القیامۃ۔

ترجمہ: جس وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار پڑ گئے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا کہ اے میرے شاگردو! اور اس مذہب کی پیروی کرنے والے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ بتحقیق اہل سنت وجماعت کے مذہب میں بارہ (۱۲) اقسام پر مشتمل عقائد اور اعمال موجود ہیں تو جو شخص ان خصائل (اعمال) پر صحیح طریقے سے گامزن ہو (عمل کر جائے) تو ایسا شخص کبھی بھی دین میں صاحب بدعت اور صاحب ہوا نہیں ہوگا تو اے میرے شاگردو اور بھائیو! آپ پر یہ بات لازم ہے کہ آپ سب ان (۱۲) خصائل کو مظبوطی سے تھامے رکھو تاکہ آپ سب کو بروز قیامت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

خصلت (۱): ان (بارہ خصائل) میں سے پہلی قسم "ایمان" ہے اور ایمان زبان سے اقرار (ان سب امور پر کہ جن پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے عمل فرمایا ہو۔) اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اور صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اگر صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان کہا جاتا تو سارے منافقین، مؤمنین ہوتے اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو صرف نبوت کے ساتھ پہچاننا (بغیر اقرار اور تصدیق کے) ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر صرف معرفت

ایمان ہوتی تو(عصر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں)اہل کتاب سب مؤمنین ہوتے۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حق میں فرمایاہے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتاہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔(یعنی ان کا یہ دعویٰ جھوٹاہے کہ ہم صرف دل کی تصدیق کی وجہ سے مسلمان ہیں)اور(مؤمن بہ چیزوں پر)ایمان پرنہ زیادتی ہوتی ہے اورنہ ہی کمی۔کیونکہ ایمان میں زیادتی،نقصانِ کفر کی صورت میں ہی ممکن ہے اورایمان میں کمی کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ جب کفر میں اضافہ ہوپس یہ کس طرح جائزہو گا کہ ایک شخص ایک ہی حالت مومن اورکافردونوں ہوحقاً(واقع میں)اورمؤمن کے ایمان میں شک نہیں ہے جس طرح کہ کافرکے کفرمیں شک نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے(ان دونوں گروہوں کے بارے میں)یہ لوگ (مؤمنین)سچے ایمان والے ہیں۔(اور یہ دوسرا گروہ یعنی کافرکہ)یہ سب لوگ اصلی کافرہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت میں جولوگ گناہگارہیں(گناہ کبیرہ میں ملوث ہیں)وہ سب مؤمنین ہیں کافرنہیں ہیں۔

تشریح: کرامیہ کاایک گروہ اس عقیدے پرہے کہ صرف زبان ہی سے اقرارکرلیناکافی ہے دل سے تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ ایک فاسدعقیدہ ہے۔[263]

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان تمام مؤمن بہ چیزوں پرزبان سے اقراراوردل سے تصدیق نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہوسکتاکیونکہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشادفرمایاہے کہ:

عن علي بن أبي طالب الإيمانُ عقدٌ بالقلبِ وإقرارٌ باللسانِ وعملٌ بالأركانِ۔

---

[263] (غنیۃ الطالبین ص ۱۷۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ دل کے ساتھ تصدیق ہو اور زبان کے ساتھ اقرار ہو اور ارکان پر عمل ہو۔(لیکن ہمارے نزدیک عمل ایمان کا جزو نہیں ہے)[264]

اوراجماع اس بات پرہے کہ زبان سے اقراراوردل سے تصدیق کرنے کوایمان کہتے ہیں اور گناہ کرنے سے مؤمن ایمان سے خارج نہیں ہوتا،چاہے ایک گناہ بھی ہو البتہ یاتواللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عذاب دے گا یااپنے فضل وکرم سے معاف کردے گا۔یہ قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ابوالحسن الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاہے۔

اورایک گروہ جہمیہ کاہے جو کہتاہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دل تصدیق کرے اورزبان سے اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نمازدل سے اداکرنی چاہئے ظاہری طورپر نمازاداکرنا فرض نہیں ہے اوراس طرح حج کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ حج بھی دل سے اداکرناچاہئے اس کے ظاہری ارکان اداکرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وذهب بعضهم الى انه يسقط عنه العبادات الظاهرة ويكون عبادته التفكر۔

ترجمہ:(اس گروہ جہمیہ کے)بعض لوگ(اعتقادی طورپر)اس طرف گئے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہوگئی ہیں(یعنی ان کی ضرورت نہیں ہے)اورسوچ وتفکرہی(میں)عبادت ہے۔[265]

یہ گروہ بھی قرآن وحدیث کے مخالف ہے کیونکہ:

---

[264](السيوطي(٩١١هـ)، الدرر المنتثرة٣٥•ملاعلي قاري(١٠١٤هـ)، الأسرار المرفوعة١٥٨•الزرقاني(١١٢٢هـ)، مختصر المقاصد٢٥٦•ابن ماجه وشرح العقائدالمسمى به نبراس ص ٤٠١)

[265](شرح العقائدالمسمى به نبراس ص ٥٦٢)

ولقوله عَلَیْہِ السَّلَام من ترکَ الصلاۃَ متعمدًا فقد کفرَ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاہے کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑی اس نے یقیناً کفر کیا۔[266]

ایک گروہ جو کہ معتزلہ اور روافض کا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان زیادہ یا کم نہیں ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ:

عن أبي هريرة: جاء وفدُ ثقيفٍ إلى رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم فقالوا:

"يا رسولَ اللهِ، الإيمانُ يزيدُ وينقُصُ؟ فقال: لا، الإيمانُ مُكمَّلٌ في القلبِ، زيادتُه كفر، ونُقصانُه شِرک"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آیا ایمان زیادہ یا کم ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (بلکہ) ایمان (بندے کے) دل میں مکمل ہوتا ہے۔ اس (کے بارے) میں زیادہ ہونے کا عقیدہ کفر ہے اور کم ہونے (کا عقیدہ رکھنا) شرک ہے۔[267]

---

[266] (الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ٣/٣٤٣•المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٢٦١•النووي (٦٧٦هـ)، الخلاصة ١/٢٤٨•الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/٣٠٠•ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ٢/٧١٩•الهيتمي المكي (٩٧٤هـ)، الزواجر ١/١٣١•محمد بن محمد الغزي (١٠٦١هـ)، إتقان ما يحسن ٢/٤٧٥•محمد جار الله الصعدي (١١٨١هـ)، النوافح العطرة ٣٧١•ابن الملقن (٧٥٠هـ)، خلاصة البدر المنير ١/٢٨٤•العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ١/٢٠١•شرح عقائد المسمی به نبراس ص ۳۵۷)

[267] (أخرجه ابن ماجه (٧٤) مختصراً، والجورقاني في «الأباطيل والمناكير» (١/١٤٤)، وأورده ابن حبان في «المجروحين» (١/٢٨٨) باختلاف يسير، تفسیر سمرقندی ج ۲ ص ۹۹، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۰۲_۱۳۱۳ ہجری قمری فی المطبع الهاشمی الواقع فی بلدۃ المیرتھ۔)

معتزلہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان اور شرک ایک شخص میں بیک وقت پائے جاتے ہیں یعنی ایک شخص ایک ہی وقت میں مؤمن بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی۔ مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ بات نصوص میں صراحت کے ساتھ موجود ہے جو کہ متن میں بھی بیان ہو چکی ہے۔

ان الکبیرۃ التی ھی غیر الکفر لا تخرج العبد المؤمن من الایمان لبقاء التصدیق الذی ھو حقیقۃ الایمان خلافا للمعتزلۃ حیث زعموا ان مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن و لا کافر و ھذا ھو المنزلۃ بین المنزلتین۔

ترجمہ: یہ کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں (یعنی کفر ان میں شامل نہیں کیونکہ کفر تو اکبر الکبائر ہے) اور مؤمن بندہ ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ (کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود) مؤمن کی تصدیق قلبی تو قائم و دائم ہے جو کہ ایمان کی اساس ہے۔ (اور اس عقیدہ میں) معتزلہ خلاف ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے۔ اور (کفر و ایمان کے درمیان میں) یہی وہ تیسرا درجہ ہے جو وہ دو درجوں کے درمیان ثابت کرتے ہیں۔[268]

لاھل القبلۃ فی الایمان مذاھب:

الاول: انہ التصدیق و ھو مذھب الشیخ ابی الحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ و الامام ابی منصور الماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ و فخر الدین الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ و القاضی البیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ و مختار الشارح و جمہور المحققین و الاقرار عندھم شرط لاجراء الاحکام۔

---

[268] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۵۰، ۱۳۱۳ ھجری قمری فی المطبع الھاشمی الواقع فی بلدۃ المیرتھ۔)

الثانی: انه التصدیق و الاقرار وهومذهب جمهور الفقهاءومختار المصنف رحمه الله تعالیٰو امامنا الاعظم ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔

الثالث: انه التصدیق والاقرار والعمل من اداء المامورات ولو مندوبة وترک المحظورات بحیث یکون ترک العمل کفرا حتی فعل الصغیرة وترک المندوب وینسب الی الخوارج۔

الرابع: کذلک الا ان ترک العمل یخرج عن الایمان و لا یدخل فی الکفر وینسب الی القاضی عبدالجبار وابی الهذیل المعتزلیین واستبعدالشارح فی شرح المقاصدهذین المذهبین وقال الخروج عن الایمان بترک المندوب ممالا ینبغی ان یکون مذهب العاقل۔

الخامس: انه التصدیق و الاقرار والعمل من فعل الواجبات وترک المحرمات بحیث یکون ترک الواجب وفعل الحرام مخرجا عن الایمان غیر مدخل فی الکفر وهو مذهب ابی علی الجبائی و ابنه ابی هاشم۔

السادس: انه التصدیق والاقرار بحیث لایکون ترک الطاعة مخرجا عن الایمان وهو مذهب اکثر السلف و منهم مالک رحمه الله تعالیٰو الشافعی رحمه الله تعالیٰو احمد رحمه الله تعالیٰ۔

السابع: انه المعرفة وهومذهب جهم بن صفوان و المعرفة اقل درجة من التصدیق او اعم منه لانها قدتجامع العنادو الانکار۔

الثامن: انه الاقرار فقط و هذا مذهب الکرامیة۔

التاسع: انه الاقرار بشرط المعرفة بحیث یکون الشرط خارجا عن الایمان کالوضوء الخارج عن حقیقة الصلوة وهو مذهب الرقاشی۔

العاشر: انه الاقرار بشرط التصدیق الحاصل بالاختیار والکسب وھو مذھب القطان من الاشاعرۃ ھذا ملخص ما نقل عنھم علی خلاف الناقلین فی بعضھا واللہ سبحانہ اعلم۔[269]

ترجمہ: بے شک ایمان میں اہل قبلہ کے مذاہب یہ ہیں۔

اول: تصدیق کرنا یہ حضرت شیخ ابو الحسن اشعری اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی اور حضرت فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی اور مختار شارح اور جمہور محققین رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک اقرار کرنا شرط ہے تاکہ احکام کو اجراء ہو سکے۔

دوم: تصدیق اور اقرار کرنا یہ مذہب جمہور فقہاء اور مصنف اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین نے اختیار کیا ہے۔

سوم: تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا جن پر ہمیں حکم دیا گیا ہے اگرچہ مستحب ہو اور گناہوں کو ترک کرنا اس طرح کہ ترکِ عمل کفر (کے برابر) ہے چاہے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہو یا چاہے مستحبات کو ترک کیا ہو اور یہ بات خوارج کی طرف منسوب ہے۔

چہارم: (تیسرے قول ہی کی طرح ہے) لیکن ساتھ یہ بات بھی ہے کہ عمل کو ترک کرنے سے ایمان خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ بات قاضی عبد الجبار اور ابو ہذیل معتزلین کی طرف منسوب ہے اور شرح مقاصد میں شارح نے ان دو مذاہب سے دوری اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ کسی مستحب عمل کے ترک ہونے سے ایمان خارج ہونا ایسی بات ہے جس کو ایک مذہب تسلیم کر لینا کسی بھی عقلمند شخص کو مناسب نہیں ہے۔

---

[269] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

پنجم: تصدیق اور اقرار اور واجب اعمال پر عمل کرنا اور محرمات کو ترک کرنا (اور وہ بھی) یوں کہ ترک واجب اور حرام کام کا کرنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں کرتا اور یہ ابو علی جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کا مذہب ہے۔

ششم: تصدیق اور اقرار اور عمل، اس طرح کہ اطاعت، فرمانبرداری کا ترک، ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اکثر اسلاف جن میں حضرت امام مالک اور شافعی اور حضرت امام احمد رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین شامل ہیں ان کا مذہب ہے۔

ہفتم: معرفت حاصل کرنا یہ جہم بن صفوان کا مذہب ہے اور معرفت کا درجہ تصدیق سے کم ہے یا یہ کہ (معرفت) تصدیق سے زیادہ عام ہے کیونکہ معرفت، عناد و انکار کی جامع ہے۔

ہشتم: اقرار کرنا فقط یہ کرامیہ کا مذہب ہے۔

نہم: معرفت کی شرط پر اقرار کرنا اور وہ ایسے کہ معرفت کی شرط ہونا ایمان کا جزو نہیں ہے جیسے وضو، جو نماز کی شرط تو ہے لیکن نماز کا حصہ نہیں۔ یہ قول رقاشی کا مذہب ہے۔

دہم: تصدیق کی شرط کے ساتھ اقرار کرنا۔ ایسی تصدیق جو اپنے اختیار اور کسب سے حاصل ہو اور یہ قول اشاعرہ میں سے ایک گروہ قطان کا ہے اور یہ تمام بحث وہ خلاصہ و نچوڑ ہے جو عقلاء کے (اقوال کے) خلاف نقل ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

خوارج اور روافض کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

ولا تدخلہ ای العبد المؤمن فی الکفر خلافا للخوارج ھم فرقہ من اھل القبلۃ خرجوا علی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وذلک لان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ حکمابینھماابا موسی الاشعری وعمرو بن العاص لیسکن الحرب فقالت طائفۃ من اھل حروراء قریۃ عندالکوفۃ ان الفریقین کافران لانھمارضیابحکم غیر اللہ سبحانہ وقال اللہ تعالیٰ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ(یوسف ۴۰،یوسف ۶۷ و الانعام ۵۷)فقال علی رضی اللہ تعالی عنہ کلمۃ حق اریدبھاباطل فارسل عبداللہ بن عباس الیھم لیکشف شبھتھم فابو االاّالخروج علیہ فی ربّھم حتیٰ قتل اکثرھم و کانو ااثنی عشر الفاو بقی قوم منھم علی مذھبھم وھم فرق کثیرۃ مجمعون علی تکفیر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعائشۃ وطلحۃ وزبیرومعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم قداخبر النبی ﷺ بانھم اھل الطاعات الکثیرۃ ولکن طاعاتھم لاتنفعھم و انھم من اھل النار وان علیارضی اللہ تعالیٰ عنہ یقاتلھم ویقتلھم۔[270]

ترجمہ: داخل نہیں ہوتایعنی مؤمن بندہ کفرمیں (داخل نہیں ہوتا) خوارج کواس بات سے اختلاف ہے(اور خوارج) اہل قبلہ سے ایک فرقہ ہے(جو) امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف (لڑنے کیلئے) نکلے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہمادونوں کو حاکم مقرر فرمایا تاکہ جنگ بند ہوجائے پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے حروراء کے ایک گروہ سے جو کوفہ کے نزدیک ایک گاؤں ہے، کہا کہ یہ دونوں گروہ کفار سے ہیں کیونکہ یہ دونوں اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کسی غیر کے حکم پر راضی ہیں اوراللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ ”بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔“پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ حق فرمایااس کا ارادہ باطل کرنے پر۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان (لوگوں) کے پاس بھیجا تاکہ ان کا شبہ ظاہر ہوجائے لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جمع ہو کر لڑنے کے

---

[270] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

علاوہ کسی بات (کو ماننے) سے انکار کر دیا حتی کہ ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور یہ (قتل شدہ لوگ) بارہ ہزار تھے اور ان میں سے باقی قوم کو اپنے مذہب پر کر دیا اور اس فرقے کے لوگ بہت زیادہ ہیں اور یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تکفیر کرنے پر جمع ہوئے۔ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے خبر دار فرمایا ہے کہ "تحقیق یہ لوگ بہت طاعات گزار ہوں گے مگر ان کی طاعات گزاری سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور یہ لوگ اہل دوزخ سے ہوں گے۔" بتحقیق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو قتل کیا۔

جبریہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ:

قالوا لا یضر مع الایمان معصیة کما لا ینفع مع الکفر طاعة و ذهب بعضهم الی انه یسقط عنه العبادات الظاهرة و یکون عبادته التفکر و هذا کفر و ضلال۔[271]

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت کچھ نفع نہیں دیتی اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہو چکی ہیں اور انسان کی (اچھے کاموں کی) سوچ و تفکر ہی عبادت ہے (حالانکہ) یہ بات (یعنی ایسا عقیدہ رکھنا) کفر و گمراہی ہے۔

---

[271] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۶۳۔

جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مؤمن ہی رہتا ہے البتہ اسے اس کے گناہ کے مطابق سزا ملے گی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ فاسق، مسلم نہیں رہتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ گناہ کا عذاب مکثِ طویل (لمبے عرصے) تک حتمی ہے مگر آخرکار اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہو جائے گا اس بارے میں سلف صالحین کے اقوال، اجماع اور کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ وارد ہیں۔

ایک فرقہ مرجیہ یا التارکیہ ہے۔

قال لیس للہ عزو جل علی خلقه فریضه سوی الایمان به فمن اٰمن به فلیفعل ماشآء۔[272]

ترجمہ: یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر ایمان لانے کے سوا کوئی کام فرض نہیں کیا۔ اس لئے جو ایمان لے آئے اس کے جو جی میں آئے کرے (اُس سے کوئی بازپرس نہیں ہو گی)۔ العیاذباللہ۔

اور جہمیہ میں ایک فرقہ صالحیہ ہے یہ لوگ اپنے آپ کو حسین صالحہ کا پیروکار کہتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہی ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ پہچاننا کفر ہے اور ایمان ہی عبادت ہے ایمان کے سوا اور کوئی عبادت نہیں ہے۔[273]

---

[272] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔
[273] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔

ایک گروہ کرامیہ کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان صرف اقرار یعنی کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں۔

اعلم ان مذہب الکرامیۃ ان الایمان ھو الاقرار فقط۔[274]

ترجمہ: جان لو! کہ کرامیہ فرقے کا مذہب (یعنی عقیدہ) یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کو کہتے ہیں۔

ایک فرقہ خوارج کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

فسی الایمان عندی تصدیق القلب و الاقرار باللسان و العمل بالجوارح فماھیتہ علی ھذا مرکبتہ من ثلثۃ فمن اقل بشی منھا فھو کافر و لذا قالوا امرتکب الذنب مطلقا کافر۔[275]

ترجمہ: اوران کے نزدیک ایمان نام ہے دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاءِ جسدی کے ساتھ عمل کرنے کا۔ تو اس اعتبار سے ایمان تین چیزوں سے مرکب ہوا (یعنی تصدیق، اقرار اور عمل) پس اگر ان تینوں میں سے کسی نے ایک چیز بھی کم کر دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ گروہ کہتا ہے کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جائے گا۔

وکذلک الاان ترک العمل سیخرج عن الایمان ولایدخل فی الکفر وینسب الی القاضی عبدالجبار و ابی الھذیل المعتزلیین۔[276]

---

[274] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۸۷۔
[275] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔
[276] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

ترجمہ: (ایمان کے بارے میں دس مذاہب جن میں سے چوتھا مذہب، تیسرے مذہب جیسا ہی ہے) سوائے اس کے کہ (چوتھے مذہب کے نزدیک) اگر عمل کو ترک کیا تو وہ شخص ایمان سے خارج ہو جائے گا لیکن کفر میں داخل نہیں ہو گا اور وہ اس بات کو قاضی عبد الجبار اور ابو ہذیل معتزلین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک فرقہ رقاشی ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

انه الاقرار بشرط المعرفة بحیث یکون الشرط خارجا عن الایمان کالوضوء الخارج عن حقیقة الصلوة۔[277]

ترجمہ: بتحقیق اقرار کرنا، معرفت (پہچان) کی شرط کے ساتھ معتبر ہے (یعنی بغیر معرفت کے اقرار کا کچھ فائدہ نہیں) لیکن یہ معرفت کی شرط ایمان کا جزو نہیں جیسے وضوء (کی شرط) نماز کا حصہ نہیں۔

فصل ۲:

العمل غیر الایمان و الایمان غیر العمل بدلیل ان کثیرا من الاوقات یرتفع العمل عن المؤمن ولا یجوز ان یقال ارتفع عنه الایمان فان الحائض ترتفع عنها الصلوة ولا یجوز ان یقال ارتفع عنها الایمان او امر لها بترک الایمان وقد قال لها الشارع (علیه الصلوة و السلام) دعی الصوم ثم اقضیه ولا یجوزان یقال دعی الایمان ثم اقضیه ویجوزان یقال لیس علی

---

[277] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

الفقیر الزکوۃ ولایجوز ان یقال لیس علی الفقیر الایمان ولو قال تقدیر الخیر والشر من غیر اللہ تعالیٰ کان کافرا باللہ وبطل توحیدہ لو کان لہ التوحید۔

ترجمہ: عمل ایمان کے بغیر ہے(یعنی عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے)اور ایمان، عمل کے بغیر بھی معتبر ہے(ایمان لانا، عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فائدہ مند ہے)اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اکثر اوقات مؤمن سے عمل رہ جاتے ہیں لیکن (عمل کے چھوٹ جانے سے)یوں کہنا جائز نہیں کہ اس مؤمن سے ایمان چھوٹ گیا ہے کیونکہ حائضہ عورت سے نماز(کا عمل)ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ کہنا(کسی صورت بھی) جائز نہیں کہ اس عورت سے ایمان ساقط ہو گیا ہے یا(نماز کے چھوٹ جانے کی وجہ سے)اس کے ایمان کے چھوٹ جانے کا حکم لگا دیا جائے (اس لئے کہ نماز کا عمل اور چیز ہے جبکہ ایمان دیگر چیز ہے)اور بے شک شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس(حائضہ)کو فرمایا کہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کر لے(لیکن یہ کہنا کسی بھی صورت میں)جائز نہیں کہ تو ایمان چھوڑ دے اور بعد میں ایمان کی قضا لے آ۔اور(ایمان و عمل کے الگ الگ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ)یوں کہنا تو جائز ہے کہ فقیر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے(کیونکہ زکوٰۃ ایک عمل یا فعل ہے)لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ فقیر پر ایمان لانا فرض نہیں(کیونکہ ایمان، عمل کے علاوہ شئے ہے جو کہ عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فرض ہے)اور اگر کوئی توحید والا شخص(یعنی مسلمان)یوں کہہ دے کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی توحید باطل ہو جائے گی۔

تشریح:

ایمان: جو شخص اللہ تعالی کی وحدانیت اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے اہل سنت و الجماعت کے مذہب کے مطابق وہ مسلمان ہے۔ لیکن اگر ایک گناہ بھی قصداً کیا جیسے نماز اور روزہ قصداً چھوڑ دیا تو اس کی سزا اسے ضرور ملے گی

۔

بعض مذاہب اس بات کو تسلیم نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر کوئی بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

والمعتزلة والخوارج الجاعلين العمل ركنا ثالثا۔[278]

ترجمہ: معتزلہ اور خوارج عمل کو (ایمان) رکن ثالث کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے (عمل کے بغیر بھی ایمان کے معتبر ہونے کی) دلیل یہ ہے کہ وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے اور کوئی نیک عمل کرنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو ایسا شخص مومن کہلاتا ہے اور جنت کا حق دار ہو جاتا ہے اگر عمل ایمان کا جزو مانا جائے تو پھر شخص مذکور کو بے ایمان ماننا پڑے گا کیونکہ وہ عمل کے بغیر ہی مر گیا اور یہ بات محال ہے کہ ایک شخص کلمہ پڑھ کر مر جائے تو پھر بھی اسے مومن نہ کہا جائے۔

حدثنا أبو محمد بن حيان، ثنا سلم بن عصام، عن عمه، ثنا الحكم، عن زفر، عن أبي حنيفة، عن عبد الله بن أبي حبيبة، سمعت أبا الدرداء، حدثنا ابن المقرئ، ثنا بشر الرواسي، ثنا

[278] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۱۹۳۔

مصعب بن عبد الله الواسطي، ثنا يزيد بن هارون، ثنا أبو حنيفة، ثنا عبد الله بن أبي حبيبة، قال قال أبو الدرداء: كنت رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: «يا أبا الدرداء من شهد أن لا إله إلا الله مخلصا، وجبت له الجنة»، قلت: وإن زنى، وإن سرق فقال: «وإن رغم أنف أبي الدرداء» وزاد الحماني، ويزيد بن هارون، في حديثيهما، وكان أبو الدرداء يقوم كل جمعة عند منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقولها ويضع أصبعه على أنفه۔[279]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ سواری پر سوار تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کیلئے جنت واجب ہوگئی (حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تھوڑی دیر چپ رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہوگئی میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے پھر سکوت فرمایا اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ میں پھر بولا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے (اس بار) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ

---

[279] مسند امام اعظم ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۳۸۳ و ص ۱۴ باب عدم الخلود المومنین فی النار۔

زنا کرے اور چوری کرے اور اگر چہ ابو الدرداء کی ناک گرد آلود ہو۔ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کے شاگرد عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا منظر ایسا یاد ہے گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بانسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں

۔

دوسری اہم دلیل: مومنین کے ان بچوں کی ہے جو بچپن میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے مشہور عقیدے کے مطابق ایسے بچے مومن کہلاتے ہیں حالانکہ انہوں نے کوئی عمل نہیں کیا ہوتا۔ اگر عمل کو ایمان کا جزو مان لیا جائے تو ان بچوں کو کافر کہنا پڑے گا جو کہ عمل کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے جبکہ یہ بات محال ہے اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

بعض مذاہب (مثلاً روافض) کہتے ہیں کہ بعض اشخاص سے بھی نقصان اور فائدہ ہوتا ہے جس طرح جادو کرنے سے ہوتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کاہن و جادوگر کہے کہ اس شیطانی طاقت کی وجہ سے فائدہ یا نقصان ہوتا ہے تو اس طرح کی بات کرنا باطل ہے کیونکہ یہ شخص خیر و شر کو صرف شیطانی عمل جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (۲۹) فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (۳۰) إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (النبا ۳۱)

”اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔ اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب، بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے۔“

جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خیر وشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور دعا، صدقہ اور نیک عمل وغیرہ فائدہ دیتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں یہ بات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

فقال: "مامن عبد قال لا إله إلا الله ثم مات علی ذلک إلا دخل الجنة۔[280]

"فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو کہے کہ لا إله إلا الله اور پھر مر جائے تو (وہ جہنم میں چلا جائے بلکہ) وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

قدریہ وہ گروہ ہے جس کے لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال چاہے خیر ہوں یا شر اللہ تعالیٰ ان کا خالق نہیں ہے بلکہ اس کا خالق خود بندہ ہے۔ معتزلہ اور امامیہ اس عقیدے میں شریک ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کا راستہ لوگوں کو دکھایا ہے اور ان کو امر کیا ہے کہ وہ اس راستے کو اختیار کریں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شر کے کام بھی لوگوں کو بتادیئے ہیں اور لوگوں کو ان کاموں سے منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اعمال کی تفویض بندوں کو دی ہے اگر یہ خیر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں اور اگر شر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام افعال چاہے کفر ہو یا اسلام ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

---

[280] مشکوۃ کتاب الایمان فصل الاول متفق علیہ۔

و اللہ تعالیٰ خالق افعال العباد کلھا من الکفر و الایمان و الطاعۃ و العصیان لا کما زعمت المعتزلۃ ان العبد خالق لافعالہ۔[281]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندوں کے سارے افعال چاہے کفر ہوں یا ایمان، طاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق ہے اس طرح نہیں جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (النحل ١٧)

"تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔"

مجوسی لوگ جہان کے دو خدا مانتے ہیں ایک خیر کے کاموں کا خالق دوسرا شر کے کاموں کا خالق اور قدریہ خلق اشیاء میں سب بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کا شریک جانتے ہیں۔

معتزلہ اور مجوسی متعدد خداؤں کا ثابت کرتے ہیں۔

ان مشائخ ماورأ قد بالغوا فی تضلیلھم فی ھذہ المسئلۃ حتی قالوا ان المجوس اسعدای احسن حالا منھم حیث لم یثبتوا الا شریکا واحدا وھو اھرمن و المعتزلۃ اثبتوا اشرکاء لا تحصی۔[282]

ترجمہ: بتحقیق ماوراء النہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایا کہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کا حال بہت اچھا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیا ہے جو کہ "اہرمن" ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ

---

[281] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲٦۱۔

[282] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲٦۵۔

کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں شریک ٹھہرا دیتے ہیں۔)

نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يجيء قوم يقولون: لا قدر، ثم يخرجون منه إلى الزندقة، فإذا لقيتموهم فلا تسلموا عليهم، وإن مرضوا فلا تعودوهم، وإن ماتوا فلا تشهدوا جنائزهم فإنهم شيعة الدجال، ومجوس هذه الأمة، حقاً على الله أن يلحقهم به))۔[283]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ تقدیر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیق ہو جائیں گے جب ان سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملا دے گا۔

عن سالم، عن ابن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن القدرية وقال: ((ما من نبي بعثه الله تعالى قبلي إلا حذر أمته منهم ولعنهم))۔[284]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت فرمائی اور نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔

---

[283] مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ۔
[284] مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ۔

ایک گروہ خوارج کا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ:

انہ التصدیق والاقراروالعمل من اداءالمامورات ولومندوبۃ وترک المخطورات بحیث یکون ترک العمل کفرا حتی فعل الصغیرۃ وترک المندوب۔[285]

ترجمہ: کہ (دل سے) تصدیق اور (زبان سے) اقرار کرنا اور مامورات پر عمل کرنا اگرچہ مستحب عمل ہی ہو (ایمان) ہے اور گناہوں کا ترک کرنا (بھی ایمان میں داخل کرتا ہے) تو اس حساب سے عمل کا ترک کرنا کفر ہے چاہے وہ ایک چھوٹا ہی عمل ہو یا چاہے مستحب ہی کیوں نہ ہو۔ (یعنی یہ گروہ عمل کو ایمان کا جزو تسلیم کرتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو کافر کہتا ہے جبکہ ان کے رد میں ہمارے قوی دلائل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں)۔

ایک فرقہ جبائی ابن ابی ہاشم ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

انہ التصدیق والاقراروالعمل من فعل الواجبات وترک المحرمات بحیث یکون ترک الواجب وفعل الحرام مخرجا عن الایمان غیر مدخل فی الکفر۔[286]

---

[285] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

[286] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

ترجمہ: بے شک تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا واجب اعمال میں سے ہے اور حرام کاموں کا اس طرح ترک کرنا کہ واجب بھی ترک ہو اور حرام کام بھی (سرزد) ہو جائے تو اس طرح انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ (لیکن) کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

اور ایک فرقہ معتزلہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ:

فالقائل یکون العبد خالقا لافعاله یکون من المشرکین لان قوله زید خالق لفعله کقوله زیدمستحق للعبادة دون المؤحدین مع ان المذهب عدم تکفیر المعزلة لانهم من اهل القبلة۔[287]

ترجمہ: پس یہ کہنے والا کہ "بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے" مشرک ہو جاتا ہے اس لئے یہ قول کہ "زید اپنے فعل کا خالق ہے" ایسے ہے جیسے (یہ قول ہو کہ) زید مستحقِ عبادت ہے۔ یہ قول موحدین کا نہیں ہو سکتا لیکن معتزلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ تو اہل قبلہ ہیں۔

لان المعتزلة تمسکوا بنصوص الوعید علی انه یجب عقاب العاصی علی الله تعالیٰ و مذهب اهل سنت و الجماعت انه لایجب علی الله تعالیٰ شئی۔[288]

ترجمہ: کیونکہ معتزلہ نصوصِ وعید کے ساتھ دلیل دیتے ہیں کہ گناہ گار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ:

[287] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۶۴۔

[288] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۸۴۔

ان مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن ولا کافر وھذہ ھو المنزلۃ بین المنزلتین۔[289]

ترجمہ: بے شک گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن (رہتا) ہے اور نہ کافر (ہوتا) ہے اور یہ درجہ (ایمان و کفر کے) دو درجوں کے درمیان ایک تیسرا درجہ ثابت کرنا ہے۔

ایک فرقہ خوارج ہے جو کہ (۲۰) فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ:

فانھم ذھبوا الی ان مرتکب الکبیرۃ بل الصغیرۃ ایضاً کافر ولا واسطۃ بین الایمان والکفر لنا۔[290]

ترجمہ: یہ خوارج عقیدے کے لحاظ سے اس طرف گئے ہیں کہ (نہ صرف) گناہِ کبیرہ کرنے والا بلکہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب بھی کافر ہے اور ہمارے لئے ایمان و کفر میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فصل نمبر ۳

نقر بان الاعمال ثلثۃ فریضۃ وفضیلۃ ومعصیۃ۔ فالفریضۃ: بامر اللہ تعالیٰ ومشیتہ ومحبتہ ورضائہ وقضائہ وتقدیرہ وارادتہ وتوفیقہ وتخلیقہ وحکمہ وعلمہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔ واما الفضیلۃ: فلیست بامر اللہ تعالیٰ ولکن بمشیتہ وبمحبتہ وبرضائہ وبقضائہ وبتقدیرہ وبتوفیقہ وتخلیقہ وارادتہ وحکمہ وعلمہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔ واما المعصیۃ: لیست بامر اللہ تعالیٰ ولکن بمشیتہ لا بمحبتہ وبقضائہ لا برضائہ وبتقدیرہ وتخلیقہ لا بتوفیقہ الخ وبخذلانہ لا بمعونتہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (بندوں) کے اعمال تین قسم کے ہیں۔ (پہلی قسم) فرض ہے (واجبات بھی فرض ہی کے زمرے میں ہیں) اور (دوسری قسم) فضیلت ہے (جو کہ سنت، مستحب

---

[289] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

[290] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

اور نوافل سے کو شامل ہے)اور (تیسری قسم) گناہ ہے (جو کہ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ سب کو شامل ہے)۔

پس فرض وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت اور اس کی محبت اور اس کی رضا اور اس کی قضا اور اس کی تقدیر اور اس کے ارادے اور اس کی توفیق اور اس کی تخلیق (پیدا کرنا) اور اس کے حکم اور اس کے علم میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض عمل کرنے پر حکم فرمایا ہے اور اس پر علم رکھتا ہے) اور یہ (فرض) لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اور فضیلت والے (جیسے سنت و مستحبات اور نوافل) اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہیں (کیونکہ امر تو وجوب کیلئے ہوتا ہے جبکہ یہ افعال تو واجب نہیں ہیں) مگر اس کی مشیت اور اس کی محبت اور اس کی قضا اور اس کی رضا اور اس کی تقدیر اور اس کی توفیق اور اس کی تخلیق (پیدا کرنا) اور اس کے ارادے اور حکم اور اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔

مگر (گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہے نہ کہ اس کی محبت سے (اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کو محبوب نہیں رکھتا)۔ اور گناہ اس کی قضاء و تقدیر سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ اور پیدا کرنا اور تقدیر (اللہ تعالیٰ کی) طرف سے ہے نہ کہ اس کی توفیق سے۔ اور اس (اللہ تعالیٰ کے خذلان (عدم التوفیق) سے ہے نہ کہ اس کی مدد سے اور (یہ معصیت بھی) لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

تشریح:

لوح محفوظ اور قلم اور وہ سب اشیاء جو لوح محفوظ میں تحریر ہیں وہ حق اور سچ ہیں اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور گناہ کرنا اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الاعراف ۲۸)

تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

اعمال کے بارے میں مندرجہ بالا متن میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جبکہ قدریہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ عمل چاہے نیک ہو یا بد بندہ اپنے اعمال کا خود فاعل ہے کیونکہ بندہ اپنے ارادے سے ہی نیک یا برا عمل کرتا ہے جبکہ روافض اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جبکہ برا عمل انسان کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ایک فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی بھی عمل پہلے سے لوح محفوظ میں درج نہیں ہوتا بلکہ عمل کے واقع ہو جانے کے بعد لوح محفوظ میں درج کیا جاتا ہے۔

اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ نیک اور برا عمل پہلے سے ہی لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے اور ہم سے اللہ تعالیٰ صادر فرماتا ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور یہ کہ یہ جبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے ہمارے لئے برائی لکھ دی ہے۔(لہذا ہم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔)

جبریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو نیکی کا ثواب ملے گا اور لیکن برائی پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ کفار اور گناہ گار معذور ہیں ان سے سوال نہیں ہو گا اس لئے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ جیسے کفر کے ساتھ طاعت نفع نہیں دیتی ایمان کے ساتھ معصیت بھی نقصان نہیں دیتی، ان سب نے فرمایا۔ اور اس مسئلہ کا نام مسئلہ عبادلہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے مروی ہے کہ مرجیہ پر ستر پیغمبروں نے لعنت کی۔

مرجیہ کے دو گروہ ہیں: (۱) مرجیہ مرحومہ (۲) ملعونہ۔

مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہیں اور مرجیہ ملعونہ جن پر لعنت کی گئی یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت نقصان نہیں دیتی اور عاصی پر عذاب نہیں ہوگا۔

عثمان ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ مرجیہ ہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں۔ ملعونہ، ہم اس سے بیزار ہیں اور ایک مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں یہ بھی لکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ایسا ہی کہا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدۃ ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

پھر مرجیہ اور جبریہ کے کلام سے جو کفر ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور برائی حقیقت میں بندے کے افعال نہیں ہیں اور جو بندہ کرتا ہے فاعل اللہ تعالیٰ ہے، لہذا یہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو موصوف بہ قبائح کیا ہے، زناوغیرہ سے کہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ فاعل بھی ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ان کو قبائح اور زناوغیرہ پر عذاب دے تو یہ ظلم ہو گا اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ فعل بندے سے مجازاً ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت میں ہمیں استطاعت نہیں، بندہ درخت کی مانند ہے، جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ ہلتا ہے تو ایسے ہی بندہ درخت کی طرح مجبور ہے اور یہ کفر ہے، اس لئے کہ یہ تثلیث ہے اور کفر و معاصی اور برائیوں پر مجبور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کیلئے جائز نہیں کہ وہ سزا دے اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہے اور تخلیق کر کے اب آرام کر رہا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اور جو چیز اپنے وقت میں ظاہر ہو رہی ہے، بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہو رہی ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو شغل اور فراغت کے وصف سے موصوف کیا ہے اور انہوں نے امر و نہی کے زوال کا عقیدہ رکھا اور اسی طرح ربوبیت و فعل کے زوال کا اعتقاد کیا، یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ میں جلائے گا اور انہیں مارے گا اور زندہ کرے گا، پھر ان کو جلا اور مرا ہوا باقی رکھے گا اور یہ عقیدۂ کفر ہے، اس لئے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب دے گا، مگر افعال پر نہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جو دل میں خیر و شر کا خطرہ گزرے تو اس کا اتباع جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا، یہ بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وحی اور امر کو دل کے ساتھ ثابت کیا اور الہام کو جائز رکھا اور یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ بندہ جب غایت محبت کو پہنچتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور جام محبت نوش کرتا ہے تو اس سے شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور اس سے عبادت اٹھ جاتی ہے اور تفکر ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ بعض نے کہا: تفکر ادائے فرض سے افضل ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا مال مشترک ہے، تمام بنی آدم اس میں شریک ہیں، مال دنیا آدم وحوا کی وراثت ہے اور جو کوئی جس چیز کو لے لے وہ اسی کا حق ہے اور کسی کو منع کرنے کا حق اور جواز نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جس نے علم سیکھا تو وہ لوگوں کے مال میں شریک ہے اور کہتے ہیں کہ جو اس کو منع کرے کافر ہو جائے گا اور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: بندہ ایمان اور کفر کے بغیر اور کسی چیز کا مکلف نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ عبادات کا امر تکرار کو واجب نہیں کرتا اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ مؤمن حقیقت میں مؤمن نہیں ہے اور نہ ہی کافر، حقیقت میں کافر ہے کیونکہ آخرت میں ان میں تغیر جائز ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: اپنے ایمان میں بھی شک ہے اور انہوں نے کہا کہ ایمان اور شہادت کیا یہ ایمان ہے، کیا کفر زائل ہو جائے گا؟ یہ بھی کفر ہے۔ ان کے کلام میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو بدعت ہیں کفر

نہیں ہیں مثلاً جیسے کہ ان کا کہنا کہ ثواب اور عتاب تقسیم کر دیا گیاہے نہ زیادہ ہو نہ کم برابر ہے کوئی کرے یانہ کرے اور بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ افعال کیلئے تاثیر ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: **کل میسر لما خلق لہ۔** ہر ایک کیلئے آسان کر دیا گیاہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ قضاء سبقت کر گئی ہے، نیک بخت کیلئے نیک بختی ہے اور بد بخت کیلئے بد بختی ہے۔

بعض (مرجیہ) کہتے ہیں: ایمان یہ ہے کہ حق وباطل میں سے تمام چیزوں کی پہچان ہو جائے اور اس کا وہ عالم ہو تو مؤمن ہے ورنہ نہیں اور یہ مسئلہ مسئلہ تقلید ہے۔

اور بعض نے کہا: ایمان عمل ہے، اقرار اور تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں ۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایمان میں استثناء و تخصیص جائز ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قیاس حجت نہیں ، ایسے ہی رافضیوں نے قیاس کا انکار کیا کہ وہ حجت نہیں تو اگر ہر قیاس مراد ہے اور ہر قیاس کا انکار کیا تو یہ کفر ہے اس لئے کہ قیاس حجت ہے اور (اس حجت ہونا) نص سے ثابت ہے اور اگر بعض قیاس مراد ہے تو کفر نہیں، بدعت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔[291]

---

[291] تمہید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۴۰۰۔

انما یتوجه علی الجبرية القائلين بنفی الکسب والاختيار ان الانسان عندهم کالجماد۔[292]

ترجمہ: بتحقیق جبریہ کی طرف متوجہ ہوں جو کہتے ہیں کہ (انسان) کسب اوراختیار کوئی حیثیت نہیں رکھتا (اور) یہ کہ ان (جبریہ) کے نزدیک انسان (محض) ایک بے جان چیز کی طرح ہے۔ (یعنی انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا۔)

ہمارے اور کرامیہ کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ:

افعال العباد کلها بارادته تعالی و مشيته قدسبق انهماعندناعبارة عن معناواحد خلافا الکرامية زعموا ان المشية قديمة والارادة حادثة۔[293]

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک بندوں کے سارے افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے ہیں اور بتحقیق یہ (تفصیل) پہلے گزر چکی ہے اور یہ (ارادہ ومشیت) ایک ہی معنی میں ہیں۔ (لیکن) کرامیہ فرقہ کا یہ گمان (یعنی یہ عقیدہ) ہے کہ مشیت قدیمی (ازلی) ہے جبکہ ارادۂ (خداوندی) حادث ہے۔

اور نجاریہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ:

محمدبن الحسين النجارمن انه مريدبذاته لابصفته ولايخفیٰ ان کون الذات عين الصفات مذهب المعتزلة والفلاسفة۔[294]

---

[292] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۵۔
[293] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۷۔
[294] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶۔

ترجمہ: محمد بن حسین النجار (معتزلی کا عقیدہ ہے کہ) انسان، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ اس کی صفات کا اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ذاتِ خداوندی جل جلالہ، عین صفات ہے (یعنی ذات وصفات میں کوئی فرق نہیں)۔

(العیاذ باللہ)

اور فرقہ جبائیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ:

وعبدالجبار من انه مرید بارادة حادثة لا فی محل ای قائمة بنفسها لانها لو حدثت فی ذاته تعالیٰ لزم قیام الحوادث به تعالیٰ اوفی محل غیر الذاته لزم اتصاف هذه الغیر بصفته اللہ تعالیٰ۔[295]

ترجمہ: اور عبد الجبار (کے مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ) انسان (اللہ تعالیٰ کے) حادث ارادے کی میلان رکھتا ہے نہ کہ محل کی طرف یعنی (ایسا محل جو کہ) اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں حدوث ہو سکے تو پھر یہ بات لازم آئے گی کہ اس کی ذات محلِ حوادث ہو اور اگر بغیر محلِ ذات کے ارادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات میں حدوث لازم ہو گا۔

ارادے کی دو اقسام:

۱۔ ارادۂ کونیہ ۲۔ ارادۂ دینیہ

۱۔ ارادۂ کونیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

---

[295] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ

(الانعام ۱۲۵)

اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔

۲۔ ارادہ دینیہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرة ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

فصل نمبر ۴

نقر بان الله تعالیٰ على العرش استویٰ من غیر ان یکون له حاجة او استقرار علیه وهو الحافظ للعرش وغیر العرش فلو کان محتاجا لماقدر علی ایجاد العالم وتدبیره کالمخلوق ولو صار محتاجا الی الجلوس و القرار فقبل خلق العرش این کان الله تعالیٰ فهو منزه عن ذلک علوا کبیرا۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ الله تعالیٰ على العرش استویٰ بغیر اس کے کہ (اللہ تعالیٰ) عرش کا محتاج ہو یا اس پر بیٹھا ہو (جس طرح کہ مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ عرش اور غیر عرش (سب کائنات) کا حافظ ہے تو اگر (اللہ تعالیٰ) عرش کو پیدا کرنے اور عالم کی کارسازی

پر قادر نہ ہوتا جس طرح دوسری مخلوق۔(کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتی۔اس بات سے حاصل یہ ہے کہ یہ ایک بدیہی یعنی کھلی اور ظاہری بات ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی غیر کو محتاج ہو تو وہ ممکنات میں سے ہو گی اور ہر ممکن چیز مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہو سکتی تو اسلئے اللہ تعالیٰ کا عرش کیلئے محتاج ہونا باطل بات ہے۔)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھنے اور آرام کرنے کا محتاج سمجھا جائے(تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا پس (ثابت ہوا کہ)(اللہ تعالیٰ)تو اس حالت سے منزہ و پاک اور بلند و بالا ہے۔

تشریح:

ہم الرَّحۡمَنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوَى (طه ۵) پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ لا مکان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو جسم ہے اور نہ ہی وہ کوئی مکان و جہت رکھتا ہے۔

لیکن مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم،بدن،ہاتھ،پاؤں،آنکھیں،کان اور چہرہ رکھتا ہے۔

اور جہمیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے وجود کے ساتھ)ہر جگہ موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمۡ أَيۡنَ مَا كُنتُمۡ (الحدید ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔" اور وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الۡأَرۡضِ إِلَهٌ۔(الزخرف ۸۴) اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا" اور إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوۡا وَالَّذِينَ هُم مُّحۡسِنُونَ (النحل ۱۲۸) بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔"

اور جبکہ اہل سنت والجماعت (احناف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کا عقیدہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ **متشابهات** میں سے ہیں جن کی کیفیت اور درست مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک لا مکاں ذات ہے وہ نہ تو عرش کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کیلئے کوئی سمت متعین ہے اس لئے اگر کوئی گمراہ اور باطل عقیدے والا، یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے تو اس طرح وہ شخص اللہ تعالیٰ کیلئے ایک مکان ثابت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے مخلوق کی طرح تنزل اور جسم کا قائل ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے حامل گروہ (فرقہ جہمیہ) کے بارے میں فرمایا کہ **ذلک من غلو و افراطھم**۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حنفی مذہب غلو اور افراط سے بری ہے۔

العرش هو الجسم العظيم الذى شرفه الله سبحانه و جعله لنفسه كالسرير للملک مع تنزهه عن الجلوس والمكان كجعله الكعبة بيتاوزعم الحكماءانه فلک الافلاک المتحرک من المشرق الى المغرب۔ واعلم ان تفصيل الاجسام العلوية ممالا يعلمه الاالله سبحانه ذكره القرطبى وعن أنس قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: (ليلة أسري بي رأيت تحت العرش سبعين مدينة كل مدينة مثل مدائنكم هذه سبعين مرة مملوءة من الملائكة يسبحون الله ويقدسونه ويقولون في تسبيحهم اللهم اغفر لمن شهد الجمعة اللهم اغفر لمن اغتسل يوم الجمعة)۔[296]

ترجمہ: عرش ایک ایسا جسمِ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف وبزرگی عنایت کی ہے اور اسے اپنے لیے وہ مرتبہ دیا ہے جیسے کسی بادشاہ کے تخت کا مرتبہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ (اللہ تعالیٰ)

---

[296] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۷۴، تفسیر القرطبی ج ۱۸ ص ۱۱۹ تحت سورۃ الجمعۃ الآیۃ ۱۱۔

عرش پر بیٹھنے اوراسے اپنامکان بنانے سے پاک اور بلند ہے جیسا کہ اس نے کعبہ معظمہ کواپناگھر فرمایا ہے(لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس میں رہتاہے بلکہ اس کواپناگھر کہناایک اضافت تشریفی ہے)اور حکماء(یونانی فلاسفہ)گمان کرتے ہیں کہ **فلک الافلاک** (یعنی آسمان) مشرق سے مغرب کی طرف متحرک ہیں اور جان لیں کہ بڑے بڑے اجسام (یعنی سورج وچاند اور آسمان وستارے وغیرہ)کے حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی (بہتر) جانتاہے۔اور تفسیر قرطبی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاکہ معراج کی رات میں نے عرش عظیم کے نیچے ستر (۷۰)شہر دیکھے۔ان میں سے ہر شہر تمہاری پوری دنیاجیساتھا جو کہ ملائکہ سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اوراپنی حمد وثنامیں کہتے تھے کہ ”اے اللہ!اس شخص کوبخش دے جوجمعہ المبارک (کی نمازمیں)حاضر ہواوراس شخص کی مغفرت فرماجوجمعہ کے دن غسل کرے“۔

قولہ تعالیٰ یداللہ فوق ایدیھم فانہاماولۃ بالقدرۃ وقولہ الرحمن علی العرش استویٰ فان الاستواء ماول بالعظمۃ التامۃ والقدرۃ القاھرۃ لماتمکن فی النفوس من ان العرش اعظم المخلوقات وارفعھا۔[297]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کایہ قول کہ ”اللہ تعالیٰ کاہاتھ ان کے ہاتھوں پرہے“تواس کی یہ تاویل قدرت خداوندی پرہے اوراس کایہ قول کہ ”رحمن عرش پر قائم ہے“تواستواء سے یہاں مرادکامل ومکمل عظمتِ خداوندی اوراس کی قدرتِ قاہرہ ہے جونفوس پراس طرح متمکن ہے کہ عرش عظیم تمام مخلوقات سے عظیم تراورارفع واعلیٰ ہے۔

---

[297] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۳۱۷،

فصل نمبر ۵:

نقر بان القران كلام الله تعالىٰ ووحيه وتنزيله وصفته لاهو ولاغيره بل هو صفته على التحقيق مكتوب فى المصاحف مقرؤ بالالسن محفوظ فى الصدور غير حلول فيها والحروف والحبر والكاغذ والكتاب كلها مخلوقة لانها افعال العباد وكلام الله تعالىٰ غير مخلوق لان الكتابة والحروف والكلمات والآيات كلها الة القرآن لحاجة العباد اليه وكلام الله تعالىٰ قائم بذاته ومعناه مفهوم بهذه الاشياء فمن قال بان كلام الله تعالىٰ مخلوق فهو كافر بالله العظيم والله تعالىٰ معبود لايزال عما كان وكلامه مقرؤ ومكتوب محفوظ من غير مزايلة عنه۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی اور اس کی نازل کی ہوئی (کتاب) ہے (اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام) صفات کی طرح نہ عین ذات ہے اور نہ ذات سے جدا بلکہ یہ (قرآن اللہ تعالیٰ) کی صفت ہے تحقیق کی بناء پر۔ (قرآن اور کلام اللہ سے مراد قرآن نفسی اور کلامِ لفظی ہے)۔ یہ (قرآن) مصاحف میں لکھا گیا ہے اور زبان سے اس کی قرآت کی جاتی ہے اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے لیکن ان میں حلول کرنے والا نہیں۔ اس کے حروف اور سیاہی اور کاغذ اور کتابت یہ سب مخلوق (حادث اور نئی اشیاء) ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور کلام اللہ غیر مخلوق (حادث اور نئی چیز) نہیں ہے کیونکہ کتابت اور حروف اور کلمات اور آیات سب قرآن کو سمجھنے کیلئے ایک واسطہ ہیں کیونکہ بندے ان سب چیزوں کے حاجت مند ہیں اور کلام اللہ (کلامِ نفسی) تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اللہ کے معنی مذکورہ اشیاء سے سمجھے جاتے ہیں پس

جو شخص اس طرح کہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کافر ہے اور اللہ تعالیٰ معبود ہے اور ہمیشہ معبود رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھا اور لکھا جاتا ہے اور زوال سے محفوظ ہے۔

تشریح:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی جلی کے ذریعے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

۷۲ فرقوں میں سے ایک کہتا ہے کہ صفتِ کلام (یعنی قرآن کریم) عین ذات خدا ہے یعنی وہ صفاتِ خدا کو عین خدا کہتے ہیں جبکہ ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

دوسرا گروہ (جسے جہمیہ مطلق کہتے ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اور الگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اور الگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا ہو وہ مخلوق اور حادث ہوتی ہے اور اور چونکہ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے اس لئے جہمیہ کا مندرجہ بالا عقیدہ بھی باطل ہے۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم۔[298]

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے اور جس نے کہا کہ وہ (قرآن کریم) مخلوق تو وہ (کہنے والا) اللہ تعالیٰ سے کافر ہو گا۔

---

[298] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۲۲۔

اس لئے ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے اور یہ مخلوق و حادث نہیں ہے البتہ اس کا کاغذ، حروف، آیات، کلمات، سیاہی اور کتابت یہ سب مخلوق ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور بندوں کے افعال حادث اور مخلوق ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں قرآن کریم کو سمجھنے کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔

اور ایک باطل گروہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام اللہ چونکہ نازل ہو چکا ہے اس لئے اب یہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔

اور ہم (اہل والجماعت) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ تو عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جدا ہیں۔

جہمیہ کا فرقہ عرش الٰہی، کرسی، میزان، حساب و کتاب اور قبر کے عذاب سے بھی منکر ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ دونوں مخلوق نہیں کیونکہ اگر یہ مخلوق ہوتیں تو ان کو ضرور فنا ہوتی۔

جبکہ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی فنا کرنے پر قادر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (٢٦) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن ٢٧)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص ٨٨)

ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرنے کیلئے جنت ودوزخ کو بھی ایک لحظہ کیلئے فنا کرے گا تاہم سزا وجزا کیلئے ان کو دوبارہ قائم کردے گا اور یہ لوگ اعتراف بالقلب کے قائل ہیں اور زبان سے اقرار کے قائل نہیں اور یہ گروہ تمام صفات سے منکر ہے۔[299]

فصل نمبر۶:

نقر بان افضل هذه الامة بعدنبينامحمدعليه الصلوة والسلام ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين لقوله تعالىٰ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (۱۱) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (۱۲) ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ (الوقعه ۱۳) كل من سبق فهو افضل ويحبهم كل مومن تقى ويبغضهم كل منافق شقى۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اس امت (امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد افضل ترین انسان ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں (اوران چار خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس ترتیب کیلئے) اللہ تعالیٰ کے کلام کی یہ آیت دلیل ہے۔ "اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بارگاہ ہیں چین کے باغوں میں" (ان میں سے) جس نے (ایمان) کی طرف سبقت کی وہی افضل ہے ہروہ مؤمن جو تقویٰ دار ہووہ ان (مبارک ذوات کے ساتھ) محبت کرتا ہے اور ہر منافق بدبخت ان (مبارک ذوات کے ساتھ) بغض رکھتا ہے۔

تشریح:

[299] غنية الطالبين ص ۶۸۔

روافض کے تمام گروہ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت کے (پہلے) حق دار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور روافض کا ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔

وانما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلافة کتاب معتمد فی الفقه الحنفی وغیرہ کاحیاء العلوم للامام الغزالی (رحمه اللّٰه تعالیٰ) انه لایجوز اللعن علیه ولا علی الحجاج بن یوسف لان النبی ﷺ نهی عن لعن المصلین۔[300]

ترجمہ: اور اختلاف کی یہ بات یزید بن معاویہ کے بارے میں ہے حتیٰ کہ فقہ حنفی کی معتمد کتاب خلاصۃ الکتاب وغیرہ اور جیسے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب احیاء العلوم ہے میں لکھا ہے کہ ان (یزید بن معاویہ) پر اور حجاج بن یوسف پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے نمازیوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔

علم عقائد کی وہ قدیم ترین کتاب جس کے مصنف حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حوالے دیئے ہیں اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا درس دیا کرتے تھے۔[301]

امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشّی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے اخیر نصف کے عظیم عالم نے یزید کے بارے میں لکھا ہے:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟

---

[300] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۱۵۵۔

[301] تمہید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ تصنیف امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۱) بعض نے کہا: لعنت جائز نہیں اس لئے کہ کئی سال تک مسلمانوں کا امام بنارہا۔

(۲) بعض نے کہا کہ یزید پر لعنت جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کو جائز رکھا اور اس پر راضی ہوا۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ یزید نے لوگوں کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ حکم دیا تھا کہ ان سے بیعت لے لو یا ان کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔ ان خوشامدیوں اور بدبختوں نے اس کے حکم کے بغیر قتل کر دیا اور یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر راضی ہوا۔ پس صحیح یہ ہے کہ اگر یزید نے قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم دیا اور ان کے قتل پر راضی ہوا اور اس نے اہل بیعت پر لعنت کو جائز رکھا تو یزید پر لعنت جائز ہے ورنہ پھر نہیں۔

اور ایسے ہی جس نے قتل کیا اور قتل کو حلال نہیں سمجھا اس پر بھی لعنت جائز نہیں اور قتل حلال سمجھا تو وہ کافر ہے، اس پر لعنت بھی جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ جل شانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

علماء، یزید کی تکفیر اور اس کی لعن کے بارے میں تین گروہ ہیں:

امام احمد اسے کافر اور لعنت اس پر جائز کہتے ہیں؛ اس لئے کہ اس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کہا: "میں نے ان کو اس کا بدلہ دیا جو انہوں نے قریش کے بزرگوں اور سرداروں کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا" اور یہ بات **فی الواقع** کفر ہے، سوا اِس کے اور افعال و اقوال اس رُوسِیاہ سے منقول ہیں جو کفر وارتداد پر صریح دال ہوں، شراب اور حرام کاری اس کے

وقت میں علانیہ جاری ہوئی اور بے حرمتی حرمین شریفین اور وہاں کے باشندوں کی اس کے لشکر کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔[302]

اور بعض علماء اس کی تکفیر و لعن سے انکار کرتے اور کہتے ہیں: اجازت ان حرکتوں اور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی اس سے بدلیلِ قطعی ثابت نہیں اور یہ کلمہ کہ "میں نے ان سے جنگ بدر کا بدلہ لیا"، بر تقدیر ثبوت، اَحاد کے مرتبہ سے متجاوز نہیں ہو سکتا **و اليقين لا يزول إلاّ بيقين مثله** (اور یقینی بات کو رد کرنے کیلئے اسی کی مثل یقینی بات درکار ہوتی ہے) **كما تقرر في موضعه**۔

غایت کار اس کا یہ ہے کہ فاسق و فاجر تھا اور احکام شرعیہ پر قائم نہ تھا اور فاسق پر لعنت جائز نہیں۔

فاضل قونوی "شرح عمدۃ النسفی" میں لکھتے ہیں: صاحبِ کبیرہ پر لعنت نہ کی جائے کہ ایمان اس کا اس کے ساتھ ہے، ارتکابِ کبیرہ سے کم نہیں ہوتا اور مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔[303]

ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں قولِ شارح "عقائد" کا یعنی: **نحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه فلعنة الله عليه و علٰى أنصاره و أعوانه** مع اس کے دلائل کے رَد کرتے ہیں اور "خلاصہ" وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حجاج و یزید پر لعنت کرنا نہ چاہیے اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی لعنت سے ممانعت فرمائی ہے اور جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لعنت کرنا

---

[302] (انظر "منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص ٧٣، و "الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة...إلخ، ص ٢٢٠)

[303] ("منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص ٧٣، (نقلاً عن القونوي).)

بعض اہل قبلہ پر منقول ہے؛اس سبب سے ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کا حال جانتے تھے اور لوگ نہیں جانتے شاید وہ شخص منافق ہو یا بِاِعلامِ الٰہی اس کا کفر پر مرنا معلوم ہو۔[304]

امام غزالی "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ حکم یزید کا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کیلئے اصلاً ثابت نہیں اور بلا تحقیقات مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ کی جائز نہیں **إلی أن قال لعنِ اشخاص** میں خطر ہے پس اجتناب چاہے اور ترکِ لعن ابلیس میں بھی خطر نہیں **فضلاً عن غیرہ** (جب ابلیس کو کوئی لعنت نہ کرنے میں ایمان کو کوئی خطرہ نہیں تو دوسروں کو لعنت نہ کرنے میں ایمان کو خطرہ کیسے ہو سکتا ہے!) **واللہ تعالٰی أعلم۔ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔**[305]

اور بعض علماء اس کی تکفیر و لعن میں توقف (سکوت اختیار) کرتے ہیں اور یہی راجح اور یہی اَسلم اور یہی ھمارے ائمہ ہدیٰ کا مذہبِ اَصح واَقوم ہے۔[306]

اس خبیث نے مسلم بن عقبہ مرّی کو مدینہ سکینہ پر بھیج کر ۱۷۰۰ سترہ سو مہاجرین واَنصار وتابعین کِبار کو شہید کرایا۔ تین روز اہلِ مدینہ لوٹ اور قتل اورانواعِ مصائب میں مبتلا رہے اور فوجِ اشقیاء نے مسجدِ اقدس میں گھوڑے باندھے اور کسی کو وہاں نماز نہ پڑھنے دی، اہل حرم سے یزید

---

[304] ("منح الروض الأزھر"، الکبیرۃ لاتخرج عن الإیمان، ص ۷۲-۷۳، ملتقطاً.)

[305] ("إحیاء علوم الدین"، کتاب آفات اللسان، الآفۃ الثامنۃ: اللعن، ج۳، ص ۱۵۴)

[306] ("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ماجری بین علي ومعاویۃ رضي اللہ عنھما، ص ۳۱۵-۳۱۶. و"الصواعق المحرقۃ"، الخاتمۃ في بیان اعتقاد أھل السنۃ...إلخ، ص ۲۲۱)

کی غلامی پر بجبر بیعت لی کہ چاہے بیچے، چاہے آزاد کرے، جو کہتا میں خدا اور سول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے حکم پر بیعت کرتا ہوں اسے شہید کرتے۔[307]

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی بے حرمتی کر چکے، خانہ خدا پر چلے راہ میں مسلم بن عقبہ مر گیا، حصین بن نمیر نے مع فوجِ کثیر مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کو جلا دیا اور وہاں کے رہنے والوں پر طرح طرح کا ظلم وستم کیا۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[308]

ملائکہ وانبیاء کہ بحکمِ جناب کبریا کسی پر لعنت کرتے ہیں بسببِ امتثالِ امر (حکم بجالانے) کے مشکور وماجور ہوتے ہیں جس طرح زبانیہ دوزخ (وہ فرشتے جو دوزخیوں کو آگ میں دھکیلیں گے) اور وہ فرشتے جو عذاب پر مامور ہیں اپنے کام میں محمود ہیں گویا یہ بھی کافروں کے حق میں ایک قسم کا عذاب ہے کہ مقبولانِ جنابِ احدیت اس کے ایصال پر مامور وماجور ہوتے ہیں، دوسرے شخص کو کہ قیدیوں کی تعذیب پر مقرر نہیں ان کو مارنا اور ایذا دینا موجبِ اجر نہیں اور آیہ کریمہ: (عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ) (ترجمہ کنز الایمان: "ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔" ((پ۲، البقرۃ:۱۶۱)) اخبار ہے نہ کہ امر کہ سب آدمیوں کا مامور بنص ہونا ثابت ہو، فَتَفَكَّرۡ۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[309]

---

[307]("فتح الباري"، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيأً...إلخ، تحت الحديث: ۷۱۱۴، ج۱۳، ص۶۰-۶۱. و"البداية والنهاية"، وقعة الحرث، ج۵، ص۷۳۱-۷۳۲. و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة...إلخ، ص۲۲۱-۲۲۲.)

[308](انظر "فتح الباري"، كتاب التفسير، باب قوله: ثاني اثنين...إلخ، تحت الحديث: ۴۶۶۶، ج۸، ص۲۷۹.)

[309]"مرآة الجنان"، السنة: ۵۰۴، ج۳، ص۱۳۴.

کسی بھی مومن کو یہ بات زیب نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو، اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔[310]

یعنی اہلسنّت کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ لوگوں کو برا بھلا کہیں یا گالی دیں یا لعنت کریں بلکہ ہم اہلسنّت کا شیوہ تو ان چیزوں سے دور رہنا ہے۔[311]

شیعہ خوارج کو کافر کہتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں اور خوارج شیعہ کو کافر و ملعون جانتے ہیں بلکہ اپنے مذہب والوں کی لعن و تشنیع میں باک (خوف) نہیں کرتے، جو شخص انکے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ لعن و تکفیر تمام اہلِ بدعت خصوصاً شیعہ کا وظیفہ ہے۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔

روافض کے اسی عقیدہ کی ایک کڑی فرقہ عبدیہ کا وہ قول ہے جس میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے نصوص سے انحراف کرکے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا اور دوسروں کو خلیفہ بنایا اس لئے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیزار ہونا ضروری ہے۔(**نعوذباللہ من ذلک**)

ایک فرقہ مشبہ ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملے میں ہمیں شبہ ہے اس لئے ہم ان دونوں سے بیزار ہیں۔

---

[310] "سنن الترمذي"، كتاب الطب، باب ماجاءفي اللعن والطعن، ج۳، الحديث: ۲۰۲۶، ص ۴۱۰.

[311] "أشعة اللمعات"، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان من الغيبة والشتم، ج۴، ص ۷۱. "إحياءالعلوم"، كتاب آفات اللسان، ج۳، ص ۱۵۴.

عن عبد الله بن مغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشک أن يأخذه))۔[312]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور انہیں ہدف ملامت نہ بنانا۔ اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا کہ اس نے مجھے ایذا اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

من سب أصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين۔[313]

ترجمہ: جو شخص میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

وقال إن شرار أمتي أجرؤهم على صحابتي۔[314]

---

[312] "سنن الترمذي"، كتاب المناقب، باب من سبّ أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، الحديث: ۳۸۸۸، ج۵، ص ۴۶۳.
العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷۔

[313] رواہ الطبرانی ج ۱۲ ص ۸۹، العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔

[314] رواہ ابن عدی و شرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸، جامع صغیر رقم ۲۲۸۱، جامع المعراج ص ۱۴۳۔

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا بے شک میری امت کا شریر ترین (امتی) وہ ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے۔

إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم (خط- عن ابن عمر)۔ [315]

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا جس وقت آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں تو آپ ان سے کہیں کہ آپ کے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

وقال لعن اللّٰہ من سب اصحابی۔ [316]

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم حبہ وشکرہ واجب علی امتی۔ [317]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں: "حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب

---

[315] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۳۲۔
[316] رواہ الطبرانی۔ العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔
[317] رواہ ابن عساکر وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۹۔

سے بہتر اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب ہیں

318

مفتری کی سزا

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ارشاد فرماتے ہیں: "نبیِّ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اگر اس کے علاوہ کسی نے کوئی دوسری بات کی تو وہ مُفْتَرِی یعنی الزام لگانے والا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہے جو الزام لگانے والے کی سزا ہے۔[319]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا اِصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے استفسار کیا: "اس امت میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟" فرمایا: "اس اُمت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں، ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر میں۔ (یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[320]

---

[318] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۳۶۷۶، ج۵، ص ۳۷۲)

[319] (کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابۃ، فضل الصدیق، الحدیث: ۳۵۶۲۲، ج۶، الجزء: ۱۲، ص ۲۲۳، جمع الجوامع، مسند عمر بن الخطاب، الحدیث: ۱۰۵۸، ج ۱۱، ص ۲۱۹)

[320] (الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۵۷)

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُما

فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مبارکہ میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شمار کرتے ان کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو۔[321] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں کہ "ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب میں بہت زیادہ میل جول رکھنے والے تھے اور ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اس وقت ہم مراتب صحابہ یوں بیان کیا کرتے تھے، اس امت میں نبی کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ افضل ہیں۔ پھر ہم خاموش ہو جاتے۔[322]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا محمد بن علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے پوچھا: "نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل

---

[321] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، الحدیث: ۳۶۵۵، ج ۲، ص ۵۱۸، تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۳۴۶)

[322] (کنز العمال، کتاب الفضائل، جامع الخلفاء، الحدیث: ۳۶۷۱۷، ج ۷، الجزء: ۱۳، ص ۱۰۵)

کون ہے؟" ارشاد فرمایا: "ابو بکر" میں نے کہا: "پھر کون؟ " فرمایا: "عمر"۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں نے دوبارہ پوچھا کہ "پھر کون؟ " تو شاید آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام لے لیں گے، اس لیے میں نے فوراً کہا: "حضرت سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی سب سے افضل ہیں؟" ارشاد فرمایا: "میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔"[323]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا اصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی خدمت میں عرض کی: "اے امیر المؤمنین! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ " آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔" میں نے عرض کیا: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔" میں نے عرض کی: "پھر کون؟ " آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔" میں نے عرض کی: "پھر کون؟ " آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "میں۔" (یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[324]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آگے چل رہا تھا تو نبیوں کے سردار سرکار والا تبار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اے ابو درداء! تم

---

[323] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت ۔۔۔ الخ، الحدیث: ٣٦٧١، ج٢، ص٥٢٢)

[324] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج٤٤، ص١٩٦)

اس کے آگے چل رہے ہوں جو دنیاوآخرت میں تم سے بہتر ہے، نبیوں اور مرسلین کے بعد کسی پر نہ تو سورج طلوع ہوا اور نہ ہی غروب ہوا کہ وہ ابو بکر سے افضل ہو۔"[325]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ میں نے نبیٔ کریم رؤف، رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "نبی کے علاوہ تمام لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں۔"[326]

افضلیت صدیق اکبر بزبان جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام

ایک دن نبیٔ اکرم، نورِ مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر توجہ فرمائی تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نظر نہ آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کا نام لے کر دو (۲) بار پکارا، پھر ارشاد فرمایا: "بیشک روح القدس جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے تھوڑی دیر پہلے مجھے خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق ہیں۔"[327]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟" ارشاد فرمایا:

---

[325] (فضائل الصحابة للامام احمد بن حنبل، بقیه قوله مروا ابابکر ان یصلی، الرقم: ۱۳۵، ج ۱، ص ۱۵۲)
[326] (جمع الجوامع، الهمزة مع الباء، الحدیث: ۱۲۰، ج ۱، ص ۳۸، تاریخ مدینة دمشق، ج ۳۰، ص ۲۱۲)
[327] (المعجم الاوسط، من اسمه محمد، الحدیث: ۶۴۴۸، ج ۵، ص ۱۸)

"عائشہ "میں نے کہا: "مردوں میں ؟"فرمایا: "ان کے والد (یعنی ابو بکر صدیق)"میں نے پوچھا: "پھر کون؟ "ارشاد فرمایا: "عمر بن خطاب۔" (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡھُم)[328]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حسان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ

فرماتے ہیں:

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ	فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا
فَعَلاَ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اَتْقَاهَا وَ اَعْدَلَهَا	بَعْدَ النَّبِيِّ وَ اَوْفَاهَا بِمَا حَمَلاَ
ترجمہ: "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کے کارناموں کو یاد کر جو نبی کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے	

[328] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی لو کنت متخذا، الحدیث: ٣٦٦٢، ج٢، ص ٥١٩)

والے ہیں۔"[329]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا ابو بکر بن عیاش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو یہ فرماتے سنا:

"وَاللّٰهِ مَا وَلَدَ لِآدَمَ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ أَفْضَلُ مِنْ أَبِيْ بَكْرٍ۔

یعنی انبیاء ومرسلین کے بعد حضرت سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اولاد میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔"[330]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ نسفی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی

حضرت امام ابن ہمام عمر بن محمود نسفی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد افضل البشر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔"[331]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ

---

[329] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، استنشادہ فی مدح الصدیق، الحدیث: ۴۴۷۰، ج۴، ص۷)

[330] (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، ومن فضائل عمر بن الخطاب من حدیث أبي بکر بن مالک۔۔الخ، الرقم: ۵۹۸، ج۱، ص۳۹۴)

[331] (شرح العقائد النسفیۃ، ص۳۱۸)

وَالسَّلَام کے بعد تمام لوگوں سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان ذوالنورین، پھر علی ابن ابی طالب رِضْوَانُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔[332]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شافعی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت اِمام شافعی عَلَیْہِ رَحمَۃُاللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "تمام صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان وتابعین عظام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔[333]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام مالک رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام مالک رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: "انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟" فرمایا: "حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔[334]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام طحاوی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

---

[332](شرح الفقہ الاکبر، ص ۶۱)

[333](فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، ج۸، ص ۱۵)

[334](الصواعق المحرقۃ، الباب الثالث، ص۵۷)

حضرت سیدنا امام ابو جعفر طحاوی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ”ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بایں طور کہ آپ کو تمام اُمت پر افضیلت و سبقت حاصل ہے، پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ کے لیے خلافت ثابت کرتے ہیں۔“[335]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام ابو بکر باقلانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”اہل سنت و جماعت اَسلاف کا حق پہنچاتے ہیں وہ اسلاف جن کو اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے لیے منتخب فرمایا تھا وہ ان کے فضائل بیان کرتے ہیں اور ان میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں خواہ چھوٹوں میں یا بڑوں میں اہلسنت و جماعت ان اختلافات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق کو، پھر حضرت سیدنا عثمان کو پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہُم کو اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب خلفاء راشدین و مہدیین ہیں اور نبی کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اہلسنت و جماعت ان تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پر دلالت کرنے والی اور شان خلفاء میں وارد شدہ احادیث کو جھٹلاتے نہیں ہیں جو حضور اکرم، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے۔“[336]

---

[335](شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۴۷۱)
[336](کتاب التمهید، ص ۲۹۵)

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ تقی الدین رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”اِنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَفْضَلُ مِنْ سَائِرِ الْاُمَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَسَائِرِ اُمَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَصْحَابِھِمْ۔“

یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تمام اُمت محمدیہ سے اور تمام انبیاء کی ساری امتوں اور ان کے اصحاب سے افضل ہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اس طرح لازم تھے جس طرح سایہ جسم کو لازم ہوتا ہے حتی کہ میثاق انبیاء میں اور اسی لیے آپ نے سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق کی۔“[337]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عبد البر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”حضور نبیٔ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے بعد جن صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو چھوڑا اُن میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اس بات پر علماء کرام کی جماعت کا اجماع ہے اور اہل علم کے ایک بہت بڑے گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں۔[338]

---

[337](الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹)

[338](التمھید لما فی الموطا من المعانی والمسانید، حدیث الرابع عشر، ج۸، ص ۵۵۳)

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابو شکور سالمی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

اِمامُ المتکلمین علامہ ابو شکور سالمی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُاللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: "اہل سنت و جماعت نے کہا ہے کہ انبیاء ورسل اور فرشتوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں۔[339]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام غزالی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "نبی کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں۔[340]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام کمال الدین رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "جان لو کہ دو جہاں کے تاجور، سلطانِ بحر وبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، پھر حضرت سیدنا عمر، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت

---

[339] (تمهيد ابو شكور سالمى، ص ٣٦٤)

[340] (احياء العلوم، كتاب قواعد العقائد، الركن الرابع، الاصل السابع، ج ١، ص ١٥٨)

سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں اور اس پر احادیث سے بے شمار دلائل موجود ہیں جو مجموعی طور پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔[341]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام قاضی عیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت امام قاضی عیاض مالکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام جہانوں پر ماسوائے انبیاء و مرسلین کے منتخب فرمایا ہے اور ان میں سے چار کو میرے لیے چن لیا ہے وہ چار ابو بکر، عمر، عثمان، علی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے میرا بہترین ساتھی بنایا اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے۔[342]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان غوث اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حسنی حسینی غوث الاعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: "عشرہ مبشرہ میں سے افضل ترین چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اور ان چاروں کے لیے نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے خلافت ثابت ہے۔[343]"

---

[341] (الیواقیت والجواہر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹)

[342] (الشفابتعریف حقوق المصطفی، ج ۲، ص ۵۴)

[343] (الغنیۃ، العقائد والفرق الاسلامیۃ، ج ۱، ص ۱۵۷، ۱۵۸)

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عساکر رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”حضور اکرم نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام بر حق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو غلبہ دیا اور انہیں مرتدین پر غالب کیا اور مسلمانوں نے ان کو خلافت میں اسی طرح مقدم کیا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو غار میں مقدم کیا پھر امام بر حق حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو رونق بخشے آپ کے قاتلین نے ظلم وتعدی سے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شہید کیا پھر حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد یہ ائمہ ہیں۔[344]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شرف الدین نووی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں۔[345]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام محمد بن حسین بغوی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم انبیاء ومرسلین کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، اور پھر ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب سے ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پہلے خلیفہ ہیں لٰہذا

---

[344] (تبیین کذب المفتری، باب ما وصف من مجانبته لأهل البدع، ص ١٦٠)

[345] (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، ج٨، الجزء: ١٥، ص ١٤٨)

وہ سب سے افضل ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، ان کے بعد حضرت سیدنا علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم افضل ہیں۔"[346]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابن حجر عسقلانی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

فرماتے ہیں:

اِنَّ الۡإِجۡمَاعَ اِنۡعَقَدَ بَیۡنَ أَهۡلِ السُّنَّةِ اَنَّ تَرۡتِيۡبَهُمۡ فِيۡ الۡفَضۡلِ كَتَرۡتِيۡبِهِمۡ فِيۡ الۡخِلَافَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ أَجۡمَعِيۡنَ۔

یعنی اہل سنت وجماعت کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے (یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم)۔[347]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام جلال الدین سیوطی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

فرماتے ہیں:"اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم ہیں۔"[348]

---

[346] (شرح السنۃ للبغوی، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج ۱، ص ۱۸۲)
[347] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلا، تحت الحدیث: ۳۶۷۸، ج۷، ص ۲۹)
[348] (تاریخ الخلفاء، ص ۳۴)

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام عبد الوہاب شعرانی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: ”انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اُمت کے اولیاء کرام میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہیں۔“[349]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام فخر الدین رازی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: ”یہ آیت مبارکہ (اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (۵) صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ) حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ ان دونوں آیتوں کا معنی ہے کہ ”اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا کہ جن پر تیرا انعام ہوا۔“ اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: (اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ (پ۵، النساء:۶۹)”یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صدیق پر انعام فرمایا۔ اور اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں کہ صدیقین کے امام اور ان کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہی ہیں۔ تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ”اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ اور تمام صدیقین تھے، کیونکہ اگر وہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء

---

[349](الیواقیت والجواہر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۸)

جائز ہی نہ ہوتی، لہٰذا ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت مبارکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔[350]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہُ مصلی مبارک سے پیچھے ہٹے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو آگے کیا تو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمنے فرمایا: "ابو بکر کے سوا کوئی اور امامت کرے اللہ اور سب مومن انکار کرتے ہیں۔[351] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ قسطلانی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

حضرت علامہ احمد بن محمد بن ابو بکر بن عبد الملک قسطلانی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں۔ "
[352]

افضلیت صدیق اکبر بزبان میر سید عبد الواحد بلگرامی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر

---

[350] (التفسیر الکبیر، الفاتحۃ:۶، ۵، ج ۱، ص ۲۲۱)
[351] (شرح الفقہ الاکبر، ص ۶۴)
[352] (ارشاد الساری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عثمان بن عفان، تحت الحدیث: ۳۶۹۸، ج ۸، ص ۲۱۵)

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اُن کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور اُن کے بعد سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔"[353]

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ عبد الحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "خلفاء اَربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی تمام صحابہ سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق ہیں پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم اَجْمَعِیْن ہیں۔"[354]

افضلیت صدیق اکبر بزبان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔"[355]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ عبد العزیز پرہاروی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "صوفیاء کرام کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امت میں سیدنا ابو بکر صدیق پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سب سے افضل ہیں۔"[356]

---

[353] (سبع سنابل، ص ۷)
[354] (تکمیل الایمان، ص ۱۰۴)
[355] (تفہیمات الٰھیہ، ج ۱، ص ۱۲۸)
[356] (النبراس شرح شرح العقائد، ص ۴۹۲)

افضلیت صدیق اکبر بزبان پیر مہر علی شاہ گولڑوی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ''آیت ''(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ) الآیۃ (پ۲۶، الفتح:۲۹) ''مُحَمَّد صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔'' میں اللہ تعالٰی کی طرف سے خلفائے اربعہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ سے خلیفۂ اول (حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مراد ہیں) اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار سے خلیفۂ ثانی (حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے خلیفۂ ثالث (حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) اور تَرَاھُمْ رُکَّعاً سُجَّداً۔۔۔الخ۔ سے خلیفہ رابع (حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم) کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ معیت اور صحبت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، کفار پر شدت میں حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حلم و کرم میں حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبادت و اخلاص میں حضرت سیدنا مولائے علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خصوصی شان رکھتے تھے۔[357]

افضلیت صدیق اکبر بزبان اعلی حضرت رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''مرسلین ملائکہ و رسل و انبیائے بشر صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ تَسْلِیْمَاتُہ عَلَیْھِمْ کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم تمام مخلوقِ الٰہی سے افضل ہیں، پھر اُن کی باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے

---

[357] (مِہر منیر، ص ۴۲۴، اللباب فی علوم الکتاب، الفتح: ۲۹، ج۱۷، ص ۵۱۷)

افضل صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔"[358]

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الافاضل رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدرالافاضل حضرت مولانا مفتی نعیم الدین مرادآبادی عَلَیْہِ رَحمۃُاللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: "اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد تمام عالم سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ہیں اُن کے بعد حضرت عمر اُن کے بعد حضرت عثمان اور اُن کے بعد حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[359] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الشریعہ رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمۃُاللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "بعد انبیاء ومرسلین، تمام مخلوقات الٰہی انس وجن وملک (فرشتوں) سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[360]"

سیدنا صدیق اکبر و عمر فاروق کی افضلیت قطعی ہے

حضرت علامہ شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "(حضرت سیدنا صدیق وعمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُما کی افضلیت پر) جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی

---

[358] (فتاوی رضویہ، ج۲۸، ص۴۷۸)
[359] (سوانح کربلا، ص۳۸)
[360] (بہار شریعت، ج۱، ص۲۴۱)

قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت و شریعت کا یہی مذہب ہے۔"[361]

جہاں نہایتیں و غایتیں ختم وہاں مقام صدیق شروع

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم مراتب ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقاء کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں، اس لیے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کے لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے اور ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔"[362]

مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ ارشاد فرماتے ہیں: "بالجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف (ضعیف حدیثیں) سن سکیں بلکہ مواقف و شرح مواقف میں تو تصریح کی کہ

[361] (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص ۸۱)
[362] (فتاوی رضویہ، ج۲۸، ص ۶۸۳)

باب عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح (خبر واحد صحیح حدیثیں) بھی نا مسموع۔[363] "

صدیق اولین ہیں خلافت کے تاجدار	بعد ان کے عمر و عثمان و حیدر ہیں بالیقین
اللہ اللہ ان کی عظمت اور شان سر بلند	انبیاء کے بعد ان کا کوئی ہمسر نہیں

صدیق اکبر صوفیاء کی نظر میں، صوفی بننے کے لیے نقش صدیق کی اتباع

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: "اگر کوئی حقیقی صوفی بننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نقش قدم پر چلے کہ صفا صدیق کی صفت ہے، کیونکہ صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اس کی اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے منقطع ہو جائے اور اس کی فرع یہ ہے کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور یہ دونوں صفتیں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ہیں تو جو اس طریقے والے ہیں آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کے امام ہیں۔[364]"

خوف و امید کی اعلیٰ مثال

حضرت سیدنا مطرف بن عبد اللہ رَحمۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ارشاد فرمایا: "اگر آسمان سے کوئی یہ آواز بلند صدا دے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور اس کے فضل سے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا اور اگر آسمان سے یہ آواز آئے کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے

---

[363] (فتاوی رضویہ، ج۵، ص ۵۸۱)

[364] (کشف المحجوب، ص ۳۲، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج۳، ص ۸۰)

اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور عقاب کے سبب یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی میں ہی نہ ہوں۔"حضرت مطرف رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "بخدا! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف اور اس کی رحمت سے امید کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں مل سکے گی۔"[365]

صدیق اکبر جیسے بن جاؤ

حضرت سیدنا ابو العباس عطاء رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا: (کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ) (پ۳، اٰل عمران:۷۹)"اللہ والے ہو جاؤ۔"کہ اس فرمان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کن لوگوں جیسا ہونے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے فرمایا: اس آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسے بن جاؤ، کیونکہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دنیا سے وصال ظاہری ہوا تو تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان شدت غم سے نڈھال تھے اور کچھ دیر کے لیے انہیں ایسا لگا جیسے اب دنیا سے اسلام کا نام ونشان ختم ہو جائے گا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی صدمہ نہ تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی ایسے تھے جنہوں نے نہایت ہی صبر و تحمل اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو پایا اور باہر آکر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے مجمع سے یہ خطاب فرمایا کہ "اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ

---

[365](اللمع فی التصوف، ص ۲۳۳)

ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔"[366]

اس سے پتا چلا کہ ربانی یعنی اللہ والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے دل پر حوادثِ زمانہ کا کوئی اثر نہ ہو سکے یعنی اس کا دل اس کا اثر قبول نہ کرے خواہ پوری زمین اِدھر سے اُدھر ہی کیوں نہ ہو جائے۔[367]

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی بولنے والے پہلے شخص

حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ "اس اُمت کی پہلی شخصیت جس نے اشارے میں صوفیاء کی بولی سے کام لیا وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔ چنانچہ صوفیاء کرام نے اسی بولی سے ایسے ایسے لطائف اخذ کیے جس سے بڑے بڑے عقل مند حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔"

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی پہلی بولی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بولی

حضرت شیخ ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زبان پر سب سے پہلے صوفیاء کی بولی ظاہر ہوئی تو یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب سرکار صَلَّی

---

[366] (صحیح البخاری، کتاب المغازی، مرض النبی و وفاتہ، الحدیث: ۴۴۵۴، ج۳، ص ۱۵۸، عمدۃ القاری، ج۲، ص ۳۶۷)

[367] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دلائی تو مختلف صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے حسب استطاعت اپنا اپنا مال بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور اس وقت حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر حضور نبیٔ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب پوچھا کہ: ''اے صدیق! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟'' اس پر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صوفیاء کی وہ بولی بولتے ہوئے عرض کی: ''یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! گھر والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چھوڑ کر آیا ہوں۔[368]''

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے اس قول میں سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر فرمایا اور پھر ساتھ ہی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام مبارک لے دیا اور خدا کی قسم! عقیدۂ توحید رکھنے والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی انفرادیت بتانے کا اس سے بڑھ کر کوئی اور اشارہ ممکن ہی نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی حیات طیبہ میں اور بھی ارشادات ملتے ہیں جن سے صوفیاء نے بہت لطیف مسائل نکالے ہیں۔ اہل تحقیق صوفیاء انہیں جانتے اور خوب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان صوفیاء کا ان اشارات سے تعلق بھی ہے اور انہوں نے ان کو اپنا بھی رکھا ہے۔[369]

حیات صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اشارات صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ

انہی اشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال

---

[368] (سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی مناقب ابی بکر و عمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج۵، ص ۳۸۰)
[369] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

ظاہری پر جب صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دل لرز گئے اور انہیں آپ کے وصال اور دنیا سے پردہ فرمانے پر خدشہ محسوس ہوا کہ اسلام کہیں ختم ہی نہ ہو جائے تو اس وقت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا تھا: "اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔" اس میں نہایت باریک اشارہ یہ تھا کہ آپ توحید الٰہی پر ثابت قدم تھے اور یہی نہیں بلکہ آپ نے تمام صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا بھی اس عقیدۂ توحید پر یقین مضبوط فرما دیا۔

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی، دوسری مثال

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جو صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی بولی انہیں بولیوں میں سے ایک بولی یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بارگاہ الٰہی میں التجاء کرتے ہوئے عرض کی کہ "الٰہی! اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر مخلص بندے شہید ہو گئے تو اس سرزمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ الٰہی! رحم فرما! کرم فرما! اور تو نے جس مدد کا وعدہ فرمایا تھا اسے پورا فرما۔" تو اس وقت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی تھے جنہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! بارگاہ الٰہی میں جو التجاء کر چکے وہ کافی ہے، اب بس کیجئے، اس سے زیادہ کچھ نہ کہیے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔" اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مدد کا جو وعدہ فرمایا تھا اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے:

إِذْيُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (پ ۹، الانفال: ۱۲)

"جب اے محبوب تمہارارب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔"[370]

اس آیت مبارکہ میں وعدۂ امداد الٰہی کی تصدیق تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سے صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی نے کی تھی، دیگر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم اس وقت انتہائی پریشان ہو چکے تھے، وعدۂ امداد الٰہی کی اسی تصدیق قلبی سے آپ کے ایمان کی پختگی اور خصوصی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔[371]

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی ہر حالت اور کیفیت کے اعتبار سے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کامل واکمل تھے پھر کیا وجہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار و بے چین تھے اور بارگاہ رب العلمین میں گریہ وزاری فرمارہے تھے، جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بالکل مطمئن اور پر سکون تھے بلکہ خود آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حوصلہ دیتے نظر آرہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ

---

[370] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الانفال، الحدیث: ۳۰۹۲، ج۵، ص۵۵)

[371] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۵)

اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مقابلے میں معرفت الٰہی کے علوم یقیناً زیادہ جانتے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ تمام صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن میں سب سے زیادہ علم والے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ وعدہ الٰہی پر حقیقی ایمان کی وجہ سے ثابت قدم تھے لیکن حضور نبیٔ اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چونکہ اللہ تعالٰی کی معرفت کا زیادہ علم رکھتے تھے کہ وہ رب عَزَّوَجَلَّ جبار وقہار ہے، وہ غنی یعنی بے پرواہ ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں، جب چاہے، جیسے چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار تھے۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالٰی کے بارے میں وہ علم تھا جو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اور کسی دوسرے صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب شدید آندھی آتی تو باوجود یکہ آندھیاں آتی ہی رہتی تھیں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرۂ مبارکہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حالانکہ اس وقت آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ کئی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہوتے تھے اور کسی کو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ پھر حضور اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے خود یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں، اگر تم جان جاتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور تم بلند پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر روتے رہتے نیز تمہیں اپنے بستروں پر بھی کبھی چین نہ آتا۔[372]"

صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تین الہام

---

[372](اللمع فی التصوف، ص ۲۳۶)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے اور مخصوص بندوں کے دل میں بعض اوقات سوتے یا جاگتے میں کوئی بات اِلقاہوتی ہے یعنی دل میں ڈالی جاتی ہے اِسے الہام کہتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وہ واحد صحابی تھے جو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں الہام وفراست کی خصوصیت رکھتے تھے اور آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ساتھ تین ۳ موقعوں پر الہام وفراست کا ظہور ہوا۔

(۱) مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال ظاہری کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تو دیگر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے یہ رائے دی کہ زکوٰۃ روکنے والے مرتدوں سے ابھی جنگ نہ کی جائے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ان سے جنگ کرنے پر فوراً تیار ہوگئے اور مانعین زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ”اگر انہوں نے رسی کا ایک ٹکڑا بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عہد مبارک میں بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں اُن سے تلوار کے ذریعے جہاد کروں گا۔“ چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رائے درست ثابت ہوئی اور صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے مخالفت میں مشورہ دینے کے باوجود آپ کی رائے کو درست تسلیم کیا اور آپ کی رائے پر اکٹھے ہوگئے کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔[373]

(۲) جیش اسامہ کی روانگی

[373] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولو لا الٰہ الا اللہ۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۲، ج ۱، ص ۳۱، الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۱۴۷)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کفار کی سرکوبی کے لیے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل ایک لشکر حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا تھا جو سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے انتقال کے بعد راستے میں شش و پنج کا شکار ہو گیا تھا۔ جب تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لشکر کو واپس بلانے پر اصرار کیا تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا کہ "جس کام کا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پختہ ارادہ فرمالیا تھا میں اسے ہرگز تبدیل نہیں کروں گا۔[374]"

(۳) قبل وصال بیٹی کی خوشخبری

آپ کی فراست کا تیسرا موقع وہ تھا جب بوقت وصال آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اے عائشہ! میرے انتقال کے بعد مال وراثت کو اپنے دو بھائیوں اور دونوں بہنوں سب میں برابر برابر تقسیم کردینا۔" حالانکہ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو دو بھائیوں اور صرف ایک بہن کا پتہ تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے نکاح میں بنت خارجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی تھیں جو اس وقت حاملہ تھیں اور اس حمل کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بچی ہوگی۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے الہام اور فراست کامل کے مطابق ویسا ہی ہوا کہ بچی کی پیدائش ہوئی۔[375]

اسی لیے نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد نور بار ہے کہ "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ

---

[374] (تاریخ مدینة دمشق، ج۸، ص ۲۲، الطبقات الکبری، الطبقة الثانیة من المھاجرین، ج۴، ص ۵۰)

[375] (تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، ابو بکر الصدیق، فصل فی مرضه الخ، ص ۶۳، شرح الزرقانی علی المؤطا، ج۴ ص ۶۱)

الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے دیکھتا ہے۔"[376]

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایسے اور بھی کمالات موجود ہیں جن کا تعلق اہل حقائق اور اہل دل سے ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین امتیاز صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆...حضرت سیدنا بکر بن عبد اللہ مزنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم میں اس لحاظ سے امتیاز نہیں رکھتے تھے کہ وہ روزے کثرت سے رکھتے اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں بلکہ یہ تو ان کے دل میں ایک خاص راز تھا جس کی وجہ سے وہ امتیاز رکھتے تھے۔"

☆ ...کسی صوفی کا اس امتیاز میں یہ قول ملتا ہے کہ "آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دل میں محبت خداوندی موجزن تھی اور خلوص دل رکھتے تھے۔"

☆...حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جاتا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ لوگوں سے فرماتے: "اے لوگو! وہ آگ بجھا دو جسے تم نے جلا رکھا ہے۔" (یعنی نماز کا وقت ہوتے ہی جو کام جیسا ہے ویسا ہی چھوڑ دو)[377]

---

[376] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجر، الحدیث: ۳۱۳۸، ج۵، ص۸۸)

[377] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۸)

کھاتے ہی فوراً قے کر دی

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ شبہ والا کھانا کھالیا تھا جب علم ہوا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فوراً قے کر دی۔ پھر فرمایا: "اگر یہ کھانا نکالنے میں میری جان بھی نکل جاتی تو میں اسے نکال کر ہی دم لیتا کیونکہ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے میں نے سن رکھا ہے کہ جس پیٹ میں حرام کا کھانا چلا جائے تو اس سے آگ ہی بہتر رہے گی۔ [378] "

کاش میں ایک سبزہ ہوتا

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ عذاب الٰہی اور یوم حساب کے ڈر سے فرمایا کرتے تھے: "کاش میں سبزہ ہوتا اور چوپائے مجھے کھا جاتے بلکہ میں پیدا ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ [379] "

صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور تین آیتیں

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

---

[378] (صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاھلیۃ، الحدیث: ۳۸۴۲، ج ۲، ص ۵۷۱، منھاج العابدین، الفصل الخامس فی البطن و حفظہ، ص ۸۸)

[379] (جمع الجوامع، مسند ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۱۷۴، ج ۱۱، ص ۴۱، الطبقات الکبری، ذکر وصیۃ ابی بکر، ج ۳، ص ۱۴۸)

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن کریم کی تین آیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

پہلی آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (پ ۱۱، یونس:۱۰۷)

”اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ”اس آیت سے مجھے پتہ چل گیا کہ اگر اللہ تعالٰی میرا بھلا کرنا چاہے تو اس کے سوا اس بھلائی کو کوئی نہیں روک سکے گا، لیکن اگر اس کے حکم میں میرے لیے تکلیف لکھی ہے تو اسے بھی اسی کے سوا کوئی نہیں ٹال سکے گا۔“

دوسری آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (پ ۲، البقرۃ:۱۵۲)

”تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔“

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:

"جب میں نے یہ آیت پڑھ لی تو میں نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی یاد کو ترک کر دیا اور اسی کا ذکر کرنے لگا۔"

تیسری آیت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

(وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ(۶))(پ۱۲،ھود:۶)

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمّہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہو گا سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:"جب سے میں نے یہ آیت پڑھ لی ہے تو خدا کی قسم! میں نے روزی کی فکر کرنا چھوڑ دی۔"[380]

دنیاداروں کی مذمت میں صدیق اکبر کے اشعار

کہا جاتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دنیا داروں کی مذمت میں چند اشعار فرمائے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"اے دنیا اور اس کی زیب وزینت اپنا کر ناز کرنے والے! سن لے کہ مٹی ہی مٹی کی شان ہے تو اس میں عظمت کیسی؟ کوئی شریف آدمی دیکھنا چاہو تو ایسے بادشاہ کی طرف دیکھا کرو جو مسکین نما لباس پہنا کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہو گا جو لوگوں پر مہربان ہو گا اور دین و دنیا میں یہی اصلاح کر سکے

---

[380](اللمع فی التصوف، ص ۲۳۹)

گا۔"[381]

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بہترین راہنما

حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے متعلق آتا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے توحید کا مفہوم سمجھانے کے لیے حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ فرمان سب سے بہترین راہنما ہے کہ "ذات الٰہی کتنی ستھری ہے جس نے اپنی پہچان کا صرف ایک ہی بہتر طریقہ بتلا دیا ہے کہ اس کی پہچان سے عاجز ہو جاؤ۔"[382]

صدیق اکبر مرید صادق ہیں

حضرت سیدنا شیخ محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "دوسروں پر فضیلت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دلالت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں مرید صادق کی طرح ہونا ہے جبکہ شیخ کی معیت میں اس کی فتوحات کامل ہو جائیں اور اسی وجہ سے آپ مستحق خلافت ہوئے۔ پس حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم واصل بحق نہیں ہوئے حتی کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہر طرح سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مشاہدہ ایک عبد مخلص کی صورت میں کیا جسے اللہ تعالیٰ کی معیت میں اگر کوئی حرکت یا سکون ہے تو صرف اسی کی اجازت سے۔

---

[381] (اللمع فی التصوف، ص ۲۴۰)
[382] (اللمع فی التصوف، ص ۲۴۰)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی بالفعل دلیل

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر فضیلت کی بالفعل دلیل وہ ہے جو کہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب مال طلب فرمایا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے سارا مال لا کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جبکہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے گھر کا آدھا مال پیش کر دیا۔[383]

سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں کے مال میں ان کے لیے کوئی حد مقرر نہ فرمائی بلکہ دونوں پر یہ امر مخفی رکھا تاکہ ہر ایک عزم کے مطابق کام کرے۔ اگر سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آپ دونوں کے لیے کوئی حد مقرر فرمائی ہوتی تو یہ اس سے آگے نہ بڑھتے اور یوں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت بھی سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ظاہر نہ ہوتی۔ پس آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس امر کو مبہم رکھنے میں صرف یہی ارادہ فرمایا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ظاہر کر کے بیان کر دی جائے۔

قول صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں انتہائی ادب

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اس قول میں کہ "گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم چھوڑ آیا ہوں" انتہائی ادب ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

---

[383] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج۵، ص ۳۸۰)

نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا۔

اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ان کے مال سے کوئی چیز لوٹادی تو آپ نے اسے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دست کرم سے قبول کیا ہوتا کیونکہ آپ نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے اہل خانہ کی کفایت کرتے چھوڑا ہے۔ تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے مال میں فیصلہ نہیں کیا مگر اس کی حیثیت سے جسے مال کے مالک نے اپنا نائب بنایا ہو۔ پس اے بھائی! غور کر کہ مراتب امور کے متعلق سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا عرفان کس قدر مضبوط ہے اور اسی وجہ سے آپ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر فضیلت پائی۔ حالانکہ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا خیال تھا کہ آج وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے سبقت لے جائیں گے تو جب یہ نصف مال لانے کا واقعہ رونما ہوا تو سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہنے لگے کہ آج کے بعد میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر سبقت حاصل نہیں کر سکوں گا اور یہ مقام انہیں سونپ دیا۔ پھر رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ان کے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ کی اور یہ اس لیے تاکہ محبت میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سچائی پر جو کہ آپ کے علم میں ہے حاضرین کو متنبہ فرمادیں۔ پس اگر آپ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ان کے مال میں سے کچھ واپس کر دیتے تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں یہ احتمال راہ پاسکتا تھا کہ آپ کے دل میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ نرمی کا خیال آیا اور آپ نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر اسے بدلہ کے طور پر اس لیے پیش

کر دیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ سارے کا سارا مال دینے میں ان کا نفس ہر طرح سے کھلا ہوا نہیں ہے جیسا کہ حضرت سیدنا عبد الرحمن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لیے ایسا واقعہ گزرا کہ وہ ایک دفعہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں اپنا سارا مال لے آئے تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے متعلق علم رکھتے کہ وہ اپنے لیے آپ کے ہوتے ہوئے کوئی ملکیت نہیں دیکھتے جیسے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے تو اس پر آپ واپس نہ کرتے۔

استحقاق امامت کا عرفان

جان لے کہ ایک شخص کے لیے استحقاق امامت چند امور کے ساتھ پہچانا جاتا ہے ایک یہ کہ ایسی شخصیت ظاہر کر کے مقرر کرے جس کا قول قبول کرنا واجب ہو۔ جیسے نبی یا امام عادل۔ ایک یہ کہ مسلمان اس کی امامت پر اجماع کریں اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد بالاجماع سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جو کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ظاہر کرنے پر امام ہوئے۔ پھر سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، آپ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی نص کے ساتھ۔ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اس جماعت کی نص کے ساتھ جن کے درمیان باہمی مشورہ سے امر متعین کیا گیا۔ بے شک آپ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور معتبر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا علی مرتضی کی امامت پر اجماع کیا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

عَنْہُما۔ پس یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں۔[384]

ہوئے فاروق و عثمان و علی جب داخل بیعت	بنا فخر سلاسِل صدیق اکبر کا
بَیاں ہو کس زبان سے مرتبہ صدیق اکبر کا	ہے یار غار، محبوبِ خدا صدیق اکبر کا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب

حضرت سیدنا عروہ بن زبیر رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ "حضرت سیدنا امیر المومنین ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب ہے۔" مرہ بن کعب تک آپ کے سلسلہ نسب میں کل چھ واسطے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب میں بھی مرہ بن کعب تک چھ ہی واسطے ہیں اور مرہ بن کعب پر جاکر آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کا سلسلہ سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد عثمان کی کنیت ابو قحافہ ہے، آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی والدہ ماجدہ کا نام اُمُّ الخیر سلمٰی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب ہے۔ ام الخیر سلمٰی کی والدہ (یعنی امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی نانی) کا نام دلاف ہے اور یہی امیمہ بنت عبید بن ناقد خزاعی ہیں۔ امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی دادی (یعنی حضرت سیدنا ابو قحافہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی والدہ) کا نام امینہ بنت عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عُویج بن عدی بن کعب ہے۔[385]

---

[384] (الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹ ملخصا)

[385] (المعجم الکبیر، نسبۃ ابی بکر الصدیق واسمہ، الحدیث: ۱، ج ۱، ص ۵۱، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج ۴، ص ۱۴۴)

سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہ کے ساتویں پشت میں ملنے کا شجرہ نسب ملاحظہ کیجئے:

نقشہ شجرۂ نسب		
حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم	حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ابو قحافہ عثمان (والد)	ام الخیر سلمی (والدہ)
حضرت سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عامر	صخر
حضرت سیدنا ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عمرو	عامر
حضرت سیدنا عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ		کعب
حضرت سیدنا قصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ		سعد
حضرت سیدنا کلاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		تیم

حضرت سیدنا مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا لوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا غالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا فہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ		

حضرت سیدنا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ۵۸ ویں پشت میں تھے۔[386]

لم ینقل عن السلف المجتهدین و العلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویة (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) و احزابه لان غایة امرهم البغی و الخروج علی الامام وهو لا یوجب اللعن۔[387]

ترجمہ: اسلاف، مجتہدین اور علماء و صالحین میں سے کسی سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے کیونکہ (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان

[386] فیضان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
[387] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۰۔

کے گروہ) نے امام وقت (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے صرف بغاوت وخروج کیا جس سے لعن لازم نہیں آتا۔

ذهب العمرية والواصلية من المعتزلة الى ان الفريقين فاسقان حتى قال واصل بن عطاء لو شهدالجميع على باقة بقل لم اقبل شهادتهم وذهب الخوارج الى ان الفريقين كافران وذهب الروافض الى ان من عليا (رضی الله تعالىٰ عنه) فهو كافر وقال اهل السنة كان الحق مع على رضی الله تعالىٰ عنه وان من حاربه مخطی فی الاجتهاد فهو معذور وان كلامن الفريقين عادل صالح ولايجوز الطعن فی احدمنهم للاحاديث المشهورة فی مدح الصحابة رضی الله تعالىٰ عنهم والنهی عن وهذاهو الحق فماذابعدالحق الا الضلال۔[388]

ترجمہ: عمریہ اور معتزلہ میں سے واصلیہ کہتے ہیں کہ دونوں گروہ (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فاسق تھے (نعوذ باللہ) حتیٰ کہ واصل بن عطانے کہا کہ اگر سب لوگ ان (مذکورہ) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پاکدامنی کی گواہی دیں بھی تو میں کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ دونوں فریق (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کافر ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور روافض کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی وہ کافر ہے اور اہل سنت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور جنہوں نے ان سے جھگڑا کیا وہ اجتہادی طور پر غلطی پر تھے۔ پس وہ معذور (تصور) ہوتے ہیں اور بے شک دونوں فریق عادل وصالح تھے۔ اوران دونوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

---

[388] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۰۳۔

مدح وتوصیف اوران کو گالی نہ دینے کے معاملہ میں احادیث مشہورہ موجود ہیں اور یہی بات حق وسچ ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

قال مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شتم احدامن اصحاب رسول اللہ ﷺ ابابکر او عمر اوعثمان اومعاویة اوعمروبن العاص فان قال کانوا علی کفروضلال قتل وان شتمھم بغیر ھذامن مشاتمۃ الناس فنکل نکالاً شدیداً۔انتھیٰ۔[389]

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یاحضرت عثمان یاحضرت معاویہ یاحضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے(یا) اگر کہے کہ یہ لوگ کفر وگمراہی پر تھے تو اس شخص کو قتل کر دیا جائے اوراگر ان الفاظ کے علاوہ عام لوگوں کی گالیوں کی طرح گالی دے تو اس کو عبرتناک سزا دی جائے۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب حتی ان الرجل لیحلف ولایستحلف ویشھدولا یستشھد الامن سرہ بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطان مع الفذوھومن الاثنین ابعدولا یخلون رجل بامراۃفان الشیطان ثالثھم ومن سرقۃ حسنۃ وساوت سئۃفھو مؤمن۔[390]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عزت واحترام کرو کیونکہ وہ تم لوگوں میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کی تعظیم کرو جو ان کے بعد ہوں گے۔(یعنی تابعین کرام

---

[389] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۵۵۱۔
[390] رواہ النسائی۔شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۵۵۱۔

رضی اللہ تعالی عنہم) پھر کذب ظاہر ہو جائے گا حتی کہ ایک شخص قسم کھائے گا حالانکہ اسے قسم کھانے کا نہیں کہا گیا ہو گا۔ اور ایک شخص گواہی دے گا حالانکہ اسے گواہی دینے کا نہیں کہا گیا ہو گا۔اور آگاہ رہو کہ جو شخص جنت میں جانا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہے۔کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے اور کوئی مرد،عورتوں کے ساتھ اکٹھا نہ ہو کیونکہ (اگر ایسا کرے گا تو) ان میں شیطان تیسرا ہو گا۔(یعنی گمراہ کرے گا)اور جس نے بھلائی کی چوری کی اور اس سے غلطی بھی سرزد ہو گئی تو وہ مؤمن ہے۔(یعنی گناہ کرنے سے وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ مؤمن ہی کہلائے گا)۔

وقدحدث فی شر القرون فقة زائغة یسبون الائمة ویذمون التقلیدویدعون الناس الی ترکه مع ان جل مطاعنهم وکل دلائلهم مبنیة علی التقلیدلمن سبقهم لأنهم یقولون: خالف أبو حنیفة فی المسألة الفلانیة الحدیث الصحیح۔فان قلت۔کیف عرفت أنه حدیث صحیح ؟ویقولون:صححه الحافظ فی "الفتح" وصححه فلان وفلان۔ولا یعرفون أنه لما لم یجز لهم تقلیدأبی حنیفة کیف جاز لهم تقلیدمثل ابن حجر؟ولما حرمتم التقلیدفکیف وجب علی أبی حنیفة تقلیدابن حجر وأمثاله فی تصحیح مایصححون وتضعیف مایضعفون؟[391]

ترجمہ: بتحقیق زمانے (کے گزرنے کی وجہ سے) پیدا ہونے والے شر میں ایک فرقہ زائغہ پیدا ہوا (جس کے ماننے والے) اماماں دین کو گالیاں دیتے ہیں اور تقلید کو برا جانتے ہیں اور لوگوں کو بھی ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں باوجودیکہ ان کے طعنے واضح وآشکار ہیں اور جو شخص ان کی طرف میلان رکھے اس کیلئے ان کے دلائل تقلید پر مبنی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ

[391] مقدمة اعلاء السنن فوائد فی علوم الفقه ج ۲۱ ص ۷۔

عنہ نے فلاں فلاں مسئلے میں صحیح حدیث کے خلاف کیا اگر ان سے کہا جائے کہ آپ نے صحیح حدیث کو کیسے پہچانا؟ تو کہتے ہیں کہ اس (حدیث) کو حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے "کتاب الفتح" میں صحیح شمار کیا ہے اور فلاں فلاں نے بھی اس کو صحیح کہا ہے (اس لئے ہمیں اس کے صحیح ہونے کا علم ہوا) انہیں خبر نہیں کہ جب ان کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہی نہیں تو ان کیلئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ (اور ان کی طرح کے دوسرے فقہاء) کی تقلید کرنی کیسے جائز ہوئی؟ اور جب وہ تقلید کو حرام کہتے ہیں تو جن احادیث کو وہ صحیح قرار دے رہے ہیں ان کی صحت میں اور جن کو یہ ضعیف قرار دے رہے ہیں ان کو ضعیف کہنے میں (حضرت امام اعظم) ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنا کیسے واجب ہو گا؟

فرقہ حشویہ کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم نہیں ہیں۔

(نعوذ باللہ من شرورھم)

وقال الامام الشیخ ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمة من الملائکة لان الامم ماموروں بالاتباع للانبیاء لا الملائکة واختار القاضی عیاض عصمتھم بعد الوحی عن کل صغیرة وکبیرة ونسبه الی طائفة من المحققین وقال قد اختلف فی عصمتھم قبل النبوة والصحیح ان شاءاللہ تعالیٰ تنزیھم من کل عیب انتھیٰ۔[392]

ترجمہ: حضرت امام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عصمت میں ملائکہ سے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ امت کو انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ملائکہ کی تابعداری کا۔ قاضی عیاض نے انبیاء علیہم السلام کا وحی آنے کے بعد

---

[392] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۵۴۔

سارے صغیرہ وکبیرہ سے عصمت اختیار کیاہے اوراس بات کو محققین کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں محققین کے اس گروہ نے اختلاف کیاہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ (انبیاء علیہم السلام) تمام عیوب سے پاک ہیں۔

فرقہ ناجیہ اہل وسنت والجماعت کاعقیدہ یہ ہے کہ خلفاءراشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی خلافت کی وہ ترتیب جو متن میں بیان ہوئی ہے وہی حق ہے اوراس امت کے بہترین انسان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے کہ

عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ابو بكر وعمر خير الاولين و الآخرين وخير اهل السموات وخير اهل الارضين الاالنبيين و المرسلين۔[393]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاکہ ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انبیاءاور مرسلین علیہم السلام کے علاوہ سب پہلوں اور پچھلوں سے بہتر وممتاز ہیں اور (نہ صرف یہ بلکہ) زمین وآسمان والوں سے بھی۔

علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ابي بكر وعمر رضی اللہ تعالی عنهما ومحبة الختنين عثمان وعلى رضى الله تعالىٰ عنهماوالختن بفتحتين زوج البنت ودليل توقفهم الاكتفابذكر المحبة فيهمامن غيرتعرض للتفضيل كمافى الشيخين وحسبك دليلاعلى الاهتمام بمسئلة الافضلية انهامن علامات السنة و الانصاف اصله جعل الشئى نصفين ثم

---

[393] رواه الحاكم،ابن عدی،الخطيب،شرح العقائدالمسمى بالنبراس ص ۴۸۴۔

اطلق على الصلح بين الخصوم بقسمة المتاع فيه بينهمانصفين ثم اطلق على العدل بين الخصمين انه ان اريدبالافضلية كثرةالثواب اى كثرةالجزاءعلى اعمال الخير من الدرجات الرفيعة فى الجنان وكثرة التقرب الى الرحمن فللتوقف جهة لان كثرة الثواب لاتعرف بالعقل ولذاتوقف الامام مالك قيل له اى الناس افضل بعدنبيهم فقال ابو بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهمابلاشک فقيل له وعثمان وعلى رضى الله تعالىٰ عنهماقال ماادركت احدااقتدى به بفضيل احدهماعلى الآخر وكذاتوقف امام الحرمين وابوعباس القلانسى۔[394]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کی نشانیاں یہ ہیں کہ فضیلت شیخین حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محبت ختنین حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ختن کا لفظ زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں بیٹی کا شوہر (یعنی داماد)۔ اوران دونوں کی محبت پر بغیر تعرض کے فضیلت کیلئے دلیل توقف سے اکتفا کیا ہے جس طرح شیخین اور یہ دلیل کافی ہے کہ اس مسئلہ اوران دونوں کی فضیلت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر علامات اہل سنت کا اہتمام ہو جائے اورانصاف کی اصل (یعنی انصاف کی تعریف) یہ ہے کہ کسی چیز کو نصف نصف (دو حصوں میں) تقسیم کرنا (انصاف کہلاتا ہے) پھر ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان صلح پر نصف نصف متاع تقسیم کرنے پر اطلاق کیا پھر ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان عدل کا اطلاق ہوا بے شک افضلیت کے ارادہ کا زیادہ ثواب ہے یعنی جنت میں درجات عالیہ سے اعمالِ خیر میں زیادہ اجر ہے اوررحمن کے زیادہ قریب ہونا ہے۔ پس توقف اس وجہ سے ہے کہ زیادہ ثواب کا اندازہ عقل سے نہیں ہوتا اوراسی وجہ سے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توقف کیا کسی نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[394] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۴۹۰۔

سے سوال کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے لوگوں میں کون افضل ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بغیر شک وشبہ کے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں کہ ان دونوں میں سے کون ایک دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے اور ان میں سے پہلے کس کی اقتداء کروں اوراسی طرح امام حرمین اورابو عباس قلانسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔

حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال کنانقول و رسول اللہ ﷺ حی افضل امتہ بعدہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فلاینکرہ رواہ الترمذی و ثانیھمانصوص السلف فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خیر الناس فی ھذہ الامۃ بعد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم انا رواہ الحافظ ابو سعید السمان کمافی فضل الخطاب بل حکی ابو منصور البغدادی الاجماع علی ان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل۔[395]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم زندہ تھے اور ہم کہتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پس ہماری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے (ہماری) اس بات سے

---

[395] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۱۔

انکار نہیں فرمایا۔(رواہ الترمذی)اوراس بارے میں دوسری دلیل نصوص سلف ہے پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس امت کے بہترین لوگوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)(رواہ حافظ ابوسعید سمان) جس طرح فضیلتِ خطاب میں بلکہ ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکایت کیااس پر اجماع ہے کہ بے شک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنهماقال اجمع المهاجرون والانصارعلی ان خیرهذه الامةابوبکررضی اللہ تعالیٰ عنه وعمررضی اللہ تعالیٰ عنه وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه رواه خشیمة بن سعدوقال الامام النووی فی شرح مسلم الصحیح المشهورتقدیم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنه انتهیٰ۔[396]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصاراس بات پر متفق ہوگئے کہ اس امت میں بہترین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔(رواہ خشیمہ بن سعد) اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کی شرح میں فرمایاہے کہ صحیح اور مشہور بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقدم ہوناہے۔

اختلف الروایات فیه علی اقوال فاحدها:انه بایعه فی الاول فعن ابی سعید الخدری قال فی حدیث السقیفة صعد ابوبکر المنبر فنظر فی وجوه القوم فلم یر علیافدعاه فجاء فقال یاابن

---

[396] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۲۔

عم رسول اللہ ﷺ اردت ان نفرق المسلمین فقال لاتثریب یاخلیفۃ رسول اللہ ﷺ فبایعہ رواہ الحاکم والبیھقی وصحہ ابن حبان وانماتوقف ساعۃ لاشتغالہ بغسل النبی ﷺ ثانیھما:انہ بائع بعدستۃ اشھر بعدموت فاطمۃ الزھراءرضی اللہ تعالیٰ عنھاوھذافی صحیح البخاری ومسلم وثالثھما:وھوالصحیح الجامع بین القولین انہ بایعہ فی اول الامرثم تأخرعن صحبۃ حتی اعادالبیعۃ بعدستۃ اشھر۔[397]

ترجمہ:ان اقوال کے بارے میں مختلف روایات ہیں پس ان میں سے اول:بے شک آپ نے پہلے بیعت کی پس حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایاحدیث سقیفہ میں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبرپرچڑھے اوراپنی قوم کے چہروں کی طرف دیکھا توحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کونہ پایاپس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)کوطلب کیاجب وہ آگئے توآپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاکہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چچازاد کیاآپ کاارادہ ہے کہ مسلمانوں میں جدائی پیدا کریں ؟توحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاکہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے خلیفہ،تثریب(سرزنش،ملامت،طعنہ،لپٹنا)نہیں پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان(حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)سے بیعت کی رواہ حاکم وبیہقی اورابن حبان نے صحیح فرمایا کہ حضورنبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو غسل دینے میں مصروف ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دیر توقف کیا۔

---

[397] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۴۹۴۔

دوم: بتحقیق آپ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے چھ ماہ بعد بیعت کی اور یہ صحیح البخاری اور مسلم میں ہے۔

سوم: اور یہ بات دو اقوال کے درمیان صحیح اور جامع ہے کہ بے شک (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلافت کی ابتداء میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر لی تھی پھر صحبت اختیار کرنے میں تاخیر ہو گئی حتی کہ چھ ماہ بعد بیعت کا اعادہ کیا۔

فصل نمبر ۷:

نقر بان العبد مع اعماله و اقراره و معرفته مخلوق فلما كان الفاعل مخلوقا و لی ان یکون فعله ایضاً مخلوقا و لم یکن لهم طاقة لانهم ضعفاء عاجزون و اللہ تعالیٰ خالقهم و رازقهم لقوله تعالیٰ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الروم ۴۰)۔ والكسب بالعمل حلال و جمع المال من الحرام حرام الخلق على ثلثة اصناف المؤمن المخلص فى ايمانه والكافر المجاهر فى كفره والمنافق المداهن فى نفاقه و اللہ تعالیٰ فرض على المؤمن العمل وعلى الكافر الايمان وعلى المنافق الاخلاص لقوله تعالیٰ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ (البقرة ۲۱) معناه یاایها المؤمنون اطیعوا و ایها الكافرون امنوا و ایها المنافقون اخلصوا۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال اور اقرار اور معرفت کے ساتھ مخلوق ہے پس جب فاعل (بندہ) مخلوق ہو تو اس (بندے) کا فعل بھی بطریق اولیٰ مخلوق ہو گا اور یہ بندے (کسی چیز کو خلق کرنے کی) طاقت نہیں رکھتے کیونکہ مخلوق کمزور اور عاجز ہے (اس لئے کسی چیز کو خلق کرنے کی طاقت نہیں رکھتے) اور اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا"

اور کسب کرنا(کسی بھی فن یعنی مزدوری، نجاری، تجارت اور درزی گری وغیرہ کے ذریعہ سے رزق کمانا) حلال ہے اور حرام طریقے کے ذریعہ سے مال جمع کرنا حرام ہے(جیسے چوری، رشوت، سود اور زنا وغیرہ کے ذریعہ سے)۔

مخلوق (انسان، ملائکہ اور جنات) کی تین اقسام ہیں

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں (ان میں نفاق نہیں ہوتا)۔ (دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں) جو کافر ہوں اور اپنے کفر کو ظاہر کرنے والے ہوں (یعنی علی الاعلان کہتے ہوں کہ ہم دہری، ہندو، یہودی یا نصرانی ہیں)۔(تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں) جو منافق ہوں (باطن اور دل میں کافر ہوں اور ظاہری طور پر مسلمان ہوں)۔اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن پر صرف عمل (نماز اور روزہ وغیرہ) فرض کیا ہے اور کافر پر ایمان لانا(فرض کیا ہے)اور منافق پر اخلاص (فرض کیا ہے)۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”اے لوگو اپنے رب کو پوجو“ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ اے ایمان والو (اللہ تعالیٰ کی) اطاعت کرو (نماز و روزہ وغیرہ ادا کرو اور زنا، قتل، شراب اور چوری وغیرہ سے پرہیز کرو)۔اور اے کفار ایمان لاؤ۔اور اے منافقین ایمان میں اخلاص لاؤ اور نفاق کو چھوڑ دو۔

تشریح

قدریہ اور ملاحدہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہم ہر چیز پر قادر ہیں جب ہم کوئی کام کاج کرتے ہیں تو اس کے ذریعہ سے ہم رزق حاصل کر لیتے ہیں اور اسی طرح ہم نیکی اور بدی دونوں پر بھی قادر ہیں۔

اور بعض گروہ کہتے ہیں کہ کام کاج سے تومال ہی جمع ہوتا ہے چاہے وہ کام حرام ہو یا حلال ، جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے پھر حرام سے بچنا اور حلال کو کرنا ضروری ہے۔

مرجیہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہے باقی کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

اور فرقہ سائبہ جو کہ مرجیہ فرقے کی ہی ایک شاخ ہے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایمان کا جزو نہیں ہے اور ہم (اہل سنت والجماعت) کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے تمام اوامر کو ظاہراً وباطناً اور دل وزبان سے تسلیم کرتے اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں اس لئے کہ شریعت پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا مسلمان پر فرض ہے۔

فصل نمبر ۸

نقربان الاستطاعة مع الفعل لاقبل الفعل ولابعدالفعل لانه لوكان قبل الفعل لكان العبدمستغنياعن الله تعالیٰ وقت الفعل وهذاخلاف النص لقوله تعالیٰ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنتُمُ الْفُقَرَآءُ(محمد۳۸)ولو كان بعدالفعل لكان من المحال حصول الفعل بلااستطاعة۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (کسی کام کو کرنے کی) طاقت، اس کام کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔(یہ طاقت) نہ تو اس فعل سے پہلے ہوتی ہے اور نہ ہی بعد میں۔ کیونکہ اگر فعل سے پہلے طاقت

ہوتی توبندہ اس فعل کے وقت اللہ تعالیٰ سے غنی(لاپرواہ)ہوتا(یعنی جب بندے میں پہلے سے طاقت موجودہوتی تووہ فعل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کامحتاج نہ ہوتا)جبکہ یہ بات آیت کریمہ کے خلاف ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے"اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج"اوراگروہ طاقت (یاکام کرنے کی قدرت)فعل کے بعدپیداہوتویہ بات ناممکن ہے کیونکہ طاقت وقدرت کے بغیرکسی کام کوسرانجام دینامحال ہے۔

تشریح

اہل سنت والجماعت کاعقیدہ تواوپرمتن ہی میں بیان ہوگیاہے جس میں مزیدوضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم ہم اس موضوع پر دوسرے فرقوں کے عقائددرج ذیل ہیں۔ معتزلہ کے گروہ کاعقیدہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے جبکہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔

مضطریہ جو کہ جبریہ گروہ کی ایک شاخ ہے وہ کہتے ہیں کہ

قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔[398]

ترجمہ:انسان کے پاس تمام افعال کی طاقت اللہ کی طاقت کے برابر نہیں ہے(بلکہ بعض افعال کی طاقت انسان کودی گئی ہے)۔

اسی طرح جبریہ فرقے کاگروہ یہ عقیدہ رکھتاہے۔

---

[398] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ص۴۸۔

والافعالية- قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔[399]

ترجمہ: افعال واعمال تو ہم سے ہی ادا ہوتے ہیں لیکن ان کو کرنے کی طاقت ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ہم (طاقت واستطاعت میں) چوپائیوں کی طرح ہیں جو نکیل کے ساتھ باندھے ہوئے ہوتے ہیں (یعنی جیسے چوپائے بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے کسی فعل کی طاقت نہیں رکھتے ایسے ہی انسان بھی بے بس ہے)۔

جبریہ فرقے کا ایک گروہ جس کا نام منبہ ہے ان کا اور مجوسی فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ

ذهب المجوس الى ان للعالم فاعلين احدهما الله تعالىٰ وهو فاعل الخير وخالق الحيوان النافع والثانی الشيطان وهو فاعل الشر وخالق الحيوان ضار۔[400]

ترجمہ: مجوسی کہتے ہیں کہ جہان کے دو فاعل ہیں (یعنی دو خدا) ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ ہے جو خیر و بھلائی کا بھی فاعل ہے اور نفع دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے جبکہ دوسرا فاعل شیطان ہے جو شر (اور گناہوں کے کاموں) کا فاعل بھی ہے اور نقصان دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے۔

علامہ محمد عبد العزیز الفرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

فانهم يعتقدون آلهين يزدان خالق الخير واهرمن خالق الشر۔[401]

---

[399] الجامع لاحكام القرآن تفسير القرطبی ج۴ ص ۴۸۔
[400] شرح العقائد النسفية ج۹ ص ۱۶۱ طبع مكتبة العلم کانسی روڈ کوئٹہ۔
[401] شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ۲۶۵۔

ترجمہ: یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معبود دو ہیں ایک یزدان، جو خیر و بھلائی کا خالق ہے اور دوسرا اَہرمن جو کہ شر کا پیدا کرنے والا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ بندہ اور اس کے افعال واعمال کا خالق حقیقی اور موئثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اسی لئے ثواب وعقاب کا حق دار ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ (الصفت ۹۶)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیءٍ فَاعْبُدُوہُ۔ (الانعام ۱۰۲)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو۔

تیسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

وَقَالَ اللّٰہُ لَاتَتَّخِذُوا الٰھَینِ اثْنَینِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (النحل ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ خالق حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذاتِ بابرکات ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ماوراء النہر کے مشائخ نے مجوسیوں اور معتزلہ کا ان الفاظ سے موازنہ کیا ہے۔

ان مشائخ ماوراءالنهر قدبالغوافی تضليلهم فی هذه المسئلة حتی قالواان المجوس اسعدای احسن حالامنهم حيث لم يثبتوا الا شريكاواحداوهواهرمن والمعتزلة اثبتوا اشركاءلاتحصیٰ۔[402]

ترجمہ: بتحقیق ماوراءالنہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایا کہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کا حال بہت اچھا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیا ہے جو کہ "اَہرمن" ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت میں شریک ٹھہرا دیتے ہیں)۔

لیکن معتزلہ بندے کو خالق بالذات نہیں کہتے بلکہ حادث جانتے ہیں تاہم جمہور متکلمین نے ان کے اس قول سے ان کو مشرک قرار دیا ہے۔

فصل نمبر ۹

نقربان المسح علی الخفين جائزللمقيم يوماوليلة وللمسافرثلثة ايام ولياليهالان الحديث وردهكذاومن انكرفانه يخشی عليه الكفرلانه ثبت بالخبرالمتواتروالقصر والافطار رخصة فی السفربنص الكتاب لقوله تعالیٰ واذاضربتم فی الارض فليس عليكم جناح ان تقصروامن الصلوة وفی الافطار قوله تعالیٰ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرة ۱۸۴)

[402] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۲۶۵۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں جائز کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے تو جو شخص (موزوں پر مسح) سے منکر ہو (جیسے روافض) تو بتحقیق اس طرح کے شخص پر کفر کا ڈر ہے کیونکہ (موزوں پر مسح) کرنا حدیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور قصر کرنا (چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کرکے ادا کرنا) اور سفر میں روزہ نہ رکھنے میں رخصت ہے اور یہ رخصت صریح الفاظ میں قرآن سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں"۔

تشریح

روافض موزوں پر مسح کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ننگے پاؤں پر ہی مسح کرتے ہیں۔ موزوں پر مسح کے بارے میں روافض کے گروہوں میں بھی اختلاف ہے۔

اور بعض گروہوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رخصت کے دنوں میں یا بیماری اور سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یخشی علیہ الکفر کے الفاظ فرمائے ہیں اور اس طرح قطعی حکم نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہے اس کی وجہ جاننے سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ حدیثِ متواترہ کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم کی متواتر حدیث لفظاً اور معناً ہوتی ہے جس کا منکر یقینی کافر ہے۔ اور دوسری قسم کی متواتر حدیث از روئے معناً ہوتی ہے نہ کہ لفظاً۔ یعنی احادیث واردہ کے الفاظ مختلف ہوں مگر اس

کے معنی کسی چیز کی جانب راجع ہوتے ہوں تو اس طرح کی حدیثِ متواترہ کے منکر پر کفر کا ڈر ہے اور موزوں پر مسح کرنے والی حدیث دوسری قسم سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سفر میں چار رکعت فرض کو پورا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَمَن يَّتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق ۱)

اور جو اللہ کی حدّوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں سفر کی مسافت بوجھ لادے ہوئے اونٹ کی چال سے تین دن کی ہے اور آرام کرنے کا دورانیہ اس میں سے خارج ہے چنانچہ یہ مسافت تخمیناً تین فرسخ بنتی ہے جس کی مقدار ۴۸ میل یا ۷۷ کلو میٹر ہے۔

گاڑی یا جہاز کی مسافت میں تین دنوں کی شرط نہیں ہے بلکہ اگر تیز رفتار گاڑی یا جہاز نے یہ مسافت ایک دن یا اس سے کم میں طے کر لی تو بھی یہ شخص مسافر ہی شمار ہو گا۔

فصل نمبر ۱۰

نقربان اللہ تعالیٰ امر القلم بان یکتب فقال القلم ماذا اکتب یاربی فقال اللہ تعالیٰ ماھو کائن الی یوم القیمۃ لقولہ تعالیٰ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿القمر ۵۳﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو اس بات کا امر فرمایا کہ لکھو تو قلم نے عرض کیا" اے میرے رب میں کیا لکھوں" تو اللہ تعالیٰ نے (قلم کو) فرمایا کہ قیامت کے دن تک ہونے والی

ہر چیز کی (تقدیر) لکھ دے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور انہوں نے جو کچھ کیا سب کتابوں میں ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔"

تشریح

حضرت فارابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"لاتظنن ان القلم آلة جمادية" آپ یہ گمان نہ کریں کہ قلم بے جان چیزوں میں سے ایک آلہ ہے جیسے کہ ہمارے ہاں قلم کی جنس موجود ہے بلکہ وہ قلم جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ فرشتوں میں سے ایک نورانی فرشتہ ہے جو کہ فہم وادراک اور سوال وجواب کے قابل ہے۔

اہل وسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوح محفوظ میں ان باتوں کے لکھنے کا حکماً امر نہیں فرمایا بلکہ قلم کو لوح محفوظ میں ان سب چیزوں کے اوصاف لکھنے کا امر فرمایا جیسے خوبی اور برائی، طول وعرض، چھوٹا پن اور بڑا پن (مثلاً ٹیلہ چھوٹا اور پہاڑ بڑا ہے) کمی اور کثرت (مثلاً علماء کم اور عوام زیادہ ہیں) ہلکا پن اور بھاری پن (مثلاً قلم ہلکا ہے اور کتاب بھاری ہے) گرمی اور ٹھنڈک (مثلاً آگ گرم ہے اور برف ٹھنڈی ہے) عبادت اور نافرمانی (مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ارادے، اختیار اور اپنے کسب سے حضور نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر بغیر کسی سوچ کے ایمان لائیں گے اور اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغات کریں گے اوراسی طرح لوح محفوظ میں لکھاہے کہ ابوجہل لعین اپنے ارادے، اختیاراوراپنے کسب سے اسلام منکر ہوگا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بہت نصیحتوں اوراپنے اختیار کے باوجود کفر سے ایمان لائے گا) ارادہ اور قدرت (مثلاً کسی کام کیلئے ارادہ کرنا جیسے نماز یا کسی کام پر قادر ہونا جیسے تندرست انسان نمازادا کرنے پر قادر ہوتا ہے) اور کسب یا دوسرے غیر مذکورہ اوصاف جیسے (سفید، سیاہ، اور سرخ وغیرہ) احوال (مثلاً زید تندرست ہے یا غنی ہے اور عمر بیمار یا مسکین ہے) اوراخلاق (مثلاً زید بہت اخلاق والا، سخی اور حلیم ہے اور عمر بہت بدمزاج، بخیل اور غضبناک ہے)۔

لوح محفوظ میں کسی کام کے واقع ہونے پر مطلق حکم نہیں دیا گیا (کہ زید حتماً کافر ہو جائے گا اور عمر حتماً مسلمان ہو گا۔ بغیر وصف اور سبب کے)۔

(کہ زید اور عمر کو ارادے اور کسب میں اختیار حاصل ہے)۔

اوراللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس طرح بھی نہیں لکھا کہ زید مؤمن ہو گا اور عمر کافر ہو گا کیونکہ اگر ایسا لکھا گیا ہوتا تو ایمان لانے پر مجبور ہوتا اور عمر کافر ہونے پر مجبور ہوتا اس لئے کہ جس چیز کے ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہو وہ حتماً واقع ہوتی ہے علاوہ ازیں جس چیز کا اللہ تعالیٰ حکم دے تو اس کے حکم کارد کرنے والا کوئی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ زید اپنے اختیار اور قدرت سے ایمان لائے گا اور ایمان کا ارادہ کرے گا اور کفر کا ارادہ نہیں

کرے گا اور لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ عمر اپنے اختیار اور قدرت سے کفر کا راستہ اختیار کرے گا اور یہ کفر کا ارادہ کرے گا اور ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان سب باتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے افعال میں جبر نہیں ہے اور دوسرا مقصد جبریہ فرقے کے عقائد کو باطل ثابت کرنا ہے کیونکہ جبریہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ:

کمازعمت الجبرية انه لافعل للعبداصلاوان حركاته بمنزلة حركات الجمادات لاقدرةعليهاولاقصداولاالاختيار وهذاباطل لانانفرق بالضرورةبين حركةالبطش وحركة الارتعاش ونعلمان الاولىٰ باختيارهدون الثانی۔[403]

ترجمہ: جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ کا کوئی (اختیاری) فعل ہے ہی نہیں اور اس کی حرکات، جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان پر اسے نہ قدرت ہے نہ قصد ہے نہ اختیار جبکہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ ہم بدیہی (واضح) طور پر حرکتِ بطش (حملہ اور گرفت) اور حرکتِ رعشہ کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری نہیں۔

جبریہ کا گروہ قطعاً کافر ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

ا۔ جبریہ کا گروہ ان آیات سے انکار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

---

[403] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۱۲۵۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿الواقعة ۲۴﴾

صلہ ان کے اعمال کا۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکھف ۲۹)

توجو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

جبریہ کا گروہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بھیجے جانے سے بھی انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نہیں بھیجا۔

۲۔ جبریہ کے گروہ کے مطابق جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر یا اسلام لانے پر مجبور ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجنا بے فائدہ ہوا۔

۳۔ جبریہ کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کیلئے کتابوں کا نازل کرنا بھی لغو ہے کیونکہ جب کتابوں میں درج اوامر ونواہی کا ان کو اختیار ہی نہیں ہے تو پھر اس کا فائدہ کیا؟

۴۔ جبریہ کے مذہب کے مطابق ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ بھی لغو ہے کیونکہ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جمادات کو ثواب وعقاب نہیں دیا جائے گا بلکہ بے زبان حیوانات بھی اس سے آزاد ہیں۔

غاية التحقيق فی شرح العقائد يقول الفقير سامحه القدير قد قال الامام ابو حامد محمد الغزالی رحمه الله تعالیٰ فی احياء العلوم يلزم السكوت فی هذه المسئلة ای مسئلة القدر و لو يتكلم فيها يلزم وقوف الكلام عند قول الحنيفة رحمه الله تعالی و التجاوز عنه ضلال و زندقة۔

ترجمہ: غایۃ التحقیق فی شرح العقائد میں فقیر (اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے) حضرت امام ابو حامد محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ (مسئلہ قدر) میں خاموشی

اختیار کرنی چاہیئے اور اگر اس (مسئلہ قدر) میں کوئی کلام کرے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس پر اس میں سکوت کرنا لازم ہے اور اگر کسی نے اس میں تجاوز کیا تو وہ گمراہ اور زندیق ہے۔

اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کیا تو روز قیامت اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا اور جو تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ نہیں کرے گا اس سے نہیں پوچھا جائے گا۔(رواہ ابن ماجہ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف (فارسی) میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مقصد جس کو صاحب مشکوۃ نے بھی روایت کیا ہے اس میں قدر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے روکنا ہے کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ روزِ قیامت میں اس پر عتاب اور سرزنش ہے تو اس لئے بہتر بات یہ ہے کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رکھا جائے اور اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے اجتناب کیا جائے۔

بعض لوگ کبھی کبھی یہ سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث کی روسے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قدر کے مسئلہ میں بحث نہیں کرنی چاہیئے تھی اور اسی طرح امتِ مرحومہ کے علماء کرام نے بھی عقائد کی کتب میں قدر کے مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس امت مرحومہ میں اہل بدعت وہوا پیدا ہو گئے تھے جیسے کہ جبریہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ تو اہل سنت والجماعت کے علماء کرام مجبور ہوئے کہ اپنی کتب میں اس مسئلہ کی توضیح قرآن کریم واحادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مطابق کریں تاکہ امتِ مرحومہ کو ان فرقوں کی گمراہی اور فتنے سے محفوظ رکھ سکیں اور اگر اہل سنت والجماعت کے علماء کرام اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کر لیتے تو ساری امت گمراہی اور فتنے کے راستے پر گامزن ہو جاتی۔

جآءفی الحدیث مایدل علی النهی ولکن المتاخرین اضطروا الی البحث عنهار واعلی الجبریةو القدریةو المذهب فیهاستة۔

فاحدها: للمعتزلةوهوان الفعل بقدرةالعبدو حدهابالایجاب واضطرار۔

ثانیها: للجبریة وهوان الفعل بقدرة الله وحدها ولیس للعبدقدرة واختیاربل هو کالجماد۔

ثالثها: للاشعری وهوان الفعل بقدرةالله وحدهاولکن للعبدقدرةواختیاراذاصرفهاالی الفعل خلق الله الفعل منه فالفعل مخلوق الله ومکسوب العبد۔

رابعها: للفلاسفةوینسب الی امام الحرمین وهوان المؤثر قدرةالعبدوحدهابالایجاب واستحالة التخلف وقال بعض المحققین مذهب الحکماءان قدرة العبدکالاسباب والادوات وامامفیدالوجودفلیس الاالحق سبحانه قلت وهذاقریب من مذهب الاشعری بل کانه هو۔

خامسها: للاستاذابی اسحق الاسفرائی وهوان المؤخرمجموع القدرتین لاعلی ان کلا منهمامؤثرمستقل مایزعم فانه محال بل علی ان قدرة العبدغیرمستقلة بالتاثیر فاذا انضمت الیهاقدرةالحق سبحانه صارت مؤثرة۔

سادسها:للقاضی ابی بکر الباقلانی وهو ان الموثر فی اصل الفعل قدرة الله وفی وصفه قدرة العبدومثلوه بلفم الیتیم ایذاء وتادیبافاللطم صارعن قدرة الحق سبحانه وکونه ذنباوطاعةبقدرةالعبد۔[404]

ترجمہ: جس طرح حدیث میں اس (قضاءوقدر کے مسئلہ)میں بحث ومباحثہ سے منع فرمایا گیاہے مگر علماء متاخرین نے حالتِ اضطرار میں (قضاء وقدر)پر بحث کو جبریہ اور قدریہ پر جائز فرمایاہے اوران میں چھ مذاہب ہیں جن میں سے:

اول:معتزلہ ہے جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف بندہ کو ہے سب ایجاد فعل اوراضطرار میں۔

دوم:جبریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اکیلا بندہ کچھ نہیں اور بندے کو کچھ قدرت اوراختیار نہیں بلکہ وہ ایک جماد(پتھر)ہے۔

سوم:اشعریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر بندہ قادراوراختیاروالاہے جو کہ فعل کو تغیر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے مخلوق کو خلق کیا پس یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق کاہے اور بندہ کا سب۔

چہارم:فلاسفہ ہیں جو امام حرمین کیلئے نسبت کرتے ہیں کہ ایجاداور طلب حالت مخالفت میں مؤثر قدرت صرف بندے کو ہے اور مذہب کے بعض محققین حکماء نے کہاہے کہ قدرت بندہ جس طرح اسباب اورادوات(بیماریاں)ہیں مفیدوجود نہیں مگر حق سبحانہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ مذہب اشعریہ کے نزدیک ہے بلکہ انہیں میں سے ہے۔

---

[404] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۲۷۲۔

پنجم: استاذ ابو اسحاق اسفرائی ہیں وہ کہتے ہیں کہ بے شک مؤثر مجموعہ دونوں قدرتیں ہیں نہ کہ دونوں مستقل موئثر ہیں ان کا گمان ہے کہ یہ محال ہے بلکہ قدرتِ بندہ تاثیر میں غیر مستقل ہے جس وقت قدرت حق سبحانہ ضم ہو جائے تو موئثر ہو جاتا ہے۔

ششم: قاضی ابی بکر باقلانی ہیں جو کہتے ہیں کہ بے شک اصل میں موئثرِ فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور وصف میں بندے کی قدرت اور اس کی مثال یتیم کو ایذا اور تکلیف کیلئے تھپڑ مارنا ہے پس یہ تھپڑ حق سبحانہٗ کی قدرت ہو گی اور حالتِ کون اس کی گناہ اور طاعت بندے کی قدرت۔

فصل نمبر ۱۱

نقر بان عذاب القبر کائن لا محالة وسؤال المنکر والنکیر حق لورود الاحادیث والجنة والنار حق وهما مخلوقتان لا فناء لهما لقوله تعالیٰ فی حق الجنة ۔ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿آل عمران ۱۳۳﴾ وفی حق النار۔ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ﴿البقرة ۲۴﴾ خلقهما الله تعالیٰ للثواب والعقاب والمیزان حق لقوله تعالیٰ۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿الاعراف ۹﴾ وقرائته الکتاب یوم القیامة حق لقوله تعالیٰ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَلْقٰهُ مَنْشُورًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿الاسراء ۱۴﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ قبر کا عذاب ہونا حق ہے ناممکن نہیں ہے (سب کفار اور بعض گناہگار مؤمنوں کیلئے) اور (قبر میں) منکر و نکیر (جو کہ فرشتے ہیں) کا سوال کرنا حق ہے کیونکہ ان کے بارے میں احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں آیا ہے اور جنت ودوزخ حق ہیں اور دونوں مخلوق ہیں اور دونوں کیلئے فنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا جنت کے بارے میں فرمان ہے کہ ”

پرہیز گاروں کے لئے تیار رکھی ہے"اور دوزخ کے بارے میں "تیار رکھی ہے کافروں کے لئے" اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ثواب کیلئے (جنت) اور عذاب کیلئے (عذاب) پیدا کیا ہے اور ترازو (اعمال کے تولے جانے کیلئے) حق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلّے بھاری ہوئے وہی مُراد کو پہنچے اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنھوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی اُن زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے"اور بروز قیامت اپنے اعمال ناموں کو پڑھنا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کُھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے"

اللهم اجعلنامن الذين ثقلت موازين حسناتهم ولاتجعلنامن الذين خفت موازين حسناتهم أمين يارحمن بحرمة شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن۔

تشریح

جہمیہ کا ایک گروہ لقیریہ ،بعض معتزلہ اور روافض یہ چاروں گروہ قبر کے عذاب سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ:

وأنكر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض، لأن الميت جماد لا حياة له ولا إدراك، فتعذيبه محال۔[405]

ترجمہ: اور بعض معتزلہاورروافض نے قبر کے عذاب سے انکار کیاہے کیونکہ ان کے نزدیک میت بے جان وبے حس جسم ہوتاہے نہ اس میں حیات ہوتی ہے اورنہ کسی قسم کاادراک لہذااس کوعذاب دینامحال ہے۔

لان الميت جمادبالفتح لاحيوة له ولاادراک وفتعذبيه محال فالنصوص الناطقة به ماولةواجاب الصالحی من المعتزلةوبعض الكراميةوالامام ابن جرير الطبری من اهل السنة بان الميت عذب يعذب بلاحيوة۔[406]

ترجمہ: کیونکہ میت (ایک پتھر کی طرح) بے جان شئے ہے اوراس میں زندگی نہیں ہوتی اورنہ ہی کسی چیز کے ادراک کی صلاحیت ہوتی ہے۔اس لئے اسے عذاب دینامحال ہے پس ان کی تاویل پر نصوص ناطق ہیں اور معتزلہ میں سے صالحہ اور بعض کرامیہ اوراہل سنت میں سے امام جریر طبری نے یہ جواب دیاہے کہ میت کوزندگی عطاکیے بغیر ہی عذاب دیاجاتاہے۔

لایستلزم اعادة الروح فی البدن هذاجواب اشكال اورده المعتزلة مستدلين ادراک الالم واللذة فيمكن ان يحصل بادنى تعلق للروح بالبدن سواء كان الروح فوق السماءالسابعة اومحبوسافی سجين وشبهو اهذاالتعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعة على الارض وعندی فی هذاالجواب بحث وهوان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعادفی الجسدعندالسوال فالجواب بانكار الاعادة غيرموجه وقداجاب المشائخ

---

[405] شرح العقائدالنسفیہ ص ۱۴۱۔

[406] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۳۲۱۔

من ھذہ الآیۃ بوجوہ آخر احدھا ان حیوۃ القبر وان کانت عند السوال باعادۃ الروح فھی حیوۃ ضعیفۃ فجاز ان لا یسمی زالھا موتا۔[407]

ترجمہ: بدن میں روح کا داخل ہونا لازمی نہیں ہے یہ ایک اشکال کا جواب ہے معتزلہ نے ادراک ،درد اور لذت کے دلائل پیش کیے پس ممکن ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق حاصل ہو صحیح بات یہ ہے کہ روح ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے یا سجین میں قید ہے اور ان کے اس شبہ کا تعلق سورج کی شعاعوں کا چوتھے آسمان سے زمین پر واقع ہونے سے ہے اور ہمارے نزدیک اس جواب میں ایک بحث ہے اور اس کے بارے میں احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ بے شک جس وقت (مردے سے) سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح بدن کی طرف لوٹ آتی ہے پس ان کا جواب جو کہ (روح کے لوٹنے) سے انکار ہے یہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور بتحقیق مشائخ کرام نے کئی ایک وجوہات سے (اس بات کا) جواب دیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ قبر میں سوال کے وقت زندگی (ملنا) بھی ایک ضعیف سی زندگی ہی ہے۔ پس اس (زندگی) کے زائل ہونے کو موت کا نام نہ دینا ہی جائز ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

أخبر بها الصادق علي ما نطقت به النصوص, قال الله تعالي: (اَلنَّارُ يعْرَضُونَ عَلَيها غُدُوًّا وَّ عَشِيا وَ يوْمَ تَقُومُ السَّاعَةَ اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) [غافر:46]، وقال الله تعالي: (اُغْرِقُوا فَاُدْخِلُوا نَارًا) [نوح:25]، وقال النبيّ صلّي الله عليه وسلّم: ((استنزهوا عن البول

---

[407] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۲۲۔

فإنّ عامّة عذاب القبر منه))، وقال الله تعالي: (يُثَبِّتُ الله الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ) [إبراهيم:27] نزلت في عذاب القبر۔[408]

ترجمہ: مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے جیسا کہ نصوص ناطق ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "آگ جس پر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی حکم ہو گا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو" اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے" اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ "پیشاب سے بچو کیونکہ زیادہ تر قبر کا عذاب اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔" اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر" یہ آیت قبر کے عذاب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

قبر کے فتنہ سے امن میں رہنے کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

وعن أبى أمامة أن النبيﷺ قال من رابط في سبيل الله أمنه الله من فتنة القبر ۔ رواه الطبراني في الكبير والاوسط۔[409]

---

[408] شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۰۔

[409] مجمع الزوائد للهيثمى ج ۲ ا ص ۲ ۹ ۔شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ٦ ا ۳۔

ترجمہ: حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بتحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر۔[410]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔

ایک گروہ منصوریہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ جنت و دوزخ ایک وہم وخیال اور تصور ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اور معتزلہ کا ایک گروہ ترازو میں اعمال کے تولے جانے سے منکر ہے۔

(والوزن حقّ) لقوله تعالي: (وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ) [الأعراف:8] و((الميزان)) عبارة عمّا يعرف به كيفيّة مقادير الأعمال، والعقل قاصر عن إدراك كيفيّته، وأنكرته المعتزلة؛ لأنّ الأعمال أعراض، وإن أمكن إعادتها لم يمكن وزنها؛ ولأنها معلومة لله تعالي, فوزنها عبث۔ والجواب: أنه قد ورد في الحديث: ((أنّ كتب الأعمال هي التي توزن))، فلا إشكال، وعلي تقدير تسليم كون أفعال الله تعالي معلّلة بالأغراض, لعلّ في الوزن حكمة لا نطّلع عليها، وعدم اطّلاعنا علي الحكمة لا يوجب العبث۔

---

[410] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶۔ سنن الترمذی ج۳ ص ۳۸۶۔ مشکوۃ المصابیح باب الجمعۃ ج ۱ ص ۳۰۵۔

ترجمہ: اور اعمال کا تولا جانا بر حق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور اس دن تول ضرور ہونی ہے" اور میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اعمال کی مقدار جانی جائے گی اور عقل وزن کا طریقہ جاننے سے قاصر ہے اور معتزلہ نے وزنِ اعمال کا اس لئے انکار کیا کہ اعمال عرض ہیں جن کا دوبارہ موجود کیا جانا اگر ممکن بھی ہو تو ان کا وزن کیا جانا ممکن نہیں، اور اس لئے (ان کا انکار کیا) کہ اعمال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں لہذا ان کو وزن کرنا بے فائدہ ہے۔ اور (اس کا) جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے نامہ ہائے اعمال وزن کیے جائیں گے لہذا اب کوئی اشکال نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلل بالاعراض ہونا تسلیم کر لینے کی صورت میں (جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے وزن کرنے میں کوئی ایسی حکمت جس سے ہم واقف نہ ہوں اور ہمارا حکمت سے واقف نہ ہونا اس کے عبث اور بے فائدہ ہونے کو واجب نہیں کرتا۔

عندنا انه لایجب علی اللہ سبحانه شئی و اذاقلنا ان المطیع یستحق الجنة و الکافر یستحق النار ان الاول اهل لفضله و الثانی اهل لعدله۔[411]

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی لازم وضروری نہیں (یعنی نہ تو نیکوکاروں کو جنت دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور نہ گناہگاروں کو جہنم میں ڈالنا اس پر لازم ہے) اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرمانبردار (بندے) جنت کے اور کافر جہنم کے حقدار ہیں تو (اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ) پہلی قسم والے (یعنی تابعدار) اللہ تعالیٰ کے فضل کے اہل ہیں اور دوسرے (یعنی کفار) اللہ تعالیٰ کے عدل کے مستحق ہیں (لہذا اب اشکال نہ رہا)۔

[411] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔

فان شاءعفی عنه ای عن صاحب الکبیرة امابمحض فضله و امابشفاعة و ان شاء عذبه مدة ثم یدخله الجنة۔[412]

ترجمہ: پس اگر (اللہ تعالیٰ) چاہے تو گناہ کبیرہ کرنے والے کو (بھی) بخش دے لیکن یہ بخشش محض اس کے فضل سے ہوگی اور اگر شفاعت بھی ہو تو (اس صورت میں بھی) اگر وہ چاہے تو کچھ مدت کیلئے عذاب دے دے اور پھر (شفاعت کی وجہ سے) جنت میں داخل کر دے۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

ان مکث بعض العصاة فی النار ساعة و بعضهم یوم و بعضهم شهر و بعضهم سنة و اطول مکثهم مدة الدنیا سبعة آلاف سنة۔[413]

ترجمہ: بعض گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں تھوڑے وقت کیلئے ڈالے گا اور بعض کو ایک دن یا مہینہ بھر کیلئے اور بعض کو سال کیلئے اور بعض کی مدتِ جہنم پوری دنیا کے دورانیے کے بھی سات ہزار گنا زیادہ ہوگی۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے ایسے شخص کی تمام نیکیاں بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہے گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا اسی طرح معتزلہ عذاب قبر اور وزنِ اعمال سے بھی منکر ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے علاوہ ازیں ان کے نزدیک زندوں کا مردوں کیلئے دعا یا صدقات و خیرات کرنا کچھ نفع نہیں دیتا اور یہ گروہ ایصال ثواب سے بھی منکر ہے۔

---

[412] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔
[413] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔

فصل نمبر ۱۲

نقربان الله تعالیٰ یحیی هذه النفوس بعدالموت یبعثهم یوما کان مقداره الف سنة للجزاءوالثواب واداءالحقوق لقوله تعالیٰ وَ اَنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴿الحج۷﴾ ولقاءالله لاهل الجنة بلاکیف ولاشبیه ولاجهة وشفاعة محمد ﷺ حق لکل من اهل الجنة وان کان صاحب الکبیرة وعائشة رضی الله تعالیٰ عنها افضل النساء العلمین بعد خدیجة الکبریٰ رضی الله تعالیٰ عنه وهی ام المؤمنین ومطهرة من القذف واهل الجنة فی الجنة خالدون واهل النار فی النار خالدون لقوله تعالیٰ فی حق المؤمنین اولئک اصحب الجنة هم فیها خالدون وفی حق الکافرین اولئک اصحب النار هم فیها خالدون۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز آخرت مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس روز کی مقدار ایک ہزار سال ہے اور یہ کام جزاء و ثواب اور ادائے حقوق کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں" اور اہل جنت کیلئے اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف اور بلا جہت و بلا مشابہت حق ہے اور اہل جنت کیلئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت حق ہے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں اور وہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام مؤمنین کی ماں ہیں اور (زنا کی) تہمت سے پاک ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ جنت میں اور اہل دوزخ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اللہ تعالیٰ کا مومنین کے حق میں فرمان ہے۔ "وہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے" اور اللہ تعالیٰ کا کفار کے بارے میں فرمان ہے کہ "وہ جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے"

تشریح

روافض سے گروہ طیار نکلا ہے یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں اوراس کے قائل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح، اللہ تعالیٰ کی ہی روح ہے۔(نعوذ باللہ من ذلک)[414]

قولہ علیہ الصلوۃ والسلام ان اللہ خلق آدم علی صورتہ اما من المتشابھات واما ان یراد بالصورۃ الصفۃ فان اللہ تعالیٰ خلق آدم علیہ الصلوۃ والسلام حیا عالما قادرا اقدرۃ کاسبۃ۔[415]

ترجمہ: ”حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا مگر یہ بات تنشابہات میں سے ہے صورت سے مراد صفت ہے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا حیات کے ساتھ اور علم کسبی کے ساتھ عالم فرمایا اور قدرت کسبی کے ساتھ قادر فرمایا۔“

اسی طرح روافض کا ایک دوسرا گروہ شریعیہ جو شریع سے منسوب ہے اس گروہ کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانچ آدمیوں کی صورت میں اترا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صورت میں۔[416]

اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی موحد گناہِ کبیرہ کرے تو کافر نہیں ہوتا مگر ایسا کرنے سے وہ ایماندار بھی نہیں رہتا۔ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے واسطے اسے آگ میں ڈالا جاتا ہے اور

---

[414] غنیۃ الطالبین ص ۱۶۸۔
[415] ابو المنتھی ص ۱۵۔
[416] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۶۔

اس گناہِ کبیرہ کے سبب اس کی جتنی نیکیاں ہوتی ہیں وہ سب باطل ہو جاتی ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت بھی اس کے حق میں نہیں ہوتی یعنی وہ اس شفاعت سے محروم رہتا ہے اور اس گروہ کے اکثر لوگ قبر کے عذاب اور میزانِ عدل سے منکر ہیں۔[417]

عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "يشفع يوم القيامة ثلاثة: الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء"[418]

ترجمہ: "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پھر علماء پھر شہداء۔

وجاء في الحديث بعد ذكر شفاعة المؤمنين واخراجهم عن النار كل من عرفوه فيقول الله عز وجل شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون ولم يبق إلا أرحم الراحمين فيقبض قبضة من النار فيخرج منها قوما لم يعملوا خيرا اقط۔[419]

ترجمہ: احادیث میں آیا ہے کہ مؤمنین کیلئے شفاعت اوران کے جہنم سے نکل آنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اور (دوسرے) مؤمنوں نے بھی شفاعت کرلی اب اللہ ارحم الراحمین کے علاوہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں بچا (یعنی اب میری باری ہے) پھر وہ (اللہ تعالیٰ) جہنم سے (ایک کثیر تعداد میں) لوگوں کو نکال دے گا اور جہنم سے

---

[417] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۶۔
[418] سنن ابن ماجہ ج۴ ص ۲۲۴، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۷۱۔
[419] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰۔

ان لوگوں کو بھی آزاد کردے گا جنہوں نے (دنیامیں) کبھی بھی کوئی اچھاکام نہیں کیاہو گا (سوائے کلمہ طیبہ کے)۔

خلافاللمعتزلة فانهم قالوالاشفاعة لتخليص المجرم بل الشفاعة لزيادة ثواب المحسن فقط۔

ترجمہ: معتزلہ کااس میں اختلاف ہے پس بتحقیق یہ لوگ کہتے ہیں کہ مجرم کی خلاصی کیلئے شفاعت نہیں ہے بلکہ شفاعت تو نیکی کرنے والے کے ثواب میں زیادتی کے لئے ہوتی ہے۔

ان النبی ﷺ یسجدیوم القیامة ویشفع لاهل النارفیستجاب شفاعته ویؤمر باخراجهم من النارفیخرجهم حتی لایبقیٰ فیهاالاحکم القرآن علیه بالخلودوتفصیله فی البخاری والمسلم۔[420]

ترجمہ: بتحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قیامت کے دن سجدہ فرمائیں گے اوراہل دوزخ کے لئے شفاعت فرمائیں گے پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی اوران کو دوزخ سے باہر نکالنے کا حکم دیاجائے گاپس سب نکل آئیں گے حتی کہ کوئی بھی باقی نہ رہے گامگروہ کہ جس کے بارے میں قرآن کادوزخ میں داخل ہونے کاحکم ہواوراس کی تفصیل بخاری ومسلم شریف میں موجود ہے۔

[420] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۳۷۷۔رواہ البخاری ومسلم۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یصفُ أهلَ النارِ فیمرُّ بهم الرجلُ من أهلِ الجنةِ فیقولُ الرجلُ منهم یا فلانُ أما تعرفُني؟ أنا الذي سقَیتُک شربةً وقال بعضُهم أنا الذي وهبتُ لک وضوءًا فیشفعُ له فیُدخِلُه الجنةَ۔[421]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاہے اہل دوزخ کی صفوف ہوں گی پس اہل جنت میں سے ایک شخص ان کے سامنے سے گزرے گاتوان (اہل دوزخ) میں سے ایک شخص اس سے کہے گا کہ اے فلاں آپ نے مجھے پہچانامیں وہ شخص ہوں جس نے شربت پلاکر آپ کی پیاس بجھائی تھی اوران (گناہ گاروں) میں سے بعض کہیں گے میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کووضوکیلئے پانی ہبہ کیاتھاپس اس کیلئے وہ شفاعت کرے گاتویہ شخص جنت میں داخل ہوجائے گا۔

والاحادیث فی هذالمعنی ای مغفرة غیرالشرک ولوکبیرة غیرتائب کثیرة کقوله تعالیٰ لاتقنطوامن رحمة اللہ ان اللہ یغفرالذبوب جمیعاشاملة للصغائروالکبائرمع توبة وبدونهاوقوله ان ربک لذومغفرة للناس علی ظلمهم وعن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: قالَ اللهُ تعالى: منْ علمَ أنِّي ذُوقدرةٍعلى مغفرةِالذنوبِ غفرتُ لهُ ولاأبالِي، ما لمْ یشرکْ بِي شیئًا۔[422]

---

[421] محمدالمناوي (ت٨٠٣)، تخریج أحادیث المصابیح٥/٥٢• أخرجه ابن ماجه (٣٦٨٥) بنحوه، وأبویعلى (٤٠٠٦)، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٦٥١١) ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، تخریج مشکاة المصابیح٥/١٩٦• شعیب الأرنؤوط (ت١٤٣٨)، تخریج شرح السنة٤٣٥٣•

[422] السیوطي (ت٩١١)، الجامع الصغیر٦٠٣٦• صحیح۔ شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ٣٦٤۔

ترجمہ: اوراس معنی میں یعنی شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت ہوجانے میں ، چاہے وہ گناہِ کبیرہ ہی ہوں، جن سے توبہ بھی نہ کی ہو، تو(اس بارے میں)احادیث بہت زیادہ وارد ہیں جس طرح طرح اللہ تعالیٰ کافرمان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتاہے۔یہ (بخشش)گناہِ صغیرہ اور کبیرہ چاہے توبہ کے ساتھ ہوں یابغیر توبہ کے سب کو شامل ہے اوراللہ تعالیٰ کافرمان ہے کہ بے شک تیرا رب البتہ بخشش والاہے لوگوں کی بے جاحرکتوں پر بھی۔ اورروایت کیاہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے کہ جس شخص کویہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب قدرت ہے گناہوں پر مغفرت کرنے والاہے اور بخشش فرمادے گا تو کوئی پرواہ نہیں جبکہ شرک نہ کیاہو۔

ایک اور گروہ روافض کاہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاکوبرے الفاظ کے ساتھ یاد کرتاہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاکوخدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہاکے بعد دنیاکی تمام عورتوں سے افضل نہیں مانتاحالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پاکدامن خاتون ہیں جن کی مدح وتوصیف خود قرآن نے سورہ نورمیں فرمائی ہے توجس شخصیت کی تعریف خالق دوجہان بیان فرماتاہو اس خوش نصیب کے بارے میں نازیباالفاظ بیان کرناگمراہی نہیں تواور کیاہوسکتاہے۔

تقسیم فرقہ واسماءفرقہ ومذاھبھافقدظھرلنامن اصول الفرقۃ۔

ترجمہ: فرقوں کی تقسیم اور فرقوں کے نام اوران کے مذاہب بتحقیق ہمارے لئے ان فرقوں کے بنیادی عقائد ظاہر ہوچکے ہیں۔

(۱)الحروریۃ (۲)والقدریۃ (۳)والجھمیۃ

(۴)والمرجئة (۵)والرافضية (۶)والجبرية

وقدانقسمت كل فرقة منهااثنتى عشرة فرقة فصارت اثنتين وسبعين فرقة انقسمت الحروريةاثنتى عشرةفرقهفأولهم۔

ترجمہ:اور بتحقیق ان فرقوں میں سے ہر ایک کو بارہ (۱۲)فرقوں میں تقسیم کیا گیاہے تو اس طرح بہتر (۷۲)فرقے بن جاتے ہیں حروریہ کو بارہ (۱۲)فرقوں پر تقسیم کیا گیا جن میں سے پہلا یہ ہے۔

۱۔الازرقیه:قالوا لانعلم احدامؤمناوكفرو ااهل القبلةالامن دانن بقولهم۔

ترجمہ:ازرقیہ کہتے ہیں کہ ہم (کسی دوسرے فرقے کے لوگوں میں سے)کسی کو بھی مؤمن نہیں سمجھتے اور (سارے)اہل قبلہ نے کفر (اختیار)کیاہے سوائے ان لوگوں کے جو ان (ازرقیہ)کے اقوال (اور عقائد)کے نزدیک ہوں (یعنی جو لوگ، ازرقیہ فرقے کے عقائد کے نزدیک ہیں وہ تو مؤمن ہیں اور اس کے علاوہ سب کافر ہیں۔)(نعوذباللہ من ذلک۔)

۲۔الاباضية:قالوا:من أخذبقولنافهو مؤمن ومن اعرض عنه فهو منافق۔

ترجمہ:اباضیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہمارے قول کو اختیار کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے اس (ہمارے قول)سے منہ موڑا تو وہ منافق ہے۔

۳۔الثعلبية:قالوا ان اللہ عزوجل لم يقض ولم يقدر۔

ترجمہ:ثعلبیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نہ تو قضاء لکھی اور نہ ہی قدر(یعنی تقدیر)۔

۴۔الخازمية:قالوا لاندری ماالايمان والخلق كلهم معذورون۔

ترجمہ: خازمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ ایمان کیا ہے اور ساری مخلوق اس سے معذور ہے۔

۴۔الخلفية: زعموا ان من ترک الجهاد من ذکر او انثی کفر۔

ترجمہ: خلفیہ فرقے کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مردوں یا عورتوں میں سے جس نے جہاد کو ترک کیا (تو اس جہاد کا ترک کرنا) کفر ہے۔

۶۔الکوزية: قالوا: ليس لاحد ان يمس احدا لانه لا يعرف الطاهر من النجس ولا ان يواكله حتی يتوب ويغتسل۔

ترجمہ: کوزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو مس کرے اس لئے کہ وہ طہارت و نجاست میں امتیاز کرنا نہیں جانتا اور (یہ بھی جائز نہیں کہ) وہ اس وقت تک (کچھ) کھائے جب تک توبہ اور غسل نہ کر لے۔

۷۔الکنزية: قالوا: لا يسع احدا ان يعطی ماله احدا لانه ربما لم يكن مستحقا بل يكنزه فی الارض حتی يظهر اهل الحق۔

ترجمہ: کنزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا مال دینے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اکثر اوقات (لینے والا) لینے کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ (دینے والا اپنے مال کو) زمین میں (دفن کرکے) ذخیرہ کرلے حتیٰ کہ اس کو کوئی حقدار مل (تو پھر زمین سے نکال کر اس کے حقدار کو دے دے)۔

۸۔الشراخية: قالوا: لا باس بمس النساء الاجانب لانهن رياحين۔

ترجمہ: شراحیہ کہتے ہیں کہ عورت کو کسی ایک جانب سے مس کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ (عورت) ایک خوشبو کی مانند ہے۔

۹۔الاخنسية: قالوا: لايلحق الميت بعدموته خير ولا شر۔

ترجمہ: اخنسیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ مردے کو مرنے کے بعد خیر وشر لاحق نہیں ہوتا۔

۱۰۔الحكمية: قالوا: من حاكم الى مخلوق فهو كافر۔

ترجمہ: حکمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص مخلوق پر حاکم ہو وہ کافر ہے۔

۱۱۔المعتزلة: قالوا: اشتبه علينا امر علي و معاوية فنحن نتبرا من الفريقين۔

ترجمہ: معتزلہ کہتے ہیں کہ (حضرت) علی اور (حضرت) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معاملہ میں ہمیں اشتباہ ہے اس لئے ہم ان دونوں گروہوں سے بیزار (لاتعلق) ہیں۔

۱۲۔الميمونية: قالوا: لاامام الابرضا اهل محبتنا۔

ترجمہ: میمونیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ محبت کرنے والے لوگوں کی رضامندی کے بغیر کوئی امام نہیں (بن سکتا)۔

انقسمت القدرية اثنتى عشرة فرقه۔

ترجمہ: قدریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔الاحمرية: وهي التي زعمت ان فى شرط العدل من الله ان يملك عباده امورهم ويحول بينهم وبين معاصيهم۔

ترجمہ: احمریہ وہ فرقہ ہے جس کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کیلئے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے امور کا اختیار و ملکیت انہی بندوں کے پاس ہو تا کہ وہ اختیاران بندوں اوران کے گناہوں کے درمیان آڑ بن جائے۔

۲۔الثنویة:وھی التی زعمت ان الخیر من اللہ و الشر من الشیطان۔

ترجمہ: یہ وہ فرقہ ہے جو گمان کرتا ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے۔

۳۔المعتزلة:وھم الذین قالوا بخلق القرآن و جحدوا صفات الربوبیة۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی انکار کیا ہے۔

۴۔الکیسانیة:وھم الذین قالوا لاندری ھذہ الافعال من اللہ او من العباد و لانعلم یثاب الناس بعداو یعاقبون۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا بندوں کی طرف سے اور ہم نہیں جانتے کہ لوگوں کو بعد میں ثواب دیا جائے گا یا عذاب۔

۵۔الشیطانیة:قالوا ان اللہ تعالیٰ لم یخلق الشیطان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا نہیں کیا۔

۶۔الشریکیة:قالوا ان السئیات کلھا مقدرة الا الکفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ کفر کے بغیر باقی سب گناہ اور برائیاں تقدیر میں لکھ دی گئی ہیں۔

۷۔الوھمیة:قالوا لیس لافعال الخلق و کلامھم ذات و لا للحسنة و السئیة ذات۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال اور کلام کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی نیکی اور شر کا کوئی وجود ہے۔

۸۔الزبریة:قالوا کل کتاب نزل من عند اللہ فالعمل بہ حق ناسخا کان او منسوخا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے پس ان کتابوں پر عمل کرنا حق ہے چاہے یہ (کتابیں) ناسخ ہوں یا منسوخ۔

۹۔المسعدیة:زعموا ان من عصی ثم تاب لم تقبل توبتہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں

۱۰۔الناکثیة:زعموا ان من نکث بیعة رسول اللہ ﷺ فلا اثم علیہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بیعت توڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

۱۱۔القاسطیة:تبعوا ابراھیم بن النظام فی قولہ من زعم ان اللہ شئی فھو کافر۔

ترجمہ: قاسطیہ نے اس قول میں ابراہیم بن نظام کی پیروی کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز ہونے کا گمان کرے وہ کافر ہے۔

۱۲۔المتبریة:قالوا لا تقبل اللہ توبة العاصی۔[423]

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

---

[423] المعتمد فی المعتقد معروف بہ رسالہ توریشتی مطبع مظہر العجائب مدراس 1286ھ ترکی چھاپ ص 220۔

انقسمت الجھمیۃ اثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ: جہمیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔المعطلۃ: زعموا ان کل مایقع علیہ وھم الانسان فھو مخلوق وان من ادعی ان اللہ یری فھو کافر۔

ترجمہ: معطلۃ کا خیال ہے کہ انسان پر جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اوران کا یہ بھی گمان ہے کہ جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھا جائے گا(یعنی نظر آئے گا)تو(اس طرح کہنے والا)کافر ہو جائے گا۔

۲۔المریسیۃ: قالو اکثر صفات اللہ تعالیٰ مخلوقۃ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔

۳۔الملتزقۃ: جعلو االباری سبحانہ فی کل مکان۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ میں ثابت کرتے ہیں۔

۴۔الواردیۃ: قالو الایدخل النار من عرف ربہ ومن دخلھا لم یخرج منھا ابدا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب کو پہچان لے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو سکتا اور جو شخص دوزخ میں داخل ہو گیا تو وہ اس سے ساری عمر نہیں نکلے گا۔

۵۔الزنادقۃ: قالو الیس لاحد ان نثبت لنفسہ ربالان الاثبات لایکون الابعدادراک الحواس ومالایدرک لایثبت۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ ہم اپنے لئے رب کو ثابت کریں کیونکہ کسی چیز کو ثابت کرنا جو اس کے ادراک کے بعد ہی ممکن ہے(پہلے ممکن نہیں)اور جس چیز کا ادراک نہ ہو وہ ثابت نہیں کی

جاسکتی (مقصد یہ کہ چونکہ انسان اپنے ظاہری حواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتا اس لئے جائز نہیں کہ وہ ادراک کے بغیر رب کو ثابت کرتا پھرے)(نعوذ باللہ من ذلک۔)

٦۔الحرقية: زعموا ان الكافر تحرقه النار مرة واحدة ثم يبقى محترقا ابدا لا يجد حر النار۔

ترجمہ: ان کا گمان (عقیدہ یہ) ہے کہ کافر صرف ایک ہی دفعہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور پھر وہ ہمیشہ جلی ہوئی حالت میں رہے گا (لیکن) آگ کی حرارت کو محسوس نہیں کرے گا۔

٧۔المخلوقية: زعموا ان القرآن مخلوق۔

ترجمہ: ان کا گمان ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

٨۔الفانية: زعموا ان الجنة والنار ی فنیان و منهم من قال لم یخلقا۔

ترجمہ: ان کا خیال ہے کہ جنت ودوزخ (بھی ہمیشہ کیلئے) فنا ہو جائیں گی اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ یہ (جنت ودوزخ) پیدا ہی نہیں کی گئیں (یا یہ کہ دونوں مخلوق نہیں بلکہ ازلی ہیں) (نعوذ باللہ من ذلک)

٩۔العبدية: جحدوا الرسل وقالوا انما هم حكماء۔

ترجمہ: انہوں نے رسل سے انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہ (رسول نہیں بلکہ) حکماء تھے۔

١٠۔الواقفية: قالوا لا نقول ان القرآن مخلوق ولا غير مخلوق۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہم نہ (تو) قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق (یعنی ازلی) ہونے کا۔

١١۔القبرية: ينكرون عذاب القبر والشفاعة۔

ترجمہ: یہ قبر کے عذاب اور شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔

۱۲۔اللفظیة:قالوا الفظنابالقرآن مخلوق۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قرآن کریم کو تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

انقسمت المرجیةاثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ: مرجیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔التارکیة:قالوا لیس للہ تعالیٰ علی خلقه فریضة سوی الایمان به فمن أمن به فلیفعل ماشاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور کچھ فرض نہیں ہے پس جو شخص (اللہ تعالیٰ) پر ایمان لے آئے تو وہ جو چاہے، کرے۔

۲۔السائبیة:قالوا ان اللہ تعالیٰ سیب خلقه لیفعلوا ماشاؤا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو کھلا چھوڑ دے گا تا کہ جو اس کے دل میں آئے سو کرے۔

۳۔الراجیة:قالوا لایسمی الطائع طائعاولاالعاصی عاصیالانالاندری ماله عنداللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ تابع کو تابع اور گناہ گار کو گناہ گار کا نام نہیں دینا چاہیئے اس لئے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسے ہیں۔

۴۔السالبیة:قالوا الطاعة لیست من الایمان۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اطاعت ایمان کا حصہ نہیں ہے۔

۵۔البهيشية:قالواالايمان علم ومن لايعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فهو كافر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک علم (کانام) ہے اور جو شخص حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے جدا نہ سمجھے تو وہ کافر ہے۔

۶۔العملية:قالوا الايمان عمل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

۷۔المنقوصية:قالوا الايمان لايزيدو لاينقص۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ تو زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کم۔

۸۔المستثنية:قالوا الاستثناءمن الايمان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ استثناء ایمان میں سے ہے۔

۹۔المشبهة:قالوا بصر كبصرويدكيد۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اس طرح ہے جس طرح ہمارا دیکھنا اور اس کا ید اس طرح ہے جس طرح کہ ہمارا ہاتھ ہے۔

۱۰۔الحشوية:قالواحكم الاحاديث كلهاواحدفعندهم ان تارك لنفل كتارك الفرض۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری احادیث کا حکم ایک ہی حدیث کی طرح ہے پس ان لوگوں کے نزدیک نفل کو ترک کرنے والا اس طرح (گناہ گار) ہے جس طرح فرض کو ترک کرنے والا۔

۱۱۔الظاھریۃ:الذین نفوا القیاس۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

۱۲۔البدعیۃ:اول من ابتدع ھذہ الاحادیث فی ھذہ الامۃ۔

ترجمہ: یہ وہ گروہ ہے جس نے سب سے پہلے اس امت میں بدعات کو پیدا کیا۔

انقسمت الرافضیۃ اثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ: روافض کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔العلویۃ:قالوا ان الرسالۃ کانت الی علی وان جبریل أخطاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ رسالت (حضرت) علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجی گئی تھی لیکن (حضرت) جبرائیل علیہ السلام نے خطا (غلطی) کر ڈالی (اور رسالت، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دے ڈالی) (نعوذ باللہ من ذلک)

۲۔الامریۃ:قالوا ان علیا شریک محمد ﷺ فی امرہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ امر رسالت میں شریک تھے۔

۳۔الشیعۃ:قالوا ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیّ رسول اللہ ﷺ وولیہ من بعدہ وان الامۃ کفرت بمبایعۃ غیرہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وصی ہیں اور ان کے بعد ان کے ولی ہیں اور یہ امت ان (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے علاوہ دوسرے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ بیعت کر کے کافر ہو گئی۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

۴۔الاسحاقیة:قالوا ان النبوة متصلة الی یوم القیامة و کل من یعلم علم اهل البیت فهو نبی۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ نبوت ،قیامت تک (جاری) رہے گی اوراہل بیت میں سے جو(شخص زیادہ)عالم ہو گا،وہ نبی ہو گا۔(نعوذباللہ من ذلک)

۵۔الناووسیة:قالوا علی افضل الامة فمن فضل غیره فقد کفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری امت میں سے افضل ہیں پس جس نے (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بغیر کسی اور کو افضل جاناتو بتحقیق وہ کافر ہے۔

۶۔الامامیة:قالوا لایمکن ان تکون الدنیابغیر الامام من ولدالحسین وان یعلمه جبرائیل علیه الصلوة والسلام فاذامات بدل غیره مکانه۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے کسی (شخص) کے بغیر دنیاکاوجود (باقی) رہنا ممکن نہیں ہے اور ایسے شخص کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام علم سکھاتے ہیں توجب ایسا شخص فوت ہو جاتاہے توکوئی دوسرا اس کی جگہ مقرر ہو تا ہے۔

۷۔الزیدیة:قالوا ولدالحسین کلهم أئمة فی الصلوات فمتی وجدمنهم احدلم تجز الصلاة خلف غیرهم برّهم وفاجرهم۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد نماز میں سب ائمہ کے امام ہیں پس جس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو توکسی دوسرے کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اگرچہ وہ نیکوکار ہو یابدکار۔

۸۔العباسیة:زعموا أن العباس کان أولی بالخلافة من غیره۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخلوق سے خلافت کے معاملے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ اہل تھے۔

۹۔التناسخیة:قالوا الارواح تتناسخ فمن کان محسنا خرجت روحه فدخلت فی خلق یسعد بعیشه۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ارواح تناسخ کرتی ہیں پس جو شخص نیکوکار ہو جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی روح مخلوق میں سے کسی شخص میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر اس کی زندگی صحیح گزرتی ہے۔

۱۰۔الرجعیة:زعموا ان علیا و أصحابه یرجعون الی الدنیا و ینتقمون من اعدائهم۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی اوران کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مرنے کے بعد) اس دنیا میں دوبارہ آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

۱۱۔اللاعنة:یلعنون عثمان و طلحة و الزبیر و المعاویة و أباموسیٰ و عائشة و غیرهم۔

ترجمہ: یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من شرورهم)

۱۲۔المتربصة:تشبهوا بزیّ النساک و نصبوا فی کل عصر رجلاً ینسبون الیه الامر یزعمون أنه مهدی هذه الامة فاذا مات نصبوا الاخر۔

ترجمہ: یہ (اپنے آپ کو دودھ پیتے) بچے کی طرح خیال کرتے ہیں اور ہر زمانے میں ایک شخص کو (ایسے) متعین کرتے ہیں کہ تمام امور کو اس کے ساتھ منسوب کرتے ہیں (یعنی اسے ہر معاملہ میں

اپنا حاکم تصور کرتے ہیں)اوراس شخص کواس امت کے مہدی ہونے کاگمان رکھتے ہیں اور جب وہ مر جاتاہے تواس کی جگہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کرلیتے ہیں۔

انقسمت الجبریۃاثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ: جبریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیاگیاہے۔

۱۔المضطریۃ: قالو الافعل للآدمی بل اللہ یفعل الکل۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کاکوئی فعل نہیں بلکہ فاعل کل اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔الافعالیۃ: قالو النا أفعال ولکن لاأستطاعۃ لنافیھا وانمانحن کالبھائم نقاد بالجبل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ افعال توہمارے ہی ہیں لیکن ان افعال (کے ادا کرنے میں) ہمیں طاقت واستطاعت حاصل نہیں ہے اور(ہماری حیثیت ایسی ہے گویا)ہم حیوانات ہیں جن کے گلے میں نکیل ہے(مطلب یہ کہ جس طرح حیوانات نکیل کے ساتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی کے ساتھ کچھ بھی نہیں کرسکتے ایسے ہی انسان بھی بے اختیار ہے)۔

۳۔المفروغیۃ: قالوا کل الاشیاء قدخلقت والآن لایخلق شئی۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام اشیاء(پہلے سے)پیدا کر دی گئی ہیں۔اب پیدا نہیں ہوتیں۔

۴۔النجاریۃ: زعمت ان اللہ تعالیٰ یعذب الناس علی فعلہ لاعلی فعلھم۔

ترجمہ : ان کاگمان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کواس کے اپنے فعل پرعذاب دیتاہے نہ کہ دوسرےلوگوں کے فعل کی وجہ سے۔

۵۔المنانیۃ: قالوا علیک بمایخطر بقلبک فافعل ماتوسمت منہ الخیر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ آپ پر وہ کام لازم ہے جس کا آپ کے دل میں خدشہ ہو (لیکن) آپ کو ایسے کام کرنے چاہئیں جن سے آپ کو خیر پہنچ سکے۔

٦۔الکسبیة: قالوا لا یکتسب العبد ثوابا ولا عقابا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندہ نہ تو ثواب کا کسب کر سکتا ہے اور نہ ہی عذاب کا۔

٧۔السابقیة: قالوا من شاء فلیعمل ومن شاء فلا یعمل فان السعید لا تضرہ ذنوبہ والشقی لا ینفعہ برہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو چاہے، وہ عمل کرلے اور جو (نہ) چاہے وہ نہ کرے کیونکہ (جو) نیک بخت ہوگا اسے اس کا گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو بد بخت ہوگا اسے اس کی نیکی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

٨۔الحبیة: قالوا من شرب کاس محبة اللّٰہ تعالیٰ سقطت عنہ عبادة الارکان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا پیالہ پی لیا تو اس سے عبادت کے ارکان ساقط ہو جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

٩۔الخوفیة: قالوا من احب اللّٰہ تعالیٰ لم یسعہ ان یخافہ لان الحبیب لا یخاف حبیبہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرلی، اسے کسی قسم کا خوف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ دوست اپنے دوست سے خوف نہیں رکھتا۔

١٠۔الفکریة: قالوا من ازداد علما اسقط عنہ بقدر ذلک من العباد۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندوں میں سے جس کا علم زیادہ ہوا اس سے قدرت ساقط ہو جاتی ہے۔

١١۔الخشبیة: قالوا الدنیا بین العباد سواء لا تفاضل بینھم فیما ورثھم ابوھم آدم۔

ترجمہ : یہ کہتے ہیں کہ دنیا، بندوں کے درمیان برابر برابر (تقسیم) ہوئی ہے (یعنی) ان (بندوں) کے جد اعلیٰ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ وراثت ان کیلئے چھوڑدی ہے اس میں سے کسی ایک کو دوسرے سے فالتو چیز نہیں مل سکتی (بلکہ سب کو برابر برابر حصہ ملتا ہے)۔

۱۲۔المنية:قالوا امنا الفعل ولنا الاستطاعة۔

ترجمہ : یہ کہتے ہیں کہ فعل (بھی) ہم سے ادا ہوتا ہے اور استطاعت بھی ہمیں (ہی) دی گئی ہے۔[424]

قال أبو الفرج الجوزي: فإن قيل هذه الفرق معروفة، فالجواب أنا نعرف الافتراق وأصول الفرق وأن كل طائفة من الفرق انقسمت إلى فرق، وإن لم نحط بأسماء تلك الفرق ومذاهبها، فقد ظهر لنا من أصول الفرق الحرورية والقدرية والجهمية والمرجئة والرافضة والجبرية۔

وقال بعض أهل العلم: أصل الفرق الضالة هذه الفرق الست، وقد انقسمت كل فرقة منها اثنتي عشرة فرقة، فصارت اثنتين وسبعين فرقة۔

انقسمت الحرورية اثنتي عشرة فرقة، فأولهم الازرقية - قالوا: لا نعلم أحدا مؤمنا، وكفروا أهل القبلة إلا من دان بقولهم۔

والاباضية- قالوا: من أخذ بقولنا فهو مؤمن، ومن أعرض عنه فهو منافق۔

والثعلبية- قالوا: إن الله عز وجل لم يقض ولم يقدر۔

والخازمية- قالوا: لا ندري ما الايمان، والخلق كلهم معذورون۔

والخلفية- زعموا أن من ترك الجهاد من ذكر أو أنثى كفر۔

---

[424] الجامع لاحكام القرآن تفسير القرطبی ج4ص158تا160۔

والكوزية - قالوا: ليس لاحد أن يمس أحدا، لانه لا يعرف الطاهر من النجس ولا أن يؤاكله حتى يتوب ويغتسل۔

والكنزية-قالوا: لا يسع أحدا أن يعطي ماله أحدا، لانه ربما لم يكن مستحقا بل يكنزه في الارض حتى يظهر أهل الحق۔

والشمراخية-قالوا: لا بأس بمس النساء الاجانب لانهن رياحين۔

والاخنسية-قالوا: لا يلحق الميت بعد موته خير ولا شر۔

والحكمية-قالوا: من حاكم

إلى مخلوق فهو كافر۔

والمعتزلة-قالوا: اشتبه علينا أمر علي ومعاوية فنحن نتبرأ من الفريقين۔

والميمونية-قالوا: لا إمام إلا برضا أهل محبتنا۔

وانقسمت القدرية اثنتي عشرة فرقة: الاحمرية-وهي التي زعمت أن في شرط العدل من الله أن يملک عباده أمورهم، ويحول بينهم وبين معاصيهم۔

والثنوية-وهي التي زعمت أن الخير من الله والشر من الشيطان۔

والمعتزلة-وهم الذين قالوا بخلق القرآن وجحدوا [صفات] الربوبية۔

والكيسانية وهم الذين قالوا: لا ندري هذه الافعال من الله أو من العباد، ولا نعلم أيثاب الناس بعد أو يعاقبون۔

والشيطانية-قالوا: إن الله تعالى لم يخلق الشيطان۔

والشريكية-قالوا: إن السيئات كلها مقدرة إلا الكفر۔

والوهمية-قالوا: ليس لافعال الخلق وكلامهم ذات، ولا للحسنة والسيئة ذات۔

والزبرية-قالوا: كل كتاب نزل من عند الله فالعمل به حق، ناسخا كان أو منسوخا۔

والمسعدية-زعموا

أن من عصى ثم تاب لم تقبل توبته والناكثية - زعموا أن من نكث بيعة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا إثم عليه والقاسطية - تبعوا إبراهيم بن النظام في قوله: من زعم أن الله شيء فهو كافر۔

وانقسمت الجهمية اثنتي عشرة فرقة: المعطلة - زعموا أن كل ما يقع عليه وهم الانسان فهو مخلوق۔

وإن من أدعى أن الله يرى فهو كافر۔

والمريسية قالوا: أكثر صفات الله تعالى مخلوقة۔

والملتزقة - جعلوا الباري سبحانه في كل مكان۔

والواردية - قالوا لا يدخل النار من عرف ربه، ومن دخلها لم يخرج منها أبدا والزنادقة - قالوا: ليس لاحد أن يثبت لنفسه ربا، لان الاثبات لا يكون إلا بعد إدراک الحواس، وما لا يدرک لا يثبت۔

والحرقية - زعموا أن الكافر تحرقه النار مرة واحدة ثم يبقى محترقا أبدا لا يجد حر النار۔

والمخلوقية - زعموا أن القرآن مخلوق۔

والفانية - زعموا أن الجنة والنار يفنيان، ومنهم من قال لم يخلقا۔

والعبدية - جحدوا الرسل وقالوا إنما هم حكماء۔

والواقفية - قالوا: لا نقول إن القرآن مخلوق ولا غير مخلوق۔

والقبرية - ينكرون عذاب القبر والشفاعة۔

واللفظية - قالوا لفظنا بالقرآن مخلوق۔

وانقسمت المرجئة اثنتي عشرة فرقة: التاركية - قالوا ليس لله عزوجل على خلقه فريضة سوى الايمان به، فمن آمن به فليفعل ما شاء۔

والسائبية-قالوا:إن الله تعالى سيب خلقه ليفعلوا ما شاءوا۔

والراجية - قالوا: لا يسمى الطائع طائعا ولا العاصي عاصيا، لانا لا ندري ما له عند الله تعالى۔

والسالبية-قالوا:الطاعة ليست من الايمان۔

والبهيشية - قالوا: الايمان علم ومن لا يعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فهو كافر۔

والعملية-قالوا:الايمان عمل۔

والمنقوصية-قالوا:الايمان لا يزيد ولا ينقص۔

والمستثنية-قالوا:الاستثناء من الايمان۔

والمشبهة-قالوا:بصر كبصر ويد كيد۔

والحشوية - قالوا: حكم الاحاديث كلها واحد، فعندهم أن تارک النفل كتارک الفرض۔

والظاهرية-الذين نفوا القياس۔

والبدعية-أول من ابتدع هذه الاحداث في هذه الامة۔

وانقسمت الرافضة اثنتي عشرة فرقة: العلوية - قالوا: إن الرسالة كانت إلى علي وأن جبريل أخطأ۔

والامرية-قالوا:إن عليا شريک محمد في أمره۔

والشيعة - قالوا: إن عليا رضي الله عنه وصي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووليه من بعده، وإن الامة كفرت بمبايعة غيره۔

والاسحاقية - قالوا: إن النبوة متصلة إلى يوم القيامة، وكل من يعلم علم أهل البيت فهو نبي۔

والناووسية-قالوا:علي أفضل الامة، فمن فضل غيره عليه فقد كفر۔

والامامية-قالوا: لا يمكن أن تكون الدنيا بغير إمام من ولد الحسين، وإن الامام يعلمه جبريل عليه السلام، فإذا مات بدل غيره مكانه۔

والزيدية-قالوا: ولد الحسين كلهم أئمة في الصلوات، فمتى وجد منهم أحد لم تجز الصلاة خلف غيرهم، برهم وفاجرهم۔

والعباسية-زعموا أن العباس كان أولى بالخلافة من غيره۔

والتناسخية-قالوا:الارواح تتناسخ، فمن كان محسنا خرجت روحه فدخلت في خلق يسعد بعيشه۔

والرجعية-زعموا أن عليا وأصحابه يرجعون إلى الدنيا، وينتقمون من أعدائهم۔

واللاعنة - يلعنون عثمان وطلحة والزبير ومعاوية وأبا موسى وعائشة وغيرهم

والمتربصة-تشبهوا بزي النساک ونصبوا في كل عصر رجلا ينسبون إليه الامر، يزعمون أنه مهدي هذه الامة، فإذا مات نصبوا آخر۔

ثم انقسمت الجبرية اثنتي عشرة فرقة: فمنهم المضطرية-قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔

والافعالية-قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔

والمفروغية-قالوا: كل الاشياء قد خلقت، والآن لا يخلق شئ۔

والنجارية-زعمت أن الله تعالى يعذب الناس على فعله لا على فعلهم۔

والمنانية-قالوا:

عليک بما يخطر بقلبک، فافعل ما توسمت منه الخير۔

والكسبية-قالوا: لا يكتسب العبد ثوابا ولا عقابا۔

والسابقية- قالوا: من شاء فليعمل ومن شاء [ف] - لا يعمل، فإن السعيد لا تضره ذنوبه والشقي لا ينفعه بره۔

والحبية- قالوا: من شرب كأس محبة الله تعالى سقطت عنه عبادة الاركان۔

والخوفية- قالوا: من أحب الله تعالى لم يسعه أن يخافه، لان الحبيب لا يخاف حبيبه۔

والفكرية- قالوا: من أزداد علما أسقط عنه بقدر ذلک من العبادة۔

والخشبية- قالوا: الدنيا بين العباد سواء، لا تفاضل بينهم فيما ورثهم أبوهم آدم۔

والمنيه- قالوا: منا الفعل ولنا الاستطاعة۔[425]

ولایت حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

وكثير من الصوفية قدس الله تعالى أسرارهم يشير إلى القول بخلافته كرم الله تعالى وجهه بعد الرسول عليه الصلاة والسلام بلا فصل أيضا إلا أن تلك الخلافة عندهم هي الخلافة الباطنة التي هي خلافة الإرشاد والتربية والإمداد والتصرف الروحاني لا الخلافة الصورية التي هي عبارة عن إقامة الحدود الظاهرة وتجهيز الجيوش والذب عن بيضة الإسلام ومحاربة أعدائه بالسيف والسنان، فإن تلک عندهم على الترتيب الذي وقع كما هو مذهب أهل السنة، والفرق عندهم بين الخلافتين كالفرق بين القشر واللب، فالخلافة الباطنة لب الخلافة الظاهرة، وبها يذب عن حقيقة الإسلام، وبالظاهرة يذب عن صورته، وهي مرتبة القطب في كل عصر، وقد تجتمع مع الخلافة الظاهرة كما اجتمعت في علي كرم الله تعالى وجهه أيام إمارته، وكما تجتمع في المهدي أيام ظهوره، وهي والنبوة رضيعا ثدي، وإلى ذلک الإشارة بمايروونه عنه عليه الصلاة والسلام من قوله: «خلقت أنا وعلي من نور واحد»

وكانت هذه الخلافة فيه كرم الله تعالى وجهه على الوجه الأتم۔

ومن هنا كانت سلاسل أهل الله عز وجل منتهية إليه إلا ما هو أعز من بيض الأنوق، فإنه ينتهي إلى الصديق رضي الله تعالى عنه كسلسلة ساداتنا النقشبندية نفعنا الله تعالى بعلومهم،

---

[425] تفسير القرطبی ج4ص164۔

ومع هذا ترد عليه كرم الله تعالى وجهه أيضا، وبتقسيم الخلافة إلى هذين القسمين جمع بعض العارفين بين الأحاديث المشعرة أو المصرحة بخلافة الأئمة الثلاثة رضي الله تعالى عنهم بعد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم على الترتيب المعلوم، وبين الأحاديث المشعرة أو المصرحة بخلافة الأمير كرم الله تعالى وجهه بعده عليه الصلاة والسلام بلا فصل، فحمل الأحاديث الواردة في خلافة الخلفاء الثلاثة على الخلافة الظاهرة، والأحاديث الواردة في خلافة الأمير كرم الله تعالى وجهه على الخلافة الباطنة ولم يعطل شيئا من الأخبار، وقال بحقيقة خلافة الأربعة رضي الله تعالى عنهم أجمعين۔[426]

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (المائدة ۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے۔

یہ آیت اکثر محدثین کے نزدیک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔

کفار کی قسمیں

جان لو! ہر کافر اللہ عزوجل کا دشمن ہے اور کافروں کی کئی قسمیں ہیں اللہ عزوجل ہر قسم کے کافر اور کفر سے بچائے۔

آمین۔ بحرمۃ سید انبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۱) کافر کی دو قسمیں ہیں:

اول: کافر اصلی دوم: کافر مرتد

---

[426] روح المعانی۔

کافر اصلی:

وہ ہے جو شروع سے کافر اور کلمہ اسلام کا منکر ہے یہ بھی دو قسم کے ہیں ایک مجاھر دوسرے منافق، مجاہر وہ کافر ہے کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو اور منافق وہ کافر ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھتا ہو اور دل میں منکر ہو یہ قسم حکم آخرت میں سب اقسام میں سے بدتر ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔(النساء۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔

کافر مجاہر کی چار قسمیں ہیں:

اول: دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔

دوم: مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اوروں کو معبود جانتا ہے جیسے کہ ہندو بت پرست اور آریہ خود پرست کہ وہ روح اور مادہ کو معبود تو نہیں مگر قدیم اور غیر مخلوق جانتے ہیں۔ دونوں مشرک ہیں

سوم، مجوس آتش پرست چہارم، کتابی، یہود و نصارٰی۔

کافر مرتد:

وہ کافر ہے کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول: مرتد، مجاہر، دوم: مرتد منافق۔

مرتد منافق:

وہ کافر ہے کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی شئے کا منکر ہو جیسے آج کل کے وہابی، دیوبندی، رافضی، قادیانی، پنج پیری، جماعت المسلمین، چکڑالوی وغیرہ حکم دین میں سب سے بدتر کافر مرتد ہیں اور مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہیں۔ یہی ہے کہ ان کی صحبت کی ہزار کافروں کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔[427]

اب قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ان کا بیان اور ان پر احکام ملاحظہ ہوں:

آیت قرآن (۱)

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔ (المنفقون ۱)

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

---

[427] افادات رضویہ، احکام المبین علی الکفار و المرتدین ص ۴۔

آیت قرآن (۲)

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (التوبة ٥٦)

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں ان منافقین کا کلمہ پڑھنا اور قسمیں کھانا ہر گز موجب اسلام نہ ہو بلکہ اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے ہونے کی گواہی دی اور صاف فرمادیا کہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔

آیت قرآن (۳)

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (التوبة ۷۴)

اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔

ان جریر وطبرانی وابوالشیخ وابن مردویہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ایک پیڑ کے سائے میں تشریف فرماتھے، ارشاد فرمایاعنقریب ایک شخص آئے گا کہ تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کر نجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہو وہ گیا اور اپنے رفیقوں کو بلا لایا سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا نہ کہا، اس پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ "اللہ

کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔"

دیکھو! اللہ عزوجل گواہی دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا لفظ کلمہ کفر ہے اور اس کا کہنے والا اگرچہ لاکھ مسلمانی کا مدعی ہو، کروڑ بار کا کلمہ گو ہو، کافر ہو جاتا ہے۔[428]

آیت قرآن (۴)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُنَ (65) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ۔ (التوبة ۶۵-۶۶)

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

ابن ابی شیبہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں:

انه قال فی قوله تعالیٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ۔ قال رجل من المنافقين يحدثنا محمد ان ناقة فلان بوادی كذا وما يدريه بالغيب۔

یعنی کسی شخص کی اونٹنی گم ہو گئی اس کی تلاش تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے اس پر ایک منافق بولا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) غیب کیا جانیں؟ اس پر اللہ

[428] ماخوذ حسام الحرمین۔

عزوجل نے یہ آیات کریمہ اتاریں کہ کیااللہ تعالیٰ اوررسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے ٹھٹھا کرتے ہو بہانے نہ بناؤتم مسلمان کہلا کراس لفظ کے کہنے سے کافر ہو گئے۔

دیکھو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصر ج۱۰ص۱۰۵ اور در منثور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ج۳ص۲۵۴۔

ان آیات قرآنیہ وتفاسیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں گستاخی اگرچہ اس قدر ہو کہ وہ غیب کیاجانیں ؟ کرنے سے کافر ہو جاتاہے اوراس کادعویٰ اسلام کام نہیں آتا۔

اللہ عزوجل نے صاف فرمادیا کہ تم بہانے نہ بناؤتم اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔

کفار سے دوستی کرنے والوں کا سنیں

آیت قرآن(۵)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلة ۲۲)

تم نہ پاؤگے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اوراس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یابیٹے یابھائی یاکُنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیااور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں

میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ تعالیٰ یارسول کی جناب میں گستاخی کرے مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہو گا پھر اس کا حکم قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ، بیٹے، بھائی عزیز سب کو گنایا۔

آیت قرآن (٦)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (التوبة ٢٣)

"اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔"

آیت قرآن (٧)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ۔ (الممتحنة ١)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

آیت قرآن (٨)

تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ۔(الممتحنة ۱)

تم انہیں خفیہ پیام محبّت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے وہ بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

آیت قرآن (۹)

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الممتحنة۳)

ہر گز کام نہ آئیں گے تمہیں تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہیں ان سے الگ کر دے گا اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

آیت قرآن (۱۰)

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (المائدة ۵۱)

اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ سے پہلے دو آیات کریمہ میں تو ان سے دوستی کرنے والوں کو ظالم اور گمراہ ہی فرمایا تھا مگر اس آیت کریمہ نے تو بالکل تصفیہ فرمادیا کہ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ بھی انہیں میں سے ہے انہیں کی طرح کافر ہے۔(افاضات رضویہ)

آیت قرآن (۱۱)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔(الممتحنة ۴)

بیشک تمہارے لئے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بیشک ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم تمہارے منکِر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت ظاہر ہوگئی ہمیشہ کے لئے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

آیت قرآن (۱۲)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (الممتحنة ٦)

بیشک تمہارے لئے ان میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو اور جو منھ پھیرے تو بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

اللہ عزوجل تم سے یہ فرمارہاہے کہ جس طرح میرے خلیل اوران کے ساتھ والوں نے کہا کہ میرے لئے اپنی قوم کے صاف دشمن ہوگئے اور تنکاتوڑ کر ان سے جدائی کرلی اور کھل کر کہہ دیا کہ ہم کو تم سے کچھ علاقہ نہیں، ہم تم سے قطعی بیزار ہیں تمہیں بھی ایساہی کرناچاہتے ہیں، یہ تمہارے بھلے کو فرمارہاہے، مانو تو تمہاری خیر ہے نہ مانو تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرواہ نہیں، جہاں وہ میرے دشمن ہوئے تم بھی سہی میں تمام جہاں سے غنی ہوں اور تمام خوبیوں سے موصوف۔

آیت قرآن (۱۳)

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔(الانعام ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔

آیت قرآن (۱۴تا۱۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (١٤) أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (١٥) اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (١٦) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (١٧) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (١٨) اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المجادلة ١٩)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم میں سے نہ ان میں سے وہ دانستہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بیشک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے تو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کے لئے خواری کا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ دیں گے وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بُھلادی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔

آیت قرآن (۲۰)

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (التوبة ۱۲۳)

اے مومنو! جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قتال تمام کافروں سے واجب ہے لیکن قریب والے مقدم ہیں پھر جو ان سے متصل ہوں۔

آیت قرآن (۲۱)

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ (التوبة ۲۹)

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے۔

آیت قرآن (۲۲)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (آل عمران ۲۸)

مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

شان نزول

حضرت عبادہ بن صامت نے جنگ احزاب کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں جو میرے حلیف ہیں ان سے دشمن کے مقابلے میں مدد حاصل کروں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور کافروں کو دوست اور مددگار بنانے کی ممانعت فرمائی۔

آیت قرآن (۲۳)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا (النساء ۱۴۴)

اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لئے صریح حجت کرلو۔یعنی اپنے نفاق کی اور مستحق جہنم بن جاؤ۔(خزائن العرفان)

آیت قرآن (۲۴)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبة ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر و مشرک کی نجات کی دعا کرنا بھی منع ہے۔

آیت قرآن (۲۵)

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة ۸۰)

تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستّر بار ان کی معافی چاہوگے تو اللہ ہرگز انھیں نہیں بخشے گا یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

آیت قرآن (۲۶)

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (التوبة ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میّت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

آیت قرآن (۲۷)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ (المجادلة ۲۰)

بیشک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

آیت قرآن (۲۸)

وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَاتَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (الانعام ٦٨)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

آیت قرآن (۲۹)

وَلَاتَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

آیت قرآن (۳۰)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا (النساء ۱۴۰)

اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک اللہ کافروں اور منافقوں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔(آہ آہ! حرام توسب گناہ ہیں لیکن یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرمارہا ہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی انہیں جیسے ہو۔)

آیت قرآن (۳۰)

وَلِتَصْغَى إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ (الانعام ۱۱۳)

اور اس لئے کہ اس کی طرف انکے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو اُنہیں گناہ کمانا ہے۔

حدیث شریف(۱)

من سمع بالدجال فلینأمنه فو اللہ ان الرجل لیأتیه وھو یحسب انه مؤمن فیتبعه مما یبعث به من الشبھات۔ رواہ ابو داؤد عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنه وعن الصحابة جمیعا۔

جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہنچے گا وہاں اس کے دھوکوں میں پڑکر اس کا پیروہو جائے گا(اسے ابوداؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔)[429]

مسلمانو! کیا دجال ایک اُسی دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے حاشا تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا۔

حدیث شریف(۲)

یکون فی اٰخر الزمان دجّالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلّونکم ولا یفتنونکم۔

آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادانے، توان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ

[429] (سنن ابی داؤد کتاب الملاھم باب خروج الدجال آفتاب عالم پریس لاھور ۲/ ۲۳۷)

کردیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں(اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔)[430]

حدیث شریف(۳)

ایاک وقرین السوء فانک بہ تعرف۔ رواہ ابن عساکر عن انس بن مالک رضی اﷲ تعالٰی عنہ۔

برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہو گا(اسے ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔)[431]

حدیث شریف(۴)

مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ماشئی ادل علی الشئی ولاالدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب ۔ ذکرہ التیسیر۔

[430](صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰)
[431](کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۴۸۴۴ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/ ۴۳)

کوئی چیز دوسری پر اور نہ دھواں آگ پر اس سے زیادہ دلالت کرتا ہے جس قدر ایک ہمنشین دوسرے پر (اس کو تیسیر میں ذکر کیا گیا۔)[432]

حدیث شریف (۵)

اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل ۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔

آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کرو (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[433]

حدیث شریف (۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولوا للمنافق یاسید فانه ان یکن سیدا فقدا سخطتم ربکم عزوجل۔ رواہ ابوداؤد و النسائی بسند صحیح عن بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

منافق کو "اے سردار" کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہو تو بیشک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا۔ (اس کو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔)[434]

حدیث شریف (۷)

---

[432] (التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ماقبل کے تحت مکتبۃ امام شافعی الریاض السعودیہ ۱/۲۰۲)

[433] (سنن ابوداؤد کتاب الادب باب من یومر ان یجالس آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۳۰۸)

[434] (سنن ابی داؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۳۲۴)

حاکم نے صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان لفظوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اذاقال الرجل للمنافق یاسید فقداغضب ربہ۔** جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے۔[435] جان لو! کہ مؤمن کامل اگر محبت کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور عداوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور یہی عمل عند اللہ تعالیٰ محبوب ہے جس کے بارے میں متعدد احادیث شاہد ہیں۔ مثلاً

حدیث شریف(۸)

أَفْضَلُ الأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ (أحمد، وأبو داود عن أَبِي ذَرٍّ)[436]

تمام عملوں میں سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ عزوجل کے لئے دوستی رکھنا اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے لئے دشمنی رکھنا ہے۔

حدیث شریف(۸)

"من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقداستکمل الایمان"۔[437]

یعنی جس شخص نے کسی کے ساتھ محبت کی تو محض خداعزوجل کے لئے کی، اگر بغض رکھا تو خداعزوجل کے لئے، اگر کسی کو کچھ دیا تو خداعزوجل کے لئے، اگر نہ دیا تو خداعزوجل کے لئے، اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔

---

[435] (مستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۳۱۱/۴)(شعب الایمان حدیث ۴۸۸۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۳۰/۴)

[436] أخرجہ أحمد(146/5، رقم21341)، وأبو داود(198/4، رقم4599). قال المنذری(14/4)

[437] (سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ، الحدیث:4681، ج4، ص290)

حدیث شریف(۹)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے گمراہوں اور بے دینوں کے متعلق حکم فرمایا:

"اذاظھرت البدع او الفتن و سب اصحابی فلیظھر العالم علمه ومن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة اللہ و الملئکة و الناس اجمعین لایقبل اللہ منه صرفاولاعدلا، رواہ ابن ابی الدنیاوالحکیم و الشیرازی و ابن عدی و الطبرانی و البیھقی و الخطیب بھزین حکیم عن جدہ وعن ابیه وھو عن ابیه جدمعویه بن حیدة القشریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه۔"

جب بدمذہبیاں یا فتنے ظاہر ہو ں اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم ایسے وقت اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسانہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول کرے نہ نفل۔

حدیث شریف(۱۰)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں:

اترعوون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بمافیه یحذرہ الناس۔

کیا تم بدکار کا ذکر کرنے سے گھبراتے ہو تو پھر کب لوگ اسے پہچانیں گے، لہٰذا بدکار میں جو کچھ نقائص اور خرابیاں ہیں انہیں بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں۔[438]

---

[438](تاریخ بغداد ترجمہ ۳۴۹ محمد بن احمد الرواطی دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۸۲)(نوادر الاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائة دارصادر بیروت ص ۲۱۳)

حدیث شریف(۱۰)

من اعرض عن صاحب بدعة بغضا له فی اللہ ملا اللہ قلبه امنا و ایمانا و من انتهر صاحب بدعة امنه اللہ تعالیٰ یوم انفرع الاکبر و من اهان صاحب بدعة رفعه اللہ فی الجنة مائة درجة و من سلم علی صاحب بدعة اولقیه بالبشریٰ او استقبله بمایسره فقداستخف بماانزل علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رواه الخطیب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔[439]

جس نے بغض کی بنا پر بدمذہب سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وایمان سے بھر دے گا اور جو شخص کسی بدمذہب کو جھڑکے اللہ تعالیٰ اسے اس بڑی گھبراہٹ کے دن امان دے گا اور جو شخص اہانت کرے کسی بدمذہب کی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائے اور جو شخص کسی بدمذہب کو سلام کرے یا اس سے خوشی کے ساتھ ملے یا اس کے سامنے ایسی بات کرے جس سے اس کا دل خوش ہو اس نے ہلکی جانی وہ چیز جو اتاری گئی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر۔

حدیث شریف(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقداعان علی هدم الاسلام رواه الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن بسر و ابن عساکر و ابن عدی عن ام المؤمنین الصدیقة و ابو نعیم فی الحلیة و الحسن بن سفیان فی مسنده عن معاذ بن جبل و السجزی فی الابانة عن ابن عمر و کابن عدی عن ابن

---

[439](تاریخ بغداد ترجمه ۵۳۷۸ عبدالرحمن بن نافع دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/۲۶۴)

عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین والبیھقی فی شعب الایمان عن ابراھیم بن میسرۃ مرسلا۔[440]

جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی بیشک اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدددی (اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن بسر، ابن عساکر اور ابن عدی نے ام المومنین سیدہ صدیقہ سے، ابونعیم نے حلیہ میں اور حسن بن سفیان نے مسند میں حضرت معاذ بن جبل سے، سجزی نے ابانۃ میں حضرت ابن عمر سے اور ابن عدی کی طرح، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابراہیم بن میسرہ سے اسے مرسلًا روایت کیا ہے۔

حدیث شریف (۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وعند العقیلی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم۔

---

[440] (شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/۶۱) (شکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام والسنۃ فصل سوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ص ۳۱، کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۱۰۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۹) المعجم الاوسط مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حدیث ۶۷۶۸ مکتبۃ المعارض الریاض ۷/۳۹۶) (حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۷ حضرت خالد بن معدان دارالکتب العربی بیروت ۵/۲۱۸)

عقیلی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس نہ بیٹھو، ساتھ پانی نہ پیو، ساتھ کھانا نہ کھاؤ، شادی بیاہ نہ کرو۔[441]

زاد ابن حبان عنہ لاتصلوا علیھم و لاتصلوا معھم۔[442]

ابن حبان نے انھیں کی روایت سے زائد کیا ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔

حدیث شریف (۱۳)

ابو حازم خزاعی اپنے جزء حدیثی میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصحاب البدع کلاب اھل النار۔[443]

بدمذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں۔

حدیث شریف (۱۴)

امام دار قطنی کی روایت یوں ہے:

حدثنا القاضی الحسین بن اسمٰعیل نا محمد بن عبداللہ المخرمی نا اسمعیل بن ابان نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار۔[444]

---

[441] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۶

[442] (کنز العمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۵۴۰)(میزان الاعتدال ترجمہ ۱۲۰۳ بشیر بن عبید اللہ القیصر دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۲۰)

[443] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۰۸۰ دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۲۸)(کنز العمال بحوالہ ابی حاتم الخزاعی حدیث ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸)

[444] (کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی امامہ حدیث ۱۱۲۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳)

قاضی حسین بن اسمعیل نے محمد بن عبد اللہ مخرمی سے انھوں نے اسمعیل بن ابان سے انھوں نے حفص بن غیاث سے انھوں نے اعمش سے انھوں نے ابو غالب سے انھوں نے ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔

حدیث شریف (۱۵)

عن حذیفة بن الیمان:

لا یَقْبَلُ اللہُ لصاحِبِ بدعةٍ صلاةً، ولا صومًا، ولا صدقةً، ولا حَجًّا، ولا عُمْرَةً، ولا جهادًا، ولا صَرْفًا، ولا عَدْلًا، یَخْرُجُ من الإسلامِ، کما تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ من العَجِینِ۔

اللہ تعالٰی کسی بد مذہب کی نہ نماز قبول کرے نہ روزہ نہ زکوۃ نہ حج نہ عمرہ نہ جہاد نہ فرض نہ نفل بد مذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔

حدیث شریف (۱۶)

ابو نعیم حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اهل البدع شر الخلق و الخلیقة۔

بد مذہب لوگ سب آدمیوں سے بد تر اور سب جانوروں سے بد تر ہیں۔[445]

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا:

---

[445] (حلیة الاولیا ترجمہ ابو مسعود موصلی دار الکتاب العربی بیروت ۸/۲۹۱)

الخلق الناس و الخلیقۃ البھائم۔[446]

خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں۔

حدیث شریف(۱۷)

عقیلی وابن حبان انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا واصھارا وسیاتی قوم یسبونھم وینتقصونھم فلا تجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتؤاکلوھم ولاتناکحوھم۔[447]

بیشک اللہ تعالٰی نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب واصہار چُن لئے اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں بُرا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تم اُن کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا نہ کھانا کھانا نہ شادی بیاہ کرنا۔

حدیث شریف(۱۸)

فلاتواکلوھم ولاتشاربوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم۔[448]

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نہ ان کے کھانا کھاؤ نہ پانی پیو نہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔

حدیث شریف(۱۹)

---

[446] (التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماقبل مکتبہ امام شافعی الریاض سعودیہ ۱/ ۳۸۳)

[447] (کتاب الضعفاء الکبیر (۱۲۳) احمدبن عمران الاخنسی مطبوعہ دارالکتب العلمیۃبیروت ۱/ ۱۲۶)

[448] (کنزالعمال الباب الثالث فی ذکر الصحابۃالخ حدیث ۳۲۶۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃبیروت ۱۱/ ۵۴۰)

عن أبي سعيد الخدري: لاتُصاحِبْ إلّا مُؤمِنًا، ولا يأكُلْ طعامَکَ إلّا تَقِيٌّ۔[449]

یعنی مومن کے سوا کسی اور کی صحبت میں نہ بیٹھو اور متقی کے سوا تیری دعوت کا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔

علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مبتدع، تو مبتدع فاسق بھی شرعا واجب اہانت ہے اس کی تعظیم ناجائز ہے ابن شاہین نے کتاب الافراد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاسقوں کے بارے میں روایت کی۔

حدیث شریف (۲۰)

عن عبدالله بن مسعود: تقرّبوا إلى الله ببُغضِ أهلِ المعاصي، والْقَوْهم بوجوهٍ مُكْفَهِرّةٍ، والتَمِسوا رضاالله بسَخَطهم، وتقرَّبوا إلى الله بالتباعُدِ منهم۔

اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کرو فاسقوں کے بغض سے اور ان سے ترش رو ہو کر ملو اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان کی خفگی میں ڈھونڈو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیکی ان کی دوری سے چاہو۔

حدیث شریف (۲۱)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[449] أبو داود (ت ٢٧٥)، سنن أبي داود ٤٨٣٢• الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٢٣٩٥• وأحمد (١١٣٥٥) • ابن حبان (ت ٣٥٤)، صحيح ابن حبان ٥٥٤• البغوي (ت ٥١٦)، شرح السنة ٤٦٨/٦• المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ٨٦/٤• محمد المناوي (ت ٨٠٣)، تخريج أحاديث المصابيح ٣١٧/٤• الهيثمي (ت ٨٠٧)، موارد الظمآن ١١٣٤/٢• السيوطي (ت ٩١١)، الجامع الصغير ٩٧٨٩• محمد جار الله الصعدي (ت ١١٨١)، النوافح العطرة ٤٥٥• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج صحيح ابن حبان ٥٥٤• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج رياض الصالحين ٣٦٦•

عن أنس بن مالک: إذا مُدِحَ الفاسقُ غضبَ الرّبُ و اهتزّ لذلِکَ العرش۔[450] رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة و ابویعلی فی مسندہ و البیھقی فی شعب الایمان عن انس بن مالک و ابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے اسے امام ابن ابي الدنیا نے ذم الغیبۃ، ابو یعلی نے مسند اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

عن سھل بن عبداللہ التستری قدس سرہ من صحح ایمانہ و اخلص توحیدہ فانہ لا یانس الٰی مبتدع و لا یجالسہ و لا یواکلہ و لا یشاربہ و لا یصاحبہ ویظھر من نفسہ العداوہ و البغضاء۔ انتھی،[451]

تم ایسی قوم نہ پاؤ گے جو اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالفوں سے محبت کریں، روح البیان میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا: اللہ ورسول کے مخالف، منافق، یہود، فساق، ظالم، بدعتی لوگ ہیں، اور "نہ پائیں" سے مراد محبت و تعلق

---

[450] ابن حبان (ت ٣٥٤)، المجروحين ٢/٣٣٩ • ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، معرفة التذكرة ٩٦ • ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، ذخيرة الحفاظ ١/٣٦٤ • والخطيب في «تاريخ بغداد» (٨/٤٢٨) الذهبي (ت ٧٤٨)، ميزان الاعتدال ٢/١٠٩ • العراقي (ت ٨٠٦)، تخريج الإحياء ٣/١٩٨ • البوصيري (ت ٨٤٠)، إتحاف الخيرة المهرة ٦/٨٤ • ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، فتح الباري لابن حجر ١٠/٤٩٣ • ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، الإصابة ٤/٥٧ • السخاوي (ت ٩٠٢)، المقاصد الحسنة ٤٨٢ • السخاوي (ت ٩٠٢)، الأجوبة المرضية ٢/٨٨٣ • محمد بن محمد الغزي (ت ١٠٦١)، إتقان ما يحسن ٢/٥٨٤ • العجلوني (ت ١١٦٢)، كشف الخفاء ٢/٣٢٥ • الألباني (ت ١٤٢٠)، تخريج مشكاة المصابيح ٤٧٨٧ • أخرجه أبو يعلى في «معجمه» (١٧١) البيهقي في «شعب الإيمان» (٤٨٨٦) شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج منهاج القاصدين ١٧٦ • (شعب الايمان حديث ۴۸۸۶ باب فی حفظ اللسان مطبوعہ دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۳۰)

[451] (القرآن الكريم ۵۸/۲۲) (روح البيان (التفسير) تحت آية ۵۸/۲۲ المكتبة الاسلامية لصاحبها الحاج الرياض ۹/۲۱۲) (روح البيان للحقی (التفسير) تحت آية ۵۸/۲۲ المكتبة الاسلاميه لصاحبها الحاج الرياض ۹/۲۱۲)

کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اس سے بچنا لازم ہے، بہر حال اس سے باز رہے، ختم ہوا، اور اس میں ہے سہل بن عبد اللہ تستری قدس سرہ، سے منقول ہے کہ صحیح الایمان والا خالص توحید والا شخص نہ بدعتی لوگوں کی رغبت رکھے، نہ ان کے پاس بیٹھے، نہ ان کے ساتھ کھائے، نہ ان کی صحبت میں جائے اور ان سے عداوت وبغض کا مظاہرہ کرے، انتہی۔

ولا یدانیھم اھ۔ حقائق ثم یعقوب چرخی ص ۲۲۔ یعنی کسی بدمذہب وہابی کے نہ تو خود قریب جائیں اور نہ ان کو اپنے قریب چھوڑیں۔

من تحبب الی مبتدع نزع نور الایمان من قلبہ۔اھ۔

یعقوب چرخی ص ۲۲۔ جو مسلمان مؤحد وہابی بدمذہب سے محبت کرے گا اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیا جاتا ہے۔

واذا رأیت مبتدعا فی الطریق فخذ طریقا اخر۔[452]

یعنی جس راستے سے وہابی بدمذہب کو آتے دیکھو اپنا راستہ تبدیل کرو کیونکہ یہ مغضوب ہے یعنی وہ انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا ہے۔ راستہ اس لئے تبدیل کر لو کہ کہیں اس کی قربت سے تو بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں نہ آئے۔

(العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، حصہ نہم)

---

[452] المقاصد السنیۃ ص ۷۹۔

سراج الامۃ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنے شاگردوں کو وصیت کے بیان میں

هذا كتاب الوصية من الامام الاجل الاعظم ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ لاصحابه رضوان الله تعالیٰ عليهم اجمعين لما مرض ابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ قال اعلموا اصحابی و اخوانی وفقكم الله تعالیٰ ان فی مذهب اهل السنة و الجماعة اثنی عشر نوعا من الخصال فمن كان يستقيم علی هذه الخصال لايكون مبتدعا ولايكون صاحب الهواء فعليكم اصحابی و اخوانی ان تكونوا فی هذه الخصال حتی تكونوا فی شفاعة نبينا محمد ﷺ يوم القيامة۔

ترجمہ: جس وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار پڑ گئے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا کہ اے میرے شاگردو! اور اس مذہب کی پیروی کرنے والے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ بتحقیق اہل سنت وجماعت کے مذہب میں بارہ (۱۲) اقسام پر مشتمل عقائد اور اعمال موجود ہیں تو جو شخص ان خصائل (اعمال) پر صحیح طریقے سے گامزن ہو (عمل کر جائے) تو ایسا شخص کبھی بھی دین میں صاحب بدعت اور صاحب ہوا نہیں ہو گا تو اے میرے شاگردو اور بھائیو! آپ پر یہ بات لازم ہے کہ آپ سب ان (۱۲) خصائل کو مظبوطی سے تھامے رکھو تا کہ آپ سب کو بروز قیامت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

خصلت (۱): ان (بارہ خصائل) میں سے پہلی قسم "ایمان" ہے اور ایمان زبان سے اقرار (ان سب امور پر کہ جن پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے عمل فرمایا ہو۔) اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اور صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اگر صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان کہا جاتا تو سارے منافقین، مؤمنین ہوتے اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ

وسلم کو صرف نبوت کے ساتھ پہچاننا(بغیر اقرار اور تصدیق کے) ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر صرف معرفت ایمان ہوتی تو(عصر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں)اہل کتاب سب مؤمنین ہوتے۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حق میں فرمایاہے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتاہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔(یعنی ان کا یہ دعویٰ جھوٹاہے کہ ہم صرف دل کی تصدیق کی وجہ سے مسلمان ہیں)اور(مؤمن بہ چیزوں پر)ایمان پر نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی کمی۔کیونکہ ایمان میں زیادتی، نقصانِ کفر کی صورت میں ہی ممکن ہے اور ایمان میں کمی کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ جب کفر میں اضافہ ہو پس یہ کس طرح جائز ہو گا کہ ایک شخص ایک ہی حالت مومن اور کافر دونوں ہو حقاً(واقع میں)اور مؤمن کے ایمان میں شک نہیں ہے جس طرح کہ کافر کے کفر میں شک نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(ان دونوں گروہوں کے بارے میں)یہ لوگ (مؤمنین) سچے ایمان والے ہیں۔(اور یہ دوسرا گروہ یعنی کافر کہ)یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت میں جو لوگ گناہگار ہیں(گناہ کبیرہ میں ملوث ہیں)وہ سب مؤمنین ہیں کافر نہیں ہیں۔

تشریح: کرامیہ کا ایک گروہ اس عقیدے پر ہے کہ صرف زبان ہی سے اقرار کر لینا کافی ہے دل سے تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ ایک فاسد عقیدہ ہے۔[453]

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان تمام مؤمن بہ چیزوں پر زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایاہے کہ:

عن علي بن أبي طالب الإيمانُ عقدٌ بالقلبِ و إقرارٌ باللسانِ وعملٌ بالأركانِ۔

---

[453](غنیۃ الطالبین ص ۱۷۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ دل کے ساتھ تصدیق ہو اور زبان کے ساتھ اقرار ہو اور ارکان پر عمل ہو۔(لیکن ہمارے نزدیک عمل ایمان کا جزو نہیں ہے)[454]

اوراجماع اس بات پرہے کہ زبان سے اقراراوردل سے تصدیق کرنے کوایمان کہتے ہیں اور گناہ کرنے سے مؤمن ایمان سے خارج نہیں ہوتا،چاہے ایک گناہ بھی ہو البتہ یاتواللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عذاب دے گایااپنے فضل وکرم سے معاف کردے گا۔یہ قول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت ابوالحسن الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاہے۔

اورایک گروہ جہمیہ کاہے جو کہتاہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دل تصدیق کرے اورزبان سے اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نمازدل سے اداکرنی چاہئے ظاہری طورپر نمازاداکرنا فرض نہیں ہے اوراس طرح حج کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ حج بھی دل سے اداکرناچاہئے اس کے ظاہری ارکان اداکرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وذهب بعضهم الى انه يسقط عنه العبادات الظاهرة ويكون عبادته التفكر۔

ترجمہ:(اس گروہ جہمیہ کے)بعض لوگ(اعتقادی طورپر)اس طرف گئے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہوگئی ہیں(یعنی ان کی ضرورت نہیں ہے)اور سوچ و تفکرہی(میں)عبادت ہے۔[455]

یہ گروہ بھی قرآن وحدیث کے مخالف ہے کیونکہ:

---

[454](السيوطي(۹۱۱ھ)،الدرر المنتثرة۳٥•ملاعلي قاري(۱۰۱٤ھ)،الأسرار المرفوعة۱٥۸•الزرقاني(۱۱۲۲ھ)،مختصر المقاصد۲٥٦•ابن ماجه وشرح العقائدالمسمى به نبراس ص ۴۰۱)

[455](شرح العقائدالمسمى به نبراس ص ۵۶۲)

ولقولہ علیہ السلام مَن ترکَ الصلاۃَ متعمدًا فقد کفرَ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑی اس نے یقیناً کفر کیا۔[456]

ایک گروہ جو کہ معتزلہ اور روافض کا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان زیادہ یا کم نہیں ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ:

عن أبي هريرة: جاء وفدُ ثقيفٍ إلى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فقالوا:

"يا رسولَ اللهِ، الإيمانُ يزيدُ وينقُصُ؟ فقال: لا، الإيمانُ مُكمَّلٌ في القلبِ، زيادتُه كفر، ونُقصانُه شِرك"۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آیا ایمان زیادہ یا کم ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (بلکہ) ایمان (بندے کے) دل میں مکمل ہوتا ہے۔ اس (کے بارے) میں زیادہ ہونے کا عقیدہ کفر ہے اور کم ہونے (کا عقیدہ رکھنا) شرک ہے۔[457]

---

[456] (الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ٣/٣٤٣• المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٢٦١• النووي (٦٧٦هـ)، الخلاصة ١/٢٤٨• الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/٣٠٠• ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ٢/٧١٩• الهيتمي المكي (٩٧٤هـ)، الزواجر ١/١٣١• محمد بن محمد الغزي (١٠٦١هـ)، إتقان مايحسن ٢/٤٧٥• محمد جار الله الصعدي (١١٨١هـ)، النوافح العطرة ٣٧١• ابن الملقن (٧٥٠هـ)، خلاصة البدر المنير ١/٢٨٤• العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ١/٢٠١• شرح عقائد المسمى به نبراس ص ٣٥٧)

[457] (أخرجه ابن ماجه (٧٤) مختصراً، والجورقاني في «الأباطيل والمناكير» (١/١٤٤)، وأورده ابن حبان في «المجروحين» (١/٢٨٨) باختلاف يسير، تفسیر سمرقندی ج ۲ ص ۹۹، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۲۰۲، ۱۳۱۳ھ ہجری قمری فی المطبع الهاشمی الواقع فی بلدۃ المیرتھ۔)

معتزلہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان اور شرک ایک شخص میں بیک وقت پائے جاتے ہیں یعنی ایک شخص ایک ہی وقت میں مؤمن بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی۔ مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ بات نصوص میں صراحت کے ساتھ موجود ہے جو کہ متن میں بھی بیان ہو چکی ہے۔

ان الکبیرۃالتی ھی غیر الکفر لاتخرج العبدالمؤمن من الایمان لبقاءالتصدیق الذی ھو حقیقۃالایمان خلافاللمعتزلۃ حیث زعموا ان مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن و لا کافر و ھذاھو المنزلۃبین المنزلتین۔

ترجمہ: یہ کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں (یعنی کفر ان میں شامل نہیں کیونکہ کفر تو اکبر الکبائر ہے) اور مؤمن بندہ ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ (کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود) مؤمن کی تصدیق قلبی تو قائم ودائم ہے جو کہ ایمان کی اساس ہے۔ (اور اس عقیدہ میں) معتزلہ خلاف ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے۔ اور (کفر و ایمان کے درمیان میں) یہی وہ تیسرا درجہ ہے جو وہ دو درجوں کے درمیان ثابت کرتے ہیں۔[458]

لاھل القبلۃفی الایمان مذاھب:

الاول: انہ التصدیق و ھو مذھب الشیخ ابی الحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ و الامام ابی منصور الماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ و فخر الدین الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ و القاضی البیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ و مختار الشارح و جمھور المحققین و الاقرار عندھم شرط لاجراء الاحکام۔

---

[458] (شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۳۵۰ ۱۳۱۳ ھجری قمری فی المطبع الھاشمی الواقع فی بلدۃالمیرتھ۔)

الثانی: انه التصدیق و الاقرار وهومذهب جمهور الفقهاء ومختار المصنف رحمه الله تعالیٰو امامنا الاعظم ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ۔

الثالث: انه التصدیق والاقرار والعمل من اداء المامورات ولو مندوبة وترک المحظورات بحیث یکون ترک العمل کفرا حتی فعل الصغیرة وترک المندوب وینسب الی الخوارج۔

الرابع: کذلک الا ان ترک العمل یخرج عن الایمان و لا یدخل فی الکفر وینسب الی القاضی عبدالجبار وابی الهذیل المعتزلیین و استبعدالشارح فی شرح المقاصدهذین المذهبین وقال الخروج عن الایمان بترک المندوب ممالاینبغی ان یکون مذهب العاقل۔

الخامس: انه التصدیق و الاقرار و العمل من فعل الواجبات وترک المحرمات بحیث یکون ترک الواجب وفعل الحرام مخرجا عن الایمان غیر مدخل فی الکفر و هو مذهب ابی علی الجبائی و ابنه ابی هاشم۔

السادس: انه التصدیق والاقرار بحیث لایکون ترک الطاعة مخرجا عن الایمان وهو مذهب اکثر السلف و منهم مالک رحمه الله تعالیٰو الشافعی رحمه الله تعالیٰو احمد رحمه الله تعالیٰ۔

السابع: انه المعرفة وهومذهب جهم بن صفوان و المعرفة اقل درجة من التصدیق او اعم منه لانها قدتجامع العناد و الانکار۔

الثامن: انه الاقرار فقط وهذا مذهب الکرامیة۔

التاسع: انه الاقرار بشرط المعرفة بحیث یکون الشرط خارجا عن الایمان کالوضوء الخارج عن حقیقة الصلوة وهو مذهب الرقاشی۔

العاشر: انه الاقرار بشرط التصديق الحاصل بالاختيار والكسب وهو مذهب القطان من الاشاعرة هذا ملخص ما نقل عنهم على خلاف الناقلين في بعضها والله سبحانه اعلم۔[459]

ترجمہ: بے شک ایمان میں اہل قبلہ کے مذاہب یہ ہیں۔

اول: تصدیق کرنا یہ حضرت شیخ ابو الحسن اشعری اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی اور حضرت فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی اور مختار شارح اور جمہور محققین رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک اقرار کرنا شرط ہے تاکہ احکام کو اجراء ہو سکے۔

دوم: تصدیق اور اقرار کرنا یہ مذہب جمہور فقہاء اور مصنف اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین نے اختیار کیا ہے۔

سوم: تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا جن پر ہمیں حکم دیا گیا ہے اگرچہ مستحب ہو اور گناہوں کو ترک کرنا اس طرح کہ ترکِ عمل کفر (کے برابر) ہے چاہے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہو یا چاہے مستحبات کو ترک کیا ہو اور یہ بات خوارج کی طرف منسوب ہے۔

چہارم: (تیسرے قول ہی کی طرح ہے) لیکن ساتھ یہ بات بھی ہے کہ عمل کو ترک کرنے سے ایمان خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ بات قاضی عبد الجبار اور ابو ہذیل معتزلین کی طرف منسوب ہے اور شرح مقاصد میں شارح نے ان دو مذاہب سے دوری اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ کسی مستحب عمل کے ترک ہونے سے ایمان خارج ہونا ایسی بات ہے جس کو ایک مذہب تسلیم کر لینا کسی بھی عقلمند شخص کو مناسب نہیں ہے۔

---

[459] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

پنجم: تصدیق اور اقرار اور واجب اعمال پر عمل کرنا اور محرمات کو ترک کرنا (اور وہ بھی) یوں کہ ترک واجب اور حرام کام کا کرنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں کرتا اور یہ ابو علی جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کا مذہب ہے۔

ششم: تصدیق اور اقرار اور عمل، اس طرح کہ اطاعت، فرمانبر داری کا ترک، ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اکثر اسلاف جن میں حضرت امام مالک اور شافعی اور حضرت امام احمد **رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین** شامل ہیں ان کا مذہب ہے۔

ہفتم: معرفت حاصل کرنا یہ جہم بن صفوان کا مذہب ہے اور معرفت کا درجہ تصدیق سے کم ہے یا یہ کہ (معرفت) تصدیق سے زیادہ عام ہے کیونکہ معرفت، عناد و انکار کی جامع ہے۔

ہشتم: اقرار کرنا فقط یہ کرامیہ کا مذہب ہے۔

نہم: معرفت کی شرط پر اقرار کرنا اور وہ ایسے کہ معرفت کی شرط ہونا ایمان کا جزو نہیں ہے جیسے وضو، جو نماز کی شرط تو ہے لیکن نماز کا حصہ نہیں۔ یہ قول رقاشی کا مذہب ہے۔

دہم: تصدیق کی شرط کے ساتھ اقرار کرنا۔ ایسی تصدیق جو اپنے اختیار اور کسب سے حاصل ہو اور یہ قول اشاعرہ میں سے ایک گروہ قطان کا ہے اور یہ تمام بحث وہ خلاصہ و نچوڑ ہے جو عقلاء کے (اقوال کے) خلاف نقل ہوا ہے۔ **واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔**

خوارج اور **روافض** کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

ولاتدخلہ ای العبد المؤمن فی الکفر خلافا للخوارج ھم فرقہ من اھل القبلۃ خرجوا علی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وذلک لان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ

عنه حکمابینهمااباموسی الاشعری وعمرو بن العاص لیسکن الحرب فقالت طائفة من اهل حروراءقریة عندالکوفة ان الفریقین کافران لانهمارضیابحکم غیر الله سبحانه وقال الله تعالیٰ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (یوسف ۴۰،یوسف ۶۷ والانعام۵۷) فقال علی رضی الله تعالی عنه کلمة حق اریدبهاباطل فارسل عبدالله بن عباس الیهم لیکشف شبهتهم فابوا الاّالخروج علیه فی ربّهم حتیٰ قتل اکثرهم وکانوا اثنی عشر الفا وبقی قوم منهم علی مذهبهم وهم فرق کثیرة مجمعون علی تکفیر عثمان رضی الله تعالیٰ عنه وعلی رضی الله تعالیٰ عنه وعائشة وطلحة وزبیر ومعاویة رضی الله تعالیٰ عنهم قداخبر النبی ﷺ بانهم اهل الطاعات الکثیرة ولکن طاعاتهم لاتنفعهم وانهم من اهل النار وان علیا رضی الله تعالیٰ عنه یقاتلهم ویقتلهم۔[460]

ترجمہ: داخل نہیں ہوتا یعنی مؤمن بندہ کفر میں (داخل نہیں ہوتا) خوارج کو اس بات سے اختلاف ہے (اور خوارج) اہل قبلہ سے ایک فرقہ ہے (جو) امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف (لڑنے کیلئے) نکلے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو حاکم مقرر فرمایا تاکہ جنگ بند ہو جائے پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے حروراء کے ایک گروہ سے جو کوفہ کے نزدیک ایک گاؤں ہے، کہا کہ یہ دونوں گروہ کفار سے ہیں کیونکہ یہ دونوں اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کسی غیر کے حکم پر راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔“ پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ حق فرمایا اس کا ارادہ باطل کرنے پر۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان (لوگوں) کے پاس بھیجا تاکہ ان کا شبہ ظاہر ہو جائے لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جمع ہو کر لڑنے کے

---

[460] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

علاوہ کسی بات (کو ماننے) سے انکار کر دیا حتی کہ ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور یہ (قتل شدہ لوگ) بارہ ہزار تھے اور ان میں سے باقی قوم کو اپنے مذہب پر کر دیا اور اس فرقے کے لوگ بہت زیادہ ہیں اور یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تکفیر کرنے پر جمع ہوئے۔ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے خبردار فرمایا ہے کہ "تحقیق یہ لوگ بہت طاعات گزار ہوں گے مگر ان کی طاعات گزاری سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور یہ لوگ اہل دوزخ سے ہوں گے۔" بتحقیق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو قتل کیا۔

جبریہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ:

قالو الایضر مع الایمان معصیة کمالاینفع مع الکفر طاعة وذھب بعضھم الی انه یسقط عنه العبادات الظاھرة ویکون عبادته التفکر وھذا کفر وضلال۔[461]

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت کچھ نفع نہیں دیتی اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہو چکی ہیں اور انسان کی (اچھے کاموں کی) سوچ و تفکر ہی عبادت ہے (حالانکہ) یہ بات (یعنی ایسا عقیدہ رکھنا) کفر و گمراہی ہے۔

---

[461] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۶۳۔

جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مؤمن ہی رہتا ہے البتہ اسے اس کے گناہ کے مطابق سزا ملے گی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ فاسق، مسلم نہیں رہتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ گناہ کا عذاب مکثِ طویل (لمبے عرصے) تک حتمی ہے مگر آخرکار اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہوجائے گا اس بارے میں سلف صالحین کے اقوال، اجماع اور کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ وارد ہیں۔

ایک فرقہ مرجیہ یا التارکیہ ہے۔

قال لیس للہ عزوجل علی خلقہ فریضہ سوی الایمان بہ فمن اٰمن بہ فلیفعل ماشآء۔[462]

ترجمہ: یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر ایمان لانے کے سوا کوئی کام فرض نہیں کیا۔ اس لئے جو ایمان لے آئے اس کے جو جی میں آئے کرے (اُس سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی)۔ العیاذ باللہ۔

اور جہمیہ میں ایک فرقہ صالحیہ ہے یہ لوگ اپنے آپ کو حسین صالحہ کا پیروکار کہتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہی ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ پہچاننا کفر ہے اور ایمان ہی عبادت ہے ایمان کے سوا اور کوئی عبادت نہیں ہے۔[463]

---

[462] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔
[463] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔

ایک گروہ کرامیہ کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان صرف اقرار یعنی کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں۔

اعلم ان مذھب الکرامیۃ ان الایمان ھو الاقرار فقط۔[464]

ترجمہ: جان لو! کہ کرامیہ فرقے کا مذہب (یعنی عقیدہ) یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کو کہتے ہیں۔

ایک فرقہ خوارج کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

فسی الایمان عندی تصدیق القلب و الاقرار باللسان و العمل بالجوارح فماھیتہ علی ھذا مرکبتہ من ثلثۃ فمن اقل بشی منھا فھو کافر و لذا قالو امرتکب الذنب مطلقا کافر۔[465]

ترجمہ: اوران کے نزدیک ایمان نام ہے دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاءِ جسدی کے ساتھ عمل کرنے کا۔ تو اس اعتبار سے ایمان تین چیزوں سے مرکب ہوا (یعنی تصدیق، اقرار اور عمل) پس اگر ان تینوں میں سے کسی نے ایک چیز بھی کم کر دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ گروہ کہتا ہے کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جائے گا۔

وکذلک الاان ترک العمل سیخرج عن الایمان ولایدخل فی الکفرو ینسب الی القاضی عبدالجبار و ابی الھذیل المعتزلیین۔[466]

---

[464] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۸۷۔
[465] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔
[466] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

ترجمہ: (ایمان کے بارے میں دس مذاہب جن میں سے چوتھا مذہب، تیسرے مذہب جیسا ہی ہے) سوائے اس کے کہ (چوتھے مذہب کے نزدیک) اگر عمل کو ترک کیا تو وہ شخص ایمان سے خارج ہو جائے گا لیکن کفر میں داخل نہیں ہو گا اور وہ اس بات کو قاضی عبد الجبار اور ابو ہذیل معتزلین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک فرقہ رقاشی ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

انہ الاقرار بشرط المعرفة بحیث یکون الشرط خارجا عن الایمان کالوضوء الخارج عن حقیقة الصلوۃ۔[467]

ترجمہ: بتحقیق اقرار کرنا، معرفت (پہچان) کی شرط کے ساتھ معتبر ہے (یعنی بغیر معرفت کے اقرار کا کچھ فائدہ نہیں) لیکن یہ معرفت کی شرط ایمان کا جزو نہیں جیسے وضوء (کی شرط) نماز کا حصہ نہیں۔

فصل ۲:

العمل غیر الایمان و الایمان غیر العمل بدلیل ان کثیرا من الاوقات یرتفع العمل عن المؤمن ولا یجوز ان یقال ارتفع عنہ الایمان فان الحائض ترتفع عنہا الصلوۃ ولا یجوز ان یقال ارتفع عنہا الایمان او امر لہا بترک الایمان وقد قال لہا الشارع (علیہ الصلوۃ و السلام) دعی الصوم ثم اقضیہ ولا یجوز ان یقال دعی الایمان ثم اقضیہ ویجوز ان یقال لیس علی

---

[467] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

الفقیر الزکوۃ ولایجوز ان یقال لیس علی الفقیر الایمان ولو قال تقدیر الخیر و الشر من غیر اللہ تعالیٰ کان کافرا باللہ وبطل توحیدہ لو کان لہ التوحید۔

ترجمہ: عمل ایمان کے بغیر ہے(یعنی عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے)اور ایمان، عمل کے بغیر بھی معتبر ہے(ایمان لانا، عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فائدہ مند ہے)اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اکثر اوقات مؤمن سے عمل رہ جاتے ہیں لیکن (عمل کے چھوٹ جانے سے)یوں کہنا جائز نہیں کہ اس مؤمن سے ایمان چھوٹ گیا ہے کیونکہ حائضہ عورت سے نماز(کا عمل)ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ کہنا(کسی صورت بھی) جائز نہیں کہ اس عورت سے ایمان ساقط ہو گیا ہے یا(نماز کے چھوٹ جانے کی وجہ سے)اس کے ایمان کے چھوٹ جانے کا حکم لگا دیا جائے (اس لئے کہ نماز کا عمل اور چیز ہے جبکہ ایمان دیگر چیز ہے)اور بے شک شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس(حائضہ)کو فرمایا کہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کر لے(لیکن یہ کہنا کسی بھی صورت میں)جائز نہیں کہ تو ایمان چھوڑ دے اور بعد میں ایمان کی قضا لے آ۔اور(ایمان و عمل کے الگ الگ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ)یوں کہنا تو جائز ہے کہ فقیر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے(کیونکہ زکوٰۃ ایک عمل یا فعل ہے)لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ فقیر پر ایمان لانا فرض نہیں(کیونکہ ایمان، عمل کے علاوہ شئے ہے جو کہ عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فرض ہے)اور اگر کوئی توحید والا شخص(یعنی مسلمان)یوں کہہ دے کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی توحید باطل ہو جائے گی۔

تشریح:

ایمان: جو شخص اللہ تعالی کی وحدانیت اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے اہل سنت و الجماعت کے مذہب کے مطابق وہ مسلمان ہے۔ لیکن اگر ایک گناہ بھی قصداً کیا جیسے نماز اور روزہ قصداً چھوڑ دیا تو اس کی سزا اسے ضرور ملے گی

۔

بعض مذاہب اس بات کو تسلیم نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر کوئی بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

والمعتزلة والخوارج الجاعلين العمل ركنا ثالثا۔[468]

ترجمہ: معتزلہ اور خوارج عمل کو (ایمان) رکن ثالث کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے (عمل کے بغیر بھی ایمان کے معتبر ہونے کی) دلیل یہ ہے کہ وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے اور کوئی نیک عمل کرنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو ایسا شخص مومن کہلاتا ہے اور جنت کا حق دار ہو جاتا ہے اگر عمل ایمان کا جزو مانا جائے تو پھر شخص مذکور کو بے ایمان ماننا پڑے گا کیونکہ وہ عمل کے بغیر ہی مر گیا اور یہ بات محال ہے کہ ایک شخص کلمہ پڑھ کر مر جائے تو پھر بھی اسے مومن نہ کہا جائے۔

حدثنا أبو محمد بن حيان، ثنا سلم بن عصام، عن عمه، ثنا الحكم، عن زفر، عن أبي حنيفة، عن عبدالله بن أبي حبيبة، سمعت أبا الدرداء، حدثنا ابن المقرئ، ثنا بشر الرواسي، ثنا

---

[468] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۱۹۳۔

مصعب بن عبدالله الواسطي، ثنا يزيد بن هارون، ثنا أبو حنيفة، ثنا عبدالله بن أبي حبيبة، قال قال أبو الدرداء: كنت رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: «يا أبا الدرداء من شهد أن لا إله إلا الله مخلصا، وجبت له الجنة»، قلت: وإن زنى، وإن سرق فقال: «وإن رغم أنف أبي الدرداء» وزاد الحماني، ويزيد بن هارون، في حديثيهما، وكان أبو الدرداء يقوم كل جمعة عند منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقولها ويضع أصبعه على أنفه۔[469]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ سواری پر سوار تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کیلئے جنت واجب ہوگئی (حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تھوڑی دیر چپ رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہوگئی میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے پھر سکوت فرمایا اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ میں پھر بولا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے (اس بار) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ

---

[469] مسند امام اعظم ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ ج ۱ ص ۳۸۳ و ص ۱۴ باب عدم الخلود المومنین فی النار۔

زنا کرے اور چوری کرے اور اگرچہ ابو الدرداء کی ناک گرد آلود ہو۔ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کے شاگرد عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا منظر ایسا یاد ہے گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بانسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں

۔

دوسری اہم دلیل: مومنین کے ان بچوں کی ہے جو بچپن میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے مشہور عقیدے کے مطابق ایسے بچے مومن کہلاتے ہیں حالانکہ انہوں نے کوئی عمل نہیں کیا ہوتا۔ اگر عمل کو ایمان کا جزو مان لیا جائے تو ان بچوں کو کافر کہنا پڑے گا جو کہ عمل کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے جبکہ یہ بات محال ہے اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

بعض مذاہب (مثلاً روافض) کہتے ہیں کہ بعض اشخاص سے بھی نقصان اور فائدہ ہوتا ہے جس طرح جادو کرنے سے ہوتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کاہن و جادوگر کہے کہ اس شیطانی طاقت کی وجہ سے فائدہ یا نقصان ہوتا ہے تو اس طرح کی بات کرنا باطل ہے کیونکہ یہ شخص خیر و شر کو صرف شیطانی عمل جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (٢٩) فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (٣٠) إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (النبا ٣١)

"اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔ اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب، بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے۔"

جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خیر وشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور دعا، صدقہ اور نیک عمل وغیرہ فائدہ دیتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں یہ بات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

فقال: "مامن عبد قال لا إله إلا الله ثم مات على ذلک إلا دخل الجنة۔[470]

"فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو کہے کہ لا إله إلا الله اور پھر مر جائے تو (وہ جہنم میں چلا جائے بلکہ) وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

قدریہ وہ گروہ ہے جس کے لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال چاہے خیر ہوں یا شر اللہ تعالیٰ ان کا خالق نہیں ہے بلکہ اس کا خالق خود بندہ ہے۔ معتزلہ اور امامیہ اس عقیدے میں شریک ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کا راستہ لوگوں کو دکھایا ہے اور ان کو امر کیا ہے کہ وہ اس راستے کو اختیار کریں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شر کے کام بھی لوگوں کو بتا دیئے ہیں اور لوگوں کو ان کاموں سے منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اعمال کی تفویض بندوں کو دی ہے اگر یہ خیر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں اور اگر شر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام افعال چاہے کفر ہو یا اسلام ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

[470] مشکوۃ کتاب الایمان فصل الاول متفق علیہ۔

واللہ تعالیٰ خالق افعال العباد کلھامن الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان لاکمازعمت المعتزلۃان العبدخالق لافعالہ۔[471]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ بندوں کے سارے افعال چاہے کفرہوں یاایمان ،طاعت ہویانافرمانی سب کا خالق ہے اس طرح نہیں جیساکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کاخودخالق ہے۔

اللہ تعالیٰ کافرمان ہے کہ:

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (النحل ١٧)

"توکیاجوبنائے وہ ایساہوجائے گاجونہ بنائے توکیاتم نصیحت نہیں مانتے۔"

مجوسی لوگ جہان کے دوخدامانتےہیں ایک خیرکے کاموں کاخالق دوسراشرکے کاموں کاخالق اور قدریہ خلق اشیاءمیں سب بندگانِ خداکواللہ تعالیٰ کاشریک جانتےہیں۔

معتزلہ اور مجوسی متعددخداؤں کاثابت کرتےہیں۔

ان مشائخ ماورأقدبالغوافی تضلیلھم فی ھذہ المسئلۃ حتی قالواان المجوس اسعدای احسن حالامنھم حیث لم یثبتوا الاشریکا واحدا وھواھرمن والمعتزلۃ اثبتواشرکاء لاتحصیٰ۔[472]

ترجمہ:بتحقیق ماوراءالنہرکے مشائخ نے(معتزلہ)کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید)فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایاکہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کاحال بہت اچھاہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیاہے جوکہ"اہرمن"ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ

---

[471] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ٢٦١۔

[472] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ٢٦٥۔

کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں شریک ٹھہرا دیتے ہیں۔)

نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يجيء قوم يقولون: لا قدر، ثم يخرجون منه إلى الزندقة، فإذا لقيتموهم فلا تسلموا عليهم، وإن مرضوا فلا تعودوهم، وإن ماتوا فلا تشهدوا جنائزهم فإنهم شيعة الدجال، ومجوس هذه الأمة، حقاً على الله أن يلحقهم به))۔[473]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ تقدیر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیق ہو جائیں گے جب ان سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملا دے گا۔

عن سالم، عن ابن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن القدرية وقال: ((ما من نبي بعثه الله تعالى قبلي إلا حذر أمته منهم ولعنهم))۔[474]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت فرمائی اور نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔

---

[473] مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ۔

[474] مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ۔

ایک گروہ خوارج کا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ:

انه التصديق والاقرار والعمل من اداء المامورات ولو مندوبة وترك المخطورات بحيث يكون ترك العمل كفرا حتى فعل الصغيرة وترك المندوب۔[475]

ترجمہ: کہ (دل سے) تصدیق اور (زبان سے) اقرار کرنا اور مامورات پر عمل کرنا اگرچہ مستحب عمل ہی ہو (ایمان) ہے اور گناہوں کا ترک کرنا (بھی ایمان میں داخل کرتا ہے) تو اس حساب سے عمل کا ترک کرنا کفر ہے چاہے وہ ایک چھوٹا ہی عمل ہو یا چاہے مستحب ہی کیوں نہ ہو۔ (یعنی یہ گروہ عمل کو ایمان کا جزو تسلیم کرتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو کافر کہتا ہے جبکہ ان کے رد میں ہمارے قوی دلائل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں)۔

ایک فرقہ جبائی ابن ابی ہاشم ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

انه التصديق والاقرار والعمل من فعل الواجبات وترك المحرمات بحيث يكون ترك الواجب وفعل الحرام مخرجا عن الايمان غير مدخل في الكفر۔[476]

[475] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔
[476] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹۔

ترجمہ: بے شک تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا واجب اعمال میں سے ہے اور حرام کاموں کا اس طرح ترک کرنا کہ واجب بھی ترک ہو اور حرام کام بھی (سرزد) ہو جائے تو اس طرح انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔(لیکن) کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

اور ایک فرقہ معتزلہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ:

فالقائل یکون العبد خالقالافعاله یکون من المشرکین لان قوله زیدخالق لفعله کقوله زیدمستحق للعبادة دون المؤحدین مع ان المذهب عدم تکفیر المعزلة لانهم من اهل القبلة۔[477]

ترجمہ: پس یہ کہنے والا کہ "بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے" مشرک ہو جاتا ہے اس لئے یہ قول کہ "زید اپنے فعل کا خالق ہے" ایسے ہے جیسے (یہ قول ہو کہ) زید مستحقِ عبادت ہے۔یہ قول موحدین کا نہیں ہو سکتا لیکن معتزلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ تو اہل قبلہ ہیں۔

لان المعتزلة تمسکوا بنصوص الوعیدعلی انه یجب عقاب العاصی علی الله تعالیٰ و مذهب اهل سنت و الجماعت انه لایجب علی الله تعالیٰ شئی۔[478]

ترجمہ: کیونکہ معتزلہ نصوصِ وعید کے ساتھ دلیل دیتے ہیں کہ گناہ گار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ:

---

[477] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۳۶۴۔
[478] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۸۴۔

ان مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن ولا کافر وھذہ ھو المنزلۃ بین المنزلتین۔[479]

ترجمہ: بے شک گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن (رہتا) ہے اور نہ کافر (ہوتا) ہے اور یہ درجہ (ایمان و کفر کے) دو درجوں کے درمیان ایک تیسرا درجہ ثابت کرنا ہے۔

ایک فرقہ خوارج ہے جو کہ (۲۰) فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ:

فانھم ذھبوا الی ان مرتکب الکبیرۃ بل الصغیرۃ ایضاً کافر ولا واسطۃ بین الایمان والکفر لنا۔[480]

ترجمہ: یہ خوارج عقیدے کے لحاظ سے اس طرف گئے ہیں کہ (نہ صرف) گناہِ کبیرہ کرنے والا بلکہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب بھی کافر ہے اور ہمارے لئے ایمان و کفر میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فصل نمبر ۳

نقر بان الاعمال ثلثۃ فریضۃ و فضیلۃ و معصیۃ۔ فالفریضۃ: بامر اللہ تعالیٰ و مشیتہ و محبتہ ورضائہ وقضائہ وتقدیرہ وارادتہ وتوفیقہ وتخلیقہ وحکمہ وعلمہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔ واما الفضیلۃ: فلیست بامر اللہ تعالیٰ ولکن بمشیتہ وبمحبتہ وبرضائہ وبقضائہ وبتقدیرہ وبتوفیقہ وتخلیقہ وارادتہ وحکمہ وعلمہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔ واما المعصیۃ: لیست بامر اللہ تعالیٰ ولکن بمشیتہ لا بمحبتہ وبقضائہ لا برضائہ وبتقدیرہ وتخلیقہ لا بتوفیقہ الخ وبخذلانہ لا بمعونتہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (بندوں) کے اعمال تین قسم کے ہیں۔ (پہلی قسم) فرض ہے (واجبات بھی فرض ہی کے زمرے میں ہیں) اور (دوسری قسم) فضیلت ہے (جو کہ سنت، مستحب

---

[479] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

[480] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰۔

اور نوافل سے کو شامل ہے)اور (تیسری قسم) گناہ ہے (جو کہ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ سب کو شامل ہے)۔

پس فرض وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت اور اس کی محبت اور اس کی رضا اور اس کی قضا اور اس کی تقدیر اور اس کے ارادے اور اس کی توفیق اور اس کی تخلیق (پیدا کرنا) اور اس کے حکم اور اس کے علم میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض عمل کرنے پر حکم فرمایا ہے اور اس پر علم رکھتا ہے) اور یہ (فرض) لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اور فضیلت والے (جیسے سنت و مستحبات اور نوافل) اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہیں (کیونکہ امر تو وجوب کیلئے ہوتا ہے جبکہ یہ افعال تو واجب نہیں ہیں) مگر اس کی مشیت اور اس کی محبت اور اس کی قضا اور اس کی رضا اور اس کی تقدیر اور اس کی توفیق اور اس کی تخلیق (پیدا کرنا) اور اس کے ارادے اور حکم اور اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔

مگر (گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہے نہ کہ اس کی محبت سے (اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کو محبوب نہیں رکھتا)۔ اور گناہ اس کی قضاء و تقدیر سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ اور پیدا کرنا اور تقدیر (اللہ تعالیٰ کی) طرف سے ہے نہ کہ اس کی توفیق سے۔ اور اس (اللہ تعالیٰ کے خذلان (عدم التوفیق) سے ہے نہ کہ اس کی مدد سے اور (یہ معصیت بھی) لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

تشریح:

لوح محفوظ اور قلم اور وہ سب اشیاء جو لوح محفوظ میں تحریر ہیں وہ حق اور سچ ہیں اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور گناہ کرنا اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الاعراف ۲۸)

تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

اعمال کے بارے میں مندرجہ بالا متن میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جبکہ قدریہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ عمل چاہے نیک ہو یا بد بندہ اپنے اعمال کا خود فاعل ہے کیونکہ بندہ اپنے ارادے سے ہی نیک یا برا عمل کرتا ہے جبکہ روافض اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جبکہ برا عمل انسان کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ایک فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی بھی عمل پہلے سے لوح محفوظ میں درج نہیں ہوتا بلکہ عمل کے واقع ہو جانے کے بعد لوح محفوظ میں درج کیا جاتا ہے۔

اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ نیک اور برا عمل پہلے سے ہی لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے اور ہم سے اللہ تعالیٰ صادر فرماتا ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور یہ کہ یہ جبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے ہمارے لئے برائی لکھ دی ہے۔ (لہٰذا ہم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔)

جبریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو نیکی کا ثواب ملے گا اور لیکن برائی پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ کفار اور گناہ گار معذور ہیں ان سے سوال نہیں ہوگا اس لئے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا اوران سے کہا کہ جیسے کفر کے ساتھ طاعت نفع نہیں دیتی ایمان کے ساتھ معصیت بھی نقصان نہیں دیتی، ان سب نے فرمایا۔ اوراس مسئلہ کا نام مسئلہ عبادلہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے مروی ہے کہ مرجیہ پر ستر پیغمبروں نے لعنت کی۔

مرجیہ کے دو گروہ ہیں: (۱) مرجیہ مرحومہ (۲) ملعونہ۔

مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہیں اور مرجیہ ملعونہ جن پر لعنت کی گئی یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت نقصان نہیں دیتی اور عاصی پر عذاب نہیں ہو گا۔

عثمان ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ مرجیہ ہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں۔ ملعونہ، ہم اس سے بیزار ہیں اور ایک مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں یہ بھی لکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ایسا ہی کہا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدۃ ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

پھر مرجیہ اور جبریہ کے کلام سے جو کفر ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور برائی حقیقت میں بندے کے افعال نہیں ہیں اور جو بندہ کرتا ہے فاعل اللہ تعالیٰ ہے، لہذا یہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو موصوف بہ قبائح کیا ہے، زنا وغیرہ سے کہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ فاعل بھی ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ان کو قبائح اور زنا وغیرہ پر عذاب دے تو یہ ظلم ہو گا اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ فعل بندے سے مجازاً ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت میں ہمیں استطاعت نہیں، بندہ درخت کی مانند ہے، جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ ہلتا ہے تو ایسے ہی بندہ درخت کی طرح مجبور ہے اور یہ کفر ہے، اس لئے کہ یہ تثلیث ہے اور کفر و معاصی اور برائیوں پر مجبور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کیلئے جائز نہیں کہ وہ سزا دے اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہے اور تخلیق کر کے اب آرام کر رہا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اور جو چیز اپنے وقت میں ظاہر ہو رہی ہے، بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہو رہی ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو شغل اور فراغت کے وصف سے موصوف کیا ہے اور انہوں نے امر و نہی کے زوال کا عقیدہ رکھا اور اسی طرح ربوبیت و فعل کے زوال کا اعتقاد کیا، یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ میں جلائے گا اور انہیں مارے گا اور زندہ کرے گا، پھر ان کو جلا اور مرا ہوا باقی رکھے گا اور یہ عقیدہ ٔ کفر ہے، اس لئے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب دے گا، مگر افعال پر نہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جو دل میں خیر و شر کا خطرہ گزرے تو اس کا اتباع جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا، یہ بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وحی اور امر کو دل کے ساتھ ثابت کیا اور الہام کو جائز رکھا اور یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ بندہ جب غایت محبت کو پہنچتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور جام محبت نوش کرتا ہے تو اس سے شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور اس سے عبادت اٹھ جاتی ہے اور تفکر ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ بعض نے کہا: تفکر ادائے فرض سے افضل ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا مال مشترک ہے، تمام بنی آدم اس میں شریک ہیں، مال دنیا آدم و حوا کی وراثت ہے اور جو کوئی جس چیز کو لے لے وہ اسی کا حق ہے اور کسی کو منع کرنے کا حق اور جواز نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جس نے علم سیکھا تو وہ لوگوں کے مال میں شریک ہے اور کہتے ہیں کہ جو اس کو منع کرے کافر ہو جائے گا اور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: بندہ ایمان اور کفر کے بغیر اور کسی چیز کا مکلف نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ عبادات کا امر تکرار کو واجب نہیں کرتا اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ مؤمن حقیقت میں مؤمن نہیں ہے اور نہ ہی کافر، حقیقت میں کافر ہے کیونکہ آخرت میں ان میں تغیر جائز ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: اپنے ایمان میں بھی شک ہے اور انہوں نے کہا کہ ایمان اور شہادت کیا یہ ایمان ہے، کیا کفر زائل ہو جائے گا؟ یہ بھی کفر ہے۔ ان کے کلام میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو بدعت ہیں کفر

نہیں ہیں مثلاً جیسے کہ ان کا کہنا کہ ثواب اور عتاب تقسیم کر دیا گیا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم برابر ہے کوئی کرے یا نہ کرے اور بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ افعال کیلئے تاثیر ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: **کل میسر لما خلق له**۔ ہر ایک کیلئے آسان کر دیا گیا ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ قضاء سبقت کر گئی ہے، نیک بخت کیلئے نیک بختی ہے اور بد بخت کیلئے بد بختی ہے۔

بعض (مرجیہ) کہتے ہیں: ایمان یہ ہے کہ حق و باطل میں سے تمام چیزوں کی پہچان ہو جائے اور اس کا وہ عالم ہو تو مؤمن ہے ورنہ نہیں اور یہ مسئلہ مسئلہ تقلید ہے۔

اور بعض نے کہا: ایمان عمل ہے، اقرار اور تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں ۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایمان میں استثناء و تخصیص جائز ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قیاس حجت نہیں، ایسے ہی رافضیوں نے قیاس کا انکار کیا کہ وہ حجت نہیں تو اگر ہر قیاس مراد ہے اور ہر قیاس کا انکار کیا تو یہ کفر ہے اس لئے کہ قیاس حجت ہے اور (اس حجت ہونا) نص سے ثابت ہے اور اگر بعض قیاس مراد ہے تو کفر نہیں، بدعت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔[481]

---

[481] تمھید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۴۰۰۔

انما يتوجه على الجبرية القائلين بنفى الكسب والاختيار ان الانسان عندهم كالجماد۔[482]

ترجمہ: بتحقیق جبریہ کی طرف متوجہ ہوں جو کہتے ہیں کہ (انسان) کسب اوراختیار کوئی حیثیت نہیں رکھتا (اور) یہ کہ ان (جبریہ) کے نزدیک انسان (محض) ایک بے جان چیز کی طرح ہے۔(یعنی انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا۔)

ہمارے اور کرامیہ کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ:

افعال العباد كلهابارادته تعالى و مشيته قدسبق انهماعندناعبارة عن معناواحد خلافا الكرامية زعمواان المشيةقديمةوالارادةحادثة۔[483]

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک بندوں کے سارے افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے ہیں اور بتحقیق یہ (تفصیل) پہلے گزر چکی ہے اور یہ (ارادہ و مشیت) ایک ہی معنی میں ہیں۔(لیکن) کرامیہ فرقہ کا یہ گمان (یعنی یہ عقیدہ) ہے کہ مشیت قدیمی (ازلی) ہے جبکہ ارادۂ (خداوندی) حادث ہے۔

اور نجاریہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ:

محمدبن الحسين النجارمن انه مريدبذاته لابصفته ولايخفىٰ ان كون الذات عين الصفات مذهب المعتزلةوالفلاسفة۔[484]

---

[482] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۵۔

[483] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۷۔

[484] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶۔

ترجمہ: محمد بن حسین النجار (معتزلی کا عقیدہ ہے کہ) انسان، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ اس کی صفات کا اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ذاتِ خداوندی جل جلالہ، عین صفات ہے (یعنی ذات وصفات میں کوئی فرق نہیں)۔

(العیاذ باللہ)

اور فرقہ جبائیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ:

وعبدالجبار من انه مريد بارادة حادثة لا في محل اى قائمة بنفسها لانها لو حدثت في ذاته تعالىٰ لزم قيام الحوادث به تعالىٰ او في محل غير الذاته لزم اتصاف هذه الغير بصفته الله تعالىٰ۔[485]

ترجمہ: اور عبد الجبار (کے مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ) انسان (اللہ تعالیٰ کے) حادث ارادے کی میلان رکھتا ہے نہ کہ محل کی طرف یعنی (ایسا محل جو کہ) اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں حدوث ہو سکے تو پھر یہ بات لازم آئے گی کہ اس کی ذات محلِ حوادث ہو اور اگر بغیر محلِ ذات کے ارادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات میں حدوث لازم ہو گا۔

ارادے کی دو اقسام:

۱۔ ارادۂ کونیہ　　　　۲۔ ارادۂ دینیہ

۱۔ ارادۂ کونیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

[485] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ

(الانعام۱۲۵)

اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔

۲۔ارادۂ دینیہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔(البقرۃ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

فصل نمبر ۴

نقر بان اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ من غیر ان یکون له حاجة او استقرار علیه وهو الحافظ للعرش وغیر العرش فلو کان محتاجا لماقدر علی ایجاد العالم وتدبیره کالمخلوق ولو صار محتاجا الی الجلوس و القرار فقبل خلق العرش این کان اللہ تعالیٰ فهو منزه عن ذلک علوا کبیرا۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ بغیر اس کے کہ (اللہ تعالیٰ) عرش کا محتاج ہو یا اس پر بیٹھا ہو (جس طرح کہ مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ عرش اور غیر عرش (سب کائنات) کا حافظ ہے تو اگر (اللہ تعالیٰ) عرش کو پیدا کرنے اور عالم کی کارسازی

پر قادر نہ ہوتا جس طرح دوسری مخلوق۔(کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتی۔اس بات سے حاصل یہ ہے کہ یہ ایک بدیہی یعنی کھلی اور ظاہری بات ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی غیر کو محتاج ہو تو وہ ممکنات میں سے ہو گی اور ہر ممکن چیز مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہو سکتی تو اسلئے اللہ تعالیٰ کا عرش کیلئے محتاج ہونا باطل بات ہے۔)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھنے اور آرام کرنے کا محتاج سمجھا جائے(تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا پس (ثابت ہوا کہ)(اللہ تعالیٰ)تو اس حالت سے منزہ وپاک اور بلند وبالا ہے۔

تشریح:

ہم الرَّحمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طه ۵) پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ لا مکان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو جسم ہے اور نہ ہی وہ کوئی مکان وجہت رکھتا ہے۔

لیکن مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم،بدن،ہاتھ،پاؤں،آنکھیں،کان اور چہرہ رکھتا ہے۔

اور جہمیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے وجود کے ساتھ)ہر جگہ موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحديد ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔“اور وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ۔(الزخرف ۸۴) اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا“اور إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل ۱۲۸) بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔“

اور جبکہ اہل سنت والجماعت (احناف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کاعقیدہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ **متشابھات** میں سے ہیں جن کی کیفیت اور درست مفہوم اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک لا مکاں ذات ہے وہ نہ تو عرش کا محتاج ہے اورنہ ہی اس کیلئے کوئی سمت متعین ہے اس لئے اگر کوئی گمراہ اور باطل عقیدے والا، یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھاہواہے تواس طرح وہ شخص اللہ تعالیٰ کیلئے ایک مکان ثابت کررہاہے اوراللہ تعالیٰ کیلئے مخلوق کی طرح تنزل اور جسم کا قائل ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے حامل گروہ (فرقہ جہمیہ) کے بارے میں فرمایاکہ **ذلک من غلو وافراطھم**۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حنفی مذہب غلواورافراط سے بری ہے۔

العرش هو الجسم العظيم الذی شرفه الله سبحانه وجعله لنفسه كالسرير للملک مع تنزهه عن الجلوس والمكان كجعله الكعبة بيتاوزعم الحكماءانه فلک الافلاک المتحرک من المشرق الى المغرب ـ واعلم ان تفصيل الاجسام العلوية ممالايعلمه الاالله سبحانه ذكره القرطبی وعن أنس قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: (ليلة أسري بي رأيت تحت العرش سبعين مدينة كل مدينة مثل مدائنكم هذه سبعين مرة مملوءة من الملائكة يسبحون الله ويقدسونه ويقولون في تسبيحهم اللهم اغفر لمن شهد الجمعة اللهم اغفر لمن اغتسل يوم الجمعة)ـ[486]

ترجمہ: عرش ایک ایسا جسمِ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف وبزرگی عنایت کی ہے اوراسے اپنے لیے وہ مرتبہ دیاہے جیسے کسی بادشاہ کے تخت کامرتبہ ہوتاہے لیکن اس کے باوجودوہ (اللہ تعالیٰ)

---

[486] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۳۷۴، تفسیر القرطبی ج۱۸ ص ۱۱۹ تحت سورۃ الجمعۃ الآیۃ ۱۱ ۔

عرش پر بیٹھنے اوراسے اپنامکان بنانے سے پاک اور بلند ہے جیسا کہ اس نے کعبہ معظمہ کو اپناگھر فرمایا ہے(لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس میں رہتاہے بلکہ اس کو اپناگھر کہنا ایک اضافت تشریفی ہے)اور حکماء(یونانی فلاسفہ)گمان کرتے ہیں کہ **فلک الافلاک** (یعنی آسمان) مشرق سے مغرب کی طرف متحرک ہیں اور جان لیں کہ بڑے بڑے اجسام (یعنی سورج وچاند اور آسمان وستارے وغیرہ)کے حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی (بہتر) جانتاہے۔اور تفسیر قرطبی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاکہ معراج کی رات میں نے عرش عظیم کے نیچے ستر (۷۰)شہر دیکھے۔ان میں سے ہر شہر تمہاری پوری دنیاجیسا تھا جو کہ ملائکہ سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اوراپنی حمد وثنامیں کہتے تھے کہ ”اے اللہ !اس شخص کو بخش دے جو جمعہ المبارک (کی نمازمیں)حاضر ہو اوراس شخص کی مغفرت فرماجو جمعہ کے دن غسل کرے“۔

قولہ تعالیٰ یداللہ فوق ایدیھم فانھاماولۃ بالقدرۃ وقولہ الرحمن علی العرش استویٰ فان الاستواء ماول بالعظمۃ التامۃ والقدرۃ القاھرۃ لماتمکن فی النفوس من ان العرش اعظم المخلوقات وارفعھا۔[487]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”اللہ تعالیٰ کاہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے“تو اس کی یہ تاویل قدرت خداوندی پر ہے اوراس کا یہ قول کہ ”رحمن عرش پر قائم ہے“تو استواء سے یہاں مراد کامل ومکمل عظمتِ خداوندی اوراس کی قدرتِ قاہرہ ہے جو نفوس پر اس طرح متمکن ہے کہ عرش عظیم تمام مخلوقات سے عظیم تر اورارفع واعلیٰ ہے۔

[487] العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۱۷۳،

فصل نمبر ۵:

نقر بان القران کلام اللہ تعالیٰ و وحیہ و تنزیلہ و صفتہ لاھو و لا غیرہ بل ھو صفتہ علی التحقیق مکتوب فی المصاحف مقروٗ بالالسن محفوظ فی الصدور غیر حلول فیھا والحروف والحبر والکاغذ والکتاب کلھا مخلوقۃ لانھا افعال العباد و کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق لان الکتابۃ والحروف والکلمات والآیات کلھا الۃ القرآن لحاجۃ العباد الیہ و کلام اللہ تعالیٰ قائم بذاتہ و معناہ مفھوم بھذہ الاشیاء فمن قال بان کلام اللہ تعالیٰ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم واللہ تعالیٰ معبود لا یزال عما کان و کلامہ مقروٗ و مکتوب محفوظ من غیر مزایلۃ عنہ۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی اور اس کی نازل کی ہوئی (کتاب) ہے (اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام) صفات کی طرح نہ عین ذات ہے اور نہ ذات سے جدا بلکہ یہ (قرآن اللہ تعالیٰ) کی صفت ہے تحقیق کی بناء پر۔ (قرآن اور کلام اللہ سے مراد قرآن نفسی اور کلامِ لفظی ہے)۔ یہ (قرآن) مصاحف میں لکھا گیا ہے اور زبان سے اس کی قرأت کی جاتی ہے اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے لیکن ان میں حلول کرنے والا نہیں۔ اس کے حروف اور سیاہی اور کاغذ اور کتابت یہ سب مخلوق (حادث اور نئی اشیاء) ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور کلام اللہ غیر مخلوق (حادث اور نئی چیز) نہیں ہے کیونکہ کتابت اور حروف اور کلمات اور آیات سب قرآن کو سمجھنے کیلئے ایک واسطہ ہیں کیونکہ بندے ان سب چیزوں کے حاجت مند ہیں اور کلام اللہ (کلامِ نفسی) تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اللہ کے معنی مذکورہ اشیاء سے سمجھے جاتے ہیں پس

جو شخص اس طرح کہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کافر ہے اور اللہ تعالیٰ معبود ہے اور ہمیشہ معبود رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھا اور لکھا جاتا ہے اور زوال سے محفوظ ہے۔

تشریح:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی ٔجلی کے ذریعے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

۷۲ فرقوں میں سے ایک کہتا ہے کہ صفتِ کلام (یعنی قرآن کریم) عین ذات خدا ہے یعنی وہ صفاتِ خدا کو عین خدا کہتے ہیں جبکہ ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

دوسرا گروہ (جسے جہمیہ ٔ مطلق کہتے ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اور الگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اور الگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا ہو وہ مخلوق اور حادث ہوتی ہے اور اور چونکہ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے اس لئے جہمیہ کا مندرجہ بالا عقیدہ بھی باطل ہے۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم۔[488]

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے اور جس نے کہا کہ وہ (قرآن کریم) مخلوق تو وہ (کہنے والا) اللہ تعالیٰ سے کافر ہو گا۔

---

[488] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۲۲۔

اس لئے ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے اور یہ مخلوق و حادث نہیں ہے البتہ اس کا کاغذ، حروف، آیات، کلمات، سیاہی اور کتابت یہ سب مخلوق ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور بندوں کے افعال حادث اور مخلوق ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں قرآن کریم کو سمجھنے کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔

اور ایک باطل گروہ وہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام اللہ چونکہ نازل ہو چکا ہے اس لئے اب یہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔

اور ہم (اہل والجماعت) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ تو عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جدا ہیں۔

جہمیہ کا فرقہ عرش الٰہی، کرسی، میزان، حساب و کتاب اور قبر کے عذاب سے بھی منکر ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ دونوں مخلوق نہیں کیونکہ اگر یہ مخلوق ہوتیں تو ان کو ضرور فنا ہوتی۔

جبکہ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی فنا کرنے پر قادر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (٢٦) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن ٢٧)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص ٨٨)

ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرنے کیلئے جنت ودوزخ کو بھی ایک لحظہ کیلئے فنا کرے گا تاہم سزا و جزا کیلئے ان کو دوبارہ قائم کردے گا اور یہ لوگ اعتراف بالقلب کے قائل ہیں اور زبان سے اقرار کے قائل نہیں اور یہ گروہ تمام صفات سے منکر ہے۔[489]

فصل نمبر۶:

نقر بان افضل هذه الامة بعد نبینا محمد علیه الصلوة و السلام ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین لقوله تعالیٰ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (۱۱) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (۱۲) ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ (الوقعه ۱۳) کل من سبق فهو افضل و یحبهم کل مومن تقی و یبغضهم کل منافق شقی۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اس امت (امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد افضل ترین انسان ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں (اوران چار خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس ترتیب کیلئے) اللہ تعالیٰ کے کلام کی یہ آیت دلیل ہے۔ "اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بارگاہ ہیں چین کے باغوں میں" (ان میں سے) جس نے (ایمان) کی طرف سبقت کی وہی افضل ہے ہر وہ مؤمن جو تقویٰ دار ہو وہ ان (مبارک ذوات کے ساتھ) محبت کرتا ہے اور ہر منافق بدبخت ان (مبارک ذوات کے ساتھ) بغض رکھتا ہے۔

تشریح:

---

[489] غنیة الطالبین ص ۶۸۔

روافض کے تمام گروہ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت کے (پہلے) حق دار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور روافض کا ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔

وانما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلافة کتاب معتمد فی الفقه الحنفی وغیره کاحیاء العلوم للامام الغزالی (رحمه اللہ تعالیٰ) انه لایجوز اللعن علیه ولا علی الحجاج بن یوسف لان النبی ﷺ نهی عن لعن المصلین۔[490]

ترجمہ: اور اختلاف کی یہ بات یزید بن معاویہ کے بارے میں ہے حتیٰ کہ فقہ حنفی کی معتمد کتاب خلاصۃ الکتاب وغیرہ اور جیسے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب احیاء العلوم ہے میں لکھاہے کہ ان (یزید بن معاویہ) پر اور حجاج بن یوسف پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے نمازیوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔

علم عقائد کی وہ قدیم ترین کتاب جس کے مصنف حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حوالے دیئے ہیں اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا درس دیا کرتے تھے۔[491]

امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشبی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے اخیر نصف کے عظیم عالم نے یزید کے بارے میں لکھاہے:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟

---

[490] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۵۱۔

[491] تمهید ابو شکور سالمی رحمه اللہ تعالیٰ تصنیف امام اهل سنت علامه ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشبی رحمه اللہ تعالیٰ۔

(۱) بعض نے کہا: لعنت جائز نہیں اس لئے کہ کئی سال تک مسلمانوں کا امام بنا رہا۔

(۲) بعض نے کہا کہ یزید پر لعنت جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کو جائز رکھا اور اس پر راضی ہوا۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ یزید نے لوگوں کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ حکم دیا تھا کہ ان سے بیعت لے لو یا ان کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔ ان خوشامدیوں اور بدبختوں نے اس کے حکم کے بغیر قتل کر دیا اور یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر راضی ہوا۔ پس صحیح یہ ہے کہ اگر یزید نے قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم دیا اور ان کے قتل پر راضی ہوا اور اس نے اہل بیعت پر لعنت کو جائز رکھا تو یزید پر لعنت جائز ہے ورنہ پھر نہیں۔

اور ایسے ہی جس نے قتل کیا اور قتل کو حلال نہیں سمجھا اس پر بھی لعنت جائز نہیں اور قتل حلال سمجھا تو وہ کافر ہے، اس پر لعنت بھی جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ جل شانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

علماء، یزید کی تکفیر اور اس کی لعن کے بارے میں تین گروہ ہیں:

امام احمد اسے کافر اور لعنت اس پر جائز کہتے ہیں؛ اس لئے کہ اس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کہا: "میں نے ان کو اس کا بدلہ دیا جو انہوں نے قریش کے بزرگوں اور سرداروں کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا" اور یہ بات **فی الواقع** کفر ہے، سوا اِس کے اور افعال و اقوال اس رُوسِیاہ سے منقول ہیں جو کفر وارتداد پر صریح دال ہوں، شراب اور حرام کاری اس کے

وقت میں علانیہ جاری ہوئی اور بے حرمتی حرمین شریفین اور وہاں کے باشندوں کی اس کے لشکر کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔[492]

اور بعض علماء اس کی تکفیر و لعن سے انکار کرتے اور کہتے ہیں: اجازت ان حرکتوں اور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی اس سے بدلیلِ قطعی ثابت نہیں اور یہ کلمہ کہ "میں نے ان سے جنگ بدر کا بدلہ لیا"، بر تقدیر ثبوت، اَحاد کے مرتبہ سے متجاوز نہیں ہو سکتا **و اليقين لا يزول إلاّ بيقين مثله** (اور یقینی بات کو رد کرنے کیلئے اسی کی مثل یقینی بات درکار ہوتی ہے) **كما تقرر في موضعه**۔

غایت کار اس کا یہ ہے کہ فاسق و فاجر تھا اور احکام شرعیہ پر قائم نہ تھا اور فاسق پر لعنت جائز نہیں۔

فاضل قونوی "شرح عمدۃ النسفی" میں لکھتے ہیں: صاحبِ کبیرہ پر لعنت نہ کی جائے کہ ایمان اس کا اس کے ساتھ ہے، ارتکابِ کبیرہ سے کم نہیں ہوتا اور مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔[493]

ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں قولِ شارح "عقائد" کا یعنی: **نحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه فلعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه** مع اس کے دلائل کے رَد کرتے ہیں اور "خلاصہ" وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حجاج ویزید پر لعنت کرنا نہ چاہیے اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی لعنت سے ممانعت فرمائی ہے اور جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لعنت کرنا

---

[492] (انظر "منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص ٧٣، و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة...إلخ، ص ٢٢٠)

[493] ("منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص ٧٣، (نقلاً عن القونوي).)

بعض اہل قبلہ پر منقول ہے؛ اس سبب سے ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کا حال جانتے تھے اور لوگ نہیں جانتے شاید وہ شخص منافق ہو یا بِاِعلامِ الٰہی اس کا کفر پر مرنا معلوم ہو۔[494]

امام غزالی "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ حکم یزید کا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کیلئے اصلاً ثابت نہیں اور بلا تحقیقات مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ کی جائز نہیں إلى أن قال لعنِ اشخاص میں خطرہ ہے پس اجتناب چاہیے اور ترکِ لعن ابلیس میں بھی خطر نہیں فضلاً عن غیرہ (جب ابلیس کو کوئی لعنت نہ کرنے میں ایمان کو کوئی خطرہ نہیں تو دوسروں کو لعنت نہ کرنے میں ایمان کو خطرہ کیسے ہو سکتا ہے!) واللہ تعالیٰ أعلم۔ ۱۲ منه قدس سرہ العزیز۔[495]

اور بعض علماء اس کی تکفیر و لعن میں توقف (سکوت اختیار) کرتے ہیں اور یہی راجح اور یہی اَسلم اور یہی ہمارے ائمہ ہدیٰ کا مذہبِ اَصح واَقوم ہے۔[496]

اس خبیث نے مسلم بن عقبہ مرّی کو مدینہ سکینہ پر بھیج کر ۱۷۰۰ سترہ سو مہاجرین واَنصار وتابعین کِبار کو شہید کرایا۔ تین روز اہلِ مدینہ لوٹ اور قتل اورانواعِ مصائب میں مبتلا رہے اور فوجِ اشقیاء نے مسجدِ اقدس میں گھوڑے باندھے اور کسی کو وہاں نماز نہ پڑھنے دی، اہل حرم سے یزید

---

[494] ("منح الروض الأزهر"، الکبیرۃ لاتخرج عن الإیمان، ص ۷۲-۷۳، ملتقطاً.)

[495] ("إحیاء علوم الدین"، کتاب آفات اللسان، الآفۃ الثامنۃ: اللعن، ج۳، ص ۱۵۴)

[496] ("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ماجری بین علي ومعاویۃ رضي اللہ عنهما، ص ۳۱۵-۳۱۶. و"الصواعق المحرقۃ"، الخاتمۃ في بیان اعتقاد أهل السنۃ...إلخ، ص ۲۲۱)

کی غلامی پر بجبر بیعت لی کہ چاہے بیچے، چاہے آزاد کرے، جو کہتا میں خدا اور سول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے حکم پر بیعت کرتا ہوں اسے شہید کرتے۔[497]

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی بے حرمتی کر چکے، خانہ خدا پر چلے راہ میں مسلم بن عقبہ مر گیا، حصین بن نمیر نے مع فوجِ کثیر مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کو جلادیا اور وہاں کے رہنے والوں پر طرح طرح کا ظلم وستم کیا۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[498]

ملائکہ وانبیاء کہ بحکمِ جناب کبریا کسی پر لعنت کرتے ہیں بسببِ امتثالِ امر (حکم بجالانے) کے مشکور وماجور ہوتے ہیں جس طرح زبانیہ دوزخ (وہ فرشتے جو دوزخیوں کو آگ میں دھکیلیں گے) اور وہ فرشتے جو عذاب پر مامور ہیں اپنے کام میں محمود ہیں گویا یہ بھی کافروں کے حق میں ایک قسم کا عذاب ہے کہ مقبولانِ جنابِ احدیت اس کے ایصال پر مامور وماجور ہوتے ہیں، دوسرے شخص کو کہ قیدیوں کی تعذیب پر مقرر نہیں ان کو مارنا اور ایذا دینا موجبِ اجر نہیں اور آیہ کریمہ: (عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ) (ترجمہ کنزالایمان: "ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔" ((پ۲، البقرۃ:۱۶۱)) اخبار ہے نہ کہ امر کہ سب آدمیوں کا مامور بنص ہونا ثابت ہو، فَتَفَكَّرۡ۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[499]

---

[497] ("فتح الباري"، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيأً...إلخ، تحت الحديث: ۷۱۱۱، ج۱۳، ص۶۰-۶۱. و"البداية والنهاية"، وقعة الحرث، ج۵، ص۷۳۱-۷۳۲. و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة...إلخ، ص۲۲۱-۲۲۲.)

[498] (انظر "فتح الباري"، كتاب التفسير، باب قوله: ثاني اثنين...إلخ، تحت الحديث: ۴۶۶۶، ج۸، ص۲۷۹.)

[499] "مرآة الجنان"، السنة: ۵۰۴، ج۳، ص۱۳۴.

کسی بھی مومن کو یہ بات زیب نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو، اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔[500]

یعنی اہلسنّت کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ لوگوں کو برا بھلا کہیں یا گالی دیں یا لعنت کریں بلکہ ہم اہلسنّت کا شیوہ تو ان چیزوں سے دور رہنا ہے۔[501]

شیعہ خوارج کو کافر کہتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں اور خوارج شیعہ کو کافر و ملعون جانتے ہیں بلکہ اپنے مذہب والوں کی لعن و تشنیع میں باک (خوف) نہیں کرتے، جو شخص انکے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ لعن و تکفیر تمام اہلِ بدعت خصوصاً شیعہ کا وظیفہ ہے۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔

روافض کے اسی عقیدہ کی ایک کڑی فرقہ عبدیہ کا وہ قول ہے جس میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے نصوص سے انحراف کرکے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا اور دوسروں کو خلیفہ بنایا اس لئے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیزار ہونا ضروری ہے۔ (**نعوذ باللہ من ذلک**)

ایک فرقہ مشبہ ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملے میں ہمیں شبہ ہے اس لئے ہم ان دونوں سے بیزار ہیں۔

---

[500] "سنن الترمذي"، كتاب الطب، باب ماجاء في اللعن والطعن، ج٣، الحديث: ٢٠٢٦، ص ٤١٠.

[501] "أشعة اللمعات"، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان من الغيبة والشتم، ج٤، ص ٧١. "إحياء العلوم"، كتاب آفات اللسان، ج٣، ص ١٥٤.

عن عبد الله بن مغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشک أن يأخذه)).[502]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور انہیں ہدف ملامت نہ بنانا۔ اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا کہ اس نے مجھے ایذا اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

من سب أصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين۔[503]

ترجمہ: جو شخص میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

وقال إن شرار أمتي أجرؤهم على صحابتي۔[504]

---

[502] "سنن الترمذي"، كتاب المناقب، باب من سبّ أصحاب النبيصلى الله عليه وسلم، الحديث: ٣٨٨٨، ج٥، ص ٤٦٣.
العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷۔

[503] رواه الطبرانی ج ۱۲ ص ۸۹، العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔

[504] رواه ابن عدی و شرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸، جامع صغیر رقم ۲۲۸۱، جامع المعراج ص ۱۴۳۔

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا بے شک میری امت کا شریر ترین (امتی) وہ ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے۔

إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم (خط-عن ابن عمر)۔[505]

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا جس وقت آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں تو آپ ان سے کہیں کہ آپ کے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

وقال لعن اللہ من سب اصحابی۔[506]

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے) فرمایا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے۔

قال النبی ﷺ حبہ وشکرہ واجب علی امتی۔[507]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں: ”حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب

---

[505] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۳۲۔
[506] رواہ الطبرانی۔ العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔
[507] رواہ ابن عساکر وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۹۔

سے بہتر اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب ہیں
[508]

مفتری کی سزا

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ارشاد فرماتے ہیں: "نبی کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اگر اس کے علاوہ کسی نے کوئی دوسری بات کی تو وہ مُفْتَرِی یعنی الزام لگانے والا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہے جو الزام لگانے والے کی سزا ہے۔[509] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا اِصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے استفسار کیا: "اس امت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟" فرمایا: "اس اُمت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں، ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر میں۔ (یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[510]

---

[508] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۳۶۷۶، ج۵، ص ۳۷۲)
[509] (کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابۃ، فضل الصدیق، الحدیث: ۳۵۶۲۲، ج۶، الجزء: ۱۲، ص ۲۲۳، جمع الجوامع، مسند عمر بن الخطاب، الحدیث: ۱۰۵۸، ج ۱۱، ص ۲۱۹)
[510] (الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۵۷)

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُما

فرماتے ہیں: ”ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مبارکہ میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شمار کرتے ان کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو۔[511] “

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں کہ ”ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب میں بہت زیادہ میل جول رکھنے والے تھے اور ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اس وقت ہم مراتب صحابہ یوں بیان کیا کرتے تھے، اس امت میں نبیٔ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ افضل ہیں۔ پھر ہم خاموش ہو جاتے۔[512]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا محمد بن علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے پوچھا: ”نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل

---

[511] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، الحدیث: ۳۶۵۵، ج ۲، ص ۵۱۸، تاریخ مدینة دمشق، ج ۳۰، ص ۳۴۶)

[512] (کنز العمال، کتاب الفضائل، جامع الخلفاء، الحدیث: ۳۶۷۱۷، ج ۷، الجزء: ۱۳، ص ۱۰۵)

کون ہے؟'' ارشاد فرمایا:''ابو بکر''میں نے کہا:''پھر کون؟ ''فرمایا:''عمر''۔مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں نے دوبارہ پوچھا کہ ''پھر کون؟ ''توشاید آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام لے لیں گے، اس لیے میں نے فوراً کہا:''حضرت سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بعد تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی سب سے افضل ہیں؟'' ارشاد فرمایا:''میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔''[513]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا اصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی خدمت میں عرض کی:''اے امیر المؤمنین! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ ''آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:''ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔''میں نے عرض کیا:''پھر کون؟''آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:''عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔''میں نے عرض کی:''پھر کون؟ ''آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔''میں نے عرض کی: ''پھر کون؟ ''آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:''میں۔''(یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[514]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آگے چل رہا تھا تو نبیوں کے سردار سرکار والا تبار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:''اے ابو درداء! تم

---

[513] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۶۷۱، ج۲، ص۵۲۲)

[514] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج۴۴، ص۱۹۶)

اس کے آگے چل رہے ہوں جو دنیاو آخرت میں تم سے بہتر ہے، نبیوں اور مرسلین کے بعد کسی پرنہ تو سورج طلوع ہوا اور نہ ہی غروب ہوا کہ وہ ابو بکر سے افضل ہو۔"[515]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ

حضرت سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ سے روایت ہے کہ میں نے نبیِّ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "نبی کے علاوہ تمام لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں۔"[516]

افضلیت صدیق اکبر بزبان جبریل امین عَلَیۡہِ السَّلَام

ایک دن نبیِّ اکرم، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر توجہ فرمائی تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ نظر نہ آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کا نام لے کر دو(۲) بار پکارا، پھر ارشاد فرمایا: "بیشک روح القدس جبریل امین عَلَیۡہِ السَّلَام نے تھوڑی دیر پہلے مجھے خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق ہیں۔"[517]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟" ارشاد فرمایا:

---

[515](فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، بقیہ قولہ مروا ابابکر ان یصلی، الرقم: ۱۳۵، ج ۱، ص ۱۵۲)

[516](جمع الجوامع، الھمزۃ مع الباء، الحدیث: ۱۲۰، ج ۱، ص ۳۸، تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۲۱۲)

[517](المعجم الاوسط، من اسمہ محمد، الحدیث: ۶۴۴۸، ج ۵، ص ۱۸)

"عائشہ" میں نے کہا: "مردوں میں؟" فرمایا: "ان کے والد (یعنی ابو بکر صدیق)" میں نے پوچھا: "پھر کون؟" ارشاد فرمایا: "عمر بن خطاب۔" (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُم) [518]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حسان بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں:

إِذَاتَذَكَّرتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ	فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَابَكْرٍ بِمَا
فَعَلَا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَ أَعْدَلَهَا	بَعْدَ النَّبِيِّ وَ أَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا
ترجمہ: "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے کارناموں کو یاد کر جو نبی کریم رؤف رحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقویٰ اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے	

[518] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی لو کنت متخذا، الحدیث: ۳۶۶۲، ج۲، ص ۵۱۹)

والے ہیں۔"[519]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا ابو بکر بن عیاش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو یہ فرماتے سنا:

"وَاللّٰہِ مَا وَلَدَ لِآدَمَ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ أَفْضَلُ مِنْ أَبِیْ بَکْرٍ۔

یعنی انبیاء ومرسلین کے بعد حضرت سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اولاد میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔"[520]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ نسفی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی

حضرت امام ابن ہمام عمر بن محمود نسفی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد افضل البشر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔"[521]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ

---

[519] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، استنشادہ فی مدح الصدیق، الحدیث: ۴۴۷۰، ج۴، ص۷)

[520] (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، و من فضائل عمر بن الخطاب من حدیث أبي بکر بن مالک۔۔الخ، الرقم: ۵۹۸، ج۱، ص۳۹۴)

[521] (شرح العقائد النسفیۃ، ص۳۱۸)

وَالسَّلَام کے بعد تمام لوگوں سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان ذوالنورین، پھر علی ابن ابی طالب رِضْوَانُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔"[522]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت اِمام شافعی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان و تابعین عظام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔"[523]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: "انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟" فرمایا: "حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔"[524]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام طحاوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

---

[522] (شرح الفقہ الاکبر، ص ۶۱)
[523] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، ج۸، ص ۱۵)
[524] (الصواعق المحرقۃ، الباب الثالث، ص۵۷)

حضرت سیدنا امام ابو جعفر طحاوی عَلَیۡہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بایں طور کہ آپ کو تمام اُمت پر افضلیت وسبقت حاصل ہے، پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے لیے خلافت ثابت کرتے ہیں۔''[525]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام ابو بکر باقلانی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: ''اہل سنت وجماعت اَسلاف کا حق پہنچاتے ہیں وہ اسلاف جن کو اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے لیے منتخب فرمایا تھا وہ ان کے فضائل بیان کرتے ہیں اور ان میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں خواہ چھوٹوں میں یا بڑوں میں اہلسنت وجماعت ان اختلافات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق کو، پھر حضرت سیدنا عثمان کو پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم کو اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب خلفاء راشدین ومہدیین ہیں اور نبی کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اہلسنت وجماعت ان تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پر دلالت کرنے والی اور شان خلفاء میں وارد شدہ احادیث کو جھٹلاتے نہیں ہیں جو حضور اکرم، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے۔''[526]

---

[525](شرح العقیدة الطحاویة، ص ۴۷۱)

[526](کتاب التمهید، ص ۲۹۵)

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ تقی الدین رَحمۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: ”اِنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَفْضَلُ مِنْ سَائِرِ الْاُمَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَسَائِرِ اُمَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَصْحَابِھِمْ۔“

یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام اُمت محمدیہ سے اور تمام انبیاء کی ساری امتوں اور ان کے اصحاب سے افضل ہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اس طرح لازم تھے جس طرح سایہ جسم کو لازم ہوتا ہے حتی کہ میثاق انبیاء میں اور اسی لیے آپ نے سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق کی۔“[527]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عبد البر رَحمۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: ”حضور نبیٔ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے بعد جن صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو چھوڑا اُن میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں اور ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں اور اس بات پر علماء کرام کی جماعت کا اجماع ہے اور اہل علم کے ایک بہت بڑے گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں۔[528]

---

[527](الیواقیت والجواہر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹)

[528](التمہید لما فی الموطا من المعانی والمسانید، حدیث الرابع عشر، ج۸، ص ۵۵۳)

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابو شکور سالمی رَحمۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

اِمامُ المتکلمین علامہ ابو شکور سالمی عَلَیْہِ رَحمۃُاللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: "اہل سنت و جماعت نے کہا ہے کہ انبیاء ورسل اور فرشتوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔[529]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام غزالی رَحمۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "نبی کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔"[530]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام کمال الدین رَحمۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "جان لو کہ دوجہاں کے تاجور، سلطانِ بحر و بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، پھر حضرت سیدنا عمر، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت

---

[529] (تمہید ابو شکور سالمی، ص ۳۶۴)

[530] (احیاء العلوم، کتاب قواعد العقائد، الرکن الرابع، الاصل السابع، ج ۱، ص ۱۵۸)

سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں اور اس پر احادیث سے بے شمار دلائل موجود ہیں جو مجموعی طور پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔[531]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام قاضی عیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت امام قاضی عیاض مالکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالی نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام جہانوں پر ماسوائے انبیاء و مرسلین کے منتخب فرمایا ہے اور ان میں سے چار کو میرے لیے چن لیا ہے وہ چار ابو بکر، عمر، عثمان، علی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے میرا بہترین ساتھی بنایا اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے۔[532]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان غوث اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حسنی حسینی غوث الاعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: ”عشرہ مبشرہ میں سے افضل ترین چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اور ان چاروں کے لیے نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے خلافت ثابت ہے۔[533]“

---

[531] (الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹)
[532] (الشفابتعریف حقوق المصطفی، ج ۲، ص ۵۴)
[533] (الغنیۃ، العقائد والفرق الاسلامیۃ، ج ۱، ص ۱۵۷، ۱۵۸)

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عساکر رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”حضور اکرم نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو غلبہ دیا اور انہیں مرتدین پر غالب کیا اور مسلمانوں نے ان کو خلافت میں اسی طرح مقدم کیا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو غار میں مقدم کیا پھر امام برحق حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو رونق بخشے آپ کے قاتلین نے ظلم وتعدی سے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شہید کیا پھر حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد یہ ائمہ ہیں۔[534]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شرف الدین نووی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں۔[535]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام محمد بن حسین بغوی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم انبیاء ومرسلین کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، اور پھر ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب سے ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پہلے خلیفہ ہیں لہٰذا

---

[534] (تبیین کذب المفتری، باب ما وصف من مجانبتہ لأھل البدع، ص ١٦٠)

[535] (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ج٨، الجزء: ١۵، ص ١۴٨)

وہ سب سے افضل ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، ان کے بعد حضرت سیدنا علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم افضل ہیں۔[536]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابن حجر عسقلانی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں:

اِنَّ الْإِجْمَاعَ اِنْعَقَدَ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّ تَرْتِيْبَهُمْ فِي الْفَضْلِ كَتَرْتِيْبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ۔

یعنی اہل سنت وجماعت کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے (یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم)۔[537]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام جلال الدین سیوطی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم ہیں۔[538] "

---

[536] (شرح السنة للبغوی، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب و السنة، ج ۱، ص ۱۸۲)
[537] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلا، تحت الحدیث: ۳۶۷۸، ج۷، ص ۲۹)
[538] (تاریخ الخلفاء، ص ۳۴)

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام عبد الوہاب شعرانی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اُمت کے اولیاء کرام میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔[539] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "یہ آیت مبارکہ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ(۵) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ ان دونوں آیتوں کا معنی ہے کہ "اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا کہ جن پر تیرا انعام ہوا۔" اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ (پ۵، النساء:٦٩)) "یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صدیق پر انعام فرمایا۔ اور اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں کہ صدیقین کے امام اور ان کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی ہیں۔ تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور تمام صدیقین تھے، کیونکہ اگر وہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء

---

[539] (الیواقیت والجواہر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۸)

جائز ہی نہ ہوتی، لہٰذا ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت مبارکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔[540]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ مصلی مبارک سے پیچھے ہٹے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو آگے کیا تو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمنے فرمایا: "ابو بکر کے سوا کوئی اور امامت کرے اللہ اور سب مومن انکار کرتے ہیں۔[541] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ قسطلانی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

حضرت علامہ احمد بن محمد بن ابو بکر بن عبد الملک قسطلانی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ ہیں۔ "

[542]

افضلیت صدیق اکبر بزبان میر سید عبد الواحد بلگرامی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

فرماتے ہیں: "اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر

---

[540] (التفسیر الکبیر، الفاتحۃ: ۶، ۵، ج ۱، ص ۲۲۱)
[541] (شرح الفقہ الاکبر، ص ۶۴)
[542] (ارشاد الساری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عثمان بن عفان، تحت الحدیث: ۳۶۹۸، ج ۸، ص ۲۱۵)

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ ہیں اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ اُن کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ اور اُن کے بعد سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ ہیں۔ [543]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ عبد الحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "خلفاء اَربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی تمام صحابہ سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق ہیں پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہِم اَجْمَعِیْن ہیں۔ [544] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہُم ہیں۔ [545] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ عبد العزیز پرہاروی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "صوفیاء کرام کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امت میں سیدنا ابو بکر صدیق پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہُم سب سے افضل ہیں۔ "[546]

---

[543] (سبع سنابل، ص ۷)
[544] (تکمیل الایمان، ص ۱۰۴)
[545] (تفہیمات الٰھیہ، ج ۱، ص ۱۲۸)
[546] (النبراس شرح شرح العقائد، ص ۲۹۴)

افضلیت صدیق اکبر بزبان پیر مہر علی شاہ گولڑوی رَحمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ''آیت ''(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ) الآیۃ (پ۲۶، الفتح:۲۹) ''مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔''میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفائے اربعہ عَلَیۡہِمُ الرِّضْوَان کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ سے خلیفۂ اول (حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ مراد ہیں) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّار سے خلیفۂ ثانی (حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ سے خلیفۂ ثالث (حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) اور تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔۔۔اِلخ۔ سے خلیفہ رابع (حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجۡہَہُ الْکَرِیۡم) کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ معیت اور صحبت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ، کفار پر شدت میں حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ، حلم و کرم میں حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ اور عبادت و اخلاص میں حضرت سیدنا مولائے علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ خصوصی شان رکھتے تھے۔[547]

افضلیت صدیق اکبر بزبان اعلیٰ حضرت رَحمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیۡہِ رَحمَۃُ الرَّحۡمٰن فرماتے ہیں: ''مرسلین ملائکہ و رسل و انبیائے بشر صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُه عَلَیْهِمْ کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِمۡ تمام مخلوقِ الٰہی سے افضل ہیں، پھر اُن کی باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے

---

[547] (مِہرِ منیر، ص ۴۲۴، اللباب فی علوم الکتاب، الفتح: ۲۹، ج۱۷، ص۵۱۷)

افضل صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔"[548]

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الافاضل رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں:
"اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد تمام عالم سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ہیں اُن کے بعد حضرت عمر اُن کے بعد حضرت عثمان اور اُن کے بعد حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[549] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الشریعہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "بعد انبیاء ومرسلین، تمام مخلوقات الٰہی انس وجن وملک (فرشتوں) سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[550]"

سیدنا صدیق اکبر و عمر فاروق کی افضلیت قطعی ہے

حضرت علامہ شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "(حضرت سیدنا صدیق و عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُما کی افضلیت پر) جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی

---

[548] (فتاوی رضویہ، ج ۲۸، ص ۴۷۸)
[549] (سوانح کربلا، ص ۳۸)
[550] (بہار شریعت، ج ۱، ص ۲۴۱)

قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت و شریعت کا یہی مذہب ہے۔"[551]

جہاں نہایتیں و غایتیں ختم وہاں مقام صدیق شروع

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحمۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "میں کہتا ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْھُم مراتب ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقاء کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں، اس لیے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ القَوِی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کے لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے اور ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم محمد رَّسُولُ اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔"[552]

مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے

اعلیٰ حضرت رَحمۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: "بالجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف (ضعیف حدیثیں) سن سکیں بلکہ مواقف و شرح مواقف میں تو تصریح کی کہ

---

[551] (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص ۸۱)
[552] (فتاوی رضویہ، ج۲۸، ص ۶۸۳)

باب عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح (خبر واحد صحیح حدیثیں) بھی نا مسموع۔[553] "

صدیق اولین ہیں خلافت کے تاجدار	بعد ان کے عمر و عثمان و حیدر ہیں بالیقین
اللہ اللہ ان کی عظمت اور شان سر بلند	انبیاء کے بعد ان کا کوئی ہمسر نہیں

صدیق اکبر صوفیاء کی نظر میں، صوفی بننے کے لیے نقش صدیق کی اتباع

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: "اگر کوئی حقیقی صوفی بننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نقش قدم پر چلے کہ صفا صدیق کی صفت ہے، کیونکہ صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اس کی اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے منقطع ہو جائے اور اس کی فرع یہ ہے کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور یہ دونوں صفتیں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ہیں تو جو اس طریقے والے ہیں آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کے امام ہیں۔[554]"

خوف و امید کی اعلیٰ مثال

حضرت سیدنا مطرف بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ارشاد فرمایا: "اگر آسمان سے کوئی یہ آواز بلند صدا دے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور اس کے فضل سے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا اور اگر آسمان سے یہ آواز آئے کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے

---

[553] (فتاوی رضویہ، ج۵، ص ۵۸۱)

[554] (کشف المحجوب، ص ۳۲، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج۳، ص ۸۰)

اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور عقاب کے سبب یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی میں ہی نہ ہوں۔" حضرت مطرف رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "بخدا! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف اور اس کی رحمت سے امید کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں مل سکے گی۔"[555]

صدیق اکبر جیسے بن جاؤ

حضرت سیدنا ابو العباس عطاء رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا: (کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ) (پ۳، اٰل عمران:۷۹) "اللہ والے ہو جاؤ۔" کہ اس فرمان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کن لوگوں جیسا ہونے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اس آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسے بن جاؤ، کیونکہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دنیا سے وصال ظاہری ہوا تو تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان شدت غم سے نڈھال تھے اور کچھ دیر کے لیے انہیں ایسا لگا جیسے اب دنیا سے اسلام کا نام ونشان ختم ہو جائے گا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی صدمہ نہ تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی ایسے تھے جنہوں نے نہایت ہی صبر و تحمل اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو پایا اور باہر آکر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے مجمع سے یہ خطاب فرمایا کہ "اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ

---

[555] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۳)

ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔"[556]

اس سے پتا چلا کہ ربانی یعنی اللہ والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے دل پر حوادثِ زمانہ کا کوئی اثر نہ ہو سکے یعنی اس کا دل اس کا اثر قبول نہ کرے خواہ پوری زمین اِدھر سے اُدھر ہی کیوں نہ ہو جائے۔[557]

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی بولنے والے پہلے شخص

حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ "اس اُمت کی پہلی شخصیت جس نے اشارے میں صوفیاء کی بولی سے کام لیا وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔ چنانچہ صوفیاء کرام نے اسی بولی سے ایسے ایسے لطائف اخذ کیے جس سے بڑے بڑے عقل مند حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔"

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی پہلی بولی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بولی

حضرت شیخ ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زبان پر سب سے پہلے صوفیاء کی بولی ظاہر ہوئی تو یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب سرکار صَلَّی

---

[556] (صحیح البخاری، کتاب المغازی، مرض النبی و وفاتہ، الحدیث: ۴۴۵۴، ج۳، ص ۱۵۸، عمدۃ القاری، ج ۲۶، ص ۳۶۷)

[557] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دلائی تو مختلف صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے حسب استطاعت اپنا اپنا مال بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور اس وقت حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر حضور نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب پوچھا کہ: ''اے صدیق! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟'' اس پر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صوفیاء کی وہ بولی بولتے ہوئے عرض کی: ''یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! گھر والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چھوڑ کر آیا ہوں۔[558]''

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے اس قول میں سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر فرمایا اور پھر ساتھ ہی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام مبارک لے دیا اور خدا کی قسم! عقیدۂ توحید رکھنے والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی انفرادیت بتانے کا اس سے بڑھ کر کوئی اور اشارہ ممکن ہی نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی حیات طیبہ میں اور بھی ارشادات ملتے ہیں جن سے صوفیاء نے بہت لطیف مسائل نکالے ہیں۔ اہل تحقیق صوفیاء انہیں جانتے اور خوب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان صوفیاء کا ان اشارات سے تعلق بھی ہے اور انہوں نے ان کو اپنا بھی رکھا ہے۔[559]

حیات صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اشارات صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ

انہی اشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال

---

[558] (سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج۵، ص ۳۸۰)
[559] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

ظاہری پر جب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دل لرز گئے اور انہیں آپ کے وصال اور دنیا سے پردہ فرمانے پر خدشہ محسوس ہوا کہ اسلام کہیں ختم ہی نہ ہو جائے تو اس وقت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا تھا: ”اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔“ اس میں نہایت باریک اشارہ یہ تھا کہ آپ توحید الٰہی پر ثابت قدم تھے اور یہی نہیں بلکہ آپ نے تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا بھی اس عقیدۂ توحید پر یقین مضبوط فرما دیا۔

صوفیاء رحمہم اللہ تعالٰی کی بولی، دوسری مثال

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جو صوفیاء رحمہم اللہ تعالٰی کی بولی بولی انہیں بولیوں میں سے ایک بولی یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبیٔ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بارگاہ الٰہی میں التجاء کرتے ہوئے عرض کی کہ ”الٰہی! اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر مخلص بندے شہید ہو گئے تو اس سرزمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ الٰہی! رحم فرما! کرم فرما! اور تو نے جس مدد کا وعدہ فرمایا تھا اسے پورا فرما۔“ تو اس وقت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی تھے جنہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی: ”یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! بارگاہ الٰہی میں جو التجاء کر چکے وہ کافی ہے، اب بس کیجئے، اس سے زیادہ کچھ نہ کہیے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔“ اللہ تعالٰی نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مدد کا جو وعدہ فرمایا تھا اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے:

إِذْيُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (پ ۹، الانفال: ۱۲)

"جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔[560]"

اس آیت مبارکہ میں وعدۂ امداد الٰہی کی تصدیق تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سے صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی نے کی تھی، دیگر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم اس وقت انتہائی پریشان ہو چکے تھے، وعدۂ امداد الٰہی کی اسی تصدیق قلبی سے آپ کے ایمان کی پختگی اور خصوصی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔[561]

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نبیٔ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی ہر حالت اور کیفیت کے اعتبار سے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کامل و اکمل تھے پھر کیا وجہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار و بے چین تھے اور بارگاہ رب العلمین میں گریہ وزاری فرما رہے تھے، جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھے بلکہ خود آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حوصلہ دیتے نظر آرہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبیٔ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ

---

[560] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الانفال، الحدیث: ۳۰۹۲، ج۵، ص ۵۵)
[561] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۵)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مقابلے میں معرفت الٰہی کے علوم یقیناً زیادہ جانتے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تمام صحابۂ کرامِ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن میں سب سے زیادہ علم والے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وعدہ الٰہی پر حقیقی ایمان کی وجہ سے ثابت قدم تھے لیکن حضور نبیِّ اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چونکہ اللہ تعالٰی کی معرفت کا زیادہ علم رکھتے تھے کہ وہ رب عَزَّوَجَلَّ جبار وقہار ہے، وہ غنی یعنی بے پرواہ ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں، جب چاہے، جیسے چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار تھے۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالٰی کے بارے میں وہ علم تھا جو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور کسی دوسرے صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب شدید آندھی آتی تو باوجودیکہ آندھیاں آتی ہی رہتی تھیں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرۂ مبارکہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حالانکہ اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ کئی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہوتے تھے اور کسی کو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ پھر حضور اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے خود یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں، اگر تم جان جاتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور تم بلند پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر روتے رہتے نیز تمہیں اپنے بستروں پر بھی کبھی چین نہ آتا۔[562]"

صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تین الہام

---

[562] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۶)

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے اور مخصوص بندوں کے دل میں بعض اوقات سوتے یا جاگتے میں کوئی بات اِلقاہوتی ہے یعنی دل میں ڈالی جاتی ہے اِسے الہام کہتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وہ واحد صحابی تھے جو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں الہام وفراست کی خصوصیت رکھتے تھے اور آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ساتھ تین ۳ موقعوں پر الہام وفراست کا ظہور ہوا۔

(۱) مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال ظاہری کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تو دیگر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے یہ رائے دی کہ زکوٰۃ روکنے والے مرتدوں سے ابھی جنگ نہ کی جائے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ان سے جنگ کرنے پر فوراً تیار ہوگئے اور مانعین زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ''اگر انہوں نے رسی کا ایک ٹکڑا بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عہد مبارک میں بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں اُن سے تلوار کے ذریعے جہاد کروں گا۔'' چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی رائے درست ثابت ہوئی اور صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے مخالفت میں مشورہ دینے کے باوجود آپ کی رائے کو درست تسلیم کیا اور آپ کی رائے پر اکٹھے ہوگئے کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔[563]

(۲) جیش اسامہ کی روانگی

[563] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لاالہ الااللہ۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۲، ج ۱، ص ۳۱، الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۱۴۷)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کفار کی سرکوبی کے لیے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل ایک لشکر حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا تھا جو سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے انتقال کے بعد راستے میں شش و پنج کا شکار ہو گیا تھا۔ جب تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لشکر کو واپس بلانے پر اصرار کیا تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا کہ "جس کام کا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پختہ ارادہ فرمالیا تھا میں اسے ہرگز تبدیل نہیں کروں گا۔[564] "

(۳) قبل وصال بیٹی کی خوشخبری

آپ کی فراست کا تیسرا موقع وہ تھا جب بوقت وصال آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اے عائشہ! میرے انتقال کے بعد مال وراثت کو اپنے دو بھائیوں اور دونوں بہنوں سب میں برابر برابر تقسیم کر دینا۔" حالانکہ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو دو بھائیوں اور صرف ایک بہن کا پتہ تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے نکاح میں بنت خارجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی تھیں جو اس وقت حاملہ تھیں اوراس حمل کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بچی ہو گی۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے الہام اور فراست کامل کے مطابق ویسا ہی ہوا کہ بچی کی پیدائش ہوئی۔[565]

اسی لیے نبیِّ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد نور بار ہے کہ "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ

---

[564] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج۸، ص ۶۲، الطبقات الکبری، الطبقۃ الثانیۃ من المہاجرین، ج۴، ص ۵۰)

[565] (تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، ابو بکر الصدیق، فصل فی مرضہ الخ، ص ۶۳، شرح الزرقانی علی المؤطا، ج۴ ص ۶۱)

الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے دیکھتا ہے۔"[566]

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایسے اور بھی کمالات موجود ہیں جن کا تعلق اہل حقائق اور اہل دل سے ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مابین امتیاز صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ

☆...حضرت سیدنا بکر بن عبد اللہ مزنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم میں اس لحاظ سے امتیاز نہیں رکھتے تھے کہ وہ روزے کثرت سے رکھتے اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں بلکہ یہ تو ان کے دل میں ایک خاص راز تھا جس کی وجہ سے وہ امتیاز رکھتے تھے۔"

☆ ...کسی صوفی کا اس امتیاز میں یہ قول ملتا ہے کہ "آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دل میں محبت خداوندی موجزن تھی اور خلوص دل رکھتے تھے۔"

☆...حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جاتا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لوگوں سے فرماتے: "اے لوگو! وہ آگ بجھا دو جسے تم نے جلا رکھا ہے۔" (یعنی نماز کا وقت ہوتے ہی جو کام جیسا ہے ویسا ہی چھوڑ دو)[567]

---

[566] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجر، الحدیث: ۳۱۳۸، ج۵، ص۸۸)

[567] (اللمع فی التصوف، ص۲۳۸)

کھاتے ہی فوراً قے کر دی

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ شبہ والا کھانا کھالیا تھا جب علم ہوا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فوراً قے کر دی۔ پھر فرمایا: ”اگر یہ کھانا نکالنے میں میری جان بھی نکل جاتی تو میں اسے نکال کر ہی دم لیتا کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے میں نے سن رکھا ہے کہ جس پیٹ میں حرام کا کھانا چلا جائے تو اس سے آگ ہی بہتر رہے گی۔“[568]

کاش میں ایک سبزہ ہوتا

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عذاب الٰہی اور یوم حساب کے ڈر سے فرمایا کرتے تھے: ”کاش میں سبزہ ہوتا اور چوپائے مجھے کھا جاتے بلکہ میں پیدا ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا۔“[569]

صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور تین آیتیں

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

---

[568](صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاهلیة، الحدیث: ۳۸۴۲، ج ۲، ص ۵۷۱، منهاج العابدین، الفصل الخامس فی البطن وحفظه، ص ۸۸)

[569](جمع الجوامع، مسند ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۱۷۴، ج ۱۱، ص ۴۱، الطبقات الکبری، ذکر وصیة ابی بکر، ج ۳، ص ۱۴۸)

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن کریم کی تین آیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

پہلی آیت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (پ ۱۱، یونس:۱۰۷)

"اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "اس آیت سے مجھے پتہ چل گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ میرا بھلا کرنا چاہے تو اس کے سوا اس بھلائی کو کوئی نہیں روک سکے گا، لیکن اگر اس کے حکم میں میرے لیے تکلیف لکھی ہے تو اسے بھی اسی کے سوا کوئی نہیں ٹال سکے گا۔"

دوسری آیت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (پ ۲، البقرۃ:۱۵۲)

"تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔"

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں:

"جب میں نے یہ آیت پڑھ لی تو میں نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی یاد کو ترک کر دیا اور اسی کا ذکر کرنے لگا۔"

تیسری آیت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

(وَ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُهَا وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَ مُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (٦)) (پ ١٢، ھود: ٦)

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہو گا سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ فرماتے ہیں: "جب سے میں نے یہ آیت پڑھ لی ہے تو خدا کی قسم! میں نے روزی کی فکر کرنا چھوڑ دی۔[570]"

دنیاداروں کی مذمت میں صدیق اکبر کے اشعار

کہا جاتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے دنیاداروں کی مذمت میں چند اشعار فرمائے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"اے دنیا اور اس کی زیب وزینت اپنا کر ناز کرنے والے! سن لے کہ مٹی ہی مٹی کی شان ہے تو اس میں عظمت کیسی؟ کوئی شریف آدمی دیکھنا چاہو تو ایسے بادشاہ کی طرف دیکھا کرو جو مسکین نما لباس پہنا کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہو گا جو لوگوں پر مہربان ہو گا اور دین و دنیا میں یہی اصلاح کر سکے

---

[570] (اللمع فی التصوف، ص ٢٣٩)

گا۔"[571]

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بہترین راہنما

حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے متعلق آتا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے توحید کا مفہوم سمجھانے کے لیے حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ فرمان سب سے بہترین راہنما ہے کہ "ذات الٰہی کتنی ستھری ہے جس نے اپنی پہچان کا صرف ایک ہی بہتر طریقہ بتلا دیا ہے کہ اس کی پہچان سے عاجز ہو جاؤ۔"[572]

صدیق اکبر مرید صادق ہیں

حضرت سیدنا شیخ محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "دوسروں پر فضیلت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دلالت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں مرید صادق کی طرح ہونا ہے جبکہ شیخ کی معیت میں اس کی فتوحات کامل ہو جائیں اور اسی وجہ سے آپ مستحق خلافت ہوئے۔ پس حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم واصل بحق نہیں ہوئے حتی کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہر طرح سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہوگئے اور آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مشاہدہ ایک عبد مخلص کی صورت میں کیا جسے اللہ تعالیٰ کی معیت میں اگر کوئی حرکت یا سکون ہے تو صرف اسی کی اجازت سے۔

---

[571] (اللمع فی التصوف، ص ۲۴۰)
[572] (اللمع فی التصوف، ص ۲۴۰)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی بالفعل دلیل

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر فضیلت کی بالفعل دلیل وہ ہے جو کہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب مال طلب فرمایا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سارا مال لا کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جبکہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے گھر کا آدھا مال پیش کر دیا۔[573]

سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں کے مال میں ان کے لیے کوئی حد مقرر نہ فرمائی بلکہ دونوں پر یہ امر مخفی رکھا تاکہ ہر ایک عزم کے مطابق کام کرے۔ اگر سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آپ دونوں کے لیے کوئی حد مقرر فرمائی ہوتی تو یہ اس سے آگے نہ بڑھتے اور یوں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی فضیلت بھی سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ظاہر نہ ہوتی۔ پس آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس امر کو مبہم رکھنے میں صرف یہی ارادہ فرمایا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی فضیلت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ظاہر کر کے بیان کر دی جائے۔

قول صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں انتہائی ادب

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اس قول میں کہ "گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم چھوڑ آیا ہوں" انتہائی ادب ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

---

[573] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج۵، ص ۳۸۰)

نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا۔

اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ پر ان کے مال سے کوئی چیز لوٹا دی تو آپ نے اسے حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دست کرم سے قبول کیا ہوتا کیونکہ آپ نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے اہل خانہ کی کفایت کرتے چھوڑا ہے۔ تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ نے اپنے مال میں فیصلہ نہیں کیا مگر اس کی حیثیت سے جسے مال کے مالک نے اپنا نائب بنایا ہو۔ پس اے بھائی! غور کر کہ مراتب امور کے متعلق سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ کا عرفان کس قدر مضبوط ہے اور اسی وجہ سے آپ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ پر فضیلت پائی۔ حالانکہ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ کا خیال تھا کہ آج وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ سے سبقت لے جائیں گے تو جب یہ نصف مال لانے کا واقعہ رونما ہوا تو سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ کہنے لگے کہ آج کے بعد میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ پر سبقت حاصل نہیں کر سکوں گا اور یہ مقام انہیں سونپ دیا۔ پھر رسول پاک صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ پر ان کے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ کی اور یہ اس لیے تاکہ محبت میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ کی سچائی پر جو کہ آپ کے علم میں ہے حاضرین کو متنبہ فرمادیں۔ پس اگر آپ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ پر ان کے مال میں سے کچھ واپس کر دیتے تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ کے بارے میں یہ احتمال راہ پا سکتا تھا کہ آپ کے دل میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ نرمی کا خیال آیا اور آپ نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہ پر اسے بدلہ کے طور پر اس لیے پیش

کر دیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ سارے کا سارا مال دینے میں ان کا نفس ہر طرح سے کھلا ہوا نہیں ہے جیسا کہ حضرت سیدنا عبد الرحمن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ کے لیے ایسا واقعہ گزرا کہ وہ ایک دفعہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں اپنا سارا مال لے آئے تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے متعلق علم رکھتے کہ وہ اپنے لیے آپ کے ہوتے ہوئے کوئی ملکیت نہیں دیکھتے جیسے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ تھے تو اس پر آپ واپس نہ کرتے۔

استحقاق امامت کا عرفان

جان لے کہ ایک شخص کے لیے استحقاق امامت چند امور کے ساتھ پہچانا جاتا ہے ایک یہ کہ ایسی شخصیت ظاہر کر کے مقرر کرے جس کا قول قبول کرنا واجب ہو۔ جیسے نبی یا امام عادل۔ ایک یہ کہ مسلمان اس کی امامت پر اجماع کریں اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد بالاجماع سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ تھے۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ جو کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ کے ظاہر کرنے پر امام ہوئے۔ پھر سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ، آپ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ کی نص کے ساتھ۔ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ اس جماعت کی نص کے ساتھ جن کے درمیان باہمی مشورہ سے امر متعین کیا گیا۔ بے شک آپ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور معتبر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا علی مرتضی کی امامت پر اجماع کیا رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی

عَنۡہُما۔ پس یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں۔[574]

ہوئے فاروق و عثمان و علی جب داخل بیعت	بنا فخر سلاسِل صدیق اکبر کا
بَیاں ہو کس زبان سے مرتبہ صدیق اکبر کا	ہے یار غار، محبوبِ خدا صدیق اکبر کا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب

حضرت سیدنا عروہ بن زبیر رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُمَا سے روایت ہے کہ "حضرت سیدنا امیر المومنین ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کا نام عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّۃ بن کعب ہے۔" مرہ بن کعب تک آپ کے سلسلہ نسب میں کل چھ واسطے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب میں بھی مرہ بن کعب تک چھ ہی واسطے ہیں اور مرہ بن کعب پر جاکر آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کا سلسلہ سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب سے جاملتا ہے۔ آپ کے والد عثمان کی کنیت ابو قحافہ ہے، آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کی والدہ ماجدہ کا نام اُمُّ الخیر سلمٰی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب ہے۔ ام الخیر سلمٰی کی والدہ (یعنی امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کی نانی) کا نام دلاف ہے اور یہی امیمہ بنت عبید بن ناقد خزاعی ہیں۔ امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کی دادی (یعنی حضرت سیدنا ابو قحافہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کی والدہ) کا نام امینہ بنت عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عُویج بن عدی بن کعب ہے۔[575]

---

[574](الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹ ملخصا)

[575](المعجم الکبیر، نسبۃ ابی بکر الصدیق واسمہ، الحدیث: ۱، ج ۱، ص ۵۱، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج ۴، ص ۱۴۴)

سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہ کے ساتویں پشت میں ملنے کا شجرہ نسب ملاحظہ کیجئے:

نقشہ شجرۂ نسب		
حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم	حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ابو قحافہ عثمان (والد)	ام الخیر سلمی (والدہ)
حضرت سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عامر	صخر
حضرت سیدنا ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عمرو	عامر
حضرت سیدنا عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ		کعب
حضرت سیدنا قصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ		سعد
حضرت سیدنا کلاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		تیم

حضرت سیدنا مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا لوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا غالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا فہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ		

حضرت سیدنا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ۵۸ویں پشت میں تھے۔[576]

لم ینقل عن السلف المجتہدین و العلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) و احزابہ لان غایۃ امرھم البغی و الخروج علی الامام وھو لا یوجب اللعن۔[577]

ترجمہ: اسلاف، مجتہدین اور علماء وصالحین میں سے کسی سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے گروہ پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے کیونکہ (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران

---

[576] فیضان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[577] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۰۔

کے گروہ) نے امام وقت (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے صرف بغاوت وخروج کیا جس سے لعن لازم نہیں آتا۔

ذهب العمرية والواصلية من المعتزلة الى ان الفريقين فاسقان حتى قال واصل بن عطاء لو شهدالجميع على باقة بقل لم اقبل شهادتهم وذهب الخوارج الى ان الفريقين كافران وذهب الروافض الى ان من عليا (رضى الله تعالىٰ عنه) فهو كافر وقال اهل السنة كان الحق مع على رضى الله تعالىٰ عنه وان من حاربه مخطى فى الاجتهاد فهو معذور وان كلامن الفريقين عادل صالح ولايجوز الطعن فى احدمنهم للاحاديث المشهورة فى مدح الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم والنهى عن وهذا هو الحق فماذا بعدالحق الا الضلال۔[578]

ترجمہ: عمریہ اور معتزلہ میں سے واصلیہ کہتے ہیں کہ دونوں گروہ (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فاسق تھے (نعوذ باللہ) حتیٰ کہ واصل بن عطا نے کہا کہ اگر سب لوگ ان (مذکورہ) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پاکدامنی کی گواہی دیں بھی تو میں کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ دونوں فریق (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کافر ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور روافض کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی وہ کافر ہے اور اہل سنت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور جنھوں نے ان سے جھگڑا کیا وہ اجتہادی طور پر غلطی پر تھے۔ پس وہ معذور (تصور) ہوتے ہیں اور بے شک دونوں فریق عادل وصالح تھے۔ اوران دونوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

---

[578] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۰۳۔

مدح وتوصیف اوران کو گالی نہ دینے کے معاملہ میں احادیث مشہورہ موجودہیں اوریہی بات حق وسچ ہے توحق کے بعد گمراہی کے سوااورکچھ نہیں۔

قال مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شتم احدامن اصحاب رسول اللہ ﷺ ابابکر او عمر اوعثمان اومعاویة اوعمروبن العاص فان قال کانوا علی کفروضلال قتل وان شتمھم بغیر ھذامن مشاتمة الناس فنکل نکالاً شدیداً۔انتھیٰ۔[579]

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یاحضرت عثمان یاحضرت معاویہ یاحضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے(یا)اگرکہے کہ یہ لوگ کفروگمراہی پرتھے تواس شخص کو قتل کردیاجائے اوراگران الفاظ کے علاوہ عام لوگوں کی گالیوں کی طرح گالی دے تواس کو عبرتناک سزادی جائے۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب حتی ان الرجل لیحلف ولایستحلف ویشھدولا یستشھد الامن سرہ بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة فان الشیطان مع الفذوھومن الاثنین ابعدولا یخلون رجل بامراۃفان الشیطان ثالثھم ومن سرقةحسنةوساوت سئةفھو مؤمن۔[580]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عزت واحترام کروکیونکہ وہ تم لوگوں میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پھران لوگوں کی تعظیم کروجوان کے بعدہوں گے۔(یعنی تابعین کرام

---

[579] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۵۵۱۔
[580] رواہ النسائی۔شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۵۵۱۔

رضی اللہ تعالی عنہم) پھر کذب ظاہر ہو جائے گا حتی کہ ایک شخص قسم کھائے گا حالانکہ اسے قسم کھانے کا نہیں کہا گیا ہو گا۔ اور ایک شخص گواہی دے گا حالانکہ اسے گواہی دینے کا نہیں کہا گیا ہو گا۔ اور آگاہ رہو کہ جو شخص جنت میں جانا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہے۔ کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے اور کوئی مرد، عورتوں کے ساتھ اکٹھا نہ ہو کیونکہ (اگر ایسا کرے گا تو) ان میں شیطان تیسرا ہو گا۔ (یعنی گمراہ کرے گا) اور جس نے بھلائی کی چوری کی اور اس سے غلطی بھی سرزد ہو گئی تو وہ مؤمن ہے۔ (یعنی گناہ کرنے سے وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ مؤمن ہی کہلائے گا)۔

وقد حدث فی شر القرون فقة زائغة یسبون الائمة ویذمون التقلید ویدعون الناس الی ترکه مع ان جل مطاعنهم وکل دلائلهم مبنیة علی التقلید لمن سبقهم لأنهم یقولون: خالف أبو حنیفة فی المسألة الفلانیة الحدیث الصحیح۔ فان قلت۔ کیف عرفت أنه حدیث صحیح ؟ ویقولون: صححه الحافظ فی "الفتح" وصححه فلان وفلان۔ ولا یعرفون أنه لما لم یجز لهم تقلید أبی حنیفة کیف جاز لهم تقلید مثل ابن حجر؟ ولما حرمتم التقلید فکیف وجب علی أبی حنیفة تقلید ابن حجر وأمثاله فی تصحیح ما یصححون وتضعیف ما یضعفون؟[581]

ترجمہ: بتحقیق زمانے (کے گزرنے کی وجہ سے) پیدا ہونے والے شر میں ایک فرقہ زائغہ پیدا ہوا (جس کے ماننے والے) امامان دین کو گالیاں دیتے ہیں اور تقلید کو برا جانتے ہیں اور لوگوں کو بھی ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں باوجودیکہ ان کے طعنے واضح و آشکار ہیں اور جو شخص ان کی طرف میلان رکھے اس کیلئے ان کے دلائل تقلید پر مبنی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ

[581] مقدمة اعلاء السنن فوائد فی علوم الفقه ج ۲۱ ص ۷۔

عنہ نے فلاں فلاں مسئلے میں صحیح حدیث کے خلاف کیا اگر ان سے کہا جائے کہ آپ نے صحیح حدیث کو کیسے پہچانا؟ تو کہتے ہیں کہ اس (حدیث) کو حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے "کتاب الفتح" میں صحیح شمار کیا ہے اور فلاں فلاں نے بھی اس کو صحیح کہا ہے (اس لئے ہمیں اس کے صحیح ہونے کا علم ہوا) انہیں خبر نہیں کہ جب ان کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہی نہیں تو ان کیلئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ (اور ان کی طرح کے دوسرے فقہاء) کی تقلید کرنی کیسے جائز ہوئی؟ اور جب وہ تقلید کو حرام کہتے ہیں تو جن احادیث کو وہ صحیح قرار دے رہے ہیں ان کی صحت میں اور جن کو یہ ضعیف قرار دے رہے ہیں ان کو ضعیف کہنے میں (حضرت امام اعظم) ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنا کیسے واجب ہو گا؟

فرقہ حشویہ کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم نہیں ہیں۔

(**نعوذ باللہ من شرورھم**)

وقال الامام الشیخ ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمۃ من الملائکۃ لان الامم مامورون بالاتباع للانبیاء لا الملائکۃ واختار القاضی عیاض عصمتھم بعد الوحی عن کل صغیرۃ و کبیرۃ ونسبہ الی طائفۃ من المحققین وقال قد اختلف فی عصمتھم قبل النبوۃ والصحیح ان شاء اللہ تعالیٰ تنزیھم من کل عیب انتھیٰ۔[582]

ترجمہ: حضرت امام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عصمت میں ملائکہ سے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ امت کو انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ملائکہ کی تابعداری کا۔ قاضی عیاض نے انبیاء علیہم السلام کا وحی آنے کے بعد

[582] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۵۴۔

سارے صغیرہ وکبیرہ سے عصمت اختیار کیاہے اوراس بات کو محققین کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں محققین کے اس گروہ نے اختلاف کیاہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ (انبیاء علیہم السلام) تمام عیوب سے پاک ہیں۔

فرقہ ناجیہ اہل وسنت والجماعت کاعقیدہ یہ ہے کہ خلفاءراشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی خلافت کی وہ ترتیب جو متن میں بیان ہوئی ہے وہی حق ہے اوراس امت کے بہترین انسان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ پھر حضرت عثان رضی اللہ تعالی عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے کہ

عن ابی هریرة ان رسول اللہ ﷺ قال ابوبکرو عمر خیر الاولین و الآخرین و خیر اهل السموات و خیر اهل الارضین الاالنبیین و المرسلین۔[583]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاکہ ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انبیاءاور مرسلین علیہم السلام کے علاوہ سب پہلوں اور پچھلوں سے بہتر وممتاز ہیں اور(نہ صرف یہ بلکہ)زمین وآسمان والوں سے بھی۔

علامات السنة و الجماعة تفضیل الشیخین ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنهما و محبة الختنین عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما و الختن بفتحتین زوج البنت و دلیل توقفهم الاکتفابذکر المحبة فیهمامن غیرتعرض للتفضیل کمافی الشیخین و حسبک دلیلاعلی الاهتمام بمسئلة الافضلیة انهامن علامات السنة و الانصاف اصله جعل الشئی نصفین ثم

---

[583] رواه الحاکم، ابن عدی، الخطیب، شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۴۸۴۔

اطلق على الصلح بين الخصوم بقسمة المتاع فيه بينهمانصفين ثم اطلق على العدل بين الخصمين انه ان اريدبالافضلية كثرة الثواب اى كثرة الجزاء على اعمال الخير من الدرجات الرفيعة فى الجنان وكثرة التقرب الى الرحمن فللتوقف جهة لان كثرة الثواب لاتعرف بالعقل ولذاتوقف الامام مالک قيل له اى الناس افضل بعدنبيهم فقال ابو بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهمابلاشک فقيل له وعثمان وعلى رضى الله تعالىٰ عنهماقال ماادر كت احدااقتدى به بفضيل احدهماعلى الآخر وكذاتوقف امام الحرمين وابوعباس القلانسى۔[584]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کی نشانیاں یہ ہیں کہ فضیلت شیخین حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محبت ختنین حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ختن کا لفظ زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں بیٹی کا شوہر (یعنی داماد)۔ اوران دونوں کی محبت پر بغیر تعرض کے فضیلت کیلئے دلیل توقف سے اکتفا کیا ہے جس طرح شیخین اور یہ دلیل کافی ہے کہ اس مسئلہ اوران دونوں کی فضیلت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر علامات اہل سنت کا اہتمام ہو جائے اورانصاف کی اصل (یعنی انصاف کی تعریف) یہ ہے کہ کسی چیز کو نصف نصف (دو حصوں میں) تقسیم کرنا (انصاف کہلاتا ہے) پھران دونوں کے جھگڑے کے درمیان صلح پر نصف نصف متاع تقسیم کرنے پر اطلاق کیا پھر ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان عدل کا اطلاق ہوا بے شک افضلیت کے ارادہ کا زیادہ ثواب ہے یعنی جنت میں درجات عالیہ سے اعمالِ خیر میں زیادہ اجر ہے اوررحمن کے زیادہ قریب ہونا ہے۔ پس توقف اس وجہ سے ہے کہ زیادہ ثواب کا اندازہ عقل سے نہیں ہوتا اوراسی وجہ سے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توقف کیا کسی نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[584] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۴۹۰۔

سے سوال کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے لوگوں میں کون افضل ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بغیر شک وشبہ کے حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں کہ ان دونوں میں سے کون ایک دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے اور ان میں سے پہلے کس کی اقتداء کروں اوراسی طرح امام حرمین اورابو عباس قلانسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔

حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال کنانقول ورسول اللہ ﷺ حی افضل امتہ بعدہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فلاینکرہ رواہ الترمذی وثانیھمانصوص السلف فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خیر الناس فی ھذہ الامۃ بعدابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم انارواہ الحافظ ابو سعید السمان کمافی فضل الخطاب بل حکی ابو منصور البغدادی الاجماع علی ان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل۔[585]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم زندہ تھے اور ہم کہتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پس ہماری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے (ہماری) اس بات سے

[585] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۱۔

انکار نہیں فرمایا۔(رواہ الترمذی)اوراس بارے میں دوسری دلیل نصوص سلف ہے پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس امت کے بہترین لوگوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)(رواہ حافظ ابو سعید سمان) جس طرح فضیلتِ خطاب میں بلکہ ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکایت کیااس پر اجماع ہے کہ بے شک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں۔

عن عبداللہ بن عمررضی اللہ تعالی عنهماقال اجمع المهاجرون والانصارعلی ان خیرهذه الامةابوبکررضی اللہ تعالیٰ عنه وعمررضی اللہ تعالیٰ عنه وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه رواه خشیمة بن سعدوقال الامام النووی فی شرح مسلم الصحیح المشهورتقدیم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنه انتهیٰ۔[586]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصاراس بات پر متفق ہو گئے کہ اس امت میں بہترین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔(رواہ خشیمہ بن سعد) اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کی شرح میں فرمایاہے کہ صحیح اور مشہور بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقدم ہونا ہے۔

اختلف الروایات فیه علی اقوال فاحدها:انه بایعه فی الاول فعن ابی سعیدالخدری قال فی حدیث السقیفة صعدابوبکر المنبر فنظر فی وجوه القوم فلم یر علیافدعاه فجاء فقال یاابن

---

[586] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۲۹۴۔

عم رسول اللہ ﷺ اردت ان نفرق المسلمین فقال لاتثریب یاخلیفۃ رسول اللہ ﷺ فبایعہ رواہ الحاکم والبیھقی وصحہ ابن حبان وانماتوقف ساعۃ لاشتغالہ بغسل النبی ﷺ ثانیھما: انہ بائع بعدستۃ اشھر بعدموت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنھا وھذافی صحیح البخاری ومسلم وثالثھما: وھوالصحیح الجامع بین القولین انہ بایعہ فی اول الامرثم تأخرعن صحبۃ حتی اعادالبیعۃ بعدستۃ اشھر۔[587]

ترجمہ: ان اقوال کے بارے میں مختلف روایات ہیں پس ان میں سے اول: بے شک آپ نے پہلے بیعت کی پس حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حدیث سقیفہ میں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھے اوراپنی قوم کے چہروں کی طرف دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ پایا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو طلب کیا جب وہ آگئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چچازاد کیا آپ کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں میں جدائی پیدا کریں؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے خلیفہ، تثریب (سرزنش، ملامت، طعنہ، لپٹنا) نہیں پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بیعت کی رواہ حاکم و بیہقی اورابن حبان نے صحیح فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو غسل دینے میں مصروف ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دیر توقف کیا۔

---

[587] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۴۹۴۔

دوم: بتحقیق آپ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے چھ ماہ بعد بیعت کی اور یہ صحیح البخاری اور مسلم میں ہے۔

سوم: اور یہ بات دو اقوال کے درمیان صحیح اور جامع ہے کہ بے شک (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلافت کی ابتداء میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر لی تھی پھر صحبت اختیار کرنے میں تاخیر ہو گئی حتی کہ چھ ماہ بعد بیعت کا اعادہ کیا۔

فصل نمبر ۷:

نقر بان العبد مع اعماله و اقراره و معرفته مخلوق فلما كان الفاعل مخلوقا اولى ان يكون فعله ايضاً مخلوقا و لم يكن لهم طاقة لانهم ضعفاء عاجزون و الله تعالىٰ خالقهم و رازقهم لقوله تعالىٰ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الروم ۴۰)۔ و الكسب بالعمل حلال و جمع المال من الحرام حرام الخلق على ثلثة اصناف المؤمن المخلص فى ايمانه و الكافر المجاهر فى كفره و المنافق المداهن فى نفاقه و الله تعالىٰ فرض على المؤمن العمل وعلى الكافر الايمان وعلى المنافق الاخلاص لقوله تعالىٰ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ (البقرة ۲۱) معناه يا ايها المؤمنون اطيعوا و ايها الكافرون امنوا و ايها المنافقون اخلصوا۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال اور اقرار اور معرفت کے ساتھ مخلوق ہے پس جب فاعل (بندہ) مخلوق ہو تو اس (بندے) کا فعل بھی بطریق اولیٰ مخلوق ہو گا اور یہ بندے (کسی چیز کو خلق کرنے کی) طاقت نہیں رکھتے کیونکہ مخلوق کمزور اور عاجز ہے (اس لئے کسی چیز کو خلق کرنے کی طاقت نہیں رکھتے) اور اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا"

اور کسب کرنا(کسی بھی فن یعنی مزدوری، نجاری، تجارت اور درزی گری وغیرہ کے ذریعہ سے رزق کمانا) حلال ہے اور حرام طریقے کے ذریعہ سے مال جمع کرنا حرام ہے (جیسے چوری، رشوت، سود اور زنا وغیرہ کے ذریعہ سے)۔

مخلوق (انسان، ملائکہ اور جنات) کی تین اقسام ہیں

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں (ان میں نفاق نہیں ہوتا)۔ (دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں) جو کافر ہوں اور اپنے کفر کو ظاہر کرنے والے ہوں (یعنی علی الاعلان کہتے ہوں کہ ہم دہری، ہندو، یہودی یا نصرانی ہیں)۔ (تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں) جو منافق ہوں (باطن اور دل میں کافر ہوں اور ظاہری طور پر مسلمان ہوں)۔ اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن پر صرف عمل (نماز اور روزہ وغیرہ) فرض کیا ہے اور کافر پر ایمان لانا (فرض کیا ہے) اور منافق پر اخلاص (فرض کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اے لوگو اپنے رب کو پوجو" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ اے ایمان والو (اللہ تعالیٰ کی) اطاعت کرو (نماز و روزہ وغیرہ ادا کرو اور زنا، قتل، شراب اور چوری وغیرہ سے پرہیز کرو)۔ اور اے کفار ایمان لاؤ۔ اور اے منافقین ایمان میں اخلاص لاؤ اور نفاق کو چھوڑ دو۔

تشریح

قدریہ اور ملاحدہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہم ہر چیز پر قادر ہیں جب ہم کوئی کام کاج کرتے ہیں تو اس کے ذریعہ سے ہم رزق حاصل کر لیتے ہیں اور اسی طرح ہم نیکی اور بدی دونوں پر بھی قادر ہیں۔

اور بعض گروہ کہتے ہیں کہ کام کاج سے تو مال ہی جمع ہوتا ہے چاہے وہ کام حرام ہو یا حلال، جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے پھر حرام سے بچنا اور حلال کو کرنا ضروری ہے۔

مرجیہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہے باقی کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

اور فرقہ سائبہ جو کہ مرجیہ فرقے کی ہی ایک شاخ ہے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایمان کا جزو نہیں ہے اور ہم (اہل سنت والجماعت) کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے تمام اوامر کو ظاہراً و باطناً اور دل و زبان سے تسلیم کرتے اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں اس لئے کہ شریعت پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا مسلمان پر فرض ہے۔

فصل نمبر ۸

نقربان الاستطاعة مع الفعل لاقبل الفعل ولابعدالفعل لانه لوكان قبل الفعل لكان العبدمستغنياعن الله تعالىٰ وقت الفعل وهذاخلاف النص لقوله تعالىٰ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد۳۸) ولوكان بعدالفعل لكان من المحال حصول الفعل بلااستطاعة۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (کسی کام کو کرنے کی) طاقت، اس کام کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ (یہ طاقت) نہ تو اس فعل سے پہلے ہوتی ہے اور نہ ہی بعد میں۔ کیونکہ اگر فعل سے پہلے طاقت

ہوتی توبندہ اس فعل کے وقت اللہ تعالیٰ سے غنی (لاپرواہ) ہوتا (یعنی جب بندے میں پہلے سے طاقت موجود ہوتی تووہ فعل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج نہ ہوتا) جبکہ یہ بات آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج" اوراگر وہ طاقت (یاکام کرنے کی قدرت) فعل کے بعد پیدا ہو تو یہ بات ناممکن ہے کیونکہ طاقت وقدرت کے بغیر کسی کام کو سرانجام دینامحال ہے۔

تشریح

اہل سنت والجماعت کاعقیدہ تواوپر متن ہی میں بیان ہوگیاہے جس میں مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم ہم اس موضوع پر دوسرے فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ معتزلہ کے گروہ کاعقیدہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے جبکہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔

مضطریہ جو کہ جبریہ گروہ کی ایک شاخ ہے وہ کہتے ہیں کہ

قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔[588]

ترجمہ: انسان کے پاس تمام افعال کی طاقت اللہ کی طاقت کے برابر نہیں ہے (بلکہ بعض افعال کی طاقت انسان کو دی گئی ہے)۔

اسی طرح جبریہ فرقے کا گروہ یہ عقیدہ رکھتاہے۔

---

[588] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ ص ۴۸۔

والافعالية-قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔[589]

ترجمہ: افعال واعمال تو ہم سے ہی ادا ہوتے ہیں لیکن ان کو کرنے کی طاقت ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ہم (طاقت واستطاعت میں) چوپائیوں کی طرح ہیں جو نکیل کے ساتھ باندھے ہوئے ہوتے ہیں (یعنی جیسے چوپائے بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے کسی فعل کی طاقت نہیں رکھتے ایسے ہی انسان بھی بے بس ہے)۔

جبریہ فرقے کا ایک گروہ جس کا نام منبہ ہے ان کا اور مجوسی فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ

ذهب المجوس الی ان للعالم فاعلین احدهما الله تعالیٰ وهو فاعل الخیر وخالق الحیوان النافع والثانی الشیطان وهو فاعل الشر وخالق الحیوان ضار۔[590]

ترجمہ: مجوسی کہتے ہیں کہ جہان کے دو فاعل ہیں (یعنی دو خدا) ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ ہے جو خیر و بھلائی کا بھی فاعل ہے اور نفع دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے جبکہ دوسرا فاعل شیطان ہے جو شر (اور گناہوں کے کاموں) کا فاعل بھی ہے اور نقصان دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے۔

علامہ محمد عبد العزیز الفرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

فانهم یعتقدون آلهین یزدان خالق الخیر واهرمن خالق الشر۔[591]

---

[589] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ ص۴۸۔
[590] شرح العقائد النسفیة ج۹ ص۱۶۱ طبع مکتبة العلم کانسی روڈ کوئٹہ۔
[591] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص۲۶۵۔

ترجمہ: یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معبود دو ہیں ایک یزدان ،جو خیر و بھلائی کا خالق ہے اور دوسرا اَہر من جو کہ شر کا پیدا کرنے والا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ بندہ اور اس کے افعال واعمال کا خالق حقیقی اور موئثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اسی لئے ثواب وعقاب کا حق دار ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَاتَعۡمَلُونَ (الصفت ۹٦)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اوردوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیءٍ فَاعۡبُدُوہُ۔(الانعام ۱۰۲)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو۔

تیسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

وَقَالَ اللّٰہُ لَاتَتَّخِذُوا اِلٰـھَینِ اثۡنَینِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (النحل ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے۔

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خالق حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذاتِ بابرکات ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ماوراء النہر کے مشائخ نے مجوسیوں اور معتزلہ کا ان الفاظ سے موازنہ کیا ہے۔

ان مشائخ ماوراءالنہر قدبالغوافی تضلیلھم فی ھذہ المسئلة حتی قالواان المجوس اسعدای احسن حالامنھم حیث لم یثبتوا الا شریکاواحداوھواھرمن والمعتزلة اثبتواشرکاءلاتحصیٰ۔[592]

ترجمہ: بتحقیق ماوراءالنہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایاکہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کاحال بہت اچھاہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیاہے جوکہ ''اَہر من'' ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کواپنے افعال کاخالق مان کراسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت میں شریک ٹھہرادیتے ہیں)۔

لیکن معتزلہ بندے کوخالق بالذات نہیں کہتے بلکہ حادث جانتے ہیں تاہم جمہور متکلمین نے ان کے اس قول سے ان کومشرک قراردیاہے۔

فصل نمبر۹

نقربان المسح علی الخفین جائزللمقیم یوماولیلة وللمسافرثلثة ایام ولیالیھالان الحدیث وردھکذاومن انکرفانه یخشی علیه الکفرلانه ثبت بالخبرالمتواتروالقصر والافطار رخصة فی السفربنص الکتاب لقوله تعالیٰ واذاضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروامن الصلوۃوفی الافطار قوله تعالیٰ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرة ۱۸۴)

---

[592] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۲۶۵۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں جائز کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے تو جو شخص (موزوں پر مسح) سے منکر ہو (جیسے روافض) تو بتحقیق اس طرح کے شخص پر کفر کا ڈر ہے کیونکہ (موزوں پر مسح) کرنا حدیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور قصر کرنا (چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کرکے ادا کرنا) اور سفر میں روزہ نہ رکھنے میں رخصت ہے اور یہ رخصت صریح الفاظ میں قرآن سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں"۔

تشریح

روافض موزوں پر مسح کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ننگے پاؤں پر ہی مسح کرتے ہیں۔ موزوں پر مسح کے بارے میں روافض کے گروہوں میں بھی اختلاف ہے۔

اور بعض گروہوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رخصت کے دنوں میں یا بیماری اور سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یخشی علیہ الکفر کے الفاظ فرمائے ہیں اور اس طرح قطعی حکم نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہے اس کی وجہ جاننے سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ حدیثِ متواترہ کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم کی متواتر حدیث لفظاً اور معناً ہوتی ہے جس کا منکر یقینی کافر ہے۔ اور دوسری قسم کی متواتر حدیث ازروئے معناً ہوتی ہے نہ کہ لفظاً۔ یعنی احادیث واردہ کے الفاظ مختلف ہوں مگر اس

کے معنی کسی چیز کی جانب راجع ہوتے ہوں تو اس طرح کی حدیثِ متواترہ کے منکر پر کفر کا ڈر ہے اور موزوں پر مسح کرنے والی حدیث دوسری قسم سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سفر میں چار رکعت فرض کو پورا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَمَن يَّتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق ۱)

اور جو اللہ کی حدّوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں سفر کی مسافت بوجھ لادے ہوئے اونٹ کی چال سے تین دن کی ہے اور آرام کرنے کا دورانیہ اس میں سے خارج ہے چنانچہ یہ مسافت تخمیناً تین فرسخ بنتی ہے جس کی مقدار ۴۸ میل یا ۷۷ کلو میٹر ہے۔

گاڑی یا جہاز کی مسافت میں تین دنوں کی شرط نہیں ہے بلکہ اگر تیز رفتار گاڑی یا جہاز نے یہ مسافت ایک دن یا اس سے کم میں طے کر لی تو بھی یہ شخص مسافر ہی شمار ہو گا۔

فصل نمبر ۱۰

نقربان اللہ تعالیٰ امر القلم بان یکتب فقال القلم ماذااکتب یاربی فقال اللہ تعالیٰ ماھو کائن الی یوم القیمۃ لقولہ تعالیٰ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿القمر ۵۳﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو اس بات کا امر فرمایا کہ لکھو تو قلم نے عرض کیا" اے میرے رب میں کیا لکھوں" تو اللہ تعالیٰ نے (قلم کو) فرمایا کہ قیامت کے دن تک ہونے والی

ہر چیز کی (تقدیر) لکھ دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " اور انہوں نے جو کچھ کیا سب کتابوں میں ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔"

تشریح

حضرت فارابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"لاتظنن ان القلم آلة جمادية" آپ یہ گمان نہ کریں کہ قلم بے جان چیزوں میں سے ایک آلہ ہے جیسے کہ ہمارے ہاں قلم کی جنس موجود ہے بلکہ وہ قلم جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ فرشتوں میں سے ایک نورانی فرشتہ ہے جو کہ فہم وادراک اور سوال وجواب کے قابل ہے۔

اہل وسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوح محفوظ میں ان باتوں کے لکھنے کا حکماً امر نہیں فرمایا بلکہ قلم کو لوح محفوظ میں ان سب چیزوں کے اوصاف لکھنے کا امر فرمایا جیسے خوبی اور برائی، طول وعرض، چھوٹا پن اور بڑا پن (مثلاً ٹیلہ چھوٹا اور پہاڑ بڑا ہے) کمی اور کثرت (مثلاً علماء کم اور عوام زیادہ ہیں) ہلکا پن اور بھاری پن (مثلاً قلم ہلکا ہے اور کتاب بھاری ہے) گرمی اور ٹھنڈک (مثلاً آگ گرم ہے اور برف ٹھنڈی ہے) عبادت اور نافرمانی (مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ارادے، اختیار اور اپنے کسب سے حضور نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر بغیر کسی سوچ کے ایمان لائیں گے اوراپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغات کریں گے اوراسی طرح لوح محفوظ میں لکھاہے کہ ابوجہل لعین اپنے ارادے،اختیاراوراپنے کسب سے اسلام منکر ہو گااور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بہت نصیحتوں اوراپنے اختیار کے باوجود کفر سے ایمان لائے گا) ارادہ اور قدرت (مثلاًکسی کام کیلئے ارادہ کرنا جیسے نماز یاکسی کام پر قادر ہونا جیسے تندرست انسان نمازاداکرنے پر قادرہو تاہے)اورکسب یادوسرے غیر مذکورہ اوصاف جیسے(سفید،سیاہ، اور سرخ وغیرہ) احوال (مثلاً زید تندرست ہے یا غنی ہے اور عمر بیمار یا مسکین ہے)اوراخلاق (مثلاًزید بہت اخلاق والا، سخی اور حلیم ہے اور عمر بہت بد مزاج، بخیل اور غضبناک ہے)۔

لوح محفوظ میں کسی کام کے واقع ہونے پر مطلق حکم نہیں دیاگیا(کہ زید حتماً کافر ہو جائے گااور عمر حتماً مسلمان ہو گا۔بغیر وصف اور سبب کے)۔

(کہ زیداور عمر کوارادے اور کسب میں اختیار حاصل ہے)۔

اوراللہ تعالیٰ نےلوح محفوظ میں اس طرح بھی نہیں لکھاکہ زید مؤمن ہو گااور عمر کافر ہو گاکیونکہ اگرایسالکھاگیاہوتاتوایمان لانے پر مجبور ہوتااور عمر کافرہونے پر مجبور ہو تااس لئے کہ جس چیز کے ہونے کااللہ تعالیٰ نے حکم فرمایاہووہ حتماًواقع ہوتی ہے علاوہ ازیں جس چیز کا اللہ تعالیٰ حکم دے تواس کے حکم کارد کرنے والا کوئی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نےلوح محفوظ میں اس طرح لکھاہے کہ زید اپنے اختیار اورقدرت سے ایمان لائے گااورایمان کاارادہ کرے گااور کفر کاارادہ نہیں

کرے گا اور لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ عمر اپنے اختیار اور قدرت سے کفر کا راستہ اختیار کرے گا اور یہ کفر کا ارادہ کرے گا اور ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان سب باتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے افعال میں جبر نہیں ہے اور دوسرا مقصد جبریہ فرقے کے عقائد کو باطل ثابت کرنا ہے کیونکہ جبریہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ:

كمازعمت الجبرية انه لافعل للعبداصلاوان حركاته بمنزلة حركات الجمادات لاقدرةعليهاولاقصداوالاختيار وهذاباطل لانانفرق بالضرورة بين حركةالبطش وحركة الارتعاش ونعلم ان الاولىٰ باختياره دون الثانى۔[593]

ترجمہ: جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ کا کوئی (اختیاری) فعل ہے ہی نہیں اور اس کی حرکات، جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان پر اسے نہ قدرت ہے نہ قصد ہے نہ اختیار جبکہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ ہم بدیہی (واضح) طور پر حرکتِ بطش (حملہ اور گرفت) اور حرکتِ رعشہ کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری نہیں۔

جبریہ کا گروہ قطعاً کافر ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

ا۔ جبریہ کا گروہ ان آیات سے انکار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

---

[593] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۱۲۵۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿الواقعة ۲۴﴾

صلہ ان کے اعمال کا۔

فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکھف ۲۹)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

جبریہ کا گروہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بھیجے جانے سے بھی انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نہیں بھیجا۔

۲۔ جبریہ کے گروہ کے مطابق جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر یا اسلام لانے پر مجبور ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجنا بے فائدہ ہوا۔

۳۔ جبریہ کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کیلئے کتابوں کا نازل کرنا بھی لغو ہے کیونکہ جب کتابوں میں درج اوامر و نواہی کا ان کو اختیار ہی نہیں ہے تو پھر اس کا فائدہ کیا؟

۴۔ جبریہ کے مذہب کے مطابق ثواب و عقاب اور جنت و دوزخ بھی لغو ہے کیونکہ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جمادات کو ثواب و عقاب نہیں دیا جائے گا بلکہ بے زبان حیوانات بھی اس سے آزاد ہیں۔

غاية التحقيق فی شرح العقائد يقول الفقير سامحه القدير قد قال الامام ابو حامد محمد الغزالی رحمه الله تعالیٰ فی احياء العلوم يلزم السكوت فی هذه المسئلة ای مسئلة القدر و لو يتكلم فيها يلزم وقوف الكلام عند قول الحنيفة رحمه الله تعالی و التجاوز عنه ضلال و زندقة۔

ترجمہ: غایۃ التحقیق فی شرح العقائد میں فقیر (اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے) حضرت امام ابو حامد محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ (مسئلہ قدر) میں خاموشی

اختیار کرنی چاہیئے اوراگراس (مسئلہ قدر) میں کوئی کلام کرے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس پر اس میں سکوت کرنا لازم ہے اوراگر کسی نے اس میں تجاوز کیا تو وہ گمراہ اور زندیق ہے۔

اوراسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاسے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہافرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاجس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کیاتوروز قیامت اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا اور جو تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ نہیں کرے گا اس سے نہیں پوچھاجائے گا۔(رواہ ابن ماجہ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف (فارسی) میں فرمایاہے کہ اس حدیث کا مقصد جس کو صاحب مشکوۃ نے بھی روایت کیاہے اس میں قدر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے روکناہے کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ روزِ قیامت میں اس پر عتاب اور سرزنش ہے تواس لئے بہتر بات یہ ہے کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رکھاجائے اوراس مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے اجتناب کیاجائے۔

بعض لوگ کبھی کبھی یہ سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث کی روسے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قدر کے مسئلہ میں بحث نہیں کرنی چاہیئے تھی اوراسی طرح امتِ مرحومہ کے علماء کرام نے بھی عقائد کی کتب میں قدر کے مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کیاہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس امت مرحومہ میں اہل بدعت وہوا پیدا ہو گئے تھے جیسے کہ جبریہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ تو اہل سنت والجماعت کے علماء کرام مجبور ہوئے کہ اپنی کتب میں اس مسئلہ کی توضیح قرآن کریم واحادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مطابق کریں تاکہ امتِ مرحومہ کو ان فرقوں کی گمراہی اور فتنے سے محفوظ رکھ سکیں اور اگر اہل سنت والجماعت کے علماء کرام اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کر لیتے تو ساری امت گمراہی اور فتنے کے راستے پر گامزن ہو جاتی۔

جآءفی الحدیث مایدل علی النھی ولکن المتاخرین اضطروا الی البحث عنھا رواعلی الجبریة والقدریة والمذھب فیھاستة۔

فاحدھا: للمعتزلة وھوان الفعل بقدرة العبدوحدھا بالایجاب واضطرار۔

ثانیھا: للجبریة وھوان الفعل بقدرة اللہ وحدھا ولیس للعبدقدرة واختیاربل ھو کالجماد۔

ثالثھا: للاشعری وھوان الفعل بقدرة اللہ وحدھا ولکن للعبدقدرة واختیار اذاصرفھاالی الفعل خلق اللہ الفعل منه فالفعل مخلوق اللہ ومکسوب العبد۔

رابعھا: للفلاسفة وینسب الی امام الحرمین وھوان المؤثر قدرة العبدوحدھا بالایجاب واستحالة التخلف وقال بعض المحققین مذھب الحکماءان قدرة العبدکالاسباب والادوات وامامفیدالوجودفلیس الاالحق سبحانه قلت وھذاقریب من مذھب الاشعری بل کانه ھو۔

خامسھا: للاستاذابی اسحق الاسفرائی وھوان المؤخرمجموع القدرتین لاعلی ان کلا منھمامؤثرمستقل مایزعم فانه محال بل علی ان قدرة العبدغیرمستقلة بالتاثیر فاذا انضمت الیھاقدرةالحق سبحانه صارت مؤثرة۔

سادسها: للقاضی ابی بکر الباقلانی وهو ان الموثر فی اصل الفعل قدرة الله وفی وصفه قدرة العبد ومثلوه بلفم الیتیم ایذاء وتادیبافاللطم صارعن قدرة الحق سبحانه وکونه ذنباو طاعةبقدرةالعبد۔[594]

ترجمہ: جس طرح حدیث میں اس (قضاءوقدر کے مسئلہ)میں بحث ومباحثہ سے منع فرمایا گیاہے مگر علماء متاخرین نے حالتِ اضطرار میں (قضاء وقدر) پر بحث کو جبریہ اور قدریہ پر جائز فرمایاہے اوران میں چھ مذاہب ہیں جن میں سے:

اول: معتزلہ ہے جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف بندہ کو ہے سب ایجاد فعل اوراضطرار میں۔

دوم: جبریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اکیلا بندہ کچھ نہیں اور بندے کو کچھ قدرت اوراختیار نہیں بلکہ وہ ایک جماد (پتھر) ہے۔

سوم: اشعریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر بندہ قادراوراختیاروالاہے جو کہ فعل کو تغیر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے مخلوق کو خلق کیا پس یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق کاہے اور بندہ کا سب۔

چہارم: فلاسفہ ہیں جو امام حرمین کیلئے نسبت کرتے ہیں کہ ایجاداور طلب حالت مخالفت میں مؤثر قدرت صرف بندے کو ہے اور مذہب کے بعض محققین حکماءنے کہاہے کہ قدرت بندہ جس طرح اسباب اورادوات (بیماریاں)ہیں مفیدوجود نہیں مگر حق سبحانہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ مذہب اشعریہ کے نزدیک ہے بلکہ انہیں میں سے ہے۔

---

[594] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۲۷۲۔

پنجم: استاذ ابو اسحاق اسفرائی ہیں وہ کہتے ہیں کہ بے شک مؤثر مجموعہ دونوں قدرتیں ہیں نہ کہ دونوں مستقل موئثر ہیں ان کا گمان ہے کہ یہ محال ہے بلکہ قدرتِ بندہ تاثیر میں غیر مستقل ہے جس وقت قدرت حق سبحانہ ضم ہو جائے تو موئثر ہو جاتا ہے۔

ششم: قاضی ابی بکر باقلانی ہیں جو کہتے ہیں کہ بے شک اصل میں موئثرِ فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور وصف میں بندے کی قدرت اور اس کی مثال یتیم کو ایذا اور تکلیف کیلئے تھپڑ مارنا ہے پس یہ تھپڑ حق سبحانہٗ کی قدرت ہو گی اور حالتِ کون اس کی گناہ اور طاعت بندے کی قدرت۔

فصل نمبر ۱۱

نقر بان عذاب القبر کائن لا محالۃ وسؤال المنکر و النکیر حق لورود الاحادیث و الجنۃ و النار حق وهما مخلوقتان لا فناء لهما لقوله تعالیٰ فی حق الجنۃ ۔ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿آل عمران۱۳۳﴾وفی حق النار۔ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ﴿البقرة۲۴﴾ خلقهما اللہ تعالیٰ للثواب و العقاب و المیزان حق لقوله تعالیٰ۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيٰتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿الاعراف ۹﴾ وقرائته الکتاب یوم القیامۃ حق لقوله تعالیٰ وَ نُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَلْقٰهُ مَنشُورًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿الاسراء ۱۴﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ قبر کا عذاب ہونا حق ہے ناممکن نہیں ہے (سب کفار اور بعض گناہگار مؤمنوں کیلئے) اور (قبر میں) منکر و نکیر (جو کہ فرشتے ہیں) کا سوال کرنا حق ہے کیونکہ ان کے بارے میں احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں آیا ہے اور جنت ودوزخ حق ہیں اور دونوں مخلوق ہیں اور دونوں کیلئے فنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا جنت کے بارے میں فرمان ہے کہ ”

پرہیز گاروں کے لئے تیار رکھی ہے" اور دوزخ کے بارے میں "تیار رکھی ہے کافروں کے لئے" اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ثواب کیلئے (جنت) اور عذاب کیلئے (عذاب) پیدا کیا ہے اور ترازو (اعمال کے تولے جانے کیلئے) حق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلّے بھاری ہوئے وہی مُراد کو پہنچے اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی اُن زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے" اور بروز قیامت اپنے اعمال ناموں کو پڑھنا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کُھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے"

اللهم اجعلنامن الذين ثقلت موازين حسناتهم ولاتجعلنامن الذين خفت موازين حسناتهم أمين يارحمن بحرمة شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن۔

تشریح

جہمیہ کا ایک گروہ لقیریہ، بعض معتزلہ اور روافض یہ چاروں گروہ قبر کے عذاب سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ:

وأنكر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض، لأن الميت جماد لا حياة له ولا إدراك، فتعذيبه محال۔[595]

ترجمہ: اور بعض معتزلہاورروافض نے قبر کے عذاب سے انکار کیاہے کیونکہ ان کے نزدیک میت بے جان وبے حس جسم ہوتاہے نہ اس میں حیات ہوتی ہے اورنہ کسی قسم کاادراک لہذااس کوعذاب دینامحال ہے۔

لان الميت جمادبالفتح لاحيوة له ولاادراك وفتعذبيه محال فالنصوص الناطقة به ماولةواجاب الصالحی من المعتزلةوبعض الكراميةوالامامابن جرير الطبری من اهل السنة بان الميت عذب يعذب بلاحيوة۔[596]

ترجمہ: کیونکہ میت (ایک پتھر کی طرح) بے جان شئے ہےاوراس میں زندگی نہیں ہوتی اورنہ ہی کسی چیز کےادراک کی صلاحیت ہوتی ہے۔اس لئے اسے عذاب دینامحال ہے پس ان کی تاویل پر نصوص ناطق ہیں اور معتزلہ میں سے صالحہ اور بعض کرامیہ اوراہل سنت میں سے امام جریر طبری نے یہ جواب دیاہے کہ میت کوزندگی عطاکیے بغیرہی عذاب دیاجاتاہے۔

لايستلزم اعادة الروح فی البدن هذاجواب اشكال اورده المعتزلة مستدلين ادراك الالم واللذة فيمكن ان يحصل بادنى تعلق للروح بالبدن سواء كان الروح فوق السماءالسابعة اومحبوسافی سجين وشبهواهذاالتعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعة على الارض وعندی فی هذاالجواب بحث وهوان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعادفی الجسدعندالسوال فالجواب بانكار الاعادة غيرموجه وقداجاب المشائخ

---

[595] شرح العقائدالنسفیہ ص ۱۴۱۔

[596] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص ۳۲۱۔

من هذه الآية بوجوه آخر احدها ان حيوة القبر وان كانت عند السوال باعادة الروح فهي حيوة ضعيفة فجاز ان لا يسمى زالها موتا۔[597]

ترجمہ: بدن میں روح کا داخل ہونا لازمی نہیں ہے یہ ایک اشکال کا جواب ہے معتزلہ نے ادراک ،درد اور لذت کے دلائل پیش کیے پس ممکن ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق حاصل ہو صحیح بات یہ ہے کہ روح ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے یا سجین میں قید ہے اور ان کے اس شبہ کا تعلق سورج کی شعاعوں کا چوتھے آسمان سے زمین پر واقع ہونے سے ہے اور ہمارے نزدیک اس جواب میں ایک بحث ہے اور اس کے بارے میں احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ بے شک جس وقت (مردے سے) سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح بدن کی طرف لوٹ آتی ہے پس ان کا جواب جو کہ (روح کے لوٹنے) سے انکار ہے یہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور بتحقیق مشائخ کرام نے کئی ایک وجوہات سے (اس بات کا) جواب دیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ قبر میں سوال کے وقت زندگی (ملنا) بھی ایک ضعیف سی زندگی ہی ہے۔ پس اس (زندگی) کے زائل ہونے کو موت کا نام نہ دینا ہی جائز ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

أخبر بها الصادق علي ما نطقت به النصوص, قال الله تعالي: (اَلنَّارُ یعْرَضُونَ عَلَیهاغُدُوًّا وَّ عَشِیا وَ یوْمَ تَقُومُ السَّاعَةَ اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) [غافر:46]، وقال الله تعالي: (اُغْرِقُوا فَاُدْخِلُوا نَارًا) [نوح:25]، وقال النبيّ صلّي الله عليه وسلّم: ((استنزهوا عن البول

---

[597] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۲۲۔

فإنّ عامّة عذاب القبر منه))، وقال الله تعالي: (يُثَبِّتُ الله الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ) [إبراهيم:27] نزلت في عذاب القبر۔[598]

ترجمہ: مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے جیسا کہ نصوص ناطق ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "آگ جس پر صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو" اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے" اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ "پیشاب سے بچو کیونکہ زیادہ تر قبر کا عذاب اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔" اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر" یہ آیت قبر کے عذاب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

قبر کے فتنہ سے امن میں رہنے کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاہے کہ:

وعن أبى أمامة أن النبيﷺ قال من رابط في سبيل الله أمنه الله من فتنة القبر ۔ رواه الطبراني في الكبير والاوسط۔[599]

---

[598] شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۰۔

[599] مجمع الزوائد للهیثمی ج ۱۲ ص ۹۲۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶۔

ترجمہ: حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بتحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر۔[600]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔

ایک گروہ منصوریہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ جنت ودوزخ ایک وہم وخیال اور تصور ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اور معتزلہ کا ایک گروہ ترازو میں اعمال کے تولے جانے سے منکر ہے۔

(والوزن حقّ) لقوله تعالي: (وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ) [الأعراف:8] و ((الميزان)) عبارة عمّا يعرف به كيفيّة مقادير الأعمال، والعقل قاصر عن إدراك كيفيّته، وأنكرته المعتزلة؛ لأنّ الأعمال أعراض، وإن أمكن إعادتها لم يمكن وزنها؛ ولأنها معلومة لله تعالي, فوزنها عبث۔ والجواب: أنه قد ورد في الحديث: ((أنّ كتب الأعمال هي التي توزن))، فلا إشكال، وعلي تقدير تسليم كون أفعال الله تعالي معلّلة بالأغراض, لعلّ في الوزن حكمة لا نطّلع عليها، وعدم اطّلاعنا علي الحكمة لا يوجب العبث۔

[600] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶۔ سنن الترمذی ج۳ ص ۳۸۶۔ مشکوۃ المصابیح باب الجمعۃ ج ۱ ص ۳۰۵۔

ترجمہ: اور اعمال کا تولا جانا برحق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور اس دن تول ضرور ہونی ہے "اور میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اعمال کی مقدار جانی جائے گی اور عقل وزن کا طریقہ جاننے سے قاصر ہے اور معتزلہ نے وزنِ اعمال کا اس لئے انکار کیا کہ اعمال عرض ہیں جن کا دوبارہ موجود کیا جانا اگر ممکن بھی ہو تو ان کا وزن کیا جانا ممکن نہیں، اور اس لئے (ان کا انکار کیا) کہ اعمال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں لہذا ان کو وزن کرنا بے فائدہ ہے۔اور (اس کا) جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے نامہ ہائے اعمال وزن کیے جائیں گے لہذا اب کوئی اشکال نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلل بالاعراض ہونا تسلیم کر لینے کی صورت میں (جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے وزن کرنے میں کوئی ایسی حکمت جس سے ہم واقف نہ ہوں اور ہمارا حکمت سے واقف نہ ہونا اس کے عبث اور بے فائدہ ہونے کو واجب نہیں کرتا۔

عندنا انہ لایجب علی اللہ سبحانہ شئی و اذاقلنا ان المطیع یستحق الجنۃ و الکافر یستحق النار ان الاول اہل لفضلہ و الثانی اہل لعدلہ۔[601]

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی لازم و ضروری نہیں (یعنی نہ تو نیکوکاروں کو جنت دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور نہ گناہگاروں کو جہنم میں ڈالنا اس پر لازم ہے) اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرمانبردار (بندے) جنت کے اور کافر جہنم کے حقدار ہیں تو (اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ) پہلی قسم والے (یعنی تابعدار) اللہ تعالیٰ کے فضل کے اہل ہیں اور دوسرے (یعنی کفار) اللہ تعالیٰ کے عدل کے مستحق ہیں (لہذا اب اشکال نہ رہا)۔

---

[601] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔

فان شاءعفی عنه ای عن صاحب الکبیرة امابمحض فضله و امابشفاعة و ان شاء عذبه مدة ثم یدخله الجنة۔[602]

ترجمہ: پس اگر (اللہ تعالیٰ) چاہے تو گناہ کبیرہ کرنے والے کو (بھی) بخش دے لیکن یہ بخشش محض اس کے فضل سے ہوگی اور اگر شفاعت بھی ہو تو (اس صورت میں بھی) اگر وہ چاہے تو کچھ مدت کیلئے عذاب دے دے اور پھر (شفاعت کی وجہ سے) جنت میں داخل کردے۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

ان مکث بعض العصاة فی النار ساعة و بعضهم یوم شهر و بعضهم سنة و اطول مکثهم مدة الدنیا سبعة آلاف سنة۔[603]

ترجمہ: بعض گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں تھوڑے وقت کیلئے ڈالے گا اور بعض کو ایک دن یا مہینہ بھر کیلئے اور بعض کو سال کیلئے اور بعض کی مدتِ جہنم پوری دنیا کے دورانیے کے بھی سات ہزار گنا زیادہ ہوگی۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے ایسے شخص کی تمام نیکیاں بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہے گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا اسی طرح معتزلہ عذاب قبر اور وزنِ اعمال سے بھی منکر ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے علاوہ ازیں ان کے نزدیک زندوں کا مردوں کیلئے دعا یا صدقات وخیرات کرنا کچھ نفع نہیں دیتا اور یہ گروہ ایصال ثواب سے بھی منکر ہے۔

---

[602] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔
[603] شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰۔

فصل نمبر ۱۲

نقربان الله تعالیٰ یحیی هذه النفوس بعدالموت یبعثهم یوما کان مقداره الف سنة للجزاء والثواب واداءالحقوق لقوله تعالیٰ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴿الحج۷﴾ ولقاءالله لاهل الجنة بلا کیف ولا شبیه ولا جهة وشفاعة محمد ﷺ حق لکل من اهل الجنة وان کان صاحب الکبیرة وعائشة رضی الله تعالیٰ عنها افضل النساء العلمین بعد خدیجة الکبریٰ رضی الله تعالیٰ عنه وهی ام المؤمنین ومطهرة من القذف واهل الجنة فی الجنة خالدون واهل النار فی النار خالدون لقوله تعالیٰ فی حق المؤمنین اولئک اصحب الجنة هم فیها خالدون وفی حق الکافرین اولئک اصحب النار هم فیها خالدون۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروزآخرت مردوں کوزندہ فرمائے گاتواس روز کی مقدارایک ہزارسال ہے اوریہ کام جزاءوثواب اورادائے حقوق کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے کہ" اوریہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں" اوراہل جنت کیلئے اللہ تعالیٰ کادیدار بلا کیف اوربلاجہت وبلامشابہت حق ہے اوراہل جنت کیلئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت حق ہے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہاکے بعد دنیاکی تمام عورتوں سے افضل ہیں اوروہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام مؤمنین کی ماں ہیں اور (زناکی) تہمت سے پاک ہیں۔اہل جنت ہمیشہ جنت میں اوراہل دوزخ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اللہ تعالیٰ کامومنین کے حق میں فرمان ہے۔"وہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے" اوراللہ تعالیٰ کاکفارکے بارے میں فرمان ہے کہ "وہ جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے"

تشریح

روافض سے گروہ طیار نکلا ہے یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں اوراس کے قائل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح، اللہ تعالیٰ کی ہی روح ہے۔(نعوذباللہ من ذلک)[604]

قولہ علیہ الصلوۃ والسلام ان اللہ خلق آدم علی صورتہ اما من المتشابہات واما ان یراد بالصورۃ الصفۃ فان اللہ تعالیٰ خلق آدم علیہ الصلوۃ والسلام حیا عالما قادرا قدرۃ کاسبۃ۔[605]

ترجمہ: ”حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا مگر یہ بات تشابہات میں سے ہے صورت سے مراد صفت ہے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا حیات کے ساتھ اور علم کسبی کے ساتھ عالم فرمایا اور قدرت کسبی کے ساتھ قادر فرمایا۔“

اسی طرح روافض کا ایک دوسرا گروہ شریعیہ جو شریع سے منسوب ہے اس گروہ کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانچ آدمیوں کی صورت میں اترا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صورت میں۔[606]

اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی موحد گناہِ کبیرہ کرے تو کافر نہیں ہوتا مگر ایسا کرنے سے وہ ایماندار بھی نہیں رہتا۔ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے واسطے اسے آگ میں ڈالا جاتا ہے اور

---

[604] غنیۃ الطالبین ص ۱۶۸۔
[605] ابو المنتھی ص ۱۵۔
[606] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۶۔

اس گناہِ کبیرہ کے سبب اس کی جتنی نیکیاں ہوتی ہیں وہ سب باطل ہو جاتی ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت بھی اس کے حق میں نہیں ہوتی یعنی وہ اس شفاعت سے محروم رہتاہے اوراس گروہ کے اکثرلوگ قبر کے عذاب اور میزانِ عدل سے منکرہیں۔[607]

عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "يشفع يوم القيامة ثلاثة: الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء"[608]

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پھر علماء پھر شہداء۔

وجاء في الحديث بعد ذكر شفاعة المؤمنين واخراجهم عن النار كل من عرفوه فيقول الله عز وجل شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون ولم يبق إلا أرحم الراحمين فيقبض قبضة من النار فيخرج منها قوما لم يعملوا خيرا قط۔[609]

ترجمہ: احادیث میں آیاہے کہ مؤمنین کیلئے شفاعت اوران کے جہنم سے نکل آنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی اورانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اور (دوسرے) مؤمنوں نے بھی شفاعت کرلی اب اللہ ارحم الراحمین کے علاوہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں بچا (یعنی اب میری باری ہے) پھر وہ (اللہ تعالیٰ) جہنم سے (ایک کثیر تعداد میں) لوگوں کو نکال دے گا اور جہنم سے

---

[607] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۶۔
[608] سنن ابن ماجہ ج۴ص ۲۲۴، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۷۱۔
[609] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰۔

ان لوگوں کو بھی آزاد کردے گا جنہوں نے (دنیامیں) کبھی بھی کوئی اچھاکام نہیں کیاہو گا (سوائے کلمہ طیبہ کے)۔

خلافاللمعتزلة فانهم قالوالاشفاعة لتخليص المجرم بل الشفاعة لزيادة ثواب المحسن فقط۔

ترجمہ: معتزلہ کااس میں اختلاف ہے پس بتحقیق یہ لوگ کہتے ہیں کہ مجرم کی خلاصی کیلئے شفاعت نہیں ہے بلکہ شفاعت تو نیکی کرنے والے کے ثواب میں زیادتی کے لئے ہوتی ہے۔

ان النبی ﷺ یسجدیوم القیامة ویشفع لاهل النارفیستجاب شفاعته ویؤمر باخراجهم من النارفیخرجهم حتی لایبقیٰ فیهاالاحکم القرآن علیه بالخلودوتفصیله فی البخاری والمسلم۔[610]

ترجمہ: بتحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قیامت کے دن سجدہ فرمائیں گے اوراہل دوزخ کے لئے شفاعت فرمائیں گے پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی اوران کودوزخ سے باہر نکالنے کاحکم دیاجائے گاپس سب نکل آئیں گے حتی کہ کوئی بھی باقی نہ رہے گامگروہ کہ جس کے بارے میں قرآن کادوزخ میں داخل ہونے کاحکم ہواوراس کی تفصیل بخاری ومسلم شریف میں موجود ہے۔

---

[610] شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص۳۷۷۔رواہ البخاری ومسلم۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یصفُ أهلَ النارِ فیمرُّ بهم الرجلُ من أهلِ الجنةِ فیقولُ الرجلُ منهم یا فلانُ أما تعرفُنی؟ أنا الذی سقَیتُک شربةً وقال بعضُهم أنا الذی وهبتُ لک وضوءًا فیشفعُ له فیُدخِلُه الجنةَ۔[611]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاہے اہل دوزخ کی صفوف ہوں گی پس اہل جنت میں سے ایک شخص ان کے سامنے سے گزرے گاتو ان (اہل دوزخ) میں سے ایک شخص اس سے کہے گا کہ اے فلاں آپ نے مجھے پہچانامیں وہ شخص ہوں جس نے شربت پلاکر آپ کی پیاس بجھائی تھی اوران (گناہ گاروں) میں سے بعض کہیں گے میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو وضوکیلئے پانی ہبہ کیاتھاپس اس کیلئے وہ شفاعت کرے گاتو یہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا۔

والاحادیث فی هذالمعنی ای مغفرة غیر الشرک ولو کبیرة غیرتائب کثیرة کقوله تعالیٰ لاتقنطوامن رحمة اللہ ان اللہ یغفرالذبوب جمیعاشاملة للصغائروالکبائرمع توبة وبدونهاوقوله ان ربک لذومغفرة للناس علی ظلمهم وعن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: قالَ اللهُ تعالى: منْ علمَ أنِّي ذُوقدرةٍ على مغفرةِ الذنوبِ غفرتُ لهُ ولاأبالِي، ما لمْ يشركْ بِي شيئًا۔[612]

---

[611] محمدالمناوي (ت٨٠٣)، تخريج أحاديث المصابيح ٥/٥٢• أخرجه ابن ماجه (٣٦٨٥) بنحوه، وأبويعلى (٤٠٠٦)، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٦٥١١) ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، تخريج مشكاة المصابيح ٥/١٩٦• شعيب الأرنؤوط (ت١٤٣٨)، تخريج شرح السنة ٤٣٥٣•

[612] السيوطي (ت٩١١)، الجامع الصغير ٦٠٣٦• صحيح۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ٣٦٤۔

ترجمہ: اوراس معنی میں یعنی شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت ہو جانے میں ، چاہے وہ گناہِ کبیرہ ہی ہوں، جن سے توبہ بھی نہ کی ہو، تو(اس بارے میں)احادیث بہت زیادہ وارد ہیں جس طرح طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔یہ (بخشش)گناہِ صغیرہ اور کبیرہ چاہے توبہ کے ساتھ ہوں یا بغیر توبہ کے سب کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بے شک تیرا رب البتہ بخشش والا ہے لوگوں کی بے جا حرکتوں پر بھی۔ اور روایت کیا ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے کہ جس شخص کو یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب قدرت ہے گناہوں پر مغفرت کرنے والا ہے اور بخشش فرمادے گا تو کوئی پرواہ نہیں جبکہ شرک نہ کیا ہو۔

ایک اور گروہ روافض کا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برے الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دنیا کی تمام عورتوں سے افضل نہیں مانتا حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پاکدامن خاتون ہیں جن کی مدح وتوصیف خود قرآن نے سورہ نور میں فرمائی ہے تو جس شخصیت کی تعریف خالق دوجہان بیان فرماتا ہو اس خوش نصیب کے بارے میں نازیبا الفاظ بیان کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔

تقسیم فرقه واسماء فرقه ومذاهبها فقد ظهر لنا من اصول الفرقة۔

ترجمہ: فرقوں کی تقسیم اور فرقوں کے نام اوران کے مذاہب تحقیق ہمارے لئے ان فرقوں کے بنیادی عقائد ظاہر ہو چکے ہیں۔

(۱)الحرورية (۲)والقدرية (۳)والجهمية

(۴) والمرجئة　　(۵) والرافضية　　(٦) والجبرية

وقدانقسمت كل فرقة منهااثنتى عشرة فرقة فصارت اثنتين وسبعين فرقة انقسمت الحروريةاثنتى عشرةفرقهفأولهم۔

ترجمہ: اور بتحقیق ان فرقوں میں سے ہر ایک کو بارہ (۱۲) فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے تو اس طرح بہتر (۷۲) فرقے بن جاتے ہیں حروریہ کو بارہ (۱۲) فرقوں پر تقسیم کیا گیا جن میں سے پہلا یہ ہے۔

۱۔الازرقیه: قالو الانعلم احدامؤمناو كفرو ااهل القبلة الامن دانن بقولهم۔

ترجمہ: ازرقیہ کہتے ہیں کہ ہم (کسی دوسرے فرقے کے لوگوں میں سے) کسی کو بھی مؤمن نہیں سمجھتے اور (سارے) اہل قبلہ نے کفر (اختیار) کیا ہے سوائے ان لوگوں کے جو ان (ازرقیہ) کے اقوال (اور عقائد) کے نزدیک ہوں (یعنی جو لوگ، ازرقیہ فرقے کے عقائد کے نزدیک ہیں وہ تو مؤمن ہیں اور اس کے علاوہ سب کافر ہیں۔) (نعوذ باللہ من ذلک۔)

۲۔الاباضية: قالوا: من أخذبقولنافهو مؤمن و من اعرض عنه فهو منافق۔

ترجمہ: اباضیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہمارے قول کو اختیار کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے اس (ہمارے قول) سے منہ موڑا تو وہ منافق ہے۔

۳۔الثعلبية: قالو ا ان الله عز و جل لم يقض و لم يقدر۔

ترجمہ: ثعلبیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نہ تو قضاء لکھی اور نہ ہی قدر (یعنی تقدیر)۔

۴۔الخازمية: قالو الاندری ماالايمان و الخلق كلهم معذورون۔

ترجمہ: خازمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ ایمان کیا ہے اور ساری مخلوق اس سے معذور ہے۔

۴۔الخلفیة: زعموا ان من ترک الجهاد من ذکر او انثی کفر۔

ترجمہ: خلفیہ فرقے کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مردوں یا عورتوں میں سے جس نے جہاد کو ترک کیا (تو اس جہاد کا ترک کرنا) کفر ہے۔

۶۔الکوزیة: قالوا: لیس لاحدان یمس احدالانه لایعرف الطاهر من النجس ولان یواکله حتی یتوب ویغتسل۔

ترجمہ: کوزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو مس کرے اس لئے کہ وہ طہارت و نجاست میں امتیاز کرنا نہیں جانتا اور (یہ بھی جائز نہیں کہ) وہ اس وقت تک (کچھ) کھائے جب تک توبہ اور غسل نہ کرلے۔

۷۔الکنزیة: قالوا: لایسع احدا ان یعطی ماله احدا لانه ربما لم یکن مستحقا بل یکنزه فی الارض حتی یظهر اهل الحق۔

ترجمہ: کنزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا مال دینے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اکثر اوقات (لینے والا) لینے کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ (دینے والا اپنے مال کو) زمین میں (دفن کرکے) ذخیرہ کرلے حتیٰ کہ اس کو کوئی حقدار مل (تو پھر زمین سے نکال کر اس کے حقدار کو دے دے)۔

۸۔الشراخیة: قالوا: لاباس بمس النساء الاجانب لانهن ریاحین۔

ترجمہ: شراحیہ کہتے ہیں کہ عورت کو کسی ایک جانب سے مس کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ (عورت) ایک خوشبو کی مانند ہے۔

۹۔الاخنسیۃ: قالوا: لایلحق المیت بعدموتہ خیر ولا شر۔

ترجمہ: اخنسیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ مردے کو مرنے کے بعد خیر وشر لاحق نہیں ہوتا۔

۱۰۔الحکمیۃ: قالوا: من حاکم الی مخلوق فھو کافر۔

ترجمہ: حکمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص مخلوق پر حاکم ہو وہ کافر ہے۔

۱۱۔المعتزلۃ: قالوا: اشتبہ علینا امر علی و معاویۃ فنحن نتبرا من الفریقین۔

ترجمہ: معتزلہ کہتے ہیں کہ (حضرت) علی اور (حضرت) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معاملہ میں ہمیں اشتباہ ہے اس لئے ہم ان دونوں گروہوں سے بیزار (لاتعلق) ہیں۔

۱۲۔المیمونیۃ: قالوا: لاامام الا برضا اھل محبتنا۔

ترجمہ: میمونیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ محبت کرنے والے لوگوں کی رضامندی کے بغیر کوئی امام نہیں (بن سکتا)۔

انقسمت القدریۃ اثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ: قدریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔الاحمریۃ: وھی التی زعمت ان فی شرط العدل من اللہ ان یملک عبادہ امورھم ویحول بینھم وبین معاصیھم۔

ترجمہ: احمریہ وہ فرقہ ہے جس کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کیلئے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے امور کا اختیار و ملکیت انہی بندوں کے پاس ہو تا کہ وہ اختیار ان بندوں اور ان کے گناہوں کے درمیان آڑ بن جائے۔

۲۔الثنویة:وھی التی زعمت ان الخیر من اللہ و الشر من الشیطان۔

ترجمہ: یہ وہ فرقہ ہے جو گمان کرتا ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے۔

۳۔المعتزلة:وھم الذین قالوا بخلق القرآن و جحدوا صفات الربوبیة۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی انکار کیا ہے۔

۴۔الکیسانیة:وھم الذین قالوا لا ندری ھذہ الافعال من اللہ او من العباد و لا نعلم یثاب الناس بعد او یعاقبون۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا بندوں کی طرف سے اور ہم نہیں جانتے کہ لوگوں کو بعد میں ثواب دیا جائے گا یا عذاب۔

۵۔الشیطانیة:قالوا ان اللہ تعالیٰ لم یخلق الشیطان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا نہیں کیا۔

٦۔الشریکیة:قالوا ان السئیات کلھا مقدرة الا الکفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ کفر کے بغیر باقی سب گناہ اور برائیاں تقدیر میں لکھ دی گئی ہیں۔

۷۔الوھمیة: قالوا لیس لافعال الخلق و کلامھم ذات و لا للحسنة و السئیة ذات۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال اور کلام کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی نیکی اور شر کا کوئی وجود ہے۔

۸۔الزبریة: قالوا کل کتاب نزل من عند اللہ فالعمل بہ حق ناسخا کان او منسوخا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری کتاب اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل ہوئی ہے پس ان کتابوں پر عمل کرنا حق ہے چاہے یہ (کتابیں) ناسخ ہوں یا منسوخ۔

۹۔المسعدیة: زعموا ان من عصی ثم تاب لم تقبل توبتہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں

۱۰۔الناکثیة: زعموا ان من نکث بیعة رسول اللہ ﷺ فلا اثم علیہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کی بیعت توڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

۱۱۔القاسطیة: تبعوا ابراھیم بن النظام فی قولہ من زعم ان اللہ شئی فھو کافر۔

ترجمہ: قاسطیہ نے اس قول میں ابراہیم بن نظام کی پیروی کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالٰی کے کوئی چیز ہونے کا گمان کرے وہ کافر ہے۔

۱۲۔المتبریة: قالوا لا تقبل اللہ توبة العاصی۔[613]

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

---

[613] المعتمد فی المعتقد معروف بہ رسالہ تورپشتی مطبع مظہر العجائب مدراس 1286ھ ترکی چھاپ ص 220۔

انقسمت الجهمية اثنتى عشرة فرقه۔

ترجمہ: جہمیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔المعطلة: زعموا ان کل مایقع علیه وهم الانسان فهو مخلوق و ان من ادعی ان اللّٰه یری فهو کافر۔

ترجمہ: معطلۃ کا خیال ہے کہ انسان پر جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اوران کا یہ بھی گمان ہے کہ جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھا جائے گا (یعنی نظر آئے گا) تو (اس طرح کہنے والا) کافر ہو جائے گا۔

۲۔المریسیة: قالوا اکثر صفات اللّٰہ تعالیٰ مخلوقة۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔

۳۔الملتزقة: جعلوا الباری سبحانه فی کل مکان۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ میں ثابت کرتے ہیں۔

۴۔الواردية: قالوا لایدخل النار من عرف ربه و من دخلها لم یخرج منها ابدا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب کو پہچان لے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو سکتا اور جو شخص دوزخ میں داخل ہو گیا تو وہ اس سے ساری عمر نہیں نکلے گا۔

۵۔الزنادقة: قالوا لیس لاحد ان نثبت لنفسه ربا لان الاثبات لایکون الابعد ادراک الحواس و مالا یدرک لا یثبت۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ ہم اپنے لئے رب کو ثابت کریں کیونکہ کسی چیز کو ثابت کرنا جو اس کے ادراک کے بعد ہی ممکن ہے (پہلے ممکن نہیں) اور جس چیز کا ادراک نہ ہو وہ ثابت نہیں کی

جاسکتی (مقصد یہ کہ چونکہ انسان اپنے ظاہری حواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتا اس لئے جائز نہیں کہ وہ ادراک کے بغیر رب کو ثابت کرتا پھرے)(نعوذباللہ من ذلک۔)

۶۔الحرقية: زعموا ان الكافر تحرقه النار مرة واحدة ثم يبقى محترقا ابدا لا يجد حر النار۔

ترجمہ: ان کا گمان (عقیدہ یہ) ہے کہ کافر صرف ایک ہی دفعہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور پھر وہ ہمیشہ جلی ہوئی حالت میں رہے گا(لیکن) آگ کی حرارت کو محسوس نہیں کرے گا۔

۷۔المخلوقية: زعموا ان القرآن مخلوق۔

ترجمہ: ان کا گمان ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

۸۔الفانية: زعموا ان الجنة والنار ی فنیان ومنهم من قال لم يخلقا۔

ترجمہ: ان کا خیال ہے کہ جنت ودوزخ (بھی ہمیشہ کیلئے) فنا ہو جائیں گی اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ یہ (جنت ودوزخ) پیدا ہی نہیں کی گئیں (یا یہ کہ دونوں مخلوق نہیں بلکہ ازلی ہیں) (نعوذباللہ من ذلک)

۹۔العبدية: جحدوا الرسل وقالوا انما هم حكماء۔

ترجمہ: انہوں نے رسل سے انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہ (رسول نہیں بلکہ) حکماء تھے۔

۱۰۔الواقفية: قالوا لا نقول ان القرآن مخلوق ولا غير مخلوق۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہم نہ (تو) قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق (یعنی ازلی) ہونے کا۔

۱۱۔القبرية: ينكرون عذاب القبر والشفاعة۔

ترجمہ: یہ قبر کے عذاب اور شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔

۱۲۔اللفظیة:قالو الفظنابالقر آن مخلوق۔

ترجمہ:یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قرآن کریم کو تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

انقسمت المرجیۃاثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ:مرجیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔التارکیة:قالو الیس للہ تعالیٰ علی خلقہ فریضة سوی الایمان بہ فمن أمن بہ فلیفعل ماشاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور کچھ فرض نہیں ہے پس جو شخص (اللہ تعالیٰ) پر ایمان لے آئے تو وہ جو چاہے، کرے۔

۲۔السائبیة:قالو اان اللہ تعالیٰ سیب خلقہ لیفعلو اماشاؤا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو کھلا چھوڑدے گا تاکہ جو اس کے دل میں آئے سو کرے۔

۳۔الراجیة:قالو الایسمی الطائع طائعاولاالعاصی عاصیالاناالاندری ماله عنداللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ تابع کو تابع اور گناہ گار کو گناہ گار کا نام نہیں دینا چاہیئے اس لئے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسے ہیں۔

۴۔السالبیة:قالو االطاعة لیست من الایمان۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اطاعت ایمان کا حصہ نہیں ہے۔

۵۔البهيشية:قالوا الايمان علم ومن لايعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فهو كافر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک علم (کا نام) ہے اور جو شخص حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے جدا نہ سمجھے تو وہ کافر ہے۔

٦۔العملية:قالوا الايمان عمل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

٧۔المنقوصية:قالوا الايمان لايزيد ولاينقص۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ تو زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کم۔

٨۔المستثنية:قالوا الاستثناء من الايمان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ استثناء ایمان میں سے ہے۔

٩۔المشبهة:قالوا بصر كبصر ويد كيد۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اس طرح ہے جس طرح ہمارا دیکھنا اور اس کا ید اس طرح ہے جس طرح کہ ہمارا ہاتھ ہے۔

١٠۔الحشوية:قالوا حكم الاحاديث كلها واحد فعندهم ان تارك لنفل كتارك الفرض۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری احادیث کا حکم ایک ہی حدیث کی طرح ہے پس ان لوگوں کے نزدیک نفل کو ترک کرنے والا اس طرح (گناہ گار) ہے جس طرح فرض کو ترک کرنے والا۔

۱۱۔الظاهرية:الذين نفوا القياس۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

۱۲۔البدعية:اول من ابتدع هذه الاحاديث فی هذه الامة۔

ترجمہ: یہ وہ گروہ ہے جس نے سب سے پہلے اس امت میں بدعات کو پیدا کیا۔

انقسمت الرافضية اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ:روافض کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔العلوية:قالوا ان الرسالة كانت الى علی و ان جبريل أخطاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ رسالت (حضرت) علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجی گئی تھی لیکن (حضرت) جبرائیل علیہ السلام نے خطا (غلطی) کر ڈالی (اور رسالت، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دے ڈالی) (نعوذ باللہ من ذلک)

۲۔الامرية:قالوا ان عليا شريك محمد ﷺ فی امره۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ امر رسالت میں شریک تھے۔

۳۔الشيعة:قالوا ان عليا رضی اللہ تعالیٰ عنه وصیّ رسول اللہ ﷺ و وليه من بعده و ان الامة كفرت بمبايعة غيره۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وصی ہیں اوران کے بعد ان کے ولی ہیں اور یہ امت ان (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے علاوہ دوسرے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ بیعت کرکے کافر ہوگئی۔
(نعوذ باللہ من ذلک)

۴۔الاسحاقیة:قالوا ان النبوة متصلة الی یوم القیامة و کل من یعلم علم اهل البیت فهو نبی۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ نبوت ،قیامت تک (جاری)رہے گی اوراہل بیت میں سے جو(شخص زیادہ)عالم ہو گا،وہ نبی ہو گا۔(نعوذباللہ من ذلک)

۵۔الناووسیة:قالوا علی افضل الامة فمن فضل غیره فقد کفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری امت میں سے افضل ہیں پس جس نے(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)کے بغیر کسی اور کو افضل جانا تو بتحقیق وہ کافر ہے۔

۶۔الامامیة:قالوا لایمکن ان تکون الدنیابغیر الامام من ولدالحسین وان یعلمه جبرائیل علیه الصلوة والسلام فاذامات بدل غیره مکانه۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے کسی (شخص)کے بغیر دنیاکاوجود(باقی)رہنا ممکن نہیں ہے اور ایسے شخص کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام علم سکھاتے ہیں تو جب ایسا شخص فوت ہو جاتاہے تو کوئی دوسرا اس کی جگہ مقرر ہو تا ہے۔

۷۔الزیدیة:قالوا ولدالحسین کلهم أئمة فی الصلوات فمتی وجدمنهم احدلم تجز الصلاة خلف غیرهم برّهم وفاجرهم۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد نماز میں سب ائمہ کے امام ہیں پس جس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادمی سے کوئی موجود ہو تو کسی دوسرے کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اگرچہ وہ نیکوکار ہو یابدکار۔

۸۔العباسیة:زعموا أن العباس کان أولی بالخلافة من غیره۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخلوق سے خلافت کے معاملے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ اہل تھے۔

۹۔التناسخیة:قالوا الارواح تتناسخ فمن کان محسنا خرجت روحه فدخلت فی خلق یسعد بعیشه۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ارواح تناسخ کرتی ہیں پس جو شخص نیکوکار ہو جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی روح مخلوق میں سے کسی شخص میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر اس کی زندگی صحیح گزرتی ہے۔

۱۰۔الرجعیة:زعموا ان علیا و أصحابه یرجعون الی الدنیا و ینتقمون من اعدائهم۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مرنے کے بعد) اس دنیا میں دوبارہ آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

۱۱۔اللاعنة:یلعنون عثمان و طلحة و الزبیر و المعاویة و أبا موسیٰ و عائشة و غیرهم۔

ترجمہ: یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من شرورهم)

۱۲۔المتربصة:تشبهوا بزیّ النساک و نصبوا فی کل عصر رجلاً ینسبون الیه الامر یزعمون أنه مهدی هذه الامة فاذا مات نصبوا الاخر۔

ترجمہ: یہ (اپنے آپ کو دودھ پیتے) بچے کی طرح خیال کرتے ہیں اور ہر زمانے میں ایک شخص کو (ایسے) متعین کرتے ہیں کہ تمام امور کو اس کے ساتھ منسوب کرتے ہیں (یعنی اسے ہر معاملہ میں

اپنا حاکم تصور کرتے ہیں)اوراس شخص کواس امت کے مہدی ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور جب وہ مر جاتا ہے تو اس کی جگہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کر لیتے ہیں۔

انقسمت الجبریۃ اثنتی عشرۃ فرقہ۔

ترجمہ: جبریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

١۔المضطریۃ: قالوا لا فعل للآدمی بل اللہ یفعل الکل۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کا کوئی فعل نہیں بلکہ فاعل کل اللہ تعالیٰ ہے۔

٢۔الافعالیۃ: قالوا لنا أفعال و لکن لا أستطاعۃ لنا فیھا و انما نحن کالبھائم نقاد بالجبل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ افعال تو ہمارے ہی ہیں لیکن ان افعال (کے ادا کرنے میں) ہمیں طاقت واستطاعت حاصل نہیں ہے اور (ہماری حیثیت ایسی ہے گویا) ہم حیوانات ہیں جن کے گلے میں نکیل ہے (مطلب یہ کہ جس طرح حیوانات نکیل کے ساتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی کے ساتھ کچھ بھی نہیں کر سکتے ایسے ہی انسان بھی بے اختیار ہے)۔

٣۔المفروغیۃ: قالوا کل الاشیاء قد خلقت و الآن لا یخلق شئی۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام اشیاء (پہلے سے) پیدا کر دی گئی ہیں۔اب پیدا نہیں ہوتیں۔

٤۔النجاریۃ: زعمت ان اللہ تعالیٰ یعذب الناس علی فعلہ لا علی فعلھم۔

ترجمہ : ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اپنے فعل پر عذاب دیتا ہے نہ کہ دوسرے لوگوں کے فعل کی وجہ سے۔

٥۔المنانیۃ: قالوا علیک بما یخطر بقلبک فافعل ما توسمت منہ الخیر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ آپ پر وہ کام لازم ہے جس کا آپ کے دل میں خدشہ ہو(لیکن) آپ کوایسے کام کرنے چاہیئں جن سے آپ کو خیر پہنچ سکے۔

٦۔الکسبیۃ:قالوا الایکتسب العبدثوابا ولاعقابا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندہ نہ تو ثواب کا کسب کر سکتا ہے اور نہ ہی عذاب کا۔

٧۔السابقیۃ:قالوا من شاءفلیعمل ومن شاءفلایعمل فان السعیدلاتضرہ ذنوبہ والشقی لاینفعہ برہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو چاہے، وہ عمل کرلے اور جو(نہ)چاہے وہ نہ کرے کیونکہ (جو)نیک بخت ہو گا اسے اس کا گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاسکے گا اور جو بدبخت ہو گا اسے اس کی نیکی کوئی فائدہ نہ پہنچاسکے گی۔

٨۔الحبیۃ:قالوا من شرب کاس محبۃاللہ تعالیٰ سقطت عنہ عبادۃ الارکان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا پیالہ پی لیاتو اس سے عبادت کے ارکان ساقط ہو جاتے ہیں۔(نعوذباللہ من ذلک)

٩۔الخوفیۃ:قالوا من احب اللہ تعالیٰ لم یسعہ ان یخافہ لان الحبیب لایخاف حبیبہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرلی، اسے کسی قسم کا خوف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ دوست اپنے دوست سے خوف نہیں رکھتا۔

١٠۔الفکریۃ:قالوا من ازداد علما اسقط عنہ بقدر ذلک من العباد۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندوں میں سے جس کا علم زیادہ ہو اس سے قدرت ساقط ہو جاتی ہے۔

١١۔الخشبیۃ:قالوا الدنیا بین العباد سواء لاتفاضل بینھم فیما ورثھم ابوھم آدم۔

ترجمہ : یہ کہتے ہیں ک دنیا، بندوں کے درمیان برابر برابر (تقسیم) ہوئی ہے (یعنی) ان (بندوں) کے جد اعلیٰ حضرت آدم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ وراثت ان کیلئے چھوڑدی ہے اس میں سے کسی ایک کو دوسرے سے فالتو چیز نہیں مل سکتی (بلکہ سب کو برابر برابر حصہ ملتا ہے)۔

۱۲۔المنیة: قالوا امنا الفعل ولنا الاستطاعة۔

ترجمہ : یہ کہتے ہیں کہ فعل (بھی) ہم سے ادا ہوتا ہے اور استطاعت بھی ہمیں (ہی) دی گئی ہے۔[614]

قال أبو الفرج الجوزي: فإن قيل هذه الفرق معروفة، فالجواب أنا نعرف الافتراق وأصول الفرق وأن كل طائفة من الفرق انقسمت إلى فرق، وإن لم نحط بأسماء تلك الفرق ومذاهبها، فقد ظهر لنا من أصول الفرق الحرورية والقدرية والجهمية والمرجئة والرافضة والجبرية۔

وقال بعض أهل العلم: أصل الفرق الضالة هذه الفرق الست، وقد انقسمت كل فرقة منها اثنتي عشرة فرقة، فصارت اثنتين وسبعين فرقة۔

انقسمت الحرورية اثنتي عشرة فرقة، فأولهم الازرقية - قالوا: لا نعلم أحدا مؤمنا، وكفروا أهل القبلة إلا من دان بقولهم۔

والاباضية- قالوا: من أخذ بقولنا فهو مؤمن، ومن أعرض عنه فهو منافق۔

والثعلبية- قالوا: إن الله عز وجل لم يقض ولم يقدر۔

والخازمية- قالوا: لا ندري ما الايمان، والخلق كلهم معذورون۔

والخلفية- زعموا أن من ترك الجهاد من ذكر أو أنثى كفر۔

---

[614] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج4ص158تا160۔

والكوزية - قالوا: ليس لاحد أن يمس أحدا، لانه لا يعرف الطاهر من النجس ولا أن يؤاكله حتى يتوب ويغتسل۔

والكنزية - قالوا: لا يسع أحدا أن يعطي ماله أحدا، لانه ربما لم يكن مستحقا بل يكنزه في الارض حتى يظهر أهل الحق۔

والشمراخية - قالوا: لا بأس بمس النساء الاجانب لانهن رياحين۔

والاخنسية - قالوا: لا يلحق الميت بعد موته خير ولا شر۔

والحكمية - قالوا: من حاكم

إلى مخلوق فهو كافر۔

والمعتزلة - قالوا: اشتبه علينا أمر علي ومعاوية فنحن نتبرأ من الفريقين۔

والميمونية - قالوا: لا إمام إلا برضا أهل محبتنا۔

وانقسمت القدرية اثنتي عشرة فرقة: الاحمرية - وهي التي زعمت أن في شرط العدل من الله أن يملك عباده أمورهم، ويحول بينهم وبين معاصيهم۔

والثنوية - وهي التي زعمت أن الخير من الله والشر من الشيطان۔

والمعتزلة - وهم الذين قالوا بخلق القرآن وجحدوا [صفات] الربوبية۔

والكيسانية وهم الذين قالوا: لا ندري هذه الافعال من الله أو من العباد، ولا نعلم أثياب الناس بعد أو يعاقبون۔

والشيطانية - قالوا: إن الله تعالى لم يخلق الشيطان۔

والشريكية - قالوا: إن السيئات كلها مقدرة إلا الكفر۔

والوهمية - قالوا: ليس لافعال الخلق وكلامهم ذات، ولا للحسنة والسيئة ذات۔

والزبرية - قالوا: كل كتاب نزل من عند الله فالعمل به حق، ناسخا كان أو منسوخا۔

والمسعدية - زعموا

أن من عصى ثم تاب لم تقبل توبته والناكثية - زعموا أن من نكث بيعة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا إثم عليه والقاسطية - تبعوا إبراهيم بن النظام في قوله: من زعم أن الله شيء فهو كافر۔

وانقسمت الجهمية اثنتي عشرة فرقة: المعطلة - زعموا أن كل ما يقع عليه وهم الانسان فهو مخلوق۔

وإن من أدعى أن الله يرى فهو كافر۔

والمريسية قالوا: أكثر صفات الله تعالى مخلوقة۔

والملتزقة - جعلوا الباري سبحانه في كل مكان۔

والواردية - قالوا لا يدخل النار من عرف ربه، ومن دخلها لم يخرج منها أبدا والزنادقة - قالوا: ليس لاحد أن يثبت لنفسه ربا، لان الاثبات لا يكون إلا بعد إدراک الحواس، وما لا يدرک لا يثبت۔

والحرقية - زعموا أن الكافر تحرقه النار مرة واحدة ثم يبقى محترقا أبدا لا يجد حر النار۔

والمخلوقية - زعموا أن القرآن مخلوق۔

والفانية - زعموا أن الجنة والنار يفنيان، ومنهم من قال لم يخلقا۔

والعبدية - جحدوا الرسل وقالوا إنما هم حكماء۔

والواقفية - قالوا: لا نقول إن القرآن مخلوق ولا غير مخلوق۔

والقبرية - ينكرون عذاب القبر والشفاعة۔

واللفظية - قالوا لفظنا بالقرآن مخلوق۔

وانقسمت المرجئة اثنتي عشرة فرقة: التاركية - قالوا ليس لله عزوجل على خلقه فريضة سوى الايمان به، فمن آمن به فليفعل ما شاء۔

والسائبية-قالوا:إن الله تعالى سيب خلقه ليفعلوا ما شاءوا۔

والراجية - قالوا: لا يسمى الطائع طائعا ولا العاصي عاصيا، لانا لا ندري ما له عند الله تعالى۔

والسالبية-قالوا:الطاعة ليست من الايمان۔

والبهيشية - قالوا: الايمان علم ومن لا يعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فهو كافر۔

والعملية-قالوا:الايمان عمل۔

والمنقوصية-قالوا:الايمان لا يزيد ولا ينقص۔

والمستثنية-قالوا:الاستثناء من الايمان۔

والمشبهة-قالوا:بصر كبصر ويد كيد۔

والحشوية - قالوا: حكم الاحاديث كلها واحد، فعندهم أن تارک النفل كتارک الفرض۔

والظاهرية-الذين نفوا القياس۔

والبدعية-أول من ابتدع هذه الاحداث في هذه الامة۔

وانقسمت الرافضة اثنتي عشرة فرقة: العلوية - قالوا: إن الرسالة كانت إلى علي وأن جبريل أخطأ۔

والامرية-قالوا:إن عليا شريک محمد في أمره۔

والشيعة - قالوا: إن عليا رضي الله عنه وصي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووليه من بعده، وإن الامة كفرت بمبايعة غيره۔

والاسحاقية - قالوا: إن النبوة متصلة إلى يوم القيامة، وكل من يعلم علم أهل البيت فهو نبي۔

والناووسية-قالوا:علي أفضل الامة،فمن فضل غيره عليه فقد كفر۔

والامامية - قالوا: لا يمكن أن تكون الدنيا بغير إمام من ولد الحسين، وإن الامام يعلمه جبريل عليه السلام، فإذا مات بدل غيره مكانه۔

والزيدية - قالوا: ولد الحسين كلهم أئمة في الصلوات، فمتى وجد منهم أحد لم تجز الصلاة خلف غيرهم، برهم وفاجرهم۔

والعباسية-زعموا أن العباس كان أولى بالخلافة من غيره۔

والتناسخية-قالوا:الارواح تتناسخ، فمن كان محسنا خرجت روحه فدخلت في خلق يسعد بعيشه۔

والرجعية-زعموا أن عليا وأصحابه يرجعون إلى الدنيا، وينتقمون من أعدائهم۔

واللاعنة - يلعنون عثمان وطلحة والزبير ومعاوية وأبا موسى وعائشة وغيرهم

والمتربصة-تشبهوا بزي النساک ونصبوا في كل عصر رجلا ينسبون إليه الامر، يزعمون أنه مهدي هذه الامة، فإذا مات نصبوا آخر۔

ثم انقسمت الجبرية اثنتي عشرة فرقة: فمنهم المضطرية-قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔

والافعالية-قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔

والمفروغية-قالوا: كل الاشياء قد خلقت، والآن لا يخلق شئ۔

والنجارية-زعمت أن الله تعالى يعذب الناس على فعله لا على فعلهم۔

والمنانية-قالوا:

عليک بما يخطر بقلبک، فافعل ما توسمت منه الخير۔

والكسبية-قالوا: لا يكتسب العبد ثوابا ولا عقابا۔

والسابقية - قالوا: من شاء فليعمل ومن شاء [ف] - لا يعمل، فإن السعيد لا تضره ذنوبه والشقي لا ينفعه بره۔

والحبية - قالوا: من شرب كأس محبة الله تعالى سقطت عنه عبادة الاركان۔

والخوفية - قالوا: من أحب الله تعالى لم يسعه أن يخافه، لان الحبيب لا يخاف حبيبه۔

والفكرية - قالوا: من أزداد علما أسقط عنه بقدر ذلک من العبادة۔

والخشبية - قالوا: الدنيا بين العباد سواء، لا تفاضل بينهم فيما ورثهم أبوهم آدم۔

والمنيه - قالوا: منا الفعل ولنا الاستطاعة۔[615]

ولایت حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

وكثير من الصوفية قدس الله تعالى أسرارهم يشير إلى القول بخلافته كرم الله تعالى وجهه بعد الرسول عليه الصلاة والسلام بلا فصل أيضا إلا أن تلک الخلافة عندهم هي الخلافة الباطنة التي هي خلافة الإرشاد والتربية والإمداد والتصرف الروحاني لا الخلافة الصورية التي هي عبارة عن إقامة الحدود الظاهرة وتجهيز الجيوش والذب عن بيضة الإسلام ومحاربة أعدائه بالسيف والسنان، فإن تلک عندهم على الترتيب الذي وقع كما هو مذهب أهل السنة، والفرق عندهم بين الخلافتين كالفرق بين القشر واللب، فالخلافة الباطنة لب الخلافة الظاهرة، وبها يذب عن حقيقة الإسلام، وبالظاهرة يذب عن صورته، وهي مرتبة القطب في كل عصر، وقد تجتمع مع الخلافة الظاهرة كما اجتمعت في علي كرم الله تعالى وجهه أيام إمارته، وكما تجتمع في المهدي أيام ظهوره، وهي والنبوة رضيعا ثدي، وإلى ذلک الإشارة بما يروونه عنه عليه الصلاة والسلام من قوله: «خلقت أنا وعلي من نور واحد»

وكانت هذه الخلافة فيه كرم الله تعالى وجهه على الوجه الأتم۔

ومن هنا كانت سلاسل أهل الله عز وجل منتهية إليه إلا ما هو أعز من بيض الأنوق، فإنه ينتهي إلى الصديق رضي الله تعالى عنه كسلسلة ساداتنا النقشبندية نفعنا الله تعالى بعلومهم،

---

[615] تفسیر القرطبی ج4ص164۔

ومع هذا ترد عليه كرم الله تعالى وجهه أيضا، وبتقسيم الخلافة إلى هذين القسمين جمع بعض العارفين بين الأحاديث المشعرة أو المصرحة بخلافة الأئمة الثلاثة رضي الله تعالى عنهم بعد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم على الترتيب المعلوم، وبين الأحاديث المشعرة أو المصرحة بخلافة الأمير كرم الله تعالى وجهه بعده عليه الصلاة والسلام بلا فصل، فحمل الأحاديث الواردة في خلافة الخلفاء الثلاثة على الخلافة الظاهرة، والأحاديث الواردة في خلافة الأمير كرم الله تعالى وجهه على الخلافة الباطنة ولم يعطل شيئا من الأخبار، وقال بحقيقة خلافة الأربعة رضي الله تعالى عنهم أجمعين۔[616]

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (المائدة ۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے۔

یہ آیت اکثر محدثین کے نزدیک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔

کفار کی قسمیں

جان لو! ہر کافر اللہ عزوجل کا دشمن ہے اور کافروں کی کئی قسمیں ہیں اللہ عزوجل ہر قسم کے کافر اور کفر سے بچائے۔

آمین۔ بحرمۃ سید انبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(۱) کافر کی دو قسمیں ہیں:

اول: کافر اصلی — دوم: کافر مرتد

---

[616] روح المعانی۔

کافر اصلی:

وہ ہے جو شروع سے کافر اور کلمہ اسلام کا منکر ہے یہ بھی دو قسم کے ہیں ایک مجاھر دوسرے منافق، مجاہر وہ کافر ہے کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو اور منافق وہ کافر ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھتا ہو اور دل میں منکر ہو یہ قسم حکم آخرت میں سب اقسام میں سے بدتر ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔(النساء۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔

کافر مجاہر کی چار قسمیں ہیں:

اول: دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔

دوم: مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اوروں کو معبود جانتا ہے جیسے کہ ہندو بت پرست اور آریہ خود پرست کہ وہ روح اور مادہ کو معبود تو نہیں مگر قدیم اور غیر مخلوق جانتے ہیں۔ دونوں مشرک ہیں

سوم، مجوس آتش پرست چہارم، کتابی، یہود و نصاریٰ۔

کافر مرتد:

وہ کافر ہے کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول: مرتد، مجاہر، دوم: مرتد منافق۔

مرتد منافق:

وہ کافر ہے کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یارسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یاکسی نبی کی توہین کرتا ہے یاضروریات دین میں سے کسی شئے کا منکر ہو جیسے آج کل کے وہابی، دیوبندی، رافضی، قادیانی، پنج پیری، جماعت المسلمین، چکڑالوی وغیرہ حکم دین میں سب سے بدتر کافر مرتد ہیں اور مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہیں۔ یہی ہے کہ ان کی صحبت کی ہزار کافروں کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔[617]

اب قرآن کریم اوراحادیث مبارکہ میں ان کا بیان اوران پر احکام ملاحظہ ہوں:

آیت قرآن (۱)

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔ (المنفقون ۱)

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

---

[617] افادات رضویہ، احکام المبین علی الکفار والمرتدین ص ۴۔

آیت قرآن (۲)

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (التوبۃ ۵۶)

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں ان منافقین کا کلمہ پڑھنا اور قسمیں کھانا ہرگز موجب اسلام نہ ہو بلکہ اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے ہونے کی گواہی دی اور صاف فرمادیا کہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔

آیت قرآن (۳)

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (التوبۃ ۷۴)

اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔

ان جریر وطبرانی وابوالشیخ وابن مردویہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ایک پیڑ کے سائے میں تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا عنقریب ایک شخص آئے گا کہ تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کرنجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہو وہ گیا اور اپنے رفیقوں کو بلا لایا سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا نہ کہا، اس پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ "اللہ

کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہااور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔"

دیکھو! اللہ عزوجل گواہی دیتاہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں بے ادبی کالفظ کلمہ کفرہے اوراس کاکہنے والا اگرچہ لاکھ مسلمانی کامدعی ہو، کروڑبار کاکلمہ گوہو، کافرہوجاتاہے۔[618]

آیت قرآن (۴)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُنَ (65) لَاتَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ۔ (التوبة ۶۵-۶۶)

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

ابن ابی شیبہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں:

انه قال فی قوله تعالیٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ۔ قال رجل من المنافقين يحدثنا محمد ان ناقة فلان بوادی كذا و مايدريه بالغيب۔

یعنی کسی شخص کی اونٹنی گم ہو گئی اس کی تلاش تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایاکہ اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے اس پر ایک منافق بولا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) غیب کیا جانیں؟ اس پر اللہ

[618] ماخوذ حسام الحرمین۔

عزوجل نے یہ آیات کریمہ اتاریں کہ کیااللہ تعالیٰ اوررسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے ٹھٹھا کرتے ہو بہانے نہ بناؤتم مسلمان کہلا کراس لفظ کے کہنے سے کافر ہو گئے۔

دیکھو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصرج ۱۰ص ۱۰۵ اوردر منثورامام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ج۳ص ۲۵۴۔

ان آیات قرآنیہ وتفاسیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں گستاخی اگرچہ اس قدر ہو کہ وہ غیب کیاجانیں ؟ کرنے سے کافر ہو جاتاہے اوراس کا دعویٰ اسلام کام نہیں آتا۔

اللہ عزوجل نے صاف فرمادیا کہ تم بہانے نہ بناؤتم اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔

کفار سے دوستی کرنے والوں کا سنیں

آیت قرآن (۵)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِکَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِکَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلة ۲۲)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کُنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں

میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ تعالیٰ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہو گا پھر اس کا حکم قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ، بیٹے، بھائی عزیز سب کو گنایا۔

آیت قرآن (٦)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (التوبة ٢٣)

"اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔"

آیت قرآن (٧)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ۔ (الممتحنة ١)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

آیت قرآن (٨)

تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ۔(الممتحنة ١)

تم انہیں خفیہ پیام محبّت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے وہ بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

آیت قرآن(۹)

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الممتحنة٣)

ہر گز کام نہ آئیں گے تمہیں تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہیں ان سے الگ کردے گا اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

آیت قرآن(۱۰)

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (المائدة ۵۱)

اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ سے پہلے دو آیات کریمہ میں تو ان سے دوستی کرنے والوں کو ظالم اور گمراہ ہی فرمایا تھا مگر اس آیت کریمہ نے تو بالکل تصفیہ فرمادیا کہ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ بھی انہیں میں سے ہے انہیں کی طرح کافر ہے۔(افاضات رضویہ)

آیت قرآن(۱۱)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔(الممتحنة ۴)

بیشک تمہارے لئے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بیشک ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللّٰہ کے سوا پوجتے ہو ہم تمہارے منکِر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت ظاہر ہوگئی ہمیشہ کے لئے جب تک تم ایک اللّٰہ پر ایمان نہ لاؤ۔

آیت قرآن (۱۲)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (الممتحنة ٦)

بیشک تمہارے لئے ان میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللّٰہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو اور جو منھ پھیرے تو بیشک اللّٰہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

اللہ عزوجل تم سے یہ فرمارہاہے کہ جس طرح میرے خلیل اوران کے ساتھ والوں نے کہا کہ میرے لئے اپنی قوم کے صاف دشمن ہوگئے اور تنکاتوڑ کر ان سے جدائی کرلی اور کھل کر کہہ دیا کہ ہم کو تم سے کچھ علاقہ نہیں، ہم تم سے قطعی بیزار ہیں تمہیں بھی ایساہی کرناچاہتے ہیں، یہ تمہارے بھلے کو فرمارہاہے، مانو تو تمہاری خیر ہے نہ مانو تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرواہ نہیں، جہاں وہ میرے دشمن ہوئے تم بھی سہی میں تمام جہاں سے غنی ہوں اور تمام خوبیوں سے موصوف۔

آیت قرآن (۱۳)

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔(الانعام ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔

آیت قرآن (۱۴تا۱۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (١٤) أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (١٥) اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (١٦) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (١٧) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (١٨) اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المجادلة ١٩)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم میں سے نہ ان میں سے وہ دانستہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بیشک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے تو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کے لئے خواری کا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ دیں گے وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بُھلا دی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔

آیت قرآن (۲۰)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (التوبة ۱۲۳)

اے مومنو! جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قتال تمام کافروں سے واجب ہے لیکن قریب والے مقدم ہیں پھر جو ان سے متصل ہوں۔

آیت قرآن (۲۱)

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ (التوبة ۲۹)

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے۔

آیت قرآن (۲۲)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (آل عمران ۲۸)

مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اُسے اللّٰہ سے کچھ علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو اور اللّٰہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور اللّٰہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

شان نزول

حضرت عبادہ بن صامت نے جنگ احزاب کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں جو میرے حلیف ہیں ان سے دشمن کے مقابلے میں مدد حاصل کروں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور کافروں کو دوست اور مددگار بنانے کی ممانعت فرمائی۔

آیت قرآن (۲۳)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا (النساء ۱۴۴)

اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللّٰہ کے لئے صریح حجت کرلو۔ یعنی اپنے نفاق کی اور مستحق جہنم بن جاؤ۔ (خزائن العرفان)

آیت قرآن (۲۴)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبة ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر و مشرک کی نجات کی دعا کرنا بھی منع ہے۔

آیت قرآن (۲۵)

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِکَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة ۸۰)

تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستّر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہر گز انھیں نہیں بخشے گا یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

آیت قرآن (۲۶)

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (التوبة ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میّت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

آیت قرآن (۲۷)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِکَ فِي الْأَذَلِّينَ (المجادلة ۲۰)

بیشک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

آیت قرآن (۲۸)

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (الانعام ٦٨)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

آیت قرآن (۲۹)

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

آیت قرآن (۳۰)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا (النساء ۱۴۰)

اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک اللہ کافروں اور منافقوں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔(آہ آہ! حرام تو سب گناہ ہیں لیکن یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرمارہاہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی انہیں جیسے ہو۔)

آیت قرآن (۳۰)

وَلِتَصْغَى إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ (الانعام ۱۱۳)

اور اس لئے کہ اس کی طرف انکے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو اُنہیں گناہ کمانا ہے۔

حدیث شریف(۱)

من سمع بالدجال فلينأمنه فو الله ان الرجل ليأتيه وهو يحسب انه مؤمن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات۔ رواه ابو داؤد عن عمران بن حصين رضی اللہ تعالی عنه وعن الصحابة جميعا۔

جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہنچے گا وہاں اس کے دھوکوں میں پڑ کر اس کا پیرو ہو جائے گا(اسے ابوداؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔)[619]

مسلمانو! کیا دجال ایک اُسی دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے حاشا تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا۔

حدیث شریف(۲)

یکون فی اٰخر الزمان دجّالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلّونکم ولا یفتنونکم۔

آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادانے، تو ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ

619 (سنن ابی داؤد کتاب الملاھم باب خروج الدجال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳۷)

کر دیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں(اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[620]

حدیث شریف(۳)

ایاک وقرین السوء فانک بہ تعرف۔ رواہ ابن عساکر عن انس بن مالک رضی االلہ تعالٰی عنہ۔

برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہو گا(اسے ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[621]

حدیث شریف(۴)

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ماشئی ادل علی الشئی ولاالدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب۔ ذکرہ التیسیر۔

---

[620] (صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰)

[621] (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۴۸۴۴ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/ ۴۳)

کوئی چیز دوسری پر اور نہ دھواں آگ پر اس سے زیادہ دلالت کرتا ہے جس قدر ایک ہمنشین دوسرے پر (اس کو تیسیر میں ذکر کیا گیا۔)[622]

حدیث شریف (۵)

اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل ۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔

آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کرو (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[623]

حدیث شریف (٦)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولوا للمنافق یاسید فانه ان یکن سیدا فقدا سخطتم ربکم عزوجل۔رواہ ابو داؤد و النسائی بسند صحیح عن بریدة بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

منافق کو "اے سردار" کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہو تو بیشک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا۔(اس کو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔)[624]

حدیث شریف (۷)

---

[622] (التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ماقبل کے تحت مکتبۃ امام شافعی الریاض السعودیہ ۱/۲۰۲)
[623] (سنن ابوداؤد کتاب الادب باب من یومر ان یجالس آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۳۰۸)
[624] (سنن ابی داؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۳۲۴)

حاکم نے صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان لفظوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا قال الرجل للمنافق یاسید فقد اغضب ربہ۔ جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے۔[625] جان لو! کہ مؤمن کامل اگر محبت کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور عداوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور یہی عمل عند اللہ تعالیٰ محبوب ہے جس کے بارے میں متعدد احادیث شاہد ہیں۔ مثلاً

حدیث شریف (۸)

أَفْضَلُ الأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (أحمد، وأبو داود عن أَبِي ذَرٍّ)[626]

تمام عملوں میں سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ عزوجل کے لئے دوستی رکھنا اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے لئے دشمنی رکھنا ہے۔

حدیث شریف (۸)

"من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان"۔[627]

یعنی جس شخص نے کسی کے ساتھ محبت کی تو محض خدا عزوجل کے لئے کی، اگر بغض رکھا تو خدا عزوجل کے لئے، اگر کسی کو کچھ دیا تو خدا عزوجل کے لئے، اگر نہ دیا تو خدا عزوجل کے لئے، اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔

---

[625] (مستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/۳۱۱) (شعب الایمان حدیث ۴۸۸۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۳۰)

[626] أخرجه أحمد (146/5، رقم 21341)، وأبو داود (198/4، رقم 4599). قال المنذری (14/4)

[627] (سنن ابی داود، کتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه، الحديث: 4681، ج4، ص 290)

حدیث شریف(۹)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے گمراہوں اور بے دینوں کے متعلق حکم فرمایا:

"اذاظهرت البدع اوالفتن وسب اصحابی فلیظهر العالم علمه ومن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لايقبل الله منه صرفاولاعدلا، رواه ابن ابی الدنیاوالحکیم والشیرازی وابن عدی والطبرانی والبیهقی والخطیب بهزین حکیم عن جدهوعن ابیه وهوعن ابیه جدمعویه بن حیدة القشریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه۔"

جب بدمذہبیاں یافتنے ظاہر ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم ایسے وقت اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسانہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کانہ فرض قبول کرے نہ نفل۔

حدیث شریف(۱۰)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں:

اترعوون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بمافیه یحذره الناس۔

کیا تم بدکار کا ذکر کرنے سے گھبراتے ہو تو پھر کب لوگ اسے پہچانیں گے، لہٰذا بدکار میں جو کچھ نقائص اور خرابیاں ہیں انہیں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔[628]

[628] (تاریخ بغداد ترجمہ ۳۴۹ محمدبن احمدالرواطی دارالکتاب العربی بیروت ۱/۳۸۲)(نوادرالاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائة دارصادربیروت ص ۲۱۳)

حدیث شریف(۱۰)

من اعرض عن صاحب بدعة بغضا له فی اللہ ملا للہ قلبه امنا و ایماناو من انتھر صاحب بدعة امنه اللہ تعالیٰ یوم انفرع الا کبر و من اھان صاحب بدعة رفعه اللہ فی الجنة مائة درجة و من سلم علی صاحب بدعة اولقیه بالبشریٰ او استقبله بمایسره فقداستخف بماانزل علی محمد ﷺ رواہ الخطیب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔[629]

جس نے بغض کی بنا پر بدمذہب سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وایمان سے بھر دے گا اور جو شخص کسی بدمذہب کو جھڑکے اللہ تعالیٰ اسے اس بڑی گھبراہٹ کے دن امان دے گا اور جو شخص اہانت کرے کسی بدہب کی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائے اور جو شخص کسی بدمذہب کو سلام کرے یا اس سے خوشی کے ساتھ ملے یا اس کے سامنے ایسی بات کرے جس سے اس کا دل خوش ہو اس نے ہلکی جانی وہ چیز جو اتاری گئی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر۔

حدیث شریف(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقداعان علی ھدم الاسلام رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن بسر و ابن عساکر و ابن عدی عن ام المؤمنین الصدیقة و ابو نعیم فی الحلیة و الحسن بن سفیان فی مسندہ عن معاذ بن جبل و السجزی فی الابانة عن ابن عمر و کابن عدی عن ابن

[629](تاریخ بغداد ترجمہ ۵۳۷۸ عبدالرحمن بن نافع دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۶۴)

عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین والبیھقی فی شعب الایمان عن ابراھیم بن میسرۃ مرسلاً۔[630]

جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی بیشک اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی (اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن بسر، ابن عساکر اور ابن عدی نے ام المومنین سیدہ صدیقہ سے، ابونعیم نے حلیہ میں اور حسن بن سفیان نے مسند میں حضرت معاذ بن جبل سے، سجزی نے ابانۃ میں حضرت ابن عمر سے اور ابن عدی کی طرح، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابراہیم بن میسرہ سے اسے مرسلًا روایت کیا ہے۔

حدیث شریف (۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وعند العقیلی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم۔

---

[630] (شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۶۱) (شکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام والسنۃ فصل سوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ص ۳۱، کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۱۰۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۱۹) المعجم الاوسط مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا حدیث ۶۷۶۸ مکتبۃ المعارض الریاض ۷/ ۳۹۶) (حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۷ حضرت خالد بن معدان دار الکتب العربی بیروت ۵/ ۲۱۸)

عقیلی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس نہ بیٹھو، ساتھ پانی نہ پیو، ساتھ کھانا نہ کھاؤ، شادی بیاہ نہ کرو۔[631]

زاد ابن حبان عنہ لاتصلوا علیھم و لاتصلوا معھم۔[632]

ابن حبان نے انھیں کی روایت سے زائد کیا ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔

حدیث شریف(۱۳)

ابو حازم خزاعی اپنے جزء حدیثی میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصحاب البدع کلاب اھل النار۔[633]

بدمذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں۔

حدیث شریف(۱۴)

امام دار قطنی کی روایت یوں ہے:

حدثنا القاضی الحسین بن اسمٰعیل نامحمد بن عبداللہ المخرمی نا اسمعیل بن ابان نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار۔[634]

---

[631] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۶

[632] (کنز العمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۵۴۰)(میزان الاعتدال ترجمہ ۱۲۰۳ بشیر بن عبیداللہ القیصر دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۲۰)

[633] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۰۸۰ دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۲۸)(کنز العمال بحوالہ ابی حاتم الخزاعی حدیث ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸)

[634] (کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی امامہ حدیث ۱۱۲۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳)

قاضی حسین بن اسمعیل نے محمد بن عبد اللہ مخزمی سے انھوں نے اسمعیل بن ابان سے انھوں نے حفص بن غیاث سے انھوں نے اعمش سے انھوں نے ابو غالب سے انھوں نے ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔

حدیث شریف (۱۵)

عن حذیفة بن الیمان:

لا یَقْبَلُ اللہُ لصاحِبِ بدعةٍ صلاةً، ولا صومًا، ولا صدقةً، ولا حَجًّا، ولا عُمْرَةً، ولا جهادًا، ولا صَرْفًا، ولا عَدْلًا، یَخْرُجُ من الإسلامِ، کما تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ من العَجِینِ۔

اللہ تعالٰی کسی بد مذہب کی نہ نماز قبول کرے نہ روزہ نہ زکوۃ نہ حج نہ عمرہ نہ جہاد نہ فرض نہ نفل بد مذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔

حدیث شریف (۱۶)

ابو نعیم حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اھل البدع شر الخلق و الخلیقة۔

بد مذہب لوگ سب آدمیوں سے بد تر اور سب جانوروں سے بد تر ہیں۔[635]

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا:

---

[635] (حلیة الاولیا ترجمہ ابو مسعود موصلی دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۹۱)

الخلق الناس و الخلیقة البھائم۔[636]

خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں۔

حدیث شریف(۱۷)

عقیلی وابن حبان انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا واصھارا وسیاتی قوم یسبونھم وینتقصونھم فلا تجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتؤاکلوھم ولاتناکحوھم۔[637]

بیشک اللہ تعالٰی نے مجھے پسند فرمایااور میرے لئے اصحاب واصہار چُن لئے اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں بُرا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تم اُن کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا نہ کھانا کھانا نہ شادی بیاہ کرنا۔

حدیث شریف(۱۸)

فلاتواکلوھم ولاتشاربوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم۔[638]

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایانہ ان کے کھانا کھاؤ نہ پانی پیو نہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔

حدیث شریف(۱۹)

---

[636] (التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماقبل مکتبہ امام شافعی الریاض سعودیہ ۱/۳۸۳)

[637] (کتاب الضعفاء الکبیر (۱۲۳) احمد بن عمران الاخنسی مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۲۶)

[638] (کنز العمال الباب الثالث فی ذکر الصحابۃ الخ حدیث ۳۲۶۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/۵۴۰)

عن أبي سعيد الخدري: لاتُصاحِبْ إلّا مُؤمِنًا، ولايأكُلْ طعامَکَ إلّا تَقِيٌّ۔[639]

یعنی مومن کے سوا کسی اور کی صحبت میں نہ بیٹھو اور متقی کے سوا تیری دعوت کا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔

علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مبتدع، تو مبتدع فاسق بھی شرعا واجب اہانت ہے اس کی تعظیم ناجائز ہے ابن شاہین نے کتاب الافراد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاسقوں کے بارے میں روایت کی۔

حدیث شریف (۲۰)

عن عبدالله بن مسعود: تقرَّبوا إلى الله ببُغضِ أهلِ المعاصي، والْقَوْهم بوجوهٍ مُکْفَهِرّةٍ، والتَمِسوا رضاالله بِسَخَطهم، وتقرَّبوا إلى الله بالتباعُدِ منهم۔

اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کرو فاسقوں کے بغض سے اور ان سے ترش رو ہو کر ملو اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان کی خفگی میں ڈھونڈو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیکی ان کی دوری سے چاہو۔

حدیث شریف (۲۱)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[639] أبو داود (ت ٢٧٥)، سنن أبي داود ٤٨٣٢• الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٢٣٩٥• وأحمد (١١٣٥٥) • ابن حبان (ت ٣٥٤)، صحيح ابن حبان ٥٥٤• البغوي (ت ٥١٦)، شرح السنة ٤٦٨/٦• المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ٨٦/٤• محمد المناوي (ت ٨٠٣)، تخريج أحاديث المصابيح ٣١٧/٤• الهيثمي (ت ٨٠٧)، موارد الظمآن ١١٣٤/٢• السيوطي (ت ٩١١)، الجامع الصغير ٩٧٨٩• محمد جار الله الصعدي (ت ١١٨١)، النوافح العطرة ٤٥٥• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج صحيح ابن حبان ٥٥٤• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج رياض الصالحين ٣٦٦•

عن أنس بن مالک: إذامُدِحَ الفاسقُ غضبَ الرَّبُ واهتزَّ لذلِکَ العرشُ۔[640] رواه ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابویعلی فی مسنده والبیهقی فی شعب الایمان عن انس بن مالک وابن عدی فی الکامل عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنهما۔

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے اسے امام ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ، ابویعلی نے مسند اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

عن سهل بن عبداللہ التستری قدس سره من صحح ایمانه واخلص توحیده فانه لا یانس الٰی مبتدع ولایجالسه ولایواکله ولایشاربه ولایصاحبه ویظهر من نفسه العداوه والبغضاء۔انتهی،[641]

تم ایسی قوم نہ پاؤ گے جو اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالفوں سے محبت کریں، روح البیان میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا: اللہ ورسول کے مخالف، منافق، یہود، فساق، ظالم، بدعتی لوگ ہیں، اور "نہ پائیں" سے مراد محبت و تعلق

---

[640] ابن حبان (ت ٣٥٤)، المجروحين ٢/٣٣٩• ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، معرفة التذكرة ٩٦• ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، ذخيرة الحفاظ ١/٣٦٤• والخطيب في «تاريخ بغداد» (٨/٤٢٨) الذهبي (ت ٧٤٨)، ميزان الاعتدال ٢/١٠٩• العراقي (ت ٨٠٦)، تخريج الإحياء ٣/١٩٨• البوصيري (ت ٨٤٠)، إتحاف الخيرة المهرة ٦/٨٤• ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، فتح الباري لابن حجر ١٠/٤٩٣• ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، الإصابة ٤/٥٧• السخاوي (ت ٩٠٢)، المقاصد الحسنة ٤٨٢• السخاوي (ت ٩٠٢)، الأجوبة المرضية ٢/٨٨٣• محمد بن محمد الغزي (ت ١٠٦١)، إتقان مايحسن ٢/٥٨٤• العجلوني (ت ١١٦٢)، كشف الخفاء ٢/٣٢٥• الألباني (ت ١٤٢٠)، تخريج مشكاة المصابيح ٤٧٨٧• أخرجه أبو يعلى في «معجمه» (١٧١) البيهقي في «شعب الإيمان» (٤٨٨٦) شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج منهاج القاصدين ١٧٦• (شعب الايمان حديث ۴۸۸۶ باب فی حفظ اللسان مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۳۰)

[641] (القرآن الكريم ۵۸/۲۲) (روح البيان (التفسير) تحت آية ۵۸/۲۲ المكتبة الاسلامية لصاحبها الحاج الرياض ۹/۴۱۲) (روح البيان للحقى (التفسير) تحت آية ۵۸/۲۲ المكتبة الاسلاميه لصاحبها الحاج الرياض ۹/۴۱۲)

کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہونا چاہیئے اوراس سے بچنالازم ہے، بہر حال اس سے باز رہے، ختم ہوا، اوراس میں ہے سہل بن عبد اللہ تستری قدس سرہ، سے منقول ہے کہ صحیح الایمان والاخالص توحید والا شخص نہ بدعتی لوگوں کی رغبت رکھے، نہ ان کے پاس بیٹھے، نہ ان کے ساتھ کھائے، نہ ان کی صحبت میں جائے اور ان سے عداوت وبغض کا مظاہرہ کرے، انتہی۔

ولایدانیھم اھ۔ حقائق ثم یعقوب چرخی ص ۲۲۔یعنی کسی بدمذہب وہابی کے نہ توخود قریب جائیں اورنہ ان کو اپنے قریب چھوڑیں۔

من تحبب الی مبتدع نزع نور الایمان من قلبه۔اھ۔

یعقوب چرخی ص ۲۲۔جو مسلمان مؤحدوہابی بدمذہب سے محبت کرے گا اس کے دل سے ایمان کانور نکال دیا جاتا ہے۔

واذا رأیت مبتدعا فی الطریق فخذ طریقا اخر۔[642]

یعنی جس راستے سے وہابی بدمذہب کو آتے دیکھو اپنا راستہ تبدیل کرو کیونکہ یہ مغضوب ہے یعنی وہ انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا ہے۔راستہ اس لئے تبدیل کرلو کہ کہیں اس کی قربت سے تو بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں نہ آئے۔

(العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، حصہ نہم)

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

[642] المقاصد السنیۃ ص ۷۹۔

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مقدمة

الحمدللہ رب العلمین و العاقبة للمتقین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

جاننا چاہیئے کہ تمام امور دین سے افضل چیز صرف اور صرف علم دین ہے کیونکہ قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارکہ میں علم دین کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے سیکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چند آیات قرآنی جن میں علم دین کی شرافت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ ۱۱)

”اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔“

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر ۹)

”تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔“

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)

”اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔“

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت ۴۳)

”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔“

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ۸۳)

”اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔“

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۴۹)

بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبة ۱۲۲)

”تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔“

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرة ۲۶۹)

”اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔“

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)

”تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔“

وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران ۱۸)

ترجمہ: اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طه ۱۱۴)

ترجمہ: اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

چند احادیث مبارکہ جن میں علم دین کی شرافت اور فضیلت بیان کی گئی ہے:

عن أبي الدرداء: من سلک طريقًا يطلبُ فيه علمًا سلک اللهُ به طريقًا من طرقِ الجنّةِ وإنَّ الملائكةَ تضعُ أجنحتَها لطالبِ العلمِ رضًا بما يطلبُ وإنَّ العالِمَ يستغفرُ له من في السَّماءِ ومن في الأرضِ والحيتانُ في جوفِ البحرِ وفضلُ العالِمِ على العابدِ كفضلِ القمرِ ليلةَ البدرِ

علی سائرِ الکواکبِ وإنّ العلماءَ ورثةُ الأنبیاءِ إنّ الأنبیاءَ لم یُوَرِّثوا دینارًا ولا درهمًا وأورثوا العلمَ فمن أخذ به أخذ بحظٍّ وافرٍ۔ [643]

ترجمہ: جو شخص علم کی تلاش میں کسی راہ پر گامزن ہوا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے جنت کے راستہ پر چلائے گا۔ طالب علم کے عمل سے خوشنود ہوکر فرشتے اپنے پر اس کیلئے بچھاتے ہیں ۔ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق پانی میں موجود مچھلیوں کے سمیت علم والے کیلئے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ عالم کی برتری عابد پر ایسی ہے جیسے سارے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کو برتری حاصل ہوتی ہے۔ بے شک علماء انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں انبیاء علیہم السلام درہم و دینار وارث نہیں چھوڑتے وہ صرف علم بطور وراثت کے چھوڑتے ہیں جس نے اسے حاصل کرلیا اس نے وافر پالیا۔

عن أنس بن مالک: طلبُ العلمِ فَریضةٌ علی کلِّ مسلمٍ وواضعُ العِلمِ عندَ غیرِ أَهْلِهِ کمقلِّدِ الخَنازیرِ الجوهرَ واللُّؤلؤَ والذَّهبَ۔ [644]

عن عبد الله بن عمر: العلمُ دینٌ، والصلاةُ دینٌ، فانظروا عمن تأخذونَ هذا العلمَ، وکیف تُصَلُّونَ هذه الصلاةَ، فإنّکم تُسألونَ یومَ القیامةِ۔ [645]

ترجمہ: علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسا کہ خنزیروں کے گلے میں جوہر موتی اور سونے کا پٹہ ڈالنے والا۔

---

[643] ابن عساکر (٥٧١هـ)، تاریخ دمشق ٢٤٧/٢٥ •له طرق کثیرة •أخرجه أبو داود (٣٦٤١)، والترمذي (٢٦٨٢)، وابن ماجه (٢٢٣)، وأحمد (٢١٧١٥) باختلاف یسیر، وابن عساکر في «تاریخ دمشق» (٢٤٧/٢٥) واللفظ له•

[644] المزي (٧٤٢هـ)، تهذیب الکمال ٣٦٣/١٥ • [فیه کثیر بن شنظیر المازني قال أحمد بن حنبل روی عنه الناس واحتملوه صالح الحدیث وقال أبو زرعة لین وقال النسائي لیس بالقوي •أخرجه ابن ماجه (٢٢٤) واللفظ له، والبزار (٦٧٤٦) مختصراً، والبیهقي في «شعب الإیمان۔

[645] ابن رجب (٧٩٥هـ)، شرح علل الترمذي ٦١/١ •ابن الجوزي (٥٩٧هـ)، العلل المتناهیة ١٣١/١ •ابن القیسراني (٥٠٨هـ)، ذخیرة الحفاظ ٩٨٢/٢ •أخرجه الدیلمي في «الفردوس» (٤١٩٠) باختلاف الالفاظ۔

عن أبي هريرة: العالمُ والعلمُ والعملُ في الجنةِ، فإذا لم يَعْمَلِ العالمُ بما يعلمُ، كان العلمُ والعملُ في الجنةِ، وكان العالمُ في النارِ۔[646]

ترجمہ: عالم، علم اور عمل جنت میں، جب عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے (وہ عالم نہیں ہے لہذا) علم اور عمل تو جنت میں ہوں گے لیکن عالم دوزخ میں۔

عن محمد بن كعب القرظي: إذا أرادَ اللهُ بِعبدٍ خيرًا فقَّهَه في الدِّينِ، وزَهَّدَه في الدُّنيا، وبصَّرَه عيوبَهُ۔[647]

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے دنیا سے بے رغبت کر دیتا ہے اور اسے اپنے عیب دکھا دیتا ہے۔

عن أبي ذر وأبي هريرة: إذا جاء الموتُ لطالِبِ العِلمِ وهو على هذه الحالةِ، مات وهو شهيدٌ۔[648]

ترجمہ: جب طالب علم کو طلب علم میں موت آتی ہے تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔

عن أنس بن مالک: أشدُّ الناسِ حسرةً يومَ القيامةِ رجلٌ أمْكنَهُ طلَبُ العلمِ في الدنيا فلمْ يَطلُبْهُ، ورجلٌ علَّمَ عِلمًا فانتفعَ بِهِ مَنْ سمعَهُ مِنهُ دُونَهُ۔[649]

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے بڑھ کر حسرت اس شخص کو ہو گی جس کیلئے طلب علم دنیا میں ممکن تھی لیکن اس نے علم نہ سیکھا نیز اس شخص کو جس نے علم سیکھا لیکن اس سے سننے والوں نے اس سے فائدہ اٹھا لیا اور وہ خود اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

---

[646] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٥٦٤١• أخرجه الديلمي في «الفردوس» (٤١٩٨) باختلاف يسير.

[647] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٣٧٦•

[648] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٥٤٣• ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، لسان الميزان ٥٠٧/٢• الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١٢٩/١ • البزار (٢٩٢هـ)، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ١٩١/١٥•

[649] أخرجه ابن عساكر في «تاريخ دمشق» (١٣٧/٥١) من حديث عبدالله بن عباس رضي الله عنه.

عن علي بن أبي طالب: العلمُ خزائنُ، ومفتاحُها السُّؤالُ، فاسألوا يرحمْكم اللهُ، فإنَّه يُؤجرُ فيه أربعةٌ: السّائلُ، والمعلِّمُ، والمستمِعُ، والمجيبُ لهم۔[650]

ترجمہ: علم کئی خزانوں پر مشتمل ہے ان کی چابی سوال ہے لہذا پوچھا کرو اللہ تعالیٰ تم رحم فرمائے کیونکہ اس کے باعث چار آدمیوں کو ثواب ملتا ہے۔(۱) پوچھنے والا۔(۲) سکھانے والا (۳) سننے والا اور دھیان کرنے والا (۴) ان سے محبت کرنے والا۔

عن علي بن أبي طالب: العلمُ خزائنُ مفاتيحُها السؤالُ: ألا فاسألُوا فإنَّهُ يُؤْجَرُ فيه أربعةٌ: السائلُ، والعالِمُ، والمستمعُ، والمحبُّ لهم۔[651]

عن سخبرة الأزدي والدعبدالله: من طلب العلمَ كان كفارةً لما مضى۔[652]

ترجمہ: علم کی طلب سابقہ گناہوں کی کفارہ ہوتی ہے۔

عن معاذ بن أنس: مَن علَّمَ علمًا فلَهُ أجرُ من عمِلَ بِهِ، لا ينقصُ من أجرِ العاملِ شيءٌ۔[653]

ترجمہ: جس نے کسی کو علم سکھایا اس کیلئے اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہوگا اور عمل کرنے والے کا ثواب کم نہ ہوگا۔

عن سهل بن سعد الساعدي: واللهِ لَأنْ يُهدى بهُداکَ رجُلٌ واحدٌ خيرٌ لکَ مِن حُمُرِ النَّعَمِ۔[654]

---

[650] أبو نعيم (٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٣/٢٢٤ •غريب •أخرجه أبو نعيم في «حلية الأولياء» (٣/١٩٢) مطولاً واللفظ له، والخطيب في «الفقيه والمتفقه» (٢/٦١).

[651] العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ١/٢٤•

[652] الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٢٦٤٨•الترمذي (٢٧٩هـ)، تهذيب التهذيب ٣/٤٥٤•ابن العربي (٥٤٣هـ)، عارضة الأحوذي ٥/٣٢١•

[653] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٨٠ •[فيه سهل بن معاذ •أخرجه ابن ماجه (٢٤٠)، والبغوي في «معجم الصحابة» (٢١١٢)، والطبراني (٢٠/١٩٨) (٤٤٦) باختلاف يسير.

[654] أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٣٦٦١•السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٩٥٨٧•صحيح•

ترجمہ: خدائے تعالی کی قسم تیری رہنمائی سے ایک آدمی کاہدایت پاجاناتیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

عنِ عمران بن مسلم: عن عمرَ بنِ الخطابِ رضي الله عنه قال: تعلَّموا العلمَ وعلِّموه الناسَ تعلّموا الوقارَ والسكينةَ وتواضعوا لمن تعلمتم منه ولا تكونوا جبابرةَ العلماءِ فلايقومُ علمُكم بجهلِكم۔[655]

ترجمہ: علم سیکھواوراسے لوگوں کو سکھاؤاور علم کیلئے وقاراوراطمینان سیکھو جس سے علم سیکھو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

عن أبي بكرة نفيع بن الحارث: اغدُعالِمًا أومُتعلِّمًا أومُستمِعًا أومُحبًّا، ولا تكنِ الخامسةَ فتهلکَ، قال عُبيدُ بنُ جنّادٍ: قال عطاءٌ: قال مِسعَرُ بنُ كِدامٍ: يا عطاءُ هذه خامسةٌ، زادنا الله في هذا الحديثِ لم يكنْ في أيدينا، إنّما كان في أيدينا: اغدُعالِمًا أومُتعلِّمًا أومُستمِعًا ولاتكنِ الرّابعةَفتهلکَ، ياعطاءُ! ويلٌ لمن ليس فيه واحدةٌمن هذه۔[656]

ترجمہ: عالم یا(دوم)طالب علم یا(سوم)ان سے علمی گفتگو سننے والایا(چہارم)ان سے محبت کرنے والا،ان چار گروہوں کے علاوہ پانچواں نہ بن،ورنہ برباد ہو جائے گا۔

عن عبدالله بن عمرو: خرج رسولُ اللهِ ﷺ ذات يومٍ من بعضِ حجرِه، فدخل المسجدَ، فإذا هو بحلقتين إحداهما يقرأون القرآنَ ويدعون اللهَ والأخرى يتعلّمون

[655] البيهقي (٤٥٨هـ)، المدخل إلى السنن الكبرى ٢/١٥٣•

[656] البيهقي (٤٥٨هـ)، شعب الإيمان ٢/٧٣٧•البزار (٢٩٢هـ)، البحر الزخار ٩/٩٤•الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ٥/٢٣٠•الهيثمي (٨٠٧ هـ)، مجمع الزوائد ١/١٢٧•

ويعلِّمون فقال النبيُّ صلى الله عليه وآله وسلم كلٌّ على خيرٍ، هؤلاء يقرأون القرآنَ ويدعون اللهَ، فإن شاءَ أعطاهم وإن شاءمنعَهم وهؤلاء يتعلّمون ويعلِّمون، وإنما بعثتُ معلِّمًا فجلس معهم۔[657]

ترجمہ: ایک روز تاجدار ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے کسی حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دو حلقے دیکھے ایک میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے۔ دوسرے حلقے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کچھ پڑھ رہے تھے اور کچھ پڑھا رہے تھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا سب نیکی میں مشغول ہیں یہ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے ان کو دے اور اگر چاہے تو روک لے یہ پڑھ رہے ہیں یا پڑھا رہے ہیں۔ میں صرف تعلیم دینے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور یہ فرما کر (ان کی تعلیمی ضرورت کی بنا کر) ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

عن أنس بن مالک: قيلَ يا رسولَ اللهِ أيُّ الأعمالِ أفضلُ؟ فقال: العلمُ باللهِ عزَّ وجلَّ، فقيل: أيُّ العلمِ تريدُ؟ قال صلى الله عليه وآله وسلم: العلمُ باللهِ سبحانَه، فقيل له: نسألُ عن العملِ وتجيبُ عن العلمِ؟ فقال صلى الله عليه وآله وسلم: إنَّ قليلَ العملِ ينفعُ من العلمِ باللهِ، وإنَّ كثيرَ العملِ لا ينفعُ مع الجهلِ باللهِ۔[658]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اعمال میں سب سے بہتر کون سا عمل ہے؟ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل (کے دین) کا علم سب سے بہتر ہے۔ پس کہا گیا اس

---

[657] البوصيري (٨٤٠هـ)، إتحاف الخيرة المهرة ١/٢٠٥•

[658] العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ١/٢٢•أخرجه ابن عبدالبر في «جامع العلم وفضله» (٢١٤) باختلاف يسير، والديلمي كما في «الجامع الصغير» للسيوطي (٢/١٤٩) مختصراً۔

کون سا علم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مراد ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ (کے دین) کا علم، پس کہا گیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کہ ہم عمل کے متعلق عرض کرتے ہیں اورآپ علم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں؟ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بے شک تھوڑا عمل بھی فائدہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ (کے دین) کے علم کے ساتھ اور بے شک زیادہ عمل بھی نفع نہیں دیتا اللہ تعالیٰ (کے دین) کے جہل کے ساتھ۔

عن أبي موسى الأشعري: إِنَّ اللهَ تعالى لا ينزِعُ العلمَ منكم بعدما أعطاكُموهُ انتزاعًا، ولكِنْ يقبِضُ العلماءَ بعِلْمِهِمْ، ويَبْقى جُهّالٌ، فيسأَلُونَ فيُفْتُونَ، فيَضِلُّونَ ويُضِلُّونَ۔[659]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمانے کے بعد یکبارگی تم سے نہیں چھین لے گا لیکن وہ علماء کو اٹھالے گا۔ جاہل باقی رہ جائیں گے ان سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ فتوے دیں گے خود گمراہ ہوں گے اوراوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عن أبي هريرة: دخلْنا على رسولِ اللهِ ﷺ حتى ملأْنا البيتَ وهو مُضطجعٌ لجنبِه، فلما رآنا قبَضَ رجليه، ثم قال: إنه سيأتيكم أقوامٌ مِن بعدي يَطلُبون العلمَ، فرحِّبوا بهم، وحيُّوهم، وعلِّموهم۔[660]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں اندر آئے یہاں تک کہ ہم سے گھر بھر گیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیں دیکھا تو اپنی ٹانگیں

---

[659] صحيح الجامع ١٨٦١• حسن•

[660] ابن ماجه ٤٧•

مبارک سمیٹ لیں اور فرمایا تمہارے پاس کچھ لوگ علم کی طلب میں آئیں گے انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہو اور انہیں علم سکھاؤ۔

عن أبي هريرة: ما عُبِد اللهُ بشيءٍ أفضلَ من فقهٍ في دينٍ۔ قال أبو هريرةَ: لأن أتفقَّهَ ساعةً أحبُّ إليّ من أن أُحييَ ليلةً أصلّيها حتى أُصبحَ، ولَفقيهٌ واحدٌ أشدُّ على الشّيطانِ من ألفِ عابدٍ، ولكلِ شيءٍ دِعامةٌ، ودِعامةُ الدِّينِ الفقهُ۔[661]

ترجمہ: حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دین کو سمجھنے سے زیادہ بہتر اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی نے نہیں کی۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لمحے بھر کیلئے میرا دین کی سمجھ سیکھنا مجھے رات بھر کی شب بیداری اور صبح تک نماز میں مشغولیت سے زیادہ محبوب ہے اور ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ سخت (بھاری) ہے اور ہر چیز کیلئے کوئی ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔

عن أبي هريرة: ما عُبِدَ اللهُ بشيءٍ أفضَلَ مِن فِقهٍ في دِينٍ، ولَفَقيهٌ واحِدٌ أشَدُّ على الشَّيطانِ مِن ألْفِ عابِدٍ، ولكلِّ شيءٍ عِمادٌ، وعِمادُ الدِّينِ الفِقهُ۔ وقال أبو هُرَيرةَ: لَأَنْ أجلِسَ ساعةً، فأتَفَقَّهَ أحَبُّ إليّ مِن أنْ أُحيِيَ لَيلةً إلى الصَّباحِ۔[662]

ترجمہ: دین میں سمجھ پیدا کرنے سے بڑھ کر فضیلت والے اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ ہر شئے کا ایک ستون ہوتا ہے اس دین کا ستون فقہ ہے۔ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک ساعت فقہ سیکھنا مجھے ساری کی شب بیداری سے زیادہ محبوب ہے۔

---

[661] أبو نعيم (٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٢/٢٢٠ • تفرد به يزيد بن عياض عن صفوان • أخرجه الطبراني في «المعجم الأوسط» (٦١٦٦)، والدارقطني (٣/٧٩)، وأبو نعيم في «حلية الأولياء» (٢/١٩٢) واللفظ له.

[662] البيهقي (٤٥٨هـ)، شعب الإيمان ٢/٧٣٨ • أخرجه الطبراني في «المعجم الأوسط» (٦١٦٦)، والدارقطني (٣/٧٩)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (١٧١٢) واللفظ له

عن أبي هريرة: مَن جاءَ مَسجدي هذا، لَم يَأْتِه إلّا لخيرٍ يَتعلَّمه، أو يُعلِّمه فهوَ بِمنزِلَةِ المجاهدينَ في سَبيلِ اللهِ، ومَن جاءَ لغيرِ ذلكَ، فهوَ بمنزِلَةِ الرَّجلِ ينظرُ إلى مَتاعِ غيرِه۔[663]

ترجمہ: جو شخص میری اس مسجد میں صرف کوئی نیکی سیکھنے یا سکھانے کیلئے آیا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے قائم مقام ہے جو کوئی کسی اور مقصد کیلئے آیا پس وہ اس کی آدمی کی طرح ہے جو دوسروں کے سامان کی حفاظت کرتا ہے۔

عن أبي ذر الغفاري: يا أبا ذرٍّ لأن تغدوَ فتعلَّم آيةً من كتابِ اللهِ خيرٌ لكَ من أن تصلِّيَ مائةَ ركعةٍ ولأن تغدوَ فتُعلِّم بابًا من العلمِ عُمِل به أو لم يُعمَلْ به خيرٌ من أن تُصلِّيَ ألفَ ركعةٍ۔[664]

ترجمہ: اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تیرا کہیں جاکر قرآن کریم کی ایک آیت مبارک سیکھ لینا سو رکعت نفل سے افضل ہے۔ تیرا کہیں جاکر علم کا ایک باب سیکھ لینا جس پر عمل کیا جائے یا نہ، ہزار رکعت نماز نفل سے بہتر ہے۔

عن أنس بن مالك: إنَّ مثلَ العلماءِ في الأرضِ كمثلِ النُّجومِ يُهتَدى بها في ظلماتِ البرِّ والبحرِ فإذا انطمستِ النُّجومُ أو شكَ أن تضلَّ الهُداةُ۔[665]

ترجمہ: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک زمین پر علماء کی مثال آسمان کے ستاروں کی طرح ہے کہ ان کے ذریعہ سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے جب ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے تو ممکن ہے کہ رستہ دکھانے والے بھی گمراہ ہو جائیں۔

---

[663] صحيح الترغيب ٨٧ • صحيح • أخرجه ابن ماجه (٢٢٧)، وأحمد (٩٤١٩)

[664] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٣٠٤/٢ • إسناده حسن • أخرجه ابن ماجه (٢١٩)، وابن شاهين في «شرح مذاهب أهل السنة» (٥٤)، والديلمي في «الفردوس» (٨٣٦٢) باختلاف يسير۔

[665] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٨٠/١ • الدمياطي (٧٠٥هـ)، المتجر الرابح ١٩ •

عن أنس بن مالک: ألا أخبرُ کم عن الأجودِ، الأجودُ اللهُ، الأجودُ الأجودُ، وأنا أجودُ ولدِ آدمَ وأجودُهم من بعدي رجلٌ علم علمًا فنشره، يبعثُ يوم القيامةِ أمةً واحدةً، ورجلٌ جاد بنفسِه في سبيلِ اللهِ۔ [666]

ترجمہ: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کیا میں سب سے فیاض ہستی نہ بتاؤں اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر فیاض ہے سب سے زیادہ فیاض ہے بنی آدم میں سب سے فیاض میں ہوں۔ میرے بعد سب سے زیادہ فیاض وہ ہو گا جسے علم عطا کیا گیا اور اس نے اپنے علم کو پھیلا دیا۔ قیامت کے دن وہ اکیلا بہت بڑا امام بن کر اٹھایا جائے گا۔ نیز وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربانی کیلئے پیش کر دی یہاں تک کہ وہ مارڈالا گیا۔

عن أبي أمامة الباهلي: أيُّما ناشيءٍ نشأَ في طلبِ العِلمِ والعبادةِ حتّى يكبُرَ وهو على ذلک أعطاهُ اللهُ يومَ القيامةِ ثوابَ اثنينِ وسبعينَ صدِّيقًا۔ [667]

ترجمہ: جو بچہ طلب علم اور عبادت میں پلا بڑھا یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے بہتر (۷۲) صدیقوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

عن أبي هريرة: خصلتانِ لا تجتمعانِ في منافقٍ: حسنُ سمتٍ، وفقهٌ في الدِّينِ۔ [668]

ترجمہ: دو خصلتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اچھی روش اور دین میں سمجھ۔

عن أبي هريرة: مَن نَفَّسَ عن مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِن كُرَبِ الدُّنْيا، نَفَّسَ اللَّهُ عنْه كُرْبَةً مِن كُرَبِ يَومِ القِيامَةِ، وَمَن يَسَّرَ على مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللَّهُ عليه في الدُّنْيا والآخِرَةِ، وَمَن سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللَّهُ في الدُّنْيا والآخِرَةِ، واللَّهُ في عَوْنِ العَبْدِ ما كانَ العَبْدُ في عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَن سَلَکَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فيه عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ له به طَرِيقًا إلى الجَنَّةِ، وَما اجْتَمع قَوْمٌ في بَيْتٍ مِن بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ

---

[666] أخرجه أبو يعلى (٥/١٧٦)،

[667] الجامع ٢٢٥٢•

[668] أخرجه الترمذي (٢٦٨٤)، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٨٠١٠)

كِتابَ اللهِ، وَيَتَدارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلّا نَزَلَتْ عليهِم السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحمَةُ وَحَفَّتْهُمُ المَلائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّهُ فِيمَن عِنْدَهُ، وَمَن بَطَّأَ به عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ به نَسَبُهُ۔ غيرَ أنَّ حَدِيثَ أَبِي أُسامَةَ لَيسَ فيه ذِكْرُ التَّيْسِيرِ على المُعْسِرِ۔ [669]

عن أنس: ما من رجلٍ يَنْعَشُ بلسانِهِ حَقًّا، فعَمِل به مَن بعدَه، إلا أَجْرى عليه أجرَه إلى يومِ القيامةِ، ثم وَفّاه اللهُ تعالى ثوابَه يومَ القيامةِ۔ [670]

عن واثلة بن الأسقع الليثي أبي فسيلة: مَنْ طلب علمًا فأدركه أعطاه اللهُ كِفلَينِ من الأجرِ ومَنْ طلب علمًا ولم يدركه أعطاه اللهُ كِفلًا منَ الأجرِ فغيرُه فقال من طلب علمًا فأدركه أعطاه اللهُ أجرَ ما علِمَ وأجرَ ما عمِل ومن طلب علمًا فلم يدركه أعطاه اللهُ أجرَ ما علمَ وسقط عنه أجرُ ما لم يعملْ۔ [671]

عن أنس بن مالک: العلمُ علمانِ علمُ اللِّسانِ وَعِلمُ القلبِ فذاکَ العلمُ النّافعُ وعلمُ اللِّسانِ حجّةٌ على ابنِ آدمَ۔ [672]

ترجمہ: علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دل میں جاگزیں ہوگیا۔ وہ سود مند علم ہے۔ دوسرا وہ جو زبان پر ہے وہ آدمی کے خلاف دلیل ہوگا۔

عن أنس بن مالک: مَنْهُومانِ لا يَشْبَعانِ: مَنْهُومٌ في العلمِ لا يَشْبَعُ منه، ومَنْهُومٌ في الدنيا لا يَشْبَعُ منها۔ [673]

ترجمہ: دو حریص سیر نہیں ہوتے، علم کی حرص والا سیر نہیں ہوتا، دنیا کی لالچ کرنے والا حریص بھی سیر نہیں ہوتا۔

---

[669] مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ٢٦٩٩] • صحيح •

[670] السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٨٠٢٣ • حسن۔ أخرجه أحمد (١٣٨٠٣)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (٧٦٨١)،

[671] ابن حبان (٣٥٤هـ)، المجروحين ٢/٣٧٨ • أخرجه الدارمي (٣٣٥)

[672] المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٨٣ • إسناده حسن • أخرجه الخطيب في «تاريخ بغداد» (٤/٣٤٦)،

[673] تخريج مشكاة المصابيح ٢٥١ • صحيح • والحاكم (٣١٢)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (١٠٢٧٩)

عن عبدالله بن مسعود: لا حَسَدَ إلّا في اثْنَتَيْنِ: رَجلٌ آتاهُ اللهُ مالًا، فَسَلَّطَهُ على هَلَكَتِهِ في الحَقِّ، و آخَرُ آتاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهو يَقْضِي بها و يُعَلِّمُها۔[674]

ترجمہ: دو آدمیوں کے سوا کوئی اور رشک کے لائق نہیں ،ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے وہ نیکی کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازے، وہ لوگوں کو سکھائے اور خود اس پر عمل کرے۔

عن عمر بن الخطاب: أخوَفُ ما أخافُ على أُمَّتِي كلُّ منافقٍ عَليمُ اللِّسانِ۔[675]

ترجمہ: سب سے خوفناک چیز مجھے اپنی امت پر جس کے ضرر کا خوف ہے۔ ہر وہ منافق ہے جو زبان کا عالم ہو (اپنے علم پر خود عمل نہ کرتا ہو)۔

عن جندب بن عبدالله: مثلُ العالِمُ الَّذي يُعلِّمُ النّاسَ الخيرَ و لا يعملُ بِهِ كمثلِ السِّراجِ يُضيءُ للنّاسِ و يحرِقُ نفسَهُ۔[676]

ترجمہ: وہ عالم جو لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود کو بھلا دے۔ اس کی مثال دیے (چراغ) کی سی ہے وہ لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور اپنے آپ کو جلاتا ہے۔

عن أبي هريرة: إنَّ أشدَّ النّاسِ عذابًا يومَ القيامةِ عالِمٌ لم ينفعْهُ علمُهُ۔[677]

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہو گا جسے اس کے علم نے کچھ نفع نہ دیا۔

---

[674] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري [٧١٤١] •صحيح•

[675] الذهبي (٧٤٨هـ)، سير أعلام النبلاء ١١/٤٤٥• المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب و الترهيب ١/١٠٣• ابن كثير (٧٧٤هـ)، مسند الفاروق ٢/٦٦٠•

[676] ابن كثير (٧٧٤هـ)، تفسير القرآن ١/١٢٢• الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١/١٨٩

[677] الدارقطني (٣٨٥هـ)، لسان الميزان ٥/٤١٥• ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، ذخيرة الحفاظ ٢/٩٦٧•

عن عبدالله بن عباس :إنّ ناسًا مِن أُمّتي سيَتَفقّهونَ في الدِّينِ،يُقرِؤُونَ القرآنَ يقولونَ: نأتي الأُمَراءَ فنُصِيبُ مِن دُنياهم ونَعتَزُّ لهم بِدِينِنا ولا يكونُ ذلك كما لا يُجتَنى مِنَ القَتادِ إلّا الشَّوْكُ، كذلك لا يُجتَنى مِن قُربِهم إلّا۔قال ابنُ الصَّبّاحِ:يعني الخطايا۔[678]

ترجمہ:میری امت کے کچھ لوگ دین میں فقاہت کا مقام پالیں گے اور قرآن مجید پڑھیں گے کہیں گے ہم حکمرانوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ اپنی کچھ دنیادرست کرلیں۔اپنے دین کو ہم ان سے بچاکر رکھتے ہیں۔حقیقت میں ایسانہ ہوگا جس طرح (سخت کانٹوں والا درخت) قتاد سے صرف کانٹے ہی حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ان کے قرب سے صرف گناہوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

عن أبي سعيد الخدري:إن الناسَ لكم تَبعٌ وإن رجالًا ليأتُونكم من أقطارِ الأرضِ يتفقّهونَ في الدينِ فإذا أتَوكم فاستوصوا بهم خيرًا۔[679]

ترجمہ:لوگ تمہارے پیچھے چلنے والے ہیں۔کچھ لوگ زمین کے اطراف واکناف سے دین کی سمجھ حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔جب تمہارے پاس آئیں،انہیں نیکی کی بات سکھانا۔

عن علي بن أبي طالب: كنا جلوسًا عندَ النّبيِّ ﷺ وهو نائمٌ، فذكَرْنا الدَّجالَ، فاستيقظَ مُحمَرًّا وجهُه، فقال: غيرُ الدَّجّالِ أخوَفُ عندِي عليكُم مِن الدَّجالِ؛ الأئمَّةُ المُضلِّينَ۔[680]

ترجمہ:ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سوئے ہوئے تھے۔ہم نے دجال کا ذکر کیا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بیدار ہوگئے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا چہرہ اقدس سرخ تھا،فرمایا دجال کے سوااس سے بڑھ کر بھی میرے نزدیک تمہارے لیے زیادہ خوفناک مخلوق ہے۔وہ گمراہ کرنے والے امام ہیں۔

---

[678] المنذري(٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب١/٩٣•الهيتمي المكي(٩٧٤هـ)، الزواجر٢/١٢٠•تخريج مشكاة المصابيح٢٥٣•

[679] محمد المناوي(٨٠٣هـ)، تخريج أحاديث المصابيح١/١٦٠•ابن ماجه٤٨•

[680] البوصيري(٨٤٠هـ)، إتحاف الخيرة المهرة٨/٤٤•الهيثمي(٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد٥/٢٤٢•

عن أنس بن مالك: أتيتُ ليلَةَ أُسرِيَ بي على رِجالٍ تُقْرَضُ شِفاهُهُم بمقاريضَ من نارٍ قلْتُ مَنْ هَؤُلاءِ يا جبريلُ قال هؤلاءِ خطباءُ أمتِکَ الّذِينَ يَأْمُرُونَ الناسَ بالبرِّ وينسونَ أَنْفُسَهُمْ وهم يَتْلُونَ الْكِتابَ أفلا يعقِلونَ۔[681]

ترجمہ: معراج کی رات میرا گزرایک قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اہل دنیا سے وہ مقرر ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اوراپنے آپ کو فراموش کر دیتے تھے اور وہ قرآن مجید پڑھیں گے، کیا وہ نہیں سمجھیں گے؟

عن أبي هريرة: إذا ماتَ الإنسانُ انْقَطَعَ عنه عَمَلُهُ إلّا مِن ثَلاثَةٍ: إلّا مِن صَدَقَةٍ جارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صالِحٍ يَدْعُو له۔[682]

ترجمہ: جب آدمی مر جاتا ہے اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین جہتوں سے اس کو ثواب ملتا رہتا ہے صدقہ جاریہ، علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

عن عبد الله بن عباس: مَنْ حفِظ على أُمتي أربعينَ حديثًا من أمرِ دينِها بعثه اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يومَ القيامةِ فقيهًا عالمًا۔[683]

ترجمہ: جو شخص میری امت کو چالیس احادیث دینی معاملات کے بارے میں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عالم اور فقیہ اٹھائے گا۔

قال رسول الله ﷺ لا يخرج المؤمن فى طلب العلم حتى اعتقه الله تعالى من النار قبل ان يخرج اربعين سنة۔

---

[681] الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ٧/٢٧٩• أخرجه أحمد (١٣٤٤٥)، وأبو يعلى (٣٩٩٢)

[682] مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ١٦٣١]• صحيح•

[683] ابن حبان (٣٥٤هـ)، المجروحين ١/١٤٤•

روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سئلت عن جبریل علیہ السلام عن مراتبۃ صاحب العلم قال یارسول ﷺ ھم حبیب اللہ وسراج امتک فی الدنیا والاخرۃ وشفیع المذنبین طوبی لمن عرفھم ومن احب العلم والعلماء لم یکتب فی ایام حیوتہ خطیئۃ ویدخل الجنۃ بلاحساب ولاعذاب وویل لمن انکرھم فھم یدخل النار ابداً۔

قال رسول اللہ ﷺ من اراد ان ینظر الی العالم اعتقہ اللہ من النار فلینظر الی طالب العلم قال رسول اللہ ﷺ من ارادرضائی فلیکرم صدیقی۔قیل یارسول اللہ ﷺ من صدیقک قال طالب العلم ومن مات فی طلب العلم فقدمات مغفورا وان کان فاسقا قال رسول اللہ ﷺ طالب العلم عنداللہ افضل من الحافظین والعابدین والزاھدین والمجاھدین والمعتکفین والحاج والشھداء واستغفر اللہ لہ الملئکۃ والسحاب والنجوم والریاح والبحار والاشجار وکل شئی فی الارض۔

قال رسول اللہ ﷺ من کان فی طلب العلم یسمی لہ اولیاء فی السماء وفی الارض فقیھا وکتب اللہ تعالیٰ بکل شعرۃ بدنہ ثواب نبی ومرسل ویدخل الجنۃ مع الانبیاء بغیر حساب ۔لان العلماء بمنزلۃ النبیون والفرق لھمانہ لم یوح الیھم ومن صافح یدالعلماء حرم اللہ جسدہ علی النار ومن اراد ان یحب علی النبی ﷺ فعلیہ ان یحب العلماء لان العلماء جالسون علی مکان النبی علیہ السلام ومن کان احضر علی دفن العلماء والمتعلمین او حضر علی جنازتھم غفر اللہ لہ ویفتح اللہ فی قبرہ ابواب الرحمۃ ونور اللہ قبرہ۔

قال النبی ﷺ اذاکان یوم القیامۃ یجمع العلماء ویقول اللہ تعالیٰ یااحبائی انتم یحملون شدۃ الاجلیٰ فی طلب العلم ولیھتدونکم بالاسلام انا راض منکم وغفرت ذنوبکم وعلیکم شفاعۃ المذنبین کشفاعۃ حبیبی محمد ﷺ وشفیعکم للمذنبین ثم دخلتم الجنۃ بلاحساب ولاعذاب۔قال النبی ﷺ الناس علی ثلثۃ اقسام العالم والمتعلم والخادم لھم وسائر الناس کالھمج فی النجاسۃ والنظر الی المصحف والی وجہ العالم والوالدین عبادۃ الف سنۃ کقولہ علیہ السلام النظر الی وجہ العالم افضل من عبادۃ الف سنۃ وزیارۃ العالم احب الی اللہ تعالیٰ من طواف الکعبۃ سبعین مرۃ ونزل علیہ کل یوم من اللہ تعالی رحمۃ ووجب لہ

الجنة۔قال النبی ﷺلو ذهب العالم الی المدينة او الی القرية و اكل من طعامهم يرفع الله تعالیٰ عن امواتهم عذاب القبر اربعين سنة۔قال النبی ﷺمن اكل الطعام مع العالم لا يعذب الله تعالیٰ فی القبر و لا حساب له يوم القيامة۔قال النبی ﷺمن اكل لقمة او لقمتين مع العالم او جلس معه ساعة او ساعتين او مشی خلفه خطوة او خطوتين وجب له الجنة۔ قال النبی ﷺمن اراد ان يقدم لتعليم غفر الله له قبل ان يخطو او اذا جلس بين يد العالم للتعليم افتح الله تعالیٰ عليهم سبعين بابا من الرحمة و لا يقوم حتی يصير كنحو ولدت امه كتب الله له بكل حرف ثواب ستين شهيدا و يبنی له فی الجنة بيتا مثل الدنيا عشر مرة قال النبی ﷺان الله تعالیٰ خلق جبلا فوق السماء السابعة مثل الدنيا باربعين الف مرة يضعه الله تعالیٰ يوم القيامة فی الميزان لمن يجلس عند العلماء۔قال النبی ﷺالجلوس ساعة عند العلماء افضل الی الله تعالیٰ من عبادة الف سنة۔قال النبی ﷺاذا مات عالم لا يا كل الارض لحمه شئی بل يبقی فيه سلامة الی يوم القيامة و العالم محبوبة يقوم يوم القيامة بجنب جسيم۔قال النبی ﷺ من احب قوما فهو منهم وان لم يعمل والعلماء والمتعلمين فی الفضيلة سواء حتی اذا جاء عالما او متعلما ولم يقوم الناس اليهم فكانما قتل الف نبيا و امراته عليه حرام كذا ذكره فی فتاوی الناطقی و ذكر فی البحر اذا جاء عالما او متعلما ولم يقوم الناس فليس لهم شفاعة النبی ﷺ۔قال النبی ﷺ اذا جاء العالم او المتعلم و لم يقوم الناس لهما لم يجد شفاعتی كذا فی السراجية و لا يجوز للجاهل ان يقدم علی العالم الشاب فی المشی و الجلوس و الكلام و ان كان الجاهل كبير سنا كذا ذكره فی مجموع النادرات لا ينبغی للعالم ان ياتی فی قوم لا يكون فيه تعظيما لان النبی ﷺ قال فی المنهيات العالم غريب فيما بين قوم و لا يسمعون منه لا ينظر الله تعالیٰ الی تلك القوم نظر الرحمة كذا فی التاتارخانی ۔من تقدم علی العالم او المتعلم فی الجلوس او المشی او الكلام يكفر لان تقديمه لا يخلو امّا ان يكون اهانة العلم او اهانة ذات العالم فان كان باهانة العلم فقد كفر بالاجماع و نكاحه كالكافر و اذا كان باهانة ذات العالم فهو ايضا كذلك يكفر لان شرف الانسان الی الله تعالیٰ بالعلم اقوی من سائر الاوصاف كذا ذكره فی فصول الحمادی ۔قال النبی ﷺالعلماء كسورة القرآن

بعضهاطويلة وبعضهاقصيرة والكفر بالانكار كلها وحرمة العلم والعلماءفرض ويكفربترک حرمة العلم والعلماءوان كان فاجراالاترى ان الانسان لايكفربالمعصية و يكفر بترک حرمة العلم والعلماءوان كان العالم فاجر الايرى فجوره بل علمه وحرمة العلم والعلماءخيرمن سائرالطاعات كذاذكره فى فصول الحمادى وينبغى للعالم فى زماننا ان يلبس احسن الثياب واعظم العمامة اوسع القميص اكماماقال ابو حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه الى اصحابنااحسنوا ثيابكم واعظموا اعمامكم واوسعوا اكمامكم تعظيماالعلماء كذاذكره فى كنزالعباداذاجاءالعالم الى المسجد وكان الناس فى صف الاول فلهم ان يؤخروا ليقدم العالم الى الصف الاول لان حرمة العالم فرض فى كل حال كذا ذكره فى فصول الحمادى ومن رفع الصوت على العالم ان كان على وجه الحقارة فهو كافربالاتفاق وان كان على وجه المزاح ففيه اختلاف المشائخ قال بعضهم يكفروقال بعضهم لايكفروالاصح يكفرلان المزاح دليل الاستخفاف وكان من الحقارة فى حق العالم بالاتفاق كذاذكره فى مجمع البحرين ـقال النبى ﷺ ومن نظرالى العالم اوالمتعلم بنظرالحقارة خرج من الدنيا كافراالاان يتوب ومن جلس فوق العالم فقدجلس فوق القرآن ومن جلس فوق القرآن فقد كفرومن قال لطالب العلم اى ابله واى بيعقل يكفر كذاذكره فى مجمع البحرين ومن شتم الى العالم اوالى طالب العلم اوجدله ينظران كان المنازعة على المسئلة فلا شئى وان كان على الدنيافهو كافربالاتفاق لان حرمة العلم والعلماءفرض ومن نظربالحقارة طلقت امراته بالاتفاق كذاذكره فى تحفة الفقهاءومن سب الى العالم اوالى العلماءيعودالى النبى ﷺفيجب قتله ولايقبل توبته كذاذكره فى اجناس الناطقى ومن سب رسول الله ﷺاواخر الانبياءوامهل وفى قتل السابى بلاسبب شرعى مع قدرتهم على قتل السابى فقدرضوابماصدرعنه من الشتم والشتم هوالكفروالرضاء بالكفر كفروهم كافرون كذاذكره فى فتاوى مجموع الغرائب فاذامات العالم ينبغى ان يحزن الناس فمن لم يحزن فهومن المنافقين وروى عن حسن رضى الله تعالىٰ عنه انه قال قال رسول الله ﷺ من لم يحزن بموت العالم فهومنافق لانه مصيبة عظيمة من موت العالم واذامات العالم يبكى

السماءوالارض ومافیھماسبعین یوماومن تقدم عن العالم فی الجلوس والمشی والرکوب والکلام فھواستخفاف والعالم الذی یعلم الواجبات والسنة والحج والصوم والزکوة والحیض والنفاس والحرام والحلال والمکروہ والمفسدات فھوعالم وان علم بالایمان ومائة وثلثین مسائل وفرائض الصلوة والواجبات والسنة کماعرف وان کان قاریااوکاتبالایکون عالماکذاذکرہ فی رسالة البراة ۔العالم ھوالذی یخشی اللہ کثیرا ویرجوامنہ وکان فی العبادات مشغولا ویاکل الحلال واجتنب عن حرام الدنیاولسانہ فی الحمدوعینہ من الحیاءوالبکاءویحب الفقراء لاالاغنیاء والملوک والامراءوان کان بخلافہ لایکون عالماکذاذکرہ فی تفسیر الزاھدی اذالم یکن فی العالم خوف اللہ تعالیٰ ولم یکن فیہ ھذہ الصفة المذکورة لم یکن عالمابل لصوص الدین کذاذکرہ فی شرح القلوب یاکل النارفی بطنہ یوم القیامة من سوءعملہ قال النبی ﷺ العلماءورثة الانبیاءاذاعمل بعلمہ ولایدخل لاجل الدنیافی باب الملوک واذادخل فی باب الملوک کان لصوص الدین وقطاع الطریق ۔قال النبی ﷺ ولاتاکلوامن خبزالملوک فانہ عجین من دم المساکین کذا ذکرہ فی ھدایة الاعمیٰ ۔قال رسول اللہ ﷺ الذباب علی قذرة خیرمن العلماءالذین اخذوا اشیئامن باب الملوک والامراء۔

قال النبی ﷺ العالم السائل اذادخل فی باب الملوک کذباب دخل فی النجاسة فاذامات فاحذروامنھم واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ: استادیامرشد کاعاق

مُرشد اور اُستاذ کا عاق فاسق نہیں بلکہ کافر ہے جیسا کہ خُداوندِ کریم قرآنِ پاک میں فرماتا ہے:

"وَإِذْقُلْنَالِلْمَلَائِكَةِاسْجُدُوالِآدَمَفَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔

ای صار منھم باستقباحہ أمر اللہ تعالی إیاہ بالسجود لآدم اعتقاداً بأنہ أفضل منہ، والأفضل لا یحسن أن یؤمر بالتخضع للمفضول"۔ [684]

---

[684] (تفسیر بیضاوی ص ۶۳ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

وجہ کفر یہ ہے کہ اُستاذ و مُرشد کی تخفیف کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ جیسے اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ سب فرشتے مع شیطان کے آدم علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ سب فرشتوں نے سجدۂ تعظیمی کیا لیکن شیطان نے نہیں کیا بلکہ آدم علیہ السلام کو حقیر جانا جبکہ وہ اُستاذ ہونے کے باعث لائقِ عزت تھے جیسا کہ مصرح موجود ہے۔

"وهو مراعاة للأدب بتفويض العلم كله إليه"[685]

اور جیسا کہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔

"ابى اى امتنع من السجود لاٰدم فلم يسجد و استكبر و هٰذا كان من الله خبرا عن ابليس فانه من خلق الله الذين يتكبرون عن الخضوع لامر الله و الانقياد لطاعته فيما امرهم و فيما نهاهم عنه و التسليم له فيما اوجب لبعضهم على بعض من الحق فنبه الله إلى الكافرين انه كان حين ابى من السجود فصار من الكافرين حينئذ و قبل فى هٰذا الموضع"۔[686]

تفسیر ابن جریر کی عبارت سے ثابت ہے کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر حق ہوتا ہے اور خُداوندِ کریم فرماتا ہے کہ تو اس کا حق ادا کر اور وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا بسبب تکبر اور حسد کے تو وہ اس صورت میں کافر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعظیم وتوقیر اور طاعت تمام دنیا پر واجب تھی کیونکہ وہ معلم الخیر تھے۔ جس وقت یہودیوں نے تعظیم وتوقیر سے انکار کیا بوجہ تکبر وحسد کے تو خُداوندِ کریم نے اُن کو کفر میں مبتلا کیا۔ اسی طرح سے استاذ و مرشد معلم الخیر ہیں ان کی تعظیم وتوقیر شاگرد و مرید پر واجب ہے اگر وہ تعظیم وتوقیر نہیں کرتا بلکہ تخفیف کرتا ہے تو اس صورت میں کفر لازم ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خُداوندِ کریم قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

---

[685](تفسیر بیضاوی ص ٦٤)

[686](تفسیر ابن جریر ج ١ ص ١٧٥)

”یاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۔قال ابن عباس وجابرهم الفقهاء والعلماء الذين يعلمون الناس دينهم وهو قول الحسن والضحاک ومجاهد“[687]

خُداوندِ کریم اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اطاعت واجب ہے اور نافرمانی کُفر ہے۔ اسی طرح اُستاذ کی طاعت واجب ہے اور نافرمانی کرنا کفر ہے۔ کیونکہ حکم معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا ایک ہوتا ہے۔

دوسری دلیل اس آیتِ کریمہ کی دلالت النص سے ہے۔

”لَاتَجۡعَلُوا دُعَاءَالرَّسُولِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَاءِبَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا“۔

مطلب یہ ہے کہ اصل نصوص میں تعلیل ہے۔ اس نص میں علت یہ ہے کہ آنجناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام مخلوق کیلئے مُعلم الخیر تھے اس لیے ان کا نام مبارک لیکر پُکارنا حرام ہے اور ان کی تخفیف کرنا کفر ہے جیسا کہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

”وفی الآیۃ بیان توقیر معلم الخیر لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معلم الخیر فامر اللہ بتوقیرہ وتعظیمہ وفیہ معرفۃ حق الأستاذ وفیہ معرفۃ اھل الفضل“[688]

اس کی تائید یہ آیتِ کریمہ کرتی ہے:

” قَالَ لَهُ مُوسَى هَلۡ أَتَّبِعُکَ عَلَى أَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا (الکھف ٦٦) قال ستجدنی ان شآء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا“۔

---

[687](خازن ج ا ص ۳۷۲ لبنان بیروت)

[688](تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۱۹۷ سورۃ نور)

موسیٰ علیہ السلام باوجود کمالِ علم کے اور عالی منصب ہونے کے اپنے اُستاذ کی تعظیم اور توقیر اور تابعداری کرتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ اُستاذ اور مُرشد کی تخفیف اور نافرمانی کرنا کفر ہے۔

"وفیہ دلیل علی انہ لا ینبغی لاحدٍ ان یترک طلب العلم و ان کان قد بلغ نہایۃ و ان یتواضع لمن ھو اعلم منہ"[689]

جواب توبہ: توبہ کا جواب یہ ہے کہ یعنی استاذ و مُرشد کے عاق کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی جیسا کہ نصًا موجود ہے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں فان تولوا فانّ اللہ علیم بالمفسدین قال المشائخ رحمھم اللہ تعالی فی تفسیر ھٰذہ الآیۃ عقوق الاستاذین لاتوبۃ منہ۔[690]

اس سے معلوم ہوا کہ عاق توبہ سے نہیں بخشا جاتا۔ جس طرح سابی الرسول توبہ سے نہیں بخشا جاتا۔ یہ مذہب مختار ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عاق، شرک سے بڑا گناہ ہے کیونکہ شرک توبہ سے بخشا جاتا ہے۔ اعوذ باللہ منہ۔

تحذیر الاخوان ص ۱۷۰ میں فجِ عمیق کے حوالے سے منقول ہے کہ عاق کے کفر کے بہت سی روایات منقول ہیں آخر میں لکھا ہے کہ عاق کا کفر۔ نوادر اور ذخیرہ کی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالے میں لکھا ہے کہ کسی کتاب میں نہ روایت ہے کہ کسی سے سُنا گیا ہے اور نہ کوئی کہتا ہے کہ عاق کے پیچھے نماز جائز ہے۔ دُرر الفرائد میں لکھا ہے۔

"حق الاستاذ فرض فمن انکر من حقہ فھو کافر و کذا الشیخ بل الشیخ افضل من الاب فادبۂ اولی من ادبہ و قال یحیی بن معاذ العلماء ارحم بامۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أبائھم و امّھاتھم

---

[689] (تفسیر مدارک ص ۲۱۸)

[690] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۴۶ لبنان بیروت)

قیل و کیف ذٰلک قال لان اٰبائھم و امّھاتھم یحفظونھم من نار الدنیا و ھم یحفظونھم من نار الآخرۃ"۔

یعنی استاذ کا حق فرض ہے جس نے اُستاذ کے حق کا انکار کیا وہ کافر ہے اس طرح شیخ (پیر و مُرشد) کا حق ہے بلکہ شیخ والد سے افضل ہے تو شیخ کا ادب والد کے ادب سے اولیٰ و مقدم ہے۔ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علمائِ کرام امتِ محمدیہ پر ان کے والدین سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں پوچھا گیا کہ وہ کیسے فرمایا کہ ان کے والدین انہیں دنیاوی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں اور علمائے کرام ان کو آخرت کی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مبدأ و معاد ص ۴۶ میں لکھا ہے کہ۔

پیر و مرشد کا حق تمام حقداروں (والدین، اساتذہ) کے حقوق سے بڑھ کر ہے۔ تربیت السالکین ص ۱۲۴ میں پوری تحقیق ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ باپ تین قسم پر ہے اور ان میں بہتر وہ ہے جو اس کو تعلیم دے الخ۔

جامع الفتاوی فی الھدایۃ لاھل الخیاریٰ ص ۲ ۹ پر لکھا ہے۔

"و اما حقوق الوالدین فثابت بنص القرآن کما قال اللہ تعالی (أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ) حیث قرّن اداء شکرھما باداء شکرہ و اما حقوق الاستاذ (معلم العلم الشرعی) فوق ذٰلک فی الرعایۃ کماقال اسمٰعیل الحقی البروسوی فی تفسیرہ۔[691]

حق المعلم فی الشکر فوق حق الوالدین قال الامام الواعظ رکن الاسلام محمد بن ابی بکر المعروف بامام زادہ الحنفی فی کتابہ شرعۃ الاسلام (ویقدم حق معلمہ علی حق ابویہ وسائر المسلمین) و قال العلامۃ یعقوب بن السید علی فی شرح شرعۃ الاسلام فی باب فضل

---

[691] (روح البیان سورۃ لقمان ج۷ ص ۸۷)

العلم وسنة التعلم والتعليم (روی عنه ﷺ انه قال خير الامام من علمک وقد اشير اليه فی قول علی رأيت احق الحق حق المعلم"۔ [692]

وفی الفتاوی الهندية ای فی الباب الثلثون فی المتفرقات ج ۵ ص ۳۷۸ (وينبغی للرجل ان يراعی حقوق استاذه وادابه لايضن بشیٔ من ماله ولا يقتدی به فی سهوه) وقال وحيد العصر الشيخ الاجل طاهر بن عبدالرشيد البخاری فی خلاصة الفتاوی (وفی الشافی لا يجوز ان يتقدم العالم علی ابن استاذه او ابن ابن استاذه اذ كان ذٰلک الابن او ابن الابن عالمان، اما اذا كان جاهلًا فهو بالخيار زجرًا اله) واما حقوق مشائخ الصوفية (اهل البيعة) اشرف وافضل من حقوقهم فی رعاية الاٰداب) جامع الفتاوی ج ۱ ص ۹۳ شرح تعليم المتعلم، مجالس الابرار، مجمع العجائب وغيره۔

جو شخص اپنے حقیقی باپ کا حکم نہ مانے تو وہ عاق اور نافرمان ہے کیونکہ نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور خاص کر علماء ومشائخ کی نافرمانی۔ مولوی عبدالهادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ ص ۵ میں لکھتے ہیں کہ۔

"وعقوق الوالدين الخ والمعلم والشيخ قياس عليهما وفی الفتاوی بر التلميذ لاستاذه افضل من بر الولد لوالديه لان الاب يحمی ولده من أفات الدنيا والاستاذ يحمی تلميذه من أفات الآخرة انتهی۔ ويؤيده ما فی كتب الفقه وزوج المرضعة اب الرضيع انتهی۔ وتربية العلم افضل من تربية اللبن وقال فی الظهيرية وغيرها لايجوز الصلوة خلف العاق ولا تقبل توبته انتهی۔ وفی العاق ثلاثة احرف العين دال علی العيب والالف دال علی الاهانة والقاف دال علی القهر فهٰذه اسباب العقوق اعاذنا الله تعالی منه ولايجوز تعليم العلم ولاطلب المسئلة من العاق"۔

[692] (شرعة الاسلام ص ۴۴)

یعنی والدین کی نافرمانی اور اس پر قیاس استاذ اور پیر و مرشد کی نافرمانی ہے۔ شاگرد کا اپنے استاذ کی خدمت بیٹے کا اپنے والدین کی خدمت سے افضل ہے کیونکہ باپ اپنے بچے کو دنیاوی مصیبتوں سے بچاتا ہے اور استاذ اپنے شاگرد کو اُخروی آفات سے بچاتا ہے۔ اسکی تائید فقہ کے دلائل سے بھی ہوتی ہے۔ دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا باپ ہے۔ اور علم کی تربیت دودھ کی تربیت سے افضل ہے۔ ظہیریۃ میں ہے کہ عاق کے پیچھے نماز جائز نہیں اور عاق کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ عاق میں تین حروف ہیں ۔ عین، عیب پر دلالت کرتا ہے، الف، اھانۃ پر دلالت کرتا ہے، قاف، قہر پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ تینوں عقوق کے اسباب ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔ آمین۔ عاق کو تعلیم دینا یا اس سے مسئلہ پوچھنا جائز نہیں۔

اور ص ٦ میں لکھتے ہیں کہ:

ولا تعقن والدیک اہ وقیاس علیھما المعلم والشیخ وزوج المرضعۃ معھا والعجب فی ھٰذا الزمان ان الاولاد یخالفون عن الوالدین والتلمیذ من الاساتذۃ وھلم جرا وقال فضل بن عیاض لا اکلم العالم الذی یخالف عن شیخہ ولا انظر إلی وجھہ انتھی۔[693]

یعنی اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اور اس پر قیاس استاذ اور پیر و مرُشد ہے اور رضاعی باپ بھی۔ اس زمانے میں تعجب کی بات یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین اور شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے ہیں ۔ فضل بن عیاض فرماتے ہیں میں اس عالم سے بات نہیں کرتا جو اپنے پیر و مرشد کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوں۔

دُرر الفرائد معروف بکچکول الحیدری (مصنف: شیخ ابو عبد الرحمن حاجی ملا غلام حیدر الحنفی القادری) میں ہے کہ۔

---

[693] (تسھیل المشکوۃ ص ٦)

من تعلم منه حرفا من القرآن او من تفسير او من الفقه او من مسئلة من المسائل الدينية او من كلمة الشهادة او من كلمة الاخرى او من الصلوة او من ذكر الله او نصيحة من الحسنات فهو استاذ فمن انكر من حقه فقد كفر لان حق الاستاذ فرض فمن انكر من حقه فهو كافر قال النبى ﷺ من استخف استاذه ابتلاه الله بثلاثة بلاء اوله نسى منه العلم و الثانى قل رزقه و الثالث يخرج من الدنيا كافرا و من منع كلمة من كلام الاستاذ فهو عاق لا يقبل الله تعالى عنه الصلوة و الصوم و الحج و الزكاة و كل عبادة و لا يجوز الصلوة خلفه و لا يقبل شهادته و لا يعتبر قوله و لو كان عالما فقيها و لا ذبيحة من يده لانه صار عاقا فذبيحة العاق و الكافر سواء كان فى النار مع الكافرين الا ان يرضى عنه استاذه صار مسلما كما اسلم الكافر من الكفر كذا ذكر فى منهاج العابدين۔

جس نے کسی سے ایک حرف قرآن یا تفسیر یا فقہ یا دینی مسئلہ یا کلمہ شہادت یا کوئی دوسرا کلمہ یا نماز یا ذکر یا نیکی کی کوئی نصیحت سیکھی تو وہ اس کا استاذ ہے پس جو اپنے استاذ کے حق سے منکر ہوا وہ کافر ہے کیونکہ استاذ کا حق فرض ہے اور جو اس سے انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے استاذ کی اہانت کی وہ کافر ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس نے اپنے استاذ کی توہین کی اس کو اللہ تعالی تین مصیبتوں میں مبتلا کرے گا (۱) اس سے علم بھول جائے گا۔ (۲) رزق میں کمی ہوگی۔ (۳) دنیا سے کافر جائے گا۔ جس نے اپنے استاذ کی کوئی بات منع کی تو وہ عاق ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور کوئی عبادت بھی قبول نہیں فرمائے گا اور عاق کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی شہادت قبول نہیں اور نہ ہی اس کے قول کا اعتبار ہوگا اگرچہ عالم ہو یا فقیہ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں کیونکہ وہ عاق ہے اور عاق اور کافر کا ذبیحہ برابر ہے اور کافروں کے ساتھ دوزخ میں ہوگا مگر یہ کہ استاذ اس سے راضی ہو جائے تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ آگے لکھتے ہیں کہ۔

لا يقبل الله تعالى منه كل طاعة كالكافر و لا يجوز الصلوة خلفه قال رسول الله ﷺ المرتد على نوعين احدهما مرتد عن الدين فيلقنه على الفور فان عاد و تاب صار مسلما فيصح

توبته ولا يقتل والثانی المرتدعن الاستاذ لايقبل الله تعالى منه كل طاعة بالاتفاق الا ان يرضى استاذه ذكر فی الظهيرية وكذٰلک لاتسافر بغير اذن الاستاذ حتى لاتصير عاقا۔[694]

یعنی اللہ تعالیٰ عاق کی کوئی عبادت کافر کی طرح قبول نہیں فرماتا اور عاق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا مرتد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دین سے مرتد: ایسے مرتد کو فوراً دین کی تلقین کی جائے گی اگر واپس آیا اور توبہ کی تو مسلمان ہو گیا اور اس کی توبہ قبول ہے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) اپنے استاذ سے مرتد: ایسے مرتد کا کوئی بھی عمل قبول نہیں ہو گا مگر یہ کہ اس سے استاذ راضی ہو جائے اور استاذ کی اجازت کے بغیر سفر بھی نہیں کرنا چاہیئے تا کہ عاق نہ ہو جائے۔

عاق کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس پر اپنی بیوی طلاق ہو جاتی ہے اور اس کا ذبیحہ حرام اور گواہی مردود ہے۔ اور اس کی امامت صحیح نہیں یعنی اس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادۃ ہے۔ عاق کا کوئی قول وفعل معتبر نہیں اور کوئی بھی مالی وجانی عبادت قبول نہیں ہے اور اگر اسلامی قانون نافذ العمل ہو تو عاق واجب القتل اور لازم الاھانۃ ہے۔

سب سے پہلے عاق شخص کو توبہ کی ترغیب دی جائے گی اگر توبہ کر کے اپنے حقدار (استاذ، مرشد اور والدین) کو راضی کیا تو پھر اس کو اسلام کی تلقین کی جائے گی اور نکاح کی بھی تجدید کی جائے گی۔ اگر توبہ کرنے سے انکار کیا تو واجب القتل ہے۔ اور اگر قتل کا غلبہ وقدرت نہ ہو تو عاق کے ساتھ قطع تعلق کرنا واجب ہے البتہ استاذ کا حق والدین کے حق سے زیادہ ہے جس نے کسی سے ایک بھی حرف پڑھا اس کی قدر کرے گا اور اس کے سامنے عاجزی کرے گا۔

---

[694] (تذکرہ غوثیہ ص ۲۲ بحوالہ دُرر الفرائد فصل فی الکراھیۃ ص ۳۳۶، ۳۳۵، بریقہ ص ۱۴۸)

فتاوی خانیہ میں ہے کہ عاق اور صلہ رحمی قطع کرنے والا جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ مجمعۃ العجائب میں ہے کہ۔

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ والدین کے نافرمان کی مغفرت کی جائے گی مگر استاذ کے نافرمان کی مغفرت نہ ہو گی۔[695] درسہ جا آوردہ۔ "**الاستہزاء بالعلم والعلماء کفر**"۔[696] "**ولو صغر الفقیہ قاصدًا لاستخفاف بالدین کفر**"[697]

"**لان اہانۃ اہل العلم کفر علی المختار**" عالم کی تخفیف اور استہزاء کرنا کفر ہے۔ تو کیا استاذ کی تخفیف واستہزاء کفر نہیں ہو سکتا بلکہ ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو حقوق استاذ کے ہیں وہ دلالت النصوص کے ساتھ ثابت ہیں وہ نصوص جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حقوق میں وارد ہوئے ہیں کیونکہ دونوں کی علتِ مشترکہ ہے۔ اور وہ علت یہ ہے کہ ہر ایک معلم الخیر ہے۔ اور دلالت النص حکمِ قطعی اور یقینی ثابت کرتی ہے جیسا کہ ظاہر علمِ اصول میں مرقوم ہے۔ اگر کسی صاحب کو علماء سے دوسری علت بغیر اس علت کے جو علماء متقدمین سے منقول ہے، معلوم ہو تو بتلاوے۔ خاکسار تسلیم کرنے کو تیار ہے۔

جوابِ ثانی:

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اُستاذ ومُرشد کا عاق فاسق ہوتا ہے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ فاسق لُغت میں خارج عن حدالایمان کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے:

"**قولہ تعالی إِلَّا الْفَاسِقِينَ (البقرۃ ۲۶) الَّذِينَ۔ الفاسق فی اللُغۃ خارج عن حدالایمان**"

---

[695] بحر الرائق ج۵ ص ۱۲۳

[696] ونیز بحر الرائق ص ۱۲۴۔

[697] درشامی ج۳ ص ۲۰۳ آوردہ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق بھی کافر ہوتا ہے۔فاسق کا کفر دلالت النص سے ثابت ہے جیسا کہ مولوی صاحب شرح علی الحسامی نے تشریح کی ہے۔

"فان استدل بمعناه اللغوی فدلالت النص ص ۷۴۔ في الشرع: الخارج عن أمر الله بارتكاب الكبيرة، وله درجات ثلاث:

الأولى: التغابي وهو أن يرتكبها أحياناً مستقبحاً إياها۔الثانية: الانهماک وهو أن يعتاد ارتكابها غير مبال بها۔الثالثة: الجحود وهو أن يرتكبها مستصوباً إياها، فإذا شارف هذا المقام وتخطى خططه خلع ربقة الإيمان من عنقه، ولابس الكفر "[698]

عاق استاذ کا اگر فاسق ہے تو اعلیٰ درجے کا فاسق ہے (وهو لابس الكفر) اس سے ثابت ہوا کہ عاق امامت کے لائق ہر گز نہیں ہو سکتا۔

لان معصوميت الامام عن الكبائر شرط لان الامام هو الذى يؤتمّ به ويقتدى به فلو صدر منه الكبائر لوجب علينا الاقتداء له فى ذٰلک فيلزم ان يجب علينا فعل الكبائر و ذٰلک محال لان كونه معصية عبارت عن كونه ممنوعًا من فعلهٖ وكونه واجب عبارت عن كونه ممنوعا عن تركه والجمع بينهما محال فَثَبَتَ بِدَلَالَةِ الْآيَةِ بُطْلَانُ إمَامَةِ الْفَاسِقِ، قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ، وَدَلَّ أَيْضًا عَلَى أَنَّ الْفَاسِقَ لَا يَكُونُ حَاكِمًا، وَأَنَّ أَحْكَامَهُ لَا تَنَفَّذُ إِذَا وَلِيَ الْحُكْمَ، وَكَذَلِكَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ وَلَا خَبَرُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا فُتْيَاهُ إِذَا أَفْتَى، وَلَا يُقَدَّمُ لِلصَّلَاةِ۔[699]

وَأَمَّا الْفَاسِقُ فَقَدْ عَلَّلُوا كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ بِأَنَّهُ لَا يُهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ، وَبِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ لِلْإِمَامَةِ تَعْظِيمَهُ، وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِمْ إهَانَتُهُ شَرْعًا، وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ إذَا كَانَ أَعْلَمَ مِنْ غَيْرِهِ لَا تَزُولُ الْعِلَّةُ، فَإِنَّهُ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ فَهُوَ كَالْمُبْتَدِعِ تُكْرَهُ إمَامَتُهُ بِكُلِّ حَالٍ، بَلْ مَشَى فِي شَرْحِ

---

[698](تفسیر بیضاوی ص ۵۴)

[699](تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۶۹)

الْمُنْيَةِ عَلَى أَنَّ كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ لِمَا ذَكَرْنَا قَالَ: وَلِذَا لَمْ تَجُزْ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ أَصْلًا عِنْدَ مَالِكٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ۔[700]

اس طرح کبیری میں موجود ہے (ص ۳۱۹،۳۱۸) فاسق، علماء، مجتہدین کے درمیان کافر اختلافی ہو گیا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ عاق کافر ہے اور اس کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہے۔

فتاوی نور الھدیٰ المشہور فتاویٰ جامع الفوائد میں ہے:

وینبغی للمتعلم ان یعظم استاذہ لان فی تعظیمہ برکۃ ومن لم یعظم او شتم فھو عاق لا تقبل صلاتہ و لاامامتہ ویعذر ویشھر وعلیہ الفتوٰی فی زماننا۔ (مختار الفتاوی) ولایجوز شھادۃ العاق و لاامامتہ وتسقط عدالتہ و لایعتبر قولہ و لایعمل بفتواہ لو کان مفتیا۔ (تحفۃ الفقھاء) لایحل ذبیحۃ العاق و لاامامتہ لان العاق یصیر مرتدا فی الحال ومثواہ فی النار۔ (فتاوی جامع) من امتنع کلمۃ من الاستاذ فھو عاق لم یدخل الجنۃ و لانجاۃ لہ من النار ویخرج من الدنیا بغیر الایمان و لاتقبل عبادتہ ان کان الاستاذ ممن تعلم منہ حرفا من القرآن او تعلّم مسئلۃ من مسائل الفقہ او الحدیث او النصیحۃ من الحسنات او الذکر او لقّن کلمۃ طیبۃ۔[701]

یہ مسئلہ میں نے کسی کے ساتھ تعصب یا عداوت کی وجہ سے شائع نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک کو آگاہ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے۔ کیونکہ آج کل بہت سے شاگرد استاذ کے ساتھ ہتک کے ساتھ پیش آتے ہیں اس لیے ان کو خُداوندِ کریم کے حکم سے اور استاذ کے حقوق سے آگاہ کرتا ہوں۔ علمائِ کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس مسئلے میں تمام کی رائے ایک ہونی چاہیے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

دوسری بات جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ آدمی پر اپنے استاد کا حق ہوتا ہے نہ کہ مطلق عالم کا تو یہ بات عقل و نقل سے بالکل خلاف ہے جیسا کہ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے۔

---

[700] (شامی ج ۱ ص)
[701] (فتاوی نور الھدٰی ص ۴۲۵، ۴۲۴)

وَلَا يَأْمُرُوا الْعُلَمَاءَ فَإِنَّ الْحُجَّةَ قَدْ وَجَبَتْ عليهم۔[702]

یعنی عوام علماء کو حکم نہیں دیں گے کیونکہ ان پر دلیل قائم ہوئی ہے۔

قَالَ سَهْلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا السُّلْطَانَ وَالْعُلَمَاءَ، فَإِذَا عَظَّمُوا هَذَيْنَ أَصْلَحَ اللهُ دُنْيَاهُمْ وَأُخْرَاهُمْ، وَإِذَا اسْتَخَفُّوا بهذين أفسد دنياهم وَأُخْرَاهُمْ۔[703]

یعنی جب تک لوگ علماء اور بادشاہوں کی تعظیم کریں گے تو ان کو خیر ملے گی اور جب تک لوگ ان دونوں کی تعظیم کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیاوآخرت کو سنوارے گا اور اصلاح کرے گا اور اگر لوگ ان دونوں کی توہین کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیاوآخرت فاسد فرمائے گا۔" تہتر فرقوں میں تہترواں فرقہ جو ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو علماء کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں اور فقہاء کو برا جانتے ہیں اور یہ بے ادب فرقہ سابقہ امتوں میں نہیں تھا۔(قرطبی)

اللہ تعالیٰ کے قول شھداللہ میں علماء کی فضیلت اور شرافت پر دلیل ہے کیونکہ علماء کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام اپنے نام اور فرشتوں کے ساتھ یکجا فرماتا جیسا کہ علماء کا نام اپنے نام کے ساتھ یکجا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ علمائے کرام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر امنا(امین)ہیں یہ علماء کی عظیم شرافت ہے مذکورہ تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عالم کا عوام پر ایسا حق ہے جیسا کہ استاد کا اپنے شاگرد پر حق ہوتا ہے کیونکہ استاد کے حق کا سبب علم ہے اور یہ سبب وعلت ہر عالم میں موجود ہے اس لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ جب عوام پر عالم کا حق استاد پر شاگرد کے حق پر مترادف ہوا تو وہ حق یہ ہے کہ عالم سے پہلے بات شروع نہ کریں عالم کی جگہ پر نہ بیٹھیں اگرچہ استاد غائب

---

[702] الجامع لأحكام القرآن=تفسير القرطبي ج ١٢ ص ٧٣سورة الحج ٤٥۔

[703] الجامع لأحكام القرآن=تفسير القرطبي ج٥ ص ٢٦٠ النساء ٥٩۔

ہو استاد کی بات کارد نہیں کریں گے اور رفتار میں آگے نہیں بڑھیں گے اس سے بڑھ کر شوہر کا بیوی پر حق ہے۔

ومن قال فی جواب الاستاذ، لا، لایفلح ابدا۔[704]

"اور جس نے استاد کو جواب میں لا (نہیں) کہا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔"

یہ اس لئے کہ علماء کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اور اس میں استاد اور مطلق عالم برابر ہیں ان کے حق میں کوئی فرق نہیں، یہ لوگ صاحب حکم و عزت ہیں۔

درر الفرائد میں لکھا ہے کہ:

حق الاستاذ فرض فمن انکر من حقه فهو کافر و کذاالشیخ بل الشیخ افضل من الاب فادبه اولی من ادبه وقال یحیی بن معاذ العلماء ارحم بامة محمد ﷺ من اباءهم و امهتهم وکیف ذلک قال لان اباءهم وامهتهم یحفظونهم من نار الدنیا وهم ویحفظونهم من نار الآخرة۔

استاذ کا حق فرض ہے جس نے استاذ کے حق سے انکار کیا وہ کافر ہے اس طرح شیخ (پیر و مرشد) کا حق ہے بلکہ شیخ والد سے افضل ہے اس لئے ان کا ادب والد کے ادب سے مقدم و اولیٰ ہے۔ یحیٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر علماء کرام، والدین سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ والدین بچوں کو دنیاوی آگ سے بچاتے ہیں اور علماء کرام ان کو اخروی آگ سے بچاتے ہیں۔[705]

علمائے حقانی کی توہین کرنا کفر ہے

---

[704] قشیریہ ص ۱۷٦، ارشادالطالبین، طریقہ محمدیہ ص ۱۷۰ ج ۲۔

[705] درر الفرائد

جو شخص بلاوجہ علماء حق پر اعتراض کرتا ہے اور ان کی توہین کرتا ہے تو اس کے متعلق شدید وعیدات آئی ہیں:

ومن أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ولو صغر الفقيه او العلوی قاصراً الاستخفاف بالدين كفر۔

"جس نے عالم (حق) سے بغیر کسی ظاہری شرعی سبب کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے اور اگر کسی نے کسی فقیہ عالم یا علوی کی استخفافِ دین کی نیت سے تصغیر کی (یعنی چھوٹا سمجھا) تو اس نے کفر کیا۔"[706]

اسی طرح عالمگیری ج ۲ ص ۸۸۹ میں ہے:

وفی النصاب من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر۔

یعنی نصاب میں ہے جس نے کسی عالم (حق) سے بغیر کسی ظاہری شرعی سبب کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔

اسی طرح عالمگیری ج ۲ ص ۸۹۰ میں ہے:

ويخاف عليه الكفر اذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب۔

اور اس پر کفر کا خوف ہے جب وہ کسی عالم (حق) یا فقیہہ کو بغیر (شرعی) سبب کے گالی دے یا بُرا بھلا کہے۔

اور فتاویٰ بزازیہ ص ۱۷۸ میں ہے:

قال فی الاشباه الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر وعن مجموع النوازل اهانة علماء الدين كفر وعن المحيط ان شتم عالما فقد كفر فتطلق امرأته۔

---

[706] (اختلاف، ج ۱ ص ۱۲۴)

یعنی ”صاحبِ اشباہ نے کہا ہے کہ علم اور علماء کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے۔اور مجموع النوازل میں ہے کہ علماء دین کی اہانت کرنا کفر ہے۔اور محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے عالم کو گالی دی تو اس نے کفر کیا،اس کی بیوی مطلقہ ہو گئی۔“

الاستخفاف بالعلماء کفر لکونہ استخفافا بالعلم و العلم صفۃ اللّٰہ تعالیٰ۔

یعنی علماء کی توہین و استخفاف کرنا کفر ہے کیونکہ یہ علم کا استخفاف ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۸۹۰ اور الفقہ الاکبر ص ۲۱۱ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی بڑے عالم و فقیہہ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو اس فقیہہ نے حضرت شیخ امام ابی بکر محمد بن فضل کی خدمت میں پیش ہو کر شکایت کر دی تو حضرت شیخ صاحب نے اس بے ادب شخص کو قتل کرنے کا حکم سنایا۔

اسی طرح ابن ضیاء نے اپنی کتاب ”شرح کنز“ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے علماء کو توہین کی نظر سے دیکھا یا ایسے الفاظ سے ان کا ذکر کیا کہ اس میں عالم کی توہین ہو تو یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ”عمدۃ الاسلام“ میں بھی ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ”علماء وارثِ انبیاء ہیں۔“ اسی طرح روضۃ العلماء میں ہے کہ بے علم (جاہل) کے لئے علماء و طلباء کی محفل میں بیٹھنا جائز نہیں، اگر بیٹھ گیا تو بادشاہِ وقت یا قاضی کو چاہیئے بلکہ واجب ہے کہ اس کو منع کرے کیونکہ اس میں طلباء و علماء کی حقارت ہے۔اگر کوئی شخص محفل میں عالم سے بلند جگہ پر بیٹھا تو اگر توہین کی نیت ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر استہزاء کی نیت ہو تو پھر اسے تعزیر (سزا) دینا چاہیئے۔ آئمہ کے نزدیک یہ متفق بات ہے۔[707]

---

[707] (فتاویٰ حامدیہ ج ۱ ص ۱۰۳)

اسی طرح خلاصہ میں ہے کہ جس نے عالم کے ساتھ بغض و حسد رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ علماء کی توہین اور بے ادبی انبیاء کریم کی توہین کو مستلزم ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔"[708]

علامہ شامیؒ نے رد المحتار ج۳ ص ۲۰۱ میں لکھا ہے کہ:

"اگر اہل علم کی توہین استہزاء کی صورت میں ہو تو اسے تعزیر (سزا) دی جائے اور اگر بہ نیت توہین و گستاخی کی ہو تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ علماء کی توہین کفر ہے، مختار قول کی بناء پر۔"[709]

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ علماء اہل سنت و جماعت کی اہانت و تحقیر کرنا کفر ہے لہٰذا جو شخص علماء کرام کی اہانت کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ علی الاعلان تجدید ایمان و تجدید نکاح کرے۔

كما في النبراس و من صدر عنه ما يوجب الكفر حبطت حسناته و وجب اعادة الحج وتجديد النكاح بعد تجديد الايمان ولا يكفيه الايمان بكلمة الشهادة على حسب العادة مالم يقصد تجديد الايمان۔[710]

جیسا کہ نبراس میں ہے کہ اور جس سے کلماتِ کفر صادر ہو جائیں تو اس کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور اس پر تجدیدِ ایمان کے بعد تجدید نکاح اور حج کا لوٹانا واجب ہوتا ہے اور عادتاً بغیر ارادے کے کلمہ شہادت پڑھنا تجدید ایمان کے لئے کافی نہیں۔

اسی لیے علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ:

---

708 (شرح فقہ اکبر ص ۲۱۳، عالمگیری)

709 (فتاویٰ بدیعیہ)

710 (نبراس ص ۵۷۱)

والاحتیاط ان یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند شاهدین فی کل شهر مرة او مرتین اذا الخطاء وان لم یصدر من الرجل فهو من النساء کثیر۔ [711]

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جاہل کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ روز اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے اور اپنی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں ہر مہینے ایک یا دو مرتبہ تجدید نکاح کرے اگرچہ ایسی (کفریہ باتیں) مردوں سے تو مشکل سے صادر ہوتی ہیں مگر عورتوں سے ان کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

درج بالا عبارات آئمہ وفقہاء سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی علماء حق (اہلسنت) کی بے جا، بلاوجہ، بلا سبب عناداً وبعضاً گستاخی یا توہین کرتا ہے یا ایسی باتوں اور افعال کی نسبت انکی طرف کرتا ہے جو ان سے صادر نہیں ہوئے تو اس شخص کا حکم از روئے شریعت کفر کا ہے۔ لہٰذا ہر گستاخان علماء کو چاہیئے کہ اپنے دل سے تعصب اور حسد کے بادل دور کر کے علماء حق کی پیروی اختیار کرے اور اپنے کئے پر تائب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اسی طرح حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے:

من طعن فی علماء الامّة لا یلو من الا أمّه۔

یعنی جو شخص علماء امت پر طعن کرے تو وہ صرف اپنی ماں پر ملامت کرے۔ [712]

الحاصل

---

711 (شامی ج ۱ ص ۳۴)

712 (تکملہ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ بیروت، ہدایۃ الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ کتاب الشہادۃ ص ۴۸۹)

علمائے کرام کے ساتھ کینہ بغض رکھنااوران کی توہین کرنایاعلمائے کرام کوبرابھلاکہناکفرہے خاص کرعوام جہلاءایسی باتیں نہیں جانتے اس لئے علمائے کرام کی توہین کرتےہیں اس وجہ سے علامہ شامی نے لکھاہے:

یعنی احتیاط اس میں ہے کہ جاہل (عامی شخص)روزانہ ایمان کی تجدید کرتارہےاور ہر مہینے میں دویاایک مرتبہ اپنانکاح پڑھاتارہے(یعنی نیاکرتارہے)دوگواہوں کے سامنے کیونکہ اگرچہ آدمی کی طرف سے کوئی گناہ نہ ہومگرعورتیں گناہ میں کثرت کرتی ہیں۔

تدوین فقہ:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کاسب سے بڑااور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے بلاشبہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی باقاعدہ منظم طریقے سے مدون کی فقہ کی تعریف کی ہے۔

لغت میں فقہ کے معنی ہیں الشق والفتح یعنی شق کرنااورکھولنا۔ الفقه حقيقة الشق والفتح۔ فقہ کالغوی معنی ہے کسی شئےکوکھولنااورواضح کرنا۔

اسی بنیادپرعلامہ زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ نےکتاب الفائق میں فقیہ کی تعریف یہ کی ہے:

الفقيه۔العالم الذی يشق الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح مااستغلق منها۔

یعنی فقیہ اس عالم کوکہتےہیں جواحکام شریعت کوواضح کرے اوران کے حقائق کاسراغ لگائےاور مغلق اورپیچیدہ مسائل کوواضح کرے۔[713]

---

[713] فتاوی فریدیہ ص ۷۵۔

فقہ مصدر ہے باب سمع یسمع اور کرم یکرم سے آتا ہے سمع یسمع سے ہو تو اس کا معنی ہے کسی شئے کو کھولنا واضح کرنا کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا اگر کرم یکرم سے ہو تو اس معنی ہے فقیہ ہونا اور علم میں غالب ہونا۔لفظ فقہ کی قاف پر سکون کے علاوہ اس پر تینوں حرکات آسکتے ہیں ۔فقہ (بکسر القاف)ہو تو اس کا معنی ہے جاننا۔فقہ(بفتح القاف)ہو تو اس کا معنی ہے دوسرے کو سمجھانا اور فقہ (بضم القاف)ہو تو اس کا معنی ہے فقہ میں کمال پیدا کرنا اور مہارت کا حاصل ہو جانا۔[714]

شرح مسلم الثبوت میں فقہ کی تعریف یہ کی گئ ہے:

الفقہ حکمة شرعیة فرعیة۔

یعنی فقہ اس حکمت شرعیہ کا نام ہے جس کا تعلق عقائد سے نہیں بلکہ احکام سے ہے عام فقہاء سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے:

العلم بالاحکام الشرعیة الفرعیة عن ادلتها التفصیلیة۔[715]

ترجمہ: احکام شرعیہ کو معلوم کرنا ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ ۔صاحب مسلم الثبوت کی صراحت کے مطابق عہد قدیم میں علم فقہ کا اطلاق وسیع مفہوم پر ہوتا تھا یعنی اس کے دائرہ بحث میں علم شریعت کے علاوہ علم الھیات اور علم طریقت کے مسئلے بھی شامل تھے۔

ان الفقه فی الزمان القدیم کان متناولا لعلم الحقیقة وهی الالهیات من مباحث الذات والصفات وعلم الطریقة وهی مباحث المنجیات والمهلکات وعلم الشریعة الظاهرة۔[716]

---

[714] فتاوی فریدیہ ص ۷۵۔
[715] توضیح
[716] مسلم الثبوت۔

یعنی علم فقہ زمانہ قدیم میں شامل تھا علم حقیقت کو بھی جسے علم الہیات بھی کہتے ہیں اور جس میں خدا کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے اور شامل تھا علم طریقت کو بھی جس میں نجات دینے والے اور ہلاک کرنے والے امور سے بحث ہوتی ہے اور شامل تھا علم شریعت ظاہرہ کو بھی جس میں احکام سے بحث ہوتی ہے۔جس عہد میں فقہ کے مباحث کا دائرہ اتنا وسیع تھا اس وقت فقہ کی تعریف یہ کی جاتی تھی:

الفقہ معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا۔

انسان کے فرائض وحقوق اور منافع ومضار کو جاننا علم فقہ کہلاتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب کا نام فقہ اکبر غالباً اسی اصطلاح کے نتیجے میں ہے۔ایک عرصہ دراز تک علم فقہ کا اطلاق اسی مفہوم میں ہوتا رہا لیکن اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب دنیا کی مختلف اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قائم ہوئے تو علوم وفنون کے تبادلے کا ایک نیا دور شروع ہوا۔اس دور میں یونانی فلسفہ کے اثرات بھی دینی مباحث میں داخل ہوگئے اور جب وقت کے تقاضے کے مطابق عقائد وایمانیات کو عقلی دلائل سے مسلح کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی تو عقائد کے مباحث نے "علم کلام" کے نام سے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرلی اس کے بعد فقہ کا مفہوم علم شریعت ظاہرہ میں محدود ہوگیا لیکن حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی گراں قدر تصنیف احیاء العلوم میں ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہزار انفرادیت کے باوجود فقہ پر علم طریقت کو اثر انداز رہنا چاہیئے۔ایک فقیہ کے اوصاف کے سلسلے میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے۔کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے۔مسلمانوں کا اجتماعی

مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو۔مال کی طمع نہ رکھے آفات نفسانی کے باریکی کو پہچانتا ہو عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو۔راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔سفر و حضر و جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔[717]

نور ایمانی میں ہے کہ **الفقه لغة دانائی وشناسائی واصطلاحا معرفة النفس مالها وما عليها۔**(نفس کو پہچاننا وہ جو اس سے مربوط ہے اور وہ جو اس (نفس) میں ہے۔)

وغرضه امتياز الحق عن الباطل(فرق کرنا حق اور باطل میں) **وموضوعه احكام المشروعات وغير المشروعات۔** مشروعات اور غیر مشروعات کے احکام میں۔

(رب يسر) اے میرے رب آسان کر دے مجھ پر یہ کتاب اس لئے کہ **لانک خير الميسرين (ولا تعسر على هذا الكتاب)** مشکل اور سخت نہ کرنا مجھ پر یہ کتاب اس لئے **لانک احل المشكلات (وتممه بالخير)** اے میرے رب تمام کر دے مجھ پر یہ کتاب خیر کے ساتھ **(لا بالشر)** نہ شر کے ساتھ **لانک خير المتممين (ولا تنقص)** اور کم نہ کر دے مجھ پر یہ کتاب حقیقتاً اور حکماً حقیقتاً کا معنی یہ کہ پوری کتاب کو نہ پڑھے اور حکماً کا معنی یہ کہ پڑھ تو لے مگر سمجھ نہ آئے **(يا فتاح) افتح على اسرار هذا الكتاب** اے سختیوں کے کھولنے والے مجھ پر اس کتاب کے اسرار کھول دے **(وبه نستعين)** اور آپ کے نام سے جو سختیوں اور مشکلوں کو حل کرنے والا ہے مدد مانگتے ہیں ہم آپ سے اے میرے رب یعنی مجھے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقصود پر سمجھ عطا کر دے۔[718]

---

[717] احیاء العلوم ج ۱ ۔بحوالہ عجائب الفقہ ص ۱۹ ۔

[718] ابتداء به اقتداء بكتاب الله وعمل بالحديث الواقع فى شأن التسمية قال رسول الله ﷺ كل امرٍ ذى بال لم يبدأ فيه بسم الله فهو اقطع واجراء على طريقة السلف الصالح رحمهم الله واصل بسم الله باسم الله وحذفت الهمزة فى الخط والكتابة لكثرة الاستعمال وهى متداعية التخفيف ولا تحذف فى اقرأ باسم ربک الذى۔من الخط لقلته ثم طولوا الباء ليدل على الهمزة المحذوفة۔

تسمیہ: لغت میں نام خدا کو کہا جاتا ہے اور شرع میں **تسمیه من الاسماء الثلاثة** یعنی **اسماء ثلاثة** سے مرکب کلام ہے۔ **فان قیل:** اگر کہا جائے یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ **رب یسر** کو **تمم** سے کیوں مقدم کیا گیا؟ **قلنا:** (ہم کہتے ہیں یعنی سوال کا جواب دیتے ہیں۔) **رب یسر** کو **تمم** سے اس حدیث کی موافقت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ "**الزینة بهما کزینة الوجه بالعذارین**"[719]

و کان عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ یقول لکتابہ طولوا الباء و اظھروا السین ای فرقوھا بین اسنانھا و دوروا المیم تعظیماً لکتاب اللہ تعالیٰ بل محافظة علی تفخیم هذا الاسم و انما حرکة الباء لئلا یلزم التقاء الساکنین علی غیر حده و انما حرکت بالکسر دون الفتح و الضم لان الکسرة لا تدخل فی الافعال و فی اسماء غیر منصرف فصار بمنزلة بعدم تشابه السکون الذی هو عدم الحرکت او کسرت لتکون حرکتها من جنس عملها و الاسم عند البصریین مشتق من السمو و هو العلو افاصله سمو حذفت لامه رعوض عنها الف الوصل۔
و عند الکوفیین مشتق من الوسم و السمة هی العلامة و الاول اصح قال ابن معطی فی الفیته۔

و اشتق رسم من سما البصریون و اشتقه من و اسم الکوفیون
و المذهب المقدم الجلی دلیله الاسمآء و السمی

ای یستدل علی صحة مذهب البصریین بان جمع الاسم الاسماء و لو کان من الوسم القلیل او سام و بان تصغیره سمی و لو کان من الوسم لقلیل وسیم۔
و اللہ: علم غیر مشتق و معناه المستحق للعبادة قال البلقینی حکی هذا القول عن طائفة من العلماء منهم الامام الشافعی و محمد بن الحسن و الامام ابو حنیفة و الخلیل و جمع من الفقهاء منهم الخطابی و امام الحرمین و الغزالی رحمهم اللہ و قیل هو مشتق ثم اختلف فقیل من اَلَهَ و اله لفظ مشترک فی العبادة و السکون و التحیر و الفزع لان خلقه یعبدونه و یسکنون الیه و یتحیرون فیه و یفزعون الیه فاصل الجلالة الشریفة حینئذٍ الٰله کامام ادخلت علیه الالف و الام للتعریف ثم حذفت الهمزة تخفیفاً و نقلت حرکتها الی اللام ثم اسکنت الاولیٰ و ادغمت فی الثانیة تسهیلاً۔ و قال البیضاوی اصله اله فحذفت الهمزة و عوض عنها الالف و اللام و قال الشیخ زاده هذه العبارة احسن مما وقع فی الکشاف ثم قال ان حذفه علی خلاف القیاس لان محذوف قیاسا فی حکم مثبت فلا یعوض عنه بشیء۔
[719] فان قیل: لم قال رب یسر و لم یقل یسر لی او یارب یسر لی قلنا. ان فیهما ثقالة و فی رب یسر تیسیر فان قیل لم حذف الیاء فی رب یسر لان اصله یا رب یسر؟ قلنا. انما حذف الیاء بکثرة الاستعمال کما فی قوله تعالیٰ یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا (یوسف ۲۹) و لأن الیاء حرف النداء و النداء قد یکون الی الغائب و اللہ حاضر کما یلیق لشأنه کما قال وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ۱۶). فان قیل. لم قدم رب یسر علی تمم بالخیر قلنا ان رب یسر یتعلق بالابتداء و تمم بالخیر یتعلق بالانتهاء. فان قیل. لم قدم رب یسر علی التسمیة. قلنا. التسمیة مثل الوجه و رب یسر و تمم بالخیر مثل العذارین و قد قال علیه الصلوة و السلام زینة الوجه بالعذارین و زینة التسمیة بین یسر و تمم بالخیر.

(بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ [720])(بِسۡمِ اللّٰهِ) اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں (الرحمن) ایسے اللہ تعالیٰ جو رزق دینے والا ہے تمام رزق کھانے والوں کیلئے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: وَمَا مِنۡ دَابَّةٍ فِي الۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا (هود ٦)(اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو) رزق عبارت ہے ہر اس چیز سے کہ جس کے ذریعے انسان کی حاجت دفع ہوتی ہے یا عبارت ہے ہر اس چیز سے جس سے حیوان نفع لیتا ہے یا عبارت ہے ہر اس چیز سے جو کہ حاصل ہوتی ہے بدن کے قائم ہونے کے ساتھ (الرحیم) ایسے اللہ تعالیٰ جو بخشنے والا ہے آخرت میں مومنوں کو نہ کہ کافروں کو جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: وَأُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِينَ (٩٠) وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيمُ لِلۡغَاوِينَ (الشعراء ٩١) (اور قریب لائی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لیے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لیے)

اللہ لغت میں مطلق معبود برحق کو کہا جاتا ہے اور شرع میں ذات واجب الوجود کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ وازلیہ کا جامع ہے اور زوال و نقصان سے منزہ ہے۔ فان قیل: جب اللہ ذات واجب الوجود کا نام ہے تو اللہ کے ذکر کے بعد رحمن اور رحیم کے ذکر کا کیا فائدہ؟ قلنا: صفات دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو رحمت

---

[720] فان قلت لم قدم التسمية على سائر الكتب قلت لمعان كثيرة احدها لمتابعة عثمان رضی الله تعالیٰ عنه لان جمع القرآن وقدم التسمية فان قلت ليس المصنف مثل عثمان رضی الله تعالیٰ عنه فی الكرامة وليس كتابه مثل كتاب الله تعالیٰ قلت المصنف اتبع الحديث وهو قوله عليه الصلوة والسلام من تشبه بقوم فهو منهم فلذلک قدم المصنف تسمية الله تعالیٰ على الكتاب ليجعله الله مثل عثمان رضی الله تعالى عنه فی الكرامة وكتابه مثل كتابه فی البركة والثانی اتبع الحديث ايضاً وهو قوله عليه الصلوة والسلام كلُّ أمرٍ ذي بالٍ لم يُبدأُ فيه باسمِ اللهِ فهو أبتَرُ (ابن حجر العسقلاني (٨٥٢ هـ)، الكافي الشاف ٧٠) فهو اقطع ای هذا الامر لا يتم فان قلت لم قدم بسم على الله قلت لان فم العبد ملوثة بالكذب والفحش والغيبة واسم الله طاهر فاذا قال بسم فهو فمه ثم قال الله بفم طاهر كما قال الشاعر۔

هزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب هنوز نام توگفتن کمابی ادبی است

فان قلت لم يطهر فم القائل ببسم وباسم لانه ليس من اسماء الله تعالیٰ ولا من اسماء النبی ﷺ قلت نعم ولكن بسم جار لاسم الله تعالى فلبالقرب اثر فيه فيطهر فمه لقوله عليه الصلوة والسلام لكل مجلس تاثير قال القائل فی تاثير المجلس۔

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکان گرفت ومردم شد
پسر نوع بابدان بنشست خاندان نبوتش گم شد

فلهذا قدم بسم على لفظ الله والوجه الثانی ان الطالب مثل المسافر والباء مثل الاناء والسين مثل الطريق والميم كالبحر فاذا اراد المسافر ان يغسل فمه يدخل الاناء فی البحر ويأخذ الماء من البحر فيغسل فمه فلهذا قدم على لفظ الله۔

کوواجب کرتی ہیں مثلاًرحمن ،رحیم ،لطیف اور کریم وغیرہ اوردوسری قسم وہ ہے جو غضب کوواجب کرتی ہے۔ مثلاً جباراور قہاروغیرہ پس اگر رحمن اوررحیم کوذکرنہ کیاجاتاتورحمت اور غضب میں برابرکاوہم پیداہوجاتااوراس سے یہ مراد نہیں بلکہ رحمت مقدم ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کاارشادہے: إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔(التحریم ۳۲)یعنی اللہ تعالیٰ بلحاظ مغفرت واسع ہے۔لہذارحمت غضب پرغالب ہوگئی۔فان قیل: کہ لفظ اللہ کورحمن سے کیوں مقدم کیاگیا۔قلنا: کہ اللہ اسم ذات ہے اوررحمن اسم صفت اورذات صفت سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ ذات اصل ہے اورصفت فرع۔اس اصل فرع سے طبعاًمقدم ہوتی ہے لہذااسے وضعاًبھی مقدم کیاگیاتاکہ وضع کی طبع کے ساتھ موافقت آجائے۔فان قیل:رحمن کورحیم سے کیوں مقدم کیاگیا۔ قلنا:کہ لفظ رحمن داردنیاسے تعلق رکھتاہے اور لفظ رحیم دارآخرت سے تعلق رکھتاہے اوردنیاآخرت پرمقدم ہوتی ہے۔فان قیل:رحمن اوررحیم دوصفتیں ہیں اوررحمت سے مشتق ہیں اوررحمت رقت قلب کوکہاجاتاہے جبکہ اللہ تعالیٰ قلب سے منزہ ہے۔قلنا:رحمت سے مراددنیامیں اعطائے نعمت ہے اورآخرت میں مغفرت ہے۔ فان قیل: کہ تسمیہ کوابتداءکتاب سے کیوں مقدم کیاگیاہے؟قلنا: یہ تقدیم کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی موافقت کی وجہ سے ہے۔وھوقولہ ﷺ کل امر ذی بال لم یبداء ببسم اللہ فھوابتر۔ای قلیل البرکۃ۔یہ جواب سوال ہے اوراس کی تقدیریہ ہے کہ ان الابترھومخبون فیکون تقدیرمعنی الحدیث ولم یبداءبذلک الامرای ببسم اللہ فذلک الامرمخبون وھوغیرمستقیم المعنی لان الخبن یتحقق بزوال العقل ولم یوجدالعقل ھھنافاجاب بقولہ ای قلیل البرکۃ۔حاصل جواب یہ ہے کہ ذکرابترکاہے اورمراداس سے قلیل

البرکۃ ہے اور متقدمین[721] کے طریقوں کے ساتھ موافقت کی وجہ سے تسمیہ کو مقدم کیا گیا۔ فان قیل: باء کو اسم سے کیوں مقدم کیا گیا۔ قلنا: کہ باء حرف جار ہے اور جبکہ اسم مجرور اور جار مجرور سے مقدم ہوتا ہے۔ فان قیل: جار کو مجرور سے کیوں مقدم کیا گیا؟ قلنا: اس وجہ سے کہ جار عامل ہے اور مجرور معمول اور عامل معمول سے مقدم ہوتا ہے۔ فان قیل: عامل کو معمول سے کیوں مقدم کیا گیا؟ قلنا: اس لئے کہ عامل مؤثِر یعنی اثر کرنے والا ہے اور معمول مؤثَر یعنی اثر کیا گیا ہے اور مؤثِر، مؤثَر سے مقدم ہوتا ہے۔ فان قیل: کہ مؤثِر کو مؤثَر سے کیوں مقدم کیا گیا ہے؟ قلنا: اس لئے کہ مؤثِر اصل اور مؤثَر فرع اور اصل ہمیشہ فرع سے مقدم ہوتا ہے۔ جیسے والد کی تقدیم بیٹے پر ہوتی ہے۔

کل امر ذی بال لم یبداء ببسم اللہ فھو ابتر۔ وفی روایۃ فھو اقطع وفی روایۃ فھو اجزم۔

ہر اچھا کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام ساتھ نہ ہو وہ دم بریدہ، بے برکت ہوتا ہے یعنی اس کام میں برکت نہیں ہوتی۔

حدیث مذکورہ کا مطلب

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو جو بھی اچھا کام ہو خواہ اس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہو یا اس کا تعلق دین کے ساتھ ہو اس کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھا کرو۔ جیسے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

---

[721] متقدمین لفظ عام ھے اور تابعین وتبع تابعین کو اصحاب کھاجاتاھے اور سلف صرف اصحاب کو کھاجاتاھے متقدمین متقدم کی جمع ھے اور متقدمین پھلے زمانے کے لوگوں کو کھاجاتاھے۔ اصحاب ان لوگوں کو کھاجاتاھے جنھوں نے حضور ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی میں دیکھاھو اور آپ ﷺ پر ایمان لاکر اس حالت ایمان میں دنیاسے رخصت ھوئے ھوں اور تابعین ان کو کھاجاتاھے جس نے حضور ﷺ کے ایک یاایک سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو بحالت ایمان دیکھاھو۔ جیساکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تبع تابعین ان کو کھاجاتاھے جنھوں نے بحالت ایمان تابعین کو دیکھاھو۔

،اگر آپ تاجر ہیں تو تجارت کی ابتداء بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ سے،اگر آپ دکان دار ہیں تو دکان کھولتے وقت بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ ،اگر آپ طالب علم ہیں تو کتاب پڑھتے وقت بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ ،اگر آپ ڈرائیور ہیں تو گاڑی چلاتے وقت بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ، اگر کھانا کھانے کا ارادہ ہے تو بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ پڑھ کر شروع کیجئے،ایک بندہ جب کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہے تو وہ خالق کائنات کیسے کسی کی محنت کو ضائع کرے گا۔ تفسیر الموسوم بفتح العزیز میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ ابتداً بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ پڑھ کر وضو کرتا ہے تو جب تک وضو کرتا رہے گا فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھتے رہیں گے۔اس طرح جب گاڑی کو بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ پڑھ کر چلائیں گے یا سوار ہوں گے تو جب تک اس گاڑی میں سفر کریں گے فرشتے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھتے جائیں گے۔

حدیث مذکورہ پر سوال

فان قیل۔ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں سوال ہو کہ حدیث میں آتا ہے جس کام کی ابتداء بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ سے نہ ہو وہ کام ہی نہیں ہوتا حالانکہ بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان کی ابتداء میں بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ نہیں پڑھتے وہ کام ہو جاتا ہے وضو کی ابتداء میں بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ نہیں پڑھتے وضو ہو جاتا ہے۔

قلنا۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہے کہ اگرچہ اس کام کا وجود تو بغیر بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کے ہو گا لیکن اس پر جو اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے وہ بغیر بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کے نہ ہو گا جیسے وضو ہی کو لیجیے گا اس کی ایک حیثیت ہے۔مفتاح الصلوۃ یعنی جس سے نماز صحیح ہو وہ تو بغیر بِسْمِ اللہِ

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کے ہی ہو گا لیکن ایک یہ وضو مستقل عبادت ہو اس وضو پر بھی ثواب ملے یہ اس وقت ہو گا جب اس کی ابتداء میں بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ہو۔

فضائل وبرکات بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے سورۃ توبہ کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی ابتدائی آیت مبارکہ ہے ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عن عبدالله بن عباس كان النَّبيُّ ﷺ لا يَعرِفُ فَصلَ السُّورةِ حتى تَنزِلَ عليه: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔[722] تاجدار ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قرآنی سورتوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کو بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نازل ہونے سے پہچانتے تھے یعنی رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر قرآنی آیات طیبات کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ جب بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو معلوم ہو جاتا تھا کہ پہلی سورت مکمل ہو چکی ہے اور نئی سورت کا نزول ہو گیا ہے اس سے آپ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی عظمت اور شان کا اندازہ فرمائیں کہ قرآن حکیم کی آیت ایک مرتبہ نازل ہوئی، کوئی آیت دو مرتبہ نازل ہوئی کوئی تین دفعہ نازل ہوئی، کوئی دس دفعہ کوئی بیس دفعہ مگر بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی عظمت وبزرگی کا یہ عالم ہے کہ یہ آیت مقدسہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذات گرامی پر ایک سو چودہ مرتبہ نازل فرمائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ سورت توبہ کے شروع میں بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نہیں ہے مگر سورۃ نمل میں دو دفعہ ہے ایک دفعہ سورت کے شروع میں اور دوسری بار اس سورت کی آیت ۳۰ میں لہذا

---

[722] أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٧٨٨•ابن حزم (٤٥٦هـ)، أصول الأحكام ٢/٢٧٧•ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، التمهيد ٢٠/٢١٠•ابن كثير (٧٧٤هـ)، إرشاد الفقيه ١/١٢٢•السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٦٨٨٥•أحمد شاكر (١٣٧٧هـ)، عمدة التفسير ١/٥٦•

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کی تعداد قرآن عظیم الشان کی تمام سورتوں کی تعداد کے برابر ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ ہر سورت کی ابتدائی آیت ہے۔ خادم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ إذْ أغْفى إغْفاءَةً اچانک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر غنودگی سی طاری ہوئی۔ (یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر وحی کی کیفیت کے وقت ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر معمولی سی غنودگی چھاجاتی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا سر مبارک تھوڑا سا نیچے کو جھک جاتا تھا اور بوجھ محسوس ہونا شروع ہو جاتا تھا۔) تھوڑی دیر یہ کیفیت رہی۔ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُتَبَسِّمًا، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مسکراتے ہوئے سر اقدس کو اوپر اٹھایا تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فَقُلْنا: ما أضْحَكَكَ يا رَسولَ اللهِ ﷺ، (یہاں تو ہنسنے والی کوئی بات نہیں ہوئی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لبوں پر مسکراہٹ کیسے پھیل گئی؟ امام کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: قالَ: أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ فَقَرَأَ: بسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ إنّا أعْطَيْناكَ الكَوْثَرَ)۱(فَصَلِّ لِرَبِّكَ وانْحَرْ)۲(إنَّ شانِئَكَ هو الأبْتَرُ۔(الکوثر: ۱ – ۳) میرے رب کی طرف سے ابھی مجھ پر ایسی سورت نازل فرمائی گئی ہے جسے سن کر میں بے اختیار ہنس پڑا ہوں کیونکہ اس سورت میں مجھے حوض کوثر عطا کرنے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بصد ادب واحترام عرض کیا حضور! اس عظیم الشان بابرکت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم کو ہنسا دینے والی سورت مقدسہ کی آیت مبارکہ سے ہمیں بھی آگاہ فرمائیں ۔تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ سمیت پوری سورت کوثر کی تلاوت فرمائی۔[723]

حضرتِ سیّدُنا اَنَس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رِوایت ہے کہ اللہ کے مَحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا، "جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تَعظِیم کیلئے عُمدہ شکل میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم تحریر کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ اُسے بَخْش دے گا۔[724]

بیان فضیلت بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق اظہارالکمال میں لکھا ہے۔

منها من قرا بسم الله الرحمن الرحيم يخلق الله لهذا القارى تسع عشر ملكا يستغفرون له الى يوم القيامة۔ و ايضا قال عليه السلام من قرا بسم الله الرحمن الرحيم يذب الشيطان كما يذب الرصاص فى النار۔ و قال عليه السلام من قرا بسم الله الرحمن الرحيم يفتح عليه ابواب الجنة و يشد عليه ابواب النار و ايضا قال عليه السلام من قرا بسم الله الرحمن الرحيم فكانما اعتق الف رقبة و ايضا قال عليه السلام من قال بسم الله الرحمن الرحيم مرة لم يبق من ذنوبه ذرة ۔[725]

ترجمہ: اس کی فضیلت میں سے یہ ہے جس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا تو اللہ تعالیٰ انیس فرشتے پیدا فرماتے ہیں جو قیامت تک اس پڑھنے والے کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں نیز فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لیتا ہے شیطان اس طرح پگھلنے لگتا ہے جس طرح سیسہ آگ میں پگھلتا ہے۔

---

[723] مسلم (٢٦١ هـ)، صحيح مسلم ٤٠٠• أبو داود (٢٧٥ هـ)، سنن أبي داود ٤٧٤٧• السخاوي (٩٠٢ هـ)، البلدانيات ١٨٣ •صحيح •، وأحمد (١٢٠١٥) والنسائي (٩٠٤)

[724] (الدُّرُّالْمَنْثُور ج ۱ ص ۲۷)

[725] (حاشیہ کنز المبارک جلداول صفحہ ۱ تا صفحہ ۳)

فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو کوئی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے تو اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے اس کیلئے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو کوئی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے گویا کہ اس نے ایک ہزار غلام آزاد کر لئے نیز فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو کوئی بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک بار پڑھ لیتا ہے تو اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے میں چودہ فائدے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انمول قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا انامدینۃ العلم وعلی بابھا۔ میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔) فرماتے ہیں جتنے بھی علوم ہیں وہ سب کے سب کتب سماویہ میں موجود ہیں کتب سماویہ کے سب علوم چار آسمانی کتابوں (تورات، زبور، انجیل، قرآن) میں ہیں۔ ان چار کتابوں کے علوم قرآن میں ہیں پورے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے پوری فاتحہ کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں ہے پوری بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ب میں موجود ہے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سب علوم کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی ب میں موجود ہے اس مذکورہ قول کی وضاحت یہ ہے سب علوم

سے مقصود یہ ہے کہ بندہ کا وصل (ملاپ) ہوجائے اس ذات سے جس ذات نے اس کو پیدا کیا پیدا کرنے کے بعد سب نعمتوں سے سرفراز کیا اس کو جیسے فرمان الٰہی ہے: وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا (النحل ۱۸) "اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے" اور یہ سب نعمتیں اس اللہ تعالیٰ کی ذات نے عطا کی ہیں۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النحل ۵۳) اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے" ایسی ذات سے اس کو وصل ہوجائے۔ بندہ بسبب گناہوں کی نجاستوں اور غلاظتوں کے اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔

عربی زبان میں ب آتی ہے الصاق یعنی ملانے کیلئے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں اتنا مشغول اور مستغرق ہوجائے کہ اس کو وصل ہوجائے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور یہ معنی کی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا خلاصہ ب میں موجود ہے۔ اس بناء پر فرمایا کہ سب علوم کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی ب میں ہے۔[726]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی میم پر بحث

میم سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے جس کے بارے میں قرآنی ذوق یہ بتلاتا ہے۔ سدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں خشک سالی ہوگئی لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی اپنے پاؤں پر کھڑی ہے دونوں ہاتھ پھیلا رہی ہے اور کہتی ہے: اللھم انا خلق من خلقک و لا غنی

[726] بسم اللہ کے فضائل و برکات ص ۷۶۔

عن فضلک۔ ”اے پروردگار میں ایک مخلوق ہوں تیری مخلوقات میں سے اور مجھے تیرے فضل سے بے پرواہی نہیں ہے۔“اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش برسنا شروع ہو گئی۔

لفظ اللّٰہِ پر بحث

أَنَّ لِلّٰهِ تَعَالَى أَرْبَعَةَ آلَافِ اسْمٍ: أَلْفٌ مِنْهَا فِي الْقُرْآنِ وَالْأَخْبَارِ الصَّحِيحَةِ وَأَلْفٌ مِنْهَا فِي التَّوْرَاةِ، وَأَلْفٌ فِي الْإِنْجِيلِ، وَأَلْفٌ فِي الزَّبُورِ وَيُقَالُ: أَلْفٌ آخَرُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ، وَلَمْ يَصِلْ ذَلِكَ الْأَلْفُ إِلَى عَالَمِ الْبَشَرِ۔[727]

”بے شک اللہ تعالیٰ کے چار ہزار نام ہیں ان میں سے ایک ہزار قرآن اور صحیح احادیث میں اور ایک ہزار ان میں سے تورات میں اور ان میں سے ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار لوح محفوظ میں ہیں جو کہ عالم بشر کو نہیں پہنچے ہیں۔“

لفظ اللہ قرآن میں

اسماء الحسنیٰ میں سب سے زیادہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔قال المجید الفیروز آبادی ،لاشئی من الاسماء یتکرر فی القرآن المجید و فی جمیع الکتب تکررہ،یعنی فرماتے ہیں کہ قرآن میں اور تمام آسمانی کتابوں میں جتنی مرتبہ لفظ اللہ استعمال ہوا ہے اور کوئی نام اتنی مرتبہ استعمال نہیں ہوا۔لفظ اللہ قرآن مجید میں ۲۵۶۰ سے کچھ زیادہ استعمال ہوا اور معجم میں ہے لفظ اللہ قرآن میں مرفوع ،منصوب اور مجرور تینوں طرح آیا ہے۔مرفوع ۹۸۰ مرتبہ،منصوب ۵۹۲ مرتبہ،مجرور ۱۱۲۵ مرتبہ گویا کل ۲۶۹۷ مرتبہ لفظ اللہ قرآن میں آیا ہے۔

لفظ الرَّحمَنِ الرَّحِیمِ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول

[727] مفاتیح الغیب=التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۱۴۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کے معنی ایک ہیں یہ مترادف الفاظ میں ندمان وندیم دونوں لفظوں کی طرح۔ بعض نے لکھاہے کہ الرَّحمٰنِ میں مبالغہ زیادہ ہے بنسبت الرَّحِیمِ کے کیونکہ قانون یہ ہے کہ جس کلمے میں حروف زیادہ ہوں گے اس میں معنی کی بھی کثرت ہوگی۔ الرَّحمٰنِ فقط ذات باری تعالیٰ کیلئے بولا جاتاہے الرَّحِیمِ کا اطلاق حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے بھی ہوتاہے جیسے بِالْمُؤْمِنِینَ رَءُوفٌ رَحِیمٌ (التوبة ۱۲۸)۔الرَّحمٰنِ میں جو مبالغہ پایا جاتاہے وہ اس انداز کاہے:

(۱)باعتبار کثرت رحمت ایجادی کے۔

(۲)باعتبار کثرت افراد مرحومین کے۔

(۳) کیفیت کی زیادتی کے اعتبار سے یعنی بڑی رحمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ الرَّحمٰنِ رحمت دنیاکی عام ہے نیک اور شر دونوں کیلئے اس کی طرف اشارہ ہے لفظ الرَّحمٰنِ سے۔ آخرت کی رحمت خاص ہوگی مؤمنین کیلئے اس طرف اشارہ ہے لفظ الرَّحِیم سے۔

ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

ضحاک مشتق ہے ضحک سے،اس کے معنی ہنسنے کے آتے ہیں ۔ علماء نے لکھاہے کہ غالباًیہ تین سال تک ماں کے پیٹ میں تھے جب پیدا ہوئے تو مسکرا رہے تھے،اس وجہ سے ان کا نام ضحاک ہوگیا۔ بہر حال ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الرَّحمٰنِ سے اشارہ اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوتاہے آسمان والوں پر الرَّحِیم سے اشارہ ہے اس کی رحمت کا نزول ہوتاہے زمین والوں پر۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

الرَّحْمَنِ وہ ہے جو اس سے سوال کریں اس کو پورا کرے اور الرَّحِيم وہ ہے جو اس سے کچھ طلب نہ کریں تو ناخوش ہو اور غصہ میں آجائے۔

بعض علماء نے فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ دنیا وآخرت میں طرح طرح کی نعمتیں یہ رحمت رحمانی ہیں: وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا (النحل ۱۸)۔.... وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ (النحل ۵۳)۔ آفات کا اور مصائب کا دور کرنا یہ سب رحمت رحیمی ہے لفظ رحمن شامل ہے بڑی بڑی نعمتوں، اصول، کلیات والی نعمتوں کو اور رحیم کا لفظ شامل ہے حقیر اور چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی طرف، لفظ رحمن کے بعد رحیم کا لانا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اے انسان میرے دربار سے ادنیٰ سے ادنیٰ چیز مانگتے ہوئے شرم محسوس نہ کرو اور بے دھڑک ہو کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرو۔ یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ تک مانگتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو اس بناء پر یہ لفظ لائے ہیں بعض نے کہا کہ رحمن سے اشارہ کرنا ہے ان نعمتوں کی طرف جن کے دینے سے بندہ عاجز ہو جیسا کہ زندگی، بینائی وغیرہ کا عطا کرنا، رحیم سے اشارہ اس بات کی طرف کہ بندوں سے حاصل ہونا بھی ممکن ہے جیسے مرض کی تشخیص ومعالجہ کرنا دوائی سے امور معاش کے ذریعہ سے کسی کی نفرت کرنا، ان کی طرف اشارہ ہے لفظ رحیمی سے بس گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندے! میں رحمن ہوں نطفہ گندہ تو میرے حوالہ کرتا ہے میں اس کو خوش قالب اور خوبصورت آدمی بنا کر تیرے حوالے کرتا ہوں۔

قرآن پاک نے اسے بیان کیا ہے: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ (المرسلات ۲۰) کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا، مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى (النجم ۴۶) نطفہ سے جب ڈالا جائے۔ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى (القيامة ۳۷) کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے ۔ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ (المومنون ۱۴) پھر ہم نے اس پانی

کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی۔خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (التغابن ۳) اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین ۴) بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔

اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے لفظ رحمن سے۔اوراے انسان!توتو تخم خشک بوسیدہ میرے حوالے کرتا ہے اور میں اس کو درخت مع شاخ، پتوں اور پھلوں کے تجھے عطا کرتا ہوں یہ سب میرا احسان ہے،اسی چیز کو قرآن نے سورہ واقعہ میں بیان کیا ہے۔ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (الواقعہ ۶۴) کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ (الواقعۃ ۷۲) کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا احترام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا ادب واحترام، تعظیم وتوقیر کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے بلکہ کاغذ کے جس ٹکڑے پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تحریر ہو اس کاغذ کا احترام کرنا بھی انتہائی لازم وضروری ہے۔صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ رَفَعَ قِرْطَاسًا مِنَ الْأَرْضِ فِيهِ «بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ» إِجْلَالًا لَهُ تَعَالَى كُتِبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الصِّدِّيقِينَ، وَخُفِّفَ عَنْ وَالِدَيْهِ وَإِنْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ،[728] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کاغذ کے بسم اللہ لکھے ہوئے ٹکڑے کو اس خیال سے اٹھاتا ہے کہ کسی کے پاؤں تلے نہ آجائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام ''صدیقین'' میں لکھ

---

[728] مفاتیح الغیب=التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۸۸،غنیۃ الطالبین عربی اردو ص ۲۰۱ فصل فی فضل بسم اللہ۔

دیا جاتا ہے اور اگر اس کے والدین فوت ہو چکے ہوں اور عذاب میں مبتلا ہوں تو بیٹے کے اس عمل کی وجہ سے اس کے ماں باپ کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور اگر چہ وہ دونوں مشرک ہوں۔

اللہ کریم ہم سب کو بسم اللہ اور قرآن حکیم کے لکھے ہوئے کاغذات کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر کوئی شخص "بسم اللہ" لکھے ہوئے کاغذ کا احترام نہ کرے، اسے پاؤں تلے روندے یا جان بوجھ کر زمین پر پھینک دے تو ایسے شخص کو امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ملعون قرار دیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرسل حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ ان النبی ﷺ مر علی کتاب فی الارض۔ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم زمین پر گرے ہوئے ایک کاغذ کے قریب سے گزرے تو اپنے نوجوان خادم سے فرمایا: ما ھذا؟ دیکھو، یہ کاغذ کیسا ہے؟ اس نوجوان نے کاغذ اٹھایا اور اسے کھولا تو اس میں "بسم اللہ" لکھی ہوئی تھی۔ خادم نے عرض کیا۔ حضور! اس کاغذ پر تو "بسم اللہ" لکھی ہوئی ہے۔ فرمایا: لعن اللہ من فعل ھذا۔ جس شخص نے "بسم اللہ" لکھا ہوا کاغذ زمین پر پھینکا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے۔ نیز فرمایا: لا تضعوا بسم اللہ الا فی موضعہ۔ تم اللہ تعالیٰ کا نام لکھے ہوئے کاغذ کو احترام کی جگہ پر رکھا کرو۔[729]

"بسم اللہ" کا احترام کرنے کے فوائد کے ضمن میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں اور اس واقعہ عجیبہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "بسم اللہ" کے احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گاروں کو معاف فرما دیتا ہے۔

---

[729] (مراسیل ابی داؤد، صفحہ ۲۰، باب الکتاب یلقی فی الطریق)

اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "کشف المحجوب" میں ایک ولی کامل حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کی توبہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ بشر نامی ایک نوجوان شراب کا دلدادہ تھا اور ہر عیب، گناہ اور نقص اس میں پایا جاتا تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ بشر شراب خانہ سے مستی کی حالت میں کہیں جا رہا تھا کہ اسے زمین پر گرد و غبار میں اٹا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا نظر آیا۔ اس نے اسے اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا "بسم اللہ الرّحمن الرّحیم" (وہ نوجوان اس گرد و غبار والے کاغذ پر اللہ تعالیٰ کا نام دیکھ کر از حد پریشان ہوا اور دل میں خیال کیا کہ میرے اللہ کے مبارک نام کی کس قدر توہین ہو رہی ہے) اس کاغذ کو پاک صاف کیا، بڑی تعظیم کے ساتھ اسے اٹھایا، عطر لگایا اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ایک بلند اور پاکیزہ جگہ پر رکھ دیا۔ اسی رات جب یہ نوجوان نیند کی آغوش میں گیا تو خواب کی حالت میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز اور خوشخبری سنائی دی: یا بشر طیبت اسمی فبعزتی لا طیبن اسمک فی الدنیا و الاخرۃ (اے بشر! تو نے میرے نام کو خوشبو لگا کر معطر کیا، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں معطر کر دوں گا۔) نیند سے بیدار ہو، توبہ کر اور خوشخبری سن کہ بسم اللہ اور میرے نام کے احترام کی وجہ سے میں نے تیرے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دیا ہے اور میں نے تیرے نام کو ایسا باعزت بنا دیا ہے کہ جو بھی تیرا نام سنے گا اپنے دل میں راحت محسوس کرے گا۔[730]

بسم اللہ کے احترام، ادب، عزت، توقیر، تکریم اور تعظیم کی برکت سے رب تعالیٰ نے ایک شرابی اور گناہ گار کے تمام گناہوں کو معاف کر کے اسے اپنا دوست اور ولی بنا دیا اور اس کے نام کو عزت و احترام عطا فرمایا۔

---

[730] (کشف المحجوب مترجم صفحہ ۱۵۹، تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۹۱)

پہلی تحریر

بعض اسلاف سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم کی تخلیق کے بعد جو سب سے پہلے تحریر لکھوائی وہ "بسم اللہ الرّحمن الرّحیم" تھی۔ یہ بسم اللہ کی فضیلت اور عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ کائنات میں جو سب سے پہلی تحریر وجود میں آئی وہ "بسم اللہ" تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول ما خلق اللہ اللوح و القلم کہ اللہ کریم نے سب سے پہلے لوح (محفوظ) اور قلم کو پیدا فرمایا۔ فاول ما کتب علی اللوح بسم اللہ الرحمن الرحیم پس اس لوح پر جو چیز سب سے پہلے لکھی گئی وہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو اس کے پڑھنے والے کے لئے امن و امان کا باعث بنادیا۔[731]

فرشتوں کا وظیفہ

بسم اللہ ایسا بابرکت اور بے مثل وظیفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتے ہر وقت اسی کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا خوبصورت سماں ہو گا جب فرشتوں کی زبان پاک سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے الفاظ نکلتے ہوں گے تو ایک عجیب و غریب اور خوش کن منظر پیدا ہوتا ہو گا اور رب السماوات والارض فرشتوں کے ترانے سے خوش ہو کر انہیں اپنے مزید لطف و کرم سے نوازتا ہو گا۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ھی قراءۃ اھل سبع سماوات و اھل الصفح الاعلی۔ ساکنان ہفت آسمان اور اہالیان ذی مرتبت کا وظیفہ "بسم اللہ" ہی ہے اور ملائکہ مقربین جو

---

[731] (غنیۃ الطالبین اردو و عربی صفحہ ۲۰۲)

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور تعریف و توصیف میں مصروف ہیں وہ بھی ''بسم اللہ'' ہی کا ورد کرتے رہتے ہیں۔[732]

شیطان کا رونا

بسم اللہ کی برکات، فضائل اور اس کے اثرات و ثمرات کو سمجھنے کے لئے اس بات کو نوٹ کر لیجئے کہ شیطان لعین کو بسم اللہ سے بڑی ضد، عداوت اور دشمنی ہے کیونکہ جہاں بسم اللہ پڑھی جائے گی، وہاں برکات کا نزول ہو گا، وہاں رحمتیں اتریں گی، سکون و واطمینان حاصل ہو گا، گناہ معاف ہوں گے، جہنم سے آزادی کا اعلان ہو گا، جنت کے دخول کی بشارت سنائی جائے گی اور یہ ساری چیزیں ابلیس کے لئے تو موت کا پیغام ہیں ۔اس لئے شیطان جب کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو روتا، پیٹتا اور چیخیں مارتا ہوا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے اور بسم اللہ کی والی سرزمین سے دور چلا جاتا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ ابلیس لعین نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ ایسا نوحہ اور ماتم کیا ہے اور شدید رویا اور پیٹا ہے کہ اس طرح کبھی بھی نہیں رویا ابلیس کے رونے کے مقامات ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ حین لعن واخرج من ملکوت السماء جب ابلیس کو لعنتی قرار دے کر بارگاہ الٰہی، فرشتوں کی صحبت اور آسمان کی رہائش سے نکال دیا گیا تو ایسا رویا کہ اس جیسا کبھی نہ رویا تھا۔ قرآن حکیم اپنے مقدس الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ جب ابلیس علیہ اللعنۃ نے اپنے رب کے حکم سے روگردانی کی اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے حضور جھکنے سے انکار کر دیا تو رب تعالیٰ کی

---

732 (غنیۃ الطالبین اردو و عربی صفحہ ۲۰۲)

طرف سے آواز آئی۔قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّکَ رَجِيمٌ (۷۷) وَإِنَّ عَلَيْکَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ (۷۸ص) فرمایا تو جنّت سے نکل جا کہ تو راندھا کیا گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔"درگاہ ربانی سے مردود ہونے کے بعد شیطان رویا،چیخا،چلایا،پیٹا اور رورو کر اس نے اپنا برا حال کر دیا۔

۲۔حین ولد النبی ﷺ۔جب پیغمبر دوجہاں اور سرور کون ومکان حضرت تاجدار ختم نبوت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور شیطان لعین کو یقین ہو گیا کہ اب روئے زمین پر توحید کا پرچم لہرائے گا،شرک کا ختم ہو جائے گا اور سرور کائنات ،فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ولادت کی برکت سے صنم کدہ جہاں ابھی عبادت رحمان کا منظر پیش کرے گا تو ابلیس یہ تصور کرکے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ولادت مبارکہ کے دن اتنا رویا کہ اس نے رورو کر برا حال کر لیا۔اس طرح اس کی ذریت واولاد میلاد شریف کے موقع پر ناخوش اور ناراض ہوتی ہے اور منہ ایسے بناتے ہیں کہ جیسے بند گو بھی۔

نثار تیری چہل پہل پر ہزاروں عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

۳۔حین انزلت فاتحة الکتاب لکون بسم اللہ الرحمن الرحیم۔اور ابلیس کی زندگی میں تیسرا وہ موقع جب اسے بہت رونا آیا اور وہ اپنی سسکیوں اور چیخوں پر قابو نہ رکھ سکا وہ دن جس دن اللہ تعالیٰ نے امام کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سورۃ فاتحہ کو نازل فرمایا۔فان قیل ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورت فاتحہ میں شیطان کو رلانے والی کون سی چیز ہے۔ قلنا۔جواب

آیا۔ **لکون بسم اللہ الرحمن الرحیم۔** کیونکہ سورت فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ ہے اس بسم اللہ کی وجہ سے ابلیس اتنا رویا کہ اپنے آنسو پر ضبط نہ رکھ سکا کیونکہ اسے بسم اللہ کی برکات ،اثرات اور ثمرات کا علم ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جسے میں بہکاؤں گا وہ بسم اللہ پڑھے گا تو راہ راست پر آجائے گا۔ جسے میں گمراہ کروں گا وہ بسم اللہ پڑھے گا تو ہدایت حاصل کرے گا۔ جسے میں نافرمانی کراؤں گا وہ بسم اللہ پڑھے گا تو فرمانبردار ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: هَرَبَ الْغَيْمُ إِلَى الْمَشْرِقِ، وَسَكَنَتِ الرِّيحُ، وَهَاجَ الْبَحْرُ، وَأَصْغَتِ الْبَهَائِمُ بِآذَانِهَا، وَرُجِمَتِ الشَّيَاطِينُ مِنَ السَّمَاءِ، وَحَلَفَ اللهُ بِعِزَّتِهِ وَجَلَالِهِ أَنْ لَا تُسَمَّى عَلَى شَيْءٍ إِلَّا بَارَكَ فِيهِ۔

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا نزول ہوا تو بادل مشرق کی جانب بھاگے، ہوا ساکن ہو گئی۔ سمندر ٹھہر گئے اور جانوروں نے اس طرف کان لگا لئے اور شیاطین پر آسمان سے آگ برسنے لگی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر بسم اللہ پڑھی جائے گی میں اس میں ضرور برکت عطا فرماؤں گا۔[733]

بسم اللہ الفاظ ومعانی کا ایک بے کنار سمندر ہے جس میں آپ جتنا غور وفکر کرتے جائیں گے، علم وعرفان اور معرفت حق کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے اور بقول امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ "اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید تمام سابقہ کتب سماوی کے علوم وفنون کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور تمام قرآنی احکام کا نچوڑ اور خلاصہ سورہ فاتحہ ہے اور سورت فاتحہ کی تلخیص اور نچوڑ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** ہے"۔ بسم اللہ ایسی بابرکت آیت اور پر عظمت وظیفہ ہے کہ جب کوئی استاد اپنے شاگرد کو بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہے اور وہ شاگرد اپنے استاد کے حکم کی تعمیل

---

[733] تفسیر الدر منثور ص ۹ ج ۱ ،فتح القدیر ص ۱۸ ج ۱۔

کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھتا ہے تو بسم اللہ کی برکت سے اسے پڑھانے والے، پڑھنے والے اور دونوں کے ماں باپ کیلئے جہنم سے آزادی کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ امام دیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ إن الْمعلم إذا قَالَ للصَّبِيّ قل {بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} كتب للمعلم وللصبي ولأبويه بَرَاءَة من النَّار۔[734] بے شک استاد، جب بچے کو بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم پڑھنے کو کہتا ہے پس وہ پڑھتا ہے تو استاد، بچے اور ان دونوں کے والدین کے لئے آگ کے عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔" یہ تو بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم، پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت تھی۔ اب بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم لکھنے کی برکت اور اس کے ثواب کا مختصر تذکرہ بھی سماعت فرمائیں اور دلوں کو بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم کے نور سے منور فرمانے کی کوشش فرمائیں۔ خادم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قال رسول الله ﷺ من كتب بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم مجودة تعظيما لله غفر الله له۔[735] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تعظیم الٰہی کیلئے بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم کو خوشخط اور عمدہ طریقے سے لکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

چھہتر ہزار نیکیاں

بسم اللہ کا پڑھنا کار ثواب، بسم اللہ کا لکھنا ذریعہ نجات اور بسم اللہ کا وظیفہ باعث برکات ہے۔ اس کی تلاوت کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے مشہور صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی روایت پیش خدمت ہے:

---

[734] تفسیر الدر منثور ص ۹ ج ۱۔
[735] تفسیر الدر منثور ص ۱۰ ج ۱۔

عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من قَرَأَ {بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} كتب لَهُ بِكُل حرف أَرْبَعَة آلَاف حَسَنَة ومحي عَنهُ أَرْبَعَة آلَاف سَيِّئَة وَرفع لَهُ أَرْبَعَة آلَاف دَرَجَة۔[736]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں جو شخص {بسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر حرف کے بدلے میں اس کے نامہ اعمال میں چارہزار نیکیاں درج فرمادیتا ہے اوراس کے چارہزار گناہ معاف فرمادیتا ہے اوراس کے چارہزار درجات بلند فرمادیتا ہے۔

بسم اللہ کی تلاوت واجر وثواب پر غور فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پوری بسم اللہ پڑھنے والے کو چارہزار نیکیاں ملتی ہیں۔ چارہزار گناہ معاف ہوتے ہیں اور چارہزار درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ فرمایا کہ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلے میں اس کے قاری کو یہ مرتبہ اور مقام نصیب ہوتا ہے۔

{بِسم الله الرَّحْمَن الرَّحِيم} ایسا عظیم بابرکت اور مہتم بالشان وظیفہ ہے کہ جس مقام پر پڑھا جائے وہاں کے پہاڑ، درخت، زمین اور دوسری اشیاء بھی ذکر الٰہی میں مصروف ہوجاتی ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، مزکیہ، محدثہ، معلمہ، مبلغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: لَمّا نَزَلَتْ بِسمِ اللهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ، ضَجَّتِ الْجِبَالُ حَتَّى سَمِعَ أَهْلُ مَكَّةَ دَوِيَّهَا، فَقَالُوا: سَحَرَ مُحَمّدٌ الْجِبَالَ، فَبَعَثَ اللهُ دُخَانًا حَتّى أَظَلّ عَلَى أَهْلِ مَكّةَ، فَقالَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ: «مَنْ قَرَأَ بِسمِ اللهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ مُوقِنًا سَبّحَتْ مَعَهُ الْجِبَالُ إِلّا أَنَّهُ لا يَسمَعُ ذَلِكَ مِنْهَا»۔[737]

---

[736] تفسیر الدرمنثور ص ۲۶ ج ۱، فتح القدیر ص ۱۹ ج ۱۔

[737] فتح القدیر ص ۱۹ ج ۱۔

جب بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا نزول ہوا تو پہاڑوں نے زور سے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی آواز نکالی یہاں تک کہ پہاڑوں کی اس آواز کو اہل مکہ نے بھی سنا تو کافروں اور مشرکوں نے (اسے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کی برکت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا معجزہ قرار دینے کی بجائے) کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے پہاڑوں پر جادو کر دیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر ایک دھواں بھیجا جس نے تمام اہل مکہ کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو شخص یقین کامل کے ساتھ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں مگر وہ ان پہاڑوں کی آواز نہیں سن سکتا۔"

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھنے سے کام میں برکت، رزق میں وسعت، معاملات میں آسانی، مشکلات سے نجات، پریشانی سے چھٹکارہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رب العزت کی قربت نصیب ہوتی ہے اور بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا وظیفہ کرنے والا مسلمان، اللہ تعالیٰ کے اس قدر قریب ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ قرب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چچازاد بھائی اور اول مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَقَالَ: «هُوَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ، وَمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اسْمِ اللهِ الْأَكْبَرِ إِلَّا كَمَا بَيْنَ سَوَادِ الْعَيْنِ وَبَيَاضِهَا مِنَ الْقُرْبِ»۔[738]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کے بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

---

[738] فتح القدیر ص ۱۹ ج ۱۔

واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ(خوبصورت ناموں)میں سے ایک خوبصورت نام ہے اوراس کے (پڑھنے والے)اوراللہ تعالیٰ کے بڑے نام کے درمیان اتنا(نہ ہونے کے برابر)ہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان ہوتاہے۔یعنی جس طرح آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا اسی طرح بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے قاری اوررب تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا وظیفہ کرنے والا اپنے منہ سے کلمات بعد میں ادا کرتا ہے اس کارب اس کی دعا کوپہلے ہی درجہ قبولیت عطافرمادیتاہے۔

نزول بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا تاریخی پس منظر

سب سے پہلے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا نزول ہوا جب سیدنا آدم علیہ السلام کی نسل نامناسب اوراوچھی حرکتوں پر اتر آئی تو یہ آیت امان ان کے سینوں سے اٹھالی گئی اورزبانوں سے چھین لی گئی۔پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ آسانی نعمت عطافرمائی گئی ۔وقت آنے پر دوبارہ نعمت واپس لے لی گئی ۔پھر موقع آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوان کے دور میں عطاکی گئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد قوم میں بگاڑ پیدا ہوا توبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پھر اٹھالی گئی۔اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کازمانہ آیااللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ محراب داؤدی میں تمام لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دواورانہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ آیت امان نازل فرمانے والاہے اس لئے سب جمع ہو جاؤ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد ہمایوں میں پھر یہ آیت امان بڑی شان وشوکت کے ساتھ اتاری گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے، اترتے چڑھتے غرض ہر حالت میں اس کی تلاوت کرواوراسے اپناوردووظیفہ

بنالو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جب آپ علیہ السلام کی قوم بگڑ گئی اور دین حق سے منحرف ہو گئی توان سے بھی یہ دولت سلب کرلی گئی۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اعلان نبوت فرمایاتوسعادت مندلوگ اڈکر آپ کر گرد جمع ہو گئے اوراس کلام سے اپنی روح کو منور کرنے لگے جب جبریل علیہ السلام کی وساطت سے نازل ہوا۔ایک روز جبریل علیہ السلام آخری دوسورتیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس لے کر نازل ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔دوسورتوں کے درمیان فصل اور فرق کرنے کیلئے کوئی خاص علامت ہونی چاہیئے۔جبریل امین فوراًدربار خداوندی میں پہنچے توارشادہوا کہ اب وہ وقت آگیاہے کہ عرش کی دولت اورآسمان کی عظیم ترین نعمت محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کوعطاکردی جائے۔نزول بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کاپر جلال انداز میں اہتمام والتزام کرو۔حضرت جبریل علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق ستر ہزار فرشتوں کا جلوس اپنے ساتھ لیااوربڑی سج دھج وشان وشوکت کے ساتھ زمین کی طرف روانہ ہوئے۔فرشتے اعلان کررہے تھے کہ طرقوا طرقوا۔راستہ چھوڑدو،راستہ چھوڑدو،اورباادب ،باملاحظہ ،ہوشیار کھڑے ہو جاؤ،کیونکہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کاخزانہ زمین کی طرف بھیجاجارہاہے۔شیطان نزول بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کایہ شان دار منظر دیکھ کر چیخ اٹھااس سے یہ اعزازواکرام دیکھانہ گیاحسدوکدورت سے جل بھن گیااور غم واضطراب کے باعث سینہ پیٹنے اور سر پٹخنے لگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ کی برکت بندوں کوروحانی وجسمانی امراض سے نجات دے گی اوررب کا قرب عطاکرے گی اوراس کے ورد سے گناہ معاف ہوں گے اورروحوں کو جلانصیب ہو گی اس لئے دردوکرب سے اس کی کمر ٹوٹ گئی۔

ایک حدیث قدسی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام قسم کھا کر یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ حضرت میکائیل قسم کھا کر بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام قسم کھا کر یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اسرافیل! میں اپنی عزت اور بخشش وجلال وکرم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (کی میم) کو سورہ فاتحہ کے ساتھ ملا کر ایک مرتبہ بھی پڑھ لے تو تم گواہ رہو کہ میں اس کی زبان کو نہیں جلاؤں گا اور اس کو جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ دوں گا اور قیامت کے عذاب سے بچالوں گا۔[739]

یہی بات شیخ اکبر نے اپنی کتاب فتوحات میں لکھی ہے کہ جب تم سورۃ فاتحہ پڑھو تب ایک ہی سانس میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ سورۃ فاتحہ ملا کر پڑھو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرب خداوندی کا ذریعہ

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی نسبت سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں میں سے ہے، اور اس میں اس قدر نیکی اور قرب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی وسفیدی میں ۔[740] لہٰذا جو شخص ہر جائز کام کے شروع میں کثرت سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے گا تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو گا۔

---

[739] روح البیان۔فضائل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ص ۱۵۔

[740] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۔

جنت کی چاروں نہروں سے سیر ابی

حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم معراج کی رات میں آسمانوں سے بھی اوپر تشریف لے گئے تو تمام جنتوں کا معائنہ اور سیر فرمائی تو جنت میں چار نہریں دیکھیں (جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے) پانی، دودھ، شراب طہور اور شہد کی نہریں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ نہریں کہاں سے نکلتی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ حوض کی طرف کی جاتی ہیں مگر یہ کہاں سے نکلی ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں ہیں ۔پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو یہ بتلادے۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو ایک فرشتہ آیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ! اپنی آنکھیں بند کیجئے۔ پس میں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں تو ایک درخت کے پاس تھا اور دیکھا کہ سفید موتیوں کا ایک قبہ ہے اور اس کا سونے کا دروازہ ہے اور اس پر تالا لگا ہوا ہے اور یہ قبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر تمام جنات وانسان اس میں رکھ دیے جائیں تو ایسے لگے جیسے ایک خوبصورت پرندہ ایک پہاڑ پر بیٹھا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ یہ چاروں نہریں اس قبہ سے نکل رہی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ واپس لوٹو ں تو اس فرشتہ نے عرض کیا کہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس قبہ میں داخل نہیں ہوں گے ؟ میں نے کہا کہ میں کیسے داخل ہوں اس کے دروازے پر قفل لگا ہوا ہے۔ میرے پاس اس کی کنجی نہیں ہے تو فرشتہ نے عرض کیا کہ اس کی چابی **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** ہے۔ جب میں نے اس کے قریب جا کر **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** پڑھی تو تالا کھل گیا۔ میں اس قبہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں نہریں اس قبہ سے اس طرح نکلی ہوئی ہیں کہ **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** کی میم سے پانی کی نہر، **اللّٰہِ** کی ھا سے دودھ کی نہر، اور **الرَّحۡمٰنِ** کی میم سے شراب طہور کی نہر، اور **الرَّحِیۡمِ** کی میم سے شہد کی نہر، معلوم ہوا کہ یہ چاروں نہریں **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** سے نکلتی ہیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم !اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت خلوص دل سے بغیر ریاکاری کے میرے اس نام سے مجھے یاد کرے گی تو ضروران نہروں سے انہیں سیر اب کر دوں گا۔[741]

برکات تسمیہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اگر وضو کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھی جائے تو وہی اعضاء پاک ہوتے ہیں جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں اور اگر بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر وضو کیا جائے تو پورا جسم پاک ہو جاتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا اس میں اس کے گناہ ہوں گے وہ اپنی دنیاوی عادت کے مطابق بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اپنے ہاتھ میں لے گا تو وہ بالکل سفید ہو جائے گا اور اس میں کوئی گناہ باقی نہ رہے گا۔وہ بندہ کہے گا کہ اس نامہ اعمال میں تو کچھ بھی نہیں ہے میں کیا پڑھوں تو اس سے کہا جائے گا کہ تسمیہ کی برکت سے تمام گناہ مٹا دیئے گئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب مومن بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر پل صراط پر قدم رکھے گا تو اس قدموں کے نیچے سے جہنم کی آگ اسے پکار کر کہے گی۔اے مومن گزر جا تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیے ہیں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے سے چار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں ،چار ہزار گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور چار ہزار درجات بلند کر دیے جاتے ہیں۔

---

[741] روح البیان ص ۹ ج ۱ ۔الفتح الربانی شرح خلاصہ الکیدانی ص ۱ ۳۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس امت کے اعمال نامے تولے جائیں گے تو اس امت کی ایک رکعت کا وزن بنی اسرائیل کی ایک ہزار رکعت کے برابر ہو گا بنی اسرائیل اس کی وجہ پوچھیں گے ان سے کہا جائے گا کہ یہ ان کی نماز میں بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی برکت ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس نے بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے فرشتوں کو جبریل سے، جنت کو حور و قصور سے، انبیاء علیہم السلام کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اور قرآن کو بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے زینت دی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جب جبریل علیہ السلام تسمیہ لے کر آئے تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت کے بارے میں خائف تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل کی تو دل کو تسلی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جب بندہ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتا ہے تو اسے سات سو سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو اس کی طرف ہیبت سے دیکھا وہ پھٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت تک کے حالات لکھ۔ عرض کی ابتداء کیسے کروں۔ فرمایا بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے، قلم نے سات سو سال میں بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنے عز و جلال کی قسم! امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا جو آدمی اور عورت بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے گا اس کو سات سو سال کی عبادت کا ثواب دوں گا۔

سات انبیاء علیہم السلام کو سات کلمات

اللہ تعالیٰ نے سات پیغمبروں کو سات کلمات عطا فرمائے اوران کلمات کی سعادت برکت ان پیغمبروں کو بھی ملی اوراس امت کو بھی عطا ہوئی۔

ا۔حضرت سیدنا آدم صفی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو چھینک آئی توانہوں نے کہا **الحمدللہ**۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یرحمک ربک**۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا جو امتی ۔الحمدللہ کہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے گا۔" ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں۔ایک گروہ کھڑا ہو جائے گا۔ان کیلئے جھنڈا نصب کیا جائے گا اوروہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پوچھا گیا حمد کرنے والے کون ہوں گے؟ فرمایا کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے والے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اس مریض پر فخر کرتا ہے جو مرض میں الحمدللہ کہتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو میرا بندہ مصیبت میں بھی میری حمد بیان کرتا ہے۔اے فرشتو!اس کیلئے جہنم سے برأت لکھ دو۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ بات لکھی دیکھی کہ جب بندہ ہر لقمہ پر **بسم اللہ الحمدللہ رب العالمین** کہتا ہے تو لقمہ حلق سے اترنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔یہی حال پانی پینے کا ہے۔

۲۔حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ کہا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفان سے نجات دی ۔اگر بندۂ مومن تسمیہ کا ورد کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت کے مصائب سے نجات دے گا۔

۳۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کوجب نار نمرود میں ڈالا جانے لگاتوجبریل علیہ السلام نے امداد کی پیشکش کی تو آپ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے قبول نہ کی اور فرمایاحسبی اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے نجات دی جو بندہ مؤمن اس کلمہ کوورد بنالے گا۔اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔

۴۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ذبح کرنے کاذکر کیا آپ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:قَالَ يَاأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (الصافات ۱۰۲) کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہاتو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔"اس ان شاءاللہ کی برکت سے آپ علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام ذبح کی تکلیف سے نجات پاگئے جو یہ کلمہ کہے گاوہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت سلیمان علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کی ۹۹ بیویاں ....ان شاءاللہ نہ کہاتو کسی کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔

۵۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔اس کے نتیجے میں فرعون کے شر سے محفوظ رہے۔جو بندہ ان کلمات کوپڑھتا رہے گاوہ نفس وشیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۶۔حضرت یونس علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء۸۷) کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔"شکم ماہی سے نجات ہوئی جو کسی مصیبت میں ہو نجات پائے اور قبر روشن ہو جائے۔رحمت و مغفرت کا مژدہ پائے۔

۷۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے شب معراج میں کہا:التحیات للہ والصلوات والطیبات۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔جو یہ کلمات کہے بوقت موت ایمان سلامت لے جائے۔جوبندۂ مومن اس سات کلمات

کوورد بنالے۔ متذکرہ سات پیغمبروں کی شفاعت سے سر فراز ہو اس کے جسم کے سات اعضاء گوشت پوست ہڈیاں خون مغز پٹھے جہنم کے سات درجات سے نجات پائیں گے۔

قال علیه السلام ان اللہ تعالیٰ زین عشرة اشیاءبعشرة اشیاءزین السماءبالشمس والقمروالنجوم وزین الملئكة بجبرائیل علیه السلام وزین الجنة بالحوروالقصوروزین الانبیاءبمحمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وزین الایام بیوم الجمعةوزین اللیالی بلیلة القدروزین الشهوربشهررمضان وزین المساجدبالكعبة المعظمةوزین الكتب بالقرآن وزین القرآن ببسم الله الرحمن الرحيم وقال علیه السلام من دخل فی داره وقال بسم الله الرحمن الرحيم رفع الله له الف درجة ومحاعنه الف الف سيئة وكتب له الف الف حسنة وان مات فی ذلک الیوم مات شهيداً۔ روي أن فرعون قبل أن ادعی الإلهية قصد أو أمر أن يكتب باسم الله على بابه الخارج، فلما ادعى الإلهية وأرسل الله إليه موسى ودعا فلم ير به أثر الرشد قال: إلهي كم أدعوه ولا أرى به خيراً، فقال تعالى: يا موسى لعلك تريد إهلاكه، أنت تنظر إلى كفره وأنا أنظر إلى ما كتبه على بابه۔ والنكتة أن من كتب هذه الكلمة على بابه الخارج صار آمناً من الهلاک وإن كان كافراً، [742]

کلمہ تمجید کی فضیلت کا بیان

عن ابی موسی رضی اللہ تعالی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال له قُلْ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللّهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ۔ [743]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ روایت کیا اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے۔

---

[742] التوابین لابن قدامة، باب توبة بشر ابن الحارث الحافی، ج ۱ ص ۱۲۸، حیاة السلف بین القول والعمل، ج ۱ ص ۷۵۸

[743] (رواه البخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنه عن رسول اللہ ﷺ قال من قال لا حول و لا قوة الا باللہ کان دواء من تسعة و تسعین داء ایسرها الهم۔[744]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو کوئی **لا حول و لا قوة الا باللہ** پڑھ لے یہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے اور سب سے آسان دل کا بوجھ ہے روایت کیا اسے طبرانی وحاکم نے اور اسے صحیح الاسناد جانا ہے۔[745]

فائدہ: معلوم ہوا کہ کلمہ تمجید جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے تو ہوئی ایک عظیم الشان نیکی۔ ہر کار نیک کا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے شروع کرنا سنت اور تمام انبیائے کرام کا طریقہ رہا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے:

کل امر ذی بال لم یبدا فیه بسم اللہ فهو ابتر و اقطع و معنی اقطع قلیل البرکة ای اقطع من کمال البرکة وهو ای الابتداء بالبسملة امر مستحب موجب لزیادة الثواب و البرکة اعلم ان فی تقدیم البسملة وجوها قوله تعالی اقرا باسم ربک الذی خلق ای اقرا مفتتحا باسم ربک ای قل بسم اللہ الرحمن الرحیم وهٰذا یدل علی ان البسملة مامور بها فی ابتداء کل قراءة وخیر منها حدیث البخاری فی کتاب رسول اللہ (ﷺ) الی هرقل بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد (ﷺ) عبد اللہ و رسوله و منها انه تعالی متقدم بالوجود و القدیم الخالق ینبغی ان یکون ذکره ایضا سابقا وهذا لا یصح الا اذا کانت قراة بسم اللہ الرحمن الرحیم سابقه علی سائر الاذکار و امور الخیر۔[746]

ترجمہ: ہر کام شروع جس کا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے نہ کی جائے تو وہ بے نام ونشان اور اقطع ہے۔ اقطع کی معنی **قلیل البرکت** یعنی کمالِ برکت سے گرا ہوا یعنی **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

---

[744] (رواہ طبرانی فی الاوسط والحاکم وقال صحیح الاسناد ترغیب ترھیب جلد ۳ ص ۲۵۲ و ۲۵۳)

[745] (ترغیب ترھیب جلد تین صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۵۳)

[746] (بنایہ شرح ھدایہ جلد اول ص ۱۳ و ۱۵)

سے شروع کرنا ایک مستحب کام ہے۔ زیادتیٔ ثواب اور برکت کا باعث ہے۔ جان لے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کی تقدیم میں وجوہات ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ پڑھ اللہ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ یعنی پڑھ اپنے اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے۔ اے پڑھ۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** یہ دلالت ہے اس بات پر کہ ہر قرأت اور بھلائی سے پہلے **بسم اللہ الرحمن** الرحیم سے شروع کرنے کا حکم ہے۔ اس کی ثبوت میں بخاری شریف کی حدیث دیکھ لو۔ ہر قل کے نام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ابتدا جس کا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے کیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جو خدا کے بندے اور رسول ہیں اور (ثبوت) میں سے یہ کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے اور خالق ہونے کے لحاظ سے مقدم ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کا ذکر سب سے مقدم ہو۔ یہ تب درست ہو سکتا ہے جب **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا پڑھنا تمام اذکار اور بھلائی کے کاموں سے مقدم ہو۔ [747]

فائدہ: جب شارع کی طرف سے ہر نیک کام کا شروع کرنا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے ضروری ہے اور سنت طریقہ ہے نیز تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے قولا و عملا ثابت ہے تو عقیدہ اس تبلیغی جماعت کا جو گلیوں میں گشت کرتی ہے کہ کلمہ تمجید کا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے ساتھ پڑھنا شرعًا منع ہے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف ہے بلکہ صریح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قول اور فعل پر اعتراض ہے۔ خوب سمجھو۔

اعلموا! یعنی جان لو! اے تبلیغی جماعت والو۔ خلاصہ کیدانی اور منیۃ المصلی پڑھ لیں کہ تمہیں اپنے دین کا علم ہو جائے کہ تمہیں ان امور کا پتہ چلے جن کی ابتداء **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

---

[747] (بحوالہ بنایہ شرح ھدایہ جلد اول ص ۱۳ و ۱۵)

سے منع ہے اور تمہیں علم ہو جائے کہ دین فقہ میں ہے اور تم نے فقہ سے اپنے آپ کو محروم رکھا ہے۔ کمافی غایۃالتحقیق ولم یشم رائحۃالفقہ ای اصول الفقہ ص ۲۸۵۔

یعنی غایۃ التحقیق میں ہے کہ وہ فقہ کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا یعنی اصول فقہ نہیں جان سکتا۔

وہ امور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں جن کا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا منع ہے۔

کما فی طحطاوی قولہ فعل المکلف من حیث ما یعرض لہ من الاحکام الخمسۃ وھی الوجوب والندب والاباحۃ والحرمۃ والکراھۃ والاتیان بالبسملۃ عمل یصدر من المکلف فلابد ان یتصف بحکم۔ فتارۃ یکون فرضا کما عند الذبح وتارۃ یکون واجبا علی القول بانھا أیۃ من الفاتحۃ وان کان خلاف المذھب لان الاخبار واردۃ فیھا مع المواظبۃ تفید الوجوب۔ وتارۃ یکون سنۃ کما فی الوضوء واول کل امر ذی بال ومنہ الاکل والجماع ونحوھما وتارۃ یکون مباحا کما ھی بین الفاتحۃ والسورۃ علی الراجح وفی ابتداء المشی والقعود وتارۃ یکون الاتیان بھا حراما کما عند الزنا ووطی الحائض وشرب الخمر واکل مغصوب او مسروق وتارۃ یکون الاتیان بھا مکروھا کما فی اول سورۃ براءۃ دون اثنائھا فیستحب ومنہ عند شرب الدخان وفی محل النجاسۃ۔ طحطاوی ص ۳۔

یعنی جیسا کہ طحطاوی کا قول ہے کہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لئے) ہر مکلف پانچ امور سے سامنا کرتا ہے یا پڑھنا اس کا اس کے لئے وجوب کا حکم رکھے گا یا ندب کا یا اباحت کا یا حرمت کا یا کراہت کا۔ اسے اس کے احکام جاننا لازمی ہیں۔ کبھی اسے بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ذبح کرتے وقت۔ اور کبھی اس کا پڑھنا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ اگرچہ خلاف مذہب ہو کیونکہ اس کی دوام پر اتنی حدیثیں وارد ہو چکی ہیں جن سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور کبھی اس کا پڑھنا سنت ہوتا ہے جیسا کہ وضو میں اور کل امر ذی بال (والی حدیث) مثلا

کھانا کھانا، جماع کرنا وغیرہ۔ کبھی اس کا پڑھنا مباح بن جاتا ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان ترجیحاً چلنے اور بیٹھنے میں۔ اور کبھی اس کا پڑھنا حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ زنا کرتے وقت یا حیض کی حالت میں وطی کے وقت، شراب پینے، غصب اور چوری کا مال کھانے کے وقت۔ اور کبھی اس کا پڑھنا مکروہ ہو جاتا ہے جیسا کہ سورہ برأت کی شروع میں (حالانکہ اس سورت کے بغیر دیگر سورتوں کے ساتھ اس کا پڑھنا سنت ہے)۔ حقہ سگریٹ پیتے وقت اور گندگی کی جگہ۔[748]

وفي عجائب الفقه:

ا۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا فرض ہے؟ ۲۔ کب بسم اللہ پڑھنا سنت ہے؟ ۳۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے؟ ۴۔ کب بسم اللہ پڑھنا جائز و مستحسن ہے؟ ۵۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا کفر ہے؟ ۶۔ کب بسم اللہ پڑھنا حرام ہے؟ ۷۔ کس وقت بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے؟

{جوابات} بسم الله الرحمن الرحيم۔

ا۔ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا فرض ہے اگرچہ پوری پڑھنا فرض نہیں جیسا کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص: ۲: میں ہے۔ والإتيان بالبسملة عمل يصدر من المكلف فلا بد أن يتصف بحكم, فتارة يكون فرضا كما عند الذبح, وإن كان لا يشترط هذا اللفظ بتمامه بل لا يسن, وإنما المنقول باسم الله, الله أكبر۔

۲۔ بیرون نماز کسی سورت کے شروع سے تلاوت کی ابتداء کے وقت، وضو کے شروع میں، نماز کی ہر رکعت کے اول میں اور ہر اہم کام جو جائز ہو جیسے کھانے، پینے اور ہمبستری وغیرہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے جیسا کہ طحطاوی علی مراقي: ص: ۳: پر ہے۔

تارة يكون سنة كما في الوضوء, وأول كل أمر ذي بال ومنه الأكل والجماع ونحوهما۔

---

[748] (طحطاوی ص ۳)

۳۔ خارج نماز درمیان سورت سے تلاوت کی ابتداء کے وقت **بسم اللہ** پڑھنا مستحب ہے بہارِ شریعت حصہ سوم ص:۱۰۱: میں ہے اور سورۂ توبہ کے درمیان سے پڑھتے وقت بھی یہی حکم ہے۔

۴۔ اٹھنے بیٹھنے کے ہر وقت اور نماز میں سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا جائز و مستحسن ہے۔ جیسا کہ **طحطاوی علی مراقی: ص: ۳: میں ہے۔ تارۃ یکون مباحا کما ھي بین الفاتحۃ والسورۃ علی الراجح, وفي ابتداء المشي والقعود مثلاً۔**

۵۔ شراب پینے، زنا کرنے، چوری کرنے، جوا کھیلنے کے وقت **بسم اللہ** پڑھنا کفر ہے۔ یعنی جب کہ حرام قطعی کرتے وقت **بسم اللہ** پڑھنے کو حلال سمجھے بہارِ شریعت حصہ نہم: ص: ۷۲: اور فتاویٰ عالمگیری جلد دوم: ص: ۲۴۵: میں ہے۔ **الاتفاق علی انہ ان تمسک القدح وقال بسم اللہ و شربہ یصیر کافرا وھکذا ان بسمل وقت مباشرۃ الزنا او حال لعب القمار فانہ یصیر کافرا کذا فی الفصول العمادیۃ۔**

۶۔ حرام قطعی کرنے اور چوری وغیرہ کا ناجائز استعمال کرنے کے وقت **بسم اللہ** پڑھنا حرام ہے جب کہ پڑھنے کو حلال نہ سمجھے۔ اسی طرح حائضہ عورت سے ہمبستری کرتے وقت بھی پڑھنا حرام ہے اور وہ شخص کہ جس پر غسل فرض ہے اسے تلاوت کی نیت سے **بسم اللہ** پڑھنا حرام ہے۔ البتہ اسے ذکر و دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے **طحطاوی علی مراقی: ص: ۳:** میں ہے۔ **وتارۃ یکون الإتیان بھا حراما کما عند الزنا ووطیء الحائض وشرب الخمر وأکل مغصوب, أو مسروق قبل الإستحلال, أو أداء الضمان, والصحیح أنہ إن استحل ذلک عند فعل المعصیۃ کفر, وإلا لا۔**

۷۔ سورۂ برأت کے شروع میں **بسم اللہ** پڑھنا مکروہ ہے جب کہ سورۂ انفال سے ملا کر پڑھے۔ اسی طرح حقہ، بیڑی، سگریٹ پینے اور لہسن، پیاز جیسی چیز کھانے کے وقت اور نجاست کی جگہوں میں **بسم اللہ** پڑھنا مکروہ ہے اور شرمگاہ کھولنے کے وقت بھی پڑھنا مکروہ ہے۔ **طحطاوی علی مراقی**

الفلاح: ص: ۳: پر ہے۔ تارۃ یکون الإتیان بھا مکروھا کما في أول سورۃ براءۃ ودون أثنائھا فیستحب, وعند تعاطي الشبھات ومنہ عند شرب الدخان وفي محل النجاسات, اھ تلخیصًا۔

اور شامی جلد اول میں :ص:۷: میں ہے۔ تکرہ عند کشف العورۃ او محل النجاسات وفی اول سورۃ برأۃ اذا وصل قرأتھا بالانفال کما قیدہ بعض المشائخ قیل وعند شرب الدخان ای ونحوہ من کل ذی رائحۃ کریھۃ کاکل ثوم وبصل وتحرم عند استعمال محرم بل فی البزازیۃ وغیرھا یکفر من بسمل عند مباشرۃ کل حرام قطعی الحرمۃ وکذا تحرم علی الجنب ان لم یقصد بھا الذکر اھ۔

کلمات بسم اللہ پر صوفیانہ نکات

بسم اللہ کے کلمات چار ہیں

بسم اللہ کے اندر چار کلمے ہیں:

1۔ بسم، 2۔ اللہ۔ الرحمٰن، 4۔ الرحیم۔

اس کی مختلف حکمتیں علماء کرام نے لکھی ہیں۔

۱۔ کیونکہ گناہ چار حالات کے اندر من حصر ہیں۔ سراً، علانیۃً، لیلاً، نہاراً۔ یہ چاروں کلمے چاروں اوقات کے گناہوں کے لیے کافی ہیں۔

۲۔ چار کلمات اس لیے ہیں کہ جس مخلوق کو یہ کلام عطا کیا جارہا ہے اس کے زمانے بھی چار ہیں۔

۱۔ ربیع، ۲۔ خریف، ۳شتاء، ۴۔ صیف۔

۳۔ اجزاء بدن بھی چار ہیں۔ آتش، خاک، باد، آب۔

۴۔ بدن کے مزاج بھی چار ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، حج، صوم

۵۔ اصلاح نفس کے لیے احکام بھی چار ہیں۔ نماز، ذکوٰۃ، حج، صوم۔

۶۔ قوی بدن چار ہیں۔ حرارت برودت، رطوبت، یبوست۔

۷۔باطن کے صفات بھی چار ہیں۔ عقل، علم، خوف، رجاء۔

۸۔اقوال جو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کی اصلاح بھی چار کلمے ہیں۔ سبحان اللہ، الحمد اللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر۔

۹۔ملائکہ کے اندر معظم فرشتے بھی چار ہیں۔جبرائیل۔میکائیل۔عزرائیل، اسرافیل۔

۱۰۔افضل الکتب بھی چار ہیں۔تورات، زبور، انجیل، قرآن کریم۔

۱۱۔افضل الانبیاء بھی چار ہیں۔ خلیل، کلیم، روح اللہ، حبیب اللہ صلی اللہ علیہم و علیٰ نبینا محمد وسلم۔

۱۲۔خلافت بھی چار کے اندر ہے۔ابو بکر، عمر، عثمان علی رضی اللہ عنہم۔

۱۳۔کلمہ طیبہ میں بھی چار کلمے ہیں۔لا الہ، الا اللہ، محمد، رسول اللہ۔

۱۴۔اکبر سلاطین بھی چار ہیں۔ذوالقرنین، سلیمان، داؤد علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۵۔بڑی جنتیں بھی چار ہیں۔ طوبیٰ، حسنیٰ، جنت النعیم جنت الفردوس۔

۱۶۔بڑے جہان بھی چار ہیں۔انسان، جنات، ملائکہ، انعام۔

۱۷۔جہنم کے بڑے طبقات بھی چار ہیں ورک الاسفل، حطمۃ، لظیٰ، سقر۔

۱۸۔اکبر الخلائق بھی چار ہیں۔لوح قلم، عرش، کرسی۔

۱۹۔اس امت کے لیے افضل الزمن بھی چار ہیں۔ خیر القرون۔ ثم الذین یلونہم۔ ثم الذین یلونہم، عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بعد از نزول۔

۲۰۔افضل بیوت اللہ بھی چار ہیں۔کعبۃ اللہ، بیت المقدس، بیت المعمور، مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۱۔ افضل النساء بھی چار ہیں۔ آسیہ المرأۃ فرعون، مریم بنت عمران، خدیجہ رضی اللہ عنہما زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۲۔ افضل العلم بھی چار ہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما۔

"با" کو لمبا لکھنے میں حکم:

بسم اللہ کے شروع میں الف کو حذف کرکے باء کو لمبا لکھتے ہیں اس کے اندر بھی باء کا لمبا ہونا راز ہے۔

پہلی وجہ:

یہ ہے کہ جب حضرت علی بن عبد العزیز کے دور مبارک میں قرآن کریم لکھا گیا تو انہوں نے کاتب کو حکم دیا تھا کہ الف کو حذف کرو، طول الباء اور باء کو لمبا کرکے لکھو۔ باء کو لمبا اس لیے کرتے ہیں تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں ہمزہ حذف ہو چکا ہے۔

دوسری وجہ:

باء کے لمبا ہونے کی مفسرین نے یہ بھی لکھی ہے تا کہ قرآن کریم کی ابتداء معظم حروف سے ہو۔

تیسری وجہ:

اس کے بارے میں علماء اہل اشارہ نے فرمایا ہے کہ باء کو لمبا اس لیے کیا گیا کہ اشارہ کرنا مقصود ہے۔ کہ حرف "ب" اسم اللہ کے ساتھ متصل ہوئی تو رفعت اور بلندی نصیب ہو گئ۔ اے بندے اگر تو بھی اللہ کا قرب حاصل کرے گا تو تجھے بھی رفعت اور بلندی نصیب ہو گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا:

"القی الدواۃ وحرف القلم وانصب الباء وفرق السین ولا تصور المیم" الخ۔

ترجمہ: یعنی با کو کھڑا رکھو۔ سین کو جدا رکھو۔ میم کو گول رکھو، اللہ کو واضح کرو، رحمٰن کو لمبا کرو، رحیم کو عمدہ رکھو اور قلم کو اپنے کان پر رکھو۔ اس کی وجہ سے بات بہتر اور زیادہ یاد رہتی ہے۔

اس طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کاتب کو قرآن کریم لکھنے کا حکم دیا۔ تو فرمایا:

"طول الباء واظھر السینات ودر المیم"۔

بسم اللہ کو باء سے شروع کیا گیا ہے:

بسم اللہ شریف کو ب سے شروع کیا گیا ہے۔ جب کہ اس سے قبل بھی لفظ الف موجود تھا۔ اس کے بارے میں علماء وجوہ لکھی ہیں:

ا۔ پہلی وجہ:

یہ بھی ممکن ہے باء چونکہ اتصال اور قرب پر دلالت کرتی ہے اور الف الفت پر دلالت کرتا ہے۔

حالانکہ اتصال اور قرب پہلے ہوتا ہے اور الفت بعد میں ہوتی ہے اس لیے حرف باء کو ابتداء میں رکھ دیا گیا ہے۔ جو کہ اشارہ ہے ت اے میرے بندو! پہلے میری عبادت اور ریاضت کے ذریعے قرب اور اتصال تلاش کرو۔ اس کے بعد تمہیں میری الفت اور رضا حاصل ہوگی۔

۲۔ دوسری وجہ:

یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کی تخلیق کے بعد انسان نے بھی سب سے پہلے حرف باء کو ادا کیا تھا ۔اس کے صلہ میں اللہ پاک نے بھی حرف باء کو رکھ دیا۔جیسا کہ قرآن کریم کے اندر موجود ہے کہ جب واقعہ کا عہد انسانوں سے لیا گیا تو انسان نے زبان سے اقرار کیا تھا۔کہ "قالوا بلی" اس جواب کے شروع میں پہلا حرف باء ہے۔اس کی یاددہانی کے طور پر اور تعلق کی بناء پر بسم اللہ کے شروع میں حرف باء استعمال ہوا۔

۳۔تیسری وجہ:

قرآن کی موجودہ ترتیب کے اندر سب سے پہلے حرف پہلے حرف باء ہے اور قرآن کریم کے آخر میں حرف سین ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے (مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ) آخر میں س ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ بس یعنی یہ جو قرآن کریم ہے یہ تمہاری ہدایت کے لیے کافی ہے اور افلاح کے لیے کافی ہے۔

۴۔چوتھی وجہ:

با ہمیشہ مکسور ہوتی ہے۔اس لیے اس کے اندر انکسار ہے۔جو کہ اللہ کے محبوب ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی کے اندر ارشاد ہے۔"انا عندہ المنکسرۃ قلوبھم من اجلی" ان کے قریب ہوں جن کے دل میری وجہ سے عاجزی میں ہوں۔

۵۔پانچویں وجہ:

باء کے اندر تساقط اور تکسر ہے۔لیکن حقیقت کے اندر رفع شان اور علو ہے۔رفع مقام اس لیے کہ اس پر نقطہ ہے۔جب کہ الف پر نقطہ نہیں ہے اور علو اس طرح کہ اس پر ایک ہی نقطہ آتا ہے۔ تاکہ اس کی حالت محبوب کی طرح ہی ہو جائے۔کیونکہ وہ بھی ایک ہے۔بخلاف الف کے اس کے اندر ایسا نہیں ہے۔

۶۔ چھٹی وجہ:

باء قربت کے حق کے طلب کرنے میں صادق ہے۔ کیونکہ جب درجہ پالیا تو اپنے آپ کو محبوب کے حکم کے نیچے رکھا ہے۔ جیسا کہ باء کا نقطہ بھی نیچے ہے۔ بخلاف میم وغیرہ ان کا لفظ بیچ میں ہے۔

۷۔ ساتویں وجہ:

الف حرف علت ہے جو کہ بعض صورتوں میں حذف ہو جاتا ہے۔ لیکن باء کسی قانون کی لاء سے حذف نہیں ہوتی ہے۔

۸۔ آٹھویں وجہ:

الف بسا اوقات لکھنے میں آنے کے باوجود تکلم اور قرآۃ میں نہیں آتا، جب کہ باء کے اندر ایسا نہیں ہے۔

۹۔ نویں وجہ:

باء حرف تام ہے، کیونکہ متبوع فی المعنی ہے، جب کہ الف متبوع نہیں ہے۔ بلکہ تابع ہوتا ہے

۔

۱۰۔ دسویں وجہ:

الف کا وجود بعض صورتوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ امام فراء کے نزدیک الف پر جب کوئی حرکت وغیرہ آجائے تو ہمزہ بن جاتا ہے لیکن باء کی حالت ختم نہیں ہوتی۔

۱۱۔ گیارہویں وجہ:

باء حرف عامل ہے اسماء کے اندر عمل کرتا ہے۔ اس کے اندر طاقت ہے اور الف حروف عاملہ میں سے نہیں ہے۔

۱۲۔بارہویں وجہ:

صفات نفس کے اندر باء کامل ہے۔اس کے اندر قدرت ہے۔غیر کو توجہ کے اندر کامل کرنے میں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،انا النقطة تحت الباء۔

بسم اللہ شریف کے اندر اس حرف باء کے بارے میں خواجہ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"الباء حرف الاتصال و التضمین لا بتداء الموجودات باللہ و الحادثات من اللہ و ما من موجود الا به منه"۔

یعنی باء کے اندر اللہ کے ساتھ اتصال کائنات کا معنی پایا جاتا ہے۔

اور یہ حرف اس بات کو متضمن ہے کہ کائنات کے اندر جتنے بھی موجودات ہیں،وہ سب اللہ کی طرف سے اورع حوادثات بھی اللہ کی طرف سے اور جو کچھ موجود ہے،وہ اللہ کی طرف سے اور ان کی بقاء بھی اس کے ساتھ متعلق ہے۔

بسم اللہ کے مفردات کی تحقیق

الاسم اور سکون حرف اول:

حرف باء کے بعد اسم ہے۔لغت اردو کے اندر اس حرف کے اسم کا معنی ہے۔"نام" جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے۔

فَکُلُوا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ(سورۃ الانعام:۱۱۸)

ترجمہ:تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرف اسم کا معنی قرآن کریم کے اندر نام ہے۔یا جیسا کہ عام مشہور ہے۔ ما اسمک؟ تیرا نام کیا ہے ؟ عربی کے اندر دس حروف ایسے ہیں جن کے ابتدائی حروف ساکن ہیں ۔جیسا کہ تفسیر کشاف کے اندر ہے:

"الاسم احدالاسماء العشرۃ التی بنوا وائلها علی السکون"۔

یعنی اسم ان دس حروف میں سے ہے جن کا حرف اول ساکن ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ ابن ان کے ابتدائی حروف ساکن ہونے کی وجہ سے ان کے ابتداء میں ہمزہ کو زائد کر دیتے ہیں۔اسم بھی ان میں سے ایک ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسم کے شروع میں ہمزہ نفس کلمہ کا نہیں ہے۔کیونکہ اس اسم کو بغیر ہمزہ کے بھی استعمال کیا گیا ہے۔جیسا کہ شاعر کا شعر ہے۔"**باسم الذی فی کل سورۃ سمه**"یعنی اس ذات کے نا سے جس کا نام ہر سورت میں موجود ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جس طرح یہ اسم کا لفظ ان اسماء میں سے ہے جن کا ابتدائی حرف ساکن ہوتا ہے۔اسی طرح یہ ان حروف میں سے بھی ہے جن کا آخری حرف حذف ہوتا ہے۔

جن کو محذوفۃ الاعجاز کہا جاتا ہے۔جیسا کہ ید (ہاتھ) یہ اصل میں یدی ہے۔ دم اصل میں دمو ہے۔اسی طرح اسم یہ اصل میں سمو ہے۔ یہ بھی کلام اللہ کے کمالات میں سے ہے کہ کلام اللہ کے شروع میں ایسا کلمہ ہے جو محذوفۃ الاعجاز میں سے بھی ہے اور ساکن الاوائل میں سے بھی ہے۔

الاسم مایعرف بہ ذات الاصل:

یعنی جس سے کسی چیز کی اصل ذات کا علم ہو۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس اسم کے اصل "الاسم" ہے جس کا معنی قوۃ اور غضب ہے ۔اس لیے شیر کو اسامۃ کہتے ہیں۔

ابو عمر بن علماء سے اس کی تفسیر معلوم کی گئی ہے کہ اسم کیا ہے فرمایا اس اسم کے اندر سات لغات ہیں:

ا۔اسم، ۲۔اسم، ۳۔وسم، ۴۔ سمی، سمی۔

یعنی ہمزہ کا ضمہ اور کسرہ کا کسرہ اور ضمہ اور سمی ہدی کے وزن پر۔

پھر اسماء کی دو قسمیں ہیں:

اسماء الخالق، اسماء المخلوقات۔

پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:

ا مجمل ۲۔ مفصل۔

مخلوق کے وہ اسماء جو مجمل ہیں۔اس کی کئی صورتیں ہیں۔یا کسی شخص واحد کے لیے ہو گی یا غیر شخص کے لیے جب شخص کے لیے ہو گی یا تو عاقل کے لیے ہو گی جیسے ملک،بشیر وغیرہ یا غیر عاقل کے لیے ہو گی۔ جیسے فرس یا بقرہ وغیرہ یا پھر نامی ہو گی جیسے نباتات شجر وغیرہ۔

یا جماد ہو گی جیسے حجر اور مدر وغیرہ یا غیر شخص کے لیے ہوں گی پھر حوادث ہوں گی۔

مثلاً: قیام قعود یا اسم زمان ہو گی۔ جیسے یوم لیلۃ وغیرہ یا ان میں سے کسی ایک کا خلف ہو گی پھر مضمر جیسے انا، انت وغیرہ اسم ہو گی جیسے ہذہ یا ذاک وغیرہ یہ وہ تھے جو مجمل طریقے پر ہوں۔

اور مخلوق کے وہ اسماء جو مفصل ہوں۔ان کی چالیس اقسام ہیں۔

ا۔خاص، ۲۔عام، ۳۔ مشتق، ۴۔ موضوع، ۵۔تام، ٦۔ناقص، ۷۔معدول، ۸۔ ممتنع، ۹ ممکن، ۱۰۔معرب اور مبنی ، ۱۱۔مضمر، ۱۲۔ مظہر، ۱۳۔ مبہم ، ۱۴۔اشارہ، ۱۵۔لقب، ۱٦۔علم تعریف، ۱۷۔منکر، ۱۸۔ جنس، ۱۹۔معہود، ۲۰۔مزید، 21 ۔ملحق، ۲۲۔مقصور،

۲۳۔ممدود، ۲۴۔ معتل، ۲۵۔سالم مذکر ومؤنث، ۲۶۔ مفرد، ۲۷۔ مفہوم، ۲۸۔ مجموع، ۲۹۔ مدغم، ۳۰۔مدوب ومضاف، ۳۱۔ منادی مکبر، ۳۲۔ مصغر، یہ تو مخلوق کے اسماء تھے۔ اور اللہ کے اسماء کی بھی اقسام ہیں۔

(۱) مجمل پھر اس کی چند صورتیں ہیں۔ راجع الی الذات جیسے اللہ۔ الالہ۔ الرب یا راجع الصفات ہوں گی۔ جیسے عالم۔ قادر۔ سمیع۔ بصیر وغیرہ ہماراجع الی الافعال ہوں گی جیسے صانع رازق یا خان یا راجع الی الاقوال ہوں گی جیسے صادق متکلم یا اسماء الخالق مفصل ہوں گی۔ اس کی چند صورتیں ہیں بعض تو وہ ہیں۔ جو صرف ذات حق کے ساتھ خاص ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہے۔ جیسے اللہ الالہ۔ الاحد۔ الصمد یا کچھ ایسے اسماء ہیں جن کا علم علی التعیین صرف اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے جسے اسم کہتے ہیں۔ اس کی تعیین میں اختلاف ہے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں۔ اللہ کے کچھ اسماء ایسے ہیں جو اللہ اور مخلوق کے ساتھ مشترک ہیں۔ وہ اسماء اللہ کے لیے حقیقتاً علی وجہ الکمال مطلقاً ہیں اور مخلوق کے لیے اضافت کے ساتھ ہی مستعمل ہیں جیسے عبد العزیز عبد الحلیم وغیرہ مجازاً ہیں۔ عزیز، علیم، رحیم۔

اللہ کے کچھ اسماء ایسے ہیں جن کا بذاتہ اللہ پر اطلاق جائز ہے۔ مگر ان کی ضد کا اطلاق نہیں ہے جیسے عالم، قادر، ان کی ضد کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

مثلاً: جاہل، عاجز یہ جائز نہیں ہے۔ کچھ اسماء ایسے ہیں جو ذات حق کے لیے مدح ہیں، مخلوق کے لیے مذمت جیسے جبار، غفار، متکبر، قہار وغیرہ اور کچھ اسماء ایسے ہیں جن کے افعال سے معانی تو ماخوذ ہیں مگر ان الفاظ کا اطلاق ذات حق پر جائز نہیں ہے۔ جیسے مکار، مثلاً واللہ خیر الماکرین۔ قتال جیسے کہ **قاتلهم الله انی یوفکون**۔

کیاد جیسے واکید کیداًمستھزئ اللہ یستھزئ بھم ایسے اسماء کی ایک وہ تاویل ہے جو جمہور علماء کرتے ہیں ایک تاویل اس کی ہے۔ جو شیخ ابن العربی نے کی ہے۔

کچھ اسماء ایسے ہیں کہ ان کا اطلاق ذات حق پر مطلقاً جائز ہے ۔ مثلاً الرحمٰن، الرحمٰن القدوس، المہیمن۔

کچھ اسماء ایسے ہیں جن کا اطلاق توقیفاً جائز ہے۔ مثلاً لطیف، جواد، النور۔ الواسع اور کچھ اسماء ایسے ہیں جو اثبات کے لیے ہیں۔ لیکن ان کا اطلاق اللہ پر جائز نہیں۔ مثلاً موجود وغیرہ ان اللہ کو شی کے نام سے نہیں پکار سکتے۔

الاسم:

لفظ اسم کا اطلاق قرآن کریم میں ۶ معانی کے لیے مستعمل ہے۔

توحید: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (سورۃ المزمل:۸) یعنی لا الا الا اللہ۔

بمعنی المسمیٰ: تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ (سورۃ الرحمن:۷۸)

صفت اور نعمت: وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (سورۃ الاعراف:۱۸۰) یعنی صفاۃ العلیٰ۔

مسمیاۃ العالم: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرۃ:۳۱) یعنی عرفہ اسماء المسمیاۃ۔

بمعنی اصنام وآلہۃ: إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا (سورۃ النجم:۲۳)

شبہ مثال عدیل: هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (سورۃ مریم:۶۵) ای عدیلاً و بدیلا و نظیرا۔

بسم اللہ کے دلچسپ حیرت انگیز نکات

انسانی زبان پر سب سے پہلے آنے والا حرف باء:

قرآن مجید کا آغاز بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ عالم ارواح میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں سے جب میثاق "الست" لیا تو انسانوں کی زبان پر سب سے پہلے بلیٰ کا لفظ آیا....... اس کے شروع میں باء تھا اور بسم اللہ کے شروع میں بھی باء ہے۔ تو باء وہ پہلا حرف ہے جس سے انسان کے لب پہلے پہل آشنا ہوئے تو قرآن میں بھی غالباً حکمتِ الٰہی نے چاہا کہ افتتاح قرآن میں بھی اس حرف کی خصوصیت رہے اس لئے بھی لوگ اس عہد "الست" کو یاد رکھیں اور احکام قرآن کی تعمیل اور امتثال میں مشغول رہیں۔ (ھدیۃ)

عاجزی اور فروتنی کا حصول اور حروف باء:

قرآن مجید کا آغاز بسم اللہ سے اور باء کے حروف سے کیا گیا۔ الف سے نہیں کیا گیا۔ اس میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ الف بسبب طوالت کے یعنی لمبا ہونے کے بڑائی رکھتا ہے اور باء میں بنسبت الف کے عاجزی ہے....... تو اشارہ دے دیا کہ بندوں کی عاجزی اللہ کو پسند ہے اور اسی میں ان کی ترقی اور بلندی ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔ ومن تواضع للہ رفعه اللہ۔

وصل باری تعالیٰ کی نعمت کا حصول اور حرفِ باء:

باء سے قرآن کے آغاز میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ باء شفوی حروف میں سے ہے کیونکہ باء کی ادائیگی سے لب مل جاتے ہیں۔۔۔ اس میں نکتہ اور راز ہے کہ جیسے بسم اللہ پڑھنے سے تیرے لب مل رہے ہیں تجھے ب رب بھی مل جائے گا۔ (ھدیہ)

تقرب الٰہی کا حصول اور حرفِ باء:

باء کے حروف سے آغاز میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ باء کے معنی میں اتصال اور معیت ہے اور بندہ کی سب سے بڑی تمنا بھی یہی ہے کہ اسے رب مل جائے۔ اس کا قرب مل جائے۔

نجات کا حصول: قرآن کا آغاز باء کے حرف سے اور اختتام سین کے حرف سے کیا۔ ایک نکتہ یہ ہے کہ دونوں ملا کر پڑھیں تو بس سمجھ میں آتا ہے۔ (بس بن جاتا ہے) ہدایت کے لیے بس۔ یہی نسخہ کیمیا ہے۔ یہی راہ نجات ہے۔ (ھدیہ)

تواضع اور بلندی کا حول اور حرفِ باء:

حرف باء میں اصل کسرہ ہوتا ہے تو اس کے اندر عاجزی اور مسکنت ہے، تو پروردگار نے اس کو اپنے کلام کے شروع میں لا کر بلند کر دیا، باء کی پستی اللہ کو پسند آ گئی۔ (ھدیہ)

ذات الٰہیہ تک رسائی اور حرفِ باء:

بسم اللہ کہا باللہ نہیں کہا۔ لفظ اسم لانے میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے۔ اے قرآن پڑھنے والے ابھی تم آغاز میں ہو تو پہلے نام تک تمہارے رسائی ہو گی پھر ذات تک بھی پہنچ جاؤ گے۔ (ھدیہ)

اسم الٰہی کی بلندی کی طرف لطیف اشارہ:

بسم اللہ کہا باللہ نہیں۔ ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ جس طرح ذات باری کا مقام بہت بلند ہے اسی طرح اسم باری تعالیٰ کا مقام بھی بہت بلند ہے۔

اسم الٰہی کی برکت کی طرف باریک اشارہ:

ایک نکتہ اس میں یہ بھی پوشیدہ ہے کہ ذات باری سے جس طرح برکت حاصل ہوتی ہے اس میں باری تعالیٰ بھی اسی طرح برکت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اسم الٰہی کی برکت اور کائنات:

ایک نکتہ اس میں یہ بھی ہے کہ بندے کو بتایا جا رہا ہے کہ ہمارے نام کی تاثیر بھی معمولی نہیں ہے...... بلکہ اس نام کی برکت سے یہ جہان قائم کر رکھا ہے۔

اسم اللہ لانے میں حکمت اور نکتہ:

اللہ تعالیٰ کے نام تو بہت سے ہیں لیکن ذاتی نام ایک ہے۔ باقی نام صفاتی ہیں۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ ذاتی نام ایک ہے اور صفاتی متعدد ہیں۔ (ھدیہ)

ذاتی نام اور صفاتی ناموں میں فرق

ذاتی نام کے مفہوم میں تمام صفاتی نام شامل ہیں جبکہ صفاتی ناموں میں ذاتی نام کی جامعیت شامل نہیں۔

صفاتی ناموں میں سے کوئی حرف نکال دیا تو معنیٰ مفہوم بدل کردہ جاتا ہے۔ جبکہ ذاتی نام کا مفہوم حرفوں کی کمی باوجود باقی رہتا ہے۔ مثلاً:

رحمان میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مفہوم ختم ہو جائے گا۔

رحیم میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مفہوم ختم ہو جائے گا۔

ستار میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مفہوم ختم ہو جائے گا۔

غفار میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مفہوم ختم ہو جائے گا۔

کریم میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مفہوم ختم ہو جائے گا۔

لیکن لفظ اللہ سے اگر الف کو کم کر دیا جائے تو اللہ ہی اللہ بن جاتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ (لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورۃالشوریٰ: ۴۹)) اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ زمین آسمان کی بادشاہت۔ اگر ایک لام کم کر دیا جائے تو مفہوم باقی رہے گا.........لہ بن جائے گا۔ قرآن مجید میں

ہے کہ (مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورۃالحدید:۲)) اگر ایک لام اور کم کر دیا جائے تو "ہ" بن جائے گا۔ اور "ہ" بھی اللہ کی ذات کو بتلاتا ہے۔ (اللّٰہُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (سورۃالبقرۃ))۔

رحمان رحیم دو صفتوں کا انتخاب اور تین نکتے

رحمان رحیم لانے کا پہلا نکتہ:

رحمان رحیم دو صفتوں کو لا کر دنیاوی اخروی نعمتوں کی طرف اشارہ کر دیا...... کیونکہ نعمتیں دو قسم کی ہیں، دنیاوی، اخروی۔ تو رحمان کے لفظ میں دنیاوی نعمتوں کی طرف اشارہ کر دیا، رحیم کہہ کر اخروی نعمتوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

رحمان رحیم لانے کا دوسرا نکتہ:

نعمتوں کی ایک اور تقسیم ہے: عام نعمتیں، خاص نعمتیں

رحمان سے عام نعمتوں کی طرف اشارہ کر دیا، رحیم سے خاص نعمتوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

رحمان رحیم لانے کا تیسرا نکتہ:

نعمتوں کی ایک اور تقسیم ہے، بڑی بڑی نعمتیں، چھوٹی چھوٹی نعمتیں۔ رحمان کا لفظ لا کر اشارہ کر دیا کہ بڑی بھی نعمتیں بھی وہی دیتا ہے۔ اور لفظ رحیم کو ذکر کر دیا۔ چھوٹی چھوٹی تمام نعمتیں بھی وہی عطا کرتا ہے۔ (الماوردی)

ایک ذاتی نام اور دو صفاتی نام لانے میں نکتہ:

بسم اللہ الرحمان الرحیم: ایک ذاتی نام دو صفاتی نام ذکر کیے۔ اس طرح کل تین نام ذکر کیے۔ کیا راز ہے؟

نکتہ:

دنیامیں افراد کی تقسیم تین طرح کی ہے: مفرد، تثنیہ، جمع۔ اسی طرح انسان کی عمر کے اعتبار سے انسان تین طرح کے ہوتے ہیں لڑکپن، جوانی، بڑھاپا۔ حیثیت کے اعتبار سے بھی انسان تین طرح کے ہوتے ہیں: امیر غریب، فقیر۔ عالم بھی تین طرح کے ہوتے ہیں: عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت۔ اوقات کی تقسیم بھی تین طرح کی ہوتی ہے: زندگی، نیند موت، آخرت میں بھی تین ہی حالات ہوں گے۔ دوزخ، اعراف، جنت۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تین ناموں کو اختیار فرمایا تاکہ تینوں حالات کی طرف اشارہ ہو جائے۔

کل تین ناموں کے انتخاب میں نکتہ:

صفاتی نام تو بہت سے تھے۔ ان تین ناموں کا انتخاب کیوں کیا۔ اس میں کیا راز ہے؟

نکتہ:

کسی چیز کو وجود ملتا ہے، پھر اس کو باقی رکھا جاتا ہے، پھر اس کو فنا کر دیا جاتا ہے، تو ہر چیز پر یہ تین دور آتے ہیں اور آئیں گے تو اس مناسبت سے ان تین ناموں کا ذکر کیا۔ کائنات کی ہر چیز کو وجود دیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس کائنات میں بے شمار مخلوق ظلم کر رہی ہے۔ اس کے باوجود سب کو باقی رکھنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت ہے۔ پھر فنا کر کے دوبارہ اپنے خاص بندوں پر رحمت خاصہ کرنا یہ صفت رحیم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے ان تین ناموں کا ذکر کیا۔ (تفسیر ابو سعید حنفی)

صفت رحمان صفت رحیم سے پہلے کیوں لائے؟

پھر صفت رحمان کو صفت رحیم پر مقدم ذکر کرنے میں کیا راز ہے؟

نکتہ:

اللہ کا اسم سب سے پہلے بسم اللہ میں آیا ہے۔ یہ ایسا لفظ ہے جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ۔یعنی اللہ کے علاوہ کوئی بھی شخص نہ مفرد کی صورت میں اس سے موصوف ہو سکتا ہے نہ مصاف کی صورت میں۔ اس لیے اللہ کا لفظ سب سے پہلے لائے۔ اس کے بعد الرحیم ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ کوئی بھی موصوف ہو سکتا ہے ۔ مفرد کی صورت میں بھی ،مضاف کی صورت میں بھی ۔ اس کے درمیان میں لفظ الرحمان آتا ہے جو غیر اللہ کے ساتھ مضاف ہو کر تو موصوف ہو سکتا ہے۔ لیکن مفرد کی صورت میں باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور موصوف نہیں ہو سکتا ۔ تو اللہ اور رحمان اور رحیم کی ترتیب قائم ہو گی۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم ،انیس حروف اور تین نکتے:

بسم اللہ میں انیس حروف ہیں اس میں کیا راز ہے؟

پہلا نکتہ:

دن رات کی ساعات چوبیس ہیں۔ ان میں پانچ ساعات میں پانچ نمازیں ہیں۔ باقی انیس ساعات بچتی ہیں تو بسم اللہ کے حروف ۱۹ رکھے اشارہ ہے جو باقی اوقات میں بسم اللہ کا اہتمام کرے گا اس کی باقی ساعات بھی محفوظ رہیں گی۔

دوسرا نکتہ:

ہر ہر ساعت کا شکریہ واجب ہے۔۔۔ پانچ ساعات کا شکریہ نمازوں کے ساتھ باقی ساعات کا شکریہ بسم اللہ کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا نکتہ:

قرآن مجید میں آتا ہے کہ جہنم میں عذاب کے افسر فرشتے ۱۹ ہوں گے۔(جو زندگی میں بسم اللہ کا اہتمار رکھے گا تمام قسم کے عذابوں سے محفوظ رہے گا۔)(تفسیر مظہر العجائب)۔

بسم اللہ، الرحمن، الرحیم، کا باہمی ربط اور تعلق (دو نکتے):

پہلا نکتہ:

لفظ اللہ لا کر اشارہ دے دیا انسان کسی چیز کا خالق نہیں ہے۔ پھر لفظ الرحمان لا کر اشارہ دے دیا کہ انسان اس کی بقا کا تحمل بھی نہیں کر سکتا۔۔۔۔ کہ اس کو باقی رکھ سکے۔

پھر الرحیم صفت لا کر اشارہ دے دیا کہ انسان بذاتِ خود اس سے نفع بھی نہیں اٹھا سکتا وہ رحیم ذات یہی ہے جو انسان کو انتفاع کے قابل بناتی ہے۔

دوسرا نکتہ:

کسی کے خوف سے اس کی بات مانی جاتی ہے یا کسی کی محبت کی بنا پر اس کی بات مانی جاتی ہے۔ تو بسم اللہ میں پہلے اللہ کا نام ذکر کیا جس کے نام سے پہاڑ تھر تھراتے اور کانپتے ہیں۔ پھر الرحمن الرحیم کا ذکر کیا جس کے احسانات عام خاص سب پر ہیں۔ ج تو گویا دونوں طرح سے خدا ہی ایسی شان والا ہے کہ اس کی بات مانی جائے۔

بسم اللہ کی تفسیری تشریحات

تسمیہ کی تفسیر میں حرف باء کے معنی و مفہوم اور افادیت استعمال کے بعد دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ ان الفاظ کو ذاتِ باری کے ذکر سے نہیں بلکہ اسم باری کے ذکر سے شروع کیا گیا ہے ۔اگر اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کے الفاظ استعمال ہوتے تو ان کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے (مدد طلب

کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں) جو رحمان ورحیم ہے۔ لیکن یہاں الفاظ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ کے استعمال ہوئے ہیں۔ جن کا معنی یہ ہے کہ "اللہ کے نام سے (مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں) جو رحمان ورحیم ہے۔"

الفاظی قرآنی سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ براہ راست باری تعالیٰ سے استعانت کی بجائے اسم باری تعالیٰ سے استعانت کی تلقین کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسم کا معنی کیا ہے؟

اس کا اپنے مسمی یعنی ذات وصفات باری سے کیا تعلق ہے؟ اور اس کی اپنی کیا اہمیت و خصوصیت ہے جس کی بنا ہے جس کی بنا پر ہر فعل مشروع کا آغاز اسی کے ذکر سے کرنے کا حکم ہے؟ کیونکہ یہ نکتہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے کہ ذات وصفات باری کے ذکر پر لفظ اسم کو کیوں مقدم کیا گیا۔

لفظ اسم کا معنی:

لفظ "اسم" نام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تعریف عام طور پر یوں کی گئی ہے۔

الاسم مایعرف به ذات الشيء

اسم وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔

اس کے لغوی اشتقاق کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اسم **سما یسمو** سے مشتق ہے اور دوسرے **وسم یسم** سے۔

سمو:

یہ لفظ اسم کا پہلا مادہ اشتقاق ہے جس کا معنی بلندی ہے۔ اسی سے السمو ہے جو بلند ہونے پر ظاہر ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آسمان کو بھی اس کی بلندی کے باعث سماء کہتے ہیں۔ نام کو محض اس لئے اسم کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے کسی شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی ذات کو ظہور

ملتا ہے۔اگر کسی کا نام نہ لیا جائے تو وہ شخصیت مخفی رہتی ہے۔اس کے ظاہر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ گمنامی اور اخفاء کی کیفیت سے نکل کر ذکر اور ظہور کی بلندی تک پہنچ جائے۔کیونکہ نامعلوم کا معلوم ہو جانا یقینا ظہور اور بلندی ہی کی ایک صورت ہے۔اماراغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سمو وسمو وهو الذی به رفع ذکر المسمی فیعرف به۔

سمو اور سمو ۔اس سے مراد وہ نام ہے جس کے ذریعے مسمی کا ذکر بلند اور نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین لفظ اسم کا معنی بیان کرے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَاسْمُ الشَّيْءِ مَا عَلَاهُ حَتَّى ظَهَرَ ذَلِکَ الشَّيْءُ بِهِ۔[749]

ترجمہ: پس کسی چیز کا اسم وہ (نام) ہے جو اس چیز کو بلند کرے۔یہاں تک وہ چیز ظاہر ہو جائے۔

اسم کے اشتقاق کے سلسلے میں یہ نقطۂ نظر علمائے بصرہ کا تھا۔

وسم........علماء کوفہ کے نزدیک اسم کا مادہ اشتقاق وسم ہے۔

وسم، یسم، سمۃ .....کا معنی علامت اور پہچان ہے۔جب کہ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الوسم التأثیر و السمۃ الأثر[750]

وسم تاثیر کو اور سمہ اثر کو کہتے ہیں۔

قرآن میں وسم بمعنی علامت کی تائید یوں ملتا ہے۔

سِیمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ (سورۃ الفتح: ۲۹)۔

ترجمہ: ان کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔

---

749 مفاتیح الغیب=التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۱۰۵

750 المفردات في غریب القرآن الباب کتاب الخاء ج ۱ ص ۵۲۴

قرآن میں مزید فرمایا گیا:

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ (سورۃ البقرۃ:۲۷۳)

ترجمہ: تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا۔

علامت اور تاثیر کے دونوں معنوں میں تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر ہی دراصل اس چیز کی صحیح پہچان اور علامت ہوا کرتی ہے۔ اس لئے یہ دونوں معنی ایک ہی مدعا کو پورا کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ لفظ اسم کا پہلا معنی بھی کسی چیز کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا بھی۔ گویا اسم وہ لفظ ہے جو کسی ذات کو یا اس کی تاثیر کو ظاہر کر رہا ہو۔ تاثیر بالاتفاق ذات کی صفت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ "کسی ذات یا اس کی صفت کو ظاہر کرنے والا لفظ اسم کہلاتا ہے" گویا یہ امر تحقیق کے ساتھ طے پا گیا کہ اسم ایک لفظ ہے جو کسی ذات کو یا اس کی صفات کو ظاہر اور نمایاں کرتا ہے۔ اگر اسم کسی ذات کی نشاندہی کرے تو اسم اسم ذات کہتے ہیں اور اگر صفات کی نشاندہی کرے تو اسم صفات، ذات اور صفاتی نام کا امتیاز اسی تقسیم پر مبنی ہے۔ لفظ "اسم" کا الف گرا کر اس کی جگہ "ب" ملا دیا گیا اور اس طرح باسم کی بجائے بسم معرض وجود میں آ گیا۔

ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کی منفرد اور اچھوتی تحقیق:

حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کی باء میں اللہ تعالیٰ کے چھ صفاتی ناموں کی طرف اشارہ ہے:

۱۔ **باری:** یعنی عرش سے فرش تک ہر چیز کا بنانے والا۔

۲۔ **بصیر:** عرش سے فرش تک سب مخلوقات کو دیکھنے والا۔

۳۔**باسط**: عرش سے فرش تک کی مخلوقات کے لیے فراخی کرنے والا۔

۴۔**باقی**: عرش سے فرش تک سب کو فنا کر دینے والا اور خود باقی رہنے والا۔

۵۔**باعث**: عرش سے فرش تک مخلوقات کو فنا کر دینے کے بعد اٹھانے والا۔

۶۔**بر**: عرش سے فرش تک کی مخلوقات پر احسانات کرنے والا۔

(غنیۃ الطالبین)

بسم اللہ کی سین سے اللہ تعالیٰ کے پانچ صفاتی ناموں کی طرف اشارہ ہے:

۱۔**سمیع**: عرش سے فرش تک سب مخلوقات کی پکاروں کو سننے والا۔

۲۔**سید**: عرش سے فرش تک سب مخلوقات کا سردار۔

۳۔**سریع الحساب**: عرش سے فرش تک سب مخلوقات کا محاسبہ کرنے والا۔

۴۔**سلام**: عرش سے فرش تک سب مخلوقات کو سلامتی بخشنے والا۔

۵۔**ساتر**: عرش سے فرش تک سب مخلوقات کے گناہوں پر پردہ ڈالنے والا۔

(غنیۃ الطالبین)

بسم اللہ کی میم میں اللہ تعالیٰ کے بارہ صفاتی ناموں کی طرف اشارہ ہے:

۱۔**ملک الخلق**: مخلوق کا بادشاہ۔

۲۔**مالک الخلق**: مخلوق کا بادشاہ۔

۳۔**منان علی الخلق**: مخلوق پر احسان کرنے والا۔

۴۔**مجید**: بزرگی والا مخلوق میں۔

۵۔**مؤمن**: مخلوق کو امن دینے والا۔

۶۔مھیمن: مخلوق کی نگہبانی کرنے والا۔

۷۔مقتدر: مخلوق کی نگرانی کرنے والا۔

۸۔مقبت: مخلوق کی نگرانی کرنے والا۔

۹۔مکرم: مخلوق کو عزت و تکریم دینے والا۔

۱۰۔متعم: مخلوق پر نعمتیں کرنے والا۔

۱۱۔مفضل: مخلوق پر مہربانی کرنے والا۔

۱۲۔مصور: مخلوق کی صورتیں بنانے والا۔

(غنیۃ الطالبین)

بسم اللہ کے دلچسپ رموز و اشارات

حروف بسم اللہ:

اس اسم مبارک کے جس طرح کلمات سے سب علماء نے بحث کی ہے۔ اسی طرح اس کے حروف کے اندر بھی علماء نے دقائق بیان کیے ہیں، بلکہ قرآن مجید کے تمام حروف کے اندر دقائق اور اشارات پوشیدہ ہیں۔

جعفر بن محمد سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کے اندر چار اشیاء ہیں۔

۱۔عبارۃ، ۲۔لطائف، ۳۔اشارات، حقائق۔

عبارۃ عوام کے لیے اور لطائف اولیاء کرام کے لیے اور اشارات خواص کے لیے اور حقائق انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہوتے ہیں۔

اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے۔ قرآن کریم کی قرأت کے اندر چار معانی ہیں۔

ا۔ ظاہر، ۲۔ باطن، ۳۔ حد، ۴ مطلع۔

ظاہر سے مراد تلاوت ہے۔ باطن سے مراد فہم ہے اور حد سے مراد حلال و حرام کے احکام ہیں۔ مطلع سے مراد اللہ ذوالجلال کی مراد خاص ہے اور بعض علماء کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن مجید عبارۃ، اشارات، حقائق اور لطائف کا نام ہے عبارت سننے کے لیے، اشارات عقل کے لیے، لطائف مشاہدہ کے لیے اور حقائق استلام کے لیے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کے لیے چار چیزیں ہیں:

ا۔ ظاہر، ۲۔ باطن، ۳۔ حق، حقیقت۔

امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ قرآن نو وجوہ پر ہے۔

ا۔ حق، ۲۔ حقیقت، ۳۔ تحقق، ۴۔ حقائق، ۵۔ عقود، ۶۔ عہود، ۷۔ حدود، ۸۔ قطع الحقائق۔
۹، واجلال المعبود۔

امام جعفر صادق سے یہ بھی مروی ہے کہ قرآن سات انواع پر ہے۔

ا۔ تعریف، ۲۔ تکلیف، ۳۔ تعطیف، ۴۔ تشریف، ۵۔ تالیف، ۶۔ تخویف، ۷۔ تکنیف۔

پھر اس کے بعد قرآن کے اندر امر، نہی، وعد، رخص، تاسیس تمحیص ہیں۔

پھر اس کے بعد قرآن داعی شاہد، حافظ، شافی ہے۔ واقع ہے۔ نافع ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قرآن کریم کے حروف کے اندر دقائق واشارات ہیں۔ اس طرح بسم اللہ کے اندر بھی دقائق اور اشارات مخفی ہیں۔

(۱) چنانچہ بسم کے اندر پہلا حرف باء ہے جس کے اندر **کشف البقاءلاھل الغناء** کا راز مضمر ہے۔

(۲) دوسرا حرف سین ہے۔ اس کے اندر **کشف ثناءالقدوس لاھل الانس** کا راز مضمر ہے۔

(۳) تیسرا حرف میم ہے جس کے اندر کا راز **حجۃ اللہ تعالیٰ مخصوص الخصوص** مضمر ہے۔

بعض علماء نے اس طرح فرمایا کہ باء کے اندر برد والعبودیت ہے اور السین کے اندر سر الربوبیہ ہے اور میم کے اندر **من اللہ علی اھل الصفوۃ**۔

علی بن موسیٰ الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، **الباء بقاء اللہ** اور **سین رسالت** والی اور **میم ملک و لایت** والی ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ علیہ السلام کو کسی معلم کے پاس تعلیم کے لئے بھیجا تو معلم نے ان کو کہا کہ لکھ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا لکھوں، معلم نے کہا "**بسم اللہ**" لکھ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ "**بسم اللہ**" کو جانتے ہو۔ اس نے کہا کہ نہیں، فرمایا کہ الباء بہاء اللہ اور سین سناء اللہ اور میم ملک اللہ ہے۔ البتہ ابن کثیر نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حرف باء

تفسیر بحر العلوم میں لکھا ہے کہ شیخ ابو بکر وراق نے فرمایا کہ "**بسم اللہ**" جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس کے ہر حرف کی تفسیر ہے۔ باء اس پہلا حرف ہے۔ جس کے اندر چھ وجوہ ہیں۔

(۱)اس کا مفہوم الباءباری الخلق من العرش الی الثریٰ۔

چنانچہ قرآن کے اندرارشادہے۔هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ۔(الحشر ۲۴)

(۲)الباءبصیر لخلقه من العرش الی الثریٰ۔یعنی عرش سے تحت الثریٰ تک نظر ہے۔

جیساکہ ارشادہے۔إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (الملک ۱۹)

(۳)الباءباسط الرزق ہے جیسا کہ ارشادباری تعالیٰ ہے۔ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔(سبا ۳۶)

(۴)الباءباقی ہے جب کہ مخلوق عرش سے ثری تک فناہو جائے گی جیسا کہ ارشادہے۔وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ(الرحمن ۲۷)

(۵)الباءباعث الخلق بعدالموت من العرش الی الثریٰ ہے جیسا کہ ارشادہے۔وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔(الحج۷)

(۶)الباءبارالمؤمنین من العرش الی الثریٰ ہے جیسا کہ ارشادہے۔ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ (الطور۲۸)

حرف السین

"بسم اللہ" کے اندر دوسرا حرف سین ہے اس کے اندر بھی پانچ وجوہ ہیں:

(۱)سین سمیع الاصوات من العرش الی الثریٰ ہے جیسا کہ ارشادہے۔إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الشعراء ۲۲۰) فرمانِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا،الحمدللہ الذی وسع سمعه الاصوات۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس کی صفت سمع کائنات کی ہر چیز کی آواز پر غالب ہے۔

نیز تبارک الذی اوعی سمعه کل شئی۔ برکت اسی ذات کی ہے جس کی صفت سمع ہر چیز کو محیط ہے۔ فرمانِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ هذه امراءة سمع الله شكواها من فوق سبع

سموات۔ یعنی یہ وہ عورت ہے جس کا شکوہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات عالیہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنا تھا۔

(۲) سین سید الخلق ہے۔من العرش الی الثریٰ۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔اللہُ الصَّمَدُ (الاخلاص ۲)۔

(۳)سین سریع الحساب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔وَ اللّٰہ سَرِیعُ الْحِسَابِ (البقرۃ ۲۰۲)۔

(۴)سین سلام الخلق من الظلم۔ من العرش الی الثریٰ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔السلام المومن۔

(۵)سین ساتر الذنوب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ستار العیوب۔غَافِرِ الذَّنْبِ (غافر ۳)

حرف المیم:

تیسرا حرف المیم ہے۔اس کے اندر بارہ وجوہ ہیں:

۱۔ میم مالک الخلق ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔الْمَلِکُ الْقُدُّوسُ (سورۃالحشر ۲۳)

۲۔ میم ملک الخلق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ (آلعمران ۲۶)

۳۔ میم منان ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیدُ یالقدمن اللہ۔

۴۔ میم مومن ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔وَ آمَنَھُمْ مِنْ خَوْف۔(سورۃقریش:۴)

۵۔ میم مہیمن ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیزُ۔(سورۃالحشر:۲۳)

۶۔ میم مقتدر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔عِنْدَ مَلِیکٍ مُقْتَدِرٍ (سورۃالقر:۵۵)

۷۔ میم حقیقت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَيْءٍ مُحِیطًا سورۃالنساء:۱۲۶

۸۔ میم مکرم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (سورۃبنی اسرائیل:۷۰)

۹۔ میم منعم مبلغ جیسا کہ ارشاد ہے۔اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ۔

۱۰۔ میم فضل ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ إِنَّ اللّٰہَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (سورۃالبقرۃ:۲۴۳)

کل عالم اور اسم الہٰ:

ہر عالم کے اندر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی نہ کوئی اسم مبارک ہے۔ مثلاً صامتون۔ رب الخلق کہتے ہیں۔ سموات میں رب الملک ہے۔ بحر میں رب النبات ہے۔ خشکی میں رب الروح ہے۔ پہاڑوں میں رب البریات ہے۔ بہائم میں الخالق ہے۔ نبات کے اندر رب الخضر وات ہے۔ استجار کے اندر رب المتمر ہے وحوش کے اندر رب الفضاء ہے۔ ساتویں زمین کے اندر رب کریم ہے۔ مشرق کے اندر حی کریم ہے۔ مغرب کے اندر سبوح قدوس ہے۔ لیل کے اندر المحی ہے۔ نہار کے اندر الممیت ہے۔ صحف شیث علیہ السلام کے اندر ذو العرش المجید ہے۔ صحف ادریس علیہ السلام کے اندر فعال لما یرید ہے۔ صحف ابراہیم کے اندر ولی الرحمہ ہے۔ تورات کے اندر رحمٰن ہے۔ انجیل کے اندر رحیم ہے۔ مومنین کے پاس قرآن مجید میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

تین حروف:

بسم کے اندر تین حروف ہیں۔ با برأت عن الخلق ہے۔ سین سرور با لخلق ہے۔ اور المیم ملازمۃ علی باب الخالق یا بلاء العارفین فی الدنیا ہے۔ السین سرور العارفین فی العقبیٰ اور المیم مرتبۃ العارفین عند المولیٰ ہے۔

یا اس طرح کہ:

بسم الباء مبرۃ للارواح الانبیاء بالھام الرسالۃ والسین لیسرہ مع اھل المعرفۃ بالالھام والشریعۃ والمیم منۃ المؤبدین بدوام النظر الیھم

یا اس طرح کہ:

بسم الباء نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سین سر النبوۃ الذی اسری النبی المیم بمکۃ الدین الذی یعم الاسود والابیض۔

یا اس طرح کہ:

بسم الباء برہ لعمم السین سرہ للخصوص و المیم محبۃ لخصوص المخصوص۔

خزینۃ الاسرار کے اندر یہ بات موجود ہے کہ جنتی لوگ ہفتہ کے دن پانی والی نہر سے پانی پئیں گے اور اتوار کو شہد کی نہر سے پانی پئیں گے۔ سوموار کے اندر دودہ والی نہر سے اور منگل کے دن شراب کی نہر سے یہ تمام اقسام کی روحانی نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔ تو معرفت خداوندی کے نشہ سے مست ہو جائیں گے۔ وجد میں آکر اڑنا شروع کر دیں گے۔ ہزار سال کے بعد کستوری کے بنے ہوئے ایک پہاڑ پر جا پہنچیں گے۔ وہاں نہر سبیل بہتی ہے بدھ کے روز وہاں سے پانی پی کر پھر اڑیں گے ایک ہزار سال اڑنے کے بعد ایک سبز محل میں جائیں گے جس کے باری میں قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ (١٣) وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ (١٤) وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ (١٥) وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ۔ (الغاشية ١٦)

اس مقام پر پہنچ کر اپنے تختوں پر بیٹھ جائیں گے۔ اب ان کو ایسی شراب پلائی جائے گی۔ جس کی صفت قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا (الانسان ١٧) بیان فرمائی ہے۔ یہ جمعہ کا دن ہو گا۔ اس کے بعد ایک ہزار سال اڑیں گے۔ اس کے بعد اس مقام پر پہنچے گا۔ جس کو قرآن نے بیان فرمایا ہے۔ **فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ (القمر ٥٥)** بیان کیا ہے۔ یہاں ان کو درجہ خلود کے دستر خوان پر بٹھا کر **يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ (المطففين ٢٥)** بوتلیں پلائی جائیں گی۔ یہ احسانات اور انعامات ان انسانوں کے لئے ہیں جو **اعوذباللہ** پڑھ کر ہر قسم کی مصیبت سے بازرہے اور **بسم اللہ** پڑھ کر اعمال صالحہ بجالائے۔

خلاصہ ٔکلام یہ ہوا کہ **ماطابت الدنیاالابسمہ وماطابت العقبی الابعفوہ وماطابت الجنۃالابرؤیتہ۔**

یعنی دنیاکی زندگی ان کے نام سے ہی مبارک ہے۔آخرت کامزہ اس کے معاف کرنے سے ہی میسر ہے اور جنت اس کے دیدار سے مرکب ہے تومزہ ہے۔

کسی عارف کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کی موت کاوقت آیاانہوں نے اپنے اقرباء کو کہاکہ جب میں مرجاؤں تو**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** لکھ کرمیرے کفن میں رکھ دیں۔ اہل خانہ نے اس کی وجہ دریافت کی ۔ انہوں نے فرمایاکہ میں نے سناہے کہ ایک امیرکبیر کے دروازے پر ایک سائل آیا۔اہل خانہ نے اسے معمولی سی بخشش دے کررخصت کردیا۔ تھوڑی دیرکے بعداوزارلے کرآیااوردروازے کواکھاڑنے لگا۔ اہل خانہ نے پوچھایہ کیاکرتے ہو۔ کہنے لگایاتوبخشش اس دروازے کے موافق کردویادروازہ اس بخشش کے مطابق کردو۔چنانچہ**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** بھی کلام اللہ کادروازہ ہے۔قبرکے اندرجب حساب کتاب وجزاءسزاکاعمل شروع ہوگاتومیں بھی فرشتوں سے درخواست کروں گامعاملہ باب**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کے موافق کریں۔

الرحمٰن الرحیم

الرحمٰن کے بارے میں علماءکااختلاف ہے کہ یہ کس سے مشتق ہے۔بعض علماءنے فرمایا ہے کہ اس کے لئے کوئی اشتقاق نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ ذوالجلال کے مختصہ ناموں میں سے ہے کیونکہ اگر یہ اسم رحمت سے مشتق ہوتا۔جیساکہ بعض اہل علم کاخیال ہے توچاہیئے تھاکہ جب اہل عرب نے اس کوسناتواس کاانکارنہ کرتے کیونکہ وہ رحمت کے منکرنہیں تھے حالانکہ قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے اس اسم کوپہچاننے سے انکارکردیاتھا،جیساکہ ارشادرب العزت ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ (الفرقان ٦٠)

اس طرح جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلحِ حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ کو تحریر کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے حکم سے **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کو لکھا تھا۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کیا ہے۔ آپ **باسمک اللھم** لکھیں۔

لیکن جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ اسم رحمت سے مشتق ہے اور مبنی بر مبالغہ ہے اور اس کا معنی ہے کہ ایسی رحمت والا جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس لئے اس کی نہ جمع ہوتی ہے اور نہ تثنیہ بخلاف **رحیم** کے۔ امام ابن حصار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس اسم کے مشتق ہونے میں دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو ترمذی نے روایت فرمایا اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

قال اللہ انا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لھا اسما من اسمی۔

یعنی میں رحمت ہوں اور میں نے ہی رحم کو پیدا کیا ہے اور اس کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے جو اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا جو اس کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی یہ اسم مبارک مشتق ہے رحم سے۔ رہا اہل عرب کا انکار وہ ان کی اپنی جہالت اور شقاوت تھی۔

الرحمٰن

مبرد اور الانباری کا خیال ہے کہ رحم عربی لفظ نہیں ہے بلکہ عبرانی ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ عربی لفظ رحیم لایا گیا ہے۔ نیز یہی قول ابو اسحاق الزجاج کا معانی القرآن میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ نے فرمایا کہ **الرحیم** عربی اور **الرحمٰن** عبرانی ہے یعنی **رحیم** عربی ہے اور **الرحمٰن** عبرانی

ہے۔ان کا فرمان ہے کہ الرحمٰن اسم عربی نہیں ہے بلکہ عبرانی ہے۔یہ قول مرجوح ہے اور راجح قول یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے۔

فرق رحمٰن اور رحیم میں

(۱) رحمٰن ، رحیم دونوں اللہ ذوالجلال کے صفاتی نام ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ

هما اسمان رقيقان احدهما ارق من الآخر۔

یعنی رحمٰن، رحیم اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ان دونوں کے اندر رحمت ایک دوسرے سے بڑھ کر پائی جاتی ہے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ الرحمٰن کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے اور رحیم کا تعلق صرف آخرت سے ہے۔

ابو علی فارسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن عام ہے۔ہر قسم کی رحمت کے اندر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور رحیم صرف مومنین کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (الاحزاب ۴۳)

(۳) نیز عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ الرحمٰن۔

اذا سئل اعطى اور الرحيم اذا لم يسأل يغضب۔

یعنی رحمٰن وہ ہے کہ جب اس سے مانگا جائے وہ عطا کردے اور رحیم وہ ہے جب کوئی نہ مانگے ناراض ہو۔

اس قسم کی ایک اور روایت ترمذی اور ابن ماجہ کے اندر بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے منقول ہے۔

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ۔

(۴)　ابن جریر سے مروی ہے کہ الرحمٰن تمام خلق کے لئے یعنی کافر اور مومن کے لئے اور رحیم صرف اہل ایمان کے لئے ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ۔ (الفرقان ۵۹)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ ۵)

استویٰ کے ساتھ رحمٰن کو ذکر کیا تا کہ اس کی رحمت تمام خلق کو شامل ہو اور اہل ایمان کے لئے تخصیص کے طور پر یہ ارشاد فرمایا:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (الاحزاب ۴۳)

(۵)　نیز ایک فرق رحمٰن اور رحیم کے اندر یہ بھی ہے کہ رحمٰن کا اسم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (الاسراء ۱۱۰)

دوسرے مقام پر ارشاد رب العزت ہے۔

الرَّحْمَنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا (الفرقان ۵۹)

نیز　الرَّحْمَنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (الرحمن ۲)

أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً۔ (الزخرف ۴۵)

غور کیجئے کہ جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے اپنا لقب رحمٰن رکھ لیا اور اپنے آپ کو رحمٰن الیمامہ کا لقب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کذب کا لقب ولباس ڈال دیا اور اس کا لقب بجائے رحمٰن کے مسیلمہ کا لقب ہو گیا۔

لیکن رحیم کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اعظم المخلوقات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان میں وارد ہے کہ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبة ۱۲۸)

(۶) بعض علماء نے یہ فرق بھی بیان فرمایا ہے کہ رحمٰن کا تعلق بڑی اور جلیل نعمتوں کے ساتھ ہے اور رحیم کا تعلق مخفی اور دقیق نعمتوں کے ساتھ ہے۔

برکاتِ بسم اللہ

(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منسوب ہے کہ بسم اللہ ہر بیماری کے وقت شفاء ہے اور ہر دوا کی افادیت کے لئے مدد گار ہے۔

(۸) الرحمٰن ہر انسان کے لئے معاون ہے اور الرحیم صرف لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى (طه ۸۲) کے لئے ہے۔

نکاتِ بسم اللہ

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک تفصیلی روایت ہے کہ بسم اللہ کے اندر جتنے حروف ہیں سب کسی اسم مبارک کی طرف مشیر ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

باء اسم بصیر کی اشارہ ہے۔ س، اسم سمیع کی طرف، م اسم ملیک کی طرف۔ اللہ، الف اللہ کی طرف، لام لطیف کی طرف، ہاء ہادی کی طرف۔

الرحمٰن، راء رازق کی طرف، حاء حلیم کی طرف، نون کی طرف۔

(۹) بعض علماء نے رحمٰن اور رحیم کے اندر اس طرح بھی فرق فرمایا ہے کہ رحمٰن کا مقام یہ ہے کہ رحم غضب پر غالب ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔رَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٍ(الاعراف ۱۵۶)رحیم کا مقام یہ ہے کہ اس کے سخط اور غضب پر کرم کا پردہ ہے۔

(۱۰) رحمٰن اسم قدیم ہے۔رحیم اسم البقاء ہے۔رحمٰن اسم الحقیقۃ ہے۔رحیم اسم الصفۃ ہے۔

(۱۱) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن اسم بھی خاص ہے۔ فعل بھی خاص ہے اور رحیم فعل بھی عام ہے اور اسم بھی عام ہے۔

(۱۲) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن بالنعمۃ ہے اور رحیم بالعصمۃ ہے۔

(۱۳) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن بالتجلی ہے اور رحیم بالتدلی ہے۔

(۱۴) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن بکشف الانوار ہے اور رحیم بحفظ ودائع الاسرار ہے۔

(۱۵) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن بذاتہ ہے اور رحیم بالنعوت والصفات ہے۔

(۱۶) حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن شوقِ روح ہے اور رحیم ذوقِ حق ہے۔

(۱۷) حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو یہ علم ہو گیا کہ وہ رحمٰن رحیم ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت لازم ہو گی، اس معرفت کی بنا پر دنیا میں اس کے لئے عافیت ہے۔رزق ہے۔یہ رحمٰن ہوا اور آخرت میں مغفرت رحمٰن غفران ہے۔یہ رحیم ہوا۔

(۱۸) حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں۔رحمت لطف، رحمت عطف۔رحمن کے اندر رحمتِ لطف ہے اور رحیم کے اندر بھی رحمتِ عطف ہے۔

(۱۹) نیز رحمٰن بمارُوح اور رحیم بمالوح ہے۔

(۲۰) نیز رحمٰن کشف تجلّی کے لئے اور رحیم لطف تولی کے لئے ہے۔

(۲۱) رحمٰن اکرام من الرضوان کے ساتھ ہے اور رحیم من بہ الرضوان کے لئے ہے۔

(۲۲) رحمٰن توفیق کے لئے رحیم محقق کے لئے ہے۔ توفیق معاملات کے لئے ہوتی ہے۔ تحقیق مواصلات کے لئے ہوتی ہے۔

(۲۳) رحمٰن موضوع لہم کے لئے رحیم مدفوع عنہم کے لئے ہے۔

(۲۴) رحمٰن انوار عنایات کے طلوع ہونے کا محل ہے۔ رحیم شمس کفایت کے چمکنے کا محل ہے۔

(۲۵) رحمٰن ہے اہل اللہ کی تائید کرنے کے لئے۔ رحیم ہے ان کی ترقی کے لئے۔

(۲۶) الرحمٰن کے اسم مبارک کے ساتھ معرفت مشتاق ہوتے ہیں اورالرحیم کے ذریعے متحیر ہوتے ہیں۔

(۲۷) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن یعنی جس ذات نے دنیا میں اپنے بندوں کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دی اورآخرت میں جزادے گا اوراعمال سے زیادہ دے گا۔ جیسے لِلَّذِينَ أَحۡسَنُوا الۡحُسۡنَى وَزِيَادَةٌ۔ (یونس ۲۶)

(۲۸) اور رحیم اس طرح کہ آخرت میں اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا جمال علی کا نظارہ کرواکر۔

(۲۹) یحیٰی بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن معاش کے اعتبار سے ہے اور رحیم معاد کے اعتبار سے ہے۔

(۳۰) حارث بن اسد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن نقوش کے لئے اور رحیم قلوب کے لئے۔

(۳۱) ابو بکر وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن بالنعماء ہے اور رحیم بالاآلآء ہے۔

(۳۲) حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن ہے جہنم سے بچا کر اور رحیم ہے جنت میں داخلہ عطا فرما کر۔

(۳۳) سدی بن مفلس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن ہے غموں کو دور کرکے اور رحیم ہے گناہوں کو معاف کرکے۔

(۳۴) عبداللہ بن جراح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن ہے عصمت کاراستہ واضح کر کے رحیم ہے توفیق دے کر۔

(۳۵) خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن ہے ہر مخلوق کے لئے۔ رحیم ہے صرف اولیاء کے لئے۔

(۳۶) امام ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن ہے اہل ایمان کے لئے کہ ان کو عرش کے قریب رکھا۔ وحی کا امین بنایا۔ شہوات سے پاک پیدا فرمایا بس نور عطا فرمایا۔

(۳۷) رحم ہے اہل ارض کے لئے ان میں رسول بنائے کتب کو نازل فرمایا: ہشام بن عبداللہ عبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن ہے اہل عبادت کے لئے کہ ان کی عبادت اگرچہ صافی نہیں لیکن پھر بھی قبول فرماتا ہے رحیم ہے اہل معاصی کے لئے کہ جب توبہ کریں تو سیآت کو حسنات میں تبدیل کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (الفرقان ۷۰)

(۳۸) بعض علماء نے فرمایا کہ رحمٰن ہے ناشکر کے لئے اور رحیم ہے شکر گزاروں کے لئے۔

معانی الرحمٰن الرحیم

یہ دونوں اسم مبارک مشتق ہیں۔ رحمت سے ان کا اصل مادہ ر، ح، م ح، م ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا مادہ تقریباً ۱۴ معانی کے لئے مستعمل ہے۔ تمام معانی کو علی التفصیل بیان کرنا مناسب ہے۔

۱۔ رحمت بمعنی الاسلام ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ (سورۃ الشوریٰ: ۸)

اس آیت کریمہ میں رحمت سے مراد اسلام ہے اور ظاہر ہے اسلام سے بڑی کیا رحمت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ امام وکیع کا واقعہ مشہور ہے۔ امام یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جب امام وکیع کا تذکرہ عام سنا تو شوق ملاقات پیدا ہوا۔ چنانچہ شیخ امام وکیع کی خدمت میں پہنچے۔ لیکن کچھ کہے بغیر الٹے قدم

واپس ہونے لگے۔ امام وکیع نے دریافت فرمایا کہ شیخ آئے تھے۔ لیکن خاموشی سے واپس جارہے ہیں ۔کیاوجہ ہے ؟ شیخ نے فرمایا کہ جناب آپ کے تقویٰ اور زہد وعبادت کا چرچاسنا تھا اس لیے زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لیکن آپ تو صحت مند ہیں۔ جیسے آپ کو کوئی فکر نہیں ہے۔ تقویٰ اور زہد بغیر فکر کے کیسے ممکن ہے۔اس پر امام وکیع نے اس کو بٹھایا اور یہ بات ارشاد فرمائی کہ میری ایسی بہتر صحت دراصل اللہ کی ایک نعمت کی وجہ سے ہے۔اس نعمت اور رحمت کی وجہ سے مجھے ہر وقت خوشی حاصل رہتی ہے۔ اصل، الفاظ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے یہ ہیں۔وذلک بفرحی بالاسلام۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ رحمت بمعنی الاسلام قرآن حکیم کے اندر مستعمل ہے۔ نیز ارشاد مبارک ہے:

وَلَوْ شَاءَاللهُلَجَعَلَهُمْأُمَّةًوَاحِدَةًوَلٰكِنْيُدْخِلُمَنْيَشَاءُفِيرَحْمَتِهِ(سورۃالشوریٰ۸)

اس آیت کریمہ میں بھی رحمت بمعنی اسلام اور دین ہے۔

نیزلِيُدْخِلَ اللّٰهُفِيرَحْمَتِهِمَنْيَشَاءُ(سورۃالفتح:۲۵)

۲۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی جنت بھی مستعمل ہے۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَمَّاالَّذِينَابْيَضَّتْوُجُوهُهُمْفَفِيرَحْمَةِاللّٰهِ(سورۃآلعمران:۱۰۷)

نیز ارشادہے:فَيُدْخِلُهُمْرَبُّهُمْفِيرَحْمَتِهِ(سورۃالجاثیۃ:۳۰)۔یہاں بھی رحمت سے مراد جنت ہے۔

نیزفَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ(سورۃالنساء:۱۷۵)۔

اس مقام پر بھی رحمت سے مراد جنت ہے۔

۳۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی مطر (بارش) بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ (سورۃ الاعراف:۵۷)

یہاں بھی رحمت بمعنی بارش مستعمل ہے۔

۴۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی نبوت بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ (سورۃ ص:۰۹)

اس آیت کریمہ کے اندر رحمت بمعنی نبوت ہے۔ نیز ارشاد ہے، ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا (سورۃ مریم:۰۲)۔

نیز آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا (سورۃ الکهف:۶۵) یہاں بھی رحمت سے مراد نعمت ہے۔

۵۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی قرآن بھی مستعمل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وهذا ورحمة۔ یہاں رحمت سے مراد قرآن ہے۔

نیز قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ (سورۃ یونس:۵۸) یہاں بھی رحمت سے مراد قرآن حکیم ہے۔

نیز وَهُدًى وَرَحْمَةٌ (سورۃ یونس:۵۸) یہاں بھی رحمت سے مراد قرآن ہے۔

۶۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی رزق بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي (سورۃ بنی اسرائیل:۱۰۰) اس آیت میں رحمت سے مراد رزق ہے۔

نیز ارشاد ہے، مَا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ (سورۃ فاطر:۰۲) اس آیت میں بھی رحم سے مراد رزق ہے۔

نیز ارشاد ہے۔ آتِنَامِنْ لَدُنْکَ رَحْمَةً (سورۃالکھف:۱۰) اس آیت میں بھی رحمت سے مراد رزق ہے۔

۷۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی نصرت اور فتح بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔
قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (سورۃالاحزاب:۱۷)۔

اس آیت میں رحمت سے مراد نصرت اور فتح ہے۔

۸۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی عافیت مستعمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔
إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰہ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ (سورۃالزمر:۳۸)۔

اس آیت میں لفظ رحمت دو دفعہ وارد ہوا ہے دونوں سے مراد عافیت ہے۔

۹۔ رحمت بمعنی ایمان بھی قرآن حکیم کے اندر مستعمل ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَآتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ (سورۃھود:۲۸) نیز۔ وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً (سورۃھود:۶۳)۔

دونوں جگہ رحمت سے مراد ایمان ہے۔

۱۰۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی مودۃ اور محبت بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے،
وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً (سورۃالحدید:۲۷)

نیز ارشاد ہے کہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (سورۃالفتح:۲۹) یہاں رحمت سے مراد متوادین اور محبت مراد ہے۔

۱۱۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت بمعنی توفیق بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ (سورۃالبقرۃ:۶۴) یہاں رحمت سے مراد توفیق خداوندی ہے۔

۱۲۔ قرآن حکیم کے اندر رحمت کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا (سورۃ مریم: ۲۱)۔

یہاں رحمت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۱۳۔ قرآن حکیم کے اندر لفظ رحمت سید الرسل، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مستعمل ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۷)۔

اس آیت کریمہ میں رحمت سے مراد سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہیں۔

وصلی اللہ علی صاحبہ الحیاء وصلی اللہ علی من کان احی من الوجودین فی دار الفناء والبقاء محمد محمود حامد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم:

متعدد احادیث میں اسم اعظم کا ذکر آیا ہے اور اسم اعظم کیا ہے؟ اس کے بارے میں بھی متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔ اسم اعظم کے بارے میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ شانہ پورا فرمادیتے ہیں۔ مصنف نے یہاں چند روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں اسم اعظم کا ذکر ہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (سورۃ الانبیاء: ۸۷)۔

ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔

یہ وہی الفاظ ہیں جن کے ذریعے حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ کو پکارا اور اس نے ان کی دعا قبول فرما کر اندھیریوں سے نجات دی۔ مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے مستدرک حاکم سے یہ روایت نقل کی ہے۔

مستدرک میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان جب کبھی کسی بارے میں ان الفاظ کے ذریعہ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔ قال الحاکم حدیث صحیح الاسناد واقرہ الذہبی، اور حاکم نے دوسری روایت اس طرح نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو اللہ کا اسم اعظم نہ بتادوں جس کے ذریعے دعا کی جاتی ہے تو اللہ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ پورا فرماتا ہے۔ یہ وہ دعا ہے جس کے ذریعہ یونس علیہ السلام نے اللہ کو تین تاریکیوں میں پکارا۔

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ (سورۃ الانبیاء: ۸۸،۸۷)۔

ترجمہ: کوئی تو اندھیریوں میں پکارا کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا تو ہم نے اس کی پکار سُن لی اور اُسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو۔

۲۔ اللهم إني أسألك أني أشهد أنك لا إله إلا أنت الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد۔[751]

---

[751] إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة كتاب الادب ج ٦ ص ٢٤٧

ترجمہ: الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتاہوں۔اس کاواسطہ دے کر کہ میں گواہی دیتاہوں کہ تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکیلا ہے بے نیاز ہے جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی کوئی اس کے برابر کا (ہمسر) ہے۔

مصنف رحمتہ اللہ علیہ کی ترتیب کے مطابق یہ روایت نمبر ۲ ہے۔اس میں بھی اسم اعظم بتایا ہے اس کو مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے بحوالہ سنن اربعہ اور صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم نقل کیا ہے ۔اس کی روایہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہماہیں۔وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا،اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے اللہ کے اسم اعظم کے واسطہ سے دعا کی ہے جس کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔اور اس کے ذریعہ سے سوال کیا جاتاہے تو وہ عنایت فرمادیتاہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ جن روایات میں اسم اعظم کا ذکر ہے۔سند کے اعتبار سے ان میں سب سے زیادہ راجح وہ روایت ہے جو حضرت بریدہ سے مروی ہے اور ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔اس روایت کے بعض طرق میں لفظ **أني أشهد** اور لفظ **لا إله إلا أنت** نہیں ہے جس کو مصنف نے متصلاً ہی نقل کیا۔ہم بھی اس کو ذیل میں مع ترجمہ لکھ رہے ہیں۔

ترجمہ: الٰہی مین تجھ سے سوال کرتاہوں اس لیے کہ تو ہی اللہ ہے اکیلا ہے بے نیاز ہے جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر (ہمسر) ہے۔

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے لیے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیاہے۔

الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس لیے کہ تو ہی اللہ ہے اکیلا ہے بے نیاز ہے جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر (ہمسر) ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے لیے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیا ہے۔

اللھم إنی أسألک بأن لک الحمد لا إلہ إلا أنت وحدک لا شریک لک المنان بدیع السموات والأرض ذو الجلال والإکرام یاحی یاقیوم۔[752]

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس واسطہ سے کہ تیرے ہی لیے سب تعریف ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ (تو) بہت بڑا مہربان ہے۔ بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا تو ہی (بے مثال) ایجاد کرنے والا ہے۔ اے (عظمت وجلال اور اکرام والے اے زندہ اے) (سب کو) قائم رکھنے والے)۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب کے مطابق یہ روایت نمبر ۳ ہے۔ اس میں بھی اسم اعظم بتایا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ سنن اربعہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ اس کو نقل کیا ہے۔ مصنف نے اشارہ دیا ہے کہ لفظ یاحی یا قیوم اس کے بعض طرق میں نہیں ہے۔ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا ۔اس شخص نے بعد نماز یہ الفاظ ادا کیے۔

---

[752] جامع الأحادیث ج۷ ا ص ۴۲۳

یہ سن کر آنحضرت سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس نے اللہ سے اس کو بڑے نام کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ اس سے سوال کیا جاتا ہے تو عطا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے:

۴۔وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (سورۃ البقرۃ:۱۶۳)۔

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا۔

الم اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (سورۃ البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: الف۔لام۔میم۔اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب کے مطابق یہ روایت نمبر ۴ ہے۔اس میں بھی اسم اعظم بتایا ہے۔اس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مصلف ابن ابی شیبہ نقل کیا ہے۔اس کی روایت کرنے والی حضرت اسماء بنت یزید ہیں۔وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم ان دونوں آیتوں میں ہے (یہ دونوں آیتیں اوپر لکھی ہیں پہلی آیت سورۃ بقرہ کے رکوع ۱۹ کی آخری آیت ہے اور دوسری آیت سورہ آل عمران کے بالکل شروع میں ہے)۔

۵۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا اسم اعظم ان تینوں سورتوں میں ہے ۔ ا۔سورۃ بقرۃ۔۲۔سورۃ آل عمران۔۳۔سورۃ طٰہٰ۔

قاسم بن عبد الرحمن (جو راوی حدیث ہیں) نے فرمایا کہ میں نے اس حدیث کے تحت اسم اعظم تلاش کیا تو الحی القیوم کو اسم اعظم پایا۔[753] (۱)

---

753 (۱) مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ روایت بحوالہ مستدرک حاکم نقل کی ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے کہ بے شک اللہ کا اسم اعظم ضرور تین سورتیں ہیں:

اول سورۃ بقرہ، دوم سورۃ آل عمران، سوم سورۃ طٰہٰ۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد قاسم بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ تینوں سورتوں میں جو مشترک چیز ہے۔ وہ الحی القیوم ہے۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ اسی کو اعظم بتایا ہے۔ سورۃ بقرہ کے اندر آیت الکرسی میں الم اللہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہے اور سورۃ آل عمران میں الم اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہے اور سورۃ طہ میں وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ (سورۃ طٰہٰ: ۱۱۱) ہے۔ ان میں الحی القیوم مشترک ہے لیکن دعا کرنے والے کو پورے جملے پڑھنے چاہئیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ میرے نزدیک اللّٰہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اسم اعظم ہے، اور اس سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ ان کا یہ فرمانا محل نظر ہے کیونکہ دوسری حدیث سورہ طٰہٰ کا بھی ذکر ہے اور سورہ طٰہٰ میں لفظ الحی القیوم سے پہلے اللّٰہ لَا إِلَهَ إِلَّا ھو نہیں ہے۔ ہاں اگر صرف الحی القیوم مراد لیا جائے جیسا کہ قاسم بن عبد الرحمن نے فرمایا تو یہ درست ہے کیونکہ یہ تینوں سورتوں میں مشترک ہے لیکن جمع بین الحدیثین اس صورت میں بھی نہیں ہوتا اور در حقیقت بین الحدیثین کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ جن روایات میں جو اسم اعظم بتایا ہے اس کے مطابق عمل کرنا درست ہے ان میں سے جس کو بھی پڑھ کر دعا کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ جل شانہ، دعا قبول فرمالے گا۔ احادیث میں کوئی حصر کا کلمہ نہیں ہے تاکہ صرف کسی ایک کو اسم اعظم مانا جاسکے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابو جعفر طبری اور ابو الحسن اشعری اور ابو حاتم، ابن حبان اور قاضی ابو بکر باقلانی وغیر ہم نے فرمایا ہے کہ جن روایات میں لفظ اسم اعظم وارد ہوا ہے ان میں "اعظم" اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اعظم بمعنی عظیم ہے کیونکہ کسی نام کو اسم اعظم کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی دوسرا نام اس سے اعظم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اعظم ہیں اور یہ معنی لینے سے اعظم بمعنی عظیم ہو جاتا ہے۔

ان حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کے تفصیل اسماء پر درست نہیں ہے اور جن روایات میں لفظ "اعظم" وارد ہوا ہو وہ اس اعتبار سے ہے کہ اس اسم کے ذریعہ دعا کرنے والے کو ثواب بہت زیادہ ملے گا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسم اعظم کے بارے میں چودہ اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کو اسم اعظم کہنے کے بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ کشف یا خواب یا ذاتی رائے سے ان کو اسم اعظم کہہ دیا گیا ہے۔ اور

بعض کے بارے میں روایات موجود ہیں جن میں سے بعض سند کے اعتبار سے صحیح اور بعض ضعیف ہیں اور بعض حسن ہیں اور بعض کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اسم اعظم کی تعین پر استدلال کرنے میں نظر ہے۔

اسم اعظم کے سلسلہ میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا مستقل رسالہ ہے جس میں انہوں نے "اسم اعظم" کے بارے میں چالیس اقوال جمع کیے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ(سورۃالاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے۔

اور سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (سورۃ بنی اسرائیل:۱۱۰)

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

سورۃ حشر کے آخر میں اللہ جل شانہ نے اپنے چند اسماء ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ(سورۃالحشر:۲۴)

ترجمہ: وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا (ف۴۷) ہر ایک کو صورت دینے والا اسی کے ہیں سب اچھے نام اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزّت و حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو یاد کرنے اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنے کی احادیث شریف میں ترغیب دی گئی ہے۔

اس کے بارے میں بعض روایات میں من احصاہا وارد ہوا ہے اور بعض روایات لایحفظہا احد الا الخ آیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جو شخص اسمائے حسنیٰ کو خوب اچھی طرح ایک ایک کر کے یاد کر لے گا جنت میں داخل ہو گا۔ حدیث کی شرح لکھنے والوں نے من احصاہا کا مطلب اس کے علاوہ بھی بتایا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں بحوالہ حلیہ الاولیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے:

إن لله عز وجل تسعة وتسعين اسما، مائة غير واحدة، إنه وتر يحب الوتر، وما من عبد يدعو بها إلا وجبت له الجنة۔ الجامع الصغير۔(الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير تأليف الامام جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي ۸۴۹ - ۹۱۱ھ ج ۱ ص ۳۶۱)

اس حدیث کا مضمون وہی ہے جو صحیح بخاری کی روایت میں گزر چکا۔ البتہ اس میں یوں زیادہ ہے کہ جو شخص ان اسماء کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اس کے لیے جنت واجب ہو گی۔

حصن حصین کے مصنف امام جازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم اسم اعظم ہے تاکہ دونوں حدیثیں موافق ہو جائیں اور اس لیے بھی کہ واحدی کتاب الدعا میں یونس بن عبد الاعلیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ واللہ اعلم یہ قاسم عبد الرحمن کے بیٹے شام کے رہنے والے ہیں۔ تابعی ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں۔ سچے راوی ہیں۔

الل تعالیٰ کے اسماء حُسنیٰ:[754]

علامہ حنفی کا حاشیہ جو جامع صغیر پر ہے۔ اس میں یدعو بہا پر لکھا ہے کہ:

ای بعد تلاوتہا او قبل ذلک بان یقول اللھم انی اسالک او اتوسل الیک باسمائک الحسنیٰ کذا و کذا۔

یعنی ان اسماء کو پڑھنے کے بعد دعا کرے یا پہلے دعا مانگ لے۔ پھر یوں عرض کرے کہ اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے اسماء حسنیٰ کے ذریعہ آپ کی جناب میں وسیلہ پکڑتا ہوں وہ اسماء حسنیٰ یہ ہیں۔ ان کے بعد ہو اللہ الذی سے آخر تک ننانوی اسماء حسنیٰ پڑھ سے جو معہ ترجمہ نے لکھ دیئے ہیں۔

[6] یہ ننانوی نام جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں درج کیے ہیں۔ ان کے حوالے کے لیے سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم اور ابن حبان کا رمز لکھا ہے لیکن روایت ترمذی سے لی ہے جو ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ سنن ابن ماجہ کا حوالہ نہ دیتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ اس میں جو روات ہے اس میں آدھے کے قریب دوسرے اسماء حسنیٰ مذکور ہیں جو ترمذی کی روایت میں نہیں اور بہت سے وہ اسماء نہیں ہیں جو سنن ترمذی میں موجود ہیں حالانکہ سیاق کلام سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ سنن ابن ماجہ میں بھی پوری روایت سنن ترمذی کی روات کے مطابق یا اس کے قریب ہو گی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ سنن ابن ماجہ کی روایت کو مستقل ذکر کر دیتے تو اچھا تھا۔ چونکہ ترمذی کی روایت مذکورہ کے علاوہ دوسرے اسماء حسنیٰ بھی دیگر کتب میں وارد ہوئے ہیں۔ اس لیے محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ صرف ننانوے میں منحصر ہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ اسم وہ ہیں جن کا یاد کرنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

فَالْمُرَادُ الاخبار عَنْ دُخُولِ الْجنَّة باحصائها لَا الاخبار بحصر الْأَسْمَاء۔ (شرح سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۵)

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں بھی یہی ہے کہ جو شخص ان اسماء حسنیٰ کو یاد کر لے گا جنت میں داخل ہو گا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دونوں روایتیں ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سے بھی ننانوے نام یاد کر لے گا تو جنت میں داخل ہو گا۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ البتہ حضرات محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ ننانوے اسماء حسنیٰ حضور اقدس صلی اللہ

(یعنی ننانوے نام جن کے ذریعہ ہم کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے)

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی نے ارشاد فرمائے یا بعض رواۃ حدیث نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث شریفہ کا تتبع کرکے ایک جگہ جمع کردیا اور پھر حدیث کے ساتھ ملا کر روایت اور اس طرح سے حدیث میں ان اسماء کا ذکر مدرج ہو گیا۔ لیکن چونکہ ان اسماء میں سے اکثر تو ایسے ہیں جو قرآن مجید وحدیث میں بالتصریح موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو آیات واحادیث کے مضامیں سے مستفاد ہوتے ہیں اس لیے ان کو یاد کرلینا اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے طور پر پڑھ لینا ان شاء اللہ قبولیت دعا کا ایک سبب اور وسیلہ ضرور ہے۔

فائدہ: اسمائے حسنیٰ کو بیک وقت پڑھ کر دعا کرنا چاہے تو اوپر جس طرح لکھا ہے۔

هو الله الذی لااله الاهو الرحمٰن الرحیم۔

مسلسل پڑھتا ہے اور الصبور پر ختم کرکے دعا مانگ لے۔ مسلسل پڑھتے وقت ہر اسم کے آخری حرف پر پیش پڑھے اور اس پیش کو بعد والے اسم کے لام ساکن سے ملادے بیچ میں الف کو چھوڑدے۔ البتہ جن اسماء کے شروع میں حروف شمسیہ ہیں۔ (جن میں لام تعریف کا ادغام ہوتا ہے) وہاں پہلے اسم کے پیش کو دوسرے اسم کے حرف سے ملائے جو الف لام کے بعد ہے اور حروف شمسیہ جو اسماء حسنیٰ مذکورہ کے شروع میں ہیں۔ یہ ہیں، ت، ر، س، ش، ص، ض، ظ، ل، ن پڑھتے پڑھتے پڑھتے جب کسی جگہ سانس ٹوٹنے لگے تو وقف کردے اور الحصی اور المحی اور الوالی اور التعالی اور المغنی ا اور الہادی اور الباقی پر وقف کرے تو یا کو ساکن کرے اور اس سے پہلے والے حروف پر زیر رہے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ اسماء حسنیٰ کو یکجا اکٹھا پڑھے تو ہر اسم کے بعد لفظ جل جلالہ بڑھاتا جائے۔ اس صورت میں جلالہ کی ھ حسب قاعدہ مذکورہ بعد والے اسم سے ملے گی اور جن کلموں کے آخر میں ی ہے (جن کا ابھی ذکر ہوا) ان کو وقف کے قاعدہ کے مطابق پڑھیں گے۔ ان باتوں کو کسی بڑے عالم یا صاحب فن قاری سے سمجھ لیں۔

اگر کسی ایک نام کا وظیفہ تو شروع میں یا لگا کر پڑھیں اور اس اسم سے الف لام حذف کردیں۔ مثلاً اس طرح پڑھیں یارحمٰن یارحیم یاقدوس یاسلام وغیرہ لیکن لفظ اللہ کے شروع میں جو الف زبر کے ساتھ ہے (جو قواعد اور عربیہ کے مطابق ہمزہ ہے۔ وہ باقی رہے گا اور لام سے ملے گا۔)

ا۔جو بھی کوئی شخص ان کو خوب اچھی طرح یاد کرے گا جنت میں داخل ہو گا۔[755]

۲۔ان ناموں کو جو بھی کوئی ن شخص محفوظ کر لے گا ضرور جن ت میں داخل ہو گا۔[756]

چند دیگر اذکار

جن کے ذریعہ دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے:

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ دعا کرنا قبولیت دعا کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ان اسماء کو بیان کرنے کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ چند دیگر اذکار و کلمات لکھتے ہیں جن کو احادیث شریفہ میں مقبولیت دعا کا ذریعہ ہوتا ہے۔

ا۔حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک شخص کو یا ذوالجلال والا کرام (اے بزرگی اور اکرام والے) کہتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا، تیری دعا کی قبولیت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے لہٰذا تو سوال کر لے گا۔[757]

۲۔فرمایا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کہ جو شخص یا ارحم الراحمین (اے سب رحم کرنے والوں مین سب سے زیادہ رحم کرنے والے) کہتا ہے اس کے لیے اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے۔پس جو شخص تین بار یہ کلمہ کہتا ہے تو فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے تو چاہے طلب کر۔[758]

---

[755] بخاری،مسلم،ترمذی،نسائی، ابن ماجہ،حاکم،ابن حبان۔

[756] بخاری

[757] (ترمذی عن معاذ رضی اللہ عنہ)

[758] (حاکم عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا، جو یاارحم الراحمین کہہ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس سے فرمایا تو سوال کرلے، اللہ تعالیٰ نے تیری طرف نظر (کرم) فرمائی۔[759]

۳۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت کہتی ہے کہ اے اللہ! اس کو جنت میں داخل فرما اور جو شخص دوزخ سے تین بار پناہ مانگتا ہے تو دوزخ کہتی ہے کہ اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھیو۔[760]

۴۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان پانچ کلمات کے ذریعہ دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی سوال کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا۔

لا إلهَ إلّا اللهُ واللهُ أكبرُ لا إلهَ إلّا اللهُ وحدَه لا شريکَ له له المُلکُ وله الحمدُ وهو على كلِّ شيءٍ قديرٌ لا إلهَ إلّا اللهُ ولا حولَ ولا قوّةَ إلّا باللهِ۔[761]

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور وہی سب سے بڑا ہے ۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور برائی سے پھرنے اور نیکی کی قوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

دعا قبول ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

---

[759] حاکم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[760] ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[761] الراوي: معاوية بن أبي سفيان • الطبراني، المعجم الأوسط (٢٧٩/٨)۔ الدمياطي، المتجر الرابح (٢٤٠)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی دعا کی قبولیت کا پتہ چل جائے پس قبولیت کے نتیجہ میں مرض سے شفا پا جائے یا (بخیر وعافیت) سفر سے واپس ہو جائے تو اسے کیا چیز روکتی ہے کہ یہ کلمات کہے۔[762]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔[763]

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ پاک کے لئے جس کے غلبہ وبزرگی کے سبب اچھے کام پورے ہو جاتے ہیں۔

کائنات کو وجود کیسے ملا؟

کیا یہ خود بخود ظہور میں آگئی؟ کیا مادہ اپنا خالق خود آپ ہے؟ کیا عدم سے وجود میں لانے کے لئے کسی موجد کی ضرورت نہیں؟ کیا تخلیق بغیر کسی خالق کے ممکن ہے؟

قرآن مجید کی اس دلیل پر غور کیجئے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ (٣٥) أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ (الطور ٣٦)

کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں یا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کئے بلکہ انہیں یقین نہیں۔

جب کچھ بھی موجود نہیں تھا تو یہ آسمان، چاند، تارے، یہ زمین، سمندر اور پہاڑ کہاں سے آگئے؟ کیا کوئی شئے خود بخود عدم سے وجود میں آسکتی ہے؟ انسانی عقل صاف گواہی دیتی ہے کہ

---

762 (مطلب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کا ظہور ہو جانے پر ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔)

763 (مستدرک، کتاب الدعاء والتکبیر...الخ، الدعاء اذا شفی...الخ، ٢/ ٢٤١، حدیث: ٢٠٤٣)

کسی موجود کا وجود بغیر موجد کے پایا جانا عقلاً محال ہے اس لیے کہ ہر ممکن الموجود پہلے عدم میں تھا، پھر وجود میں لایا گیا، تو لازم ہے کہ کوئی اس کا لانے والا ہو۔

انسانی عقل صاف گواہی دیتی ہے کہ کسی موجود شے کا خود ہی اپنا موجود ہونا عقلاً محال ہے کیونکہ اس سے شے کا وجود اس کی ذات سے پہلے آنا لازم ہوتا ہے جو عقلاً باطل ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ایک شے جو ابھی تک موجود ہی نہیں ہے۔ حالت عدم میں ہے۔ لا شے ہے، خالق نہیں بن سکتی، یعنی ابھی تو وہ سرے سے موجود ہی نہیں، کجا یہ کہ وہ وجود میں آنے والی شے کی موجد بن جائے۔

تو ثابت ہوا کہ ایک شے کا بیک وقت مخلوق و خالق ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ وجود میں آنے سے پہلے اس کا کسی طرح سے وجود نہیں کجا کہ وہ اپنی تخلیق کا سامان پیدا کرے۔

چنانچہ تخلیق کائنات کی اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ ممکن نہیں کہ ایک خالق و مدبر کے وجود کو مانا جائے۔ فلسفہ قدیم میں خدا کے وجود پر یہی دلیل کچھ اس انداز سے بیان کی گئی ہے:

ہمارے حواس خمسہ پورے یقین کے ساتھ ہمیں اس فیصلہ پر پہنچا دیتے ہیں کہ اس دنیا میں کچھ چیزیں حرکت کر رہی ہیں (یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہی ہیں یا گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں یا ان میں کسی اور قسم کا تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے)۔ دوسری یقینی بات یہ ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک حرکت نہیں کرتی جب تک کہ کوئی دوسری قوت یا کوئی دوسری چیز اسے حرکت میں نہ لائے۔ ایک چیز خود اپنے آپ کو حرکت نہیں دے سکتی کیونکہ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ وہ ایک ہی وقت میں خود ساکن بھی ہے اور متحرک بھی جو عقلاً محال ہے۔

چناچہ ی بات طے ہوئی کہ جو چیز بھی حرکت کر رہی ہے اس کو کوئی اور چیز حرکت میں لائی ہے اور اس حرکت میں لانے والی چیز کو بھی کوئی اور چیز حرکت میں لائی تھی۔ اب اس حرکت میں لانے

والی چیز کو بھی کوئی اور چیز حرکت میں لائی۔یونہی اوپر کی طرف بڑھتے جائیے، ہر محرک کا ضرور کوئی نہ کوئی محرک ہونا چاہیے لیکن محرکوں (حرکت میں لانے والی اشیاء) کا یہ سلسلہ لامتناہی نہیں ہو سکتا ۔کیونکہ اگر محرکوں کا یہ سلسلہ لامتناہی مان لیا جائے تو یہ بات لازم آئے گی کہ کوئی بھی محرک اول نہیں ہے۔یعنی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس نے سب سے پہلے حرکت پیدا کی اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی محرک اول نہین ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس نے سب سے پہلے حرکت دی ہو تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حرکت کو وجود ناپید ہے۔جب محرک اول ہی نہیں ہے تو حرکت کہاں سے آگئ ۔لازم حرکت کی نفی کرنا پڑے گی۔

لیکن حرکت کے وجود کے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اس کے وجود کا فیصلہ تو شروع ہی میں ہمارے حواس خمسہ دے چکے ہیں۔ چناچہ ہمیں لازماً محرک اول کا وجود ماننا پڑے گا۔ایسے محرک نے حرکت دے تو دی لیکن وہ خود حرکات کا محتاج نہیں تھا۔بالفاظ دیگر ایسا خالق جس نے دوسری اشیاء کی تخلیق تو کی لیکن خود اس کی کسی نے تخلیق نہ کی۔

دیکھئے سورۃ اخلاص میں ایسے ہی خالق کی صفات بیان کی گئ ہیں:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (1) اللهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4)(سورۃاخلاص)۔

ترجمہ: تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

اب قرآن مجید کی ان آیات پر غور کیجئے۔بات واضح ہو جائے گی:

وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى (سورۃالنجم:۴۲)۔

ترجمہ: اور یہ کہ بے شک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (سورۃھود:۱۲۳)۔

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے تو اس کی بندگی کرو اور اس پر بھروسہ رکھو اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ خدا کہ وجود کے علاوہ تخلیق کائنات کی کوئی اور توجیہ ممکن نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ منکرین خدا نے اس مسئلہ پر آکر بحث کرنا چاہی تو آپ نے مندرجہ ذیل حکیمانہ انداز میں ان کی تشفی فرمائی:

فرمایا"چھوڑو چھوڑو، میں ایک فکر میں مستغرق ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ سمندر میں ایک کشتی کھڑی ہے جس میں قسماقسم کے سامانِ تجارت ہیں، کوئی اس کا محافظ یا چلانے والا نہیں ہے اور وہ خود بخود آتی جاتی ہے، خود بخود تند وریز موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جہاں جاتی ہے صاف بچ کر نکل جاتی ہے اور ساحل پر پہنچ جاتی ہے اور اس کا کوئی چلانے والا نہیں ہے۔"

زندیق کہنے لگے:"یہ ایسی بات ہے جو کوئی عقل مند انسان نہیں کہہ سکتا۔"

فرمایا: ظالمو! پھر یہ نظامِ شمسی، یہ عالمِ بالا اور عالمِ سفلی اور اس میں جس قدر مضبوط حکم و مصالح سے پر اشیاء موجود ہیں ان کا خالق و مدبر کوئی نہیں ہے؟ کیا یہ بات کسی کے قل و تصور میں آسکتی ہے؟

اسی طرح سے ایک بدو گنوار سے کسی نے خدا کی ہستی کی دلیل دریافت کی تو اس نے اپنے سادہ اسلوب میں خوب جواب دیا۔

البعرۃ تدل علی البعیر واثار الاقدام لتدل علی المسیر فالسماء ذات ابراج والارض ذات فجاج وبحار ذات امواج کیف لا تدل علیٰ وجود اللطیف الخبیر۔

مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے (یعنی مینگنی کا نظر آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ ضرور اونٹ یہاں سے گزرا ہے) اور قدموں کے نشان کسی چلنے والے کا پتہ دیتے ہیں۔ پھر یہ کیا بات ہوئی کہ بڑے بڑے برجوں والا آسمان اور بڑی بڑی گھاٹیوں والی زمین اور موجوں والے سمندر کسی لطیف وخبیر ذات کے وجود پر دلالت نہ کریں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی مادی شے خود اپنی تخلیق پر قادر نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ کائنات از خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر کائنات از خود پیدا ہو سکتی ہے اور تخلیق کی قوت سے متصف ہے جسے ہم خدا کی صفت قرار دیتے ہیں تو پھر ہم اس کائنات کو ہی خالق یا خدا قرار دے رہے ہیں مگر یہ بہت عجیب قسم کا خدا ہو گا جو مادہ بھی ہو گا اور مادہ سے بلند تر بھی۔ کو خود فطرت بھی ہو گا اور ما فوق الفطرت بھی، جو خود خالق بھی ہو گا اور مخلوق بھی، ایسا خدا خود حاکم بھی ہو گا اور محکوم بھی۔ آخر ایسے مہمل تصور خدا کو قبول کرنے کی بجائے ایک سیدھے سادھے تصور خدا کو کیوں نہ مان لیا جائے جس میں کوئی عقلی و منطقی جھول نہ ہو۔ ایسا خدا جس نے ایک عالم مادی کی تخلیق کی ہے، وہ خود اس کا جزو نہیں بلکہ اس کا خالق اور حاکم ہے۔

تخلیق کائنات کی مادی توجیہ سے ایک اور غیر منطقی صورت بھی پیش آسکتی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ کائنات از خود پیدا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو کائنات کے ایک ایک ذرہ کو تخلیق کی خدائی صفت سے ماننا پڑے گا۔ ہر ہر ذرہ اپنی اپنی جگہ پر خالق، ہر ہر ایٹم اپنی جگہ پر خدا لیکن جدید دور کی سائنس تو بڑی وثوق سے ہمیں بتلا رہی ہے کہ کوئی ذرہ خود مکتفی اکائی نہیں ہے، کوئی ذرہ تن تنہا اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ہر ذرہ اپنے وجود کے لیے دوسرے ذرے کا محتاج ہے۔ ہر ذرہ خارجی مدد

کا محتاج ہے تو وہ ذرہ کائنات جو اپنے تئیں اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتا، تخلیق کا عمل کس طرح نباہ کر سکتا ہے؟

پھر جدید دور کی سائنسی تحقیقات نے حتمی طور پر بتلادیا ہے کہ ان ذرات کا آپس میں بہت ہی گہرا نظم وربط ہے۔اس نظم وربط کے بغیرت کائنات کی تخلیق ،اس کا وجود اور اس کا ارتقاء سب کچھ ناممکن ہے۔ سائنسی تحقیق کہتی ہے کہ ان نہایت حقیر سے ذرات نے جن کی حقیقت وماہیت کو ہمارے لیے دیکھنا بھی مشکل ہے، کروڑہا بلکہ اربہا ایسے ستاروں اور سیاروں کو وجود بخشا ہے جن کی ہیئت متعین اور ان کی ہیئت کا بیان ممکن ہے جو اصل قوانین کے تحت قائم ومتحرک ہیں۔ان ستاروں اور سیاروں کی ترکیب وتربیت کمال حکمت سے ،جو مادی فہم وادراک سے بلند تر ہے،انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرات سے کی گئی ہے اور پھر ان ذرات کے اندر خود بھی وہی نظام چھوٹے پیانے پر قائم اور جاری ہے۔ یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اربہا ذرات میں یہ ہم آہنگی اور نظم وربط کہاں سے آگیا؟

پھر انہی ذرات سے نہ صرف ستارے اور سیارے وجود میں آئے بلکہ کروڑہا ذی روح ہستیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ایک زندہ انسان کس طرح سے عالم وجود میں آگیا؟ اگر کائنات کا ہر بے بس اور بے جا ذرہ اپنے آپ کو پیدا کر سکتا ہے تو میں تو ایک زندہ اور باشعور ہستی ہوں،ایک بے بس ذرے سے زیادہ طاقت ور، زیادہ باشعور،زیادہ تخلیقی قوتوں کا مالک ،میں اپنے آپ سے پورے خلوص اور دیانت کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہے؟ اور اپنے آپ کو ازخود پیدا کر لینے کے بعد میں اپنے نظام جسم کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہوں؟ کیا دل کی دھڑکن میرے حکم کے مطابق ہو رہی ہے؟ کیا جگر، پھیپھڑے، گردے اور دیگر تمام اعضائے جسمانی کوئی کام کرنے

سے پہلے میرے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور میری مرضی کو پورا کرتے ہیں، کیا میرے سر کے بال میری مرضی سے گرتے ہیں، میری داڑھی کے بال میری مرضی کے مطابق سفید ہو رہے ہیں ۔میرے چہرے پر جھریاں میری اجازت سے پڑ رہی ہیں؟ دل صاف گواہی دے رہا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے خود نہیں کیا اور میں نہیں کر سکتا۔ایک قوت،ایک ہستی جو میرے علاوہ کوئی اور ہے ۔۔۔کم از کم میں خود نہیں ہوں۔۔۔جو میرے پورے نظام جسمانی کو سنبھالے ہوئے اور اس قدر چابک دستی اور صحت کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہے کہ میں اس کے نظام کو اور اس کی حکمتوں کو پوری طرح سے سمجھ بھی نہیں سکتا اور عام انسانوں کی اکثریت تو اتنی بات سے بھی واقف نہیں کہ ان کا جسم کا سارا نظام کس طرح سے وجود میں آگیا اور اب کس طرح سے چل رہا ہے؟ جگر کہاں واقع ہے؟ اف !انسان کی بے بسی!اس انسان کی بے بسی جو اس کائنات کی مضبوط ترین اور ذہین ہستی ہے!ہائے انسان کی بے بسی خود اپنے جسم کے بارے میں،خود اپنے جسم کی تخلیق اور نظام عمل کے بارے میں اور خود اس نظام کو سمجھ سکنے کے بارے میں!

قابل غور بات یہ ہے کہ جب انسان اپنی تخلیق اور اپنے جسمانی نظام کو چلانے کے بارے مین بے بس تو ایک جان دار،بے شعور اور بے بس ذرہ کائنات اپنی تخلیق خود کس طرح سے کر سکتا ہے؟ پھر کس طرح سے مادہ خود اپنا خالق اور اپنا ناظم بن گیا؟ پھر کس طرح سے یہ کائنات از خود پیدا بھی ہو گئی،از خود ارتقاء پذیر بھی ہو گئی اور از خود پورا نظام کائنات نظم وضبط کی تمام باریکیوں سمیت خود بخود صحت سے جاوی وساری ہے؟ اب تک تو ان نشانیوں کا ذکر کیا گیا جو مجموعی طور پر اس پوری کائنات میں نظر آتی ہیں۔آیئے اب کچھ ان نشانیوں کا تذکرہ کریں جو جمادات،نباتات،حیوانات بلکہ خود انسان کی شکل میں اس زمیں پر بکھری ہوئی ہیں۔

جمادات اور رحمت

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا (سورۃ الفرقان: ۵۳)۔

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے رواں کیے دو سمندر یہ میٹھا ہے نہایت شیریں اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ اور ان کے بیچ میں پردہ رکھا اور روکی ہوئی آڑ۔

"یہ کیفیت ہر اس جگہ رونما ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں آگرتا ہے۔ اس کے علاوہ خود سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں۔ جن کا پانی سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے۔ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مرآۃ الممالک میں جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پینے کا پانی حاصل کرتا ہوں۔ موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداء وہ بھی خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنوئیں کھود لیے گئے اور ان سے پانی لیا جانے لگا۔"[764]

تلخ وشور پانی کے عین درمیان میٹھے پانی کا وجود سوائے ایک اخلاق عظیم کے تخلیق شاہکار کے اور کیا ہو سکتا ہے جسے اپنی مخلوق کی تکلیف وپیاس گوارا نہیں۔ اس نے اپنے عظیم منصوبہ کے تحت اس جگہ بھی میٹھے پانی کا انتظام فرمادیا جہاں عام حالات میں میٹھے پانی کا وجود ممکن نہیں۔

---

[764] تفہیم القرآن، جلد سوم ص ۴۵۸

پھر سمندر کے اس تلخ و شور پانی میں سے انتہائی احتیاط کے ساتھ پانی کشید کیا جاتا ہے اور انتہائی صاف، شفاف اور شیریں پانی بادلوں کی پیٹھ پر سوار کر کے بالائی علاقوں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اتنے کروڑ پانی میں سے میٹھا پانی نکال لانا اگر تخلیقی فن پارہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کیا اس خلاق عظیم کے لیے یہ زیادہ آسانی سے ممکن نہ تھا کہ کڑوے کا کڑوا پانی ہی بادلوں میں بھر دیا جاتا نہ یہ پانی پینے کے کام آ سکتا اور نہ آب پاشی کے، بلکہ جس جس زمین تک یہ پہنچ جاتا اس کی زرعی استعداد بھی تباہ ہو جائی ؟

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ۔

ترجمہ: تو بھلا بتاؤ تو وہ پانی جو پیتے ہو کیا تم نے اسے بادل سے اتارا یا ہم ہیں اُتارنے والے ہم چاہیں تو اُسے کھاری کر دیں پھر کیوں نہیں شکر کرتے۔

بارش کے چھینٹے اتفاقاً ہی زمین پر نہین گر جاتے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک زبردست قسم کا نظام ہے جس سے انسانی زندگی رواں دواں ہے۔ اگر بارش کے چھینٹے محض اتفاق کا نتیجہ ہوتے تو کبھی تو ایسا ہوتا کہ کسی علاقے میں خوب بارش ہو جائی اور کبھی ایسا ہوتا کہ کئی کئی سال تک وہاں ایک چھینٹا بھی نہ پڑتا۔ اس کے برعکس صورتحال یہ ہے کہ بارش کا زمین کے تمام خطوں کے لیے ایک مخصوص کونہ مقرر ہے جو ہر صورتحال یہ ہے کہ بارش کا زمین کے تما خطوں کے لیے ایک مخصوص کوٹہ مقرر ہے جو ہر سال صحیح وقت پر مل جاتا ہے۔ انسانی آبادی شروع سے لے کر اب تک بارش کے اس مخصوص کوٹے سے وابستہ چلی آ رہی ہے اور پھر ایسا نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ بارش ہو گئی اور سال بھر پانی کو ترستے رہے بلکہ بارش کا پانی پہاڑوں پر کہیں جھلیوں کی شکل میں کہیں برف کی شکل

میں اسٹاک کر دیا جاتا ہے اور یہ اسٹاک اربوں من برف کی شکل میں سال بھر تھوڑا تھوڑا نشیبی علاقوں کی طرف سپلائی ہوتا رہا ہے۔ بارش کا ایک اور کمال دیکھئے:

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (سورۃ الروم: ۲۴)۔

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈراتی اور امید دلاتی اور آسمان سے پانی اُتارتا ہے تو اس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔

یہ بجلی بھی خوب رہی، اس میں خوف بھی ہے اور طمع بھی۔ خوف تو بجلی کے گر جانے سے تباہی کا اور طمع اس بات سے زمین سیر اب ہو گی۔ جدید سائنس نے ایک اور انکشاف بھی بجلی کے بارے میں کیا ہے کہ اس کے کڑک سے بارش کے پانی میں کثیر مقدار میں نائٹروجن ملادی جاتی ہے۔ وہی نائٹروجن جو کھاد کا جزو عظیم ہے۔ نائٹروجن سے ملا ہوا یہ پانی جب زمین پر گرتا ہے تو زمین کی زرعی قوت کو کئی بڑھا دیتا ہے۔

یہ پہاڑ جو ہمارے لیے برف اور پانی کا ذخیرہ ہیں ایک اور اہم کام انجام دیتے ہیں وہ یہ کہ پہاڑ زمین کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں، وہ زمین جس کے پیٹ میں کھولتے ہوئے آتش فشاں، انتہائی گرم سیال مادے اور گیسیں موجود ہیں کبھی سکون سے اپنی سطح سی برقرار نہیں رکھ سکتی، اگر پہاڑوں کی لمبی لمبی میخیں اس کے پیٹ میں نہ گاڑی جاتیں۔ یہ بات قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا (6) وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا (سورۃ النباء: ۷، ۶)۔

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو میخیں۔

نیز فرمایا:

وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ (سورۃ لقمان:١٠)۔

ترجمہ: اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے۔

آگ کے وجود کو بھی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ أَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ۔

ترجمہ: ”تو بھلا بتاؤ تو وہ آگ جو تم روشن کرتے ہو کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا (ف ۵۶) یا ہم ہیں پیدا کرنے والے“۔

ہوا، پانی اور زمین کی نعمتوں کی طرح آگ بھی انسانی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ یہ سب چیزیں کس نے پیدا کی ہیں؟ کیا یہ خود بخود وجود میں آگئیں؟ کیا انسان نے ان کو پیدا کیا؟ کیا ان کو پیدا کرنے کے بعد ان کا نظام انسان چلا رہا ہے؟ کیا آگ اور پانی میں کوئی ایسا سمجھوتہ ہے جس کے تحت یہ دونوں اپنے اپنے وجود کو اور ایک بہترین نظام کو برقرار رکھے ہوئے ہیں؟

اگر انسان کی عقل سلامت ہے تو ہو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ فطرت کی یہ بے پناہ اور بے حد وحساب پھیلی ہوئی اندھی بہری قوتیں خود کو پیدا کرنے اور پھر آپس میں نظم وربط قائم رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، ان کی تخلیق و تنظیم کے لیے ایک قدیر وبصیر خالق کا وجود مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

نباتات اور رحمت

نباتا کی پیدائش میں بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کی بے پناہ نشانیاں ہیں:

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ (سورۃ یٰس:۳۵،۳۳)۔

ترجمہ: اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور پھر اس سے اناج نکالا تو اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں (ف ۴۱) باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے بہائے کہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں اور یہ ان کے ہاتھ کے بنائے نہیں تو کیا حق نہ مانیں گے۔

ایسے ہی ایک اور جگہ یوں فرمایا:

إِنَّ اللهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ۔

ترجمہ: بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ زمین سے اناج اور پھلوں کے باغات کا پیدا ہونا اتنا آسان کام نہیں ہے ۔اس زمین سے گندم کا ایک دانہ بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ کائنات کی بے شمار چیزیں مل کر پورے تعاوہ اور نظم وضبط کے ساتھ اپنی قوتیں ایک بیج کے دانے پر موکوزنہ کر دیں۔ زمین کی زرعی قوت ،پانی خاص قسم کا درجہ حرارت،بروقت بارش ،سورج کی گرمی، آکسیجن اور نائٹروجن کا عمل غرض یہ کہ بے شمار عوامل اپنی اپنی جگہ سے ایک بیج کے دانے پر اپنی قوتیں صرف کر رہے ہیں۔۔اگر سورج کی گرمی کم یا زیادہ ہو جائے ،اگر زمین کی زرخیزی کم یا زیادہ ہو جائے،اگر سمندر سے بادل آکر بارش نہ برسائیں اور موسم ٹھیک ٹھیک وقت پر اس بیج کی چاکری نہ کریں تو اناج کا یہ دانہ اور کسی بیج کا کوئی پوادا بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ معلوم یہ ہوا کہ سمندر،ہوا،بارش،سورج،زمین مختلف گیسیں اور اسی طرح بے شمار مختلف قوتیں کسی ایسی بڑی قوت کے ماتحت ہیں جو انہیں ایک نظام میں باندھے ہوئے ہے جس نظام کے تحت یہ ٹھیک ٹھیک وقت پر، ٹھیک ٹھیک نسبت ہے باہمی تعاون

کرتے ہوئے اس بیج کی چاکری کرتی ہیں اور وہ بیج پودے کی شکل میں سے بڑھتا ہے، بیچارے کسان کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ زمین کو نرم کرنے کے بعد اس میں بیج ڈال دے اور پھر اناج کے لیے خدا کی رحمت کا منتظر ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:

أَفَرَأَيْتُم مَا تَحْرُثُونَ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ وَ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (سورۃ الواقعہ:٦٣۔٦٧)۔

ترجمہ: تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم چاہیں تو اسے روندن (پامال) کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر چٹّی (تاوان) پڑی بلکہ ہم بے نصیب رہے۔

تو معلوم ہوا کہ کاشت کرنا تو انسان کے بس میں ہے لیکن کھیتی کا اگانا اور پودے کو بڑھانا ان کے بس میں نہیں ہے۔

پھر نباتات میں بھی زندگی کا پورا نظام موجود ہے۔ قرآن مجید نے آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس نظام کی نشان دہی کی بلکہ یہاں تک کہ کہہ دیا کہ ان میں بھی نر مادہ موجود ہیں۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ (سورۃ لقمان:١٠)۔

ترجمہ: ہم نے آسمان سے پانی اُتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اُگایا۔

ابر و باد و مہ خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (سورۃ عبس:٢٦،٢٤)۔

ترجمہ: تو آدمی کو چاہیے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا۔

حیوانات اور رحمت

یوں معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کہ ہر چیز انسان کی خدمت کے لیے بنائی گئی ہے۔زمین پر بے شمار قسم کے جانور پیدا کیے گئے اوران کی ساخت بتائی ہے کہ یاتو یہ سواری کے لیے بنائے گئے ہیں یا بار برداری کے لیے اور یا پھر خوراک کا کام دے سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ(سورةالنحل:٦٦)

ترجمہ: اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لیے۔

سچی بات یہ ہے کہ اگر دودھ کی پیدائش کے نظام پر ہی غور کیا جائے تو نسان ششدر رہ جاتا ہے ۔پیٹ میں ایک طرف ناپاک اور غلیظ گوبر اور دوسری طرف بدبودار خون۔لیکن ان دونوں کے درمیان جو چیز پیدا ہو رہی ہے وہ انتہائی صاف،خوشگوار اور خوشبودار ہے اور انسانی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔اگر انسانی عقل ضد کی وجہ سے اندھی نہ ہو گئی ہو تو ایک ایسی ہستی کا وجود جو ماؤں

میں مامتا پیدا کر دیتا ہے اور مامتا کے ذریعے دودھ پلا دیتا ہے، سورج کی روشنی سے زیادہ عیاں نظر آتا ہے۔

انسان کی بساط تو فقط اتنی ہے کہ وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتا۔پیدا تو کیا کرے گا اگر مکھی اس کے کھانے سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ بھی واپس نہیں لا سکتا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ (سورة الحج:۷۳)۔

ترجمہ: وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں۔

مشاہدات اور قدرتِ الٰہیہ

اول مشاہدہ۔وحدانیت باری تعالیٰ:

مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ اکیلے کی ہستی کا تعین کرنا ہر ایک انسان کے لیے فرض ہے کیونکہ جہاں کی ہستی انسان کو مجبور کرتی ہے صانع اور خالق کے مان لینے پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ عالم میں دو قسم کی چیزیں موجود ہیں ایک انسانی مصنوعات، ایک قدرت کی بنائی ہوئی چیزیں پس جس طرح انسانی مصنوعات میں لوہا خود بخود تلوار نہیں بن سکتا جب تک کوئی لوہار نہ بنائے اسی طرح لوہا بھی زمین کے اندر خود بخود نہیں بن سکتا۔جب تک مولیٰ نہ بنائے افسوس

ہے ان دہریوں خدا کے منکروں پر کہ ان کے نزدیک انسانی مصنوعات خود بخود عناصر کے ملنے سے نہیں بن سکتیں مگر قدرتی مصنوعات مخلوقات خود بخود اربعہ عناصر کے میل سے بغیر صائع کے پار ہو جائیں وجہ افسوس کی یہ ہے کہ وہ باریک ذرے جن سے مخلوقات تیار کی جاتی ہے اگر ان کو کسی عالم عاقل بالغ کے ماتحت تسلیم نہ آجائے یہ ضرور ماننا ہو گا کہ وہ ذرات ذی شعور اور بہت بڑے ذی شعور ہیں جو ہر چیز کے کیمیاوی اجزاء کو ایسے مناسب طریق سے باہم ملاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان عقل مند سے عقل مند بڑی بڑی کمیٹی بھی نہیں ملا سکتی۔ مثلاً سونا زمین سے پیدا ہوتا ہے مگر انسان باوجود قل کے ایسے اجزاء نہیں ملا سکتا اسی طرح نیم کے کڑوے درخت میں پھل کا شیریں پیدا ہونا کاری گری پر دلالت کرتا ہے کہ جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لوہے مقناطیس می کشش کا پیدا نہیں کر سکتا اسی طرح ہزار ہا اشیاء کی ساخت لاکھوں درخت اور پھول ایسے ہیں کہ سارے جہاں کے عقل مند مل کر ایک پتی بھی نہیں بنا سکتے تب معلوم ہوا کہ اربعہ عناصر کے ذرات نہایت درجہ کے عقل مند ذی شعور ہیں کہ ان کی مثل کوئی عقل مند نہیں ہو سکتا اور عناصر یا ذرات کا ذی شعور کہنا بدہستہ باطل ہے۔ پس ضرور ہوا کہ ان ذرات سے عالم کا بنانے والا کوئی زبر دست عقل مند ذی شعور ذات ہ ورنہ اربعہ عناصری یا ان ذرات کی توحیات بھی محقق نہیں ہوئی اور کجا ان کا شعور پھر شعور بھی ایسا کہ جو جہان بھر کو عاجز کرتا ہو بالضرور یہ قول حق ہے:

ایں سبب ہا ور نظـــر ہا پر دہاست

در حقیقـــت فـــا عـــل ہر شے خداست

دوسرا مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

بہت سی ایسی مشینیں ایجاد ہوئیں جو پھولوں کے کیمیاوی اجزاء کو الگ الگ تو کرتی ہیں۔ مثلاً املی سے گوند، شکر ترشی پانی بھوسی جدا جدا کر دیتی ہیں مگر ہم تو جب جانیں کہ جو اجزاء جدا کیے ہیں ان کو کوٹ کر ملا کر پھر ویسی املی تیار ہو جائے اگر وہ اجزاء ملائے بھی جاتے ہیں اور کوئی مہمل سی شے تیار ہو جاتی ہے اور وہ مثل صادق آتی ہے کہ تیرا پہلا روپ بھی کھودوں تو کیا دے گا۔ جب عقل مند انسان کی بڑی سے بڑی جماعت املی کے اجزاء معلوم ہونے کے بعد املی تیار نہ کر سکے پھر وہ ذات حیات بھی نہیں۔ ذی شعور کہاں سے ہوں گے ان ذرات میں بڑے زور لگانے سے صرف ایک حرکت مضطربانہ باہم ملنے کی بتائی گئی ہے جو کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی پھر وہ ذرات یہ پھل پھول یہ میوے یہ باغات یہ سونا چاندی یہ جواہرات یہ حیوانات یہ خوبصورت آدمی وغیرہ وغیرہ کسی طرح بنا سکتے ہیں۔ قرآن کا فرمانا بالکل درست ہے۔ اللہ خالق کل شئی بے شک اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ وھو بکل شیء علیم اور وہ ہر چیز کی ساخت کا علم رکھتا ہے۔ پھر اگر اربعہ عناصر اور وہ ذرات بھی موجد و خالق کا ہونا لازم ہوا۔ پھر جو عناصر کا خالق ہے وہی سب کا خدا ہے پھر اگر اربعہ عناصر اور وہ ذات بھی حادثات ہیں جیسا کہ بعض محققین یورپ کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے تب تو پھر ان کے لیے بھی موجد و خالق کا ہونا لازم ہوا پھر جو عناصر کا خالق ہے وہی سب کا خدا ہے۔

تیسرا مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

حکایت: خلفائے عباسیہ کی حکومت کے زمانہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دہریہ (خدا کی ہستی کے منکر) سے مناظرہ مقرر ہوا اور زیر بحث یہی مسئلہ تھا کہ عالم کا کوئی خالق ہے یا نہیں۔ اول تو مناظرہ پھر خلیفہ اور بادشاہ کے دربار میں پھر اتنے بڑے امام سے ددوست دشمن سب ہی

موجود ہوگئے۔ دہریہ بھی آیا مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وقت مقررہ سے بہت دیر کے بعد مجلس میں تشریف لائے۔ دہریہ نے پوچھا کہ آپ نے اتنی دیر کیوں لگائی آپ نے فرمایا کہ بھائی اتفاق سے آج جنگل کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں ایک عجیب واقعہ نظر آیا۔ جس کو دیکھ کر حیرت میں آکر وہیں کھڑا رہ گیا پوچھا کہ جناب وہ واقعہ کیا تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے پر ایک بڑا درخت کھڑا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت خود بخود کٹ کر زمین پر گر پڑا پھر خود بخود اس کے تختے تیار ہوئے پھر ان تختوں کی خود بخود ایک کشتی تیار ہو کر دریا میں جا پڑی جو ادھر کے مسافروں کو ادھر اور ادھر کے مسافروں کو ادھر لگانے لے جانے اور پار اتارنے لگی۔ ہر ایک شخص سے محصول بھی وصول کرتی تھی دہریہ نے یہ سن کر ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ آپ جیسا بزرگ اور امام ایسا جھوٹ بولتا ہے بھلا یہ کام کہیں خود بخود ہو سکتے ہیں جب تک کوئی کرنے والا نہ ہو کسی طرح نہیں ہو سکتے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ کے نزدیک تو اس سے بھی زیادہ بڑے بڑے عالی شان کام خود بخود بغیر کسی کرنے والے کے تیات ہوتے ہیں۔ یہ زمین یہ آسمان چاند یہ سورج یہ ستارے یہ باغات یہ سدہا قسم کے رنگین پھول اور شیریں پھل یہ پہاڑ یہ چوپائے یہ ساری خدائی بغیر بنانے والے کے تیار ہوگئی اگر ایک کشتی کا خود بخود بن جانا جھوٹ ہے تو سارے جہاں کا بغیر بنانے والے کے بن جانا اس سے بھی زیادہ جھوٹ ہے۔ دہریہ آپ کی یہ تقریر سن کر دم بخود ہو کر حیرت میں آیا۔ پھر تھوڑی دیر محو حیرت کے اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر مسلمان ہوا۔

چوتھا مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

روایت: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے جہان کے بنانے والے کا کس طرح پتہ لگایا۔ فرمایا کہ میں نے ایک دنم ایک سفید گنبد دیکھا جس میں کہیں راستہ نہ تھا

جس کا نہ در تھا نہ دروازہ، نہ کوئی اندر جا سکتا تھا اور نہ اندر سے باہر آ سکتا تھا میرے سامنے وہ گنبد خود بخود شق ہوا اور اس میں سے ایک حسین خوب صورت خوش الحان زندہ جانور کا بچہ نکلا جو کہ انڈے کے اندر ہی اپنے دوست دشمن کو پہچان سیکھ گیا تھا۔ جو بلی یا چیل وغیرہ جیسے دشمنوں کو دیکھ کر فوراً ماں کے پروں میں چھپنا جانتا تھا۔ دشمن کا پنجہ اور ماں کی شفقت کے پروں کو پہچانتا تھا جو پیدا ہوتے ہی ماں کے بلانے کی آواز سمجھتا تھا۔ جو جہان بھر میں اپنے کھانے کی چیزوں کو پہچانتا تھا۔ بغیر سکھائے کھانا پینا سارے کام خوب کرتا تھا۔ بتاؤ انڈے کے اندر کس نے اسے یہ کام تعلیم کیسے تھے جو انڈے کے بند گنبد میں بچہ کو تعلیم کرنے والا وہی خالق اور جہان کا بنانے والا ہے۔

(فتبراک اللہ احسن الخالقین)

پانچواں مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

فراست: ایک عالم سے پوچھا کہ آپ نے خالق کو کس طرح پہچانا فرمایا کہ مجھے ایک کالی بھینس نے خدا کی ہستی کا پتہ بتایا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کالا بے ڈول سا جسم ہو، نہایت بری صورت کا ایک جانور ہے جو بہت سا کوڑا گھاس پھونس کھا کر ساری رات میرے سامنے بیٹھا رہا۔ نہ وہ کہیں گیا اور نہ کوئی اس کے پاس آیا۔ صبح کو اس جانور نے سفید رنگ کا نہایت خوش ذائقہ خوشبودار بہت دودھ دیا جس میں سے بہت سا مکھن نکلا دودھ کے گرم کرنے کے لئے ایندھن بھی ساتھ ساتھ موجود ہوا، بظاہر وہ گوبر اور دودھ ایک ہی جگہ ایک ہی برتن سے نکلتا نظر آتا تھا مگر دودھ میں گوبر کا اثر اور گوبر میں دودھ کا نشان تک نہ تھا، ایک ہی برتن سے مخالف دو چیزوں کا نکلنا اور پھر ایک کا ایک سے الگ رہنا کیونکر ہوا۔ اس کوڑے سے کس مشین نے یہ دودھ کھینچ

کر نکالا۔ ضرور یہ کسی بڑے قدرت والے کا کام ہے۔ قرآن مجید اس مشین کے مالک کا نام بتاتا ہے۔

مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ (النحل ٦٦)

خدائے برحق فرماتا ہے کہ ہم پلاتے ہیں تم کو جانور کے پیٹ سے خون اور گوبر کے درمیان سے خالص دودھ جو خوشگوار ہے، پینے والوں کے لئے۔

چھٹا مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

حکمت: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ آپ نے خدا کو کس طرح پہچانا۔ فرمایا: عرفتُ رَبِّی بِفَسخِ العزائم۔ میں نے اپنے رب کو مضبوط ارادوں بڑے بڑے عاقلوں کے منصوبے ٹوٹ جانے کے سبب پہچانا کہ ضرور ان سب عاقلوں کے بالاتر کوئی اور طاقت ہے جس کے سامنے سب عاجز ہیں موجودہ زمانے میں اس اجمال کی تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ جب ایڈورڈ ہفتم بادشاہ انگلستان وہندوستان کے پیٹ میں شدید زخم ہوا اور وہ زخم کسی طرح اچھا نہ ہوا بعض ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ پیٹ میں شگاف دیا جائے بعض نے کہا کہ شگاف دینے کے بعد جان بر ہونا مشکل ہے کل پر انجام ہیں اتفاق رائے اسی پر ہوا کہ ضرور میں شگاف دے کر زخم صاف کیا جائے اور شگاف دینے کے وقت بعض تقدیر کے منکر ڈاکٹروں نے باآوازِ بلند پکارا کہ آج تقدیر اور تدبیر کا مقابلہ ہے اور ضرور تدبیر تقدیر پر غالب آئے گی۔ اتفاق سے وہ جراحی عمل موافق ہوا وہ علاج درست آیا۔ بادشاہ کو شفا ہوئی پھر تو جو کچھ ان جراحوں نے ناز کیا اور بے جا کلمے منہ سے نکالے وہ واقفوں پر روشن ہیں لیکن اس تجربہ اور تدبیر کے تقدیر پر غالب آنے کے بعد جب بادشاہ کے مرنے کا وقت آیا اور إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا

جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (نوح ۴) کا مطلب پورا ہونے کو ہوا اس وقت وہ سارے تجربہ کار ڈاکٹر جن کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا جو اپنی تدبیر کو تقدیر پر غالب سمجھتے تھے جو اس سے پہلے جراحی عمل کر کے موت کو ٹال چکے تھے جو اپنے کام میں نہایت پختہ کار تھے۔ وہ سب کے سب وہاں کھڑے تھے اور بادشاہ اپنی جان خدا کے حوالے کر رہا تھا۔ افسوس اس وقت سب کی تدبیریں غلط ہوئیں آخر تقدیر کا لکھا ہوا تدبیر پر غالب آیا سارے منصوبے ٹوٹ گئے۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ دنیا کے بڑے بڑے عقل مندوں کی تدبیریں ٹوٹ جانے سے مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے اوپر کوئی اور طاقت موجود ہے جو سب کو زیر کرتی ہے پس وہی زبردست خدا ہے۔

ساتواں مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

تجربہ: زمانہ حال مین علمی تجربہ میں جس قدر بڑھتے گئے خدا کی ہستی کا اور بھی زیادہ ثبوت ملتا گیا۔ ایک اچھا زہریلا سانپ جس کو کاٹے وہی مر جائے مگر ایک سانپ کا دوسرے سانپ کو کاٹنا کوئی نئی بات پیدا نہ کر سکے۔ محققانہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ہر ایک سانپ کے منہ میں دو عظیم الشان خزانے ہیں ایک ستم قاتل اور دوسرا تریاق یہ دونوں باہم ضد ہیں لیکن بہت ہی پاس پاس یہ دو دشمن آباد ہیں جن کی پیدائش کی ایک ہی جگہ ہے ایک منہ ایک غذا سے پیدا ہوئے ہیں ان کے بیچ میں ایک باریک سا پردہ ہے جو ہر ایک خزانے کو الگ الگ رکھتا ہے۔ اول باریک آلات کے ذریعے سے وہ دونوں خزانے توڑ کر الگ الگ نکالے گئے پھر باریک سی پچکاری کے ذریعے پچکاری کے ذریعہ زہر کا خزانہ جو نہایت قلیل سی زہریلی رطوبت تھی ایک کتے کے بدن میں پہنچائی ۔ تب فوراً ہی وہ کتا مر گیا پھر تریاق کی پچکاری دوسرے کتے کے لگائی اس کے بعد زہریلی پچکاری لگا کر دیکھا تو اب کوئی

اثر پیدا نہ ہوا۔ اس طرح زہر اور تریاق کے دو متضاد خزانے بہت ہی پاس پاس مل گئے۔ زہر کی حالت یہ ہے کہ کل کائنات زہر کے ایک قطرہ کا ساٹھواں حصہ رطوبت ہے مگر تاثیر میں دو تین بوند سنکھیا سے بھی زیادہ تیز ہے۔ اسی طرح تریاق کی حالت بھی ایسی ہے جس کی مقدار قطرہ کا آٹھواں حصہ بھی نہیں مگر تاثیرِ شفا میں منوں زہر مہرہ خطائی سے زیادہ ہے۔ کثیر المقدار تریاق افاعی سے اثر میں فاضل سے پھر اتنے قریب قریب اس طرح آگ پانی کا رکھنا اور ایک ہی مادہ سے ضدوں کا پیدا کرنا بڑی عقل پر موقوف ہے پھر وہ اس قابل ہے کہ خدائی کا تاج اس کا حصہ قرار دیا جائے اس کی حکمتیں وہی خوب جانتا ہے جو کچھ ہمیں بتا دیا وہ ہم بھی کہہ سکتے ہیں اگر اس زہر کے مقابل تریاق نہ ہوتا تو سانپ کی نسل دنیا میں نہ رہ سکتی ایک سانپ دوسرے کو کاٹ کر فوراً فنا کر دیتا اور سانپ کے منہ میں زہر بہت سے فائدوں کے لئے امانت رکھا گیا ہے۔ اگر ایک کالے سانپ کا زہر ایک بوند پانی میں حل کیا جائے پھر اس بوند سے ایک قطرہ دس بوند میں ملا کر حل کیا جاوے پھر اس دس بوند سے ایک قطرہ اس آفت رسیدہ کو پلایا جائے جو کہیں راہ راستہ میں دب کر رہ گیا ہو اور پھر بہت دیر کے بعد نکالا گیا برف کی ٹھنڈک سے جس کا تمام خون جم گیا۔ سانس آنا بند ہو کوئی دم کا مہمان ہو۔ علاج بالضد ہوتا ہو اگر برف والے مریض کو کوئی ایسی قوی دوا دی جائے کہ جس کے سبب بدن میں حرارت فوراً پھیل جائے تو یہ مریض ابھی اچھا ہو سکتا ہے ایسی کوئی دوا موجود نہ تھی بجز اس زہر کے جو مدبر کیا گیا ہے۔ پس اس کا ایک قطرہ پلاتے ہی فوراً سارے بدن میں گرمی ہی کے ساتھ روح پھیل جائے گی اور دوبارہ زندگی میسی ہو گی۔ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (سورۃ البقرۃ: ۲۹) ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

آٹھواں مشاہدہ وحدانیت باری تعالیٰ:

مسئلہ: اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ تم نے خدا کی ہستی کو کس طرح جانا تو ہم اسے جواب دیں گے کہ ہم نے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی کپڑوں کی مشینیں دیکھی ہیں جن میں کوئی ریشمی کپڑا بنتی ہے۔ کوئی اونی کپڑا، کوئی سوتی جن میں سے ہم کو ایک ریشمی کپڑے کی مشین کی سیر کا اتفاق ہوا مشین کے ایک سرے پر الجھا ہوا ریشم ڈالا جاتا تھا اور دوسری طرف سے تیار ریشم تھان اٹھایا جاتا تھا اس کی صورت یہ تھی کہ کچھ پرزے تانا بانا ٹھیک کرتے۔ کچھ پرزے کپڑا بنتے کچھ پرزے پھول اور بیل بوٹے ڈالتے۔ کچھ پرزوں کے زریعہ مختلف رنگتیں ڈالی جاتی تھیں۔ جب تھان بن کر تیار ہوا تو کچھ پرزوں نے تھان کو تہہ کیا مارکہ (نشان) لگایا۔ ایک پرزہ نے تھان کو کاٹ کر کی دلیل ہے۔ یہاں بہت سے بیلیں ایسی بھی موجود ہیں کہ جن کا تعلق زمین سے کچھ بھی نہیں ہے وہ صرف ہوا سے اپنی پرورش کے اجزاء کو کھینچ کر اپنا کام کرتی ہیں پھر ان کی سبزی ان کے قسم قسم کے رنگیں پھول پھلوں کی خوشبوئیں ضرور قدرت کی بڑی یادگار ہے ہر زبان میں اس کی یاد یکساں ہوتی ہے۔

نواں مشاہدہ:

واقعہ: سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان کے کسی بڑے شہر کو فتح کیا شہر میں داخلہ کے وقت ایک برہمن جس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی آپ کے سامنے لایا گیا۔ جو چپکے چپکے کہہ رہا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تو کیا پڑھتا ہے۔ برہمن نے کچھ کہا کہ جس کا ترجمہ یہ تھا۔

المخطوط المستقیم من المحیط الی المرکز مستاویۃ۔

یعنی گول دائرہ کا درمیانی نقطہ جس کے سہارے سے دائرہ کھینچا جاتا ہے جس کو مرکز بھی کہتے ہیں اس درمیانی نقطہ کی جانب گول حلقے سے جتنے خط سیدھے نکلیں گے وہ سب برابر ہوں گے ان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہو گی۔ یعنی جس طرح ہر خط کا دائرہ سے نکل کر درمیانی نکتہ تک پہنچنا یکساں ہے

اسی لیے علم نحو میں یہ قاعدہ پاس ہو چکا ہے کہ ہر غائب کی ضمیر سے پہلے اس کا مرجع مذکور ہونا چاہیے ورنہ اضمار قبل الذکر منع ہے لیکن اگر یہی غائب کی ضمیر ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے تو اس کے لیے پہلے سے مرجع کا ذکر کرنا لازم نہیں کیونکہ اس کی ذات ہر جگہ ہر مکان میں موجود ہے۔ ہر دل میں ہر ایک زبان میں اس کا ذکر ہے۔ وہ سب جگہ حاضر ہے ہر شخص اسے خوب جانتا ہے۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (سورۃالحدید:۳) کا یہی مطلب ہے۔

دسواں مشاہدہ:

کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک خدا کی قدرت کی بڑی نشانی کون سی چیز ہے۔ فرمایا کہ فرش زمین جس کو رات دن ہم پیروں س روندتے اپنی نجاستوں سے آلودہ کرتے ہیں جس کی شان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ (سورۃالذاریات:۴۸)۔ ترجمہ: اور زمین کو ہم نے فرش کیا تو ہم کیا ہی اچھے بچھانے والے۔

زمین کے فرش میں متضاد اوصاف کا جمع کرنا محض اسی قدرت والے کا کام ہے آج اگر ہزار روپیہ فٹ کا قالین بنایا جائے اس میں بھی ایسے وصف جمع نہیں ہوسکتے نرمی اور سختی باہم دو متضاد صنعتیں کس خوبی سے زمین سے جمع کی گئی ہیں نرم اتنی کہ ایک خلال کے تنکے یا ناخن سے کھودنا شروع کر دو، برابر کھدتی جائے گی سخت اتنی کہ بڑے سے بڑے قلعے ہزار محل ہزاروں پہاڑ اس نرم بستر پر رکھ دیجئے سب کو اپنی پشت پر اٹھالے گی۔ ایک تل کے برابر نیچے نہ دھنسے گی نہ دبے گی پتھر نہ پتھر کی طرح سخت ہے جس پر لیٹ کمر دکھ جائے گی نہ پانی کی طرح نرم ہے کہ پیر رکھتے ہی دب جائے وہ درمیانہ وصف عطا فرمایا کہ سبحان اللہ کہ صورت کالی مٹیلی ہے مگر باطن کتنا صاف اور پوشیدہ ہے پھولوں کی صفائی اور نزاکت زمین ہی کی صاف باطنی کا نتیجہ ہے تعجب کی بات ہے کہ اگر کوئی شخص

اپنے پانی کے مٹکوں میں سات دفعہ پانی چھان کر بھرے خواہ مٹکے سونے کے ہوں یا چاندی کے یا شیشے کے ہوں یا مٹی کے چوتھے پانچویں دن ضرور پانی خراب میلا اور گدلا ہو جائے گا۔پانی میں بو آنے لگے گی کیڑے پڑ جائیں گے مگر یہی پانی برسوں تک کنوئیں کی تہہ اور کالی کیچڑ میں کیسا موتی سا صاف شفاف اور ستھرا رہتا ہے نہ بدبو پیدا ہوتی ہے نہ کیڑے پڑتے ہیں بلکہ کالی کیچڑ میں پانی ایسا صاف رہتا ہے جیسے سیپ میں موتی محفوظ رہتا ہے سڑی اور کالی مٹی میں کسی نے آپ کے لیے پانی چھان کر رکھا ہے غور کا مقام ہے کہ سونے چاندی کے مٹکے میں چھنا ہوا پانی میلا ہو جائے گا مگر کنوئیں کی کیچڑ میں پانی صاف رہے معلوم ہوا کہ زمین کا باطن نہایت صاف ہے اور یہ سب کچھ اس خالق کی قدرت ہے اس بستر کی سخاوت کو دیکھئے کہ جب آپ کوڑا یا نجات کے ٹوکرے بھر بھر کر زمین پر ڈالیں گے یہ اپنے کرم سے آپ کو دوگنا میوہ غلہ رنگین اور خوشبودار پھول اور خوش ذائقہ پھل اس قدر عطا کرے گا کہ آپ سے لیے نہ جائیں گے نجاست لے کر پھول اور عطر دینا کوڑا لے کر میوہ جات عوض میں دینا اسی فرش زمین کا کام ہے ایک گٹھلی آم یا کھجور کی اس زمین کو دیجئے عظیم الشان درخت لیجئے۔پھر سالہا سال تک صدہا من شیریں آم یا کھجوریں لیے جائیے۔ایک مرتبہ کنواں کھودیئے ہزاروں برس تک پانی پیئے جائیے۔ایک دانہ گیہوں کے عوض سو دانے دینا اس سخی فرش کا حوصلہ ہے۔یہ سب کچھ عطا اس پاک و بے نیاز کی ہے جس کی شان کا یہ مبارک فرش زمین سے پوری کر دیں کھانے کی جگہ کھانا میوہ کی جگہ میوہ لباس کی جگہ لباس زیور کی جگہ زیور جواہرات عطر کی جگہ عطر پھولوں کی جگہ پھول غرض جو کچھ پایا سب کچھ اسی زمین سے پایا گیا۔خوب فرمایا ہے۔

أَلَمْ نَجعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا (سورۃ المرسلات:۲۶،۲۵)۔

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہ کیا تمہارے زندوں اور مُردوں کی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جسم انسانی

جسم انسانی اور رحمت الٰہیہ:

خلیہ (CELL):

(۱)خلیہ زندہ اجسام کی بنیادی اکائی کا نام ہے جس طرح انسانی ہاتھوں سے بنی ہوئی عمارتیں اینٹوں اور پتھروں کا مجموعہ ہوتی ہیں اور اینٹیں یا پتھر عمارت کے بنیادی جزو یا اکائی کہلاتے ہیں اسی طرح انسان بھی خلیوں سے مل کر بنا ہے اور یہ خلیے انسان کی اکائی کہلاتے ہیں۔ایک اوسط قدو قامت کے انسانی جسم میں ان خلیات کی تعداد ایک کروڑ ارب کے قریب ہے۔

(۲)خلیے زندگی کے مختلف افعال انجام دیتے ہیں۔مثلاً یہ سانس لیتے ہیں، غذا حاصل کرتے ہیں اور بڑھتے ہیں اور وقت پورا ہونے پر اللہ کے حکم سے اپنا کام پورا کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔

(۳)تمام اربوں کھربوں خلیے ایک ہی خلیے سے بنتے ہیں، کروڑوں خلیے روزانہ ختم ہو جاتے ہیں اور دوسرے خلیے اسی وقت ان کی جگہ لے لیتے ہیں، اندازہ ہے کہ ہر سیکنڈ میں خون کے ۱۰ لاکھ سے زیادہ خلیات ختم ہو جاتے ہیں اور اسی تعداد میں نئے خلیات جنم لے لیتے ہیں۔

(۴)ہر خلیہ میں ۷۰ سے ۸۵ فیصد تک پانی ہوتا ہے۔

(۵)خلیہ کا ایک اہم جزومائی ٹوکنڈریا(Mitochondria) ہے جو خلیہ کا پاور ہاؤس ہے، اس کے بغیر خلیے زندہ نہیں رہ سکتے۔

(٦)ہر خلیہ کی بیرونی دیوار دو تہہ کی ہوتی ہے اس میں پانی اور پانی میں حل پذیر اشیاء نہیں گزر سکتیں، البتہ چربی میں حل پذیر اشیاء گزر سکتی ہیں۔

(۷)خلیہ میں پانی کے علاوہ ۱۰ سے ۲۰ فیصد لحمیات ہوتے ہیں۔ ۲ فیصد کولیسٹرول اور فاسفور لپڈ(چربی، چکنائی)ہوتے ہیں، ایک فیصد نشاستہ دار اجزاء ہوتے ہیں۔

(۸)جینز(Genes)خلیے کے تمام افعال کو کنٹرول کرتے ہیں۔

ہڈیاں(BONES):

(۱)ہڈیوں کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲) جسم انسانی میں ہڈیاں مختلف ہوتی ہیں ۔ مثلاً ٹیڑھی، سیدھی، گول، مستطیل، ٹھوس، چوڑی، پتلی، ہلکی، بھاری اور خول دار وغیرہ، ہڈیاں انسان کو حرکت کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ ذرا سوچیے اگر تمام جسم میں ایک ہی سالم ہڈی ہوتی تو انسان کے لیے چلنا، پھرنا، جھکنا وغیرہ دشوار ہو جاتا۔

(۳)ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے ملانے کے لیے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا کہ اگر ایک مکعب ہے تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف ہے تاکہ دونوں آسانی سے باہم پیوست ہو سکیں۔

(۴)ہر ایک ہڈی کی خلقت ہی عجیب ہے، پھر کسی کی شکل وصورت دوسرے سے نہیں ملتی اور اس انداز سے ان کو رکھا ہے کہ اگر ان میں ایک کی تعداد بڑھادی جائے تو بھی وبال جان ہو جائے اسی طرح اگر ایک کو گھٹا دیا جائے تو اس کو پورا کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو۔

(۵)خون میں جو سرخ ذرات ہوتے ہیں وہ ہڈیوں کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔

(۶)ہڈیاں جسم کے تمام تقاضوں کے لیے ڈھانچہ مہیا کرتی ہیں۔

(۷)ہڈیاں جسم کے اہم ترین اعضا کی حفاظت کرتی ہیں۔ مثلاً دل، دماغ، پھیپھڑے وغیرہ۔

(۸)ہڈیاں کیلشیم(CALCIUM)کا ذخیرہ بناتی ہیں۔

(۹) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہڈیوں کی حرکات کے لیے پورے جسم میں 539 عضلات پیدا کیے۔

(۱۰) بچوں میں ہڈی کم ٹوٹتی ہے اکثر مڑ جاتی ہے اور جلد جڑ بھی جاتی ہے وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچوں کی ہڈی میں نامیاتی مادہ زیادہ ہوتا ہے۔(کتاب الابدان)۔

(۱۱) اگر ہڈی کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تو جب ٹھیک ہوتی ہے تو پھر وہاں سے دوبارہ نہیں ٹوٹ سکتی۔

(۱۲) ریڑھ کی ہڈی تمام جسم کے بمنزلہ ستون کے ہے۔ہاتھ پاؤں اس کے ساتھ لگے ہوتے ہیں تمام دھڑ اس پر قائم ہوتا ہے ،اس میں اک عمودی سراخ ہوتا ہے جس میں دماغ کا وزیر حرام مغز محفوظ ہوتا ہے۔(کتاب الصحت)۔

مفاصل۔(جوڑ)(JOINTS):

(۱) جس جگہ ہڈیاں آپس میں ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں ان مقامات کو جوڑ یا مفاصل کہتے ہیں،ان جوڑوں کا وجود ہی ایک نعمت ہے۔

(۲) جوڑوں کا صحیح سالم ہونا یہ دوسری نعمت ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں ایک سو اسی (۱۸۰) جوڑ بنائے ہیں جو ہمارے جسم کو حرکت دیتے ہیں۔(کتاب الصحت)

(۴) قدرت نے جوڑوں کے اندر سفید رقیق مادہ رکھا ہوتا ہے جو ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کو قوت پہنچاتا ہے۔

عضلات (مسل)(MUCLES):

جسم کے تمام حصوں میں جلد کے نیچے گوشت کی جو تہیں پائی جاتی ہیں۔ وہ عضلات کہتے ہیں۔

بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے انسانی جسم میں پائے جانے والے عضلات کی تعداد ۵۳۹ ہے۔

(۱) عضلات اندرونی اعضا کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) عضلات ہڈیوں اور جوڑوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۳) جسم کو خوبصورت اور سڈول بناتے ہیں۔

(۴) عضلات جسم میں حرکت پیدا کرتے ہیں۔ چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، ہنسنا، بولنا وغیرہ انہی کی بدولت عمل میں آتا ہے۔

(۵) عضلات فضلہ مادہ (پیشاب، پاخانہ) کو ہر وقت نکلنے اور بہنے سے بچاتے ہیں ورنہ انسان کا میل جول بہت دشوار ہوتا ہے۔

(۶) مذکورہ ان تمام نعمتوں کا وجود چونکہ عضلات ہی کی بدولت ہے اس لیے عضلات کا اپنا وضو د خود ایک علیحدہ مستقل نعمت ہے۔

(۷) عضلات کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۸) بغیر درخواست کے ان کا صحیح رہنا بھی نعمت ہے۔

اعصاب (پٹھے) (NERVES):

رگوں کی امنند جسم انسانی میں سفید رنگ کی نہایت باریک، باریک تاروں کا ایک جال ہوتا ہے۔ یہ تاریخ بتدریج آپس میں ملتی ہوئی گول یا چپٹی ڈوریاں سی بناتی ہوئی دماغ یا حرام مغز میں جاکر ختم ہو جاتی ہیں، انہی کو پٹھے یا اعصاب کہا جاتا ہے۔

(۱)نظام عصبی کا بڑا مرکز دماغ ہے اور اسی کا ایک حصہ حرام مغز ہے۔ دماغ کھوپڑی کے اندر محفوظ رہتا ہے اور حرام مغز ریڑھ کی ہڈیوں سے بنے ہوئے قلعے میں محفوظ رہتا ہے۔

(۲) جسم کے تمام افعال حسن و حرکت انہی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ایک قدم اٹھانے میں یا ایک یا آدھے سیکنڈ ۵۴ پٹھے استعمال ہوتے ہیں۔

(۳)اعصاب ہڈیوں کو باہم ملانے اور جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ رکھنے کام بھی آتے ہیں۔

(۴) اعصاب میں دوڑنے والی روکی رفتار ۴ میل فی سیکنڈ ہے۔یعنی ایک گھنٹے میں ۴ ہزار ۴ سو میل فاصلہ طے کرتی ہے۔ دماغ سے جو پیغام انگلی تک پہنچتا ہے وہ ایک سیکنڈ کو سوویں حصے میں اپنا فاصلہ طے کرلیتا ہے۔

(۵)اعصاب کا ہونا بھی ایک نعمت ہے۔

(۶)بغیر طلب کے صحیح سالم ہانا اور اپنا کام کرنا بھی ایک نعمت ہے۔

کولہے(BUTTOCK):

(۱) کولہے کا ہونا ایک نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۳)کولہے کی بدولت بیٹھنے میں آسانی ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)ہڈی نہ ہونا۔

(۵)فضلہ کا راستہ ہونا۔

(۶) گوشت کا نرم ہونا۔

(۷)بیٹھنے کی صورت میں وزن برداشت کر سکنا۔

(۸)بغیر درخواست کیے ان کا صحیح رہنا بھی نعمت ہے۔

(۹)دونوں کولھوں کا برابر ہونا اور بڑا چھوٹا نہ ہونا۔

(۱۰) مسل (Muscle) کا ہونا (جس کی قوت سے پاخانہ روکا جاتا ہے)۔

جلد (کھال) (SKIN):

(۱)جلد کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲)جلد کا صحیح سالم ہونا بھی بڑی نعمت ہے اس لیے کہ اگر کہیں سے جلد پھٹ جائے تو ہزاروں جراثیم بیک وقت جلد کے راستے جسم میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) حق تعالیٰ نے جلد کو ہماری خوبصورتی کا ذریعہ بنایا ہے۔ذرا سوچئے کہ اگر جلد نہ ہوتی تو ہماری صورت کس قدر خوفناک وہیبت ناک ہوتی۔

(۴)جلد ہمیں بیرونی آلائشوں سے بچاتی ہے۔

(۵) جلد میں دولاکھ پچاس ہزار سے زائد ایسے خانے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں، جب کوئی سرد چیز جسم کو چھوتی ہے تو دماغ کو خبر پہنچ جاتی ہے اور جسم کانپنے لگتا ہے، جلد کی نالیاں کشادہ ہو جاتی ہیں اور مزید خون جلد کو جانے لگتا ہے تاکہ زیادہ گرمی پہنچائی جائے۔

(۶) جلد کو جب گرمی پہنچتی ہے تو گرمی کے مخبر خلیے دماغ کو خبر کرتے ہیں اور تین ملین پسینہ کے غدود ٹھنڈا پسینہ خارج کرتے ہیں جسم سے جسم کو راحت وسکون پہنچتا ہے۔گویا کہ ہماری جلد میں حیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جو گرم وسرد چیزوں کو محسوس کرتا ہے اور دماغ تک خبر پہنچا دیتا ہے۔

بال(HAIR):

(۱)بالوں کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)بالوں کا درست ہونا نعمت ہے۔

(۳)بالوں کا مناسب ہونا نعمت ہے۔

(۴)بالوں کا سیاہ ہونا نعمت ہے۔

(۵)تعداد میں ہزاروں بالوں کا ہونا۔

(۶)بالوں کا دیر سے سفید ہونا۔

(۷)بالوں میں کاٹنے میں سہولت کا ہونا۔

(۸)بالوں کا مکرر نکل آنا۔

(۹)سر کے بالوں کی وجہ سے حسن کا ہونا۔

(۱۰)سر کے بالوں کا دماغ کی حفاظت کرنا۔

(۱۱)سر کے بالوں کی وجہ سے اور سہولت کے لیے مسح کا حکم دیا جانا۔

(۱۲)بالوں کی وجہ سے مانگ نکال سکنا۔

(۱۳)حقوق(تیل، کنگھی وغیرہ)ادا کر کے بالوں کا صاف رکھ سکنا۔

(۱۴)بغیر طلب کے باقی رہنا۔

(۱۵)بغیر طلب کے ملنا۔

(۱۶)بغیر طلب کے باقی رہنا(مکررررررررر)۱۴نمبر میں بھی یہی ہے۔

(۱۷)بغیر خواہش کے بالوں کا بڑھنا۔

(۱۸)مردوں کے چہرہ پر داڑھی کا باعث زینت ہونا۔

(۱۹)داڑھی کا مردوں اور عورتوں میں تمیز کرنا۔

(۲۰)داڑھی باعث شرافت ہے۔

(۲۱)داڑھی گناہوں کو بارعب بناتی ہے۔

(۲۲)ہاتھ کی ہتھیلی پر بالوں کا نہ ہونا بھی نعمت سے کم نہیں اس لیے کہ اگر ہتھیلی پر بال ہوتے تو کام کرنے میں سخت وقت پیش آتی اور چیزوں کو چھونے کا طلب ختم ہو جاتا۔

(۲۳)شرم گاہ کے اندر بالوں نہ ہونا کیونکہ اگر شرم گاہ کے اندر بال نکل آتے تو جماع کی لذت کھو دیتے۔

ہاتھ(HAND):

(۱)ہاتھ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)ہاتھ کا درست ہونا نعمت ہے۔

(۳)برابر ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)انگلیوں کا ہونا نعمت ہے۔

(۵)جوڑوں کا ہونا۔

(۶)ہاتھوں کی ہیئت اور صورت بھی عجیب ہے، اس میں ہتھیلی اور پانچ انگلیاں ہیں اور انگلیوں میں پورے بنائے، چار انگلیاں ایک سمت میں رکھیں اور پانچواں انگوٹھا دوسری طرف کو رکھا تاکہ تمام انگلیوں کی طرف حرکت کر سکے۔

(۷)لکھ سکنا۔

(۸)کما سکنا۔

(۹)ہاتھوں میں انگلیاں نرم رکھیں اور ناخن سخت رکھے تا کہ ان سے کھجایا جاسکے۔

(۱۰)قدرت نے ہاتھوں میں جلب منفعت اور دفع مضرت کی صلاحیت رکھی ہے۔ ہاتھوں سے آپ نفع بھی اٹھاسکتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ سے چلو کی شکل بنا کر پیالے کا کام لیا جاسکتا ہے۔ چمچے کا کام بھی لے سکتے ہیں، جھاڑو کے کام بھی آسکتا ہے۔ کسی بھی چیز کو پکڑ سکتے ہیں اور کسی چیز کو درست کر سکتے ہیں اور نقصان دِہ چیز کو ہاتھ کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔ جیسے مٹھی بند کر کے مکہ بنا سکنا،

(۱۱) کھانا کھاسکنا۔

(۱۲)استنجا کر سکنا۔

(۱۳)کسی چیز کو صاف کر سکنا۔

(۱۴)ہر قسم کا اشارہ کر سکنا۔

(۱۵)مصافحہ کر کے گناہ جھاڑ سکنا۔

(۱۶)بغیر مانگے ہاتھوں کی عجیب پیدائش ہونا۔

(۱۷)ہاتھوں میں لکیریں ہونا۔

(۱۸)انگلیوں کی زینت کے لیے قدرت نے ہمیں ناخنوں کا عظیم تحفہ عنایت کیا۔

(۱۹)بغیر تکلیف کے ناخن کاٹ سکنا۔

(۲۰)ہاتھوں کے فضلہ کا ناخن کے ذریعے نکل سکنا۔

(۲۱)تسبیحات کر سکنا۔

(۲۲)ہاتھوں میں نرمی کا ہونا۔

(۲۳)خوبصورت ہونا۔

(۲۴)انگلیاں کھلنااور بند ہونا۔

(۲۵) ہتھیلی کے اندرونی حصہ کا گہرا ہونا۔

(۲۶)ہاتھ کی پشت کی کلائی (بازو) کی شکل ورنگ میں ہونا۔

(۲۷) مٹھی بن سکنا۔

(۲۸)ستر میں نہ ہونا۔

(۲۹)ہاتھ (مع بازو) لمبا کر کے نکال سکنا۔

(۳۰)دوسرے کی حفاظت کر سکنا۔

(۳۱)محتاج نہ ہونا۔

(۳۲) ہتھیلی کی جلد کا سخت ہونا۔

(۳۳)بچوں کی پرورش کر سکنا۔

(۳۴)دوسرے کی خدمت کر سکنا۔

(۳۵)دین کا کام (زیادہ سے زیادہ) کر سکنا۔

(۳۶)دعامانگ سکنا۔

فائدہ: ایک محتاط اندازے کے مطابق ہم اپنی کل عمر میں ہاتھ کو ۲۵ ملین بار کھولتے اور بند کرتے ہیں۔

پاؤں (FOOT):

(۱)پاؤں کاہونا نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۳)برابر ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)اوپر سے سخت اور نیچے سے نرم ہونا۔

(۵)پاؤں کا رنگ پنڈلی جیسا اور تلوے کا رنگ سفید ہونا۔

(٦) تلوے کی کھال کا سخت ہونا۔

(۷)ایڑھیوں کا سخت ہونا۔

(۸)پاؤں کی زینت کے لیے انگلیوں کا ہونا۔

(۹)انگلیوں میں جوڑ ہونا۔

(۱۰)پاؤں کی زینت کے لیے ناخنوں کا ہونا۔

(۱۱)پورے بدن کا وزن برداشت کر سکنا، ہمارے پاؤں میں قدرت نے اتنی طاقت اور توانائی رکھی ہے کہ وہ صبح سے رات تک چلتے رہتے ہیں مگر تھکتے نہیں اور اگر تھک بھی جائیں تو ذرا سے آرام کے بعد پھر تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

(۱۲)انگلیوں کا کھلنا اور بند ہو سکنا۔

(۱۳)بغیر مطالبہ کے پاؤں کا عطا کیا جاتا۔

(۱۴)چل سکنا اور بوقت ضرورت دوڑ سکنا۔

(۱۵)پاؤں کی تمام اشیاء کا صحیح رہنا۔

(١٦)فضلہ کا بذریعہ ناخن کے نکل سکنا۔

(۱۷)نیکی کے کام کی طرف چل کر جانا۔

ناخن(NAIL):

(۱)ناخنوں کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)ناخنوں کا بغیر مطالبہ کے ملنا بھی نعمت ہے۔

(۳)ناخنوں سے انگلیوں کی زینت ہے۔

(۴)ناخن سخت رکھے تا کہ کھجلی کے کام آسکیں۔

(۵)ناخنوں کی مدد سے ہم بہت سی باریک باریک اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کو چن سکتے ہیں۔

(۶)قدرت نے ناخنوں کو نہ ہڈی کی طرح سخت بنایا نہ گوشت کی طرح نرم۔

(۷)ناخن ٹوٹنے پر دوبارہ نکل آتے ہیں۔

(۸)ناخن اگر زیادہ بڑھ جائیں تو تراش دیئے جاتے ہیں۔

(۹)ہاتھ اور پاؤں کا فضلہ ناخن سے نکل جاتا ہے۔

بازو(ARM):

(۱)بازوؤں کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)برابر ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)مناسب الخلقت ہونا۔

(۵)ستر میں داخل نہ ہونا۔

(۶) کہنی کا ہونا۔

(۷)مڑ جانا بھی نعمت ہے۔

(۸)ہڈی اور گوشت کا مناسب بڑھنا۔

(۹)علاج معالجہ کے لیے پچھنے (ٹیکے)لگ سکنا۔

(۱۰)بغیر طلب کے ملنا اور صحیح باقی رہنا۔

(۱۱)اوپر نیچے گھوم سکنا۔

پنڈلی(CALF):

(۱)پنڈلی کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲)پنڈلی کا درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)اوپر سے نیچے کی طرف چھوٹا ہوتے آنا۔

(۴)انسانی قد کی خوبصورتی بڑھانا۔

(۵)ایک طرف ہڈی ایک طرف مچھلی کا ہونا۔

(۶)بغیر مانگے پنڈلی کا ٹھیک رہنا اور کام کرتے رہنا۔

گھٹنا(KNEE):

(۱)گھٹنا کا ہونا بھی نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)جوڑ ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)گھٹنا کی بدولت بیٹھ سکنا۔

(۵)بار بار اٹھنے بیٹھنے سے خراب نہ ہونا۔

(۶)بن مانگے درست رہنا۔

(۷)گھٹنے میں ہر وقت پانی کا موجود رہنا جو گریس(Grease)کا کام دیتا ہے۔

ٹخنہ (ANKLE):

(۱)ٹخنے کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)پنڈلی اور پاؤں کے درمیاں ہونا۔

(۴)ہر پاؤں میں دونوں طرف سخت ہڈی بن کر ابھرا ہوا ہونا۔

(۵)مردوں کے لیے ننگے ہونا اور عورتوں کے لیے ڈھکے ہونا ہی نعمت ہے۔

(۶)دونوں کا برابر ہونا۔

کندھا (SHOULDER):

(۱)کندھے کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)مناسب الخلقت ہونا۔

(۴)عمدہ خوبصورت لگنا۔

(۵)حرکت دے سکنا۔

(۶)طاقت ورعب کا مظہر ہونا۔

(۷)بن مانگے صحیح کام کرتے رہنا۔

سینہ (CHEST):

(۱)سینہ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا عیب دار نہ ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)بناوٹی لحاظ سے خوبصورت ہونا۔

(۴)چھاتی کا ہونا۔

(۵)مر دو عورت کی چھاتیوں(Mammary Gland)کا ان کے مناسب ہونا۔

(۶)ماں کی چھاتیوں میں دودھ کے چشموں کا پھوٹنا۔

(۷)چھاتیوں سے دودھ کا نکلنا اور بچہ کا دودھ سے سیر ہو جانا۔

(۸)بچہ کا دو سال سے بڑا ہونے پر یا دودھ چھڑانے پر دودھ کا بند ہو جانا۔

(۹)مرد کی چھاتی کا پردہ میں داخل نہ ہونا۔

(۱۰)غلبہ حیاء کی بناء پر عورت کی چھاتیوں کا ستر میں داخل ہونا۔

(۱۱)بغیر طلب کے عطا ہونا اور درست رہنا۔

کمر(BACK):

(۱)کمر کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)کمر کا درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)سیدھا ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)اس میں مرکزی ہڈی کا ہونا۔

(۵)قد کے موزوں ہونا۔

(۶)جھک سکنا بھی نعمت ہے۔

(۷)ہر وقت تکلیف نہ ہونا۔

(۸)بن مانگے درست رہنا۔

(۹)لیٹنے میں دشواری نہ ہونا۔

دماغ(BRAIN):

(۱)دماغ کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲)دماغ جیسے کمپیوٹر کا بغیر مطالبہ کے مل جانا بھی نعمت ہے۔

(۳)اللہ تعالیٰ نے دماغ کی حفاظت کا بہترین انتظام کیا کہ ہڈیوں کے خول میں اس کو رکھا۔

(۴)دماغ ہمارے تمام خیالات وجذبات کا سرچشمہ وخزانہ ہے۔

(۵)دماغ تمام احساسات، ادراکات وحرکات کا منبع ہے۔

(۶)نئی ایجادات واختراعات تمام کی تمام دماغ ہی کی مرہون منت ہیں۔

(۷)اللہ تعالیٰ نے یاداشت کو باقی رکھنے کے لیے دماغ کو قوت عطا فرمائی۔

(۸)انسانی دماغ کو مربوط بنایا دنیا کا بڑے سے بڑا کمپیوٹر بھی اس کے مقابلے میں عاجز آجائے۔

(۹)ہمارا دماغ ایک ملین سے بھی زیادہ مخصوص خلیوں سے بنا ہے جن کو نیوران کہا جاتا ہے۔

(۱۰)دماغ کے خلیے اپنا مخصوص کا ایک کھرب سے زائد احساس ریشوں کے ذریعے کرتے ہیں ،جو دماغ سے لے کر تمام جسم میں پھیلے ہوتے ہیں۔

(۱۱)دماغ کا اپنے اندر لاکھوں محفوظ شکلوں کے ساتھ موازنہ کرکے واقف اور ناواقف شخص کے متعلق ہمیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔

(۱۲)اچھے اور برے میں تمیز دماغ کی مدد سے ہوتی ہے۔

(۱۳)دماغ ہی اعصاب اور اعضاء کو خون لینے یا روکنے کا حکم صادر کرتا ہے۔

(۱۴)زخم کی تکلیف جب دماغ کو پہنچائی جاتی ہے تو دماغ فوراً علاج کا حکم صادر کرتا ہے۔

(۱۵)دماغ کی ریلیں ایسی بنائی ہیں کہ ساری زندگی چلتی رہتی ہیں ختم نہیں ہوتیں۔

(۱۶)دماغ محل عقل ہے اور عقل ایسی نعمت ہے اگر خدانخواستہ یہ نہ ہو تو آدمی اور جانور کے درمیان فرق کرنا ممکن نہ رہے۔

(۱۷)عزت اسی عقل سے وابستہ ہے ورنہ لوگ پاگل شمار کریں گے۔

(۱۸)دنیااور آخرت میں مرتبہ انسان عقل ہی کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔

(۱۹)بغیر مطالبہ و کوشش کے عقل کا مل جانا بھی ایک نعمت ہے۔

(۲۰)دماغ کے خلیوں کی تعداد ۲۵۰ کھرب ہے۔

آنکھ(EYE):

(۱)آنکھ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)مناسب الخلقت ہونادوسری نعمت ہے۔

(۳)دونوں آنکھوں کا برابر ہونا مستقل نعمت ہے۔

(۴)نظر آنا علیحدہ نعمت ہے۔

(۵)خوبصورت ہونا بھی نعمت ہے۔

(۶)خاطر خواہ دیکھ سکنا۔

(۷)محدود دیکھ سکنا۔

(۸)حدیث شریف کے مطابق سات فرشتوں کا ہر وقت آنکھوں کی حفاظت کرتے رہنا۔

(۹)پلکوں کا ہونا بھی نعمت ہے،ان کے ذریعے آنکھ اور چہرہ کی خوبصورتی ہوتی ہے۔

(۱۰)اللہ تعالیٰ نے آنکھ کی حفاظت کے لیے اس کے اطراف میں پلکوں کو پیدا کیا، یہ پلکیں ادنیٰ سی چیز کو بھی اپنی طرف آتا دیکھ کر حرکت میں آجاتی ہیں اور پیش آمد خطرے سے آنکھوں کو آگاہ کر دیتی ہیں۔

(۱۱) پلکوں کے بڑھنے کی رفتار کو اللہ تعالیٰ نے ایک انداز سے تخلیق کیا ہے اگر یہ بال سر کے بالوں کی رفتار سے بڑھیں تو نعمت کی بجائے زحمت بن جائیں اور حسن وجمال کے بجائے بدصورتی کا سبب بن جائیں۔

(۱۲) آنکھ کی حفاظت کرنے کے لیے بالائی وزیریں دوپپوٹے بھی رکھے۔

(۱۳) آنکھ کی حفاظت کی خاطر اللہ نے اس کے چاروں طرف سخت ہڈی کا غلاف بنایا، منہ کے بل گرے یا سامنے سے کوئی چیز لگے تو آنکھ محفوظ رہتی ہے۔

(۱۴)چہرہ کی خوبصورتی کو دوبالا کرنے کے لیے آنکھ پر ابرو پیدا کی گئیں اور ان سے بھی آنکھوں کے بچاؤں کا کام لیا گیا اور ان کے بالوں کو بھی ضرورت سے زیادہ درازی نہیں ملی کہ بدرونقی پیدا ہو۔

(۱۵) آنکھ سے قریب اور درد کے مناظر یکساں دکھائی دینا۔

(۱۶)بصارت میں کمزوری کا ذریعہ عینک یا لینز کے دور ہو جانا۔

(۱۷) نفع ونقصان جان سکنا۔

(۱۸)بن مانگے آنکھوں کا صحیح رہنا۔

(۱۹) نگاہ کا ٹک جانا بھی نعمت ہے کہ جہاں بھی نظر دوڑائیں نگاہ ٹک جاتی ہے، کوئی چیز حد سے زیادہ چمک دار نہ بنائی جس پر نگاہی نہ ٹک سکے۔

(۲۰)اگر چہ ہم دونوں آنکھوں سے علیحدہ علیحدہ دیکھتے ہیں مگر پھر بھی ایک چیز ایک ہی نظر آتی ہے دونوں۔

(۲۱)آنکھ میں ایک خاص قسم کا دباؤ ہوتا ہے جس کی کمی وزیادتی آنکھوں کی غذائیت اور صحت پر اثر پذیر ہوتی ہے۔

(۲۲)آنکھ کے اندر ہر وقت کئی قوتیں ایسے کام میں لگی رہتی ہیں جس سے آنکھوں کی صحت پر اچھا اثر ہوتا ہے اور ان کی صحت بر قرار رہتی ہے۔

(۲۳)آنکھ کی مختلف رطوبات کے ذریعہ سامنے والی سطح خشکی سے بچی رہتی ہے۔

(۲۴)آنکھوں کو مختلف سمتوں میں پھیرنے کی قوت کا عطاہونا بھی نعمت ہے۔

(۲۵)دائرہ نظر دائیں اور بائیں جانب اس قدر وسیع ہے کہ مختلف قسم کے خطرات سے بچ سکتے ہیں۔

(۲۶)رنگوں میں تیز بھی نظر کے ذریعے ہوتی ہے۔

(۲۷)آنکھ کا گول ہونا بھی نعمت ہے،اس کی گولائی کی وجہ سے ہماری نظر بہت بہتر ہے۔اگر یہ گول نہ ہوتی تو ہماری نظر اتنی صاف بہتر اور وسیع نہ ہوتی۔

(۲۸)دو تہوں کے علاوہ پوری کی پوری آنکھ شیشے سے بھی زیادہ شفاف ہے۔

(۲۹)ان کو شفاف رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے کارخانے آنکھ میں لگا رکھے ہیں۔

(۳۰)آنکھ کو غذا خون سے ملتی ہے مگر جو خون آنکھ میں جاتا ہے وہ اس خون سے مختلف ہے جو دوسرے اعضا کو پہنچتا ہے۔

(۳۱) آنکھ کے شفاف پردوں کی غذائیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے کارخانے لگا رہے ہیں کہ اگر ان کی پرورش خون سے ہوتی ہے مگر ان میں خون کہیں بھی نہیں۔

(۳۲) اسی لیے ہمیں نظر میں خود کی سرخی نہیں دکھتی بلکہ ہر چیز کی ساخت صحیح اور رنگ ٹھیک ٹھیک نظر آتا ہے۔

(۳۳) آنکھ کے اندر جراثیم داخل نہیں ہوسکتے اس کے لیے مدافعت کا ایک الگ نظام ہے۔

(۳۴) بہت زیادہ جراثیم معمولی رطوبتوں سے ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

(۳۵) آنکھ کو چوٹ اور بیماریوں سے بچانے کے لیے بہت سے نظام کام کر رہے ہیں۔

(۳۶) آنسوؤں کو پیدا کیا جو آنکھ کے اندر میل کچیل کو باہر نکالتے ہیں۔

(۳۷) آنکھوں کے اطراف کے حصے درمیانی حصہ کی نسبت قدرے پست رکھے گئے تا کہ اگر کوئی چیز آنکھ میں پڑے تو اطراف کی طرف سے آسانی سے نکل سکے۔

(۳۸) ایک آنکھ میں ۱۳ کروڑ کیمرے کام کر رہے ہیں۔ جس میں سے ۶۰ لاکھ کیمرے صرف رنگ پہچانتے ہیں، بارہ کرورڑ کیمرے صرف کالا اور سفید رنگ بتاتے ہیں۔ رات کے وقت کام کرنے والے علیحدہ کیمرے ہیں جن کو رازڈر کہتے ہیں۔ جن لوگوں میں راڈز نہیں ہوتے ان کو رات کو نظر نہیں آتا۔

(۳۹) آنکھ اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے اس کے بغیر انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔

(۴۰) انسانی آنکھ میں ایک کھرب سے زائد روشنی قبول کرنے والے ریشے ہوتے ہیں۔ یہ تعداد ان ستاروں کے برابر ہے جو ''ملکی وے'' نامی کہکشاں میں ہیں۔

(۴۱) آنکھ کے آخری طبقے میں ۳۰ لاکھ تہیں اور ۳ کروڑ ستون ہیں۔

(۴۲)ہماری آنکھیں ایک سال میں کم از کم چالیس لاکھ دفعہ کھلتی اور بند ہوتی ہیں۔

(۴۳) آنکھ کے نور کے علاوہ باہر کی معمولی سے روشنی سے بندہ دیکھ سکتا ہے۔

(۴۴) گھٹاٹوپ اندھیرے مین کچھ نہ کچھ دیکھ سکنا بھی ایسی ہی نعمت ہے۔ جیسے زخمی آدمی کا بے ہوش ہوجانا کہ اس سے بے تکلیف نہیں ہوتی اسی طرح مکمل اندھیرے سے کچھ نہ دکھنا بھی خوف ہو ہر اس سے بچاؤ کی وجہ نعمت ہے۔

کان(EAR):

(۱)کان کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)مناسب الخلقت ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)برابر ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)پردوں کا ہونا۔

(۵)قوت شنوائی کا ہونا۔

(۶)حد سے زیادہ نہ سن سکنا یعنی دنیا کی تمام آوازیں اگر کان میں پڑیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا اس لیے محدود سن سکنا مستقل نعمت ہے۔

(۷)خوبصورت پیدائش اور بناوٹ۔

(۸)بن مانگے تندرست ملنا اور تندرست باقی رہنا۔

(۹)سماعت میں اگر تھوڑی بہت کمی آجائی تو اس کمی کا ذریعہ آلات دور ہوجانا۔

(۱۰)اگرچہ ہم دونوں کانوں سے الگ الگ سنتے ہیں مگر ایک آواز ایک ہی سنائی دیتی ہے دو نہیں۔

(۱۱)کان کی اندرونی دیواریں ایک بدبو دار مادہ خارج کرتی ہیں تاکہ گرد وغبار اور کیڑے مکوڑے اس میں پھنس جائیں اور سوتے میں کوئی چیونٹی وغیرہ کان میں نہ گھس سکے۔

(۱۲)امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کان کو پیچیدہ اور ٹیڑھا بنایا تاکہ آواز اچھی طرح بلند ہوکر اندر پہنچے اور موذی چیزیں (پانی، کیڑا یا ہوا وغیرہ)فوراًاندر نہ پہنچ سکیں اوران کو دفع کیا جاسکے۔

(۱۳)امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کان پر سیپی کی شکل کا دونوں طرف ایک پنکھ سا بنایا تھا تاکہ آوازوں کو مجتمع کرکے سوراخ میں پہنچادے۔

(۱۴)کان میں ایک لاکھ ٹیلی فونی سماعتی خانے ہوتے ہیں یہ خانے آواز کو وصول کرکے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔

(۱۵)کان ایک نازک حصوں سے بناہوا عضو ہے اس لیے اس کی نزاکت کی وجہ سے حفاظت کی خاطر کھوپڑی کے اندر اس کی جگہ بنائی گئی ہے۔

(۱۶)کان کے اندر پردہ کے آگے تین ہڈیاں باہم پیوست ہیں یہ ہڈیاں اونچی اور سخت آوازوں کو نرم کرکے آگے پہنچاتی ہیں۔

(۱۷)کان باہر کی طرف پھیلا ہوا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ آواز کی لہریں اکٹھی کرسکے بالکل ایسے جیسے لوگ چھت پر انٹینا لگاتے ہیں۔

خون(BLOOD):

(1) (۱)انسانی جسم میں ۷۵۰ کھرب خلیے ہیں جن میں سے صرف ۲۵۰ کھرب خلیے خون کے سرخ جسم میں ہیں۔

(۲)ایک جوان آدمی میں خون کی وہ مقدار جو ایک منٹ میں دل سے گزرتی ہے ۵ لیٹر ہے ، جسم کے سطحی رقبہ کے لحاظ سے یہ مقدار تین لیٹر فی منٹ ہے، بچوں ۱۰ سال میں یہ مقدار چار لیٹر فی منٹ اوراسی سال کی عمر میں یہ مقدار ۲ء۸ لیٹر فی منٹ ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آخر میں انسانی جسم کی توانائی کم ہو جاتی ہے۔

(۳)ستر کلو گرام آدمی میں خون کی مقدار پانچ لیٹر ہوتی ہے اس میں تین لیٹر پانی (پلازما) ہوتا ہے۔

(۴)انسانی بدن میں خون شریانوں کو اگر ناپا جائے تو ان کی لمبائی ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ میل لمبی ریلوے لائن کے برابر نکلے گی۔

(۵)خون کا وجود ہی ایک نعمت ہے کیونکہ خون جسم کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنا موٹر کے انجن کے لیے پیٹرول یا موبل آئل۔

(۶)خون کے ذریعے جسم کے تمام حصوں کا غذائیت پہنچتی ہے۔

(۷)خون ہی زہریلی گیس کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جسم سے لے کر جاتا ہے۔

(۸)خون کے اندر سفید ذرات ہیں کریات بیضا()جو انسانی جسم کو جراثیموں کے حملوں سے بچاتے ہیں۔

(۹)خون کے اندر سرخ ذرات ہیں کریات حمر()ان میں ایک رنگ دار مادہ ہیموگلوبن ہوتا ہے جو آکسیجن کو جذب کرتا ہے، یہ پھیپھڑوں کی ہوا میں سے آکسیجن لے کر جسم کے تمام حصوں میں پہنچاتا ہے۔

(۱۰)ہمارے خون میں تقریباً دو چمچ شکر ہوتی ہے گو اس معمولی مقدار سے چائے کی پیالی بھی میٹھی ہوتی لیکن ہمارے خون میں شکر کی یہ معمولی مقدار اس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ اگر اس مقدار سے چند ذرات بھی کم ہو جائیں تو مختلف امراض جسم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

(۱۱)خون کے اجزاء میں سے ایک سیال الدم (Plasma) ہے۔یہ ایسا سیال مادہ ہے جو خون میں موجود ذرات کی روانی میں مددگار ہوتا ہے۔

(۱۲)سیال الدم جسم کی مختلف بافتوں کو غذا پہنچاتا ہے۔

(۱۳)سیال الدم جسم انسان میں خون کو جمنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۱۴)خون ہی تمام حصوں سے بے کار اور ضائع شدہ مادے مثلاً یوریا، یورک ایسڈ، کولیسٹرول وغیرہ لے کر ان اعضاء تک پہنچاتا ہے جو انہیں خارج کرتے ہیں۔

(۱۵)خون تمام جسم میں حرارت پہنچاتا ہے اور جسم کا درجہ حرارت قائم رکھتا ہے، صحت کی حالت میں جسم میں اس کی گرمی F``98.4ہوتی ہے۔

(۱۶)خون جسم کے اندر پانی کا توازن برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

(۱۷)خون کا تنفس کے افعال میں مدد کرنا۔

(۱۸)خون کا اخراجی افعال میں مدد کرنا۔

(۱۹)خون کا غذائی افعال میں مدد کرنا۔

(۲۰)خون کا تنظیمی افعال میں مدد کرنا۔

(۲۱)خون کا مدافعتی افعال میں مدد کرنا۔

رگیں(VESSLES):

(۱)رگوں کا وجد ایک نعمت ہے۔

(۲)رگوں کا بغیر طلب کے ملنا اور صحیح سالم رہنا دوسری نعمت ہے۔

(۳)غذا جو ہم کھاتے ہیں اس کا کچھ حصہ فضلات کی شکل میں آنتوں وغیرہ کے راستے جسم سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن کارآمد حصہ زیادہ تر انہی رگوں کے ذریعے آنتوں وغیرہ سے جذب ہو کر خون میں پہنچتا ہے۔

(۴)وریدیں جو ساکن رگیں ہیں تمام بدن کے خون کو اکٹھا کر کے دل تک پہنچاتی ہیں۔

(۵)وہ تڑپنے والی رگیں جو صاف خون کو جس میں آکسیجن ملی ہوتی ہے، دل سے لے کر تمام اعضاء میں پہنچاتی ہے۔ شریانیں (Arteries) کہلاتی ہیں۔

دل (HEART):

دل کی ساخت: دل چار مختلف خانوں سے مل کر بنا ہے۔ دو خانے اوپر والی منزل میں ہیں جنہیں اذن یا Auricle کہا جاتا ہے اور دو خانے نیچے ہیں جنہیں بطن یا Ventricle کہتے ہیں۔ دائیں اذن میں دو بڑیہ وردیدیں کے ذریعے اوپر اور نیچے والے دھڑ سے آکسیجن نکلا ہوا خون واپس آتا ہے اور بائیں اذن میں چار بڑی وریدوں کے ذریعے پھیپھڑوں سے آکسیجن ملا ہوا خون آتا ہے پھر یہ خون اپنے متعلقہ بطن میں انڈیل دیا جاتا ہے دائیں بطن سے یہ خون ایک بڑی شریان کے ذریعے پھیپھڑوں کو اور بائیں بطن سے تمام جسم کو روانہ کیا جاتا ہے۔

(۱)دل کا ایک ہونا مستقل نعمت ہے۔

(۲)دل میں سوراخ نہ ہونا دوسری بڑی نعمت ہے۔

(۳)ایک صحت مند آدمی کا دل ایک منٹ میں ستر تو نوے بار اور دن بھر میں ایک لاکھ بار اور ایک سال میں تقریباً کروڑ بار دھڑکتا ہے۔

(۴)دل ایک منٹ میں پانچ لیٹر خون پمپ کرتا ہے اور پندرہ سو گیلن خون بارہ ہزار میل لمبے دوران خون کے نظام شریانوں اور وریدوں میں فراہم کرتا ہے۔

(۵)دل خون کے پمپ کرنے اور خون کی فراہمی میں بجلی کی توانائی کا محتاج ہوتا ہے اور یہ بجلی دل اپنے سے حاصل کرتا ہے اس لیے کہ دل جس طرح پمپنگ اسٹیشن ہے اسی طرح خود اپنے لیے بجلی گھر بھی ہے۔

(۶)دل کی دھڑکن ایک نعمت ہے کیونکہ اگر یہ دھڑکنا بند کر دے اور یہ کیفیت کچھ وقت تک بر قرار رہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

(۷)دل کے عضلات کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ کبھی تھکتا نہیں اور نہ ہی آرام کرتا ہے۔

(۸)دل جیسے اہم عضو کی حفاظت کی خاطر اللہ رب العزت کی ذات نے دونوں طرف سے ایک ایک درجن پسلیاں اور سامنے کی جانب سے ہڈی کا ڈھانچہ بنا دیا ہے۔

(۹)دل میں بہت سے باریک مسامات (سوراخ) ان مسانوں کے سامنے ہیں جو پھیپھڑے میں واقع ہیں جو کہ دل کا پنکھا ہے، اگر یہ سوراخ ہٹ جائیں اور ایک دوسرے کے سامنے نہ رہیں تو کبھی ہوا دل میں نہ پہنچ پائے اور انسان مر جائے۔

(۱۰)دل اپنی نسوں کی لمبائی کے ذریعے جسم میں دو کھلے شگافوں والے مقامات تک رہنمائی کرتا ہے یہ مقاما پھیپھڑے اور گردے ہیں۔پہلے مقام پر آکسیجن کے ذریعے خون کی صفائی ہوتی ہے جب کہ دوسرے مقام پر خوراک کی باقیات کی صفائی کا کام ہوتا ہے۔

(۱۱) دل کی جھلی بھی خدا کا بنایا ہوا شاہکار نمونہ ہے اس دو تہوں والی جھلی کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب وہ دھڑکتا ہے تو اسے نزدیک واقع اعضاء سے محفوظ رکھے۔ اس مقصد کے لیے اس جھلی کے باہر والی دیوار ایک تو دل کی پسلیوں کے نزدیک سینے سے چپکائے رکھتی ہے دوسرے یہ اپنے اندرونی جھلی کے درمیان جگہ میں ایک مختصر سی رطوبت چھوڑتی رہتی ہے۔

(۱۲) دماغ سے اعصابی ریشے نکلتے ہیں جو کہ دل کی رفتار کو بھی ضرورت کے مطابق کم یا زیادہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً دوڑتے ہوئے شخص کی دل کی رفتار بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور دل کا عضلہ زیادہ قوت سے سکڑتا ہے تاکہ زیادہ مقدار میں خون کی ترسیل ہو سکے۔

(۱۳) دل کی دھڑکن کی وجہ سے نبض کی رفتار بنتی ہے۔

(۱۴) دل اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے کیونکہ اگر کان، ناک، یا جسم کا کوئی اور عضو نہ بھی ہو تو زندگی ممکن ہے مگر دل کے بغیر چند لمحے بھی نہیں رہا جا سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمام انسانی جسم میں دل سے بڑی کوئی نعمت نہیں تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ اسی کی بدولت زندگی کو دوام اور ایمان کو بقا حاصل ہے۔

فائدہ:

دل جسامت میں مٹھی کے برابر ہے۔ دل کا طول تقریباً بارہ سینٹی میٹر 12cm، چوڑائی نو سینٹی میٹر 9cm اور دبازت (موٹائی) چھ سینٹی میٹر 6cm ہے۔

قلب کا اوسط وزن مردوں میں 300 گرام اور عورتوں 250 میں گرام ہے۔ دل ایک منٹ میں پانچ لیٹر خون پمپ کرتا ہے اور 45 سال کی عمر تک دل تقریباً 3 لاکھ ٹن خون پمپ کر چکا ہوتا ہے۔ ایک صحت مند انسان کا دل ایک منٹ میں 70 سے 90 بار دھڑکتا ہے۔ دل کی تین دھڑکنوں میں

ایک پیالی خون خارج ہوتا ہے۔ ایک آدمی اگر ستر سال زندہ رہے تو دل 4 کھرب دفعہ دھڑکے گا اور اس دوران دس کروڑ گیلن خون کا اخراج کرے گا۔ بچہ جب رحم مادر میں ہوتا ہے تو دل حرکت کرنے لگتا ہے اور پھر یہ حرکت موت تک جاری رہتی ہے۔ دل چوبیس گھنٹے میں اتنی قوت صرف کرتا ہے جو تین فٹ اونچے پلیٹ فارم پر بیس ٹن کوئلہ چڑھانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ناک(NOSE):

(۱)ناک کا ہونا بھی نعمت ہے۔

(۲)ناک کا ٹھیک ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۳)مناسب الخلقت ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)ناک کی بدولت چہرہ کا خوبصورت اور خوشنما دکھائی دینا۔

(۵)ناک کے اندر نتھنے بنائے ہیں اور ان میں قوۃ شامہ (سونگھنے کی قوت) رکھے تاکہ انسان خوشبوؤں کو سونگھ سکے اور بدبو سے دور ہو سکے۔

(۶)ناک کے ذریعہ تازہ ہوا حاصل ہوتی ہے جو کہ دل کی غذا ہے۔

(۷)اللہ تعالیٰ نے ناک کے اندر بال پیدا فرمائے تاکہ ہوا کہ ساتھ آنے والا اگر دوغبار اور جراثیم ان بالوں سے الجھ کر باہر ہی رہ جائیں اندر نہ جا سکیں اور اگر کچھ جراثیم اندر داخل ہوتے بھی ہیں تو ناک اور سانس کی نالی میں باریک بال اور اس کی رطوبت ان کو روک لیتی ہے جس کی وجہ سے پھیپھڑے خطرناک بیماریوں کے جراثیوں سے بچ جاتے ہیں۔

(۸)انسانی ناک ہی کے ذریعے سانس لیتا ہے جو کہ اس کی زندگی کو قائم رکھتا ہے۔

(۹)کوئی چیز اگر دفعتاً ناک میں داخل ہو تو چھینک کے ذریعے اس کو نکال باہر کیا جاتا ہے۔ چھینک دینا بھی جسم کی مدافعت کرنا ہے اس لیے حکم ہے کہ چھینک کے بعد اللہ کا شکر ادا کرو، یعنی الحمد اللہ کہو۔

(۱۰)اگر چھینک کرنے سے بھی جراثیم نہ ٹل سکیں تو کھانسی کرنے سے یہ خطرناک جراثیم جسم سے نکال دیئے جاتے ہیں۔

(۱۱)ناک کا اوپر والا حصہ سونگھنے میں مدد دیتا ہے جہاں باری تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی جھلی بنائی ہے جو اور کہیں نہیں ہے۔

(۱۲)ناک کی ہڈیاں پتلی اور کھوکھلی بنائی ہیں جو بولتے وقت آواز پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

(۱۳)ناک ہوا کو مرطوب بنانے کے لیے تقریباً چوتھائی گیلن نمی روزانہ پیدا کرتا ہے۔

(۱۴)ناک کے اندر ایک خوردبینی جھاڑو ہے۔ اس جھاڑو کے اندر غیر مرئی روئیں ہیں جو مضر جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ نیز ان کے پاس ایک ایسا دفاعی نظام ہے۔ جس کو انگریزی زبان میں Lysozium کہتے ہیں اس دفاعی نظام کے ذریعے سے ناک آنکھوں کو خطرناک بیماری سے بچاتی ہے

۔

(۱۵)جو نماز وضو کرتے وقت ناک کے اندر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے اندر کام کرنے والی برقی رو ناک کے اندر غیر مرئی رووں کی کارکردگی کو تقویت پہنچاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ بے شمار پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۶)اگر خدانخواستہ ناک اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو مختلف ذائقوں میں امتیاز نہی کیا جا سکتا۔

(۱۷)نزلہ وغیرہ کا ناک کے ذریعہ بہہ جانا بھی نعمت ہے۔

(۱۸)ناک کا بن مانگے بے عیب ملنا اور تندرست باقی رہنا مستقل نعمت ہے۔

گلا(THROAT):

(۱) گلے کا ہونا ایک نعمت ہے۔

(۲) گلے کا تندرست ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۳)سانس کا راستہ ہونا۔

(۴)غذا کا نگلنا۔

(۵)بن مانگے صحیح رہنا۔

(۶)مناسب الخلقت ہونا۔

(۷)خلق(Pharynx)میں دو سوراخ کا ہونا۔ آگے والا سوراخ سانس کی نالی میں کھل جاتا ہے اور پیچھے والا سوراخ خوراک کی نالی میں کھلتا ہے۔سانس کی نالی پر ایک پردہ ہے جو خوراک نگلتے وقت سانس کی نالی کو بند کر دیتا ہے اور اس کام کو کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے اگر اللہ کا حکم ہو گا تو فرشتہ سانس کی نالی کو بند کر دے گا اور خوراک کو اپنی صحیح جگہ سے نیچے لے جائے گا۔

(۸)انسان کی حفاظت اور حلق کو تر رکھنے کے لیے لعاب کا پیدا ہونا جو ہر وقت منہ میں اتنی مقدار میں موجود رہتا ہے جو حلق کو سوکھنے نہیں دیتا۔

پھیپھڑے(LUNGS):

(۱) پھیپھڑے کا ہونا ایک نعمت ہے۔

(۲)بن مانگے ملنا اور تندرست رہنا نعمت ہے۔

(۳) پھیپھڑے کا پھولنا اور سکڑنا نعمت ہے،ایک آدمی کی اوسط زندگی میں پھیپھڑے 50 کروڑ مرتبہ پھولتے اور سکڑتے ہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی مشین نہ ایسی مشقت برداشت کرسکتی ہے اور نہ ہی بغیر مرمت ہوئے اتنا لمبا عرصہ اپنا کام جاری رکھ سکتی ہے۔

(۴) پھیپھڑوں کے چھوٹے چھوٹے بال گردوغبار کو باہر نکالتے ہیں۔ گویا کہ یہ بال فلٹر ہیں۔

(۵)ہمیں روزانہ اپنے جسم میں پھیپھڑے کے ذریعے پندرہ سو مکعب انچ اور چمڑی کے ذریعے سے 300 مکعب انچ صاف ہوا لینی چاہیئے جو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پوری کردیتے ہیں۔

(۶) پھیپھڑے کے ذریعے انسان سوتے جاگتے ہر لمحہ سانس لیتا رہتا ہے۔

فائدہ:

ایک منٹ میں آدمی سولہ سے اٹھارہ مرتبہ سانس لیتا ہے اور پورے دن بھر میں 24 ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ ہر ایک سانس میں 25 سے 30 انچ ہوا اندر جاتی ہے۔ یہ ہوا پھیپھڑے کی 15 مربع فٹ جگہ میں چکر لگاتی ہے۔ ایک دن میں آدمی سانس کے ذریعے 14 ہزار 4 سو گیلن ہوا کھینچتا ہے۔

منہ(MOUTH):

(۱)منہ ہونا ایک نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۳)بدشکلی سے محفوظ ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)منہ کا کھلنا۔

(۵)منہ کو مرکزی حیثیت ملنا۔

(۶)جامع النعم ہونا۔

(۷)خوبصورت ہونا۔

(۸)بن مانگے عطاہونا۔

(۹)بن مانگے صحیح رہنا۔

(۱۰)صفائی سے بننا۔

(۱۱)ہنسنے کی حدود کاہونا۔

(۱۲)ہر ایک کی شکل کا مختلف ہونا کتنی بڑی نعمت ہے ورنہ پہچان بہت دشوار ہوتی۔

ہونٹ(LIP):

(۱)ہونٹ کاہونا نعمت ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر خوبصورت دانتوں پر ہونٹ نہ ہوتے تو چہرہ کتنا بدصورت وبد ہیئت ہوتا۔

(۲)دونوں ہونٹوں کا تندرست وبلا عیب ہونا۔

(۳)دونوں ہونٹوں کا برابر ہونا۔

(۴)محبت کی طرف مشیر ہونا۔

(۵)بولنے میں بھی ہونٹ کا بڑا ہاتھ ہے۔

(۶)بن مانگے صحیح رہنا۔

(۷)ہڈی نہ ہونا۔

(۸)مسکراہٹ میں ہونٹوں کا معین ہونا۔

(۹)مسکراہٹ میں ہونٹوں کا معین ہونا۔

(۱۰)ہونٹوں سے کھانا کھانے میں بہت مدد ملتی ہے۔

(۱۱)ہونٹوں سے مسوڑوں اور دانتوں کی حفاظت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

دانت(TEETH):

(۱)دانت کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲)تندرست ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۳)پکے ہوئے ہونا بھی نعمت ہے۔

(۴)اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا نہایت مشکل تھا۔

(۵)سفید ہونا۔

(۶)متناسب ہونا۔

(۷)خلال کی گنجائش ہونا۔

(۸)بن مانگے ملنا اور باقی رہنا۔

(۹)دانتوں کی بناوٹ دیکھئے کہ قدرت نے انہیں بتیس ٹکڑوں میں بنایا ہے سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی طرح نہیں بنایا ورنہ منہ کے اندر اس سے بہت اذیت ہوتی ہے۔ موجودہ صورت میں اگر ایک دانت خراب ہو جائے تو دوسرا اس کا نعم البدل ثابت ہوتا ہے۔

(۱۰)دانت کا نرم (گوشت) کی طرح نہ ہونا بھی نعمت ہے۔

(۱۱)دانتوں کے اطراف میں داڑھیں بنائیں تاکہ سخت چیزوں کو کاٹنے کے لیے ان سے مدد لی جاسکے۔

(۱۲)دانتوں کی وجہ سے چہرے کا حسن دوبالا ہوتا ہے۔

(۱۳) دانتوں کے خراب ہونے کی صورت میں مصنوعی دانت بھی قدرت ہی کا انتظام ہے۔

(۱۴) اللہ رب العزت کی ذات نے شیر خوار بچوں کو نرم و عارضی دانت عنایت فرمائے مگر جونہی بچہ بڑا ہونے لگتا ہے تو یہ عارضی دانت گرنے لگتے ہیں اور بتدریج مستقل دانت کی جگہ لے لیتے ہیں۔ چنانچہ دودھ کے دانت بیس ہوتے ہیں ہر جانب اریچے پانچ پانچ، یہ چھ سال تک ساتھ دیتے ہیں اسی دوران ایک ایک داڑھ مستقل آجاتی ہے اور اس طرح کل دانت 24 ہو گئے پھر سامنے والے گرتے ہیں اور نئے آجاتے ہیں پھر بتدریج 28 ہو جاتے ہیں۔ سترہ، اٹھارہ سال کی عمر میں ایک ایک عقل داڑھ آجاتی ہے اس طرح کل دانت 32 ہو جاتے ہیں۔

(۱۵) نارمل خوراک چبانے میں 350PSI پونڈ کی طاقت استعمال ہوتی ہے اور اس پریشر پر انگلی کٹ چکتی ہے۔

(۱۶) دانتوں کے اوپر کی کھال نہایت سخت رکھی اگر دانتوں کی یہ کھال نرم ہوتی تو پھر دانتوں کا جمے رہنا مشکل ہو جاتا۔

(۱۷) دانٹ ہونٹوں کی ٹیک کا کام بھی دیتے ہیں اور ان کو منہ کے اندر جھکنے سے روکتے ہیں۔

فائدہ: دانتوں کی بڑی بیماریاں:

دانتوں کی دو بیماریاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے علاج معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۱) **کیڑا لگنا:** یہ قدرتی مرض ہے، جہاں لیکٹیریا شروع ہوتا ہے دانت سڑتا شروع ہو جاتے ہیں ، عموماً جہاں مسواک یا برش کی پہنچ نہیں ہوتی وہاں یہ ہلکے درجہ میں شروع ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ یہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

(۲)خون آنا: دوسرا بڑا مرض دانتوں میں خون کا آنا ہے یہ بھی نوے فیصد دانت صاف نہ کرنے سے ہوتا ہے۔

زبان(TONGUE):

(۱)زبان کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)مناسب الخلقت ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)بغیر ہڈی کے ہونا۔

(۴)نرم ہونا۔

(۵)منہ کے اندر رہونا۔

(۶)لعاب کا ساتھ ہونا یعنی زبان کا تر رہنا۔

(۷)قوت گویائی کا ہونا۔

(۸)لکنت نہ ہونا یعنی بلا عیب ہونا۔

(۹)زبان کی پائیداری کہ ساری زندگی ہمارا ساتھ دیتی ہے ورنہ انسان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے آلات ایک مدت کے بعد ناکارہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۰)زبان پر اللہ تعالیٰ نے تین ہزار خانے ذائقے کے بنائے ہیں جن سے ہم مٹھاس، کرواہٹ اور کھٹائی وغیرہ محسوس کرتے ہیں۔

(۱۱)بن مانگے صحیح رہنا۔

(۱۲)مختلف زبانوں میں گفتگو کر سکنا۔

(۱۳)زبان کی مدد سے لقمے کو ادھر ادھر کرنے اور کھانے میں مدد ملتی ہے۔

(۱۴)زبان بہت نازک عضو ہے لیکن اللہ تعالیٰ بتیں چھریوں میں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۱۵)اشیاء کے گرم اور سرد ہونے کا بھی زبان سے پتہ چلتا ہے۔

لعاب(SALIVA):

(۱)لعاب جس میں تقریباً98فیصد پانی ہوتا ہے اس کو وجود نعمت ہے۔

(۲)لعاب غذا کو تر اور چکنا کر کے نگلنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔

(۳)لعابِ غذا کے ذرات کو باہم چپکا کر لقمے کی شکل بنالیتا ہے جو ایک صورت میں نگل لیا جاتا ہے۔

(۴)لعاب ہضم کے عمل کی ابتدا کرتا ہے۔

(۵)لعاب منہ کی صفائی کرتا ہے اور دانت کی حفاظت کرتا ہے۔

(٦)لعاب کا مناسب ہونا بھی نعمت ہے،قدرت نے لعاب کو منہ کے اندر اس طرح پوشیدہ رکھا ہے کہ کھانے پینے کے وقت پیدا ہوتا ہے اگر کھانے کے علاوہ منہ میں ہمیشہ لعاب بھرا رہتا تو منہ کا کھولنا نہایت مشکل ہو جاتا،منہ کھولتے وقت لعاب باہر آجاتا اور بات کرنے میں سخت دشواری پیش آتی۔

(۷)کھانا کھاچکنے کے بعد لعاب صرف اتنا جاری رکھا جس سے حلق تر رہے اور سوکھنے نہ پائے ورنہ حلق خشک ہونے سے دم گھٹنے لگتا اور انسان ہلاکت کے منہ میں چلا جاتا۔نیز تری اتنی باقی رکھی جس سے گویائی میں آسانی رہے۔

پیٹ(BELLY):

(۱)پیٹ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)درست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)مناسب ہونا۔

(۴)ربڑ کی طرح کا ہونا۔

(۵)موٹا یا پتلا ہونے سے تکلیف نہ ہونا۔

(۶)فضلہ اپنے اندر سموئے رکھنا۔

(۷)ناف کا ہونا۔

(۸)پیٹ وناف کا مناسب ہونا۔

(۹)سانس لینے میں دشواری نہ ہونا۔

(۱۰)بن مانگے درست رہنا۔

معدہ(STOMACH):

(۱)معدہ وہ عضو ہے جس میں غذا جا کر ہضم ہو جاتی ہے۔

(۲)معدہ کا ہونا نعمت ہے۔

(۳)معدہ کا تندرست ہونا دوسری نعمت ہے۔

(۴)بن مانگے درست رہنا بھی نعمت ہے۔

(۵)غذا جب معدہ میں داخل ہوتی ہے تو وہاں نمک کا تیزاب خوراک میں موجود مختلف قسم کے جراثیموں کو مار دیتا ہے اور معدہ کے نمک کا یہ تیزاب اس قدر تیز ہوتا ہے کہ وہ خوراک میں لی گئیں تمام اشیاء پر اثر انداز ہوتا ہے مگر معدہ اس کے اثر سے محفوظ رہتا ہے اس لیے کہ معدہ کی

دیواروں پر ایک مخصوص قسم کی چکنی اور لیس دار تہہ غشائے مخاطی موجود ہوتی ہے جس کی موجودگی معدے پر تیزاب کو اثر ڈالنے نہیں دیتی۔

(۶)معدہ کے اندر ساڑھے تین کروڑ کے قریب غدود ہوتے ہیں جن سے خاص کیمیائی مادوں کا اخراج ہوتا ہے۔

جگر(LIVER):

جگر کی ساخت اور مقام: جگر انسانی جسم میں سب سے بڑا غدہ(غدود) ہے۔اس کا رنگ سیاہی مائل سرخ ہوتا ہے۔اس کا وزن ڈیڑھ سے دو کلو تک ہوتا ہے۔یہ پیٹ کے دائیں طرف پسلیوں کے نیچے معدے کے اوپر ہوتا ہے۔اس کے دو بڑے لوتھڑے ہوتے ہیں۔دایاں لوتھڑا بڑا اور بایاں لوتھڑا چھوٹا ہوتا ہے جس کا کچھ حصہ بائیں پسلیوں کے نیچے تک آجاتا ہے۔جگر کی اوپری سطح گول اور نیچے کی سطح پر پانچ شگاف ہوتے ہیں جو جگر کو پانچ چھوٹے لوتھڑوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

(۱)جگر کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲)جگر کا تندرست ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)بغیر طلب کے مل جانا بھی نعمت ہے۔

(۴)جگر کا حرارت پیدا کرنا نعمت ہے۔

(۵)جگر کا معدنی اجزاء اور خاص کر لوہے و تانبے کو محفوظ کرنا جو خون بناتے ہیں۔

(۶)جگر کا خون کے سرخ خلیات بنانا۔

(۷)جگر کا قلت خون بنانے والے عنصر کا ذخیرہ کرنا

(۸)صفراء اور افراز جگر کا خاص فعل ہے اور صفراء غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(۹)جگر میں اربوں ایسے خلیوں کا ہونا جو جسم میں پائے جانے والے دوسرے خلیوں سے مختلف ہوتے ہیں اور اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ خوردبین کے بغیر ان کا مشاہدہ ممکن نہیں۔

(۱۰)جگر کا انسانی خدمت سے نہ تھکنا بھی نعمت ہے۔ جگر انسان کی خدمت ماں کی پیٹ سے شروع کرتا ہے اور ساری زندگی خدمت کو انجام دیتا رہتا ہے۔

(۱۱)جگر کا مختلف افعال انجام دینا۔ کیونکہ جگر میں شکر، لمحیات، نمکیات، وٹامن وغیرہ بنتے ہیں۔ جگر کے افعال اس قدر ہیں کہ سائنس دان اس کا نعم البدل نہیں پیش کرسکتے۔

(۱۲)آنتوں سے جذب ہونے والی گلوکوز کا بڑا حصہ جگر اپنے اندر ذخیرہ کرلیتا ہے اور ضرورت کے وقت جسم کو توانائی فراہم کرنے کے لیے دے دیتا ہے۔

(۱۳)جگر کو جسم کو زہریلے اجزاء سے محفوظ رکھنا بھی نعمت ہے۔

(۱۴)جگر کا خون میں شکر کی سطح کو متوازن رکھنا مستقل نعمت ہے۔

(۱۵)جگر کو حیوانی شکر گلائیکوجن تیار کرنا بھی غیر معمولی نعمت ہے۔

(۱۶)جسم میں موجود غیر ضروری اجزاء کو جسم سے خارج کرنا۔

(۱۷)جگر کا غذا کو ہضم کرنے میں مدد دینے والے خیر ازائم کا پیدا کرنا۔

(۱۸)اگر انا سن کو سردی لگ جائے تو جگر جسم کو گرمانے کے لیے اس قدر صفرا خارج کرتا ہے کہ آنکھیں اور چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔

(۱۹)قدرت نے جگر میں بڑھنے کی بھی طاقت رکھی ہے، اگر جگر کا ایک بڑا حصہ بیماری کی وجہ سے نکال دیا جائے تو باقی جگر آہستہ آہستہ بڑھ کر بڑا ہو جاتا ہے۔

(۲۰) جگر کا نیا خون بنانے میں اپنا حصہ ادا کرنا یہاں تک کہ بچے کی پیدائش سے پہلے بھی جنین میں جگر خون کے سرخ و سفید دانے بنانے کا اہم کارخانہ ہے۔

(۲۱) جگر کا ایک خاص کیمیائی مادہ "ہیپارین" کو بنانا یہ مادہ عروق میں خون کو جمنے سے روکتا ہے۔

پتہ (مرارہ) (GALL BLADDER):

(۱) پتہ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲) بغیر طلب و جستجو کے مل جانا بھی نعمت ہے۔

(۳) بن مانگے تندرست ہونا اور تندرست رہنا بھی نعمت ہے۔

(۴) پتہ ایک تھیلی نما عضو ہے جس میں جگر سے پیدا ہونے والے پتہ یا صفراء جمع رہتے ہیں اور جب کھانا ہضم کرنے کا عمل شروع ہوتا ہے تو صفراء پتہ میں سے نکل کر چھوٹی آنت میں قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے اور چربیلی غذائیں ہضم کرتا ہے۔

(۵) پتہ آنتوں میں موجود غذا میں سرانڈ پیدا نہیں کرتا ہے۔

(۶) پتہ کا آنتوں میں براز کو خارج کرنے (اجابت) کی تحریک پیدا کرنا اور براز میں بدبو پیدا نہ ہونے دینا، براز کا مخصوص رنگ پتے کی رطوبت کے شامل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تلی (طحال) (SPLEEN):

تلی کی ساخت اور مقام: تلی ایک ایسا غدہ (گلٹی) ہے کہ جس کی کوئی نالی نہین ہے اس کی شکل چپٹی مستطیل ہوتی ہے، اس کی رنگت سرخ سیاہی مائل ہوتی ہے۔ تندرست آدمی میں تلی کی لمبائی تقریباً پانچ انچ، چوڑائی تین یا چار انچ، موٹائی ڈیڑھ انچ اور وزن تقریباً اڑھائی یا تین چھٹانک تک ہوتا ہے۔ یہ پیٹ کے بائیں طرف نیچے والی پسلیوں کے نیچے ہوتا ہے۔

(۱) تلی کا وجود ایک نعمت ہے۔

(۲) تلی کے بغیر طلب وجستجو کے مل جانا بھی نعمت ہے۔

(۳) تلی کا بن مانے تندرست رہنا بھی نعمت میں داخل ہے۔

(۴) تلی کا خون کے ضائع شدہ جسم میں خون سے علیحدہ کرنا۔

(۵) تلی کا ایک قسم کی اندرونی رطوبت تیار کرنا جو رطوبت لبلبہ بننے میں مدد دیتی ہے۔

فائدہ عجیبہ:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ "فقہ مالکہ کی مشہور کتاب فیض الرحمٰن" ص ۲۳۱ میں بحوالہ حیوۃ الحیوان مذکور ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پر مداومت کرے کہ جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں اور پھر بایاں پہنے اور جب نکالے تو پہلے بایاں اور پھر داہنا نکالے وہ تلی کے درد سے ماموں رہے گا۔ک[765]

لبلبہ (PANCREAS):

لبلبہ کی ساخت اور مقام: لبلبہ یہ تلی کے ساتھ مثل گردن کے لگاہوا دکھائی دیتا ہے، لبلبہ دراصل ایک قسم کی گلٹی یا غدہ ہے جس کی شکل کتے کی زبان جیسی ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی چھ انچ اور چوڑائی ڈیڑھ انچ، موٹائی سوا انچ اور وزن تقریباً ایک چھٹانک سے تین چھٹانک تک ہوتا ہے۔

(۱) لبلبہ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲) بغیر طلب وجستجو کے مل جانا بھی نعمت ہے

(۳) بغیر درخواست کیے تندرست ہونا اور تندرست باقی رہنا۔

---

[765] ثمرات الاوراق کشکول ص ۶۲

(۴)لبلبہ میں اندرونی افراد کا پیدا ہونا اور خون میں شامل ہوتے رہنا جیسے انسولین (Insulin) کہتے ہیں، اگر یہ افراد صحیح مقدار میں پیدا ہو کر خون میں شامل نہ ہو تو نشاستہ دار غذائیں اور شکر ہضم ہو کر جزو بدن نہ بن سکے، شوگر کا مرض انسولین کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ شوگر کے مریض کا مصنوعی انسولین کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے۔

گردہ (KIDNEY):

گردہ کی شکل اور مقام: گردے تعداد میں دو ہوتے ہیں۔ ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف، ہر ایک گردہ گیارہویں پسلی کے نیچے پیٹ کے پچھلی جانب کمر کے مقام پر واقع ہوتا ہے۔ داہنا گروہ جگر کے باعث بائیں گروہ سے ذرا نیچے ہوتا ہے۔ گردے کی شکل لوبیئے جیسی ہوتی ہے۔ جسمات میں چار انچ لمبا، دو انچ چوڑا اور ایک انچ موٹا ہوتا ہے۔ اس کی رنگت سرخی مائل بھوری ہوتی ہے۔ اس کی ساخت نیفرون پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۱) گردہ کا ہونا نعمت ہے اس کے بغیر آپ زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتے۔

(۲) گردہ کا بغیر طلب و جستجو کے مل جانا بھی نعمت ہے۔

(۳) بن مانگے گردہ کا تندرست ہونا اور تندرست رہنا اور اپنا عمل کرتے رہنا۔

(۴) گردے کا سب سے بڑا اور اہم کام خون کا صاف رکھنا ہے۔ یہ زہریلے اجزاء کو جسم سے پیشاب کی صورت میں خارج کرتے ہیں گویا کہ یہ فلٹر پلانٹ کا کام کرتے ہیں نیز دونوں گردوں میں 24 لاکھ فلٹری پلانٹ لگے ہوتے ہیں اور ہر پلانٹ پیشاب بنا سکتا ہے۔

(۵) گردوں کا دوسرا اہم کام جسم میں خون کا حجم (مقدار)، پانی کا حجم، معدنی اور غذائی اجزاء کا تناسب برقرار رکھنا ہے۔

(۶)انسانی جسم میں ایک حد تک سوڈیم،پوٹاشیم،کیلشیم، میگنیشیم،فولاد،شکر،نمک وغیرہ کی ایک خاص مقدار انسان کی نشوونما کے لیے ضروری ہوتی ہے لیکن جب ان ضروری اجزاء کی مقدار زیادہ ہوجاتی ہے تو فلٹر پلانٹ یعنی گردے ان کو پیشاب کی صورت میں خارج کردیتے ہیں۔

(۷)ہر روز انسانی گردوں سے دو سو لیٹر پلازما(خون کا مائع جز) فلٹر ہوتا ہے۔

شرم گاہ(PENIS):

(۱)شرم گاہ کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)مناسب الخلقت ہونا بھی نعمت ہے۔

(۳)درست انداز سے کام کرنا بھی نعمت ہے۔

(۴)خواہشات کا پورا کرسکنا۔

(۵)پیشاب کا ارادہ کرنے سے پیشاب کا آجانا۔

(۶)ہڈی کا نہ ہونا حتیٰ کہ ہڈی سے استنجاء بھی نہ کرنا۔

(۷)نسل انسانی کو بحکم الٰہی باقی رکھ سکنا۔

(۸)حقوق واجبہ کا ادا ہونا۔

(۹)بغیر درخواست کیے درست رہنا۔

(۱۰)آلہ تناسل کی ساخت کا عجیب ہونا نہ تو اس کو بالکل ڈھیلا رکھا کہ مادہ رحم تک نہ پہنچ سکے نہ ایسا سخت کے چلنے پھرنے میں دشواری ہو۔اس میں گھٹنے کی بھی صلاحیت رکھی اور بڑھنے کی بھی۔

(۱۱)بعد ازاں انزال باعث تسکین ہونا۔

(۱۲)گھر میں پاخانے کی جگہ آڑ میں بنائی جاتی ہے اور یہی مناسب ہے دیکھئے قدرت کا عمل بھی یہی ہے کہ پاخانہ کا مقام ایک ایسی جگہ بنایا جو بدن بھر میں سب سے زیادہ چھپی ہوئی ہے، بدن کے پورے آدھے دھڑ نے اس کو چھپا رکھا ہے پھر مزید رانوں پر گوشت زیادہ چڑھایا تاکہ ایک گونہ پردہ میں ہو جائے۔

(۱۳)خصیوں(Testes)کا ہونا بھی نعمت ہے۔کیونکہ یہ افزائش نسل کے لیے مردانہ جراثیم پیدا کرتے ہیں۔

(۱۴)خصیے اندرونی رطوبت پیدا کرتے ہیں جو مردانہ خصوصیت یعنی داڑھی، مونچھوں وغیرہ کا اُگنا اور آواز کی تبدیلی کو پیدا کرتے ہیں۔

(۱۵)عورتوں میں فرج کا ہونا نعمت ہے بایں معنی کہ جماع کے وقت مرد کا آلہ تنازل اس میں داخل ہوتا ہے اور مرد کا مادہ منویہ اسی کے ذریعے عورت کے اندرونی اعضاء نسلی میں پہنچتا ہے۔

(۱۶)فرج(Vagina) ہی کے راستے سے جنین دنیا میں آتا ہے۔

(۱۷)فرج ہی کے راستے حیض و نفاس خارج ہوتے ہیں۔

رحم(UTERUS):

(۱)رحم کا ہونا نعمت ہے۔

(۲)رحم کا بن مانگے ملنا بھی نعمت ہے۔

(۳)رحم کا تندرست رہنا بھی نعمت ہے۔

(۴)رحم کا بچے کی آماجگاہ ہونا۔

(۵)رحم بچے کی حفاظت کرتا ہے اور اسے صدمات سے محفوظ رکھتا ہے۔

(٦) حیض اسی میں سے آتا ہے۔

(۷) رحم کی دو نالیاں ہوتی ہیں پیدائش کے نقطۂ نظر سے یہ نالیاں نہایت اہم حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ مرد کا جرثومہ منی اور عورت کے انڈے کا ملاپ اسی نالی کے بیرونی آخری حصہ میں ہوتا ہے اور اسی جگہ انڈا بار آور ہوتا ہے۔[766]

شیطان کی مخالفت اور رحمتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے شیطان کے خلاف کیا اور گناہوں سے دور رہا دوزخ سے بچا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نیکیوں کی مزید بہت ہمت دے اور رحمٰن کے ذکر میں ہمیشہ اس کو مشغول و مصروف رکھے کیونکہ اس نے بسم اللہ کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اللہ کو مضبوط پکڑا اس کی طرف رجوع کیا ہو اور اللہ پر توکل کیا اور اس کے ذکر میں مشغول رہا۔ کیونکہ اس نے بسم اللہ پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے دنیا سے نفرت کی اور آخرت کا شائق رہا اور تکلیفوں پر صبر اور اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کیا، مولیٰ کے ذکر میں ہمیشہ محو رہا کیونکہ اس نے بسم اللہ کہا ہے۔

تبریک و تہنیت ہے اس بندے کے لئے جس نے شیطان سے پرہیز کیا اور قوت لایموت پر قناعت کی۔ (بقدر ضرورت روزی حاصل کرنے پر) اور اس خدا کے ذکر میں مصروف و مشغول رہا۔ جو حی لایموت ہے لہٰذا تم بھی بسم اللہ کہو۔

---

[766] (از اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی حیرت انگیز بارش)

بسم اللہ کے کلمات کی فرداً فرداً دلچسپ تحقیق

اسم اللہ جل جلالہ کی علمی تحقیق:

اہلِ علم نے اس پر بحث کی ہے کہ اسمِ اللہ ذات سے مشتق ہے یا جامد، متعدد علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ جامد لفظ ہے نہ یہ کسی سے ماخوذ ہے نہ اس سے کوئی دوسرا لفظ ماخوذ ہے گویا جو مسمی کی شان ہے۔ وہی اسم کی ہے۔ مسمی کی شان یہ ہے۔

لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُو لَدۡ (سورۃ اخلاص: ۳)

ترجمہ: نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔

لفظ اللہ کی تحقیق میں آٹھ اقوال:

اکثر محققین کا خیال یہ ہے کہ مشتق ہے۔ پھر اس کے ماخذِ اشتقاق کے بارے میں آٹھ اقوال ہیں۔

پہلا قول: یہ "الہ یا لہ" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے عبادت کرنا۔ اس اعتبار سے اسے "اللہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اسی کی عبادت کی جاتی ہے تو الہ "مالوہ" کے معنی میں ہو گیا۔ جیسا کہ امام "مؤتم" کے معنی میں ہوتا ہے۔

دوسرا قول: "الہ یا لہ" سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے حیرت زدہ رہ جانا اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے مالک کے بارے میں جتنا زیادہ غور و فکر کرتا ہے اس کے تحیر اور استعجاب میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہماری تو حقیقت ہی کیا ہے، جنہیں ہم اہم معرفت کہتے ہیں وہ برسوں کے مشاہدہ مراقبہ اور غور و فکر کے بعد پکار اٹھے۔ "**ماعرفنالت حق معرفتک**" انسان نے اپنی ناقص عقل سے اسے پہچانا مگر نہ پہچان سکا۔

علامہ اقبال نے اسی لئے تو کہا:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور ہے۔
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے۔

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اندہ خواندہ ایم شنیدہ ایم
و گر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچنان در اول وصف تو ماندہ ایم

اور ایک بہت پیار شعر ہے:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا تیری پہچان یہی ہے

تیسرا قول: یہ "الو لہ" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہے عقل کا گم ہو جانا۔ عقل اپنی تمام تر سر گردانی اور حیرانی کے باوجود اس ذاتِ مطلق کی حقیقت اور کنہ تک نہیں پہنچ سکی اور عقل بیچاری بھی کیا، عقل کو تو خود اپنی عقل نہیں، تولے اور ماشے کے لیے بنائے گئے ترازو سے منوں اور ٹنوں کا وزن نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بات عقل میں رہے کہ رب کی ذات ماوراء عقل تو ہے خلافِ عقل ہر گز نہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

چوتھا قول: "اَلِہَ" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے کسی کی طرف مضطر ہونا، پناہ پکڑنا، اس اعتبار سے "اللہ" اس لیے کہتے ہیں کہ ہر معاملہ میں اس کی طرف پناہ حاصل کی جاتی ہے۔

عرب شاعر کہتا ہے:

الهت الينا والحوادث جمة

توہماری طرف مضطرہوااس حال میں کہ حوادث کی کثرت ہے۔

پانچواں قول: ''لَاہَ یَلُوْہ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چھپ جانااور اس کی توشان ہی یہ ہے کہ یوں تووہ ہر چیز میں ہے۔

جیساکہ شاعر نے کہاہے:

ہر کہ بینم در جہاں غیرے تو نیست

یاتوئی یاخوئے تو یابوئے تو۔

لیکن ہماری ظاہری آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔

لَاتُدْرِکُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (سورۃ الانعام:۱۰۳)۔

عربی کے ایک شاعر نے شاید اسی آیت کاترجمہ کیاہے:

لاہ ربی عن الخلق طرا خالق الخلق لایری ویرانا۔

(میرا رب ساری مخلوق کی نظروں سے مخفی ہے۔وہ مخلوق کا خالق خود تو دکھائی نہیں دیتالیکن ہمیں دیکھتاہے)۔

چھٹا قول: ''اَلَہَ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے سکون حاصل ہونااور اس میں شک ہی کیاہے کہ مضطرب روحوں کو اسی سے سکون ملتاہے، ٹوٹے ہوئے دل اس کی یاد سے جڑتے ہیں۔دلوں کی ویرانیاں اسی کے نام سے آباد ہوتی ہیں۔حزن وملال کے اندھیروں میں اسی کے نام سے روشنی پھیلتی ہے اسی لیے تو قرآن میں کہاگیاہے:

أَلَابِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (سورۃ الرعد:۲۸)

ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

ساتواں قول: لفظ اللہ ”لاۃ“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بلند ہونا۔ تو ذات باری تعالیٰ کو اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بلند ہے۔ اتنا بلند کہ وہاں پستی کا امکان نہیں اور اس کی رفعت کے سامنے تمام رفعتیں ہیچ اور گرد ہین۔ اس کی ذات بھی بلند ہے اور صفات بھی، وہ عجز سے بلند ہے۔ ضعف واضمحلال سے بلند ہے، فقر اور محتاجی سے بلند ہے، بھوک وپیاس سے بلند ہے، نیند سے سستی بلند ہے، ہر نقص اور عیب سے بلند ہے۔ ہمارے وہم وگمان سے بلند ہے، اس کے وجود کے مقابلے میں سب کا وجود کالع اس کے علم کے مقابلے میں سب کا علم جہالت بہرہ پن، اس کی بصارت کے لیکن میرے جسم اور جان کے مالک! میں تجھ پر ہزار بار قربان! تو نے اپنے نبی کی زبان سے یہ کہا کھلوا دیا۔

لا یستعنی ارضی و لا سمآئی و لٰکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔ (حدیث قدسی)

ترجمہ: (میں اتنا بلند اور اتنا عظیم ہوں) کہ زمین وآسمان کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

اسی لیے تو مجذوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا تھا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

آٹھواں قول: ”الہ“ سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے عطا کرنا تو ذات باری تعالیٰ کو اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عطا کرتا ہے۔ بلکہ صرف وہی عطا کرتا ہے اور کیا کچھ عطا نہیں کرتا۔ زندگی، جسم، ہاتھ، پاؤں، بصیرت، وبصارت، سماعت وحرکت، غور وفکر کی قوت اور صلاحیت، دل اور دل میں ایمان کا نور، دماغ اور دماغ میں فکر کا شعور۔ یہ سب کچھ اسی کا عطا کردہ ہے۔ اور رب کریم نے بجا فرمایا۔

وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوھَا (سورۃ ابراھیم: ۳۴)۔

ترجمہ: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے

اللّٰہ تعالیٰ پر ایمان کی ضرورت واہمیت

رحمت کی تفسیر

قرآن مجید کا آغاز کرتے ہوئے سب سے قبل بندہ اللہ تعالیٰ کی ان دو صفتوں سے متعارف ہوتا ہے۔ ایک کا مفہوم جو دوست دشمن سب پر کرم کرنے والا ہو اور دوسرے کا مفہوم جو اپنوں کا خاص طور سے نوازنے والا ہو۔ عربی میں دونوں کا مادہ رائ حاء میم بنتا ہے۔ اول الذکر مبالغہ کا صیغہ ہے اور دوسرا صفت مشبہ کا۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

لفظ رحمن اسم اللہ کے بعد خدا کا دوسرا بڑا نام ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۱۰)۔

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

علمی فائدہ: لفظ رحمان قرآن مجید میں ۹۹ مرتبہ آیا ہے۔

رحمت کے چار معانی:

مولانا اشرف علی تھانوی نے رحمت کی چار طرح سے تفسیر کی ہے۔

۱۔ توفیق اطاعت، عبادت و فرماں برداری:

اے اللہ رحمت کر دے۔ یعنی اطاعت و عبادت فرمان برداری کی توفیق دے دیجئے۔

۲۔ فراخی معیشت:

اے اللہ! رحمت کر دیجئے یعنی میری روزی میں برکت کر دیجئے۔

۳۔ بے حساب مغفرت کا فیصلہ:

اے اللہ رحمت کر دیجئے۔یعنی بلا حساب مغفرت کر دیجئے۔

۴۔دخول جنت:

اے اللہ رحمت کر دیجئے!یعنی اپنی جنت کا مستحق بنادیجئے۔

بسم اللہ کی نحوی تحقیق اور فعل کو حذف کرنے کی حکمتیں

یہاں ایک خاص بات قابل ذکر ہے کہ قرآنی عبارت میں ''شروع کرتا ہوں'' کے لیے کوئی لفظ یا کلمہ استعمال نہیں ہوا۔ترجمے میں یہ الفاظ معنوی طور پر ادا کئے جاتے ہیں۔حقیقت میں قرآن مجید کے اس انداز میں خاص حکمت پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

اگر قرآن مجید ''شروع کرتا ہوں'' کے الفاظ اپنی عبارت میں استعمال کرتا تو اس کی صورت ہ ہوتی ابداء، یا اشرع یا ابتدأ (میں آغاز کرتا ہوں) ان میں سے ہر لفظ فعل اور فاعل دونوں کا جامع ہوتا۔عام طور پر یہی عربی اداب کا طریقہ اور قاعدہ ہے کہ فعل اور فاعل دونوں اکٹھے ملے ہوئے ہوا کرتے ہیں۔اب اس کی دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔

۱۔ایک صورت یہ کہ ابداء وغیرہ کا لفظ بسم اللہ سے پہلے استعمال کیا جاتا۔

۲۔دوسری صورت یہ کہ ایسا لفظ بسم اللہ کے بعد استعمال ہو تو لیکن قرآن نے اسے ہر صورت میں محذوف کر دیا۔

اس کی چند حکمتیں ہیں۔ان حکمتوں کے بیان سے پہلے یہ اصول ذہن نشین ہو جانا چاہیے کہ بعض اوقات عربی عبارت میں ایسے حروف استعمال ہوتے ہیں جن سے پہلے کوئی فعل محذوف مانا جاتا ہے۔یعنی اس کا شمار معنی میں تو ہوتا ہے لیکن عبارت میں نہیں ہوتا۔مثلاً:

وَإِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ(سورۃالبقرۃ:۳۰)۔

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا۔

یہاں قاعدہ نحو کے مطابق لفظ اذ سے پہلے "اذکر" فعل محذوف ہے جس کا معنیٰ ہے (یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا۔ اسی طرح حرف باء جس سے تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم کا آغاز ہورہا ہے اس سے پہلے بھی ایک فعل محذوف ہے اس فعل کو محذوب رکھنے کی چند حکمتیں یہ ہیں جو کہ درجِ بالا ذیل ہیں۔

پہلی حکمت:

اگر اَبْدَءُ یا اس جیسا کوئی لفظ بسم اللہ سے پہلے آتا تو یہ بات واضح تھی کہ اس کا فاعل وہ شخص خود ہی ہوتا۔ جو قرآن کی تلاوت یا کسی دوسرے کام کا آغاز کررہا تھا۔ کا عمل اللہ تعالیٰ کسی لحاظ سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ تعلیم یہ دینا چاہتے تھے کہ قرآن پاک کی تلاوت ہو یا کوئی اور دینی یا دنیاوی جائز کام ہو، اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام یعنی (بسم اللہ الرحمن الرحیم) سے ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس مخصوص ادب معاشرت کی تعلیم کلمات بسم اللہ کے ذریعے دی جارہی تھی۔ اس لیے یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ خود ان ہی کلمات کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کے ذکر سے ہوتا۔ چنانچہ اس مخصوص ادب اور ظابطہ عمل کی تعلیم بھی اسی انداز سے دی گئی کہ اظہار مدعا کا آغاز بھی براہ راست اللہ ہی کے ذکر سے ہو کسی اور کے ذخر سے نہ ہو کیونکہ اسی طرح کامل طریقے برکت کا حاصل ہونا ممکن ہے۔

دوسری حکمت:

واحد متکلم کا صیغہ متکلم کا صیغہ اگر استعمال ہوتا،، دونوں صورتوں میں قائل اپنا اور اپنے فعل کا ذکر اسم باری تعالیٰ پر مقدم کرتا۔ یہ امر ادب واحترام کی اعلیٰ منازل کے خلاف تھا۔ یہ بلحاظ عام گفتگو میں

بھی رکھا جاتا ہے کہ اگر قائل کسی کام کے ضمن میں اپنے علاوہ دوسرے افراد کا ذکر بھی مشترکہ طور پر کرنا چاہتا تو پہلے دوسروں کا نام لیا جاتا ہے اور آخر میں متکلم اپنا نام لیتا ہے۔ کیونکہ اپنا نام پہلے لینا لطافت کے معیار کے خلاف ہے۔ اسی طرح کسی کام میں اعلیٰ پر ادنیٰ کی سبقت بھی خلاف ادب تصور کی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال قرآن حکیم سے بیان کی جاتی ہے کہ بعض لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پہلے قربانی کر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ(سورۃالحجرات: ۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سُنتا جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ ان کا یہ قربانی والا کام اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر مشتمل تھا اور وہ خون بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بہایا گیا تھا جو کہ خالصۃً عبادت تھا۔ لیکن ان سے غلطی صرف یہ سرزد ہوئی کہ وہ عمل میں وقتی طور پر بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعظیم وادب کے منافی معلوم ہوئی۔ انہیں قربانیاں دوبارہ کرنے کا حکم دیا گیا اور آئندہ کے لئے حکماً اس پہل کے امکان کو بھی ختم کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے تھے اور اس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر تقدم کر بیٹھتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکماً منع فرمادیا۔ اس مثال کے ذریعے حقیقت میں یہ بات واضع کرنا مقصود تھی کہ بعض کام میں اوقاتے پہل کرنا خلاف ادب تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بسم اللہ میں جو کہ خود ہی سراسر ادب کی تعلیم ہے، اسی اصول کو لفظاً بھی سامنے رکھا گیا ہے، تاکہ کلام میں بھی ادب الوہیت نظر انداز نہ ہو۔ کیونکہ یہی کمال ایمان کی علامت ہے۔ ادب سے محرومن شخص علم وعمل کی بے پناہ

دولتوں کے باجود لذت ایمان سے محروم رہتا ہے۔اسی لئے ادب ہر سطح پر جس قدر بھی ملحوظ رہے بہتر ہے۔کلام میں اس قدر لفظی احتیاط اور حکمت و مصلحت انسانی کوشش کے باوجود پیش نظر نہیں رہ سکتی۔یہ صرف اللہ تعالیٰ کے کلام کا معجزہ ہے جو بغیر تصنع کے ان حکمتوں پر دلالت کر رہا ہے۔

تیسری حکمت:

یہ حکمتیں تو لفظ اَبۡدَءُ وغیرہ کے الفاظ کو بسم اللہ پر مقدم نہ کرنے میں پوشیدہ تھیں۔اب سوال یہ پیدا کرتا ہے کہ اللہ کے نام سے پہلے کسی اور کا ذکر تو خلاف ادب تھا۔اس لئے اسے محذوب رکھا گیا۔مگر بعد میں بیان نہ کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے۔یہ بات ذہب نشین رہے کہ صاحب حکمت کا کوئی فعل عمل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔صاف ظاہر ہے کہ اَبۡدَ اُ یا اقۡرَاء ایسے الفاظ کسی نہ کسی کام کے شروع کرنے کا ذکر آئے گا تو اس میں فاعل خود متکلم کی ذات ہو گی۔

گویا متکلم بسم اللہ کے ذریعے کسی نہ کسی فعل میں اپنے فاعل ہونے کا ذکر بھی ساتھ ہی کر رہا ہو گا کہ "اللہ کے نام سے میں (فلاں کام) شروع کرتا ہوں۔" اسی طرح فعل کی نسبت متکلم کی طرف ہو جاتی ہے اور اس کا فاعل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔یہاں مصلحت یہ تھی کہ انسان خود کو باری تعالیٰ کے لطف وکرم کا اس حد تک محتاج و فقیر سمجھ کے تمام کاموں کی نسبت اسی ذات کاملہ کی طرف کردے۔ہر چند کہ افعال کا صدور و قوع انسان ہی سے ہوتا ہے لیکن ہر فعل کے صادر کرنے کی قوت وہمت اور طاقت وصلاحیت انسان کو بارگاہ رب ذوالجلال سے ہی نصیب ہوتی ہے کیونکہ تمام قوتوں اور طاقتوں کا سرچشمہ تو صرف وہی ذات ہے۔اس کے بعد متکلم کا اپنا فاعل ہونا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت کے منافی تھا۔گویا یہ تعلیم دی گئی کہ اے انسان ہر کام شروع کرتے ہوئے خدا کا نام لے اور اس کام کی توفیق کی نسبت بھی اسی ذات کی طرف، کبھی بھی اس فعل کو اپنا کمال نہ سمجھ کیونکہ

فاعل حقیقی تو نہیں اللہ کی ذات ہے۔یہاں انسانی فکر کو کبر و نخوت کی تباہ کاریوں اور نقصانات سے بچنے کی صورت بتائی گئی ہے کہ اگر انسان زبان سے ذات حق جل جلالہ کانام لے کر دل میں یقین بھی اس کی طاقت کی کار فرمائی پر رکھے گا تو سوچ کا یہ انداز سے کبھی بھٹکنے اور گمراہ ہونے نہ دے گا۔یہ فکر ایمانی آداب کالازمہ ہے۔سورہ النساء مین اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (سورۃالنساء:۷۸)۔

ترجمہ: تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔

یہاں صرف جائز کاموں میں توفیق کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونا مذکور ہے۔اسی اندازِ سخت کی تلقین تسمیہ کے ذریعے کی جارہی ہے۔یہاں ایک اور لطیفہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ بسم اللہ میں چونکہ ذکر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور ابتدا فعل کی نسبت انسان کی طرف ذکر نہیں کی گئی ہے۔اس لئے حکم ہے کہ بسم اللہ محض جائز کاموں کے آغاز میں پڑھی جائے۔خلافِ شرع امور پر نہیں۔ کیونکہ غلط کاموں میں توفیق فعل کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کرنا آداب بندگی کے خلاف ہے ۔بندے کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو آنے آقا کی طرف منسوب کرتا پھرے۔ارشاد فرمایا گیا ہے۔

مَا أَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ (سورۃالنساء:۷۹)۔

ترجمہ: اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

مذکورہ بالا دو آیات میں حقیقت حال بھی واضح کر دی گئی ہے اور فکر و قول کے آداب بھی، کہ

توفیق اور طاقت ہر کام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتی ہے۔لیک نیکی صادرر ہو تو بندگی یہ ہے کہ انسان اسے اپنے آقا کی رحمت سجھ کر اسی کی طرف منسوب کر دے اور برائی صادر ہو تو اسے اپی بری کاوش کا نتیجہ سمجھے ۔حیققت یہ ہے کہ اسی انداز فکر سے انسان کی اپنے عیبوں اور کاتاہیوں پر نظر رہتی ہے۔اور وہ خود تنقیدی احتساب کے ذریعے اپنی اصلاح کا طالب ہو سکتا ہے اور دوسری طرف وہ بعض اچھا کو محض اپنی صلاحیت کا ثمرہ سمجھ کر پیکر رعونت بھی نہیں بننے پاتا بلکہ فتواضع رہتاہے۔چونکہ ہر کام کی توفیق اور ہمت وقدرت کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اس لئے تسمیہ میں صرف اس کے مجرد ذکر پر اکتفا کیا گیاہے اور انسان کے فعل یا اس کے فاعل ہونے کا ذکر محذوف کر دیا گیا۔گویا حقیقت کو عیاں کر دیا اور جو کچھ محض ظاہر تھا اسے پوشیدہ کر دیا۔

آیت الحمد سے استدلال:

سورۃ الفاتحہ کا آغاز بھی اسے فلسفے کی نشاندہی کر تاہے۔ارشاد فرمایا گیاہے:

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ (سورۃالفاتحہ: ۱)۔

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔

یہ بات بڑی واضح ہے کہ جب کسی کی خوبی یا تعریف ہو گی تو یقیناً پیچھے کوئی نہ کوئی تعریف کرنے والا بھی ہو گا۔کیونکہ زبانِ حمد کھولے بغیر بیانِ حمد نہیں ہو سکتا۔لیکن یہاں حمد کا ذکر ہے، حامد یا فعلِ حمد کا بیان نہیں ہے۔نکتہ لیاہے وہ نکتہ یہ ہے کہ اگر حمد کرنے والے کا ذکر کر دیا جاتا تو ممکن ہے وہ یہ سمجھتا کہ محمود میری حمد کا محتاج ہے یا میری تحمید نے اسے عظمت دی ہے۔حالانکہ حمد کسی کا کارنامہ نہیں۔یہ حسن الوہیت کا اپنا استحقاق ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنا محمود ہونا بیان کر دیا۔مگر کسی کا حامد ہونا صراحت سے بیان اور ظاہر نہیں کیا۔اسی طرح تسمیہ میں فعل اور فاعل کو محذوف رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ یقیناً وہ کام جس کے آغاز میں بسم اللہ پڑھی جارہی ہے وہ تو کوئی نہ کوئی شخص ہی

کرے گا لیکن کہیں وہ اپنی فاعلیت پر ایسا گمان نہ کرنے لگے کے یہ کام میں اپنی ہمت وتوفیق سے کر رہا ہوں مبادا نگاہ اپنی ذات پر مرکوز ہو جائے۔ چنانچہ خدا کا نام محض برکت کی غرض سے نہیں بلکہ اس اعتماد سے لیا جائے کہ اس کام کی توفیق بھی محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور مجھ پر اس کا کرم ہے وگر نہ میں اس قابل کہاں۔

چوتھی حکمت:

اولاً یا آخراً کسی صورت میں بھی خدا کے ماسوا کے ذکر کلمات بسم اللہ میں نہ ہوتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ واجب الوجود صرف اسی کی ذات ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ممکن ہے۔ بسم اللہ چونکہ تمام معارف قرآنی کا خلاصہ ہے اس لئے اس کا انداز بیان بھی ایسا اختیار کیا گیا ہے۔ دین حق کے جملہ مقاصد ومطالب کا خلاصہ ہو گا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا آغاز وانجام صرف خدا ہی کی ذات وصفات کے ذکر پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں نہ کسی فعل کا بیان ہے نہ کسی فاعل کا۔ گویا یہ الفاظ خدا کی وحدانیت کو اسی طرح اجاگر کر رہے ہیں کہ اس کائنات میں اس کے بغیر نہ تو کسی فعل کا صدور ممکن ہے اور نہ کسی فاعل کو وجود۔ بلکہ دوام حقیق اور ثبات ابدی اگر کسی ذات کو حاصل ہے تو وہ صرف خالق عالم ہی کی ذات ہے۔ وہی اول اور وہی آخر بھی ہو گا۔ اس لئے نہ اس سے پہلے کسی فعل کا ذکر ممکن ہے اور نہ اس کے بعد ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (سورۃالحدید:۳)۔

ترجمہ: وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

وہی پوشیدہ ہے اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (سورۃالروم:۴)۔

ترجمہ: حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ(سورۃالقصص:۸۸)۔

ترجمہ:اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے اسی کا حکم ہے۔

چنانچہ بسم اللہ کے کلمات میں خدا کے علاوہ ہر قسم کے فعل اور فاعل کے ذکر کا محذوف ہونا انسان کو پوری کائنات اور اس کے نظام کے ختم ہو جانے ت اور اس کی بے ثباتی کی یاد دلاتا ہے۔یہ کلام پکار پکار کر دنیا کی بے حیقیقت رنگینیوں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو حقیقت ابدی کی طرف متوجہ کر دیا ہے تاکہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو کر بلا چوں وچرا اسی حکم الحاکمین کی قدرتوں اور قوتوں پر کامل ایمان لے آئیں اور اس دنیا کی زندگی کو جو کہ دھوکہ ہے کو ہی آخری منزل نہ سمجھ لیں۔بسم اللہ سے چونکہ قرآن کا آغاز ہو رہا ہے اس موقع پر جامع ومانع انداز سے خدا کی ہستی اور اس کی صفات کا ذکر اور اس کے ماسوا کا حذف انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ دل ودماغ سے غیر کا خیال نکال دے اور ہر لمحہ ذات حق جل وعلا پر نظر رکھے۔یہ معراج عبدیت ہے اور قرآن کا پہلا سبق بھی یہی ہے جیساہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ(سورۃالبقرۃ:۱۱۵)۔

ترجمہ:اور پورب پچھم(مشرق ومغرب)سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وَجْہُ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ)ہے بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اس کے علاوہ ایسا موجود حقیق ہے کہ ہر وجود کو پیدا کرنے ولای ذات بھی وہی ہے اور ہر وجود نے لوٹنا بھی اسی کی طرف ہے۔بلکہ دوسرے لفظوں میں ہر وجود کائنات کا جواز بھی اسی کے وجود سے ہے۔وہ حقیقت ہے اور اس کے علاوہ ہر شیبھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔اس لئے تسمیہ میں حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے اور مجاز کو ترک کر دیا گیا۔

حرف باء کی افادیت واہمیت

کلمات تسمیہ کا پہلا حرف "باء" ہے۔ جس کا معنی "سے" ہے۔ یہ فعل مخذاف سے متعلق ہے مخذوف سے مرد وہ فعل اور فاعل ہے جس کا ذکر یہاں لفظاً نہیں بلکہ معناً موجود ہے۔ یعنی "میں شروع کرتاہوں اللہ کے نام سے" گویا حرف باء فعل مخذوف کو اللہ کے نام سے ملانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ "بائ" کی اپنی استعمال و افادیت کے لحاظ سے متعدد اقسام ہیں۔ جنہیں علماء نحو نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیاہے۔ لیکن یہاں یہ حرف ان میں تین اقسام پر مشتمل ہو سکتاہے۔ ا۔ بائے الصاق و مصاحت ۲۔ بائے استعانت ۳۔ بائے تیمن و تبرک۔

بائے مصاحبت:

الصاق و مصاحبت کا معنی اکٹھاہونا، متصل ہونا اور فاقت ومعیت اختیار کرناہے۔ اس صورت میں جب کہ لفظ "با" کو مصابحت کے لئے قرار دیا جائے تو تسمیہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ میں اللہ کے نام کو اپنا ساتھی بناتے ہوئے اس کے دامن رحمت سے وابستہ اور منسلک ہوتے ہوئے اور محض اسی کی رفاقت ومعیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کرتاہوں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر فرماتے ہیں۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)[767] (اَلْحَمْدُ[768]) تمام اقوال حمیدہ اور افعال حمیدہ جو کہ صادر ہیں ملائکہ سے یا ثقلین سے یا صادر ہو گا ہر زمانے میں[769] چاہے نعمت کے مقابلے میں ہو یا غیر نعمت کے یہ سب کے سب مختص ہیں ۔(لِلّٰهِ) اللہ تعالیٰ کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے) اور چیز مخلوق ہے اور مخلوق کی ثناء خالق کیلئے ہوتی ہے۔ (رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) ایسا خدا جو عالمین کی تربیت کرنے والا ہے عالمین عالم کی جمع ہے اور عالم ماسویٰ اللہ تعالیٰ کو کہا جاتا ہے اور ماسویٰ کی چار اقسام ہیں اول جمادات دوم نباتات سوم مائعات چہارم حیوانات اور عالم کو عالم سے اس لئے مسمیٰ کیا کہ عالم اللہ تعالیٰ کے وجود پر علامۃ ہے یہ قول ہے ابو القاسم بالیاء و النون لتغلیت العقلاء یہ سوال مقدر کا جواب ہے اس سوال کی تقدیر یہ ہے۔ فان قیل: کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے رب العالمین کہا رب العالم کیوں نہیں کہا تو شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ انما جمع الخ حاصل جواب یہ ہے کہ غیر عقلاء پر عقلاء کے غلبہ کی وجہ سے عالم کو یاء ونون کے ساتھ جمع کیا (و العاقبۃ) درجات عالیہ جو عملِ صالح کے تابع ہے للمتقین اس جہان کے پرہیز گاروں کے لئے ہے اور مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول و العاقبۃ للمتقین جواب سوال ہے اور اس سوال کی تقدیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے تو عالمین میں کفار بھی ہیں تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اٰخرت میں کفار کا بھی مربی یعنی

---

[767] قوله الحمد لله اردف البسملة بالحمدلة اقتداء بكتاب الله المبين وعمل بسنة اكرم الخلق وافضل المرسلين كل كلام لا يبداء فيه بحمد الله فهو اجزم رواه ابو داؤد والنسائی وفی رواية ابن ماجة كل امر زبال لم يبداء فيه بالحمد لله فهو اقطع ورواه ابن حبان وأبو عوانة فی صحيحهما وقال ابن الصلاح هذا حديث حسن بالصحيح قوله اقطع ای قليل البركت وكذلك اجزم من جزم بكسر ذال المعجمة وهی العطش فيكون معناهما انه لا خير فيه كالمجزوم والنخل التی لا يصيبها الماء كذا اخرجه وبينه الحافظ العينی فی عمدة القاری۔

[768] فان قيل مالفرق بين المدح والحمد قلنا ان المدح ثناء قبل الاحسان والحمد ثناء بعد الاحسان ثم مالفرق بين الحمد والشكر قلنا الحمد عام والشكر خاص والخاص مايوجد فی نفسه ولا يوجد فی غيره والعام مايوجد فی نفسه ويوجد فی غيره۔ ۱۲۔

[769] یعنی ازل سے ابد تک۔ ازل اس کو کہا جاتا ہے جس کی ابتداء نہ ہو اور ابد اس کو کہا جاتا ہے جس کی انتہاء نہ ہو۔ فان قیل۔ کہ ازل میں تو خدا کے سوا کوئی نہیں تھا پھر کس نے ثناء کہی؟ قلنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خود ثناء کہی۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے۔ لا احصی ثناء علیک کما اثنیت انت علی نفسک۔

تربیت کرنے والا ہو جبکہ امر ایسے نہیں تو مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب اس قول کے ساتھ دیا کہ و العاقبۃ للمتقین حاصل جواب یہ ہے کہ کفار اگرچہ عالمین میں شامل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اٰخرت میں ان کا مربی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الْیَوْمَ نَنْسَاکُمْ کَمَا نَسِیتُمْ لِقَاءَ یَوْمِکُمْ هَذَا ۔ (آج ہم تمہیں چھوڑدیں گے جیسے تم اپنے اس دن کے ملنے کو بھولے ہوئے تھے (الجاثیہ ۳۴)) اسی طرح مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول و خیر العاقبۃ للمتقین بھی جواب سوال ہے اور سوال کی تقدیر یہ ہے کہ عاقبۃ کسی چیز کی آخرت اور نفسِ آخرت جس طرح مؤمنوں کے حق میں موجود اسی طرح کفار کے حق میں بھی موجود ہے لہذا تخصیص عاقبت مؤمنوں کے حق میں صحیح نہ ہوئی تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے جواب دیا و خیر العاقبۃ للمتقین حاصل جواب یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت مضاف (لفظِ خیر) کے حذف کے ساتھ ہے نہ کہ نفسِ آخرت خیر آخرت کے درجات عالیہ میں جو عملِ صالح کے تابع ہیں تو قید عالیہ کے ساتھ درجات کفار و منافقین سے احتراز کیا گیا کیونکہ درجات کفار ومنافقین سفلی یعنی ادنی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْکِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں (النساء ۱۴۵)) اور مؤمنوں کے حق میں فرمایا: وَمَنْ یَأْتِہِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِکَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى (طہ ۷۵) (اور جو اس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں تو انہیں کے درجے اونچے) (للمتقین) متقین متقی کی جمع ہے متقی لغت میں مہاجر کو کہا جاتا ہے اور شرع میں متقی کی تعریف کے بارے میں پانچ اقوال ہیں، اول یہ کہ هم الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (البقرۃ ۳) (وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں)۔ دوم قول هم الذین لا یفضلون

انفسھم علی الغیر سوم قول ھم الذین یحترزون عن الشبھات چھارم قول ھم الذین یتقون عن الشرک و الکبائر پنجم قول ھم الذین یأتون بالمامور بہ وینھون عن المنھیات۔ تقویٰ دار کے لئے دو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ایک تقی اور دوسرا نقی تقی اسے کہا جاتا ہے جس نے تقویٰ قبل از بلوغ اور بعد از بلوغ دونوں کو اختیار کیا ہو اور نقی اسے کہا جاتا ہے جس نے تقویٰ کو صرف بعد از بلوغ اختیار کیا ہو نہ کہ قبل از بلوغ (وَ الصَّلٰوۃُ) معبود سے نزولِ رحمت ہو ای افاضۃ الخیر یہ قول شارح رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور جواب سوال ہے، سوال کی تقدیر یہ ہے فان قیل صلوۃ کے معنی رحمت کے ہیں اور رحمت قصور کا تقاضا کرتی ہے جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے قصور صادر نہیں ہوا تو پھر مصنف علیہ الرحمہ کا یہ قول و الصلوۃ علی رسولہ کس طرح صحیح ہو گا تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے جواب دیا ای افاضۃ الخیر حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں صلوۃ نزولِ خیر کے معنی میں ہے اور نزولِ خیر قصور کا تقاضا نہیں کرتا۔ قولہ و الصلوۃ اردف الحمد بالصلوۃ لما ذکرہ الامام الحافظ بدر الدین العینی من ان الواجب علی مصنف الکتاب او مؤلف رسالۃ ثلاثۃ اشیاء وھی البسملۃ و الحمد لہ و الصلوۃ الی ان قال و اما الصلوۃ فلان ذکرہ ﷺ مقرون بذکرہ تعالیٰ و لقد قالوا فی قولہ تعالیٰ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الانشراح ۴) معناہ ذکرت حیثما ذکرت و فی رسالۃ الشافعے رحمہ اللہ تعالیٰ عن مجاھد فی تفسیر ھذہ الأیۃ قال لا اذکر الا ذکرت اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ و روی ذلک مرفوعا عن رسول اللہ ﷺ الی جبرئیل علیہ السلام الی رب العٰلمین انتھی ملخصاً و قال الشارح فی الکبیر افتتح ای المصنف کتابہ بقولہ بسم اللہ لان ذلک سنۃ اللہ فی کتابہ المبین و سنۃ انبیاء و سائر عبادہ الصلحین و اقتداء بھم اصل الدین و کذلک الا رداف بقولہ الحمدللہ اقتداء بکتاب اللہ تعالیٰ و اتباعاً لعبادہ المؤمنین الی عن قال ثم اتبع ذکرہ تعالیٰ بذکر رسول اللہ ﷺ فقال و الصلوۃ علی رسولہ محمد عملاً بقولہ تعالیٰ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الانشراح ۴) اذ المراد بہ جعل ذکرہ ﷺ مقارناً لذکرہ تعالیٰ علی ما فی التفسیر انتھی مختصراً قال امام

اهل السنة فی الکلام فخر الدین الرازی فی مفاتیح الغیب فی تفسیره قوله عز وعلی ورفعنا لک ذکرک واعلم انه عام فی کل ما ذکره من النبوّة وشهرته فی الارض والسموت واسمه مکتوب علی العرش وانه یذکر معه فی الشهادة والتشهد وانه تعالیٰ ذکره فی الکتاب المقدس وانتشار فکره فی الافاق وانه ختمت به النبوة وانه یذکر فی الخطب والاٰذان ومفاتیح الرسائل وعند الختم وجعل ذکره فی القراٰن مقروناً بذکره وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ و وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ و أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ویناديه باسم الرسول والنبی حین ینادی غیره بالاسم یا موسیٰ یا عیسیٰ وایضاً جعله فی القلوب بحیث یطیبون ذکره وهو معنی قوله تعالیٰ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا کانه تعالیٰ یقول املاء العلمین من اتباعک کلهم یثنون علیک ویصلون علیک ویحفظون سنتک بل ما من فریضة سن فرائض الصلوة الا ومعه سنة فهم یمتثلون فی الفریضة امری وفی السنة امرک وجعلت طاعتک طاعتی وبیعتک بیعتی مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ فلعلک فعل وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمَى لا تانف السلاطین من اتباعک بل لا جرأة لاجهل الملوک ان ینسب خلیفة من غیر قبیلتک فالقراء یحفظون الفاظ منشورک والمفسرون یفسرون معانی فرقانک واهل الروایة یسعون فی جمع اخبارک واهل الدرایة یعدون فی الاجتهاد والاستنباط مما حواه اثارک من قولک وفعلک وتقریرک والوعاظ یبلغون وعظک والمعتنون بما صدر منک وشرّفک وکرّمک به ربک من زمان ولادتک الی اوان رحلتک یطربون المخلصین من عشاق امتک الحاضرین فی المحافل الشریفة المعقول لرفع ذکرک ببیان لطیف نسبک وتبیان ارهاصاتک وکراماتک ومعجزاتک ویعزرونک ویوقرونک حتیٰ انهم لغایة فرحهم بقدومک وفرط محبتهم لک یقومون تعظیماً وتکریما لک عند ذکر ظهورک من بطن اٰمنة امهم وامک المؤمنة بک بان احییناها لک زمان تبلیغک فاٰمنت بک اسلمت بجمیع شرائعک بل العلماء والسلاطین یصلون الی خدمتک ویسلمون من وراء الباب علیک ویمسحون وجوههم بتراب روضتک ویرجون شفاعتک فذکرک جار وشرفک باق الی یوم القیامة انتهی کلامه

الشریف بزیادۃ شیءیسیر من العبد الفقیر و للامتثال بحدیث کل امر ذی بال لم یبدأفیہ بذکر اللّٰہ ثم بالصلوۃ علی فھو اقطع ممحوق من کل برکۃ اخرجہ الرھاوی ای فی اربعینہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا و ان قیل بضعفہ کما افادہ فی المرقاۃ قال فی عمدۃ الرعایۃ بعدماعزی تخریجہ الی الرھاوی فی الاربعین و الدیلمی ایضاً فی مسند الفردوس و فی سندہ ضعف لکن یعمل بہ فی الفضائل انتھی بلفظہ ثم اعلم ان الصلوۃ من اللہ تعالیٰ الرحمۃ و من الخلق الدعاء بھا قالہ الشارح البارع فی الکبیر رزقہ اللہ تعالیٰ الثواب الکبیر (و السلام) اور سلامتی ہو پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر صلوۃ وسلام کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے، پس حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر صلوۃ وسلام کتاب اللہ سے اس قول کی دلیل کی وجہ سے ثابت ہے۔ إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اور ثبوتِ صلوۃ کے بارے میں یہ حدیث دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں خصنی اللہ تعالیٰ بکرامات عدمنھا اذا ذکرتم اللہ تعالیٰ فذکرونی معہ۔ فان قیل یہ حدیث تکبیر اولیٰ، ذبح، تلبیہ اور اجماع کے مقام پر یہ حدیث منقوص ہوتی ہے کیونکہ ان مقامات پر صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ذکر نہیں ہوتا قلنا اس حدیث میں لفظ بعض مقدر ہے یعنی بعضِ مواضع میں اذا ذکرتم اللہ تعالیٰ فاذکرونی معہ فان قیل۔ اس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مدح مراد ہے اور بعضِ مواضع میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذکر سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مدح حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذکر کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر بھی بعض مواضع میں

کیا جاسکتا ہے قلنا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ذکر اکثر مواضع میں کیا جاسکتا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذکر کے ساتھ قلیل مواضع میں ہوتا ہے۔ ثبوتِ صلوۃ پر اجماع ہوا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ثبوتِ صلوۃ سلام بھیجنے میں جمع ہوچکی ہے اور آج تک ثبوتِ صلوۃ سلام سے انکار نہیں کیااور ثبوتِ صلوۃ قیاس سے یہ ہے کہ قیاس بھی یہ کہتاہے کہ صلوۃ وسلام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر جائز قرار دیا جائے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے نہ دور ہوتا ہے اور نہ ہی نزدیک مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے واسطے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بندے سے راضی نہیں ہوتے مگر صلوۃ سلام (جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر بھیجا جائے) کی وجہ سے راضی ہوتے ہیں پس صلوۃ کے چار معانی ہیں، اول رحمت جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے أُولَئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ (البقرۃ ۱۵۷) ای رحمته من ربهم دوم ثناء جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّونَ عَلَى النَّبِیِّ ای علی النبی ﷺ سوم قراءۃ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ولا تجهر بصلوتک ای بقراءتک، چہارم دعاء جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَصَلِّ عَلَیْهِمْ (التوبة ۱۰۳) ادع لهم فان قیل جب صلوۃ بمعنی دعاء ہوئی تو قاعدہ یہ ہے کہ جب دعاء کلمہ علی کے ساتھ استعمال ہو تو اس سے بددعاء مراد لی جاتی ہے جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لئے بددعاء کرنا کفر ہے قلنا یہ قاعدہ بھی درست ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لئے بددعاء کرنا کفر ہے لیکن یہ قاعدہ صریح لفظِ دعاء میں ہے نہ کہ دعاء کے لفظ آخر میں جیسے لفظ صلوۃ اور

اس سے مراد دعاء **فان قیل** صلوۃ کے چار معنی ہوئے تو یہ دو باتوں سے خالی نہ ہو گا یا تو اس سے مراد بطریقہ حقیقت کل مراد ہے اور اس معنی سے عموم مشترک لازم ہوتا ہے جبکہ عموم مشترک باطل ہے یا اس سے مراد بطریقہ حقیقت بعضِ مراد ہو گا یا بطریقہ مجاز بعض مراد ہو گا اس صورت میں حقیقت اور مجاز کے درمیان جمع لازم ہو گی جبکہ حقیقت و مجاز کے درمیان جمع باطل ہے کیونکہ لفظ بمنزلہ لباس یعنی کپڑا ہے اور معنی بمنزلہ شخص اور ایک کپڑا ایک وقت میں دو شخصوں کو عام طریقے سے نہیں پہنایا جاسکتا اور اگر بعض مراد لیا جائے نہ کہ بعضِ تو ترجیح بلا مرجح لازم ہوتی ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل ہے۔ہم دو جواب دیتے ہیں اول یہ کہ یہ اعتراض اس صورت میں وارد ہوتا ہے جب جہتِ واحدہ سے تمام مضاف مراد لئے جائیں اور یہاں پر جہات سے نہ کہ جہتِ واحدہ سے اور جب صلوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو تو صرف رحمت کا معنی دیتا ہے نہ کہ باقی ثلاثہ کا اور جب صلوۃ ملائکہ کی طرف سے مضاف ہو تو صرف ثناء کا معنی دیتا ہے اور جب لفظ صلوۃ مؤمنوں کی طرف مضاف ہو تو دعاء کا معنی دیتا ہے اور جب جہر اور اخفیٰ کی طرف مضاف ہو تو قراءۃ کا معنی دیتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ صلوۃ سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حق میں عنایت ہے تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شرافت کا اظہار ہو اور عنایت اللہ تعالیٰ اور ملائکہ وعباد کے ساتھ نسبت کے لحاظ سے بطریقہ عموم مختلف ہوتے ہیں نہ کہ طریقہ اشتراک اور حقیقت کی مجاز کے ساتھ جمع کی وجہ سے یہ قول شارح علیہ الرحمہ کا ہے کہ لانہ اعلم بما یلیق بہ یہ جواب سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر صلوۃ وسلام کا امر دیا تو مؤمنین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر صلوۃ وسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دوبارہ سوال کیوں کرتے ہیں تو

شارح رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے جواب دیا کہ **لانہ اعلم بما یلیق بہ** تو حاصل جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اس قدر صلوۃ وسلام کا حکم دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس پر راضی ہو جائیں تو وہ مؤمنوں کو معلوم نہیں تھے اس لئے مؤمنوں نے دوبارہ سوال کیا کہ اے اللہ تعالیٰ تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اس قدر صلوۃ وسلام بھیج کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم راضی ہو جائیں۔**فان قیل** مصنف علیہ الرحمہ نے بعض فقہاء کے ساتھ مخالفت کی ہے کیونکہ بعض فقہاء نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر صرف صلوۃ کو ذکر کیا ہے نہ کہ سلام کو جب کہ مصنف علیہ الرحمہ نے دونوں کا ذکر کیا ہے **قلنا** مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللہ (قرآن عظیم الشان) سے موافقت کی ہے یعنی قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ نے صلوۃ وسلام دونوں کا ذکر کیا ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے بھی دونوں کا ذکر کیا اور بعض فقہاء نے واہم کی طرف سے دفع وہم کے لئے صرف صلوۃ کا ذکر کیا اور اگر **احدھما** جائز نہ ہوتا یعنی اگر صلوۃ و سلام میں سے کوئی ایک جائز نہ ہوتا تو تشھد میں صرف سلام کا حکم نہ دیا جاتا (**علی رسولہ**) اللہ کے مرسل یعنی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر **ای علی مرسلہ** جواب سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ **فان قیل** کہ رسول بہ وزن فعول ہے اور فعول کا وزن کبھی بمعنی اسم فاعل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی اسم مفعول۔ اور یہاں پر یہ فاعل کے معنی میں ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے فساد لازم ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا مرسل اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ پر غیر سے صلوۃ وسلام نہیں تو شارح رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ **ای علیٰ مرسلہٖ** حاصلِ جواب یہ ہے کہ رسول وزنِ فعول میں مفعول کا معنی دیتا ہے یعنی مرسل کے معنوں

میں خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہیں۔رسول لغت میں فرستادہ شدہ(بھیجا گیا)کو کہا جاتا ہے اور شرع میں **رجل من نبی ادم یتجاوز من حد الصغر الی حد الکبر مبعوث الخلق لتبلیغ احکام الشریعۃ معہ کتاب متجدد ام لا۔**

مسئلۃ:

علامہ صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

فمن زعم ان النبی ﷺ کاحاد الناس لا یملک شئیا اصلاً و لا نفع بہ لا ظاھرا و لا باطنا فھو کافر خاسر الدنیا و الآخرۃ۔[770]

جو شخص یہ خیال کرے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بالکل کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان سے ظاہری اور باطنی طور پر نفع پہنچتا ہے تو وہ شخص کافر ہے اور دنیا اورآخرت میں رسوا ہے۔

(**محمد**) جو کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہیں یعنی وہ رسول جن کا نام مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے اور محمد ستودہ شدہ را گویند(تعریف کئے گئے ہیں)کو کہا جاتا ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ اس لئے مسمی کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اللہ تعالیٰ کے کثرت سے محامد ہیں۔دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اجالا کر دے ۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک پیارا، حسین، قابلِ فخر،ہر دل عزیز، باعثِ خیر وبرکت، پسندیدہ، دل ربا، ذخیرہء حسنِ دو جہاں ، عطر ریز، عنبر بار، دل کش، مقبول وپرکشش نام۔۔۔ایک ایسانام جو کسی کو نہ سوجھا، کس پہ نہ جچا،کوئی اس کے قابل نہ تھا،

---

[770] تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۶۷۔

سیدہ آمنہ کے حسین وخوبصورت، صاحبِ جمال وکمال بیٹے کی وجہ سے انسانیت تک اس نام کی رسائی ہوئی، اس نام کے نغموں کی کائنات میں گونج ہے،، افقِ عالم میں اس کا چرچا و شہرت ہے، اس نام میں رحمت و اپنائیت ہے، عرب جو بد نظمی اور پراگندگی کے عادی تھے اسمِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان سب کو ایک دائرہ میں لا کر ایک سلسلہ میں منضبط کر دیا، ایک ہی لڑی میں پرو دیا، پوری دنیا کے باشندوں کو رنگ و نسل، قوم وقبائل کے امتیاز کے بغیر ایک راہ و یک جا کر دیا، عالم اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر جگہ ہر مقام پہ یہ نام ایک قدر مشترک ہے، ہر کلمہ گو نامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے وابستہ ہے، قوم ولسانیت کے اختلافات کے باوجود سب کے سب مسلمان اگر کسی بات پر متفق ہیں تو وہ نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے۔ یہ نام عظیم قوت ہے، اس نام سے دشمنوں پر ہیبت ورعب ہے، یہ نام روشنی ہے، ایک ایسی روشنی جس نے جہالت وتاریکیوں کے سارے پردے چاک کر کے کائنات کو منور کر دیا، یہ نام نامِ عظمت ہے جس نے اپنے چاہنے والوں کو عظیم کر دیا، یہ نام بہت ہی ارفع وبلند ہے، یہ نام پاکیزہ ومقدس ہے جس کے دم سے دھرتی کفر وشرک سے پاک ہوگئی، سورج، چاند، ستارے، آسمان و زمین، فرشتے، جنات اور انسان سب اس نام کے گُن گاتے ہیں، اس نام سے کلیوں کا تبسم، پھولوں کا ترنم، دھرتی کی بقاء وجگمگاہٹ، ہر شئی کی نقل وحرکت، گویا کہ کائنات کا حسن، رنگ، رونق، خوشبو، تازگی سب کچھ اسی نام سے ہے، اسی عقیدت ومحبت کا اظہار علامہ محمد اقبال مرحوم اشعار کی دنیا میں یوں کرتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خُم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لئے محمد نام چھپایا گیا

جس طرح ہزار کفر و شرک کے باوجود بھی "اللہ" کا نام ذاتِ خداوندی کے لئے مخصوص رہا، بعینہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم و احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بھی چھپائے رکھا، کسی کو بھی نہ سوجھا کہ یہ نام بھی رکھا جائے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ولادت کا زمانہ قریب آیا، کاہنوں، نجومیوں اور اہل کتاب نے نام و صفات کی وضاحت کے ساتھ آمد آمد کی بشارتیں دیں، تو لوگوں کی توجہ اس نام کی طرف گئی، اور امیدِ نبوت پر محمد و احمد رکھنا شروع کئے، چند گنے چنے ایسے اشخاص ملتے ہیں جن کا یہ نام رکھا گیا، لیکن مشیتِ الٰہی دیکھئے ان میں سے کسی نے بھی دعویٰ نبوت نہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: **محمد بن احیحۃ، محمد بن مسلمۃ الانصاری، محمد بن البراء البکری، محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن حمران الجعفی، محمد بن خزاعی السلمی، محمد بن عدی، محمد بن یزید بن عمرو، محمد بن اسامہ بن مالک۔** ز صد ھزار محمد کہ در جہاں آید، یکے بمنزلت و فضل مصطفیٰ نرسد۔ اس دنیا میں لاکھوں محمد آئے لیکن ان میں سے کوئی بھی مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بلند مقام کو نہ چھو سکا۔ محمد بن عدی سے پوچھا گیا کہ آپ کا نام جاہلیت میں کیسے محمد رکھا گیا، انہوں نے کہا کہ میں نے بھی ایک دن جب اپنے والد سے یہی پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں سفیان بن مجاشع، زید بن عمرو، اسامہ بن مالک شام گئے، وہاں ایک راہب نے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آمد کا بتایا، ہم نے پوچھا اس کا نام کیا ہوگا؟

کہا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)، پھر ہم واپس آئے، ہم میں سے ہر ایک کے ہاں لڑکا ہوا، سب نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا۔[771]

ہم نے ہر دور میں تقدیسِ رسالت کے لئے وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے، توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں، فقط اک نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے محبت کی ہے۔ نام رکھا گیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دادا عبدالمطلب ایک عجیب خواب دیکھتے ہیں ان کے کمرے سے نور کا ایک سلسلہ نکل رہا ہے جس کا ایک سرا زمین میں ہے اور دوسرا سرا آسمان میں ہے ایک مشرق میں ہے تو دوسرا مغرب میں پھر اس نور نے ایک درخت کی صورت اختیار کی جس کے ہر پتے میں نور چمک رہا تھا اور مشرق اور مغرب کے لوگ اس درخت سے لگے ہوئے ہیں۔ معبرین نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ آپ کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی پیروی کریں گے زمین وآسمان والے اس کی حمد وثناء کریں گے۔ پوتا پیدا ہوا تو عبدالمطلب نے ان کا نام ... محمد... رکھا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) مروجہ تمام ناموں سے مختلف لہجے اور معنی میں الگ تھلگ ایک خاص شان لئے نام جس نے بھی سنا متعجب اور حیران ہوا کہ کعبے کے متولی عبدالمطلب نے کعبے میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ خداؤں میں سے کسی کے ساتھ نسبت دینے کے بجائے اپنے پوتے کا ایک انوکھا اور عجیب نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکھا کسی نے وجہ پوچھی اے ابوالحارث تم نے اس بچے کا نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکھا ہے حالانکہ یہ نام تمہارے باپ اور دادا میں سے کسی کا ہے اور نہ تمہاری قوم میں کسی کا؟؟ عبدالمطلب نے جواب میں کہا... **اردت ان یحمده الله فی**

---

[771] (کتاب الشفاء ۱۴۴، الاصابة الجز السادس)

السماء وتحمدہ الناس فی الارض... میں چاہتاہوں کہ خالق کائنات آسمان میں ان کی تعریف کریں اور خلق خدا زمین میں ان کی مدح وستائش کرے وقت نے ثابت کردیا کہ یہ نام واقعی اسی ہستی کیلئے موزوں اور مناسب تھا کیونکہ پھر ستائش وتعریف کرنے والوں میں تعجب کرنے والے بھی شامل تھے۔والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بتایا گیا کہ تمہارے شکم اطہر میں سید الامم ہیں اوراس نومولود کانام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکھنا دوسری روایت میں ہے کہ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکھنا[772]۔

گویا کہ محبوب کل **(فداہ روحی ونفسی وابی وامی)** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کانام کسی فردوبشر نے نہیں رکھابلکہ خلاصۂ حیات کانام مبارک خود خالق کائنات نے رکھاہے پھر اس خالق کل سے بشارت پاکر خویش واقارب اصدقاءواحباءنے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کانام محمد اوراحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکھ کر اپنے قلوب واذہان کو مفرح کیا۔

مجھ کو تو اپنی جان سے بھی پیارا ہے ان کانام — شب اگر ہے حیات تو ستارہ ہے ان کانام

تنہائی کس طرح مجھے محصور کرسکے — جب میرے دل میں انجمن آراء ہے ان کانام

ہر شخص کے دکھوں کا مداوا ہے ان کی ذات — سب پاشکستگان کا سہارا ہے ان کانام

بے یاروں بے کسوں کا اثاثہ ہے ان کی یاد — بے چارگان دہر کا چارہ ہے ان کانام

---

[772] سیت مصطفیٰ ﷺ وسیرت حلبیة۔

قرآن پاک ان پہ اتارا گیا ندیم　　　　اور میں نے اپنے دل میں اتارا ہے ان کا نام

عبد المطلب سجدے میں گر گئے

ولادت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کچھ عرصے بعد شاہ یمن جو کہ یہود کے بڑے علماء میں سے تھے فاتح حبشہ بنے عرب کے رؤساا شراف انہیں مبارک باد دینے کیلئے حاضر خدمت ہوئے عبد المطلب کی قیادت میں قریش کا وفد بھی پہنچا شاہ یمن سیف بن ذی یزن ،جناب عبد المطلب کی شخصیت اوران کی فصاحت وبلاغت سے بڑا متاثر ہوا اور حکم جاری کیا کہ ایک ماہ تک ان کا خصوصی اکرام و مہمان نوازی کی جائے اسی دوران ایک دن شاہ یمن نے جناب عبد المطلب کو خلوت میں ایک خصوصی مجلس میں بلا کر کہا کوئی اور ہوتا تو میں اس سے اس معاملے میں بات نہ کرتا لیکن چونکہ مجھے آپ رازدار لگتے ہیں اس لئے ایک راز کی بات بتاتا ہوں جب تک اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہ کرے آپ بھی اسے افشاں نہ کریں وہ خبر ساری انسانیت کیلئے شرف اور فضیلت والی آپ کیلئے اس میں بے انتہا عزت اور شرافت ہے۔ھذاحینہ الذی یو لدفیہ او قدو لد اسمہ محمد بین کتفیہ شامۃ یموت ابو ہ و امہ یکفلہ جدہ و عمہ ..... اب وقت آگیا ہے کہ مکہ میں ایک بچہ پیدا ہو گا اس کا نام محمد ہو گا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) اس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامت نبوت ہو گی اس کے ماں باپ فوت ہو جائیں گے اور دادا اور چچا اس کی کفالت کریں گے اللہ تعالی اسے ایسی نبوت عطا فرمائے گا جو سب انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر غالب ہو گی اس کے مددگار ہم میں سے یعنی انصار مدینہ ہوں گے اس کے ماننے والوں کو اللہ تعالی عزت دے گا اور اس کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرے گا وہ زمین پر جہاد کرے گا پاکیزہ اشیاء اس کے لئے حلال ہوں گی وہ رحمان کی عبادت کرے گا شیطان کو ذلیل کرے گا بتوں کو توڑے گا آتشکدوں کو بجھائے گا اس کا قول مستحکم اور فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہو گا۔امر بالمعروف ونھی عن المنکر اس کا شعار ہو گا۔عبد المطلب یہ ساری گفتگو سن کر سجدے میں گر گئے بادشاہ نے کہا سر اٹھایئے آپ کا سینہ ٹھنڈا

ہو اور آپ کا کعبہ بلند ہو مجھے بتاؤ آخر کیا ہوا عبد المطلب کہنے لگے بادشاہ میرا ایک بہت محبوب بیٹا تھا میں نے اس کی شادی ایک شریف خاندان کی بہت ہی معزز و شریف خاتون سیدہ آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زہرہ سے کی **فجاءت بغلام سميته محمدامات ابوه وامه وكفلته اناوعمه،بين كتفيه شامة وفيه كل ماذكرت من علامة۔** اس نیک سیرت خاتون سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام میں نے رکھا اس کے ماں باپ واقعی رخصت ہو چکے ہیں اب میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر وہ ساری علامات موجود ہیں جو آپ نے بیان کی ہیں۔ شاہ یمن کہنے لگا تم واقعی اس کے دادا ہو لہذا یہودیوں سے اس بچے کی حفاظت کرو کیونکہ وہ اس سے دشمنی کریں گے لیکن اللہ تعالی ان کی حفاظت کرے گا۔[773]

آمد کی بشارت

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آمد آمد کی سابقہ انبیاء علیہم السلام نے بشارتیں دیں لوگ منتظر تھے عرب کے اشراف ورؤسا بھی انتظار کرنے والوں میں سے تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ایک جد امجد کعب بن لوئی کہ ان کے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے درمیان ۵۶۰ اور ایک اور روایت کے مطابق ۵۲۰ سال کا فاصلہ ہے قریش کے لوگ ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔

ثم يعظهم ويذكرهم بمبعث النبي صلى الله عليه واله وسلم ويعلمهم بانه من ولده ويامرهم باتباعه ويقول سياتي لحرمكم نباعظيم سيخرج منه نبي كريم۔

وہ انہیں نصیحت کرتا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ظہور کے متعلق باتیں بتاتا وہ کہتا تھا کہ وہ نبی آخر الزمان میری اولاد میں سے ہوں گے کعب ان کو حکم دیتا کہ (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعث وظہور کے بعد) ان کی پیروی کرنا وہ کہتا تھا کہ تمہارے لئے ایک عظیم خبر

---

[773] اثمار التکمیل ج ۲ ص ۱۳۱ ملخصا معارف اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص ۶۲۔

آئے گی اور ایک کریم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ظاہر ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مدح وتوصیف میں اس کے اشعار میں سے دو شعر حاضر خدمت ہیں۔

على غفله ياتي النبي محمد يخبر اخبار الصدوق خبير ها

ياليتني شاهد فحواء دعوته حين العشيره تبغى الحق خذلانا

جہالت اور بے خبری کے دور میں ایک نبی آئے گا جس کا نام محمد ہو گا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) اور وہ اس طرح خبریں بتلائے گا جس طرح ایک جاننے والا بتلایا کرتا ہے کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب وہ لوگوں کو حق کی دعوت دے گا اور ان کے قبیلے والے اس حق کو رسوا کرنے کے درپے ہو گے۔[774]

اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نام

نام سے کسی شخصیت کا تعارف مقصود ہوتا ہے خواہ اس نام کی کوئی حقیقت اور اثر اس میں نہ پایا جاتا ہو جیسے مشفق ماں ایک سیاہ فام بچے کا نام کافور، چاند اور غبی وکند ذہن کا نام ذکی وذہین رکھ دیتی ہے مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ سے محض ان کی ذات کا تعارف ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کے تمام اوصاف کے ترجمان ہوتے ہیں جو دست قدرت نے ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ہر نام کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے۔

اسی طرح اسمائے مبارکہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صفات پسندیدہ کا وہ آئینہ ہے جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خوبیوں کی تصاویر اور اخلاق کا نقشہ پورا پورا سامنے آجاتا ہے اور کمالات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی رنگین چلمنیں ہیں

---

[774] سیرت حلبیہ اردو عربی

جن میں چھن چھن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں تو جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذات بے نظیر و بے مثال تھی اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اسماء مبارکہ بھی بے مثل ہیں۔

آپ کے ذاتی وصفاتی اسمائے مبارکہ کی کل تعداد کیا ہے؟اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ قاضی ابو بکر بن العربی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاحوذی فی شرح الترمذی میں بعض صوفیاء کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ایک ہزار نام ہیں علماء اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی سعادت کے مطابق نام گنوائے ہیں شیخ ابو الخطاب بن دحیۃ نے اس پر کتاب لکھی **المستوفی فی الاسماء المصطفی** ﷺ شیخ ابو الحسن علی بن احمد المعروف بالحوالی نے اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ۹۹ نام بتائے ہیں اور ابن جوزی نے ۲۳ اور ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عساکر نے بیس نام بتائے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ البہجۃ السویۃ میں 500 نام جبکہ علامہ سخاوی نے القول البدیع قاضی ابو الفضل عیاض نے کتاب الشفاء اور امام ابن العربی نے القبس والاحکام میں 400 نام گنوائے ہیں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلائل الخیرات میں 201 نام گنوائے ہیں۔

حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی ایک قصیدہ میں تاجدار ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ۵۲۱ اسمائے گرامی نظم کی شکل میں پیش فرمائے ہیں۔اس قصیدے کا نام ہے۔**القصیدۃ الحسنیٰ فی اسماء النبی العظمیٰ** ﷺ مشکلات اور مصائب سے نجات کیلئے اس کا پڑھنا بہت مجرب ہے۔مرقاۃ المفاتیح ج۱۰ص۴۷،الجواھر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ cdبنات عائشہ کراچی جون ۲۰۰۴ تحریر مفتی محمد منصور احمد۔حضرت مولانا محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور تصنیف البرکات المکیۃ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ۸۰۰ سے زائد اسماء کو جمع کیا ہے محدث جلیل و محقق کبیر پیر طریقت رہبر شریعت عاشق رسول مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نوراللہ مرقدہ

نے سرورِ دوجہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ۱۰۰ا سے زائد اسماء بیان کیے جو اس وقت تک ہمارے علم کے مطابق اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سب سے زیادہ تحقیق ہے۔

مختلف اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حسین بن محمد الدامغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اہل جنت کے نزدیک تاجدار ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام عبد الکریم ہے اہل نار کیلئے عبد الجبار اہل عرش کے نزدیک عبد الحمید تمام ملائکہ کے ہاں عبد المجید تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاں عبد الوہاب شیاطین کے ہاں عبد القہار جنات کے ہاں عبد الرحیم پہاڑوں میں عبد الخالق خشکی میں عبد القادر سمندر میں عبد المہیمن مچھلیوں میں عبد القدوس حشرات الارض میں عبد الغیاث وحشی جانوروں میں عبد الرزاق درندوں میں عبد السلام چوپایوں میں عبد المومن پرندوں میں عبد الغفار تورات میں مازماز انجیل میں طاب طاب صحائف میں عاقب زبور میں فاروق حق تعالیٰ کے ہاں طٰہٰ یٰس مومنین کے ہاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور کنیت ابو القاسم ہے کیونکہ (بامر الٰہی) اہل جنت کو ان کے درجات تقسیم فرماتے ہیں۔[775]

اللھم صل علی اسم محمدفی الاسماءنظمت اسامی الرسل فھی صحیفة فی اللوح واسم (محمد)طغراءاسم الجلالة فی بدیع حروفه الف ھناک واسم (طه)باء۔ پیغمبروں (علیہم السلام) کے اسمائے گرامی خوبصورتی کے ساتھ لوح پر جڑ دئے گئے ہیں جن سے ایک چوکھٹا تیار ہو گیا ہے اور اس کے وسط میں اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم طغریٰ ہے۔ اللہ کا نام بے نظیر حروف تہجی میں اس لوح کا "الف" ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام "طہٰ" اس تختی میں "ب" ہے۔ (الف کے بعد "ب" آتی ہے شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اللہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

---

[775] (القول البدیع)

واصحابہ وبارک وسلم کا نام وہاں درج ہے، یہ "بعد از خدا بزرگ توئی" کا مفہوم ہے)۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ "محمد" وہ نام ہے جو شیریں بھی ہے، مترنم بھی ہے اور مقدس بھی، اس نام کو زبان سے ادا کیا جائے تو ایک ایمان افروز اور دلنواز صدا بلند ہوتی ہے اور اس آواز سے فضا میں ایک ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جس پر قلب و ضمیر جھومتے اور ذوق ووجدان وجد کرتے ہیں، اس نام میں جو نغمگی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے نام ہی خود بتا رہا ہے کہ میں اس عظیم ترین انسان کا نام ہوں جس کی نعت وستائش اور توصیف ارض و سماء پر واجب قرار دی گئی ہے۔ حافظ سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ تورات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)۔ حافظ ابن قیم اس رائے سے متفق نہیں ہیں اور اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آمد کی پیشگوئی اسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کے ساتھ بھی صاف موجود ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن قیم اسم "محمد" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "محمد" وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں، محمود بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے، لیکن جو مبالغہ باب تفعیل، مزید میں ہوتا ہے، وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا اس لئے "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) وہ ہے کہ جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے، اسی لئے تورات میں آپ کا نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اوصافِ حمیدہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم رسول کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔ حافظ سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ "محمد" کے وزن میں ہمیشہ تکرار

کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں اس لئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے۔[776]

قال القرطبی: وأما محمد فمنقول من صفة ایضا وھی فی معنی محمود ولکن فیہ معنی المبالغۃ والتکرار فالمحمد ھو الذی حمد مرۃ بعد مرۃ۔

واقعی ایسا ہی ہے کیونکہ خود خالقِ دو جہاں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعریف کی ہے، انبیاء کرام (علیہم السلام) سے لے کر جن وملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک، ہر ذی روح اور غیر ذی روح، شجر، حجر، سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ثناخواں ہیں، ہر ایک کی تعریف کا انداز نرالا اور انوکھا ہے، بے شمار زبانیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعریف وتوصیف کے لئے متحرک ومصروف ہیں۔ ایک عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عربی شاعر نے چالیس سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شان میں قصیدے اور اشعار لکھتے گزارے، اپنے دیوان میں پچاس ہزار اشعار عربی زبان میں لکھے، لکھتے لکھتے آخری شعر لکھا، جس کا اردو ترجمہ کسی شاعر نے یوں کیا ہے: تھکی ہے فکرِ رسا مدح باقی ہے، قلم ہے آبلہ پا مدح باقی ہے، ورق تمام ہوا مدح باقی ہے، تمام عمر لکھا مدح باقی ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ایک معنی ابن فارس رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کئے:

سمی نبینا محمد ﷺ محمد الکثرۃ خصالہ المحمودۃ یعنی الھم اللہ تعالیٰ اھلہ تسمیتہ بذلک لما علم من خصالہ الحمیدۃ قال اھل اللغۃ رجل محمد ومحمود ای کثیر الخصال المحمودۃ۔

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام محمد رکھا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خصال حمیدہ اور عادات شریفہ کی کوئی انتہاء نہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی

---

[776] ترجمان السنۃ ۱/۳۵۲

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خصال حمیدہ کا علم تھا، اس لئے اہل خانہ کو غیبی اشارہ کیا کہ ان کا نام محمد رکھا جائے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اہل لغت کہتے ہیں محمد یا محمود وہ ہے جس میں خصال حمیدہ کثرت سے پائے جائیں۔ [777] لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنی قضاء الحق کے بھی بتلائے ہیں، پس لفظ "محمد" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو، یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا، اور انسان کا اپنے خالق پر جو حقِ تخلیق مقرر تھا، وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خلق و خُلق، دماغ و کیرکٹر، ارتقائے ذہنی اور ارتقائے عملی، یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائناتِ تخلیق کا لب لباب ہیں، اول ثانی کے لئے بنیاد ہے، عمل علم پر، کیریکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے۔ ایک عجیب نکتہ ہے کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہو گی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہو گی، ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے، تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیریکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذاتِ مبارک نے پیش کیا، عالمِ انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتیٰ کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرمادیا۔ انک لعلی خلق عظیم۔ محاورات عرب سے "حمد" کے یہ بھی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا، حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت حمدت بلاءہ (میں نے پورا وار کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے بے تامل کہا جاسکتا ہے کہ لفظ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے معنی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔ [778]

شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے، جب ہم کھاپی کر فارغ ہو لیتے ہیں، تو خدا کی حمد کرتے ہیں، جب سفر ختم کر کے گھر پہنچتے ہیں تو خدا کی حمد

---

[777] [تھذیب الاسماء

[778] [تفسیر ماجدی: ضمیمہ سورہ آل عمران

کرتے ہیں، اسی طرح دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو خدا کی حمد کریں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔[779]

اس دستور کے مطابق مناسب یہ ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہوا تو یہاں بھی آخر میں خدا کی حمد ہو اس لیے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکھا گیا بے شک جو ذات پاک کے حسن وخوبی کی تمام رعنائیاں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسماء بھی حسن وخوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔[780]

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی — الٹ دیتے ہیں تخت قیصری و تاج دارائی
سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں — بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا — مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا
درود اس پر کہ جس کا نام تسکین دل وجاں ہے — درود اس پر کہ جس کے خلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کھلتے ہیں — درود اس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں
درود اس پر کہ جو تھا صدر محفل پاک بازوں میں — درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں۔[781]

احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

---

[779] [روض الانف ۱/۱۰۶
[780] ترجمان السنة
[781] ماہر القادری بحوالہ نقوش رسول نمبر 10

احمد اسم تفصیل کا صیغہ ہے اسم فاعل و مفعول دونوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔پہلی صورت میں معنیٰ ہوں گے **احمد الحامدین لربه** تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا(اتنی تعریف کہ کسی انسان سے اس کا احتمال ہی نہ ہو)۔

قال القرطبی:الانبیاء صلوت اللہ علیهم کلهم حامدون اللہ و نبینا احمدا کثرهم حمدا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے لکھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام سب اللہ تعالی کی تعریف و ثنا کرنے والے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان تمام میں سب سے زیادہ حمد و ثناء کرنے والے ہیں۔دوسری صورت میں معنی ہوں گے۔**احق الناس و اولاهم بان یحمد** تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثنا کے مستحق۔پس جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے حمد کے تعلق میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سب سے اعلیٰ وافضل ہیں کیونکہ جتنی خدا تعالی کی تعریف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذریعہ سے گونجی،کیا کبھی کسی اور کے ذریعے گونجی؟؟ اور جتنی کثرت کے ساتھ خود خالق کائنات اور اس کی مخلوق نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعریف و ثنا کی،اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہے؟؟؟اس لیے احمد و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام کے شایان شان صرف اور صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذات گرامی ہی ہو سکتی ہے اور جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ یہ اسماء آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذات پر چسپاں ہیں کسی اور پر نہیں۔[782]

ان کے دربار اقدس میں جب بھی کوئی — غمزدہ آگیا تشنہ کام آگیا

غم غلط ہو گئے،معصیت دھل گئی — مغفرت وعافیت کا پیام آگیا

دل کو لذت ملی چشم پر نم ہوئی — جب زباں پہ محمد ﷺ کا نام آگیا

---

[782] ترجمان السنة ج ا ص 453 اضافه کے ساتھ۔

محمد واحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

محمد واحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو عظیم نام صوفیاء کرام کا کہنا یہ ہے کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی ہستی کی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں چنانچہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا پہلا نام ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آسمان والوں میں اسی نام سے معروف ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس نام مبارک کو اللہ جل مجدہ کا ایک خاص تقرب حاصل ہے اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دوسرے نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ایک منزل زیادہ اللہ جل مجدہ کے نزدیک اور قریب ہے۔[783]

نزھۃالمجالس ص۲۰۷ پر ہے کہ بعض نے کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اسم شریف محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی برکت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت کے گناہ محو (مٹا) دیے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اسم شریف احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے اس سے دوزخ سے ان کی (امت کی) حمایت (نجات) ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دونوں اسمائے مبارک حقیقت میں ایک اسم ہیں جو حمد سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مفید ہیں پہلا نام باعتبارِ کیفیت ہے جبکہ دوسرا نام باعتبار کمیت ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حق تعالی کی حمد افضل محامد سے کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کثرت محامد سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی حمد و ستائش کی گئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم **احمدالحامدین**

---

[783] مکتوبات دفتر سوم

(حامدین میں سب سے بڑے حامدو سب سے زیادہ تعریف کرنے والے)**احمدالمحمودین** (تمام تعریف کیے جانے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کئے گئے) **وافضل من حمد**(تمام تعریف کرنے والوں میں سب سے برتر وافضل تعریف کرنے والے ہیں)۔[784]

(جب احمد کو اسم مفعول کے معنی میں استعمال کیا جائے تو)اس بنا پر محمد واحمد میں فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے اور احمد وہ ہے کہ جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے پس محمد بلحاظ کمیت ہے اوراحمد بلحاظ کیفیت۔دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے خلق وفضائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔[785]

پہلے احمد پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اسماء میں محمد واحمد بہت مشہور ہیں یہ دونوں اسماء واقع کے مطابق ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پہلے احمد ہیں پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ،یعنی وجود کے حساب سے بھی آپ پہلے احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہیں بلکہ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہونے کی وجہ سے ہی آپ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہوئے انبیاء سابقہ علیہم السلام نے نام احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ آمد کی بشارت دی عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ پھر عالم وجود میں آنے کے بعد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

---

[784] مدارج النبوۃ ج ا باب ھفتم۔

[785] ترجمان السنة ج ا ص ۴۵۳۔

کے نام سے پکارے گئے... آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اللہ تعالی کی خوب تعریف کی تو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہوئے پھر مخلوق نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خوب تعریف کی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہوئے محشر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کریں گے کہ آج تک کسی کو بھی ایسی تعریف القاء نہ ہوئی تو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہوں گے پھر شافع ومشفع (شفاعت وسفارش کرنے والا) کے بعد مخلوق خدا خوب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعریف کرے گی تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہوں گے تو شان احمدیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پہلے ہی مقدم ہے اور شان محمدیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بعد میں ہے۔[786]

جہاں کی زبان پر ہے نام محمد ﷺ ہر اک دل میں ہے احترام محمد ﷺ

بلا اذن خالق کہا کچھ نہ منہ سے کلام خدا ہے کلام محمد ﷺ

مجموعہ محامد ومرجع خلائق

(مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر ماجدی میں سورۃ آل عمران کے آخر میں ایک ضمیمہ "اسم پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم" میں لکھا ہے، فضیلۃ الشیخ مفسر قرآن مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری مدظلہ نے فرمایا کہ اس پورے مضمون کو بعینہ نقل کر دو، اس سیاہ کار نے حکم کی تعمیل کی اور مختلف عنوانات سے اسے نقل کیا ہے، اس کا کچھ حصہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام نامی آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا تھا، عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاءان یحمد عبد المطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمد نام رکھا کہ

---

[786] قرطبی تحت الآیۃ الصف ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۳۵۴۔

مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ارباب تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ محمد خدا کے نام احد سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔اسم کو اپنے مسمیٰ کی صفات ،خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیئے،افراد کے نا م رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ رکھا جاتا ہے لیکن عموماً انواع واجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔مثلاً انسان، مسلم، قوم۔شاذونادر طریقہ پر افراد واشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے (مسیح اور بدھ) یہ دونوں نام اپنے مسمیٰ کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا مؤرخین اکثر لکھتے ہیں۔ولم یکن شائعابین العرب هذاالاسم (یہ نام عرب میں مشہور ومتداول نہ تھا) اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے نام ''محمد'' کا''عبد المطلب'' کے ذہن میں آنا منشائے خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نام مبارک کا آسان اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ ''وہ ذات جس کی تعریف کی گئی ہو''اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس جامعیت کبریٰ اور برزخ کامل اور مقصود آفرینش کے فضائل وکمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں دنیا کے تمام حکیم فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح وستائش ہیں،اس لیے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں ۔صاحب مفردات محمد کے معنی لکھتے ہیں ۔ الذی اجمعت فیه الخصال المحمودة۔یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد کے معنی مجموعہ خوبی کے ہیں۔

اے کہ تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

کارساز قدرت کی وسعت لامحدود،اس کے کرشمے ناقابل شمار،اس کی خلقت کادروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا ہوا ہے۔غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کیلئے ایک معیار مقرر کیا ہے،مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجہ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا،حیوانات،نباتات اور جمادات تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں،صورتیں ایک ہیں،شکلیں متحد ہیں ،اوصاف مختلف ہیں،لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہاء ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں،ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جاکر ختم ہوتے ہیں۔ہم مقصود فطرت اور نقطہ تخلیق کہہ سکتے ہیں اس نقطہ تخلیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے،یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے باآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجہ اعلی پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں

۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں تلاش کرنا ضروری ہے اور دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بین فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف و خصوصیات کے افراد کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلاسکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل و شباہت اس کے اعضاء و جوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں لیکن دماغی کیفیتوں کا حال ان سے جداگانہ ہے ان میں برابر ارتقاء واختلاف جاری ہے اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل ومابعد ادبوں زبانوں کی تاریخ میں ارتقا ئے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہوسکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ہے۔

یارب صل وسلم دائماًابداً علی حبیبناوحبیبیک خیر الخلق کلهم

زندہ جاوید معجزہ،نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی بھی ہے، یہ زندہ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تاہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے،صاحب قاموس نے لکھاہے کہ محمدالذی یحمدمرۃ بعدمرۃ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ محض اعتقاد نہیں بلکہ واقعۃ رسالت مآب روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے علماءوفضلاء،یورپ کی اکثریت اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتے جاتے ہیں دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت اتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے بادل نخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولناپڑتی ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے اہل ایشیاکارجحان طبعی جتناروحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہاہے اسی قدر پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے قریب تر ہوتا جاتا ہے یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتادے رہاہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہو گی پھر بھی اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے گی جس کی بظاہر امید نہیں انہیں اپنے پچھلے سبق دہرائے دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہو گا اس حیثیت سے نام مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ترجمہ سراقوم حامد ہو گا جیسا اوپر کہا گیا ہے۔عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے،شاذ ونادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس

کے شعبہائے حیات کی تفصیل ہو، مگر نام نامی آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس سے مستثنٰی ہے، اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔

اب غور کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زندگی کا خلاصہ دوست و دشمن کی یکساں تنقید حاضر و غائب کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن، خَلق و خُلق اور ہر حیثیت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زندگی قابلِ تعریف ہے اور اس خلاصۂ حیات کا ترجمہ ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ختمِ نبوت کی دلیل نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

اور اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی بھی دلیل ہے۔ کمال و کمالِ اخلاق بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی جامعیت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سوانح و تعلیمات سے معلوم کی جاسکتی ہے، لفظِ "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کے معنی مجموعۂ خوبی اور مخلوق کامل کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، اس سے آگے کوئی نکتہ ہی نہیں ہے۔ اس حالت پر کمال کلی کی انتہاء اور معارف کا اختتام ہے، جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعترافِ کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم مور اور مار گولیٹ جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہدِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں بھی اس قسم کے واقعات پیش آ

چکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظرِ اقدس کی تاب نہ لاسکے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نامور علمائے یہود میں سے تھے، وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعث کے حالات سیرتِ طیبہ، تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا۔

لفظِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لئے مجبور کیا ہے جیسے صرّف (پھیر دیا) یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا۔ اس طرح محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو، اس معنی سے اس قوتِ جاذبہ اور کششِ اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے **هذا ليس بوجه كذاب** (یہ جھوٹا چہرہ نہیں ہو سکتا)۔ یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خداترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں، انہوں نے تجربہ کرادیا کہ جب کبھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ تو ہمارا کعبہ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہے، کوئی جزو اس سے چھوٹا ہوا نہیں۔ استعمال میں آتا ہے **قتله تقتيلا** یعنی خوب خوب قتل کیا۔ اس خاصیت کا لحاظ کرتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ ”محمد“ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) یعنی جس کا جُزو جُزو قابلِ تعریف ہے، ”اصلاحِ نفس“ ”تدبیرِ منزل اور تدبیرِ بدن کی وہ کون سی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذاتِ قدسی صفاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے پیش نہیں کر دیا۔

پاک نام اور پاکیزہ ذات

انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص تربیت و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمالِ اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا۔ یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالمِ انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے جو ان تمام صفات کا مجموعہ اور فضائل کا آئینہ ہو، جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسیانہ مستی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے، اور پھر وہ ان تمام صفات میں اپنے متقدمین سے بالاتر ہو، وہ ہستی کا جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظِ "احمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) فرمایا یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہو گا، دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے کامل نشو و نما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت و روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں، مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہین احسان ہے، بدھ مت نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالم گیر مذہب بھی اسی وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا، لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے، وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا، اخلاق و روحانیت سے گیا، تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلے کے بعد گئی ہے۔

افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارے میں بہت صاف ہیں، اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نامِ مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام ۴۵) بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، لیکن فطرت کی تدبیریں اندر سے جاری رہتی ہیں اور ایک وقتِ معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں، فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے، خوش تدبیری اور حسنِ اسلوب کے موقع پر بھی "محمد" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ پس لفظِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جاسکتے ہیں

کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا تعلیم کی انتشار، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کالایاہوادین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا۔ جس کی سرعت اور بغیر جدوجہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض، اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معنی کے اعتبار سے مختلف خوبیوں کا مرقع، بہتیرے فضائل کا خلاصہ، ایک طرف وہ اپنے مسمی کے کام اور کام کے انجام کی پیشنگوئی ہے اور دوسری طرف اس کے کارناموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لب لباب ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔[787]

جنت میں آدم علیہم السلام کا لقب "ابو محمد"

عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی شخص کی عظمت واحترام کرتے تھے تو اس کی کنیت یعنی لقب رکھتے تھے اور اس کی اولاد میں جو سب سے زیادہ قابل اور لائق ہوتا تھا اس کے نام پر کنیت یعنی لقب رکھتے تھے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مرفوع روایت ہے کہ جنت میں ہر شخص کو اسی کے نام سے پکارا جائے گا مگر آدم علیہ السلام کو "ابو محمد" (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والد) کہہ کر پکارا جائے گا جس سے آدم علیہ السلام کی تعظیم اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی توقیر اور احترام مقصود ہو گا۔"

[787] (تفسیر ماجدی، ضمیمہ سورہ آل عمران)

ایک روایت میں ہے کوئی شخص یعنی جنت والوں میں سے کوئی شخص سوائے آدم علیہ السلام کے ایسا نہیں ہو گا جس کو کوئی لقب دیا جائے، ان کو یعنی آدم علیہ السلام کو "ابو محمد" لقب دیا جائے گا۔[788]

محمد نام رکھا کرو

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں نومولود بچے لائے جاتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تحنیک کے بعد ان کے نام بھی تجویز فرماتے (پیدائش کے بعد سب سے پہلے بچے کے منہ میں کچھ ڈالنے کو تحنیک یعنی گھٹی کہتے ہیں) کئی بچوں کا نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خود محمد رکھا نو مسلموں میں سے بھی کسی کا نام اگر صحیح نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تبدیل فرماتے چنانچہ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تبدیل کرکے محمد رکھا۔

امت کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نام رکھنے کی ترغیب دی فرمایا:

عن عثمان العمري و الدمحمد، ماضرَّ أحدَكم لو كانَ في بيتِه محمَّدٌ و محمَّدانِ و ثلاثةٌ۔[789]

اگر ایک گھر میں محمد نام والے ایک دو اور تین افراد ہوں تو تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا۔

نام مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم چومنا

بعض علماء اذان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و عند الثانیۃ منھا قرّۃ عینی بک یا رسول اللہ ﷺ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع**

---

[788] سیرت حلبیۃ ج ا ص ۲۷۰

[789] السيوطي (۹۱۱ھ)، الجامع الصغير ۷۹۱۳ فيض القدير الجزء الخامس، كتاب الشفاء ص ۱۱۰ الباب الثالث۔

ظفری الابھا مین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائدًا له الی الجنة کذا فی کنز العباد قهستانی و نحوه فی الفتاویٰ الصوفیه و فی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابهامیه عندسماع اشهد ان محمدًا رسول الله ﷺ فی الاذان انا قائده و مدخله فی صفوف الجنة و تمامه فی حواشی البحر للرملی۔

یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر اللّٰھمّ متّعنی بالسّمع و البصر کہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد للامام قہستانی میں اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اشھد ان محمدًا رسول اللہ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری تشریح اور بحث البحر الرائق کے حواشی رملی میں موجود ہے۔[790]

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی لکھتے ہیں:

مسح العینین بباطن أنملتی السبابتین بعد تقبیلهما عندسماع قول المؤذن: أشهدُ أن محمداً رسولُ الله، مع قوله: أشهد أن محمداً عبده و رسوله، رضیت بالله ربّاً، و بالاسلام دیناً، و بمحمد ﷺ نبیاً۔

رواه الدیلمی عن أبی بکر: لما سمع قول المؤذن ((أشهد أن محمداً رسول الله)) قاله و قبل باطن الانملتین السبابتین و مسح عینیه فقال ﷺ من فعل فعل خلیلی فقد حلّت له

[790] (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

شفاعتی قال فی المقاصد و لا یصح۔ و قال القاری و اذا ثبت رفعه الی الصدیق فیکفی العمل به لقوله علیه الصلوٰة و السلام علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی و قیل لا یفعل و لا ینهی و کذا لا یصح۔

ترجمہ:... یعنی مؤذن سے **اشهد ان محمداً رسول الله** سن کر انگشتان شہادت کے باطن کو چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا **اشهد انّ محمداً عبده و رسوله رضیت بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد ﷺ نبیا۔**

اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے مؤذن کو اشهد انّ محمداً رسول الله کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور شہادت کی دونوں انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا، اس کیلئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی، جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کا نام رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب اس حدیث کا رفع (سند) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔

اور کہا گیا کہ نہ یہ عمل کریں نہ اس سے منع کریں اسی طرح یہ صحیح نہیں۔[791]

اسی طرح حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے اپنی کتاب **"موجبات الرحمه وعزائم المغفرة"** میں روایت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ اسلام نے فرمایا:

---

[791] (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج۲ ص ۲۶۹۔ ۲۷۰ رقم الحدیث ۲۲۹۶ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ، مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ ثم یقبل ابھامیہ و یجعلھما علی عینیہ لم یعم لم یرمد ابدا۔

ترجمہ:... جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشھد ان محمدا رسول اللہ اور مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔[792]

پھر ایک سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے۔

و انہ لما سمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ قال ذلک فخرجت الحصاۃ من فورہ۔ قال الرداد ھذا یسیر فی جنب فضائل رسول ﷺ۔

ترجمہ: جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشھد ان محمدا رسول اللہ تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہو تو فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔ الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فضائل میں سے ہے۔[793]

فقیہ ابوالحسن علی بن محمد نے روایت کیا کہ اور طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ:

من قبل عند سماعہ من المؤذن کلمۃ الشھادۃ ظفری ابھامیہ و مسحھما علی عینیہ وقال عند المس اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ و نورھما لم یعم۔

---

[792] (کشف الخفاء و منریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[793] (کشف الخفاء و منریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

ترجمہ:... جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ و نورھما لم یعم (یااللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی چشمان مبارک اوران کے نور کی برکت سے میری آنکھوں کی حفاظت فرمااوران کوروشن فرما)وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔[794]

حضرت محدث محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی لکھتے ہیں:

وحکی عن البعض من صلی علی النبی ﷺ اذا سمع ذکرہ فی الاذان وجمع اصبعیہ المسبحۃ والابھام ومسح بھما عینیہ لم یرمد ابدا وقال ابن صالح وسمعت بعض الشیوخ انہ یقول عندما یمسح عینیہ صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی قال ومذ فعلتہ لم ترمد عینی وقد جرب کل منھم ذالک وروی الحسن مثل ما روی عن الخضر علیہ السلام بعینہ انتھی۔

بعض علماء محدثین کرام سے مروی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اسم گرامی اذان میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں مسبحہ (شہادت والی) انگلیوں کو ملاکر انہیں چوم کر آنکھوں پر ملے اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی اورامام ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے کہ وہ انگوٹھے آنکھوں پر ملتے وقت یوں کہتے ہیں:صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی۔

---

[794] (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

یہ عمل کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سے میں یہ کرنے لگا ہوں میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں اور سارے بزرگوں نے اس کا تجربہ کیا اور حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[795]

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمعیل حقی حنفی سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے تحت لکھتے ہیں:

قال القهستاني في شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية (صلى الله عليك يا رسول الله) وعند سماع الثانية (قرة عيني بك يا رسول الله) ثم يقال (اللهم متعني بالسمع و البصر) بعد وضع ظفر الا بهامين على العينين فانه صلى الله عليه وسلم يكون قائدا له الى الجنة انتهى۔

ترجمہ:...علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

جان لو بلاشبہ اذان کی دوسری شہادت کے پہلے جملے کے سننے پر **صلی اللہ علیک یا رسول اللہ** اور دوسری شہادت کے وقت **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے **اللھم متعنی بالسمع و البصر** تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔[796]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ در محیط آوردہ کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بمسجد درآمد ونزدیک ستون بنشست وصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربرابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست وباذان اشتغال فرمود چوں گفت **اشھد ان محمدا رسول اللہ** ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود رابر ہر دو چشم خود نہادہ گفت **قرۃ عینی بک**

---

[795] (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴ مطبوعہ ملتان)

[796] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یارسول اللہ چوں بلال رضی اللہ تعالی عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرمودہ کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند ایں چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید اورا قدیم۔ اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔

ترجمہ:... محیط میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قریب بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰعنہ اٹھے اور اذان دینا شروع کی۔ جب کہا اشھدان محمدا رسول اللہ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا قرۃ عینی بک یارسول اللہ۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اے ابو بکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمھاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالی اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً کیا ہو یا خطاً"۔[797]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قوت القلوب سے نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رفع اللہ درجاتہ در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عینیہ رحمۃ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد درآمد در دہ محرم وبعد ازانکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گفت وابو بکر رضی اللہ عنہ، بظہر ابہامین چشم خودرا مسح کرد وگفت

[797] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرۃ عینی بک یارسول اللہ وچوں بلال رضی اللہ عنہ، از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ ا فرمودہ کہ اے ابا بکر ہر کہ بگوئد آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے در گزارد گناہاں ویرا آنچہ باشد نو و کہنہ ونہاں وآشکارا۔

ترجمہ: حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ ابن عینیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دس محرم کو مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور ایک ستون کے نزدیک جلوہ افروز ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا۔ اور قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اذان سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔ اے ابو بکر جو شخص تمھاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے تو اللہ تعالی اس کے تمام نئے اور پرانے ظاہر وباطن سب گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔[798]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی قصص الأنبیاء وغیرھا ان آدم علیه السلام اشتاق الی لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالی الیه هو من صلبک ویظهر فی آخر الزمان فسأل لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنة فاوحی الله تعالی الیه فجعل الله النور المحمدي فی إصبعه المسبحة من یده الیمنی فسبح ذلک النور فلذلک سمیت تلک الإصبع مسبحة کما فی الروض الفائق. او اظهر الله تعالی جمال حبیبه فی صفاء ظفری ابهامیه مثل المرآة فقبل آدم ظفری ابهامیه ومسح علی عینیه فصار أصلا لذریته فلما اخبر جبرائیل النبي صلی الله علیه

---

[798] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وسلم بهذه القصة قال عليه السلام (من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابهاميه ومسح على عينيه لم يعم ابدا)۔

ترجمہ: قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ملاقات کے مشتاق ہوئے تو اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمھاری صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم چمکایا تو اس نور نے اللہ تعالی کی تسبیح پڑھی اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے جمال محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ کے ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جبریل علیہ اسلام نے حضور اکو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔[799]

یہی علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ حم السجدۃ پارہ ۲۴ آیت نمبر ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں:

ويستحب ان يقول عند سماع الاولى من الشهادة الثانية صلى الله تعالى عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية قرة عينی بک يا رسول الله ثم يقول اللهم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين كمافی شرح القهستاني"۔

---

[799] (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: دوسری شہادت کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع و البصر۔[800]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی لکھتے ہیں:

واعلم انه یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادة الثانیة "صلی اللہ علیک یارسول اللہ" وعند الثانیة منھا "قرة عینی بک یارسول اللہ" ثم یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانه ﷺ یکون قائدا له الی الجنة کذافی کنز العباد۔

ترجمہ:... جان لو بلاشبہ اذان کی دوسری شہادت کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع و البصر تو حضور ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔[801]

علامہ محمد تجریم مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ من مسح بیده اسم محمد ثم قبل یده بشفتیه ثم مسح علی عینیه یری ربه بما یراه الصالحون وینال شفاعتی ولو کان عاصیاً۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ سے اسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کو چھوا پھر اپنے ہونٹوں سے اپنے ہاتھ کو چوما پھر

---

[800] (تفسیر روح البیان ج۸ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[801] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اپنی آنکھوں پر ملا تو اللہ تعالی کی زیارت کرے گا جیسے صالحین اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے ہیں اور وہ میری شفاعت پائے گا اگرچہ وہ گنہگار ہو۔[802]

شیخ المشائخ، رئیس محققین مولانا جمال الدین عبد اللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

سئلت عن تقبیل الابھامین و وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ ﷺ فی الاذان، ھل ھو جائز ام لا، اجبت بمانصہ نعم تقبیل الابھامین و وضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ ﷺ فی الاذان جائز، بل ھو مستحب صرح بہ مشایخنا فی غیر ما کتاب۔

ترجمہ: یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے ہمارے مشائخ نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔[803]

پیر شریعت پیر طریقت شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری لکھتے ہیں:

"وچوں **اشھدان محمدا رسول اللہ** گوید سامع ہر دو انگشت ابہام رابر ہر دو چشم بنہد یعنی ناخن ایشان دیدہ بروار دو بدان ناخن نظر کند حق تعالی چہار ہزار گناہ کبیرہ اورا عفو کند۔

ترجمہ:... جب **اشھدان محمدا رسول اللہ** کہا جائے تو سننے والا اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے یعنی ناخنوں کو دیکھے اللہ تعالی چار ہزار گناہ کبیرہ اس کا معاف فرمائے گا"[804]

---

[802] (النوافح العطریہ ص ۱۵ مطب)
[803] (فتاوی جمال بن عبداللہ عمر مکی بحوالہ فتاوی رضویہ جدید ج ۵ ص ۴۳۶ مطبوعہ لاہور)
[804] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

یہی شیخ الاسلام عبداللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ودر قران خوانی مسطوراست کہ این انگشت نہادن سنت است ترک نمی توان کرد وہر کہ بجائے آرد در عرصات حضرت رسالت پناہ اورا چنان طلب کند کہ کسی گم شدہ خود را بطلبد وبگوید **قرۃ عینی بک سیدی ومولائی** ویا این گوید **صدق رسول اللہ**"

ترجمہ:... قرآن خوانی میں لکھا ہے کہ یہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا سنت ہے اس کو نہیں چھوڑنا چاہیئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو قیامت کے دن اس طرح طلب کرے گا کہ جس طرح کسی سے کوئی چیز گم ہوجائے اور اس کو تلاش کرتا رہے اور کہے اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک یا یہ کہے **صدق رسول اللہ**۔ [805]

مزید لکھتے ہیں:

"وبعضی گفتہ اند کہ سنت بابا آدم است کہ روزے آرزوے کرد کہ اگر جمال محمد آخر الزمان میدید مے چہ خوش بودے فرمان حضرت عزت شد کہ بر ہر دو ناخن نظر کن چوں نظر نمود جمال جہاں آرائے حضرت دران دید ناخن را بر چشم نہاد وگفت **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی ومولائی**"۔

ترجمہ:... اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سنت بابا آدم علیہ السلام ہے کہ ایک دن انہوں نے تمنا کی کہ اگر جمال محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آخر زمان دیکھ لیتا کیا اچھا ہوتا اللہ تعالی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اپنے دونوں ناخنوں کو دیکھو جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

---

[805] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

وسلم کا جمال مبارک اس میں دیکھا تو ان ناخنوں کو آنکھوں پر رکھا اور کہا **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی ومولائی۔**[806]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو شیخ الاسلام والمسلمین اعلی حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط کتاب **منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** کا مطالعہ فرمائیں۔ مخالفین کے تمام شکوک ختم ہو جائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی روایت کرتے ہیں:

واخرج ابو نعیم فی (الحلیۃ) عن وھب قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ مائتی سنۃ ثم مات فاخذوہ فالقوہ علی مزبلۃ، فأوحی اللہ الی موسی ان اخرج فصل علیہ، قال یارب: بنو اسرائیل شھدوا انہ عصاک مائتی سنۃ، فأوحی اللہ الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد ﷺ قبلہ ووضعہ علی عینیہ وصلی علیہ، فشکرت لہ ذلک وغفرت ذنوبہ وزوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دوسو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر (کچرہ کونڈی) پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے دوسو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتا وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نظر پڑتی تو" وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا اور

[806](ارشاد الطالبین ص ۳۲۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

آپ پر درود بھیجتا تھا" تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس (مشہور نافرمان) کا نکاح کر دیا۔[807]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں:

ما رواہ ابو نعیم فی الحلیة عن وھب بن منبہ رحمہ اللہ تعالی قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ تعالی مائة سنة ثم مات فاخذوہ فألقوہ علی مزبلة فاوحی اللہ تعالی الی موسی علیہ الصلوۃ والسلام: ان اخرج فصل علیہ، قال: یارب ان بنی اسرائیل یشھدون انہ عصاک مائة سنة، فاوحی اللہ تعالی الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ ووضعہ علی عینیہ فشکرت لہ ذلک وغفرت لہ وزوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے سو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے کرکٹ پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتاً وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نظر پڑتی تو "وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود بھیجتا تھا" تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس (مشہور نافرمان) کا نکاح کر دیا۔[808]

---

[807] (خصائص الکبری ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[808] (سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۱۔۴۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نامِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے تعظیماً برکت حاصل کرنے کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے شمائل و خصائص کا شمار جس طرح ممکن نہیں ، اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نام مبارک کے فضائل بھی بے شمار ہیں جن کا تعین ممکن نہیں۔نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی برکات بہت ہیں۔ذیل میں ان کا ذکر مختصراً کیا جاتا ہے۔

۱)سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے:

من ولدله مولودٌفسمّاه مُحمّداًحُبّاًلّی وتبرّ کاًباسمی کان ھو و مولودہ فی الجنّۃ۔[809]

یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے بچہ کا نام "محمد" رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنّت جائیں گے۔

اس مذکورہ بالا حدیث پاک کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: واسنادہ حسن۔ "اور اس کی سند بھی اچھی ہے (بہت اچھی ہے)۔"[810]

اور علّامہ حلبی نے فرمایا: اصحّھا واقربھا للصّحّۃ۔[811]

۲)مشہور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

---

[809](زرقانی علی المواھب، ج۵ ص ۳۰۱، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۸، البرھان ص ۴۴۳)
[810](اللالی المصنوعہ ص ۱۰۶، ج ۱)
[811](سیرت حلبیہ ۷۹، ج ۱)

قال اللہ تعالیٰ: وعزتی و جلالی! لا أعذّب احداً تسمّی باسمک فی النار۔

"اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم! اے حبیب مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا، جس کا نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نام پر ہو گا۔"

امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں نام سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا مشہور نام "محمد" یا "احمد" ہے۔

۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربارِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی طرف سے حکم ہو گا کہ ان دونوں کو جنت لے جاؤ۔ وہ دونوں عرض کریں گے یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حقدار ہوئے، حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا: ادخل الجنّۃ فانّی آلیت علی نفسی أن لّا یدخل النّار من اسمہ احمد و محمد۔ یعنی تم دونوں جنت جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا وہ دوزخ نہیں جائے گا۔[812]

۴) سیّدنا نبیط صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے: وعزّتی و جلالی لا اعذّب احدًا تسمّی باسمک فی النّار۔ یعنی اے محبوب مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم میں کسی ایسے بندے کو دوزخ کا عذاب نہ دوں گا جس نے اپنا نام تیرے نام پر رکھا ہو گا۔[813]

---

[812] (احکام شریعت ص ۳۸، زرقانی علی المواھب ص ۳۰۱، ج۵، احکام القرآن ص ۴۴۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

[813] (زرقانی علی المواھب ج۵ ص ۳۰۲، سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹)

۵)سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: من ولد له ثلاثة اولادٍ فلم یسمّ احداً مّنهم محمّدًا فقد جهل۔ یعنی جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا وہ جاہل ہے۔[814]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مضمون کی ایک مرسل حدیث نضر بن شنقی سے نقل کر کے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مقبول قرار دیا ہے۔

۶)مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اذا سمّیتم الولد محمّدًا فاکرموه واوسعوا له فی المجلس ولا تقبحوا له۔ "جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لئے جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت وبرائی مت کرو۔"[815]

اسی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ چونکہ عام لوگ نام مبارک کی عزت نہیں رکھتے اس لئے عام نام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

۷)حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اذا سمّیتم محمّداً فلاتضربوه ولاتقبّحوه وأكرموه وأوسعوا له فی المجلس۔[816]

۸)جو یہ چاہے کہ لڑکا پیدا ہو وہ بچے کا نام محمد رکھے۔

من اراد ان یکون حمل زوجتهٖ ذكراً فلیضع یده علیٰ بطنها ولیقل ان كان ذكراً فقد سمّیته محمّداً۔[817]

---

[814](سیرتِ حلبیہ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹، البرھان ص ۴۴۷)

[815](زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرھان ص ۴۴۷)

[816](شعرانی، کشف الغمة ج ۱ ص ۲۸۳، مناوی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۸۵، عجلونی کشف الخفا و مزیل الالباس ج ۱ ص ۹۴ رقم ۲۳۹، حلبی انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۹)

[817](سیرت حلبیہ ۷۹، احکام شریعت ص ۴۰، البرھان ص ۴۴۸)

یعنی جو کوئی چاہے کہ اس کی بیوی کا حمل لڑکا ہو تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہے (**ان کان ذکر اًفقدسمّیته محمداً**) بفضلہ تعالیٰ لڑکا ہوگا۔

۹) علّامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں: **وفی الشّفاء انّ للہِ ملٰئکة سیّاحین فی الارض عبادتھم کلّ دارٍ فیھا اسم محمّدٍ حراسته**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس کا پہرہ دینا۔[818]

۱۰) سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **ما کان فی اھلبیت اسم محمد الاّ کثرت برکته**۔ "جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔"[819]

تنبیہ: اس مقام پر علماء کرام اور محدثین عظام نے فرمایا یہ ساری بہاریں اس شخص کے لئے ہیں جو کہ سنّی صحیح العقیدہ ہو ورنہ بے ادب گستاخ کے لئے کسی قسم کی کوئی رعایت نہ ہوگی۔[820]

کیونکہ جو شخص اس مقدّس ومطہر نام کی عظمت کا قائل ہی نہیں، اور کہے کہ عمل کے بغیر کوئی جنّت جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے رعایت کا سوال ہی نہیں وہ اپنے عملوں کے بل بوتے پر جنّت حاصل کرے اور ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھے **من نوقش له فی الحساب یھلک**۔ جس کو حساب میں پوچھ گچھ ہوئی وہ بچ نہیں سکتا۔

۱۱) سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا زمانہ تھا ان کی قوم بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت ہی گنہگار اور کردار کا گندا تھا، اس نے سو سال اور ایک قول کے مطابق دو سو سال نافرمانیوں میں گزار دیئے جب وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اس کا غسل وکفن گوارا نہ کیا بلکہ اسے ٹانگ سے پکڑ کر گندگی

---

[818] (سیرت حلبیہ صـ۹۷، البرھان صـ۴۴۸)
[819] (زرقانی علی المواھب ج۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرھان ص ۴۵۰-۴۴۹، مناوی فیض القدیر ج۵ ص ۴۵۳)
[820] (احکام شریعت ص ۳۸)

کے ڈھیر پر پھینک آئے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے کلیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارا ایک دوست فوت ہو گیا ہے اور اسے لوگوں نے گندگی پر پھینک دیا ہے۔ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کو اٹھائیں اور عزّت و احترام کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کریں پھر آپ اس کا جنازہ پڑھائیں، یہ حکم سن کر کلیم اللہ علیہ السلام قوم کو لے کر وہاں پہنچے اسے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو وہی پاپی ہے لیکن مامور تھے اسے اعزاز کے ساتھ اٹھا کر تجہیز و تکفین کر کے جنازہ پڑھایا اور دفن کر دیا۔ بعد میں موسیٰ علیہ السلام نے دربار الٰہی میں عرض کی یا اللہ یہ شخص اتنا بڑا مجرم و گنہگار ایسے اعزاز کا حقدار کیسے ہو گیا، تو ربّ کریم نے فرمایا اے میرے پیارے کلیم، تھا تو یہ بڑا گنہگار اور سخت سزا کا حقدار مگر ہوا یوں کہ ایک دن اس نے توریت کھولی اور اس میں میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نام مبارک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اس کی نظر پڑی اور اس کے دل میں میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی محبت نے جوش مارا، اس نے اس نام مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھ کر درود پاک پڑھا، لہٰذا اس تعظیم کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں، اور اس کو اپنے مقبول بندوں میں داخل کر دیا ہے۔[821]

اوپر جو مذکور ہوا کہ صد سالہ مجرم تعظیمِ نامِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وجہ سے بخشا گیا، اس واقعہ کو ایک واقعہ کہہ کر خارجی نظریات والے رد کر دیتے ہیں لیکن مندرجہ

---

[821] (مقاصد السالکین ص ۵۰، القول البدیع ص ۱۱۸، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۴۲، سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۸۰، البرھان ص ۴۵۲، تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۱۸۶ مطبوعہ بیروت، سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۲-۴۱۱ مطبوعہ بیروت، انسان العیون فی سیرت الامین والمامون ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ بیروت، سیرت حلبیہ اردو ج ۱ ص ۴۱، و ۲۷۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۱۵۵ طبع بیروت، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۹۵ بیروت، سعادت الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور، فضائل درود شریف، تبلیغی نصاب ص ۹۹ مطبوعہ لاہور)

ذیل حدیث پاک کو کیسے رد کرینگے جس کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

۱۲)سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **ما اجتمع قوم قط فی مشورة معهم رجل اسمه محمد، لم يدخلوه فی مشورتهم الالم يبارک لهم۔** ”کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا کوئی ان کے درمیان ہو لیکن اس کو مشورہ میں داخل نہ کیا جائے، تو ان کے کام میں برکت نہیں ہو گی۔“[822]

۱۳)حضرت محمد بن عثمان عمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **ماضر أحدکم لو کان فی بیته محمد و محمدان وثلاثة۔** ”تم میں سے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اگر اس کے گھر کے افراد میں ایک یا دو یا تین شخص محمد نام کے ہوں۔“[823]

۱۴)حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **ما أطعم طعام علی مائدة، ولا جلس علیها، وفیه اسمی الا قدسوا کل یوم مرتین۔** ”کوئی بھی دستر خوان ایسا نہیں جس پر کھانا کھایا جائے اور وہاں میرا ہم نام بیٹھا ہو تو فرشتے ہر روز دو مرتبہ (اس دستر خوان کی) تعریف نہ کرتے ہوں۔“[824]

---

[822] (خطیب بغدادی، موضع أوهام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۴۲۴، حلبی نے انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵ میں کہاھے حفاظ حدیث نے اس روایت کی صحت کا اقرار کیاھے)

[823] (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۴، مناوی فیض القدیر ج ۳ ص ۲۴۲، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۶۰)

[824] (خطیب بغدادی، موضع أوهام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۴۲۴، حلبی انسان العیون، ج ۱ ص ۱۳۶، تبرک کی شرعی حیثیت، ص ۶۱)

۱۵)لیس أحد من أهل الجنة الا يدعى باسمه أى و لا يكنى الا آدم عليه السلام فانه يدعى أبا محمد تعظيماً له و توقيراً للنبی ﷺ یعنی "جنت میں سب کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا یعنی ان کی کنیت نہیں ہو گی، سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے۔ انہیں تعظیماً "ابو محمد" کہہ کر پکارا جائے گا، اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی توقیر کے سبب ہے۔"

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (آل عمران ۱۴۴) اور نہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مگر اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" اور یہ قول خداوندی ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء۱۰۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ (الاحزاب۷) کی لطیف تفسیر

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب۷)

"اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔"

نکتہ: رسولوں کا مقام، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے فزوں تر ہے اور رسولوں میں سے پانچ رسولوں کا مقام سب سے بلند و برتر ہے، ان پانچ رسولوں کو اولوالعزم رسول کہا جاتا ہے اور وہ

مختار قول کے مطابق یہ پانچ ہیں جن کا ذکر الاحزاب کی اس آیت میں ہے: یعنی (۱) نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم (۲) حضرت نوح علیہ السلام (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔

آیت کریمہ میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان چاروں اولوالعزم رسولوں سے بعد میں مبعوث ہوئے لیکن آپ کا ذکر ان چاروں سے قبل ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء نے اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذکر کی تقدیم سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خلقت نورانی کی تقدیم مراد ہے چونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نور مبارک جمیع عالمین اور جملہ مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا اس لئے اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذکر مقدم رکھا اس آیت کی تفسیر میں خود حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ملاحظہ فرمائیں،

عَن قَتَادَةَ رَضِي الله عَنهُ قَالَ: كَانَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذا قَرَأَ {وَإِذ أَخذنَا من النَّبِيين ميثاقهم ومنک وَمن نوح} قَالَ: ذکر لنا أَن نَبِي الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ يَقُول كنت أول الْأَنْبِيَاء فِي الْخلق وَآخرهمْ فِي الْبَعْث۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب یہ آیت پڑھتے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُوحٍ (الاحزاب ۷)

توفرماتے تھے کہ نبوت کی ابتداء مجھ سے کی گئی اوربعثت میں میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آیا۔[825]

مسند دیلمی میں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ} الْآيَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم: "كنت أول النبيين في الخلق وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ} کی تفسیر میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایامیں خلقت کے لحاظ سے اول ہوں اوربعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہوں۔[826]

(۲) اللہ رب العزت نے نبی مکرم علیہ السلام کاذکر مقدم اس لئے فرمایاکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں زیادہ معظم اور مؤقرہیں اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اس عظمت اورافضلیت کاتقاضایہ تھاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کاذکر بھی تمام کے اذکارسے مقدم ہو،دراصل یہ دونوں باتیں جوذکرہوئیں ،حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی افضلیت مطلقہ کی دلیل قاطع ساطع ہیں۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی دونکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[825] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۶ ص ۳۲۲رقم الحدیث ۳۱۷۶۲،الدر المنثورج۶ ص ۵۷۰)

[826] (مسنددیلمی ج۴ص۴۴،جامع البیان ج ۲۱ ص ۱۲۵ ،تفسیر ابن کثیرج۲ ص ۴۷۰،الدر المنثورج۶ ص۵۷،تفسیر معالم التنزیل ج۵ص ۱۹۲ ،تفسیر خازن ج۵ص ۱۹۶ ،تفسیر روح البیان ج۵ص ۲۶۱)

وقدم النبي صلی اللہ علیہ وسلم علیھم فی الذکر تعظیما لہ واشعارا بما اخبر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال کنت أول الناس فی الخلق وآخرھم فی البعث رواہ سعد عن قتادۃ مرسلا ورواہ البغوي متصلا عن قتادۃ عن الحسن عن ابی ھریرۃ وقال قال قتادۃ وذلک قول اللہ عزّ وجلّ وَإِذْ أَخَذْنا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُوحٍ الایۃ فبدأ بہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلھم- وروی ابن سعد وابو نعیم فی الحلیۃ عن میسرۃ الفجر بن سعد عن ابی الجدعاء والطبراني فی الکبیر عن ابن عباس بلفظ کنت نبیّا وآدم بین الروح والجسد۔

ترجمہ: حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعظیم کیلئے اس آیت میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ذکر پہلے کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے جس کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خبر دی کہ میں پیدا ہونے کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول ہوں اور تشریف لانے کے اعتبار آخر ہوں۔اس حدیث کو سعد نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاًروایت کیا اور بغوی نے قتادہ سے اور قتادہ سے حسن نے اور حسن نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلاًروایت کیا ہے اور کہا کہ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول "وَإِذْ أَخَذْنا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُوحٍ الایۃ" میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ذکر کیا اور ابن سعد اور ابو نعیم نے حلیہ میں میسرہ سے اور میسرہ نے ابوالجدعاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان الفاظ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔[827]

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سب سے مقدم تھے

[827] (تفسیر مظھری ج۵ ص ۳۷۳ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ،نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمن ﷺ ص ۶۴)

حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ الوَلِيدُ بْنُ شُجَاعِ بْنِ الوَلِيدِ البَغْدَادِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ: «وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے کب نبوت واجب ہوئی ؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔ جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے۔[828]

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي: دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسَى، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ حِينَ وَضَعَتْنِي، وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ"۔

عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے آخری نبی لکھا گیا ہوں اس وقت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے جارہے تھے اور جلدی بتا سکتا ہوں میں تمہیں اپنے متعلق اول کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعامانگنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میرے متعلق بشارت دینا اور میرے وضع حمل کے وقت میری ماں کا خواب دیکھنا اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ ضرور میری ماں کے واسطے نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔[829]

---

[828] (مشکوۃ شریف ص ۵۱۳، ترمذی ج ۲ ص ۲۰۱)

[829] (شرح السنة المؤلف: محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى: 516هـ) ج ۱۳ ص ۲۰۷)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت حاصل ہوئی جب نبوت مقدم تو ذات مقدم اور ذات جسمیہ کا ظہور تو سب انبیاء علیہم السلام کے اخیر میں ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس وقت نبوت ملی اور نبوت صفت ہے ذات کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذات حقیقتاً نور ثابت ہوئی جس کو نبوت عطا ہوئی تو لباس انسانی حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بعد میں عطا ہوا۔[830]

قولہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ کنت نبیا وآدم بین الماء والطین۔

فأول روح ركضت في ميدان الخضوع والانقياد والمحبة روح نبينا صلّى الله عليه وسلّم وقد أسلم نفسه لمولاه بلا واسطة وكل إخوانه الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إنما أسلموا انفوسهم بواسطته عليه الصلاة والسلام فهو صلّى الله عليه وسلّم المرسل إلى الأنبياء والمرسلين عليهم الصلاة والسلام في عالم الأرواح وكلهم أمته وهم نوابه في عالم الشهادة۔831

وقوله عليه الصلاة والسلام: كنت نبيا وآدم بين الماء والطين، إشارة إلى هذا أيضا وإنه لم يشأ سبحانه خلق آدم إلا لينتزع الصافي من ذريته ولم يزل يستصفي تدريجا إلى أن بلغ كمال الصفاء، ولا يفهم هذا إلا بأن يعلم أن للدار مثلا وجودين وجودا في ذهن المهندس حتى كأنه ينظر إلى صورتها ووجودا خارج الذهن مسببا عن الوجود الأول فهو سابق عليه لا محالة۔

وحينئذ يقال: إن الله تعالى يقدر أولا ثم يوجد على وفق التقدير ثانيا والتقدير يرسم في اللوح المحفوظ كما يرسم تقدير المهندس أولا في لوح أو قرطاس فتصير الدار موجودة

---

[830] (مقیاس نورص ۵۱)

[831] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۴ ص ۱۳۲ سورۃ الانعام)

بكمال صورتها نوعا من الوجود يكون سببا للوجود الحقيقي، وكما أن هذه الصورة ترتسم في لوح المهندس بواسطة القلم والقلم يجري على وفق العلم بل العلم يجريه كذلك تقرير صورة الأمور الإلهية ترتسم أولا في اللوح المحفوظ بواسطة القلم الإلهي والقلم يجري على وفق العلم السابق الأزلي، واللوح عبارة عن موجود قابل لنقش الصور، والقلم عبارة عن موجود منه تفيض الصور على اللوح وليس من شرطهما أن يكونا جسمين ولا يبعد أن يكون قلم الله تعالى ولوحه لائقين لأصبعه ويده وكل ذلك على ما يليق بذاته الإلهية ويقدس عن حقيقة الجسمية، وقد يقال: إنهما جوهران روحانيان أحدهما متعلم وهو اللوح والآخر معلم وهو القلم، وقد أشير إلى ذلك بقوله سبحانه: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [العلق: 4] فإذا فهمت معنيي الوجود فقد كان نبينا صلى الله عليه وسلم قبل بالمعنى الأول منهما دون المعنى الثاني اه۔832

حديث, كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد

حاصله أن حقيقته عليه الصلاة والسّلام قد تكون من قبل آدم آتاها الله تعالى النبوة بأن خلقها مهيأة لها وأفاضها عليها من ذلك الوقت وصار نبيا ثم۔...والمراد بكونه عليه الصلاة والسّلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة في أحد من الثقلين بعد تحليه عليه الصلاة والسّلام بها في هذه النشأة۔833

حديث، كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد

فهو نبی الانبیاء فی عالم الابتداء کما صار امام الانبیاء فی لیلة الاسراء۔834

(وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ)فثبت بهذه الآية ان محمدا ﷺ آخر الانبياء قال ﷺ (كنت نبيا وآدم بين المآء والطين۔)فبطن كونه خاتم النبيين فى هذاالحديث وكان من ظهوره نبيا وآدم بين المآء والطين ان استفتح به مراتب البشر فقال (اول ماخلق الله نورنبيک ياجابر)وختم الله به النبيين بعد بعثته ﷺ لبشريته فظهر كونه خاتم النبيين بقوله (ان الرسالة

832(روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج۷ ص ۲۸۶ سورة الحجر)

833(روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۱۱ ص ۴۹ سورة الاحزاب)

834(تفسير الملاعلى القارى ج ۱ ص ۳۰۴)

والنبوة قد انقطعت فلا نبی بعدی ولا رسول۔) یعنی ان الرسالة وهی البعثة الی الناس بالتشریع لهم والنبوة قد انقطعت ای مابقی من یشرع له من عند الله حکم یکون علیه لیس هو شرعنا الذی جئنا به فلا رسول بعدی یأتی بشرع یخالف شرعی الی الناس ولا نبی فلا نبوة تشریع بعده ولا نبی یکون علی شرع ینفرد به عند ربه یکون علیه فصرح انه خاتم النبوة التشریع ولو اراد غیر ماذکرناه لکان معارضا لقوله (ان عیسیٰ علیه السلام ینزل فینا حکما مقسطا یؤمنا بنا) ای بالشرع الذی نحن علیه ولا نشک فیه انه رسول ونبی فعلمنا انه ﷺ اراد انه لا شرع بعده ینسخ شرعه۔

بَاب خُصُوصِيَّة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِكَوْنِهِ أول النَّبِيين فِي الْخلق وَتقدم نبوته واخذ الْمِيثَاق عَلَيْهِ

اخْرُج ابْن أبي حَاتِم فِي تَفْسِيره وَأَبُو نعيم فِي الدَّلَائِل من طرق عَن قَتَادَة عَن الْحسن عَن أبي هُرَيْرَة عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي قَوْله تَعَالَى {وَإِذ أَخذنَا من النَّبِيين ميثاقهم} الْآيَة قَالَ كنت أول النَّبِيين فِي الْخلق وَآخرهمْ فِي الْبَعْث فَبَدَأَ بِهِ قبلهم۔

وَأخرج أَبُو سهل الْقطَّان فِي جُزْء من أَمَالِيهِ عَن سهل بن صَالح الْهَمدَانِي قَالَ سَأَلت أَبَا جَعْفَر مُحَمَّد بن عَليّ كَيفَ صَار مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يتَقَدَّم الْأَنْبِيَاء وَهُوَ آخر من بعث قَالَ إِن الله تَعَالَى لما اخذ من بني آدم من ظُهُورهمْ ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم أَلَسْت بربكم كَانَ مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أول من قَالَ بلَى وَلذَلِك صَار يتَقَدَّم الْأَنْبِيَاء وَهُوَ آخر من بعث وَأخرج أَحْمد وَالْبُخَارِيّ فِي تَارِيخه وَالطَّبَرَانِيّ وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ وَأَبُو نعيم عَن ميسرَة الْفجْر قَالَ قلت يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ وآدَم بَين الرّوح والجسد واخرج احْمَد وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ عَن الْعِرْبَاض بن سَارِيَة قَالَ سَمِعت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَقُول إِنِّي عِنْد الله فِي ام الْكتاب لخاتم النَّبِيين وَإِن آدم لَمُنْجَدِل فِي طينته واخرج الْبَزَّار وَالطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَأَبُو نعيم من طَرِيق الشّعبِيّ عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ قيل يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ وآدَم بَين الرّوح والجسد وَأخرج أَبُو نعيم عَن الصنَابحِي قَالَ قَالَ عمر رَضِي الله عَنهُ مَتى جعلت نَبيا قَالَ وآدَم منجدل فِي الطين مُرْسل وَأخرج ابْن سعد عَن ابْن ابي الجدعاء

قَالَ قلت يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ إِذْ آدم بَين الرّوح والجسد وَأخرج ابْن سعد عَن مطرف بن عبد الله بن الشخير أَن رجلا سَأَلَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَتى كنت نَبيا قَالَ بَين الرّوح والطين من آدم وَأخرج ابْن سعد عَن عَامر قَالَ قَالَ رجل للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَتى استنبئت قَالَ وآدم بَين الرّوح والجسد حِين اخذ مني الْمِيثَاق وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَأَبُو نعيم عَن أبي مَرْيَم الغساني ان اعرابيا قَالَ للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَي شَيْء كَانَ اول نبوتک قَالَ اخذ الله مني الْمِيثَاق كَمَا أَخذ من النَّبِيين ميثاقهم ودعوة أبي ابراهيم وبشرى عِيسَى وَرَأَتْ امي فِي منامها انه خرج من بَين رِجْلَيْهَا سراج اضاءت لَهُ قُصُور الشَّام۔

فَائِدَة فِي ان رِسَالَة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَامَّة لجَمِيع الْخلق والانبياء واممهم كلهم من امته

ورسالته عَامَّة لجَمِيع الْخلق من زمن آدم إِلَى يَوْم الْقِيَامَة وَتَكون الْأَنْبِيَاء واممهم كلهم من أمته وَيكون قَوْله بعثت إِلَى النَّاس كَافَّة لَا يخْتَص بِهِ النَّاس من زَمَانه إِلَى يَوْم الْقِيَامَة بل يتَنَاوَل من قبلهم أَيْضا ويتبين بذلک معنى قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كنت نَبيا وآدم بَين الرّوح والجسد وَأَن من فسره بِعلم الله بِأَنَّهُ سيصير نَبيا لم يصل إِلَى هَذَا الْمَعْنى لِأَن علم الله مُحِيط بِجَمِيعِ الْأَشْيَاء وَوصف النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِالنُّبُوَّةِ فِي ذَلِک الْوَقْت يَنْبَغِي ان يفهم مِنْهُ أَنه امْر ثَابت لَهُ فِي ذَلِک الْوَقْت وَلِهَذَا رأى آدم اسْمه مَكْتُوبًا على الْعَرْش مُحَمَّد رَسُول الله فَلَا بُد أَن يكون ذَلِک معنى ثَابتا فِي ذَلِک الْوَقْت وَلَو كَانَ المُرَاد بذلک مُجَرّد الْعلم بِمَا سيصير فِي الْمُسْتَقْبل لم يكن لَهُ خُصُوصِيَّة بِأَنَّهُ نَبِي وآدم بَين الرّوح والجسد لِأَن جَمِيع الْأَنْبِيَاء يعلم الله نبوتهم فِي ذَلِک الْوَقْت وَقَبله فَلَا بُد من خُصُوصِيَّة للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لأَجلهَا أخبر بِهَذَا الْخَبَر إعلاما لأمته ليعرفوا قدره عِنْد الله تَعَالَى فَيحصل لَهُم الْخَيْر بذلک۔ قَالَ فَإِن قلت أُرِيد ان افهم ذَلِک الْقدر الزَّائِد فَإِن النُّبُوَّة وصف لَا بُد ان يكون الْمَوْصُوف بِهِ مَوْجُودا وَإِنَّمَا يكون بعد بُلُوغ أَرْبَعِينَ سنة أَيْضا فَكيف يُوصف بِهِ قبل وجوده وَقبل إرْسَاله وَإِن صَحَّ ذَلِک فَغَيره كَذَلِک قلت قد جَاءَ ان الله تَعَالَى خلق الْأَرْوَاح قبل الأجساد فقد تكون الْإِشَارَة بقوله كنت نَبيا إِلَى روحه الشَّرِيفَة أَو إِلَى حَقِيقَته والحقائق تقصر عقولنا عَن مَعْرفَتهَا وانما يعلمهَا

خَالِقهَا وَمن امده بِنور الهي ثمَّ ان تِلْکَ الْحَقَائِق يُؤْتِي الله كل حَقِيقَة مِنْهَا مَا يَشَاء فِي الْوَقْت الَّذِي يَشَاء فحقيقة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قد تكون من قبل خلق آدم آتَاهُ الله ذَلِک الْوَصْف بِأَن يكون خلقهَا متهيئة لذَلِک وأفاضه عَلَيْهَا من ذَلِک الْوَقْت فَصَارَ نَبيا وَكتب اسْمه على الْعَرْش وَأخبر عَنهُ بالرسالة ليعلم مَلَائكَته وَغَيرهم كرامته عِنْده فحقيقته مَوْجُودَة من ذَلِک الْوَقْت وَإِن تَأَخّر جسده الشريف المتصف بهَا واتصاف حَقِيقَته بالاوصاف الشَّرِيفَة المفاضة عَلَيْهِ من الحضرة الالهية وانما يتَأَخَّر الْبَعْث والتبليغ وكل مَا لَهُ من جِهَة الله تَعَالَى وَمن جِهَة تأهل ذَاته الشَّرِيفَة وَحَقِيقَته معجل لَا تَأْخِير فِيهِ وَكَذَلِک استنباؤه وايتاؤه الْكتاب وَالْحكم والنبوة وَإِنَّمَا الْمُتَأَخر تكونه وتنقله إِلَى ان ظهر صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَغَيره من أهل الْكَرَامَة قد تكون افاضة الله تَعَالَى تِلْکَ الْكَرَامَة عَلَيْهِ بعد وجوده بِمدَّة كَمَا يَشَاء سُبْحَانَهُ وَلَا شکّ ان كل مَا يَقع فَالله عَالم بِهِ من الازل وَنحن نعلم علمه بذلک بالادلة الْعَقْلِيَّة والشرعية 835۔

قوله: (متى وجبت لک النبوة؟ قال: وآدم بين الروح والجسد إلخ) أي كان النبي (ﷺ) نبياً وجرت عليه أحكام النبوة من ذلک الحين بخلاف الأنبياء السابقين، فإن الأحكام جرت عليهم بعد البعثة كما قال مولانا الجامي أنه كان نبياً قبل النشأة العنصرية۔836

(كتبت نبيًّا) من الكتابة، والمراد إظهار نبوته -صلى اللَّه عليه وسلم- قبل وجوده العنصري في الملائكة والأرواح، وإعلامهم بذلک كما ورد كتابة اسمه الشريف على العرش، والسموات، وقصور الجنة، وغرفها، وعلى نحور الحور العين، وعلى ورق قصب آجام الجنة، وعلى ورق شجرة طوبى، وعلى ورق سدرة المنتهى، وعلى أطراف الحجب،

---

835 (الخصائص الکبریٰ ص ۱۰-۷)

836 (العرف الشذي شرح سنن الترمذي ج۴ ص ۴۲۹)

وبين أعين الملائكة،....وقال بعض العارفين: إن روحه الشريفة كانت نبيًا في عالم الأرواح مربيًا لها، وقد ثبت أن اللهَ خلق الأرواح قبل الأجساد، واللهَ أعلم بحقيقة الحال۔[837]

عَنْ أَبي هُريرَةَ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالُوا: يا رَسُولَ الله! متَى وَجَبَتْ لكَ النُّبُوَّةُ؟ قال: "وآدمُ بَيْنَ الرُّوحِ والجَسدِ"۔

قوله: "متى وجَبَتْ لك النبوةُ؟ قال: وآدمُ بين الروحِ والجسد"۔ (متى): سؤالٌ عن الزمان، والواو في (وآدم) للحال۔

(وجبت)؛ أي: ثَبَتَتْ، يعني: ثبتت نبوتي في حال أنّ آدمَ بين الرُّوح والجَسَد۔[838]

ومن جملة ما كتب في الذكر أن محمدًا خاتم النبيين۔

وعن العرباض بن سارية عن النبي صلى الله عليه وسلم: "إني عند الله لخاتم النبيين" وإن آدم لمنجدل في طينته"۔ رواه أحمد والبيهقي، والحاكم، وقال: صحيح الإسناد۔

وقوله عليه الصلاة والسلام لمنجدل، يعني: طريحًا ملقى على الأرض قبل نفخ الروح فيه۔

وعن ميسرة الضبي۔ قال: قلت يا رسول الله، متى كنت نبيًا؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد"۔ هذا لفظ رواية الإمام أحمد۔ ورواه البخاري في تاريخه وأبو نعيم في الحلية، وصححه الحاكم۔ وأما ما اشتهر على الألسنة بلفظ: كنت نبيًا وآدم بين الماء والطين۔ فقال شيخنا العلامة الحافظ أبو الخير السخاوي في كتابه "المقاصد الحسنة": لم نقف عليه بهذا اللفظ۔ انتهى۔

وقال العلامة الحافظ ابن رجب، في اللطائف: وبعضهم يرويه: متى كتبت نبيًا من الكتابة، انتهى۔

قلت: وكذا رويناه في جزء من حديث أبي عمرو، إسماعيل بن نجيد، ولفظه: متى كتبت نبيًا؟ قال: "كتبت نبيًا وآدم بين الروح والجسد"۔

---

[837] (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ج ۹ ص ۲۳۴، اشعت اللمعات شرح مشكوة ج ۴ ص ۴۹۹)

[838] (المفاتيح في شرح المصابيح ج ۶ ص ۱۰۳)

فتحمل هذه الرواية مع رواية العرباض على وجوب نبوته وثبوتها، فإن الكتابة تستعمل فيما هو واجب، قال تعالى: {كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ} [البقرة: 183] و {كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ} [المجادلة:21].

وعن أبي هريرة أنهم قالوا: يا رسول الله، متى وجبت لك النبوة قال: "وآدم بين الروح والجسد". رواه الترمذي وقال: حديث حسن.

ورويناه في جزء من أمالي أبي سهل القطان عن سهل بن صالح الهمداني، قال: سألت أبا جعفر محمد بن علي، كيف صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث؟ قال: إن الله تعالى لما أخذ الميثاق من بني آدم من ظهورهم ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم: ألست بربكم؟ كان محمد صلى الله عليه وسلم أول من قال: بلى، ولذلك صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء، وهو آخر من بعث.

فإن قلت: إن النبوة وصف ولا بد أن يكون الموصوف به موجودًا، وإنما يكون بعد بلوغ أربعين سنة مهمة أيضًا، فكيف يوصف به قبل وجوده وإرساله؟ أجاب العلامة الغزالي رحمه الله في كتابه "النفخ والتسوية" عن هذا، وعن قوله: كنت أول الأنبياء خلقًا وآخرهم بعثًا: بأن المراد بـ"الخلق" هنا: التقدير دون الإيجاد. فإن قيل إن ولدته أمه لم يكن موجودًا مخلوقًا، ولكن الغايات والكمالات سابقة في التقدير لاحقة في الوجود".

قال: وهو معنى قولهم: "أول الفكرة آخر العمل، أول الفكرة" وبيانه: أن المهندس المقدر للدار، أول ما يمثل في نفسه صورة الدار، فيحصل في تقديره دار كاملة، وآخرة ما يوجد من أعماله هي الدار الكاملة، فالدار الكاملة هي أول الأشياء في حقه تقديرًا، وآخرها وجودًا، لأن ما قبلها من ضرب اللبنات وبناء الحيطان، وتركيب الجذوع، وسيلة إلى غاية وكمال وهي الدار الكاملة، فالغاية هي الدار ولأجلها تقوم الآلات والأعمال.

ثم قال: وأما قوله عليه الصلاة والسلام: كنت نبيًا فإشارة إلى ما ذكرناه، وأنه كان نبيًا في التقدير قبل تمام خلقه آدم عليه الصلاة والسلام، لأنه لم ينشأ خلق آدم إلا لينتزع من ذريته محمد صلى الله عليه وسلم ويستصفى تدريجًا إلى أن يبلغ كمال الصفات".

"قال: ولا تفهم هذه الحقيقة إلا بأن يعلم أن للدار وجودين: وجودًا في ذهن المهندس ودماغه، والوجود الثاني أنه ينظر إلى صورة الدار خارج الذهن في الأعيان، والوجود الذهني سبب الوجود الخارج للعين، فهو سابق لا محالة۔ كذلك فاعلم أن الله تعالى يقدر ثم يوجد على وفق التقدير ثانيًا"، انتهى

وهو متعقب بقول الشيخ تقي الدين السبكي: "إنه قد جاء أن الله خلق الأرواح قبل الأجساد، فقد تكون الإشارة بقوله: كنت نبيًا إلى روحه الشريفة، أو إلى حقيقة من الحقائق، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها، وإنما يعلمها خالقها ومن أمده الله بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله كل حقيقة منها ما يشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله عليه وسلم قد تكون من حين خلق آدم آتاها الله ذلك الوصف، بأن يكون خلقها متهيئة لذلك، وأفاضه عليها من ذلك الوقت، فصار نبيًا، وكتب اسمه على العرش، وأخبر عنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده۔

فحقيقته موجودة من ذلك الوقت وإن تأخر جسده الشريف المتصف بها، واتصاف حقيقته بالأوصاف الشريفة المفاضة عليه من الحضرة الإلهية، وإنما يتأخر البعث والتبليغ وكل ما له من جهة الله ومن جهة أهل ذاته الشريفة وحقيقته معجل لا تأخر فيه, وكذلك استنباؤه وإيتاؤه الكتاب والحكم والنبوة، وإنما المتأخر تكونه وتنقله إلى أن ظهر صلى الله عليه وسلم۔

وقد علم من هذا: أن من فسره بعلم الله بأنه سيصير نبيًا لم يصل إلى هذا المعنى، لأن علم الله محيط بجميع الأشياء، ووصف النبي صلى الله عليه وسلم بالنبوة في ذلك الوقت ينبغي أن يفهم منه أنه أمر ثابت له في ذلك الوقت, ولو كان المراد بذلك مجرد العلم بما سيصير في المستقبل لم يكن له السلام خصوصية بأنه نبي وآدم بين الروح والجسد، لأن جميع الأنبياء يعلم الله تعالى نبوتهم في ذلك الوقت وقبله، فلا بد من خصوصية للنبي صلى الله عليه وسلم لأجلها أخبر بهذا الخبر إعلامًا لأمته ليعرفوا قدره عند الله تعالى۔ وعن الشعبي قال

رجل: يارسول الله، متى استنبئت؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد، حين أخذمني الميثاق"۔ رواه ابن سعد من رواية جابر الجعفي فيما ذكره ابن رجب۔

فهذا يدل على أنه من حين صور آدم طينًا استخرج منه محمد صلى الله عليه وسلم۔ ونبئ وأخذ منه الميثاق، ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى يخرج وقت خروجه الذي قدر الله خروجه فيه فهو أولهم خلقًا۔

لا يقال: يلزم خلق آدم قبله، لأن آدم كان حينئذ مواتًا لا روح فيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيًا حين استخرج ونبئ وأخذ منه الميثاق، فهو أول النبيين خلقًا وآخرهم بعثًا۔

فإن قلت إن استخراج ذرية آدم منه كان بعد نفخ الروح فيه، كما دل عليه أكثر الأحاديث، والذي تقرر هنا: أنه استخرج ونبئ وأخذ منه الميثاق قبل نفخ الروح في آدم عليه الصلاة والسلام۔

أجاب بعضهم: بأنه صلى الله عليه وسلم خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح، فإن محمدا صلى الله عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الإنساني، وهو عينه وخلاصته وواسطة عقده۔ والأحاديث السابقة صريحة في ذلك، والله أعلم۔

وروي عن علي بن أبي طالب أنه قال: لم يبعث الله تعالى نبيًا من آدم فمن بعده إلا أخذ عليه العهد في محمد صلى الله عليه وسلم لئن بعث، وهو حي، ليؤمنن به ولينصرنه، ويأخذ العهد بذلك على قومه۔

وهو مروي عن ابن عباس أيضًا, كما ذكره العماد بن كثير في تفسيره۔ وقيل: إن الله تعالى لما خلق نور نبينا محمد صلى الله عليه وسلم أمره أن ينظر إلى أنوار الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فغشيهم من نوره ما أنطقهم الله به وقالوا: يا ربنا، من غشينا نوره؟ فقال الله تعالى: هذا نور محمد بن عبد الله، إن آمنتم به جعلتكم أنبياء، قالوا: آمنا به وبنبوته فقال الله تعالى: أشهد عليكم؟ قالوا: نعم۔ فذلك قوله تعالى: {وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ} إلى قوله: {وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ}[آل عمران:81]۔

قال الشيخ تقي الدين السبكي: في هذه الآية الشريفة من التنويه بالنبي صلى الله عليه وسلم وتعظيم قدره العلي ما لا يخفى، وفيه مع ذلك: أنه على تقدير مجيئه في زمانهم يكون مرسلا إليهم، فتكون نبوته ورسالته عامة لجميع الخلق، من آدم إلى يوم القيامة، ويكون الأنبياء وأممهم كلهم من أمته، ويكون قوله: "وبعثت إلى الناس كافة"۔ لا يختص به الناس من زمانه إلى يوم القيامة، بل يتناول من قبلهم أيضًا۔ ويتبين بذلك معنى قوله صلى الله عليه وسلم: "كنت نبيًا وآدم بين الروح والجسد"۔

ثم قال: فإذا عرف هذا فالنبي صلى الله عليه وسلم نبي الأنبياء، ولهذا ظهر في الآخرة جميع الأنبياء تحت لوائه، وفي الدنيا كذلك ليلة الإسراء صلى بهم۔ ولو اتفق مجيئه في زمن آدم ونوح وإبراهيم وموسى وعيسى صلوات الله وسلامه عليهم وجب عليهم وعلى أممهم الإيمان به ونصرته۔ وبذلك أخذ الله عليهم الميثاق۔ انتهى وسيأتي إن شاء الله تعالى لذلك في المقصد السادس۔839

وظائف شهر ربيع الأول

المجلس الأول في ذكر مولد سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم۔..وظائف شهر ربيع الأول۔

ويشتمل على مجالس: المجلس الأول: في ذكر مولد سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم:

خرج الإمام أحمد من حديث العرباض بن سارية السلمي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته وسوف أنبئكم بتأويل ذلك: دعوة أبي إبراهيم وبشارة عيسى قومه ورؤيا أمي التي رأت أنه خرج منها نور أضاءت له قصور الشام وكذلك أمهات النبيين يرين" وخرجه الحاكم وقال: صحيح الإسناد وقد روي معناه من حديث أبي أمامة الباهلي ومن وجوه أخر مرسلة المقصود

---

839 (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ص ٨٠-٢٠ ج ١)

من هذا الحديث أن نبوة النبي صلى الله عليه وسلم كانت مذكورة معروفة من قبل أن يخلقه الله ويخرجه إلى دار الدنيا حيا وأن ذلك كان مكتوبا في أم الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم عليه السلام وفسر أم الكتاب باللوح المحفوظ وبالذكر في قوله تعالى: {يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ} [الرعد:39]۔ وعن ابن عباس رضي الله عنهما: أنه سأل كعبا عن أم الكتاب؟ فقال: علم الله ماهو خالق وما خلقه عاملون فقال لعلمه: كن كتابا فكان كتابا ولا ريب أن علم الله عز وجل قديم أزلي لم يزل عالما بما يحدثه من مخلوقاته ثم إنه تعالى كتب ذلك في كتاب عنده قبل خلق السموات والأرض كما قال تعالى: {مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ} [الحديد:22]۔

وفي صحيح البخاري عن عمران بن حصين رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "كان الله ولا شيء قبله وكان عرشه على الماء وكتب في الذكر كل شيء ثم خلق السموات والأرض"۔

وفي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن الله كتب مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض ومن جملة ما كتبه في هذا الذكر وهو أم الكتاب: أن محمدا خاتم النبيين۔

ومن حينئذ انتقلت المخلوقات من مرتبة العلم إلى مرتبة الكتابة وهو نوع من أنواع الوجود الخارجي ولهذا قال سعيد بن راشد سألت عطاء: هل كان النبي صلى الله عليه وسلم نبيا قبل أن يخلق؟ قال: قال: إي والله وقبل أن تخلق الدنيا بألفي عام خرجه أبو بكر الآجري في كتاب الشريعة وعطاء۔ الظاهر أنه۔ الخراساني وهذا إشارة إلى ما ذكرنا من كتابة نبوته صلى الله عليه وسلم في أم الكتاب عند تقدير المقادير وقوله صلى الله عليه وسلم في هذا الحديث: "إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته" ليس المراد به والله أعلم أنه حينئذ كتب في أم الكتاب ختمه للنبيين وإنما المراد الإخبار عن كون ذلك مكتوبا في أم الكتاب في تلك الحال قبل نفخ الروح في آدم وهو أول ما خلق من النوع الإنساني۔

وجاء في أحاديث أخر أنه في تلك الحال وجبت له النبوة وهذه مرتبة ثالثة وهي انتقاله من مرتبة العلم والكتابة إلى مرتبة الوجود العيني الخارجي فإنه صلى الله عليه وسلم استخرج حينئذ من ظهر آدم ونبيء فصارت نبوته موجودة في الخارج بعد كونها كانت مكتوبة مقدرة في أم الكتاب ففي حديث ميسرة الفجر قال: قلت يا رسول الله متى كنت نبيا؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد" خرجه الإمام أحمد والحاكم۔

قال الإمام أحمد في رواية منها: وبعضهم يرويه: متى كتبت نبيا؟ من الكتابة فإن صحت هذه الرواية حملت مع حديث العرباض بن سارية على وجوب نبوته وثبوتها وظهورها في الخارج فإن الكتابة إنما تستعمل فيما هو واجب: إما شرعا كقوله تعالى: {كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ} [البقرة: 183] أو قدرا كقوله تعالى: {كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي} [المجادلة: 21] وفي حديث أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنهم قالوا: يا رسول الله متى وجبت لک النبوة؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد" خرجه الترمذي وحسنه وفي نسخه صححه وخرجه الحاكم وروى ابن سعد من رواية جابر الجعفي عن الشعبي قال: قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم: متى استنبئت؟ قال: "وآدم بين الروح والجسد حيث أخذ مني الميثاق" وهذه الرواية تدل على أنه صلى الله عليه وسلم حينئذ استخرج من ظهر آدم ونبيء وأخذ ميثاقه فيحتمل أن يكون ذلک دليلا على أن استخراج ذرية آدم من ظهره وأخذ الميثاق منهم كان قبل نفخ الروح في آدم وقد روي هذا عن سلمان الفارسي وغيره من السلف ويستدل له أيضا بظاهر قوله تعالى: {وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ} صحيحه فيكون حينئذ من حين صور آدم طينا استخرج منه محمد صلى الله عليه وسلم ونبيء وأخذ منه الميثاق ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى خرج في وقت خروجه الذي قدر الله خروجه فيه ويشهد لذلک ما روي عن قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث" وفي رواية: "أول الناس في الخلق" خرجه ابن سعد وغيره وخرجه الطبراني من رواية قتادة عن الحسن عن أبي هريرة مرفوعا والمرسل أشبه وفي رواية عن قتادة مرسلة: ثم تلا: {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ

وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ} [الأحزاب: 7] فبدأ به قبل نوح الذي هو أول الرسل فمحمد صلى الله عليه وسلم أول الرسل خلقا وآخرهم بعثا فإنه استخرج من ظهر آدم لما صور ونبىء حينئذ وأخذ ميثاقه ثم أعيد إلى ظهره ولا يقال: فقد خلق آدم قبله لأن آدم حينئذ كان مواتا لا روح فيه ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيا حين استخرج ونبىء وأخذ ميثاقه فهو أول النبيين خلقا وآخرهم بعثا فهو خاتم النبيين باعتبار أن زمانه تأخر عنهم فهو: المقفى والعاقب الذي جاء عقب الأنبياء ويقفوهم قال تعالى: {مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} [الأحزاب:40]۔

وفي الصحيحين عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "مثلي ومثل الأنبياء كمثل رجل بنى دارا فأكملها وأحسنها إلا موضع لبنة فجعل الناس يدخلونها ويعجبون منها ويقولون لولا موضع اللبنة" زاد مسلم قال: "فجئت فختمت الأنبياء" وفيهما أيضا عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم معناه وفيه: "فجعل الناس يطوفون به ويقولون: هلا وضعت اللبنة؟ فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين"۔

وقد استدل الإمام أحمد بحديث العرباض بن سارية هذا على أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزل على التوحيد منذ نشأ ورد بذلک على من زعم غير ذلک بل قد يستدل بهذا الحديث على أنه صلى الله عليه وسلم ولد نبيا فإن نبوته وجبت له من حين أخذ الميثاق منه حين استخرج من صلب آدم فكان نبيا من حينئذ لكن كانت مدة خروجه إلى الدنيا متأخرة عن ذلک وذلک لا يمنع كونه نبيا قبل خروجه كمن يولى ولاية ويؤمر بالتصرف فيها في زمن مستقبل فحكم الولاية ثابت له من حين ولايته وإن كان تصرفه يتأخر إلى حين مجيء الوقت قال حنبل: قلت لأبي عبد الله يعني أحمد: من زعم أن النبي كان على دين قومه قبل أن يبعث؟ قال: هذا قول سوء ينبغي لصاحب هذه المقالة أن يحذر كلامه ولا يجالس قلت له: إن جارنا الناقد أبا العباس يقول هذه المقالة؟ قال: قاتله الله وأي شيء أبقى إذا زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان على دين قومه وهم يعبدون الأصنام قال الله تعالى حاكيا عن عيسى عليه السلام: {وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ} [الصف:6] قلت له: وزعم أن خديجة

كانت على ذلك حين تزوجها النبي صلى الله عليه وسلم في الجاهلية قال: أما خديجة فلا أقول شيئا قد كانت أول من آمن به من النساء ثم قال: ماذا يحدث الناس من الكلام!! هؤلاء أصحاب الكلام لم يفلح-سبحان الله-لهذا القول واحتج في ذلك بكلام لم أحفظه۔

وذكر أن أمه حين ولدت رأت نورا أضاء له قصور الشام أو ليس هذا عندما ولدت رأت هذا وقبل أن يبعث كان طاهرا مطهرا من الأوثان أو ليس كان لا يأكل لما ذبح على النصب ثم قال: "احذروا الكلام فإن أصحاب الكلام أمرهم لا يؤول إلى خير" خرجه أبو بكر عبد العزيز بن جعفر في كتاب السنة ومراد الإمام أحمد الإستدلال بتقدم البشارة بنبوته من الأنبياء الذين قبله وبما شوهد عند ولادته من الآيات على أنه كان نبيا من قبل خروجه إلى الدنيا وولادته وهذا هو الذي يدل عليه حديث العرباض بن سارية هذا فإنه صلى الله عليه وسلم ذكر فيه أن نبوته كانت حاصلة من حين آدم منجدلا في طينته والمراد بالمنجدل: الطريح الملقى على الأرض قبل نفخ الروح فيه ويقال للقتيل: إنه منجدل لذلك۔

ثم استدل صلى الله عليه وسلم على سبق ذكره والتنويه باسمه ونبوته وشرف قدره لخروجه إلى الدنيا بثلاث دلائل وهو مراده بقوله تعالى "وسأنبئكم بتأويل ذلك"۔[840]

الباب الثالث في تقدم نبوته صلى الله عليه وسلم على نفخ الروح في آدم صلى الله عليهما وسلم

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: «إن الله عز وجل كتب مقادير الخلق قبل أن يخلق السموات والأرض بخمسين ألف سنة وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْماءِ۔ رواه مسلم۔

زاد صاحب اللطائف: ومن جملة ما كتب في الذّكر وهو أمّ الكتاب: أن محمدا صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين۔

---

[840] (لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف ص ۹۹-۹۳)

وعن العرباض -بكسر العين المهملة- ابن سارية رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «إني عند الله في أم الكتاب لخاتم النبيين، وإنّ آدم لمنجدل في طينته.

رواه الإمام أحمد والحاكم وصححه.

قال الطيبي في شرح المشكاة: انجدل, مطاوع جدله إذا ألقاه على الأرض، وأصله الإلقاء على الجدالة- بفتح الجيم والدال المهملة- وهي الأرض الصّلبة وهذا على سبيل إنابة فعل مناب فعل، يعني لا يجوز إجزاء منجدل على أن تكون مطاوعا لجدل لما يلزم منه أن يكون آدم منفصلاً من الأرض الصلبة، بل هو ملقّى عليها. والطينة: الخلقة من قولهم: طانه الله على طينتك. والجارّ الذي هو «في» ليس بمتعلق بمنجدل، لما يلزم منه أن يكون آدم مظروفاً في طينته، إنما هو خبر ثان لأنّ، والواو وما بعدها في محل نصب على الحال من المكتوب، والمعنى: كتبت خاتم الأنبياء في الحال الذي آدم مطروح على الأرض حاصل في أثناء تخلّقه لمّا يفرغ من تصويره وإجراء الروح.

وقال الحافظ أبو الفرج ابن رجب رحمه الله تعالى في اللطائف: المقصود من هذا الحديث أن نبوة النبي صلى الله عليه وسلم كانت مذكورة معروفة من قبل أن يخلقه الله تعالى ويخرجه إلى دار الدنيا حيّاً، وأن ذلك كان مكتوباً في أم الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم صلى الله عليه وسلّم، وفسّر أمّ الكتاب باللّوح المحفوظ وبالذّكر في قوله تعالى: يَمْحُوا اللّٰهُ ما يَشاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ. وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أنه سأل عن أمّ الكتاب فقال: علم الله ما هو خالق وما خلقه عاملون، فقال لعلمه كن كتاباً. فكان كتاباً. ولا ريب أن علم الله تعالى قديم أزلي لم يزل عالماً بما يحدثه من خلقه، ثم إن الله تعالى كتب ذلك عنده في كتاب عنده قبل أن يخلق السماوات والأرض كما قال تعالى: ما أَصابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَها إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ.

وفي صحيح البخاري عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كان الله ولا شيء قبله، وكان عرشه على الماء، وكتب في الذكر كلّ شيء، ثم خلق السماوات والأرض.

وقوله في هذا الحديث:

إني عند الله في أم الكتاب ،ليس المراد به- والله أعلم- أنه حينئذ كتب في أم الكتاب ختمه للنبيين وإنما المراد الإخبار عن كون ذلک مكتوباً في أم الكتاب في ذلک الحال قبل نفخ الروح في آدم وهو أول ما خلق الله تعالى من النوع الإنساني۔

وجاء في أحاديث أخر أنه في تلک الحالة وجبت له صلى الله عليه وسلم النبوة۔ وهذه مرتبة ثالثة وهو انتقاله صلى الله عليه وسلم من رتبة العلم والكتابة إلى رتبة الوجود العيني الخارجي۔ فإنه صلى الله عليه وسلّم استخرج من ظهر آدم ونبئ فصارت نبوّته موجودة في الخارج بعد كونها كانت مكتوبة مقدرة في أم الكتاب۔

فعن ميسرة- بفتح الميم وسكون المثناة التحتية- الفجر- بفتح الفاء وسكون الجيم- رضي الله تعالى عنه قال: يارسول الله، متى كنت نبيا؟ قال: وآدم بين الروح والجسد۔

رواه الإمام أحمد والبخاري في تاريخه والحاكم وصححه۔

قال الإمام أحمد في رواية منها: وبعضهم يرويه متى كتبت من الكتابة؟ قال: «كتبت نبيا وآدم بين الروح والجسد»۔ رواه ابن عساكر

فتحمل هذه الرواية مع حديث العرباض السابق على وجوب نبوته صلى الله عليه وسلم وثبوتها وظهورها في الخارج، فإن الكتابة إنما تستعمل فيما هو واجب شرعاً كقوله تعالى: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيامُ أو قدراً كقوله تعالى: كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي۔

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قالوا يا رسول الله متى وجبت لک النبوة؟

قال: وآدم بين الروح والجسد۔

رواه الترمذي وحسنه۔

وعن الصّنابحيّ مرسلاً- وهو بضم الصاد المهملة وفتح النون وكسر الموحدة ومهملة- عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه قال: يارسول الله متى جعلت نبيا؟

قال: «وآدم بين الروح والجسد۔

رواه أبو نعيم

وروى الآجريّ في كتاب الشريعة، عن سعيد بن أبي راشد قال: سالت عطاء رحمه الله تعالى: هل كان النبي صلى الله عليه وسلم نبيّاً قبل أن يخلق الخلق؟ قال: إي والله وقبل أن تخلق الدنيا بألفي عام۔

قال الحافظ ابن رجب: عطاء هذا الظاهر انه الخراساني، وهذا إشارة إلى ما ذكرناه من كتابة نبوته صلى الله عليه وسلم في أمّ الكتاب عند تقدير المقادير۔ ويرحم الله القائل حيث قال:

سبقت نبوّته وآدم طينة... فله الفخار على جميع النّاس

سبحان من خصّ النبيّ محمّداً... بفضائل تتلى بغير قياس!

تنبيهان

الأول: ما اشتهر على الألسنة بلفظ:

كنت نبيا وآدم بين الماء والطين

قال ابن تيمية والزّركشي والشيخ وغيرهم من الحفّاظ: لا أصل له۔ وكذا:

كنت ولا آدم ولا ماء ولا طين۔ كنت نبيا

إلى روحه الشريفة أو إلى حقيقة من الحقائق، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها وإنما يعلمها خالقها ومن أمده الله تعالى بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله تعالى كل حقيقة منها ما يشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله عليه وسلم قد تكون من قبل خلق آدم آتاها الله ذلك الوصف بأن يكون خلقها مهيأة لذلك فأفاضه عليه من ذلك الوقت فصار نبيّاً وكتب اسمه على العرش وأخبر عنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده، فحقيقته موجودة في ذلك الوقت وإن تأخّر جسده الشريف المتّصف بها۔

واتصاف حقيقته بالأوصاف الشريفة المضافة عليه من الحضرة الإلهية إنما يتأخر البعث والتبليغ وكل ما له من جهة الله تعالى ومن جهة تأهل ذاته الشريفة صلى الله عليه وسلّم وحقيقته معجّل لا تأخر فيه، وكذا استنباؤه وإيتاؤه الحكم والنبوة، وإنما المتأخّر تكوّنه وتنقّله إلى أن ظهر صلى الله عليه وسلّم۔ انتهى ملخصا۔

وأثر كعب السابق أول الباب الأول يؤيد ما قاله۔

وقال بعض العارفين: لما خلق الله الأرواح المدبّرة للأجسام عند وجود حركة الفلك أول ما خلق الله الزمان بحركة، كان أول ما خلق روح محمد صلى الله عليه وسلم، ثم صدرت الأرواح عن الحركات الفلكية فكان لها وجود في عالم الغيب دون عالم الشهادة، وأعلمه بالنبوة وآدم لم يكن، كما قال: «بين الروح والجسد» فاقتضى قوله: كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد أن يكون حقيقة، فإنه لا يكون العدم بين أمرين موجودين لانحصاره، والمعدوم لا يوصف بالحصر في شيء، ثم انتهى الزمان إلى وجود جسمه صلى الله عليه وسلم وارتباط الروح به، فظهر سيدنا محمد صلى الله عليه وسلّم بكليته جسماً وروحاً، فكان له الحكم أولاً باطناً في جميع ما ظهر من الشرائع على يدي الأنبياء والرسل صلوات الله وسلامه عليهم، ثم صار له الحكم ظاهراً فنسخ كل شرع وإن كان الشرع واحداً وهو صاحب الشرع، فإنه قال: «كنت نبيّاً» ما قال: كنت إنساناً ولا كنت موجوداً، وليست النبوة إلا بالشرع المقرر من عند الله تعالى، فأخبر صلى الله عليه وسلم أنه صاحب النبوة قبل وجود الأنبياء في الدنيا۔

الباب الرابع في تقدم أخذ الميثاق عليه، زاده الله تعالى شرفاً وفضلاً لديه

روى ابن سعد عن الشعبي مرسلا قال: قال رجل: يا رسول الله متى استنبئت؟ قال: وآدم بين الروح والجسد حين أخذ منّي الميثاق۔

وروى أبو سهل القطّان في أماليه، عن سهل بن صالح الهمذانيّ، قال: سالت أبا جعفر محمد بن علي: كيف صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث؟ قال: إن الله لما اخذ من بني آدم من ظهورهم ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم: الست بربكم، كان محمد صلى الله عليه وسلم أول من قال بلى۔ ولذلک صار يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث۔

قال الحافظ ابن رجب في اللّطائف: وخبر الشعبي يدل على أنه من حين صوّر آدم طيناً استخرج وأخذ منه صلى الله عليه وسلّم ونبئ واخذ منه الميثاق، ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى يخرج وقت خروجه الذي قد رأيت خروجه فيه، فهو أولهم خلقاً، وآخرهم بعثاً، وهو آخر النبيّين باعتبار أن زمانه تأخّر عنهم۔

لا يقال: خلق آدم قبله، لأن آدم كان حينئذ هواء لا روح فيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيّاً حين استخرج ونبئ واخذ منه الميثاق، ولا يقال إن استخراج ذرية آدم منه كان بعد نفخ الروح فيه، كما دلّ عليه أكثر الأحاديث والذي تقرر أنه استخرج ونبّئ قبل نفخ الروح في آدم، لأنه صلى الله عليه وسلم خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح فيه فإن محمدا صلى الله عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الإنسانيّ، وهو عينه وخلاصته۔ ويستدل بخبر الشّعبي وغيره مما تقدم في الباب السابق على أنه صلى الله عليه وسلم ولد نبياً، فإنّ نبوّته وجبت له حين أخذ الميثاق حيث استخرج من صلب آدم فكان نبيّاً حينئذ، لكن كانت مدة خروجه إلى الدنيا متأخرة عن ذلك، وذلك لا يمنع كونه نبيّاً كمن تولى ولاية ويؤمر بالتصرف فيها في زمن مستقبل، فحكم الولاية ثابت له من حين ولايته، وإن كان تصرّفه يتأخّر إلى حين مجيء الوقت۔ والأحاديث السابقة في باب تقدم نبوته صلى الله عليه وسلم صريحة في ذلك۔ والله سبحانه وتعالى أعلم۔841

وسئل رسول الله ﷺ: متیٰ کنت نبیا؟ فقال: وآدم بین الروح والجسدُ

قوله: وآدم بين الروح والجسد:

قال الحافظ ابونعيم فی الدلائل: ففی هذاالحديث الفضيلة لرسول الله ﷺ ولما أوجبه اللہ له النبوة قبل تمام خلق آدم، قال: ويحتمل ان يكون هذاالايجاب هو ماأعلم اللہ ملائكته ماسبق فی علمه وقضائه من بعثته له فی آخر الزمان، نقله الحافظ ابن كثير فی تاريخه وقال هذاالكلام يوافق ماذكرناه ولله الحمدمن أنه اخباره عن التنويه بذكره فی الملأالأعلی، وأنه معروف بذلک بينهم بأنه خاتم النبيين وآدم لم ينفخ فيه الروح، لأن علم اللہ تعالیٰ بذلک سابق قبل خلق السماوات والأرض لامحالة، فلم يبق إلا هذاالذی ذكرناه من الإعلام به فی الملأالأعلی۔اه۔

وقال الشيخ تقی الدين رحمه اللہ تعالی فی كتابه ”التعظيم والمنة“: فی هذامن التنويه بالنبی ﷺ وتعظيم قدره العالی مالايخفی، وفيه مع ذلک أنه علی تقدير مجيئه فی زمانهم

841 (سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد ج ۱ ص ۸۴-۷۷)

يكون مرسلاًإليهم فتكون نبوته ورسالته عامة لجميع الخلق من زمن آدم إلى يوم القيامة ،وتكون الأنبياءوأممهم كلهم من امته ،ويكون قوله ﷺ:بعثت الى الناس كآفة ،لايختص به الناس من زمانه إلى يوم القيامة ،بل يتناول من قبلهم أيضاً،ويتبين بذلک معنى قوله ﷺ: كنت نبياًوآدم بين الروح والجسد،وأن من فسره بعلم الله بأنه سيصير نبياًلم يصل إلى هذاالمعنى،لأن علم الله محيط بجميع الاشياء،ووصف النبى ﷺ بالنبوة فى ذلک الوقت ينبغى أن يفهم منه أنه أمر ثابت له فى ذلک الوقت ،ولهذارأى آدم اسمه مكتوباعلى العرش :محمدرسول الله ،فلابدأن يكون ذلک معنى ثابتافى ذلک الوقت،قال:ولوكان المرادبذلک مجردالعلم بماسيصيرفى المستقبل لم يكن له خصوصية بأنه نبى وآدم بين الروح والجسد،لأن جميع الأنبياء يعلم الله نبوتهم فى ذلک الوقت وقبله فلابدمن خصوصية للنبى ﷺ لأجلها أخبر بهذا الخبر إعلاماًلأمته ليعرفواقدره عندالله تعالىٰ فيحصل لهم الخيربذلک۔اھ۔باختصار۔

وقال الشيخ الغزالى فى نفخ الروح :وأماقوله ﷺ:كنت نبياوآدم بين الماءوالطين،فإشارة إلى أنه كان نبيافى التقديرقبل تمام خلقه آدم،لأنه لم ينشاءخلق آدم إلالينتزع الصافى من ذريته،ولايزال يستصفى تدريجياًإلى أن يبلغ كمال الصفاءفيقبل الروح المحمدى ،قال :واماقوله:اناأول الانبياءخلقاوآخرهم بعثافالخلق ههناهوالتقديردون الايجاد،فانه قبل ان تلده امه لم يكن مخلوقاموجوداولكن الغايات والكمالات سابقة فى التقدير،لاحقة فى الوجود،وهومعناقوله:ومعنى قولهم اول الفكرة آخرالعمل ،بيانه :أن المهندس المقدرللدارأول مايتمثل صورته فى تقديره هى داركاملة ،وآخرمايوجدمن اثرمن اعماله هى الدارالكاملة ،والدارالكاملة اول الاشياءفى حق تقديرا،وآخرالاشياءوجودا۔اھ۔

وقال الحافظ ابن رجب فى اللطائف:المقصودمن هذاالحديث :ان نبوة النبى ﷺ كانت مذكورةمعروفةقبل ان يخلقه الله تعالىٰ ويخرجه الى الدارالدنياحياوان ذلک

کان مکتوبافی ام الکتاب من قبل نفخ الروح فی آدم صلی اللہ علیہماو سلم، نقلہ الصالحی فی سبل الھدیٰ۔

وقال الطیبی فی شرح المشکوۃ: المعنی کتبت خاتم الانبیاءفی الحال الذی آدم علیہ السلام مطروح علی الارض، حاصل فی أثناءالخلقۃ لمایفرغ من تصویرہ واجراءالروح فیہ۔842

الحقیقۃالمحمدیۃﷺ

المقصدالاول: اعلم یاذاالعقل السلیم، المتصف باوصاف الکمال والتتمیم وفقنی اللہ وایاک بالھدایۃ الی الصراط المستقیم انہ لماتعلقت ارادۃ الحق تعالیٰ بإیجادخلقہ ،وتقدیررزقہ،ابرزالحقیقۃ المحمدیۃ (ﷺ)من الانوارالصمدیۃ،فی الحضرۃ الاحدیۃ،ثم سلخ منہاالعوالم کلھا،علوھاوسفلھا،علی صورۃ حکمہ، کماسبق فی سابق ارادتہ وعلمہ،ثم اعلمہ تعالیٰ بنبوتہ،وبشرہ برسالتہ،ھذاوآدم لم یکن الا کماقالﷺ بین الروح والجسدثم ان بجست منہ ﷺ عیون الارواح فظھربالملأالأعلیٰ، وھو بالمنظر الأجل ،فکان لھم الموردالاحلی فھوﷺ، الجنس العالی علی جمیع الاجناس، والأب الاکبرلجمیع الموجودات والناس، ولماانتھی الزمان بالاسم الباطن فی حقہ ﷺإلی وجودجسمہ، وارتباط الروح بہ انتقل حکم الزمان إلی الاسم الظاھر فظھر محمد ﷺ بکلیتہ جسماوروحاً، فھوﷺوإن تأخرت طینتہ، عرفت قیمتہ، فھوخزانۃالسر، وموضع نفوذالأمر، فلاینفذأمرإلامنہ۔843

ومن جواھرالامام القسطلانی ایضاًفضائلہﷺ: قولہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی المقصد الرابع ایضاً:اعلم نوراللہ قلبی وقلبک وقدس سری وسرک إن اللہ تعالیٰ قدخص نبیناﷺبأشیاءلم یعطھالنبی قبلہ ،وماخص نبی بشئ إلاوکان لسیدنامحمدﷺ مثلہ فإنہ أوتی جوامع الکلم ،وکان نبیاًوآدم بین الروح والجسدوغیرہ من الانبیاء،لم یکن

842(مناحل الشفاومناھل الصفابتحقیق کتاب شرف المصطفیﷺ ج ۱ ص ۲۹۱-۲۹۰)

843(جواھرالبحارج ۲ص ۶-۵)

نبیاإلافی حال نبوته وزمان رسالته، ولماأعطی هذه المنزلة علمنا إنه ﷺ الممد لكل إنسان كامل مبعوث، ویرحم الله الأدیب شرف الدین البوصیری فلقد احسن حیث قال:

وكل ای اتی الرسل الكرام بها　　فإنما اتصلت من نوره بهم

فإنه شمس فضل هم كواكبها　　یظهرن أنوارها للناس فی الظلم[844]

فان قلت فمامعنی قوله ﷺ كنت نبیا وآدم بین الماء والطین؟ والنبی هو المخبر عن الله، وكیف صح اخباره ﷺ قبل أن یخلق؟ وقبل وجود من یخبرهم؟

فالجواب: كماقاله الشیخ فی الباب الخامس وثلاث مائة من الفتوحات، معناه أن رسول الله ﷺ كان یعرف ذاته بذاته بإذن الله فی غیر مجلی قبل أخذ المیثاق، وهو الحال التی التعریف فی ذلک الحال۔ فإن النشأة الإنسانیة كانت مبثوثة فی العناصر ومراتبها إلی حین وجودها، لكن من الناس من أعطی فی ذلک الموطن شهود نفسه، ومرتبته إماعلی غایاتها بكمالها، وإما بأن یشهد صورة مامن صوره، وهی عین تلک المرتبة التی له فی الدنیا، فیعلمها لیحكم علی نفسه بها، وهنا شاهد ﷺ نبوته، ولاندری هل شهد صور جمیع أحواله أم لا، قال تعالیٰ: وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (فصلت: ۱۲ ۱ ۱) فمامن فلک من الافلاک التسعة إلا وللانسان صورة فیه، فیحفظها ذلک الفلک إلی وصول وقتها، فوجودها كوجود الصورة الواحدة فی المرائی الكثیرة المختلفة الأشكال من طول وعرض، واستقامة وتعویج، واستدارة وتربیع، وتثلیث، وصغر وكبر، فتختلف صورا لأشكال باختلاف المجلی، والعین واحدة فلذلک قلنا أنه ﷺ كان یعرف ذاته بذاته من غیر مجلی بإذن تعالیٰ، وإذا كان بهذه المثابة لم تؤثر فیه المراتب إذا نالها قال ﷺ وهو فی المرتبة العلیا: "أناسید ولد آدم ولافخر" فلتحكم فیه المرتبة، وقال فی وقت آخر وهو فی مرتبة الرسالة والخلافة: "انماانابشر مثلكم"

فلم تحجبه المرتبة عن معرفة نشأته، وسبب ذلک أنه رأی لطیفة ناظرة إلی مركبها العنصری وهو متبدد فیها، فشاهد ذاته العنصریة، فعلم أنها تحت قوة الأفلاک

---

[844] (جواهرالبحار ج۲ ص ۱۲)

العلوية،ورأى المشاركة بينهاوبين سائر الخلق الأناسى والحيوان والنبات والمعدن ، فلم يرلنفسه من حيث نشأته العنصرية فضلاًعلى أحدممن تولدعنها،بل رأى نفسه مثلاًلهم ورآهم أمثالاًله فقال : "انما انا بشر مثلكم"وكان يتعوذمن الجوع،فماافترق عناإلابقوله يوحى إلى،فقدعرفت معنى قوله ﷺ:كنت نبياوآدم بين الماء والطين، وإن هذاالقول إنماكان بلسانک تلک الصورةالتى هوفيهاماهومعدودمن صورتلک المراتب فترجم لنافى هذه الدارعن تلک الصورة۔

فإن قلت :فهل أعطى أحدالنبوة وآدم بين الماءوالطين غيرمحمدﷺ؟فالجواب لم يبلغناأن أحداأعطى ذلک،إنماكانو اأنبياءأيام رسالتهم المحسوسة۔

فإن قلت:فلم قال كنت نبياوآدم بين الماءوالطين،ولم يقل كنت إنساناً،أوكنت موجوداً؟

فالجواب:إنماخص النبوة بالذكردون غيرها،إشارة إلى أنه اعطى النبوة قبل جميع الانبياء،فإن النبوةلاتكون إلا بمعرفةالشرع المقدرعليه من عندالله تعالىٰ۔

فإن قلت :فمامعنىٰ قولهم إنه ﷺأول خلق الله؟هل المرادبه خلق مخصوص أوالمرادبه الخلق على الاطلاق؟

فالجواب: كماقاله الشيخ فى الباب السادس:إن المرادبه خلق مخصوص وذلک أن أول ماخلق الله الهباء،وأول ماظهرفيه حقيقةمحمدﷺقبل سائر الحقائق۔

وإيضاح ذلک:أن الله تبارک وتعالىٰ لماأرادبدءظهورالعالم على حدماسبق فى علمه انفعل العالم عن تلک الإرادة المقدسة بضرب من تجليات لتزيه إلى الحقيقة الكلية،فحدث الهباء،وهوبمنزلة طرح البناءالجص ليفتتح فيه من الأشكال والصورماشاء،وهذاهواول موجودفى العالم ،ثم إنه تعالىٰ تجلى بنوره إلى ذلک الهباءوالعالم كله فيه بالقوة ،فقبل منه كل شئى فى ذلک الهباءعلى حسب قربة من النور،كقبول زواياالبيت نورالسراج،فعلى حسب قربة من ذلک النوريشتدضوءه

وقبوله،ولم يكن أحدأقرب إليه من حقيقة محمدﷺفكان أقرب قبولاًمن جميع مافي ذلك الهباء،فكانﷺمبدأظهور العالم وأول موجود۔

ثم قال:فعلم كماقاله الشيخ محي الدين في الفتوحات،إن مستمدجميع الأنبياءوالمرسلين من روح محمدﷺ، إذهوقطب الأقطاب،فهوممدلجميع الناس اولاوآخرا،فهوممدكل نبي وولي سابق على ظهوره حال كونه في الغيب، وممدأيضاًلكل ولي لاحق به،فيوصله بذلك الإمدادإلى مرتبة كماله في حال كونه موجوداًفي عالم الشهادة وفي حال كونه متنقلاًإلى الغيب الذي هوالبرزخ والدارالآخرة،فإن انواررسالته ﷺغير منقطعةعن العالم من المتقدمين والمتأخرين۔

فإن قلت:قدوردفي الحديث:"اول ماخلق الله نوري"وفي رواية"أول ماخلق الله العقل"فماالجامع بينهما؟

فالجواب:إن معناهماواحد،لأن حقيقةمحمدﷺتارةيعبر عنهابالعقل الاول وتارة بالنور۔845

(كنت نبياً) في عالم الغيب لا يقال إن أريد التقدير فغيره من الأنبياء كذلك وإن أريد البعثةفماهي مرادهضرورةلأنانقول يجب الإيمان بماأخبر به-صلى الله عليه وسلم-من غير تفتيش عن الكيفيةالتي كان عليها،وقيل:المرادأنه تعالى أخبره بمرتبته وهوروح قبل إيجاد الأجسام الإنسانيةكماأخذالميثاق علي بني آدم قبل إيجادأجسامهم ذكره ابن العربي:846

اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا سب کچھ حضور ﷺ کیلئے پیدا ہوا

جیساکہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

---

845 (جواهر البحار ج۲ ص ۵۲-۵۴)

846 (التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ ج۸ ص ۲۴۲)

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

محدث خیر الامم امیر المومنین خلیفۃ المسلمین غیظ المنافقین مراد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ،تاجدار عدالت حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم رسول محتشم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ا ۔لما اقترف آدم الخطیئۃ، فقال یارب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی۔

جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرض کیا اے رب کریم میں تجھ سے محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما اس پر اللہ تعالیٰ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تو نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو کیسے پہچانا ابھی تک تو ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی آدم علیہ السلام نے عرض کیا مولا جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ستون پر لکھا ہوا دیکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔پس میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اس کا نام ہو سکتا ہے جو تجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہے۔وقال اللہ تعالیٰ صدقت یاآدم ۔اللہ کریم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام تو نے سچ کہا کہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا وہی محبوب ہے۔اب جب کہ تو نے اس کے وسیلے سے دعا کی ہے تو فقد غفرت لک۔پس تحقیق میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے۔اور(سن

لو) **ولولا محمد ما خلقتک** اور اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔[847]

---

[847] (مستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۸، تفسیر روح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، تفسیر درمنثور تحت الآیۃ سورۃ البقرۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشن لاہور، ھکذافی تفسیر روح المعانی، المعجم الاوسط من اسمہ محمد ج ۵ ص ۳۶ رقم الحدیث ۶۵۰۲ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۱۳ھ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد کتاب علامات النبوۃ باب عظیم قدرہ ج ۸ ص ۳۲۳ رقم الحدیث ۱۳۹۱۷ دارالکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الفضائل سیدنا محمد ﷺ ج ۱۱ ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۳۲۱۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، تاریخ دمشق الکبیر ذکر من اسمہ ادریس ج ۷ ص ۳۰۹ رقم الحدیث ۱۹۷۸ دارالاحیاء التراث العربی بیروت، تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۶۰ دارالمسیرۃ بیروت لبنان، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ الباب الثالث الفصل الاول فبینما ور دمن ذکر مکانتہ ج ۱ ص ۱۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیتہ ﷺ بکتابۃ اسمہ ج ۱ ص ۱۲ دارالکتب العلمیہ بیروت، الریاض الانیقۃ فی شرح اسماء خیر الخلیقۃ ص ۵۴ شبیر برادرز لاہور پاکستان، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض الباب الثالث فصل فی تعظیم النبی ﷺ وتوقیرہ وجلالہ ج ۴ ص ۴۸۶ دار العلمیہ بیروت لبنان ۱۰۰۲ء، دلائل النبوۃ ومعرفۃ الاحوال صاحب الشریعۃ ج ۵ ص ۴۸۹ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۸ھ، جامع الآثار فی مولد النبی المختار ﷺ ج ۱ ص ۳۹۱ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۲۰۰۹ء، تفسیر الروح البیان تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، تفسیر درمنثور تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۱۶۰ ضیاء القرآن پبلی کیشن لاہور، تفسیر روح المعانی تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ج ۱ ص ۳۲۰ مکتبۃ رشیدیۃ کوئٹہ پاکستان، تفسیر فتح العزیز تحت سورۃ البقرۃ الآیۃ ۳۷ ص ۳۷۴ نوریۃ رضویہ پبلی کیشنز لاہور، المواھب اللدنیۃ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۵۲ فریدبک اسٹال لاہور پاکستان، المواھب اللدنیہ المقصد العاشر فصل فی زیارۃ قبرہ الشریف ج ۳ ص ۶۲۰ فریدبک اسٹال لاہور پاکستان، مصابیح السیرۃ المحمدیۃ ج ۱۲ ص ۲۲۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء، الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ الباب الاول ج ۱ ص ۳۳ مکتبۃ نوریۃ رضویۃ فیصل آباد پاکستان، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۳۱ دارالفکر بیروت لبنان، انسان العیون فی سیرۃ امین المامون باب ماجاء من امر رسول اللہ عن اخبار الیھود ج ۱ ص ۳۱۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جامع ابواب التوسل الباب الثانی ج ۱۲ ص ۴۰۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۲۷۷ کبر بک سیلرز لاہور پاکستان، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ الباب الثامن الفصل الاول ج ۴ ص ۱۹۳ مکتبۃ الحقانیۃ پشاور پاکستان، جواھر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم ص ۲۱۲ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور پاکستان، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۱۸۹ ادارہ مصباح القرآن ساھیوال پاکستان، الفتاویٰ الحدیثیہ مطلب فی ان الادلۃ المعتبرۃ قامت علی تفصیل نبیناص ۳۳۲ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین ص ۲۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۱۹-۴۶۵ نوریۃ رضویۃ پبلی کیشنز لاہور، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ من جواھر شیخ اسماعیل حقی ج ۲ ص ۲۹۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، مولد رسول اللہ ﷺ ص ۱۹ مرکز تحقیقات اسلامیۃ لاہور پاکستان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ص ۸۶ ج ۳۲ جواھر البحار فی فضائل النبی المختار من جواھر ابن حجر ج ۲ ص ۱۳۷، حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزاۃ الباب الثانی الفصل الثالث القسم الرابع ص ۵۷۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت، الانوار المحمدیۃ من المواھب المواھب اللدنیہ المقصد الاول

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو:

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے پاک پیغمبر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ **یعیسیٰ !آمن بمحمدوأمر من ادرکه من امتک أن یؤمنوا به.....** یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام !تم بھی ایمان لاؤ محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اور امت کو بھی حکم دو جو بھی ان کا زمانہ پائے تو ضرور ان پر ایمان لائے....

فلولا محمدﷺ ماخلقت آدم ..... اگر سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو بھی پیدا نہ کرتا۔

ولولا محمدﷺ ماخلقت الجنة ولاالنار.... اور اگر سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ۔

ص ۱۴ حقیقت کتابوی ترکی استنبول ۲۰۱۱ء،جواهرالبحارفی فضائل النبی المختارﷺ ج۴ص۴۷من جواهرالسمودی دارالکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۸ء،مصباح الظلام باب ماجآء فی استغاثة سیدناآدم ابی البشر باالنبیﷺص ۶۰ مکتبة قادریة لاهورپاکستان، شواهد الحق فی استغاثة بسید الخلق ص۲۱۷ حامداینڈکمپنی لاهورپاکستان،شفاءالنوادبزیارة خیرالعبادص ۲۸۲ کاروان اسلام پبلی کیشنزلاهورپاکستان،السیرة النبویة للدحلان مکی ج ۱ص۱۵ ضیاءالقرآن پبلی کیشنزلاهورپاکستان،(یهی حدیث شریف دیوبندیوں اورغیرمقلدین کی درج ذیل کتابوں میں موجودهے۔)شیخ ابن تیمیه کتاب الوسیلة ص ۹۰ اسلامی اکیڈمی لاهور،شیخ اشرف علی تهانوی نشرالطیب ص ۱۳ تاج کمپنی لمیٹڈلاهور،شیخ زکریاکاندهلوی فضائل درودشریف ص ۱۵۶ کتب خانه اشرف کراچی پاکستان،شیخ عنایت شاه باغ جنت ص ۳۶۱ مکتبة الحسن لاهور،مفتی حبیب دیوبندی تحقیق مسئله توسل ص۶۸ سرگودهاپاکستان،عابدمیاں رحمة اللعلمین ص۳۹۷،۱۵۹،۱۳۶،۹۲ محمددین اینڈسنز کراچی پاکستان،هدیةالمهدی ص ۴۸ چشتی کتب خانه فیصل آباد)

ولقدخلقت العرش علی المآءفاضطرب فکتبت لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ فسکن..... اورجب میں نے عرش کوپانی پرپیدا کیاتومضطرب ہواتومیں نے اس پر **لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ** لکھاتووہ ٹھہر گیا۔[848]

نہ جنت ہوتی نہ دوزخ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماسے روایت ہے کہ حضور شہنشاہ حسینان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: **اتانی جبریل فقال یامحمدﷺ لولاک لماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار۔** جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ نہ ہوتے تونہ جنت کوپیدا کیاجاتااورنہ دوزخ کو۔[849]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث قدسی مروی ہے کہ حضور جان کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: **یقول اللہ عزوجل وعزتی وجلالی لولاک**

---

[848] (مستدرک علی الصحیحین کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاءباب ذکرسیدالمرسلین ج۲ص۶۷۲رقم الحدیث ۴۲۲۷دارالکتب العلمیہ لبنان،مصابیح السیرة المحمدیة ج۱ ص۸۶دارالکتب العلمیہ بیروت،کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب باب خصوصیبته ﷺ ج۱ ص۱۴ دارالکتب العلمیہ لبنان،حاشیہ شہزادہ علی الخرپوتی ص۱۷نورمحمداصح المطابع کراچی،الوفاءباحوال المصطفیٰ ﷺباب الاول ص۴۸حامداینڈکمپنی لاہورپاکستان،تفسیرروح البیان ج۶ص۲۰الفتاویٰ الشہاب الدین الرملی ص۲۹۴سورة الفرقان الآیة دارالکتب العلمیة بیروت،شواھدالحق فی الاستغاثة فی سید الخلق ﷺص۲۶۵ حامداینڈکمپنی لاہورپاکستان،الفتاویٰ الحدیثیة مطلب فی ان الادلة المعترة ص۳۳۲دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،اس حدیث شریف کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں۔ھذاحدیث صحیح الاسنادیعنی اس حدیث کی سندصحیح ھے۔)

[849] (الاسرارالمرفوعة فی اخبارالموضوعة ص۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی،کنزالعمال کتاب فضائل نبینامحمدﷺ ج۱۱ ص۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔مصابیح السیرة المحمدیة ج۱ ص۸۶دارالکتب العلمیةبیروت لبنان)

ماخلقت الجنۃ ولو لاماخلقت الدنیا......... یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو پیدا کرتا۔[850]

یہاں ہم قارئین کی ضیافت طبع اور حدیث شریف کی وضاحت کیلئے مناظر اہلسنت، منبع علم وحکمت، عالم باعمل، شیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد عنایت اللہ قادری رضوی حامدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ درج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو نہ جنت ہوتی اور نہ دوزخ۔ ارے جنت جنت کرنے والو! جنت بھی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صدقے میں بنی ہے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس طرح کوئی اپنے محبوب کے سر کا صدقہ دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق اپنے محبوب وحبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سر کا صدقہ بنادی۔ (اپنی مخلوق کیلئے)۔

نہ زمین وآسمان ہوتے:

الامام، المحدث، سیف الدین ابی جعفر ابن طغربک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **الدر النظیم فی مولدالنبی الکریم** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو الہام فرمایا کہ وہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوں۔ **یارب لم کنیتنی ابامحمد۔** یعنی اے میرے رب عزوجل! میری کنیت ابو محمد کیوں ہے؟ **قال اللہ تعالیٰ: یاآدم ارفع رأسک......** اللہ کریم جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھاؤ....

---

[850] (مسندالفردوس، بماثور الخطاب، باب الیاء، ج۵، ص۲۲۷، رقم الحدیث ۸۰۳۱ دارالکتب العلمیہ بیروت، الاسرارالمرفوعہ فی اخبارالموضوعۃ رقم الحدیث ۷۵۵ ص۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان، سبل الھدیٰ والرشادفی سیرۃ خیرالعباد ج۱ ص۷۵ الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

فرفع رأسه فرای نورمحمدعلی سرادق العرش.....پس انہوں نے سر اٹھایاتو دیکھا کہ نور محمد عرش کے ارد گرد چھایاہوا ہے۔ فقال یارب ماهذاالنور؟ عرض کیا یااللہ یہ نور کیسا ہے؟ قال هذا نور نبی من ذریتک اسمه فی السماء احمد و فی الارض محمد.... ارشاد ہوا کہ یہ نوراس نبی کاہے جو تیری اولاد میں سے ہو گااس کانام آسمانوں میں احمد ہو گااور زمین میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ لولاه ماخلقتک ولاخلقت سماءولاارضا.....

اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین وآسمان کو پیدا کرتا۔[851]

نہ جن ہوتے نہ فرشتے:

علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ لولاک ماخلقت سمآء ولا ارضاًولاجناولاملکا۔ اے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ زمین کو جنات کو اور نہ ہی فرشتوں کو پیدا فرماتا۔[852]

نہ عرش ہوتا نہ کرسی نہ لوح وقلم:

علامہ شیخ محمد المغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ فبینماآدم یسیر فی الجنة ۔ آدم علیہ السلام جنت میں سیر کر رہے تھے کہ (کیا دیکھا)

---

[851] (مواهب اللدنیه مع زرقانی باب فی تشریف اللہ تعالیٰ ،ج ا ص ۸۵-۸۶دارالکتب العلمیه بیروت لبنان، الانوارالمحمدیة من المواهب اللدنیه المقصدالاول فی تشریف اللہ تعالیٰ...ص ۱۳-۱۲ حقیقت کتابوی ترکی،جواهر البحار فی فضائل النبی المختار،من جواهر سیدعبداللہ مرغنی،ج۴ص ۱۲۱ دارالکتب العلمیه بیروت استنبول)

[852] (الاسرارالمرفوعة فی اخبارالموضوعة ص۱۹۴ قدیمی کتب خانه کراچی،کنزالعمال کتاب فضائل نبینامحمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱۱ ص۱۹۴ رقم الحدیث ۳۲۰۲۲دارالکتب العلمیه بیروت لبنان۔مصابیح السیرة المحمدیة ج ا ص ۸۶دارالکتب العلمیة بیروت لبنان)

اذرای نور سیدنامحمدفی سرادق العرش ۔ انہوں نے دیکھا کہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عرش کے کناروں **پر واسمه مکتوباعلیه ومقرونا باسم الرب جل جلاله** اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کانام نامی اسم گرامی عرش پر لکھاہے اوروہ بھی رب تعالیٰ جل جلالہ کے نام مبارک کے ساتھ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا **یارب من هذاالذی قرن اسمه باسمک** اے میرے رب عزوجل یہ کون ہے جس کانام تیرے نام کے ساتھ لکھاہے **قال هذانبی من ذریتک اسمه فی السماءاحمدوفی الارض محمد (ﷺ)**۔ارشادہوا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی ہیں جن کانام آسمانوں پر احمد اورزمین پر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)ہے۔**فلولاہ ماخلقتک ولاخلقت عرشاولاکرسیاولالوحاولاقلماولاسماءلاارضاولاجنة ولانارااولادنیاولااخری**۔اے آدم !اگر یہ نہ ہوتے تومیں نہ تجھے پیداکرتااورنہ عرش وکرسی کوپیداکرتانہ لوح وقلم کوپیداکرتانہ زمین وآسمان کوپیداکرتانہ جنت ودوزخ کوپیداکرتااورنہ دنیاکوپیداکرتااورنہ آخرت کوپیداکرتا...[853]

معلوم ہوا کہ ساری کائنات رب کائنات نے اپنے محبوب علیہ السلام کی محبت ووجاہت وعزت کی خاطرپیدافرمائی۔کیاخوب قلم اٹھایابریلی کے تاجدارعلیہ رحمۃ الغفاروالستارنے۔

زمین وزماں تمہارے لئے ،مکین ومکاں تمہارے لئے چنین وچناں
تمہارے لئے ،بنے دوجہاں تمہارے لئے

وہ کنزنہاں یہ نورفشاں وہ کن سے عیاں یہ بزم فکاں یہ تن وجاں یہ باغ جناں یہ
ساراساماں تمہارے لئے

[853](کاروان قمرجنوری ۲۰۱۶ ص ۳۱،جواھرالبحارفی فضائل النبی المختارﷺ ج۳ص۳۷۷دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

یہ شمس و قمر یہ شام و سحر یہ برگ و شجر یہ باغ و ثمر   یہ تیغ و سپر یہ تاج و کمر یہ حکم رواں تمہارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی نہیں خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے [854]

نہ سورج ہوتا نہ چاند:

ایک روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چاند نہ ہوتا تو آسمان کا چاند بھی نہ ہوتا اور اگر یہ نبوت ورسالت کا سورج طلوع نہ ہوتا تو آسمانوں کا سورج بھی نہ ہوتا۔ اگر یہ نور ہے آفتاب کا تو صدقہ اسی عالی جناب کا اگر وجود کا ماہتاب کا تو بھی وسیلہ ہے رسالت مآب کا، پڑھیئے علامہ نبہانی علیہ رحمۃ الوہاب کا: ولاالطول ولاالعرض ...اور نہ لمبائی کو نہ چوڑائی کو ولاوضع ثواب ولاعقاب.....اور نہ ثواب، عذاب کا تقرر ہوتا ولاخلقت جنة ولانارا....اور نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ دوزخ کو پیدا۔ ولاشمسا ولاقمرا ....اور نہ سورج کو پیدا کرتا اور نہ چاند کو پیدا کرتا۔ [855]

وجہِ تخلیق کائنات:

صحابیٔ رسول حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور جانِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

[854] (حدائق بخشش حصہ دوم ص ۷۳-۷۲ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

[855] (جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ج ۲ ص ۲۶۴ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، من جواھر ابن حجر ج ۲ ص ۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت)

کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کو اپنا حبیب بنایا ہے، میری مخلوق میں آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی بھی عزت والا نہیں ۔ **ولقد خلقت الدنيا و أهلها لأعرفهم كرامتك ومنزلتك عندي** ۔یعنی میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا کہ ان کو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کے مقام و مرتبہ کی پہچان کراؤں اور بتاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مرتبہ اور مقام ہے۔**ولولاک ماخلقت الدنيا**۔اور اگر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[856]

کونین بنائے گئے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خاطر:

مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی لکھتے ہیں کہ: خالق مصطفیٰ جل وعلا نے اپنے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ارشاد فرمایا: **لولاک یامحمدماخلقت الکائنات**...یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔[857]

دوسرے الفاظ یوں ہیں: **لولاک لماخلقت الافلاک**..... محبوب پیارے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)! اگر تو نہ ہوتا میں ہفت افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا۔[858]

---

[856] (تاریخ دمشق الکبیرج۲ص۲۳۶دارالفکربیروت/تهذیب تاریخ دمشق ج۱ص۳۲۳دارالمهره، سبل الهدیٰ والرشادج۱ص۷۵دارالکتب العلمیه، المواهب اللدنیه ج۱ص۵۳مقصدالاول فی تشریف الله تعالیٰ...فریدبک سٹال لاهور،مصابیح السیرة المحمدیة ص۱۲۰-۱۲۱دارالکتب العلمیه بیروت لبنان،مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص۲۶۵نوریه رضویه پبلی کیشنزلاهور،جواهرالبحارفی فضائل النبی المختارﷺج۲ص۲۶۹دارالکتب العلمیه بیروت لبنان،الانوارالمحمدیةمن المواهب اللدنیهالمقصدالاول ص۱۵-۱۴حقیقت کتابوی ترکی استنبول)

[857] (جواهرالبحارج۲ص۳۱۳دارالکتب العلمیهبیروت،تفسیرروح البیان ج۶ص۲۰۲دارالکتب العلمیهبیروت لبنان)

[858] ملاعلي قاري(١٠١٤هـ)،الأسرار المرفوعة٢٨٨•

نوٹ: دیوبندی علماء کی بھی ایک کثیر تعداد نے حدیث لولاک یعنی مندرجہ بالا حدیث لکھی ہے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔[859]

حضرت شیخ الحدیث محمدنصر اللہ خان نور اللہ مرقدہ جعل الجنۃ مثواہ بحرمۃ سیدالانبیاء والمرسلین مقدمہ عیدمیلادالنبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ اسعدک اللہ تعالیٰ بدانکہ آن صاحب تاج لولاک سیدالارض والافلاک ومافیھن شہنشاہ کونین سروردارین وہ ذات ہے جو ہر ذات سے برتر۔ اس کی ہر ہر صفت کونین کی تمام صفات سے اعلیٰ اور ہر عیب و شین سے منزہ ومبراء ہے کائنات کے کل فضائل اعلیٰ وکمالات بالا کا منبع وسرچشمہ ساری خدائی کا مرجع ومنشاء ہے ہر زین سے مزین وپیراستہ اور تمام اخلاق جمیلہ سے آراستہ وشائستہ ہے آپ ہی وہ انسان کامل ہیں جس کو خالق عالم اپنی جمال ذات واپنی تمام صفات جلال وجمال کا مظہر اتم بلکہ شفاف آئینۂ انجم گردانا ہے۔ پوری خدائی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی کی خاطر ہستی پر ظاہر فرمادیا ہے۔ پس فیض وہدایت عرفان ودلالت میں ہر ایک شئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی محتاج رہی کہ خالق عالم نے جس کو جو بھی عطا کیا یا جو بھی جس سے لے لیا یہ سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی کیلئے کیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے نبیوں کو نبوت ملی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی

---

[859] (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲ ص ۱۳۴ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی پاکستان، الشھاب الثاقب ص ۴۷ کتب خانہ رحیمیہ یوبندسھارن پوربھارت، براھین القاطعہ افادات شاہ عبدالغنی پھولی نوری مرتب حکیم محمداختر ص ۱۱۰ کتب خانہ مظھری کراچی، صدائے محراب ج ۱ ص ۳۳۴ ادارہ تالیفات ختم نبوت لاھور، ۲۳ نکات میلادالنبی ص ۱۳۵ ادارۃ نشریات اھلسنۃ جامعہ ابی صدیق عمرکالونی کبیروالا، شرف المصطفیٰ ص ۲۳ شعبہ نشرواشاعت مجلس صیانۃمسلمین ھارون آباد بھاولنگر، تقاریر اسعدمحمودمکی ص ۱ مرکزالشیخ زکریافیصل آباد، مضامین ومقالات عبدالحکیم سکھروی ص ۳۴۲ ادارۃ المعارف کراچی، احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۸۴ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، باادب بانصیب ص ۳۷ مکتبہ الفقیر فیصل آباد، فضل الرحمٰن دھرم کوٹی بھارستان شرح اردوبوستان ص ۲۵ مکتبۃ المصباح لاھور)

خاطر ولیوں کو ولایت سے نوازا گیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خاطر ثواب وعقاب کی خاطر غرض کہ مقصود ذات اوست دیگر جملگی طفیل۔ منظور نور اوست دیگر جملگی ظلام۔ کہ **لولاک لولاک لماظھرت الربوبیۃ**۔ اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں ہرگز ہرگز اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا اور ظاہر کہ اگر ربوبیت کا ظہور نہ ہوتا تو یقیناً مربوبیۃ نہ ہوتی کوئی شئے نہ ہوتی کہ ماسوی اللہ، اللہ کے مربوب ہیں خدائی کا ظہور اسی نور کی خاطر رہا ہے۔[860]

مولانا فقیر ابو الفیض ابو محمد حبیب الرحیم "الدولۃ المدنیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" میں لکھتے ہیں کہ **لولاک لماخلقت الدنیا** یعنی اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔ دنیا میں تحت الثریٰ تک جو کچھ بھی ہے تمام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خاطر اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے پیدا فرمایا گیا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام اشیاء کی اصل اور منبع ہیں۔ جیسے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **انامن نوراللہ و کل شئی من نوری**۔ میرا نور اللہ کے نور سے مخلوق ہے اور تمام اشیاء (عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک) میرے نور مطہر سے ظہور میں آئے ہیں۔ یعنی تمام اشیاء میرے نور مطہر میں ودیعت رکھی ہوئی تھیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آئیں اور جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **لولاک لماخلقت الافلاک** یعنی اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

---

[860] (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۸ و کذاجآء فی الحدیث القدسی حدیث الاسراء لولاک لماخلقت الافلاک) (ص ۴)

وبارک وسلم کو ظہور میں نہ لاتا تو آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا اور **لو لاک لماظھرت الربوبیة۔** یعنی اورا ے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔

علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔[861]

لو لاک لماخلقت الافلاک حدیث قدسی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ فرماتا اس حدیث شریف کو عظیم المرتبت محدثین کرام علیہم الرحمۃ کے علاوہ دیوبندیوں کے نہایت ہی مستند مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب عطر الوردۃ میں درج کیا ہے مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ ہی باعث ایجاد خلق ہیں کہ **اول ماخلق اللہ نوری وقال اللہ تعالیٰ مخاطبا لآدم علیہ السلام لو لاہ ماخلقتک وورد ایضاً لو لاک لماخلقت الافلاک۔**[862]

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر وہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود کی طرف نہ آتی اور موجود نہ ہوتی خلاصہ یہ ہے کہ خود دنیا کا وجود رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے طفیل سے ہے۔

---

[861](نشر الطیب ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

[862](عطر الوردہ ص ۲۴ دیوبند)

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار گروہ نہ ہوں عالم نہ ہو گروہ نہ تھے عالم نہ تھا

شیخ الامام قدوۃ الانام شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی لئے عرض کیا ہے۔

وکیف تدع الی الدنیا ضرورۃ من لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں ۔اور کیوں کر دنیا کی طرف ضرورتیں ایسے نفس زکی کو بلا سکتی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے اور دنیا میں جلوہ افروزی نہ فرماتے تو دنیا عدم سے منصۂ شہود پر ظاہر نہ ہوتی۔

محمد (ﷺ) کی جلوہ نمائی نہ ہوتی تو دارین میں روشنائی نہ ہوتی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ لولاہ لما خلق اللہ سبحانہ الخلق ولما اظھر الربوبیۃ۔ اگر حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذات بابرکات نے اس عالم دنیا میں ظہور نہ فرمانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ فرماتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی جو کہ طائفہ دیوبندیہ کے جید عالم اور مدرسہ دیوبند کے چشم وچراغ ہیں نے بھی حدیث قدسی اس طرح درج کی ہے: لولاک لما خلقت الافلاک ولولاک لما اظھرت الربوبیۃ۔یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم !اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ فرماتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

مولوی رشید احمد صاحب لدھیانوی دیوبندی احسن الفتاویٰ میں لکھتے ہیں ۔امام شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری نے کتاب مواہب اللدنیہ میں نقل کیا ہے: قال اللہ تعالی: یا آدم ارفع رأسک، فرفع رأسه فرأی نور محمد- صلی الله علیه وسلم- فی سرادق العرش، فقال: یارب، ماهذاالنور؟ قال: هذا نور نبی من ذریتک اسمه فی السماء أحمد، وفی الأرض محمد، لولاه ماخلقتک ولا خلقت سماء ولا أرضا.[863]

یہ روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں ۔مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب اللدنیہ اورانوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعی کا قول منقول ہے۔حضرت کعب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تورات وانجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر تھے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا الاجل محمد ﷺ رواہ البیهقی۔

حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے:

لولاک لما اظهرت الربوبیة۔

(دیوبند کے)حضرت حکیم الامت الشاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر فرماتے ہیں:

عن عمر الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی ﷺ قال اللہ تعالیٰ لآدم یآدم لولامحمدماخلقتک رواہ حاکم وصححه البیهقی والطبرانی ۔قال اللہ تعالیٰ یآدم لولامحمد ﷺ ماخلقتک وهوآخر الانبیاء۔[864]

[863] (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۵، المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة ج ۱ ص ۴۷ المکتبة التوفیقیة، القاهرة- مصر)
[864] (الدرر النظیم فی مولد النبی الکریم ﷺ)

علامہ امام زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مواہب اللدنیہ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

عن ابی الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی بن مریم علیہ السلام۔یاعیسیٰ !لولامحمدماخلقت آدم ولاالجنۃ ولاالنارروی الحاکم مثلہ وصححہ ورواہ السبکی والبلقینی،قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لولامحمدماخلقت عرشاولاکرسیاولاسمآءولاارضاولاجنۃ ولانارا ولالیلاولانہارا وماخلقت جمیع الاشیاء الالاکراماللذی سمیتہ محمدا ﷺ۔(مولدالنبی ﷺ للقطب الربانی الشیخ عبدالرحیم البرعی)ہذاماظہرلی فی ہذاالباب۔[865]

حدیث لولاک....کی تحقیق:

حدیث لولاک لماخلقت الافلاک اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیاہےلیکن معنٰی ومضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہےاورایک حقیقت نفس الامرہےجوکہ دوسری روایات سے ثابت ہےاورجن علماءسے انکارمنقول ہےوہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنٰی کے بارے میں نہیں ہے چنانچہ خودملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں رقمطرازہیں کہ اگرچہ علامہ صغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے موضوع کہاہےلیکن معنٰی کے اعتبارسے ثابت ہے: حدیث لولاک لماخلقت الافلاک قال الصغانی انہ موضوع کذافی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقدروی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمامرفوعااتانی جبریل فقال یامحمدلولاک ماخلقت الجنۃولولاک ماخلقت الناروفی روایۃابن عساکرلولاک ماخلقت الدنیا۔[866]

وفی حدیث سلمان عندابن عساکر قال:«ہبط جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم-فقال:إن ربک یقول:إن کنت اتخذت إبراہیم خلیلا،فقداتخذتک حبیبا،وماخلقت خلقا

---

[865] (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۲)

[866] (موضوعات کبیرص ۵۹ حرف اللام)

أکرم علی منک، ولقد خلقت الدنیا وأھلھا لأعرفھم کرامتک ومنزلتک عندی، ولو لاک ماخلقت الدنیا۔[867]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، قَالَ: أَوْحَی اللّٰہُ إِلَی عِیسَی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا عِیسَی آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَکَہُ مِنْ أُمَّتِکَ أَنْ یُؤْمِنُوا بِہِ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَی الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَکَتَبْتُ عَلَیْہِ لَا إِلَہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَسَکَنَ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسیٰ علیہ السلام !ایمان لا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم کر کہ ان پر ایمان لائیں کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا نہ جنت دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اسے جنبش تھی میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا پس ٹھہر گیا۔[868]

شیخ المشائخ استاذالعلماءوالمجاھدین بقیۃالسلف مناظراسلام محمدلعل الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب التجلیات الرحمانیۃ فی معادن الحقائق الاسلامیہ میں بہت زیادہ تحقیق فرمائی ہے۔اس کا مطالعہ کریں تاکہ سب شکوک وشبہات ختم ہو جائیں۔[869]

حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور تعین اول ”حب“

[867](مواھب اللدنیا ج ۱ ص ۸۳بحوالہ فتاویٰ حقانیۃ اکوڑہ خٹک ج ۲ ص ۲۰۳)

[868](المستدرک للحاکم کتاب التاریخ کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس بالخیر دارالفکر بیروت ج ۲ ص ۶۱۵)

[869](ص ۲۶۸)التجلیات الرحمانیۃ فی معادن الحقائق الاسلامیہ

فقیر صدیق احمد القریشی الہاشمی الدیوبندی شفاء القلوب میں لکھتے ہیں کہ سلوک کی کتابوں میں تعین حبی کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے چنانچہ سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ تعین حبی کے کیا معنی ہیں۔ اگر سالکین تعین حبی کو سمجھ لیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حقائق انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات کے ان اسباق کا تعلق حب سے کیوں ہے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دفتر اول مکتوب نمبر ۸۵ میں فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک تعین کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ عزوجل نیچے اتر آیا۔ پس وہ حب یا وجود ہو گیا بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) کے ہیں کیونکہ وہ تنزیہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے، اس کے متعلق مراتب ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہور حبی ہے جو مبداء ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ کنت کنز امخفیافاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔[870]

سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہی حب ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی اگر یہ حب نہ ہوتا تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ حدیث قدسی لولاک لماخلقت الافلاک۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان

---

[870] (کشف الخفاء ص ۲۱٦)

کو پیدا نہ کرتا۔[871] کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے۔اور لولاک لماظهرت الربوبية۔ ”اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا“[872] کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہیے تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہوتے ہیں ۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اعتبار کون سا ظاہر ہوا۔چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خدا کا پہلی بار مخلوق کو پیدا کرنے کا علم تعین اول ہے۔دیگر حضرات نے فرمایا کہ ارادۂ تخلیق تعین اول ہے لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ عجیب بات فرماتے ہیں کہ حب یعنی یہ چاہنا کہ میں پہچانا جاؤں تعین اول ہے اور یہ سب سے پہلا اعتبار ہے جو ظاہر ہوا اب جب اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا تو سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تخلیق ہوئی۔شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ذاتیہ تمام کمالات کا سبب وآغاز ہے۔پھر دوسرا اعتبار جب اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا وہ وجودی ہے جو ایجاد کا مقدمہ ہے اس لئے تعین وجودی تعین حبی کا ظل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا۔(الاحزاب۷)

ترجمہ: اور جب ہم نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات سے عہد لیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اور اس طرح نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے۔“

---

[871](کشف الخفاء ص ۴۳ ۲۱۴)

[872](کشف الخفاء ص ۴۳-۴۱)

اس آیت کریمہ میں عالم ارواح کی ترتیب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کوسب پر مقدم کیا گیاہے جواس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی ہے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **كنت اول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث۔** تخلیق کے اعتبار سے میں سب سے اول ہوں اوربعثت کے اعتبار سے میں سب سے آخری نبی ہوں۔[873]

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

لولاک لما خلقت الافلاک ولما اظهرت الربوبية۔

"اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم !اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی عالم کوپیدا نہ کرتا اورربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔[874]

اعتراض: یہ حدیث توموضوع ہے صغانی نے اسے موضوع قرار دیاہے اورعلامہ علی قاری نے لکھاہے:

جواب :ہمارے پاس علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی کتاب کے تین نسخے ہیں ایک عربی،ایک دیوبندی،ایک غیر مقلدین کا ترجمہ۔ آیئے ہم اصل عبارات وترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی چنانچہ عظیم حنفی محدث علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری لکھتے ہیں

[873] (کشف الخفاء ص ۲۰۹)

[874] (کشف الخفاء ص ۲۳-۲۱ ,شفاءالقلوب ص ۵۳۴ ,غیاث اللغات مع منتخب اللغات وچراغ ہدایت مولانا محمد غیاث الدین رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ نے لولاک حدیث قدسی کہاھے۔ص ۲۱۹)

:لولاک لماخلقت الافلاک....قال الصغانی انه موضوع کذافی (الخلاصة) لکن معناه صحیح۔[875]

دیوبندی ترجمہ: علامہ صغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے البتہ اس کا مضمون صحیح ہے۔[876]

اہلحدیث ترجمہ: صغانی کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے۔[877]

دیکھئے ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب کی مکمل عبارت مع ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس میں صرف ایک علامہ صغانی جن کا نام بھی ذکر نہیں کیا کے حوالے سے لکھا کہ وہ موضوع کہتے ہیں۔ملا علی قاری نہیں ، بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اس کا دفاع کیا اور کہا کہ معناً یہ صحیح ہے علامہ علی قاری نے اپنی دوسری کتابوں میں علامہ صغانی کا قول ذکر کر کے اس حدیث کو معناً صحیح قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو علامہ علی قاری ، شرح شفاء اور **الزبدة العمدة۔**

بلکہ علامہ علی قاری نے تو موضوعات کبیر میں اس کو معنوی طور پر صحیح قرار دے کر اس کی تائید میں حدیث مرفوع ذکر کی ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فقدروی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهمامرفوعااتانی جبریل فقال یامحمد (ﷺ) لولاک ماخلقت الجنة ولولاک ماخلقت النار۔[878]

---

[875](موضوعات کبیر ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)
[876](موضوع روایت ص ۱۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاھور)
[877](موضوعات کبیر اردو ص ۲۶۵ نعمانی کتب خانہ لاھور)
[878](الاسرار المرفوعة فی احادیث الموضوعة ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاکہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تو نہ میں جنت پیدا کرتا نہ دوزخ۔ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔[879]

نوٹ: دیوبندی ترجمہ میں اس حدیث کو نکال دیا گیاہے۔ملاحظہ ہو۔[880]

میں کہتاہوں کہ جن احادیث سے حدیث لولاک کی تائیدہوتی ہے کیانامعلوم صغانی کے کہنے پر ان کو ٹھکرا دیاجائے گا؟ تین روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اور ایک حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماوالی حدیث کو مرفوعہ قراردیاہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کے مرفوع ہونے کو بیان کیا۔اب مرفوع کسے کہتے ہیں ؟تو پڑھئے اس پر ضمنادو حوالہ جات۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ مرفوع وہ حدیث ہے کہ جس کی نسبت خاص طور پر حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف کی جائے اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہ ہو اور بعض نے کہاہے کہ وہ روایت جس میں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کل کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فعل مبارک یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قول مبارک بیان کرے۔[881]

---

[879] (موضوعات کبیراردو ص ۲۶۵ اہلحدیث ترجمہ نعمانی کتب خانہ لاہور)
[880] (موضوع روایات ص ۲۲ ۱ مکتبہ رحمانیہ لاہور)
[881] (تدریب الراوی ص ۹۴ قدیمی خانہ کراچی)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس حدیث کی سند حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تک پہنچے وہ مرفوع ہے۔[882]

تو جس حدیث کی تائید حدیث اور حدیث مرفوع سے ہو رہی ہو اس کو موضوع قرار دینا اور وہ بھی ایک صغانی کے کہنے پر، یہ کوئی علمی دیانت داری ہے نہ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے وفاداری۔ آیئے! ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بھی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

یامحمد!وعزتی وجلالی لولاک ماخلقت ارضی وسمائی ولارفعت ھذہ الخضراء ولابسطت ھذہ الغبراء۔

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ،اگر تم نہ ہوتے تو نہ میں زمین کو پیدا کرتا اور نہ آسمان کو نہ میں یہ سبز چھت سجاتا اور نہ میں فرش زمین بچھاتا۔

اسے شیخ الاسلام بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں عبد الرحمن بن عبد اللہ بن محمد بن احمد، ابو القاسم بن طالب العرفی کے والد سے اور ابن سبع اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے۔[883]

---

[882] (مقدمہ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۸ فرید بک سٹال لاہور)

[883] (زرقانی ،مصابیح السیرۃ المحمدیۃ، ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان،سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱ ص ۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان،ہارون دیوبندی خصوصیات مصطفیٰ ﷺ ج ۱ ص ۳۵۴ دار الاشاعت کراچی،انسان المفھون فی سیرۃ الامین المامون ج ۱ ص ۳۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حدیث لولاک کو موضوع کہنے والے اور سن کر سیخ پا ہونے والے حضرات کے اس انکار پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انواراللہ قادری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدرالصدور حیدرآباد دکن، انڈیا لکھتے ہیں:

یہاں معلوم کرنا چاہیئے کہ آج کل جو غل مچ رہا ہے کہ **لولاک لماخلقت الافلاک**، حدیث موضوع ہے۔یہ تسلیم بھی کیا جائے تو جرح کو اس سے کیا فائدہ؟ زمین، دریا، جنت، دوزخ، ثواب، عقاب، جملہ آدمیوں کے جد بزرگوار بلکہ ساری دنیا جب بدولت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پیدا ہوئی تو افلاک کیا چیز ہیں ؟ دیکھ لو! جنت، دوزخ بدولت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پیدا ہونے کی حدیث کو حاکم، دیلمی، سبکی، بلقینی، نے روایت کیا ہے اور زمین ودریا پیدا ہونے کی حدیث کو ابن سبع اور غرفی نے، اور دنیا طفیلی ہونے کی حدیث کو ابن عساکر نے اور ثواب وعقاب کی حدیث کو ابن سبع وعرفی نے اور خلق آدم علیہ السلام کی حدیث کو طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن عساکر، ابونعیم، ابوالشیخ، بلقینی اور سبکی نے روایت کیا ہے۔[884]

خود دیوبندی علماء بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث معناً صحیح ہے۔

مولوی خیر محمد جالندھری نے بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو:[885]

مفتی محمود نے بھی تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو:[886]

مفتی عبدالحکیم سکھروی نے بھی اسے معناً صحیح تسلیم کیا، ملاحظہ ہو:[887]

---

[884] (انوار احمدی ص ۵۴-۵۳ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاھور، پاکستان)

[885] (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[886] (فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۸۴-۸۲)

[887] (مقالات ومضامین مفتی عبدالحکیم سکھروی ص ۲۴۲ ۱۳ ادارۃ المعارف کراچی)

معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف کو لے کر موضوع کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ہاں البتہ ان کے بغض باطنی کا اظہار ضرور ہو جائے گا کہ اس بہانے سے وہ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ "میں نے جنوں اورانسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے"،اور تم کہتے ہو کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے پیدا کیا ہے،تو تمہارا یہ موقف اور یہ احادیث موضوع ہیں کیونکہ قرآن کریم کے معارض ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں،سب سے پہلے ہم علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جواب نقل کرتے ہیں پھر ہم اپنے جوابات عرض کریں گے،چنانچہ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ یہ احادیث قرآن کریم کی اس آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿الذریت ٥٦﴾ کے خلاف نہیں ہے،اگر یہ بات ہے تو پھر وہ کتنے کثیر تعداد انسان اور جنات ہیں جو عبادت نہیں کرتے تو کیا یہ اس آیت کے خلاف نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔یہ آیت مؤمنین کے ساتھ خاص ہے اوراحادیث مبارکہ پوری مخلوق کو شامل ہیں لہٰذا قرآن کے معارض نہیں ہیں۔[888]

راقم الحروف کا پہلا جواب:

ایک ہوتی ہے علت غائیہ اور ایک علت باعثہ،انسانوں اور جنات کو عبادت کیلئے پیدا کرنا علت غائیہ ہے یعنی ان کی تخلیق کی غرض وغایت عبادت خداوندی ہے اوراس کا باعث ہے وجود مسعود صاحب مقام محمود ومحبوب رب ودود لہٰذا قرآن وسنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

---

[888] (مصابیح السیرۃ المحمودیۃ ج ١ ص ٨٨ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

دوسرا جواب:ضروری نہیں کہ ایک کام کاایک ہی سبب ہو،ایک کام کے دوسبب بھی ہوسکتے ہیں اور تخلیق کائنات کے بھی دوسبب ہیں غرض وغایت کے طور پرعبادت اوراس کاباعث بنی ذات مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ہم انسان بھی بعض اوقات ایسے کام کرتے ہیں کہ ان کے پیچھے کئی کئی اغراض ومقاصد ہوتے ہیں توجب انسان کے کسی کام کے دومختلف سبب ہوسکتے ہیں تواس رب العلمین واحسن الخالقین کے کسی فعل کے دوسبب کیوں نہیں ہوسکتے؟

اظہارربوبیت اورشان احمدیت:

حضرت سیدنامجددالف ثانی شیخ احمدسرہندی فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں:

لولاک لمااظہرت الربوبیۃ۔

ترجمہ:اے محبوب!اگرتونہ ہوتاتومیں اپنی ربوبیت کوظاہرنہ کرتا۔[889]

ہوسکتاہے کہ کسی صاحب کی توحیدجوش آئےاوروہ کہہ دے کہ جی ان احادیث کی حیثیت کیاہے؟یہ بھی موضوع ہے۔توہم گزارش کریں گے کہ یہ حدیث حضورمجددپاک نے نقل کی ہےاورمجددپاک کی علمی جلالت مسلمہ ہے لیکن ہم پھراتمام حجت کے طورپرایک دوحوالہ جات عرض کئے دیتے ہیں۔

دیوبندی مکتبہ فکرکے"مناظر"مولوی منظورنعمانی نے مجددصاحب کے متعلق یوں لکھاہے:"امت کے ابتدائی دورمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں

---

[889] (مکتوبات امام ربانی ج۲دفتر۳مکتوب ۱۲۲ ضیاءالقرآن پبلی کیشنزلاہور،جواھرالبحارج۲ص ۲۵۵دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے۔اسی طرح اخیر دور میں (جس کا آغاز ہزارہ دوم (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد ہوتا ہے)امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دین کی تجدید وحفاظت اوراحیاء شریعت کا جو کام ہمارے اس ملک میں ہی لیاوہ اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتاہے اوراسی وجہ سے ان کا لقب مجد دالف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجد دالف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔"[890]

مزید یوں لکھتاہے کہ آپ سے پہلے جس قدر مجد د صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجد د دین کے تمام شعبوں کا مجد د نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجد د ہوتے رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک وقت میں کئی مجد د نظر آتے ہیں کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجد د ہے۔کوئی فقہ شافعی کا کوئی علم کلام کا مجد د اور کوئی سلوک واحسان کا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کیلئے خاص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجد د ہیں۔[891]

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مفتی وعلامہ ولی حسن ٹونکی دیوبندی نے لکھاہے:

راقم الحروف کی رائے ہے کہ اگر حضرت مجد داپنے تجدیدی اوراصلاحی کارناموں سے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت نہ فرماتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو چین کے مسلمانوں کی ہے۔[892]

---

[890](تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۰-۲۱ دار الاشاعت کراچی)

[891](تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۷۶)

[892](تذکرہ اولیاء پاک وھند ص ۱۳۹ باراول دسمبر ۱۹۹۹ء،ادارہ اسلامیات لاھور)

دیوبندی مولوی روح اللہ غفوری نے حضرت مجدد پاک کے متعلق لکھا ہے:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ باقویہ کے بانی ہیں ،فرماتے تھے، شیخ احمد (امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہوجائیں ۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں ،ان جیسے اس امت میں چند ہی بزرگ گزرے ہیں جو آپ کی زیارت کرتا بے اختیار کہتا۔"**فتبارک اللہ احسن الخالقین**"[893]

امت کے جلیل القدر مجدد حدیث لکھ رہے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہ ہوتے تورب کریم عزوجل اظہارربوبیت نہ فرماتا اورلوگوں (منکرین) کو افلاک کی پریشانی ہورہی ہے۔

کنز مخفی اور شان مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم:

رب محمد جل وعلاو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:"**کنت کنزامخفیافاحببت ان اعرف فخلقت الخلق........**"

ترجمہ: میں ایک چھپاہواخزانہ تھا پس مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچاناجاؤں تومیں نے مخلوق کوپیداکیا...[894]

خالق کائنات نے اپنی پہچان کیلئے مخلوق کوپیداکیااور مخلوق میں سب سے قبل اپنے محبوب کے نوراورروح کوپیدافرمایا۔انبیاءسے عالم ارواح میں عہدلیاعالم ارواح میں محبوب علیہ السلام کی

---

[893] (بزرگان نقشبندیہ کوخواب میں زیارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۴۱ ،اشاعت دوم جنوری ۲۰۱۰ءمکتبہ عمرفاروق کراچی)

[894] (تفسیرروح البیان ،ج۶ص ۱۶تحت الآیۃ سورۃ الحج ۶۶دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔جواھرالبحارفی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج۴ص ۲۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔المقاصدالحسنۃ باب الکاف ص۳۷۷رقم الحدیث ۸۳۶دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔الاسرارالمرفوعہ فی الاخبارالموضوعۃ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۶۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

نبوت کے چرچے فرمائے اورانبیاء کرام ورسولان عظام علیہم السلام،عارفین،کاملین، صالحین ، صدیقین بلکہ کل عالمین کوبتادیا کہ لوگو!

ہر شئے خدا نے بنائی اے سوہنے مدنی دے واسطے

دو جگ دی کھیڈ رچائی اے سوہنے مدنی دے واسطے

حضور شہنشاہ حسینان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شان لولاک کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بوصیری عرض کرتے ہیں:

وکیف تدعوا الی الدنیا ضرورۃ من

لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

کہاں کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف

گر نہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترا عز لولاک تمکیں بس است

ثنائے تو طٰہٰ و یٰس بس است

آپ (ﷺ) کو بطور مرتبہ عزت لولاک کافی ہے

آپ (ﷺ) کی تعریف میں طٰہٰ و یٰسین کافی ہے

صلاح بن مبارک بخاری فرماتے ہیں:

خواجہ لولاک وسلطان رسل

مقتدا ورہنمائی جزو کل (ﷺ)

امام اہلسنت امام عشق ومحبت تاجدار بریلی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا خوب لکھتے ہیں
:

ہوتے کہاں خلیل وبنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اقبال سہیل نے کہا:

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح و قلم نہ ہوتا
یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امام امم نہ ہوتا
زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا

ظفر علی خان نے کہا:

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

شورش کاشمیری دیوبندی کہتا ہے:

جب دوش پہ گیسو کھلتے ہیں، واللیل کی شرحیں ہوتی ہیں
لولاک لما کے سانچے میں اک نور مجسم ڈھل کے رہا

مولوی طالوت دیوبندی کہتا ہے:

ادب سے سر جھکاؤ مالک لولاک آتے ہیں

ردائے انما اوڑھے نبی پاک آتے ہیں (ﷺ)[895]

صلی اللہ علی النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بن عبد اللہ

عبد المطلب: علی ابن ابی طالب

ہاشم:

عبد مناف: آمنہ بنت وہب، عثمان ابن عفان، ابن ابو العاص ابن امیہ ابن عبد الشمس۔

قصی: زبیر ابن عوام ابن خویلد ابن اسد ابن عزی، خدیجۃ الکبریٰ۔

کلاب: عبد الرحمن ابن عوف ابن عبد یغوث ابن حارث ابن زہرہ، سعد ابن ابی وقاص ابن مالک ابن وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ۔

مرہ: خالد ابن ولید ابن مغیرہ ابن عبد اللہ ابن عمر ابن مخزوم ابن یقظہ، ابو بکر صدیق ابن ابو قحافہ ابن عامر ابن طلحہ ابن عبد اللہ ابن عثمان ابن کعب ابن سعد ابن تیم۔

کعب: عمر ابن خطاب ابن نفیل سعید ابن زید ابن عمرو ابن عبد العزیٰ ابن رباح ابن عبد اللہ ابن قرظ ابن رواح ابن عدی۔

لوی:

غالب:

فہر: ابو عبیدہ ابن عبد اللہ ابن جراح ابن وہب ابن ضمہ ابن حارث۔

---

[895] (ماہنامہ حق چاریار، ج۳ شمارہ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۹۰ء بیک ٹائٹل)

مالک:

نضر:

کنانہ:

خزیمہ:

مدرکہ:

الیاس:

مضر:

نزار:

معد:

عدنان:

مرتب حکیم الامت مفتی احمد یار خاں مدظلہ العالی

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ایمان کا بیان

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے اور کفر پر فوت ہوئے **(العیاذ باللہ)**۔حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام اباؤ اجداد ، صاحبانِ ایمان و توحید تھے،سب مؤمن مسلمان تھے۔

جیسا کہ تفسیر مظہری میں لکھا ہے:

المراد منه تقلبک من اصلاب الطّاهرين السّاجدين لله الیٰ ارحام الطّاهرات السّاجدات و من ارحام السّاجدات الیٰ اصلاب الطّاهرين ای الموحّدين و الموحّدات حتّٰی يدلّ علیٰ انّ آباء النبی ﷺ کلّهم کانوا مؤمنين۔

یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پاکیزہ اور اللہ کو سجدہ کرنے والے مردوں کی پشت سے ان عورتوں کے رحم کی طرف منتقل ہوئے جو طاہر اور سجدہ کرنے والی تھیں اور پھر ان طاہرات وساجدات کے رحم سے ایسے پاکیزہ افراد کی طرف منتقل ہوئے جو سبھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے تمام آباؤاجداد صاحبانِ ایمان وتوحید تھے۔[896]

تحت هذه الايت و تقلّبک فی السّاجدين۔[897]

حدیث پاک میں ہے:

عن عروة بن الزبير عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله ﷺ سال ربه ان يحيی ابويه فاحياهما له فامنا به ثم اماتهما۔[898]

ترجمہ: ”حضرت عروۃ بن زبیر، ام المؤمنین عائشۃ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے رب کریم سے دعا کی یا اللہ میرے والدین کو زندہ کر تو رب ذوالجلال نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعا کو قبول فرمایا، دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں (والدین کریمین) اپنے لختِ جگر

---

[896] (تفسیر مظھری ج۷ ص ۸۹)
[897] (تفسیر روح المعانی ج۷ ص ۱۳۷ تا ۱۳۸ مطبوعہ بیروت)
[898] (زرقانی علی المواهب صفحه ۱۶۸ جلد ۱، حجة الله علی العلمين صفحه ۲۱۴)

رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ایمان لائے اور پھر اپنی اپنی آرامگاہوں میں آرام فرماہو گئے۔"

ایک محب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قول مبارک: قال بعضھم:

ایقنت ان ابا النبی و امه احیاھما الرب الکریم الباری

حتی له شهدا بصدق رسالة سلم فتلک کرامة المختار

هذا الحدیث و من یقول بضعفه فهو الضعیف عن الحقیقة عاری

"بیشک نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ان دونوں کو ان کے رب کریم نے زندہ کیا حتی کہ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سچے رسول ہونے کی گواہی دی۔"

اے عزیز اس بات کو مان لے کہ یہ مختار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کرامت ہے (عزت افزائی کے لئے ہے) اور دوبارہ زندہ ہو کر ایمان قبول کرنا یہ حدیث سے ثابت ہے اور جو کوئی اس حدیث پاک کو ضعیف کہے وہ خود ضعیف ہے (اس کا ایمان ضعیف ہے) ایسا شخص حقیقت سے عاری ہے۔[899]

محب الرسول علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک:

ان اللہ احیاھما له ﷺ حتی آمنا به و هذا السبیل مال الیه طائفة "کثیرة" من الائمة الحفاظ هم الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی و الحافظ ابو القاسم ابن عساکر و الحافظ ابو

[899] (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹۸)

حفص بن شاهين و الحافظ ابو القاسم السهيلي و الامام القرطبي و الحافظ محب الدين الطبري و العلامة ناصر الدين بن المنير و الحافظ فتح الدين بن سيد الناس۔[900]

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اعزاز واکرام کے لئے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ایمان لائے۔ اس امر کی (زندہ ہو کر ایمان لانے کی) حدیث پاک کو بہت سارے اماموں اور حافظ حدیث نے اپنایا ہے، مثلاً: (۱) حافظ الحدیث ابو بکر خطیب بغدادی، (۲) حافظ الحدیث ابو القاسم ابن عساکر، (۳) حافظ الحدیث ابو حفص بن شاہین، (۴) حافظ الحدیث ابو القاسم سہیلی، (۵) امام قرطبی، (۶) حافظ الحدیث محب الدین طبری، (۷) علامہ ناصر الدین بن منیر، (۸) حافظ الحدیث فتح الدین بن سید الناس۔

الحافظ السيوطي رحمه الله تعالىٰ و جزاه عن الاسلام و المسلمين خير الجزاء فانه الف في ذلك جملة مولفات اثبت فيها نجاتهما ببراهين كثيرة و اقام النكير على من زعم خلاف ذلك من اهل الجمود و الجحود۔

اللہ تعالیٰ حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے کئی کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور دلائل قاہرہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والدین کریمین کا نجات یافتہ ہونا ثابت کیا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ضد تعصب اور جمود کی وجہ سے اس کے خلاف باتیں کی ہیں ان کی خوب خبر لی ہے۔[901]

علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[900] (زرقانی علی المواہب ص ۱۲۹ ج ۱، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۱۳)
[901] (حجۃ اللہ علی الغلمین ص ۲۹۸)

آیت پاک سے سید العٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہماکے مؤمن ہونے پر استدلال کیا گیاہے جیسے کہ اہلسنت کے بہت سارے جلیل القدر علماء اور ائمہ کرام کا مسلک ہے۔ نیز فرمایا:

واخشیٰ الکفر علیٰ من یقول فیھما رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

یعنی جن علماء نے رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہماکے متعلق اس کے خلاف کہاہے مجھے تو ان کے متعلق خوف ہے کہ ان کا اپنا ایمان ضائع نہ ہو جائے۔[902]

ایک مغالطہ:

بعض لوگ امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے ساتھ ملاکر بے ادبوں کی صف میں کھڑا کرناچاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرمایا:

ووالدارسول اللہ ﷺ ماتاعلی الکفر۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والدین دونوں کفرپر وفات پاگئے تھے۔العیاذباللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ فقہ اکبر کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کس کی تصنیف ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اور محققین نے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے کہ فقہ اکبر ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے اور جب یہ ثابت ہی نہیں کہ یہ تصنیف امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے تو ان کے سر اعتراض تھونپنا کہاں کی

---

[902] (تفسیر روح المعانی ص ۱۳۸ ج ۱۹ مطبوعہ ملتان،زیر آیت وتقلبک فی الساجدین)

عقلمندی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ فقہ اکبر سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی تصنیف ہے تو پھر عبارت میں اختلاف ہے جو فقیر کے پاس فقہ اکبر ہے اس میں ہے کہ **و والدا رسول اللہ ﷺ مات علی الفطرۃ۔**[903] یعنی رحمت کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا وصال فطرت (دین اسلام) پر ہوا ہے۔ **والحمدللہ رب العلمین**۔ لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ یہ کسی کی تحریف ہے کہ **مات علی الفطرۃ** کو **مات علی الکفر** کر دیا اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواہ مخواہ بے ادبوں میں کھڑا کر دیا ہے ورنہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ پیکر ادب واحترام تھے ان سے کیسے بے ادبی کے الفاظ سرزد ہو سکتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ضد کرے اور کہے کہ یہ الفاظ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی ہیں تو ہم کہیں گے کہ تمہیں وہ مبارک اور ہمیں یہ مبارک **الحمدللہ رب العلمین**۔ ہمارے پاس جو نسخہ فقہ اکبر ہے اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ **مات علی الفطرۃ** اللہ تعالیٰ ہمیں باادب رکھے اور ادب والوں میں ہمارا حشر و نشر کرے۔

مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی کہتے ہیں کہ فقہ اکبر میں ایک یہودی نے تحریف کی ہے یہ نسخہ قلمی تھا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد اصل عبارت ایسی تھی **و والدا رسول اللہ ﷺ ما ماتا علی الکفر**۔ اس یہودی نے ایک "ما" کاٹ لیا اور یہودیوں کا کام ہی تحریف کرنا ہے۔

عن معاذ بن أنس: من قرأ القرآنَ وعملَ بما فيهِ أُلبِسَ والداهُ تاجًا يومَ القيامةِ ضوؤهُ أحسنُ من ضوءِ الشَّمسِ۔[904]

---

[903] فقہ اکبر ص ۱۵۔

[904] أخرجه أبو داود (۱٤٥۳) واللفظ له، وأحمد (١٥٦٤٥) ابن حجر العسقلاني (۸۵۲ھ)، تخريج مشكاة المصابيح ۲/۳۷٤ • مشكاة ص ۱۸٦ ۔المستدرک ص ۵٦۷ ج ۱ ۔مجموعۃ الزوائد ص ۱٦۴ ج ۷،

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کا نور سورج کے نور سے بھی زیادہ ہو گا۔" اے عزیز! اگر صرف قرآن مجید پڑھنے اور عمل کرنے والے کے والدین کو یہ اعزاز ملے گا تو جس کے وسیلے سے قرآن پاک ملا ہے اور جس کی ہدایت سے ساری خدائی قرآن پاک کے مطابق عمل پیرا ہے اس کے والدین کو کیا کیا انعامات ملنے چاہئیں ۔یہ تو اپنے ایمان سے پوچھ کر بتا! ایک بار حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تنور میں روٹیاں لگا رہیں تھیں ایک روٹی حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے لگائی تو باقی ساریاں پک گئیں مگر جس روٹی کو شاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا دست مبارک لگا اس روٹی کو آنچ تک آئی نہ[905]۔

میرے پیارے! غور کر جس روٹی کو امت کے والی کا ہاتھ مبارک لگ جائے اسے آگ اثر نہ کرے تو جس شکم پاک میں رحمت کائنات فخر موجودات، باعث تخلیق کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نو مہینے رہیں اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ تو اپنے ایمان سے پوچھ لے۔

اور جو لوگ حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے والدین کریمین کو معاذاللہ تعالیٰ کافر کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دکھ اور ایذا دے رہے ہیں وہ اس سے توبہ کریں اور مندرجہ ذیل مضمون پڑھ کر راہ راست پر آجائیں یا پھر لعنت کا طوق گلے میں ڈال کر جہنم کی تیاری کریں: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللهَ

---

[905] حالات مشائخ نقشبندیہ ص ۲۱۱۔

وَرَسولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنيَا وَالآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (الاحزاب ۵۷) بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

نیز وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (التوبة ۶۱) اور وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

دلائل ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر آیات قرآنی واحادیث مبارکہ

قرآن مجید نے جہاں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے عقیدہ کو ہمارے ایمان کا جزو لازم ٹھہرایا ۔ وہاں انبیاء ورسل علیہم السلام کی نبوت ورسالت کا اقرار کرنا بھی ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کو ماننا اور ان پر عقیدہ رکھنا ویسے ہی اہم اور لازمی ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید پر۔ لیکن قرآن مجید کو اول سے آخر تک دیکھ لیجئے۔ جہاں کہیں ہم انسانوں سے نبوت کا اقرار کرایا گیا ہو اور جس جگہ کسی وحی کو ہمارے لئے ماننا لازمی قرار دیا گیا ہو۔ وہاں صرف پہلے انبیاء کی نبوت ووحی کا ہی ذکر ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی کو نبوت حاصل ہو اور پھر اس پر خدا کی وحی نازل ہو کہیں کسی جگہ پر اس کا ذکر تک نہیں ۔ نہ اشارۃً نہ کنایۃً' حالانکہ پہلے انبیاء کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی فرد بشر کو نبوت عطا کرنا مقصود ہوتا تو اس کا ذکر زیادہ لازمی تھا اور اس پر تنبیہ کرنا از حد ضروری تھا۔ کیونکہ پہلے انبیاء کرام اور ان کی وحی تو گزر چکی۔ امت مرحومہ کو تو سابقہ پڑنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کی نبوتوں سے۔ مگر ان کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ بلکہ ختم

نبوت کو قرآن مجید میں کھلے لفظوں میں بیان فرمانا صاف اور روشن دلیل ہے۔ اس بات کی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی شخصیت کو نبوت یا رسالت عطانہ کی جائے گی۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمایئے۔

(۱) وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (البقرة ۴)

اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں۔

(۲) يَاأَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ (المائدة ۵۹)

اے کتابیو تمہیں ہمارا کیا بُرا لگا یہی نہ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُترا اور اس پر جو پہلے اترا۔

(۳) لَكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (النساء ۱۶۲)

ہاں جو اُن میں علم میں پکّے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اترا۔

(۴) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء ۱۳۶)

اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اُتاری۔

(۵) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (النساء ۶۰)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔

(۶) وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْکَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر ۶۵)

اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اسے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا اور ضرور تو ہار میں رہے گا۔

(۷) كَذَلِکَ يُوحِي إِلَيْکَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِکَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الشوریٰ ۳)

یونہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف اللہ عزّت و حکمت والا۔

مندرجہ بالا تمام آیات خدا تعالیٰ نے ہمیں صرف ان کتابوں، الہاموں اور وحیوں کی اطلاع دی ہے اور ہم سے صرف انہی انبیاء کو ماننے کا تقاضا کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور بعد میں کسی نبی کا ذکر نہیں فرمایا۔

یہ چند آیات لکھی گئی ہیں۔ ورنہ قرآن پاک میں اس نوعیت کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں "مِنْ قَبْلِ یا مِنْ قَبْلِکَ" کا صریح طور پر ذکر تھا۔ عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید کا اسلوب بیان نمبر ۲، اب چند وہ آیات بھی ملاحظہ فرمایئے جن میں خدا تعالیٰ نے ماضی کے صیغہ میں انبیاء کا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا منصب جن لوگوں کو حاصل ہونا تھا وہ ماضی میں حاصل ہو چکا ہے اور انہی کا ماننا داخل ایمان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

وبارک وسلم کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کو نبوت بخشی جائے اور اس کا ماننا ایمان کی جزو لازمی قرار دی گئی ہو۔

(۱) قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ (البقرۃ ۱۳۶)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم پر۔

(۲) قُلْ آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ (آل عمران ۸۴)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم پر۔

(۳) إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ (النساء ۱۶۳)

بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل پر وحی بھیجی۔

ان تینوں آیتوں میں اور ان جیسی اور آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں گزشتہ انبیاء اور ماضی کی وحی کو منوانے کا اہتمام کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی کی نبوت ورسالت کو کہیں صراحۃً وکنایۃً ذکر نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ جن جن حضرات کو خلعت نبوت ورسالت سے نوازنا مقدر تھا۔ پس وہ ہو چکے اور گزر گئے۔ اب آئندہ نبوت پر مہر لگ گئی ہے اور بعد میں نبوت کی راہ کو ابد الآباد تک کے لئے مسدود کر دیا گیا ہے اور اب انبیاء کے شمار میں اضافہ نہ ہو سکے گا۔

عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید کا اسلوب بیان نمبر ۳ قرآن مجید کا نقشۂ نبوت حضرات ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: کہ جب دنیا پیدا ہوئی تو اس وقت حکم خداوندی حضرت آدم صفی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو بدیں الفاظ پہنچایا گیا۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرة ۳۸)

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى (طه ۱۲۳)

فرمایا تم دونوں مل کر جنّت سے اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر تم سب کو میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بد بخت ہو۔

اسی مضمون کو الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ دوسری جگہ بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس کو آج کل مرزائی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد نبوت کو جاری ثابت کرنے کے لئے بالکل بے محل پیش کر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

يَابَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (الاعراف ۳۵)

اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئے میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیز گاری کرے اور سنورے تو اس پر نہ کچھ خوف اور نہ کچھ غم۔

ان دونوں آیتوں میں ابتداء آفرینش کا ذکر فرمایا جارہاہے۔ اور دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور نوع انسان کو حکم دیا کہ میں حضرت آدم سے نبوت کا سلسلہ شروع کرنا چاہتا ہوں اور حضرت آدم علی نبیناوعلیہ السلام کے بعد انبیاء ورسل علی نبیناو علیہم السلام بکثرت ہوں گے اور لوگوں کے لئے ان کی اتباع کرنا ضروری ہو گا۔ اس جگہ رسل جمع کے صیغہ سے بیان فرمایا ہے اور

انبیاء کی تحدید و تعین نہیں کی۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم صفی اللہ علی نبیناو علیہ السلام کے بعد کافی تعداد میں انبیاء کرام علی نبیناو علیہم السلام مبعوث ہوں گے۔ بعد ازاں حضرت نوح وابراھیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آیا تو اس میں بھی یہی اعلان ہوا کہ ان کے بعد بھی بکثرت انبیاء علی نبیناو علیہم السلام ہوں گے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (٢٦) ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (الحدید ٢٧)

اور بیشک ہم نے ابراہیم اور نوح کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب رکھی تو ان میں کوئی راہ پر آیا اور ان میں بہتیرے فاسق ہیں پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول بھیجے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمایا کہ حضرت نوح اور حضرت ابراھیم علیہم السلام پر نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو گیا تھا۔ بلکہ ان کے بعد بھی کافی تعداد میں انبیاء کرام تشریف لائے اور یہاں بھی "رسل" کا لفظ فرمایا کوئی تحدید و تعین نہیں فرمائی۔ علی ہذا القیاس یہی سنت اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی رہی اور بعینہ یہی مضمون ذیل کی آیت میں صادر ہوا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ (البقرہ ٨٧)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے درپے رسول بھیجے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی باب نبوت بند نہیں ہوا تھا اور ان کے بعد انبیاء کرام بکثرت آتے رہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بالرسل کہہ کر ارشاد فرمایا۔ صرف یہ تین آیتیں اس لئے ذکر کی گئیں کہ معلوم ہو جائے کہ اولوالعزم انبیاء کرام کے بعد سنت خداوندی کیا کچھ چلتی رہی؟۔ لیکن جب حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کی باری آئی تو اس مبشر "احمد" نے آکر دنیا کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ اب میرے بعد سلسلہ نبوت اس کثرت سے اور غیر محدود نہیں جیسے پہلے انبیاء کرام

علیہم السلام کے بعد ہوتا چلا آیا ہے۔ بلکہ میرے زمانہ میں نبوت میں ایک نوع کا انقلاب ہو گیا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ الرسل کے لفظ سے انبیاء کرام کی آمد کو بیان کیا جاتا تھا اب واحد کا لفظ "برسول" کہہ کر ارشاد کیا اور بجائے اس کے کہ حسب سابق غیر محدود اور غیر معین رسولوں کے آنے کا ذکر کیا جاتا۔ طریق بیان کو بدل کر صرف ایک رسول کے آنے کی اطلاع دی اور اس کے اسم مبارک (احمد) کی بھی تعین فرمادی کہ کوئی شقی ازلی یہ دعویٰ نہ کرنے لگے کہ اس کا مصداق میں ہوں ۔(جیسے آج کل مرزا قادیانی کی امت یہ ہانک دیا کرتی ہے کہ بشارت احمد کا مصداق مرزا قادیانی ہے۔)

ارشاد ہوا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ (الصف ٦)

اور یاد کرو جب عیسٰی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللّٰہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے پھر جب احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے بولے یہ کُھلا جادو ہے۔

آنے والے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام بتا کر تعین بھی کر دی اور کہا کہ اب میرے بعد ایک اور صرف ایک رسول آئے گا۔ جس کا نام گرامی احمد ہو گا۔ انبیاء وسابقین نے تو اپنے بعد کے زمانہ میں بصیغہ جمع کئی رسولوں کی آمد کی خوشخبری دی تھی۔ مگر حضرت مسیح علی نبیناوعلیہ السلام نے صرف ایک رسول احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ہی بشارت

وخوشخبری دی اور جب وہ رسول خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، آخر آمد بود فخر الاولین، تشریف فرماہوئے۔ تو خدا نے ساری دنیا کے سامنے اعلان فرمادیا کہ اب وہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جس کی طرف نگاہیں تاک رہی تھیں۔ وہ تشریف فرماہوگیا ہے۔ وہ خاتم النبیین ہے اور اس کے بعد کوئی نیا شخص نبوت کے اعزاز سے نہیں نوازا جائے گا۔ بلکہ وہ نبوت کی ایسی اینٹ ہے جس کے بعد نبوت کے دروازہ کو بند فرمادیا گیا ہے۔

ارشاد ملاحظہ ہو:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰)

محمدؐ تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جن کی آمد کی اطلاع حضرت مسیح نے دی تھی وہ آچکے اور آکر نبوت پر مہر کردی۔ اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد دنیا میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہوگی۔ جس کو نبوت کے خطاب سے نوازا جائے اور انبیاء کرام کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ قرآن کا یہ طریق بیان نبوت کے سلسلہ کی ان کڑیوں کا اجمالی نقشہ تھا کہ جو حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوکر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ختم ہوگیا۔ عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید کا اسلوب بیان نمبر ۴ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام انبیاء کرام کے بعد تشریف فرماہوئے ہیں۔ جتنے نبی ہوچکے ہیں وہ سب کے سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

وبارک وسلم سے پہلے ہی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد اب کسی کو نبوت سے نہ نوازا جائے گا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس جگہ یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام انبیاء کے بعد آئیں گے۔اوراسی آیت کو مرزا قادیانی نے بھی حقیقت الوحی صفحہ ۱۳۰'۱۳۱' روحانی خزائن صفحہ ۱۳۴'۱۳۳' جلد ۲۲ میں نقل کر کے اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ:"اس آیت میں "ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ" سے مراد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی ہیں۔"

قرآن مجید کو اول سے آخر تک پڑھئے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت حضرت آدم صفی اللہ علی نبیناوعلیہ السلام سے شروع کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ختم کر دیا۔ خود مرزا قادیانی بھی اس کا اقراری ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:"سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کافر وکاذب جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت

آدم صفی اللہ علی نبینا وعلیہ السلام سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ختم ہو گئی۔"[906]

آیات مندرجہ بالا کے علاوہ ایک ایسی آیت بھی ملاحظہ ہو جو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد نبوت کی ضرورت ہی کو اٹھادے اور وہ ایسی فلاسفی بتادے کہ جس پر یقین کر کے ہر مومن اطمینان حاصل کرے کہ اب آئندہ کسی کو نبوت حاصل نہ ہو گی اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدة ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس ارشاد خداوندی نے بتادیا کہ دین کے تمام محاسن مکمل اور پورے ہو چکے ہیں۔ اب کسی پورا کرنے یا مکمل کرنے والے کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے جب کسی کے پورا کرنے یا مکمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو یقیناً آج کے بعد کسی کو نبی بنانے کی بھی کوئی حاجت نہیں۔

آیت خاتم النبیین کی تفسیر

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰)

محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

---

[906](مجموعہ اشتہارات ص ۲۳۱'۲۳۰ ج ۱'حقیقت النبوۃ ص ۸۹)

شانِ نزول (نازل ہونے کا سبب)

اس آیت شریفہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ آفتاب نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے طلوع ہونے سے پہلے تمام عرب جن تباہ کن اور مضحکہ خیز رسومات قبیحہ میں مبتلا تھے ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ متبنّٰی یعنی لے پالک بیٹے کو تمام احکام واحوال میں حقیقی اور نسبی بیٹا سمجھتے۔ اسی کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور مرنے کے بعد شریک وراثت ہونے میں اور رشتہ ناطے اور حلت وحرمت کے تمام احکام میں حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے۔ جس طرح نسبی بیٹے کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد باپ کے لئے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح وہ لے پالک کی بیوی سے بھی اس کے مرنے اور طلاق دینے کے بعد نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔

یہ رسم بہت سے مفاسد پر مشتمل تھی۔ اختلاط نسب، غیر وراث شرعی کو اپنی طرف سے وارث بنانا، ایک شرعی حلال کو اپنی طرف سے حرام قرار دینا وغیرہ۔

اسلام جو کہ دنیا میں اسی لئے آیا ہے کہ کفر وضلالت کی بیہودہ رسوم سے عالم کو پاک کردے۔ اس کا فرض تھا کہ وہ اس رسم کے استیصال (جڑ سے اکھاڑنے) کی فکر کرتا۔ چنانچہ اس نے اس کے لئے دو طریق اختیار کئے۔ ایک قولی اور دوسرا عملی۔

ایک طرف تو یہ اعلان فرمادیا:

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (۴) ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (الاحزاب ۵)

اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔

اصل مدعا تو یہ تھا کہ شرکت نسب اور شرکت وراثت اور احکام حلت و حرمت وغیرہ میں اس کو بیٹا نہ سمجھا جائے۔ لیکن اس خیال کو بالکل باطل کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ متبنٰی یعنی لے پالک بنانے کی رسم ہی توڑ دی جائے۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہو گیا کہ لے پالک کو اس کے باپ کے نام سے پکارو۔

نزول وحی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے غلام تھے) آزاد فرما کر متبنٰی (لے پالک بیٹا) بنالیا تھا اور تمام لوگ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی عرب کی قدیم رسم کے مطابق ان کو "زید بن محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)" کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی اس وقت سے ہم نے اس طریق کو چھوڑ کر ان کو "زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہنا شروع کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس آیت کے نازل ہوتے ہی اس رسم قدیم کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ لیکن چونکہ کسی رائج شدہ رسم کے خلاف کرنے میں اعزاء واقارب اور اپنی قوم وقبیلہ کے ہزاروں طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑتا ہے جس کا تحمل ہر شخص کو دشوار ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے چاہا کہ اس عقیدہ کو اپنے رسول ہی کے ہاتھوں عملاً توڑا جائے۔ چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باہمی ناچاقی کی وجہ سے طلاق دے دی تو خداوند عالم نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حکم فرمایا کہ ان سے نکاح کر لیں تاکہ اس رسم وعقیدہ کا کلیۃً استیصال ہو جائے۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ(الاحزاب۳۷)

پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی تاکہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بامر خداوندی نکاح کیا۔ ادھر جیسا کہ پہلے ہی خیال تھا۔ تمام کفار عرب میں شور مچا کہ لو' اس نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کو دیکھو کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر بیٹھے۔ ان لوگوں کے طعنوں اور اعتراضات کے جواب میں آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا(الاحزاب۴۰)

محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

جس میں یہ بتلادیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کسی مرد کے نسبی باپ نہیں تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسبی باپ بھی نہ ہوئے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ان کی سابقہ بی بی سے نکاح کر لینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے۔ اور اس بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو مطعون کرنا سراسر نادانی اور حماقت ہے۔ ان کے دعوے کے رد کے لئے اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نہیں۔ لیکن خداوند عالم نے ان کے مطاعن کو مبالغہ کے

ساتھ رد کرنے اور بے اصل ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا کہ یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تو کسی مرد کے بھی باپ نہیں۔ پس ایک ایسی ذات پر جس کا کوئی بیٹا ہی موجود نہیں یہ الزام لگانا کہ اس نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا کس قدر ظلم اور کجروی ہے۔ اور اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چار فرزند ہوئے ہیں۔ قاسم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور طیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور طاہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور ابراھیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے۔ پھر یہ ارشاد کیسے صحیح ہو گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کسی مرد کے باپ نہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم کے الفاظ میں موجود ہے۔ کیونکہ اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کسی مرد کے باپ نہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چاروں فرزند بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ ان کو مرد کہے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آیت میں "رجالکم" کی قید اسی لئے بڑھائی گئی ہے۔ بالجملہ اس آیت کے نزول کی غرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کفار ومنافقین کے اعتراضات کا اٹھانا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی برأت اور عظمت شان بیان فرمانا ہے اور یہی آیت کا شان نزول ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلٰکِنۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ {ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔}

خاتم النبیین کی قرآنی تفسیر

اب سب سے پہلے دیکھیں کہ قرآن مجید کی رو سے اس کا کیا ترجمہ و تفسیر کیا جانا چاہیئے ؟۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ "ختم" کے مادہ کا قرآن مجید میں سات مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

۱۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (بقرہ ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

۲۔ خَتَمَ عَلٰی قُلُوبِکُمْ (انعام ۴۶) {اور مہر کر دی تمہارے دلوں پر۔}

۳۔ خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ۔ (الجاثیہ ۲۳) {مہر کر دی اس کے کان پر اور دل پر۔}

۴۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی أَفْوَاهِهِمْ (یس ۶۵) {آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر۔}

۵۔ فَإِنْ یَشَإِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ۔ (الشوریٰ ۲۴) {اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مُہر فرما دے۔}

۶۔ رَحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ۔ (مطففین ۲۵) {جو مُہر کی ہوئی رکھی ہے۔}

۷۔ خِتَامُهٗ مِسْکٌ۔ (مطففین ۲۶) {اس کی مُہر مشک کی ہے۔}

ان ساتوں مقامات کے اول وآخر' سیاق وسباق کو دیکھ لیں "ختم" کے مادہ کا لفظ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے۔ ان تمام مقامات پر قدر مشترک یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسے طور پر بند کرنا۔ اس کی ایسی بندش کرنی کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اور اندر سے کوئی چیز اس سے باہر نہ نکالی جاسکے۔ وہاں پر "ختم" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً پہلی آیت کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں پر مہر کر دی۔ کیا معنی؟ کہ کفر ان کے دلوں سے باہر نہیں نکل سکتا اور باہر سے ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (بقرہ ۷) اب زیر بحث آیت خاتم النبیین کا اس قرآنی تفسیر کے اعتبار سے ترجمہ کریں تو اس کا معنی ہوگا کہ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آمد پر حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ پر ایسے طور پر

بندش کردی، بند کردیا، مہرلگادی، کہ اب کسی نبی کو نہ اس سلسلہ سے نکالا جاسکتا ہے اور نہ کسی نئے شخص کو سلسلہ نبوت میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ **فھو المقصود ۔** لیکن قادیانی اس ترجمہ کو نہیں مانتے۔خاتم النبیین کی نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تفسیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خاتم النبیین کی تفسیر **لانبی بعدی** کے ساتھ وضاحت فرمادی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی معروف حدیث شریف جس کا آخری جملہ ہے: ''**انا خاتم النبیین لانبی بعدی**'' اس کا حوالہ و توضیح آگے آرہی ہے۔ سردست یہاں پر اپنے فریق مخالف کے سامنے مرزا قادیانی کے ایک حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:''**قال اللہ عزوجل مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب ۴۰)الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمی نبینا ﷺ خاتم النبیین خاتم الانبیاء بغیر استثناء وفسرہ نبینافی قولہ لانبی بعدی۔**[907]

دیکھئے کس صراحت سے مرزا قادیانی تسلیم کررہاہے کہ خاتم النبیین کی تفسیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے واضح بیان کے ساتھ **لانبی بعدی** سے کردی ہے۔ لیکن قادیانی گروہ رحمت دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ترجمہ و تفسیر کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں۔

خاتم النبیین کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

حضرات صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسئلہ ختم نبوت سے متعلق کیا موقف تھا۔خاتم النبیین کا ان کے نزدیک کیا ترجمہ تھا؟ یہاں پر صرف دوصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراءمبارکہ درج کی جاتی ہیں۔ امام ابوجعفر ابن جریر طبری اپنی عظیم الشان تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ

---

[907] (بیان واضح للطالبین۔حمامۃالبشری ص ۲۰ روحانی خزائن ص ۲۰۰ ج۷)

عنہ سے خاتم النبیین کی تفسیر میں روایت فرماتے ہیں: **"عن قتادة رضی اللہ عنہ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ای آخرھم۔**[908]

حضرت قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ اور لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہیں ۔حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول شیخ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر در منثور میں عبد الرزاق اور عبد ابن حمید اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم سے بھی نقل کیا ہے۔[909]

اس قول نے بھی صاف وہی بتلا دیا جو ہم اوپر قرآن عزیز اور احادیث سے نقل کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہیں۔ کیا اس میں کہیں تشریعی غیر تشریعی اور بروزی و ظلی وغیرہ کی کوئی تفصیل ہے؟ نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات ہی آیت مذکور میں: **ولکن نبینا خاتم النبیین** ہے۔ جو خود اسی معنی کی طرف ہدایت کرتی ہے جو بیان کئے گئے۔ اور سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے در منثور میں بحوالہ عبد ابن حمید حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: **"عن الحسن فی قولہ و خاتم النبیین قال ختم اللہ النبیین بمحمد ﷺ و کان آخر من بعث"**[910] {حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت **خاتم النبیین** کے بارے میں یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ختم کر دیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان رسولوں میں سے جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے آخری ٹھہرے۔

[908] ابن جریر ص ۱۱ ج ۲۲"
[909] (درمنشور ص ۲۰۴ ج ۵)
[910] "درمنشور ص ۲۰۴ ج ۵"

کیا اس جیسی صراحتوں کے بعد بھی کسی شک یا تاویل کی گنجائش ہے؟ اور بروزی یا ظلی کی تاویل چل سکتی ہے؟

خاتم النبیین اور اصحاب لغت:

خاتم النبیین "ت" کی زبر یا زیر سے ہو قرآن وحدیث کی تصریحات اور صحابہ وتابعین کی تفاسیر اور آئمہ سلف کی شہادتوں سے بھی قطع نظر کرلی جائے اور فیصلہ صرف لغت عرب پر رکھ دیا جائے تب بھی لغت عرب یہ فیصلہ دیتا ہے کہ آیت مذکورہ کی پہلی قرات پر دو معنی ہوسکتے ہیں۔ آخرالنبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے اور دوسری قرات پر ایک معنی ہوسکتے ہیں یعنی آخر النبیین۔

لیکن اگر حاصل معنی پر غور کیا جائے تو دونوں کا خلاصہ صرف ایک ہی نکلتا ہے۔ اور بہ لحاظ مراد کہا جاسکتا ہے کہ دونوں قرأتوں پر آیت کے معنی لغۃً یہی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے آخر ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔

جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں تصریح موجود ہے:

" والخاتم اسم آلة لما یختم به کا لطابع لما یطبع به فمعنی خاتم النبیین الذی ختم النبییون به ومآله آخر النبیین۔[911]

{اور خاتم بالفتح اس آلہ کا نام ہے جس سے مہر لگائی جائے۔ پس خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں گے: "وہ شخص جس پر انبیاء ختم کئے گئے" اور اس معنی کا نتیجہ بھی یہی آخرالنبیین ہے۔}

---

[911](روح المعانی ص ۵۹ ج۷)

اور علامہ احمد معروف بہ ملاجیون صاحب نے اپنی تفسیر احمدی میں اسی لفظ کے معنی کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"والمآل علیٰ کل توجیہ ھو المعنی الآخر ولذلک فسر صاحب المدارک قراءۃ عاصم بالاٰخر وصاحب البیضاوی کل القراءتین بالاٰخر"۔

اور نتیجہ دونوں صورتوں (بالفتح وبالکسر) میں وہ صرف معنی آخر ہی ہیں اور اسی لئے صاحب تفسیر مدارک نے قرات عاصم یعنی بالفتح کی تفسیر آخر کے ساتھ کی ہے اور بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قرأتوں کی یہی تفسیر کی ہے۔ روح المعانی اور تفسیر احمدی کی ان عبارتوں سے یہ بات بالکل روشن ہوگئی ۔ کہ لفظ خاتم کے دو معنی آیت میں بن سکتے ہیں۔ ان کا بھی خلاصہ اور نتیجہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی آخر النبیین اور اسی بناء پر بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قراتوں کے ترجمہ میں کوئی فرق نہیں کیا۔ بلکہ دونوں صورتوں میں آخر النبیین تفسیر کی ہے۔ خداوند عالم ائمہ لغت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ لفظ خاتم کے معنی کو جمع کر دیا۔ بلکہ تصریحاً اس آیت شریفہ کے متعلق جس پر اس وقت ہماری بحث ہے صاف طور پر بتلا دیا کہ تمام معانی میں سے جو لفظ خاتم میں لغۃً محتمل ہیں اس آیت میں صرف یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سب انبیاء کے ختم کرنے والے اور آخری نبی ہیں۔

خدائے علیم وخبیر ہی کو معلوم ہے کہ لغت عرب پر آج تک کتنی کتابیں چھوٹی بڑی اور معتبر وغیر معتبر لکھی گئیں۔ اور کہاں کہاں اور کس صورت میں موجود ہیں۔ ہمیں نہ ان سب کے جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ کسی بشر کی طاقت ہے۔ بلکہ صرف ان چند کتابوں سے جو عرب وعجم میں مسلم الثبوت اور قابل استدلال سمجھی جاتی ہیں "مشتے نمونہ از خروارے" ہدیہ ناظرین کرکے یہ

دکھلاناچاہتےہیں کہ لفظ خاتم بالفتح اور بالکسر کے معنی میں سے ائمہ لغت نے آیت مذکورہ میں کون سے معنی تحریر کئے ہیں۔

مفردات القرآن:

یہ کتاب امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ عجیب تصنیف ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ خاص قرآن کے لغات کو نہایت عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتقان میں فرمایاہے کہ لغات قرآن میں اس سے بہتر کتاب آج تک تصنیف نہیں ہوئی۔ آیت مذکورہ کے متعلق اس کے الفاظ یہ ہیں:

وخاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممھا بمجیئہ۔[912]

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو خاتم النبیین اس لئے کہا جاتاہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نبوت کو ختم کردیایعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تشریف لاکر نبوت کو تمام فرمادیا۔

المحکم لابن السیدہ:

لغت عرب کی وہ متعمد علیہ کتاب ہے جس کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان معتبرات میں سے شمار کیاہے کہ جن پر قرآن کے بارے میں اعتماد کیا جاسکے۔ "**وخاتم کل شیء وخاتمتہ عاقبتہ وآخرہ ازلسان العرب**" {اور خاتم اور خاتمہ ہر شے کے انجام اور آخر کو کہا جاتاہے۔}

تہذیب الازھری

اس کو بھی سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معتبرات لغت میں شمار کیاہے۔اس میں لکھاہے:

---

[912](مفردات راغب ص ۱۴۲)

و الخاتم و الخاتم من اسماء النبی ﷺ و فی التنزیل العزیز مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب ۴۰) ای آخرھم۔[913]

{اور خاتم بالکسر اور خاتم بالفتح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ناموں میں سے ہیں اور قرآن عزیز میں ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں۔} اس میں کس قدر صراحت کے ساتھ بتلادیا گیا کہ خاتم بالکسر اور خاتم بالفتح دونون آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نام ہیں۔ اور قرآن مجید میں خاتم النبیین سے آخر النبیین مراد ہے۔

کیا آئمہ لغت کی اتنی تصریحات کے بعد بھی کوئی منصف اس معنی کے سوا اور کوئی معنی تجویز کر سکتا ہے؟

لسان العرب

لغت کی مقبول کتاب ہے۔ عرب وعجم میں مستند مانی جاتی ہے۔

اس کی عبارت یہ ہے:

"**خاتمھم و خاتمھم و آخرھم عن اللحیانی و محمد ﷺ خاتم الانبیاء علیه و علیهم الصلوٰۃ و السلام**" {**خاتم القوم بالکسر** اور **خاتم القوم بالفتح** کے معنیٰ **آخر القوم** ہیں اور انہی معانی پر **لحیانی** سے نقل کیا جاتا ہے '**محمد ﷺ خاتم الانبیاء (یعنی آخر الانبیاءؑ)** اس میں بھی بوضاحت بتلایا گیا کہ بالکسر کی قرات پڑھی جائے یا بالفتح کی ہر صورت میں **خاتم النبیین** اور **خاتم الانبیاء** کے معنیٰ **آخر النبیین** اور **آخر الانبیاء** ہوں گے۔

---

[913] از لسان العرب

لسان العرب کی اس عبارت سے ایک قاعدہ بھی مستفاد (دال) ہوتا ہے کہ اگرچہ لفظ خاتم بالفتح اور بالکسر دونوں کے بحیثیت نفس لغت بہت سے معانی ہوسکتے ہیں لیکن جب قوم یا جماعت کی طرف سے اس کی اضافت کی جاتی ہے تو اس کے معنی صرف آخر اور ختم کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ غالباً اسی قاعدہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ خاتم کو تنہا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ قوم اور جماعت کی ضمیر کی طرف اضافت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لغت عرب کے تتبع (تلاش) کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ لفظ خاتم بالکسر یا بالفتح جب کسی قوم یا جماعت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخر ہی کے ہوتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں بھی خاتم کی اضافت جماعت "نبیین" کی طرف ہے۔ اس لئے اس کے معنی آخر النبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتے۔ اس قاعدہ کی تائید تاج العروس شرح قاموس سے بھی ہوتی ہے۔ **وھو ھذا:**

تاج العروس

شرح قاموس للعلامتہ الزبیدی میں لحیانی سے نقل کیا ہے: **"ومن اسمائه علیه السلام الخاتم والخاتم وهو الذی ختم النبوة بمجیئه"** {اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے خاتم بالکسر اور خاتم الفتح بھی ہے اور خاتم وہ شخص ہے جس نے اپنے تشریف لانے سے نبوت کو ختم کردیا ہو۔}

مجمع البحار

جس میں لغات حدیث کو معتمد طریق سے جمع کیا گیا ہے۔ اس کی عبارت درج ذیل ہے:

الخاتم والخاتم من اسمائه ﷺ " ش " بالفتح اسم ای آخرهم و وبالکسر اسم فاعل۔[914]

{خاتم بالکسر اور خاتم بالفتح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ناموں میں سے ہے۔ بالفتح اسم ہے جس کے معنی آخر کے ہیں۔ اور بالکسر اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی تمام کرنے والے کے ہیں۔}

"خاتم النبوة بکسر التاء ای فاعل الختم وهو الا تمام وبفتحها بمعنى الطابع ایی شیء یدل علیٰ انه لانبی بعده۔[915]

{**خاتم النبوة بکسر تا** یعنی تمام کرنے والا اور بالفتح تا بمعنی مہر یعنی وہ شے جو اس پر دلالت کرے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں}

قاموس میں ہے:

"والخاتم آخر القوم کالخاتم ومنه قوله تعالیٰ وخاتم النبیین ای آخرهم"۔

{اور خاتم بالکسر اور بالفتح، قوم میں سب سے آخر کو کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **خاتم النبیین** یعنی **آخر النبیین**}

اس میں بھی لفظ "**قوم**" بڑھا کر قاعدہ مذکورہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز مسئلہ زیر بحث کا بھی نہایت وضاحت کے ساتھ فیصلہ کر دیا ہے۔

کلیات ابی البقاء

---

[914] مجمع البحار ص ۱۵ ج ۲ طبع ۳"

[915] مجمع البحار ص ۱۵ ج ۳ طبع ۳"

لغت عرب کی مشہور و معتمد کتاب ہے، اس میں مسئلہ زیر بحث کو سب سے زیادہ واضح کر دیا ہے
۔ملاحظہ ہو:

"وتسمیۃ نبینا خاتم الانبیاء لان الخاتم آخر القوم قال اللہ تعالیٰ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب ۴۰)[916]

{اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام خاتم الانبیاء اس لئے رکھا گیا کہ خاتم آخر قوم کو کہتے ہیں۔ (اور اسی معنی میں) خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ نہیں ہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور آخر سب نبیوں کے۔}

اس میں نہایت صاف کر دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خاتم الانبیاء اور خاتم النبیین نام رکھنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ "خاتم" خاتم القوم کو کہا جاتا ہے۔اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آخر النبیین ہیں۔ نیز ابو البقاء نے اس کے بعد کہا ہے کہ: "ونفی الاعم یستلزم نفی الاخص" {اور عام کی نفی' خاص کی نفی کو بھی مستلزم ہے۔} جس کی غرض یہ ہے کہ نبی عام ہے۔ تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔اور رسول خاص تشریعی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور آیت میں جبکہ عام یعنی نبی کی نفی کر دی گئی تو خاص یعنی رسول کی بھی نفی ہونا لازمی ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ اس آیت سے تشریعی اور غیر تشریعی ہر قسم کے نبی کا اختتام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد پیدا ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ جو لوگ آیت میں تشریعی اور غیر تشریعی کی تقسیم گھڑتے ہیں علامہ ابو البقاء نے پہلے ہی سے ان کے لئے رد تیار رکھا ہے۔

---

[916] کلیات ابی البقاء ص ۳۱۹"

صحاح العربیہ للجوہری

جس کی شہرت محتاج بیان نہیں۔اس کی عبارت یہ ہے:

”والخاتم والخاتم بکسر التاء وفتحها والخیتام والخاتام کله بمعنی والجمع الخواتیم وخاتمة الشئ آخره ومحمد ﷺ خاتم الانبیاء علیهم السلام“۔

{اور خاتم اور خاتم تا کے زیر اور زبر دونوں سے اور ایسے ہی خیتام اور خاتام سب کے معنی ایک ہیں۔اور جمع خواتیم آتی ہے۔اور خاتمہ کے معنی آخر کے ہیں اور اسی معنی میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو خاتم الانبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔}اس میں تصریح کردی گئی ہے کہ خاتم اور خاتم بالکسر وبالفتح دونوں کے ایک معنی ہیں۔یعنی آخر قوم۔

منتہی الارب

میں لفظ خاتم کے متعلق لکھا ہے:

”خاتم کصاحب مہر وانگشتری' وآخر ہر چیزے وپایان آں وآخر قوم وخاتم بالفتح مثلہ ومحمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین“۔

صراح میں ہے:

”خاتمة الشئ آخره ومحمد خاتم الانبیاء بالفتح صلوات اللہ علیه وعلیهم اجمعین“۔

{خاتمہ شے کے معنی آخر شے کے ہیں اور اسی معنی میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔}

لغت عرب کے غیر محدود دفتر میں سے یہ چند اقوال آئمہ لغت بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں۔جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو یقین ہوگیا ہوگا کہ ازروئے لغت عرب

'آیت مذکورہ میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ اور لفظ خاتم کے معنی آیت میں آخر اور ختم کرنے والے کے علاوہ ہر گز مراد نہیں بن سکتے۔

یہاں تک بحمد اللہ یہ بات بالکل روشن ہو چکی ہے کہ آیت مذکورہ میں خاتم بالفتح اور بالکسر کے حقیقی معنی صرف دو ہو سکتے ہیں۔ اور اگر بالفرض مجازی معنی بھی لئے جائیں تو اگرچہ اس جگہ حقیقی معنی کے درست ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن بالفرض اگر ہوں تب بھی خاتم کے معنی مہر کے ہوں گے۔ اور اس وقت آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم انبیاء پر مہر کرنے والے ہیں۔

ختم نبوت اور احادیث نبویہ تواتر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے متواتر احادیث میں اپنے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا اور ختم نبوت کی ایسی تشریح بھی فرمادی کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے آخری نبی ہونے میں کسی شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ متعدد اکابر نے ان احادیث ختم نبوت کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہری کتاب "الفصل فی الملل والاھوا والنحل" میں لکھتے ہیں:

" وقد صح عن رسول اللہ ﷺ بنقل الکواف التی نقلت نبوته واعلامه وکتابه انه اخبر انه لانبی بعده۔[917]

{وہ تمام حضرات جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نبوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے معجزات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

---

[917] کتاب الفصل ص ۷۷ ج ۱ "

وبارک وسلم کی کتاب (قرآن کریم) کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔}

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آیت خاتم النبیین کے تحت لکھتے ہیں:

"وبذالک وردت الاحادیث المتواترة عن رسول اللہ ﷺ من حدیث جماعة من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[918]

{اور ختم نبوت پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں۔ جن کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے بیان فرمایا}

اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر روح المعانی میں زیر آیت خاتم النبیین لکھتے ہیں:

"وکونہ ﷺ خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنة واجمعت علیہ الامة فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔[919]

{اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا خاتم النبیین ہونا ایسی حقیقت ہے جس پر قرآن ناطق ہے۔ احادیث نبویہ نے جس کو واشگاف طور پر بیان فرمایا ہے۔ اور امت نے جس پر اجماع کیا ہے۔ پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو۔ اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔} پس عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کے نصوص

---

[918] "تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۳"

[919] "روح المعانی ص ۴۱ ج ۲۲"

قطعیہ سے ثابت ہے۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔یہاں اختصار کے مد نظر صرف چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ و اجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔[920]

{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین وجمیل محل بنایا۔مگر اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔لوگ اس کے گرد گھومنے اور اس پر عش عش کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔}

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے:

۱۔حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی حدیث کے الفاظ صحیح مسلم میں درج ذیل ہیں:

"قال رسول اللہ ﷺ فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء۔[921]

{رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا پس میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔میں آیا پس نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔}

---

[920] صحیح بخاری کتاب المناقب ص ۵۰۱ ج ۱ صحیح مسلم ص ۲۴۸ ج ۲ و اللفظ لہ"

[921] (مسند احمد ص ۳۶۱ ج ۳،صحیح بخاری ص ۵۰۱ ج ۱،مسلم ص ۱۴۸ ج ۲،ترمذی ص ۱۰۹ ج ۱)

۲۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"مثلی فی النبیین کمثل رجل بنی دارا فاحسنھا و اکملھا و اجملھا وترک منھا موضع لبنة فجعل الناس یطوفون بالبناء ویعجبون منه ویقولون لو تم موضع تلک اللبنة۔ وانا فی النبیین موضع تلک اللبنة قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح۔[922]

{انبیاء کرام (علیہم السلام) میں میری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بڑا حسین و جمیل اور کامل و مکمل محل بنایا مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس لوگ اس محل کے گرد گھومتے اور اس کی عمدگی پر تعجب کرتے اور یہ کہتے کہ کاش! اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔}

۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند احمد میں ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی دار فتمھا الا لبنة واحدة فجئت انا فاتمت تلک اللبنة۔[923]

{میری اور دوسرے نبیوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے محل بنایا پس اس کو پورا کر دیا مگر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو پورا کر دیا۔}

ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ختم نبوت کی ایک محسوس مثال بیان فرمادی ہے اور اہل عقل جانتے ہیں کہ محسوسات میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

---

[922] مسند احمد ص ۱۳۷ ج ۵، ترمذی ص ۲۰۱ ج ۲"

[923] مسند احمد ص ۹ ج ۳ واللفظ له، صحیح مسلم ص ۲۴۸ جامع الاصول ص ۵۳۹ ج ۸"

حدیث نمبر ۲ "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب و احلت لی الغنائم جعلت لی الارض طھورا و مسجدا و ارسلت الی الخلق کافۃ و ختم بی النبییون۔[924]

{حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ مجھے چھ چیزوں میں انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے:

(۱)۔۔۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔(۲)۔۔۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔(۳)۔۔۔مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ (۴)۔۔۔روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنادیا گیا ہے۔ (۵)۔۔۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔(٦)۔۔۔اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔}

اس مضمون کی ایک حدیث صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔اس کے آخر میں ہے:

"وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ و بعثت الی الناس عامۃ۔[925]

{پہلے انبیاء کو خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔}

حدیث نمبر ۳"عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔[926]

---

[924] صحیح مسلم ص ۱۹۹ ج ۱'مشکوٰۃ ص ۵۱۲"

[925] (مشکوٰۃ ص ۵۱۲)

[926] (صحیح بخاری ص ۶۳۳ ج ۲')

وفی روایۃ المسلم انہ لا نبوۃ بعدی۔[927]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہما السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ: ”میرے بعد نبوت نہیں۔“

یہ حدیث متواتر ہے اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت سے بھی مروی ہے:

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[928]

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[929]

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[930]

۴۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ[931]

۵۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ[932]

۶۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ[933]

---

[927] (صحیح مسلم ص ۲۷۸ ج ۲)

[928] (مسند احمد ص ۳۳۸ ج ۳، ترمذی ص ۲۱۴ ج ۲، ابن ماجہ ص ۱۲)

[929] (کنز العمال ص ۶۰۷ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۹۳۴)

[930] (کنز ص ۱۵۸ ج ۱۳ حدیث نمبر ۳۶۴۸۸ مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج ۹)

[931] (مسند احمد ص ۴۳۸ ج ۶، مجمع ص ۱۰۹ ج ۹، کنز ص ۶۰۷ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۹۳۷)

[932] (کنز ص ۶۰۳ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۱۹۱۵ مجمع الزوائد ص ۱۰۹ ج ۹)

[933] (مجمع الزوائد ص ۱۱۱ ج ۹)

۷۔جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[934]

۸۔ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[935]

۹۔براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ[936]

۱۰۔زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ[937]

۱۱۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[938]

۱۲۔حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[939]

۱۳۔مالک بن حسن بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ[940]

۱۴۔زید بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[941]

واضح رہے کہ جو حدیث دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہو حضرات محدثین اسے احادیث متواترہ میں شمار کرتے ہیں۔ چونکہ یہ حدیث دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مروی ہے اس لئے مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو متواترہ میں شمار کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ **ازالۃ الخفا** میں **"مآثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ"** کے تحت لکھتے ہیں:

---

934 (ایضاًص ۱۱۰ج ۹)
935 (ایضاًص ۱۰۹ج ۹)
936 (ایضاًص ۱۱۱ج ۹)
937 (ایضاًص ۱۱۱ج ۹)
938 (ایضاًص ۱۱۰ج ۹'خصائص کبریٰ سیوطی ص ۲۴۹ج ۲)
939 (کنزص ۱۹۲ج ۱۳حدیث نمبر ۳۶۵۷۲مجمع ص ۱۰۹ج ۹)
940 (کنزص ۶۰۲ج ۱۱حدیث نمبر ۳۲۹۳۲)
941 (کنزص ۱۰۵ج ۱۳حدیث نمبر ۳۶۳۴۵)

”فمن المتواتر انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔[942]

{متواتر احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔}

حدیث نمبر۴: ”عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحدث عن النبی ﷺ قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون۔[943]

{حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے۔ جب کسی نبی علیہ السلام کی وفات ہوتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی علیہ السلام تشریف لاتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔}

بنی اسرائیل میں غیر تشریعی انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے تھے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تجدید کرتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد ایسے انبیاء علیہم السلام کی آمد بھی بند ہے۔

حدیث نمبر ۵: ”عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔[944]

---

[942] ازالۃ الخفاء مترجم ص ۴۴۴ ج ۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراتشی“

[943] صحیح بخاری ص ۴۹۱ ج ۱ واللفظ لہ‘ صحیح مسلم ص ۱۲۶ ج ۲‘ مسند احمد ص ۲۹۷ ج ۲“

[944] ابو داؤد ص ۲۲۸ ج ۲ واللفظ لہ‘ ترمذی ص ۴۵ ج ۲“

{حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ہر ایک کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔}

یہ مضمون بھی متواتر ہے اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [945]

۲۔ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ [946]

۳۔ ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [947]

۴۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [948]

۵۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ [949]

۶۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ [950]

۷۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ [951]

۸۔ سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [952]

---

945 (صحیح بخاری ص ۵۰۹ ج ۱ ‘صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۲)

946 (کنز العمال ص ۱۹۸ ج ۱۴ حدیث نمبر ۳۸۳۷۲)

947 (مشکل الآثار ص ۱۰۴ ج ۴)

948 (فتح الباری ص ۶۱۷ ج ۶ حدیث نمبر ۳۶۰۹)

949 (فتح الباری ص ۸۷ ج ۱۳ حدیث نمبر ۷۱۲۱)

950 (ایضاً)

951 (ایضاً)

952 (ایضاً)

۹۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [953]

۱۰۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ [954]

۱۱۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [955]

تنبیہ: ان تمام احادیث کا متن [956] میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۶: "عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ [957]

{حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔}

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند میں بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حدیث میں بروایت ابو یعلیٰ اتنا اضافہ نقل کیا ہے:

"ولکن بقیت المبشرات قالوا وما المبشرات قال رؤیا المسلمین جزء من اجزاء النبوۃ۔ [958]

---

[953] (ایضاً)

[954] (ایضاً)

[955] (مجمع الزوائد ص ۳۳۴ ج ۷)

[956] (مجمع الزوائد ص ۳۳۲، ۳۳۴ ج ۷)

[957] ترمذی ص ۵۱ ج ۲، مسند احمد ص ۲۶۷ ج ۳"

[958] فتح الباری ص ۳۷۵ ج ۱۲"

{لیکن مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا مومن کا خواب جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔}

اس مضمون کی حدیث مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [959]

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [960]

۳۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ [961]

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما [962]

۵۔ حضرت ام کرز الکعبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا [963]

۶۔ حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ [964]

حدیث نمبر۷:"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ بید انہم اوتو الکتاب من قبلنا۔ [965]

{حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ صرف اتنا ہوا کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔}

---

959 (صحیح بخاری ص ۱۰۳۵ ج ۲)
960 (کنز العمال ص ۳۷۰ ج ۱۵ حدیث نمبر ۴۱۴۱۹ مجمع الزوائد ص ۱۷۲ ج ۷)
961 (حوالہ بالا)
962 (صحیح مسلم ص ۱۹۱ ج ۱‘ سنن نسائی ص ۱۶۸‘ ابوداؤد ص ۱۲۷ ج ۱‘ ابن ماجہ ص ۲۷۸)
963 (ابن ماجہ ص ۲۷۸‘ احمد ص ۳۸۱ ج ۶‘ فتح الباری ص ۳۷۵ ج ۱۲)
964 (مسند احمد ص ۴۵۴ ج ۵‘ مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۷)
965 صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ۱ واللفظ لہ‘ صحیح مسلم ص ۲۸۲ ج ۱"

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنا آخری نبی ہونا اور اپنی امت کا آخری امت ہونا بیان فرمایاہے۔ یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیاہے:

۱۔"عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ (فذکر الحدیث، وفیہ) ونحن الآخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القیامة المقضی لھم قبل الخلائق۔[966]

{حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل دنیا میں سب سے آخر میں آئے اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ جن کا فیصلہ ساری مخلوق سے پہلے کیا جائے گا۔}

۲۔"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ (فذکر حدیث الشفاعة، وفیہ) نحن الآخرون الاولون نحن آخر الامم واول من یحاسب۔[967]

{حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے (حدیث شفاعت میں) فرمایا کہ ہم سب سے پچھلے اور سب سے پہلے ہیں۔ ہم تمام امتوں کے بعد آئے اور (قیامت کے دن) ہمارا حساب وکتاب سب سے پہلے ہو گا۔}

۳۔"عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مساجد الانبیاء۔[968]

{حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں آخری مسجد ہے۔}

---

[966] صحیح مسلم ص ۲۸۲ ج ۱، نسائی ص ۲۰۲ ج ۱"

[967] مسند احمد ص ۲۸۲ ج ۱"

[968] کنز العمال ص ۲۸۰ ج ۱۲ حدیث نمبر ۳۴۹۹۹"

۴۔"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث۔[969]

{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری تخلیق سب نبیوں سے پہلے ہوئی اور بعثت (دنیامیں تشریف آوری)سب کے بعد ہوئی۔}

۵۔"عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم انی عنداللہ فی اول الکتاب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ۔[970]

{حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں خاتم النبیین(آخری نبی) لکھاہوا تھا۔جب کہ ابھی آدم علیہ السلام کا خمیر گوندھا جارہا تھا۔}

٦۔"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الشفاعۃ فیأتون محمدا ﷺ فیقولون یامحمدانت رسول اللہ و خاتم الانبیاء۔[971]

{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شفاعت میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ لوگ (دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس جائیں گے اور

---

[969] کنز العمال ص ۴۰۹،۴۵۲ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۱۹۱۶،۳۲۱۲۶"

[970] مجمع الزوائد ص ۲۲۳ ج۸،مسند احمد ص ۱۲۷ ج۴،مستدرک حاکم ص ۶۰۰ ج ۲،واللفظ لہ کنز العمال ص ۱۱ حدیث نمبر ۳۱۹۶۰،۳۲۱۱۴"

[971] صحیح بخاری ص ۶۸۵ ج ۲"

عرض کریں گے۔ اے محمد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔۔۔۔۔۔!

۷۔" عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ قال انا قائد المرسلین ولا فخر و انا خاتم النبیین ولا فخر و انا اول شافع و اول مشفع ولا فخر"۔[972]

{حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں نبیوں میں قائد ہوں اور فخر سے نہیں کہتا اور میں نبیوں کا خاتم ہوں اور فخر سے نہیں کہتا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر سے نہیں کہتا۔}

۸۔ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ یوماً کالمودع فقال انا محمد النبی الامی ثلاث مرات ولا نبی بعدی۔[973]

{حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ گویا ہمیں رخصت فرما رہے ہوں۔ پس فرمایا میں محمد نبی امی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) ہوں۔ تین بار فرمایا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)}

۹۔" عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً لما خلق اللہ عزوجل آدم خبرہ ببنیہ فجعل یری فضائل بعضھم علی بعض فرای نوراً ساطعا فی اسفلھم فقال یارب من ھذا قال ھذا ابنک احمد ھو الاول ھو الاخر و ھو اول شافع و اول مشفع۔[974]

---

[972] سنن دارمی ص ۳۱ ج ۱، کنز العمال ص ۴۰۴ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۱۸۸۳"
[973] مسند احمد ص ۱۷۲، ۲۱۲، ج ۲"
[974] کنز العمال ص ۴۳۷ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۰۵۶"

{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو ان کی اولاد کی آزمائش فرمائی۔ پس ایک دوسرے کی فضائل کا ان پر اظہار کیا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے (یعنی اولاد کے) نیچے ایک نور بلند ہوتا ہوا دیکھا تو عرض کیا۔ یا رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ آپ کے صاحبزادے احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) ہیں۔ یہی اول ہیں یہی آخر ہیں۔ یہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور سب سے پہلے انہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔}

۱۰۔"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه فی حديث الاسراء وان محمدا صلى الله عليه وآله وسلم اثنى على ربه فقال كلكم اثنى على ربه وانا مثن على ربی الحمدلله الذی ارسلنی رحمة للعالمين وكافة للناس بشيرا ونذيرا وانزل على القرآن فيه تبيان كل شیء وجعل امتی خير امة اخرجت للناس وجعل امتی وسطا وجعل امتی هم الاولون وهم الآخرون وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذكری وجعلنی فاتحا وخاتما۔ فقال ابراهيم عليه السلام بهذا فضلكم محمد صلى الله عليه وآله وسلم۔[975] فقال له ربه تبارک وتعالیٰ قد اتخذتک خليلا وهو مكتوب فی التوراة محمد صلى الله عليه وآله وسلم حبيب الرحمن وارسلتک الى الناس كافة وجعلت امتک هم الاولون وهم الآخرون۔۔۔۔۔وجعلتک فاتحا وخاتما"[976]

{حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث معراج میں مروی ہے کہ (انبیاء کرام علیہم السلام کے مجمع میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے تحدیث نعمت کے انداز میں حق تعالیٰ شانہ کی حمد و ثنا بیان فرمائی) اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بھی اپنے رب کی حمد و ثنا کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ آپ حضرات نے اپنے رب تعالیٰ

---

[975] (مجمع الزوائد ص ۶۹ ج ۱)
[976] (ایضا ص ۷۱ ج ۱)

کی حمد وثنا بیان فرمائی ہے اب میں بھی اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں ۔ اور وہ یہ ہے: ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے رحمت للعالمین بنایا۔ تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنایا۔ مجھ پر قرآن نازل کیا جس میں (مہمات دین میں سے) ہر چیز کا بیان ہے۔ اور میری امت کو خیر امت بنایا اور جو لوگوں کے نفع کے لئے نکالی گئی۔ اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی پہلے ہیں اور وہی پچھلے ہیں اور اس نے میرا سینہ کھول دیا۔ میرا بوجھ اتار دیا اور میری خاطر میرا ذکر بلند کر دیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم (کھولنے والا اور بند کرنے والا) بنایا۔ یہ سن کر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حضرات انبیاء کرام کو مخاطب کرکے فرمایا ان ہی امور کی وجہ سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تم سب سے سبقت لے گئے ہیں۔“

نیز اسی حدیث معراج میں ہے کہ: ”حق تعالیٰ شانہ نے (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) سے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اپنا خلیل بنالیا اور یہ تورات میں لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رحمن کے محبوب ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت کو تخلیق میں سب نبیوں سے اول رکھا اور بعثت میں سب سے آخر۔“}

۱۱۔”عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الاسراء ثم سار حتی اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسہ الی صخرۃ ثم دخل فصلی مع الملائکۃ فلما قضیت الصلاۃ قالوا یا جبریل من ھذا معک قال ھذا محمد خاتم النبیین۔[977]

---

[977] المواھب اللدینۃ ص ۷۱ ج ۲“

{حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث معراج میں مروی ہے کہ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ پس اتر کر سواری کو چٹان سے باندھ دیا۔ پھر اندر داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ انہوں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم النبیین ہیں"۔}

۱۲۔ "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شمائلہ ﷺ وبین کتفیہ خاتم النبوۃ وخاتم النبیین۔ [978]

{حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم النبیین تھے۔}

۱۳۔ "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الشفاعۃ فیأتون عیسی فیقولون اشفع لنا الی ربنا حتی یقضی بیننا فیقول انی لست ھنا کم انی اتخذت و امی الھین من دون اللہ ولکن ارائیتم لو ان متاعا فی وعاء قد ختم علیہ اکان یوصل ای مافی الوعاء حتی یفض الخاتم فیقولون لا فیقول فان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قد حضر الیوم۔ [979]

{حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث شفاعت میں مروی ہے کہ (حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراھیم، حضرت موسیٰ، علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے بعد) لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو آپ یہ عذر کریں گے کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنایا گیا۔ اس

---

[978] شمائل ترمذی ص ۳"

[979] مسند ابو داؤد طیالسی ص ۳۵۴"

لئے میں اس کا اہل نہیں۔ پھر فرمائیں گے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کچھ سامان کسی ایسے برتن میں ہو جسے سربمہر کر دیا گیا ہو جب تک مہر کو نہ توڑا جائے کیا اس برتن کے اندر کی چیز تک رسائی ممکن ہے؟ حاضرین اس کا جواب نفی میں دیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آج یہاں موجود ہیں ان کی خدمت میں جاؤ۔}

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس تشبیہ سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم النبیین ہیں۔ لہذا جب تک نبیوں کی مہر کو نہ کھولا جائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم شفاعت کا آغاز نہ فرمائیں تب تک انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور نہ ہی کسی نبی کی شفاعت کا حصول ممکن ہے۔ لہذا تم لوگ سب سے پہلے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ پہلے " نبیوں کی مہر" کو کھولو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے شفاعت کا آغاز کراؤ۔ تب کسی اور نبی کی شفاعت ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ "عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ـــــــــــــ قال انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم۔[980]

{حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔}

۱۵۔ " حضرت ابو قتیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

---

[980] ابن ماجہ ص ۲۹۷"

لا نبی بعدی و لا امۃ بعدکم۔[981]

{میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔}

۱۶۔"امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الرؤیا میں حضرت ضحاک بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ:

"قال قال رسول اللہ ﷺ لا نبی بعدی و لا امۃ بعد امتی۔[982]

{رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔}

۱۷۔"طبرانی و بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن زمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی۔

اس کا آخری حصہ یہ ہے:

"و اما الناقۃ فھی الساعۃ علینا تقوم لا نبی بعدی و لا امۃ بعدی امتی۔[983]

{لیکن اونٹنی (جس کو تم نے مجھے اٹھاتے ہوئے دیکھا) پس وہ قیامت ہے وہ ہم پر قائم ہو گی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔}

۱۸۔عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یا اباذر اول الرسل آدم و آخرھم محمد۔[984]

---

[981] مجمع الزوائد ص ۲۷۳ ج۳ کنز العمال ص ۴۷۹ ج ۱۵ حدیث نمبر ۴۳۶۳۸"

[982] ختم نبوت کامل ص ۲۷۲"

[983] خصائص کبری سیوطی ص ۱۷۸ ج ۲"

[984] کنز العمال ص ۴۸۰ ج ۱۱ حدیث نمبر ۳۲۲۶۹"

{حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ابو ذر! نبیوں میں سب سے پہلے نبی آدم ہیں اور سب سے آخری نبی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) ہیں۔}

حدیث نمبر ۸۔عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔[985]

{حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔}

یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے بھی مروی ہے:

۱۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ[986]

۲۔عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ[987]

"لو" کا لفظ فرض محال کے لئے آتا ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نبوت کی صلاحیت کامل طور پر پائی جاتی ہے۔مگر چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی کا نبی ہونا محال ہے اس لئے باوجود صلاحیت کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی نہیں بن سکے۔امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:"در شان حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام **"لو کان بعدی نبی لکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ"**

---

[985] ترمذی ص ۲۰۹ ج ۲"

[986] (فتح الباری ص ۵۱ ج۷'مجمع الزوائد ص ۶۸ ج ۹)

[987] (مجمع الزوائد ص ۶۸ ج ۹)

یعنی لوازم و کمالاتیکہ در نبوت در کار است ہمہ راعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارد اما چوں منصب نبوت بخاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ختم شدہ است علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام بدولت منصب نبوۃ مشرف نگشت • مکتوب ۲۴ ص ۲۳ دفتر سوم" {حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:" اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا توعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔" یعنی وہ تمام لوازمات وکمالات جو نبوت کے لئے درکار ہیں سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ختم ہوچکا ہے اس لئے وہ منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے۔}

حدیث نمبر ۹۔عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی ﷺ یقول ان لی اسمائ'انا محمد' و انا احمد' و انا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر' و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی' و انا العاقب و العاقب الذی لیس بعدہ نبی۔[988]

{حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میرے چند نام ہیں: میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی (مٹانے والا) ہوں۔ کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے۔ اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (سب کے بعد آنے والا) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔}

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دو اسمائے گرامی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی دلالت کرتے ہیں: اول " **الحاشر**" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[988] (متفق علیہ) مشکوٰۃ ص ۵۱۵"

"بشارۃالی انہ لیس بعدہ نبی و لا شریعۃ۔۔۔۔۔فلما کان لا امۃ بعد امتہ لانہ لا نبی بعدہ' نسب الحشر الیہ لانہ یقع عقبہ۔[989]

{یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی اور کوئی شریعت نہیں۔۔۔۔۔سو چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت کے بعد کوئی امت نہیں اور چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔اس لئے حشر کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تشریف آوری کے بعد حشر ہو گا۔}

دوسرا اسم گرامی "العاقب" جس کی تفسیر خود حدیث میں موجود ہے۔یعنی کہ:"الذی لیس بعدہ نبی۔"{آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔}

اس مضمون کی احادیث مندرجہ ذیل حضرات سے بھی مروی ہیں:

۱۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"کان رسول اللہ ﷺ یسمی لنا نفسہ اسماء فقال انا محمد و احمد و المقفی و الحاشر و نبی التوبۃ و نبی الرحمۃ۔[990]

{آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہمارے سامنے چند اسمائے گرامی ذکر فرماتے تھے۔چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا میں محمد ہوں' احمد ہوں 'مقفی(سب نبیوں کے بعد آنے والا)ہوں' حاشر ہوں' نبی توبہ ہوں' نبی رحمت ہوں۔}

۲۔حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

---

[989] فتح الباری ص ۵۵۷ ج ۶"

[990] صحیح مسلم ص ۲۶۱ ج ۲"

" قال انا محمد وانا احمد وانا الرحمة ونبی التوبة وانا المقفی وانا الحاشر ونبی الملاحم۔[991]

{فرمایا میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں نبی رحمت ہوں، میں نبی توبہ ہوں، میں مقفی (سب نبیوں کے بعد آنے والا) ہوں، میں حاشر ہوں اور نبی ملاحم (مجاہد نبی) ہوں۔}

۳۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"انا احمد وانا محمد وانا الحاشر الذی احشر الناس علی قدمی۔[992]

{میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں میں جمع کیا جائے گا۔}

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وانا احمد ومحمد والحاشر والمقفی والخاتم۔[993]

{میں احمد ہوں، محمد ہوں، حاشر ہوں، مقفی ہوں اور خاتم ہوں۔}

۵۔ مرسل مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

انا محمد واحمد انا رسول الرحمة انا رسول الملحمة انا المقفی والحاشر بعثت بالجهاد ولم ابعث بالزرع۔[994]

{میں محمد ہوں اور احمد ہوں، میں رسول رحمت ہوں، میں ایسا رسول ہوں جسے جنگ کا حکم ہوا ہے۔ میں مقفی اور حاشر ہوں، میں جہاد کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، کسان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔}

---

[991] شمائل ترمذی ص ۲۶، مجمع الزوائد ص ۸۴ ج۸"
[992] مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج۸"
[993] مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج۸"
[994] طبقات ابن سعد ص ۱۰۵ ج ۱"

۶۔ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح الباری ص ۵۵۵ ج ۶" حدیث نمبر ۱۰ متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

"بعثت انا و الساعۃ کھاتین"۔

{مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔}

اس مضمون کی احادیث مندرجہ ذیل حضرات سے مروی ہیں:

۱۔ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ [995]

۲۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [996]

۳۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ [997]

۴۔ مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ [998]

۵۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [999]

۶۔ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1000]

۷۔ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1001]

---

995 (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲، مسلم ص ۴۰۶ ج ۲)
996 (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)
997 (بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)
998 (ترمذی ص ۴۴ ج ۲)
999 (مسلم ص ۲۸۴ ج ۱، نسائی ص ۲۳۴ ج ۱)
1000 (جامع الاصول ص ۳۸۵ ج ۱۰)
1001 (مسند احمد ص ۳۴۸ ج ۵)

۸۔ابی جبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1002]

۹۔جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1003]

۱۰۔وہب السوائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1004]

۱۱۔ابو جحیفہ[1005]

ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بعثت کے درمیان اتصال کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تشریف آوری قرب قیامت کی علامت ہے اور اب قیامت تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ "تذکرہ" میں لکھتے ہیں:

"واما قولہ بعثت انا والساعة کھاتین فمعناہ انا النبی الا خیر فلا یلینی نبی آخر وانما تلینی القیامة کما تلی السبابة الوسطی ولیس بینھا اصبع آخری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ولیس بینی وبین القیامة نبی۔[1006]

{اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میرے بعد بس قیامت ہے۔ جیسا کہ انگشت شہادت درمیانی انگلی کے متصل واقع ہے۔ دونوں کے درمیان اور کوئی انگلی نہیں۔۔۔۔۔۔اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔}

[1002] (مجمع الزوائد ص ۳۱۲ ج ۱۰)

[1003] (مسند احمد ص ۱۰۳ ج ۵)

[1004] (مجمع الزوائد ص ۳۱۱ ج ۱۰)

[1005] (کنز ص ۱۹۵ ج ۱۴' مسند احمد ص ۳۰۹ ج ۴)

[1006] التذکرة فی احوال الموتی وامور الآخرة ص ۷۱۱"

علامہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ نسائی میں لکھتے ہیں:

"التشبیه فی المقارنة بینهما ای لیس بینهما اصبع اخری کما انه لا نبی بینه ﷺ و بین الساعة۔[1007]

{تشبیہ دونوں کے درمیان اتصال میں ہے۔(یعنی دونوں کے باہم ملے ہوئے ہونے میں ہے) یعنی جس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے درمیان اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔}

"کم ترک الاولون لآ اخرون۔"

اجماع کی حقیقت اور اس کی عظمت:

خدائے تعالیٰ کے ہزاروں درود اس ذات مقدس پر جس کے طفیل میں ہم جیسے سراپا گناہ اور سراسر خطا وقصور بھی خیر الامم' امت وسطی' امت مرحومہ' شہدائے خلق کے القاب گرامی کے ساتھ پکارے جاتے ہیں:

کہ دار دزیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

وہ بے شمار خداوندی انعام واکرام جو ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بدولت ہم پر مبذول ہوئے ہیں۔ اجماع امت بھی ان میں سے ایک امتیازی فضلیت ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اس امت کے علمائے مجتہدین اگر کسی مسئلہ میں ایک حکم پر اتفاق کرلیں تو یہ حکم بھی ایسا ہی واجب الاتباع اور واجب التعمیل ہوتا ہے جیسے قرآن وحدیث کے صریح احکام۔ جس کی حقیقت دوسرے عنوان سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر جب نبوت ختم کردی گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی ہستی

[1007] حاشیہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ بر نسائی ص ۲۳۴ ج ۱ "

معصوم باقی نہیں رہتی جس کے حکم کو غلطی سے پاک اور ٹھیک حکم خداوندی کا ترجمان کہا جاسکے۔اس لئے رحمت خداوندی نے امت محمدیہ کے مجموعہ کو ایک نبی معصوم کا درجہ دے دیا کہ ساری امت جس چیز کے اچھے یا برے ہونے پر متفق ہوجائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا امت کے مجموعہ نے سمجھا ہے۔

اسی بات کو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"لن تجتمع امتی علی الضلالۃ۔"

{یعنی میری امت کا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتا۔} اسی لئے اصول کی کتابوں میں اس کے حجت ہونے اور اس کے شرائط ولوازم پر مفصل بحث کی جاتی ہے۔اور احکام شرعیہ کی حجتوں میں قرآن وحدیث کے بعد تیسرے نمبر پر اجماع کو رکھا جاتا ہے۔اجماع بھی دراصل دلیل ختم نبوت ہے درحقیقت اجماع کا شرعی حجتوں میں داخل ہونا اور اس امت کے لئے مخصوص ہونا خود بھی ہمارے زیر بحث مسئلہ ختم نبوت کی روشن دلیل ہے۔

جیسا کہ صاحب توضیح لکھتے ہیں:

"وما اتفق علیہ المجتھدون من امۃ محمد ﷺ فی عصر علیٰ امر فھذا من خواص امۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام فانہ خاتم النبیین لا وحی بعدہ وقد قال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم ولاشک ان الاحکام التی تثبت بصریح الوحی بالنسبۃ الی الحوادث الواقعۃ قلیلۃ غایۃ القلۃ فلو لم تعلم احکام تلک الحوادث من الوحی الصریح وبقیت احکامھا مھملۃ لا یکون الدین کاملا فلا بد ان یکون للمجتھدین ولایۃ استنباط احکامھا من الوحی۔[1008]

[1008] توضیح مصری ص ۴۹ ج ۱ "

}اور وہ حکم جس پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت کے مجہتدین کا کسی زمانہ میں اتفاق ہو جائے اس کا واجب التعمیل ہونا اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی پر وحی نہیں آئے گی اور ادھر یہ اشارہ خداوندی ہے کہ ہم نے تمہارا دین کامل کر دیاہے اور اس میں بھی شک نہیں بلکہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہوئے ہیں وہ بہ نسبت روز مرہ کے پیش آنے والے واقعات کے نہایت قلیل ہیں۔ پس جب ان واقعات کے احکام وحی صریح سے معلوم نہ ہوئے (اب اگر اجماع وقیاس کو حجت نہ بنایا جائے) اور شریعت میں ان واقعات کے متعلق احکام نہ ہوں تو دین کامل نہیں رہتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس امت کے مجتہدین کو وحی (رہنمائی) سے ان احکام کے استنباط کرنے کا حق حاصل ہو۔{ الغرض جس طرح قرآن وحدیث سے احکام شرعیہ ثابت ہوئے ہیں اسی طرح بتصریح نصوص قرآن وحدیث اور باتفاق علمائے امت اجماع سے قطعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ اس میں چند درجات ہیں۔ جن میں سب سے مقدم اور سب سے زیادہ قطعی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔ جس کے متعلق علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء بالتصریح جمع ہو جائیں تو وہ بالکل ایساہی قطعی ہے جیسا کہ قران مجید کی آیات۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ بعض نے اپنی رائے بیان فرمائی اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی تردید نہ کی بلکہ سکوت اختیار کیا۔ تو یہ بھی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں داخل ہے اور اس سے جو حکم ثابت ہو وہ بالکل ایساہی قطعی ہے جیسے احادیث متواترہ کے احکام قطعی ہوتے ہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو تمام ادلہ شرعیہ میں سب سے زیادہ فیصلہ کن دلیل ہے

اور بعض حیثیات سے تمام حجج شرعیہ پر مقدم ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت کے مفہوم ومعنی متعین کرنے میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ اجماع میں اس کی بھی گنجائش نہیں۔

چنانچہ حافظ حدیث علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"واجماعهم حجة قاطعة يجب اتباعها بل هي اوكد الحجج وهي مقدمة علىٰ غيرها وليس هذا موضع تقرير ذالك فان هذا الاصل مقرر في موضعه وليس فيه بين الفقهاء ولا بين سائر المؤمنين الذين هم المؤمنون خلاف۔[1009]

{اور اجماع صحابہ حجت قطعیہ ہے اس کا اتباع فرض ہے بلکہ وہ تمام شرعی حجتوں سے زیادہ موکد اور سب سے مقدم ہے۔ یہ موقع اس بحث کے پھیلانے کا نہیں۔ کیونکہ ایسے موقع (یعنی کتب اصول) میں یہ بات باتفاق اہل علم ثابت ہوچکی ہے۔ اور اس میں تمام فقہاء اور تمام مسلمانوں میں جو واقعی مسلمان ہیں کسی کا بھی خلاف نہیں۔}

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سب سے پہلا اجماع

اسلامی تاریخ میں یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی موجودگی میں دعوائے نبوت کیا۔ اور بڑی جماعت اس کی پیرو ہوگئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلی مہم جہاد جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں کی وہ اسی کی جماعت پر تھا۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین وانصار نے اس کو محض دعوائے نبوت کی وجہ سے اور اس کی جماعت کو اس کی تصدیق کی بناء پر کافر سمجھا۔ اور باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہی اسلام میں سب سے پہلا اجماع تھا۔ حالانکہ مسیلمہ

[1009] اقامۃ الدلیل ص ۱۳۰ ج ۳"

کذاب بھی مرزا قادیانی کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نبوت اور قرآن کا منکر نہ تھا بلکہ بعینہ مرزا قادیانی کی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا مدعی تھا۔ یہاں تک کہ اس کی اذان میں برابر "**اشھد ان محمد رسول اللہ**" پکارا جاتا تھا۔ اور وہ خود بھی بوقت اذان اس کی شہادت دیتا تھا۔

تاریخ طبری میں ہے:

"**و کان یؤذن للنبی ﷺ و شھد فی الا ذان ان محمد رسول اللہ و کان الذی یؤذن له عبداللہ بن النواحة و کان الذی یقیم له حجیر بن عمیر و یشھد له و کان مسیلمه اذا دنی حجیر من الشھادة قال صرح حجیر فیزید فی صوت و یبالغ التصدیق نفسه۔**"[1010]

{وہ (مسیلمہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لئے اذان میں یہ گواہی دیتا تھا کہ **محمد ﷺ رسول اللہ** ہیں اور اس کا موذن عبد اللہ ابن نواحہ اور اقامت کہنے والا حجیر ابن عمیر تھا۔ اور جب حجیر شہادت پر پہنچتا تھا تو مسیلمہ بآواز بلند کہتا تھا کہ حجیر نے صاف بات کہی اور پھر اس کی تصدیق کرتا تھا۔} الغرض نبوت و قرآن پر ایمان اور نماز روزہ سب ہی کچھ تھا۔ مگر ختم نبوت کے بدیہی مسئلہ کے انکار اور دعوائے نبوت کی وجہ سے باجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافر سمجھا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین وانصار اور تابعین کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں مسیلمہ کے ساتھ جہاد کے لئے یمامہ کی طرف روانہ کیا۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا اور کسی نے نہ کہا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں، کلمہ گو ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتدائً خلاف کرنا اور بعد تحقیق حق

[1010] تاریخ طبری ص ۲۴۴ ج ۳"

کے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ موافقت کرنا جو روایات میں منقول ہے وہ بھی اس واقعہ میں نہیں تھا۔ بلکہ مانعین زکوٰۃ پر جہاد کرنے کے معاملہ میں تھا۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت کی نزاکت اور مسلمانوں کی قلت وضعف کا عذر پیش کرکے ابتدائیً ان کی رائے سے خلاف ظاہر فرمایا تھا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھوڑے سے مکالمہ کے بعد ان کی رائے بھی موافق ہوگئی۔ الغرض حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتدائیً خلاف کرنا بھی مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں ثابت نہیں۔ اس طرح حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی روانگی کے مسئلہ پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف کیا مگر مسیلمہ کذاب جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف جہاد کرنے کے مسئلہ پر کسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر منعقد ہوا۔ امت کو اجماع، ختم نبوت کے صدقے ملا۔ امت نے بھی سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر کیا۔ ۱۲ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ جن میں سات سو قرآن مجید کے حافظ و قاری تھے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت کا سب سے قیمتی اثاثہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مسئلہ پر شہید ہوئے جس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ ختم نبوت کی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک کتنی اہمیت تھی۔ نیز مسلک الختام فی ختم نبوت سید الانام کے ص ۱۰ پر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی ہے کہ:

امت محمدیہ میں سب سے پہلا اجماع جو ہوا ہے وہ اس مسئلہ پر ہوا کہ مدعی نبوت قتل کیا جائے۔"[1011]

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

"اور سب سے پہلا اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا۔ وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا۔ جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا۔ اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے۔[1012]

اجماع امت کے حوالہ جات

(۱) علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

"دعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع۔[1013]

{ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔}

۲۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ "**الاقتصاد**" میں فرماتے ہیں:

"ان الامۃ فھمت بالاجماع من ھذا اللفظ ومن قرائن احوالہ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابدا۔۔۔۔۔وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص فمنکر ھذا لایکون الا منکر الاجماع۔[1014]

[1011] (احتساب قادیانیت ج دوم مجموعہ رسائل مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰)
[1012] (خاتم النبیین مترجم ص ۱۹۷ مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)
[1013] شرح فقہ الاکبر ص ۲۰۲"
[1014] الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۲۳"

{بے شک امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا اور نہ رسول۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔ پس اس کا منکر یقیناً اجماع امت کا منکر ہے۔}

۳۔ حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الشفاء میں خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں حارث نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو خلیفہ نے وقت کے علماء (جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے) کے فتویٰ سے اسے قتل کر دیا۔ اور سولی پر چڑھایا۔ قاضی عیاض صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

”وفعل ذالک غیر واحد من الخلفاء والملوک باشباھم واجمع علماء وقتھم علی صواب فعلھم والمخالف فی ذالک من کفرھم کافر۔[1015]

{اور بہت سے خلفاء وسلاطین نے ان جیسے مدعیان نبوت کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے۔ اور اس زمانہ کے علماء نے ان سے اس فعل کے درست ہونے پر اجماع کیا ہے۔ اور جو شخص ایسے مدعیان نبوت کی تکفیر میں خلاف کرے وہ خود کافر ہے۔}

۴۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب شفاء میں اسی اجماع کی تصریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

لانہ اخبر ﷺ انہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علیٰ ظاھرہ وانہ مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھؤلأ الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا۔[1016]

[1015] شفا ص ۲۵۷، ۲۵۸ ج ۲“

[1016] شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۲۴۷ ج ۲ مطبوعہ مصر“

{اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے۔ اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہ ہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔}

۵۔ اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی بغداد اپنی تفسیر روح المعانی میں اسی اجماع کو الفاظ ذیل میں نقل فرماتے ہیں:

ویکون ﷺ خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتاب و صدعت بہ السنۃ و اجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ و یقتل ان اصرا۔[1017]

{اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جس پر کتاب (بلکہ تمام آسمانی کتابیں) ناطق ہیں۔ اور احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں۔ اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔}

۶۔ اور اسی مضمون کو علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

"و من اعتقد وحیا بعد محمد ﷺ کفر باجماع المسلمین"۔

[1017] روح المعانی ص ۳۹ جزء ۲۲"

{اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کسی وحی کا معتقد ہو وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔}

۷۔ کتاب الفصل فی الملل و النحل پر ہے:"صح الاجماع علیٰ ان کل من حجر شیاء صح عندنا بالاجماع ان رسول اللہ ﷺ بہ فقد کفر"۔

{رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کسی چیز (مسئلہ) کے اجماعی طور پر ثابت ہو جانے سے اس کا انکار کرنے والا بھی بالاجماع کافر ہے۔}

خلاصہ بحث

۱۔ مسئلہ ختم نبوت قرآن مجید کی ننانوے آیات بینات سے ثابت ہے۔

۲۔ مسئلہ ختم نبوت دو سو دس احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

۳۔ مسئلہ ختم نبوت تواتر سے ثابت ہے۔

۴۔ مسئلہ ختم نبوت اجماع امت سے ثابت ہے۔

۵۔ مسئلہ ختم نبوت پر امت کا سب سے پہلا اجماع منعقد ہوا۔

۶۔ مسئلہ ختم نبوت کے لئے بارہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جس میں سات سو قرآن مجید کے حافظ و قاری اور بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

۷۔ مسئلہ ختم نبوت کی وجہ سے اللہ رب العزت نے امت کو اجماع کی نعمت سے نوازا۔

۸۔ مسئلہ ختم نبوت کی وجہ سے رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نازل شدہ وحی قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔

۹۔ ختم نبوت کے تحفظ کی پہلی جنگ کے بعد قرآن مجید کو جمع کرنے کا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں امت نے اہتمام کیا۔

۱۰۔ ختم نبوت کے منکر یعنی جھوٹے مدعی نبوت سے اس کے دعویٰ نبوت کی دلیل طلب کرنے والا بھی کافر ہے۔ نیز یہ کہ جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے پیروکاروں کی شرعی سزا قتل ہے۔

۱۱۔ دنیا میں کہیں کسی آسمانی کتاب کے حافظ موجود نہیں۔ جبکہ قرآن مجید کے حافظ و قاری ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہیں۔ یہ اس لئے کہ پہلی کتب عارضی و محدود دور کے لئے تھیں۔ قرآن مجید قیامت کی صبح تک کے لئے ہے۔ اس اعتبار سے تو اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اس وقت تک دنیا کے ہر خطہ میں حافظ و قاری ختم نبوت کی دلیل ہیں۔

۱۲۔ مسیحی قوم اپنی عبادت گاہوں کو فروخت کر کے دوسرے مقاصد (دکان و مکان) کے لئے استعمال کرتی ہے۔ جہاں مسجد بن جائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس جگہ کو دوسرے مقصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتی۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت محدود وقت کے لئے' ان کی عبادت گاہیں بھی محدود وقت کے لئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نبوت قیامت تک کے لئے تو مساجد بھی قیامت تک کے لئے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے لے کر کائنات کے ہر خطہ کی ہر مسجد ختم نبوت کی دلیل نظر آتی ہے۔

ان تمام امور پر نظر کریں تو گویا پورا دین ختم نبوت کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔

خدا چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کر دے

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی قتیل نے ایسا عقیدہ لکھاہے کہ جس سے ختم نبوت کے انکار کا دروازہ کھلا ہے۔

عقیدہ: اس شہنشاہ اللہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اورولی، جن وفرشتہ، جبریل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پیدا کر ڈالے۔[1018]

وہابیوں کے امام کے اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار واضح ہے۔نزد دہلوی کی علمی قابلیت اور قرآن دانی کا سارا راز بھی فاش ہو جاتا ہے۔دراصل اس میں دہلوی نے یہ گستاخی إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ ۲۰) کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر کی ہے۔حالانکہ اس بیچارے کو اتنا علم نہیں کہ مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں: إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مایشاء قَدِيرٌ۔بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے۔

رب کریم کا یہ بھی اعلان ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰)

محمدؐ تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

جب اللہ کریم نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد نبوت ختم ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاتم النبین ہیں پھر اس کی وضاحت اعلانیہ طور پر تاجدار ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمادی: لانبی بعدی۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔قرآن وحدیث کے ان واضح فرامین کے باوجود اسماعیل دہلوی یہ عقیدہ

[1018] تقویت الایمان ص ۱۳ مطبوعۃ دھلی۔

رکھے کہ خدا کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پیدا کرڈالے۔ خدا اواس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ کیونکہ اگر محمد پیدا کرے گا تو نبوت بھی دے گا اور اگر نبوت دے گا تو خاتم النبیین جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ غلط ہوتا ہے۔ (العیاذباللہ) جبکہ پروردگار عالم کا یہ بھی اعلان ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا (النساء ۸۷)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

لَاتَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ (یونس ٦٤)

اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔

وہابیوں کے امام اسماعیل قتیل نے مرزا غلام قادیانی کو یہ راستہ دکھایا۔ رہنمائی دہلوی نے کی اور دعویٰ قادیانی نے کیا کہ

منم مسیح زماں منم کلیم خدا   منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد[1019]

تمام محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہے

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

[1019] تریاق القلوب ص ۵۔

ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین۔ اوراس کے ماتحت حدیثیں فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تحریر فرمائیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

جئت فختمت الانبیاء۔

میں آیااور تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا۔

اب کسی کی نبوت نہیں چل سکتی اور **لیس بعدہ نبی عاقب۔** کے معنی ثابت کر دیئے۔[1020]

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

بخاری شریف میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ سے فرمایاہے اور باب خاتم النبیین مقرر فرمایا۔[1021]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابوداؤد شریف پر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ نے ثابت فرمایاہے۔[1022]

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ترمذی شریف، **باب ذھبت النبوۃ** مقرر فرماکر **ان الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولا نبی** کی حدیث نقل فرماکر اجرائی نبوت کارد کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی یہی تھا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہو چکی

[1020] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸ پر باب مقرر فرمادیا۔
[1021] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۰۹، ج ۲ ص ۱۰۴،
[1022] ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۳۳،

ہے۔اورامام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی ازروئے احادیث صحیحہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب ثابت کیا ہے۔[1023]

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ نے ثابت کیا ہے۔[1024]

شیخ علاؤالدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

صاحب کنزالعمال شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی **ان الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولانبی**۔ کی حدیث نقل فرماکر اجرائے نبوت کی ایک حدیث یا قول بیان نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ ان کا عقیدہ بھی ختم نبوت پر تھا۔

ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل النبوت میں حدیث نقل فرمائی جس سے ثابت کیا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے قبل ہی خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم منتخب ہوچکے تھے۔[1025]

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب استیعاب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہونے کے دلائل ازروئے احادیث صحیحہ **انا الخاتم الذی ختم بی**

[1023] ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۵ و ج ۲ ص ۴۵۔

[1024] بیہقی شریف ج ۹ ص ۱۸۱،

[1025] دلائل النبوت میں ج ۱ ص ۹

النبوة وانا العاقب فلیس بعدی نبی وانا المقفیٰ بعد الانبیاء۔ بیان فرمائی اور اجرائے نبوت کے متعلق ذرا سا اشارہ بھی بیان نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عبد البر کا مذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[1026]

ابن حجر صاحب فتح الباری شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

وان اللہ ختم بہ المرسلین واکمل بہ شرائع الدین۔

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ تمام رسولوں کو ختم کر دیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ ہی دین کو مکمل کر دیا۔

معلوم ہوا کہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[1027]

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

وانا العاقب لانہ جاء عقب الانبیاء فلیس بعدہ نبی۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تشریح فرماتے ہوئے انا العاقب کی تشریح فرماتے ہیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عاقب اس لئے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیچھے تشریف لائے ہیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔

اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

[1026] استیعاب کے ج ۱ ص ۱۲

[1027] فتح الباری ج ۱۴ ص ۳۱۴۔

(باب خاتم النبیین)ای آخرھم الذی ختمھم اوختموابہ وقیل من لانبی بعدہ...ولایقدح فیہ نزول عیسٰی علیہ السلام بعدہ لانہ اذانزل یکون علی دینہ مع ان المرادانہ اخرمن نبی۔[1028]

امام قسطلانی نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ باب خاتم النبیین کے تحت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے معنی فرماتے ہیں یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کردیاہے۔یہ تمام انبیاء علیہم السلام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہوگئے اور بعض نے خاتم النبیین کے معنی بیان کئے ہیں کہ وہ شخص کہ جس کے بعد نبی نہ ہو۔ثابت ہوا کہ جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو خاتم النبیین مانتاہے اس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد ختم نبوت کو ختم تسلیم کرناپڑے گااور جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت کو ختم نہیں سمجھتااور اجرائے نبوت کا قائل ہےوہ خاتم النبیین کامنکرہے اور پھر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے تشریف لانامخالف نہیں کیونکہ جب وہ اتریں گے تووہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دین پر ہی تشریف فرماہوں گے۔اپنی نبوت کے مبلغ نہ ہوں گے باوجودیکہ مراد خاتم النبیین سے یہی ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آخری نبی ہیں۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

[1028] قسطلانی ج۶ ص ۲۱۔

زرقانی ج۵ ص۲۶۷، ومنها: أنه خاتم الأنبياء والمرسلين" كما قال تعالى: {وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ} ، أي: آخرهم الذي ختمهم أو ختموا به على قراءة عاصم بالفتح، وروى أحمد والترمذي والحاكم بإسناد صحيح عن أنس مرفوعًا: "إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي"، وقيل: من لا نبي بعده يكون أشفق على أمته وهو كالوالد لولد ليس له غيره، ولا يقدح نزول عيسى بعده؛ لأنه يكون على دينه مع أن المراد أنه آخر من نبئ،[1029]

ترجمہ پہلے گزر چکا ہے صرف ایک جملہ علامہ زرقانی نے فرمایا ہے جو قابل غور ہے۔ وهو كالوالد لولد ليس له غيره، کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم باپ کی طرح ہیں اپنے بیٹے کیلئے جیسا کہ بیٹے کیلئے باپ ایک ہے ایسے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اب ایک ہی نبی ہیں کیونکہ پہلے نبوت جاری تھی اب ختم ہو چکی۔

تمام مفسرین اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

ولكنه رسول الله وخاتم النبيين، الذي ختم النبوة فطبع عليها، فلا تفتح لأحد بعده إلى قيام الساعة۔

ترجمہ: اور لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نبوت کو ختم کر دیا، اور تمام پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مہر لگادی۔ پھر کسی کیلئے قیامت تک نہیں کھل سکتی۔[1030]

[1029] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج۷ ص۲۳۵۔
[1030] تفسير ابن جرير ج۳ ص۲۳۹۔

حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة قوله (مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ) قال: نزلت في زيد، إنه لم يكن بابنه، ولعمري ولقد ولد له ذكور، إنه لأبو القاسم وإبراهيم والطيب والمطهر (وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) أي: آخرهم۔[1031]

اور لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یعنی تمام کے آخر ہیں۔

فَقَرَأَ ذَلِكَ قُرَّاءُ الْأَمْصَارِ سِوَى الْحَسَنِ وَعَاصِمٍ بِكَسْرِ التَّاءِ مِنْ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ، بِمَعْنَى أَنَّهُ خَتَمَ النَّبِيِّينَ.[1032]

اور تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے سوائے حسن وعاصم کے تمام شہروں کے قراء نے اس کو خاتِم النبیین پڑھاہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

(وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) وَذَلِكَ لِأَنَّ النَّبِيَّ الَّذِي يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنَ النَّصِيحَةِ وَالْبَيَانِ يَسْتَدْرِكُهُ مَنْ يَأْتِي بَعْدَهُ، وَأَمَّا مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ يَكُونُ أَشْفَقَ عَلَى أُمَّتِهِ وَأَهْدَى لَهُمْ وَأَجْدَى، إِذْ هُوَ كَوَالِدٍ لِوَلَدِهِ الَّذِي لَيْسَ لَهُ غَيْرُهُ مِنْ أَحَدٍ وَقَوْلُهُ: وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا يَعْنِي عِلْمَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ دَخَلَ فِيهِ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔[1033]

(اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام نبیوں کے خاتم ہیں)اور یہ اس لئے کہ ایسے نبی ہیں کہ جس کے بعد اور کوئی نبی ہو اگر(پہلے نبی)نصیحت اور بیان سے کچھ چھوڑ جائے تو اس کا بعد کا نبی اس کو لے لیتاہے اور لیکن ایسا شخص جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو ایسا نبی اپنی امت پر زیادہ مہربان ہو تاہے اوران کیلئے زیادہ ہادی ہو تاہے اور زیادہ صحیح ہو تاہے اس لئے کہ وہ

[1031] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔
[1032] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔
[1033] مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۶ ص ۴۸۶۔

ایسے والد کی مانند ہے جس کا بیٹا اس کے سوا اور کوئی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان (اللہ تعالیٰ ہر شئے کو جاننے والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم ہے۔ اس میں (یہ بھی) داخل ہو گیا کہ مصطفےٰ کے بعد کوئی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہیں۔

{وَخاتَمَ النبيين} بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع أي آخرهم يعني لا ينبأ أحد بعده وعيسى ممن نبئ قبله وحين ينزل عاملا على شريعة محمد ﷺ كأنه بعض أمته۔[1034]

(اور خاتم النبیین) تاء کے فتح کے ساتھ عاصم کی قرأت ہے۔ بمعنی مہر لگانے والے کے یعنی سب کے آخر یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام وہ شخص ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پہلے نبی ہو چکے ہیں اور جب اتریں گے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شریعت کے عامل ہوں گے گویا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے امتی ہیں۔

وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ ختم الله به النبوة فلا نبوة بعده أي ولا معه قال ابن عباس: يريد لو لم أختم به النبيين لجعلت له ابنا ويكون بعده نبيا وعنه قال: إن الله لما حكم أن لا نبي بعده، لم يعطه ولدا ذكرا يصير رجلا وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً أي دخل في علمه أنه لا نبي بعده.[1035]

وَكانَ خاتَمَ النَّبِيِّينَ يعني أنه لو كان له ولد بالغ مبلغ الرجال لكان نبيا ولم يكن هو خاتم الأنبياء، كما يروى أنه قال في إبراهيم حين توفي. لو عاش لكان نبيا «1» . فإن قلت: أما كان أبا للطاهر والطيب والقاسم وإبراهيم؟ قلت: قد أخرجوا من حكم النفي بقوله مِنْ رِجالِكُمْ من وجهين، أحدهما: أنّ هؤلاء لم يبلغوا مبلغ الرجال. والثاني: أنه قد أضاف الرجال إليهم وهؤلاء رجاله لا رجالهم. فإن قلت: أما كان أبا للحسن والحسين؟ قلت: بلى ولكنهما لم يكونا رجلين حينئذ، وهما أيضا من رجاله لا من رجالهم، وشيء آخر: وهو أنه إنما قصد ولده خاصة، لا ولد ولده، لقوله تعالى وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ ألا ترى أن الحسن والحسين قد عاشا إلى أن نيف أحدهما «2» على الأربعين والآخر

[1034] تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) ج۳ ص ۳۴ ۲۔

[1035] تفسير خازن ج۵ ص ۲۱۸۔

علی الخمسین. قرئ. ولکن رسول الله بالنصب، عطفا علی أبا أَحَدٍ وبالرفع علی: ولکن هو رسول الله. ولکنّ، بالتشدید علی حذف الخبر، تقدیره: ولکنّ رسول الله من عرفتموه، أی: لم یعش له ولد ذکر. وخاتم بفتح التاء بمعنی الطابع، وبکسرها بمعنی الطابع وفاعل الختم. وتقوّیه قراءة ابن مسعود: ولکنّ نبیا ختم النبیین. فإن قلت: کیف کان آخر الأنبیاء وعیسی ینزل في آخر الزمان؟ قلت: معنی کونه آخر الأنبیاء أنه لا ینبأ أحد بعده، وعیسی ممن نبئ قبله، وحین ینزل ینزل عاملا علی شریعة محمد، مصلیا إلی قبلته، کأنه بعض أمّته.[1036]

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اگر کوئی لڑکا آدمیوں کی عمر کا بالغ ہوتا تو نبی ہوتا اور ہوا نہیں ۔کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد فرمایا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا،(چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس لئے زندہ نہیں رہا۔) پس اگر تو سوال کرے کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آخر الانبیاء کیسے ہوئے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں اتریں گے میں کہتا ہوں:

{وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّينَ} [الأحزاب: 40] ختم الله به النبیین، وقرأ ابن عامر وابن عاصم: {وَخَاتَمَ} [الأحزاب: 40] بِفَتْحِ التَّاءِ عَلَى الِاسْمِ، أَيْ آخِرَهُمْ، وَقَرَأَ الْآخَرُونَ بِكَسْرِ التَّاءِ عَلَى الْفَاعِلِ لِأَنَّهُ خَتَمَ بِهِ النَّبِيّينَ فَهُوَ خَاتَمُهُمْ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُرِيدُ لَوْ لَمْ أَخْتِمْ بِهِ النَّبِيّينَ لَجَعَلْتُ لَهُ ابْنًا يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيًّا. وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَمَّا حَكَمَ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ لَمْ يُعْطِهِ وَلَدًا ذَكَرًا يَصِيرُ رَجُلًا.[1037]

{وَخَاتَمَ النَّبِيين} ختم الله بِهِ النَّبِيين قبله فَلَا يكون نَبِي بعده۔[1038]

[1036] تفسیر کشاف زمخشری ج۳ ص ۲۳۹۔

[1037] معالم التنزیل ج۵ ص ۳۱۸۔

[1038] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۲۶۲۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نبیوں کو جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پہلے تھے ختم کر دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

{رَسُول الله وخاتم النبيين} فلا يكون له ابن رَجل بَعْده يكون نَبيًّا وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ التَّاء كَآلَةِ الْخَتْم أَيْ بِهِ خُتِمُوا {وَكَانَ اللَّه بِكُلِّ شَيْء عَلِيمًا} مِنْهُ بِأَنْ لَا نَبِيّ بَعْده۔[1039]

وقوله تعالى: وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً كقوله عز وجل: اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسالَتَهُ [الْأَنْعَامِ: 124] فَهَذِهِ الْآيَةُ نَصٌّ فِي أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَإِذَا كَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُولَ بعده بالطريق الْأَوْلَى۔[1040]

تو یہ آیت نص ہے اس امر میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو رسول بطریق اولیٰ نہیں ہو سکتا۔"

پھر علامہ ابن کثیر آگے رقمطراز ہیں:

وَقَدْ أَخْبَرَ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ، وَرَسُولِهِ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ: أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ؛ لِيَعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنِ ادعى هذا المقام بعده فَهُوَ كَذَّابٌ أَفَّاكٌ، دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ، وَلَوْ تَخَرَّقَ وَشَعْبَذَ، وَأَتَى بِأَنْوَاعِ السِّحْرِ وَالطَّلَاسِمِ والنيرجيّات، فَكُلُّهَا مُحَالٌ وَضَلَالٌ عِنْدَ أُولِي الْأَلْبَابِ، كَمَا أَجْرَى اللَّهُ، سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، عَلَى يَدِ الْأَسْوَدِ العنسي بِالْيَمَنِ، وَمُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ بِالْيَمَامَةِ، مِنَ الْأَحْوَالِ الْفَاسِدَةِ وَالْأَقْوَالِ الْبَارِدَةِ، مَا عَلِمَ كُلُّ ذِي لُبٍّ وَفَهْمٍ وحجى أَنَّهُمَا كَاذِبَانِ ضَالَّانِ، لَعَنَهُمَا اللَّهُ. وَكَذَلِكَ كُلُّ مُدَّعٍ لِذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخْتَمُوا بِالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ،[1041]

[1039] تفسیر الجلالین ج ۱ ص ۲۶۲۔
[1040] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج ۳ ص ۴۹۳۔
[1041] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج ۳ ص ۴۹۳۔

اور ضرور خبر دی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے احادیث متواترہ میں جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر وہ شخص جو اس مقام (نبوت) کا آپ کے بعد دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے۔ بڑا بہتانی ہے۔ دجال ہے۔ گمراہ ہے اور گمراہ کن ہے۔ خواہ آگ جلا کر دکھائے اور شعبدہ بازی کرے اور مختلف اقسام کے جادو اور طلاسم اور نیر نجیات دکھائے پس یہ تمام مشکلات ... گمراہی ہے، عقلمندوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے یمن میں ظاہر فرمائے اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں ،احوال فاسدہ واقوال باردہ جاری فرمائے جو ہر ایک عقل وفہم والا معلوم نہیں کر سکتا اور میرے نزدیک دلیل یہ ہے کہ وہ دونوں جھوٹے ہیں ۔ گمراہ ہیں ،دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے اور اسی طرح قیامت تک ہر مدعی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حتی کہ (ایسے جھوٹے نبی) مسیح دجال کے زمانے میں ختم کئے جائیں گے۔"

دلائل ختمِ نبوت از اقوال سلف صالحین

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

الاجماع علی انہ ﷺ مبعوث الی جمیع الانس والجن۔

اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔[1042]

اعلم ان اللہ تعالیٰ قد سد باب علی کل مخلوق بعد محمد ﷺ۔

[1042] (خصائص الکبریٰ، ج ۲ ص ۱۸۸)

سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد تمام مخلوق سے دروازہ (نبوۃ) بند کیا گیا ہے۔[1043]

وکل من ادعی النّبوۃ بعد محمد ﷺ فھو مدّ ع شریعۃ او حیٰ بھا الیہ سواء وافق شرعنا او خالف فان کان مکلّفا ضربنا عنقہ والّا ضربنا عنہ صفحا۔[1044]

واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد ن الذی ارسلہ الی الناس کافۃ بشیرا ونذیرا۔[1045]

محمد ن الذی ھو اٰخر الوجود ختم دائرتہ ومتصل باولھا ولھذا ختم۔[1046]

کتبِ عقائد میں بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہے

واول الانبیاء اٰدم علیہ السلام واٰخرھم محمد علیہ السلام۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے پہلے اٰدم علیہ السلام ہیں اور ان کے اٰخر محمد علیہ (الصلوۃ و) السلام ہیں ۔[1047]

وکلام اللہ المنزل علیہ علی انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث الی کافۃ الناس بل الی الجن والانس ثبت انہ اٰخر الانبیاء۔۔۔ فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ قلنا نعم لکنہ یتابع محمداً علیہ السلام لان الشریعۃ قد نسخت ۔[1048]

[1043] (الیواقیت والجواھر ج ۲ ص ۷۲)
[1044] (جواھر البھار ج ۲ ص ۴۱۵)
[1045] (نخبۃ الفکر صفحہ ۳)
[1046] (تفسیر ابن عربی)
[1047] (شرح عقائد نسفی، ص ۹۹)
[1048] (شرح عقائد نسفی، ص ۱۰۱)

ترجمہ: اور اللہ کا کلام جو مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اتارا گیا ہے، اس بات پر شاہد ہے کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور بلاشک آپ بھیجے گئے ہیں تمام لوگوں کی طرف بلکہ جن وانس کی طرف ثابت ہوا کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام نبیوں کے آخری نبی ہیں پھر اگر سوال کیا جائے کہ حدیثِ صحیح میں مذکور ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا، تو ہم جواب دیتے ہیں ہاں ضرور اتریں گے لیکن وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے تابع ہوں گے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت یقینا منسوخ ہو چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اجماعی عقیدہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہونے پر ہے اور اس سے مخالفت کرنے والا بلاشک وشبہ کافر ہے۔

قد ان قطع الوحی۔

ضرور وحی منقطع ہو چکی ہے۔[1049]

(واٰخرھم فی البعث) ای لکونہ خاتم النبیین۔

(اور تمام انبیاء کرام کے مبعوث ہونے میں) یعنی واسطے ہونے ان کے نبیوں کے ختم کرنے والے۔[1050]

[1049] (حیات الحیوان، ج ۱ ص ۴۳)

[1050] (شرح شفاء شریف ج ۱ ص ۱۰۹)

فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ وعزتی وجلالی انہ لاٰخر النبیین من ذریتک ولو لاہ ما خلقتک۔[1051]

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے اُدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ قسم ہے مجھ کو میری عزت کی اور میرے جلال کی بے شک مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی ہیں تیری اولاد سے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔[1052]

اور صلوۃ اور سلام اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

فقہاء کرام کا عقیدہ بھی ختمِ نبوّت پر تھا

عقیدۂ خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ:

محمد خاتم النبیین والمرسلین۔[1053]

ترجمہ: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام نبیوں اور رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ:

العلماء ورثۃ الانبیاء بعد انقطاع النبوۃ ھذہ درجۃ اعلی النہایۃ فی القوّۃ۔[1054]

ترجمہ: علماء ربانی نبیوں کے وارث ہیں اور نبوت کے منقطع ہونے کے بعد قوت میں یہ آخری اعلیٰ درجہ ہے۔

1051 (فتاویٰ حدیثیہ، ص ۱۳۴)
1052 (الانسان الکامل ص ۵)
1053 (فتاویٰ خیریہ، ج ۱ ص ۲)
1054 (کتاب المبسوط، ج ۱ ص ۲)

محمد اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی عقیدہ ختم نبوت پر تھا:

الذی بعثه الله حجة علی الجاحدین وختم به باب النبوة علی المرسلین۔[1055]

ترجمہ: وہ ذات (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا منکرین پر حجت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ تمام رسولوں پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا۔

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد مدعی نبوت دجال ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ»[1056]

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔[1057]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔[1058]

[1055] (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲)
[1056] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۵۰۹، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)
[1057] (سنن الترمذی، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، ج ۲ ص ۴۵)
[1058] (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الغنیمۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔۔۔میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ تمام انبیاء علیہم السلام ختم کئے گئے ہیں۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

وَعَنْ جَابِرٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَلَا فَخرَ وَأَناأَوّلُ شافعٍ وَمُشَفَّعٍ وَلَا فخر». رَوَاهُ الدَّارِمِيّ۔[1059]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں کرتا۔اور میں تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں اور فخر نہیں کرتا۔۔۔الخ۔

یوم میثاق سے ہی اللہ جل شانہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت کا سلسلہ بند کر دیا

وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَامَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَذَلِکَ فَأُولَئِکَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔(آل عمران،آیت ۸۱)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے حلفیہ وعدہ لیا جو میں تم کو کتاب اور دانائی عنایت کروں گا، پھر آئے گا تمہاری طرف ایک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور مصدق ہوں گے اس شئ کی جو شئ(میری انعام کردہ) تمہارے پاس ہوں گے اس رسول کے ساتھ تم ضرور ایمان لاؤ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔فرمایا رب العزت نے کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا پکا وعدہ قبول کیا؟ تمام انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا کہ ہم تمام نے اقرار کیا خداوند کریم

[1059] (مشکوۃ المصابیح، ص ۵۱۴)

نے فرمایا تم تمام انبیاء بھی گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں تو جس نبی نے اس کے بعد اعراض کیا تو یہی وہ فاسق ہوں گے۔

بہائم (جانوروں) نے بھی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت کے ختم ہونے کی شہادت دی

وَأخرج ابْن عَسَاكِر عَن أبي مَنْظُور قَالَ لما فتح رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خَيْبَر أصَاب فِيهَا حمارا أسود فَوقف بَين يَدَيْهِ فكلم رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْحمار فَكَلمهُ الْحمار فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَا اسْمک قَالَ يزِيد بن شهَاب أخرج الله تَعَالَى من نسل جدي سِتِّينَ حمارا كلهم لَا يركبه إِلَّا نَبِي قد كنت أتوقعک أَن تركبني لم يبْق من نسل جدي غَيْرِي وَلَا من الْأَنْبِيَاء غَيْرک قد كنت قبلک لرجل يَهُودِيّ وَكنت أتعثر بِهِ عمدا وَكَانَ يجيع بَطْني وَيضْرب ظَهْري فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَأَنت يَعْفُور فَكَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يبْعَث بِهِ إِلَى بَاب الرجل فَيَأْتِي الْبَاب فيقرعه بِرَأْسِهِ فَإِذا خرج إِلَيْهِ صَاحب الدَّار أومىء إِلَيْهِ أَن أجب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا قبض النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَاءَ إِلَى بِئْر كَانَت لأبي الْهَيْثَم بن التيهَان فتردى بهَا جزعا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم[1060]

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فتح خیبر عنایت فرمائی .... تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ دراز گوش (گدھے) نے کلام کیا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ دراز گوش نے عرض کی یزید بن شہاب میری نسل کی جد (دادا) سے کل ٦٠ ساٹھ دراز گوش نکلے ہیں۔ نہیں سوار ہوئے ان پر سوائے نبی کے، میری جد کی نسل سے سوائے میرے کوئی دراز گوش باقی نہیں

[1060] خصائص الکبریٰ ج ٢ ص ٦٤ ـ البدایة والنهایة ج ٦ ص ١٥١ ـ مقیاس نبوت ج ٢ ص ٢٤٥ ـ

رہا،اور نہیں باقی نبیوں سے سوائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے،الخ۔اگر سچ سچ ہے تو مرزائیو! قادیانیو! اغلیظ ترین کافرو! یقین سمجھو، کہ جو شخص مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سوا اب اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔

ضب (گوہ) نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہونے کی شہادت دی

أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَالصَّغِير وَابْن عدي وَالْحَاكِم فِي المعجزات وَالْبَيْهَقِيّ وابو نعيم وَابْن عَسَاكِر عَن عمر بن الْخطاب أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ فِي محفل من أَصْحَابه إِذْ جَاءَ إعرابي من بني سليم قد صَاد ضبا فَقَالَ وَاللات والعزى لَا آمنت بک حَتَّى يُؤمن بک هَذَا الضَّب فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من أَنا يَا ضَب فَقَالَ الضَّب بِلِسَان عَرَبِيّ مُبين يفهمهُ الْقَوْم جَمِيعًا لبيک وَسَعْديک يَا رَسُول رب الْعَالمين قَالَ من تعبد فَقَالَ الَّذِي فِي السَّمَاء عَرْشه وَفِي الأَرْض سُلْطَانه وَفِي الْبَحْر سَبيله وَفِي الْجنَّة رَحمته وَفِي النَّار عَذَابه قَالَ فَمن أَنا قَالَ أَنْت رَسُول رب الْعَالمين وَخَاتم النَّبِيين قد أَفْلح من صدقک وَقد خَابَ من كَذبک۔[1061]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے بعض اصحاب کی محفل میں تشریف فرماتھے اچانک ایک اعرابی آیا بنی سلیم کے قبیلے سے جس نے گوہ کا شکار کیا ہوا تھا....تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے گوہ میں کون ہوں ؟ تو گوہ نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رب العالمین کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں ،ضرور فلاح پائے وہ

[1061] خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۷ ۔البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۴۹ ۔اخرج الطبرانی فی الاوسط والصغیر وابن عدی والحاکم وابو نعیم وابن عساکر۔

شخص جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت کے ختم ہونے کی تصدیق کی اور ضرور خسارے میں رہا جو ختم نبوت کا منکر ہوا۔

اے خبیث قادیانیو! مرزائیو! گدھا اور گوہ تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نبوت ختم ہونے کو تسلیم کرلیں لیکن مرزائی منحرف ہے۔

(و علی آلہٖ وَ أَصۡحَابِہٖ) اور صلوۃ سلام ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آل واصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین پر پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آل واصحاب پر تبعاً سنت اور اجماع سے صلوۃ وسلام ثابت ہے سنت سے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے من ذکرنی بالصلوۃ والسلام ولم یذکر آلی واصحابی فقد خانی۔ پس ثبوت صلوۃ وسلام پر اجماع ہوا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے آل واصحاب پر صلوۃ وسلام بھیجنے میں جمع ہو چکے ہیں اور آج کے دن تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ فان قیل کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بعض فقہاء سے کیوں مخالفت کی کیونکہ فقہاء نے صرف اٰل کا ذکر کیا ہے اصحاب کا نہیں جبکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کا ذکر کیا ہے قلنا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ساتھ موافقت کی ہے اور دوسرے فقہاء نے آل سے مراد اتباع لیا ہے اور اتباع میں اصحاب بھی شامل ہیں پس آل اور اصحاب کے درمیان من وجہ عموم خصوص ہے اور یہ تین مادے چاہتے ہیں ایک اجتماعی اور دو افتراقی مادہ اجتماعی اٰل اور اصحاب کا ہے مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن و

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور مادہ افتراقی اٰل کا ہے مثال کے طور پر زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مادہ افتراقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابی اس کو کہا جاتا ہے جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حالت بلوغت میں دیکھا ہو اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ایمان بھی لایا ہو اور اس کا وصال بھی ایمان کی حالت میں ہوا ہو۔ اٰل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ اٰل اشراف کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اہل ارذال کے لئے استعمال ہوتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یا اھل الحجام و الاسکاف اور اٰل کا ذکر قول خداوندی میں ہے کہ وَ أَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ چونکہ فرعون کو دنیا میں شرافت حاصل تھی اس لئے اس کے بارے میں اٰل کا لفظ استعمال ہوا۔ اور اہل کا ذکر اس قول خداوندی میں ہے کہ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ یہ قصہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کا ہے کنعان حضرت نوح علیہ السلام کی اٰل میں سے نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا: "إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔۔۔الخ" یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وجہ سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تا کہ وہ صحابی آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی نے کہا آپ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی

تلقین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو رضی اللہ وَرَضُوا عَنْہُ عنھمْ کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا سادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں توہین وبے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی وگستاخی کی وجہ سے سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ناراضگی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت وحرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اپنے اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کا بیان

عن أبی سعید عن النّبی ﷺ قال: ألا انّ عیبتی الّتی آوی الیها أهل بیتی، و انّ کرشی الأنصار۔ فاعفوا عن مسیئهم و اقبلوا من محسنهم۔ رواه التّرمذی و ابن أبی شیبة۔ و قال أبو عیسی: هذا حدیث حسنٌ۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! میرا جامہ دان جس سے میں آرام پاتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میری جماعت انصار ہیں۔ ان کے بُروں کو معاف کر دو اور ان کے نیکوکاروں

سے (اچھائی کو) قبول کرو۔'' اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1062]

عن زید بن ثابت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: انّی تارکٌ فیکم خلیفتین: کتاب اللّٰہ حبلٌ ممدود ما بین السّماء والأرض۔ أو ما بین السّماء الی الأرض، وعترتی أھل بیتی، وانّھما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض۔ رواہ أحمد۔

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ جاتے۔'' اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔[1063]

عن عبد الرّحمٰن بن عوف قال: افتتح رسول اللّٰہ ﷺ مکّۃ ثم انصرف الی الطّائف فحاصرھم ثمانیۃ أو سبعۃ، ثمّ أدخل غدوۃ أو روحۃ ثم نزل ثمّ ھجر۔ ثم قال، أیّھا النّاس، انّی لکم فرطٌ وانّی أوصیکم بعترتی خیرًا، وانّ موعدکم الحوض۔۔۔۔ الحدیث۔ رواہ الحاکم، وقال: ھذا حدیث صحیحٌ۔

''حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مکہ فتح کیا پھر طائف کا رخ کیا اور اس کا آٹھ یا سات دن محاصرہ کئے رکھا پھر صبح یا شام کے وقت اس میں داخل ہوگئے پھر پڑاؤ کیا پھر ہجرت فرمائی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تمہارے لئے تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور بے شک میں تمہیں اپنی

[1062] (أخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: فی فضل الأنصار وقریش، ۵/۷۱۳، الرقم: ۳۹۰۴ وابن أبی شیبۃ فی المصنف، ۶/۳۹۹، الرقم: ۳۲۳۵۷، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۳/۳۳۲، الرقم: ۱۷۱۶، وابن سعد فی الطبقات الکبری، ۲/۲۵۲)

[1063] (أخرجہ أحمد بن حنبل فی المسند، ۵/۱۸۱، الرقم: ۲۱۶۱۸، والھیتمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۲)

عترت کے ساتھ نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانا حوض ہو گا۔۔۔الحدیث۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[1064]

عن زید بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أیّھا النّاس، انّی تاركٌ فیکم أمرین لن تضلّوا ان اتّبعتموھما، وھما: کتاب اللہ، وأھل بیتی عترتی۔ثمّ قال: أتعلمون أنّی أولی بالمؤمنین من أنفسھم ثلاث مرّاتٍ قالوا: نعم، فقال رسول اللہ ﷺ: من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ۔رواہ الحاکم وقال الحاکم: صحیح۔

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں اور اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کو عزیز ہوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ کرام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے عرض کی: ہاں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[1065]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لمّا نزلت ھذہ الآیۃ: {قُل لَّآ اَسئَلُکُمۡ عَلَیهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی} قالوا: یارسول اللہ، من قرابتک ھؤلاء الّذین وجبت علینا مودّتھم؟ قال: علیّ وفاطمۃ وابناھما۔رواہ الطّبرانی۔

[1064] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۲/۱۳۱، الرقم: ۲۵۵۹)

[1065] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۱۸، الرقم: ۴۵۷۷)

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: {قُل لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: علی، فاطمہ، اور ان کے دو بیٹے (حسن و حسین)۔“ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1066]

عن زید بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی روایة طویلة: قال: قال النبی ﷺ: انظروا کیف تخلفونی فی الثقلین۔ فنادی مناد وما الثقلان یا رسول اللہ ﷺ قال: کتاب اللہ طرف بید اللہ وطرف بأیدیکم فاستمسکوا بہ لا تضلّوا، والآخر عترتی وانّ اللّطیف الخبیر نبّأنی أنّھما لن یّتفرّقا حتی یردا علیّ الحوض، سألت ربّی ذلک لھما، فلا تقدّموھما فتھلکوا، ولا تقصروا عنھما فتھلکوا، ولا تعلموھم فانّھم أعلم منکم ثمّ أخذ بید علیّ فقال: من کنت أولی بہ من نفسی فعلیّ ولیّہ اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ رواہ طبرانی۔

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: پس یہ دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں سے مجھے کیسے باقی رکھتے ہو۔ پس ایک نداء دینے والے نے ندا دی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کا ایک کنارہ (سرا) اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ (سرا) تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے اور دوسری چیز میری عترت ہے اور بے شک اس لطیف خبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی

[1066] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۷، الرقم: ۲۶۴۱، والھیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۶۸)

جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوض پر حاضر ہوں گی اور ایسا ان کے لئے میں نے اپنے رب سے مانگا ہے۔ پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: پس میں جس کی جان سے بڑھ کر اسے عزیز ہوں تو یہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا دوست ہے اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا دوست رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہے تو تو اس سے عداوت رکھ۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1067]

عن مصعب بن عبدالرّحمٰن بن عوف عن أبیه قال: لمّا فتح رسول اللہ ﷺ مکّة انصرف الی الطّائف فحاصرها سبع عشرة، أو تسع عشرة، ثمّ قام خطیبًا فحمداللہ و أثنی علیه۔ ثمّ قال: أوصیکم بعترتی خیراً، و أنّ موعدکم الحوض۔ و الّذی نفسی بیده لتقیمنّ الصلاة ولتؤتنّ الزّکاة، أو لأبعثنّ الیکم رجلاً منی۔ أو کنفسی یضرب أعناقکم۔ ثمّ اخذ بید علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال: بهذا۔ رواه البزّار۔

"حضرت مصعب بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مکہ فتح کیا اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سترہ دن طائف کا محاصرہ کئے رکھا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خطاب کے لئے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: میں اپنی عترت کے بارے میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں

[1067] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۵/۱۶۶، الرقم: ۴۹۷۱)

اور بے شک تمہارا اٹھکانہ حوض کوثر ہو گا اور نماز قائم کرو گے اور زکوۃ ادا کرو گے یا میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح کا ہے اور جو تمہاری گردنیں مارے گا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:اس آدمی سے میری مراد یہ ہے۔"اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔[1068]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت پر اُبھارنے کا بیان

اہل بیت النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ در حقیقت اس محبت کی محرک اہل بیت کی نسبت ہے۔ جو ذاتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) سے مربوط و منسلک ہے اور دوسری وجہ آنجناب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کی اپنی ذاتی محبت اپنی نسل پاک سے ہے اور یہ عاشقانہ دستور و اصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نے ایک بالترتیب محبت و مودت کا موجب ذکر فرمایا ہے:

قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احبو اللہ تعالیٰ لما یغذوکم بہ من نعمۃ و احبونی لحب اللہ تعالیٰ و احبوا اھل بیتی لحبی۔

"فرمایا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میری اہل بیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں "۔

[1068] (أخرجه البزار في المسند، ٣/٢٥٨، ٢٥٩، الرقم: ١٠٥٠، والهيثمي في مجمع الزوائد، ٩/١٦٣)

محبت کے اس ایمان افروز دستور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبوب پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے:

قُل لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبى۔

فرمادو میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔[1069]

مفسر روح البیان اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویجوز ان یراد بالقربی اهل قرابته قیل یا رسول من قرابتک هؤلاء الذین وجبت علینا مودتهم قال علی وفاطمه وابنای ای الحسن والحسین رضی اللہ عنهما۔

یہ حقیقت ہے کہ قرابت سے مراد آنجناب رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کی قرابت اور نسل پاک ہو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ فرمایا وہ علی فاطمہ اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علماء کرام اور مفسرینِ عظام نے "آل" کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

عترة الرجل: أهل بيته، ورهطه الأدنون، ولاستعمالهم "العترة" على أنحاء كثيرة۔

یعنی کسی شخص کی آل اسکے گھر والے ہوتے ہیں اور وہ افراد جو اس کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے آل کا استعمال کئی اقسام میں منقسم ہے۔[1070]

ایک اہل گھر کے افراد ہیں مثلاً ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ)۔ دوسرے وہ حضرات جن کا تعلق نسب و نسل سے ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ قریب ہیں جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور حضرت علی،

[1069] (سورۃ الشوری: آیت ۲۳)

[1070] (نهج الرشاد في نظم الاعتقاد ج ۱ ص ۱۶)

حضرت حسن اور حضرت حسین، حضرت محسن اور انکی بہنیں **(اخوات) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔**
تیسرے وہ حضرات جو ان کی نسبت کچھ دور ہیں جیسے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ چوتھے درجہ میں حضرت عبد المطلب اور حضرت ہاشم کی اولاد جس پر زکوۃ ممنوع ہے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔پانچویں درجہ میں ہر متقی اور صالح و مخلص مؤمن بھی آل میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:(**السلمان منا اهل البیت**) اور فرمایا(**اٰلِ محمد کل تقی**) اس اعتبار سے سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آل میں داخل ہیں۔

یہاں جس آلِ اطہار کا بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہے۔ اگرچہ اس کے ضمن میں آل کے تمام افراد داخل ہونگے لیکن خصوصیّت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔

جیسا کہ مفسرین کرام نے اس ضمن میں وضاحت کی ہے:

والحق وجوب محبة قرابته ﷺ من حیث انّهم قرابته ﷺ کیف کانوا و کلما کانت جهة القرابة اقوی کان طلب المودة اشد فمودة العلویین الفاطمیین الزم من محبة العباسین (رضی اللہ تعالیٰ عنهم) و أثار تلک المودة التعظیم و الاحترام و القیام باداء الحقوق اتم قیام۔

اہل بیت کی محبت کے مراتب ہیں حق بات یہ ہے کہ جس اہل کو جتنی نزدیک تر قربت ذاتِ فخر موجودات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) سے ہو گی ان کی محبت کا وجوب بہ نسبت دوسروں کے اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ لہٰذا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کی اولاد پاک کی مودّت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے زیادہ ہو گی۔ اہل بیت کرام کی محبت کی علامت ان کی تعظیم واحترام اور محبت کے حقوق کی ادائیگی میں ہے۔

آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کی محبت اپنی اہل سے کس قدر زیادہ تھی اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے:

أخرج ابو سعید عن النبی ﷺ انہ قال لا تصلوا علی الصلاۃ البتیراء قالوا وما الصلاۃ البتیراء یا رسول اللہ قال تقولون اللھم صل علی محمد وتسکتون بل قولوا اللھم صل علی محمدوآل محمد۔

سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نے ارشاد فرمایا مجھ پر ناقص صلاۃ وسلام نہ پڑھا کرو۔[1071]

صحابہ نے عرض کیا نامکمل صلاۃ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کہتے اللھم صلی علی محمد اور پھر خاموش ہو جاتے ہو (ایسا نہ کرو) بلکہ یوں پڑھا کرو اللھم صلی علی محمد وآل محمد اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صلاۃ و سلام میں اہل بیت کی عدم شمولیت سے شرف قبولیت کامل نہیں ہو گا۔

ایک اور حدیث شریف قال رسول اللہ ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الیٰ الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی۔[1072]

آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جارہاہوں اگر تم نے اسے تھاما(یعنی اسے عملی اعتبار سے قبول کیا) تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ

[1071] (خزینۃ الاسرار ص ۱۸)
[1072] (مشکوۃ ص ۵۷۹)

نہ ہوگے۔ان دونوں چیزوں میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) جو ایک طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، اور دوسری چیز میری اولاد ہے میری اولاد اور قرآن کریم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آکر ملیں گے۔پس لوگو! سوچ لو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ تم کیا برتاؤ کروگے۔

فائدہ: اہل بیت کے سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نے ایک شرط اور معیار بیان فرمایاہے:

قال رسول اللہ ﷺ وعدنی ربی فی اهل بیتی من اقر منهم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبهم۔

سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نے فرمایا میرے رب نے میری اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ان کو عذاب سے محفوظ فرمائے گا ۔بشرطیکہ وہ توحید ورسالت پر یقین رکھتے ہوں یعنی اہل بیت کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔[1073]

ایک اور حدیث میں فرمایا:

سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اهل بیتی فاعطانی ذلک۔

میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میری اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کسی فرد کو دوزخ میں داخل نہ فرمانا تو میرے رب نے میرا سوال پورا کیا اور میری مراد مجھے عطا فرمائی۔

(شرح) فاستدل بعض العلماء به علی ان ذریته ﷺ یموتون علی اکمل الاحوال۔

ترجمہ: ”بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کا ہر فرد موت کے وقت اکمل الاحوال پر انتقال کرے گا۔“یعنی مرتے وقت ان کو ولائیت کبریٰ کا درجہ ملے گا۔

[1073] (رسائل الستہ لابن عابدین الشامی علیہ الرحمہ ص ۵)

حرم شریف کے ایک امام نے علماء کے اس فیصلہ کو پڑھا اور دلائل پر غور کیا تو یقین کر لیا کہ اس کے دلائل قوی ہیں لیکن اس کے بعد پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے فرد جو بھی کرتے رہیں (گناہ اور نافرمانی وغیرہ) پھر بھی وہ ولی کامل ہو کر انتقال کریں گے؟ یہ درست نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنے تصنیف شدہ رسائل ستہ میں لکھتے ہیں:

فنظر الیٰ الدلیل فراہ قویا ثم استبعد ذلک بما یبلغہ عن شرفاء مکہ المشرفہ فنام فرای حضرت صاحب الرسالۃ (ﷺ) فی منامہ وھو معرض عنہ فقال اتستبعد ان یموت اھل بیتی علی اکمل الاحوال او کما قال فاستیقظ خائفًا ورجع عن ذلک۔[1074]

امام کعبہ نے جب اہل بیت کی فضیلت کے قوی دلائل دیکھنے کے باوجود ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس نے سادات کے بعض نوجوانوں کو اچھے کام کرتے نہیں دیکھا تھا، تو اس نے ایسا خیال کیا تھا۔ خواب میں رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا جب ملنے کیلئے خدمتِ اقدس کی طرف آیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اعراض فرمایا اور انکار کر دیا، اس کی معذرت پر فرمایا کہ تجھے میری اہل بیت کی موت علی اکمل الاحوال (ولایت کبریٰ) سے انکار ہے۔ نیند سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور اس جرم سے توبہ کی۔

آلِ بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی فضیلت میں کئی ایک آیات قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ آیت مبارکہ ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿ال عمران ۶۱﴾

[1074] (رسائل ستہ ص ۶)

"تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔"[1075]

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ میں رہنے والے نصرانیوں نے اپنے مذہب (نصرانیت) کی حقانیت کیلئے آنجناب نبوت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے مباہلہ کی تاریخ متعین کی جب آنے کا وقت آیا تو سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت حسین کو گود میں اور حضرت حسن کا داہنا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ پیچھے اور حضرت علی ان کے پیچھے (رضی اللہ عنہم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان نفوسِ قدسیہ سے فرمایا میں جو دعا مانگوں تم آمین کہنا۔ اسی اثنا میں نصاریٰ کا وفد بھی پہنچ گیا۔ وفد کے پادری نے وفد سے کہا سنو! مذہب کی تائید اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سامنے نظر آنے والے مقدس ومنوّر چہرے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے چل کر ہمارے پاس آجائے تو لازماً آجائے گا۔ اب مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سے مباہلہ نہ کریں اور معافی مانگ لیں ورنہ مباہلہ میں ان کی دعاؤں سے ہمارا دنیا سے نام بھی مِٹ جائے گا۔ اس پر نصرانی متفق ہوگئے۔ ان کی معذرت پر رحمتِ دو عالم نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مباہلہ ترک فرمایا اور ان پر تاوان (جزیہ) رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر یہ نصرانی مباہلہ کرتے تو تمام نصرانی اور ان کا علاقہ، درخت اور پرندے درندے سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ اور دنیا میں نام کا ایک نصرانی باقی نہ رہتا ان کے لئے آسمان سے آگ اتر رہی تھی، میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو واپس لے لیا۔

[1075] (سورہ آل عمران آیت ٦)

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ندع ابنائنا و ابنائکم دعا رسول اللّٰہ ﷺ علیّا و فاطمۃ و حسنًا و حسیناً فقال اللھمّ ھٰؤُلاء اھل بیتی۔ رواہ مسلم۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنفُسَنَا وَ اَنفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿آل عمران ۶۱﴾ نازل ہوئی، تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور یہ فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اس کے بعد عیسائیوں سے مباہلہ کے لئے ان چاروں کو لے کر گئے مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے۔" [1076]

صاحبِ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے متعلق شیعوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر آخر میں تحریر فرمایاہے:

لکنّ ھٰذہ القصۃ تدلّ علی کون ھٰؤُلاء الکرام احبّ النّاس الی رسول اللّٰہ ﷺ۔ [1077]

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔

علماء کرام نے اس آیت کے تحت نتیجہ اخذ کیا کہ: فعلم انھم المراد من الأیۃ و ان اولاد فاطمہ (رضی اللّٰہ تعالی عنھا) و ذریتھا یسمون ابنائہ ﷺ وینسبون الیہ نسبۃً صحیحۃً نافعۃً فی الدنیا و الاخرۃ۔ معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں جنکا ذکر ہے وہ حضرات اہل بیت مراد ہیں، اور بلاشبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور ان کی آپکی ذاتِ بابرکات سے جو نسبت ہے بالکل درست اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش نسبت ہے۔

[1076] (مشکوۃ شریف، ج۲ ص۵۶۸)
[1077] (تفسیر مظھری، ج۲ ص۶۲)

اسی نسبت کے اعتبار سے حدیث شریف میں مذکور ہے:

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الٰہٖ و سلم الدعاء محجوب حتی یصلی علی محمد و اھل بیتہٖ۔ اللھم صلّ و سلم علی محمد و اٰلہٖ۔[1078]

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الدعاء محجوب عن السماء حتی یتبع بالصلاۃ علی محمدٍ و آلہٖ۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان سے اس وقت تک پردہ میں رہتی ہے جب تک اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔"[1079]

عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کل دعاءٍ محجوب عن السماء حتی یصلی علی محمد ﷺ و علی آل محمد ﷺ۔

"حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک آسمان کے نیچے حجاب میں رہتی ہے جب تک حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔"[1080]

خلاصہ: قرآن و سنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ کائنات و ممکنات کا ہر ذرّہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی رحیمانہ شفقت سے ہر وقت مستفیض ہے۔ اور آپ کا وصفِ دائمی ہے کہ دنیا و **مافیھا** آنجناب کے زیرِ نظر ہے۔

اس کی دلیل ملاحظہ ہو:

[1078] (الدیلمی)

[1079] (عسقلانی، لسان المیزان، ۴:۵۳، رقم: ۱۵۰)

[1080] (بیھقی، شعب الایمان، ۲:۲۱۶، رقم: ۱۵۷۵)

قال ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنیا و انا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔

''اللہ تعالیٰ نے دنیا و مافیہا اور قیامت تک ہونے والے حالات میرے سامنے روشن اور ظاہر فرمادیئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔''[1081]

جو لوگ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور ان کا احترام اور اعزاز بجالاتے ہیں اور جو خدمت کرتے ہیں ان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملتا ہے اور قیامت میں بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس سے باخبر ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان خدمت گزاروں کو خواب میں شرفِ زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

علامہ شامی کتاب الحج میں نقل کرتے ہیں:

فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دینار یتأھب بھافجاء تہ امرأۃ فی الطریق وقالت لہ انی من اٰل بیت النبی ﷺ وبی ضرورۃ فافرغ لھا مامعہ فلما رجع حجاج بلدہ صار کلما لقی رجلا منھم یقول لہ تقبل اللہ تعالیٰ منک فتعجب من قولھم فرای النبی ﷺ فی نومہ وقال لہ تعجبت من قولھم تقبل اللہ تعالیٰ منک قال نعم یا رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ تعالیٰ خلق ملکًا علی صورتک حج عنک وھو یحج عنک الی یوم القیامۃ باکرامک لامرأۃ مضطرۃ من اٰل بیتی۔[1082]

مسامرہ (کتاب کا نام) میں ہے کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان لے کر نکلا تو راستہ میں ایک باپردہ خاتون سامنے آکر کہنے لگی میں سیّد زادی ہوں اور ضرورتمند ہوں، تو اس نے ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان خاتون کو دے دیا اور واپس گھر آگیا جب اس شہر کے

[1081] (الفتوحات الاحمدیہ ص ۲۷ بحوالہ الطبرانی)

[1082] (الشامی ج ۲ ص ۲۷۵)

حاجی واپس آنے لگے تو شہر کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا ان میں یہ شخص بھی تھا، حاجیوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے (آپ پہلے آگئے ہیں) یہ بڑا متعجب ہوا۔ جب سویا تو خواب میں سرور کونین نور العین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو شرفِ زیارت بخشا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو حاجیوں کی مبارکباد سے متعجب ہوتا ہے؟ عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا فرمایا اس نے تیری طرف سے حج ادا کیا اور آئندہ قیامت تک ادا کرتا رہے گا۔ کیونکہ تو نے میری اولاد کی عزت و تعظیم کی ہے۔ (سبحان اللہ)

قال ﷺ حرمت الجنة علی من ظلم اهل بیتی و اٰذانی فی عترتی و من اصطنع صنیعة الیٰ احد من ولد عبد المطلب و لم یجازه فانا اجازیه علیها غدًا اذ لقینی یوم القیامة۔[1083]

"آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو لوگ میرے اہل بیت پر ظلم کرتے ہیں اور میری اولاد کی وجہ سے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جنت حرام ہے۔ اور جو شخص حضرت عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ اس کو بدلہ نہیں دے سکتا تو کل اس کو میں بدلہ دوں گا۔ جب اس کی ملاقات مجھ سے قیامت میں ہوگی۔"

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: أحبو اللہ لما یغذو کم من نعمه، و أحبّونی بحبّ اللہ عزوجل۔ و أحبّوا أهل بیتی لحبّی ۔ رواه الترمذی و الحاکم۔ و قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے

[1083] (روح البیان)

تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1084]

عن العباس بن عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کُنّا نلقی النّفر من قریش وھم یتحدّثون فیقطعون حدیثھم، فذکرنا ذلک لرسول اللہ ﷺ، فقال: ما بال أقوامٍ یتحدّثون فاذا رأوا الرجال من أھل بیتی قطعوا حدیثھم واللہ لا یدخل قلب رجلٍ الایمان حتّی یحبّھم للہ ولقرابتھم منّی۔ رواہ ابن ماجہ والحاکم۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی قسم! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا جب تک ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے اور میری قربت کی وجہ سے محبت نہ کرے۔" اسے امام ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[1085]

عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قلت: یا رسول اللہ، انّ قریشًا اذا لقی بعضھم بعضا لقوھم ببشرٍ حسنٍ، واذا لقونا لقونا بوجوہ لا نعرفھا۔ قال: فغضب النّبیّ ﷺ غضبًا شدیدًا وقال: والّذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبّکم للہ

[1084] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: مناقب أهل البیت النبی ﷺ، ۶۶۴/۵، الرقم: ۳۷۸۹، والحاکم فی المستدرک ۱۶۲/۳، الرقم: ۴۷۱۶، والبیهقی فی شعب الایمان، ۳۶۶/۱، الرقم: ۴۰۸)

[1085] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمة، باب: فضل العباس بن عبد المطلب ص، ۵۰/۱، الرقم: ۱۴۰، والحاکم فی المستدرک، ۸۵/۴، الرقم: ۶۹۶۰، والمقدسی فی الأحادیث المختارة، ۳۸۲/۸، الرقم: ۴۷۲، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱۱۳/۴، الرقم: ۶۳۵۰، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱۳/۱، الرقم: ۱۴۰)

ولرسولهم ولقرابتي۔ رواه أحمد والنّسائی والحاکم والبزّار۔ وفی روایة: قال: واللّٰه، لا یدخل قلب امرأِ ایمانٌ حتّی یحبّکم للّٰه ولقرابتي۔

”حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! قریش کے بعض لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی جذبات سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یہ سن کر شدید جلال میں آگئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔“ اسے امام احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔[1086]

عن أبی سعیدٍ الخدریّ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی ﷺ یقول علی هذا المنبر: ما بال رجالٍ یقولون: انّ رحم رسول اللّٰه ﷺ لا تنفع قومه یوم القیامة، بلی واللّٰه، انّ رحمی موصولة فی الدّنیا والآخرة۔ وأنّی أیّها النّاس، فرطٌ لکم علی الحوض فاذا جئتم قال رجلٌ: یا رسول اللّٰه أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال: یتحقّق أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال لهم: أمّا النّسب فقد عرّفته ولکنّکم أحدثتم بعدی وأرتددتم القهقریّ۔ رواه احمد والحاکم۔

[1086] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند ۱۷۰۲ الرقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، والحاکم فی المستدرک، ۳/۳۷۶، الرقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰، والنسائی فی السنن الکبری، ۵/۵۱ الرقم: ۸۱۷۶، والبزار فی المسند، ۶/۱۳۱، الرقم: ۲۱۷۵، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۸، الرقم: ۱۵۰۱، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۶۱، الرقم: ۷۰۳۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ان لوگوں کا کیا ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے نسبی تعلق قیامت کے روز ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں دے گا کیوں نہیں! اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی تعلق دنیا و آخرت میں آپس میں باہم ملا ہوا ہے اور اے لوگو! بے شک (قیامت کے روز) میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا پس جب تم آ گئے تو ایک آدمی کہے گا **یا رسول اللہ ﷺ!** میں فلاں بن فلاں ہوں پس حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اس کا فلاں بن فلاں کہنا پایہ ثبوت کو پہنچے گا اور رہا نسب تو تحقیق اس کی پہچان میں نے تمہیں کرادی ہے لیکن تم میرے بعد احداث (بدعت جاری) کروگے اور الٹے پاؤں پھر جاؤگے۔" اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[1087]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال: قال رسول اللہ ﷺ خیرکم، خیرکم لأھلی من بعدی۔ رواہ الحاکم وأبو یعلی۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل کے لئے بہترین ہے۔" اس حدیث کو امام حاکم اور امام ابو یعلی نے بیان کیا ہے۔[1088]

[1087] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱۸/۳، الرقم: ۱۱۱۵۴، والحاکم فی المستدرک، ۸۴/۴، الرقم: ۶۹۵۸، وأبو یعلی فی المسند، ۴۳۳/۲، الرقم: ۱۲۳۸، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۳۶۴/۱۰)

[1088] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳۵۲/۳، الرقم: ۵۳۵۹، وأبو یعلی فی المسند، ۳۳۰/۱۰، الرقم: ۵۹۲۴، وابن أبی عاصم فی السنة، ۶۱۶/۲، الرقم: ۱۴۱۴، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱۷۰/۲، الرقم: ۲۸۵۱، والخطیب فی تاریخ بغداد، ۲۷۶/۷، الرقم: ۳۷۶۵، والمناوی فی فیض القدیر، ۴۹۷/۳، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۷۴/۹)

عن عبد الرحمٰن بن أبی لیلی عن أبیه قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا یؤمن عبدٌ حتی أکون أحبّ الیه من نفسه و أهلی أحبّ من أهله وعترتی أحبّ الیه من عترته و ذاتی أحبّ الیه من ذاته۔ رواہ الطبرانی و البیهقی۔

”حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔“ اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[1089]

عن الحسن بن علی: أنّ رسول اللہ ﷺ قال: الزموا مودّتنا أهل البیت، فانّه من لقی اللہ عز وجل وهو یودّنا دخل الجنّة بشفاعتنا، والّذی نفسی بیده: لا ینفع عبد عمله الاّ بمعرفة حقنا۔ رواہ الطبرانی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو پس بے شک وہ شخص جو اس حال میں اللہ سے ملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں داخل ہو گا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کا عمل فائدہ نہیں دے گا مگر ہمارے حق کی معرفت کے سبب۔“ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[1090]

[1089] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۷/۷۵، الرقم: ۶۴۱۶، وفی المعجم المعجم الأوسط، ۶/۵۹، الرقم: ۵۷۹۰، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۹، الرقم: ۱۵۰۵، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۵/۱۵۴، الرقم: ۷۷۹۵، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱/۸۸)

[1090] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط ۲/۳۶۰، الرقم: ۲۲۳۰، والهیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۷۲)

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان لآل رسول اللہ ﷺ خادمٌ تخدمھم یقال لھا: بریرۃ فلقیھا رجلٌ فقال: یا بریرۃ، غطی شعیفاتک، فانّ محمّدًا لن یغنی عنک من اللہ شیئاً قال: فأخبرت النّبیّ ﷺ: فخرج یجرّ رداء ہ محمّرۃ وجنتاہ، وکنا معشر الأنصار نعرف غضبہ بجر ردائہ وحمرۃ وجنتیہ۔ فاخذنا السلاح ثم أتیناہ فقلنا: یا رسول اللہ مرنا بما شئت فوالّذی بعثک بالحق، لو أمرتنا بأمھاتنا وآبائنا وأولادنا، لأمضینا قولک فیھم، فصعد ﷺ المنبر فحمداللہ عزوجل وأثنی علیہ۔ وقال: من أنا؟ فقلنا: أنت رسول اللہ۔ قال: نعم، ولکن من أنا؟ فقلنا: محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ھاشمٍ بن عبدمنافٍ۔ قال: أنا سید ولد آدم ولا فخر، واوّل من تنشقّ عن الأرض ولا فخر، واوّل من ینفض التّراب عن رأسہ ولا فخر، وأوّل داخل الجنّۃ ولا فخر، ما بال أقوامٍ یزعمون أنّ رحمی لا ینفع۔ لیس کما زعموا انّی لأشفع وأشفّع، حتی أنّ من أشفعُ لہ لَیشفعُ فَیُشَفَّعُ، حتّی انّ ابلیس لیتطاول طمعًا فی الشّفاعۃ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ایک خادمہ تھی جو ان کی خدمت بجالاتی، اسے ''بریرہ'' کہا جاتا تھا پس اسے ایک آدمی ملا اور کہا: اے بریرہ اپنی چوٹی کو ڈھانپ کر رکھا کر بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ راوی بیان کرتے ہیں پس اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے در آنحالیکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دونوں رخسار مبارک سرخ تھے اور ہم (انصار کا گروہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے غصے کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چادر کے گھسیٹنے اور رخساروں کے سرخ ہونے سے پہچان لیتے تھے پس ہم نے اسلحہ اٹھایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آ گئے اور

عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! آپ جو چاہتے ہیں ہمیں حکم دیں پس اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایاہے! اگر آپ ہمیں ہماری ماؤں، آباء اور اولاد کے بارے میں بھی کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم ان میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قول کو نافذ کر دیں گے پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ہاں لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، میں وہ پہلا شخص ہوں جس کی قبر پھٹے گی لیکن کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے سر سے مٹی جھاڑی جائے گی لیکن کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رحم (نسب و تعلق) فائدہ نہیں دے گا ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں۔ بے شک میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول بھی ہو گی یہاں تک کہ جس کی میں شفاعت کروں گا وہ یقیناً دوسروں کی شفاعت کرے گا اور اس کی بھی شفاعت قبول ہو گی یہاں تک کہ ابلیس اپنی گردن کو بلند کرے گا شفاعت میں طمع کی خاطر (یا کسی طور اس کی شفاعت بھی کوئی کر دے)۔"

اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[1091]

[1091] (أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، ۵/۲۰۳، الرقم: ۵۰۸۲، والهيثمي في مجمع الزوائد، ۱۰/۳۷۶)

تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہم سے محبت نہ کرے اور اس وقت تک محبت کرنے کے کا دعویٰ خام ہے جب تک ہماری اہل بیت وعترت اور قریبوں سے محبت نہ کرے۔[1092]

ایک اور مقام پر امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنی جان سے محبوب نہ رکھے اور ہماری عترت کو اپنی عترت سے اور ہماری اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے محبوب نہ رکھے۔ اور ہماری ذات کو اپنی ذات سے محبوب نہ سمجھے۔[1093]

ایک اور مقام پر حضور سرورِ کائنات فخر موجودات باعث تخلیق کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

والله لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی۔

خدا کی قسم انسان کے دل میں اس وقت تک ایمان ہی داخل نہیں ہوتا جب تک میرے قریبوں سے محبت نہ کرے۔"[1094]

امام الانبیاء تاج دارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اپنی صاحبزادی والاشان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد طاہرہ سے اس قدر والہانہ محبت ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا: میری آلِ پاک کی محبت تم پر لازم اور واجب قرار دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اور جنت الفردوس میں داخلہ کا انحصار محض اس بات پر ہے کہ ہمارے گھر والوں سے مودت ومحبت کرو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: مجھے قسم

[1092] (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۵)
[1093] (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)
[1094] (الصواعق المحرقہ ص ۲۳۰)

ہے اس ذات کی جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر اہل بیت کے بارے میں ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہارا کوئی عمل بھی تمہیں نفع نہیں دے گا۔[1095]

عن أبی رافعٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنّ رسول اللہ ﷺ قال لعلیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنت وشیعتک تردون علیّ الحوض رواء مروّیین، مبیّضة وجوھکم۔ وانّ عدوک یردون علیّ ظماءً مقبّحین۔ رواہ الطبرانی۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تو اور تیرے (چاہنے والے) مددگار (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر چہرے کی شادابی اور سیراب ہو کر آئیں گے اور ان کے چہرے (نور کی وجہ سے) سفید ہوں گے اور بے شک تیرے دشمن (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر بدنما چہروں کے ساتھ اور سخت پیاس کی حالت میں آئیں گے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1096]

اولادِ فاطمہ (سادات) پر جہنم حرام ہے

عن جابر بن عبداللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّما سمّیت بنتی فاطمة لأنّ اللہ عزوجل فطمھا وفطم محبّیھا عن النّار۔ رواہ الدّیلمی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

[1095] (جامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۰۱، الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳، الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲/۳۶۰، الرقم: ۲۲۳۰، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

[1096] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱/۳۱۹، الرقم: ۹۴۸، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

اسے اور اس کے چاہنے والوں کو آگ سے چھڑا (اور بچا) لیا ہے۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[1097]

بنتِ رسول، خاتونِ جنّت، سیدہ بتول، سلام اللہ علیہا کا اسمِ مقدس ہی ایسا ہے جس کے معنی ہیں آزاد کرانے والی۔

چنانچہ لفظِ فاطمہ تشریح کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے:

وفاطمة كما قال ابن دريد مشتقة من الفطم وهو قطع سميت بذالک لان الله تعالیٰ فطمها عن النار۔

اور فاطمہ! جیسا کہ کہا ابنِ درید کے بیٹے نے کہ یہ فطم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیٰحدہ کرنا۔ اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے علیٰحدہ کر دیا ہے۔[1098]

واخرج الديلمى مرفوعا انها سميت فاطمة لان فطمها ومحبّيها عن النّار۔

اور دیلمی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے علیحدہ کر دیا ہے۔[1099]

ان فاطمة قد احصنت فرجها فحرّمها الله و ذريّتها على النّار۔

بیشک فاطمہ پاک دامن ہے، آپ کو اور آپ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمادیا ہے۔

1100

[1097] (أخرجه الديلمى فى مسند الفردوس، ۱/۳۴۶، الرقم: ۱۳۸۵، والخطيب فى تاريخ بغداد، ۱۲/۳۳۱، والمناوى فى فيض القدير، ۳/۴۳۲)

[1098] (اسعاف الراغبين حاشيه نور الابصار ص ۸۰، شرح فقه اكبر ص ۱۳۰)

[1099] (صواعق محرقه ص ۱۸۸ نور الابصار ص ۴۵)

[1100] (المستدرک حاکم ۳/۱۵۲، الامن والعلیٰ ص ۲۳۸، اشرف الموبد ص ۴۴، مراة شرح مشكوة ۴۵۲)

علاوہ ازیں بھی بیشتر فرامین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ **جناب سیّدہ فاطمۃ الزھرا سلام اللہ علیھا** کی تمام اولاد پاک جہنم سے محفوظ رہے گی۔ چند ایک روایات مزید ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿الضحی ۵﴾

(اور بیشک اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے:

عن ابن عباس قال رضا محمد ﷺ ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار۔

کہ سرکارِ دو عالم کی رضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اہل بیت میں سے کوئی ایک فرد بھی جہنم میں نہ جائے۔[1101]

کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ میرے اہل بیت سے ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرما لیا۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانیھا۔ (حدیث صحیح و لم یخرجاہ)۔[1102]

اور اولادِ فاطمہ پر دوزخ حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخر موجودات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت

[1101] (تفسیر قرطبی جز ۳۰ ص ۴۸۲ اشرف المؤبد ص ۴۴)

[1102] (المستدرک ۳/۱۵۰، اشرف المؤبد ۴۴)

کے دن تمام لوگوں کے حسب نسب منقطع ہو جائیں گے مگر ہمارا حسب و نسب منقطع نہیں ہو گا۔ چنانچہ روایات صحیحہ میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ کل حسبٍ و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا حسبی و نسبی۔[1103]

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النّبی ﷺ قال: حبّ آل محمّدٍ یوماً خیر من عبادۃ سنۃٍ و من مات علیہ دخل الجنّۃ۔ رواہ الدّیلمی۔

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اہل بیتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اس محبت پر فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[1104]

قال علیہ الصلوۃ و السلام: ”الا و من مات علی حبّ آل محمد مات مغفورا۔ الا و من مات علی حبّ محمد مات تائبا۔ الا من مات علی حب آل محمد مات مؤمنا۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات شہیدا متکمل الایمان۔ الا و من مات علیٰ حبّ اٰل محمد یبشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرا ونکیرا۔ الا و من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت زوجھا و فتح لہ فی قبر باب الجنۃ جعل اللہ قبرہ مزار ملائکۃ رحمۃ۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات علی السنۃ و الجماعۃ۔

”اے مسلمانو: آگاہ ہو جاؤ جو شخص حب آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں مرے گا وہ بخشا ہوا مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حب آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

[1103] (المستدرک ۳/۱۶۴، خصائص کبریٰ ۲/۲۲۵ جامع الصغیر ۲/۹۳ اشرف الموجد ص ۴۵ الروضۃ الفیحانی تواریخ النساء ص ۱۶۴ طبقات ابن سعد ۸/۴۸۲)

[1104] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۱۴۲، الرقم: ۲۷۲۱)

وبارک وسلم میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں مرا وہ مؤمن مرا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں مرا وہ شہید اور کامل الایمان مرا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں مرا ملکُ الموت اور منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں مرا جنت ایسے جائے گا جیسے دولہن اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے، قبر میں اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں مرا وہ سنت وجماعت پر مرا۔"[1105]

عن علیّ بن حسین: أنّه ﷺ قال: یا علیّ انّ اللہ قد غفر لک ولذرّیّتک ولولدک ولأھلک، ولشیعتک ولمحبّی شیعتک فابشر۔ رواہ الدّیلمی۔

"حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے گھر والوں کو اور تیرے مددگاروں کو اور تیرے مددگاروں کے چاہنے والے کو بخش دیا ہے پس تجھے یہ خوشخبری مبارک ہو۔"[1106]

اہل بیت کے ساتھ دشمنی کرنے والا یا منافق، یا ولدِ زنا، یا ناپاک حمل سے ہے

[1105] (تفسیر کبیر ۷/۳۹۰، تفسیر ابن عربی ۲/۲۱۲، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، تفسیر کشاف ۴/۳۳۹، اشرف المويد ۱۵۷، نزھۃالمجالس ۲/۲۲۲)

[1106] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۵/۳۲۹، الرقم: ۸۳۳۷)

واخرج ابن عدی والبیھقی فی شعب الایمان عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یعرف حقّ عترتی والانصار والعرب فھو الاحدی ثلاثٍ: أما منافق، وأما لزِنیۃٍ، وأما امرؤٌ حملت بہ اُمّہ لغیر طھر۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت اور انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانتا تو اس میں تین چیزوں میں سے ایک پائی جاتی ہے: یا تو وہ منافق ہے، یا وہ حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے جس کی ماں بغیر طہر کے اس سے حاملہ ہوئی ہو۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔[1107]

حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یحبنا اھل البیت الا مؤمن تقی ولا یبغضنا الا منافق و شقی۔

ہمارے اہل بیت سے وہی محبت رکھے گا جو مؤمن اور متقی ہے اور ہمارے اہل بیت پاک سے وہی بغض رکھے گا جو منافق اور بد بخت ہے۔"[1108]

ایک اور مقام پر سر تاج الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

من بغض اھل البیت فھو منافق۔

"جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔"[1109]

امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

حرمت الجنۃ علی من ظلم اھل بیتی و اذانی فی عترتی۔

[1107] (أخرجہ البیھقی فی شعب الایمان، ۲/۲۳۲، الرقم: ۱۶۱۴، الدیلمی فی مسند الفردوس، ۳/۶۲۶، الرقم: ۵۹۵۵، والذھبی فی میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۳/۱۶۸)

[1108] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[1109] (اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

"جو میرے اہل بیت پر ظلم کرتا ہے اور میری عترت کی وجہ سے مجھے ایذا دیتا ہے اس پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے۔"[1110]

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

الا ومن مات علی بغض آل محمد جاء یوم القیامۃ کتب بین عینیہ آئس من رحمۃ اللہ۔

"جو ہماری آل پاک سے بغض کی حالت میں مرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے۔"
[1111]

الا من مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحۃ الجنۃ۔

آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[1112]

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے خاص لطف و کرم سے اہل بیتِ مصطفیٰ علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے سایہ سے بھی محفوظ فرمائے، اہل بیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بغض اور دشمنی کی سزا قطعی طور پر جہنم ہے اور یہ کسی دنیاوی عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے ہیں جن کا ہر ارشاد حکمِ خداوندی اور ناقابلِ ترمیم ہے۔ اب آپ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

[1110] (تفسیر کشاف ۴/۳۹۹)

[1111] (کشاف ۴/۳۹۹، روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزھۃ المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

[1112] (تفسیر کبیر ۷؛ ۳۹۰، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزھۃ المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

ایک دفعہ تاجدار دو عالم امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنی صاحبزادیٔ مکرمہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا:

من احبهما فقد احبني و من ابغضهما فقد ابغضني۔

جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے۔[1113]

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے اہل بیت کرام سے اختلاف رکھنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث میں آتا ہے کہ میری آلِ پاک میری امت کے لئے امان ہے اور تمہیں اختلاف سے بچاتی ہے جو قبیلہ بھی ان سے مخالفت کرے گا وہ شیطان کی جماعت ہے۔[1114]

کائنات کی سلامتی آلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے

ایک مقام پر تاجدارِ دوعالم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا میری آل پاک کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ دوسری جگہ فرمایا میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ غرق ہو گیا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ

[1113] (البدایہ والنہایہ ۸/۲۶۵ المستدرک ۳/۱۶۶ و دیگر کتب احادیث متفقہ علیہ)

[1114] (خصائص الکبریٰ ۲/۱۴۵ اشرف صواعق محرقہ ۱۵۳)

علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کا ایندھن بن گیا۔[1115]

عن علی قال: قال رسول اللہ ﷺ: النّجوم أمان لأھل السّماء۔ فاذا ذھبت النجوم ذھب أھل السّماء۔ وأھل بیتی أمانٌ لأھل الأرض۔ فاذا ذھب أھل بیتی ذھب أھل الأرض۔ رواہ الدیلمی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے گئے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں پس جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چل گئے۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[1116]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حُرمات ہیں جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا۔" سو عرض کیا گیا: "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

[1115] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۵، الرقم: ۲۶۳۷، ۱۲/۳۴، الرقم: ۲۳۸۸، ۲۶۳۸، ۲۶۳۶، وفی المعجم الاوسط، ۴/۱۰، الرقم: ۳۴۷۸، ۵/۳۵۵، الرقم: ۵۵۳۶، ۶/۸۵، الرقم: ۵۸۷۰، فی المعجم الصغیر، ۱/۲۴۰، الرقم: ۳۹۱، ۲/۸۴، الرقم: ۸۲۵، والحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۲۰، والبزار فی المسند، ۹/۳۴۳، الرقم: ۳۹۰۰، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۲۳۸، الرقم: ۹۱۶، والقضاعی فی مسند الشھاب، ۲/۲۷۳، الحدیث ۱۳۴۳، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۸، صواعق محرقہ ص ۱۵۳، اشرف المؤبد ص ۱۵۲،)

[1116] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۱۱، الرقم: ۶۹۱۳، مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:"اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔"اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

عن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: وعدنی ربّی فی أھل بیتی من أقرّ منھم بالتّوحید ولی بالبلاغ أن لا یعذبھم۔ رواہ الحاکم وقال: ھذا حدیثٌ صحیح الأسناد۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی توحید کا اقرار کرے گا اور میرے دین پہنچانے کا اقرار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دے گا۔"اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[1117]

محبت اہل بیت فرض اور ان پر درود نہ پڑھنے سے نماز نہیں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یا اھل بیت رسول اللہ حبّکم فرض من اللہ فی قرأن انزلہ۔

اے اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انّکم من لم یصلّ
علیکم لا صلوۃ لہ

اے اہل بیت آپ کی عظمت وشان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

[1117] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۱۸، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/۳۸۲، الرقم: ۷۱۱۲)

رافضی اور ناصبی

اذانحن فضّلناعلیًّافَاِنَّنا　　روافض باالتفضیل عندذی الجهل

جب ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بیشک ہم بہ سبب بیان تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوئے۔

وفضل ابی بکرٍ اذاماذکرته　　رمیت بنصبٍ عندذکری للفضل

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

قالوالرّفضت قلت کلا　　ماالرفض دینی ولا اعتقادی

جن جاہلوں نے مجھ کو رافضی کہا تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں۔

محبت اہل بیت عین ایمان

لٰکن تولّیت غیر شکٍّ　　خیر امامٍ وخیر هادی

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔

ان کان رفضًاحبّ اٰل محمد　　فلیشهدالثّقلان انّی رافض

اگر آل محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ بیشک میں رافضی ہوں۔

قرآن اور اہل بیتِ نبوت سے وابستگی نورِ ہدایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام فریضہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں تو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اصحاب کو الوداع کہنے سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ ”اے میرے ساتھیو! میں اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ سنت الٰہیہ کے موافق کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آجائے اور مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے اس لئے میں تمہاری ہدایت و نجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں تا کہ تم ہدایت صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

وانا تارک فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللہ فیہ النّور والھدیٰ فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہٖ۔وقال واھل بیتی اذکر اللہ فی اھل بیتی وقال ثلاثاً۔

(یعنی) میں تم میں دو بیمثل عمدہ نفیس چیزیں چھوڑے جا تا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) جو نورِ ہدایت سے بھرپور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا دوسری گرانقدر اور بزرگ چیز میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں ،اور تین بار اس کا تکرار فرمایا۔“

اولاد کو تین باتوں کی تعلیم

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو:

حبّ نبیّکم وحبّ اھل بیتہٖ وقرأۃ قرآن۔

اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی محبت، اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور قرآن پڑھنے کی محبت۔

اللہ تعالیٰ ہم کو حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وحب اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وحب قرآن سے سرشار فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔(آمین)

اہل بیت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ اَهلَ الْبَیتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیرًا۔[1118]

اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت عظام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو پاک اور خوب پاک فرمایا ہے اور کوئی ناپاکی ان کے قریب نہیں آسکتی۔ اب اس آیت میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ رجس ناپاکی سے کیا مراد ہے تیسرا یہ کہ امتیازی شان کیا ہے اور چوتھا یہ کہ تطہیر کیا ہے۔ علماء ومفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی کثرت رائے یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا حضرت علی المرتضی، سیدہ فاطمۃ الزہرہ، سیدنا امام حسن، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ عنکم اور اس کے بعد تمام ضمیریں مذکر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے بعد واذکر مایتلیٰ فی بیوتکن ہے۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں آیت تطہیر کے ماتحت فرماتے ہیں:

فالأولیٰ ان یقال هم اولاده وازواجه والحسن والحسین منهم وعلی منهم لانه کان من اهل بیته بسبب معاشره بنت النبی ﷺ و ملازمته النبی ﷺ۔

[1118] ﴿الاحزاب ۳۳﴾

”اولی اور حسن بات یہی ہے کہ اہل بیت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اولاد، بیویاں اور سیدنا حسن، اور سیدنا حسین ہیں، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اہل بیت سے ہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شہزادی سیدہ (فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے معاشرت کے باعث اور آپ کی معیت کی وجہ سے وہ اہل بیت میں شامل ہیں، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس نسبت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فی اھل بیت سکنہ وھنّ ازواجہ واھل بیت نسبہ وھنّ ذریّۃ۔

آیت میں اہل بیت سکونت ازواجِ مطہرات ہیں اور اہلبیت جو آپ کی اولاد ہے تمام شامل ہیں۔

اور محقق علی الاطلاق علامہ شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں یوں بیان فرماتے ہیں:

”بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی، وبیت ولادت پس بنو ہاشم اولاد عبد المطلب اہل بیت پیغمبر اند صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم از جہت نسب وازواج مطہرات آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اہل بیت سکنی اند واولاد شریف آں حضرت اہل بیت ولادت اند“۔

یعنی اہل بیت تین ہیں: (۱) بیت نسب، (۲) بیت سکنی، (۳) بیت ولادت، پس حضرت عبد المطلب کی اولاد بنو ہاشم ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت ہیں اور ازواجِ مطہرات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اہل بیت سکنی ہیں اور اولاد شریف آں حضرت علیہ السلام کی اہلبیتِ ولادت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آگے چل کر شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی اہل بیت میں سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا امام

حسن اور سیدنا امام حسین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خصوصی امتیازی اور انفرادی مقام حاصل ہے اس لئے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کے ساتھ خصوصی محبت وپیار ہے اس لئے ان کی فضیلت وبزرگی اس وجہ سے زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ اہلبیت میں ازواجِ مطہرات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یقیناً شامل ہیں یہ اس آیت سے کسی طریق سے خارج نہیں ہیں۔

رجس کے معنی ازروئے قرآن

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیسِرُ وَ الاَنصَابُ وَ الاَزْلَامُ رِجسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیطٰنِ۔

”اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں۔“[1119]

یہاں آیت میں شراب، جوئے، بتوں اور فال کے تیروں کو ”رجس“ فرمایا گیا ہے۔

اِلَّا اَن یَّکُونَ مَیتَۃً اَوْ دَمًا مَّسفُوحًا اَوْ لَحمَ خِنزِیرٍ فَاِنَّہٗ رِجسٌ اَوْ فِسقًا اُھِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ بِہٖ۔[1120]

”مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون، وہ نجس ہے، یا بطور نافرمانی اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔“

وَ اُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیکُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴿الحج ۳۰﴾

”اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے، سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو بتوں کی گندگی سے۔“[1121]

ان دو آیات میں مردار بہتا ہوا خون، گوشت خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کو رِجْسٌ فرمایا گیا ہے۔

[1119] ﴿المائدۃ ۹۰﴾ (سورۃ مائدہ: ۹۰، پ۷ ع۲)

[1120] ﴿الانعام ۱۴۵﴾ (سورۃ الانعام: ۱۴۵، پ۸ ع۵)

[1121] (سورۃ الحج: ۳۰، پ۱۷، ع۱۱)

وَاَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِھِم مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجسًا ﴿یونس ۱۲۵﴾

"اور جن کے دلوں میں آزار ہے، انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی"

فَاَعْرِضُوا عَنْھُمْ اِنَّھُمْ رِجسٌ ﴿توبۃ ۹۵﴾

"تو تم ان کا خیال چھوڑو وہ تو نرے پلید ہیں۔"

ان دو آیات میں منافقین کے نفاق، بے ایمانی اور بے عقلی پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

وَیَجْعَلُ الرِّجسَ عَلَی الَّذِینَ لَا یَعْقِلُونَ ﴿یونس ۱۰۰﴾

"اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔"

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیکُم مِّن رَّبِّکُمْ رِجسٌ وَّ غَضَبٌ ﴿الاعراف ۷۱﴾

"کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔"

ان دو آیات میں عذابِ خداوندی کو رجس فرمایا گیا ہے۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، جاری خون، خنزیر کا گوشت، بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، منافقین اور ان کے نفاق بے دینی و بے ایمانی اور عذابِ خداندی وغیرہم پر "رِجس" کا اطلاق ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِیُذْھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ ﴿الاحزاب ۳۳﴾

اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اہل بیت کرام میں نے تم کو تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاق ستھرائی اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے تم دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے گھرانے کا اہل بیت اور اہل کساء ہونے کا بیان

عن صفیّة بنت شیبة قالت: قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: خرج النّبی ﷺ غداةً وعلیه مرطٌ مرحّلٌ من شعرٍ أسود، فجاء الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما فأدخله، ثمّ جاء الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنه فدخل معه، ثمّ جاءت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها فأدخلاها، ثمّ جاء علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنه فأدخله، ثمّ قال: انّما یرید اللہ لیذهب عنکم الرّجس أهل البیت ویطهّرکم تطهیرا۔ رواه مسلم۔

"حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم صبح کے وقت باہر تشریف لائے درآنحالیکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سیاہ اون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور ان کے ہمراہ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں اس چادر میں داخل فرمالیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: "اے اہل بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک وصاف کر دے۔" اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[1122]

[1122] (أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب: فضائل الصحابة، باب: فضائل أهل بیت النبی، ۴/۱۸۸۳، الرقم: ۲۴۲۴، وابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۷۰، الرقم: ۳۶۱۰۲، وأحمد بن حنبل فی فضائل الصحابة، ۲/۶۷۲، الرقم: ۱۱۴۹، وابن راهویه فی المسند، ۳/۶۷۸، الرقم: ۱۲۷۱، والحاکم فی المستدرک ۳/۱۶۹، الرقم: ۴۷۰۷، والبیهقی فی السنن الکبریٰ، ۲/۱۴۹، والطبرانی فی جامع البیان، ۲۲/۷،۶)

عن عمر بن أبی سلمة ربیب النبی ﷺ قال لمّا نزلت هذه الآیة علی النبی ﷺ: {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَ کُمْ تَطْهِیْرًا} فی بیت اُمّ سلمة، فدعا فاطمة و حسنًا و حسینًا رضی اللّٰه عنهم فجلّلهم بکساء و علیّ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه خلف ظهره فجلّله بکساء، ثمّ قال: اللهمّ هؤلاءِ أهلُ بیتی، فأذهب عنهم الرّجس وطهّرهم تطهیرًا۔ رواه التّرمذی و أحمد۔

پروردۂ نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ۔۔۔۔ اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور فرما دے اور تم کو خوب پاک وصاف فرما دے۔۔۔ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پیچھے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں بھی ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک وصاف کر دے۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔[1123]

سادات کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو تعظیم و تکریم کتب احادیث سے ظاہر ہے وہ بیان سے باہر اور گمان سے بالا ہے۔ قلم کی ہرگز طاقت نہیں کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل و اکرام کا احاطہ کر سکے۔ ہم قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جو شخص بھی اہل بیتِ رسول

1123 (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: تفسیر القرآن باب: ومن سورة الأحزاب، ۳۵۱/۵، ۶۶۳، الرقم: ۳۲۰۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۲۹۲/۶، وفی فضائل الصحابة، ۵۸۷/۲، الرقم: ۹۹۴، والحاکم فی المستدرک، ۴۵۱/۲، الرقم: ۳۵۵۸، ۱۵۸/۳، الرقم: ۴۷۰۵، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۵۲/۳، الرقم: ۲۶۶۲)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرد ہونے کا دعوی دار ہے، آپ بہر طور اس کی تعظیم و تکریم اولادِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سمجھ کر کریں، اور ہر گز اس ٹوہ میں نہ جائیں کہ ممکن ہے یہ سیّد نہ ہو۔

ہم نے اشرف المؤبد و دیگر متعدد کتب میں پڑھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی اولاد پاک سے ایک شہزادی فقر کی حالت میں ایک غنی مسلمان کے پاس کسی ضرورت سے تشریف لے گئیں اور اسے بتایا کہ میں سید زادی ہوں، اس لئے میری مدد کرو، تو اس شخص نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے کیا معلوم تم سید زادی ہو یا نہیں۔ وہ شہزادی بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا پریشانی کے عالم میں واپس آگئیں اور ایک یہودی سے اپنی حاجت بیان فرمائی۔ یہودی نے ایک برقعہ پوش اور خاندانِ سادات کی خاتون سمجھ کر ان کی نہایت تعظیم و تکریم سے ضرورت پوری کر دی۔ رات کو اس مسلمان اور یہودی دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس مسلمان کو جنت میں داخل ہونے سے یہ فرما کر منع فرما دیا کہ جب تمہیں ہماری بیٹی کے سیدہ ہونے پر شک تھا تو ہم تمہارے مسلمان ہونے پر کیسے یقین کر لیں، اور اس یہودی کو عزت سے جنت میں داخل ہونے دیا۔ یہودی نے جب یہ خواب دیکھا تو صبح بیدار ہوتے ہی مسلمان ہو گیا۔

اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ نسب بدلنے والوں کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے کہ وہ ملعون و مردود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔ کراچی میں بھی ایسے پیران عظام ہیں جو کہ اپنا نسب بدلتے ہیں اور اپنے آپ کو سید شاہ جی کہلاتے ہیں اور مدرسہ بناتے ہیں اور اسے بھی شاجیہ مدرسہ لکھواتے ہیں وہ خود تو مردود ملعون ہیں اگر کسی کو ان کے نسب بدلنے کا پتہ

ہو اور پھر بھی ان کو سید پکارے تو وہ بھی گناہگار ہیں کیونکہ پنجاب اور سندھ میں لوگ شاہ جی کو سید کہتے ہیں ہمارے صوبہ خیبر پختون خواہ سید کو بادشاہ صاحب اور میاں صاحب پکارتے ہیں اور افغانستان میں آغا صاحب پکارتے ہیں۔

حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرے، کسی کو بھی اُس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، غیر سیّد اپنے آپ کو سیّد نہ بتائے اور غیر سادات کو سادات نہ کہا جائے، اس ممانعت پر قرآن کریم اور حدیث شریف وارد ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس پر وعید بیان فرمائی ہے۔

قرآن کریم

اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی اولاد بتانے کا عام رواج تھا اور لوگ بھی لے پالک کو پالنے والے کا بیٹا کہتے تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو پالنے والے کا بیٹا بتاتے تھے اور ابتداء اسلام میں یہ معاملہ اسی طرح رہا۔

چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک لکھتے ہیں:

ان أهل الجاهلية كانوا لا يستنكرون ذلك أن يتبنّى الرّجل منهم غير ابنه الذى خرج من صلبه فنسب اليه، ولم يزل ذلك أيضاً فى أوّل الاسلام۔

یعنی بے شک اہل جاہلیت اسے معیوب نہ سمجھتے تھے کہ اپنے صُلبی بیٹے کے علاوہ کسی اور کو اپنا متبنّیٰ (لے پالک) بنا لیں اور اُسے اپنی طرف منسوب کریں اور یہ امر اوّل اسلام میں بھی جاری رہا۔[1124]

[1124] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب "من ادّعی الی غیر أبیه وهو یعلم الخ"، ۸:۳۸۳)

پھر اس سے منع کر دیا گیا، چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی اور ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

قد کانوا یفعلونہ فنھی عنہ۔

یعنی لوگ ایسا کرتے تھے پھر اس سے روک دیا گیا۔[1125]

اور ممانعت کے لئے قرآن کریم میں جو حکم نازل ہوا، اس کی ابتداء یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ اَبۡنَآءَکُمۡ (الأحزاب: ۳۳/۴)

ترجمہ: اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔ (کنز الایمان)

شانِ نزول

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ {وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ اَبۡنَآءَکُمۡ} أجمع أھل التفسیر علی أن ھذا نزل فی زید بن حارثۃ، وروی الأئمۃ أن ابن عمر قال: ما کنا ندعو زید بن حارثۃ الا زید بن محمد حتی نزلت {اُدۡعُوۡھُمۡ لِاٰبَآئِھِمۡ ھُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰہِ}

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ”اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا“۔ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اور ائمہ نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ”ہم زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پکارتے تھے مگر زید بن محمد“ یہاں تک کہ یہ آیت نازل

[1125] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶:۳۹۶، مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، برقم: ۳۳۱۵، ۶:۴۳۶)

ہوئی (جس میں حکم ہوا کہ) ''انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو (جن سے وہ پیدا ہوئے) یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔''[1126]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان {وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ} کے بارے میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمالات ہیں چنانچہ امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ''اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا'' دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے، اُن میں سے ایک یہ کہ تمہارے لے پالکوں کو آباء کی طرف نسب کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا اور وہ جو کچھ واقعات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو وہ اس کی اولاد کے ساتھ اس کا وارث بنتا اور یہی وہ شئے ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (تو مطلب ہو گا کہ) جسے تم زمانہ جاہلیت میں مدد و نصرت کے لئے اپنا بیٹا بناتے ہو انہیں اسلام میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہارے لے پالکوں کو نسبیت کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے۔[1127]

اور لے پالکوں کو اپنا بیٹا کہنا، یہ لوگوں کی اپنائی ہوئی بات تھی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنانے سے وہ بیٹا بن جاتا، کسی کا نسب بدل دینے یا بدل لینے سے اس کا نسب نہیں بدل جاتا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب، ۴:۳۳)

ترجمہ: یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[1126] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۱۸)

[1127] (تأویلات أهل السّنة، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۴/۱۰۰)

قولہ تعالیٰ: {ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ}{بِاَفْوَاهِكُمْ} تأكيد ببطلان القول, أي أنه قول لا حقيقة له في الوجود, انما هو قول لسانيٌّ فقط۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان: "یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے" میں "بِأَفْوَاهِكُمْ" (تمہارے منہ) لوگوں کے قول کے بُطلان کی تاکید ہے (کہ تمہارا کسی اور کے بیٹے کو بیٹا بنانا باطل ہے) یعنی یہ ایسا قول ہے کہ جس کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ فقط زبانی قول ہے۔[1128]

اور حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿الاحزاب ۴﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ (کنز الایمان)

پھر صریح حکم ہوا کہ اب تم انہیں ان کے نسبی باپوں کی طرف منسوب کردو۔

چنانچہ امام قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ:

فأمر تعالیٰ بدعاء الأدعياء الی آبائهم للصّلب۔

یعنی پس اللہ تعالیٰ نے لے پالکوں کو ان کے صُلبی باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارنے کا حکم فرمایا۔[1129]

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الأحزاب ۳۳/۵)

ترجمہ: انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔

اس آیہ کریمہ میں "اَقْسَطُ" کا معنی "اَعْدَلُ" ہے یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات، تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی آدمی کا اپنے آپ کو اپنے نسبی باپ کی طرف منسوب کرنا، باپ کے غیر کی

[1128] (تفسير القرطبی، سورة الأحزاب، الآية: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱-۱۲۰)

[1129] (تفسير القرطبی، سورة الأحزاب، الآية: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱)

طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل وانصاف والی بات ہے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا بھی انصاف والی بات ہے اور زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو نسبی باپ کی طرف منسوب کرے حالانکہ اپنے آپ کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہے، گناہ ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیہ کریمہ میں اسم تفضیل "اقسط" مجازاً صفت مشبّہ کے معنی میں ہے اور یہاں زیادتی مراد نہ ہوگی بلکہ مراد صرف عادلانہ فیصلہ اور انصاف کی بات ہے۔

اس آیت میں اپنے نسب کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اس بات پر سختی فرمائی گئی کہ کوئی شخص دانستہ اپنے کو کسی غیر کا بیٹا نہ کہے اور نہ اپنا نسب کسی غیر کے ساتھ جوڑے۔

ناسخ ومنسوخ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی جائیداد میں وارث قرار دینے کا عام رواج تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عمل اسی پر جاری تھا کہ جب تک اسلام میں اس سے کوئی ممانعت وارد نہ ہوئی اس پر عمل کی اجازت تھی پھر قرآن کریم میں اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا گیا۔

چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

دليل على أن التبنّى كان معمولاً به فى الجاهليّة والاسلام، يتوارث به ويتناصر، الى أن نسخ الله ذلک بقوله: {اُدْعُوهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ} أى أعدل، فرفع الله حكم التبنّى، ومنع من اطلاق لفظه، وأرشد بقوله الى أن الأولىٰ والأعدل أن ينسب الرّجل الى أبيه نسباً۔

یعنی، اس پر دلیل کہ متبنّٰی (یعنی لے پالک بنانے) کا جاہلیت اور اسلام میں معمول تھا اور اُس کو وارث قرار دیا جاتا اور ان سے مدد حاصل کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس فرمان سے

منسوخ فرمادیا کہ ”انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے(تو یہ نسخ اس پر دلیل ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں اس کا معمول تھا اور ”اَقْسَطُ“ بمعنی ”اَعْدَلُ“ کے ہے پس اللہ تعالیٰ نے تبنّی کا حکم اُٹھالیا اور اُسکے لفظ کے اطلاق سے منع فرمادیا اور اپنے فرمان سے ہمیں راہ یہ دکھائی کہ اَولیٰ اور اَعدل یہ ہے کہ مرد کو اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔[1130]

اور اگر غلطی سے بلاارادہ کہہ دیا جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلَیسَ عَلَیکُمْ جُنَاحٌ فِیمَا اَخْطَاتُم بِهٖ (الاحزاب: ۵/۳۳)

ترجمہ: اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہو جائے۔ (کنزالایمان)

جیسے کوئی کسی بزرگ یا استاد یا اپنے مرشد کو تعظیم کے طور پر باپ کہہ دے اور اس سے اس کی مراد یہ نہ ہو کہ وہ اس کے نسب سے ہے اسی طرح کوئی بڑا کسی بچے کو ازراہِ شفقت بیٹا کہے یا کوئی استاد اپنے شاگرد کو، شیخ اپنے مرید کو شفقت کے طور پر بیٹا کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

گناہ تو اس صورت میں ہے جب کسی کو جانتے ہوئے اپنا نسبی باپ سمجھ کر باپ بتائے جیسے لوگ اپنا نسب بدل لیتے ہیں۔ غیر سادات، سادات کہلواتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ سادات سے نہیں ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نسب بدلنا حرام ہے، اور اسی طرح کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ اُس کا بیٹا نہیں ہے اُسے اپنا صُلبی بیٹا کہے یا بتائے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلٰکِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُکُمْ (الأحزاب: ۵/۳۳)

ترجمہ: ہاں وہ گناہ ہے جو (ممانعت کے بعد) دل کے قصد سے کرو۔ (کنزالایمان)

[1130] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۱۹)

پھر اہل بیت کی طرف نسبت کا جرم غیر اہلبیت کی طرف نسبت کے جرم سے بڑا ہے چنانچہ امام قرطبی نے لکھا کہ حضرت مقداد بن اسود جو عمرو کے بیٹے تھے، اسود نے انہیں اپنا متبنّٰی (یعنی لے پالک) بنایا تھا اور وہ ان ہی کے نام سے معروف تھے، جب یہ حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ابن عمرو ہوں لیکن لوگوں میں ابن اسود کے نام سے ہی معروف رہے اور کسی نے بھی انہیں مقداد بن اسود کہنے والے کو گناہ گار قرار نہیں دیا، اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب تھے اور اسی کے ساتھ مشہور تھے اور یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال کے بر خلاف ہے کیونکہ ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ انہیں زید بن محمد کہا جائے، اگر کسی نے قصداً اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَلٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ** کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔[1131]

تو معلوم ہوا کہ غیر سادات اقوام میں سے کوئی شخص کسی دوسری قوم کے ساتھ اپنا نسب جوڑے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو وہ ضرور مجرم ہے لیکن اس سے بڑا مجرم وہ ہے جو غیر سیّد ہو کر سادات کرام کے ساتھ اپنا نسب جوڑتا ہے۔

حدیث شریف

نسب بدلنے یعنی اپنے آباء کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی ممانعت میں احادیث مبارکہ میں شدید وعید آئی ہے۔ اور ان احادیث کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن الجعد اور نور الدین ہیثمی رحمھم اللہ اجمعین وغیر ہم نے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت

[1131](تفسير القرطبی، سورة الأحزاب، الآية: ۴، ۷/۱۴/۱۲۰)

ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت معاذ بن انس اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔اب ان احادیث مبارکہ کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے اور اُن احادیث پر شارحین حدیث کا کلام، کلماتِ حدیث کی تشریح، قابل تاویل کلمات کی نشاندہی، ان میں تاویلات و احتمالات اور ان سے مستفاد احکام، مستند و معتمد ائمہ و علماء کے حوالے سے بیان کئے جائیں گے۔

نسب بدلنے والے پر جنت حرام ہے

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

من ادّعی الیٰ غیر أبیہ وھو یعلم انّہ غیر أبیہ فالجنّۃ علیہ حرامٌ۔

یعنی جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔[1132]

امام ابو داؤد سلمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان کہتے ہیں:

حدّثنی سعد بن مالکٍ، قال سمعتہ أذنای و وعاہ قلبی من محمّد علیہ الصلاۃ و السلام انّہ قال: من ادّعی الیٰ غیر أبیہ وھو یعلم أنّہ غیر أبیہ فالجنّۃ علیہ حرامٌ۔ قال: فلقیت أبا بکرۃ فذکرت لہ، فقال: سمعتہ أذنای و وعاہ قلبی من محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی حدیث بیان کی مجھے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے میرے دونوں کانوں نے سنا اور

[1132] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیہ، برقم ٦٧٦٦)

دل نے یاد رکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔ فرمایا پھر میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[1133]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ ابو عثمان راوی کہتے ہیں کہ:

فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ، فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی پس میں نے اس کا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[1134]

”وھو یعلم“ ”اور وہ اسے جانتا ہے“ کا معنیٰ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ارشاد مبارک میں ”وھو یعلم“ کی قید مذکور ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ وہ شخص گناہگار تب قرار پائے گا جب اُسے علم ہو کہ جس کی طرف وہ اپنی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے یا جس قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یا منسوب کیا جاتا ہے وہ اس قوم سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے پہلے گزرا اور اس کے بارے میں علامہ محمد امین ہروی نے لکھا کہ:

[1133](سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ، برقم۵۱۱۳، ۵/۲۱۲)
[1134](صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیہ، برقم۶۷۶۷)

"وھو"أی والحال أن ذلک الرّجل المنتسب لغیر أبیه"یعلمه"أی یعلم أن ذلک الغیر لیس أباہ ووالدہ۔ یعنی اور وہ اسے جانتا ہے یعنی حال یہ ہے کہ بے شک وہ شخص جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا گیا، اسے جانتا ہے کہ وہ غیر اس کا باپ نہیں ہے۔[1135]

اور دوسری جگہ لکھا کہ:

قولہ ﷺ:"وھو یعلم"تقیید لا بدّ منه، فان الاثم انما یکون فی حق العلام بالشیء۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان "حالانکہ وہ جانتا ہے" یہ ایک ضروری قید ہے بے شک گناہ تو صرف عالم بالشی کے حق میں ہے۔[1136]

اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ علم ہوتے ہوئے غیر باپ کی طرف نسبت حرام ہے چنانچہ علامہ شرف الدین طیبی اور ملا علی قاری لکھتے ہیں: والادعاء الی غیر الأب مع العلم به حرام۔ یعنی غیر باپ کی طرف اس پر علم کے باوجود (کہ یہ میرا باپ نہیں ہے) نسبت کرنا حرام ہے۔[1137]

"جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا" کا مطلب

یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ یہ کلمات حضرت سعد بن أبي وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن خارجہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث میں ہیں، جبکہ حدیث أبي ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں "لیس من رجل ادعی لغیر أبیه" ہے۔ عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا

[1135] (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۱۲۴ (۶۰) ۲/۵۰۶)

[1136] (شرح صحیح مسلم للھرری ۲/۲۰۷)

[1137] (شرح الطّیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۴۳۶)

جائے، اسے ''الدّعی'' کہتے ہیں، اس کی جمع ''الأدعیا'' ہے جو سورۃ الاحزاب کی آیت ۴ میں مذکور ہے اور اس کا مصدر ''الدّعوۃ'' ہے۔

اور ان کلمات کا مطلب حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے واضح ہو جاتا ہے چنانچہ اس میں ہے: ''من انتسب الی غیر أبیه'' یعنی جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب کرے۔[1138]

تو اس کا معنی ہے کہ اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ امام محمد بن خلیفہ وشتانی اَبّی مالکی، اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی مالکی لکھتے ہیں : أیما رجل ادّعیّ لغیر أبیه، أی أنتسب۔ یعنی جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[1139]

اور غیر کو اپنا باپ بنالینا جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی شافعی نے لکھا ہے: ادّعی انتسب لغیر أبیه و الدہ أی انتسب الیه و اتخذہ أباً۔ یعنی ''ادّعی'' کا معنی ہے انتساب کیا، اس نے اپنے باپ اور والد کے غیر کی طرف یعنی اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[1140]

اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:

أی انتسب الیه و اتخذہ أباً۔

یعنی اس کی طرف منسوب اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[1141]

[1138](سنن ابن ماجة برقم ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

[1139](اکمال اکمال المعلم: کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱۱/۲۸۰)، (مکمل اکمال اکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱۱/۲۸۰)

[1140](شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[1141](شرح صحیح مسلم للهرری، ۲/۲۰۷)

اور اس میں علم ہونا شرط ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرمان "وهو يعلم" اور "وهو يعلمه" سے ظاہر ہے اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی اور علامہ محمد امین ہروی لکھتے ہیں:

أی انتسب لغير أبيه رغبةً عنه مع علمه به۔

یعنی اپنے باپ سے اعراض کرتے ہوئے اس کے غیر کی طرف اپنی نسبت کی اس علم کے باوجود کہ یہ اس کا باپ نہیں ہے۔[1142]

صرف غیر باپ کی طرف نسبت کرنا ہی نہیں بلکہ اس میں اپنے خاندان و قوم کے سوا دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی شامل ہے، چنانچہ علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ طیبی اور ان سے ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

قوله: "من ادّعى" الدّعوة بالكسر فى النّسب، وهو أن ينتسب الانسان الى غير أبيه وعشيرته۔

یعنی، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان "من ادّعى" الدّعوة فی النسب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ اور کنبے کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[1143]

اور اس میں دو باتیں پائی جائیں گی کہ وہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کو چھوڑے اور اُس نسبت کا انکار کر دے اور ان کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے جیسا کہ قاضی عیاض بن موسیٰ

[1142](المفهم، كتاب الايمان باب اثم من كفر مسلماً، برقم ۵۱، ۱/۲۵۴)(شرح صحيح مسلم للهروى، كتاب الايمان، باب حكم ايمان من انتسب لغير أبيه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[1143](شرح الطيبى، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۳۹۶) (مرقات، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول، برقم: ۳۳۱۵، ۶/۴۳۶)

مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "صحیح مسلم" کے ایک باب کے عنوان "من رغب عن أبیه" (جو اپنے باپ سے اعراض کرے) کے تحت لکھتے ہیں:

یرید ترک الانتساب الیه وجحده وانتسب سواه یقال: رغبت عن الشيء ترکته وکرهته، ورغبت فیه أحببته وطلبته۔

یعنی وہ اس کی طرف (یعنی اپنے حقیقی باپ کی طرف) انتساب کے ترک اور اس کے انکار کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے سوا کی طرف منسوب ہوتا ہے عربی زبان میں کہا جاتا ہے "رغبت عن الشيء" یعنی میں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے مکروہ جانا اور کہا جاتا ہے رغبت فیه یعنی، میں نے اسے محبوب رکھا اور اسے طلب کیا۔[1144]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو نہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کا انکار کرے اور نہ غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے بلکہ دوسرے لوگ اسے اس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہوں اور وہ اس پر راضی ہو تو وہ شخص بھی اس حکم میں داخل ہوگا جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین ابوالحسن محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی لکھتے ہیں: **من ادّعی الی غیر أبیه أی رضی بأنه ینسبه النّاس الی غیر أبیه۔** یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرمان: "جو شخص خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یعنی وہ اس بات پر راضی ہو کہ لوگ اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کریں"۔[1145]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

1144 (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، ۲-۱/۴۵)

1145 (فتح الودود فی شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل ینتمی الی غیر أبیه، برقم: ۵۱۱۳، ۴/۶۸۱)

عن عاصم قال سمعت أباعثمان قال: سمعت سعداً و أبابكرة، فقالا: سمعنا النبيّ ﷺ يقول: من ادّعى الى غير أبيه، و هو يعلم، فالجنّة عليه حرامٌ۔

یعنی عاصم سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا، دونوں نے فرمایا: ''ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''[1146]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن عثمان عن سعدٍ و أبي بكرة، كلاهما يقول: سمعته أذناي و وعاه قلبي محمداً ﷺ يقول: من ادعى الى غير أبيه و هو يعلم أنّه غير أبيه، فالجنّة عليه حرامٌ۔ و اللفظ لمسلم۔

یعنی عثمان نے حضرت سعد (بن ابی وقاص) اور ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا دونوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ہمارے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''[1147]

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری روایت میں ہے:

[1146] (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۰۰) (سنن الدارمی، کتاب السیر، باب فی الذی ینتمی الی غیرہ موالیہ، برقم: ۲۵۳۰، ۲/۱۹۶) (المسند: ۵/۴۶) (و نقلہ التبریزی فی مشکاتہ، کتاب النکاح، باب العان، الفصل الاول، برقم: ۳۳۱۴، ۲-۱/۲۰۸)

[1147] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ و هو یعلم، برقم: ۱۳۲/۱۱۵-(۶۳) ص ۵۹) (سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب من ادّعى الى غير أبيه الخ" برقم: ۲۶۱۰، ۳/۲۶۳، ۲۶۴) (المسند امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ۱/۱۷۴)

عن أبی عثمان، قال: لمّا ادّعی زیاد لقیت أبا بکرة فقلت له: ما هٰذا الذی صنعتم؟ انّی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول: سمع أذنای من رسول اللهﷺ وهو یقول: من ادّعی أبا فی الاسلام غیر أبیه یعلم أنّه غیر أبیه، فالجنّة علیه حرامٌ، فقال أبو بکرة: وأنا سمعته من رسول اللهﷺ۔

یعنی ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب زیاد کے بھائی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تو میں نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اپنے کانوں سے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص سے بیان کیا اس پر جنت حرام ہے، تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے یہی سنا تھا۔[1148]

جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب

نسب بدلنے والے، غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے لئے فرمایا گیا کہ اس پر جنت حرام ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، اب دیکھنا یہ ہے کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں کہ اگر وہ نسب بدلنے کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کرے گا تو جنت اُس پر حرام ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ جب کامیاب لوگ جنت میں جائیں گے اس وقت یہ لوگ جنہوں نے اپنے نسب بدلے تھے جنت میں نہیں جائیں گے۔

اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[1148] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه وهو یعلم، برقم: ۱۳۱/۱۱۴-(۶۳)، ص ۵۸)

فيه تأويلان، أحدهما: أنه محمول على من فعله مستحلاً له، والثّاني: أن جزاءه أنها محرّمة أوّلاً عند دخول الفائزين وأهل السّلامة۔

یعنی پس اس میں دو تاویلیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس پر محمول ہے جو حلال جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور دوسری یہ کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اولاً کامیاب اور اہل سلامۃ کے جنت میں دخول کے وقت اس کا ارتکاب مرتکب کو دخول جنت سے محروم کرنے والا ہے۔[1149]

امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی اور ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

أقول: معنى قوله: فالجنّة عليه حرام على الأوّل ظاهر، وعلى الثّاني تغليظ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرمان کہ اس پر جنت حرام ہے کا معنی پہلی وجہ پر تو ظاہر ہے اور دوسری وجہ تغلیظ (یعنی تشدید) ہے۔[1150]

اور شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی حنفی لکھتے ہیں: ابن زجر و تشدید ست یا محمول بر استحلال ست یا مراد عدم دخول جنت ست با مقربان و سابقان۔ یعنی یہ زجر اور تشدید ہے، یا اُس شخص کے بارے میں جو اسے حلال جانے، یا مطلب یہ ہے کہ وہ مقربین و سابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔[1151]

اور علامہ ابو الحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله: فالجنّة عليه حرامٌ أي ان استحلّ ذلك، أو محمول على الزّجر و التّغليظ للتنفير عنه۔

[1149] (شرح صحيح مسلم للنّووى رحمة الله تعالىٰ عليه ، كتاب الايمان، باب حال ايمان من رغب عن أبيه الخ،برقم: ۱۱۲- (۶۱)، ۴۵/۲/۱)

[1150] (شرح الطيب، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل أول، ۳۹۶/۶)(مرقاة، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الاول، برقم ۳۳۱۵، ۴۳۶/۶)

[1151] (أشعة اللمعاة، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الاول، ۱۷۷/۳، ۱۷۸)

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ''اس پر جنت حرام ہے'' یعنی اگر اسے حلال جانتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے، یا یہ باپ سے نفرت کی وجہ سے زجر اور تغلیظ پر محمول ہے۔[1152]

اور ایک مسلمان جب اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے حلال نہیں جانتا اس لئے کچھ علماء کرام نے اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب ہی بیان کیا جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نورالدین محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفیه ''من ادّعی الی غیر أبیه فالجنة علیه حرامٌ'' أی دخوله ابتدائً حرام لأن جزاء عمله أن لا یدخل ابتداءً۔

یعنی اور اس حدیث میں ہے ''جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اس پر جنت حرام ہے'' یعنی اس کا ابتداء دخول حرام ہے، بے شک اس کے عمل کی جزا یہ ہے کہ وہ ابتداءً داخل نہ ہو۔[1153]

اور لکھتے ہیں کہ:

أی لا یستحق أن یدخل فیها ابتداءً۔

یعنی وہ اس کا مستحق نہیں کہ جنت میں ابتداءً داخل ہو۔[1154]

اور لکھتے ہیں:

أی لا یستحقه دخولها أوّلا۔

یعنی وہ اولاً جنت میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔[1155]

[1152] (حاشیة السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه، ۴/۲۲۶)

[1153] (حاشیة السندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۱۴)

[1154] (حاشیة السندی علی السنن لابن ماجة، برقم: ۲۶۱۰، ۳/۲۶۳)

[1155] (فتح الودود شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۴، ۵۱۱۳/ ۲۸۱، ۲۸۲)

اور دوسری تاویل کے مطابق جب اوّلاً نسب بدلنے والوں کو سزا کے طور پر دخولِ جنت سے روک دیا جائے گا پھر بعد میں انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی۔

چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

ثم ان قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها بعد ذلک۔

یعنی پھر یہ سزا دی جائے کہ کامیاب لوگوں کے جنت میں داخلے کے وقت انہیں روک دیا جائے پھر بعد میں جنت میں داخل کیا جائے۔[1156]

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے، ان سے مؤاخذہ ہی نہ فرمائے۔

چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقد لا یجازی یعفو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عنہ ومعنی حرام ممنوعة۔

یعنی اور یہ بھی ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے سزا نہ دے بلکہ اسے معاف فرمادے اور حدیث شریف میں مذکور لفظ ''حرام'' کا مطلب روکنا ہوگا۔[1157]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں:

وأما فضل اللہ واسع، فیمکن أنه تعالیٰ بفضله یدخله ابتداءً لقوله تعالیٰ {اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ} الآیة۔

یعنی مگر اللہ تعالیٰ کا فضل واسع ہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے ابتدائً جنت میں داخل فرمادے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {**اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ**}۔[1158]

[1156] (شرح صحیح مسلم للنّووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۴۵)

[1157] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم: ۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲/۴۵)

[1158] (حاشیة السّندی علی الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف، برقم: ۴۳۲۶-۷، ۳/۱۱۵)

اور اس تاویل کے راجح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص جنت سے محروم نہیں ہوتا چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تأویله علی ماتقدم من أهل السنّة من أن الذّنوب لا تحرّم علی أحد الجنّة البتّة، بل ان شاء اللہ تعالیٰ أخذ و عاقب و حرّمها للمذنب مدّة ثم یدخلها و ان شاء عفی، أو یکون تأویل الحدیث لفاعله مستحلاً۔

یعنی اس کی تاویل وہی ہے جو اہلسنت کی طرف سے پہلے گزری یہ ہے کہ گناہ کسی پر جنت کو حرام نہیں کرتے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مواخذہ فرمائے، عذاب دے اور جنت گنہگار پر ایک مدّت کے لئے حرام فرمادے پھر اس میں داخل فرمائے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے یا حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ وعید حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے ہے۔[1159]

جنت کی خوشبو نہیں پائے گا

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ادّعی الیٰ غیر أبیه لم یرح رائحة الجنة، فانّ ریحها لیوجد مسیرة خمس مائة عام۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔[1160]

(بعض روایات میں سات سو سال بھی ذکر ہے لیکن محفوظ یہی ہے کہ پانچ سو سال ہے۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم**)

[1159] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه، الخ ۲/۳۱۹)

[1160] (سنن ابن ماجة، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر إبیه، الخ برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

خوشبو پانے سے مراد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ ”جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا“ تو جنت کی خوشبو نہ پائے سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں شارحینِ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ابتداء جنت میں داخل نہ ہونے سے کنایہ ہے یا اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اچھے اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے جنت میں چلا گیا تو بھی جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا۔

چنانچہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی ”لم یرح ریح الجنة“ (جنت کی بو نہیں پائے گا) کے تحت لکھتے ہیں:

أی لم یشمّ ریحها، وهو کنایة عن عدم الدّخول فیها ابتداءً، بمعنی أنه لا یستحقّ ذلک، والمعنی لا یجد لها ریحاً وان دخلها۔

یعنی اس کا معنی ہے کہ جنت کی بو نہیں سونگھے گا اور یہ ابتداء جنت میں عدم دخول سے کنایہ ہے اس معنی میں ہے کہ وہ اس کا مستحق نہ ہو گا اور معنی یہ ہے کہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اگرچہ اس میں داخل ہو جائے۔[1161]

نسب بدلنے کو کفر فرمایا گیا

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں کہ:

عن أبی ذرّ أنه سمع النبیّ ﷺ یقول: ”لیس من رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، وهو یعلمه، الاّ کفر، ومن ادّعیٰ قوماً لیس له فیهم نسبٌ فلیتبوّ أمقعده من النار“۔

[1161] (حاشیة السّندی علی السّنن لابن ماجة، برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

ترجمہ: یعنی حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسب کا دعویٰ کرے (یا کسی اور نسب کی طرف خود کو منسوب کرے) حالانکہ وہ جانتا ہے (یہ نسبت غیر کی طرف ہے) وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے کسی ایسی قوم کی طرف خود کو منسوب کیا جس میں اس کا نسب نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔[1162]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری کی روایت اس طرح ہے کہ:

عن أبی ذر أنه سمع رسول اللہ ﷺ یقول: لیس من رجل ادّعی لغیر أبیه وهو یعلمه، الا کفر، ومن ادّعی ما لیس له فلیس منّا ولیتبو أمقعده من النار۔

یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے۔[1163]

اور حدیث شریف میں "**لیس من رجل**" ہے اور اس میں "**من**" زائدہ ہے۔[1164]

[1162] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل، برقم: ۳۵۰۸، ۲/۳۱۶)

[1163] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه، برقم: ۱۲۹/۱۱۲-(۶۱)، ص۵۸) ایضاً المسند: ۱۶۶/۵۔

[1164] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۹/۸)

اور احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے چنانچہ امام شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی اور علامہ محمد امین ہروی نے لکھا ہے کہ مردوں سے تعبیر کرنا بطور غلبہ کے جاری ہوا ورنہ عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔[1165]

”وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے“ کا مطلب

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ اس میں آخری جملہ ”جہنم ٹھکانہ بنالے“ ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جہنم کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے کرتوت سے جہنم کو اپنے لئے واجب کر لیا، چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی لکھتے ہیں:

وقوله: فليتبوّ أمقعده من النّار: أى استحق ذلک بقوله, و استوجبه لمعصية الاّ أن يعفوا عنه۔

یعنی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ”چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے“ یعنی وہ اپنے قول سے اس کا مستحق ہے اور اس نے اپنی معصیت کے ذریعے اپنے لئے اسے واجب کر لیا مگر یہ کہ اسے معاف کر دیا جائے۔[1166]

پھر یہ جملہ یا تو مرتکب کے خلاف دعا ہے یا یہ اس کے انجام کی خبر ہے پھر اگر وہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے بھی اسے حلال جانتا ہے تو جہنم اس کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ ہے اور اگر حلال نہیں جانتا پھر یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے معاف فرمادے اور اسے توبہ کی توفیق

[1165] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۹/۸) (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیہ وھو یعلم الخ، برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۵۰۷/۲، ۵۰۶)

[1166] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ وھو یعلم، برقم: ۱۱۲، (۶۱)، ۳۱۹/۱)

مرحمت فرمادے اور وہ گناہ اس سے ساقط ہو جائے ورنہ اسے مخصوص مدّت کے لئے بطور سزا جہنم میں رکھا جائے۔

چنانچہ علامہ محمد امین ہروی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ:

هذا دعاء عليه أو خبر الأمر وهو أظهر القولين فيه، أى يكون مقعده ومنزله من النار مخلدا فيها ان استحلّ ذلك أو هذا جزائه ان جوزى على ذلك ان لم يستحلّ لأنه يجاز عليه ان لم يغفر له، وقد يعفى عنه وقد يوفق للتوبة فيسقط عنه ذلك۔

یعنی اس مرتکب کے خلاف دعا ہے یا لفظِ امر کے ساتھ خبر ہے اور ان میں سے یہ **قول اظہر القولین** ہے یعنی اس کا ٹھکانہ اور منزل اگر اسے حلال جانتا ہے تو خلود فی النار ہے اور اگر اس گناہ کے ارتکاب پر سزا دیا گیا تو یہ اس کی سزا ہے اور اگر حلال نہیں جانتا کیونکہ اگر اسے نہ بخشا گیا تو وہ اس پر سزا دیا جائے گا اور کبھی بخش دیا جاتا ہے اور توبہ کی توفیق مرحمت کیا جاتا ہے تو اس سے وہ گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔[1167]

’’ہم میں سے نہیں‘‘ کا مطلب

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ ’’جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں وہ ہم میں سے نہیں‘‘۔ مستحلّ کے حق میں یہ کلمات اپنے ظاہر پر ہیں اور غیر مستحل کے لئے اس کا مطلب ہو گا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ہدایت پر چلنے والا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت پر عمل کرنے والا نہیں یا یہ کہ وہ اہل دین کے طریقے پر نہیں ہے۔

چنانچہ امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی لکھتے ہیں:

[1167] (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۲/۵۰۸)

وقولہ:لیس منّاعلی ماتقدّم أی لیس مھتدیاً بھدینا ولامستّا بسنتنا۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ''وہ ہم میں سے نہیں''کا مطلب بنابر اس کے جو پہلے گزرا ہے یہ کہ وہ ہماری ہدایت پر چلنے والا اور ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں۔

اور حافظ ابو العباس احمد قرطبی لکھتے ہیں:

ظاھر التبرّی المطلق فیبقی علی ظاھرہ فی حقّ المستحلّ لذلک علی ماتقدم ویتأویل فی حقّ غیر المستحلّ بأنہ لیس علی طریقۃ النبیّ ﷺ ولاعلی طریقۃ أھل دینہ، فان ذلک ظلم وطریقۃ أھل الدّین العدل، وترک الظّلم ویکون ھذا کما قال: لیس منا من ضرب الخدود وشقّ الجیوب'' ویقرب منہ من لم یأخذ من شاربہ فلیس منّا۔

یعنی ظاہر مطلق تبری (یعنی برأت) ہے اور یہ فرمان حلال جاننے والے کے حق میں اپنے ظاہر پر ہے اور حلال نہ جاننے والے کے حق میں اس کی تاویل کی جائے گی، اس طرح کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ ہی اہلِ دین کے طریقے پر ہے اور اہلِ دین کا طریقہ عدل ہے اور ترکِ ظُلم ہے اور یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا''جس نے رُخسار پیٹے اور گریبان چاک کئے وہ ہم سے نہیں، اس کے قریب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ فرمان ہے کہ''جو اپنی مونچھوں سے نہ لے یعنی انہیں نہ تراشے وہ ہم سے نہیں۔''[1168]

[1168](رواہ البخاری برقم:۳۵۱۹،ومسلم:برقم:۱۰۳)(رواہ الترمذی برقم:۲۷۶۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن حجاج قشیری اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں کہ:

عن عراک بن مالک أنه سمع أبا هريرة يقول: انّ رسول اللهﷺ قال: لا ترغبوا عن آبائكم فمن رغب عن أبيه فهو كفر۔ واللفظ لمسلم ونقله التبريزى فى "مشكاته" فى كتاب النّكاح، باب اللعان ال فصل الاول۔

یعنی عراک بن مالک نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو (انکار نہ کرو) پس جس نے اپنے باپ کے نسب کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔"[1169]

"اعراض نہ کرو" کا مطلب

حدیثِ ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ "اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو" اس سے مراد ہے کہ اپنے نسب کو اپنے آباء کے غیر کی طرف نہ پھیرو اور یہ زمانۂ جاہلیت کے کافروں کی عادات سے ہے، اسلام میں جب اس سے منع کر دیا گیا تو مرتکب کے لئے وعیدیں وارد ہوئیں۔

چنانچہ شارح صحیح البخاری حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

انما المراد به من تحوّل عن نسبت لأبيه الى غير أبيه عامداً مختاراً، وكانوا فى الجاهلية لا يستنكرون أن يتبنّى الرّجل ولد غيره ويصير الولد وينسب الى الذى تبنّاه حتى نزل قوله تعالىٰ {اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ} وقوله سبحانه تعالىٰ {وَمَا جَعَلَ أَدۡعِيَآئَكُمۡ أَبۡنَآئَكُمۡ} فنسب كلّ واحدٍ الى أبيه الحقيقى، وترك الانتساب الى من تبنّاه۔

[1169] (صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب من ادّعى الى غير أبيه برقم: ۶۷۶۸، ۴/۳۷۳) (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه الخ، برقم: ۱۱۳/۱۳۰-(۶۲)، ص ۵۸) (المسند، ۲/۵۲۶) (برقم: ۳۳۱۵، ۲-۱/۲۰۸))

یعنی اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی طرف نسبت کو اپنے اختیار کے ساتھ عمداً غیر باپ کی طرف پھیر دے (تو وہ اس وعید کا مستحق ہے جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے) اور زمانۂ جاہلیت میں لوگوں میں یہ معیوب نہ تھا کہ وہ غیر کے بیٹے کو متبنّٰی بنالیں اور وہ اس (متبنّٰی بنانے والے) کا بیٹا ہو جائے اور اُسی کی طرف منسوب ہو کہ جس نے اسے متبنی بنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا "انہیں ان کے باپوں کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ "یہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" تو ہر ایک اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر دیا گیا اور متبنّٰی بنانے والے کی جانب انتساب کو ترک کر دیا گیا۔[1170]

اور شیخ محقق شیخ عبد الحق محدّث دہلوی لکھتے ہیں:

اعراض نکنید از پدرانِ خود بترک نسبت بایشان، کسیکہ اعراض کند از پدر خود و ترک کند نسبت خود را بوے پس تحقیق کُفرانِ نعمت کرد و چہ نعمت کہ اصل ہمہ نعمتہاست۔

یعنی اپنے آباء سے اعراض نہ کر وان کی طرف اپنی نسبت کو ترک کر کے، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اور اپنی اسکی طرف نسبت کو ترک کیا پس تحقیق اس نے کفرانِ نعمت کیا، اس نعمت کا جو تمام نعمتوں کی اصل ہے۔[1171]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: "كفر" بامرئٍ ادّعاءُ نسبٍ لا يعرفه أو جحده وان دقّ۔

[1170] (فتح الباری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ١٢-١١/٦٣)

[1171] (أشعة اللمعات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ١٧٨/٣)

یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: آدمی کا ایسے نسب کی طرف انتساب کہ جسے وہ نہیں پہچانتا (یا وہ معروف نہیں) یا (اس کا اپنے) نسب کا انکار کرنا اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو کفر ہے۔[1172]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے روایت کیا:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: قال رسول الله ﷺ: كُفْرٌ تَبَرَّؤٌ من نسب وان دقّ أو ادّعاه الیٰ نسب لا یعرف۔[1173]

اور امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی "معجم اوسط" میں اور معجم صغیر میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا:

كفرٌ بامری ءادّعاه (وفی الصغیر ادّعا) الیٰ نسب لا یعرف وجحده وان دقّ۔[1174]

اور حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی نے "الکامل" میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا:

كفر من ادّعی الیٰ نسب لا یعرف، أو جحده وان دقّ۔[1175]

اور علامہ نور الدین ہیثمی نے **"مجمع البحرین"** میں اور **"مجمع الزوائد"** میں اسے نقل کیا ہے۔[1176]

کافر ہونے کا مطلب

[1172] (سنن ابن ماجه كتاب الفرائض، باب من أنكر ولده برقم: ۲۷۴۴، ۳/۳۳۷ وقال محققه اسناده صحيح)
[1173] (المسند: ۲/۲۱۵)
[1174] (المعجم الأوسط، من اسمه محمود، برقم: ۹۱۹ ۷، ۲/ ۳۹، ۴۰) (المعجم الصغیر، من اسمه محمود، ۲/ ۱۰۸)
[1175] (الكامل لابن عدی، عمر بن شعيب (برقم: ۱۲۸۱/۳۱۴)، ۶/ ۲۰۴)
[1176] (مجمع البحرين، كتاب الايمان، باب فی الكبائر، برقم: ۱۳۴، ۱/ ۸۵)

حدیث شریف میں نسب بدلنے، غیر آباء کی طرف انتساب کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے، اس میں بھی دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ نسب بدلنا جس سے قرآن میں ممانعت اور حدیث شریف میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں اسے اگر حلال جانتا ہو تو کافر ہو جائے گا، دوسری یہ کہ اگر حلال نہیں جانتا تو مراد وہ کفر نہیں ہو گا جو اسے ملّتِ اسلام سے خارج کر دے بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے یا عملِ کفار کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا چنانچہ امام ابو زکریا نووی شافعی لکھتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی نے ان سے نقل کیا کہ:

قال النووی: فیه تأویلات أحدهما: أنه فی حق المستحلّ، والثانی: أنه کفر النّعمة والاحسان وحق الله وحق أبیه، ولیس المراد الکفر الذی یخرجه عن ملّة الاسلام وهذا کقوله "یکفرن" ثم فسّره بکفرانهنّ الاحسان وکفران العشیر۔

یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں تاویلیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ وعید حلال جاننے والے کے حق میں ہے اور دوسری یہ کہ یہ نعمت، احسان، اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے باپ کے حق کی ناشکری ہے اور وہ کفر مراد نہیں ہے جو مرتکب کو ملّتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرمان "**یکفرن**" کی مثل ہے، پھر اس کی تفسیر عورتوں کی طرف سے احسان کی ناشکری اور ان کی اپنے شوہروں کی ناشکری کے ساتھ کی ہے۔[1177]

اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت یا تو قذف (یعنی تہمت زنا) ہے یا کذب (یعنی جھوٹ) ہے یا والدین کی نافرمانی علماء کرام نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، لہٰذا ظاہر حدیث کو حلال جاننے پر محمول کیا جائے گا۔

[1177] (شرح صحیح مسلم للهروی، کتاب الایمان، باب حکم ایمان، من انتسب لغیر أبیه الخ، برقم: ۲-۱۲۴/۵۰۷)

اور امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی حسنی مالکی لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں تاویل کی ضرورت ہے:

لأن انتسابه لغير أبيه قذف أو كذب، أو عقوق، ولا شيء من ذلك بكفر فيحمل أيضاً على المستحلّ، أو أنه أراد كفر النعمة أى حجد حق أبيه، أو أنه أطلق الكفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الكفر لأنهم كانوا يفعلونه فى الجاهلية۔

یعنی کیونکہ غیر باپ کی طرف انتساب تہمت ہے یا جھوٹ ہے یا نافرمانی ہے اور ان میں سے کوئی چیز کفر نہیں تو اسے بھی (غیر آباء کی طرف انتساب کو) حلال جاننے والے پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہ حدیث شریف میں اس سے کفرانِ نعمت یعنی اپنے حقیقی باپ کے حق کے انکار کا ارادہ کیا گیا یا یہ کہ اس عمل کی اہلِ کفر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مجازاً اس پر کفر کا اطلاق کیا کیونکہ وہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے۔[1178]

علامہ محمد امین ہروی نے لکھا کہ:

ذلك المنتسب كفراً حقيقياً يخرجه عن الملّة ان استحل ذلك الانتساب، لأنه ما هو معلوم حرمته من الدّين ضرورة، والا كفر كفراً بمعنى كفران نعمة الأبوّة أى جحد حق أبيه، لأن انتسابه لغير أبيه اما قذف، أو كذب، أو عقوق ولا شيء من ذلك كفرٌ، قال القرطبى: أو أنه أطلق الكفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الكفر لأنهم كانوا يفعلونه بالجاهلية، وعبارته هنا۔

یعنی اگر وہ غیر باپ کی طرف انتساب کو حلال جانتا ہے تو وہ منتسب حقیقی کفر کا مرتکب ہو جائے گا جو اسے ملتِ اسلامیہ سے نکال دے گا کیونکہ یہ وہ ہے کہ جس کی حرمت کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے ورنہ (یعنی اگر وہ اسے حلال نہیں جانتا تو) یہ کفر بمعنی کفرانِ نعمت ابوۃ ہے یعنی اس نے اپنے باپ کے حق کا انکار کیا، اس کی ناشکری کی اس لئے کہ اس کا اپنے باپ کے غیر کی طرف انتساب

[1178] (شرح صحیح مسلم للهروى، كتاب الايمان، باب حكم ايمان، من انتسب لغير أبيه الخ، برقم: ٢-١٢٤/٥٠٧)

یا تو قذف (تہمت) ہے یا جھوٹ ہے یا عقوق (نافرمانی) ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ یا یہ ہے کہ اہل کفر کے فعل کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے۔[1179]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے غیر آباء کی طرف انتساب کرنے والا اگر اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہو گا چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی اور ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

فمن اعتقد اباحته كفر لمخالفة الاجماع، [ومن لم يعتقد اباحته ففي] فمعنى كفره وجهان، أحدهما: أنه قد أشبه فعله فعل الكفار، والثاني: أنه كافر نعمة الاسلام۔

یعنی پس جس نے اس (یعنی نسب بدلنے) کے مباح ہونے کا اعتقاد کیا وہ اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا اور جو اس کی اباحت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کے مرتکب کے کفر کے معنی میں دو وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس (نسب بدلنے والے) نے اپنا فعل کافروں کے فعل کے مشابہ کر دیا اور دوسرا یہ کہ وہ نعمتِ اسلام کی ناشکری کرنے والا ہے۔[1180]

شیخ الحدیث غلام رسول رضوی لکھتے ہیں: اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ انسان گُناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور حدیث میں اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مؤوّل ہے، تاویل یہ ہے کہ جو کوئی اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کو حلال اور جائز سمجھے وہ کافر ہے یا مراد کفرانِ نعمت ہے، یا یہ مراد ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے والد کے حق کا انکار کر دیا یا زجر و تہدید کے لئے فرمایا، حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی اپنی نسبت غیر کی

[1179] (شرح صحيح مسلم للهروى، كتاب الايمان، باب بيان حكم ايمان من انتسب لغير أبيه الخ)

[1180] (شرح الطيبى، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۲/۳۹۶) (مرقاة، كتاب النكاح، با ب اللعان، الفصل الاول برقم: ۳۳۱۵، ۶/۴۳۶)

طرف کرے یا اپنے آپ کو غیر خاندان میں شمار کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ شخص کافر ہے اس زمانہ میں دیکھنے میں آیا ہے بعض سادات کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں تاکہ عوام کی نگاہوں میں محترم ہوں وہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔[1181]

اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی لکھتے ہیں:

فمن فعل ذلک مستحلا فھو کافر حقیقة تبقی الحدیث علی ظاھرہ، أما ان کان غیر مستحل فیکون الکفر الذی فی الحدیث محمولا علی کفران النعم و الحقوق فانه قابل الاحسان بالاساءۃ ومن کان کذا صدق علیه اسم الکافر، ویحتمل أن یقال: أطلق علی ذلک، لأنه تشبه بالکفار أھل الجاھلیة أھل الکبر و الأنفة فانھم کانو ایفعلو نه ذلک۔

یعنی پس جس نے اسے (یعنی نسب بدلنے کو) حلال جانتے ہوئے ایسا کیا تو وہ حقیقةً کافر ہو جائے گا، (اس صورت میں) حدیث شریف اپنے ظاہر پر باقی رہے گی، اگر حلال نہیں جانتا تو جس کفر کا حدیث شریف میں ذکر ہے وہ کفرانِ نعم اور کفرانِ حقوق پر محمول ہو گا کیونکہ اس نے احسان کے مقابلے میں اساءت کی اور جو ایسا ہو اس پر کفر کا اسم صادق آئے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اس پر یہ لفظ بولا جائے گا کیونکہ اس نے اہل جاہلیت، اہل کبر کفار کے ساتھ مشابہت کی، بے شک وہ ایسا کیا کرتے تھے۔[1182]

وان ثبت ذلک فالمراد من استحلّ مع علمه بالتّحریم وعلی الرّوایة المشھورة فالمراد کفر النعمة، وظاھر اللفظ غیر مرادٍ، وانما ورد علی سبیل التّغلیظ والزّجر لفاعل ذلک، أو المراد باطلاق الکفر أن فاعله فعل فعلاً شبیھا بفعل أھل الکفر۔

[1181] (تفھیم البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۵، ۳۲۸۱/۳۸۳، ۳۸۴)

[1182] (المفھم، کتاب الایمان، باب اثم من کفر مسلماً، برقم: ۵۱، ۱/۲۵۴)

یعنی اگر وہ ثابت ہو تو مراد وہ شخص ہو گا جو اس فعل کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے اور روایت مشہور کی بناءپر مراد کفرانِ نعمت ہے اور ظاہر لفظ مراد نہیں ہے اور یہ صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے تغلیظ وزجر کے طور پر وارد ہوا ہے یا یہ کہ اطلاقِ کفر سے مراد ہے کہ اس کے فاعل نے ایسا عمل کیا ہے جو اہل کفر کے عمل کے مشابہ ہے۔[1183]

اور حافظ شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی لکھتے ہیں:

وعلى ثبوتها مؤوّلة بالمستحلّ لذلک مع علمه التّحريم، أو ورد على سبيل التّغليظ والزّجر لفاعله۔

یعنی اس کے ثبوت کی بنا پر یہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اسے حلال جاننے والے کے ساتھ موؤّل ہے یا یہ فاعل کے لئے بطور تغلیظ وزجر کے وارد ہوا ہے۔[1184]

اور علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان کورانی شافعی ثم حنفی لکھتے ہیں:

وهو يعلمه الا كفر ان اعتقد ذلک، أو كفر بنعمة الله أو ذلک الفعل من أخلاق الكفّار۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرمان "وهو يعلم الا كفر" کا مطلب ہے کہ اگر اس (کے حلال ہونے) کا اعتقاد رکھتا ہے یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی یا یہ کہ یہ فعل (یعنی نسب بدلنا، غیر باپ کی طرف نسب) کُفّار کے اخلاق سے ہے۔[1185]

غیر مستحلّ کے حق میں اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ عمل کفر تک پہنچانے والا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی لکھتے ہیں:

والكفر فيه بمعنى أن ذلک يؤدی اليه، أو استحل، أو كفر النّعمة۔

[1183] (فتح الباری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۶/۸/۶۷۰)

[1184] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم ۳۵۰۸، ۱۹۸)

[1185] (الکوثر الجاری الی ریاض أحادیث البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۶/۳۵۳)

یعنی اس میں کفر اس معنی میں ہے کہ وہ (عمل) کفر تک پہنچانے والا ہے، اسے حلال جانتا ہے (تو کافر ہے) یا اس نے کفرانِ نعمت کیا۔[1186]

نسب بدلنے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر فرمایا گیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے "معجم الاوسط" میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے: **عن أبی بکر یقول: قال رسول اللہ ﷺ: کفر باللہ: ادّعاء نسب لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیٔ من نسبٍ و ان دقّ۔** یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے نسب سے برأت اگرچہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[1187]

اور ان الفاظ سے کہ:

عن أبی بکر الصّدیق قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ادّعی نسباً لا یعرف کفر باللہ و انتفاء من نسب و ان دقّ کفر باللہ۔

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "جس نے ایسے نسب کی طرف نسبت کی جو معروف نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور نسب سے نفی اگرچہ (یعنی حقیر) ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔[1188]

اسی طرح امام طبرانی نے "الدعاء" میں روایت کیا۔[1189]

[1186] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، برقم: ۲۹۳، ۲/۱۰۰)
[1187] (المعجم الأوسط، من اسمہ ابراھیم، برقم: ۲۸۱۸، ۲/۴۴)
[1188] (المعجم الأوسط، من اسمہ معاذ، برقم: ۸۵۷۵، ۶/۲۲۱)
[1189] (کتاب الدّعاء، ذکر من لعنہ الرسول ﷺ، برقم: ۲۱۴۳، ص ۵۸۷)

اور حافظ بزار نے اپنی مسند میں اور امام حافظ نور الدین ہیثمی نے "کشف الاستار" میں ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

کفر باللہ تبرّییءٌ من نسب و ان دقّ۔[1190]

اور حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی نے اپنی "سنن" میں، حافظ، ابو الحسن علی ابن الجعد نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا ہے:

کفر باللہ ادّعاءٌ الیٰ نسبٍ لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیٔ من نسبٍ و ان دقّ۔

یعنی غیر معروف نسب کی طرف نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور نسب سے بر اَت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[1191]

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے "المصنف" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا:

قال أبو بکر: کفر من ادّعی نسباً لا یعلم و تبرأ من نسبٍ و ان دق۔[1192]

حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے) اور "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا) مذکور ہے، اسی طرح حدیث اَبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں "الا کفر باللہ" یعنی جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نسبت غیر کی جانب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا" آیا ہے، یہ حدیث ابی بکر اور حدیث اَبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت اگر اسی طرح ہو تو غیر مستحل کے حق میں اس کی تاویل میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفہ سے پیدا کیا تھا اس شخص

[1190] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیرأبیه، برقم: ۲۸۶۱، ۲/۲۷۰) (مسند ابن الجعد، بقیة حدیث الأعمش، برقم: ۳۶۹۱، ص ۳۹۴)

[1191] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیرأبیه، برقم: ۲۸۶۱، ۲/۲۷۰) (مسند ابن الجعد، بقیة حدیث الأعمش، برقم: ۳۶۹۱، ص ۳۹۴)

[1192] (المصنّف لابن أبی شیبه، کتاب الأدب، باب مایکره الرّجل أن ینتمی الیه الخ، برقم: ۲۶۶۳۳، ۱۳/۳۳۱، ۳۳۰)

نے اس کا انکار کر کے کہا کہ مجھے اس کے نہیں فلاں کے نفطہ سے پیدا کیا گیا ہے گویا اس نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا اور مستحل کے حق میں تاویل کی حاجت نہیں ہے جیسا کہ ہماری ذکر کردہ دیگر عبارات سے ظاہر ہے اور اس جواب کے قریب حافظ ابن حجر عسقلانی کی بعض شرّاحِ حدیث سے نقل کردہ یہ تاویل ہے، فرماتے ہیں:

قال بعض الشرّاح: سبب اطلاق الكفر هنا أنه كذب على الله كأنه يقول: خلقني الله من ماء فلان، وليس كذلك لأنه انما خلقه من غيره۔

یعنی بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں اطلاقِ کفر کا سبب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا، گویا کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کے پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تو اسے (جس کے پانی سے پیدا ہونے کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کے غیر (کے پانی) سے پیدا کیا ہے۔[1193]

اور حدیثِ أبي ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب اس صورت میں ہے جب یہ اضافہ ثابت ہو اور یہ اضافہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات میں نہیں ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ اس اضافہ کا حذف ہی مناسب ہے۔

چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

وليست هذه الزّيادة في غير روايته ولا في رواية مسلم ولا اسماعيلي فحذفها أوجه لما لا يخفى۔

یعنی یہ اضافہ اس روایت کے غیر میں نہیں ہے نہ مسلم کی روایت میں ہے اور نہ اسماعیلی کی روایت میں ہے لہٰذا اس کا حذف اوجہ ہے اس لئے کہ اس کے حذف کا اوجہ ہونا مخفی نہیں ہے۔[1194]

[1193] (فتح الباری، شرح صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ١٥/١٢/٦٣)

[1194] (ارشاد الساری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر أبیه، برقم: ٦٧٦٨، ١٩/٨)

اور حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں یہ اضافہ مذکور ہے جب کہ بعض میں نہیں ہے اگر یہ اضافہ ثابت ہو اس کا وہی جواب ہو گا جو حدیث اَبی ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا۔

اور علماء کرام نے لکھا ہے کہ کفر کا لغوی معنی ہے کہ کسی شیء کو ڈھانپا تو کفر باللہ کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ عزّ وجلّ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عز وجل کے حق کو ڈھانپ دیا، چنانچہ شارح صحیح بخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک لکھتے ہیں:

فان قیل: فتقول للرّاغب فی الانتماء الی غیر أبیه و موالیه کافر بالله کما روی عن أبی بکر الصّدیق أنه قال: کفر ابالله ادعاء نسب لا یعرف، و روی عن عمر بن الخطاب أنه قال: کان مما یقرء فی القراٰن: "لا ترغبوا اباء کم فانه کفر بکم" قیل: لیس معناه الکفر الذی یستحق علیه التخلید فی النار، و انما هو کفر لحقّ أبیه و لحقّ موالیه، کقوله فی النّساء: "یکفرن العشیر" و الکفر فی لغة العرب: التعطیة للشیء و الستر له، فکأنه تغطیة منه علی حقّ الله عزّ و جلّ فیمن جعله ولداً، لا أن من فعل ذلک کافر أبالله حلال الدّم۔

یعنی پس اگر کہا جائے کہ تم غیر باپ اور غیر مالک کی طرف انتساب میں رغبت رکھنے والے کو کہتے ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جس نے غیر معروف نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا" اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "قرآن کریم میں جو پڑھا گیا ہے اس میں یہ تھا کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو پس یہ کفر ہے" تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس کا معنی وہ کفر نہیں ہے کہ جس میں بندہ خلود فی النار کا مستحق ہوتا ہے، اور کفر صرف باپ کے حق اور مالکوں کے حق کی وجہ سے ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عورتوں کے بارے میں فرمان ہے۔ "یکفرن العشیر" (یعنی اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں) اور

لغتِ عرب میں کفر کا معنی ہے کسی شیء کو ڈھانپنا اور اسے چُھپانا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزّوجلّ کے حق کو ڈھانپ دیا، یہ نہیں کہ جو اس کا ارتکاب کرے گا وہ کفر باللہ کا مرتکب، حلال الدّم ہو جائے گا۔"[1195]

نسب بدلنے والے پر لعنت فرمائی گئی

امام ابو داوٗد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں:

عن أنس بن مالک، قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من ادّعی الی غیر أبیه، أو انتمی الی غیر موالیه، فعلیه لعنة اللہ المتتابعة الیٰ یوم القیامة۔

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے سنا جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک لعنت ہے۔"[1196]

امام ابو عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن أبی أمامة الباھلی قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبة حجّة الوداع: ومن ادّعی الیٰ غیر أبیه، أو انتمی الیٰ غیر موالیه، فعلیه لعنة اللہ التابعة الیٰ یوم القیامة الحدیث۔

یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"[1197]

[1195] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ"٨/٣٨٤)

[1196] (سنن أبی داؤد کتاب الأدب، باب فی الرّجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ٥١١٥، ٥/٢١٣)

[1197] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء "لا وصیة لوارث" برقم: ٢١٢٠، ٣/١٦٨، ١٦٩)

امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اور امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن ابراهیم التیمی عن أبیه قال: خطبنا علیؓ بن أبی طالبؓ فقال من زعم أنّ عندنا شیئاً نقرؤة الا کتاب الله وهٰذه الصحیفة۔ قال: وصحیفة معلّقة فی قراب سیفه فقد کذب فیها اسنان الابل وأشیاء من الجراحات، وفیها قال النبی ﷺ "ومن ادّعیٰ الی غیر أبیه أو انتمیٰ الیٰ غیر موالیه، فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، لا یقبل الله منه یوم القیامة صرفاً ولا عدلاً۔" واللفظ لمسلم۔

یعنی ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حالانکہ ان کی نیام کے ساتھ ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صحیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ (قرآن) اور صحیفہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، وہ جھوٹا ہے، اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور کچھ زخموں کی دیت کا بیان ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اور جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہ فرمائے گا اور نہ نفل۔"[1198]

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی روایت کرتے ہیں کہ:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من انتسب الی غیر أبیه، أو تولی غیر موالیه، فعلیه لعنة الله والملائکة والناس أجمعین۔

[1198] (سنن الترمذی، کتاب الولاء والهبة، باب ماجاء فیمن تولّی غیر موالیه الخ، برقم: ۲۱۲۷، ۱۸۳/۳، ۱۸۴) (المسند، ۸۱/۱)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے غیر سے بیان کیا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔[1199]

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اور امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی اور حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن خارجة قال: كنت تحت ناقة النبي ﷺ فسمعته يقول: من ادّعى الىٰ غير أبيه أو انتمى الىٰ غير مواليه رغبة عنهم فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس أجمعين۔ و اللفظ للدارمي وزاد الطبراني: لا يقبل منه صرف و لا عدل۔

یعنی حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اونٹنی کے نیچے تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا ان سے اعراض کرتے ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔"[1200]

لعنت سے مراد

[1199] (سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب: من ادّعى الى غير أبيه الخ، برقم: ٢٦٠٩، ٣/٢٦٣)

[1200] (سنن الترمذى، كتاب الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، برقم: ٢١٢١، ٣/١٧٩، ١٨٠) (سنن الدّارمى، كتاب السّير، باب فى الذى ينتمى الى غير مواليه، برقم: ٢٥٢٩، ٢/١٩٦) (المعجم الكبير، برقم: ٦٠ تا ٧١، ١٧-١٥/٣٢ تا ٣٦)

حدیث شریف میں نسب بدلنے والے کے لئے لعنت مذکور ہے، یہ لعنت اس پر ہے جو اپنے آباء سے بیزاری ظاہر کرے اور اپنے آباء کے غیر کے نسب کا دعویٰ کرے جیسے غیر سیّد ہو کر سیّد ہونے کا دعویٰ کرے۔

چنانچہ شارح صحیح البخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک لکھتے ہیں:

وانما لعن النبی علیہ السلام المتبرئ من أبیہ والمدّعی غیر نسبہ فیمن فعل ذلک فقد رکب من الاثم عظیماً وتحمل من الوزر جسیماً، وکذلک المنتمی الی غیر موالیہ۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صرف اس پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے حقیقی باپ سے برأت ظاہر کرے اور حقیقی باپ کے غیر کے نسب کا مدّعی ہو، جس نے اس طرح کیا تو اس نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا اور (گناہ کا) بڑا بوجھ اٹھالیا، اسی طرح وہ غلام جو اپنے مالک کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے۔[1201]

اور لعنت کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اپنے مولیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، اس کی نعمتوں کی ناشکری پر اتر آتا ہے تو ظالم قرار پاتا ہے اور ظالموں پر قرآن کریم میں لعنت مذکور ہے۔

چنانچہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اذا کفر نعمۃ مولاہ فقد صار ظالماً، وقد قال اللہ تعالیٰ { اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿ھود ۱۸﴾

یعنی جب وہ اپنے مولیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو وہ ظالم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔[1202]

[1201] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیہ الخ، ۸/۳۸۳)

[1202] (عارضۃ الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیہ، ۲۱۲۷،۴/۸/۲۱۹)

اور لعنت کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے، احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں نسب بدلنے والے کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت متتابعہ مذکور ہے تو لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی تو معنی ہوگا کہ وہ اس بندے کو رحمت سے دور فرمادیتا ہے، اور اسی طرح فرشتوں اور انسانوں کی لعنت بھی مذکور ہے، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرشتے چونکہ اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں، بندہ جب اس جرم کا مرتکب ہوجاتا ہے اور اس پر نادم وپشیمان ہوکر توبہ نہیں کرتا تو وہ فرشتے اس کے لئے استغفار ترک کردیتے ہیں اور اسی طرح انسانوں کی لعنت میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ انسان اس کام کو قبیح گردانتے ہوئے مرتکب کو چھوڑ دیتے ہیں۔

چنانچہ حافظ ابو بکر ابن العربی لکھتے ہیں:

واللعنة هی الطرد، فیکون المراد کما تقدم فی وقت أو حالٍ أو شخصٍ أو علی صفةٍ، وأما لعنة الملائکة فانهم کانوا یستغفرون له، فقطعهم الاستغفار ابعاد له عنهم، ویجوز أن یحمل علی ظاهره فیلعنونه، وأما لعنة الناس فهجر انهم،أو اطلاق اللعن له علی ظاهر الحدیث۔

یعنی اور لعنت دور کرنا ہے، دھتکارنا ہے جیسا کہ پہلے گزرا مراد ہوگی کسی وقت یا کسی حال میں یا کسی صفت پر (دور کرنا یا دھتکارنا) اور ملائکہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں تو فرشتے اس شخص کی (اس ممنوع فعل کے ارتکاب کے ذریعے) ان سے دوری کے سبب اس کے لئے استغفار قطع کردیتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس لعنت کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ وہ

اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور لوگوں کی لعنت اُن کا اس شخص کو چھوڑنا ہے یا ظاہر حدیث کی بنا پر اس کے لئے لعنت کا اطلاق (یعنی لوگ اُن پر لعنت کرتے ہیں)۔[1203]

نسب بدلنے والے پر اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

امام احمد بن حنبل نے روایت کیا کہ:

عن سهل بن معاذ عن أبيه عن النبي ﷺ أنّه قال: انّ للّٰه تبارک و تعالیٰ عباداً لا يكلّمهم اللّٰه يوم القيامة، و لا يزكّيهم و لا ينظر اليهم۔" قيل: من أولٰئک يا رسول اللّٰه؟ قال: متبر من والديه، راغبٌ عنهما، و متبر من ولده، و رجل أنعم عليه قومٌ فكفر نعمتهم و تبرّ امنهم۔

یعنی سہل بن معاذ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔" عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ لوگ کون ہیں ؟ فرمایا: "اپنے والدین سے برأت کا اظہار کرنے والا، ان سے اعراض کرنے والا اور اپنی اولاد سے برأت کا اظہار کرنے والا اور وہ شخص جس پر کسی قوم نے انعام کیا پس اس نے ان کی نعمت کی ناشکری کی اور ان سے برأت کا اظہار کیا۔"[1204]

اس حدیث شریف کو امام ابو القاسم طبرانی نے بھی "المعجم الکبیر" میں **يحيىٰ بن ايوب كلاهما عن زبان ان فائدة و بهذا الاسناد** کے طریق سے روایت کیا ہے۔[1205]

[1203] (عارضة الأحوذي، كتاب الولاء، باب ماجاء فيمن تولى غير مواليه، ۴، ۲۱۲۷/۸/۲۱۹)
[1204] (المسند ۳/۴۴۰)
[1205] (المعجم الكبير ۲۰/۱۹۵، برقم: ۴۳۷ وقال فيه: عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه)

اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا، حقیقی باپ سے برأت اور اس سے اعراض ہے، اسی طرح نسب بدلنا اپنے آباء سے برأت اور ان سے اعراض ہے اور حدیث شریف میں برأت اور اعراض سے منع کیا گیا اور ارتکاب کرنے والوں کے لئے یہ وعیدیں بیان کی گئیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں ستھرا رکھے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا۔

اور اس میں بھی وہی تاویلیں ہیں جو پہلے ذکر کی جاچکیں کہ اگر کوئی شخص اس برأت و اعراض کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے تو حدیث شریف اپنے ظاہر پر رہے گی اور اگر حلال نہیں جانتا تو یہ کلمات صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے بطور تغلیظ وزجر وارد ہوئے۔

اور علمائے کرام نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام نہ فرمانا شدتِ غضب سے کنایہ ہے، چنانچہ علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: **قوله: لا یکلّمهم الله: کنایة عن شدّة الغضب۔** اور انہیں ستھرا نہیں کرے گا" کا مطلب ہے کہ انہیں گناہوں کے میل سے پاک نہیں کرے گا اور ان کی طرف نہیں دیکھے گا کا مطلب ہے کہ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا ورنہ کوئی بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔[1206]

نسب بدلنا بہت بڑا ابہتان ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

عبد الواحد بن عبد الله النّصری قال: سمعت واثلة بن الأسقع یقول: قال رسول الله ﷺ: انّ من أعظم الفری أن یدّعی الرّجل الیٰ غیر أبیه الخ۔

یعنی، عبد الواحد بن عبد اللہ النصری نے بیان کیا کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: بہت بڑا ابہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت اپنے والد کے غیر کی طرف کرے۔

[1206] (تحقیق مسند امام احمد، ۲۴/۳۹۸)

اور وہ اس طرح کہ اس سے بڑا بہتان اور کیا ہو گا کہ آدمی اپنے خالق پر بہتان باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفے سے پیدا فرمایا وہ کہتا ہے کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا کیا ہے، اسی طرح اپنے باپ پر بھی بہتان ہے کہ میں تیرے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں، اسی طرح ماں پر بھی یہ عظیم بہتان ہے۔[1207]

ذکر کردہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وعیدیں

علماء اسلام نے ارشاداتِ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد کلمات کی جو توجیہات و تاویلات اور ان میں پائے جانے والے احتمالات ذکر کئے وہ اپنی جگہ درست ہیں، اس میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ نسب بدلنے والوں، غیر آباء کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں انہیں مد نظر رکھے، اور اس قبیح و شنیع عمل کی گرد سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ا۔ بہت بڑا بہتان ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا۔

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں پاک نہیں فرمائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

۵۔ اس پر جنت حرام ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، اور احمد نے اسے حضرت سعد بن أبي وقاص اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

[1207] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بعدباب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۹، ۲/۴۱۶، ۴۱۷)

۶۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۷۔ اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اسے حضرت انس بن مالک اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۸۔ اس پر خود اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی، ابن ماجہ نے اسے حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۹۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہیں فرمائے گا اور نہ نفل۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی اور طبرانی نے اسے حضرت علی المرتضیٰ اور عمر بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ امام مسلم اور امام احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۲۔ نسب کا انکار کفر ہے۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ، احمد، طبرانی اور ابن عدی نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۳۔ آدمی کا ایسے نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا جو معروف نہیں، کفر ہے۔

۱۴۔ ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۵۔ نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، براز اور ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۶۔ نسب کی نفی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۷۔ وہ اپناٹھکانہ جہنم بنالے۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حکم

علماء اسلام نے قرآن کریم کی آیت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے نسب بدلنے کو غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حرام وگناہ لکھا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، شارح بخاری شیخ الاسلام علامہ بدر الدین عینی حنفی اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی "صحیح البخاری" کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الحدیث تحریم الانتفاء النسب المعروف، والادعاء الی غیرہ۔

یعنی اور حدیث شریف میں معروف نسب کی نفی اور اپنے آپ کو حقیقی باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے کا حرام ہونا مذکور ہے۔[1208]

1208 (عمدة القاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ٣٥٠٨، ٢٥٩/١١)(فتح الباری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ٣٥٠٨، ٦٧٠/٦/٣٥٠٨)(صحیح البخاری، برقم: ٣٥٠٨)

شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی لکھتے ہیں: جان بوجھ کر نسب کو بدلنا حرام و گناہ ہے یہاں تک کہ اس حدیث میں اسے کفر تک فرمایا گیا ہے، نسب بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک نفی یعنی اپنے باپ کے نسب سے انکار کرنا، دوسرے اثبات یعنی جو باپ نہیں اسے اپنا باپ بتانا دونوں حرام ہیں جیسا کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے بڑی آسانی سے لوگ اپنے آپ کو سید کہنے اور کہلانے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ سید نہیں غالباً یہ بیماری پہلے بھی رائج تھی۔[1209]

اور امام جمال الدین عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی نے اپنے ایک رسالہ میں والدین سے اعراض اور غیر باپ کی طرف نسبت کو گناہ قرار دیا اور مسند امام احمد اور صحیحین سے احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء ذکر کی ہے۔[1210]

اور امام ذہبی نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب "الکبائر" میں ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے بھی اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔[1211]

اہلِ بیتِ اطہار

اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین روئے زمین پر سب سے بہترین مخلوق ہیں کیونکہ ان ہی کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ تواتر سے ملتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (الاحزاب:۳۳)

[1209] (نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث:۱۸۵۳، ۱۹/۷)

[1210] (بر الوالدین وصلۃ الرحم، فصل فیمن تبرأمن والدیہ الخ، وفصل اثم من ادّعی الی غیر أبیہ، ص ۶۱، ۶۲)

[1211] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثانیۃ والثالثۃ والتسعون بعد المائتین ۲/۹۹، ۱۰۰)

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے گھر والو! اور تم کو پاک وصاف فرمادے، جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

"مسند" اور "معجم کبیر" میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"نزلت هٰذه الاٰية: فی خمسةٍ: النّبیّ ﷺ وعلیّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه و فاطمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها والحسن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه والحسین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه"۔

یعنی یہ آیۂ مبارکہ پانچ شخصیات کے لئے نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شرفِ انفرادی تطہیر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ:

"خرج النبی ﷺ ذات غداة وعليه مرطٌ مرجل من شعر اسود، فجاء الحسن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فادخله ثم جاء الحسین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فادخله ثم جائت فاطمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها فادخلها ثم جاء علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فادخله ثم قال: {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا}۔

ایک دن نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اُونی دھاری دار چادر اوڑھے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اس اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو چادر میں داخل کر دیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل کر دیا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف

لائیں تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمادیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمانے کے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

خاص اہلِ بیتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

"سنن ترمذی" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ کر فرمایا:

"اللّھمّ ھؤلآءاھل بیتی و حامتی - ای خاصتی - اذھب عنھم الرّجس و طھرھم تطھیراً۔

(اے اللہ! یہ میرے "خاص اہل بیت" ہیں ان سے آلودگی کو دور فرما کر ان کو پاک و صاف فرمادے)

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں ان کے ساتھ ہوں جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا بے شک تو خیر پر ہے۔ اس سے مراد ہے "انت من ازواج النبی ﷺ" کہ تو تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے گھر والی ہے۔ {ازواج اور اولاد کی مجموعی صورت ہی کو اہلِ بیت کہا جاتا ہے}

یہ! میرے اہلِ بیت ہیں

"سنن ترمذی" میں حضرت ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت

علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بلوایا اور ان کو چادر میں ڈھانپ کر فرمایا: **اللھمّ ھؤلاء اھلُ بیتی فاذھب عنھم الرِّجسَ و طھّرھم تطھیرا۔** کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں ان کے ساتھ ہوں؟ جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ’’تیرا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے اور تو نیکی اور بھلائی پر ہے۔‘‘

’’مسلم‘‘ اور ’’ترمذی‘‘ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب **’’آیتِ مباھلہ‘‘** سورۃ آل عمران، آیت ۶۱ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلوایا اور فرمایا **’’أللّٰھمّ ھٰؤُلاءِ اَھلِی‘‘** اے اللہ! یہ! میرے اہل (گھر والے) ہیں۔‘‘‘

اھلُ بیتی حقّاً

’’مستدرک‘‘ میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بائیں ران پر بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سامنے بٹھا کر ان سب کو

چادر یا اپنی عباء میں ڈھانپ کر آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: "اللھمّ ھؤلاء اھل بیتی حقًّا" اے اللہ یہ ! ہی میرے حقیقی اہلِ بیت ہیں۔"

"معالم العترۃ" اور "مسند امام احمد" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز سیدۃ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صبح کے وقت ہنڈیا میں حلوہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس تشریف لائیں اور خدمتِ اقدس میں حلوہ پیش فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ میرے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کہاں ہیں ؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: فاذھبی فادعیہ و آتینی ببنیہ! کہ تم جاؤ، ان کو اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آؤ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سب کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت اقدس میں تشریف لائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان سب پر خیبر سے لائی ہوئی چادر ڈال کر فرمایا "اے اللہ ! یہ آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہیں ان پر تو اپنا درود اور برکات بھیج جیسا کہ تو آلِ ابراہیم پر بھیجتا ہے، بے شک تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

"المطالب العالیہ" اور "فتح الباری" میں حضرت ابی الحمراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فجر کے وقت ایک دروازے کی چوکھٹ پر تشریف لا کر فرماتے "السلام علیک یا اھل البیت و رحمۃ اللہ و برکاتہ" پھر فرماتے "الصلاۃ رحمکم اللہ"

یعنی نماز کا وقت ہے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ پوچھا گیا کہ اس گھر میں کون ہے؟ فرمایا حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مصداقِ آیتِ تطہیر

"ضحاک" فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے دریافت فرمایا اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! ہم آپ کے اہل ہیں کہ جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ناپاکی کو طہارت میں تبدیل فرمادیا ہے؟ جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ آدمی کی بیوی ہی پیار ومحبت میں سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔ "والذی خصّ اللہ نبیّا، لقد خصّ اللہ بھذہ الأیة: فاطمة وزینب ورقیّة وامّ کلثوم وعلیّا والحسن والحسین وجعفراً وازواج محمّد ﷺ خاصة واقرباءہ۔ جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیۃ مبارکہ ان سے مخصوص فرمائی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ازواج مبارکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور ان کے اقارب۔

تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ کربلا کے بعد جب شام تشریف لائے تو شام کے ایک شخص سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت (انّما یرید اللہ۔۔۔) نہیں پڑھی، جس پر اس شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ ہی وہ

شخصیات ہیں؟ جواب میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! ہم ہی اس آیتِ مبارکہ کے مصداق ہیں۔

اہلِ بیتِ نسب

"صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اہل بیت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ازواجِ مبارکہ بھی شامل ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ازواج بھی اہل بیت ہیں، لیکن وہ اہل بیتِ نسب نہیں ہیں۔ و انما اهل بيت نسبه من حرم الصدقة اور اہل بیت نسب وہی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں "هم آل علي و آل جعفر و آل عقيل" کہ اولادِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اولادِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اہل بیت کی فضیلت کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول مبارک سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ "اللّٰهمّ انهم منّي و انا منهم" اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار! آگاہ رہو کہ جس نے میرے قرابت داروں کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

فضیلتِ بنو قریش و بنو ھاشم

حضرت سہل بن سعد الساعدی سے مرفوع حدیث روایت ہے کہ "احبّوا قريشاً فانّ من احبّهم احبّه الله" قریش سے محبت کرو، جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائے گا۔

"صحیح مسلم" میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من بنی اسماعیل و اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشاً و اصطفٰی من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

مسلم، ترمذی، ابو حاتم، اور حمزہ السہمی نے فضائل العباس میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ آدم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پسند فرماکر ان کو اپنا دوست بنایا، پھر اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا، پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے نزار کو پسند فرمایا، پھر نزار سے مضر اور مضر سے کنانہ اور کنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے بنی ھاشم اور بنی ھاشم سے عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا اور پھر اولاد عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجھے منتخب فرمایا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵ پر بنی ھاشم کی دوسری فضیلت سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو تلپٹ کیا فلم اجد رجلا افضل من محمد ﷺ لیکن مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے افضل کوئی شخصیت نہیں ملی۔ و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا کہ میں نے زمین کا مشرق و مغرب چھان ڈالا لیکن میں نے بنو ہاشم سے افضل کسی کو نہ پایا۔

اہلِ بیتِ کرام سے احسان کا صلہ

دیلمی نے الفردوس میں حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص میرے وسیلے سے روزِ قیامت شفاعت کا طلبگار ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ میری اہلِ بیت سے تعلق رکھے اور انہیں خوشیاں بہم پہنچائے۔"

"ذخائر العقبیٰ" میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "کیا تمہیں معلوم نہیں؟ بنی ہاشم کی عیادت فرض ہے اور ان کی زیارت نفل کا درجہ رکھتی ہے۔"

زیارتِ بنی ھاشم کی فضیلت

دارقطنی نے الفضائل میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "ہمارے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کو چلو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی ہاشم کی عیادت فرض میں اور ان کی زیارت نوافل میں شمار ہوتی ہے۔"

طبرانی نے الاوسط میں حدیث حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس کسی نے حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے کسی بھی فرد سے نیکی کا ہاتھ بڑھایا اور وہ شخص اس نیکی کا بدلہ ادا نہ کرسکا، تو اس کا بدلہ میرے ذمے ہے، کل جب وہ مجھے ملے گا تو میں ادا کروں گا۔"

ایک علوی عورت کی خدمت کا صلہ

"تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمۃ" میں "سبط ابن الجوزی" نے حضرت عبد اللہ ابن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ایک سال حج ادا کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت فرمایا کرتے، سالِ حج میں انہوں نے پانچ سو دینار نکالے اور کوفہ میں اونٹوں کی خریداری کے لئے چل پڑے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ جو گندگی کے ڈھیر سے ایک مردہ بطخ کو صاف کر رہی ہے، میں اس کے قریب گیا اور مردہ بطخ کو صاف کرنے کی وجہ دریافت کی، جس پر اس عورت نے جواب دیا کہ اے عبد اللہ! تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق پوچھ رہا ہے جس کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال گزرا اور حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے میں نے دوبارہ اصرار کیا، جس پر اس عورت نے کہا کہ اے عبد اللہ تو نے مجھے اتنا مجبور کر دیا ہے کہ اب میں تجھے اصل صورتحال سے آگاہ کرتی ہوں: انا امرأۃ علویۃ ولی اربع بنات یتامیٰ مات ابوھنّ من قریب، کہ میں ایک علوی خاتون ہوں میری چار یتیم بچیاں ہیں ان کا باپ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گیا ہے۔ اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اور یقیناً اب ہم پر مردار بھی حلال ہو گیا ہے، اس لئے اب اس بطخ کو صاف کر کے اپنی بچیوں کے کھانے کے لئے لے جا رہی ہوں۔ آپ فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا "ویحک یا ابن المبارک" کہ اے ابن مبارک، حیف ہے تجھ پر، یہ سب کچھ کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ میرے دل سے حج ادا کرنے کی خواہش جاتی رہی اور میں نے مذکورہ رقم اس پریشان خاندان کے حوالہ کر دی۔ زمانۂ حج گزر گیا اور لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آنا شروع ہو گئے۔ میں جس حاجی کو بھی حج کی مبارک باد دیتا تو وہ جواباً مجھے بھی حج کی مبارک باد پیش کرتا اور کہتا کہ ہم نے آپ سے فلاں مقام پر ملاقات کی ہے، اور

ہم فلاں مقام پر آپ سے ملے تھے، حتیٰ کہ بے شمار لوگوں نے مجھے اس قسم کی باتیں بتائیں کہ میں اس بارے میں بہت زیادہ متفکر ہو گیا۔ **فرأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام، وھو یقول: یا عبد اللہ، لا تعجب فانک اغثت ملھوفۃً من ولدی، فسألت اللہ ان یخلق علیٰ صورتک ملکاً یحج عنک کل عامٍ الیٰ یوم القیامۃ، فان شئت ان تحج، و ان شئت لا تحج۔** تو خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مجھ سے فرمارہے ہیں کہ اے عبد اللہ! تو اس بات پر تعجب نہ کر، تو نے میری اولاد کی ایک حاجت مند خاتون کی مدد کی، تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تیری شکل وصورت کا ایک فرشتہ پیدا کر دے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کرتا رہے، اب تو حج ادا کر یا نہ کر یہ تیری مرضی ہے۔

جامع کرامات اولیاء از علامہ محمد یوسف اسماعیل النبھانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اکابر مجتہدین میں ہوتا ہے، آپ بہت بڑے امام اور عارفین میں عظیم شخصیت ہو گزرے ہیں۔ حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے وقت اپنی دونوں آنکھیں کھولیں، پھر ہنسے اور کہا **لمثل ھٰذا فلیعمل العاملون** کہ کام کرنے والوں کو ایسے ہی کام کرنے چاہئیں۔

ایک علوی خاتون سے نیکی پر مجوسی کو زیارتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور جنت میں محل

ابو الفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الملتقط میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک علوی بزرگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر بلخ میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد اس علوی بزرگ کا انتقال ہو گیا اور ان

کی خاتون دشمنوں کے خوف سے اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر شدید سردی کی حالت میں سمرقند چلی گئیں۔ بچیوں کو مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے کھانے کی تلاش میں باہر نکلی، وہ خاتون بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک بزرگ شخص کے ارد گرد جمع ہیں، میں نے اس شخص کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ "هٰذا شیخ البلد" کہ یہ شہر کے بڑے بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی، اپنی ساری داستانِ غم سنائی جس پر انہوں نے کہا "اقیمی عندی البیّنه انک علویة" تو مجھے اس بات کا ثبوت فراہم کر کہ تو علویہ (خاندانِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔ اس نے میری کوئی بات نہ سنی اور میں مایوس ہو کر واپس مسجد کی طرف چل پڑی تو راستے میں دیکھا کہ ایک اور بڑے آدمی چبوترے پر بیٹھے ہیں، اور ان کے گرد بھی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "هذا ضامن البلد" کہ یہ شہر کا ذمہ دار آدمی ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اس شخص کے ہاں میری مشکل کا حل نکل آئے، میں آگے بڑھی اور اپنی داستانِ غم اسے بھی سنا دی اور "شیخ البلد" سے بھی اپنی ملاقات کا ذکر کر دیا، مجوسی نے فوراً اپنے ملازم کو بلایا اور کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو پیغام دو کہ فوراً تیار ہو کر باہر آئے۔ کچھ ہی دیر میں اس مجوسی کی بیوی تیار ہو کر اپنی کنیزوں کے ہمراہ باہر آگئی، مجوسی نے اسے کہا کہ اس خاتون کے ہمراہ فلاں مسجد میں جاؤ اور ان کی بچیوں کو گھر لے کر آؤ۔ علوی خاتون بیان کرتی ہیں کہ مجوسی کی بیوی میرے ساتھ چلی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، ہمارے لئے بہترین رہائش کا انتظام کیا، قیمتی لباس پہنائے اور مختلف قسم کے کھانوں سے ہماری تواضع کی۔ ہم نے انتہائی آرام و سکون کے ساتھ رات گزاری۔ آدھی رات کے وقت اس مسلمان "شیخ البلد" نے ایک خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تاجِ شفاعت

پہنے ہوئے ہیں۔ ایک سبز زمرد کا محل بھی اس نے دیکھا، جس پر "شیخ البلد" نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ جواب ملا یہ ایک مسلمان کا محل ہے۔ "شیخ البلد" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف بڑھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جس پر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ نے مجھ سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جب کہ میں مسلمان ہوں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس شخص سے فرمایا: "اقم البینۃ عندی انک مسلم" کہ تو اپنے مسلمان ہونے پر دلیل دے۔ وہ شخص حیران وپریشان ہو گیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس شخص سے کہا کہ کیا اب تو وہ بات بھول گیا ہے جو تو نے اس علوی خاتون سے کہی تھی؟ وہ علوی خاتون اپنی بچیوں کے ہمراہ جس شخص کے گھر میں اب قیام پذیر ہیں، یہ اس شخص کا محل ہے۔ وہ شخص پریشانی کے عالم میں خواب سے بیدار ہوا، روتا ہوا اور اپنے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا اس علوی خاتون کی تلاش کے لئے باہر نکل آیا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ خاتون اس مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں، وہ اس مجوسی کے پاس آیا اور اس علوی خاندان کے بارے میں پوچھا جس پر مجوسی نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس مقیم ہیں۔ اس نے کہا کہ انہیں میرے ساتھ بھیج دو، مجوسی نے جواب دیا کہ اب یہ ناممکن ہے۔ "شیخ البلد" نے اس مجوسی سے کہا کہ یہ ہزار دینار ہیں ان کے بدلے اس خاندان کو میرے ساتھ کر دو۔ مجوسی نے جواب دیا "لا واللہ ولا بمائۃ الف" کہ نہیں خدا کی قسم! اگر تو ایک لاکھ دینار بھی دے تو اب یہ ممکن نہیں! "شیخ البلد" نے جب زیادہ منت ساجت شروع کر دی تو اس مجوسی نے کہا کہ جو خواب تو نے دیکھا ہے، وہ خواب میں نے بھی دیکھا ہے، اور جس محل کا تو نے نظارہ کیا ہے تو میرے ہی لئے تیار کیا گیا ہے، اور اگر تو اپنے مسلمان ہونے پر نازاں ہے تو پھر سن لے، خدا کی قسم!

میں اور میرے اہل خانہ رات کو اس وقت تک نہ سوئے کہ جب تک ہم سب نے اس علوی خاتون کے دستِ مبارک پر اسلام قبول نہیں کر لیا۔ اور اب ہم پر اسلام کی برکات کا نزول بھی شروع ہو گیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت کا بھی شرف حاصل کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **القصر لک ولاھلک بما فعلت مع العلویۃ وانتم من اھل الجنۃ خلقکم اللہ مؤمنین فی القدم،** یعنی یہ محل تیرے اور تیرے اہل خانہ کے لئے ہے اور یہ اس نیکی کا بدلہ ہے جو تو نے اس علوی خاتون کے ساتھ کی اور تم اہل جنت میں سے ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم سب کو بہت پہلے سے مسلمان پیدا کیا تھا۔

امیر تیمور کو اہل بیت سے محبت کا صلہ

"**بلخی**" نے "**ینابیع المودۃ**" اور "**صواعق محرقۃ**" میں نقل کیا ہے کہ امیر تیمور کی وفات کے بعد قرأ حضرات اس کی قبر پر تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب قرأ حضرات کی جماعت کے ساتھ اس کی قبر پر آتا تو قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا اور جب کبھی اکیلا قبر پر آتا تو **سورۃ الحاقۃ** کی آیت ۳۰ اور ۳۱ تلاوت کیا کرتا: "پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔" اور یہ آیات میں اکثر تلاوت کیا کرتا، ایک رات جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف فرما ہیں اور پہلو میں امیر تیمور بھی بیٹھے ہوئے ہیں، قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں ہی اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "**الی ھنا یا عدوّ اللہ وصلت**" کہ اے دشمن خدا! تو یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے دور کر

دوں جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: **دعه فانّه كان يحبّ ذرّيتي!** کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ میری اولاد سے محبت کرتا تھا۔" میں خواب سے بیدار ہوا اور امیر تیمور کی قبر پر جو خلوت میں پڑھا کرتا تھا، اس کو ترک کر دیا۔

"**صواعق محرقة**" میں "**الزين عبد الرحمن البغدادی الخلال**" بیان کرتے ہیں کہ امیر تیمور کے کچھ وزراء نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ امیر تیمور سخت بیمار ہوا، چند دن شدت اضطراب میں گزارنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد خود ہی دوبارہ اس کا چہرہ ٹھیک ہو گیا، اس کی وجہ جب پوچھی گئی تو امیر تیمور نے خود بیان کیا کہ عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے اور اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ شخص میری اولاد سے محبت اور ان سے احسان کیا کرتا تھا۔

نسب بدلنے کا شرعی حکم میں حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کا مطالعہ کیجئے۔ میں نے اس کتاب سے کچھ عبارات یہاں لکھ دی ہیں۔ یہاں پر ایک مسئلہ کی وضاحت کرتا ہوں وہ مسئلہ اہل سادات کو زکوۃ دینے کے بارے میں ہے۔

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بعض مولوی و مفتی حضرات کہتے ہیں کہ بنی ہاشم (سادات کرام وغیرہ) کو زکوۃ، صدقات، خیرات، صدقۂ فطر و چمڑہ دینا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ مقروض، نادار، محتاج اور تنگدست ہی کیوں نہ ہوں جبکہ اس زمانے میں نہ خلافت ہے اور نہ ہی بیت المال جس سے ان (سادات) کا بندوبست ہوتا تھا لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کراہت و ممانعت کی روایات ووجوہ اور موجودہ زمانے اور وقت وحال کے تقاضوں کے مطابق ملت اسلامیہ پر احسان فرماتے ہوئے کتاب و سنت و فقہ اسلامی اور حکمت ملی کی روشنی میں شرعی حکم واضح فرمائیں کہ سادات

بنی ہاشم آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فقراء ومساکین، حاجت مندوں ،محتاجوں اور ناداروں کو صدقات، صدقہ فطر، زکوۃ اور قربانی کا چمڑا وغیرہ ان کی جان آبرو اور دین کو بچانے کیلئے دینا درست ہے یا نہیں۔

بینوا بالدلائل بقدر الحاجة وتوجروا یوم القیامة۔

المستفتی: سید سراج الحق شاہ، مدرس جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی فقیر کالونی کراچی

الجواب بعون الملک الوھاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بے شک کتاب وسنت وفقہ اسلامی کی روشنی میں تمام اقسام کے صدقات وخیرات وزکوۃ عشر وفطرانہ نادار، محتاج، قرض دار، سادات کرام کو دینا جائز اور درست ہیں۔ اس لئے کہ دین حق اسلام میں صدقات وخیرات وزکوۃ وعشر وغیرہ کی مشروعیت کی حکمتوں میں سے اعلیٰ حکمت وسبب وہی ہے جسے خود کلام اللہ شریف نے منصوص فرماکربیان فرمایا: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ: الخ ﴿توبة ٦٠﴾ یعنی صدقات تو فقراء ومساکین ہی کا حق ہے اور اس کی سب سے اعلیٰ تفسیر جو خود معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے متفق حدیث میں فرمائی ہے:

تُؤۡخَذُ مِنۡ أَغۡنِیَائِهِمۡ فَتُرَدُّ عَلَی فُقَرَائِهِمۡ۔[1212]

یعنی صدقات فریضہ واجبہ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے لہٰذا ملت اسلامیہ کے فقراء ومساکین صدقات کے حق دار ہیں چاہے وہ سادات ہوں یا غیر سادات تمام اس میں شامل ہیں اگر خود شرع کسی فرد کو کسی وقت وزمانہ یا حال وعلت سے مستثنیٰ فرماکر اس کی حاجت روائی کیلئے کوئی خاص بندوبست مقرر کردے تو وہ اس کا حق ہے مگر وہ وقت زمانہ حال اور علت نہ

[1212] (صحیح البخاري ج ٢ ص ١٢٨ رقم الحدیث ١٤٩٦، صحیح مسلم ج ١ ص ٥١ رقم الحدیث ٣١)

رہے تو قاعدہ شرعیہ ہے۔لِأَنَّ الْحُكْمَ يَدُورُ مَعَ الْعِلَّةِ۔[1213]جب وہ زمانہ وحال اور سبب علت نہ رہے تو وہ حکم استثناء بھی نہ رہے گا جیسا کہ حالت خوف وسفر کہ اس میں وہ حکم نہیں رہتا جو اس حالت میں تھا۔کتب مذہب میں ہے کہ طاعات ومعاصی پر اجرت لینا صحیح نہیں جبکہ اذان حج امامت تعلیم قرآن وحدیث وفقہ سب طاعات سے ہیں اوراجرت لینے دینے پر علماء وعوام کا معمول ہے بعض نے اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ فرمایاہے۔حالانکہ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے: واجمعوا علی ان الاجارة علی تعليم الفقه باطلة مگر معمول علماء ہے کہ حج وزیارت کی تربیت وتعلیم پر اجرت معمول متواتر ہے اور تعلیم وتلاوت قرآن بھی عوام وخواص کا معمول ہے باوجودیکہ علامہ شامی کی مجموعہ رسائل طبع مصر ص ۱۷۴ رسالہ سابعہ میں ہے قرآن کے متعلق لايجوز في مذهب من مذاهب الاسلامية ولافي دين من الاديان السماوية مگر تلاوت وقرأت پر اجرت کا معمول کتنا عام ہے جن پر خلاف معمول حکم کے خلاف عمل ہورہاہے اگر مانعین حضرات کی طرح علم وانصاف کی آنکھیں بند کرکے عدم جواز وممانعت کا حکم نافذ کردیا جائے تو کیا خلق کثیر پر ظلم نہ ہوگا۔تو آخر کیا علت ہے اجرت پر ان کاموں کو جاری رکھنے کی یہی ہے کہ بغیر اجرت کے یہ کام کرنے والوں کا زمانہ نہ رہا اور کام کرنے والوں کی ضرورت وحاجت کی علت کی بناء پر ضرورتاً اوراضطراراً امور دین کو جاری رکھنے کیلئے جواز کا حکم وفتویٰ دیا گیاہے۔[1214] پر ملاحظہ ہو۔

(وَ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ مِثْلُ (الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمُ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ۔

[1213](شامی ج۳ص ۳۹)

[1214](درمختار ج ۲ ص ۱۷۹ مجتبائی)

جس طرح ان امور پر اجرت لینا دینا ایک زمانے میں صحیح نہ تھا تو جواز کا حکم وفتویٰ بھی نہ تھا اور اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یونہی عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور خیر القرون دور خلافت میں بیت المال کے مال غنیمت سے آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بنی ہاشم سادات کو خمس الخمس دے کر ان کے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا بندوبست مقرر تھا لہٰذا صدقات وغیرہ سے لینا دینا ممنوع ومکروہ رکھا گیا۔ روایات میں **لاتحل** اور **لاتنبغی** کہا گیا ہے وہ زمانہ تاسیس ضابطہ کا زمانہ تھا اگر آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو صدقات وغیرہ ملتے تو کوئی ضعیف الاعتقاد شک وطعن میں مبتلا ہو کر دین وایمان سے محروم نہ ہو بیٹھے کہ یہ شارع علیہ السلام نے اپنوں کیلئے مشروع کیے اس اندیشہ کا محل اب نہ رہا۔ بعض افراد کے مطالبے پر فرمایا کہ تمہاری حاجت روائی کا بندوبست خمس الخمس سے کر دیا گیا ہے وہی کافی ہے پس وہ علت اب نہ رہی تو وہ حکم بھی نہ رہا۔ وجود علت کا حکم عدم علت میں ہو تو فقراء ومساکین کی حق تلفی ہو اور صاف ضرر ہو اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ الضرر یزال یعنی ضرر کو دور کرنا مشروع ہے۔ خمس الخمس ملنے کے وقت وحال کا حکم خمس الخمس نہ ملنے کے وقت وحال میں لگانا قطعاً غلط اور قیاس مع الفارق ہے۔

تفسیر احمدی طبع علیمی میں ہے:

غاية مافی الباب انهم یستحقونه اذاکانوافقراء وذالک لانهم لماطلبواالزکاة فمنعهاعلیه السلام عنهم وقال یامعشربنی هاشم ان الله حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم وعوضکم منهابخمس الخمس من الغنیمة فقد جعل رسول الله ﷺ خمس الخمس عوضاعن الزکاة والزکاة انمایستحقهاالفقراءفکذاهذاوقدصح ان الخلفاءالراشدین کلهم قسمواعلی نحومانقلناهکذافی شرح الوقایةوالهدایة۔

لہذا معلوم ہوا کہ خمس الخمس زکوۃ کا عوض ہے جو آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے ہوا اور زکوۃ کے مستحق فقراء ہی ہیں تو خمس الخمس کے مستحق بھی فقراء ہی ہیں پس آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سادات بنی فاطمہ سے جو فقراء مساکین محتاج ہو زکوۃ وصدقات ان کو دینا جائز بلکہ دوسروں سے زیادہ ثواب ہے ایک ادائے زکوۃ کا اور دوسرا قرابت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اس مسئلے میں بعض علماء سے لغزش ہوئی ہے مگر مذہب حنفی سنی میں تمام صدقات بنی ہاشم وآل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے حلال اور درست ہیں۔

جامع الرموز طبع نول کشور فصل مصرف الزکوۃ ص ۱۵۰ میں ہے:

وعن ابی حنیفۃ روایتان وبالجواز نأخذ لأن الحرمۃ مخصوص بزمانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ صدقات زکوۃ وعشر وغیرہ بنی ہاشم آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سادات کرام کو دینا جائز ہے اور ناجائز ہونے کا زمانہ اب نہیں ہے۔[1215] پر تصریح ہے۔

واختار الطحاوی دفعھا لبنی ھاشم وکذا روی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز الدفع الی بنی ھاشم فی زمانہ لان عوضھا وھو خمس الخمس لم یصل الیھم العوض عادوا الی المعوض واقرہ القھستانی کذافی شرح الملتقیٰ، اھ۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالصَّدَقَاتِ كُلِّهَا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ. حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي يُوسُفَ، عَنْهُ أَنَّ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا كَانَتْ حَرُمَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَا جُعِلَ لَهُمْ فِي الْخُمُسِ الخمس فَلَمَّا انْقَطَعَ ذَلِکَ مَا كَانَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ فَبِهَذَا نَأْخُذُ۔

[1215] (طحاوی ص ۳ طبع مصر ۴۳۴)

ص ۳۹۳ اورامام طحاوی اصحاب ترجیح میں سے ہیں ان کے "فبهذانأخذ" کہنے سے یہ روایت راجح ہوگئی اور حرمت وممانعت والی روایت مرجوح ہوگئی اور فتاویٰ شامی میں امام ابن عابدین نے تصریح فرمائی ہے کہ: المرجوح کالمنسوخ والحکم والفتویٰ بالمرجوح حرام۔

نیز فرمایا: الحکم والفتیا بماھو مرجوح خلاف الاجماع۔

بعض کا یہ کہنا کہ صدقات کی علت حرمت آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر مجموعۂ امرین ہے۔اول صدقات کاوسخ ہونادوسرا خمس الخمس کاملنا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ مجموعۂ امرین کاارتفاع حکم حرمت کاارتفاع ہوسووسخ ہونایوں مرتفع ہواکہ:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيرَ بَا غٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيهِ سے قاعدہ الضرورة تبیح المحظورات۔

توحظر اباحت میں داخل ہو گیااوردوسراامر خمس الخمس کاملنا بوجہ عدم خلافت اور بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موقوف ہوگیاپس ارتفاع مجموعہ امرین سے علت حرمت بھی مرتفع ہوگئی تواس قاعدہ کے تحت: "سقوط العلة یستلزم لسقوط المعلول" یعنی جو حکم جس علت پر ہواس علت کے اٹھ جانے سے حکم بھی اٹھ جایاکرتاہے لہذاصدقات وزکوۃ سادات کرام کیلئے جائزاور حلال ہیں ۔اوراصحاب ترجیح سے محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر بھی اسی کے مؤیدہیں اورامام طحاوی (مجتہد فی المسائل) کے فتویٰ کو نقل فرمارہے ہیں:

قال العلامة الحموی شارح الاشباہ والنظائروفی شرح الآثارعن ابی حنیفة ان الصدقات کلھاجائزة علی بنی ھاشم والحرمة کانت فی عھدرسول اللہ ﷺ لوصول خمس الخمس الیھم فلماسقط ذالک بموته ﷺ حلت لھم الصدقة قال الطحاوی وبالجوازنأخذ۔اھ۔

قال العلامة القهستانی فی جامع الرموزوعن ابی حنیفة روایتان وبالجوازنأخذ فالحرمة مخصوص بزمانه ﷺ اه۔وفی شرح الملتقی الابحرعن الامام جوازدفع الهاشمی زکوۃلمثله وعنه الجوازفی زماننامطلقاقال الطحاوی وبه نأخذ۔

برھان شرح مواہب الرحمٰن میں تصریح ہے:

وروی ابوحنیفة انه یجوزفی هذاالزمان وانما کان ممتنعافی ذالک الزمان،اه۔

اور کفایۃ حاشیہ ہدایۃ میں ہے کہ:

قوله (ولاتدفع الی بنی هاشم) وفی شرح الآثارللطحاوی رحمه الله تعالیٰ عن ابی حنیفة علیہ الرحمۃ لابأس بصدقات کلهاعلی بنی هاشم والحرمة فی عهدالنبی ﷺ للعوض وهوخمس الخمس فلماسقط ذلک بموته ﷺ حلت لهم الصدقة.....قال الطحاوی علیہ الرحمۃ وبالجوازنأخذ۔

ترجمہ: یہ قول کہ بنی ہاشم کوزکوۃ نہیں دی جائے گی امام طحاوی امام ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرح الآثارمیں نقل کرتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے تمام صدقات بنی ہاشم کودینے میں اور حرمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے اطہرمیں تھی کیونکہ انہیں خمس الخمس عوض میں ملتا تھاجب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مبارک کے وصال کے ساتھ خمس الخمس ساقط ہواتوان کیلئے صدقہ وزکوۃ حلال ہے۔اورآخرمیں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جوازکی صورت کوہم لیتے ہیں۔[1216]

اور تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

[1216](الکفایۃشرح الہدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸،البنایۃفی شرح الہدایۃ ج۳ص ۵۵۴)

وَقَدْ ذُكِرَ فِي شَرْحِ معانى الْآثَارِ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي زَمَانِنَا إِعْطَاءُ الزَّكَاةِ لِبَنِي هَاشِمٍ الْأَخْيَارِ لِعَدَمِ وُصُولِ خُمُسِ الْخُمُسِ إِلَيْهِمْ بِسَبَبِ إِهْمَالِ النَّاسِ أَمْرَ الْغَنَائِمِ وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ فَإِذَا لَمْ يَحْصُلِ الْمُعَوَّضُ عَادُوا إِلَى الْعِوَضِ وَبِهِ أَخَذَ مِنْ الْآثَارِ حَاوِي الْإِمَامِ الْجَلِيلِ الطَّحَاوِيِّ۔

ترجمہ: اور تحقیق کے ساتھ شرح معانی الآثار میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ ان کو خمس الخمس نہیں مل رہا ہے اس سبب کے ساتھ کہ لوگوں نے غنائم کے معاملے کو چھوڑ دیا ہے اور جو ان پر واجب ہے اس کو بھی پس جب معوض حاصل نہ ہو جائے تو عوض کی طرف آنا پڑے گا (جب خمس الخمس نہیں مل رہا ہے تو زکوۃ لے سکتے ہیں) اور امام طحاوی نے آثار سے اسی کو لیا ہے۔[1217]

فیض الباری علی صحیح البخاری میں ہے:

ونقل الطحاوي عن أمالي أبي يوسف: أنه جاز دفعُ الزكاة إلى آل النبيِّ صلى الله عليه وسلّم عند فُقدان الخُمس، فإنَّ في الخُمس حقَّهم، فإذا لم يوجد، صح صرفُها إليهم۔ وفي البحر عن محمد بن شجاع الثَّلْجي عن أبي حنيفة أيضًا جوازه۔ وفي عقد الجيدأن الرازي أيضًا أفتى بجوازِه۔ قلتُ: وأخذُالزكاةِ عندي أسهلُ من السؤال، فأفتي به أيضًا (نقل العيني عن الأَصْطَخْري أيضًا: أنهم إن مُنِعُوا الخُمُس جاز صرفُ الزكاةِ إليهم۔)۔

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب امالی سے امام طحاوی نقل کرتے ہیں کہ زکوۃ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آل کو دینا جائز ہے جب ان کو خمس الخمس نہ دیا جا رہا ہو پس تحقیق کے ساتھ خمس میں ان کا حق ہے پس جب وہ نہ پایا جائے تو ان پر خرچ کرنا صحیح ہے اور بحر میں محمد بن شجاع الثلجی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح کا جواز نقل کرتے ہیں اور عقد الجید میں ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور میں

[1217] (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ا ص ۳۰)

کہتاہوں کہ زکوۃ کالینامیرے نزدیک زیادہ بہتر ہے مانگنے سے اوراسی پر فتویٰ ہے اورامام عینی اسطخری سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اگر انہیں خمس سے نہ دیاجائے توانہیں زکوۃ دیناجائز ہے۔[1218]

اورالفتاویٰ السراجیہ میں ہے:

لوادی الی ہاشمی لایجوز (ھذاھو القول المعروف المذکور فی عامۃ الکتب والقول الاخر ان الصدقات انما کانت محرمۃ علیھم لأجل خمس الخمس فلماانقطع ذلک عنھم جاز دفع الزکاۃ الیھم، وھذہ روایۃ ابی عصمۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ[1219] وابن سماعۃ عن أبی یوسف[1220] وھکذانقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف[1221] واختارہ الطحاوی[1222]

قال الزیلعی فی "تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳" وروی أبوعصمۃ عن أبی حنیفۃ جواز دفع الزکاۃ الی الھاشمی فی زمانہ وروی عن أبی حنیفۃ أن الھاشمی یجوز لہ أن یدفع زکاتہ إلی الھاشمی۔

وقال الشیخ الشبلی فی حاشیۃ علی "تبیین الحقائق" قال الطحطاوی: ھذہ الروایۃ عن أبی حنیفۃ لیست بالمشھورۃ۔اھ۔غایۃ۔وفی شرح الآثار عن أبی حنیفۃ لا بأس بالصدقات کلھا علی بنی ھاشم والحرمۃ للعوض وھو خمس الخمس، فلماسقط ذلک بموتہ علیہ الصلاۃ والسلام حلت لھم الصدقۃ، قال الطحاوی: وبہ نأخذ۔انتھیٰ۔

وقال السغدی فی "النتف فی الفتاویٰ ص ۱۲۴" (من لاتعطی لھم الزکاۃ)...الخامس: إلی بنی ھاشم فی قول أبی یوسف ومحمد وأبی عبداللہ، ویجوز فی قول أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

[1218] (فیض الباری شرح علی صحیح البخاری ج۳ ص ۵۲)
[1219] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۰۳)
[1220] (البنایۃ ج۳ ص ۵۵۴)
[1221] (فیض الباری ج۳ ص ۵۲)
[1222] (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۳۳)

وقال العینی فی "البنایۃ ج۳ص ۵۵۴" وروی ابن سماعۃ عن أبی یوسف أنہ قال: لا بأس بصدقۃ بنی ھاشم بعضھم علی بعض۔
وممن قال بالجواز من المتأخرین: الشیخ یوسف القرضاوی[1223] والدکتور وھبۃ الزحیلی[1224]، والشیخ أنورشاہ الکشمیری[1225] والقاضی مجاھد الاسلام القاسمی[1226] وللاستزادۃ انظر:[1227]

اسی طرح الیاس زادہ وبرجندی وشرح نقایہ شرنبلالی وغیرہ سب کے سب آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بنی ہاشم کیلئے صدقات کو بالتصریح جائز و حلال کہتے ہیں۔ تمام کتب مذاہب مثلاً برھان، ملتقی الابحر، نھر الفائق، حموی شرح الاشباہ والنظائر، جامع الرموز، الیاس زادہ، برجندی، شرح نقایہ، نورالایضاح، فتح القدیر، کفایہ اور معانی الآثار میں ثابت اور متقرر ہے۔ اور یہ فتویٰ من جانب مجتہد ہے اور فتویٰ کی علامات میں سے ایک علامت "فبھذا نأخذ" ہے۔
قال فی الدر المختار اما العلامۃ للافتاء فقولہ وعلیہ الفتویٰ، وبہ یفتیٰ، وبہ نأخذ... الخ۔
لہٰذا مسئلہ ہذا جواز صدقات بر بنی ہاشم وسادات مذہب سنی حنفی میں ثابت اور محقق ہے اور ان حضرات کا صدقات لینا درست و جائز ہے۔
قرآن پاک میں صریح حکم ہے:
فَمَنِ اضْطُرَّ غَیرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیہِ (البقرۃ)

[1223] (فقہ الزکاۃ ۲/۱۸۰)
[1224] (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/۸۸۴)
[1225] (فیض الباری ۳/۵۲)
[1226] (مجلۃ بحث ونظر ص ۱۱۰-۹۹)
[1227] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار ۱/۴۳۸" و"حاشیۃ الشرنبلالی علی دررالحکام ۱/۱۹۱" و"فقہ الزکاۃ ۱۸۷-۲/۱۸۸" و"معارف السنن ۵/۲۶۶" و"فتاوی محمودیۃ ۹/۵۲۰"

ترجمہ: پس جو ناچار ہو نہ حکم شرع سے باغی بن کر اور نہ حد ضرورت سے بڑھ کر کھائے تو اس پر گناہ نہیں۔ جب ضرورۃ لابدیہ شرعیہ میں میتۃ (مردار) بھی مباح ہوتا ہے تو بحالت حاجت لابدیہ شرعیہ سادات بنی ہاشم کیلئے صدقہ وزکوۃ جو بعلت وصول خمس الخمس کے (جو ان کی حاجت روائی کیلئے کافی تھا) ممنوع ومکروہ تھے تو اس زمانہ وعلت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کیوں مباح اور حلال نہ ہوں گے بلکہ ضرور حلال ہوں گے صدقات کی مشروعیت فقراء ومساکین کی حاجت مندی اور ضرورت ہی کی بناء پر ہے تو جب تک حاجت وضرورت باقی ہے صدقات کی مشروعیت اباحت ہے۔

تفسیر احکام القرآن باب ذکر الضرورۃ المبیحۃ لاکل المیتۃ میں ہے کہ:

وقدفصل لکم ماحرم علیکم الاماضاطررتم الیہ (الانعام) فاقتضیٰ ذلک وجود الاباحۃ بوجود الضرورۃ فی کل حال وجدت الضرورۃ فیھا۔

پس جس زمانہ وحال میں ضرورت ہو اباحت ومشروعیت کا حکم ہے۔ صدقات وزکوۃ اہل بیت بنی ہاشم سادات پر مباح وحلال ہیں ان کو دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ انہیں لینے میں کوئی گناہ ہے بلکہ ان کو دینے سے منع کرنا مذہب وملت کے علم سے محرومی وجہالت ہے اور ان کو باوجود فقر ومحتاجی کے نہ لینا بھی جہالت اور گناہ ہے حتیٰ کہ اگر اس فقر ومحتاجی میں مفتی کے غلط فتویٰ کی بناء پر اور اپنی لاعلمی سے صدقات وزکوۃ سے جان، آبرو اور دین کی تباہی کی نوبت آئی تو گناہ نہ لینے والے پر ہے اور یہ و لاتقتلوا انفسکم فرمان خداوندی کی صریح خلاف ورزی ہے جو قطعی حرام ہے۔ لہذا اب عدم خلافت وبیت المال سے خمس الخمس کے عدم وصول اور فقراء واحتیاج کے عدم جواز کا فتویٰ ظلم وبربریت وجہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

احکام القرآن (طبع مصر) میں ہے:

قال اللہ تعالیٰ ولاتقتلواانفسکم ”ومن امتنع من المباح حتی مات کان قاتلانفسه متلفالهاعندجميع اهل العلم....الخ۔

خلاصہ کلام:

تمام اقسام کے صدقات محتاج سادات کو دینااور لیناجائز درست اور حلال ہیں اور منع کرناجہالت اور گمراہی ہے بلکہ یزیدیت سے محبت اوراہل بیت سے دشمنی ہے۔نجانااللہ منہ۔

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

جمع صاحب بمعنی صحابی لان فاعلا یجمع علی افعال صرح به سیبویه ومثله بصاحب واصحاب وارضاه الزمخشری والرضی وابو حیان (مؤلف هدایة النحو) والاصح فی تعریفه ان الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به و مات علی الاسلام الاصابة فی تمیز الصحابة للعلامة ابن حجر العسقلانی ص ۷ ج ۱۔فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت، ومن روى عنه أو لم يرو، ومن غزا معه أو لم يغز، ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه، ومن لم يره لعارض كالعمى۔

ويخرج بقيد «الإيمان» من لقيه كافرا ولو أسلم بعد ذلک إذا لم يجتمع به مرة أخرى۔

وقولنا: «به» يخرج من لقيه مؤمنا بغيره، كمن لقيه من مؤمني أهل الكتاب قبل البعثة۔ وهل يدخل من لقيه منهم وآمن بأنه سيبعث أو لا يدخل؟ محلّ احتمال۔ ومن هؤلاء بحيرا الراهب ونظراؤه۔

ويدخل في قولنا: «مؤمنا به» كلّ مكلف من الجن والإنس، فحينئذ يتعيّن ذكر من حفظ ذكره من الجن الذين آمنوا به بالشرط المذكور۔ وأما إنكار ابن الأثير على أبي موسى تخريجه لبعض الجن الذين عرفوا في كتاب الصحابة فليس بمنكر لما ذكرته۔

وقد قال ابن حزم في «كتاب الأقضية» من «المحلّى»: من ادّعى الإجماع فقد كذب على الأمة، فإن اللّه تعالى قد أعلمنا أن نفرا من الجن آمنوا وسمعوا القرآن من النبيّ صلّى اللّه عليه وسلم، فهم صحابة فضلاء، فمن أين للمدّعي إجماع أولئک؟۔

وهذا الّذي ذكره في مسألة الإجماع لا نوافقه عليه، وإنما أردت نقل كلامه في كونهم صحابة۔

وهل تدخل الملائكة؟ محلّ نظر، قد قال بعضهم: إن ذلك يبنى على أنه هل كان مبعوثا إليهم أم لا؟ وقد نقل الإمام فخر الدين في أسرار التنزيل الإجماع على أنه صلّى اللهَ عليه وسلم لم يكن مرسلا إلى الملائكة، ونوزع في هذا النقل، بل رجح الشيخ تقي الدين السبكي أنه كان مرسلا إليهم۔ واحتج بأشياء يطول شرحها۔ وفي صحة بناء هذه المسألة على هذا الأصل نظر لا يخفى۔

وخرج بقولنا: «ومات على الإسلام» من لقيه مؤمنا به ثم ارتدّ، ومات على ردّته في سنة عشر إلا أسلم، وشهد مع النبي صلّى اللهَ عليه وسلم حجّة الوداع۔ ومثل ذلك قول بعضهم في الأوس والخزرج: إنه لم يبق منهم في آخر عهد النبي صلّى اللهَ عليه وسلم إلّا من دخل في الإسلام، وما مات النبي صلّى اللهَ عليه وسلم وأحد منهم يظهر الكفر۔ واللهَ أعلم۔

(اجمعین) اٰل واصحاب سب پر صلوۃ وسلام ہو۔ اٰل واصحاب کے ذکر کے بعد تین سوالوں کا جواب ہے اول سوال کی تقدیر یہ ہے کہ واصحاب میں لفظ واؤ بمعنی او (یا) ہوگا اور کلمہ او کو شک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو صلوۃ وسلام میں شک ہوا چاہے وہ اٰل پر ہو یا اصحاب پر اور دوسرے سوال کی تقدیر یہ ہے فان قیل کہ اٰل واصحاب سے وہ لوگ مراد ہوں گے جن کے لئے عصیان نہ ہو اگر عصیان ہو تو صلوۃ و سلام جائز نہ ہوا کیونکہ عصیان بمثل نجاست ہے اور نجاست پر صلوۃ و سلام جائز نہیں اور تیسرے سوال کی تقدیر یہ ہے کہ واہم یہ وہم کرے گا کہ بعض اصحاب اور بعض اٰل سے عصیان ہو گیا ہو گا لہذا ان پر باعتبار بعض مخلوق کے صلوۃ وسلام جائز نہ ہوا تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اجمعین کے قول سے جواب دیا کہ واصحاب میں واؤ بمعنی جمع ہے نہ کہ بمعنی او اور اجمعین میں اس بات کا رد ہے بوجہ عصیان آل و اصحاب کی تعظیم نہ کی جائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شفاعت گناہگاروں کے لئے ہی تو ہے۔

شان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بعض تفضیلیوں کا رد

قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ: رَضِيَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوا عَنۡہُ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِيَ رَبَّہٗ (البینۃ ۸)

اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهَ اللهَ في أصحابِي اللهَ اللهَ في أصحابي لا تتخِذوهم غرضًا من بعدي فمَن أحبّهم فبحبّي أحبّهم ومن أبغضهم فببغضِي أبغضَهم ومَن آذاهم فقد آذانِي ومن آذانِي فقد آذى اللهَ ومن آذى اللهَ فيوشِكُ أن يأخذَه۔[1228]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ! میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی اللہ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

عَنْ أَنَسٍ: إِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا وَأَنْصَارًا وَسَيَأْتِي قَوْمٌ يَسُبُّونَهُمْ وَيَسْتَنْقِصُونَهُمْ، فَلَا تُجَالِسُوهُمْ وَلَا تُشَارِبُوهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوهُمْ۔[1229]

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لئے ساتھی اور مددگاروں کو چن لیا عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں

[1228] (رواہ الترمذی ابواب المناقب وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷)

[1229] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۹ ص ۳۸۷۶ دار الفکر، بیروت-لبنان۔

گے جو انہیں (میرے ساتھیوں کو) برا کہیں گے اور ان کی شان گھٹائیں گے تو تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ اٹھنا بیٹھنا رکھنا اور نہ ان کے ساتھ کھانا پینا رکھنا اور نہ ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنا۔

قال رسول اللہ ﷺ صاحبُ السّر معاویة بن ابی سفیان فمن احبه فقدنجا و من ابغضه فقدهلک۔[1230]

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رازدان ہیں جس نے اِن سے محبت کی تو نجات پا گیا اور جس نے اِن سے بغض رکھا تو ہلاک ہوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهماقال :قال رسول اللہ ﷺ لکل نبی صاحب السر و صاحبُ السّری معاویة بن ابی سفیان فمن احبه فقدنجا و من ابغضه فقدهلک۔[1231]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رازدان ہوتا ہے اور میرے رازدان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جس نے اِن سے محبت کی تو نجات پا گیا اور جس نے اِن سے بغض رکھا تو ہلاک ہوا۔

عن أبي الدرداء قال دخل رسول الله (صلى الله عليه وسلم) على أم حبيبة و معاوية عندها نائم على السرير فقال من هذا يا أم حبيبة فقالت أخي معاوية يا رسول الله قال فتحبينه قالت أي و الله إني لأحبه فقال يا أم حبيبة فإني أحب معاوية و أحب من يحب معاوية و جبريل و ميكائيل يحبان معاوية و الله أشد حبا لمعاوية من جبريل و ميكائيل۔[1232]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے جب کہ حضرت معاویہ رضی

[1230] تطهير الجنان ص ۱۳۔
[1231] تطهير الجنان ص ۱۳۔
[1232] تاريخ دمشق لابن عساكر ج ۵۹ ص ۹۰، الناشر: دار الفكر للطباعة و النشر و التوزيع۔

اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ہاں آرام فرماتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے پوچھا یہ کون ہیں ؟فرمایا:میرے بھائی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ،آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:کیاآپ ان سے محبت کرتی ہیں ؟حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔جی ہاں اللہ تعالیٰ کی قسم میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتی ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:اے ام حبیبہ !(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)میں بھی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتاہوں اوراس سے بھی محبت کرتاہوں جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتاہے اوراس شخص سے جبریل ومیکائیل علیہما السلام بھی محبت کرتے ہیں اوران دونوں فرشتوں کی محبت سے زیادہ اللہ تعالیٰ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتاہے۔

عن أبي بكر قال رأيت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) بين الركن والمقام رافعا يديه إلى السماء حتى رأيته بياض إبطيه وهو يقول اللهم حرم بدن معاوية على النار اللهم حرم النار على معاوية۔[1233]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حجر اسود اور مقام ابراھیم کے درمیان ہاتھ مبارک آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دیکھا حتی کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرمارہے تھے یااللہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن کو آگ پراورآگ کو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حرام فرما۔

عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن سعد بن أبي وقاص يقول لحذيفة ألست شاهدا يوم قال النبي (صلى الله عليه وسلم) لمعاوية يحشر يوم القيامة معاوية بن أبي سفيان وعليه حلة من

[1233] تاريخ دمشق لابن عساكر ج ۵۹ ص ۹۴، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

نور ظاهرها من الرحمة وباطنها من الرضا يفتخر بها في الجمع لكتابة الوحي بين يدي رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال حذيفة نعم۔[1234]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کیا آپ اس دن موجود نہ تھے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حال میں لایا جائے گا کہ ان پر نور کا ایک جبہ (لباس) ہو گا جس کے ظاہر میں رحمت اور باطن میں رضا ہو گی اور وہ قیامت کے دن اس پر فخر کریں گے بوجہ اس کے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سامنے وحی (قرآن وخطوط) کی کتابت کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں موجود تھا۔

عن واثلة قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) إن الله ائتمن على وحيه جبريل وأنا ومعاوية وكاد أن يبعث معاوية نبيا من كثرة حلمه وائتمانه على كلام ربي فغفر لمعاوية ذنوبه ووفاه حسابه وعلمه كتابه وجعله هاديا مهديا وهدى به۔[1235]

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنی وحی (قرآن) پر حضرت جبرئیل علیہ السلام، مجھے اور معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو امین بنایا اور قریب ہے کہ اللہ تعالی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی بنا کر مبعوث فرمائے کیونکہ وہ انتہائی بردبار ہیں اور قرآن کے امین ہیں اللہ تعالی معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گناہ معاف فرمائے اور پورا اجر عطا فرمائے اور قرآن کا علم عطا فرمائے اور ان کو ہدایت یافتہ ہادی اور رہبر بنائے اور ان کے ذریعے ہدایت فرمائے۔

[1234] تاريخ دمشق لابن عساكر ج ۵۹ ص ۹۳، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

[1235] تاريخ دمشق لابن عساكر ج ۵۹ ص ۷۴، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

شان حضرت امام تدبر محسن اسلام کاتب وحی صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم امیر المؤمنین خلیفہ ششم امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض علمائے سوء وکلاب النار، اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرتے ہیں اور بعض نام نہاد سُنی جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، جب کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا حلالی نہیں ہے، تو سُنی کیسے ہو سکتا ہے بلکہ یہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

حضور ختم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذاتِ بابرکات کو خالق کائنات جلّ وعلا نے اپنے قرب کے انتہائی مقام پر فائز فرمایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور کمالات عالیہ عنایت فرما کر پوری کائنات میں ممتاز اور فائق فرمایا، اور قاسمِ فیضانِ الٰہی بنا کر شرفِ خلافتِ مطلقہ عطا فرمایا۔ اس لئے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے توسل سے ہی ملتا ہے۔ اس پر حدیث "انما انا قاسم واللہ یعطی" ناطق ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے نسبت رکھنے والی اشیاء بھی متبرک اور قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ وہ حضرات جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ایمان کے ساتھ کسی طرح کی بھی نسبت ہو، وہ قابل صد احترام ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے نسبت رکھنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ کے لوگ وہ ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خاندان کے افراد ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ایمان لائے ہیں جنہیں اہل بیت کہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ کے لوگ وہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے خاندانی نسبت نہیں رکھتے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ایمان لائے انہیں صحابی کہتے ہیں۔

دونوں طبقات کی نسبت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ہے اسی وجہ سے دونوں طبقات کی محبت وعزت واحترام لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی بغض ونفرت دوسرے کی نفرت وبغض کو مستلزم ہے کیونکہ دونوں کی علت ذاتِ پاک مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے۔ لہٰذا اہل بیت سے محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت بھی لازمی ہے اور صحابہ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی محبت بھی لازمی امر ہے۔

اہل بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گستاخی وبے ادبی سخت ترین جرم وگناہ وزندیقیت ہے۔

امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے:

اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فانہ زندیق وذٰلک ان الرسول عندنا حق والقراٰن حق وانما ادیٰ الینا ھٰذا القراٰن والسّنن اصحاب رسول اللہ ﷺ وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسّنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔

"جب کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے اور یہ قرآن وسنت ہمیں اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنّت کو مجروح کرسکیں ایسے لوگ خود قابلِ جرح ہیں اور زندیق ہیں۔"[1236]

[1236] الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۸، الصواعق المحرقۃ ص ۲۹۹۔

ہمارے اس دور میں اپنے آپ کو سادات گردانتے والے کچھ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بہت بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ ایسا کہنے والا قطعی طور پر سادات کے نقش قدم پر نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی شان اور رتبہ ہے۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آپ کے بارے میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کئے، مختلف مواقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کے بارے میں مختلف دعائیں فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں ان الفاظ میں دعا فرمائی: **اللھم اجعله هاديًا مهديًّا و اهده و اهد به۔** اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے لئے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔[1237]

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اللھمّ علّم معاوية الكتاب و الحساب و قه العذاب۔

[1237] (التاریخ الکبیر ۳۲۷:۴، طبرانی المعجم الاوسط ۳۸۰:۱، ترمذی ۲۱۱:۲، اسدالغابہ ۳۸۶:۴، البدایہ والنہایہ ۱۲۱:۸، تاریخ الاسلام للذہبی ۳۱۹:۲، حلیۃ الاولیاء ۳۵۸:۸، طبقات ابنِ سعد ۱۳۶:۷، تاریخ بغداد ۲۰۸:۱، الاصابہ ۴۰۶:۲، وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی ۳۵۶:۲، تہذیب الاسماء واللغات للنووی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ ۱۰۳:۲)

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔"[1238]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجابة فمن کان ھٰذا حاله فکیف یرتاب فی حقه۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جاسکتا ہے۔"[1239]

اس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لئے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اس کے لئے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت و الفت کا رشتہ ہو۔

الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصوئن رہنے کی

[1238] (مسند امام احمد ۴:۱۲۷، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۳۱۸، البدایہ والنہایہ ص ۱۲۱، کنزل العمال۷:۸۷، الاستیعاب ۳:۳۸۱، انساب الاشراف بلا ذری ۴:۱۰۷، مجمع الزوائد ہیثمی ۹:۳۵۶، صحیح ابن حبان ۱۰:۱۶۹، الاصابہ ۱:۳۸۵)

[1239] (مرقاۃ ۱۱:۱۳۸)

دعافرمائی۔ اور ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس دنیا میں اس کے لئے تعلیم کتاب فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل وانصاف اور وسعت قلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت وعدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو "**المھدی**" کہنے پر مجبور ہوتا۔[1240]

اور کوئی ان کو "**المصحف**" کہتا۔[1241]

اور کوئی انہیں عدل وانصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا۔" لوگوں نے پوچھا: "حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا؟ ان کے حلم و بردباری کا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ان کے عدل وانصاف کا۔[1242]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نظر شفقت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارے

[1240] (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقه، البدایه والنهایه ۱۳۵: ۸)
[1241] (البدایه والنهایه ۱۲۱: ۸)
[1242] (العواصم من القواصم ۲۰۵ تعلیقه)

میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ جل شانہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی بہتر جانتا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا: **ادعوا معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔** ''معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔''

سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرمارہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ: **فانّہ قویّ امینٌ** (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)۔[1243]

تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت وامارت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: **یا معاویۃ! ان ولیت امرًا فاتق اللہ واعدل۔** ''اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اگر تجھے امور مملکت و

[1243] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۲، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۳۱۹، مجمع الزوائد ۹:۳۵۵)

خلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا۔"[1244] اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

یامعاویة! ان ولیت فاحسن۔

"اے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت و خلافت کو احسن طریق سے سر انجام دینا۔"[1245]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے، اسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔"

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔

چنانچہ علامہ خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا۔"[1246]

[1244](البدایہ والنہایہ ۱۲۳ :۸، مجمع الزوائد ۱۸۶ :۵، ۳۵۵ :۹، مسند احمد ۱۰۱ :۴، تطہیر الجنان ۱۸، دلائل النبوۃ ۴۴۶ :۶)

[1245](المصنف، ابن ابی شیبہ ۱۱۷ :۱۱، اسد الغابہ ۳۸۷ :۴، البدایہ والنہایہ ۱۲۳ :۸، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰۸ :۴)

[1246](نسیم الریاض ۱۲۶ :۳)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم وہمت کے بارے میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

ان معاویۃ لا یصارع احدًا الّا صرعہ معاویۃ۔ "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہو گا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پچھاڑ دے گا۔[1247]

یہ تو دنیا کی کامیاب وکامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

یبعث اللّٰہ تعالیٰ معاویۃ یوم القیمۃ وعلیہ رداء من الایمان۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہو گی (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)۔"[1248]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن تاجدار ختم نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یطلع علیکم من هذا الباب رجل من أهل الجنة فطلع معاویة فلما کان من الغد قال مثل ذلک فطلع معاویة فلما کان بعد الغد قال مثل ذلک فطلع معاویة قال رجل هو هذا قال نعم هو هذا ثم قال رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) یا معاویة أنت مني و أنا منک لتزاحمني علی باب الجنة کهاتین۔[1249]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اس دروازے سے آپ لوگوں کے پاس ایک شخص داخل ہو گا جو

[1247](کنز العمال ۷:۸۷)

[1248](کنز العمال ۱۹۰:۲)، تاریخ دمشق لابن عساکر ص ۹۳ ج ۵۹، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع۔

[1249]تاریخ دمشق لابن عساکر ص ۹۸ ج ۵۹، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع۔

جنتی ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ داخل ہو گئے دوسرے دن پھر وہی فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہو گئے تیسرے دن پھر وہی فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہو گئے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ جنتی شخص یہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جی ہاں یہی ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں آپ میرے ساتھ جنت کے دروازے پر ایسے ملو گے جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے ملا ہوا ہے؟" امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میرا پیٹ اور سینہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔" یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا کے طور پر فرمایا: **اللهمّ املأہ علمًا۔** اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے!۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

زاد ابو مسھر و حلماً۔ ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے علم کے ساتھ حلم (بردباری) کی بھی دعا فرمائی۔ یعنی اے اللہ اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے۔"[1250]

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نوازا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ارشاد گرامی **ان ولیت فاحسن** پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ڈھونڈنے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایذا اور تکلیف دیتا اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

غیر مقلدین کے علامہ ابن تیمیہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو یوں لکھا ہے:

من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انہ کان من احلم الناس و اصبرھم علی من یؤذیہ و اعظم النّاس تالیفًا لمن یعادیہ۔[1251]

"آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت

[1250] (تاریخ الاسلام ۲:۳۱۹، التاریخ الکبیر ۴:۱۸)

[1251] (منہاج السنۃ ۲:۲۱۹)

کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملے اور جنگ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ لڑی۔

چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی ایّام خلافتہٖ وھرب الیٰ معاویۃ وشھد صفین معہ۔[1252]

"عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے ایامِ خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔[1253]

لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔[1254]

[1252](عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)
[1253](تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید ۲:۳۰۴، ۱۶۵، مروج الذھب ۵:۴۱۰)
[1254](ہسٹری آف دی عربز، پروفیسر ھٹی انگریزی)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرماتے تھے:

اِنی لارفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا بستری او اسائۃ اکثر من احسانی۔

”میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔“[1255]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے:

انی لاحول بین الناس و بین السنتھم مالم یحولو ابیننا و بین سلطاننا (ملکنا)۔

”میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“[1256]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وسعتِ قلبی اور حلم وبردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا:

احلم امّتی معاویۃ۔

”میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔“[1257]

غرضیکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مختلف مواقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر امتیاز حاصل ہے۔

[1255] (طبری ۶:۱۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۳۵، ابن الاثیر جلد ۳)

[1256] (طبری ۵:۳۳۶، الکامل لابن الاثیر ۳:۲۶۳، تاریخ الاسلام و الحضارۃ الاسلامیہ ۲:۱۴۷)

[1257] تطہیر الجنان بر حاشیۃ صواعق محرقۃ از ابن حجر مکی ص ۵۵۔

اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام امت نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔[1258]

فتح مکہ تک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا اسلام گھر والوں سے چھپائے رکھا۔[1259]

لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ہمرکابی میں **جہاد فی سبیل اللہ** میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔
[1260]

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چوتھی پشت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے

[1258] (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ۸:۴۱، فتح الباری ۱۳:۵۳، مہیج الاحزن ۴۸، ناسخ التواریخ ج ۶ کتاب دوم ص ۷۹، بخار الانوار از ملاباقر مجلسی جلد ۱۰ ص ۱۲۴ وغیرہم)

[1259] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۷، تطہیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص ۱۰، حیوۃ الحیوان ۱:۱۰۴، الاصابہ تذکرۃ معاویہ اسد الغابہ ۴:۳۸۵)

[1260] (الاستیعاب ۳:۳۷۷)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے برادرِ نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابت وحی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصبِ جلیلہ عطاہوا۔ [1261]

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھاہے:

کان (معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) احد کتّاب رسول اللہ ﷺ۔

"معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔ [1262]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاتبِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفضل الخلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے:

ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ ﷺ و کان معاویۃ کاتبہ فیما بینہ وبین العرب۔

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

[1261] (تقریب التہذیب ص۳۵۷، کنز العمال ۲:۲۴۹، البدایہ والنہایہ ۸:۱۱۸، آداب السلطانیہ للفخری ص۱۴۵، النجوم الزاہرہ ۱:۱۵۴، الاستیعاب ۳:۳۲۵)

[1262] (ابن ابی الحدید ۱:۲۳۸)

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور عرب کے دوسرے قبائل یا ملوک کے درمیان خط وکتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔"[1263]

اگرچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایت اس کی تردید کرتی ہے، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف وحیِ الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحیِ الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے:

كنت العب فدعاني رسول اللهﷺ فقال ادع لي معاوية وكان يكتب الوحي۔

"میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی لکھا کرتے تھے۔[1264]

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں "ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کاتبِ وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ پیغام دیا کہ

[1263] (تاریخ اسلام للذھبی ۲:۳۱۸)

[1264] (تاریخ اسلام للذھبی ۲:۳۱۸)

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو تم سے کوئی کام ہے۔"[1265]

بعض مؤرخین نے لکھاہے کہ آپ صرف سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھاہے کہ صرف وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔"[1266]

اور طبرانی نے بسند حسن روایت کیاہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔[1267]

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ: "ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مسعود بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، کیسے لکھوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: پہلے **بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم** لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے ہی لکھا۔"[1268]

[1265] (مسندامام احمد ص ۳۳۵)
[1266] (البدایہ والنہایہ ۲۱:۸)
[1267] (مجمع الزوائد ۹:۳۵۷)
[1268] (الاصابہ ۳:۳۹۳)

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضر موت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لئے ایک قطعہ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دے دیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ساتھ ہی ان کے لئے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لئے مزید مال ومتاع کے لئے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی ہے۔[1269]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدّثین اور اصحابِ تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ تعالیٰ

[1269](تاریخ الکبیر ۱۷۵:۴، اسد الغابہ ۸۱:۵، الاصابہ ۵۹۲:۳، صحیح ابن حبان ۱۰/۹: ۱۲۶ ا، تحت وائل بن حجر الکندی ص)

عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبلیۃ میں چند قطعاتِ اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کرواکر انہیں عطاء فرمایا۔[1270]

محدّثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہونے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے نزدیک ان کے بااعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والانامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ: "سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان تشریف فرماتھے۔ میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کون ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں ہوں۔ میں نے وہ مکتوب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لئے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1270] (المستدرک حاکم۵۱۷:۳، معجم البلدان ۳۰۷:۱۵)

ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مکتوب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پوچھا تھا)۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ سن کر فرمایا: **سبحان اللہ! اذا جاء اللیل فاین النھار؟ سبحان اللہ!** جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ "آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کر لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، انہوں نے کہا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بعد ازاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔[1271]

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انہی سے ان کے

[1271] مسندامام احمد ج۳ص ۴۴۱، ج۴ص ۷۴، البدایۃ والنہایۃ ج۵ص ۱۶، مجمع الزوائد ج۵ص ۲۳۵۔

جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔[1272]

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے، جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثابت کی وہیں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لئے فرمانا، ان کی کتابِ زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے، بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرمارہے ہیں۔[1273]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید رحمہ اللہ کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ فرقہ کا ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تحریر فرماتے تھے۔

چنانچہ لکھا ہے:

[1272] (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ ۳:۲۴۱)

[1273] (سیرت حلبیہ ۳:۲۴۰)

وکان کتابه الّذین یکتبون الوحی والکتب والعهود علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان وعمرو بن العاص بن امیّه ومعاویة بن ابی سفیان وشرحبیل بن حسنة۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کاتبین جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لئے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرو بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم تھے۔"[1274]

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

وکان زید بن ثابت من الزم النّاس لذٰلک ثمّ تلاه معاویة بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابته بین یدیه ﷺ فی الوحی وغیر ذٰلک لاعمل لهما غیر ذٰلک۔

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں کتابت کے لئے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی۔"[1275]

آپ کے کاتبِ وحی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔[1276]

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا چنانچہ حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ

[1274] (تاریخ یعقوبی ۲:۸۰)
[1275] جوامع السیرة ص ۲۷۔
[1276] (الاستیعاب ۳:۳۷۵، الاصابہ ۳:۴۱۲، مجمع الزوائد ۹:۳۵۷، زاد المعاد ۱:۳۰)

ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ:

یا محمد اقراء معاویۃ السلام و استوص بہٖ خیرًا فانہ امین اللہ علیٰ کتابہٖ و وحیہ و نعم الامین۔

"اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔"[1277]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتبِ وحی بنانے کے لئے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا: **استکتبہ فانہ امین۔** "آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔"[1278]

اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امین ہونے کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امین ہونے کے لئے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لئے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کرسکے، اسی طرح کاتبِ وحی کے لئے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کرسکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتبِ وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔

[1277](البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۰)

[1278](البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۰)

كما لا يخفىٰ على من له ادنىٰ من الفهم۔ کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علوّ مرتبت کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔[1279]

پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ یا بیس لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عادل ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے گھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لئے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا فرمائی۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص ہرگز ہرگز سُنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "الله الله فی اصحابی۔۔الخ" میرے صحابہ کے معاملے اللہ سے ڈرو۔ یعنی ان کی عزت و عظمت و حرمت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحابی کا نصف سیر جو گندم خیرات کرنا دوسروں کے لاکھوں من سونا خیرات کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ دین ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے

[1279] (الحضارة الاسلاميه ص ٢٦)

توسل سے ہی ملا ہے دونوں میں کسی کی تنقیص و توہین سے دین کے معتد بہ حصہ سے انکار لازم آتا ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ کے نبی علیہ السلام تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا: "انہ لیس من اھلک۔۔الخ" یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وجہ سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر

جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تاکہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی تلقین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو رضی اللہ عنہم وَرَضُوا عَنْہُ کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا سادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ناراضگی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت و حرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور

عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔[1280]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ! میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی اللہ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہنے والا قتل کا مستحق ہے کیونکہ اس کا یہ عمل عداوت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر مبنی ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔[1281]

[1280] (رواہ الترمذی ابواب المناقب وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷)

[1281] (رواہ الطبرانی وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸)

ترجمہ: جو شخص میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے تو اس شخص پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

وقال ان شرار امتی اجراؤھم علی اصحابی۔[1282]

ترجمہ: اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا بے شک میری امت کا شریر ترین (امتی) وہ ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسلم: "إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَى شركم"۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔[1283]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس وقت آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دیتے ہوں تو آپ اُن سے کہیں کہ آپ کے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

وقال لعن اللّٰہ من سب اصحابی۔[1284]

ترجمہ: اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے۔

قال النبی ﷺ حبہ وشکرہ واجب علی امتی۔[1285]

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔

[1282] (رواہ ابن عدی، وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸)

[1283] (رواہ الخطیب وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۹ ص ۳۸۸۱ دار الفکر، بیروت-لبنان۔

[1284] (رواہ الطبرانی وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۸)

[1285] (رواہ ابن عساکر وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۹)

اہلسنت وجماعت کاعقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کاذکر شریف صرف بھلائی کے ساتھ کیاجائے ان کے فضائل و مناقب محامد و محاسن اور کمالات کاذکر کیاجائے۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل خیر وصلاح ہیں۔عادل ہیں۔دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مقدمات ہیں۔ان پر اعتراض وانکارنہ کیاجائے اوران کے متعلق بے ادبی کی بات نہ کی جائے۔

فقہ اکبر میں سراج الامۃ حضرت سیدناامام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ولاتذکر احدامن اصحاب رسول اللہ ﷺ الا بخیر۔

شیخ المحدثین مولانا محقق عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

تقف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر۔

نسیم الریاض میں ہے:

لاتتخذوھم غرضًامن بعدی۔ کی شرح میں فرمایا:

والمعنی لاتضرھم ولاتطعنوا فیھم باسناد امور قبیحۃ غرضًا بعدی۔[1286]

یعنی اے ایمان والو!میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف ناپسندیدہ باتوں کی نسبت نہ کرو۔کتاب مذکور میں دوسری جگہ لکھاہے:

لایذکر احدمنھم بسوء ای بامر قبیح لایغمس علیہ امر ای لایعاب ولاینقص فی امر من امور بل یذکر حسناتھم وفضائلھم وحمیدسیرھم ویسکت عماوراءذلک کماقال ﷺ اذاذکر اصحابی فامسکوا عن الطعن فیھم وذکرھم یوھم نقصافیھم۔[1287]

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح شفامیں ہے:

[1286] نسیم الریاض ج۳ص ۴۲۴،المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ۔

[1287] (رواہ الترمذی ابواب المناقب وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۷)

"(ولایذکر احدمنهم بسوء)لان الله اثناعلیهم فی مواطن کثیرة من کتابه ووصی النبی ﷺ امته فی تعظیم اصحابه نحوقوله لاتسبوااصحابی مع تعمیم قوله ﷺ لاتذکروااموا تکم الابخیرولانه من الواحش المحرمة باجماع اهل السنة"۔[1288]

ان احادیث مقدسہ وعبارات اکابر علماء قدست اسرارھم میں جن آداب کی تعلیم ہے ان آداب کے حق دار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے باقی صحابہ کی طرح سیدنا امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ہم پر لازم ہے کہ ہم باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ان کا بھی ادب واحترام پورے طور پر ملحوظ رکھیں اوران کی ذات ستودہ صفات کے خلاف کسی وقت بھی زبان طعن درازنہ کریں۔رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا صحابی ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے ان کو عطاکیاہے ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں ۔ان کو ہر امر قبیح سے اور فعل شنیع سے پاک سمجھیں عوام کوان کی عظمت وفضیلت سے آگاہ کرنے کیلئے وقتاًفوقتاًان کے فضائل ومناقب ،خصائص ومحامد بیان کرتے رہاکریں ۔ان کے نیک سیرت پاک کردار کی تشہیر اللہ ورسول جلاجلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی رضاوخوشنودی ہے۔اہلسنت کے نزدیک تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت نہایت ہی ضروری ہے اورلازم ہے کہ ان سے ہر رذیل چیز کی نفی کرے اگر کسی روایت میں کوئی ایسی بات آجائے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان رفیع کے خلاف ہو توایسی روایت میں تاویل کرناضروری ہے اگر تاویل کی کوئی صورت نہ ہوتواس کامطلب یہ ہے کہ راوی نے غلط بیان کیاہے۔صحابہ کی شان رذیل باتوں سے بلندوبالاہے۔راویوں کی روایات میں کوئی ایسی بات منقول نہیں کہ جس میں صحابی کی شان کے خلاف ذکر ہواوراگراس میں تاویل معتذرونا ممکن ہوتواس

[1288] شرح الشفاءلملاعلی قاری ج۲ ص ۹۰ دارالعلمیه بیروت لبنان۔

منکر کلمے کی حکایت راوی کی غلطی کی طرف محمول کرنا ہے اور ہدایت کے ستارے صحابی کا دامن اس منکرات سے پاک ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

وَلَسْنَا نَقْطَعُ بِالْعِصْمَةِ إِلّا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَلِمَنْ شَهِدَ لَهُ بِهَا لٰكِنَّا مَأْمُورُونَ بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ وَنَفْيِ كُلِّ رَذِيلَةٍ عَنْهُمْ وَإِذَا انْسَدَّتْ طُرُقُ تَأْوِيلِهَا نَسَبْنَا الْكَذِبَ إِلَى رُوَاتِهَا۔[1289]

نیز امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا:

قَالَ الْعُلَمَاءُ: الْأَحَادِيثُ الْوَارِدَةُ الَّتِي فِي ظَاهِرِهَا دَخَلٌ عَلَى صَحَابِيٍّ يَجِبُ تَأْوِيلُهَا قَالُوا وَلَا يَقَعُ فِي رِوَايَاتِ الثِّقَاتِ إِلَّا مَا يُمْكِنُ تَأْوِيلُهُ۔[1290]

نسیم الریاض میں ہے:

"(والامساک عما شجر بینهم ومعاداة من عاداهم والاضطراب عن اخبار المؤرخین) التی نقلوا عنهم فانها تورث تنقیص بعضهم بما نقلوه (وجهلة الرواة) الذین رووا اقصاصا باطلة تودی لسوء ظن بهم (وضلال الشیعة والمبتدعین)"[1291]

وکیل احناف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح شفاء میں ہے:

"والاضطراب عن اخبار المؤرخین ...ای عن اقوال اصحاب التواریخ فان غالبهم غیر صحیح بل کذب صریح۔"[1292]

حاشیہ شرح عقائد میں ہے:

[1289] شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱۲ ص ۲۹۶ دار المعرفة بیروت لبنان۔

[1290] شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ا ص ۱۷۱ دار المعرفة بیروت لبنان۔

[1291] نسیم الریاض شرح الشفاء لقاضی عیاض ج ۳ ص ۴۲۱، المکتبة السلفیه مدینه منوره۔

[1292] شرح الشفاء لعلی قاری علی هامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۲۱، المکتبة السلفیه مدینه منوره۔

قال ابن دقيق العيدفی عقيدته:ومانقل فيماشجربينهم واختلفوافيه فمنه ماهوباطل وكذب فلايلتفت اليه وماكان صحيحااوّلناه تاويلا حسنالان الثناء عليهم من الله سابق، ومانقل من الكلام اللاحق محتمل للتاويل والمشكوک والموهوم لايبطل المحقق والمعلوم۔[1293]

لہذاکتب سیر وتواریخ میں جوروایات وحکایات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان کے خلاف منقول ہیں اور شرعاًان میں کوئی تاویل نہیں نکل سکتی تواہل سنت وجماعت کے نزدیک ایسی روایات وحکایات کااعتبار نہیں۔

الصواعق المحرقۃ میں ہے:

اعْلَم أَن الَّذِي أجمع عَلَيْهِ أهل السّنة وَالْجَمَاعَة أَنه يجب على كل أحد تَزْكِيَة جَمِيع الصَّحَابَة بِإِثْبَات الْعَدَالَة لَهُم والكف عَن الطعْن فيهم وَالثنَاء عليهم فقد أثنى الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَلَيْهِم فِي آيَات من كِتَابه۔[1294]

آپس میں جو بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کااختلاف ہواتووہ غرض دنیاوی اورحظ نفسانی کی بناءپرنہ تھاعناد کے سبب سے نہ تھانیز اصول میں قطعاًاختلاف نہ تھابلکہ بعض فروعی مسائل میں تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وائمہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافروع میں اختلاف رحمت ہے جیساکہ حدیث شریف میں فرمایا۔اختلاف امتی رحمۃاو کماقال اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تومقدمات دینی ہیں ان کاجواختلاف اجتہادی ہے وہ بھی رحمت ہے اورجواجتہادی نہیں وہ بھی رحمت ہے اس لئے کہ ان کااختلاف عنادوفساد کی غرض سے نہ تھابلکہ تاویل شرعی سے تھااس کے باوجودصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عدالت وہدایت پرتھے امیرالمؤمنین مولاعلی

[1293] شرح کتاب الفقہ الاکبر شرحہ الامام الملاعلی قاری ص ۱۱۷ دارالکتب العلمیة۔

[1294] الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة ج ۲ ص ۶۰۳ مؤسسة الرسالة-لبنان۔

شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جتنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان دونوں کے ساتھ تھے سب کے سب بلااستثناء قبل اختلاف اوروقت اختلاف اور بعد اختلاف ہدایت وصداقت پر تھے۔

شرح عقائد میں ہے:

وماوقع بینهم من المحاربات والمنازعات فله محامل وتاویلات۔[1295]

لم ینقل عن السلف المجتهدین والعلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویة رضی الله تعالیٰ عنه واحزابه۔[1296]

ترجمہ: اسلاف مجتہدین اور علماء اور صالحین میں سے کسی سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے۔

ذهب العمرية والواصلية من المعتزلة الی ان الفریقین فاسقان حتی قال واصل بن عطاء لو شهد الجمیع علی باقة بقل لم اقبل شهادتهم وذهب الخوارج الی ان الفریقین کافران وذهب الروافض الی ان من قاتل علیا فهو کافر وقال اهل السنة کان الحق مع علی رضی الله تعالیٰ عنه وان من حاربه مخطی فی الاجتهاد فهو معذور وان کلا من الفریقین عادل صالح ولا یجوز الطعن فی احد منهم للاحادیث مشهورة فی مدح الصحابة والنهی عن سبهم وهذا هو الحق وفماذا بعد الحق الا الضلال۔[1297]

ترجمہ: عمریہ اور معتزلہ میں سے واصلیہ کہتے ہیں کہ دونوں گروہ (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فاسق تھے (نعوذ باللہ) حتی کہ واصل بن عطا نے کہا کہ اگر سب لوگ ان کی پاکدامنی کی گواہی دیں بھی تو میں کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا۔ اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ

[1295] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۹)
[1296] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۰)
[1297] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۰۳)

دونوں فریق کافر ہیں اور روافض کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی وہ کافر تھے۔ اور اہل سنت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور جنہوں نے ان سے جھگڑا کیا وہ اجتہادی طور پر غلطی پر تھے۔ پس وہ معذور ہوتے ہیں اور بے شک دونوں فریق عادل وصالح تھے۔ اور دونوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدح وتوصیف اور ان کو گالی نہ دینے کے معاملہ میں احادیث مشہور موجود ہیں اور یہی بات حق وسچ ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

قال النّبيُّ ﷺ یا أبا هریرةَ إنّ في جهنّمَ کِلابًا زرقَ الأعْینِ علی أعرافِها شَعرٌ کأمثالِ أذنابِ الخیلِ لَو أذِنَ اللّٰہ تبارک وتعالی لکلبٍ منها أنْ یبلعَ السّماواتِ السبعِ في لُقمةٍ واحدةٍ لهانَ ذلک علیهِ یُسلّطُ یومَ القیامةِ علی من لعنَ مُعاویةَ بنَ أبي سُفیانَ۔[1298]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:اے ابوہریرہ(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)بے شک جہنم میں نیلی آنکھوں والے کتے ہیں جن کی گردن پر گھوڑوں کی دموں کی طرح بال ہیں اگر اللہ تعالی ان میں سے کسی ایک کتے کو ساتوں آسمان نگلنے کی اجازت عطا فرمائے تو وہ کتا اسکو ایک ہی لقمے (نوالے)میں نگل لے گا یہ کتا قیامت کے دن اس شخص پر مسلط کر دیا جائے گا جو حضرت معاویہ بن بن ابی سفیان رضی اللہ تعالی عنہما کی گستاخی کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ومن یکن یطعن فی معاویة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ   فذاک کلب من کلاب الهاویة
1299

[1298] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۹ ص ۱۰۱ الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع۔

[1299] شرح الشفاء لقاضی عیاض ص ۴۳۰ ج ۳۔ احکام شریعت ص ۱۰۲ حصہ اول۔

جو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن طعن کرتا ہے وہ جہنم کے کتوں میں سے ہے۔

بعض جہلاء یا بعض گمراہ زندیق سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی شان بیان کر رہے ہو حالانکہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نام ہی ایسا ہے جو حقارت پر دلالت کر رہا ہے آئیں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مختصر المعانی کو دیکھیں۔

آپ رقم طراز ہیں:

او تعظیم او اھانۃ کمافی القاب الصالحۃ لذلک مثل رکب علی وھرب معاویۃ۔

اس مثال سے علامہ تفتازانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تلخیص المفتاح کے قول (او تعظیم او اھانۃ) کی وضاحت کی ہے کہ لفظ" علی" مشتق ہے "علو" سے جو عظمت پر دلالت کر رہا ہے جس کا نام ہی حقارت پر دلالت کرے وہ ذیشان کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: والمتبادر ان المراد بعلی ومعاویۃ صاحبا رسول اللہ ﷺ ولا یخفی مافیہ من سوء الادب فی حق سیدنا معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والجرأۃ علیہ بمالا یلیق بمنصبہ بل لو حملنا علی غیرھما لم یخل من سوء الادب لما فیہ من الایھام کذافی دسوقی وتجرید۔

آئیں ذرا لغات کو دیکھیں

(عوی) الْكَلْب وَالذِّئْب وَابْن آوى عواء لوى خطمه ثمَّ صَاح صياحا ممدودا لَيْسَ بنباح فَهُوَ عاو وعواء وَالْقَوْم دعاهم إِلَى الْفِتْنَة وَالشَّيْء عطفه ولواه يُقَال عوى الْحَبل وَالشعر والقوس وَعَن فلَان ردعَنهُ وَكذب مغتابه (عاواهم) صايحهم۔[1300]

[1300]المعجم الوسيط ج ۲ ص ۶۳۸۔

صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اسم گرامی کو تم صرف (عوی الْكَلْب) (کتے کی بھونک) سے ماخوذ کرکے کیوں مراد لے رہے ہو؟ کیا تمہیں (عوی الذئب یاعوی ابن أوی یاعوی السبع) نظر نہیں آتا؟ جن میں بہادری کا معنی پایا گیا ہے۔

کیا بھیڑیے کی چنگھاڑ میں، کیا درندے کی چنگھاڑ میں، کیا شیر کی گرج میں بہادری ہے یا نہیں۔ ہاں ہاں !معاویہ کا معنی بہادر بھی ہے معاویہ کا معنی کمزور بھی ہے۔

دونوں معانی کو بیک وقت اعتبار کریں تو أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی تفسیر نظر آئے گی۔ جب (عوی) کا معنی بازرکھنا لیا جائے تو اب مطلب ہوا کہ معاویہ اسے کہا جاتا ہے جو اپنے اجتہاد سے کسی کو غلطی پر دیکھے تو اسے بازرکھنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اجتہادی خطا ہی کیوں نہ ہو اس پر ثواب تو ہے گناہ نہیں، گرفت نہیں۔

جب "عوی القوس ونحوہ" سے معاویہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ کمان اور تلوار کو جھکانے والا یہ بہادری اور صلح دونوں پر دلالت کررہا ہے کہ جہاں کمان یا تلوار کو لہرانے اور تاننے کی ضرورت پیش آئی وہاں بہادری کا مظاہرہ کیا جہاں صلح کی ضرورت در پیش آئی وہاں کمان یا تلوار کو جھکا دیا۔

جب "عوی الْحَبل وَالشعر" سے لیں تو معاویہ کا معنی بہادر ہو گا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی معیت میں جنگوں میں کافروں کی گردن کو موڑ دیا بلکہ توڑ دیا۔

جب "عوی عَن فلَان ردعَنهُ وَكذب مغتابه" سے لیں تو اب معاویہ کا معنی یہ ہو گا کہ وہ فصاحت سے جواب دیتے تھے اگر کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرے تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے یہ دونوں معنی بھی بہادر عظمت پر دلالت کررہے ہیں۔

بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اپنی عاقبت خراب نہ کریں

کیا"عاواھم"کاایک معنیٰ المعجم الوسیط میں "صایحھم"نہیں کیا گیا۔کیااردو میں تمہیں اس کا معنی آتا ہے یا نہیں ہاں اگر نہیں آتا تو راقم تمہیں بتاتا ہے اس کا معنی ہے فلاں شخص نے ان لوگوں کو زوردار آواز دی۔

اگر میں یوں کہوں "عاوی الخطیب الناس بخطابہ"(خطیب نے لوگوں کو زوردار آواز سے خطاب کیا) کیا اس کا معنی یوں بھی کیا جائے گا خطیب لوگوں کے سامنے کتے کی طرح بھونکا۔

کیا تم عربی زیادہ جانتے ہو یا عرب زیادہ جانتے ہیں

کیا اہل لسان نے بغیر سوچے سمجھے یوں ہی نام نہیں رکھ دیے؟ نہیں بلکہ وہ معنی سے باخبر تھے لغت اور گرائمر کے محتاج نہیں۔ عجمی حضرات عربی سیکھتے ہیں گرائمر پڑھتے ہیں لغات دیکھتے ہیں تو پھر کچھ بات سمجھتے ہیں انکا عرب لوگوں پر عربی میں زیادہ ماہر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

آیئے چند نام دیکھئے

"عفان" اگر یہ "عفن" سے لیں تو اس کا معنی ہوگا بدبودار اور معنی ہوگا خراب برباد اور اگر عفو سے اور الف ونون زائدتان مانیں تو معنی ہوگا معاف کرنے والا کوئی شخص تمام عفان نامی لوگوں کو بدبودار یا خراب ہونے والا معنیٰ دے گا؟ نہیں یہ عقل ودانش سے دوری کی بات ہے۔

آیئے ذرا ہوش والوں سے پوچھیے وہ کہیں گے عفان کا معنی معاف کرنے والا ہے۔

عتبان

عتبان بن مالک بدری صحابی۔ ان کی شان کے مطابق معنی یہ ہوگا کسی کی غلطی پر سرزنش کرنا خفگی کرنا یا معنیٰ یہ ہوگا کسی کو غلطی پر ملامت کرنا لیکن یہ معنی صحابی کی شان کے لائق نہیں ایک پاؤں پر کودنا، تین ٹانگوں پر چلنا، لنگڑا ہونا، ایک دوسرے سے ناز سے گفتگو کرنا، چوکھٹ کو پھلانگ جانا، چوکھٹ پر چمٹے رہنا۔

عابس بن ربیعہ

صحابی ہیں ان کی شان کے مطابق صحیح معنی یہ ہو گا ترش رو ہونا یعنی آپ کافروں کے ساتھ ترش روئی سے درپیش آتے کافر سے بات کرتے تو چیں بہ جبیں ہو کر بات کرتے لیکن صحابی کی شان کے لائق یہ معنی نہیں۔اونٹ کی دم پر مینگنی کا خشک ہو جانا، میلا ہونا۔

ماعز بن مالک

صحابی ہیں ان کی شان کے مطابق معنی یہ ہو گا "ماامعزرأیه" وہ کس قدر مضبوط رائے والا ہے لیکن "ماعز" بکری کی کھال کو بھی کہا جاتا ہے کیا کوئی شخص حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بکرا یا بکری کی کھال کہے گا؟ تمہاری عقل کہاں چلی گئی؟

طارق

بن سوید صحابی ہیں صحابی کی شان کے مطابق یہ معنی ہوں گے خاموش ہونا، نیچے سر جھکا کر زمین کی طرف دیکھنا، سر جھکا کر چلنا، ہتھوڑا مارنا یعنی بہادر ہونا سخت گیر ہونا لیکن صحابی کی شان کے لائق یہ معنی نہیں رات کو آنے والا چور، کمزور عقل والا ہونا، ٹیڑھی پنڈلی والا ہونا، تاریک ہونا، اوپر نیچے کپڑے پہننا۔

حمار

ایک صحابی کا نام ہے کیا کوئی شخص یہ کہے گا کہ صحابی کا نام "حمار" تھا اس لئے وہ "معاذاللہ" گدھا تھا نہیں نہیں یہ بالکل غلط ہے ہاں البتہ صحابی کی شان کے لائق دو معانی ہیں ۔"حمر الرجل" غصہ سے بھڑک اٹھا یا حمرة سے لیں جس کا معنی ہے سرخ۔

خدیجہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی پہلی زوجہ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ہیں ان کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے بطن سے ہی ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر اعتراض کرنے والوں سے یوں کہو کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

خدج

"ض، ن ""خدوجا" چیز کا ناقص ہونا، گھٹیا ہونا۔ "خدج صلاته" بعض ارکانِ نماز میں کمی کرنا، خدجت الناقة اونٹ کا ناتمام بچہ گرانا (المنجد)

آیئے لغت کے ان تمام معانی کو مد نظر رکھیے پھر فیصلہ کیجئے کیا بظاہر لغت کے تمام معانی میں سے کسی ایک معنی کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدیجہ کہا جاسکتا ہے نہیں! نہیں! یقیناً نہیں! کیا آپ کا نام بے معنی ہے کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام کسی عجمی بغیر سوچے سمجھے رکھ دیا ہے جب ایسا نہیں تو یہی کہا جائے گا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام عربیوں نے رکھا مرادی مطلب کو مد نظر رکھا کہ یہ بچی عجز وانکساری کی چلتی پھرتی تصویر ہو گی۔

سودہ

مومنوں کی ماں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ کا نام حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کیا ان کا ساد، یسود، سوادا (ن) سے لیا ہوا ہے جس کا معنی سیاہ ہونا ہے ہے کیا ان کا رنگ سیاہ تھا کیا وہ حبشیہ تھیں کہ ان کا نام ان کے گھر والوں نے سودہ رکھا تھا ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام مندرجہ ذیل معنی کی وجہ سے رکھا گیا۔

"ساد، یسود، سیادة، سیدودة، سودا" (ن) شریف ہونا، بزرگ ہونا، (قومه) قوم کا سردار ہونا، شان وشرافت میں کسی پر غالب ہونا۔ (المنجد)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

ولیسوا کفارا ولا فسقة ولا ظلمة لمالهم من التاویل وان کان باطلا فغایة الامر انهم اخطأوا فی الاجتهاد وذلک لا یوجب التفسیق فضلا عن التکفیر ولهذا منع علی رضی اللہ تعالیٰ عنه اصحابه من لعن اهل الشام وقال اخوانا بغوا علینا۔[1301]

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جماعت کے لوگ) نہ کافر تھے اور نہ ہی فاسق تھے اور نہ ہی ظالم تھے اس لئے کہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل یعنی کوئی نہ کوئی وجہ تھی اگرچہ ان کی تاویل باطل تھی لیکن زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کی اجتہادی خطا تھی اجتہادی خطا (پر ثواب ہوتا ہے) سے فسق بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ کفر لازم آئے اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب کو اہل شام پر لعنت کرنے سے منع فرمادیا تھا کہ وہ ہمارے بھائی ہی تو ہیں جنہوں نے ہم پر زیادتی کردی۔

نام معاویہ پر معترضین 25 راویوں کے گستاخ ہیں:

احادیث کے راویوں میں پچیس حضرات وہ جن کے اسمائے گرامی معاویہ ہیں ان میں تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور کچھ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور کچھ جلیل القدر مشائخ حدیث ہیں کیا ان تمام ناموں والے حضرات کے والدین عربی سے بے خبر تھے کیا سب کے نام اس لیے رکھے گئے تھے کہ یہ بڑے ہو کر کتے کی طرح بھونکیں گے (معاذ اللہ) یا انہوں نے اس لئے نام رکھے تھے کہ یہ فصیح ہوں گے بڑے خطیب ہوں گے بڑے بہادر ہوں گے کافروں پر سخت ہوں گے اپنوں پر رحم دل ہوں گے آیئے معاویہ نام والے راویوں کی تفصیل دیکھیے۔

1۔ معاویہ "بن إسحاق بن طلحہ بن عبید اللہ التیمي أبو الأزهر الکوفي (تابعی)

2۔ معاویہ بن جاہمہ السلمي (الصحابی)۔

[1301] شرح مقاصد ص ۳۰۵ المبحث السابع اتفق اهل الحق علی وجوب تعظیم الصحابه۔

3۔ معاویہ بن خدیج بن جفنہ ۔ان کی کنیت ابوعبدالرحمن زیادہ ان پر ابونعیم بضم نون وفتح العین ''مصری کندی کا اطلاق ہوتا تھا۔ان کی صحابیت میں اختلاف ہے'مفضل اورابن حبان نے ان کو صحابی کہاہے اورابن اثرم اور حرب نے امام احمد رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ صحابی نہیں تھے۔

4۔ معاویہ بن خدیج کوفی جعفی۔(پہلے جن کا ذکر کیا وہ مصری،کندی ہیں)

5۔ معاویہ بن الحکم ''بفتح الحاء والکاف'' سلمی (صحابی ہیں)

6۔ معاویہ بن حکیم بن معاویہ النمیری، شامی۔

7۔ معاویہ بن حیدہ بن معاویہ بن قشیر، قشیری۔

8۔ معاویہ بن سبرۃ بن حصین السوائی العامری۔

9۔ معاویہ بن سعید بن شرتح بن عروہ التجیبی فہمی۔

10۔ معاویہ بن یحیی طرابلسی۔(ان کو معاویہ بن یزید کا نام دیا جاسکتا ہے۔)

11۔ معاویہ بن ابی سفیان۔(فتح مکہ کے دن بلکہ اس سے پہلے اسلام قبول کیا۔ان کی روایات بغیر کسی واسطے کے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بھی ثابت ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق ،حضرت عمر فاروق اورام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بہن ہیں) کے واسطے سے بھی مروی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد میں خلیفہ بنایا۔رجب المرجب کی چار راتیں رہتی تھیں تو ان کا وصال ہوا۔

12۔ معاویہ بن سلمہ بن سلیمان نصری ۔(ان کی کنیت ابوسلمہ تھی دمشق میں بسیرا تھا کوفی کہلاتے تھے۔)

13۔ معاویہ بن سلام بن ابی سلام۔

14۔ معاویہ بن صالح بن حدیر بن سعید بن سعد بن فہر الحضرمی۔

15۔ معاویہ بن صالح بن الوزیر۔ (ان کا نام معاویہ بن عبید اللہ بن یسار اشعری)

16۔ معاویہ بن عبد الکریم ثقفی۔

17۔ معاویہ بن عمار بن ابی معاویہ الدہنی البجلی الکوفی۔

18۔ معاویہ بن عمرو بن المہلب بن عمرو بن وشبیب الازدی المعنی الکوفی ابو عمر البغدادی۔

19۔ معاویہ بن عمرو ابو المہلب الجرمی۔ (ان کی کنیت ابو نوفل بن ابی عقرب)

20-معاویہ بن غلاب۔ (ان کی کنیت ابن عمر)۔

21۔ معاویہ بن قرۃ بن اباس المزنی۔

22۔ معاویہ بن ابی مزود۔

23۔، معاویہ بن ہشام القصار الازدی۔

24۔ معاویہ بن یحیی صدفی۔

25۔ معاویہ بن یحیی دمشقی۔[1302]

بغض عرب بغض مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے

عن سلمان الفارسي رضی اللہ تعالیٰ عنه يا سلمانُ، لا تُبْغِضْني فتَفارِقَ دينَک، قلتُ: يا رسولَ اللہِ، کيف أُبْغِضُک! وبک هدانا اللہ، قال: تُبْغِضُ العربَ فتُبْغِضُني۔[1303]

حدیث پاک کا نتیجہ واضح ہے

کہ عرب سے مراد مسلمان صحیح العقیدہ حضرات ہی ہیں، کفار مراد نہیں ہوسکتے تو پتہ چلا کہ تمام عرب صحابہ کرام میں سے کسی ایک سے بغض رکھنا درحقیقت امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

[1302] الماخوذ من تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلانی۔ نجوم التحقیق ص ۱۴۷۔

[1303] الترمذي (۲۷۹هـ)، سنن الترمذي ۳۹۲۷• ابن حجر العسقلاني (۸۵۲هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ٥/٣٨٢• شعيب الأرنؤوط (۱٤۳۸ هـ)، تخريج سير أعلام النبلاء ۱/٥٣٩• شعيب الأرنؤوط (۱٤۳۸هـ)، تخريج المسند ۲۳۷۳۱•

وسلم سے بغض رکھناہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بغض رکھنادین سے پھر جانااور بے ایمان ہوناہے۔

وَالْحَاصِلُ أَنَّ بُغْضَ الْعَرَبِ قَدْ يَصِيرُ سَبَبًا لِبُغْضِ سَيِّدِ الْخَلْقِ, فَالْحَذَرَ الْحَذَرَ كَيْلَا يَقَعَ فِي الْخَطَرِ۔[1304]

وہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔تم لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدگمانی سے بچو کیونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اورروزمرہ صحابیت میں بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ خبرداران کی بدگوئی میں پڑکر گناہ کے مرتکب نہ ہونا۔[1305]

وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے متعلق امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوبرا کہنا ایسا ہے جیسا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوبرا کہنا۔[1306]

حضرت سیدناامیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث کثیرہ کتب احادیث میں مروی ہیں یہ چنداحادیث ہم نے بطورنمونہ پیش کی ہیں۔ اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے توشیخ الامام العارف باللہ العلامۃ مولاناعبدالعزیزبن احمد بن حامد الفرہاروی مؤلف النبراس شرح شرح العقائد للعلامۃ التفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''الناھیۃ عن طعن امیر المومنین معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کامطالعہ کرے۔حاصل کلام یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی وبے ادبی کرنادر حقیقت حضورعلیہ السلام کی شان میں گستاخی وبے ادبی کرناہے اوریہ کفرہے۔ اوریہ آدمی واجب القتل ہے۔

كمافی خلاصۃ الفتاویٰ من شتم النبی ﷺ او اهانه او عابه فی امور دینه او فی شخصه او فی وصف من اوصاف ذاته سواء كان الشاتم من امته او غيرها وسواء كان من اهل الكتاب او غيره ذمّيا

[1304] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۱۱ ص ۲۶۶۔نجوم التحقیق لمحقق اھلسنت شیخ الحدیث علامہ قاضی عبدالرزاق مدظلہ العالی ص ۳۳۴۔

[1305] ازالۃ الخفاء ص ۱۱۳ ج ۱۔

[1306] صواعق المحرقۃ ص ۱۵۵۔

كان او حربيا وسواء كان الشتم او الاهانة او العيب صادرًا عنه عمدًا او سهوًا او غفلة او جدًا او هزلاً فقد كفر خلودًا بحيث ان تاب لم تقبل توبته ابدًا لا عند الله ولا عندالناس وحكمه فى الشريعة المطهرة عند المتأخرين المجتهدين اجماعاً وعند اكثر المتقدمين القتل قطعاً ولا يداهن السلطان ونائبه فى حكم قتله۔[1307] عن عبدالله بن مغفل: اللهَ اللهَ في أصحابي، لا تَتَّخِذُوهم غَرَضًا بَعدي، فمَن أَحَبَّهُم فبِحُبِّي أَحَبَّهُم، ومَن أَبغَضَهُم فبِبُغضي أبغَضَهُم، ومَن آذاهُم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذى اللهَ، ومَن آذى اللهَ فيوشِكُ اللهُ أنْ يأخُذَه۔[1308]

وہ آدمی حلالی نہیں بلکہ حرامی ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھاہے کہ :من طعن فی علماء الامة لايلو من الاامه۔[1309]

وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ؛ فَهُوَ مِنَ الْعُدُولِ الْفُضَلَاءِ، وَالصَّحَابَةِ الْأَخْيَارِ، وَالْحُرُوبُ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمْ كَانَتْ لِكُلِّ طَائِفَةٍ شُبْهَةٌ اعْتَقَدَتْ تَصْوِيبَ أَنْفُسِهَا بِسَبَبِهَا، وَكُلُّهُمْ مُتَأَوِّلُونَ فِي حُرُوبِهَا، وَلَمْ يَخْرُجْ بِذَلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ مِنَ الْعَدَالَةِ ; لِأَنَّهُمْ مُجْتَهِدُونَ اخْتَلَفُوا فِي مَسَائِلَ، كَمَا اخْتَلَفَ الْمُجْتَهِدُونَ بَعْدَهُمْ فِي مَسَائِلَ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ نَقْصُ أَحَدٍ مِنْهُمْ۔[1310]

ومن شدة حبه ماذكره القاضی عياض علیہ الرحمۃ فی الشفاء وَبَلَغ مُعَاوِيَةَ أنّ كَابِس بن رَبِيعَة يُشْبِه بِرَسُول اللهَ صَلّى اللهُ عَلَيْه وَسَلّم فَلَمّا دَخل عَلَيْه من بَاب الدّار قَام عَن سَرِيرِه وَتَلَقّاه وَقَبّل بَيْن عَيْنَيْه وَأقْطَعَه الْمرْغَاب لِشَبَهِه صُورَة رسول الله صلى الله عليه وسلم*[1311]

بغض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل سے نکالنا

[1307] (خلاصة الفتاویٰ، الفاظ الكفر ص ۵۲۲، ج۴، وتمهيد ابی الشكور السالمی ثم تذكرة الابرار وفتاویٰ مالابدمنه ص ۱۵۷ وجامع الرموز ج۴ ص ۵۵۳، وفيروزيه)

[1308] البخاري (٢٥٦هـ)، الضعفاء الكبير ٢/٢٧٢ • في إسناده نظر • أخرجه الترمذي (٣٨٦٢)، وأحمد (٢٠٥٦٨) باختلاف يسير، والعقيلي في «الضعفاء الكبير» (٢/٢٧٢)

[1309] (تكمله حاشيه ابن عابدين ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعه بيروت، هداية الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ كتاب الشهادة ص ۴۸۹، فتاوی النقشبندية المعروف به فتاویٰ السيفية)

[1310] مرقاة ج ۱۱ ص ۲۷۴۔

[1311] الشفا بتعريف حقوق المصطفى - مذيلا بالحاشية المسماة مزيل الخفاء عن ألفاظ الشفاء ج ۲ ص ۵۱۔

حضرت مولانا ہاشمی کشمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک جوان طالب علم سادات کرام میں سے میرا دوست تھا اس نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں آپ قدس سرہ کے ایک جملے پر نظر پڑی کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا حضرات شیخین (صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو برا کہنے کے برابر جانتے تھے اور جو حد (سزا) شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے وہی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے۔

چونکہ میرے دل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے کینہ تھا اس لئے میں اس تحریر کو دیکھ کر بہت آزردہ ہوا اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٗ کے مکتوبات کو زمین پر پھینک کر سو گیا رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ غصہ کی حالت میں تشریف لائے اور میرے دونوں کانوں کو پکڑ کر فرمارہے ہیں۔ اے طفل نادان! تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پٹختا ہے اگر تجھے میری تحریر کا اعتبار نہیں ہے تو میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلتا ہوں آپ اسی طرح مجھے کشاں کشاں ایک باغ میں لے گئے اور اس کے ایک گوشے میں مجھے بٹھا دیا اس باغ میں ایک عالیشان عمارت تھی جس میں ایک بزرگ تشریف فرماتھے آپ اندر تشریف لے گئے اور نہایت ادب سے سلام کیا انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور ملاقات فرمائی پھر آپ ان بزرگ کے سامنے دوزانوں بیٹھ گئے اور کچھ گفتگو فرمائی آپ اور وہ بزرگ دور سے میری طرف دیکھتے اور کچھ اشارات کرتے تھے اس کے بعد آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں سنو کیا فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا خبر دار ہر گز ہر گز اصحاب رسول رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے ساتھ کبھی کینہ نہ رکھنا اور بزرگوں کی ملامت میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا اس بات کو ہم اور ہمارے بھائی ہی جانتے ہیں کہ نیک نیتوں کے ساتھ ہماری منازعت واقع ہوئی تھی پھر حضرت مجدد پاک کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے کلام کا بھی انکار نہ کرنا... شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ باوجود اس نصیحت

کے میرا دل کدورت سے پاک نہ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ قدس سرہ کو حکم دیا کہ اس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے اور تھپڑ مارنے کا اشارہ فرمایا آپ نے زور سے تھپڑ میری گدی پر مارا تب میں نے اپنے دل کو اس کدورت سے پاک و صاف پایا اور اس جواب و خطاب کی لذت آج تک میرے دل میں موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ صاحب کے معارف کے ساتھ اعتقاد بہت زیادہ ہو گیا ہے [1312]۔

الحاصل تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مغفور و جنتی ہیں اوراس میں شک کرنے والا پکارافضی ہے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِکَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَاللّٰهُ الْحُسْنَى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (الحدید ۱۰)

”تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتحِ مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنّت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔“

وفی تفسیر الجلالین {وَعَدَاللّٰهُ الْحُسْنَى} الْجَنَّة۔

مہاجرین وانصار کے جنتی ہونے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبۃ ۱۰۰)

”اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔“

[1312] زبدۃالمقامات۔البینات شرح مکتوبات ابو البیان محمد سعید احمد مجددی ص ۵۳۲-۵۳۳۔

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بہت بڑے اجر کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (النحل ۴۱)

"اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہو کر ضرور ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کسی طرح لوگ جانتے۔"

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بڑی کامیابی:

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (التوبة ۲۰)

"وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال جان سے اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے۔"

صحابہ کرام کی مغفرت اور اجر عظیم کا رب تعالیٰ کی طرف سے وعدہ:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (الفتح ۲۹)

"محمّد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل

میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹّھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بَھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں ۔ اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔"

وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد الصادق الامین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ الطیبین الطاھرین والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العلمین۔

(**اعلم**[1313]) اس بات کو جان لو کہ کلمہ اعلم امورِ ثلاثہ میں سے ایک امر کے لئے ذکر کیا جاتا ہے: اول غافل کو سوال کی وجہ سے بیدار کرنے کے لئے۔ دوم غافل کو جواب کی وجہ سے بیدار کرنے کے لئے اور سوم غافل کو تفصیل کے ساتھ بیدار کرنے کے لئے۔ اور یہاں کلمہ اعلم تیسرے امر کے لئے ذکر ہوا ہے۔ (**بان العبد**[1314]) بتحقیق جو بندہ ہے (**مبتلی**) **ابتلا** (آزمائش) میں ہے۔ یہ قول شارح علیہ الرحمہ کا ہے کہ **ای المکلف**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ **فان قیل عبد** (بندہ) اس عبد کا اسم ہے جس میں متعدد کام جاری ہوتے ہیں مثال کے طور پر فروخت کرنا، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا، اجارہ کرنا، مکاتب کرنا، ام ولد کرنا اور آزاد کرنا، اور عبد سے مملوک مراد لینے میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے معنی میں فساد لازم ہوتا ہے کہ اکیلا مملوک مامور ہوگا نہ کہ آزاد جبکہ حکم ایسا نہیں لہذا شارح علیہ الرحمہ نے اپنے اس قول سے جواب دیا کہ **ای المکلف**۔

[1313] اعلم جان لو کلمة امر یذکر لایقاظ الغافلین "اعلم لغت میں دانستن را گویندو فی الشرع خطاب عام لکل یقرء اویسمع وقیل ھی کلمةتذکر فی اول الکلام لایقاظ الغافلین وقیل ھی کلمةتذکر لاستحضار ماسبق وانتظار ماسیاتی فان قیل لم قال المصنف اعلم ولم یقل اعرف قلنا ان کلمة اعلم یستعمل فی الکلیات والجزئیات جمیعاو کلمة اعرف یستعمل فی الجزئیات فقط فان قیل ان کلمة اعلم خطاب وفی الخطاب لابدمن المخاطب وھو لیس بموجو دقلنا ان الخطاب علی نوعین خطاب عام و خطاب خاص فحضور المخاطب شرط الخطاب الخاص دون خطاب العام و کلمة اعلم خطاب عام فلا یرد الاشکال اصلا"۔

[1314] قوله بان العبدمبتلیً العبد اسم لمملوک خاص من جنس العقلاء فیتناول الصبیا والمجنون لانھمامن جنس العقلاء لکن المراد ھھنا المکلف ھو الانسان البالغ العاقل اذا الصبیی لقصور اھلیته والمجنون لعدم اھلیته غیر مبتلیً۔

حاصل جواب یہ ہے کہ عبد سے مراد عاقل وبالغ ہے، چاہے حُر یعنی آزاد ہو یا مملوک یعنی غلام، لفظِ مکلف کی وجہ سے صبی (بچہ) اور دیوانہ اس بحث سے خارج ہوں گے۔ بچہ اس لئے کہ وہ نابالغ ہوتا ہے اور دیوانہ اس لئے کہ اس میں عقل ہی نہیں ہوتی۔ اور ابتلا لغت میں امر کو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: **واذ ابتلی ابراھیم ربہ ای امر ربہ فان قیل۔** حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ابتلا میں کی کیا حکمت تھی، **قلنا**: اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اظہارِ ساحت، سخاوت اور اخلاص کو جانچا جائے (**وبین**) اور اس بات کے درمیان (**ان یطیع اللہ تعالیٰ**) بندہ اس آزمائش میں ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرتا ہے اور منہیاتِ خداوندی سے اجتناب کرتا ہے (**فیثاب**) تو ثواب دیا جاتا ہے، یہ شارح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، **ای لابتغاء مرضاتہ**، جوابِ سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ اطاعت صرف مجردِ عبادت سے ہوگی، ایک ہی بات ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو یا بغیر اخلاص کے، یعنی اگر بغیر اخلاص کے ہو تب بھی ثواب دیا جائے گا، **والامر لیس کذلک**، یعنی امر ایسے نہیں ہے کیونکہ بغیر اخلاص اطاعت ثابت نہیں ہوتی، **فاجاب شارح بقولہ**، تو شارح نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ، **لابتغاء مرضاتہ**، حاصل جواب یہ ہے کہ ثواب اخلاص کی وجہ سے پایا جاتا ہے نہ کہ مجرد عبادت سے **سمعۃ ورياء**۔ پس اطاعت کی دو اقسام ہیں، ایک اطاعت بالقلب جو کہ وقتِ بلوغ سے لے کر موت تک فرضیت اور حِل وحرمت پر نصوصِ قاطعہ کے ساتھ حقیقت **ما اراد اللہ** پر اعتقاد ہے اور دوسری اطاعت بالجوارح ہے، جو جوارح پر اداء عبادت ہے۔ (**وبین ان یعصیہ**) اور بندہ اس آزمائش میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عدمِ اتیان ہے، اور منہیاتِ خداوند تعالیٰ سے عدمِ اجتناب ہے (**فیعاقب**) تو مستحقِ عذاب ہوگا **قولہ ای مستحق العذاب**، شارح علیہ الرحمۃ کا ہے، یہ جوابِ

سوال ہے اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ **فان قیل** مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ **فیعاقب** عذاب کے یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور امر ایسے نہیں یعنی یقینی عذاب صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ شرک سے متعلق ہے، جیسا کہ یہ قولِ خداوندی ہے: **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۴۸)** (بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھرایا اُس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا) **فاجاب الشارح علیه الرحمة بقوله یستحق العذاب ان شاء اللہ تعالیٰ یعذبه و ان شاء یغفر له، حاصل الجواب ان المراد بقول المصنف علیه الرحمة فیعاقب استحقاق العذاب** سے عذاب قطعاً یقیناً۔ پس عصیان کی بھی دو اقسام ہیں، ایک عصیان بالقلب، جو نصوصِ قاطعہ کے ساتھ حقیقت ما اراد اللہ پر عدمِ اعتقاد ہے اور احکامِ شریعت کے ساتھ حل و حرمت پر عذاب دیا جاتا ہے، **لا محالة** (یقیناً) اور دوسرا اعصیان بالجوارح جو سلامتی آلات اور صحتِ اسباب کے ہوتے ہوئے عبادات کا ترک ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس عصیان پر عذاب متعلق ہے، (**ابتلاء**) اور بندے کا مامور آزمائش میں ہونا (**یتعلق بالمشروع**) عمل مشروع سے متعلق ہوتا ہے، **ای بالفرض و الواجب و السنة الهدیٰ دون المستحبات لعدم العقاب بترک المستحب** تو ترک کرنے پر عدمِ عقاب کی وجہ سے مستحب مشروعات سے خارج ہو گیا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ جب معاد ہو معرفہ یا معرفہ معاد ہو جائے معرفہ تو ثانی عینِ اولی ہوتا ہے، تو ابتلا اول نکرہ تھا، ثانیا معاد ہوا معرفہ، ابتلاء اول مباح میں تھا مستحب میں نہیں تھا، اس طرح دوسرا بھی (**وغیر المشروع**) اور مامور ہونا غیرِ مشروع کے ساتھ متعلق ہے، **ای المفسد و الحرام و المکروہ دون المباحات لعدم العقاب و الثواب بالترک**

والفعل فخرج المباح عن غير المشروعات بالنظر الى عدم الثواب بالفعل، (**فعلاً**) بحیثیت فِعل، (**وترکاً**) اور بحیثیت ترک کرنے کے یہ عبارت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، **فعلاً وترکاً** لُف ونشر کے طریقے پر ہے لہذا فعل مشروعات کی طرف راجع ہوا اور ترکِ غیر مشروعات ک طرف، پس لُف و نشر تین اقسام کی ہیں، ایک مرتب ہے اور دوسری غیرِ مرتب ہے، اور تیسری مشوش ہے۔ اول میں ترتیب کے ساتھ اول سے آخر تک نشر ہوتا ہے، دوسرے میں عکس پر نشر ہوتا ہے، اور تیسری قسم میں بعض عکس پر نشر ہوتا ہے اور بعض میں ترتیب کے ساتھ، اور مشروعات سے مراد فرض، واجب اور سنتِ موکدہ ہے نہ کہ مستحب، اور غیر مشروعات سے مراد حرام، مفسد اور مکروہ ہے نہ کہ مباح۔ کیونکہ مشروع وہ چیز ہے جس کا وجود مقصود ہو اور مستحب ترک کرنے سے عدمِ تعذیب کی وجہ سے مشروعات میں داخل نہ ہوا اور غیرِ مشروع وہ چیز ہے جس کا عدمِ وجود مقصود ہو، لہذا مباح مطلوب الوجود نہ ہونے کی وجہ سے غیرِ مشروع میں داخل نہ ہوا، تو جب مشروع اور غیرِ مشروع کے ساتھ ابتلاء بندے کے ساتھ متعلق ہو تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ: **فلا بد من بيان انواع المشروعات وغير المشروعات** پس مشروعات اور غیر مشروعات کی اقسام بیان کرنا ضروری ہے **وبيان معانيها** اور مشروع اور غیر مشروع کی اقسام کی لغوی اور شرعی معنی بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ **واحكامها** اور مشروعات اور غیر مشروعات کے احکام یعنی آثار مرتبہ بیان کرنا بھی ضروری ہے **فان قيل۔** مشروعات کو غیر مشروعات سے کیوں مقدم کیا گیا، **قلنا** مشروع مقصود ہے اور غیر مشروع مقصود نہیں اور مقصود غیر مقصود سے مقدم ہوتا ہے۔ **ليسهل** تاکہ آسان ہو **على الطالب** طالب علم کے لئے **دركها** مسائل کو تلاش کرنا **وضبطها** اور مسائل کو حفظ کرنا (طالبِ کے لئے آسان ہو) **فان قيل** کہ درک کو ضبط سے مقدم کیوں کیا گیا؟ **قلنا** درک طبعاً ضبط سے مقدم ہے لہذا

وضعاً بھی درک کو ضبط سے مقدم کیا، تا کہ طبع کی وضع کے ساتھ موافقت ہو جائے کیونکہ ضبط درک کا نتیجہ ہے اور ضبط بغیر درک کے محال ہے۔فنقول و باللہ التوفیق۔ پس ہم کہتے ہیں کہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (المشروع انواع اربعة) مشروع کی چار اقسام ہیں فان قیل مصنف علیہ الرحمۃ نے ابو زید رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں مخالفت کی اس لئے کہ انہوں نے اسرار میں کہا ہے المشروع نوعان حرام وغیر حرام جب کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ المشروع انواع اربعة وغیر المشروع نوعان حرام ومکروہ، قلنا ابو زید رحمۃ اللہ علیہ نے ثبوتِ نفس کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جس طرح غیر حرام کا ثبوت شرع سے ہے، اسی طرح حرام کا ثبوت بھی شرع سے ثابت ہے جبکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عاقبتِ حسنہ اور ضمیمہ کو فوقیت دی ہے، اور مشروعات کے لئے عقبیتِ حسنہ ہے اور غیر مشروعات کے لئے عقیبتِ ضمیمہ لہذا دونوں صاحبین علیہ الرحمۃ کی بات درست ہوئی، فان قیل ۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ مشروعات کی اقسام چار سے نہ زیادہ ہوئیں نہ کم، قلنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشروع اس بات سے خالی نہیں ہو گا کہ مشروع اول یعنی فرض یا قطعی ہو گا یا قطعی نہ ہو گا اور یا تو اس کا منکر فاسق ہو گا یا فاسق نہ ہو گا، اور مشروعِ ثانی یعنی واجب کا تارک یا تو ملامت کے لائق ہو گا یا ملامت کے لائق نہ ہو گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مشروع کی دلیل یا تو قطعی ہو گی یا نہیں ہو گی اول فرض ثانی خالی نہ ہو گا، تو ظنی الاصل قطعی الفرع ہو گا یا نہ ہو گا، اول واجب ثانی خالی نہ ہو گا، یا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بطریقہ عبادت اس پر ایک یا دو بار مواظبت کی ہو گی یا نہ کی ہو گی، اول سنت ثانی مستحب اور مصنف علیہ الرحمۃ نے انواع الربعۃ کہا اور اربعۃ انواع نہیں کہا کیونکہ انواع عدد مبہم ہے جبکہ اربعۃ عدد مفسرہ ہے اور عدد مفسرہ عدد مبہم سے طبعا مؤخر ہوتا ہے۔ لہذا وضع میں بھی اس کو مؤخر کیا تا کہ وضع کے طبع کے ساتھ موافقت ہو جائے

۔(فرض و واجب وسنة ومستحب)۔یہ اربعۃ کا بدلِ کل ہے۔ فرض کو قوی ہونے کی وجہ سے واجب سے مقدم رکھا اور واجب کو بوجہ قوت سنت سے مقدم رکھا اور سنت کو بوجہ قوت مستحب سے مقدم رکھا پس بدل کی دو اقسام ہیں ایک بدلِ کل اور دوسری بدلِ بعض۔ ویلیها المباح۔ اور مباح مشروع کے نزدیک ہے فان قیل اس کی کیا وجہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ویلیها المباح کہا اور انواع خمسة نہیں کہا، قلنا مشروع اسے کہتے ہیں جس کے لئے عاقبتِ محمودہ ہو اور اس کا فاعل ماجور ہو تو مباح اس وجہ سے مشروع میں داخل ہے کہ مباح کے لئے عاقبت محمودہ ہے نہ کہ عاقبتِ مذمومہ۔ اور مباح مشروع سے اس وجہ سے خارج ہے کہ اس کا فاعل ماجور نہیں یعنی اس سے اجر نہیں دیا جاتا تو اس وجہ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے المشروع انواع خمسة کے بجائے ویلیها المباح کہا کیونکہ مباح کا فاعل نہ تو حمد کا مستحق ہے اور نہ ذم یعنی برائی کا۔ جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ مشروع کے بیان سے من کل وجوه اور مشروع من وجہ سے فارغ ہوا تو انواع غیر مشروع کے بیان کو شروع کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: وغیر المشروع نوعان۔ غیر مشروع یعنی ناجائز کی دو اقسام ہیں غیر مشروع اسے کہا جاتا ہے جس کا شارع کو عدمِ فعل مقصود ہو نہ کہ وجودِ فعل۔ یہ قول مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: محرم و مکروه۔ غیر مشروع کی اقسام میں سے ایک حرام ہے اور دوسرا مکروہ، یہ غیر مشروع سے دخولِ مفسد کی وجہ سے بدلِ بعض ہے، حرام اسے کہا جاتا ہے جس کے لئے قطعاً اور یقیناً عاقبت مذمومہ ہو کیونکہ حرام شرعاً تین دلیلوں میں سے دلیلِ قطعی کے ساتھ ممنوع ہے اور مکروہ اسے کہا جاتا ہے جس کا ترک کرنا اتیان کی نسبت شرعاً اولیٰ ہو۔ ویتلوهما المفسد اور مفسد حرام و مکروہ دونوں کے تابع ہے للعمل المشروع فيه اس عمل کے لئے جو شروع کیا گیا ہو، تو مفسد غیر مشروع کی تیسری قسم ہوئی اور یہ مکروہ اور حرام سے سخت حرام ہے، اس لئے کہ حرام و مکروہ کی

حرمت و کراہیت فسادِ عمل لازم نہیں کرتے جبکہ مفسد فسادِ عمل لازم کرتا ہے اس لئے یہ حرام اور مکروہ سے اشد ہوا۔ **فالکل ثمانية انواع** پس مشروع و غیر مشروع کے سب آٹھ اقسام ہوئیں، پانچ مشروع اور تین غیر مشروع کی، اور اسرار میں ابو زید رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے مطابق حرام اسے کہا جاتا ہے جس میں ہر ایک کی حل و حرمت شرع کے ساتھ ثابت ہو تو حرام اس معنی کے ساتھ مشروعات میں شامل ہے جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ مشروعات و غیر مشروعات کی اقسام کے بیان کرنے سے فارغ ہوا تو احکام مشروعات و غیر مشروعات اور ان کے معانی بیان کرنے کا ارادہ کیا اس لئے فرمایا ہے: (**اما الفرض فما ثبت بدليل قطعي**) فرض جو ہے وہ دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، فرض لغت میں قطع اور تقدیر کو کہا جاتا ہے اور شرع میں اس عمل کو فرض کہا جاتا ہے جو دلیلِ قطعی یعنی کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماعِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صریحاً ثابت ہو۔ **لا شبهة فيه** اس دلیل میں تاویل، **تخصیص و حدۃ** کا کوئی شبہ نہ ہو، مثلاً کتاب اللہ اور عام غیر مخصوص البعض الاخرین۔

اعلم: احکام حکم کے جمع ہے اور حکم شریعت میں اللہ جل شانہ کی اس خطاب کو کہا جاتا ہے جو مکلف بندوں کے افعال و اعمال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

حکم تین قسم پر ہیں:

(۱) ایک وہ جس میں کسی کام کرنے کی طلب ہو۔

(۲) دوسرا وہ جس میں کسی کام کے نہ کرنے کی طلب ہو۔

(۳) تیسرا وہ ہے جس میں بندے کو اختیار دیا گیا ہو کرنے اور نہ کرنے میں۔

تو وہ حکم جس میں کسی کام کرنے کی طلب ہو تو وہ چہار قسم پر ہیں:

۱۔فرض ۲۔واجب ۳۔سنت ۴۔مستحب

اور وہ حکم جس میں کسی کام کے نہ کرنے کی طلب ہو تو وہ تین قسم پر ہیں:

۱۔حرام ۲۔مکروہ تحریمی ۳۔مکروہ تنزیہی

اور وہ حکم جس میں بندے کو اختیار دیا گیا ہو کرنے اور نہ کرنے میں وہ ایک قسم پر ہے:

۱۔مباح

تو معلوم ہوا کہ شریعت کے تمام احکام آٹھ ہیں۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ فرض کا جاننا اور معلوم کرنا فرض ہوتا ہے۔ اور واجب کا جاننا واجب ہوتا ہے۔ سنت کا جاننا سنت اور مستحب کا جاننا مستحب ہوتا ہے۔

فرض کی لغوی تعریف:

فرض کے لغوی معنی "مقرر کرنا" اور "لازم کرنا" ہے۔[1315]

یہ لفظ انہی معانی میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے:

قَدْعَلِمْنَامَافَرَضْنَاعَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (الاحزاب ۵۰)

ترجمہ: ہمیں معلوم ہے جو ہم نے (ان) مسلمانوں پر مقرر کیا ہے ان کی بیبیوں اور ان کی مملوکہ باندیوں کے بارے میں۔

لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا (النساء ۱۱۸)

ترجمہ: قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصّہ (اپنے لئے) لوں گا۔

مذکورہ بالا آیات میں لفظِ فرض "مقرر کرنے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا (النور ۱)

1315 (المعجم الوسیط، ج۲، ص ۶۸۲)

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم (ہی) نے اس (کے احکامات) کو فرض قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالاآیت میں لفظِ فرض "لازم کرنے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

فرض کی اصطلاحی تعریف:

فقہاء نے فرض کی اصطلاحی تعریف درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:

امام شاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فرض کی تعریف:

فِي الشَّرْعِ مَاثَبَت بِدَلِيل قَطْعِيّ لَا شُبْهَةَ فِيهِ۔[1316]

ترجمہ: شریعت میں جو حکم ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو فرض کہلاتا ہے۔

امام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فرض کی تعریف:

والفرائض في الشرع مقدرة لا تحتمل زيادة ولا نقصان أي مقطوعة ثبتت بدليل لا شبهة فيه مثل الإيمان والصلاة والزكاة والحج وسميت مكتوبة۔[1317]

ترجمہ: فرائض شریعت میں مقرر ہیں، جو کمی بیشی کا احتمال نہیں رکھتے، یعنی قطعی ہوتے ہیں، اور ایسی دلیل سے ثابت ہوتے ہیں جس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسے ایمان، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ اِن کو فرض کا نام دیا جاتا ہے۔

امام محب اللہ بہاری کے نزدیک فرض کی تعریف:

1316 (اصول الشاشی، ج ۱، ص ۳۷۹)
1317 (اصول البزدوی، ج ۱، ص ۱۳۶)

أن ثبت الطلب الجازم مقطعی فالافتراض۔[1318]

ترجمہ: اگر طلب جازم (پختہ طلب) قطعی دلیل سے ثابت ہو تو حکم فرض ہو گا۔

علی بن محمد علی الجرجانی کے نزدیک فرض کی تعریف:

علی بن محمد علی الجرجانی فرض کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الْفَرْض مَاثَبت بِدَلِيل قَطْعِيّ لَا شُبْهَة فِيهِ۔[1319]

ترجمہ: فرض وہ ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو، جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

علامہ وہبہ زحیلی کے نزدیک فرض کی تعریف:

هو ماطلب الشرع فعله طلباً جازماً بدليل قطعي لا شبهة فيه۔[1320]

ترجمہ: شریعت نے جس فعل کے کرنے کا ایسی دلیل قطعی کے ساتھ لازمی مطالبہ کیا ہو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اسے فرض کہتے ہیں۔

تعریف کی وضاحت:

علامہ زحیلی نے فرض کی تعریف میں جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے وہ فرض کی جامعیت ومانعیت کو واضح کرتے ہیں۔

مَاطَلَبُ الشرع فعله۔ کے الفاظ سے حرام اور مکروہ افعال خارج ہو گئے کیونکہ ان کے کرنے کا مطالبہ نہیں ہوتا۔

1318 (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج1، ص89)

1319 (التعریفات الجرجانی، ج1، ص213، الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت)

1320 (الفقہ الاسلامی، والادلۃ، ج1، ص49، الناشر: دار الفكر - سوريّة - دمشق)

طلبا جازما کے الفاظ سے مستحب و مباح افعال، فرض کے دائرے سے نکل گئے کیونکہ ان کے کرنے میں لازمی مطالبہ نہیں ہوتا۔

بِدَلِيل قَطْعِيّ لَا شُبْهَةَ فِيهِ۔ کے الفاظ سے واجب، فرض کی تعریف سے نکل گیا کیونکہ احناف کے ہاں واجب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے اور اس میں شبہ کا امکان ہوتا ہے۔

فرض کا حکم:

فرض میں چونکہ فعل کے بجالانے کا لازمی مطالبہ ہوتا ہے، اسی لئے اس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عذاب ہوتا ہے، اور اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے۔

فقہاء نے اس کا حکم یوں بیان کیا ہے:

فحكم اللزوم علما وعملا ويكفر جاحده، ويفسق تاركه، بلاعذر۔[1321]

اس کا حکم علمی اور عملی طور پر لازم ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر، جبکہ بغیر عذر ترک کرنے والا فاسق ہے۔

امام شاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرض کا حکم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

حكمه لزوم العمل به والاعتقاد به۔[1322]

ترجمہ: فرض کا حکم اس پر عمل کرنے کا لازم ہونا اور اس میں پختہ یقین رکھنا ہے۔

لزوم الإتيان به، مع ثواب فاعله، وعقاب تاركه، ويكفر منكره۔[1323]

جس کا بجالانا ضروری ہونے کے ساتھ اس کے فاعل کو ثواب اور تارک کو عقاب ہو، اور اس کا منکر کافر ہو جاتا ہو۔

1321 (اصول بزدوی، ص 136، 137)
1322 (اصول الشاشی، ج 1، ص 379)
1323 (الفقہ الاسلامی والادلۃ، ج 1، ص 49)

فرض کی مثالیں:

قرآن حکیم کی ان محکم آیات اور احادیث متواترہ و مشہورہ سے ثابت ہونے والے احکام فرض ہوتے ہیں۔ جن میں طلب جازم ہو جیسے اسلام کے ارکان خمسہ کلمہ، نماز، روز، زکوٰۃ اور حج جو قرآن کی محکم آیات و مشہور احادیث سے ثابت ہیں جیسے:

1۔وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (البقرۃ 110)

ترجمہ: اور نماز قائم کیا کرو، اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو۔

2۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرۃ 183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

3۔وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران 97)

ترجمہ: اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

اور احادیث مشہورہ سے ثابت ہونے والے احکام کی مثال نماز میں قرات کا فرض ہونا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔[1324]

ترجمہ: اور جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر (تحریمہ) کہو، پھر اس کے بعد قرآن میں سے جو آسان لگے اس کی قرات کرو۔

1324 (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراۃ للامام، ج3، ص205، المکتبۃ الفاروقیۃ)

شارع نے ان احکام کو لازمی کرنے کا مطالبہ کیا ہے، یہ تمام احکام قطعی ثبوت اور قطعی الدلالہ ہیں۔ لہٰذا یہ مکلفین پر لازم ہے اور ان کا بجالانا ضروری ہے۔ ان کو بجالانے والا مستحق ثواب ہوتا ہے، اگر کوئی مسلمان ان کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور بغیر شرعی کے ترک کرنے والا فاسق اور مستحق سزا ہوتا ہے۔ (بحوالہ الحکم الشرعی)

صاحبِ نماز مسنون صوفی عبد الحمید سواتی لکھتے ہیں:

فرض وہ ہوتا ہے جس کا لزوم قطعی دلیل سے ثابت ہو۔ جس میں کسی قسم کا شبہ (شک) نہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا ہی ہے۔ (**مالزم فعله بدليل قطعي**) جیسا آیات قرآنیہ احادیث متواترہ سے جن میں کسی طرح تاویل وغیرہ نہ ہو۔

صاحب سیف رحمانی شرح خلاصہ کیدانی فرض کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں: (**اما الفرض فماثبت بدليل قطعي**) فرض جو ہے وہ دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، فرض لغت میں قطع اور تقدیر کو کہا جاتا ہے اور شرع میں اس عمل کو فرض کہا جاتا ہے جو دلیلِ قطعی یعنی کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماعِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صریحاً ثابت ہو۔ **لا شبهة فيه** اس دلیل میں تاویل، **تخصيص وحدة** کا کوئی شبہ نہ ہو، مثلاً کتاب اللہ اور عام غیر مخصوص البعض الاخرین۔ **وحكمه** اور فرض کا حکم یہ ہے کہ **الثواب بالفعل**۔ فرض پر فعل یعنی عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے، خالصتاً للہ نہ کہ **سمعة ورياء** یعنی شہرت اور دکھلاوے کے لئے۔ یعنی اگر کسی آدمی نے شہرت یا ریا کے لئے نماز پڑھی تو اس کے لئے آخرت میں اجر نہیں ہوگا، بلکہ گناہگار ہوگا اور ثواب کے حق میں وہ نماز کی ذمہ داری سے فارغ ہوگا اور عدمِ ثواب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں **صلوة كلا صلوة** ہوا یعنی نماز کو دوبارہ پڑھے گا۔ **والعقاب**

بالترک اور فرض کے ترک پر استحقاقِ عذاب ہے، **بلاعذر** بغیر عذر کے شرعا اور ترک نماز میں عذر کی شرعی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرے اور سر پر زخم ہوں کیونکہ ایک روایت کے مطابق وضو ساقط ہونے سے نماز کا ساقط ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری روایت کے مطابق وضو کے ساقط ہونے سے نماز کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وضو تبع ہے اور نماز اصل اور سقوطِ تبع سے اصل ساقط نہیں ہوتا، تو رکوع اور سجدہ کے لئے بغیر وضو کے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا یا جیسے اپنے نفس (جان) پر ڈرنے والے کے لئے امر بالمعروف کا ترک ہوا۔ (**والکفر بالانکار فی المتفق علیه**) اور فرض اتفاقیہ سے انکار کرنے سے کفر لازم آتا ہے، جیسے پانچ نمازیں، زکوۃ، مجملہ، نماز جنازہ اور تواترِ قرآن اور قیدِ متفق علیہ کی وجہ سے فرضِ اختلافیہ سے احتراز ہوا۔ جیسے مسح ناصیہ یعنی پیشانی کا مسح، اور وضو میں کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا کیونکہ ان سے انکار پر کفر لازم نہیں ہوتا اگرچہ یہ نصِ قطعی کے ساتھ ثابت ہے، اس وجہ سے کہ حکم بیان کے بعد نص کی طرف مضاف ہوتا ہے نہ کہ خبرِ واحد کی طرف۔ لیکن مقدار میں اختلاف کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا کیونکہ متنازع کے لئے یہ حق ہے کہ وہ کہے کہ میں بیان کے بعد قطعیت کو نہیں مانتا کیونکہ یہ بیان آحاد نہیں۔[1325]

فرض کا حکم:

فرض کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مستحق ثواب ہوتا ہے ۔ اور اس کا تارک مستحق عذاب ہوتاہے ۔اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے ۔اور فرض وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہونے سے عمل ہی فوت ہوجاتا ہے۔یہ رکن ہو تا ہے۔ اس کے وجود سے شئ کا وجود اس کے عدم سے شئ کا عدم ہوتا ہے۔

1325 (سیف رحمانی شرح خلاصہ کیدانی، ص 262)

فرض کی دو قسمیں:

1۔جو نصوص سے ثابت ہو۔

2۔جو مجتہدین کے اجتہاد سے متعین کیا گیا ہو۔

یہ اس قسم اول کی طرح قطعی نہیں ہوتا۔

فرض عین:

جس کا ادا کرنا ہر شخص پر جو مکلف ہو ضروری ہوتا ہے۔

فرض کفایہ:

وہ ہوتا ہے کہ اگر جماعت میں سے بعض آدمی اس کو ادا کرلیں تو سب کی طرف سے فرض ساقط ہوجائے گا۔اور اگر کوئی شخص بھی ادا نہ کرے تو سب جماعت گنہگار ہوگی۔جیسا نماز جنازہ، کفن دفن، تیمارداری، بیمار پرسی وغیرہ۔۔ **وحکمه** اور فرض کا حکم یہ ہے کہ **الثواب بالفعل**۔فرض پر فعل یعنی عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے، خالصتاً للہ نہ کہ **سمعة ورياء** یعنی شہرت اور دکھلاوے کے لئے۔یعنی اگر کسی آدمی نے شہرت یا ریا کے لئے نماز پڑھی تو اس کے لئے آخرت میں اجر نہیں ہوگا، بلکہ گناہگار ہوگا اور ثواب کے حق میں وہ نماز کی ذمہ داری سے فارغ ہوگا اور عدمِ ثواب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں **صلوة کلا صلوة** ہوا یعنی نماز کو دوبارہ پڑھے گا۔**والعقاب بالترک** اور فرض کے ترک پر استحقاقِ عذاب ہے،

بلاعذر بغیر عذر کے شرعا اور ترک نماز میں عذر کی شرعی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرے اور سر پر زخم ہوں کیونکہ ایک روایت کے مطابق وضو ساقط ہونے سے نماز کا ساقط ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری روایت کے مطابق وضو کے ساقط ہونے سے نماز کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وضو تبع ہے اور نماز اصل اور سقوطِ تبع سے اصل ساقط نہیں ہوتا، تو رکوع اور سجدہ کے لئے بغیر وضو کے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا یا جیسے اپنے نفس (جان) پر ڈرنے والے کے لئے امر بالمعروف کا ترک ہوا۔ (**والکفر بالانکار فی المتفق علیہ**) اور فرض اتفاقیہ سے انکار کرنے سے کفر لازم آتا ہے، جیسے پانچ نمازیں، زکوۃ، مجملہ، نماز جنازہ اور تواترِ قرآن اور قیدِ متفق علیہ کی وجہ سے فرضِ اختلافیہ سے احتراز ہوا۔ جیسے مسح ناصیہ یعنی پیشانی کا مسح، اور وضو میں کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا کیونکہ ان سے انکار پر کفر لازم نہیں ہوتا اگرچہ یہ نصِ قطعی کے ساتھ ثابت ہے، اس وجہ سے کہ حکم بیان کے بعد نص کی طرف مضاف ہوتا ہے نہ کہ خبرِ واحد کی طرف۔ لیکن مقدار میں اختلاف کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا کیونکہ متنازع کے لئے یہ حق ہے کہ وہ کہے کہ میں بیان کے بعد قطعیت کو نہیں مانتا کیونکہ یہ بیان آحاد نہیں۔ (**والواجب ماثبت بدلیل**) اور واجب وہ فعل ہے جو دلیل کے ساتھ ثابت ہو، واجب لغت میں وجبت سے مشتق ہے۔ وجبت سقوط (گرنے) کو کہا جاتا ہے اور واجب بھی فرض کے مرتبہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (**فیہ شبہۃ**) اس دلیل میں شبہ ہو جیسے مؤول اور عام مخصوص البعض ہے اور خبرِ واحد، قیاس اور اجماع بطریقہ آحاد کے منقول ہے۔ پس واجب کے دو اقسام ہیں، ایک قسم قوتِ فرض میں ہے جیسے وتر اور قعدہ آخیرہ ہے **لانہ فرض ظنی** اور اس کی فرضیت نسیان کی وجہ سے فرضِ اصلی نہیں ہے۔ دوسری قسم مرکز اور محلِ فرض میں ہے جیسے فاتحہ

اور ضم سورت۔لہذا پہلے قسم کے لئے ثواب،عذاب اور فساد میں فرض کا حکم ہے نہ کہ اعتقاد میں،اور دوسری قسم کے لئے ثواب اور عذاب میں فرض کا حکم ہے نہ کہ فساد اور اعتقاد میں۔

(وحکمه کحکم الفرض عملا لا اعتقاداً) اور واجب کا حکم عمل میں فرض کے حکم کی طرح ہے،نہ کہ اعتقاد میں۔

ای فی نفس الثواب و العقاب دون المقدار جواب سوال تقدیر لما کان حکم الواجب کحکم الفرض عملاً لا اعتقاداً فینبغی ان یکون کلاهما فی الثواب و العقاب سواء و الامر لیس کذلک فاجاب الشارح بقوله ای نفس الثواب لا فی المقدار حاصل جواب ان حکم الواجب کحکم الفرض فی نفس ثبوت الثواب و العقاب لا المساواة فی المقدار فان عذاب ترک الفرض فوق عذاب ترک الواجب و ثواب الفرض فوق ثواب الواجب۔

یہ قول مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا عملاً لا اعتقاداً جواب سوال ہے تقدیر اس کی یہ ہے: جب حکم واجب بمثل فرض ہو گیا تو چاہیئے کہ واجب سے منکر کافر ہو جائے اور اس کی نماز بھی واجب کے ترک کرنے سے فاسد ہو جائے، جیسے صبح کی نماز کا فاسد ہونا وتر یاد آنے سے یا قعدہ اخیرہ رہ جانے سے جبکہ ایسا حکم نہیں ہے۔تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ عملاً لا اعتقاداً حاصل جواب یہ ہے کہ واجب کا حکم عمل میں فرض کے حکم کی طرح ہے،نہ کہ اعتقاد میں اور فساد صلوۃ اعمال میں سے ہے لیکن واجب دو قسم کے ہیں ایک قسم قوتِ فرض میں ہے اور دوسری قسم محلِ فرض میں ہے اور فساد نماز میں فرض کے ساتھ پہلی قسم شریک ہے نہ کہ دوسری قسم کیونکہ دوسری قسم فرض کی مکمِّل ہے اور اگر دوسری قسم کے ساتھ فسادِ نماز لازم ہو جائے تو پھر مکمِّل اور مکمَّل کے درمیان مساوات لازم ہو جائے گی اور یہ مساوات باطل ہے۔جب حکم واجب حکمِ فرض کے مانند ہو، عمل میں نہ کہ اعتقاد میں۔(حتیٰ لا یکفر جاحده) تو فائدہ یہ ہوا کہ واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا بلکہ

فاسق ہوتا ہے اور وہ حکم جو بیان ہو چکا ہے فروعات میں جیسے موزے پر مسح کا منکر اس پر کفر کا ڈر ہوتا ہے یہ تہدید اور تخویف پر حمل ہے۔

ثم اعلم:

واجب کی لغوی تعریف:

لغوی طور پر واجب کے تین معانی ہیں:

1۔ لزوم 2۔ ثبوت 3۔ سقوط

واجب کی اصطلاحی تعریف:

واجب کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے۔

احناف اور غیر احناف کے ہاں واجب کی تعریفات حسبِ ذیل ہیں:

1۔ احناف کے نزدیک واجب کی تعریف:

امام بزودی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

هُوَ فِي الشَّرْعِ اسْمٌ لِمَا لَزِمَنَا بِدَلِيلٍ فِيهِ شُبْهَةٌ۔[1326]

ترجمہ: شریعت میں واجب ایسی شے کا نام ہے جو ایسی دلیل سے ہم پر لازم ہو۔ جس میں کوئی شبہ ہو۔

امام ابنِ نظام الدین انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

ثبت الطلب الجازم (بظنی فالإيجاب)۔[1327]

1326 (کشف الأسرار شرح أصول البزدويج4ص180)

1327 (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، موقع شبكة مشكاة الإسلامية ج1ص88)

ترجمہ: طلب جازم (پختہ طلب / لازمی مطالبہ) ظنی دلیل سے ثابت ہو، تو ایسا حکم واجب ہو گا۔

شیخ وھبہ زحیلی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

ماطلب الشرع فعله طلبا جازمابدليل ظنى فيه شبهة۔[1328]

ترجمہ: ایسا حکم جس کے کرنے کا شرع نے ایسی دلیل ظنی کے ساتھ لازمی مطالبہ کیا ہو جس میں کوئی شبہ ہو۔

2۔احناف کے نزدیک واجب کی تعریف:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقام پر واجب کی یوں تعریف بیان کی ہے:

مايثاب على فعله ويعاقب على تركه۔[1329]

ترجمہ: وہ فعل جس کے کرنے پر ثواب دیا جائے اور نہ کرنے پر سزا دی جائے۔

ایک اور مقام پر امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق خطابِ شرع میں طلبِ فعل کی صورت میں اگر اس کے ترک پر سزا کی خبر ہو، تو وہ واجب ہو گا۔[1330]

امام آمدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

الوجوب الشرعي عبارة عن خطاب الشارع بما ينتهض تركه سبباً للذم شرعاً في حالة ما۔[1331]

1328 (وهبة الزحيلى, الفقه الاسلامى وادلته ج ۱ ص ۶۷)
1329 (المستصفى في علم الأصول الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت ج ۱ ص ۲۳)
1330 (غزالى, المستصفى ج ۱ ص ۶۵)
1331 (الإحكام في أصول القرآن ج ۱ ص ۳۵)

ترجمہ: وجوب شرعی شارع کے خطاب سے عبارت ہے کہ کسی بھی حالت میں اس کا ترک شرعی طور پر مذمت کا سبب بنتا ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

مایمدح فاعله، ویذم تارکه، علی بعض الوجوه۔[1332]

ترجمہ: جس کام کے کرنے والے کی تعریف کی جاتی ہے اور بعض وجوہات کی بنا پر اسے ترک کرنے والے کی مذمت کی جاتی ہے۔

غیر احناف کے ہاں واجب کی مذکورہ بالا تعریف سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

1۔ فعل کا خطابِ شارع کے ذریعے مکلف پر لازم ہونا۔

2۔ اس کا ترک پر سزا۔

3۔ وجوب کے ثبوت میں دلیل قطعی یا ظنی کی کوئی قید نہیں۔

3۔ واجب کی مثالیں:

صدقہ، فطر، نمازِ وتر اور عیدین کی نماز وغیرہ واجب ہیں، کیونکہ ان کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے، جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے واضح ہے:

1۔ صدقۂ فطر کے واجب ہونے کی دلیل

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن رسول الله فرض زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على كل حر أو عبد ذكر أو أنثى من المسلمين۔[1333]

1332 (إرشاد الفحول إلي تحقيق الحق من علم الأصول الناشر: دار الكتاب العربي ج ١ ص ٢٦)
1333 (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج14 ص148)

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مسلمانوں میں سے ہر یا غلام مرد یا عورت پر صدقۂ فطر کو فرض کیا (جس کی مقدار) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ "فرض" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔ مگر چونکہ یہ حدیث اَخبارِ احاد میں سے ہے اور اَخبارِ احاد اپنے ثبوت کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہیں، جس سے فرض ثابت نہیں ہوسکتا، لہٰذا صدقۂ فطر واجب ہے۔

نمازِ عیدین کے واجب ہونے کی دلیل:

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

أن رسول الله كان يصلي في الأضحى و الفطر ثم يخطب بعد الصلاة-[1334]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (ہمیشہ) عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز پہلے پڑھتے اور نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے۔

مذکورہ بالا احادیث سے عیدین کی نماز کا وجوب ثابت ہو رہا ہے کیونکہ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیشہ عمل کیا اور زندگی میں ایک مرتبہ بھی ترک کرنا ثابت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایسا عمل واجب ہوتا ہے۔

نمازِ وتر کے واجب ہونے کی دلیل:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

1334(عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ١٠ ص ٢٨١)

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔[1335]

ترجمہ: وتر واجب ہیں، جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، وتر واجب ہیں، جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، وتر واجب ہیں، جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں،

مذکورہ بالا حدیث سے نمازِ وتر کا واجب ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس میں طلبِ جازم ہے اور اس کے ترک کرنے والے پر وعید ہے، لہٰذا یہ واجب ہے۔

4۔ واجب کا حکم:

امام بزودی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ واجب کا حکم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

وَأَمَّا حُكْمُ الْوُجُوبِ فَلُزُومُهُ عَمَلًا بِمَنْزِلَةِ الْفَرْضِ لَا عِلْمًا عَلَى الْيَقِينِ لِمَا فِي دَلِيلِهِ مِنْ الشُّبْهَةِ حَتَّى لَا يَكْفُرَ جَاحِدُهُ وَيُفَسَّقَ تَارِكُهُ۔[1336]

ترجمہ: وجوب کا حکم یہ ہے کہ یہ یقینی طور پر عمل کے اعتبار سے فرض کی طرح لازم ہوتا ہے، نہ کہ علم کے اعتبار سے، کیونکہ اس کی دلیل میں شبہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا، لیکن اس کے تارک کو فاسق کہا جائے گا۔

شیخ وھبہ زحیلی کا حکم مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

حکمه کالفرض إلا أنه لا یکفر منکره۔[1337]

ترجمہ: واجب کا حکم فرض کی طرح ہے مگر واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے۔

1335 (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۱۰ ص ۳۶۹)
1336 (كشف الأسرار شرح أصول البزدوي ج ۴ ص ۱۸۴)
1337 (وهبة الزحيلى، الفقه الإسلامى وأدلته ج 1 ص 67)

فرض کی طرح واجب کو بجالانا بھی لازمی اور ضروری ہوتا ہے، اس کے بجالانے پر ثواب اور چھوڑنے پر سزا ملتی ہے البتہ فرض کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، واجب کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔

فرض اور واجب کی تقسیم چونکہ انتہائی باریک اور اہم نکات پر مشتمل ہے، لہٰذا ان کی مزید وضاحت کی جاتی ہے:

5۔ فرض اور واجب میں فرق:

فرض اور واجب میں درج ذیل حیثیتوں سے فرق ہے:

فرض	واجب
1۔ فرض دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے۔	1۔ واجب دلیلِ ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔[1338]
2۔ فرض کا انکار کفر ہے۔	2۔ واجب کا انکار کفر ہے، فسق ہے۔[1339]
3۔ فرض پر اعتقاد اور عمل دونوں لازم ہیں۔	3۔ واجب پر عمل لازم ہے جبکہ اعتقاد لازم نہیں۔

1338 آمدی، (1) إحکام فی اصول الأحکام، ج ١ ص ١٤٠، (2) سرخسی، أصول سرخسی، ج ١ ص ١١١، (3) نفسی، کشف الأسرار شرح المنار، ج ١ ص، ٤٥٠۔

1339 (1) غزالی، المستصفی، ج ١ ص ٥٣، (2) رازی، المحول، ج ١، ص ١١٩۔

4۔فرض عمداًو سہواًدونوں صورتوں میں ساقط نہیں ہوتا۔[1340] 4۔واجب سہواًساقط ہو جاتا۔

5۔فرض مرتبے میں واجب سے اعلیٰ ہے۔ 5۔واجب مرتبے میں فرض سے ادنیٰ ہے۔

6۔اَحناف کی وقتِ نظری:

صرف اَحناف نے فرض اور واجب کی تعریف اور اس کے حکم میں فرق کیا ہے۔یہ بات ان کی دِقتِ نظری اور باریک بینی پر دلالت کرتی ہے۔ احناف کے نزدیک فرض صرف دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے، جبکہ واجب دلیل ظنی سے بھی ثابت ہو سکتا ہے۔فعل کے لازمی مطالبہ کے سبب فرض اور واجب دونوں پر عمل لازم ہے، مگر فرق یہ ہے کہ فرض کے منکر کو کافر کہا جائے گا اور واجب کے منکر کو صرف فاسق کہا جائے گا۔اس بنیاد پر بہت سے احکامات میں فرق پڑتا ہے۔

7۔فرض اور واجب کے ثابت ہونے کے ذرائع:

فرض اور واجب کے ثابت ہونے کے ذرائع ایک جیسے ہیں سوائے اس کے کہ فرض دلیل قطعی سے، جبکہ واجب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔

8۔لفظِ فرض اور اس کے مشتقات:

1340ابن مفلح،اصول ص ۱۵۳۔

لفظ فَرَضَ:

ذیل میں ہم لفظِ فرض اور اس کے چند مشتقات بیان کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔(سورت النور آیت 1)

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اُس کے احکام فرض کیے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں کہ تم دھیان کرو۔

اس آیت میں فَرَضْنَا(ہم نے فرض کیا) کا لفظ قرآنی احکام کی فرضیت پر دلالت کر رہا ہے۔

لفظ کُتِبَ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔(سورت البقرۃ آیت ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

اس آیت میں لفظِ کُتِبَ (فرض کئے گئے ہیں) روزے کی فرضیت پر دلالت کر رہا ہے۔

لفظ قَضیٰ:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔(سورت بنی اسرائیل آیت ۲۳)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

اس آیت میں لفظِ قَضیٰ (فیصلہ کر دیا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت اور والدین کے ساتھ احسان کرنے کی فرضیت پر دلالت کر رہا ہے۔

لفظ اَمر:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا۔ (سورت النساء آیت ۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو۔

اس آیت میں يَأْمُرُكُمْ (وہ تمہیں حکم دیتا ہے) کا لفظ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنے کے وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔

صیغۂ اَمر:

امر کے صیغہ سے بھی فرض اور واجب ثابت ہوتے ہیں، اسی بنا پر اُصولیین کا مشہور قول ہے:

اِلأمْرُ لِلْوُجُوْب۔

امر مطلقاً وجوب (فرض اور واجب) دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۱۰)

ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو۔

ان آیات میں وَأَقِيمُو، آتُو، أَنْفِقُو، امر کے صیغے ہیں جن سے نماز، زکوٰۃ، اور انفاق کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔

اسم فعل بمعنی اَمر:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو۔

اس آیت میں عَلَیۡکُمۡ اسم فعل ہے جو امر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح مشہور حدیثِ مبارکہ ہے: علیکم بالجماعة[1341] تم جماعت کو لازم پکڑو۔ یہاں بھی اسم فعل علیکم امر الزموا کے معنی میں ہے جو وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔

مصدر بطور فعلِ امر:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ (سورت محمد آیت ۴)

ترجمہ: تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے۔ اس آیت میں مصدر ضَرۡب فعل امر اِضۡرِبُوۡا کی جگہ استعال ہوا ہے چونکہ فعلِ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے، لہٰذا یہاں مصدر سے بھی وجوب ثابت ہو گا۔

مصدر بطور فعلِ امر:

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔[1342]

ترجمہ: اور جو شخص مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔ اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت سے مسلمانوں کے طریق کی اتباع کی فرضیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کے ترک پر سزا اور برے انجام کا بیان ہوا ہے۔ فرض اور واجب کے حکم میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان دونوں کے ترک پر سزا ہوتی ہے لہٰذا سزا کو بیان کرنا فرضیت اور وجوب کو ثابت کرنا ہے۔

1341 الجامع الصحيح سنن الترمذي الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ج4 ص 465
1342 (سورت النساء آیت 115)

دیگر اَسالیب:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔[1343]

ترجمہ: اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

فرض وواجب کی تقسیمات:

فرض اور واجب کی درج ذیل چار تقسیمات ہیں:

(1) ادائیگی وقت کے اعتبار سے (مطلق و مقید)۔

(2) تعینِ مقدار کے اعتبار سے (محدّد و غیر محدّد)۔

(3) تکلیفِ شرعی کے اعتبار سے (عینی و کفائی)۔

(4) تعینِ فعل کے اعتبار سے (معیّن و مخیر)۔

ادائیگی وقت کے اعتبار سے:

فرض اور واجب کی پہلی تقسیم ادائیگی وقت کے اعتبار سے ہے۔

اس کی دو اقسام ہیں:

{1}واجب مطلق۔

{2}واجب مقید۔[1344]

وجوب مطلق:

1343(سورت آل عمران آیت 97)

1344 (1) سرخسی ،الا صول،ج1ص26، (2)بھاری ،مسلم الثبوت ،ج1ص26(3) تفتازانی ، التلویح ، ج1،ص202۔

هو ما طلب الشارع فعله حتماً، ولم يعين وقتاً لادائه۔[1345]

ترجمہ: وجوبِ مطلق سے مراد وہ فعل ہے کہ شارع جس کے کرنے کا حتمی اور لازمی مطالبہ کرے اور اس کی ادائیگی کے لیے وقت متعین نہ ہو۔

مثلاً: قسم کا کفارہ، حج، قضائے رمضان، نذر کے روزے۔ یہ سب مکلف کے لیے لازمی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (المائدہ: ۸۹)

ترجمہ: اللہ تمھیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنھیں تم نے مضبوط کیا تو ایسی قسم کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے ہو اس کے اوسط میں سے یا اِنہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ (غلام) آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن کے روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اُنہیں کپڑے پہنانا یا غلام آزاد کرنا ہے یا تین (3) دن کے روزے رکھنا ہے مگر اِس کفارہ کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت معین نہیں کیا، زندگی کے جس حصے میں بھی ادا کرے ہو جائے گا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ (آل عمران: ۹۷)

1345 (وهبة الزحيلى، الوجيز فى اصول الفقه ص 125)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

اس آیت کریمہ میں استطاعت حاصل ہو جانے کے بعد حج کا واجب ہونا ثابت ہو جاتا ہے مگر اِس واجب کی ادائیگی کا کوئی وقت مقرر نہیں، وجوب والے سال حج کرے یا اس سے اگلے سال، ہر دو صورت میں اداء ہو جائے گا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

ترجمہ: تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

قضاء رمضان اور نذر کے روزے کی قضاء عمر کے جس حصے میں بھی ادا کرے گا اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گے، ان کے لیے خاص وقت مقرر و متعین نہیں۔

وجوب مطلق کا حکم:

وجوبِ مطلق میں مکلف کو اختیار ہے کہ جس وقت چاہے ادا کر لے، ادا ہی ہو گا، تاخیر میں کوئی گناہ نہیں، البتہ مناسب ہے کہ اس کام کے کرنے میں جلدی کرے کیونکہ موت کا کسی کو علم نہیں۔

(2) وجوبِ مقید:

هو ما طلب الشارع فعله حتمًا في وقت معين۔[1346]

ترجمہ: وجوبِ مقید سے مراد وہ فعل ہے کہ شارع جس کے ادا کرنے کا حتمی مطالبہ معین وقت میں کرے۔

1346 (الوجيز في أصول الفقه الإسلامي، الناشر: دار الخير للطباعة والنشر والتوزيع، دمشق–سوريا، ج ۱ ص ۳۱۷)

مثلاً: نمازِ پنج گانہ، رمضان کے روزے۔ ان تمام کے لیے وقت مقرر ہے۔ وقت سے پہلے یا بعد میں ادا نہیں ہوتے۔

وجوبِ مقید کا حکم:

وجوبِ مقید میں مکلف کا وجوب کی ادائیگی کو وقت سے مؤخر کرنا (بغیر عذر کے) گناہ ہے۔ کیونکہ وجوبِ مقید میں دو وجوب ہیں۔

1۔ واجب کا کرنا۔ 2۔ وقتِ معین میں کرنا۔

پس اگر وقت کے بعد واجب ادا کیا تو گویا کہ ایک واجب ادا ہوا اور وہ نماز کی ادائیگی ہے اور ایک واجب رہ گیا، جو نماز کو وقت میں ادا کرنا تھا۔ اگر وقتِ معین میں واجب کی ادائیگی کو بغیر عذر شرعی کے چھوڑا تو گناہ ہوگا۔

وجوبِ مقید کی اقسام:

وجوبِ مقید کی تین اقسام ہیں:

(1) وجوبِ موسّع۔ (2) وجوبِ مضیّق۔ (3) وجوبِ شبہین۔[1347]

وجوبِ موسّع:

وھو الذی یکون وقتہ الذی الشارع لہ، یسعہ و یسع غیرہ من جنسہ۔[1348]

1347 (1) امیر الحاج، التقریر والتحریر، ج۲ ص ۱۳۱۔ (2) تفتازانی، التلویح، ج ۱ ص ۲۱۲، ۲۰۸، ۲۰۲ (3) غزالی، المستصفی، ج ۱ ص ۴۴۔ (4) الشوکانی، ارشاد الفحول، ص ۶۔ (5) ابن قدامۃ المقدسی، روضۃ الناظر، ج ۱ ص ۹۹۔ (6) وھبۃ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، ج ۱ ص ۴۹۔

1348 (وھبۃ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی ج ۱ ص ۵۰)

ترجمہ: وجوبِ موسّع سے مراد وہ فعل ہے۔ جس کے لیے شارع نے اتنا وسیع وقت مقرر کیا ہو، جس میں اس کے علاوہ اس جنس کے دوسرے اَفعال کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ وجوبِ موسّع کو (ظرف) بھی کہتے ہیں اس کی مثال نماز ظہر کا وقت ہے۔ یہ وقت ظہر کی رکعتوں سے اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اس میں نمازِ ظہر کے علاوہ دوسری قضاء یا نفل نمازیں بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔ نیز مکلف اس وقت کے جس حصہ میں چاہے نماز ظہر ادا کرسکتا ہے۔

معین نیت ضروری ہے، چونکہ وقت میں اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ اس وقت کے فعل کے علاوہ اس لیے شک سے بچنے کے لیے فعل کی تخصیص ضروری ہے مثلاً نماز کی نیت میں تخصیص کرے کہ یہ قضاء ہے یا ادا، سنت ہے یا فرض۔

وجوبِ مضیّق:

هو الذی یکون وقته المحدد له۔ یسعه وحده، و لا یسع غیره من جنسه۔[1349]

ترجمہ: وجوب مضّیق سے مراد وہ فعل ہے، جس کے لیے شارع نے محدود وقت مقرر کیا ہو، جس میں صرف اسی کی ادائیگی ممکن ہو اور جس میں اس کے علاوہ اس جنس کے دوسرے افعال کی ادائیگی ممکن نہ ہو۔

وجوبِ مضّیق کو (معیار) بھی کہتے ہیں اس کی مثال رمضان کی مہینہ ہے۔ اس میں صرف رمضان کے روزے ہی رکھے جاسکتے ہیں۔ نفلی یا قضاء روزے رمضان کے مہینے میں نہیں رکھے جاسکتے۔

حکم:

1349(وھبۃالزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی ج ا ص ۵۰)

صرف نیت ہی کافی ہے، نیت کا تعین ضروری نہیں، چونکہ اس کا وقت محدود ہوتا ہے۔ایک جنس کے کئی اَفعال بجالانا ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا محض نیت ہی کفایت کر جاتی ہے۔مثلاً رمضان کا مہینہ صرف رمضان کے روزوں کے لیے خاص ہے اور اس میں دیگر روزوں کی گنجائش نہیں۔اس لیے محض نیت کافی ہے۔رمضان کی نیت کرنا ضروری نہیں۔اگر ماہِ رمضان میں قضاء، نذر اور قسم وغیرہ کے روزوں کی نیت کی جائے گی، تب بھی رمضان کا روزہ ہی شمار ہو گا۔

وجوبِ ذو شبھین:

هو الذی لا یسع وقته غیره من جهة، ویسع غیره من اخری۔[1350]

ترجمہ: وجوبِ ذو شبھین سے مراد وہ فعل ہے، جس کے لیے شارع نے جو وقت معین کیا ہو اس میں اس فعل کے علاوہ اس کی جنس کا دوسرا فعل ایک اعتبار سے ادا کرنا نا ممکن ہو، جبکہ دوسرے اعتبار سے اس ک ادا کرنا ممکن ہو۔

مثلاً: ایک سال مین ایک حج کے علاوہ کوئی دوسرا حج نہیں کر سکتے، اس لیے کہ مکلف پر سال میں ایک ہی حج فرض ہوتا ہے۔اس جہت سے یہ مضیّق کے مشابہ ہے۔جبکہ دوسری جہت کے اعتبار سے دیکھیں، تو یہ موسّع کے مشابہ ہے کہ مناسکِ حج سال کے تمام مہینوں کو محیط نہیں۔

حکم:

اما الواجب ذو شبهین، فیصح اداوه بمطلق النیة۔1351

ترجمہ: واجب ذو شنھین صرف نیت سے اداء ہو جاتا ہے۔

1350(وهبة الزحیلی، اصول الفقه الاسلامی ج ۱ ص ۵۰)
1351(وهبة الزحیلی اصول الفقه اسلامی، ج1ص51)

تعینِ مقدار کے اعتبار سے:

تعینِ مقدار کے اعتبار سے وجوب کی دو اقسام ہیں:

(1) وجوبِ محدّد (2) وجوبِ غیر محدّد[1352]

(1) وجوبِ محدّد:

هو ما عين الشارع له مقداراً معلوماً۔[1353]

ترجمہ: وجوبِ محدّد سے مراد ایسا فعل ہے جس کی شارع نے مقدار متعین کر دی ہو۔

وجوبِ محدّد کی مثال صلواتِ خمسہ، زکوٰۃ اور عشر وغیرہ ہیں کہ شارع نے فرض نمازون اور ان کی رکعتوں کی تعداد اور زکوٰۃ کی فرض مقدار مقرر کر دی ہے۔ ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

حکم:

لا تبرأ ذمة المكلف منه إلا بأدائه على الوجه الشرعي۔[1354]

ترجمہ: اس سے مکلف بریٔ الذمہ نہیں ہوتا جب تک وہ اسے شرعی طور پر (اس کی مقررہ کردہ مقدار کے مطابق) ادا نہ کرلے (یعنی جس طرح شریعت نے اس کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے)۔

(2) وجوبِ غیر محدّد:

وهو مالم يعين له الشارع قدراً محدوداً۔[1355]

1352 (1) شاطبی، الموافقات، ج1ص51۔(2) محمد سلام مدکور، مباحث الحکم ص81۔(3) وهبة الزحيلی، اصول الفقه الاسلامی، ج1ص59۔1352

1353 (وهبة الزحيلی اصول الفقه اسلامی، ج1ص59)

1354 (وهبة الزحيلی اصول الفقه اسلامی، ج1ص59).

1355 علي حسب الله و اصول التشريح الاسلامي ص328

ترجمہ: وجوبِ غیر محدّد ایسا فعل ہے کہ شارع نے جس کی مقدار متعین نہ کی ہو۔

مثلاً: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، نیکی پر تعاون، بھوکے کو کھانا کھلانا، زوجہ کا نفقہ، قرابت دار کا نفقہ، یہ ایسے احکام ہیں کہ شارع نے ان کی مقدار متعین نہیں کی بلکہ یہ ضروری اور استطاعت کے مطابق متعین ہوتے ہیں، یعنی حاجت مند کی ضرورت اور صاحبِ حیثیت کی استطاعت کے مطابق ان کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔

حکم:

هذا لا يجب فى الذمة ولا يصح التقاضى به۔[1356]

ترجمہ: اس کا ذمہ لازمی نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا تقاضا صحیح ہے۔

(3) تکلیف کے اعتبار سے اقسام:

تکلیف کے اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں:

(1) وجوبِ عینی۔ (2) وجوب کفائی۔[1357]

(1) وجوبِ عینی:

هو ما طلب الشارع فعله من كل فرد من أفراد المكلفين، ولا يجزئ قيام مكلف به عن آخر۔[1358]

1356 علي حسب الله واصول التشريح الاسلامي ص 328

1357 (1) آمدى ، الاحكام فى اصول الاحكام ج ۱ ص ۱۴۱۔ (2) ابن اللحام البعلى ، القواعد ، القواعد والفوائد الاصولية، ج ۱ ص ۱۸۶۔ (3) ابن اللحام البعلى، المختصر فى اصول الفقه، ج ۱ ص ۶۰۔

1358 (علم أصول الفقه الناشر: مكتبة الدعوة - شباب الأزهر (عن الطبعة الثامنة لدار القلم ج ۱ ص ۱۰۸)

ترجمہ: وجوبِ عینی سے مراد وہ واجب ہے، جس کا شارع نے ہر مکلف سے علیحدہ مطالبہ کیا ہو اور کسی ایک کے ادا کرنے سے دوسرے کی طرف سے ادائیگی کافی نہ ہو۔

مثلاً: نماز، زکوٰۃ، حج، معاہدات کو پورا کرنا، محرمات سے اجتناب۔ یہ ایسے اَفعال ہیں جو ہر مکلف کو بذات خود ادا کرنے پڑتے ہیں، کسی دوسرے شخص کی ادائیگی سے ان کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔

حکم:

انه یلزم الإتیان به من کل مکلف و لا یسقط طلبه بفعل بعض المکلفین دون بعض۔[1359]

ترجمہ: وجوبِ عینی کی ادائیگی ہر مکلف پر لازم ہے، کسی ایک کے ادا کرنے سے دوسرے شخص سے اسے کی ادائیگی کا مطالبہ ساقط نہیں ہوگا۔

(2) وجوب کفائی:

و هو ما طلب الشارع حصوله من مجموع المکلفین، لا من کل فرد علی حدة۔[1360]

ترجمہ: وجوبِ کفائی سے مراد وہ واجب ہے جس کے حصول کا مطالبہ مکلفین سے مجموعی طور پر ہو، نہ کہ فرد سے علیحدہ علیحدہ۔

مختلف اصولیین نے الفاظ کے اختلاف سے اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔[1361]

1359 وهبة الزحیلی، الوجیز ص ۱۲۸

1360 وهبة الزحیلی، الوجیز ص ۱۲۸

1361 (۱) امیر الحاج، التقریر و التحریر، ج۲ ص ۱۳۵۔(۲) وهول الزحیلی، اصول الفقه، ج ۱ ص ۶۴۔(۳) بصری، المعتمد، ج ۱ ص ۱۴۹۔(۴) القاضی، شرح العضد، ج ۱ ص ۳۳۴۔(۵) محلی، شرح جمع الجوامع، ج ۱ ص ۱۸۳۔(۶) ابن نظام الدین الانصاری، فواتح الرحموت، ج ۱ ص ۶۳۔(۷) سبکی، الابهاج، ج ۱ ص ۱۲۵۔(۸) ابن قدامة، روضة الناظر، ج ۱ ص ۹۳۔

وجوبِ کفائی ایسا فرض یا واجب ہوتا ہے کہ اس کی ادائیگی عمومی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس میں یہ بحث نہیں کی جاتی کہ کس نے ادا کیا اور کس نے نہیں، بلکہ مقصود اس فعل کی ادائیگی ہوتی ہے، چاہے جو بھی اسے ادا ہو جائے گا اور باقیوں کی طرف سے اس کی ادائیگی اور گناہ ساقط ہو جائیں گے۔

مثلاً: نمازِ جنازہ، جہاد، قضاء، وافتاء، اجتماعی سلام کا جواب، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، شفاخانوں کی تعمیر وغیرہ۔ یعنی اگر ایک یا چند افراد نمازِ جنازہ ادا کر لیتے ہیں تو بقیہ لوگوں کے ذمے اس کی ادائیگی واجب نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر چند افراد ایک مجلس کی صورت میں بیٹھے ہیں اور کوئی شخص آکر سلام کہتا ہے تو ان میں سے ایک یا چند نے بھی اگر سلام کا جواب دے دیا تو سب کے ذمے سے وجوبِ ساقط ہو جائے گا۔

حکم:

انه يجب على المجموع فإذا فعله واحد من المكلفين سقط الإثم و الطلب عن الباقين۔[1362]

ترجمہ: وجوبِ کفائی کی ادائیگی مجموعی طور پر لازم ہے۔ مکلفین میں سے اگر کسی ایک نے بھی ادا کر دیا، تو باقی سب سے اس کا مطالبہ اور گناہ ختم ہو گیا۔

وجوبِ کفائی کن حالات میں وجوبِ عینی بنتا ہے:

1۔ البتہ اگر کسی شخص کو اس کے ادا کرنے پر مقرر کر دیا جائے، تو وہ اس کے لیے وجوبِ عین بن جاتا ہے۔

1362 وهبة الزحيلي، الوجيز ص ۱۲۸

2۔ اسی طرح اگر اس کے علاوہ وہ کام کرنے والا کوئی دوسرا نہ ہو، تو وہ کام بھی اس پر وجوبِ عین ہو جاتا ہے۔

(نوٹ): جس عوامی مجموعہ سے واجب کفائی کی ادائیگی مطلوب ہے اگر اُن میں سے کسی نے بھی واجب کفائی کی ادائیگی نہ کی، تو سب کے سب گنہگار ہوں گئے۔ جو وجوب کفائی کی ادائیگی کی قدرت رکھتا تھا وہ بھی اور جو قدرت نہیں رکھتا تھا وہ بھی۔ مگر قدرت رکھنے والا کسی اور کو ادائیگی پر اُبھار سکتا تھا لہٰذا۔ سب گنہگار ہوں گے۔

تعینِ فعل کے اعتبار سے اقسام:

تعینِ فعل کے اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں:

(1) وجوبِ معیّن (2) وجوبِ مخیر[1363]

وهو ما طلبى الشارع بعينه من غير تخيير بين افراد مختلفة۔[1364]

ترجمہ: وجوبِ معیّن سے مراد وہ واجب ہے، جس کا بعینہ شارع مطالبہ کرے، مکلف کو مختلف چیزوں کے درمیان اختیار دیئے بغیر۔

مثلاً: نمازِ جنازہ، روزہ۔ حج، زکوٰۃ، غصب شدہ مال کی واپسی، ایسے فرائض ہیں جو شارع کی طرف سے معین اور مقرر ہیں، مکلف ان کی جگہ کوئی دوسرا فعل ان کے قائم مقام کے طور پر ادا نہیں کر سکتا

۔

1363 (1) سبكي، الإبهاج، ج ا ص ١٣١ ٨ (2) البصري، المعتمد، ج ا ص ٩ ٣٣٩۔ (3) ابن اللحام البعلى القواعد والفوائد الأصولية، ج ا ص ٦٧ (4) رازى، المحصول، ج ٢ ص ٢٨٠۔ (5) معروف الدواليه، المدخل، ج ا ص ١٤٧۔ (6) غزالي، المستصفى، ج ا ص ٦٧۔ (7) بهارى، مسلم الثبوت، ج ا ص ٦٦۔ (8) الأستوى، شرح الأسنوى، ١/٩٦.

1364 على حسب الله، اصول التشريح الاسلامى ص ٣٢٧۔

مثلاً: نماز کی جگہ کوئی دوسرا فعل یعنی زکوۃ ادا نہیں کر سکتا بلکہ اسے نماز ہی ادا کرنا پڑے گی۔ اسی طرح نماز کی ادائیگی سے روزہ کی ادائیگی ساقط نہیں ہو گی بلکہ روزہ ہی رکھنا ہو گا۔

حکم:

انه لا تبرأ ذمة المكلف إلا بفعله بعينه۔[1365]

ترجمہ: مکلف صرف اسی واجب (یعنی واجب معین) کو ادا کرنے سے ہی بری الذمہ ہوتا ہے۔

(2) وجوبِ مخیر:

هو ماطلبه الشارع لا بعينه، ولكن ضمن أمور معلومة وللمكلف أن يختار واحداً منها لأداء هذاالواجب۔[1366]

ترجمہ: وجوبِ مخیر سے مراد وہ واجب ہے، جس کو شارع بعینہ طلب نہ کرے بلکہ چند اُمور معلومہ کے ضمن میں اس کا مطالبہ کرے اور مکلف کو ان چند اُمور میں سے کسی بھی ایک کے کرنے کا اختیار ہو۔

مثلاً: قسم کے کفارہ کے لیے شارع نے قرآن مجید میں درج ذیل چیزیں بیان کی ہیں:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (المائدہ:89)

1365 (1) وھبۃ الزحیلی، اصول الفقہ، ج ۱ ص ۶۵۔ (2) الکبیسی، الأحکام، ص ۱۸۶۔

1366 عبدالکریم زیدان، الوجیز، ص ۳۵۔

ترجمہ: اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے پھر جسے (یہ سب کچھ) میسر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔، جب تم کھا لو (اور پھر توڑ بیٹھو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں خوب واضح فرماتا ہے تاکہ تم (اس کے احکام کی اطاعت کرکے) شکر گزار بن جاؤ۔

مندرجہ بالا آیت میں قسم کے کفارہ میں مندرجہ ذیل اختیارات دیئے گئے ہیں:

1۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

2۔ یا اُنہیں کپڑے دینا یا۔

3۔ غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا۔

شریعت میں مکلف کو اختیار ہے کہ ان میں سے کسی بھی ایک کو ادا کرلے، اس ایک ہی کی ادائیگی سے مکلف کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

حکم:

ان المكلف يجب عليه فعل واحد فقط من الأمور التى خيره الشارع فيها فإن لم يفعل أثم واستحق العقاب۔[1367]

ترجمہ: بے شک مکلف پر ان اُمور جن میں شارع نے اس کو اختیار دیا ہے میں سے صرف ایک فعل کی بجا آوری واجب ہوتی ہے، اگر (کسی ایک کو بھی ادا) نہیں کرے گا تو گناہ گار اور مستحق سزا ہو گا۔

1367 وھبۃالزحیلی، اصول الفقۃ، ج ۱ ص ۲۵۔

(و السنة) اور سنت جو ہے لغت میں مطلق طریقے کو کہا جاتا ہے اچھی ہو یا بری، جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ». رَوَاهُ مُسلم۔[1368]

اور شرع میں سنت ما واظب علیه النبی صلی الله علیه و آله وسلم وہ فعل ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بطریقہ عبادت مداومت یعنی ہمیشگی کی ہو۔ (مع ترکه مرة او مرتین) باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسے ساری عمر میں ایک یا دو مرتبہ ترک کیا ہو اور اگر ترک تین بار ہو یا ہمیشگی بطریقہ عادت ہو اور ساری عمر میں ترک کرنا موجود نہ ہو تو اسے مستحب کہا جاتا ہے۔ اور اگر ہمیشگی یعنی دوام بطریقہ عبادت ہو اور ساری عمر میں ترک کرنا موجود نہ ہو تو اسے واجب کہا جاتا ہے۔ فان قیل یہ تعریف رمضان کے آخری دس روزوں میں اعتکاف پر منقوض ہو گی۔ کیونکہ اعتکاف پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بطریقہ عبادت بغیر ترک کرنے کی ہمیشگی کی ہے پھر بھی اعتکاف سنت ہے واجب نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ قلنا اگرچہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خود اعتکاف پر دوام کیا ہے لیکن تارک پر ترکِ اعتکاف کا انکار نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عدمِ انکار اعتکاف کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور سنت سے مراد مطلق سنت ہے، چاہے سنتِ ھُدی یعنی سنتِ مؤکدہ ہو یا زوائد اور مداومت سے مراد عام ہے، چاہے عبادت کے ساتھ ہو یا عادت کے ساتھ۔ تو اس قول میں فائدہ حاصل ہوا و العتاب بالترک فی الھدی۔

[1368] مشکاۃ المصابیح فصل الاول ج ۱ ص ۲۷۔

(وحکمه الثواب بالفعل) اور سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے میں ثواب ہے (والعتاب بالترک)[1369] اور سنت کو ترک کرنے پر عتاب یعنی ملامتی ہے۔فان قیل۔ماالفرق بین العقاب والعتاب؟قلنا۔ان العقاب اظهار الغضب مع زوال المحبة والعتاب اظهار الغضب مع بقاءالمحبة کغضب الاب علی الابن۔ (فی الهدی) سنتِ مؤکدہ میں یعنی یہ حکم سنتِ مؤکدہ کا ہے اور اس قول سے سنتِ زوائد سے احتراز ہو گیا۔سنتِ زوائد کی مثال ایسی ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اٹھنے،بیٹھنے،کپڑے اور نماز کو لمبا کرنے کی عادت شریفہ تھی۔لہٰذا بندے کو اس سنت کی ادائیگی پر نہ مامور کیا گیا اور نہ ترک پر گناہ۔اور مستحب کا ادا کرنا بہتر ہے،اور سنتِ مؤکدہ اس کو کہا جاتا ہے جس کے ادا کرنے پر نعمت کا وعدہ ہو۔اور ترک کرنے پر وعید ہو۔

(والمستحب) اور مستحب کی تعریف یہ ہے کہ المستحب مایکون محب الشارع۔اور شرع میں مستحب وہ عمل یا قول ہے (فعله النبی علیه السلام مرة) جس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ساری عمر میں بطریقہ عبادت ایک دفعہ عمل کیا ہو یا اسے قول فرمایا ہو (وترکه مرة اخریٰ) اور دوسری دفعہ اس قول یا فعل کو ترک کر دیا ہو یا پھر ساری عمر ترک کیئے بغیر

[1369] (والعتاب) اورملامت کرناھے۔بالتاء وهو اللائمة یعنی الملامة فی الدنیا وحرمان الشفاعة فی العقبی مع لحوق اثم یسیر قال ﷺ من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وقال ﷺ (من ضیع سنتی) ای جعلها ضایعاً بعدم اتباعه (حرمت علیه شفاعتی) الشفاعة علی قسمین شفاعة لاصل النجاة وشفاعة نیل الدرجات والمراد ههنا الثانی دون الاول فانها ثابتة لکل المسلمین او محمول علی الترک علی سبیل الاستهانة کماهو المشهور فی شروح الحدیث وقال ﷺ (من احیی سنتی) بالاتباع (فقد احیانی،ومن احیانی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة) وقال ﷺ من حفظ سنتی اکرمه الله باربع خصال المحبة فی القلوب البررة والهیبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدین،روی عن رسول الله ﷺ انه قال لیأتی علی الناس زمان تخلق سنتی فیه وتجدد البدعة فمن اتبع سنتی یومئذ صار غریبا وبقی وحیدا ومن اتبع بدع الناس وجد خمسین صاحبا او اکثر وقال الصحابة یارسول الله ﷺ هل بعدنا احد افضل منا قال بلی قالوا افیرونک یارسول الله ﷺ قال لا قالوا افکیف یکونون فیها قال فی الملح فی الماء یذوب قلوبهم کما یذوب الملح فی الماء قالوا افکیف یعیشون فی ذلک الزمان قال کالدود فی الخل قالوا افکیف یحفظون دینهم یارسول الله ﷺ قال کالفحم فی الیدان وضعته طفئ وان امسکته او عصرته احرق الید کذا فی روضة العلماء۔

بطریقہ عادت کیا۔ یا پھر ساری عمر میں بطریقہ عادت کیا ہو مگر تین دفعہ اسے ترک کیا ہو۔ (وما احب السلف) اور اس فعل کو بھی مستحب کہا جاتا ہے جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین نے محبوب سمجھا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی۔ لہٰذا زوائد جہتِ ثواب سے حکم اخروی کے اشتراک کی وجہ سے موکدہ کے ساتھ ملحق ہو گی، اور حکم اخروی و ینوی کے عدمِ اشتراک کی وجہ سے موکدہ سے خارج ہو گی۔ (وحکمه الثواب بالفعل) اور مستحب کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ہے، (وعدم العقاب بالترک) اور اس یعنی مستحب ترک کرنے پر ملامتی نہیں۔

ثم اعلم:

سنّت کا بیان:

(1) سنت کی لغوی تعریف:

سنت کے لغوی معانی: طریقہ، دستور، طبیعت، عادت اور شریعت کے ہیں۔ سنت النبی سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم طریقہ ہے اور سنت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دستور اور طریقہ ہے۔[1370]

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (الاحزاب:62)

ترجمہ: اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہر گز بدلتا نہ پاؤ گے۔

1370 (1) وهبة الزحيلى، اصول الفقة، ج ۱ ص ٦٥۔ (2) ابراهيم مصطفى، معجم الوسيط، ج ۱ ص ٤٥٦۔

(2) سنت کی لغوی تعریف:

(1) محدثین کے نزدیک سنت کی تعریف:

السنة هی ما أضیف إلی النبی صلی اللہ علیه و آله و اصحابه و سلم۔ من قول أو فعل أو تقریر، أو صفة خلقیة أو سیرة، سواء کان ذلک قبل البعثة أو بعدها۔[1371]

ترجمہ: اس قول، فعل تقریر یا اخلاقی صفت یا سیرت کو کہتے ہیں جس کی نسبت حضور بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔ قطع نظر اس کے کہ یہ قول، فعل، تقریر یا اخلاقی صفت اور سیرت بعثت سے پہلے کی ہو یا بعد کی۔

(2) فقہاء کے نزدیک سنت کی تعریف:

1۔ السنة: هو الطریقة المسلوکة فی الدین من غیر افتراض و لا وجوب۔[1372]

ترجمہ: سنت دین میں ایسا طریقہ جاریہ ہے جو فرض اور واجب نہ ہو۔

2۔ ما ثبت بقوله علیه الصلاة و السلام أو بفعله و لیس بواجب و لا مستحب۔[1373]

ترجمہ: جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور واجب و مستحب بھی نہ ہو۔

(3) سنت کے اطلاق میں اختلاف:

ترجمہ: ماہرینِ قانون کا سنت کے اطلاق کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام بزدوی اس اختلاف کو یوں بیان کرتے ہیں:

1371 السیوطی، تدریب الراوی، ص ۱۱۶ تا ۱۱۷۔
1372 علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، کشف الأسرار، ج ۲ ص ۴۳۹۔
1373 ابن عابدین الشامی، ردالمختار، ج ۱ ص ۱۰۴۔

ان السنة عندنا قد تقع على سنة النبى عليه اسلام وغيره، قال الشافعی: مطلقها طريقة النبی صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابه وسلم۔[1374]

ترجمہ: ہم اَحناف کے نزدیک سنت کا اطلاق حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طریقہ اور آپ کے علاوہ صحابہ کرام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طریقہ پر بھی ہوتا ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فقط حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طریقہ پر ہی سنت کا اطلاق ہوگا۔

اَحناف کی دلیل:

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کو بھی سنت کہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

ترجمہ: تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے، تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

(4) سنت کا حکم:

(1) أن يطالب المرء بإقامتها من غير افتراض ولاوجوب، لأنها طريقة أمرنا بإحيائها فيستحق اللائمة بتركها۔[1375]

ترجمہ: آدمی سے سنت کو قائم کرنے کا ایسا مطالبہ کیا جاتا ہے جو کہ فرض وواجب نہیں ہوتا، مگر چونکہ ہمیں اس طریقہ کو زندہ رکھنے کا حکم ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنے پر بندہ ملامت کا حقدار ٹھہرتا ہے
۔

1374 (1) بزدوی، الاصول، ص 139۔ (2) صدر الشریعة، التوضیح، ج2 ص 383۔
1375 بزدوی، الأصول، ص 139۔

(2)مایؤخر علی فعله ویلام علی ترکه۔[1376]

ترجمہ: جس کے کرنے پر اجر اور چھوڑنے پر ملامت ہو۔

(5) سنت کی مثالیں:

جیسے وضو میں بسم اللہ پڑھنا، اَعضائے مغسولہ کو تین مرتبہ دھونا وغیرہ سنت ہے۔ان کے کرنے پر اجر اور نہ کرنے پر ملامت ہے، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

1۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیه۔[1377]

ترجمہ: اس کا وضو (کامل) نہیں جس نے اس پر بسم اللہ نہیں پرھی (یہاں وضو کے کمال کی نفی ہے نفسِ وضو کی نہیں)۔

2۔حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں:

من توضأ وذکر اسم اللہ علی وضوئه کان طهورا لجسده، ومن توضأ ولم یذکر اسم اللہ علی وضوئه کان طهورا لأعضائه۔[1378]

ترجمہ: جس نے وضو کے وقت بسم اللہ پڑھی، اس سے اس کے پورے جسم کی طہارت ہو جائے گی اور جس نے وضو کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی، تو اس سے صرف اس کے اعضائے وضو کی ہی طہارت ہو گی۔

1376ابن عابدین الشامی، ردالمختار، ج1ص77۔

1377 (1)ابو دؤد ، السنن کتاب الطھارۃ، باب فی التسمیة علی الوضوء، ج ۱ ص ۲۵ ، رقم ۱۰۱ ۔(2)ترمذی السنن، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی التسمیة عندالوضوء، ج ۱ ص ۳۸۔(3)دارمی، السنن، ج ۱ ض ۷۴،رقم ۱۳ ۔

1378 السنن الکبری وفي ذیله الجوهر النقي الناشر: مجلس دائرۃ المعارف النظامیة الکائنة في الهند ببلدۃ حیدر آباد ج ۱ ص ۴۴

3۔وضو میں اعضائے مغسولہ کو تین مرتبہ دھونے کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

من توضّأ واحدةً فتلک وظيفة الوضوء التي لا بُدَّ منها, ومن توضّأ اثنتين فله كِفْلان ومن توضّأ ثلاثاً فذلک وضوئي ووضوء الأنبياء قبلي۔[1379]

ترجمہ: جس نے ایک ایک بار دھو کر وضو کا وہ عمل ہے جو ضروری ہے، جو دو دو بار دھو کر وضو کرے گا، اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔ اور جو تین تین بار دھو کر وضو کرے گا، تو یہ میرا اور مجھ سے قبل تمام انبیاء کرام علیہ السلام کا وضو ہے۔

احناف طلبِ فعل میں فرض اور واجب کے بعد سنت اور مندوب کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں اور ان میں فرق کرتے ہیں، جبکہ دیگر اُصولیین سنت کی جگہ مندوب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور سنت، نفل، تطوع کو اس کے تحت بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تمام اصطلاحات ہم معنی ہیں۔

(6) سنت کی اقسام:

سنت — باعتبار تاکید:
- سنتِ موکدہ
- سنتِ غیر موکدہ
- سنتِ عین

1379 (إطراف المُسْنِد المعتَلِي بأطراف المسنَد الحنبلي الناشر: [دار ابن كثير، دار الكلم الطيب] - [دمشق - بيروت] ج٣ص ١١ ٥۔)

سنتِ کفایہ

باعتبار تکلیف

بنیادی طور پر سنت کی دو تقسیمات ہیں:

1۔باعتبار تاکید

2۔باعتبار تکلیف۔[1380]

(1) سنت باعتبارِ تاکید:

باعتبار تاکید سنت کی دو اقسام ہیں:

1۔سنت مؤکّدہ (ھدیٰ)۔

2۔سنتِ غیر مؤکّدہ (زائدہ)۔[1381]

(i) سنت مؤکّدہ (ھُدیٰ) کا بیان:

ما واظب رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها، مع الترک أحيانا، و كانت مواظبته على سبيل العبادة۔ وتكون إقامتها تكميلا للدين، ويتعلق بتركها كراهة وإساءة۔[1382]

ترجمہ: جس عمل کو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کبھی کبھار ترک کرنے کے ساتھ دائمی طور پر اپنایا ہو، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا دوام کے ساتھ

1380 (1) وھبۃالزحیلی، اصول الفقہ، ج1 ص78۔(2) الأسنوی، شرح منھاج الأصول ج1 ص100۔
1381 (1) صدر الشریعۃ، التوضیح، ج2 ص282۔(2) ابن عابدین الشامی، ردالمختار، ج1 ص77۔(3) الأسنوی، شرح منھاج الوصول، ج1 ص100، (وھبۃالزحیلی، اصول فقہ ج1 ص78)
1382 القاموس الفقهي ج1 ص273

اسے اختیار کرنا بطور عبادت ہو اور اس کی اقامت، تکمیلِ دین کی خاطر ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت واساءت سے متعلق ہو۔

سنت مؤکّدہ کی مثالیں:

اذان، اقامت، نماز باجماعت وغیرہ سنتِ مؤکدہ ہیں۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مداومت فرمائی اور ان کے کرنے کی تاکید فرمائی۔

۱۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

صليت مع رسول الله العيدين غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة۔[1383]

ترجمہ: میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ نمازِ عیدین ایک دوبار نہیں بلکہ متعدد بار بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کسی نماز میں چند لوگوں کو مفقود پایا تو فرمایا:

والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب فيحطب ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها ثم آمر رجلا فيؤم الناس ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقا سمينا أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء۔[1384]

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں اکھٹی کرنے کا حکم دوں م پھر نماز کا حکم دوں، تو اس کے لیے اذان کہی جائے۔ پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ لوگوں کی امامت کرے، پھر ایسے لوگوں کی طرف نکل جاؤں (جو نماز میں حاضر نہیں

1383 (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ١٠ ص ٢٨٥)
1384 عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج8 ص 225

ہوتے) اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہء قدرت میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کوئی جانتاہو تا کہ اسے ہڈی پر گوشت (یعنی ران کا گوشت) یادوعمدہ کھریاں (پائے) ملیں گی تو ضرور نماز عشاء میں شامل ہو تا۔

فائدہ:

مندرجہ بالا دونوں مثالوں میں ترک کے ساتھ مواظبت (پابندی) پائی جاتی ہے جو سنتِ مؤکدہ کا ثبوت ہے۔

سنتِ مؤکدہ کا حکم:

ا۔صدرالشریعہ کے نزدیک:

ترکھایوجب إساءةوكراهة۔[1385]

ترجمہ: سنتِ مؤکّدہ کو چھوڑنا موجب اساءت وکراہت ہے۔

۲۔علامہ تفتازانی کے نزدیک:

ترک السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة, لقوله - عليه الصلاة والسلام-:«من ترک سنتي لم ينل شفاعتي»۔[1386]

ترجمہ: سنتِ مؤکّدہ کوترک حرام کے قریب ہے۔اس کا تارک شفاعت سے محروم ہوجاتا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:""جس نے میری سنت چھوڑ دی وہ میری شفاعت نہیں پائے گا۔'

۲۔علامہ ابنِ عابدین کے نزدیک:

1385صدر الشريعة, التوضيع۔ج ۲ ص ۲۸۲۔

1386ردالمحتار على الدر المختار الناشر: دار الفكر-بيروت ج1ص104

حكم السنة أن يندب إلى تحصيلها، ويلام على تركها مع لحوق إثم يسير۔[1387]

ترجمہ: سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنا بہتر ہے۔ اور اس کے چھوڑنے پر ملامت اور تھوڑا سا گناہ بھی ہوتا ہے۔

دیگر فقہاء:

۱۔حکمها كالواجب، إلا أن تاركه يعاقب، وتاركها لا يعاقب۔[1388]

ترجمہ: سنتِ مؤکّدہ کا حکم واجب کی طرح ہے، البتہ واجب کا رک مستحقِ سزا، جبکہ سنت کا تارک مستحقِ سزا نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ان فاعله يستحق الثواب و تاركه لا يستحق العقاب ، ولٰكن يستحق اللوم و العتاب۔ وإذا كان من الشاعر الدينية كالاذان و الجماعة و التفق أهل البلدة على تركه، وجب قتالهم لاستها بتهم بالسنة۔[1389]

ترجمہ: بیشک اس کا فاعل مستحقِ ثواب ہوتا ہے اور اس کے تارک پر کوئی سزا نہیں، البتہ ملامت و عتاب ہے۔ اگر وہ سنت شعائرِ دین میں سے ہو، جیسے اذان و جماعت وغیرہ، اگر اہل محلہ اس کے چھوڑ دینے پر متفق ہو جائیں، تو ایسے لوگوں سے سنت کی توہین کی وجہ سے قتال واجب ہو جائے گا۔

سنت غیر مؤکدہ (زائدہ) کا بیان:

1387 رد المحتار على الدر المختار دار الفكر-بيروت ج1 ص104۔
1388 القاموس الفقهي ج1 ص273
1389 وهبة الزحيلى، اصول الفقه، ج ا ص ۴۸۔

۱۔الأمور التی لم یواظب علیها الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم و إنما فعلها مرة أو أکثر و ترکها۔[1390]

ترجمہ: اس سے مراد وہ اُمور ہیں، جن کی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پابندی نہ کی ہو،یعنی ان کو کبھی یا زیادہ مرتبہ کیا ہو اور کبھی نہ بھی کیا ہو۔

مثلاً: عصر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت، ہر ہفتے میں سوموار اور جمعرات کے روزے، عام حالات میں فقراء پر صدقہ کرنا، سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ بعض علماء سنتِ غیر مؤکدہ کے ساتھ سنتِ زائدہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۲۔وھی التی لا تصدر منہ علیہ السلام علی وجہ العبادة بل علی وجہ العادة۔[1391]

ترجمہ: جو عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بطور عبادت صادر نہ ہو بلکہ بطور عادت۔

سنت غیر مؤکدہ کی مثالیں:

حضور بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کھانے، پینے، چلنے، سونے،اور پہننے میں اتباع کرنا یہ تمام اُمور سنتِ زائدہ کہلاتے ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے یہ اُمور بطورِ عادت صادر ہوئے ہیں۔

حکم:

1390 وھبة الزحیلی، اصول الفقه۔ ج1 ص78۔
1391 محلاوی، تسهیل الوصول، ص246۔

أن اخذها حسن وتاركها لايستوجب إساءة وكراهة، ويثاب لو فعلها على نية اتباع النبى صلى اللهٰ تعالىٰ عليه وآلهٖ واصحابهٖ وسلم۔1392

ترجمہ: اس کا کرنا بہتر ہے اور چھوڑنے پر اساءت یا کراہت نہیں، اگر حضور بنی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کی نیت سے ان پر عمل کیا جائے تو باعثِ ثواب ہے۔

سنتِ باعتبارِ تکلیف:

تکلیف کے اعتبار سے بھی سنت کی دو اقسام ہیں:

ا۔ سنتِ عین۔

۲۔ سنتِ کفایہ۔[1393]

1۔ سنتِ عین:

مايسن لكل واحدمن المكلفين بعينه۔[1394]

ترجمہ: تمام مکلفین میں سے ہر ایک سے کسی فعلِ مسنون کی بعینہ بجا آوری سنتِ عین کہلاتی ہے۔

مثلاً: نماز تراویح یہ ایسی سنت ہے کہ ہر مکلف کو اس پر عمل کرنا ہے۔ کسی دوسرے کے عمل سے یہ سنت ادا نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه»۔[1395]

1392 محلاوی، تسہيل الوصول ص 246۔

1393 ابن عابدين، ردالمختار، ج ا ص ۳۹۸۔

1394 ابن عابدين، ردالمختار، ج ا ص 538۔

1395 السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي، الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد ج 2 ص 491۔

ترجمہ: جس نے رمضان میں بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔

2۔ سنتِ کفایہ:

طلب الشارع الفعل فقط و ليس من واحد بذاته أو من معين و لم يكن الطلب جازماً۔[1396]

ترجمہ: شارع فقط فعل طلب کرے اور یہ مطالبہ کسی فرد واحد یا معین فرد سے نہ ہو اور نہ ہی یہ مطالبہ لازمی ہو۔

مثلاً: پورے محلے میں سے چند افراد کا مسنون اعتکاف بیٹھنا سنتِ کفایہ ہے۔یعنی ان چند کا بیٹھانہ بیٹھنے والوں کی بھی کفایت کر جاتا ہے۔

(**والمباح**) اور مباح لغت میں اباحت سے مشتق ہے اور اباحت نفسِ حِل کو کہا جاتا ہے امر کے ساتھ ہو یا بغیرِ امر کے، اور شرع میں مباح (**ما يخير العبد فيه**) یہ وہ عمل ہے جس کے لئے بندے کو اختیار ہے (**بين الاتيان والترک**) کہ چاہے ادا کرے یا چاہے تو ترک کر دے۔(**وحكمه عدم الثواب و العقاب**) اور مباح کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ تو ثواب ہے اور نہ عذاب و ملامتی۔(**فعلا و ترکا**) اس کو ادا کرنے یا ترک کرنے میں یعنی اگر مباح کو ادا کیا جائے تو پھر بھی نہ تو ثواب ہے اور نہ عذاب اور اگر اسے ترک کیا جائے تب بھی ثواب و عذاب نہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کھانا، عبادت کی وجہ سے نیند کرنا، اور اگر کھانا نماز میں کھڑے ہونے کے لئے طاقت حاصل کرنے کی وجہ سے کھایا یا نیند رات کی نماز کی وجہ سے کی یا زوجہ سے وطی کی تو ایسا مباح کرنے والا ثواب پاتا ہے، لہذا فعلا ثواب کو راجح ہوا، اور ترکا عقاب کو راجع ہوا۔

اعلم:

1396 حامد حسان، الحکم الشرعی عند الأصولیین، ص 102۔

مکروہ کا بیان:

1۔ مکروہ کی لغوی تعریف:

مکروہ محبوب کی ضد ہے اور یہ لفظ کَرۃ یا کُرۃ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جس کی معنٰی ہے سخت ناپسندیگی، ناگواری، کسی آدمی ایسے کام پر مجبور کیا جانا جو اُسے طبعاً ناپسند ہو۔[1397]

قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف مقامات پر انہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

1۔وَلٰکِنَّ اللہَ حَبَّبَ إِلَیْکُمُ الْإِیمَانَ وَزَیَّنَہُ فِي قُلُوبِکُمْ وَکَرَّہَ إِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْیَانَ أُولَئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُونَ(الحجرات:7)

ترجمہ: لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ کَرْھًا لَنْ یُتَقَبَّلَ مِنْکُمْ(التوبۃ:53)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ دل سے خرچ کرو یا ناگواری سے تم سے ہر گز قبول نہ ہو گا۔

2۔ مکروہ کی اصطلاحی تعریف:

ھو ماطَلَبَ الشارع ترکہ لا علی وجہ الحتم و الإلزام۔

ترجمہ: مکروہ، وہ شے یا وہ فعل ہے کہ شارع نے جس کے ترک کرنے کا مطالبہ حتمی اور لازمی طور پر نہ کیا ہو۔

3۔ مکروہ کی اقسام:

اَحناف کے نزدیک مکروہ کی دو اقسام ہیں:

1397(1) ابن منظور، لسان العرب، ج12، ص535۔(2) ابراھیم مصطفی، المعجم الوسیط، ج2ص785۔

1۔ مکروہِ تحریمی (جو حرام کے نزدیک تر ہو)۔

2۔ مکروہِ تنزیہی (جو حلال کے نزدیک تر ہو۔)

ذیل میں مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی کی الگ الگ تعریف اور حکم بیان کیا جاتا ہے:

(i) مکروہِ تحریمی کی تعریف:

الفعل الذی طلب الشارع من المکلف الکف عنه طلبا جازما بدلیل ظنی۔[1398]

ترجمہ: مکروہِ تحریمی وہ فعل ہے جس میں شارع مکلف سے لازمی طور پر رک جانے کا مطالبہ کرے اور وہ مطالبہ دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

(ii) مکروہ تحریمی کی مثالیں:

نمازِ وتر کا چھوڑنا، آدمی کا اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا وغیرہ۔

نمازِ وتر واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنی زندگی میں اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا بلکہ چھوڑنے پر وعید سنائی ہے۔

(۱) عن بریدة بن الحصیب الأسلمي: الوِترُ حَقٌّ، فمَن لم یُوتِرْ فلیسَ مِنّا، الوِترُ حَقٌّ، فمَن لم یُوتِرْ فلیسَ مِنّا، الوِترُ حَقٌّ، فمَن لم یُوتِرْ فلیسَ مِنّا۔

ترجمہ: نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

(۲) وتر کے حوالے سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشة أم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنها کُلَّ اللَّیلِ أوْتَرَ رَسولُ اللهِ ﷺ، وانْتَهی وِتْرُهُ إلی السَّحَرِ۔[1399]

1398 تیسیر التحریر ج ۲ ص ۱۳۵۔

1399 البخاري (ت ۲۵٦)، صحیح البخاري ۹۹٦ • صحیح۔

ترجمہ : حضوراکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ہر رات نمازوتر ادا کرتے تھے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی نمازوتر کا وقت سحری تک رہتا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث وتر کے واجب ہونے پر دلالت کر رہی ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کے ترک کرنے پر وعید سنائی ہے اوراپنی زندگی میں ان کو کبھی ترک نہیں کیا۔

اسی طرح مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا:

ولا یَبیعُ بعضکم علی بَیْعِ بعض۔[1400]

ترجمہ: تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔

ان احادیث میں وتر چھوڑنے کی مذمت وارد ہوئی ہے اور بیع پر بیع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ان کی حرمت کی دلیل ہے کیونکہ نہ کرنے کا مطالبہ حتمی طور پر ہے مگرچونکہ یہ اخبارِ احاد سے ثابت ہیں، جو کہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔اس لئے مذکوہ احکام حرام کی بجائے مکروہ تحریمی ہیں۔

(iii)مکروہ تحریمی کا حکم:

انہ یذم فاعلہ، ویمدح تارکہ۔[1401]

ترجمہ: اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے فاعل کی مذمت اور تارک کی مدح کی جاتی ہے۔

(iv)مکروہ تحریمی کے ثبوت کے ذرائع:

1400بخاری الصحیح کتاب البیوع ج ۲ ص ۷۵۵ رقم ۲۰۴۳۔
1401تییسیر التحریر ج ۲ ص ۱۳۵۔

مکروہ تحریمی کے ثبوت کے وہی ذرائع ہیں جو حرام کے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ حرام کے ہیں ، مگر فرق یہ ہے کہ حرام دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے، جبکہ مکروہِ تحریمی دلیلِ ظنی یعنی خبرِ احاد وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حرام کا منکر کافر ہے اور مکروہ تحریمی کا منکر فاسق ہے یہ فرق بالکل اُسی طرح کا ہے جس طرح کا فرض اور واجب کا ہے۔

اِساءت:

ا۔اساءت کالغوی معنٰی:

اِساءت کا لفظ (سوء) سے،ماخوذ ہے جس کے لغوی معنیٰ (برا ہونے) کے ہیں۔[1402]

۲۔اساءت کی اصطلاحی تعریف:

یہ سنت مؤکدہ کے مقابلے میں آتا ہے اور اس سے مراد ایسا فعل ہے جس کا عادتاً کرنا باعثِ عذاب ہو اور کبھی کبھار کرنے پر عتاب ہو۔

۳۔اِساءت کا حکم:

یہ چونکہ سنتِ مؤکدہ کے مقابلے میں آتا ہے، لہٰذا اس کا نہ کرنا بہتر ہے اور اس کے کرنے پر ملامت اور تھوڑا سا گناہ بھی ہے۔[1403]

مکروہِ تنزیہی:

1402 (۱)فیروزآبادی،القاموس المحیط،ج ۱ ص ۵۴۔(۲)زبیدی،تاج العروس،ج ۱ ص ۱۴۰۔

1403 (۱) علاءالدین عبد العزیز البخاری ، کشف الاسرار، ج۲ ص ۴۵۰۔(۲) احمد رضا خان ، فتاوی الرضویہ ۔ ج ۱ ص ۳۲۵۔

ا۔اصطلاحی تعریفات:

1۔مايمدح تاركه، ولا يذم فاعله۔[1404]

ترجمہ: جس کے تارک کی مدح اور کرنے والے کی مذمت کی جاتی ہو۔

2۔هو الفعل الذى طلب الشارع من المكلف الكف عنه طلباً غير جازم۔[1405]

ترجمہ: مکروہ تنزیہی وہ ہے، جس میں شارع مکلف سے کسی کام کو ترک کرنے کا مطالبہ شدت سے نہ کرے ہو۔

3۔ما كان تركه أولى من فعل۔[1406]

ترجمہ: جس کا چھوڑنا کرنے سے بہتر ہو۔

صدرالشریعہ فرماتے ہیں: مکروہِ تنزیہی حلال سے (حرام کی نسبت) زیادہ قریب ہے اور مکروہِ تحریمی حرام کے زیادہ قریب ہے۔[1407]

امام تفتازانی نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اس کے فاعل پر کوئی سزا نہیں، جبکہ تارک کو کچھ ثواب ہے۔ مکروہِ تحریمی کے حرام سے قریب ہونے کا مطلب ہے کہ وہ ممانعت سے متعلق ہوتا ہے، البتہ وہ عذاب کا مستحق نہ ہو گا، جیسے شفاعت سے محروم ہو جانا، بلکہ امام محمد تو فرماتے ہیں کہ

[1404] شوکانی، ارشادالفحول، ج ا ص ۲۴۔
[1405] امیر بادشاہ، تیسیر التحریر، ج2ص 135۔
[1406] ابن عابدین ردالمختار، ج1ص98۔
[1407] صدرالشریعۃ، التوضیع، ج ۲ ص ۲۸۶۔

مکروہِ تحریمی دراصل مکروہ نہیں ہوتا بلکہ حرام ہوتا ہے۔ اسے مکروہِ تحریمی اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ وہ دلیلِ ظنی سے ثابت ہے، اگر دلیلِ ظنی سے ثابت نہ ہوتا تو وہ حرام ہی ہوتا ہے۔[1408]

۲۔ مکروہ تنزیہی کے ثبوت کے ذرائع:

1۔ لفظِ کراہت:

حدیثِ نبوی میں ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے (تمہارے لیے) تین چیزیں ناپسند فرمائی ہیں: قیل و قال (بحث مباحثہ) کرنا، کثرت سے سوال کرنا، اور مال کو ضائع کرنا۔

اس حدیث میں لفظ کَرِہَ (اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے) مذکورہ بالا چیزوں کی کراہت پر دلالت کررہا ہے۔

2۔ لفظ بُغض اور اس کے مشتقات:

مثلاً حدیث نبوی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما أبغضُ الحلالِ إلی اللہِ الطلاقُ۔[1409]

ترجمہ: حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

اس حدیث میں لفظ أبغض (سب سے زیادہ ناپسندیدہ) طلاق کی کراہت پر دلالت کررہا ہے۔

(۳) نہی خفیف:

ایسا صیغۂ نہی جس میں قرینہ ہو کہ یہاں منع کرنا تحریم کی بجائے کراہت کے لئے ہے۔

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْیَاءَ إِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔ (المائدة ١٠١)

1408 تفتازانی، التلویح، ج ۲ ص ۲۸۶۔

1409 ابن حجر العسقلاني (ت ۸۵۲)، تخریج مشکاۃ المصابیح ۳/۳۰۹۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو(جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں(اور تمہیں بری لگیں)۔

اس آیت میں لَا تَسْأَلُوا (مت سوال کرو) نہی کا صیغہ ہے، جو حرمت پر دلالت کر رہا ہے، مگر یہاں حرمت کی بجائے کراہت مراد ہے، جس کا قرینہ آیت کے اگلے حصے میں ہے جس ثابت ہوتا ہے کہ یہاں نہی کراہت کے معنی میں ہے۔

وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (المائدة ۱۰۱)

ترجمہ: اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کروگے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر(نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کر دی جائیں گی(جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ تعالیٰ نے ان(باتوں اور سوالوں) سے(اب تک) در گزر فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

احناف کی دقتِ نظری:

احناف نے جیسے فرض اور واجب کے باریک فرق کو بیان کیا ہے اسی طرح حرام اور مکروہ کے فرق کو بھی صرف احناف نے ہی بیان کیا ہے کہ حرام وہ ہے جس میں دلیلِ قطعی کی بناء پر فعل سے رکنے کا لازمی مطالبہ ہوتا ہے جبکہ مکروہِ تحریمی وہ ہے جس میں دلیلِ ظنی کی بناء پر فعل سے رکنے کا لازمی مطالبہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ احناف نے مکروہ کی دو اقسام تحریمی اور تنزیہی کو بیان کیا ہے جبکہ غیر احناف کے ہاں حرام اور مکروہ تحریمی کے مابین کوئی فرق نہیں ہے مکروہ غیر احناف کے ہاں وہی ہے جو کہ احناف کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے کہ اس کے چھوڑنے پر مدح اور اس کے کرنے پر مذمت ہے۔

(والمحرم) اور حرام جو ہے، حرام لغت میں حرمت سے مشتق ہے، اور حرمت کسی چیز کے منع کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ فقہاء کے اس قول میں آتا ہے حرم القاتل عن الميراث المقتول اى منع عن ميراثه۔ اور شرع میں حرام (ما) وہ فعل ہے (ثبت النهى) جو شارع کی طرف سے نہی یعنی منع کے ساتھ ثابت ہے (فيه بلا عارضٍ) اس حرام میں دلیل حل و حرمت کا تعرض نہیں، جیسے لحم سباع البهائم، شراب، خنزیر، سود، اور یتیم کا مال کھانا۔ لحم سباع البهائم کی حرمت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول مبارک سے ثابت ہے: ان الله تعالىٰ حرم عليكم لحم كل ذى ناب ومخلب من السباع والطيور۔ اور شراب کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: انما الخمر والميسر الأية۔ خنزیر کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: ولحم الخنزير۔ سود کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (ال عمران ۱۳۰) اور یتیم کے مال کی حرمت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: ولا تقربوا مال اليتيم۔ (وحكمه) اور حرام کا حکم یہ ہے کہ (الثواب بالترك) قدرت کے ہوتے ہوئے حرام کو ترک کرنے پر ثواب ہے، اور اگر قدرت شرط نہ ہو تو مخلوق ہر وقت زیادہ ثواب کی مستحق ہوگی، جب کہ بات ایسی نہیں ہے۔ (لله تعالىٰ) خاص اللہ تعالیٰ کے لئے جس کا حکم آسمانوں اور زمین میں غالب ہے، اور ساری موجودات سے اعظم و عالی ہے، یعنی حرام کو ترک کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، (والعقاب بالفعل) اور حرام پر عمل کرنے سے عذاب ہوتا ہے، (من غير عذر) بغیر شرعی عذر کے، جیسے پانچ وقت کی نمازوں یا زکوۃ کا ترک کرنا (والكفر بالاستحلال فى المتفق عليه) اور ایسے حرام کو حلال جاننا کفر ہے جس کی حرمت میں علمائے حق کا اتفاق ہے جیسے اگر زنا کرنے، شراب پینے اور سود کھانے وغیرہ کو حلال سمجھا جائے تو اس

حلال سمجھنے پر مسلمان کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان امور کی حرمت پر علماء کا اتفاق ثابت ہے، **نعوذ باللہ تعالیٰ منھا**۔ قید متفق کے ساتھ حرامِ اختلافیہ سے احتراز ہوا جیسا کہ حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اس حیوان کا پیشاب پینا حرام ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہو۔ اور حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے جانور کا پیشاب بطور دوا پینا جائز ہے جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایسے پیشاب کو مطلق حلال کہتے ہیں تو اس طرح کے اختلافی حرام کو حلال جاننا کفر نہیں ۔ اور ڈھول وباجے (مزامیر) پیشاب کی مثل ہیں، ان کو حلال سمجھنے والا فاسق ہوتا ہے نہ کہ کافر۔

مضموات تمھید ابو الشکور سالمی۔

اعلم:

حرام:

1۔ حرام کی لغوی تعریف:

ترجمہ: حرام کا لغوی معنی ممنوع، ناجزئز اور روک دیا جانا ہے ایسا فعل جس سے روکنا مقصود ہوتا ہے اس کو حرام کہا جاتا ہے۔[1410]

2۔ حرام کی اصطلاحی تعریف:

(1) امام غزالی:

الحرام هو المقول فيه: (أتركوه ولا تفعلوه)۔[1411]

ترجمہ: حرام وہ شے یا فعل ہے جس کے بارے میں ترک کر دینے اور نہ کرنے کا صریح حکم آیا ہو۔

1410 ابراھیم مصطفی، المعجم الوسیط، ج ۱ س ۱۶۹۔

1411 غزالی، المستصفی، ج ۱ ص ۴۵۔

(2)امام بیضاوی:

هو مایذم شرعاًفاعله۔[1412]

ترجمہ: حرام وہ فعل ہے جس کے فاعل کی شرعاًمذمت کی جاتی ہو۔

(3)علامہ شوکانی:

مایذم فاعله، ویمدح تارکه۔[1413]

ترجمہ: حرام وہ فعل ہے جس کے فاعل کی مذمت اور تارک کی تعریف کی جاتی ہو۔

(4) شیخ وھبۃ الزحیلی:

الحرام ماطلب الشارع ترکه علی وجه الحتم و الإزام۔[1414]

ترجمہ: حرام وہ فعل ہے جس کو شارع نے حتمی اور لازمی طور پر ترک کرنے کا مطالبہ کیا ہو۔

(5)فقہاء کی تعریفات میں معلولی فرق:

ترجمہ: اَحناف اور غیر اَحناف سب فقہاء اس بات پر تو متفق ہیں کہ حرام ایسا فعل ہوتا ہے جس میں لازمی طور پر کسی کام سے رک جانے کا مطالبہ ہوتا ہے، مگر ان کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ حرام کا ثبوت کس دلیل سے ہوتا ہے۔اَحناف کے نزدیک حرام کا دلیل قطعی سے ثابت ہونا ضروری ہے۔جبکہ شوافع کہتے ہیں کہ دلیلِ قطعی سے ثابت ہونا ضروری نہیں ۔ اس کے ثبوت کے لیے دلیلِ ظنی بھی کافی ہے۔اَحناف دلیلِ ظنی سے ثابت ہونے والے حکم کو مکروہِ تحریمی کہتے ہیں۔

1412(١)الأسنوی، شرح علی المنهاج، ج ١ ص ١٢٩ ۔(٢)ابن بدران الدمشقی، المدخل إلی مذهب أحمد ص ٦٢۔
1413شوکانی ارشادالفحول، ج1ص34۔
1414وهبة الزحیلی، اصول الفقه۔ج1ص80۔

3۔ حرام کے مترادفات:

ترجمہ: کتبِ اصول میں حرام فعل کے لیے لفظِ حرام کے علاوہ دیگر الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں، جنہیں حرام کے مترادفات یا حرام کے دیگر اَسماء کہا جاتا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:
ذنب، قبیح، مزجور عنه، محظور، ممنوع، متوعدعليه، فاحشه، إثم، سيئة وغیرہ۔[1415]

4۔ حرام کی مثالیں:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرة:173)

ترجمہ: اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (البقرة:151)

ترجمہ: اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل:32)

ترجمہ: اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ۔

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرة:275)

ترجمہ: اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سُود۔

1415(۱) ابن نجار، شرح الكوكب المنير ص ۳۸٦۔(۲) مرداوی، التحبير شرح التحرير، ج ۲ ص ۹۴٦۔

مذکورہ بالا آیات میں مردار، خون، خنزیر کا کھانا اور ناحق قتل، بدکاری اور سود وغیرہ کی حرمت بیان ہوئی، یہ سب حرام ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے، کیوں کہ ان کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہے اور ان کے نہ کرنے کی طلب بھی جازم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی مرتکب ہو گا، تو سخت گناہگار اور مستحقِ سزا ہو گا اور اگر کوئی ان کی حرمت کا انکار کرے گا، تو دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو جائے گا۔

5۔ حرام کا حکم:

ترجمہ: حرام کا چھوڑنا لازمی ہے، اس کا مرتکب مستحقِ سزا ہوتا ہے، جب کہ اس کی حرمت کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور جو حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے وہ فاسق ہے۔

6۔ حرام کی اقسام:

شریعت میں حرام اشیاء کو صرف ان کے مَفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے، یہ فساد یا تو فعل کی ذات میں ہوتا ہے یا کسی خارجی امر کے ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر حرام کی دو اقسام ہیں:

1۔ حرام لذاتہِ

2 حرام لغیرہِ.[1416]

1۔ حرام لذاتہِ.

1416 (1) الشاشی، اصول الشاشی ص47تا 49۔(2) علاءالدین عبد العزیز بن احمد البخاری، کشف الاسرار ج1 ص207۔(3) ابن مالک، شرح المنار۔ ج1 ص209۔(4) آمدی، اصول الاحکام، ج2ص 279۔(5) سرخسی، اصول ، ج1ص 95۔(6) القرافی، الفروق، ج2ص 82۔(7) بهاری، مسلم الثبوت، ج1ص 399۔(8) صدر الشريعة، التوضيح ، ج2ص 125۔(9) ملاخسرو، مرآۃالصول، ج2ص 394۔

1۔مایترتب علی فعلہ من المفاسد و المضار۔[1417]

ترجمہ: جس کے کرنے پر فساد اور نقصان مترتب ہو۔

2۔ھو ما حرمہ الشارع ابتداء عافیۃ من الاضرار و المفاسد الذاتیۃ التی لاتنفک عنہ۔[1418]

ترجمہ: حرام لذاتہٖ وہ حرام ہے، جسے شارع نے اس کے ذاتی ضرر اور مفاسد کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ایسے ضرر اور مفاسد جو کسی حال میں بھی اس سے جدا نہ ہوتے ہیں۔

مثلاً: زنا، چوری، قتل، شراب نوشی اور ایسے ہی دوسرے اُمور جو ذاتی طور پر حرام ہیں کیونکہ ان کے مفاسد ہمیشہ برقرار رہتے ہیں، کبھی مرتفع، معطل یا معدوم نہیں ہوتے۔

حرام لذاتہ کا حکم:

إنہ غیر مشروع أصلا، ولا یصلح أن یکون سببا شرعیا تترتب علیہ الأحکام۔[1419]

ترجمہ: حرام لذاتہٖ کا حکم یہ ہے کہ یہ اَصلاً غیر مشروع ہے، (یعنی اپنی اصل کے لحاظ سے ہی ممنوع ہوتا ہے) اور اس کے اندر یہ شرعی صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ اس پر شرعی اَحکام یا شرعی حقوق مترتب ہو سکیں۔

یعنی اس سے از روئے شریعت استحقاقات قائم نہیں ہوتے، جس پر احکام مترتب ہوں۔لہٰذا چوری ثبوتِ ملک کے لیے اور زنا وراثت یا ثبوتِ نسب کے لیے سببِ شرعی نہیں ہو سکتا۔

البتہ بعض اوقات ضرورت کے تحت حرام لذاتہ کی بعض صورتیں مباح ہو جاتی ہیں۔

مثلاً: زندگی بچانے کے لیے بقدرِ حاجت مردار کھانا۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرۃ:173)

1417 الکبیسی۔اصول الاحکام، ص 192۔
1418 عبدالکریم زیدان، الوجیز، ص 42۔
1419 عبدالکریم زیدان، الوجیز، ص 43۔

ترجمہ: گی پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے، نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا، تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

اسی طرح شراب کا استعمال یا اپنے دفاع میں کسی سے حملہ آور کا قتل ہو جانا چونکہ ان کی تحریم پانچ بنیادی ضروریات (دین، نفس، عقل، نسل، اور مال) سے مخالفت کی بنا پر تھی، لیکن ان صورتوں میں یہ ضروریات حرام لذاتہ پر انحصار کیے بغیر قائم اور باقی نہیں رہ سکتیں۔ لہٰذا ان کا استعمال عارضی اور استثنائی طور پر مباح ہو جاتا ہے۔

2 حرام لغیرہ:

هو ما كان مشروعاً في الأصل إذ لا ضرر فيه ولا مفسدة، أو أن منفعته هي الغالبة، ولكنه اقترن به ما اقتضى تحريمه۔[1420]

ترجمہ: حرام لغیرہ وہ حرام ہے، جو اپنی اصل ذات کے اعتبار سے مشروع ہو، کیوں کہ اس میں کوئی ضرر اور فساد نہیں ہوتا ہے، یا اس کی منفعت غالب ہوتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مل گئی ہو، جو اس کے حرام ہونے کا تقاضا کرے۔

مثلاً: غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا، جمعہ کی اذان کے بعد بیع کرنا، عیدین کے دن روزے رکھنا، حرام ہیں، مگر اپنی اصل کے اعتبار سے حرام نہیں، بلکہ نماز، بیع اور روزہ اپنی اصل کے اعتبار سے مشروع اعمال ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مگر بالترتیب مغصوبہ زمین، اذان ہو جانے اور عیدین کے ایام کی وجہ سے حرام ہو گئے ہیں۔ اس لیے اس حرمت کو (حرمت لغیرہ) اور عمل کو (حرام لغیرہ) کہا جائے گا۔

1420 عبدالکریم زیدان، الوجیز، ص 43۔

کیونکہ کسی اور خارجی سبب نے فی نفسہ کسی جائز عمل کو حرام بنا دیا۔ لہٰذا یہ (حرمت مؤقت اور عارضی)ہوتی ہے۔

حرام لغیرہ کا حکم:

أنه مشروع بأصله وذاته وغير مشروع بوصفه۔[1421]

ترجمہ: حرام لغیرہ اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے مشروع ہوتا ہے۔ مگر اپنے وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہوتا ہے۔

اس اعتبار سے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اَحناف اس کی مشروعیت کے پہلو کا اعتبار کرتے ہیں اور اس کی مشروعیت کے پہلو کو حرمت کے پہلو پر ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک حرام لغیرہ سبب شرعی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس پر احکام مترتب ہوتے ہیں۔

مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنے سے اس کے ذمہ سے نماز ساقط ہو جائے گی، مگر زمین کے غصب کرنے کا گناہ ہو گا۔ اسی طرح جمعہ کی اذان کے بعد بیع منعقد ہو جائے گی، البتہ حکم کی مخالفت پر گناہ ملے گا۔

فقہاء کی ایک جماعت حرام لغیرہ میں سببِ حرمت کے فساد والے پہلو کو ترجیح دیتی ہے اور ان کے نزدیک حرام لغیرہ بھی حرام لذاتہ کی طرح سبب شرعی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس پر احکام مترتب نہیں ہوتے۔ پس فقہاء کی اس جماعت کے نزدیک غصب شدہ زمین پر نماز ہی جائز نہیں ہو گی اور جمعہ کی اذان کے بعد بیع منعقد ہی نہیں ہو گی۔

7۔ حرام کے ثبوت کے ذرائع:

1421 وھبۃ الزحیلی، اصول الفقہ۔ ج1 ص82۔

(1) لفظِ حرام اور اس کے مشتقات:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (البقرة:174)

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنھوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں اُن بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بیبییں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حُرِّمَتْ (حرام کردی گئی ہیں) کا لفظ آیت میں مذکورہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے حرام ہونے پر دلالت کررہاہے۔

(2) نفی حلت:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرة:230)

ترجمہ: پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔

اسی طرح حدیثِ مبارکہ میں ہے:

لا یحل مال امری ءمسلم إلا بطیب نفس منه۔[1422]

ترجمہ: ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لیے دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

مندرجہ بالا نصوص میں فَلَا تَحِلُّ اور لَا تَحِلُّ کے الفاظ حلال ہونے کی نفی کر رہے ہیں۔ اس لیے تیسری طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے بیوی حرام ہے اور کسی مسلمان کی مرضی کے بغیر اس کا مال کھانا بھی حرام ہے۔

(3)صیغہ نہی:

ایسا صیغۂ نہی جو ایسے قرینہ سے خالی ہو، جو اس کو حرمت سے پھیر دے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل:31)

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے۔

یہاں لَا تَقْتُلُو (قتل مت کرو) یہ صیغۂ نہی ہے۔ جس سے فعل کا حرام ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

(4)لفظِ اجتناب:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (الحج:30)

ترجمہ: تو دور ہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے۔

اس آیت میں فَاجْتَنِبُوا (پس تم پرہیز کرو) کے لفظ سے بتوں کی پلیدی اور جھوٹ کا حرام ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

(4)عقوبت کا تعین:

1422 (1) احمد بن حنبل، المسند، ج5ص 72۔ رقم، 20714۔(2) بیہقی، السنن الکبریٰ، ج6ص100،رقم 11325۔

جس پر دنیوی یا اخروی سزا کا بیان ہو، وہ حرام ہے۔

مثلاً:

1۔ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً (النور:4)

ترجمہ: اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو اُنہیں اسّی کوڑے لگاؤ۔

2۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء:10)

ترجمہ: وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نِری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑکتے دھڑے (بھڑکتی آگ) میں جائیں گے۔

مذکورہ بالا آیات میں چونکہ جھوٹی تہمت لگانے پر اَسی (80) کوڑے مارنے کا حکم ہے اور یتیموں کے مال کھانے والوں کے لیے جہنم کی آگ کی وعید ہے، جو کہ اُخروی سزا ہے۔ چونکہ ان دونوں اَفعال پر سزا کا بیان ہے، اس لیے یہ اور اس قسم کے باقی اَفعال حرام ہوں گے۔

(والمکروہ) اور مکروہ جو ہے لغت میں اس قول و فعل کو کہا جاتا ہے کہ کرھه الشارع یعنی جس سے شارع نے منع فرمایا ہو کیونکہ مکروہ، کرہ سے مشتق ہے اور اور کرہ منع کرنے کو کہا جاتا ہے اور شرع میں مکروہ۔ (ما) وہ قول و عمل ہے (ثبت النهي) جس میں نہی ثابت ہو اای (منع فيه مع العارض) اس میں حل و حرمت یا طہارت و نجاست کی دلیل کا تعارض ہو تا ہے جیسے بلی کا جھوٹا یعنی بچا ہوا کھانا۔ اس کے بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: انه قال الهرة من السبع۔ یہ حدیث بلی کے جھوٹے اور گوشت کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ دوسری حدیث جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

روایت کیا ہے، **انها قالت سمعت رسول اللہ ﷺ انه قال الهرة ليست بنجسة وانما هي من الطوافين اى من العبيد والطوافات عليكم۔** لہذا یہ حدیث بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لئے جب دونوں احادیث معارض ہوئیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر عمل کرنا من وجہ ساقط ہو گیا۔ اور ہر ایک پر عمل کرنا من وجہ واجب ہوا تو طہارت کی دلیل نجاست کی دلیل پر عمل کی وجہ سے ساقط ہوئی اور نجاست طہارت کی دلیل پر عمل کی وجہ سے ساقط ہوئی اس لئے بوجہ عمل دلیلین کے بقدرِ امکان کراہیت ثابت ہوئی۔ (**وحكمه**) اور مکروہ کا حکم یہ ہے کہ (**الثواب بالترک والموصوف**) مکروہ کو ترک کرنے ایسا میں ثواب ہے جس طرح حرام کے ترک کرنے میں ثواب ہے۔ للہ تعالیٰ۔ یہ ترک صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اگر مکروہ (جیسے بلی کا جھوٹا) کو نفرتِ طبیعت کی وجہ سے ترک کیا تو اس میں ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے۔ (**وخوف العقاب بالفعل**) اور مکروہ پر عمل کرنے سے عذاب کا خوف ہے اور اگر امر ایسے نہ ہو تو بدلیلِ ظنی عین حرام میں عذاب پر یقین نہیں، اس قول خداوندی کے مطابق کہ **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۴۸)** (بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا)۔ (**وعدم الكفر بالاستحلال**) اور مکروہ کو حلال جاننے پر کفر نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا ثبوت دلیلِ قطعی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ (**والمفسد ما**) اور مفسد وہ ہوتا ہے (**هو النّاقض**) جو فاسد کرتا ہے (**للعمل المشروع فيه**) شروع کئے گئے عمل کو۔ **فان قيل۔** کہ فسادِ نفل کی وجہ سے قصداً عذاب کو واجب نہ کیا جائے کیونکہ **نفل مشروع لنا** ہے اور **بعد الشروع علينا۔ قلنا۔** ہماری بحث بعد الشروع میں ہے نہ کہ قبل

الشروع میں۔ **فان قیل**۔ کہ بطلانِ نفل کی وجہ سے عذاب کو واجب نہ کیا جائے کیونکہ نفل مضمونِ بالقضاء ہے۔ **قلنا**۔ کہ عذاب بطلانِ عمل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور بطلانِ عمل اس قول خداوندی کی دلیل کی وجہ سے حرام ہے **ولا تبطلوا اعمالکم** یہ اس وقت ہے جب بطلان قصدا کمال کے ساتھ نہ ہو۔ جیسا کہ امام کے پیچھے اقتداء کے لئے یا روپے سے کم مقدر کی نجاست کو دور کرنے کے لئے منفرد امبطلان ہوا، لغت میں صحت کی ضد کو بطلان کہا جاتا ہے جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ **ھذاالبیع صحیح وھذاالبیع فاسد**۔ اور شرع میں بطلان اسے کہا جاتا ہے جو متن میں مذکور ہے۔(**وحکمه العقاب بالفعل عمداً**) اور مفسد پر قصداً عمل کرنے سے عذاب کا حکم ہے (**وعدم العقاب سھواً**) اور مفسد پر خطاء اور نسیان یعنی بھولنے کی وجہ سے عمل کرنے پر عذاب نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ **رفع عن امتی الخطاء والنسیان**۔ اور خطاء اور نسیان کے رفع سے رفعِ حکم مراد ہے نہ کہ رفعِ حقیقت۔ دوسرا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **لیس علیکم جناح فیما اخطاتم**۔ اگر نماز میں قصداً قہقہہ لگایا جائے تو عذاب دیا جائے گا اور اگر سہواً قہقہہ نکل جائے تو عذاب نہیں ہوتا۔

(**ثم اعلم**) پھر جان لو۔ **کلمۂ ثم ذکر واخبار** میں تراخی کے ساتھ تعقیب کے لئے ذکر کیا جاتا ہے اور کلمۂ اعلم فرائض سے لے کر مفسدات تک آٹھ بابوں کی تفصیل کے لئے استعمال ہوا ہے، تو فرمایا(**بان الصلوۃ جامعة**) تحقیق نماز جمع کرنے والی ہے یعنی مجموعہ ہے (**للرابعة الاول**) آٹھ اقسام سے پہلی چار اقسام کا جو کہ فرض، واجب، سنت اور مستحب ہیں اور جامعۃ کی صلوۃ کی طرف نسبت حکمی ہے اس لئے کہ صلوۃ میں پہلی چار اقسام کا جامع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ صلوۃ۔ یعنی فرض

واجب اور سنت، نمازی سے شارع کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اذنِ شارع سے ادا ہوتا ہے، جو کہ نفل ہے کیونکہ یہ چار امور نماز میں اصالة شرعا مطلوب مامور بها ہیں، نہ کہ انسانی طبع کے ساتھ۔ (وقد توجد الاربعة للاخيرة فيها طبعا) اور کبھی کبھی بتقاضا طبع نماز کے آخری چار اقسام بھی نماز میں پائے جاتے ہیں، جو کہ مباح، حرام، مکروہ و مفسد ہیں۔ ان آخری چار اقسام میں سے کوئی ایک قسم غفلت کی وجہ سے نماز میں شامل ہو جاتی ہے نہ کہ شرعاً بمثلِ اول چار اقسام کے۔ پس آخری تین اقسام میں عدمِ معنی کا تعبد ہے اور مباح میں عدمِ وجود معنی کا تعبد ہے کیونکہ مباح کے کرنے میں نہ اجر ہے اور نہ ہی گناہ۔ اس لئے نماز میں مباح کا وجود یا واقع ہونا طبعاً ہوتا ہے نہ کہ شرعاً کیونکہ شارع نے نماز میں تحصیل مباح کی ترغیب نہیں دی، (فلا بد من تفصيل كل نوعٍ)۔ پس ہر ایک نوع کو بیان کرنا ضروری ہے (وتعدادها) اور ان کی تعداد بیان کرنا بھی ضروری ہے (بطريق الانحصار والاختصار)۔ ان کو اس طریقے سے بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ ہر نوع اپنے جزئیات پر منحصر بھی ہو اور مختصر بھی یعنی مختصر مگر جامع۔ (مرتبا على ثمانية ابواب) ان اقسام کو آٹھ ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔ (تيسيرا للمؤمنين) تاکہ ان مؤمنین کے لئے آسان ہو جائے جو نمازی ہیں۔ تیسیراً کی نصب یعنی زبر جہتِ تمیز سے ہے اور طریقہ انحصار و اختصار کے ساتھ ترتیب کتاب کی علتِ غائی ہے فان قيل۔ ترتیبِ کتب میں مؤمنوں کے حق میں تیسیرا اول کے ساتھ متحقق تھا تو چھ یا سات ابواب پر کتاب کو مرتب کیوں نہیں کیا گیا۔ قلنا مشروع اور غیر مشروع دونوں کی اقسام آٹھ ہیں۔ نہ اس سے زیادہ ہیں اور نہ ہی کم۔ اس لئے اس کتاب کو بھی آٹھ ابواب میں ترتیب دیا گیا۔

الباب الاول فى بيان الفرائض

الباب الاول آٹھ ابواب میں سے ہے باب لغت میں نوع یعنی قسم کو کہا جاتا ہے جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ:[1423]

عن عبداللہ بن عباس: عنِ النَّبيِّ ﷺ أنّه قال: مَن جمَعَ بينَ صَلاتَينِ من غَيرِ عُذرٍ، فقد أتى بابًا من أبوابِ الكَبائرِ[1424]. ای نوعا من الکبائر۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جس نے دو ادا نمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا تو اس نے کبیرہ گناہوں کی اقسام میں سے ایک گناہ کیا۔ اور اصطلاح میں مسائل فقہیہ میں سے ایک طائفہ کو باب کہا جاتا ہے۔ **اعتبرت مستقلۃ غیر مشتملۃ علی الابواب والفصول۔** بلکہ نوع[1425] واحدہ پر مشتمل ہو۔

وباب اصلہ بوب علی وزن حطب بالفتحتین بدلیل جمعہ علی ابواب وانماقلبت الواوالفالتحرکہاوانفتاح ماقبلہافصارباب وہوفی اللغۃ النوع وعرفانوع من المسائل اشتمل علیہاکتاب ولیست بفصل۔ واعرابہ امابالتنوین مرفوعابتقدیرھذاباب اوبالوقف کسائرالاسماءاوبالاضافۃالی قولہ باب فی بیان الفرائض۔

یہ باب بیان فرائض میں ثابت ہے فرائض فرض کی جمع ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے اور شرع میں فرض اس حکم کو کہا جاتا ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں بالکل

[1423] مثلاان یؤخرصلاۃالظہرالی العصراواخرالمغرب الی العشاءفیہ ردعلی الشافعی رحمہ اللہ تعالی۔ ترجمہ: مثلاًاس طرح کہ ظہر کی نماز کو عصر تک یا مغرب کی نماز کو عشاء تک مؤخر کیا جائے اور اس مسئلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

[1424] العقيلي (٣٢٢هـ)، تنقيح التحقيق ٢/٥٣٩• ابن حبان (٣٥٤هـ)، المجروحين ١/٢٩٥• الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٢/٦٨• ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، معرفة التذكرة ٢٠٩• عمر بن بدر الموصلي (٦٢٢هـ)، الأحاديث الموضوعة للموصلي ٩٤. المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ١/٢٦٥•

[1425] جیسا کہ فرائض ہوئے۔

شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو جس طرح کتاب اللہ غیر مؤول عام غیر مخصوص البعض ،سنت متواترہ اوراجماع[1426]۔

فرض کی چاراقسام ہیں

ایک فرض دائمی ہے، جیسے ایمان اور ستر عورت ۔ دوسرا فرض مؤقت ہے جیسے نماز،روزہ،حج اورزکوٰۃ وغیرہ، تیسرا فرض کفایہ ہے جیسے نماز جنازہ۔اور چوتھا فرض ظنی ہے جیسا کہ وضو میں کہنیوں ،ٹخنوں اور عذارین کا دھونااور چوتھائی سر کا مسح کرنا۔وھی خمسة عشر۔اور نماز کے یہ فرائض پندرہ ہیں ان پندرہ میں سے تیرہ اتفاقی ہیں اوردواختلافی ۔[1427] بعضھاخارجیة ۔ان پندرہ میں سے بعض خارج نمازہیں جن کو شرائط نماز کہاجاتاہے۔یہ نماز سے باہر اداہوتے ہیں یعنی نماز سے مقدم ہوتے ہیں کیونکہ کسی شئے کی شرط اس شئے سے مقدم ہوتی ہے۔وبعضھاداخلیة۔اوران پندرہ میں سے بعض فرائض نماز میں داخل ہیں۔انہیں ارکان نماز کہا جاتا ہے اور شئے کارکن شئے کا موقوف علیہ ہوتاہےاور شئے رکن سے مرکب ہوتی ہےاوررکن شئے میں داخل ہوتاہےاورشرط شئے کی موقوف علیہ ہوتی ہے اور شئے سے مقدم بھی ہوتی ہے جیسے نمازکیلئے مصلی ہوا۔[1428] اورعلامہ یعنی پہچان شئے سے موقوف علیہ ہوتاہےنہ داخل[1429]

[1426] یعنی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین صریحاً۔

[1427] وھو الخروج بالصنع و التعدیل عندالصاحبین رحمہ اللہ تعالی علیھمافرض ۔ترجمہ:اوروہ یعنی اختلافی فرض صنع کے ساتھ نماز سے خارج ھوتاھے اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ علیھما کے نزدیک تعدیل فرض ھے۔

[1428] مصلی صلاۃ کی علت ھے اور صلاۃ مصلی ھی سے موجود ھوتی ھے۔

[1429] احترازعن الرکن۔یعنی رکن سے احتراز کیاجاتاھے۔

ہوتا ہے اور نہ موثر[1430] اور نہ ہی شئے کی طرف مفضی اور سبب شئے موقوف علیہ ہوتا ہے اور مقدم بھی اور مفضی[1431] بھی ہوتا ہے۔ داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی موثر ہوتا ہے۔

اما الخارجیة۔ پس وہ فرائض جو نماز سے خارج اور شرائط کے نام سے موسوم ہیں **۔فثمانیة۔** پس وہ آٹھ ہیں[1432] **الوقت۔** معرفت وقت یعنی ہر نماز کیلئے اس نماز کے وقت

[1430] بخلاف الشرط والرکن والسبب۔یعنی شرط، رکن اور سبب کے خلاف۔

[1431] یعنی سبب شئے کے نزدیک ہوتاہے جیسے وقت نماز اور فرضیت بھی نزدیک ہوتی ہے۔

[1432] الوقت ای احدهمامعرفتاالوقت ۔یعنی ایک ان میں سے وقت کوپهچانناهے۔لقوله تعالیٰ : إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء۱۰۳)ای فرضاموقوتاای محدوداباوقات لایجوزتقدیمهاولاتأخیرهاعنهاعندالقدرةعلی فعلهافیهابحسب الاستطاعة حتی یعادالاذان لواذن قبل وقته والاوقات خمسة وقت الصبح من طلوع الفجر الصادق الی قبیل طلوع الشمس ووقت الظهرمن زوال الشمس الی ان یصیرظل کل شئی مثلیه اومثله علی اختلاف القولین واختارالامام الطحاوی الثانی وهوقول صاحبین وفی روایة رواهاالحسن عن ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه الی بلوغ ظل کل شئی مثله وهی قول مالک رحمه الله تعالیٰ وشافعی وزفر رحمهما الله تعالیٰ وهوالاظهرلبیان جبرئیل اول وقت کل صلاة ،ثم اعلم ان کلاالقولین سواظل الاستواءووقت العصرمنهماعلی اختلاف القولین الی غروب الشفق الاحمرعلی المفتی بهوالعشاءوالوترمنه الی الصبح الصادق ولایقدم الوترعلی العشاءلترتیب اللازم ومن لم یجدوقتهمالم یجب کمالوکان فی بلدیطلع فیه الفجرقبل ان یغیب الشفق کبلغارفی اکثرلیالی السنة فیماحکاه صاحب معجم البلدان وقال العینی فانهم لایجدون فی کل سنة وقت العشاءاربعین لیلة فان الشمس کماتغرب من ناهیة المغرب یظهر الفجرمن المشرق وافتی البقالی لعدم وجوبه کمایسقط غسل الیدین من الوضوءعن مقطوعهمامن المرفقین وافتی بعضهم بوجوبهاواختاره المحقق فی فتح القدیرورده العلامة الحلبی شارح المنیة ووافقه العلامة الباقانی فی شرحه علی الملتقی وشرنبلالی فی امدادالفتاح وحواشیه علی الدرروالعلامة نوح آفندی فی حاشیة الدرروصاحب انهرشارح الکنزفی نهرالفائق وتابعهم الشیخ علاؤالدین الحصکفی فی شرحه ولکن انتصرللمحقق ابن الهمام محشی شرح التنویرالعلامة الشیخ ابراهیم الحلبی المداری ورد کلام شارح المنیة فی حاشیته علی شرح التنویروایده ابن العابدین فی حاشیته علی البحرواستظهرالکمال وجوب القضاءاستدلالابقوله علیه السلام حین اخبران الدجال یمکث قالَ: أَرْبَعُونَ يَوْمًا، يَوْمٌ كَسَنَةٍ، وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قُلْنَا: يا رَسُولَ اللهِ، فَذلکَ الْيَوْمُ الذي كَسَنَةٍ، أَتَكْفِينَا فيه صَلَاةُ يوم؟قالَ: لَا، اقْدُرُوا له قَدْرَهُ، وتبعه ابن الشحنه وصححه فی الغازه وذکر فی المنهی انه المذهب قال فی الشرنبلالیة والزیلعی علی الکنز وبه افتی برهان الدین الکبیر ولا ینوی القضاء کم افی الدرر وابی السعود والتبیین لفقد وقد الاداء وفرق اخو صاحب البحر فی النهر بان الوقت موجود حقیقة فی یوم الدجال والمفقود العلامة فقط بخلاف مانحن فیه فان الوقت لا وجود له اصلا ویؤید هذا الفرق العلامة نوح افندی معزیا للحلبی فی شرح المنیة۔ وفی فتاویٰ الظهیریة بلغنا انه ورد فتوی من بلغاء بان الفجر یطلع فیها قبل غیبوبة الشفق فی اقصر لیالی السنة علی الشمس الائمة الحلوانی فکتب علیکم وجوب قضاء العشاء ثم ورد بخوازم علی الشیخ الکبیر سیف الدین البقالی فافتی بعدم الوجوب فبلغ جوابه شمس الائمة الحلوانی فارسل من یسئلة فی عامة بجامع خوارزم ماتقول فیمن اسقط من الصلوٰت الخمس واحدة هل یکفر، فاحس به الشیخ فقال ماتقول فیمن قطعت یدا۔ن المرفقین اورجلاه من الکعبین فکم فرائض وضوئهٖ فقال ثلاث لغوات محل الرابع فقال فکذالک الصلوة الخامسة فبلغ الحلوانی جوابه فاستحسنه ووافقه فیه۔ نکتة: ویصح تقدیم الوتر علی التراویح وتاخیره عنها کذافی نور الایضاح فی فصل التراویح۔ قال المؤلف فی شرحه علی نور الایضاح اعنی مراقی الفلاح عند قوله وتأخیره عنها وهو افضل وقال

کو پہچاننااور نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا فرض ہے۔اگر نماز وقت سے پہلے پڑھ لی تو نمازی کے ذمے سے ساقط[1433] نہیں ہوتی۔اوراگر نماز کے وقت کے بعد پڑھی تو نمازی کے ذمے سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن اسے قضاء کہا جاتا ہے نہ کہ ادا۔اور نمازی اس نماز میں تاخیر کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوتا ہے۔

فان قیل۔ فرض وہ چیز ہے جو مکلف کی قدرت میں ہو اوراس کا فاعل ثواب پانے والا ہو اوراس کا تارک یعنی چھوڑنے والا عذاب میں گرفتار ہو جب کہ وقت کا آنا مکلف کی قدرت میں نہیں لہذا وقت کس طرح فرض ہوا۔

قلنا۔وقت سے مراد **اداء فی الوقت** ہے اوراداء مکلف کی قدرت میں ہے۔**فان قیل**۔اداء عبد یعنی بندے کا فعل ہے اور عبد (بندے) کا فعل نماز میں ہوتا ہے نہ کہ نماز سے باہر تو چاہیئے کہ وقت نماز فرائض داخلی میں سے ہو۔**قلنا**۔وقت سے مراد انتظار وقت ہے اور وقت کا انتظار نماز سے خارج ہے۔

فان قیل۔ کہ سببیت وقت تین باتوں سے خالی نہیں ہو گا یا تو اول وقت سبب ہو گا یا درمیانہ وقت سبب ہو گا یا آخری[1434] وقت سبب ہو گا اگر اول وقت ہو تو درمیانی اورآخری وقت میں نماز قضاء پڑھی جائے گی نہ کہ ادا اوراگر درمیانہ وقت ہو تو اول میں نماز جائز نہیں ہو گی اورآخری[1435] میں قضاء ہو گی اوراگر آخری وقت ہو تو ابتدائی اور درمیانے وقت میں نماز جائز نہیں ہو گی ۔**قلنا**۔سببیت وقت

العلامۃ الطحطاوی وقیل وقتھا (ای التراویح) بعد العشاء قبل الوتر وبہ قال عامۃ مشائخ بخاری واثر الخلاف یظھر فیما لو فاتتہ ترویحۃ لو اشتغل بھا یفوتہ الوتر بالجماعۃ یشتغل بالترویحۃ علی قول مشائخ بخاری وبالوتر علی قول غیرھم۔(فتاویٰ بلخی ص ۴۵-۴۷)

[1433] لعدم الوقوع فی الوقت۔یعنی وقت کے عدم واقع ھونے کی وجہ سے۔

[1434] یا کل ھو گا۔

[1435] اگر کل میں ھو۔

جزمتصلہ اول وقت میں ہویاوسط میں ہویاآخر میں ہولہذاوقت سبب ہواکیونکہ یہ نماز کو مفضی ہے اور شرط نمازاس لئے ہے کہ یہ صلاۃ سے مقدم ہے اور فرضیت وقت کتاب اللہ، سنت ،اجماع اور قیاس سے ثابت ہے کتاب اللہ سے وقت کا فرض ہونااس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ [1436] إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء۱۰۳) [1437] اور فرضیت وقت کا نماز سنت سے اس طرح ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قول ہے کہ [1438] خمس صلوات افترضهن الله تعالیٰ على العباد فمن احسن وضوئهن وصلهن لوقتهن واتم ركوعهن وسجودهن الخ۔ اور فرضیت وقت کا ثبوت اجماع سے اس طرح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت زمانہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہی سے فرضیت وقت پر متفق ہوئی ہے اورآج تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیااور فرضیت وقت کے بارے میں قیاس کہتاہے کہ وقت فرض ہوناچاہئے کیونکہ وقت نماز کی شرط اور سبب ہے اوروقت نماز کو مفضی ہوتاہے اور نماز قبل ازوقت جائز نہیں ۔وطهارة البدن۔اور نمازی کے بدن کا حکمی اور حقیقی پلیدی [1439] سے پاک ہونافرض ہے اوراعضاء کو دھونایعنی وضوکرنااور نہاناطہارت حقیقی ہے اور تیمم کرناطہارت حکمی ہے اور فرضیت غسل اس قول خداوندی سے ثابت ہے [1440] وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (المائدة٦) اور فرضیت غسل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[1436] ارشادخداوندی ھے کہ بے شک مومنوں پرنماز اپنے اپنے وقت پرفرض کی گئی ھے۔

[1437] یعنی اپنے اپنے وقت میں لهذاوقت فرض ھوا۔

[1438] حضوراکرم ﷺ نے فرمایاھے که الله تعالیٰ نے اپنے بندوں پرپانچ نمازیں فرض کی ھیں توجس نے اچھے طریقے سے وضو کیااوراپنے وقت میں نمازاداکی اوررکوع وسجود کوپوراکیا(الخ)۔

[1439] والمرادمن النجاسة مالايخفى وهوزائدعلى مقدارالدرهم فى الغليظة مقدارالكف فى الريق وربع الثوب اوالبعض فى الخفيف۔ترجمه:اورنجاست سے مرادوہ نجاست ھے جوچھپتی نه ھواوروہ نجاست غلیظ میں درھم کی مقدارسے زائدھونجاست رقیقه میں بقدرھتھیلی یعنی ھاتھ کاگڑھایاکپڑے کے چوتھائی حصے کے برابرھویابعض نجاست خفیفه میں۔

[1440] اگرتم حالت جنابت میں ھوتواپنے آپ کوخوب پاک کرو۔

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول مبارک سے ثابت ہے کہ [1441] تحت کل شعرة نجاسةوفی روایة فوق کل جلدة جنابة الافبلوا الشعرو انقوا البشرة۔ اور فرضیت [1442] وضواس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ [1443] إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدة ٦) اوروضو کی فرضیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول مبارک سے ثابت ہے۔ وقال هذا وضوئي ووضوءُ الأنبياءِ مِن قبلي [1444] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔ (علی نبینا وعلیهم السلام) اور نجاست حقیقی سے طہارت حاصل کرنے کا فرض اس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ وثیابک فطهر۔ یعنی اپنے کپڑے پاک رکھو اور کپڑوں کے پاک کرنے میں عبارت النص [1445] ہوئی اور بدن اور مکان کے پاک کرنے میں دلالۃ النص ہوئی اور ثبوت دلالۃ اس طرح ہوتا ہے جس طرح ثبوت عبارت اور تیمم کے فرض ہونے میں یہ قول خداوندی دلیل ہے: وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ

[1441] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاھے کہ ھر بال کے نیچے نجاست ھوتی ھے۔ خبردار بالوں کو تر کرو اور بدن کو صاف کرو۔

[1442] هذا جواب سوال المقدر، تقدیرہ ان فرضیة الوضوء یکون المدعی وفی المدعی لابدمن المثبت ولم یوجد۔اھ۔ ترجمہ: یہ سوال مقدر کا جواب ھے اس کی تقدیریہ ھے کہ بے شک مدعی اور مدعی میں فریضہ وضو ھوتا ھے تو مثبت سے لاچاری ھے جو یہاں پر موجود نھیں۔

[1443] ارشاد خداوندی ھے کہ جب تم نماز کیلئے اٹھو تو پھلے اپنے چھروں اور کھنیوں تک دونوں ھاتھ کو دھولو اور سر کا مسح کرو اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو۔

[1444] الزيلعي (٧٦٢ هـ)، نصب الراية ٢٧/١ •الطبراني (٣٦٠ هـ)، المعجم الأوسط ٧٨/٤ •الدارقطني (٣٨٥ هـ)، سنن الدارقطني ٢١٠/١ •الدارقطني (٣٨٥ هـ)، تنقيح التحقيق ٢٢٠/١ •البيهقي (٤٥٨ هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ٨٠/١ •ابن عبد البر (٤٦٤ هـ)، التمهيد ٢٦٠/٢٠ •ابن القيسراني (٥٠٨ هـ)، ذخيرة الحفاظ ١١٦٩/٢ •ابن عساكر (٥٧١ هـ)، معجم الشيوخ ١٠٤٨/٢ •ابن الملقن (٧٥٠ هـ)، البدر المنير ١٣٧/٢ •ابن الملقن (٧٥٠ هـ)، تحفة المحتاج ١٨٩/١ •الزيلعي (٧٦٢ هـ)، نصب الراية ٢٨/١ •الهيثمي (٨٠٧ هـ)، مجمع الزوائد ٢٣٦/١ •

[1445] جواب سؤال وهو ان الدليل مخالف من المدعى عام والدليل فی الثوب فقط دون البدن والمكان۔ جواب سوال ھے اور وہ یہ کہ مدعی کی دلیل مخالف ھے کیونکہ مدعی عام ھے جب کہ دلیل صرف ثوب یعنی کپڑوں میں ھے نہ کہ بدن اور مکان میں۔

كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا (النساء ۴۳) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھوا یعنی ہمبستری کی اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منھ اور ہاتھوں کا مسح کرو بے شک اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔" اور فرضیت تیمم حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول مبارک سے ثابت ہے۔عن أبي ذر الغفاري: إنَّ الصعيدَ الطَّيِّبَ طَهورُ المسلِمِ، وإنْ لم يجِدِ الماءَ عَشْرَ سنينَ، فإذا وجَدَ الماءَ فلْيُمِسَّه بشَرَتَه[1446]. اور یہ قول بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ہے کہ عن أبي أمامة: فُضِّلتُ بأربعٍ: جُعِلَتْ لي الأرضُ مسجدًا وطَهورًا، فأيُّما رَجُلٍ مِن أُمَّتي أتى الصَّلاةَ، فلمْ يَجِدْ ماءً، وُجَدَ الأرضَ مسجدًا وطَهورًا، وأُرسِلتُ إلى النّاسِ كافَّةً، ونُصِرتُ بالرُّعبِ مِن مَسيرةِ شَهرٍ يَسيرُ بيْنَ يدَيَّ، وأُحِلَّتْ لي الغنائمُ[1447].

جُعلَت لي الأرضُ مسجدًا وطَهورًا فأينَما أدركَتْكَ الصَّلاةُ فَصلِّ[1448] جُعِلَتْ ليَ الأرضُ مسجدًا وتُربتُها طَهورًا[1449] عن أبي أمامة الباهلي: جُعِلَتِ الأرضُ كُلُّها لي ولأمتي مَسْجِدًا وطَهُورًا فأينما أَدْرَكَتْ رجلًا من أمتي الصلاةُ فعنده مَسْجِدُهُ وعنده طَهورُه۔[1450] عن أنس بن مالك: جُعِلَتْ لي كلُّ أرضٍ طيبةٍ مسجدًا وطهورًا۔[1451]

[1446] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج شرح السنة ١/٤٤٩• صحيح الترمذي ١٢٤•

[1447] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج مشكل الآثار ٩/١٦٠• السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٥٨٦٤• ابن كثير (٧٧٤هـ)، تفسير القرآن ٣/٤٩٠• إسناده صحيح • أخرجه أحمد (١٩٧٥٠)•

[1448] ابن الملقن (٧٥٠هـ)، شرح البخاري لابن الملقن ٥/٤٩٦•

[1449] الشوكاني (١٢٥٥هـ)، السيل الجرار ١/١٣٢•

[1450] الشوكاني (١٢٥٥هـ)، نيل الأوطار ١/٣٢٦• الرباعي (١٢٧٦هـ)، فتح الغفار ١/١٦٥• العظيم آبادي (١٣٢٩هـ)، غاية المقصود ٣/١٩٤•

[1451] الجورقاني (٥٤٤هـ)، الأباطيل والمناكير ٢/١٠• الذهبي (٧٤٨هـ)، أحاديث مختارة ١١٨•

پس نجاست حقیقی کی دواقسام ہیں [1452] ایک وہ جو نظر آتی ہواوردوسری وہ جو نظر نہ آتی ہواوراس کی دواقسام ہیں ایک نجاست غلیظہ اوردوسری نجاست خفیفہ۔نجاست غلیظہ کی مثال میں بنی آدم کاپیشاب اورمرغی کی گندگی(بیٹ) ،گدھے،گھوڑے،خچراوردیگر چوپایوں کاگوبراورلیدوغیرہ۔اور نجاست خفیفہ کی مثال میں اڑنے والے پرندوں کی بیٹ یعنی فضلہ ہے اوروہ جو نظر نہیں آتے وہ بھی دوقسم کی ہیں ایک غلیظ جیسے بنی آدم کاپیشاب ہے اوردوسری خفیف جیسے ان جانوروں کاپیشاب جن کا گوشت کھایاجاتاہے۔**فان قیل۔ان قوله تعالیٰ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)**۔عام مخصوص البعض ہےکیونکہ یہ آیت نمازسے باہرکیلئے نہیں اورنہ ہی ایک روپے سے کم مقدار کی نجاست کیلئے توچاہیئے کہ لباس،مکان اوربدن کی فرضیت طہارت اس آیت سے ثابت نہ ہو۔**قلنا**۔ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ یہ آیت عام ہے بلکہ یہ آیت خاص ہے کیونکہ ہمیں داخل نمازکیلئے خطاب ہے نہ خارج نمازکیلئےاورشرع میں نجاست سے مراد نجاست معتبرہ ہےاوریہ اندازہ نہ توروپے سے زیادہ ہےاورنہ ہی کم۔**فان قیل**۔کہ یہ آیت **ثِيَابَكَ** قصرپرمؤل ہےیعنی کپڑوں کودھونے پرتوچاہیئے کہ اس آیت سے فرضیت ثابت نہ ہو۔**قلنا**۔یہ تاویل اس آیت کے معنی میں خلل ڈالنے والی نہیں کیونکہ کپڑے کاقصرکپڑے کی صفائی کاسبب ہوتاہے۔**فان قیل**۔کسی بوتل میں پیشاب ہواوروہ بوتل آستین میں ہوتونمازجائزہونی چاہیئے کیونکہ لباس،مکان

[1452] جواب سوال وتقدیره ان الحکم فی انواع النجاسة کلهاماجاءولافرق فی الحکم بین انواع النجاسات کلهافاجاب پس ثیابک النجاسة الحکمی لم یوجدالعفو اصلالاقلیلاولا کثیراوفی الحقیقی المرئی المغلظةقدرالدرهم عفووفی غیرالمرئی المغلظةمثل عرض مقعرالکف وفی الخفیف ربع ادنی الثوب۔ترجمه:جواب سوال هےاوراس کی تقدیریه هے کہ بے شک ساری انواع نجاست میں حکم وهی هے جوآیاهےاورانواع نجاست کے حکم میں فرق نهیں تومصنف رحمه الله تعالیٰ نے اس قول سے جواب دیا۔پس ثیابک نجاست حکمی قلیل هویاکثیراس میں هرگزمعافی نهیں اوروه نجاست جوبهاری هواورنظرآتی هویعنی حقیقی المرئی المغلظةاس میں درهم کی مقدارمعاف هےاورغیرالمرئی المغلظةیعنی جونظرنه آتی هواس میں هاتھ کی هتهیلی کی مقدارمعاف هےاورنجاست خفیفه میں کپڑے کی چوتهائی سے کم معاف هے۔

اور جسم تو صاف ہے جبکہ امر ایسے نہیں یعنی اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ **قلنا۔** لباس، مکان اور بدن کی صفائی نجاست کے نزدیکی سے اجتناب میں شرط ہے اوراس کی صورت[1453] میں اجتناب مجاورت موجود نہیں ہے۔

والثوب ۔ اور کپڑے کی پاکی فرض ہے **والمکان ۔** اور مکان کی پاکی فرض ہے اور مکان سے مراد نمازی کے دونوں قدموں اور سجدے کرنے کی جگہ ہے۔ اور طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ یہ حکم زمین اور فرش دونوں میں ہے۔[1454]

اورامام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیاہے یہ مختار ہے اوراس پر فتویٰ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ **وثیابک فطھر۔** اور اگر نجس یعنی گندہ تیل نمازی کے کپڑوں کو پہنچ جائے ایک روپے کی مقدار یااس سے کم پر وہ تیل کپڑے پر پھیل جائے اور[1455] روپے کی مقدار سے زیادہ ہو جائے توفقہائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین نے فرمایاہے کہ یہ نماز کے جواز کو منع کرتاہے۔ فتاوی ابن حافظ نے فرمایاہے کہ یہ نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا اوراس پر فتوی ہے کیونکہ عین نجاست زیادہ نہیں ہے تو یہ حکم شرعا ہے۔ اور پہلا حکم دیانتاً ہے۔

وستر العورۃ ۔ اور نماز میں عورت یعنی شرمگاہ کو چھپاناحق نماز کی وجہ سے فرض ہے اور نماز سے باہر حق عباد یعنی لوگوں کے حق کی وجہ سے بدن کو چھپاناواجب ہے کیونکہ قرآن

[1453] کیونکہ یہ نجاست کا حامل اور حمل نجاست کے ساتھ نماز روا نہیں ھوتی۔

[1454] لانه حكم الارض والارض كبير وطهارة الارض شرقا وغربا لايمكن وفى غير البساط والارض كالرداء مثلاً فلايجوز لو كان تحت مصلى الرداء النجس اى موضع كان۔ ترجمه: کیونکہ یہ زمین کا حکم ھے اور زمین تو بڑی ھے اور زمین کی طھارت شرقاً غرباً ممکن نھیں اور غیر بساط یعنی قالین اور زمین میں مثلاً جس طرح چادر ھوئی تو جائز نھیں اگر مصلی کے نیچے پلید چادر ھو یعنی جو بھی جگہ ھو۔

[1455] دونوں صورتوں میں نجاست درھم کی مقدار سے زیادہ ھوئی یعنی دکھائی دینے والی مقدار زیادہ ھوئی نہ کہ تیل کی اصل مقدار۔

عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :**خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ای مایواری عورتکم عندکل صلوۃ**[1456]۔ تو اول میں حال کا ذکر ہے اور اس سے محل مراد ہے کہ عورت ہے اور دوم میں محل کا ذکر ہے۔**(هو المسجد)** اور اس سے حال مراد ہے۔**(وهی الصلوة) مجازاً۔فان قیل** ۔ستر دو باتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف فرض ہوگا یا لوگوں کی طرف سے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو تو یہ مقصود نہیں اور اگر لوگوں کی جانب سے ہو تو نماز کپڑے پر قدرت ہوتے ہوئے بھی اندھیرے میں، یا مکان کے اندر یا صحرا میں جائز ہونی چاہیئے لیکن حکم ایسے نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے۔**قلنا**۔ ستر نماز کے حق کی وجہ سے فرض ہے لہذا ستر مطلقاً فرض ہوا چاہے دن میں ہو یا رات میں اندھیرے کمرے میں ہو یا صحرا میں۔ **فان قیل**۔ کہ آیت مبارکہ تو طواف[1457] کیلئے نازل ہوئی ہے نہ کہ نماز کیلئے تو چاہیئے کہ اس آیت سے نماز میں فرضیت نماز ثابت نہ ہو۔**قلنا**۔ اعتبار عموم[1458] لفظ کیلئے ہے نہ کہ خصوصی سبب کیلئے۔**فان قیل**۔[1459] جب آیت سبب میں وارد ہو تو حکم ماسوا کیلئے بھی ثابت ہوتا ہے جبکہ لفظ مسبب اسی سبب کے[1460] کہ حکم کیلئے عام ہو۔**(هو الطواف)** جیسا کہ قول خداوندی ہے۔**(هو الصلاة)** میں ہے۔

[1456] اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ یعنی وہ چیز جو کہ تمھاری عورتوں یعنی شرمگاھوں کو چھپالے ھر نماز کے وقت۔

[1457] کفار کی عورتیں بیت اللہ شریف میں ننگے جسم سے طواف کرتی تھیں تا کہ مسلمانوں کو شوق پیدا ھو اور ھمارے ساتھ زنا کریں ۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اور حضور اکرم ﷺ سے فرمایا کہ اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین سے کھہ دو کہ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ الخ۔ بنزدھر مسجد اگر مسجد حرام ھو یا دوسری مسجد جس میں نماز پڑھتا ھو تو نماز میں اپنی عورت یعنی شرمگاہ کو ننگا نہ کرے۔

[1458] کہ خُذُوا زِينَتَكُمْ ھے یہ عام مسلمانوں کو خطاب ھے۔

[1459] آیت کے نزول کا سبب کہ وہ طواف ھے۔

[1460] اور لفظ مسبب تب عام ھو گا جب طواف اور صلوۃ دونوں میں ستر فرض ھو جائے اور طواف میں ستر واجب ھے نہ کہ فرض تو چاھیئے کہ نماز میں بھی واجب ھو۔

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ (المجادلة ۲)[1461]

[1461] الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ (المجادلة ۲) یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ۔"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس کی شنوائی میں ہر چیز سمائی ہوئی ہے۔میں نے خولہ بنت ثعلبہ کا کلام خود سنا تھا لیکن اس کے کلام کا کچھ حصہ میں سن نہ سکی تھی وہ رسول اللہ ﷺ مبارک سے اپنے شوہر کی شکایت کررہی تھیں اور کہہ رہی تھیں یارسول اللہ ﷺ اس نے میرا مال کھالیا اور اس کیلئے میں اپنا پیٹ بکھیر دیا یعنی بچے پیدا کردیے لیکن جب میں بوڑھی ہو گئی اور سلسلہ تولید ختم ہو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا۔بغوی نے لکھا کہ یہ آیت اوس بن صامت کی بی بی حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔خولہ حسین تھیں اور اوس کے مزاج میں غصہ بہت تھا ایک روز اوس نے خولہ سے قربت کرنا چاہی خولہ نے انکار کردیا تو اوس نے کہا۔یاانت علی کظھر امی۔یعنی تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت (کہنے کو تو یہ غصے میں کہہ دیا) پھر پشیمان ہوئی ظہار اور ایلاء (عورت سے محدود الایام کنارہ کش رہنے کی قسم) کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔اس لئے اوس بن صامت نے خولہ سے کہا میرے خیال میں تو میرے لئے حرام ہو گئی خولہ نے کہا واللہ! یہ طلاق نہیں۔یہ کہہ کر خولہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کا سر مبارک ایک طرف سے دھو رہی تھیں خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر کہا یارسول اللہ ﷺ میرے شوہر اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے نکاح اس وقت کیا تھا جب میں جوان تھی ،مالدار تھی اور کنبہ والی تھی جب وہ میرا مال کھا چکا اور میری جوانی ختم کردی اور میرا کنبہ بھی بچھڑ گیا اور میں بوڑھی ہو گئی تو اب اس نے مجھ سے ظہار کرلیا لیکن ظہار کرنے کے بعد پشیمان ہو گیا۔کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر سے یک جا ہو جائیں حضور ﷺ نے فرمایا تو اس کیلئے حرام ہو گئی خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میں اپنی محتاجی اور تنہائی کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں میرا اور اس کا ساتھ مدت دراز تک رہا اور میں نے اس کیلئے اپنا پیٹ جھاڑ دیا یعنی اپنے پیٹ سے اس کے بہت سے بچے جنے حضور ﷺ نے میرے خیال میں تم اس کیلئے حرام ہو گئی ہو اور تیرے متعلق کوئی خاص حکم میرے پاس نہیں آیا۔خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بار بار کلام کو لوٹتی پلٹتی رہیں آخر جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اس کیلئے حرام ہو گئی تو گفتگو سے رکی اور کہنے لگی میں اللہ تعالیٰ سے اپنی محتاجی اور بدحالی کا شکوہ کرتی ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں گی تو بھوکے رہیں گے اور اس کے پاس چھوڑوں گی تو تباہ ہو جائیں گے پھر اوپر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگی اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے ہی شکوہ کرتی ہوں ۔اے اللہ !میرے لئے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر حکم نازل فرمادے، اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کا دوسرا حصہ دھونے لگیں تو خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں۔اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ پر قربان میرے معاملہ میں غور فرمائیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اپنی بات ختم کر اور جھگڑنا چھوڑ۔کیا تو رسول اللہ ﷺ مبارک کے چہرہ مبارک کو نہیں دیکھ رہی ہے۔حضور اکرم ﷺ پر جب وحی اترتی تھی تو اس وقت آپ ﷺ پر ایک اونگھ طاری ہو جاتی تھی جب وحی کی حالت ختم ہو گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنے شوہر کو بلالے اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے تو آپ ﷺ نے یہ آیات ان کو پڑھ کر سنائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا بڑی خیروالا ہے وہ اللہ جس کی شنوائی تمام آوازوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے میں گھر کے گوشے میں موجود تھی اس عورت کی کچھ گفتگو سن لی تھی اور کچھ نہیں سن پائی تھی (مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری گفتگو سن لی) اس آیت کا سبب نزول ظہار کا کفارہ ادا کرنے تک وطی کی حرمت ہے یہ حکم عموم کے لفظ کے ساتھ مسبب کے ساتھ باقی عورتوں کے ظہار میں ثابت ہوا ہے یعنی ظہار کا حکم جو وطی اور وطی کے شوق دلانے والے کاموں کی حرمت میں ہے۔خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمیت باقی عورتوں کیلئے ہے۔ظہار کا لفظ ظہر سے مشتق ہے (ظہر کا معنی پیٹھ ہے) اور ظہار کا معنی ہے کسی شخص کا اپنی بیوی سے یہ کہہ دینا کہ تو میرے لئے ایسے ہی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ (النور ٤)[1462]

اوریہاں اس آیت کا حکم ان افراد کے متناول ہے جن کے حق میں طریقۂ وجوب کے ساتھ وارد ہواہے نہ کہ طریقۂ فرضیت کے ساتھ۔ کیونکہ طواف اگر ننگے جسم کے ساتھ معتبر ہے تو نماز بھی ننگے جسم کے ساتھ معتبر ہونی چاہئے نہ کہ فرض بمثل طواف۔

قلنا۔ آیت فرضیت کی وجہ سے اس وقت حمل ہوتی ہے جب عدم فرضیت کی دلیل موجود نہ ہو جب کہ طواف میں عدم فرضیت ستر کیلئے دلیل موجود ہے اوروہ دلیل اجماع ہے[1463] تو آیت طواف کے حق میں وجوب پر حمل ہوئی اور عدم فرضیت ستر کے ساتھ نماز کے حق میں دلیل موجود نہیں لہٰذا مذکورہ آیت نماز کے حق میں فرضیت ستر پر حمل ہوئی۔ واستقبال القبلة۔ اور قبلے کی طرف منہ کرنا (نماز کا) فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرة ١٤٤) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اوراے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔“

عن أبي هريرة: قالَ قال رسول الله ﷺ: إذا قُمتَ إلى الصَّلاةِ، فأسْبِغِ الوُضوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ القِبْلَةَ،[1464]

[1462] اور جو لوگ پاک دامنوں پر تہمت لگاتے ھیں۔

[1463] اجماع اس بات پر ھے کہ اگر طواف ننگی حالت میں کرے تو بھی ھوتا ھے۔

[1464] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٦٦٦٧• أخرجه ابن ماجه (٤٤٧) • ومسلم (٣٩٧) مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ١٢٨٠• أبو داود (٢٧٥ هـ)، سنن أبي داود ٨٥٦•

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو کامل وضو کرو اور پھر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو۔

عن عبدالله بن عمر بيْنَ النّاسُ بقُباءٍفي صَلاةِ الصُّبح، إذْ جاءَهُمْ آتٍ، فَقالَ: إنَّ رَسولَ اللَّهِ ﷺ قدْ أُنْزِلَ عليه اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وقدْ أُمِرَ أنْ يَسْتَقْبِلَ الكَعْبَةَ، فاسْتَقْبِلُوها، وكانَتْ وُجُوهُهُمْ إلى الشَّأْمِ، فاسْتَدارُوا إلى الكَعْبَةِ[1465].

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (لوگ) مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اس رات قرآن نازل ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حکم ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کرو تم بھی کعبہ کی طرف منہ کرلو چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے ان کے چہرے شام (بیت المقدس) کی طرف تھے تو وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔والنیۃ ۔اور نماز کی نیت فرض ہے نیت کے معنی یہ ہیں کہ محض قربِ الٰہی حاصل کرنے کے خیال سے دل میں افعال عبادت بجالانے کا ارادہ کیا جائے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نیت دل کے ارادے کو کہا جاتا ہے۔

کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے:

عن عمر بن الخطاب: إنّما الأعْمالُ بالنِّيّاتِ۔[1466]

[1465] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٤٠٣• ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ١٧١٥• أحمد شاكر (١٣٧٧هـ)، مسند أحمد ٨/١٦٥•

[1466] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ١• أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٢٢٠١• الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ١/١٧• أبو نعيم (٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٦/٣٧٤• أبو نعيم (٤٣٠هـ)، حلية الأولياء ٨/٤٣• ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، التمهيد ٢١/٢٧٠• النووي (٦٧٦هـ)، الإيضاح في مناسك الحج ٤٠•

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

عن أبي هريرة،إنّ الله لا ينظرُ إلى صُوَرِكُم ولا إلى أَموالِكُم ولكِنْ ينظُرُ إلى قلوبِكُم وإلى أعمالِكُ[1467]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں (یعنی اخلاص) اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں ۔ای ثواب الاعمال موقوف بالنیات۔ نیت میں فرض وقت کا تعین کرنا ہے جیسے نماز عصر ہے اور نیت میں مستحب ہے کہ زبان کے ساتھ رکعتوں کا شمار کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔(البینۃ ۵) اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللّٰہ کی بندگی کریں نِرے اسی پر عقیدہ لاتے۔"

عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قالَ:تعودوا الخير فانما الخير بالعادة وحافظوا علی نياتكم فی الصلوة۔[1468]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ خیر اور بھلائی کے کاموں کی عادت ڈالو اس لئے کہ بھلائی کے کام عادت کی بناء پر ہونے چاہیئں اور نماز میں اپنی نیت کی حفاظت کرو۔

(والتكبيرة الاولی) اور تکبیر اولی فرض ہے فان قیل تکبیر اولی میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کیا کیا ہے؟ قلنا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی بھی اسم ادا کرنا فرض ہے اور اللہ اکبر کہنا

[1467] البيهقي (٤٥٨هـ)، الأسماء والصفات ٢/٣٣٤ •ابن القيسراني (٥٠٨هـ)، ذخيرة الحفاظ ٥٩٩/١ •ابن عساكر (٥٧١هـ)، تاريخ دمشق ١٩٣/١٨ •مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ٢٥٦٤ •ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ٣٩٤ •صحيح ابن ماجه ٣٣٥٩ •

[1468] مجمع الزوائد باب النية والخروج من الصلاة۔

واجب ہے اور تکبیر میں ہاتھ کو کانوں تک اٹھانا سنت ہے، اور ہاتھوں کو کانوں تک پہنچانا مستحب ہے۔
حضرت سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک تکبیرِ اولیٰ شرط ہے جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیر اولیٰ رکن ہے اور اگر کوئی شخص تکبیرِ اولیٰ کے وقت نجاست کو دور کرے یا اپنی شرم گاہ کو چھپائے یا قبلہ کی طرف پھر جائے یا فرض کی تکبیرِ تحریمہ سے نفل کی بنا کرے تو حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان چاروں صورتوں میں نماز جائز ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں نماز جائز نہیں ہوگی۔ پس تکبیرِ اولیٰ کی فرضیت کا ثبوت کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے تکبیر اولیٰ کا یہ ثبوت ہے یعنی فرمانِ خداوندی ہے کہ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (المدثر ۳) فصل صلوۃ (نماز) کو تکبیر (اولیٰ) پر عطف کیا گیا اگر تکبیر اولیٰ رکن ہو تو شے کا اپنے نفس پر عطف لازم ہو جائے گا، تو معلوم ہوا کہ تکبیر اولیٰ نماز سے خارج ہے کیونکہ تکبیرِ اولیٰ شروع پر عقد ہے نہ کہ عین شروع پر اور اس میں یہ قولِ خداوندی ہے وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (الاعلی ۱۵) اور حضرت امامِ اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب[1469] میں اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تکبیرِ اولیٰ نماز سے خارج ہے نہ کہ داخل۔ کیونکہ اگر یہ نماز میں داخل ہوتی تو اس دوران قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا۔ اور تکبیرِ اولیٰ کے ثبوت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا

[1469] مذھب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، صاحبین رحمھما اللہ تعالیٰ اور مذھب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ھیں کہ تکبیراولیٰ اگرچہ رکن ھے لیکن قھقھہ ایسی نجس چیزنھیں توتکبیراولیٰ کے دوران مفسدھو کہ وضو کاٹوٹنالازم آئے۔ھم کھتے ھیں کہ تکبیراولیٰ شرط ھے اورقھقھہ شرائط میں وضو کے دھرانے کو لازم نھیں کرتا۔

کہ عن علي بن أبي طالب: مِفتاحُ الصلاةِ الطُّهورُ وتحريمُها التَّكبيرُ وتحليلُها التَّسليمُ۔[1470]

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اور نماز کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔ تحریمہ لغت میں کسی چیز کے حرام کرنے کو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ نماز سے باہر کی مباح اشیاء کو نماز کے اندر حرام کرتی ہے۔ اور شرع میں تکبیرِ اولیٰ کو ہی تکبیرِ تحریمہ کہا جاتا ہے اور سلام کو تحلیل کے ساتھ مسمّیٰ کیا گیا۔ کیونکہ یہ یعنی سلام نماز کے اندر حرام اشیاء کو نماز سے نکلنے پر نمازی کے لئے حلال کرتا ہے اور تکبیرِ اولیٰ کے ثبوت میں اجماع یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے سے ہی تکبیرِ اولیٰ کے فرض ہونے پر اجماعِ امت ہے اور آج تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ اور قیاس کہتا ہے کہ تکبیرِ اولیٰ فرض ہونی چاہیئے کیونکہ یہ دخولِ نماز کا موقوف علیہ ہے اور نماز میں دخول فرض ہے اس لئے تکبیرِ اولیٰ بھی فرض ہوئی۔[1471]

(واما اداخلية) اور وہ فرائض جو نماز میں داخل ہیں، (فسبعة) پس وہ سات ہیں (القيام) کھڑا ہونا، نماز میں قیام کرنا یعنی کھڑا ہونا کی فرضیت، کتاب اللہ، سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے قیام کی دلیل یہ ہے:

حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطىٰ وقوموا الله قانتين اى صلوا الله قائمين۔

[1470] (ابو داؤد والترمذی، وابن ماجه، وأحمد) أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٦١ •سكت عنه [وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح •أخرجه أبو داود (٦١)، والترمذي (٣)، وابن ماجه (٢٧٥)، وأحمد (١٠٠٦) الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٢٣٨ •حسن • أخرجه الترمذي (٢٣٨) واللفظ له، وابن ماجه (٢٧٦) مختصراً•

[1471] فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے واجب کا واجب، سنت کا سنت اور مستحب کا موقوف علیہ مستحب ہوتا ہے۔

لہذا قدرت رکھتے ہوئے نماز میں کھڑا ہونا (قیام) فرض ہوا اور مجبوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔[1472]

فان قیل۔ نصِ مطلق نماز میں فرضیتِ قیام کا تقاضا کرتی ہے، تو چاہیئے کہ نفل نماز میں بھی کھڑا ہونا فرض ہو، اور قدرت کے باوجود نفل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہ ہو۔ **قلنا۔** نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول سے ثابت ہے کہ **عن عبداللہ بن عمرو: صلاۃُ القاعِدِ علی النِّصفِ من صَلاۃِ القائمِ۔**[1473]

تو معلوم ہوا کہ اس سے نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنے کا جواز ہے اور معذور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا قائم یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ اور قیام سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اس طرح ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ **صلِّ قائمًا، فإن لم تَستطِعْ فقاعدًا، فإن لم تستَطِعْ فعلى جنبٍ۔**[1474] اور اجماع سے قیام اس طرح ثابت ہے کہ امتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے زمانۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے قیام کی فرضیت پر اجماع کیا ہے اور آج تک کسی نے قیام کی فرضیت سے انکار نہیں کیا۔ اور قیاس کہتا ہے کہ حالتِ قدرتِ میں قیام فرض ہونا چاہیئے کیونکہ اطاعت بقدرِ قدرت ہے۔ **فان قیل۔** کہ فرض واجب سنت اور مستحب قیام میں کون سے ہیں۔ **قلنا** ہم کہتے ہیں۔ قیام بقدرِ ایک آیت فرض ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ

[1472] کیونکہ ناتوانی کی حالت میں کھڑا ہونا ساقط ہو جاتا ہے اس قول خداوندی کے مطابق کہ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ۔ (الفتح ۱۷) (اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ)۔

[1473] الترمذي (٢٧٩هـ)، العلل الكبير ٨٠ • صحيح يروى من غير وجه • أخرجه مسلم (٧٣٥)، وابن ماجه (١٢٢٩) باختلاف يسير، والنسائي (١٦٥٩)، وأحمد (٦٨٠٨) واللفظ لهما •.

[1474] ابن باز (١٤١٩هـ)، حديث المساء ٣٤٩] • ثابت • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سنن الدارقطني ١٤٢٥ • صحيح •

کے نزدیک بقدرِ تین آیات فرض ہے۔ **الحمد** پڑھنا، اور مطلق ایک آیت کا پیوست کرنا مذہبِ امامِ اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور بقدرِ ایک لمبی آیت مذہبِ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں واجب ہے اور بقدرِ تین لمبی آیتوں کے سنت ہے، اور بقدرِ تین لمبی آیتوں سے زیادہ تفاوت کے ساتھ پانچ نمازوں میں مستحب ہے۔(**والقراءۃ**)اور نماز میں قرأت فرض ہے پس فرضیتِ قرأت کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ثبوت کتاب اللہ سے یہ قولِ خداوندی ہے **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل ٢٠)** ثبوتِ سنت سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قول اور فعل ہے۔ثبوتِ فعل سے وہ ظاہر ہے۔

ثبوت قول سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ قول ہے:

عن عبادة بن الصامت لا صَلاةَ إلّا بفاتحةِ الكِتابِ و آيتَينِ معها[1475]۔

اور ثبوتِ اجماع سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت زمانۂ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے جمع ہوئی ہے اور آج تک فرضیتِ قرأت سے کسی نے انکار نہیں کیا اور قیاس کہتا ہے کہ قرأت فرض ہونی چاہیئے کیونکہ قرأت نماز میں رکن ہے اور رکن شے کا فرض ہوتا ہے، اور قرأت مطلقاً فرض ہے۔اگر علیحدہ نماز پڑھنے والا ہو، یا مقتدی ہو یا امام ہو۔**فان قیل**۔ کہ مقتدی پر قرأت منع ہے، تو کس طرح اس پر قرأت فرض ہو۔**قلنا**۔ قرأت دو قسم کی ہے، ایک حقیقتاً اور دوسری تقدیراً۔تو مقتدی کے حق میں قرأت تقدیری

[1475] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج المسند ٣٧/٣٤٦• أخرجه البخاري (756)، ومسلم (394)، وأبو داود (822)، والترمذي (247)، والنسائي (910)، وابن ماجه (837)، وأحمد (22677) مختصراً، والطبراني في ((المعجم الأوسط)) (2262) واللفظ له

ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول کے مطابق کہ **عن جابر بن عبداللہ: مَنْ كانَ لَهُ إمامٌ فإنّ قراءةَ الإمامِ قراءةٌ لَهُ**[1476] **فان قیل۔**
کہ فرض وہ فعل ہے جو مکلف کی قدرت میں ہو اور قرأت مقتدی کے حق میں نہیں تو یہ مقتدی پر کس طرح فرض ہوگی۔ **قلنا۔** یہ بات ہم نہیں مانتے کہ مقتدی کی قدرت میں قرأت نہیں بلکہ اس کی قدرت میں ہے۔ **فان قیل۔** آیت عام مخصوص البعض ہے ایک آیت سے کم اس آیت سے خارج ہوا ہے اور یہ دلیلِ ظنی ہے۔ اس کے ساتھ فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ **قلنا۔** یہ بات ہم نہیں مانتے کہ یہ آیت مادون کو متناول ہے کیونکہ قرأت قسم ہے نظمِ معجزہ کے لئے اور معجز آیت ہے نہ کہ مادون کے لئے۔ **فان قیل۔** کہ آیت تو صلوۃ تہجد میں نازل ہوئی اور صلوۃ تہجد منسوخ ہے، تو اس آیت کے ساتھ دوسری نمازوں میں قرأت کس طرح فرض ہوگی۔ **قلنا۔** یہ بات ہم نہیں مانتے کہ صلوۃِ تہجد میں ارکان کا نسخ ہے بلکہ فرضیت کا وصف ہے، کیونکہ جب ایک شخص تہجد کی نماز پڑھ رہا ہو تو قیام اور قرأت وغیرہ تہجد میں بھی اس پر فرض ہیں۔ **فان قیل۔** کہ قرأت میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کون سے ہیں۔ **قلنا۔** مذہبِ حضرت امامِ اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک آیت کی قرأت مطلقاً فرض ہے چاہے وہ قصیر ہو یا طویل، اور مذہبِ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیت اور الحمد کا پڑھنا اور مطلق ایک آیت کا پیوست کرنا یا ایک لمبی یا تین کوتاہ یعنی چھوٹی آیتوں کا پڑھنا اختلافِ مذہبین میں واجب ہے۔ اور تین لمبی آیتوں کا

[1476] العيني (٨٥٥هـ)، عمدة القاري ٦/١٧• له طرق أخرى يشد بعضها بعضا • أخرجه ابن ماجه (٨٥٠)، وأحمد (١٤٦٤٣) الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٢/٧٨• البيهقي (٤٥٨هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ٢/١٥٩• وأحمد (١٤٦٤٣) بنحوه، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٧٩٠٣) واللفظ له۔ الكمال بن الهمام (٨٦١هـ)، شرح فتح القدير ١/٣٤٥• سنده صحيح • ملا علي قاري (١٠١٤هـ)، شرح مسند أبي حنيفة ٣٠٨• إسناده صحيح۔ الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ٢/٧• [فيه جابر الجعفي مجروح ولكن له طرق أخرى مدخولة يشد بعضها بعضا • أخرجه ابن ماجه (٨٥٠)، وأحمد (١٤٦٤٣) باختلاف يسير، وعبد بن حميد في «المسند» (١٠٤٨) واللفظ له

پیوست کرنا سنت ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔**(والرکوع)**۔اوررکوع نمازمیں فرض ہے۔رکوع لغت میں جھکنے کو کہاجاتاہےاورشرع میں کمرکا سر کے ساتھ مطلقاً برابر کرنا ہےاوراگرکمرکاجھکناکم ہوااوروہ قیام کونزدیک تھاتوجائزنہیں اوراگررکوع کو قریب تھاتورکوع جائزہے۔پس فرضیت رکوع کتاب اللہ ،سنت ،اجماع اور قیاس کےساتھ ثابت ہوئی ہے۔ثبوت کتاب اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کایہ قول ہے۔**وارکعوا**۔سنت سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فعل اور قول ہے۔ثبوت فعل توظاہرہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکوع کرتے تھے۔ثبوت قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کایہ قول ہے کہ**عن عمران بن الحصين: سألتُ رسولَ اللهِ ﷺ عن صلاةِ المريضِ فقال صلِّ قائمًا فإن لم تستطِع فقاعِدًا فإن لم تستطِعْ فعلى جَنبٍ**[1477] ثبوت اجماع سے توجمع ہوئی ہے امت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زمانۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اورآج تک رکوع کی فرضیت سے کسی نے انکارنہیں کیااور قیاس کہتاہے کہ نمازمیں رکوع فرض ہوناچاہیئے کیونکہ رکوع نمازمیں رکن ہےاورشئےکارکن شئےکاموقوف علیہ ہوتاہےاورموقوف علیہ نمازکافرض ہوتاہے نمازکی طرح۔کوئی کہتا۔رکوع میں فرض،واجب،سنت اور مستحب کون کون سے ہیں۔ہم کہتے ہیں مطلق رکوع فرض ہےاورطمانیۃ بقدرایک تسبیح کے واجب ہےاوربقدرتین تسبیحات طمانیہ سنت اوربقدرپانچ یاسات تسبیحات کے طمانیہ مستحب ہے۔**(والسّجود)**۔اورسجدہ فرض ہے لغت میں سجدہ انقیاداورمیلان کوکہاجاتاہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں ۔**سجدت النخلة اذامالت**

[1477] ابن العربي (٥٤٣هـ)، عارضة الأحوذي ٣٩٢/١ •حسن۔القرطبي المفسر (٦٧١هـ)، تفسير القرطبي ٤٦٧/٥•

وسقطت علی الارض[1478]۔ اور شرع میں سجدہ نماز میں رکن مخصوصہ سے عبارت ہے کہ رکوع اور قیام یا قعود کے درمیان ادا ہوتا ہے۔ پس فرضیت سجدہ کتاب اللہ تعالیٰ، سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ ثبوت کتاب اللہ تعالیٰ سے یہ قول خداوندی ہے۔ وَاسْجُدُوا (الحج ۷۷)۔ ثبوت سنت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فعل اور قول ہے۔ ثبوت فعل سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ قول ہے کہ ایک بیمار کو فرمایا تھا۔ فصل قاعداًبرکوع وسجود[1479]۔ ثبوت اجماع سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت زمانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سجدہ کی فرضیت پر جمع ہوئی ہے اور آج دن تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ ثبوت قیاس یہ ہے کہ نماز میں سجدہ فرض ہونا چاہئے کیونکہ نماز میں سجدہ رکن ہے اور شئے رکن کے بغیر موجود نہیں ہوتی کیونکہ رکن شئے کا ذاتی شئے ہوتا ہے۔

کوئی کہتا کہ سجدہ میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کون کون سے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مطلق سجدہ فرض ہے جو کہ پیشانی کا رکھنا ہے اور طمانیہ بقدر ایک تسبیح واجب۔ بقدر تین تسبیحات سنت اور بقدر سات تسبیحات مستحب ہے فرض نماز میں۔ کوئی کہتا کہ اللہ تعالی کا یہ قول: وَاسْجُدُوا۔ امر ہے اور امر تکرار کا مقتضی نہیں ہے تو سجدہ میں تکرار فرض نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ بات مانتے ہیں کہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ پہلا سجدہ تو امر کی وجہ سے فرض ہوا اور دوسرا سجدہ مشاکلت کی وجہ سے فرض ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے ارواح کو حکم دیا تو ارواح نے حضرت آدم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ کر دیا اور شیطان نے سجدہ نہیں کیا جب

[1478] جیسے اہل عرب کہتے ہیں کہ درخت نے اس وقت سجدہ کیا جب وہ ٹیڑھا ہوا یا جب گر گیا تھا۔

[1479] حضور ﷺ نے ایک بیمار کو فرمایا کہ نماز بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ پڑھو۔

ارواح نے سجدہ سے سروں کو اٹھایاتواللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت نازل ہوئی سب ارواح لعنت کے خوف سے واپس سجدہ میں گر گئیں توجب ارواح نے سجدہ سے سر اٹھایاتو شیطان علیہ اللعنۃپر لعنت واقع ہوچکی تھی اوردوسرا یہ کہتاہوں کہ پہلا اوردوسرا سجدہ قول خداوندی پر فرض ہواہے کہ۔ **وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ (العلق ۱۹)** **وَاسۡجُدۡ** سے پہلا اور **وَاقۡتَرِبۡ** سے دوسرا سجدہ فرض ہواہے۔[1480] **وَاقۡتَرِبۡ الی اللہ تعالیٰ بالسجدۃ الاخیرۃ کذافی القھستانی**[1481]۔**(والقعدۃ الاخیرۃ)**۔اور قعدۂ اخیرہ (نماز کی آخری رکعت میں بیٹھنا) فرض ہے چاہے فرض ہو یا نفل۔اور قعدہ اخیرہ کی فرضیت کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔

ثبوت قول خداوندی ہے: **اَلَّذِینَ یَذۡکُرُونَ اللہَ قِیَامًا وَقُعُودًا وَعَلَی جُنُوبِہِمۡ (آل عمران ۱۹۱)** ثبوت سنت سے یہ قول اور فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ہے۔ثبوت قول سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ: **اذاقلت ھذاوفعلت ھذافقدتمت صلوتک ای فقدقربت الصلوۃ الی الاتمام**[1482]۔ثبوت فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

[1480] سجدہ نماز کے متفق علیہ فرائض میں سے ھے چنانچہ ھر نمازی پر فرض ھے کہ ھر رکعت میں دو سجدے کرے اب رھی اس کی حد کہ کس طرح سجدہ ادا کرنے سے فرض ادا ھو اس کے بارے میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ھیں کہ فرض سجدہ کی ھڈیاں ھیں کہ (پیشانی کا) کچھ حصہ رکھاجائے اگرچہ یہ حصہ پیشانی کا (جس سے سجدہ ھوتاھے) چھوٹا سا جزو ھو ناک کا کچھ حصہ سجدے میں رکھنا کافی نہیں جب تک کہ معذوری نہ ھو محض چھرے یا ٹھوڑی کا سجدے میں رکھنا قطعاً کافی نہیں خواہ معذوی ھو یا نہ ھو دونوں ھاتھوں میں سے ایک ھاتھ کو اور دو گھٹنوں میں سے ایک گھٹنے کو اور دونوں پیروں میں سے ایک پیر کے کچھ نہ کچھ سرے کے ساتھ سے سجدہ کرنا ضروری ھے اگرچہ ان انگلیوں میں سے جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتاھے صرف ایک ھی انگلی ھو پیشانی کے بیشتر حصہ کا سجدہ میں رکھنا واجب ھے اور پورا سجدہ دراصل وھی ھے جس میں دونوں ھاتھ پورے دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے سرے سر اور پیشانی اور ناک سجدہ میں رکھے جائیں۔

[1481] آخری سجدے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ھوا جیسے کہ قھستانی میں ھے۔

[1482] مذھب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں "السلام" کھہ کر نماز سے خارج ھونا فرض نہیں بلکہ "یہ لفظ السلام" واجب ھے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشھد کی تعلیم دے کر فرمایا کہ "اگر تشھد پڑھ لی ھو یا اس کی

وبارک وسلم سے ظاہر ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قعدہ اخیرہ کوبغیر ترک کے مداومت (ہمیشگی) سے کیا ہے۔ اور قعدۂ اخیرہ کا اجماع سے ثبوت یہ ہے کہ زمانہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ہی امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آخری قعدے کی فرضیت پر اجماع کیاہے اورآج تک کسی نے اس کی فرضیت سے انکار نہیں کیااور قیاس یہ کہتاہے کہ قعدۂ اخیرہ نماز میں فرض ہوناچاہئے کیونکہ کسی حال میں بھی نماز بغیر قعدے کے خارج ہونا متحقق نہیں ہوتااور چونکہ نماز سے خارج ہونا فرض ہے لہٰذا قعدہ اخیرہ بھی فرض ٹھہرا۔

فان قیل۔ قعدہ اخیرہ میں فرض ،واجب،سنت اور مستحب کون کون سے ہیں؟**قلنا۔**قدرے تشہد بیٹھنا فرض ہے اور تشہد پڑھنا واجب ہے۔درود اور دعا کرنا سنت ہے جبکہ سینے کی طرف دیکھنا مستحب ہے۔**(والترتیب)** اور ترتیب کی محافظت واجب ہے۔**(فی ما)**۔ نماز کے اس رکن میں ۔**(اتحدت شرعیته)**۔ کہ اس رکن کاایک دفعہ اداکرنا رواہواہو۔**(فی کل رکعة)** ہر رکعت میں۔ جیسے قیام،رکوع اور سجدہ کرنے میں ترتیب ہے۔**(اوفی جمیع الصلوة)**۔یاوہ رکن ساری نماز میں ایک بار کرناروا ہوا ہو جیسے تکبیر اولیٰ اور قعدہ اخیرہ ہے اور ترتیب نماز کے ان افعال میں فرض ہے۔جوایک رکعت میں مکرر ہو جیسے دوسجدے ہیں اورپہلا سجدہ اتفاقاً فرض ہے ہمارے مذہب کے علماء ثلاثہ کے نزدیک اورامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرا سجدہ مختلف

مقدارقعدہ کرلیاھوتمھاری نمازپوری ھوگئی اب کھڑے ھوجاناچاھوتوکھڑے ھوجاؤاوراگرلوگوں کی طرف منه پھیرناچاھوتوپھیرلو"مقصدیه ھے که حضورﷺنے نمازسے باھرآنے کیلئے "السلام"کھنے کاحکم نهیں دیا۔واضح ھوکه صرف السلام کھنے سے بغیراس کے که علیکم کھاجائے انسان نمازسےباھرآجاتاھےپس اگرکوئی شخص بغیرالسلام کھے نمازسے باھرآجائے خواہ کوئی امروضوتوڑنے والاسرزدکرکے تونمازصحیح ھوگی(لیکن ترک السلام)گناہ ھے اورچاھئے که نمازدوبارہ پڑھ لی جائے اگردوبارہ نه پڑھی تواوربھی گناہ ھوگا۔

فیہ ہے۔ اورامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر فتویٰ ہے کہ اگر رکوع کو قیام اور قرأت سے مقدم کر دیا یا سجدے کو رکوع سے مقدم کیا تو قیام و قرأت کے بعد رکوع کا اور رکوع کے بعد سجدے کا اعادہ نہ کرے اور ہمارے مذہب کے علماء کے نزدیک اعادے پر فتویٰ ہے اور جب فعل مکرر میں ترتیب واجب ہو تو فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلی رکعت میں ایک سجدہ ترک کیا تو دوسری رکعت میں تین سجدے کرے گا دو سجدے دوسری رکعت کے اور تیسرا سجدہ پہلی رکعت کے سجدے کی قضاء کا اور آخر میں سجدہ سہو کرے گا۔ (والخروج)۔ اور نماز سے خارج ہونا فرض ہے۔

(بفعل المصلی)۔ نمازی کے فعل اختیاری منافی کے ساتھ یعنی ایسے فعل سے خارج ہونا فرض ہے جو نماز کے منافی ہو جیسے کھانا پینا، لفظ السلام یعنی اپنے آپ کو قصداً بے وضو کرنا۔ پس نماز سے خارج ہونے کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور قیاس سے ثابت ہے، ثبوت کتاب اللہ سے خروج نماز اس قول خداوندی سے ثابت ہے کہ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (الجمعة ۱۰) سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اس کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا وہ قول ہے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ عن عبداللہ بن مسعود: إذا قلتَ هذا أو فعلتَ هذا فقد قضيتَ صلاتک فإن شئتَ أن تقومَ فقُمْ وإن شئتَ أن تقعُدَ فاقْعُدْ۔[1483] یہاں قیام اوراستقبال (یعنی لوگوں کی طرف مڑ جانا) نماز کے منافی ہے اس لئے یہ نماز سے خروج ہوا اور جس کام سے نماز سے قصداً نکلا جاتا ہے اسے صنع کہا جاتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ نماز سے صنع کے ساتھ نکلنا فرض ہونا چاہیئے، کیونکہ خارج ہونا فرض آخر کا موقوف علیہ

[1483] الدارقطني (۳۸۵ھ)، سنن الدارقطني ۲/۹۰

ہوتا ہے اور فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے اس لئے نماز سے خاج ہونا فرض ٹھہرا۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول کی دلالت میں مذہب صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ میں صنع کے ساتھ نماز سے خارج ہونا فرض نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ **إذا قلتَ هذا أو فعلتَ هذا**[1484]۔ اور اس مسئلے میں بغیر صنع کے نکلنے سے اختلاف اس لئے ہے کہ تیمم کرنے والے آدمی کا تشہد کے بعد پانی کا دیکھنا اور پانی پر قدرت حاصل ہونا بھی نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اور بھی مثالیں ہیں جو "کنز الدقائق" میں مذکور ہیں۔ مذہب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان بارہ صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ ابھی تک فرضیت باقی ہے جو مصلی کا صنع ہے اور مذہب صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ میں مطلقاً خروج فرض ہے نہ کہ مصلی کا صنع۔ اس لئے ان کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ **فان قیل۔** اگر نمازی کا صنع کے ساتھ نماز سے خارج ہونا متحقق ہوتا ہے تو پھر صنع نماز سے خارج ہونی چاہئے نہ کہ داخل نماز۔ **قلنا۔** صنع، قعدے کے ساتھ متصل (ملا ہوا) ہے اور چونکہ قعدہ داخل نماز ہے اس لئے صنع بھی داخل ہوئی۔ **فان قیل۔** تکبیر اولیٰ قیام کے ساتھ متصل ہے اور چونکہ داخل نماز ہے اس لئے صورت صنع کی طرح تکبیر اولیٰ بھی داخل ہونی چاہئے جب کہ تکبیر اولیٰ خارج نماز ہے۔ **قلنا۔** تکبیر اولیٰ قیام سے مقدم ہے اور جو چیز مقدم ہو وہ موئخر کے تابع نہیں ہوتی جب کہ صنع قعدے سے موئخر ہے اس لئے موئخر، مقدم کے تابع ہوتا ہے۔

صفۃ الصلوٰۃ کی پہیلیاں

ا۔ قیام پر قدرت کے باوجود فرض نماز کو بھی بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔ اس کی صورت کیا ہے؟

[1484] اگر تشہد پڑھ لی ہو یا اس کی مقدار میں قعدہ کر لیا۔

۲۔ وہ کون سی صورت ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد بھی بیٹھ جانا واجب ہے؟

۳۔ ایک مقتدی کو مغرب کی نماز میں چودہ بار تشہد یعنی التحیات پڑھنا پڑا اس کی کیا صورت ہے؟

۴۔ چار رکعت کی نماز میں بغیر کسی سہو کے چار بار التحیات پڑھنا پڑے۔اس کی صورت کیا ہے؟

۵۔ فرض نماز میں فرض کی نیت کرنے کے باوجود فرض نماز نہیں ہو گی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۶۔ وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی سلام پھیرنے کے باوجود نماز سے باہر نہیں ہوتا؟

۷۔ وہ کون سے نمازی ہیں کہ ان کو سلام نہیں پھیرنا ہے؟

۸۔ جس وقت کی نیت سے نماز پڑھی اس کے بجائے دوسرے وقت کی نماز ہو گی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۹۔ رکوع و سجود اور قیام پر قدرت کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اس کی صورت کیا ہے؟

۱۰۔پنج وقتی نماز اور عیدین وجمعہ میں کب آخری صف میں شامل ہونا افضل ہے؟

۱۱۔وہ کون سی چار رکعت والی نماز ہے کہ جس کی تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ پڑھنے کا حکم ہے؟

۱۲۔کس رکوع کی تکبیر کہنا واجب ہے؟

۱۳۔نماز میں ثناء و تعوذ اور تسمیہ پڑھنا جائز نہیں۔اس کی صورت کیا ہے؟

۱۴۔کس شخص کو رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم ہے؟

{جوابات} صفۃ الصلوۃ کی پہیلیاں

۱۔ جب کہ نمازی کے پاس کپڑا وغیرہ نہ ہو کہ جس سے بدن چھپا سکے تو ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں قیام پر قدرت رکھنے کے باوجود فرض نماز کو بھی بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: مطبوعہ مصر: ص:۵۵: میں ہے:

مَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلَّى قَاعِدًا يومِئُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ أَوْ قَائِمًا بِرُكُوعٍ وَسُجُودٍ الْأَوَّلُ أَفْضَلُ. هَكَذَا فِي الْكَافِي۔

۲۔ صرف مقتدی قعدہ اولیٰ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہو جائے تو امام کی متابعت کے لئے اس پر بیٹھ جانا واجب ہے نوافل میں بھی جب تک کہ تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے کہ نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے۔

مراقی الفلاح مع طحطاوی: ص:۲۵۳: میں ہے:

إذا سها "المقتدي" فحكمه "كالمنتقل" إذا قام "يعود ولو استتم قائما۔

اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۹۹: میں ہے:

امَّا النَّفَلُ فَيَعُودُ مَالَمْ يُقَيَّدْ بِالسَّجْدَةِ۔

۳۔ ایک مقتدی کو مغرب کی نماز میں چودہ بار تشہد پڑھنے کی صورت یہ ہے مہ مقتدی نے قعدۂ اولیٰ میں امام کو پا کر پہلی بار تشہد پڑھا پھر امام کے ساتھ اس کی تیسری رکعت پر دوسری بار تشہد پڑھا اور امام پر سجدۂ سہو واجب تھا تو سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ تیسری بار تشہد پڑھا۔ پھر امام کو یاد آیا کہ نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے اور سجدہ نہیں کیا ہے تو سجدۂ تلاوت کے بعد پھر چوتھی بار امام کے ساتھ تشہد پڑھ کر سجدۂ تلاوت قعدۂ اخیرہ کو ختم کر دیتا ہے پھر امام نے سجدۂ سہو دوبارہ کرنے کے

بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرا تو مقتدی کو پانچویں بار امام کے ساتھ تشہد پرھنا اس لئے کہ سجدۂ تلاوت کے سبب امام کا پہلا سجدہ سہو بیکار ہو گیا تھا۔

اب مقتدی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اپنی دوسری رکعت کے قعدہ میں چھٹی بار تشہد پڑھا۔ پر اپنی تیسری رکعت میں ساتویں بار تشہد پڑھا اور اس سے بھی کوئی واجب بھی بھول کر چھوٹ گیا تھا تو سجدۂ سہو کے بعد آٹھویں بار تشہد پڑھا۔ اس کے بعد اسے بھی سجدۂ تلاوت یاد آیا تو سجدۂ تلاوت کے بعد نویں بار تشہد پرھا اور چونکہ سجدۂ تلاوت کے سبب سہو بیکار ہو گیا اس لئے سجدۂ سہو کے بعد دسویں بار تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔[1485]

اور در مختار کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

قَدْ یَتکَرّرُ عَشْرًا، کَمَنْ أَدْرَکَ الْإمَامَ فِي تَشَهُّدَيْ الْمَغْرِبِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهّدَ ثُمّ تَذَکّرَ سُجُودَ تِلَاوَةٍ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهّدَ ثُمّ سَجَدَ لِلسّهْوِ وَتَشَهّدَ مَعَهُ ثُمّ قَضَی الرّکْعَتَیْنِ بِتَشَهُّدَیْنِ وَوَقَعَ لَهُ کَذٰلِکَ۔

اور جب مقتدی امام کے ساتھ پانچویں بار تشہد پڑھ چکا اگر اس کے بعد امام کو یاد آیا کہ ہم نے نماز کی کسی رکعت کا ایک ہی سجدہ کیا ہے تو نماز کا چھوٹا ہوا سجدہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ مقتدی کو چھٹی بار تشہد پڑھنا پڑا اور نماز کے سجدہ نے چونکہ پھر سجدۂ سہو کو باطل کر دیا اس لئے امام نے پھر تیسری بار سجدۂ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرا تو مقتدی کو امام کے ساتھ کل سات بار تشہد پڑھنا پڑا اور اگر مقتدی کو بھی اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کے پڑھنے میں اسی قسم کا معاملہ پیش آیا یعنی اس سے بھی نماز کا سجدہ بھول کر چھوٹ گیا تو مقتدی کو تین رکعت کی نماز میں کل چودہ مرتبہ تشہد پڑھنا پڑے گا۔

[1485] (ردالمحتار: جلد اول: ص: ۳۱۳)

جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۱۴: میں ہے:

مِثْلُ التِّلَاوَةِ وَتَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ، فَلَوْ فَرَضْنَا تَذَكُّرَهَا أَيْضًا لَهُمَا زِيدَ أَرْبَعٌ۔

۴۔ اگر چار رکعت کی نماز میں مقیم نے ایک رکعت ہو جانے کے بعد مسافر امام کی اقتداء کی تو اس صورت میں بغیر سہو کے اسے چار بار التحیات پڑھنا پڑھے گا۔ایک بار امام کے ساتھ پھر ان دونوں رکعتوں پر کہ جیسے وہ بغیر قرأت پڑھے گا اور چوتھی بار آخری رکعت میں۔[1486]

۵۔ فرض نماز میں اگر فرض کی نیت کرے گا مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں تو فرض نماز نہیں ہو گی جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں ’’اگر کوئی شخص نماز فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہو گی کہ صلوٰۃ فریضہ میں نیت فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنیٰ فرض سے غافل ہے تو لفظ فرض کا خیال ہوا نہ نیت فرض کی کہ فرض تھی:

فی الاشباہ عن العنایۃ انہ ینوی الفریضۃ فی الفرض الخ ثم نقل عن القنیۃ ینوی الفرض ولا یعلم معناہ لا یجزیہ۔[1487]

۶۔ جس پر سجدۂ سہو واجب ہو مگر سہو ہونا یاد نہ ہو تو اس صورت میں سلام پھیرنے کے باوجود نماز کے باہر نہیں ہو تا بشر طیکہ سجدۂ سہو کر لے لہٰذا جب تک کہ کوئی فعل منافی نماز نہ کیا ہو اسے حکم ہے کہ سجدۂ سہو کرے اور تشہد وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے۔

در مختار مع رد المحتار: جلد اول: ص:۵۰۳: میں ہے:

سَلَامُ مَنْ عَلَيْهِ سُجُودُ سَهْوٍ يُخْرِجُهُ) مِنَ الصَّلَاةِ خُرُوجًا (مَوْقُوفًا) إنْ سَجَدَ عَادَ إلَيْهَا وَإِلَّا لَا۔

[1486] (فتاویٰ رضویہ: جلد سوم: ص:۳۹۵)

[1487] (فتاویٰ رضویہ: جلد سوم: ص:۷۶)

۷۔ امام تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد ٹھٹھا مار کر ہنسا، یا قصدا وضو توڑ دیا تو ان صورتوں میں اس کی مقتدیوں کو سلام نہیں پھیرنا ہے۔

جیسا کہ شامی: جلد اول: ص:۴۱۱: میں ہے:

لَوْ قَهْقَهَ إِمَامُهُمْ أَوْ أَحْدَثَ عَمْدًا فَإِنَّهُمْ يَقُومُونَ بِلَا سَلَامٍ۔

اور جوہرہ نیرہ: جلد اول: ص:۶۵: میں ہے:

لَوْ أَنَّ الْإِمَامَ قَهْقَهَ بَعْدَمَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ أَوْ أَحْدَثَ مُتَعَمِّدًا فَإِنَّ الْقَوْمَ يَذْهَبُونَ مِنْ غَيْرِ سَلَامٍ۔

۸۔ اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے تہجد کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی تو اس صورت میں تہجد کی نیت سے پڑھی ہوئی نماز اس کے بجائے فجر کی دو رکعت سنت ہو گئی۔

جیسا کہ الاشباہ والنظائر: ص:۳۲: میں ہے:

لَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ عَلَى ظَنِّ أَنَّهَا تَهَجُّدٌ بِظَنِّ بَقَاءِ اللَّيْلِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهَا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ كَانَتْ عَنْ سُنَّةِ الْفَجْرِ عَلَى الصَّحِيحِ۔

۹۔ کشتی یا جہاز میں سر چکرانے کے خوف سے رکوع و سجود اور قیام پر قدرت کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

جَوَازُ صَلَاةِ الْفَرْضِ فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ لِخَوْفِ دَوَرَانِ الرَّأْسِ۔ [1488]

۱۰۔ جب کہ یہ جانتا ہو کہ آگے کی صف میں شامل ہو گا تو رکعت چھوٹ جائے گی تو اس صورت میں آخری صف میں شامل ہونا افضل ہے۔

[1488] (الاشباہ والنظائر: ص: ۷۹)

جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

إذَا أَدْرَكَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَشُرُوعُهُ لَتَحْصِيلُ الرَّكْعَةِ فِي الصَّفِّ الْأَخِيرِ أَفْضَلُ مِنْ وَصْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ مَعَ فَوْتِهَا۔[1489]

۱۱۔ فرض اور ظہر وجمعہ کے پہلے چار رکعت والی سنت کے علاوہ ہر چار رکعت والی نماز کی تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم ہے۔

جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۵۴: اور فتاوی رضویہ: جلد سوم ص:۴۶۹: میں ہے:

(وَلَا يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا) وَلَوْ صَلَّى نَاسِيًا فَعَلَيْهِ السَّهْوُ، وَقِيلَ لَا شُمُنِّيٌّ (وَلَا يَسْتَفْتِحُ إذَا قَامَ إلَى الثَّالِثَةِ مِنْهَا) لِأَنَّهَا لِتَأَكُّدِهَا أَشْبَهَتْ الْفَرِيضَةَ (وَفِي الْبَوَاقِي مِنْ ذَوَاتِ الْأَرْبَعِ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ) - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (وَيَسْتَفْتِحُ) وَيَتَعَوَّذُ وَلَوْ نَذْرًا لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ۔

۱۲۔ نماز عیدین کی آخری رکعتوں کے رکوع کی تکبیر کہنا واجب ہے۔

جیسا کہ مراقی الفلاح مع طحطاوی: ص:۱۳۷: میں ہے:

تکبیرۃ الرکوع فی ثانیۃ ای الرکعۃ الثانیۃ من العیدین۔

۱۳۔ جب کہ وقت ختم ہونے سے نماز کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ثناء و تعوذ اور تسمیہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ پورا درود شریف بھی نہ پڑھے صرف **اللھم صل علی سیدنا محمد** پڑھ کر سلام پھیر دے اور اگر اتنی بھی گنجائش نہ ہو تو صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

شرح وقایہ: جلد اول مجیدی: ص:۱۸۱: میں ہے:

اذا ضاق الوقت یترک السنۃ۔

اور الاشباہ والنظائر: ص:۳۶۲: میں ہے:

[1489] (الاشباہ والنظائر: ص:۱۶۸)

لَوْ ضَاقَ الْوَقْتُ عَنْ سُنَنِ الطَّهَارَةِ أَوْ الصَّلَاةِ تَرَكَهَا وُجُوبًا۔

۱۴۔ جو شخص عیدین کی نماز میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام رکوع میں ہے اور وہ حالت قیام میں تکبیرات زوائد کہہ کر امام کو رکوع میں نہیں پا سکتا ہے تو اس شخص کو بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم ہے۔

ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص:۱۰۸: میں ہے اور نور الانوار: ص:۳۹: میں ہے:

من ادرک الامام فی صلوة العید فی الرکوع وفاتت عنه التکبیرات الواجبة فانه یکبر فی الرکوع عندنا من غیر رفع۔

قرأت کی پہیلیاں

۱۔ امام کو عشاء کی آخری رکعتوں میں بھی بلند آواز سے قرأت کرنے کا حکم ہے اس کی صورت کیا ہے؟

۲۔ وہ کون سی صورت ہے کہ فرض کی چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے؟

۳۔ وہ کون سا نمازی ہے کہ جس کو پنج وقتی نماز میں الحمد شریف پڑھنا حرام ہے؟

۴۔ وہ کون سی آیتیں ہیں کہ جن کو بعض نمازوں میں پڑھنا مکروہ ہے؟

۵۔ کس نماز میں کم قرأت کرنا زیادہ قرأت کرنے سے افضل ہے؟

۶۔ جہری نماز میں آیت قرأت کی مگر نہ سجدۂ سہو واجب ہو اور نہ اعادہ۔ اس مسئلہ کی صورت کیا ہے؟

۷۔ فرض کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت پوری پڑھی دوسری رکعت میں بھی اسی صورت کے پڑھنے کا حکم ہے؟

{جوابات} قرأت کی پہیلیاں

۱۔ اگر عشاء کی پہلی دو ر رکعتوں میں سورت ملانا بھول گیا ہو تو اس صورت میں عشاء کی آخری دو رکعتوں میں بھی امام کو سورۂ فاتحہ اور سورت بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے۔

جیسا کہ شرح وقایہ: جلد اول مجیدی: ص:۱۴۹: میں ہے:

ان ترک سورۃ اولی العشاء قرأھا بعد فاتحۃ اخرییہ وجھر بھما ان ام۔

۲۔ فرض کے چاروں رکعتوں میں قرأت کے فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ دو رکعت فرض نماز پڑھانے کے بعد امام کا وضو ٹوٹ گیا تو اس نے مابقی نماز پڑھانے کے لئے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جس کی دو رکعتیں چھوٹ گئی تھیں اور اشارہ کیا کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت بھول گیا تو اس صورت میں خلیفہ پر چار رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

جیسا کہ ردالمحتار: جلد اول: ص:۳۰۰: میں ہے:

قَدْ تُفْرَضُ الْقِرَاءَةُ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الْفَرْضِ الرُّبَاعِيِّ كَمَا لَوْ اسْتَخْلَفَ مَسْبُوقًا بِرَكْعَتَيْنِ وَأَشَارَ لَهُ أَنَّهُ لَمْ يَقْرَأْ فِي الْأُولَيَيْنِ۔

۳۔ مقتدی کو الحمد شریف پڑھنا حرام ہے۔[1490]

۴۔ سجدہ کی آیتیں عیدین وجمعہ اور ہر وہ نماز جس میں قرأت آیات کی جاتی ہے امام کو پڑھنا مکروہ ہے۔

جیسا کہ غنیۃ: ص:۴۷۳: میں ہے:

یکرہ للامام ان یقرأ اٰیۃ السجدۃ فی صلوٰۃ یخافت فیھا وکذا فی نحو الجمعۃ والعید لانہ ان ترک السجود لما فقد ترک واجبا وان سجد یشتبہ علی المقتدیین الا ان تکون السجدۃ فی اٰخر السورۃ او قریبا منہ بحیث تؤدی برکوع الصلوٰۃ او سجودھا۔

۵۔ فجر کی دو رکعت سنت میں کم قرأت کرنا زیادہ قرأت کرنے سے افضل ہے۔

[1490] (فتاوی رضویہ: ج:۳: ص:۲۴۷)

جیسا کہ حضرت علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

تَقْلِيلُ الْقِرَاءَةِ فِي سُنَّةِ الْفَجْرِ أَفْضَلُ مِنْ تَطْوِيلِهَا۔

حدیث شریف میں ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فجر کی سنت میں قل یا ایها الکافرون اور قل هو الله احد پڑھتے تھے۔[1491]

اور مغرب کی نماز میں زیادہ قرأت کرنے سے کم قرأت کرنا افضل ہے۔[1492]

٦۔ منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے نے جہری نماز میں آیات قرأت کی تو نہ سجدہ واجب ہوا اور نہ اعادہ۔[1493]

٧۔ جب کہ پہلی رکعت میں پوری قل اعوذ برب الناس پڑھی۔ یا دوسری میں بلا قصد وہی پہلی رکعت والی سورت شروع کر دی۔ یا دوسری رکعت یاد نہیں آتی تو ان صورتوں میں دوسری رکعت میں بھی اسی سورت کے پڑھنے کا حکم ہے۔[1494]

الباب الثانی فی بیان الواجبات

یہ دوسرا باب ہے[1495] جو نماز کے واجبات مطلقہ میں ثابت ہے مطلق کے معنی یہ ہیں کہ یہ واجبات عام ہوں یا خاص وھی احد وعشرون ۔ اور نماز کے یہ واجبات مطلق اکیس (۲۱) ہیں ۔منها۔ نماز میں سے بعض واجبات مطلقہ ماوہ واجب ہیں ۔یعم جمیع المصلین۔ جو تمام نمازیوں

[1491] (بہارِ شریعت بحوالہ ابو یعلیٰ)

[1492] (در مختار۔بہارِ شریعت وغیرہ)

[1493] (بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص: ۵۴: بحوالہ در مختار)

[1494] (بہارِ شریعت: حصہ سوم: ۱۰۰: بحوالہ ردالمحتار)

[1495] قولہ الباب الثانی الخ۔اس لئے کہ واجب فرض کی تکمیل کیلئے ھے مکمل بالکسر اور مکمل بالفتح کے درمیان اتصال شرط ھے یا اسوجہ سے کہ واجب کی قوت فرض کی قوت کے بعد سب مشروعات سے زیادہ ھے اس لئے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرائض کے بعد واجبات کا باب شروع کیا ھے۔

کیلئے شامل ہوں کہ وہ منفرد، امام، مقتدی، مدرک، لاحق، بالیق، بایق، سابق، مسبوق اور مذکر مؤنث ہیں۔ **وجمیع الصلوۃ۔** اور ساری نمازوں میں شامل ہیں کہ وہ فرائض، نوافل، وقتی، فوتی، جہری اور خفی ہیں ۔ **وھی سبعۃ۔** یہ عام واجبات سات (۷) ہیں ۔ **ومنھا۔** اور نماز سے بعض واجبات مطلقہ۔ ما۔ وہ واجب ہیں[1496]۔ **یخص بعض المصلین۔** کہ بعض نمازیوں کے ساتھ ان کا وجوب خاص ہوتا ہے۔ جیسے امام ہو فقط یا مقتدی ہو فقط یا مذکر ہو فقط یا مؤنث ہو فقط۔ **وبعض الصلوۃ۔** اور بعض نمازیوں کے ساتھ ان کا وجوب خاص ہوتا ہے جیسے نفل ہو فقط۔ یا فرض ہو فقط۔ یا جہر ہو فقط۔ یا خفیہ ہو فقط۔ **وھی۔** اور یہ خاص جو ہیں ۔ **اربعۃ عشر۔** چودہ (۱۴) ہیں ۔ **اما العام۔** وہ واجبات جو ساری نمازوں اور سارے نمازیوں کے لئے عام ہے۔

فلفظ التکبیر التحریمۃ۔ نماز میں ۔ اللہ اکبر۔ سے شروع کرنا واجب ہے **خاصۃ۔** اور ہر اسم خداوندی کے سات تکبیر اولیٰ کا فرض ادا ہوتا ہے اور واجب اللہ اکبر کے ساتھ ادا ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: **تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم** ۔ تو اگر سلام کو مؤخر کیا یا سہواً اللہ اکبر ترک کیا تو اس پر سجدہ سہوہ واجب ہوا۔ **فان قیل۔** کہ فرائض کے باب سے مخالفت لازم ہوئی کیونکہ فرائض کے باب میں کہا گیا ہے۔ **والتکبیر الاولیٰ فرض۔** اور یہاں

[1496] واجب کی تعریف یہ ھے کہ واجب وہ عمل ھے جو غیر قطعی دلیل سے ثابت ہو (یعنی ایسی دلیل جن کے قطعی ہونے میں شبہ ہو) چنانچہ واجب کو فرض عملی کہتے ھیں یعنی ایسا کام جس پر عمل کرنا ایسا ھی ضروری ہو جیسے فرض پر عمل کرنا لھذا اسے ترک کرنے سے گناہ ہوتا ھے۔ اور اس میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا اور اس کی قضاء کرنا واجب ھے۔ اس کی مثال نماز وتر ھے کہ مذھب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عملاً فرض ھے عقیدتاً فرض نہیں ھے۔ پس اس کا تارک گناھگار ہوگا لیکن اس کی فرضیت کا منکر کافر نہ ہوگا بخلاف نماز پنجگانہ کے کہ وہ عملاً اور اعتقاداً ھر دو اعتبار سے فرض ھے چنانچہ اس کا تارک گناھگار اور منکر کافر ہوتا ھے۔ واجب کا ترک کرنے والا مذھب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا گناھگار نہیں ہوتا جیسا کہ فرض کا تارک۔ لھذا واجب کا تارک اھل تحقیق کے نزدیک عذاب دوزخ کا مستوجب نہ ہوگا البتہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم رھے گا۔

کہاہے۔ **فلفظ التکبیرالتحریمۃ واجب۔قلنا۔** کہ فرض مطلق اللہ تعالیٰ کااسم ہے اگراللہ اکبرہویاکہ اسم آخرہواورواجب اللہ اکبرہے۔

فان قیل۔ کہ گونگے اوراُمی یعنی ان پڑھ پراللہ اکبرواجب نہیں ہے توتکبیرخاص قبیلے سے ہونی چاہیئےنہ کہ قبیل عام سے۔ **قلنا۔** کہ گونگااوراُمی نادرہیں اوراللہ تعالیٰ کے احکام عام اوراغلب (زیادہ غالب)پربناءہوتےہیں نہ کہ شاذاورنادرپرتواللہ تعالیٰ کامطلق اسم فرض ،اللہ اکبرواجب،ہاتھوں کااٹھاناسنت اورکانوں کی لوتک پہنچانامستحب ہے۔

والقعدۃ الاولیٰ۔ اورقعدہ اولی واجب ہے کیونکہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قعدہ اولی کوترک کیے بغیراس پرساری عمرمداومت یعنی ہمیشگی اختیارکی ہے۔

برابربات ہے کہ اگرچاررکعت نمازہویاکہ تین رکعت نمازہواورفرائض ہوں یاکہ نوافل ہوں چاررکعت فرض نمازپرقیاس برمذہب شیخین رحمہمااللہ تعالیٰ اوربرمذہب امام محمدرحمہ اللہ تعالیٰ اورامام زفررحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں قعدہ اولیٰ فرض ہےنوافل میں قیاس دورکعت نفل پرہےکیونکہ ہردورکعت نفل علیحدہ نمازہے۔

قدرالتشھد۔ بقدرتشہدتواگرقعدہ اولیٰ میں قدرتشہدپرزیادت کی یعنی تشہدسےزیادہ پڑھ لیا۔**اللھم صل علی محمدوعلی آل محمد۔** تک تواس پرسجدہ سہوہ اتفاق کے ساتھ واجب ہوا۔شرعاًاوراگر**اللھم۔** کی زیادت کی توسجدہ سہوہ واجب ہوابناءًاورایک قول پراحتیاط۔

والتشھدفی القعدتین۔ اورمذہب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں دونوں قعدوں پرتشہدواجب ہےاورمذہب صاحبین رحمہمااللہ تعالیٰ میں قعدہ اولی سنت ہےاورمذہب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دونوں قعدوں پرتشہدفرض ہے۔صاحبین رحمہمااللہ تعالیٰ کہتےہیں کہ سنت واجب

کی مکمل ہے توجب قعدہ اولیٰ واجب ہو تو تشہد سنت ہوئی اور جب قعدہ اخیرہ فرض ہوا تو تشہد واجب ہوئی کیونکہ واجب فرض کا مکمل کرنے والا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قعدہ اولیٰ میں تشہد کو سنت کے ساتھ مسمیٰ کیا ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تشہد کو ترک کیے بغیر ساری عمراس پر مداومت کی ہے اور مداومت بلاترک فرض کی دلیل ہوتی ہے۔

قلنا۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اعرابی کو فرمایا تھا: **اذا رفعت رأسک من السجده الاخیرة وقعدت قدر التشهد فقد تمت صلوتک** تو اتمام مجرد قعدے کے ساتھ ثابت کیا ہے، اور تشہد فرض ہوتا تو اتمام مجرِدِ قعدے کے ساتھ بغیر تشہد کے ثابت نہ کیا ہوتا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تشہد سنت کے زمرے میں ثابت ہے۔

(**والطمانية فى الركوع والسجود**) رکوع اور سجدے میں طمانیت ایک تسبیح کے برابر واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

أسوَأُ النّاسِ سَرِقةً الّذي يَسرِقُ مِن صلاتِه، لا يُتمُّ ركوعَها ولا سُجودَها، ولا خُشوعَها[1497]۔

عن أبي قتادة الحارث بن ربعي: أسوأُ النّاسِ سرِقةً الّذي يَسرِقُ مِن صَلاتِه. قالوا: يا رَسولَ اللهِ كيفَ يَسرِقُ من صلاتِه؟ قال: لا يُتِمُّ رُكوعَها ولا سُجودَها (أو قال: لا يُقِيمُ صُلبَه في الرُّكوعِ والسُّجودِ۔[1498]

[1497] (السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ١٠٣٤• صحيح • شرح رواية أخرى)

[1498] (الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الترغيب ٥٢٤ • صحيح لغيره • أخرجه أحمد (٢٢٦٩٥) واللفظ له، والدارمي (١٣٢٨) باختلاف يسير • شرح رواية أخرى)

اور قومہ و جلسے میں طمانیت اتفاق کے ساتھ سنت ہے اس لئے طمانیت کے وجوب کو رکوع و سجود کے لئے لازم قرار دیا۔

(**واتیان کل فرض فی موضعه**) اور ہر فرض کو اس کے مقام پر ادا کرنا واجب ہے یعنی بعد والے رکن کو پہلے رکن کے ساتھ بغیر تاخیر کے متصل ادا کرنا واجب ہے اور مثال کے طور پر اگر قرأت کے بعد سہوا خاموش ہو جائے اور اس پر کچھ دیر گزار دے تو رکوع میں اس تاخیر کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔

فان قیل۔ فرائض کے باب میں کہا گیا ہے:

والترتیب فیما اتحدت شرعیته فی کل رکعة فرض۔

اور واجبات کے اس باب میں کہا گیا ہے:

واتیان کل فرض فی موضعه واجب اور یہ تناقص ایک دوسرے کی ضد ہے۔

قلنا۔ فرائض کے باب میں تاخیر یا ترک رکن کی وجہ سے ترکِ ترتیب مراد ہے اور واجبات کے اس باب میں ترتیب کی بقا کے ساتھ تاخیر ہے اور اول مذہب حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ میں بناء ہے اور دوم مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں بناء ہے۔

(**وکل واجب کذلک**) تو اسی طرح ہر واجب کو اپنی جگہ پر ادا کرنا واجب ہے تو اگر **الحمد** کا پڑھنا رہ جائے یا سورۃ کا پیوست کرنا، یا وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا، یا قعدہ اولیٰ یا تشہد، یا تکبیرات عیدین بھولے سے رہ جائیں تو ان پر ترکِ واجب کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو گا۔ اور اگر قیام کو واپس ہوا اور سورۃ پڑھ لی تو تاخیرِ واجب اور تکرارِ رکنِ رکوع کی وجہ سے سجدہ سہو کرے گا۔ یا فاتحہ پڑھنے کے بعد بقدرِ رکن سہوا ساکت کھڑا رہا اور پھر سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔

(**والخروج بلفظ السلام**)اور نمازی کا لفظِ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے تو لفظِ سلام ایک بار واجب ہے اور دونوں طرف سلام پھیرنا بر مذہبِ علماء ثلاثہ ہمارے مذہب کے سنت ہے اور مذہبِ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں فرض ہے۔

فان قیل۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

مفتاح الصلوۃ التطھیر وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم۔

اور سلام تحریم کا مقابل ہے جب تحریمہ فرض ہوئی تو تسلیم بھی فرض ہوئی۔

قلنا۔ کہ حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اعرابی کو نماز کے افعال کی تعلیم دیتے وقت سلام کا ذکر نہیں کیا تھا اگر سلام فرض ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اعرابی کو سلام پر بھی عالم کیا ہوتا اور سلام کی کیفیت **السلام علیکم ورحمۃ اللہ** ہے۔ تو جب السلام علیکم محلل ہوا تو فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی امام کے پیچھے السلام علیکم سے پہلے اقتداء کی تو یہ (شخص) اس امام کا مقتدی ہوا کذا فی البدایہ۔

(**واما الخاص**)اور وہ واجبِ نماز جو بعض نمازیوں اور بعض نمازوں کے لئے خاص ہیں۔

(**فتعیین الاولیین للقراءۃ**)تو تعیین یعنی تین رکعتی اور چار رکعتی نمازوں میں پہلے دو رکعتوں کو مطلق قرأت کے لئے مقرر کرنا۔ فاتحہ ہو یا کہ غیر اور یا کہ ایک آیت ہو یا تین آیات فرض ہے اور پہلے دو رکعتوں میں واجب ہے اور پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ احتراز کیا وتر، سنت اور نفل رباعیہ سے کہ قرأت وتر، سنت اور نفل کی ساری رکعتوں میں فرض ہے اور فرض کی اولین رکعتوں میں واجب ہے اور رکعتین میں لا علی التعیین مطلقاً فرض ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بغیر ترک کے پوری عمر رکعتین الاولین میں قرأت کے ساتھ ہمیشگی کی ہے اور ہمیشگی بغیر ترک کے طریقۂ عبادت کے ساتھ وجوب کی دلیل ہوتی ہے۔

(**وتعیین الفاتحة لهما**) اور تعیینِ فاتحہ فرض میں سے پہلی دو رکعتوں کے لئے واجب ہے اور مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں ذکرِ فاتحہ میں کل فاتحہ کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اور مذہبِ صاحبین رحمۃ اللہ علیہم میں اکثر فاتحہ واجب ہے۔ سجدہ سہو کے وجوب میں فائدہ اختلاف کا ظاہر ہوتا ہے۔ مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں آدھی یا اس سے کم فاتحہ کے ترک کے ساتھ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ثابت ہے اور سجدہ سہو کا وجوب کلا اور کثیرا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے مذہب کے علماء ثلاثہ سے اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاتحہ اور ضمِ سورۃ فرض ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: **لا صلوة الا بفاتحة الکتاب وضم السورة۔**

قلنا۔ کہ یہ خبرِ واحد ہے اور جب خبرِ واحد کتاب اللہ کے ساتھ معارض ہو جائے اور دونوں پر بغیر تغیر **احدهما** کے حکم میں عمل کا امکان نہ ہو تو خبرِ واحد کے حکم میں تغیر کیا جاتا ہے نہ کہ کتاب اللہ کے حکم میں۔ تو ہم نے فاتحہ اور ضمِ سورت میں خبرِ واحد کے حکم میں فرضیت سے وجوب کو تغیر کیا۔

(**واقتصارها علی مرة**) اور فاتحہ کو (ایک رکعت میں) ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے نہ کہ ایک دفعہ سے زیادہ۔ اور وتر، سنت، اور نفل کی ساری رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں سورت سے پہلے فاتحہ کے سہوا تکرار سے نماز پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر سورت کے بعد فاتحہ کو قرأ

ت میں زیادتی کی وجہ سے دوبارہ پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ساری عمر ہر رکعت میں فاتحہ کو ایک دفعہ پڑھنے پر ہمیشگی کی ہے اور یہ ہمیشگی وجوب پر دلیل ہے۔

(وضم سورة) اور فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کو ضم کرنا یعنی ملانا واجب ہے۔

(او ثلث أيات قصار) یا تین چھوٹی آیات ملانا واجب ہے۔

(او أية طويلة معها) یا فاتحہ کے ساتھ ایک لمبی آیت کا ملانا واجب ہے۔ یہ وجوب فرض نماز کی پہلی دو رکعات اور سنت، وتر اور نفل کی ساری رکعات کے لئے ہے۔ اور اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں یا وتر، سنت اور نفل کی ساری رکعات میں فاتحہ کے بعد سورت کو ملانا ترک ہو جائے تو نماز پر واجب ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو گا، **بمثل ترک اقتصارِ فاتحہ علیٰ مرة۔**

(وتقديم الفاتحة) اور فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے، فرض کی پہلی دو رکعات میں اور وتر، سنت، اور نفل کی ساری رکعات میں۔

(عليها) سورة پر یا قائم مقام سورت پر کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے الحمد کو سورة سے مقدم کرنے پر ہمیشگی کی ہے اور یہ ہمیشگی وجوب کی دلیل ہے۔ تو جب سورت پر الحمد کو مقدم کرنا سہوا ترک ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، برابر بات ہے کہ تقدیم تمام سورت کی ہو یا بعض سورت کی ہو اور یا حرفِ واحدہ ہو فاتحہ پر چاہے سورت کے بعد الحمد کا اعادہ کرے یا نہ کرے۔

(وهذه) اور یہ واجباتِ خمسہ مذکورہ جو ہیں (على من عليه القراءة) اس پر واجب ہیں کہ جس پر قرأت کا پڑھنا ہو جیسے امام اور منفرد ہوا۔ اُمی اور گونگے پر نہیں ہے۔ احتراز کیا مقتدی، اُمی اور

گونگے سے کیونکہ یہ واجباتِ خمسہ ان تینوں پر نہیں ہیں اس لئے کہ یہ تو بعض نمازیوں کے خواص میں سے ہیں۔

(والقنوت فی الوتر)اور دعائے قنوت وتر میں واجب ہے نہ کہ فجر کی نماز میں۔ برابر بات ہے کہ امام ہو یا منفرد اور یا کہ مقتدی ہو ماسوائے گونگے اور اُمی کے۔ ہمیشہ وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے تکبیر کے بعد دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اخذ ید الحسن وعلمه القنوت وقال له اجعل هذا فی وترک۔ اور قنوت لُغت میں مطلق اطاعت کو کہا جاتا ہے جیسا کہ اس قولِ خداوندی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ازواج کے حق میں آیا کہ: ومن یقنت منکن ای یطعن۔ اور شرع میں دعاء مقدر کے لئے اسم ہے انا نستعین سے بالکفار ملحق تک۔ یہ حکم اس شخص کے حق میں ہے کہ جو حافظِ قنوت ہو اور اگر حافظِ قنوت نہ ہو تو تین دفعہ یا رب پڑھ لے۔ فتاویٰ سمرقندی میں اس پر فتویٰ ہے اور شرح طحاوی میں فرمایا ہے کہ تین دفعہ اللھم پڑھ لے اور یہ قول مختار اورابو اللیث کا ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا اللھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار ہے۔

(والجھر فی موضعه)اور امام پر جہری نماز میں جہر کے ساتھ قرأت واجب ہے۔ جیسے نمازِ فجر، مغرب، عشاء، جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوئیں۔

(جماعة)جماعت میں اداء قضاء اور جماعت دو اشخاص پر حاصل ہوتی ہے جمعہ اور عیدین کے بغیر۔ اگر دونوں میں سے ایک چھوٹا عاقل ہو کیونکہ جمع اجتماع سے مشتق ہے اور اجتماع دونوں میں متحقق ہوتا ہے بمثلِ مافوق اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے الاثنان فما فوقھا جماعة۔ اور جہر کا واجب ہونا کتاب اللہ، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ ثبوتِ

کتاب اللہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: **ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلا۔** ثبوتِ سنت سے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ابتداء اسلام میں ساری نمازوں میں جہر فرماتے تھے اور کفار انہیں ضرر پہنچاتے تھے تو یہ آیت مذکورہ اس آیت کے نزول کے بعد نازل ہوئی ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں قرأتِ فاتحہ کے ساتھ جہر فرماتے تھے۔ ظہر، عصر اور دن کے نوافل میں اخفاء فرماتے تھے۔ نمازِ جمعہ وعیدین غلبۂ اسلام کے بعد واجب ہوئیں اس وقت کفار میں ضرر رسائی کی قوت ختم ہوچکی تھی۔

اوراجماع سے ثبوت یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانہ ہی سے فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں فاتحہ وسورت کے وجوبِ جہر پر جمع ہوئی ہے اورآج تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔اور جماعت کی قید سے حالت انفرادی سے احتراز کیاگیاہے کیونکہ منفرد اداءِ نماز میں مخیر ہے چاہے جہر کرے یا اخفاء۔ لیکن جہر، اخفاء سے افضل ہے کیونکہ منفرد اپنے نفس کا امام ہے اس لئے اس کی اداء ہیئت جمع کے ساتھ واقع ہوگی اور ہدایہ کی روایت صحیحہ کے مطابق منفرد پر قضاء نماز میں اخفاء واجب ہے۔اور ظہیری، ذخیرہ، خزانۃ الروایات اور کافی میں کہا گیا کہ قضاء جہری میں منفرد کیلئے اخفاء سے جہر افضل ہے اور یہ روایت اصح یعنی بہت درست ہے اور صحیح روایت متفق علیہ ہوتی ہے جب کہ اصح مختلف فیہ ہوتی ہے اور مختلف فیہ پر عمل کے مقابلے میں متفق علیہ روایت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔اوراگر امام نے جہری نماز میں سہواً اخفاء کیا اور بعد میں یاد آیا تو اگر فاتحہ میں تھا تو جہر کے ساتھ فاتحہ کا اعادہ کرے تا کہ ایک رکعت میں جہر اور اخفا دونوں

پر عمل نہ ہوجائے جیسا کہ منفرد کہ اس کے پیچھے کسی دوسرے شخص نے اقتداء کی اور یہ فاتحہ میں تھا تو فاتحہ کو نئے سرے سے جہر کے ساتھ دوبارہ پڑھے گا تاکہ یہ ایک رکعت میں جہر اور اخفا دونوں کو جمع نہ کردے اور اگر اقتداء نہ کرنے والے نے منفرد کے پیچھے فاتحہ کے بعد اقتداء کی تو آخری دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت کو جہر سے پڑھے جیسا کہ اگر پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت رہ جائے تو آخری دو رکعتوں میں جہر کے ساتھ قضا لائی جاتی ہے۔

(**والمخافة کذلک**) اور اسی طرح اپنی جگہ میں اخفا کے ساتھ قراءت واجب ہے امام ہو یا منفرد۔ جیسے نماز ظہر اور عصر میں ہے چاہے ادا ہو یا قضاء اور جیسے دن کے نفل ہیں چاہے یہ نمازیں باجماعت ہوں یا اکیلی۔ اور اخفا کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک بغیر سماع کے اپنے مخارج میں حروف کی تصحیح ہے اور بعض کے مذہب کے مطابق اپنے آپ کو قرأت سنانے کو اخفا کہا جاتا ہے اور یہ تعریف پہلی تعریف سے صحیح ہے۔ کیونکہ اپنے مخارج میں حروف کی تصحیح بغیر اپنے آپ کو سنانے کے مجمجہ ہے۔ اور مجمجہ بغیر قرأت کے زبان کو ہلانا ہے۔ اور اخفا کے اپنے مقام میں وجوب میں منفرد سے احتراز ہے۔ کیونکہ منفرد پر اخفا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اس لئے اگر منفرد نے خفی نماز میں جہر کی تو ظاہری روایت کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب نہیں۔ جہر اور خفی کی مقدار کے بارے میں صلوۃ مسعودی میں کہا گیا ہے کہ خفی میں دو آدمیوں کو سنانا جہر میں شمار نہیں ہوتا اور دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ صورتِ خفی میں دس (۱۰) آدمیوں کو سنانا جہر میں شمار نہیں ہوتا اور صورتِ جہری میں ایک آدمی کو سنانا بھی جہر پر مسمیٰ کیا جاسکتا ہے۔

(و انصات المقتدی وقت قراءۃ الامام) اور امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کا خاموش رہنا واجب ہے، مطلقاً یعنی مقتدی چاہے مدرک ہو یا لاحق ہو، چاہے مسبوق ہو یا بابق چاہے خفی نماز ہو یا جہری ہو اور امام کی قرأت کے وقت مقتدی کا خاموش رہنا اس لئے واجب ہے۔

﴿قرأت کے وقت مقتدیوں کا خاموش رہنا﴾

اِس مسئلہ میں چونکہ مخالفین نے کافی اعتراضات اور بحث و تمحیص سے کام لیا ہے اس لئے یہاں بھی دلائل کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔

اِرشادِ باری ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف: 204)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے

”إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا. فَقَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذْ قَالَ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ}، فَقُولُوا: آمِينَ، يُجِبْكُمُ اللهُ.........وَفِي حَدِيثِ جَرِيرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ قَتَادَةَ مِنَ الزِّيَادَةِ «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا»“۔

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہم سے خطاب کرتے ہوئے ہمارے لئے سنّت کے اُمور کو واضح فرمایا اور ہمیں ہماری نماز (باجماعت) کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ: جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو درست کر لو، پھر تم میں سے کوئی شخص تمہاری اِمامت کرے، اور جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم ”آمِينَ“ کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء قبول فرمائیں

گے۔ حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت قتادہ سے (مذکورہ حدیث میں) یہ زیادتی نقل کرتے ہیں کہ :جب اِمام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔[1499]

وضاحت: مذکورہ حدیث میں جماعت کے ساتھ ہونے والی نماز میں اِمام اور مقتدی کی ذمّہ داریوں کو واضح کیا گیا ہے ،یعنی: جب اِمام "اللہ أکبر" کہے تو تم بھی "اللہ أکبر" کہو، جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ فاتحہ ختم کرے تو تم "آمین" کہو۔ اگر سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا مقتدی کیلئے لازم ہوتا تو جیسے تکبیر میں کہا گیا ہے کہ اِمام کے تکبیر کہنے پر تم بھی تکبیر کہو اِسی طرح قراءت کے موقع پر بھی یہ کہا جاتا کہ جب اِمام قراءت کرے تو تم بھی قراءت کرو، لیکن اِس کے بالکل برعکس یہ کہا گیا ہے کہ: "وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا" یعنی جب اِمام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

نوٹ: واضح رہے کہ حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ بخاری اور مسلم کے مشہور راوی ہیں اور بالاتفاق ثقہ اور مُتقن ہیں لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں ان کی ذکر کردہ یہ زیادتی بالکل مقبول ہے، یہی وجہ ہے اِمام مُسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ زیادتی ذکر کرکے اُسے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ زیادتی نقل کرنے میں حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ متفرّد بھی نہیں کہ ان پر تفرّد کا اِلزام لگایا جاسکے، بلکہ اور بھی کئی راویوں نے دوسری روایات میں اِسی زیادتی کو نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوعُبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت دیکھئے۔[1500]

حضرت عمر ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن ابی عَروبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت دیکھئے۔[1501]

[1499](مسلم:404)
[1500](مستخرج ابی عَوانہ:1698)
[1501](دارقطنی:1249)

”عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ“۔[1502]

ترجمہ: حضرت ابو نُعیم وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ یہ فرمارہے تھے: جس نے نماز پڑھی اور اُس میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اُس نے نماز ہی نہیں پڑھی، ہاں! مگر یہ کہ وہ اِمام کے پیچھے ہو (تو نماز ہو جائے گی)۔ یہ حدیث ”حسن صحیح“ ہے۔ وضاحت: حدیثِ مذکور جس کو اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بھی قرار دیا ہے اس میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اِس حقیقت کو ذکر کیا گیا ہے کہ نماز سورۃ الفاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی شخص اِمام کے پیچھے جماعت میں شریک ہو تو اُس کی نماز ہو جائے گی، اِس لئے کہ حدیث کے مطابق اِمام کی قراءت کرنے سے مقتدی کی بھی قراءت ہو جاتی ہے، لہٰذا سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنے کے باوجود بھی حکمی طور پر اُس کا پڑھنا معتبر ہو جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔[1503]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اُس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ تلاوت کرے تو تم خاموش رہو۔

عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔[1504]

[1502](ترمذی:313)
[1503](ابن ماجہ:846)
[1504](دارقطنی:1502)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا :جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو پس امام کی قرأت ہی اُس کی قرأت ہے۔

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا كَانَ إِذَا سُئِلَ: هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإِمَامِ؟ يقول: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ، وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ۔[1505]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اُس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، اور جب اکیلے نماز پڑھے تو اُسے قرأت کرنی چاہیے۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اِمام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «أَتَقْرَءُونَ وَالْإِمَامُ يَقْرَأُ» فَسَكَتُوا فَسَأَلَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا۔[1506]

ترجمہ: ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز پڑھائی پھر اپنے رخِ انور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا امام کے پڑھتے ہوئے تم لوگ بھی قراءت کرتے ہو؟ لوگ خاموش رہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تین دفعہ یہی سوال کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: جی ہاں! ہم یہ کرتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اِرشاد فرمایا: ایسامت کیا کرو۔

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا۔[1507]

[1505] (مؤطاءمالک:251)
[1506] (طحاوی:1302)
[1507] (مسنداحمد:19723)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز سکھائی اور فرمایا: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو تم میں سے کسی ایک کو تمہاری امامت کرنی چاہیئے اور جب امام تلاوت کرے تو تم خاموش رہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ: أَمَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصْرِ قَالَ: فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهُ فَغَمَزَهُ الَّذِي يَلِيهِ، فَلَمَّا أَنْ صَلَّى قَالَ: لِمَ غَمَزْتَنِي؟ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُدَّامَکَ، فَكَرِهْتُ أَنْ تَقْرَأَ خَلْفَهُ، فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: من كان لَهُ إِمَامٌ فَإِنَّ قِرَاءَتَهُ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ [1508]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے عصر کی نماز میں اِمامت کی، ایک شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پیچھے قراءت کی، اُس کے ساتھ میں کھڑے شخص نے اُس کو (قراءت سے منع کرنے کیلئے) چٹکی نوچی، جب نماز ہوگئی تو اُس شخص نے (چٹکی نوچنے والے سے) کہا: تم نے مجھے چٹکی کیوں نوچی تھی؟ تو اُس نے جواب دیا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمہارے آگے قراءت کررہے تھے اِس لئے میں نے یہ ناپسند کیا کہ تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پیچھے قراءت کرو، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ گفتگو سنی تو فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو اُس امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔

مقتدیوں کے خاموش رہنے کا حکم سری وجہری تمام نمازوں میں ہے

عن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَكْفِيکَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ خَافَتَ أَوْ جَهَرَ۔ [1509]

[1508] (مؤطاءامام محمد:98)
[1509] (دارقطنی:1252)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں: تمہارے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، خواہ امام ہلکی آواز میں پڑھے یا بلند آواز میں۔

كَتَبَ عُثْمَانُ إِلَى مُعَاوِيَةَ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لِلْمُنْصِتِ الَّذِي لَا يَسْمَعُ مِثْلُ أَجْرِ السَّامِعِ الْمُنْصِتِ۔[1510]

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اس کی طرف کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا ہے، آپ اِرشاد فرمارہے تھے: جو شخص خاموش رہے اور اُسے سنائی نہ دے اس کیلئے ایسا ہی اجر ہے جیسا کہ اُس شخص کیلئے اجر ہے جو سنتے ہوئے خاموش رہے۔

فائدہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بات سے یہ اِشکال بھی دور ہوگیا جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ جب سری نمازوں میں اِمام کے پیچھے سنائی ہی نہ دے رہا ہو تو خاموش کھڑے رہنے کا کیا فائدہ؟ کیا یہ فائدہ کم ہے کہ اُس کو سننے والے کے اجر ہی کی طرح اجر مل رہا ہے!!

قراءت خلف الاِمام کے مسئلہ میں خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا عمل:

اِمام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر بہت سے صحابہ کرام کا عمل تھا، حتی کہ خلفاِراشدین رضی اللہ عنہم جیسی عظیم اور جلیل القدر شخصیات بھی اِسی پر عمل پیرا تھیں۔ چنانچہ ذیل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور اُن کا عمل ملاحظہ فرمائیں، جس سے مسئلہ کو بہت اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے ،اِس لئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

[1510] (القراءۃ خلف الامام للبیھقی:137)

کی دین شناسی اور حدیث فہمی کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکتا، لہٰذا حضرات صحابہ کرام کا عمل اِس بارے میں مضبوط اور ٹھوس دلیل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اِرشاداتِ نبویہ علی صاحبہا التحیۃ و السلام کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ» قَالَ: وَأَخْبَرَنِي أَشْيَاخُنَا أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: «مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ» قَالَ: وَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، كَانُوا يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ»۔[1511]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا ہے۔راوی حضرت عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ ہمارے بہت سے مشائخ نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اِرشاد سنایا ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اُس کی نماز ہی نہیں ہوگی، اور حضرت موسیٰ بن عقبہ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔

موطّاء امام محمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"لَيْتَ فِي فَمِ الذي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا"۔

کاش! کہ اُس شخص کے منہ میں پتھر ڈال دیے جائیں جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے۔[1512]

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: «تَكْفِيكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ»۔[1513]

[1511] (مصنف عبد الرزاق:2810)
[1512] (موطّاء امام محمد:98)
[1513] (ابن ابی شیبہ:3884)

ترجمہ: حضرت عُمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تمہارے لئے اِمام کی قراءت ہی کافی ہے۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَا يُقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ جَهَرَ أَوْ لَمْ يَجْهَرْ۔[1514]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امام کے پیچھے قراءت نہیں کی جائے گی خواہ امام اونچی آواز سے تلاوت کرے یا نہ کرے۔

عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ»۔[1515]

ترجمہ: حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مَروی ہے، وہ فرماتے ہیں: جس نے اِمام کے پیچھے قراءت کی اُس نے فطرت کو کھودیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ قَرَأَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى الْفِطْرَةِ۔[1516]

ترجمہ: حضرت مُحمّد بن عجلان فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا: جس نے اِمام کے ساتھ قراءت کی وہ فطرت پر نہیں ہے۔

عن أَبِي وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا، وَسَيَكْفِيكَ ذَاكَ الْإِمَامُ»۔[1517]

ترجمہ: حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور یہ دریافت کیا کہ کیا میں اِمام کے پیچھے قراءت کروں؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُس سے فرمایا: بیشک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تمہارے لئے وہی اِمام کافی ہے۔

[1514] (القراءۃ خلف الامام للبیھقی: ص209)
[1515] (مصنّف ابن ابی شیبہ: 3781)
[1516] (مصنّف عبد الرزاق: 2806)
[1517] (مصنّف ابن ابی شیبہ: 3780)

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ: أَنّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ لا يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ وَفِيمَا يُخَافِتُ فِيهِ فِي الأُولَيَيْنِ، وَلا فِي الأُخْرَيَيْنِ۔[1518]

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے جہری اور سرّی کسی بھی نماز میں قراءت نہیں کیا کرتے تھے، نہ پہلی رکعتوں میں نہ آخری رکعتوں میں۔ مصنّف عبد الرزاق میں اِمام کے پیچھے قراءت کرنے والے کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اِرشاد نقل کیا گیا ہے: "مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا" اُس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔[1519]

حضرت ابو اِسحاق فرماتے ہیں:

"كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللّهُ عَنْهُ لَا يَقْرَؤُونَ خَلْفَ الْإِمَامِ"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اَصحاب اِمام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔[1520]

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّهُ عَنْهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ، فَقَالَ: لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ۔[1521]

ترجمہ: حضرت عطاء بن یَسار رحمۃ اللہ علیہ سے مَروی ہے کہ اُنہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اِمام کے ساتھ قراءت کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا: اِمام کے ساتھ کسی بھی قسم کی قراءت نہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ" اِمام کے پیچھے قراءت نہیں کی جائے گی۔[1522]

[1518] (مؤطاء امام محمد: 96)
[1519] (مصنّف عبد الرزاق: 2806)
[1520] (مصنّف عبد الرزاق: 2806)
[1521] (مسلم: 577)
[1522] (ابن ابی شیبہ: 3783)

حضرت موسیٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں:
"مَنْ قَرَأَمَعَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ"۔
جو اِمام کے ساتھ قراءت کرے اُس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی۔[1523]
عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا «كَانَا لَا يَقْرَآنِ خَلْفَ الْإِمَامِ»"۔[1524]
ترجمہ: حضرت ابن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں اِمام کے پیچھے قراءت نہیں کیا کرتے تھے۔
عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِقْسَمٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنهُمْ، فَقَالُوا: «لَا تَقْرَءُوا خَلْفَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ»۔[1525]
ترجمہ: حضرت عُبید اللہ بن مِقسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت عبد اللہ بن عُمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے (اِمام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں) دریافت کیا، تو اِن سب نے یہی فرمایا: اِمام کے پیچھے کسی بھی نماز میں مت پڑھو۔
عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا أَقْرَأُ وَالْإِمَامُ بَيْنَ يَدَيَّ. فَقَالَ: «لَا»۔[1526]
ترجمہ: حضرت ابو حمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا میں قراءت کر سکتا ہوں جبکہ اِمام میرے سامنے ہو؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں ۔

[1523] (مصنّف عبد الرزاق:2802)
[1524] (مصنّف عبد الرزاق:2815)
[1525] (شرح معانی الآثار للطحاوی:1312)
[1526] (شرح معانی الآثار للطحاوی:1316)

عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفِي كُلِّ صَلَاةٍ قِرَاءَةٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ». فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَجَبَتْ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَكُنْتُ أَقْرَبَ الْقَوْمِ مِنْهُ فَقَالَ: يَا كَثِيرُ مَا أَرَى الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ إِلَّا وَقَدْ كَفَاهُمْ۔[1527]

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہر نماز میں قراءت ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ہاں! (ہر نماز میں قراءت ضروری ہے)۔ اَنصار میں سے ایک شخص نے کہا: یہ (قراءت) تو واجب ہوگئی۔ حدیث کے راوی حضرت کثیر بن مُرّہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ (اِس حدیث کو سنانے کے بعد) میری جانب متوجّہ ہوئے اور میں لوگوں میں اُن کے سب سے زیادہ قریب تھا، پس اُنہوں نے فرمایا: اے کثیر! میں تو صرف یہی سمجھتا ہوں کہ اِمام جب کسی قوم کی اِمامت کرے تو وہ (قراءت کرنے میں) سب کی طرف سے کافی ہے۔

عن نَافِعٍ وَأَنَسِ بْنِ سِيرِينَ أَنَّهُمَا حَدَّثَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا أَنَّهُ قَالَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ: «تَكْفِيكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ»۔[1528]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ اِمام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے اِمام کی قراءت ہی کافی ہے۔

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا كَانَ إِذَا سُئِلَ: هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإِمَامِ؟ يقول: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ، وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ۔[1529]

[1527] (دار قطنی:1505)
[1528] (دار قطنی:1503)
[1529] (مؤطاء مالک:251)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اُس کے لئے امام کی قرأت ہی کافی ہے، اور جب اکیلے نماز پڑھے تو اُسے قرأت کرنی چاہیے۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اِمام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ يَنْهَى عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ۔[1530]

ترجمہ: حضرت زید بن اَسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما اِمام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ»۔ «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ»۔[1531]

ترجمہ: حضرت ابو نُعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ یہ فرمارہے تھے: جس نے نماز پڑھی اور اُس میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اُس نے نماز ہی نہیں پڑھی، ہاں! مگر یہ کہ وہ اِمام کے پیچھے ہو (تو نماز ہو جائے گی)۔

عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مِقْسَمٍ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ: أَتَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ شَيْئًا؟ فَقَالَ: «لَا»۔[1532]

[1530](مصنف عبد الرزاق:2814)
[1531](ترمذی:313)
[1532](مصنف عبد الرزاق:2819)

حضرت عُبید اللہ بن مِقسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ظہر اور عصر کی نماز (یعنی سری نمازوں) میں اِمام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں ؟اُنہوں نے فرمایا: نہیں۔

حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَدِدْتُ أَنّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ، قَالَ: أَحْسَبُهُ قَالَ: تُرَابًا أَوْ رَضْفًا“۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ شخص جو اِمام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اُس کا منہ مٹی یا اَنگارہ سے بھر جائے۔[1533]

اِمام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَدْرَكْتُ سَبعِينَ بَدرِيّاً كُلُّهُمْ يَمْنَعُونَ الْمُقْتَدِي عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ“۔

میں نے 70 بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہمکو پایا ہے کہ وہ سب مقتدی کو اِمام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔[1534]

عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي نِجَادٍ، عَنْ سَعْدٍ قَالَ: «وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي فِيهِ جَمْرَةٌ»۔[1535]

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ شخص جو اِمام کے پیچھے پڑھتا ہے اُس کے منہ میں انگارہ ہو۔

شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ عبد الرزاق نور اللہ مرقدہٗ نے قرآت خلف الامام کے مسئلہ میں بہت اچھی تحقیق کی ہے، اور وہ یہ ہے:

[1533] (مصنف عبد الرزاق: 2808)
[1534] (تفسیر روح المَعانی: 142/5)
[1535] (مصنف ابن ابی شیبہ: 3782)

امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

احناف کا مسلک:

نماز میں قرأت کا مسئلہ احناف کے نزدیک یہ ہے۔ کہ اگر ایک شخص نماز اکیلے پڑھ رہا ہے، یا وہ امام ہے دوسروں کو نماز پڑھا رہا ہے تو اس شخص کے لئے مطلقاً قرأت فرض ہے۔یعنی فاتحہ پڑھ لیں یا اور کوئی سورۃ کہیں سے پڑھ لی یا چھوٹی تین آیتیں یا بڑی کوئی آیۃ پڑھ لی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔

فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح اور سورۃ ملانا واجب ہے۔ اگر اور کہیں سے قرأۃ کر لی اور فاتحہ کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو واجب چھوڑ دیا ہے، لہٰذا نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، اور اگر فاتحہ کو بھول کر چھوڑ دیا تو نماز سجدہ سہو سے درست ہو جائے گی کیونکہ بھول کر واجب کے چھوٹ جانے پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔یہی حکم سورۃ کا ہے، فاتحہ پڑھ لی سورۃ نہیں پڑھی جان بوجھ کر تو نماز کو لوٹانا واجب۔ بھول کر نہیں پڑھی تو سجدہ سہو واجب۔

مقتدی کی قرأت کا حکم:

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اسے فاتحہ پڑھنا یا اور کوئی سورۃ پڑھنا منع ہے، امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا سمجھا جائے گا۔

یہ حکم سب نمازوں کا ایک جیسا ہے خواہ امام بلند آوار سے قرآن پاک پڑھ رہا ہو یا آہستہ آواز سے۔

احناف کے دلائل:

اللہ تعالیٰ ارشاد گرامی ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف:204)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

"ظاهره وجوب الاستماع والإنصات وقت قراءة القرآن في الصلاة وغيرها"۔[1536]

ترجمہ: آیۃ کریمہ سے ظاہر پر یہ واضح ہو رہا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کی قرأت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے خواہ وہ نماز میں پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر۔

تنبیہ:

نماز کے باہر قرآن پاک سننے کے واجب ہونے میں اختلاف ہے، بعض نے مستحب قرار دیا ہے ،لیکن نماز میں سننے کے واجب ہونے میں اتفاق ہے۔

اختلف العلماء في وجوب الاستماع والإنصات على من هو خارج الصلاة يبلغه صوت من يقرأ القرآن فى الصلاة أو خارجها قال البيضاوي عامة العلماء على استحبابها خارج الصلاة۔[1537]

ترجمہ: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص نماز ادا نہیں کر رہا وہ نماز پڑھانے والے امام سے سنے یا باہر سے کسی سے سنے تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے یا مستحب، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عام علماء کا یہ قول ہے کہ جو نماز ادا نہیں کر رہا اسے سننا مستحب ہے۔

وذكر البغوي عن المقداد انه سمع ناسا يقرءون مع الامام فلما انصرف قال اما ان لكم ان تفقهوا إذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما أمركم الله قال البغوي وهذا قول الحسن والزهري والنخعي ان الآية فى القراءة فى الصلاة خلف الامام۔1538

[1536] مدارک التنزیل وحقائق التأویل ج1 ص408۔

1537 التفسیر المظهری ناشر: مکتبۃ رشدیہ ج ا ص ۹۸۰ و ج ا ص ۱۴۱۶۔

1538 التفسیر المظهری ناشر: مکتبۃ رشدیہ ج ا ص ۱۴۱۵۔

ترجمہ : امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز سے فارغ ہو کر ان کو کہا کہ ابھی تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ قرآن کو سمجھو، خاموش رہو اور سنو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، علامہ بغوی نے کہا یہی قول حسن بصری، زہری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ آیت کا تعلق امام کے پیچھے نماز میں قرأت سے ہے یعنی امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

عَنْ يَسِيرِ بْنِ جَابِرٍ، قَالَ: صَلَّى ابْنُ مَسْعُودٍ، فَسَمِعَ نَاسًا، يَقْرَءُونَ مَعَ الإِمَامِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَفَقَّهُوا؟ أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَعْقِلُوا؟ {وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا} كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ۔[1539]

ترجمہ : یسیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی لوگ امام کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: کیا ابھی تک تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو (قرآن کو) کیا ابھی تک تمہیں عقل نہیں آئی؟ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

فقد أخرج عبد بن حميد و ابن أبي حاتم و البيهقي في سننه عن مجاهد قال: قرأ رجل من الأنصار خلف رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم في الصلاة فنزلت و إذا قريء القرآن الخ + و أخرج ابن جرير و غيره عن ابن مسعود أنه صلى بأصحابه فسمع أناسا يقرؤن خلفه فلما

1539 جامع البيان في تفسير القرآن للطبري ج ١٠ ص ٦٥٩۔

انصرف قال : أما آن لكم أن تفهموا أما آن لكم أن تعقلوا (وإذا قريء القرآن فاستمعوا له وأنصتوا) كما أمركم الله تعالى۔1540

ترجمہ : سنن حمیدی، سنن ابی حاتم اور سنن بیہقی میں حضرت مجاہد سے روایت کیا گیا کہ انصار میں سے ایک شخص نے نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے پیچھے نماز میں قرآن پڑھا،تو یہ آیت اتری (واذاقرئ القرآن الخ) جب قرآن پڑھاجائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی تو آپ نے سنا کہ لوگ میرے پیچھے قرآن پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تمہارے لئے سمجھنے اور عقل رکھنے کا وقت نہیں آیا،جب قرآن پڑھا جائے غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

قرآن پاک کی آیت مبارکہ کی تفسیر کرام کی عبارات کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام کے پیچھے قرآن پاک نہ پڑھا جائے بلکہ خاموش ہو کر سنا جائے۔

صحاستہ سے احادیث:

پہلے صحاح ستہ سے ان احادیث کو ذکر کیا جارہا ہے جن سے یہ ثابت ہو رہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے،بعد میں ان شاءاللہ اور احادیث ذکر ہوں گی جن سے بظاہر پتہ چلتاہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیئے یا مطلقاً قرأت کرنی چاہیئے ، ان احادیث کو ذکر کرکے ان شاءاللہ ان کے جوابات ذکر کئے جائیں گے۔

1540تفسیر آلوسی ج۵ ا ص ۱۷۴۔

عن أبي موسى قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا قمتم إلى الصلاة فليؤمكم أحدكم وإذا قرأ الإمام فأنصتوا۔[1541]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے (نماز کی) تعلیم دی، آپ نے فرمایا جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو، تو تم میں سے ایک شخص تمہاری امامت کرے اور جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ امام جب قرآت کرے تو مقتدی خوموش ہو کر سنیں۔

قال النیموی وھو حدیث صحیح۔[1542]

ترجمہ: علامہ نیموی نے کہاہے کہ حدیث صحیح ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (إنما جعل الإمام ليؤتم به. فإذا كبر فكبروا. وإذا قرأ فأنصتوا۔[1543]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا بے شک امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔

"وھذا حدیث صحیح"۔[1544]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے، یعنی قابل حجت واستدلال ہے۔

اعتراض:

[1541] (مسند الإمام أحمد بن حنبل الناشر: مؤسسة الرسالة ج32 ص496)

[1542] آثار سنن ص ۱۷۴۔

[1543] (سنن ابن ماجه الناشر: دار الفکر—بیروت ج ۱ ص ۲۷۶۔)

[1544] آثار سنن ص ۱۷۵۔

ان حدیثوں پر دو طرح کا اعتراض کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث پر سند کے لحاظ پر بھی اعتراض ہے کہ اس کے راویوں میں "سلیماں تیمی" ہے جو ضعیف روای ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ "فإذا وإذا قرأ فأنصتوا" کے الفاظ غیر محفوظ ہیں کہ ان میں سلیمان تیمی منفرد ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو صحیح کہنا درست نہیں تو اسے کیسے حجت بنایا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں بھی "وإذا قرأ فأنصتوا" الفاظ غیر محفوظ ہیں۔

جواب:

"سليمان التيمي ثقة حافظ ضابطه وقد تابعه غيره"

ترجمہ: سلیمان تیمی ثقہ راوی ہیں حافظ ان کا قوی ہے ضبط تام ان کو حاصل ہے وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس روایت میں ان کے کئی متبعین ہیں تفرد (اکیلے ہونے) کا حکم اس وقت لگایا جاتا ہے جب اس کو اور حضرات روایت نہ کریں۔

منذری نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ مسلم نے یہ الفاظ "وإذا قرأ فأنصتوا" ذکر کئے ہیں حدیث ابو موسیٰ اشعری میں سلیمان تیمی کی روایت سے، لیکن وہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ اسی وجہ سے ابو داؤد، دارقطنی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا، پہلے یہ ذکر کرکے کہ فلاں فلاں نے ضعیف کہا، مسلم نے اس حدیث کو کیوں ذکر کیا؟ تو اس کے جواب میں علامہ منذری نے ذکر کیا "ولم يؤثر عند مسلم تفرده بها لثقته وحفظه وصححها من حديث ابي موسى وابي هريرة" مسلم کے نزدیک یہ تفرد حدیث کے ضعیف بنانے میں مؤثر نہیں کیونکہ راوی ثقہ ہیں اور حافظہ ان کا کامل ہے، لہٰذا اسے ضعیف نہیں کہا جاسکتا خصوصا جب کہ اس حدیث کی صحت حدیث ابو موسیٰ اور حدیث ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔

اور تفرد بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ نسائی نے ان کے تابع ابو سعید محمد بن سعد انصاری کو قرار دیا، جس روایت کی سند اور روایت یہ ہے:

اخبرن امحمد بن عبداللہ المبارک ثنا محمد بن سعد الانصاری حدثنی محمد بن عجلان عن زيد بن أسلم عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا۔[1545]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ارشاد گرامی ہے کہ امام بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائی، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو خاموش رہو۔

یہ حدیث صحیح ہے۔اس کو مسلم نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔اگر چہ انہوں نے اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا۔

"رجاله كلهم ثقات وقد صحح حديث ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عند مسلم صاحب الصحيح حين ساله صاحبه أبو بكر ابن أخت أبي النضر بعد ما ساله عن حديث ابی موسیٰ الاشعری بقوله فحديث أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال هو صحيح يعني وإذا قرأ فأنصتوا، فقال هو عندي صحيح، فقال: لم لم تضعه ههنا؟ قال: ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا إنما وضعت ههنا"۔[1546]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ذکر کی ہے اس کے راوی تمام ثقہ ہیں اور اس حدیث کو مسلم نے بھی صحیح قرار دیا ہے جب ان سے ان کے دوست ابو بکر نے حدیث ابو موسیٰ

[1545] (سنن الدارقطني، الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1386-1966 ج ا ص ۳۲۷)

[1546] شرح صحیح مسلم للنووي ج ۱۳ ص ۷۳۔

کے متعلق اس طرح سوال کیا کہ حدیث ابوہریرہ میں " وإذاقرأالإمام فأنصتوا " کے الفاظ صحیح ہیں تو آپ نے کہا میرے نزدیک صحیح ہیں۔ تو آپ کے دوست نے کہا کہ آپ نے اپنی صحیح (صحیح مسلم) میں اس حدیث کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر صحیح حدیث کو میں اپنی کتاب میں ضرور ہی ذکر کروں۔

یہاں سے دونوں حدیثوں کے متعلق واضح ہو گیا کہ دونوں صحیح ہیں۔" وإذاقرأالإمام فأنصتوا "............جب امام پڑھے خاموش رہو............ کے الفاظ میں سلیمان تیمی منفرد نہیں، بلکہ دوسری حدیث سے پہلی کو اور پہلی سے دوسری کو تائید حاصل ہو رہی ہے۔ جبکہ دوسری حدیث مسلم میں نہ آنے باوجود مسلم کے نزدیک صحیح ہے ۔ اب دونوں حدیثوں کی سند کو صحیح کہنا درست ہو گیا۔ اور ان پر ضعف کا قول رد ہو گیا۔ لہٰذا ان حدیثوں کو حجت بنانا صحیح ہو گیا۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ بِأَصْحَابِهِ صَلاةً، نَظُنُّ أَنَّهَا الصُّبْحُ، فَقَالَ: هَلْ قَرَأَ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَ رَجُلٌ: أَنَا، قَالَ: إِنِّي أَقُولُ مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ!.[1547]

ترجمہ: ابن اکیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی مجھے یقین ہے کہ بیشک وہ صبح کی نماز تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھ رہا تھا ایک شخص نے عرض کیا (ہاں یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) میں پرھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟

1547 (سنن ابن ماجة، الناشر: مكتبة أبي المعاطي ج ٢ ص ٣٢ـ)

ابھی تک بیان کردہ احادیث سے بہت ہی واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے مقتدی کو منع کیا گیا۔

اعتراض:

قرآن پاک کی آیت جو تم نے بطور دلیل پیش کی ہے یا احادیث جو تم نے پیش کی ہیں۔ان سے تو صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ امام جب بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموش ہو کر سنے۔ یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ امام آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو تو پھر بھی مقتدی خاموش رہے۔کیونکہ غور سے سننے کا حکم بلند آواز سے پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب دو طریقہ سے دیا جائے گا۔ایک تو یہ کہ اگرچہ آیۃ کریمہ سے ظاہراً بلند آواز سے قرآن پاک پڑھے جانے کی صورت میں خاموش رہنا اور غور سے سننا ثابت ہو رہا ہے۔لیکن آہستہ آواز سے پڑھے جانے کی حالت میں مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت نہیں ۔جیسا آگے ان شاء اللہ اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اور احادیث سے مطلقاً امام کے پیچھے قرآن پاک پڑھنے سے منع کیا گیا ۔ان سے اشارۃً بلند آواز سے پڑھنے کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

عن عمران بن حصين أن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) صلى الظهر فجعل رجل يقرأ خلفه (سبح اسم ربک الأعلى) فلما انصرف قال أيكم قرأ أو أيكم القارىء فقال رجل أنا فقال قد ظننت أن بعضكم خالجنيها۔[1548]

1548 (المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت - لبنان - 1417هـ - 1996م ج2ص21-)

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، بے شک رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ظہر کی نماز پڑھی، ایک شخص آپ کے پیچھے سورۃ "سبح اسم ربک الأعلی" کی تلاوت کر رہا تھا، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون پرھ رہا تھا۔ تو ایک صحابی نے عرض کیا میں پرھ رہا تھا۔ حضور نے فرمایا اسی لئے میں نے جانا کہ تم میں سے کوئی شخص میری قرأت میں خلل ڈال رہا ہے۔

اب اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ یہ نماز چونکہ ظہر کی تھی تو یقیناً حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم آہستہ آواز سے قرأت کر رہے تھے، اور آپ کے پیچھے پڑھنے کو آپ نے منع فرمایا۔

اعتراض:

مسلم کے باب یعنی اس مسئلہ کے عنوان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پیچھے پڑھنے والے صحابی کو اس لئے منع کیا کہ وہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔ آہستہ آواز سے پڑھنے آواز والے کو منع کرنا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب:

حدیث پاک میں کوئی ایسے الفاظ نہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ وہ صحابی بلند آواز سے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیچھے پڑھ رہے تھے، باب کا عنوان منتخب کرنے میں مسلم نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور اجتہاد میں خطاء ہو گئی "المجتهد يخطیٔ ويصيب" مجتہد سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے اور کبھی درست اجتہاد کر لیتا ہے۔

”عن عطاء بن یسار ان سال زید بن ثابت عن القرأ مع الامام فقال لا قرأة مع الامام فی شئ“۔[1549]

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا امام کے ساتھ قرأت کی کوئی حیثیت نہیں۔

مؤطأ امام مالک سے حدیث:

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يقول: إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ، وَإِذَا صَلّٰى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لاَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ[1550]

ترجمہ: نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأت کرے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(واسنادہ صحیح) اس حدیث پاک کی سند صحیح ہے۔ اس سند میں صرف دو ہی راوی ہیں (کسی راوی کو حذف نہیں کیا)۔

مؤطأ امام محمد سے احدیث: (باب القرأۃ فی الصلوۃ خلف الامام):

قال محمد أخبرنا عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن نافع عن ابن عمر قال: من صلی خلف الإمام کفتہ قراءتہ۔[1551]

[1549] مسلم کتاب المساجد، باب سجود التلاوۃ، ج ۱ ص ۱۱۵۔

[1550] .(موطأ الإمام مالک، الناشر: مؤسسة الرسالة ج1 ص96)

[1551] (موطأ الإمام مالک، الناشر: دار القلم-دمشق ج ۱ ص ۱۹۲۔)

ترجمہ: حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی قرأت کافی ہے۔

خیال رہے کہ موطأامام محمد میں بھی وہ حدیث مذکورہ ہے جو موطأامام مالک کے حوالہ سے نقل کی جاچکی ہے۔ یہاں صرف ایک واسطہ بڑھ گیا، یعنی امام محمد رحمتہ اللہ نے وہ حدیث امام مالک رحمتہ اللہ سے سنی۔

قال محمد: أخبرنا عبد الرحمن بن عبد الله المسعودي أخبرني أنس بن سيرين عن ابن عمر: أنه سأل عن القراءة خلف الإمام قال: تكفيك قراءة الإمام۔[1552]

ترجمہ: حضرت انس بن سیرین کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة قال حدثنا أبو الحسن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من صلى خلف الإمام فإن قراءة الإمام له قراءة۔[1553]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

قال محمد: حدثنا الشيخ أبو علي قال حدثنا محمود بن محمد المروزي قال: حدثنا سهل بن العباس الترمذي قال: أخبرنا إسماعيل بن علية عن أيوب عن ابن الزبير عن جابر بن

1552 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج ١ ص ٤٠٢)

1553 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج ١ ص ٤٠٣)

عبد الله قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من صلى خلف الإمام فإن قراءة الإمام له قراءة۔[1554]

ترجمہ: حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

قال محمد : أخبرنا سفيان بن عيينةعن منصور بن المعتمر عن أبي وائل قال : سأل عبد الله بن مسعود عن القراءة خلف الإمام قال : أنصت فإن في الصلاة شغلاسيكفيك ذاك الإمام۔[1555]

ترجمہ: حضرت ابووائل کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے کہا(امام کے پیچھے)خاموش رہو، بے شک نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف مشغولیت ہوتی ہے، اس لئے تمہیں امام کافی ہے(یعنی امام کا پڑھنا تمہارا پڑھنا ہے)۔

قال محمد: أخبرنا محمد بن أبَانَ بن صالح القرشي، عن حماد، عن إبراهيم النَّخعي، عن علقمة بن قَيس، أن عبد الله بن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام فيما يجهر فيه، وفيما يُخَافِتُ فيه في الأولَيَينِ ولا في الأخرَيَين، وإذا صلى وحده قرأ في الأولَيَين، بفاتحة الكتاب وسُورةٍ، ولم يقرأ في الأُخرَيَين بشيء.[1556]

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے پہلی دورکعت یا آخری دورکعت میں سے کسی رکعت میں قرأت نہیں کرتے تھے خواہ امام بلند آواز

1554 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج ١ ص ٤٠٧)

1555 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص410)

1556 (المهيأ في كشف أسرار الموطا الناشر: دار الحديث، القاهرة - جمهورية مصر العربية ج1 ص250)

سے پڑھتا یا آہستہ آواز سے، اور آپ جب اکیلے نماز پڑھتے تو (فرضوں) کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھتے اور اس کے ساتھ سورۃ بھی ملاتے اور دوسری دو رکعت میں قرآن پاک نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث پاک میں تمام وہی ذکر ہے جو حنفی مسلک ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہ کرے خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ اور اگر کوئی شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت لازم اور دوسری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

قال محمد: أخبرنا سفيان الثوري حدثنا منصور عن أبي وائل عن عبد الله بن مسعود قال: أنصت للقراءة (1) فإن في الصلاة شغلا وسيكفيك الإمام۔[1557]

ترجمہ: حضرت ابو وائل کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قرأت کے وقت خاموش رہو، بے شک نماز اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے، تمہیں امام کافی ہے۔

قال محمد: أخبرنا بكير بن عامر حدثنا إبراهيم النخعي عن علقمة بن قيس قال: لأن أعض على جمرة أحب إلي من أن أقرأ خلف الإمام۔[1558]

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آگ کی چنگاری کا دانتوں سے کاٹنا مجھے پسند ہے بنسبت اسکے کہ میں امام کے پیچھے قرآن پڑھوں۔

قال محمد: أخبرنا إسرائيل حدثني موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد قال: أم رسول الله صلى الله عليه وسلم في العصر قال: فقرأ رجل خلفه فغمزه الذي يليه فلما أن صلى قال: لم غمزتني؟ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدامك فكرهت أن تقرأ خلفه فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام فإن قراءته له قراءة۔[1559]

1557 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص411)

1558 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص412)

1559 (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص414)

ترجمہ: عبداللہ بن شداد بن ھاد کہتے ہیں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے عصر کی نماز پڑھائی ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کرنے لگا، تو ایک شخص جو اس کے قریب تھے، انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا (قرأت سے روکا) جب نماز پڑھ چکے تو اس شخص نے پوچھا تم نے میری طرف اشارہ کیوں کیا تھا، انہوں نے کہا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم تمہارے آگے تمہیں نماز پڑھا رہے تھے، میں بے ناپسند سمجھا کہ تم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیچھے قرأت کرو، نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے جب ان کے کلام کو سنا تو ارشاد فرمایا "جس آدمی کا امام ہو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے"۔

قال محمد: أخبرنا داود بن قيس الفراء المدني أخبرني بعض ولد سعد بن أبي وقاص أنه ذكر له أن سعدا قال: وددت أن الذي يقرأ خلف الإمام في فيه جمرة۔[1560]

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے، اس کے منہ میں چنگاری ہو۔

قال محمد: أخبرنا داود بن قيس الفراء أخبرنا محمد بن عجلان: أن عمر بن الخطاب قال: ليت في فم الذي يقرأ خلف الإمام حجرا۔[1561]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کاش کہ اس آدمی کے منہ میں پتھر ہو جا امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔

قال محمد: أخبرنا داود بن سعد بن قيس حدثنا عمرو بن محمد بن زيد عن موسى بن سعد بن زيد بن ثابت يحدثه عن جده أنه قال: من قرأ خلف الإمام فلا صلاة له۔[1562]

[1560] (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص417)
[1561] (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص418)
[1562] (التعليق الممجد بشرح موطأ محمد ج1 ص419)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز کامل نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ سے احدیث: (باب من کرہ القرأۃ خلف الامام):

خیال رہے کہ امام کے پیچھے قرأت سے ممانعت کے متعلق ابن ابی شیبہ نے ستائیس احادیث ذکر کی ہیں۔ زیادہ احادیث وہی ہیں جن کو میں نے صحاح ستہ اور موطأ امام محمد سے پیش کر دیا ہے۔ ان کو دوبارہ نہیں ذکر کر رہا کہ بہت طویل بحث نہ ہو جائے۔

حدثنا محمد بن عبد الله الأسدي، عن يونس، عن أبي إسحاق، عن أبي الأحوص، عن عبد الله، قال: كنا نقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: خلطتم علي القرآن.[1563]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے پیچھے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا۔

یعنی امام کے پیچھے مقتدی کا قرآن پڑھنا خواہ بلند آواز سے یا آہستہ، امام کی قرأت میں خلل ڈالنا ہے، اور قرآن کے سننے میں اور سمجھنے میں خلل لازم آتا ہے۔ (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) اسی لئے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا ہے۔

حدثنا محمد بن سليمان الاصبهاني عن عبد الرحمن عن ابن أبي ليلى عن علي قال: من قرأ خلف الامام فقد أخطأ الفطرة۔[1564]

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا اس نے فطرت اسلامیہ کے خلاف کام لیا۔

1563 (مُصنف ابن أبي شيبة ج1ص376)

1564 (المصنف-ابن أبي شيبة ج14ص189)

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: لَا يُقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ إِنْ جَهَرَ، وَلَا إِنْ خَافَتَ۔[1565]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت نہ کرے خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو، یا آہستہ آواز سے۔

حدثنا هشيم قال: أخبرنا إسماعيل بن أبي خالد عن وبرة عن الاسود بن يزيد أنه قال: وددت أن الذي يقرأ خلف الامام ملئ فوه ترابا۔1566

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرآن پڑھے، اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔

حدثنا هشيم عن أبي بشر عن سعيد بن جبير قال: سألته عن القراءة خلف الامام فقال يكفيك ذاك الامام۔[1567]

ترجمہ: سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو بشر نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا تمہیں امام کافی ہے۔یعنی امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

حدثنا وكيع عن هشام الدستوائي عن قتادة عن ابن المسيب قال: أنصت للامام.[1568]

ترجمہ: ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب امام ہو (تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے) تم خاموش رہو۔

حدثنا الثقفي عن محمد قال: لا أعلم القراءة خلف الامام من السنة.[1569]

[1565] (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، ج1س330)

[1566] (المصنف-ابن أبي شيبة ج1ص413)

[1567] (المصنف ابن أبي شيبة ج1ص413)

[1568] (المصنف-ابن أبي شيبة ج14ص190)

[1569] (المصنف-ابن أبي شيبة ج14ص190)

ترجمہ: حضرت ثقفی، محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا امام کے پیچھے قرأت کے سنت ہونے کو میں نہیں جانتا۔

حدثنا الفضل عن زهير عن الوليد بن قيس قال: سألت سويد بن غفلة أقرأ خلف الامام في الظهر و العصر فقال: لا۔[1570]

ترجمہ: ولید بن قیس کہتے ہیں میں نے سوید بن غفلہ سے سوال کیا امام کے پیچھے ظہر اور عصر میں قرآن پڑھ لیا کروں؟ انہوں نے کہا نہیں۔

حدثنا الفضل عن أبي كيران قال قال الضحاک ينهي عن القراءة خلف الإمام۔[1571]

ترجمہ: ابو کیران کہتے ہیں کہ حضرت ضحاک نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا۔

حدثنا يزيد بن هارون عن أشعث عن مالک بن عمارة قال: سألت لا أدري كم رجل من أصحاب عبد الله كلهم يقولون لا يقرأ خلف إمام، منهم عمرو بن ميمون۔[1572]

ترجمہ: مالک بن عمارہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے ساتھیوں سے سوال کیا جن میں عمرو بن میمون بھی تھے (امام کے پیچھے قرأت کی جائے یا نہ کی جائے) تو سب کہنے لگے امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

حضرت مالک بن عمارہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے کہا وہ اتنے زیادہ تھے کہ میں نہیں جانتا کہ ان کی صحیح معین تعداد کتنی تھی۔

بہت واضح ہو کہ امام کے پیچھے قرأت مطلقاً منع ہے خواہ سورۃ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ، خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ (دل میں) پڑھ رہا ہو۔

1570 (المصنف - ابن أبي شيبة ج14 ص190)

1571 (مصنف ابن أبي شيبة، المصنف في الأحاديث و الآثار، الناشر: مكتبة الرشد — الرياض ج ١ ص ٣٣١)

1572 (المصنف لابن أبي شيبه، ج ١ ص ٣٨٤)

سب کا حکم ایک ہی ہے۔

حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عبد الملک بن أبي سلیمان عن أکیل عن إبراهیم قال: الذي یقرأ خلف الامام شاق۔[1573]

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے دین کی مخالفت کی۔

بیہقی سے احدیث: (کتاب القرأۃ):

عن انس ان النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جب امام پڑھے تو خاموش رہو۔

عن عمر بن الخطاب قال صلی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - یوما صلاۃ الظهر فقرأ رجل من الناس فی نفسه، فلما قضي صلوته قال: هل قرأ معی أحد منکم قال ذلک ثلاثا فقال له الرجل: نعم یا رسول اللہ أنا کنت أقرأ بسبح اسم ربک الأعلی قال: ما لی أنازع القرآن أما یکفی أحدکم قراءۃ إمامه إنما جعل الإمام لیؤتم به، فإذا قرأ فأنصتوا۔[1574]

ترجمہ: حضرت عمر خطاب صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ظہر کی نماز پڑھائی آپ کے ساتھ ایک شخص نے اپنے نفس میں (دل میں آہستہ آواز سے) قرأت کی۔ جب آپ نماز ادا کر چکے تو آپ نے فرمایا کیا میرے ساتھ کوئی شخص قرأت کر رہا تھا؟ آپ نے تین مرتبہ یہ پوچھا، تو ایک صحابی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ

[1573] (مُصنف ابن أبي شیبة ج14 ص191)

[1574] (جامع الأحادیث، رقم الحدیث ۳۰۲۸۹، مسند عمر بن الخطاب، ج۲۷ ص۳۸۷۔)

میں سورۃ "سبح اسم ربک الاعلی" پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ مجھے قرآن سے منازعت کرنے والا کیوں کر دیا گیا (یعنی مجھ پر قرآن خلط ملط کیوں ہو رہا ہے) پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں امام کی قرأت کافی نہیں، امام اس لئے تو بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو۔

عن عطاء الخراساني قال: كتب عثمان رضي الله عنه إلى معاوية رحمه الله: إذا قمتم إلى الصلاة فاستمعوا له وأنصتوا فإني سمعت عطاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: للمنصت الذي لا يسمع مثل أجر السامع المنصت۔[1575]

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو غور سے سنو اور خاموش رہو بے شک میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہٖ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم سے سنا، آپ فرما رہے تھے، خاموش رہنے والا جب نہ سن سکے اسے ایسا ہی اجر حاصل ہے جو سننے کے باوجود خاموش رہے۔

یعنی نماز میں امام کی قرأت کو سن کر خاموش رہو، خود نہ پڑھو، امام کی قرأت ہی تمہاری قرأت ہوگی، تمہیں قرأت کا مکمل ثواب ملے گا، جس طرح ایک شخص نہ سن سکتا ہو وہ خاموش رہے اسے امام کی قرأت کا مکمل ثواب حاصل ہو رہا ہے ایسے ہی ہر مقتدی کا یہی حکم ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِهِ الظُّهْرَ، أَوِ الْعَصْرَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ خَلْفِي بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ» فَرَدَّدَ ذَلِكَ ثَلَاثًا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُكَ تُخَالِجُنِي» أَوْ قَالَ: تُنَازِعُنِي الْقُرْآنَ، مَنْ صَلَّى مِنْكُمْ خَلْفَ إِمَامِهِ، فَقِرَاءَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ۔[1576]

[1575] (القراءة خلف الإمام للبيهقي ج ١ ص ٣١٣)

[1576] (معرفة السنن والآثار الناشرون: جامعة الدراسات الإسلامية (كراتشي - باكستان)، دار قتيبة (دمشق - بيروت)، دار الوعي (حلب - دمشق)، دار الوفاء (المنصورة - القاهرة) ج٣ ص٧٨)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اصحاب کو ظہر اور عصر سے ایک نماز پڑھائی، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَی" کی تلاوت کون کر رہا تھا۔ کسی ایک نے بھی کلام نہ کیا، آپ نے تین مرتبہ پوچھا تو ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم میں نے یہ سورت پڑھی۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں نے سمجھا کہ تم مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر رہے ہو، جو شخص بھی تم سے امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

عن جابر بن عبد الله أن رجلا قرأ: خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الظهر و العصر فأومأ إليه رجل فنهاه فلما انصرف قال أتنهاني أن أقرأ خلف النبي صلى الله عليه و سلم فتذاكرا ذلک حتى سمع النبي صلى الله عليه و سلم فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم من صلى خلف الإمام فإن قراءته له قراءة۔[1577]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بے شک ایک شخص نے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیچھے ظہر یا عصر میں سے کسی ایک نماز میں قرأت کی تو اس ایک شخص نے اشارہ سے روکا، جب نماز سے فارغ ہوئے، تو اس شخص نے دوسرے کو کہا، کیا تم مجھے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیچھے پڑھنے سے روک رہے تھے (یعنی تم مجھے کیوں روک رہے تھے) ان دونوں کے درمیان اسی بات پر مذاکرہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کے مذاکرہ کو سن لیا، پھر رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، پس امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

[1577] (سنن الدارقطني الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1386–1966، ج1ص324)

عن جابر بن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ((من کان لہ إمام فقراءۃ الإمام لہ قراءۃ))۔[1578]

ترجمہ: حضرت جابر فرماتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا، جس شخص کا امام ہے، پس امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

عن ابن عمر عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللہ عَلَيہ وسَلم: مَن کان لَہُ إمامٌ فَإنّ قِراءَۃ الإمام لَہُ قِراءَۃٌ۔[1579]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا، جس شخص کا امام ہے بے شک امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

عن أنس بن مالک أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «من کان لہ إمام فقراءۃ الإمام لہ قراءۃ»۔[1580]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس شخص کا امام ہے۔ امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔

عن علی قال: سأل رجل النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - أقرأ خلف الإمام أم أنصت قال بل أنصت فإنہ یکفیک۔[1581]

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے پوچھا، کیا میں امام کے پیچھے قرأت کیا کروں یا خاموش رہا کروں، آپ نے فرمایا نہیں (پڑھا نہ کرو) بلکہ خاموش رہو، بے شک وہ (یعنی امام کی قرأت) تمہیں کافی ہے۔

[1578] (مسند الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي رحمه الله تعالى، الناشر: المكتبة الإمدادية – مكة المكرمة، ج1 ص407)

[1579] (العلل الواردۃ في الأحادیث النبویۃ الناشر: دار طیبۃ الریاض - شارع عسیر ج13 ص371)

[1580] (القراءۃ خلف الإمام للبیهقي ج1 ص382)

[1581] (جامع الأحادیث المؤلف: جلال الدین السیوطي، ج30 ص393)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة۔[1582]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا جس شخص کا امام ہے تو امام کی قرآت اس شخص کی قرآت ہے۔

مصنف عبد الرزاق سے احدیث:

عن أبي وائل قال جاء رجل إلى عبد الله فقال يا أبا عبد الرحمن أقرأ خلف الإمام قال أنصت للقرآن فإن في الصلاة شغلا وسيكفيک ذلک الإمام۔[1583]

ترجمہ: ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ایک شخص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت) کیا میں امام کے پیچھے قرآن پڑھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا قرآن (سننے) کے لئے خاموش رہو۔ بے شک نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کا وقت ہوتا ہے تمہیں امام کی قرآت کافی ہے۔

عن علقمة عن ابی مسعود قال لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فوہ ترابا۔[1584]

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ جو امام کے پیچھے قرآن پڑھتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔

عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ» قَالَ: وَأَخْبَرَنِي أَشْيَاخُنَا أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: «مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ۔ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ،

[1582] (سنن الدارقطني ج1ص419)
[1583] (مصنف عبدالرزاق الناشر: المكتب الإسلامي–بيروت ج2ص138)
[1584] (مصنف عبدالرزاق ج2ص138)

وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، كَانُوا يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ۔[1585]

ترجمہ: عبد الرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے امام کے پیچھے قرأت سے منع فرمایا، اور کہا مجھے اپنے شیوخ نے خبر دی ہے کہ نے شک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز (کامل) نہیں۔ اور کہا مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی ہے کہ نے شک رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے روکتے تھے۔

دار قطنی سے احدیث:

عن عبد الله بن عباس :عن النبی صلی الله علیه وسلم قال تکفیک قراءةُ الإمامِ خافتٌ أو جهرٌ۔[1586]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ارشاد گرامی ہے کہ تمہیں امام کی قرأت کافی ہے، خواہ امام آہستہ آواز سے (دل میں) پڑھے یا بلند آواز سے۔

عن الشعی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قرأت خلف الامام۔[1587]

1585 (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، الباب القرءة خلف الإمام ج2ص139)

1586 الدارقطني (ت ٣٨٥)، سنن الدارقطني ١/٦٧٩• [فيه] عاصم ليس بالقوي ورفعه وهم •أخرجه الدارقطني (١/٣٣١)، وأبو نعيم في «حلية الأولياء» (٤/٢٦٥)، والديلمي في «الفردوس» (٨٨١٨)

1587 (دارقطنی ج1ص320)

ترجمہ: شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

عن أبي الدردا: سُئِلَ رسولُ اللهِ ﷺ: أفي كلِّ صلاةٍ قراءةٌ؟ قالَ: نعم، فقالَ رجلٌ منَ الأنصارِ: وجبَتْ هذِهِ، فقالَ لي رسولُ اللهِ ﷺ وكُنتُ أقربَ القَومِ إليهِ: ما أرى الإمامَ إذا أمَّ القَومَ قد كفاهُم۔[1588]

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے پوچھا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، انصار میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گئی۔ میں تمام قوم میں سے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے زیادہ قریب تھا، آپ نے مجھے فرمایا، میرا تو صرف یہی یقین ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرائے تو ان کو امام کی قرأت کافی ہے۔

حدیث پاک سے ایک تو واضح ہوا کہ ہر نماز میں قرأت ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ وہ نماز کون سی ہے پانچ نمازون کا حکم ایک ہی ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ جس نماز کو انسان باجماعت ادا کر رہا ہو اس میں امام پر قرأت لازم ہے بعض نمازوں (ظہر، عصر) میں امام آہستہ پڑھے گا۔ اور بعض میں بلند آواز سے (یعنی مغرب، عشاء فجر)۔

تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ مقتدی جب امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو امام کی قرأت اسے کافی ہوتی ہے یعنی امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوتی ہے اس طرح گویا کہ مقتدی کو بھی قرأت حاصل ہو گئی، واضح ہو گیا کہ ہر نماز میں ہر شخص پر قرأت ہے اگرچہ صورتیں مختلف ہیں۔

[1588] البيهقي (ت ٤٥٨)، السنن الكبرى للبيهقي ٢/١٦٢

چوتھی بات یہ سمجھ میں آئی کہ صحابہ کرام کا یہ ایمان تھا کہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اللہ تعالیٰ نے مختار بنایاہے، آپ جب (نعم) ہاں کہہ دیں تو وہ کام لازم ہو جاتا ہے۔

نتیجہ واضح ہے:

ابھی تک جو احادیث پیش کی ہیں ان سے نتیجہ واضح ہوا کہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منع کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا ۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بہت ساتھیوں نے امام کے ساتھ قرأت سے منع کیا۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے منع کیا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا، حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا، حضرت اسود یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت جابر عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا۔

یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے جو عین احادیث کے مطابق ہے۔یہی مذہب امام مالک رحمتہ اللہ کا ہے۔

امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ان الفاظ سے ذکر فرمایا:

لا قراءة خلف الإمام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول أبي حنيفة رحمه الله۔[1589]

ترجمہ: امام کے پیچھے مقتدی کی کوئی قرأت نہیں خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو، یا بلند آواز سے نہ پڑھ رہا ہو، عام احادیث میں یہی مذکور ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا ہے۔

بعض ان پڑھ اور فسادی قسم کے غیر مقلدین کی اشتہار بازی سے اس قسم کے لایعنی جملے دیکھنے میں آتے ہیں کہ حنفی حدیث رسول کو نہیں مانتے، امام کی بات مانتے ہیں۔ تو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ سے جہلاء کو ورغلا جاسکتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جھوٹ بول کر اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہیں۔ کیا جھوٹ بولنا، خدا کو ناراض کرنا توحید ہے۔ اگر یہی توحید ہے تو شیطانی راہ کیا ہے؟ کیا امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے **(العیاذ باللہ)** لوگ سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت سے دور ہیں، بہتان تراشی ایسے لوگوں کا شیوہ ہے۔ کوئی انسانیت کے دائرہ میں رہ کر علمی بحث کرے تو بڑی خوشی کی بات ہے، علمی بحث تو علماء کا طریقہ ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ علماء نے ہی اپنے چمچے جہلاء رکھے ہوتے ہیں۔ جن کو صرف بھونکنے، ٹونکنے پر مقرر کیا جاتا ہے۔ کیا لوگوں کو ایسے طریقہ سے دین پر لایا جاتا ہے، یا کہ دین سے دور بھگایا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب:

سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یعنی **الحمد** شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی، فرض ہو، نفل ہو، نماز امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا۔[1590]

غیر مقلدین کے دلائل اور احناف کی طرف سے ان کے جوابات:

1589 (موطأ الإمام مالک الناشر: دار القلم - دمشق ج1 ص191)

1590 (صلوٰۃ الرسول بحذف ص200)

حدثنا علي بن عبد الله قال حدثنا سفيان قال حدثنا الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت أن رسول الله قال لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔[1591]

ترجمہ: (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا) یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی فرض ہو، نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی یا اکیلا۔

یہ ترجمہ بریکٹ کے بعد کا علامہ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد کا ہے جو (صلوٰۃ الرسول) کے ص 200 پر ہے۔

اس کا جواب یہ کہ حدیث پاک کا ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے (فاتحہ شریف کے بغیر نماز کامل نہیں) جب یہ صحیح ترجمہ کر دیا جائے تو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ احناف کا مذہب ہی یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں واجب کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہوتی ہے فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام کے پیچھے جب دوسری سورۃ کی قرأت امام کی قرأت سے حاصل ہے تو سورۃ فاتحہ امام کے پڑھنے سے مقتدی کو حاصل کیوں نہیں؟

جب کے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ارشادات گرامی اور جلیل القدر صحابہ کرام کے اقوال اور افعال تفصیل سے احادیث صحیحہ سے بیان کئے جا چکے ہیں کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت منع ہے۔

اعتراض: (لاصلوۃ) کا سیدھا اور واضح معنی وہی ہے جو ہم نے کیا ہے کہ (نماز نہیں جب فاتحہ کے بغیر نماز نہیں تو اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ یہ حکم عامر ہے جو ہم نے

[1591] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج19 ص127)

بیان کیا ہے۔تم نے جو یہ کہا ہے کہ (لاصلوۃ) کا معنی کامل نماز نہیں' یہ معنی تم نے کہاں سے لیا ہے اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔

جواب: جو معنی ہم نے کیا ہے وہ اسی وقت سمجھ آئے گا جب یہ پتہ ہو کہ لفظ (لا) کئی معانی کے لئے آتا ہے کبھی زائد ہوتا ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہوتا جیسے (لا اقسم بھذاالبلد) میں اس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں کبھی (لا) نفی کی تاکید کرتا ہے جیسے (فی الدار لازید ولا عمر) یہاں پہلے (لا) سے نفی کا معنی ہے دوسرا صرف پہلے کی تاکید کے لئے ہے۔اسی طرح کبھی (لا) صفت کی نفی کرتا ہے (لا رجل فی الدار) گھر میں مرد نہیں، یہاں (لا) نے گھر میں موجود ہونے کی نفی کی، رجل (مرد) کی ذات کی نفی نہیں کی، اسی طرح (لا) نفی جنس اور مشابہ بلیس میں فرق کی وجہ سے ہدایت النحو پڑھنے والے طلباء بھی باخبر ہیں۔اس تمہید کے بعد یہ بات سمجھی جائے کہ (لا) کبھی ذات کے وجود کی نفی کے لئے آتا ہے اور کبھی کمال کی نفی کرتا ہے۔

(لا) ذات کے وجود کی نفی کے لئے آئے:

جیسے (لا الہ الا اللہ) اللہ کے بغیر کوئی ذات موجود ہی نہیں جس کی عبادت کی جائے، مختصر معنی اس کا مشہور معروف "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" اسی طرح کسی کی اولاد نہ ہو تو وہ کہے گا "لا ولدلی" میری کوئی اولاد نہیں۔اگر کسی نے شادی کی ہی نہیں یا اب اس کی زوجیت میں کوئی عورت نہیں تو وہ کہے گا "لا زوجۃلی" میری کوئی زوجہ نہیں، ان تمام مثالوں میں ذات کے وجود کی نفی ہے۔

(لا) کبھی کمال کی نفی کرتا ہے:

جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ "لا" کبھی کمال کی نفی کرتا ہے تو کتنی ہی احادیث ایسی ہی جن سے کوئی شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو وہ ایمان سے خارج نظر آئے گا لیکن اگر یہ معنی تسلیم کرلیا

جائے اور اس کے ایمان کے مکمل ہونے کی نفی ہو گی کہ وہ شخص کامل مومن نہیں، اس کے ذات ایمان کا وجود ختم نہیں ہو گا، ورنہ کسی مومن کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو گا، آیئے اس کی مثالیں احادیث سے دیکھیں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا يزنى الزانى حين يزنى وهو مومن ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن ولا ينتهب نهبة يرفع الناس اليه فيها ابصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن ولا يغل احدكم حين يغل وهو مؤمن فاياكم اياكم وفى رواية ابن عباس ولا يقتل حين وقتل وهو مؤمن۔[1592]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے فرمایا "زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں جاتا، چور جب چورع کرتا ہے اس کا ایمان نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے اس کا ایمان نہیں ہوتا، جب کوئی شخص قہر و جبر و ظلم سے کسی کا مال چھینتا ہے کہ لوگ اس کی طرف (اس کی ظالمانہ کاروائی کی طرف) نظریں اٹھا کر دیکھ رہے ہوئے ہیں تو اس کا ایمان نہیں ہوتا، جب کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کرتاہ تو اس کا ایمان نہیں ہوتا ان گناہوں سے تم بچ جاؤ، اور ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آتی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص قتل کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا۔"

خیال رہے میں نے حدیث پاک کا ترجمہ مرادی، بامحاورہ کیاہے لفظی ترجمہ اس طرح ہو گا" نہیں زنا کرنے والا جب وہ زنا کر رہاہو ایسے حال میں کہ وہ مومن ہوالخ۔

اب اس حدیث پاک کی شرح میں حاشیہ مشکوۃ میں ہے:

1592 (مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الکبائر و علامات الفاق ص ۱۷)

"لا یزنی الزانی الخ هذا واشباهه لنفی الکمال ای لا یکون کاملا فی الایمان حال کونه زانیا"

ترجمہ: یہاں کمال کی نفی ہے یعنی جب کوئی زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا، اسی طرح دوسرے گناہوں میں بھی یہی وجہ ذکر کی جائے گی۔ (صحیح ترجمہ یہی ہوگا)

اس حدیث کی یہی وجہ بخاری میں دیکھیں:

وقال ابو عبید اللہ لا یکون هذا مومنا تاما ولا یکون له نور الایمان۔[1593]

ترجمہ: ابو عبید اللہ نے کہا یہ لوگ کامل مومن نہیں رہتے، اور نہ ہی ان کو نورِ ایمان حاصل ہوتا ہے۔

عن أنس قال ما خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا قال لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له۔[1594]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اکثر اوقات ہمیں خطبہ دیتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا جس شخص کو امانت کا پاس نہیں اس کا ایمان کامل نہیں اور جس شخص کو وعدہ کا پاس نہیں اس کا کامل دین نہیں۔

قَالَ: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ کاملا لمن لا يطيع الله فِيمَا أَمَرَ بِهِ وَنَهَى عَنْهُ۔

ترجمہ: گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا لحاظ نہیں کرتا اس کا ایمان اور دین کامل نہیں۔[1595]

[1593] (هذا اللفظ للبخاری مشکوٰۃ ص ١٧)

[1594] (المعجم الأوسط الناشر: دار الحرمين - القاهرة، 1415 ج ٦ ص ١٠٠)

[1595] (مرقاۃ المفاتیح، ج ٧، ص ٣١١١)

واضح ہوا کہ یہاں بھی کمالِ ایمان اور کمالِ دین کی نفی ہے، مطلقاً ایمان اور دین کی نفی نہیں ،ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر خائن اور ہر بد عہد کو کافر کہا جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں کہا جاسکتا، صرف ایسے اشخاص کو گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح پہلی حدیث میں جو ذکر ہے وہاں بھی کمال کی نفی ہے کہ زانی کے زنا کرتے وقت اس کا کامل ایمان نہیں۔ اور چور کے چوری کرتے وقت کامل ایمان نہیں۔ شرابی کے شراب پیتے وقت اس کا کامل ایمان نہیں۔ زبردستی کسی کا مال لیتے وقت اس شخص کا کامل ایمان نہیں۔ مومن کو قتل کرنے والے کا بوقت قتل کامل ایمان نہیں۔ اس قسم کے جرائم کے مرتکب لوگوں کو صرف فاسق کہا جاسکتا ہے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ خود بخود واضح ہو گیا کہ یہاں نفی ایمان کے کامل ہونے کی، ایمان کے وجود کی نفی نہیں۔

لاصلوۃ لجار المسجد الافی المسجد۔[1596]

ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز کامل نہیں سوائے مسجد کے۔

اس حدیث پاک میں بھی اگر کمال کی نفی کی جائے تو معنی صحیح ہو گا۔ کیونکہ یہ معنی درست نہیں ہو گا۔

مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے کہ مسجد کے پڑوسی کی اپنے گھر یا مسجد کے باہر کہیں اور نماز ہو جائے گی، لیکن مسجد میں کامل ہو گی۔ واضح ہوا کہ یہاں کمال کی نفی ہے۔

[1596] (دار قطنی ج1 ص161)

یہ چند مثالیں صرف سمجھانے کے لئے ہیں۔ ورنہ اس طرح کئی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جہاں کمال کی نفی ہے وجود کی نفی نہیں۔

سوال: اگر یہ ثابت ہو ہی جائے کہ "لا" کبھی کمال کی نفی کرتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ "لا صلوۃ الا بفاتحہ الکتاب" میں بھی کمال کی نفی پائی گئی ہے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہاں ذات کے وجود کی نفی ہو اور اس کا معنیٰ (فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہے) صحیح ہو۔

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے (فاقرء وا ماتیسر من القرآن) پڑھو جو آسان ہو قرآن۔ یہ حکم نماز کے ساتھ متعلق ہے، نماز میں قرآن پاک کی کسی معین سورۃ کو پڑھنا لازم نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی تمہیں آسان ہو وہاں سے قرآن کچھ حصہ پڑھو۔

آیہ کریمہ کا تعلق نماز سے ہے۔ اس پر تفاسیر میں سے دو عبادتیں نقل کررہا ہوں، تاکہ واضح ہو جائے کہ ہاں واقعی اس کا تعلق نماز سے ہے۔

فاقرؤ وا ماتیسر من القرآن في الصلاۃ۔[1597]

ترجمہ: نماز میں جہاں سے تمہیں قرآن پڑھنا آسان ہو وہاں سے پڑھ لو۔

یعنی ان المقصود من قراءۃ القرآن قراءته فی الصلوٰۃ۔

ترجمہ: یعنی مقصود قرآن پڑھنے سے، نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔[1598]

جب واضح ہو گیا کہ رب تعالیٰ کا حکم مطلق ہے، تو وہ اپنے طلاق پر قائم رہے گا، لہذا خبر دار واحد سے فاتحہ کو فرض قرار دے کر قرآن پاک کے حکم کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا وہی بات صحیح ہو گی جو احناف نے بیان کی ہے کہ مطلقاً کہیں سے قرآن پاک پڑھنا فرض ہے اور سورۃ ملانا واجب ہے۔ یہی

[1597] (تفسیر الجلالین الناشر: دار الحدیث–القاهرة، ج ا ص ۷۷۴)

[1598] (کمالین)

بات سورۃ فاتحہ کے متعلق بھی ہے کہ وہ واجب ہے۔ تاکہ حکم قرآن پاک بھی رہے۔ اور حکم حدیث بھی ثابت ہو سکے۔

حدیث پاک کی توجیہ حدیث پاک سے:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال *من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام۔[1599]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس شخص نے نماز ادا کی اور اس میں سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھا اس کی نماز ناقص ہے۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا (خدارج) بکسر الخاء المعجمة هو النقصان (من نووی) یعنی خداج کا معنی نقصان ہے۔ خود حدیث پاک میں وضاحت کر دی گئی کہ (خداج) کا معنی (غیر تمام) نامکمل ہونا۔

حدیث پاک میں یہ نہیں کہا گیا کہ جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز سرے سے ہو گی نہیں، یہ بھی نہیں فرمایا گیا کہ اس کی نماز فاسد ہو گی۔ بلکہ یہ فرمایا گیا اس کی نماز ناقص ہو گی۔ اب واضح ہوا کہ مسلک احناف کا ہی حق ہے کہ فاتحہ پڑھنا واجب رہے، رکن نہیں۔ کیونکہ ترک واجب سے نقصان لازم آتا ہے اور ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اعتراض اور دلیل:

[1599] (صحیح مسلم۔الباب معرفة الركعتين اللتين كان ج1 ص296)

غیر مقلدین کی طرف سے دلیل سمجھیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا ان کی طرف سے اعتراض سمجھیں کہ ابھی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان کی گئی ہے، اس کا وہ حصہ صرف بیان کیا گیا ہے، جس سے اپنا موقف بیان کیا گیا ہے اور وہ حصہ چھوڑ دیا گیا ہے، جس میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث پاک کا بعد میں آنے والا حصہ یہ ہے۔

فقيل لأبي هريرة إنا نكون وراء الإمام فقال اقرأ بها في نفسك فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قال الله تعالى قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين ولعبدي ما سأل فإذا قال العبد! الحمد لله رب العالمين! قال الله تعالى حمدني عبدي وإذا قال! الرحمن الرحيم! قال الله تعالى أثنى علي عبدي وإذا قال! مالك يوم الدين! قال مجدني عبدي وقال مرة فوض إلي عبدي فإذا قال! إياك نعبد وإياك نستعين! قال هذا بيني وبين عبدي ولعبدي ما سأل فإذا قال! اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين! قال هذا العبدي ولعبدي ما سأل۔[1600]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا تم اپنے دل میں پڑھ لیا کرو، بے شک میں نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو کہتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی ،میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے سوال کیا، جب بندہ کہتا ہے "الحمد للہ رب العالمین" رب تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی، جب بندہ کہتا ہے "الرحمن الرحیم" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء بیان کی، جب بندہ کہتا ہے "مالک یوم الدین" رب قدوس کہتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے

1600 (صحیح مسلم۔ الباب معرفة الركعتين اللتين كان ج 1 ص 296)

اپنے تمام معاملات میرے سپرد کر دیئے۔ جب بندہ کہتا ہے " إیاک نعبد و إیاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین " تورب تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے (یعنی اس کے سوالات ہیں) میرے بندے کے لئے وہی ہے جو اس نے سوال کیا(یعنی میں اپنے بندے کو وہی عطا کرتا ہوں جو مجھ سے مانگ رہا ہے)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ارشاد گرامی سے سورۃ فاتحہ کی شان اور اہمیت بیان کی اور ساتھ یہ بتایا کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے آہستہ آواز میں پڑھ لی جائے۔ تم کس طرح ثابت کرتے ہو کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے۔

جواب: حدیث پاک کو بغور پڑھنے سے واضح ہورہا ہے کہ حدیث پاک کی ابتداء نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ارشاد گرامی ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے نماز فاسد نہیں ہوتی، اس سے احناف کا مسلک ثابت ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، رکن (فرض) نہیں اور دوسری احادیث سے یہ بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت منع ہے خواہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورۃ، اور یہ بھی احادیث سے ہی بیان کر دیا گیا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

حدیث پاک کا آخری حصہ سورۃ فاتحہ کی شان بیان کی گئی اس میں سورۃ فاتحہ کے رکن ہونے یا ضرور پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں درمیان والا حصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے دل میں پڑھ لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حافظ حدیث تھے مجتھد نہیں تھے اگر ابن ہمام رحمتہ اللہ کے قول کے مطابق آپ کو مجتہد مان بھی لیا جائے تو پھر بھی

واضح مسئلہ ہے کہ مجتہد سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجتہادی خطاء مخفی نہیں، کیونکہ آپ جلیل القدر صحابی اور کثیر احادیث کے راوی ہونے کے باوجود علم میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر ابن خطاب، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے برابر نہیں۔ جب ان تمام کے ارشادات، بیان کئے جا چکے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں، تو یقیناً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے ارشاد واجتماء کو چھوڑنا پڑے گا اور اسے اجتماعی خطاء تسلیم کرنا ضروری ہے۔

اعتراض اور دلیل:

غیر مقلدین کی ایک اور دلیل یا اعتراض دیکھئے۔ وہ اپنے موقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: أَمَرَنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ۔ [1601]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم قرآن پاک سے سورۃ فاتحہ پڑھیں اور قرآن پاک سے جو آسان ہو وہ پڑھیں۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ تم فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کا کیسے انکار کرتے ہو۔

جواب: معترضین حضرات ذرا احادیث پاک کو توجہ سے پڑھیں اور غور کریں اور ے تدبر سے کام لیں تو ان شاء اللہ ان کو دلیل بن ہی نہیں سکتی۔

توجہ فرمائیں، حدیث پاک کو سمجھئے۔ حدیث پاک میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلقاً قول ذکر کیا گیا ہے کہ ہمیں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا اس میں امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا

1601 (مسند الإمام أحمد بن حنبل الناشر: مؤسسة الرسالة ج ۱۸ ص ۲ ۱ ۴)

ہے۔اور "وماتیسر" کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔اور اپنے مسلک کو دیکھو۔ تمہارا مسلک یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے خواہ مقتدی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اور سورۃ جو امام پڑھ رہا ہو وہ مقتدی کو پڑھنا فرض نہیں۔ اور اس احادیث پاک میں دونوں کا حکم ایک اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب اور سورۃ کا ملانا واجب ہے اور دونوں (فاتحہ اور کسی سورۃ) سے ایک آیۃ بڑیا تین آیتین چھوٹی پڑھنا فرض ہے اور امام کے پڑھنے سے مقتدی کو پڑھنا حاصل ہو جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی اور دلیل:

عن عبادة بن الصامت قال *كنا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة الفجر فقرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم فثقلت عليه القراءة فلما فرغ قال لعلكم تقرؤن خلف إمامكم قلنا نعم هذا يا رسول الله قال لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها۔[1602]

ترجمہ: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے آپ نے قرأت کی آپ پر قرأت کچھ بھاری ہو گئی (خلط ملط ہو گئی) آپ نے فرمایا شائد تم امام کے پیچھے قرأت کرتے رہتے ہو؟ ہم نے کہا (نعم هذا ای نفعل هذا) ہاں یارسول اللہ ہم قرأت کررہے تھے آپ نے فرمایا ایسانہ کرو، سوائے سورۃ فاتحہ کے اس لئے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔

[1602] (موسوعة التخريج ج1 ص20189)

جواب: جہاں تک (**لا صلاۃ لمن لم یقرأ بھا**) کا تعلق اس کے متعلق ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس کا صحیح ترجمہ ہی یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز مکمل نہیں۔ نفی کمال کی ہے۔ نماز کے سرے سے نہ ہونے کا ذکر نہیں۔لہذا اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

جہاں تک امام پیچھے قرأت کا ثبوت مل رہاہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں۔اس لئے ایک تو یہ حدیث مضطرب ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ کہ مدلس ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث معنٔن ہے لہذا یہ حدیث دلیل بنانے کے لائق نہیں،اس حدیث کے متعلق علامہ نیموی نے بیان کیا۔

النيموي قال: فيه مكحول، وهو يدلس، رواه معنعنًا، وقد اضطرب في إسناده، ومع ذلک قدتفرد بذكر محمود بن الربيع عن عبادة في طريق مكحول محمدُ بن إسحاق، وهو لا يحتج بما انفرد به، فالحديث معلول بثلاثة أوجه۔[1603]

(مفہوم وہی ہے جو ذکر کیا جاچکا ہے)

احادیث واضحہ صریحہ:(امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے):

مالک عن أبي نعيم: وهب بن كيسان أنه سمع جابر بن عبد الله يقول: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الإمام۔[1604]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے نماز کی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز کو مکمل نہیں کیا۔سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

1603 (بذل المجهود في حل سنن أبي داود الناشر: مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية، الهند ج۴ص۲۴۷)

1604 (السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد ج2ص160)

اس حدیث میں وضاحت کر دی گئی کہ جو شخص نماز مین سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص امام کے پیچھے نماز نہ پڑھ رہاہو اگر امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو وہ خاموش رہے امام کے پڑھنے سے جب اسے پڑھنا حاصل ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

أخبرنا مالک حدثنا وهب بن کیسان أنه سمع جابر بن عبد الله یقول: من صلی رکعة لم یقرأ فیها بأم القرآن فلم یصل إلا وراء الإمام۔[1605]

حدیث پاک کا ترجمہ اور وضاحت وہی ہے جو کہ موطأ امام مالک کے حوالہ سے بیان میں واضح ہے۔

حدثنا قتیبة بن سعید وابن السرح قالا حدثنا سفیان عن الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت یبلغ به النبی -صلى الله علیه وسلم- قال « لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعدا». قال سفیان لمن یصلی وحده۔[1606]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اس کی تبلیغ فرماتے تھے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ یا اس سے زائد کچھ نہیں پڑھے گا اس کی نماز مکمل نہیں۔ حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے) جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔

اس حدیث پاک سے ایک تو وضاحت یہ حاصل ہو گئی کہ جب حضرت عبادہ بن صامت نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ارشاد گرامی پیش کیا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے تو اس کی وضاحت حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر دی کہ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب

1605 (التعلیق الممجد بشرح موطأ محمد ج ۱ ص ۳۹۱)

1606 (سنن أبي داود ج ۱ ص ۳۰۲)

کوئی ایک شخص اکیلے نماز پڑھ رہاہو۔یعنی واضح ہوگیا کہ یہ حکم امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کا نہیں اس لئے کہ اسے امام کے قرأت حاصل ہورہی ہے۔

اور یہ خیال کیاجائے کہ "فصاعدا" سے مراد یہ ہے کہ اور کوئی سورۃ نہ ملائے تو نماز ناقص ہے ۔کیونکہ فاتحہ کاپڑھنا اور کسی سورۃ کا ملانا واجب ہے اسی لئے فاتحہ کے بغیر بھی نماز ناقس ہوگی کیونکہ ترک واجب لازم آئے گا۔

اگر اس حدیث میں "لاصلوۃ" کا معنی یہ کیا جائے اس کی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں تو یہ لازم آئے گا کہ سورۃ فاتحہ بھی رکن ہے اسی طرح اور سورۃ کا ملانا بھی رکن ہے۔دونوں کے بغیر نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں اگر ساتھ ساتھ ئی بھی تسلیم کرلیا جائے کہ امام کے پیچھے پڑھنا بھی اس حدیث سے ثابت ہورہاہے تولازم یہ آئے گا کہ امام کے پیچھے فاتحہ کاپڑھنا بھی فرض ہے اور اسی طرح اور سورۃ کا ملانا بھی فرض ہے۔

حالانکہ یہ مذھب غیر مقلدین کا بھی نہیں،ان کا سارازور صرف سورۃ فاتحۃ کے پڑھنے پر ہے ،نہ کہ کسی دوسری سورۃ پر۔

تنبیہ: جو حدیث مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد سے پیش کی گئی اس کی سند کے متعلق ترمذی میں یہ ذکر ہے "هذا حديث حسن صحيح" (باب قرأۃ خلف الامام) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خیال رہے ترمذی میں واسطے زیادہ ہونے کے باوجود حدیث حسن، صحیح ہے ترمذی میں اس سند سے حدیث کو ذکر کیاگیاہے۔

حَدَّثنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِکٌ، عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ»، : «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ»۔[1607]

ترجمہ اور وضاحت وہی ہے جو موطأ امام مالک سے حدیث نقل کرکے بیان کیا ہے۔

اعتراض: جو حدیث تم نے اپنا موقف پیش کرنے کے لئے پیش کی ہے "من کان لہ امام فقرأۃ الامام لی قرأۃ" (جس شخص کا امام ہو، امام کی قرأت اس کی قرأت ہے) وہ ضعیف ہے۔ اسے فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے لہذا یہ حدیث قابل حجت نہیں۔ **جواب:** دارقطنی نے جو ضعیف ہونے کی وجوہ بیان کی ہیں وہ خود ضعیف ہیں آیئے توجہ فرمائیں کہ دارقطنی کی بیان کردہ وجوہ ضعیف کی کیا حیثیت ہے۔

دارقطنی نے ایک وجہ ضعف یہ بیان کی ہے کہ یہ مرسل صحیح ہے۔

مسند صحیح نہیں ، کیونکہ عبد اللہ بن شداد نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں درمیان میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کو چھوڑتے ہیں اس لئے جب راوی صحابی کو چھوڑ دیا گیا ہے تو حدیث مرسل ہوگئی قابل حجت نہ رہی۔

دارقطنی کی یہ بیان کردہ وجہ ضعیف ہے اس وجہ کو کبھی قبول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ میرے پاس جو نسخہ مسند امام اعظم کا ہے اس میں حدیث بمع سند کے یوں مذکور ہے۔

عن أبي حنيفة عن موسىٰ عن عبداللّٰہ بن شداد عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له إمام فقراءة الأمام له قراءة۔[1608]

[1607] (سنن الترمذي الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر، ج ٢ ص ١٢٤)

[1608] (مسند ابی حنیفۃ، ج ١، ص ٩)

ترجمہ: یہاں کسی راوی کو نہیں چھوڑا گیا، بلکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہے، لہذا حدیث مسند صحیح ہو گئی۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر ہی لیا جائے کہ مسند امام اعظم کا وہ نسخہ صحیح ہے جس میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں (ممکن ہے دار قطنی کو کوئی ایسا نسخہ ملا ہو)تو پھر بھی حدیث کو ضعیف کیسے کہہ دیا گیا۔ کیا اصول حدیث کو بیان کرنے والوں نے کبھی یہ بیان کیا ہے کہ مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے؟ جب کسی نے ضعف کی وجہ یہ بیان نہیں کی تو دار قطنی کی اس وجہ ضعف کو آنکھیں بند کر کے کیسے تسلیم کیا جائے۔

آیئے ذرا مرسل حدیث کا حکم دیکھئے:

والمرسل کقولِ التابعی قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم وعند ابی حنیفۃ و ما لک المرسل مقبول مطلقاً وھم یقولون انما ارسلہ لکمال الوثوق و الاعتماد لان الکلام فی الثقۃ و لو لم یکن عندہ صحیحا لم یرسلہ و لم یقل قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم وعند الشافعی ان اعتضد بوجہ آخر مرسل او مسند و ان کان ضعیفا قبل۔[1609]

ترجمہ: مرسل حدیث وہ ہے جس میں تابعی روایت کرتے ہوئے صحابی کو چھوڑ کر کہے، رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا، امام اعظم رحمتہ اللہ اور امام مالک رحمتہ اللہ کے نزدیک مرسل مقبول ہے مطلقاً، وہ یہ کہتے ہیں کہ راوی نے اگر مروی عنہ (جس سے روایت بیان کی ہے) کو چھوڑا تو کامل وثوق کرتے ہوئے اس لئے کلام ثقہ میں ہے، اگر اس کے نزدیک راوی باوثوق، با اعتماد نہ ہوتا تو اسے نہ چھوڑتا، اور نہ کہتا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا۔

1609 (من مقدمۃ مشکوۃ)

امام شافعی رحمتہ اللہ کے نزدیک اگر مرسل حدیث کو دوسری مرسل یا مسند حدیث سے تائید مل جائے تو وہ قابل قبول ہو گی اگرچہ تائید کرنے والی حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کو تائید صحیح حسن سے حاصل ہے، جو مؤطا امام مالک، موطا امام محمد، ترمذی سے پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ یعنی اس حدیث سے تائید حاصل ہے۔

عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الإِمَامِ»: «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ»۔[1610]

(ترجمہ پیچھے اوراق میں دیکھئے)

اعتراض: مقدمہ مشکوۃ سے مرسل کا حکم بیان کیا ہے وہ جمہور کے مذہب کے مخالف ہے، اس سے پہلے عبارت یہ ہے۔

”حکم المرسل التوقف عند جمہور العلماء لانہ لا یدری ان الساقط ثقۃ او لا لان التابعی قد یروی عن التابعی و فی التابعین ثقات و غیر ثقات“

مرسل کا حکم توقف ہے جمہور علماء کے نزدیک، اس لئے کہ جو راوی ساقط ہے اس کے متعلق علم نہیں کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ، کیونکہ تابعی کبھی تابعی سے روایت کرتا ہے اور تابعین میں کئی ثقہ ہیں، کئی غیر ثقہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک ضعیف ہے۔ لہٰذا دار قطنی کا ضعیف کہنا صحیح ہے۔

جواب: جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف نہیں بلکہ موقوف ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ جس راوی کو چھوڑا گیا ہے وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ راوی غیر ثقہ

1610 (سنن الترمذي الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر، ج ۲ ص ۱۲۴)

چھوڑا گیا ہے تو ضعیف۔ اور اگر پتہ چل جائے کہ راوی جسے چھوڑ ا گیا ہے وہ ثقہ ہے تو حدیث صحیح ہو گی۔ جب **دارقطنی** نے بھی تسلیم کیا ہے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا گیا ہے تو یقیناً معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں تمام صحابہ عادل اور ثقہ راوی ہیں اور خصوصا جب اس حدیث کو دوسری حسن صحیح حدیث سے تائید حاصل ہے تو یقیناً یہ حدیث صحیح، قابل قبول اور قابل حجت ہے۔

دارقطنی نے دوسری وجہ ضعف یہ بیان ہے کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اسے صحیح طریقہ سے نہیں بیان کیا اور تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ:

هذا الحديث لم يسنده عن جابر بن عبدالله غير ابى حنيفة والحسن بن عمارة وهما ضعيفان۔

اس حدیث کی سند جابر بن عبد اللہ تک کسی نے نہیں پہنچائی سوائے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے وہ دونوں ضعیف ہیں۔

سبحان اللہ مخالفت نے اہل علم سے انصاف کا دامن کیسے چھڑا لیا، ایک وجہ یہ بیان ہوئی حدیث مرسل صحیح ہے۔ دوسری وجہ بیان ہوئی موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے صحیح طریقہ سے نہیں بیان کیا۔ تیسری وجہ بیان ہوئی حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کرنے میں دو راوی ہیں اور دونوں ضعیف ہیں۔

ضعیف کن کو کہا گیا ایک امام اعظم رحمتہ اللہ کو اور دوسرا حسن بن عمارۃ رحمتہ اللہ کو آیئے ذرا غور کیجئے کہ کسی راوی صرف ضعیف کہہ دینے سے وہ ضعیف ہو جاتا ہے یا کہ ضعیف کی وجوہ پائی گئی ہوں۔

صحیح حدیث وہ ہے جس کو وہ راوی روایت کرے جس میں عدل تام اور ضبط غیر معلل پایا جائے ۔اور ضعیف حدیث وہ ہو گی جس میں یہ دونوں صفتیں نہ پائی جائیں۔
عدل تام اس وقت نہیں ہو گا جب راوی میں پانچ عیوب پائے جائیں۔اس میں جھوٹ پایا جائے ۔اس پر جھوٹا ہونے کی تہمت پائی جائے فاسق ہو، جہالت اس میں پائی جائے، بدعات کا مرتکب ہو۔
ضبط کے خلاف بھی پانچ ہی عیب ہیں ۔ غفلت زیادہ پائی جائے ، غلطیاں بہت کرتا ہو ، ثقہ راویوں کے خلاف روایت پائی جائے، اس میں وہم زیادہ ہو، حافظ درست نہ ہو۔
خدارا انصاف کیجئے کوئی ایک عیب تو امام اعظم رحمتہ اللہ میں ثابت کر کے تو دکھائیں۔ جب آپ میں وجوہ ضعف میں سے کوئی ایک وجہ ضعف نہیں تو آپ کو ضعیف کہنا کون سا انصاف ہے۔ ہر ذی شعور کو ماننا پڑے گا کہ امام اعظم رحمتہ اللہ کی روایت کردہ حدیث تو صحیح ہے لیکن **دارقطنی** کا ضعیف کہنا ضعف اور غلط ہے۔[1611]

تنبیہ: بعض اوقات اہل علم سے غیر ارادی طور پر ایسی غلطی ہوتی ہے کہ اگر اس کی گرفت نہ کی جائے تو اس کا عظیم نقصان ہوتا ہے۔ اگر کسی کی زبانی، کلامی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ معاذ اللہ امام اعظم رحمتہ اللہ ضعیف راوی ہیں تو تمام محدثین پر اعتبار ختم ہو جائے گا، جب کہ آپ کے علم، زہد و تقویٰ اور تابعی ہونے میں کوئی بھی آپ کے برابر نہیں۔اس طرح تو کوئی دوسرا کہہ دے گا کہ میں معاذاللہ بخاری، مسلم وغیرہ کو نہیں مانتا کہ انہوں نے جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہوں کیونکہ (معاذاللہ) وہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔

[1611] (ماخوذ از شرح مسند امام اعظم)

خدارا انصاف کیجئے اور بتایئے کیا اس قسم کے اقوال (کلاموں) سے حدیث کو محدثین کو اور اسلام کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان، اگر آپ تھوڑا سا گہری نظر سے دیکھیں اور تدبر کریں تو یقیناً آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس سے تو فائدہ صرف منکرین حدیث کو ہو سکے گا۔ اسی لئے اہلِ علم نے حدیث کے مقام کو جانچنے کے لئے قوانین و ضوابط بنا دیئے ہیں۔ ان کا ہی احترام کیا جائے۔

اعتراض: امام جب قرأت کر رہا ہو تو وہ جب آیۃ کو ختم کرے اور سانس لے اور جواب تک دوسری آیۃ نہ شروع کرے تو اس سکتہ (وقفہ) میں مقتدی سورۃ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ لے، پھر وقفہ میں تھوڑا سا اور پڑھ لے اس طر مقتدی سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لے گا اور امام کی قرأت سننے میں بھی کوئی حرج لازم نہیں آئے گی۔

جواب: اس کا ایک جواب تو واضح ہے کہ ابھی تک جو بحث کی گئی ہے اس میں احادیث صحیحہ سے بیان کیا گیا ہے کہ امام خواہ آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو یا بلند آواز سے مقتدی خاموش رہے۔ اصل میں مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا منع ہے۔ صرف سننے میں حرج لازم آنے کی بات نہیں، کیونکہ امام، کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے لہذا مقتدی صرف امام کی قرأت پر اعتبار کرے اسی پر اکتفاء کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ امیر یمانی نے اپنی کتاب "سبل السلام شرح بلوغ المرام" میں کہا ہے کہ امام کی قرأت کے داران سکتوں (وقتوں) میں پڑھنے میں دو قسم کے قول ہیں ایک یہ ہے کہ فاتحہ پڑھتے ہوئے درمیان میں جو وقفہ ملے اس میں مقتدی پڑھے، دوسرا قول یہ ہے کہ فاتحہ جب امام مکمل کرلے اور سورۃ بھی نہ شروع کرے تو اس وقفہ میں مقتدی پڑھے، ان دونوں قولوں کے متعلق کہا "ولا دلیل علی هذا القولین فی الحدیث" ان دونوں قولوں والوں کے پاس حدیث پاک سے کوئی دلیل نہیں۔

لیکن یہ دوسرا جواب ضعیف ہے اس لئے کہ مستدرک حاکم میں ایک حدیث عطاء نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

عن أبي هريرة: منْ صلّى صلاةً مكتوبةً مع الإمامِ فليقرَ أبفاتحةِ الكتابِ في سكتاتهِ ومن انتَهى إلى أمّ القرآنِ فقد أجزأهُ۔[1612]

ترجمہ: رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ فرض نماز پڑھے وہ، امام کی قرآت کے دوران ان وقفہ میں فاتحہ پڑھے جو شخص فاتحہ مکمل کرے اس کی نماز درست ہوگی۔ اس لئے اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح جواب یہ ہوگا۔

ففيه محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير الليثي ضعفه بن معين و الدارقطني و قال البخارى منكر الحديث و قال النسائى متروک۔[1613]

اس حدیث کے راویوں میں محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر لیثی ہے ابن معین اور دارقطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا بخاری نے منکر الحدیث (منکر حدیث بیان کرنے والا) قرار دیا اور نسائی نے متروک کہا۔ اس لئے واضح ہوا کہ امام کی قرآت کے وقفہ کے دوران پڑھنے کا حکم جس حدیث سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے۔

فاتحہ میں شدت یا حدیث پاک کی مخالفت:

غیر مقلدین فاتحہ پڑھنے میں اتنی شدت اختیار کرتے ہیں جس شدت کی وجہ سے حدیث پاک کا ایک واضح حکم اٹھ جاتا ہے، جس پر عمل ممکن نہیں۔

غیر مقلدین کا مذہب:

1612 الدارقطني (ت ٣٨٥)، سنن الدارقطني ١/٦٥٨ • علاء الدين مغلطاي (ت ٧٦٢)، شرح ابن ماجه ٣/٤١٣ • ابن كثير (ت ٧٧٤)، الأحكام الكبير ٢/٤٦٧۔

1613 شرح آثار سنن ص ١٧٤۔

مدرک رکوع (رکوع پالینے والے) کی رکعت نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔[1614]

ولو وجد الامام فی الرکوع لا یعتد بتلک الرکعة لان قرأة الفاتحة فرض عندنا۔[1615]

ترجمہ: اگر امام کو رکوع میں پالے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی وہ رکعت اسے نہیں ملی، کیونکہ ہمارے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

احناف کا مسلک:

احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص بعد میں جماعت سے ملے کہ امام کے ساتھ رکوع کو پالے تو اسے وہ رکعت مل گئی۔

ہم بفضلہٖ تعالیٰ اپنے موقف پر چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ احناف کا مسلک ہی حق ہے۔ جب کہ غیر مقلدین کوئی ایک حدیث بھی نہیں پیش کر سکتے کہ رکوع میں امام کے ساتھ ملنے والا رکعت کو نہیں پا سکتا۔

مالک عن ابن شہاب عن ابی سلمة بن عبد الرحمن عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک الصلاة۔[1616]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔

1614 (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۹۹)

1615 (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۴۹۹)

1616 (معرفة السنن و الآثار۔البیهقی الباب معرفة السنن ج4ص354)

مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : إِذَا فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ فَقَدْ فَاتَتْكَ السَّجْدَةُ۔[1617]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے جس شخص کا رکوع فوت ہو گیا اس کا سجدہ بھی فوت ہو گیا، یعنی اسے وہ رکعت نہیں ملے گی۔

مالک أنه بلغه أن عبد الله بن عمر و زيد بن ثابت: كانا يقولان من أدرك الركعة فقد أدرك السجدة۔[1618]

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہا کرتے تھے کہ جس کو رکوع مل گیا اسے سجدہ مل گیا۔ یعنی اسے رکعت مل گئی۔

مالک أنه بلغه أن أبا هريرة كان يقول: من أدرك الركعة فقد أدرك السجدة ومن فاته قراءة أم القرآن فقد فاته خير كثير۔[1619]

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ بے شک جس شخص کو رکوع مل گیا اسے سجدہ مل گیا، جس کی فاتحہ فوت ہو گئی اس سے خیر کثیر فوت ہو گئی۔

اس حدیث پاک میں بفضلہ تعالیٰ احناف کا مکمل مسلک واضح ہو گیا کیونکہ احناف کا مذھب ہی یہ ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا، لیکن بعد میں آنے والے نے امام سے فاتحہ کو نہیں

1617 (السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد ج2ص205)

1618 (موطأ الإمام مالك، الناشر: دار إحياء التراث العربي – مصر ج1ص10)

1619 (موطأ الإمام مالك الناشر: دار إحياء التراث العربي – مصر ج1ص11)

سنا اس لئے اسے وہ ثواب حاصل نہیں ہو گا جو شروع سے ملنے والے کو حاصل ہو تا ہو لہذا فاتحہ میں نہ ملنے والا خیر کثیر سے محروم ہو گیا۔

(اخبرنا مالک اخبرنا ابن شهاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال من ادرک من الصلوة رکعة) قال محمد و بهذا ناخذ و هو قول ابی حنیفة رحمة الله۔[1620]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ جس شخص نے رکوع کا پالیا اس نے نماز کی وہ رکعت پالی۔

امام محمد رحمتہ اللہ فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اعتراض: احادیث میں تو لفظ "رکعۃ" استعمال ہوا جس کا معنی رکعت ہی ہوتا ہے تم نے اس کا معنی رکوع کیا ہے یہ کیسے درست ہے۔

جواب: جب رکعت کا لفظ سجود کے مقابل استعمال ہوا ہے اس کا معنی رکوع ہی ہوا ہے تمام شارحین نے یہی معنی مراد لیا ہے اور بہت واضح اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے جس میں یہ ہے کہ جس نے رکوع کا پالیا اس لئے سجود کو پالیا جس کا رکوع فوت ہو گیا اسکا سجدہ فوت ہو گیا یہاں رکعت معنی کرنے سے کوئی مقصد ہی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ رکعت تو بمع سجدہ کے ہوتی ہے۔

بخاری کی حدیث سے انحراف کیوں؟:

[1620] (المستدرک، المستدرک علی الصحیحین ج1 ص493، موطأ امام محمد 100 باب الرجل یسبق ببعض الصلوة)

عَنْ أَبِى بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِىِّ - صلى الله عليه وسلم - وَهْوَ رَاكِعٌ ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِىِّ - صلى الله عليه وسلم - فَقَالَ « زَادَكَ اللَّهُ حِرْصاً وَلاَ تَعُدْ »۔[1621]

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم رکوع میں جا چکے تھے، یہ صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے (پھر آہستہ آہستہ صف میں پہنچ گئے) جب انہوں نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو بتایا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ تمہاری (نماز، نیکی پر) حرص کو اور زیادہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرو۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ صحابی نے رکوع میں مل رکعت کو پالینے کی غرض سے صف کے پیچھے ہی رکوع کر لیا۔ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، بلکہ یہ فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کہ صف کے پیچھے ہی رکوع کرلو بلکہ صف میں ملکر رکوع کیا کرو۔

اگر رکوع میں ملنے کی وجہ سے رکعت نہ ملتی تو نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ضرور بیان کرتے آپ کا خاموش رہنا ہی دلیل ہے کہ صحابی کو وہ رکعت مل گئی تھی، کیونکہ جہاں آپ نقص دیکھتے تھے آپ فرماتے تھے نماز دوبارہ پڑھو۔

عن أبى هريرة قال قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة۔[1622]

[1621] (مختصر صحيح البخاري تحقيقي ج1ص15)

[1622] (سنن أبي داود الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت ج ۱ ص ۳۳۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جب تم نماز کی طرف آؤ تو ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کرلو لیکن اسے رکعت نہ شمار کرو، اور جس نے رکوع کو حاصل کرلیا اسے نماز مل گئی یعنی اسے وہ رکعت مل گئی۔

اس حدیث میں "الرکعة" کا معنی رکوع کرنا بہت واضح، اس حدیث پاک کو غور سے پڑھیں، سمجھیں اور اندازہ کریں کہ احناف کا مذہب حدیث کے مطابق ہے یا غیر مقلدین کا؟ نام کا دم چھلا لگانے کے بغیر ہی بفضلہٖ تعالیٰ حقیقت میں اہلِ حدیث (حدیث پر عمل کرنے والے) ہم ہیں، غیر مقلدین اپنے نام کے ساتھ اہل حدیث کا دم چھلا لگانے کے باوجود حقیقت میں اہلحدیث نہیں، اس لئے میں ان کے لئے اہلِ حدیث کا لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ غیر مقلدین کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔

عن أبي هريرة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: «من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه۔[1623]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بے شک رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس نے نماز کے رکوع کو پالیا اس نے اس رکعت کو پالیا، جب تک کہ امام سیدھا کھڑا نہیں ہوا۔

اس حدیث پاک میں اور زیادہ وضاحت موجود ہے کہ امام کے رکوع سے کھڑے ہونے سے پہلے جو رکوع میں مل گیا اسے وہ رکعت مل گئی۔

خلاصہ کلام:

1623 (السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد ج ٢ ص ٨٩)

عوامی حضرات اگر فاتحہ پڑھنے کی تمام بحث کو یاد نہ کر سکیں تو صرف یہ مختصر ذہن میں رکھیں۔
احناف کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنا منع ہے، نماز خواہ جہری (بلند آواز سے پڑھنے والی)ہو، یا سری (آہستہ آواز سے پڑھنے ولی ہو) مقتدی صرف سنے اور خاموش رہے۔

یہ مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے ،اس میں اختلاف ہے،اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ لیکن صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ احناف صرف رائے اور قیاس کے پابند نہیں ہیں جیسا کہ **متعصب** غیر مقلدین الزام لگاتے ہیں بلکہ احناف جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی بنیاد بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ اور انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سمجھا ہے اسی پر عمل کر رہے ہیں:

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

وَإِذَاقُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (سورۃ الاعراف:204)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

آیۃ کریمہ کے متعلق کچھ بحث کے شروع میں کیا جاچکا ہے۔ مزید کچھ یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

اس آیۃ میں "استمعوا" اور "انصتوا" امر کے صیغے ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں نماز میں قرآن پاک کا سننا بالاتفاق واجب ہے۔

نماز دو طرح کی ہوتی ہے **"جھری"** جس میں امام بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہو، لہذا جہری نماز میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہو گا۔ اور "سری" جس میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے اس میں چونکہ سننا ممکن نہیں، اس لئے "انصتوا" (خاموش رہو) پر عمل ہو گا۔

امام چونکہ سری اور جہری دونوں نمازوں میں قرأت کرتا ہے لہذا مقتدی کے لئے دونوں قسم کی نمازوں میں خاموش رہنا ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ ابتداء اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور امام کے پیچھے قرأت بھی جائز تھی لیکن بعد میں ان دونوں چیزوں کو منع کر دیا گیا۔

مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوۃ میں ہے، صحابہ کرام فرماتے ہیں:

كُنَّا نَتَكَلَّم فِي الصَّلَاة ، يُكَلِّم الرَّجُل صَاحِبه وَهُوَ إِلَى جَنْبه فِي الصَّلَاة حَتَّى نَزَلَتْ : { وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ } فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَنُهِينَا عَنْ الْكَلَام۔[1624]

ترجمہ: نماز میں ہم کلام کرلیا کرتے تھے۔ایک شخص اپنے ساتھ والے شخص نماز کی حالت میں کلام کرلیتا تھا۔یہاں تک کہ جب آیۃ "وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ "(نماز میں خاموشی سے خشوع کرتے ہوئے کھڑے ہو)نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں کلام سے منع کر دیا گیا۔

عن مجاهد قال كان رسولُ اللهِ ﷺ يقرأُ في الصَّلاةِ، فسمعَ قِراءَةَ فتًى مِنَ الأنْصارِ، فنزلَ: وإذا قُرِئَ القرآنُ فاسْتَمِعُوا لهُ وأنْصِتُوا۔[1625]

ترجمہ: حضرت مجاہد کہتے ہیں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم نماز میں قرأت کرتے ہوئے سنا تو اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (وإذا قُرِئَ القرآنُ فاسْتَمِعُوا لهُ وأنْصِتُوا) جب نازل ہوئی تو اس کے بعد امام پیچھے قرأت کی ممانعت کر دی گئی۔

وَقَالَ عَلِيّ بْن أَبِي طَلْحَة عَنْ اِبْن عَبَّاس فِي الْآيَة قَوْله " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآن فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا "يَعْنِي فِي الصَّلَاة الْمَفْرُوضَة۔[1626]

[1624] (شرح النووی علی مسلم، مشکول۔ج ۲ ص ۲۹۹۔و۔الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم دار النشر / دار ابن حزم-لبنان/بيروت-1423هـ-2002م ج ۱ ص ۳۱۵)

[1625] (ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، الدراية١/١٦٤)•

[1626] (تفسير القرآن العظيم شهرة الكتاب: تفسير ابن كثير دار النشر: مؤسسة قرطبة + مكتبة أولاد الشيخ ج6 ص 503)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، آیۃ (وإذاقُرِئَالقرآنُ) نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

ذهب جماعة إلى أنها في القراءة في الصلاة۔[1627]

ترجمہ: ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آیۃ نماز میں قرأت کے متعلق نازل ہوئی۔

وإذا قرئ القرآن في الصلاة المكتوبة فاستمعوا له إلى قراءته وأنصتوا القراءته۔[1628]

ترجمہ: جب قرآن پڑھا جائے فرض نمازوں میں تو اس کی قرأت کو سنو اور قرآن کی قرأت کے وقت خاموش رہو۔

ان تفاسیر سے واضح ہوا کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی اور مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا۔

(فقراءالامام له قرأت) کو صحابہ کرام کی جماعت نے روایت کیا:

عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه و سلم قال: من صلى خلف الإمام فإن قراءة الإمام له قراءة۔[1629]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسَلَّم نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔

1627 (الكتاب: مختصر تفسير البغوي الناشر: دار السلام للنشر و التوزيع – الرياض ج3 ص247)

1628 (تنوير المقباس من تفسير ابن عباس الناشر دار الكتب العلمية ج1 ص144)

1629 (موطأ الإمام مالک الناشر: دار القلم - دمشق ج1 ص194)

واضح ہو کہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، یعنی جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ ابن عمر، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، عبد اللہ ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ و عنہم نے۔اور حدیث جابر کے بھی متعدد طرق ہیں جو ایک دوسرے کی مزید تقویت کا باعث بنتے ہیں [1630]

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی روایت:

أبو حنيفة عن موسى، عن عبد الله بن شداد، عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مَنْ كَانَ له إمامٌ فقراءة الإمام له قراءة۔ [1631]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَالٰہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس شخص کا امام ہو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے، امام اعظم رحمتہ اللہ کی وجہ سے روایت کو ضعیف کہنے والے غلطی کا شکار ہوئے ان کے پاس ضعیف کہنے کی کوئی دلیل نہیں۔

بخاری کی حدیث کا صحیح ترجمہ:

بخاری کی حدیث "لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب" کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے اس ترجمہ پر حدیث مسلم شاہد ہے۔

بخاری کی رائے امام اعظم کی رائے سے اعلیٰ نہیں ہو سکتی:

1630 (ماخوذ از فیوض الباری شرح البخاری)

1631 (شرح مسند أبي حنيفة الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان ج ۱ ص ۳۰۷)

عام لوگوں کو کچھ لوگ بخاری کا ترجمہ دکھا کر بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں، بخاری رحمۃ اللہ نے عنوان قائم کیا ہے۔ اس کا ترجمہ عوام کو دکھانا اور یہ کہنا کہ بخاری میں یہ لکھا ہوا ہے۔

یاد رہے امام بخاری رحمۃ اللہ نے جو ابواب بنائے، عنواں منتخب کئے وہ احادیث نہیں، بلکہ امام بخاری کی رائے کو امام اعظم رحمۃ اللہ کی رائے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ **جامع الاحادیث** (احادیث کو جمع کرنے والے) تو ہیں، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ کی طرح مجتہد نہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جب امام اعظم رحمۃ اللہ نے احادیث پر عمل کیا۔ آپ رحمۃ اللہ تابعی ہیں۔ صحابہ کا زمانہ آپ نے پایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ کی پیدائش سے پہلے بھی دین تھا۔ پہلے لوگ بخاری کے محتاج نہیں تھے۔

بخاری کے عنوان سے بھٹکانے کی کوشش:

بخاری نے یہ عنوان ذکر کیا ہے۔

بَاب وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ۔[1632]

ترجمہ: باب اس بیان میں کہ قرأت واجب ہے امام اور مقتدی پر تمام نمازوں میں خواہ وہ حضرت میں ادا کرے یا سفر میں، ان میں جہر کیا جاتا ہو یا وہ سری نماز ہو۔

اسی عنوان سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بخاری میں یہ ہے، لوگ سمجھتے ہیں یہ بھی حدیث ہے۔ عوام کو کیا معلوم کہ یہ بخاری نے خود عنوان قائم کیا ہے؟ کہاں بخاری اور کہاں امام اعظم رحمہا اللہ، ہر ایک مقامِ کو پہچانا جائے۔

1632 (إحكام القنطرة في أحكام البسملة الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، دار البشير، عمان، الأردن ج1 ص85)

اعتراض: تم نے کہا امام کے پیچھے قرأت منع ہے حالانکہ ہدایہ حنفیوں کی مقبول اور بلند پایہ کتاب ہے اس کی پہلی جلد ،فصل فی القرأۃ میں فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ فتویٰ ہے۔

"**یحتحسن علی سبیل الاحتیاط**"یعنی احتیاطاً سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھ لینا ہی بہتر ہے۔[1633]

جواب: ہدایۃ کا آپ کو مطلب سمجھ آتا تو جھگڑا کس کا تھا؟ ہی اس بات کا ہے کہ آپ کسی عبارت کو ظاہری طور پر دیکھتے ہو،اس کی روح اور حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے،اور خصوصاً عبارات کو توڑ موڑ کر پیش کرنا آپ کا کمال ہے،اس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ آیئے میں آپ کو ہدایہ سمجھاؤں۔

ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرے،اس کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب بیان کیا گیا ہے،پھر اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا:

ولنا قوله عليه الصلاة والسلام من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة وعليه إجماع الصحابة رضي الله عنهم۔[1634]

ترجمہ: ہمارے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے،اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔صاحب ہدایہ نے دوسری دلیل اپنے موقف پر یہ قائم کی کہ اس پر اجماع اصحابہ ہے۔

اس کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل کا جواب دیا۔ان کی دلیل یہ تھی کہ مقتدی فاتحہ امام کے پیچھے پڑھے اس لئے کہ قرأۃ رکن ہے اور رکن مشترک ہے امام اپنے ارکان قیام،رکوع وغیرہ خود ادا کرتا ہے اور مقتدی اپنے ارکان خود،امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

1633 (هداية)(صلوۃ الرسول ص،۲۰۵)

1634 (الهداية شرح بداية المبتدي الناشر المكتبة الإسلامية ج1ص55)

وَهُوَ رُكْنٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا ، لَكِنَّ حَظَّ الْمُقْتَدِي الْإِنْصَاتُ وَالِاسْتِمَاعُ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا ۔[1635]

ترجمہ: قرأ ت کا امام اور مقتدی کے درمیان رکن مشترک ہونا قابل تسلیم ہے ، لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا ہے اور سننا کیونکہ نبی کریم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جب امام پڑھے تم خاموش رہو۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ نے بیان کیا:

ويستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمد رحمه الله ويكره عندهما لما فيه من الوعيد۔[1636]

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ سے ایک روایت بیان کی گئی کہ احتیاطاً امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے اور امام اعظم اور امام ابویوسف رحمہا اللہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس میں وعید پائی گئی۔

امام محمد رحمۃ اللہ کی طرف روایت کو مجہول طریقہ پر ذکر کرکے صاحب ہدایہ نے بتادیا کہ امام محمد رحمۃ اللہ کی طرف نسبت کرنا ہی ضعیف ہے کیونکہ آپ نے اپنے موطاً (موطاً امام محمد) میں اپنا مسلک واضح طور پر بیان کیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت منع ہے۔

شیخین کے مذہب کی وضاحت فتح القدیر میں اس طرح ہے:

قوله وتُكْرَهُ وَالْمُرَادُ كَرَاهَةُ التَّحْرِيمِ كَمَا يُفِيدُهُ قَوْلُ الْمُصَنِّفِ، وَعِنْدَهُمَا يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ الْوَعِيدِ۔[1637]

[1635] (العناية شرح الهداية ج2 ص53)

[1636] (الهداية شرح بداية المبتدي، الناشر المكتبة الإسلامية، ج1 ص55)

[1637] فتح القدير للكمال ابن الهمام، الباب فصل فی القرأة ج1 ص340

ترجمہ: مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس میں وعید پائی گئی ہے۔

وعید والی حدیثوں کو ماقبل اوراوق میں تفصیلا ذکر کر دیا گیا ہے کسی میں نماز کے نہ ہونے کا ذکر، کسی میں اس کے منہ میں چنگاری کے ہونے کا ذکر اور کسی میں اس کے منہ میں مٹی کے ہونے کا ذکر۔

اب آپ خود بتائیں کہ صاحب ہدایہ نے ایک ضعیف قول کی نشاندھی کی یا کہ یہ کہا کہ امام کے پیچھے واقعی فاتحہ کا احتیاطاً پڑھنا مستحسن ہے۔

ہدایہ اگر صحیح سمجھ آئے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے ضعیف ہے، کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منع ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ کی ایک جھلک:

غیر مقلدین کے عقائد کا دارومدار ابن تیمیہ کے نظریات ہی ہیں۔ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی طویل بحث ہے، طوالت سے بچنے ہوئے اس کی فیصلہ کن بات کو نقل کر رہا ہوں توجہ فرمائیں۔

ولهذا روى في الحديث مثل الذي يتكلم والامام يخطب كمثل الحمار يحمل أسفارا فهكذا اذا كان يقرأ والامام يقرأ عليه۔[1638]

ترجمہ: حدیث پاک میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی جو امام کے خطبہ دینے کے دوران کلام کرے اس کی مثال گدھے جیسی ہے جو بوجھ اٹھائے پھرتا ہو۔ ایسے ہی جو شخص قرأت کر رہا ہو جب امام پڑھ رہا ہو۔

1638 (کتب ورسائل وفتاوی شیخ الإسلام ابن تیمیة الناشر مکتبة ابن تیمیة ج۲۳ ص ۲۷۹)

اتنے سخت الفاظ کوئی اور لکھتا تو یقیناً غیر مقلدین کو غصہ آتا ہے، لیکن جب اس کے عقائد کے امام نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو امام کے قرأت کرنے کے دوران قرأت کرے وہ گدھے کی طرح ہے، تو امید ہے کہ وہ اسے برداشت کریں گے؛ کیونکہ یہ بات ان کے اپنے بزرگ کی ہے۔

فیصلہ کن بات:

امام کے پیچھے قرأت سے اسی (۸۰) صحابہ کرام نے منع کیا ہے جن میں خلفاءراشدین بھی ہیں اور جلیل القدر صحابہ کرام بھی ہیں (جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جاچکا ہے)۔[1639]

(**و متابعة الامام علی ای حال و جده**) اور جب مقتدی جماعت میں شامل ہو تو (امام جس حال میں ہو اس حال میں) امام کی متابعت کرنا مقتدی پر واجب ہے۔ چاہے امام قائم ہو یا رکوع میں چاہے سجدے میں ہو یا قعدے میں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قضا اس رکن کی لازم نہیں ہوتی جو مقدم جزء مدرکہ مع الامام میں تکبیر کے بعد قبل الجزء المودی مع الامام ہو۔ (**و ان لم یکن محسوبا من الصلوة**) اگرچہ یہ رکن (جو امام کے ساتھ ادا ہو) مقتدی کی نماز میں شمار نہیں ہوتا جیسے جزء محسوبہ میں مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے جیسے قیام اور رکوع کی حالت میں امام کو پالینا۔ اور جزء غیر محسوبہ کی مثال یہ ہے کہ مثلاً قومہ، جلسہ، سجدہ اور قعدے میں امام کو پالینا۔

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے کہ:

اذا جئتم الی الصلوة ونحن فی السجود فاسجدوا ولا تعدوه شیئا واذا اتی احدکم الی الصلوة والامام علی ای حال فلیصنع کما یصنع الامام۔

[1639] (عینی شرح البخاری)

(وسجدة التلاوة) اور سجدہ تلاوت واجب ہے اور یہ اس وقت واجب ہے جب آیت سجدہ تلاوت کی جائے یا آیتِ سجدہ کے اکثر حروف تلاوت کئے جائیں۔ اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز میں جونہی آیت سجدہ تلاوت ہوا ایک دم کانوں کو ہاتھ لگائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کیا جائے اور سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی پڑھا جائے اور پھر تکبیر کہتے ہوئے قیام کو لوٹایا جائے اور سجدہ تلاوت کے ساتھ نہ تو تشہد ہے نہ ہی سلام۔ اور اس کی شرائط وہی ہیں جو نماز کی ہیں مثلا کپڑوں کا پاک ہونا، سترِ عورت، قبلہ کی طرف منہ کرنا اور جسم کا پاک ہونا وغیرہ۔

(علی الامام والمنفرد) (اور یہ سجدۂ تلاوت) امام پر بھی واجب ہے اور منفرد اور مقتدی پر بھی۔ مقتدی پر امام کی متابعت کی وجہ سے اس لئے اگر امام نے سجدۂ تلاوت کیا تو مقتدی بھی کرے گا اور اگر امام نے سجدہ نہ کیا تو مقتدی بھی نہیں کرے گا۔

(وتکبیرات العیدین) اور دونوں عیدوں کی زائد تکبیریں واجب ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدَاکُمْ۔ کہا گیا ہے۔ کہ اس آیت سے مراد تکبیراتِ عیدین اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تکبیراتِ عیدین پر ہمیشگی کی ہے اور طریقۂ عبادت کے ساتھ بغیر ترک کے ہمیشگی وجوب کی دلیل ہوتی ہے۔ قیدِ عیدین کے ساتھ تکبیرِ قنوت سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ تکبیرِ قنوت واجب نہیں ہے اور تکبیراتِ عیدین پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور تعوذ و قرأت سے پہلے تین تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد اور رکوع سے پہلے تین تکبیریں ہیں۔ اور جمع عظیمہ میں ہر دو تکبیروں کے درمیان بقدرِ تین تسبیحات کے فاصلہ رکھا جاتا ہے۔ اور جمع متوسط بقدرِ دو تسبیحات کے فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اور چھوٹی جمع میں بقدرِ ایک تسبیح کے فاصلہ رکھا جاتا ہے اور یہ ہمارے مذہب کے علماء ثلاثہ کا مسئلہ ہے۔

جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں چار تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق دونوں رکعات میں پانچ پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں سات تکبیریں ہیں۔ اور اصلی تکبیر یعنی تکبیرِ افتتاح پہلی اور دوسری رکعات کے رکوعوں کی تکبیروں کو پہلی روایت کے ساتھ ضم کیا جائے، تو بارہ تکبیریں بنتی ہیں اور اگر دوسری روایت کے ساتھ ضم کیا جائے تو تیرہ (۱۳) تکبیریں بنتی ہیں اور اگر تیسری روایت کے ساتھ ضم کیا جائے تو سولہ تکبیریں بنتی ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری اور تیسری روایت میں سب کو زوائد میں شمار کرتے ہیں۔

(**وتکبیر رکوعھما**) اور عیدین کے رکوع کی تکبیریں واجب ہیں۔ اور یہ رکوع چار ہیں: دو رکوع ایک عید کی نماز کے اور دو رکوع دوسری عید کی نماز کے اور عیدین کے قید سے دوسری نمازوں کے رکوعات کی تکبیروں اور عیدین کے سجدوں کی تکبیروں سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ یہ باقی تکبیریں یعنی باقی نمازوں کی تکبیر رکوع اور عیدین کی نماز کے سجدوں کی تکبیر نماز کی سنتوں میں شامل ہے نہ کہ واجبات میں۔

(**وسجدۃ السھو**)(اور اگر نماز میں بھول ہو جائے تو) سجدۂ سہو واجب ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر جماعت میں سجدہ سہو کرنا ہو تو تشہد کے بعد ایک طرف سلام پھیرتے ہوئے دو سجدے کئے جائیں۔ اور اگر منفرد اکیلا پڑھنے والا نمازی سجدہ سہو کرے تو تشہد کے بعد دونوں طرف سلام کہے اور سہو کے دو سجدے کرے اور سجدے سہو کے بعد دوبارہ تشہد اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھے اور اپنے لئے اور سارے مؤمنوں کے لئے دعا کے بعد سلام

کہے۔اور یہ ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔جب کہ حضرت امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن یحیی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ: **ان النبی ﷺ سجد قبل السلام۔**[1640] **قلنا۔** کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے **کہ ان النبی ﷺ سجد للسهو بعد السلام۔**[1641] تو جب دو روایتوں میں اختلاف پیدا ہوا تو دونوں ساقط ہو گئیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول مبارک پر تمسک کرنے سے معارضہ رفع ہو گیا کہ **لكل سهو سجدتان بعد السلام۔**[1642] اور یہ اختلاف سجدے کی اولیت میں ہے نہ کہ جواز اور عدم جواز میں ۔اوراگر سجدہ قبل السلا م کیاتوحضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جائزہے اوراگر بعد السلام کیاتو بھی مذہب حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جائز ہے۔

(علی الامام و المنفرد) یہ سجدہ سہو امام (اور مقتدی) اور منفرد پر واجب ہے۔امام پر اصالتاً اور مقتدی پر اس لئے کہ تابع ہوتاہے اور قیادت امام کی وجہ سے مقتدی کے سہو سے احتراز کیا گیاہے کیونکہ مقتدی کے سہو سے نہ تو امام پر سجدہ سہو لازم ہوتاہے اور نہ ہی خود مقتدی پر کیونکہ اگر ہم مقتدی کے سہو سے امام پر سہو لازم کریں تو امام تابع ہو جائے گا اور مقتدی متبوع اور شرع کا بدلنا لازم ہو جائے گا جبکہ شرع کا بدلنا جائز نہیں ، اوراگر اگلے مقتدی پر سجدہ سہو واجب کیا جائے تو امام سے مخالفت ہو گی جبکہ امام کی مخالفت جائز نہیں لہذا مقتدی کی سہو معاف ہوئی۔

[1640] بتحقیق حضور ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا۔
[1641] بتحقیق حضور ﷺ نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا۔
[1642] ہر سہو یعنی بھول کیلئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔

(بترک الواجب) سجدہ سہواس وقت واجب ہوتاہے جب مذکورہ واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہوجائے۔فی الثمانیة الاول من القسم الاخیر۔ آخری قسم کے پہلے آٹھ واجبات کے ترک ہونے پریعنی مذکورہ خاص واجبات میں سےپہلے آٹھ واجبات کے ترک ہونے پر سجدہ سہوواجب ہوتاہے۔یعنی فتعیین الاولیین سےوالمخافة کذلک تک۔اورباقی چھ صورتوں کے ترک پر سجدہ سہولازم نہیں ہوتا۔پس سجدہ سہوواجب ہونامقتدی کے اپنے امام کی عدم متابعت کی وجہ سے ہے،کیونکہ مقتدی کی سہوامام اور مقتدی دونوں میں سے کسی ایک پر بھی سجدہ سہوواجب نہیں کرتی جبکہ امام کے حق میں اس لئے کہ اس سے شرع بدلنے کاڈرہوتاہےاور مقتدی کے حق میں اس لئے کہ اس سے امام کی متابعت لازم آتی ہےاور سجدہ تلاوت کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہولازم نہیں ہوتاکیونکہ سجدہ تلاو ت کاترک خارج نمازمیں موجودہوتاہےاورسجدہ صلاتیہ نمازسےباہر ادانہیں کیاجاتا۔کیونکہ سجدہ صلاتیہ کامل واجب ہےاور نمازسےباہر اس کی ادانا قص ہےاور عیدین کے تکبیروں کے ترک پر بھی سجدہ سہوواجب نہیں ہوتاکیونکہ جمع عظیمہ کی صورت میں لوگوں کو تشویش میں پڑنے کاخدشہ ہوتاہےاور جمع قلیلہ کی صورت میں عیدین کی تکبیرات کے ترک پر سجدہ سہوواجب ہوتاہےاس لئے کہ عیدین کی تکبیرات رکوع کے ترک سےلوگوں میں عدم اشتباہ ہوتاہےاور سجدہ سہوکے ترک ہوجانے پر بھی سجدہ سہولازم نہیں ہوتااور نمازسےخارج ہونے کے بعد سجدہ سہوادانہیں ہوسکتاکیونکہ سجدہ سہوکامحل نمازکے اندرہےنہ کہ نمازکے باہر۔

(وفی جمیع الصور من القسم الاول) اورواجبات کی اول(عام)اقسام میں ساری صورتوں میں کسی ایک کے ترک ہوجانے پرسجدہ سہوواجب ہوتاہےاور یہ قول مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کاہے۔

(الاالطمانیة) مگرطمانیت کے ترک پر سجدہ سہوواجب نہیں ہوتایہ جوابِ سوال ہےاس کی تقدیر یہ

ہے کہ **فان قیل۔**جب قسم اول کی ساری صورتوں کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہے تو طمانیت کے ترک پر بھی سجدہ سہو واجب ہونا چاہئے کیونکہ طمانیت بھی اول قسم میں سے ہے تو مصنف علیہ الرحمہ نے اس قول سے جواب دیا کہ الاالطمانیة کیونکہ سجدہ سہو واجب اصلیہ کے ترک پر واجب ہوتا ہے۔جبکہ طمانیت واجب اصلیہ نہیں ، **(فانھاواجبة للغیر)** یہ (طمانیت)تبع غیر کی وجہ سے واجب ہے یعنی رکوع و سجود کی اکمال کیلئے طمانیت واجب ہے۔**فان قیل۔** سب واجبات و فرائض نماز سے اکمال کے لئے ہیں لہٰذا واجب کے ترک پر سجدہ سہو واجب نہیں ہونا چاہیے۔**قلنا۔**واجبات کی دو اقسام ہیں ایک واجب اصلی اور دوسری واجب تبعی ،واجب اصلی کی مثال ایسے ہے جیسے فاتحہ ،ضم سورت اور قرأت تشہد اور دعائے قنوت اور واجب تبعی کی مثال یہ ہے کہ جیسے طمانیت اور سجدہ سہو تب واجب ہوتا ہے جب واجب اصلی کا ترک ہو اور اگر واجب تبعی ہو جائے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا اور اصلی اسے کہتے ہیں کہ اکمال سے قطع نظر عبادت بالذات ہوتی ہے اور وجوب تبعی من وجہ سنتیت کی دلیل ہے اور سنت کے ترک پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

سولہ سجود سے نماز فجر ادا کرنے کی صورت مسئلہ

سوال:ایک آدمی نے نماز فجر کو سولہ سجود سے ادا کیا اس کی کیا صورت ہے ؟(یعنی صورت مسئلہ کی وضاحت کریں)

الجواب منہ الصدق و الصواب۔

ایک شخص نماز فجر کیلئے آیا اور اس نے امام کو دوسری رکعت کے سجدہ میں پایا یعنی نماز کی نیت کرکے امام کے ساتھ سجدۂ صلاتیہ ادا کی دو سجدے اور امام پر سجدۂ تلاوت واجب تھا مگر اس کو فراموش کرکے سجدۂ سہو اس پر واجب ہو چکا تھا تو جب سجدۂ سہو دو سجدے کیے تو سجدۂ تلاوت یاد آگیا تو سجدۂ

تلاوت کیا۔اس لئے کہ سجدۂ سہوہ نماز کے آخر میں ہوتا ہے تو امام کو سلام کے بعد دو سجدے سہوہ کے کرنا پڑے یہ کل سات سجدے ہوئے مگر اس مقتدی نے تو ابھی تک ایک رکعت بھی ادا نہیں کی امام کے سلام کے بعد اس نے اپنی نماز کی پہلی رکعت کے دو سجدے ادا کیے۔دوسری رکعت میں اس کو وہ حالت درپیش ہوئی جو امام کو درپیش ہوئی تھی تو اس نے پہلے دو سجدے صلاتیہ ادا کیے اور دو سجدے سہوہ کے ادا کیے تو سجدہ تلاوت یاد آیا تو وہ بھی ادا کیے تو اس وجہ سے سجدۂ سہوہ دوبارہ ادا کرنا پڑا اس طرح کل سات سجدے ادا کیے اس لئے کل سجود ۔۷+۷+۲ کل سولہ ہو گئے اور نماز دو رکعت۔یعنی دو رکعت میں سولہ سجود ادا کرنا پڑے تو یہ ایک عجیب عمل ہو گیا۔[1643]

سجدۂ سہو کی پہیلیاں

۱۔ کن صورتوں میں سجدۂ سہو دوبارہ کرنے کا حکم ہے؟

۲۔ وہ کون سا واجب ہے کہ جس کے چھوٹنے پر سجدۂ سہو نہیں؟

۳۔ وہ کون سی صورت ہے کہ نماز کا واجب ترک ہوا مگر اس کے باوجود سجدۂ سہو نہیں؟

۴۔ نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اس کی کیا صورت ہے؟

۵۔ نماز میں تشہد پڑھنے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔اس کی صورت کیا ہے؟

۶۔ کس صورت میں رکوع کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

۷۔ ایک رکعت میں دوبار سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔اس کی صورت کیا ہے؟

۸۔ قعدہ میں الحمد شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں واجب ہوا۔اس کی صورت کیا ہے؟

[1643] (بنایہ شرح ھدایۃ ج ۲ ص ۶۱۸ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ و نسخہ دیگر ج ۳ ص ۲۳۸ بحث سجدۂ تلاوت اور نفع المفتی و السائل لعبدالحی لکھنؤ ص ۵۹)

{جوابات} سجدۂ سہو کی پہیلیاں

ا۔ قعدہ اخیر میں سجدۂ سہو کرنے کے بعد دو رکعت اور ملادی۔ یا مسافر نے سجدۂ سہو کرنے کے بعد ختم نماز سے پہلے اقامت کی نیت کرلی۔ یا نماز کا کوئی سجدہ چھوٹ گیا تھا۔ یا سجدۂ تلاوت رہ گیا تھا جنھیں سجدۂ سہو کرنے کے بعد ادا کیا تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو کے دوبارہ کرنے کا حکم ہے۔

در مختار مع رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۰۳ میں ہے:

إذَا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ) فَرْضًا أَوْ نَفْلًا (وَسَهَا فِيهِمَا فَسَجَدَ لَهُ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ شَفَعَ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ الْبِنَاءُ) أَيْ يُكْرَهُ لَهُ تَحْرِيمًا، أَرَادَ بِنَاءً لِئَلَّا يَبْطُلَ سُجُودُهُ بِلَا ضَرُورَةٍ (بِخِلَافِ الْمُسَافِرِ) إذَا نَوَى الْإِقَامَةَ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَبْنِ بَطَلَتْ (وَلَوْ فَعَلَ مَا لَيْسَ لَهُ) مِنْ الْبِنَاءِ (صَحَّ) بِنَاؤُهُ (لِبَقَاءِ التَّحْرِيمَةِ وَيُعِيدُ) هُوَ وَالْمُسَافِرُ (سُجُودَ السَّهْوِ عَلَى الْمُخْتَارِ)۔

اور شامی جلد اول صفحہ ۳۱۳ میں ہے:

مِثْلُ التِلَاوِيَةِ تَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ أَيْ فِي إبْطَالِ الْقَعْدَةِ قَبْلَهَا وَإِعَادَةِ سُجُودِ السَّهْوِ۔

۲۔ قرآن مجید کی سورتوں کے پڑھنے میں ترتیب واجب ہے مگر اس کے چھوٹنے پر سجدۂ سہو نہیں اس لئے کہ وہ واجبات تلاوت سے ہے واجبات نماز سے نہیں ہے۔

رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۰۷ میں ہے:

يَجِبُ التَّرْتِيبُ فِي سُوَرِ الْقُرْآنِ، فَلَوْ قَرَأَ مَنْكُوسًا أَثِمَ لَكِنْ لَا يَلْزَمُهُ سُجُودُ السَّهْوِ لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ وَاجِبَاتِ الْقِرَاءَةِ لَا مِنْ وَاجِبَاتِ الصَّلَاةِ كَمَا ذَكَرَهُ فِي الْبَحْرِ فِي بَابِ السَّهْوِ۔

۳۔ جمعہ اور عیدین کی نماز میں واجب ترک ہوا اور جماعت کثیر ہے تو سجدۂ سہو نہیں اور مقتدی سے بحالت اقتداء سہو واقع ہوا مثلا قعدہ اولی میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ دیا تو اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۲۰ میں ہے:

لَا يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ فِي الْعِيدَيْنِ وَ الْجُمُعَةِ، لِئَلَّا يَقَعَ النَّاسُ فِي فِتْنَةٍ، كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ نَاقِلًا عَنْ الْمُحِيطِ۔

اور جوہرہ نیزہ جلد اول صفحہ ۷٦ میں ہے:

ان سہا المؤتم لم یلزم الامام ولا المؤتم السجود۔

۴۔ غیر قیام میں قرآن مجید پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ ۵۳ میں ہے:

"قعدہ رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے"۔

اور ردالمحتار جلد اول صفحہ ۴۹۸ میں ہے:

لو قرأ القرآن ھنا (ای فی التشھد) او فی الرکوع یلزمہ السھو۔

۵۔ حالتِ قیام میں تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔[1644]

٦۔ بقدر واجب قرأت کرنے سے پہلے رکوع کرنے پر سجدۂ سہو واجب ہوگا اور قرأت پوری کرنے کے بعد اس رکوع کا دوبارہ کرنا فرض ہے اگر نہیں کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۱۹ میں ہے:

لَوْ قَدَّمَ الرُّكُوعَ عَلَى الْقِرَاءَةِ لَزِمَهُ السُّجُودُ لٰكِنْ لَا يَعْتَدُّ بِالرُّكُوعِ فَيَفْرِضُ إعَادَتَهُ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ، كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ۔

۷۔ الحمد کے بعد سورت پڑھی اس کے بعد پھر الحمد پڑھی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ یوں ہی فرض کی پچھلی رکعتوں میں فاتحہ کے تکرار سے مطلقاً سجدۂ سہو واجب نہیں۔[1645]

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۱۸ میں ہے:

[1644] (ردالمحتار جلد اول صفحہ ۴۹۸)

[1645] (بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ ۵۰)

لَوْ كَرَّرَهَا فِي الْأُولَيَيْنِ يَجِبُ عَلَيْهِ سُجُودُ السَّهْوِ بِخِلَافِ مَا لَوْ أَعَادَهَا بَعْدَ السُّورَةِ أَوْ كَرَّرَهَافِي الْأُخْرَيَيْنِ، كَذَافِي التَّبْيِينِ۔

۸۔ اگر قعدہ اخیر میں تشہد پڑھنے کے بعد بھول کر الحمد شریف پڑھ دیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں واجب ہو گا۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اول صفحہ ۱۱۹ میں ہے:

وَإِذَا فَرَغَ مِنَ التَّشَهُّدِ وَقَرَأَ الْفَاتِحَةَ سَهْوًا فَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ وَإِذَا قَرَأَ الْفَاتِحَةَ مَكَانَ التَّشَهُّدِ فَعَلَيْهِ السَّهْوُ وَكَذَلِكَ إِذَاقَرَأَالْفَاتِحَةَثُمَّ التَّشَهُّدَ كَانَ عَلَيْهِ السَّهْوُ, كَذَارُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ-رَحِمَهُ اللّٰهُ-فِي الْوَاقِعَاتِ النَّاطِفِيَّةِ۔

سجدۂ تلاوت کی پہیلیاں

۱۔ نہ آیت سجدہ پڑھی اور نہ سنی مگر سجدہ تلاوت واجب۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۔ حافظ نے تراویح میں پورے قرآن کی تلاوت کی اور کبھی سجدہ تلاوت نہ کیا مگر اس پر ایک بھی سجدہ تلاوت واجب نہ رہا اس کی کیا صورت ہے؟

۳۔ وہ کون سی صورت ہے کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے والے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں؟

۴۔ سجدہ تلاوت واجب ہوا مگر ادا نہیں کیا اور گنہگار بھی نہیں۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۵۔ امام سے آیت سجدہ سننے کے باوجود سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب نہیں۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۶۔ آیت سجدہ پڑھی پھر مجلس بدل کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھی مگر ایک ہی سجدہ واجب ہوا۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۷۔ وہ کون شخص ہے کہ جس نے آیت سجدہ سنی مگر اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوا؟

{جوابات} سجدہ تلاوت کی پہیلیاں

۱۔ امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس صورت میں اگرچہ مقتدی نے آیت سجدہ نہ پڑھی اور نہ سنی مگر امام کے ساتھ اس پر بھی سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۴ میں ہے:

وَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَ الْمَأْمُومُ مَعَهُ سَوَاءٌ سَمِعَهَا مِنْهُ أَمْ لَا۔

۲۔ اس کی صورت کیا ہے کہ سجدہ کی آیتوں کو پڑھنے کے بعد فورا نماز کا سجدہ کر لیا یعنی آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھی اور رکوع کر کے سجدہ کیا تو اگرچہ سجدہ تلاوت کی نیت نہ ہو ادا ہو گیا۔ اب اس کے ذمہ سجدہ تلاوت واجب نہیں رہا۔[1646]

اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۶۵۴ میں ہے:

"سجدہ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہو جاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔

فی ردالمحتار جلد اول ۵۱۹:

لَوْ رَكَعَ وَسَجَدَ لَهَا أَيْ لِلصَّلَاةِ فَوْرًا نَابَ أَيْ سُجُودُ الْمُقْتَدِي عَنْ سُجُودِ التِّلَاوَةِ بِلَا نِيَّةٍ تَبَعًا لِسُجُودِ إِمَامِهِ لِمَا مَرَّ آنِفًا أَنَّهَا تُؤَدَّى بِسُجُودِ الصَّلَاةِ فَوْرًا وَإِنْ لَمْ يَنْوِ۔

بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفاء قرأت اسی طریقہ کو مطلقا افضل ٹھہرتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فورا نماز کے رکوع و سجود کر لے تا کہ تلاوت کے لئے جدا سجدہ کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہو جاتا ہے۔

مراقی الفلاح مع طحطاوی صفحہ ۲۶۴ میں ہے:

[1646] (بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۲۹)

ينبغي ذلك للإمام مع كثرة القوم أو حال المخافتة حتى لا يؤدي إلى التخليط۔ اه ملخصا۔

۳۔ مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو اس صورت میں اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں یہاں تک کہ امام اور ساتھ کے مقتدیوں نے سنا تو ان پر بھی واجب نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۲۴ میں ہے:

وَإِنْ تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَلْزَمْ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُودُ لَا فِي الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهَا، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ۔

اور در مختار مع شامی جلد اول صفحہ ۵۱۷ میں ہے:

لَا تَجِبُ (مِنْ الْمُؤْتَمِّ لَوْ) كَانَ السَّامِعُ (فِي صَلَاتِهِ) أَيْ صَلَاةِ الْمُؤْتَمِّ بِخِلَافِ الْخَارِجِ۔

۴۔ عورت نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور ابھی سجدہ تلاوت نہیں کیا کہ حیض آ گیا تو اس صورت میں سجدہ تلاوت واجب ہوا مگر ادا نہیں کیا اور گنہگار بھی نہیں۔

جیسا کہ شامی جلد اول صفحہ ۵۱۷ میں ہے:

إذَا قَرَأَتْ آيَةَ السَّجْدَةِ وَلَمْ تَسْجُدْ لَهَا حَتَّى حَاضَتْ سَقَطَتْ؛ لِأَنَّ الْحَيْضَ يُنَافِي وُجُوبَهَا ابْتِدَاءً فَكَذَا بَقَاءً۔

۵۔ جب کہ امام سے آیت سجدہ سنی پھر امام کے سجدہ تلاوت کرنے کے بعد اسی رکعت میں جماعت کے اندر شامل ہوا تو اس صورت میں امام سے آیت سجدہ سننے کے باوجود سجدہ تلاوت کرنا واجب نہیں۔ لیکن اگر دوسری رکعت میں شامل ہو گا تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ تلاوت کرے گا۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۲۴ میں ہے:

سَمِعَ مِنْ إمَامٍ فَدَخَلَ مَعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ سَجَدَ مَعَهُ وَإِنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ بَعْدَمَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ لَا يَسْجُدُهَا وَهَذَا إذَا أَدْرَكَهُ فِي آخِرِ تِلْكَ الرَّكْعَةِ أَمَّا لَوْ أَدْرَكَهُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرَى يَسْجُدُهَا بَعْدَ الْفَرَاغِ, كَذَا فِي الْكَافِي۔ اھ ملخصا۔

٦۔ آیت سجدہ تلاوت کی پھر نماز شروع کی جس سے مجلس بدل گئی اور نماز میں اسی آیت سجدہ کو دوبارہ پڑھی تو مجلس بدلنے کے باوجود اس صورت میں صرف ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔

جیسا کہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص ۱۹۲ میں ہے:

تلاھا شرع فی الصلوۃ و اعادھا کفتہ سجدۃ لان غیر الصلاتیۃ صارت تبعا للصلاتیۃ و ان لم یتھد المجلس۔ اھ ملخصا۔

۷۔ حائضہ نے آیت سجدہ سنی تو اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶ میں ہے:

فِي الصُّغْرَى الْحَائِضِ إذَا سَمِعَتْ آيَةَ السَّجْدَةِ لَا سَجْدَةَ عَلَيْهَا. كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ۔

جب مصنف علیہ الرحمہ نماز کے واجبات کے بیان سے فارغ ہوا تو نماز کی سنتوں کا بیان کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا کہ۔

الباب الثالث في بيان السنن

آٹھ ابواب میں سے تیسرا باب ہے جو نماز کے سنن مطلقہ کے بارے میں ثابت ہے۔ (وھی سبعة وعشرون) اور نماز کی یہ مطلقہ سنتیں ستائیس ہیں۔ ان سنتوں میں بعض خاص ہیں اور بعض عام ہیں۔ (العام سبعة عشرہ) یہ عام سنتیں سترہ ہیں۔ (وھی) اور یہ عام سنتیں مندرجہ ذیل ہیں: رفع اليدين في التحريمة وفي القنوت وفي تكبيرات العيدين۔ تکبیر تحریمہ ،دعائے قنوت

اور عیدین کی زائد تکبیروں میں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے۔[1647] اور کانوں کی لو تک۔[1648] ہاتھوں کو پہنچانا مستحب ہے ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیاں کھلی ہوئی ہوں لیکن زیادہ کھلی نہ ہوں انگلیوں کا اندر والا حصہ اور ہتھیلی کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور انگلیوں کو پھیلانے کے بعد اپنے حال پر چھوڑا جائے اور لفظ اللہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جائے اور اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھا جائے تاکہ ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے نفی کا اشارہ ہو اور ہاتھوں کو رکھتے ہوئے اللہ تعالی کی کبریائی کیلئے اثبات کا اشارہ ہو اور تکبیرات عیدین کے درمیان دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دینا بھی سنت ہے اور ہر سنت کو ترک کرنے کے گناہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک ہر سنت کو ترک کرنا گناہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک ہر سنت کو ترک کرنا گناہ نہیں اور اگر سنت کو ترک کرتے رہنا کسی کی

[1647] مذهب حضرت امام اعظم رحمته اللہ تعالیٰ علیه کے نزدیک سنت کے دو قسمیں هیں، اول سنت موکده،دوم سنت غیر موکده، سنت موکده مذهب حضرت امام اعظم رحمة اللہ تعالیٰ علیه کے نزدیک واجب کی مانند هے اس سے واضح هوا که جب ابو حنیفه یه کهتے هیں که فلاں کام سنت مؤکده هے تو اس سے ان کی مراد وهی واجب هے جس کا ذکر اور تعریف واجبات کے باب میں کردی گئی هے سنت غیرمؤکده کومذهب حضرت امام اعظم رحمة اللہ علیه کے مندوب سے تعبیر کرتے هیں اس کا کرنے والا ثواب پاتا هے اور تارک پر عذاب نهیں هے تاهم کسی مسلمان کو زیب نهیں هے که سنت کی بات کو بے حیثیت تصور کرے کیونکه نماز کا مقصد جناب الهی میں تقرب حاصل کرنا هے جس کا مقصد عذاب سے دور هونا اور اللہ تعالی کی نعمتوں سے بهره یاب هونا هے ایسی صورت میں کوئی عاقل یه مناسب نه جانے گا که نماز کی سنتوں میں سے کسی سنت کی بے قدری کرے کیوں که اس کا ترک ثواب وعمل سے محرومی کا باعث هے اور یه بات کسی دانشمند سے مخفی نهیں هے که یه محرومی هے (بجائے خود) ایک عذاب هے ایسا کرنے میں نعیم الهی سے محرومی هے لهذا مکلف انسان کے لئے یه امر خاص اهمیت رکھتا هے که شارع علیه الرحمه نے جن امور کے بجالانے کا ارشاد فرمایا هے ان کی بجاآوری کے جانب توجه کی جائے خواه وه امور فرض هوں یا سنت هوں رها یه سوال که آخر اس کا کیا سبب هے که شارع رحمة اللہ تعالیٰ علیه نے نماز کی بعض باتوں کو فرض لازم اور بعض باتوں کو غیر ضروری قرار دیا هے اس کا جواب یه هے که اللہ تعالی اپنے بندوں پر آسانی پسند کرتا هے اس لیے اس نے بندوں کو بعض اعمال بجا لانے کا اختیار دیا هے تا که اس کا ثواب عطا فرمائے اب اگر کوئی شخص ایسی سنت غیر موکده چھوڑ دے تو ثواب سے محروم رهے گا لیکن اس پر عذاب نه هو گا یه بهی شریعت اسلامیه کی خوبیوں میں سے ایک خوبی هے که اس میں شرعی ذمه داریوں کی دشواری دور کر دی گئی هے اور نهایت خوبی کے ساتھ جزائے خیر حاصل کرنے کی ترغیب هے۔

[1648] مذهب حضرت امام اعظم رحمة اللہ علیه میں مرد کے لیے تکبیر تحریمه، دعائے قنوت اور عیدین کی زائد تکبیروں میں هاتهوں کو کانوں تک اٹهانا اور انگلیوں کو منتشر رکهنا سنت هے یعنی پنجه کهلا رهے جیسے که صفحه هذا کے متن میں بیان کیا گیا لونڈی کے لئے بهی یهی حکم هے لیکن آزاد عورت کے لیے سنت یه هے که وه دونوں هاتھ شانوں یعنی مونڈهوں تک اٹهائے۔ دعائے قنوت اور عیدین کی زائد تکبیروں کا وهی حکم هے جو تکبیر تحریمه کا هے یعنی ان سب تکبیروں میں دونوں هاتھ اٹهائے جائیں۔

عادت بن جائے تو اول الذکر علماء کے قول پر فتوی ہے یعنی اس کے ترک کرنے پر گناہ لازم ہو تا ہے اور اگر سنت کو ترک کرنا کسی شخص کی عادت تو نہ ہو لیکن یہ ترک کرنا کبھی کبھار ہو تو اس صورت میں مؤخر الذکر علماء کے قول پر فتویٰ ہے کہ اس کے ترک کرنے پر گناہ لازم نہیں ہو تا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ **لاترفعُوا الأيدي إلّا في سَبعِ مواطنَ۔**[1649]

اور ان سات جگہوں میں سے تین جگہیں یہ ہیں جو مذکور ہوئی ہیں۔**فان قیل۔** کہ پانچ نمازوں اور نماز استسقاء کے بعد دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے سے سات جگہوں کا حصر (گھیر نا کسی شے کا احاطہ کرنا) باطل ہوا ۔**قلنا۔**حدیث کی تقدیر یہ ہے کہ **لاترفعُوا الأيدي على وجه المسنون إلّا في سَبعِ مواطنَ۔**[1650] پانچ نمازوں اور نماز استسقاء کے بعد ہاتھوں کا اٹھانا استحباب ہے نہ کہ طریقہ مسنونہ۔**فان قیل۔**ہاتھوں کو اٹھانے سے مدعا یہ ہے کہ بہرے لوگوں کو آگاہی کی جائے تو اگر جماعت میں بہرے لوگ موجود نہ ہوں تو ان تین جگہوں میں ہاتھوں کو اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہیے۔**قلنا۔** ان تین جگہوں میں ہاتھوں کو اٹھانا بہرے کی آگاہی کیلئے رواہے نہ کہ افراد کیلئے۔**(ونشر الاصابع ثمه)** اور انگلیوں کو پھیلانا اس جگہ سنت ہے جہاں ہاتھوں کو اٹھانا مسنون ہو یعنی وہ تین ذکر شدہ جگہیں۔**فان قیل۔**اس قول کی صاحب شرح وقایہ سے مخالفت ہوئی ہے کیونکہ شرح وقایہ کے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ **غیر مفرجا اصابع و لاضاما بل یترک علی حالها۔**

قلنا۔ نشر کے معنی عدم تفریج ہے کیونکہ تفریج رکوع کی سنت ہے نہ کہ ضم کرنا یعنی انگلیوں کا متصل کرنا کیونکہ انگلیوں کو پیوست کرنا سجدے کی سنت ہے بلکہ سجدے میں مٹھی سے انگلیوں کو

[1649] ہاتھوں کو کانوں تک سات جگھوں کے علاوہ مت اٹھاؤ۔

[1650] سات جگھوں کے علاوہ ہاتھوں کو طریقہ مسنونہ کے ساتھ مت اٹھاؤ۔

اس طرح پھیلائیں کہ انگلیوں کا پیٹ یعنی نچلا حصہ اور ہتھیلی قبلہ کی طرف برابر ہو جائیں، جلسہ اور قعدہ میں انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں ان تین مقامات میں عدم رکوع اور سجود کی وجہ سے ۔(والثناء) اور تکبیر اولیٰ کے بعد نماز کے ابتدا میں **سبحانک اللھم الخ** پڑھنا سنت ہے۔**فان قیل** کہ ثناء کو **اعوذباللہ** اور **الحمدللہ** پر کیوں مقدم کیا گیا ہے۔ہم دو جواب دیتے ہیں۔پہلا یہ کہ **اعوذباللہ** قرأت کے تابع ہے اور **سبحانک اللھم** تقدس ذاتی ہے اور **الحمدللہ** تقدس صفتی ہے اور ذات صفت پر مقدم ہوتی ہے تو تبع پر بھی مقدم ہوئی۔اس قول خداوندی کی وجہ سے۔**وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ (الطور ۴۸)** "اور جب آپ کھڑے ہوں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کریں "۔

عن عائشة أم المؤمنين: كان رسول اللهِ ﷺ إذا استفتح الصلاة قال سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالى جدک ولا إله غيرک۔[1651]

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب نماز شروع فرماتے تو یہ دعا پڑھتے "اے اللہ! ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کا نام بہت برکت والا اور آپ کی بزرگی بہت برتر ہے اور آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

عن عبدالله بن عمر: عن عمرَ أنه كان إذا كبرَ للصلاةِ قال سُبحانکَ اللهم وبحمدکَ وتبارکَ اسمُکَ وتعالى جَدُّکَ ولا إلهَ غيرکَ۔[1652]

[1651] أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٧٧٦ •أبو داود (٢٧٥هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ٣٤/٢ •والترمذي (٢٤٣)، وابن ماجه (٨٠٦) الضياء المقدسي (٦٤٣هـ)، السنن والأحكام ٣٩/٢ •

[1652] الدارقطني (٣٨٥هـ)، سنن الدارقطني ٦٢٨/١ •هذا صحيح عن عمر قوله •الدارقطني (٣٨٥هـ)، تنقيح التحقيق ١٤٩/٢ •محمد ابن عبد الهادي (٧٤٤هـ)، تنقيح تحقيق التعليق ٣٤٠/١ •علاء الدين مغلطاي (٧٦٠هـ)، شرح ابن ماجه ٢٩٤/٣

حضرت عبدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (لوگوں کو تعلیم کیلئے) ان کلمات "اے اللہ !ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں اورآپ کانام بہت برکت والا ہے اورآپ کی بزرگی بہت برتر ہے اورآپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

اوراس سے مراد **سُبحانکَ اللھم** ہے حضرت علی اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ **وجل ثناؤک** نہ کہے کیونکہ یہ مشہوراحادیث میں نہیں آیابلکہ صرف نمازجنازہ کے بارے میں ہے دوسرا یہ کہ ثناءپہلے پڑھنااوراس کامقدم کرنانماز کی قبولیت کاسبب ہے کیونکہ جب حضرت آدم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام جنت سے باہر ہوئے توان کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی اور جب انہوں نے **سُبحانکَ اللھم** آخر تک پڑھاتوان کی توبہ قبول ہوئی۔

جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے: **فَتَلَقّی آدَمُ مِنْ رَبِّہِ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ (البقرۃ ۳۷)**[1653] اگر کسی شخص نے نماز پہلی دوجہری رکعتوں میں امام کے پیچھے ایسی حالت میں ابتداء کی کہ امام قرأت سے شروع کرچکا تھاتومقتدی ثناء نہیں کہے گاکیونکہ قرآن کاسنناواجب ہے اورواجب کوسنت کیلئے چھوڑناجائز نہیں ہے۔البتہ سکوت امام میں فاتحہ کے درمیان ثناءپڑھے گانہ کہ سکوت سورت میں اوراگر خفی یاجہری نماز کی آخری دورکعتوں میں امام کے پیچھے اقتداء کی توبعض کہتے ہیں کہ ثناءپڑھیں کیونکہ اس (مقتدی) پرقرآن سننانہیں ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر رکوع کی حالت میں امام کی اقتداء کی توثناءچھوڑنا پڑے گی تاکہ رکوع فوت ہونے کی وجہ سے رکعت فوت نہ ہوجائے اوراگر سجدے میں امام کے پیچھے اقتداء کی توثناءپڑھے گاپھرامام کے پیچھے سجدے میں چلاجائے گابعض کے مذہب میں۔اور بعض کہتے ہیں کہ ثناءنہ پڑھے کیونکہ مقتدی پرامام کی متابعت

[1653] پس حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

واجب ہے جیساکہ مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایاہے۔**ومتا بعۃالامام علی ای حال وجدہ**۔[1654] اگر امام مسجد کے اندر تھااور ایک شخص نے مسجد کے باہر اس (امام) کے پیچھے اقتداء کرلی تو اگر مسجد کے اندر اور باہر صفیں متصل تھیں تو اقتداء جائز ہے اور اگر مسجد کے اندر اور باہر صفیں متصل نہ تھیں تو اقتداء جائز نہیں۔ **(ووضع الیمین[1655] علی الشمال)** اور دائیں[1656] ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے ہر اس قیام میں جس میں ذکر مسنون ہو۔ تکبیرات عیدین سے احتراز کیا کہ اس میں ہاتھوں کو آویزاں کرنا سنت ہے اور مراد مطلق رکھنا ہے قطع نظر رکھنے کی جگہ سے کہ خاص مستحبات میں مذکور ہے یہ ہمارا اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا مذہب ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو آویزاں کرنا سنت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاہے: **افضل العبادۃ مایشق علی بدنہ**۔[1657] اور ارسال یعنی آویزاں کرنے میں مشقت ہے کیونکہ انگلیوں کے سروں میں خون جمتا ہے۔ ہمارے اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ میں اختلاف ہے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ سینہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (الکوثر ۲)** پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور نحر (ذبح) کرو۔ یعنی جب نماز پڑھو تو دائیں ہاتھ

[1654] آپ نے جس حال میں امام کو پالیا اسی حال میں اس کی متابعت کریں۔

[1655] وعن قبیصۃ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یومنا فیاخذ شمالہ بیمینہ رواہ الترمذی، وقال حدیث احسن۔ یعنی حضرت قبیصہ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ھے وہ فرماتے ھیں کہ رسول اللہ ﷺ ھمیں امامت کرواتے تو دائیں ھاتھ کو بائیں ھاتھ پر رکھتے تھے۔ رواہ الترمذی اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ھے۔

[1656] حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ھیں کہ نماز میں ھاتھ باندھنے کا طریقہ نماز پڑھنے والے کے اعتبار سے جدا جدا ھے اگر وہ مرد ھے تو ناف کے نیچے اپنے دائیں ھاتھ کی ھتھیلی بائیں ھاتھ کی پشت پر رکھے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے بھی یہ بات ثابت ھے اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کلائی پر حلقہ بنائے اور اگر (نمازی) عورت ھے تو اسی طرح سینے پر ھاتھ رکھے لیکن حلقہ نہ بنائے۔

[1657] بھترین عبادت وہ ھے جس میں بدن کو زیادہ تکلیف ھو۔

کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھو اور سینے پر ہاتھ رکھنے میں علت یہ ہے کہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل ایمان کی۔ اور سینے پر ہاتھ رکھنے میں ایمان کو اشارہ ہے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

عن عبداللہ بن عباس ثلاثٌ من سننِ المرسلینَ تعجیلُ الفطرِ، وتأخیرُ السحورِ، ووضعُ الیمینِ علی الشِّمالِ في الصلاۃِ۔[1658]

(تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں اول افطاری میں جلدی کرنا، دوم سحری میں تاخیر کرنا، سوم دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر (ناف کے نیچے) رکھنا۔

عن أنس قال: من أخلاقِ النبوۃ تعجیلُ الإفطارِ وتأخیرُ السُّحورِ، ووضع الید الیمنی علی الید الیُسری تحت السرّۃ في الصلاۃ۔[1659]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تین چیزیں نبوت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کے اخلاق میں سے ہیں ۔ ایک ،روزہ جلدی افطار کرنا، دو، سحری تاخیر سے کرنا، تین، نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف باندھنا۔“

اور ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے میں علت ستر عورت ہے اور ارسال میں علت دنیوی امور کو چھوڑنے اور خالق حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کی ہے۔**قلنا**۔ آیت کے معنی یہ ہیں: **فصل لربک ای اذاصلیت صلوۃ النحر والنحر الجزور علی رأس الصدر۔**[1660] اس آیت کا معنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھنا نہیں ہے یا اس سے مراد صدر یعنی سینے سے قرب

[1658] ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ١/٣٦٦• من حديث عائشة موقوفا، قال البيهقي: إسناده صحيح، إلا أن محمد بن أبان لا يعرف سماعه من عائشة، قاله البخاري •أخرجه الطيالسي في «مسنده» (٢٧٧٦)، وابن حبان (١٧٧٠)، والطبراني (١١/١٩٩) (١١٤٨٥) بنحوه۔ الشوكاني (١٢٥٥هـ)، نيل الأوطار ٢/٢٠٢•

[1659] أحمد شاكر (١٣٧٧هـ)، المحلى ٤/١١٣•

[1660] پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھو یعنی جب نحر (قربانی) کی نماز پڑھو تو اونٹ کو سینے کے سر سے نحر کرو یعنی اس کو ذبح کرو۔

ہے صدر کو۔ اور ناف سے نیچے ہاتھ رکھنا سینے کو قریب ہے اور جو حدیث حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر پکڑی ہے وہ منسوخ ہے اس حدیث پر کہ ہاتھوں کو سینے پر رکھیں کیونکہ ہاتھوں کو آویزاں کرنا ابتدائے اسلام میں تھا پھر مندرجہ بالا حدیث کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔

(وتکبیرات الانتقالات[1661]) اور تکبیرات کے ساتھ رکن سے منتقل ہونا سنت ہے۔ (حتی القنوت) دعائے قنوت کی تکبیر بھی۔ انتقال کی جمع ہے۔[1662] من رکن الی رکن او من رکن الی رکن الی غیر رکن او من غیر رکن الی رکن۔ کیونکہ قنوت کی تکبیر قرأت سے دعائے قنوت میں منتقل ہونے کی تکبیر ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے تھے پھر جب رکوع کو منتقل ہوتے پھر رکوع سے قومہ اور قومے سے سجدے اور سجدے سے جلسے کو اور ہر اٹھنے اور جھکنے میں تکبیر کہتے تھے رکوع سے اٹھنے میں سمع اللہ لمن حمدہ اور قومے میں ربنالک الحمد کہتے تھے۔ برابری کی حالت میں ہمیشہ ایسی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقی ہو گئے۔ فان قیل۔ انتقال کے وقت قرأت کو بھی تکبیر کہنا سنت ہونی چاہئے کیونکہ یہاں پر بھی دعا صرف قرأت کو نقل ہے۔ قلنا۔ کہ ثناء تکبیر اولیٰ کے تابع ہے تو اس لئے تکبیر اولیٰ کا حکم ہوا۔ پس مقتدی ثناء کے بعد تکبیر نہ کہے۔ (وتسبیح الرکوع ثلثاً) اور رکوع میں تین بار سبحن ربی العظیم کہنا سنت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: عن عقبة بن عامر إذا رَكَعَ أحَدُكُمْ فلْيَقُلْ في رُكُوعِهِ: سبحانَ ربيَ العظيمِ ثلاثًا، وذلِکَ أدْناهُ۔ ای ادنی کمال الجمع لا الجواز فی قول

[1661] عن عبدالله بن مسعود رأيتُ النبيَّ صلى الله عليه وآله وسلم يُكَبِّرُ في كلِّ رفعٍ، وخفضٍ، وقيامٍ، وقعودٍ. (الشوكاني (١٢٥٥ هـ)، نيل الأوطار ٢/٢٦٥ • أخرج نحوه البخاري ومسلم • أخرجه الترمذي (٢٥٣)، والنسائي (١١٤٢)، وأحمد (٣٦٦٠) مطولاً •.)

[1662] نماز کے ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل ہونا یا ایک رکن سے غیر رکن میں منتقل ہونا یا غیر رکن سے رکن میں منتقل ہونا۔

صحیح۔[1663] تو رکوع کی تسبیح ہمارے علماء ثلاثہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سنت ہے نہ کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں ۔ کیونکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں یہ رکن ہے تو فائدہ خلاف کا ظاہر ہوتا ہے۔ تسبیحات چھوڑنے یا تین سے کم کرنے میں ہمارے علماء ثلاثہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں نماز کراہیت کے ساتھ جائز ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں نماز باطل ہے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

إذا رَكَعَ أحَدُكُمْ فلْيَقُلْ في رُكُوعِهِ: سبحانَ ربيَ العظيمِ ثلاثًا۔[1664]

یہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے دوسرا یہ کہتا ہوں جب **فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِيمِ** **(الواقعہ ۹٦)** نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **اجعلوها في ركوعكم۔** یعنی اس **(سبحانَ ربيَ العظيمِ)** کو رکوع کیلئے خاص کرو۔ یہ بھی امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ **قلنا۔** یہ امر سنت پر محمول ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اعرابی کو افعال نماز کی تعلیم دیتے وقت تسبیح کو ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ تسبیح رکوع میں رکن نہیں ہے۔ **(واخذ رکبتیه فی الرکوع)** اور رکوع میں دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے دونوں ہاتھوں کے ساتھ تکیہ کرنے والا ہو ہتھیلیوں کے ساتھ گھٹنوں پر لقمے کی طرح ہاتھ میں حال کون گھٹنوں کے یعنی گھٹنے ایسے حال میں ہوں کہ ران اور پنڈلی برابر ہوں اور کمان کی طرح ٹیڑھا نہ ہو اور اخذ کا ذکر کرنا وضع (رکھنا) کے ذکر سے لاپرواہ کرنے والا ہے کیونکہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اخذ ذکر کیا اور وضع ذکر نہیں کیا۔

[1663] ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، الدراية١/١٤١•النووي (٦٧٦هـ)، المجموع٣/٤٣٣•البخاري (٢٥٦هـ)، تحفة المحتاج١/٣٠١•مرسل• أخرجه أبو داود (٨٨٦) واللفظ له، والترمذي (٢٦١)، وابن ماجه (٨٩٠)، من حديث عون عن عبدالله بن مسعود.

[1664] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں تین مرتبہ سبحانَ ربيَ العظيمِ پڑھے۔

(وتفريج الاصابع فيه) اور گھٹنوں کو پکڑنے میں انگلیوں کو پھیلانا سنت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاہے کہ **إذارَكَعَ أحَدُكُمْ فليضع يديه على ركبتيه ويفرج بين اصابعه۔** کل تفریج کے ساتھ کیونکہ ہر ایک اخذ اور تفریج میں سے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا متحقق کرتا ہے۔

عن أنس بن مالک یا بنيَّ إذا ركعتَ، فضعْ كفيکَ على ركبتيکَ، وافرِجْ بين أصابعِکَ، وارفع يديکَ عن جنبيکَ...

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جب تم رکوع کرو تو ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھو اور اپنی انگلیاں کشادہ کرلو اور اپنے بازو پہلوؤں سے جدا رکھو۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک شخص کو فرمایا کہ جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو اور رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھو اور انگلیاں کشادہ کرلو۔"[1665]

"حضرت وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رکوع میں انگلیوں کھلا رکھا جائے اور سجدہ میں ملا کر رکھنا چاہیئے۔"[1666]

"محمد بن مسلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جب رکوع

[1665] مصنف عبدالرزاق باب کیف الرکوع والسجود۔

[1666] مصنف ابن ابی شیبة باب فی الرجل کیف یضم اصابعه فی السجود۔

فرمایاتوہاتھوں کوگھٹنوں پررکھا گویاان کو پکڑے ہوئے ہیں اورہاتھو ں کوکمان کی طرح سیدھا کیااورہاتھوں کوپسلیوں سے علیحدہ کیا"۔

"حضرت ابومسعودانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نماز کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب رکوع فرماتے تواپنے ہاتھوں کوگھٹنوں پررکھتے اور کہنیوں کو(جسم سے)جدارکھتے یہاں تک کہ تمام جسم کے اعضاءاپنی جگہ پر آجاتے۔"[1667]

محمد بن مسلمہ رحمۃ للہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتاہوں۔بے شک جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے رکوع فرمایاتوہاتھ کو گھٹنوں پر رکھا گویا کہ ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو کمان کی تانت کی طرح سیدھارکھااور ہاتھوں کو پسلیوں سے علیحدہ رکھا۔

عورت کے رکوع کی مسنون ہیئت اور کیفیت

عورتوں کا طریقۂ رکوع مردوں سے الگ ہے کیونکہ عورتوں کے پردے کازیادہ اہتمام کیاجاتا ہے چنانچہ رکوع میں عورت مرد کی طرح پوری نہ جھکے بلکہ اتنی جھکے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائے اور رکوع میں عورت کو مرد کی طرح پیٹھ کوسیدھا کرنا نہیں چاہیئے بلکہ تھوڑاجھکے اور خوب سمٹ کررکوع کرے۔عورت رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو گھٹنوں پر ملاکررکھے۔چنانچہ اس اثر سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

[1667] سنن ابی داود باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عورت کے طریقۂ نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: عورت خوب سمٹ کر اور سکڑ کر نماز پڑھے۔[1668]

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عورت جس قدر ہو سکے، (نماز میں) سمٹ کر رہے جب رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف اٹھائے اور جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ کر رہے۔[1669]

(و القومة) اور قومہ میں اعضاء کا بقدرِ تسکین ہونا سنت ہے جو کہ ایک تسبیح کے اندازے پر ہے اور قومہ میں اللھم ربنا لک الحمد کہے گا۔ یہ مذہب طرفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان (طرفین) سے مخالف ہیں ، یہ کہتے ہیں کہ قومہ نماز کا رکن ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس وقت میں اعرابی کو فرمایا تھا: جس نے رکوع اور سجدہ میں تعدیل ارکان ترک کیا تھا، قومہ اور جلسہ چھوڑ دیا تھا، قم فصل فانک لم تصل۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ترکِ تعدیل اور ترکِ قومہ و جلسہ کے ساتھ اعرابی کی نماز کی نفی کی تو معلوم ہوا کہ قومہ اور جلسہ نماز میں رکن ہیں۔ اور اگر رکن نہ ہوتا تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کیوں قومہ اور جلسہ میں تعدیل نہ کرنے پر اعرابی کی نماز کی نفی کی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ خبرِ واحد ہے، مطلق کتاب اللہ کے ساتھ جو کہ وارکعوا واسجدوا سے معارض ہوا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب خبرِ واحد کتاب اللہ کے ساتھ ایسے حال میں معارض ہو جائے کہ دونوں پر تغیر و تبدیلی کے بغیر عمل کرنا ایک دوسرے میں ممکن نہ ہو تو اس حالت میں کتاب اللہ کے حکم میں تغیر جائز نہیں تو ہم نے خبرِ واحد کے

[1668] (مصنف عبدالرزاق باب المرأة بيديها و باب جلوس المرأة)

[1669] (مصنف عبدالرزاق باب تكبير المرأة بيديها و قيام المرأة و ركوعها و سجودها)

حکم میں تغیر کیا اور تعدیل کی رکنیت رکوع اور سجدے میں فرضیت سے وجوب کو نقل کر دی کیونکہ واجب اکمالِ فرض کے لئے جائز ہوا ہے اور خبرِ واحد کا حکم رکنیت سے قومہ اور جلسہ میں سنیت کو متغیر ہوا کیونکہ قومہ اور جلسہ میں تعدیلِ محل فرض میں واقع نہیں ہوئے تو قومہ اور جلسہ کا الحاق رکوع اور سجدے کے ساتھ طریقۂ فرضیت سے منع ہوا ہے۔ تو قومہ اور جلسہ میں تعدیل کا الحاق طریقۂ وجوب کے ساتھ ہوا۔

(والجلسة) اور دو سجدوں کے درمیان بقدر ایک تسبیح کے جلسہ کرنا سنت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دو سجدوں کے درمیان بقدرِ ایک تسبیح کے جلسہ کرتے تھے اور اعرابی کو بھی فرمایا تھا: ثم ارفع رأسک حتی تستوی جالسا۔ پس سر رکوع سے اٹھاؤ یہاں تک کہ قیام کی حالت میں سر پیٹھ کے ساتھ برابر ہو جائے۔

(والسجدة على سبعة اعضاء) اور سات اعضاء پر سجدہ کرنا سنت ہے، کیونکہ تاجدارِ ختمِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

امرت ان اسجد على سبعة اعضاء۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں۔

پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ اور ناک پیشانی میں داخل ہے کیونکہ ان دونوں کی ہڈی ایک ہے۔

(وتسبيح السجود ثلثا) اور تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی سنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا ہے اور یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔[1670]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جب کوئی رکوع کرے تو تین مرتبہ تسبیح پڑھے کیونکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ تین تسبیح پڑھ رہا ہو گا اور اس کے ساتھ تین سو تینتیس ہڈیاں اور تین سو تینتیس رگیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہوں گی۔[1671]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکوع میں **سبحان ربی العظیم** تین مرتبہ پڑھتے تھے۔[1672]

فائدہ: رکوع میں تین بار تسبیحات کہنا کمال کا ادنیٰ درجہ ہے اور پانچ بار تسبیحات کہنا اوسط درجہ ہے اور سات بار کہنا کمال کا اعلی درجہ ہے۔[1673]

اور نوافل میں نو اور صلوۃ تسبیح میں دس یا پندرہ ہے۔

(والصلوۃ علی النبی ﷺ وآلہ وسلم) ہمارے مذہب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھنا سنت ہے اور مذہب حضرت امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھنا فرض ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ٥٦)

[1670] (سنن ترمذی باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود)

[1671] (سنن دار قطنی باب مایقول المصلی عند رکوعہ وسجودہ)

[1672] (سنن دار قطنی باب مایقول المصلی عند رکوعہ وسجودہ)

[1673] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۵۱۳ طبع رشیدیہ)

ترجمہ: اے ایمان والوں! درود پڑھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اور سلام پڑھو ان پر سلام کہہ کر۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھنے پر امر فرمایاہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، قطعاً۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاہے:

لا صلاۃَ لِمَن لم یصلِّ عليَّ۔

جو شخص نماز میں مجھ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہوتی۔

قلنا۔ یہ امر ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اور ہم بھی درود کی فرضیت پر کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر ساری عمر میں ایک بار پڑھنے کے قائل ہے یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام مبارک سننے کے وقت میں۔ فان قیل۔ کہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نام مبارک سننے کے وقت میں فرض ہے، احتیاطا۔ اور اول شرعاً ہے۔ اور حدیث فضیلت کی نفی پر محمول ہے۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اعرابی کو ارکان نماز کی تعلیم فرماتے تھے تو اس میں درود ذکر نہیں کیا تھا۔ اگر فرض ہوتا تو درود کو بھی ذکر کیا ہوتا۔ تو درود کا ذکر نہ کرنے سے عدمِ فرضیت معلوم ہوئی۔

(بعد التشهد السلام) تشہد اور سلام کے بعد قعدہ اخیرہ میں اور قید سلام کے ساتھ تشہد قعدہ اولیٰ سے اور تشہد قعدہ سہو سے احتراز کیا کیونکہ سلام سے مراد سلام سے نکلنا ہے اور سلام سہو کے ساتھ نکلنا ثابت نہیں ہوتا اور قعدہ اولیٰ میں سلام نہیں ہے۔

(و الدعاء بعده) اور دعاء حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھنے کے بعد سنت ہے۔

(لنفسہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات) اپنے لئے اور سارے مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوتک ثم اختر من الدعاء ما الیک اطیبہ واعجبہ بما یشبہ القراٰن والاثار۔ جب تم تشہد پڑھو یا اس کی مقدار میں بیٹھو تو تمہاری نماز پوری ہوگی، اس کے بعد وہ دعا پسند کرو جو تمہارے لئے نیک ہو اور بہت عجیب ہو اور قرآن وحدیث کے مشابہ ہو۔

ایسی دعا مانگنا جو قراٰن مجید میں مذکور ہو جیسا کہ:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران ۸) یا پھر ایسے: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ ۲۰۱) یا پھر ایسے الفاظ میں دعا مانگنا جو الفاظ حدیث سے ملتے ہوں مثلاً یوں کہنا کہ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا وانہ لا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔ ایسی دعا نہ مانگی جائے جو انسان سے گفتگو کے مشابہ ہو مثلا یوں کہنا اللھم زوجنی فلانۃ۔ یا اعطنی کذا من الذھب والفضۃ والمنصب۔ اور اگر مقدارِ تشہد بیٹھنے سے پہلے ایسا کیا تو نماز جاتی رہے گی، اور اگر اس کے بعد سلام سے پہلے کیا تو واجب فوت ہو جائے گا اور اگر اللھم ارزقنی من بقلھا وقثائھا وفومھا۔ اے اللہ ہم کو ترکاری اور ککڑی اور گیہوں عطا فرما۔ کہہ دیا تو نماز باطل نہیں ہوتی اور اگر اللھم ارزقنی بقلا وقثاء وفوماً کہہ دیا تو اگر قعدہ نہ کیا ہو تو نماز فاسد ہوگی اور اگر قعدہ کیا تھا تو نماز پوری ہوگی۔

(والسلام یمنۃ ویسرۃ) دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرنا سنت میں ہے، دائیں اور بائیں جانب سلام اس طرح پھیرنا چاہیئے کہ چہرے کی سفیدی دائیں اور بائیں جانب کے لوگوں کو ظاہر

ہو جائے یہ مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی دائیں جانب سلام اس حد تک پھیرتے تھے کہ دائیں جانب والے لوگوں کو چہرۂ مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی اور اس طرح بائیں جانب پھیرتے تھے اور سلام میں حکمت یہ ہے کہ یہ نمازی لوگوں سے غائب تھا اور نماز سے نکلنے کے سبب لوگوں کو رجوع کرتا ہے اور ان پر سلام کہتا ہے اور سلام کا جواب اس وقت واجب ہوتا ہے کہ جواب کا قائم مقام نہ ہو اور یہاں قائم مقام ہے جو کہ مقتدی کا سلام ہے۔(کافی)

لفظِ سلام پر نماز کا اختتام کرنا

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ... وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ»۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے اور سلام پر نماز ختم فرماتے۔[1674]

عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: طہارت (وضوء) نماز کی کنجی ہے، اور نماز کی تحریم تکبیرِ تحریمہ کہنا ہے، اور نماز ختم کرنے کا ذریعہ سلام ہے۔[1675]

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ۔

[1674] (صحیح مسلم باب مایجمع صفت الصلوۃ و مایفتح بہ ویختم بہ)

[1675] (سنن الترمذی باب ماجاء ان مفتاح الصلوۃ الطھور)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھتا۔[1676]

عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم (نماز ختم فرماتے ہوئے) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے، حتی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔[1677]

فائدہ: چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیس (۲۰) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: پس یہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کیا ہے کہ نمازی اپنی نماز کے آخر میں دو سلام کہے اور دونوں طرف سلام پھیرے۔[1678]

[1676] (صحیح مسلم باب السلام التحلیل من الصلوۃ)
[1677] (سنن ابن ماجہ باب التسلیم)
[1678] (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار لکتب العلمیۃ بیروت)

مسئلہ: مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سلام پھیرا ہم نے بھی سلام پھیرا۔[1679]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو پسند فرماتے کہ جب امام سلام پھیرے تو مقتدی بھی سلام پھیر دے۔

نمازی کا سلام میں امام اور دوسرے نمازیوں کی نیت کرنا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام پر سلام کریں اور ایک دوسرے پر سلام کریں۔[1680]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا سلام کا مختصر کرنا سنت ہے، یعنی اس پر مد نہ کرے۔[1681]

سلام کے بعد لمبی لمبی دعائیں پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے

بعض علماء فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے مسئلہ مذکورہ سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض تو وہ ہے کہ جس کے بعد سنن نہ ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے بعد سنن ہوں مثلا ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ تو قسم اول فرض کے بعد متصل اوراد و تسبیحات اور دعا کرنا ثابت اور مسنون ہے۔

[1679] (سنن النسائی باب التسلیم المأموم حین یسلمو االامام، صحیح بخاری باب من لم یرد السلام علی الامام واکتفی)

[1680] (سنن ابن ماجہ باب سلام علی الامام، سنن ابو داؤد باب سلام علی الامام)

[1681] (سنن ابو داؤد باب تخفیف فی السلام المستدرک للحاکم رقم الحدیث ۸۴۵)

كما فی الاحاديث و الفقه۔ اور قسم ثانی فرض کے بعد دعا کرنا اسی طرح تسبیحات پڑھنا مکروہ ہے اور اس مکروہ عمل کو اکثر مساجد میں کیا جاتا ہے کہ ان فرض نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن ہوں لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (اماموں) نے اپنا مذہب اس مسئلے میں چھوڑا ہے۔ کیونکہ مذہب کی کتابوں میں ہے کہ

"والمختار عند الحنفية ان يشتغل بعد اداء المكتوبة بالسنة ويكره ان يشتغل بالدعاء والتسبيح۔[1682]

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھیں دعا اور تسبیحات میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

اسی طرح طحطاوی میں بھی فرض اور سنتوں کے درمیان دعا کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے:

وعند الحنفية يكره المكث قاعدا يشتغل بالدعاء و الصلوة على النبی ﷺ قبل ان يصلی السنة۔اه۔[1683]

احناف کے نزدیک سنتوں سے پہلے بیٹھ کر درود شریف میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

وفی قطب الارشاد ص ۲۵۲ ويستحب فی حق المقتدی و المنفرد وصل السنة بالمكتوبة الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی يؤدی تاخيره الی الكراهة روی ان جلوس الامام فی مصلاه بعد الفراغ من الصلوٰة مستقبل القبلة بدعة۔

امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض سے متصل سنت پڑھیں اور یہ استحباب خاص کر امام کے حق میں زیادہ اشد ہے کہ اس کے لئے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ

[1682] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۲۷ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۲۳۶ باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم)"

[1683] (قسطلانی باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم ۲، ص ۱۳۶ نقال عن فتح الباری بحوالہ اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنے مصلیٰ (جائے نماز) پر قبلہ رو بیٹھنا مکروہ ہے۔ (بدعت ہے) بلکہ اللھم انت السلام الخ پڑھ کر فورا کھڑا ہونا ہے۔ ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سلام پھیرتے تو اللھم انت السلام الخ کی مقدار آرام فرماتے یہ نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان الفاظ سے دعا فرماتے اور یہ الفاظ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے:

قال الطحطاوی ص ۱۸۶ فی باب الاذکار اللھم انت السلام الخ لیس بدعا بل ثناء۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اللھم انت السلام الخ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ مولانا عبد المتین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد صلوات الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثۃ بعد الفراغ من السنۃ۔[1684]

احناف نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فجر اور عصر میں فرض کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنت کے بعد دعا کرے گا اور یہ مستحب طریقہ ہے:

والقیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون۔[1685]

فرض سے متصل سنت پڑھنا مسنون ہے یعنی اللھم انت السلام الخ سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہیئے۔

بحر الرائق ص ۱۳۷ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے:

عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ہو عقب الفراغ۔

[1684] (الرسائل الستۃ)

[1685] (نور الایضاح) طحطاوی مراقی الفلاح ص ۱۸۶)

ہمارے (احناف) کے نزدیک سنتوں کو اس دعا پر مقدم کرنا ہے جو نماز کے فارغ ہونے کے بعد مانگی جاتی ہے۔

قطب الارشاد ص ۲۵۲، شامی ص ۳۵۶ میں ہے:

وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں ہیں تو اس سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب سنن ادا کی جائے کیونکہ ان اوقات میں سنن موکدہ اور لازم ہیں اور فرض کے ساتھ ملحق ہیں اور فرض کے مکملات ہیں بالاتفاق جیسے کہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ آثار واخبار میں جو فرض کے بعد ادعیہ واذکار منقول ہیں تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ فرض کے بعد متصل پڑھی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھی جائیں کیونکہ سنن فرض کیلئے مکمل ہیں اور اسی طرح ملحق و تابع ہیں اور یہ پہلے مذکور ہے کہ سنت فرض کے متصل پڑھی جائیں گی۔

فاسقنا (ذیل المدعا، ص ۱۸) اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

والظاہر ان الدعاء لیس بین السنۃ والفرض لان الفصل بین السنۃ والفرض بما زاد علی اللھم انت السلام مکروہ قال العلامۃ الشامی فی ج ۱، ص ۴۷۷ وکذا لو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنۃ الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنتہ لا فی محلھا المسنون۔[1686]

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا ان الدعاء بین الفرض والسنۃ مکروہ۔[1687]

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل عتیق صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر دعائیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہیں اذکار کی شکل میں ہے۔ لیکن فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

[1686] (البصائر ص ۱۲۳ لمولانا حمد اللہ دیوبندی)

[1687] (البصائر ص ۱۲۳)

سے مروی ہے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتمد کتاب میں اس کی مثال موجود ہے۔

اور پھر خاص کر اس پر دوام کرنا تو یہ بدعت ہے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس کے بدعت ہونے کے بارے میں یوں فتویٰ دیا:

مسئلة: اذا دعا الامام و الماموم عقیب صلوۃ الفرض جائز ام لا؟ الجواب: دعاء الامام و المأمومین جمیعا عقیب الصلوۃ فھو بدعة لم یکن علی عھد النبی ﷺ۔[1688]

عن مجاھد قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلوس الامام بعد التسلیم بدعة۔[1689]

فاما فی صلوۃ الظھر و المغرب و العشاء یکرہ له المکث قاعدا لانه مندوب الی التنفل بعد ھذہ الصلوۃ و السنن لجبر نقصان ما یمکن فی الفرائض فیشتغل بھا و کراھیة القعود فی مکانه مروی عن علی و عمر و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم[1690] قال قال العلامة ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی و ان کانت صلوۃ بعدھا سنة یکرہ له المکث قاعدا و کراھیة المکث مرویة عن الصحابة روی عن ابی بکر و عمر و انھما کانا اذا فرغا من الصلوۃ قاما کانھما علی الرضف۔[1691]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ فرض کے بعد اللھم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا اور سنت مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قلت اریت الامام اذا فرغ من صلوٰۃ ان یقعد فی مکانه الذی یصلی فیه او یقوم قال اذا کانت صلوٰۃ الظھر او المغرب او العشاء فانی اکرہ له ان یقعد فی مقعدہ حین یسلم احب الی ان یقوم و اما الفجر و العصر ان شاء قام و ان شاء قعد۔[1692]

[1688] (زاد المعاد ج ۱، ص ۶۲، الفتاوی الکبری لابن تیمیه ج ۱، ص ۲۱۹، طبع لبنان بیروت، مخزن الدلائل ص ۵۸)

[1689] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبه ج ۱، ص ۳۰۲، مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۱۳۸)

[1690] (مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۳۸، طبع کراتشی)

[1691] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۶۰)

[1692] (کتاب الاصول المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۷)

عبد الرحمن (جزری) فرماتے ہیں:

الحنفية قالوا يكره تنزيها ان يفصل بين الصلوٰة والسنة الا بمقدار اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت ياذاالجلال والاكرام۔[1693]

صاحب کبیری فرماتے ہیں:

ويكره للمصلى ان يمكث فى مكانه الذى صلى فيه بعد ما سلم فى صلوٰة بعدها سنة كالظهر والجمعة والمغرب والعشاء الا قدر ما يقول اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت ياذاالجلال والاكرام۔[1694]

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

ويكره الدعاء عند الختم بجماعة بعد الفريضة الاشتغال بالسنة اولى من الاشتغال بالدعاء۔[1695]

علامہ عبد المتین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے قسطلانی ص۱۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

واستنبط من مجموع الادلة ان الامام له احوال لان الصلوة اما ان تكون مما يتنفل بعدها او لا فان كان الاول هل يشتغل قبل التنفل بالذكر الماثور ثم يتنفل وبذاك اخذ الاكثرون وعند الحنفية يكره المكث قاعدا يشتغل بالدعاء والصلوٰة على النبى ﷺ قبل ان يصلى السنن الخ۔[1696]

علامہ سبحان الدین باباجی کوکاروی المعروف مولانا محمد روشن صاحب فرماتے ہیں کہ بحر الرائق ج۲، ص۴۹ میں ہے:

[1693] (الفقه على المذاهب الاربعة ج ١، ص ٣٣٠)

[1694] (کبیری شرح منیه ص ٣١٩)

[1695] (خلاصة الفتاوی، ج ١، ص ١٠٥)

[1696] (الرسائل السته ص ٦٨)

القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون و کان النبی ﷺ اذا سلم لم یمکث الا مقدار اللھم انت السلام الخ۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

واما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائض الخ۔[1697]

مولوی زکریا لکھتے ہیں:

والسنۃ ما تؤدی متصلا بالمکتوبۃ۔[1698]

صاحب کبیری لکھتے ہیں:

فان کان بعد المکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام الخ ویکرہ تاخیر السنۃ عن حال اداء الفریضۃ باکثر من نحو ذالک المقدار لما روی مسلم عن عائشۃ (کبیری ص ۳۵۵) وقال صاحب الدر المختار ویکرہ تاخیر السنۃ الا مقدار اللھم انت السلام الخ قال صاحب رد المحتار فی ج ۱، ص ۳۹۱ قولہ اللھم انت السلام الخ لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ۔[1699]

مفتی اعظم صوبہ سرحد علامہ شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال فی الاختیار کل صلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء بل یشتغل بالسنۃ کیلا یفصل بین السنۃ والفرض اہ۔[1700]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے فرمایا:

بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[1701]

[1697] (الکوکب الدری ج ۱، ص ۱۹۳)
[1698] (الغابر ج ۱، ص ۱۹۳)
[1699] (نفائس مطلوبہ ص ۲۹)
[1700] (ثم المراقی اذکار ص ۱۸۷ (اثبات الاغراض ص ۱۴۰)
[1701] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۹۵)

قسطلانی فرماتے ہیں:

وعند الحنفية يكره له المكث قاعدا يشتغل بالدعاء لان القيام الى السنة بعد اداء الفريضة افضل من الدعاء و التسبيح و الصلوٰة۔[1702]

شیخ الحدیث علامہ غازی محمد الغازی الحنفی دیوبندی لکھتے ہیں فرض و سنت کے درمیان دعاء واذکار پڑھنا مکروہ ہے۔

اور احناف کے نزدیک دلیل حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں:

ان المسنون عدم الفصل بین الفريضة و السنن الا قدر مايقول اللهم انت السلام كما فی حديث عائشة عند مسلم و الترمذی وهو الذی ذكره فی شرح الحاكم الشهيد۔[1703]

علامہ غازی آگے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسئلے پر مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کرے۔[1704]

علامہ غازی آگے لکھتے ہیں:

و كذا ذكر فی عقائد النسفية و المختار عند الحنفية ان يشتغل بعد اداء المكتوبة بالسنة و يكره ان يشتغل بالدعاء و التسبيح۔[1705]

مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر علامہ عبد الہادی حقانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وعند الحنفية يكره المكث قاعدا ان يشتغل بالدعاء لان القيام الى السنة بعد اداء الفريضة افضل من الدعاء و التسبيح و الصلوة۔[1706]

[1702] (ارشاد الساری شرح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴۔ مقالات ص ۲۳)

[1703] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۱۳)

[1704] (طحطاوی ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، شرح الکبیر ص ۳۴۲، لمعات ج ۳، ص ۴۰۹، ھکذا فی الفتاوی الھندیۃ و الدر المختار مراقی الفلاح ص ۱۷۱، حاشیۃ الغرغشتوی ج ۱، ص ۹۴، نور الایضاح، الاشباہ و النظائر ص ۸۴، خلاصۃ الفتاوی ج ۱، ص ۹۵، منہاج السنن ج ۲، ص ۱۲۲، ردالمحتار ج ۱، ص ۴۹۴، بحر الرائق ج ۱، ص ۳۰۳)

[1705] (معارف السنن، جامع الکمالات، مقالات غازی ص ۱۸، ۱۷)

[1706] (ارشاد الساری ج ۲، ص ۱۴۴۔ کمالات الحقانی علی مقالات الغازی ص ۱۷)

علامہ الزمان فرید عصر الحاج شائستہ گل علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلے پر دو مستقل رسالے تصنیف فرمائے جن میں سے پہلا: **کراھۃ الدعاء بین الفرض و السنۃ۔** اور دوسرا رسالہ بنام "**توضیح المرام فی کراھۃ الدعاء بعد السلام**" ہے، جن میں علامہ موصوف نے مسئلہ مذکورہ پر دلائل ظاہرہ باہرہ نقل فرمائے ہیں۔

علامہ عبدالجلیل صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:

وقال فی الطحطاوی کل الصلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء۔[1707]

حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنتوں میں فرض کے بعد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ مگر **اللھم انت السلام الخ** کی مقدار تک یعنی اس مقدار بیٹھنا مکروہ نہیں ہے۔[1708]

اسی طرح علامہ موصوف فرماتے ہیں:

وفی شرح صدر الشھید ان القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون وفی تاتارخانی الاشتغال بالسنۃ بعد اداء الفرائض اولی من الاشتغال بالورد وان اخذ بالدعاء یکرہ۔[1709]

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اذا سلم الامام من الظھر او المغرب او العشاء کرھت لہ المکث قاعدا لکنہ یقوم الی التطوع۔[1710]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی کے دارالعلوم مظہر العلوم سے شائع شدہ کتاب "**السیف المبیر علی اتباع ملافنجفیر**" میں ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

[1707] (تنبیہ الاخوان ص ۴)

[1708] (اعلام المؤمنین ص ۳۴)

[1709] (شرح الیاس ص ۱۶۹، وایضا فی فتح القدیر ص ۶ ۴۱ وحموی ص ۱۲۹، الجوھرۃ النیرۃ ص ۷۲، قسطلانی ج ۲، ص ۱۳۶، عینی البخاری ج ۳، ص ۱۸۹، کشف الغمہ ص ۹۰، عقائد سنیہ ص ۳۸، تنویر الایمان ص ۱۹۹)

[1710] (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۱۴، تنویر الایمان ص ۱۷۹)

دلیل و المختار عند الحنفیة ان یشتغل بعد اداء المکتوبة بالسنة ویکرہ ان یشتغل بالدعاءوالتسبیح الخ۔[1711]

علامہ ظاہر شاہ قادری فرماتے ہیں سنن وفرائض کے درمیان دعا کرنا اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وکذالو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنة الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زادتقع سنة لافی محلھا المسنون۔[1712]

عمدۃ القاری میں ہے:

والنص ان التاخیر مکروہ ج۳، ص ۱۲۲۔

فتاوی برہنہ میں ہے: وبعد از سلام فرض زود برخیز دودرنگ نکند مگر بقدر اللھم انت السلام الخ زیادہ ازین کراھت ست وبدعت۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

وفی الحجة الامام اذا فرغ من الظھر والمغرب والعشاء یشرع فی السنة ولا یشغل بادعیة طویلة کذا فی التاتار خانیه (ھندیه ج ۱، ص۷۷) لان الاورادتکون بعد السنة لانھا بین الفرض والسنةمکروہ۔[1713]

علامہ ظاہر شاہ نے اپنی کتاب کے آخر میں مختلف (چند) فتاویٰ ذکر کئے ہیں۔ مفتی فضل سبحان قادری نے فتوی دے کر فرمایا نیز امام ابن ہمام وبقالی ودیگر علماء کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ

[1711] (عقائدسنیہ بحث الدعاء ص۷۳ نقلاعن فتح الباری والقسطلانی ج ۲، ص ۶۳۶؛ السیف المبیر ص ۷۰)
[1712] (شامی ج ۱، ص ۱۷۰)
[1713] (اطفاء الفتن ص۷)۔ (دعابعدالسنن والنوافل ص ۱۴، ۱۳)

جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہو اور ان فرائض کے بعد صرف اللھم انت السلام الخ فصل بین الفرائض و السنن کرنا چاہئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے۔[1714]

حضرت علامہ مفتی ابو عیسیٰ محمد جمال الدین حلیمی صاحب نے فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا: نماز فرض وسنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم انت السلام الخ اس سے زیادہ دعا و اوراد مکروہ ہیں۔[1715]

مفتی حاجی محمد انور قادری فرماتے ہیں فرض کے بعد سوائے اللھم انت السلام الخ کے تاخیر کرنا ساتھ اوراد و دعاؤں کے مکروہ ہے۔ چونکہ سنت بعد الفرض تکمیل نماز ہے اس لئے فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے سوائے اللھم انت السلام کے۔ فرض نماز جس کے بعد سنت ادا کرنا ہو تو فرض اور سنتوں کے درمیان بیٹھنا یا اوراد و دعائیں کرنا یا ذکر میں مشغول ہونا سب مکروہ ہے۔ شامی، مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ فرائض اور سنن کے درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔[1716]

علامہ مفتی غریب اللہ صاحب فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال صاحب خلاصۃ الفتاوی بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء ج ۱، ص ۵ ۹ ۔ وفی الاشباہ و النظائر و الاشتغال بالسنۃ عقب الفرض افضل من الدعاء ص ۱ ۲ ۷ ۔(فتویٰ مدرسہ مجددیہ مانکی تحصیل صوابی)

[1714] (فتوی دار العلوم قادریہ، مردان ۱ ۳ جنوری، ۱۹۸۱ء)

[1715] (شامی ج ۱ ، ص ۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰ ، فتاوی برھنہ وغیرہ) (فتوی مرکزی دار العلوم جامعہ چشتیہ کرانی شریف کوئٹہ بلوچستان)

[1716] (فتوی مکتبہ اسلامیہ دار العلوم ربانیہ شیدو)

حضرت شیخ المشائخ علامہ مفتی عبد السبحان قادری نور اللہ مرقدہ و جعل الجنۃ مثواہ بحرمۃ سیدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ اھ۔[1717]

قولہ لیس بدعاء الخ۔ یعنی فرض کے بعد جو اللھم انت السلام الخ پڑھا جاتا ہے یہ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔

علامہ مفتی اعظم صوبہ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتبر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ:

اللھم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء و قولہ حَیِّنَا الخ لا اصل لہ بل مختلق بعض الناس۔[1718]

اسی وجہ سے مسلم و ترمذی و مشکوٰۃ و غیرھا نے اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں نقل کئے ہیں لہٰذا اللھم انت السلام کے پڑھنے کے ساتھ دعا بمعنی سوال کا طرز عمل (ہاتھ اٹھانا) غلط حرکت ہے اور حدیث مذکور میں دعا بمعنی سوال نہیں ہے۔[1719]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

قال الفقھاء ان اللھم انت السلام کما ھو وارد فی الاحادیث لیس بدعاء بل ذکر کما قال العلامۃ الطحطاوی فی شرح المراقی ص ۱۷۱ قولہ والدعاء ھذا لا ینافی الاتیان باللھم انت السلام اھ لانہ لیس بالدعاء بل ثناء۔

[1717] (بحر الرائق صفۃ الصلوۃ ج ا، ص ۲۲۱۔ (فتوی دار العلوم قادریہ سبحانیہ، کراچی) (دعا بعد السنن و النوافل ظاھر شاہ میاں قادری)

[1718] (القصاص) شرح المشکوٰۃ ثم طحطاوی ص ۱۸۶، شرح القاری لمسند الامام اعظم ص ۲۰۶، و اشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۴۴۸ و فتح القدیر نوافل ج ا، ص ۱۸۶ وغیرھا)

[1719] (کراھۃ الدعاء بین الفرض و السنۃ ص ۶)

آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا الکلام ان انت السلام کما ھو الماثور فی الروایات لیس بدعاء۔[1720]

علامہ محمد فاضل عتیق فرماتے ہیں کہ آج کل جو حضرات فرض نماز کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر اللھم انت السلام الخ پڑھتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں: ان ھم الا یخرصون۔ کیونکہ مذکورہ کلمات دعا نہیں: کقولہ لانہ لیس بدعاء بل ثناء، طحطاوی ص ۱۷۱۔

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ان ادعیۃ النبی ﷺ قد اخذت مأخذ الاذکار و لیس فی الاذکار رفع الایدی۔[1721]

مولوی یوسف بنوری لکھتے ہیں:

ھو فی تعلیقاتہ علی الآثار و اکثر ما جاءت الادعیۃ بعد المکتوبۃ فھی علی شان الاذکار لا سوالات الحاجات۔[1722]

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہما فرماتے ہیں: نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر و مغرب وعشاء میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہیے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔[1723]

تنبیہ احادیث میں کسی دعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے اس سے کم زیادہ نہ کریں کہ جو فضائل ان اذکار کیلئے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کم وزیادہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل (تالا) کسی خاص قسم کی کنجی سے کھلتا ہے اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کر دیں تو اس سے نہ کھلے ۔

[1720] (البصائر ص ۱۲۲)
[1721] (فیض الباری ج ۲، ص ۴۳۱)
[1722] (معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۴)۔(مخزن الدلائل ص ۸۵، ۸۴)
[1723] (ردالمحتار، بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

مذکورہ تنبیہ سے صاف ظاہر ہوا کہ جو اوراد ووظائف جیسے اور جتنی تعداد میں منقول ہیں اسی طرح ادا کیا جائے تو فرض نماز جس کے بعد سنن ہو اس کے بعد جتنی قدر ثناء منقول ہے وہی پڑھنا چاہئے کما مر۔ اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنت ہیں ان کے بعد لمبی دعا کرنا مکروہ ہے۔[1724]

حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ مفتی دار العلوم امجدیہ وقار الفتاویٰ میں فرماتے ہیں جن فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان کے بعد صرف **اللھم انت السلام تا یا ذا الجلال والاکرام** یا اس کے برابر کوئی اور دعا مانگے اس سے زیادہ لمبی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعا مانگیں مگر اتنا طول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔[1725]

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئے۔ لہٰذا جو حضرات مفتی وقار الدین قدس سرہ کے معتقدین ہیں، انہیں چاہئے کہ طویل دعا کرنا چھوڑ دیں اور مختصر دعا مانگیں۔

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے

بعض علماء سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: **کقولہ تعالیٰ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط الآیۃ۔**[1726]

[1724] (فتاوی دار العلوم دیوبند)
[1725] (وقار الفتاوی، ص ۱۲۲، ج ۲)
[1726] (سورۃ مومن، پ ۲۴، آیت ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں **ادعوا** اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی، تو دعا بعد السنن جائز ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فِاذا فَرغْتَ فانْصَبْ الاٰية**۔ جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔[1727]

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا:

فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتهد فی الدعاء۔[1728] یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ۔[1729]

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان)

[1727] (الانشراح، پ ۳۰، آیت ۷)

[1728] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

[1729] (پ ۱۸، المومنون، آیت ۱۰۹)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلاً یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے:

كقوله تعالى: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الخ الآية (سورة الحشر)

ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔ اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الآية۔[1730]

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے: قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ الخ الآية۔[1731]

تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔

[1730] (البقرۃ پ ۲، آیت ۱۸۶)

[1731] (الفرقان پ ۱۹، آیت ۷۷)

علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں:

فاعلموا ایھا الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنۃ مستحب عند العلماء۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

فمن قال ان الدعاء بعد السنۃ بدعۃ فھو ضال مضل اجتنبہ ص ۱۵۔

مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں:

ان الدعاء بعد السنن والنوافل مستحب صرح بہ فقھائنا ومن انکرہ فھو ضال مضل۔[1732]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ: "**لا یجتمع قوم فیدعوا بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ**"[1733] جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔

علامہ شامی نے فرمایا ہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المسجد۔[1734]

متقدمین ومتاخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ:

"**اجمع العلماء سلفا و خلفا علی عدم استحباب ذکر الجماعۃ فی المسجد**"۔

[1732] (دعا بعد از سنن ونوافل ص ۳۷)

[1733] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

[1734] (ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد)

نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے:

"ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تکن بعدہ نافلۃ الناس ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین بالادعیۃ الماثورۃ الجامعۃ رافعی ایدیھم حذاء الصدر وبطونھما مما یلی الوجہ بخشوع وسکون ثم یختمون بقولہ تعالٰی سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الآیۃ ثم یمسحون بھا ای بایدیھم وجوھھم فی اٰخرہ واقرہ الطحطاوی"۔

مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ الخ کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔ طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے۔

احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔

استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غور غشتوی دیوبندی کا فتویٰ "دعا بعد السنن بھیئۃ اجتماعیۃ" ارشادات نصیری میں موجود ہے۔ دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ "مسئلۃ التوسل والدعاء" میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر

دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔(ص۶۱) مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[1735]

اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں:

"الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب" (تسهيل الترمذى) وفى الهداية و السنة فى الادعية تاخيرها عن الصلوة الخ۔[1736]

یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

"الاجابة فى الجمع ارجى" (ج۲، ص ۱۴۴)

کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

"الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمين"۔[1737]

دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔[1738]

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریبا باون کتابوں میں موجود ہے۔

[1735](بحوالہ تسہیل الترمذی، ص ۳۱۵)

[1736](ہدایۃ کسوف ص ۲۲۵)

[1737](خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۰)

[1738]نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الہدایٰ، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظہر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمد اللہ مردان صوابی۔ تسہیل المشکوٰۃ، ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت اللہ صوابی۔ الحجج البینات لمولانا شائستہ گل علیہ الرحمہ۔ المسائل المنتخبہ، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پرمولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۶۲، لمفتی سید احمد شاہ اخون کلی سوات المعروف بہ قاضی بابا قدس سرہ۔ الرسائل الستہ، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامہ عبد المتین علیہ الرحمہ شموزی سوات۔

اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "عقائد المسلمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "اطفاء الفتن فی مسئلۃ الدعا بعد السنن" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔

فالحاصل الدعا بعد السنن و النوافل بهیئة الاجتماع مستحب و الفاعل ماجور عند الله تعالی و المانع محروم عن الله تعالی من الاجر العظیم۔

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العنایة واستمداده ایاه المعونة[1739] قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وهذا هو المراد بقولهم الدعاء حاجت خواستن[1740] والدعاء اظهار العبودیة والذلة والانکسار والرجوع الی الله تعالی[1741] وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما هو اظهار العبودیة والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک[1742] وفی قسطلانی مع ما فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار الی الله تعالی[1743] وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار[1744] وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظهار الافتقار الی الله تعالی[1745] وفی تفسیر الخازن الدعاء هو السوال وهو نوع من انواع العبادة[1746] اللہ تعالی نے دعا کو عبادت فرمایا ہے کقوله تعالی إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ[1747] قال الرازی فمن ابطل

[1739](تفسیر کبیر، ج۵، ص ۱۰۶)
[1740](منهاج الحقائق، ص ۳)
[1741](کبیر ص ۱۳۶، ج ۲)
[1742](روح البیان ص ۴۳، ج ۲)
[1743](قسطلانی ص ۱۵۸، ج ۹)
[1744](فتح الباری ج ۱۱، ص ۳۴)
[1745](طحطاوی ص ۱۷۳، تنویر الایمان، ص ۱۵۵)
[1746](خازن ج ۲، ص ۱۰۳)
[1747](سورۃ مومن، پ ۲۴، آیت ۲۰)

الدعاء فقد انکر القرأن[1748] قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی[1749] وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویۃ والاخرویۃ الجلیلۃ والحقیرۃ (صاوی) وقولہ تعالی عن عبادتی الخ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ وقرء ھذہ الأیۃ ﷺ (مدارک) وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل وجوھا کثیرۃ ان یکون المراد من الدعاء العبادۃ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ ومما یدل علیہ قولہ تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔[1750]

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ "جولوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[1751]

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے:

"کقولہ علیہ السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء ھو العبادۃ"۔[1752]

قال القرطبی فدل ھذا ان الدعاء ھو العبادۃ۔[1753]

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدعاء مخ العبادۃ۔[1754]

وقال الرازی لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ۔[1755]

[1748] (تفسیر کبیر ج۵، ص ۱۰۹)

[1749] (تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص ۵۲، نزھۃ المجالس، ج ۱، ص ۶۷، ابن کثیر، ج۴، ص ۸۶)

[1750] (کبیر، ج۲، ص ۱۳۷)

[1751] (روضۃ الطالبین ص ۳۳)

[1752] (تفسیر خازن، ج۴، ص ۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج۱۵، ص ۳۲۶، ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص ۵۱، ابن کثیر، ج۴، ص ۸۵، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۱، کتاب الدعوۃ)

[1753] (قرطبی، ج۱۵، ص ۳۲۶)

[1754] (ترمذی، ج۲، ص ۱۹۵، مشکوۃ ج ۱، ص ۲۱۱، البصائر، ص ۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین، ص ۳۳، نفائس مطلوبہ، ص ۱۴)

[1755] (کبیر، ج۴، ص ۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فان السنة تابعة للفرض و مکملة لها وقت العرض[1756] قال عبد الرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیة عنها۔[1757]

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے:

عن تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامة الصلوة فان کان اکملها کتبت له کاملة و ان لم یکن اکملها قال للملائکة انظروا هل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بها ما ضیع من فریضة ثم الزکوة ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔[1758] وفی رد المحتار ان السنن من لواحق الفریضة وتوابعها و مکملاتها فلم تکن اجنبیة عنها فما یفعل بعدها یطلق علیه انه عقیب الفریضة[1759] وایضا فی الکبیری، ص ۳۵۵) وهذا هو السند علی کون الدعاء عبادة وهذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوة او لا و ان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقه فی الصفات و یراد منه الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین۔[1760]

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی تفسیره فاذا فرغت فانصب من الصلوة المکتوبة لا من الصلوة المطلقة قلنا قال ابن عباس فی تفسیره بصیغة الاطلاق ای قال ابن عباس و قتادة فاذا فرغت من صلوتک۔[1761]

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری،

[1756] (مرقات، ج۲، ص ۱۱۹، طبع ملتان)
[1757] (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰)
[1758] (مسند احمد، ج۴، ص ۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱۱، ص ۴۱)
[1759] (رد المحتار، ص ۳۹۱)
[1760] (البصائر، ص ۱۲۲ لمولانا حمد اللہ دیوبندی مظاہری)
[1761] (تفسیر قرطبی، ج۲۰، ص ۱۰۸، درمنثور، ج۶، ص ۳۶۵، مظهری، ج۱۰، ص ۲۹۴، ابن جریر، ج۳۰، ص ۱۵۱، روح المعانی، ج۳۰، ص ۱۹۸، بیضاوی، ج۲، ص ۵۶۵، جلالین، ص ۵۶۵، مدارک، ص ۳۹۰)

صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۴۶۳، منجد کام پورا کرکے خالی ہونا، تمام کرنا(ص ۷۴۲)

ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔(مخزن الدلائل ص ۷۷)

مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد عا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعترض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا **کما لا یخفی علی من یعلم الخ** تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے:

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهیئة اجماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوة المکتوبة ولم یثبت ذالک فی عهده ﷺ ولا اخص بالمواظبة۔ نعم ثبتت ادعیة کثیرة بالتواتر بعد المکتوبة ولکنها من غیر رفع الایدی ومن غیر هیئة اجتماعیة۔ نعم ثبت دعاءه ﷺ برفع الیدین باجتماع بعد النافلة فی واقعتین احدهما واقعة بیت ام سلیم حین صلی فیه السبحة ودعالانس رضی اللہ تعالیٰ عنهما۔ [1762]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ثم ان الدعاء بعد الصلوة بهیئة اجتماعیة برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلة فی اللاستسقاء وفی قصة الصلوة فی بیت ام سلیم۔ [1763]

شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیة و نرفع لها الایدی لثبوته عن عقیب النافلة وان لم یثبت بعد المکتوبة فاذا ثبت جنسه لم تکن بدعة اصلا[1764] وهذا امر مسلم ان الصلوة لاستسقاء سنة فمتی احتاج الناس الی الماء فانه یسن ان یصلوا صلوة الاستسقاء[1765] وقال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء[1766] عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال خرج یوما رسول اللہ ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلا اذان و اقامة ثم خطبنا و دعا۔ [1767]

[1762](معارف السنن، ج۳، ص ۴۰۹)
[1763](معارف السنن، ج۴، ص ۴۲)
[1764](فیض الباری، ج۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج۴، ص ۴۱۷، طبع)
[1765](الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۲۳۱)
[1766](کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۴۴۸)
[1767](ابن ماجه، ص ۹۱)

مندرجہ بالا حدیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا فرمائی:

"عن انس قال دخل النبی ﷺ وما هو الا انا وامی وام حرام خالتی فقال قوموا فاصلی لکم فی غیر وقت صلوة فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منه قال جعله علی یمینه ثم دعا لنا اهل البیت بکل خیر من الدنیا والاٰخرة فقال امی یا رسول الله ﷺ خویدمک ادع الله له قال فدعا لی بکل خیر وکان فی أخر ما دعا لی به اللهم اکثر ماله وولده وبارک له فیه[1768] قال العلامة عبد الهادی الشاه منصوری فی کتابه عن عبد الله بن زید قال خرج رسول الله ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بهم رکعتین وجهر فیهما بالقراءة واستقبل القبلة یدعو ورفع یدیه وحول رداءه حین استقبل القبلة انتهی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع المسلمین وکذا رواه ابن ماجة[1769] قال العلامة سبحان الدین کوکاروی فی کتابه فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "وعن سعد ان رسول الله ﷺ مر بمسجد بنی معوية دخل فرکع فیه رکعتین وصلینا معه ودعا ربه طویلا الخ[1770] وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ اٰیة الکرسی والمعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا وثلاثین ویهلل تمام المأة بان یقول لا الٰه الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعوا ویختم بقوله سبحان ربک رب العزة عما یصفون[1771] وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لا کن عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ[1772] وفی

[1768](مسلم، ج ا، ص ۲۳۴، ج ۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ بیہقی، ج ۶، ص ۱۹۵)
[1769](تسہیل الترمذی، ص ۳۱۴)
[1770](مشکوۃ، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبہ، ص ۳۵)
[1771](الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ج ا، ص ۳۳۰، درمختار، ج ا، ص ۵۱)
[1772](بحر، ج ا، ص ۳۰۴)

شرح شرعة الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبة قبل السنة علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول والحنفی فی الفروع) من انه قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنة وبعد السنن والاوراد علی ماروی عن غره وهو المشهور المعمول فی زماننا فانه مستجاب بالحدیث[1773] وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابه وان یستقبل بعده الناس ویستغفرون اللہ ویقرؤن أیة الکرسی والمعوذتین ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونه کذالک ویکبرونه کذالک ثم یقولون لا اله الا اللہ وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحوا وجوههم فی أخره۔[1774]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہو گا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: **بعده ای بعد التطوع بعد الفریضة**۔ کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع و مرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔

اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا:

کقوله بعده ای بعد التطوع وعقیب الفرض اذا لم یکن بعده نافلة[1775] وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعده ای بعد التطوع الخ[1776] وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح ویستحب ان یستقبل بعده ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ[1777] وایضا فی ذریعة النجاح حاشیة نور الایضاح ان یستقبل بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم

[1773] (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۱۹۲، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)
[1774] (نور الایضاح، ص ۸۰)
[1775] (طحطاوی، ص ۱۷۱)
[1776] (البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد اللہ دیوبندی)
[1777] (منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

یکن بعده نافلة الخ[1778] وفی سنن الهدی والجمهور علی ان الاولی الاشتغال بالسنة ثم بالدعاء وعلیه عمل اهل الحرمین وسائر دیار العرب[1779] وقال اشرف علی التهانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعده نافلة ان یستقبل الناس الخ[1780] وقال ایضا فتحصل من هذا کله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ینکر الاناعق مجنون قد ضل فی سبیل هواه ووسوس له الشیطان فاغواه[1781] قال العلامة حمدالله الدیوبندی السهارنفوری وعلم من الادلة المذکورة ان الدعاء بعد العبادات قاعدة متقررة فی الشرع ونجعلها کبری ونضم معها الصغری سهلة الحصول۔ الصلوة عبادة وکل عبادة فالدعاء بعدها مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوة فالدعاء بعدها مستحب اما الصغری فظاهر لان الصلوة اهم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانها من الاصول الموضوعة المسلمة عند الفقهاء المستنبطة من النصوص علا انه ورد الامر بالدعاء بعد الصلوة علی طریق الخصوص قال الله تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیره من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوة فاتعب فی الدعاء روی هذا التفسیر عن قتادة وضحاک وغیرهما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوة، ج ۲، ص ۹۳۷۔[1782]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوة الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة الخ۔[1783]

[1778] (ص ۹۷ لمولانا عبدالرزاق بتھرالوی)
[1779] (سنن الهدی، ص ۴۸، بحوالہ دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاہر شاہ قادری)
[1780] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثورہ لمولوی تھانوی دیوبندی)
[1781] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۱ اشرف علی تھانوی دیوبندی)
[1782] (البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)
[1783] (الرسائل الستہ، ص ۲۹)

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے:

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اجتمع ثلاثۃ بدعوۃ قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدیھم۔[1784]

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔[1785]

تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان:

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔

حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے:

کقولہ باب تکریر الدعاء۔[1786]

علامہ عینی فرماتے ہیں:

[1784] (حلیۃ الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)

[1785] (رسائل ومسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)

[1786] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)

هذا باب فی بیان تکریر الدعاء وهو ان یدعو به مرة بعد اخری لان فی تکرره اظهار الموضع الفقر والحاجة الی اللّٰہ عز وجل والتذلل والخضوع له وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجه ابن حبان فی صحیحه۔[1787]

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے:

کقوله علیه السلام: عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللّٰہ عز وجل الجنة ثلاثا الا قالت الجنة اللهم ادخله الجنة ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللهم اجره من النار۔[1788]

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔[1789]

مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرة برفع الیدین ومن حدیث عائشة عند مسلم وهذا کله واضح معروف فی محله لا مساغ لانکارها[1790] **قال النووی فی شرحه فیه استحباب اطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین**[1791] **وقال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء ویکرره ثلاثا۔**[1792]

[1787] (عینی حاشیه بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)

[1788] (مسند احمد، ج ۳، ۱۵۵)

[1789] (التعلیق علی الترغیب الترهیب، ج ۲، ص ۴۸۴ لعلامه مصطفی عماره، مخزن الدلائل، ص ۵۵، مشکوٰة، ص ۲۲۳)

[1790] (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)

[1791] (شرح مسلم للنووی، ج۷، ص۴۷ دار المعرفة بیروت، الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی ج۸ ص ۱۷۴ کتاب الجنائز، الکوکب الوهّاج والرّوض البَهّاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج ص ۲۷۵ ج ۱۱ دار المنهاج - دار طوق النجاة)

[1792] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہے:

عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا وقال النووی فیه استحباب تکریر الدعاء ثلاثا۔[1793]

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: **کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمة اعادها ثلاثا حتی تفهم عنه۔**[1794] کے تحت فرمایا: در لفظ کان محدثان را سخن است مقرر ومشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام واستمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد وعادت شریف این بود الخ۔[1795]

وقال الرازی فی تفسیره فقال بعض الجهال الدعاء شیء عدیم الفائدة واحتجوا علیه من وجوه وقال جمهور من العقلاء ان الدعاء اهم مقامات العبودیة ویدل علیه وجوه من العقل والنقل الخ[1796] **وقال العلامة الشیخ السید احمد شاه فی کتابه ومنها ای من أداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیه ثم قال اللهم اغثنا اللهم اغثنا اللهم اغثنا قال الامام النووی هکذا هو مکرر ففیه استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔**[1797]

[1793] مسلم (ج۲، ص۱۰۸)
[1794] (مشکوۃ ص۳۳)
[1795] (اشعۃ اللمعات، ج۱، ص۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص۴۵)
[1796] (کبیر ج۲، ص۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص۴۷)
[1797] (ج۱، ص۲۹۳)(تنویر الایمان ص۲۱۴)

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔[1798]

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکررہ ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔[1799]

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومن آداب الدعاء ان یکررہ ثلاثا۔[1800]

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں : دعا میں تکرار چاہئے۔[1801]

اعلی حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: **قال الرضا** تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: **من لم یسئل اللہ یغضب علیه۔**

بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔[1802]

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1798](شرح صحیح مسلم ج۷، ص۷۴۳)

[1799](کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۹)

[1800](حصن حصین ص ۱۴ وشرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم)(اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)

[1801](احسن الوعاء لآداب الدعاء ص ۲۲)

[1802](ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص ۲۳، ۲۲)

وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الھدایۃ ومن ضرورۃ التعمیم التکرار۔[1803]

مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العلامۃ الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا[1804] وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا واخرج الطبرانی عن ابی ھبیرۃ عن حبیب ابن مسلمۃ الفھری وکان مستجابا انہ امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ تعالی وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ۔[1805]

شیخ الحدیث غازی محمد الحنفی لکھتے ہیں: "بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے:[1806] اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[1807]

اس کی شرح میں مولانا عبد الھادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں:

وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلھا التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاھل بالسنۃ النبویۃ والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی بہ جامع الکمالات وھو المحقق[1808] قال العلامۃ الشیخ سید احمد شاہ فی کتابہ" وفی قطب الارشاد

[1803] (الھدایۃ ج۲، ص ۳۶۶) (تنبیہ الاخوان، ص ۳)

[1804] (طحطاوی، ص ۱۷۳)

[1805] (معارف السنن لبنوری، ج۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج۲، ص ۱۰۷، حیاۃ الصحابۃ، ج۳، ص ۳۳۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ص ۳۰۹ بحوالہ منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی۔

[1806] صحیح البخاری "باب تکریر الدعاء (ج۲، ص ۹۴۵)"

[1807] (مقالات غازی ص ۱۶)

[1808] (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱۶)

ویکرر الدعاء واقله التثلیث ویلح فیه بالمداومة والمواظبة فی الحالات ولا یکفی بمرة ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔

تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے:
"وتکراره ای الفعل وقوعه مرة بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلة فی اوقات متعددة"[1809] قال العلامة الشیخ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری الداجوی "ومن أداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج۲، ص۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقله التثلیث۔ آگے فرماتے ہیں: وذکر الامام مسلم (ج۱، ص۱۳۳) فی واقعة بقیع الغرقد انه علیه السلام رفع یدیه ثلاثا قال الامام النووی فیه استحباب اطالة الدعاء وتکرر رفع الیدین[1810] قال العلامة عبد الرزاق بتھر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔[1811]

مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا لحدیث مسلم وابی داؤد ان رسول اللہ ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا[1812] مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: ویلح الداعی فی الدعاء ویکرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح۔[1813] بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

[1809] تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)
[1810] (البصائر ص ۱۲۴)
[1811] (ذریعة النجاح حاشیہ نور الایضاح ص ۷۹)
[1812] (مقالات ص ۱۶)
[1813] (امداد الفتاوی مسائل المنثورہ ص ۵۷۰، جلد اول)

وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکررہ ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وھو ادناہ واوسطہ خمسا واکملہ سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراۃ وفی حق احمس عشر مراۃ رواہ ابو داؤد ص ۸۰۔[1814]

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا رواہ الطبرانی فی الاوسط۔[1815]

دعا کے آداب: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا: کما فی البیہقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[1816]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔[1817]

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر

[1814] (الرسائل الستہ ص ۷۲)

[1815] کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)۔

[1816] (مقالات فریدی ص ۱۵)

[1817] (امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

ہو۔[1818] شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں: دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا: کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[1819]

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں:

ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء و لذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸) و ایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم و للمسلمین رافعی ایدیھم و ذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک و لاتدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک اھ ص ۱۷۳۔[1820]

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔[1821]

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[1822]

عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ و دعا۔[1823]

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں:

ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنۃ۔[1824]

[1818](احسن الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)
[1819](مقالات غازی ص ۱۴)
[1820](البصائر ص ۱۲۴)
[1821]ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۱۳،
[1822](مشکوٰۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)
[1823](معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)
[1824](روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[1825]

علامہ مولانا سبحان الدین کو کاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج۲، ص۳۸۰ میں لکھا ہے کہ:

وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔[1826]

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں:

و کذا رفع الیدین و مسح الوجہ بعد الفراغ کذا فی منہج العمال و العقائد السنیۃ کذا فی التحفۃ المرغوبۃ۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی:

لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین و لما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما و فی السعایۃ لما ندب فی مطلق الدعاء استحبہ العلماء فی ھذا الدعاء ایضا۔[1827]

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعۃ ما زاد رسول اللہ ﷺ علی ھذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۸۸، المسئلۃ ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادۃ فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیہ ای الاکف الی المدعو لہ او لا ثم یسئل۔

[1825] (دعا بعد السنن و النوافل، ص ۳۲)

[1826] (نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)

[1827] (صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں:

فالمؤمن یرفع یدیہ الی ربہ خمسین مرۃ مثلا اترا ہ ترد ھما خائبتین الخ۔[1828]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے۔ (معجم طبرانی)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

ومنھا ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد والصلٰوۃ علی الدعاء والصلوۃ والثناء علی اللہ اولا واٰخرا۔[1829]

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ویبدأ الدعاء بالحمد للہ والثناء علیہ ویختم بہ ویصلی علی النبی ﷺ اولہ واٰخرہ ووسطہ۔[1830]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں: دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔[1831] اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں: بیہقی وابوالشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[1828] (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)
[1829] (البصائر ص ۱۲۴)
[1830] (امدادالفتاوی، ج ۱، ص ۵۶۹)
[1831] (احسن الوعاء ص ۱۵)

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں: الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد واھل بیتہ۔[1832] مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ۔[1833]

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں:

منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳، وقال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لیدع بعد ماشاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶۔[1834]

آگے لکھتے ہیں کہ:

ولان الثناء والصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات والرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء۔[1835]

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

ومن آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصٰلحین۔[1836]

قطب الارشاد میں ہے:

ویتوسل الیہ تعالی بانبیائہ والصالحین من عبادہ من العلماء والشھداء والاولیاء۔[1837]

وینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ والاولیاء الصالحین۔[1838]

[1832](ذیل المدعا ص ۱۶)
[1833](مقالات ص ۱۶)
[1834](تنویر الایمان، ص ۲۱۲)
[1835](ھدایہ ص ۲۲۲، ھکذا فی المستخلص ص ۴۳۲، اعلام المؤمنین، ص ۴۱)
[1836](البصائر ص ۱۲۴)
[1837](قطب الارشاد، ص ۲۴)
[1838](روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۱)

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔[1839]

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالا عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و قال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا۔[1840]

(و الخاص عشرۃ) (اور نماز کی سنتوں میں) جو خاص ہیں وہ دس ہیں، یعنی یہ بعض نمازوں اور بعض نمازیوں کے لئے ہے۔

(جھر الامام بالتکبیرات)

تکبیروں کو جہر سے پڑھنا امام کے لئے سنت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تکبیروں کو جہر سے پڑھتے تھے اور اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور آج تک یہ طریقہ جاری ہے اور امام کی تخصیص کی وجہ سے منفرد اور مقتدی سے احتراز ہوا۔

فان قیل۔ تکبیرات کی جہر سے نابینا کو آگاہی دینا مقصود ہے اگر جماعت میں نابینا نہ ہو تو پھر یہ جہر جائز

[1839] (احسن الوعاء، ص ۱۸)

[1840] (ذیل المدعا، ص ۱۸)

نہیں ہونا چاہیئے۔ **قلنا۔** اعتبار جنس کے لئے ہے نہ کہ افراد کے لئے۔ جہر جنسِ اعمٰی یعنی اندھے کے لئے درست ہے۔[1841]

(ومقارنة المقتدی بتکبیر الامام) اور امام کی تکبیر کے ساتھ مقتدی کی تکبیر کا ملا ہوا ہونا سنت ہے یعنی مقتدی کی تکبیر کا شروع امام کی تکبیر کے اتمام کے ساتھ ہو اور یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مبتدی کی تکبیر امام کی تکبیر سے مؤخر ہونی چاہیئے اور اقتداء تکبیر کے بعد ہونی چاہیئے تا کہ امام کے پیچھے اقتداء کی نیت ہو جائے۔ احتیاط: تو مذکور متن نفسِ جواز میں محمول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول احتیاط پر محمول ہے۔

(ومتابعة الامام) اور مقتدی کے لئے امام کی متابعت کرنا سنت ہے۔ **(فی سائر افعاله)** امام کے باقی افعال میں، امام کو حالتِ امامت میں پائے بغیر کیونکہ امام کی متابعت حالتِ امامت میں پانے پر واجب ہے۔ اور یہ واجبات کے باب میں مذکور ہے۔

[1841] قوله جهر الامام أه لان عليا رضی اللہ عنه امر الصحابة رضی اللہ عنهم بذلك وجهر بتكبيرات وما روی عن عائشة رضی اللہ عنها وابن عمر رضی اللہ عنه ان رسول اللہ ﷺ كان يجهر بالتكبير فجوابه ان عائشة رضی اللہ عنها كانت فی صف النساء فلم تسمع وابن عمر رضی اللہ عنه كان صبيا فی أخر صفوف فلم يسمع۔

ترجمہ: کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تکبیراتِ جہر کے ساتھ پڑھنے پر حکم فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود بھی تکبیرات پر جہر فرمایا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد جو حضور ﷺ سے منتقل ہوا ہے آپ ﷺ تکبیرات پر جہر نہیں فرماتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی صف میں ہوتی تھیں اور وہ یہ (تکبیرات) سن نہیں سکتی تھیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ بچوں کی آخری صف میں ہوتے تھے تو وہ بھی تکبیرات نہیں سن نہیں سکتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کا تکبیر میں اتنا ہی آواز بلند کرنا جتنا ضروری ہو سنت ہے۔ ضرورت سے بہت زیادہ اونچی آواز نکالنا مکروہ ہے۔ اس میں تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔)

(والتعوذ واخفاؤہ) اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی، شیطان مردود سے) آہستہ کہنا سنت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَاقَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (سورۃ النحل آیت ۹۸)

ترجمہ: جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی مانگ لیا کرو۔

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یقول قبل القرأت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔[1842]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قرآت سے پہلے "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھتے۔

عن جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل فی الصلوۃ قال۔۔۔اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔[1843]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جب نماز شروع فرمائی تو "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھی۔

عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یتعوذ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔[1844]

[1842] (مصنف عبدالرزاق، باب متیٰ یستعیذ)

[1843] (سنن ابن ماجہ باب الاستعاذۃ فی الصلوۃ)

[1844] (تلخیص الجبیر لابن حجر، ص ۲۱۷، طبع بیروت)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پناہ حاصل کرنے کے لئے "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھتے تھے۔

عن الاسود بن یزید قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتتح الصلوۃ وکبر فقال سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک ثم یتعوذ۔[1845]

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثنا کے بعد "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے" پڑھتے تھے۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پہلی رکعت میں تعوذ منقول ہے، باقی رکعات میں نہیں۔[1846]

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان التعوذ سنۃ القراءۃ فیأتی بہ کل قاری للقراٰن۔۔۔لا یأتی بہ المبتدی۔[1847]

بے شک تعوذ قرأت کی سنت میں سے ہے لہذا قرآن پڑھنے والا ہر شخص اسے پڑھے گا، البتہ مقتدی نہیں پڑھے گا۔

استعاذہ کی شرعی حیثیت

جمہور علماء کے نزدیک نماز کے علاوہ تلاوت قرآن سے پہلے استعاذہ مستحب ہے۔ امام خازن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے سنت لکھا ہے، بلکہ بعض کے نزدیک قرآنی حکم "**فاستعذ**" اس کے وجوب

[1845] (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی التعویذ کیف ھو)

[1846] (تلخیص ابن جبیر لابن حجر، ص ۲۱۸، طبع بیروت)

[1847] (البحر الرائق باب صفت الصلوۃ)

پر دلالت کرتا ہے۔عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ اسقاط وجوب کے لیے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کا تعوذ کافی سمجھتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ قرآنی امر اس کی فرضیت اور وجوب کے لیے نہیں بلکہ ندب اور استحباب کے لئے وارد ہوا ہے۔ اس کا ترک شرعاً گناہ نہیں ہے۔بخاری، سنن اربعہ اور مسند امام احمد میں نماز، تلاوت اور اس کے علاوہ بھی تعوذ کا معمول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ثابت ہے۔

بعض علماء جن میں ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ، داؤد ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں، نے متذکرہ بالا آیت کی ظاہر عبارت سے یہ استنباط کیا ہے کہ استعاذہ کا حکم تلاوت کے بعد کیلئے ہے۔یہ قول مذہب مختار سے مطابقت نہیں رکھتا۔دراصل اس آیت کی ترکیب لفظی درج ذیل آیت کے مماثل ہے۔ جس میں نماز سے پہلے وضو کا حکم صادر کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ (المائدة ٦)

جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منھ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ۔

اگر یہاں بھی صرف ظاہر عبارت کا مفہوم لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ "جب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ تو اپنا منہ دھوؤ" حالانکہ وضو قیام صلاۃ کے بعد نہیں بلکہ پہلے شرط ہے۔چنانچہ اس امر کے پیش نظر تمام مفسرین بالاتفاق إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ کا معنی إِذَا اردتم القيام (جب تم قیام کا ارادہ کرو) کرتے ہیں ۔یہی اصول "آیت استعاذہ" میں بھی کارفرما ہے۔لہٰذا إِذَا قرأت القرآن کا معنی إِذَا اردت القرأةِ (یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے) ہوگا۔احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ذریعے بھی یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔چنانچہ محض ظاہر عبارت

سے اس قول کا استدلال درست نہیں ہے۔بنابریں استعاذہ تلاوت سے قبل ہی مستحب ہے نہ کہ بعد میں۔

تعوذ کیلئے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ،امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ اورامام حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ " اعوذباللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم"[1848] کے الفاظ پسند کیے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ ،امام مالک ،امام شافعی اوردیگر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صرف " اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" کے الفاظ ہی کو مختار قرار دیا ہے۔دونوں اقوال میں کوئی تضاد یاتناقض ہرگز نہیں ۔جس طرح بھی پڑھ لیاجائے درست ہے کیونکہ قرآن کریم میں ایک مقام پراس طرح مذکورہے۔فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (فصلت ٣٦) تو اللہ کی پناہ مانگ بیشک وہی سنتا جانتا ہے۔ان دوآیات کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں کئی مقامات پراستعاذہ کی تلقین کی گئی ہے،اورارشادباری تعالیٰ ہے:وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الاعراف ٢٠٠) اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچادے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔"ایک اور مقام پرارشاد ہوتا ہے۔وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ (٩٧) وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ (المومنون ٩٨) اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں ۔"امام احمد بن حنبل ،طبرانی ،ابن ماجہ اور مسند ابی یعلی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے تعوذ کے الفاظ اس طرح منقول ہیں: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ

[1848] مسنداحمدبن حنبل ج٣ص ٥٠،ج٥ص ٢٦۔

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، مِنْ هَمْزِهِ، وَنَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ۔[1849] اے اللہ بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے اس کی سرکشی اور اس کے وسوسوں سے۔

استعاذہ کا معنی و مفہوم

استعاذہ کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے تین الفاظ کے معانی پر غور کرنا ضروری ہے۔اعوذ، الشیطان، اور الرجیم۔

(۱) اعوذ۔عاذ یعوذ سے متکلم کا صیغہ ہے۔یہ "عوذ" سے مشتق ہے۔جس کا معنی کسی سے التجا کرنا ہے۔کہا جاتا ہے۔"عاذ فلان بفلان" فلاں نے فلاں سے التجا کی ہے۔"متنبی کہتا ہے۔

یامن الوذ بہ فیما اوملہ ومن اعوذبہ ممن احاذرہ

حافظ ابن کثیر نے استعاذہ کا معنی یوں بیان کیا ہے:

"ھی الالتجاء الی اللہ تعالیٰ و الالتصاق بجنابہ من شر کل ذی شر۔[1850]

استعاذہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے اور ہر صاحب شر کے شر سے پناہ حاصل کرنے کیلئے اس کی بارگاہ سے وابستہ و منسلک ہو جانے کو کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: العوذ، الالتجاء الی الغیر و التعلق بہ۔[1851] عوذ کسی دوسرے سے التجاء کرنے اور اس سے منسلک رہنے کو کہتے ہیں۔"مختصر یہ کہ استعاذہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے دو چیزوں پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ سے التجاء واستدعا اور اس کے دامن رحمت سے "تعلق ووابستگی"کسی سے التجاء واستدعا کے بعد وابستگی اس ذات سے رشتہ

[1849] سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۶۵، مسند ابن الجعد ج ۱ ص ۳۲، مسند ابن أبي شيبة ج ۱ ص ۱۴۰۔

[1850] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵۔

[1851] المفردات ص ۳۵۲۔

امید جوڑ لینے کو ہی کہتے ہیں ۔صاف ظاہر ہے کہ التجاء واستدعا ہمیشہ کسی نہ کسی غرض اور مقصد کیلئے ہوتی ہے۔جب کوئی مستدعی کسی شخص سے اپنی التجاء بیان کرتا ہے تو اس کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہ سکتی ہیں ۔ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی التجاء کے مقصد و مدعا کے پورا ہونے کی امید قائم رہے اور کامیابی ہو،دوسری یہ کہ ناکامی ہو یعنی اس ذات سے آرزو کے پورا ہونے کی امید باقی نہ رہے۔پہلی صورت میں ملتجی کا تعلق ملتجی الیہ سے قائم و دائم رہتا ہے کیونکہ تکمیل مدعا کی امید رشتے کو بحال رکھتی ہے اور دوسری صورت میں جب کہ ملتجی کی کوئی امید باقی نہ رہے اور تکمیل مدعا کی آرزو پوری نہ ہو سکے تو وہ تعلق جو التجاء واستدعا سے قائم ہوا تھا ختم ہو جاتا ہے۔چنانچہ التجاء کے بعد تعلق و وابستگی کا قائم رہنا تکمیل آرزو کی امید کی دلیل ہے۔لہذا **تعوذ،** یا **استعاذہ** التجاء اور امید تکمیل دونوں کا نام ہے کیونکہ **تعوذ** ذات حق سے پناہ مانگنا اور پناہ مل جانے کی کامل امید رکھنا دونوں کو شامل ہے"اس لئے **اعوذ** کی معنوی وسعت پکار پکار کر بندگان خدا سے کہہ رہی ہے کہ ہر فتنہ وشر سے پناہ کی التجاء اللہ تعالیٰ سے کرو اور پھر اس کے دامن رحمت سے پر امید ہو کر وابستہ رہو، تمہیں ہر حال میں پناہ مل کر رہے گی۔کیونکہ سوال وعطا دونوں کا مرجع و مرکز رب ذوالجلال ہے۔" **اعوذ** "میں بارگاہ صمدیت کی کس قدر عظمت پنہاں ہے۔آپ جتنے انہماک سے اس لفظ کی معنوی وسعت میں گم ہوں گے۔بارگاہ الوہیت کے لطف وانعام کے اتنے ہی نظارے نصیب ہوں گے۔

(۲)**الشیطان۔**دوسرا لفظ"**الشیطان**" ہے جس کے مادے کے بارے میں دو قول ہیں :ایک "**الشیطان**" یہ **شطن** لفظ سے مشتق ہے اور دوسرا یہ "**شاط**" سے مشتق ہے۔دونوں قول درج ذیل ہیں:

(۱)امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الشیطان النون فیہ اصلیۃ وھو من شطن ای:تباعد"۔[1852]

لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اوروہ شطن سے نکلاہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔

لغت عرب میں کہاجاتاہے:"غربۃ شطون"(دور کی مسافری)امیہ بن ابی الصلت ،نابغہ ذبیانی اور سیبویہ نے یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال کیاہے۔اہل عرب کہتے ہیں: "تشیطن فلان"(فلاں نے شیطانی فعل کیا)حافظ ابن کثیر کا کہناہے کہ صحیح یہی ہے کہ شیطان "بعد"کا معنی رکھتاہے اوراسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے۔

(۲)امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرا قول بھی بیان کیاہے:

قیل بل النون فیہ زائدۃ من شاط یشیط احترق غضبا، فالشیطان مخلوق من النار کمادل علیہ (وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ (الرحمن ۱۵)اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لو کے سے)۔[1853]

یہ بھی کہاگیاہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ شاط یشیط سے مشتق ہے۔جس کا معنی"غصے میں جلنا"ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے جیساکہ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد،بغض ،عناد سے عبارت ہے۔خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان رحمت حق اور نیکی سے دوری پر دلالت کرتاہے اوردوسرے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان غصہ وحسد،بغض وعناداور تکبر ونخوت کی آگ پر دلالت کرتاہے۔

[1852] المفردات ص ۲٦۱۔

[1853] المفردات ص ۲٦۱۔

(۳)الرجیم: تیسرا لفظ "الرجیم" ہے جس کا مادہ رجم ہے۔ الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے۔ بنابریں الرجم، الرمی بالرجام (پتھر سے مارنا) کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جس پر پتھراؤ کیا گیا ہو اسے "مرجوم" کہتے ہیں۔ قرآن میں مذکور ہے کہ قوم نوح نے تبلیغ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا: قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَانُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ (الشعراء۱۱٦) "بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔" اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (الملک۵) اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے مار کیا اور ان کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار فرمایا۔""الرجیم "دراصل فعیل کے وزن پر مفعول ہے جو "مرجوم "یعنی مطرود عن الخیر (خیر اور نیکی سے بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔"الرجیم" کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل کے طور پر راجم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کرتے ہیں ۔لانه يرجم الناس بالوساوس۔[1854] کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔" قرآن حکیم میں مذکور ہے: الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (الناس ٦) وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی۔"لہٰذا"الرجیم" کے دونوں معنیٰ میں خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا اور وسوسہ اندازی کرنے والا قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔[1855]

[1854] تفسیر ابن کثیر ج ا ص ١٦ ۔

[1855] بسم اللہ کے فضائل و برکات ص ۳۳۔مصنف مولانا روح اللہ نقشبندی۔

ابلیس جس کو شیطان کہا جاتا ہے، یہ فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا جو آگ سے پیدا ہوا تھا لیکن یہ فرشتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اور دربارِ خداوندی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے بلند درجات و مراتب سے سرفراز تھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ابلیس چالیس ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا اور اسی ہزار برس تک ملائکہ کا ساتھی رہا اور بیس ہزار برس تک ملائکہ کو وعظ سناتا رہا اور تیس ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا اور ایک ہزار برس تک روحانیین کی سرداری کے منصب پر رہا اور چودہ ہزار برس تک عرش کا طواف کرتا رہا اور پہلے آسمان میں اس کا نام عابد، اور دوسرے آسمان پر زاہد، اور تیسرے آسمان میں عارف، اور چوتھے آسمان میں ولی، اور پانچویں آسمان میں تقی، اور چھٹے آسمان میں خازن، اور ساتویں آسمان میں عزازیل تھا اور لوح محفوظ میں اس کا نام ابلیس لکھا ہوا تھا اور یہ اپنے انجام سے غافل اور خاتمہ سے بے خبر تھا۔[1856]

ابلیس کے باپ کا نام خبلیث تھا جس کی شکل شیر کی مانند تھی۔ ابلیس کی ماں کا نام نبلیت تھا جس کی شکل بھیڑیئے کی مانند تھی۔ عزازیل اپنے باپ کی وجہ سے طعنوں کا شکار ہوتا تھا۔ عزازیل کا حال اور اس کا انجام اس طرح ہوا کہ اس جن زادہ کو فرشتے قید کر کے آسمان پر لے گئے اور اس نے وہیں آسمانوں پر نشوونما پائی اور دن بدن ترقی کے مدارج طے کرتا رہا یہاں تک کہ اس منصب پر فائز ہوا جو اسکی حیثیت سے بہت بلند تھا، یہ ملائکہ کی تعلیم و تربیت کا تھا۔[1857]

[1856] (صاوی ج ۱، ص ۲۲، جمل، ج ۱ ص ۴۱، غرائب القرآن ص ۲۰)

[1857] (معارج النبوّۃ فی مدارج الفتوت، مصنفہ ملّا معین الواعظ الھروی، ص ۳۷۰)

(والتسمية بعده واخفاؤها) اوربسم اللہ الرحمن الرحیم کو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کے بعد آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ, قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَقْرَأُ: {بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} الفاتحة: 1 فِي صَلَاتِهِ[1858]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی عادت مبارک تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنی نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے۔

عن عبداللہ بن عباس: كان النبيُّ صلّى اللہُ عليه وسلَّم يَفتَتِحُ صلاتَه ببسمِ اللہِ الرحمنِ الرحيم۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ نماز شروع فرماتے تھے۔[1859]

عن عبداللہ بن عمر أنَّ النَّبيَّ صلّى اللہُ عليْهِ وسلَّمَ كان يفتتحُ القراءةَ بِبِسمِ اللہِ الرَّحمنِ الرحيم۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قرأت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے۔[1860]

عن جابر بن عبداللہ كيفَ تقرَأُ إذا قُمتَ إلى الصلاةِ؟ قلتُ: أقرَأُ: الحمدُ للہِ ربِّ العالمَينَ، فقال: قُلْ بسمِ اللہِ الرحمنِ الرحيمِ۔

[1858] (سنن الدار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم ج ۲ ص ۲۵)
[1859] (سنن الدار قطنی باب وجوب القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ)
[1860] (مسند أحمد رقم الحدیث ۱۲۹۷۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ جب نماز پڑھتے ہو تو قرأت کیسے کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا میں "الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہوں" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا "تم بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی پڑھا کرو۔[1861]

عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ: {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} الفاتحة: 1، ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ حَتَّى إِذَا بَلَغَ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} الفاتحة: 7 فَقَالَ: «آمِينَ». فَقَالَ النَّاسُ: آمِينَ وَيَقُولُ: كُلَّمَا سَجَدَ «اللهُ أَكْبَرُ»، وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الِاثْنَتَيْنِ قَالَ: «اللهُ أَكْبَرُ»، وَإِذَا سَلَّمَ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی۔ جس وقت وہ "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" پر پہنچے تو انہوں نے آمین کہی تو لوگوں نے بھی آمین کہی اور سجدہ میں جاتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو کعت پڑھ کے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب سلام پھیرا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری نماز تم لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مشابہ ہے۔"[1862]

[1861] (سنن الدار قطنی باب وجوب القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ) الشوکاني (١٢٥٥هـ)، الفتح الرباني ٦/٢٦٩١•نيل الأوطار ٢/٢٢٠•

[1862] (سنن النسائی، باب القراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

حضرت عمر بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے شروع فرماتے تھے۔[1863]

تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے جیسے متن میں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمل تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھنے کا تھا اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا عمل تھا۔ تعوذ اور تسمیہ چونکہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں لہذا جہری نمازوں میں امام الحمد للہ سے جہر کرے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے دو سکتے (یعنی دو مقام پر خاموش رہنا) یاد رکھے ہیں۔ جب نماز شروع فرماتے (ثناء، تسمیہ و تعوذ پڑھنے کے لئے) اور جب قرأت سے فارغ ہوتے۔ پھر بعد میں فرمایا جب "**ولا الضالین**" پڑھتے۔[1864]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی لیکن کسی کو بھی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔[1865]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم **بسم اللہ الرحمن الرحیم** آہستہ پڑھتے تھے۔[1866]

[1863] (مصنف عبد الرزاق باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

[1864] (سنن ابی داؤد، باب السکتۃ عند الافتتاح)

[1865] (سنن الترمذی، باب افتتاح القراءۃ بالحمد للہ رب العلمین)

[1866] (مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، ج ۲ ص ۱۱۶، طبع مکتبۃ الرشید الریاض)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم **بسم اللہ الرحمن الرحیم** آہستہ پڑھا کرتے تھے۔[1867]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم "**الحمد للہ رب العالمین**" سے قرأت شروع فرماتے تھے، "**بسم اللہ الرحمن الرحیم**" نہ قرأت کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قرأت کے آخر میں۔[1868]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے اور قرأت "**الحمد للہ رب العالمین**" سے شروع فرماتے۔[1869]

استدلال: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم الحمد للہ شروع کرنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ آہستہ آواز میں پڑھ کر اونچی آواز سے قرأت یعنی **الحمد للہ رب العالمین** شروع فرماتے تھے اگر تعوذ اور تسمیہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے تو اس حدیث میں اس کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا۔

حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما **بسم اللہ الرحمن الرحیم**، تعوذ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔[1870]

[1867] (جامع المسانید للخوارزمی، ج ۱ ص ۷ ۴ ۴، طبع بیروت، لبنان)
[1868] (صحیح مسلم باب حجۃ من قال لا یجھر بسملہ)
[1869] (مصنف عبد الرزاق، باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)
[1870] (سنن طحاوی باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلاۃ)

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا عمل ہے۔[1871]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے: تسمیہ، ثناء، اعوذ باللہ اور آمین۔[1872]

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور فقہاء (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) امت کا مسلک

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ تعوذ اور تسمیہ آہستہ کہنا سنت ہے جن میں خلفاء راشدین اور دیگر حضرات، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

علامہ ابن قیم کا بصیرت آموز بیان

وَبِهَذَا الطَّرِيقِ عَلِمْنَا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ هَدْيُهُ الْجَهْرَ بِالْبَسْمَلَةِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ دَائِمًا مُسْتَمِرًّا ثُمَّ يُضِيعُ أَكْثَرُ الْأُمَّةِ ذَلِكَ وَيَخْفَى عَلَيْهَا، وَهَذَا مِنْ أَمْحَلِ الْمُحَالِ۔[1873]

ترجمہ: اور اسی طریقے سے ہم نے معلوم کر لیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا معمول مبارک اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے کا نہیں تھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم شب وروز میں پانچ مرتبہ دوام و استمرار کے ساتھ

[1871] (مجمع الزوائد باب فی بسم اللہ الرحمن الرحیم)
[1872] (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم)
[1873] (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱، ص ۲۶۳، طبع بیروت)

اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوں، جب ان کے بعد اکثر امت اس کو ضائع کر دے اور یہ بات ان پر مخفی رہے؟

پس **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم** میں معرفتِ صفت، وقت، قائل اور کیفیت سے لابدی یعنی لاچاری ہے۔ پس صفت جو ہے تو وہ **اعوذ باللہ الخ** ہے، اور عام علماء کے مذہب پر یہ سنت ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ جب حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں فرمایا "**تعوذ باللہ من الشیطان الرجیم الانس والجن**" اور اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نماز کی نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم **اعوذ باللہ الخ** ثناء کے بعد قرأت سے پہلے پڑھتے تھے اور وقت جو ہے تو یہ بعد الثناء اور قبل القرأت ہے۔ اور قائل جو ہے تو وہ امام اور منفرد ہے اور کیفیت جو ہے تو وہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** ہے، قرأت کی ابتداء اول رکعت میں اتفاق روایات کے ساتھ اور دوسری رکعات میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایات ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ پڑھے گا، یہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ تسمیہ فاتحہ سے ہے اور یا کہ نہیں اور فاتحہ ہر رکعت میں پڑھنا ہے تو تسمیہ بھی پڑھے کہ شبہ خلاف سے خارج ہو جائے اور دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ دوسری رکعات میں بسم اللہ نہ پرھے، اور اعوذ باللہ پہلی رکعت کے علاوہ باقی رکعات میں اتفاق کے ساتھ نہ پڑھے۔

(وھذہ الاربعة للامام والمنفرد) اور یہ چاروں (تعوذ اور اخفاء اور تسمیہ اور اخفاء) اخفاء کی حالت میں امام اور منفرد کے حق میں سنت ہے، مطلقاً مذہب حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں مقتدی

تعوذ اور تسمیہ نہیں کہے گا، اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تعوذ اور تسمیہ مقتدی کے حق میں بھی امام اور منفرد کی طرح مسنون ہے۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول پر فتویٰ ہے کہ مقتدی تعوذ اور تسمیہ نہیں کہے گا، اور مسبوق قضاء ما سبق میں دونوں کو پڑھے گا۔ کیونکہ یہ قضاء ما سبق میں منفرد کی طرح ہے۔ طرفین (رحمۃ اللہ علیہم) کے مذہب میں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

(والتأمین) امام، منفرد اور مقتدی پر جہری نماز میں آمین کہنا سنت ہے اور اس طرف خفی نماز میں ولاالضالین سننے کے وقت اور فقہاء کے نزدیک امام کے لئے بغیر تشدید سے مد کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔ اہل لغات کے نزدیک قصر کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے اور تشدیدِ مد کے ساتھ خطا ہے۔ فاحشاً مفسداً۔ علماء کے حق میں، نہ کہ عوام کے حق میں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اذا امن الامام فامنوا فان الملائکۃ یؤمنون فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر۔ آمین۔ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ "میں نے جو کچھ کہا ہے، ایسے ہو جائے" (سراً) (آمین) آہستہ کہنا سنت ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اربع یخفیھن الامام الثناء والتعوذ والتسمیۃ وآمین۔ پس اخفاء، ثناء اور تعوذ جو ہے، یہ اتفاق کے ساتھ ہے اور اخفاء تسمیہ و آمین جو ہے یہ ہمارے مذہب میں ہے۔ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں تسمیہ اور تأمین جہر کے ساتھ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز میں تسمیہ کے ساتھ جہر فرماتے تھے وعلق تأمین القوم بتأمین الامام۔ اور تعلق امام کی آمین کے ساتھ جہر کرنے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اگر مسموع نہ ہو جائے تو تعلق کا فائدہ باقی نہیں رہتا۔ قلنا۔ (ہم کہتے ہیں) کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا جہر کے ساتھ پڑھنا ابتداء اسلام پر

محمول تھا پھر بعد میں اس قولِ خداوندی کی وجہ سے یہ عمل منسوخ ہو گیا: **ادعوا ربکم تضرعا وخفية** اور یا تعلیم پر محمول ہے کیونکہ ان چاروں میں سے ایک دعاء ہے اور ان پر جہر منسوخ ہے۔

(لهما) امام اور منفرد کے لئے مطلق نماز میں جہر ہو کہ خفی آمین کا آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

(وللمقتدی فی الجهرية) اور مقتدی کے لئے جہری نماز میں آمین کہنا سنت ہے۔

(ایضا والتسميع للامام) اور امام کے لئے بغیر اشباع کے وقف کے ساتھ **سمع الله لمن حمده** کہنا سنت ہے۔

(وللمقتدی التحميد) اور مقتدی کے لئے "**اللهم ربنا ولک الحمد**" کہنا سنت ہے۔ **ای قبل الله حمد من حمد**۔ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام **تسميع** اور **تحميد** کو جمع کرے کیونکہ اس (امام) نے غیر کی تحریض کی لہذا اپنے آپ کو نہ بھلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسكم**۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **اذا قال الامام سمع الله لمن حمدة قولوا اللهم ربنا ولک الحمد**۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تقسیم فرمائی ہے اور تقسیم شرکت کے لئے منافی ہے اور امام اپنے نفس کو بھلانے والا نہیں ہے کیونکہ اس نے حمد پر دلالت کی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: **الدال بالخير كفاعله والدال بالشر كفاعله**۔ اور حمد کی **کیفیت ربنا لک الحمد, اللهم ربنا لک الحمد ربنا ولک الحمد** اور **اللهم ربنا ولک الحمد**۔ ان چاروں میں سے آخری اللهم ربنا ولک الحمد بہتر ہے اور یہ چاروں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہیں۔ **(وللمنفرد الجمع)** اور منفرد کیلئے تسمیع اور تحمید کو جمع کرنا سنت

ہے اٹھتے وقت تسمیع کہے تو تسمیع کی ابتداء اٹھنے کی ابتداء ہی میں ہو گی اور تسمیع کی انتہاء اٹھنے کی انتہاء میں ہو گی اور تحمید کو قومہ میں پڑھیں گے۔ (فی ای صلوۃ) اور مفرد کیلئے ہر نماز میں چاہے وہ فرض نماز یا کہ نفلی، وقتی نماز ہو یا کہ قضاء تسمیع اور تحمید کو جمع کرنا سنت ہے کیونکہ منفرد اپنے نفس کا امام ہے تو تسمیع پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے تحمید کہنے والا کوئی نہیں لہذا تحمید بھی خود ہی پڑھے گا اتفاق کے ساتھ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تنہائی کی حالت میں ان دونوں کو نماز میں پڑھا کرتے تھے۔

(وافتراش رجلہ الیسریٰ) بائیں پاوں کو بچھانا سنت ہے۔ (علی الارض) زمین پر۔ (للجلوس علیھا) اس (بائیں پاوں پر) بیٹھنے کے لئے۔ (مع نصب الیمنیٰ) دائیں پاوں کو کھڑا کرے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے من سنۃ الصلوۃ ینصب القدم الیمنی ویستقبل الصابعھا الی القبلۃ ویجلس علی الیسریٰ۔ (فی القعدۃ للرجال) قعدہ اول اور آخر میں مردوں کے لئے اور دو سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں بھی ہمارے مذہب میں اس کیفیت یعنی اس طریقے سے بیٹھنا سنت ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں تورک یعنی سُرین زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف آخری قعدے میں تورک سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صرف دوسرے قعدے میں تورک فرمایا تھا۔ قلنا۔ (ہم کہتے ہیں) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم نے قعدہ میں تورک کرنے سے منع فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا آخری عمر میں تورک کرنا حالتِ ضعف پر محمول ہے۔

(وللنساء التورک) اور عورتوں کے لئے تورک سنت ہے کیونکہ عورت ہر حال میں ستر میں ہے اور تورک کے ساتھ ستر اچھے طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا شرعی حکم

امام جب مسجد کے اندر ہو یعنی محراب کے قریب ہو تو اس وقت حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت مبارک، تابعین کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اور اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہیں۔ ترتیب وار دلائل حاضر ہیں۔

اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت مبارک ہے

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت عن علقمة عن أمه عن أم حبيبة ان رسول الله ﷺ كان فی بيتها فسمع المؤذن فقال كما يقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول الله ﷺ الی الصلوة۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے اور موذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب موذن نے

حی علی الصلوۃ کہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[1874]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی روایت کرتے ہیں:

حدثنا اسحاق بن ابراھیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت یعنی ابن دینار عن علقمه عن أمه عن أم حبیبة ان رسول اللہ ﷺ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوۃ۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[1875]

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق عتکی بزار روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا محمد بن المثنی قال اخبرنا الحجاج بن فروخ عن العوام بن حوشب عن عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوۃ نهض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔

[1874](مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۱ رقم الحدیث ۱۸۵۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[1875](المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث ۴۸۵ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۲۳۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (فتح الرحمن فی اثبات مذھب النعمان ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاھور)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ "قد قامت الصلوۃ" کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تکبیر کے ساتھ کھڑے ہوتے۔[1876]

دیوبند مسلک کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں۔

٦ . . . عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قدقامت الصلوۃ نہض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[1877]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب **قدقامت الصلوۃ** کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کھڑے ہوتے تھے۔[1878]

نیز محمد شفیع دیوبندی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن **قد قامت الصلوۃ** پر پہنچتا تھا اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔[1879]

ظفر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

[1876] (البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج ٨ ص ٢٩٨ رقم الحدیث ٣٣٧١ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ٢ ص ٢٥٠ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الکبری بیہقی ج ٢ ص ٣٥ رقم الحدیث ٢٢٩٧ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1877] (ذکرہ فی مجمع الزوائد عن مسند عبد الرزاق)

[1878] (جواہر الفقہ ج ١ ص ٣١٣ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

[1879] (جواہر الفقہ ج ١ ص ٣١٥ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

عن عبداللہ بن ابی اوفی قال اذا قال بلال قد قامت الصلوۃ نھض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر (أی متلبسا بہ ۱۲ منہ) رواہ البزار و فیہ الحجاج بن فروخ و ھو ضعیف (مجمع الزوائد) قلت ذکرہ ابن حبان فی الثقات کما فی اللسان (۲:۱۷۹) فھو حسن الحدیث۔

ترجمہ: نعیم احمد دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں ”عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ جب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد قامت الصلوۃ کہتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تکبیر کے ساتھ کھڑے ہو جاتے (یعنی مصلی پر کھڑے ہو کر تکبیر کہتے)۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حجاج بن فروخ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد)۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے پس حدیث حسن ہے۔[1880]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی روایت کرتے ہیں:

وروینا عن انس بن مالک انہ اذا قیل قد قامت الصلوۃ وثب فقام و عن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھما انہ کان یفعل ذلک و ھو قول عطاء و الحسن۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب قد قامت الصلوۃ کہا جاتا تو وہ جلدی سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہی عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔[1881]

حافظ ابو عمر و ابن عبد البر مالکی کہتے ہیں:

[1880] (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)، (احیاء السنن ترجمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۶۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[1881] (السنن الکبری بیھقی ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدثنا عثمان بن ابی شیبة قال حدثنا ابن المبارک عن ابی یعلی قال رأیت انس بن مالک اذا قیل قدقامت الصلوۃ قام فوثب۔

ترجمہ: حضرت ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ جب قدقامت الصلوۃ کہا گیا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔[1882]

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی لکھتے ہیں:

عبدالرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء انه یقال اذا قال المؤذن قدقامت الصلوۃ فلیقم الناس حینئذ؟ قال نعم۔

ترجمہ: ابن جریج فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مؤذن قدقامت الصلوۃ کہے تو لوگ اس وقت کھڑے ہو جائیں؟ تو فرمایا ہاں۔[1883]

عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن علیة عن خالد عن ابی معشر عن ابراهیم قال: کان اذا قال المؤذن حی علی الصلوۃ قام فاذا قال قدقامت الصلوۃ کبر۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن (اقامت میں) حی علی الصلوۃ کہتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور مؤذن جب قدقامت الصلوۃ کہتا تو تکبیر کہتے۔[1884]

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی روایت کرتے ہیں:

[1882] (التمهید ابن عبدالبر ج ۴ ص ۱۷۴ مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت)، (اکمال المعلم بفوائد مسلم شرح مسلم قاضی عیاض ج ۲ ص ۵۵۷ مطبوعه دارالوفاء بیروت)

[1883] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۵ رقم الحدیث ۱۹۳۶ مطبوعه مکتب الاسلامی بیروت)

[1884] (مصنف ابن ابی شیبه ج ۱ ص ۴۴۲ رقم الحدیث ۴۰۹۱ مطبوعه دارالفکر بیروت)

اخبرنا عبداللہ، حدثنا عبدالحمید، حدثنا الخضر، حدثنا ابوبکر قال حدثنا سفیان بن عیینة عن ابن عجلان عن ابی عبید قال سمعته یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز بحناصرة یقول حین یقول المؤذن قد قامت الصلوة قوموا قد قامت الصلوة۔

ترجمہ: ابو عبید سے ابن عجلان بیان کرتے ہیں کہ ابو عبید نے کہا میں نے عمر بن عبد العزیز کو مقام حناصرۃ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو۔[1885]

تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے کہ جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو اور مؤذن حی علی الفلاح کہے تو سب لوگ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور اسی پر تمام فقہاء احناف کا فتوی ہیں۔ چند حوالاجات ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو یوسف یعوب بن ابراہیم لکھتے ہیں:

عن ابیه عن ابی حنیفة عن طلحة عن ابراهیم النخعی انه قال اذا قال المؤذن حی علی الفلاح قام القوم فی الصف۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو قوم صف میں کھڑی ہو۔[1886]

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

محمد قال اخبرنا ابو حنیفة قال حدّثنا طلحة بن مصرف عن ابراهیم قال اذا قال المؤذن ”حی علی الفلاح“ فانه ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا فاذا قال المؤذن ”قد قامت الصلوة“

[1885] (التمہید ج ۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1886] (کتاب الآثار امام ابو یوسف ص ۱۹ مطبوعہ المعارف النعمانیہ قاھرہ)

كبر الامام قال محمد رحمة الله تعالى عليه و به نأخذ و هو قول أبى حنيفة رحمة الله تعالى عليه۔ [1887]

ابو الفتح محمد صغیر الدین دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

طلحہ سے روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو لائق ہے کہ اٹھ کھڑے ہوں اور صفیں باندھیں اور جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت امام تکبیر تحریمہ کہے امام محمد نے کہا کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔ [1888]

استاد الفقیہہ الشیخ ابو الوفا افغانی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

قلت و الحديث اخرجه الامام ابو يوسف فى آثار ص (١٩) و فى كتاب الاصل للامام محمد قلت فمتى يجب على القوم ان يقوموا فى الصف قال اذا كان الامام معهم فى المسجد فانى احب لهم ان يقوموا فى الصف اذا قال المؤذن حى على الفلاح فاذا قال قد قامت الصلوة كبر الامام و كبر القوم معه۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف نے آثار ص (١٩) میں اور امام محمد نے کتاب الاصل میں روایت کی میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں اور جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو امام اور قوم تکبیر کہیں۔ [1889]

یہی امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

[1887] (کتاب الاثار امام محمد ص ١٢ برقم ٦٣ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[1888] (کتاب الاثار مترجم ص ٣٥_٣٦ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

[1889] (حاشیہ کتاب الاثار ج ١ ص ١٠٨ مطبوعہ المعارف الشرقیۃ چھتہ بازار حیدرآباد دکن ھند)

قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف؟ قال اذا کان الامام معھم فی المسجد فانی احب لھم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں[1890]۔

یہی امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تیسری کتاب میں لکھتے ہیں:

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا و یسووا الصفوف و یحاذوا بین المناکب۔[1891]

دیوبندیوں کے استاد حدیث محمد حسن صدیقی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اپنی صفیں سیدھی کریں اور اپنے کندھوں کو کندھوں سے ملائیں[1892]۔

علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی لکھتے ہیں:

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی "الاصل" اذا کان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ: فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں کہ امام جب مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو کھڑے ہوں امام اور قوم حی علی الفلاح کے وقت۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک۔[1893]

[1890] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)
[1891] (مؤطا امام محمد ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
[1892] (مؤطا امام محمد مترجم ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ حسان کراچی)
[1893] (فتاوی تاتارخانیہ ج ۱ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

(و القیام) امام و مؤتم (حین قیل حی علی الفلاح)[1894]

احسن نانوتوی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اور مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدی کو جب کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کہا جائے۔[1895]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله حين قيل حي على الفلاح كذا في الكنز و نور الايضاح و الاصلاح و الظهيرية و البدائع و غيرها و الذى في الدرر متنا و شرحا عند الحيعله الاولى يعنى حين يقال حي على الصلوة و عزاه الشيخ اسماعيل في شرحه الى عيون المذاهب و الفيض و الوقايه و النقايه و الحاوى و المختار اهقلت و اعتمده في متن الملتقى و حكى الاول بقيل لكن نقل ابن الكمال تصحيح الاول و نص عبارته قال في الذخيره يقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة۔

ترجمہ: امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس کو کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور درر کی متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلوۃ پر قیام کریں۔ شیخ اسماعیل نے اپنی شرح عیون المذاہب اور فیض اور وقایہ اور نقایہ اور حاوی اور مختار میں نقل کیا میں کہتا ہوں کہ ملتقی کے متن میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اور ابن کمال نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا اور ذخیرہ میں کہا گیا ہے کہ امام اور مقتدی حضرات جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس

[1894] (الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1895] (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

وقت کھڑے ہوں۔ علمائے ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک۔[1896]

ملا نظام الدین لکھتے ہیں:

ان کان المؤذن غیر الامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ و ھو الصحیح۔[1897]

سیّد امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اگر مؤذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو مؤذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اس وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور مقتدی کھڑے ہو جاویں۔ یہی صحیح ہے۔[1898]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اس لئے اس کے بعد کسی حنفی کو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے کا حق نہیں۔

فقیہ اعظم مفتی امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال اس کے متعلق موجود ہیں۔ ائمہ ثلاثہ بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ امام و مقتدی اس وقت کھڑے

[1896] (فتاوی شامی ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1897] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳-۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1898] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے۔ شروع سے کھڑے ہو جانا نہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا قول۔ پس حنفی کو چون وچرا اس کی اصلاً گنجائش نہیں۔[1899]

اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

اب رہا اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کا مسئلہ تو اس کو بھی تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی روایت کرتے ہیں:

عبدالرزاق عن التیمی، عن ابی عامر، عن معایۃ ابن قرۃ قالوا: کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلوۃ حین یاخذ المؤذن فی اقامتہ۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ و تابعین) اس کو مکروہ جانتے تھے کہ نماز میں مؤذن کے اقامت شروع کرتے ہی اٹھ کھڑا ہو۔[1900]

امام عبد الرزاق بن ہمام صغانی روایت کرتے ہیں:

عن عطیۃ قال کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ المؤذن فی الاقامۃ قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلوۃ فقوموا۔

[1899] (فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

[1900] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۸۱۔۴۸۲ رقم الحدیث ۱۸۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: عطیہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہنا شروع کر دی تو ہم کھڑے ہو گئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ جب وہ **قدقامت الصلوۃ** کہے تو کھڑے ہونا۔[1901]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان مبارک

عن الحسن انہ کرہ ان یقوم الامام حتی یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی سے روایت ہے کہ آپ مکروہ سمجھتے تھے کہ امام مؤذن کے قدقامت الصلوۃ کہنے سے پہلے کھڑا ہو۔[1902]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

و کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول لا تقوموا للصلوۃ حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤذن جب تک قد قامت الصلوۃ نہ کہے نماز کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔[1903]

امام بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

کرہ ھشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قدقامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت ہشام ابن عروہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قدقامت الصلوۃ کہے۔[1904]

[1901] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۱۹۴۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر للسیوطی ج ۲۰ ص ۳۹۱ رقم الحدیث ۱۷۳۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1902] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۳ رقم الحدیث ۴۰۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1903] (کشف الغمہ امام شعرانی ص ۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[1904] (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام شمس الدین بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وفی الکلام ایماء الی انہ لو دخل المسجد احد عند الاقامۃ یقعد لکراھۃ القیام و الانتظار کمافی المضمرات۔

ترجمہ: اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کے دوران مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔[1905]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ویکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: آدمی کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو جائے۔[1906]

ملا نظام الدین لکھتے ہیں:

اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذافی المضمرات۔[1907]

مولوی امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد میں) داخل ہو جائے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح تک پہنچے تو پھر کھڑا ہو جائے۔[1908]

[1905](جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[1906](ردالمحتار علی در المختار ج ۱ ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1907](فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1908](فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفی لکھتے ہیں:

و اذا اخذ المؤذن فی الاقامة و دخل رجل المسجد فانه یقعد و لا ینتظر قائما فانه مکروه کمافی المضمرات قهستانی و یفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة و الناس عنه غافلون۔

ترجمہ: جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اس سے اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ لوگ اس (مسئلے) سے غافل ہیں۔[1909]

ان دلائل سے **اظہر من الشمس** کی طرح واضح ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کسی چیز سے منع کرے اور فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس منع کرے اور اس کو مطلق مکروہ کہے تو اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

جب مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی سنتوں کے بیان سے فارغ ہوا تو نماز کے مستحبات کے بیان کو شروع کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا۔

الباب الرابع فی بیان المستحبات

نماز کے آٹھ بابوں میں سے یہ چوتھا باب ہے جو نماز کے مستحبات کے بیان میں ہے۔[1910]

(**و هی ثلثة و عشرون**) اور یہ (مستحبات) مطلقاً تیئیس (۲۳) ہیں۔ (**العام**) (ان میں سے) جو عام ہے

[1909] (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

[1910] (مستحب وہ عمل ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے سری عمر میں بطریقۂ عبادت ایک دفعہ عمل کیا ہو یا اسے قول فرمایا ہو اور دوسری دفعہ اس قول یا فعل کو ترک کر دیا ہو یا پھر ساری عمر ترک کئے بغیر بطریقۂ عادت کیا ہو، یا پھر اری مر میں بطریقۂ عبادت کیا ہو مگر تین دفعہ اسے ترک کیا ہو اور اس فعل کو بھی مستحب کہا جاتا ہے جسے آنحضرت ﷺ کے اسلاف نے محبوب سمجھا ہو اور اس مستحب کا حکم یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے پر ثواب ہے اور اسے (مستحب) کو ترک کرنے پر عتاب (ملامتی) نہیں۔ مندرجہ بالا تشریح میں اسلاف کا ذکر آیا ہے۔ یہاں اسلاف اور اس کے علاوہ علماء متقدمین خ علیہ الرحمۃف اور علماء متأخرین کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان میں کون لوگ شامل ہیں۔ اسلاف و علماء و متقدمین: (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین تا محمد

(**اربعۃعشر**) چودہ ہیں۔(**ترک الالتفات**) آنکھوں کے گوشوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے کو ترک کرنا مستحب ہے اور تھوڑا سا چہرہ پھیرتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر کرنے میں سنتِ موکدہ کا ترک ہے، اس لئے یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ اور پورا چہرہ پھیرتے ہوئے نظر کرنا واجب کا ترک ہے اس لئے یہ حرام ہے اور سینہ کو پھیرتے ہوئے نظر کرنا فرض کا ترک ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔لہذا مستحب یہ ہے کہ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر ہو، اور رکوع میں قدموں کی پیٹھ پر نظر ہو، سجدے میں ناک کے نرمے پر اور دونوں قعدوں میں سینے اور دونوں ہاتھوں کی درمیانی جگہ پر، اور سلام پھیرنے کے وقت کندھوں کے سروں پر نظر ہو کیونکہ ان جگہوں پر نظر کرنا خشوع و خضوع کی دلیل ہے کیونکہ خاشع (خشوع کرنے والا) اغیار سے منقطع اور خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔(**یمینا وشمالا**) دائیں اور بائیں جانب یعنی مستحب یہ ہے کہ دائیں اور بائیں طرف دیکھنے کو ترک کرے۔ اور یہ ترک کرنا مستحب ہے۔ کما قیل۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے)[1911]

ای کما قال العلماء وینظر الی ظھر القدم فی الرکوع والی موضع سجودہ فی قیام یا کما قیل۔ سے مراد یہ ہے کہ[1912] **کما رخص رسول اللہ ﷺ فی التفات یمنۃ ویسرۃ بموق عینہ** یہ مباح ہے اور اس کا ترک مستحب ہے اور التفات چاہے تھوڑے چہرے کے ساتھ ہو یا سارا چہرہ پھیرتے ہوئے یہ حرام ہے اور اس کا ترک کرنا واجب ہے۔**فان قیل**۔ التفات کو ترک کرنا مستحب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنی آنکھوں کے گوشوں

بن ال حسن الشیبانی رحمھم اللہ اجمعین) خلف: (محمد بن حسن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے شمس الأمۃ والحافظ البخاری علیہ الرحمہ) علماء متأخرین: (محمد بن الحسن الشیبانی علیہ الرحمہ تا حضرت شیخ عبد القادر جیلای رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الی سنہ ۵۰۰ء۔

[1911] یعنی جیسے کہ علماء نے فرمایا ھے کہ رکوع میں اپنے پاؤں کی انگلیوں کو دیکھو اور قیام میں سجدے کی جگہ کو دیکھو۔

[1912] جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کو آنکھوں کے دائیں اور بائیں گوشوں سے دیکھنے کی رخصت دی گئی ھے۔

سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ملاحظہ فرماتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ہر فعل ہمیشہ بہتر ہوتا تھا۔ **قلنا۔** حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا التفات غرضِ صحیحہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا امتحان تھا یا امت کو رخصت کی تعلیم دینا تھا تو اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ التفات نہ کرتے تو یہ التفات حرام ہو جاتا تو اس پر حرمت رفع ہوئی۔ **فان قیل** ۔ کہ ہمارا التفات غرضِ صحیحہ سے خالی ہے تو التفات کا ترک کرنا واجب ہو جانا چاہیئے۔ **قلنا۔** کہ جب نمازی نے اپنی آنکھوں کے گوشوں کے ساتھ نظر کی تو اس میں غرضِ صحیحہ کا احتمال ہے اور یہ احتمال التفات کے عبث سے نکلنے کے لئے کافی ہے اور مستحب نہیں کیونکہ اس میں خشوع کا ترک ہے۔ (**وتغطیة الفم**)اور قیام کی حالت میں دائیں ہتھیلی کے پیٹ سے منہ کو چھپانا یعنی بند کرنا مستحب ہے اور دوسرے حالات میں بائیں ہتھیلی کے پیٹ پر جیسا کہ "زاہدی" میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے۔[1913]

اذا تثاءب احدکم فی الصلوۃ فلیکظم فاہ ما استطاع فان الشیطان یدخل فی فمہ۔ اور اگر ہونٹوں کے بند کرنے پر قادر تھا اور ہونٹ بند نہ کئے مطلقاً یعنی نماز میں یا نماز سے باہر تو یہ ہونٹوں کا بند نہ کرنا مکروہ ہے اور اگر منہ کو ہاتھ کے ساتھ چھپائے تو ایک ہاتھ سے چھپالے۔ (**عند غلبة التثاؤب**) غلبۂ جمائی کے وقت ایک ہاتھ کے ساتھ اچھی طرح کوشش کرنے کے بعد ہونٹوں کو بند

[1913] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اپنی طاقت کے مطابق اپنے منہ کو بند کرے اس لئے کہ اس کے منہ میں شیطان داخل ھو جاتا ھے۔" ردالمحتار ج ۱ ص ۳۵۳ میں جمائی کو دفع کرنے کے لئے ایک مجرب طریقہ بیان کیا گیا ھے اور وہ یہ ھے کہ جب نماز گزار کو جمائی آئے تو یہ تصور کرے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام میں سے کسی ایک نے بھی جمائی نہیں لی، تو میں کیوں کروں، یہ تصور کرنے سے نماز میں کبھی جمائی نہیں آئے گی۔ "قدوری" میں بھی لکھا ھے کہ ھم نے بھی یہ طریقہ کئی دفعہ تجربہ کیا ھے اور یہ صادق طریقہ ھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھے۔

کرنا مستحب ہے تو جب ہونٹوں کو چھپانے سے عاجز ہو جائے تو قیام کی حالت میں منہ پر دائیں ہاتھ کا پیٹ رکھ دے کیونکہ دائیں ہاتھ کا فعل بائیں ہاتھ کے فعل سے قوی ہے بقدرِ امکان عملِ کثیرہ سے احتراز کی وجہ سے اور یہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: **اذا تثاءب احدکم فی الصلوۃ فلیضع یدہ علی فمہ و دفع السعال ما استطاع۔** اور کھانسی کا دفع کرنا مستحب ہے جہاں تک اسے بغیر ضرر اور بغیر اشتغالِ دل کے دفع کرنے کی استطاعت ہو اور اگر بغیر ضرر اور بغیر اشتغالِ دل کے کھانسی کو دفع کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یعنی نہ ہو تو کھانسی کو دفع نہ کرنا بہتر ہے اس قولِ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کی وجہ سے ''کہ کھانسی کو دفع کرنے پر استطاعت رکھنے کے باوجود کھانسی کرنا مکروہ ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مَعَ التَّثَاؤُبِ "[1914] عن أبي هريرة: العُطاسُ من اللهِ، والتَّثاؤُبُ من الشيطانِ، فإذا تثاءب أحدُكم فلْيَضَعْ يدَه على فِيهِ وإذا قال: آهْ آهْ، فإن الشيطانَ يَضْحَكُ من جَوْفِهِ، وإن اللهَ يُحِبُّ العُطاسَ ويَكْرَهُ التثاؤُبَ، فإذا قال الرجلُ: آهْ، آهْ، إذا تثاءب، فإن الشيطانَ يَضْحَكُ من جَوْفِهِ۔[1915] (کما فی التحقیق)

(**وزیادۃ القراءۃ علی ثلث ایات قصار**) اور تین چھوٹی آیات سے قرأت کو زیادہ کرنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مستحب ہے یا تین لمبی آیتوں سے صاحبین علیہ الرحمۃ کے نزدیک فاتحہ اور ضمِ سورۃ کے بعد۔ اور عام بات یہ ہے کہ امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب ہے

[1914] مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۵۴ ناشر مؤسسۃ الرسالۃ۔

[1915] الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٢٧٤٦ •حسن صحيح •أخرجه أبو داود (٥٠٢٨) باختلاف يسير، والترمذي (٢٧٤٦) واللفظ له•. وأخرجه البخاري (3289)، ومسلم (2994)، وابن ماجه (968)، وأحمد (10706)

اور مقتدی پر قرأت نہ ہونے کی وجہ سے خاص ہے۔ **فان قیل۔** مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول کے مخالفت ہو گی کہ [1916]

و القراءۃ علی القدر المروی۔ قلنا۔ ثلثہ خاص ہے اور مروی عام ثلثہ اور ما فوق کے لئے شامل ہے یا لفظ ثلثہ عام کے قبیلے سے ہے اور مروی خاص کے قبیلے سے۔ **فان قیل۔** مروی خاص کے قبیلے سے کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مروی جس طرح امام کے لئے ہے اس طرح منفرد کے لئے بھی۔ اس لئے اس کو عام کے قبیلے سے ہونا چاہیئے۔ **قلنا۔** مسلمان کے حال کے مناسب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ نہ کہ اکیلے اس وجہ سے مروی کو خاص قسم میں ذکر کیا۔ (**و الترتیل فی القراءۃ**) اور قرآن عظیم الشان، اذکار اور نماز کے ارکان میں ترتیل کرنا مستحب ہے۔ ترتیل کی دو اقسام ہیں ایک فقہاء کے مذہب کے ساتھ خاص ہے اور دوسری قراء کے مذہب کے ساتھ۔ اول قسم حروف، کلمات اور آیات کو ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ادا کرنا ہے اور دوسری ترتیل یہ ہے کہ حرورف کو ان کی صفات اور اخفاء و اظہار، تشدید و تخفیف اور وقوف و تنوین کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے مخارج سے ادا کیا جائے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترتیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ **اداء الحروف بوقوفھا و صفاتھا۔** یعنی حروف کو وقوف اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنا ترتیل کہلاتا ہے۔ **فان قیل۔** (اگر سوال کیا جائے) ترتیل [1917] نص کی وجہ سے مامور بہ ہے اور مامور بہ واجب ہوتا ہے اس لئے ترتیل کس طرح مستحب ہو گی۔ **قلنا۔** ترتیل کی دو اقسام ہیں ایک لفظی جیسے تحقیق ہے اور دوسری معنوی جیسے [1918] تحدیر ہے۔ تحقیق میں مشقت

[1916] قرأت اتنی مقدار میں مستحب ھے جو احادیث میں مذکور ھے جیسے صبح کی نماز میں مفصل یعنی لمبی سورت کا پڑھنا۔

[1917] یعنی ورتل القرآن ترتیلا۔

[1918] کلمات کے درمیان وقفہ نہ لانا بلکہ اسے کلامِ واحد کی طرح پڑھنا اور "تحدیر" اپنی آواز کو اذان کی آواز سے آھستہ کرنا کلمات اور اذان کے درمیان جو ترتیب ھے اس کو شرع کے مطابق پڑھنا۔

ہے لہذا یہ مستحب ہوئی اور یہاں یہی مراد ہے جبکہ معنوی فرض ہے۔(تسوية الرأس مع الظهر في الركوع)اور رکوع میں سر کو پیٹھ کے ساتھ برابر کرنا مستحب ہے۔ اس طرح کہ اگر پانی کا بھرا ہوا برتن نمازی کی کمر پر رکھ دیا جائے اور یہ قرار پا جائے اور اس کی کمر پر رکھے ہوئے اس برتن سے پانی نہ گرے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی رکوع میں اس طرح کمر کو برابر رکھتے تھے۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: من ركع مرفوع الراس القى في النار مرفوعا ومن ركع منكوس الراس القى في النار منكوسا۔[1919] (ووضع ركبتيه قبل يديه)اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنا مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب سجدہ فرماتے تھے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے اور جب سجدے سے اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے پھر فرمایا: الا على للاعلى الاسفل للاسفل كذا في الشمونی۔[1920] (ويديه قبل الانف)اور ہاتھوں کو ناک سے پہلے رکھنا مستحب ہے۔(والانف قبل الجبهة)اور ناک کو پیشانی سے پہلے رکھنا مستحب ہے۔(على الارض)زمین پر (للسجود)سجدے کے لئے۔ تو جو اندام زمین کو قریب ہوں وہ رکھنے کو بھی قریب ہوتے ہیں۔ "خزانة الروايات" میں کہا ہے کہ اگر ایک آدمی نے موزے پہن رکھے ہوں اور ہاتھوں کو پہلے رکھے بغیر سجدے پر قادر نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں یہ عذر کی وجہ سے ہاتھوں کو پہلے رکھ سکتا ہے۔ پہلے دایاں ہاتھ رکھے اور پھر بایاں ہاتھ۔(وعلى عكس ذلك الرفع للقيام)اور برعکس اس کے قیام کو کھڑا ہونے (کے

[1919] جس نے رکوع کیا اور رکوع میں اس کا سر پیٹھ سے اونچا تھا تو وہ اسی طرح سر اونچا کئے ہوئے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جس کا سر رکوع میں پیٹھ سے نیچے ہوا تو اس کو اسی طرح سر نیچے کئے ہوئے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ تو اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سر کو نہ اونچا کیا جائے اور نہ ہی نیچے کیا جائے بلکہ برابر ہونا چاہیئے۔

[1920] اوپر والے اوپر کے لئے اور نیچے والے نیچے کے لئے۔

لئے قدموں کو اٹھانا ہے) یعنی پہلے پیشانی پھر ناک پھر دونوں ہاتھوں کو اور پھر دونوں گھٹنوں کو قدموں کے سینے سے اٹھانا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے **الاعلی للاعلی و الاسفل للاسفل۔** اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قدموں کے سینے پر اٹھتے تھے نہ ہاتھوں کو زمین پر لگاتے اور نہ ہی بیٹھتے تھے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خفیفہ جلسہ کرے پھر اٹھے اور ہاتھوں کو زمین پر لگائے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تھے تو ہلکا سا جلسہ کرتے تھے کہ اس جلسے کا نام جلسہ ٔاستراحت تھا پھر ہاتھوں کو زمین پر لگا کر اٹھ جاتے۔ **قلنا۔** کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو قدموں کے سینے پر اٹھتے تھے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت حالتِ ضعف پر محمول ہے۔ (**و السجود بین الیدین**) اور پیشانی کو دونوں سجدوں میں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے درمیان رکھنا مستحب ہے اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کے بڑے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں یہ اس لئے کہ اگر کانوں سے کچھ پلیدی نکلے تو بڑے انگوٹھوں پر پڑے گی یا ہاتھوں کی کمر پر پڑے گی، اس کی دلیل حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پیشانی مبارک کو دونوں ہاتھوں کے درمیان کانوں کی لو کے برابر رکھتے تھے اور وہ حدیث حالتِ عذر یا مرض کی زیادتی یا سردی پر محمول ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھنا منقول ہے۔ (**و توجہ اصابع یدیہ و رجلیہ نحوا القبلۃ**) ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو بقدرِ طاقت قبلہ کی طرف متوجہ کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **اذا**

سجد العبد المؤمن سجد معه كل عضو منه فليتوجه اعضائه نحو القبلة ما استطاع۔[1921] اور ہاتھوں کی انگلیوں کا متوجہ کرنا سنتِ زوائد میں سے ہے اور یہ تحقیق نہیں سوائے اس کے کہ بعض کو بعض کے ساتھ پیوست کیا جائے اور پاؤں کی انگلیوں کو متوجہ کرنا اس وقت متحقق ہوتا ہے جب قدموں کے سینے اور انگلیوں کے پیٹ کو سجدے میں بقدرِ امکان زمین پر رکھا جائے اس لئے اگر پاؤں کی چھوٹی انگلی زمین پر نہ پہنچتی ہو تو عذر کی وجہ سے کراہیت لازم نہیں ہوتی۔(**وترک مسح الجبهة من التراب و العرق**)اور پیشانی کو مٹی اور پسینے سے صاف نہ کرنا مستحب ہے اور پسینہ جلد کے گیلے ہونے کو کہتے ہیں۔ **قبل السلام۔** اس وقت تک جب تک سلام نہ پھیر لے برابر بات ہے چاہے مٹی اور پسینے کو تشہد میں صاف کیا جائے، چاہے تشہد سے پہلے یا بعد میں سلام تک کیونکہ سلام سے پہلے تک پیشانی پر مٹی کا پیشانی پر موجود ہونا فراق اور پریشانی کی علامت ہے جبکہ حال یہ ہے کہ عابد اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فراق نہیں ہوتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی سلام کے بعد اپنی پیشانی مبارک پر دائیں ہاتھ سے مسح کرتے تھے۔(**والفصل بين القدمين قدر اربعة اصابع من اليد فى القيام**)اور قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار کا فاصلہ ہونا مستحب ہے چاہے قیام میں ہو، رکوع میں ہو، یا قومہ میں۔ اور یہ فاصلہ تمکن ہے اور خشوع کے قریب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں خشوع کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے کہ[1922] **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ٢)**(**ووضع يديه على فخذيه فى القعدة**)اور قعدے میں ہاتھوں کو رانوں پر اس طرح رکھنا مستحب ہے کہ انگلیاں درمیانی حالت

[1921] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھے کہ جب مؤمن سجدہ کرتا ھے تو اس کا ھر عضو اس کے ساتھ سجدہ کرتا ھے پس لازم ھے کہ اس کا ھر عضو قبلہ کی طرف ھو۔

[1922] بتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع یعنی عاجزی کرنے والے ھیں۔

میں کشادہ ہوں پہلے قعدے میں ہو یا دوسرے قعدے میں اور یا کہ جلسہ میں ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ [1923] **علی ماتؤمون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس و انما یکفی احدکم ان یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ و شمالہ۔** اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نماز میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا ہے یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھنا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر اس طرح کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں پر ہوں اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے نہ پکڑے اور نہ ہی رانوں کو پیوست کرے۔ یہ مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے اور عورت کا دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ہاتھوں کو رانوں کے درمیان نہیں رکھنا چاہیئے۔

(**وتحویل الوجہ یمنۃ ویسرۃ عند السلام**) اور سلام کے وقت چہرے کا دائیں اور بائیں طرف پھیرنا مستحب ہے اس طرح کہ دائیں رخسار کی سفیدی دائیں جانب کے لوگوں کو ظاہر ہو جائے اور بائیں رخسار کی سفیدی بائیں جانب والوں کو ظاہر ہو جائے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی اس طرح سلام پھیرتے تھے کہ دائیں جانب کے لوگوں کو دائیں چہرے کی سفیدی ظاہر ہو جاتی اور بائیں جانب کے لوگوں کو بائیں رخسار کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

(**والخاص تسعۃ**) اور ان تیئس مستحباتِ نماز میں سے جو خاص ہیں وہ نو ہیں۔ (**رفع الیدین فی ماسن فیہ**) ہاتھوں کا اٹھانا اس جگہ میں مستحب ہے کہ جن جگہوں میں ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے جیسے تکبیر تحریمہ، تکبیراتِ عیدین، تکبیراتِ قنوت اور حجر اسود کا چومنا ہوا۔

[1923] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں کہ جب ھم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو نماز کے اختتام پر دائیں اور بائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کھتے ھوئے ھاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے یہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا تم لوگ اپنے ھاتھ اس طرح اشارہ کرتے ھو جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ھلتی ھیں، تمھیں یھی کافی ھے کہ تم قعدے میں اپنی رانوں پر ھاتھ رکھے ھوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کھا کرو۔ (رواہ مسلم ج ا ص ۱۸۱)

(حذاء شحمتی اذنیه) کانوں کے لو کے برابری پر کہ کانوں کی نرمی یعنی لو کو ہاتھوں کے بڑے انگوٹھوں کے ساتھ مسح کرنے والا ہو جائے۔(غیر مفرج) کہ نہ انگلیوں کو کشادہ کرنے والا ہو اور نہ ہی ملانے والا بلکہ اپنی انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو کندھوں کی برابر تک اٹھائے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں کو سر تک اٹھائے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت حُمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ[1924] عن ابی حُمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان النبی ﷺ اذا کبر رفع یدیه الیٰ منکبیه (رواہ البخاری)۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو سر کی برابر تک اٹھاتے تھے اور ہماری دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے۔[1925]

عن وائل ابن حجر و البراء و انس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی ﷺ کان اذا کبر رفع یدیه حذاء اذنیه (رواہ مسلم)۔ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَبْصَرَ «النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ كَبَّرَ۔[1926]

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کے

[1924] حضرت ابی حُمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے (رواہ البخاری)

[1925] حضرت وائل بن حجر و البرا و انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کانوں کے نرموں تک اٹھاتے۔

[1926] (سنن ابی داؤد، باب رفع یدین فی الصلوۃ، ج ۱ ص ۱۹۲)

لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کندھوں کے برابر ہوگئے اور جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے برابر آگئے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تکبیر کہی۔

کیونکہ نماز کے شروع میں ہاتھوں کا اٹھانا بہرے کی آگاہی کے لئے روا ہوا ہے اور یہ آگاہی اتنی مقدار پر حاصل ہوتی ہے جتنی کہ ہم نے کہی ہے۔ اور وہ حدیث جو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے تو یہ حدیث حالتِ ضعف اور سردی پر محمول ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھائیں اس میں سب دلائل پر عمل ہوتا ہے کہ انگلیوں کے سرے سر کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور انگلیوں کے اوپر سے نیچے کی طرف کا آخری حصہ یعنی جہاں انگلیوں اور ہتھیلی کا جوڑ ہے کانوں کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور اصلی ہتھیلی کندھوں کے ساتھ برابر ہو جائے گی اس کے علاوہ یہ حدیث شریف جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے کہ [1927] **خيرُ الأمورِ أوسَطُها.** تو حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ نے بھی درمیانی بات (کانوں کی لو تک ہاتھوں کو اٹھانا) اختیار کیا ہے۔ **فان قیل۔** جب ہاتھوں کا اٹھانا بہرے کی آگاہی کے لئے روا ہے تو اگر بہرا نہ ہو پھر ہاتھوں کا اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ **قلنا۔** اعتبارِ جنس کے لئے ہے نہ کہ افراد کے لئے۔ **فان قیل۔** کہ اکیلے نمازی کے لئے جائز نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ تو منفرد ہے بہرا نہیں ہے۔ **قلنا۔** اصل نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے نہ کہ اکیلا اور اعتبار اصل کے لئے ہے نہ کہ عارض کے

[1927] کاموں میں سے بہترین کام وہ ھے جو میانہ ھو۔ العراقي (٨٠٦هـ)، تخريج الإحياء ٣/٢٠٩• مرسل۔

لئے۔فان قیل۔ مقتدی کے لئے ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہونا چاہیئے اس لئے کہ اسے دوسروں کی آگاہی کا احتیاج نہیں ۔ قلنا۔ یہ بات احتمال رکھتی ہے کہ صفوں کے آخر میں بہرا ہو تو مقتدی اعلام یعنی دوسروں کو آگاہی دینے کا محتاج ہوا ۔ کذا فی الشاهان۔ (للرجال) مردوں کے لئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب تکبیرِ اولیٰ کہتے تھے تو ہاتھ مبارک کو کانوں کی لو کے برابری میں اٹھاتے تھے اور ہاتھوں کو کندھوں کی برابری پر اٹھانے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قول عورتوں کے بارے میں ہے مطلقاً برابر بات ہے کہ یہ عورتیں آزاد ہوں یالونڈیاں اور عورتوں کا کندھوں تک ہاتھوں کو اٹھانا مناسب ہے کیونکہ عورت ہر حال میں ستر میں ہے اور اس طریقے سے ستر اچھی طرح حاصل ہوتا ہے اور ہاتھوں کو اٹھانے میں حکمت ماسوااللہ کو دائیں اور بائیں طرف پھینکنا ہے تو نمازی دائیں ہاتھ سے آخرت کے پھینکنے کو اشارہ کرتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دنیا کے پھینکنے کا اشارہ کرتا ہے۔تو مطلق اٹھانا سنت ہوا اور کانوں کی لو تک برابر کرنا مستحب ہوا اور مراد صاحبِ منظوم کی کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا سنت ہے سنت زوائد ہے اور ظاہر روایت میں ہاتھوں کا کانوں کی لو تک برابر کرنا مستحب ہے اور کانوں سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور کانوں کا مسح ہاتھوں کے اٹھانے میں کانوں تک مختصر الوقایہ اور شروح میں مذکور ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وفی روایة حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب تکبیر (تحریمہ) کہتے تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ انہیں دونوں

کانوں کے بالمقابل لے آتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کے لو کے برابر لے آتے۔[1928]

عن سالم عن ابیه (ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاۃ ورفع یدیه حتی یحاذی منکبیه۔[1929]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر لے جاتے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال رأیت رسول اللہ ﷺ کبر فحاذی بابھامیه أذنیه۔[1930]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تکبیر کہتے ہوئے اپنے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے برابر لے جاتے۔

اس کے بارے میں بہت احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ احناف کا مسلک مجموعہ احادیث پر عمل کرنا ہے۔

وَذَكَرَ الطِّيبِيُّ أَنَّ الشَّافِعِيَّ حِينَ دَخَلَ مِصْرَ سُئِلَ عَنْ كَيْفِيَّةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ؟ قَالَ: يَرْفَعُ الْمُصَلِّي يَدَيْهِ بِحَيْثُ يَكُونُ كَفَّاهُ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِبْهَامُهُ حِذَاءَ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ، وَأَطْرَافُ أَصَابِعِهِ حِذَاءَ فَرْعِ أُذُنَيْهِ، لِأَنَّهُ جَاءَ فِي رِوَايَةٍ: يَرْفَعُ الْيَدَيْنِ إِلَى الْمَنْكِبَيْنِ، وَفِي رِوَايَةٍ إِلَى الْأُذُنَيْنِ،

[1928] (صحیح مسلم، باب استحباب رفع الیدین، ج ۱ ص ۲۹۳)
[1929] (مختصر خلافیات للبیھقی، ج ۲ ص ۳۱، طبع مکتبۃ الرشید الریاض)
[1930] (المستدرک للحاکم، باب التأمین رقم الحدیث ۹۳۱)

وَفِي رِوَايَةٍ إِلَى فُرُوعِ الْأُذُنَيْنِ، فَعَمِلَ الشَّافِعِيُّ بِمَا ذَكَرْنَا فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ جَمْعًا بَيْنَ الرِّوَايَاتِ الثَّلَاثِ.[1931]

ترجمہ: علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مصر تشریف لائے تو آپ سے سوال کیا گیا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کیسے اٹھائے جائیں؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ اس کے دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں اور انگلیوں کے پورے کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر ہو جائیں کیونکہ ایک روایت میں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے، دوسرے میں کانوں تک اٹھانے کا ذکر ہے اور تیسرے میں کانوں کے اوپر کے حصے تک اٹھانے کا ذکر ہے۔ پس امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تینوں روایات پر عمل کرنے کے لئے تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت رفع الیدین میں ہمارے مذکور طریقہ کے مطابق عمل کیا۔ (وحذاء المنكبين للنساء)اور عورتوں کے لئے کندھوں کے برابری تک ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے کیونکہ عورت ہر حالت میں ستر میں ہے حتی الامکان۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ:... فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا وَائِلُ بْنَ حُجْرٍ، إِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ، وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا۔[1932]

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اے وائل بن حُجر جب تم نماز پڑھا کرو تو ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنی چھاتی تک ہاتھ اٹھائے۔

[1931](مرقاۃالمفاتیح ج ۲ ص ۲۵۴، طبع مکتبہ رشیدیہ)
[1932](المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۲۲، ص ۱۹، رقم الحدیث ۱۹۶۴۵)

(ووضع الیدین تحت السرۃ) اور ہر اس قیام میں ہاتھوں کو ناف سے نیچے رکھنا مستحب ہے جس میں لمبا ذکر ہو۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرأت کی حالت میں رکھے نہ کہ ثناء اور قنوت کی حالت میں کیونکہ ہاتھوں کا رکھنا اس خوف سے ہوتا ہے کہ انگلیوں کے سروں میں خون نہ جم جائے اور یہ خوف لمبی قرأت میں ہوتا ہے۔ قلنا۔ ہاتھوں کے رکھنے میں مقصد خشوع ہے اور یہ نماز کی ہر حالت کے ساتھ مناسب ہے اور اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ذکر مسنون اور منقول ہے اگرچہ ثناء اور قنوت میں ذکر مسنون نہیں ہے لیکن ان دونوں میں ہاتھ رکھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہے۔(للرجال) مردوں کے لئے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے اور ناف سے نیچے رکھنا مستحب ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے لئے سینے پر ہاتھ رکھنے میں خلاف ثابت ہے کیونکہ ان کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا تواضع کو قریب اور تکبر سے دور ہے اور ان دونوں مذاہب کا بیان سنت کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔(وعلی الصدر للنساء) اور عورتوں کے لئے خواہ آزاد ہوں یا لونڈیاں سینے پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے مطلقا۔ (واخراج الکفین عن الکمین) اور ہتھیلیوں کو آستینوں سے نکالنا مستحب ہے ذکر کفین یعنی ہتھیلی اور اس سے مراد یدین یعنی ہاتھ ہے یہ جواب سوال سے ہے تقدیر اس کی یہ ہے۔ فان قیل۔ تخصیص روایات میں حکم کی نفی کے ساتھ [1933] ماعدا میں دلالت کرتا ہے تو کفین کا اخراج یعنی نکالنا مستحب ہوگا فقط نہ کہ ہتھیلیوں اور باقی ہاتھ کا ظاہر کرنا۔ تو جواب یہ ہے کہ ذکرِ کفین سے مراد سارے ہاتھ کو کلائی تک نکالنا ہے۔(عند التحریمۃ) تکبیرِ اولیٰ کے وقت نہ تکبیر کے بعد۔ کہ اٹھانے کے ساتھ متصل ہو جائے۔(للرجال) مردوں کے لئے نہ کہ عورتوں کے لئے اور مردوں کے حق میں ہاتھوں

[1933] اس کے علاوہ۔

کو آستین سے باہر نہ نکالنا بدعت ہے اور عورتوں کے لئے ہاتھوں کو آستین سے نہ نکالنا مستحب ہے کیونکہ عورتیں ہر حال میں ستر میں ہوتی ہیں۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا تھا کہ [1934] **رفع یدیه حین دخل فی الصلوۃ و کبر ثم التحف بثوبه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری** اور قنیہ میں کہا ہے: [1935] **رفع الیدین خارج الکمین و فیھما علی السواء لکن الاولی خارج الکمین۔(والقراءۃ علی القدر المروی للامام والمنفرد)** اور نماز میں امام اور منفرد کے لئے اتنی قرأت کرنا مستحب ہے جتنی مقدار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت ہے یعنی صبح کی نماز میں سست قسم کے لوگوں کے لئے چالیس (۴۰) آیات مستحب ہیں اور یہ کام کاج کے دنوں کے لئے ہے اور درمیانی حالت کے لوگوں کے لئے پچاس (۵۰) یا ساٹھ (۶۰) آیات کی تلاوت کرنا مستحب ہے اور راغبین کے لئے سو (۱۰۰) آیات مستحب ہیں اور یہ سردیوں کی راتوں کے لئے مناسب ہے۔ چالیس آیات طویل ہوں، (پچاس یا) ساٹھ آیات اوسط ہوں، اور سو آیات چھوٹی ہوں۔ اوسط سورتیں نمازِ ظہر، عصر اور عشاء کے لئے ہیں جبکہ چھوٹی سورتیں مغرب کے لئے اور اکیلا آدمی جتنی چاہے قرأت لمبی کر سکتا ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ [1936] **اذا صلی احدکم بالناس**

[1934] حضرات وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھالیتے اور تکبیر فرماتے پھر اپنی کلائی پر کپڑے (آستین) کے نیچے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کلائی پر حلقہ بنالیتے۔

[1935] مرد اور عورت دونوں کے لئے ہاتھوں کو آستین سے باہر نکال کر اوپر کرنا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہاتھ آستین سے باہر رہیں۔

[1936] حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے یعنی امام ہو تو وہ ان کے ساتھ ضعیف شخص کی نماز پڑھے اس لئے کہ ان (مقتدیوں) میں مریض بھی ہوتے ہیں اور ضعیف، بوڑھے اور حاجت والے بھی اور جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنا اس کا جی چاہے اتنا نماز کو لمبا کرے۔

فليصل بهم صلوة اضعفهم فان فيهم المريض والضعيف والكبير وذالحاجة واذا صلى احدكم لنفسه فليطول ما شاء اور قرأت کی مقدار میں امام اور منفرد کے لئے برابری بہتر ہے یہ حالت گھر، امن اور قرار کی حالت کے لئے ہے اور ضرورت کی حالت میں بقدرِ ضرورت قرأت جائز ہے۔(**وزيادة التسبيحاتِ على الثلث وترا**) اور تسبیحات کو تین دفعہ سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ ہونے میں شرط یہ ہے کہ تسبیحات وتر یعنی طاق ہوں جیسے فرض نمازوں میں پانچ، نفل میں نو اور صلوۃ التسبیح میں گیارہ یا پندرہ۔ تین تسبیحات ادنی کمالِ سنت کی ہے اور ادنیٰ میں زیادتی کرنا مستحب ہے اور وتر یعنی طاق ہونا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول سے ثابت ہے۔[1937] **إنّ اللهَ وِترٌ يُحِبُّ الوِترَ۔** (**للمنفرد**)(اور تسبیحات میں زیادتی کا حکم) تنہا گزار کے لئے ہے اور امام سست قسم کے لوگوں کے ساتھ جماعت میں تین تسبیحات سے زیادتی نہ کرے تاکہ تین دفعہ سے زیادتی قوم کی نفرت کا سبب نہ بنے، میانہ حال لوگوں کے ساتھ چار دفعہ سے زیادہ تسبیحات نہ پڑھے اور راغبین کے ساتھ پانچ دفعہ سے زیادہ تسبیحات نہ پڑھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ[1938] **من ام قوما فليصل صلوة اضعفهم۔(الحديث)** (**وابعاد الضبعين من البطن**) اور (سجدے میں) کہنیوں کو پیٹ (اور زمین) سے دور رکھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ[1939] **اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك عن جنبيك۔**(**والبطن من**

[1937] بے شک اللہ تعالیٰ طاق ھے اور طاق کو پسند فرماتا ھے۔الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٤٥٣•حسن•المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٢٧٧/١]•إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما•شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج رياض الصالحين ١١٣٢•حسن•أخرجه أبو داود (١٤١٦)، والنسائي (١٦٧٦) مختصراً، والترمذي (٤٥٣)، وابن ماجه (١١٦٩)، وأحمد (١٢٦٢)

[1938] جو شخص لوگوں کی امامت کرے تو اس کو چاھیئے کہ ان میں سے ضعیف کی نماز پڑھائے۔

[1939] جب تم سجدہ کرو تو اپنی ھتھیلیوں کو رکھو اور اپنی کھنیوں کو پھلوؤں سے جدا کرو۔

الفخذو الفخذمن الساق و الساق من الارض) اور پیٹ کو ران سے دور رکھنا اور ران کو پنڈلی سے دور رکھنا اور پنڈلی کو زمین سے دور رکھنا مستحب ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فعل ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب سجدہ فرماتے تو پیٹ کو ران سے دور اور ران کو پنڈلی سے دور اور پنڈلی کو زمین سے دور رکھتے تھے یہاں تک اگر نماز کی حالت میں بکری کا چھوٹا بچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سینے مبارک کے نیچے سے گزرنے ارادہ کرتا تو گزر سکتا تھا یہ حکم اکیلے نمازی کے لئے ہے اور اگر جماعت میں ہو تو اپنے اعضاء دور نہ کرے تاکہ ساتھ والے نمازی کو تکلیف نہ ہو۔(**فی الرکوع و السجود للرجال**)(مندرجہ بالا عمل)مردوں کے لئے رکوع اور سجدے میں مستحب ہے رکوع میں صرف کہنیوں کو پیٹ اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھا جاسکتا ہے جبکہ سجدے میں سب اعضاء کو ایک دوسرے سے دور رکھا جا سکتا ہے، اور جبکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع اور سجدے میں اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے دور رکھ سکتا ہے۔

(**وبالکعبین للنساء**) اور عورتوں کے لئے اس عمل کے الٹ کرنا مستحب ہے یعنی عورتیں اپنے انداموں کو سمیٹ کر رکوع اور سجود کریں اور جب عورت بیٹھ کر نماز پڑھے تو سُرین کو زمین سے نہ اٹھائے کیونکہ یہ عورتوں کے لئے مکروہ ہے اور مردوں کے لئے نہ اٹھانا مکروہ تنزیہی ہے اور اٹھانا مستحب۔(**وقراءةالفاتحةبعدالاولین للمفترض**)اور فرض نماز کی آخری دو رکعات میں فاتحہ کی قرأت کرنا مستحب ہے چاہے یہ ایک رکعت ہو یا دو رکعتیں جیسا کہ مغرب کی نماز ہوئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آخری دو رکعتوں میں قرأت فرماتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے نمازی (فرض نماز کی) آخری دو

رکعتوں میں اختیار رکھتا ہے اگر چاہے تو قرأت کرے اور چاہے تو قرأت کی جگہ تسبیح پڑھ لے اور چاہے تو خاموش رہے اور اگر پہلی دو رکعات میں قرأت کر چکا ہو تو آخری دو رکعات میں قرأت کرنا بہتر ہے اور اگر پہلی دو رکعات میں قرأت نہ کی ہو تو آخری دو رکعات میں قرأت کرنا فرض نماز پڑھنے والے کے لئے لازمی ہے اور قطعی طور پر واجب ہے۔

(فی المشهور) یہ روایت حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشہور طریقے سے مروی ہے اور فرض نماز کے علاوہ واجب، سنت اور نفل کی ہر رکعت میں فاتحہ کی قرأت کرنا واجب ہے اس لئے کہ نفل نماز کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے اور نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے اور حسن ابن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت نے قولِ مشہور سے احتراز کرتے ہوئے حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح روایت کی ہے کہ آخری دو رکعتوں میں بھی الحمد شریف پڑھنا واجب ہے اس لئے اگر آخری دو رکعتوں میں الحمد شریف کو قصداً چھوڑ دیا گیا تو گنہگار ہے اور اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور اگر سہواً رہ گئی تو سجدہ سہو واجب ہے۔(و التسمية قبل الفاتحة) اور پہلی رکعت کے علاوہ باقی ہر رکعت میں الحمد سے پہلے بسم اللہ الخ پڑھنا مستحب ہے جبکہ پہلی رکعت میں بسم اللہ الخ سنت ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک الحمد سے پہلے تسمیہ پڑھنا واجب ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سورت سے پہلے تسمیہ پڑھنے کو بھی سورت کی طرح واجب قرار دیتے ہیں ۔اور مذہبِ حنفی اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے درمیان اس مسئلے پر فرعی اختلاف ہے یعنی وہ تسمیہ کو الحمد سے بھی اور سورت سے پہلے بھی اس لئے واجب شمار کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک تسمیہ الحمد اور سورت میں حساب ہوتی ہے اور ہمارے مذہب میں اس طرح نہیں۔

(**فی کل رکعة**) ہر رکعت میں تسمیہ قبل از فاتحہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہر رکعت کے شروع میں تسمیہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ تسمیہ قرأت کے شروع کے لئے ہے اور ہر رکعت میں قرأت اصل ہے تو سورت سے پہلے تسمیہ کے ساتھ ابتداء کرے اور سورت سے پہلے تسمیہ الحمد اور سورت کے درمیان فصل یعنی جدائی لازم کرتی ہے اور سورت کو الحمد کے ساتھ پیوست کرنا واجب ہے تو یہاں واجب کا ترک آجائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سورتوں کے درمیان علیحدگی نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ حضرت جبرئیل **علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام بسم اللہ الرحمن الرحیم** لے کر آتے تو ایک سورت دوسری سورت سے جدا ہو جاتی۔ **فان قیل**۔ کہ **بسم اللہ** سے نماز جائز ہونی چاہیئے۔ **قلنا**۔ **بسم اللہ** سے نماز کا جائز نہ ہونا احادیث کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور یہ اختلافِ علماء **بسم اللہ** کے پوری آیت ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ (**لمن سن**) جس کے حق میں بسم اللہ سنت ہو چکی ہو چاہے وہ امام ہو یا منفرد نہ کہ مقتدی اور مسبوق۔ **فان قیل**۔ کہ پہلی رکعت کے بغیر ساری رکعتوں میں الحمد سے پہلے **بسم اللہ** پڑھنا مستحب ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول لمن سن کس طرح صحیح ہو گا۔ **قلنا**۔ لمن سن کے معنی یہ ہیں ای احب کیونکہ بسم اللہ ہر رکعت میں استحباب کے باب سے ہے نہ کہ واجبات اور سنتوں کے باب میں سے اور مستحب وہ شخص ادا کرتا ہے جسے یہ بہتر نظر آتا ہے بخلاف واجب اور سنت کے۔ کیونکہ اپنے آپ کو دنیا و آخرت میں عذاب سے بچانے کے لئے واجب اور سنت دونوں کا بجالانا لازمی ہے اور تسمیہ کی **تخصیص احب** کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہے پس بسم اللہ کے بارے میں تین روایات ہیں۔ اول پہلی رکعت میں الحمد سے پہلے۔ دوم ہر رکعت میں الحمد سے پہلے۔ سوم ہر رکعت میں الحمد سے پہلے اور الحمد کے بعد جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

(**وانتظار المسبوق**) اور مسبوق کے لئے انتظار کرنا مستحب ہے یعنی قضاءِ ما سبق کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے نہ اٹھے۔ اس صورت جب یہ پہلی صف میں ہو اور اتفاقِ اقوال سے نماز کا وقت باقی ہو اور اگر دوسری صف میں ہو اور نماز کا وقت کم ہو اور امام کے سلام تک انتظار کرنے میں کا وقت خارج ہوتا ہو تو پھر انتظار نہ کرے بلکہ امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اٹھ جائے تاکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کے سامنے سے کوئی گزر نہ جائے یا اس خوف سے کہ باقی رکعتیں ادا کرتے کرتے نماز کا وقت ختم ہو جائے گا۔ اور اگر قضاءِ ما سبق کے لئے امام کے سلام اور تشہد سے پہلے اٹھ گیا تو اس مسئلے سے بہت سی صورتیں ہیں۔ اول ایک رکعت کا مسبوق ہو گا، دوم دو رکعات کا مسبوق ہو گا، سوم تین رکعات کا مسبوق ہو گا، چہارم چار رکعات کا مسبوق ہو گا۔ اگر ایک کا مسبوق ہو اور امام کے تشہد پڑھنے کے بعد اتنی قرأت کر چکا ہو جس سے نماز ہو جاتی ہے تو اس کی نماز جائز ہوئی اور اگر اتنی مقدار کی قرأت نہ کی ہو نماز جائز نہیں ہوتی اور دو رکعات کے مسبوق کا بھی یہی حکم ہے اور اگر تین یا چار رکعات کا مسبوق ہو تو اس پر ایک رکعت میں دو چیزیں فرض ہیں، ایک کھڑا ہونا اور دوسرا قرأت کرنا۔ اس لئے اگر امام کے تشہد کے بعد ادنی درجہ کا قیام اور قرأت آخری رکعات میں واقع ہوئی تو نماز جائز ہو گئی۔ اور اگر امام کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے اس نے رکوع کیا اور اسی رکو پر اکتفا کیا اور پھر امام کے تشہد کے بعد اس رکوع کا اعادہ نہ کیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی۔

(**الی فراغ الامام**) امام کے فراغ ہونے تک یا مثلِ سلام تک جیسے باتیں اور فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا انتظار کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ چپ چاپ انتظار کرے، کسی نے کہا ہے کہ تشہد آہستہ پڑھے اور یہ قول صحیح ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ وہ دعا پڑھے جو اسے یاد ہو اور "**جامع الصغیر خانی**" میں کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مسبوق بمثلِ امام دعا پڑھے اور کسی نے کہا

ہے کہ مسبوقیت کی حفاظت کے لئے تشہد کو بار بار پڑھے اور امام کے سلام کے بعد جلدی نہ اٹھے بلکہ اس وقت اٹھے جب اسے یقین ہو جائے کہ امام نماز کی ضد کے ساتھ فارغ ہو گیا ہے، جیسے فرض نماز کے بعد سنت پڑھنا۔ یا محراب سے تکیہ لگانا یا مسجد سے باہر نکلنا وغیرہ۔

مسئلہ مستحبات پر دوام کرنے کا بیان

بعض علماء کہتے ہیں کہ مستحبات پر دوام کرنا بدعت اور ناجائز ہے، حالانکہ کسی مستحب کام پر مواظبت (ہمیشگی) کرنا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو واجب سمجھ کر نہ کرے۔ اور یہ اندیشہ بھی نہ ہو کہ لوگ اسے واجب سمجھ لیں گے۔ جیسا کہ مردے کو سفید رنگ کا کپڑا پہنانا مستحب ہے۔

شامی میں ہے: ویستحب البیاض (اور سفید کفن مستحب ہے)۔[1940]

مگر فی زمانہ کفن میں سفید رنگ پر مواظبت ہے۔ ہر مسلمان کو سفید رنگ کا کفن ہی دیا جاتا ہے۔ اور کوئی اسے بدعت یا ناجائز اور غلط نہیں کہتا۔

اسی طرح فجر کی اُذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے جیسا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کے وقت یہ الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اِجۡعَلۡهُ فِيۡ اَذَانِکَ (ان الفاظ کو اپنی اذان کا حصہ بنالو)۔

اس کے تحت بحر الرائق میں ہے:

"وھو للندب"۔ یعنی اور یہ فرمانا استحباب کے لئے ہے۔[1941]

اور بہار شریعت میں ہے:

[1940] (شامی ج۳ص ۱۰۰)

[1941] (البحر الرائق ج ا ص ۲۵۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

”صبح کی اذان میں فلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کے الفاظ کہنا مستحب ہے“۔[1942]
مگر آج کوئی اذان فجر اس سے خالی نہیں ہوتی اور سب اسے صحیح و درست سمجھتے ہیں۔ جب ان مستحب اعمال پر ہمیشگی منع نہیں ہے تو پھر سبز عمامے پر بھی منع نہیں۔

قیام اللیل یعنی رات کے نوافل مستحب ہیں مگر پابندی کرنے والے کو ترک کرنا مکروہ وناپسندیدہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال لی رسول اللہ ﷺ لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ! تو فلاں کی طرح نہ ہونا کہ رات میں اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔[1943]

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہر عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ تعالی ادومها، وان قَلّ۔

(یعنی اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو)۔[1944]

اس حدیث پاک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔

ان کے بارے میں ماقبل راوی کہتے ہیں:

وکانت عائشة اذا عملت العمل لزمته۔

[1942] (بہار شریعت ج ۱ حصہ ۳ صفحہ ۴۷۰)
[1943] (صحیح البخاری، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ، ج ۲ ص ۵۴، دار طق النجاة)
[1944] (صحیح مسلم، باب فضیلة العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی عمل کو اپناتیں تو اس کو اپنے اوپر لازم کر لیتیں یعنی پابندی کے ساتھ کرتیں۔[1945]

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا،، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[1946]

مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

کہ ضروریات دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہوسکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔[1947]

مستحبات کی برکات:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں اور تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بیشمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہوجاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہوگا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو

[1945] (صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ، ج ۱ ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[1946] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[1947] (اکفار الملحدین ص ۶۴ مکتبہ لدھیانوی)

محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہو گا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔ دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعلِ مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت:

چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر اعرف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں، کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔ دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہو گئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا۔

ایک اور حکایت:

اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جا رہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف میں چھپا لیا۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کر دوں، لیکن الحمد للہ مجھے ایمان

کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہو سکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس لئے عرض کیا کہ "میں توحید لایا ہوں"۔ اس پر ارشاد ہوا: **أتذكر ليلة اللبن**۔ کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔ کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو مؤثر قرار دیا۔ حالانکہ مؤثر حقیقی تو ہم ہیں۔ اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہو جائے گا۔ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔ سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات وبرکات۔[1948]

الباب الخامس في بيان المحرمات

آٹھ بابوں میں سے یہ پانچواں باب ہے (**في بيان المحرمات**) جو نماز کے محرمات[1949] کے بیان میں ثابت ہے (**وهي اربعة عشر**) اور یہ محرمات چودہ (۱۴) ہیں۔ (**في العموم على**

[1948] (قرۃالعینین فی تفریج القدمین مصنفہ استاذ العلماء مفتی اہلسنت سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی)

[1949] حرام لغت میں حرمت سے مشتق ھے اور حرمت کسی چیز کے منع کو کھا جاتاھے جیسا کہ فقھاء کے اس قول میں آتاھے۔ حرم القاتل عن میراث المقتول ای عن میراثہ۔ (قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کیا گیا یعنی میراث سے منع کیا گیاھے۔) اور شرع میں حرام وہ فعل ھے جو شارع کی طرف سے نہیں (منع) کے ساتھ ثابت ھے۔ اس حرام میں دلیل حل و حرمت کا تعارض نہیں جیسے لحم سباع البھائم۔ (چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کا گوشت) شراب، خنزیر یا سور اور یتیم کا مال کھانا اور حرام کا حکم یہ ھے کہ (قدرت کے ھوتے ھوئے حرام کو) ترک کرنے پر ثواب ھے اور اگر قدرت شرط نہ ھو زیادہ ثواب کے مستحق ھوں گے اور امر ایسے نہیں ھے یعنی حرام کا ترک کرنا صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ھو جس کا حکم آسمانو ں اور زمین میں غالب ھے اور جو سارے موجودات سے اعظم و علی ھے اور بغیر شرعی عذر کے حرام پر عمل کرنے سے عذاب ھوتاھے اور حرام کو حلال جاننے پر کفر ھے اور اس کفر پر علمائے حق کا اتفاق ھے۔ جیسا کہ زنا، شراب اور سود کو حلال سمجھا جائے تو اس کو حلال سمجھنے پر انسان کافر ھو جاتاھے کیونکہ ان امور کی حرمت علماء کے اتفاق سے ثابت ھے۔ نعوذ باللہ منھا۔ قید متفق کے ساتھ حرام اتفاقیہ سے احتراز ھوا جیسا کہ مذھب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس جانور کا پیشاب پینا حرام ھے جس کا گوشت کھایا جاتاھو اور حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ایسے جانوروں کا پیشاب بطور دوا پینا جائز ھے۔ جبکہ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے پیشاب کو مطلق حلال کھتے ھیں

المصلین) عام نمازیوں کیلئے جیسے امام، مقتدی، منفرد، مرد اور عورتیں ہیں اور عام نمازوں میں جیسے فرض، نفل، جہری اور خفی نمازیں ہیں۔

(الجھر بالتسمیة) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہر کے ساتھ پڑھنا حرام یعنی مکروہ تحریمی ہے۔[1950] **فان قیل۔ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم** تو مقتدی کے حق میں نہیں ہے تو عموم تسمیہ کس طرح ثابت ہوگا۔ **قلنا۔** جہر کا حرام ہونا ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کو پڑھنا ہو اور مقتدی اس قسم میں سے نہیں تو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت اس طرح ہو جائے گی ۔ **الجھر بالتسمیة**۔[1951] اور دوسری بات یہ کہتا ہوں کہ عموم امور اضافیہ میں سے ہے اور تسمیہ کے عموم جہر کی نسبت امام اور منفرد کے ساتھ ہے۔ **فان قیل** کہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور آمین میں اخفاء سنت ہے تو دونوں کا جہر مکروہ ہونا چاہیئے۔ **قلنا۔** حرام عموم مجاز کے معنی میں ہے کہ حرامِ قطعی کی منع ایک فرد کیلئے ہو اور مکروہ دوسرا فرد ہو اور مراد مکروہ ہو نہ کہ حرام۔

(والجھر بالتامین) اور **آمین** کو جہر کے ساتھ پڑھنا حرام ہے اور اس بات میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام جہری نمازمیں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور

تو اس طرح کے اختلافی حرام کو حلال جاننا کفر نہیں اور ڈھول اور سرنا پیشاب کی مثل ھے۔ان کو سمجھنے والا فاسق ہوتا ھے نہ کہ کافر۔(مضمرات تمھید ابو شکور السلمی)

[1950] الحنفية قالوا الكراهة تنقسم الى قسمين : كراهة التنزيهية و كراهة تحريمية۔فالمكروه تحريما ما كان الى الحرام اقرب ويمكن توضيحه بانه ترک واجب من الواجبات التى هى اقل من الفرض ،ويقال لها:سنة مؤكدة عندهم، اما المكروه تنزيها، فهو ما لا يعاقب على فعله ويثاب على تركه ثوابا يسيراً، ويقال المندوب او المستحب او نحو ذلک من السنن غير المؤكدة۔(حنفیه کھتے ھیں کہ کراھیت کی دو قسمیں ھیں ۔کراھیت تنزیھی اور کراھیت تحریمی ۔اور مکروہ تحریمی وہ امر ھے جو حرام کے بہت قریب ہوتا ھے اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ھے کہ (مکروہ تحریمی) ایسا ھے جیسے کسی امر واجب کا، جو فرض سے کم ھے ترک کرنا حنفیہ سنت مؤکدۃ کو واجب قرار دیتے ھیں۔مکروہ تنزیھی وہ امر ھے جس کے کرنے سے عذاب نہیں ھے لیکن اس کو ترک دینے سے ثواب ھے جو مندوب اور مستحب وغیرہ غیر مؤکدہ سنتوں کے بجالانے کے مترادف ھے۔)

[1951] **بسم اللہ** پڑھنا اس شخص کیلئے حرام ھے جس پر **بسم اللہ** پڑھنی ہو یعنی ان جگھوں پر **بسم اللہ** جھاں پڑھی جاتی ھے۔

آمین کو جہر کے ساتھ پڑھے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور آمین کو جہر سے پڑھتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ:[1952]

اربع یخفیھن الامام والمنفرد الثناء والتعوذ والتسمیۃ والتامین۔ عن عُمرَ بنِ الخَطّابِ أنَّه قال: يُخفي الإمامُ أربعًا: التعوُّذَ، وبسمِ اللهِ الرَّحمنِ الرَّحيمِ، وآمين، وربَّنا ولک الحمدُ۔[1953]

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی ان چار چیزوں پر جہر نہیں کیا اور ان پر جہر کی روایت جو حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ ابتدائے اسلام سے متعلق ہے۔

﴿آمین آہستہ کہنا﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے:

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"[1954]

وضاحت: مذکورہ آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آہستہ دُعاء کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور آمین کہنا بھی ایک دُعاء ہے، چنانچہ:

[1952] اور چار چیزیں ھیں جن کو امام اور منفرد آھستہ پڑھیں گے اول سبحانک اللھم دوم اعوذ باللہ سوم بسم اللہ چھارم آمین۔

[1953] ابن عبد البر (٤٦٤ھـ)، الإنصاف بين علماء المسلمين ٢٤٧•

[1954] (الأعراف: 55، آسان ترجمہ قرآن)

(1)حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آمین کہنا دُعاء ہے۔[1955]

(2)حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء پر جو آمین کہا تھا اُس کو بھی قرآن کریم میں "دُعاء" قرار دیا گیا ہے۔[1956]

(3)آمین کا معنی ہی دُعاء کے ہیں، چنانچہ اس کے معنی "اِسمَعْ وَاستَجِبْ" کے ہیں، یعنی اے اللہ! سن لیجئے اور قبول فرمالیجئے۔ لہٰذا مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر آمین بھی قرآن کریم کے مطابق آہستہ اور خفیہ کہنا چاہیئے تاکہ دُعاء کے اَدب کا لحاظ اور اُس کی رِعایت کی جاسکے۔ لفظِ آمین کو اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بھی کہا گیا ہے۔

چنانچہ کئی روایات میں ہے:

"آمِينَ: اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ"۔

یعنی آمین اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔[1957]

پس گویا آمین کہنے والا اللہ کا ذکر کرتا ہے اور ذکر میں اصل "اِخفاء" یعنی خاموشی سے ذکر کرنا ہے، چنانچہ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آہستہ ذکر کرنے کا حکم دیا ہے، پس اِس سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہیئے تاکہ ذکر کے اَدب کا لحاظ اور اُس کی رِعایت کی جاسکے۔

علّامہ فخر الدّین رازی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شافعی المسلک ہیں، اُنہوں نے آمین کے بارے میں اِسی مذکورہ بالا تحقیق کو بڑے اچھے اور عُمدہ انداز میں پیش کیا ہے، جو اُن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"فِي قَوْلِهِ: «آمِينَ» وَجْهَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّهُ دُعَاءٌ. وَالثَّانِي: أَنَّهُ مِنْ أسماءِ اللَّهِ، فَإِنْ كَانَ دُعَاءً وَجَبَ إِخْفَاؤُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً وَإِنْ كَانَ اسْمًا مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى

[1955](بخاری:156/1)

[1956](یونس:89)(تفسیر بغوی)

[1957](مصنّف ابن ابی شیبہ:7971)

وَجَبَ إِخْفَاؤُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً﴾ فَإِنْ لَمْ يَثْبُتِ الْوُجُوبُ فَلَا أَقَلَّ مِنَ النَّدْبِيَّةِ وَنَحْنُ بِهَذَا الْقَوْلِ نَقُولُ"۔[1958]

ترجمہ: آمین کے بارے میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ دُعاء ہے اور دوسرا یہ کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پس اگر یہ دُعاء ہے تو اس کو ہلکی آواز میں پڑھنا واجب ہے اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: "تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو" اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تب بھی اس کو ہلکی آواز میں پڑھنا واجب ہے، اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرتے رہو"۔ پس اگر (آمین کو آہستہ کہنے کا) وجوب ثابت نہ بھی ہو تب بھی یہ مستحب ہونے سے کم تو نہیں ہوگا، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَرَأَ: {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} قَالَ: "آمِينَ" وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ۔[1959]

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب سورہ فاتحہ ختم کی تو آہستہ آواز میں آمین کہی۔

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} وَلَا بِالتَّعَوُّذِ, وَلَا بِالتَّأْمِينِ۔[1960]

ترجمہ: حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما تسمیہ، تعوذ اور آمین بلند آواز میں نہیں کہا کرتے تھے۔

[1958] (تفسیر کبیر للرازی: 282/14)
[1959] (مسند احمد: 18854)
[1960] (شرح معانی الآثار: 1208)

خَمْسٌ يُخْفِينَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَالتَّعَوُّذُ، وَبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَآمِينَ، وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔[1961]

ترجمہ: مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانچ چیزیں آہستہ آواز میں کہیں گے: ثناء، تعوذ، تسمیہ، آمین اور تحمید۔

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حُجْرًا أَبَا الْعَنْبَسِ قَالَ: سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ، يُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ، وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ وَائِلٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَرَأَ {غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} قَالَ: «آمِينَ» خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ۔[1962]

ترجمہ: حضرت شُعبہ سے مَروی ہے کہ سلمہ بن کُہیل فرماتے ہیں کہ میں نے حُجر ابو العنبَس سے سنا ہے وہ فرمارہے تھے کہ میں نے علقمہ بن وائل سے سنا، وہ(اپنے والد) حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جبکہ (حضرت حُجر ابو العنبَس کے قول کے مطابق) میں نے خود بھی حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ اُنہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے (سورۃ الفاتحہ کے اختتام پر) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھا تو آہستہ آواز میں آمین کہا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا تعارض:

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت حدیث کی کئی معتبر کتابوں میں موجود ہے، اِس کو حضرت سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اِمام شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہی نے نقل کیا ہے، حضرت شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آمین آہستہ کہنے کا تذکرہ ہے جبکہ حضرت سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ زور سے آمین کہنا نقل کرتے ہیں، اور دونوں ہی کی روایت کردہ حدیث صحیح ہے، اس میں صحت و ضعف کا کوئی فرق نہیں

[1961] (مصنف عبد الرزاق:2597)

[1962] (مسند ابو داؤد الطیالسی:1117)

،لہٰذا روایات کے اِس تعارض کو دور کرنے کیلئے ترجیح کے طریقے پر عمل کیا گیا ہے، آمین بالجہر کے قائلین نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ترجیح دی ہے جبکہ آمین بالسّر کے مسلَک کو اختیار کرنے والے اِمام شُعبہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

﴿آمین بالسّر کی روایت کے راجح ہونے کی وجوہات﴾

حضرت شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جس میں آمین کا سراًہونا مذکور ہے،اُس کے راجح ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

(1) آمین کے آہستہ کہنے کی روایت اَوفَق بالقرآن یعنی قرآن کریم کے زیادہ مطابق ہے،اِس لئے کہ "آمین" بالاتفاق ایک دُعائیہ کلمہ ہے اور دُعاء کے بارے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ اُسے آہستہ مانگنا چاہیئے،پس اِسی لئے آمین کا کلمہ بھی آہستہ ہی کہنا چاہیئے۔

(2) آمین کے آہستہ کہنے پر بہت سے صحابہ کرام حتی کہ خلفاء راشدین اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین کا بھی عمل ہے جو خود ایک بہت بڑی وجہ ترجیح ہے جس سے حضرت شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی آمین بالسّر کی روایت کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(3) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا زور سے آمین کہنا تعلیم و تلقین کیلئے یعنی سکھانے کیلئے تھا، مستقل عادتِ شریفہ نہیں تھی، چنانچہ خود صحابی رسول حضرت ابو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"فَقَالَ: «آمِينَ» يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ مَا أَرَاهُ إِلَّا يُعَلِّمُنَا"۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے (سورۃ الفاتحہ کے بعد) بلند آواز سے آمین کہا۔

جس کے بارے میں میرا خیال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیں سکھانے کیلیۓ زور سے آمین کہا تھا۔[1963]

اِسی طرح حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے:

"فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ: «آمِينَ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" کے الفاظ مَروی ہیں، یعنی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سورۃ الفاتحہ سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ آمین کہا ۔[1964]

غور کیجیۓ! مذکورہ روایت کا اِس کے علاوہ کوئی مطلب نہیں کہ یہ تین مرتبہ آمین کہنا لوگوں کو تعلیم دینے اور اُنہیں سکھانے کیلیۓ تھا، پس جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا خلافِ معمول ایک سے زائد مرتبہ آمین کہنا لوگوں کو سکھانے کیلیۓ تھا اِسی طرح خلافِ معمول آواز سے آمین کہنا بھی تعلیم و تلقین کیلیۓ تھا، کوئی مستقل عادتِ شریفہ نہیں تھی، ورنہ ان روایاتِ جہریہ کے ہوتے ہوئے حضرت عُمر، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے سراً آمین کہنے کا کیا مطلب ہو گا۔

(4) آمین کے زور سے کہنے کا مطلب بہت زیادہ اونچی آواز کے ساتھ آمین کہنا نہیں بلکہ اس سے "جہرِ خفیف" یعنی ہلکی آواز سے آمین کہنا مراد ہے جو سراً آمین کہنے کے خلاف نہیں، اور اس کی تائید کئی روایات سے ہوتی ہے۔

چنانچہ ابوداوٗد شریف کی ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے آمین کہنے کی کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

[1963] (الکنیٰ والاسماء للدولابی:1090)
[1964] (طبرانی کبیر:22/22)

”حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ“۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سورۃ الفاتحہ کے اختتام پر اتنی آواز سے آمین کہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے متصل پہلی صف کے کچھ لوگوں نے سنا۔[1965]

روایتِ مذکورہ میں ”مِنْ“ **تبعیضیہ یعنی بعضیت** کو بیان کرنے کیلئے ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ”پہلی صف کے کچھ لوگوں نے سنا“ پوری صف کے لوگوں کا سننا مراد نہیں، کیونکہ اگر یہ تبعیض کیلئے نہ ہو اور مطلب یہ لیا جائے کہ پہلی صف کے تمام لوگوں نے سن لیا تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ یہ کیسے مُمکن ہو سکتا ہے کہ پہلی صف میں دور تک دائیں بائیں جانب کے تمام لوگوں نے تو سن لیا ہو لیکن اِمام کے بالکل پیچھے قریب کے دوسری صف میں کھڑے ہوئے لوگوں تک بھی آواز نہ پہنچی ہو ۔

اِسی طرح ایک روایت میں ہے:

”حَتَّى يُسْمِعَ مَنْ يَلِيهِ“۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اِتنی آواز سے آمین کہتے کہ اپنے سے متصل لوگوں کو سنا دیا کرتے تھے۔[1966]

پس اِن روایات کی روشنی میں روایاتِ جہریہ کا مطلب بھی ”جہرِ خفیف“ ہی لیا جائے گا اور یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ عمل بھی لوگوں کو تعلیم دینے اور سکھانے

[1965] (ابو داؤد:934)
[1966] (مصنف عبدالرزاق:2632)

کیلئے تھا۔ پس اِس طرح روایات کا باہمی تضاد بھی باقی نہ رہے گا، حضرات صحابہ کرام کے عمل کی اتباع بھی ہو جائے گی اور دُعاء کا جو اصل ادب ہے اُس کی رعایت بھی ہو سکے گی۔

فان قیل۔ کہ آمین یا تو **الحمد** سے مربوط ہے یا پھر **الحمد** سے مربوط نہیں۔ اگر **الحمد** سے مربوط ہو تو **آمین** کا جہر واجب ہونا چاہیئے اور اگر یہ **الحمد** سے مربوط نہیں تو **آمین** کہنے سے سجدہ سہو واجب ہونا چاہئے کیونکہ **الحمد** کے ساتھ سورت کو ضم کرنا واجب ہے جبکہ **آمین، الحمد** اور سورت کے درمیان فاصل یعنی فاصلہ پیدا کرنے والی ہوئی۔ **قلنا۔آمین** معنی فاتحہ سے مربوط ہے اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور فصل یعنی فرق بھی لازم نہ ہوا اور لفظاً فاتحہ سے نہیں اس لئے کہ دونوں شبہوں پر عمل کی وجہ سے اس کا جہر واجب نہ ہوا اور آمین معنی الحمد سے اس لئے ہے کہ یہ الحمد کے معنی کی تاکید کرتی ہے کہ معنی یہ ہے کہ اے اللہ جس طرح میں نے الحمد میں عرض کی ہے اس طرح کر دے۔**من الصفات و الثناء و السوال من الغضب و الاضلال**۔ اور وہ صفت ہو یا ثناء یا سوال ہو غضب اور گمراہی سے کہ اے اللہ اس سے مجھ کو بچائے۔

(و الالتفات یمیناو شمالا۔) دائیں اور بائیں جانب نظر پھیرنا حرام یعنی مکروہ تحریمی ہے۔**(بتحویل بعض الوجہ۔)** تھوڑا سا چہرہ پھیرتے ہوئے اور پورا چہرہ پھیرتے ہوئے نظر کرنا ظناً حرام ہے اور سینہ پھیرتے ہوئے نظر کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور چہرے کو قبلے کی طرف متوجہ کرنا فرض ہے جو ساقط ہو گیا اس لئے نماز فاسد ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے التفات نماز کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

إنّما هو اختلاسٌ يختلِسُه الشّيطانُ مِن صلاةِ العبدِ۔[1967]

یہ ایک موقع ہے کہ شیطان بندے کی نماز سے چوری کرلیتا ہے۔

اور حضرت ابوذرر ضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

لا يزالُ اللّٰهُ مُقبلاً على العبدِ في صلاتِهِ ما لم يلتفت فإذا صرفَ وجْهَهُ انصرفَ عنهُ۔[1968]

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس وقت تک دیکھتا ہے جب تک بندہ نماز میں ہو اور اس وقت تک دیکھتا ہے جب تک بندہ کسی دوسری طرف نہ دیکھے اور جب وہ دوسری طرف دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے نظر پھیر لیتا ہے۔

یہ حدیث جو اس باب میں بیان کی گئی ہے نہ کہ حرمت۔ اور آنکھوں کے گوشوں سے دائیں بائیں دیکھنے کو مباح کہا گیا ہے کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فعل موجود نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا بُنَيَّ، إِيَّاكَ وَالِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ الِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ۔

(سنن الترمذی، ص ۱۱۰)

[1967] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٣٢٩١• أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٩١٠• ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ٢٢٨٧• العقيلي (٣٢٢هـ)، لسان الميزان ٥/٥٨• ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، التمهيد ٣٩١/١٧• موفق الدين ابن قدامة (٦٢٠هـ)، المغني ٣٩١/٢• الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الجامع ٧٠٤٧• صحيح الترمذي ٥٩٠• والنسائي (١١٩٦)، وأحمد (٢٤٤١٢)

[1968] ابن حزم (٤٥٦هـ)، المحلى ٧٧/٣• المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٢٥٤/١• المزي (٧٤٢هـ)، تهذيب الكمال ١٣/٢١• الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ٨٩/٢• ابن رجب (٧٩٥هـ)، فتح الباري لابن رجب ٣٩٩/٤• الرباعي (١٢٧٦هـ)، فتح الغفار ٤٠٧/١• الألباني (١٤٢٠هـ)، صفة الصلاة ٩٠• شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج رياض الصالحين ٤٨٧/١• أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٩٠٩• البغوي (٥١٦هـ)، شرح السنة ٣١٦/٢• العراقي (٨٠٦هـ)، المستخرج على المستدرك ٨٥• ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ٤٤٥/١• الكمال بن الهمام (٨٦١هـ)، شرح فتح القدير ٤٢١/١• شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج مشكل الآثار ١٤٢٨•

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اُن سے فرمایا: اے بیٹے! بچاؤ اپنے آپ کو نماز میں التفات سے کیونکہ نماز میں التفات (اِدھر اُدھر دیکھنا) ہلاکت کا باعث ہے۔ پس اگر التفات ہو تو پھر فرائض میں نہیں ہونا چاہیئے۔ مکروہ ہونے کے باوجود نفل میں ایک حد تک قابلِ برداشت ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ۔

(بخاری، ج ۱، ص ۱۰۴، ترمذی، ص ۱۱۰، نسائی، ج ۱، ۱۷۷)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سوال کیا نماز میں التفات کے بارے میں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا یہ التفات اچکنا ہوتا ہے جو بندے کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا ہے۔

وعن أبا ذر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال الله عز وجل مقبلا على العبد في صلاته مالم يلتفت فإذا صرف وجهه انصرف عنه۔

(مسند احمد، ج۵، ص ۱۷۲، ابو داؤد، ج ۱، ص ۱۳۱، نسائی، ج ۱، ص ۱۷۷، دارمی، ج ۱، ص ۲۷۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ برابر متوجہ رہتا ہے بندہ کی طرف جب تک وہ نماز میں ہوتا ہے جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی توجہ ہٹا دیتا ہے۔

عَنْ كَعْبٍ, قَالَ: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَقُومُ مُصَلِّيًا إِلاَّ وُكِّلَ اللهُ مَلَكٌ يُنَادِي: يَا ابْنَ آدَمَ, لَوْ تَعْلَمُ مَا لَكَ فِي صَلاَتِكَ وَمَنْ تُنَاجِي, مَا الْتَفَتَّ۔

(شعب الایمان للبیھقی، ج۴، ص۴۸۷)

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو مومن کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ اس کے لئے مقرر فرما دیتا ہے وہ پکار کر کہتا ہے: اے ابن آدم! اگر تو جانتا تیری نماز کیا ہے اور تو کس سے مناجات کرتا ہے تو کبھی بھی التفات نہ کرتا۔

(والنظر الی السماء) اور (سر کو چہرے کے ساتھ برابر رکھتے ہوئے) آسمان کی طرف نظر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:[1969]

ما بالُ أقوامٍ يرفعونَ أبصارَهم إلى السَّماءِ حتّى اشتدَّ قولُهُ في ذلِكَ لَينتَهنَّ عن ذلِكَ أو ليخطفَنَّ اللهُ أبصارَهم۔[1970]

کیونکہ نماز میں آنکھوں کا آسمان کی طرف اٹھانا بھی التفات ہے اور التفات حرام ہے اور مطلوب الفقہ میں ذکر ہے کہ آسمان کی طرف نہ دیکھنا ادب ہے اور شیخ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے زواجر میں ذکر کیا ہے کہ نماز کی حالت میں آسمان کی طرف نظر کرنا کبائر میں سے ہے۔

(والاتکاء علی الاسطوانۃ) اور نماز میں ستون کے ساتھ تکیہ لگانا حرام ہے۔ **(او الیدین)** یا دونوں ہاتھوں کے ساتھ البتہ ایک ہاتھ سے تکیہ لگانا مکروہ ہے نہ کہ حرام۔ **(ونحوھما بلا عذر)** یا کسی دوسری چیز کے ساتھ تکیہ لگانا جیسے دیوار، لاٹھی، درخت اور پتھر وغیرہ بغیر عذر کے یعنی عذر کی وجہ سے تکیہ لگانا مکروہ نہیں بلکہ مباح ہے جیسے مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے۔ اور عذر کی وجہ سے تکیہ

[1969] کیسے ھیں وہ لوگ جو نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھالیتے ھیں حضور ﷺ نے بھت شدت کے ساتھ یہ بات ظاھر کی یھاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس دیکھنے سے ان کی بصارت جاتی رھے گی یا آنکھ چندھی ھو جائے گی۔

[1970] الألباني (١٤٢٠ هـ)، صحيح ابن ماجه ٨٦٣ •صحيح •أخرجه البخاري (٧٥٠)، وأبو داود (٩١٣)، والنسائي (١١٩٣)، وابن ماجه (١٠٤٤) واللفظ له، وأحمد (١٢٠٦٥) •شرح رواية أخرى۔

لگانا نماز فرض، واجب اور سنتوں میں مباح ہے جبکہ نفل نماز میں اتفاق کے ساتھ بغیر عذر کے بھی تکیہ لگانا جائز ہے۔

فان قیل۔اول۔ تکیہ کو عمومات حرام نماز میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ نوافل میں مکروہ نہیں ۔دوم۔اس بات میں مکروہات کے باب سے مخالف ہوئی کیونکہ مکروہات کے باب میں کہا ہے کہ:[1971]

والاعتمادعلی الاستوانةمکروہ فی غیر نوافل۔

ہم اول کا جواب دیتے ہیں کہ عموم اموراضافیہ میں سے ہے تو تکیہ کا عموم فرض،واجب اور سنت کا ہے۔اور دوم کا جواب یہ ہے کہ تکیہ اور اعتماد کے درمیان لغۃً فرق ہے یعنی تکیہ قیام،رکوع ،سجدہ اور قعدہ کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور اعتماد سجدہ سے اٹھنے کی حالت میں ہاتھوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب نمازی پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو جلسہ خفیفہ کرے پھر قیام کیلئے اٹھے اور اٹھنے میں دونوں ہاتھوں سے تکیہ کرتے ہوئے اٹھے۔

(ورفع الیدین فی غیر ماشرع) اور ہاتھوں کو ان جگہوں کے علاوہ اٹھانا حرام ہے جہاں پر ہاتھوں کو اٹھانا جائز ہے اور وہ جگہیں ہمارے مذہب کے مطابق سات ہیں ۔ تین نماز میں کہ وہ تکبیر اولیٰ، تکبیر قنوت اور تکبیرات عیدین ہیں اور چار حج کے موقع پر۔اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازی تکبیر رکوع سے پہلے اور تکبیر رکوع سے اٹھنے کے بعد بھی ہاتھ اٹھائے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تکبیر افتتاح، تکبیر رکوع اور تکبیر رکوع سے اٹھنے میں بھی ہاتھ اٹھاتے تھے۔ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

[1971] اور دیوار یا ستون کے ساتھ تکیہ لگانا مکروہ ھے بغیر نفل نماز کے یعنی نفلوں میں تکیہ لگانا جائز ھے۔

واصحابہ وبارک وسلم صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے تھے اوراس کے بعد تکبیرات نماز میں سے کسی تکبیر میں بھی ہاتھ نہ اٹھاتے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ حدیث ابتدائے اسلام کے متعلق ہے جو حضرت امام اعظم صوفی کوفی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

﴿رکوع میں جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین نہ کرنا﴾

اِس مسئلہ میں بھی بعض لوگ بڑی شدّت اور غُلو سے کام لیتے ہیں اور رفع یدین نہ کرنے والوں کی نماز کو فاسد اور ناقص قرار دیتے ہیں ، اِس لئے اِس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا جارہا ہے تاکہ حقیقت کو اچھی طرح سمجھا جاسکے: نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اُٹھتے ہوئے ہاتھوں کو کانوں تک نہیں اُٹھایا جاتا اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ قَالَ: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً۔[1972]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ لوگوں سے فرمانے لگے: میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بتاؤں ؟ اُس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ تکبیر میں ہاتھوں کو اٹھایا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ»۔[1973]

[1972](نسائی:1058)(ابو داؤد:748)
[1973](مسند ابویعلیٰ موصلی:5039)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں بھی اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ لَا يَعُودُ۔[1974]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں قریب تک اُٹھاتے پھر اُس کے بعد (رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اُٹھتے ہوئے) دوبارہ نہیں اُٹھاتے تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ۔[1975]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا، آپ نے نماز کے شروع میں اپنے ہاتھ اُٹھائے پھر فارغ ہونے تک دوبارہ نہیں اُٹھائے۔

حضرت براء بن عازب اور عباد بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہی عمل منقول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا اور اُس کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھائے۔

[1974] (ابو داؤد:748)
[1975] (ابو داؤد:752)

عَن عباد بن الزبير رَضِيَ اللهُ عَنهُ أن رَسول الله صَلّى اللهّ عَلَيهِ وَسَلّم كَانَ إِذا افْتتح الصَّلَاة رفع يَدَيْهِ فِي أول الصَّلَاة ثمَّ لم يرفعها فِي شَيْء حَتَّى يفرغ۔[1976]

ترجمہ: حضرت عباد بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب نماز شروع کرتے تو نماز کے شروع میں اپنے ہاتھ اُٹھاتے پھر (نماز سے) فارغ ہونے تک کسی بھی رکن میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ»۔[1977]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہمارے پاس (حجرہ سے) نکل کر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ نماز میں اپنے ہاتھوں کو ایسے اُٹھا رہے ہو جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑے کی دُمیں ہیں (ایسا نہ کیا کرو) نماز میں سکون سے رہا کرو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ وَحِينَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَيَنْظُرُ إِلَى الْبَيْتِ، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الصَّفَا، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الْمَرْوَةِ، وَحِينَ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَبِجَمْعٍ، وَالْمَقَامَيْنِ حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ»۔[1978]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: ہاتھوں کو صرف سات مقامات پر اُٹھایا جائے گا: نماز شروع کرتے ہوئے، جب مسجدِ حرام میں داخل ہو کر بیت اللہ پر نگاہ پڑے، جب صفاء کی پہاڑی پر چڑھے، جب مروہ کی پہاڑی پر

[1976] (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ:152/1)
[1977] (مسلم:430)
[1978] (طبرانی کبیر:12072)

چڑھے، جب عرفہ کی شام لوگوں کے ساتھ وقوف کرے، اور مزدلفہ میں (وقوفِ مزدلفہ کے وقت) دونوں مقام پر جبکہ جمرہ کی رمی کرے۔

ترکِ رفعِ یدین کے مسئلہ میں خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا عمل:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ"۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں بھی اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔[1979]

حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَّا حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ"۔

میں نے سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، اُنہوں نے نماز کے شروع میں تکبیر کے علاوہ کسی اور جگہ ہاتھ نہیں اُٹھایا۔[1980]

حضرت عاصم بن کلیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں:

"أَنَّ عَلِيًّا، كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَا يَعُودُ"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر (آخر تک) دوبارہ نہیں اُٹھاتے۔[1981]

[1979] (مسند ابو یعلیٰ موصلی: 5039)
[1980] (مُصنّف ابن ابی شیبہ: 2454)
[1981] (مصنّف ابن ابی شیبہ: 2442)

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت نُعیم مُجمِر اور ابو جعفر قاری رحمۃ اللہ علیہما نے خبر دی ہے:

”أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصلّي بِهِم فَكبّر كُلّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ“۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اُنہیں نماز پڑھاتے تھے تو ہر اُٹھتے اور جھکتے ہوئے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہتے تھے۔

حضرت ابو جعفر قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَكَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِينَ يُكَبِّرُ وَيَفْتَحُ الصَّلٰوةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔[1982]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَا يَسْتَفْتِحُ، ثُمّ لَا يَرْفَعُهُمَا“۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے شروع میں (تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے) ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر (آخر تک) نہیں اُٹھاتے۔[1983]

حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مَا رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلّا فِي أَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ“۔

میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھا۔[1984]

حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[1982] (مؤطا امام محمد:88)
[1983] (مصنّف ابن ابی شیبہ:2443)
[1984] (مصنّف ابن ابی شیبة:2452)

”صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ“۔

میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی، اُنہوں نے نماز کی صرف تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اُٹھایا۔[1985]

ترکِ رفعِ یدین کے مسئلہ میں کبار تابعین کا عمل:

حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ، قَالَ: وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ، وَالشَّعْبِيَّ يَفْعَلَانِ ذَلِكَ“۔

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی تکبیر (تکبیرِ تحریمہ) میں اپنے ہاتھ اُٹھاتے پھر دوبارہ (آخر تک) نہیں اُٹھاتے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت شعبی رحمہما اللہ کو بھی دیکھا کہ وہ بھی اِسی طرح کرتے تھے۔[1986]

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے:

”أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا“۔

وہ صرف پہلی تکبیر (یعنی تکبیرِ تحریمہ) میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر (آخر تک) نہیں اُٹھاتے۔[1987]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لَا تَرْفَعْ يَدَيْكَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا فِي الِافْتِتَاحَةِ الْأُولَى“۔

[1985] (طحاوی:1357)
[1986] (طحاوی:1364)
[1987] (مصنّف ابن ابی شیبہ:2444)

نماز کے شروع میں (تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے) ہاتھ اُٹھاؤ اور اس کے علاوہ نماز کے کسی بھی رکن میں مت اُٹھایا کرو۔[1988]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إِذَا كَبَّرْتَ فِي فَاتِحَةِ الصَّلَاةِ فَارْفَعْ يَدَيْكَ، ثُمَّ لَا تَرْفَعْهُمَا فِيمَا بَقِيَ“۔

جب تم نماز کے شروع میں تکبیر کہو تو اپنے ہاتھوں کو اُٹھاؤ پھر بقیہ پوری نماز میں ہاتھوں کو نہ اُٹھاؤ۔[1989]

حضرت اسود اور حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں آتا ہے:

”كَانَا يَرْفَعَانِ أَيْدِيَهُمَا إِذَا افْتَتَحَا ثُمَّ لَا يَعُودَانِ“۔

وہ دونوں نماز کے شروع میں ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے پھر دوبارہ نہیں اُٹھاتے۔[1990]

حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ لَا يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ، قَالَ وَكِيعٌ: ثُمَّ لَا يَعُودُونَ“۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگرد صرف نماز کے شروع میں (تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے) ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ دوبارہ نماز کے آخر تک دوبارہ ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔[1991]

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لَا أَعْرِفُ رَفْعَ الْيَدَيْنِ فِي شَيْءٍ مِنْ تَكْبِيرِ الصَّلَاةِ لَا فِي خَفْضٍ وَلَا فِي رَفْعٍ“۔

[1988](مصنّف ابن ابی شیبہ:2447)
[1989](مصنّف ابن ابی شیبہ:2445)
[1990](مصنّف ابن ابی شیبہ:2453)
[1991](مصنّف ابن ابی شیبہ:2446)

کہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ (نماز کے اندر) کسی چیز میں رفعِ یدین نہیں جانتا، نہ ہی جھکنے میں اور نہ اُٹھنے میں۔

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت عبد الرحمان بن قاسم فرماتے ہیں:

"كَانَ رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ مَالِكٍ ضَعِيفًا إِلَّا فِي تَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ"۔

تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین کرنا اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضعیف مسلک تھا۔[1992]

اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ رفعِ یدین کا مسلک اِس لئے اختیار کیا کیونکہ اُن کے نزدیک اہلِ مدینہ کا عمل ایک حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ علّامہ ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مِنْ أُصُولِ مَالِكٍ اتِّبَاعُ عَمَلِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَإِنْ خَالَفَ الْحَدِيْثَ"۔

یعنی اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اُصول میں سے ہے کہ وہ اہلِ مدینہ کے عمل کی اتباع کرتے ہیں اگرچہ وہ حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔[1993]

پس اِس سے معلوم ہوا کہ مدینہ منوّرہ جو کہ اہلِ علم اور عالَمِ اِسلام کا عظیم مرکز ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا جائے سکونت ہے، وہاں کے رہنے والے بھی تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ کہیں رفعِ یدین نہیں کیا کرتے تھے، نیز اِسی سے یہ بھی واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا آخری عمل "ترکِ رفعِ یدین" کا تھا، اِسی وجہ سے خلفاءِ راشدین صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اِسی کو اختیار کیا ہے۔ علم و عمل کا عظیم مَرکز جسے دنیا

[1992](المدوّنۃ الکبریٰ:165/1)

[1993](بدائع الفوائد للجوزی:32/4)

"کوفہ" کے نام سے جانتی ہے، اور جہاں حضرات صحابہ کرام و تابعین کی ایک بڑی جماعت رہی ہے ،وہاں کے رہنے والوں کا بھی مسلک "ترکِ رفعِ یدین" ہی کا تھا۔

چنانچہ اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ،وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ،وَأَهْلِ الكُوفَةِ"۔

یعنی بے شمار اہلِ علم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اسی کے قائل ہیں اور یہی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ کوفہ کا قول ہے۔(یعنی نماز میں صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفعِ یدین کیا جائے گا)۔[1994]

فقہِ حنفی کے سب سے بڑے ناقل حضرت اِمام محمّد رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "مؤطاءاِمام محمد" میں لکھتے ہیں:

"فَأَمَّا رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ فَإِنَّهُ يَرْفَعُ الْيَدَيْنِ حَذْوَ الْأُذُنَيْنِ فِي ابْتِدَاءِ الصَّلٰوةِ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ"۔

اور بہر حال نماز میں رفعِ یدین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک مرتبہ نماز کی اِبتداء میں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھائے، پھر اس کے بعد نماز میں کسی بھی جگہ ہاتھ نہ اُٹھائے۔ اور یہ سب حضرت اِمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔[1995]

رفعِ یدین کی روایات قابلِ عمل کیوں نہیں:

[1994](ترمذی،رقم الحدیث:257)
[1995](مؤطا اِمام محمّد:90،91،میزان)

ائمّہ اربعہ میں دو بڑے اور مشہور اِمام یعنی اِمام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے کھڑے ہوتے ہوئے رفعِ یدین کے قائل نہیں، اور اُنہوں نے رفعِ یدین کی روایات کو اِس لئے ترجیح نہیں دی کیونکہ وہ احادیث متن کے اعتبار سے مضطرب(مختلف) ہونے کی وجہ سے قابلِ اِستدلال نہیں ، چنانچہ رفعِ یدین کی "أصح مافي الباب" یعنی سب سے زیادہ صحیح روایت جس کو رفعِ یدین کے بارے میں سب سے مضبوط اور ٹھوس دلیل قرار دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اُسے "حجۃ اللہ علی الخلق" کا درجہ دیا گیا ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے، جسے اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

"عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ:أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلاَةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نماز کا یہ طریقہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کے شروع میں تکبیر کہتے ہوئے، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اُٹھا کر رفعِ یدین کیا کرتے تھے۔[1996]

لیکن یہ حدیث متن کے اعتبار سے مضطرب(یعنی مختلف) ہے، یعنی اِس کے الفاظ کے اندر بڑی کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ حدیث قابلِ اِستدلال نہیں، اور اِس کے اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں بکثرت یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ نماز میں رفعِ یدین یعنی ہاتھوں کے اُٹھانے کا عمل کتنی مرتبہ اور کہاں کہاں کیا جائے گا، چنانچہ:☆...ایک روایت میں صرف رکوع سے اُٹھ کر رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1997]

[1996](بخاری:735)
[1997](مؤطا مالک:210)

☆...ایک روایت میں دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کے بعد بھی رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1998]

☆...صرف سجدہ میں جاتے ہوئے بھی رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[1999]

☆...ایک اور روایت میں ہر خفض و رفع یعنی نماز میں ہر اونچ پنچ کے وقت رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[2000]

☆...ایک روایت میں صرف نماز کے شروع میں تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے رفعِ یدین کا ذکر ہے۔[2001]

مذکورہ بالا تمام احادیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مَروی ہیں، اور ان سب میں دیکھ لیجئے کہ کس قدر شدید متن کا اختلاف و اضطراب پایا جاتا ہے، نیز خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ اِس "أصح مافي الباب" روایت کے راوی ہیں، خود اُن کا عمل بھی رفعِ یدین کا نہیں تھا، چنانچہ مشہور اور جلیل القدر تابعی حضرت مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ایک طویل زمانہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گزارا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھا۔[2002]

[1998](بخاری:739)
[1999](طبرانی اوسط:16)
[2000](شرح مشکل الآثار:5831)
[2001](نصب الرّایۃ:404/1)(مستخرج ابی عوانہ:1572)
[2002](مصنّف ابن ابی شیبۃ:2452)(طحاوی:1357)

جبکہ ترکِ رفعِ یدین کی روایات غیر مضطرب ہیں جن میں سند اور متن کا کوئی اختلاف اور اضطراب بھی نہیں پایا جاتا، اور نہ ہی اُن کے راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہے پس ایسے میں اُنہیں کیوں اختیار نہ کیا جائے اور وہ کیوں قابلِ ترجیح نہ ہوں۔

اور پھر اُس پر مزید یہ کہ وہ روایات قرآن کریم کے مُوافق اور تعاملِ صحابہ کے مطابق بھی ہیں، چنانچہ قرآن کریم کی آیات: ﴿قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ اور ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُون﴾ سے اِسی کی تائید ہوتی ہے، نیز خلفاءِ راشدین سمیت کئی صحابہ کرام اور تابعین کا عمل بھی اِسی کے مطابق رہا ہے اور اِسی وجہ سے اہلِ علم کے دو بڑے مرکز مدینہ منوّرہ اور کوفہ کے فقہاء کرام نے اِسی کو اختیار کیا تھا۔

(ورفع الاصابع فی الرکوع والسجود عن الارض) اور رکوع وسجدے کی حالت میں زمین سے پاؤں کی انگلیوں کو اٹھانا حرام ہے چاہے ایک پاؤں کی ہوں یا دونوں کی اور سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیاں اٹھانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ "کبیری" اور بعض "شروح" میں کہا گیا ہے کہ سجدے میں انگلیوں کے اٹھانے سے مراد سر کو سجدے میں رکھنے کے بعد انگلیاں اٹھانا ہے اس صورت میں فرضیت سجدہ ادا ہو گیا اور اگر پیشانی کو زمین سے پہلے سب انگلیاں اٹھ گئیں یا پیشانی رکھی اور پھر پاؤں کی انگلیوں کو اٹھالیا تو سجدے کا فرض فوت ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہو گئی اور "سراجیہ "میں کہا گیا ہے کہ سجدے میں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا فرض ہے اس لئے اگر قدموں کی اٹھی ہوئی حالت میں سجدہ کیا تو نماز فاسد ہوئی اور "بعض علماء" کہتے ہیں کہ اس طرح مکروہ تحریمی ہے اور "زاہدی "نے دو روایات نقل کی ہیں کہ سجدے میں پاؤں کا اٹھانا نماز کیلئے فساد ہے جیسا کہ "قنیہ" میں کہا گیا ہے اور یہ پیشانی کے رکھنے کی ابتداء سے پیشانی

کو اٹھانے تک قدموں کے اٹھانے پر محمول ہے یا پیشانی کے رکھنے کی حالت میں یا پیشانی کے رکھنے اور اٹھانے کی درمیانی حالت میں۔

ان حالتوں میں سے ایک حالت میں بھی پاؤں کا اٹھانا حرام ہے اور "قاضی خان" کے قول کے مطابق ایک یا دونوں پاؤں کا اٹھانا مکروہ تحریمی ہے اور پیشانی کو رکھنے کی حالت میں قدموں کو اٹھانا یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر لگے ہوں اور قدم زمین سے اوپر۔

(والجلوس علی عقبیہ للتشھد) اور تشہد کی حالت میں ایڑیو ں پر بیٹھنا حرام ہے اور قید تشہد کی وجہ سے جلسہ سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ جلسہ میں ایڑیوں پر بیٹھنا مکروہ ہے جبکہ تشہد میں حرام کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ

یاعلی انی احب لک مااحب لنفسی واکرہ لک مااکرہ لنفسی الالاتقعدبین سجدتین علی عقبیک۔[2003]

فان قیل۔ مکروہات کے باب سے مخالفت ہوئی کیونکہ مکروہات کے باب میں کہا گیا ہے کہ **الاقعاء** اور اس باب میں کہا ہے کہ **والجلوس علی عقبیہ۔**[2004] **قلنا۔والجلوس علی عقبیہ** اور **اقعاء** کے درمیان فرق ہے **جلوس علی عقبیہ** اس کو کہا جاتا ہے کہ قدموں کھڑا کیا جائے اور ایڑیوں پر بیٹھا جائے اور اس فعل میں قعدہ مسنونہ کا ترک ہے اور **اقعاء الکلب** اس کو کہا جاتا ہے کہ

[2003] آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کو فرمایا اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ھوں وھی چیز تمھارے لئے پسند کرتا ھوں جو چیز اپنے لئے بری سمجھتا ھوں وہ تمھارے لئے بری سمجھتا ھوں خبردار رھو کہ دوسجدوں کے درمیان ایڑیوں پر مت بیٹھو۔

[2004] اور ایڑیوں پر بیٹھنا۔

سرین کو زمین پر رکھ دیا جائے اور گھٹنوں کو کھڑا کر دیا جائے جیسے کتا بیٹھتا ہے تو یہ فعل جلسہ اور قیام میں مکروہ ہوئے اور تشہد کی حالت میں حرام۔

(والعبث بثوبه) اور نماز کی حالت میں کپڑوں کے ساتھ کھیلنا حرام ہے۔ **اوبدنه دون الثلث**۔ یا بدن کے ساتھ تین دفعہ سے کم یعنی کھیل کو د کپڑوں کے ساتھ ہو یا بدن کے ساتھ۔ دونوں صورتوں میں حرام ہے اور اگر نماز میں عبث تین دفعہ ہو جائے تو بعض علماء کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے فقہاء روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

عن يحيى بن أبي كثير: إن اللهَ كرِه لكم ثلاثًا العبثَ في الصلاةِ والرفثَ في الصيامِ والضحكَ في المقابرِ[2005]۔

(اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں بری سمجھتا ہے۔ اول: رمضان المبارک میں بری باتیں کرنا۔ دوم: نماز میں عبث کرنا۔ سوم: قبرستان میں ہنسنا۔) اور عبث اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور عبث نماز میں حرام ہے جبکہ نماز سے باہر مکروہ ہے۔

(والاشارة بالسبابة كاهل الحديث) اہل حدیث لوگوں کی طرح نماز میں شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا حرام ہے۔

اشارہ بسبابہ تشہد میں تحقیق

جاننا چاہیئے کہ ہمارے ملک کے علماء کرام اس مسئلہ "اشارہ" میں مختلف ہیں بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اشارہ سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اس وجہ سے دونوں میں افراط و تفریط ہوئی

[2005] الزيلعي (٧٦٢هـ)، نصب الراية ٢/٨٦ • مرسل۔ ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، الدراية ١/١٨١ • الذهبي (٧٤٨هـ)، ميزان الاعتدال ١/٢٤٢ • شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سير أعلام النبلاء ٨/٣٢٣ •

ہے وہ ایسا ہے کہ اشارہ شہادت کی انگلی سے بہت سی احادیث اور بے شمار روایات میں مختلف کیفیات کے ساتھ وارد ہے تو اس وجہ سے مذاہب ثلاثہ کے علماء اس کی سنت کی طرف گئے ہیں لیکن امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولاً اور نہ فعلاً یا ان احادیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یا بوجہ اختلاف جو کہ متن میں واقع ہے جو موجب ہوا اضطراب کا جو توقف کو واجب بناتا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں تو کتب ستہ (للامام محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ) جو مسمی ہیں ظاہر المذہب اور ظاہر الروایۃ کے ساتھ تو یہ اشارہ شہادت کی انگلی کے ساتھ تعرض سے خالی ہیں اور متون جو وضع کئے گئے ہیں مذہب کے نقل کرنے میں وہ سبھی خالی ہیں اور اس بات سے کہ اشارہ سنت ہے۔ یہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ ظاہر الروایت کی کتابیں جب ساکت ہیں اشارہ شہادت کی انگلی سے تو یہ نفی اشارہ کے لئے دلیل کس طرح ہو سکتی ہیں؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ علماء اصول فقہ نے اقسام بیانات میں ذکر کیا ہے کہ حاجت کی جگہ سکوت بیان کے لئے بیان ہے۔ جیسا کہ شفیع کا ساکت ہونا علم البیع کے وقت شفع کی طلب سے تو یہ دلیل تسلیم کی ہے اور صاحب شرع کا ساکت ہونا جس وقت وہ دیکھے اور اس کی طاقت اس کے منع پر بھی ہو اور یا حکم بھی دے سکتا ہو تو یہ دلیل ہے کہ وہ کام جائز ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ثبوت اشارہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول نہیں ہے لیکن ثابت ہوا صاحب اشارہ سے تو مؤمن کے لئے جائز ہے کہ وہ اعتراض کرے **عما ثبت عن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم** سے تو یہ کام مجتہد کا ہے اور ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے استخراج کی طرف ان کی طرح اور مجتہد کی دلیل کتاب و سنت اجماع صحابہ اور قیاس ہے۔ اور جو مقلد ہے دلیل اس کی مجتہد کا قول ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم و مقصود کائنات

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فرمایا ہے۔

وبصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناخذ ھذا قولی وقول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کرنے سے اس پر عمل کرتے ہیں یہ میرا اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لیکن یہ روایت ظاہر الروایت میں مندرج نہیں ہے تو انکی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذھب کا ہے پس لازم ہے مفتی مقلد پر کہ وہ مذہب پر فتویٰ دے نہ کہ روایت پر۔

محقق ابن عابدین شامی نے فرمایا ہے:

"کل ما یخالف ظاھر الروایۃ فھو دلیل رجوع الامام عنہ فلا ینبغی ان یفتی بہ وان العمل والافتاء بالاقوال الضعیفۃ والروایات المرجوحۃ جھل وخرق الاجماع۔

جو روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہو تو وہ امام کے اس سے رجوع کی دلیل ہے تو اس کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ اس پر فتویٰ دے کیونکہ عمل اور افتاء دینا اقوال ضعیفہ اور مرجوحہ روایات پر اجماع کو توڑنا ہے تو احناف کے معمولات میں سے یہ ہے کہ وہ عدم اشارہ پر فتویٰ دے کیونکہ مقلدین کی کتب مختلف ہیں اشارہ کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں لیکن اشارہ کی ممانعت کا فتویٰ مضبوط کے ساتھ پیوست ہے۔

دیکھو فتاویٰ عالمگیری وہ لکھتے ہیں:

"نقلاً عن الخلاصۃ وعلیہ الفتویٰ کذا فی المضمرات ناقلاً عن الکبریٰ وکثیر من المشائخ لا یرون الاشارہ (ص ۷۴ ج ۱) وقال فی درالمختار "الاعتماد علی ما علیہ الجم الغفیر المختار انہ لا یشیر وھو المختار"[2006]

[2006] (خلاصۃ ص ۵۵ درالمختار، ص ۸۰ ج ۲)

خلاصۃ الفتاوی سے نقل کرتے ہیں اور اس پر فتویٰ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے وہ کبریٰ سے نقل کرتے ہیں اور زیادہ مشائخ اشارہ نہیں کرتے تھے اور شامی میں ہے کہ جم غفیر کا اعتماد اس پر ہے کہ وہ اشارہ نہیں کرتے تھے اور یہ بات انہوں نے پسند کی ہے۔

اور ایسا ہی فتویٰ غوثیہ میں اشارہ کے نہ کرنے کو مختار کہا ہے۔وہ کتابیں جن میں اشارہ سبابہ (انگلی) سے منع لکھا ہے وہ یہ ہیں شرح الیاس ص ۱۲۸، ج ا۔

فتاویٰ قاضی خان سراجیہ ص ۱۱ نے مکروہ کہا ہے اور شیخ بدر الدین سرہندی نے اس کو مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حرام اور منع لکھا ہے۔

اگر ان دونوں روایتوں کو برابر تسلیم کیا جائے تو بھی اشارہ کا ترک کرنا بہتر ہے۔[2007] کے اس قول کے مطابق:

اذا تردد الحکم بین السنۃ و البدعۃ کان ترک السنۃ اولیٰ۔

جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے۔

اور بہتر بیان مجدد الف ثانی امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔[2008]

(نوٹ) حدیث اشارہ خبر واحد ہے اور خبر واحد علماء اصول کے نزدیک مشروط ہے دس شرائط پر پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عام حادثہ کے مخالف نہ ہو گی اور اشارہ کے اثبات والی حدیث عام حادثہ کے مخالف ہے پانچ وقت نماز کے لئے ہر وقت حاضر ہونا ضروری ہے اور دوسرے ساتھی بھی حاضر ہوتے

[2007] (درالمختار ج ا ص ۴۵۰)
[2008] (ج ۲ ص ۲۱۶ مکتوبات)

ہیں تو وہ کچھ نہیں کہتے اور صرف ایک صاحب کہتا ہے یہی بات شرح العقائد نے لکھی ہے۔ (ص۴۴،۸۱)

اور اشارہ اس لئے نہیں کرنا چاہیئے کہ تمام احادیث اشارہ کے اثبات والی وہ تمام کی تمام مضطرب ہیں بغیر امکان توفیق کے اور مضطرب کے متعلق حکم یہ ہے کہ یہ احادیث موقوف العمل ہیں تو ایسا ہوا کہ اس دنیا میں یہ احادیث موجود نہیں ہیں:

"وان وقع فی الاسناد او المتن اختلاف من الرواۃ بتقدیم وتاخیر او زیادۃ ونقصان او ابدال راوٍ مکان راوٍ آخر او متن مکان متن او تصحیف فی اسماء السندا واجزاء المتن او باختصار او حذف ومثل ذالک فالحدیث مضطرب الخ"۔

مقدمۃ المشکوۃ لشیخ عبدالحق الدھلوی (ص ۲) فان امکن الجمع فبھا والا فالتوقف (مقدمۃ الشیخ المذکور۔)

ترجمہ: اگر اسناد یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو یا اس کی تقدیم یا تاخیر یا زیادت وکمی یا ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی یا متن کی جگہ متن یا اسماء السند میں تصحیف یا متن کے اجزاء میں یا اختصار وحذف میں یا ان جیسا تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے مقدمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہی بات لکھی ہے اور اگر دونوں کا اکٹھا ہونا مناسب ہو تو ٹھیک ہے اگر دونوں کو اکٹھا کرنا مناسب نہ ہو تو پھر اس میں توقف ہے۔

اضطراب کی وجوہات

پہلی وجہ: قبض اصابعہ کلھا (الحدیث) تمام انگلیوں کو بند رکھے۔[2009]

[2009] (حدیث ابن عمر موطاء امام مالک ص ۹۶ وموطاء محمد ص ۱۰۸)

دوسری وجہ: وقبض ثنتین و حلقه (الحدیث) ابو داؤد، دارمی ثم مشکوٰۃ ص ۷۷) یعنی دو انگلیوں کو بند رکھے اور باقی انگلیوں سے حلقہ بنائے۔

تیسری وجہ: ترپین (۵۳) کا عقد بنائے۔[2010]

چوتھی وجہ: تیئیس (۲۳) کا عقد بنائے۔[2011]

پانچویں وجہ: مد کف الایمن علی فخذہ الیمنیٰ۔ دائیں کف کو کھینچے دائیں ران پر۔[2012]

وضع کفہ الیمنیٰ علی فخذہ الیمنیٰ۔ دائیں کف کو دائیں ران پر رکھنا۔[2013]

چھٹی وجہ یہ ہے: وضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطی۔[2014]

انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھنا۔

ساتویں وجہ یہ ہے یحر کھا۔ کہ اس سبابہ انگلی کو ہلائے۔[2015] اس میں اثبات دوام تجددی حرکت ہے۔ لا یحر کھا کہ اس انگلی کو نہ ہلائے۔[2016]

اس حدیث میں نفی دوام تجددی حرکت ہے اور ان وجوہات کی بنا پر ان روایات کی موافقت ممکن نہیں ہے۔

[2010] (حدیث ابن عمرو مسلم ثم المشکوٰۃ ص ۷۷)

[2011] (حدیث ابن زبیر مسلم ثم المشکوٰۃ ص ۷۷)

[2012] (الحدیث حدیث وائل بن حجر ابو داؤد، دارمی، مشکوٰۃ ص ۷۷)

[2013] (موطاء امام مالک ص ٦ ٩ و موطاء امام محمد ص ١٠٨)

[2014] (حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابن ماجہ و المشکوٰۃ ص ۷۷)

[2015] (حدیث وائل بن حجر ابو داؤد دارمی مشکوٰۃ)

[2016] (ابن زبیر ابو داؤد، نسائی مشکوٰۃ ص ۷۷)

مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ اشارہ بسبابہ کی تمام احادیث مضطرب ہیں۔[2017]

مولانا بحر العلوم عبد الجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تنبیہہ الاخوان میں لکھا ہے کہ اشارہ کے بارے میں احادیث تشہد میں مشکوٰۃ شریف ص ۸۵ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور وائل بن حجر اور پھر عبد اللہ بن زبیر فصل ثانی اور نافع سے مختلف روایات ذکر ہیں اور کیفیت اس کی پانچ یا سات طور ہیں تو تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ میں فرمایا گیا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں:

"قال الحمیدی قولہ و انما یو خذ بالآخر فالا خر من فعل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ھذالفظ البخاری و کذافی البخاری (ص ۹۶)۔

حمیدی نے فرمایا اس کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری فعل سے اخذ کیا جاتا ہے اور وہ آخری فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو یہ بخاری کے الفاظ ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

"ان الذی یجب بہ العمل ھو ما استقر علیہ آخر الامر من النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم وما کان قبلہ من ذالک مرفوع الحکم وھو الذی ذھب الیہ ابو حنیفہ و الشافعی و الثوری و جمھور السلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین[2018] و کذا قال اشعۃ اللمعات۔[2019]

"و عمل کردہ نمی شود مگر بہ آخر پس از فعل پیغمبر کہ ناسخ فعل اول است"۔

[2017] (مکتوبات ص ۳۱۲)

[2018] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۲۶ حاشیہ ص ۲)

[2019] (ترجمہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۸۸)

وکذا ص ۲۱۹ عمدۃ القاری للعینی علیہ الرحمۃ الجزء الخامس وہ جس پر عمل واجب ہے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری حکم ہے اور اس سے جو پہلا حکم ہو اس کا حکم اٹھایا جاتا ہے اور اس بات کی طرف امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام ثوری اور جمہور سلف گئے ہیں اور اشعۃ اللمعات میں بھی ایسا ہی فرمایا گیا ہے کہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل پر ہو گا اور وہ فعل اول کا ناسخ ہے ایسا ہی عمدۃ القاری میں ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل سے اشارہ کے متعلق معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں تو اس وجہ سے فقہاء اور اکابرین کے درمیان اشارہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اس کو مکروہ کہتے اور بعض اس کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ ظہیری اور خلاصۃ الفتاویٰ اور عتابیہ وبزازیہ وتارتار خانیہ وجامع المضمرات وغیرہ میں ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری ص۵۸ میں ذکر کیا گیا ہے:

"والمختار انہ لا یشیر وعلیہ الفتویٰ وکثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ وکرھھا کذا فی التبیین"۔

مختار یہ ہے کہ اشارہ نہیں کرنا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت نہیں جانتے تھے اور اس کو مکروہ جانتے تھے ایسا ہی تبیین میں لکھا ہے تو یہ اختلاف کیفیت اشارہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہے اور ایسا ہی اختلاف اکابر علماء سے کیفیت کے بارے میں ہے تو تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے اس لئے کہ صلوۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عام ہے اور حادثہ بھی عام ہے اور ہر صحابی کی روایت میں کیفیت کی خصوصیت نہیں ہے مگر یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

قال فی فصول الشاشی "ومن صور مخالفتہ الظاھر عدم اشتھار الخبر فیما یعم بہ البلویٰ فی الصدور الاول والثانی فاذا لم یشتھر الخبر مع شھرۃ الحاجۃ وعموم البلویٰ کان ذالک

علامة عدم صحة (ص۷۷) فصول الشاشی وهو مختار ابی حسن الکرخی من اصحابنا المتقدمین وهو مختار المتاخرین منهم۔[2020]

فصول شاشی میں ہے ظاہر کی مخالفت کی شکل یہ ہے کہ جہاں عام بلویٰ ہو اور خبر کی شہرت نہ ہو پہلے اور دوسرے زمانوں میں اور جب سخت حاجت اور بلویٰ کے ساتھ بھی خبر کی شہرت نہ ہو تو یہ عدم صحت کی علامت ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ ابی الحسن کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کی متقدمین میں سے مختار روایت ہے۔ اور متأخرین میں سے بھی یہ اختیار کیا گیا ہے۔

اور ایسا ہی مولوی علی الحسامی ص ۲۹۱ نے لکھا ہے:

"حتی لو کان وروده فیما یعم به البلوی یعنی ورود الخبر الواحد لا یقبل لان خبر النبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم فیما به البلویٰ لو یقتصر علی مخاطبة الاحاد بل یلقیه الی عددٍ قد یحمل به التواتر فی الشیاعة یشتهر علم انه سهو او منسوخ"۔[2021]

یہاں تک کہ عموم بلویٰ میں وہ وارد ہو یعنی خبر واحد کا ورود ہو تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اس معاملہ میں جہاں بلویٰ ہو تو خبر واحد پر اقتصار نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ کئی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ جن کے شائع ہونے میں تواتر حاصل ہو اور انکا جاننا مشہور ہو تو وہ یا سہو میں سے ہو گا یا منسوخ ہو گا۔

اختلاف صحابہ اشارہ کی کیفیت کے بارے میں ثبوت ہوا خبر واحد کے لئے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اگر بعض صاحبان یہ کہیں کہ تعدد خبر واحد میں نقل کے طریقہ سے یہ شہرت پیدا کر دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ خبر واحد میں تعدد خبر کو مشہور بنا دیتا ہے لیکن جب کیفیت واحدہ میں

[2020] (فصول الشاشی ص ۲۷۲)

[2021] (مولوی شرح حسامی ص ۲۹۰ حاشیہ ۱، وکذا ص ۹۱)

ہو اور جب کیفیت مختلف ہو اور وہ احادیث مذکورہ کیفیت میں مختلف ہو تو ہر ایک کیفیت اپنے ہاں الگ الگ خبر واحد بنا اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے تو ثابت ہوا اشارہ کا ترک ہونا۔

تو مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکتوبات حصہ اول میں لکھا ہے:

"بحث الاشارۃ فعلی المنکرین ان یطالعھا"۔

اشارہ سبابہ انگلی سے مذہب حنفی میں حرام ہے جیسا کہ قول خلاصہ کیدانی ہوا **"والاشارۃ بالسبابۃ ای حرام"** یعنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرنا حرام ہے۔

"کاھل الحدیث الذین لا یفرقون بین الناسخ والمنسوخ والراجح والمرجوح ویغفلون من المعنی الفقھی فیقع لھم الغلط کثیرا"۔

یعنی اہل حدیث وہ ہیں جو فرق نہیں کرتے ناسخ اور منسوخ کے درمیان یعنی اشارہ کی احادیث منسوخ ہیں یا مرجوح ہیں اور عمل مرجوح یا منسوخ پر حرام ہے جیسا کہ علامہ شامی نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا معنیٰ اہل حدیث کا یہ ہے کہ وہ فقہ کے معنیٰ سے غافل ہیں یعنی علت کو نہیں جانتے اور اشارہ کی علت ابتداء اسلام میں یہ تھی کہ اعتقاد کے ساتھ اور زبان سے اور اعضاء سے توحید کی طرف اشارہ کیا جائے اب اسلام مضبوط ہے تو اس کی حاجت نہیں اور ابتداء اسلام میں نماز کے اندر سلام اور کلام جائز تھا تو اشارہ بھی ثابت تھا اب سلام کلام منسوخ ہے تو اشارہ بھی منسوخ ہے تو ضد سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہم حق کو دیکھیں گے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ملا علی قاری نے خلاصہ کیدانی پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ صاحب خلاصہ کیدانی نے اپنی کتاب میں ایک بات ذکر کی ہے جیسا کہ ڈھول میں آواز پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کو حرام کہنا ناجائز ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صاحب خلاصہ کیدانی کی بے ادبی ہے اگر خلاصہ کیدانی معتمد کتاب نہ ہوتی تو میر سید السند الجرجانی اس پر شرح کیوں لکھ دیتے اور دوسری کتاب یعنی شرح علامہ تفتازانی کی نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور اس نے خلاصہ کیدانی کی شرح لکھی ہے کہ اس کا نام سعدیہ شرح خلاصہ کیدانی ہے اور ان دونوں علماء نے اس مسئلہ کا رد نہیں لکھا ہے اور دوسری بات حضور معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فعل کو حرام کہنا نسخ کے بعد ہے اور یا ترجیح کے بعد ہے نہ کہ مطلق اگر آیت منسوخ ہو جائے تو اس پر بھی عمل کرنا حرام ہے اور فقہ کی بہت سی کتابوں میں مکروہ اور حرام بھی کہا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا ہے:

"قیل یشیر و قیل لا یشیر و المختار لا یشیر"۔

کسی نے کہا ہے کہ اشارہ کیا جائے اور کسی نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے لیکن مختار یہ ہے کہ اشارہ سبابہ انگلی سے نہ کیا جائے۔

اور فتاویٰ عالمگیری چار سو علماء نے اتفاق سے مرتب کیا ہے اور آٹھ سال میں مرتب ہوئی اور اس وقت اس پر دولاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اور بہت سے فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اشارہ نہ کرے جیسا کہ صاحب تنویر الابصار نے لکھا ہے:

"و لا یشیر بالسبابۃ عند التشھد و علیہ الفتویٰ"۔[2022]

تشہد کے وقت سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کریں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جامع الرموز میں بھی لکھا ہے کہ "اشارہ نہیں کرنا چاہئے اسی پر فتویٰ ہے۔"

صاحب واقعات نے لکھا ہے:

[2022](تنویر الابصار و الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۲ ھندیہ ج ۱ ص ۱۵۰، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۴، شبلی ج ۱ ص ۱۲۱)

"ان الاشارۃ حرام" بے شک اشارہ حرام ہے۔ وعلیہ الفتویٰ اسی پر فتویٰ ہے۔
صاحب غرائب نے بھی لکھاہے: "والصحیح ان الاشارۃ حرام" کہ صحیح یہ ہے کہ بے شک اشارہ حرام ہے۔
"محیط میں بھی لکھاہے کہ "اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ" خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھاہے:
"المختار انہ لا یشیر" مختار یہ ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے۔
فتاویٰ غیاثیہ میں بھی لکھاہے:
"ولا یشیر بالسبابۃ عند التشھد وھو المختار وعلیہ الفتویٰ"۔
تشہد میں سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کرے یہ قول مختار ہے۔
تار تار خانیہ میں لکھاہے کہ: "اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے"۔
زاھدی میں لکھاہے: "لا یشیر وعلیہ الفتویٰ"۔
مفاتیح الجنان میں بھی لکھاہے: "لا یشیر وعلیہ الفتویٰ"۔
منظومہ نامی کتاب میں لکھاہے: "ولا شک فی تحریمہ" کہ اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔
تو معلوم ہوا کہ اشارہ کرنا نماز میں منع ہے مذہب حنفی میں اب اگر کوئی امام صاحب کا مذہب چھوڑدے تو امام صاحب قیامت کے دن اس کو گلے سے پکڑیں گے کہ تم نے میرا مسلک کیوں چھوڑدیا۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایاہے:
"من اشار بالسبابۃ فھو مِن الخاطئین"۔

جس نے سبابہ انگلی سے اشارہ کیاتو وہ خطاکاروں میں سے ہے۔[2023]

دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی اشارہ نہیں کیاہے۔

ان مقدس حضرات سے بھی اشارہ منقول نہیں ہے کہ ان حضرات نے بھی اشارہ کیاہے اگر یہ زیادہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب تھے اور دوست تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اشارہ نہیں فرمایاہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیطان اس پر خفاہوتا ہے تو شیطان منسوخ کام کے چھوڑنے پر خفاہوتا ہے نہ کہ منسوخ کام کے کرنے پر اور شیطان کو اس پر بھی خفا کیجئے کہ اشارہ کو ترک کردو اور تہجد سے بھی اس کو خفا کیا جائے نماز اشراق پر نماز ضحیٰ پر اور کم کھانے پر بھی خفا کرو اور سنت کے بعد دعاء پر بھی اس کو خفا کرو۔ اس طرح نماز جنازہ کے بعد دعاء اور عمامہ پر اس کو خفا کرو تو ان میں سے کوئی بھی کام نہ کریں گے اور منکر کے زعم میں کہ شیطان اس کے کرنے پر خفاہوتا ہے یہ پہلے کی بات ہے کہ ابتدا اسلام میں وہ خفاہوتا تھا لیکن جب اشارہ منسوخ ہوا تو اب اس کے کرنے پر خوش ہوتا ہے۔

تو میرے بھائی جب امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کام نہیں کیاہو اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی چھوڑ دیاہو تو اگر یہ اشارہ سنت ہوتا تو یہ حضرات کرتے اور یہ بھی کسی کو گمان نہیں کرنا چاہئے کہ میں مانکی خیل ہوں یا مانکی شریف کے ماننے والوں میں سے نہیں ہوں ہم تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے مقلد ہیں اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے

[2023] (بحوالہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص ۳۴)

کہ اشارہ منع ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نظام الدین بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ کرنے کے بارے میں کئی دلائل نقل کئے ہیں۔[2024]

فقہ شریف کی کتابوں میں درج ہے کہ تمام اعضاء کعبہ شریف کی طرف کرنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲)۔

تحقیق کامیاب ہیں مومنین جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں۔

ای ساکنون بالجوارح خائفون بالقلب"[2025]

تفسیر مدارک میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ اعضاء کو آرام سے رکھتے ہیں اور دل سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے دوستوں نے اشارہ نہیں کیا ہے اور نہ پسند کیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے:

"کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ الخ"[2026]بہت سے مشائخ نے اشارہ کو پسند نہیں فرمایا ہے۔[2027]

"فان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین الخ"۔[2028]

اگر وہ اختلاف کریں تو اکثر علماء کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن الاسلام میں باب الحرمات میں فرمایا ہے کہ "اشارہ سبابہ سے یہ مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ فعل حنفیوں پر حرام ہے"۔

[2024] (جامع الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۱۳ حصہ چھارم المعروف انوار شریعت)

[2025] (تفسیر مدارک)

[2026] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴)

[2027] (زیلعی ج ۱ ص ۱۲۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹ شبلی ج ۱ ص ۱۲۰ رسالہ فتح التردد ص ۱۲۱، ص ۱۲۴ ص ۱۲۵، ص ۱۴۲)

[2028] (شامی ج ۱ ص ۴۸ ص ۴۹ و مکتوبات مجدد الف ثانی ص ۲۱۲)

فوائد شریعت ص۹۶ میں ہے کہ "اشهد ان لا اله الا الله کے وقت اشارہ کرنا سبابہ انگلی سے حرام ہے اور یہ مذہب امام شافعی کا ہے "تو میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بہت بسط اور تفصیل کی ضرورت ہے لیکن میں اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خير الكلام ما قل و دل ولم يمل اشارہ کی حرمت کے بارے میں صرف خلاصہ کیدانی نے اکیلے نہیں لکھا ہے بلکہ تقریباً ایکسو بیس ۱۲۰ کتابوں میں حرمت و کراہت کا بیان موجود ہے اور جن کتابوں میں مستحب لکھا ہے تو انہوں نے روایت کو لیا ہے اور روایت میں مستحب لکھا ہے اور جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اس لئے کہ مذہب حنفی میں نہیں ہے۔

شرح وقایہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

"ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضا عند الشافعي الخ"۔

عن روایت کے لئے آتا ہے اور عند مذہب کے لئے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے "وهو قول ابی حنيفة" اس لئے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔

خلاصہ کیدانی میں لکھا ہے:

"والاشارة بالسبابة كاهل الحديث" یعنی کاف علت کے لئے ہے معنیٰ یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اس لئے کہ اہلحدیث اس منسوخ روایت پر عمل کرتے ہیں اور کاف تشبیہی نہیں اور یہ معنیٰ خلاصہ کیدانی کی شروح جیسا کہ بدریہ اور میر سید السند سے معلوم ہوتا ہے یہ حضرات اہل حدیث کی تشریح کرتے ہیں:

"الذين يعملون بظاهر الحديث ولا يفرقون بين الناسخ والمنسوخ فيقع لهم الغلط كثيراً"۔

تو اس قول کی بنا پر جو اشارہ کرتے ہیں۔

کیونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مجتہد کی طرف نہیں جاتے۔

مولانا شیخ القرآن حمداللہ صاحب نے البصائر میں ذکر کیا ہے:

"الاخذبظواهر الكتب والسنةمن اصول الكفر"۔[2029]

کتاب اور سنت کے ظاہر سے مسائل اخذ کرنا اصول کفر سے ہے۔ تو جب احادیث اشارے کی منسوخ یا مرجوح ہو گئیں بنابر قول میر سید السند تو منسوخ یا مرجوح پر عمل کرنا حرام ہے تو اس لئے صاحب خلاصہ کیدانی نے حرام کہا ہے۔

اب اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہے اور اشارہ کرے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض بغض اور حسد ہے۔ (نعوذ باللہ)

ابو داؤد شریف میں یہ حدیث ہے:

"من اشار اشارةفی الصلوةتفهم منهافليعدها"۔

جس نے نماز میں اشارہ کیا جس سے کوئی معنی سمجھ میں آجائے تو اس نماز کو وہ دوبارہ پڑھے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں نفی کی طرف اشارہ ہے کہ "لا الہ" ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو "الا اللہ" ہے تو یہ معنیٰ سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہئے تو اس لئے حرام ہے۔

[2029] (البصائر ص ۵۲، صاوی تنویر الایمان)

دوسری بات یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں ذکر کیا ہے کہ تیرہ قسم کی کیفیات کا احادیث میں ذکر ہے اور ترجیح ایک کی دوسرے پر نہیں تو حدیث مضطرب ہوئی تو اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور ہدایہ میں بھی اشارہ نہیں ہے اور ہدایہ معتمد کتاب ہے اب ہم چند کتابیں بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے۔[2030]

مولانا شیخ القرآن والحدیث مفتی اعظم پاکستان شائستہ گل صاحب نوراللہ مرقدہ اپنی کتاب الحجۃ المنذرہ فی الاسئلۃ المبتدرہ میں ص ۲ تا ۵ کہ اشارہ کرنا نماز میں شرعاً منع ہے بہت سی وجوہات کی بنا پر۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ معتبر کتابوں کے متون میں اشارہ کو منع کہا گیا ہے صراحتاً جیسا کہ خلاصہ کیدانی، تنویر الابصار یا تبادراً جیسا کہ کنز کا قول اور ہدایہ، قدوری و مختصر والو قایہ وغیرہ کا "**وبسط اصابعہ الخ**" انگلیوں کو کھولنا "**والمتبادر منها انه یسبط اصابعه من اول التشهد الی آخره بدون عقدو اشارة عند التلفظ بالشهادة الخ**"[2031] **ونهر ثم رساله رفع التردد ص ۱۲۵ المشهور فی المذهب بسط الاصابع بدون اشارة الخ**"[2032] **والمذهب ما فی المتون لانه ظاهر الرواية الخ۔**"[2033] **فالا شارة خلاف المتون فیكون خلاف المذهب فظهر ان البسط حقیقة فیه لان التبادر الی الفهم من اقوىٰ امارات الحقیقة الخ**"[2034] "**فلا یجوز العدول منه**"۔ متبادر ان میں سے

[2030] (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۴) برجندی ج ا ص ۱۰۹، فتاویٰ سراجیہ ج ا ص ۵۸، زیلعی ج ا ص ۱۲۱، فتح القدیر ج ا ص ۱۲۹، شبلی ص ۱۲۰، رسالہ رفع الترددص ۱۲۱، ص ۱۲۴، ص ۱۲۵، ص ۳۴۲، بحرالرائق ج ا ص ۳۲۴، مجموعہ خانی ص ۶۵، تنویر الابصار ص ۲۴۲، مکتوبات شریف مکتوب ص ۳۱۲، شامی ج ا ص ۳۴۲، ولباب القدوری ص ۵۴، فتویٰ مالا بدمنہ ص ۴۶، خلاصہ کیدانی حرام کی بحث میں، خلاصہ مذیل الشبہات فی تبطیل الاشارات ص ۲، فتاویٰ برھنہ ص ۱۷ تنبیہ الضمائر علے ردالذخائر ص ۸)

[2031] (رسالۃ رفع الترددص ۱۲۰ جامع الرموز ج ا ص ۷۱)

[2032] (شامی ج ا ص ۳۴۲ ولباب القدوری ج ا ص ۵۴)

[2033] (ردالمحتار ج ا، بحث ستر العورۃ)

[2034] (مختصر المعانی۔ بحث الام ص ۲۳۴)

یہ ہے کہ وہ تشہد کے ابتداء سے آخر تک انگلیوں کو کھلا رکھے اور اشارہ شہادت کے لفظ کے وقت کرنا چاہئے۔یہی بات رفع التردد اور جامع الرموز و نھر میں نقل ہے۔

پھر رسالہ رفع التردد میں لکھا ہے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ اشارہ کے بغیر انگلیوں کو کھلا رکھے

۔

شامی ولباب القدوری میں بھی اسی طرح نقل ہے مذہب وہ ہے جو متون میں ہو کیونکہ وہ ظاہر الروایۃ ہوتا ہے۔(شامی بحث ستر العورۃ)تو اشارہ متون کے خلاف ہے جو خلاف مذہب ہوا تو ظاہر ہوا کہ حقیقت میں بسط ہے کیونکہ تبادر فہم امارات حقیقت کے جاننے کے لئے بہت قوی ذریعہ ہے۔تو عدول اس سے جائز نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ "لا یشیر بالسبابۃ عند الشھادۃ وعلیہ الفتویٰ "۔[2035]

لفظ المتون اکد من جمیع علامات الفتویٰ الخ اذا ذیلت روایتہ بلفظ علیہ الفتویٰ لم یفت بمخالفہ الخ۔[2036]

تیسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لا یشیر کے لفظ سے ہے وہ ظاہر الروایت ہے۔[2037]

چوتھی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ "لا یشیر" ہے ۔"وھو ظاھر اصول اصحابنا الخ"[2038]وہ ہمارے اصحاب یعنی حنفیوں کے ظاہری اصول ہیں۔ثم رسالہ رفع التردد

[2035](تنویر الابصار ومضمرات وفتاوی کبریٰ ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵ والمنیہ والواقعات ثم شبلی ج ۱ ص ۱۲۱ والوالجیہ ثم جامع الرموز وابو المکارم ج ۱ ص ۱۶۱ مجموعہ سلطانی ص ۵۶ مجموعہ خانی ص ۶۵ رسالہ رفع التردد ص ۱۲۰ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵ وغیرھا
)

[2036](درمختار ج ۱ رسم المفتی ص ۵۰ وشرح رسم المفتی ص ۳۸)

[2037](لباب القدوری ص ۵۴ وذخیرہ ثم کاکی ثم شبلی ج ۱ ص ۱۲۱ معراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۳۳ ص ۱۲۷ وعینی الھدایہ وشرح سفر السعادت وکفایہ ومکتوبات المجدد الف ثانی وغیرہ)

[2038](جامع الرموز ج ۱ ص ۷۱)

ص ۱۲۴ "هذا اللفظ مرادف بلفظ ظاهر الرواية فثبتهما يكون واحداً ۔فی البحرباب المصرف اذااختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها الخ۔[2039]

پانچویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ مشہور فی المذهب فی بسط الاصابع بدون اشارة الخ۔[2040]

اقول فالاشارة خلاف المذهب الذی هو ظاهر الرواية وخرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه ليس قولاً له وفيه من التوشيح ان ما رجع عنه المجتهد لا يجوز الاخذبه الخ"[2041]

چھٹی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لایشیر سے ہے اور وھوالمختار وہ مختار قول ہے۔[2042]

و امانحن فعلينااتباع مارجحوه وصححوه الخ۔[2043]

ساتویں وجہ یہ ہے کہ اشارہ کی ممانعت ثابت ہے۔لفظ كثير من المشائخ لا يرون الاشارة الخ۔سے کہ بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت خیال نہیں کرتے تھے۔[2044]

فان اختلفوا يوخذبقول الاكثيرين الخ"۔

اگر اختلاف دونوں اقوال میں موجود ہو تو اکثر علما کے قول پر عمل کیا جائے۔[2045]

[2039](شامی جلد ا ص ۴۹)
[2040](شامی ج ا ص ۳۴۲ولباب القدوری ص ۵۴ وفتاویٰ مالابدمنہ ص ۴۶)
[2041](بحرثم شامی ج ا ،ص ۴۶ وشرح رسم المفتی)
[2042](خلاصہ ج ا ص ۵۹،عالمگیری ص ۱۰۴ ،برجندی ج ا ص ۱۰۹ ،ابوالکلام فصل المکروہ ص ۵۸)
[2043](درمختار وشامی جلد ا رسم المفتی ص ۵۲)
[2044](عالمگیری ج ا ص ۱۰۴ تبیین ج ا ص ۱۲۱ ،ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۱ ص ۱۲۴،ص ۱۲۵)
[2045](شامی ج ا ،رسم المفتی ص ۴۸،ص ۴۹ ورسالہ رسم المفتی ص ۴۳)

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ:"منع الاشارۃ وکرھھا فی منیتہ المفتی کذافی التبیین"منیتہ المفتی میں اشارہ کو مکروہ لکھاہے ایساہی تبیین میں ہے۔[2046]

مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہاہو اور بعض نے اس کو سنت کہاہو تو عمل اس پر کرناچاہیئے کہ جنہوں نے مکروہ کہاہو یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اسکو سنت کہاہو۔

نویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا سبب حکم نسخ الاشارۃ الخ الامام کرخی مبسوط ، محیط ،قاعدی والکرمانی وسراج الھدایۃ ثم دلائل الانارۃ ص ۱۲ ومکتوبات المجدد الف ثانی ومولوی عبدالحکیم فی شرح المراح وصاحب کل کتاب حکم بحرمۃ الاشارۃ او کراھتھا والمراد بالمنسوخیۃ عدم المعمولیۃ ولا یصح الحکم بالحرمۃ والکراھۃ مع معمولیۃ تلک الاحادیث ومن المعلومات ان العمل بالمنسوخ حرام"۔

ہراس کتاب میں جس میں اشارہ کی حرمت یا کراھت کا حکم دیا گیاہے تو ان کی مراد اشارہ والی احادیث کی منسوخیت ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا کیونکہ معمولیت کی وجہ سے ان احادیث پر حرمت یا کراھت کا حکم صحیح نہیں اور یہ معلومات سے ہے کہ منسوخ پر عمل حرام ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ"منع الاشارۃ لفظ کان القول بعدمھا الاقویٰ من حیث النقل عن اھل المذھب الخ"[2047] کہ عدم والا قول قوی ہے اہل مذاھب کی نقل سے۔

"ولا یشیر بسبابۃ عند الشھادۃ وعلیہ الفتویٰ کما فی الولوالجیۃ والتجنیس وعمدۃ المفتی وعامۃ الفتویٰ الخ"۔

[2046](ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴ ،ومعراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۳ ، ص ۱۲۴ ،فتاوی سراجیہ فصل المکروہ ص ۵۸، بحر الرائق،نہر فائق،ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ اہ در مختار باب ادراک الفریضۃ ص ۴۸۱)

[2047](رسالہ رفع التردد ص ۱۲۸)

سبابہ انگلی سے شہادۃ کے وقت اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[2048]

ولا یخفیٰ ان مسائل ھٰذا الکتاب (ای تنویر الابصار) مذکورۃ علی الوجہ الحق و ثابتۃ بدلائلھا عند المجتھد و لا یلزم من اثبات الشیٔ بدلیلہ ان یکتب دلیلہ معہ حتی یرد انہ لم یذکر فی المتن الادلۃ الخ"[2049]

فانی ارویہ عن شیخنا عبد النبی الخلیلی عن المصنف عن ابن نجیم المصری بسندہ الی صاحب المذھب ابی حنیفۃ بسندہ الی النبی ﷺ عن جبرئیل عن اللہ الواحد القھار کما ھو مبسوط فی اجازاتنا بطرق عدیدۃ الخ۔[2050]

اقول فلما ثبت ان منع الاشارۃ حدیث و مذھب فلا مفر منہ فلا یجوز للمقلد خلافہ لان منع الاشارۃ متعین للمقلد الحنفی۔

کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اس کتاب (تنویر الابصار) میں جو مسائل مذکور ہیں وہ حق ہیں مجتہدین کے نزدیک وہ دلائل سے ثابت ہیں کسی چیز کے اثبات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شے کے اثبات کے دلائل بھی اس کے ساتھ لکھے جائیں اور جاننا چاہئے کہ متن میں دلائل کا ذکر نہیں ہے (شامی) تو میں نے روایت کی ہے اپنے استاد عبد الغنی خلیلی سے اس نے مصنف سے اس نے ابن نجیم مصری سے اپنی سند سے صاحب مسلک ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس نے اپنی سند سے حضور معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے انہوں نے اللہ تعالیٰ واحد قہار سے یہ ہماری اجازتوں میں بسط سے مختلف طریقوں سے نقل ہے۔[2051]

[2048] (تنویر الابصار و درمختار ج ۱ ص ۳۴۱)
[2049] (شامی ج ۱ ص ۱۳۱)
[2050] (درمختار ج ۱ ص ۱۴)
[2051] (درمختار ج ۱ ص ۱۴)

میں کہتا ہوں کہ جب ثابت ہوا کہ اشارہ منع حدیث ومذہب سے تو اس سے بھاگنا نہیں چاہئے اور مقلد کے لئے اس کے خلاف جائز نہیں کیونکہ اشارہ کی ممانعت مقلد حنفی کے لئے متعین ہے۔

کچھ فتویٰ کے بارے میں

فتویٰ کا لغوی معنی: فتویٰ وافتاء کا مادہ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔

عربی لغت میں لفظ فتویٰ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے:

۱۔الفَتویٰ بفتح الفاء ۲۔الفُتویٰ بضم الفاء۔

لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے،اس کا استعمال واؤ کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور یاء کے ساتھ بھی یعنی فتویٰ اور فتیا دونوں طرح مستعمل ہے مصباح میں ہے:

ان الفتیاء بالیاء لا یکون الا مضمومة وان الفتویٰ بالواو لاتکون الا مفتوحة۔[2052]

یعنی فتویٰ کا استعمال جب یاء کے ساتھ ہو تو مضمومۃ الفاء (فتیا ہوگا) اور جب واؤ کے ساتھ ہو تو مفتوح الفاء (فتویٰ) ہوگا۔ عربی زبان میں لفظ فتیا، فتویٰ کی نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے:

الفتوی والفتیا اسمان یوضعان من موضع الافتاء الا ان اللفظة الفتیا اکثر استعمالا فی کلام العرب من لفظة الفتویٰ۔[2053]

فتویٰ اور فتیا دو اسم ہیں جو افتاء کیلئے وضع کیے گئے ہیں مگر لفظ فتیاء کلام عرب میں لفظ فتویٰ کی نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

[2052] المصباح ج ۱ ص ۱۵۔

[2053] لسان العرب ص ۳۰ ج۵۔

بعض حضرات کے نزدیک فتویٰ الفُتوّة سے ماخوذ ہے جس کا معنی کرم ،سخاوت اورزورآوری(طاقت)ہے۔[2054]

فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہاجاتاہے کہ مفتی اپنی سخاوت اورعالمانہ قوت سے کام لے کرکسی دینی مسئلہ کوحل کرتاہے جبکہ بعض کے نزدیک فتویٰ الفتی سےماخوذہے جس کا معنی الثابت القوی ایک مفتی مسائل کوچونکہ اپنےدلائل سے قوت اورثبوت مہیاکرتا ہے۔گویافتویٰ مدلل ثبوت والاجواب ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ردالمحتار کے مقدمہ میں رقم طرازہیں:

الفتویٰ مشتقة من الفتي وهوالشاب القوی وسميت به لان المفتي يقوی السائل بجواب حادثة۔[2055]

فتوی فتی سے مشتق ہےاورفتی شاب قوی ہوتاہے۔فتویٰ کانام فتویٰ اس لئےرکھاگیاکیونکہ مفتی سائل کوحادثہ کےجواب کےساتھ قوی کردیتاہے۔اس سے افتاءہےفتویٰ کی جمع الفتاوِی اورالفتاویٰ آتی ہے۔صاحب مصباح المنیر نےالفتاوِی (بکسرالواو)کواصل قراردیاہے اور فتاویٰ (بفتح الواو)کوصرف تخفیف کیلئے جائزکہاہےیہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نےاپنی کتاب کانام الحاوی للفتاوِی رکھاہے۔آج کل عموماًالفتاویٰ(بفتح الواو)استعمال ہوتاہے۔

افتاءکالغوی معنیٰ:

هوالجواب لای سوال كان سواءكان متعلق بالاحكام الشرعية اوبغيرهامن المعاملات الاخری الدنيوية المحضة۔[2056]

[2054] مقدمۃردالمختارص ۱۵۴۔

[2055] مقدمۃردالمختارص ۱۷۲۔مطبوعۃمکتبۃحنفیۃ

[2056] المصباح ج ۱ ص ۱۵۔

یعنی افتاء سوال کا جواب دینے کو کہا جاتا ہے سوال چاہے احکام شریعت کے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات میں سے کسی کے بارے میں ہو۔

افتاء کی اصطلاحی تعریف

هو بيان حكم الله تعالىٰ بمقتضى الادلة الشرعية على جهة العموم و الشمول۔[2057]

ادلۂ شرعیۃ کے تقاضوں کے مطابق عموم و شمول کی جہت پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنے کا نام افتاء ہے۔"

گویا فتاویٰ ان حوادث وواقعات کے حل کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات و ازمنہ میں علماء امت کے سامنے پیش ہوئے اور انہوں نے ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں ان مسائل کا حل تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا۔اس حل کو فتویٰ، مجموعہ کو فتاویٰ ، حل کرنے والے کو مفتی اور حل طلب کرنے والے کو مستفتی کہا جاتا ہے جبکہ اس عمل کو افتاء کہا جاتا ہے۔

مرجوح قول پر نہ فتویٰ دینا جائز ہے نہ عمل کرنا:

تَرْجِيحُهُ عَنْ أَهْلِهِ قَدْ عُلِمَا۔

جان لیجیے کہ اس کی پیروی واجب ہے۔ جس کی ترجیح اصحابِ ترجیح کی طرف سے جانی گئی ہو۔

أَوْ كَانَ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ وَلَمْ يُرَجِّحُوا خِلَافَ ذَالِكَ فَاعْلَمْ

یا وہ قول ظاہرِ روایت ہو، اور نہیں ترجیح دی ہو اصحابِ ترجیح نے اس کے علاوہ قول کو، پس یہ بات اچھی طرح جان لیجیے۔

مذکورہ اشعار کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خود عمل کرنا چاہے یا دوسرے کو فتویٰ دینا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قول اختیار کرے جس کو علمائے مذہب نے ترجیح دی ہے۔ کیوں کہ مر

[2057] الاساس الشرعي و القانوني ص ۱۲۸ ۔فتاویٰ فریدیۃ ص ۱۰۱ ۔

جوح قول پر نہ تو عمل کرنا جائز ہے نہ فتویٰ دینا۔ البتہ بعض مخصوص حالات میں مرجوح قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ شعر نمبر ۷۰ اور ۷۱ میں آرہا ہے۔

فتویٰ دینے سے پہلے تحقیق ضروری ہے:

علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ کے آخر میں ایک فتویٰ کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"مختلف فیہ مسائل میں راجح مرجوح کو پہچاننا اور قوی وضعیف کو جاننا علمِ فقہ کی تحصیل میں پائینچے چڑھانے والوں کی آخری آرزو ہے۔ مفتی اور قاضی کے لیے فرض ہے کہ تحقیق کے بعد جواب دیں۔ اٹکل پچو نہ ہانک دیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرکے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے سے ڈریں، اور اتباعِ ہویٰ، خواہشات کی پیروی اور مال کی طرف میلان حرام ہے۔ یہ مال تو بڑی آفت اور مصیبتِ کبریٰ ہے۔ غرض فتویٰ دینا نہایت اہم کام ہے، اس معاملے میں بے باک، بدبخت و جاہل ہی ہو سکتا ہے۔"[2058]

طبقاتِ فقہا میں نویں شعر کے دوسرے مصرعے میں اہلِ ترجیح کی تصحیح کی قید لگائی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی بھی عالم کی ترجیح کا اعتبار نہیں (بلکہ جن فقہا میں ترجیح کی اہلیت ہے انہی کی ترجیح معتبر ہے) علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان نے جن کی شہرت ابنِ کمال پاشا کے نام سے ہے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ:

مقلد مفتی کے لیے اس شخص کا حال جاننا ضروری ہے جس کے قول پر وہ فتویٰ دے رہا ہے۔ حال جاننے کا مطلب محض نام و نسب اور وطنی نسبت جاننا نہیں ہے کہ محض اتنی بات بالکل بے فائدہ ہے، بلکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ مسائل روایت کرنے میں اس کا کیا مقام ہے، اور مسائل کے دلائل

[2058] (فتاویٰ خیریہ ج ۲، ص: ۱۳۱)

سمجھنے میں اس کا کیا مرتبہ ہے۔ اور طبقات فقہا میں سے وہ کس طبقے کا ہے۔ یہ باتیں جاننے سے مفتی کو کامل بصیرت حاصل ہو گی اور وہ مختلف رائیں رکھنے والے فقہا کے درمیان امتیاز کر سکے گا، اور متعارض اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے پر اس کو کافی قدرت حاصل ہو گی۔ اس لیے ذیل میں ہم فقہا کے طبقات بیان کرتے ہیں۔ فقہا کے سات طبقات (درجات) ہیں۔

پہلا طبقہ: مجتہدین مطلق کا ہے، جنھوں نے شریعت میں اجتہاد کیا ہے، مثلاً ائمہ اربعہ اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں جنھوں نے اصولِ فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے، اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید کیے بغیر ادلہ اربعہ، (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع اور (۴) قیاس سے فروعی احکام مستنبط کیے ہیں۔

دوسرا طبقہ: مجتہدین في المذہب کا ہے، جیسے امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے تلامذہ جو اپنے استاد کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ان حضرات نے اگرچہ بعض جزئیات میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے، مگر اصول میں وہ اپنے استاذ کی پیروی کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ: مجتہدین في المسائل کا ہے۔ جن جزئیات میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہیں یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: خصاف، طحاوی، کرخی، حلوانی، سرخسی، بزدوی، اور قاضی خان وغیرہ۔ یہ حضرات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ فروع میں۔ البتہ امام اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے تجویز کردہ اصول وضوابط کو پیشِ نظر رکھ کر ان جزئیات کے احکام مستنبط کرسکتے ہیں جن کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

چوتھاطبقہ: اصحابِ تخریج کا ہے۔ یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں۔ مثلاً جصاص رازی اوران کے ہم رتبہ حضرات۔ ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی، مگر چوں کہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کیے ہوئے ہوتے ہیں، اوران اصول کے مآخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لیے صاحبِ مذہب سے یاان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذو وجہین ہوتا ہے، یاکسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں، اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول پیشِ نظر رکھ کر اور نظائر وامثال پر قیاس کرکے تفصیل وتعیین کرسکتے ہیں۔ ہدایہ میں جو کہیں کہیں آتا ہے کہ **كذا في تخريج الكرخي** اور **كذا في تخريج الرازي**، اس کا یہی مطلب ہے، یعنی امام کرخی اور امام جصاص رازی نے ان مسائل کی تفصیل کی ہے۔

پانچواں طبقہ: اصحابِ ترجیح کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں۔ ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی۔ جیسے قدوری، صاحبِ ہدایہ اور انہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہا کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے۔ جس کے لیے عام طورپر یہ تعبیر اختیار کی جاتی ہے۔ **هذاأولیٰ** (یہ بہتر ہے)، **هذا أصح رواية** (اس کی روایت زیادہ صحیح ہے)، **هذا أوضح** (یہ دلائل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے)، **هذاأوفق للقياس** (یہ قیاس سے زیادہ ہم آہنگ ہے)**هذاأوفق للناس** (اس میں لوگوں کے لیے زیادہ سہولت ہے)۔

چھٹاطبقہ: اصحابِ تمیز کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں، مگر اقویٰ، قوی اور ضعیف کے درمیان امتیاز کرسکتے ہیں۔ نیز ظاہرِ روایت، ظاہرِ مذہب اور روایتِ نادرہ کے درمیان فرق کرسکتے ہیں

۔ مثلاً متونِ معتبرہ کنز، مختار، وقایہ اور مجمع کے مصنفین۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں نقل نہ کریں۔

ساتواں طبقہ: ان فقہاء کا ہے جو مقلد محض ہوتے ہیں، اور جو مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کر سکتے ہیں، نہ کار آمد اور نکمے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں، نہ دائیں بائیں میں فرق کر سکتے ہیں، بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کر لیتے ہیں۔ ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے جیسا ہے، اور ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں (ابنِ کمال پاشا کی عبارت پوری ہوئی، درمیان سے کچھ عبارت چھوڑ بھی دی گئی ہے اور سلسلے میں مزید گفتگو آگے آئے گی)۔

فائدہ: علامہ ابنِ کمال پاشا نے فقہا کی جو درجہ بندی کی ہے اس کو تو علما نے بہ نظرِ استحسان دیکھا ہے۔ مگر ہر طبقے کی جو مثالیں دی ہیں اس میں مناقشہ کیا ہے۔ مثلاً: صاحبین کو طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں حضرات مجتہدِ مطلق کے درجے کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔

مولانا عبد الحی لکھنوی نے شرح وقایہ کے حاشیے عمدۃ الرعایۃ کے مقدمے میں اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ:

”حق یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجتہدِ مطلق تھے۔ دونوں نے اجتہادِ مطلق کا رتبہ حاصل کر لیا تھا، مگر استاذ کی تعظیم کرتے ہوئے اور غایتِ ادب سے انھوں نے استاذ ہی کے اصولوں کو اپنا لیا، اور انہی کی روش اختیار کی۔ اور ان کے مذہب کی نشر واشاعت اور تائید ونصرت میں لگ گئے، اور اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کر دیا، اس لئے ان کو مجتہدِ مطلق کے بجائے مجتہد فی المذہب شمار کیا گیا ہے۔“

امام خصاف، امام طحاوی اور امام کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ کو تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے، حالاں کہ ان حضرات کا درجہ اس سے بلند ہے۔ کیوں کہ انھوں نے بہت سے مسائل میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ اور کتبِ خلافیات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

محض مطالعہ سے فتویٰ دینا جائز نہیں:

علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاوی میں میری نظر سے گزرا ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اس نے کسی استاذ سے علمِ فقہ حاصل نہیں کیا، اور اپنے مطالعے کے زور پر فتویٰ دیتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس شخص کے لیے فتویٰ دینا کسی بھی طرح درست نہیں، کیوں کہ وہ عامی جاہل ہے، اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، بلکہ جو شخص معتبر استاذ سے علمِ فقہ حاصل کرتا ہے اس کے لیے بھی ایک دو کتابوں کو دیکھ کر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ دس بیس کتابیں دیکھ کر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں کیوں کہ اتنے آدمی بھی کبھی ایسے قول پر اعتماد کر لیتے ہیں جو مذہب میں ضعیف ہوتا ہے، اور ضعیف قول میں تقلید جائز نہیں۔

فتویٰ دینے کے لیے کیا صلاحیتیں ضروری ہیں؟

ہاں جو شخص فقہ کا ماہر ہے۔ جس نے معتبر اساتذہ سے علمِ فقہ حاصل کیا ہے، اور اس میں فقہ کا فطری ذوق بھی ہے، اور اس کو فقہ کا ملکہ حاصل ہو گیا ہے تو ایسا شخص صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کر سکتا ہے۔ اور مسائل اور ان کے متعلقات کو قابلِ اعتماد طریقے پر جان سکتا ہے۔ غرض ایسا شخص لوگوں کو فتویٰ دے سکتا ہے، یہ شخص اس قابل ہے کہ لوگوں کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بنے۔

نا اہل مفتی کی سزا:

اور جو شخص ایسا نہیں ہوگا، وہ اگر اس منصب شریف پر چڑھنے (حاصل کرنے) کی کوشش کرے تو اس کو ایسی عبرت ناک سزا دینی چاہیے، اور اس کو ایسی سخت سرزنش کرنی چاہیے کہ وہ سزا دوسروں کو ایسی حرکت کرنے سے باز رکھے۔ کیوں کہ ایسے شخص کے مفتی بننے میں بے شمار مفاسد ہیں۔ و اللہ اعلم (ابن حجر کا فتویٰ پورا ہوا)

فتویٰ ظاہرِ روایت پر دینا چاہیے:

دسویں شعر میں کہا گیا تھا کہ ظاہرِ روایت کی پیروی واجب ہے، بشرطیکہ اربابِ ترجیح نے اس کے خلاف دوسرے قول کو ترجیح نہ دی ہو۔ اس کا مطلب یہ کہ جو مسائل امام محمّد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتابوں میں مروی ہیں ان پر فتویٰ دینا چاہیے۔ اگر چہ کسی امام نے صراحتاً ان کی تصحیح نہ کی ہو، کیوں کہ ان کا ظاہرِ روایت ہونا ہی ان کی صحت کی بڑی دلیل ہے۔ ہاں اگر ائمہ کسی ایسی روایت کی تصحیح کریں جو کتبِ ظاہرِ روایت کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے تو پھر ان کی تصحیح کی پیروی کی جائے گی۔

علامہ طرسوسی رحمہ اللہ تعالیٰ أنفع الوسائل میں ما به کفالة کے بیان میں لکھتے ہیں کہ: "مقلد قاضی کے لیے ظاہر روایت کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ شاذ روایت پر قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا، اِلّا یہ کہ ائمہ نے صراحت کی ہو کہ فتویٰ شاذ روایت پر ہے اھ۔

وَكُتُبُ ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ أَتَتْ سِتًّا وَبِالْأُصُوْلِ أَيْضًا سُمِّيَتْ اور ظاہرِ روایت کی کتابیں آئی ہیں (تعداد میں) چھ، اور وہ اصول بھی کہلاتی ہیں۔

غیر مجتہد مفتی صرف ناقلِ فتاویٰ ہوتا ہے

رملی کا ابنِ نجیم پر رد: میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ ابنِ نجیم کے اس کلام میں جو بے ربطی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر کے حاشیے مظہر الحقائق میں

اس عبارت پر اعتراض کیا ہے کہ ابنِ نجیم کا یہ فرمانا کہ ”ہمارے لیے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا واجب ہے اگر چہ ہم نہ جانتے ہوں کہ امام صاحب نے وہ قول کہاں سے کیا ہے“ یہ بات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کے خلاف ہے کہ ”کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کس دلیل سے بات کہی ہے۔“ کیوں کہ امام صاحب کا یہ قول صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غیر مجتہد کے لیے فتویٰ دیناہی جائز نہیں۔ پھر اس قول سے اس بات پر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیناواجب ہے؟ (اور اگر کوئی شبہ کرے کہ آج کل تو مجتہد مفتی کا وجود نہیں تو کیا اب فتویٰ دیناہی جائز نہیں؟ رملی اس کا جواب دیتے ہیں:) ”تو میں کہتا ہوں کہ غیر مجتہد جو فتویٰ دیتا ہے وہ در حقیقت فتویٰ ہی نہیں، وہ تو صرف مجتہد کی بات نقل کرتا ہے، اس نے یہ فرمایا ہے (اور محض نقل کے لیے دلیل کا جاننا ضروری نہیں) اور اس اعتبار سے امام صاحب کے علاوہ دوسرے کا قول نقل کرنا بھی جائز ہے۔ پھر ہمارے ذمے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا گو کہ مشائخ نے آپ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہو کیسے واجب ہو گیا؟ جب کہ ہم ان مشائخ کے فتاویٰ کے صرف ناقل ہیں (رملی کی عبارت پوری ہوئی)

مشائخ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل سے بخوبی واقف تھے:

رملی کے رد کی وضاحت اور مزید رد: اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ مشائخ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل سے واقف تھے، اور وہ جانتے تھے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہاں سے قول لیا ہے۔ نیز وہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ کے اقوال کے دلائل سے بھی واقف تھے، پھر وہ تلامذہ کی دلیلوں کو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، اور مشائخ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے امام صاحب

رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے عدول اس وجہ سے کیا ہے کہ ان کو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی دلیل معلوم نہیں تھی، کیوں کہ ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے دلائل قائم کرکے کتابیں بھردی ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ فتویٰ مثال کے طور پر امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اور ہم میں جب دلائل میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور ہم تفریع و تاصیل کی شرائط حاصل کرنے میں مشائخ کے درجے تک نہیں پہنچ سکے ہیں تو ہمارے ذمے ان مشائخ کے اقوال کو نقل کرنا ہے، کیوں کہ وہی حضرات مذہبِ حنفی کے وہ پیروکار ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مذہب کو مدلل کرنے کے لیے اور اپنے اجتہاد سے اس کو سنوارنے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

علامہ مولانا شیخ القرآن والحدیث محمد روشن صدیقی حسینی کوکاروی حفظہ اللہ تعالیٰ سابقہ صدر مدرس گورنمنٹ دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف نے اشارہ سبابہ کے مسئلے پر ایک مکمل رسالہ "فتح الباب لسد ابواب الارتیاب" تحریر کیا ہے:

جب حضرت علامہ حلوانی صاحب رحمہ اللہ سے مسئلہ اشارہ حالت تشہد میں اختلاف کی بنیاد پڑھکر روز بروز ترقی کرتے ہوئے مذہب احناف کو تار تار کرکے علماء کرام احناف کے ہاں ان میں کئی آراء منظر عام پر آئیں۔

نورالانوار میں ہے کہ **الساکۃ عن الحق شیطان اخرس۔** حق کے بیان کرنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔[2059]

ایضاً: وروی ان عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان امیراً علی سریۃ وأصبتہ جنابۃ فتیمم وصلی بھم الفجر۔ وعلم النبی ﷺ علی ذلک ولم یأمرہ بالاعادۃ وھذا استصواب

2059 (نورالانوار ص۲۱۹)

منه ﷺ لان السكوت عن الحق حرام قال ﷺ :الساكة عن الحق شيطان اخرس:المستصفى للامام عبدالله بن احمد النسفى كتاب الصلوٰة۔[2060]

(ایضاًقال)لان السكوت عن الحق حرام بقوله عليه السلام:الساكة عن الحق شيطان اخرس۔[2061]

عمروبن العاص رضی اللہ عنہ ایک سریہ پر امیر تھے ان پر غسل لازم ہوگیا تو انہوں نے تیمم کرکے نماز فجر پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس کا علم ہوا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو نماز کے اعادہ کا حکم نہ فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان کو حق پر سمجھتے تھے۔اس لئے کہ حق سے خاموشی حرام ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حق کے بیان سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے لہذا اس گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کیلئے میں نے اپنے علم کے مطابق اس مسئلہ کو پورا پورا حق دینے والوں کا ظاہر کرنا لازمی سمجھا اور اس کو بیان کرنے کیلئے قلم اٹھایا۔واسئل الله التوفيق وماتوفيقى الا بالله العلى العظيم وعليه التكلان۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ محدث عظیم الشان مفسر قرآن عظیم شیخنا و شیخ المشائخ غوث الثقلین محبوب سبحانی سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اور محی السنۃ ممیت البدعت ننگ اسلاف لوالسنۃ کا علم بردار فخر الاولیاء پیر پیران صاحب کمالات ظاہریہ وباطنیہ مقتدائے اولیائے نقشبندیہ رئیس المجددین مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمھم اللہ تعالیٰ کے مقدسہ

2060 (نورالانوارج اص٥٠٨)

2061 (نورالانوارج اص٣٥٧،صحيح مسلم ج اص٥٠باب الحث على اكرام الجار،سنگین فتنه ص٩١٨،اصول تكفير ص١٧١بحواله تفير الكاشف ج٥ص٣٢،تلويح ص٥٢٣،تذكرة الابرار والاشرار ص٤،الرسالة القشيرية ج اص١٥٠،شرح النووى على صحيح مسلم ج اص٥٠،شذرات الذهب ج٣ص٣٢٤دار الكتب العلميه)

نامہائے مبارکہ: **و الحمدللہ علی ذلک:** کو منسوب مسئلہ اشارہ کہ نماز میں عدم جواز پر ایک معرکۃ الآراء تحریر پیش خدمت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله الذی جعلنامسلمین الموحدین عالمین باالقرآن و السنة ومقلدین لامام الاعظم امام ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ وعاملین بحکمه المتین و جعلنامن المحققین التابعین للحق وحفظنامن تقلید العمیان واتباع الهواءواهل الهواءوارسل الینارسول الثقلین سیدالمرسلین وعلی اٰله و اصحابه و اتباعه اجمعین۔

امابعدفیقول العبدالضعیف خادم العلم و العلماءو الاتقیاءالمولوی محمدروشن ولد قاضی عنوان الدین الصدیقی الحسینی الکوکاروی السواتی بتوفیق الله تعالیٰ و وفقه الله تعالیٰ لمایحب ویرضیٰ:اعلم ایهاالذکی أنی فی هذه الایام قداحاطت بی عوائق وموانع منزلیة وخارجیةفکادت تحول بینی وبین الافکار الجمیلةالبهجةالتی اریده۔

اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ کئی سالوں سے نماز میں قعدہ کی حالت میں مسبحہ سے غیر اللہ کی نفی اور وحدانیت کے اثبات کیلئے اشارہ کرنے کے بارے میں مثبتین اور نافین کی جانب سے رسالے لکھ چکے ہیں مثبتین اسے مستحب وسنت کہتے ہیں اور نافین اسے نہ کرنا بہتر و مکروہ اور حرام بتاتے ہیں ۔میں نے دیکھا ہے کہ مثبتین نافین پر سخت تنقید کرتے ہیں اگرچہ مذاہب حقہ میں اس کیلئے امثال موجود ہے مثلاً علماء کرام تحریر فرماہیں کہ ہمارے احناف کے نزدیک متروک التسمیہ عمداً کھانا حرام ہے اور شوافع کے نزدیک حرام نہیں جس طرح اس مسئلے کا بیان کرنے والا مجرم اور قابل عتاب نہیں اس طرح مسئلہ اشارہ کے بیان کرنے والے کو موجب تنقید بنانا درست نہیں مگر تحقیق کرنا چاہیئے کہ اصل مسئلہ کس طرح ہے۔اسلئے میں نے مجبوراًاپنی استعداد کے مطابق کچھ لکھنا ضروری سمجھا تاکہ اس وعید سے بچوں کہ حضور علیہ السلام سے نور الانوار ص۲۱۹ پر منقول ہے۔

الساکۃعن الحق شیطان اخرس۔

کہ حق بیان کرنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

اورناظرین کرام کی خدمت میں عرض بلب ادب یہ ہے کہ **خذماصفاودع ماکدر** یعنی صحیح بات کو لے لیں اور غیر صحیح بات کو چھوڑدیں ۔اور غلطی کواس پر محمول کریں کہ مجتہد کبھی حق کو پہنچتاہے اور کبھی غلطی کاشکارہوتاہے توپھرہم جیسے کم علم پندرھویں صدی والے اگر غلطی کاشکارہوجائیں توکوئی عجیب بات نہیں۔

طریقہ کام:

عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَهُ: "كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عُرِضَ عَلَيْكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ: أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ قَالَ: بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ؟ قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي لَا آلُو، قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ" وَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللَّهِ۔

ترمذی وابوداود ودارمی نے معاذبن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کاحاکم بناکر بھیجناچاہافرمایاکہ جب تمھارے سامنے کوئی معاملہ پیش آئے گاتوکس طرح فیصلہ کروگے عرض کی کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا فرمایااگرکتاب اللہ میں نہ پاؤتوکیاکروگے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا فرمایااگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاؤتوکیاکروگے عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اجتہادکرنے میں کمی نہ کروں گا حضورِاقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پرہاتھ مارااوریہ کہاکہ حمد ہے اللہ (عزوجل) کے لیے جس نے رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے

فرستادہ کو اُس چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) راضی ہے۔[2062]

حدیث مذکورہ کے مطابق پہلے آیات قرآنی:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲)

بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

۲۔ خشوع کا اصطلاحی معنیٰ: علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری لکھتے ہیں کہ خشوع کا معنیٰ ہے حق کی اطاعت کرنا۔

محمد بن علی الترمذی نے کہا کہ خاشع وہ شخص ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ گئی ہو اور اس کے سینے میں غضب کا دھواں ٹھنڈا ہو چکا ہو اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کا نور روشن ہو اور اس کے اعضاء سے تواضع ظاہر ہو۔[2063]

علماء نے اختلاف کیا کہ خشوع افعال قلوب میں سے ہے یا افعال جوارح یعنی اعضائے ظاہری میں سے ہے اور لغت میں خشوع کے معنیٰ سکون و تواضع و تذلل کے ہیں اور ابن کثیر نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خشوع رکھنے والے یعنی خوف و سکون رکھنے والے ہیں۔[2064]

۳۔ نماز میں خشوع:

اصطلاح میں خشوع یہ ہے کہ دل میں بھی سکون ہو اور اندامون میں بھی سکون ہو۔[2065]

2062 (مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل فی القضاء الفصل الثانی)

2063 (تبیان ج ۷ ص ۱۴۳)

2064 (تفسیر مواہب الرحمٰن ج ۶ ص ۳)

2065 (معارف القرآن پشتو ج ۶ ص ۱۰ مؤلفہ مفتی مولانا محمد شفیع)

۴۔خشوع:بالتحقیق ان مسلمانوں نے(آخرت)میں فلاح پائی جو(تصحیح عقائد کے ساتھ صفات ذیل کے ساتھ بھی موصوف ہیں یعنی وہ)اپنی نمازمیں (خواہ فرض ہویاغیر فرض)خشوع(خضوع)کرنے والے ہیں۔

فائدہ اول:خشوع کی تحقیق ہے سکون یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو بھی قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے۔اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے۔[2066]

۵۔وبإسناده عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله تَعَالَى {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ} يَقُول قد فَاز وَنَجَا وَسعد الموحدون بتوحيد الله أُولَئِكَ هم الوارثون الْجنَّة دون الْكفَّار وَيُقَال قد فَاز وَنَجَا الْمُؤْمِنُونَ المصدقون بإيمَانهمْ والفلاح على وَجْهَيْن نجاح ثمَّ ذكر نعت الْمُؤمنِينَ فَقَالَ {الَّذين هُمْ فِي صَلاَتِهِمْ خَاشِعُونَ} مخبتون متواضعون لَا يلتفتون يَمِينا وَلَا شمالاً وَلَا يرفعون أَيْديهم فِي الصَّلَاة۔[2067]

یعنی موحدین بتوحیداللہ تعالیٰ تحقیق کامیاب ہوئے اور نجات والے اور سعادت مند ہوئے اور جنت کے وارثین یہی لوگ ہیں کافرنہیں۔اور کہاجاتاہے یقیناً کہ مؤمنون تصدیق کرنے والوں نے نجات پائی۔کامیابی دوطرح کی ہے کامیابی اوربقا۔پھر مؤمنون کی صفت بیان کی (الَّذين هُمْ فِي صَلاَتِهِمْ خَاشِعُونَ(مخبتون متواضعون کہ جانب راست وچپ کو نہیں دیکھتے اور نمازوں میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

۶۔وقال مجاهد والزهري: الخشوع: سكون الأطراف في الصلاة۔

وعن ابن عباس: خاشعون"، خائفون ساكنون۔

2066 (تفسیر بیان القرآن مؤلفہ اشرف علی تھانوی)

2067 (تفسیر ابن عباس ص ۲۱۲-۲۱۱ فاروقی ملتان)

یعنی مجاہد اورزہری فرماتے ہیں کہ خشوع نماز میں اطراف کاسکون ہی ہے اورابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خاشعون خوف کرنے والے اور سکون کرنے والے۔[2068]

۷۔ جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے اعضاءڈھیلے پڑ جائیں ،نگاہ پست ہوجائے آواز دب جائے اور ہیبت زدگی کے وہ سارے آثاراس پر طاری ہوجائیں جو اس حالت میں فطر تاًطاری ہوجایا کرتے ہیں جبکہ آدمی کسی زبردست باجبروت ہستی کے حضور پیش ہو۔ نماز میں خشوع سے مراد دل اور جسم کی یہی کیفیت ہے اور یہی نماز کی اصل روح ہے۔حدیث میں آتاہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہاہے اور ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتا جاتاہے اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اگراس کے دل میں خشوع ہوتا تواس کے جسم پر بھی خشوع طاری ہوتا۔ آگے لکھتاہے حکم یہ ہے کہ نماز کاہر فعل پوری طرح سکون اوراطمینان سے اداکیاجائے۔[2069]

۸۔ابن جریروابن المنذروابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کیاکہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ(المومنون ۲)سے مرادہے کہ وہ ڈرنے والے اور(نمازمیں)پرسکون ہوتے ہیں ۔عبدالرزاق وعبدبن حمیدوابن جریروابن ابی حاتم نے زہری سے دریافت کیاکہ ۔۔۔یعنی نماز میں خشوع سے مرادآدمی کااپنی نمازمیں پرسکون رہناہے۔[2070]

2068 (الهداية إلى بلوغ النهاية في علم معاني القرآن وتفسيره، وأحكامه، وجمل من فنون علومه ج۵ ص ۷۴ أبو محمد مكي بن أبي طالب حَمّوش بن محمد بن مختار القيسي القيرواني ثم الأندلسي القرطبي المالكي (المتوفى: 437هـ) دار العلميه بيروت)

2069 (تفسیر تفہیم القرآن ج۳ ص۲۶۱ مؤلفہ مودودی ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

2070 (تفسیر در منثور لجلال الدین السیوطی رحمہ اللہ دار الاشاعت اردو بازار کراچی ج۶ ص۷-۹۶)

۹۔والخشوع في الصلاة: هو حضور القلب بين يدي الله تعالى، مستحضرا لقربه، فيسكن لذلک قلبه، وتطمئن نفسه، وتسكن حركاته۔

یعنی نماز میں خشوع اللہ تعالیٰ کے سامنے دل کا حضور ہے آپ کے قرب کو حاضر ہو اس لئے اس کے دل ساکن اور اس کا نفس مطمئن ہو اور اس کے حرکات ساکن ہوں۔[2071]

۱۰۔عبارة الكرخى قوله (اى به جلالين)قاله مقاتل أو خاضعون بالقلب ساكنون بالجوارح۔

تواضع کرنے والے ہوتے ہیں اس کو مقاتل نے کہا یا دل میں خوف کرنے والے اور جوارح میں سکون کرنے والے ہوتے ہیں۔[2072]

۱۱۔عن اسماء بنت ابى بكر عن أم رومان والدة عائشة قالت رانى أبو بكر الصديق أتميل في صلاتى فزجرنى زجرة كدت انصرف من صلاتى قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا قام أحدكم في الصلاة فليسكن أطرافه لا يتميل تميل اليهود فان سكون الأطراف في الصّلوة من تمام الصّلوة-ازالة الخفامنه رح۔

عمرو بن دینار رحمہ اللہ نے کہا کہ خشوع سکون ہے اور ہیئت حسنہ ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے نماز میں تمایل کرتے ہوئے دیکھا تو ایسے سختی سے منع کیا اور جھڑکا کہ قریب تھا کہ میں نماز چھوڑ دوں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا کہ

2071 (تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، عبد الرحمن بن ناصر بن عبد الله السعدي (المتوفى: 1376ھ-)، الناشر: دار ابن حرم بیروت ص ۵۲۰)

2072 (حاشیة الجمل على الجلالين ج ۳ ص ۱۸۳ مؤلفہ سیمان الجمل رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۰۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

فرماتے تھے کہ جب تم نماز ادا کرتے ہو تو اپنے اندا موں کو ساکن رکھو اور یہودیوں کی طرح تمایل نہ کرو اس لئے کہ نماز میں اطراف کو ساکن کرنا نماز مکمل کرنا ہے۔[2073]

۱۲۔الخشوع التذلل مع خوف وسكون للجوارح, ولذا قال ابن عباس فيما رواه عنه ابن جرير وغيره خاشعون خائفون ساكنون۔

یعنی خشوع تابعداری کے ساتھ ڈرنا اور سکون جوارح واطراف ہے اسلئے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس کو ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا کہ خاشعون کا معنی ڈرنے والے اور سکون کرنے والے ہوتے ہیں۔[2074]

۱۳۔لَا يرفعون أَيْديهم فِي الصَّلَاة۔

یعنی نماز میں ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے۔[2075]

۱۴۔والخشوع التطامُنُ، وسكونُ الأعضاءِ, والوقارُ، وهذا إنَّما يظهر في الأعضاء مِمَّنْ في قلبه خوف واستكانة لأنَّه إذا خشع قلبُه خشعت جوارِحُه۔

یعنی خشوع اعضاء کا وقار اور سکون کے ساتھ تھامنا ہے یہ کیفیت ان لوگوں میں ظاہر ہوتی ہے جن کے دل میں خوف اور تابعداری ہو اسلئے کہ جب اس کے دل میں خشوع ہو تو جوارح میں خشوع ہو گا۔[2076]

۱۵۔{خَاشِعُونَ} خائفون, أو خاضعون, أو ساكنون۔

2073 (التفسير المظهري، ص ۳۶۳-۳۶۲ قاضی محمد ثناء اللہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۲۵ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

2074 (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) ص ۵ ج ۱۸ المكتبة الحقانية ملتان)

2075 (ص ۲۱۲ تنوير المقباس من تفسير ابن عباس لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ) فاروقی کتب خانہ ملتان)

2076 (ص ۱۴۷ ج ۱۲ الجواهر الحسان في تفسير القرآن، أبو زيد عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبي (المتوفى: 875هـ) دار لكتب العلمية - بيروت)

یعنی ڈرنے والے یا خضوع کرنے والے یا سکون کرنے والے۔[2077]

۱۶۔حَقِيقَتُهُ السُّكُونُ: قَالَ مُجَاهِدٌ: كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِذَا قَامَ يُصَلِّي كَأَنَّهُ عُودٌ مِنَ الْخُشُوعِ
۔

یعنی خشوع کی حقیقت سکون ہے مجاہد نے فرمایا کہ ابن زبیر رحمہ اللہ کا یہ حال تھا کہ جب نماز پڑھتے ہوئے کھڑے ہوتے تو خشوع کی وجہ سے لکڑی معلوم ہوتا۔[2078]

۱۷۔عمرو بن دینار: ليس الخشوع الركوع و السجود ولكنه السكون۔[2079]

۱۸۔خاشِعُونَ مخبتون متضرعون متحننون نحو الحق عن ظهر القلب وجميع الجوارح و الأركان بلا تلعثم و عثور۔

عاجزی کرنے والے زاری کرنے والے حقیقت کی طرف مائل ہونے والے دل کی گہرائی سے اسی طرح تمام اندام اور ارکان بغیر سستی و کوتاہی کے ادا کرنے والے اور ان کے ظواھر اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی کرنے والے ہوں اور بعض نے کہا کہ اس کے اندام ساکن ہوں۔[2080]

۱۹۔وَأخرج عبد الرَّزَّاق وَعبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن أبي حَاتِم عَن الزُّهْرِيّ {الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} قَالَ: هُوَ سُكُون الْمَرْء فِي صلَاته۔

وَأخرج ابْن جرير وان الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} قَالَ: خائفون ساكنون۔

2077 (تفسیر القرآن (وهو اختصار لتفسير الماوردي) أبو محمد عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن الحسن السلمي الدمشقي، الملقب بسلطان العلماء (المتوفى:660ھ-) دار لکتب العلمیہ - بیروت)

2078 (ج۳ص۳۱۲ أحكام القرآن القاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي المعافري الاشبيلي المالكي (المتوفى:543ھ-)

2079 (ص۳۱۶ج۴ الكشف والبيان عن تفسير القرآن أحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي، أبو إسحاق (المتوفى: 427ھ) دار لکتب العلمیہ-بیروت)

2080 (ص۲۴۹-۲۴۸ج۳ محبوب سبحانی سیدنا سید الاولیاء عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳ے۵ھ-) دار لکتب العلمیہ - بیروت)

یعنی زھری سے منقول ہے کہ خشوع آدمی کا اپنی نماز میں سکون کرنا ہے۔اورابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ڈرنے والے اندامو ں کو ساکن کرنے والے۔[2081]

۲۰۔قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ:هو السكون وحسن الهيئة۔[2082]

۲۱۔قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {خَاشِعُونَ}: خَائِفُونَ سَاكِنُونَ. وَكَذَا رُوِيَ عَنْ مُجَاهِدٍ، وَالْحَسَنِ، وَقَتَادَةَ، وَالزُّهْرِيِّ۔[2083]

۲۲۔الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خاشِعُونَ أي خائفون ساكنون، والخشوع: خشوع القلب، وهو الخضوع والتذلل مع الخوف وسكون الجوارح.يعنى خاشعون۔

معنی ڈرنے والے سکون اندام کرنے کو کہتے ہیں خشوع اصل میں دل کا خشوع ہے اوروہ عاجزی کرنے والے زاری کرنے والے ڈرنے کے ساتھ اوراندامو ں کو ساکن کرنے کو کہتے ہیں۔[2084]

۲۳۔وَاخْتَلَفُوا فِي الْخُشُوعِ فَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ مِنْ أَفْعَالِ الْقُلُوبِ كَالْخَوْفِ وَالرَّهْبَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ مِنْ أَفْعَالِ الْجَوَارِحِ كَالسُّكُونِ وَتَرْكِ الِالْتِفَاتِ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ وَهُوَ الْأَوْلَى.... وَمِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالْجَوَارِحِ أَنْ يَكُونَ سَاكِنًا ...الی ان قال وَلَكِنَّ الْخُشُوعَ الَّذِي يُرَى عَلَى الْإِنْسَانِ لَيْسَ إِلَّا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَوَارِحِ فَإِنَّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْقَلْبِ لَا يُرَى...الخ

خشوع میں اختلاف ہے علماء میں سے ایک فریق اس کو دل کے افعال سے شمار کرتے ہیں جیسے ڈرنا اور گھبراہٹ اوردوسرا فریق سکون جوارح کے افعال میں گرادیتے ہیں جیسے سکون اور نہ

2081 (ج۵ص۵ الدر المنثور عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ) دار العلمیہ-بیروت)

2082 (ج۳ص۲۵۵ معالم التنزيل في تفسير القرآن = تفسير البغوي محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى: 510ھ) دار العلمیہ-بیروت)

2083 (ج۳ص۷۱۳ تفسير القرآن العظيم (ابن كثير أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ) دار اليقين)

2084 (ص۳۳۰ج۱۶ التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج د وهبة بن مصطفى الزحيلي مکتبہ رشید کوئٹہ)

دیکھنااوران میں سے ایک جماعت خشوع کودونوں سے بتاتے ہیں اور یہ بہتر ہےاوروہ جو اندااموں میں سے ہےوہ یہ ہے کہ ساکن ہو یہاں تک کہ کہا) مگروہ خشوع جس کوانسان دیکھتاہے صرف وہ ہے جو انداموں سے متعلق ہواس لئے کہ دل سے تعلق رکھنے کونہیں دیکھ سکتے ہیں۔[2085]

۲۴۔حَدَّثَنِي عَلِيٌّ، قَالَ: ثنا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: ثني مُعَاوِيَةُ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ: "{الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ} [المؤمنون: 2] يَقُولُ: خَائِفُونَ سَاكِنُونَ۔

مذکورہ حدیث میں بیان شدہ آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہماسے روایت ہے فرماتے ہیں: ڈرنے والے سکون کرنے والے۔[2086]

۲۵۔وَرُوِيَ عَنْ إبْرَاهِيمَ وَمُجَاهِدٍ وَالزُّهْرِيِّ: "الْخُشُوعُ السُّكُونُ" قَالَ أَبُو بَكْرٍ: الْخُشُوعُ يَنْتَظِمُ هَذِهِ الْمَعَانِيَ كُلَّهَا مِنْ السُّكُونِ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّذَلُّلِ وَتَرْكِ الِالْتِفَاتِ وَالْحَرَكَةِ وَالْخَوْفِ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَقَدْ رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلَاةِ"۔

یعنی ابراہیم اور مجاہد اورزھری سے مروی ہے کہ خشوع سکون کوکہتے ہیں ۔ابو بکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاکہ خشوع ان سب معانی کوشامل ہےیعنی نمازمیں سکون ،عاجزی ادھر ادھرنہ دیکھنااور حرکت نہ کرنااور خوف کرنااللہ تعالیٰ سے اوریقیناًرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایااور حکم فرمایاکہ نمازمیں سکون اختیار کرواور نماز میں ہاتھوں کو حرکت نہ دو۔[2087]

2085 (ص۷۷ج۲۳مفاتيح الغيب = التفسير الكبير أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606ھ)مطبوعة الاميرية)

2086 (ص۱۹۸ج۹تفسير الطبري = جامع البيان عن تأويل آي القرآن محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310ھ)دارالكتب العلميه بيروت)

2087 (ج۳ص۳۲۹أحكام القرآن أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (المتوفى: 370ھ)دار الكتب العلمية بيروت-لبنان)

۲۶۔لا بد من الجمع بين أفعال القلب و الجوارح وهو الأولى۔

اندا موں اور دل کے افعال کا جمع ضروری ہے اور یہ بہتر ہے۔[2088]

خائفون بالقلب ساکنون بالجوارح۔

دل میں ڈرنے والے اور اندا موں کو ساکن کرنے والے۔[2089]

۲۷۔ تفسیر فتح القدیر میں اس طرح ہے صحیح جمع ہے اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن حاتم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ڈرنے والے اور اندا موں کو ساکن کرنے والے ہو۔[2090]

۲۸۔عن ابی ہریرۃ ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یعبث بلحیتہ في الصّلوۃ فقال لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه- رواه الحكيم الترمذي في نوادر الأصول بسند ضعيف۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نماز میں داڑھی میں عبث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دیکھا تو فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح اندام بھی خاشع ہوتے۔[2091]

۲۹۔واختلفوا فی الخشوع هل هو من فرائض الصلاة او من فضائلها على قولين والصحيح الاول۔

2088 (ص۲۶۷ج۳لباب التأويل في معاني التنزيل علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن، المعروف بالخازن (المتوفى: 741ھ)-دار المعرفة-بيروت)

2089 (ج۳ص۳۰۰تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (المتوفى: 710ھ)-دار المعرفة-بيروت)

2090 (فتح القدیر ج۳ ملاحظہ ۵۱۰،۵۰۸،۵۰۷ مؤلفہ لشوکانی دار الاحیاء بیروت)

2091 (ص۳۶۳ج۱۶التفسير المظهري، محمد ثناء الله مكتبة الرشدية-الباكستان)

خشوع میں دو قول ہیں کہ نماز میں فرائض سے ہے یا کہ فضائل سے صحیح قول اول ہے کہ فرائض میں سے ہے۔[2092]

۳۰۔ وَالْخُشُوعُ مَحَلُّهُ الْقَلْبُ، فَإِذَا خَشَعَ خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ كُلُّهَا لِخُشُوعِهِ۔

اور **يعبث بلحيته** والی حدیث کو بیان کیا۔ یعنی خشوع کا مقام دل ہے جب دل خاشع ہوجائے تو سارے اندام خاشع ہوجاتے ہیں دل کے خشوع کی وجہ سے اور مظہری میں بیان کردہ حدیث کو بیان کی۔[2093]

۳۱۔ خاشِعُونَ أي متواضعين وقال الزهري الذين لا يرفعون أيديهم في الصلاة إلا في التكبيرة الأولى، وروي عن علي رضي الله عنه أنه قال: لخشوع في الصلاة، أن لا تلتفت في صلاتک يميناً ولا شمالاً. الخ۔

ترجمہ: **خاشعون** یعنی عاجزی کرنے والے اور زہری نے فرمایا وہ لوگ جو نماز میں اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ دائیں اور بائیں طرف نہیں دیکھتے۔[2094]

۳۲۔ خشوع شریعت میں دل میں خوف اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کے آثار اندامون پر ظاہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والوں اور بہت زیادہ ثواب دینے والوں کی صفات میں خشوع کو بھی شمار کیا ہے۔[2095]

2092 (جواھر الفرقان الاخندزادہ ولی محمد الحنفی (جامعہ جواھر الفرقان))

2093 (ج۱۲ص۱۰۳ الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى: 671))

2094 (ص۴۰۸ ج۲ بحر العلوم أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى: 373ھ) بیروت)

2095 (اضواء البيان فی ایضاح القرآن بالقرآن تالیف الشیخ محمد الامین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی ج۵ ص۵۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)

۳۳۔فيه خمسة أوجه: أحدها: خائفون, وهو قول الحسن, وقتادة. والثاني: خاضعون, وهو قول ابن عيسى. والثالث: تائبون, وهو قول إبراهيم. والرابع: أنه غض البصر, وخفض الجناح, قاله مجاهد. الخامس: هو أن ينظر إلى موضع سجوده من الأرض, ولا يجوز بصره مُصَلاَّهُ, الخ۔

ترجمہ: خاشعون میں پانچ وجوہات ہیں: ایک ہے ڈرنے والے یہ حسن اور قتادہ کا قول ہے دوسری ہے عاجزی کرنے والے یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے تیسری ہے توبہ کرنے والے اور یہ ابراہیم کا قول ہے چوتھی ہے آنکھیں نیچے کرنے والے اور ہاتھوں کو نیچے کرنے والے اس کو مجاہد نے فرمایا پانچویں ہے سجدہ کی جگہ کو دیکھنا زمین سے اس سجدہ کی جگہ کو دیکھیں کہ اپنے مصلا سے نظر آگے نہ بڑھائے۔[2096]

۳۴۔خاشعون هم الذين قاموالله بالله بنعت الهيبة فى مشاهدة عظمة الله فى مقام المناجاةالله۔

یعنی خشوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے مقام میں کڑی ہو۔

۳۵۔اختلفوا في الخشوع فمنهم من جعله من أفعال القلوب كالخوف والرهبة, ومنهم من جعله من أفعال الجوارح كالسكون وترک الالتفات ومنهم من جمع بين الأمرين, وهو الأولى.

2096 (ج۴ص۴۶ تفسير الماوردي = النكت والعيون أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (المتوفى:450ه-) دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان)

یعنی خشوع کے مصداق میں اختلاف ان میں سے بعض اس کو افعال قلوب سے اور بعض نے افعال جوارح انداموں (جسمانی ظاہری اعضاء) سے اور بعض نے دونوں سے مراد کی ہے کہ اس سے دل کا اور انداموں دونوں کا خشوع مراد ہے اور یہ بہتر ہے۔[2097]

۳۶۔خشوع :خاضعون متذللون متواضعون مرعبون مشاهدهم يلزمون أبصارهم مساجدهم وقدصح انه عليه السلام كان يصلى رافعابصره الى السماء فلمانزلت رمى بصره نحو مسجده اى على وجه الحياء ورأى رجلايعبث بلحيته فقال لو خشع قلب هذالخشعت جوارحه وتحت الخط اخرجه ابن ابى شيبة فى مصنفه۔

خاشعون معنی زاری کرنے والے عاجزی کرنے والے تواضع کرنے والے اپنے انداموں کو مد نظر رکھنے والے اور اپنے سجدہ کی جگہ پر نظر بند کرنے والے کو کہتے ہیں ۔یقیناً صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنی نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حیا کی وجہ سے اپنے سجدہ کی جگہ کو دیکھتے اور ایک آدمی کو نماز کی حالت میں داڑھی کے ساتھ عبث کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو ضرور (لازمی طور پر) اس کے جوارح ساکن ہوتے اس کو ابن شیبہ اپنی مصنف میں لائے ہیں [2098]۔

۳۷۔وَالْخُشُوعُ لُغَةً الْخُضُوعُ وَالتَّذَلُّلُ، وَلِلْمُفَسِّرِينَ فِيهِ هُنَا أَقْوَالٌ: قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: هُوَ السُّكُونُ وَحُسْنُ الْهَيْئَةِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: غَضُّ الْبَصَرِ وَخَفْضُ الْجَنَاحِ. وَقَالَ مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ وَقَتَادَةُ: تَنْكِيسُ الرَّأْسِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: الْخَوْفُ. وَقَالَ الضَّحَّاكُ: وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ. وَعَنْ عَلِيٍّ: تَرْكُ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ. وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: إِعْظَامُ الْمَقَامِ وَإِخْلَاصُ

[2097] (اللباب في علوم الكتاب، ج ۱۴، ص ۱۲۶، أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ) دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان)

[2098] (تفسیر الملا علی القاری مسمیٰ بہ انوار القرآن واسرار الفرقان ص ۴۰۹-۴۰۸ ج ۳ دار الکتب بیروت)

الْمَقَالِ وَالْيَقِينُ التَّامُّ وَجمعُ الاهْتِمَامِ. وَفِي الْحَدِيثِ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي رَافِعًا بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ رَمَى بِبَصَرِهِ نَحوَ مَسْجِدِهِ، وَمِنَ الْخُشُوعِ أَنْ تُسْتَعْمَلَ الْآدَابُ فَيَتَوَقَّى كَفَّ الثَّوْبِ وَالْعَبَثَ بِجَسَدِهِ وَثِيَابِهِ وَالِالْتِفَاتَ وَالتَّمَطِّيَ وَالتَّثَاؤُبَ وَالتَّغْمِيضَ وَتَغْطِيَةَ الْفَمِ وَالسَّدْلَ وَالْفَرْقَعَةَ وَالتَّشْبِيكَ وَالِاخْتِصَارَ وتقليب الحصى. وفي التَّحْرِيرِ: اخْتُلِفَ فِي الْخُشُوعِ، هَلْ هُوَ مِنْ فَرَائِضِ الصَّلَاةِ أَوْ مِنْ فَضَائِلِهَا وَمُكَمِّلَاتِهَا عَلَى قَوْلَيْنِ، وَالصَّحِيحُ الْأَوَّلُ۔

لغوی معنی خشوع کاعاجزی اور تضرع ہے اور مفسرین کی یہاں بہت باتیں ہیں ،عمرو بن دینار رحمہ اللہ نے کہا کہ مراد سکون ہے اور اچھی ہیئت اور شکل ہے۔مجاھد کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کرنا یعنی نیچے کرنا اور ہاتھوں کو نیچے رکھنا ہے۔ مسلم بن یسار اور قتادہ نے کہا کہ سر کو نیچے کرنا ہے اور حسن کہاہے کہ ڈر کو کہتے ہیں اور ضحاک کے ہاں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھنا چاہیئے اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تعظیم سے کھڑا ہونا گفتار اخلاص کے ساتھ اور مکمل اہتمام اور یقین کو خشوع کہا جاتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نماز میں الخ۔

خشوع ادب سے کام کرنا کہ لباس لپیٹنے سے پرہیز کریں اور بدن اور لباس سے عبث نہ کریں ۔ادھر ادھر نہ دیکھیں جمائی نہ کریں اور آنکھیں بند نہ کریں اور منہ کو بند نہ کریں کپڑے نہ لٹکائیں اور انگلیوں سے کڑاکے نہ نکالیں اور انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالیں اور پہلو پر ہاتھ نہ رکھیں اور کنکریوں سے نہ کھیلنے کو خشوع کہتے ہیں ۔اور تحریر میں ہے کہ خشوع میں اختلاف ہے کہ یہ نماز میں فرض ہے یا مستحب مگر صحیح اول یعنی فرض ہے۔[2099]

2099 (البحر المحيط في التفسير ص٣٦٦،ج٦، أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان أثير الدين الأندلسي (المتوفى:745ھ-) دار الكتب العلمية - بيروت)

۳۸۔ وفي المراد بالخشوع في الصلاة أربعة أقوال : أحدها: أنه النظر إلى موضع السجود. روى أبو هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلّم إذا صلى رفع بصره إلى السماء، فنزلت: الذين هم في صلاتهم خاشعون» فنكس رأسه. وإلى هذا المعنى ذهب مسلم بن يسار، وقتادة. والثاني: أنه ترك الالتفات في الصلاة، وأن تُلين كنفك للرجل المسلم، قاله عليّ بن أبي طالب. والثالث: أنه السكون في الصلاة، قاله مجاهد، وإبراهيم، والزهري. والرابع: أنه الخوف، قاله الحسن۔

ترجمہ:ابن جوزی نے فرمایاکہ نماز میں خشوع سے مراد چار اقوال:ایک یہ کہ سجدہ کی جگہ کو دیکھنا ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ فلاح والے لوگ اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے سر مبارک نیچے فرمالیا۔ مسلم بن یسار اور قتادہ نے یہی معنیٰ نقل کیے ہیں ۔دوسرا یہ کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے اجتناب کرنا اور مسلمان کیلئے پہلو نرم کرنے کو خشوع کہتے ہیں اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ تیسرا معنی یہ کہ خشوع نماز میں سکون کرنا ہے اس کو مجاہد نے فرمایا اور ابراہیم اور زہری نے۔ چوتھا یہ کہ خشوع ڈرنا ہے اس کو حسن نے فرمایا۔[2100]

۳۸۔{الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} أَي: خاضعون خائفون، يُقَال: الْخُشُوع خوف الْقلب، وَحَقِيقَته هُوَ الإقبال فِي الصَّلَاة على معبوده، والتذلل بَين يَدَيْهِ، وَيُقَال: هُوَ جمع الهمة، وَدفع الْعَوَارِض عَن الصَّلَاة، وتدبر مَا يجْرِي على لِسَانه من الْقِرَاءَة وَالتَّسْبِيح والتهليل وَالتَّكْبِير، وَعَن عَليّ - رَضِي الله عَنهُ - قَالَ: الْخُشُوع أَن لَا يلْتَفت عَن يَمِينه وَلَا عَن شِمَاله فِي الصَّلَاة.

2100 (زاد المسیر في علم التفسیر ج۳ص ۲۵۵ جمال الدین أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفی:597ھ)دار الکتاب العربي-بیروت)

وَعَنْ أبي هُرَيْرَة قَالَ: كَانَ أَصْحَاب رَسُول الله يرفعون أَبْصَارهم إِلَى السَّمَاء فِي الصَّلَاة، فَلَمَّا نزل قَوْله تَعَالَى: {قد أَفْلح الْمُؤمنونَ الَّذين هم فِي صلَاتهم خاشعون} رموا بِأَبْصَارِهِمْ إِلَى مَوَاضِع السُّجُود، وَعَن إِبْرَاهِيم النَّخعِيّ قَالَ: هُوَ السكن فِي الصَّلَاة.

ترجمہ: خاشعون عاجزی کرنے والے ڈرنے والے کہا جاتا ہے کہ خشوع دل میں ڈرنا ہے۔اس کی حقیقت نماز میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہونا ہے اور تذلل اختیار کرنا ہے... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خشوع نماز میں دائیں بائیں جانب نہ دیکھنا ہے اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل فرمایا کہ وہ مومنین کامیاب اور کامل فلاح والے ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں تو انہوں نے اپنی نظروں کو اپنے سجدوں کی جگہ پر کر دیا۔ ابراھیم نخعی سے روایت ہے کہ فرمایا خشوع سکون ہی ہے نماز میں۔ [2101]

۳۹۔اختلفوا في الخشوع فمنهم من جعله من أفعال القلوب كالخوف والرهبة، ومنهم من جعله من أفعال الجوارح كالسكون وترک الالتفات ومنهم من جمع بين الأمرين، وهو الأولى.الی ان قال: وقال عطاء: هو أن تعبث بشيء من جسدک، لأن النبي - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم - أبصر رجلاً يعبث بلحيته في الصلاة، فقال: و خشع قلب هذا لخشعت جوارحه وقال ابن الخطيب: وهو عندنا واجب۔اھ۔ [2102]

[2101] (تفسیر القرآن ص ۴۰ أبو المظفر، منصور بن محمد بن عبد الجبار ابن أحمد المروزى السمعاني التميمي الحنفي ثم الشافعي (المتوفى:489هـ))

[2102] (اللباب في علوم الكتاب ص ۱۲۶ ج ۱۴ أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ) دار الكتب العلمية-بيروت/لبنان)

۴۰۔خاشعون وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی جگہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کامشاہدہ کرتے ہیں صفت الٰہیہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد پر اللہ اللہ کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔[2103]

۴۱۔حدثناعبدالرزاق قال انامعمرالزهری فی قوله تعالیٰ فی صلاتهم خاشعون قال هوسکون المرءفی صلاته قال معمروقال الحسن خائفون۔

حدثناعبدالرزاق قال اخبرنامعمر قال قتادة الخشوع فی القلب۔

یعنی زھری فرماتے ہیں کہ خشوع نماز میں سکون ہی ہے کہ نمازی اپنی نماز میں سکون سے ہو اس کو معمر نے فرمایا حسن نے فرمایا کہ ڈرنے والے ہوں اور قتادہ نے فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے۔[2104]

۴۲۔یشیرالی ان الفلاح الحقیقی لایحصل بمطلق الایمان بل بالایمان الحقیقی المقیدبجمیع الشرائط التی هی مذکورة فی الآیة خاشعون بالظاهروالباطن اماالظاهر فخشوع الرأس بانتکاسه وخشوع العین بانغماضهاعن الالتفات وخشوع الاذن بالتذلل للاستماع وخشوع اللسان للقرءة بالحضور، خشوع الیدین وضع الیمین علی الشمال بالتعظیم کالعبیدوخشوع الظهرانحناءه فی الرکوع مستویاوخشوع الفرج بنفی الخواطرالشهوانیة وخشوع القدمین بثاتهماعلی الموضع وسکونهمامن الحرکة ۔واماالباطن فخشوع النفس سکونهاعن الخواطروالهواجس وخشوع القلب بملازمة الذکرودوام الحضوروخشوع السربالمراقبةفی ترک اللحظات الی المکونات وخشوع الروح استغراقه فی بحرالمحبةوذوبانه عندتجلی الجلال والجمال۔

2103 (تفسیرعرائس البیان فی حقائق القرآن ج۲ ص ۵۴۹ لابی محمدصدرالدین روزبهان بن ابی نصرالبقلی المتوفی۶۰۶ھ دارالعلمیه بیروت)

2104 (تفسیر عبدالرزاق ج۲ ص ۴۱۲ متوفی ۲۱۱ھ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ اشارہ کرتا ہے کہ مطلق ایمان سے آخرت کی کامیابی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حقیقی ایمان ان شرائط کے ساتھ مقید ہےاس سے حاصل ہوتا ہے کہ ظاہر اور باطن خشوع کرنے والے ہوں جو کہ ظاہر ہے تو کانوں کا خشوع سننے کیلئے تابع کرنا اور زبان کا خشوع پڑھنے کیلئے زور سے اور ہاتھوں کا خشوع دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ادب کے ساتھ تعظیم سے اور پیٹھ کا خشوع رکوع میں برابر جھکنا ہے اور فرج کا خشوع شہوات کے خیالات کی نفی کرنا ہے اور پاؤں کا خشوع اپنی جگہ پر قائم رہنا اور حرکت سے ساکت کرنا ہے اور خشوع باطن کا یہ ہے کہ نفس کو خواطر اور ھواجس تصورات سے ساکن کرنا ہے اور دل کا خشوع دوام ذکر اور ہمیشہ حضور قائم کرنا ہے اور سر کا خشوع مراقبہ سے اشیاء ماکونہ ملحوظ نہ کرنا اور روح کا خشوع اس کو محبت کے دریا میں ڈبونا ہے اور تجلی جلال و جمال کا محکوم رہنا ہے۔[2105]

۴۳۔خاضعون بالقلب ساکنون بالجوارح۔

ترجمہ: دل میں عاجزی کرنے والے اور سارے انداموں کو ساکن رکھنے والے۔[2106]

۴۴۔عن ابراھیم النخعی قال ھو السکون فی الصلاۃ۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خشوع نماز میں سکون ہی ہے۔[2107]

۴۵۔وفی المراد بالخشوع فی الصلاۃ اربعۃ اقوال :احدھا مخبطون متواضعون لا یلتفتون یمینا و لا شمالا و لا یرفعون ایدیھم فی الصلاۃ یجمعون الھمۃ ویعرضون عما سو اللہ بقلوبھم ویتدبرون فی مایجری علی السنتھم من القرآن و الذکر الخ۔

2105 (التاویلات نجمیہ فی الاشاری الصوفی تالیف الشیخ الامام احمد بن عمر نجم الدین الکبریٰ المتوفی ۶۱۸ھ)

2106 (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد ج ۵ ص ۴، أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي بن عجيبة الحسني الأنجري الفاسي الصوفي (المتوفى: 1224هـ) المحقق: أحمد عبد الله القرشي رسلان، دار الكتب العلميه بيروت)

2107 (تفسیر السمعانی لامام ابی مظفر منصور بن محمد المروزی متوفی ۴۸۹ھ)

نمازمیں خشوع کرنے سے مرادمیں چاراقوال ہیں پہلاحال عاجزی کرنے والے زاری کرنے والے دائیں بائیں نہ دیکھنے والے اور نمازمیں دائیں بائیں ہاتھ نہ اٹھانے والے مکمل ہمت کرتے ہوئے اپنے دلوں میں ماسوااللہ سے اعراض کرنے والے اور جوکچھ ان کی زبانوں پر جاری ہوتاہے۔(تفصیل کیلئے اصل کی طرف رجوع کریں۔)[2108]

۴۶۔خاشعون خائفون متذللون له یلزمون ابصارهم مساجدهم۔قوله (روی انه علیه السلام کان یصلی رافعاالی السماءفلمانزلت رمی ببصره نحو مسجده وانه رأی رجلایعبث فقال لوخشع قلب هذالخشعت جوارحه) وخشوع الجوارح کنایةعن سکونها۔اه۔

ڈرنے والے عاجزی کرنے والے اللہ تعالیٰ کیلئے جائے سجدہ کو نگاہ کرتے ہوئے اس کا یہ قول ۔مروی ہے کہ حضورعلیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی دیکھتے تومذکورہ آیت نازل ہوئی تواپنی نظر کو جائے سجدہ پر کیااورآپ علیہ السلام نے ایک شخص کودیکھاکہ بےفائدہ کام کرتاہے تو فرمایاکہ اگراس کے دل میں خشوع ہوتاتوضروراس کے اعضاءمیں یعنی ہاتھ اورانگلیوں میں بھی خشوع ہوتااوراندامون کاخشوع عبادت ہے اس کوساکن کرنے اورنہ ہلانے اوراٹھانے سے جملہ اسمیہ کے ابلغیت کی وجہ اس کی دلالت کرتی ہے دوام ہمیشہ والی پر۔[2109]

۴۷۔خاشعون:خاضعون بالقلب ساکنون بالجوارح۔

[2108] (الجواهرفی تفسیرالقرآن الکریم المسمی تفسیر طنطاوی جوهری تالیف الحکیم الشیخ طنطاوی جوهری مصری،دارالکتب العلمیه بیروت)

[2109] (ج۱۳ ص۱۳۶ حاشیه قونوی علی تفسیر البیضاوی عصام الدین اسماعیل محمدالحنفی المتوفی ۸۸۰ه دارالکتب العلمیه بیروت)

ترجمہ: خاشعون دل میں عاجزی کرنے والے اور اندا موں یعنی ہاتھ، پاؤں، انگلیاں ساکن کرنے والے اور نہ اٹھانے والے اور حرکت نہ کرنے والے۔[2110]

۴۸۔فمنهم من جعله من افعال القلوب كالخوف و الرهبة ومنهم من جعله من افعال الجوارح كالسكون۔

ترجمہ: کچھ مفسرین نے خشوع کو افعال قلب سے بتایا ہے جیسے ڈرنا، عاجزی کرنا اور کچھ نے اندا موں کے افعال سے بتایا جیسے سکون اور عدم حرکت۔[2111]

۴۹۔والخشوع التطامن وسكون الاعضاء والوقار۔

خشوع عبارت ہے اطمینان کرنے، اندا موں کے ساکن ہونے اور وقار سے۔[2112]

۵۰۔ومنهم من جعله من أفعال الجوارح كالسكون وترك الالتفات۔

ترجمہ: ان میں کچھ علماء و مفسرین نے خشوع کو اندا موں کے افعال سے بتایا ہے جیسے اندا موں کے ساکن ہونا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا۔[2113]

نوٹ: ناظرین عظام کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی حالت میں مؤمنین کاملین کی صفت کامیابی نماز میں سکون اندام بیان فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سمیت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز میں خشوع کو ترجیح دیتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھنے کے عمل کو چھوڑ کر سکون کی طرف مائل ہوتے ہوئے اپنی آنکھیں

[2110] (درالاسرار فی تفسیر القرآن ج۳ ص۹۳ تالیف لمفتی لدیار الشامیة محمد بن محمد الحسینی الحمزاوی الحنفی المتوفی سنہ ۱۳۰۵ھ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2111] (غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج۵ ص۱۰۸، نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمي النيسابوري (المتوفى:850ھ) دار الكتب العلميه-بيروت)

[2112] (المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ج۴ ص۱۳۶، أبو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطية الأندلسي المحاربي (المتوفى:542ھ) دار الكتب العلمية-بيروت)

[2113] (تفسیر القاضی حاشیہ علی البیضاوی، ج۶ ص۱۴۵ شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ دار الکتب بیروت)

نیچے جھکایا کرتے تاکہ خشوع قائم رہے تو انگلی اٹھانا اور اشارہ کرنا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ اول تو ذخیرہ احادیث میں ایسی حدیث شریف جس میں صراحتاً مذکور ہو خواہ قولی ہو یا فعلی کہ مسبحہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی نفی اور اثبات وحدانیت کیلئے ہے موجود نہیں جو منسوخ نہ ہو اور قرآنی آیات کا مخالف نہ ہو اور جو احادیث فعلیہ دعاء اخلاص اور دعاء استغفار بارے میں ہے ان کو نفی اثبات پر محمول کرنا ایک توجیه الکلام بمالا یرضیٰ به قائله یعنی کلام کا وہ معنی کرنا کہ بولنے والا اس پر راضی نہیں ہے دوسرا واُتو لکل ذی حق حقه۔(الحدیث) کہ ہر حقدار کو اس کا حق دو کے خلاف تیسرا وَلَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء ۳٦) ترجمہ: اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو کی خلاف ورزی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ چوتھا یہ کہ خبر واحد یعنی حدیث پر نسخ قرآن جائز نہیں۔

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ کلامی لا ینسخ کلام الله و کلام الله ینسخ کلامی و کلام الله ینسخ بعضه بعضا۔[2114]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کلام میرا نہیں نسخ کرتا کلام اللہ کو اور کلام اللہ کو نسخ کرتا ہے میرے کلام کو اور کلام اللہ نسخ کرتا ہے بعض اس کے بعض کو۔ اھ۔ اسی طرح منسوخ ناسخ نہیں نسخ نہیں کر سکتا۔

احادیث کی طرف چلیئے:

[2114] رواه الدارمی شرح مشکوۃ ص ۳۲ قبیل کتاب العلم۔

(۱) حَدَّثَنَا إِسمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِکٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا، وَاللَّهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلاَ خُشُوعُكُمْ، وَإِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي۔ [2115]

(۲) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا فُلَانُ، أَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَکَ؟ أَلَا يَنْظُرُ الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّى كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَإِنَّمَا يُصَلِّي لِنَفْسِهِ، إِنِّي وَاللهِ لَأُبْصِرُ مِنْ وَرَائِي كَمَا أُبْصِرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز پڑھی پھر پھرے تو فرمایا کہ اے فلان تم اپنی نماز کو کیوں اچھی طرح نہیں پڑھتے نماز پڑھنے والا نہیں دیکھتا ہے کہ کس طرح نماز پڑھتا ہے کیونکہ یہ تو نماز اپنے لئے پڑھتے ہو اللہ کی قسم میں پیچھے سے ضرور اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ آگے سے دیکھتا ہوں۔ [2116]

(۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِکِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَا هُنَا؟ فَوَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ، وَلَا سُجُودُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي۔

2115 (الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = ج ۱ ص ۱۰۲ صحيح البخاري، باب الخشوع في الصلاة، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، قديمی کتب خانه کراتشی باکستان)

2116 (صحيح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰، بَابُ الْأَمْرِ بِتَحْسِينِ الصَّلَاةِ وَإِتْمَامِهَا وَالْخُشُوعِ فِيهَا ،مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261هـ) قديمی کتب خانه کراچی)

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ میرا قبلہ اس طرف ہے اللہ کی قسم ہے کہ آپ کا رکوع اور خشوع مجھ سے پوشیدہ نہیں اور میں ضرور آپ کو اپنی پیٹھ کی طرف سے دیکھتا ہوں۔[2117]

یہ بھی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ میرا منہ اس طرف ہے(یعنی آگے کی طرف) مگر اللہ کی قسم مجھ سے آپ کا رکوع اور سجدہ مخفی نہیں۔ میں ضرور اپنی پیٹھ کی طرف سے آپ کو دیکھتا ہوں۔

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴿بقرة ٢٣٨﴾ اور کھڑے ہو اللّٰہ کے حضور ادب سے ۔یعنی نماز میں خاموش رہنالازم ہے۔

سعید بن منصور، عبد بن حمید نے محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ نماز میں اپنی ضروریات کے بارے میں (ایک دوسرے سے) بات کرلیا کرتے تھے جیسے اہل کتاب اپنی ضروریات کے بارے میں بات کرلیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴿بقرة ٢٣٨﴾

توانہوں نے نماز میں بات کرنا چھوڑ دیا۔[2118]

(٢)وَأخرج وَكِيع وَأحمد وَسَعِيد بن مَنْصُور وَعبد بن حميد وَالْبُخَارِيّ وَمُسلم وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيّ وَالنَّسَائِيّ وَابْن جرير وَابْن خُزَيْمَة والطَّحَاوِي وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم

2117 (صحیح مسلم ج۱ ص۱۸۰، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261هـ)-قدیمی کتب خانہ کراچی)

2118 (تفسیر در منثور اردو دارالاشاعت کراچی ص۷۶ج۱)

وَابْن حبَان وَالطَّبَرَانِيّ وَالْبَيْهَقِيّ عَن زيد بن أسلم قَالَ: كُنَّا نتكلم على عهد رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي الصَّلَاة يكلم الرجل منا صَاحبه وَهُوَ إِلَى جنبه فِي الصَّلَاة حَتَّى نزلت {وَقومُوا الله قَانِتِين} فَأمرنَا بِالسُّكُوتِ ونهينا عَن الْكَلَام۔

ترجمہ: وکیع، احمد، سعید بن منصور، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن جریر، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، طبرانی، بیہقی رحمہم اللہ نے زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانے میں نماز میں بات کرلیا کرتے تھے ہم میں سے کوئی آدمی اپنے پہلو والے ساتھی سے نماز میں بات کرلیا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ٢٣٨﴾ (اس کے بعد) ہم کو (نماز میں) خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔

(٥) وَأخرج الطَّبَرَانِيّ عَن ابْن عَبَّاس فِي قَول الله {وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ٢٣٨﴾} قَالَ: كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي الصَّلَاة يَجِيء الرجل إِلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاة فيكلمه بحاجته فنهوا عَن الْكَلَام۔

ترجمہ: طبرانی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول {وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴿بقرة ٢٣٨﴾} کے بارے میں فرمایا کہ لوگ نماز میں بات کیا کرتے تھے۔ ایک آدمی کا خادم اس کے پاس (کسی کام کی غرض سے) آتا اور وہ آدمی نماز میں ہوتا تو وہ اپنے خادم کو اپنا کام بتا دیتا تھا۔ اب کلام کرنے سے روک دیا گیا۔[2119]

(٦) وَأخرج عبد بن حميد وَابْن جرير عَن عَطِيَّة قَالَ: كَانَ يأمرون فِي الصَّلَاة بحوائجهم حَتَّى أنزلت {وَقومُوا الله قَانِتِين} فترکوا الْكَلَام فِي الصَّلَاة۔

[2119] (الدر المنثور، ص ٥٤٣ ج ١، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

ترجمہ:عبد بن حمید، ابن جریر نے عطیہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ لوگ نماز میں (آپس میں)اپنی اپنی ضروریات کا حکم دیا کرتے تھے یہاں تک کہ (یہ آیت){وَقومُوا الله قَانِتِينَ}نازل ہوئی تو لوگوں نے نماز میں بات کرنا چھوڑ دیا۔[2120]

(۷)وَأخرج عبد الرَّزَّاق فِي المُصَنّف وَعبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر عَن مُجَاهِد قَالَ: كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي الصَّلَاة وَكَانَ الرجل يَأْمر أَخَاهُ بِالْحَاجةِ فَأنْزل الله {وَقومُوا الله قَانِتِينَ} فقطعُوا الْكَلَام فالقنوت السُّكُوت والقنوت الطَّاعَة۔

ترجمہ:عبد الرزاق نے المصنف میں عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر رحمہم اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ لوگ نماز میں (آپس میں) باتیں کر لیا کرتے تھے اور ایک آدمی اپنے بھائی کو اپنی ضرورت کا حکم کر لیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

{وَقومُوا الله قَانِتِينَ}

تو پھر لوگوں نے بات کرنا چھوڑ دی۔

سو قنوت سے مراد ہے سکوت یعنی خاموشی اور قنوت سے مراد ہے اطاعت۔[2121]

(۸)وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق السّديّ عَن مرّة عَن ابْن مَسْعُود قَالَ كُنَّا نقوم فِي الصَّلَاة فنتكلم ويسارر الرجل صَاحبه ويخبره ويردون عَلَيْهِ إِذا سلم حَتَّى أتيت أَنا فَسلمت فَلم يردوا عَليّ السَّلَام فَاشْتَدَّ ذَلِك عليّ فَلَمَّا قضى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم صلَاته قَالَ: إِنَّه لم يَمْنعنِي أَن أرد عَلَيْك السَّلَام إِلَّا أَن أمرنَا أَن نقوم قَانِتِينَ لَا نتكلم فِي الصَّلَاة والقنوت السُّكُوت۔

ترجمہ:ابن جریر سدی کے طریق سے انہوں نے ابن مرہ سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ (جب) ہم نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو (نماز میں) بات

[2120] (الدر المنثور، ص ۵۴۳ ج ۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911هـ))

[2121] (الدر المنثور، ص ۵۴۳ ج ۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911هـ))

کر لیتے تھے اور ایک آدمی اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا تھا جب کوئی سلام کرتا تھا تو لوگ اس کا جواب دیتے تھے (نماز میں ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ میں آیا اور میں نے بھی (حسب معمول نمازی کو) سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ بات مجھ پر گراں گزری۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنی نماز مکمل فرمائی تو (مجھ سے) فرمایا تیرے سلام کا جواب دینے میں مجھے کسی بات نے نہیں روکا مگر یہ ہم کو (اب) یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں خاموش رہیں کوئی بات نہ کریں اور قنوت کا معنی ہے خاموش رہنا۔[2122]

(۹) وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق زر عَن ابْن مَسْعُود قَالَ كُنَّا نتكلم فِي الصَّلَاة فَسلمت على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلم يرد عَليّ فَلَمَّا انْصَرف قَالَ: قد أحدث الله أَن لَا تتكلموا فِي الصَّلَاة وَنزلت هَذِه الْآيَة {وَقومُوا لله قَانِتين}۔

ترجمہ: ابن جریر نے زر کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم نماز میں بات کر لیا کرتے تھے۔ (ایک دن) میں نے (نماز میں) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے جواب نہ دیا جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا (اب) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ ہم نماز میں بات نہ کریں یہ آیت نازل ہوئی: {وَقومُوا لله قَانِتين}۔[2123]

(۱۰) وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق كُلْثُوم بن المصطلق عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: إِن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ عوّدني أَن يرد عَليّ السَّلَام فِي الصَّلَاة فَأَتَيْته ذَات يَوْم فَسلمت فَلم يرد

[2122] (الدر المنثور، ص ۵۴۳ ج ۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ-))

[2123] (الدر المنثور، ص ۵۴۳ ج ۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ-))

عَليّ وَقَالَ: إِن الله يحدث من أمره مَا شَاءَ وَإِنَّهُ قد أحدث لكم فِي الصَّلَاة أَن لَا يتَكَلَّم أحد إِلَّا بِذكر الله وَمَا يَنْبَغِي من تَسْبِيح وتمجيد {وَقومُوا لله قَانِتين}۔

ترجمہ: ابن جریر نے کلثوم بن المطلق کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ نماز میں میرے سلام کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے ایک دن میں آیا اور (حسب معمول) میں نے (نماز میں) سلام کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جواب نہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور اب تمہارے لیے یہ حکم فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ نماز میں کوئی (دوسری) بات نہ کرے اور اس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی حمد ہونی چاہیئے۔

وَقُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ ﴿بقرۃ ۲۳۸﴾

اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔[2124]

(۱۱) وَأخرج عبد بن حميد وَأَبُو يعلى من طَرِيق الْمسيب عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: كُنَّا يسلم بَعْضنَا على بعض فِي الصَّلَاة فمررت برَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَسلمت عَلَيْهِ فَلم يرد عَليّ فَوَقع فِي نَفسِي أَنه نزل فِيّ شَيْء فَلَمَّا قضى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم صلَاته قَالَ وَعَلَيْك السَّلَام أَيهَا الْمُسلم وَرَحْمَة الله إِن الله يحدث فِي أمره مَا يَشَاء فَإِذا كُنْتُم فِي الصَّلَاة فاقنتوا وَلَا تتكلموا۔

ترجمہ: عبد بن حمید، ابویعلی نے المسیب کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم میں سے بعض، بعض کو نماز میں سلام کر لیتے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس سے گزرا (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

[2124] (الدر المنثور، ص ۵۴۴۔۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

وسلم نماز پڑھ رہے تھے) میں نے (حسب معمول) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے جواب نہ دیا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوگئی ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنی نماز پوری کر چکے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: "وعلیک السلام ایھا المسلم ورحمۃ اللہ" اللہ تعالیٰ اپنے کام میں جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے (اب) جب تم نماز میں ہو تو خاموش رہو اور کوئی بات نہ کرو۔[2125]

(١٢) وَأخرج ابْن أبي حَاتِم عَن ابْن مَسْعُود قَالَ: القانت الَّذِي يطع الله وَرَسُوله۔

ترجمہ: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ قانت وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اطاعت کرتا ہے۔[2126]

(١٣) وَأخرج ابْن أبي حَاتِم عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {وَقومُوا لله قَانِتِينَ} قَالَ: مصلين۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ "وَقومُوا لله قَانِتِينَ" سے مراد نمازیں پڑھنے والے ہیں۔[2127]

(١٤) وَأخرج ابْن جرير عَن ابْن عَبَّاس فِي الْآيَة قَالَ: كل أهل دين يقومُونَ فِيهَا عاصين فَقومُوا أَنْتُم لله مُطِيعِينَ۔

2125 (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱ (نسخہ دیگر ۳۰۶)، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

2126 (الدر المنثور، ص۵۴۳ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

2127 (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ ہر دین والے اس (نماز) میں کھڑے ہوتے ہیں نافرمان بن کر، اور تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کیلئے فرمانبردار بن کر۔[2128]

(۱۵) وَأخرج ابْن أبي شيبَة فِي المصنف عَن الضَّحَّاک فِي قَوْله {وَقومُوا لله قَانِتينَ} قَالَ: مُطِيعِينَ لله فِي الْوضُوء۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ {وَقومُوا لله قَانِتينَ} سے مراد ہے وضو میں اللہ تعالیٰ کیلئے فرمانبرداری کرنے والے۔[2129]

(۱۶) وَأخرج ابْن جرير عَن ابْن زيد فِي الْآيَة قَالَ: إِذا قُمْتُم فِي الصَّلَاة فاسكتوا وَلَا تكلموا أحدا حَتَّى تفرغوا مِنْهَا وَالْقَانِت الْمُصَلِّي الَّذِي لَا يتَكَلَّم۔

ترجمہ: ابن جریر نے ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جب تم نماز میں کھڑے ہو جاؤ تو خاموش رہو کسی سے بات نہ کرو یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جاؤ اور قانت وہ نماز پڑھنے والا ہے جو بات نہیں کرتا۔[2130]

(۱۷) وَأخرج سعيد بن مَنْصُور وَعبد بن حميد وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم والأصبهاني فِي التَّرْغِيب وَالْبَيْهَقِيّ فِي شعب الإِيمان عَن مُجَاهِد فِي قَوْله {وَقومُوا لله قَانِتينَ} قَالَ: من الْقُنُوت الرُّكُوع والخشوع وَطول الرُّكُوع يَعْنِي طول الْقيام وغض الْبَصَر وخفض الْجنَاح والرهبة لله كَانَ الْفُقَهَاء من أَصْحَاب مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذا قَامَ أحدهم فِي

2128 (الدر المنثور، ص۵۴۴ج۱، دیگر۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدين السيوطي (التوفی: 911ھ))

2129 (الدر المنثور، ص۵۴۴ج۱، دیگر۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدين السيوطي (التوفی: 911ھ))

2130 (الدر المنثور، ص۵۴۴ج۱، دیگر۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدين السيوطي (التوفی: 911ھ))

الصَّلَاة يهاب الرَّحمَن سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَن يلْتَفت أَو يقلب الْحَصَى أَو يشد بَصَره أَو يعبث بِشَيْء أَو يحدث نَفسه بِشَيْء من أَمر الدُّنْيَا إِلَّا نَاسِيا حَتَّى ينْصَرف.

ترجمہ:سعید بن منصور،عبد بن حمید،ابن جریر،ابن المنذر،ابن ابی حاتم ،اصبہانی نے ترغیب میں ،بیہقی نے شعب الایمان میں مجاہد رحمہ اللہ سے {وَقومُوا لله قَانِتِينَ} کے بارے میں روایت کیا کہ قنوت میں سے ہے لمبا رکوع کرنا یعنی لمبا قیام کرنا، نگاہ کو پست کرنا،پہلوؤں کو پست کرنا اور خوف کا طاری ہونا،اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فقہاء میں سے جب کوئی نماز میں کھڑا ہوتا تھا تو وہ رحمٰن سبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرتا تھا ادھر ادھر توجہ کرنے سے یا کنکریوں کو الٹ پلٹ کرنے سے یا اپنی آنکھوں سے کسی چیز کو تاڑنے سے یا کسی چیز سے کھیلنے سے یا دنیا کے کاموں میں سے کسی کام کے بارے میں سوچنے سے مگر بھول کر یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتا۔[2131]

(۱۷)وَأخرج الْأَصْبَهَانِيّ فِي التَّرْغِيب عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {وَقومُوا لله قَانِتِينَ} قَالَ: كَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِي الصَّلَاة ويأمرون بِالْحَاجةِ فنهوا عَن الْكَلَام والالتفات فِي الصَّلَاة وَأمروا أَن يخشعوا إِذا قَامُوا فِي الصَّلَاة قَانِتِينَ خاشعين غير ساهين وَلَا لاهين۔

ترجمہ:اصبہانی نے ترغیب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے {وَقومُوا لله قَانِتِينَ} کے بارے میں روایت کیا کہ لوگ نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے اوراپنی حاجت کا حکم کرلیا کرتے تھے اب ان کو نماز میں باتیں کرنے اورادھر ادھر متوجہ ہونے سے روک دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جب نماز میں کھڑے ہوں تو خشوع اختیار کریں غافل اور لاپرواہ ہو کر کھڑے نہ ہوں۔[2132]

[2131] (الدر المنثور،ص ۵۴۴ج ۱، دیگر ۳۰۶،عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911ھ))

[2132] (الدر المنثور،ص ۵۴۴ج ۱، دیگر ۳۰۶،عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911ھ))

(۱۸) وَأخرج ابْن أبي شيبَة وَمُسلم وَالتِّرْمِذِيّ وَابْن ماجة عَن جَابر قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أفضل الصَّلَاة طول الْقُنُوت۔

ترجمہ: ابن ابی شیبہ ، مسلم، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افضل نمازوہ ہے جس کی قنوت لمبی ہو(قیام لمباہو)۔ مطلب یہ ہے کہ نماز میں پہلے سلام، کلام اور جواب سلام دونوں ہاتھوں سے اور انگلی سے۔ یہ سب کام جائز تھے جو کہ بعد میں منسوخ ہوئے اس لئے ناسخ اور منسوخ جاننا چاہیئے۔[2133]

(۱۹) وَأخرج البُخَارِيّ وَمُسلم وَأَبُو دَاوُد وَابْن ماجة عَن ابْن مَسْعُود قَالَ كُنَّا نسلم على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاة فيرد علينا فَلَمَّا رَجعْنَا من عِنْد النَّجَاشِيّ سلّمنا عَلَيْهِ فَلم يرد علينا فَقُلْنَا يَا رَسُول الله كُنَّا نسلم عَلَيْک فِي الصَّلَاة فترد علينا فَقَالَ: إِن فِي الصَّلَاة شغلاً۔

بخاری ، مسلم، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہم کو جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا(نماز کی حالت میں)مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جواب عنایت نہ فرمایا(نماز کے بعد)ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم !ہم نماز میں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

[2133] (الدر المنثور، ص۵۴۴ج۱، دیگر۳۰۶،عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911هـ))

وبارک وسلم کو سلام کرتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا بے شک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔(اللہ کے ذکر سے)[2134]

(۲۰){وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ}فَأَمَرَ فِيهَا بِالدَّوَامِ عَلَى الْخُشُوعِ وَالسُّكُونِ وَالْقِيَامِ۔

ترجمہ:تو امر کیا گیا اس آیت مبارکہ میں {وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ} خشوع اور سکون اور قیام کے دوام پر۔[2135]

(۲۱)وقوموا لله في صلاتكم خاشعين، خافضي الأجنحة۔

ترجمہ:اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے اور پہلوؤں کو پست کرنے کی حالت میں کھڑے ہو جاؤ۔[2136]

(۲۲){وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ}أَيْ: خَاشِعِينَ ذَلِيلِينَ مُسْتَكِينِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع کرنے والے عاجزی کرنے والے کھڑے ہو جاؤ۔[2137]

(۲۳)وقيل خاشعين۔

ترجمہ:اور کہا گیا کہ خشوع کرنے والے۔[2138]

(۲۴)ایضاً شیخ زادہ۔[2139]

2134 (الدر المنثور، ص۵۴۴ ج۱، دیگر ۳۰۶، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ))

2135 (أحكام القرآن للجصاص ج۱ ص۵۴۴، دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

2136 (جامع البيان في تأويل القرآن - تفسیر طبری، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310ھ))

2137 (تفسير القرآن العظيم لابن كثير ج۱ ص۲۹۵، دار الفكر)

2138 (تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، ج ۱ ص ۲۳۵، أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى: 982ھ) دار إحياء التراث العربي - بيروت)

2139 (شیخ زادہ ج۲ ص۵۸۸ دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲۵) قولہ قانتین۔ وقال مجاھد خاشعین۔[2140]

قانتین ذاکرین اللہ تعالیٰ فی القیام مداومین علی القراءۃ والخشوع یعنی قانتین معنی ذکر کرنے والے اللہ تعالی کا قیام میں اور ہمیشہ کرنے والے ہوں عاجزی اور خشوع کا یعنی نماز میں سکون کرنے والے۔[2141]

قانتین: قیل ھو الخشوع۔ قالہ ابن عمر و مجاھد۔

ابن عمر اور مجاہد نے فرمایا کہ یہ نماز میں ہمیشہ خشوع یعنی سکون اور عدم حرکت اختیار کرو۔[2142]

القول الرابع: وھو قول مجاھد: القنوت عبارۃ عن الخشوع و خفض الجناح و سکون الاطراف و ترک الالتفات من ھیبۃ اللہ تعالیٰ الخ۔

ترجمہ: چوتھا مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قنوت خشوع پہلو کو جھکانا پست کرنا اور اندام وں کو ساکن کرنا یعنی نہ ہلانا ادھر ادھر نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی وجہ سے۔[2143]

(۲۶) ومن القنوت أیضا طول الرکوع والسجود وغض البصر والھدوء في الصلاۃ وخفض الجناح والخشوع فیھا وکان العلماء إذا قام أحدھم یصلي یھاب الرحمن أن یلتفت أو یقلب الحصی أو یعبث بشيء أو یحدث نفسہ بشيء من أمور الدنیا إلاّ ناسیا۔

ترجمہ: قنوت کا ایک معنی اس طرح کیا گیا ہے سجدہ اور رکوع کو لمبا کرنا اور نگاہ کو پست کرنا اور نماز میں ساکن رہنا اور دونوں پہلوؤں کو پست کرنا اور خشوع (نماز میں) اختیار کرنا (نماز میں حرکت نہ کرنا) اور علماء جب ان میں سے کوئی ایک نماز کیلئے کھڑا ہوتا تو اس پر خوف خدا طاری ہوجاتا تھا (اور اس خوف خدا کی وجہ سے وہ ادھر ادھر توکرنے سے یا کنکریوں کو الٹ پلٹ

2140 (تفسیر بغوی ج۱ ص۱۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت، تفسیر قرطبی ج۳ ص۲۱۴ بیروت میں بھی مجاہد سے یہی معنی نقل کیے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا)

2141 (تفسیر منیر ج۱ ص۷۶۳ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

2142 (تفسیر فتح القدیر لشوکانی ج۱)

2143 (تفسیر کبیر لفخر الدین الرازی ج۲ ص۳۸۸ مکتبہ علوم اسلامیہ لاھور)

کرنے سے یا کسی چیز سے کھیلنے سے یا دنیا کے کاموں کے میں سے کسی کام کے بارے میں سوچنے سے یعنی باتیں کرنے سے) مگر بھول کر۔[2144]

(۲۷)اسی طرح میں بھی بیان ہے۔[2145]

(۲۸) میں مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قانتین بمعنی خاشعین ہے۔(یعنی اندا موں کو نماز میں ساکن رکھنا).[2146]

(۲۹)[2147]میں ہے اور کہا گیا کہ قانتین بمعنی خاشعین ہے یعنی سکون اختیار کرنے والے۔

(۳۰)[2148] میں ہے کہ (قانتين) ذاكرين ومطيعين أوخاضعين خاشعين۔یعنی ذکر کرنے والے تابعداری کرنے والے اور عاجزی کرنے والے اور اندا موں کو ساکن کرنے والے۔

(۳۱)[2149] میں ہے کہ والثالث: خاشعين نهياعن العبث والتفلت وهوقول مجاهد، والربيع ابن انس۔یعنی تیسرا معنیٰ مجاہد اور ربیع بن انس نے فرمایا خشوع کرنے والا اور عبث اور ادھر ادھر دیکھنے سے منع کو کہتے ہیں۔

(۳۲)[2150] کی عبارات اور تفسیر درالمنثور کی عبارت تقریباًایک جیسی ہے جو نمبر ۱۵ میں مذکور ہوا ہے۔

2144 (تفسیر خازن ج ا ص ۱۸۱ دارالکتب العربیہ پشاور)

2145 (تفسیر اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2146 (تفسیر البحر المحیط ج ۲ ص ۲۵۱ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2147 (تفسیر بیضاوی ص ۱۵۷ میر کتب خانہ کراچی)

2148 (تفسیر ملا علی قاری ج ا ص ۲۱۱ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2149 (تفسیر روائع التفاسیر النکف والعیون تفسیر الماوردی ج ا ص ۳۱۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2150 (تفسیر الوسیط ج ا ص ۳۵۲ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳۳)قالوا:ان فی القنوت معنی المداومة علی الضراعة والخشوع، أی قوموا ملتزمین لخشیة اللہ تعالیٰ واستشعار هیبة وعظمته۔

ترجمہ: علماء نے کہا تحقیق کے ساتھ قنوت میں خشوع اور عاجزی پر ہمیشگی کا معنی پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں کھڑے رہو اور اس کی عظمت اور اس کی ہیبت سے باخبر رہو۔[2151]

(۳۴)عبارت اور تفسیر درمنثور کی عبارت جو کہ ۱۵ نمبر میں موجود ہے تقریباً دونوں ایک جیسی ہیں۔[2152]

(۳۵)اور کہا گیا ہے کہ قانتین بمعنی خاشعین ہیں۔[2153]

(۳٦){وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ}مطیعین امرنا بالسکوت فی صلاتهم خاضعین خاشعین۔

ترجمہ: یعنی اطاعت کرنے والے اور ہمیں امر کیا گیا ہے نماز میں خشوع، عاجزی اور ساکت رہنے کا۔[2154]

(۳۷)[2155] کی عبارت اور تفسیر درمنثور کی عبارت جو کہ پہلے ۱۵ نمبر پر مذکور ہوئی ہے تقریباً دونوں ایک جیسی ہیں۔

2151 تفسیر القرآن الحکیم الشہیر بتفسیر المنار ج۲ ص۳۰۳ دار الفکر بیروت

2152 (تفسیر ابن ابی حاتم الرازی المسمی التفسیر بالماثور ج۱ ص۳۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2153 (تفسیر حاشیۃ القونوی آرا تفسیر البیضاوی جلد 5 صفحہ ص۳۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2154 (تفسیر تاویلات اھل السنۃ-تفسیر الماتریدی ج۲ ص۲۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2155 (تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج۱ ص٦۵٦ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳۸)[2156] فامرنابالسکوت وقال مجاھدمعنی قانتین خاشعین۔یعنی جب{وَقُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ}نازل ہوئی توہمیں ساکت رہنے کا حکم ہوااور مجاہد نے فرمایاکہ قانتین کا معنٰی خاشعین یعنی ساکن رہنے کا ہے۔

(۳۹)[2157]مجاہد نے فرمایاکہ قانتین کا معنٰی خاشعین ہے۔

(۴۰)[2158]چوتھا معنٰی قنوت کا خشوع ہے یعنی انداموں کوساکن رہنے کا ہے۔

(۴۱)[2159] کی عبارت اور تفسیر درمنثور کی عبارت جوکہ پہلے ۱۵نمبرپر مذکورہے دونوں تقریباًایک جیسی ہیں۔

(۴۲)[2160]کی اور تفسیر درمنثور کی عبارت جوکہ پہلے ۱۵نمبرپر مذکورہے دونوں تقریباًایک جیسی ہیں۔

(۴۲)[2161]کی اور تفسیر درمنثور کی عبارت جوکہ پہلے ۱۵نمبرپر مذکورہے دونوں تقریباًایک جیسی ہیں۔

(۴۳)[2162]کی اور تفسیر درمنثور کی عبارت جوکہ پہلے ۱۵نمبرپر مذکورہے دونوں تقریباًایک جیسی ہیں۔

2156 (تفسیرالمحررالوجیزفی تفسیرالکتاب العزیز ج ۱ ص ۳۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2157 (تفسیرالجواھرالحسان فی تفسیرالقرآن ج ۱ص ۱۸۴دارالکتب العلمیہ بیروت)

2158 (تفسیراحکام القرآن لابن عربی ج ۱ص ۳۲۱۴دارالکتب العلمیہ بیروت)

2159 (تفسیرالکشف والبیان فی تفسیرالقرآن المعروف بتفسیرالثعلبی ج ۱ص ۳۸۷دارالکتب العلمیہ بیروت)

2160 (تفسیرروح المعانی ج ۱ص ۱۵۷دارالفکربیروت)

2161 (تفسیرروح المعانی ج ۱ص ۱۵۷دارالفکربیروت)

2162 (تفسیرمظہری ج ۱ص ۳۳۷حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(۴۴){وَقُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ} أي استحضروا وجودكم كله عند الصلاة, وأدوها قياما في خشوع, وخضوع, وسكون۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کھڑے رہو اللہ کیلئے اس حال میں کہ قانتین ہو بھی اپنے وجود (جسم) کو نماز کے ادا کرنے کے حالت میں سب کے سب حاضر کرو اور اس کو ادا کرو سکون ،عاجزی، خشوع اور قیام کے حالت میں۔[2163]

(۴۵) تفسیر روح البیان کی عبارت بھی تفسیر در منثور کی عبارت سے ملتی جلتی ہے جو کہ نمبر ۱۵ میں ذکر ہوا ہے۔[2164]

(۴۶)[2165] میں ہے یعنی اللہ کیلئے خشوع کرتے ہوئے نماز ادا کرو۔

(۴۷)[2166] میں ہے یعنی اللہ کیلئے خاشعین وذاکرین کھڑے رہو نماز کی حالت میں۔

(۴۸)[2167] میں ہے: {وَقُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ} أي: ذليلين خاشعين, ففيه الأمر بالقيام والقنوت والنهي عن الكلام, والأمر بالخشوع, هذا مع الأمن والطمأنينة۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کیلئے نماز میں حقیر ذلیل اور خشوع کرنے والے کی حالت میں کھڑے ہو۔ اس میں حکم ہے قیام اور عاجزی کا اور منع ہے باتیں کرنے سے اور سکون کا حکم ہے امن اور اطمینان کے ساتھ۔

2163 (تفسیر القرآنی للقرآن ج ۲ ص ۲۸۶ دار الفکر عربی بیروت)

2164 (تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۳۷۳ دار الاحیاء بیروت)

2165 (تفسیر القرآن العظیم المسمیٰ اولی ما قیل فی آیات التنزیل، ج ۲ ص ۳۴۴ مطبوعۃ اروقۃ اردن)

2166 (تفسیر القرآن العظیم المسمیٰ بتفسیر الرحمٰن وتیسیر المنان، ج ۱ ص ۸۶ مطبوعۃ بولاق مصر)

2167 (تفسیر تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر الکلام المنان، ج ۱ ص ۸۹ مطبوعۃ دار ابن حزم بیروت)

(۴۹)[2168]میں ہے یعنی نماز میں رکوع اور خشوع ہے۔

(۵۰)[2169]میں بھی اسی طرح مذکور جیسا کہ اس سے پہلے الهداية إلى بلوغ النهاية فی علم معانی القرآن میں مذکور ہے۔

آیت نمبر ۱۳اور ۱۴:

فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمۡ شَطۡرَهُ﴿بقرة ۱۴۴﴾

ترجمہ: اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمۡ شَطۡرَهُ﴿بقرة ۱۵۰﴾

ترجمہ: اور اے محبوب تم جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو۔

اخرج الطبرانی عن معاذبن جبل قال رسول اللهﷺبعدان قدم المدينة إلى بيت المقدس سبعة عشر اشهرا ثم انزل الله انه امره فيهابالتحول الى الكعبة فقال:قدنرى تقلب وجهک فی السماءالخ الاية۔(سبعةعشرشهراثم انزل اللهانهامره فيها)

ترجمہ: امام طبرانی نے معاذبن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اوران کو کعبہ کی طرف پھر جانے کا حکم فرمایا:

2168 (الهداية إلى بلوغ النهاية فی علم معانی القرآن دارالکتب العلمیہ بیروت،ج ا ص ۶۰۱)

2169 (ذخیرۃ الدارین علی تفسیر جلالین ج ا ص ۴۲۱ مکتبہ عربیہ کوئٹہ)

قَدْنَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ﴿بقرۃ ۱۴۴﴾[2170]

والمرادباطراف رجليه رؤوس أهمابعدهاوأرادبذكره هنامشروعية الاستقبال بجميع مايمكن من الاعضاء۔[2171]

قَالَ مُجَاهِدٌ وَغَيْرُهُ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ بَنِي سَلَمَةَ وَقَدْ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، فَتَحَوَّلَ فِي الصَّلَاةِ وَاسْتَقْبَلَ الْمِيزَابَ وَحَوَّلَ الرِّجَالُ مَكَانَ النِّسَاءِ، وَالنِّسَاءُ مَكَانَ الرِّجَالِ، فَسُمِّيَ ذَلِکَ الْمَسْجِدُ مَسْجِدَ الْقِبْلَتَيْنِ۔

ترجمہ: مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مسجد بن سلمۃ میں تھے اور تحقیق کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اصحاب کیلئے نماز ظہر سے دو رکعت ادا فرما چکے تھے تو نماز ہی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پھرے اور قبلہ کی طرف چہرہ کر دیا اور عورتیں مردوں کی جگہ اور مرد عورتوں کی جگہ کو چل دیئے اور اس مسجد کا نام مسجد ذو قبلتین رکھ دیا گیا۔[2172]

رُوِيَ عن البراء بن عازبٍ أن نبي الله صلى الله عليه وسلم قدِمَ المدينةَ فصلّى نحوَ بيت المقدس ستةعشرةشهراًثم وُجِّه إلى الكعبة.اھ۔

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف سولہ مہینے نماز پڑھی ۔اس کے بعد کعبہ شریفہ کو منہ پھیر دیا۔[2173]

2170 (باب فضل استقبال استقبال القبلۃ یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ قالہ ابو حمید عن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بخاری ج ۱ ص ۵۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

2171 (فتح الباری ج ۱ ص ۶۴۳ دارالسلام الریاض اور حاشیہ بخاری ج ۱ حاشیہ نمبر ۴ جیسے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ حکم دیا)

2172 (معالم التنزيل في تفسير القرآن = تفسير البغوي ج ۱ ص ۸۵ دار الکتب علمیہ بیروت

2173 (تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم ج ۱ ص ۱۷۴ دار الاحیاء بیروت)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ، وَالْمَسْجِدُ قِبْلَةٌ لِأَهْلِ الْحَرَمِ، وَالْحَرَمُ قِبْلَةٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ فِي مَشَارِقِهَا وَمَغَارِبِهَا مِنْ أُمَّتِي۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اہل مسجد کا قبلہ بیت اللہ ہے اوراہل حرم کا قبلہ مسجد ہے اور حرم کے باشندوں کیلئے حرم قبلہ ہے خواہ وہ مشرق کی طرف ہو یا کہ مغرب کی طرف میری امت میں سے۔[2174]

فَوَلِّ وَجْهَکَ تولية الوجه المكان: جعله قبالته وأمامه، والمراد بالوجه: جملة البدن، أي استقبل بوجهک في الصلاة نحو الكعبة. شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وجهته أو ناحيته۔

ترجمہ: چہرہ مبارک کو پھیر دو، چہرہ پھیرنا مکان کی طرف اوراس کے آگے اور سامنے کردو اور چہرے سے مراد تمام کے تمام بدن یعنی اپنے چہرے کو پھیر دو نماز میں کعبہ کی طرف۔[2175]

أطلق الوجه، وأريد به الذات، من قبيل المجاز المرسل، من باب إطلاق الجزء وإرادة الكل۔

ترجمہ: آیت مبارکہ میں چہرے کا ذکر ہے اوراس سے مراد ذات یعنی کل بدن ہے یہ مجاز مرسل کے قبیلے میں سے جزء ذکر کرکے اس سے کل مراد کرنے کے باب سے ہے۔ ففهم۔[2176]

وفي صحيح البخاري من حديث البراء بن عازب انه صلى الله عليه وسلم صلى أول صلوة صلاها الى الكعبة صلوة العصر وصلى معه قوم فخرج رجل ممن صلى معه فمر على اهل

2174 (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۴-۱۹۳ دار الفکر بیروت)

2175 (التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج ج ۱ ص ۳۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

2176 (التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ج ١ ص ٣٧٩ مكتبه رشيديه كوئٹه)

مسجدوهم راكعون فقال اشهد بالله لقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم قبل مكة فداروا كما هم قبل مكة- فمحمول على ان البراء لم يعلم صلاته صلى الله عليه وسلم فی مسجد بنی سلمة الظهر- او المراد انه أول صلوة صلاها كاملا الى الكعبة- او أول صلوة صلى في مسجده صلى الله عليه وسلم هو العصر۔

ترجمہ: صحیح بخاری میں براءبن عازب سے ایک حدیث شریف مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کعبہ کی طرف جو پہلی نمازادافرمائی وہ عصر کی تھی اور قوم نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نمازادافرمائی تو نماز پڑھنے والوں میں ایک آدمی جو ان کے ساتھ تھانکلااوروہ گزرامسجد والوں پر اس حال میں کہ وہ رکوع میں تھے تو اس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتااللہ کے ساتھ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ قبلے کی طرف نماز پڑھی تو اہل مسجد والے اسی حالت میں قبلہ کی طرف مڑے اوراس سے مراد اول جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کامل نماز پڑھی کعبہ کی طرف تھی اور پہلی نماز جو مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں ادافرمائی وہ نماز عصر ہے۔[2177]

الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: الْمُرَادُ مِنَ الْوَجْهِ هَاهُنَا جُمْلَةُ بَدَنِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِجُمْلَتِهِ لَا بِوَجْهِهِ فَقَطْ وَالْوَجْهُ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ نَفْسُ الشَّيْءِ لِأَنَّ الْوَجْهَ أَشْرَفُ الْأَعْضَاءِ وَلِأَنَّ بِالْوَجْهِ تُمَيَّزُ بَعْضُ النَّاسِ عَنْ بَعْضٍ، فَلِهَذَا السَّبَبِ قَدْ يُعَبَّرُ عَنْ كُلِّ الذَّاتِ بِالْوَجْهِ۔

ترجمہ: پہلا مسئلہ یہاں چہرے سے مراد انسان کا سارا بدن ہے۔اسلئے کہ انسان پر واجب ہے کہ قبلے کی طرف بجملہ رخ کرے (یعنی سارے بدن سے) نہ کہ صرف چہرہ سے اور چہرہ ذکر کر تمام بدن یعنی نفس شئ مراد لیا جاتا ہے کیونکہ چہرہ اعضاء میں سب سے زیادہ مشرف ہے اس لئے کہ چہرے کی

2177 (التفسیر المظہری ج ۱ص ۱۴۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہیں ۔اسی سبب کی وجہ سے چہرے کے ذریعے تمام ذات سے تعبیر کی جاتی ہے۔[2178]

الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: الْمُرَادُ مِنَ الْوَجْهِ هَاهُنَا جُمْلَةُ بَدَنِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِجُمْلَتِهِ لَا بِوَجْهِهِ فَقَطْ وَالْوَجْهُ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ نَفْسُ الشَّيْءِ لِأَنَّ الْوَجْهَ أَشْرَفُ الْأَعْضَاءِ وَلِأَنَّ بِالْوَجْهِ تُمَيَّزُ بَعْضُ النَّاسِ عَنْ بَعْضٍ، فَلِهَذَا السَّبَبِ قَدْ يُعَبَّرُ عَنْ كُلِّ الذَّاتِ بِالْوَجْهِ۔

ترجمہ: پہلا مسئلہ یہاں چہرے سے مراد انسان کا سارا بدن ہے۔اسلئے کہ انسان پر واجب ہے کہ قبلے کی طرف بجملہ رخ کرے (یعنی سارے بدن سے) نہ کہ صرف چہرہ سے اور چہرہ ذکر کر تمام بدن یعنی نفس شئ مراد لیا جاتا ہے کیونکہ چہرہ اعضاء میں سب سے زیادہ مشرف ہے اس لئے کہ چہرے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہیں ۔اسی سبب کی وجہ سے چہرے کے ذریعے تمام ذات سے تعبیر کی جاتی ہے۔[2179]

عن البراء بن عازب أن النبي صلّى الله عليه وسلّم كان أول ما قدم المدينة نزل على أجداده، أو قال أخواله من الأنصار وأنه صلّى قبل بيت المقدس ستة عشر أو سبعة عشر شهرا، وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت وأنه صلّى أول صلاة صلاها صلاة العصر، وصلّى معه قوم فخرج رجل ممن صلّى معه، فمر على أهل مسجد قباء وهم راكعون فقال أشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قبل الكعبة فداروا كما هم قبل البيت۔

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پہلے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اپنے اجداد کے ہاں اترے اور یہاں یہ

2178 (مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۲ ص ۹۷ مکتبہ علوم الاسلام لاہور)

2179 (مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۲ ص ۹۷ مکتبہ علوم الاسلام لاہور)

کہا کہ انصار میں سے ماموں والوں کے ہاں تشریف فرما ہوئے اور بیت المقدس کی سولہ (۱۶) یا سترہ (۱۷) مہینے نماز پڑھی اور یہ پسند کرتے تھے کہ ہمارا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو جائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے پہلی نماز جو ادا فرمائی وہ نماز عصر تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ قوم نے بھی نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص نکلا اور اہل قباء والوں کے ہاں آیا اور حال یہ ہے کہ وہ رکوع کرتے تھے تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ قبلہ کی طرف نماز پڑھی تو وہ اسی (نماز کی) حالت میں مڑ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے باقی نماز پوری کی۔[2180]

(۱۰) وَأَقُولُ: فِي قَوْلِهِ: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضاها مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ فِي الصَّلَاةِ، لِأَنَّ الْقِبْلَةَ هِيَ الَّتِي يُتَوَجَّهُ إِلَيْهَا فِي الصَّلَاةِ. وَأَرَادَ بِالْوَجْهِ: جُمْلَةَ الْبَدَنِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ اسْتِقْبَالُهَا بِجُمْلَةِ الْبَدَنِ. وَكَنَّى بِالْوَجْهِ عَنِ الْجُمْلَةِ، لِأَنَّهُ أَشْرَفُ الْأَعْضَاءِ، وَبِهِ يَتَمَيَّزُ بَعْضُ النَّاسِ عَنْ بَعْضٍ. وَقَدْ يُطْلَقُ وَيُرَادُ بِهِ نَفْسُ الشَّيْءِ۔

ترجمہ: اور میں کہتا ہوں کہ اس قول میں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا قبلہ کی طرف رخ کرنا جو کہ دلالت کرتا ہے کہ نماز میں یہی مقصود ہے۔اس لئے کہ قبلہ وہی ہے جس کی طرف نماز میں منہ کیا جاتا ہے اور چہرے سے مراد تمام بدن ہے کیونکہ چہرے کو قبلے کی طرف کرنا تمام بدن کے ساتھ واجب ہے اور چہرے کو کیوں یہ کہا سارے بدن سے اس لئے کہ یہ اشراف الاعضاء (یعنی تمام

2180 (لباب التأويل في معاني التنزيل یعنی تفسیر خازن ج ۱ ص ۹۹ دار الکتب عربیہ پشاور)

اعضاء میں اشراف)ہے لوگوں کی پہچان ایک دوسرے سے چہرے کے ذریعے ہوتی ہے اور تحقیق کے ساتھ چہرے کے اطلاق سے تمام بدن مراد لیا جائے گا۔[2181]

تِلۡكَ عَشَرَةٞ كَامِلَةٞ

خشوع کے متعلق تفاسیر سے تقریباً ۵۴ حوالے مذکورہیں آیت ا کے متعلق ۔ آیت ۲ قانتین کا معنی خشوع اور سکون کے تقریباً پینتیس ۳۵ تفاسیر دوسرے معنی کے علاوہ خشوع اور سکون سے کی ہے۔

آیت نمبر تین اور چار میں سارے بدن کو حتی المقدور قبلہ کی طرف کرنا مذکورہے اور آیت نمبر ۵ ص ۱۴۱ نماز میں ہاتھوں کو بند رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے کیا۔

لہٰذا ڈاکٹر مولا بخش سکندری کو چاہیئے کہ یہ رسالہ غور سے مطالعہ کرکے اپنے عمل سے توبہ کرے۔یہ رسالہ ایک مختصر بیان پر مشتمل ہے:القليل يدل على الكثير و الجرعة تبيئ عن البحر الصغير۔یعنی تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے اور قطرہ بڑے سمندر کی خبر دیتا ہے۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

ان شاء اللہ تعالیٰ مفصل رسالہ تحریر کیا جائے گا۔ڈاکٹر صاحب انتظار کریں اگر حق کا اتباع کیا تو فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا ﴿الاحزاب ۷۱﴾ اس نے بڑی کامیابی پائی.وبدونہ خرط القتاد۔ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ خبردار جو آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بغض میں فوت ہوا قیامت کے دن اس کی دونوں

2181 (البحر المحيط في التفسير ج ا ص ۲۰۳ أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان أثير الدين الأندلسي (المتوفى:745ھ-) دار العلميه - بيروت)

آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے اور جو آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بغض میں فوت ہوا تو کافر فوت ہوا۔ خبر دار جو بغض آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں فوت ہوا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔[2182]

تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء ۷۷)

یعنی کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو۔

قدذكر ابن القصار أن في ذلك (اى رفع ايدى فى الصلوٰة) نزلت تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء ۷۷)[2183]

علامہ بدرالدین العینی رحمہ اللہ نمازوں میں ہاتھ نہ اٹھانے کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یقیناً ابن قصار نے یہ بات بتائی ہے کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء ۷۷) نماز میں ہاتھ نہ اٹھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۱) دلت الآية على أن ايجاب الصلاة والزكاة كان مقدما على ايجاب الجهاد۔[2184]

(۲) أمرهم الله تعالىٰ باحترام الدماء وكف الايدى عن الاعتداء وباقامة الصلوة وبالخشوع والعبودية لله الخ۔

2182 (تفسیر کشاف ج ۴ ص ۲۲۰ تفسیر کبیر امام رازی مطبعۃ القاهرۃ ۱۳۲۴ھ ج ۷ ص ۳۹۰)

2183 (نخب الافکار لبدرالدین العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ج ۹ ص ۱۵۱، لکن العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب = المستصفی لعبد اللہ نسفی ج ۱ ص ۴۶۷ یعنی خصوص السبب کیلئے اعتبار نہیں بلکہ عموم لفظ معتبر ہے)

2184 (تفسیر بحر المحیط ج ۳ ص ۳۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت مؤلفہ ابی حیان الاندلسی المتوفی ۷۴۵ یعنی اس آیت نے اس پر دلالت کی نماز اور زکوۃ جہاد کے واجب ہونے سے پہلے واجب ہوئے ہیں۔)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان خون کے احترام کرنے اور تعدی اور زیادتی سے ہاتھ روکنے اور نماز ادا کرنے اور سکون عدم حرکت اور اللہ کیلئے عبادت کرنے کا حکم دیا۔ (کچھ تفصیل بعد میں)[2185]

فصل الواجب علی المجتھد: جیسے کہ صفحہ ۲ پر حضرت معاذ بن جبل کی حدیث گزری ہے۔
علماء علم نے اصول تحریر فرمایا ہے:

الواجب علی المجتھد طلب حکم الحادثة من کتاب اللہ ثم من سنة رسول اللہ ﷺ الخ

یعنی پہلے مجتہد پر کوئی حادثیہ کا حکم طلب کرنا قرآن کریم سے واجب اور لازم ہے اگر اس میں دستیاب نہ ہو تو پھر حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے الخ۔[2186]

مولوی محمد فیض الحسن دیوبندی گنگوہی نے شاشی کے حواشی پر لکھا ہے:

ان الواجب علی المجتھداذاوقعت حادثةطلب الحادثة من القرآن العظیم فتمنی وجدفیه لایطلب عن غیره ولو وجدفیه کان المعلوم من الکتاب مقدماعلی غیره لانه اقوی الدلائل ولکونه قطعیاکلاماربانیامقدم علی الظنی وھذاھوالذی عمله علماءالحنیفةفجاءسبباالمطاعن السفھاءالجھلاءالحمقاءعلیھم انھم ترکوا وخالفوا الاحادیث الصحاح وغیرھااذلم ینظروا الی مایفھم من القرآن ولقلة فھمھم اولم یتفکروا فیمافیه حق التفکروا ویشیر الیه اشارة او دلالة او اقتصاءاو اطلاقاوعمومابل قدوجدناظاھریة زمانناوھی طائفةقلیلةیقال لھاغیر المقلدین والموحدین وھم فی الحقیقة

2185 (تفسیر المنار لمحمد رشید رضا ج ۵ ص ۱۸۹ دار الفکر بیروت)
2186 (شاشی ص ۸۱ قدیمی کتب خانہ کراتشی)

الملحدون الذین یطعنون علی السلف و الخلف لسوء عقولھم اولئک کالانعام بل ھم اضل سبیلاانہ یلوح من قولھم وعملھم انھم یقدمون احادیث البخاری و المشکوٰۃ بل الدار قطنی والبیھقی ایضاًعلی الآی القرآنیۃوکثیرامن آیاتہ ینسخونھاباحادیث الصحیحین ولو احادافالحذرالحذر من اقوالھم و افعالھم ثم بعد القرآن یطلب الحکم عندنامن السنۃ المشھورۃثم من الاحادالخ۔ایضاً۔

ترجمہ:جب بھی کوئی حادثہ پیش آجائے تو مجتہد پر اس حادثہ کا حکم قرآن عظیم الشان سے طلب کرناواجب ہے۔پس جب حادثہ کا حکم قرآن کریم سے مل جائے تواس کے غیر سے حکم کو طلب نہ کرے جب کتاب اللہ سے اس کا حکم معلوم ہوجائے اور پایاجائے توکتاب کوغیر پر مقدم کیاجائے گااس لئے کہ یہ دلائل میں سب سے قوی ترہے کیونکہ یہ قطعی ہے اور کلام ربانی ہے اس لئے ظنی پر مقدم ہے اور علماءاحناف کا عمل اور طرزوطریقہ یہ ہے اوران کا یہ عمل اور طرزوطریقہ بے عقل اور جہلاءاور بے وقوفوں کاان پر سبب طعن بنا کہ احناف نے احادیث صحاح کی مخالفت کرکے ان کو چھوڑدیاوغیرھاان کی قلت فہم کی وجہ سے قرآن پاک کے مفہوم تک نظر نہیں پہنچتی ہے اور کماحقہ اس میں فکر نہیں کرتے۔جس کی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیاہواشارۃ النص کے ساتھ اوردلالۃ النص کے ساتھ اوراقتضاءالنص کے ساتھ یامطلق یاعموم ہوبلکہ ہم نے تحقیقا اس زمانہ کے کچھ اہل ظواہر کوپایااور یہ ایک چھوٹا گروہ ہے جسے غیر مقلدین اور موحدین کہاجاتاہے اوردر حقیقت یہ لوگ موحدین نہیں بلکہ ملحدین ہیں (ای مائل حق سے)وہ لوگ ہیں جو سلف صالحین اور خلف پر اپنی بری عقلوں کی وجہ سے طعن کرتے ہیں اوریہی لوگ جانوروں کی طرح بے عقل ہیں بلکہ ان سے بھی بدترہیں ان کے قول وعمل سے(یعنی ملحدین کے)یہ ظاہر ہوتاہے کہ یہ لوگ بخاری اور مشکوۃ بلکہ دار قطنی اور بیہقی کو بھی آیات قرآنی پر مقدم کرتے ہیں

اور بہت کو بخاری اور مسلم کی احادیث سے منسوخ کرتے ہیں اگرچہ وہ احادہی کیوں نہ ہو توان کے اقوال اورافعال سے بچے رہو بچے رہو۔ قرآن کریم کے بعد ہمارے احناف کے نزدیک اس حادثے کے حکم کو طلب کرنا حدیث مشہورہ سے واجب ہے پھر حدیث مشہورہ کے بعد تیسری مرتبہ میں احاد سے طلب کرناواجب ہے۔ الخ۔[2187]

فصل: یہاں تک پانچ آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں ایک دوسرے سے ضروری بات ،سلام اورجواب سلام منہ سے یاانگلی سے اور نماز کے اخیر میں دعا کے وقت انگلی اٹھانایہ سب کے سب نماز میں ممنوع اور منسوخ ہوئے۔ وسیأتی۔ اب ہم اس فصل میں ان احادیث میں سے کچھ بیان کریں گے جو نماز میں مذکورہ کاموں کو منع کرنے پر دلالت کرتی ہیں ۔نماز میں صرف پوشیدہ دعاکرناباقی رہا۔ جیساکہ نماز کے اخیر میں کیاجاتاہے۔ باقی تین قسم ممنوع ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدناعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اوروہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے۔

قَالَ كُنَّا نسلم على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاة فيرد علينا فَلَمَّا رَجعْنَا من عِنْد النَّجَاشِيّ سلّمنا عَلَيْهِ فَلم يرد علينا فَقُلْنَا يَا رَسُول الله كُنَّا نسلم عَلَيْک فِي الصَّلَاة فترد علينا فَقَال: إِن فِي الصَّلَاة شغلاً۔ إِن فِي الصَّلَاة شغلاً۔[2188]

میں تین روایتوں سے منقول ہے اورسنن نسائی ج ا ص ۱۹۴ باب موضع الدين عندالسلام۔ کَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو نماز میں سلام کیاکرتے تھے اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

2187 (احسن الحواشی علی اصول الشاشی ص ۸۱ حاشیہ ۶ قدیمی کتب خانہ کراتشی لمحمد برکت اللہ المتوفی ۱۱۰۳ھ)

2188 (سنن نسائی کبریٰ ج ا ص ۱۹۴ دارالعلمیہ بیروت)

وسلم ہم کو جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا(نماز کی حالت میں)مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جواب عنایت نہ فرمایا(نماز کے بعد)ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے عرض کیا۔یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم !ہم نماز میں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کرتے تھے اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کا جواب عنایت فرمایا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایابے شک نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔(اللہ کے ذکر سے) اورابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضورعلیہ السلام نے فرمایاکہ میں کیوں آپ کو نماز ہی میں بدخو گھوڑوں کی طرح ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتاہوں نماز سکون سے پڑھواعضاء کو حرکت نہ دو۔نسائی کبریٰ میں ہے کہ نماز میں شغل ہے اور حدیث كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ بھی سنن نسائی مجتبیٰ میں مذکورہے اور سکون والی حدیث سنن نسائی کبریٰ ج ۱ ص۱۹۷پر حدیث نمبر ۵۵۲بروایت جابربن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کی۔دارالکتب العلمیہ بیروت اور حدیث ۱۲۴۱ج ۱ص ۳۹۲اور حدیث ۱۲۴۹ج ۱۔[2189]

اورامام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ صحیح مسلم میں جابربن سمرۃ سے روایت کی ہے:

قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ۔[2190]

2189 (ابوداود ج ۱ ص ۱۳۳باب العمل فی الصلاۃ،میر کتب خانہ کراچی)

2190 (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى:261هـ-))

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس حالت میں سلام کرتے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز میں ہوتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سلام کا جواب عطا فرماتے تھے جب ہم (ہجرت حبشہ سے) واپس آئے تو میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سلام کا جواب عطا نہیں فرمایا۔ (جب نماز سے فارغ ہوئے) فرمایا کہ یقیناً نماز میں ضرور شغل ہے۔[2191]

اس طرح ملاحظہ ہو:

الباعث علی انکار البدع والحوادث فصل فی مخالفة۔[2192]

نماز میں سکون کرو ہاتھوں کو مت اٹھانا۔

عن ابی الدرداء:أن النبی ﷺ قال :أول شيئ یرفع من هذه الامة الخشوع حتی لاترفیها خاشعاً۔

ترجمہ: اس امت میں سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا یہاں تک کہ ان میں کوئی خشوع کرنے دیکھ نہیں پاؤں گا۔[2193]

وعن شداد بن أوس :أن رسول اللہ ﷺ قال:أول مایرفع من الناس الخشوع۔

ترجمہ: لوگوں میں سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا۔[2194]

2191 (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۶۲)

2192 (الرغائب الشرع ج ۱ ص ۱۵۹ اورنیل الاوطارشرح منتقی الاخبارلشوکانی ج ۲ ص ۴۲۷،المکتبة التوقیفیة،مسندابی داود الطیالسی ج ۱۸۲۳ ص ۴۲۲ دارالکتب العلمیه بیروت)

2193 (بقیة الرائدفی تحقیق مجمع الزوائدمشهوربه مسندالبزاز ج ۲ ص ۳۲۶ حدیث ۲۸۱۳)

2194 (بقیة الرائدفی تحقیق مجمع الزوائدمشهوربه مسندالبزاز ج ۲ ص ۳۲۶ حدیث ۲۸۱۳ دارالفکر بیروت)

مسند الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں ہے کہ کیاوجہ ہے کہ ہم آپ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایسی حالت میں دیکھتا ہوں جیسے بد خو گھوڑے (یعنی شریر و مست گھوڑے).[2195]

حدیث میں منقول ہے کہ لو خشع قلبه خشعت جوارحه۔

یعنی اگر اس نمازی کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح ساکن ہوتے۔(یعنی اندا موں کو حرکت میں مصروف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خشوع نہیں ہے۔)[2196]

حدیث إن فِي الصَّلَاة شغلاً کو حافظ ابی نعیم الاصبهانی نے المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ج ۲ ص ۱۳۸ دار الکتب العلمیه میں ذکر کیا ہے:

قال مجاهد: السکون (فیها) یعنی خشوع نماز میں سکون ہے۔(ص ۲۵۹)

نمبر ۲: وحدث أن ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه کان کذلک وکان یقال ذلک الخشوع فی الصلاة کمافی الفتح۔ ولیراجع لتفصیل اقوال السلف فی الخشوع والعمدة ج۳ص ۱۶ وغیرہ معارف السنن ج۳ص ۴۷۳ وبالجملة فالشریعة تأمر بالوقار والسکون فی الصلاة کماد أب السلف الصالحین فی صلاتهم وروی البیهقی باسناد صحیح عن مجاهد قال کان ابن زبیر إذاقام فی الصلاة کأنه عود, وحدث أن أبابکر الصدیق لتفصیل أقوال السلف فی الخشوع "شرح التقریب"۔[2197]

عن الفضل بن العباس ۔قال قال رسول اللہ الصلاة مثنی مثنی ,تشهد فی کل رکعتین وتضرع وتخشع ولمسکن الحدیث۔

ترجمہ: مجاہد نے فرمایا کہ خشوع سکون (عدم حرکت) ہے یعنی نماز میں (خشوع) سکون ہے۔

فضل بن عباس سے روایت ہے کہ نماز دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔

2195 (مسند الامام احمد بن حنبل وبهامشه منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۸۸، ۱۰۱، ۹۳، ۸۶ دار الفکر بیروت)

2196 (مصنف عبد الرزاق باب العبث فی الصلاۃ رقم حدیث ۳۳۰۹، ۳۳۰۸ تحت الخط قال رویناه عن ابن المسیب ج ۲ ص ۱۲۸۵ المجلس العلمی کراچی)

2197 للعراقی (۳۷۳-۲-۳۷۲ ج ۲) والعمدة (۳-۱۶)

(تخشع)التخشع:السکون و التذلل۔

اوراللہ تعالیٰ کو تذلل کرنااور سوال میں مبالغہ کرنا۔[2198]

وتمسکن مفعیل من السکون۔[2199]

وحدیث مالی أراکم رافعی ایدیکم کانهااذاجه خیل شمس اسکنوافی الصلوة۔ کو مصنف ابن ابی شیبۃ ج۲ص۳۷۰ مکتبہ امدادیہ ملتان یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع اور سکون کی جس طرح فضیلت بیان کرکے نماز میں خاموشی سے پڑھنے اور سکون سے پڑھنے کی تعلیم کی ہے اس طرح حضور علیہ السلام نے ہاتھ اٹھانے کو منع فرماکر سکون کا حکم دیا ہے۔ قرآن کو خبر واحد سے منسوخ کرنا بھی خلاف قاعدہ ہے۔اس لئے اس بارے میں سکون پر عمل کرتے ہوئے خلاف سکون قولی اور فعلی احادیث کو منسوخ تصور کیا جائے گا کیونکہ تعارض کی حالت میں بنابر مذہب احناف اول نسخ ہے۔

قاعدہ: جب ایک مسئلہ میں احادیث مختلفہ آجائے تو قاعدہ کیا ہے؟

عندالشوافع رحمهم الله :قال أشیاخنارحمهم الله اجمعین :اذاوردت الاحادیث المختلفة فی المسئلة فیأخذالشافعی رحمه الله بأصح مافی الباب مرفوعاًعندالمالکی رحمهم الله:ویأخذمالک رحمه الله بتعامل اهل المدینة وان خالفه حدیث مرفوع۔

احناف :ویأخذابوحنیفة رحمه الله بکل المرفوعات بالحمل علی محمل واحدوربمایأخذبالقوی ویخرج المحامل فی الوقائع المخالفةله۔

[2198] (شرح السنة للامام البغوی ص ۲۶۰ ج۳باب الخشوع فی الصلاۃ،مشکوۃ بحوالہ ترمذی ص۷۷قبیل مایقرأبعدالتکبیر،مرقاۃ ج۲ص ۵۲۳،قال ابن حجروسنده حسن وترمذی ج ا ص۸۷باب ماجاءفی التخشع فی الصلوۃ)

[2199] (مرقاۃ ج۲ص ۵۲۲-۵۲۱)

قاعدة عندالحنابلة :ویأخذاحمدبن حنبل رحمه الله بالكل مع لحاظ أقوال الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم۔ ولناتجدعنه روايات فی مسألة ۔واذاتعارض الحديثان ففی كتب الشافعية يعمل بالتطبيق ثم بالترجيح ثم بالترجيح ثم بالتطبيق ثم التساقط۔
والمقدم عندناهو النسخ الثابت بالنقل وأماالنسخ الاجتهادی فمرتبة بعد الترجيح وقبل التطبيق وأماتقدم الترجيح قبل التطبيق فهو مقتضى القريحة المسليمة فان فی الترجيح عملابالعلم وفی التطبيق عملابعدمه والعلم مقدم على عدمه ـالعرف الشذی شرح الترمذی لعلامة شيخ الحديث محمدانور شاه ديوبندی کے ساتھ فاروقی کتب خانه ملتان ص ۵۷۴

ترجمہ: ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ اجمعین نے فرمایا کہ جب ایک مسئلہ میں مختلف احادیث ہوں تو امام شافعی رحمہ اللہ اس باب اصح الاحادیث مرفوعہ لیتے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ اہل مدینہ کے عمل کو لیتے ہیں اگرچہ اس کے مخالف احادیث بھی موجود ہوں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سب مرفوع احادیث ایک محمل پر حمل کرتے ہوئے عمل کرتے ہیں اور حدیث قولی کو بہت زیادہ لیتے ہیں اور مختلف حادثات میں ان کیلئے حمل کرنے کی جگہ نکالتے ہیں ۔اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ صحابہ کرام اور تابعین رحمھم اللہ کے اقوال کالحاظ کرتے ہوئے سب کو لیتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ آپ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک مسئلہ میں مختلف روایات پاتے ہیں۔کتب شوافع میں پہلے تطبیق ہے کہ دونوں حدیث ایک محمل پر حمل ہو پھر اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ترجیح پر عمل کرتے ہیں راجح پر عمل کرتے ہوئے مرجوح چھوڑتے ہیں اور اگر ترجیح بھی نہ ہو سکے تو پھر نسخ پر عمل کرتے ہیں اور اگر نسخ نہ ہو سکے تو پھر تساقط کرتے ہیں یعنی دونوں روایتوں کو غیر معمول بہا کرتے ہیں اور ہماری کتابوں میں (یعنی مذہب حنفی) پہلے نسخ پھر ترجیح پھر تطبیق اور پھر تساقط کرنے پر عمل پیرا ہے۔ہمارے ہاں وہ نسخ مقدم ہے جو نقل سے ثابت ہو اور جو فسخ اجتہادی ہے اس کا مرتبہ ترجیح کے بعد ہے اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو دونوں کو ساقط کرتے ہیں اور تطبیق سے نسخ اجتہادی کا مرتبہ مقدم

ہے۔پہلے ترجیح پر عمل کرنااس لئے ہے کہ تطبیق پر مقدم کیاجائے۔یہ قصد سلیمہ کاتقاضاہی ہے اس لئے کہ ترجیح میں علم پر عمل کرناہے اور تطبیق میں عدم علم پر عمل ہے اور علم عدم علم سے پہلے ہے۔

مندرجہ بالا تحقیق سے آپ کو یہ بات روزروشن کی طرح معلوم ہوئی کہ چاروں مذاہب مقبولہ مروجہ میں سے کسی بھی میں نہیں کبھی ایک پر عمل کریں اور کبھی دوسرے پریاکوئی ایک پر عمل کرے اور کوئی دوسرے پریاجس نے ان میں سے کسی پر عمل کیاتواس نے صحیح کام کیااور سنت یامطلوبہ عمل اداکیاالغرض موجودہ دورمیں جوایسا کرتاہے درحقیقت وہ مذاہب اربعہ حقہ سے خارج اور ہواپرست ہے۔

فصل:جب ثابت ہوا کہ نماز میں ہاتھ اٹھاناممنوع اور منسوخ ہے اور نسخ ثابت ہے نقل سے اس لئے نسخ مقدم ہے اوروہ تین قسمیں جسمیں ہاتھ اٹھانایاہاتھ کے قائم مقام انگلی اٹھاناہے منسوخ ہے صرف اور صرف پوشیدہ دعاکرناباقی ہے نماز میں۔

اقسام دعا:وعن محمدبن الحنيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال الدعاء أربعة دعاء رغبة ودعاءرهبة ودعاءتضرع ودعاءخفية ففى دعاءالرغبة يجعل بطون كفيه نحوالسماءوفى دعاءالرهبة يجعل ظهركفيه الى وجهه كالمستغيث من الشيئ وفى دعاء التضرع يعقدالخنصروالبنصرويحلق بالابهام والوسطى ويشيربالسبابة ودعاءالخفية مايفعله المرءفى نفسه وعلى هذاقال ابويوسف رحمه الله فى الاملاء يستقبل بباطن كفيه القبلة عندافتتاح الصلاة واستلام الحجروقنوت الوتروتكبيرات العيدين ويستقبل بباطن كفيه السماءعندرفع الايدى على الصفاوالمروةوبعرفات وبجمع وعندالجمرتين لانه يدعوفى هذه المواقف بدعاءالرغبة الخ۔

بعض حضرات نے اس سے تعبیر باشارہ مروجہ سے کی ہے جو بالکل غلط ہی ہے۔[2200] مذکورہ سب کتب اس بات پر دلالت کرتی ہیں بلکہ سب نے تصریح کی ہے کہ دعاء تضرع کا طریقہ یہ ہے کہ چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلیاں بند کرکے درمیانی اور بڑی انگلی کو حلقہ کرکے اور مسبحہ پر اشارہ کرے یہ عمل نماز کے اخیر میں دعا کرنے کے وقت میں تھا اب منسوخ ہوکر بغیر مسبحہ کے اٹھانے کے دعا کی جاتی ہے۔اس پر دلیل امام ترمذی رحمہ اللہ کا ابواب الدعوات ص۱۹۹ ج۲ قدیمی کتب خانہ کراچی کی یہ حدیث شریف ہے۔

عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو یصلی وقد وضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ وبسط السبابۃ وھو یقول یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ۔

یعنی عاصم بن کلیب کا جد امجد کہتا ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ہاں آیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور تحقیق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور مسبحہ کے بغیر سب انگلیوں کو بند کرکے مسبحہ کو پھیلایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یہ دعا کرتے تھے **یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک** اور یہ بات اہل علم

[2200] (۱۔مبسوط لسرخسی رحمہ اللہ ج۱ ص۱۲۶ دارالفکر، ۲۔بحرالرائق ج۲ ص۴۳ باب الوتر والنوافل ایچ ایم سعید کراچی ترمایفعلہ المرءفی نفسہ فقط، ۳۔وبحرالرائق ج۸ ص۲۰۷، ۴۔درمختار ج۱ ص۷۷، ۵۔کشف الاستار علی درمختار ج۱ ص۷۷، ۶۔حاشیہ الطحطاوی علی درالمختار ج۱ ص۲۲۴، ۷۔شامی ج۱ ص۳۷۵ مکتبہ حقانیہ پشاور، ۸۔فتح القدیر ج۱ ص۳۷۸، ۹۔فیض الباری شرح بخاری ج۲ ص۳۴۵، ۱۰۔عرف شذی شرح ترمذی ص۳۳۷ دارالکتب بیروت، ۱۱۔ترمذی ج۱ ص۴۱ حاشیہ میں فاروقی کتب خانہ ملتان، ۱۲۔الفتاوئ تاتارخانیہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج۱۸ ص۵۳، ۱۳۔عالمگیری ج۵ ص۳۱۸ اور اس میں یہ عبارت بھی موجود ھے کذافی مجموع الفتاوئ ناقلاعن شرح السرخسی لمختصر الحاکم الشھید فی باب قیام الفریضہ، ۱۴۔کبیری مع بہامش صغیری مطبع لاھور ص۲۸۸، ۱۵۔غنیۃ فی شرح عنیۃ المصلی ص۳۲۷ سھیل اکیڈمی لاھور، ۱۶۔مراقی الفلاح ص۲۰۶، ۱۷۔حاشیہ طحطاوی ذیل مراقی ص۲۰۶، ۱۸۔فتاوئ سلطانیہ ص۵۳۵ وغیرہ)

پر مخفی نہیں کہ اس مقام پر کوئی مخصوص دعامنقول نہیں جو چاہے کرے۔اس دعا کو دعائے اخلاص ،دعائے تضرع اور دعائے استغفار کہا جاتا ہے۔

۱۹۔ سلیمان بن احمد الطبرانی اپنی کتاب کتاب الدعاء میں تحریر فرماہیں:

حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ النَّوْفَلِيُّ الْمَدِينِيُّ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَكَذَا الْإِخْلَاصُ - يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ - وَهَذَا الدُّعَاءُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْنِ، وَهَذَا الِابْتِهَالُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا۔ [2201]

۲۰۔حدثنا العباس بن الفضل الاسفاطی، ثنا ابو ثابت محمد بن عبید اللہ مدنی، ثنا عبد العزیز بن محمد الدراوردی، ثنا العباس بن عبد اللہ بن معبد عن ابن عباس رضی اللہ عنهما أن النبی ﷺ قال الاخلاص هكذا ورفع اصبعا واحدة من اليد اليمنیٰ و الابتهال هكذا و مد يديه و جعل بطن الكف مما يلي الأرض، و الدعاء هكذا و جعل يديه بطونهما مما يلي السماء۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اخلاص اس طرح ہے اور دائیں ہاتھ کی ایک انگلی اٹھائی اور دعا میں انتہائی عاجزی کا اظہار اس طرح ہے اور ہاتھوں کو دراز کرکے ہتھیلیوں کو زمین کی طرف کر دیا اور دعا اس طرح ہے اور ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کر دیا۔ [2202]

[2201] (الدعاء للطبرانی ص ۹۰ دار الکتب العلمیة-بیروت)

[2202] (باب رفع الیدین علی المنبر فی الاستسقاء حدیث نمبر ۲۱۷۸ ص ۲۶۶-۲۶۵ دار الحدیث قاہرہ)

تحت محقق نے لکھا کہ اس کی اسناد حسن ہیں اور اس سے مستدرک میں (۷۹۰۳)وسنن البیہقی الکبریٰ(۲۶۲۳)ص ۹۰

اس کی اسناد حسن ہے اور اس سے سنن ابی داؤد(۱۴۹۱)کتاب الدعاء ص ۹۰

۲۱۔اور کتاب الدعوات الکبیر للبیہقی (القسم الثانی)منشورات کویت **باب من آداب الدعاء** حدیث نمبر ۲۶۳ص ۳۴

۲۲۔اور السنن الکبریٰ للبیہقی حدیث نمبر ۲۷۹۴میں ہے کہ

عن العیزان سئل ابن عباس عن الرجل یدعو یشیر باصبعه ؟فقال ابن عباس رضی اللہ عنهما هو الاخلاص۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص دعا کرتا رہتا ہے اپنی انگلی سے اشارہ کرتا رہتا ہے؟تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ اخلاص ہی ہے(یہ ہے عیزان سے منقول)اس طرح اربدۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ یہ اخلاص ہے اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تضرع ہے۔(مطلب یہ ہے کہ اس دعا کو اخلاص اور تضرع اور استغفار کہا جاتا ہے یعنی اس دعا کو احادیث میں تین ناموں سے موسوم کیا گیا ہے اس لئے فقہاء نے اس کو دعائے تضرع سے ذکر کیا ہے اور عثمان نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ شیطان کیلئے مقمع ہے یعنی ذلیل کرنے کا آلہ ہے۔)

(۲)۲۲۔اور حدیث ۲۷۹۵ عن التمیمی و هو اربدة عن ابن عباس: هو الاخلاص و عن ابان بن ابی عیاش عن أنس بن مالک قال: التضرع و عن عثمان عن مجاهد قال: مقمعة للشیطان اور حدیث ۲۷۹۶ عبداللہ بن عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال، هکذا

الاخلاص یشیر باصبعه التی تلی الابهام، و هذا الدعاء فرفع یدیه عذو منکبیه و هذا الابتهال فرفع یدیه مداً۔[2203]

۲۳۔عن عکرمة عن ابن عباس قال المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوهما والاستغفار ان تشیر باصبع واحدة والابتهال ان تمدیدیک جمیعا وفی روایة قال والابتهال هکذا ورفع یدیه وجعل ظهورهما ممایلی وجهه رواه ابو داؤد و مشکوٰة ۱۹۶ اصح المطابع دهلی۔

۲۴۔ابو داؤد میر محمد کتب خانه کراچی ج ص ۲۰۸

۲۵۔ذکر العلة التی من اجلها کان یشیر المصطفیٰ ﷺ بالسباة فی الموضع الذی وصفناه۔

حدیث نمبر ۱۹۴۱ ص ۱۵۸ صحیح ابن حبان دار الفکر بیروت۔۔۔ووضع مرفقه الایمن علی فخذه ایمنی علی فخزه ایمنی و قیض خنصره والتی تیلها و جمع بین ابهامه والوسطی ورفع التی تلیها یدعوابها۔

یعنی اشارہ جواب سلام اور دعاء اخلاص کے لیے تھا نہ کہ برائے توحید۔کیوں کہ علامہ عینی نے شرح ابوداؤدج ۳ص ۱۰۹ پر تحریر فرماہیں: وقال ابو حنیفة واصحابه لایوده نطقاً و اشارۃ بکل حال دار الکتب بیروت۔ اور علامہ عینی شرح ابی داؤدج ۲ ص ۴۰۹ پر تحریر فرماہیں کہ وقد ذکرنا ان احادیث الرفع فی غیر تکبیرة الاحرام منسوخة۔ طبع بیروت اور علامہ حصکفی درمختار میں تحریر فرماہیں: علی صدر ردالمختار ج ۲ ص ۵۱۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ: و ما ورد نسخ بحدیث۔ان فی الصلاة لشغلاًو درمختار ایچ ایم سعید کراچی ج ۱ ص ۹۳: علامہ شامی تحریر فرماہے: ان مافی المتون مقدم علی مافی الشروح ومافی الشروح مقدم علی مافی الفتاویٰ شامی ج ۱ ص ۵۳۔

اور بدائع الصنائع ج ۱ص ۱۲۱ میں ہے:

[2203] (سنن کبریٰ لبیهقی ج باب ما نیوی المشیر باشارته فی التشهد صفحه ۱۹۱ دار الکتب علمیه بیروت۔)

ولم یبطل ما ادیٰ بالاجتھاد الاول لان ما اصضیبالاجتھاد لا نیقض با جتھاد مثلہ ۱ ۵ و فی شرح المجلہ تسلیم رستم باز ص ۱ ۲ الاجتھاد لاینقض بمثلہ ۲ ۱

مطلب یہ کہ پہلے اجتہاد اس سے بعد اجتہاد کے وجہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ترجمہ از صفحہ نمبر ۵۰: محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دعاء کی اقسام چار ہیں:

(۱)رغبت کی دعا (۲)رہبت کی دعا (۳)تضرع کی دعا (۴)پوشید دعا

(۱)دعاء رغبت میں ہتھیلیوں کا باطن آسمان کی طرف کیا جاتا ہے۔

(۲)اور دعاء رہبت میں ہتھیلیوں کی الٹی طرف اپنے منہ کی طرف کی جاتی ہے جیسے کہ کسی سے کوئی چیز مانگتا ہے۔

(۳) اور دعا تضرع میں چھنگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کریں (ملالیں) انگوٹھا اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنالیں اور مسبحہ سے اشارہ کریں۔

(۴)دعاء خفیہ جو انسان اپنے دل میں ہی دعا کرے۔

بنابراس بات امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی املاء میں منقول ہے کہ تکبیرات عیدین کے وقت اور قنوت وتر (یعنی وتر میں دعا قنوت پڑھتے وقت) اور حجر اسود کے استلام کے وقت اور افتتاح نماز کے وقت ہتھیلیوں کے باطن طرف قبلے کے طرف متوجہ کریں۔ اور جمرات کو مارنے کے وقت اور صفا و مروہ میں اور مزدلفہ میں بھی ایسا کرے کیوں کہ ان مقامات میں دعاء رغبت ہی کرتے ہیں ۔(امام یوسف صاحب کا یہ مطلب ہے کہ جس کو آپ نے املاء میں ذکر کیا ہے نہ وہ جس کو بعد میں آنے والے علماء نے بغیر سوچ نقل کیا ہے اور اس کو اشارات برائے نفی اثبات در تشہد پر محمول کیا)

اور صفحہ نمبر ۵۱ اور ۵۲ پر حدیث کا ترجمہ: عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتا ہے فرمایا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آیا حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ اور تحقیق کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو بند کر دیا اور مسبحہ کو پھیلایا اور وہ یہ دعا کر رہے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھیں۔

حدیث نمبر ۱۹: امام طبرانی اپنے کتاب کتاب الدعا میں نقل فرمایا ہے: کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔ دعاء اخلاص اس طرح ہے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اور یہ دعا ہے اور ہاتھوں کو کاندھوں کے طرف اٹھایا اور یہ دعا ابتھال ہے اور ہاتھوں کو لمبا کر کے اٹھایا حدیث نمبر (۲۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا دائیں ہاتھ کی ایک انگلی اٹھایا کر دعاء اخلاص اس طرح ہے۔ اور ہاتھوں کو لمبا کر کے ہاتھوں کے ہتھیلیوں کو زمین کی طرف کر دیا اور فرمایا یہ دعا ابتھال ہے اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کر کے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ دعا ہی ہے اور صفحہ نمبر ۵۴ پر حدیث نمبر ۲۲ کا ترجمہ: عیزان سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی دعا کرتے وقت ایک انگلی سے اشارہ کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواباً فرمایا کہ یہ اخلاص ہے صفحہ نمبر (۲) ۵۴ حدیث نمبر ۲۲، ونمبر ۲۷۹۵: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ اخلاص ہی ہے۔ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ تضرع ہی ہے اور عثمان مجاہد سے ناقل ہے آپ نے فرمایا کہ اس میں شیطان کی ذلت اور اہانت ہے۔

حدیث نمبر ۲۲/۳ نمبر ۲۷۹۶: عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی (مسبحہ) سے اشارہ کرے یہ اخلاص ہی ہے اور دونوں ہاتھ کو کندھوں کے برابر اٹھایا اور کہا کہ یہ دعا ہی ہے اور دونوں ہاتھوں کو لمبا کر کے اٹھایا اور فرمایا یہ ابتہال ہی ہے۔

۲۳۔ حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا (۵۳ صفحہ پر اصل مذکورہ ہے)۔

کہ سوال کرنے کا ادب وطریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے مونڈھوں کے برابر یا ان کے قریب تک اٹھاؤ استغفار کا ادب یہ ہے کہ تم اپنی ایک انگلی کے ذریعہ اشارہ کرو اور دعا میں انتہائی عجز ومبالغہ اختیار کرنا یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھے دراز کرو یعنی اتنے اٹھاؤ کہ مونڈھوں کے قریب ہو جائے (ابو داؤد ج ا ص ۲۰۹) ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا دعا میں انتہائی عاجزی کا اظہار اس طرح ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشت کو اپنے منہ کے قریب کیا۔ ابو داؤد ومشکوٰۃ ص ۱۹۶۔

صحیح ابن حبان میں ہے: جس علت کے وجہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اشارہ فرماتے تھے مسبحہ انگلی سے جس جگہ میں کہ ہم نے بیان کی ہے اس کا بیان کرنا (پھر اپنی سند سے حدیث بیان کی جس میں ہے) کہ حضور علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھ دیا اپنی چھنگلی اور ساتھ والی انگلیاں بند کر کے اور درمیانی اور انگوٹھے ملا کر اور مسبحہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر اس پر دعا کرتے تھے۔ علامہ عینی نے شرح ابو داؤد میں لکھا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب یعنی (امام محمد اور ابو یوسف) کے ہاں جواب سلام نہ زبان سے اور نہ

اشارہ سے ہر حال میں نہ دے اور رفع یعنی ہاتھ اٹھانے والی احادیث حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے نماز میں شغل تکبیر تحریمہ کے علاوہ سب منسوخ ہے (اس طرح **مالی ارکم رافعی ایدیکم ۔۔۔اسکنوا**) کے ساتھ اور یہ قاعدہ ہے متون شروح سے مقدم ہے اور شروح فتاویٰ سے مقدم ہے۔اور ایک اجتہاد دوسرے اس طرح اجتہاد سے نہیں ٹوٹ سکتا۔کما یاتی۔

ویجاب بانه مخصوص بمالیس فی الصلاة للاجماع علی انه لا رفع فی دعاء التشهد انتهی۔فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۵ لابن الهمام طبع النوریه سکهر۔

اور نور الایضاح طبع امدادیہ ملتان کی شرح مراقی الفلاح نسخہ دیگر ص ۸۷ مکتبہ امدادیہ ملتان یعنی دعا میں ہاتھ اٹھانا خاص ہے اس دعا کے ساتھ کے نماز میں نہ ہو کیوں کہ حالت تشھد دعا کرنے میں ہاتھ اٹھانا نہیں اس لئے کہ اس پر اجماع ہے۔

نوٹ: اگر کہا جائے کہ حدیث میں ہے کیا وجہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں بدخو گھوڑوں کی دم کی طرح تم ہاتھوں کو اٹھاتے ہو نماز میں سکون کرو یعنی ہاتھ مت اُٹھاؤ۔امام طحاوی شرح معانی الآثار میں تحریر کرتے ہیں کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انداموں کے ساکن کرنے کا حکم دیا ہے اور اشارہ سے سلام کا رد کرنا جواب دینا اس میں اس حکم نبوی سے نکلنا ہے اس لیے کہ اس میں ہاتھوں کو اٹھانا اور انگلیوں کو ہلانا ہے۔پس اس سے ثابت ہوا کہ ہاتھ نہ اٹھانے سے اور جواب سلام اشارہ سے نہ کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے اس حکم پر عمل ہوا جو نماز میں انداموں اور انگلیوں کو ساکن کرنا ہے۔

اور یہ قول جو ہم نے بیان کیا اس باب میں یہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد رحمھم اللہ تعالیٰ کے قول ہے۔شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۹۸ مکتبہ حقانیہ ملتان۔عرض ہے کہ مندرجہ بالا میں ہاتھ نہ

اٹھانے کو نماز میں کہا گیا ہے نہ کہ انگلی نہ اٹھانے کا۔ بلب ادب عرض ہے کہ یہ اعتراض علمی ذوق نہ رکھنے سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ

(۱) ضرورت انتقاء انتفاء الکل بانتفاء الجزء: شرح المقاصد فی علم الکلام باب المقصد الثانی جزء الاول بیروت ص ۲۹۹۔

(۲) لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل: المواقف ج ۲ ص ۳۲۵۔

(۳) وعمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۲۲ دار الاحیاء بیروت

(۴) ان انتفاء بعضها ایّ بعض کان یستلزم انتفاء الکل: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۷ فصل اول مصنفہ ابو الحسن مبارک پوری۔

(۵) انتفاء الجزء یوجب انتفاء الکل: بیان المختصر شرح مختصر ابن حاجب ج ۱ باب تعلق الامر بالمعدوم۔

(۶) ضرورۃ انتفاء الکل بانتفاء جزءہ: شرح مختصر ابن حاجب ج ۳ ص ۴۰ باب ھل النقص قادِح فی العلۃ۔

(۷) و انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل: الابھاج فی شرح المنھاج جلد ۲ ص ۱۵۹ باب المسئلۃ اولیٰ متی یوجد المشروط۔

(۷) ضرورۃ انتفاء الکل بانتفاء الجزء: شرح التلویح علی التوضیح ج ۱ ص ۱۴۴ فصل انواع علاقات المجاز۔

(۸) ضرورتۃ انتفاء الکل بانتفاء جزء و احدمنہ: فتح القدیر ج ۹ ص ۲۰ کتاب الھبۃ۔

(۹) و انتفاء الجزیوجب انتفاء الکل: التحبیر شرح تحریر ج ۱ ص ۱۴۴۱ باب قولہ فصل۔ ضرورۃ انتفاء الکل بانتفاء الجزء ج ۲ ص ۱۲۹ تیسر الحریر۔

(۱۰) اور عنایہ ج ۱ ص ۱۰۰ فصل بیئر:

(۱۱) عنایہ شرح ھدایہ باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۴۹۶۔

(۱۲) البنایہ شرح اھدایۃ ج ۱ ص ۴۴۰ حکم وقوع النجاست فی البئیر و انتفاء الجزء یستدعی انتفاء الکل۔

کل بارہ حوالہ جات مذکور ہوئے۔ مندرجہ بالا سے ثابت ہوا کہ یہ ایک لازمی وجہ ہے کہ ایک جزء یعنی بعض جو بھی ہو ضروری طور پر اس کے انتفاء کے وجہ سے کل ختم ہو جاتا ہے اور وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اور جز کے انتفاء کل سے منتفی آئندہ اوراق میں آئے گا۔

تبصرہ: یہی وجہ ہے کہ اگر ایک انگلی بھی متحرک کرے تو حکم سکون کو نہ مانا پھر ایک ہاتھ پانچ انگلیوں کو متحرک کرنے والا اور اشارہ کرنے والا کس طرح حضور علیہ السلام کا حکم ماننے اور اس پر عمل کرنے والا بن سکتا ہے؟ اور ساتھ ساتھ حکم نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی پانچ آیاتِ قرآنی مذکورہ بھی پامال کر دی اور اجماع کی بھی مخالفت کر دی۔

دوسرا جواب یہ ہے: کہ ایک انگلی اٹھانا قائم مقام دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کے ہے یعنی ایسا ہے کہ اس نے دونوں ہاتھوں کو اٹھار کھا ہے (ملاحظہ ہو درجہ ذیل)۔

الشیخ محمد انور شاہ کشمیری ثم الدیوبندی تحریر فرماہے:

والطریق معروف فی الدعاء الآن رفع الأیدی کلتیھما ثم تتبعت لذلک ان الدعاء ھل یکون برفع الاصبع ففی الدر المختار عن القنیة فی باب صفة الصلاة: والا شارة لعذر کبر یکفی فجوز بالا شارة عندالعذر کانہ اختصار من رفع الایدی ج ۲ ص ۳۴۵ باب رفع الیدین بالخطبة فیض الباری آگے جاکر لکھتا ہے: وفی البحر فی باب الوتر عن مولی ابی یوسف رحمة اللہ تعالیٰ انہ کان یرفع یدیہ فی القنوت للدعاء وتارة یکتفی بالاصبع ایضاً ونسب ذلک الی امامنا ایضاً ج ۲ ص ۳۴۵ فیض الباری شرح بخاری۔

ترجمہ: آج کل دعا کا معلوم و معروف طریقہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے۔ پھر میں نے تلاش و تتبع کی کہ کیا ایک انگلی اٹھانے سے ہوتا ہے تو در مختار میں قنیہ سے نقل ہے باب صفۃ الصلاۃ میں پایا کہ عذر کے وجہ سے جیسے سردی ہو انگلی اٹھانا کافی ہے تو عذر کے وقت اشارہ کو جائز کیا گیا۔ گویا کہ یہ دونوں

ہاتھوں کے اٹھانے سے مختصر طریقہ ہے۔ در مختار ج ا ص ۷۷ بحر میں مولی ابو یوسف سے منقول ہے کہ آپ دعا کے لیے قنوت وتر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اس طرح کبھی ایک انگلی اٹھانے پر اکتفا کرتے تھے اور اس کی نسبت ہمارے امام صاحب کو بھی کرتے۔ وقنیہ، فیض الباری، در مختار، بحر، کل یہ چار کتب ہیں۔

سابقہ ۲۵ کتابوں میں سے گزر چکا ہے کہ اس کو دعاء اخلاص اور دعاء تضرع کہا جاتا ہے، نیز دعاء استغفار بھی۔

(۵) عمدۃ القاری شرح بخاری لعلامہ بدرالدین عینی میں ہے:

كان قتادة يشير باصبعه ولا يرفع يديه ص ۲۶۴ ج ۲۲ باب ۲۳۔

یعنی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عادت تھی کہ ہاتھوں کو نہ اٹھاتے صرف انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

(۶) بدائع صنائع لکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ا ص ۲۸۴ ا یچ ایم سعید کراچی۔

(۷) شامی مصری ج ا ص ۳۷۵۔

(۸) فتاوی سلطانیہ مولانا محمد سلطان ص ۵۳۵

(۹) فتاوی تاتارخانيه عن ابو يوسف: ان اشاء اشار باصبعه فى الدعا و ان شاء رفع يديه

(۱۰) في التحفة: ان رفع يديه نحو السماء فحسن و ان ترک ذلک و اشار الى السماء باصبعه فحسن تاتارخانيه رشيد کوئٹه ج ۲ ص ۲۶۴۔

(۱۱) فان كان وقت عذر أو برد شديد فاشار بالمسبحة قام مقام بسط كفيه: فتاوى عالمگيری ج ۵ ص ۳۱۸۔

ترجمہ نمبر ۹: تاتارخانیہ میں ابی یوسف سے روایت نقل کرتا ہے کہ دعا والے کا اختیار ہے کہ دعا میں انگلی سے اشارہ کرتا ہے یا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتا ہے یہ دعاء کرنے والے کی رائے پر موقوف

ہے۔اور تحفہ میں ہے اگر دعامیں آسمان کی طرف اٹھایادونوں ہاتھوں کو تو بہتر ہے اور اگر یہ چھوڑ کر اور آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کیاتو بہتر ہے۔اور فتاوی ہندیہ والالکھتاہے:کہ اگر عذر کاوقت تھایا سخت سردی تھی تو مسبحہ سے اشارہ کیایہ دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے قائم مقام ہے۔

(۱۲) عن ابی قتادۃ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس رسول اللہ ﷺ قال بعث رسول اللہ ﷺ جیش الأمراء باب غزوۃ مؤتۃ۔۔۔۔ثم رفع رسول اللہ ﷺ اصبعہ فقال۔ اللھم انہ سیف من سیوفک فانصرہ: مجمع الزوائد و منبع الفوائد ھیثمی علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۷ھ ج۶ ص ۲۲۹ اور

(۱۳) تاریخ دمشق الکبیر جلدنمبر ۶ جز نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۴۰ دار الحیاء التراث العربی۔

یعنی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جیش الأمراء میں جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیادت و قیادت سنبھال لی تو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انگلی اٹھاکر فرمایا۔کہ آپ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے تو اس کی مدد فرما۔

فصل:من آنچہ شرط بلاغ،است باتو میگویم؟توخواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

سوال:دعامیں آسمان کی طرف ہاتھ یاانگلی اٹھاناکیوں مشروع اور سنت ہے۔

الجواب:

ارشادربانی ہے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌهُوَ مُوَلِّيهَا(البقرۃ ۱۴۸)

اور سب آدمی اور ہر گروہ اور ملک اور ہر ولایت کے لیے جہت ہے کہ اس کی طرف وہ متوجہ ہوتے ہیں۔

ولکل وجهة کے معنی اکثر مفسرین یہ لکھتے ہیں کہ قبلہ مقربین عرش ہے اور قبلہ روحانیین کرسی ہے اور قبلہ کروبیین بیت المعمور ہے اور قبلہ دعا آسمان ہے اور قبلہ ملائکہ زمین کا بدن آدم علیہ السلام کا ہے اور قبلہ انبیاء بنی اسرائیل کا بیت المقدس ہے اور قبلہ آدم علیہ السلام و حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کعبہ ہے۔ اور قبلہ ارواح کا سدرۃ المنتھیٰ ہے۔ تفسیر عزیزی اردو ترجمہ ایچ ایم سعید کراچی مؤلفہ مولانا شاہ عبد العزیز ہے۔ اور حکم خداوندی ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کرو اس لیے دعا میں آسمان کی طرف انگلی یا ہاتھ اُٹھایا جاتا ہے۔[2204]

(۲) علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی تفسیر بیان القرآن میں رسالہ **رفع البناء فی نفع السماء** میں دسواں فائدہ آسمان کا یہ لکھتا ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے قبیل صفحہ نمبر ۱۰۱ و قبیل سورۃ آل عمران تاج کمپنی لاہور۔

(۳) مجموعۃ الرسائل امام الغزالی ج ا ص ۱۸ امدادیہ کوئٹہ۔

(۴) شرح مسلم لنووی ج ا ص ۱۸۱ **ان السماء قبله الدعاء كما ان الكعبة قبلة الصلوٰة۔ و في السماء رزقكم و ماتوعدون**: یعنی نماز کے لیے قبلہ کعبہ ہے اس طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے۔

(۵) انه تعالیٰ جعل السماء قبلة الدعاء فالا يدى ترفع اليها: تفسير كبير جلد ۱ صفحه ۲۱۵ بحث فضائل السماء مطبع الحسينية المصر۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمان کو دعا کا قبلہ بنایا ہے تو ہاتھ اس کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

(۶) حكمة الرفع الى السماء انها قبلة الدعاء و مهبط الرزق والوحی والرحمة والبركة: مرقاة شرح مشكوٰة جلد ۵ صفحه ۵ اور صفحہ ۴۳ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

2204 تفسیر عزیزی لمحدث دہلوی ج ۲ ص ۸۶۶

ترجمہ: دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ یا انگلی اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور رزق اور وحی اور رحمت اور برکت اس سے اتر کر آتی ہے۔

(۷) نحو السماء لانها قبلة الدعاء: درمختار جلد ا صفحہ ۷۷

(۸) قولہ: قبلة الدعاء ای کا القبلة للصلوٰة: کشف الاستار جلد ا صفحہ ۷۷ علی درمختار۔

(۹) ایضاً شامی جلد ا صفحہ ۵۷۳: یعنی آسمان دعا کا قبلہ ہے اس لیے دعا میں اس کے طرف ہاتھ یا انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ شامی میں یہ اضافہ بھی ہے تو وہم نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ اُوپر طرف ہے (تو اشارہ برائے توحید باطل ہے)

(۱۰) اور حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار جلد ا صفحہ ۲۲۴ شامی کی طرح رشیدیہ کوئٹہ۔

(۱۱) تفسیر البحر المحیط لابی حیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ جلد ا صفحہ ۶۰۲ دار الکتب علمیہ بیروت۔

(۱۲) روح البیان جلد ۶ صفحہ ۶۷ دار الاحیاء بیروت۔

(۱۳) روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۸ دار الفکر۔

(۱۴) روح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۷۸ بیروت۔

(۱۵) روح البیان جلد ۳ صفحہ ۵۰۹۔

(۱۶) کان السماء قبلة الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلاة: عمدہ القاری جلد ۵ صفحہ ۳۰۸ بیروت۔

(۱۷) سندھی علی النسائی جلد ا صفحہ ۱۷۷۔

(۱۸) وفتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۳۰۲۔

(۱۹)رشید احمد دیوبندی نے اپنے احسن الفتاوی ج۳صفحہ ۵۷و۵۸ پر بھی آسمان کو دعا کا قبلہ تسلیم کیا ہے۔

(۲۰)باب رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ: دار السلام الریاض و احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۱۲۸۔

اگر کوئی کہے کہ یہ باطل ہے اس وجہ سے کہ سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے۔ اور نہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دعاء کا قبلہ وہ قبلہ نماز ہی کا ہے۔ یقیناً علماء نے تصریح کی ہے کہ دعا کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ قبلہ کے طرف منہ کرے وغیرہ وغیرہ۔ میں جواباً عرض کرتا ہوں کہ اس کا تفصیلاً جوابات دوسرے رسالہ میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مگر اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ سب دعوے بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا دلیل عقلاً و شرعاً قبول نہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہاں تو ہم نے صرف ۲۰ حوالے نقل کیے ہیں۔ مگر در حقیقت ایک سو پچیس سے زیادہ کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ گزشتہ کے مطالعہ سے دلائل بھی علم میں آئیں گے اس کے لیے قرآن و سنت اور فعل سلف سے دلائل موجود ہیں۔ **وان جبال العلم قد صرحوا بہ علی انف الجاھل المتقول۔** تیسری بات یہ ہے کہ نفی کے دعوے ہیں سابقہ مثبتین کے مقابلہ میں مقبول نہیں کیوں کہ علماء لکھتے ہیں کہ مثبت منفی سے مقدم ہے۔

صرف ایک مثال لکھتا ہوں کہ امام بخاری صحیح بخاری میں لے آئے ہیں کہ فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خانہ کعبہ میں دعائیں کی مگر نماز نہیں پڑھا اور حضرت بلال صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز پڑھی ہے تو سب نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو لیا ہے کیوں کہ وہ مثبت ہے اور فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو کسی نے

بھی قبول نہیں کیا۔ تفصیل معترضین کے اعتراضات کے جوابات دوسرے رسالہ میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور کچھ بعد کے اوراق میں بھی۔

فصل: جب ایک مسلمان موّحد نماز میں گزشتہ آیاتِ قرآنی اور حضور علیہ السلام کے واضح حکم اسکنوا فی الصلوٰۃ اور نماز میں شغل کے خلاف نماز میں پھر بھی اشارہ کرے تو حضور علیہ السلام ایسے شخص کے بارے میں حکم دیا کہ نماز کو دوبارہ پڑھیں۔

حدثنا عبداللہ بن سعید نایونس بن بکیر عن محمد بن اسحق عن یعقوب بن علیۃ بن الاخنس عن ابی غطفان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ التسبیح للرجال یعنی فی الصلوٰۃ و التصفیق للنساء من اشار فی صلاۃ اشارۃ تفھم عنہ فلیعد لھا یعنی الصلوٰۃ قال ابوداؤد ھذا الحدیث وھم۔ ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ، طبع میر کتب خانہ کراچی، علامہ عینی نخب الافکار شرح معانی الاثار میں تحریر فرماہے۔ قال صاحب التنقیح: ابو غطفان ھو ابن طریف ویقال ابن مالک المزنی قال عباس الدوری سمعت ابن معین یقول فیہ: ثقۃ و قال النسائی فی الکنی: ابو غطفان ثقۃ قیل اسمہ سعد و ذکرہ ابن حبان فی الثقات، و اخرج لہ مسلم فی صحیحہ یکون اسنادہ الحدیث صحیحاً و ابوداؤد لم یبین کیفیۃ الوھم فلایبنی علیہ شئی۔۔۔ و تعلیل ابن الجوزی بابن اسحاق لیس بشئی لان ابن اسحاق من الثقات الکبار عندالجمھور۔ نخب الافکار جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ طبع دارالسیر بیروت و قدیمی کراچی جلد ۴ صفحہ ۴۰۲ اور حافظ ابی حفص عمر بن احمد بن عثمان معروف بابن شاھین المتوفی ۳۸۵ھ الناسخ و المنسوخ میں تحریر فرماہے: حدثنا یوسف بن یعقوب بن خالد النیسابوری قال (نا) اسماعیل بن حفص قال (نا) یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن یعقوب بن عقبۃ عن ابی غطفان عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: من اشار فی الصلوٰۃ اشارۃً تفقہ او تفھم فقد قطع الصلوٰۃ صفحہ ۱۳۷ طبع مرکز اھل السنۃ ھند۔

اور شرح سنن الدار قطنی جلد ۲ صفحہ ۸۳/۸۴ التعلیق مغنی: غطفان: قال العراقی: قلت و لیس بمجھول فقد روی عنه جماعة و ثقه النسائی و ابن صبان (باب الاشارة فی اصلاة)

اور مسند بزار جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۶: حدیث نمبر ۸۴۱۶۔ حدثنا اسماعیل بن حفص قال نا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق عن یعقوب بن عتبة عن ابی غطفان عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: من اشار فی صلاته اشارة تفهم عنه فلیعد صلاته۔ او قد فسدت، الحدیث مطبوعہ دار الکتب علمیہ بیروت۔

اور امام طحاوی نے بغیر جرح قبول کر کے شرح معانی الآثار جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ بیان کی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز میں مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لیے تالی بجانا ہے اور جس نے نماز میں اس طرح اشارہ کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس نے اشارہ کیا ہے تو اپنے نماز کو دوبارہ ادا کرے امام ابی داؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث وھم ہے۔ مگر وہم کا وجہ مذکور نہیں، لہٰذا جرح مقبول نہیں۔

علامہ بدرالدین عینی نے فرمایا کہ صاحب تنقیح نے فرمایا کہ ابو غطفان مجھول نہیں وہ طریف کا بیٹا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مالک مزنی کا بیٹا ہے ابن معین نے کہا ہے کہ غطفان ثقہ ہے اور نسائی نے کئی سے فرمایا کہ ثقہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا نام سعد ہے۔

آپ کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کی روایت نقل کی یعنی آپ رجال مسلم ہی سے ہیں۔ تو اس کا اسناد صحیح ہے، اور ابن جوزی کے بیان کئے ہوئے علت کا کوئی اعتبار نہیں یہ کوئی چیز نہیں اس لیے کہ ابن اسحاق جمھور کے ہاں بڑی ثقات میں سے ہے۔ اور ابن شاہین نے ناسخ منسوخ میں یہ حدیث نقل کی بغیر کوئی جرح کے جس نے نماز میں اشارہ کیا اس

طرح کہ اس سے فہم کیا گیا تو نماز کو یقینی طور پر ختم کیا یعنی نماز ادا نہ ہوئی۔ اور تعلیق مغنی علی دار قطنی میں بھی ہے۔ کہ عراقی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ مجہول نہیں کیوں کہ محدثین کی ایک جماعت نے آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں اور نسائی اور ابن حبان نے آپ کی توثیق کی ہے اور مسند بزار میں بھی یہ حدیث منقول ہے جس کے آخر میں ہے کہ اپنے نماز کو دوبارہ پڑھیں یا یہ کہ اس کی نماز یقینا فاسد ہوئی۔ اور صاحب نخب الافکار لکھتا ہے۔ ابوداؤد ہم یبین کیفیۃ الوھم فلایبنی علیہ شئ۔ کہ ابوداؤد نے وھم کا کیفیت بیان نہیں کی لہٰذا اس پر کسی چیز کا بنا نہیں ہو سکتا۔ جلد ۹ صفحہ ۱۲۳۔

اور علماء علم اصول فقہ فرماتے ہیں:

والطعن المبھم لایوجب جرحاًفی الراوی کمالایوجبہ فی الشاھدولایمنع العمل بہ۔ ای الطعن المبھم من ائمۃ الحدیث بان یقول ھذا الحدیث مجروح او منکر ولا یمنع العمل بہ ای الحدیث اھ حسامی مع النامی صفحہ ۱۵۴ امدادیہ ملتان

یعنی مشکوک اور گول مول طعن کے وجہ سے راوی حدیث کا مجروح نہیں ہو سکتا جیسا کہ گواہ اس وجہ سے لازمی طور پر مجروح نہیں ہو سکتا اور جرح مشکوک اور گول مول کے وجہ سے حدیث پر عمل کرنا منع نہیں ہے۔ آئمہ حدیث سے مشکوک جرح کہ حدیث مجروح ہے۔ یا منکر ہے یہ حدیث پر عمل منع نہیں کرتا۔

قولہ: اسکنوا: أمر من سکن یسکن ای اثبتوا ولا تتحرکوا ولا تحرکوا أطرافکم بل لازموا السکون والقرار لانکم بین یدی ربکم جلت قدرتہ۔

ویستفاد منہ احکام: الاول: أن فیہ دلالۃ علی أن رد السلام بالاشارۃ فی الصلاۃ مکروہ لانہ مأمور باالسکون وھو عدم الحرکۃ فاذا أشار احتاج الی رفع الید و تحریک الأصابع کما ذکرنا۔ نخب الافکار شرح معانی الاثار جلد ۹ صفحہ ۱۵۰ اور صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے۔ و قد

ذکر ابن القصار أن ھذا الحدیث حجۃ فی النھی عن رفع الایدی فی الصلاۃ و ذکر أن فی ذلک نزلت: الم تر الی الذین قیل لھم کفوا أیدیکم و اقیموا الصلوٰۃ۔

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ أمر: **اسکنوا:** یہ امر سکن یسکن سے ہے مستقل ہو کر حرکت مت کرو اور اپنے ہاتھ پاؤں کو مت ہلاؤ بلکہ سکون کو لازم کرو کیوں کہ تم اللہ جل جلالہ کے سامنے کھڑے ہو۔

اس سے کئی احکام نکلتے ہیں اول یہ کہ اس میں سلام کا جواب اور رد اشارہ سے نماز میں مکروہ ہے اس لیے کہ نمازی کو سکون کا حکم ہے اور سکون عبادت ہے عدم حرکت سے تو جب اشارہ کرتا ہے تو ہاتھ اٹھانے اور انگلیوں کو حرکت دینے کا محتاج ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اگرچہ حدیث منقول ابو داؤد وغیرہ کے وجہ سے احناف کے ہاں فاسد نہیں مکروہ ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا یہ حکم استحباباً ہے جیسا کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اٹھو نماز پڑھو جبکہ اس نے پہلے نماز پڑھ لی تھی مگر نماز کچھ کراہت آنے کے وجہ سے اس کو دوبارہ پڑھنے کا امر فرمایا اس طرح یہاں بھی اگرچہ یہ فعل قلیل ہے نماز فاسد نہیں ہوئی مگر کراہت کے آنے کے وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم ہوا تا کہ مکمل بغیر کوئی کراہت ادا کر کے پورا ثواب مل جائے اور کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ نماز میں فرض نہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ نماز فرض ہے اور واجب رہنے کے وجہ سے اعادہ نماز واجب ہے سنت سے سنت اور مستحب سے مستحب ہے۔

صفحہ نمبر ۵۸ اور ۵۹ پر گزرا کہ امام طحاوی نے شرح معانی الاثار میں یہ بات کہ نماز میں اندا موں کو ساکن رکھنا یہ امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھم اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور شاہ انور شاہ کشمیری دیوبندی نے عرف شذی میں تحریر کیا ہے والطحاوی اعلم بمذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ صفحہ ۶۲ باب الاستنجاء بالحجارۃ دارالکتب علمیہ بیروت: یعنی امام طحاوی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہکے مذہب کا بہت زیادہ علم رکھتے ہیں۔

اور باب ماجاء فی اتخشع فی الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں:

وتأمر الشریعة بالسکون فی الصلاة کما هو عادة السلف الصالحین۔ عرف شذی صفحہ ۴۳۳ دارالکتب علمیہ بیروت۔

ترجمہ: شریعت مطہرہ نماز میں سکون عدم حرکت کا حکم کرتی ہے جیسا کہ یہ ہمارے سلف صالحین کی عادت ہے۔

اس طرح مولانا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی لکھتا ہے:

وبالجملة فالشریعة تأمر بالوقار والسکون فی الصلاة کما هو دأب السلف الصالحین فی صلاتهم وروی البیهقی باسناد صحیح عن مجاهد قال: کان ابن الزبیر اذا قام فی الصلاة کانه عود وحدث أن أبابکر الصدیق کان کذلک وکان یقال ذلک الخشوع فی الصلاة، کما فی الفتح، والیراجع لتفصیل أقوال السلف فی الخشوع، شرح التقریب، للعراقی (۲، ۲۷۲، ۲۷۳) والعمدۃ (۳-۱۶) معارف السنن جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۷۳ طبع ایچ ایم سعید کراچی شرح جامع الترمذی۔

وفتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ قدیمی کراچی اور عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۲۸۰ دارالاحیاالتراث العربی بیروت۔

حدیث نمبر ۱۱۳ محمد قال اخبرنا ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ قال حدثنا معن بن عبدالرحمن عن القاسم بن عبدالرحمان عن ابیه عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ قال وقروا الصلاة یعنی السکون فیها قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه۔

اور ابو الوفاء الافغانی اس کے شرح میں تحریر فرماہیں:

وفی المجلد الثالث من مجمع البحار الانوار جلد ا صفحہ ۱۳۱ ومنہ قاروا الصلاۃ ای اسکنوا فیہا ولا تحرکو ولا تعبثوا۔ معجم الکبیر ج ۴ صفحہ ۱۷۵، مصنف عبدالرزاق ج ۲ صفحہ ۲۶۵ سنن بیہقی کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۸ حدیث نمبر ۱۴۲۹: مسند ابی العباس السراج صفحہ ۱۸۸ کا ذناب خیل حدیث نمبر ۷۲۸۔ قلت واخرجہ الامام ابو یوسف فی آثارہ ص ۵۰۔ عنہ قال بلغنی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال توقروا فی الصلاۃ و اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود قال قاروا الصلاۃ یقول اسکنوا اطمعنوا و رجالہ رجال الصحیح۔ کتاب الاثار جلد ا صفحہ ۳۰۰ اور ۳۰۱ دار الکتب العلمیہ بیروت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

شرح کتاب الاثار میں افغانی صاحب آگے جا کر لکھتے ہیں:

جابر بن سمرہ قال خرج علینا رسول ﷺ فقال مالی ارا کم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ الحدیث (ج ا ص ۱۸۱) قال النووی و فیہ الأمر بالسکون فی الصلاۃ والخشوع فیھا والاقبال علیھا۔شرح کتاب الاثار محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفحہ ۳۰۱ و صفحہ ۳۰۲۔

اس لیے امام سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ نسائی میں رقم طراز ہیں:

قلت کان من علل ترک الاشارۃ الی التوحید فی التشھد با نھا تنا فی السکون اخذ ذلک من ھذا الروایۃ اعنی لفظ اسکنوا فی الصلاۃ و اللہ تعالیٰ اعلم سندھی علی النسائی جلد ا صفحہ ۱۷۶ قدیمی کراچی۔

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے:- کہ شریعت مطہرہ نے نماز میں سکون اور وقار حکم کا دیا ہے جیسا کہ یہ سلف صالحین کا طریقہ اور عمل ہے کہ اپنی نمازوں میں۔ امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی کہ ابن زبیر جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ایسا لگتا جیسا لکڑی ہوتی ہے اور حدیث بیان کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ نماز میں خشوع ہے

جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ خشوع کی تفصیل اور سلف کے اقوال معلوم کرنے کے لیے شرح تقریب عراقی، عمدۃ القاری کی طرف رجوع فرمائیں۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں۔ ہمیں معن بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاسم بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں وقار کا خیال رکھو یعنی سکون سے پڑھو حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

ابو الوفا الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الآثار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ مجمع بحار الانوار کی جلد نمبر اصفحہ ۱۳۱ پر ہے کہ نماز میں وقار کرو یعنی اس میں سکون کرو اور حرکت مت کرو اور عبث مت کرو۔ آگے جاکر لکھتے ہیں کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم پر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خروج کیا فرمایا کیوں کہ میں آپ کو ایسے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسے بدخو گھوڑوں کی دم، نماز میں سکون کرو یعنی سکون سے پڑھو۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میں سکون اور خشوع کا اور اس کے طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے اور امام سندی حاشیہ نسائی پر لکھتے ہیں کہ تشہد کی حالت توحید کے لیے اشارہ نہ کرنے کی علت یہ ہے کہ اشارہ کرنا سکون کے خلاف ہے یہ

حکم اس مذکورہ حدیث سے لیا گیا ہے۔ میری مراد اس سے اسکنوا فی الصلوٰۃ یعنی نماز میں ساکن رہو یعنی سکون سے ادا کرو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں ذکر کرتے ہیں کہ فقہ حنفی کا بنا مسند ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آثار محمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہے (یعنی دونوں کتابیں ایسے ہیں کہ جس پر مذہب حنفی کا دارومدار ہے)۔ کتاب الآثار مترجم صفحہ ۱۹ ایچ ایم سعید کراچی۔

ابو الوفار حمہ اللہ تعالیٰ آگے جاکر تحریر کرتے ہیں:

قال ولا یتشاغل بشئی غیر صلاتہ من عبث بثیابہ او بلحیہ۔ لقولہ الصلاۃ و السلام۔ کفوا ایدیکم فی الصلوٰۃ۔

فرمایا اپنی نماز کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو اپنے لباس میں عبث کرتے ہوئے اور داڑھی اپنی سے (رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان علیشان سے ثابت ہوا کہ نماز میں لباس اور داڑھی وغیرہ پر ہاتھ پھیرنا یا سیدھا کرنا منع ہے۔ بلکہ نماز میں ہاتھوں کو بند رکھنا ہے)۔ کتاب الاثار پر ابو الوفاء افغانی حیدر آباد دکن (بالھند) جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ دار الکتب علمیہ بیروت۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قال ثم یبسط کفیہ علی رکبتیہ و ینشر أصابعہ و لا یشیر بشئی منھا و ذلک لما فی حدیث وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما جلس افترش رِجلہ الیسریٰ، و وضع یدہ الیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ، و یدہ الیمنیٰ علی فخذہ الیمنیٰ۔

ترجمہ: ابو جعفر نے فرمایا پھر گھٹنوں پر اپنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی انگلیوں کو منتشر کرے اور ان میں سے کسی چیز سے اشارہ نہ کرے۔ یہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث منقولہ کے وجہ سے

تحقیق ہے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بیٹھ گئے تو بائیں پاؤں کو پھیلایا اور اپنے بائیں ہاتھ بائیں ران پر رکھ دیے اور اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر۔(اس میں اشارہ کا ذکر نہیں
(

اور علامہ جصاص مجتہد مفسر محدث شرح مختصر الحاوی فتاوی فی الفقہ الحنفی میں تحریر فرماہیں:

وینشر اصابعه کماینشرهافی السجودوالرکوع ولایشیر شئی منهالقوله ﷺ کفوا ایدیکم فی الصلاة اسکنوافی الصلاۃ۔شرح مختصر الطحاوی فی الفقه الحنفی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ جلد نمبر ۱ صفحه ۳۲۸اور ۳۲۹ دارالسراج المدینه منوره ووضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه وتشهدیروی ذلک فی حدیث وائل ولان فیه توجیه اصابع یدیه الی القبلة۔ هدایه جلد ۱ صفحه ۱۱۱۔ شرکة علمیه ملتان شیخ الاسلام برهان الدین المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے فرمایا: دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھ دے اور انگلیوں کو پھیلائیں اور تشہد پڑھیں اس بارے میں وائل کی حدیث روایت کرتی ہے اور اس میں ہاتھوں کی انگلیوں کا روبقبلہ کرنا ہے(اس میں امر قرآنی پر عمل کرنا ہے)۔

امام ترمذی کی گواہی:

حدثنا ابو کریب ناعبداللہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال قدمت المدینة قلت لا نظرن الی صلوٰۃ رسول ﷺ فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله الیسری ووضع یده الیسری یعنی علی فخذه الیسری و نصب رجله الیمنی قال ابو عیسی هذا حدیث حسن صحیح و العمل علیه عند اکثر اهل العلم و هو قول سفیان الثوری و ابن المبارک و اهل الکوفة۔ترمذی جلد ۱ صفحه ۳۸ و ۳۹ باب کیف الجلوس فی التشهد فاروقی کتب خانه ملتان۔

ترجمہ: علامہ جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی انگلیوں کو اس طرح پھیلائیں جیسے کہ پھیلاتے ہیں سجدہ اور رکوع میں اور اس میں کسی چیز پر اشارہ نہ کرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھو اور نماز میں سکون عدم حرکت کرو۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماہیں کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوپر رکھ کر اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے یہ وائل کی حدیث مرویہ سے ثابت ہے۔اور اس میں قبلہ کی طرف انگلیوں کا کرنا ہے۔

امام ترمذی حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کرکے وہ یہ ترجمہ کہ میں مدینہ منورہ کو آئے اور میں نے کہا کہ ضرور میں حضور علیہ السلام کی نماز کو دیکھوں گا تو آپ علیہ السلام تشہد کے لیے بیٹھ گئے تو بائیں پاؤں کو پھیلایا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ دیا اور دایاں پاؤں کھڑا کیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری اور ابن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اور اہل کوفہ کا قول ہے۔(یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ احناف کے مذہب میں اشارہ نہیں)۔

اور امام ترمذی **باب ماجاء فی الاشارۃ** میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث نقل فرماتے ہیں:

اذا جلس فی الصلاۃ وضع یدہ الیمنی علی رکبتہ ورفع اصبعہ التی تلی الابہام یدعو بھاویدہ الیسری علی رکبتہ باسطھا علیہ: قال ابو عیسی حدیث ابن عمر حدیث حسن غریب لا نعرفہ من حدیث عبید اللہ بن عمر الامن ھذا الوجہ والعمل علیہ عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین یختارون الاشارۃ فی التشھد وھو قول اصحابنا۔جلد ا صفحہ ۳۹۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بیٹھ گئے نماز میں تو دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھ دیا اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی کو اٹھایا اس پر دعا کرتے تھے (اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ اشارہ دعاء کے لیے تھا نہ کہ نفی اثبات کے لیے) اور بائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر پھیلایا ہوا رکھ دیا امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن غریب ہے۔ ہم عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث صرف اس وجہ سے پہچانتے ہیں اور اس پر بعض اصحاب اور تابعین عمل پیرا ہیں کہ تشہد کی حالت میں اشارہ کرتے ہیں اور یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے۔

حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث غوث الزمان شیخنا و شیخ المشائخ العرب والعجم کہ مراد اصحابنا سے اہل حدیث ہے آگے جاکر تحریر فرماہیں:

فالمحصول ان الفقهاء من اصحابنا ظاهر الرواية و علماء المتون لا يعملون بحديث الاشارة و الذالم يذكروا ها فى السنن و الآداب لان وضع اليدين على الفخذين مبسوطتين سنة و السكون مامور به و فى الاشارة تركها فتركوه و ايضاً قالوا نعمل بحديث صلوا كما رئيتمونى اصلى انتهى وليس فى تلك الصلوٰة ذكر الاشارة فالصلوٰة بدون الاشارة مامور به فلذارجحوا فعل عدم الاشارة على الاشارة۔ تسهيل الترمذى منظور عام پريس پشاور ۱۳۹۵ھ ص ۵۹

ترجمہ: نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مذہب ظاہر الروایۃ کے فقہاء اور متون والے اشارہ کے حدیث پر عمل نہیں کرتے اس لیے انہوں نے اشارہ کو سنتوں اور مستحبات میں ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر بچھائے ہوئے رکھ دینا سنت ہے اور نماز میں سکون مامور بہ ہے اس پر امر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور اشارہ کرنے میں اس حکم نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ترک کرنا ہے اس لیے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اس طرح یہ بھی کہا کہ ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جیسا میں نماز پڑھتا ہوں

اس طرح آپ لوگ بھی نماز پڑھ لیں اور اس نماز میں اشارے کا ذکر نہیں تو نماز بغیر اشارہ کرنے مامور بہ ہے اس لیے فقہاء نے ہمارے مذہب والوں کو ترجیح دی اشارہ نہ کرنے کو بمقابلہ اشارہ کرنے پر (کیوں کہ قولی فعلی پر مقدم ہوتا ہے)۔

نوٹ: یہ بات سب کو معلوم و منظور ہے کہ امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی چھ کتابیں ہیں ان میں سے ظاہر روایت میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت منقول نہیں۔ اس طرح متون فقہ جو اصل مذہب کو نقل کرتے ہیں ان میں اشارہ کا وجود نہیں مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ ہمارے مذہب کے پہلے طبقہ کے مسائل جو کہ مسائل کی اصول ہیں اور ظاہر الروایۃ کے مسائل ہیں۔

صفحہ ۹ واعلم انهم ذكروا ان مافی المتون مقدم علی مافی الشروح الخ۔ صفحہ ۱۰

اور وقایة الروایة متن شرح وقایہ ہے فالحكم بما فی المتون كما لا يخفى لانها صارت متواترة شامی جلد ۱ صفحہ ۵۳ میں ہے:

واضعا يديه على فخذيه مواجها اصابعه نحو القبلة مبسوطة۔

عبید اللہ بن مسعود شرح وقایہ الروایۃ میں فرماتا ہے:

وفيه خلاف الشافعي عليه الرحمة فان عنده يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والابهام ويشير بالسبابة عند التلفظ بالشهادتين و مثل هذا جاء عن علمائنا ايضاً۔ امام نووی روضة الطالبين جلد ۱ صفحہ ۲۶۲: يستحب ان يرفع مسبحته فی كلمة الشهادا اذا بلغ همزة الا الله۔ ولنا وجه شاذ أنه يشير بها فی جميع التشهد۔ انتهى

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مسوّیٰ میں لکھا ہے قلت اكثر اهل العلم على استحباب الاشارة: اس طرح مصفی میں تحریر فرما ہیں:

موضع اشارة قول الا الله است بحديث مسلم۔ مسویٰ مصفی جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ میر محمد کراچی وغیرہ۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ متون کے مسائل شروح سے پہلے ہیں عمدۃ الرعایہ۔ جو متون میں ہے وہ حکم ہی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اس لیے کہ متون کے مسائل متواتر ہوتے ہیں۔ شامی شرح وقایہ کے متن وقایۃ الروایت میں ہے کہ تشہد کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھتے ہوئے اور اپنی انگلیوں کو بچھائے قبلہ کی طرف متوجہ رکھیں شارح عبید اللہ صاحب نے ذکر کیا کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلاف ہے کیوں کہ ان کے ہاں چھوٹی انگلی اور ساتھ والی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور مسبحہ سے اشارہ کرے شہادتین پڑھنے کے وقت اور ہمارے مذہب کے علماء میں سے بھی ایسا منقول ہے۔ (حسب قاعدہ مذکور شرح کا قول مقبول عند الاحناف بمقابلہ متن کے نہیں ہے) امام نووی فرماتے ہیں کہ جب کلمہ میں شہادۃ میں ہمزہ الا اللہ کو پہنچے تو اشارہ کرے اور ہمارے شوافع میں ایک شاذ روایت یہ ہے کہ سب تشہد میں اشارہ کرے یعنی ابتداء سے آخر تک شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اکثر علماء کے ہاں اشارہ مستحب ہے اور مصفیٰ میں تحریر کرتے ہیں کہ الا اللہ کے پڑھنے کے وقت انگلی اٹھائے۔ (یعنی شاہ صاحب شوافع کے ساتھ ہیں۔)

امام طحاوی کا مختصر تذکرہ:

نام: احمد بن محمد کنیۃ ابو جعفر الطحاوی الایزدی۔ امام جلیل القدر مشہور فی الآفاق ذکرہ الجمیل مملوئۃ بطون الاوراق ولد ۲۲۹ھ قیل ۲۳۰ھ توفی ۳۲۱ھ **كان اماما ثقة فقيهاً عاقلاً لم يخلف مثله و ذكر السيوطى قال كان ثقة ثبتاً فقيها لم يخلف بعده مثله انتهت اليه رياسة الحنفية بمصر انتهى۔**

عبد البر نے فرمایا کو فی المذہب عالماً بجمیع مذاہب العلماء انتہی: ماخوذ از فوائد بھیہ یعنی امام طحاوی اطراف عالم مشہور ہیں اور ان کے ذکر جمیل سے اوراق بھرپور ہیں۔ معتمد امام تھے عقل والے فقیہ

تھے ان جیسے بعد میں نہیں آئے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معتمد علیہ تھے اس کے بعد ان جیسے عالم نہیں آئے مصر میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو حنفیہ کی سیادت ان کو منتھی ہوئی عبدالبر نے فرمایا کہ حنفی مذہب والے اور سب علماء کے مذاہب کے عالم تھے۔ ایضاً اس میں ہے۔

اتقانی نے غایۃ البیان میں لکھا:

انہ مؤتمن لا متھم مع غزارۃ علمہ و اجتھادہ و ورعہ و تقدمہ فی معرفۃ المذاھب وغیرھا۔

یعنی امام طحاوی اس امت کے لیے امانت دار تھے اپنے کثرت علم کے باوجود اور اپنے اجتہاد اور تقویٰ پرہیز گاری مذاہب کے علم میں سب سے آگے تھے (آپ کا متن فقہہ میں معتبر فقہہ جس میں نفی اشارہ ہے)۔

امام جصاص احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص کان امام الحنفیۃ فی عصرہ۔ ولد ۳۰۵ھ تو فی ۳۲۰ھ ہو اصحاب ابی حنیفۃ فی وقتہ وکان مشھوراً بالذھر امام جصاص اپنے زمانہ میں احناف کے امام تھے پاکدامنی میں مشہور تھے۔ (رتبہ اجتہاد تھے)

صاحب ہدایہ: علی بن ابی بکر المرغینانی: کان اماما فقیھا حافظاً محدثا مفسراً جامع العلوم ضابطہ للفنون متقنا نظاراً مرققا زاھداً ورعا بارعاً فاضلاً ماھراً اصولیا أدیبا شاعر لم تر العیون مثلہ فی العلم و الادب و لہ الید الباسط فی الخلاف و الباع الممتد فی المذھب۔

فوائد بھیہ اور طبقات السنیہ میں ہے:

وعدہ من المجتھدین فی المذھب: فوائد بھیہ صفحہ ۱۴۱

اور فتح القدیر کے صفحہ اول پر کشف الظنون کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ان الھدایۃ کالقرآن قد نسخت ما صنفو اقبلھا فی الشرع من کتب۔ فاحفظ قواعدھا واسلک مسالکھا یسلم مقالک من زیغ و من کذب و قال بعضھم۔

برهان الدين الله حارس شرعه: ام الكرامة مقتدى علمائه على لواء العلم حتى أصبحت وعلماء دين الله تحت لوائه۔ يعنى صاحب هدايه مرغينانى رحمه الله تعالىٰ۔

امام فقیہہ تھے حافظ تھے محدث، مفسر تھے۔ جامع علوم، فنون علم کے حاکم تھے آنکھ ملانے والا تہمت سے بری تھا عبادت کے لیے دنیا کو چھوڑا تھا پرہیز گار علم میں کامل فاضل اور ماہر تھے۔ اصولی، ادیب، شاعر تھے۔ آپ جیسا آنکھوں نے نہیں دیکھا علم اور ادب میں خلاف میں لمبی ہاتھ رکھتے تھے اور مذہب میں پھیلے ہوئے ہاتھ رکھتے تھے۔ اور مجتہدین فی المذہب کا مرتبہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے سابقہ آسمانی کتابوں کو منسوخ کیا اس طرح ہدایہ نے سابقہ شرع میں لکھی ہوئی کتابوں کو منسوخ کردیا۔ اس کے قواعد کو یاد کرو اور اس کے مسئلہ پر چلتے رہو آپ کی بات کجی سے درست ہو کر جھوٹ سے محفوظ رہے گی۔ اور بعض علماء نے کہا۔

برہان الدین اللہ تعالیٰ کی شریعت کے چوکیدار ہیں۔ کرامتوں کی اصل ہیں اور شریعت کے علماء کا پیش رو ہیں۔ علم کے جھنڈے کو ایسا بلند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے علماء آپ کے جھنڈے کے تحت ہوئے۔ "مختصر اًذکر کیا"

فصل: حضرت علامہ امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موطا میں اشارہ کی حدیث نقل کرکے لکھ دیا:

قال محمد و بقنيع رسول الله ﷺ نأخذ و هو قول ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صاف ستھرا اپنائے ہوئے طریقہ پر ہم عمل کرتے ہیں وہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ پھر ہم کیسے یہ کہتے ہیں کہ مذہب حنفی میں اشارہ کرنا نماز میں تشہد کی حالت نہیں اس طرح امالی ابی یوسف میں ذکر اشارہ کرنے کا ہے۔

الجواب: بہ حیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ حقیقت معلوم کر کے حق کا اتباع کرے موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کتب نوادر میں سے ہے۔ یہ بات گزر چکی کہ فتویٰ ظاہر الروایات پر ہوتا ہے اور متون شروع اور فتاویٰ سے مقدم ہے۔

اس طرح امالی کہ نوادر میں سے ہے علامہ عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں لکھتے ہیں:

لو وجد بعض انسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو مافیھا الی محمد و لا الیٰ ابی یوسف لا نھالم تشتھر فی زماننا فی دیارنا و لم تداول۔

ترجمہ: اگر ہمارے زمانے میں نوادر کے بعض نسخے پائے جائیں تو ان کے مسائل کی نسبت کرنا امام محمد اور نہ امام ابویوسف کو جائز ہے کہ یہ ان کا مذہب ہے اور انہوں نے ذکر کیا۔ اس لیے یہ ہمارے ملک اور زمانہ متواول نہیں ہوئے ہیں۔

ملا علی قاری تذکرۃ الموضوعات کے حوالہ سے تحریر فرمایں:

ان النقل الاحادیث النبویۃ و المسائل الفقھیۃ و التفاسیر القرآنیۃ لا یجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا من وضع الزنادقۃ و الحاق الملاحدۃ الخ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ جلد ۱ صفحہ نمبر ۱ ۱ امدادیہ ملتان۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی احادیث اور فقہی مسائل اور تفاسیر قرآنی کا نقل کرنا جائز نہیں مگر صرف متداول کتابوں سے۔ نہ کہ نوادر سے۔

اس بنا پر اشارے کے مسئلے کو امام محمد اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے: آیئے اور موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کریں مگر غور سے کہ حدیث اشارہ کو آپ نے کون سے باب میں ذکر کیا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ محدثین کی اصطلاح اور قاعدے کے مطابق کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطا میں باب منعقد کرتے ہیں وہ یہ **باب العبث بالحصی فی الصلوٰۃ و مایکرہ من تسویتہ۔**

نماز میں بے فائدہ کام کرنا کنکریوں سے۔ اور وہ کام جو کنکری برابر کرنے سے مکروہ ہے۔ آپ نے اس باب میں پہلا ابو جعفر القاریؒ سے منقول حدیث نقل کی کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو کنکری برابر کرتے۔ ہلکی تسویہ سے اور ابو جعفر نے فرمایا کہ ایک دن میں نماز پڑھ رہا تھا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میرے پیچھے تھے تو آپ نے اپنا ہاتھ میری گردن پر رکھ کر مجھے دبایا۔

دوسری مطلوبہ حدیث بیان کرتے ہیں:

اخبرنا مالک اخبرنا مسلم بن ابی مریم عن علی ابن عبدالرحمن المعاوی انہ قال رانی عبداللہ بن عمر وانا اعبث بالحصی فی الصلوٰۃ فلما انصرفت نہانی و قال اصنع کما کان رسول اللہ ﷺ یصنع فقلت کیف کان رسول اللہ ﷺ یصنع قال کان رسول اللہ ﷺ اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی قبض اصابعہ کلھا و اشار باصبعہ التی تلی الابھام و وضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری قال محمد بصنیع رسول اللہ ﷺ نأخذ و ھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاما تسویۃ الحصیٰ فلا بأس بتسویتہ مرۃ واحدۃ و ترکھا افضل و ھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:[2205]

ترجمہ: علی ابن عبدالرحمن معاوی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں نماز میں سنگریزوں سے بے فائدہ عبث کرتا تھا، عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجھے دیکھا تو جب میں نماز سے فارغ ہوا

[2205] موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۱۰۸ و صفحہ نمبر ۱۰۹ قدیمی آرام باغ کراچی۔

تو مجھے اس عبث کام سے منع کیا اور فرمایا کہ ایسا کرتے رہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کرتے رہے تو میں نے عرض کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیسا کرتے تھے تو فرمایا کہ جب نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قعدہ پر بیٹھتے تو اپنا دائیاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھ دیتے اور اپنی ساری انگلیوں کو بند کرتے یعنی سب کے سب بند کرتے اور اپنے انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی سے اشارہ کیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ دیا۔

ناظرین کرام کو عرض ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نماز میں سنگریزوں سے عبث کرتے ہوئے فعل بیان کر رہے ہیں۔ کیوں کہ عنوان یہی قائم کیا۔ علماء کرام کو محدثین کا طرز عمل معلوم ہے کہ وہ جو حکم کرتے ہیں اور مسئلہ بیان کرتے ہیں تو ترجمۃ الباب سے ثابت کرنے کا حکم اور فیصلہ بیان کرتے ہیں نہ کہ اس حدیث میں جو اور مسائل ہوں اس کا حکم دیتے ہیں اگر چہ ترجمۃ الباب میں ان کو اشارہ نہ ہو۔ توضیح ممثل کے لیے ایک مثال سن لیجئے۔ سلسلہ کتب حدیث میں اصح الکتب صحیح البخاری ملاحظہ ہو۔

وہ یہ کہ **باب سکر الانھار: حدثنا عبداللہ بن یوسف ثنا اللیث ثنی ابن شھاب عن عروۃ عن عبداللہ بن الزبیر انہ حدثہ ان رجلا من الانصار خاصم الزبیر عند النبی ﷺ فی شراج الحرۃ التی یسقون بھا النخل فقال الانصاری سرح الماء یمر فابیٰ علیہ فاختصما عند النبی ﷺ قال رسول اللہ ﷺ للزبیر اسق یا زبیر ثم ارسل لماء الی جارک فغضب الانصاری فقال ان کان ابن عمتک فتلون وجہ رسول اللہ ﷺ ثم قال اسق یا زبیر ثم احبس الماء حتی یرجع الی الجدر فقال الزبیر واللہ انی لا حسب ھذہ الایۃ نزکت فی ذلک فلا وربک لا یومنؤن حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم قال محمد بن عباس قال ابو عبداللہ لیس یذکر عن عروۃ عن عبداللہ الا اللیث فقط بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۱۷۔**

ترجمہ: روایت ہے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ اُنہوں نے حدیث بیان کی کہ انصاری کے ہاں اس کا فیصلہ مقام حرۃ کے نالے کی بابت دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں آئے۔ وہ نالہ جس سے کھجور کے درخت کو سیر اب کیا جاتا ہے تو انصاری نے کہا کہ پانی چھوڑو بہنے دو تو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات سے انکار کیا تو دونوں نے حضور علیہ السلام کے ہاں فیصلہ لے آئے۔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا باغ سیر اب کر کے پھر پانی چھوڑ دو اپنے پڑوسی کو تو وہ انصاری غصہ ہوا کہ یہ آپ کے کزن (چچا کا بیٹا) ہے اس لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایسا فیصلہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سخت غصہ ہوئے جس کی وجہ سے رنگ مبارک متغیر ہوا۔

پھر فرمایا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اپنے درختوں کو پانی دینے کے بعد اس وقت تک روکے رکھو جب تک کہ وہ کھیت منڈیروں سے بہنے لگے۔ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم بہ خدا یقیناً میں ضرور جانتا ہوں یہ آیت مبارکہ اس بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ ایسا کام نہیں جیسے ان کا گمان ہے۔ جب یہ لوگ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم نہ کریں مؤمن نہیں ہوسکتے ص ۹۹۔

(فی هذه الاية) اربعة اقوال احدها و هو قول ابن جرير ان لا الاولى رد الكلام تقدمها تقديره فلا يفعلون اذ ليس امر كمايزعمون من انهم آمنوا بما انزل اليک ثم استأنف فعلى هذايكون الوقف على لاتاماً: الثانى ان الاولى قدمت على القسم اهتما ما بالنفى ثم كررت توكيد او كان يصح اسقاط الاولى و يبقى معنى النفى ولكن تفوت دلالة على الاهتمام المذكور و كان يصح اسقاط الثانية و يبقى معنى الاهتمام و لكن تفوت الدلالة على النفى فجمع بينهما لذلک: الثالث: ان الثانية زائدة و القسم معترض بين حرف النفى و المنفى و كان التقدير فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوکَ: الرابع: ان الاولى زائدة و الثانية غير

زائدة وهوا اختيار الزمخشری فانه قال لا مزيدة لتاكيد معنى القسم كما زيدت فی لئلايعلم لتاكيدوجوب العلم ولا يؤمنون جواب القسم كذافی السمين۔ [2206]

ترجمہ: فَلَاوَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ میں تکرار لا میں چار قول ہیں:

(۱) وہ ابن جریر کا قول ہے: لام اول پہلے کلام کا رد ہے اس کی تقدیر یہ ہے تو وہ نہیں کرتے ہیں اس لیے کہ ایسا نہیں جیسے یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو تم پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا ہے تو استناف کیا اس وجہ سے لام پر وقف تام ہوگا۔

(۲) پہلا لام قسم پر مقدم کیا گیا ہے برائے اہتمام نفی پھر تاکید کے لیے مکرر ہوا ہے اور لام اولیٰ کا ساقط کرنا صحیح ہے اور پھر بھی نفی کا معنی باقی رہتا ہے مگر اہتمام مذکور پر دلالت کا نفی ہوتا ہے اور دوسرے لام کو ساقط کرنا بھی صحیح تھا اور اہتمام کا معنی پھر بھی باقی رہتا ہے مگر نفی پر دلالت ختم ہوجاتا ہے۔ اس لیے دونوں لاموں کو جمع کیا گیا۔

(۳) دوسرا لام زائد ہے اور قسم حرف نفی اور منفی میں معترضہ ہے اور تقدیر عبارت ایسا تھا۔ فَلَاوَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُونَ۔ میں ایمان نہیں لارہے ہیں قسم ہے آپ کے رب پر۔

(۴) پہلا لام زائد ہے اور دوسرا زائد نہیں ہے اور یہ توجیہ علامہ زمخشری نے اختیار کیا ہے کیوں کہ انہوں نے کہا کہ لا زائد شدہ ہے برائے تاکید معنی القسم جیسا کہ لئلایعلم میں زائد کیا گیا ہے برائے تاکید وجوب علم اور لَایُؤْمِنُونَ جواب القسم ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرا باب یہ قائم کیا ہے: **باب شرب الاعلیٰ قبل الاسفل** بالا نیچی والے سے پہلے اپنا باغ سیراب کرے اور اس باب پھر وہ حدیث نقل کرتا ہے:

[2206] (جمل بر حاشیہ جلالین صفحہ ۸۰ حاشیہ ۱۰ ایچ ایم سعید کراچی و جمل جلد ۱ صفحہ ۳۹۷ قدیمی کراچی۔ الدرالمصون فی علوم الکتاب المکنون المعروف باسمین الحلبی جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ و صفحہ ۳۸۵ سورۃ النساء علی آیت نمبر ۶۵)

حدثنا عبد ان انا عبداللہ انا معمر عن الذھری عن عروۃ قال خاصم الزبیر رجلاً من الانصار فقال النبی ﷺ یا زبیر اسق ثم ارسل فقال الانصاری انہ ابن عمتک فقال اسق یا زبیر حتی یبلغ الجدر ثم امسک فقال الزبیر فاحسب ھذہ الایۃ نزلت فی ذلک: فَلَاوَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ۔

ترجمہ: عروہ نے بیان کیا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک انصار کے آدمی سے جھگڑا ہوا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنے باغ کو سیراب کرو پھر اس کے طرف پانی چھوڑ دو اس انصاری نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ تب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنے باغ کو سیراب کرو پھر جب پانی باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے تو پانی کو روک لینا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرا گمان ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ ہر باہمی جھگڑے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حاکم نہ مان لیں۔ [2207]

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تیسرا باب منعقد کیا ہے:

باب شرب الاعلی الی الکعبین۔

اوپر والوں کا اپنے باغ کو ٹخنوں تک پانی سے سیراب کرنا۔

حدثنا محمد انا مخلد ابن یزید الحرانی انا ابن جریج ثنی ابن شھاب عن عروۃ بن الزبیر انہ حدثہ، ان رجلا من الانصار خاصم الزبیر فی شراج من الحرۃ یسقی بھا النخل فقال رسول اللہ ﷺ اسق یا زبیر فامرہ باالمعروف ثم ارسل الی جارک قال الانصاری ان کان زبیر ابن

[2207] (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۱۸۔)

عمتک فتلون وجہ رسول اللہ ﷺ ثم قال اسق ثم احبس حتی یرجع المآء الی الجدر و استو عی لہ حقہ فقال الزبیر و اللہ ان ھذا الایۃ انزلت فی ذالک فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ فقال لی ابن شھاب فقدرت الانصار و الناس قول النبی ﷺ اسق ثم احبس حتی یرجع المأء الی الجدر فکان ذالک الی الکعبین۔ ان الجد رھوا لا صل ۲ ۱

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔ از عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ انصار کے ایک آدمی نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیاہ پتھریلی زمین کی وادی کے پانی سے کھجور کے درختوں کو پانی دینے کے بارے میں جھگڑا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم اپنے باغ کو سیر اب کرو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آپ کو یہ حکم دستوراور رواج کے مطابق دیا تھا پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑدو تب انصاری نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پھوپھی کے بیٹے ہیں نا پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہوا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہتم اپنے باغ میں پانی دو پھر پانی کو روک لو حتیٰ کہ پانی باغ کی دیواروں کی طرف لوٹ جائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا پورا حق دیا پس حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کے قسم یہ آیت اس قضیہ میں نازل ہوئی۔ رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ ہر باہمی جھگڑے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حاکم نہ مانیں مجھ سے ابن شہاب

نے کہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو فرمایا تھا اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم باغ کو سیر اب کرو حتیٰ کہ پانی باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے اس ارشاد سے انصار اور دوسرے لوگوں نے یہ اندازہ کیا کہ پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے حدیث میں جو الجدر کا لفظ ہے اس سے مراد جڑ ہے۔

علامہ بدرالدین عمدۃ القاری میں تحریر کرتے ہیں۔یعنی رجوع الماء الی الجدر ووصولہ الی الکعبین و ہو موضع الترجمۃ: حاشیہ ٦ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یہ حدیث اسی لیے یہاں روایت کی ہے کہ اس میں ٹخنوں تک باغ کو پانی سیر اب کرنے کا ذکر ہے۔(یعنی یہاں صرف اسی بات کو امام بخاریؒ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

فقط آیئے دوسری مثال بھی صحیح بخاری سے سن لیجیے:

باب الزکاۃ علی الاقارب و قال النبی ﷺ لہ اجران القرابۃ والصدقۃ:

(۱) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن اسحٰق بن عبد اللہ ابن ابی طلحۃ انہ سمع انس بن مالک یقول كانَ أبو طَلْحَةَ أكْثَرَ أنْصارِيٍّ بالمَدِينَةِ مالًا مِن نَخْلٍ، أحَبُّ مالِهِ إلَيْهِ بَيْرُحاءَ، مُسْتَقْبِلَةَ المَسْجِدِ وكانَ النبيُّ ﷺ يَدْخُلُها ويَشْرَبُ مِن ماءٍ فيها طَيِّبٍ، قالَ أنَسٌ: فَلَمّا نَزَلَتْ: {لَنْ تَنالُوا البِرَّ حتّى تُنْفِقُوا ممّا تُحِبُّونَ} [آل عمران: ٩٢]، قامَ أبو طَلْحَةَ فقالَ: يا رَسولَ اللَّهِ، إنَّ اللَّهَ يقولُ: {لَنْ تَنالُوا البِرَّ حتّى تُنْفِقُوا ممّا تُحِبُّونَ} [آل عمران: ٩٢] وإنَّ أحَبَّ أمْوالِي إلَيَّ بَيْرُحاءَ، وإنَّها صَدَقَةٌ لِلَّهِ أرْجُو بِرَّها وذُخْرَها عِنْدَ اللَّهِ، فَضَعْها حَيْثُ أراكَ اللَّهُ، فقالَ: بَخٍ، ذلكَ مالٌ رابِحٌ أوْ رايِحٌ - شَكَّ ابنُ مَسْلَمَةَ - وقدْ سَمِعْتُ ما قُلْتَ، وإنِّي أرى أنْ تَجْعَلَها في الأقْرَبِينَ، قالَ أبو طَلْحَةَ: أفْعَلُ ذلكَ يا رَسولَ اللَّهِ، فَقَسَمَها أبو طَلْحَةَ في أقارِبِهِ، وفي بَنِي عَمِّهِ. قال إسماعيل وعبدالله بن يوسف ويحيى بن يحيى: عن مالك: (رايح)۔ [2208]

[2208] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۹۷۔

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں اپنے سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے باغ کے لحاظ سے مال دار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ باغ بیر حاء باغ تھا اور وہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس میں داخل ہوتے تھے اور اس کا میٹھا پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی ترجمہ: اس وقت تک ہر گز نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو (آل عمران ۹۲) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: تم اس وقت تک ہر گز نیکی کو نہیں پاسکتے۔ جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر حاء باغ ہے اور یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اس کی نیکی اور اللہ کے نزدیک اس کے ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں، پس یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو وہاں خرچ کیجئے جہاں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بتائے تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑو! یہ نفع آور مال ہے یہ نفع آور باغ ومال ہے (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دوبارہ فرمایا) اور تم نے جو کہا وہ میں نے سن لیا اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ باغ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔ پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میں ایسا ہی کروں گا، پھر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں میں اور اپنے چچازادوں میں تقسیم کردیا۔ عبد اللہ بن یوسف کی متابعت

روح نے کی ہے اور یحییٰ بن یحییٰ اور اسماعیل نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رائح کی روایت کی ہے۔

بخ کا مصداق: تقال عندالمدح و الرضاء بالشئی: مجمع البحار الانوار جلد ۱ صفحہ نمبر ۱۵۴ دار الایمان سعودی کسی چیز سے راضی ہونے اور اس کے صفت کرنے کے وقت کہا جاتا ہے:۔

(۲) باب من تصدق الی وکیله ثم ردالوکیل الیه و قال اسمٰعیل اخبرنی عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمة عن اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحة لا اعلمه الا عن انس قال لما نزلت لن تنالوا البر حتی تنفقو امما تحبون جآء ابو طلحة الی رسول اللہ ﷺ فقال ای رسول اللہ یقول اللہ فی کتابه (لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا بما تحبون) و ان اُحب اموالی الی بیئر حٰے قال و کانت حدیقة کان رسول اللہ ﷺ یدخلها و یستظل فیها و یشرب من مائها قال فهی الی اللہ و الی رسوله ارجو بره و ذخره فضعها ای رسول اللہ ﷺ حیث اراک اللہ فقال رسول اللہ ﷺ بخ یا ابا طلحة ذلک مال رابح قد قبلناه منک (هو محل ترجمة خیر جاری) و رددناه علیک فاجعله فی الاقربین فتصدق به ابو طلحة علی ذوی رحمه قال و کان منهم ابی و حسان قال فباع حسان حصته منه من معاویة فقیل له تبیع صدقة ابی طلحة فقال الا ابیع صاعاً من تمر بصاع من دراهم قال و کانت تلک الحدیقة فی موضع قصر بنی حدیلة التی بناه معاویة۔[2209]

ترجمہ: امام بخاری اپنی سند سے اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ سے روایت کی (انہوں نے کہا) مجھے اس حدیث کا علم صرف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا ہے انہوں نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”تم اس وقت تک ہر گز نیکی نہ پاسکو گے جب تک کہ اس چیز سے نہ خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو“ (آل عمران ۹۲) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس

[2209] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۸۶

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "تم اس وقت تک ہرگز نیکی نہ پاسکو گے جب تک کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو" (آل عمران ۹۲) اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر حاء ہے اور وہ ایک باغ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف لے جاتے تھے اور اس کے سایہ میں آرام فرماتے تھے اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے، سو اب وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم (کی راہ میں صدقہ ہے) میں اس کی نیکی اور اس کے ذخیرہ آخرت ہونے کی اُمید رکھتا ہوں۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! آپ کو اللہ عزوجل جہاں بتائے آپ اس کو وہاں خرچ کیجئے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: چھوڑو! اے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ تو بہت نفع آور مال ہے۔ ہم نے اس کو تم سے قبول کرلیا اور ہم نے اس کو تمہیں واپس کردیا۔ تم یہ اپنے قرابت داروں کو دے دو، تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اپنے ذوالارحام (ماں کی طرف سے قربت داروں) کو دے دیا، اور ان میں حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فروخت کردیا، ان سے کہا گیا: تم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقہ فروخت کررہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کیا میں ایک صاع کھجوروں کو ایک صاع دراہم کے عوض فروخت نہ کروں اور یہ باغ بنو حدیلہ کے اس محل کی جگہ تھا جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنایا تھا۔ پہلے باب میں اقارب پر صدقہ اور دوسرے باب میں وکیل کو صدقہ دیکر وکیل اس کو واپس کرنے کے لیے ذکر کیا۔

نوٹ: اور خیر جاری نے ذکر کیا ہے ”قد قبلناہ منک و رددناہ علیک“ یعنی یقیناً ہم نے آپ سے قبول کر کے اور آپ کو واپس کر دیا۔ یہ محل ترجمہ ہے۔ یعنی حدیث اس لیے بیان کی گئی ہے۔

(۳) باب اذا وقف ارضاً و لم یبین الحدود فھو جائز و کذالک الصدقة ”حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحة انه سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحة اکثر انصاری بالمدینة مالاً من نخل و کان احب ماله الیه بیرحاء مستقبلة المسجد و کان رسول اللہ ﷺ یدخلها و یشرب من ماء فیها طیب قال انس فلما نزلت لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون قام ابو طلحة فقال یا رسول اللہ ﷺ ان اللہ یقول لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون و ان احب اموالی الی بیرحاء و انها صدقة للہ ارجو برها و ذخرها عند اللہ فضعها حیث اراک اللہ تعالیٰ فقال بخ ذالک مال رابح او رائح شک ابن مسلمة و قد سمعت ما قلت و انی اریٰ اَن تجعلها فی الاقربین قال ابو طلحة افعل یا رسول اللہ ﷺ فقسمها ابو طلحة فی اقاربه و فی بنی عمه و قال اسمٰعیل و عبداللہ بن یوسف و یحییٰ بن یحییٰ عن مالک رایح۔

ترجمہ: اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے زمین وقف کی اور اس کی حدود بیان نہیں کیں تو یہ جائز ہے اور یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ زمین ہے جو مشہور ہو اور اس کی حدود کو بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر وہ زمین مشہور نہ ہو تو پھر اس کی حدود کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ التباس نہ ہو۔ اسی طرح جس وقف کو لفظ صدقہ کے ساتھ بیان کیا جائے اسکا بھی یہی حکم ہے۔

”امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے باغات تھے اور ان کے

نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر حاء(کا باغ) تھا جو مسجد کے بالمقابل تھا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس میں داخل ہوتے تھے اور اس کا میٹھا پانی پیتے تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی "تم ہر گز نیکی کو نہیں پاؤ گے جب تک تم ان چیزوں سے خرچ نہ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو" (ال عمران ۹۲) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم ہر گز نیکی کو نہیں پاؤ گے جب تک کہ تم ان چیزوں سے خرچ نہ کرو جن کو تم پسند کرتے ہو۔(آل عمران ۹۲) اور میرے نزدیک میرا سب سے پسندیدہ مال بیر حاء ہے اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اسکی نیکی اور اللہ کے پاس اس کے ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں، پس جہاں آپ کو اللہ بتائے آپ اس کو وہاں خرچ کر دیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اس کو رہنے دو یہ نفع آور مال ہے۔ یا فرمایا یہ نفع آور ہے۔ اس میں راوی ابن مسلمہ کو شک ہے (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا) تم نے جو کہا ہے وہ میں نے سن لیا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ باغ اپنے رشتہ داروں کو دے دو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میں یہی کروں گا پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ باغ اپنے رشتہ داروں میں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اسماعیل نے کہا اور عبد اللہ بن یوسف اور یحییٰ بن یحییٰ نے از امام مالک کہا "رائح"

رائح کا معنی ہے **أي يروح عليك نفعه وثوابه يعني قرب وصوله اليه: مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۹۲**: یعنی یہ ایسا مال ہے جس کا ثواب اور نفع آپ کو جلد از جلد پہنچ جائے گا۔

تبصرہ: مذکورہ احادیث مبارکہ کی مثالوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ محدثین عظام جو باب منعقد کریں اور اس باب میں جو حدیث بیان کریں اس سے ان کا مطلب صرف وہ چیز ثابت کرنا ہوتا ہے۔ جس کو اس نے ترجمۃ الباب میں بیان کی ہو اور اس کے متعلق حکم کرنا مقصود ہوتا ہے نہ اس حدیث میں دیگر بیان شدہ اشیاء کا۔

لہٰذا جب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب یہ منعقد کیا **باب العبث بالحصی فی الصلوٰۃ و مایکرہ من تسویتہ۔** اور اس باب علی بن عبدالرحمن کا منقولہ حدیث بیان (جو کہ کئی دوسرے محدثین نے بھی اپنے کتابوں میں بیان کیں) اور حدیث شریف عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے علی عبدالرحمن کو نماز سنگریزوں سے عبث کرنے سے منع کرتے ہوئے آپ نے اپنی انگلیاں بند کر دیں یعنی **قبض اصابعہ** یہ محل ترجمہ ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ نماز میں انگلیوں کو بند رکھنا اس پر کہ یہ حضور علیہ السلام کا فعل ہے ہم عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ پھر بھی اگر ایک بار کنکریوں کو برابر کیا تو کوئی حرج نہیں مگر نہ کرنا بہتر ہے اور یہی امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

یہ وہ توجیہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں ان الفاظ سے تصدیق کی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا: **قال و قروا الصلوٰۃ یعنی السکون فیھا قال محمد و بہ نأخذ و ھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرح کتاب الآثار لابو وفاء الافغانی جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ حدیث نمبر ۱۳** اور المعجم الکبیر لطبرانی جلد ۴ حدیث نمبر ۹۲۴۱ صفحہ ۱۷۵ دارالکتب علمیہ بیروت اور مصنف عبدالرزاق جلد ۲ حدیث نمبر ۳۳۰۵ صفحہ نمبر ۲۶۵ اور اس میں **تحت الخط: اخرجہ (ھق) من طریق حسین۔ و اخرجہ (ش) من طریق ابی معاویۃ عن لا عمش صفحہ ۴۵۳ وغیرہ۔** عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

فرماتے ہیں کہ نماز میں وقار کا خیال رکھو یعنی سکون سے پڑھو حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

اس کی تصدیق حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شرح معانی الآثار جلد ا صفحہ ۲۹۸ مکتبہ الحقانیہ ملتان (کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں جسم کے اعضاء کو ساکن رکھنے کا حکم دیا۔ اور اس باب میں جس قول کو بیان کیا یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی یوسف اور محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول ہیں) میں کی ہے۔

مؤطاء امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث منقولہ میں از علی ابن عبد الرحمن المعاوی میں ہے: قبض اصابعہ کلھا صفحہ ۱۰۸ یہ جملہ یہ ثابت کرتا ہے کہ بیس قسم اقسام حدیث میں سے یہ قسم مفسر سے ہے: کیوں کہ اصول فقہ کے علماء کرام مفسر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما المفسر فهو ما ظهر المراد به من اللفظ ببيان من قبل المتكلم بحيث لا يبقى معه احتمال التاويل و التخصيص مثاله فى قوله تعالىٰ، فسجد الملئكة كلهم فاسم الملئكة ظاهر فى العموم الا ان احتمال التخصيص قائم فالسدباب التخصيص بقوله كلهم اه شاشى صفحه ۲۳ قديمى كراچى اور فصول الحواشى لاصول الشاشى ميں هے۔ فى العموم يعنى جميع افراد الملئكة على ماهو مقتضى صيغة الجمع ظاهر و ان كان لا يتنا ولها قطعا و يقينا (كلهم) لان كلمة للا حاطة و الشمول فيتاكد به عموم الجمع فانقطع احتمال التخصيص القول صفحه ۱۵۳ حقانيه پشاور۔

ترجمہ: مفسر وہ ہے جس کی مراد لفظ سے متکلم کے بیان سے ظاہر ہو اس طور سے کہ اس کے ساتھ تاویل اور تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے اس کی مثال باری تعالیٰ کے قول فسجد الملئكة كلهم اه میں ہے پس لفظ ملائکۃ عموم میں ظاہر ہے مگر تخصیص کا احتمال موجود ہے پس کلھم کے ذریعے تخصیص کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصول میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لفظ (ملئكة ظاهر فى

العموم) ملائکہ کا اسم اپنے عموم میں ظاہر ہے یعنی تمام افراد کو شامل ہے۔ جو کہ ظاہر طور پر صیغہ جمع کا مقتضی ہے اگر چہ قطعی اور یقینی طور پر نہیں ہے (قوله كلهم) اس لیے کہ کلمہ کل احاطہ اور شمولیت کے لیے ہے۔ تو اس پر جمع کا عام ہونا مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو احتمال تخصیص ختم ہوا۔

اس طرح قبض اصابعہ کہ اپنی انگلیوں کو بند کر دیا لفظ انگلیوں میں عموم ظاہر ہے کہ سب بند کر دی مگر تخصیص کا احتمال موجود تھا تو جب آپ نے کلھا بڑھا دیا تو اس سے تخصیص کا دروازہ بند ہو گیا۔ کوئی انگلی بھی کھلی نہیں رہی بلکہ سب کی سب بند کر دیں جس سے اشارے کا احتمال سرے سے ختم ہوا۔ اور مکمل طور پر سکون ثابت ہوا جو کہ مطلوب تھا تو ایک عظیم الشان عالم امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی دونوں کتابوں میں متضاد ہونے کا ثبوت نہ رہا۔ اس کے باوجود حال یہ ہے کہ کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں گزرا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فقہ حنفی کی بنیادی کتاب گردانا ہے اور قرة العينين فى تفضيل الشخين میں تحریر فرما ہیں کہ مسند امام اعظم اور کتاب الآثار محمد رحمہا اللہ تعالیٰ پر فقہ حنفی کا دارومدار ہے اور فقہ حنفی کے بنیاد اس پر ہے۔

ماتمس اليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة میں ہے: کہ کتاب الآثار وہ صحیح احادیث جمع کرنے میں اول تصنیف ہوئی ہے اور معروف ترتیب فقہی پر یہ مرتب کی گئی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی موطاء میں اس کی اتباع اختیار کی ہے صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ ہو۔

آگے جا کر لکھتا ہے: قلت: لاشک ان الموطا امثل من سنن ابن ماجة بل و من الكتب الخمسة بكثير فانه ام الصحيحين و كذلک كتاب الآثار و هو ام الام على رغم اعراض من اعرض عنه صفحه ٣٦ مع سنن ابن ماجة طبع قديمى كراچى۔

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابن ماجۃ سے بہت زیادہ صحیح کتاب ہے بلکہ پانچ کتابوں سے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا اُم ہے اور اس طرح کتاب الآثار بھی ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے کیوں کہ یہ ام الام ہے۔

یعنی اصل کا اصل ہے تو جب ظاہر الروایت کے مقابلہ میں نوادر کا مسئلہ قابل قبول نہیں تو ام الام کے مقابلہ میں نوادر کا مسئلہ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے اور اس پر ام الام کا مسئلہ مسترد کیا جاسکتا ہے۔

مبسوط سرخسی میں کتاب الآثار کا تذکرہ جابجا ہمیں ملتا ہے مثلاً:

(۱) مبسوط جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ باب زکاۃ البقر

(۲) اور جلد ۱۶ صفحہ ۵۵ و ۱۶ باب اجارۃ الرقیق فی الخدمت وغیرھا

(۳) (شرح کتاب الآثار) فقد ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الاثار مبسوط جلد ۱ صفحہ ۸۰ تخلیل اللحیۃ قال حافظ ابن حجر العسقلانی فی تعجیل المنیفۃ (صفحہ ۲) والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفردا انما ھو کتاب الاثار التی رواھا محمد بن الحسن عنہ و یوجد فی تصانیف محمد بن حسن, ماتمس الیہ الحاجۃ صفحہ ۱۰ ابن ماجہ کے ساتھ ہے۔

یعنی ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اکیلے امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث وہ صرف کتاب الآثار ہی ہے جس کو امام محمد بن حسن رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے محمد بن حسن کے تصانیف میں اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

اس وجہ سے مقدمہ عمدۃ الرعایۃ مسائل الفقھیۃ لایجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا من وضع الزنادقۃ و الحاق الملاحدۃ بخلاف الکتب المحفوظۃ الخ۔

کتب متداولہ کے علاوہ دیگر کتب پر اعتماد نہیں اس لیے ان سے مسائل فقہیہ لینا جائز نہیں اس لیے کہ

زنادقہ اور ملاحدۃ نے ان میں مسائل رکھے ہیں۔اس طرح موطاامام محمد کتب متداولہ میں نہیں اورام الام کے خلاف اس کتاب میں یہ کہ ”بصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تأخذو ھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ“اس کے بعد لکھتا ہے فاما تسویۃ الحصی فلا بأس بتسویتہ مرۃ واحدۃ وترکھا افضل وھو قول حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔اصل عبارت ایسے معلوم ہوتی ہے کہ قال محمد اما تسویۃ الحصٰی الخ اور اس کا درمیانی جملہ کسی کا اضافہ شدہ ہے کہ ائمہ احناف کو بدنام کرنا چاہتے ہیں کہ کتاب موطا میں کہتا ہے اشارہ تشھد میں ہمارا مذہب ہے اور کتاب الآثار میں لکھتا ہے سکون عدم حرکت مذہب احناف ہے۔اس طرح کتاب الحجۃ میں اپنا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول عدم اشارہ پر نقل کیا ہے۔دیکھو مذہب احناف اور اسکے ائمہ۔اس پر دلیل موطاامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز عمل ہی ہے آیئے اور موطاامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بار بار مطالعہ کریں تو سارے موطا میں آپ کو یہ طرز عمل انوکھا ثابت ہو جائے گا۔

ایقاض الغافلین:

حدیث جبریلی علیہ السلام صیحہ مرویہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم میں وابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفق علیہ میں ہے:

قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک الحدیث، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱ قدیمی کراچی۔ شرح الطیبی میں ہے۔ والعبادۃ للہ الذی لا تنبغی العبادۃ الا لہ علی نعت الھیبۃ والتعظیم، حتی کانہ ینظر علی اللہ خو فامنہ و حیاء و خضوعالہ:ایضافیہ:ای کن عالما متیقظاً لا ساھیاغافلا، مجداًفی مواقف العبودیۃ مخلصاًفی

نیتک، آخذاً أهبة الحذر الی مالا یحصی فان من علم أن له حافظا رقیباً شاهداً بحرکاته و سکناته، لا سیمار به و مالک أمره فلایسئی الأدب طرفة عین، و لا فلتة خاطر اه۔[2210]

و فی المرقاة: ای حال کونک مشبها بمن ینظر الی الله خوفا منه و حیاء و خضوعاً و خشوعا و ادبا و صفاء و وفاء و هذا من جوامع الکلم:[2211]

ترجمہ: اس آدمی کے حال سے مشابہت رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو خوف، حیاء، خضوع، خشوع، ادب، صفاء اور وفا کے ساتھ اور یہ جوامع الکلم میں سے ہے۔

و ذکر شیخ عبدالحق رحمه الله تعالیٰ: بین رسول الله ﷺ الاحسان فی العبادة علی وجهین احدهما: لمن بلغ غایة مرتبته بحیث کانه یری معبوده و یعاینه سبحانه و هو مقام المشاهدة، و تلزمه غایة الهیبة و التعظیم و الاجلال و الخضوع و الخشوع و الحیاء و المحبة و الانجذاب و الشوق و الذوق و الاجتماع بظاهر و باطنه و ثانیهما: یغلب علیه ان الحق سبحانه مطلع علیه و رقیب علی احواله۔۔۔ هذا ایضاً یورث الخوف و الخشیة و الاجتماع فی الحرکات و السکنات و ضبط الافعال و رعایة الادب فی جمیع الحالات و عدم الالتفات یمیناً و شمالاً الخ۔[2212]

ترجمہ: پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ استحضار ممکن نہ ہو تو اتنا دھیان کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ (طیبی) اللہ کے لیے وہ عبادت مناسب ہے (ضروری طور پر) جو ہیبت اور تعظیم کی صفت پر ہو یہاں تک کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اس حال میں کہ خوف حیاء اور خضوع کے ساتھ ہو۔ یعنی بیدار عالم بن کر کہ نہ غافل اور نہ ساہی ہو۔ عبادت

[2210] طیبی جلد ا صفحہ ۱۰۳ کراچی۔

[2211] مرقاۃ جلد ا صفحہ ۶۰ امدادیہ ملتان۔

[2212] لمعات التنقیح جلد ا صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹ ملتقطاً۔ علوم اسلامیہ لاہور۔

کے موافق سے مکرم ہو کر اپنی نیت میں اخلاص کے ساتھ اس قدر خوف کی استعداد رکھتے ہوئے جس کی کوئی حد نہ ہو۔ تو جو یہ علم رکھتا ہو کہ اس کے لیے حفاظت کرنے والا نگہبانی کرنے والا اور اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے والا ہے پھر خاص کر اس کا رب اور حکم کرنے والا مالک تو آنکھ جھپکنے کے برابر بھی بے ادبی نہ کرے اور نہ دل میں کوئی فکر آئے۔

(لمعات) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے احسان فی العبادۃ کو دو جملوں میں بیان فرمایا: ایک ان میں جو اپنے مرتبہ انتہاء کو پہنچا ہو اس حیثیت کے ساتھ گویا وہ اپنے معبود کو دیکھ رہا ہو اور اس کا معبود اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام مشاہدہ ہے اور اس مقام میں اس پر لازم ہے نہایت ہی ڈرنا، تعظیم کرنا اور اللہ تعالیٰ کو بڑا جاننا اور خضوع کرنا اور خشوع کرنا اور حیاء اور محبت کرنا جذبہ شوق اور ذوق کا ہونا اور ظاہر اور باطن ایک جیسا کرنا۔

دوسری قسم: جو اس حالت تک نہیں پہنچا ہو لیکن غالب اس پر کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس پر خبر رکھنے والا ہے اور اس کے احوال کا نگہبانی کرنے والا ہے۔ یہ بھی ڈرنا اور خشیت اور اجتماع فی الحرکات و سکنات اور تمام کام کا ضبط اور تمام حالات میں آداب کا لحاظ رکھنا اور سیدھا اور بائیں طرف نہ دیکھنا پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی کھڑا ہو جبار قہار بادشاہ کے حضور میں اور اس کے احوال کی نگہبانی کرتا ہے اور اس کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو اس حالت میں اس بندے پر بے ادبی اور غفلت کے دروازے تنگ ہو جاتے ہیں۔

ناظرین کرام! جب حضور مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سائل (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کے جواب میں یہ فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہو اگر تم اسے نہ دیکھ رہے ہو مگر وہ تمہیں دیکھتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا احسان ہے۔

مذکورہ شارحین وغیرہ کی تحقیق سے خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ جل و علیٰ شانہ کی عبادت نہایت عاجزی خشوع اور خضوع، سکون اور اطمینان اور آداب کے ساتھ ادا کی جائے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا اگر کوئی ادنیٰ ملازم یا عام آدمی بڑے سے بڑے حاکم مثلاً گورنر یا وزیر اعظم وغیرہ کے سامنے بات کر رہا ہو اور باتوں میں انگلی سے اس کے طرف اشارہ کر رہا ہو کہ تو ایسا ہے ویسا ہے اگر چہ اس کا صفت بیان کر رہا ہے مگر وہ گورنر اور وزیر اعظم اس کی ان حرکات کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو اپنی شان کے مناسب سزا ضرور دے گا۔ تو جو مسلمان نماز میں اگر چہ وہ اللہ کو نہیں دیکھتا ہے مگر اللہ پاک اسے دیکھ رہا ہے اس کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فعل بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں تو خدا جانتا ہے کہ اس اہم عبادت میں وہ اللہ کو نشانہ بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کتنا ناراض ہو جائے گا۔ نماز میں قرآن و سنت کے ذریعے اسکو سکون کا حکم ہے اور یہ ایسی حرکت کرتا ہے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان نمازی کو چاہئے کہ جیسا قیام کی حالت میں دست بدستہ عاجزی کے ساتھ کھڑا رہتا ہے اسی طرح حالت تشہد میں بھی عاجزی اور سکون کے ساتھ ہاتھوں کو رانوں پر رکھ کر قعدہ ادا کرے۔

دعوت الی الحق

عرض یہ کہ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یا اور کتب حدیث کی کتابوں میں یہ ہو کہ حدیث غیر منسوخہ ناسخ لایات القرآنی اور احادیث نبوی کے نسخ کے لیے آیا ہے یا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم دیا ہے یا کیا ہے یہ کہ اشارہ تشہد میں برائے اثبات وحدانیت کرو کہ حضور علیہ السلام نے اثبات وحدانیت کے لیے اشارہ مسبحہ انگلی سے کیا ہے۔ تصریحاً ہو تو بتایئے موطا امام محمد اور امالی امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کا جواب۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن الھمام رحمہم اللہ تعالیٰ سے سن لیجئے مگر اس سے قبل درایت اور روایت کا معنی و مصداق بھی سن لیں۔

قال فی شرح المنیة و لا ینبغی أن یعدل عن الدرایة أی الدلیل اذا وافقها روایة علی ما تقدم عن فتاویٰ قاضی خان شامی۔ قوله الدرایة المراد بالدرایة بالدال المهملة فی أولها العلم الحاصل من أحد النصوص الشرعیة الصحیحة و منه علی بیاض۔[2213]

ترجمہ: شرح منیہ میں ہے کہ جب دلیل کے ساتھ روایت موافق ہو جائے تو اس سے عدول (یعنی اسکو ترک کرنا) نہیں چاہئے۔ بنابہ اس کے جو فتاویٰ قاضی خان میں گزرا ہے۔ شامی (صاحب شامی نے منہ میں ذکر کیا ہے) درایۃ دال بے نقطہ جس کو دال مہملہ کہتے ہیں یہاں یہی دال مراد ہے جو پہلے واقع ہے۔

نصوص شرعیہ صحیحہ میں سے کسی ایک نص سے ثابت شدہ علم کو درایت کہتے ہیں۔ شامی جلد ا صفحہ ۳۴۳ کتاب الصلوٰۃ۔

امالی: و الامالی جمع املاء و هو أن یقعد العالم و حوله تلامیذه بالمحابر و القراطیس فیتکلم العالم بما فتحه الله تعالیٰ علیه من ظهور قلبه فی العلم و تکتبه التلامذة ثم یجمعون ما یکتبونه فیصیر کتابا فیسمونه الاملاء و الأمالی و شرح عقود رسم المفتی صفحه ۳۴

یعنی امالی املاء کی جمع ہے وہ یہ کہ طلباء اپنے استاد کے ارد گرد بیٹھے قلم دوات اور کاغذ ساتھ ہو تو عالم کو جو علم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو بطور املاء بیان کرتے ہیں اور طلباء لکھتے ہیں پھر تو جو کچھ انہوں نے لکھا ہو گا اس کو جمع کریں تو وہ کتاب بن جائے گی تو اس کو املاء اور امالی کہا جاتا ہے۔

نمبر 1: اہل حدیث: شیخ محمد دق بن عبد الغفور فرماتے ہیں:

ذکر فی الملل و النحل و غیرہ:۔

[2213] الشامی جلد ا صفحہ ۳۴۳:

ان اهل الحديث و اصحابه اهل الحجاز و هم و مالک رحمه الله تعالیٰ ابن انس و محمد بن ادريس الشافعي علیہ الرحمۃ و سفيان الثوری رحمه الله تعالیٰ و احمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ و داود بن علی الاصبهانی رحمه الله تعالیٰ و اصحابهم، ان کو اہل حدیث کہنے کا وجہ۔

و انما سموا بذلک لان عنايتهم بتحصيل الاحاديث و نقل الاخبار و بناء الاحكام على النصوص و لا يرجعون الى القياس الجلی و الخفی ما وجدوا خبرا او اثرا و اصحابهم لا سيما الشافعي علیہ الرحمۃ لا يصدر عن استنباطاتهم توجيها۔

نمبر 2: اهل الرائی: و اما اهل الرائی و اربابه فاهل العراق و هم ابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ و اصحابه۔

ان کو اہل رائی کیوں کہا جاتا ہے۔

و انما سمو بهذا لان اهتمامهم بتحصيل او جه من القياس و الايتان بترجيح بعض الاحاديث على بعض: و القاصرون يزعمون انها قياسات فی مقابلة النصوص و اصحابه ربما يزيدون على اجتهاده و اجتهاداً و يخافونه فی الحكم الاجتهاد۔

عن عبدالله بن مبارک انه قال النقل قد عرف و ان احتيج الى الرائی فرای مالک و سفيان علیہ الرحمۃ و ابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ احسنهم رايا و ادقهم فطنة و اغوصهم على الفقه و هو افقه الثلاثة:[2214]

یعنی مجتہدین ائمہ میں سے دو قسم ہیں:

(۱) اصحاب حدیث (۲) اصحاب الرأی۔ اہل حدیث اور ان کے اصحاب وہ اہل حجاز والے ہیں اور وہ مالک بن انس کے اصحاب اور محمد بن ادریس الشافعی کا اصحاب اور سفیان ثوری کے اصحاب اور احمد بن حنبل کے اصحاب اور داود بن علی بن محمد اصفہانی رحمہم اللہ تعالی کے اصحاب ہیں۔

[2214] فتح الرحمان مطبع فخر الدين لاهور ۱۳۱۲ ه الملل والنحل جلد ۱ صفحه ۲۱۷ دار الكتب العلميه بيروت صفحه ۲ الملل النحل جلد ۱ صفحه ۲۱۹ العلميه بيروت

یہ جماعت اس لیے اصحاب حدیث (اہل حدیث) پر مسمی کی گئی کہ انکا مد نظر احادیث حاصل کرنا اور اخبار نقل کرنا ہوتا ہے اور نصوص پر احکام بنا کرنا ہوتا ہے اور قیاس جلی یا خفی کو رجوع نہیں کرتے جب تک کہ خبر یا اثر ان کو نہ ملے اور اس کے اہل پھر خاص کر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے استنباطات سے توجیہ صادر نہیں ہوتی۔ماخوذ از رسالہ۔

اہل رائے اہل عراق ہیں اور وہ امام ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالی ہیں۔

یہ جماعت اہل رائے پر اس وجہ سے مسمی کی گئی کہ قیاس کی وجوہات حاصل کرنا اور بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دیناہے کم علم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ نصوص کے مقابلہ میں قیاسات ہیں اور آپ کے اصحاب آپ کے اجتہاد پر اجتہاد زیادہ کرتے ہوئے مسائل اجتہادی میں اور حکم اجتہادی میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں:ماخوذ از رسالہ۔

عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا نقل تو یقیناً معروف ہے اور اگر رائے کو ضرورت پیش ہو تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور سفیانؒ کی رائے بہتر ہے اور ان میں بہتر رائے والا اور سب سے زیادہ باریک رائے سمجھنے اور معانی کی تہہ کو پہنچنے والے فقہ میں امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ان تینوں میں بہت زیادہ۔

فقیہ: امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمیت اور فقاہت کا اقرار کیا ہے۔

عود بسوئے مطلوب

صفحہ (۹۹) سے مربوط ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماہیں:

ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء ويجاب بانه مخصوص بما ليس فى الصلاة للاجماع على أن لا رفع فى دعاء التشهد جلد ۱ صفحہ ۳۷۵۔

دعاء قنوت میں رفع یدین کی وجہ دعاء کے لیے دلیل کا عام ہونا ہے۔ اور اس سے جواب دیا جاتا ہے کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا اجماع کی وجہ سے خاص ہوا ہے اس دعاء کے لیے جو کہ نماز میں نہ ہو کہ دعاء تشہد میں ہاتھوں کو اٹھانا نہیں۔[2215]

مطبوعہ سکھر: اس طرح لکھا ہے:

عن ابى يوسف رحمه الله ان شاء رفع يديه فى الدعاء و ان شاء اشار باصبعه (بحواله مبسوط ومحيط)۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ اگر چاہے تو دونوں ہاتھ دعاء میں (خارج الصلاۃ) اٹھائے اور اگر چاہے تو انگلی سے اشارہ کرے۔

اس سے بعض نے یہ فہم کیا ہے کہ امالی میں قاضی ابو یوسف صاحب سے اشارہ منقول ہے اس وجہ سے آپ نے فرمایا:

و هو المروى عن محمد فى كيفية الاشارة قال يقبض خنصره و التى تليها ويحلق الوسطى و الابهام ويقيم المسبحة و كذا عن ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ فى الامالى و هذا فرع تصحيح الاشارة و عن كثير من المشائخ لا يشير أصلا و هو خلاف الدراية والرواية فعن محمد ان ما ذكرناه فى كيفية الاشارة مما قلناه قول ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه و يكره ان يشير بمسبحتيه و عن الحلوانى يقيم الاصبع عند لا اله و يضعها عند الا الله ليكون الرفع للنفى و الوضع للاثبات و ينبغى ان يكون اطراف الاصابع على حرف الركبة لا مباعدة عنها۔

2215 جلد ۱ صفحہ ۳۷۵ ملاحظہ مراقی الفلاح ص ۸۷ مکتبہ امتیازیہ ملتان۔

ترجمہ: اشارہ کے طریقہ: یہ محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ اپنی چھنگلی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو جمادے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنالیں اور مسبحہ انگلی کو کھڑا کردے اور اس طرح امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے امالی میں منقول ہے۔ اور یہ اشارہ صحیح ہونے کی فرع ہے (اول تو اشارہ کا قول صحیح نہیں اور اگر صحیح ہو جائے تو بہت مشائخ کہتے ہیں کہ بالکل اشارہ نہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اشارہ کو ثابت ماننا خلاف درایت اور روایت ہے (درایت کے سلسلے پہلے گزرے ہوئے مشائخ نے قرآنی آیات کے علاوہ وائل ابن حجر سے منقول حدیث اور شغل والی حدیث اور اسکنوا والی حدیث ذکر کی ہے اور روایت شرح معانی الآثار اور کتاب الآثار لامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکورہ یہ سکون نماز میں اور حرکت کسی عضوہ کو نہ دینے کو امام ابو حنیفۃ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذکور گزرا ہے) لہٰذا ابن الھمام نے کہا کہ مذکورہ نوادر کا فیصلہ اور حکم خلاف درایت اور روایت ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جو کچھ ہم نے اشارہ کی کیفیت کے بارے ذکر کیا اس میں سے جو ہم نے کہا ہے یعنی (ان ما ذکر ناہ فی کیفیۃ الاشارۃ مما قلنا) سرے سے موطا میں ہے ہی نہیں۔ آگے امام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رائے بیان کی کہ مسبحہ سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

حلوانی سے روایت ہے کہ لا الہ کہنے کے وقت مسبحہ اٹھالیں اور الا اللہ کہنے کے وقت رکھ دے تاکہ اٹھانا نفی غیر اللہ کے لیے ہو جائے اور رکھنا اثبات توحید کے لیے ہو جائے (یعنی مذہب حنفی میں ایسا نہیں) اور انگلیوں کے اطراف (سروں) کو زانوں (گھٹنوں) کے ساتھ ہونا مناسب ہے نہ کہ اس سے دور ہو (اس سے ابن الھمام نے حلوانی کی بات کو رد کر دیا۔

اسی طرح شاہ محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی تحریر فرماہے:

و قال صاحب القاموس فی سفر السعادۃ، ان الاحادیث تبلغ عدداً کثیراً، و اقول ان الاحادیث ثلاثۃ نعم طرقھا کثیرۃ۔

واما موضع الاشارۃ: فقال الشافعیۃ: یرفعھا علی کلمۃ اشھد، ویضع علی الاثبات ویضم الأصابع من ابتداء تشھدو یقول الحلوانی: یضم حین الرفع وھو علی کلمۃ لا النفی ویخفضھا علی الاثبات ثم لا یبسط الاصابع لعدم ثبوتہ کما قال الملا علی قاری فی بعض رسائلہ، واما المرفوع فی موضع الرفع و وضعہ فلم اجدہ و لا الموقوف و لعل لعمل اھل المذھبین سکۃ و اما ھذا الموضع المذکور منافقول الحلوانی ولیس من الائمۃ اھ۔ عرف شذی شرح ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ویشیر عند قولہ الا اللہ و ھو الصحیح من مذھب ابی حنیفۃ ذکرہ محمد فی الموطأ۔ مسویٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و موضع اشارہ قول الا اللہ است بحدیث مسلم اہ مصفی شرح مسویٰ کلاھما شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

اور روضۃ الطالبین و عمدۃ المفتین میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں:

یستحب أن یرفع مسبحتہ فی کلمۃ الشھادۃ، ازا بلغ ھمزۃ الا اللہ و ھل یحرکھا عنہ الرفع رجھان، الأصح لا یحرکھا و لنا وجہ شاذ: انہ یشیر بھا فی جمیع التشھد الخ جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ مکتب الاسلامی بیروت۔

کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ کے تحقیق میں دکتور عبد الحمید ہنداوی لکھتے ہیں:

تحت الخط: قال الشیخ الالبانی: حدیث مروی خرجہ مسلم: و الظاھر من الحدیث ان الاشارۃ و الرفع عقب الجلوس، و مایقال ان الرفع انما ھو عند قولہ، لا الہ و فی المذھب الآخر عند قولہ الا اللہ فکلہ رأی لا دلیل علیہ من السنۃ، و قول ابن حجر الفقیہ کما نقلہ فی المرقاۃ و یسن۔ أن یخصص الرفع بکونہ مع الا اللہ لما فی روایۃ مسلم، فوھم محض فانہ لا اصل لذلک، لا فی مسلم و لا فی غیرہ من کتب السنۃ لا باسناد صحیح و لا ضعیف بل و لا موضوع و مثلہ و

ضع الاصبع بعد الرفع لا اصل له بل ظاهر الرواية الاخرى و غيرها استمرار تحريكها الى السلام كماهو مذهب مالك انظر صفة صلاة النبی ﷺ صفحه ۱۱۸ ـ ۱۱۹ قلت: ولكن الصواب عدم التحريك لان الحديث الذى استدل به الشيخ وسيأتى قريباً، زيادة التحريك فيه شاذة كما سبينه فى موضعه انتهى۔[2216]

اشارے کا مقام یہ ہے: تو شوافع نے کہا کہ اشہد کے کلمہ پر انگلی اُٹھائے گا اور اثبات پر رکھے گا۔ اور انگلیوں کو ابتداء تشہد سے بند کرے گا۔ اور حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ انگلی اٹھانے کے وقت انگلیوں کو بند کرے گا۔ اور یہ نفی کے کلمہ لا کے وقت اور اثبات پر پھر رکھے گا۔ پھر انگلیوں کو عدم ثبوت کی وجہ سے نہیں پھیلائیں۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے۔ اور ہر چہ حدیث مرفوع ہے۔ انگلی اٹھانے یعنی بلند کرنے اور پھر رکھنے اس کے بارے میں نے حدیث مرفوع کو نہیں پایا۔ اور نہ حدیث موقوف کو پایا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں مذہب والے اعراض کرتے ہوں میں نے جو یہاں بیان کیا یہ حلوانی کا قول ہے اور آئمہ مجتہدین میں سے نہیں ہے اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے قول کے وقت جو الا اللہ کہتے وقت اشارہ کرے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں صحیح ہے کہ اس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا میں بیان کیا ہے اور الا اللہ کہنے کے وقت اشارہ ہی ہے مسلم کی حدیث کی وجہ سے۔

اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہمزہ الا اللہ کو پہنچے کلمہ شہادۃ میں تو انگلی کھڑی کرنا مستحب ہے کہ اس کو اٹھائے۔ اور کہا اٹھانے کے وقت ہلانے میں دو قول ہیں اصح قول یہ ہے کہ نہیں ہلائے گا۔ اور ہمارے مذہب میں ایک شاذ وجہ یہ ہے کہ سارے تشہد میں اس انگلی سے اشارہ کرے گا۔

2216 کتاب المیسر جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ طبعہ مکتبۃ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمہ۔ الریاض

شیخ البانی (صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع کہنے والا غیر مقلد) ذیل میسر یہ نقل محقق نے کی ہے۔ کہ البانی کے ہاں حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ اشارہ اور انگلی اٹھانا بیٹھنے کے بعد ہے۔ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ لا الہ اور دوسرے مذہب میں الا اللہ کے وقت انگلی اشارہ کے لیے اٹھانا ہے یہ سب ان لوگوں کی رائے ہی ہے سنت میں سے اس کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ اور مرقاۃ ابن حجر فقیہ کا جو قول لیا گیا ہے کہ یہ سنت ہے۔ کہ رفع انگلی کو الا اللہ کے ساتھ خاص کیا جائے صحیح مسلم کے روایت کے وجہ سے تو یہ خالص وہم ہی ہے (یعنی ان کے دل کا خیال ہے) اس لیے کہ اس کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں یعنی اس کے لیے کوئی بنیاد نہیں نہ صحیح مسلم میں اور نہ سنت کی کتابوں میں سے کسی اور کتاب میں نہ صحیح سند کے ساتھ اور نہ ضعیف کے ساتھ بلکہ موضوع سند کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ اور اس طرح انگلی اٹھانے کے بعد اس کو نیچے رکھنے کے لیے نہ کوئی ثبوت ہے کہ اٹھانے کے بعد پھر رکھ دیں بلکہ آخری ظاہر الروایت وغیرہ اس کے سلام تک انگلی کا ہلانا ہے۔ جیسا کہ یہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے (تحقیق والا عبد الحمید کہتا ہے) میں کہتا ہوں کہ صحیح رائے نہ ہلانا ہے اس لیے کہ جس حدیث پر شیخ نے دلیل پکڑی ہے نزدیک آنے والی ہے۔ اس میں زیادہ ہلانا شاذ ہے جیسا کہ ہم اسے اپنی جگہ پر جلد ہی بیان کریں گے۔

حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعارف:

عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح شمس الأئمة الحوانی متوفی سنة ثمان او تسع واربعین و اربع مائة۔ و ذکره ابو محمد عبدالعزیز بن محمد النخشی الحافظ فی معجم شیوخه فقال و منهم شمس الائمة ابو محمد الحلوانی شیخ عالم بانواع العلوم معظم

للحدیث و اهله و لم اشک انه صاحب حدیث فی الباطن ان شاءاللہ تعالیٰ من تعظیمه للحدیث غیر انه یفتی علی مذهب الکوفین اه۔[2217]

ترجمہ: حلوانی کانام عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح شمس الائمۃ الحلوانی متوفی ۴۴۸ھ یا ۴۴۹ھ اس کا ذکر ابو محمد عبد العزیز بن محمد النخشی حافظ نے اپنی معجم شیوخ میں ذکر کیا ہے تو فرمایا اور ان میں سے شمس الائمۃ ابو محمد الحلوانی ہیں اقسام علوم کے عالم اور شیخ تھے حدیث اور اہل حدیث کے تعظیم کرتے تھے مجھے اس میں شک نہیں کہ یہ اہل حدیث (یعنی غیر مقلد) باطن میں ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کہ حدیث کے تعظیم کرتے تھے اس کے علاوہ اہل کوفہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۱۷۶ھ۔

مقدمہ مرقاۃ میں اس کی تفصیلی حالت اور سیرت بیان کی گئی ہے ہم یہاں صرف مختصراً چند فقرے ان میں سے بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

مع جلالة قدره و علو کعبه فی العلوم و المعارف کان له شذوذ و ذلات و اجب التحرز عنها۔

ترجمہ: آپ کے بلند مرتبہ علوم اور معارف میں وسعت علم کے باوجود آپ کے شاذ اقوال ہیں اور حق سے پھسلنا زیادہ ہے۔ اس سے اپنے آپ کو اسے بچا کر رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ مقدمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۳۴ طبع امدادیہ ملتان اس مقدمہ کے ساتھ ساتھ رسائل کوثری مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی اور رسائل کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ دار الفتح صفحہ ۲۴۲ ملاحظہ ہو۔

الملا علی القاری: کے لیے بھی مقدمہ مرقاۃ ملاحظہ ہو۔

محمد عبد الحی لکھنوی تعلیق ممجد کے مقدمہ کے صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں:

[2217] از فوائد البھیة صفحہ ۹۶، ۹۵ ملتقطاً۔

ولو لا مافی بعضھامن رائحۃالتعصب المذھبی صفحہ ۳۴ مقدمہ مرقاۃ۔

ان القاری الحنفی حالہ عجیب جدا یورد وینقل الروایات الموافقۃ و المخالفۃ رطباً و یا بساً صحاحاً و ضعافاً و لا ینقح الاحادیث و لا یمیز بینھما و لا یرفع التدافع و التعارض و لا یحملھا علی محامل صحیحۃ لا علی مقتضی مذھبہ و لا علی غیرہ مع تصلبہ فی مذھب الحنفیۃ۔اھ۔[2218]

ترجمہ: حضرت علامہ عبدالحئ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملا علی قاری میں تعصب مذہبی ہے اور علامہ محمد حسن سنبلی نے فرمایا کہ ملا علی قاری مذہب حنفی میں سخت ہونے کے باوجود آپ کا حال نہایت تعجب خیز ہے موافق اور مخالف روایات نقل کرتے ہیں اس طرح رطب یابس صحیح اور ضعیف نقل کرتے ہیں اوراحادیث کی درستگی نہیں کرتے ہیں اور ان میں تمیز نہیں کرتے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے اور تدافع اور تعارض کو ختم نہیں کرتے اور صحیح محامل پر ان کو حمل نہیں کرتے نہ اپنے مذہب کے تقاضے کے مطابق اورنہ دوسروں کے مذہب کے مطابق عرف شذی:

قال مولانا المرحوم الگنگوھی لا یضعھا کل الوضع ونھاک حدیث یخبر الراوی فیہ بانہ علیہ السلام امال شیئاً۔[2219]

یعنی علامہ گنگوہی نے کہا کہ انگلی کو مکمل نہیں رکھے گا اس میں حدیث شریف ہے اس میں راوی نے خبر دی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تھوڑا سا مائل کیا تھا۔

تبصرہ:(۱) حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر آج تک جتنے بڑے بڑے علماء نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہ قابل اعتبار اور شرعاً قابل قبول نہیں۔

کبیری نے بحث سنۃ العشاء: میں لکھا ہے:

[2218] مقدمہ مرقاہ صفحہ ۳۴ امدادیہ ملتان،تنبیق النظام فی مسند الامام لعلامہ الشیخ المحدیث الفقیہ محمد حسن السنبلی المتوفی ۱۳۰۵ھ مسند الامام اعظم صفحہ ۲۴ حاشیہ نمبر ۲ مکتبہ رحمانیہ لاھور۔

[2219] عرف شذی صفحہ ۱۴۰ مکتبہ رحیمیہ دیو بند۔

فدار الامر فی الرواۃ علی اجتہاد العلماء ص ۳۳۵ مطبع العزیزی لاہور لا عبرۃ بغیر الفقہاء: شامی جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ لاعبرۃ بغیر الفقہا شامی جلد ۳ صفحہ ۳۳۹ طبع دار الکتب العربیۃ الکبری مصر اور فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ فیہ فدار الامر فی الرواۃ علی اجتہاد العلماء اہ۔ لم تنقل عن الفقہاء أی المجتہدین بحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۵۰۔

یعنی فقہاء سے مراد مجتہدین ہیں ۔ ولا عبرۃ بغیر المجتھدین بحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۵۰۔ یعنی عالم غیر مجتہد کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی اس کے قیاس معتبر، حجت اور دلیل نہیں ہے۔[2220]

کچھ تفصیل اس میں یہ ہے کہ:

قال فی فتح القدیر من باب البغاۃ الذی صح عن المجتھدین فی الخوارج عدم تکفیرھم ویقع فی کلام أھل المذھب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقھاء الذین ھم المجتھدون بل من غیرھم و لا عبرۃ بغیر الفقھاء البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۲۰ : لا اعلم احداً وافق اھل الحدیث اہ۔ ایضاً یقع فی کلام أھل المذھب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقھاء الذین ھم المجتھدون بل من غیرھم ولا عبرۃ بغیر الفقھاء:[2221]

یعنی ابن نجیم اور ابن الھمام رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمیں کوئی معلوم نہیں کہ اس نے اہل حدیث کا موافقت کی ہو۔ خوراج کے بارے میں مجتہدین سے بات صحیح ہو چکی ہے کہ خوارج کافر نہیں اور اہل مذہب کے کلام میں ان کو کافر کرنا زیادہ واقع ہو تا ہے مگر وہ فقہاء اور مجتہدین کے کلام میں نہیں بلکہ غیر مجتہدین ہے اور غیر مجتہدین کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

[2220] البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۲۰ اور صفحہ ۱۴۰ جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ اور کنز بر حاشیہ بحر الرائق اور کنز جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ کتاب القضاء اور النہر الفائق جلد ۳ صفحہ ۶۰۰ اور ۶۰۱ اور تبیین الحقائق جلد ۵ صفحہ ۸۳ اور معیار الحقائق جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ و متخلص وغیرہ۔

[2221] البحر الرائق جلد ۵ صحہ ۱۴۰ اور فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۳۳۴۔

نتیجہ:

جب کتاب الآثار مسند امام اعظم اور علامہ طحاوی اور جصاص سے ثابت ہوا کہ تشہد کی حالت میں اشارہ نہیں تو جو اہل مذہب علماء نے مذہب شافعی کا اتباع کرتے ہوئے اور حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلدین بن کر اشارہ برائے وحدانیت ثابت کیا تو ان مجتہدین کا امام ابو حنیفۃ، امام محمد اور امام ابویوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ابن الھمام نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب روایت کو دو طرح رد کردیا کہ اشارہ برائے توحید صحیح نہیں جیسا کہ مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں گزرا ہے۔

وہ یہ:

لو وجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو ما فیہا الی محمد و لا الی ابی یوسف لانہا لم تشتہر فی زماننا فی دیارنا و لم تداول نعم اذا وجد النقل عن النوادر فی کتاب مشہور کالھدایۃ و المبسوط کان ذلک تعویلا علی ذلک الکتاب اھ۔[2222]

دوسرا یہ کہ کثیر مشائخ سے مروی ہے کہ بالکل اشارہ نہ کرے اور مقدمہ شامی میں ہے: یؤخذ بقول الاکثرین۔[2223]

اگر نوادر کی بعض کتب ہمارے زمانے میں موجود ہوئیں تو ان کے مسائل کی نسبت امام محمد اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کو جائز نہیں اس لیے کہ یہ کتب ہمارے زمانے میں ہمارے ممالک میں مشہور نہیں ہوئی ہیں اور متداول نہیں ہیں۔ ہاں جب نوادر میں سے نقل مشہور کتابوں مثل ہدایہ اور مبسوط میں پایا گیا تو یہ ان کتابوں پر اعتماد ہو گا نہ کہ نوادر پر ایضاً بحر الرائق جلد ٦ صفحہ ٢٦٥ ملاحظہ ہو۔

2222 مقدمہ عمدۃ الرعایۃ صفحہ ١١ اور بحر الرائق جلد ٦ صفحہ ٢٦٥ فتح القدیر ج ٦ ص ٣٦٠ رد المحتار مصری ج ٤ ص ٣٢٩ دراسات فی اصول حدیث علی منہج الحنفیہ ص ٥٠٠ اور مدخل لاصول حدیث ص ١٢٥٠ النہر الفائق ج ٣ ص ٦٠٢

2223 شامی مصری جلد ١ صفحہ ٥٣ اور مقدمہ متانۃ صفحہ ٨٦۔

تو عرض یہ ہے کہ جب نوادر کے مسائل کا امام محمد اور امام ابی یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کو صحیح اور جائز نہیں تو پھر ان کو مذہب حنفی کہنا بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہے تو جب خصم نے یہ تسلیم کی کہ ظاہر الروایات کی کتب اور متون میں اشارہ کا ذکر نہیں تو پھر اشارہ برائے توحید کو کس منہ سے مذہب حنفی بتاتے ہیں۔

ووضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه کنز جلد ۱ صفحه ۸۴ مطبع احمدی دهلی اور قدری جلد ۱ صفحه ۲۰ مکتبه عباسیه تیمر گره۔

واضعا یدیه علی فخذیه موجها اصابعه نحو القبلة مبسوطة۔ وقایة الروایة شرح وقایه جلد ۱ صفحه ۱۶۹ مطبع مجتبائی دهلی۔

اور بدایۃ المبتدی متن ہدایہ اور اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ویروی ذلک فی حدیث وائل ولان فیه توجیه اصابع یدیه الی القبلة هدایه جلد ۱ صفحه ۱۰۲۔

جس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ان تین حکموں پر عمل کرنا ہے۔ دیکھو سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۴ اور آیت ۱۴۹ اور آیت ۱۵۰۔ اس لیے اشارہ کرنا خلاف ظاہر الروایات اور متون ہی ہے اس لیے اس کا فتویٰ دینا کہ اشارہ کرے فتویٰ خلاف کتب ظاہر الروایات اور متون ہی ہے اگر کوئی نہ جانے تو نہ جانے یہ اس کی کم علمی یا بے علمی کی دلیل ہے۔ ایسے اشخاص کی تقلید کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں تقلید مجتہد کی ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پندرہویں صدی کے ہوا پرست مبتدعین کے اس قاعدہ کہ جب ظاہر الروایت کے کتب میں ایک مسئلہ نہ ہو اور نوادر میں ہو تو اس پر عمل کرنا ہے یہ در حقیقت مذہب حنفی کو اساس سے ختم کرنے ہی کی کوشش ہے کوئی ذی عقل شخص ان کی تابعداری اور تقلید نہیں کر سکتا ہے۔

ليس لمفتي الافتاء بالرواية الضعيفة۔

یعنی مفتی کے لیے روایت ضعیفہ پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔[2224]

والعمل على ما في المتون لانه اذا تعارض ما في المتون والفتاوى فالمعتمد ما في المتون۔[2225]

یعنی جو مسئلہ متون میں ہو اس پر عمل ہے اس لیے کہ جب متون اور فتاویٰ کے مسائل میں تعارض آجائے تو جو متون ہے اس پر اعتماد ہے۔

معلوم ان المتون موضوعة لنقل ما هو مذهب فلا يعدل عما فيها اه۔[2226]

یعنی متون نقل مذہب کے لیے رکھی گئی ہیں۔ تو اس میں جو ہے اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔

وما في المتون والشروح مقدم على ما في الفتاوى كما مر مراراً در مختار لان مسائل المتون هي المنقولة عن ائمتنا الثلاثة او بعضهم الخ۔[2227]

یعنی فتاویٰ سے متون اور شروح پہلے ہیں ان پر عمل کرنا مقدم ہے اس لیے کہ متون کے مسائل ہمارے تینوں ائمہ یعنی امام ابو حنیفۃ اور امام ابی یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کی گئی ہیں یا ان میں سے ایک سے نقل ہوتا ہے۔

قال في الخيرية فالحاصل انه مخالف لما في المتون الموضوعة لنقل المذهب فلا يجوز العمل والفتوى به۔[2228]

[2224] شامی جلد ۲ صفحہ ۵۳۹ مصری۔

[2225] شامی جلد ۴ صفحہ ۲ ۵ ۳ مصری۔

[2226] شامی جلد ۳ صفحہ ۱ ۰ ۳ مصری۔

[2227] شامی جلد ۵ صفحہ ۲ ۷ ۱ مصری۔

[2228] شامی جلد ۵ صفحہ ۲۴۷۔

صاحب خیر یہ نے فرمایاہے کہ حاصل یہ ہے کہ یہ متون کے مسئلہ کے مخالف ہے جو کہ نقل مذہب کے لیے بنائے گئے ہیں تواس پر عمل اور فتویٰ دینا جائز نہیں۔

توجب کہ نوادر کے علاوہ شروح اور فتاویٰ کا یہ حال ہے تو نوادر پر عمل اور فتویٰ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

ان مافی المتون مقدم علی مافی الفتاوی شرنبلالیة۔

یعنی فتاویٰ شرنبلالیہ میں ہے کہ اختلاف کی صورت میں متون کا مسئلہ فتاووں سے مقدم ہے یعنی اس مسئلہ پر عمل ہو گا جو متون میں ہے۔[2229]

ولنا أن الآثار لما اختلفت فی فعل رسول اللہ ﷺ یتحاکم الی قولہ و ھو الحدیث المشھور ان النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن عندافتتاح الصلاۃ و فی العیدین و القنوت فی الوتر و ذکر اربعة فی کتاب المناسک و حین رأی بعض الصحابة رضوان اللہ علیھم یرفعون ایدیھم فی بعض أحوال الصلاۃ کرہ ذلک فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا و فی روایة قاروا فی الصلاۃ۔[2230]

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فعل کے بارے آثار مختلف ہوئے تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قول یعنی حکم کی طرف فیصلہ لینا ہے اور وہ مشہور حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ سات جگہوں کے علاوہ دوسرے مقامات میں رفع یدین مت کرو نماز شروع کرتے وقت اور عیدین میں اور وتر میں دعاء قنوت پڑھنے کے وقت اور تین کو کتاب المناسک یعنی حج میں ذکر کی اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[2229] قرۃعیون الاخیار لسیدمحمدعلاءالدین جلد ۲ صفحہ ۷۷ مصری۔

[2230] مبسوط سرخسی جلد ۱ صفحہ ۱۴ دارالمعرفةبیروت۔

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بعض اصحاب کو دیکھا رضوان اللہ علیہم کہ نماز کے بعض حالات میں رفع یدین کرتے تھے تو اس کو ناپسند کیا تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو اور ایک روایت میں ہے کہ نماز کی تعظیم کرو یعنی سکون سے ادا کرو۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب نمبر ۱۲۵ حدیث صفحہ ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴ یہ احادیث ناسخ ہے رفع یدین کے لیے اور رفع انگلی قائم مقام رفع یدین ہے اس لیے نماز میں منسوخ ہے۔ اشارہ میں ہاتھ کی سب انگلیاں متحرک ہوتی ہیں اگر ایک انگلی بھی متحرک ہوئی تو ایسا ہے جیسا کہ ہاتھوں کا متحرک کرنا جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ انتفاء کل سے انتفاء جز لازم ہے کہ جب ہاتھ اٹھانا منع ہوا تو انگلی اٹھانا بھی منع ہوا اب اس کے برعکس اگر نمازی نے ایک انگلی اٹھایا تو ایسا ہے کہ انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھایا۔

الدر المنتقی فی شرح الملتقی میں ہے۔ ان استعمال الجزء کالکل۔[2231]

(۲) و انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل عنایہ شرح ھدایہ بر فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۸۸ مکتبہ نوریہ سکھر (۳) انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل فی نفس الامر ضرورتا لان ای الجزء کان متی زال لم یبق الکل من حیث ھو کل۔ حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلی باب المجاز جلد ۱ صفحہ ۴۱۸ (۴) انتفاء الجزء یو جب انتفاء الکل: التحبیر شرح التحریر جلد ۱ صفحہ ۴۴۱ (۵) بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب باب کون اللفظ قبل استعمال حقیقتاً او مجازاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ (۶) الابھاج فی شرح المنھاج باب المسئلۃ الاولی متی یوجد المشروط (۷) دستور العلماء جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون جلد ۳ صفحہ ۱۰۲۔

[2231] جلد ۴ فصل فی اللبس قبیل فصل فی النظر ۱۹۸ مجمع الانھر مکتبہ غفاریہ کوئٹہ۔

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: کہ اشارہ کی احادیث متعارضہ ہونے کی وجہ سے ہم نے فیصلہ احادیث قولی کو لے کر تحکیم کے لیے اور احادیث قولی نے بصراحت فیصلہ کر دیا کہ نماز میں ہاتھ مت اٹھاؤ اور نماز سکون سے ادا کرو۔

اور اس بات میں کوئی اختلاف معلوم نہیں وہ یہ کہ:

واعلم أن كتب مسائل الاصول كتاب الكافي للحاكم الشهيد و هو كتاب معتمد في نقل المذهب شرحه جماعة من المشائخ منهم الامام شمس الائمة السرخسي و هو المشهور مبسوط السرخسي قال العلامة الطرسوسي مبسوط السرخسي لا يعمل بما يخالفه ولا يركن الااليه ولا يفتي ولا يعول الا عليه اه[2232]

یہ بات کہ مسائل اصول کی کتابوں میں سے کتاب کافی ہے جو کہ حاکم شہید کی کتاب ہے اور مذہب کے نقل میں معتمد کتاب ہے مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس کی شرح لکھ دی ہے ان میں سے ایک شمش الائمۃ سرخسی ہی ہیں۔ وہ مبسوط سرخسی سے مشہور ہیں علامہ طرسوسی نے فرمایا کہ مبسوط سرخسی کے مخالف پر عمل نہیں کیا سکتا اور میلان صرف اس کو کیا جاتا ہے نہ کہ اور کتاب کو اور فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اور اعتماد نہیں جاسکتا مگر صرف اس پر۔

نتیجہ: ثابت ہوا کہ ظاہر الروایات میں احناف کا فیصلہ عدم اشارہ کرنا ہے اور نماز میں سکون یعنی عدحرکت اعضاء ہی مطلوب شرعاً اور مذہب حنفی ہی ہے۔ نوادراۃ میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا فیصلہ **عدم اشارہ لتوحید فی الصلاۃ** ہے۔ نہ کہ اشارہ کرنا آیئے اور آپ کا فیصلہ سنئے۔ فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الرجل یسلم علیہ و ھو یصلی انہ لا یرد علیہ السلام فی صلاتہ و ما احب لہ ان یشیر (بیدہ) فان فی الصلاۃ شغلاً ص ۱۴۶۔

[2232] شامی جلد ا صفحہ ا ۵، ۲ ۵ مصری۔

و قال اهل المدینة فی الرجل یسلم علی الرجل فی الصلاة لا یتکلم ویشیر بیده و قال محمد بن الحسن۔ ما احب له ان یزید فی صلاته شیئا لیس منها من اشارة و لا غیرها و لکن اذا قضی صلاته فلیرد علیه السلام فان من الخشوع فی الصلاة ترک الا اشارة کتاب الحجة علی اهل المدینة للامام الحافظ المجتهد الربانی ابی عبدالله بن الحسن الشیبانی رحمه الله تعالیٰ متوفی ۱۸۹ھ ص نمبر ۱۴۷۔۔۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں اشارہ سے جواب سلام نہ دیا مگر سلام کے بعد اپنا عذر یہ بیان کیا: ان فی الصلاة لشغلا فترک۔ ۲۴۸ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ کتاب الحجة علی اهل المدینة للامام الحافظ المجتهد الربانی ابی عبدالله محمد بن الحسن الشیبانی رحمه الله تعالیٰ متوفی ۱۸۹ ھ رتب اصوله و صححه و علق علیه العلامه المحقق المحدث الفقیه المفتی السید مهدی حسن الگیلانی القادری رحمه الله تعالیٰ المفتی بدارالعلوم دیوبند المتوفی ۱۳۹۶ھ (شائع کرده دار المعارف النعمانیة الجامعة المدینة کریم پارک لاهور پاکستان۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ اس نے سلام کیا اس شخص پر جو نماز میں تھا تو وہ اپنی نماز میں اس کے سلام کا جواب نہ دے گا اور میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں اس کے لیے کہ وہ ہاتھ سے اشارہ کرے اس لیے کہ نماز میں شغل ہے۔ اور اہل مدینہ یعنی مالکی صاحبان نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ نماز ادا کرتے ہوئے اس شخص کو سلام کرے کہ باتیں نہ کرے اور اس کو اپنے ہاتھ سے جواب سلام کے لیے اشارہ کرے۔

اور امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ نمازی کے لیے میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے نماز میں کوئی چیز زیادہ کرے جو نماز سے نہ ہو نہ اشارہ اور نہ کوئی اور عمل مگر جب نماز ادا کرے تو اس کو جواب سلام دے کیوں کہ نماز میں خشوع اشارہ نہ کرنا ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اشارہ سے جواب سلام نماز میں نہیں فرمایا مگر سلام کے بعد اپنا عذر یہ بیان کیا۔ تحقیق نماز

میں البتہ شغل ہے تو چھوڑ دیا۔ اس سے اہل حدیث اور اہل الرائے کا اختلاف معلوم ہوا کہ کون اشارہ میں ہے جس کو صاحب خلاصہ نے حرام لکھا ہے۔

اور مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن ابی وائل عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قدم من ارض الحبشة سلم علی رسول الله علیه وسلم هویصلی ولم اردعلیه السلام فلماانصرف رسول اللہ ﷺ قال ابن مسعود اعوذ باللہ من سخط نعمة اللہ قال النبی ﷺ وما ذاک قال سلمت علیک فلم ترد علی قال ان فی الصلوٰة لشغلاً قال فلم نرد السلام علی احد من یومئذ مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۹۳ اصح المطابع کراچی۔

وقوله ان فی الصلوٰة لشغلاً رواه الشیخان وابو داؤد وابن ماجة عن ابن مسعود۔

کتاب الحجہ کے شارح نے یہ احادیث ذکر کی ہیں اور اس مفتی دیوبند نے توثیق کی مگر کوئی جواب نہیں لکھا۔

ترجمہ: امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حماد سے اور حماد ابراہیم سے اور ابراہیم ابی وائل (شقیق) وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز ادا فرمارہے تھے۔ آپ نے حضور علیہ السلام کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جواب سلام نہ دیا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی نعمت کے غصہ سے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ استعاذے کا سبب کیا ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہم کو جواب نہ دیا تو رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ یقیناً نماز میں ضرور شغل ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس روز سے ہم کسی کو سلام کا جواب نماز میں نہیں دیتے ہیں۔

حدیث مروی ابوہریرۃ بحوالہ ابو داؤ، اور ناسخ منسوخ ابن شاہین اور طحاوی اور مسند بزار اور سنن دار قطنی شرح کے ساتھ صفحہ ٦٥و٦٦ پر گزرا ہے جس میں ہے:

من اشار فی صلاتہ اشارۃ تفھم عنہ فلیعد لھا یعنی الصلوٰۃ۔ ابو داؤد اور مسند بزار میں یہ اضافہ ہے **او قد فسدت۔**

کہ جب کوئی شخص نماز میں ایسا اشارہ کرے جو مقصد کو ظاہر کرتا ہے وہ نماز کا اعادہ کرے یا یقیناً نماز فاسد ہوئی۔

(١) اہل ظواہر کے ہاں نماز کے دوران سلام اور دیگر امور کے لیے اشارہ جس سے مخاطب کو مقصد سمجھ آجائے یہ کلام کے حکم میں ہے اور مفسد نماز ہے۔

(٢) ائمہ اربعہ کے ہاں مفسد نماز تو نہیں ہے البتہ مکروہ ضرور ہے۔ شرح معانی الآثار جلد ١ صفحہ ٣٠٦

اس لیے اپنی نماز کو کراہت سے خالی کرنے کے لیے اور صاف بے غبار نماز کے لیے مناسب ہے کہ نماز کا اعادہ کریں اگرچہ سابقہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اس طرح حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ اور وہ مہمل نہ رہے گی کیوں کہ دلائل میں اصل چیز یہ ہے کہ عمل میں لائے جائیں نہ کہ مہمل وترک کریں جب کے منسوخ نہ ہو۔ جیسا اشارہ مذہب حنفی کے آئمہ ثلاثہ سے ثابت ہوا کہ ان کے ہاں نہ کتب ظاہر الروایت میں اور نہ کتب نوادر میں نماز میں اشارے کا ثبوت ہے بلکہ ظاہر الروایت اور کتب نوادر سب میں مذہب احناف میں سکون اور وقار سے نماز پڑھنا ہے۔ اس لیے اعلم

بالمذاہب خصوصاً مذہب حنفی علامہ ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں تحریر کیا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مسجد میں تشریف لائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھا رکھے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے نماز میں بدخو گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھوں کو اٹھانے والے ہو نماز میں سکون اختیار کرو تخریج مسلم فی الصلوٰۃ نمبر ۱۱۹۔

حاصل روایات: جب نماز میں تسکین اطراف کا حکم ہے تو اشارے سے جواب سلام کرنا اس سے نکلنا ہے کیوں کہ اس میں ہاتھ بلند ہوتا ہے اور انگلیاں ہلتی ہیں اس سے ثابت ہوا کہ یہ بھی اس روایت کے تحت داخل ہے۔ یہ قول ہمارے ائمہ ابو حنیفۃ، ابویوسف، محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے ۳۰۹ جلد ا۔

مطلب:

مطلب یہ ہے کہ اگر نوادر میں ان سے اشارہ کا ثبوت ہوتا اور نوادر قابل عمل ہوتا تو یہ مفسر اور محدث عظیم ہرگز ہرگز ایسا فیصلہ اور حکم نہ دیتے اس کے علاوہ امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ اور مفسر عظیم مجتہد فی المذہب امام ابی الرازی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ شرح مختصر الطحاوی فتاوی فی الفقہ الحنفی میں تحریر فرما ہیں جو کہ معتمد متن ہے۔ فتویٰ امام طحاوی

قال ابو جعفر: (ویستقبل باصابع رجله الیمنی القبلة، کما یفعل فی السجود، ثم یبسط کفیه علی رکبتیه وینشر أصابعه، ولا یشیر بشئی منها) وذالک لما فی حدیث وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنه، أن النبی ﷺ لما جلس افترش رجله الیسریٰ، ووضع یده الیسریٰ علی فخذه الیسریٰ ویده الیمنی علی فخذه الیمنی۔ (بغیر کسی اضافہ کے۔)

علامہ جصاص کا فتویٰ: وینشر أصابعه کما ینشرها فی السجود والرکوع ولا یشیر بشئی منها، لقوله ﷺ: کفوا ایدیکم فی الصلاۃ، واسکنوا فی الصلاۃ جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۲۸ و صفحہ ۲۲۹۔

مولوی محمد روشن خاک پائی علماء اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا بھی یہی حکم ہے ملاحظہ ہو:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (النساء۷۷)

جو کہ خبر احاد پر منسوخ نہیں کیا جاسکتا جلد ا صفحہ نمبر ۴۲ پر اس کے متعلق کچھ بیان گزرا ہے۔

ترجمہ: (امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ) ابو جعفر نے کہا کہ دائیں پاؤں کی انگلیاں روبہ قبلہ کریں جیسا کہ سجدہ میں کیا جاتا ہے پھر دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر انگلیوں کو بکھیرے ہوئے رکھ دیں اور ان میں کسی پر اشارہ نہ کریں۔ یہ اس وجہ سے کہ حدیث وائل بن حجر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو پھیلاتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر رکھتے۔

اس کی شرح میں علامہ جصاص (مجتہد اور مفسر) نے فرمایا: اور اپنی انگلیوں کو ایسے پھیلائیں جیسے سجدہ میں پھیلاتے ہیں اور رکوع میں اور ان میں سے کسی چیز سے اشارہ نہ کریں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس ارشاد سے کہ اپنے ہاتھوں کو روک دو بند کرو اور مت ہلاؤ نماز میں اور نماز میں سکون کرو۔

اللہ تعالیٰ کا بھی سورۃ النساء میں یہی امر ہے کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: کان اعلم الناس بمذاهب ابی حنیفة جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ اور حالات مصنفین درسِ نظامی میں ہے: اعلم الناس بمذهب ابی حنیفة

صفحہ ۱۳۳ اور علامہ عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوائد بھیۃ میں لکھا ہے: **لہ تصانیف جلیلة معتبرة فمنھا ۔۔۔المختصر صفحہ ۳۲** (اس طرح علامہ عبدالحیٔ نے مقدمہ عمدۃ الرائۓ میں اس کو متن معتبر مانا ہے) **عن ابن عبدالبر انہ قال کان الطحاوی کو فی المذھب عالماً بجمیع مذاھب العلماء انتھی بھیة صفحہ ۳۴۔**

یعنی امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سلف کے مذاہب پر سب سے زیادہ عالم تھے۔ اور مذہب امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ آپ کی بڑی معتبر تصانیف ہیں ان میں سے مختصر ہے۔ اور ابن عبدالبر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ طحاوی حنفی مذہب والے تھے سب علماء کے مذاہب پر عالم تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

نتیجہ:

امام طحاوی اور جصاص رحمہا اللہ تعالیٰ کی شہادت سے ثابت ہوا کہ مذہب حنفی میں اشارہ تشہد میں بالکل نہیں نہ ظاہر الروایات میں اور نہ نوادر میں بلکہ بعض غیر حنفی العقیدہ نے مذہب حنفی کو بدنام کرنے اور علماء حنفی کو غیر معتبر کرنے کے لیے یہ جراثیم فقہ حنفی میں ڈال دیا ہے کہ علماء احناف کو بدنام کریں کہ ایسے فقہاء ہیں کہ ایک جگہ ایک بات دوسرے جگہ دوسری بات کرتے ہیں اس لیے ان کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں جیسے حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے احناف کو کئی آراء پر منقسم کیا۔ اگر ہم گزرے ہوئے اختلاف کہ کوئی کہتا ہے بیٹھنے ہی سے انگلی اٹھائے اور کوئی کہتا ہے ان لا الہ کے لام پر اٹھائے کوئی کہتا ہے الا اللہ کے الف پر اٹھائے کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ سے اس کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں اس لیے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پر بات کی ہے۔

جب کہ محمود بن صدر الشریعۃ نے وقایۃ الروایات میں اصل مذہب حنفی ان الفاظ میں بیان کی:

و اضعا یدیه علی فخذیه مو جها اصابعه نحو القبلة مبسو طة (اس میں تین آیات اور پانچ امر الٰہی پر عمل کرنا ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۴ دو دفعہ اور آیت ۱۴۹ اور ۱۵۰ میں دوامر اور باقی آیات کریمہ گزرے ہوئے صفحات میں ملاحظہ ہوں)۔

تو صاحب شرح و قایہ عبید اللہ بن مسعود نے شرح و قایہ میں لکھا:

و فیه خلاف الشافعی فان عنده یعقد الخنصر و البنصر و یحلق الوسطی و الا بهام و یشیر بالسبابة عندالتلفظ بالشهادتین و مثل هذا جاء عن علمائنا ایضاً صفحه ۱۶۹ و ۱۷۰ مجتبائی دهلی۔

کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر انگلی رو بہ قبلہ کھلے رکھیں۔ اور اس میں شوافع نے خلاف کیا کیوں کہ ان کے ہاں خنصرہ اور بنصرہ کو بند کر کے درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر سجدہ پر شہادتیں کہنے کے وقت اشارہ کریں۔ یہ فقرہ کتاب الام میں نہیں ہے اس کو بار بار ملاحظہ کریں اشارہ کریں اور اس جیسے ہمارے مذہب کے علماء سے بھی منقول ہے۔

افسوس صد افسوس ان علماء احناف پر کہ انہوں نے تحقیقی اور ثابت بقرآن و حدیث محقق مذہب چھوڑ کر شوافع کے تابع ہوئے۔

آیئے اس میں شوافع کا حال بھی ملاحظہ کریں۔ کتاب الام طبع دارالحدیث القاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ پر ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار المرادی نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

و اذا اراد الجلسوس فی مثنی جلس علی رجله الیسری مثنیة یماس ظهرها الارض و نصب رجله الیمنی ثانیا اطراف أصابعها و بسط یده الیسریٰ علی فخذه الیسریٰ و قبض اصابع یده الیمنی علی فخذه الیمنی الا المسبحة و الابهام و اشار بالمسبحة انتهی۔

ترجمہ: کہ جب دو رکعت پر نمازی بیٹھنے کا ارادہ کرے تو بائیں پاؤں پر بیٹھ کر اس کو دوہرا کرے کہ پیٹھ زمین سے لگی ہوئی ہو۔ اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ انگلیوں کے اطراف دوہرے کئے ہوں اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر پھیلائے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مسبحہ اور انگوٹھے کے علاوہ بند کرے اور پھر اشارہ کرے۔

ابو العباس محمد بن یعقوب نیسابوری نے ربیع بن سلیمان سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول بیان کیا نہ اس میں اشارہ کے لیے مسبحہ اٹھانے کا کوئی مخصوص وقت کا ذکر ہے اور نہ اشارہ کا تعین کہ یہ اشارہ کس مقصد کے لیے ہے۔ اور نہ بیان اس میں ہے کہ مسبحہ اٹھانے کے بعد کس وقت رکھ دے۔

یہی وجہ ہے کہ شوافع حضرات بھی ہر ایک اپنے اپنے صواب دید کا بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

تحفة الحبيب شرح الخطيب: حاشيه البجيرمی علی الخطيب خاتمة المحققين الشيخ سليمان البجير می جلد ۲ صفحه ٦٤ اور الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع لشيخ محمدالشربينی الخطيب الموجود بالهامش شركةمكتبةبمصر۔

اور بیٹھ کر اس کو دوہرا کرے کہ اس کا پیٹ زمین کو لگے ہوئے ہو اور دائیں پاؤں کو ایسے کھڑا کرے کہ اپنی انگلیوں کے اطراف دوہرے کئے ہوں۔ اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر پھیلائے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مسبحہ اور انگوٹھے کے علاوہ بند کرے اور مسبحہ پر اشارہ کرے۔ ابو العباس محمد بن یعقوب نیسابوری نے ربیع بن سلیمان سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول بیان کیا کہ اس میں مسبحہ کو اشارہ کے لیے اٹھانے کا کوئی مخصوص وقت کا بیان موجود نہیں اور نہ اس اشارہ کا تعین منقول ہے۔ یہ اشارہ کس وقت اور کس کے لیے کرے اور انگلی کو کب اٹھائے اور کس وقت رکھ دے اس لیے شوافع میں بھی ہر ایک اپنے اپنے صواب دید کا بیان کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو:

تحفة الحبيب شرح الخطيب: حاشيه البجير مى على الخطيب لخاتمة المحققين الشيخ سليمان البجيرمى جلد ۲ صفحه ٦۴ اور الاقنا ع فى حل الفاظ ابى شجا ع لشيخ محمدالشربينى الخطيب الموجودبالهامش شركه مكتبة بمصر۔

الثانية عشرة (وضع) رؤوس اصابع (الفخذين فى الجلوس) بين السجد تين ناشرا أصابعه مضمومة للقبلة كما فى السجود و فى التشهد الاول و فى الآخير (يبسط) يده (اليسرئ) مع ضم أصابعها فى تشهده الى جهة القبلة بأن يفرج بينها لتتوجه كلها الى القبلة (و يقبض) أصابع يده (اليمنى) كلها (الا المسبحة) و هى بكسر الباء التى بين الابهام و الوسطى (فانه) يرسلها و (يشير بها) اى يرفعها مع امالتها قليلا حال كونه (متشهدا) عند قوله الا الله للا تباع و يديم رفعها و يقصد من ابتدائه بهمزة الا الله أن المعبود واحد فيجمع فى توحيده بين اعتقاده و قوله و فعله و لايحركها للاتباع فلو حركها كره و لم تبطل صلاته و الافضل قبض الابهام بجنبها بأن يضمها تحتها على طرف راحته للاتباع فلو ارسلها معها أو قبضها فوق الوسطى او حلق بينهما او وضع الملةالوسطى بين عقدتى الابهام أتى بالسنة لكن ماذكر أفضل انتهى عبارةالاقناع قوله رؤوس اصابع الخ لا حاجة لاخراج المتن عن ظاهره فان المتن يفيد وضع اليدين نفسها ـــــ ان المطلوب و ضع اليدين على فخذين بحيث تسامت رؤ وسهما أطراف الركبتين فتأمل: (قوله فى الجلوس بين السجدتين) مثله جلسة الاستراحة والجلوس للتشهدين لكن كيفية الوضع مختلفة ففى الاولين اليدين مبسوطتان و فى الأخيرين بينها المنن بقوله يبسطاليسرى و يقبض اليمنى ولا يضر ادامة وضعهما على الارض الى السجدة الثانية اتفاقا خلافا لمن و هم فيه اه ابن حجر أى فقال ان ادا متهما على الارض تبطل الصلاة اه ع ش على مر۔

(قوله مضمومة للقبلة) انظر هذا مع ماتقدم فى الركوع من انه يفرق فتنزل له الرحمة على بدنه فلم يطلب التفريق هنا قياسا عليه و لذلک قيل به هنا فليحرر الا أن يقال ان قوله ناشرا أصابعه مضمومة و قوله مع اصابعها اى مع تفريق يسير بحيث تكون متوجهة للقبلة و لا يضر

انعطاف رؤ و سهاعلى الركبتين سم فى شرحه (قوله فى تشهده) شمل الاول و الآخر و هو كذلک و القبض يكون بعد وضع اليد منشورة لا معه و لا قبله على المعتمد كماقاله سلطان وقيل مع الوضع اه ـ ق ل ويدل له قوله المنهج ويضع يمناه قابضا أصابعها و الاصل فى الحال المقارنة (قوله الا المسبحة) سميت بذلک لا نه يشاربها الى التوحيد و تسمى السبابة لا نه يشار بهاعند السب ق ل و لو تعددت المسبحة فالعبرة بالا صلية فلو كانتا أصليتين فالعبرة بما جاور الا بهام فلو قطعت هل تقوم الأخرى مقامها أو لا محل نظر و الظاهر أنها تقوم مقامها و لا يشير بالسبابة اليسرى و ان فقدت اليمنى و لو عجز عن التشهد و قعد بقدره سن حقه ان يرفع مسبحته كما ان من عجز عن القنوت سن فى حقه أن يقف بقدره و أن يرفع يديه زى و فى م ر و لو قطعت يمناه أو سبابتها كرهت اشارته بيسره اه لفوات سنة بسطها لأن فيه ترک سنة فى محلها لا جل سنة فى غير محلها كمن ترک الرمل فى الاشواط الثلاثة و يأتى فى الأخيرة ـ اه ـ

(قوله ويديم رفعها) اى الى القيام او السلام ـ فان قلت المعنى الذى رفعت لا جله قد انقضى فكيف بقى رفعها ـ قلت لا نسلم انقضاءه لأن الأواخر و الغايات هى التى عليها المدار فمن ثم طلب منه ادامة استحضارى ذلک التوحيد و الاخلاص فيه حتى يقارن آخر صلاته لتكون خاتمتها على أتم الاحوال و اكملها ـ و الحكمة فى اختصاص المسبحة بذلک أن لها اتصالاً بنياط القلب أى عرقه فكانها سبب لحضوره و اما الوسطى فقيل ان لها اتصالا بنياط الذكر فلذا تابى النفوس الزكية الاشارة بها ـ

(قوله و لا يحركها) فان قلت قد ورد التحريک أيضا فى احاديث فلم قدم النافى، قلت انما قدم النافى هنا على المثبت عكس القاعدة لما قام عندهم فى ذلک و هو أن المطلوب فى الصلاة عدم الحركة فقد قيل انه اذا حرک عامدا عالما بطل صلاته فيكره التحريک عندنا خلافا للمالكية و عبارة سم و لا يحركها عند رفعها للاتباع رواه ابو داؤد بل يكره تحريكها و لا تبطل به الصلاة و قيل يحرم و تبطل به و قيل يسن للاتباع رواه البيهقى و صححه قال و يحتمل أن يكون المراد بتحريكها فى خبره رفعها لا تكرر تحريكها اه و يؤيده أن فيه جمعا بين الخبرين و أن عدم التحريک أنسب بالصلاة المطلوب فيها سكون الاعضاء و الخشوع الذى قد يذهبه

اویضعفه التحریک۔ واعلم ان کون رفع مسبحة الیمنی خاصا بهذا المحل تعبدی فلا یقاس به غیره فما یفعل بعد الوضوء وعند رؤیة الجنازة لا اصل له قرره شیخنا عن فتاوی ابن حجر اه رحمانی (قوله فلو حرکها) ولو ثلاثا لأنها لیست عضو او لأنه فعل خفیف والکلام فی مالم یحرک الکف والا بطلت بثلاثة افعال متوالیة عامدا عالما کتحریک الزند المقطوع الکف سم رحمانی۔ والحاصل أن فی تحریکها ثلاثة اقوال قول بالکراهة وقولان آخران أحدهما بالحرمة وتبطل به الصلاة والآخر بالندب (قوله ولم تبطل صلاته) صرح به للرد علی من یقول بالبطلان کما علمت ع ش (قوله أو حلق بینهما) ای أوقع التحلیق بینهما أی بین الوسطی والابهام أی جعلهما حلقة فالظاهر أن بین زائدة لانه لا یظهر ها معنی اه شیخنا (قوله لکن ما ذکر) ای او لا وهو قوله والا فضل الخ: حاشیه بجیرمی تحفة الحبیب جلد ۲ صفحه ۶۴ وصفحه ۶۵ مطبوعه بمصر ۱۹۵۱م ۱۳۷۰ه

اور علامہ ابن حجر المکی الھیتمی اپنے فتاوی: الفتاویٰ الکبری الفقھیہ میں تحریر فرماہیں:

(وسئل) نفع الله به عما لو رفع المسبحة فی التشهد عند الا الله فهل یستحب رفعها الی تمام الصلاة او لا وقد نقل الشیخ زکریا فی شرح الروض المقدسی انه اذا رفع المسبحة فی التشهد عند الا الله یقیمها و لا یضعها و قال الجرجری فی شرح الارشاد انه یعیدها الی ما کانت علیه و لیس فی المسئلة تصریح فهل الاولی بالعمل قول نصر المقدسی او لا؟ (فأجاب) بقوله المعتمد ما قاله الشیخ نصر رحمه الله تعالیٰ و عبارة شرح العباب قال الشیخ نصر المقدسی فی کافیة انه یقیمها و لا یضعها و لا یحرکها اه و هو ظاهر فی بقائها مرفوعة الی السلام و قول جمع متأخرین لم نر فیه نقلا والظاهر انه یعید ها بحث مخالف للمنقول کما علمت و ان تبعهم المصنف بقوله و فیه نظر انتهت جلد ۱ صفحه ۱۴۶ مکتبه دار الباز مکة المکرمة۔

بارھواں صفحہ نمبر ۱۳۵ (رکھنا) انگلیوں کے سروں کو دونوں سجدوں کے درمیان (بیٹھنے میں رانوں پر ہوں) سجدہ اور تشہد اول اور ثانی یعنی پہلے قعدہ اور دوسرے میں انگلیوں کو پھیلائے ہوئے قبلہ کی طرف کئے ہوئے ہوں اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو تشہد میں قبلہ کی طرف پھیلاتے ہوئے رکھ

دیں۔اس طرح کہ انگلیوں کو مکمل ضم کئے ہوئے نہ ہونا کہ سارے انگلیاں بہ طرف قبلہ ہو جائیں اور دائیں ہاتھ کی مسبحہ کے علاوہ ساری انگلیاں بند کریں (قبض کریں) جو کہ انگوٹھے اور درمیان انگلی کے درمیان میں ہے تو اس کو کھلا رکھیں اور اس پر اشارہ کرتے رہیں یعنی تھوڑا سا مائل کرتے ہوئے اس کو الا اللہ کہنے کے وقت اٹھائیں اس حالت میں کہ تشہد پڑھ رہے ہوں تابعداری کرنے کے لیے اور اس کو اٹھا ہوا دائم کریں۔ الا اللہ کے ہمزہ کہنے کے وقت سے اس کی ابتداء کرے کہ معبود ایک ہی ہے اپنے عقیدہ اور قول اور فعل کو جمع کرتے ہوئے اور تابعداری کرنے کی وجہ سے اس کو ہلاتے نہیں اور اگر ہلایا تو مکروہ ہے۔ اور اس کی نماز باطل نہیں ہوئی۔ اور بہتر یہ ہے کہ انگوٹھے کو درمیانی انگلی کی جانب پر بند کر دیں تابعداری کے لیے۔ تو اگر اس کو اس کے ساتھ پھیلایا اور درمیانی کے ساتھ بند کر دیا اور دونوں سے حلقہ بنایا اور یا درمیانی انگلی کے پور کو رکھ دیا انگوٹھے عقد تین کے درمیان تو سنت کو ادا کیا مگر جو پہلے ذکر کیا وہ بہتر ہے۔ (اقناع کی عبارت یہاں پر ختم ہوئی) (اس کا یہ قول کہ انگلیوں کے سرے الخ) متن کو ظاہر سے خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ متن دونوں ہاتھوں کو خود رکھنے پر مقید کرتا ہے۔۔۔ یقیناً رانوں پر ہاتھوں کو اس طرح رکھنا مطلوب ہے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کی طرف متوجہ ہوں تو فکر کرو (اس کا یہ قول دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں ہے) اس کی مثال جلسہ استراحت اور دونوں تشہد کے لیے بیٹھنا ہے مگر رکھنے کا طریقہ مختلف ہے تو پہلے دونوں میں دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور دونوں قعدوں میں آخر میں ان کا درمیان ہو گا المنن یعنی مقصود اس کا اس قول سے کہ بائیں کو پھیلائے اور دائیں کو بند کرے اس کو زمین پر دائم رکھنے میں کوئی حرج نہیں کہ دوسرے سجدہ تک رکھے رہیں اتفاقاً جنہوں نے اس میں وھم کیا ہے ان کے خلاف۔ اھ۔

ابن حجر نے فرمایا کہ اس کو زمین پر دائم رکھنا نماز کو باطل کرتا ہے اھ۔ ع ش علی م ر۔

(اس کا یہ قول کہ قبلہ کو ضم کئے ہوئے) پہلے گزرا کہ انگلیوں کو رکوع میں منتشر کریں تو اس کے بدن پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے یہ اس کے ساتھ ملاحظہ کریں۔ تو یہاں تفریق کو طلب نہیں کیا اس پر قیاس کرتے ہوئے اس لیے اس پر یہاں قول کیا تو اس کو تحریر کریں مگر کہا جائے کہ آپ کا یہ قول کہ اپنی انگلیوں کو پھیلائے ہوئے ضم کئے ہوئے اور اس کا یہ قول کہ اپنے انگلیوں کے ساتھ یعنی تھوڑے، کم تفریق کے ساتھ اس طور کہ قبلہ کو متوجہ ہو اور اس کے سرے گھٹنوں پر پڑنا کوئی نقصان نہیں کرتا۔ سم فی شرحہ (اس کا یہ کہنا کہ اپنے تشہد میں) پہلے اور آخری قعدہ دونوں کو شامل ہے اور وہ اس طرح ہے۔ اور قبض اصابع ہاتھ کی انگلیوں کو پھیلائے ہوئے رکھنے کے بعد ہے نہ ان کے ساتھ اور اس سے پہلے بنابہ قول معتمد علیہ جیسا کہ اس کو سلطان نے کہا ہے۔ اور کہا گیا ہے یہ رکھنے کے ساتھ ہی ہے۔ اھ۔ ق ل اور اس کے لیے منع کا قول دلالت کرتا رہتا ہے۔ اپنا دایاں ہاتھ انگلی بند کرتے ہوئے رکھ دے اور اصل حال مقارنہ میں ہے (اس کا یہ قول کہ بغیر مسبحہ کے) اس کو مسبحہ اس لیے کہا گیا کہ اس پر توحید کے لیے اشارہ کیا جاتا ہے اور سبابہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ گالیوں کے وقت اس پر اشارہ کیا جاتا ہے ق ل اور اگر مسبحہ متعدد ہوں تو اعتبار اصلی مسبحہ کا ہے وہ معتبر ہے اور دونوں مسبحہ اصلی ہوں تو وہ مسبحہ معتبر ہے جو کہ انگوٹھے کے ساتھ ہے۔ اور اگر مسبحہ کٹا ہوا ہو تو آیا دوسری انگلی اس کی قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں نظر محل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے مگر بائیں ہاتھ کے مسبحہ سے اشارہ نہ کرے اگر چہ دایاں ہاتھ نہ ہو اور اگر تشہد پڑھنے سے عاجز ہو اور اس کی مقدار بیٹھ گیا تو اس کے بارے میں مسبحہ اٹھانا سنت ہے۔ جیسا کہ دعاء قنوت سے عاجز کے لیے اس کی مقدار کھڑا ہونا سنت ہے کہ اس کی مقدار قیام کرے گا یہ اس کے بارے میں

سنت ہے اور اپنے ہاتھ کو اٹھائے۔ اورم رمیں ہے۔ اگر اس کا دایاں ہاتھ قطع کیا گیا ہو یا اس کی مسبحہ انگلی تو بائیں پر اشارہ کرنا مکروہ ہے کراہت کی وجہ اس کی سنت کا فوت ہونا ہے۔ اس لیے کہ اس میں اپنے محل میں سنت ترک کرتا ہے برائے غیر محل میں سنت ادا کرنے کے لیے۔ جیسا کہ حاجی پہلے تین چکروں میں رمل چھوڑ کر آخری چکروں رمل کریں اھ۔ (اس کا یہ قول کہ اس کا اٹھانا دائم رکھے) یعنی قیام یا سلام پھیرنے تک اگر کہے کہ جس مقصد کے لیے انگلی اٹھائی گئی تھی وہ یقینا گزرا تو اس کا اٹھانا کس طرح باقی رہا۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ میں اس کا ختم ہونا نہیں مانتا کیوں کہ اواخر اور غایات پر دارومدار ہی ہے اس وجہ سے اس سے اس کا حاضر رہنا مطلوب ہوا کہ وہ توحید اور اخلاص اس میں باقی ہو یہاں تک کہ اس کی نماز کے آخر کے ساتھ متصل رہے کہ اس کا خاتمہ مکمل حالات پر ہو جائے۔ اور مسبحہ کو اشارہ کے لیے مختص ہونے کی حکمت یہ ہے کہ دل کارگوں کے ساتھ اس کا متصل ہونا ہے تو گویا کہ یہ اس کے حضور کا سبب ہے۔ اور درمیانی انگلی جو ہے تو کہا گیا ہے کہ اس کا ذکر کے رگوں کے ساتھ متصل ہونا ہے اس لیے پاک نفوس اس پر اشارہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ (اس کا یہ کہنا کہ اس کو متحرک نہ رکھیں) تو اگر آپ کہیں کہ اس کو متحرک رکھنا بھی حدیث شریف میں آیا ہے) تو کس وجہ سے آپ نے منفی حدیث کو مثبت سے مقدم کیا اور مثبت پر عمل نہیں کیا اور قاعدہ کو نہیں مانا۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ خلاف قاعدہ حدیث نافی کو اس وجہ سے مقدم کر کے معمول کیا گیا اور مثبت پر عمل نہیں کیا گیا کہ ان کے ہاں ثابت ہوا تھا اس بارے میں کہ نماز میں مطلوب عدم حرکت ہے تو یقینا کہا گیا ہے کہ جب اس کو قصداً اس کے باوجود کہ اپنے نماز مطلب سے عالم تھا تو ہلانا مکروہ ہے ہمارے مذہب میں اور مالکیہ اس میں خلاف کرتے ہیں اور سم کی عبارت میں ہے کہ اٹھانے کے وقت اس کو تحریک نہ دے تابعداری کرنے کے لیے اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے بلکہ اس کی تحریک

مکروہ ہے اور اس پر نماز باطل نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحریک حرام ہے اور اس پر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تابعداری کی وجہ سے سنت ہے اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے فرمایا کہ احتمال یہ ہے کہ تحریک سے مراد اس کی خبر میں انگلی اٹھانا ہے نہ کہ تکرار تحریک اھ۔ اس کی تائید کرتے ہیں کہ اس میں دونوں احادیث کو جمع کرنا ہے یہ اس کی تائید کرتا ہے۔ نماز میں اعضاء کا سکون اور خشوع مطلوب ہونے کے وجہ عدم تحریک نماز کے ساتھ زیادہ مناسب ہے جس کی تحریک یقیناً ختم کرتا ہے یا کمزور کرتا ہے۔

اور یہ بات جان لو کہ انگشت مسبحہ اٹھانا اس جگہ کے ساتھ خاص ہے اس پر اس کے علاوہ قیاس نہیں کیا جا سکتا تو جو وضو کے بعد یا جنازہ دیکھنے کے وقت کرتا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس کو ہمارے شیخ نے حضرت ابن حجر کے فتاویٰ سے ثابت کیا ہے اھ۔ رحمانی (اس کا یہ قول کہ اگر اس کو گھمایا) اگرچہ تین بار ہو اس لیے کہ یہ اندام نہیں اور اس لیے کہ خفیف فعل ہے اور بات اس میں ہے کہ ہتھیلی کو حرکت نہ دی ہو ورنہ تین دفعہ مسلسل قصداً علم کے باوجود تحریک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جیسے ہاتھ کے گٹے کو ہتھیلی کی انگلیوں سمیت قطع ہوئے ہلالے۔ سم رحمانی:

حاصل کلام یہ ہے کہ انگلی ہلانے میں تین اقوال ہیں ایک قول کراہت کے ساتھ ہے اور دو قول اور ہیں ان میں سے ایک حرمت کے ساتھ جس سے نماز بھی باطل ہو جاتی ہے اور تیسرا قول ندب کے ساتھ ہے۔ (حسب قاعدہ ترجیح حرمت کے لیے ہے) (اسکا یہ قول یا ان دونوں سے حلقہ بنائیں) یعنی ان دونوں کے درمیان میں حلقہ واقع ہو جائے یعنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان یعنی ان دونوں کو حلقہ کریں تو ظاہر یہ ہے کہ لفظ زائد ہے اس لیے کہ اس کا کوئی معنی ظاہر نہیں ہوتا۔ اھ۔ شیخنا (اس کا یہ قول لیکن جو ذکر ہوا) یعنی پہلے اور اس کا یہ قول کہ **الافضل الخ حاشیہ بجیرمی تحفۃ الحبیب جلد ۲ صفحہ ۶۴ و ۶۵ مطبوعہ مصر: ۱۹۵۰ م ۱۳۷۰ ھ۔**

اور علامہ ابن حجر المکی الہیتمی اپنے فتاوی الفتاویٰ الکبریٰ الفقھیۃ میں تحریر فرماہیں:

(اور سوال کیا گیا) اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ عطا فرمائے اس سے کہ اگر تشہد میں الا اللہ کہنے کے وقت مسبحہ اٹھایا جائے تو آیا یہ اٹھانا نماز کے اختتام تک مستحب ہو گا؟ یا نہیں اور یقیناً شیخ زکریا سے منقول ہے کہ آپ نے شرح روض المقدسی میں ذکر کیا ہے کہ جب تشہد میں الا اللہ کہنے کے وقت مسبحہ اٹھایا تو اٹھایا ہوا رہنے دے اور نیچے نہ رکھے۔ اور جر جری نے شرح ارشاد میں فرمایا کہ اس حالت کو واپس کرے جس پر تھا اور مسئلہ میں تصریح موجود نہیں کہ عمل کے لیے مقدسی کا قول بہتر ہے یا نہیں (توجواب دیا) اپنے اس قول سے کہ نصر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول معتمد علیہ ہے اور شرح عباب کی عبارت اس طرح ہے کہ شیخ نصر مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کافیہ میں فرمایا کہ یہ اس کو کھڑا ہوا رہنے دے اور نیچے نہ رکھے اور اسکو حرکت نہ دے یعنی نہ کرے۔ اھ۔

اور یہ سلام تک اٹھا ہوا باقی رہنا ظاہر ہے اور یہ متاخرین میں سے ایک جماعت کا قول ہے ہم نے اس بارے میں نقل نہیں دیکھا اور ظاہر یہ ہے کہ اس کو واپس کرے یہ منقول سے مخالف بحث ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا۔ اگرچہ مصنف اس کے پیچھے اپنے اس بات پر درپے ہوا۔ اور اس میں نظر ہے انتہت جلد ا صفحہ ۱۴۶ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ (تا صفحہ ۱۲۹ کے آخر تک)

کتاب الام کا 59 پر عبارت بار بار ملاحظہ کریں محدث ابو العباس محمد بن یعقوب النیسابوری متوفی سن ۳۴۶ھ نے فرمایا: اخبرنا الربیع بن سلیمان المتوفی سن ۲۷۰ھ نے فرمایا اخبرنا الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: کتاب الام دارالحدیث قاھرہ ص ۳۸۴ پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول منقولہ میں ہے: و قبض اصابع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی الا المسبحۃ و الابھام و اشار بالمسبحۃ۔ (مجھے یہ پسند ہے) کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بغیر مسبحہ اور انگوٹھے بند کرے اور مسبحہ پر اشارہ کرے۔ موجودہ

عبارت میں نہ انگلی کا اٹھانا مذکور ہے اور نہ اٹھانے کا مقام کا ذکر ہے اور نہ یہ کہ اٹھانا جاری رکھیں یا نہ رکھیں اور نہ یہ تصریح ہے کہ یہ اشارہ کسی کے سلام کے جواب کے لیے کرے نہ کہ یہ اشارہ وحدانیت کے لیے ہے اور نہ یہ کہ یہ دعاء تضرع والا اشارہ ہے جو کہ پہلے نماز کی آخری دعا کے وقت ہوتا تھا پھر نماز میں منسوخ ہوا اور نماز کے بغیر اب بھی وہ ایک مسنون طریقہ ہے اور دعا میں نماز کے آخر میں یہ رفع امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع جلد ۲ میں ذکر کیا ہے تو جب یہ احتمال ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد دعاء تضرع کے لیے اشارہ کرنا ہے تو **اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال** جب یہ احتمال موجود ہے اس لیے اس پر اشارہ توحید کے لیے استدلال باطل ہوا۔

باقی آپ کو خطیب، شرح خطیب اور حاشیہ خطیب اور فتاویٰ کبریٰ ابن حجر سے معلوم ہو گیا کہ جس طرح احناف قائل اشارہ کی آراء مختلف ہیں اس طرح شوافع بھی دونوں فریق کا قول پانچ بار اس حکم خداوندی کہ پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیجئے اور اپنے چہروں کو اس کی طرف کیا کرو۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴ و آیت نمبر ۱۴۹ اور آیت نمبر ۱۵۰ ملاحظہ ہو اس طرح آیت نمبر ۲۳۸ بقرۃ اور سورۃ النساء آیت نمبر ۷۷ اور سورۃ المؤمنون آیت نمبر ا و ۲ جس کی مختصر تحقیق گزری ہے اور اس طرح احادیث قولی جس میں اسکنوا اور خشوع کے بارے میں کتب احادیث سے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشارہ برائے توحید کے لیے کوئی دلیل قرآن اور حدیث میں واضح طور پر مذکور نہیں جس سے مذکورہ آیات اور احادیث قولی منسوخ ہو مثبتین اشارہ برائے توحید احناف اور شوافع کی آراء مختلف ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

قیاس دو قسم پر ہے ایک یہ کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یا اجماع امت سے مستنبط ہو یعنی مثبت دلائل یہ تین دلائل ہیں اور قیاس مظہر ہے مگر مثبت نہیں کمافی کتب فقہ واصول فقہ۔

دوسرا وہ قیاس جو ان اصولوں سے مستنبط نہ ہو یا اس کے مقابل ہو وہ حجت شرعی نہیں اس کے لیے ملاحظہ سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۶ مطبع نور محمد کراچی باب اجتناب الرای والقیاس اور اس کا شرح انجاح الحاجۃ شیخ عبدالغنی المجددی الدھلوی المدنی المتوفی ۱۲۹۵ھ۔

ارشاد ربانی ہے:

(وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ) پارہ نمبر ۱۸ سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۷۱

معارف القرآن میں خلاصہ و تفسیر ہے اور (بغرض محال) اگر (ایسا امر واقع ہو جاتا) اور دین حق اُن کے خیالات کے تابع اور موافق ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ) تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرا عیب اور بھی ہے کہ حق کا اتباع جو انہیں کے نفع کا سامان ہے اُس سے دور بھاگتے ہیں بس) ہم نے اُن کے پاس اُن کی نصیحت (اور نفع) کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی رو گردانی کرتے ہیں۔ معارف القرآن جلد ۶ صفحہ نمبر ۳۲۰ و ۳۲۱ خاتمۃ المحققین و عمدۃ الائمۃ المدققین الشیخ سلیمان البجیرمی نے جلد ۲ صفحہ ۶۴ مثبت کے برعکس نافی پر عمل کرنے کے لیے لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ مثبت کے مقابلہ نافی مقدم عکس قاعدہ اس لیے کیا ہے کہ اس بارے میں ان کے ہاں دلیل قائم اور موجود ہے اور وہ یہ کہ مطلوب نماز میں

عدم حرکت ہے۔ آگے جاکر لکھتا ہے کہ عدم تحریک نماز سے زیادہ مناسب ہے مطلوب نماز میں سکون الاعضاء اور خشوع ہے تحریک اس (خشوع وسکون) کو ختم کرتا ہے یا کمزور کرتا ہے۔

یہ قاعدہ کہ مثبت نافی پر مقدم ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں مقبول ہے اس طرح احناف وغیرہ کے ہاں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۴۹ حاشیہ ۷ قدیمی کراچی بحوالہ قسطلانی بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۸ حاشیہ ۵ بحوالہ قسطلانی قدیمی کراچی وعینی جلد ا صفحہ ۳۲۰ باب اذا شہد شاہد او شہود الخ بمعہ حاشیہ ۲ اور فرمایا کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے بغیر اس کے جو شاذ ہو بحوالہ فتح الباری۔ اور تبنسیق النظام فی مسند الامام لعلامۃ المتاخرین الشیخ المحدث الفقیہ محمد حسن السنبلی المتوفی ۱۳۰۵ھ مقدمہ صفحہ ۱۱ مسند صفحہ ۳۴ حاشیہ ۵ و صفحہ ۵۳ وصفحہ ۹۹ حاشیہ نمبر ۲ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ امدادیہ ملتان اور ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ اور نور الانوار صفحہ ۱۹۷ بحث التعارض، تفسیر بیان القرآن صفحہ ۶۰۱ تاج کمپنی لاہور کبیری ۵۰۵ جس کے حاشیہ پر صغیری ہے اور عرف شذی مکتبہ رحیمیہ دیوبند ۴۳ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۲۳ صفحہ ۲۹۶ اور فتاویٰ شامی جلد ا صفحہ ۴۸ اور فیض الباری شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۱ شامی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ اور تفسیر روح المعانی جلد ا صفحہ ۱۴۵ اور جلد ۷ صفحہ ۱۵۹ اور جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶ اور ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۵۹ بحر الرائق جلد ا صفحہ ۱۱۹ فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۸۹ وغیرہ اس قاعدے کو چھوڑ کر آپ نے جب حدیث یحر کہا پر عمل کے بجائے اس حدیث کو لے لیا جس میں ہے لا یحر کہا۔ پھر بھی جب آپ نے مسبحہ کو اٹھایا تو نماز میں مطلوب عدم حرکت اور سکون اعضاء اور خشوع ہے تو اس سے بھی وہ ختم یا کمزور ضرور ہوا۔ اور اپنے پاؤں کو اپنے کلہاڑے سے مارا۔ کیوں کہ درحقیقت اشارہ میں دائیں ہاتھ کی ساری انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور اگر صرف ایک انگلی بھی آپ

اٹھائیں گے تو سکون اعضاء اور خشوع اور نماز میں شغل والی ساری احادیث کا خلاف قرآنی مذکورہ آیاتوں کے ساتھ آپ سے صادر ہوا۔

صاحب مشکوۃ نے بروایت وائل بن حجر بحوالہ ابو داؤد والدارمی یہ حدیث بیان کی ہے جس میں ہے ثم رفع اصبعہ فرایتہ یحر کھا ید عوبھا اور ساتھ ہی بروایت عبد اللہ بن زبیر بحوالہ ابو داؤد والنسائی یہ حدیث بیان کی ہے جس میں ہے یشیر باصبعہ اذا دعاولا یحر کہا الفصل الثانی صفحہ ۸۵ صاحب کتاب نے جو طرز بیان کی ہے اس کے لیے کوئی قاعدہ اپنے مذہب کا بیان نہیں کیا۔

اور تعارض کے وقت کتب شافعیہ میں جو قاعدہ مذکور ہے کہ تعارض کی صورت میں پہلا تطبیق ہے اور تطبیق تو یہاں ممکن نظر نہیں آتا پھر ترجیح ہے اس کے لیے بھی کوئی وجہ موجود نہیں پھر نسخ ہے تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ ایک کی بھی منسوخ ہونے کی دلیل نہیں پھر تساقط ہے تو صاحب حاشیہ نے اس قاعدہ کا بھی خلاف کیا۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے مانا جائے کہ اس طرح اشارہ میں صرف ایک انگلی ساکن نہ رہی تو پھر بھی اس سے لازم آیا کہ دونوں ہاتھ ساکن نہ رہے جیسا کہ گزرا ہے اس طرح یہ معلوم مشہور بات اور ذی علم پر مخفی نہیں کہ انتفاء الکل بانتفاء الجزء کہ جزء کے انتفاء سے کل منتفی ہوتا ہے بلا خلاف اہل علم میں ملاحظہ ہو درر المنتقی جلد ۴ صفحہ ۱۹۸ ذیل مجمع الانہر مکتبہ غفاریہ کوئٹہ

لان استعمال الجزء کالکل فصل فی اللبس قبیل فصل فی بیان احکام النظر فی ذیل مجمع الانہر۔

یعنی جزء کا استعمال ایسا ہے جیسے کل کا استعمال۔

اور عنایہ شرح ہدایہ بر فتح القدیر مطبع نوریہ سکھر جلد ۱ صفحہ ۸۸ **انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل۔** یعنی جب جزء ساکن نہ ہوا تو کل ساکن نہ ہوا:

لان انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل فی نفس الامر ضرورتاً لان ای جزء کان متی زال لم یبق الکل من حیث ھو کل اھ حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلی باب المجاز جلد ۱ صفحہ ۴۱۸ اور انتفاء الجزء یوجب انتفاء الکل: بیان المختصر شرح مختصر ابن حاجب باب کون اللفظ قبل الاستعمال حقیقتاً او مجازاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ اور الابھاج فی شرح المنھاج باب المسئلۃ الاولیٰ متی یوجد المشروط جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ اور دستور العلماء جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون جلد ۳ صفحہ ۱۰۲ اور التحبیر شرح التحریر جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ وغیرہ وغیرہ۔

نہایت حیران کن بات ہے کہ قرآنی ارشادات کو نظر انداز کرکے قولی احادیث ناسخہ نظر انداز کرکے اور فعلی حالت نماز میں منسوخ شدہ احادیث اس کے باوجود کہ اثبات توحید کے لیے نہیں بلکہ درحقیقت دعاء کا ایک قسم ہے ان کے اصل سے غیر جانب جاکر ان سے اشارہ توحید ثابت کرنا بعید از عقل ونقل ہے حدیث نمبر ا میں یہ الفاظ یحرکھا یدع بھا اور دوسرے میں یشیر باصبعہ اذا دعا۔

یعنی نسخ سے پہلے تشہد میں دعا کے وقت انگلی اٹھانا۔ جو بعد میں منسوخ ہوا نماز میں۔

ناظرین کرام کو عرض ہے کہ آیئے مدعی اشارۂ توحید سے اس کا جواب سنئے۔

ایک اہم اور ضروری بات:

وعن ابن عمر قال قلت لبلال کیف کان النبی ﷺ یرد علیھم حین کانوا یسلمون علیہ وھو فی الصلوٰۃ قال کان یشیر بیدہ رواہ الترمذی وفی روایت النسائی نحوہ وعوض بلال صحیب: مشکوٰۃ صفحہ ۹۱ فصل الثانی اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۱۱ امدادیہ ملتان۔

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جب سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حالت نماز میں

ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کرتا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جواب کس طرح دیتے تھے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے (ترمذی)۔ اور نسائی میں ایک روایت بجائے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھی طرح منقول ہے۔ (یعنی ترمذی کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سوال کیا اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تھا۔)

علامہ ملا علی قاری نور اللہ مرقدہ کی گواہی:

في الخلاصة أن في الرد بالرأس اوليد تفسد صلاته (كما في بزازى مربيانه) كذا نقله البرجندى و في شرح منيه يكره أن يرد المصلى السلام بالاشارة بيده أو رأسه فتعين حمل الحديث على ماقبل نسخ الكلام فان الاشارة في معناه: مرقاة جلد ۳ صفحه ۱۱۔

یعنی خلاصہ اور برجندی نے ذکر کیا ہے کہ ہاتھ یا سر کے اشارہ سے نماز فاسد ہوتی ہے اور منیہ کی شرح میں ہے کہ نمازی کے لیے نماز میں سلام کا رد ہاتھ یا سر سے مکروہ ہے۔ اس لیے حدیث کو اس پر حمل کرنا کہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ نماز میں کلام منسوخ نہیں ہوا تھا یعنی نسخ کلام نماز میں سے پہلی حالت پر محمول کرنا لازمی ہے کیوں کہ اشارہ کرنا بھی کلام ہی کے معنی میں ہے۔ مظاہر الحق میں محمد قطب الدین محمد محی الدین احراری دیوبندی لکھتے ہیں اور خلاصے میں ہے کہ سر یا ہاتھ سے اگر جواب سلام دے تو نماز فاسد ہوتی ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ مکروہ ہے یہ کہ جواب سلام کا دے مصلی ساتھ اشارے ہاتھ کے یا سر کے پس اس حدیث کو حمل اس پر کریں گے کہ یہ اشارے سے جواب دینا پہلے نسخ ہونے کلام سے نماز میں تھا جب کلام کرنا نماز میں منسوخ ہوا تو جواب دینا زبان سے اور

اشارے سے بھی منع ہوا اس لیے کہ اشارہ بھی بیچ معنی کلام کے ہے۔ مظاہر الحق جلد ا صفحہ ۳۳۱ سعید کمپنی کراچی مظاہر حق جدید میں مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند) تحریر نے لکھا ہے:

خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سر یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی (اس کے برعکس مرقاۃ اور اصل مظاہر الحق کی عبارت آپ کے سامنے ہے کہ نماز اس کی فاسد ہوتی ہے) خلاصۃ الفتاوی لعلامہ فقیہ الامجد احمد بن عبد الرشید البخاری المجتہد جلد ا صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ منشی نور لکشور لکھنو کی عبارت ملاحظہ ہو:

وفی الفتاوی ولو سلم علی انسان او رد السلام تفسد صلاتہ۔

یعنی نمازی نے اگر سلام کیا یا جواب سلام دیا دونوں صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہوتی ہے۔

آگے مظاہر الحق جدید صاحب تحریر فرماہیں صحیح اور مفتی بہ قول جو شرح منیہ اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کو کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اب اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حالت نماز میں سلام کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے اس وقت دیا کرتے تھے جب نماز میں بات چیت ممنوع نہیں قرار دی گئی تھی جب نماز میں کسی قسم کی کوئی بھی گفتگو ممنوع قرار دے دی گئی تو سلام کا جواب بھی زبان یا اشارہ سے دینا منسوخ ہو گیا کیوں کہ اشارہ کرنا بھی ایک طرح کلام ہی کے معنی میں ہے انتہی مظاہر الحق جدید جلد ا صفحہ ۶۴۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔

اور مولانا عبد اللہ جاوید کا بحوالہ شرح منیہ کہ سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں شرح منیہ صغیری اور کبیری دونوں کی عبارت میں تنزیہی کی قید مذکور نہیں بلکہ اصل عبارت ایسی ہے:

ویکرہ ایضاً ان یرد المصلی السلام بالا شارۃ بیدہ او رأسہ لانہ جواب معنی کبیری مع صغیری طبع فی العزیزی لاھور ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸م۔ (قاعدہ مسلمہ عند الفقہاء یہ ہے کہ اس طرح عبارت سے مکروہ تحریمی مراد ہوتی ہے۔)

اور شامی مصری میں ہے:

ولا یرد بالاشارۃ فانہ مفسد کذا فی الحلیۃ لابن أمیر حاج الحلبی: شامی جلد ۱ صفحہ ۴۵۵ مصری۔

وکرہ رد السلام بیدہ ملتقی الابحر صفحہ ۶۵ وفی شرحہ مجمع الانھر ۱۸۶ وفی المجمع خلافہ لانہ قال: اورد السلام بلسانہ اوبیدہ فسدت۔ وفی در المنتقی تحت الخط (یکرہ رد السلام بیدہ) اوبرأسہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۶۔

اور نور الایضاح میں ہے:

یکرہ للمصلی سبعۃ وسبعون شیاء (وعدمنہ) ورد السلام بالاشارۃ اور اس کے شرح میں ہے (ورد السلام بالاشارۃ) لانہ سلام معنی مراقی الفلاح صفحہ ۱۷۱ میر محمد کراچی اور ھدایۃ ولا اعتبار لاتباع الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تبصرہ مختصراً:

یہاں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ بابت اشارہ نماز میں خود ہی اس کا کھلے اور صاف الفاظ میں تردید کرتے ہوئے صاحب خلاصہ کیدانی کی تصدیق کردی فارسی میں مقولہ ہے کہ ازماست کہ برماست قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی کلہاڑے سے اپنے پاؤں کاٹ دیئے۔ اس مسئلہ میں قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنے والے خود سوچ لیں کہ وہ مذہب حنفی چھوڑ کر کدھر گئے۔ الحمدللہ حمداً کثیرا بعدد معلومات اللہ تعالیٰ دائماً بدوام ملک اللہ تعالیٰ۔ کہ مخالفت کرنے والے کے قلم سے بھی مذہب حنفی کی تائید ہوئی مقولہ ہے کہ اس گھر کو

آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ حضرات شوافع کا مختصر حال آپ نے دیکھا کہ اپنے ہی امام سے مخالفت کرتے ہوئے التحیات میں اشارہ برائے توحید کے قائل ہوئے جس کی تصریح ان کو اپنے امام ہی سے بھی نہیں ملی ہے صرف اور صرف اپنے قیاسات کے تابع ہوئے ہیں۔ اور قیاس بھی قیاس شرعی مستنبط از قرآن پاک یا حدیث پاک یا اجماع سے نہیں جس کا حکم ابن ماجہ جلد ا صفحہ ٦ پر ملاحظہ ہو اور قیاس شرعی بھی مظہر ہے مگر مثبت نہیں۔ جیسا کہ یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں۔ اس کے برعکس جیسا کہ گزرا مذہب حنفی پانچ آیات قرآنی سات الٰہی حکموں پر مشتمل اور احادیث صحیحہ قولی ناسخہ جس میں **حکم اسکنوا** موجود ہے اور احادیث خشوع اور **احادیث فی الصلوٰۃ** شغل کو چھوڑ کر بعض شوافع کے مقلد ہوئے جو کہ وہ احادیث فعلیہ منسوخہ جو در حقیقت اس اشارہ کے متعلق نہیں بلکہ رد سلام اور دعاء اخلاص کے بارے میں ہے یہ نہایت تعجب کی بات ہے اور بعض حضرات نافین اشارہ کو شوافع کے دلائل ان کے کتب سے پیش کرتے ہیں۔

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں کہ مذہب حنفی اور مذہب شافعی میں کئی مسائل ہیں جن میں دونوں مذاہب کا اختلاف ہے مثال کے طور پر مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں متروک تسمیہ عمداً مذبوحہ حلال ہے اور مذہب حنفی میں قصداً متروک التسمیہ مذبوحہ حرام ہے تو جو شخص احناف کو شوافع کے دلائل اس مسئلہ کے بیان کرے گا تو یہ دلیل ہے کہ یہ شخص دعویٰ حنفیت میں صادق نہیں اور مذہب حنفی اس کی نظر میں صحیح نہیں۔ بلکہ جس چیز اور عمل سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار منع کیا ہے اور اس کی مذمت بیان کی آج کل عوام تو عوام ہے مگر خواص نے بھی وہ طریقہ اپنایا ہے۔ ارشاد ربانی جل واعلیٰ ہے۔

(۱) فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵ پارہ نمبر ۵۔

ترجمہ: تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

(۲) وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ۔ سورۃ انعام پارہ ۸ آیت نمبر ۱۱۹

ترجمہ: اور بہت لوگ بہکاتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق، تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔

(۳) وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ سورۃ ص آیت نمبر ۲۶

ترجمہ: اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔

(۴) أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۳ پارہ ۱۹

ترجمہ: کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لوگے۔

(۵) أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا۔ سورۃ الفرقان پارہ ۱۹ آیت نمبر ۴۴

ترجمہ: یا یہ سمجھتے ہو کہ ان میں بہت کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ۔

(۶) فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ پارہ نمبر ۲۰ القصص آیت نمبر ۵۰

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارا فرمان قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اوراس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو۔

(۷) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ـ پارہ ۲۱ روم آیت نمبر ۲۹

ترجمہ: بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہولئے بے جانے تو اسے کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اوران کا کوئی مددگار نہیں۔

ہوا پرست ظاہراً سنتے ہیں مگر دل سے نہیں:

(۸) أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ـ پارہ نمبر ۲۶ سورۃ محمد آیت نمبر ۱۶

ترجمہ: یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اوراپنی خواہشوں کے تابع ہوئے۔

(۹) ھوا پرست آیتوں سے اعراض کرنے اور اپنے ہوائے نفسانی کے تابع ہیں۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ ـ پارہ ۲۷ القمر آیت نمبر ۳

اورانہوں نے جھٹلایا اوراپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پاچکا ہے۔

اہل ہویٰ گمراہ ہیں

(۱۰) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ـ پارہ ۲۵ الجاثیہ آیت نمبر ۲۳

ترجمہ: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں رکھتے۔

مذمت متبعین ہوا:

(۱۱) أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۔ پارہ ۲۶ محمد آیت نمبر ۱۴

ترجمہ: تو کیا جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر اس جیسا ہو گا جس کے برے عمل اسے بھلے دکھائے گئے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔

اہل ہواء کی تابعداری جائز نہیں

(۱۲) ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ پارہ ۲۵ الجاثیۃ آیت نمبر ۱۸

ترجمہ: پھر ہم نے اس کام عمدہ راستہ پر تمہیں کیا تو اسی راہ پر چلو اور نادانوں کی خواہش کا ساتھ نہ دو۔

اپنے آپ کو ہوائے نفسانی سے منع کرنے والوں کا مقام و مرتبہ

(۱۳) وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى (40) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ۔ پارہ نمبر ۳۰ النزعت پارہ ۳۰ آیت نمبر ۴۰ و ۴۱

ترجمہ: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشوں سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

اہل ہویٰ کی متابعت سے پرہیز کرو:

(۱۴) وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۔پارہ ۱۵ سورۃ الکھف آیت نمبر ۲۸

ترجمہ :اوراس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیااوروہ اپنی خواہش کے پیچھے چلااوراس کا کام حد سے گزر گیا۔

اہل ہوا کی تابعداری ہلاکت کا باعث ہے:

(۱۵) فَلا يَصُدَّنَّكَ عَنْها مَنْ لا يُؤْمِنُ بِها وَاتَّبَعَ هَواهُ فَتَرْدى ۔پارہ نمبر ۱۶ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۶

ترجمہ:توہر گز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جواس پر ایمان نہیں لاتااوراپنی خواہش کے پیچھے چلاتو ہلاک ہو جائے۔

گمراہ پرستوں کے اہویٰ کا تابع نہ ہونا:

(۱۶) وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ۔ پارہ ۶ آلمائدہ آیت نمبر ۷۷

ترجمہ:اورایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلوجو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ اور سیدھے راہ سے بہک گئے۔

اہل تکذیب کی ہویٰ کا تابع نہ ہونا:

(۱۷) وَلَاتَتَّبِعْ أَهْوَاءَالَّذِينَ كَذَّبُوابِآيَاتِنَا۔پارہ ۸الانعام آیت نمبر ۱۵۰

ترجمہ:اوران کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلناجو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں۔

اہل ہویٰ کی متابعت سبب ضلالت:

(۱۸) قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ۔ پارہ نمبر ۷ الانعام آیت نمبر ۵۶۔

ترجمہ: تم فرماؤمیں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلتاہوں یوں تو میں بہک جاؤں اورراہ پرنہ رہوں۔

اہل ہویٰ کی تابعداری ممنوع شرعاًاور مضر فی نفسہ ہے:

(۱۹) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۔پارہ ۱ البقرۃ آیت نمبر ۱۲۰

ترجمہ: اوراگر توان کی خواہشوں کاپیروہوااس کے بعد کہ تجھے علم آچکاتواللہ سے تیراکوئی بچانے والانہ ہوگانہ مددگار۔

اہل ہواکی تابعداری انسان کو ظالم بناتی ہے:

(۲۰) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ۔ پارہ ۲ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۵

ترجمہ: اوراگر توان کی خواہشوں پر چلابعداس کے کہ تجھے علم مل چکاتواس وقت توضرورستم گرہوگا۔اور تفسیر مظہری سے تبصرہ سن لیجئے۔

والمقصود من الاية نهى الامة وتهديدهم عن اتباع الأهواء على خلاف العلم الذي جاء من الله تعالى بأبلغ الوجوه حيث أورد الله سبحانه الشرط مؤكدا بالقسم المقدر واللام الموطئة وتعليق الفعل بكلمة ان فانه يدل على انه ایّ جزء يوجد من الاتباع فهو ظلم- والخطاب الى النبي صلى الله عليه وسلم مع كونه حبيبا لله تعالى فغيره اولى بالتهديد- والتفصيل بعد الإجمال في قوله ما جاءک من العلم- وتعظيم العلم بذكره معرفا باللام والجزاء بانّ المؤكدة- واللام في خبرها- والجملة الاسمية- والتعبير بإذن- وكلمة من فان

قولک زید من العلماء ابلغ من قولک زید عالم- وتعریف الظالم المستلزم لنسبة کمال الظلم الیه لان المطلق محمول علی الکامل- وتعمیم الظلم حیث حذف متعلقة.[2233]

ترجمہ: اس آیت سے امت کو تہدید اور تادیب مقصود ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف اہل کتاب کی خواہشوں کا اتباع کریں اور تہدید بھی نہایت مبالغہ کی اور مبالغہ بھی بہت سی وجوہ سے چناں چہ اول قسم مقدر سے اس مضمون کو مؤکد فرمایا دوسرے لام تمہید قسم کا لائے، تیسرے فعل کو ان (اگر) کے ساتھ معلق کیا کیوں کہ یہ تعلق اس پر صاف دال ہے کہ اگر کچھ بھی اتباع پایا جائے گا تو یہ بھی ظلم ہی شمار ہو گا۔ چوتھے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو باوجود حبیب ہونے کے یہ خطاب فرمایا تو اس سے اوروں کو نہایت بلیغ دھمکی ہو گئی (جیسے کوئی حاکم اپنی رعایا کے سنانے کے لیے کسی اپنے مطیع وفرماں بردار سے کہے کہ دیکھو اگر تم بھی ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے) پانچویں مِنۡ بَعۡدِمَا جَاءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ سے اس کی تفصیل اجمال ہے کہ اول ما موصولہ سے علم کو مجمل ذکر فرمایا مِنَ الۡعِلۡمِ سے اس کی تفصیل فرمادی ظاہر ہے کہ تفصیل بعد اجمال میں زور ہی ہوتا ہے۔ چھٹے علم کو معرف باللام ذکر فرمایا۔ ساتواں جزا کو ان اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کیا (یہ در حقیقت نو ہوئے) آٹھواں کلمہ اذا (اس وقت) کہ یہ بھی مفید مبالغہ کو ہے لائے۔ نوواں من تبعیضیا لائے کہ اس سے نہایت ہی مبالغہ ہو گیا کیوں کہ جملہ زید علماء میں سے ہے یہ بہ نسبت زید عالم ہے کہ زیادہ بلیغ ہے دسویں الظلمین کو معرفہ باللام لائے کہ کمال ظلم کو مقتضی ہے گیارھویں ظلم کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اس سے فائدہ تعمیم کا ہوا اس وجہ سے کہ متعلقہ کو حذف کیا۔ ترجمہ از تفسیر مظہری مترجم از مولانا سید عبد الدام الجلالی مطبع دار الاشاعت کراچی (گیارہ جمع دو کل تیرہ وجوہات بنتی ہیں)۔

اہل ہوا کی تابعداری حق سے پھیرنا ہے:

[2233] تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۴۵۔

(۲۱) وَلَاتَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔پارہ ٦ المائدہ آیت نمبر ۴۸

ترجمہ: اوراے سننے والے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر۔

(۲۲) وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ۔الخ پارہ ٦ المائدۃ آیت نمبر ۴۹

ترجمہ: اور یہ کہ اے مسلمان! اللہ کے اتارے پر حکم کر اوران کی خواہشوں پر نہ چل اوران سے بچتارہ کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا۔

اہل ہویٰ کی تابعداری کرنے والا عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکے گا:

(۲۳) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَمَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ۔پارہ ۱۳ الرعد آیت نمبر ۳۷۔

ترجمہ: اے سننے والے! اگر توان کی خواہشوں پر چلے گا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ کے آگے نہ تیرا کوئی حمایتی ہوگا نہ بچانے والا۔

اہل ہوا کے بجائے حکم الٰہی کی متابعت ضروری اور لازمی ہے:

(۲۴) وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ۔پارہ ۲۵ الشوریٰ آیت نمبر ۱۵

ترجمہ: اور ثابت قدم رہو جیسا تمہیں حکم ہوا ہے اوران کی خواہشوں پر نہ چلو اور کہو کہ میں ایمان لایا جو کوئی کتاب اللہ نے اتاری۔

اس پر حضرت علامہ قاری صاحب کا اقرار اور شہادت بھی ملاحظہ ہو:

وَمَا ضَلَّ مَنْ ضَلَّ مِنَ الْكَفَرَةِ وَالْحُكَمَاءِ وَالْمُبْتَدَعَةِ وَأَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا بِمُتَابَعَةِ الْعَقْلِ الخ۔

یعنی کفار، حکماء، مبتدعین اوراہل ہواء جو صرف عقل کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ مرقاۃ ج ۲ صفحہ ۸۵ قبیل باب التیمم امدادیہ ملتان۔

وہ یہ کہ جس اور جتنی احادیث کتب نے یہ احادیث نقل کی ہیں جس میں ہے **قال (علیه السلام) ان فی الصلوٰة لشغلاً۔** اور اس طرح وہ احادیث مبارکہ جس میں ہے **فقال (ای رسول اللہ ﷺ) مالی اراکم رافعی ایدیکم کا نهااذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة صحیح بخاری وغیرہ** اور اس طرح: **باب ماجاءتحریم الکلام فی الصلوٰة و نسخ ما کان من اباحته (ثم قال هذه الصلوٰة لا یصلح فیها شئی من کلام الناس اه مسلم وغیرہ باب الخشوع فی الصلوٰة ابن ماجه وغیرہ** اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری وغیرہ۔

اس کیلئے ناسخ بیان کرے تاکہ ہمارے علم میں اضافہ ہو جائے

سوال: اگر کوئی اس حدیث شریف کہ **مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة** کے جواب بطور انکار یا مذاق کہے کہ پھر رکوع اور سجدہ وغیرہ افعال نماز کو بغیر تحریک یدین کیسے ادا کریں گے تو اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) اس سے یہ شخص اسلام سے خارج ہوا پھر جب کلمہ پڑھا تو مسلمان ہوا مگر تجدید نکاح اس کے لیے ضروری ہے ورنہ تادم حیات زناکار رہے گا۔

(۲) اگر بہ طور انکار اور یا مذاق نہ کہے تو پھر جواب وہ حدیث شریف ہے جس کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

باب جاء فی الوتر برکعة میں حدیث نمبر ۲ اور اس پر حاشیہ نمبر ۵ میں ہے جب ابی مجلز نے حدیث منقولہ میں کہا:

قلت أرایت انه غلبتنی عینی أرایت ان نمت قال اجعل أرایت عند النجم الخ۔

انجاح نے اس پر لکھا ہے:

کان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم یکرهون معارضة الحدیث حتی۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نی ترک الکلام مع ابنہ بلالہ الخ لما فی حدث ابو ھریرۃ بقولہ ﷺ الوضوء مما غیرت النار و قالہ ابن عباس انتوضاء من الحمیم فقال ابو ھریرۃ یا ابن اخی اذا سمعت الحدیث من رسول اللہ ﷺ فلا تضرب لہ مثلاً و کذلک عمران بن حصین و غیرھم من الصحابۃ الخ جلد ۱ صفحہ ۲ ۸ ابن ماجہ نور محمد کراچی و حدیث ابی ھریرۃ ذکرہ ابن ماجہ باب الضوء مما غیرت النار میں جلد ۱ ابن ماجۃ صفحہ ۳۷۔ اور احادیث صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۴۸ تک مذکور ہے۔ اور یہ کہ انگلی اٹھانا اور دونوں ہاتھ اٹھانا ایک ہے یہ صفحہ ۵۹ سے ۶۱ تک مذکور ہے۔

(۳) وہ حرکتیں تو نماز میں فرائض ادا کرنے کے لیے اور یہ آپ بتایئے کہ تشہد میں یہ حرکت کون سے فرض ادا کرنے کے لیے ہے کہ اس کے بغیر وہ فرض ادا نہیں ہوتا؟ کیوں کہ نماز مرکب سے مقاصد اور وسائل سے اور اشارہ نماز میں نہ مقاصد سے ہے اور نہ وسائل سے ہے۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وتر کی حدیث بیان کی تو ابی مجلز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بتایئے اگر مجھ پر نیند غالب ہوئی اور میں سو گیا تو تیسری رکعت کیسے ادا کروں گا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ اپنی یہ رائے آسمان کے ستارے میں رکھدیں یعنی حدیث شریف سے آپکی رائے اتنی بعید اور دور ہے جتنا ستارہ، آپ کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں حدیث کے مقابلہ میں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ایک عام قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ مقابلہ مکروہ جانتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس پر باتیں بند کر دیں اور تاوفات ان کے ساتھ باتیں نہ کی۔ اور حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرمایا کہ اے بھتیجے! جب آپ حدیث سن لیں تو اس کے توڑ کے لیے مثالیں بیان نہ کریں اس طرح عمران بن حصین وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شیخ محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی نے لکھا ہے:

اعلم ان فی تاریخ۔ دیابکر۔ أن رفع الیدین سنۃ ابراھیمیۃ۔ و جرہ الشافعیۃ الی مذھبھم وحملہ الحنفیۃ علی التحریمۃ و ھو عندی خارج عن موضع النزاع، لان ماذکرہ من رفع یدیہ ھو الرفع فی الدعاء فنقلوہ الی الصلاۃ من عجلۃ تعتری المرء عند الظفر بالمقصود۔ فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۳۳ آگے جاکر باب الشاۃ التی سمت الخ میں تحریر کیا ہے: فکان یشیر عند دعائہ الی تجرید أیضاً و اعلم مر فی ھذا الحدیث ص ۳۴۵ جلد ۲ رفع یدیہ او اصبعہ۔۔۔ و فیہ فائدۃ مھمۃ ینبغی الاعتناء بھا، و ھی ان فیہ اشارۃ الی أن رفع الاصبع أیضا من صور الدعاء و لذا عدہ الشیخ ابن الھمام صورۃ من صورھا فجوزہ فی شدۃ البرد و عند الترمذی فی باب ما جاء فی کراھیۃ رفع الأیدی علی المنبر فی الدعاء أن بشر ابن مروان خطب۔ فرفع یدیہ فی الدعاء فقال عمارۃ قبح اللہ ھاتین الیدین القصیرتین، لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و ما یزید علی أن یقول ھکذا و اشار ھیثم بالسبابۃ اھ و حملہ بعضھم علی أن الرفع کان للتفھیم علی ماعرفوہ من عادۃ الخطباء، و ذلک لعدم علمھم بکونہ صورۃ من صور الدعاء ایضاً لفقدان العمل، و انقطاع التعامل و الصواب عندی أنہ کان للدعاء کما بوب بہ الترمذی و کذلک عند البیھقی کیف! و فی الحدیث تصریح بأن الرفع کان للدعاء و لیحفظ قول الترمذی فان فیہ تصریحاً بذلک اھ فیض الباری شرح بخاری ۴ جلد ۱۴۳۔

ترجمہ: جان لو کہ تاریخ دیار بکر میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا سنت ابراہیمی ہے اس کو شافعیہ حضرات نے اپنی طرف یعنی اپنے مذہب کی طرف کھینچا ہے اور احناف نے کہا کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا ہے اور یہ میرے نزدیک نزاع کے مقام و محل سے باہر ہے اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے کہ مذکورہ تاریخ نے جو ذکر کیا ہے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں وہ صرف دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے تو انہوں نے نماز میں منتقل کیا ہے کہ انسان اپنی مراد پانے میں اور گھیر لینے میں جلدی کرتے ہیں۔

تو اپنی دعاء کے وقت اشارہ کرتے تھے اس میں تجرید کے قاعدے کی طرف گئے ہیں جان لو کہ اس حدیث میں جلد ۲ صفحہ ۳۴۵ گزر گیا ہے کہ ہاتھ اٹھایا یا انگلی اور اس میں فائدہ مند مشن ہے اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انگلی اٹھانا بھی دعا کی صورتوں میں سے ہے یعنی یہ بھی دعا کی شکل ہے اس طرح علامہ ابن الھمام نے اس کو دعا کی اقسام میں شمار کیا ہے۔ کہ دعا کے اقسام میں سے ایک قسم ہے سردی کی زیادت کے وقت اس کو جائز قرار دیا ہے اور ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ رفع الأیدی علی المنبر فی الدعاء یعنی منبر پر دعا کرنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کی کراہیت میں ذکر کیا کہ بشر ابن مروان نے یقینا خطبہ دیا اور دعا میں ہاتھ اٹھایا تو عمارہ نے فرمایا کہ اللہ پاک ان کو تاہ ہاتھوں کو مونڈا کرے میں نے یقینا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا ہے اس پر اضافہ نہیں کہ اشارہ کریں اس طرح اور ہیثم نے مسبحہ پر اشارہ کیا۔ اور بعض نے اس کو تفہیم پر حمل کیا ہے کہ رفع سمجھانے کے لیے کیا تھا اس بنا پر کہ انہوں نے خطباء کی عادت کے مطابق یہ کہا اور یہ ان کے بے علمی کے وجہ سے ہے کہ ان کو یہ علم نہ تھا کہ یہ دعا کی اقسام میں سے ایک قسم بھی ہے عمل کے فقدان اور تعامل کے ختم ہونے کے وجہ سے اور میرے نزدیک صحیح اور حق یہ ہے کہ یہ دعا کے لیے تھا اور امام ترمذی نے اس کے لیے باب رکھ دیا ہے اور اس طرح بیہقی نے بھی۔ کیوں ایسا نہ ہو اور حدیث شریف میں اس پر تصریح موجود ہے کہ رفع ایدی دعا ہی کے لیے تھا۔ اور ترمذی کا لفظ یاد رکھو کیوں کہ اس میں اس کی تصریح موجود ہے اھ۔

مطلب: جس طرح شاہ صاحب نے تصریح کی اور مدلل وضاحت کی کہ یہ رفع دعا ہی کے لیے تھا جس طرح صحیح ابن حبان سے بھی یہ تصریح گزری ہے۔ اور **جوھر النقی فی ذیل سنن کبریٰ للبیھقی فی روایۃ لہ و اشار بالسبابۃ یدعوا فذکر الدعا دلیل علی انہ ذلک کان فی آخر**

الصلوٰۃ فرد تاویل البیھقی بانه وارد فی التشھداہ اور ابن الھمام سے فتح القدیر میں اور مراقی الفلاح میں سے گزرا ہے کہ یہ نماز ہی میں منسوخ ہوا ہے۔

توضیح السنن میں عبد الحق حقانی نے ذکر کیا کہ امام طحاوی کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ کے نسخ کے ساتھ رد سلام بالاشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔ توضیح السنن صفحہ ۲۶۵ مطبوع القاسم اکیڈمی یہی وجہ ہے کہ محققین احناف اس کو نماز میں حرام بتاتے ہیں۔

توجه الی القبلة: جس طرح کئی آیات میں حکم الہٰی نماز میں توجہ الی القبلة مذکورہ ہوا ہے یہ آیت مبارکہ بھی اس پر دال ہے۔

قوله تعالیٰ: وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ الخ الاعراف پارہ ۸ آیت نمبر ۲۹۔

قال غیر واحد المعنی توجھوا الی الجھة التی أمرکم اللہ تعالیٰ بالتوجه الیھا فی صلاتکم وھی جھة الکعبة، والأمر علی القولین للوجوب اھ۔

پہلا قول یہ ہے: ای فی وقت کل سجود کما قال الجبائی او مکانه کما قال غیرہ فعند بمعنی فی والمسجد اسم زمان او مکان بالمعنی اللغوی الا روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ امدادیہ ملتان۔

یعنی اول قول کے مطابق جبائی معتزلی نے کہا کہ عند لفظ فی کے معنی پر ہے اور مسجد اسم زمان یعنی ہر سجدہ کے وقت۔ لفظ کل مضاف ہے مسجد نکرہ کو اور جب کل کی اضافت نکرہ کو ہو تو افراد کا احاطہ واجب کرتا ہے۔ (غایة التحقیق وغیرہ) اور دیگر علماء نے فرمایا کہ مسجد اسم مکان ہے یعنی ہر جگہ نماز میں روبہ قبلہ ہو۔ مگر بہت سے علماء نے فرمایا کہ معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرف کو منہ کریں جس طرف اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز میں توجہ کا حکم دیا ہے جو کہ کعبہ شریفہ ہے۔ اور

دونوں اقوال کی بناپر حکم الٰہی وجوب کے لیے ہے۔ یہ تو مخالفین بتائیں کہ نماز میں خلاف واجب کام کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

دوسری وجہ یہ ہے

اگر چہ اس میں بظاہر چار انگلیاں قبلہ سے پھیر دینا ہے مگر حقیقتاً و حکما یہ سارا بدن قبلہ سے پھیرنے کے حکم میں ہے۔ عنایہ بر فتح القدیر میں ہے۔ **انتفاء الجزء یستلزم انتفاء الکل** جب جزء قبلہ سے پھیر دیا اور وہ رو بہ قبلہ نہ ہوا تو اس سے یہ لازم ہوا کہ سارا جسم رو بہ قبلہ نہ ہوا۔ اس کی تفصیل وجگہ سابقہ اوراق میں گزری ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ جلد ا صفحہ ۸۸ عنایہ۔

ضروری وضاحت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانۂ نبوت ۲۳ سالہ دور میں سے ثابت کرو کہ جب کوئی اسلام لاتا تو تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے ساتھ ساتھ اشارہ انگلیوں سے بھی کرتے تھے۔

مفسرین، محدثین، فقہاء اور علماء علم عقائد نے اس اہم مسئلے کو کہاں ذکر کیا۔ نہ ایمان مفصل میں مذکور ہے اور نہ ایمان مجمل میں کیوں کہ ایمان مجمل ہے: **اقرار باللسان و تصدیق بالقلب** آیا ہے۔

زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق کرتا ہوں۔ ایمان مفصل اور ایمان مجمل دونوں میں اشیر بالبنان نہیں ہے کہ انگلی سے اشارہ کرتا ہوں تو نماز جس کا دارو مدار سکون اور وقار پر ہے اس میں یہ اضافہ کہاں سے آیا اور جس سے نماز کا سکون اور وقار پاش پاش ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک واضح

حقیقت ہے کہ اس میں یعنی اشارہ سے نماز میں خلاف وعدہ کام کرنا ہے۔جب نماز کے علاوہ شرعاً وعدہ خلافی ممنوع ہے تو نماز میں کس طرح جائز ہو گی۔

اس میں یعنی اشارہ کرنے میں ایمان مفصل کی بھی تکذیب ہے اور ایمان مجمل کی بھی۔فافہم۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں متعدد آیات میں اگر ایک طرف ہوا پرستی سے ہمیں منع کیا ہے تو دوسری طرف کئی آیات میں ہمیں ہوا پرستوں کی تابعداری سے بھی منع کیا ہے۔

جیسا کہ گزرا ہے:

النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنهم کانو ایقنعون من المؤمن بکلمة الشهادة و یحکمون بایمانه۔

یعنی نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ طریقہ اور عادت تھی کہ مومن سے کلمہ شہادۃ پڑھنے پر خوش اور قانع ہوتے اور اس کے ایمان کا حکم دیتے تھے۔

شرح عقائد صفحہ ۹۱ جلد ا مطبع شوکتہ الاسلام لکھنوء اور نبراس صفحہ ۳۹۷ وبیان الواعظ فی حل شرح العقائد ص ۱۵۱-۱۴۹ وشرح مقاصد ج۳ ص ۴۲۲ پر ایک قابل توجہ نکتہ ہے بے توجہی پر افسوس۔**و نحن قاطعون بان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و من بعده الخ۔**

شیخ الاجل الامام فرید الدھر وحید العصر الفقیہ الامجد طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری کے بارے میں علامہ عبدالحی الکھنوی نے تحریر کیا ہے:

کان عدیم النظیر فی زمانه فرید أئمة الدهر شیخ الحنفیة بما وراء النهر من اعلام المجتهدین فی المسائل المتوفی ۵۴۲ ھ وهو (ای کتاب خلاصۃ الفتاوی) کتاب معتبر عندالعلماء معتمد عندالفقهاء ماخوذ من فوائد البهية صفحه ۸۴ نور محمد کراچی۔

یعنی بڑا کامل شیخ یکتائے دھر و زمان بڑا فقیہ اپنے زمانہ میں مثل نہ رکھنے والا اپنے وقت کے ائمہ میں یکتا ماء وراء النھر کے علماء احناف کے شیخ، مجتہدین مسائل میں بڑا شخص، اس کی تصنیف خلاصۃ الفتاوی علماء کے ہاں معتبر اور فقہاء کے نزدیک با اعتماد کتاب ہے۔

آپ نے اپنے اس فتاویٰ میں تحریر کیا ہے:

روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا ینبغی للجاھل ان یتکلم عند العالم او یشیر بیدہ۔ خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۲۷۔ مطبع منشی نور لکشور لکھنو۔ در ۱۳۲۹ھ بمطابق ۱۹۱۱م

وایضاً فیه: وفی الشافی التقدم علی العلماء معصیۃ کبیرۃ کما جاء فی الحدیث من تقدم علی العلماء فھو ملعون ھکذا فی الفتاوی۔ خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۲۷

یرضیٰ بھا کل من کانت سریرتہ۔ تقویٰ الالٰہ و کل الخیر مصطنع۔

صاحب خلاصہ کی یہ عبارت "لا ینبغی" یہاں بمعنی یحرم ہے جس پر دلیل اس کا متصل یہ بیان کرنا ہے کہ علماء پر تقدم گناہ کبیرہ ہے۔ اس لیے معنی یہ ہے کہ عالم کے روبرو غیر عالم کی باتیں کرنا اور یا اس کو ہاتھ سے اشارہ کرنا حرام ہے۔

شافی میں ہے کہ عالم سے تقدم گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے علماء سے تقدم کیا تو وہ ملعون ہے اس طرح خلاصہ میں ہے۔

نتیجہ: تو جب ایک عالم کو ہاتھ سے اشارہ کرنا حرام ہے اس لیے کہ یہ اس کی توہین ہے تو پھر اللہ جل و علیٰ کو اشارہ کرنا پھر نماز میں جس کا دار و مدار سکون اور وقار پر ہے کس بنا پر اللہ کو اشارہ جائز ہو سکتا ہے؟

صاحب تفسیر معارف القرآن اس آیت: لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ الاية کے تحت رقمطراز ہیں:

بعض علماء نے فرمایاہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ وہ وارث انبیاء علیہم السلام ہیں اور دلیل اس کی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے الخ (از روح البیان از کشف الاسرار) معارف جلد ۸ صفحہ ۱۰۰

اس طرح **لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** کے تحت لکھاہے:

مسئلہ: جس طرح تقدم علی النبی کی ممانعت میں علمائے دین بہ حیثیت وارث انبیاء ہونے کی داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے اُن کی آواز دب جائے۔[2234]

آگے جاکر لکھتے ہیں: تقدم اور رفع صوت اگرچہ بقصد ایذانہ ہو پھر بھی اُن سے ایذاء کا احتمال ہے اسی لیے اُن کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیاہے۔ تقدم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچادے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں اور کرنے والے نے چوں کہ قصداً ایذانہ کیا تھا اس لیے اس کو اس کی خبر نہ ہو گی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا سبب کیا تھا۔ الخ۔[2235]

حکم الٰہی کا ٹھٹھا کرنا

[2234] (قرطبی) معارف جلد ۸ صفحہ ۱۰۱

[2235] معارف جلد ۸ صفحہ ۱۰۲

اگر کسی کو کہا گیا کہ حکم الٰہی ہے کہ نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کیا کریں تو اس نے کہا کہ سجدہ میں ناک کے ساتھ کیا کروگے۔ یہ حکم الٰہی قرآن کریم میں چھ بار مذکور ہے اور اس لیے اس کا ٹھٹھا کر دیا تو اگرچہ اس نے تجدید اسلام تو کیا ہو گا مگر اس کے لیے لازمی ہے کہ تجدید اسلام کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی کرے اور حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بعد میں آئے گا۔

صاحب شامی اقسام علم میں تحریر فرماہیں:

وعلم الالفاظ المحرمة أو المكفرة و لعمرى هذا من اهم المهمات فى هذا الزمان لانک تسمع کثیرا من العوام یتکلمون بما یکفرو هم عنها غافلون والا حتياط أن يجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند شاهدین فی کل شهر مرة او مرتین اذا الخطاء وان لم یصدر من الرجل فهو من النساء کثیر: ردالمختار جلد ۱ صفحه ۳۲ مصری۔

یعنی حرام کرنے والے اور کافر کرنے والے الفاظ کا علم حاصل کرے اس ذات پر قسم جس نے مجھے عمر دی ہے اس زمانہ میں اہم اور ضروری سے ضروری کاموں میں سے ہے کیوں کہ آپ بہت سے عوام الناس سے سنتے ہیں ان الفاظ پر باتیں کرتے ہیں جس سے وہ کافر ہوتے رہتے ہیں اور وہ اس سے غافل ہی ہیں۔

احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ علم سے ناواقف ہر روز اپنا ایمان کا تجدید کریں اور ہر مہینے میں ایک یا دو بار اپنے بیوی سے دو گواہوں کے موجودگی میں نکاح کا تجدید کرے۔ کیوں کہ خطا اگر مرد سے نہیں تو عورتوں سے بہت صادر ہوتی ہے۔

استہزاء اور ٹھٹھا کرنا

اللہ جل مجدہ نے ہمیں سورۃ انعام آیت نمبر ۶۸ میں فرمایا ہے: جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

ترجمہ: اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

طعن تَشنیع اِستِھزاء کے ساتھ

اور ان کی ہم نشینی ترک کر۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا احترام نہ کیا جاتا ہو مسلمان کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں، اس سے ثابت ہو گیا کہ کُفّار اور بے دینوں کے جلسے جن میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں ان میں جانا، سننے کے لئے شرکت کرنا جائز نہیں اور رد و جواب کے لئے جانا مُجالَست نہیں بلکہ اظہارِ حق ہے ممنوع نہیں جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے۔[2236]

تنبیہ بطرزِ دیگر

مذکورہ مذاقی کو معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ رکوع مختلف صیغہ سے تیرہ (۱۳) جگہ قرآن کریم میں آیا ہے ملاحظہ ہو:

(۱، ۲) وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ: بقرة آیت نمبر ۴۳۔ وَارْكَعُوا: فعل امر مبنی علی حرف النون۔ الراکعین مضاف الیہ مجرور جمع راکع و هو اسم فاعل۔

(۳) وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ: بقرة آیت نمبر ۱۲۵۔ الرکع جمع راکع اسم فاعل من رکع یرکع باب فتح۔

(۴، ۵) وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ: آل عمران آیت نمبر ۴۳
ارکعی فعل امر علی حذف النون والیاء راکعین جمع راکع و هو اسم فاعل۔

2236 (کنزالایمان تفسیر خزائن العرفان)

(٦)وَهُمْ رَاكِعُونَ:المائدۃآیت نمبر ٥٥

راکعون:جمع راکع وھو اسم فاعل۔

(٧)الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ:التوبہ آیت نمبر ١١٢

اراکعون جمع راکع وھو اسم فاعل

(٨)وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ:الحج آیت نمبر ٢٦

الرکع:جمع راکع اسم فاعل کمامر۔

(٩)ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا:الحج آیت نمبر ٧٧۔ارکعوا۔فعل امر

(١٠)وَخَرَّ رَاكِعًا:ص آیت نمبر ٢٤:راکع۔اسم فاعل

(١١)رُكَّعًا سُجَّدًا:فتح آیت نمبر ٢٩

رکعا حال من مفعول تراھم۔اسم فاعل

(١٢)وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ:المرسلات آیت نمبر ٤٨

ارکعوا۔فعل امر

(١٣)لا یرکعون:یرکعون جمع یرکع مضارع۔

اس میں صرف چار بار امر کے لیے آیا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا یعنی اللہ جل مجدہ نے قرآن کریم چار بار ہمیں رکوع کرنے کا حکم دیا۔

لفظ سجدہ: لفظ سجدہ مختلف صیغوں سے کئے بار قرآن میں مذکور ہے۔٥٥ دفعہ ہم ان میں سے صیغہ اُمر سے آنے کا انتخاب کرتے ہیں۔

١۔اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا:بقرۃ آیت ٣٤۔اسجدوا فعل امر ہے۔

٢۔وَاسْجُدِي:آل عمران آیت نمبر ٤٣ فعل امر۔

٣۔قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا:الاعراف آیت نمبر ١١ فعل امر ہے۔

٤۔وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ:الحجر آیت نمبر ٩٨ فعل امر ہے۔

۵۔اسۡجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوا: سورۃ الکھف آیت نمبر ۵۰۔اسجدوا امر ہے۔

۶۔قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوا: طٰہٰ آیت نمبر ۱۱۶۔اسجدوا امر ہے۔

۷۔ارۡکَعُوا وَاسۡجُدُوا: الحج آیت نمبر ۷۷ اسجدوا امر ہے۔

۸۔قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوا: الاسراء آیت نمبر ۶۱ اسجدوا امر ہے۔

۹۔وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسۡجُدُوا لِلرَّحۡمَنِ: الفرقان آیت نمبر ۶۰ اسجدوا امر ہے۔

۱۰۔وَاسۡجُدُوا لِلّٰہِ: حٰمٓ السجدہ (فصلت) آیت نمبر ۳۷ امر ہے۔

۱۱۔وَمِنَ اللَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهُ: سورۃ الانسان (الدھر) آیت نمبر ۲۶ فاسجد امر ہے۔

۱۲۔وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ: العلق آیت نمبر ۱۹ وَاسۡجُدۡ امر ہے۔

حاصل کلام: یعنی سجدہ کرنے کا امر تیرہ بار آیا ہے۔

باقی رہا قیام اور نماز میں قیام:

وَقُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ البقرۃ آیت نمبر ۲۳۸ پارہ ۲

قوموا: صیغہ جمع امر حاضر ہے اور قانتین کا مختلف معانی مفسرین نے بیان کی ہے:

وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ، فأمروا بالسكوت: والمعنى و قوموا فى الصلوٰة: تفسير البحر المحيط جلد ۲ صفحه ۲۵۱ دار الكتب العلميه بيروت۔

(۲) فَلۡتَقُمۡ طَائِفَةٌ مِنۡهُمۡ مَعَكَ: النساء نمبر ۱۰۲ پارہ ۵

الفاظ رابطة لجواب اذا (اللام) لام الأمر تقم مضارع مجزوم بلام الأمر، الجدول فى اعراب القرآن و صرفه و بيانه جلد ۲ صفحه ۱۵۰۔

(۳) وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ آيت نمبر ۲۹ پاره ۸ الاعراف والامر۔۔۔ للوجوب: روح المعانى جلد ۸ صفحه ۱۰۷

(اقیموا) فعل أمر مبنی علی حذف النون۔ الجدول فی اعراف القرآن و صرفه و بیانه جلد ۴ صفحه ۳۸۹۔

نتیجہ: مندرجہ بالاسے معلوم ہوا کہ رکوع کا امر ہمیں قرآن کریم میں چار دفعہ ہوا ہے اور سجدہ کا امر تیرہ دفعہ اور قیام کا تین بار مذکور ہوا۔

(۴) تین دفعہ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ مذکور ہیں۔ یونس آیت نمبر ۱۰۵ وروم آیت ۳۰ اور صفحہ ۴۳۔

مقاصد: نماز میں قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ مقصودی امور میں سے ہیں نہ کہ وسائل سے۔ اور نماز مقاصد اور وسائل سے مرکب ہے۔ کما فی الکتب المعتبرة ایک اعتبار سے قیام اور رکوع وسائل میں سے ہیں اور سجدہ مقاصد میں سے ہے اور دوسرے اعتبار سے قیام اور رکوع مقاصد ہیں اوراس کیلئے جو حرکات وغیرہ وہ وسائل سے ہیں اسی طرح قعدہ وسائل سے ہے سلام کیلئے اور سلام مقاصد میں سے ہے توجہ الی القبلہ کی طرح مذکورہ مقاصد بغیر عذر شرعی ساقط نہیں ہوتے۔ قیام میں بدن کا اہم جزء یعنی دل روبہ قبلہ ہوتا ہے باقی تابع ہیں اور رکوع میں بدن کے دونوں اعضاء دل و دماغ روبہ قبلہ ہوتا ہے۔ سجدہ میں بھی دل و دماغ دونوں روبہ قبلہ ہوتے ہیں اور قعدہ میں دل روبہ قبلہ ہوتا ہے۔ اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں اور یہ خصم بتائیں گے کہ قعدہ کی حالت میں اشارہ وسائل سے ہے یا مقاصد سے؟ منافقین کے عمل سے پرہیز۔

منافقین کے عمل سے پرہیز:

کہ اگر ایک حکم شرعی کے ساتھ استہزاء کرے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ الاية الخ۔

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔

شانِ نُزول: غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تمسخُراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے، کتنا بعید خیال ہے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سن کر ہنستا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لئے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازِل ہوئی اور ان کا یہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لئے یہ فرمایا گیا جو آگے ارشاد ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ جب ایک حکم شرعی سن لیں اور اس کے خلاف حکم شرعی ہمیں معلوم نہ ہو تو اپنے ہوائے نفسی سے اس کو رد کرنے سے پرہیز کریں۔

فصل:

اس فصل میں محققین محدثین کا خشوع اور سکون کے بارے میں مختصر بیان کرنا ہے:

السکون ھو طریق ما اجمع علی طلبه فی الصلاۃ اعنی الخشوع۔

آگے جا کر لکھتا ہے:

ان المطلوب من الشرع عدم الحرکۃ فی الصلاۃ و مبناھا السکون و الخشوع کما ھو شاکلۃ الخدام و العبید و الغلمان بین ایدی ساداتھم بالاستکانۃ و القرار بلا حرکۃ علی حسب عادتھم اعلاء السنن لعلامہ ظفر احمد العثمانی التھانوی جلد ۲ ص ۸۵۰۔

سکون سے مراد خشوع ہے یہ وہ طریقہ ہے کہ نماز میں اس کے کرنے پر اجماع ہے۔ شریعت سے مطلوب نماز حرکت نہ کرنا ہے جس کا دارومدار سکون اور خشوع ہی پر ہے جیسا کہ یہ خدمت کرنے، غلاموں اور لڑکوں کی روش و طریقہ ہے اپنے سرداروں کے آگے اپنی عادت کے مطابق عاجزی، انکساری بغیر حرکت کے کرتے ہیں۔

السکون الذی ھو طریق ما أجمع علی طلبه فی الصلوٰۃ أعنی الخشوع اھ صفحه ۲۳۷ کما فی القرآن (قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (۲)) سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱ و ۲۔ والخشوع المطلوب فی الصلاۃ ھو السکون الذی امر به النبی ﷺ بقوله: اسکنوا فی الصلاۃ۔

قال الحافظ فی الفتح: والخشوع تارۃ یکون من فعل القلب: کالخشیة وتارۃ من فعل البدن کالسکون۔ وقیل: لا بد من اعتبارھما حکاہ الفخر الرازی علیہ الرحمۃ فی تفسیرہ وقال غیرہ ھو معنی یقوم بالنفس، یظھر عنه سکون فی الاطراف، یلائم مقصود العبادۃ ویدل علی أنه من عمل القلب حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنه الخشوع فی القلب أخرجه الحاکم وأما حدیث: لو خشع ھذا خشعت جوارحه ففیه اشارۃ الی ان الظاھر عنوان الباطن، اھ وروی البیھقی باسناد صحیح عن مجاھد قال: کان ابن الزبیر اذا قام فی الصلاۃ کانه عود او حدث ان ابابکر الصدیق کان کذلک قال وکان یقال ذاک الخشوع فی الصلاۃ اھ۔۔۔فزینة الصلاۃ الترک الذی ھو السکون لا الرفع فبھذا یترجح ما ذھب الیه الاحناف رحمھم اللہ تعالیٰ۔ موسوعة فتح الملھم بشرح صحیح الامام مسلم بن الحجاج القشیری علیہ الرحمۃ تالیف الشیخ، شبیر احمد العثمانی رحمه اللہ تعالیٰ تعلیقات العلامة المفتی محمد رفیع العثمانی جلد ۳ صفحه ۲۳۷ اور اس سے قبل تحریر کیا ہے: أن المقصود الا صلی فی الصلاۃ السکون والحرکة انما تقع لضرورۃ، والضرورات تقدر بقدرھا صفحه ۲۳۶

وقدمر أن الخشوع ھو المطلوب الأصلی فی جمع أجزاء الصلاۃ جلد ۳ صفحه ۳۴۱۔

والمفھوم من معانی الآثار أنه علیه السلام کان یشیر لرد السلام ثم صار منسوخاً مشمولاً بنسخ الکلام وقول الطحاوی ھذا لیس۔ ببعید لان الکلام فی الصلاۃ، والاشارۃ کانت جائزۃ فیھا ثم نسخ الکلام فلعله فسحب علی الاشارۃ ایضاً اھ الی ان قال: وقال فی آخرہ: فلما أمر رسول اللہ ﷺ بالسکون فی الصلاۃ وکان رد السلام بالاشارۃ فیه خروج من ذلک لأن فیه رفع الیدو تحریک الأصابع ثبت بذلک أنه قد دخل فی ما أمر به رسول اللہ ﷺ من تسکین الأطراف فی الصلوٰۃ، واللہ أعلم جلد ۳ صفحه ۳۷۱-۳۷۰ ونسخه

اخری ج۳ص ۲۴۶۔أما التقدم علی الامام فی الخفض للرکوع والسجود فقیل یلتق بہ من باب الأولی، لان الاعتدال والجلوس بین السجدتین من الوسائل والرکوع والسجود من المقاصدو اذادل الدلیل علی وجوب الموافقۃ فیماھو وسیلۃ فأولی أن یجب فیما ھو مقصد اھ جلد۳ صفحہ ۳۷۵ فتح الملھم: دارالاحیاءوالتراث العربی بیروت۔

ترجمہ: عبارت اعلاء السنن ہو چکی ہے۔

اب فتح الملھم کے عبارت کا ترجمہ: میری مراد سکون سے وہ خشوع ہے۔ جس کے طلب پر نماز میں اجماع ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ مؤمنین کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ نماز میں خشوع مطلوبہ وہ سکون ہے جس کا حکم حضور علیہ السلام نے اپنے اس قول میں فرمایاہے کہ نماز میں سکون اختیار کرو۔

حافظ نے فتح میں فرمایا: خشوع کبھی دل کا عمل ہوتاہے جیساڈرنااور کبھی بدن کا عمل ہوتاہے: جیسے سکون وعدم حرکت اور کہا گیاہے دونوں کے معتبر ہونے سے مخلص نہیں اس کو فخر رازی نے اپنے تفسیر میں بیان کیااور اوروں نے کہا کہ یہ وہ اثر ہے جو نفس سے قائم ہوتاہے جس سے اطراف میں سکون ظاہر ہوتاہے (اس کو حضور علیہ السلام نے حدیث میں اشارہ فرمایا کہ بدن میں ایک ٹکڑا ہے جس کی اصلاح فساد سے سارے بدن کا اصلاح اور فساد ہے) جو عبادت کے مقصود کو پہنچتے ہے۔ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ خشوع دل میں ہوتاہے۔اس کو حاکم نے نقل کیاہے۔

اور یہ حدیث کہ اگر اس میں خشوع ہوتاتو اس کے اعضاء خاشع ہوتے۔اس میں اشارہ ہے کہ ظاہر باطن کا سرنامہ ہے۔

بیھقی نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے: ابن زبیر جب نماز پر کھڑے ہوتے تو گویا وہ لکڑی ہوتے اور حدیث بیان کی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسے ہوتے۔ فرمایا: وہ کہتے تھے کہ نماز میں خشوع ہے اھ۔۔۔۔ نماز کی زینت اس کا یعنی حرکت کا ترک ہے جو کہ خلاف سکون ہونہ کہ اٹھانا اس سے مذھب حنفی اور احناف کو ترجیح حاصل ہے۔ جلد ۳ صفحہ نمبر ۲۳۷

پہلے بیان ہو چکا کہ نماز میں اصلی مقصد سکون ہے اور حرکت صرف ضرورت کے وجہ سے آتی ہے اور ضروریات ضرورت کی مقدار میں کی جاسکتی ہے صفحہ نمبر ۲۳۶۔ اور یہ گزرا ہے کہ مقصد اصلی سارے اجزائے نماز میں خشوع ہی مطلوب ہے۔ ج ۳ ص ۳۴۱۔

معانی الآثار میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جواب سلام کے لیے اشارہ فرماتے تھے نہ کہ توحید کیلئے پھر منسوخ ہوا۔ باتیں کرنے کا نسخ اس کو شامل ہوا اور ساتھ منسوخ ہوا۔ (معانی الآثار اور دیگر کتب معتبرہ سے یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ اختلاف رد سلام کے لیے اشارہ میں ہے اور نفی اثبات کے لیے اشارہ کرنا مجتہدین اربعہ میں سے کسی سے ثابت نہیں اور نہ قرآن و حدیث میں اس کی کوئی اصل موجود ہے) امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حق سے بعید نہیں۔ کیوں کہ نماز میں باتیں کرنا اور اشارہ کرنا جائز تھا پھر نماز میں باتیں کرنا منسوخ ہوا تو اشارہ پر بھی جاری ہوا یعنی منسوخ ہوا۔ جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں سکون کا حکم دیا اور سلام کا رد اشارہ سے نماز میں تھا اس میں اس سے نکلنا ہے اس لیے کہ اس میں ہاتھ اٹھانا اور انگلیوں کو حرکت دینا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس چیز کا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم دیا تھا اس میں داخل ہوا وہ نماز میں تسکین اطراف ہے۔ جلد ۳ صفحہ ۳۷۰۔ ۳۷۱ (یہ قول جو ہم نے اس باب میں بیان کیا یہ امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور محمد

رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ شرح معانی الآثار جلد ا صفحہ ۱۳۰۹ یچ ایم سعید کراچی قبیل باب المرور بین یدی المصلی) اس طرح کتاب الآثار مترجم صفحہ ۷٦ وغیر مترجم ۲۷۔۲۸ رکوع اور سجدہ جانے میں امام سے تقدم تو کہا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بہ طریق اولیٰ ملحق ہوتا ہے کیوں کہ اعتدال اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا وسائل میں سے اور رکوع اور سجدہ مقاصد میں سے ہیں۔ تو جب وسائل میں دلیل نے موافقت ثابت کر دی تو مقاصد بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا۔ جلد ۳ ص ۷۵ ۳ فتح الملہم۔

شیخ ابو الوفا الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ:

ان المعلوم من تدرج الأحكام الشرعية انه قد كان فى مبادى الاسلام و اوائله تخفيفات كمية و كيفية ثم زادت الأحكام و ترقت يوماً فيو ما لا سيما فى الصلاة من التشديدات من سد باب الكلام و الحركة و المشى و قلة الركعات و الافعال الكثيرة و رد السلام وغير ذلک ثم نسخت و تشددت و أحكمت الأحكام و أكمل الدين اه شرح كتاب الآثار لمحمد شيخ المذكور دار الكتب العلمية بيروت صفحه نمبر ۲۴۳۔۲۴۴ شيخ ابو الوفاء الافغانى۔ واخرج الترمذى عن عبدالله بن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل قال قدمت المدينة قلت لأنظرن الى صلاة رسول الله ﷺ فلما جلس يعنى للتشهد افترش رجله اليسرى و وضع يده اليسرى يعنى على فخذه اليسرى و نصب رجله اليمنى (ثم قال) هذا حديث حسن صحيح و العمل عليه عند اكثر اهل العلم و هو قول سفيان الثورى و ابن المبارك و أهل الكوفة: (كتاب مذكور صفحه ۲۷۳۔ يقول الكاتب لقد اثبت الترمذى عدم الاشارة فى مذهب الاحناف و اكثر اهل العلم و الاشارة قول البعض و بذلک الحديث استدل امام الطحاوى وغيرهم من الاكابر فافهم۔ ۱۱۳۔ محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا معن بن عبدالرحمن عن القاسم بن عبدالرحمن عن ابيه عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: و قروا الصلاة يعنى السكون فيها قال محمد و به نأخذ وهو قول ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه۔

و فی مجمع بحار الانوار فیه لم یفضلکم ابوبکر بکثرۃ صوم و لاصلاۃ و لکن شئی وقرفی القلب ای سکن فیه و ثبت من الوقار الحلم و الرزانۃ و قریوقر و قارا اھ و فی تلخیص الیسوطی و قرفی القلب سکن فیه وثبتا۔ وقال الراغب و الوقار السکون و الحلم الخ من مجمع بحار الانوار (جلد ۱ صفحه نمبر ۱۳۱) ومنه قاروالصلاۃ ای اسکنو فیها ولا تحرکوو لا تعبثو، اھ کتاب الآثار قلت و اخرجه الامام ابو یوسف فی آثارہ (ص ۵۰) عنه قدبلغنی عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه قال تو قروافی الصلاۃ واخرجه الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود قال قاروا الصلاۃیقول سکنوا اطمئنوا ورجاله رجال الصحیح (قلت و هو عندالبیهقی فی سننه (جلد ۲ صفحه ۲۸۰) عن الأعمش عن ابی الضحی عن مسروق قال قال عبداللّٰہ) قاروافی الصلاۃ و فی نسخه للصلاۃ الخ کتاب الاثار مع تعلیق ابو الوفاء رحمه اللّٰہ تعالیٰ صفحه ۳۰۱ وروی مسلم من طریق تمیم بن طرفة عن جابر بن سمرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال خرج علینا رسول اللّٰہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کا نها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ الخ الحدیث (ج ۱ ص ۱۸۱) قال النووی وفیه الامر بالسکون فی الصلاۃ والخشوع فیها والاقبال علیها وروی الترمذی من طریق ابن المبارک عن اللیث عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الصلاۃ مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین و تخشع و تضرع و تمسکن و تقنع یدیک یقول ترفعها الی ربک مستقبلا ببطو نهما و جهک و تقول یا رب یا رب و من لم یفعل ذلک فهو کذا و کذا قال ابو عیسیٰ و قال غیر ابن المبارک فی هذا الحدیث من لم یفعل ذلک فهو خداج اھ (ص ۸۲) الخ (الیٰ ان قال) قال ابو الحسن رحمه اللّٰہ تعالیٰ (ینبغی للرجل اذا دخل فی صلاۃ ان یخشع فیها فان اللّٰہ تعالیٰ مدح الخاشعین فی صلاتهم فیکون منتهی بصرہ الی موضع سجودہ۔۔۔اما الخشوع لقوله تعالیٰ "الذین هم فی صلاتهم خاشعون وروی ان النبی ﷺ رأی رجلا یعبث بلحیته فی صلاته فقال لو خشع قلبه لخشعت جوارحه الخ کتاب الآثار مع تعلیق ابو الوفا الافغانی صفحه ۳۳۰، ۳۰۱ و ۳۰۲

ملتقطاً وقول الحلوانی علیه الرحمه: منفردات الحلوانی مثل قوله فی تسمیة الذبح بسم اللّٰہ اکبر ولا یقول واللّٰہ اکبر لانه یقطع الفور مردودۃ علیه لانه اجتهاد فی مقابلة النص او مقابلة

امامه و كذا اقوال غيره من علماء المذهب خلاف صاحب المذهب و اصحابه مردودة عليهم لا يصغى اليها وليست بحجة على مقلد امام خاص و لا يلزمه الأخذ به و كذلك قول بعض معاصرين فى بعض مؤلفاته (الىٰ ان قال) ولو سلم انه مجتهد فقوله لا يكون حجة لنا صفحه ٢٦٦ ـ اه (آگے جاکر تحریر فرمایا ہے) و كذالك لا حاجة الى تطبيق قول الحلوانى مع قول الامام و تأويله لأن ظاهر قوله يرد قول الامام و للمقلدان يقلد امامه و لا يلتفت الى قول من سواه و لايكون قول الغير حجة عليه حتىٰ يحتاج الى تأويله اه صفحه ٢٧١ (وايضاً قال) و منفردات الحلوانى فى مقابلة قول امامه معروفة كتب الفقهه لا يخفى على من دارس الفقه ـ اه صفحه ٢٧١ و ٢٧٢ كتاب الآثار لامام محمد رحمه الله تعالىٰ بتعليق ابو الوفاء فالحق ان اقوال من سواه من مقلديه بقوله تترك بقوله وجه لا يبالى باقوالهم ـ الافغانى رحمه الله تعالىٰ ـ

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ احکام شرعیہ اسلام کے ابتداء اور شروع میں مقدار اور طور طریقے کے لحاظ سے ہلکے تھے۔ پھر یوماً فیوماً (دن بدن) ترقی کرتے ہوئے زیادہ اور کثیر ہوئے۔ خاص کر نماز میں سخت باتیں کرنا حرکت کرنا چلنا اور رکعات کی کم اور زیادہ افعال اور جواب ورد سلام وغیرہ کا دروازہ بند ہوا اور یہ امور نماز میں منسوخ ہوئے اور احکام کو محکم کرکے تشدد ہوا اور دین کو مکمل کیا صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴: ترمذی نے وائل سے حدیث نقل کی ہے فرمایا میں مدینہ منورہ آیا میں نے کہا کہ میں ضرور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نماز دیکھوں گا۔ جب تشہد کے لیے بیٹھا تو بائیں پاؤں پھیلایا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ دیا اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیا (پھر کہا) کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری وابن المبارک اور اہل کوفہ کا قول ہے۔ (جس میں اشارے کا ثبوت نہیں) یعنی امام ترمذی نے ثابت کر دیا کہ مذھب احناف میں اشارہ کرنا نہیں) صفحہ ۲۷۳ کتاب مذکور اور اس حدیث پر امام طحاوی وغیرہ نے عدم اشارہ پر دلیل پکڑی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نماز کی

تعظیم کرو۔یعنی سکون سے ادا کرو(اس طرح مجمع بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۱۰۱)امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہاہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول(یہ واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ مذہب حنفی میں اشارہ نہیں) مجمع بحارالانوار میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزوں کی زیادتی اور نماز کی کثرت کے وجہ سے یہ فضیلت حاصل نہیں کی مگر آپ کے دل میں تعظیم یعنی سکون تھا اور وقار بردباری اور سنجید گی تھی اس سے ثابت ہوا۔ وقر ماضی یوقر مضارع وقارا مصدر امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تلخیص میں ہے وقر فی القلب دل میں سکون اختیار کیا اور اس میں ساکن ہوا اور جمارہا۔ راغب نے فرمایا کہ وقار سکون اور بردباری ہے الخ مجمع الانوار جلد ا صفحہ ۱۳۱ میں ہے قاروالصلوٰۃ یعنیاس میں ساکن رہو اور حرکت مت کرو اور عبث کام مت کرو۔ اھ۔ میں کہتاہوں اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب الآثار میں نقل کیاہے ص ۵۰(ونسخہ دیگر صفحہ ۱۲۸)اخرجہ عبدالرزاق ۳۳۰۵۔ابن ابی شیبہ ۷۳۱۶ ۔۷۳۲۰۔ ۷۳۲۱۔قال قاروا الصلاۃ یقول اسکنوا اطمئنوا تحت الخط عنہ۔ یہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچاہے کہا کہ نماز کی تعظیم کرو فرمایا سکون اور اطمینان سے نماز ادا کرو سند والے صحیح بخاری کی سند کے رجال ہیں اور میں کہتاہوں کہ بیھقی نے سنن میں جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ پر بیان کی ہے۔

اعمش سے انہوں نے ابی الضحی سے انہوں نے مسروق سے روایت کی کہا کہ عبد اللہ نماز کی تعظیم کرو اور ایک نسخہ میں کہا کہ نماز کے لیے تعظیم کرو۔ ابوالوفاء صفحہ ۳۰۱ مسلم نے تمیم بن طرفۃ وجابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہوں نے کہا کہ ہم پر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک دن تشریف لائے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی

طرح نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو۔الحدیث جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ نووی نے فرمایا اس میں نماز میں سکون اور خشوع کا حکم ہے اور اس کے طرف اقبال ہے اور ترمذی نے ابن المبارک سے اور اس نے لیث سے اس نے فضل بن عباس سے روایت کی فرمایا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے، نفل نماز دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت میں تشہد ہے خشوع کرنا عاجزی کرنا اور سکون ہے اور ہاتھوں کو اٹھاؤ اپنے رب کیلئے کہ ہتھیلیاں منہ کی طرف ہوں اور کہتے ہوئے اے رب اے رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ایسا ہے اور ایک روایت میں مبارک کے علاوہ کہ اس کی نماز ناقص ہے صفحہ ۸۲ ترمذی الخ (یہاں تک کہ فرمایا) ابو الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جب آدمی نماز شروع کرے تو اس کو چاہیئے کہ اس میں خشوع کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع کرنے والوں کی صفت فرمائی ہے اس کی نظر کی انتہاء سجدہ کی جگہ پر ہو آسمان کو نہ دیکھے نہ سر بلند کرے اور نہ نیچے کرے) خشوع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے وہ لوگ جو اپنے نماز میں خشوع کرتے ہیں (کامیاب ہیں) اور روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی میں عبث کر رہا تھا یعنی ہلا کر خلط ملط کر رہا تھا تو فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء ضرور خشوع کرتے الخ صفحہ ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲ ملتقطاً۔

منفردات حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے منفردات میں سے کچھ یہ ہے۔ مثلاً آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جانور ذبح کرنے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور بسم اللہ واللہ اکبر نہ کہے اس لیے کہ یہ عجلت ختم کرتا ہے یہ حکم اس پر رد ہے اس لیے کہ یہ نص قرآنی کا مقابلہ ہے اور یا نص کا مقابلہ ہے یا اپنے امام کا مقابلہ ہے۔

اس طرح دوسرے مذہبی علماء کے اقوال جو کہ صاحب مذہب اور آپ کے اصحاب کے خلاف ہو ان کو واپس کیا جاتا ہے۔ اس کو کان لگا کر نہیں سنایا جاتا ہے یعنی قبول نہیں کیا جاتا اور ایک خاص مذہب کے مقلد پر حجت نہیں اور مقلد کو ضرور نہیں کہ وہ اس کو قبول کرے اور اس طرح ہمارے ہم عصر بعض علماء اپنے بعض مولفات میں درج کردہ مسائل بھی ایسے ہی ہیں۔ (یہاں تک کہ فرمایا) اور اگر یہ مانا جائے کہ یہ مجتہدین ہے تو ان کا قول ہمارے لیے دلیل نہیں صفحہ ۲۶۶ کتاب مذکور (آگے جا کر لکھا ہے) اور اسی امام حلوانی کے قول کا امام صاحب کے قول کے ساتھ اور یا تاویل کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا ظاہر قول امام صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے مقلد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے امام کی تقلید کرے (تاکہ غیر مقلد نہ بنے) اور اپنے امام کے قول کے خلاف کسی کے قول کو التفات نہیں کرے گا۔ اور نہ ان کا قول اس پر حجت ہے تاکہ تاویل کو محتاج ہو۔ اھ۔ صفحہ ۲۷۱ (وایضاً فرمایا) کتب فقہ میں امام حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تفردات اپنے امام کے خلاف معلوم ہے۔ جس نے فقہ پڑھا ہو تو حق یہ ہے کہ اپنے امام کے علاوہ آپ کے مقلدین اپنے امام کے قول پر ان کا قول چھوڑ دیں اور ان کو اپنے امام کے قول پر چھوڑ دیں اور ان کے اقوال کی کوئی پرواہ نہ کریں یعنی خاطر میں نہ لائیں۔ صفحہ ۲۷۲۔۲۷۱ کتاب مذکور۔

ابوالوفا الافغانی نے کتاب الآثار کی تعلیق میں ذکر کیا:

روی الامام ابویوسف فی آثارہ (ص ۲۱) عن الامام عن طلحۃ ابن مصرف عن ابراھیم قال ترفع الأیدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ و افتتاح القنوت فی الوتر و فی العیدین و عند استلام الحجر و علی الصفا و المروۃ و عرفات و جمع و عند الجمر تین اھ (و نسخہ اخری صفحہ ۶۷)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آثار میں ابراہیم سے نقل کی سات جگہوں میں ہاتھ اٹھایا جاتا ہے نماز کے شروع میں وتر میں قنوت کے شروع میں عیدین میں حجر اسود کے استلام کے وقت و صفا مروۃ میں اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور جمرتین کے ساتھ۔[2237]

ورواه الامام الطحاوی فی شرح الآثار جلد ۱ صفحه ۳۹۱ وقد روی فی ذلک عن ابراهيم النخعی ما حدثنا سليمان بن شعيب بن سليمان عن ابيه عن ابی يوسف عن ابی حنيفة عن طلحة بن مصرف عن ابراهيم النخعی قال ترفع الأيدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلاة و بجمع و عرفات و عند المقامين عند الجمرتين ۵۸۲ و كان الحسن لا يرفع يديه فی القنوت ويؤمی باصبعه ثم ذكر عن سعيد ابن المسيب و الاوزاعی نحوه صفحه ۵۸۳ ـ و اما الايماء باصبعه المراد منه الاشارة بالمسبحة مع عقد باقی الاصابع كما فی التشهد عند بعض الأئمة لانها للدعاء مثل رفع اليدين صفحه ۵۸۳ و لأن هذا انتقال من حال الى حال يخالفها فالسنة فيها التكبير كالانتقال فی سائر الاركان و انما يرفع يديه لقوله عليه الصلاة و السلام لا ترفع الايدی الا فی سبع مواطن الخ ۵۸۴ وروی فرج مولیٰ ابی يوسف انه كان يشير بيده فی دعاء القنوت لنا قوله عليه السلام كفوا ايديكم فی الصلاة ۵۸۴ لان الدعاء الموضوع فی الصلاة لا يسن فيه بسط اليد كالتشهد وجه قول ابی يوسف (ای الرواية عنه) ان بسط اليد من سنة الدعاء بدلالة ماروی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما رأيت رسول الله ﷺ بعرفات باسطا يديه كالمستطعم المسكين و أما رواية الحسن فی الاشارة بالاصبع فقد ذكر الحسن فی رواية انه يشير فی حال التشهد ايضاً وروی عن محمد بن الحنيفة رضی الله تعالیٰ عنه ان الاشارة فی دعاء الرغبة ان يجعل بطن راحته الى السماء و الرهبة ان يجعل ظهر كفه الى وجهه كالمستغيث و المسألة ان يشير بسبابته اھ ۵۸۴ اما قوله رواية الحسن انه يشير فی حال التشهد ايضا خلاف ظاهر الرواية كما هو خلاف ظاهر المذهب فی قنوت الوتر قال الامام

2237 (مطبوعہ دارالکتب صدف پلازہ پشاور ص ۶۷ حدیث نمبر ۱۰۱ و حدیث نمبر ۱۰۰ میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ارفع یدیک فی التکبیر الاولیٰ فی افتتاح الصلوٰۃ ولا ترفع یدیک فیما سواھا) فرمایا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آثار کے ص ۷۳ میں)

الطحاوی فی مختصرہ (ص ۲۷) فاذا قعد للتشھد قعد علی رجلہ الیسری مفتر شالھا و نصب رجلہ الیمنی واستقبل باصابعھا القبلۃ ثم یبسط کفیہ علی رکبتیہ و ینشر اصابعہ ولم یشر بشئی منھا اھ و قال الامام ابوبکر الرازی الجصاص فی شرحہ لہ ولا یشیر بشئی منھا لقولہ ﷺ کفوا ایدیکم فی الصلاۃ واسکنوا فی الصلاۃ اھ و کفی بھما قدوۃ و معرفۃ للمذھب ۵۸۵ ابوالوفاءالافغانی۔

ترجمہ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے طلحہ بن مصرف رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہ ہاتھ سات جگہوں میں اٹھایا جاتا ہے نماز کے شروع کرنے کے وقت اور مزدلفہ میں اور عرفات و عند المقامین اور دونوں جمرات کے ہاں ۵۸۲ یقیناً حسن دعاء قنوت میں ہاتھ نہ اٹھاتے انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ پھر سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ اور اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نحوہ۔ صفحہ ۵۸۳ انگلی سے اشارہ سے مراد مسبحہ پر باقی انگلیاں بند کرکے اشارہ جیسا کہ بعض ائمہ کے ہاں ہے مراد ہے یہ رفع یدین کی طرح دعا کے لیے ہے ۵۸۳ کتاب الآثار تعلیق ابو الوفاء الافغانی۔

وجہ یہ ہے کہ یہ ایک حال سے مخالف دوسرے حال کو انتقال ہے تو تکبیر دوسرے انتقالات کی طرح اس میں سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس ارشاد کے وجہ سے کہ فرمایا سات مقامات کے علاوہ دوسرے جگہ ہاتھ نہ اُٹھائے الخ ۵۸۴ کتاب مذکور مولیٰ ابی یوسف فرج رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے کہ آپ دعاء قنوت میں ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔

ہمارے لیے دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ فرمان ہے۔ نماز میں ہاتھوں کو بند رکھو یعنی اٹھاؤ مت صفحہ ۵۸۴۔ نماز میں جو دعا رکھی گئی ہے تشہد کی طرح اس میں ہاتھ پھیلانا سنت نہیں ہے وجہ ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول (یعنی اس سے روایت) کہ ہاتھ پھیلانا

دعامیں سنت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مروی روایت کی وجہ سے کہ میں نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہاتھ کو پھیلائے ہوئے دیکھا مسکین کے مستطعم کی طرح جو روایت حسن نے کی ہے انگلی سے اشارہ کی بابت تو حسن نے اپنے روایت میں ذکر کی کہ وہ حالت تشہد میں بھی اشارہ کرتے اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دعاء رغبت میں اشارہ اس طرح ہے کہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے اور دعا رہبت ہتھیلیوں کی پشت اپنے منہ کی طرف کرے مستغیث کی طرح اور سوال کرنا ایسا ہے کہ اپنے مسبحہ سے اشارہ کرے ص ۵۸۴ باقی رہا اس کا یہ فرمان کہ روایت ہے کہ حسن حالت تشہد میں بھی اشارہ کرتا یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے (اس لیے حجت نہیں) جیسا کہ یہ ظاہر مذہب کے بھی خلاف ہے (یعنی اصل مذہب میں اشارہ نہیں) وتر کی قنوت میں امام طحاوی (عالم کامل بر مذاہب) نے اپنے مختصر ۲۷ پر تحریر فرما ہے جب تشہد کے لیے بیٹھ جائے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے کہ اس کو پھیلائے ہوئے ہوتے۔ اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو روبہ قبلہ کرے پھر اپنے رانوں پر دونوں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے رکھ دے اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے اور ان میں سے کسی پر بھی اشارہ نہ کرے اھ اور علامہ ابو بکر الرازی الجصاص (مجتہد) نے اس کی اپنی شرح میں فرمایا کہ اس میں سے کسی پر بھی اشارہ نہ کرے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس امر کی وجہ سے کہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھو اور نماز میں سکون کرو۔ اھ۔ یہ دونوں پیشوا و مقتدا ہونے کے لیے اور مذہب حنفی کو پہچاننے کے لیے کافی ہے۔ ص ۵۸۵ لابو الوفاء افغانی تعلیق لکتاب الآثار شبانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وضاحت: حدیث شریف: **لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن** سات جگہوں کے علاوہ ہاتھوں کو مت اٹھاؤ۔ فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے کتابوں میں بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً: ہدایہ باب صلوٰۃ

الوتر صفحہ ۱۲۸ اور عنایہ علی فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۷۸ سکھر۔ اور بدائع الصنائع ترتیب الشرائع لعلامہ کاسانی ملک العلماء المتوفی سنة ۵۸۷ ھ ایچ ایم سعید کراچی جلد ا صفحہ ۲۷۳ ولنا ماروینا من الحدیث المشھور الخ صفحہ ۲۷۷ ہمارے لیے دلیل حدیث مشہور ہے جس کو ہم نے بیان کیا۔ اھ۔

محیط برحانی جلد ۲ صفحہ ۲۱ اور البنایة فی شرح الھدایة جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ اور صفحہ ۲۹۱ تحت الخط فی تعلیقه کذا فی الاصل۔ اور کتاب الاصل بتعلیق ابو الوفا الافغانی جلد ا صفحہ ۱۶۴ قلت و فی کم مواطن ترفع الأیدی؟ قال فی سبع مواطن الخ یہ کتاب الاصل میں امام محمد شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح ہے کہ حالت تشہد میں رفع الایدی نہیں یعنی اشارہ کے لیے رفع اصباع نہیں اور شامی جلد ا صفحہ ۴۹۲ مصری اور جلد ا صفحہ ۳۷۴ شامی مصری اور در مختار جلد ا صفحہ ۶۷ اور حاشیہ طحطاوی علی در مختار جلد ا صفحہ ۲۲۴ اور اخراج حدیث الطبرانی اس میں اور نصب الرایۃ جلد ا صفحہ ۴۶۹ الحدیث الثامن والثلاثون اور تحقیق احمد شمس الدین تحت الخط مجمع الزوائد (ج ۲۔ ۱۰۲ او مجمع الزوائد (ج ۳۔ ۲۳۸) و اخرجہ عن البزار ج ا ص ۱۹۱۳ اور مصنف ابی شیبۃ اور حاکم (ای المستدرک ا۔ ۳۲۷) تحت الخط واز سنن الکبری (۱۱۷/۵ حدیث نمبر ۹۲۱۰) تحت الخط اور رفع الیدین کے بجائے اشارہ بالمسبحہ کو کافی بتاتے ہیں۔

اشارہ بالمسبحہ برائے اثبات توحید و نفی شرک۔ بوقت التشہد ان لا الہ الخ نہ مذہب حنفی ہے اور نہ اس کا ثبوت امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ تعالیٰ سے ہے دراصل اختلاف اشارہ برائے رد سلام میں ہے کہ مذہب حنفی میں نہیں اور باقی آئمہ ثلاثہ کے ہاں ہے۔

علامہ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں تحریر فرماہیں:

جلد ا صفحه ۲۷۲ وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى و قبض أصابعه كلها و اشار الخ و لا شک أن وضع الكف مع قبض الاصابع لا يتحقق۔۔۔ و هو المروی عن محمد فی كيفية الاشارة۔۔۔ و كذا عن ابی يوسف رحمه الله تعالىٰ فی الامالی و هذا فرع تصحيح الاشارة۔

(یعنی اشارۃ برائے نفی و اثبات) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنی داہنی ہتھیلی اپنی داہنی ران پر رکھ دی اور ساری کی ساری انگلیاں بند کر دیں اور اشارہ کیا الخ۔ امام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلیاں بند ہونے کے ساتھ ہتھیلی رکھنا متحقق نہیں اور ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہ کار آمد نہیں (اپنے امام کے مقابلہ میں۔ آگے لکھتا ہے) یہ اشارہ کی کیفیت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت شدہ ہے۔۔۔ اور اس طرح امالی میں ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ فرع ہے تصحیح اشارۃ کی یعنی اصل میں اشارہ برائے نفی و اثبات نہیں۔ جس کا نوادرات کے بارے میں عمدۃ الرعایہ کی تحقیق گزری ہے۔

اور اس طرح صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے:

و طريق نقله لذلک عن المجتهد أحد أمرين اما أن يكون له سند فيه أو يأخذه من كتاب معروف تداولته الايدى نحو كتب محمد بن حسن ونحوها من التصانيف المشهورة للمجتهدين لانه بمنزلة الخبر المتواتر أو المشهور هكذا ذكر الرازى فعلى هذا لو وجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لا يحل عزو ما فيها الى محمد و لا الى أبی يوسف لانها لم تشتهر فی عصر نافی ديارنا و لم تتداول اھ جلد ٦ صفحه ٢٦٥ و مقدمه عمدة الرعايه ص ١١، فتح القدير ج٦ ص ٣٦٠، شامی مصری ج٤ ص ٣٢٩، دراسات فی اصول الحديث على منهج الحنفيه ص ٥٠٠، مدخل لاصول الحديث ص ٢٥٠، النهر الفائق ج٣ ص ٢٠٢، بدائع الصنائع ج ا ص ١٠٧، تبنسيق النظام على مسند الامام ص ٢٤ حاشيه ٦ میں ہے

و النادر ملحق بالعدم۔

اور شرح زیادات ج اص ۱۰۱ میں ہے:

انھم لم یشرحوا النوادر لانھم لیس لھم بدلائل النوادر واصولھا۔

یعنی علماء میں سے کسی نے نوادر کی شرح نہیں لکھی ہے اس لئے کہ انہیں نوادر کے دلائل اور اصول کا علم نہیں۔

یعنی مفتی غیر مجتہد سے نقل کرنے کا دو طریقوں میں سے ایک یہ ہے یا تو اس کے لیے اس مسئلہ کا مجتہد سے سند ہو یا معروف کتاب متداول سے نقل کرنا ہے جیسے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس طرح مشہور تصانیف مجتہدین کی کیوں کہ یہ متواتر یا مشہور حدیث کے مرتبہ میں ہیں اس طرح امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اس وجہ سے اگر نوادر کا بعض نسخے پائے جائیں ہمارے زمانہ میں تو اس میں جو مسئلے ذکر کئے گئے ہوں اس کی نسبت نہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور نہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کو صحیح ہے۔ کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اس لیے یہ کتب ہمارے بستیوں میں ہمارے زمانہ میں مشہور نہیں ہوئیں اور نہ متداول ہوئیں ۔(تو وہ مذہب کیسے بنے۔ یعنی وہ کبھی بھی مذہب حنفی ہے ہی نہیں) تو جب نوادر کے مسئلہ کا ان اماموں کو منسوب کرنا صحیح نہیں کہ یہ ان کا قول ہے تو پھر یہ مذہب حنفی بدرجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ مذہب حنفی کے ساتھ مذاق ہے کہ اس کو جب نمازی سجدہ میں گھٹنے زمین پر نہ رکھ دے تو امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ یہ جائز ہے فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الفتاوی میں ذکر کیا ہے یہ یہی شاذ روایت ہے ہم اس پر عمل نہیں کرتے جلد ا صفحہ ۹۸ کتب علمیہ بیروت۔

جب نوادر کے نہ دلائل معلوم اور نہ اصول معلوم تو پھر وہ حجت کیسے بنے اور مذہب کیسے بنے۔

اس طرح مذکورہ حدیث میں ایسا کوئی نکتہ نہیں جس سے یہ مسئلہ ثابت ہو جائے۔بلکہ امام مالک اور امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ رد سلام کے لیے تھا اور مذہب حنفی میں یہ منسوخ ہے اس لیے رد سلام اور دعا کے لیے انگلی سے اشارہ نہ کرے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبث بالحصیٰ کے لیے نقل کی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں مستحقین صدقات کے بارے میں ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔التوبۃ آیت نمبر ٦٠

زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کرکے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھوڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

جب منافقین نے تقسیمِ صدقات میں سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کیا تو اللہ عزوجل نے اس آیت میں بیان فرما دیا کہ صدقات کے مستحق صرف یہی آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ انہیں پر صدقات صَرف کئے جائیں گے، ان کے سوا اور کوئی مستحق نہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اموالِ صدقہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں، آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقات حرام ہیں تو طعن کرنے والوں کو اعتراض کا کیا موقع۔ صدقہ سے اس آیت میں زکوٰۃ مراد ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے مولّفۃ القلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہوگئے کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی۔ یہ اجماع زمانۂ صدیق میں منعقد ہوا۔

مسئلہ: فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنٰی چیز ہو اور جب تک اس کے پاس ایک وقت کے لئے کچھ ہو اس کو سوال حلال نہیں۔

مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ سوال کر سکتا ہے۔

عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام نے صدقے تحصیل کرنے پر مقرر کیا ہو، انہیں امام اتنا دے جو ان کے اور ان کے متعلقین کے لئے کافی ہو۔

مسئلہ: اگر عامل غنی ہو تو بھی اس کو لینا جائز ہے۔

مسئلہ: عامل سید یا ہاشمی ہو تو وہ زکوٰۃ میں سے نہ لے۔ گردنیں چھوڑانے سے مراد یہ ہے کہ جن غلاموں کو ان کے مالکوں نے مکاتب کر دیا ہو اور ایک مقدار مال کی مقرر کر دی ہو کہ اس قدر وہ ادا کر دیں تو آزاد ہیں، وہ بھی مستحق ہیں، ان کو آزاد کرانے کے لئے مالِ زکوٰۃ دیا جائے۔ قرضدار جو بغیر کسی گناہ کے مبتلائے قرض ہوئے ہوں اور اتنا مال نہ رکھتے ہوں جس سے قرض ادا کریں انہیں ادائے قرض میں مالِ زکوٰۃ سے مدد دی جائے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بے سامان مجاہدین اور نادار حاجیوں پر صَرف کرنا مراد ہے۔ ابنِ سبیل سے وہ مسافر مراد ہیں جس کے پاس مال نہ ہو۔

مسئلہ: زکوٰۃ دینے والے کو یہ بھی جائز ہے کہ وہ ان تمام اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک ہی قسم کو دے۔

مسئلہ: زکوٰۃ انہیں لوگوں کے ساتھ خاص کی گئی تو ان کے علاوہ اور دوسرے مصرف میں خرچ نہ کی جائے گی، نہ مسجد کی تعمیر میں، نہ مردے کے کفن میں، نہ اس کے قرض کی ادا میں۔

مسئلہ: زکوٰۃ بنی ہاشم اور غنی اور ان کے غلاموں کو نہ دی جائے اور نہ آدمی اپنی بی بی اور اولاد اور غلاموں کو دے۔

(تفسیر احمدی و مدارک)

ف: یہ کل آٹھ مصارف ہیں ان کے متعلق یہ مسائل ہیں۔

مسئلہ: موٴلفۃ القلوب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانہ میں زکوۃ دی جاتی تھی گو وہ مسلمان نہ ہوں مگر ان کے مسلمان ہونے کی امید ہو یا محض ان کے شر وفتنہ سے بچنے کے لیے اور یا مسلمان ہوں مگر غریب نہ ہوں محض ان کو اسلام سے محبت پیدا کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں اجماع ہو گیا ان کے عدم استحقاق پر، جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی اخرجه ابن ابی شیبة و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ والبخاری فی تاریخه عن ابن جبیرو الشعبی وعبیدة اسلمانی رضی اللہ عنہ کذا فی الدر المنثور۔ البتہ اگر مسلمان اور غریب ہو تو دوسرے اصناف میں داخل ہو جائیں گے۔ اھ۔ ترجمہ کنز الایمان (و اقول ایضاً فیه) و قبض أصابعه کلها۔ المناط فیه السکون۔ (وهو الذی) لا یمکن أن ینقطع حتیٰ ینقطع أصل التکلیف و ذلک عند قیام الساعة۔ فافهم) اگر کوئی غیر حنفی نہ مانے تو نہ مانے۔

مثال دوم: سورة البقرة آیت نمبر ۲۸۲ - ۲۸۳ ابن ماجة ابواب الشهادات باب الاشهاد علی الدین: عن ابی سعید الخدری تلا هذه الآیة یاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۲۸۲) وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (۲۸۳)۔۔۔حتے بلغ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فقال هٰذه نسخت ماقبلها۔ انجاح الحاجۃ حاشیہ نمبر ۳ پر لکھتے ہیں: فانسخ ههنا بمعنى التخصيص الخ ابن ماجه صفحه ۱۷۱ یہاں تک پہنچا: (اور اگر ایسے وقت میں بھی) ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہ سمجھے تو) تو فرمایا ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کردہ حدیث میں کہ اس نے ما قبل کو منسوخ کر دیا ہے۔ مجدد عبد الغنی دہلوی نے شرح میں ذکر کیا کہ نسخ سے مراد نسخ اصطلاحی نہیں بلکہ یہاں نسخ تخصیص کے معنی پر ہے (میں کہتا ہوں کہ تخصیص بھی اقسام نسخ سے ہے جیسا کہ اپنے محل پر مذکور ہے اس حدیث مذکورہ کا حصہ اشارہ نماز میں منسوخ ہے اور قلب الحصی کا حصہ غیر منسوخ۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ صفحہ ۷۰، ۷۱ پر ذکر کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۳۸۴، ۳۸۵ پر حدیث نمبر ۲۰۰ پر بیان کی ہے اور مسند الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مترجم ۱۸۲ اور صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۶ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں باب العبث بالحصی فی الصلوٰۃ و مایکرہ من تسویته میں صفحہ ۱۰۶ پر لے آئے ہیں۔

عرض یہ ہے کہ اس روایت میں یہ تمام انگلیاں بند کر لیتے تھے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کے ذریعے اشارہ کرتے تھے۔ جس کی تفصیل گزری ہے انگلیاں بند کر لیتے تھے یعنی انگلیاں ساکن ہوتیں اور اشارہ کرتے تھے یہ دلیل ہے کہ ساکن نہ ہوتے بلکہ حرکت کرتے اسلئے ہر عالم یہ محسوس

کرے گا کہ اس میں ایک لفظی اوردوسرا معنوی اضطراب ہے اور مضطرب حدیث سے احتجاج نہیں ہو سکتا دوسری بات یہ ہے کہ اس میں تصریح نہیں ہے کہ اشارہ نفی اثبات کیلئے تھا یا کسی اور مقصد کے لئے تھا نہ کتاب الام کوئی میں وضاحت منقول ہے اور نہ دیگر کتابوں میں، اعلاء السنن میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کشف رکبتیہ کی حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں۔

با نہ حدیث مضطرب لایقوم بمثلہ حجۃ یعنی مضطرب حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔ج ۲ ص ۲۴۷، قلت وبالامکان لایرتفع الاضطراب الالم یبق فی الدنیاحدیث مضطرب فافهم۔اعلاءالسنن ج ۲ ص ۱۷۸،(هيئة جلسة التشهدوالاشارة)۔

یعنی امکان پر اضطراب ختم نہیں ہو سکتا اگر ایسا نہ ہو تو پھر دنیا میں حدیث مضطرب باقی نہیں رہتی اس کو پہچان لو۔

اذاجاءالاحتمال بطل الاستدلال۔اعلاءالسنن ج ۲ ص ۵۷۵ و ص ۲۴۹۔

یعنی جب کسی روایت میں احتمال آجائے تو اس پر دلیل پکڑنا باطل ہو جاتا ہے۔مضطرب حدیث کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔مقدمہ مشکوۃ ص ۴ و مقدمہ ابن الصلاح اوراس کی شرح التقييد والايضاح ص ۱۲۴ کے ساتھ ۔مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ اور مقدمہ ا بن الصلاح النوع التاسع عشر معرفة المضطرب ص ۴۲، النكت على مقدمه ابن الصلاح ص ۲۲۳ اور الشذا لضياح من علوم الابن الصلاح ص ۱۳۷۔

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نفی اشارہ کیلئے دلیل یہ بیان کی: وعن كثيرمن المشائخ لايشيراصلاً۔یعنی جمہور علماء احناف کے ہاں بالکل اشارہ نہ کرے لہذا ان کے مقابلہ میں بعض شاذ علماء کا قول حجت نہیں اورجب عدم اشارہ یا اشارہ نہ کرنا روایت ودرایت سے ثابت ہے اس لئے ابن الہمام نے تحریر کیا: ھوخلاف الدرایۃ والروایۃ۔ کہ درایت اور روایت سے اشارہ کرنا خلاف

ہے اس لئے اشارہ مذہب حنفی میں نہیں یعنی اشارہ کرنا درایت وروایت کے خلاف ہے اس لئے اشارہ نہ کرے اور دیگر دلیل عدم اشارہ کیلئے یہ ذکر کی: وعن الحلوانی رحمه الله تعالیٰ نقیم الاصبع عندلااله وضعهاعندالاالله لیکون الرفع لنفی ولوضع للاثبات۔یعنی حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ لااله کہنے کے وقت انگلی اٹھائے اور الاالله کہنے کے وقت اسے رکھ دے تاکہ اٹھانا نفی کیلئے ہو اور رکھنا اثبات کیلئے ہو جائے۔

شاہ انورشاہ کشمیری نے بھی عرف شذی میں تحریر کیاہے کہ یہ حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے(اوراس کی رائے جیسا کہ گزری ہے کہ مجتہد نہیں ،دلیل نہیں اوراگر مجتہد بھی ہو تو امام صاحب کے مقابلہ میں متروک ہے۔)فتح القدیر ج ا ص ۲۷۲۔

پھر آگے جاکر تحریر کیاہے:

فرج مولا ابی یوسف قال رایت مولای ابایوسف اذادخل فی القنوت للوتر رفع یدیه فی الدعاءقال ابن عمران کان فرج ثقة انتهیٰ ووجهه عموم دلیل الرفع للدعاءویجاب بانه مخصوص بمالیس فی الصلاة للاجماع علی ان لارفع فی الدعاءالتشهد۔فتح القدیر ج ا ص ۳۷۵مطبوعه سکهر۔

یعنی ابویوسف کے مولا فرج نے کہا کہ میں نے اپنے مولا ابویوسف کو دیکھا کہ جب وہ وتر میں دعائے قنوت شروع کرتے تو دعامیں ہاتھ اٹھاتے تھے۔(ابن ابی عمران نے کہاکہ فرج ثقہ تھا۔انتہیٰ۔)اوراس کی وجہ دعاکیلئے ہاتھ اٹھانے کی دلیل عام کی عموم ہے۔اور جواب دیاجاتاہے کہ یہ اس دعاکے ساتھ خاص ہے جو نماز میں نہیں ہو بلکہ خارج از نماز ہو اجماع کی وجہ سے کہ تشہد کی دعامیں ہاتھ اٹھانا نہیں۔

الشیخ محمد انورشاہ کشمیری ثم الدیوبندی نے تحریر فرمایاہے:

واعلم انه مرفى هذا الحديث صفحه ۳۴۵ جلد ۲ رفع يده أو اصبعه ثم قال فى الرفيق الأعلى۔

وفيه فائدة مهمة ينبغى الاعتنا ء بها۔ وهى أن فيه اشارة الى ان الرفع الاصبع أيضاً من صور الدعاء۔ ولهذا عده الشيخ ابن الهمام صورة من صورها فجوزه فى شدة البرد و عند الترمذى فى باب ماجاء فى كراهية رفع الا يدى على المنبر فى الدعاء[عن حصين بن عبدالرحمن السلمي:] سَمِعتُ عِمارةَ بنَ رُوَيبةَ وبِشْرُ بنُ مَرْوانَ يَخطُبُ، فرَفعَ يَديْه في الدُّعاءِ، فَقال عِمارةُ: قَبَّحَ اللهُ هاتَينِ اليَديْنِ القَصيرَتينِ! لَقد رَأيتُ رَسولَ اللهِ ﷺ، وَما يَزيدُ على أنْ يَقولَ هَكذا، وأَشارَ هُشَيمٌ بِالسَّبّابةِ.اه(الترمذى ج ا ص ٦٨ فاروقى کتب خانه ملتان)۔ و حمله بعضهم على ان الرفع كان للتفهيم على ما عرفوه من عادة الخطباء، و ذلك لعدم علمهم بكونه صورة من صور الدعاء ايضاً و فقدان العمل، و انقطا ع التعامل، و الصواب عندى انه كان للدعاء كما بوب به الترمذى و كذلك عند البيهقى كيف: و فى الحديث تصريح بان الرفع كان للدعاء و اليحفظ لفظ الترمذى فان فيه تصريحاً بذلك اه فيض البارى علىٰ صحيح البخارى جلد نمبر ۴ صفحه ۱۴۳ كتاب المغازى۔ و لقدمر من اعلاء السنن: أن المطلوب من الشرع عدم الحركة فى الصلاة و مبناها السكون و الخشوع و ايضاً قال السكون الذى هو طريق ما اجمع على طلبه فى الصلاة أعنى الخشوع جلد ۲ صفحه ۸۵۰

علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ یہ حدیث گزری ہے۔ ہاتھ یا انگلی کو اٹھایا پھر فرمایا کہ رفیق الاعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں بہت اہم فائدہ ہے۔ اس طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ یقینا انگلی اٹھانا بھی دعا کے طریقوں میں سے ہے۔ اس وجہ سے شیخ ابن الھمام نے اس کو دعا کے طریقوں میں سے ایک طریقہ شمار کیا۔ (جس کا تذکرہ مختلف کتابوں میں سے گزرا ہے) تو سختی کی حالت میں اس کو جائز کیا۔ ترمذی میں باب ہے اس کے بیان میں جو منبر پر دعا کرنے میں ہاتھ اٹھانے کی کراہیت کے بارے میں آئے ہیں کہ بشر بن مروان نے تقریر میں خطبہ دیتے ہوئے ہاتھ اٹھایا تو عمارۃ نے فرمایا، بد دعا کی کہ

اللہ تعالیٰ ان چھوٹے ہاتھوں کو برباد کرے۔ یقینا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا اس طرح اشارہ سے زیادتی نہیں کی اور ہشیم نے مسبحہ پر اشارہ کیا اھ۔ اور بعض نے اس کو تفہیم پر محمول کیا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے خطباء کے عادۃ یہی پہچانی۔ اور یہ اس وجہ سے کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ایک شکل ہے دعا کے طریقوں میں سے بھی اس پر عمل کے کمی کے وجہ سے اور تعامل ختم ہونے کے وجہ سے اور میرے ہاں حق یہ ہے کہ یہ اٹھانا دعا کے لیے تھا۔ جیسا کہ ترمذی نے اس پر باب منعقد کی اور اس طرح بیہقی کے ہاں بھی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ کہ حدیث شریف میں اس کا وضاحت موجود ہے کہ انگلی اٹھانا دعا کے لیے تھا۔ ترمذی کا لفظ یاد رکھو اس لیے کہ اس میں اس کا تصریح موجود ہے (اعلاء السنن سے گزرا ہے کہ شریعت میں نماز میں حرکت نہ کرنا مطلوب ہے۔ اور نماز کا بنا سکون اور خشوع پر ہے اور ایضاً فرمایا کہ نماز میں سکون وہ طریقہ ہے جس کے طلب پر نماز میں اجماع ہے میر امراد خشوع یعنی دل میں باطل خیالات بالقصد حاضر نہ کرنا اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرنے ہے۔

نتیجہ:

تحقیق مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذاہب اربعہ کے اماموں یعنی امام ابو حنیفۃ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی تشہد میں نفی اور اثبات کے لیے اشارہ کا قائل نہیں نہ ان سے کوئی تصریح موجود ہے اور اشارہ برائے رد سلام کا ائمہ ثلاثۃ قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں دعا کے وقت نماز کے اخر میں انگلی اٹھانا تھا جیسا اجماعاً متروک ہے اس طرح رد سلام کے لیے نماز میں انگلی اٹھانا نہیں ہے۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے فرمایا انگلی سے دعا جس کی تفصیل گزرے ہوئے اوراق میں کئی کتب سے بیان ہوئی ہے ناپید ہونے کے وجہ سے علماء اپنے اپنے صواب دید پر کسی نے اشارہ برائے رد سلام پر محمول کیا اور کسی نے نفی اثبات پر۔

شاہ صاحب کی تائید کے لیے مسند طیالیسی کی نقل کردہ حدیث ملاحظہ کرو:

حدیث نمبر ۱۱۱۳ (بحث) وحد ثنا ابو دأود قال حدثنا سلام بن سلیم قال حدثنا عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل الحضرمی قال صلیت الی ان قال: ثم وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی، ویده الیسری علی فخذه الیسری وجعل یدعوا هکذا یعنی بالسبابة یشیر بها اھ مکتبہ: دار الکتب علمیہ بیروت جلد ۱ ص ۵۷۵ سلیمان بن داؤد متوفی ۲۰۴ھ

یعنی کلیب وائل حضرمی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا میں نے نماز کی الی ان قال پر اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھ دے اور اس طرح دعا شروع کی یعنی مسبحہ پر دعا کرتے ہوئے اس پر اشارہ کرتے تھے۔ وائل بن الحضرمی کا حدیث ترمذی کے حوالہ سے پہلے بیان ہوا ہے۔

مولوی حسین علی النقشبندی تحریرات حدیث علی اصول التحقیق میں تحریر کرتا ہے:

وعند الشافعیة یستحب عند قوله: الا اللہ فهذا لاندری ماخذه صفحه ۱۶۱ واما الرفع عند الوضع عنه الا اللہ لم نریٰ فی حدیث تابی هذا اشداباء صفحه ۱۶۱ (شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح موطا میں بھی شافعیہ کے قول کی اتباع کی ہے) واما الاشارة عند النفی والوضع عند الاثبات فلاشبة انه لیس بشئی صفحه ۱۴۵

شوافع کے ہاں الا اللہ پڑھتے وقت مسبحہ اٹھانا مستحب ہے۔ اس کا ماخذ کہ کس حدیث سے ثابت ہے ہمیں معلوم نہیں۔

اور ران پر ہاتھ رکھ کر الا اللہ پڑھتے وقت انگلی اٹھانا کسی حدیث میں ہم نے نہیں دیکھا ہے یہ سخت انکار کرتا ہے۔

جو نفی کے وقت اشارہ کرنا اور اثبات کے وقت انگلی رکھنا اس میں کوئی شک ہے نہیں کہ یہ کوئی چیز ہے نہیں۔

تحریرات حدیث ابھی ابھی دستیاب ہوئیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے اخر میں اس کو یعنی حصہ اشارہ کو باترجمہ منسلک ہذا کروں گا۔

قابل توجہ نکتہ: امام ابوداؤد طیالسی نام و نسب سلیمان، ابو داؤد کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیاسی۔

عظمت: الف: موصوف کا تعلق خیر القرون سے ہے اور تبع تابعین میں شمار ہے۔ مصنف کی حیثیت سے موصوف کا شمار صف اول کے مصنفین میں کیا جاتا ہے۔ محدثین نے مسند ابی داؤد الطیاسی کی وایات کو کتاب السنن میں نقل کیا ہے۔ آپ کو فن جرح و تعدیل میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ ماخوذ از النور الطرابلسی فی تبویب المسند لابی داؤد الطیالسی مترجم مولانا ابو احمد محمد دلپذیر صاحب کے مقدمہ مولانا محمد عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند: تفصیل کے لیے اس کے طرف رجوع فرمادیں۔

اظہار حقیقت: (مالا بدمنہ) باب موضع النظر فی الصلاۃ: صاحب علماء السنن نے اس باب میں ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن سرین رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت سیدنا أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے احادیث بیان کی ہے اور تحت الخط تحریر کرتا ہے:

وحدیث أبی دأود ظاھر ایدل علی أن یکون نظرہ فی حال القعود الی حجرہ کما قالہ الشیخ و فی الدر المختار لھا (ای للصلاۃ) آداب الیٰ ان قال: نظرہ الی موضع سجودہ حال

قیامه۔۔۔ والی حجره حال قعوده۔۔۔ لتحصیل الخشوع اھ جلد ۳ صفحه ۶۷۷ کتاب مذکوره۔

ابوداؤد کا حدیث شریف ظاہر طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ قعدہ کے حالت میں نمازی اپنے گود کی طرف دیکھیں۔ جیسا کہ شیخ نے کہا ہے اور در مختار میں ہے کہ نماز کے لیے اداب ہیں یہاں تک کہ فرمایا قیام کے وقت اس کا نظر سجدہ کے جگہ پر ہو۔ اور التحیات میں اپنے گود کو دیکھیں خشوع کے حصول کے لیے۔ یعنی نماز خشوع کے ساتھ ادا ہو۔

علاؤالدین الحصکفی کا فتویٰ:

آداب نماز بیان کرتے ہوئے فرمایا:

نظره الی موضع سجوده حال قیامه والی ظهر قدیمه حال رکوعه والی ارنبة انفه حال سجوده والی حجره حال قعوده وال متکبه الایمعاوالا یسرعند التسلیمة اولالیٰ والثانیة لتحصیل الخشوع انتهی۔ درمختار جلد ۱ صفحه ۷۳۔

ترجمہ: مستحب ہے۔ کہ حالت قیام مین نظر سجدہ کی جگہ رکوع میں پشت قدم پر سجدہ میں ناک پر اور بیٹھنے کی حالت میں گود پر اور پہلے سلام کے وقت دائیں کندھے پر اور بائیں سلام کے وقت بائیں کندے پر نظر رکھنا چاہئے۔

اور علامہ ابن عابدین حاشیۂ شامی میں جلد ا صفحہ ۳۵۳ پر ذکر کیا ہے:

(قوله والیٰ أرنبة أنفه) أی طرفه قاموس (قوله والیٰ حجره) بکسر الحاء والجیم والراء المهملة ما بین یدیک من ثوبک قاموس (قوله لتحصیل الخشوع) علة للجمع لان المقصوء الخشوع وترک التکلف الخ۔

یعنی سجدہ میں ناک کے طرف کو اور حجر سے گود مراد ہے یہ حجر کا اردو ترجمہ ہے اور اس کا یہ قول کے لتحصیل الخشوع ہے یہ سب کے لیے علت اس لیے کہ مقصود خشوع اور تکلف نہ کرنا ہے۔ ردالمختار مصری۔

اور حاشیۃ الطحاوی علے الدر المختار جلد ا صفحہ ۲۱۴ اور بحر الرائق جلد ا صفحہ ۳۰۴ اور بدائع الصنائع جلد ا صفحہ ۲۱۵ **لان ھذا کلہ تعظیم و خشوع۔** یعنی سب تعظیم اور خشوع ہے۔

اور مختصر الطحاوی مع شرعہ: شرح مختصر الطحاوی میں ہے:

قال ابو جعفر: (والاصل للمصلی أن یکون نظرہ فی قیامه الی موضع سجودہ و فی رکوعه الی قدیمه، و فی سجودہ ألی انفه و فی قعودہ الی حجرہ) قال ابو بکر أحمد: الاصل فیه قول اللہ (تعالیٰ) عزوجل: (الذین ھم فی صلاتھم خشعون قیل فی معنی الخشوع أنه السکون (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۵۲) و یدل علیه قول النبی ﷺ فی حدیث جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه (اُسکنوا فی الصلاۃ) و ظاھر الآیۃ و الخبر یقتضی منع تکلف النظر الیٰ غیر الموضع الذی یقع بصرہ علیه فی ھذا الاحوال من غیر کلفۃ۔ و معلوم أن القائم متی لم یتکلف النظر الیٰ غیر الموضع الذی یقع بصرہ علیه کان منتھیٰ بصرہ الیٰ موضع سجودہ، و فی رکوعه یقع بصرہ الیٰ قدیمه، و فی سجودہ الیٰ انفه، و فی قعودہ الی حجرہ۔ ھذا اذا خلی نفسه و سوم طبیعته (معناہ: ای خلی نفسه علی طبیعته العادیۃ بدون تکلف) و لا یقع بصرہ فی ھذا الأحوال الیٰ غیر ھذہ المواضع الا بالتکلف فلا ینبغی أن یفعل ذلک: لانه ینافی الخشوع و السکون۔

شرح مختصر الطحاوی جلد نمبر ا صفحہ ۶۴۸ و ۶۴۹ امام طحاوی نے فرمایا: نماز کرنے والوں کے لیے اصل یہ ہے کہ قیام کی حالت میں اس کی نظر سجدہ کی جگہ کو ہو اور اس کے رکوع میں میں پاؤں کو اور اس کے سجدہ میں ناک کو اور اس کے بیٹھنے کے وقت گود کو ہو۔ اور ابو جعفر جصاص نے فرمایا: اس کے لیے دلیل اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد ہے (کامیاب) وہ لوگ ہیں جو اپنے نمازوں میں خشوع کرے

خشوع کے معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ یہ سکون ہے اس پر حضور مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ قول بھی ہے جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث میں نماز میں سکون کرو آیا ہے۔

ظاہر آیت اور حدیث اس پر دلیل ہے کہ جس جگہ بغیر تکلف کرنے اس کا نظر نماز میں پڑھتا ہے تکلف سے اور جگہ کو دیکھنا منع ہے۔ اس حالت میں اور کھڑا شخص جب تکلف نہیں کرتا تو یہ معلوم بات ہے کہ جس جگہ پر تکلف نہ کرتے نظر پڑھتا ہے تو اس کے نظر کا انتہا سجدہ کرنے کا جگہ ہے اور اس کے رکوع میں اس کا نظر قدموں پر پڑھتا ہے اور اس کے سجدہ میں ناک پر اور اس کے قعدہ کے حال میں اس کے گود کو ہوتا ہے۔ یہ جب ہے کہ اس کا نفس طبیعت کے مطابق تکلف ہو۔ اور اس حالت میں اس کا نظر اسی جگہوں کے علاوہ بغیر تکلف دوسرے جگہ پر واقع نہیں ہوتا۔ مگر تکلف سے دوسرے جگہ پر واقع ہوتا ہے۔ تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ یہ خشوع اور سکون کے منافی ہے۔ جس جگہ ہاتھ یا انگلی ہاتھ کے جگہ نماز میں آیا ہے تو وہ وسیلہ ضرورت کے وجہ سے ہے جیسا کہ گزرا ہے اور کتاب ظاہر روایت زیادۃ الزیادات میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہے: (الثابت بالضرورت یقدر بقدرہ) یعنی جو ضرورت کے وجہ سے ثابت اور جائز ہو جائے وہ ضرورت کی مقدار پر ہوتا ہے اس سے زائد نہیں ہوتا۔ اور قعدہ میں یہ عمل نہ مقاصد صلاۃ سے ہے اور نہ از قبیلہ وسائل ہے لہٰذا اس کو ان وسائل پر قیاس نہیں کیا جاتا۔

اور تبیین الحقائق میں ہے:

(ان المقصود الخشوع و ترک التکلف فاذا ترکہ وقع نظرہ فی ھذہ المواضع قصد أو لم یقصد جلد ۱ صفحہ ۲۸۳۔

یعنی امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ نے شرح کنز تبیین میں ذکر کیا کہ مذکورہ بالا مواضع کو نماز میں دیکھنا اس لیے مطلوب ہے کہ مقصد خشوع اور ترک تکلف ہے تو اگر اہل نماز اس کو چھوڑ بھی دیں پھر بھی اگر وہ ارادہ کرے یا نہ کرے مگر اس کا نظر ان جگہوں پر پڑتا ہے۔ اور تبیین کے حاشیہ میں شیخ شلبی نے بھی فرمایا کہ اپنے قعدہ میں اپنے گود کو نظر کرے اور شیخ عبد الحق نے لمعات التنقیح جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ میں اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا حدیث انس کے وجہ عمل شافعیہ یہ ہے کہ تمام نماز میں سجدہ کے جگہ کو دیکھیں اس لیے بیضاوی کا کلام اپنی تفسیر الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲) اس پر دلیل ہے۔ لیکن طیبی شافعی مذہب والے نے فرمایا ہے کہ قیام میں جائے سجدہ کو اور رکوع میں پشت پاؤں کو اور سجدہ میں ناک کو اور تشہد میں گود کو یہ اس کے موافق ہے جیسے علماء احناف نے فرمایا ہے جلد ا صفحہ ۴۶۶ اور مستخلص شرح کنز نے جلد ا صفحہ ۱۸۶ پر ذکر کیا اور فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں خشوع کرنے والوں کی مدح فرمائی۔ اپنے اس ارشاد سے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲) کہ یقیناً وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو اپنے نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ اور تاتار خانیہ نے جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ مذکورہ جگہوں کو دیکھنا بیان کی ہے۔

اور آگے جا کر ص ۱۸۷ پر تحریر فرما ہیں:

(ینبغی أن یکون فی الصلوٰۃ حاضر القلب خاشعا بنفسه و قلبه فیکون منتهی بصره فی القیام الیٰ موضع سجوده و فی الرکوع الیٰ قدمیه) الیٰ آخر مامر۔

یہ مستحب ہے کہ نماز میں اس کا دل حاضر ہو نفس اور دل دونوں پر خشوع کرنے والا ہو تو حالت قیام میں اس کی نظر کی انتہا سجدہ کے جگہ تک ہو اور رکوع میں پاؤں کو گزرے ہوئے بیان کردہ کے

آخر تک اور مجمع الانھر جلد ا صفحہ ۱۳۶ اور درالمنتقی فی شرح الملتقی جلد ا صفحہ ۱۳۶ نورالایضاح صفحہ ۷۲ اور مراقی الفلاح شرح نورالایضاح تحریر کرتا ہے:

(و) منھا (نظر المصلی) سواء کان رجلا او امرأۃ (الی موضع سجودہ قائما) حفظالہ عن النظر الی ما یشغلہ عن الخشوع (و) منھا نظرہ (الی ظاھر القدم رکعا و الی أرنبہ أنفہ ساجداً و الی حجرہ جالسا) ملاحظا قولہ ﷺ ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک فلایشتغل بسواہ الخ۔

ترجمہ: اور اس میں سے نماز کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ہو قیام کے حالت سجدہ کے جگہ کو نظر کرنا مستحب ہے کہ حفاظت کرنے والا ہو اس چیز سے کہ آپ کو خشوع میں مشغول کرتا ہے اور اس میں سے اس کا نظر کرنا ہے پاؤں کے پشت کو رکوع کے حالت میں اور سجدہ کے حالت ناک نظر کرنے والا اور جلسہ کی حالت میں اپنے گود پر نظر کرے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس ارشاد کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اللہ پاک کو دیکھتے ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتے ہو تو وہ تمہیں کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو۔ اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: بنابر اصل مذہب اگر آپ کعبہ شریفہ کا مشاہدہ کرتے ہو تو بھی ایسا کرو اور آخر میں فرمایا کہ اس کو شرح اربعین میں سعد نے ذکر کیا ہے۔[2238]

وعن أنس، ان النبی ﷺ قال یا انس! اجعل بصرک حیث تسجد، رواہ (البیھقی (فی سننہ فی الکبریٰ من طریق الحسن عن أنس یرفعہ) قولہ: اجعل بصرک حیث تسجد (رمظ) یستحب للمصلی أن ینطر فی القیام الی موضع سجودہ، و فی الرکوع الی ظھر قدمیہ و فی السجود الی انفہ و فی التشھد الی حجرہ۔ طیبی شرح مشکوٰۃ باب ما لا یجوز من العمل فی الصلاۃ و مایباح منہ: الفصل الثانی رقم حدیث ۹۹۶ جلد ۲ صفحہ ۴۰۴۔

2238 طحطاوی صفحہ ۲۲۴ مصری۔ اور النھر الفائق لابن نجیم الحنفی جلد ا صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳ اور فتاوی برھنہ جلد ا صفحہ ۲۳۵۔

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں تم اپنی نگاہ وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو اس روایت کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ طریق حسن نقل کیا ہے۔ جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے چنانچہ شوافع کا عمل اسی پر ہے مگر علامہ طیبی نے فرمایا (جیسا کہ گزرا) کہ مستحب یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ، رکوع میں پشت قدم پر سجدہ میں ناک کی طرف اور بیٹھنے کی حالت میں گود پر رکھنا مستحب ہے۔ یہی مسلک حنفیہ کا بھی اتنے اضافہ کے ساتھ ہے کہ سلام کے وقت نظر کاندھوں پر رکھنی چاہئے۔[2239]

(و ینبغی للمصلی أن یخشع فی صلاته) لقوله تعالیٰ (قد أفلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون کتاب الاختیار لتعلیل المختار جلد ۱ صفحه ۶۵، ۶۶۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ اپنے نماز میں خشوع کرنے والے یقیناً کامیاب ہے نمازی کے لیے اپنے نماز میں خشوع اختیار کرنا چاہئے۔

مولوی محمد ادریس الکاندھلوی تحریر فرماہیں:

اشتراط الخشوع فی الصلاۃ: عنوان قائم کرکے تفصیل سے بات کی اور اس میں ہے:

عن سفیان الثوری انه قال من لم یخشع فسدت صلاته وروی عن الحسن انه قال (کل صلاۃ لا یحضر فیها القلب فهی الی العقوبة أسرع۔

[2239] مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ وجدید صفحہ ۶۴۲

سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے خشوع نہیں کی اس کا نماز فاسد ہوا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کل صلاۃ: اس میں اضافت ہے کل کا صلاۃ نکرہ کو اس لیے کہ یہ احاطہ افراد لازم کرتا ہے۔ نماز میں اگر ہر فرد کہ جس میں دل کا حضور نہ ہو (دل میں خشوع نہ ہو) تو اس سے بہت جلد عذاب واقع ہوتا ہے۔[2240]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

مفتی صاحب تحریر فرماہیں کہ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نگاہ سجدہ کے جگہ پر رکھو۔[2241]

تشریح امام طیبی فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ قیام میں نظر سجدہ گاہ پر ہو، رکوع میں پاؤں کی پشت پر، سجدہ میں ناک کے بانسے پر، التحیات میں گود پر، ہر نماز کا یہی حکم ہے۔ ہاں حرم شریف میں نمازی قیام میں کعبۃ اللہ کو دیکھے الخ۔[2242]

حضرت ڈاکٹر مولا بخش سکندری صاحب کو سیدھا راہ دکھانے کے لیے یہ مختصر سا بیان لکھ دیا اگر اللہ پاک نے توفیق دی تو ان شاء اللہ تفصیل کے لیے مفصل تحریر عمل میں لایا جائے گا۔ (یہ ہے مشت نمونہ ٔ خروار)۔

2240 التعلیق الصبیح علی مشکاۃ جلد ۱ صفحہ ۳۷۳۔

2241 (تخریج السنن الکبری ۲/ ۲۸۴)

2242 مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد ۲ صفحہ ۱۱۴۔

محترم ڈاکٹر مولا بخش صاحب اب دل کے کانوں سے سن لیں کہ جب علماء محدثین اور فقہاء کرام سب کے سب یہ بیان کرتے ہیں کہ التحیات میں گود پر نظر رکھیں اور مثبتین اشارہ جس حدیث کو پیش کرتے ہیں حدیث عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ میں ہے لا یجاوز بصرہ اشارتہ ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴۲ وغیرہ یہ نماز میں منسوخ ہے جیسا کہ مراقی الفلاح اور فتح القدیر صفحہ ۸۷ و ۳۷۵ جیسا کہ اس کی تفصیل گزری ہے کہ یہ اجماع کی وجہ سے خاص اس دعا کے ساتھ ہے جو خارج از نماز ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب وغیرہ مثبتین مقلدین شمش الائمۃ حلوانی نور اللہ مرقدہ کے ہاں ائمہ مجتہدین اربعہ کو ان کے نزدیک یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ یہ ان ائمہ مجتہدین اربعہ کی توہین محض ہے اس لیے کہ انہوں نے ان احادیث میں سے کسی حدیث پر استدلال نہیں کیا ہے۔ **ومن ادعا فعلیہ البیان**۔ بلکہ مذکورہ تحقیق یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوئی کہ مذہب حنفی کے ائمہ ثلاثہ کے ہاں کسی قسم کا اشارہ نماز میں نہیں ہے۔ مذکورہ کتابوں میں کوئی استثنا ہے ہی نہیں اس طرح متون اور شرح مختصر الطحاوی اور شرح معانی الآثار اور کتاب الآثار لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سب دلیل ہے کہ اصل مذہب حنفی میں نہ اشارہ رد سلام کیلئے ہے اور نہ اشارہ برائے دعا۔ اور اشارہ برائے نفی اثبات کا کوئی سوال ہے ہی نہیں۔ اس لیے گود پر نظر کرنے کے قائل ہیں۔

(۲) امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الاصل میں تحریر فرماہیں:

قلت و فی کم مواطن ترفع الأیدی قال فی سبع مواطن، فی افتتاح الصلاۃ و فی القنوت فی الوتر و فی العیدین و عند استلام الحجر و علی الصفا و المروۃ و بعرفات و بجمع، و عند المقام و عند الجمرتین۔

میں نے کہا کہ کتنے مواضع میں ہاتھ اٹھانا ہے؟ فرمایا: سات جگہوں میں اور مذکورہ مقامات ذکر کی کتاب الاصل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی جلد ا صفحہ ۱۶۴۔ مذکورہ عبارت پر بار بار نظر

ڈالئے تشہد اور قعدہ کا ذکر آپ اس میں نہیں پائیں گے۔ کتاب الآثار کے بعد کتاب الاصل مبسوط سے بھی ثابت ہے کہ تشہد سے نہ نفی اور اثبات کے لیے اور نہ رد سلام کے لیے اور نہ دعا کے لیے انگلی اٹھانا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحجۃ ذکر کی ہے:

و قال محمد بن الحسن ما احب له ان یزید فی صلاته شیئا لیس منها من اشارة ولا غیرها ولکن اذا قضی صلاته فلیرد علیه السلام فان من الخشوع فی الصلوٰة ترک الاشارة۔

امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ میں نماز میں کوئی چیز جو نماز میں سے نہ ہو زیادتی پسند نہیں کرتا خواہ وہ اشارہ ہو یا اور کوئی چیز مگر جب اپنا نماز ختم کرے تو اس کو جواب سلام دے اس لیے کہ نماز میں خشوع میں سے اشارہ نہ کرنا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کی نسبت امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے:

و حدیث سبع مواطن اخرجه صاحب الهداية و فتح القدير و عنايه: فتح القدير جلد ١ صفحه ٢٦٩ و ٣٧٥ بقوله عليه الصلاة و السلام لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن تكبير الافتتاح، و تكبيرة القنوت و تكبيرات العيدين و ذكر الاربع فى الحج، و الذى يروى (اى الشافعية) من الرفع محمول على الابتداء (ثم نسخ) و قال فى نصب الراية۔ بحواله معجم الطبرانى عن ابن عباس عن النبى ﷺ قال لا ترفع الأيدى الا فى سبعة مواضع الخ (مجمع الزوائد ج ٢ صفحه ١٠٢) ايضاً عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما (٢) و ذكر البخارى الاول معلقاً فى كتابه، المفرد فى رفع اليدين الخ صفحه ٤٦٠ و قال البزار فى مسنده عن بن عمر عن النبى ﷺ قال: ترفع الايدى فى سبع مواطن الخ۔ ورواه موقوفاً ابن ابى شيبة فى مصنفه الخ۔ رواه الحاكم فى المستدرک ج ا ص ٣٢٧ ثم بيهقى ونصب الراية جلد ١ صفحه ٤٦٩ و ٤٧٠ و التفصيل فيه۔

اور علامہ ابن ھمام نے اعتراضات واردہ کا دندان شکن جوابات اپنی تصنیف فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۶۹و۲۷۰ میں دیا۔ یہاں تک کہ فرمایا:

قد علم بانه كانت اقوال مباحة فی الصلاة و أفعال من جنس هذا الرفع و قد علم نسخها فلايبعد أن يكون هو ايضاً مشمولا بالنسخ خصوصاً و قد ثبت مايعارضه ثبوتاً لا مرد له بخلاف عدمه فانه لا يترک اليه احتمال عدم الشرعيه لانه ليس من جنس ما عهد فيه ذلک بل جنس السكون الذی هو طريق ما أجمع على طلبه فی الصلاة أعنی الخشوع و كذا بافضلية الرواة عن رسول الله ﷺ كما قاله ابو حنيفة للاوزاعی الخ صفحه ۲۷۰ اور تبیین و حاشية الامام الشيخ شبلی جلد ا صفحه ۳۰۹و ۳۱۰و ۳۱۱ اور شامی جلد ا صفحه ۳۹۲ مصری۔ لا يسن رفع اليدين الا فی سبع مواضع اه ايضاً ردالمحتار مع درمختار جلد ا صفحه ۳۷۴ مصری۔

اور البنایۃ فی شرح الہدایۃ جلد ۲ ص ۲۸۹ - ۳۰۲ اور بذل المجہود جلد ۲ ص ۱-۱۰۱ ما تر له الانسخ او هذا هو الموافق للاصل فان الاصل فی الصلاة السكون لقوله عليه السلام اسكنوا فی الصلاة اه صفحه ۱۰ اور عمدہ القاری میں تفصیلاً بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: و عند ابی حنيفة و اصحابه لا يرفع يديه الا فی التكبيرة الاولیٰ جلد ۵ صفحه ۳۹۸۔

اور فتح الملهم جلد ۲ صفحہ ۱۱ میں ہے:

قال ابو حنفية و اصحابه و جماعة من اهل الكوفة لا يستحب فی غير تكبيرة الاحرام و هو اشهر الروايات عن مالک اه۔

اور نیل الفرقدین لمحمد انور شاہ صاحب الکشمیری صفحہ ۱۱۸ سے تا آخر بحث۔

خلاصۂ تحقیق: اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ ظاہر روایات اور غیر ظاہر روایات میں مذہب حنفی امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں سات مذکورہ مقامات سے اور کوئی جگہ نماز میں ہاتھ اٹھانا نہیں ہے اور حالت تشہد ان سات مقامات میں سے نہیں لہٰذا اس میں ہاتھ

اٹھانا یا قائم مقام انگلی اٹھانا نہیں کہ یہ اصل نماز جو خشوع اور سکون کے خلاف ہے۔ اور روایت شاذ امام محمد سے یا امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کو نقل کرتے ہیں ان کے لیے کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ اگر کسی نے نماز میں سجدہ کے حالت میں گھٹنے زمین پر نہ رکھے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہ جائز ہے فقیہ ابی اللیث اسمرقندی نے الفتاوی میں ذکر کیا ہے کہ یہ روایت شاذ ہے ہم اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ یہ جائز نہیں کہ ہم اس پر عمل کرتے ہیں ملاحظہ ہو الفتاوی جلد ا صفحہ ۹۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت۔ اصل مذہب حنفی میں تینوں اماموں کے ہاں اشارہ نہیں۔ **فافهم و لاتكن من المتعصبين۔**

امام شمس الدین السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے:

ولنا أن الآثار لما اختلف فی فعل رسول الله ﷺ يتحاكم الى قوله و هو الحديث المشهور ان النبی ﷺ قال لا ترفع الأيدى الا فی سبع مواطن عند افتتاح الصلاة و فی العيدين و القنوت فی الوتر و ذكر أربعة فی كتاب المناسك (جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بھی ایسا لکھا ہے اور ابن الہمام بھی نے اس کی توثیق کی جس کا بیان گزرا ہے۔) **و حين رأى بعض الصحابة رضوان الله عليهم يرفعون أيديهم فی بعض أحوال الصلاة كره ذلك فقال مالی أراكم رافعی ايديكم كانها أذناب خيل شمس اسكنوا و فی رواية قاروا فی الصلاة: مبسوط جلد ا صفحہ ۱۴۔**

ترجمہ: ہمارے احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فعل کے بارے میں آثار مختلف ہو جائیں تو فیصلہ آپ کے قول پر کیا جائے۔ (یہ نہیں کہ کبھی ایک پر عمل اور کبھی دوسری پر یہ مذہب باطلہ ہے) اور مشہور حدیث ہے کہ سات جگہوں کے علاوہ ہاتھوں کو مت اٹھانا تکبیر تحریمہ کے حالت میں (یہ نماز سے خارج عمل ہے) اور دونوں عید میں

اور وتر کے دعا قنوت میں اور جگہوں کو حج کے احکام میں ذکر کیا۔ اور جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بعض اصحاب کو نماز میں بعض احوال میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ان کے اس فعل کو مکروہ جانا کیوں میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دم اٹھاتے ہلاتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز میں سکون کرو اور دوسرے روایت میں آیا ہے کہ سکون سے نماز ادا کرو۔ (جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا تفصیل گزری ہے) ثابت ہوا کہ اصل مذہب میں حالت تشہد میں اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کی شہادت کے ساتھ ساتھ یا اس کی جگہ اشارہ کرنا نہ ہمیں اسکا ثبوت قرآن میں ملتا ہے اور نہ احادیث اور نہ اجماع امت سے۔

اور علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نیل الفرقدین مع حاشیۃ بسط الیدین فی مسئلۃ رفع الیدین میں تحریر فرماہیں:

عن احمد و الذی یقع أن الرفع اشارة للاقبال علی اللّٰہ و التوجه لحضرته و الاشارة الی مکانته لانه مقدس عن الجهة و المکان و علیه و صل التوجیه بالاستفتاح الخ۔

و المطلوب اذا کان غائبا لم یشر الیه فی الشاهد أصلا کان عبادة عقلیة محضة و لیس من سنن الانبیاء و لا شاهد علیها فی الشاهد الخ۔ صفحه ۹۸ مجموعة الرسائل الکشمیری جلد ۱ کراچی علوم اسلامیه نیل الفرقدین یعنی احمد بن حنبل سے روایت ہے اور جو یہ واقع ہوتا ہے کہ رفع میں اللہ تعالیٰ کے لیے متوجہ ہونا اور آپ کے حضور کو منہ کرنا اور آپ کے مرتبہ کو اشارہ کرنا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک ہے اور استفتاح سے توجہ حاصل ہوئی ہے۔ اور مطلوب جب غائب ہو تو حاضر میں اس کے طرف اشارہ نہ کیا بلکل یہ عبادت عقلی خالص ہے اور اشارہ سنن انبیاء علیہم السلام سے نہیں اور نہ اس پر حاضر میں گواہی کی ہے۔ اور فیض الباری کے مصنف محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی المتوفی ۱۳۸۲ھ نے فیض الباری کی توثیق علامہ شبیر احمد العثمانی ۲۸

جمادی الاولیٰ سنۃ ۱۳۵۷ھ کا بیان جلد دوم اور چہارم پہلے صفحات میں گزرا ہے وہ نیل الفرقدین ۱۳۵۰ ھ مطبع حید ربرقی پریس دھلی اس سے قبل معلوم ہوتا ہے مجموعۃ رسائل الکشمیری جلد ا رسالہ کشف الستر صفحہ ۱۳۹ وص ۴۷۳ فصل فی رفع الیدین فی الدعاء میں رقم طراز ہیں:

المسئلة أن ترفع يديك حذو منكبيك و الاستغفار أن تشير باصبع واحدة و الابتهال أن تمد يديك جميعاً (د) عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ص ٦٨ و هو فى ص ۲: ۷۲ هكذا عن عكرمة قال: قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما (و قد رفعه أيضاً) الابتهال هكذا و بسط يديه و ظهورهما الى وجهه و الدعاء هكذا و وضع يديه تحت لحييه و الاخلاص هكذا يشير بأصبعه (عب) صفحه ۱۳۹ / ۴۷۳ و صفحه ۱۴۰ / ۴۷۴ و عند الطحاوى عن وائل بن حجر قال صليت خلف رسول الله ﷺ ـــ و جعل حلقة بالابهام و الوسطى، ثم جعل يدعو بالأخرى و نحوه عند الترمذى عن ابن عمر قال: و رفع اصبعه التى تلى الابهام يدعو بها۔ و عند أبى دأود من حديث عبدالله بن الزبير أن النبى ﷺ كان يشير باصبعه اذا دعا و لا يحركها و عن عامر عن أبيه أنه رأى النبى ﷺ يدعو كذلك۔ و عند النسائى من حديث وائل: و نصب اصبعه للدعاء، و فى لفظ: و أشار بالسبابة يدعو بها، و فى لفظ كلفظ أبى دأود و فى لفظ فرأيته يحركها يدعو بها و عن عامر بن عبد الله بن الزبير كان يشير باصبعه اذا دعا و لا يحركها و عن أبيه أنه رأ النبى ﷺ يدعو كذلك و نمير الخزاعى أنه رأى رسول الله ﷺ رافعا اصبعه السبابة قد أحناها شيئا و هو يدعو۔ و عند مسلم عن ابن عمر: رفع اصبعه التى تلى الابهام فدعا بها۔ و عند ابن ماجة من حديث وائل: يدعو بها فى التشهد و غيره و غيره صفحه ۱۴۲ لهذا قال فى فيض البارى والصواب عندى انه كان للدعاء كمابوب به الترمذى (ج ا ص ٦٨) و كذلك عند البيهقى: كيف و فى الحديث تصريح بان الرفع كان للدعاء اه جلد ۴ صفحه ۱۴۳ كمامر مفصلاً۔

یعنی سوال کرنا یہ ہے کہ آپ کندھوں کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائیں اور استغفار یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرے اور ابتھال یہ ہے کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اکٹھے اٹھائیں ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے اور اس طرح عکرمہ سے روایت ہے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (اس طرح اس کو مرفوع کیا ہے) ابتہال یہ ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح اٹھائیں کہ ہاتھوں کی الٹی طرف منہ کی طرف ہو۔ اور دعا اس طرح ہے کہ دونوں ہاتھوں کو جبڑوں کے نیچے کر دیا اور ایک انگلی سے اشارہ کیا فرمایا کہ یہ اخلاص ہے۔ اور طحاوی کی ذکر کردہ حدیث میں وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنایا پھر دوسری انگلی سے دعا کی اس جیسے کہ ترمذی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے اس میں ہے کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھایا اس سے دعا کرتا تھا۔ اور ابو داؤد کے ہاں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب دعا کرتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اس کو حرکت نہ دیتے تھے۔ اور عامر نے اپنے باپ سے روایت ہے کہ اس نے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ اس طرح دعا کرتے تھے۔ انگوٹھے کو حرکت نہ دیتے تھے۔ اور عامر اپنے باپ سے راوی ہیں کہ اس نے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ اس طرح دعا کرتے تھے اور انگلی کو نہیں ہلاتے تھے اور نسائی کے ہاں حدیث وائل میں ہے کہ دعا ہی کے لیے انگلی اٹھائی اور ایک لفظ یہ ہے کہ مسبحہ سے اشارہ کیا اس پر دعا کرتے تھے۔ اور ایک لفظ ابو داؤد کے لفظ کی طرح پر ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ انگلی ہلاتے ہوئے اس پر دعا کرتے تھے اور عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب دعا کرتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اس کو ہلاتے نہ تھے اور اپنے باپ سے روایت

کرتے ہیں کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ اس طور پر دعا کرتے تھے۔ اور نمیر خزاعی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس طور پر دیکھا کہ اپنے مسبحہ کو اٹھایا ہوا کچھ تھوڑا سا ٹیڑھا کر دیا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس پر دعا کرتے تھے۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسلم نے روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھا کر اس پر دعا کی اور حدیث وائل کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر تشہد میں دعا کرتے تھے اس لیے شاہ صاحب نے فیض الباری میں فرمایا کہ میرے نزدیک حق اور صحیح یہ ہے کہ انگلی اٹھانا دعا ہی کے لیے تھا جیسا کہ ترمذی نے اس پر باب منعقد کی ہے اور اس طرح بیہقی کے ہاں بھی ہے۔ کیوں ایسا نہ ہو کیوں کہ حدیث شریف میں تصریح ہے انگلی اٹھانا دعا ہی کے لیے تھا (جس کی تفصیل گزری ہے) اور یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ نفی اثبات کیلئے تھا۔

اس کی صحت پر دلیل وہ حدیث ہے کہ جس کو ہم نے ابو داؤد الطیاسی سے نقل کیا ہے جس میں ہے وجعل یدعو ہکذا یعنی بالسبابۃ یشیر بہا صفحہ ۱۲۶ مترجم اردو اور پھر اس طرح دعائیں کرنے لگے یعنی شہادت انگلی سے اشارہ کیا صفحہ ۱۳۷ متوفی ۲۰۴ھ واللہ اعلم۔ مولانا محمد عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند سے فارغ (پی ایچ ڈی) نے مقدمہ میں لکھا ہے۔

۱۵۷ھ میں حدیثیں لکھنا۔ اس سن میں محدث وفقیہ عبد الرحمن کوفی المتوفی ۱۶۰ھ سے حدیثیں لکھتے تھے۔ صفحہ ۳۹ میں اس دور کے آئمہ فن و نامور حفاظ حدیث نے ابو داؤد طیالسی کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کی الخ ۵۷ جن آئمہ فن نے موصوف کی مرویات سے اعتناء کیا اور اپنی کتابوں کو ان سے زینت بخشی ان میں ارباب صحاح میں سے امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کا نام سر فہرست ہے الخ صفحہ ۸۹۔

کاتب الحروف خادم العلماء و الاولیاء مولانا محمد روشن فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے حدیث نقل کی یعنی صحاح ستہ سب نے طیالسی سے حدیث نقل کی ملاحظہ ہو:

صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۹۱ باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث آخر میں تحریر فرماہے: رواہ ابو داؤد عن شعبۃ عن الاعمش بعضہ الخ۔

سوال: دعا میں ہاتھوں یا انگلی کو کیوں آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

جواب: اس لیے کہ آسمان دعا کے لیے قبلہ ہے۔ ان السماء قبلۃ الدعاء فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۳۷۷ و جلد ۶ صفحہ ۶۷ روح البیان اور تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ فضائل السماء طبع مصر نووی جلد ۱ صفحہ ۱۸۱، لان السماء قبلۃ الدعاء کما ان الکعبۃ قبلۃ الصلوٰۃ۔ اور در مختار علی الشامی صفحہ ۳۷۵ قولہ لانھا قبلۃ الدعاء ای کالقبلۃ للصلاۃ فلا تیوھم أن مدعو جل و علا فی جھۃ العلو۔

اور اس طرح طحاوی حاشیہ در مختار میں بھی ہے:

(قولہ لانھا قبلۃ الدعاء) کالقبلۃ للصلاۃ فلا یتوھم أن مدعو جل و علا فی جھۃ العلو اھ۔

یعنی اسمان دعا کے لیے ایسا قبلہ ہے جیسا کہ نماز کے لیے کعبہ ہے اور یہ وہم نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ جل وعلا اوپر کی طرف ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں گزرے ہوئے صفحات۔

اب ہم مثبتین اشارہ سے جو فریق کہتے ہیں کہ یرفع المسبحۃ عند قولہ: لا الہ، ویضعھا عند قولہ الا اللہ لمناسبۃ الرفع للنفی و الوضع للاثبات اور جو کہتے ہیں کہ موضع الاشارۃ قول الا اللہ ہے اس وجہ سے کہ غرض اشارہ سے توحید ہے تاکہ قول اور فعل بیک وقت مشابہ واقع ہو جائے اور جو کہتے ہیں کہ قعدہ میں بیٹھنے پر اٹھا یا رکھیں بلب ادب بصد احترام پوچھتے ہیں کہ آپ کے ہاں نفی اور اثبات کے لیے قبلہ کونسا ہے اور کس کتاب میں مجتہدین سے منقول ہے۔ تمہید ابی شکور السالمی اینیۂ پر

بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔ جھمیہ کی ایک قسم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں موجود ہے اور یہ کفر ہے اور جھمیہ کا ایک فریقہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور آپ اور عرش کے درمیان ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسد ہے اور جسد کا معنی بیان نہیں کرتے یہ کفر ہے۔ اور کرامیہ میں سے متقشفۂ کہتے ہیں کہ اللہ استقر علی العرش یہ ہے فرقہ باطلہ کے عقائد ملاحظہ ہو تمہید صفحہ ۳۸: اور حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے سوال ہوا کہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواباً کہا کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور مکان نہیں تھا وہ اب ایسا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ تو کیا تینوں فریق مجسمہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ یا کیا کہتے ہیں۔

اصول الشرع: حسامی میں ہے کہ شرع کے تین اصول ہیں: الکتاب و السنة و اجماع الامة اور چہارم اصل: القیاس المستنبط من ھذا الاصول حسامی مع نامی صفحہ ۴ اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ۱ صفحہ ۷ قبیل کتاب الطھارت: اور یہ بھی فقہ اور اصول فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ قیاس مظہر ہے مگر مثبت نہیں اور قیاس غیر مستنبط اس اصول سے قیاس شرعی نہیں ہے۔ اس سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

شان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (۳) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (۴)۔ النجم۔

ترجمہ: اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ ہوی مختلف صیغہا سے کل: ۳۷ جگہ ہے۔

حق کسی کی نفسانی خواہشات کے تابع نہیں: ارشاد ربانی ہے۔

(۲) وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ۔ المؤمنون آیت نمبر ۷۱

ترجمہ: اور اگر (دین) حق کہیں ان لوگوں کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا تو آسمان وزمین اور جو ان میں (آباد) ہیں (سب) تباہ ہو جاتے بلکہ ہم نے تو ان کی نصیحت ہی کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔

(۳) خواہشات کے تابع والوں کے لیے مثال

قرآن مجید میں ہے:

أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ الاعراف ۱۷۶

ترجمہ: وہ زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اُسے چھوڑے (جب بھی) ہانپے یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو سو آپ بیان کیجئے (یہ حالات) شائد کہ لوگ سوچیں۔

یہاں یہ صاف کر دیا کہ مقصود کسی فرد متعین کی تاریخ یا سیرت سنانا نہیں بلکہ کل مفکرین مکذبین مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ اے ہو مثل جمع الکفار (قرطبی) یعنی یہ مثال سب کفار کا ہے تفسیر۔

اہل ہوٰی سب سے زیادہ گمراہ ہیں

اگرچہ لفظ ھوا کا مادہ کل ۳۷ بار قرآن کریم میں ۳۶ سورتوں میں آیا ہے بارہ صیغہ و لفظ کے ساتھ مگر باقی پہلے گزر چکی ہیں۔

ایک ضروری وضاحت: تحفۃ نصائح ص ۸۵ حاشیہ پر ہے ان الساکت عن الحق شیطان اخرس حق بیان کرنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔ مکتبہ قادریہ لاہور: اس لیے وضاحت کرنے سے لابدی (کوئی چارہ نہیں) ہے۔

والامر عند اللہ سبحانہ: اور اصل حقیقت کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ **ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ:** تحقیق لوگوں میں سے زیادہ عذاب کا مستحق قیامت کے دن وہ عالم ہے جس کو اپنے علم سے کچھ نفع حاصل نہ ہوا۔[2243]

اس وجہ سے مولوی محمد روشن تحریر کرتا ہے کہ ایک فریق کہتا ہے کہ حالت تشہد میں **اشھد ان لا الہ** پر مسبحہ اٹھایا جائے اور **الا اللہ** پر رکھ دیا جائے تاکہ نفی اثبات پر دلیل ہو جائے دوسرا فریق کہتا ہے کہ **الا اللہ** پر مسبحہ اٹھایا جائے اور تیسرا فریق کہتا ہے کہ قعدہ کے لیے بیٹھتے ہی سے مسبحہ تا آخر اٹھائے رکھیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تینوں اقوال قابل عمل اور حجت نہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا حکم قرآن کریم اور حدیث قولی و فعلی اور تقریری میں موجود نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بارہ میں ائمہ اربعہ میں سے کوئی تصریح نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ائمہ احناف ثلاثہ میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور دعویٰ بلا دلیل مقبول نہیں ہوتا۔ **ھاتو برھانکم ان کنتم صدقین**۔ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ دعاوی خلاف دلیل ہے۔ جو قرآنی آیات اور کچھ احادیث بیان ہوئی ہیں باقی تفصیلات دوسرے رسالہ میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (مشتبتین انتظار کریں قول اور فعل میں تضاد)۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ نمازی کے قول کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔ نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے اپنا منہ قبلہ

[2243] مکتوبات جلد ا صفحہ ۸۵ مترجم۔

کی طرف کیا پھر نماز ہی میں وعدہ خلافی کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کے انگلیوں کو قبلہ سے پھیر دیتے ہیں تواس آیت کے مصداق بن جاتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (٢) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔

اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ الصف آیات نمبر ۲ و ۳

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے:

فليوجه من اعضائه القبلة ما استطاع۔ جہاں تک ہوسکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔

روی عن النبی ﷺ أنه قال اذا سجد المؤمن سجد كل عضو منه فليوجه من اعضائه القبلة ما استطاع۔ نصب الرايه مكتبه حقانيه پشاور جلد ١ صفحه ١٢٦ ۔

اور نسخہ دیگر شاملہ والا جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ اور ہدایۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ کلام کمپنی کراچی۔ مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۲۰۷ و مبسوط ج ۱ ص ۲۳ والدرایۃ علی الہدایۃ ص ۱۱۰ ج ۔

المحفوظ ذلک من فعل النبی ﷺ اور الدراية فى تخريج احاديث الهداية على الهداية کہ صفحہ ۱۱۲ مطبع کلام کمپنی کراچی۔

ونسخہ دیگر صفحہ ۱۴۱ ۷ دارالمعرفۃ بیروت وطحطاوی حاشیہ مراقی ص ۱۹۴ میر کتب خانہ کراچی اور بنایۃ فی شرح الہدایۃ۔ مؤلفہ علامہ العینی جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ مکتبۃ التجاریۃ مکہ المکرمۃ۔

و فی التجنيس ويكره أن يميل اصابع يديه ورجليه عن القبلة لانه مامور بتوجهما قال عليه السلام فليوجه من اعضائه الى القبلة ما استطاع۔اه بحر الرائق جلد ٢ صفحه ٢٢ مايكره فى الصلاة ايچ ايم سعيد كراچی۔ لقوله عليه الصلاة والسلام: فليوجه من اعضائه القبلة ما استطاع۔ مجمع الانهر جلد ٢ صفحه ٩٦ دار الاشاعت كوئٹه وروى عن النبى ﷺ أنه قال

اذا سجد العبد سجد کل عضو منه فلیوجه من اعضائه الی القبلة ما استطاع۔ الموسوعة الفقهیه تالیف هیئة کبار علماء الاسلام مکتبه علوم اسلامیه تاج میر خال روڈ چمن بلوچستان جلد ۲۴ صفحه ۲۰۳۔

فقدقال علیه الصلاة و السلام اذاسجدأاحدکم فلیوجه من اعضائه الی القبلة مااستطاع اه۔[2244]

مکتوبات امام ربانی اردو جلد ا صفحہ ۲۰ ۷

ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب آیت مبارکہ اور حدیث نبوی خبر واحد میں ظاہراًتعارض آجائے تو عمل آیت پر ہوتا ہے نہ کہ حدیث مبارکہ پر اور جب حدیث قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو عمل حدیث قولی پر ہوتا ہے گزشتہ اوراق میں یہ وضاحت گزری ہے کہ ابتدا میں نماز میں ضرورت کے مطابق باتیں ہوتی تھیں سلام کا جواب دیا جاتا نماز کے آخر میں دعا کے وقت مسبحہ کو اٹھایا جاتا تھا مگر یہ سب افعال نماز سے بالآخر ختم کیے گئے تو وہ کونسی آیت ہے کہ سابقہ آیات کو اور سورہ یونس کی آیت ۱۰۵ اس سے منسوخ ہوئی ہیں اور وہ کونسی حدیث ہے جس نے مذکورہ احادیث سکون پر دال کو منسوخ کیا ہے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ کرسی پر نماز کے فتویٰ میں لکھتے ہیں نماز کی ادائیگی میں خشوع و خضوع وہ بنیادی صفات ہیں جن سے نماز کی اصل روح قائم ہو کر اللہ کے دربار میں اعلیٰ شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی التھانوی تحریر فرماہیں اس حدیث شریف کی تشریح میں:

مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاة۔ فانه یدل علی وجوب السکون۔ و أن الرفع الأیدی فی الصلاة ینافیه جلد ۲ صفحه ۴۲۳ ۸ ان رفع الید عند السلام لا یقال لفاعله اسکن فی الصلاة فانه بهذا الصنع (سلام پھیرنا) یخرج عن الصلاة۔

[2244] وعلی حاشیةتبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لعلامةشیخ الشبلی علی هذاالشرح الجلیل جلد ا صفحه ۱۱۴)

فافهم صفحه ۱۸۲۴ اعلاء السنن جلد ۲ السكون الذى هو طريق ما اجمع على طلبه فى الصلاة اعنى الخشوع۔ آگے لکھتا ہے: ان المطلوب من الشرع عدم الحركة فى الصلاة و مبنا ها السكون و الخشوع۔[2245] واعلم أن الحنيفة احتجوا الترك الرفع عند الركوع و الرفع منه ايضاً بحديث ابن عباس رحمه الله تعالىٰ لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن الحديث ۱۸۵۱ اعلاء السنن جلد ۲ ۔أن احاديث الرفع منسوخة بحديثين رواهما أحدهما عن ابن عباس رضی اللہ عنہ والثانى رواه عن ابن الزبير ۱۸۵۵ اعلاء السنن (و التفصيل فيه) اعلاء السنن جلد ۲ كوئٹہ۔

موسوعة فتح الملهم میں ہے: السكون الذى هو طريق ما اجمع على طلبه فى الصلاة أعنى الخشوع اه۔ كما فى القرآن قد أفلح المؤمنون الذين هم فى صلاتهم خاشعون سورة المؤمنون آية نمبر ۱ و ۲ والخشوع المطلوب فى الصلاة هو السكون الذى أمر به النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقوله "اسكنوا فى الصلاة" جلد ۳ فتح الملهم صفحه ۲۳۷ و قدمر أن الخشوع هوا لمطلوب الاصلى فى جمع أجزاء الصلاة جلد ۳ صفحه ۳۴۱، المراد الخشوع فى جمع أركان الصلاة صفحه ۳۷۲، انه عليه السلام كان يشير لرد السلام ثم صار منسوخاً مشمولاً بنسخ الكلام فتح الملهم جلد ۳ صفحه ۳۷۰ أمر به رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من تسكين الأطراف فى الصلاة: فتح الملهم جلد ۳ صفحه ۳۷۱۔

و وجهه عموم دليل الرفع للدعاء ويجاب بانه مخصوص بما ليس فى الصلاة للاجماع على ان لا رفع فى دعاء التشهد اه۔ فتح القدير جلد ۱ صفحه ۳۷۵ لا يرفع الايدى الا فى سبع مواطن جلد ۱ صفحه ۳۷۸ وغيره وغيره۔

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو بدخو گھوڑوں کی دم کی طرح ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون سے ادا کرو یہ نماز میں سکون کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور نماز میں ہاتھ اٹھانا اس کے منافی ہے۔ اور سلام کے وقت ہاتھ

[2245] (۱۸۵۰ اعلاء السنن جلد ۲)

اٹھانے والے کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نماز میں سکون کرو۔ کیوں کہ اس فعل سے (نمازی) نماز سے خارج ہو جاتا ہے اس کو سیکھ لو۔ وہ سکون جس کے نماز میں مطالبہ پر اجماع ہے وہ خشوع ہے۔ شرع کو مطلوب نماز میں عدم حرکت کرنا ہے اور اس کا دار و مدار سکون اور خشوع پر ہی ہے۔

جان لو کہ احناف نے رکوع کو جانے اور اس سے اٹھنے کے وقت ہاتھ نہ اٹھانے کے لیے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پر کہ سات مواضع کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھانے پر دلیل کو پکڑا ہے۔ (حالت تشہد ان سات مواضع سے نہیں لہٰذا اس میں رفع انگلی کہ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کے لیے کیا جاتا ہے جیسا کہ گزرا ہے اس حالت میں سے نہیں ہے) بے شک رفع کی احادیث دو حدیثوں پر منسوخ ہوئی ہے ایک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور دوسری ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ وہ سکون جس کا نماز میں مطلوب اجماعی ہے خشوع ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ یقیناً وہ مؤمنین کامیاب ہوئے جو کہ نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ سورۃ مؤمنون آیت نمبر ۱ و ۲ نماز میں مطلوب خشوع وہ سکون ہے جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے اس حکم سے کیا ہے کہ **اسکنوا فی الصلاۃ**۔ نماز میں ساکن رہو اور یہ گزرا ہے کہ مطلوب اصلی خشوع نماز کے سارے اجزاء میں ہے۔ نماز کے کل ارکان میں خشوع مراد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جواب سلام کے لیے اشارہ کرتے تھے پھر وہ منسوخ ہوا کلام کے نسخ سے یکجا منسوخ ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں اطراف کے سکون کا حکم دیا ہے

ابن ہمام صاحب ہاتھ اٹھانے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے کا عموم ہے مگر جواب یہ ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا اس دعا کے ساتھ خاص ہے جو کہ نماز میں نہ ہو اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ حالت تشہد میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا نہیں ہے۔ اور سات مواضع کے علاوہ اور جگہ ہاتھ اٹھانا نماز میں نہیں ہے۔

نماز میں آٹھویں وجہ: آٹھویں وجہ یہ ہے کہ خارج از نماز ہاتھ اٹھانا یا اس کے جگہ ایک انگلی اٹھانا اس لیے ہے کہ جیسا نماز کے لیے کعبہ شریفہ قبلہ ہے اس طرح دعا کے لیے آسمان قبلہ ہے: **ان السماء قبلة الدعاء كما أن الكعبة قبلة الصلاة۔** یعنی جیسا کہ کعبہ شریف نماز کے لیے قبلہ ہے اس طرح آسمان دعا کے لیے قبلہ ہے۔ موسوعۃ فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۷۷۳ اور روح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۷ دارالاحیاء بیروت اور مرقات جلد ۵ صفحہ ۳۴۳ مکتبہ امدادیہ ملتان تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں اس رسالہ کے گزشتہ صفحات۔

مدعیان اشارہ برائے نفی و اثبات بتائے کہ نفی اور اثبات کے لیے قبلہ کس کتاب میں ہے کہ کونسا ہے؟ اس لیے کہ مدعی پر بیان لازم ہوتا ہے۔

نوویں وجہ: وجہ نہم یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کتاب الاصل اور کتاب الآثار لمحمد اور کتاب الحجۃ میں ثابت ہوا ہے کہ نماز میں سکون ہے اشارہ کرنا نہیں موطا میں حدیث نقل کرنا صرف اس لیے ہے کہ نماز میں کنکری الٹ کرنا ایک بار کے علاوہ جائز نہیں اس پر دلیل اس کا ترجمۃ الباب ہی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے **باب من كبر في نواحي الكعبة** میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم بیت اللہ شریف کو داخل ہوئے تو نواحی بیت اللہ میں تکبیر کہی اور نماز نہیں پڑھی۔ جلد ا صفحہ ۲۱۸ صحیح بخاری۔

اگرچہ اس حدیث شریف میں یہ بھی آیاہے کہ حضور علیہ السلام نے بیت اللہ شریف میں نماز نہیں کی مگر امام بخاری کا اس حدیث سے صرف بیت اللہ کے نواحی میں تکبیر ثابت کرنا مراد ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہےمن کبر فی نواحی الکعبۃ اوراس بات سے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ساقط ہے کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب العشر میں حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بیت اللہ میں نماز ادا نہیں کی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یقینا نماز ادا کی تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو سب نے قبول کیا اور اس پر عمل کیا اور فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو چھوڑ دیا گیا بخاری جلد ا صفحہ ۲۰۱ شہادت دینے والے قول پر عمل ہو گا۔

حمیدی نے فرمایا یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کعبہ میں نماز ادا کی اور فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نماز ادا نہیں کی تو لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادۃ پر عمل کیا نہ کہ فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر۔ اس طرح بخاری جلد ا صفحہ ۳۶۰ پر بھی فرمایا کہ لوگوں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لیا نہ کہ فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

دسویں وجہ: دسویں وجہ یہ ہے کہ اس پر اگر کسی نے بھی عمل کر لیا (اشارہ کیا) تو نماز کو لوٹانا پڑے گا۔ کیوں کہ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ جس نے اپنی نماز میں اشارہ کیا اور اس سے فہم کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی نماز کو دوبارہ ادا کرے۔ ابو داؤد جلد ا

صفحہ ۳۶اور ابوداؤد کی یہ بات کہ یہ حدیث وھم ہے مگر وھم کی کوئی وجہ بیان نہیں کی لہٰذا حدیث مجروح نہیں دوسری بات یہ ہے کہ اس کی توثیق بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔اسطرح اس کوابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث جید کہاہے ج ا ص ۳۵۸۔

جیسا کہ گزراہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو شرح سنن دارمی نے جلد ۲ صفحہ ۸۳ التعلیق المغنی نے نقل کیاہے اور اس میں ابوغطفان کی توثیق بھی گزرے صفحات میں بیان ہوئی ہے۔ ضروری چھوٹی بات یہ ہے کہ جرح مبھم مقبول نہیں جیسا کہ کتب اصول فقہ میں ہے اور **موسوعة فتح الملھم جلد ۳ صفحہ ۲۶۵ اور مسند بزار جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ حدیث نمبر ۸۴۱۶ جس میں فلیعد صلواته او قد فسدت** ہے مطبوعہ دارالکتب بیروت کے صفحہ ۶۵ پر مذکور ہے جس کا منع آیات مذکورہ میں ہے ورنہ مذکورہ آیات قرآنی اور الٰہی احکامات کے خلاف ورزی کے زمرے میں پھنس جائے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ: بعض متاخرین علماء کا یہ قول اگرچہ کتب ظاہر الروایات میں اشارہ کا ثبوت نہیں مگر نوادرات میں ہے۔

علامہ عبدالحی صاحب نے علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۱ میں نقل کیا جیسا کہ گزراہے وہ یہ کہ احادیث نبوی اور مسائل فقہیہ کی نقل بغیر کتب متداولہ سے جائز نہیں۔ کیوں کہ غیر متداولہ پر اعتماد نہیں۔اس میں زنادقہ اور ملاحدہ نے الحاق کی ہے آگے لکھتاہے بحر جلد ۶ صفحہ ۲۶۵ پر بھی ہے کہ اگر ہمارے زمانہ میں نوادر کی بعض کتب موجود ہوجائیں ان کے مسائل کی نسبت نہ امام محمد اور نہ امام ابی یوسف کو رواہے الخ جیسا کہ اس کی تفصیل گزری ہے تو پھر اس کو مذہب بنانا کس طرح جائز ہو گا بلکہ کتاب الاصل سے اور شرح معانی الآثار سے اور کتاب الآثار لامام محمد اور

کتاب الحجۃ سے تشہد میں عدم اشارہ مذکور ہے امام طحاوی تفصیل کے بعد تحریر فرماہیں کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں اعضائِ بدن کی تسکین کا حکم دیا اور یہ قول کہ ہم نے بیان کیا اس باب میں یہ امام ابو حنیفۃ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور کتاب الآثار کہ امہات الکتب میں سے اس میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا کہ فرمایا نماز کی تعظیم کرو یعنی سکون سے ادا کرو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے۔ وقار کا معنی سکون ہے۔ مجمع بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۱۰۱ وصفحہ ۱۰۲ پر مذکور ہے۔ اور کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ ہاتھ سے اشارہ کرے اس لیے کہ نماز میں شغل ہے اور صفحہ ۱۴۷ پر لکھتا ہے کہ محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اپنے نماز میں نمازی کے لیے اچھا نہیں کہ نماز میں کسی چیز کا اضافہ کرے جو نماز سے نہیں وہ اشارہ وغیرہ ہے۔ اس لیے کہ خشوع نماز میں سے ترک اشارہ ہے یعنی اشارہ نہ کرنا ہے۔

صفحہ ۱۴۷ صاحب بحر الرائق تحریر فرماہیں:

ماخرج عن ظاهر الرواية فهومرجوع عنه لما قرروه الاصول من عدم امكان صدور قولين مختلفين متساويين من مجتهد والمرجوع عنه لم يبق قوله كما ذكروه جلد ٦ صفحه ٢٧٠۔

ترجمہ: جو ظاہر روایت سے خارج ہو تو اس سے رجوع کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ علماء نے اصول میں ثابت کیا ہے کہ مجتہد سے دو قول مختلف مساوی ایک جیسے ممکن نہیں اور جس قول سے رجوع ہوا ہو وہ اس مجتہد کا قول نہیں رہا جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا ہے۔

علامہ امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تضرع کی دعا میں چھوٹی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور مسبحہ سے اشارہ کرکے اور دعا کرے پھر دعا خفیہ کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اس وجہ سے املاء میں امام ابویوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کے شروع کے وقت اور حجر اسود کے استلام کے وقت اور وتر میں قنوت کے وقت اور عیدین کے تکبیرات کے وقت ہتھیلی انگلیوں سمیت قبلہ کی طرف ہو اور صفا و مروہ اور عرفات اور مزدلفہ اور جمرتین کے ہاں ہتھیلی انگلیوں سمیت ہاتھ اٹھانے کے وقت آسمان کی طرف ہو۔ اس لیے اس مقامات میں دعاء رغبت کرتے ہیں۔ اھ مبسوط لسرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد ا صفحہ ۱۶۶ تو بعد میں بعض نے غلطی سے اس سے تعبیر مروجہ اشارہ سے کیا جو کہ سراسر غلط اور قرآن و سنت اور مذہب حنفی کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر مولا بخش سکندری کے مفروضے کا ابطال

یہ مسکین علم مولانا سکندری تحریر کرتا ہے کہ عام متأخرین نے اشارہ سبابہ کے سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ دعویٰ بے دلیل ہے جو کہ کسی وجہ سے مقبول نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مذکورہ آیات قرآنی اور احادیث قولی کا مخالف ہے جس کو کوئی موحد مسلمان قبول نہیں کرے گا۔ آیئے تفسیر مظہری کا مطالعہ کریں۔

مسئلہ: اذا افتی المجتہد و ظہر ان فتویٰ مخالف للکتاب او السنۃ وجب علینا اتباع الکتاب و السنۃ روی البیہقی فی المدخل باسناد صحیح الی عبداللہ بن المبارک قال سمعت ابا حنیفۃ یقول اذا جاء عن النبی ﷺ فعلی الرأس و العین و ذکر عن الروضۃ العلماء عن ابی حنیفۃ قال اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ و قول الصحابۃ رضی اللہ عنہم و نقل عنہ انہ قال

اذا صحیح الحدیث فھو مذھبی اھ۔مظھری جلد ۲ پارہ ۵ صفحہ ۵۵ ا بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ۔

ترجمہ: جب ایک مجتہد فتویٰ دے اور ظاہر ہو جائے کہ اس کا فتویٰ قرآن یا سنت کے خلاف ہے ہم پر واجب ہے کہ ہم قرآن و سنت کی اتباع کریں مدخل میں صحیح سند کے ساتھ بیہقی میں ہے کہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے جب حضور علیہ السلام کا قول آئے ہمیں سر و چشم سے قبول ہے اور امام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روضۃ العلماء میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خبر کی وجہ سے میرا قول چھوڑ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول کی وجہ سے بھی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہی ہے اور مدخل الکبیر اردو میں ہے۔ ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا جب تم میری کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت کے خلاف کوئی بات پاؤ تو سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مطابق عمل کرو اور جو کچھ میں نے کہا ہے اسے چھوڑ دو۔ خطیب نے والتفقہ (۱/۱۵۹) ابو نعیم فی الحلیہ (۹/۱۰۷) اور بیہقی کے مناقب (۱/۲۷۔۴۵۳) میں اس کی تخریج کی صفحہ ۱۸۴ پر معارف اسلامیہ منصورہ۔

ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کسی کے لیے ہمارے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے یہ بات کہاں سے کی ہے۔ قاضی ابو یوسف صاحب وامام ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدخل ۱۸۸ص حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے کہا اے عبد اللہ! اس آیت کے بارے میں کچھ بتائے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ الایۃ التوبۃ ۳۱۔ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کی عرفی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال سمجھتے تھے لیکن جب اللہ کی حلال کی ہوئی شے ان کی طرف سے حرام گردانی جاتی تو یہ بھی اسے حرام جانتے تھے۔ پس وہ اس طرح ان کے ارباب ہوگئے۔

ایک اور طریق سے یہ روایت یوں آئی ہے۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اتخذوا الایۃ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے ہاں جب وہ کوئی شے حلال کردیتے تو اسے استعمال کرتے اور جب حرام کردیتے تو اسے حرام سمجھ لیتے (بیہقی نے سنن (۱۰/۱۱۶) ابن جریر نے (۱۰/۸۱) ابن عبدالبر نے (۲/۱۰۹) میں اس کی تحریر کی ہے۔

اور یہی روایت عدی بن حاتم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ عدی ابن حاتم کہتے ہیں۔ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھ سے کہا یا عدی! یہ بت اپنی گردن سے نکال دو۔ عدی کہتے ہیں میں نے اسے نکال دیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قریب آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سورۃ توبہ کی تلاوت کررہے تھے چنانچہ یہ آیت پڑھی: اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا الیس یحرمون ما احل اللہ فیحرمونہ ویحلون ما حرم اللہ فیستعملونہ۔ میں

نے کہاہاں یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یہ تو ہے! اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاپس یہی ان کی عبادت ہے اس کی تخریج بیہقی نے السنن میں، ترمذی نے باب التفسیر میں اور طبرانی نے الکبیر میں اپنے اپنے طریق پر اس کی تخریج کی ہے۔
مدخل کبیر اردو صفحہ ۱۸۷و۱۸۸اور تفسیر مظہری عربی بلوچستان بک ڈپو جلد ۴پارہ ۱۰ صفحہ ۱۹۴۔

تیسری وجہ: علامہ سکندری صاحب کہتا ہے: روایات عدم اشارہ روایات اصول اور نوادر سے نہیں بلکہ واقعات اور فتاویٰ اور نوازسے ہے جسے کا مرتبہ نوادر سے کم ہے ناظرین سے التماس ہے کہ یہ بھی دعویٰ بلادلیل ہے اور مردود ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ کا مصنف طاہر بن أحمد مسائل میں أعلام المجتہدین میں سے ہیں اس نے اسے واقعات اور خزانہ سے مختصر کی ہے یہ علماء کے ہاں معتبر کتاب اور فقہاء کے ہاں معتمد ہے۔ فوائد البھیہ صفحہ ۸۴ نور محمد کراچی۔

احمد بن محمد الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: جلیل القدر امام ہیں مختصر الطحاوی اس کے مجتہد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ عالم بجمیع المذاھب العلماء۔ یعنی علماء کے سارے مذاہب پر عالم تھے۔ فوائد بھیۂ جلد ۱ صفحہ ۳۳و۳۴وحالات مصنفین درس نظامی ۱۲۹-۱۳۷تک ملاحظہ ہو۔

ابو بکر الراضی الجصاص مفسر مجتہد کا حال ملاحظہ کرچکے ہیں ۔ یہ ہے سکندری کی ایمانداری تفصیل ان شاء اللہ دوسری رسالہ میں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی قلمبند کردی جائے گی یہ بھی تعجب کی بات ہے اشارہ برائے رد سلام اور اشارہ برائے دعا کی احادیث منسوخہ کو نماز میں اشارہ مروجہ پر حمل کرکے اہل حق کی تردید کی۔

ایک اہم تحقیق: ان كان المفتي غير مجتهد: اگر مفتی مجتہد نہ تھا تو اٹکل سے جواب نہ دے گا تاکہ اللہ تعالیٰ پر افتراء واقع نہ ہو جائے۔ قاضی خان صفحہ ۳۔

أما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كابى حنيفة على جهة الحكاية۔اھ۔عمدة الرعايه مقدمه صفحه ۱۱۔

وہ مفتی جس نے صرف مجتہد کے اقوال یاد کیے ہوں اور مجتہد نہیں ہو تو اس پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے کہ مجتہد کے قول بیان کریں جیسے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور حکایت اس لیے کہ یہ شرعاً مفتی نہیں مگر سکندری صاحب نے اس کے سنت ہونے کے لیے کسی مجتہد کا نام نہیں لیا لہٰذا یہ سعی لا حاصل ہے اور مذہب کے خلاف مقبول نہیں۔

چوتھی وجہ: مسائل شرعیہ کے ثبوت کے لیے دلائل شرعیہ قرآن اور سنت اور اجماع ہے اور وہ قیاس مجتہد جو ان تین دلائل سے مستنبط ہو نہ کہ خواہشات مفتیان ہوں ان کا یہ منصب نہیں۔ فرض فرض ہے واجب واجب ہے سنت سنت ہے مستحب مستحب ہے یہ کسی مفتی کے فتویٰ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو سکتا نہ فرض کسی فتویٰ سے واجب یا سنت یا مستحب بن سکتا ہے اور نہ مستحب سنت یا واجب یا فرض کسی کے فتویٰ سے بنتا ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ سکندری صاحب کی واضح جہالت ہے کہ بعض متأخرین مفتیوں کے فتویٰ سے اشارہ سنت ثابت کرتا ہے۔

اس لئے کہ یہ قول مشرکین سے مشابہت رکھتا ہے جس کا بیان سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۶ و ۳۷ میں ہے۔ اشرف علی تھانوی بیان قرآن میں تحریر کرتا ہے۔

عود بذکر بعض جہالات کفریہ مشرکین:

اس جہالت کا حاصل تبدیل احکام متعلقہ زمان تھا۔اھ۔

تعریف سنت: ان السنة ما واظب علیه النبی ﷺ۔ یعنی سنت وہ ہے جس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیش گیری کی ہو۔ شامی جلد ا صفحہ ۴۹۰ مصری۔

اعلم ان المشروعات اربعة أقسام فرض و واجب و سنة و نفل فما كان فعله اولی من تركته مع منع الترک ان ثبت بدليل قطعی ففرض أو ظنی فواجب و بلامنع الترک ان كان مما واظب علیه الرسول الله ﷺ او الخلفاء الراشدون من بعده فسنة و الا فمندوب و نفل الخ۔

یعنی چار قسم مشروعات ہیں فرض اور واجب اور سنت اور نفل۔ تو جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو اور نہ کرنے سے منع آیا ہو اگر دلیل قطعی سے ثابت ہو تو یہ فرض ہے۔ اور اگر دلیل ظنی پر ثابت ہو تو یہ واجب ہے۔ اور ترک کرنے سے منع نہ ہو اگر اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیش گیری کی ہو یعنی ہمیشہ کیا ہو یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد خلفاء الراشدین نے اس پر مواظبت کی ہو تو یہ سنت ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو مندوب اور نفل ہے۔ شامی جلد ا صفحہ ۷۶ مصری۔

ان التفاوت فی الاحکام انما یکون بتفاوة الخطاب دون العقل تمهید ابی شکور سالمی ص ۱۱۔

یعنی احکام میں تفاوت عقل سے نہیں بلکہ خطاب کے تفاوت کی وجہ سے ہے۔

وجہ پنجم: سکندری صاحب کا اقرار کہ عام متأخرین نے اشارہ بالسبابہ کے سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ سکندری صاحب نے بالواسطہ طور پر شاہ صاحب کی تصدیق کی ہے کہ اصل مذہب اور متقدمین کے ہاں یہ اشارہ نہیں ہے پھر ان کا ان متأخرین کی اتباع نصوص قرآن کی صریح خلاف ورزی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

(۱) اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۶) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

یعنی ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔ فاتحہ آیت ۵و۶۔

تفسیر: صراطِ مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا خُلقِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضور کے آل واصحاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم طریقِ اہلِ سنت ہے جو اہلِ بیت واصحاب اور سنّت وقرآن وسوادِ اعظم سب کو مانتے ہیں۔

"صِراطَ الَّذِیْنَ اَنعَمْتَ عَلَیْھِمْ" جملہ اُولٰی کی تفسیر ہے کہ صراطِ مستقیم سے طریقِ مسلمین مراد ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں کہ جن امور پر بزرگانِ دین کا عمل رہا ہو وہ صراطِ مستقیم میں داخل ہے۔

(۲) یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِینَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوبَ عَلَیْکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیمٌ حَکِیمٌ۔ النساء آیت نمبر ۲۶

اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لئے صاف بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتادے (انبیاء وصالحین کی) اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

سُنَنَ الَّذِینَ مِنْ قَبْلِکُمْ: أی مناھج من تقدمکم من الانبیاء و الصالحین لتفتقوا أثرھم و تتبعوا اسیرھم۔ روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۱۳ امدادیہ ملتان۔

یعنی آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں رحمھم اللہ تعالیٰ کے راستے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتائے تاکہ آپ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے سیرتوں کا اتباع کریں (نہ کہ ان کے خلاف فتویٰ جاری کریں)۔

مجلہ میں ہے:

الاصل بقاء ما کان علی ما کان صفحہ ۸۷، ۷۶ ۴ مادہ و صفحہ ۵ ملاحظہ ہو۔ شرح مجلہ سلیم رستم باز صفحہ ۲۰ وغیرہ اور شرح مجلہ محمد خالد الاتاسی جلد ا صفحہ ۲۰ اور درر الحکام شرح مجلہ تالیف علی حیدر جلد ا صفحہ ۲۳۔

مادہ: القدیم یترک علی قدمہ: مجلہ صفحہ ۸۷ مادہ نمبر ۶ اور شرح مجلہ رستم باز صفحہ ۲۱ ا اور الاتاسی جلد ا صفحہ ۲۳ اور درر الحکام جلد ا صفحہ ۲۴ یعنی پرانا اپنے حال پر چھوڑا جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے شکایت کی کہ انہیں نماز کے درمیان وضو ٹوٹنے کا شک لاحق ہوتا رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اس وقت تک نماز نہ توڑو جب تک کہ تمہیں بدبو محسوس نہ ہو جائے یا تم (ریح کی) آواز نہ سن لو۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اس حدیث میں اسلام کے اصول اور قواعد میں سے ایک عظیم اصل اور قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اشیاء کو ان کی اصل پر باقی رکھنے کا حکم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے خلاف یقین دہانی ہو جائے الخ۔ مسلم جلد ا صفحہ ۱۵۸ حدیث نمبر ۸۰۷و۸۰۹

لا مساغ للاجتہاد فی مورد النص مادہ نمبر ۱۴ صفحہ ۸۸ وغیرہ۔ الاجتہاد لا ینقض بمثلہ مادہ نمبر ۱۲ صفحہ ۸۸ مجلہ نمبر ۸۸ اور شرح مجلہ رستم باز صفحہ ۲۵، ۲۶ اور شرح اتاسی جلد ا صفحہ ۴۰ و صفحہ ۴۵ اور درر الحکام جلد ا صفحہ ۳۲ و ۳۴ نص کے باوجود اجتہاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ایک اجتہاد اپنے جیسے اجتہاد سے ٹوٹ نہیں جاتا۔ اس وجہ سکندری صاحب کا نقل کردہ اور بیان کردہ فتویٰ سے کوئی کام نہیں بن سکتا ہے۔ باقی رہا سکندری کا یہ حکم کہ عدم اشارہ روایات اصول میں سے نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے

ہاں قرآن و سنت اصول میں سے نہیں جو کہ ہم نے مختصراً بیان کیا۔اس لیے ان کو اپنا حکم خود سوچنا چاہئے۔

اور تفسیر مظہری میں ہے پیچھے خلاف پہلے اجماع کو ختم نہیں کرتا مظہر جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ پارہ ۸

اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کرتے ہیں:

لا یجوز تقلید من لا سلف له: رسائل ابن عابدین جلد ۱ صفحہ ۳۳۵۔

اصل عبارت اس طرح ہے:

لا یجوز لنا تقلید البزازیه و من تبعه فی ذلک حیث لم نر لهم سلفا و مستنداً بل راینا صریح النقول فی المذهب و غیره مخالفة لکلامهم۔

یعنی ہمیں بزازی اور اس کے متعین کا تقلید کرنا جائز نہیں ہے اس بارے میں پہلے مذکور ہے۔ اس وجہ سے کہ ہم ان کے لیے سلف اور مستند نہیں دیکھے ہیں بلکہ ہم مذہب میں صریح نقول ان کے کلام کے مخالف دیکھتے ہیں۔

قابل غور بات: مندرجہ بالا وجوہات اور گزشتہ آیات قرآن بابت خواہشات ایک مبین دلیل ہے کہ سکندری صاحب کا منقولہ فتویٰ ایک موحد مسلمان کے لیے کبھی بھی قابل تسلیم اور قابل عمل نہیں دعا ہے کہ اللہ جل مجدہ سکندری صاحب کی تقلید سے سارے مسلمانوں کو محفوظ اور مامون رکھے۔ محترم سکندری صاحب کی ایک اور بات ملاحظہ ہو۔

وہ یہ کہ لکھتا ہے کہ عدم روایات اصول اور نوادر سے نہیں بلکہ واقعات کی روایات سے ہے:

جواباً عرض ہے کہ مقولہ ہے۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ کیا ہدایہ واقعات سے ہے؟ جس کا مرتبہ بیان ہوا ہے گزشتہ اوراق میں کیا کتاب الاصل واقعات میں سے ہے؟ جس کا حوالہ گزرا ہے۔ کیا کتاب الآثار واقعات سے؟ جس کا مقام بیان ہوا ہے۔

کیا رقایۃ الروایات واقعات میں سے ؟ جس کا مقام مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو کیا متون میں سے متن لابی جعفر الطحاوی واقعات میں سے ہے ؟ علامہ عبدالحی لکھنوی مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۰ پر لکھتا ہے۔

المراد بالمتون فی قولھم مافی المتون مقدم۔۔۔التی الفھا حذاق الائمۃ و کبار الفقہاء المعروفین بالعلم والزھد والفقہ والثقۃ کابی جعفر الطحاوی اھ۔

یعنی مراد متون میں سے وہ متون ہے جن کی تالیف عقل مند، ہوشیار ماہرین ائمہ اور بڑے فقہاء کا جو کہ علم اور پاکیزگی اور فقہ میں ثقہ ہونے میں مشہور ہے جیسے امام ابو جعفر طحاوی۔ اھ۔ مقدمہ نمبر ۱۰۔

ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انگلیوں کو بکھرے ہوئے کرے: ولا یشیر بشئی منھا اور ان میں سے کسی پر اشارہ نہ کرے اور دلیل میں ہدایۃ کی طرح وائل بن حجر کی منقول حدیث بیان کی اور شارح علامہ جصاص نے بھی شرح مختصر الطحاوی میں اس کی تاکید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اپنی انگلیوں کو بکھرے ہوئے کرے اور ان میں سے کسی پر اشارہ نہ کرے کیوں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھ دو اور نماز میں سکون کرو۔ شرح مختصر الطحاوی جلد ۱ صفحہ ۶۲۸ و ۶۲۹ کریمیہ کوئٹہ یعنی عدم اشارہ نماز میں روایتاً ثابت ہے۔ اسی طرح قرآن میں بھی ہے جیسا کہ گزرا ہے کہ کفوا ایدیکم الخ۔

اس سے ناظرین علامہ سکندری صاحب کی ایمانداری دیانتداری، سچائی و دھوکہ دہی معلوم کریں کہ وہ کتنا دشمن حق ہو کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ اس جیسے اشخاص نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کو غلط نسبت کی ہے کہ انہوں نے نوادر اور املا میں یہ کہا ہے اور یہ کہا ہے تاکہ مذہب حنفی کی جڑ کمزور کر کے

لوگوں کے ذہن میں یہ راسخ کرے کہ ائمہ احناف اتنے بے علم ہیں کہ ان کی بات ایک نہیں ایک جگہ ایسا لکھا ہے اور دوسرے جگہ میں یوں لکھا لہٰذا مذہب حنفی با اعتماد مذہب نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حنفی کتابوں کو بھی حتی المقدور ردو بدل کرتے رہتے ہیں اس لیے ان کو یعنی احناف کو ان لوگوں کی باتوں سے ہوشیار رہنا ضروری ہے تاکہ لامذہب نہ ہو جائیں۔ یہ بات ذہن نشین کریں۔

نچوڑ

یہاں تک کہ بطریق اختصار جو بیان ہوا یہ بطریق حوالہ جات ہے نہ کہ اپنی خواہشات سے اور ناقل پر تصحیح نقل ہوتی ہے نہ کہ اس سے بڑھ کر جواب دہی سابقہ اوراق میں ذکر ہوئی کہ احادیث فعلی مثبتین اشارہ برائے نفی واثبات پیش کرتے ہیں۔

ا۔ یہ کہ احادیث قولی پر دارومدار شریعت کا ہے اس لیے قولی حدیث پر عمل ہوتا ہے نہ کہ فعلی پر۔

۲۔ ان کی پیش کردہ احادیث میں اضطراب ہے اس لیے اس پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ اس سے نسخ آیات قرآنی لازم آتا ہے اور احادیث اُحاد پر نسخ آیاتِ قرآنی شیوہ ملحدین ہے۔

۴۔ ان احادیث اشارہ برائے دعا اور رد سلام کے لیے ہے نہ کہ اثبات توحید کے لیے۔

۵۔ توحید کے لیے اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کافی ہے۔

۶۔ اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کے ساتھ اشارہ بالجوارح کا ثبوت نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیث رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ارشادات میں اور نہ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہے۔

۷۔یہ بھی گزرا یہ احادیث فعلی ارشاد رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہ اسکنوا فی الصلوٰۃ اور نماز میں شغل ہے وغیرہ مذکور شدہ۔

۸۔حق کسی کی خواہشات کے تابع نہیں۔

۹۔خواہشات تابعداری موجب ضلالت ہے۔

۱۰۔کسی کی خواہش کی تابعداری آیات قرآنی مذکورہ سے ممنوع اور موجب ضلالت ہے۔

۱۱۔نماز میں اشارہ کرنے والے کو حضور علیہ السلام نے حکم اعادہ نماز کا کیا ہے۔

۱۲۔اس میں رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول کی صریح خلاف ورزی ہے جس کو ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار کی تشریح میں ذکر کیا ہے۔وہ یہ: کفوا ایدیکم فی الصلاۃ۔ نماز میں اپنے ہاتھوں کو بند رکھو۔

۱۳۔اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس حکم، امر کا توڑ ہے۔ جس کو امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوبات مترجم اردو جلد ا صفحہ ۷۲۰ اور مبسوط السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلد ا صفحہ ۲۳ میں ذکر کیا وہ یہ کہ فرمایا اور حکم کیا: فلیوجہ من اعضائہ القبلۃ ما استطاع۔ جہاں تک ہو سکے اپنے اعضاء کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔

۱۴۔اس میں ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بھی کھلی مخالفت کرنا ہے کہ فرمایا: الحدیث المشہور۔ان النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الرفع فی سبع مواطن الخ مبسوط جلد ا صفحہ ۱۴ وغیرہ جو گزرے ہیں اور فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۶۹ وصفحہ ۲۷۱ کے ساتھ کفایہ یعنی یہ مشہور حدیث شریف ہے کہ سات مواضع کے علاوہ اور جگہ نماز میں ہاتھ مت اٹھاؤ۔

۱۵۔ان میں سند کے اضطراب کے علاوہ لفظی اضطراب بھی ہے۔

۱۶۔ اور یہ قاعدہ ہے: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال: اعلاء السنن جلد ۲ صفحہ ۵۷۵، ۶۱۰، ۶۴۹ مکتبہ امدادیہ کوئٹہ۔

۱۷۔ الرفع للدعاء مخصوص بما لیس فی الصلاۃ للاجماع علی انہ لا رفع فی دعاء التشھد مراقی الفلاح، میر محمد کتب خانہ کراچی صفحہ ۷۸ اور فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۵۔ یعنی اس پر اجماع ہے کہ تشہد میں دعا کے وقت رفع ایدی نہیں یہ اس دعاء کے ساتھ خاص ہے جو نماز سے خارج ہو۔

۱۸۔ والصواب عندی انہ کان للدعاء۔۔۔و فی الحدیث تصریح بان الرفع کان للدعاء فیض الباری شرح صحیح البخاری لمولانا محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ اور تحریرات حدیث علی اُصول التحقیق۔ مولوی حسین علی صفحہ ۱۴۷ اور تعلیق ابوالوفاء الافغانی کتاب الآثار لامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۵۸۳ وغیرہ اور الجوہر النقی ذیل السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ اشرفیہ ملتان۔ للعلامہ علاء الدین ابن لترکمانی۔ وغیرہ یعنی رفع مسبحہ برائے دعاء اخر نماز میں تھا اب نماز میں اس کا رفع منسوخ ہے اور خارج از نماز باقی ہے اپنے حال پر۔

۱۹۔ یہ اس آیت قرآنی کا خلاف کرنا ہے: الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲) تفصیل گزری ہے۔

۲۰۔ یہ آیت الٰہی: وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ (البقرۃ ۲۳۸) کے خلاف ہے۔ تفصیل گزری ہے۔

۲۱۔ اس طرح فَوَلِّ وَجْهَكَ اور فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ چار دفعہ تفصیل گزری ہے ملاحظہ ہو۔ اس میں ذکر ہے جزء کا اور اس سے مراد کل بدن ہے جس کی تفسیر منیر سے تفصیل گزری ہے۔ اس پر دلیل حدیث مرویہ امام بخاری کی ہے وغیرہ اور تفسیر کبیر سے تفصیل گزری ہے اور تفسیر خازن بھی کا عبارت بھی اس صفحہ پر ہے اور تفسیر بحر المحیط کا عبارت تفصیل گزری ہے۔

۲۲۔اس طرح كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ سورۃ النساء تفصیل گزری ہے۔

یعنی حکم خداوندی اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے نماز میں خشوع اور سکون اور انگلی یا ہاتھ نہ اٹھانا نماز میں مامور بہ ہے تو کس طرح یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ہم نماز میں اشارہ کریں۔

ان کی اطاعت سبب رحمت الٰہی

۱۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔آل عمران آیت نمبر ۱۳۲

ترجمہ: اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔

۲۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔النساء آیت نمبر ۱۳

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو ایسی بہشتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

۳۔وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔الاحزاب آیت نمبر ۷۱

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

۴۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔المجادلۃ آیت نمبر ۱۳

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہو اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

۵۔ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ال عمران نمبر ۱۷۲

ترجمہ: وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ اُنہیں زخم پہنچ چکا تھا ان کے نکوکاروں اور پرہیز گاروں کے لئے بڑا ثواب ہے۔

(۲۳) مذکورہ پانچ بار حکم الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حکم کی خلاف ورزی اور ان آیات میں بیان شدہ اجر سے اشارہ کرنے سے محروم ہونا ہے۔
یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سبقت ممنوع ہے۔

۶۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ الحجرات نمبر ۱

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو (یعنی تمہیں لازم ہے کہ اصلاتم سے تقدیم واقع نہ ہو، نہ قول میں، نہ فعل میں کہ تقدیم کرنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف ہے بارگاہِ رسالت میں نیاز مندی و آداب لازم ہیں۔
شانِ نزول: چند شخصوں نے عیدِ اضحٰی کے دن سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعضے لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

مخالفت کرنے والوں کا ثمرہ

۷۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ۔ المجادلة نمبر ۵

ترجمہ: بیشک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ذلیل کئے گئے جیسے ان سے اگلوں کو ذلّت دی گئی (رسولوں کی مخالفت کرنے کے سبب) اور بیشک ہم نے روشن آیتیں اتاریں (رسولوں کے صدق پر دلالت کرنے والی) اور کافروں کے لئے خواری کا عذاب ہے۔

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِکَ فِي الْأَذَلِّينَ۔ المجادلة ۵۔

ترجمہ: بیشک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

خدا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حکم سے پہلو تہی کرنا

۹۔ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ۔ النور نمبر ۴۸

ترجمہ: اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کردیں تو ان میں سے ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے۔

اور حکم الٰہی ہے:

۱۰۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِکَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ النساء نمبر ۵۹

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ ہم نے اس فیصلے کو حکم ربی سے لے لیا ہے اور فیصلہ اس میں ہماری طرف پر کیا گیا ہے وہ یہ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ الاحزاب آیت نمبر ۲۱

جواب: عرض یہ ہے کہ مذکورہ آیت مثبتین کے لیے کسی طرح بھی دلیل نہیں پہلے ترجمہ آیت کا: بیشک تمہیں رسول اللّٰہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ اللّٰہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللّٰہ کو بہت یاد کرے۔ اول یہ کچھ تفصیل سے ذکر کیا گیا کہ مذکورہ احادیث فعلیہ برائے اشارہ نفی واثبات کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد دعا ہے۔

اور اس طرح پیر طریقت رہبر شریعت غوث الزمان شیخ القرآن و شیخ الحدیث اور شیخ الشیوخ حضرت علامہ عبد الہادی صاحب شاہ منصوری قدس اللہ سرہ تسہیل الترمذی میں رقم طراز ہیں:

ذكر امام الربانى منعها و اجاب عن الاحاديث الواردة بثبوتها جواباً شافيا فى كتاب المسمى بالمكتوبات فعند اصحاب المتون والشراح كلهم ممنوعة اى الاشارة المصطلحه برفع السبابة فى النفى والوضع فى الاثبات لانهم يقولون ماوجد فيها حديث صحيح كما هو مفصل فى المكتوبات نعم منعها ثابت بحديث النسائى فى صفحه ١٧٦۔ اسكنوا فى الصلوة انتهى و فى الحاشية (كان هذا من علل ترك الاشارة الى التوحيد فى التشهد انتهى تسهيل صفحه ٥٨۔ با انهاتنا فى السكون اخذ ذلک من هذه الرواية) اعنى لفظ اسكنوا فى الصلوٰة اه سندهى على النسائى صفحه ١٧٦ ايضاً: قال طحاوى صفحه ١٥٣ فى حديث عيسىٰ يشير فى الدعاء باصبع واحد۔ انتهى و فى جوهرة النقى فى الرد على البيهقى فى حديث وائل مرفوعاً اشار بالسبابة يدعوا دليل علىٰ ان ذلک كان فى اخر الصلوة

انتھی۔فثبت بما ذکرہ رفع السبابۃ للدعاء فی آخر الصلوۃ لا فی القعدۃ الاولیٰ اذلا دعاء فیھا (فالصلوۃ بدون الاشارۃ مامور بہ وفی الاشارۃ ترک مامور بہ۔اھ۔[2246]

یعنی: امام ربانی نے اشارہ کا منع اپنے کتاب مکتوبات میں ذکر کیا ہے اور اس کے ثبوت احادیث واردہ کا جوابات دیا ہے تو اشارہ مصطلحہ مسبحہ اٹھانے سے نفی پر اور رکھنے سے اثبات پر سب اہل متون اور شروح کے ہاں ممنوع ہے اس لیے کہ کہتے ہیں کہ اس بارے کوئی حدیث صحیح نہیں پائی گئی۔جیسا کہ مکتوبات میں تفصیل سے ذکر ہے۔اس سے منع نسائی شریف کے حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ نماز میں سکون کرو اور نسائی کے حاشیہ پر علامہ سندھی نے ذکر کیا ہے کہ تشہد میں اشارہ نہ کرنے کا یہ اس کے علتوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ سکون سے مخالف ہے یہ اس روایت سے لیا گیا ہے میرا مطلب لفظ اسکنو فی الصلوٰۃ کہ نماز میں سکون کرو۔امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ دعا میں ایک انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔اور جوہرۃ النقی میں امام بیہقی پر رد کرنے میں مرفوع حدیث وائل میں ہے کہ مسبحہ پر اشارہ سے دعا کرتے تھے اس پر دلیل ہے کہ یہ نماز کے آخر میں تھی تو اس کے بیان کردہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ مسبحہ اٹھانا دعاء کے لیے تھا نماز کے آخر میں نہ پہلے قعدہ میں اس لیے کہ اس میں دعا کرنا نہیں ہے تو بغیر اشارہ کے مامور بہ ہے یعنی نماز کا امر بغیر اشارہ کے ہے اور اشارہ کرنے میں جس کا امر ہوا ہے وہ چھوڑ دینا ہے۔انتھی۔

جواب آخر: امام حجۃ الاسلام علامہ الرازی الجصاص الحنفی المجتہد المفسر نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں ذکر کیا ہے:

[2246] تسھیل الترمذی صفحہ ۵۹۔

يقتضى ظاهره الندب دون الاجاب لقوله تعالىٰ (لكم) مثل قول القائل لك ان تصلى و لك ان تصدق لا دلالة فيه على الوجوب بل يدل ظاهره على ان له فعله و تركه الخ۔

ترجمہ: اس آیت کا ظاہر دلیل ندب ہے واجب کرنے کا نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے لکم فرمایا جیسا کہ کوئی کہے آپ کے لیے نماز کرنا ہے اورآپ کے لیے تصدق کرنا ہے تو اس میں واجب ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں بلکہ ظاہر طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے لیے اس کا کرنا اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔

خدااور رسول کے حکم میں مؤمن اور مؤمنہ کے لیے اختیار نہیں

۱۱۔وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔الاحزاب نمبر ۳۶

ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی عدم اطاعت سے اعمال برباد ہوتے ہیں

۱۲۔يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ۔محمد نمبر ۳۳

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔

ماننے والا جنتی ہے اور نہ ماننے والا دوزخی ہے

۱۳۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا۔ الفتح آیت نمبر ۱۷

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا اسے دردناک عذاب فرمائے گا۔

مخالفت کرنے والوں کا انجام

۱۴۔ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَالَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا۔ الاحزاب نمبر ٦٦

ترجمہ: جس دن ان کے منھ اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

آگے آیت نمبر ٦٧ کا ترجمہ بھی سن لیجئے: اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔

مخالفت اللہ ورسول کا انجام

۱۵۔ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا۔ الجن۔ آیت نمبر ۲۳

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے لئے جہنّم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔

۱٦۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ۔ التوبة آیت نمبر ٦٣

ترجمہ: کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے۔

۱۷۔وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ۔النور نمبر ۴۷

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور وہ مسلمان نہیں۔

مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ممنوع ہے

۱۸۔وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔النساء نمبر ۱۱۵

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

۱۹۔ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ۔ النساء نمبر ۱۴

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے خواری کا عذاب ہے۔

حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے پہلو تہی کرنا مضر ہے اور کام منافق ہے۔

۲۰۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۔النسآء نمبر ۶۱

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منھ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

وعید پہلو تہی پر

۲۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔ ال عمران نمبر ۳۲

ترجمہ: تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منھ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

۲۲۔ فرمان الٰہی ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ المائدہ آیت نمبر ۹۲

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمّہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

۲۳۔ حکم ربی ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ انفال نمبر ۱

ترجمہ: اور اللہ و رسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔

۲۴۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ۔ الانفال نمبر ۲۰

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھرو۔

۲۵۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ الانفال نمبر ۴۶

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کروگے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

۲۶۔ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ التغابن نمبر ۱۲

ترجمہ: اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منھ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔

۲۷۔ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ النور نمبر ۵۶

ترجمہ: اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

۲۸۔ قرآنی حکم ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ النساء نمبر ۶۴

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔

اطاعت رسول اطاعت خداوندی ہی ہے

۲۹۔ فرمان خداوندی ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔ النساء نمبر ۸۰

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمھیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔

۳۰۔ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ النور نمبر ۵۴

ترجمہ: تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمّہ وہی ہے جس اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرمانبرداری کروگے راہ پاؤگے اور رسول کے ذمّہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔

اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ثمرہ

۳۱۔وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔الحجرات نمبر ۱۴

ترجمہ: اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مخالفت کا نتیجہ

۳۲۔وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔انفال نمبر ۱۳

ترجمہ: اور جو اللہ اور اسکے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اطاعت کا ثمرہ

۳۳۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا۔النساء نمبر ۶۹

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔النساء نمبر ۶۹

قابل توجہ نکتہ

اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اطاعت کرنے والوں کے لیے وعد اور ثواب عظیم اور پہلو تہی کرنے والوں کے لیے وعید شدید مذکورہ کو مد نظر رکھ کر علماء ربانین نے ایک مسلمہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب حدیث قولی اور فعلی کا تعارض بہ ظاہر واقع ہوجائے تو عمل حدیث قولی پر ہوگا نہ کہ فعلی پر۔اور حدیث فعلی حسب موقع منسوخ یا یہ کہ یہ عمل خاص ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیلئے یا برائے بیان جواز ہے یا

ایک ضرورت کے وجہ سے ہوا ہے مگر عام شریعت قولی کی طرح نہیں۔ اور اگر فعل رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بغیر تعارض ہو تو وہ ہماری نسبت کے اعتبار سے چار قسم ہیں۔ مباح، مستحب، واجب اور فرض ہے۔ کذافی کتب الاصول الفقہ۔ اور مستحب سے مراد یہ ہے کہ جانب کرنا راجح ہو اور ترک پر عقاب نہ ہو یعنی مستحب نفل اور سنت دونوں کو شامل ہے۔

مطلب: یہ کہ اگر بالفرض کوئی حدیث فعلی ثابت بھی ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے جو کہ بیان ہوا یعنی اس سے کوئی نص قرآنی اور قول رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دونوں ساقط نہیں ہو سکتے۔

آمدم بر سر مقصد

۳۴۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ط الآیۃ۔ المجادلۃ نمبر ۲۲

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کُنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔

مقصد: یہ کہ منسوخ شدہ اور خلاف مذہب پھر بھی وہ رد سلام کے لیے یا نماز کے آخر میں دعاء کے لیے احادیث غیر مراد منہ ہم معمول نہ بنائیں۔ اللہ ہمیں قرآن اور سنت پر صحیح طور پر عامل بنادے۔

تسہیل ترمذی سے گزرا ہے کہ اشارہ اصحاب متون اور شراح سب کے ہاں ممنوع ہے تسہیل صفحہ ۱۵۸ اس طرح ۵۹ پر رقم طراز ہے کہ ظاہر روایات کے علماء اور اصحاب متون اور شروح فقہاء کے

ہاں اشارہ نہیں آپ جیسے مفتی اعظم خیبر پختونخوا شیخ الشیوخ مولانا الحاج شائستہ گل رحمہ اللہ تعالیٰ الاجوبۃ المنیفۃ نے تحریر کیا ہے کہ متون معتبرہ نے اشارہ کو ممنوع قرار دیا صراحۃً جیسے خلاصہ کیدانی اور تنویر وغیرہ بعض نے اشارہ کو دلالۃً جو کہ اقویٰ ہے ممنوع قرار دیا ہے جیسے صاحب کنز کے قول اور ہدایہ اور قدوری اور وقایۃ الروایات اور مختصر الوقایۃ اور ملتقے وغیرہ صفحہ ۴ منظور عام پریس پشاور اور علامۃ عبدالحی لکھنوی نے مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں متون معتبرہ مقدم میں سے مختصر لابی جعفر الطحاوی کو شمار کیا ہے اور ابی جعفر الطحاوی والکرخی والحاکم الشہید والقدوری کو **حذاق الائمۃ و کبار الفقھاء المعرفین بالعلم و الزھدو الفقہ و الثقۃ فی الروایات** گردانا ہے اس طرح مختصر الطحاوی کی شرح مصنفہ الجصاص الفقیہ مفسر مجتہد میں واضح الفاظ میں مدلل طور پر اشارہ کا منع ذکر کیا جیسا کہ گزرا ہے۔

مندرجہ بالا مفصل وجوہات مذکورہ کے وجہ سے مندرجہ ذیل کتب میں اشارہ کو حرام قرار دیا ہے۔

۱۔ متن معتبرہ خلاصہ کیدانی اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نمبر ۳ خلاصۃ مزیل الشبہات (۴) اوراحل المشکلات (۵) احل المشکلات بحوالہ قریشیۃ (۶) شرح قریشیہ (۷) بحوالہ مجموعہ خانی فی احل المشکلات صفحہ ۴۷ اور (۸) خلاصہ کیدانی کی توثیق حضرت علامہ میاں ظاہر شاہ حنفی القادری ایم اے اسلامیات قادری نے تشریحات ظاہریہ میں کی ہے اور آپ کے فتویٰ کو درست مانا ہے (۹) میر شرح خلاصہ ۱۰ص (۱۰) فتای الغرائب (۱۱) فتح الرحمات فی عدم الاشارۃ علی مذھب استعمال (۱۲) انوار التحقیق (۱۳) مولوی عبدالحکیم علی مراح الارواح (۱۴) **و اما عدمو لانا لطف اللہ ابن عبداللہ النفسی الکیدانی وغیرہ کصاحب الغرائب الاشارۃ حرام فمبنی علی انھا منسوخۃ و العمل بالمنسوخ حرام کما فی الاشباہ و النظائر معزیا الی مناقب الکردری مع انھا مفوتۃ للخشوع** (خشوع نماز میں فرض ہے اس طرح غرائب القرآن ج۵ص۱۰۸ دار الکتب

بیروت جس نے خشوع نہ کیاتواس کی نماز فاسد ہوئی۔) **و توجیه الاصابع الی القبلة و النظر الی الحجر التی نطق بها الکتاب و السنة اه فتح الرحمان صفحه ۱۹ لعالم الکبیر الشیخ محمد فاروق بن عبدالغفور بن عبدالعلی مورخه ۱۱۲۳ ه مولوی عبدالحکیم صاحب** نے بھی وجہ نسخ حدیث بیان کی۔

ترجمہ: مولوی محمد فاروق نے فرمایا: مولانا لطف اللہ الکیدانی اور صاحب غرائب نے اشارۃ کرنا نماز میں حرام شمار کیا ہے فرمایا کہ اشارہ حرام ہے تو اس پر بنا ہے کہ حدیث اشارہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے جیسا کہ صاحب اشباہ والنظائر نے علامہ الکردری کو منسوب کرکے بیان کیا۔ اس کے باوجود کہ اس سے خشوع اور قبلہ کی طرف انگلیوں کا کرنا اور اپنے سینہ کو دیکھنا فوت ہو جاتا ہے جس پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے گفتگو کی ہے اور بیان کیا ہے صاحب تسہیل الترمذی نے فرمایا اشارہ کرنے سے مذکورہ سنت اعمال فوت ہو جاتے ہیں اور سنت کے خلاف کرنا تو بدعت ہوتا ہے جس سے اشارہ کرنا واضح طور پر حرام ہوتا ہے اور بنا اس بات پر کہ کہا گیا ہے قرآن کی بعض بعض آخر کا تفسیر کرتا ہے اور اس طرح احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ اس لیے موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث مذکورہ کی تفسیر یہ حدیث کرتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب الدعاء اور بعض نسخ میں باب الاشارۃ فی الدعاء میں ذکر کی ہے۔ **اخبر نا مالک اخبرنی عبدالله بن دینار و قال رانی ابن عمر و انا ادعو فاشیر باصبعی اصبع من کل ید فنهانی۔** یعنی عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں دو انگلیوں پر دعا کرتا تھا ہر ایک ہاتھ سے ایک انگلی پر تو مجھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا تو مجھے منع فرمایا۔ **قال محمد و بقول ابن عمر نأخذ ینبغی ان یشیر باصبع واحدة و هو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ:** امام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ دعا کے لیے ایک انگلی پر اشارہ کرے اور امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ص۳۸۶ قدیمی کراچی۔ صاحب تسہیل نے ذکر کیا ہے کہ احناف ایک انگلی پر دعا کے حدیث پر (نماز میں) عمل نہیں کرتے بلکہ ایک انگلی پر دعا کو مکروہ کرتے ہیں تو ایک انگلی سے حدیث اشارہ پر کس طرح عمل کریں گے اس کے باوجود کہ اس کی حدیث میں تردد ہے اور جانب الدعاء ترمذی کی حدیث سے ثابت ہے تو جب نماز کے آخر میں دعا کرتے ہوئے انگلی اٹھانا نہیں تو قبل اس سے بدرجہ اولیٰ نہیں اور اشارہ کو برائے نفی اثبات کو کسی نے بھی کسی دلیل سے صراحتاً ذکر نہیں کی اور اشارہ مطلقاً نماز میں حرام کہنے والا کیدانی رحمہ اللہ تعالیٰ نہیں مگر آپ نے دیکھا کہ کئی محققین علماء نے اپنی اپنی تصانیف میں حرام قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے خواہشات کی تابعداری نہیں کی بلکہ ان کے ہاں دلیل حرمت موجود تھی ہماری کم علمی ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جیسا کہ علامہ کیدانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ورفع الیدین فی غیر ماشرع فیہ رفع الیدین۔ یعنی مشروع شدہ مواضع کے علاوہ نماز میں رفع یدین حرام ہے۔ اس پر کسی نے جرح نہیں کی اس طرح آپ نے مطلق اشارہ کا ذکر کیا ہے کسی کو یہ حق نہیں کہ اس پر جرح کریں۔ مصنفہ ابن ابی شیبہ میں کئی احادیث سے ثابت ہے کہ یہ اشارہ نماز کے آخر میں دعا کے وقت تھا۔ (۱) عن سعید بن عبدالرحمان (۲) سلیمان بن ابی یحییٰ (۳) مجاہد (۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۵) عن وائل بن حجر۔ اھ۔ اب اجماعاً یہ متروک ہے جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

اس کے علاوہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایمان کے دو (۲) ارکان ہیں اجماعاً ایک ہے تصدیق قلبی اور دوسرا اقرار ہے زبان سے جیسا کہ ایمان مجمل میں اس الفاظ سے مذکور ہے۔ اقرار باللسانِ و تصدیق بالقلب۔ جس کو صاحب شرح وقایۃ الروایات نے کتاب الزکوٰۃ میں ۲۸۲ مجتبائی دھلی ذکر کیا

ہے اور نبراس صفحہ ۳۹۱ وصفحہ ۳۹۳، التصدیق والا قرار رکنان للایمان اور شعب ایمان کو ارکان کہنا یہ ان علماء کی اجتہادی غلطی ہے لہٰذا اس میں ان کی تقلید جائز نہیں صاحب نبراس نے حدیث شریف **الایمان بضع و سبعون شعبة** تو وہ ارکان نہیں ہے نبراس صفحہ ۴۱۷ تو اشارہ انگلی سے زائد کرنا خلاف اجماع ہے اور خرق اجماع۔ **فافھم فقط تمت۔**

اظہار حقیقت

کتاب ہٰذا کی نمایاں خصوصیات:

صوبہ خیبر پختونخواہ اور اس طرح باقی صوبہ ہائے پاکستان میں زمانہ قدیم سے علماء ومشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان مسئلہ اشارہ کے سلسلہ میں کافی اختلاف چلا آرہا ہے اور یقیناً یہ آیا ہے کہ **الساکت عن الحق شیطان اخرس**۔ کہ حق سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔[2247]

(۳) بریقۃ المحمدیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد ۴ صفحہ ۶۰ سالدرہ کوئٹہ۔

(۴) نور الانوار بحث اجماع صفحہ ۲۱۹ اور قمر الاقمار بر حاشیہ ۹ کذا اور دہ القاری۔

(۵) الاسرار المستصلی للامام عبد اللہ بن احمد نسفی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۰۸ اور صفحہ ۳۵۷ وغیرہ اس لیے اس وعید سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے یہ مختصر تحریر کی ہے۔ اس لیے کہ اس حوالہ سے اہل اسلام کو ایک ایسی جامع تحریر کی ضرورت تھی جو سب مسلمانوں کے لیے اطمینان کا سامان فراہم کرے۔ قرآن اور سنت کی روشنی کے ساتھ ساتھ مقتضائے عقل بھی ہوگی جسے محسوس کرتے ہوئے دائرہ اسلام کے اندر رہتے ہوئے علماء اور مشائخ کی اس بے چینی کو دور کرنے کے لیے خادم

2247 ۔ طریقہ محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۸۶ اور حدیقۃ الندیۃ جلد ۲ صفحہ ۵۵ (بحث) التاسع والاربعون المداہنۃ۔

العلماءاور مشائخ وخاکپائے اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی استعداد کے مطابق اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کو اللہ پاک قبول فرما کر نجات دارین کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

برائے تقریظ آخر میں مولوی حسین علی النقشبندی کے تالیف تحریرات حدیث علی اُصول التحقیق سے رسالہ فی رفع السبابہ باترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں کہ موجب سند برائے ہم اور تسلی اور تشفی برائے اہل اسلام اور موحدین اسلام بن جائے۔ وماتوفیقی (الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

۔فقط تمت بروز پیر مورخہ ۲۷۔ جنوری ۲۰۲۰ء۔

مولوی حسین علی تحریرات حدیث علیٰ اصول تحقیق میں اشارہ کی تحقیق میں رقم کی ہوئی بیان ناظرین کو پیش کرتے ہیں۔ درج ذیل ملاحظہ ہو۔

باب جواب السلام بالاشارة فی الصلاۃ: فی المسانید ابو حنیفة عن حمادٍ عن ابی وائلٍ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه لما قدم من ارض الحبشة علی رسول اللہ ﷺ و هو يصلی فلم يرد عليه فلما انصرف النبی ﷺ قال ابن مسعودٍ اعوذ باللہ من سخطه قال النبی ﷺ و ماذلک؟

قال سلمت عليک و لم ترد علی سلام قال ان فی الصلاۃ شغلاً من رد سلام فلم يرد منذ انتهی و اما ماجاء من الاشارۃ لا قال الطحاوی فهوا شارۃ نهی لا رد سلام فقط تحریرات حدیث صفحہ ۱۳۳ - ۱۳۲

نماز میں اشارہ سے رد سلام

مسانید میں آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ابی وائیل سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ سے واپس مدینہ منورہ آئے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز پڑھ رہے تھے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سلام عرض کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سلام کا رد نہیں کیا۔ جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے غصہ سے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا یہ کس لیے؟

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے آپ پر سلام کیا تو آپ نے رد سلام نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ رد سلام سے نماز میں مشغول ہونا ہے اس وقت سے نماز میں نمازی رد سلام نہیں کرتے اور جو اشارہ کے بارے میں آیا ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ منع اشارہ کا ہے نہ کہ رد سلام کا۔

تبصرہ

یعنی ابتداء میں نماز ہی میں رد سلام اشارہ سے کیا جاتا تھا جیسے دعاء کے لیے اشارہ ہوتا تھا یہ سب قسم اشارے نماز میں منسوخ ہوکر مذہب احناف میں ممنوع ہوئے: جیسا کہ علماء دین ماہرین پر مخفی نہیں۔

اب ہم اس شیخ المشائخ کا رسالہ (الرسالة فی رفع السبابة) کو قارئین کے خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حمد صلوۃ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

باب الاشارة بالسبابة عند الدعاء فی الصلاة او فی غیرها: ص ۱۳۵

روی ابن ابی شیبة فی مصنفه و مسلم فی صحیحه عن عامر بن عبدالله بن الزبیر عن ابیه قال کان رسول ﷺ اذا قعد یدعو وضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی ویده الیسری علی فخذه الیسری و اشار با صبعه السبابة و وضع ابهامه علی اصبعه وسطی ویلقم کفه الیسری

رکبته وروی ابن ابی شبیة فی مصنفه: عن وائل بن حجر قال رأیت رسول الله ﷺ واضعا احدیٰ مرفقه الایمن علی فخذه الیمنی و حلق بالابهام والوسطی و رفع التی تلی الابهام یدعو بها وروی هو عن هشام بن عروه ان اباه کان یشیر باصبعه فی الدعاء و لا یحر کها وروی عن قیس بن سعد قال کان لا یزادعن هکذا و اشار باصبعه وروی هو عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت ان الله یحب ان یدعی هکذا و اشارت باصبع واحدة وروی هو عن مجاهد انه قال: الدعاء هکذا و اشار باصبع واحدة مقمحة الشیطان۔

وروی هو عن ابن سیرین قال کانوا اذا راوا انسانا یدعو باصبعیه باصبع من کل یدضربوا احدهما و قالوا انما هو اله واحد۔

وروی هو عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: هو الاخلاص یعنی الدعاء بالاصبع اقول قد جاءت روایات فی رفع الاصبع للدعاء و عند السفر حین الدعاء باللهم انت الصاحب فی السفر و انت الخلیفة فی الاهل و المال۔

ورواه الترمذی و النسائی و جاء رفع الاصبع للدعاء خارج الصلاة من غیر سفر ای فی الخطبة و غیر هاو ذکر فی بعض روایات حدیث وائل انه علیه الصلاة و السلام رفع اصبعه للدعاء فی آخر الصلاة حین قال یامقلب القلوب۔

رواه الترمذی فی الادعیة و قال الطحاوی فی قول وائل: ثم جعل یدعو بالاخری دلیل علی انه کان فی آخر الصلاة و قال الطحاوی فی حدیث ابی حمید ثم یشیر فی الدعاء باصبع واحد وروی ابن ابی شیبة فی مصنفه۔

عن سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی قال: کان ﷺ اذا جلس فی الصلاة وضع یده علی فخذه یشیر باصبعه فی الدعاء تحریرات حدیث صفحه ۱۳۵ و ۱۳۶ رسالة اشارة السبابة فی الصلوة۔

فی مجمع الزوائد عن معاذ بن جبل رضی الله عنه: فان رسول ﷺ اذا جلس فی آخر صلاته یشیر باصبعه اذا دعا فی مجمع الزوائد عن صفاف بن ایمان عن رخصة الغفاری کان رسول

ﷺ اذا جلس فی آخر صلاتہ یشیر باصبعہ رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات انتھی عبارۃ المجمع۔

وفی مجمع الزوائد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کان احدکم فی المسجد فلا یسمع احد صوتہ ویشیر با صبعہ الی ربہ تبارک و تعالیٰ رواہ الطبرانی فی الاوسط فیہ عمر ضعیف و قالوا ان رفع السبابۃ للدعاء خارج الصلاۃ مجمع علیہ۔روی الترمذی وابوداود والنسائی وبین الفاظھم فرق یسیر رأی عمارۃ بن رویبۃ۔

بشر بن مروان وھو یدعوا فی یوم جمعۃ و یرفع یدیہ فقال عمارۃ: قبح اللہ ھاتین الیدین لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و ھو علی المنبر لا یزید علٰی ھذہ یعنی السبابۃ التی تلی الابھام وروی ابوداؤد فی باب الجمعۃ عن سھل بن سعد مارأیت رسول اللہ ﷺ مشاھرا یدیہ قط یدعوا علی المنبر ولا غیرہ ولکن رایتہ یقول ھکذا و اشار بالسبابۃ و عقد الوسطی بالابھام وروی الحاکم فی ص ۵۳۶۔

کان ای رسول اللہ ﷺ یجعل اصبعیہ بحذاء منکبیہ ویدعوا ھذا صحیح الاسناد ولم یخرجاہ قال محمد فی المؤطا (ص ۱۶۷) باب الاشارۃ فی الدعاء اخبر نا مالک اخبرنا عبداللہ بن دینار رأنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما وانا ادعوا باصبعی اصبع من کل یدفنھانی، قال محمد وبقول ابن عمر ناخذ ینبغی ان یشیر باصبع واحدۃ: اخبرنا مالک اخبرنا یحیی بن سعید انہ سمع سعید بن المسیب یقول الرجل لیرفع بدعاء ولدہ من بعدہ وقال بیدہ فرفعھا الی السماء انتھی عبارۃ الموطا:

روی الترمذی فی الدعوات والنسائی فی آخر الجلد الثانی: کان رسول اللہ ﷺ اذا سافر رکب راحلتہ قال باصبعہ و مدشعبۃ باصبعہ قال: اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل و المال: اللھم انی اعوذبک من عثاء السفر و کابۃ المنقلب: فرفع السبابۃ الی السماء للدعاء ای للتوحید ای انی ادعو ذلک الواحد ثابت خارج الصلاۃ کما فی شروع السفر و خطبۃ الجمعۃ وغیرھما فمن فعل فقد احسن و من لا فلاحرج فکذلک فی آخر الصلاۃ عندھؤلاء العلماء فی وقت الدعاء بعد التشھد و الصلاۃ علی النبی ﷺ۔

روی ابن ابی شیبة عن جریر عن ابراهیم: اذا اشار الرجل باصبعه فهو حسن و هو التوحید لکن لا یشیر باصبعیه انه یکره عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت ان الله یحب ان یدعی هکذا و اشارت باصبع واحدة وروی هو عن مجاهد انه قال: الدعاء هکذا و اشار باصبع واحدة مقمحة الشیطان۔

روی ابن ابی شیبة وروی عن ابن سیرین قال کانوا اذا راوا انسانا یدعو باصبعیه باصبع من کل یدضربوا احدهما و قالوا انما هو اله واحد روی ابو داؤد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوهما و الا استغفار ان تشیر باصبع واحدة و الابتهال ان تمدیدیک جمیعاً و فی روایة اخری رفعه، فقالوا کما ان رفع السبابة للدعاء خارج الصلاة مروی و ثابت کذلک رفع السبابة فی الصلاة: انما هو للدعا لو ثبت فیفعل فی آخر الصلاة عند الدعاء فی العینی للبخاری فی المجلد الثالث ص ۱۷۰۔

قوله: ثم عقد اصابعه و جعل حلقة بالابهام و الوسطی: ثم جعل یدعوا بالاخری وهی القعدة الاخری الصلاة انتهی کلام العینی۔

وفی الطحاوی: وفی قول وائل یدعوا دلیل علی انه کان فی آخر الصلاة: وقال الطحاوی (ص ۱۵۳) فی حدیث عیسٰی ثم یشیر فی الدعاء باصبع واحدة و فی الجوهر النقی فی الرد علی البیهقی فی حدیث وائل مرفوعا: اشار بالسبابة یدعوا فذکر الدعاء دلیل علی ان ذلک کان فی آخر الصلاة فرد تاویله بانه وارد فی التشهد الاول، والبیهقی ایضاً ذکر الدعاء بها فی حدیث وائل فیما بعد فی باب کیفیة الاشارة بالمسبحة و فی الباب الذی بعد فکان فی روایة مایرو تاویله هذا و ذکر الدعاء بها فی حدیث وائل فی کتاب المعرفة و اوله بالاشارة بها عند الشهادة، و هذا تاویل بعید مخالف للحقیقة من غیر ضرورة انتهٰی عبارة الجوهر النقی فرفع السبابة للدعاء فی آخر الصلاة حسن عند هم کما فی وقت الرکوب وخطبة الجمعة وغیرهما و لیس بضروری وقال الزرقانی علی المؤطا ص ۱۹۵۔

فی حدیث مسلم بن ابی مریم قال سفیان بن عینیة هی مذبة الشیطان، لا یسهو احد کم مادام یشیر باصبعه قال الباجی: فیه ان معنی الاشارة رفع السهو قمع الشیطان الذی یوسوس

قال النووی: اماالاشارة بالمسبحة فمستحبة عندنا، قال اصحابنا یشیر عند قوله الا الله انتھٰی فبعض العلماء منع الاشارة فی التشھد روی النسائی (ص ۱۸۶) حدیث اسکنوا فی الصلاة واستدل الطحاوی ص ۲۶۵ بھذا الحدیث علی کراھیة السلام باالاشارة الثابت بالاحادیث قال السندی من علل ترک الاشارة فی التشھد بانھا تنافی السکون اخذ من ھذا الروایة وعن ابن مسعود لیفرش کفیه علی فخذیه نسائی (ص ۱۵۸) قال السندی ای لیضعھا علی فخذیه فی التشھد و قال المانعون فی ثبوت الرفع شبھة و قال بعضھم ان یرفع الی

السماء فی الدعاء فی آخر الصلاة حسن لا نمنعه و عند الشافعیة یستحب عند قوله الا الله فھذا لا ندری مأخذه و اما تاویل البیھقی لفظ الدعاء بالتشھد قدرده صاحب الجوھر النقی: و اما الرفع عند الوضع عند الا الله لم نر فی حدیث تابی ھذا اشد اباء و متون الحنفیة تشیر الٰی عدم الاشارة حیث صرحوا السنة وضع الکفین مبسوط و النظر عند القعود الٰی الحجر لا الی السبابة و لم یذکر اھل المتون الناقلة لظاھر الروایات الاشارة من السنن و لا من الادب بل قال فی التنویر و لا یشیر بالسبابة و علیه الفتویٰ قال فی الدر: کما فی الولواجیة و التجنیس و عمدة المفتی و عامة الفتاویٰ انتھی۔

نعم صرح الشراح و المتاخرون ان یشیر و نسبوه الی الامام و محمد و لم ینقلوا عنھما موضع الرفع و العینی و الطحاوی و العلاء الدین الشھیر بابن الترکمانی صاحب الجوھر اعلم بالمذھب فی البدائع نقل المشائخ المنع۔ و قال نقل محمد فی المسبحة جواز الفعل عن الامام و اما فی مؤطا محمد فالموؤلون لما الؤوا الاشارة فقول محمد و به ناخذ لا یدل علی الاشارة المعروفة و لیس تصریحا فی الاشارة معروفة عندھم نعم صرح فی المسبحة فھی روایة عنه و اما فی روایة مؤطا اشار باصبعه قالوا معناه رفع و بسط اصبعه یا خذ الرکبة بالاصبع الاخری روی مسلم ان النبی ﷺ استسقی فاشار بظھر کفیه الی السماء۔

ای رفع و فی ابی داؤد کان ابن الزبیر یشیر ای یرفع الیدین عند التکبیرات فالملخص ان ما یفعله اکثر اھل زماننا من الرفع عند لا و الوضع عند الاالله فما لا نفھمه و ما ھو مقتضی الاحادیث عند الطحاوی و صاحب الجوھر و العینی و نسب صاحب البدائع با حادیث

الاشارة رفع الیدین عند التکبیرات و ثبت من ھؤلاء الرواة الرفع ای رفع وقت الرکوب و فی وقت الخطبة و رایتھم قد ترکوا العمل فترک ھذا المستحب بشئی لم یشیر الیہ حدیث ما فضلا عن التصریح و الی اللہ المشتکی سند حدیث الحاکم فھو فی المستدرک فی ص ۴۳۷ ثنا ابو بکر بن اسحاق الفقیة انبانا ابو المثنیٰ ثنا اسماعیل علیة عن عبدالرحمٰن بن معاویة عن ابن ابی زباب عن سھل بن سعد قال ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاھر ایدیہ یدعوا علی منبرہ و لا غیرہ کان یجعل اصبعہ بحذأمنکبہ و یدعو ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ انتھیٰ عبارتہ حدثنا محمد بن معمر بن ربعی القیسی قال حدثنا ابو ھشام المخزومی عن عبدالواحد و ھو ابن زیاد قال نا عثمان بن حکیم قال حدثنی عامر بن عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذاقعد فی الصلاة جعل قدمہ الیسریٰ بین فخذہ الیمنی و اشار باصبعہ فی النووی ص ۲۱۶ قولہ و فرش قدمہ الیمنی مشکل لان السنة فی القدم الیمنی ان تکون منصوبة باتفاق العلماء و قد تظاھرت الاحادیث الصحیحة علی ذلک فی البخاری و غیرہ الخ و اما حدیث ابن عمر بروایة عبدالرزاق قال الترمذی غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ اقول ھو المعروف عن ابن عمر مرفوعا اشار لرد السلام انتھی۔ رسالة اشارة السبابة فی الصلاة: سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و ساداتنا کلھم و معنا اجمعین آمین یا رب العلمین و یرحم اللہ عبدا قال آمین حررت ھذہ الرسالة فی جلسة و احدة بالتعجیل یرم ترون المعصام لطلبہ فقط فاما سند حدیث الحاکم فھو ھذا فی المستدرک فی (ص ۴۳۷) حدثنا ابو بکر بن اسحق الفقیہ ابنانا ابو المثنی ثنا مسدد ثنا اسماعیل علیہ عن عبدالرحمٰن بن الخ۔

باب فی الاشارة عند التشھد حدثنا عقبة بن مکرم نا سعید بن سفیان الجحدری نا عبداللہ بن معدان قال اخبرنی عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ عن جدہ قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ھو یصلی و قد وضع الیسری علی فخذہ الیسری و وضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنیٰ و قبض اصابعہ و بسط السبابة و ھو یقول یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک ھذا حدیث

غريب من هذاالوجه رواه الترمذى ص ١٨١ ج٢ فى باب الادعية حدثنااحمدبن عبدة الضبى ناحمادبن زيدعن عاصم الاحول، عن عبدالله بن سرجس قال كان النبى ﷺ اذا سافر يقول: اللهم انت الصاحب فى السفر والخليفة فى الاهل، اللهم اصحبنا فى سفرنا واخلفنا فى اهلنا اللهم انى اعوذبك من عثاء السفر وكابته المنقلب ومن الحور بعد الكور هذاحسن صحيح حدثنامحمدبن عمربن على المقدمى: ناابن ابى عدى عن شعبة عن عبدالله بشر الخثعمى عن ابى زرعة عن ابى هريرة قال كان رسول الله ﷺ اذا سافر فركب راحلته قال باصبعه ومد شعبة اصبعه قال اللهم انت الصاحب فى السفر والخليفة فى الاهل اللهم اصبحنا بنصحك واقلبنا بذمته اللهم ازدلنا الارض وهون علينا السفر اللهم انى اعوذبك من عثاء السفر وكابةالمنقلب رواه الترمذى فرفع السبابة للدعاء وارد فى ادعية السفر وتركه ايضاً، فمن فعل فقداحسن ومن لا فقداحسن ايضا، وجاء رفع السبابة فى دعاء الصلاة كما رأيت فيما سبق وقال الطحاوى فى حديث وائل مرفوعا: فلما قعد للتشهد وضع كفه الايمن على فخذه اليمنى ثم عقد اصابعه وجعل حلقة بالابهام والوسطى ثم جعل يدعوا بالاخرى۔ وفى رواية النسائى: ونصب اصبعه للدعا قال ابوجعفر الطحاوى وفى قول وائل: يدعوا دليل على انه كان فى آخر الصلاة: وقال الطحاوى فى حديث عيسى عن محمد بن عمرو عن ابن عباس وعن ابى حميد ثم يشير فى الدعاء باصبع واحدة: فيعلم فى هذه الاحاديث رفع السبابة عند الدعاء وفى آخر القعدة بعد قراءة التشهد والصلاة على النبى ﷺ وجاء تركه ايضا فى رواية ابى داؤد (ص ١٥٥) امايكفى احدكم اواحدهم ان يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه عن يمينه ومن عن شماله وروى الترمذى عن عبدالرزاق عن عبدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ان النبى ﷺ كان اذا جلس فى الصلاة وضع يده اليمنى على ركبتيه ورفع اصبعه التى تلى الابهام يدعوابها، قال ابوعيسى غريب لا نعرفه عن عبدالله بن عمر الا من هذا الوجه، والعمل عليه عند بعض اهل العلم: اقول: والمعروف عن نافع عن ابن عمر اشارة جواب السلام وقدتكلم فى عبدالرزاق فغريب ليس بما يقوم به الحجة فامارد السلام بالاشارة قال الطحاوى قال عليه السلام اسكنو فى الصلاة

فلما امر رسول اللہ ﷺ بالسکون فی الصلاۃ و کان رد السلام بالاشارۃ فیہ خروج من ذلک لان فیہ رفع الید و تحریک الاصابع ثبت بذلک انہ قد دخل فیما امر بہ رسول اللہ ﷺ من تسکین الاطراف فی الصلاۃ فترک الحنفیۃ رد السلام بالاشارۃ مع ثبوتہ باحادیث و قد ترکوا رفع الید عند الدعاء و قد ثبت فی حدیث امامۃ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و قد جاء فی حدیث ابی داؤد (ص ۹۱) فرأی رسول اللہ ﷺ یصلون رافعی ایدیھم الی السماء فقال لینتھین رجال یشغلون ابصارھم الی السماء فی الصلاۃ او لا ترجع الیھم ابصارھم و لم یعتقد واسنیۃ رفع السبابۃ عند الدعاء فی السفر فترک رفع السبابۃ لیس باشد من ھذہ الامور وروی النسائی عن مسلم بن ابی مریم عن علی بن عبدالرحمن عن ابن عمر انہ رأی رجل یحرک الحصی قال عبداللہ لا تحرک الحصی و انت فی الصلاۃ و لکن اصنع کما کان یعنی رسول اللہ ﷺ یصنع قلت و کیف کان یصنع؟ قال فوضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی۔

و فی روایۃ عبدالرزاق علی رکبتہ و اشار باصبعہ۔ و فی بعض الروایات نقلوہ الفصل بالقول یحتمل احتمالا ضعیفا ان ابن عمر کان لا یحملہ رجلاہ کما فی الطحاوی: توضع یدہ الیمنی علی رکبتہ الیمنی و تورک و من خوف السقوط یعد المرفق الایمن و یقبض الرکبتہ یبصر السبابۃ فظنہ الراوی اشارۃ و اللہ اعلم بالصواب و قد بین الصحابۃ الکثیرۃ التشھد و الادعیۃ و لم یحکوا الاشارۃ فاقول فی ثبوت الاشارۃ عند الدعاء فی الصلاۃ نوع شبھۃ و وھم و اما الاشارۃ عند النفی و الوضع عند الاثبات فلا شبھۃ انہ لیس بشئی روی مسلم ان النبی ﷺ استسقی فاشار بظھر کفیہ الی السماء فھکذا معنی ماجاء فی اشارۃ السبابۃ او المراد الرفع الی السماء۔ تمت بالخیر۔

نماز میں دعاء کے وقت مسبحہ سے اشارہ کرنے کے بیان میں وغیرہا

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنفہ اور مسلم نے اپنے صحیح میں ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بیٹھ کر دعاء کرتے تھے اپنا دائیں ہاتھ اپنے دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور مسبحہ سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو درمیانی

انگلی پر رکھ دیا اور بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے: مصنفہ ابن ابی شیبہ میں وائل بن حجر سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ایسی حالت میں دیکھا کہ اپنے دائیں کہنی کو اپنی دائیں ران پر رکھتے ہوئے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کو حلقہ کرکے مسبحہ کو اُٹھا کر اس پر دعاء کرتے تھے۔ اور اس نے ہشام بن عروہ سے روایت کی کہ ان کے باپ دعاء میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور گھوماتے نہ تھے: یعنی جنبش نہ دیتے تھے۔

قیس بن سعد سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا انگلی پر اشارہ کرتے اور اس سے زیادتی نہیں کرتے تھے اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی فرمایا اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس پر دعاء کرنا اور ایک انگلی سے اشارہ کیا اور اُس نے مجاہد سے روایت کیا اس نے فرمایا دعاء اس طرح ہے اور ایک انگلی پر اشارہ کرنا شیطان کو ذلیل کرتا ہے اور اُس نے ابن سیرین سے روایت کی فرمایا جب وہ کوئی آدمی دیکھتے کہ دو انگلی پر دعاء کرتا تو ان سے اعراض کرتے اور انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو ایک ہے اور اس نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی فرمایا کہ یہ اخلاص ہے یعنی ایک انگلی پر دعا کرنا (اس پر مفصل تفصیل گزری تحقیق میں ملاحظہ فرمائیں)

مصنف نے فرمایا کہ دعاء کے لیے انگلی اُٹھانے کی روایات بے شک آئی ہیں اور سفر میں دعاء کے وقت یہ دعاء کرتے کہ حالت سفر میں آپ ہمارے ساتھی اور اہل اور مال میں آپ خلیفہ ہیں۔ اور اس کو ترمذی ونسائی نے روایت کیا سفر کی علاوہ خارج نماز دعاء کے لیے انگلی اُٹھانا آیا ہے یعنی خطبہ وغیرہ میں اور بعض روایات میں ذکر ہے حدیث وائیل میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز کے آخر میں دعاء کے لیے انگلی اُٹھائی جب کہا یا مقلب القلوب الخ اس کو ترمذی نے باب الادعیۃ میں روایت کیا: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وائیل کے قول کے بارے میں

فرمایا کہ پھر دوسرے پر دعاء کیا۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ رفع نماز کے آخر کی دعاء میں تھا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث ابی حمید کے بارے میں فرمایا کہ پھر دعاء میں ایک انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنفہ میں سعید بن عبد الرحمان بن ابزی سے روایت کی فرمایا کہ جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز میں قعدہ کرتے تو اپنے ہاتھ کو اپنی ران پر رکھتے اور اپنی انگلی سے دعاء میں اشارہ کرتے (مصنف نے آگے جاکر اس عنوان سے رسالہ لکھاہے) نماز میں مسبحہ سے اشارہ کا رسالہ۔

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مجمع الزوائد میں نقول ہے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کے آخر میں بیٹھتے تھے تو جب دعاء کرتے تھے تو اپنے انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ مجمع الزوائد میں حفاف بن یمان سے رفعہ بن غفاری سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز کے آخر میں بیٹھتے تھے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اس کو طبرانی کبیر میں روایت کیاہے۔ اور اس کی سند الرجال ثقات ہیں انتھی۔

مجمع کی عبارت

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مجمع الزوائد میں روایت ہے کہ فرمایا جب آپ میں سے کوئی مسجد میں ہو تو کوئی اس کی آواز نہیں سنتا اور اپنے رب جل جلالہ کو اشارہ کرتے اور اس کی سند میں عمر ضعیف ہے اور اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیاہے۔ اور علماء نے فرمایا کہ نماز سے خارج مسبحہ دعاکے لیے اُٹھانا اتفاقی ہے۔

روایت کی ہے ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی نے اور ان کے الفاظ میں تھوڑاسافرق ہے۔

عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو دیکھا اور وہ جمعہ کے دن (منبر پر) ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دعاء کرتے تھے تو عمارہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو برباد کرے یقیناً میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس حالت میں دیکھا اور وہ منبر پر تھے اس سے زیادتی نہ کرتے کہ مسبحہ جو انگوٹھے کے ساتھ ہے اس کو اُٹھاتے۔

ابو داؤد نے سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باب الجمعہ میں روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ منبر وغیرہ پر دعاء کرتے لیکن میں نے اس طرح اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مسبحہ سے اشارہ کیا اور درمیانی اُنگلی اور انگوٹھے کو ملایا۔

اور ص ۵۳۷ پر حاکم نے اس طرح روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ طریقہ تھا اپنی اُنگلیوں کو کندھے کے برابر کرتے ہوئے دعاء فرماتے تھے۔ یہ صحیح الاسناد حدیث ہے بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی:۔امام محمد نے مؤطا باب الاشارہ فی الدعاء ص۱۷۷ میں ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں دو انگلیوں پر ہر ایک ہاتھ سے ایک اُنگلی پر دعا کرتا تھا تو مجھے منع کیا محمد نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ہم عمل کرتے ہیں چاہیئے کہ (دعاء) کے لیے ایک اُنگلی پر اشارہ کریں۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ آدمی کے اس کے بعد اس کے بیٹے کی دعاء پر درجے بلند کیے جاتے ہیں اور آسمان کی طرف اُٹھا کر ہاتھ سے اشارہ کیا موطا کی عبارت ختم ہوئی۔ ترمذی نے دعوات میں اور نسائی نے جلد ثانی کے آخر میں روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفر فرماتے تھے تو اپنے اُونٹ پر سوار ہو کر اپنی اُنگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ شعبہ نے اپنے انگلی

کو کھینچا فرمایا یا اللہ آپ سفر میں ساتھی ہو اور اہل ومال میں خلیفہ ہو اے اللہ میں سفر کی سختی سے پناہ مانگتا ہوں اور واپسی کے رنج وغم سے۔ تو مسبحہ کو دعاء کے لیے آسمان کی طرف اُٹھایا (اور لفظ توحید اندراج ہے) اور جیسے سفر کے شروع میں اور خطبہ جمعہ میں وغیر ھما: جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں اس طرح ان علماء کے ہاں نماز کے آخر میں دعاء کے وقت تشہد اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود کے بعد۔

ابن ابی شیبہ نے جریر سے اس نے ابراھیم سے روایت کی ہے کہ فرمایا جب آدمی ایک انگلی سے اشارہ کرے تو یہ اچھا ہے اور یہ توحید ہے مگر دوانگلیوں سے اشارہ نہ کرے یہ مکروہ ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے فرماتی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ دعاء کو پسند کرتا ہے اور ایک اُنگلی سے اشارہ کیا۔ اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کی آپ نے فرمایا دعاء اس طرح ہے اور ایک اُنگلی سے اشارہ کیا یہ شیطان کو ذلیل کرنا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین سے روایت کی فرمایا جب کوئی انسان دیکھتا کہ دوانگلیوں سے دعا جب کوئی انسان دیکھتا دو اُنگلیوں سے دعاء کرنے والا ہر ایک ہاتھ سے ایک اُنگلی پر ان میں سے ایک سے اعراض کرتے اور فرماتے کہ بے شک وہ اللہ ایک ہے ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سوال اس طرح ہے کندھوں تک ہاتھ اُٹھائے یا اس کے قریب اور ایک اُنگلی سے اشارہ کرنا یہ استغفار ہے اور دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ابتھال ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس سے بلند کرتے تو اُنہوں نے فرمایا جسے دعاء کے لیے خارج از نماز مسبحہ اُٹھانا مروی ہے اور اس طرح نماز میں سبابہ اُٹھانا ہے یہ صرف دعاء کے لیے نماز کے آخر میں ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الدعاء طبرانی ص ۲۲۳ وغیرہ۔

اگر ثابت ہو جائے تو یہ نماز کے آخر میں دعاء کے لیے کرے اور عینی للبخاری جلد ۳ص ۱۷۰پر ہے کہ اس کا یہ قول کہ پھر اُنگلیوں کو بند کریں اور انگوٹھا اور درمیانی اُنگلی حلقہ کریں پھر دوسری انگلی سے دعاء کریں یہ آخری قعدہ میں ہے اگر آپ کہیں کہ یہ کس سے معلوم ہوا کہ مراد آخری قعدہ ہے؟ میں جواباً کہتا ہوں کہ اس کے اس قول سے کہ یدعو ہے دعاء نہیں ہوتی مگر نماز کے آخر میں ۔عینی کا کلام ختم ہوا۔

طحاوی میں وائیل کے قول میں ہے یدعو یہ دلیل ہے کہ نماز کے آخر میں تھی اور طحاوی ص ۱۵۳میں ہے کہ عیسیٰ کی حدیث میں ہے کہ دعاء میں ایک اُنگلی سے پھر اشارہ کریں۔ جوہر النقی میں امام بیھقی نے وائیل کی حدیث مرفوعہ کے رد میں فرمایا یہ کہ اشارہ بالسبابۃ کیا یدعو تو دعاء کا ذکر کرنا یہ دلیل ہے۔ کہ یہ نماز کی آخر میں تھی تو امام بیھقی کی یہ تاویل رد کی کہ یہ پہلے تشہد میں وارد ہے اور بیھقی نے بھی یہ ذکر کیا وائیل کی حدیث میں یہ بیان کیا کہ مراد اس پر دعاء ہے مسبحہ پر طریقہ اشارہ کے باب کے بعد ذکر کیا۔ اس کے بعد والے باب میں ہے تو اس کی روایت کردہ روایت میں یہ اس کی تاویل ہے اور اس پر دعاء کا ذکر کیا کتاب المعرفۃ کی حدیث میں اور شہادت کے وقت اس پر اشارہ سے تاویل کی یہ دور کی تاویل ہے اور حقیقت سے مخالف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں جوہر نقی کی عبارت ختم ہوئی۔ تو نماز کے آخر میں مسبحہ اُٹھانا ان کے ہاں بہتر ہے جیسے کہ سوار ہونے کے وقت اور جمعہ کے خطبہ کے وقت اور ان دونوں کے علاوہ اور جگہ ضروری نہیں۔ زرقانی نے شرح مؤطا میں سفیان بن عیینہ کی حدیث میں فرمایا یہ شیطان کو ذلیل کرنا ہے جب تک آپ میں سے کوئی اُنگلی سے اشارہ کرتا ہے تو سہو نہیں ہوتا۔ باجی نے فرمایا اس میں یہ ہے کہ اشارہ سے مقصد سہو کا رفع کرنا اور شیطان کو ذلیل کرنا ہے جو وسوسے کرتا ہے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسبحہ سے اشارہ کرنا

ہمارے ہاں مستحب ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا کہ الا اللہ کے وقت اشارہ کریں انتھی بعض علماء نے تشہد میں اشارہ کرنے سے منع فرمایا۔ نسائی نے ص ۱۸۶ پر حدیث نماز میں سکون کرو۔ کی تخریج کی ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر دلیل پکڑی کہ اشارہ سے سلام کرنا جو حدیث سے ثابت ہے یہ مکروہ ہے امام سندی نے فرمایا جس نے تشہد میں اشارہ نہ کرنے کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ سکون کے منافی ہے یہ اس روایت سے ماخوذ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہاتھوں کو رانوں پر پھیلائے رکھیں (نسائی ص ۱۵۸)سندی نے لکھا یعنی تشہد میں اس کو رانوں پر رکھ دیں منع کرنے والوں نے فرمایا کہ اُٹھانے کے ثبوت میں شبہ ہے اور ان میں سے بعض نے فرمایا کہ نماز کے آخر میں آسمان کی طرف دعاء میں ہاتھ اُٹھانا بہتر ہے ہم اس کو منع نہیں کرتے۔

شوافع کے ہاں ہے کہ الا اللہ پڑھنے کے وقت مستحب ہے اس کا ماخذ۔ ہمیں معلوم نہیں اور بیھقی کی تاویل لفظ دعاء کا تشہد سے صاحب جوہر نقی نے یقیناً رد کیا۔

الا اللہ کے پڑھنے کے وقت اُنگلی اُٹھانا کسی حدیث میں ہم نے نہیں دیکھا یہ سخت ترین انکار ہے اور احناف کی کتب متون عدم اشارہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کی انہوں نے تصریح کی ہے کہ کھلی ہتھیلی رکھنا سنت ہے۔ اور قعدہ کی حالت میں چھاتی کو دیکھنا سنت ہے نہ کہ مسبحہ کو اہل متون نے جو ظاہر الروایات کے ناقل ہیں اشارہ کو نہ سنن میں ذکر کیا اور نہ آداب میں بلکہ تنویر میں فرمایا کہ مسبحہ سے اشارہ نہ کریں اس پر فتویٰ ہے جیسے کہ در میں ہے۔ اور جسے ولولواجیہ اور تجنیس اور عمدۃ المفتی اور عام فتاویٰ میں ہے انتھی۔

جی ہاں اشارہ کرنے پر شارحین اور متاخرین علماء نے تصریح کی ہے کہ اس کی نسبت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کی ہے اور اُٹھانے کی جگہ نقل نہیں کی اور عینی اور طحاوی

اور علاء الدین الشہیر بابن الترکمانی رحمہم اللہ تعالیٰ صاحب الجوہر مذہب کا سب سے زیادہ 'عالم' ہے بدائع میں مشائخ نے منع نقل کی ہے اور فرمایا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسبحہ میں فعل کا جواز امام سے نقل کیا ہے۔ اور جو موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے جب تاویل کرنے والوں نے اشارہ کی تاویل کی تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اس پر ہم عمل کرتے ہیں اشارہ معروفہ معلومہ پر دلالت نہیں کرتا اور یہ اشارہ معروفہ میں ان کے ہاں تصریح نہیں ہاں مسبحہ میں تصریح کی ایک روایت ہے۔ (یعنی مذہب نہیں) اور موطا میں یہ روایت کہ اپنے انگلی پر اشارہ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اٹھایا اور اپنی انگلی کو پھیلایا یا دوسری انگلی کے ساتھ گھٹنے پکڑنے کیلئے مسلم نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے استسقٰی میں ہتھیلوں کی پیٹھ کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور ابوداؤد میں ہے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اشارہ کرتے تھے یعنی تکبیروں کے وقت ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے تو خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے اکثر لوگ اُنگلی لا کے ساتھ اُٹھاتے ہیں اور الا اللہ کے وقت رکھتے ہیں۔ تو ہم اس کو نہیں جانتے اور جو حدیث کا تقاضا ہے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحب جوہر رحمہ اللہ تعالیٰ اور عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور صاحب بدائع رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث اشارہ کے ساتھ نسبت کی ہے ہاتھ اُٹھانے کو تکبیروں کے وقت اور ان راویوں سے اُٹھانا ثابت ہے۔ یعنی سوار ہونے کے وقت خطبہ کے وقت میں اور تم ان کو دیکھتے ہو یقیناً انہوں نے یہ عمل چھوڑ دیا ہے تو یہ مستحب عمل چھوڑ کر کسی چیز پر اس کی طرف اشارہ کیا کہ حدیث میں نہیں تصریح تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے اور شکایت کرنا ہے اور جو حاکم کے حدیث کا سند ہے تو وہ مستدرک میں یہ ہے (ص ۴۳۷)

ثناابوبکربن اسحاق الفقیه انباناابو المثنی ثنااسماعیل علیة عن عبدالرحمن بن اسحاق عن عبدالرحمن بن معاویة عن ابن ابی زباب عن سهل بن سعدرحمهم الله تعالیٰ قال مارأیت النبی ﷺ الخ۔

فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو منبر پر اور نہ دوسری جگہ دعاء کرتے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا وہ کندھے کے برابر اُنگلی اُٹھا کر دعاء کرتے تھے اس حدیث کا سند صحیح ہے بخاری و مسلم نے اس کی عبارت کی تخریج نہیں کی: انتھیٰ اس کی عبارت۔

حدثنامحمدبن معمربن ربعی القیسی قال ثناابوهشام المخزومی عن عبدالواحدوهوابن زیادقال ناعثمان بن حکیم قال حدثنی عامر بن عبدالله بن زبیر عن ابیه۔

فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو دائیں ران کے درمیان کرتے اور اشارہ اُنگلی سے کرتے تھے نووی (ص ۲۱٦) پر اس کا یہ قول کہ دائیں کو پھیلانا مشکل ہے اس لیے دائیں پاؤں میں سنت یہ ہے کہ علماء کے اتفاق کے ساتھ یہ کھڑا ہونا ہے اور احادیث صحیحہ نے اس پر ایک دوسرے کی تائید کی ہے بخاری وغیرہ میں الخ۔

اور جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے عبد الرزاق کی روایت پر امام ترمذی نے فرمایا یہ غریب ہے ہم اس کو بغیر اس وجہ سے نہیں پہچانتے میں کہتا ہوں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع معروف ہے سلام کے ردکیلئے اشارہ۔ انتہیٰ۔

نماز میں مسبحہ سے اشارے کا رسالہ۔ اے اللہ! آپ کیلئے پاکی اور حمد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں آپ سے مغفرت چاہتا ہوں آپ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا درود ہو اس کی بہترین مخلوق پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی آل واصحاب پر اور ہمارے سب سادات پر اور ہمارے ساتھ سب کے سب پر۔ اے اللہ! ہماری یہ دعاء قبول فرما۔ اے مخلوقات کے رب رحم کرے اپنے بندوں پر۔ آمین۔ میں نے اس رسالہ کو تلوار کی طرح یعنی جلدی سے ایک مجلس میں لکھا۔ حاکم کی سند کی جو حدیث ہے وہ مستدرک (ص ۴۳۷) پر یہ ہے۔ (حدیث اور ترجمہ گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔)

تشہد میں اشارہ

عاصم بن کلیب نے اپنے دادا سے مجھے خبر دی فرمایا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس اس حالت میں آیا کہ وہ نماز پڑھتے تھے تو بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا تھا اور آپ نے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا تھا اور اپنی اُنگلیوں کو بند کیا ہوا تھا اور مسبحہ کو پھیلایا ہوا تھا اور وہ پڑھتے تھے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ یہ اس وجہ سے غریب حدیث ہے ترمذی نے باب الاضحیہ میں لائی ہے عبداللہ بن سرجیس نے فرمایا کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب سفر کرتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یہ عبادت مستمرہ تھی کہ یہ دعا فرماتے اے اللہ! تو سفر میں ساتھی اور اہل میں خلیفہ ہو اے اللہ! ہمیں اپنے سفر میں تندرست رکھ اور ہمارے اہل میں خلیفہ ہو اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی شدت اور مشقت سے۔ واپسی کی حالت میں غم اور حزن سے اور زیادتی کے بعد نقصان سے اور اصلاح کے بعد فساد سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی ابوداؤد اور نسائی اور حاکم نے اپنی مستدرک میں تخریج کی ہے)[2248]

2248 تحفۃ الاحوذی ج ۹ ص ۲۸۱ نسخہ دیگر ص ۳۰۷ رقم ۳۴۳۹۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سفر کرتے وقت یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب اپنی سواری پر سوار ہوتے تو اپنے اُنگلی سے اشارہ کرتے۔ شعبہ نے اپنے اُنگلی کو کھینچا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا آپ سفر میں ساتھی ہو یعنی سفر میں ہماری حفاظت فرما اور اہل میں خلیفہ ہو یعنی میرے غائب ہونے کے وقت میری اہل کی حفاظت فرما اور اپنی حفاظت سے سفر میں میری حفاظت فرما اور ہمیں پنی امان کے ساتھ واپس فرما، اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لئے زمین کے سفر کو ہم پر آسان فرما۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے سفر کی شدت و مشقت سے پناہ مانگتا ہوں اور واپسی میں ہم و خزن کی شدت سے: روایت کیا اس کو ترمذی نے سفر کے دعاؤں میں دعاء کے لیے سبابہ اُٹھانا بھی اور اس کو نہ اُٹھانا بھی جس نے کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو یقیناً اچھا کیا بھی اس طرح۔ اور نماز میں دعاء کے لیے مسبحہ اُٹھانا آیا ہے جیسا کہ آپ نے گزشتہ بیان میں دیکھا امام طحاوی نے وائل کے حدیث مرفوعہ میں فرمایا کہ جب وہ تشہد میں بیٹھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ران پر رکھا اور پھر اپنی اُنگلیوں کو بند کر دیا اور انگوٹھے اور درمیانی اُنگلی سے حلقہ بنایا پھر دوسری اُنگلی پر دعاء شروع کی اور نسائی کی روایت میں ہے کہ دعاء کے لیے اپنی اُنگلی کو بلند کیا۔ ابو جعفر طحاوی نے وائل کے قول کے بارے میں فرمایا لفظ یدعو دلیل ہے اس پر کہ یہ نماز کے آخر میں ہوتا تھا۔ امام طحاوی نے حدیث عیسی محمد بن عمر سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابی حمید سے فرمایا پھر ایک اُنگلی سے دعاء میں اشارہ کرتا تھا ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسبحۃ اٹھانا دعا کے وقت تھا (نہ کہ نفی اثبات کیلئے ائمہ مجتہدین اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں)

اور یہ قعدہ کے آخر میں اور تشہد پڑھنے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھنے کے بعد تھا اس کو ترک کرنا بھی آیا ہے روایت کی ابو داود نے ص ۱۵۵ پر آیا تم میں سے ایک کے لیے کافی نہیں ہوتا یا ان میں سے ایک کے لیے اپنی ران پر اپنے ہاتھ کو رکھے پھر اپنے بائیں پر سلام پھیر دیں جو اس کے دائیں جانب ہو اور جو اس کے بائیں جانب ہو۔ امام ترمذی نے اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز میں قعدہ کرتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ اپنا دائیں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی اُنگلی کو اُٹھاتے اور اس پر دعاء کرتے تھے۔ ابو عیسیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کو عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صرف اس وجہ سے پہچانتے ہیں اور بعض اہل علم کے ہاں اس پر عمل ہے۔

میں کہتا ہوں نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اشارہ جواب سلام کے لیے معروف ہے اور یقیناً عبد الرزاق کے بارے میں بات کی ہے تو غریب ہے اس مرتبہ میں نہیں جس سے دلیل قائم ہوتی ہے اور اشارہ سے رد سلام کی بابت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ نماز میں سکون کرو۔

تو جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں سکون کا حکم دیا اور سلام کے لئے اشارہ کرنے سے نکلنا اس لیے کیوں کہ اس میں انگلیوں کو حرکت دینا اور ہاتھ اُٹھانا ہے تو اس وجہ سے ثابت ہوا کہ یہ اس میں داخل ہوا جس کا حکم رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دیا ہے وہ نماز میں اطراف اساکن کرنا ہے تو احناف نے رد سلام اشارہ سے چھوڑ دیا اس کے باوجود کہ احادیث سے ثابت ہے اور یقیناً انہوں نے دعاء کے وقت ہاتھ اُٹھانا چھوڑ دیا

اور یقینا امامہ وابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ثابت ہے ابو داؤد کی حدیث میں حقیقتاً آیا ہے

ص ۹۱

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرمایا کہ نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے سے لوگ منع ہو جائیں اور یا ان کی آنکھیں ان کی طرف واپس نہ ہوں اور حالت سفر میں دعاء کے وقت مسبحہ اُٹھانے کی سنت ہونے کا اعتقاد نہیں کیا۔ تو مسبحہ نہ اُٹھانا ان کاموں سے زیادہ سخت نہیں۔ نسائی نے اپنی سند سے روایت کیا آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ سنگریزوں کو حرکت دیتے تھے تو عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز کے حالت میں سنگریزوں کو ہلانا نہیں بلکہ جس طرح رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کرتے تھے اس طرح کرو تو میں نے کہا کہ وہ کس طرح کرتے تھے فرمایا تو اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھ دیا اور اور عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ آپ نے گھٹنے پر رکھ دیا اور اپنی اُنگلی سے اشارہ کیا اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے فعل کو قول سے نقل کیا ہے۔ ضعیف احتمال رکھتا ہے۔ کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے پاؤں برداشت نہیں کرتے تھے جیسے کہ طحاوی میں آیا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے دائیں گھٹنے پر رکھ کر تورک کیا اور گرنے کے ڈر سے اپنے دائیں بازو کو پھیلایا (یعنی کھینچا تھا) اور اپنے گھٹنے کو پکڑتے تھے اور مسبحہ کو دور کرتے تو راوی نے اس پر اشارہ کا گمان کیا۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یقیناً تشہد اور ادعیہ کو بیان کیا ہے اور اشارہ کا بیان نہیں کیا تو اس لیے میں کہتا ہوں کہ نماز میں دعا کے وقت اشارہ کرنے میں شبہ اور وہم ہے اور جو اشارہ نفی کے وقت ہے اور اُنگلی رکھنے کے اثبات کے وقت ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن یہ کوئی چیز

ہے ہی نہیں۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے استسقیٰ کیااور اپنے ہتھیلوں کے پشت پر اشارہ کیا(یعنی ہاتھوں کو الٹا اُٹھایا)

توجو احادیث مسبحہ پر اشارہ کرنے کی بابت آئے ہیں تو اس کا معنیٰ بھی اس طرح ہے۔ اور یا مراد آسمان کی طرف اُٹھانا ہے۔

اشارے کے بارے میں صاحب کتاب شیخ التفسیر مولوی حسین علی صاحب کا بیان من تحریرات حدیث علی اصول التحقیق سن طباعت ۱۴۳۲ھ یہاں ختم ہوگیا۔ تمت باالخیر۔

ان شاءاللہ مصباح التحقیق پر الف سے یاء تک تبصرہ قلمبند کیاجائے گا۔ **وماتوفیقی الاباللہ۔**

(وقصر السلام علی جانب واحد) اور سلام کو صرف ایک طرف پھیرنا حرام ہے اور ایک طرف سلام کہنا حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ہے وہ کہتے ہیں کہ نمازی قبلہ کی طرف ایک سلام پھیرلے اور ہمارے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ قصر سلام میں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کا ترک ہے اور جب نمازی ایک طرف سلام کہے گا تو دوسری طرف کے نمازیوں کو سلام سے محروم رکھے گا اور یہ اصفیاء کیلئے حرام ہے اور ازکیاء کے نزدیک جواب دینار حمت ہے اور جب یہ دوسری طرف سلام نہیں کہے گا تو گویا اس نے دوسری طرف کے نمازیوں کے ساتھ بخل کیا جبکہ بخل تو دشمنوں کے ساتھ بھی حرام ہے تو دوستوں کے ساتھ توبطریق اولیٰ حرام ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں۔

(والقنوت فی غیر الوتر) اور دعائے قنوت کو وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں پڑھنا حرام ہے اور یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کے بارے میں صبح کی نمازمیں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ وہ صبح کی نمازمیں دعائے قنوت پڑھتے ہیں اوران کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہمیشہ صبح کی نمازمیں دعائے قنوت پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دنیاسے تشریف لے گئے ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صرف ایک ماہ صبح کی نمازمیں بعض مشرکین سے نجات کیلئے دعائے قنوت پڑھی تھی اس کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صبح کی نمازمیں نہ پہلے دعائے قنوت پڑھی اورنہ بعدمیں ،اور حضرت عاصم ابن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عن أنس بن مالک إنَّ قومًا يَزعُمونَ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وآله وسلم لم يَزَلْ يَقنُتُ في الفجرِ فقال كذَبوا إنما قنَتَ شهرًا واحدًا يَدعو على حيٍّ من أحياءِ المُشرِكينَ۔

بتحقیق ہم سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہاکہ ایک قوم یہ گمان کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمیشہ صبح کی نمازمیں قنوت پڑھی ہے پھر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہاکہ یہ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک ماہ صبح کی نمازمیں دعائے قنوت اس لئے پڑھی کہ مشرکین کے ایک قبیلے کے خلاف دعائے ضرر فرمائی تھی۔[2249]

اوروہ حدیث جس سے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیاہے وہ اس حدیث سے متعرض ہوئی لہذامعارض سے معلوم ہواکہ صبح کی نمازمیں دعاء قنوت پڑھنامحرم کے لئے صبح پر

[2249] ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ١/٤٠٠• ملاعلي قاري (١٠١٤هـ)، شرح مسند أبي حنيفة ١٠٦•

ترجیح کی وجہ سے حرام ہے، یا قنوت سے مراد قیام کو طویل کرنا بھی ہے کیونکہ کلامِ عرب میں قنوت کا اطلاق طولِ قیام پر بھی ہوتا ہے۔

(وزیادۃ فی التکبیرات) اور تکبیرات میں زیادتی کرنا حرام ہے جیسے اللہ اکبر الاعظم یا اللہ اکبر الاعلیٰ۔

(والثناء) اور ثناء یعنی سبحانک اللھم میں زیادتی کرنا حرام ہے، جیسے وتعالیٰ جدک وکبریائک وعظمتک وتقدس اسمائک ولا الہ غیر ذلک۔(والتسبیحات) اور تسبیحات رکوع و سجود میں زیادتی کرنا حرام ہے جیسے رکوع میں سبحان ربی العظیم الکریم یا سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ الوھاب یا رکوع اور سجود کی تسبیحات کے تکرار میں زیادتی کرنا حرام ہے، یعنی فرائض میں سات بار سے زیادہ، نوافل میں نو بار سے زیادہ اور صلوۃ التسبیح میں دس یا پندرہ بار سے زیادہ تسبیحات کہنا حرام ہے۔فان قیل۔باب مستحبات سے مخالفت ہوئی کیونکہ باب مستحبات میں کہا گیا ہے کہ وزیادۃ التسبیحات علی ثلث مرات اور بابِ محرمات میں کہا گیا ہے وزیادۃ التسبیحات حرام۔قلنا۔باب مستحبات میں قدرِ مروی تک زیادہ کرنا مستحب کہا گیا ہے اور بابِ محرمات میں زیادتی چاہے تکرار میں ہو یا کلمات میں، ایک ہی بات ہے۔

(والتشھد) اور تشہد میں زیادتی الفاظ حرام ہیں جیسے التحیات للہ والصلوۃ والطیبات الزاکیات والنامیات یا قعدہ اولیٰ میں تشہد سے زیادتی کرنا حرام ہے جیسے اللھم صلی علی محمد۔

(علی السنۃ) سنت کے مطابق یعنی جس انداز سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے تسبیحات یا تشہد کی مقدار مروی ہے اتنی ہی مقدار مستحب ہے۔اس سے زیادہ حرام ہے اور یہ ما تقرر فی المذاھب ہو جیسا کہ تکبیر میں اللہ اکبر اور ثناء میں سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک فقط اور رکوع میں سبحان ربی

العظیم اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلی** اور **تشھد** میں **التحیات للہ و الصلوۃ و الطیبات السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ** ہوا۔

(**و ترک الواجب**)اور واجب کو ترک کرنا حرام ہے۔

(**مما سبق**)ان واجبات کا ترک کرنا حرام ہے جو واجبات کے باب میں گزر چکے ہیں۔

(**عمداً**)واجب کو قصداً ترک کرنا حرام ہے، چاہے ان واجبات کا ترک ہو جن کے رہ جانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ جیسے خاص واجبات کا ترک ہو جن کے رہ جانے سے سجدہ ہو واجب نہیں ہوتا۔ جیسے خاص واجبات میں مابعد اخفا ہو یا عام واجبات میں سے طمانیت ہوئی۔ اور قیدِ عمداً کی وجہ سے سہو سے احتراز کیا گیا ہے یعنی اگر واجب سہواً ترک ہو جائے تو یہ ترک حرام نہیں اور خواصِ واجبات میں طمانیت کے علاوہ اور مابعد اخفاء کے علاوہ واجبات کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

(**و فی المحیط ذکر المحرمات فی المکروھات**)اور محیط میں حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے محرمات کو مکروہات کے باب میں ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے مذہب میں محرمات، مکروہات میں داخل ہیں۔ **فان قیل**۔ کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے محیط سے کیوں اختلاف کیا جب کہ محیط میں محرمات کو مکروہات میں داخل کیا گیا ہے۔ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے داخل نہیں کیا۔ **قلنا**۔ محیط حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے مذہب میں محرمات اور مکروہات کے درمیان کوئی فرق نہیں لیکن حرام کا مکروہات پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور سب منہیات کو ایک جنس قرار دیا اور صاحبِ "**ھدایہ**" نے کہا ہے کہ[2250] **نص محمد ان کل مکروہ حرام۔ فان قیل**۔

[2250] حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے مکروہ پر حرام کا اطلاق کیوں نہیں کیا تو "صاحب ہدایہ" نے جواب دیا کہ مکروہ پر حرام کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مکروہ کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں جب کہ حرام کی حرمت ثابت ہے اور مکروہ کی نسبت حرام کے ساتھ ایسی ہے جیسے واجب کی نسبت فرض کے ساتھ ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے لیکن واجب کا منکر کافر نہیں اسی طرح حرام کو حلال جاننے والا کافر ہو جاتا ہے لیکن مکروہ کو حلال جاننے والا کافر نہیں ہوتا اور صاحبِ خلاصہ کیدانی حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک حرام اور مکروہ میں فرق ہے اس وجہ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے حرام کا باب مکروہات کے باب سے علیحدہ رکھا۔ پس حرام کی دو اقسام ہیں ایک حرام فساد کو مستلزم ہے جیسے فرض کا ترک فساد کو مستلزم ہے اور دوسرا حرام فساد کو مستلزم نہیں جیسے واجب کا ترک ہے۔ اسی طرح مکروہ کی بھی دو اقسام ہیں ایک مکروہ تحریمی اور دوسرا مکروہِ تنزیہی۔ سنتِ مؤکدہ کے ترک سے مکروہِ تحریمی کا لزوم ہوتا ہے جبکہ مستحب کے ترک سے مکروہِ تنزیہی وجود میں آتا ہے۔ حرام کی پہلی قسم کو حلال جاننے والا دلیلِ قطعی کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے جبکہ دوسری قسم کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہوتا ہے اور مکروہِ تحریمی کو حلال سمجھنے والا مبتدع (بدعت کرنے والا) ہے اور مکروہ تنزیہی کو حلال سمجھنے والا غیر معاتب ہے۔

الباب السادس فی بیان المکروھات

مکروہ کا بیان:

1۔ مکروہ کی لغوی تعریف:

مکروہ محبوب کی ضد ہے اور یہ لفظ کَرِہَ یا کُرِہَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جس کی معنیٰ ہے سخت ناپسندیگی، ناگواری، کسی آدمی ایسے کام پر مجبور کیا جانا جو اُسے طبعاً ناپسند ہو۔[2251]

قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف مقامات پر انہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

1۔وَلٰکِنَّ اللہَ حَبَّبَ إِلَیْکُمُ الْإِیمَانَ وَزَیَّنَهُ فِي قُلُوبِکُمْ وَکَرَّهَ إِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْیَانَ أُولَئِکَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات:7)

ترجمہ: لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ کَرْهًا لَنْ یُتَقَبَّلَ مِنْکُمْ (التوبة:53)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ دل سے خرچ کرو یا ناگواری سے تم سے ہر گز قبول نہ ہو گا۔

2۔مکروہ کی اصطلاحی تعریف:

ھو ماطَلَبَ الشارع ترکه لاعلی وجه الحتم والإلزام.

ترجمہ: مکروہ، وہ شے یا وہ فعل ہے کہ شارع نے جس کے ترک کرنے کا مطالبہ حتمی اور لازمی طور پر نہ کیا ہو۔

3۔مکروہ کی اقسام:

اَحناف کے نزدیک مکروہ کی دو اقسام ہیں:

1۔مکروہِ تحریمی (جو حرام کے نزدیک تر ہو)۔

2۔مکروہِ تنزیہی (جو حلال کے نزدیک تر ہو۔)

2251(1) ابن منظور، لسان العرب، ج12، ص535۔ (2) ابراهیم مصطفی، المعجم الوسیط، ج2ص785۔

ذیل میں مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی کی الگ الگ تعریف اور حکم بیان کیا جاتا ہے:

(i)مکروہِ تحریمی کی تعریف:

الفعل الذی طلب الشارع من المکلف الکف عنه طلبا جازما بدلیل ظنی۔[2252]

ترجمہ: مکروہِ تحریمی وہ فعل ہے جس میں شارع مکلف سے لازمی طور پر رک جانے کا مطالبہ کرے اور وہ مطالبہ دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

(ii)مکروہ تحریمی کی مثالیں:

نمازِ وتر کا چھوڑنا، آدمی کا اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا وغیرہ۔

نمازِ وتر واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنی زندگی میں اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا بلکہ چھوڑنے پر وعید سنائی ہے۔

(۱) عن بريدة بن الحصيب الأسلمي: الوِترُ حَقٌّ، فمَن لم يُوتِرْ فليسَ مِنّا، الوِترُ حَقٌّ، فمَن لم يُوتِرْ فليسَ مِنّا، الوِترُ حَقٌّ، فمَن لم يُوتِرْ فليسَ مِنّا۔

ترجمہ: نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

(۲) وتر کے حوالے سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشة أم المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنها كُلَّ اللَّيْلِ أوْتَرَ رَسولُ اللهِ ﷺ، وانْتَهى وِتْرُهُ إلى السَّحَرِ۔[2253]

2252 تیسیر التحریر ج۲ ص۱۳۵۔

2253 البخاري (ت٢٥٦)، صحيح البخاري ٩٩٦• صحيح۔

ترجمہ : حضوراکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ہررات نمازوتراداکرتے تھے اورآپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی نمازوترکاوقت سحری تک رہتاتھا۔

مذکورہ بالا احادیث وتر کے واجب ہونے پر دلالت کررہی ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کے ترک کرنے پر وعید سنائی ہے اوراپنی زندگی میں ان کو کبھی ترک نہیں کیا۔

اسی طرح مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے،کیونکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا:

ولایَبیعُ بعضکم علی بَیْعِ بعض۔[2254]

ترجمہ: تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔

ان احادیث میں وتر چھوڑنے کی مذمت وارد ہوئی ہے اور بیع پر بیع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ان کی حرمت کی دلیل ہے کیونکہ نہ کرنے کا مطالبہ حتمی طورپر ہے مگرچونکہ یہ اخبارِ احاد سے ثابت ہیں،جوکہ ظن کافائدہ دیتی ہیں۔اس لئے مذکوہ احکام حرام کی بجائے مکروہ تحریمی ہیں۔

(iii)مکروہ تحریمی کا حکم:

انہ یذم فاعلہ،ویمدح تارکہ۔[2255]

ترجمہ:اس کاحکم یہ ہے کہ اس کے فاعل کی مذمت اور تارک کی مدح کی جاتی ہے۔

(iv)مکروہ تحریمی کے ثبوت کے ذرائع:

2254بخاری الصحیح کتاب البیوع ج۲ ص ۷۵۵رقم ۲۰۴۳۔
2255تیسیر التحریر ج۲ ص ۱۳۵۔

مکروہ تحریمی کے ثبوت کے وہی ذرائع ہیں جو حرام کے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ حرام کے ہیں ، مگر فرق یہ ہے کہ حرام دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے، جبکہ مکروہِ تحریمی دلیلِ ظنی یعنی خبرِ احاد وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حرام کا منکر کافر ہے اور مکروہ تحریمی کا منکر فاسق ہے یہ فرق بالکل اُسی طرح کا ہے جس طرح کا فرض اور واجب کا ہے۔

اِساءت:

ا۔ اساءت کا لغوی معنیٰ:

اِساءت کا لفظ (سوء) سے، ماخوذ ہے جس کے لغوی معنیٰ (برا ہونے) کے ہیں۔[2256]

۲۔ اساءت کی اصطلاحی تعریف:

یہ سنت مؤکدہ کے مقابلے میں آتا ہے اور اس سے مراد ایسا فعل ہے جس کا عادتاً کرنا باعثِ عذاب ہو اور کبھی کبھار کرنے پر عتاب ہو۔

۳۔ اِساءت کا حکم:

یہ چونکہ سنتِ مؤکدہ کے مقابلے میں آتا ہے، لہٰذا اس کا نہ کرنا بہتر ہے اور اس کے کرنے پر ملامت اور تھوڑا سا گناہ بھی ہے۔[2257]

مکروہِ تنزیہی:

2256 (۱) فیروزآبادی، القاموس المحیط، ج ۱ ص ۵۴۔ (۲) زبیدی، تاج العروس، ج ۱ ص ۱۴۰۔

2257 (۱) علاءالدین عبد العزیز البخاری ، کشف الاسرار، ج ۲ ص ۴۵۰۔ (۲) احمد رضا خان ، فتاوی الرضویہ ۔ ج ۱ ص ۳۲۵۔

ا۔اصطلاحی تعریفات:

1۔مایمدح تارکہ، ولا یذم فاعلہ۔[2258]

ترجمہ: جس کے تارک کی مدح اور کرنے والے کی مذمت کی جاتی ہو۔

2۔ھو الفعل الذی طلب الشارع من المکلف الکف عنہ طلباً غیر جازم۔[2259]

ترجمہ: مکروہ تنزیہی وہ ہے، جس میں شارع مکلف سے کسی کام کو ترک کرنے کا مطالبہ شدت سے نہ کرے ہو۔

3۔ما کان ترکہ أولی من فعل۔[2260]

ترجمہ: جس کا چھوڑنا کرنے سے بہتر ہو۔

صدرالشریعہ فرماتے ہیں: مکروہِ تنزیہی حلال سے (حرام کی نسبت) زیادہ قریب ہے اور مکروہِ تحریمی حرام کے زیادہ قریب ہے۔[2261]

امام تفتازانی نے اس کی تفسیریوں کی ہے کہ اس کے فاعل پر کوئی سزا نہیں، جبکہ تارک کو کچھ ثواب ہے۔ مکروہِ تحریمی کے حرام سے قریب ہونے کا مطلب ہے کہ وہ ممانعت سے متعلق ہوتا ہے، البتہ وہ عذاب کا مستحق نہ ہو گا، جیسے شفاعت سے محروم ہو جانا، بلکہ امام محمد تو فرماتے ہیں کہ

2258 شوکانی، ارشادالفحول، ج ا ص ۲۴۔

2259 امیر بادشاہ، تیسیر التحریر، ج2ص135۔

2260 ابن عابدین ردالمختار، ج1ص98۔

2261 صدرالشریعۃ، التوضیع، ج ۲ ص ۲۸۶۔

مکروہِ تحریمی دراصل مکروہ نہیں ہوتا بلکہ حرام ہوتا ہے۔ اسے مکروہِ تحریمی اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ وہ دلیلِ ظنی سے ثابت ہے، اگر دلیلِ ظنی سے ثابت نہ ہوتا تو وہ حرام ہی ہوتا ہے۔[2262]

۲۔ مکروہ تنزیہی کے ثبوت کے ذرائع:

1۔ لفظِ کراہت:

حدیثِ نبوی میں ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے (تمہارے لیے) تین چیزیں ناپسند فرمائی ہیں: قیل و قال (بحث مباحثہ) کرنا، کثرت سے سوال کرنا، اور مال کو ضائع کرنا۔

اس حدیث میں لفظ کَرِہَ (اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے) مذکورہ بالا چیزوں کی کراہت پر دلالت کر رہا ہے۔

2۔ لفظ بُغض اور اس کے مشتقات:

مثلاً حدیث نبوی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما أبغضُ الحلالِ إلی اللہِ الطلاقُ۔[2263]

ترجمہ: حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

اس حدیث میں لفظ أبغض (سب سے زیادہ ناپسندیدہ) طلاق کی کراہت پر دلالت کر رہا ہے۔

(۳) نہی خفیف:

ایسا صیغۂ نہی جس میں قرینہ ہو کہ یہاں منع کرنا تحریم کی بجائے کراہت کے لئے ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْیَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ (المائدۃ ۱۰۱)

[2262] تفتازانی، التلویح، ج ۲ ص ۲۸۶۔

[2263] ابن حجر العسقلاني (ت ۸۵۲)، تخریج مشکاۃ المصابیح ۳/۳۰۹•

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں)۔

اس آیت میں لَا تَسأَلُوا (مت سوال کرو) نہی کا صیغہ ہے، جو حرمت پر دلالت کر رہا ہے، مگر یہاں حرمت کی بجائے کراہت مراد ہے، جس کا قرینہ آیت کے اگلے حصے میں ہے جس ثابت ہوتا ہے کہ یہاں نہی کراہت کے معنی میں ہے۔

وَإِنْ تَسأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَلَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (المائدۃ ۱۰۱)

ترجمہ: اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ تعالیٰ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

احناف کی دقتِ نظری:

احناف نے جیسے فرض اور واجب کے باریک فرق کو بیان کیا ہے اسی طرح حرام اور مکروہ کے فرق کو بھی صرف احناف نے ہی بیان کیا ہے کہ حرام وہ ہے جس میں دلیلِ قطعی کی بناء پر فعل سے رکنے کا لازمی مطالبہ ہوتا ہے جبکہ مکروہِ تحریمی وہ ہے جس میں دلیلِ ظنی کی بناء پر فعل سے رکنے کا لازمی مطالبہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ احناف نے مکروہ کی دو اقسام تحریمی اور تنزیہی کو بیان کیا ہے جبکہ غیر احناف کے ہاں حرام اور مکروہ تحریمی کے مابین کوئی فرق نہیں ہے مکروہ غیر احناف کے ہاں وہی ہے جو کہ احناف کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے کہ اس کے چھوڑنے پر مدح اور اس کے کرنے پر مذمت ہے۔

اور مکروہ جو ہے المکروہ ضد المحبوب ماخوذ من الکراھۃ ضد المحبۃ والرضا وحدہ، مایکون ترکہ اولی من تحصیلہ وقیل مایکون الاولی ان لایفعل وفی حاشیۃ الھدایۃ من البدائع المکروہ لغۃ من الکراھۃ وھی الشدۃ فی الطرب۔ یعنی مکروہ محبوب کی ضد ہے اور کراہیت سے ماخوذ ہے جو محبت اور رضا کی ضد ہے اور مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا چھوڑنا ادا کرنے سے بہتر ہے اور ہدایہ شریف کے حاشیہ میں ہے کہ مکروہ لغت میں کراہیت کو کہا جاتا ہے اور مکروہ طبیعت میں شدت پیدا کرتا ہے، مکروہ لغت میں اس قول وفعل کو کہا جاتا ہے کرہ الشارع یعنی جس سے شارع نے منع فرمایا ہو کیونکہ مکروہ کرہ سے مشتق ہے اور کرہ منع کرنے کو کہا جاتا ہے اور شرع میں مکروہ وہ قول وفعل ہے جو نہی سے ثابت ہو(جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے تو ایسے حکم کو امر کہا جاتا ہے جب کسی کام سے منع کیا جائے تو اس حکم کو نہی کہا جاتا ہے اور اس میں حل وحرمت یا طہارت ونجاست کی دلیل کا تعارض ہو جیسے بلی کا جھوٹا یعنی بچا ہوا کھانا اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہ قال الھرۃ من السبع۔ یعنی بتحقیق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بلی درندوں میں سے ہے۔یہ حدیث بلی کے جھوٹے اور گوشت کی نجاست پر دلالت کرتی ہے اور یہ دوسری حدیث جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے۔عن أبي قتادة وعائشة: إنّها ليستْ بنجَسٍ، إنّها مِن الطّوّافينَ عليكم والطّوّافاتِ يعني الهرّةَ۔[2264]

[2264] (الطحاوي (٣٢١هـ)، شرح مشكل الآثار ٧/٧٣•شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج مشكل الآثار ٢٦٥٣•أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ٧٦•البيهقي (٤٥٨هـ)، الخلافيات ٣/١٠٠•ابن الملقن (٧٥٠هـ)، خلاصة البدر المنير ١/١٩•ابن الملقن (٧٥٠هـ)، تحفة المحتاج ١/١٤٥•ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، التلخيص الحبير ١/٦٢•ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، المطالب العالية ١/٥٩•الرباعي (١٢٧٦هـ)، فتح الغفار ١/١٨•الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح أبي داود ٧٦•الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الجامع ٢٤٣٧•شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سنن أبي داود ٧٦•شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج زاد المعاده/٦٨٥•الإمام مالک (١٧٩هـ)، تنقيح التحقيق ١/٩٢•البخاري (٢٥٦هـ)، السنن الكبرى للبيهقي ١/٢٤٥•أخرجه أبو داود (٧٥)، والترمذي (٩٢)، والنسائي (٦٨)، وابن ماجه (٣٦٧)، وأحمد (٢٢٥٨٠) باختلاف يسير، والبيهقي (١٢٠٣) ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ١٢٩٩•الدارقطني (٣٨٥هـ)، المحرر ٣٨•ابن حزم (٤٥٦هـ)، المحلى ١/١١٧•البيهقي

آٹھ ابواب میں سے یہ چھٹا باب ہے جس میں نماز کے مکروہات کو بیان کیا گیا ہے یہ مکروہات گاہے گاہے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں، ایک مکروہ تحریمی جس سے اعادہ لازم آتا ہے اور دوسرا[2265] مکروہ تنزیہی جس میں اعادہ مستحب ہے۔(**وھی تسعة وخمسون**) اور یہ (مکروہات) انسٹھ ہیں مطلقاً۔ مردوں کے لئے یا عورتوں کے لئے فرائض میں ہوں چاہے نوافل میں ۔ (**العام اثنان واربعون**)ان میں سے جو عام مکروہات ہیں،وہ بیالیس ہیں۔(**تکرار التکبیر**) نماز میں تکبیر کا تکرار مکروہ ہے۔**فان قیل**۔ محرمات کے باب سے مخالفت ہو گی کیونکہ محرمات کے باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ تکبیر میں زیادتی حرام ہے او یہاں کہا گیا ہے کہ تکبیر میں زیادتی مکروہ ہے۔**قلنا**۔ مخالفت نہیں ہوئی کیونکہ حرام کے باب میں مذکور قصد پر محمول ہے اور یہاں مذکور سہو پر محمول ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکروہات میں تکرار کا ذکر ہے اور تکرار ایک کلمہ میں ہوتی ہے اور محرمات کے باب میں الفاظ میں زیادتی کا ذکر ہے جو کہ ایک کلمہ میں نہیں ہوتی ، زیادتی کی مثال یہ ہے جیسے اللہ اکبر الاعظم۔

(**والعد بالید للای**) اور حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمہ اللہ کے مذہب میں دورانِ نماز آیات کو ہاتھوں کے ساتھ گننا مکروہ ہے اور آی مد ہمزہ کے ساتھ آیت کا جمع ہے اور گننے (شمار کرنے) سے مراد طریقہ عقد ہے اور اگر انگلیوں کے سروں سے یادل کے ساتھ شمار کیا تو اتفاق کے ساتھ مکروہ نہیں ہے اور زبان کے ساتھ شمار کرنا اتفاق کے ساتھ نماز کا مفسد ہے۔(**ونحوھا**)اور اسی طرح دوسری چیزوں کو شمار کرنا بھی مکروہ ہے جیسے تسبیحات، سورتیں اور اذکار ہیں۔ یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ شمار کرنا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے اور یہ

(٤٥٨هـ)، السنن الكبرى للبيهقي١/٢٤٥•ابن عبد البر (٤٦٤هـ)، الاستذكار ١/٢٠٢عبد الحق الإشبيلي (٥٨١هـ)، الأحكام الصغرى ١٤٨•ابن الأثير (٦٠٦هـ)، شرح مسند الشافعي١/٨٩•النووي (٦٧٦هـ)، المجموع ١/١١٧•)

نمازی کو قیام، رکوع، سجود اور قعدے کی حالت میں وضع مسنونہ سے منع کرتا ہے جبکہ صاحبین (حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے مذہب میں شمار کرنا مکروہ نہیں، کیونکہ نمازی قرأت کو یاد رکھنے کے لئے گنتی کا محتاج ہوتا ہے جیسے صلوۃ التسبیح میں تسبیح کی مقدار ہے۔ یہ نماز انتہائی مبارک اور مفید ہے، لہٰذا ضرورت کی وجہ سے شمار کرنا مکروہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ بقدرِ قرأت مسنونہ کے گننے کے رعایت کا امکان نماز سے باہر ہے لہذا نماز کے اندر انگلیوں کے سروں یا دل میں شمار کرنے کی حاجت باقی نہ رہی۔(**و التخصر**)اور ایک یا دونوں ہاتھوں کو تیہ گاہ یعنی کوکھ پر رکھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہاتھوں کو کوکھ پر رکھنے سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ یہ دوزخیوں کا فعل ہے اور ہاتھوں کو کوکھ پر پریشانی کی حالت میں رکھا جاتا ہے اور یہ وضع مسنونہ کا ترک ہے۔ اور جب شیطان لعین کو جنت سے نکالا گیا تو اس نے ہاتھوں کو کوکھ پر رکھا تھا۔ اس لئے یہ فعل شیطان مردود سے تشبیہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(**و ماھو من اخلاق الجبابرۃ**)اور وہ کام مکروہ ہے جو متکبرین کی بری عادتوں میں سے ہو جیسے کہ کندھوں پر کپڑوں کا لٹکانا ہے کیونکہ حالِ نماز کی بناء عاجزی اور حضورِ دل کے ساتھ ہے لہذا متکبرین کا ہر وہ فعل جو نماز میں خشوع کو فوت کرتا ہو نماز میں اس کا ترک کرنا سنت ہے تاکہ تواضع اور تضرع کی جگہ میں اپنے آپ کو متکبرین کے ساتھ تشبیہ سے بچایا جائے، جب کہ اقوالِ صحیح کے مطابق تربع یعنی چار زانو بیٹھنا مطلقاً افعالِ متکبرین میں سے نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی بعض حالات میں بیٹھنے میں تربع فرماتے تھے، اور عام طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد میں بیٹھنا تربع ہوتا تھا۔ دوزانو بیٹھنا بہتر ہے کیونکہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے

لہذا عدمِ عذر کی حالت میں تربع مکروہ ہے اور عذر کی حالت میں تربع میں کراہیت نہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو تربع سے منع کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تربع کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے تربع کرتا ہوں کہ میں ضعیف العمر ہوں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا تربع فرمانا بھی حالتِ ضعف کی وجہ سے تھا۔

(والتنحنح بلاعذر ولو بغیر حروف) اور بغیر عذر کے کھنکارنا مکروہ ہے۔ اس شرط پر کہ بغیر حروف کے ہو اور اگر حروف ظاہر ہو جائیں جیسے اُح تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہے اور اگر عذر کی وجہ سے ہو جیسے گلے میں تھوک جمع ہو جائے تو ایسی صورت میں کھنکارنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور بقولِ "کافی" کے جمائی کی بھی یہی تفصیل ہے اور "خلاصۃ الفتاویٰ" میں بھی بغیر ضرورت کے تقید کے عفو قرار دیا گیا ہے۔ فان قیل۔ "کنز الدقائق" سے مخالفت ہوئی کیونکہ "کنز الدقائق" میں تنحنح سے فسادِ نماز کا ذکر ہے۔ یہاں پر کراہیت کا ذکر ہے، نہ کہ فساد کا۔ قلنا۔ "کنز الدقائق" میں تنحنح بمع حروف کا ذکر ہے اور یہاں پر بغیر حروف کا لہذا حروف میں "کنز الدقائق" کے قول پر فتویٰ ہے اور بغیر حروف میں "خلاصۃ" کے قول پر۔

(والتنخم) اور عملِ قلیل کے ساتھ ناک صاف کرنا مکروہ ہے (والتنفخ غیر المسموع) اور ایسی پھونک جو سنی نہ جاتی ہو اور نہ ہی اس کے حروف ہوں جیسے اُف، تُف، وغیرہ مکروہ ہے۔ اور وہ پھونک جس کی آواز سنی جا سکتی ہو یا جس میں حروف ظاہر ہو جائیں تو ایسی پھونک طرفین علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق نماز کو فاسد کر دیتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے گزرے تو وہ نماز میں پھونک رہے تھے تو حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے رباح! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے نماز میں پھونک ماری تو گویا اس نے نماز میں باتیں کیں اور نماز میں باتیں کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ نماز میں پھونکنا بھی نماز کا مفسد ہے۔ اور پھونک کے نہ سننے میں ہمسائے کے نہ سننے کا اعتبار ہے کہ ہمسایہ نہ سنے اور اپنی پھونک کو خود سن لے تو یہ مکروہ نہیں اگر حروف نہ ہوں، اور اگر حروف ظاہر ہوں تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاہے حروف ظاہر ہوں یا نہ ہوں، پھونک نماز کو فاسد کرنے والی ہے اور صحیح قول پہلا ہے۔

قال النبی ﷺ اربع من الجفاء التنفخ فی الصلوۃ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں جفاء میں سے ہیں جن میں سے ایک نماز میں پھونکیں مارنا ہے۔

(**وامساک الدراھم ونحوہ فی الفم بحیث لا یمنع القراءۃ**) اور منہ میں روپے یعنی سکہ یا اس طرح کی دوسری چیز اس طرح رکھنا مکروہ ہے کہ وہ قرأت میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ ترتیلِ قرأت سے منع کرے۔ اور الدراہم میں الف اور لام جمعیت کے معنی باطل کرتا ہے تو جنس مضروب مراد ہوئی اور منہ میں روپوں یعنی سکوں کے رکھنے میں قرأت کے مسنون طریقے کا ترک ہے اور یہ بلا فائدہ اشتغال ہے اور اگر یہ نفسِ قرأت میں رکاوٹ بنے تو پھر باعتبار ترکِ فرائض (مثلا قرأت میں) اس کا رکھنا مفسدِ نماز ہے کیونکہ حروف کا تغیر معنی کے تغیر کو مستلزم ہے اور اگر اس کا رکھنا ترتیلِ قرأت میں رکاوٹ پیدا نہ کرے تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مباح ہے۔

(**واعلاء الرأس فی الرکوع**) اور رکوع میں سُرین سے سر کا اونچا رکھنا مکروہ ہے۔

لقوله له عليه الصلوة والسلام من ركع مرفوع الرأس القى فى النار مرفوع الرأس كالابل۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: جس نے رکوع میں اس طرح کیا کہ اس کا سر کمر سے بلند تھا تو اللہ تعالیٰ اسے اونٹ کی طرح سر بلند کیے ہوئے دوزخ میں ڈالے گا۔

رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ کے حالت میں اور سجدے سے اٹھنے کے بعد جلسے کی حالت میں سر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ ہے اگرچہ تھوڑا ہی ہو جیسے کہ جہلاء اور عوام کی عادت ہے، کہ اپنے چہروں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اس لئے مکروہ ہے کہ یہ متکبرین کی عادت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ٢)

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنے نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

اور خشوع سجدے کی جگہ پر نظر کرنے کو کہا جاتا ہے، نہ کہ سر اٹھانے کو۔ فان قیل۔ جب سر اٹھانا متکبرین کے اخلاق میں سے ہوا تو تکرار لازم ہوا کیونکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ وماھو من اخلاق الجبابرۃ۔ اور تکرار اچھی چیز نہیں۔ قلنا۔ اخلاق الجبابرۃ طریقۂ اجمال کے ساتھ عام تھے اور یہ قول کہ واعلاء الرأس طریقۂ تفصیل کے ساتھ تمثیل ہوئی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ تکبیر کے ارادے کے ساتھ سر کا اٹھانا جبابرہ کے اخلاق میں سے ہوتا ہے اور قصدِ تکبیر کے بغیر اخلاقِ جبابرہ سے نہیں ہوتا۔ رکوع اور سجود کے وقت امام سے پہلے سر کا اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ یہ سارے احوال نماز میں مأمور بہ سے مخالفت ہے۔

کیونکہ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

لاتُبادِرُوا الإمامَ إذا كبَّرَ فكبِّرُوا، وإذا قال ولاالضّالِّينَ: فقولوا: آمينَ، وإذا ركعَ فاركعوا، وإذاقالَ سمِعَ اللهُ لمَن حمدَه، فقولوا: اللّٰهمَّ ربَّنالكَ الحمدُ۔

اور دوسرے اس حدیث سے کہ وہ بھی حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

أمايخشى أحدُكم إذارفع رأسَه قبل الإمامِ أن يُحوِّلَ رأسَه رأسَ الحمارِ۔[2266]

(وابتلاع مابين الاسنان) اور نمازی کے لئے اس چیز کا نگلنا جو اس کے دانتوں کے درمیان ہو، مکروہ ہے۔

(لو كان قليلا) اس شرط کے ساتھ کہ وہ چیز تھوڑی ہو جیسا کہ چنے کے دانے کی مقدار سے کم طعام ہو یا کوئی دوسری چیز، اور مقید کیا مابین الاسنان کے ساتھ تاکہ تل کے لینے سے احتراز آجائے یعنی تل منہ میں ڈالے اور نگل لے اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے، اور قید قلیل کا احتراز ہے کثیر سے، جیسا کہ چنے کے دانے کی مقدار، یا چنے کے دانے سے زیادہ یہ نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(وترک سنة) اور نماز کی سنتوں کا ترک مکروہ ہے (من السنن) سنتوں کے باب میں سنتِ مذکورہ سے جیسا کہ ترکِ واجب حرمتِ ظنی کے ساتھ حرام ہے اور ترک مستحب کراہیت تنزیہی کے ساتھ مکروہ ہے۔

(واتمام القراءة فی الرکوع) اور رکوع میں قرأت کا پورا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بغیر حالتِ قیام کے قرأت سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ رکوع

[2266] (صحيح • أخرجه البخاري (٦٩١)، ومسلم (٤٢٧) باختلاف يسير)

یقیناً محلِ قرأت نہیں ہے اور اس میں دو مکروہ ہیں۔ ایک اپنے محل سے ترکِ قرأت ہے، دوسرا دوسرے محل میں اداء قرأت ہے چاہے ایک حرف ہو یا کہ سورت کا ایک کلمہ ہو۔

(**وتحصیل الاذکار فی الانتقالات**)اور اذکار کا ادا کرنا طریقۂ مسنونہ کے ترک کرنے کے ساتھ حالاتِ انتقال میں مکروہ ہے۔ جیسا کہ **سمع اللہ لمن حمدہ** اٹھنے کی حالت میں اور **ربنا ولک الحمد** برابری کی حالت میں۔ امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے، اور مقتدی کے لئے **ربنا ولک الحمد** کہنا اٹھنے کی حالت میں اور تکبیر جھکنے کی حالت میں جاتے وقت کہنا کہ ابتداء اللہ کے لفظ پر قومے سے ہوا اور فراغ اللہ کے لفظ سے انتقال میں ہو اور لفظ اکبر تک سجدے کو پہنچے اور سجدے میں تین، پانچ یا سات بار تسبیح کہنا اور منتقل ہونے میں شروع لفظ اللہ سے ہو اور لفظِ اکبر پر جلسے کی حالت میں فارغ ہو اور اسی طرح دوسرے سجدے میں۔ اور دوسرے سجدے سے اٹھنے میں ابتداء لفظ اللہ پر ہو اور اٹھنے سے فارغ ہونا لفظ اکبر پر ہو، اور رکوع کی تسبیح فقط حالتِ رکوع میں ہو اور تشہد قعدے میں ہو۔ یہ مذکورہ کیفیت ساری نماز کے لئے ہے اور اذکار کا اپنے محل کے بغیر دوسری جگہ ادا کرنا دو مکروہات کو مستلزم ہے۔ ایک اپنی جگہ سے ترک کرنے کی کراہیت ہے اور دوسری کراہیت یہ ہے کہ اذکار کو دوسرے محل میں ادا کرے۔ اور قرأت کا انتقال کے اندر بمثلِ تحصیل اذکار میں تعمیم بعد التخصیص کو ذکر کرنا ہے کیونکہ قرأت کو رکوع میں تمام کرنا خاص ہے اور اذکار کی تحصیل انتقال میں عام ہے۔

(**ووضع یدیہ قبل رکبتہ علی الارض للسجود بلا عذر**)اور سجدے کو جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھنا بلا عذر مکروہ ہے اور اگر عذر ہو جیسے بڑھاپا، ضعیف ہونا، بیمار ہونا، یا پاؤں سے اپاہج ہونا تو ایسی حالت میں مکروہ نہیں (**ورفعھما بعد رکبتیہ للقیام کذلک**)اور اس

طرح قیام کے لئے کھڑے ہونے میں ہاتھ کو گھٹنوں کے بعد اٹھانا بلا عذر مکروہ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اونٹ جب زمین پر بیٹھتا ہے تو پہلے دونوں ہاتھ زمین پر لگاتا ہے اور پھر بعد میں دونوں پاوں لگاتا ہے، اور اٹھتے وقت پہلے پاوں اٹھاتا ہے اور بعد میں ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو گھٹنوں کو رکھتے پھر ہاتھوں کو اور جب اٹھتے تھے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے اور کیفیتِ مذکورہ اٹھنے اور رکھنے کی حالت عذر میں مکروہ نہیں، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اٹھنے کے وقت ہاتھوں کو زمین پر لگانا اور ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا اور گھٹنوں کو ہاتھ سے پہلے اٹھانا حالتِ ضعف پر محمول ہے۔

(والاقعاء کاقعاء الکلب) اور کتے کی بیٹھنے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے چاہے جلسہ میں ہو یا دوسری رکعت اور چوتھی رکعت میں اٹھنے کی حالت میں ہو، اور اقعاء القلب اسکو کہا جاتا ہے کہ سُرین کو زمین پر رکھے اور ہاتھوں کو سامنے کی طرف کھڑا کر دے چاہے رانوں کو کھڑا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یا سرین کو ایڑھیوں پر رکھا ہو یا نہ ہو۔ یا ہاتھوں کو زمین پر رکھا ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ تفسیر اقعاء میں اس پر ہر ایک کیفیتِ مذکورہ میں مسنون طریقے سے بیٹھنے کا ترک ہے۔ اور یہ تفسیر اقعاء حقیقی کی ہے اور دوسرا تیسرا اور چوتھا کراہیت میں اقعاء کی طرح ہے۔

امام کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اقعاء یہ ہے کہ ایڑیوں کو کھڑا کرکے ہاتھ زمین پر لگائے اور طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اقعاء کی تفسیریوں کی ہے کہ سرین پر بیٹھنا، رانوں کو کھڑا کرنا، چھاتی کو گھٹنوں سے لگانا، ہاتھ زمین پر رکھنا۔

(طحطاوی، ص ۱۹۱، کبیری، ص ۳۷۶، شرح نقایہ، ص ۹۳)

عن علي قال: قال [لي] رسول الله صلى الله عليه وسلم يا علي أحب لک ما أحب لنفسي وأكره لک ما أكره لنفسي لا تقع بين السجدتين۔
(ترمذی، ص ٦٧)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اے علی میں تیرے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں، جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، اور تیرے لئے اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں، سجدوں کے درمیان اقعاء کی شکل میں نہ بیٹھا کرو۔

عن أبي هريرة قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم بثلاث ونهاني عن ثلاث أمرني بركعتي الضحى كل يوم والوتر قبل النوم وصيام ثلاثة أيام من كل شهر ونهاني عن نقرة كنقرة الديک وإقعاء كإقعاء الكلب والتفات كالتفات الثعلب۔
(مسند احمد، ج ٢، ص ٣١١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تین چیزوں سے منع فرمایا (نماز میں) مرغ کی طرح ٹھونکا مارنے سے (جلدی جلدی سجدہ کرنا) اور کتے کی طرح بیٹھنے سے (سرین پر) اور لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے سے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لومڑی کی طرح ہاتھ نیچے بچھانے سے۔

(وتغطية الفم) اور منہ کو ڈھانپنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بغیر ضرورت کے ہاتھوں کو رکھنا ہے اور منہ کی طرح ناک کو چھپانا مکروہ ہے (بلا غلبة التثاؤب) غلبۂ جمائی کے بغیر۔ تثاءب الف کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے اور واو غلط ہے اور غلبہ اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان ہونٹوں کو یکجا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سر پر چادر ڈالنا بغیر آویزاں کرنے کے اندیشہ نہیں رکھتا کہ منہ چھپا ہوا نہ ہو اور نماز پڑھتا ہو۔ اور منہ کا چھپانا قیاس کے تقاضے کے ساتھ مستحب ہے

اور جمائی لینے کے ساتھ مکروہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی جمائی کرتا ہے تو منہ کو چھپائے کیونکہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے، اور دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔

عَنِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔[2267]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو سکے منہ کو بند رکھے کیونکہ شیطان داخل ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ۔[2268]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو جماہیآئے تو جہاں تک ممکن ہو سکے اس کو روکے کیونکہ جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ۔

(سنن ابن ماجہ، ص ۶۸ و بمعناہ مسلم، ج ۲، ص ۴۱۳)

ابن ماجہ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ قَالَ: «الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

[2267] (صحیح مسلم باب تشمیت العاطس ولکراھیۃ التثاوب)

[2268] (سنن الکبری للبیھقی، ج ۲ ص ۴۱۱)

(ترمذی، ص ۳۹۲)

حضرت عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا نماز میں چھینک، اونگھ (نیند)، جمائی، حیض، قے نکیر شیطان سے ہیں (یعنی شیطانی کام ہیں جن پر شیطان خوش ہوتا ہے کیونکہ ان سے نماز قطع ہوتی ہے یا اس میں خلل ہوتا ہے)۔

مسئلہ: فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جمائی نماز سے خارج بھی مکروہ ہے، اگر نچلے ہونٹ کو دانتوں سے دبائے تو رُک جاتی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور قدوری نے اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ اگر دل میں یہ سوچے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جمائی نہیں لیتے تھے تو فوراً دور ہو جائے گی۔

(فتاویٰ شامی، ج ۱، ص ۴۴۶)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحوالہ زیلعی لکھتے ہیں:

ویکرہ التلثم وھو تغطیۃ الأنف و الفم في الصلاۃ لأنہ یشبہ فعل المجوس حال عبادتھم النیران زیلعي. ونقل ط عن أبي السعود أنھا تحریمیۃ۔

(شامی، ج ۱، ص ۶۱۱)

مکروہ ہے منہ پر کپڑا لپیٹنا یعنی منہ اور ناک کو نماز کی حالت میں ڈھانپنا، کیونکہ یہ مجوس کے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، جب مجوس آگ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور طحطاوی نے ابو سعود سے نقل کیا ہے کہ یہ فعل مکروہِ تحریمی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں منہ ڈھانپنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابوداؤد، ج ۱، ص ۹۴، مستدرک، ج ۱، ص ۲۵۳)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمُجَبَّرِ أَنَّهُ كَانَ يَرَى سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ إِذَا رَأَى الْإِنْسَانَ يُغَطِّي فَاهُ وَهُوَ يُصَلِّي جَبَذَ الثَّوْبَ عَنْ فِيهِ جَبْذًا شَدِيدًا حَتَّى يَنْزِعَهُ عَنْ فِيهِ۔
(موطاامام مالک، ص ۱۲)

حضرت عبد الرحمٰن بن المجبر سے روایت ہے کہ حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی انسان کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں منہ کو ڈھانپتا ہے تو اس کپڑے کو زور سے کھینچ کر اتار دیتے تھے۔

(وغمض العینین) اور نماز میں آنکھوں کو بند کرنا مکروہ ہے اگرچہ آنکھوں کے بند کرنے میں حضورِ دل یعنی دل کا حاضر ہونا زیادہ ہوتا ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز میں آنکھیں بند کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہتا ہوں کہ آنکھیں بند کرنے میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔ تیسرا یہ کہ سجدے کی جگہ کو دیکھنا آنکھوں کا سجدہ ہے تو سجدے کی جگہ کو نہ دیکھنا جائز نہ ہوا اگرچہ آنکھوں کا بند کرنا حضورِ دل کی زیادت کا سبب ہے لیکن جب یہ طریقہ یہود کا ہے تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے اور ہر وہ فعل جو خشوع کو ترک کرتا ہے وہ مکروہ ہے کیونکہ جب یہ حکم خداوندی نازل ہوا کہ قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون۔[2269] تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خشوع کیا چیز ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا سجدے کی جگہ کو دیکھنا اور آنکھوں کے بند کرنے میں سجدے کی جگہ کو نہیں دیکھا جاسکتا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَنَسُ اجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ۔
(سنن الکبری للبیھقی، ج ۲۸، ص ۲۸۴)

[2269](بے شک مراد کو پھنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑ گڑاتے ھیں)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نگاہوں کو اس جگہ لگاؤ جہاں سجدہ کرتے ہو۔

عَنْ مُجَاهِدٍ، وَقَتَادَةَ أَنَّهُمَا كَانَ يَكْرَهَانِ تَغْمِيضَ الْعَيْنَيْنِ فِي الصَّلَاةِ۔
(سنن الکبری للبیھقی، ج ۲، ص ۲۸۴)

حضرت مجاہد اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ نماز میں آنکھوں کو بند کرنا مکروہ خیال کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: " «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يُغْمِضْ عَيْنَيْهِ۔
(مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مرفوعًا روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو تو اپنی آنکھیں بند نہ کرے۔

یعنی نماز میں آنکھوں کا بند کرنا ہماری تمام فقہ کی کتابوں میں مکروہ لکھا ہے۔

(و قلب الحصی الا ان لا یمکنہ السجود) اور نماز میں سجدے کی جگہ سے کنکریاں ہٹانا مکروہ ہے مگر جب سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر کنکریاں ہٹانا مکروہ نہیں ہے۔

(فاتیٰ بہ مرۃ او مرتین) تو (سجدے کی جگہ) کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ برابر کردے اگر ایک مرتبہ برابر نہ ہو تو دوسری مرتبہ برابر کردے مگر ایک رکن میں دو دفعہ سے زیادتی نہ کرے تا کہ نماز

فاسد نہ ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا:

یا اباذر سویہ مرۃ او مرتین والا فذر۔ (اے ابوذر! ایک یا دو دفعہ (سجدہ کی جگہ کو) برابر کرو اور پھر چھوڑ دو۔) اور ان دو دفعہ سے زیادتی نہ کرے کیونکہ اس مقدار میں نماز کی اصلاح ہے اور اس سے زیادہ عمل کثیر ہے جو کہ نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(ومسح الجبهة من التراب والعرق قبل الفراغ من الصلوة) نمازی کا نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی کو مٹی، پسینہ اور گھاس سے صاف کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ مٹی اور پسینہ پیشانی پر رحمت کی علامت ہے اور رحمت کی علامت کو پیشانی سے ہٹانا مکروہ ہے۔ اگر نمازی کو اس میں ضرر نہ ہو تو نماز کے بعد مسح کرے کیونکہ پھر اس طرح پسینے اور مٹی کو پیشانی پر باقی چھوڑنا عارف اور حبیب کے درمیان علیحدگی کی علامت ہے اور عارف و حبیب کے درمیان جدائی نہیں ہوتی اور اگر پسینہ ضرر پہنچاتا تھا مثلاً پسینہ آنکھوں میں داخل ہوتا تھا تو پھر نماز میں مسح کرنا ضرر کو دفعہ کرنے کی وجہ سے مکروہ نہیں۔

عن أنس بن مالك كانَ رسولُ اللهِ ﷺ إذا قضى صلاتَهُ مسحَ جَبهتَهُ بيدِهِ اليُمنى ثمَّ قالَ: أشهَدُ أن لا إلهَ إلّا اللهُ الرَّحمنُ الرَّحيمُ اللَّهمَّ اذهب عنِّي الهَمَّ والحزَنَ۔ [2270]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز ادا فرمالیتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دائیں ہاتھ مبارک سے اپنی پیشانی مبارک صاف فرمالیتے اور یہ فرماتے:

[2270] (ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، الفتوحات الربانية ٣/٥٧)

أشهَدُأن لا إلٰهَ إلّا اللّٰہ الرّحمنُ الرّحیمُ اللّٰھمّ اذھب عنّي الھَمّ والحزَنَ۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهُ أَفْلَحُ إِذَا سَجَدَ نَفَخَ، فَقَالَ: يَا أَفْلَحُ، تَرِّبْ وَجْهَكَ۔

(سنن الترمذی، ص ۸۱)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ہمارے ایک غلام کو دیکھا جس کا نام افلح تھا، جب وہ سجدہ کرتا تھا تو پیشانی سے مٹی صاف کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے افلح! اپنے چہرے پر مٹی لگنے دو۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الحَصَى، فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُ۔

(سنن الترمذی، ص ۸۱، ابو داؤد، ج ۱، ص ۱۳۶، نسائی، ج ۱، ص ۱۷۷، ابن ماجه، ص ۷۲، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۵۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو سنگریزوں کو صاف نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

مسئلہ: نماز سے فارغ ہو کر پیشانی سے مٹی وغیرہ کا پونچھنا مستحب ہے۔

(کبیری، ص ۳۵۷، شرح نقایہ، ص ۹۴)

عن أنس بن مالک، رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قضى صلاته مسح جبهته بيده اليمنى۔

(ابن سنی، ج ۱، ص ۲۱۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب نماز پوری کر لیتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اپنی پیشانی کو صاف کر دیتے تھے۔

(**ولف الثوب**) اور (قیام سے رکوع کی طرف جاتے وقت) کپڑوں کو سامنے کی طرف سے سمیٹنا (یا رکوع سے سجدے کی طرف جاتے وقت) کپڑوں کو پیچھے کی طرف سمیٹنا مکروہ ہے کیونکہ کپڑوں کے سمیٹنے میں انکار سجدہ سے مشابہت ہے اور حقیقت انکار کفر ہے اور تشبیہ اس کی مکروہ ہے۔ مزید تحقیق کیلئے رسالہ مسمیٰ بہ "**اصدق المقال فی کف الازار وا لاکمام والاذیال وجزاء الاسبال**" ملاحظہ کریں۔

مسلمان کی کامل نجات دو چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) **امتثالِ اوامر** (یعنی اوامر فرائض، واجبات اور سنن مؤکدہ کو بجالانا)۔

(۲) **اجتناب عن النواھی** (یعنی منکرات و معاصی سے پرہیز کرنا)۔

پھر منکرات اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں، ظاہری گناہ اور باطنی و مخفی گناہ، اور دونوں کا چھوڑنا نجات کے لئے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (پارہ۸، سورۃ الانعام، آیت ۱۲۰)** یعنی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو۔ البتہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ظاہری گناہ بہ نسبت باطنی گناہ کے زیادہ خطرناک ہیں، اس لئے ان کے چھوڑنے میں پہلے خوب اپنی ہمت استعمال کرنی چاہیئے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **کل امتی معافی الا المجاھرین۔**

یعنی میری پوری امت لائقِ عفو ہے مگر وہ جو ظاہری گناہ کرتے ہیں۔[2271]

وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری گناہ مخفی گناہ کی نسبت زیادہ شدید ہے۔

حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر جہراً کھانے پینے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: ولو أکل عمداً شهرةً بلا عذر یقتل وتمامه فی شرح الوهبانیة۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: قوله: وتمامه فی شرح الوهبانیة) قال فی الوهبانیة:

ولو أکل الانسان عمداً وشهرة ولا عذر فیه قیل بالقتل یؤمر

قال الشرنبلالی رحمه الله تعالیٰ: صورتها: تعمد من لا عذر له الأکل جهاراً یقتل لانه مستهزئ بالدّین او منکر لما ثبت منه بالضرورة، ولا خلاف فی حلّ قتله والامر به فتعبیر المؤلّف بقیل لیس بلازم الضعف اھ۔[2272]

اس سے بھی پتہ چلا کہ جہری گناہ بہت سنگین گناہ ہے، گویا بزبانِ حال یہ شخص اعلانیہ دین کا مذاق اڑاتا ہے یا دین کے مسئلہ کا انکار کر رہا ہے۔

قارئین کرام: ان سنگین اور جہری گناہوں میں سے جس طرح رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر کھلے عام کھانا پینا اور ڈاڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم کاٹنا وغیرہ ہیں اسی طرح "مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا" بھی ایک جہری اور سنگین گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (القصص ٧٦)

[2271] (بخاری ٦٠٦٩:٢)

[2272] (الشامیة ٣/٤٤٩، ط، رشیدیه کوئٹه)

ترجمہ: بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِتراوٴ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔(سورۃ القصص،٧٦)

قولہ تعالی: (فَبَغَى عَلَيْهِمْ) بغيه أنه زاد في طول ثوبه شبرا؛ قاله شهر بن حوشب وفي الحديث: "لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرا" فَبَغَى عَلَيْهِمْ۔

اس (قارون) کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی، یہ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے: جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[2273]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ٤)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ الثَّامِنِ قَالَ: إِنَّ الْمُرَادَ بِهَا الثِّيَابُ الْمَلْبُوسَاتُ، فَلَهُمْ فِي تَأْوِيلِهِ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: أَحَدُهَا- مَعْنَاهُ وَثِيَابَكَ فَأَنْقِ، وَمِنْهُ قَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ: ثياب بني عوف طهارى نقية۔

الثَّانِي- وَثِيَابَكَ فَشَمِّرْ وَقَصِّرْ، فَإِنَّ تَقْصِيرَ الثِّيَابِ أَبْعَدُ مِنَ النَّجَاسَةِ، فَإِذَا انْجَرَّتْ عَلَى الْأَرْضِ لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يُصِيبَهَا مَا يُنَجِّسُهَا، قَالَهُ الزَّجَّاجُ وَطَاوُسٌ. الثَّالِثُ- وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ مِنَ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ، قَالَهُ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَابْنُ زَيْدٍ وَالْفُقَهَاءُ. الرَّابِعُ- لَا تَلْبَسْ ثِيَابَكَ إِلَّا مِنْ كَسْبٍ حَلَالٍ لِتَكُونَ مُطَهَّرَةً مِنَ الْحَرَامِ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا تَكُنْ ثِيَابُكَ الَّتِي تَلْبَسُ مِنْ مَكْسَبٍ غَيْرِ طَاهِرٍ. ابْنُ الْعَرَبِيِّ وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ: لَيْسَ بِمُمْتَنِعٍ أَنْ تُحْمَلَ الْآيَةُ عَلَى عُمُومِ الْمُرَادِ فِيهَا بِالْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ، وَإِذَا حَمَلْنَاهَا عَلَى الثِّيَابِ الْمَعْلُومَةِ الطَّاهِرَةِ فَهِيَ تَتَنَاوَلُ مَعْنَيَيْنِ: أَحَدُهُمَا- تَقْصِيرُ الْأَذْيَالِ، لِأَنَّهَا إِذَا أُرْسِلَتْ تَدَنَّسَتْ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِغُلَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقَدْ رَأَى ذَيْلَهُ مُسْتَرْخِيًا: ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أَتْقَى وأنقى وأبقى. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

[2273] (تفسير القرطبي، القصص، تحت الاية: ٧٦، ج، ١٣، ص، ٣٠٥، دار الكتب العلميه، بيروت)

فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ فَقَدْ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَايَةَ فِي لِبَاسِ الْإِزَارِ الْكَعْبَ وَتَوَعَّدَ مَا تَحْتَهُ بِالنَّارِ. فَمَا بَالُ رِجَالٍ يُرْسِلُونَ أَذْيَالَهُمْ، وَيُطِيلُونَ ثِيَابَهُمْ، ثُمَّ يَتَكَلَّفُونَ رَفْعَهَا بِأَيْدِيهِمْ، وَهَذِهِ حَالَةُ الْكِبْرِ، وَقَائِدَةُ الْعُجْبِ، وَأَشَدُّ مَا فِي الْأَمْرِ أَنَّهُمْ يَعْصُونَ وَيَنْجُسُونَ وَيُلْحِقُونَ أَنْفُسَهُمْ بِمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللہ مَعَهُ غَيْرَهُ وَلَا أَلْحَقَ بِهِ سِوَاهُ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْظُرُ اللہ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ وَلَفْظُ الصَّحِيحِ: "مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللہ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللہِ! إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ) فَعَمَّ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهْيِ، وَاسْتَثْنَى الصِّدِّيقَ، فَأَرَادَ الْأَدْنِيَاءُ إِلْحَاقَ أَنْفُسِهِمْ بِالرُّفَعَاءِ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لَهُمْ.

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنی کی چار وجوہ ہیں:

(۱) اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو: اسی معنی میں امرء القیس کا شعر ہے: ثياب بني عوف طھاری نقية۔

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسیٹیں گے تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے؛ زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کیساتھ پاک کر لو؛ یہ محمد بن سیرین ابن زید اور فقہاء (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑا پہنو تاکہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو۔ جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا۔

(ا)دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انھیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا دامن ڈھیلا دیکھا:اپنا تہبند اونچا کر لو کیونکہ یہ زیادہ تقوی،زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:"مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر وعید سنائی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں،اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب(اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا)کا طریقہ ہے(اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں ،کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جاملاتے ہیں)جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایااور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان ہے:جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا" صحیح کے الفاظ یہ ہیں:جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا"۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی:یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپکو بلند مرتبہ لوگوں کیساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لئے جائز نہیں۔[2274]

(وَ ثِيَابَکَ فَطَهِّرْ) جميع ثوب من اللباس أی فطهرها مما ليس بطاهر بحفظها و صيانتها عن النجاسات و غسلها بالماء الطاهر بعد تلطخها فإنه قبيح بالمؤمن الطيب أن يحمل خبيثاً سواء كان فی حال الصلاة أو فی غيرها و بتقصيرها أيضاً فإن طولها يؤدی إلی جر الذيول علی القاذورات فيكون التطهير كناية عن التقصير لأنه من لوازمه و معنی التقصير أن تكون إلی إنصاف الساقين أو الی الكعب فإنه عليه السلام جعل اية طول لإزار إلی الكعب و توعد علی ما تحته بالنار. و حضرت مرتضی رضی الله تعالیٰ عنه كفت كوتاه كن جامهارا. فإنه أتقی و أنقی و أبقی و هو أول ما أمر به عليه السلام من رفض العادات المذمومة فإن المشركين ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات۔

وَ ثِيَابَکَ فَطَهِّرْ۔

ترجمہ: اپنے کپڑے پاک رکھو۔

ثیاب، ثوب کی جمع ہے یعنی لباس، کپڑوں کو اس سے پاک رکھیں جو پاک نہیں ہے اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیں کیونکہ پاک مومن کے لیے یہ کام قبیح ہے کہ وہ خبیث (ناپاک) اشیاء کا حامل (اٹھانے والا) ہو، نماز کی حالت میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور اسے لمبا بھی نہ رکھے کیوں کہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر گھسیٹا جائے گا اور نجاست آلودہ ہو جائے گا۔ تطہیر (پاک کرنے) تقصیر (لمبانہ کرنے) سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے۔ اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک یا ٹخنوں تک اونچا ہونا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تہبند کی لمبائی کی انتہاء ٹخنے تک بیان فرمائی، اور اس سے جو نیچے ہو اس پر آگ کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اپنے تہبند کو لمبانہ کر کیونکہ اس میں تقویٰ زیادہ ہے اور طہارت و نفاست زیادہ ہے، اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

[2274] (تفسير القرطبی، المدثر، تحت الاية: ۴، ج، ۱۹، ص، ۴۴، دار الكتب العلميه، بيروت)

وسلم کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا چھوڑنا لازم ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے۔[2275]

قال عبد الرحمن بن زید بن أسلم کان المشرکون ما کانوا یصونون ثیابھم عن النجاسات فأمرہ اللہ تعالی بأن یصون ثیابه عن النجاسات۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نجاسات سے اپنے کپڑے بچانے کا حکم فرمایا۔[2276]

أن المراد من قوله فَطَهِّرْ أی فقصر وذلک لأن العرب کانوا یطولون ثیابھم ویجرون أذیالھم فکانت ثیابھم تتنجس ولأن تطویل الذیل إنما یفعل للخیلاء والکبر فنھی الرسول (ﷺ) عن ذلک۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَطَهِّرْ سے مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے زیادہ لمبے نہ کر۔ کیونکہ عربی لوگ اپنے کپڑے لمبے رکھتے تھے اور اپنے دامنوں کو گھسیٹتے تھے، تو ان کے کپڑے نجاست آلود ہو جاتے تھے ، کیونکہ دامن کا لمبا کرنا فخر و تکبر ہی کے لیے کیا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔[2277]

(وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) بالماء من النجاسة لأن الصلاۃ لا تصح إلا بھا وھی الأولی فی غیر الصلاۃ، أو فقصر مخالفة للعرب فی تطویلھم الثیاب وجرّھم الذیول إذ لا یؤمن معه إصابة النجاسة، أو طھر نفسک مما یستقذر من الافعال۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔

ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔

[2275](تفسیر روح البیان، المدثر، تحت الایة ۴، ج، ۱۰، ص، ۲۲۸، ۲۲۷، دار الکتب العلمیه، بیروت)
[2276](تفسیر کبیر، المدثر، تحت الایة: ۴، ج، ۳۰، ص، ۱۲۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)
[2277](تفسیر کبیر، المدثر، تحت الایة: ۴، ج، ۳۰، ص، ۱۲۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)

یعنی پانی کے ساتھ اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک کریں کیونکہ نماز اس کے بغیر درست نہیں ہوتی ہے اور نماز کے علاوہ میں پاک رکھنا اولیٰ ہے، یا اپنے کپڑوں کو زیادہ لمبانہ کرو۔ عرب والوں کی اس عادت کی مخالفت کرتے ہوئے، کہ وہ اپنے کپڑوں کو لمبا رکھتے ہیں اور چادروں کے دامن کو زمین پر گھسیٹتے ہیں اس لیے کہ ایسی حالت میں نجاست سے حفاظت نہیں رہ سکتی۔[2278]

وقال طاوس رضی اللہ عنہ: ثیابک فقصر لأن تقصیر الثوب طھارۃ لھا۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اپنے کپڑوں کو لمبانہ کرو کیونکہ کپڑوں کا لمبانہ ہونا ان کی پاکی (کا سبب) ہے۔[2279]

وقال بعضھم: ای قصر ثیابک، ولا تطول لھا، فتبلغ اطرافھا الارض، فتصیبھا النجاسۃ۔

ترجمہ: اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں، مبادا ان کپڑوں کے کنارے زمین تک پہنچیں، تو ان کو نجاست لگ جائے۔[2280]

احتمال دویم آنکہ جامۂ طاہر را از نجاسات معنوی پاک دارد نجاست معنوی جامہ آنست کہ از کسے بغصب نگرفتہ باشد وبہ دزدی وخیانت ودیگر وجوہ حرام کسب نکردہ وآنچہ استعمال آن حرام ست مثل ریشمین باف برائے مرد باستعمال نیارند ودر قطع ودوخت آن اسراف وامور نامشروعہ را مرتکب نشوند مثل دراز کردن دامن از شتالنگ۔

ترجمہ: دوسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور چوری، خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا ہوا نہ ہو، اور وہ جس کا

[2278] (تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل، المدثر، تحت الآیۃ: ج۴، ۳، ص۴۸۳)
[2279] (تفسیر مظھری المدثر تحت الآیۃ: ۴ ج۷ ص ۲۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[2280] (تفسیر تاویلات اھل سنت، المدثر، تحت الآیۃ: ۴، ج۵ ص ۳۱۱، مکتبہ معروفیہ، کوئٹہ)

استعمال حرام ہے جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔[2281]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَاقِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ۔[2282]

عَنْ قَتَادَةَ (وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا) قَالَ: عَلَيْكُمْ بِإِحْسَانِ الرُّكُوعِ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَالَ: وَذُكِرَ لَنَا أَنَّ حُذَيْفَةَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي وَلَا يَرْكَعُ كَأَنَّهُ بَعِيرٌ نَافِرٌ قَالَ: لَوْ مَاتَ هَذَا مَا مَاتَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ سُنَّةِ الْإِسْلَامِ قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي وَلَا يَرْكَعُ وَآخَرَ يَجُرُّ إِزَارَهُ فَضَحِكَ قَالُوا: مَا يُضْحِكُكَ يَا ابْنَ مَسْعُودٍ قَالَ: أَضْحَكَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِ وَالْآخَرُ لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاتَهُ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان إِذَاقِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ کی تفسیر میں فرمایا: تم پر اچھے طریقے سے رکوع کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز میں ایک خاص مرتبہ اور درجہ ہے۔ فرمایا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع نہیں کرتا، گویا کہ وہ بدکنے والا اونٹ ہے تو فرمایا: اگر یہ آدمی اسی حالت میں فوت ہو گیا تو یہ اسلام کے طریقوں میں سے کسی پر نہیں مرے گا۔ فرمایا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع نہیں کرتا اور دوسرا اپنے تہبند کو گھسیٹ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنس پڑے۔ لوگوں نے کہا: اے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے دو آدمیوں نے

[2281](تفسیر عزیزی مسمیٰ بہ فتح العزیز المدثر تحت الآیۃ ۴ ج ۲ ص ۲۵۵ مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)
[2282](سورۃ المرسلات: ۴۸)

ہنسایاہے، ان میں سے ایک وہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور دوسرا وہ جس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔[2283]

الْأُولَى- قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً) هَذَا نَهْيٌ عَنِ الْخُيَلَاءِ وَأَمْرٌ بِالتَّوَاضُعِ. وَالْمَرَحُ: شِدَّةُ الْفَرَحِ. وَقِيلَ: التَّكَبُّرُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: تَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ. وَقَالَ قَتَادَةُ: هُوَ الْخُيَلَاءُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: هُوَ الْبَطَرُ وَالْأَشَرُ. وَقِيلَ: هُوَ النَّشَاطُ وَهَذِهِ الْأَقْوَالُ مُتَقَارِبَةٌ وَلَكِنَّهَا مُنْقَسِمَةٌ قِسْمَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَذْمُومٌ وَالْآخَرُ مَحْمُودٌ، فَالتَّكَبُّرُ وَالْبَطَرُ وَالْخُيَلَاءُ وَتَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ مَذْمُومٌ وَالْفَرَحُ وَالنَّشَاطُ مَحْمُودٌ. وَقَدْ وَصَفَ اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ بِأَحَدِهِمَا، ففي الحديث الصحيح لله أفرح بتوبة العبد من رجل... الحديث. و الكسل مَذْمُومٌ شَرْعًا وَالنَّشَاطُ ضِدُّهُ. وَقَدْ يَكُونُ التَّكَبُّرُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ مَحْمُودًا، وَذَلِكَ عَلَى أَعْدَاءِ اللَّهِ وَالظَّلَمَةِ. أَسْنَدَ أَبُو حَاتِمِ بْنُ حِبَّانَ عَنِ ابْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُبْغِضُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَمِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي الدِّينِ وَالْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ دِينِهِ وَالْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ اخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَعِنْدَ الصَّدَقَةِ وَالِاخْتِيَالُ الَّذِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْخُيَلَاءُ فِي الْبَاطِلِ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي مُصَنَّفِهِ وَغَيْرِهِ. وَأَنْشَدُوا:

وَلَا تَمْشِ فَوْقَ الأَرض إلا تواضعا	فكم تحتها قوم هموا مِنْكَ أَرْفَعُ
وَإِنْ كُنْتَ فِي عِزٍّ وَحِرْزٍ ومنعة	فكم مات من قوم هموا مِنْكَ أَمْنَعُ

مسئلہ نمبر ا: قولہ تعالیٰ: وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً۔ یہ غرور اور تکبر سے نہی ہے اور تواضع اور انکساری کا حکم ہے۔ المرح: کا معنی ہے بہت زیادہ خوشی اور فرحت کا اظہار کرنا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا (یعنی اکڑ کر چلنا) ہے۔ بعض نے کہا ہے: انسان کا اپنی قدر اور مقام سے تجاوز کر جانا ہے۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے: اس سے مراد چال چلن میں غرور اور خود پسندی کا اظہار کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی کسی نعمت پر اترانا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا ہے۔ اور اکڑنا

[2283] (وأخرج عبد بن حميد وتفسير طبری ابن جرير ج ۹ ص ۲۹۰ دار احياء التراث العربی بيروت وابن المنذر الدر المنثور المرسلات تحت الآية: ۴۸ ج ۶ ص ۵۳۲ مكتبة الرحاب القاهرہ)

ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد نشاط اور چستی کا اظہار کرنا ہے۔ یہ تمام اقوال معنوی اعتبار سے قریب قریب ہیں لیکن یہ دو قسموں میں منقسم ہیں: ان میں سے ایک قسم مذموم (قابل مذمت) ہے اور دوسری محمود (قابل تعریف) ہے، پس تکبر کرنا، اترانا، غرور کرنا، اور انسان کا اپنی قدر سے تجاوز کرنا یہ سب مذموم ہے اور فرحت وانبساط اور نشاط وچستی کا اظہار کرنا محمود اور اچھا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کے ساتھ (یعنی فرحت اور نشاط) اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے۔

پس صحیح حدیث میں ہے:

اللہ افرح بتوبۃ العبد من رجل۔۔۔۔الحدیث۔

اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس آدمی کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔[2284]

اور سستی شرعاً مذموم ہے اور نشاط اس کی ضد ہے۔ اور کبھی تکبر اور جو چیزیں اس کے معنی میں ہیں محمود اور اچھی ہوتی ہیں، اور وہ یہ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور ظالموں کے خلاف ہوں۔ حضرت ابو حاتم محمد بن حبان نے ابن جابر بن عتیک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے مسند روایت بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ”غیرت میں سے وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض اور ناپسند جانتا ہے اور وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور غرور اور تکبر میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے اور اس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض قرار دیتا ہے، پس وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے بارے میں ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے معاملہ میں نہ ہو اور وہ رعونت وتکبر جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ آدمی کا جنگ کے وقت اور

[2284] (مجمع الزوائد کتاب التوبۃ باب الحث علی التوبۃ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۱۷۴۹۸)

صدقہ دیتے وقت اپنے نفس کے ساتھ اظہار فخر کرنا ہے اور وہ تکبر وغرور جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ باطل اور غلط کاموں میں اس کا غرور اور تکبر کرنا ہے"۔[2285]

اسے ابو داوٗد نے اپنی مصنف وغیرہ میں نقل کیا ہے۔

اور انہوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

و لا تمش فوق الارض الا تواضعا　　　فکم تحتھا قوم ھمو منک ارفع

ترجمہ: تو زمین کے اوپر تواضع اور انکساری کے بغیر نہ چل پس اس کے نیچے کتنی قومیں ہیں جو تجھ سے بلند اور ارفع تھیں۔

و ان کنت فی عز و حرز و منعة　　　فکم مات من قوم ھم منک امنع

ترجمہ: اور اگر تو عزت، حفاظت اور قوت میں ہے تو قوم میں سے کتنے مر گئے جو تجھ سے زیادہ محفوظ اور طاقتور تھے۔[2286]

انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ انسان کے تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا۔

ترجمہ: اور زمین میں اتراتا نہ چل بیشک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔[2287]

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا، جو اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے ،وہ مسکین تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دے کر سربلند کیا اور وہ مغرور ہو گیا، اس نے گمان کیا کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے ایک قطرہ عطا کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے، حالانکہ قرآن مجید میں وہ پڑھتا ہے:

[2285] (مجمع الزوائد کتاب التوبة باب الحث علی التوبة جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۱۷۴۹۸)

[2286] (تفسیر القرطبی، ج، ۱۰، ص، ۱۷۰، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2287] (سورۃ بنی اسرائیل:۳۷)

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔

ترجمہ: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔[2288]

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔

ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔[2289]

انسان یہ بھول گیا کہ وہ جمادات اور اجرامِ فلکیہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کم تر ہے اور اپنے جہل اور غرور کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلے گا تو اپنے قدموں سے زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنا سر اس طرح بلند کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑوں سے بھی سر بلند ہے، اگر انسان اپنی ابتدا اور انتہاء پر غور کر لیتا کہ اس کی ابتدا بھی مٹی ہے اور انتہاء بھی مٹی میں مل جانا ہے تو وہ اپنے کپڑوں کو نہ گھسیٹتا اور اپنے قد سے بڑے کپڑے نہ سلواتا۔[2290]

يَنْهَاهُ عَنِ التَّبَخْتُرِ فِي الْمِشْيَةِ عَلَى وَجْهِ الْعَظَمَةِ وَالْفَخْرِ عَلَى النَّاسِ كَمَا قَالَ تَعَالَى: (وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) الإسراء: (٣٧) يَعْنِي لَسْتَ بِسُرْعَةِ مَشْيِكَ تَقْطَعُ الْبِلَادَ فِي مشيتك هذه، ولست بدقك الأرض برجلك تخرق الْأَرْضَ بِوَطْئِكَ عَلَيْهَا، وَلَسْتَ بِتَشَامُخِكَ وَتَعَاظُمِكَ وَتَرَفُّعِكَ تَبْلُغُ الْجِبَالَ طُولًا، فَاتَّئِدْ عَلَى نَفْسِكَ فَلَسْتَ تَعْدُوَ قَدْرَكَ. وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي بُرْدَيْهِ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا، إِذْ خسف الله به الأرض فهو يتجلل فيها إلى يوم القيامة وَفِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ: إِيَّاكَ وَإِسْبَالُ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا من المخيلة لَا يُحِبُّهَا اللَّهُ (كَمَا قَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: (إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) وَلَمَّا نَهَاهُ عَنِ الِاخْتِيَالِ فِي الْمَشْيِ أَمَرَهُ بالقصد فيه، فإنه لا بد لَهُ أَنْ يَمْشِيَ فَنَهَاهُ عَنِ الشَّرِّ وَأَمَرَهُ بالخير، فقال: (واقصد في مشيك) أَيْ لَا تَتَبَاطَأْ مُفْرِطًا وَلَا تُسْرِعْ إِسْرَاعًا مُفْرِطًا وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا كَمَا قَالَ تَعَالَى: (وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً) (الفرقان: ٦٣)۔

[2288] (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵)

[2289] (سورۃ یوسف: ۷۶)

[2290] (فتح المنعم، ج۸، ص ۳۳۹، دار الشرق، القاهره ۱۴۲۹ھ) (نعم الباری، ج ۱۲، ص ۲۵۲)

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا۔اسی طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے،زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز نہیں کر سکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے مٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھو سکتا،لہذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر نازونخرے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔[2291]

دوسری حدیث شریف میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو،یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔[2292]

قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا:

"إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿لقمان ١٨﴾

کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے،اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ جل وعلی شانہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔[2293]

حدیث شریف ہے:

ما اسفل من الكعبين من الازار في النار۔

[2291] (صحیح البخاری، فی احادیث الانبیاء، باب ۵۴، وصحیح مسلم فی اللباس والزینۃ رقم: ۳، ومسند احمد، ج، ۲، ص، ۳۱۵)
[2292] (سنن ابو داؤد، فی اللباس، باب، ۲۸، مسند احمد، ج، ۵، ص، ۶۳)
[2293] (البدایۃ والنهایۃ، ج، ۲، ص، ۱۳۶، ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند میں ڈھکا رہے گا وہ جہنم میں ہو گا۔[2294]

اس حدیث میں اس گناہ پر جہنم کی وعید آئی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس گناہ پر جہنم کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے لہٰذا کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں اوپر سے آنے والے کپڑے (مثلاً شلوار، پتلون، تہبند، جبہ وغیرہ) سے مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

قلت قال میرک ظاهر بعض الاحاديث تحريم الاسبال يقتضى ان تحريم اسبال الازار مخصوص بالجر لاجل الخيلاء وقال بعض العلماء يعلم من بعض الاخبار تحريم الاسبال لغير الخيلاء ايضاً لحديث ابی هريرة فی البخاری ما سفل من الكعبين فی النار و كحديث لا يقبل الله صلاة رجل مسبل ازاره و كحديث فان جر الثوب من المخلية ان الثوب مطلقاً ممنوع وان كان فی المخيلة اشد كراهة۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ میرک نے کہا بعض احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اسبال کی حرمت تکبر کی بناء پر ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا کہ مطلق اسبال حرام ہے خواہ تکبر سے ہو یا نہ ہو جیسے بخاری کی حدیث ابوہریرہ میں ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہوں وہ آگ میں ہے اور حدیث ہے "بے شک ازار لٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا" اور حدیث شریف ہے کہ ازار کا کھینچنا تکبر سے ہے۔ پس کپڑے کا لمبا کرنا (ٹخنوں سے نیچے ہو جانا) مطلقاً ممنوع ہوا اگرچہ تکبر کی وجہ سے زیادہ سخت کراہت ہے۔[2295]

باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار اي هذا باب يذكر فيه ما أسفل من الكعبين فهو في النار ويذكر معناه في الحديث لأن قوله ما أسفل من الكعبين من لفظ الحديث وقوله فهو في النار ليس لفظ

[2294] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ٥٧٨٧• صحيح۔ ومعناه أن الذي دون الكعبين من القدم يعذب عقوبة له فهو من تسمية الشيء باسم ما جاوره أو حل فيه ومن بيانية ويحتمل أنها سببية والمراد الشخص نفسه أو المعنى ما أسفل من الكعبين من الذي سامت الإزار في النار أو تقديره لابس ما أسفل الكعبين إلخ أو معناه أن فعله ذلک في النار فذكر الفعل وأراد فاعله فعليه ما مصدرية ومن الإزار بيان لمحذوف يعني إسباله من الكعبين شيئا من الإزار في النار أو فيه تقديم وتأخير وأصله ما أسفل من الإزار من الكعبين في النار واعلم أن لفظ رواية البخاري في النار ولفظ رواية النسائي ففي النار بزيادة الفاء قال ابن حجر: فكأنها دخلت لتضمين ما معنى الشرط أي ما دون الكعبين من قدم صاحب الإزار المسبل فهو في النار عقوبة له۔ (فيض القدير ج٥ ص ٤٢٠ رقم الحديث ٧٨١٤)

[2295] (كشف المغطاعن وجه الموطا حاشيه مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبه، ص، ٥٦١، مکتبه رحمانيه، لاهور)

الحديث هكذا بل هو ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار واقتصر في الترجمة في الجزء الثاني وأطلقها ولم يقيدها بلفظ الإزار قصدا للتعميم في الإزار والقيمص ونحو ذلک۔

(باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار) یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ (جس کا) جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے۔اور حدیث میں اس طرح نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح سے ہے: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ، میں ہے اور امام بخاری نے عنوان میں صرف جز ثانی پر اقتصار کیاہے اور اس کو مطلق رکھاہے اور تہبند کیساتھ مقید نہیں کیا تاکہ عموم رہے، خواہ قمیص ٹخنوں کے نیچے ہو یا تہبند ٹخنوں کے نیچے ہو یا کوئی اور کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو۔[2296]

في هذا الحديث ما أسفل من الكعبين ففي النار من الثياب ذلک قال وما ذنب الثياب؟ وقال الخطابي يريد أن الموضع الذي يناله الإزار من أسفل الكعبين من رجله في النار كنى بالثوب عن بدن لابسه۔ وهذا مطلق يجب حمله على المقيد وهو ما كان للخيلاء قوله ففي النار۔

ترجمہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہے وہ دوزخ میں ہو گا تو کپڑے کا کیا گناہ ہے؟ (اس کا جواب یہ کہ) حضرت خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ میں وہ جگہ ہو گی جو اس کے پاؤں کے ٹخنوں کے نیچے والے حصہ کو شامل ہو گا۔ کپڑے سے مراد کپڑا پہننے والا ہے اور کپڑے کو پہننے والے کے بدن سے کنایہ کیا ہے۔اور یہ مطلق ہے اس کو مقید پر محمول کرنا (قید لگانا) ضروری ہے، اور وہ جس نے تکبر کی نیت سے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، وہ دوزخ میں ہو گا۔[2297]

أَيْ فَهُوَ أَيْ صَاحِبُهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ بِسَبَبِ الْإِسْبَالِ النَّاشِئِ عَنِ التَّكَبُّرِ وَالِاخْتِيَالِ. قَالَ الْأَشْرَفُ: مَا مَوْصُولَةٌ وَصِلَتُهُ مَحْذُوفَةٌ وَهُوَ كَانَ، وَأَسْفَلَ مَنْصُوبٌ خَبَرَ الْكَانَ، وَيَجُوزُ أَنْ يُرْفَعَ أَسْفَلَ أَيِ الَّذِي هُوَ أَسْفَلُ، وَعَلَى التَّقْدِيرِ هُوَ أَفْعَلُ، وَيَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ فِعْلًا وَهُوَ مَعَ فَاعِلِهِ صِلَتُهُ أَيِ الَّذِي سَفَلَ مِنَ الْإِزَارِ مِنَ الْكَعْبَيْنِ. وَقَالَ السُّيُوطِيُّ: وَيَجُوزُ كَوْنُ مَا شَرْطِيَّةً وَأَسْفَلَ فِعْلٌ مَاضٍ اهـ. وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَفِي غَيْرِهِ تَكَلُّفٌ مُسْتَغْنًى عَنْهُ، وَيُؤَيِّدُهُ رِوَايَتُهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِلَفْظِ: (فَفِي النَّارِ) قَالَ الْخَطَّابِيُّ: يَتَنَاوَلُ هَذَا

[2296] (عمدۃالقاری، ج ۲۱، ص ۴۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[2297] (عمدۃالقاری ج ۲۱ ص ۴۴۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

عَلَى وَجْهَيْنِ، أَحَدُهُمَا: أَنَّ مَا دُونَ الْكَعْبَيْنِ مِنْ قَدَمِ صَاحِبِهِ فِي النَّارِ عُقُوبَةً لَهُ عَلَى فِعْلِهِ، وَالْآخَرُ: أَنَّ فِعْلَهُ ذَلِكَ فِي النَّارِ أَيْ هُوَ مَعْدُودٌ وَمَحْسُوبٌ مِنْ أَفْعَالِ أَهْلِ النَّارِ، قَالَ النَّوَوِيُّ: الْإِسْبَالُ يَكُونُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْإِسْبَالُ تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ إِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ، وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِيُّ عَلَى أَنَّ التَّحْرِيمَ مَخْصُوصٌ بِالْخُيَلَاءِ لِدَلَالَةِ ظَوَاهِرِ الْأَحَادِيثِ عَلَيْهَا، فَإِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ فَهُوَ مَمْنُوعٌ مَنْعَ تَحْرِيمٍ، وَإِلَّا فَمَنْعُ تَنْزِيهٍ، وَأَجْمَعُوا عَلَى جَوَازِ الْإِسْبَالِ لِلنِّسَاءِ، وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ، وَأَمَّا الْقَدْرُ الْمُسْتَحَبُّ فِيمَا يَنْزِلُ إِلَيْهِ طَرَفُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ فَنِصْفُ السَّاقَيْنِ، وَالْجَائِزُ بِلَا كَرَاهَةٍ مَا تَحْتَهُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَبِالْجُمْلَةِ يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ، وَالْمُعْتَادُ فِي اللِّبَاسِ مِنَ الطُّولِ وَالسِّعَةِ اهـ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمُعْتَادُ الشَّرْعِيُّ لَا الْمُعْتَادُ الْعُرْفِيُّ۔

ترجمہ: یعنی اس قسم کی ازار پہننے والا شخص جہنم کی آگ میں ہو گا اس اسبال کی وجہ سے جو تکبر اور اختیال سے پیدا ہوا ہے۔"من الازار" یہ "ما" کے لئے بیان ہے۔ای من ازار الرجل اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "ما" موصول ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور وہ "کان" ہے اور "اسفل" منصوب ہے کیونکہ "کان" کی خبر ہے۔اسفل کا مرفوع ہونا بھی جائز ہے۔ای "الذی ھو اسفل" اور دونوں تقدیروں کی بناپر یہ "افعل" (اسم تفضیل) ہو گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو فعل بنایا جائے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ مل کر صلہ ہو گا۔ای "الذی سفل من الکعبین" امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "ما" کا شرطیہ ہونا اور "اسفل" کا فعل ماضی ہونا درست ہے۔اھ۔اور یہی بات زیادہ واضح ہے اور اس کے علاوہ ترکیب میں تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کی تائید "جامع الصغیر" کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں "ففی النار" کے الفاظ ہیں۔امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں دو توجیہات ہیں: ایک توجیہ یہ کہ "مادون الکعبین من قدم صاحبہ فی النار" پاؤں کا ٹخنے سے نیچے والا حصہ آگ میں ہو گا۔اس کے فعل پر سزا اور عقوبت کی وجہ سے۔دوسری توجیہہ یہ کہ اس کا یہ فعل آگ میں ہو گا۔

ای "ھو معدود ومحسوب من افعال اھل النار"۔

یعنی مادون الکعبین کو شمار کیا گیا ہے جہنمیوں کے افعال میں سے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ 'اسبال" ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہوتا ہے اور اگر اسبال کی وجہ سے ہو اور تحت الکعبین ہو تو ناجائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ تحریم "خیلاء" کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ احادیث کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے اگر اسبال "خیلاء" کے طور پر ہو تو ممنوع ہے، ممنوع تحریمی ہے ورنہ تو ممنوع تنزیہی ہو گا۔ عورتوں کے لئے اسبال کے جواز پر اجماع ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر ثابت ہے: "لَهُنَّ فِي إِرْخَاء ذيُولِهِنَّ" البتہ قمیص اور ازار کے اطراف میں قدر مستحب یہ ہے کہ یہ نصف ساقین تک ہو اور کعبین تک جائز بلا کراہت ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو زائد از حاجت ہو اور لمبائی وچوڑائی میں زائد ہو، معتاد طریقے سے وہ پہننا مکروہ ہے انتھی۔ ظاہر یہ ہے کہ معتاد میں اعتبار معتاد شرعی کا ہے نہ کہ معتاد عرفی کا۔[2298]

قولہ: (المسبل) ھذا ھو محل الشاھد، وھو مطلق یدل علی تحریم الإسبال مطلقاً، ولکن إذا کان بقصد خیلاء صار أشد وأعظم، وإذا کان بدون خیلاء فھو شدید وعظیم۔

ترجمہ: حدیث شریف میں المسبل کپڑا لٹکانے والا، یہ جگہ اس پر شاہد ہے، اور یہ مطلق طور پر کپڑا لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور لیکن جب تکبر کے ارادہ سے ہو تو زیادہ سخت اور زیادہ عظیم گناہ ہے ، اور جب بغیر تکبر کے ہو تو شدید اور عظیم گناہ ہے۔[2299]

(ما أسفل من الکعبین من الإزار فھو فی النار)، فھذا یدلنا علی تحریم الإسبال، وھو محرم فی الصلاۃ وفی غیر الصلاۃ، ولکنه إذا کان فی الصلاۃ یکون الأمر أخطر۔

ترجمہ: ما أسفل من الکعبین من الإزار فھو فی النار یہ تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور یہ نماز اور غیر نماز میں حرام ہے اور لیکن نماز میں زیادہ خطرناک معاملہ ہے۔ [2300]

[2298] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس ج۸ ص ۱۹۸، المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)
[2299] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج، ۴۵۸، ص، ۱۴)
[2300] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج، ۴، ص، ۱۴۷)

رہی یہ بات کہ کف ثوب، لف ثوب اور اسبال کا مسئلہ جو پاک وہند میں بہت ہی وسیع پیمانے پر مشہور کر دیا گیا ہے اور کہا جاتا رہا ہے کہ اگر کوئی کف ثوب کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہو گی، اور کف ثوب کی تعریف یہ کر دی گئی ہے کہ "کوئی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس نے لمبی شلوار یا پینٹ کے پائنچے موڑے ہوئے ہوں یا اس کو نیفہ سے اڑس (سمیٹ) لیا ہو۔" اور اس طرح لف ثوب کے معنی بھی یہی کرتے ہیں۔ اور خاص کر یہ مسئلہ علماء اہلسنت کے مابین زبان زد عام و خاص ہے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب تھا اور اب بھی ہے کیونکہ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے پر جانبین کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اظہار حق کے لئے تحقیق کر سکتا ہے۔

کف ثوب، لف الثوب اور اسبال کی وضاحت اور احادیث مبارکہ میں یا فقہ حنفی میں جن امور کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو منع فرمایا گیا ہے وہ کیا ہے اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علماء کے مابین اس مسئلہ میں مابہ النزاع کیا ہے؟ یعنی وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ نوبت آپہنچی کہ لوگوں کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دی جاتی ہے۔

اسبال

سب سے پہلے ہم اسبال کی تعریف، اسبال سے متعلق احادیث اور اسبال کا حکم بیان کریں گے۔

اسبال کا معنی: قصداً اپنے اختیار سے اوپر سے آنے والے کپڑے کے ساتھ کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں ٹخنے ڈھانکنے کو اسبال کہتے ہیں۔

اسبال سے متعلق احادیث:

اسبال سے متعلق کتب احادیث میں چار قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

پہلی قسم: وہ احادیثِ مبارکہ جن میں تکبر کی قید ذکر کئے بغیر مطلقاً اسبال کو ناجائز اور حرام کہا گیا ہے۔

وعنه (ای عن أبی هریرة) عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔ [2301]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند کے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ جہنم کی وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ٹخنے ڈھانکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، نیز اس میں تکبر کا ذکر بھی نہیں۔

(۲) عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثه ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجرّ ازارہ خسف به فهو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمة۔ [2302]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ایک شخص اپنے تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ (سخت تکلیف کے ساتھ) قیامت تک زمین میں مسلسل دھنستا جائے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی یہ نہیں ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھانک کر چل رہا تھا بلکہ اس شخص کو مطلقاً ٹخنے ڈھانپنے پر قیامت تک سخت ترین عذاب میں گرفتار کر دیا گیا۔

محترم قارئین! سوچنے کا مقام ہے کہ اتنی سخت وعید کے بعد بھی کیا یہ کہنا درست ہے کہ تکبر کے بغیر قصداً ٹخنے ڈھانپنا محض مکروہ تنزیہی ہے؟

(۳) عن ابی ذر عن النبی ﷺ انه قال ثلثة لا یکلمهم اللہ ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم قال من هم یا رسول اللہ فقد خابوا وخسروا فاعادها ثلثا من هم یا رسول اللہ خابوا وخسروا قال المسبل والمنان والمنفق سلعة بالحلف الکاذب او الفاجر۔ [2303]

[2301] (بخاری شریف ۲/۸۶۱)

[2302] (بخاری شریف، ۲/۸۶۱)

[2303] (مسلم، حدیث ۳۰۶، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة الخ، واللفظ له، ورواہ ابو داؤد باب ماجاء فی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجه حدیث ۲۱۹۹، مسند أحمد حدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابی شیبة، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۶۰، شعب الایمان للبیهقی، حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسند بزار حدیث ۴۰۲۴)

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم؟ وہ تو ذلیل ورسوا ہو گئے اور خسارے میں چلے گئے، تین مرتبہ (یہ کلمہ) دہرایا۔ میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم؟ وہ تو رسوا ہوئے اور خسارے میں چلے گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ایک اپنی شلوار تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا، تیسرا اپنا سامان جھوٹی قسم سے فروخت کرنے والا یا فاجر۔

اس حدیث مبارکہ میں تکبر وغیرہ کی قید کے بغیر اس عمل پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ان لوگوں سے بات نہ کرنے، ان کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمانے، ان کو پاک نہ کرنے اور "عذابِ الیم" اور ناکامی اور خسارہ میں پڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اتنی سخت وعیدیں کسی بڑے گناہ پر ہی ہو سکتی ہیں۔

اور اولاً تو مرد حضرات کے ٹخنے سے نیچے لباس لٹکانے کی اصل وجہ تکبر ہی ہوتی ہے، کہ اس غرض سے وہ ایسا کرتے ہیں، گویا کہ یہ عمل تکبر سے ہی ناشی اور پیدا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے مرد حضرات کا ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا خود تکبر کے قائم مقام ہے (احادیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے) اور اگر اس کے ساتھ کسی کی مستقل تکبر کی نیت بھی ہو تو پھر یہ دوہرا گناہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس حدیث میں "لٹکانے" کا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ گناہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑا اوپر سے نیچے کی طرف کو لٹکا ہوا ہو، جیسا کہ شلوار، پائجامہ، تہبند وغیرہ ہوتا ہے، اور موزہ کیونکہ اوپر سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے اس میں ممانعت نہیں۔

دوسری قسم: وہ احادیث مبارکہ کہ جن میں تکبر کی قید ہے:

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء۔[2304]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطراً۔[2305]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جس نے اپنا تہبند تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکایا۔

(۳) عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الی ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔[2306]

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (یہ فرمان سنتے ہی) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے تہبند کا ایک حصہ نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کی وجہ سے لٹکاتے ہیں۔

[2304] (بخاری شریف ۲/ ۸۶۰، قدیمی کراچی)
[2305] (بخاری، ۲/ ۸۶۱)
[2306] (بخاری شریف ۲/ ۸۶۰)

(۴) عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ: من جرّ ازارہ من الخیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامة۔ قال: فلقیت ابن عمر بالبلاط فذکرت لہ حدیث ابی سعید عن النبی ﷺ فقال و اشار الی أذنیہ: سمعتہ اذنای و وعاہ قلبی۔[2307]

حضرت عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ حضرت عطیہ کہتے ہیں کہ میں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملا اور میں نے ان کے سامنے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی حدیث ذکر کی تو انہوں نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے کانوں نے اس کو (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے) سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے۔

(۵) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا صلی فلم یتم صلاتہ خشوعھا ولا رکوعھا واکثر الالتفات لم تقبل منہ، ومن جرّ ثوبہ خیلاً لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامة وان کان علی اللہ تعالی کریماً"۔

ترجمہ: حضرت عبد للہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے خشوع (خضوع) اور رکوع (وسجود) کو مکمل نہیں کرتا بلکہ اِدھر اُدھر توجہ کرتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور جو شخص نماز میں اپنے کپڑے (تہبند، شلوار وغیرۃ) کو تکبر کی وجہ سے (لٹکاتا ہوا) گھسیٹتا ہے، للہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے، خواہ وہ للہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مرتبے والا ہو۔[2308]

[2307] (سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس مطبوعہ بیروت ۳۵۱۴)

[2308] (طبرانی فی الکبیر والترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۰۴ کنز العمال رقم ۱۹۹۲۹ ج ۷ ص ۲۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت والترغیب والترھیب ج ۳ ص ۲۷، مکتبہ روضة القرآن، پشاور)

وَيُكْرَهُ إِسْبَالُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ وَالسَّرَاوِيلِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمَرَ بِرَفْعِ الْإِزَارِ. فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الْخُيَلَاءِ حَرُمَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَرَوَى أَبُو دَاوُد عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: مَنْ أَسْبَلَ إِزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ۔

قمیص اور تہبند اور شلوار کو تکبر سے لٹکانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔[2309] اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول للہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے نماز میں کپڑا لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔[2310]

المعنى: فليس عند الله فى شيء، وقد شاع بَيْنَ العَرب ضربُ المثل بقولهم فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام، ويُريدون به أنه ساقط من الأعين، لا يُلْتفتُ إليه، ولا يُعبا به وبأفعاله، وكذلک معنى الحديث: من أسْبل إزاره فى صلاته خُيلاء فليْس هو عندالله فى شيء، ولا يَعْبا الله به ولا بصلاته، ثم إسبالُ الثوْب خارج الصلاة إن كان لأجل الاختيال يكره - أيضاً۔ وإن لم يكن للاختيال لا يكره، وكرهه البعض مطلقا فى الصلاة وغيْرها للاختيال وغيرها۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، عرب میں ضرب المثل مشہور ہے، وہ کہتے ہیں: "فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام" (فلاں کو نہ حلال سے نفع ہے اور نہ حرام سے نفع ہے) اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ نظروں سے گر گیا ہے، اور نہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور نہ اس کی پرواہ کی جائے گی، اور نہ اس کے کاموں کی پرواہ کی جائے گی، اور اسی طرح اس حدیث کا مطلب ہے: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی پرواہ کرے گا اور نہ اس کی نماز کی پرواہ کرے گا، پھر خارج نماز کپڑے کا ٹخنوں

[2309] (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
[2310] (المغنی ج ۱ ص ۱ ۳۴ دار الفکر، بیروت)

سے نیچے لٹکانا، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور بعض نے مطلق طور پر نماز میں اور نماز کے علاوہ میں، اور تکبر کی وجہ سے اور بغیر تکبر کے مکروہ قرار دیا ہے۔[2311]

عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

(من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه)، وهو حرام مطلقاً في الصلاة وفي غير الصلاة۔

ترجمہ: (من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه) اور یہ مطلقاً حرام ہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں ہو۔[2312]

إسبال الإزار بغير قصد الخيلاء من الكبائر؛ لأن النهي عنه جاء مطلقاً يشمل ما كان بخيلاء وما كان بغير خيلاء، والكبائر تتفاوت، فليست على حد سواء؛ والاحاديث في تحريم الإسبال وردت على سبيل الإطلاق، فلا يقال: إنه يحمل على الخيلاء فقط، وإنه يجوز في غير الخيلاء ، وإنما الراجح أن الإسبال يحرم وهو من الكبائر وإن انضاف إليه قصد الخيلاء فهو أعظم إثماً۔

ترجمہ: بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ ممانعت مطلق طور پر آئی ہے تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے ہو کو شامل ہو گی، اور کبیرہ گناہوں میں تفاوت ہوتا ہے، تو حد میں برابر نہیں ہیں، اور لٹکانے کی تحریم میں احادیث مطلق طور پر وارد ہوئی ہیں، تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ صرف تکبر پر محمول ہیں، اور بغیر تکبر جائز ہے، اور بے شک راجح لٹکانا حرام ہو گا اور وہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر تکبر کے قصد کی اضافت اس کی طرف کر دی جائے تو وہ اعظم گناہ ہے۔[2313]

قوله: ((وجر الإزار)). يعني: إسبال الثياب، وهذا من الأمور المحرمة، وسواء كان مع قصد الخيلاء أو بدون قصد الخيلاء، ما دام الإنسان قد جر ثوبه فهو آثم، ولكنه إذا كان مع قصد الخيلاء يكون شراً إلى شر۔

[2311] (شرح ابی داود للعینی ج ۲ ص ۳۰۰ دار الکتب العلمیہ)

[2312] (شرح سنن ابی داود عبدالمحسن العباد ج ۴ ص ۱۴۷)

[2313] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج، ۲۳، ص، ۱۰۵)

قولہ: (وجر الازار) یعنی کپڑوں کالٹکانا، اور یہ حرام کیے ہوئے کاموں میں سے ہے، برابر ہے کہ تکبر کے قصد کے ساتھ ہو یا تکبر کے قصد کے بغیر ہو، جب تک انسان اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور لیکن جب تکبر کے قصد کے ساتھ ہوتا ہے تو برے سے بھی برا ہو گا۔[2314]

تیسری قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو تکبر کی علامت اور نتیجہ کہا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سلیم (فی حدیث طویل) قال قال النبی ﷺ ایاک واسبال الازار فانها من المخیلة وان اللہ لا یحب المخیلة۔[2315]

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے (مجھے نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا: تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما مرفوعا ایاک وجر الازار فان جرّ الازار من المخیلة۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ تہبند کو لٹکانا تکبر کے سبب سے ہوتا ہے۔[2316]

واسبال الازار والقميص بدعة، اى تطويلهما ، وهو من أعلام الكبر والخيلاء ، ولبس السراويل سنة، وهو من أستر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه خليل الله عليه السلام۔

ترجمہ: اور قمیص اور تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا بدعت ہے، یعنی ان کو لمبا رکھنا، اور یہ تکبر اور اترانے کی علامات میں سے ہے، اور شلوار پہننا سنت ہے، اور یہ مردوں اور اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے، اس کو سب سے پہلے حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام نے پہنا۔[2317]

[2314] (شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد ج ۲۳ ص ۳۹۹)
[2315] (ابو داؤد ۲/۵۶۴)
[2316] (فتح الباری ۱۰/۳۲۳، قدیمی کتب خانہ)
[2317] (شرعة الاسلام اسبال الازار والقمیص ص ۱۴۱ دار ابشائر السلامیة بیروت بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة السادس والثلاثون الوقحة قلة الحیاء ج ۳ ص ۷۵ مکتبة العلوم الدینیة کانسی روڈ کوئٹہ)

اور بعض احادیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد مبارک اس طرح مروی ہے:

اتق اللہ ولا تحقرن من المعروف او الخیر شیئا، وایاک واسبال الازار فانہ من المخیلۃ، وان اللہ لا یحب المختال۔ فقال رجل یا رسول اللہ ذکرت اسبال الازار، وقد یکون بساق الرّجل القرح او الشیٔ یستحیي منہ۔ فقال لا بأس الیٰ نصف الساق، او الی الکعبین، انّ رجلا ممن کان قبلکم لبس بردۃ فتبختر فیھا فنظر اللہ من فوق عرشہٖ فمقتہٗ فأمر الأرض فاخذتہ فھو یتجلل بین الأرض۔ فاحذروا وقائع اللہ عزّ وجل۔[2318]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور نیکی یا خیر کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو، اور اپنے آپ کو ازار لٹکانے سے بچاؤ، کیونکہ وہ تکبر میں سے ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اس کے جواب میں اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ازار لٹکانے کا تذکرہ فرمایا؛ جب کہ کبھی کبھی ایک آدمی کی پنڈلی میں زخم ہوتا ہے یا کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے اظہار سے وہ شرماتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آدھی پنڈلی تک یا ٹخنوں تک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلا شبہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے چادر (لنگی وغیرہ) پہنی، پھر اس میں اترایا (یعنی ٹخنوں سے نیچے اسے لٹکایا) تو اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے اس کی طرف نظر کی اور اس پر ناراضگی فرمائی اور زمین کو حکم دیا۔ زمین نے اس کو دبوچ لیا پس وہ زمین کے درمیان دھنسا جارہا ہے، پس اللہ عزوجلّ کی پکڑ اور مؤاخذہ سے بچو اور ڈرو۔"

مسند أبی جری جابر بن سلیم الھجیمی التمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن أبی تمیمۃ الھجیمی قال: قال أبو جری جابر: رکبت قعودا لی فأتیت مکۃ فی طلب النبی ﷺ، فإذا ھو جالس، فقلت السلام علیک یا رسول اللہ، قال: وعلیک، قلت إنا معشر أھل البادیۃ، قوم فینا الجفاء، فعلمنی

[2318] (معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم اصبھانی، حدیث ۱۵۳۲، جلد ۲ صفحہ ۵۴۷، واللفظ لہ، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۳۸۴)

كلاما ينفعني الله به، قال: اتق الله، ولا تحقرن من المعروف أو الخير شيئا، وإياك وإسبال الإزار، فإنه من المخيلة، وإن الله لا يحب المختال فقال رجل: يارسول الله ذكرت إسبال الإزار، وقد يكون بساق الرجل القرح أو الشيء يستحي منه؟ فقال: لا بأس إلى نصف الساق أو إلى الكعبين، إن رجلا كان ممن قبلكم لبس بردة فتبختر فيها، فنظر الله إليه، من فوق عرشه، فمقته، فأمر الأرض فأخذته، فهو يتجلجل بين الأرض فاحذروا وقائع الله۔

(مسند ابی جری جابر بن سلیم ھجیمی تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابو تمیمہ ہجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو جری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنی سواری پر سوار ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب میں مکہ آیا، دیکھا تو آپ تشریف فرما ہیں، میں نے کہا: السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا علیک، میں نے عرض کیا ہم دیہاتی لوگوں میں سخت مزاجی ہوتی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مجھے کوئی ایسی بات سکھادیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرا کر اور کسی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا، اور ازار (شلوار) لٹکانے سے بچنا، کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا، اتنے میں ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ نے ازار لٹکانے کا ذکر کیا، بعض دفعہ کسی انسان کی پنڈلی پر کوئی دانہ، پھوڑہ یا کوئی قابل حیا چیز ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: آدھی پنڈلی اور ٹخنوں تک کوئی حرج نہیں تم سے پہلے کسی شخص نے ایک چادر اوڑھی اور اس میں اترانے لگا اللہ تعالیٰ نے عرش سے اس کی طرف دیکھا، اور اس سے ناراض ہو کر زمین کو حکم دیا (کہ اسے نگل) تو زمین نے اسے پکڑ لیا سو وہ زمین کے درمیان حرکت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) واقعات سے بچو۔[2319]

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[2319] (ابو نعیم، کنز العمال، رقم: ۸۸۷۰، ج، ۳، ص، ۳۳۲، ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

هذا باب في بيان حكم من جر إزاره من غير قصد التخييل فإنه لا بأس به من غير كراهة وكذلک يجوز لدفع ضرر يحصل له كأن يكون تحت كعبيه جراح أو حكة أو نحو ذلک إن لم يغطها تؤذيه الهوام كالذباب ونحوه بالجلوس عليها ولا يجد مايسترها به إلا إزاره أو ردائه أو قميصه وهذا كما يجوز كشف العورة للتداوي وغير ذلک من الأسباب المبيحة للترخص وقال شيخنا زين الدين، وأما جوازه لغير ضرورة لا لقصد الخيلاء فقال النووي إنه مكروه وليس بحرام، وحكى عن نص الشافعي رضي الله تعالى عنه، التفرقة بين وجود الخيلاء وعدمه۔

ترجمہ: جس شخص نے بغیر قصد تکبر تہبند ٹخنوں کے نیچے رکھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے، اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی لباس لٹکانا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو، یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو، اور لمبی قمیص یا لمبے تہبند کے علاوہ کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے میسر نہ ہو، یہ ایسا ہے جیسا کہ علاج کے لیے شرمگاہ کو کھولنا جائز ہے، ہمارے شیخ زین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کوئی عذر نہ ہو اور نہ ہی تکبر کا قصد ہو تو پھر علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تکبر کی نیت سے اور بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے میں فرق ہے۔[2320]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی آں پارہ از قدم زیر شاتنگ کہ بروی ازار مسبل ست وبعضے گویند معنی آنست کہ این فعل مذموم ست و از افعال نارست کذا قال الطیبی۔ رواہ البخاری تنبیہ بدانکہ جر واسبال اکثر درازار درود یافتہ ووعید شدید در آن آمدہ تا آنکہ فرمود سبل ازار را کہ نماز میگزارد باعادہ نماز ووضو چنانکہ دراوائل کتاب گزشت ودراحادیث آمدہ کہ در شب نصف شعبان ہمہ آمرزیدہ شوند الاعاق ومدمن خمر ومسبل ازار وتحقیق آنست کہ اسبال در جمیع ثیاب رود ہرچہ کہ زیادہ بر قدر حاجت ووفق سنت بود اسبال ست وباعث تخصیص بازاز بجہت کثرت وقوع است وچہ لباس اکثر مردم در عہد نبوت رداوازار بود ودر فصل ثانی از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ

[2320] (عمدۃ القاری کتاب اللباس ج ۲۱ ص ۴۳۸، ۴۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عنہما، آمدہ کہ آنحضرت فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم الاسبال فی الازار والقمیص والعمامۃ من جر منہا شیئاً خیلاء الحدیث۔ ودر حدیث اول ازابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ پیش ازین حدیث مذکور شد جر ثوبہ مطلق شدہ وعزیمت در ازار تانصف ساق ست و ازار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم این چنین بودی وفرمود ازار مومن تانصف ساق ست ورخصت تابالامی شتالنگ وحکم دامان قبا وپیراہن نیز ہمین ست وسنت درآستینہا تابند دست ہست واسبال در عمامہ بارسال عذبہ زیادت بر عاد تعدد او وغایت آن تانصف ظہر ست وزیادہ بران بدعت وداخل اسبال محرم واین توسیع وتطویل کہ در بعضے از دیار عرب متعارف شدہ است خلاف سنت وہر چہ ازان بطریق خیلاء ست حرام وانچہ بطریق عرف وعادت شائع شدہ وشعار قومی گشتہ لا باس بہ است اگرچہ افراط خالی از کراہت نیست و اسبال مر زنان رانیز حرام است، ودر حق ایشان زیادتی بر مردان بقدر شبر وبقدر ذراع کہ در شبر ست نیز رخصت ست بلکہ مستحب ست بقصد تستر۔

یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ: خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے اور اس پر شدید وعید واقع ہوئی ہے یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب بخش دیئے جاتے ہیں سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی، اور چادر لٹکانے والے کے ، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لینے والی چادر تھا ۔ دوسری فصل میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا:لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلاف سنت ہے۔ اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت کے طور پر ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لئے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لئے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ کی زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔[2321]

چوتھی قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو دیکھ کر اصلاح کی گئی ہے۔

(۱) عن الاشعث بن سليم قال سمعت عمّتي فحدثت عن عمها قال بينما انا امشي بالمدينة اذا انسان خلفي يقول ارفع ازارك فانه اتقى و ابقى فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله انما هي بردة ملحاء قال اما لك في اسوة؟ فنظرت فاذا ازاره الى نصف ساقيه۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور

[2321] (اشعۃ اللمعات، کتاب اللباس، ج۳، ص، ۵۷۵، ۵۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تھے، میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔[2322]

(۲) عن ابی هريرة ص قال بينما رجل يصلي مسبلاً ازاره فقال له رسول الله ﷺ اذهب فتوضا فذهب فتوضا ثم جاء فقال اذهب فتوضا فقال له رجل يا رسول الله مالك امرته ان يتوضا ثم سكت عنه ثم قال انه كان يصلي و هو مسبلّ ازاره و ان الله لا يقبل صلوٰة رجل مسبل۔[2323]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس سے فرمایا: جاؤ وضو کر آؤ، وہ چلا گیا پھر وضو کیا، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جاؤ وضو کر کے آؤ، تو ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ پھر وہ خاموش ہو گئے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: وہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اس نے اپنا ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہوا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس نے ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہو۔“

فائدہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ مطلق ارشاد فرمایا۔

[2322] (شمائل ترمذی ۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

[2323] (ابو داؤد ۲/۵۶۵، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

اس طرح گزری ہوئی حدیث میں حضرت عبید اللہ بن خالد سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے تکبر کی وجہ سے لٹکایا ہے بلکہ مطلق کپڑا لٹکا ہوا دیکھ کر ان کو منع فرمایا۔

قال الهيثمي: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح۔[2324]

بعض حضرات نے اس حدیث کو ابو جعفر انصاری مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مقبول درجے کے راوی ہیں، ان سے امام بخاری نے ادب المفرد اور افعال العباد میں اور نسائی نے الیوم واللیلہ میں اور امام ابو داؤد، امام ترمذی وغیرہ نے سوائے مسلم کے روایات لی ہیں۔

اور علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو مقبول قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور بعض نے جو ان کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجہول قرار دیا ہے، یا ان کا نام محمد بن علی قرار دیا ہے، یہ درست نہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ابو جعفر محمد بن ابراہیم موذن انصاری مدنی ہے۔

روى له البخاري في الأدب وفي أفعال العباد والنسائي في اليوم الليلة والباقون سوى مسلم۔
روى له النسائي حديث النزول، وروى له الباقون حديث: ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن
وقال الترمذي: لا يعرف اسمه۔[2325]

وقال ابن حبان في صحيحه: هو محمد بن علي بن الحسين۔

قلت: وليس هذا بمستقيم لان محمد بن علي لم يكن مؤذنا لان أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبي هريرة في عدة أحاديث، وأما محمد بن علي بن الحسين فلم يدرك أبا هريرة فتعين أنه غيره والله تعالىٰ أعلم وفي مصنف ابن أبي شيبة حدثنا أبو معاوية عن الاعمش عن ثابت بن عبيد عن أبي جعفر الانصاري قال دخلت مع المصريين على عثمان فلما ضربوه خرجت اشتد قد ملات فروجي عدوا حتى دخلت المسجد فاذا رجل جالس في نحو عشرة وعليه عمامة سوداء فقال: ويحك ما ورائِك؟ قال قلت: والله قد فرغ من الرجل قال فقال تبا لكم آخر الدهر۔ قال فنظرت فاذا هو علي بن أبي طالب۔ وبه عن الاعمش عن ثابت بن عبيد عن أبي جعفر الانصاري/قال: رأيت أبا

[2324] (مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۲۵)
[2325] (تهذيب الكمال ج۳۳ س ۱۹۱)

بكر الصديق ولحيته ورأسه كأنهما جمر العضا وقد فرق أبو أحمد الحاكم بين هذا وبين الراوى عن أبى هريرة وأظن أنه هو وعنه أبو داؤد فى الصلاة عن يحيى بن أبى كثير عن أبى جعفر غير منسوب عن عطاء بن يسار عن أبى هريرة وأظنه هذا۔[2326]

أبو جعفر المؤذن الأنصارى المدنى مقبول من الثالثة ومن زعم أنه محمد بن على بن الحسين فقد وهم۔[2327]

أبو جعفر المؤذن الأنصارى المدنى اسمه محمد بن ابراهيم: عن أبى هريرة رضى اللہ تعالیٰ عنه وعنه يحيى بن أبى كثير حسن الترمذى حديثه۔[2328]

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس مقام پر ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

قال أبو عيسى هذا حديث حسن وأبو جعفر الرازى هذا الذى وروى عنه يحيى بن أبى كثير يقال له أبو جعفر المؤذن ولا نعرف اسمه وقد روى عنه يحيى بن أبى كثير غير حديث۔[2329]

(۳) عن عمرو بن ميمون .... وجاء رجل شاب فقال ابشر يا امير المؤمنين ببشرى اللہ لک من صحبة رسول اللہ ﷺ وقدم فى الاسلام ما قد علمت ثم وليت فعدلت ثم شهادة قال وددت ان ذلک كفافا لا على ولا لى فلما ادبر اذا ازاره يمس الأرض قال ردّوا على الغلام قال يا ابن اخى ارفع ثوبک فانه انقى لثوبک واتقى لربّک۔[2330]

”حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (امیر المؤمنین کے زخمی ہونے کے بعد) ایک نوجوان شخص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو مبارک اور خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی صحبت سے نوازا اور شروع شروع میں اسلام لانے سے نوازا جو کہ

[2326] (تهذيب التهذيب ج ۱۲، ص ۴۸، ۴۹)

[2327] (تقريب التهذيب ج ۲ ص ۳۷۵)

[2328] (لسان الميزان، ج ۳ ص ۲۶۹)

[2329] (ترمذى حديث نمبر ۳۳۷۰، ابواب الدعوات، باب ماذكر فى دعوة المسافر)

[2330] (بخارى شريف ۱/ ۵۲۴، مطبوعه قديمى كتب خانه)

آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمران بنایا گیا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدل و انصاف کیا اب شہادت کی موت نصیب ہورہی ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ یہ (حساب و کتاب میں) نمٹا دیا جائے، نہ میرے اوپر کچھ ہو، نہ میرے لئے کچھ ہو، پھر جب وہ نوجوان واپس جانے لگا تو اس کا تہبند زمین کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نوجوان کو میرے پاس واپس بلاؤ۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اوپر اٹھا لو کیونکہ اس میں تیرے کپڑے کی زیادہ صفائی ہے اور تیرے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زیادہ پرہیز گاری ہے۔"

فائدہ: دیکھئے! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نوجوان سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم نے تکبر کی وجہ سے تہہ بند لٹکا رکھا ہے، بلکہ مطلقاً منع فرمایا۔

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة "بینما نحن مع رسول اللہ ﷺ اذ الحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار ورداء قد اسبل فجعل رسول اللہ ﷺ یأخذبنا حیة ثوبه یتواضع للہ ویقول: عبدک وابن عبدک وامتک، حتی سمعها عمرو فقال: یارسول اللہ انی حمش الساقین، فقال: یاعمرو ان اللہ قد احسن کل شیٔ خلقه، یاعمرو ان اللہ لا یحب المسبل" الحدیث وأخرجه احمد من حدیث عمرو نفسه "عن عمرو بن فلان" وأخرجه الطبرانی ایضاً فقال: "عن عمرو بن زرارة" وفیه "وضرب رسول اللہ ﷺ باربع اصابع تحت رکبة عمرو فقال: یا عمرو هذا موضع الازار" الحدیث ورجاله ثقات وظاهره ان عمروا المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء، وقد منعه من ذلک لکونه مظنة۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ (جارہے) تھے کہ پیچھے عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں آکر ملے، انہوں نے تہہ بند اور چادر پہنی ہوئی تھی اور وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسکے کپڑے کے ایک کنارے کو پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرتے ہوئے فرمایا (یا

اللہ! یہ) تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ہے یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ان باتوں کو سن لیا اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں پتلی پنڈلی والا ہوں (اس لئے تہہ بند نیچے لٹکار کھا ہے) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اے عمرو! اللہ تعالیٰ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والوں کے ساتھ محبت نہیں فرماتا اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنے کے نیچے چار انگلیوں سے مارا اور فرمایا کہ اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تک ازار کی جگہ ہے۔"[2331]

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: یہ حدیث ظاہراً اس پر دال ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبر کی وجہ سے ازار نہیں لٹکار کھی تھی پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔"

(۵) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث الشرید الثقفی قال: "ابصر النبی رجلاً قد اسبل ازاره فقال: ارفع ازارک فقال: انی احنف تصطک رکبتای، قال: ارفع ازارک، فکل خلق الله حسن" واخرجه مسدد وابو بکر بن ابی شیبة من طرق عن رجل من ثقیف لم یسم۔ وفی آخره "ذاک اقبح مما بساقک"[2332]

"حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اپنا ازار اوپر اٹھالو! اس نے کہا کہ میں ٹیڑھے پاؤں والا ہوں، میرے گھٹنے آپس میں ٹکراتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اپنا تہہ بند اٹھالو، اللہ تعالیٰ

[2331] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2332] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتبخانہ کراچی)

کی تمام پیدا کردہ چیزیں خوبصورت ہیں!"اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اس عیب سے زیادہ قبیح ہے جو آپ کی پنڈلی میں ہے۔"

فائدہ: ظاہر ہے کہ یہ صاحب جو محض اپنا عیب چھپانے کے لئے ڈھانپ رہے تھے نہ کہ تکبر کی وجہ سے، پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں منع فرمادیا، معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے ٹخنے ڈھانپنا مطلقاً ممنوع ہے۔

(٦) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: واخرج النسائي وابن ماجة وصححه ابن حبان من حديث المغيرة بن شعبة "رأيت رسول الله ﷺ اخذ برداء سفيان بن سهيل وهو يقول: يا سفيان لاتسبل، فان الله لايحب المسبلين۔[2333]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفیان بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چادر کو پکڑ کر فرمارہے تھے: اے سفیان! (چادر کو) نہ لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ٹخنوں سے نیچے) چادر لٹکانے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔

فائدہ: یہ نہیں فرمایا کہ جو تکبر سے لٹکائے اس سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتا بلکہ مطلق ارشاد فرمایا، معلوم ہوا کہ مطلقاً ممنوع ہے۔

عورتوں کا ازار

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلى الله عَليهِ وسَلم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلى الله عَليهِ وسَلم عَنْ ذَيْلِ الْمَرْأَةِفقَالَ شِبْرًا فقُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ إِذًا تَبْدُو أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی للہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عورت کے دامن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: ایک بالشت (مرد سے) زیادہ کرے، میں عرض کیا یارسول للہ علیہ

[2333] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

الصلوۃ والسلام! پھر تو عورت کے قدم نظر آئیں گے تو ارشاد فرمایا: ایک گز (ہاتھ) زیادہ کرے اور اس سے زیادہ نہ کرے۔[2334]

وَعَنْ أمِ سَلمة قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ ذَكَرَ الْإِزَارَ: فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ .تُرْخِي شِبْرًا فَقَالَتْ: إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ: «فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ حکم فرمایا کہ ازار میں درازی نہ کرنی چاہیے تو میں نے استفسار کیا کہ عورت کو پھر کیا کرنا چاہیے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا عورت اپنی ازار کو ایک بالشت دراز کرے۔ یعنی آدھی پنڈلیوں سے اور لٹکائے اور بعض نے کہا کہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت تو اس وقت میں نے کہا کہ اگر ایسا بھی کرے تب بھی کھلا رہے گا یعنی بالشت بھر میں بھی ستر کے کھلنے کا احتمال ہے۔ پس اگر پنڈلی کی درازی کی وجہ سے مثلا فرمایا ستر کھلا رہے تو ایک گز دراز کرے یعنی شرعی گز اور دراز کا معنی یہ ہے کہ پہنچے ایک بالشت یا ایک شرعی گز (ہاتھ) دراز کرے تاکہ یہ مقدار زمین تک پہنچے اور قدم ڈھکے رہیں پھر ممانعت میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت ایک گز سے زیادہ نہ کرے۔[2335]

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسبال سے جو مباح فرمایا ہے، وہ صرف ضرورت کے تحت اجازت دی ہے کیونکہ دامن ڈھیلا کرنے سے منع کرنے کے بعد جو عورت کو اسبال کا حکم دیا ہے وہ صرف اتنی مقدار کہ جس سے وہ اپنا ستر قائم رکھ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شلوار اور چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا واجب اور نیچے رکھنا حرام ہے۔[2336]

کفِ ثوب

[2334](سنن الدارمی، باب فی ذیول النساء، ج، ۲، ص، ۳۶۱)

[2335](سنن ابو داؤد، رقم: ۴۱۷، وسنن الترمذی، رقم: ۱۷۳۱، وسنن النسائی، رقم: ۵۳۳۶، وسنن ابن ماجه، رقم: ۳۵۸۰، وموطا امام مالک، رقم: ۱۳، ومسند احمد، ج، ۶، ص، ۳۰۹)

[2336](حاشیه مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبه، ص، ۵۶۱، مکتبه رحمانیه، لاهور)

یہ جاننا چاہیئے کہ صورت مسؤلہ میں جس کف ثوب کا تذکرہ ہے اور جس سے نماز کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے یہ بعض علماء اہل سنت کی تحقیق ہے کیونکہ جمہور فقہائے احناف، افغانستان کی اکثریت اور پاکستان کے دیہاتی اور قبائلی علاقہ جات اور دیگر ممالک کے علماء اہل سنت کے ہاں صورت مسؤلہ میں نماز میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی اور نماز بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح علماء دیوبند بھی اس مسؤلہ طریقے اور کیفیت پر نماز کے جواز اور عدم کراہت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی اگر کسی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس نے شلوار یا پتلون کو نیفے یا پائنچے سے موڑا ہوا ہو تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے کیونکہ ان جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہل سنت کے ہاں کف ثوب کی وہ تعریف نہیں ہے جو بعض علماء اہل سنت کرتے ہیں جس سے نماز مکروہ قرار دی جائے۔

علماء دیوبند کے حکیم الامت لکھتے ہیں: مسئلہ: نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمیٹنا، سنبھالنا کہ مٹی نہ بھرنے پاوے مکروہ ہے۔[2337]

امامِ اہلسنت مجدد دین وملت حضرت شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں آستین چڑھانے کے مسئلے میں مسلم شریف کی دو حدیثیں لکھنے کے بعد فقہائے احناف کے حوالے سے لکھتے ہیں: تمام متون مذہب میں ہے: **کرہ کف ثوبہ**(کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے......اور بعض کتابوں میں ہے **کرہ لف ثوبہ**۔

غنیۃ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل۔

[2337](بھشتی زیور، ص ۳۳، حصہ دوم، جو چیزیں نماز میں مکروہ اور منع ھیں ان کا بیان، ایچ ایم سعید)

عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے یا بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔[2338]

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: کپڑے یا بدن یا داڑھی کے ساتھ کھیلنا، کپڑا اسمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھالینا اگرچہ گرد سے بچانے کے لئے ہو اور اگر بلا وجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ، کپڑا لٹکانا مثلا سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں طرف کنارے لٹکتے ہوں یہ سب مکروہ تحریمی ہے۔[2339]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب یعنی کپڑا اسمیٹنا اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جاتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بغیر کسی وجہ کے اٹھاتا ہے تو یہ مکروہ ہے نہ کہ نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ سے موڑنا۔

یاد رہے کہ بہار شریعت کی تیسری جلد پر امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی تصدیق و تقریظ بھی موجود ہے۔

کف ثوب کی یہی تعریف اور کیفیت جمہور فقہائے احناف، امام احمد رضا خان محدث بریلوی سمیت اکثر علماء اہل سنت اور علماء دیوبند نے بیان کی ہے۔ اگرچہ بعض علماء اہلسنت یوں لکھتے ہیں:

پائنچوں کو نیچے سے موڑ لینا یا ازار بند کی جگہ سے اڑس لینا "کف ثوب" ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہے۔

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے حکم کے ساتھ ساتھ "کف ثوب ہونے کی وجہ سے" جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہلسنت، امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی

[2338] (فتاویٰ رضویہ، ج۷ ص۳۱۰-۳۱۱، باب مکروھات الصلوۃ، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

[2339] (عامہ کتب) (بھار شریعت حصہ سوم، ص ۱۶۲، مکروھات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

محمد امجد اعظمی رحمہم اللہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور کف ثوب کی ایسی تعریف بیان فرمائی ہے جو ان علماء نے نہیں کی، جس کی وضاحت آرہی ہے۔

اب ہم احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی سے کف ثوب اور لف ثوب کی وضاحت کرتے ہیں کہ کف ثوب اور لف ثوب کیا ہے جو مکروہ ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال امر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ سات اعضاء یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں اور موئے مبارک اور کپڑے کو نہ سمیٹیں۔[2340]

فقہائے احناف کف ثوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱)علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ای رفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود و قیل ان یجمع ثوبه و یشده فی وسطه۔۔۔ و لما فیه من التجبر المنافی لوضع الصلوة وهو الخشوع و الخضوع۔

کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا۔ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا(اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ)اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے جو نماز کے مقصد یعنی خشوع وخضوع کے منافی ہے۔[2341]

(۲)علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[2340](بخاری ص ۱۱۲ ج ۱ باب السجود علی سبعة اعظم نور محمد کراچی)

[2341](امداد الفتاح، ص ۳۷۹، فصل فیما یکره فی الصلوة، صدیقی پبلشرز کراچی)

(وقیل ان یجمع ثوبه الخ) لانه صنیع اهل الکتاب۔۔۔۔(قوله لما فیه من التجبر) قال فی منیة المصلی ویکره کل ما کان من اخلاق الجبابرة۔

"ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا کیونکہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔۔۔اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، منیۃ المصلی میں ہے کہ متکبرین کا کوئی بھی عمل نماز میں مکروہ ہے۔"[2342]

(۳) شیخ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں:

(وقوله ولا یکف ثوبه) والکف ان یرفع الثوب من بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود کذا فی المغرب۔

(شارح کا قول کپڑے نہ سمیٹنے) کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائے۔86

(۴) ابی محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کف ثوب کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

المراد من کف الثوب القبض والضم وأن یرفعه من بین یدیه أو من خلفه اذا أراد السجود۔

یعنی کف ثوب سے مراد ہے کہ کپڑوں کو ضم کر لینا، یا سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لینا۔[2343]

(۵) عبد الرّحمن الجزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی مکروہات کے بارے میں باب لگاتے ہیں:

{رفع المصلی ثوبه من خلفه أو قدامه وهو یصلّی۔} منها رفع ثوبه بین یدیه أو من خلفه فی الصلاة لقوله ﷺ: "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لا أکف شعراً ولا ثوباً" ورواه الشیخان۔

بعض مکروہات میں سے یہ ہے کہ کپڑوں کو نماز میں آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[2344]

[2342] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکره فی الصلوة، قدیمی کراچی)

[2343] (البنایه، ج ۲، ص ۵۳۲)

[2344] (کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، ج ۱، ص ۲۵۰)

(۶)علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی لکھتے ہیں:

(و کرہ کفہ) سواء کان من بین یدیہ أو من خلفہ عند الانحطاط۔

یعنی کف ثوب مکروہ ہے اور اس کی تعریف یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت کپڑوں کو آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لے۔[2345]

(۷) البرجندی شرح لمختصر الوقایہ میں ہے:

و کفہ ای کف الثوب و ھو القبض و الضم و ان یرفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود۔

یعنی کف ثوب یہ ہے کہ کپڑوں کو ضم کرلینا یا سجدہ میں جاتے وقت آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔
[2346]

(۸) و لا یکف ثوبہ و ھو ان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود قال علیہ السلام امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم لا اکف ثوبا و لا اعقص شعرا۔

نمازی کپڑے کو نہ سمیٹے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے لئے جائیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[2347]

(۹) (و کفہ) ای ضم الثوب و رفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود کما فی الکرمانی۔

(کف ثوب یہ ہے) کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا اور اٹھانا جیسا کہ کرمانی میں ہے۔[2348]

(۱۰) کذلک یکرہ لہ ان یکف ثیابہ او یرفعھا لئلا یتترب لان فیہ نوع تجبر و یکرہ للمصلی ما ھو من اخلاق الجبابرۃ۔

[2345] (حاشیہ طحطاوی ج ۱، ص ۲۷۰)
[2346] (البرجندی شرح لمختصر الوقایہ ج ۱، ص ۱۳۰)
[2347] (الجوھرۃ النیرۃ، ص ۷۵، ج ۱، باب صفۃ الصلوۃ، قدیمی کراچی)
[2348] (جامع الرموز، ص ۱۹۴، ج ۱، فصل یفسد الصلوۃ، ایچ ایم سعید)

ترجمہ: اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی میں نہ لگے۔ اور اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے اور نمازی کے لئے متکبرین کی روش اختیار کرنا مکروہ ہے۔[2349]

(۱۱) ویکرہ ان یکف ثوبہ لماروی عن النبی ﷺ انہ قال امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم وان لا اکف ثوبا ولا اکف شعرا ولان فیہ ترک سنۃ وضع الید۔

نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑوں کو نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں اور اس میں (ناف پر) ہاتھ رکھنے کے سنت طریقے کا ترک آرہا ہے۔[2350]

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمصلی۔۔۔ ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذافی معراج الدارية۔

اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے یا اٹھائے جیسا کہ معراج الدارایہ میں ہے۔[2351]

(۱۳) وکذلک یکرہ لہ ان یکف ثوبہ او یرفعہ لئلا یتترب۔

اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تاکہ مٹی نہ لگے۔

(۱۴) علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔ وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود۔

[2349] المحیط البرھانی ج ا ص ۳۷۷، الناشر دار الکتب العلمیۃ بیروت۔لبنان۔

[2350] (بدائع الصنائع، ص ۲۱۶ ج ۱، فصل واما بیان مایستحب فیھا ومایکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[2351] (فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۱۰۵، باب السابع فیما یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ ومالا یکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں [2352]۔

(۱۵)علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔

کپڑا اٹھانا اور چڑھانا مکروہ ہے اگرچہ مٹی سے بچانے کے لئے ہو، جیسا کہ آستین یا دامن کو چڑھانا۔[2353]

(۱۶)علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(قولہ رفعہ) ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود۔ بحر۔

ماتن کا قول کپڑے سمیٹنا، خواہ آگے سے ہو یا پیچھے سے، جب سجدہ کے لئے جھکتا ہو۔[2354]

(۱۷)علامہ شلبی لکھتے ہیں:

وھو ان یضم اطرافہ اتقاء التراب ونحوہ۔

کف ثوب یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹ لئے جائیں۔[2355]

احادیث مبارکہ اور فقہاء کے اقوال میں لفظِ "کف" آیا ہے جس کا مطلب سمیٹنا ہے اسی طرح بعض فقہاء کرام کی عبارات میں لفظ "لف" آیا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے: لف الثوب۔۔۔ الخ (الباب السادس فی المکروھات)۔ اس کا ترجمہ کف ہی کی طرح ہے، جیسا کہ صاحبِ خلاصہ نے خود اس کی وضاحت کی ہے: وھو رفع الثوب من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود وھو نوع تجبر۔

اجلہ حنفی فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب اور لف ثوب اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جائے تو اپنے کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بلاوجہ آگے یا پیچھے سے اٹھائے، ان

[2352](النہر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، امدادیہ ملتان)
[2353](الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)
[2354](الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)
[2355](حاشیہ علی تبیین الحقائق، ص ۴۱۰، ج ۱، کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

مذکور فقہاء نے وہ تعریف نہیں کی جو بعض علماء اہلسنت نے کی کہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچوں یا نیفے کو موڑ کر لپیٹ لیا جائے، اور ان فقہاء نے (سوائے علامہ شامی کے جس کی وضاحت آرہی ہے) اس کے ساتھ یہ بھی نہیں لکھا کہ اس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کف ثوب کی تعریف یہی ہے جو عبارات فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

کیا کف ثوب مکروہ تحریمی ہے؟

بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب (جس کی تعریف فقہاء احناف کی عبارات سے واضح کر دی گئی یعنی سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) کو علامہ شامی کے حوالے سے مکروہ تحریمی قرار دیا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

وحرر الخیر الرملی مایفیدان الکراھۃفیہ تحریمیۃ۔

علامہ خیر الدین رملی نے لکھاہے کہ کف ثوب مکروہ تحریمی ہے۔[2356]

علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول جم غفیر فقہائے احناف کے مقابلے میں واجب القبول نہیں ہے یہ ان کی اپنی تحقیق ہے جس کی طرف کسی اور فقیہ نے التفات نہیں فرمایا، اور علامہ رملی (علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ مجتہد نہیں ہیں اور اگر مجتہد مان بھی لیا جائے پھر بھی ان کا قول خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے نہیں ماناجائے گا) نے کف ثوب کی کراہت تحریمی کی کوئی علت اور دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی حالانکہ علامہ شامی نے مکروہ تحریمی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھاہے:

قلت: وَيُعْرَفُ أَيْضًا بِلَا دَلِيلِ نَهْيٍ خَاصٍّ، بِأَنْ تَضَمَّنَ تَرْكَ وَاجِبٍ أَوْ تَرْكَ سُنَّةٍ. فَالْأَوَّلُ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، وَالثَّانِي تَنْزِيهًا۔ میں[2357] کہتاہوں کہ مکروہ کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ

[2356] (شامی ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسدالصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[2357] (شامی ج ۱ ص ۶۳۹ مطلب فی الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ وَالتَّنْزِيهِيَّةِ)

اس میں کسی خاص نھی کی دلیل نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی واجب یا سنت کے ترک کو متضمن ہو تو اس صورت میں پہلا (جب واجب ترک ہو جائے تو) مکروہ تحریمی ہے، اور دوسرا (جب سنت ترک ہو جائے تو) مکروہ تنزیہی ہے۔

اور یہ معلوم ہوا کہ کف ثوب کے عمل سے کسی ایسے عمل کا ترک لازم نہیں آتا جو نماز کے واجبات میں سے ہو۔ بلکہ علامہ شامی نے خود بحر کے حوالے سے اس کراہت تحریمیہ کا رد فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونه عن التراب۔ بحر عن المجتبیٰ۔

اگر مٹی سے کپڑوں کو بچانے کے لئے کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (یعنی مکروہ نہیں ہے)۔ [2358]

معلوم ہوا کہ علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول واجب العمل والافتاء نہیں ہے (بلکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ حق وہی ہوتا ہے جو جمہور کہتا ہے [2359] کہ جمہور کے مقابلے میں ایک قول کو لے کر کف ثوب پر کراہت تحریمی کا فتویٰ لگا کر لوگوں کی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا جائے۔ (یاد رہے کہ کراہت کا یہ اختلاف اس کف ثوب کے بارے میں ہے جس کی تفصیل اور وضاحت فقہائے احناف کی عبارات میں کر دی گئی ہے، پائینچے موڑنے یا نیفہ سے شلوار کو اڑسنے کو کسی فقیہ نے حتی کہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کف ثوب کی تعریف میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ سب حضرات نے حدیث کی روشنی میں کف ثوب کی تعریف یہ کی ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا اور اٹھانا۔)

کف ثوب مکروہ نہیں ہے:

[2358] (شامی، ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[2359] (کمافی البدرالساری الی فیض الباری ج۲ص۱۶۴ مکتبہ عزیزیہ فلعمل علی ماعلیہ جمھورالعلماءفتح الملھم ج۲ص۴۴۰ وبالجملۃ ان مذھب الامام وھو مذھب المنصور والیہ ذھب الجمھور فیض الباری ج۴ص۱۸۴)

بعض فقہاء احناف نے کف ثوب کو مکروہ بھی قرار نہیں دیا، اور جنھوں نے مکروہ قرار دیا اس کی دو علتیں ذکر فرمادیں، ایک یہ کہ اس میں متکبرین کی نشانی پائی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں اہل کتاب (غیر مسلموں) سے تشبیہ آتی ہے، جیسا کہ عباراتِ فقہاء سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اگر یہ علت بھی نہ ہو تو (حکم) کراہت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے بعض علماء نے کف ثوب کو مکروہ قرار نہیں دیا بلکہ کپڑے چڑھا کر نماز ادا کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بھی ثابت ہے اور اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس عمل کو دیکھ کر اگر کوئی اس طریقے پر (کپڑا اسمیٹ کر) نماز پڑھے گا تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب قرار دینا چاہیئے اور یہی محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا تقاضا بھی ہے کہ محبوب کی ادا بھی محبوب ہونی چاہیئے نہ کہ مکروہ۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

وَعَنِ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ. مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔

ابو جحیفہ نے کہا میں نے بلال کو دیکھا کہ نیزہ لاکر زمین میں گاڑ دیا پھر اقامت کہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ حلہ کو چڑھائے (سمیٹے) آئے اور نیزہ کی طرف دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سامنے نیزے کے آگے چلتے دیکھا۔[2360]

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

[2360] (بخاری ص ۵۴ ج ۱ باب فی الثوب الاحمر قدیمی کراچی)

رواہ الثوری عن عون بن ابی جحیفة فقال فی حدیثه کأنی انظر الی بریق ساقیة قال الاسماعیلی: وھذاھو التشمیر، ویؤخذمنه ان النھی عن کف الثوب فی الصلوۃ محله فی غیر ذیل الازار۔

ثوری نے عون بن ابی جحیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی حدیث میں فرمایا: گویا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں" اسماعیلی نے کہا یہی تشمیر (کپڑے کو چڑھانا، سمیٹنا) ہے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ نماز میں جس کف ثوب سے منع کیا گیا ہے اس کا محل تہبند (یا شلوار وغیرہ) کے علاوہ کپڑوں کو سمیٹنا اور چڑھانا ہے۔[2361]

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے ازار (تہبند) مبارک کو اتنا اونچا کر کے نماز پڑھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی پنڈلی مبارک کی چمک بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھ لی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار اوپر چڑھا کر (نیفہ سے یا پائنچوں سے موڑ کر) نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ یہ ممنوع کف ثوب کا مقام نہیں ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

التشمیر: بالشین المعجمة ازارہ اذا رفعه ۔۔۔ وفیه التشمیر فی الصلوٰۃ مباح وعند المھنة والحاجةالیه وھو من التواضع ونفی التکبر والخیلاء۔ت

تشمیر شین کے ساتھ شمر ازارہ سے مشتق ہے جب کوئی کپڑے اٹھائے (سمیٹے) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز میں کپڑے سمیٹنا مباح ہے اور کام کاج یا ضرورت کے تحت کپڑے چڑھانا (بھی مباح ہے) اور یہ (کپڑے سمیٹنا) عاجزی کی دلیل ہے اور اس میں تکبر اور خود پسندی کی نفی ہے۔[2362]

[2361] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۶۹ ج ۱۲ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب مکتبه مصطفی البابی مصر) (ارشادالساری شرح صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۵۰۸، کتاب الباس، باب التشمیر فی الثیاب، دار الکتب العلمیه، بیروت لبنان)

[2362] (عینی شرح بخاری، ص ۲۹۶ ج ۲۱ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب، بیروت)

علامہ عینی کی تحقیق نے ان حضرات کو لاجواب کر دیا جو عوام الناس سے کہتے رہتے ہیں کہ نماز میں کف ثوب مکروہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کپڑا اڑسنا یا سمیٹنا تکبر کی نشانی ہے حالانکہ علامہ عینی نے کف ثوب کو غیر مکروہ (مباح) اور عاجزی کی نشانی بتائی اور اسی نیت سے عوام نماز میں کپڑے سمیٹتے ہیں جو احسن طریقہ ہے۔

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

وفی الخلاصۃ انہ لایکرہ قال الحلبی وھو المختار۔

خلاصہ میں ہے کہ کف ثوب (کپڑے سمیٹنا) مکروہ نہیں ہے اور یہی مختار ہے۔[2363]

شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بہ لصونہ عن التتریب کما فی الزاھدی۔

کہا گیا کہ مٹی سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2364]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونہ عن التراب کمافی المجتبیٰ۔

کہا گیا کہ مٹے سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ کپڑوں کو مٹی سے پاک رکھنے کی نیت سے یا بغیر اس نیت کے بلاوجہ کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمل کی وجہ سے محبوب ہونا چاہیئے۔

کف ثوب کی کراہت نماز کے اندر ہے نہ کہ باہر:

[2363](طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

[2364](البحر الرائق، ص ۲۴، ج ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، رشیدیہ کوئٹہ)

جیسا کہ احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی کتب سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً السنن الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۲۴۲میں ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باب باندھا ہے:

باب کراھیۃ اسبال الازار فی الصلوۃ۔

یعنی باب شلوار کو نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی کراہیت پر۔

جیسا کہ اس باب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فی ظرفیت کے لئے ہے، اور مظروف ظرف کے اندر ہوتا ہے۔

اسی طرح کتاب کے شروع میں مذکورہ حدیث میں بھی کف ثوب کا جو ذکر ہے وہ نماز کے اندر مکروہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعۃ اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبھۃ و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔[2365]

اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

أخبرنا حمید بن مسعدۃ عن یزید قال حدثنا شعبۃ وروح عن عمرو بن دینار عن طاوسٍ عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أن أسجد علی سبعۃ و لا أکف شعراً و لا ثوبا۔[2366]

اسی طرح عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد ۶، صفحہ ۹۱) میں حدیث کے اس حصے (**و لا یکف شعرا و لا ثوبا**) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وفیہ کراھۃ کف الثوب و الشعر وظاھر الحدیث النھی عنہ فی حال الصلاۃ و الیہ مال الداودی۔

ظاہرِ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے اور داؤدی بھی اس طرف گئے ہیں۔

[2365] (بخاری، ص ۱۱۲، ج ۱، باب السجود علی سبعۃ اعظم، نور محمد کراچی)

[2366] (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۵، باب النھی عن کف الشعر فی السجود)

معلوم ہوا کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے، خاص طور پر سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑے کو سمیٹ لینا۔ اس ہی بات کی تائید فقہائے کرام نے بھی فرمائی ہے۔

جیسا کہ علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے:

ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا ارادالسجود۔

کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں [2367]

فقہائے کرام نے باب باندھا ہے:

باب فی کراھیۃ الصلوۃ۔

یعنی یہ باب نماز کے مکروہات کے بارے میں ہے۔

اور یہاں پر بھی فی ظرفیت کے لئے آیا ہے۔ اور ان ہی ابواب میں کف ثوب کا مسئلہ بھی مندرج ہے۔ یعنی کف ثوب نماز میں مکروہ ہے، نہ کہ باہر۔

اگرچہ بعض علماء اہل سنت نے علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ کف ثوب یعنی مسؤلہ صورت مطلقا (خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے اندر) مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

جیسے کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب در مختار) نے اپنے اس قول کے ذریعے اس جانب اشارہ دیا ہے کہ کراہیت صرف اثناء نماز میں کپڑے اڑسنے پہ ہی موقوف نہیں بلکہ اگر کسی نے نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔

لیکن فقہائے احناف میں سے بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ کف ثوب یعنی کپڑے اٹھانا سمیٹنا اس وقت مکروہ ہے جب نماز کے اندر ہو جیسا کہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۱۰، ج۷ کے حوالے سے گزر گیا، یعنی نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ موڑنے یا سمیٹنے سے نماز مکروہ نہیں ہوگی۔

[2367] (النھر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیھا، امدادیہ ملتان)

شیخ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں:

ویکرہ ایضا ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوٰۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین او من خلفہ عند السجود۔

نمازی کے لئے نماز کی حالت میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا چڑھانا مکروہ ہے وہ اس طرح کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے اٹھائے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یکف ثوبہ او یرفعھا۔

نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا یا اٹھانا مکروہ ہے۔[2368]

فقہاء احناف کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے وضو کرنے یا کسی کام کاج (محنت مزدوری) کے لئے آستین چڑھائی اور پھر اسی حالت میں نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

آستین کہنی تک یا آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی ہو تو مکروہ ورنہ نہیں: بعض علماء بریلوی کا شامی کے حوالہ سے لکھنا کہ جس نے آستین چڑھا کر نماز پڑھی تو وہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن انہوں نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ کتنی حد تک آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر مطلق آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے (جیسا کہ ان کے فتوے سے معلوم ہو رہا ہے) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض فقہائے احناف نے اس کی تحدید آدھی کلائی سے زیادہ کی فرمائی ہے اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی صاحب کا فتویٰ بھی ان بعض علماء کے خلاف ہے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ولو صلی رافعا کمیہ الی المرفقین یکرہ۔

[2368] (خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸ ج ۱ مایکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی، لاهور)

اگر کسی نے اس حال میں نماز پڑھی کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو تو مکروہ ہے۔[2369]

علامہ سدید الدین کاشغری لکھتے ہیں:

وان یرفع کمیہ الی المرفقین۔

آستین کو کہنیوں تک چڑھانا مکروہ ہے۔[2370]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

ویدخل ایضافی کف الثوب تشمیر کمّین کمافی فتح القدیر وظاھرہ الاطلاق وفی الخلاصۃ ومنیۃ المصلی قید الکراھۃ بان یکون رافعاً کمیہ الی المرفقین وظاھرہ انہ لایکرہ اذا کان یرفعھا الی مادونھا۔

اور کپڑا موڑنے میں آستینوں کا اڑسنا بھی شامل ہے اسی طرح فتح القدیر میں ہے اور بظاہر مطلق ہے لیکن خلاصہ اور منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر آستینوں کو کہنیوں تک چڑھالیا تو مکروہ ہو گا اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائی تو مکروہ نہیں ہو گا۔[2371]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: علماء محققین فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔[2372]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی دوسری جگہ لکھتے ہیں: حلیہ میں ہے:

ینبغی ان یکرہ تشمیر ھما الی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا۔

آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہا ہے۔[2373]

[2369](خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸، ج ۱، مایکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی لاہور)

[2370](منیۃ المصلی، ص ۱۴۲، فصلی فیمایکرہ فی الصلوۃ، مکتبۃ الحرم لاہور)

[2371](البحر الرائق ص ۲۴، ج ۲ کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، رشیدیہ کوئٹہ)

[2372](فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروھات الصلوٰۃ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2373](فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروھات الصلوٰۃ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

درج بالا عبارات احناف سے معلوم ہوا کہ آستین چڑھائے ہوئے نماز اس وقت مکروہ ہے جب کہنیوں تک ہو اگر کہنیوں سے کم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہو گی، اسی لئے تو امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے لفظ "ینبغی (چاہیئے)" والی عبارت نقل فرمائی جو اس بات پر دال ہے کہ حتمی طور پر مکروہ نہیں ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔[2374]

معلوم ہوا کہ آدھی کلائی یا اس سے کم آستین چڑھا کر پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آدھی آستین چڑھانے میں بھی کپڑے کو کئی دفعہ موڑنا اور سمیٹنا ہوتا ہے جبکہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ میں اس قدر موڑنا نہیں آتا یعنی وہ آدھی پنڈلی تک نہیں موڑے جاتے، معلوم ہوا کہ جس طرح اس سے (آستین کو آدھی کلائی تک چڑھانے میں) نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں تو اس (یعنی شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ موڑنے) سے بھی نماز مکروہ تحریمی نہیں ہونی چاہیئے۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب (جس کی تعریف و تشریح اور کیفیت عبارات فقہ سے مبرہن ہوئی، یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) ان دو علتوں کی وجہ سے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی جس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔ مراد وہ کف ثوب نہیں جو دور حاضر یا ماضی قریب کے علماء و مفتیان اہل سنت کی تحقیق ہے کہ شلوار یا پتلون کے پائنچے موڑنا۔ دوسری بات یہ کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے مکروہ تحریمی کے بعد یہ قاعدہ قانون لکھا: جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

جب کہ ان ہی علماء اہل سنت نے ایک اور فتویٰ یوں دیا ہے کہ نماز میں ایک کام کو مکروہ تحریمی قرار دیا مگر بعد میں یہ لکھا کہ اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔

[2374] (بہار شریعت، ص ۱۶۲، حصہ سوم، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

لکھتے ہیں: نماز میں ترتیب سے سورتوں کو پڑھنا واجب ہے یہ احکام قرأت قرآن کے ہیں احکام الصلوۃ کے نہیں، اگر قصداً ترتیب کے خلاف پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے مگر اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔
مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ الٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[2375]

معلوم ہوا کہ ایک کام اگرچہ مکروہ تحریمی ہو گا مگر پھر بھی اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی، ان بعض علماء نے اگرچہ اس کو احکام صلوۃ میں شمار نہیں کیا مگر مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو نماز کے مکروہات تحریمہ میں شمار کیا ہے۔

کن مکروہات سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؟

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تعاد الصلوۃ للاحتیاط علی وجہ لیس فیہ کراھۃ وھو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ کما اذا ترک واجبا من واجبات الصلوۃ انتھی لان الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ۔

نماز کو احتیاط کے طور پر اس طرح لوٹا دی جائے کہ جس میں کراہت نہ ہو اور یہ حکم ہر اس نماز کے لئے ہے جو کراہت سمیت ادا کی جائے جیسا کہ کسی نماز میں نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے کیونکہ ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے اس کو دوبارہ پڑھنا جواب ہے، یہ قاعدہ قانون بھی مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کراہت تحریمی ہے جس کا تعلق احکامِ نماز (یعنی واجبات نماز کے ترک کرنے) سے ہو، اب اگر مکروہ تحریمی کام جس کا تعلق نماز کے ساتھ نہ ہو (یعنی وہ نماز کے واجبات کا ترک کرنا نہ ہو) تو اس کی موجودگی میں نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی جیسا کہ اس کی ایک مثال گزر گئی ہے۔

[2375] (بہار شریعت ص ۱۶۲، حصہ سوم، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: کوئی ایسا واجب ترک ہوا جو واجباتِ نماز سے نہیں بلکہ اس کا وجوب امر خارج سے ہو تو سجدہ سہو واجب نہیں مثلاً خلاف ترتیب قرآن مجید پڑھنا ترک واجب ہے مگر موافق ترتیب پڑھنا واجباتِ تلاوت سے ہے واجباتِ نماز سے نہیں لہٰذا سجدہ سہو واجب نہیں۔[2376]

جب یہ معلوم ہوا کہ نماز ان مکروہات تحریمیہ سے واجب الاعادہ ہوتی ہے جس کا تعلق نماز کے واجبات چھوڑنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی **اظہر من الشمس** ہے کہ کسی بھی حنفی فقیہ نے نماز سے پہلے کپڑے کو نہ موڑنا (نہ سمیٹنا اور نہ اڑسنا) نماز کے لئے واجب قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کف ثوب کا تعلق نماز کے واجبات اور مکروہات سے نہیں بلکہ خارجی امور میں سے ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

لوگ نماز شروع کرنے سے پہلے شلوار کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے کیوں اڑستے اور موڑتے ہیں؟

نماز شروع کرنے سے پہلے بعض وہ اہل علم حضرات اور اکثر عوام الناس جن کی شلواریں یا پینٹ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں (خواص اور اکثر اہل علم حضرات عام حالت میں بھی سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مطابق اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اونچی ہی رکھتے ہیں) وہ اپنی شلواروں کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے موڑ کر نماز شروع کرتے ہیں اس کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ انہوں نے سن رکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہوتا ہے وہ جہنم میں ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات خاص کر نماز کی حالت میں اپنے ذہن کے مطابق اس گناہ سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

[2376] (بہار شریعت ص ۷۰۹، حصہ چہارم، سجدہ سہو کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

جبکہ بعض اہل علم (علماء و طلباء، مدرسین و متعلمین) کا اس بات کی طرف کہ وہ عام زندگی میں یا نماز سے پہلے اپنے لباس کو ٹخنوں سے اونچا رکھ کر اس وعید شدید سے بچنے کی کوشش کریں جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے بارے میں بیان ہوئی ہے، التفات کرنا تو درکنار بلکہ ان لوگوں کو بھی جو لباس کو سنت کے مطابق ٹخنوں کے اوپر رکھنا چاہتے ہیں یہ کہہ کر کہ "شلوار کو اڑسنا اور پتلون کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے" ان کو بھی گناہ اور وعید کا مستحق قرار دیتے ہیں حالانکہ دلائل ظاہرہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس طرح کرنا نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

یہ اہل علم حضرات خواہ جس مکتبہ فکر سے بھی متعلق ہوں ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں لباس کو ٹخنوں سے اونچا نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) لباس کو ٹخنوں سے نیچے کرنا اس وقت گناہ اور ناجائز (حرام اور مکروہ تحریمی) ہے جب تکبر کی نیت ہو، اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: آپ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

(۲) لباس کو ٹخنوں سے اونچا کرنے میں تبلیغی جماعت (دیوبندی، جبریہ، جہمیہ) سے تشبیہ آتی ہے جو اپنے چھوٹے بھائی کی شلوار پہنے گھومتے رہتے ہیں، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند، منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لئے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے، سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ نہ رکھے تا کہ ان کی مشابہت سے بچے، **من تشبہ بقوم فھو منھم۔**[2377]

[2377] (مرأت شرح مشکوۃ، ص ۱۰۱، ج ۶، لباس کا بیان)

معلوم ہوا کہ بعض اہل علم وغیرہ کے نزدیک ان دو وجوہات کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔اب ہم ان دونوں وجوہات پر بحث کرتے ہیں کہ ان اہل علم کی بات کس حد تک مقبول اور صحیح ہے۔

لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور گناہ ہے

اگرچہ بعض احادیث جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی مذمت اور وعید کے لئے علت تکبر کو قرار دیا ہے مگر چند احادیث ایسی بھی ہیں جن میں مطلقاً ٹخنوں کو چھپانے کی وعید ہے اور تکبر کا تذکرہ نہیں ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تہبند (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ دوزخ میں ہے۔[2378]

عن سالم بن عبد الله ان اباه حدثه ان رسول الله ﷺ قال بینما رجل ازاره خسف به فهو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمة۔

عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ایک شخص اپنا تہبند گھسیٹتا چل رہا تھا، کہ اسے دھنسایا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔[2379]

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعا کل شیء جاوز الکعبین من الازار فی النار۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع روایت منقول ہے کہ تہبند (شلوار وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے۔[2380]

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها عن النبی ﷺ: ماتحت الکعبین من الازار ففی النار۔

[2378] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار، قدیمی کراچی)
[2379] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، قدیمی کراچی)
[2380] (صحیح البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[2381]

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ما خلف الکعبین ففی النار۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[2382]

رہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جو امام بخاری نے روایت کی، لکھتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنا کپڑا تکبر سے نیچے رکھے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میرا تہبند لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں، ان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ کام تکبراً کریں۔[2383]

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے۔۔۔(ابو بکر نے کہا) یعنی میں تو خود نہیں لٹکاتا خود ہی لٹک جاتا ہے، شکم کسی قدر بھاری ہے اس لئے پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔۔۔(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا) یعنی ہم نے

[2381] (اخرجہ احمد)

[2382] (صحیح البخاری)

[2383] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

تکبر و غرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصداً لٹکاتے بھی نہیں لہٰذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

درج بالا عبارت سے یہ بات **اظہر من الشمس** ہوئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء فرمایا نہ کہ سب لوگوں کا کہ اب ہم میں سے ہر کس وناکس اپنے لئے یہ دلیل بنائے کہ میں اس لئے ٹخنوں سے نیچے کپڑے رکھتا ہوں کہ میرے دل میں تکبر نہیں ہے حالانکہ اس دور میں ایسا کرنے والے اور اس کے جواز کو ڈھونڈنے والے کے دل میں اتنا تکبر ہوتا ہے کہ وہ اس کو سمجھتا بھی نہیں ہے اور وہ خود اس کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمہارے دل میں تکبر نہیں تو تم نے کب کسی ٹیلر (درزی) سے کہا کہ میری شلوار ٹخنوں سے اوپر تک کی مقدار تک سینا اس سے زیادہ نہیں سینا تاکہ میرے کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہیں۔ اور مفتی نعیمی صاحب کی تحقیق (''تکبر افرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے'') سے بھی معلوم ہوا کہ آج کل فیشن کا ایسا دور چل رہا ہے کہ عوام تو عوام خواص (علماء اور طلباء) بھی ہر ٹیلر اور درزی سے کپڑے نہیں سلواتے بلکہ فیشن ایبل لوگوں سے سلواتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والوں کے تکبر کی دوسری علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی شلوار تکلفاً ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تہبند خود بخود (کوشش کے باوجود) سرک جاتا تھا، اتنی صراحت کے باوجود اپنے مکروہ فعل کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہکے فعل پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ ہم تکبر سے نہیں لٹکاتے۔

سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر عمل نہ کرنا تکبر کی نشانی ہے

تکبر نہ ہونے کی رٹ لگانے والے کے تکبر کی ایک اور بڑی علامت یہ ہے کہ جس کے دل میں تکبر نہیں ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمل پر اپنے عمل کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمل کو اپناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الاحزاب: ٢١)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خود بھی اپنی اتباع کا حکم فرمایا ہے:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔[2384]

دوسری حدیث میں ہے:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[2385]

لباس کے معاملے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی عادت مبارکہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لباس کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس بارے میں کیا حکم دیا تھا کہ تہبند کتنی حد تک ہونا چاہیئے۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیہ حلۃ حمراء کأنی انظر الی بریق ساقیہ۔[2386]

امام ابن ماجہ روایت فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس قمیصا قصیر الیدین والطول۔

[2384] (حدیث صحیح اخرجہ ابو داؤد والترمذی ومشکوۃ ص ۳۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2385] (صحیحین)

[2386] (متفق علیہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہفرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم چھوٹی آستینوں اور کم لمبائی والی قمیص زیب تن فرماتے تھے۔[2387]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وفی روایۃ ابن عساکر عنہ: کان یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعہ۔

ابن عساکر کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایسی قمیص زیب تن فرماتے تھے کہ جو ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں کے پوروں کے برابر ہوتی تھیں۔[2388]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسي، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وكانت ثيابه كلها مشمرة فوق الكعبين ويكون الإزار فوق ذلك إلى نصف الساق۔

ترجمہ: اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے ہوتے تھے، اور تہبند تو اس سے بھی اوپر یعنی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی۔[2389]

یہ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اپنا عمل تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی قمیص مبارک ہمیشہ ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی تو کیا تکبر لگانے والے سے یہ بھی ثابت کریں گے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں تھا اس لئے ان کا استثناء فرما کر تہبند نیچے ہونے پر کوئی وعید نہیں سنائی اور (**نعوذ باللہ**) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دل میں تکبر تھا اس لئے خود بنفس نفیس اپنے لباس مبارک کو ہمیشہ ٹخنوں سے اونچا رکھا۔ (**العیاذ باللہ**)

معلوم ہوا کہ تکبر کی رٹ لگانے والے چونکہ فیشن ایبل دور میں رہ رہے ہیں اور ان کو اپنا بھرم بھی دکھانا ہے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس غیر ارادی فعل کو اپنے لئے دلیل بنا کر سنتِ

[2387](ابن ماجہ ص ۲۶۴، کتاب اللباس، باب کم القمیص کم یکون)

[2388](مرقات ص ۱۲۹ ج ۸ کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

[2389](احیاء العلوم اخلاقہ وآدابہ فی اللباس ج ۲ ص ۵۲۸ المکتبۃ التوفیقیۃ القاھرۃ)

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روگردانی کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں حالانکہ ایک طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر اختیاری فعل ہے جو صرف اور صرف ان کے ساتھ خاص ہے اور دوسری طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمل مبارک ہے۔

کیا اس دور کے علماء واعظین (مقررین)، مدارس کے طلباء اور پیرزادے اس مرض و وبا (شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) میں مبتلا نہیں ہیں؟

درج بالا وذیل دلائل کے مابین ناچیز نے اس مکروہ کام کے مرتکب علماء اور خواص کو جابجا متکبرین کے نام سے لکھا تو کیا ایسا نہیں ہے؟ اور کیا عوام کی بنسبت اکثر خواص اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں؟ ناچیز (بریلوی مکتبہ فکر کے) ایک عظیم محدث مفتی ہند، اہلسنت محمد شریف الحق امجدی صاحب کی عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مفتی صاحب موصوف **"باب ما اسفل من الکعبین"** کے تحت لکھتے ہیں: بطور عادت اور شوق ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے آج کل کے علماء خصوصا واعظین اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلاء ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔[2390]

مفتی صاحب موصوف **"باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا"** میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تہبند والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: آج کل مقررین و پیرزادگان کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ پائجامے اور تہبند ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ آج کل علماء جبے بھی زمین پر گھسٹتے رہتے ہیں، ٹوکنے پر کہہ دیتے ہیں ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے، ان کا یہ کہنا درحقیقت اس ارشاد ربانی کی تردید ہے:

[2390] (نزھۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۱۸، ج ۵، کتاب اللباس، فرید بکسٹال لاھور)

وَلا يَحُضُّ عَلى طَعامِ الْمِسْكِينِ۔ تَرْكُ الْمُوَاسَاةِ مَعَهُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الْمُوَاسَاةُ وَاجِبَةً. وَقَدْ يُذَمُّ الْمَرْءُ بِتَرْكِ النَّوَافِلِ لَا سِيَّمَا إِذَا أُسْنِدَ إِلَى النِّفَاقِ وَعَدَمِ الدِّينِ۔[2391]

یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں، مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام اس کو سخت معیوب مانتے ہیں حتیٰ کہ ان کی اکثریت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں، ان مدعیان رہنمائی کو خبر نہیں کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ **اتقوا مواضع التهم**، تہمت کی جگہوں سے بچو اور فرمایا: **اياكم و ما يعتذر منه**۔ ایسے کاموں سے بچو جس کا عذر بیان کرنا پڑے۔[2392]

نزہۃ القاری کی درج بالا عبارات سے تین مسائل کا استخراج ہوتا ہے:

ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے (اور فاسق کی وضع تشبیہ کی وجہ سے ناجائز ہے)۔

دوسرا یہ کہ آج کل کے علماء خصوصاًواعظین، پیرزادگان اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلا ہیں

۔

تیسری بات یہ کہ ان علماء کی اس بات کی کوئی حیثیت نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ”ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں“، یہ ان کی اپنی من مانی ہے نہ کہ سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر عمل کر کے اہل سنت اور سنی بننا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سُنّی کہلانے والا ہر شخص پابندِ سنتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نہیں ہوتا، کبھی کبھی وہ خلافِ سنت پر عمل کر کے بھی سنی کہلانے پر فخر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

[2391](التفسير الكبير ج ٣٢ ص ٣٠٢)

[2392](نزهة القارى شرح بخارى، ص ٥٦٩، ج ٤، كتاب المناقب، فريدبكسٹال لاهور)

بلکہ محسنِ کائنات، مربی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان لوگوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا جن کی شلوار (یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھیں اور اھل خواص کو تو شریعت کی پابندی اور بھی زیادہ ضروری ہے اسی وجہ سے ہمارے پیر ومرشد قدوۃ الاولیاء والعلماء شیخ المشائخ پیران پیر خواجہ خواجگان حضرت سیدنا ومرشدنا سیف الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرز وطریقہ ہے۔ جیسا کہ

حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم لا يخفى عليک يا أخي أن من شأن أهل الله عز و جل كونهم يأخذون العهد على المريد بتركه المباح زيادة على الأمر و النهي طلب الترقية إذ المباح لا ترقي فيه من حيث ذاته و إنما هو أمر برزخي بين الأمر و النهي جعله الله تعالى مرتبة تنفيس للمكلفين يتنفسون به من مشقة التكليف إذ الإقبال على الله تعالى في امتثال الأمر و اجتناب النهي على الدوام ليس من مقدور البشر فأراد أهل الله تعالى للمريد أن يقلل من المباح جهده و يجعل موضعه فعل مأمور و اجتناب منهي أو مرغب في فعله أو تركه لأخذهم بالعزائم دون الترخيصات۔

ترجمہ: پھر اے بھائی تم پر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے کہ اللہ والے لوگ اپنے مرید کی ترقی کے لئے اللہ کے امر و نہی کے علاوہ ان سے یہ عہد لیا کرتے ہیں کہ وہ صرف جائز ہونے والے کاموں سے رکے رہیں گے کیونکہ صرف جائز ہونے والے کام میں ذاتی طور پر اس کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو امر و نہی کے درمیان ایک کام ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تسلی کا سبب بنایا ہوتا ہے جن پر اس کے احکام لاگو ہوتے ہیں چنانچہ ایسے مباح کاموں کی وجہ سے انہیں تسلی ملتی رہتی ہے کیونکہ ہمیشہ اللہ تعالی کے احکام پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے رکتے ہوئے اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی بندے کی ہمت میں نہیں ہوتا چنانچہ اللہ والے اپنے مرید کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نرے جائز کہلانے والے

کاموں کی کوشش کم سے کم کریں البتہ ان کی جگہ وہ کام کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا ان سے بچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہوا ہے یا جن کے کرنے اور چھوڑنے کا شوق دلایا گیا ہے تاکہ ایسے کام کر سکیں جن کا پختہ حکم ہے اور وہ کام نہ کریں جن میں ڈھیل دی گئی ہے۔یعنی عزیمت کو اختیار کریں۔[2393]

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أن أهل الله عز و جل لا يسامحون المريد بارتكابه شيئا من المكروهات فضلا عن المحرمات الظاهرة أو الباطنة و أن طريقهم محررة على موافقة الكتاب و السنة كتحرير الذهب بخلاف ما يظنه من لا علم له بطريقهم۔

ترجمہ: اللہ والے اپنے مرید کو مکروہ کام کرنے پر بھی معاف نہیں کیا کرتے چہ جائیکہ وہ ظاہری یا باطنی طور پر حرام کاموں میں پڑیں اور ان کا طور طریقہ کتاب و سنت کی طرح سنہری حروف میں لکھا ملتا ہے، وہ نہیں جیسے ان کے طریقے سے ناواقف لوگ بتاتے ہیں۔[2394]

جیسے کہ الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

و بلغ من اعتناء الحق تعالىٰ بأحدهم: أنه كان يعاقب أحدهم على خلاف الأولىٰ۔

اوراللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[2395]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

و كان الجنيد رضى الله تعالى يقول: طريق الفقهاء هى أساس طريقنا التى بنيت عليه و لكن زاد الصوفية على الفقهاء كثرة مراعاة العمل بالشريعة و عدم التساهل فى ترك العمل بشىء منها

[2393] (لواقح الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية ج ۱ ص ۷۸، دار التقویٰ)

[2394] (لواقح الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية ج ۱ ص ۸۲، دار التقویٰ)

[2395] (الاجوبة المرضيه عن ائمة الفقهاء و الصوفية ص ۱۴۱)

ای طریقهم ترک الرخص والتاویلات والاخذبالعزائم والتمسک بالمندوب کالواجب واجتناب المکروه وخلاف الاولی کالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی بناء پر ہے لیکن صوفیاء فقہاء نے جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[2396]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول: الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلاعن المکروه والحرام۔

ترجمہ: اور سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[2397]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں۔

وسمعت سیدی علی المرصفی رحمه اللہ تعالی یقول: لا یصح لمرید قدم فی الارادة حتی یترک المباحات جملة ویجعل مکان مباح ترکه فعل مأمور شرعیٔ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانه خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانه منهی عنه کراهة تنزیه وحتی یجتنب الحرام

[2396] (الاجوبة المرضیه عن ائمة الفقهاء والصوفیة ص ۱۲۷)
[2397] (الاجوبة المرضیه عن ائمة الفقهاء والصوفیة ص ۱۸۸)

كانه كفر وحتى يفعل المندوب كانه واجب ويفعل الاولى كانه مندوب كل ذالك تعظيما لامر الله تعالى ونهيه۔

ترجمہ: اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑدے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[2398]

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبدالله بن المبارک رضی الله تعالى عنه من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الواجبات ومن تهاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او كما قال۔

یعنی فرمایا عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔[2399]

کیا مکروہ تنزیہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ متقی پرہیز گار کے لیے بڑی بات ہے۔

[2398] (الاجوبة المرضيه عن ائمة الفقهاء والصوفية ص ۱۹۰)

[2399] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ عوارف المعارف دار الکتب العلمیہ)

حضرتِ عالی مقام امام ربانی مجد د الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

پس رعایتِ ادبی واجتناب از مکروہی اگرچہ تنزیہی باشد فکیف کہ تحریمی بمراتب از ذکر وفکر ومراقبہ وتوجہ بہتر باشد آرے این امور باین رعایت واجتناب اگر جمع کند "فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيماً" وبدونہ خرط القتاد۔

ترجمہ: لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا، اگرچہ تنزیہی ہی ہو اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولیٰ کئی مرتبے ذکر فکر اور مراقبہ اور توجہ سے بہتر ہے ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کرلی۔اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔[2400]

چھوٹے بڑے گناہوں کو معمولی نہ جانو

حضرت علامہ امام عبد الوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(أخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه و سلم) أن لا نتهاون بارتكاب شيء من صغائر الذنوب فضلا عن كبائرها و لا بارتكاب شيء من مكروهاتها حتى خلاف الأولى منها و لا نصر على ذنب بل نتوب منه على الفور و ذلک لأن ارتكاب المعاصي و ما قاربها مع الإصرار يظلم به القلب حتى يصير لا يحن إلى فعل شيء فيه خير وتتفاوت الناس في مقدار ظلمة القلب بحسب مقاماتهم فربما أن بعض الناس لا يحس بظلمة القلب عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الصغائر دون المكروهات وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الضغائر دون المكروهات وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب المكروهات دون خلاف الأولى ولكل مقام رجال فكلما صفا القلب كلما ظهر فيه الظلمة وأدركها بصر صاحبها كالحبر على الورق و كلما تكدر القلب خفي فيه الظلمة ولم يدركها بصر صاحبها كالحبر على الفحم۔

[2400] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب، ۲۹، ص، ۲۷، مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

فيحتاج من يريد العمل بهذا العهد إلى السلوک على يد شيخ ناصح يسد عليه جميع المخارس التي يدخل منها الشيطان ويشغله بالطاعات المتوالية حتى تتراكم عليه الأنوار ويخلص من سائر الذنوب ويدخل حضرة الإحسان فهناک لا يتهاون بذنب ولو خلاف الأولى فضلا عن المكروهات فضلا عن الصغائر فضلا عن الكبائر فإن أهل كل حضرة يساعدون بعضهم بعضا بمشاهدة بعضهم أحوال بعض ومن هنا شرطوا في إتمام التوبة هجر إخوان السوء لئلا يزلزلوا توبته بمشاهدتهم لمعاصيهم وأمروا التائب أن يخالط أهل الطاعات ليشاهد طاعاتهم وينقل نفسه من المعاصي والطباع تسرق من الجليس الأفعال التي يشاهدها منه من خير وشر ولو على طول فينتقل جميع ما في ذلک الجليس لک يا أخي فالعاقل من أتى البيوت من ابوابها (والله عليم، حكيم)

وقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه مرفوعا (إن العبد المؤمن إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فإن هو نزع واستغفر صقلت فإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه فهو الران الذي ذكره الله تعالى بقوله (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ) (المطففين، ١٤) والنكتة: هي نقطة تشبه الوسخ في المرآة۔

روى الإمام أحمد والطبراني والبيهقي مرفوعا : إياكم ومحقرات الذنوب[2401] فإنهن يجتمعن على الرجل حتى تهلكه كمثل قوم نزلوا أرض فلاة فحضر صنيع القوم فجعل الرجل ينطلق فيجئ بالعود والرجل يأتي بالعود حتى جمعوا سوادا وأججوا نارا وأنضجوا ما قذف فيها۔

وروى النسائي بإسناد صحيح وابن حبان في صحيحه وغيرهما مرفوعا: إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه.

روى الطبراني عن ابن مسعود: إني لأحسب الرجل ينسى العلم كما تعلمه بالخطيئة يعملها۔

وروى البخاري وغيره عن انس رضي الله تعالى عنه قال : إنكم لتعملون أعمالا هي أدق في أعينهم من الشعر كنا نعدها على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله و سلم من الموبقات يعني المهلكات۔

[2401] عن حميد ابن هلال ،قال :قال عبادة ابن قرط "انكم تأتون اشياء هی ادق فی اعينكم من الشعر، كنا نعدها علی عهد رسو ل ﷺ ،الموبقات" قال: فذكروا ذلک لمحمد، فقال": صدق، أری جر الازار منه" (مسند احمد حديث ٢٠٧٥٠)

وروى ابن حبان في صحيحه مرفوعا: لو أن الله يؤاخذني وعيسى بن مريم بذنوبنا لعذبنا ولا يظلمنا وأشار بالسبابة والتي تليها. وفي رواية: لو يؤاخذني الله وعيسى بن مريم بما جنت هاتان يعني الإبهام والتي تليها لعذبنا ثم لم يظلمنا شيئا۔

وروى الإمام أحمد والبيهقي مرفوعا: لو غفر لكم ما تأتون إلى البهائم لغفر لكم كثيرا. وفي رواية انه من كلام ابي الدرداء. وروى الحاكم وقال صحيح الإسناد أن عبدالله بن مسعود قرأ (وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَکَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى) ثم قال (كاد الجعل يعذب في جحره بذنب ابن آدم) والجعل بضم الجيم وفتح العين دويبة تكاد تشبه الخنفساء تدحرج الروث بأنفها۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم چاہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ کرنے کو بھی معمولی نہ سمجھیں، نہ مکروہ کام کرنے کو معمولی جانیں اور نہ ہی زیادہ بہتر کے مقابلے میں کم درجہ کام کو معمولی بنائیں، یونہی کسی گناہ پر جمے نہ رہیں بلکہ فوراً اس سے توبہ کریں کیونکہ گناہ اور اس کے قریب قریب کام جم کر کرنے سے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے چنانچہ جو شخص کسی بہتر کام کی طرف جھکاؤ نہیں کرتا، پھر لوگوں کے دل ان کے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق تاریک ہوتے ہیں چنانچہ کسی کو دل کی تاریکی کا پتہ بڑے گناہ کرنے ہی سے چلتا ہے، چھوٹوں پر نہیں، کئی ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اس تاریکی کے بارے میں اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ چھوٹے گناہ کرتے ہیں، مکروہ کاموں پر نہیں چلتا، کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جنہیں مکروہ کام کرنے پر پتہ چلتا ہے، خلاف اولیٰ کرنے پر نہیں کیونکہ بندے ہر طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ جس کا دل صاف ہو تو جب بھی اس میں تاریکی آتی ہے تو دل والے کی آنکھ اسے یوں دیکھتی ہے جیسے کاغذ پر سیاہی لگی ہو اور جب بھی دل پر میل ہو اور تاریکی کم ہو جائے تو اسے دل والے کی آنکھ یوں دیکھتی ہے جیسے کوئلے پر سیاہی لگی ہو چنانچہ جو اس ہدایت پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے ایسے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو نیک ہو اور شیطان کے داخل ہونے کے سب راستے بند کر دے اور مسلسل اسے عبادتوں میں لگائے رکھے تاکہ اس پر انوار کی بارش شروع ہو جائے، وہ سب گناہوں سے پاک ہو جائے اور احسان کے مرتبہ میں چلا

جائے، چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر وہ خلاف اولیٰ سمیت کسی بھی گناہ کو معمولی نہیں جانے گا، مکروہات بلکہ بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ بھی ہلکے نہیں جانے گا کیونکہ ہر مقام والے ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کے حالات دیکھ رہے ہوتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر علماء نے توبہ کے پورا ہونے میں شرط لگائی ہے کہ برے بھائیوں کو چھوڑ دو تاکہ ان کے گناہ دیکھ کر اپنی توبہ کو خراب نہ کرلیں اور توبہ کرنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ عبادت کرنے والوں میں گھل مل کر رہیں تاکہ وہ ان کی عبادتوں کا مشاہدہ کریں اور اپنے آپ کو گناہوں سے نکال لیں کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ ہے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں سے اچھے برے وہ کام سیکھتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے خواہ دیر ہی سے سیکھے چنانچہ اے بھائی! اس بیٹھنے والے ساتھی سے سب کچھ تمہارے پاس آجاتا ہے لہٰذا عقلمند وہ ہوتا ہے جو اصل راستے سے مقصد تک پہنچے۔ واللہ علیم حکیم۔

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے چنانچہ اگر وہ اسے صاف کرتے ہوئے استغفار کرے تو وہ دھل جاتا ہے، اگر دوبارہ کرے تو زیادہ ہوجاتا ہے اور آخر اس کے دل کو گھیر لیتا ہے، چنانچہ یہ وہی "ران" ہے کہ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ "کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھادیا ہے، ان کی کمائیوں نے" اس نکتہ سے مراد وہ نقطہ ہے جو شیشے پر میل جیسا ہوتا ہے۔

امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اپنے آپ کو حقیر گناہ کرنے سے بچاؤ کیونکہ یہ آدمی میں جمع ہوجاتے ہیں اور آخر کار اسے یوں ہلاک کردیتے ہیں جیسے کچھ لوگ کہیں جنگل میں ٹھہریں اور کھانے کا وقت ہوجائے چنانچہ ایک شخص جاکر لکڑی لے آئے، دوسرا آدمی ایک اور لکڑی لائے اور یوں وہ گٹھا جمع کرلیں اور آگ جلا کر اس میں ڈالی چیز کو پکالیں۔"

نسائی اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "انسان گناہ کرلینے پر روزی سے محروم ہوجاتا ہے۔"

امام طبرانی کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ "میں اس آدمی کا خیال رکھتا ہوں جو علم سیکھ کر اس لئے بھلا دیتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہوتا ہے۔"

حضرت امام بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں لیکن جنہیں ہم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں تباہ کرنے والے سمجھتے تھے۔

ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اگر بالفرض اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو ہماری خطا کی وجہ سے پکڑ لے اور تکلیف دے تو اس میں اس کی طرف سے ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا، پھر انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر بتایا" (کہ اتنا ظلم بھی نہیں ہو گا)

ایک اور روایت میں ہے "اگر مجھے اور عیسیٰ بن مریم کو ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور ساتھ والی انگلی) کی وجہ سے ہونے والی کوتاہیوں کے بدلے میں پکڑ کر تکلیف پہنچانا چاہے تو اس میں ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔"

امام احمد اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے "اگر اللہ تعالیٰ تمہارا وہ گناہ معاف کر دے جو تم جانوروں کے ساتھ برائی کی وجہ سے کرتے ہو تو تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دے گا۔"

امام حاکم کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں پڑھا "اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کئے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے۔" پھر فرمایا ہو سکتا ہے کہ جعل نامی (گودھا) کیڑے کو حضرت آدم علیہ السلام کی کوتاہی کی بناء پر عذاب دیتا۔[2402]

پھر اصل مقصد کی طرف چلتے ہیں

حافظ نور الدین علی بن اَبی بکر الھیثمی لکھتے ہیں:

[2402] (لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العہود المحمدیۃ، ج ۲ ص ۴۴۶، دار التقویٰ)

وعن عطاء بن یسار، عن بعض أصحاب النبی ﷺ قال: بینما رجل یصلی وهو مسبل ازاره، اذ قال له رسول الله ﷺ: "اذهب فتوضا" قال: فذهب فتوضا، ثم جاء فقال له رسول الله ﷺ: "اذهب فتوضا" ثم جاء فقال: یارسول الله، مالک أمرته یتوضأ ثم سکت عنه؟ فقال: "انه کان یصلی وهو مسبل ازاره وان الله تبارک وتعالیٰ لا یقبل صلاة عبد مسبل ازاره"۔

عطاء بن یسار بعض اصحابِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کرتے ہیں، اور اور ابو داؤد شریف اور سنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کرو۔ وہ وضو کر کے آیا تو پھر اسے فرمایا جا پھر وضو کر۔ چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم آپ اسے بار بار وضو کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں، تو تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اپنا تہبند ٹخنوں کے نیچے کر کے نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا اللہ تعالیٰ اسبال والے کی نماز قبول نہیں فرماتا۔"[2403]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

وَإِطَالَةُ الذَّيْلِ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ازار کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔[2404]

اور السنن الکبریٰ میں اس حدیث کے آخر میں ہے:

وفی الاحادیث الثابتة المطلقة فی النهی عن جر الازار دلیل علی کراهیته فی الصلاة وغیرها۔

[2403] ("مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" جلد ۵، صفحہ ۲۱۸، کتاب الباس) (السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۴۲، باب کراھیة اسبال الازار فی الصلاة)، (ابو داؤد، کتاب الباس، ص ۵۶۵)

[2404] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الستر، ج ۲، ص ۲۳۵، المکتبہ الرشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

ان احادیثِ مبارکہ سے ازار کے لٹکانے کی نہی مطلقاً ثابت ہوئی، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔یعنی نماز کے اندر بھی شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، اور نماز سے باہر بھی۔[2405]

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی الفتاوی العتابیة: یکرہ للرجال لبس السراویل (المخرفة و)هی التی تقع علی ظهر القدمین۔

ترجمہ: فتاویٰ عتابیہ میں ہے مردوں کو ایسی شلوار پہننا جو پاؤں کی پشت تک لٹکتی ہو (یعنی جس کے پائنچے پاؤں کو مس کریں) مکروہ ہے۔[2406]

حضرت علامہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تقصیر الثیاب سنة، واسبال الازار والقمیص بدعة، ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وهذا فی حق الرجال، واما النساء فیرخین ازارهن اسفل من ازار الرجال لیستر ظهر قدمهن۔اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه کذافی الغرائب۔

ترجمہ: لباس میں کپڑے کو کمی کے ساتھ رکھنا سنت ہے اور تہبند اور قمیص کا لٹکانا بدعت ہے، مناسب ہے کہ تہبند ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو۔ مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے اور عورتیں اپنے تہبند کو مردوں سے زیادہ لٹکائے رہیں تاکہ ان کے قدموں کی پیٹھ ڈھکی رہے۔ مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ غرائب میں ہے۔[2407]

حضرت علامہ ابو الحسین بن علی بن محمد سغدی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

[2405] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۵)

[2406] (فتاوٰی ھندیہ، کتاب الکراھیۃ الباب التاسع، ج،۵، ص، ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، فتاوئ تاتار خانیہ، کتاب الکراھیۃ، الفصل فی اللبس ما یکرہ من ذلک وما لا یکرہ، ج،۱۸،۱۱۸، مکتبہ فاروقیہ، کوئٹہ، البحرالرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الکراھیۃ، ج،۸، ص، ۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، ج، ۹، ص، ۵۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[2407] (فتاوٰی ھندیہ، کتاب الکراھیۃ الباب التاسع، ج، ۵، ص، ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

كل لِبَاس يكون على خلاف السّنة يكون لبسه مَكْرُوها وَهُوَ مثل أَثوَاب الْكفَّار واثواب الْفسق والفجور وَأهل الاشر والبطر مثل القرطق واسبال الازار وَتَطْوِيل الْكمّ وتوسيعه۔

ترجمہ: ہر خلاف سنت لباس پہننا مکروہ ہوتا ہے اور جیسے کفار کے کپڑے اور فسق و فجور کے کپڑے شریر اور متکبرین کے کپڑے، جیسے قرطق اور تہبند کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اور آستین کو لمبا اور کھلا رکھنا ہے۔[2408]

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ودل الحديث على ان النهى انما يتعلق خبره لهذاه العلة، فمن استعجل فجرّ ثوبه خلفه او كان ازاره لا يثبت على كتفيه فلاحرج۔ وكذلک جر خيلاء على الكفار فى الحرب لان فيه اعزاز الاسلام واحتقار عدوه۔ وروى ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه كراهة ذلک فى، كل حال۔

ترجمہ: یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے، سو جو شخص جلدی کی وجہ کپڑا گھسیٹ کر چلا، یا اس کا تہبند قائم نہیں رہتا اور پھسل کر نیچے آجاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح میدانِ جنگ میں کفار کے سامنے تکبر سے تہبند لٹکانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں اسلام کی عزت اور دشمن اسلام کی تحقیر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہر حال میں کراہت منقول ہے۔[2409]

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف سنوسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

معنى ماازادفى النار اذازاده خيلاء لانه مطلق فيرادالى المقيدوان لم يكن خيلاء فهو مكروه۔

[2408](النتف فى الفتاوى، اللباس المكروه، ج۱، ص۲۶۱، دار الكتب العلميه، بيروت)

[2409](اكمال اكمال المعلم، كتاب اللباس والزينة، ج۷، ص۲۳۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کے لباس کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہو گا، بشر طیکہ وہ تکبر کی بناء پر ہو، کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور تکبر کی بناء پر لباس نہ لٹکایا گیا ہو تو پھر وہ مکروہ (تنزیہی) ہے۔[2410]

حضرت علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ویکرہ أن یکون ثوب الرجل إلی فوق نصف ساقہ وتحت کعبہ بلا حاجۃ۔

ترجمہ: اور بغیر حاجت کے مرد کا کپڑا انصف پنڈلی سے اوپر ہونا اور ٹخنوں سے نیچے ہونا مکروہ ہے۔[2411]

انور شاہ کشمیری، دیوبندی لکھتے ہیں:

وجرُّ الثوب ممنوعٌ عندنا مطلقًا، فهو إذن من أحكام اللباس، وقصرَ الشافعيةُ النهي على قيد المخيلة، فإن كان الجرُّ بدون التكبر، فهو جائز، وإذن لا يكون الحديث من أحكام اللباس والأقرب ما ذهب إليه الحنفية، لأن الخُيَلاء ممنوع في نفسه، ولا اختصاص له، بالجرِ، وأما قوله صلى الله عليه وسلّم لأبي بكر: «إنک لست ممن يجر إزاره خيلاء»، ففيه تعليلٌ بأمر مناسب، وإن لم يكن مناطًا فعلة الإِباحة فيه عدمُ الاستمساكِ إلا بالتعهد، إلا أنه زاد عليه بأمر يفيد الإِباحة، ويؤكدها. ولعل المصنف أيضًا يوافقنا، فإنَّه أخرج الحديث في اللباس، وسؤال أبي بكر أيضًا يؤيد ما قلنا، فإنَّه يدلُّ على أنه حملَ النهي على العموم، ولو كان عنده قيدُ الخيلاء مناطًا للنهي، لما كان لسؤاله معنًى. والتعليل بأمر مناسب طريقٌ معهود. ولنا أن نقول أيضًا: إن جرّ الإِزار خيلاء ممنوعٌ لمن يتمسک إزاره، فليس المحطُّ الخيلاء فقط۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہو گی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے، کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس

[2410] (مکمل اکمال اکمال، کتاب اللباس والزینۃ، ج۷، ص۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت) ج۵، ص۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2411] (الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، فصل یکرہ فی الصلاۃ السدل، ج۱، ص۹۱)

کا کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کیلئے مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بطور عموم تھی۔(یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند گھسیٹنا ممنوع ہے) اور اگر انکے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نھیں تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال کیا تھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم !میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔[2412]

اور کسی مناسب امر کو بطور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہبند گھسیٹنا اس شخص کے لئے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لئے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔[2413]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔)

[2412] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴)

[2413] (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج، ٦، ص، ٧٢، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الجواب: پائنچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر راہ عجب و تکبر ہے تو قطعا ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔[2414]

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہر گز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں۔ مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔[2415]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضاخان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق (پنڈلی) تک پائچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تک ہوتی تھی۔[2416]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ازقسم ازار (یعنی پائجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا، وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ [2417]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پیر کے جتنے حصہ پر تہبند وغیرہ لٹکا ہو گا وہ پورا حصہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ یہ عمل یعنی ٹخنے سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا ایک مذموم عمل ہے اور دوزخیوں کا کام ہے۔ ٹخنے سے نیچے ازار وغیرہ لٹکانے کے مسئلہ میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں زیادہ تر ازار کے لٹکانے کا ذکر ہے اور ازار لٹکانے والے کے حق میں بہت سخت وعیدیں بھی بیان کی گئی ہے۔

بہر حال عزیمت یعنی اولی درجہ یہ ہے کہ ازار یعنی تہبند و پائجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھا جائے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا تہبند نصف پنڈلی ہی تک رکھتے تھے البتہ رخصت یعنی اجازت و آسانی کا درجہ ٹخنوں تک ہے کہ تہبند و پائجامے کو زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک رکھا جاسکتا ہے، کرتے و قمیص اور عباو شیروانی

[2414] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۴، رضافاؤنڈیشن، لاہور)
[2415] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۷، رضافاؤنڈیشن، لاہور)
[2416] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۸، رضافاؤنڈیشن، لاہور)
[2417] (بخاری)

وغیرہ کے دامن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح قمیص و کرتے وغیرہ کی آستینوں کی مسنون لمبائی یہ ہے کہ کہ وہ بند دست یعنی ہاتھ کے جوڑ تک ہوں عمامہ کا شملہ زیادہ سے زیادہ اتنا چھوڑا جانا چاہئے جو نصف پشت تک رہے، جو شملہ لمبائی یا چوڑائی میں اس سے زائد ہو گا وہ بدعت اور اس زائد لٹکانے میں شمار ہو گا جو ممنوع ہے، چنانچہ بعض علاقوں اور شہروں کے لوگ اپنے لباس میں جو زائد از ضرورت کپڑا استعمال کرتے ہیں، جیسے ضرورت سے زائد لمبی لمبی آستینوں اور وسیع و عریض دامنوں والے کرتے، کئی کئی گز کے پاجامے اور شلواروں اور بڑے بڑے عمامے اور پگڑی کا رواج بعض جگہ پایا جاتا ہے وہ خلاف سنت ہے بلکہ یہ زائد از ضرورت کپڑے صرف کرنا اگر تکبر و غرور کی نیت سے ہو گا تو اس کو حرام کہیں گے اور اگر لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی رواج کے تحت ہو گا تو اس کو مکروہ کہا جائے گا کپڑوں میں ضرورت سے زائد لمبائی چوڑائی رکھنا عورتوں کیلئے بھی ممنوع ہے مگر مردوں کی بہ نسبت ایک بالش یا دو بالش کے بقدر زائد ہونا جائز ہے، بلکہ اتنی زائد مقدار تو مستحب ہے جو پردہ پوشی کے بقدر ہو۔[2418]

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لباس ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا:

اب ہم وہ احادیث ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صراحت کے ساتھ مسلمان کے لباس کے لئے حد مقرر فرمائی کہ کپڑے کہاں تک رکھنے چاہیئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اپنے لباس کو آدھی پنڈلی یا اس سے نیچے مگر ٹخنوں سے اوپر تک رکھو۔

مشکوۃ شریف اور السنن الکبریٰ میں ہے:

[2418] (مظاہر حق ۴ جدید ص ۱۵۲_۱۵۳)

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَفِي النَّارِ» قَالَ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے سنا کہ تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں جو اس سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا، یہ تین بار فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے گا۔[2419]

نسائی اور ابوداؤد شریف میں ہے:

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال سول اللہ ﷺ ثلاثة لا یکلمهم اللہ یوم القیامة ولهم عذاب الیم المنان بما اعطاہ والمسبل ازارہ والمنفق سلعته بالحلف الکاذب۔

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین اشخاص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ (۱) دینے کے بعد احسان جتلانے والا، (۲) اپنی تہبند لٹکانے والا، (۳) جھوٹی قسم سے اپنے مال واسباب کو رواج (شہرت) دینے والا۔[2420]

امام مسلم اور امام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی روایت کرتے ہیں:

[2419] (مشکوٰۃ ص ۳۷۴، کتاب الباس، الفصل الثانی، قدیمی، کراچی، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۴۶، باب موضع الازار من الرجل)

[2420] نسائی ص ۲۹۴ ج ۲ ابو داؤد ۲۱۰، ج ۲، مسلم رقم الحدیث ۳۰۶ کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة الخ واللفظ له۔ورواہ ابوداود، باب ماجاءفی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجه حدیث ۲۱۹۹، مسنداحمدحدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابن ابی شیبة، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۲۰، شعب الایمان للبیهقی حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسندبزار حدیث ۴۰۲۴، (ثلاثة) من الناس (لا یکلمهم الله تکلیم رضی عنهم أو کلاما یسرهم أو لا یرسل لهم الملائکة بالتحیة وملائکة الرحمة ولما کان لکثرة الجمع مدخل عظیم في مشقة الخزي قال (یوم القیامة) الذي من افتضح في جمعه لم یفز (ولا ینظر إلیهم) نظر رحمة وعطف ولطف (ولا یزکیهم) یطهرهم من الذنوب أو لا یثني علیهم (ولهم عذاب ألیم) مؤلم یعرفون به ما جهلوا من عظمته واجترحوا من مخالفته۔ (فیض القدیر للمناوی ج ۳ ص ۳۲۹ رقم الحدیث ۳۵۳۸)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مررت برسول اللہ ﷺ وفی ازاری استرخاء فقال: یا عبد اللہ: ارفع ازارک فرفعتہ ثم قال زد فزدت فمازلت اتحراھا بعد فقال بعض القوم الی این؟ قال الی انصاف الساقین۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس سے گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی، تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، فرمایا اور زیادہ اونچا کرو، میں نے اور زیادہ اونچا کر لیا پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے؟ فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک۔[2421]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وروی احمد عن انس مرفوعا: الازار الی نصف الساق او الی الکعبین لا خیر فی اسفل من ذلک۔

حضرت انس نے مرفوع روایت بیان کی کہ تہبند (شلوار وغیرہ) آدھی پنڈلی یا ٹخنوں کے اوپر تک ہونی چاہئے اس سے نیچے کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔[2422]

اور اس حدیث شریف کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفی ھذہ الأحادیث أن إسبال الإزار للخیلاء کبیرۃ وأما الإسبال لغیر الخیلاء فظاھر الأحادیث تحریمہ أیضا لکن استدل بالتقیید فی ھذہ الأحادیث بالخیلاء علی أن الإطلاق فی الزجر الوارد فی ذم الإسبال محمول علی المقید ھنا فلا یحرم الجر و الاسبال إذا سلم من الخیلاء۔ قال ابن عبد البر مفھومہ أن الجر لغیر الخیلاء لا یلحقہ الوعید إلا أن جر القمیص وغیرہ من الثیاب مذموم علی کل حال فأما لغیر الخیلاء فیختلف الحال فإن کان الثوب علی قدر لابسہ لکنہ یسدلہ فھذا لا یظھر فیہ تحریم و لا سیما ان کان عن غیر قصد کالذی وقع لأبی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وان کان الثوب زائدا علی قدر لابسہ فھذا قد یتجہ المنع فیہ من جھۃ الإسراف فینتھی إلی التحریم وقد

[2421] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب الخ، قدیمی کراچی)

[2422] (مرقات، ج۸، ص ۱۴۰، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

يتجه المنع فيه من جهة التشبه بالنساء وهو أمكن فيه من الأول وقد صحح الحاكم من حديث أبي هريرة أن رسول الله ﷺ لعن الرجل يلبس لبسه المرأة وقد يتجه المنع فيه من جهة أن لابسه لا يأمن من تعلق النجاسة به وإلى ذلک يشير الحديث الذی أخرجه الترمذی فی الشمائل والنسائی من طريق أشعث بن أبی الشعثاء وأسم أبيه سليم المحاربی عن عمته واسمها رهم بضم الراء وسكون الهاء وهی بنت الأسود بن حنظلة عن عمها واسمه عبيد بن خالد قال كنت أمشی وعلی برد أجره فقال لی رجل أرفع ثوبک فإنه أنقی وأبقی فنظرت فإذا هو النبی صلی الله عليه وسلم فقلت إنما هی بردة ملحاء فقال أما لک فی أسوة قال فنظرت فإذا إزاره إلی أنصاف ساقيه وسنده قبلها جيد وقوله ملحاء بفتح الميم وبمهملة قبلها سكون ممدودة أی فيها خطوط سود وبيض وفی قصة قتل عمر أنه قال للشاب الذی دخل عليه أرفع ثوبک فإنه أنقی لثوبک وأتقی لربک وقد تقدم فی المناقب ويتجه المنع أيضا فی الإسبال من جهة أخری وهی كونه مظنة الخيلاء وحاصله أن الإسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء ويؤيده ما أخرجه أحمد بن منيع من وجه آخر عن بن عمر فی أثناء حديث رفعه وإياک وجر الإزار فإن جر الإزار من المخيلة۔

ترجمہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر سے تہبند لٹکانا گناہ کبیرہ ہے، اور بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا بھی بظاہر احادیث سے حرام ہی معلوم ہوتا ہے لیکن احادیث میں جو تکبر کی قید لگائی گئی ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں تہبند لٹکانے سے مطلقاً منع کیا ہے وہ بھی تکبر سے لٹکانے پر ہی محمول ہیں، لہٰذا بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا حرام نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے تہبند لٹکانے پر وعید ہے البتہ قمیص اور دیگر کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہر حال میں مذموم ہے۔

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اس سے حرام

ہونا ظاہر نہیں ہو گا، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا، اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے، اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے، کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہوتا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شمائل (رقم:۱۲۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم:۹۶۸۲،۹۶۸۳) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا ناگاہ ایک شخص نے فرمایا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقا ہے، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، میں نے عرض کیا: یارسول للہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہوا تھا۔[2423]

اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑے گھسیٹنے میں تکبر کی بد گمانی ہوتی ہے۔ قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت احمد بن منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی

[2423] (مسند احمد، ج،۵، ص،۳۶۴)

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند گھسیٹنا تکبر سے ہے۔[2424]

أَبِي أُمَامَةَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَحِقَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الْأَنْصَارِيُّ فِي حُلَّةِ إِزَارٍ وَرِدَاءٍ قَدْ أَسْبَلَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِه ويتواضع لله وَيَقُول عَبدک وبن عَبْدِک وَأَمَتِک حَتَّى سَمِعَهَا عَمْرٌو فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي حَمْشُ السَّاقَيْنِ فَقَالَ يَا عَمْرُو إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ يَا عَمْرُو إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْبِلَ الْحَدِيثَ۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بکفه تحت ركبة نفسه فقال: يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار ثم رفعها ثم وضعها تحت ذلک فقال: یاعمرو بن زرارة هذا موضع الإزار ثم رفعها ثم وضعها تحت ذلک فقال: یاعمرو بن زرارة هذا موضع الإزار۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس موجود تھے کہ حضرت عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند اور چادر کے لباس میں ملبوس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ تہبند ٹخنوں کے نیچے تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کے کپڑے کے کنارے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ دعا فرمانے لگے: اے للہ! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری کنیز کا بیٹا ہے یہاں تک کہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو سنا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: یارسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میں زیادہ باریک پنڈلیوں والا ہوں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بڑی اچھی تخلیق فرمائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ہتھیلی (چار انگلیوں) کو اپنے گھٹنے کے نیچے رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا:

[2424] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵-۳۲۴، دار السلام)

اے عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کو اس کے نیچے (چار انگلیاں)رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے۔[2425]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وظاهره أن عمرو المذكور لم يقصد بإسباله الخيلاء وقد منعه من ذلك لكونه مظنة۔

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور نے اپنے (کپڑے) لٹکانے میں تکبر کا قصد نہیں کیا اور اس کو لٹکانے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدگمانی ہوتی ہے۔[2426]

درج ذیل عبارت کئی شارحین نے لکھی:

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: لَا يَجُوزُ لِرَجُلٍ أَنْ يُجَاوِزَ بِثَوْبِهِ كَعْبَيْهِ وَيَقُولَ لَا أَتَكَبَّرُ بِهِ؛ لِأَنَّ النَّهْيَ قَدْ يَتَنَاوَلُهُ لَفْظًا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ اللَّفْظُ حُكْمًا فَيَقُولُ إنِّي لَسْتُ مِمَّنْ يُسْبِلُهُ، لِأَنَّ تِلْكَ الْعِلَّةَ لَيْسَتْ فِي فَإِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلشَّرِيعَةِ وَدَعْوَى لَا تُسَلَّمُ لَهُ بَلْ مِنْ تَكَبُّرِهِ يُطِيلُ ثَوْبَهُ وَإِزَارَهُ فَكَذِبُهُ فِي ذَلِكَ مَعْلُومٌ قَطْعًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح الترمذی" میں فرمایا: مرد کو جائز نہیں کہ اس کا کپڑا اس کے ٹخنوں سے نیچے ہو اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں تکبر کی نیت سے نیچے نہیں رکھتا ، کیونکہ الفاظ کے اعتبار سے نہی اس پر مشتمل ہے، اور حکم کے اعتبار سے اس کو لفظ کا شامل ہونا جائز نہیں ہے ، اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کو لٹکاتے ہیں، کیونکہ مجھ میں وہ علت نہیں ہے ، پس بے شک وہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا اپنے کپڑے اور تہبند کو لمبا کرنا ہی اس کے متکبر ہونے سے ہے، تو اس کا اس میں جھوٹا ہونا قطعاً معلوم ہے۔

[2425] (المعجم الكبير رقم ٧٩٠٩ ج٨ ص ٢٣٢ مسند الشاميين ج ٢ ص ٢٢٧ فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب اللباس باب ٥ من جر ثوبه من الخيلاء ج ١٠ ص ٣٢٥ دار الكتب العلميه بيروت)

[2426] (فتح الباری شرح صحيح البخاری كتاب اللباس باب ٥ من جر ثوبه من الخيلائ ج ١٠ ص ٢٢٥ دار الكتب العلميه بيروت)

(جہاں لفظ نہی شامل ہو وہاں اس کی تعلیل بیان کرنا دعوی بلا دلیل ہے۔ بلکہ دامن کا لمبا کرنا تکبر پر دلیل ہے)[2427]

محمد ابن الشیخ علامہ علی بن آدم بن موسیٰ ایتوبی ولولوی، مدرس دارالخیر یہ مکہ مکرمہ، لکھتے ہیں:

هذا الذى قاله ابن العربى رحمه الله تعالى هو عين التحقيق ، الذى لا يستقيم غيره مع هذه النصوص الظاهرة فى التحريم ، وحاصله أن الاسبال يستلزم جر الثوب ، وجر الثوب يستلزم الخيلاء ، ولو لم يقصد اللابس الخيلاء ، فيحرم عليه ، كما دلّت على ذلک ظواهر النصوص الواردةفى النهى عن الاسبال۔

ترجمہ: یہ جس کو ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے یہی عینِ تحقیق ہے، جو تحریم ان ظاہری نصوص کے ساتھ ہے اس کے علاوہ درست نہیں ہو سکتا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے لٹکانا کپڑے کے گھسیٹنے کو مستلزم ہے، اور کپڑے کو گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے، اگرچہ لباس پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، تو اس پر حرام ہو گا، جیسا کہ لٹکانے کے متعلق نھی کے بارے میں نصوصِ واردہ کا ظاہر اس پر دلیل ہے۔[2428]

محمد ابن الشيخ العلامة على بن آدم بن موسى الأيتوبى الوَلّوِیُ، مدرس "دارالخيريّة مكة المكرمة"لکھتے ہیں:

قدتلخّص مما ذُكر من الأدلة أن جرّ الازار تحت الكعبين حرام، ولو لم يكن بقصد الخيلاء ، لأنه ﷺ جعله من المخيلة ، وأما بقصد الخيلاء ، فهو أشدّ تحريماً ، وله الوعيد المذكور فى حديث الباب، وأماماتقدّم من قول النووىّ: انه مكروه تنزيهًا، فلايخفى ضعفه، فتبصّر۔

[2427] (طرف التثريب ج۹ص۳۵، ۳۴فتح البارى ج۱۰ ص۲۶۴، ۲۶۳تحفة الاحوذى ج۵ص۴۰۵داراحياء التراث العربى بيروت سبل السلام باب الادب ج۴ص۱۵۸ عون المعبود ج۱۱ ص۷۶داراحياءالتراث العربى بيروت نيل الاوطار ج۲ص۱۱۲ حاشيه بخارى ج۲ص۸۶۱)

[2428] (شرح سنن النسائى المسمىٰ ذخيرة العقبىٰ فى شرح المجتبىٰ ، كتاب الزينة ،ج، ۳۹،ص، ۹۲ دارالمعراج للنشر الرياض المكةالعربيةالسعودية)

ترجمہ: تحقیق جن دلائل کو ذکر کیا گیا ان کی تلخیص یہ ہے کہ بے شک تہبند کو ٹخنوں کے نیچے گھسیٹنا حرام ہے، اگرچہ تکبر کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو تکبر سے بتایا ہے، اگر تکبر کے ارادہ سے ہو، تو زیادہ سخت حرام ہے، اور باب حدیث میں مذکور وعید اس کے لیے ہوگی اور رہا وہ جو امام نووی کے قول میں سے پہلے گزرا وہ مکروہ تنزیہی ہے، پس اس کا ضعیف ہونا مخفی نہیں ہے، فتبصر۔[2429]

محمد ابن الشیخ العلامة علی بن آدم بن موسی الأیتوبی الوَلّوِیُ، مدرس "دار الخیریّة مكة المكرمة" لکھتے ہیں:

وخلاصة القول فی هذه المسألة أن الاسبال محرّم مطلقاً، سواء كان خيلاء، وهو أشد تحريما، أم لا۔

اور اس مسئلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ (کپڑا، یا تہبند، شلوار) لٹکانا مطلقاً حرام ہے، باعتبار تکبر ہو یا بغیر تکبر کے ہو۔ باعتبار تکبر ہو تو زیادہ سخت حرام ہے۔[2430]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وازار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم از بالائے ناف تا فوق کعبین بودہ وایںقدر سنت واز ناف تا زانو ستر فرض ست وبعضے ناف را در عورت نگرفتہ اند چرا کہ ناف حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بوسیدہ اند وہمبریں قیاس سراویل کہ در عجم متعارف ست وآنرا شلوار میگوئند بمقدار ازار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم باید اگر زیر شتالنگ باد وسہ چین واقع شود بدعت وگناہ ست ودر حدیث آمدہ کہ گفت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام: "لا ينظر الله يوم القيامة الى من جر ازاره بطرا" یعنی نظر نمیکند خدائے تعالیٰ جلشانہ روز قیامت سوئے کسے کہ بکشد ازار

[2429] شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، كتاب الزينة، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الرياض المكة العربية السعودية)

[2430] شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، كتاب الزينة، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الرياض المكة العربية السعودية)

خود راو درازار سازد بطریق تکبر و اسراف وطغیان نعمت وازیں قید معلوم میشود کہ اگر ازروئے تکبر نباشد و بجہت عذرے باشد مثل مرض وردقت کردہ بود ونزد فقہا ازار کہ فروتر از شتالنگ باشد حرام است وبدعت ست محض چنانچہ فرمود رسول علیہ الصلوۃ والسلام: "من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ" وقال علیہ الصلوۃ والسلام: "ماأسفل من الکعبین من الازار فھو فی النار"۔

ترجمہ: اور آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند مبارک ناف کے اوپر سے ٹخنوں کے اوپر تک ہوتا تھا اور اسی قدر مسنون ہے اور ناف (کے نیچے) سے گھٹنوں (کے نیچے) تک ستر (یعنی ڈھانکنا) فرض ہے، بعض نے ناف کو ستر عورت (یعنی جس کا چھپانا فرض ہے) قرار نہیں دیا کیونکہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ناف کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بوسہ دیا ہے۔اسی قیاس پر سراویل (پاجامہ یا شلوار) ہے۔جو سراویل عجم میں متعارف ہے اسے شلوار کہتے ہیں وہ آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازار کی مقدار کے برابر ہونی چاہئے اگر ٹخنوں سے دو تین شکن نیچے ہو تو بدعت و گناہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خدائے عزوجل بروز قیامت اس شخص کی جانب نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو ازراہ تکبر، فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری کے طور پر اپنی چادر گھسیٹے اور اسے لمبا کرے۔اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر (چادر کا لمبا ہونا) ازروئے تکبر کے نہ ہو بلکہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً (چادر کو) مرض اور تکلیف کی وجہ سے لمبا کیا ہو (تو حرج نہیں)۔اور فقہا کے نزدیک ازار (تہبند) جو ٹخنوں سے نیچے ہو حرام ہے اور محض بدعت ہے چنانچہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر (عنایت) نہیں فرمائے گا"۔اور فرمایا: "تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ کی آگ میں ہے"۔[2431]

[2431] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس ،ص،۴۷،۴۶،۴۵،رسالہ ضیاء القلوب فی لباس المحبوب،خلاصۃ الفتاوی ،ج،۳،ص،۱۵۵ ،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز لکھتے ہیں:

اسئلة متفرقة و الأجوبة عليها حكم إطالة الثوب سواء كان للخيلاء أو بحكم العادة۔

س. ما حكم إطالة الثوب إن كان للخيلاء أو لغير الخيلاء؟ و ما الحكم إذا اضطر الإنسان إلى ذلک سواء إجبارا من أهله إن كان صغيرا أو جرت العادة على ذلک؟

الجواب: حكمه التحريم في حق الرجال، لقول النبي صلى الله عليه و سلم: «ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار» رواه البخاري في صحيحه، و روى مسلم في الصحيح عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: «ثلاثة لا يكلمهم الله و لا ينظر إليهم يوم القيامة و لا يزكيهم و لهم عذاب أليم: المسبل إزاره، و المنان فيما أعطى، و المنفق سلعته بالحلف الكاذب. و هذان الحديثان و ما في معناهما يعمان من أسبل ثيابه تكبرا أو لغير ذلک من الأسباب، لأنه صلى الله عليه و سلم عمم و أطلق و لم يقيد، و إذا كان الإسبال من أجل الخيلاء صار الإثم أكبر و الوعيد أشد لقوله صلى الله عليه و سلم: «و من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة» و لا يجوز أن يظن أن المنع من الإسبال مقيد بقصد الخيلاء؛ لأن الرسول لم يقيد ذلک عليه الصلاة و السلام في الحديثين المذكورين آنفا، كما أنه لم يقيد ذلک في الحديث الآخر و هو قوله لبعض أصحابه «و إياک و الإسبال فإنه من المخيلة، فجعل الإسبال كله من المخيلة، لأنه في الغالب لا يكون إلا كذلک، و من لم يسبل للخيلاء فعمله وسيلة لذلک، و الوسائل لها حكم الغايات، و لأن ذلک إسراف و تعريض لملابسه للنجاسة و الوسخ، و لهذا ثبت عن عمر رضي الله عنه أنه لما رأى شابا يمس ثوبه الأرض قال له: ارفع ثوبک فإنه أتقى لربک و أنقى لثوبک. أما قوله لأبي بكر الصديق رضي الله عنه لما قال: «يا رسول الله إن إزاري يسترخي إلا أن أتعاهده فقال له صلى الله عليه و سلم: إنک لست ممن يفعله خيلاء» فمراده صلى الله عليه و سلم أن من يتعاهد ملابسه إذا استرخت حتى يرفعها لا يعد ممن يجر ثيابه خيلاء لكونه لم يسبلها، و إنما قد تسترخي عليه فيرفعها و يتعاهدها و لا شک أن هذا معذور، أما من يتعمد إرخاءها سواء كانت بشتا أو سراويل أو إزارا أو قميصا فهو داخل في الوعيد و ليس معذورا في إسباله ملابسه، لأن الأحاديث الصحيحة المانعة من الإسبال تعمه بمنطوقها و بمعناها و مقاصدها فالواجب على كل مسلم أن يحذر الإسبال و أن يتقي الله في ذلک،

وألا تنزل ملابسه عن كعبه عملا بهذا الحديث الصحيح، وحذرا من غضب الله وعقابه. والله ولي التوفيق۔

سوال: کپڑا دراز یعنی لمبے کپڑے رکھنے کا کیا حکم ہے۔خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں اگر وہ چھوٹا ہو، یا عادت ہی ایسی رائج ہو گئی ہو؟

جواب: مردوں کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایاہے: تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔(بخاری، مسلم) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ انکی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ایک اپنا تہبند لٹکانے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں، ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی الاطلاق فرمایاہے اسے مقید نہیں کیا اور جب کپڑا لٹکانا ازراہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ ازراہ تکبر ہو، درست نہیں۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی۔جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔گویا آپ نے کسی طرح بھی، لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو یہ بھی تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔یہ کام اسلئے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ

جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو اسے فرماتے: "اپنا کپڑا اونچا کرلے۔ یہ تیرے پروردگار کے لئے تقوی اور تیرے کپڑے کے لئے صفائی والا کام ہے"۔ رہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ارشاد۔ جب انہوں نے کہا: "اے اللہ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرا تہبند سرک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں"۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں فرمایا: "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں"۔ اس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے، وہ ان میں شمار نہ ہو گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو اور پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے، بلاشبہ وہ معذور ہے۔ مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو، وہ اس وعید میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا لٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں، اپنے مفہوم و معنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کپڑا لٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب سے ڈرے ۔۔۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[2432]

قال يحرم على الرجل أن يجاوز بثوبه الكعبين ويستحب أن يكون في أنصاف الساق إلى ما فوق الكعبين ففي الصحيح سترة المؤمن إلى أنصاف ساقيه فإن زاد فإلى الكعبين فما زاد ففي النار۔

[2432] (مجموع فتاویٰ ابن باز، اطالۃ الثوب، ج، ٦، ص، ٣٨٣، ٣٨٢)

فرمایا: مرد پر اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور ٹخنوں کے اوپر سے لے کر نصف پنڈلی تک مستحب ہے، پس صحیح (قول) میں مومن کا پردہ نصف پنڈلیوں تک ہے اگر زیادہ کرے تو ٹخنوں تک ہے، پھر جو زیادہ کرے تو وہ حصہ دوزخ میں جائے گا۔ [2433]

ابو مالک کمال بن سید سالم، لکھتے ہیں:

فالحاصل أن إسبال الثوب تحت الكعبين حرام ويستحق فاعله أن يُعذَّب، ماتحت الكعبين في النار-

ترجمہ: پس حاصل کلام یہ ہے کہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، اور کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا عذاب کا مستحق ہے، جو ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں ہے۔ [2434]

محمد بن صالح عثیمین لکھتے ہیں:

واختلف العلماء في صحة صلاته، فمنهم من قال: إن صلاته صحيحة لكنه آثم بإسبال ثوبه، ومنهم من قال: إن صلاته غير صحيحة؛ لأنه لبس ثوباً محرماً والراجح أن صلاته صحيحة، لكنه آثم بالإسبال۔

ترجمہ: اور ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح ہے لیکن ٹخنوں سے نیچے اپنے کپڑے کو لٹکانے والا گناہ گار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نے حرام لباس پہنا ہے، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا گناہ گار ہے۔ [2435]

سعید بن علی بن وھف قحطانی، لکھتے ہیں:

[2433] (الذخرة، باب فرع، ج، ۱۳، ص، ۲۶۵)

[2434] (صحيح فقه السنة وادلته وتوضيح مذاهب الائمة، اللباس والزينة للرجال، ج، ۳، ص، ۱۲)

[2435] (اللقاء الشهرى ج۴ ص ۱۵)

وهذه الأحاديث تدل على أن إسبال الثياب والعمائم، والمشالح، والسراويل من كبائر الذنوب. وأن المسبل من الرجال إن كان متكبراً فقد ارتكب كبيرتين: الكبر، والإسبال، وإن لم يكن متكبراًفقدارتكب كبيرةالإسبال۔

ترجمہ: اور یہ (مذکورہ بالا) احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ کپڑے اور عمامے اور شلواریں ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور بے شک ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا مرد اگر متکبر ہے تو اس نے دو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر متکبر نہیں ہے تو اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہے۔[2436]

محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند، لکھتے ہیں:

س: هل إسبال الملابس لغير الخيلاء محرم أم لا؟

ج: إسبال الملابس للرجال محرم سواء كان الخيلاء أو لغير للخيلاء، ولكن إذا كان للخيلاء فإن عقوبته أشد وأعظم۔

س: کیا بغیر تکبر کے ٹخنوں سے کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام ہے یا نہیں؟

ج: مردوں کے لیے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، خواہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو، اور لیکن جب تکبر کے طور پر ہو تو اس کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ بڑی ہے۔[2437]

علامہ یحیٰی بن شرف نووی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان الاسبال يكون فى الازار والقميص والعمامة وأنه لايجوز اسباله تحت الكعبين ان كان للخيلاء فان كان لغيرها فهومكروه وظواهر الأحاديث فى تقييدها بالجر خيلاء تدل على أن التحريم مخصوص بالخيلاء وهكذانص الشافعي على الفرق كماذكرنا وأجمع العلماء على جواز الاسبال للنساء وقدصح عن النبي صلى الله عليه وسلم الاذن لهن فى ارخاء ذيولهن ذراعا والله أعلم

[2436] (الصيام فى الاسلام فى وء الكتبا والسنة ،ج،١،ص،٢٥٩،صلاة العيدين ،ج،١،ص،١٥٠،صلاة المومن ،ج،٢،ص،٩٦١)

[2437] (فتاوی اسلامیہ، حکم اسبال الملابس لغير الخيلاء، ج،٣،ص،٢٣٨)

وأما القدر المستحب فيما ينزل إليه طرف القميص والإزار فنصف الساقين كما في حديث ابن عمر المذكور وفي حديث أبي سعيد ازار المؤمن إلى أنصاف ساقيه لا جناح عليه فيما بينه وبين الكعبين ما أسفل من ذلک فهو في النار فالمستحب نصف الساقين والجائز بلا كراهة ماتحته إلى الكعبين فما نزل عن الكعبين فهو ممنوع فان كان للخيلاء فهو ممنوع منع تحريم والافمنع تنزيه وأما الأحاديث المطلقة بأن ماتحت الكعبين في النار فالمراد بها ما كان للخيلاء لانه مطلق فوجب حمله على المقيد۔

ترجمہ: تہبند، قمیص اور عمامہ ان میں سے ہر ایک کو ٹخنوں کے نیچے تکبر سے لٹکانا منع ہے اور بغیر تکبر کے لٹکانا مکروہ ہے چونکہ احادیث میں کپڑا لٹکانے کی ممانعت کو تکبر کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حرام ہونا تکبر کے ساتھ مخصوص ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فرق کی تصریح کی ہے، اور عورتوں کے لیے کپڑا لٹکانے کی اجازت ہے اس کے جواز کی احادیث میں تصریح ہے اور اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے اور حدیث صحیح میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مبارک نے عورتوں کیلئے ایک گز کپڑا لٹکانے کی اجازت دی ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مومن کا تہبند پنڈلیوں کے نصف سے لے کر ٹخنوں تک نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے، لہٰذا پنڈلیوں کے نصف تک تہبند لٹکانا مستحب ہے، اور ٹخنوں تک نیچے کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے، اور جن احادیث میں مطلقاً آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو، کیونکہ یہ احادیث مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔[2438]

محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں:

[2438](شرح النووی علی مسلم، ج۲، ص۱۹۵، ۱۹۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

وبهذا نعرف قول النووي رحمه الله بتحريم الإسبال خيلاء وكراهيته لغير الخيلاء والصحيح أنه حرام سواء كان لخيلاء أم لغير خيلاء بل الصحيح أنه من كبائر الذنوب لأن كبائر الذنوب كل ذنب جعل الله عليه عقوبة خاصة به وهذا عليه عقوبة خاصة ففيه الوعيد بالنار إذا كان لغير الخيلاء وفيه وعيد بالعقوبات الأربع إذا كان خيلاء لا يكلمه الله يوم القيامة ولا ينظر إليه ولا يزكيه وله عذاب أليم۔

ترجمہ: اوراس سے ہم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پہچانتے ہیں کہ تکبر کے ارادہ سے کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو حرام ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ ہر کبیرہ گناہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، اور اس (اسبال) پر بھی ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، پس جب بغیر تکبر کے ہو تو اس پر آگ کی وعید ہے، اور جب تکبر کے ساتھ ہو تو اس پر چار سزاؤں کی وعید ہے:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا، (۲) اور اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں دیکھے گا، (۳) اور اس کو پاک نہیں فرمائے گا، (۴) اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔[2439]

احمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی یمنی لکھتے ہیں:

وَقَدْ جَمَعَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ رِسَالَةً طَوِيلَةً جَزَمَ فِيهَا بِتَحْرِيمِ الْإِسْبَالِ مُطْلَقًا۔

ترجمہ: اور تحقیق بعض متاخرین نے ایک بہت بڑا رسالہ جمع کیا ہے، اس میں جزم کیا ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً حرام ہے۔[2440]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ورأى ابن عمر رجلا يجر إزاره فقال إن للشيطان إخوانا كررها مرتين أو ثلاثا۔

[2439] (شرح ریاض الصالحین ج ۴ ص ۲۸۷)

[2440] (نیل الاوطار کتاب اللباس باب الرخصة فی اللباس الجمیل ج ۱ ص ۱۶۴ دار الکلم الطیب بیروت)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو یا تین بار فرمایا شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔[2441]

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ جسے آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ہندولی خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا لکھتے ہیں:

ٹخنوں کے نیچے لباس کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تہبند، شلوار اور پاجامہ کے پائنچہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا منافقوں کی علامت ہے اور جو شخص تہبند، شلوار کا پائنچہ لمبا کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نافرمان ہے پھر فرمایا جو شخص شلوار، پاجامہ، تہبند کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہوتا ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔

پھر حضرت ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کپڑے میں اسراف یعنی ضرورت سے زیادہ صرف کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ دونوں چیزوں کے بدلے عذاب ہوتا ہے، ایک کفن کی فضول خرچی کرنے سے اور دوسری چیز لباس کا ٹخنوں سے نیچے کرنا ہے۔[2442]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

[2441] (إحياء العلوم بيان ذم الاختيال واظهار الكبر في مشي وجر اللثياب ج٣ ص ٤٦٢، المكتبة التوفيقية، القاهرة)
[2442] (انیس الارواح، ہشت بہشت، ص، ۵۳)

أَنَّ أُزُرَهُمْ إِلَى أَنْصَافِ سُوقِهِمْ. قَالَ الطِّيبِيُّ فِيهِ إِدْمَاجٌ بِمَعْنَى التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ، لِأَنَّ مَنْ شَدَّ إِزَارَهُ إِلَى سَاقِهِ تَشَمَّرَ لِمُزَاوَلَةِ مَا اهْتَمَّ بِشَأْنِهِ، أَوْ يَكُونَ كِنَايَةً عَنِ التَّوَاضُعِ، كَمَا أَنَّ جَرَّ الْإِزَارِ كِنَايَةٌ عَنِ الْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ۔

ترجمہ: ان کا ازار تہبند نصف ساق تک ہو گا۔ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں ادماج ہے اس معنیٰ: التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ۔

کیونکہ جو شخص تہبند پنڈلی تک کس لیتا ہے تو اس سے کسی اہم کام کے لئے تیار ہونا سمجھا جاتا ہے، یا یہ کنایہ ہے تواضع سے۔ جیسے ازار کا لٹکانا تکبر سے کنایہ ہوتا ہے۔[2443]

وفی الشمائل عن عبید بن خالد المحاربی قال بينما انا امشی بالمدينة اذ انسان خلفی یقول: ارفع ازارک فانه اتقی وفی روایة انقی۔۔ فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله ﷺ انما هی بردة ملحاء قال امالک فِیَّ اسوة، فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔۔۔ وعن حذيفة قال اخذ رسول الله ﷺ بعضلة ساقی او ساقه فقال: هذا موضع الازار، فان ابيت فاسفل فان ابيت فلا حق للازار فی الكعبين۔

شمائل میں ہے کہ عبید بن خالد محاربی نے کہا کہ میں مدینہ میں جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اپنی تہبند کو اونچا کرو کیونکہ یہ تقویٰ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح یہ پاک رہے گی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تھے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یہ بہت قیمتی اور عمدہ چادر نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے لئے میرے طریقے (سنت) میں کامل نمونہ نہیں ہے؟ پس جب میں نے دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ازار مبارک آدھی پنڈلی تک اونچا تھا۔۔۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے میری یا اپنی پنڈلی کے درمیان سخت گوشت کو پکڑ کر فرمایا: یہ تہبند کی جگہ ہے اور اگر تم یہاں تک نہیں

[2443] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین ج ۱۰ ص ۴۲ المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

رکھنا چاہتے تو اس سے ذرا نیچے کر لو اور اگر اس سے اور نیچے کرنا چاہتے ہو تو ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکانے کا کوئی حق نہیں ہے۔[2444]

اور ابو داؤد شریف میں ابن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

نعم الرجل خريم الاسدی لولا طول جمته واسبال ازاره فبلغ ذلک خريما فجعل فاخذ شفرة فقطع بها جمته الى أذنيه ورفع ازاره الى انصاف ساقيه۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا خریم اسدی بہت اچھا شخص ہے اگر اس کے سر کے بال بڑے نہ ہوتے اور تہبند نیچا نہ ہوتا، جب یہ خبر خریم اسدی کو پہنچی تو چھری لے کر بال کاٹ ڈالے اور کانوں تک کر لئے اور تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا کر لیا۔[2445]

درج بالا روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابی کہ جن کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خود فرمایا: **نعم الرجل عبد الله**۔ عبد اللہ بہت ہی اچھا شخص ہے۔[2446]

حضرت خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنا تہبند اونچا کرو جو اس وقت ٹخنوں سے نیچے تھا اور اتنا زیادہ اونچا کرا دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا اور اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ وہ آدھی پنڈلی تک رہتا۔

درج بالا حدیث سے ان باتوں کا استنباط ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان صحابہ کو تہبند اونچا کرنے کا جو حکم دیا تو کیا ان کے دل میں تکبر تھا؟ کیونکہ تہبند نیچے کرنا متکبرین کی نشانی ہے، اور اگر ان کے دل میں تکبر نہیں تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو

[2444] (مرقات ج۸ ص ۱۲۹، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ، پشاور)

[2445] (ابو داؤد شریف، کتاب الباس ص ۵۶۵) (المستدرک علی الصحیحین، ج۵ ص ۱۱۹)

[2446] (بخاری، ص ۱۵۱، ج ۱، باب التهجد، نور محمد کراچی)

تہبند لٹکانے کی رخصت کیوں عطا نہیں فرمائی جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرما کر رخصت دی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بار بار عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو تہبند اوپر کرنے کا حکم فرمایا، اگر عام حالت سے اوپر کرنے کے لئے فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے موافق بار بار اوپر چڑھانا (سمیٹنا اور اڑسنا) مکروہ ہے تو پھر تو ان صحابہ نے بھی (نعوذ باللہ!) مکروہ کام کیا کیونکہ اس عمل کو بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب کے حکم میں داخل مان کر مکروہ قرار دیا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ جب عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس طرح اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور اڑسنا مکروہ ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی موجودگی میں مکروہ کام ہو رہا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو منع نہیں فرما رہے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو کسی خلاف شرع کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان کی نشانی ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دل میں تکبر نہ تھا پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو بار بار کپڑا اٹھانے کا حکم دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا، اسی طرح ان صحابہ کا اپنے تہبند کو اوپر اٹھانا (اڑسنا، سمیٹنا) بھی مکروہ نہیں تھا ورنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ضرور ان کو اس طرح کرنے سے منع فرماتے۔

درج بالا روایات سے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اپنے آپ کو سچا عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہتے ہیں اور شلوار کو فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ٹخنوں سے نیچے

رکھتے ہیں اور جمہور صحابہ کے عمل کو پس پشت ڈال کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تخصیصی عمل کو دلیل بنا کر مکروہ کام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اب ہم ذیل میں وہ روایات نقل کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دوسرے کو تہبند (شلوار وغیرہ) ٹخنوں سے اونچا رکھنے کا حکم دیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی ہستیوں کے بارے میں ہم بدگمانی نہیں کر سکتے کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی تکبر تھا اس لئے ایک دوسرے کو اس کام کا حکم دیتے تھے تاکہ کراہت تحریمی سے (بوجہ خیلاء، تکبر) بچیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ا۔ فلما ادبر اذا ازارہ یمس الارض قال ردوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانہ انقی لثوبک واتقی لربک۔

ایک لڑکا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا۔ جب واپس جانے لگا، اس کا ازار زمین کو چھو رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو واپس بلاؤ۔ پھر اس سے فرمایا: اے بھائی، اپنا کپڑا (ازار یا شلوار) اوپر کر۔ بے شک یہ تیرے کپڑے کے لئے پاکیزگی اور صفائی ہے اور تیرے ربّ کے لئے تقویٰ ہے۔[2447]

۲۔ عن جبیر بن مطعم أنه کان جالساً مع ابن عمر اذ مر فتی شاب علیه حلة صغانیة یجرها مسبل قال: یا فتی هلم قال له الفتی: ما حاجتک یا أبا عبد الرحمٰن قال: ویحک أتحب أن ینظر الله الیک یوم القیامة قال: سبحان الله وما یمنعنی أن لا أحب ذلک قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول لا ینظر الله الی عبد یوم القیامة یجر ازاره خیلاء قال: فلم یر ذلک الشاب الا مشمراً حتی مات بعد ذلک الیوم۔[2448]

[2447] (بخاری ص ۵۲۴، ج ۱، کتاب المناقب، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، نور محمد کراچی)

[2448] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۴)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان صغانی لباس پہنے ازار کو زمین پر گھسیٹے ہوئے گزرا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان یہاں آؤ! اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن کیا بات ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو برباد ہو، کیا تجھے پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے نظرِ رحمت سے دیکھے؟ اس نوجوان نے کہا: پاک ہے اللہ۔ مجھے کس نے منع کیا ہے کہ میں اسے پسند نہ کروں؟ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے ازار کو تکبراً گھسیٹتا ہو۔ پھر اس نوجوان کو مرتے دم تک اپنے ازار کو اونچا رکھتے دیکھا گیا۔

عن أبی الحجاج بن سعید الثقفی عن رجل من قومه قال: مر برسول الله ﷺ رجل یجر ازاره فقال رسول الله ﷺ: ارفع ازارک فان الله عز و جل لا یحب المسبلین فقال: ان بساقی حموشة فقال رسول الله ﷺ: ما بازارک أقبح ما بساقک۔[2449]

ترجمہ: حجاج بن سعید ثقفی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس سے اپنا ازار لٹکائے ہوئے گزرا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اپنا ازار اونچا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازار لٹکانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس شخص نے کہا میری پنڈلی میں زخم ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو برائی تیرے ازار لٹکانے میں ہے وہ تیرے پنڈلی کے زخم سے زیادہ بری ہے۔

۳۔ أخبرنا أبو بکر الفارسی أنا أبو اسحاق الأصبهانی ثنا أبو أحمد بن فارس ثنا محمد بن اسماعیل قال: وقال خطاب الحمصی ثنا بقیة عن مسلم بن زیاد قال: رأیت أربعة من أصحاب النبی

[2449] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۴۶)

ﷺ أنس بن مالک وفضالة بن عبيد وأبا المنيب وفروخ بن سيار بن فروخ يرخون العمائم من خلفهم وثيابهم الى الكعبين۔[2450]

ترجمہ: مسلم بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چار اصحاب، حضرت انس بن مالک، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت ابو منیب، اور فروخ بن سیار بن فروخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کو دیکھا کہ وہ اپنے عمامے (کے شملے) اپنی پیٹھ پر ڈالتے اور اپنے ازار کو ٹخنوں تک رکھتے۔

عن الأشعث بن سليم عن عمته عن عمها قال: بينما أنا أمشي في سكة من سكك المدينة اذ ناداني انسان من خلفي: ارفع ازارک فانه أتقى وأنقى قال: فنظرت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله انما هي بردة كلحاء قال: أمالک فيّ أسوة فنظرت فاذا ازاره الى نصف ساقه۔[2451]

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا "ارفع ازارک فانه اتقى وابقى" اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تھے، میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰعنہ فرماتے ہیں:

[2450] (شعب الایمان، ج۵، ص ۱۷۶)

[2451] (شعب الایمان ج۵ ص ۱۵۰)

دخل شابٌ علیٰ عمر، فجعل الشاب یثنی علیه، قال: فرآہ عمر یجر ازارہٗ، فقال: له: یا ابن أخی، ارفع ازارک، فانّه اتقیٰ لربک و انقی لثوبک، قال: فکان عبد الله یقول: یا عجباً لعمر أن رأی حق الله علیه، فلم یمنعه ماهو فیه أن تکمل به۔[2452]

ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرنا شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے ازار کو (ٹخنے سے نیچے) لٹکایا ہوا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اپنے ازار کو اوپر کرو، یہ تمہارے رب کے نزدیک تقویٰ میں بہتر اور تمہارے کپڑے کے لئے زیادہ صفائی کا باعث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عجیب شخصیت تھی کہ اگر اپنے اوپر اللہ کا حق دیکھتے تھے تو ان کو وہ چیز جو ان کے اندر تھی (یعنی کسی کی تعریف وغیرہ کرنا) اللہ کے حق کی ادائیگی میں کلام کرنے سے مانع نہیں ہوتی تھی ایک اور روایت میں ہے۔

عن خرشة بن الحر قال: رأیت عمر بن الخطاب و مر به فتی قد أسبل إزارہ و هو یجرہ، فدعاہ فقال له: أحائض أنت؟ قال: یا أمیر المؤمنین! وهل یحیض الرجل؟ قال: فما بالک قد أسبلت إزارک علی قدمیک، ثم دعا بشفرة ثم جمع طرف إزارہ فقطع ما أسفل الکعبین؛ وقال خرشة: کأنی أنظر إلی الخیوط علی عقبیه۔

ترجمہ: حضرت خرشہ بن الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کا تہبند گھسٹ رہا تھا اور وہ اسے گھسیٹے جا رہا تھا تو آپ نے اسے بلا کر کہا: کیا (عورتیں کی مخصوص بیماری) حیض سے ہو؟ اس نے کہا: امیر المومنین! کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنا ازار اپنے پیروں پر

[2452] (مصنف ابن ابی شیبة حدیث ۲۵۳۱۲ کتاب اللباس باب فی جرّ الازار وماجاء فیه،ومکتبة امدادیة ملتان ج٦ص٢٧رقم١٠)

ڈال رکھا ہے۔ پھر چھری منگوائی اور اس کا ازار مٹھی میں پکڑ کر ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا، خرشہ فرماتے ہیں: گویا میں دھاگوں کو اس کی ایڑیوں پر دیکھ رہا ہوں۔[2453]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں:

ان الاسبال یستلزم جر الثوب وجر الثوب یستلزم الخیلاء ولو لم یقصد اللابس الخیلاء ویؤید ماروا ہ ابن عمر مرفوعا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم قولہ: وایاک وجر الازار فان جر الازار من المخیلۃ۔[2454]

یعنی اسبال کے ساتھ کپڑے لٹکانا لازم ہے اور کپڑے لٹکانے کے ساتھ تکبر لازم ہے اگرچہ کپڑے پہننے والے کی نیت تکبر کی نہ ہو اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے مرفوع روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کہ یہ تکبر کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جابر بن سلیم کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

قال النبی ﷺ ایاک واسبال الازار فان اسبال الازار من المخیلۃ ولا یحبہا اللہ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں:

قال ابن العربی: لا یجوز للرجل ان یجاوز بثوبہ کعبہ ویقول لا اجرّہ خیلاء لان النہی قد تناولہ لفظا ولا یجوز لمن تناولہ اللفظ حکما ان یقول لا امتثلہ لان تلک العلۃ لیست فیّ فانہا دعویٰ غیر مسلمۃ بل اطالتہ ذیلہ دالۃ علی تکبرہ۔

[2453] (جامع الاحادیث، رقم: ۳۰۰۵۸، بیھقی، کنز العمال، رقم: ۴۱۸۸۷، ج ۱۵، ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2454] (فتح الباری، ص ۳۷۷ ج ۱۲ کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

ابن عربی نے کہا: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے رکھے اور یہ کہے کہ میں اس کو تکبر کی نیت سے نہیں لٹکاتا کیونکہ ممانعت اس کو بھی لفظاً شامل ہے، اور ہر اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ جس کے کسی کام کے ساتھ ممانعت لفظی طور پر شامل ہو کہے کہ میں اس ممنوع کام کا مرتکب نہیں ہوں کیونکہ مجھ میں ممانعت کی وہ علت نہیں پائی جاتی (اس کہنے کے باوجود) اس کا یہ دعویٰ باطل اور غیر تسلیم شدہ ہے بلکہ اس کا اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے سے لٹکانا اس کے تکبر (متکبر ہونے) کی علامت ہے۔

درج بالا دلائل سے معلوم ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو تکبر کی نشانی قرار دیا اگرچہ اس کی نیت تکبر کی نہ ہو اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ قرار دیا اگرچہ متکبرین دعویٰ کریں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے:

عن عمرو بن شرید قال ابعد (ابصرہ من بعد) رسول اللہ ﷺ رجلا یجر ازارہ فأسرع الیہ او هرول فقال: ارفع ازارک و اتق اللہ قال انی احنف تصطک رکبتای، فقال: ارفع ازارک فان کل خلق اللہ عز و جل حسن فما رؤی ذلک الرجل بعد الا ازارہ یصیب انصاف ساقیہ او الی انصاف ساقیہ۔[2455]

عمرو بن شرید نے کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک آدمی کو دور سے دیکھا جو اپنے ازار (تہبند) کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکائے ہوئے جا رہا تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کی طرف دوڑ کر گئے اور فرمایا۔ اپنے تہبند کو اونچا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے کہا میرے پاؤں ٹیڑھے (بدصورت) ہیں اس سے میرے گھٹنے چھپ جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ازار کو اونچا کرو

[2455] (مسند احمد، فتح الباری، ص ۳۷۸ ج ۱۲، کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (انسان) خوبصورت ہے، اس کے بعد وہ آدمی جب بھی دیکھے گئے تو ان کا ازار آدھی پنڈلی تک ہوا کرتا تھا۔

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر یہ نہیں فرمایا: کیا تم تکبر کی نیت سے اس طرح کرتے ہو؟ اگر وہ جواب دیتے کہ ہاں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو منع فرماتے ورنہ رخصت عطا فرماتے کہ جب تکبر نہیں تو ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ اس حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ اس صحابی نے تکبر کی نفی فرما کر پاؤں کی بد صورتی کی علت کا تذکرہ کیا مگر پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اپنے ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھو، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شلوار کو مطلقاً ٹخنوں سے نیچے رکھنا تقویٰ کے منافی اور ممنوع ہے۔

مفتی ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صحیح بخاری کے باب "من جر ثوبه من الخيلاء" کے تحت لکھتے ہیں:

نسائی اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا جو اپنے کپڑے کو براہ تکبر گھسیٹے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، چونکہ حدیث میں لفظ "من" عام تھا جو مردہ عورت دونوں کو شامل ہے تو اس سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا کریں؟ فرمایا ایک بالشت لٹکائیں، عرض کیا کہ اتنے سے ان کے قدم کھل جائیں گے؟ فرمایا ایک ہاتھ لٹکائیں اس سے زیادہ نہ کریں۔

یہاں یک بات یہ قابل غور ہے کہ عورتیں اپنے دامن کو تکبراً نہیں لٹکاتی تھیں بلکہ اپنے قدموں کو چھپانے کے لئے لٹکاتی تھیں جو فرض ہے تو اگر ازار کا تکبراً ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہوتا تو ام المؤمنین

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس سوال کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی، اس سے سمجھ میں آیا کہ ٹخنوں کے نیچے تہبند لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے اگر چہ براہ تکبر نہ ہو جیسا کہ علامہ نووی نے افادہ فرمایا۔[2456]

اب دور حاضر میں فیشن اور فخر سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے اہل علم و عوام نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غیر اختیاری فعل کو اپنے لئے دلیل بنالیا ہے یہ بھی ان لوگوں کے تکبر کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کیونکہ اگر ان لوگوں کو ثواب کمانا ہوتا اور شریعت پر چلنے میں خوشی محسوس کرتے تو ان تمام دلائل کو مد نظر رکھتے جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمل اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور ایک دوسرے کو تہبند اور شلوار اونچا کرنے کا حکم موجود ہے، اور علامہ مفتی ہند مفتی شریف الحق امجدی صاحب کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے نہ کہ تکبر کی نیت ہے۔

آدھی پنڈلی تک تہبند (شلوار وغیرہ) اونچا کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا فرشتوں کی سنت ہے:
دور حاضر میں کپڑے لٹکانے والے حضرات اپنے تکبر کو برقرار رکھنے اور سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے لئے یہ جواز ڈھونڈتے ہیں کہ شلوار کو آدھی پنڈلی تک اٹھانا اچھا نہیں لگتا اور یہ اس لئے مکروہ ہے کہ جب کوئی اس حال میں دنیاوی اشراف کے پروگراموں میں ان کے سامنے نہیں جاسکتا تو اس لباس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا بھی نامناسب اور مکروہ ہے حالانکہ ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جس لباس کو یہ لوگ مکروہ اور بدمذہب سے مشابہ قرار دیتے ہیں عین وہی لباس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے فرشتوں کا لباس ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں:

عن بریدة قال قال رسول اللہ ﷺ: اتزروا کما رأیت الملائکة تتزر عند رب العالمین, قالوا: کیف تتزر الملائکة عند رب العالمین؟ قال الی انصاف سوقھا۔

[2456] (نزھۃ القاری ص ۹۱۵، ج۵، کتاب اللباس فرید بک اسٹال لاھور)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اس طرح تہبند (شلوار وغیرہ) باندھا کرو جس طرح میں نے فرشتوں کو رب العالمین کی بارگاہ میں باندھے دیکھا ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا فرشتے کیسے ازار باندھے ہوئے تھے؟ فرمایا: آدھی پنڈلی تک۔

عن عبد اللہ بن عبید بن عمیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لأصحابه ارفعوا أزركم ارفعوا ارفعوا قال فرفعوها إلی ركبهم ثم قال اخفضوا اخفضوا اخفضوا فخفضوها إلی أنصاف ساقهم ثم قال إني رايت الملائكة و لباسهم هكذا أو أزرهم هكذا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا: اپنے تہبندوں کو اونچا کرو، اونچا کرو، راوی فرماتے ہیں کہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے گھٹنوں تک اونچے کر لیے، پھر فرمایا: نیچے کرو، نیچے کرو، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی نصف پنڈلیوں تک کر لیے، پھر فرمایا: میں نے فرشتوں کو اوران کے لباس کو اسی طرح دیکھا یا ان کے تہبندوں کو اسی طرح دیکھا۔[2457]

متکبرین کے لئے آنسو بہانے کا مقام عبرت: درج بالا حدیث کو دیکھ کر وہ حضرات (علماء وخواص) اپنے کئے اقوال واعمال پر پشیمان ورنجیدہ ہو کر سر بسجود ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔ جنہوں نے آج تک سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مخالفت بھی کی اور دوسروں کے لئے بھی مانع رہے اور اپنے عمل اور اپنے عمل کے درست ہونے کے دلائل بھی دیئے جو کہ محض باطل ہیں حالانکہ یہی لباس جس کو یہ اہل علم باعث شرم وعار سمجھتے ہیں عین یہی لباس اللہ تعالیٰ کے نورانی ومعصوم فرشتوں کا لباس ہے اور بارگاہ خداندی کے شایان شان بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی لباس نصیب فرمائے۔ آمین۔

سنت لباس

[2457] (مصنف عبدالرزاق، باب اسبال الازار، رقم: ۲۰۱۵۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)

شیخ ابو المحاسن رکن الاسلام مفتی محمد بن ابو بکر حنفی المعروف، امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَمِيصًا كُمَّهُ إِلَى الرُّسْغِ وَيَلْبَسُ قَمِيصًا ذَيْلُهُ فَوْقَ الْكَعْبَيْنِ، مُسْتَوِيَ الْكُمَّيْنِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ، فَعَلَى هَذَا تَقْصِيرُ الثِّيَابِ سُنَّةٌ۔

ترجمہ: اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی قمیص پہنتے اس کے بازو کلائی تک پہنتے، اور قمیص پہنتے اس کا دامن ٹخنوں کے اوپر ہوتا، بازو اپنی انگلیوں کے کناروں کے برابر رکھتے تھے، اسی وجہ سے کپڑوں کا لمبانہ کرنا سنت ہے۔[2458]

حضرت علامہ قطب العارفین غوث الواصلین ابو سعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(تَقْصِيرِ الثِّيَابِ) إِذْ السُّنَّةُ جَعْلُهَا لِأَنْصَافِ السَّاقِ، وَهُوَ مُبَاحٌ إِلَى الْكَعْبِ وَمَا جَاوَزَهُ حَرَامٌ مَعَ الْخُيَلَاءِ مَكْرُوهٌ عِنْدَ فَقْدِهَا۔

ترجمہ: (کپڑوں کو لمبانہ کرنا) اس کو جب نصف پنڈلی تک بنانا سنت ہے، اور یہ ٹخنے تک جائز ہے اور تکبر کے ساتھ ٹخنے سے نیچے لٹکانا حرام ہے، بغیر تکبر کے مکروہ ہے[2459]

کیا شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا وہابیوں کی نشانی ہے؟

دور حاضر کے وہ اہل علم و عوام جو فیشن یا فخر کی وجہ سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں، استفسار کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کرنا وہابیوں، دیوبندیوں کا طرز عمل ہے اس لئے ہم ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں بد مذہبوں کی مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، اب ہم اس بات کی ذرا وضاحت کرتے ہیں کہ کسی بد مذہب سے کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع ہے اور کن میں جائز، اور

[2458] (شرعة الاسلام، فصل فی سنن اللباس واحبه، ص، ۱۴۱، دار البشائر الاسلامیه، بیروت، بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة، السادس والثلاثون الوقحة قلة الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبة العلوم الدینیة، کانسی روڈ، کوئٹه)

[2459] (بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة، السادس والثلاثون الوقحة قلة الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبة العلوم الدینیة، کانسی روڈ، کوئٹه)

آیا ان متکبرین کا ایسا کہنا کہاں تک درست ہے، اور اس تشبیہ کے علاوہ ان متکبرین میں کوئی اور ایسے اعمال ہیں کہ جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ وہ کسی بد مذہب کی نشانیاں بھی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: یعنی جو شخص دنیا میں کفار، فاسق وبدکار کے سے لباس پہنے ان کی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا، اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے ان کا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاء اللہ متقیوں کے زمرے میں اٹھے گا۔[2460]

کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منح الروض میں فرماتے ہیں:

انا ممنوعون من التشبیہ بالکفرۃ واھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفر واھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔

ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا، خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے، لہٰذا مدار کار شعار ہونے پر ہے۔

[2460](مرأت شرح مشکوۃ، ج۶ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی، کتب خانہ گجرات)

اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعا کوئی حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔ "[2461]

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جو ہیئت، جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لئے کفر ہے، جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیؤ باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیئت ولباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر، اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔[2462]

مفتی شاہ محمد اجمل قادری لکھتے ہیں در مختار اور البحر الرائق میں ہے:

التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم و ما یقصد بہ التشبہ۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے:

فانا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ و اھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من افعال الکفرۃ و اھل البدعۃ فالمدار علی الشعار۔

لہٰذا کفار کے ساتھ ہر بری بات میں اور جو ان کا شعار ہو اس میں تشبہ بقصد مشابہت ممنوع ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔[2463]

[2461] (فتاویٰ رضویہ، ص ۵۳۴-۳، ج ۲۴، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

[2462] (مرأت شرح مشکوٰۃ، ص ۱۱۰، ج ۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

[2463] (فتاویٰ جمیلیہ ص ۵، کتاب الخطر والاباحۃ، شبیر برادز)

درج بالا علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اس وقت اور ان چیزوں میں کفر یا حرام ہے جب وہ مشبہ بہ کسی کافر و گمراہ فرقے کی مذہبی یا قومی علامت ہو اور وہ ان کے منشور میں درج ہو، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو کسی اور شخص کو قیاس مع الفارق کر کے کسی پر الزام لگانا بھی کوئی کم جرم نہیں ہے۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنا منافقین کی نشانی ہے نہ کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا بدمذہبوں کی نشانی ہے: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات حدیث **"من تشبه بقوم فهو منهم"** کو سامنے رکھ کر اپنی قیاس آرائیوں کے ذریعے سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بدمذہبوں کی تشبیہ قرار دے کر اپنے نفس کی غلامی پر خوش ہو رہے ہیں مگر اس حدیث کی طرف التفات تک نہیں فرماتے کہ جس میں شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں:

علامة المنافق تطويل سراويله فمن طول سراويله حتى يدخل تحت قدميه فقد عصى الله ورسوله، ومن عصى الله ورسوله فله نار جهنم۔

منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کی شلوار لمبی ہو گی، جس نے اپنی شلوار اتنی لمبی سلوائی کہ وہ قدموں کے نیچے داخل ہو جاتی ہو تو اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نافرمانی کی، اور جس نے اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نافرمانی کی، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔[2464]

معلوم ہوا کہ آج کل جو خواص و عوام فیشن اور فخر کے لئے جو لمبی لمبی شلواریں سلواتے ہیں تو یہ اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نافرمانی اور دوزخ میں جانے کا سامان ہے۔

[2464] (كنز العمال، ص ۳۱۷، ج ۱۵، الفصل الثانی فی محظورات اللباس، الاكمال، البيروت)

کیا شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت نہیں؟

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا بظاہر یہ کہنا کہ چونکہ شلوار کو اونچی رکھنے میں وہابیوں سے تشبیہ آتی ہے اس لئے ہم اس سے قاصر ہیں (حالانکہ دل میں فخر اور فیشن کی بات ہوتی ہے جو ان کے طرز عمل سے معلوم ہو رہا ہے) تو کیا ان لوگوں کو اتنی تعداد میں درج بالا دلائل معلوم نہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچی رکھنا کسی بد مذہب قوم کی نشانی یا شعار نہیں بلکہ ہمارے آقا دو جہان محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبوب سنت اور حسین ادا ہے، اور یہی عمل ان کی طرف سے مامور بہ بھی ہے جیسا کہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس محبوب سنت کو کسی بد مذہب کی نشانی قرار دیتا ہے تو از روئے شریعت اس کا ایمان ضرور خطرے میں ہے، اور کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم اسلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ترک کریں ورنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت مبارکہ تو کیا احکامِ خداوندی پر بظاہر بہت سے گمراہ اور بے دین لوگ مسلمانوں سے بڑھ کر عامل ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ہم فرائض کو بھی ترک کریں گے؟

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سنت کو کسی ناپسند گروہ یا جماعت کی مخالفت کی نیت سے کار ثواب سمجھ کر ترک کرے گا تو اس کا مرتکب جاہل، بدترین قسم کا بدعتی اور گمراہ ہے، اور اس عمل کے مرتکب علماء وخواص اور عوام سب کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے علی الاعلان مکروہ کام کی وجہ سے توبہ بھی علی الاعلان کریں۔

متکبرین پر ایک الزامی سوال: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کے اس قول پر کہ ہم دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ تشبیہ سے بچنے کے لئے اس مکروہ کام کا ارتکاب کر کے خلاف سنت سنی کہلانے پر فخر تو کرتے ہیں مگر ان کی مشابہت نہیں کریں گے تو ان حضرات سے التماس ہے کہ کتب احادیث وسیرت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے موئے مبارک کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں (لمہ، جمہ، وفرہ) تو آج کل کے اہل علم حضرات کے جو سر کے بال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے موئے مبارک کی تین قسموں سے خارج ہیں تو یہ کس کی سنت اور طریقہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک تو ان تین قسموں کے اندر اندر تھے۔ تو کیا اس وقت ان کو حدیث "من تشبه بقوم فهو منهم" یاد نہیں رہتی کہ انگریزوں (غیر مسلموں) کے طرز پر بال رکھ کر فرائض وواجبات ادا کرتے ہیں تو کیا اس تشبیہ سے ان کی نمازوں، دیگر اعمال اور عشق مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دعوؤں میں کوئی کراہت اور نقصان نہیں آتا حالانکہ عشق ومحبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ہر ادا محب اور عاشق کے لئے تسکین کا سامان ہے۔

غیر اسلامی (انگریزی) بال رکھنا کفار اور فساق سے تشبیہ کی بناء پر ممنوع وناجائز ہے

امام احمد رضا خان محدث بریلوی لکھتے ہیں: بالوں کی نسبت شرع مطہر میں دو طریقے آئے ہیں: ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں، یہ خاص سنت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ہے، حج وحجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے حلق ثابت نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ وعمرہ القضاء وحجۃ الوداع میں حلق، على ما نقله عليّ القاری فی جمع الوسائل عن بعض شراح المصابيح، (جیسا کہ ملا علی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے) دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں، یہ حضرت سیدنا مولیٰ علی

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف کہ مباد انہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے، ان کے سواجتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت، اور یہ نئی تراشیں مثلاً ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروادینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے۔۔۔۔۔ یہ باتیں مخالف سنت و خلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔[2465]

مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں:

انگریزی اور ہپی کٹ بال رکھنا مکروہ و ناجائز ہے کہ کافروں اور فاسقوں کا طریقہ ہے، **وھو تعالیٰ اعلم۔**[2466]

درج بالا عبارات اہلسنت بلکہ امام اہلسنت سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں سے تشبیہ کی رٹ لگانے والے اہل علم و تصوف کا عمل بالوں کے حوالے سے کس کے مشابہ ہے؟ آیا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یا مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یا پھر ان حضرات اور اسلام دشمن کافر اقوام کے؟ کیا ان حضرات کو اس طرح بال رکھتے ہوئے یہ تشبیہ یاد نہیں رہی کہ اس طرح بال رکھنا بقول محدث بریلوی "مخالف سنت و خلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں" جبکہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے میں کسی کفار کی تشبیہ لازم نہیں آتی بلکہ عین سنت آقا دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

محبوبان خدا کی نقل اتارنے والوں کو اللہ تعالیٰ نجات عطاء فرماتا ہے:

دلائل کثیرہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا امام الانبیاء محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے محبوب و محب

[2465] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲، ص ۵۷۷، رضافاؤنڈیشن لاہور)

[2466] (فتاویٰ فیض الرسول، ص ۵۵۶، ج ۲ شبیر برادرز لاہور)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے تو اس پر عمل کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے نہ کہ کسی شخص کی وجہ سے اس کی مخالفت کرنا، کیونکہ کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر عمل کرنے سے وہ سنت گمراہی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ وہ گمراہ شخص بھی اللہ والوں کی اس ادا پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آکر ظاہری نجات پالیتا ہے اور کبھی کبھی وہ نجات معنوی کا بھی سبب بن جاتا ہے اگرچہ کہ اس کی نیت اللہ والوں کی نقل اتارنے کی ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تشبہ والی حدیث کی شرح میں ایک واقعہ لکھا ہے، لکھتے ہیں:

وقد حکی حکایۃ غریبۃ ولطیفۃ عجیبۃ، وھی انہ لما اغرق اللہ سبحانہ فرعون وآلہ ولم یغرق مسخرتہ الذی کان یحاکی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام فی لبسہ وکلامہ ومقالاتہ فیضحک فرعون وقومہ من حرکاتہ وسکناتہ، فتضرع موسیٰ الی ربہ:

یا ربّ ھذا کان یؤذینی اکثر من بقیۃ آل فرعون، فقال الرب تعالیٰ: ما اغرقناہ فانہ کان لابسا مثل لباسک، والحبیب لا یعذب من کان علی صورت الحبیب۔

ترجمہ: حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولیٰ یہ کیوں بچ گیا؟ فرمایا: اس نے تمہارا روپ بھرا ہوا تھا اور ہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔[2467]

یہی واقعہ روح البیان جلد ۴، ص ۱۳۷ پر تفصیلاً مروی ہے۔

مسلمان کو چاہیئے کہ نماز روزے وغیرہ عبادات میں اچھوں خصوصاً اچھوں سے اچھے یعنی محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نقل کرنے کی نیت کرے، دل لگے یا نہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے۔[2468]

[2467] (مرقاۃ المفاتیح، ص ۱۵۵، ج ۸، کتاب اللباس، الفصل الثانی، حقانیہ پشاور)

[2468] (مرأت شرح مشکوۃ ج ۶، ص ۱۱۰، کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

تکبر اور وہابیوں سے تشبہ کی رٹ لگانے والوں کے لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت:

درج بالا واقعہ لکھنے کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ سے یوں نتیجہ اخذ فرماتے ہیں:

فانظر من كان متشبها بأهل الحق على قصد الباطل حصل له نجاة صورية وربما ادت الى النجاة المعنوية فكيف بمن يتشبه بأنبيائه و اوليائه على قصد التشرف و التعظيم و غرض المشابهة الصورية على وجه التكريم۔

یعنی ان لوگوں کو دیکھیں کہ جو اہل حق (اللہ والوں) کی بری نیت سے نقل اتارتے ہیں پھر بھی ان کو ظاہری نجات ملتی ہے، اور کبھی کبھی یہ نجات ظاہری نجات معنوی (ہدایت) کا سبب بن جاتا ہے، تو لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نقل ان کی تعظیم اور شرافت کی نیت سے اتارتے ہیں اور انکی یہ ظاہری مشابہت تکریم کے لئے ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا محبوبانِ خدا اور خاص کر محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا شیوہ اور عمل ہے (اگرچہ کہ اس پر کوئی بھی عمل کرے) اور جو مسلمان ان کی نقل اتارتے ہیں تو وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور جو (دل نہ خواہد بہانہ بسیار کے طور پر) اس سنت پر عمل نہیں کرتے تو خود بھی اس سعادت سے محروم اور دوسروں کے سامنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے محبوب عمل کو مکروہ کی شکل میں پیش کر کے منع کرنے کی حیثیت سے "مناع اللخیر" کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

لہٰذا ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والوں کا یہ کہنا کہ "ہم اس لئے شلوار کو ٹخنوں سے اونچا نہیں رکھتے ہیں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے اور یہ بدمذہبوں کے ساتھ تشبیہ ہے" اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ فرض محال اگر تکبر نہ بھی ہو تو پھر بھی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کو فقہاء اسلام اور علماء اہل سنت نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ تشبیہ نہیں ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے ورنہ یہ لوگ اپنے انگریزی اور

فاسقوں کے مشابہ بال کاٹ کر بقول امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہد وقسم شرعی بال (زلفیں رکھنے یا گنجا ہونے) پر عمل کرکے اپنے سنی ہونے کا علمی ثبوت دیں۔

اچھی نیت سے مکروہ کام غیر مکروہ اور مستحسن قرار دیا جاتا ہے: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا کف ثوب ہے اور یہ نماز کے لئے مکروہ ہے (اگرچہ ہم نے دلائل قاہرہ، باہرہ قویہ سے ان کارد کردیا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یعنی اس طرح کوئی کراہت نہیں آتی جس سے نماز واجب الاعادہ ہو) تو ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا مکروہ ہے لیکن ہم یہ بھی ثابت کرچکے ہیں اور کوئی بھی معلوم کرسکتا ہے کہ اس طرح عمل کرنے والا یہ کام کیوں کرتا ہے؟ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ طرز سادگی کا ہے اور اس میں اس حرام اور مکروہ تحریمی کام (لباس کا ٹخنوں کے نیچے ہونا جو جہنم کے عذاب کا سبب ہے) سے بچنا ہے اور اس سے ان کے دل میں خشوع کی نیت ہوتی ہے، اور یہ بھی فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کام مکروہ ہو تو اس کو اچھی نیت سے کرنے کی وجہ سے وہ کراہت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام مستحسن بھی قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ ان متکبرین خود بھی ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے کو عدم تکبر کی نیت کی وجہ سے مکروہ تحریمی سے مکروہ تنزیہی تک لے آئے۔

شرح وقایہ میں ہے:

وصلوٰتہ حاسراً رأسہ او للتھاون۔۔۔لا للتذلل۔

یعنی سُستی اور بے رغبتی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ عاجزی کے طور پر۔[2469]

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وتکرہ الصلاۃ وھو مکشوف الرأس۔۔۔لما فیہ من ترک الوقار اذ لا یکرہ للتذل والتضرع للّٰہ تعالیٰ ویستحب لہ ذلک۔

[2469] (شرح وقایہ ص ۱۹۷، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، المصباح لاھور)

ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں وقار کو ترک کرنا آتا ہے، اور عاجزی اور تواضع کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ [2470]

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز و انکسار نہ ہو تو مکروہ ہے۔ [2471]

درج بالا فقہاء کرام کے علاوہ جم غفیر فقہاء احناف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے مگر عاجزی، تواضع اور انکساری کی نیت سے مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اگر کوئی شخص کسی مکروہ کو اچھی نیت سے کرے تو اس کی کراہت ختم ہو کر اس میں پسندیدگی آجاتی ہے۔ (یہ قاعدہ عام نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کو کسی ایک مکروہ پر حمل کردے جو کبھی ممدوح قرار نہیں دیا جاسکتا)۔

خلاصہ کلام:

الحاصل یہ کہ کف ثوب اور لف ثوب نماز کے لئے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور نہ ہی علاوہ نماز کے مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ فقہاء احناف کے ہاں کف ثوب کی تعریف میں داخل نہیں اور جس کو مکروہ قرار دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو اٹھایا جائے اور وہ بھی مذکورہ علتوں کی وجہ سے مکروہ ہے اور وہ بھی مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اور اگر وہ علتیں بھی ختم جائیں تو کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے لہذا اگر کوئی شخص اسی کیفیت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز جائز اور صحیح ہے، مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ نہیں ہے، البتہ تکبر کی وجہ سے یا کسی ناپسندیدہ جماعت یا گروہ کی مخالفت کی وجہ سے شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اور اس کو کار ثواب اور اچھا عمل سمجھنا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا ضرور ناجائز، گناہ، حرام،

[2470] (امداد الفتاح، ص ۳۸۸، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز)

[2471] (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب مکروھات الصلوٰۃ، مکتبہ رضویہ کراچی)

بدعت اور گمراہی ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، لہٰذا اس عمل سے اجتناب واجب اور لازمی ہے۔

تمام مؤمن مسلمانوں سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پاجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خداوندی سے محروم ہوگا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو ننگے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔

(وعقص الشعر) بالوں کو سر کے اوپر باندھے رکھنا ایسی حالت میں نماز مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ جب مومن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر اندام اس کے ساتھ سجدہ کرتا ہے اور عقص بالوں کیلئے مانعِ سجدہ ہے۔ (عقص: سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا، اس کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ چوٹی کے ایک طرف کے سرے کو دوسری چوٹی کی تہہ میں داخل کر دے اور دوسری چوٹی کے سرے کو پہلی چوٹی کی تہہ میں داخل کر دے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تمام بالوں کو کھوپڑی پر اکٹھا کر کے کسی کپڑے یا دھاگے کے ساتھ باندھ دے جیسا کہ آپ نے سکھوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بھی اسی طرح بالوں کو کھوپڑی پر اکٹھا کر کے باندھ دیتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تمام بالوں کو پیچھے گردن پر اکٹھا کر کے کسی کپڑے یا دھاگے کے ساتھ باندھ دے۔ یہ تینوں صورتیں مکروہ) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

دع شعرک یسجد معک۔[2472]

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: کہ اپنے بالوں کو چھوڑ دو تاکہ یہ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کریں۔

[2472] حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ۱ ص ۳۵۰۔ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح ج ۱ ص ۱۲۸۔

عن أبي رافع: نَهى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أن يُصلِّيَ الرجلُ وشَعَرُه معْقوصٌ [2473]

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس بات نہی فرمائی ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھتا ہو اور وہ معقوص الشعر ہو۔

(وسدله) اور (نماز میں) کپڑے کا لٹکانا مکروہ ہے۔ اور سدل چادر میں اس کو کہا جاتا ہے کہ چادر کو سر یا کندھوں پر ڈالے اور اس کے دونوں پلو لٹکے ہوں اس طرح کہ اس کا پلو دوسرے کندھے پر نہ ہو بلکہ یہ لٹک رہے ہوں۔ اور سدل قمیص، جبہ، شقہ، خرقہ اور کوٹ میں اس کو کہا جاتا ہے کہ (قمیص کو) کندھوں پر ڈال اور ہاتھوں کو آستینوں میں داخل کر دے۔ قمیص کے علاوہ ان اور چیزوں میں صرف آستینوں میں داخل کرنے سے کام نہیں ہوتا بلکہ کمر کو باندھنا ضروری ہے۔ البتہ قمیص میں صرف ہاتھوں کو آستینوں میں داخل کرنے سے سدل دفع ہوتا ہے۔ یہ سدل اس لئے منع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ متکبرین کے اخلاق کی علامت ہے۔ دوسرا اس میں خشوع کا ترک ہے جب کہ نماز کی بناء خشوع پر ہے۔ اس طرح اضطباع بھی مکروہ ہے یعنی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لا کر بائیں بازو کے اوپر ڈال لیا جائے اور دوسرے بازو کو کھلا رہنے دیا جائے۔

(والتثاؤب) اور نماز میں جمائی لینا مکروہ ہے اس وقت کہ جب انسان جمائی کے روکنے پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ یہ غفلت اور سستی کی علامت ہے۔

(والتمطی) اور نماز میں انگڑائی لینا یعنی جسم کا ادھر اُدھر موڑنا اور پھیرنا مکروہ ہے کیونکہ تمطی افعالِ کفار میں سے تکبر کے ساتھ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ يَتَمَطَّى (القيامة ٣٣)

ترجمہ: پھر اپنے گھر کو اکڑتا چلا۔

[2473] شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج المسند ٢٧١٨٤ • صحيح لغيره • أخرجه الترمذي (٣٨٤)، وابن ماجه (١٠٤٢) بمعناه، وأحمد (٢٧١٨٤) واللفظ له

اور تمطی تکبر سے آہستہ آہستہ چلنے کو کہا جاتا ہے جبکہ نماز کی بناء خشوع پر ہے۔

(و فرقعة الاصابع) اور انگلیوں کو چٹخانا یعنی انگلیوں سے پے درپے آواز نکالنا چاہے ہاتھوں کے ہوں یا پاؤں کے، مکروہ ہے۔ اور فرقعۃ آواز کے لئے انگلیوں کو ٹیڑھا کرنے اور کھینچنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا:

رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ «قَالَ لِعَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: إنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تُفَرْقِعْ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي۔[2474]

ترجمہ: اے علی (رضی اللہ عنہ) میں جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں۔ نماز کی حالت میں انگلیاں نہ چٹخاؤ۔

دوسرے یہ کہ یہ انگلیوں کو چٹخانا حضرت لوط علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قوم کا عمل تھا۔ اگر انگلیوں کو چٹخانا ایک ہاتھ سے تھا تو نماز مکروہ ہے اور اگر دونوں ہاتھوں سے تھا تو پھر نماز فاسد ہے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے اور نماز میں عملِ کثیر نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(و استراحت من رجل الی رجل) اور (نماز میں) ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر آرام کرنا مکروہ ہے۔ راکسرہ یعنی زیر کے ساتھ ران کے جڑ سے قدم تک کو رِجل کہا جاتا ہے کیونکہ نماز کے دوران ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر آرام کرنا اخلاقِ متکبرین میں سے ہے اور مستلزم حرکت ہے جبکہ نماز کی بناء خشوع اور سکون پر ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول عموم پر ہے اور بعض کتابوں میں نفل نماز کے دوران ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر آرام کرنے کو افضل کہا گیا ہے کیونکہ یہ قیام کو لمبا کرنے کا سبب ہوتا ہے اور بہتر نماز وہ ہے جو لمبے قیام کے ساتھ ہو۔

[2474] حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ١ ص ٣٤٦۔الجوهرة النيرة على مختصر القدوری ج ١ ص ٦٣۔تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج ١ ص ١٦٢۔بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ١ ص ٢١٥۔

(وتفریج الاصابع) اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلانا مکروہ ہے کامل پھیلانے کے ساتھ ہر حال میں احوالِ نماز سے۔

(فی غیر الرکوع) حالتِ رکوع کے بغیر کیونکہ پھیلانا تعبیرِ رکوع میں انگلیوں کو طریقۂ مسنونہ کے ساتھ رکھنا ہے، سجدے میں پیوست کرنا ہے، قعدے کی حالت میں اپنے حال پر چھوڑنا ہے اور تکبیرِ تحریمہ میں اٹھانے کے لئے اور قیام میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا ہے اور رکوع میں پھیلانا سنت ہے۔ کیونکہ حالتِ رکوع کے بغیر سارے احوال نماز میں پھیلانا مستحب نہیں ہے اور حالتِ سجدہ کے بغیر دوسرے کسی حال میں پیوست کرنا مستحب نہیں ہے سوائے ان دو حالتوں کے نمازی انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔ یعنی نہ ہی پھیلائے اور نہ یکجا کرے گا۔ پھیلانے اور یکجا کرنے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں کرے گا۔

(والتعجیل فی القراءۃ) اور قرأت میں جلدی کرنا مکروہ ہے اس شرط کے ساتھ کہ حروف حذف نہ ہو جائیں۔ یہ تعجیل اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں قرأت کی ترتیل فوت ہو جاتی ہے جبکہ قرأت میں ترتیل سنت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المزمل ۴)۔ (اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔

(وترک تسویۃ الرأس مع الظهر راکعاً) رکوع کی حالت میں سر کو کمر کے ساتھ برابر نہ کرنا (کہ نیچے ہو یا اوپر) مکروہ ہے کیونکہ سر کو کمر کے ساتھ برابر نہ کرنا رکوع کے مسنونہ طریقے سے مخالف ہے اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رکوع کرتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کمر سر کے ساتھ بالکل برابر ہوتی تھی۔ اس طرح کہ اگر پانی کا بھرا ہوا پیالہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کمر پر رکھ دیا جاتا تو وہ نہ گرتا۔ فان قیل۔ کہ مصنف علیہ الرحمہ کے اس قول کے درمیان اور مذکورہ قول و اعلاء الرأس میں تکرار ہے۔ کیونکہ اعلاء الرأس بغیر ترک تسویۃ سے نہیں ہوتا۔ قلنا۔ اعلاء خاص ہے اور تسویۃ الرأس کو ترک کرنا عام ہے یا یہ کہتا ہوں کہ اعلاء آسمان کی طرف رکوع کے بعد ہے اور تسویۃ کا ترک کرنا جو کہ اٹھنا یا جھکنا ہے، یہ رکوع کی حالت میں ہے۔

(والتخطی) اور سامنے قبلے کی طرف قدم لینا مکروہ ہے کیونکہ قبلے کی طرف نفس پیچھے کرنا نماز کو فاسد کرتا ہے چاہے اس میں قدم لینا ہو یا نہ ہو۔

(ثلثافصاعدابلاعذر) تین قدم یا تین سے زیادہ قدم اس شرط کے ساتھ کہ بغیر عذر کے ہو جب کہ عذر کے ساتھ قدم لینا مکروہ نہیں۔ عذر کی مثال جیسا کہ نماز کے دوران وضوء کا ٹوٹنا ہو یا نماز خوف ہوئی۔

(لو وقف بعد کل خطوۃ) اس شرط کے ساتھ کہ اگر ہر قدم کے بعد کھڑا ہوتا تھا یا دو قدموں کے بعد دونوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے اور اگر تین قدم ایک دوسرے کے ساتھ متصل اٹھائے تو اس صورت میں نماز فاسد ہو گی کیونکہ نماز میں تین متواتر قدموں کو اٹھانا عمل کثیر ہے تو قیدِ وقوف کے ساتھ عدمِ وقوف سے احتراز کیا اور قید بلاعذر کے ساتھ عذر کی حالت سے احتراز کیا کیونکہ حالتِ عذر میں نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وضوء ٹوٹنے کی صورت اور صلوۃِ خوف کی صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی۔

"خلاصۃ الفتاویٰ" میں کہا گیا ہے کہ اگر نماز میں پہلے صف کی طرف گیا تو نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر دوسری یا تیسری صف کی طرف گیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر پہلی صف کی طرف گیا پھر کھڑا ہو گیا پھر دوسری صف کی طرف گیا اور کھڑا ہو گیا پھر تیسری صف کی طرف گیا اور کھڑا ہو گیا تو نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ مکروہ ہوتی۔ جیسا کہ "محیط" اور "جامع الرموز" میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے نمازی سے کہا کہ آگے آجاؤ اور وہ آگے ہو گیا یا صف میں خالی جگہ دیکھ لی وہاں داخل ہو گیا پھر قدم آگے بڑھائے یا فراخی کی وجہ سے نمازی پر دونوں پاؤں ہلائے تو ایسی صورت میں اس شخص کی نماز ٹوٹ گئی۔ اور اگر قدم آگے بڑھائے یا اپنی سہولت کے لئے دونوں پاؤں ہلائے یا کچھ دیر بعد اپنی مرضی سے حرکت کی تو ایسی صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی۔

اور "جواہر" میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی نمازی ایک یا دو قدم دھوپ سے چھاؤں کی طرف گیا اگر گرمی کا موسم تھا تو نماز مکروہ نہیں ہوئی اور اگر سردی کے موسم میں چھاؤں سے دھوپ کی طرف گیا تو نماز مکروہ

ہے کیونکہ پہلی صورت میں اپنے آپ سے ضرر کو رفع کرنا ہے اور دوسری صورت میں آرام وراحت کو طلب کرنا ہے۔ ظہیر الدین مرغینانی صاحب نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں نقل (ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا) ہے اور یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔

(**والتمایل یمینا وشمالا**) بغیر نقلِ قدم اور بغیر حرکتِ پاؤں سے (نماز میں) دائیں اور بائیں طرف ہلنا جلنا مکروہ ہے جیسا کہ جاہلوں کی عادت ہے بغیر آرام کے پہلے دائیں پاؤں پر اور پھر بائیں پاؤں پر ہلتے رہتے ہیں کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اذا صلی احدکم فلیسکن اطرافہ ولا یتمایل تمایل الیھود۔

ترجمہ: جب آپ میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے اعضاء کو ساکن رکھے اور حرکت نہ کرے جس طرح یہودی حرکت کرتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ نماز میں ہلنا جلنا عبث یعنی بے فائدہ ہے اور خشوع کے ساتھ منافی یعنی خلاف ہے اور اعضاء کی تسکین نماز کا کمالِ خشوع ہے۔

(**وقتل القملۃ**) جوئیں، پسو یا ان دونوں کے مشابہ چیزوں کا نماز میں ایک ہاتھ سے مارنا مکروہ ہے اور دونوں ہاتھوں سے مارنا نماز کو توڑ دیتا ہے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔

(**دون الثلث ودفنھا کذلک**) ایک رکن میں تین دفعہ سے کم۔ ایک رکن میں تین جوئیں مارنے اور دفن کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ تین دفعہ جوئیں مارنا اور تین دفعہ دفن کرنا عملِ کثیر ہے۔

"خلاصۃ الفتاویٰ" میں لکھا ہے کہ ایک رکن میں جوؤں کی کثرت سے متواتر مارنا ارکانِ نماز کو توڑتا ہے بمثل ہر بار ہاتھ اٹھانے کے اور اگر خارش کی حالت میں ہر بار ہاتھ نہ اٹھایا تو ہاتھوں کو مختلف ارکان میں اٹھانے کی طرف پھیرنے کی حالت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور قبلے کی قید اتفاقی قید ہے احتراز کے لئے نہیں ہے ہے اس میں پسو اور ہر مضر چیز داخل ہے۔

(والقاء البزاق) اور نماز میں تھوکنا اگر بغیر حرف کے ہو جیسا کے تُف۔ مکروہ ہے اور اگر حروف کے ساتھ ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور مسجد میں نہ اوپر اور نہ ہی نیچے لعاب تھوکے۔ اور مسجد میں نیند اور کھانا بغیر معتکف کے دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ، وَمَجَانِينَكُمْ، وَشِرَاءَكُمْ، وَبَيْعَكُمْ، وَخُصُومَاتِكُمْ، وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ، وَإِقَامَةَ حُدُودِكُمْ، وَسَلِّ سُيُوفِكُمْ۔[2475]

ترجمہ: اپنی مسجدوں کی حفاظت کرو اپنے بچوں سے، پاگلوں سے، خرید و فروخت سے، جھگڑوں سے، اقامتِ حدود سے، اور تلوار کھینچنے سے۔[2476]

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وجہ ممانعت بیان فرماتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيثِ الثَّانِي: "جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ"، وَذَلِكَ لِأَنَّهُمْ يَلْعَبُونَ فِيهِ وَلَا يُنَاسِبُهُمْ، وَقَدْ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِذَا رَأَى صِبْيَانًا يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، ضَرَبَهُمْ بِالْمِخْفَقَةِ-وَهِيَ الدِّرَّةُ-وَكَانَ يَعُسّ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْعَشَاءِ، فَلَا يَتْرُكُ فِيهِ أَحَدًا.[2477]

[2475] سنن ابن ماجه برقم (750) وقال البوصيري في الزوائد (265/1): "هذا إسناد ضعيف، أبو سعيد هو محمد بن سعيد المصلوب، قال أحمد: عمدا كان يضع الحديث، ثم قال: والحارث بن نبهان ضعيف"

[2476] منجمله مکروهات کے مسجد میں ضاله کے متعلق پوچھ گچھ یا تلاش کرنا هے ضاله سے مراد وه چیز هے جو گم هو گئی هو۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک هے: عن أبي هريرة من سمع رجلًا يُنشِدُ ضالَّةً في المسجدِ فلْيَقلْ: لا ردَّها اللهُ عليك، :حضرت ابو هریره رضی اللہ تعالیٰ عنه سے روایت هے که جب کسی کو مسجد کے اندر گم شده چیز کی بابت پوچھ گچھ کرتے دیکھو تو یوں کهو که خدا کرے وه تجھے نه ملے اس عمل کے مکروه هونے میں سب کا اتفاق هے۔(صحيح الجامع ٦٣٠٢ • صحيح • أخرجه مسلم (٥٦٨) • شرح رواية أخرى) گم شده اشیاء کے اعلان کی دو صورتیں هیں ایک یه اگر کوئی چیز مسجد کے باهر گم هو جائے اور اس کا اعلان مسجد میں آکر اس لئے کرے که یهاں لوگ جمع هیں تو یه بهت قبیح و شنیع (بهت بری چیز) هے لیکن اگر کوئی چیز مسجد میں گم هو جائے تو اس کا اعلان جائز هے بشرطیکه اس میں کوئی شور و غوغانه پایا جائے۔ واما انشاد الضالة فله صورتان احدهما ان ضل شئی فی خارج المسجد وينشده فی المسجد لاجتماع الناس فهو اقبح واشنع واما لو ضل فی المسجد فيجوز الانشاد بلاشغب۔(حاشيه ترمذی ص ١٩٥)

[2477] (تفسير ابن كثير، ج ٦ ص ٦٤)

ترجمہ: اور دوسری حدیث جس میں فرمایا گیا کہ اپنے بچوں کو اپنی مساجد سے روکو اور یہ اس لئے کہ بچے مسجد میں بے احتیاطی سے لہو لعب اور کھیل کود کریں گے جو مسجد کی عظمت کے بالکل نامناسب ہے۔ چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی بچے کو مسجد میں کھیلتے ہوئے دیکھ لیتے، تو اس کو ہلکے درے سے پیٹتے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں عشا کی نماز کے بعد کسی کو نہ رہنے دیتے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنی مساجد کو مزین کرو (جو کہ نماز میں مخل ہو) اور اپنے قرآنوں کو ایسے آراستہ کرو (جو حضورِ قلب میں خلل انداز ہو) تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری ہلاکت کا وقت ہے۔[2478] جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں وہ اپنی مسجد کو مزین کرتی ہے۔

فائدہ: مسجد کی عمارت کی بلندی اور اس کی کارکردگی کو دیکھیئے اور اس کی آبادی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو گا کہ یہ جذبہ کس قدر کھوکھلا ہے۔ ظاہری زینت کا یہ حال اور منشاء اصلی یعنی عبادتِ الٰہی کا ایسا فقدان۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے، اس حالت کی طرف خادمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: مسجد میں لوگ تفاخر کریں گے مگر پھر اس کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہو گا۔

دوسرا یہ کہ نیند کی حالت میں ریح یعنی ہوا کے نکلنے کا احتمال ہے اور مسجد میں ریح کا نکالنا فرشتوں کو ضرر ہے جیسا کہ ریح سے بنی آدم کو ضرر ہوتا ہے۔

[2478] (قرطبی ج ۱۳، ص ۲۶۷)

مسئلہ: مسجد میں سونے کا حکم: یکرہ النوم فی المسجدللمقیم عندناوعندغیرناویجوزللمسافر۔[2479]

مسجد میں مقیم آدمی کیلئے سونا مکروہ ہے البتہ مسافر کیلئے سونا جائز ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لایتخذوہ مبیتا ومقیلا وذہب قوم من اھل العلم الی قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔[2480]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا: مسجد میں رات کو سونے یادن کو سونے کی عادت بنانا جائز نہیں ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماکے قول کو ہی اہل علم حضرات نے پسند فرمایاہے۔

مسجد میں مقیم آدمی کے سونے کی عادت بنانے میں دوخرابیاں لازم آتی ہیں حالانکہ ان سے اجتناب ضروری ہے:

یکرہ تحریمااخراہ الریح فی المسجدولعلہ یستثنی منہ المعتکف لکونہ معذورا۔"[2481]

مسجد میں ہواکاخارج کرنامکروہ تحریمی ہےیہی وجہ ہے کہ لیٹ کرسونایاتکیہ اوردیواروغیرہ سے سہارالگاکرسوناوضو کوتوڑدیتا ہے، وضوکےٹوٹنے کی یہی وجہ ہے کہ مفاصل(جوڑوں)کے ڈھیلے ہونے سے ہواکے خارج ہونے کاامکان ہوتاہے مسجد میں سونے کی عادت بنانے میں بھی یقیناًہواکاخارج ہونالازم آئےگاجوکہ مکروہ تحریمی ہےلہذاضروری ہے کہ مقیم شخص مسجد میں سونے کی عادت نہ بنائے۔

[2479] ترمذی باب النوم فی المساجد۔

[2480] ترمذی باب النوم فی المساجد۔

[2481] مسجداوراس کے احکامات ص ۲۸۔

فان قیل۔عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال کنانںام علی عھدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجدونحن شباب قال ابوعیسیٰ حدیث ابن عمررضی اللہ تعالیٰ عنھماحدیث حسن صحیح وقدرخص قوم من اھل العلم فی النوم فی المسجد۔

اس سے تو واضح ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا منع نہ فرمانا جواز کیلئے حدیث تقریری ہے لہذا سونے کی عادت بنانے کی ممانعت کیسے ثابت ہوتی ہے۔

قلنا۔امانوم ابن عمر فکان لانہ لم یکن لہ بیت وکان عذباو کذلک ثبت النوم عن بعض الصحابۃ فی شرح مسلم لنووی حملہ علی حالۃ العذر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد میں اس لئے سوتے تھے کہ آپ کا اپنا کوئی مکان نہیں تھا اسلئے بھی کہ آپ جوان تھے لہذا کسی کے گھر میں سونا ممکن نہیں تھا۔اسی طرح اور بھی کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی عذر کے پیش نظر مسجد میں سوجایا کرتے تھے۔"واضح ہوا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مسجد میں سونا مجبوری کے پیش نظر تھا۔مسافر کیلئے سونا اب بھی جائز ہے لیکن بغیر مجبوری یا مسافر ہونے کے مسجد میں سونے کی عادت بنانا جائز نہیں۔

عن أبي هريرة: لا يزالُ أحدُكم في صلاةٍ ما دامَ ينتَظِرُها، ولا تَزالُ الملائِكَةُ تصلِّي على أحدِكم ما دامَ في المسجدِ، اللَّهمَّ اغفِر لَهُ، اللَّهمَّ ارحمهُ، ما لم يُحدِث، فقالَ رجلٌ من حَضرمَوتَ: وما الحدَثُ يا أبا هُرَيْرةَ؟ فقالَ: فُساءٌ، أو ضُراطٌ۔[2482]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔تم میں جب کوئی شخص نماز کے انتظار میں ہو وہ درحقیقت نماز میں ہی

[2482] صحيح الترمذي ٣٣٠• صحيح • أحمد شاكر (١٣٧٧هـ)، مسند أحمد ١٥/١١• أخرجه مسلم (٦٤٩)، وأبو داود (٤٧١)

ہوگااور جب تک کوئی شخص مسجد میں فرشتے اس کیلئے یہ دعاکرتے ہیں :اے اللہ اس کی مغفرت فرما،اے اللہ اس پر رحم کر،فرشتوں کی یہ دعااس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک اس شخص کو"حدث"لاحق نہ ہو۔""حضرموت"کے ایک شخص وہاں موجود تھے انہوں نے پوچھاکہ اے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدث سے مراد کیاہے توانہوں نے فرمایا:حدث سے مراد آہستہ آواز میں یابلند آواز میں ہواکو خارج کرناہے۔"اس سے واضح ہواکہ مسجد میں ہواکاخارج کرنافرشتوں کی رحمت بھری دعاسے محرومیت کا سبب ہے لہذامسجد میں سونے کی عادت نہ بنائے۔

مسجد میں سونے کی دوسری خرابی یہ ہے کہ

ان الکلام فی المسجدیاکل الحسنات کمایاکل النار الحطب۔

بے شک کلام کرنانیکیوں کواس طرح کھاجاتاہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے۔

اس سے واضح ہواکہ مقیم شخص اگر مسجد میں سونے کی عادت بنائے گاتومسجد میں کلام کرنابھی اس کی مجبوری اوراس کامقصود ہوگالہذاضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے لیکن خیال رہے کہ کلام سے مراد دنیاوی کلام ہے دینی کلام شرعی مسائل بیان کرناسنت اور مستحب ہے۔

دنیاوی کلام میں بھی وعید شدید اس صورت میں ہے کہ جس کے بارے میں صاحب بحرالرائق نے فرمایا:

وقال صاحب البحر ھذااذادخل المسجدلارادۃ الکلام ولوعرضہ فلا۔[2483]

صاحب بحرالرائق نے یہ بیان کیاہے کہ دنیاوی کلام نیکیوں کواس وقت کھاجاتاہے جب وہ مسجد میں داخل ہی کلام کی نیت ہوااوراگر وہ مسجد میں عبادت کی غرض سے داخل ہوالیکن بالطبع کوئی

[2483] ترمذی مع حاشیۃ باب النوم فی المساجد۔

کلام بھی کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔اگرچہ بہتر ہے کہ دنیاوی کلام سے جتنا ہو سکے اجتناب کرے۔[2484]

وَعَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ الْمَسَاجِدَ يَقْعُدُونَ فِيهَا حِلَقًا ذِكْرُهُمُ الدُّنْيَا وَحُبُّ الدُّنْيَا لَا تُجَالِسُوهُمْ، فَلَيْسَ للہ بِهِمْ حَاجَةٌ۔ وَفِي الْحَدِيثِ ،الْحَدِيثُ فِي الْمَسْجِدِ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ الْبَهِيمَةُ الْحَشِيشَ۔[2485]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں میری امت سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو مساجد میں آکر حلقہ بنا کر بیٹھیں گے وہ دنیا کا ذکر کریں گے اور انہیں دنیا سے ہی محبت ہو گی ان کے ساتھ تم نہ بیٹھنا ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی واسطہ نہیں ۔یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے دین سے دور رہنے اور دنیا میں مشغول رہنے کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں کلام نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے چوپایہ گھاس کو کھا جاتا ہے۔"خیال رہے کہ اس کلام سے مراد وہ کلام ہے جس کا تعلق دنیاداری سے ہو لیکن دینی کلام مسائل عقائد پر گفتگو اور ہر وہ کلام جس میں نیک مقصد ہو کسی کی رہنمائی کرنا مقصود ہو وہ جائز ہے۔

(ونزع الخف)اور نماز میں موزوں کا نکالنا مکروہ ہے کہ ان (موزوں) پر مسح نہ ہوا ہو اسی طرح تشہد میں اور تشہد کے بعد اور وہ (موزے) جس پر مسح ہوا ہو اس کا نماز کے آخر میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے نکالنا مکروہ ہے۔

[2484] رسائل بھترالوی ج ا ص ا ۳۔
[2485] تفسیر الکبیر ج ۱۶ ص ۸ تا ۱۰ ۔

(**بعمل یسیر**) عمل قلیل کے ساتھ، عملِ کثیر سے احتراز کیا کیونکہ عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ان موزوں کو نکالنا جن پر مسح نہ ہوا ہو نماز کے درمیان نماز کو نہیں توڑتا اور اسی طرح تشہد کے بعد سلام سے پہلے نماز کو نہیں توڑتا۔ چاہے اس پر مسح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن مکروہ ہے کیونکہ لفظ سلام کے ساتھ نکلنا باقی رہ گیا اور اس موزے کو نماز کے دوران نکالنا جس پر مسح ہوا ہو نماز کو فاسد کرتا ہے کیونکہ موزے کو نکالنے سے موزے کا مسح باطل ہو گیا۔ کوئی کہتا: کنزالدقائق سے مخالف لازم ہوئی کیونکہ کنزالدقائق میں کہا گیا ہے۔ **ونزع الخف مفسد**۔ موزہ نکالنا نماز کو فاسد کرنے والا ہے اور خلاصہ کیدانی میں کہا گیا ہے۔ **ونزع الخف مکروہ**۔ یعنی موزہ نکالنا نماز کو مکروہ کرنے والا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خلاصہ کیدانی کا قول صورت غسل پر محمول ہے اور کنزالدقائق کا قول مسح پر محمول ہے۔ (**وشم الطیب**) اور نماز میں قصداً خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے چاہے ایک ہاتھ سے لی ہو یا نہ لی ہو اور اگر دونوں ہاتھوں سے لی ہو تو نماز ٹوٹ گئی کیونکہ خوشبو لینا اور سونگھنا اعمال نماز سے نہیں تو سونگھنا عبث ہوا اور عبث تو نماز سے باہر بھی مکروہ ہے تو نماز کے اندر تو اس سے بھی زیادہ مکروہ ہوا اور اگر نہ ہاتھ سے لیا تھا اور نہ ہی سونگھا تھا تو پھر کراہیت نہیں ہے۔ (**والتروح بالثوب**) اور کپڑے کے ساتھ ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے ایک ہاتھ کے ساتھ ہوا دینا اپنے آپ کو ہو یا کسی دوسرے شخص کو مکروہ ہے۔ (**اوباالمروحة دون الثلث**) یا دستی پنکھے کے ساتھ ایک ہاتھ سے تین دفعہ سے کم۔ اور قید کپڑے اور دستی پنکھے کے ساتھ اتفاقی ہے عادت کے طریقے پر ذکر ہوا ہے ورنہ کسی دوسری چیز سے ہوا لینا جیسے کاغذ یا کسی اور چیز سے بھی مکروہ ہے اسی طرح جس طرح کہ کپڑے اور دستی پنکھے سے ہوا لینا مکروہ ہے اور ایک ہاتھ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے احتراز کیا کیونکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ پنکھا مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور تین بار سے کم پر احتراز کیا تین بار سے، کیونکہ ایک رکن میں تین بار کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھوں کی طرح فرض ہے عمل کثیر ہے بغیر عذر کے توڑنے والی ہے اور عذر کے ساتھ ساری نمازوں میں مکروہ نہیں۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عراقیین سے مروی ہے تو اس کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ نفل یا بوقت

ضرورت میں ہو۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عراقیین کا قول مفتیٰ بہ ہے اور ''فتاویٰ الحجۃ''میں کہاہے کہ مکھی یا مچھر کاہاتھ یا آستین سے ہٹانامکروہ ہے مگر ضرورت کے وقت قلیل عمل کے ساتھ۔ اور حضرت خلف ابن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت ہے کہ وہ نماز سے باہر اپنے چہرے سے مکھیاں نہیں بھگاتے تھے اور کہتے کہ میں اس لئے نماز سے باہر اپنے چہرے سے مکھیاں نہیں بھگاتا تاکہ نماز کے اندر بھی عادت نہ بن جائے۔(**وتعيين السورة**) اور نماز کیلئے سورت یا آیات کا متعین کرنامکروہ ہے۔(**لصلوة معينة**) معین نماز کیلئے فاتحہ کے بغیر چاہے فرض میں ہو یا نفل میں ۔(**بحيث لايقرأغيرها**) اس طرح تعین کرلے کہ نماز میں اس معین سورت کے علاوہ کوئی دوسری سورت نہ پڑھے پس یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ تعین تین قسم پرہے پہلا تعین یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ معین نماز دوسری سورت کے ساتھ روانہیں ہوتی تو یہ تعین کفرہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتاہے کہ یہ اس سورت کے علاوہ قرآن کے اور حصے کی قرآنیت کا اعتقاد نہیں رکھتا اور یہ کفرہے دوسرا تعین یہ ہے کہ اس کا یہ تعین ہو کہ یہ معین سورت اس معین نماز میں بہترہے۔دوسری سورتوں سے گو کہ یہ معین نماز اس سورت کے علاوہ دوسری سورتوں سے رواہوتی ہے تو یہ تعین مکروہ ہے اور تیسرا تعین ہے بطریقۂ آسانی اور حفظ اور سورت معین ہے غلطیوں کا واقع نہ ہونے کی وجہ سے کہ یہ سورت اس اچھی طرح یاد ہوتی ہے تو یہ تعین مستحب ہے اس وجہ سے کہ اس تعین سے نماز میں فساد واقع نہ ہوجائے جیسے کہ سورۃ الجمعہ جمعہ کی نماز کیلئے ہوئی منع وکراہیت کی وجہ یہ ہے کہ تعین باقی قرآن کی ہجران یعنی جدائی کیلئے مستلزم ہے۔

اوراللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایاہے:

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان ٣٠)

اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا۔

سوائے اس سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بعض نوافل میں روایت ہوئی ہے۔(والجمع بين السورتين بترك واحدة بينهمافي ركعة واحدة) اورایک رکعت میں دوسورتوں کو اس طرح جمع کرنا مکروہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان ایک سورت ہو(جس کی آیات سات سے کم ہوں) کیونکہ چھوڑنے میں اعراض کرنا ہے اس سے کہ جس میں شروع ہوچکی ہے اور مقروءدوم کی چھوڑی ہوئی سورت پر بہتری کا وہم ہو تاہے اور دور کعتوں میں دوسورتوں کو جمع کرنا ایک سورت کے چھوڑنے کے ساتھ دونوں کے درمیان صحیح روایت میں مکروہ نہیں ہے اور دوسورتوں کے چھوڑنے پر علی الاطلاق مکروہ نہیں اور اگر چھوڑنے کا حمل ایک سورت کے صحیح پر اور دوسورتوں کے اطلاق پر نہ ہو تو اطلاق اور صحیح کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا۔

"خلاصۃ الفتاویٰ"میں کہاہے کہ کراہیت فرض میں ہے نہ کہ نفل میں تو یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے تعین مروی پر محمول ہوا۔

(والانتقال من اية الى اية ولو كانت بينهماسورة) اور ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانامکروہ ہے گو کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان سورت ہو۔یہ جواب سوال ہے اس کی تقدیر یہ ہے کہ کوئی کہتا۔اگر دوآیتوں کے درمیان ایک سورت سے کم ہو مثلاًایک آیت یادوآیتیں ہوں تو ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانامکروہ ہے اور اگر دوآیتوں کے درمیان پوری سورت ہو تو پھر ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانامکروہ نہیں ہو گا اور حکم ایسے نہیں ہے۔

تومصنف علیہ الرحمۃ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ **ولو کانت بینھماسورۃ**۔(اگرچہ ان دونوں کے درمیان ایک سورت ہو)حاصل جواب یہ ہے کہ ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف جانا۔ان باتوں سے خالی نہیں ہو گا یاتو دو آیتوں کے درمیان ایک سورت ہو گی یازیادہ سورتیں ہوں گی یاسورت سے کم ہوں گی اور سورت سے کم بھی خالی نہیں ہو گا یاایک آیت ہو گی یادوآیتیں اوریاپھر تین آیتیں ہوں گی۔

پس ان صورتوں میں جانا بھی ان باتوں سے خالی نہیں ہو گا یاایک رکعت میں ہو گا یادورکعتوں میں ۔اگرایک رکعت میں جاناہوتو مکروہ ہے مطلقاًاگرپڑھی ہوئی آیتوں کے درمیان ایک آیت ہو یادوآیتیں یا تین آیتیں ہوں ۔اوراگرایک سورت ہویازیادہ سورتیں اتفاق کے ساتھ بمثل ایک رکعت میں ایک سورت کے درمیان دوسورتوں کو جمع نہ کرنے کے ساتھ اوراگر دورکعتوں میں جاناہوایک آیت سے دوسری آیت کو یاایک سورت سے دوسری سورت کو تو یہ ان باتوں سے خالی نہ ہو گا یاتو اس کے درمیان ایک سورت ہو گی یادوسورتیں ہوں گی۔

اگردرمیان میں دوسورتیں ہوں تواتفاق کے ساتھ کراہیت نہیں ہے اوراگر درمیان میں ایک سورت ہوتو بعض کہتے ہیں جانامکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے اور یہ مکروہ نہ ہونا صحیح ہے کیونکہ قرآن عظیم الشان کاتالیف کے ساتھ پڑھنامباح ہے اور مباح کے ترک کرنے میں کراہیت لازم نہیں ہوتی اور بعض شارحین نے کہاہے کہ اگر آیتوں کے درمیان سورت سے کم ہو تو مکروہ نہیں ہے یہ اس پر دلالت کرتاہے کہ **ولو کانت بینھماسورۃ** میں غلط ہے جیساکہ "السعدی"میں کہاگیاہے۔

(وتقدیم السورۃ المتاخرۃ علی المتقدمۃ) اور قرأت میں قصداًاوراختیار کے ساتھ پہلی سورت سے آخری سورت کوپہلے پڑھنامکروہ ہے۔چاہے ایک رکعت میں ہو یادورکعتوں میں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاہے:

من قراءالقرآن معکوساالقی فی النارمعکوسا۔

جس شخص نے قرآن مجید کو الٹا پڑھا تو اس شخص کو دوزخ میں الٹا ڈالا جائے گا۔

اور قید قصد کے ساتھ سہو سے احتراز کیا کیونکہ سہو کی حالت میں کراہیت نہیں ہے کراہیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آخری سورت میں مقدم کرنا اس ترتیب کا ترک ہے کہ جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جمع ہوئے ہیں اور آخری سورت کا مقدم کرنا سورت کے متعین کرنے سے معین نماز میں زیادہ برا ہے۔

(ولوفی رکعتین) اگرچہ دو رکعتوں میں ہو۔جواب سوال ہے اس کی تقدیر یہ ہے کہ کوئی کہتا: آخری سورت میں مقدم کرنا اس وقت مکروہ ہو گا کہ ایک رکعت میں ہو اور اگر دونوں رکعتوں میں ہو تو مکروہ نہیں ہو گا اور حکم ایسے نہیں ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا۔

ولوفی رکعتین۔اگرچہ یہ تقدیم دو رکعتوں میں ہو لیکن ایک رکعت میں کراہیت دو رکعتوں کی کراہیت سے سخت ہے اگر یہ عمل قصد کے ساتھ تھا اور اگر سہو کے ساتھ ہو تو اس میں کراہیت نہیں اگر ایک نمازی نے بغیر قصد کے سورۃ الناس پڑھ لی تو دوسری رکعت میں بھی سورۃ الناس پڑھے کیونکہ دو رکعتوں میں سورتوں کا تکرار مکروہ نہیں ہے چاہے فرض نماز میں ہو یا نفل نماز میں بااعتبار فرض ونوافل میں قرآن عظیم الشان کو غیر معکوس پڑھنے کے۔

(والتسمیۃقبل کل رکعۃ) مذہب شیخین (حضرت امام اعظم وحضرت امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ) اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف وامام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ) میں بغیر سورۃ فاتحہ کے جہری اور سری نماز کی ہر رکعت میں سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ تسمیہ نہ سورۃ کا جزو ہے اور نہ الحمد کا جزو ہے اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث کہ وہ جزیت پر دلالت کرے اور نہ ہی خلفائے راشدین کا فاتحہ کی جزیت پر کوئی قول ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی ہر سورت کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خفی نماز میں سورت کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لیا کریں اور جہری نماز میں نہ پڑھیں اس میں فائدہ یہ ہے کہ

اگر اخفاء کی حالت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی تو سکتہ لازم نہیں ہوتا اور اگر جہری نماز کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی تو قرأت میں سکتہ لازم ہوا اور ضم سورت فوت ہوگئی اور اس پر سہو کی حالت میں سجدہ سہو واجب ہوگیا اور عمد کی حالت میں اس پر گناہ لازم ہوگیا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سنتیت میں ہے کیونکہ ہمارے مذہب کے علماء کا اختلاف سورت سے پہلے تسمیہ پڑھنے کی کراہیت میں ہے۔امام اور منفرد کیلئے فاتحہ سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ مستحبات کے باب میں گزر چکا ہے۔

(فی کل رکعة) مذہب شیخین میں ہر رکعت کے اندر۔حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں فاتحہ سے پہلے تسمیہ مستحب ہے۔کہا گیا ہے کہ پہلی رکعت میں مستحب ہے اور باقی رکعتوں میں مکروہ ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول کے ساتھ سورت سے پہلے والی بات کی طرف اشارہ ہے کہ تسمیہ نہ تو سورت سے پہلے والی بات کی طرف اشارہ ہے کہ تسمیہ نہ تو سورت سے ہے اور نہ ہی فاتحہ سے اور یہی قول مختار ہے۔

(وحمل الصبی بلاعذر) نماز میں عذر کے بغیر بچے کو کمر پر اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ بچے کو کمر پر اٹھانا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے اور نماز میں وہ فعل کرنا جو جنس نماز میں سے نہ ہو مکروہ ہے۔یہ اس وقت مکروہ ہے کہ اگر بچے کو اٹھانا ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں ہاتھوں سے ہو ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور اگر عذر کے ساتھ ہو جیسا کہ بچے کا آگ میں جل جانے کا ڈر ہو یا پانی میں ڈوب جانے کا یا اونچی جگہ سے گرنے یا درندے کا ڈر ہو تو پھر بچے کو اٹھانا مکروہ نہیں ہے اور وہ روایت جو ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم امامت فرمارہے تھے اور امامہ ابی العاص کی بیٹی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی گردن مبارک پر بیٹھی ہوئی تھی تو یہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے کیونکہ اس وقت نماز میں بعض افعال مباح تھے جیسا کہ باتیں کرنا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول سے منسوخ ہوگئے:

لقولہ ﷺ ان صلوتناھذہ لایصح فیھاشئی من کلام النا س وانماھی التسبیح والتھلیل وقراءۃالقرآن وکرہ الصلوۃفی ثیاب البذلۃ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاہے بتحقیق ہماری نماز میں لوگوں کے ساتھ باتیں کرنالازم اور جائز نہیں ہے بلکہ یہ (نماز) تسبیح وتہلیل اور قرآن کی تلاوت ہے اور نماز پرانے، خراب اور میلے کپڑوں میں پڑھنا مکروہ ہے۔

اور پرانے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے اور پرانا کپڑا اسے کہا جاتا ہے جنہیں انسان گھر میں پہنتا ہے مگر امیر لوگوں کی محفل تک ان کپڑوں میں نہ جاسکے اس وجہ سے یہ مکروہ ہیں اور پرانے کپڑوں میں نماز پڑھنا نماز کی توہین کرنا ہے۔

(وحسررأسہ) اور سر کا ننگا کرنا مکرو ہ ہے کیونکہ اس میں قرآن اور نماز کی تعظیم کا ترک ہے۔**(الاتذللا)** اور مگر (سر کو عاجزی کی وجہ سے نماز میں صرف اس وقت ننگا کرسکتا ہے جبکہ رات کے نوافل پڑھ رہاہو) عاجزی کی وجہ سے سر کا ننگا کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ عاجزی کی حالت میں سر کا ننگا کرنا خشوع ہے اور خشوع نماز میں مقصود ہے۔**(لاالصلوۃ الی ظھرمن لایصلی)** اور بیٹھے ہوئے آدمی کی کمر کی طرف نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ایک اعرابی کو بٹھاکر اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے اورام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سامنے لیٹی ہوئی تھی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سجدہ فرماتے تو میں اپنے پاؤں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سجدے سے سر اٹھاتے تو میں پھر اپنے پاؤں کو پھیلا دیتی تھی اور قید ظہر کے ساتھ سامنے یعنی چہرے سے احتراز کیا کیونکہ انسان کے چہرے کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ایک مرتبہ حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو دوسرے آدمی کے

چہرے کی طرف نماز پڑھ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں آدمیوں کو کوڑے مارے اور نمازی سے کہا کہ تم نماز میں صورت یعنی شکل کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے ہو اور بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا کہ تم نمازی کے سامنے بیٹھتے ہو؟ اور وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھتا ہو اور اس کے ساتھ ایک قوم بیٹھی ہوئی ہو اور باتیں کر رہی ہو یا سوئی ہوئی ہو۔ یہ آوازیں اٹھانے پر محمول ہے کہ نمازی نماز میں غلط ہو جائے گا اور سوئے ہوئے کی آواز کے ظہور کے حال پر محمول ہے کہ نمازی نماز میں ہنس پڑے گا اور اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

(والخاص سبعة عشر) اور مکروہات جو بعض نمازیوں اور بعض نمازوں کے حق میں خاص ہیں، وہ سترہ (۱۷) ہیں۔

(انتظار الامام قراءة) قرأت اور رکوع کی حالت میں امام کا (لمن سمع خفق نعليه) اس شخص کے لئے انتظار مکروہ ہے جس کے جوتوں کی آواز امام سن لے، اور امام اس بات پر عالم ہو کہ یہ شخص نماز کے لئے آرہا ہے (في الصلوة) نماز کی حالت میں انتظار مکروہ ہے۔ اور امام کا اس نیت سے انتظار کرنا مکروہ ہے کہ اگر یہ شخص نماز کا یہ رکن پالے، چاہے قیام ہو یا رکوع اور آنے والا چاہے غنی ہو یا فقیر، امام جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اگر امام کا انتظار اس لئے ہو کہ آنے والے شخص کی وجہ سے جماعت زیادہ ہو جائے یا آنے والا شخص جماعت میں داخل ہو جائے تو پھر مکروہ نہیں۔ اور اگر امام اس وجہ سے انتظار کرے کہ آنے والے شخص سے ڈرتا ہو تو پھر یہ کفر ہے، کیونکہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر کا خوف کفر ہے۔

(وتطويل الركعة الثانية على الاولىٰ) اور پہلی رکعت کی قرأت سے دوسری رکعت کی قرأت کو لمبا کرنا مکروہ ہے۔ اس وقت جب دونوں رکعات میں قرأت کی گئی آیات میں برابری ہو یا دوسری رکعت کی قرأت پہلی رکعت میں کی گئی قرأت کی آیات سے ۳ آیات زیادہ ہو جائیں اور اگر تین آیات سے کم آیات دوسری رکعت میں زیادہ پڑھ لے تو معاف ہے۔

(فی الفرائض) ایسا کرنا فرائض میں مکروہ ہے۔ نوافل و سنن میں ایسا کرنا مکروہ نہیں کیونکہ نوافل کا باب فرائض کے باب سے فراخ ہے بوجہ عدمِ لزوم نفل کے شروع سے پہلے اور فرض کے قبل الشروع لازم ہے اور اصل دونوں رکعات کی قرأت میں برابری ہے کیونکہ فرض کی دونوں رکعات نفسِ استحقاق میں برابر ہے تو بقدرِ قرأت بھی برابر ہوئی۔ سوائے صبح کی نماز کے کیونکہ صبح کی نماز میں قرأت کی لمبائی بقدرِ ایک ثلث ۳/۱، یا دو ثلث ۳/۲ مستحب ہے اس لئے کہ صبح کا وقت غفلت اور نیند کا وقت ہے تو پہلی رکعت کا دوسری رکعت پر لمبا کرنا مستحب ہوا تاکہ لوگوں کے ساتھ جمع پالینے میں امداد ہو جائے۔ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہر نماز میں پہلی رکعت کا دوسری رکعت پر لمبا کرنا بہتر نظر آتا ہے کیونکہ لوگ جماعت کے کام میں سست ہوتے ہیں بلکہ دین کے سارے کاموں میں سست ہوتے ہیں۔

(والتوقف فی ایة الرحمة) اور رحمت کی آیات کی قرأت کے وقت خاموش ہو جانا مکروہ ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (الشعراء ۹۰)

ترجمہ: اس روز متقیوں کے لئے جنت نزدیک کر دی جائے گی۔

(او العذاب) یا عذاب کی آیات کی قرأت کے وقت جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ (الشعراء ۹۱)

ترجمہ: کافروں کے لئے دوزخ ظاہر کی جائے گی۔

(للامام والمقتدی مطلقاً) امام اور مقتدی کے لئے مطلقا، چاہے فرض ہو یا وتر، رمضان المبارک میں تراویح ہو، یا صلوۃ الکسوف۔

(وللمنفرد للفرائض) اور منفرد کے لئے فرائض میں رحمت اور عذاب کی آیات پر ٹھہرنا مکروہ ہے اور نوافل میں مکروہ نہیں ہے کیونکہ منفرد کے لئے نوافل رحمت یا عذاب کی آیات پر ٹھہرنا

کوئی باک نہیں رکھتا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتا ہے اور عذاب سے پناہ مانگتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم رات کے وقت تہجد پڑھتے تو نماز شروع کر کے الحمد پڑھ لیتے اور پھر سورہ بقرۃ شروع کر دیتے پس جب آیاتِ رحمت پر گزرتے تو ٹھہرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے تھے اور جب آیات عذاب پر گزرتے تو ٹھہرتے تھے اور عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ اور نہ پڑھتے تھے ایک مثال مگر ٹھہرتے تھے، پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نفل سے فراغت طلوعِ صبح کے ساتھ ہوتی تھی کیونکہ نوافل کا باب فرائض کے باب سے اوسع ہے بخلافِ اداء نوافل کے جماعت کے ساتھ کہ نفل کی جماعت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، خصوصاً تراویح میں کہ زیادہ کھڑے ہونے کا مقصد قوم کو بھگانے اور تنگ کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

(وسجدة على كور العمامة) اور پگڑی کے گھیرے (پیچ) پر سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب سجدہ کرتے تھے تو پگڑی کو پیشانی مبارک سے اوپر کرتے تھے (بلاعذر) عذر کے بغیر اس شرط کے ساتھ کہ پیشانی زمین کے ساتھ سختی محسوس کرتی ہو اور ہمارے مذہب کے نزدیک سختی محسوس نہ کرنے کے وقت پگڑی کو پیشانی سے اوپر کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ پگڑی کے گھیرے پر سجدہ بالکل جائز نہیں چاہے سختی کے ساتھ ہو یا بغیر سختی کے ہو، اور عذر کی حالت میں کراہیت نہیں ہے۔ عذر کی مثال یہ ہے، جیسا کہ سردی، گرمی، یا زمین کا کھردرا یعنی ناہموار ہونا وغیرہ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے آپ کو زمین کی گرمی سے فالتو کپڑے سے بچاتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا پگڑی کے گھیرے پر سجدہ کرنا حالتِ سردی یا گرمی، یا زمین کے کھردرے ہونے پر محمول ہے اور مصنف علیہ الرحمہ کے قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پگڑی کے ساتھ نماز پرھنا پگڑی کے بغیر نماز پڑھنے سے ستائیس (۲۷) گنا بہتر ہے۔

(۱) عمامہ بکسر العین یعنی عین کے نیچے کسرہ پڑھا جاتا ہے (قاموس، شرح شمائل) اور بعض نے ضمہ بھی پڑھا ہے (قاموس) لیکن اس پر فتح پڑھنا غلط ہے۔[2486]

(۲) **عمامہ کی تعریف**: لغت میں عمامہ کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو سر پر باندھی جائے، اور اس کو سر پر لپیٹا جائے، خواہ اون کی ہو یا روئی وغیرہ کی خواہ اس کے نیچے ٹوپی ہو یا نہ ہو، لیکن سنت کے لئے اس کپڑے کے ساتھ شرعی گز ہونا ضروری ہے۔ جب مطلق عمامہ بولا جاتا ہے تو متبادر ومتعارف یہ ہوتا ہے۔

(۳) عمامہ کی جمع عمائم ہے جیسا کہ ثبوتِ عمامہ کے ضمن میں یہ حدیث شریف آرہی ہے:

العمائم تیجان العرب۔

ترجمہ: عمامہ باندھنا عربیوں کا تاج ہے۔[2487]

عممت ای کورت العمامة علی الرأس (مصباح)۔

ترجمہ: عممت کہتے ہیں کہ میں نے عمامہ کو سر پر لپیٹا۔

(۴) وجہ تسمیہ عمامہ: عمامہ کو عمامہ اس لئے کہتے ہیں کہ عام طور پر پورے سر کو ڈھانپ لیتا ہے۔[2488]

[2486] (تاج العروس، شرح شمائل، الدعامہ)
[2487] (مصباح، صحاح، قاموس)
[2488] (الدعامہ، ص ۴)

(۵) باندھنے کا طریقہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم گنبد نما سر کے گرد باندھنے کا طریقہ تھا۔ چنانچہ شرق وغرب کے علماء اس طرح باندھتے ہیں۔[2489]

عن عبد السلام قال سألت ابن عمر کیف کان علیہ السلام یعتم قال یدیر کور العمامہ علی رأسہ ویغرزھا من ورائہ ویرسل لھا ذوابتہ بین کتفیہ اھ۔[2490]

وقال ھذا یدل علی انھا عشرۃ اذرع والظاھر انھا کانت نحو العشرۃ او فوقھا بیسیر اھ۔

[2491]

ترجمہ: عبد السلام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیسے عمامہ باندھتے تھے، تو فرمایا: اپنے سر پر عمامہ کی کور (بل) گول باندھتے اور پیچھے کی طرف اس کا سرا اڑستے، شملہ دو کندھوں کے درمیان چھوڑتے۔ اور فرمایا یہ دس گز ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دس گز تھا یا تھوڑا اس سے زائد۔

(۶) عمامہ کی ابتداء سب سے پہلے اپنے سر پر عمامہ باندھنے والے ہمارے آقا و مولا سیدنا آدم علیہ السلام تھے کہ جب جنت سے دنیا میں تشریف لائے تو جبرئیل امین علیہ السلام نے باندھا تھا۔ دوسرے شخص حضرت ذوالقرنین تھے، جب ان کے سر پر قرن نکل آئے تھے تو ان کو چھپانے کے لئے عمامہ باندھا۔[2492]

[2489](رسالہ آداب سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، التحفۃ الرسولیۃ، ھدایۃ الابرار ص ۳۶)

[2490](ابو شیخ، قسطلانی ص ۲۴۸، ج۸، بیہقی فی شعب)

[2491](سیوطی، شرح المواھب، شرح شمائل، مناوی ابن سلمان شیخ جسوس، محاضرۃ الاوائل، دعامہ ص ۷۷)

[2492](اوائل السیوطی،، محاضرۃ الاوائل، الدعامہ ص ۵)

مقاتل بن حبان نبطی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی جس میں ہے کہ نبی امّی صاحبِ جمل مدرعہ اور صاحب عمامہ کی تصدیق کرو۔(الحدیث) اس سے صاحبِ عمامہ کی وجہ تسمیہ بھی ماخوذ ہوتی ہے، نیز یہ بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ ظاہر ہوں گے تو عمامہ استعمال کریں گے۔

(۷) عمامہ فرشتوں کی علامت ہے۔ درج ذیل آنے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمامہ اور کندھوں کے مابین شملہ رکھنا فرشتوں کی علامت ہے جیسا کہ چند احادیث میں یہ مذکور ہے۔[2493]

(۱) عن رکانۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من لبس العمامۃ یعطی بکل کورۃ یدورھا علی رأسہ او قلنسوتہ نوراً۔

ترجمہ: حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جس نے عمامہ باندھا تو اسے عمامہ کے ہر بل کے عوض جو اس نے سر یا ٹوپی پہ لپیٹا، نور عطا کیا جائے۔[2494]

(۲) حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس نے عمامہ باندھا تو اسے ہر بل کے عوض نیکی ملے گی اور اس کا ایک گناہ معاف ہوگا۔[2495]

(۳) آئندہ آنے والی وضوء، جمعہ اور نماز وغیرہ کی ترغیب والی احادیث سے عمامہ کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۴) فیہ سکینتہ من ربکم وبقیتہ مما ترک آل موسی وآل ھارون۔(الاٰیۃ)

[2493] (الدعامہ، ص ۲۸)

[2494] (اخرجہ الماوردی، الدعامہ ص ۷)

[2495] (الدعامہ ص ۷)

ترجمہ: اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور اٰلِ موسیٰ اور اٰلِ ہارون (علیہما السلام) کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔" مفسرین اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وہ برکات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور مصلّٰی اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور عمامہ تھے۔[2496]

ثبوت فضائل عمامہ شریف پر احادیث شریفہ

رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلا عمامة۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بے عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔[2497]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

صلاة تطوع از فریضة بعمامة تعدل خمساً وعشرین درجة بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة بلا عمامة۔[2498]

ترجمہ: ایک فرضی یا نفلی نماز عمامہ کے ساتھ عمامہ کے بغیر نماز سے پچیس درجے بہتر ہے اور عمامہ کے ساتھ ایک نماز جمعہ بغیر عمامہ ستر نماز جمعہ سے۔[2499]

امام ابو شجاع شیرویہ بن شہر دار بن شیرویہ الدیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

[2496] (تفسیر خازن، ومدارک)

[2497] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۲۷۳ رقم الحدیث ۴۴۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۳۰ رقم الحدیث ۶۶۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کنز العمال ج ۱۵ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۴۱۱۳۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (فیض القدیر ج ۴ ص ۳۷ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)

[2498] ابن عساکر عن ابن عمر (صحیح)

[2499] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۸۸ رقم الحدیث ۷۳۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۶ رقم الحدیث ۴۱۱۳۹)، مرقات ج ۴ ص ۴۰۷)، (المقاحسنۃ ص ۲۷۱)

عن انس الصَّلَاۃُفِي الْعِمَامَۃِعشرَۃُألف حَسَنَۃ۔[2500]

امام ابو شجاع شیر ویہ بن شہر دار بن شیر ویہ الدیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

عن جابر رکعتان بعمامۃ افضل من سبعین رکعۃ بغیر عمامۃ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بغیر عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔[2501]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ابن عساکر بطریق احمد بن محمد بن محمد الرقی ثنا عیسی بن یونس حدثنا العباس بن کثیر و الدیلمی بطریق الحسن بن اسحاق العجلی حدثنا اسحاق بن یعقوب القطان حدثنا سفیان بن زیاد المخری حدثنا العباس بن کثیر القرشی حدثنا یزید بن ابی حبیب عن میمون بن مھران قال دخلت علی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فحدثنی ملیا ثم التفت الی فقال یا ابا ایوب الا اخبرک بحدیث تحبہ و تحملہ عنی و تحدث بہ قلت بلی قال دخلت علی ابی عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنھما و ھو یتعمم فلما فرغ التفت فقال اتحب العمامۃ قلت بلی قال احبھا تکرم و لا یراک الشیطان الا ولی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول صلاۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا و عشرین صلاۃ بلا عمامۃ و جمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ ای بنی اعتم فان الملئکۃ یشھدون یوم الجمعۃ معتمین فیسلمون علی اھل العمائم حتی تغیب الشمس۔[2502]

[2500] (الفردوس بماثور الخطاب ج ۲ ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۳۸۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2501] (الفردوس بماثور الخطاب ج ۲ ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۳۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (جامع الکبیر للسیوطی ج ۴ ص ۲۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2502] (رواہ ابن عساکر و الدیلمی و ابن النجار) (مرقات ج ۴ ص ۴۲۶۔۴۲۷)

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ عمامہ شریف باندھ رہے تھے جب آپ عمامہ سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم عمامہ کو دوست رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بے شک جی ہاں فرمایا اسے دوست رکھو عزت پاؤ گے اور جب شیطان تمہیں دیکھے گا تو تم سے پیٹھ پھیر لے گا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ عمامہ کے ساتھ ایک نماز خواہ وہ نفل ہو یا فرض بے عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ بے عمامہ کے ساتھ ستر جمعوں کے برابر ہے پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے فرزند عمامہ باندھ بے شک فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھے آتے ہیں اور سورج ڈوبنے تک عمامہ باندھے والوں پر سلام بھیجتے ہیں۔

قیامت میں عمامہ کے ہر بل پر نور عطا ہو گا

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔

العمامة على القلنسوة فصل ما بيننا وبين المشركين يعطى يوم القيامة بكل كورة بدورها على رأسه نورا۔الباوردی عن رکانة۔

ترجمہ: عمامہ کو ٹوپی کے اوپر باندھنے سے مشرکین اور ہمارے مابین امتیاز ہو جاتا ہے اور مومن کو قیامت میں عمامہ کے ہر بل پر نور عطا ہو گا۔[2503]

ضعیف احادیث فضائل اعمال میں مقبول ہیں

[2503] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف العین ج ۱ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۵۷۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عمامہ شریف کے فضائل والی اکثر احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف احادیث فضائل اعمال میں مقبول ہیں۔

شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطیعها و مراسیلها لا تعارض و لا ترد کذلک کان السلف یفعلون۔

ترجمہ: یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ ان کی مخالفت کی جائے گی اور نہ انہیں رد کیا جائے گا آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔[2504]

امام یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

انهم قدیروون عنهم احادیث الترغیب والترهیب وفضائل الاعمال والقصص واحادیث الزهد ومکارم الاخلاق ونحو ذالک ممّا لا تتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحکام وهذا الضرب من الحدیث یجوز عنداهل الحدیث وغیرهم التساهل فیه وروایة ماسوی الموضوع منه والعمل به لان اصول ذالک صحیحة مقررة فی الشرع معروفة عنداهله۔

ترجمہ: حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال و حرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔ اس قسم کی احادیث ضعیف راویوں سے روایت

[2504] (قوت القلوب فی معاملة المحبوب ج ١ ص ١٧٨)

کرنا اور ان پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصول شریعت میں صحیح ومقرر اور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔[2505]

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

قال العلمآء من المحدثین و الفقہآء وغیرہم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا۔

ترجمہ: محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال، ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔[2506]

امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الذی اطبق علیہ ائمتنا الفقہاء و الاصولیون و الحفاظ ان الحدیث الضعیف حجۃ فی المناقب کما انہ ثم باجماع من یعتدبہ حجۃ فی فضائل الاعمال۔

ترجمہ: ہمارے ائمہ فقہاء اصولیین اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیث ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل شمار علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف حجت ہوتی ہے۔[2507]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و یجوز عند اھل الحدیث و غیرھم التساھل فی الاسانید الضعیفۃ و روایۃ ما سوی الموضوع من الضعیف و العمل بہ۔

[2505] (شرح مسلم نووی ص ۲۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
[2506] (الاذکار ص ۷ ناشر مکتبہ سیفیۃ پشاور)
[2507] (تطہیر الجنان و اللسان ص ۱۳ مطبوعہ مکتبۃ القاھرہ)

ترجمہ: اور محدثین و غیر ہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[2508]

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الذی یصلح للتعویل علیہ ان یقال اذا وجد حیث فی فضیلة عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمة والکراھیة یجوز العمل بہ و یستحب لانہ مامون الخطر و مرجوّ النفع۔

ترجمہ: یعنی اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت و کراہت کے قابل نہ ہو تو اس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی امید۔[2509]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فی فضائل الاعمال یجوز العمل بالحدیث الضعیف۔

ترجمہ: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔[2510]

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل اعمال۔

ترجمہ: بے شک حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے۔[2511]

فقہاء و محدثین کے اقوال

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2508] (تدریب الروی ص ۲۹۸ مطبوعہ مکتبة الریاض الحدیثة۔الریاض)

[2509] (نسیم الریاض شرح شفا)

[2510] (شامی ج ۱ ص ۲۸۳ باب الاذان مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2511] (مقدمہ لمعات التنقیح شرح مشکوة المصابیح ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبہ المعارف العلمیہ شیش محل لاہور)، (مقدمة مشکوة ص ۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

قال ولبس العمائم فی الحرب وغیرها حسن من امر المسلمین فان العمائم تیجان العرب وقال تعمموا تزدادوا حلماً ودخل رسول اللہ ﷺ مکة یوم الفتح وعلیه عمامة سوداء فعرفنا ان ذلک حسن وذکر عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال دعا رسول اللہ ﷺ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال تجهز فانی باعثک فی السریة الحدیث الی ان قال وعلی عبدالرحمن عمامة دلفها علی راسه فدعاه النبی ﷺ فاقعده بین یدیه ونقض عمامته بیده ثم عممه بعمامة سوداء فارخی بین کتفیه منها ثم قال هکذا فاعتم یا ابن عوف وانما فعل ذلک اکراما له خصه بهذه الکرامة من بین الصحابة۔[2512]

امام ابوالحسن علی بن خلف العربی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال مالک العمة والاحتباء والانتعال من عمل العرب ولیس ذلک فی العجم وکانت العمة فی اول الاسلام ثم لم تزل حتی کان هؤلاء القوم قال ابن وهب وحدثنی مالک انه لم یدرک احدا من اهل الفضل یحیی بن سعید وربیعة وابن هرمز الا وهم یعتمون ولقد کنت فی مجلس ربیعة وفیه احد وثلاثون رجلا ما منهم رجل الا وهو معتم وانا منهم۔

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عمامہ باندھنا گوٹ لگانا اور جوتے پہننا عرب کے عمل میں سے ہے یہ عجم میں نہیں تھا اور عمامہ باندھنا ابتدأء اسلام میں تھا پھر یہ مسلسل رہا تا آنکہ ابناء زمانہ بھی اسی پر قائم ہیں ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ارباب فضل یحیٰی بن سعید ربیعہ اور ابن ہرمز رحمہم اللہ میں سے ہر ایک کو عمامہ باندھے ہوئے پایا اور میں ربیعہ کی مجلس میں تھا اس میں اکتیس شرکاء مجلس تھے ان میں سے ہر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا اور میں بھی ان میں سے تھا۔[2513]

علامہ عبدالرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2512] (شرح السیر الکبیر باب العمائم فی الحرب ج ۱ ص ٦٧ مطبوعہ بمطبعة دائرة المعارف النظامیة بحیدر آباد دکن ھند)

[2513] (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۹ ص ۸۹)

والعمامة سنة لاسيما للصلاة وبقصد التجمل لاخبار كثيرة فيها واشتداد ضعف كثير منها يجبره كثرة طرقها وزعم وضع اكثرها تساهل وتحصل السنة بكونها على الرأس او القلنسوة تحتها۔

ترجمہ: عمامہ شریف سنت ہے خاص طور سے نماز کے لئے اور تجمل کے ارادے سے اس لئے کہ اس میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور بہت سی احادیث جو بہت ضعیف ہیں ان کا ضعف کثرت طرق سے دفع ہو جاتا ہے اور اکثر کو موضوع سمجھنا تساہل ہے۔[2514]

امام محمد بن عبد اللہ بن محمد المعروف بابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

العمامة سنة الراس وعادة الانبيآء والسادة۔[2515]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ونص عبارته تنبغي ان يصلى مع العمامة فى الحديث الصلاة مع العمامة خير من سبعين صلاة بغير عمامة كما فى المنية۔[2516]

ترجمہ: اور اس کی عبارت پر نص یہ ہے کہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے عمامہ والی نماز بغیر عمامہ والی نماز سے ستر گنا افضل ہے۔ اسی طرح منیہ میں ہے۔

پیر شریعت پیر طریقت شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

واعلم ان السوم هو ارسال العلاقة من تحت العمامة مما يلى القضآء من جانب الايسر ومن قوله تعالى ويمدد كم ربكم بخمسة الآف من الملائكة مسومين وهو من النبى عليه

[2514] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[2515] (عارضة الاحوذی شرح جامع الترمذی باب ماجاء فی لبس الصوف ج ۷ ص ۲۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (فیض القدیر شرح جامع الصغیر ج ۴ ص ۴۲۹ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

[2516] (جامع الرموز فصل مایفسد الصلوة ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

الصلوۃ والسلام من سنۃ الھدی ومن فضلہ قال علیہ الصلوۃ والسلام رکعتان معھا افضل من سبعین رکعۃ بدونھا وانہ علیہ السلام ارسلھا فی جمیع الاحوال الی حالۃ السیر وھی ثلثۃ انواع قبضۃ وقبضتین وقبضات حتی الصدر۔[2517]

مولوی عبدالبصیر نعمانی دیوبندی حضرت اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

اخون درویزہ بابا د خپل وخت عالم عابد زاھد متقی مجاھد د کشف وکرامت خاوند د علم وعرفان ځلاندہ ستورے وو۔

ترجمہ: اخون درویزہ بابا اپنے وقت کے عالم، عابد، زاہد، متقی، مجاہد، صاحب کشف وکرامت اور علم وعرفان کے روشن ستارے تھے۔[2518]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ثم اعلم انہ ثبت فی الاخبار والاثار انہ تعمم بالعمامۃ مما کاد ان یکون متواتراً فی المعنی وکذا ورد تحریضہ ﷺ علی التعمم فی احادیث کثیرۃ ولو من طرق ضعیفۃ یحصل من مجموعھا قوۃ ترقیھا الی مرتبۃ الحسن بل الصحۃ وتفید استحباب العمامۃ۔

ترجمہ: یعنی جان لو اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے عمامہ شریف کو استعمال فرمایا یہاں تک کہ احادیث واخبار سے تواتر بالمعنے کا حکم ثابت ہوا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے عمامہ شریف کے استعمال پر بہت بڑے فضائل بیان فرمائے۔[2519]

[2517] (ارشاد الطالبین ص ۱۳۲ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)
[2518] (خزینۃ الاولیاء ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبہ حنفیۃ مینکورہ سوات)
[2519] (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ والعذبۃ ص ۸ مطبوعہ دار الاخلاص لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

بدانکہ پوشیدن عمامہ سنت ست واحادیث بسیار در فضل آن وارد شدہ وآمدہ است کہ دو رکعت بعمامہ بہتر ست از ہفتاد رکعت بی عمامہ۔

ترجمہ: یاد رہے کہ عمامہ باندھنا سنت ہے اور بہت سی حدیثیں اس کی فضیلت میں وارد ہیں حدیث میں آیاہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا عمامہ کے بغیر ستر رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔[2520]

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اعلم ان لبس العمامة سنة ورد فی فضلها اخبار کثیرة حتی ورد ان الرکعتین مع العمامة افضل من سبعین رکعة۔[2521]

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور امام سخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کے جوابات میں لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ حدیث موضوع نہیں۔ اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ متہم بالوضع نہ کوئی کذاب ہے نہ کوئی متہم بالکذاب لاجرم اسے امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا جس کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

ترکت القشر واخذت اللباب وصنته عما تفرد به وضاع او کذاب۔

میں نے اس کتاب میں پوست چھوڑ کر خالص مغز لیا ہے اور ایسی حدیث سے بچایا ہے جسے تنہا کسی وضاع یا کذاب نے روایت کیا ہے۔

[2520] (اشعتہ اللمعات فارسی کتاب اللباس ج۳ ص ۵۸۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[2521] (العرف الشذی ہامش علی الشمائل للترمذی مع جامع الترمذی ص ۸ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

اما ابن النجار فاخرجه من طريق محمد بن مهدى المروزى انبانا ابو بشر بن سيار الرقى حدثنا العباس بن كثير الرقى عن يزيد بن ابى حبيب قال قال لى مهدى بن ميمون دخلت على سالم بن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم وهو يعتم فقال لى يا ابا ايوب الا احدثك بحديث تحبه وتحمله وترويه فذكر مثله وقال لا يزالون يصلون على اصحاب العمائم حتى تغيب الشمس قال الحافظ فى اللسان هذا حديث منكر بل موضوع ولم ار للعباس بن كثير ذكر فى الغرباء لابن يونس ولا فى ذيله لابن الطحان واما ابو بشر بن سيار فلم يذكره ابو احمد الحاكم فى الكنى وما عرفت محمد بن مهدى المروزى ولا مهدى بن ميمون الراوى لهذا الحديث من سالم وليس هو البصرى المخرج فى الصحيحين وذاك يكنى ابا يحيى ولا ادرى ممن الافة۔

ترجمہ: ابن نجار نے اس کی تخریج اس سند سے کی ہے کہ محمد بن مہدی مروزی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابو بشر بن سیار رقی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں عباس بن کثیر رقی نے یزید بن ابی حبیب کے حوالے سے حدیث بیان کی کہا مجھے مہدی بن میمون نے بتایا کہ ایک دفعہ میں سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ کے پاس گیا تو وہ عمامہ باندھ رہے تھے انہوں نے مجھے فرمایا اے ابو ایوب میں تجھے ایک حدیث نہ بیان کروں جسے تو محبوب رکھے حاصل کرنے کے بعد اسے بیان کرے پھر انہوں نے اسی طرح کی حدیث بیان کی اور فرمایا کہ فرشتے عمامہ باندھنے والوں پر غروب آفتاب تک صلوۃ بھیجتے رہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں فرمایا کہ یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے اور میں نے عباس بن کثیر کا ذکر ابن یونس کی غرباء میں اور اس کے حاشیہ لابن طحان میں نہیں پایا اور ابو بشر بن سیار کا تذکرہ ابو احمد حاکم نے الکنی میں نہیں کیا اور نہ ہی میں محمد بن مہدی مروزی اور اس حدیث کے راوی مہدی بن میمون کو جانتا ہوں اور وہ بصری بھی نہیں جو مسلم و بخاری کے راوی ہیں ان کی کنیت ابو یحییٰ ہے اور نہ میں اس کی آفت سے آگاہ ہوں۔

اقول: اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے انہوں نے اس حدیث کو موضوع کیسے قرار دیا جب کہ اس روایت میں نہ کوئی ایسی چیز ہے جسے عقل وشرع محال جانے اور نہ ہی اس کی سند میں کوئی وضاع کذاب اور متہم ہے۔ محض راوی کے مجہول ہونے سے اس حدیث کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ فضائل میں قابل استدلال ہی نہ رہے۔ موضوع کہنا تو بہت بڑی بات ہے اس طرح کی روایات کے بارے میں خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے القول المسدد میں بحث کی ہے۔

حافظ ابوالفرج ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا کہ:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے عشاء کے بعد شعر کا ایک بیت پڑھا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہوگی وجہ یہ بتائی کہ اس حدیث کی سند میں راوی قرعہ بن سوید کے بارے میں امام احمد نے کہا یہ مضطرب الحدیث ہے ابن حبان نے کہا یہ کثیر الخطا اور فاحش الوہم ہے آخر میں ابن جوزی نے کہا جب اس کی روایت میں علتیں اس قدر کثیر ہوگئیں تو اس کی روایت سے استدلال ساقط ہوگیا۔[2522]

اس پر علامہ حافظ ابن حجر نے فرمایا یہاں پر کوئی ایسی چیز نہیں جو اس حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کرتی ہو۔ نیز ابن جوزی نے موضوعات میں یہ حدیث بھی ذکر کی کہ:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا عسقلان ان خوش نصیب شہروں میں سے ایک ہے جن سے روز قیامت ستر ہزار ایسے افراد اٹھائے جائیں گے جن کا حساب نہیں ہوگا اور اس میں پچاس ہزار شہداء اٹھائے جائیں گے جو وفد کی صورت میں صف بستہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے حالانکہ ان کے سر کٹے ہوئے ہاتھوں میں ہوں گے اور ان کی اس

[2522](کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۲۶۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

رگ سے خون بہہ رہا ہو گا جو بوقت ذبح کاٹی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں وہ چیز عطا فرما جس کا تونے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ فرمایا ہے ہمیں روز قیامت ذلت سے محفوظ فرما۔ بلاشبہ تو وعدہ کا خلاف نہیں کرتا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میرے بندوں نے سچ کہا ان کو سفید نہر میں غسل دو تو وہ اس نہر سے صاف شفاف اور چمکدار ہو کر نکلیں گے اور جنت میں حسب خواہش چلے جائیں گے اور وہاں کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔

اور ابن جوزی نے اس کے موضوع ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ اس کی تمام سندوں کا مرکز ابو عقال ہے جس کا نام ہلال بن زید بن یسار ہے۔ ابن حبان نے کہا یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی روایات موضوعہ نقل کرتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل بیان نہیں کی۔ امام ذہبی نے میزان میں کہا یہ باطل ہے۔

اس پر علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا یہ روایات فضائل اعمال سے متعلق ہیں۔ اس میں اللہ کی راہ میں جہاد کی ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں جسے عقل و شرع محال قرار دیتی ہو۔ لہٰذا محض اس لئے اسے باطل قرار دینا کہ اس کا راوی ابو عقال ہے قابل حجت نہیں اور امام احمد احادیث احکام میں تو نہیں البتہ احادیث فضائل میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ معروف و مشہور ہے۔[2523]

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ یہ ہی طریقہ علامہ ابن حجر نے عمامہ والی حدیث میں کیوں نہیں اختیار فرمایا حالانکہ یہ حدیث بھی فضائل اعمال سے متعلق ہے اور اس سے بارگاہ الٰہی کے ادب پر شوق دلایا گیا

[2523] (القول المسدد لابن حجر عسقلانی ص ۳۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن ہند)

ہے اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جسے شرع وعقل محال قرار دیتی ہو بلکہ اس میں کوئی راوی بھی ایسا نہیں جسے ابو عقال کی طرح موضوعات کا راوی قرار دیا گیا ہو تو اس روایت پر بطلان بلکہ موضوع ہونے کا حکم محض اس بنا پر کہ بعض روایات کا ایسے راویوں سے ہونا جن کو حافظ ابن حجر نہیں جانتے یا فلاں فلاں نے ان کو ذکر نہیں کیا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک ابن النجار کے بعض رواۃ میں سے مہدی بن میمون کے بارے میں وہم ہے یہاں راوی میمون ابن مہران ہیں سند اس طرح ہے۔

ابو نعیم کے نزدیک عیسیٰ بن یونس اور دیلمی کے نزدیک سفیان بن زیاد دونوں نے عباس سے انہوں نے یزید سے انہوں نے میمون ابن مہران سے روایت کیا ہے اور میمون سے مراد ابو ایوب جزری الرقی ہیں جو نہایت ثقہ اور فقیہ ہیں مسلم اور چاروں سنن کے رجال سے ہیں جیسا کہ حافظ نے خود تقریب میں کہا۔

یہ ہی وجہ ہے کہ خاتم الحفاظ علامہ سیوطی نے اس روایت کو جامع صغیر میں نقل فرمایا جس میں انہوں نے وعدہ کیا کہ کوئی موضوع حدیث بیان نہیں کروں گا۔

اور علامہ ابن حجر کے شاگرد خاص امام سخاوی کا اس عمامہ والی حدیث ابن عمر کو موضوع کہنا صرف اپنے استاذ کے قول کی بنا پر ہے کیونکہ انہوں نے موضوع ہونے کی کوئی علیحدہ سے وجہ نہیں بیان فرمائی اور حدیث انس میں صرف ابان راوی متروک ہیں اور ایک راوی کا متروک ہونا حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ نہیں دے سکتا یہ تفصیلی گفتگو ہم نے الھاد الکاف فی حکم الضعاف میں کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔[2524]

[2524] (فتاویٰ رضویہ ملخصاً ج۳ ص ۷۹۔۸۰ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ شریف کی تفصیل

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اخبرنا ابو البرکات الانماطی انا ابو طاہر احمد بن الحسن بن احمد الباقلانی نا ابو علی بن شاذان انا ابو سہل احمد بن محمد بن عبداللہ بن زیاد القطان نا صالح بن مقاتل بن صالح حدثنی ابی حفص بن مسلم بسمرقند نا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان النبی ﷺ کانت عمامتہ سوداء تسمی العقاب ولواؤہ اسود۔[2525]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وطریق عمامہ بستن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم گرد بود گنبد نما چنانچہ علماء وشرفاء عرب بآں دستوری بندند۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ باندھنا گول حلقہ ہوتا گنبد نما (یعنی عمامہ کی شکل گنبد نما ہوتی) چنانچہ علماء شرفاء عرب عمامہ اسی طریقہ پر باندھتے ہیں۔[2526]

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن ابی کبشۃ الانماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت عمامۃ رسول اللہ ﷺ بطحۃ یعنی لاطئۃ۔[2527]

امام ابی العباس احمد بن احمد الخطیب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وترک رسول اللہ یوم مات من الثیاب اربعۃ ازرو قمیصا وجبۃ وکساء وملحفۃ وقمیصا وعمامۃ وبردۃ حمراء وقلانس۔[2528]

[2525] (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

[2526] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۷ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراچی)

[2527] (جامع الاصول فی احادیث الرسول ج ۱۰ ص ۲۲۳ رقم الحدیث ۸۲۴۲ مطبوعہ بمطبعۃ السنۃ المحمدیۃ بالقاہرۃ)

[2528] (وسیلۃ الاسلام بالنبی ﷺ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)

امام حسن بن عمر بن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ملابس النبی ﷺ کان لہ برد نجرانی غلیظ الحاشیة و کمة بیضاء و قلانس لا طیة و عمامة سوداء صعد بھا علی المنبر و لبسھا عند دخول مکة یوم الفتح الاکبر و قمیص من القطن قصیر الطول و الیدین و جبة من الصوف و جبة شامیة صفیقة الکمین و برد من حبرة لہ حاشیتان ورداء حضرمی و ازار من نسج عمان و حلة حمراء یلبسھا فی الجمعة و العیدین و کان یکثر القناع ویلبس الجرموقین و النعلین۔

و اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ و ارخاھا و اذا توضا او سجد رفعھا عن جبینہ و نحاھا و کان یصبغ ثیابہ بالزعفران ویظھر للناس و علیہ بردان اخضران۔[2529]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ شریف کا نام سحاب تھا

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر الاصفھانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنی محمدبن احمدبن سعیدالواسطی نامحمدالوزیر نامسعدةبن الیسع عن جعفر بن محمدعن ابیہ عن جدہ قال کسا رسول اللہ علیا عمامة یقال لھا السحاب فاقبل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ھی علیہ فقال ھذا علی قد اقبل فی السحاب فحرفوھا ھؤلاء فقالوا علی فی السحاب۔[2530]

محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

کانت لہ عمامة تسمی السحاب کساھا علیا و کان یلبسھا ویلبس تحتھا القلنسوة و کان یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة و کان اذا اعتم ارخی عمامتہ بین کتفیہ کما رواہ مسلم فی صحیحہ عن عمرو بن حریث قال رایت رسول اللہ ﷺ علی المنبر وعلیہ عمامة سوداء قدارخی طرفیھا بین کتفیہ۔ وفی مسلم ایضا عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ دخل مکة وعلیہ عمامة سوداء۔

[2529] (المقتفی من سیرة المصطفی ص ۹۵۔۹۶ مطبوعہ دارالحدیث القاھرة مصر)

[2530] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث ۳۰۷ مطبوعہ دارالمسلم الریاض)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس ایک عمامہ تھا جسے سحاب کہا جاتا تھا جو بعد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا تھا آپ اس کو باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ بھی زیب تن فرماتے تھے۔[2531]

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و کانت لہ عمامۃ تسمی السحاب فوھبھا من علی فربما طلع علی فیھا فیقول اتاکم علی فی السحاب۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ سحاب تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ھبہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سحاب میں آپ کے پاس آئے۔[2532]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یقال لھا السحاب فکساھا علی ابن ابی طالب فکان ربما طلع علی فیقول اتاکم علی فی السحاب یعنی عمامتہ التی وھب لہ۔

ترجمہ: اس عمامے کو سحاب کہا جاتا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنایا گیا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے

[2531] (زادالمعاد فصل فی ملابسہ ا ج ا ص ۱۳۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

[2532] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ واخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۴۔۲۵۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے پاس سحاب ہے یعنی اس عمامے مبارک میں آئے جو ان کو ھبہ کیا گیا تھا۔[2533]

امام محمد باقی زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقد كان له عليه الصلوة والسلام عمامة تسمى السحاب ويلبس تحتها القلانس اللاطئة۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ایک عمامہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس عمامہ کے نیچے سر پر مڑی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔[2534]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ شریف باندھنے کا طریقہ

امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

ابو عبدالسلام سال بن عمر كيف كان النبى صلى الله عليه وآله وسلم يعتم قال كان يديرها على راسه ثم يغرزها خلفه ويرخى طرفها بين كتفيه۔[2535]

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الاصفھانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا زكريا الساجى وابن رستة قالا حدثنا ابو كامل نا ابو معشر نا خالد الحذاء حدثنى ابو عبدالسلام قال قلت لابن عمر كيف رسول الله يعتم قال يدير كور العمامة على رأسه ويغرسها من ورائه ويرخى لها ذوابة بين كتفيه قال نافع وكان ابن عمر يفعل ذلك۔[2536]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

[2533] (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2534] (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[2535] (الکنی للبخاری ص ۵۲ رقم الحدیث ۴۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2536] (اخلاق النبی صلى الله عليه وآله وسلم وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۵ رقم الحدیث ۳۰۶ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

حدثنی ابو عبدالسلام قال سالت ابن عمر کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعتم؟ قال کان یدیر العمامة علی راسه ویغرزھا من ورائه ویرسل لھا ذؤابة بین کتفیه۔

ترجمہ: ابو عبد السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامہ کیسے باندھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ عمامے کو سر کے اوپر بل دینے کے لئے گھماتے جاتے تھے اور پیچھے کی طرف اس کے سرے کو بل کے اندر دیتے تھے اور اس کے اوپر کے سروں کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے۔[2537]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

کان یدیر العمامة علی رأسه ویغرزھا من ورائه ویرسل لھا ذوابة بین کتفیه۔[2538]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحیح۔ خلا ابا عبدالسلام وھو ثقة۔[2539]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی والبیھقی وابو موسی المدنی واسنادہ علی شرط الصحیح الا ابا عبدالسلام وھو ثقة۔[2540]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ علی شرط الصحیح الا ابا عبدالسلام وھو ثقة۔[2541]

[2537] (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۶۲۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (الآداب للبیھقی ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث ۵۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2538] (السیرة النبویة لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2539] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2540] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2541] (المقالة العذبة فی العمامة والعذبة ص ۲۵ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ اذا اعتم سدل عمامته بین کتفیہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب عمامہ باندھتے تھے تو عمامے کے سرے کو دونوں کندھوں کے مابین لٹکاتے تھے۔[2542]

الجامع لشعب الایمان کے محقق غیر مقلد مختار احمد الندوی اس کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

اسنادہ لا باس بہ و الحدیث حسن لشواھدہ و متابعاتہ۔[2543]

صحیح روایات سے عمامہ شریف کی کوئی خاص مقدار ثابت نہیں۔

صحیح روایات سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ شریف کی کوئی خاص مقدار ثابت نہیں۔البتہ بعض علماء نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حاضر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و امامقدار العمامۃ الشریفۃ فلم یثبت فی حدیث و قد روی البیہقی فی شعب الایمان عن ابی عبدالسلام قال سالت ابن عمر کیف کان النبی ﷺ یعتم؟ قال کان یدیر العمامۃ علی راسہ و یغرزھا من ورائہ و یرسل لھا ذؤابۃ بین کتفیہ و ھذا یدل علی انھا عدۃ اذرع و الظاھر انھا کانت نحو العشرۃ او فوقھا بیسیر انتھی۔

ترجمہ: عمامہ کی مقدار حدیث سے ثابت نہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں کہ ابو عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ

[2542] (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۶۲۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الترمذی ج ۴ ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۷۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2543] (الجامع لشعب الایمان ج ۸ ص ۲۸۸ رقم الحدیث ۵۸۳۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

عنہما سے پوچھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کیسے عمامہ شریف باندھتے تھے فرمایا کہ عمامہ سر پر ہوتا پیچھے سے اڑتے شملہ کاندھوں کے درمیان ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ چند گز تھا ظاہر دس گز یا اس سے کچھ زیادہ تھا۔ [2544]

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

انہ قال فی تصحیح المصابیح قد تتبعت الکتب و تطلبت من السیر و التواریخ لاقف علی قدر عمامۃ النبی ﷺ فلم اقف علی شئ حتی اخبرنی من اثق بہ انہ وقف علی شئ من کلام النووی ذکر فیہ انہ کان لہ ﷺ عمامۃ قصیرۃ و عمامۃ طویلۃ و ان القصیرۃ کانت سبعۃ اذرع و الطویلۃ اثنی عشر ذراعاً انتھی۔

ترجمہ: شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح المصابیح میں لکھا کہ میں نے کتابوں کو تلاش کیا سیرت و تاریخ کی کتابیں بھی دیکھیں کہ کہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ کی مقدار مل جائے لیکن مجھے کچھ نہیں ملا تا آنکہ مجھے ایک ایسا شخص ملا جس پر مجھے اعتماد ہے اس نے بتایا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس دو عمامہ تھے ایک چھوٹا دوسرا بڑا چھوٹے کی مقدار سات ذراع اور بڑے کی مقدار بارہ ذراع تھی۔ [2545]

شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2544] (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2545] (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)، (شرح زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اما طول عمامة النبی ﷺ وعرضها فلم یثبت فیها شیٔ ومن ثم قال جماعة من الحفاظ الجامعین بین فنی الحدیث وغیرہ لم یتحرر لنا فی ذلک شیٔ ومن ثم لما سئل عنه الحافظ عبدالغنی لم یبدفیه شیئا۔[2546]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ظاھر کلام المدخل ان عمامته کانت سبعة اذرع مطلقاً من غیر تقیید بالقصیر و الطویل

۔

ترجمہ: یعنی حاصل کلام یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ مبارک مطلقاً سات ہاتھ ہوتا تھا بغیر لمبائی اور چوڑائی کی قید کے۔[2547]

امام ابوعبداللہ محمد بن محمد المشہور ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ما نصه وردت السنة بالرداء و العمامة و العذبة لکن الرداء کان اربعة اذرع ونصفاً ونحوھا والعمامة سبعة اذرع ونحوھا یخرجون منها التلحیة والعذبة والباقی عمامة۔[2548]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

کانت عمامته ﷺ فی البیت سبعة او ثمانیة اذرع وفی وقت الصلوات الخمس اثنا عشر ذراعاً وفی الجمعة اربعة عشر ذراعاً وفی الحروب خمسة عشر ذراعاً کذا قیل انتھی معرباً۔[2549]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

[2546] (الفتاویٰ الحدیثیة مطلب فی طول عمامة النبی ﷺ وعرضه ص ۱۲۔۱۳ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

[2547] (مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب اللباس الفصل الثانی حکم العمامة والقلنسوۃ ج۸ ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[2548] (المدخل لابن الحاج ج ۱ ص ۱۴۰ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2549] (آداب اللباس للشیخ محدث دھلوی ص ۳ مطبوعہ ھند)، (المقالة العذبة فی العمامة والعذبة للقاری ص ۱۴ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

پنجگانہ نمازوں کے وقت بارہ گز اور عید کے روز چودہ گز اور جنگ و حرب کے وقت پندرہ گز اور متاخرین علمائے کرام نے فرمایا کہ وقار و مرتبہ اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ قاضی مفتی فقیہ مشائخ اور غازی کو اکتیس گز (یعنی ہاتھ) تک عمامہ باندھنا جائز ہے۔ عمامہ باندھنے میں سنت یہ ہے کہ عمامہ لمبا ہو نہ کہ چوڑا اور عمامہ کا عرض آدھا ہاتھ ہو یا تھوڑا کم یا زیادہ اس کی بیشی میں کوئی حرج نہیں اور اس کی کم سے کم لمبائی سات گز ہو ایسے گز سے جو چوبیس انگل کا ہوتا ہے کہ مٹھیاں بنتی ہیں اور یہ کہ عمامہ با طہارت باندھے اور قبلہ رو کھڑا ہو کر باندھے اور جب بھی کھولے تو پیچ پیچ کر کے کھولے یکبارگی نہ اتارے جیسے باندھنے میں پیچ پر پیچ دیا تھا اس طریقے سے کھولے عمامہ باندھنے کے بعد آئینہ یا پانی یا اس کی مثل کسی (عکس دار) چیز میں دیکھ کر اس کو درست کرے اور عمامہ شملہ کے ساتھ باندھے۔ [2550]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال العلماء رحمھم اللہ تعالٰی لم تکن عمامة النبی ﷺ بالکبیرة التی توذی صاحبھا وتضعفه وتجعله عرضة للآفات کما یشاھد من حال اصحابنا ولا بالصغیرة التی تقصر عن وقایة الراس من الحر والبرد بل وسطا بین ذلک۔

ترجمہ: علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ نہ اتنا طویل تھا کہ اٹھانے میں تکلیف ہو نہ اتنا مختصر تھا کہ سر کو سردی گرمی سے نہ بچا سکے بلکہ درمیانہ درجہ کا تھا۔ [2551]

[2550] (آداب اللباس للشیخ محدث دھلوی ص ۳ مطبوعہ ھند)، (المقالۃ العذبۃ فی العمامۃ والعذبۃ للقاری ص ۱۴ مطبوعہ دار الاخلاص لاھور)

[2551] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (شرح زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

محدث دیوبند انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ما نصه كانت عمامته عليه السلام فی اكثر الاحيان ثلاثة اذرع شرعية وفی الصلوات الخمس سبعة اذرع وفی الجمع والاعياد اثنا عشر ذراعاً انتهى۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ اکثر اوقات میں تین شرعی ذراع کا تھا پانچوں نمازوں کے لئے سات ذراع کا تھا اور جمعہ وعیدین میں بارہ ذراع کا تھا۔[2552]

محمد زکریا دیوبندی لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا ذکر کیا ہے علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دو عمامے تھے ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق اور سات ہاتھ کا ملا علی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ایک بڑا بارہ ہاتھ کا۔ صاحب مدخل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ کی مقدار سات ہی ہاتھ بتائی ہے دوسرا نہیں بتایا۔[2553]

شملہ کا بیان

[2552] (العرف الشذی علی جامع الترمذی ج ۱ ص ۳۰۴)

[2553] (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ﷺ ص ۸۸ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

عمامہ کا شملہ کم سے کم چار انگلی کے برابر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ تک ہونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے شملہ کے مختلف طریقے ثابت ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ کے تذکرے میں دو شملے اور ایک شملہ دونوں کا احادیث سے ثبوت ملتاہے لہٰذا عمامہ شریف میں ایک شملہ رکھنا بھی درست اور سنت ہے اور دو شملے رکھنا بھی درست اور سنت ہے۔ جو ان شاء اللہ آگے تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔ اور فقہاء کرام رحمھم اللہ نے فرمایاہے کہ عمامہ کا شملہ پیٹھ کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑنا افضل اور مستحب ہے اور دائیں طرف رکھنا بھی جائز ہے البتہ بائیں طرف رکھنے اور نہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور بغیر شملہ کے بھی بعض علماء نے جائز کہاہے لیکن درست یہ ہے کہ عمامہ بغیر شملہ کے مکروہ یعنی مکروہ تنزیہی ہے اگرچہ بعض علماء نے اس کو مباح قرار دیاہے مگر یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے اس لئے ہمارے مطالعہ میں کوئی ایک صحیح یا ضعیف حدیث نہیں جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بغیر شملہ کے عمامہ مبارک پہنا ہو نہ کسی صحابی کا فرمان نہ کسی تابعی کے فرمان سے ثابت ہے۔

اور بعض علماء نے جو اس کو بھی سنت کہاہے وہ ہمارے نزدیک درست نہیں اور کسی روایت میں شملہ کے بغیر عمامہ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے شملہ کے بغیر عمامہ باندھا ہو اس لئے ابن قیم کا زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج ا ص ۱۳۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت طبع سنہ ۱۴۰۵ء میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے (جن میں شملہ کا ذکر نہیں) استدلال درست نہیں۔ جیسا کہ مشہور قاعدہ **عدم الذکر لا یستلزم عدم الوجود** اور یہ روایت بھی مختصر ہے جن سے ابن قیم نے استدلال کیا ہے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے **عمرو بن**

حریث یحدث عن ابیہ کی سند سے فتح مکہ کی یہ روایت جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے عمامہ شریف کا ذکر ہے تفصیلاً روایت کیا ہے جس میں شملہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوا کہ ابن قیم کا یہ استدلال درست نہیں۔ وہ روایت یہ ہے:

اخبرنا الفقیہ ابو بکر محمد بن بکر الطوسی رحمۃ اللہ قال انبانا ابو بشر محمد بن احمد بن حاضر قال حدثنا ابو العباس السراج قال حدثنا ابو معمر قال حدثنا ابو اسامۃ عن مساور الوراق قال سمعت جعفر بن عمرو بن حریث یحدث عن ابیہ قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء حرقانیۃ قد ارخی طرفہا بین کتفیہ۔[2554]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

من العلم ان العذبۃ سنۃ وترکہا استنکافاً عنہا اثم او غیر مستنکف فلا۔

ترجمہ: جو شملہ کو سنت نہ کہے اور تکبر سے لٹکائے تو وہ گنہگار ہے ورنہ نہیں۔[2555]

امام محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال السیوطی من علم ان العذبۃ سنۃ وترکہا استنکافا اثم وغیر مستنکف فلا۔[2556]

امام محدث کبیر بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال شیخنا زین الدین رحمہ اللہ ما المراد بسدل عمامتہ بین کتفیہ؟ ہل المراد سدل الطرف الاسفل حتی تکون عذبۃ؟ او المراد سدل الطرف الاعلی بحیث یغرزہا ویرسل منہا شیئاً خلفہ؟ یحتمل کلاً من الامرین ولم ار التصریح یکون المرخی من العمامۃ عذبۃ الا فی حدیث عبد الاعلی بن عدی رواہ ابو نعیم فی معرفۃ الصحابۃ من روایۃ اسماعیل بن عیاش عن

[2554] (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)
[2555] (سبل الہدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)
[2556] (شرح زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

عبداللہ بن بشر عن عبدالرحمن بن عدی البھرانی عن اخیہ عبدالاعلی بن عدی ان رسول اللہ ﷺ دعا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم غدیر خم فعممہ وارخی عذبۃ العمامۃ من خلفہ ثم قال ھکذا فاعتموا فان العمائم سیماء الاسلام وھی الحاجز بین المسلمین والمشرکین قال وقال الشیخ مع ان العذبۃ الطرف کعذبۃ السوط وکعذبۃ اللسان ای طرفہ فالطرف الاعلی یسمی عذبۃ من حیث اللغۃ وان کان مخالفاً للاصطلاح العرفی الآن وفی بعض طرق حدیث ابن عمر مایقتضی ان الذی کان یرسلہ بین کتفیہ من الطرف الاعلی رواہ ابو الشیخ وغیرہ من روایۃ ابی عبد السلام عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قلت لابن عمر کیف کان رسول اللہ ﷺ یعتم؟ قال کان یدیر کور العمامۃ علی راسہ ویغرزھا من ورائہ ویرخی لھا ذؤابۃ بین کتفیہ انتھی۔[2557]

امام الشیخ ابراہیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد استفید من الحدیث ان العذبۃ سنۃ وکان حکمۃ سنیتھا ما فیھا من تحسین الھیئۃ وارسالھا بین الکتفین افضل واذا وقع ارسالھا بین الیدین کما یفعلہ الصوفیۃ وبعض اھل العلم فھل الافضل ارسالھا من الجانب الایمن لشرفہ او من الجانب الایسر کما ھو المعتاد؟ وفی حدیث ابی امامۃ عند الطبرانی ما یدل علی تعیین الایمن لکنہ ضعیف واستحسن الصوفیۃ ارسالھا من الجانب الایسر لکونہ جانب القلب فیتذکر تفریغہ مما سوی ربہ قال قال بعض الشافعیۃ ولو خاف من ارسالھا نحو خیلاء لم یؤمر بترکھا بل یفعلھا ویجاھد نفسہ۔[2558]

علامہ عبدالرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واعلم انہ قد جاء فی العذبۃ احادیث کثیرۃ ما بین صحیح وحسن ناصۃ علی فعل المصطفی لھا لنفسہ ولجماعۃ من صحبہ وعلی امرہ بھا فمنھا ما ذکرہ المصنف یعنی الترمذی ومنھا ما رواہ ابن حبان عن ابن عمر انہ قیل لہ کیف کان یعتم رسول اللہ ﷺ فقال

[2557] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص ۲۲۔۲۳ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)

[2558] (المواھب الدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ ص ۷۶ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

يدير كور العمامة على راسه ويغرزها من ورائه ويرخى لها ذؤابة بين كتفيه ولا يعارضها ما روى ابن ابى شيبة عن على انه عممه وسدل طرفيها على منكبيه وابو داود انه عمم ابن عوف وسدلها بين يديه ومن خلفه لان السنة تحصل بالكل والافضل كونه بين الكتفين۔[2559]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اخبرنی عثمان بن عطاء الخراسانی عن ابيه ان رجلا اتى ابن عمر وهو فى مسجد منى فساله عن ارخاء طرف العمامة فقال له عبدالله ان رسول الله ﷺ بعث سرية وامر عليها عبدالرحمن بن عوف وعقد له لواء فذكر الحديث الى ان قال وعلى عبدالرحمن بن عوف عمامة من كرابيس مصبوغة بسواد فدعاه رسول الله ﷺ فحل عمامته ثم عممه بيده وافضل عمامته موضع اربع اصابع او نحو ذلک فقال هكذا فاعتم فانه احسن واجمل۔

ترجمہ: عطاء خراسانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی آیا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس وہ منیٰ کی مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اس نے ان سے عمامے کے کناروں اور سروں کو لٹکانے کے بارے میں دریافت کیا حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک جہادی وفد بھیجا تھا اور ان پر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا تھا اور جھنڈا باندھ کر دیا تھا اور پھر اس نے حدیث کو ذکر کیا یہاں تک کہ کہا کہ اس وقت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر سوتی کپڑے کا عمامہ تھا جس کو کالے رنگ سے رنگا گیا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں بلایا اور بلا کر ان کا عمامہ اتار دیا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے ہاتھ سے عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمامہ باندھا تھا اور اس کے عمامے سے چار انگشت کے برابر بڑھا دیا تھا یعنی

[2559] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبهامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

سرے کو یا اس کے قریب قریب اور فرمایا اسی طرح عمامہ باندھا جاتا ہے بے شک یہ بہت اچھا بھی ہے اور خوبصورت بھی۔[2560]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وعن عبداللہ بن عمر قال کنت عاشر عشرۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وابن مسعود وابن جبل وحذیفۃ وابن عوف وانا وابو سعید فجاء فتی من ثم جلس فذکر الحدیث الی ان قال ثم امر ابن عوف فتجھز لسریۃ بعثہ علیھا فاصبح وقد اعتم بعمامۃ کرابیس سوداء فاتاہ النبی ﷺ ثم نقضھا فعممہ فارسل من خلفہ اربع اصابع او نحوھا ثم قال ھکذا یا ابن عوف فاعتم فانہ اعرب واحسن ثم امر بلالاً فدفع الیہ اللواء فحمد اللہ وصلی علی النبی ﷺ ثم قال خذ یا ابن عوف فاغزوا جمیعا فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ ولا تغدروا ولا تمثلوا فھذا عھد اللہ وسنۃ قلت روی ابن ماجہ طرفا منہ رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن۔[2561]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عمر رضی اللہ عنھما انہ جاءہ رجل من اھل البصرۃ فسالہ عن ارسال العمامۃ خلفہ؟ فقال ابن عمر ساخبرک ذلک حتی تعلم کنت عاشر عشرۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وابن مسعود ومعاذ وحذیفۃ وعبدالرحمن بن عوف وابو سعید وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم فامر رسول اللہ ﷺ ابن عوف ان یتجھز بسریۃ یبعثہ علیھا فاصبح وقد اعتم بعمامۃ کرابیس سود فادناہ النبی ﷺ ثم نقضھا فعممہ فارسل من خلفہ اربع اصابع او نحو ذلک ثم قال ھکذا یا ابن عوف فاعتم فانھا اعرب واحسن ثم امر بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان یدفع الیہ اللواء فحمد اللہ واثنی علیہ وصلی علی

[2560] (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۶۲۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۶ ص ۳۶۳ رقم الحدیث ۱۲۸۴۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[2561] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

النبی ﷺ ثم قال خذ یا ابن عوف فاغز فی سبیل اللہ و قاتل من کفر باللہ لا تغلوا و لا تعدروا و لا تقتلوا و لیداً فھذا عھد اللہ و سنة نبیه فیکم۔[2562]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وروی ابو یعلی و البزار برجال ثقات و ابن ابی الدنیا و الطبرانی و البیھقی فی الزھد و حسن اسنادہ ابو الحسن الھیثمی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما ان رسول اللہ ﷺ امر عبدالرحمن بن عوف ان یتجھز لسریة یبعثه علیھا فاصبح عبدالرحمن وقد اعتم بعمامة کرادبیس سوداء فنقضھا رسول اللہ ﷺ وعممه و ارخی له اربع اصابع او قریباً من شبر ثم قال ھکذا فاعتم یا ابن عوف فانه اعرب و احسن۔[2563]

اس روایت کی سند حسن ہے۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی فی الاوسط و اسنادہ حسن۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔[2564]

غیر مقلد محمد عبدالرحمن ابن عبدالرحیم مبارک پوری لکھتے ہیں:

فائدة قد اخرج الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر ان النبی ﷺ عمم عبدالرحمن بن عوف فارسل من خلفه اربع اصابع او نحوھا ثم قال ھکذا فاعتم فانه اعرب و احسن۔ قال السیوطی اسنادہ حسن۔

ترجمہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔[2565]

[2562] (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۳۸۰۔ ۳۸۱ رقم الحدیث ۱۷۳۰۱ و ص ۳۸۳ رقم الحدیث ۱۷۳۱۸ مطبوعه دارالفکر بیروت)

[2563] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۵ مطبوعه دارالکتب العلمیة بیروت)، (تھذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۹۱)

[2564] (المقالة العذبة فی العمامة والعذبة ص ۲۴ مطبوعه دارالاخلاص لاھور)

[2565] (تحفة الاحوذی ج ۵ ص ۳۳۸ مطبوعه دارالکتب العلمیة بیروت)، (عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۱۱ ص ۸۹ مطبوعه دارالکتب العلمیة بیروت)

غیر مقلد علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

قال السیوطی اسنادہ حسن۔

ترجمہ: محدث کبیر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔[2566]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال اخبرنا ینعقد بن عیسی قال حدثنی خالد بن ابی بکر قال رایت علی سالم قلنسوۃ بیضاء ورایت علیہ عمامۃ بیضاء یسدل خلفہ منہا اکثر من شبر۔

ترجمہ: خالد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی اور میں نے ان کے سر پر سفید عمامہ دیکھا جس کا بالشت سے زیادہ حصہ وہ اپنے پیچھے لٹکاتے تھے۔[2567]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال اخبرنا ینعقد بن عیسی قال حدثنی خالد بن ابی بکر قال رایت علی عبیداللہ بن عبداللہ قلنسوۃ بیضاء ورایت علیہ عمامۃ یسدل خلفہ منہا اکثر من شبر۔

ترجمہ: خالد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عبد اللہ کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی اور میں نے ان کے سر پر عمامہ دیکھا جس کا بالشت سے زیادہ حصہ وہ اپنے پیچھے لٹکاتے تھے۔[2568]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2566](نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۷ مطبوعہ دار الجیل بیروت)
[2567](طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۷ مطبوعہ دار صادر بیروت)
[2568](طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۵ مطبوعہ دار صادر بیروت)

وعن عائشة قالت عمم رسول اللهﷺ عبدالرحمن بن عوف وارخی له اربع اصابع وقال انی لما صعدت الی السماء رایت اکثر الملائکة معتمین۔[2569]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں:

وقد اخرج ابن ابی شیبة ان عبدالله بن الزبیر کان یعتم بعمامة سوداء قد ارخاها من خلفه نحوا من ذراع۔[2570]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں:

ولا ادری ماهذا الظاهر الذی زعمه فان کان الظهور من هذا الحدیث الذی ساقه باعتبار مافیه من ذکر الادارة والتکویر وارسال الذؤابة فهذه الاوصاف تحصل فی عمامة دون ثلاثة اذرع۔

وان کان من غیره فما هو بعد اقراره بعدم ثبوت مقدارها فی حدیث۔[2571]

احادیث مبارکہ وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے شملہ چھوڑنے کے طریقے

احادیث مبارکہ وآثار صحابہ میں شملہ چھوڑنے سے متعلق جو طریقے ثابت ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ایک شملہ پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا۔

(۲) ایک شملہ چھوڑ کر دائیں طرف لٹکانا۔

(۳) ایک شملہ چھوڑ کر بائیں طرف لٹکانا

(۴) دو شملے چھوڑ کر ایک سامنے اور ایک پیچھے کندھوں کے درمیان۔

(۵) دو شملے چھوڑ کر سامنے لٹکانا۔

[2569] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعه دار الکتاب العربی بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۵ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[2570] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۷ مطبوعه دار الجیل بیروت)

[2571] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۰۸ مطبوعه دار الجیل بیروت)

(٦)شملہ سامنے چھوڑ کر داڑھی کے نیچے لے جانا۔

اب ترتیب وار ان کے دلائل حاضر ہیں:

(١)ایک شملہ پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

ذکرھما الترمذی فی الشمائل ولہ من حدیث الدراوردی عن عبداللہ عن نافع عن ابن عمر قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا اعتم سدلھا بین کتفیہ۔[2572]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اخبرنا عتاب بن زیاد قال اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا ابو شیبۃ الواسطی عن طریف بن شھاب عن الحسن قال کان رسول اللہ ﷺ یعتم ویرخی عمامۃ بین کتفیہ۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے۔

اخبرنا محمد بن سلیم العبدی حدثنی الدراوری اخبرنا عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان اذا اعتم سدل عمامتہ بین کتفیہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے۔[2573]

امام احمد بن عمرو بن الضحاک ابو بکر الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2572](السیرۃ النبویۃ ج٤ ص ٥٩٠۔٥٩١ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2573](طبقات الکبری ابن سعد ج ١ ص ٤٥٥۔٤٥٦ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (اخلاق النبی واآدابہ ذکر عمامتہ ج ٢ ص ١٩٩ رقم الحدیث ٣٠٨ الاسناد حسن مطبوعہ دار المسلم الریاض)

حدثنا هشام بن عمار نا ابو الخطاب معروف الخياط قال رايت و اثلة الاسقع يصفر لحيته ورايت عليه عمامة سوداء قد ارخى لها عذبة بن خلف۔[2574]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو صالح منصور بن عبدالوهاب البزار قال: اخبرنا بو عمرو بن ابی جعفر قال: اخبرنا الحسن بن سفيان قال: حدثنا عبيدالله بن عمر القواريرى قال: حدثنا عبدالرحمن بن مهدى عن عبدالله بن عمر عن اخيه عبيدالله عن القاسم بن محمد عن عائشة ان رجلاً اتى النبى ﷺ على برزون و عليه عمامة طرفها بين كتفيه فسالت النبى ﷺ فقال: رأيتيه ذاك جبريل عليه السلام۔[2575]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

كان اذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه۔[2576]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال اخبرنا عبيد بن نسطاس قال رأيت سعيد بن المسيب يعتم و عليه بعمامة سوداء ثم يرسلها خلفه۔

ترجمہ: حضرت عبید بن نسطاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ سیاہ عمامہ باندھے تھے اور اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے تھے۔[2577]

[2574] الذهبي (٧٤٨هـ)، ميزان الاعتدال ٤/١٤٥۔

[2575] (دلائل النبوة باب ما جاء فى رؤية من راى جبريل عليه السلام يوم بنى قريظة ج ٦ ص ٢٦ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)، (ابن سعد ج ٨ ص ٤٤)

[2576] (الجامع الصغير فى احاديث البشير النذير حرف الكاف ج ٢ ص ٤٠٩ رقم الحديث ٦٥٨٦ مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)، (الفتح الكبير فى ضم الزيادة الى الجامع الصغير ج ٢ ص ٣٢٦ رقم الحديث ٩٨٩٢٣ مطبوعه دار الفكر بيروت)، (شرح السنه ج ٦ ص ١٧١ رقم الحديث ٣٠٠٤ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)، (السيرة النبوية لابن عساكر ج ٤ ص ١٣٢ مطبوعه دار احياء التراث العربى بيروت)، (تاريخ دمشق الكبير ج ٤ ص ١٣٢ مطبوعه دار احياء التراث العربى بيروت)، (زرقانى على المواهب ج ٥ ص ١٠ مطبوعه دار المعرفة بيروت)

[2577] (طبقات ابن سعد ج ٥ ص ١٣٨ مطبوعه دار صادر بيروت)

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن ابی عبیدة الحمصی قال بعث رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب علی بعث فعممه بعمامة سوداء ثم ارسلها من ورائه او قال علی کتفه...۔

عن علی قال عممنی رسول اللہ ﷺ یوم غدیر خم بعمامة سوداء طرفها علی منکبی۔ [2578]

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن سلمة بن وردان قال رأیت علی انس عمامة سوداء قلنسوة قد ارخاها من خلفه۔

ترجمہ: سلمہ بن وردان رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر سیاہ عمامہ دیکھا جس کے نیچے ٹوپی نہ تھی اور اس کا شملہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے لٹکا رکھا تھا۔ [2579]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا الحسین بن اسحاق التستری ثنا اسماعیل بن بهرام الکوفی ثنا عبدالعزیز بن محمد الدراوردی عن عبیداللہ ابن عمر عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یسدل عمامته بین کتفیه۔ [2580]

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اخبرنا احمد بن علی بن المثنی حدثنا مصعب بن عبداللہ الزبیری حدثنا عبدالعزیز بن محمد عن عبداللہ بن عمر عن نافع عن بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یسدل عمامته بین

[2578] (الاصابة فی تمیز الصحابة ذکر عبداللہ بن بشر ص ج ۴ ص ۲۵ برقم ۴۵۶۹ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۴ ص ۱۴۹۰)

[2579] (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[2580] (طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۱۳۴۰۵ مطبوعہ مکتبة العلوم والحکم الموصل)

كتفيه وان بن عمر كان يفعل ذلك قال عبيد الله بن عمر ورايت القاسم و سالما يفعلان ذلك ۔[2581]

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن جابر قال كان لرسول الله ﷺ عمامة سوداء يلبسها في العيدين ويرخيها من خلفه ۔[2582]

امام احمد بن عمرو بن الضحاک ابو بکر الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة نا ابو اسامة ووكيع عن مساور الوراق حدثني جعفر بن عمرو بن حريث عن ابيه قال كأني انظر رسول الله عليه عمامة سوداء قد ارخى طرفيها بين كتفيه الا ان وكيعا لم يقل بين كتفيه ۔[2583]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا وكيع قال حدثنا سلمة بن وردان قال رايت على انس عمامة سوداء على غير قلنسوة وقد ارخاها من خلفه نحوا من ذراع ۔[2584]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو بكر الفارسي اخبرنا ابو اسحاق الاصبهاني حدثنا ابو احمد بن فارس حدثنا محمد بن اسماعيل قال وقال خطاب الحمصي حدثنا بقية عن مسلم بن زياد قال رايت اربعة من اصحاب النبي ﷺ انس بن مالك فضالة بن عبيد و ابا المنيب و روح بن سيار او سيار بن روح يرخون العمائم من خلفهم و ثيابهم الى الكعبين ۔

[2581] (صحیح ابن حبان ذکر وصف ا ج ۱۴ ص ۳۰۷ رقم الحدیث ۶۳۹۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۲۲ رقم الحدیث ۵۱۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن غریب ج ۴ ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۷۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2582] (میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2583] (الآحاد والمثانی ج ۲ ص ۹۳ رقم الحدیث ۷۱۸ مطبوعہ دار الرایۃ الریاض)

[2584] (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۴۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: مسلم بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں سے چار شخصوں کو دیکھا حضرت انس بن مالک حضرت فضالہ بن عبید اور ابو المنیب اور روح بن سیار یا سیار بن روح کہ وہ اپنے عمامے اپنے پیچھے کی طرف لٹکاتے تھے اور ان کے کپڑے۔ (یعنی قمیص ٹخنوں تک ہوتی تھیں)۔[2585]

وندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بین الکتفین وتمامه فی الزیلعی۔[2586]

منصور بن یونس بن ادریس البھوتی حنبلی لکھتے ہیں:

وان ارخی طرفھا بین کتفیه فحسن۔

قال الآجری وارخاھا ابن الزبیر من خلفه قدر ذراع وعن انس نحوه۔[2587]

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

(وفیه) دلیل علی ان المستحب ارخاء ذنب العمامة بین الکتفین کما فعله رسول اللہ ﷺ منھم من قدر ذلک یشیر ومنھم من قال الی وسط الظھر ومنھم من قال الی موضع الجلوس۔[2588]

امام برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وان المستحب ارسال ذنب العمامة بین الکتفین واختلفوا فی مقدار ما ینبغی ان یکون من ذنب العمامة منھم من قدره بشبر ومنھم من قال الی وسط الظھر ومنھم من قال الی موضع الجلوس۔[2589]

[2585](شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۶ رقم الحدیث ۶۲۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2586](ردالمحتار ج ۶ ص ۷۵۵)

[2587](کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2588](شرح السیر الکبیر باب العمائم فی الحرب ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ بمطبعة دائرة المعارف النظامیة بحیدر آباد دکن ھند)

[2589](المحیط البرھانی کتاب الاستحسان والکراھیة الفصل العاشر فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ ج ۶ جز ۱۱ ص ۷۴ مطبوعہ مطبوعہ المکتبة الغفاریة کانسی روڑ کوئٹہ)

امام فخر الدین عثمان بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ زین الدین بن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وان المستحب ارسال ذنب العمامة بین الکتفین واختلفوا فی مقدار الذنب قیل شبر وقیل الی وسط الظهر وقیل الی موضع الجلوس۔[2590]

ملا نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واختلفوا فی مقدار ماینبغی من ذنب العمامة منهم من قدر بشبر ومنهم من قال الی وسط الظهر ومنهم من قال الی موضع الجلوس کذافی الذخیرة۔[2591]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال ابن حجر فی شرح الشمائل بعدماذکر فیه اختلاف الروایات فی محل ارخائها کما ذکرنا مانصه ولاتنافی لان السنة تحصل بکل لکن الافضل ان یکون بین الکتفین لانه الذی صح من فعله ﷺ لنفسه۔[2592]

محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وکان شیخنا ابو العباس ابن تیمیة قدس اللہ روحه فی الجنة یذکر فی سبب الذوابة شیئاً بدیعاًوهو ان النبی ﷺ انما۔

الفقیہ المحقق عبد اللہ بن الشیخ محمد بن سلیمان داماد آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

والسنة ارخاء طرف العمامة بین کتفیه هکذافعله النبی علیه الصلاة والسلام۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ شملہ کاندھوں کے درمیان ہو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کرتے تھے۔[2593]

[2590] (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مسائل شتیٰ ج ۶ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)، (البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2591] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراهیة باب اللبس مایکره من ذلک الباب التاسع فی اللبس مایکره من ذلک ومالایکره ج ۵ ص ۴۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2592] (الدعامة لمعرفة احکام سنة العمامة ص ۵۴۔ ۵۵ مطبوعہ مکتبة العلم الاسلامی شام الطبعة الاولی ۱۳۴۲ ھ)

[2593] (مجمع النهر فی ملتقی الابحر کتاب الکراهیة ج ۲ ص ۵۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس کے حاشیہ بدر المتقی فی شرح الملتقی میں ہے:

والسنۃ ارخاء طرف العمامۃ بین کتفیہ قدر شبر ھکذا فعلہ النبی علیہ الصلاۃ والسلام۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ شملہ ایک بالشت کاندھوں کے درمیان ہو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کرتے تھے۔[2594]

اتخذھا صبیحۃ المنام الذی رآہ فی المدینۃ لما رای رب العزۃ تبارک وتعالی فقال یا محمد فیم یختصم الملا الاعلی؟ قلت لا ادری فوضع یدہ بین کتفی فعلمت ما بین السماء والارض الحدیث وھو فی الترمذی وسئل عنہ البخاری فقال صحیح قال.. فمن تلک الحال ارخی الذوابۃ بین کتفیہ انتھی۔[2595]

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال احتبس عنا رسول اللہ ﷺ ذات غداۃ عن صلاۃ الصبح حتی کدنا نتراءی عین الشمس فخرج سریعاً فثوب بالصلاۃ فصلی رسول اللہ ﷺ وتجوز فی صلاتہ فلما سلم دعا بصوتہ قال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا ثم قال اما انی ساحدثکم ما حبسنی عنکم الغداۃ انی قمت من اللیل فتوضات وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارک وتعالی فی احسن صورۃ فقال یا محمد قلت لبیک رب قال فیم یختصم الملاء الاعلی؟ قلت لا ادری قالھا ثلاثاً قال فرأیتہ وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت برد انا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شئ وعرفت۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیر ہوگئی اور ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا انتظار اس حد تک کیا کہ قریب تھا کہ آفتاب کی

[2594] (بدر المتقی فی شرح الملتقی کتاب الکراھیۃ ج ۲ ص ۵۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2595] (زاد المعاد فصل فی ملابسہ ا ج ۱ ص ۱۳۶۔۱۳۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۱۱۔۱۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

شعاع نظر آنے لگے اتنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تیزی سے تشریف لائے چنانچہ تکبیر کہی گئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اختصار سے نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے باآواز بلند فرمایا جس طرح تم بیٹھے ہو اسی طرح صف بندی کیے ہوئے بیٹھے رہو پھر فرمایا میں اپنی تاخیر کا واقعہ تم کو سناتا ہوں پھر واقعہ سنایا(واقعہ یہ ہے)رات کے وقت وضو کر کے جس قدر نماز میرے لیے مقدور تھی میں نے پڑھی اس کے بعد مجھے نیند آگئی اور میں نماز میں ہی سو گیا۔ یکا یک کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کے حضور میں ہوں اور میں نے اپنے رب کو(اس کی شان کے لائق)نہایت اچھی شکل میں دیکھا(مجھ سے)ارشاد ہوا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں نے عرض کی لبیک اے میرے پروردگار میں حاضر ہوں فرمایا اس وقت ملائکہ آسمانی کیا گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی مجھے معلوم نہیں تین مرتبہ یہی ارشاد ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔[2596]

نیز اس حدیث مبارکہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا علم غیب بھی ثابت ہوا۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

فوضع کفہ بین کتفی حتی وجدت بردانا ملہ بین صدری فتجلی لی کل شیٔ وعرفت۔

[2596] (جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص ج۵ ص ۳۶۸۔۳۶۹ رقم الحدیث ۳۲۳۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)،(سنن الدارمی رقم الحدیث ۲۱۵۳۔طبرانی کبیر ج۲۰ رقم الحدیث ۲۱۶۔الکامل ابن عدی ج۶ ص ۲۳۴۴۔مسند البزار رقم الحدیث ۲۶۶۸۔مستدرک ج۱ ص ۵۲۱۔

ترجمہ: پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔[2597]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردانا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شئ وعرفتہ۔

ترجمہ: پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی پس ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔[2598]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے:

فعلمت ما فی السموات والارض۔

ترجمہ: پس میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر شے کو جان لیا۔[2599]

یہی یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فعلمت ما بین المشرق والمغرب۔

ترجمہ: میں نے مشرق و مغرب کے درمیان ہر شے کو جان لیا۔[2600]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

[2597](تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2598](الدر المنثور فی التفسیر الماثور سورہ ص آیت نمبر ۶۹ ج۵ ص۵۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2599](جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص ج۵ ص۳۶۸۔۳۶۹ رقم الحدیث ۳۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، تفسیر عبدالرزاق ج۲ ص۱۶۹۔ مسند احمد ج۱ ص۳۶۸۔ السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث ۴۶۹۔ جامع المسانید والسنن لابن کثیر مسند ابن عباس رقم الحدیث ۱۳۵۱)

[2600](جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص ج۲ ص۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث ۴۶۹۔ جامع المسانید والسنن لابن کثیر مسند ابن عباس رقم الحدیث ۱۳۵۱)، سند ابو یعلی رقم الحدیث ۲۶۰۸)

فعلمت بسبب وصول ذلک الفیض مافی السموت و الارض یعنی اعلمه اللہ مافیھا من الملائکۃ و الاشجار و غیرھا وھو عبارۃ عن سعۃ علمه الذی فتح اللہ و قال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموت بل و ما فوقھا کما یستفاد من قصۃ المعراج و الارض ھی بمعنی الجنس و جمیع مافی الارضین السبع بل و ماتحتھا کما افادہ اخبارہ عن الثور و الحوت الذی علیھما الارضون۔

ترجمہ: اس فیض ربانی کی بدولت میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جان لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ان کے اندر پائے جانے والے فرشتوں درختوں اور دیگر چیزوں کا علم عطا فرمادیا۔ یہ حدیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اس وسعت علم سے عبارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو عطا فرمائی ہے۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آسمانوں کی بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام مخلوقات کو جان لیا جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہے اور زمین جنس کے معنی میں ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سات زمینوں کی بلکہ ان سے بھی نیچے کی تمام چیزوں کو جان لیا جیسا کہ قرآن اور احادیث صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بیل اور مچھلی کی خبر دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔[2601]

شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمینھا بود عبارت ست از حصول تمامہ علوم جزئی و کلی واحاطہ آں۔

[2601] (مرقاۃ شرح المشکوۃ ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ترجمہ: میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا اس حدیث میں تمام علوم جزی وکلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کا بیان ہے۔[2602]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وعن ابی امامۃ قال کان رسول اللہ ﷺ لا یولی والیا حتی یعممہ ویرخی لھا من جانب الایمن نحو الاذان۔

ترجمہ: ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب بھی کوئی حاکم گورنر مقرر کرتے تو اس کے لئے عمامہ باندھتے اور شملہ اس کا دائیں طرف کان کے قریب لٹکاتے۔[2603]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال الامام مالک رحمہ اللہ تعالی انہ لم یر احداً ممن ادرکہ یرخیھا بین کتفیہ الا بین یدیہ ونقلہ ابن الحاج فی المدخل وھذا یدل علی ان عمل التابعین علی ارسال العذبۃ من بین ایدیھم۔[2604]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں:

واخرج ابن سعد عن مولی یقال لہ ھرمز قال رایت علیا علیہ عمامۃ سوداء قد ارخاھا من بین یدیہ ومن خلفہ قال ابن رسلان فی شرح السنن ثم ذکر حدیث عبدالرحمن وھی التی صارت شعار الصالحین المتمسکین بالسنۃ یعنی ارسالیا ع علی الصدر۔[2605]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2602] (اشعۃ اللمعات فارسی الفصل الثانی باب المساجد ج ۱ ص ۳۵۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[2603] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (الدعامۃ لمعرفۃ احکام سنۃ العمامۃ ص ۴۸ مطبوعہ مکتبۃ العلم الاسلامی شام الطبعۃ الاولی ۱۳۴۲ھ)

[2604] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2605] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

رواہ الطبرانی بسند حسن و الضیاء المقدسی رحمہ اللہ تعالی فی صحیحہ عن عبداللہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعث رسول اللہ ﷺ علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلہا من ورائہ او قال علی کتفیہ الیسری لکن روایہ تردد و ماجزم بالثانی۔

ترجمہ: عبداللہ بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خیبر کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو کالا عمامہ باندھا اور پیچھے اور بائیں مونڈھے کی طرف لٹکایا۔[2606]

غیر مقلد محمد عبدالرحمن ابن عبدالرحیم مبارک پوری لکھتے ہیں:

وحدیث عبداللہ بن بشر قال بعث رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلہا من ورائہ او قال علی کتفہ الیسری اخرج الطبرانی وحسنہ السیوطی۔

ترجمہ: عبداللہ بن بشر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو سیاہ عمامہ باندھا اور پیچھے اور بائیں مونڈھے کی طرف سے لٹکایا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن کہا ہے۔[2607]

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا احمد بن رشدین قال حدثنا الحسن بن سلیمان بن قبیطۃ قال حدثنا الحجاج بن رشدین بن سعد قال حدثنا معاویۃ بن صالح عن ابی عقبۃ عن ثوبان مولی رسول اللہ ان النبی کان اذا اعتم ارخی عمامتہ بین یدیہ و من خلفہ۔

[2606] (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۲۶۷۔۲۶۸ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۲۵ برقم ۴۵۶۹ مطبوعہ دارالجیل بیروت)

[2607] (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۳۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو آگے اور پیچھے لٹکاتے۔[2608]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وعن ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ ان النبی ﷺ کان اذا اعتم ارخی عمامته بین یدیه ومن خلفه رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیه الحجاج بن رشدین وھو ضعیف۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو آگے اور پیچھے لٹکاتے۔

طبرانی نے اس کو معجم اوسط میں روایت کیا اس میں حجاج بن رشدین راوی ضعیف ہیں۔[2609]

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا سلیمان بن خربوذ حدثنا شیخ من اهل المدینة قال سمعت عبدالرحمن بن عوف یقول عممنی رسول اللہ ﷺ فسدلها بین یدی ومن خلفی۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے عمامہ بندھوایا تھا اور اس کا سر الٹکایا تھا آگے بھی اور میرے پیچھے بھی۔[2610]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

[2608] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۱۱۰ رقم الحدیث ۳۴۲ مطبوعہ دار الحرمین القاهرة)، (سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2609] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2610] (شعب الایمان للبیهقی ج ۵ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۶۲۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (الآداب للبیهقی ج ۲ ص ۱۹۸ رقم الحدیث ۵۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

حدثنا محمد بن اسماعیل مولی بنی هاشم ثنا عثمان بن عثمان الغطفانی ثنا سلیمان بن خربوذ حدثنی شیخ من اهل المدینة قال سمعت عبدالرحمن بن عوف یقول ثم عممنی رسول اللهﷺ فسدلها بین یدی و من خلفی۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے عمامہ بندھوایا تھا اور اس کا سر الٹکایا تھا آگے بھی اور میرے پیچھے بھی۔[2611]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وروی مما ذکره المناوی فی شرح نظم السیرة العراقیة والزرقانی فی شرح المواهب ان المصطفیﷺ لما بعث علیاً الی الیمن سنة عشر عقد له لوائه وعممه بیده عمامة ثلاثة اکوار و جعل له ذراعاًبین یدیه و شبراًمن ورائه۔[2612]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا الحسن بن صالح عن جابر قال اخبرنی من رای علیا قد اعتم بعمامة سوداء قد ارخاها من بین یدیه و من خلفه۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ دیکھا اس کے کنارے کو آگے اور پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔[2613]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2611](سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۵ رقم الحدیث ۴۰۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(مسند ابویعلی ج ۲ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۸۵۰ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)،(غایة الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۲۳ ۱ رقم الحدیث ۵۱۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(شرح السنہ ج ۶ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)،(السیرة النبویة لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2612](الدعامة لمعرفة احکام سنة العمامة ص ۶-۴۷ مطبوعہ مکتبة العلم الاسلامی شام الطبعة الاولی ۱۳۴۲ھ)

[2613](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)،(سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

حدثنا ابو بکر قال حدثنا شریک عن محمد بن قیس قال رایت ابن عمر معتماً قد ارخی بین یدیہ و من خلفہ و لا ادری ایھما اطول۔

ترجمہ: حضرت محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمامہ باندھتے ہوئے دیکھا اس کے کنارے کو آگے اور پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔[2614]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و روی ابن سعد بسند ضعیف من طریق ابی اسد بن کریب عن ابیہ قال رایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما یعتم فیرخی من عمامتہ شبراً بین کتفیہ و من بین یدیہ۔[2615]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں:

و اخرج الطبرانی من حدیث عبد اللہ بن بشر قال بعث رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب علیہ السلام الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلھا من ورائہ او قال علی کتفہ الیسری و حسنہ السیوطی۔

ترجمہ: عبد اللہ بن بشر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو سیاہ عمامہ باندھا اور پیچھے اور بائیں مونڈھے کی طرف سے لٹکایا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن کہا ہے۔[2616]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا ابو بکر قال حدثنا عبیدۃ عن ھشام قال رایت ابن الزبیر معتما قد ارخی طرفی یباع بین یدیہ۔

[2614] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۲۴۹۸۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2615] (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2616] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: ہشام رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور شملے آگے کی طرف لٹکائے ہوئے تھے۔[2617]

شملہ سامنے چھوڑ کر داڑھی کے نیچے لے جانا

مسئلہ تحنیک عمامے کو گردن سے گھما کر باندھنا یعنی عمامے کو ٹھوڑی کے نیچے گھما کر باندھنا یہ بھی مستحب ہے مگر اس مسئلہ میں ہمارے مطالعہ میں کوئی حدیث مبارکہ نہیں البتہ تابعین کرام رحمہم اللہ کے فعل سے یہ ثابت ہے اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مالکی اور حنبلی مذہب میں تحنیک کے بغیر عمامہ جسے اقتعاط کہتے ہیں (یعنی شملہ کو ٹھوڑی کے نیچے نہ گزارنا جیسے کہ آج کل عام علماء عمامہ باندھتے ہیں) مکروہ ہے لیکن احناف و شوافع کے نزدیک یہ مکروہ نہیں۔

مالکیوں اور حنبلیوں کے پاس چند آثار کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں اور ایک حدیث جو ہے:

ان النبی ﷺ امر بالتلحی و نہی عن الاقتعاط۔

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تلحی کا حکم دیا ہے اور اقتعاط سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل وسند نہیں۔[2618]

[2617] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۲۴۹۷۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2618] (تاج العروس)، (لسان العرب ج ۷ ص ۳۸۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قلت قد يبحث فی قوله ينهی مخصوص بان النهی الخاص فيه موجود وهو ماتقدم عن ابی بكر الصولی من النبیﷺ نهی عن الاقتعاط وهو ترك التلحی هذا انما كره اصحاب غريب وهو يوردون فی كتبهم احاديث غريبة لاتوجد فی كتب المحدثين وهو يوقف لها علی اسناد فلا يحتج بما انفردوا بذكره ومما يويد هذا ان الشيخ مرتضی فی شرح القاموس فی مادة قعط بعد مافسر الاقتعاط قال مانصه وقد نهی عنه فی الحديث الذی رواه ابو عبيد القاسم بن سلام مرفوعاً قال الصاغانی ولم اظفر باسناده ولاباسم من رواه من صحابی او تابعی ارسله فالنهی عنه اذا ليس بثابت۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ان کے قول میں بحث ہوسکتی ہے کہ نہی مخصوص ہے کہ نہی کا خاص ہونا اس میں موجود ہے کہ ابو بکر الصولی کے حوالے سے گزرا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اقتعاط سے منع فرمایا اور مذکورہ تلحی کو اصحاب کا ترک کرنا غریب ہے۔ کہ انہوں نے اپنی کتب میں وہ غریب احادیث درج کر دی ہیں جن کا تذکرہ محدثین کی کتب میں نہیں ملتا اور موقوف اسناد پر ہوتا ہے اور اس کو دلیل نہیں بنایا جائے گا جس میں وہ منفرد ہوں ذکر کرنے میں۔ اور یہی اس کی تائید کرتا ہے جو شیخ مرتضیٰ نے شرح قاموس میں (قعط) کے مادہ کے بیان کے دوران (الاقتعاط) کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا اور جو نص وارد ہوئی اور منع فرمایا حدیث میں جس کو روایت فرمایا ابو عبداللہ القاسم بن سلام نے مرفوع الصاغانی نے کہا میں اس کی اسناد کو نہیں پاتا اور نہ ہی راوی کا نام کہ جس نے اسے روایت کیا اس سے جس نے صحابی سے روایت کیا یا تابعی سے ارسال کیا ہے بہر حال یہ نہی ثابت نہیں۔[2619]

[2619] (الدعامة لمعرفة احكام سنة العمامة ص ۷۱ مطبوعه مكتبة العلم الاسلامی شام الطبعة الاولی ۱۳۴۲ھ)، (تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۰ مطبوعه دار صادر بيروت)

معلوم ہوا کہ یہ ثابت نہیں اور نہ اس کی کوئی سند ہے۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاسناد سلاح المومن فاذا لم یکن معہ سلاح فبای شئ یقاتل۔

ترجمہ: سند مومن کا ہتھیار ہے جب کسی کے پاس اسلحہ نہ ہو بھلا وہ کیسے جنگ جیت سکتا ہے۔[2620]

امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاسناد من الدین و لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء و لکن اذا قبل لہ من حدثک بقی۔

ترجمہ: اسناد حدیث ہی دین ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو پھر ہر کوئی جو چاہتا وہی کہہ دیتا لیکن جب اس سے سند کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔[2621]

البتہ بعض سیرت کی کتابوں میں اس کو سنت کہا ہے۔[2622]

ان کے علاوہ جو آثار ہیں وہ یہ ہیں:

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ اخبرنا ابو عبداللہ الصغانی حدثنا اسحاق بن ابراھیم اخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن لیث عن طاوس قال فی الذی یلوی العمامۃ علی راسہ و لا یجعلھا تحت ذقنہ فان تلک عمۃ الشیطان۔

ترجمہ: طاؤس بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا اس شخص کے بارے میں جو اپنے سر پر عمامہ لپیٹتا ہے اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے نہیں کرتا کہ یہ پگڑی باندھنے کی صورت شیطان کی ہے۔[2623]

[2620](فتح المغیث ج ۳ ص ۵ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورۃ)

[2621](صحیح مسلم مقدمہ ج ۱ ص ۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2622]سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

[2623](شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۶ رقم الحدیث ۶۲۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۸۰ رقم الحدیث ۱۹۹۷۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

یہ روایت سنداً بھی ضعیف ہے اس لئے کہ اس روایت کی سند میں لیث بن ابی مسلم ہے جو سخت ضعیف ہے۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

لیث بن ابی سلیم ضعیف کوفی۔[2624]

امام ابی الفرج عبد الرحمن علی بن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ضعفہ ابن عیینۃ و النسائی و قال احمد مضطرب الحدیث۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا ابو بکر قال حدثنا شبابۃ عن سلیمان بن المغیرۃ قال رایت ابا نضرۃ یعتم بعمامۃ سوداء قدار خھا تحت عنقہ۔[2625]

محدث کبیر امام بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وسئل مالک عن الذی یعتم بالعمامۃ و لا یجعلھا من تحت حلقہ فانکرھا و قال ذلک من عمل النبط و لیست من عمۃ الناس الا ان تکون قصیرۃ لا تبلغ او یفعل ذلک فی بیتہ او فی مرضہ فلا باس بہ۔[2626]

ولکن قد حدث عنہ الناس وقال السعدی یضعف حدیثہ و قال ابو حاتم الرازی و ابو زرعۃ لا یشتغل بہ و ھو مضطرب الحدیث و قال ابن حبان اختلط فی آخر عمرہ فکان یقلب الاسانید و یرفع المراسیل و یاتی عن الثقات بما لیس من حدیثھم ترکہ یحیی القطان و یحیی بن معین و ابن مھدی و احمد۔

[2624] (الضعفاء والمتروکمین للنسائی ص ۹۰ برقم ۵۱۱ مطبوعہ داروعی حلب)

[2625] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۲۴۹۸۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2626] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۱ ص ۳۰۷ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: ابن عیینہ اور نسائی اس کی تضعیف کرتے ہیں اور احمد مضطرب الحدیث کہتے ہیں اور سعدی اس کی حدیث کی تضعیف کرتے ہیں اور ابو حاتم اور ابو زرعہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث پر مشغول نہیں ہونا چاہئے اور یہ مضطرب الحدیث ہے اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہوا تھا اور یہ احادیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سخت الفاظ مروی ہونے کی وجہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو سخت الفاظ مروی ہیں اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ شملہ کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک نہیں پہنچی ہو اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں تابعین کرام رحمہم اللہ کا یہ عمل تھا اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف عمامہ باندھنے کو مکروہ کہا ہے۔

علامہ محمد بن راشد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وسئل عن العمامۃ اترخی بین الکتفین منھا شیاً؟۔

رد وبدل کرتے تھے اور مراسیل کو مرفوع ذکر کرتے تھے اور ثقات سے ایسی حدیثیں ذکر کرتے کہ وہ ان کی نہیں تھیں اور اس کو یحییٰ قطان اور یحییٰ بن معین اور ابن مہدی اور احمد نے چھوڑا ہے۔[2627]

امام محمد بن سعد البصری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

کان رجلا صالحا عابدا و کان ضعیفا فی الحدیث۔

ترجمہ: یہ نیک عابد تھے اور حدیث میں ضعیف تھے۔[2628]

وھل یسدل بین یدیہ؟

[2627](الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج۳ ص ۲۹ برقم ۲۸۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2628](طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۴۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

فقال لم ار احداً ممن ادرکت وهو یرخی بین کتفیه منها شیئاً وهو یسدل بین یدیه وقد کنت البسها فاسدلها بین یدی وادخل الذی یکون من طیها خلفی احشو به العمامة ولم اترکها الا منذ ذم علینا ولاة بنی هاشم فترکناها خوفاً من خلافهم لانهم لا یلبسونها وقد کان من قبلهم لا یدعونها حتی ان الامام لیخطب بها فی کل جمعة فی الشتاء والصیف وهی لباس العرب لیست تلبسها الاعاجم وقد رایت ربیعة وابن هرمز یعتمان ولم یکن واحد منهما یرخی بین کتفیه منها شیئا ورایتهما یسدلانها بین ایدیهما ولست اکره ارخاءها من خلفه لانه حرام ولکن هذا اجمل ولم ار احداً ممن ادرکت یرخی بین کتفیه منها شیئا الا عامر بن عبدالله بن الزبیر فانی رایته یرخی بین کتفیه من عمامته وقد بلغنی ان رسول الله ﷺ حین انصرف من الخندق وضع عنه السلاح ولا ادری اغتسل ام لا فاتاه جبریل فقال یا محمد اتضعون اللامة قبل ان تخرجوا الی قریظة فصاح رسول الله ﷺ فی الناس ان لا یصلی احد الا فی بنی قریظة وذلک صلاة العصر فصلی بعض الناس بعد فوات الوقت ولم یصل بعضهم حتی لحقوا بنی قریظة اتباعا لقول رسول الله ﷺ فرای یومئذ جبریل فی صورة دحیة معتما قد ارسلها بین کتفیه۔

قال مالک وقال ربیعة انی لاجد العمة تزید العقل فانتهوه وزجره واشتد علیه وقال تدع العمة!

قال محمد بن راشد قد روی عن النبی ﷺ من روایة عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه کان اذا اعتم یسدل عمامته بین کتفیه۔ قال عبیدالله ورایت القاسم وسالماً یفعلان ذلک فلا وجه لکراهة ذلک الا ما ذکره مالک من ان ذلک اجمل۔ وقول ربیعة انی لاحد العمة تزید فی العقل لیس علی ظاهره بانها تزید فی العقل حقیقة والمعنی فی ذلک ان لابسها یسلک من اجل لباسه ایاها مسسک العقلاء وذلک انها لما کانت من هیئة العلاء والخیار واهل السمت والوقار فالتزم من ذلک فرق ما کان یلتزمه قبل۔

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شملہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کندھوں کے درمیان چھوڑا جائے یا سامنے چھوڑا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے جس کو بھی پایا ہے ان میں سے کوئی بھی شملہ کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتا تھا بلکہ شملہ سامنے لٹکاتا تھا میں بھی عمامہ پہنتا ہوں تو شملہ سامنے لٹکاتا ہوں اور عمامہ کے ایک کنارہ کو پیچھے کے حصہ میں داخل کر کے عمامہ کو پھیر دیتا ہوں... میں نے ربیعہ اور ابن ہرمز کو بھی دیکھا ہے وہ دونوں بھی شملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتے تھے بلکہ سامنے لٹکاتے تھے اور میں جو کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانے کو اچھا نہیں سمجھتا تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس طرح کرنا حرام ہے لیکن وجہ یہ ہے کہ خوبصورت یہ ہے کہ سامنے لٹکا کر ٹھوڑی کے نیچے لے جایا جائے میں نے صرف عامر بن عبد اللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھا ہے جو کندھوں کے درمیان شملہ لٹکاتے تھے اور صرف مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم غزوہ خندق سے لوٹے ہتھیار رکھے غسل کیا یا نہیں یہ معلوم نہیں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اس موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔

اس کے بعد امام محمد بن راشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی معمول یہ تھا تو اس کے بعد کراہت کی کوئی اور وجہ نہیں سوائے اس کے جو امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کی ہے کہ خوبصورت دوسرا طریقہ ہے۔[2629]

[2629] (البیان والتحصیل لابن راشد القرطبی فی هیئة العمامة ج ۱۸ ص ۴۴۶ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس عمامہ کے شملہ کے بارے میں وہ روایات نہیں پہنچی ہیں جن میں تحنیک کے بغیر عمامہ باندھنے کا ذکر ہے اور تحنیک تو تحنیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ احادیث بھی نہیں پہنچی جن میں کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانے کا ذکر ہے حالانکہ احادیث میں دونوں کندھوں کے درمیان شملہ لٹکانے کے بارے میں سب سے زیادہ اور صحیح احادیث مروی ہے۔ صرف حضرت جبریل علیہ السلام اور ایک تابعی عامر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی ہے لہٰذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے تابعین کے عمل کی بنا پر تحنیک کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس لئے ان ہی تک محدود رہے گا۔ اب ہم وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جس میں بغیر تحنیک کے عمامہ کا ذکر ہیں:

بغیر تحنیک کے عمامہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت مبارک ہے

بغیر تحنیک کے آج کل جس طریقہ پر عمامہ باندھنا مشہور ہے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت جبریل علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت مبارکہ ہے اور یہی طریقہ صحیح احادیث و آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا علی بن حکیم الاودی اخبرنا شریک عن عمار الدھنی عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مکے میں اس طرح داخل ہوئے کہ سر پر سیاہ عمامہ تھا۔[2630]

یہ مشہور اور صحیح حدیث ہے اس حدیث مبارکہ میں جو عمامہ کا ذکر ہے وہ بغیر تحنیک کے عمامہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسحاق بن العباس الفاکھی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنی احمد بن عبید عن عاصم بن مضرس الانصاری قال اخبرنی ابوبکر عمرو الضبی عن المغیرة عن ابرھیم قال کان النبی ﷺ یوم فتح مکة معتجرا بعمامة سوداء۔[2631]

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال ﷺ بشر یا ابابکر ھذا جبریل متعجر بعمامة۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا خوشخبری ہو اے ابو بکر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جبریل علیہ السلام ہے جو بغیر تحنیک کے عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[2632]

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

قال و بلغنی ان جبریل علیہ السلام نزل فی جنازته معتجراً بعمامة من استبرق۔[2633]

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ بشر یا ابابکر ھذا جبریل معتجر بعمامة صفراء۔

[2630] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکة بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2631] (اخبار مکة فی قدیم الدھر وحدیثه ذکر ما کان یلبس النبی ا علی رأسه حین دخل مکة ج ۵ ص ۲۱۵ ـ ۲۱۶ رقم الحدیث ۱۷۳ ـ ۱۷۴ ـ ۱۷۵ مطبوعہ دار خضر بیروت)

[2632] (الثقات ج ۱ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2633] (الاستیعاب ذکر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۲ ص ۶۰۴ برقم ۹۵۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا خوشخبری ہو اے ابو بکر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جبریل علیہ السلام ہے جو بغیر تحنیک کے زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[2634]

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بغیر تحنیک کا عمامہ

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن حمزۃ بن عبداللہ قال کان علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا وکانت علی الملائکۃ یومئذ عمائم صفر۔

ترجمہ: حمزہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بغیر تحنیک کے زرد رنگ کا عمامہ تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھے اس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔[2635]

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کھتے ہیں:

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن ھشام بن عروۃ عن رجل من ولد الزبیر یقال لہ عباد بن حمزۃ ان الزبیر بن العوام کانت علیہ عمامۃ صفراء معتجرا بھا فنزلت الملائکۃ وعلیھم عمائم صفر۔[2636]

امام ابو عثمان سعید بن منصور الخراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

[2634] (البدایۃ والنھایۃ غزوۃ بدر العظمی ج۳ ص ۲۸۰ وص ۲۸۴ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)
[2635] (طبقات ابن سعد ج۳ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)
[2636] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا سعید قال نا عبداللہ بن المبارک عن ھشام بن عروۃ عن عباد بن حمزۃ بن الزبیر قال کان علی الزبیر یوم بدر ریطۃ صفراء قد اعتجر بھا و نزلت الملائکۃ و علیھم عمائم صفر۔ [2637]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو یزید القراطیسی ثنا اسد بن موسی ثنا حماد بن سلمۃ عن ھشام بن عروۃ قال ثم نزل جبریل یوم بدر علی سیماء الزبیر بن العوام و ھو معتجر بعمامۃ صفراء۔ [2638]

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن ھشام عن ابیہ قال کانت علی الزبیر عمامۃ صفراء معتجرا بھا یوم بدر فقال النبی ﷺ ان الملائکۃ نزلت علی سیماء الزبیر۔ [2639]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و روی ابن ابی شیبۃ و ابن جریر و ابن مردویہ عن عبداللہ بن الزبیر ان الزبیر کان علیہ یوم بدر عمامۃ صفراء معتجراً بھا فنزلت الملائکۃ علیھم عمائم صفر۔ [2640]

امام علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و ما جاء کان علی الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ببدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا فقال ابی عبداللہ یعنی الزبیر لجواز ان یکون اکثرھم کان بعمائم صفر۔ [2641]

امام علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اتی جبریل علیہ السلام النبی ﷺ معتجرا بعمامۃ ای سوداء من استبرق و ھو نوع من الدیباج مرخیا منھا بین کتفیہ و فی روایۃ علیہ لامتہ و لا معارضۃ لانہ یجوز ان یکون الاعتجار

[2637] (کتاب السنن باب ما جاء فی الالویۃ و العمایم ج ۲ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۲۵۳۰ مطبوعہ الدار السلفیۃ الھند)
[2638] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۳۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم و الحکم الموصل)
[2639] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ زبیر بن عوام صج ۲ ص ۵۵۵ برقم ۲۷۹۱ مطبوعہ دار الجیل بیروت)
[2640] (سبل الھدی و الرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[2641] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ باب غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۴۲۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

بالعمامة علی تلک اللامة وھو علی بغلة ای شھباء علیھا قطیفة وھی کساء لہ وبر من دیباج ای احمر۔[2642]

محدث کبیر سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فالنھی عنہ (الاقتعاط) لیس بثابت سیما وقد تقدم عن السیوطی انہ ﷺ لبس العمامة بالعذبة وبغیرھا بالتحنیک وبغیرہ وعنہ ایضا نقلاً عن البارزی فی توثیق عری الایمان انہ علیہ الصلاۃ والسلام کان یعتم بالعمائم الحرقانیة والسود فی اسفارہ ویعتجر اعتجار الحروب والاعتجار ھو ترک التلحی وفی السیرۃ الحلبیة فی الکلام علی غزوۃ بدر الکبری انہ جاء انہ کان علی سیدنا الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ببدر عمامة صفراء معتجراً بھا فقال النبی انزلت الملائکة علی بسیماء ابی عبداللہ یعنی الزبیر وفی شرح القاموس للشیخ مرتضی فی مادۃ عجر بعد ما فسر الاعتجار بانہ لی الثوبی علی الراس من غیر ادارۃ تحت الحنک او تقول ھو لف العمامة دون التلحی مانصہ وروی عن النبی ﷺ انہ دخل مکة یوم الفتح معتجراً بعمامة سوداء المعنی انہ لفھا علی راسہ ولم یلتح بھا۔[2643]

ان احادیث و آثار صحابہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو معتجر عمامہ باندھے ہوئے تھے اور جبریل علیہ السلام اور اسی طرح زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر کے دن معتجر عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اعتجار کے کئی معنی ہیں اور وہ مسئلہ اعتجار میں آگے ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کئے جائیں گے۔ یہاں اعتجار سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جبریل علیہ السلام اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر

[2642] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفة بالسیرۃ الحلبیہ باب غزوۃ بنی قریظة ج ۲ ص ۶۵۷۔۶۵۸ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

[2643] (الدعامة لمعرفة احکام سنة العمامة ص ۷۱۔۷۲ مطبوعہ مکتبة العلم الاسلامی شام الطبعة الاولی ۱۳۴۲ھ)

تحنیک کے عمامہ باندھا ہے جو آج کل عام علماء اور عوام باندھتے ہیں اس لئے یہاں اعتجار کا یہی معنی ہے۔

امام محمد بن مکرم بن منظور الافریقی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الاعتجار وھو لف الثوب علی الراس من غیر ادارۃ تحت الحنک۔

ترجمہ: یعنی کپڑے کو سر پر اس طرح لپیٹنا کہ ٹھوڑی کے نیچے سے اس کا کوئی بل نہ گزرے اعتجار کہلاتا ہے۔[2644]

یہی امام محمد بن مکرم بن منظور الافریقی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الاعتجار لف العمامة دون التلحی وروی عن النبی انه دخل مكة یوم الفتح معتجرا بعمامةسوداءالمعنی انه لفها علی راسه ولم یتلح بها۔

ترجمہ: عمامہ کو سر پر اس طرح لپیٹنا کہ اس کا کوئی بل ٹھوڑی کے نیچے سے نہ گزرے۔[2645]

نیز لکھتے ہیں:

الاعتجار بالعمامة ھو ان یلفها علی راسه ویرد طرفها علی وجهه ولا یعمل منها شیئا تحت ذقنه۔

ترجمہ: یعنی اعتجار بالعمامۃ یہ ہے کہ آدمی عمامہ کو سر پر لپیٹ لے اور اس کے کنارہ کو چہرہ پر ڈال لے اور ٹھوڑی کے نیچے سے اس کا کوئی حصہ یا بل نہ گزارے۔[2646]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جبریل علیہ السلام اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو احادیث میں عمامہ باندھنے کا ذکر ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ عمامہ اس طرح باندھنا کے ایک

[2644] (لسان العرب ج ۴ ص ۵۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)
[2645] (لسان العرب ج ۴ ص ۵۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)
[2646] (لسان العرب ج ۴ ص ۵۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

بل بھی ٹھوڑی کے نیچے سے نہ گزرے جیسے کہ ہم باندھتے ہیں یہ نہ مکروہ ہے نہ شیطان کا طریقہ ہے اور نہ یہ قوم لوط کا عمامہ ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جبریل علیہ السلام اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت مبارک اور مستحب ہے۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا ابو بکر قال حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا جریر بن حازم عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المهاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر یضع احدهم علی راسه ویضع القلنسوة فوقها ثم یدیر هکذا یعنی علی کوره لا یخرجها من تحت ذقنه۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہاجرین اولین کو دیکھا ہے کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز یا زرد رنگ کے کھردرے کپڑوں کے عمامے باندھتے تھے ان میں سے کوئی عمامہ اپنے سر پر رکھتا اور اس کے اوپر ٹوپی رکھتا ٹوپی کے گرد اس طرح عمامہ کو لپیٹ دیتے تھے۔ اور ٹھوڑی کے نیچے سے نہیں گھماتے تھے۔[2647]

امام اسحاق بن ابراہیم راھویہ رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا وهب بن جریر حدثنی ابی عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ثم ادرکت المهاجرین یعتمون بعمائم کرابیس حمر و سود و خضر و صفر یضع احدهم طرف یباع علی راسه ثم یضع القلنسوة علیها ثم یدیرونها علی رؤوسهم ولا یدخلونها تحت اذقانهم قال اسحاق قال النضر وذکر حدیث الزبیر انه کان معمما یوم بدر بعمامة صفراء فنزلت الملائکة وعلیهم عمائم بنو قال النضر لا یعرف الاعتجاز الا ان یلف بها علی راسه ولا یدخلها تحت ذقنه۔

[2647] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۲۴۹۸۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: امام نصر فرماتے ہیں اعتجار اس کو کہتے ہیں کہ عمامہ باندھ کر ٹھوڑی کے نیچے پیچ نہ لائے۔[2648]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہاجرین اولین عمامہ اس طرح باندھتے تھے کہ گردن کے نیچے سے بل نہیں گھماتے تھے یہاں سے معلوم ہوا کہ عمامہ اس طرح باندھنا کے ایک بل نیچے سے نہ گزرے جیسے کہ ہم باندھتے ہیں یہ نہ مکروہ ہے نہ ناجائز ہے بلکہ مہاجرین اولین کی سنت مبارک ہے اور مہاجرین اولین میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل جس طرح ہم عمامہ شریف باندھتے ہیں یہ طریقہ خلفاءراشدین کا طریقہ ہے۔

خلفاءراشدین کی سنت جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن عرباض بن سارية... فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهدين عضوا عليها بالنواجذ و اياكم و الامور المحدثات فان كل بدعة ضلالة۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل روایت میں ہے... پس تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین المھدین کی سنت کو پکڑ لینا لازم ہے اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا اور بدعات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔[2649]

[2648] (مسند اسحاق بن راھویه ج ۳ ص ۸۸۲۔۸۸۳ رقم الحدیث ۱۵۵۶ مطبوعه مکتبة الایمان المدینة المنورة)

[2649] (سنن ابن ماجه ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعه دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعه مکتبه اکرمیه پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعه دار الفکر بیروت)، (غایة الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت)

تحنیک حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو اسامۃ عن سفیان عن معمر عن ابن طاوس عن اسامۃ کان یکرہ ان یعتم ان یجعل تحت لحیتہ و حلقہ من یاع۔

ترجمہ: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامہ باندھتے تو اس صورت کو مکروہ سمجھتے تھے کہ داڑھی اور حلق کے نیچے اس کو کریں۔[2650]

احناف و شوافع کے نزدیک تحنیک سنت نہیں

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

و لا یسن تحنیک العمامۃ عند الحنفیۃ و الشافعیۃ و تسن العذبۃ لا غیر۔

ترجمہ: احناف و شوافع کے نزدیک تحنیک سنت نہیں سنت صرف شملہ لٹکانا ہے۔[2651]

جمع الوسائل للمناوی میں علامہ عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و لا یسن تحنیک العمامۃ عند الشافعیۃ۔

ترجمہ: شوافع کے نزدیک عمامہ میں تحنیک سنت نہیں۔[2652]

امام الشیخ سلیمان بن عمر شافعی المعروف بالجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

لا یسن تحنیک العمامۃ عند الشافعیۃ۔

ترجمہ: شوافع کے نزدیک عمامہ میں تحنیک سنت نہیں۔[2653]

[2650](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۲۴۹۸۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2651](الموسوعۃ الفقہیۃ ج ۱۰ ص ۲۷۷)

[2652](جمع الوسائل فی شرح الشمائل و بھامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[2653](المواھب المحمدیۃ الشمائل الترمذیۃ ج ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام الشیخ ابراھیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لا یسن تحنیک العمامۃ عند الشافعیۃ۔

ترجمہ: شوافع کے نزدیک عمامہ میں تحنیک سنت نہیں۔[2654]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بغیر تحنیک کے عمامہ جائز اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے آخر میں چند اور احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں شملہ کا ذکر ہے مگر تحنیک کا ذکر نہیں اور یہ احادیث پہلے اپنے مواضع میں بیان ہو چکی ہیں یہاں پر مختصر حاضر ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوتی سیاہ عمامہ پہنایا اور سامنے کا حصہ اس طرح لٹکتا چھوڑ دیا۔

قال یدیر کور العمامۃ علی رأسہ ویغرزھا ومن ورائہ ویرخی لہ ذوابہ بین کتفیہ۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامے کے پیچ اپنے سر پر باندھتے تھے۔

قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ ولم یقل ابو بکر علی المنبر۔

ترجمہ: جعفر بن عمرو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میری نظروں کے سامنے اب بھی یہ منظر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سیاہ عمامہ باندھے منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کا شملہ دو کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔

[2654] (المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ للبیجوری ص ۹۹ فاروقی کتب خانہ ملتان)

عن حسن بن علی قال رایت النبی ﷺ علی المنبر وعلیه عمامة سوداء قد ارخی طرفها بین کتفیه۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو منبر پر دیکھا آپ کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا اس کے کنارے کو آپ نے دونوں شانوں کے درمیان لٹکایا تھا۔

ثم نقضها فعممه بعمامة بیضاء وارسل من خلفه اربع اصابع او نحوها ثم قال هکذا یا بن عوف فاعتم فانه اعرب واحسن الخ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو اپنے قریب کیا ان کا عمامہ کھولا اور سفید رنگ کا عمامہ باندھا اور پیچھے چار انگل یا اس کے قریب لٹکایا اور فرمایا ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح عمامہ باندھا کرو یہ واضح اور بہتر ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تحنیک واجب نہیں اگر واجب ہوئی تو ان احادیث میں تحنیک کا ذکر ہوتا جس سے ثابت ہوا کہ بغیر تحنیک کے عمامہ باندھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت اور صحیح احادیث پر عمل کرنا ہے۔

شملہ میں اسبال کا مسئلہ

شملہ کی کم از کم مقدار چار انگشت ہے اور عموماً ایک ہاتھ ہوتا ہے نصف پشت سے زیادہ لمبا رکھنا اسبال میں شامل ہے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا هناد بن السری ثنا حسین الجعفی عن عبد العزیز بن ابی رواد عن سالم بن عبد الله عن ابیه عن النبی ﷺ قال الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جر منها شیئا خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة۔

ترجمہ: سالم بن عبد اللہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

"ازار قمیص اور عمامہ کا لٹکانا ہے جس نے ان میں سے کوئی چیز ازراہِ تکبر لٹکائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نگاہ لطف وکرم نہیں فرمائے گا"۔[2655]

علامہ عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال الحافظ زین الدین العراقی رحمه الله تعالی وقد ورد فی حدیث رواه ابو داود النهی عن اسبال العمامة والتوعید علیه قال والظاهر ان المراد منه المبالغة فی تطویلها بحیث تخرج عن العادة لا جرها علی الارض فانه غیر معتاد والاسبال فی کل شئ بجنسه۔[2656]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

واسبال در عمامة بارسال عذبة زیادت بر عادت عدداً و طولاً وغایت آن تا نصف ظهرست وزیاده بران بدعت وداخل اسبال محرم۔

ترجمہ: عمامہ کا شملہ عادت کے طور پر عدد اور لمبائی پر ہو جو آدھی کمر ہے اس سے زیادہ بدعت اور لٹکانا حرام میں داخل ہے۔[2657]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وکان اینهی عن الاسبال فی العمامة وهو اطالة العذبة۔

[2655] (سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی قدر موضع الازار ج ۴ ص ۶۰ رقم الحدیث ۴۰۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی ج ۸ ص ۲۰۸ رقم الحدیث ۵۳۳۴ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیة حلب)، (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[2656] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبهامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

[2657] (اشعة اللمعات فارسی ج ۳ ص ۵۷۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامہ میں عمامہ کے اسبال سے منع فرماتے یعنی لمبا شملہ ممنوع ہے۔[2658]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں:

قال ابن بطال واسبال یباع المراد بہ ارسال العذبۃ زائدا علی ما جرت بہ العادۃ انتھی۔

ترجمہ: ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمامہ میں اسبال سے مراد شملہ لٹکانا ہے عادت سے زیادہ۔[2659]

عمامہ کے رنگوں کی تحقیق

سفید، سیاہ، سبز رنگ کا عمامہ پہننا مستحب ہے۔ گہرا سرخ اور زرد رنگ کے عمامہ میں اختلاف ہے اور ہماری تحقیق کے مطابق سرخ اور زرد رنگ کا عمامہ پہننا بھی جائز و سنت ہے اس کے علاوہ ہر رنگ کا عمامہ پہننا مباح ہے۔

سیاہ رنگ کا عمامہ شریف

ہمارے مطالعہ میں عمامہ شریف کی جتنی روایات ہیں ان میں سب سے زیادہ اور صحیح احادیث سیاہ عمامہ شریف کی ہے احادیث مبارکہ میں سیاہ عمامہ شریف پر صحیح اور سب سے زیادہ روایات وارد ہیں۔ بعض لوگ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ کو بری نظر سے دیکھتے ہیں لیکن یہ جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ سیاہ لباس پہننا سنت ہے اور امام المسلمین امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اس کو مسلمان کی علامت میں شمار کیا ہے۔

[2658](کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)

[2659](نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

سیاہ لباس مسلمان کی علامت ہے

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال ابو حنیفة لو ان قوما من المسلمین وجدوا موتی فیهم کافر او کافران لا یعرف الکافر من المسلم غسلوا وکفنوا وصلی علیهم ونوی المصلون بالصلاة والدعاء المسلمین منهم دون الکافرین وصلی علیهم جماعة وان کانوا کفارا فیهم المسلم والمسلمان لم یصل علی احد منهم ویغسلون ویکفنون ویدفنون ولا یصلی علی احد منهم وکذلک قول ابی یوسف وقول محمد ویدفنون فی قول محمد فی مقابر المشرکین فاما الاولون الذین اکثرهم المسلمون فانهم یدفنون فی مقابر المسلمین وان کانوا نصفین من الکافرین والمسلمین لم یصل علی احد منهم حتی یکون الاکثر من المسلمین وهذا ایضا یدلک علی الوجه الاول فان کان باحدهما علامة من علامات المسلمین او کان باحدهما علامة من علامات المشرکین ومن علامات المسلمین الختان والخضاب ولبس السواد بما یعرف به المسلم من الکافر۔ [2660]

استاذ الفقیہ علامہ ابو الوفاء افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

الختان والخضاب ولبس السواد ونحو ذلک فمن کان علیهم علامة المسلمین۔

ترجمہ: ختنہ خضاب اور سیاہ کپڑے پہننا وغیرہ جن پر یہ ہو تو یہ مسلمان کی علامت ہے۔ [2661]

نیز لکھتے ہیں:

ومن العلامة للمسلمین الختان والخضاب ولبس السواد۔ ثم شرح الختان والخضب والسواد۔ [2662]

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

[2660] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کتاب التحری ج۳ ص ۲۲۔۲۳ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)
[2661] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کتاب التحری ج۳ ص ۲۲ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)
[2662] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کتاب التحری ج۳ ص ۲۳ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

العلامۃللمسلمین الختان و الخضاب و لبس السواد۔۔۔۔[2663]

امام برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ذکر محمد رحمه الله فی السیر فی باب العمائم حدیثاً یدل علی ان لبس السواد مستحب۔

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر الکبیر باب العمائم میں حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں یہ حدیث مبارکہ سیاہ لباس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔[2664]

امام فخر الدین عثمان بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ زین الدین بن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال رحمہ اللہ ویسن لبس السواد و ارسال ذنب العمامۃ بین الکتفین الی وسط الظھر۔
لان محمد رحمه الله ذکر فی السیر الکبیر فی باب الغنائم حدثنا یدل علی ان لبس السوادمستحب۔

ترجمہ: سیاہ لباس اور آدھی کمر تک شملہ لٹکانا مستحب ہے کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر الکبیر میں فرمایا کہ سیاہ لباس مستحب ہے۔[2665]

فتاویٰ عالمگیری میں ملا نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ندب لبس السواد و ارسال ذنب العمامۃ بین الکتفین الی وسط الظھر کذافی الکنز۔

[2663] (المبسوط للسرخسی کتاب التحری ج ۱۰ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت وفی نسخۃ ج ۵ جز ۱۰ ص ۲۰۵۔۲۰۶ مطبوعہ مکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ)

[2664] (المحیط البرھانی کتاب الاستحسان و الکراھیۃ الفصل العاشر فی اللبس مایکرہ من ذلک و ما لا یکرہ ج ۶ جز ۱۱ ص ۷۴ مطبوعہ مطبوعہ المکتبۃ الغفاریۃ کانسی روڑ کوئٹہ)

[2665] (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مسائل شتیٰ ج ۶ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)، (البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: سیاہ کپڑے مستحب ہے اور عمامہ کا شملہ کاندھوں کے درمیان آدھی کمر تک مستحب ہے۔ جیسا کہ کنز میں ہے۔[2666]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ سیاہ لباس پہننا مستحب ہے لیکن جس جگہ اس کے متعلق شیعہ ہونے کی بدگمانی کی جائے گی تو اس جگہ سیاہ لباس پہننے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور شیعوں کا ان دلائل سے استدلال بالکل بیکار ہیں اس لئے یہ اہل سنت و جماعت کی کتب ہیں جو شیعوں کے نزدیک معتبر نہیں اور شیعوں کی اپنی کتب میں سیاہ لباس کو پہننے سے سخت ممانعت موجود ہیں۔ اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے مناظرِ اعظم حضرت علامہ محمد عمر اچروی کی کتاب "مقیاس الخلافت" ملاحظہ فرمائیں۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم۔**

سنن ابو داؤد شریف میں ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے ہو گا۔[2667]

فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا علی بن حکیم الاودی اخبرنا شریک عن عمار الدھنی عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

[2666] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ باب اللبس مایکرہ من ذلک الباب التاسع فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ ج ۵ ص ۴۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2667] (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ لاھور پاکستان)، (مسند احمد ج ۲ ص ۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔[2668]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا احمد بن طاهر بن حرملة بن يحيى التجيبي المعسرى حدثنا جدى حرملة بن يحيى حدثنا عبدالرحمن بن زياد الرصاصى حدثنا شعبة عن حماد بن سلمة عن ابى الزبير عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه ان النبى ادخل مكة يوم الفتح وعلى رأسه عمامة سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔[2669]

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عن جابر ان رسول الله دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔[2670]

[2668] (صحيح مسلم باب جواز دخول مكة بغير احرام ج ٢ ص ٩٩٠ رقم الحديث ١٣٥٨ مطبوعه داراحياء التراث العربى بيروت)، (شرح معانى الآثار ج ٢ ص ٢٥٨ مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت)، (مسند ابويعلى ج ۴ ص ١١٠ رقم الحديث ٢١۴٦ مطبوعه دارالمامون للتراث دمشق)

[2669] (طبرانى صغير باب من اسمه احمد ج ١ ص ٢٢ و باب العين من اسمه عبدالله ص ٢١٣ مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت)، (اخلاق النبى او آدابه ذكر عمامته ج ٢ ص ١٩٠ رقم الحديث ٣٠٣ الاسناد صحيح مطبوعه دارالمسلم الرياض)، (الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى ترجمه الاحوص بن حكيم ج ٢ ص ٢٦۴ برقم ٢۴۴ مطبوعه دارالفكر بيروت)

[2670] (البداية والنهاية صفة دخوله مكة ج ۴ ص ٢٩٢ مطبوعه مكتبة المعارف بيروت)

نیز دوسری کتاب میں حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

وقال احمد حدثنا عفان حدثنا حماد حدثنا ابو الزبیر عن جابر ان رسول اللہ ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔[2671]

امام محب الدین ابی جعفر احمد بن عبد اللہ الطبری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ ﷺ عام الفتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء اخرجہ مسلم والثلاثۃ وابو حاتم وقال ھذا یرد قول من کرہ لبس الاسود۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ میں سیاہ لباس کو مکروہ کہنے والوں کا رد ہے۔[2672]

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ حدثنا عبید اللہ انبانا موسی بن عبیدۃ عن عبد اللہ ابن دینار عن ابن عمر ان النبی ﷺ دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فتح مکہ کے روز سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔[2673]

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

[2671] (السیرۃ النبویۃ صفۃ دخول علیہ الصلوۃ والسلام مکۃ ج ۳ ص ۵۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2672] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۵۱۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2673] (سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب العمامۃ السوداء ص ۲۵۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدثنا یحیی بن یحیی و اسحاق بن ابراھیم قالا اخبرنا وکیع عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ خطب الناس و علیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: عمرو بن حریث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ دیا۔[2674]

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الاصفھانی روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابراھیم بن محمد بن الحارث نا سھل بن عثمان نا وکیع عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ یخطب و علیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: عمرو بن حریث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ دیا۔[2675]

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

و حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ و الحسن الحلوانی قالا حدثنا ابو اسامۃ عن مساور الوراق قال حدثنی و فی روایۃ الحلوانی قال سمعت جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر و علیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ و لم یقل ابو بکر علی المنبر۔

ترجمہ: جعفر بن عمرو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میری نظروں کے سامنے اب بھی یہ منظر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سیاہ عمامہ باندھے منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں

[2674] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابی داؤد باب فی العمائم ج ۴ ص ۵۴ رقم الحدیث ۴۰۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۶۲۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[2675] (اخلاق النبی و آدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۸۷ رقم الحدیث ۳۰۱ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کا شملہ دو کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔[2676]

امام عمر بن علی بن الملقن الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حدیث انہ ﷺ کان یتعمم یوم الجمعۃ رواہ مسلم من روایۃ عمرو بن حریث لکن لفظہ خطب رسول اللہ ﷺ وعلیہ عمامۃ سوداء۔[2677]

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا محمد بن ابان قال حدثنا ابو اسامۃ علی مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن امیۃ عن ابیہ قال کانی انظر الساعۃ الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفھا بین کتفیہ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ گویا میں اب بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے منبر پر دیکھ رہا ہوں اور اس کا شملہ مبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دو کندھوں کے درمیان لٹک رہا ہے۔[2678]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وروی النسائی عن عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانی انظر الساعۃ الی رسول اللہ ﷺ علی المنبر وعلیہ عمامۃ السوداء قد ارخی طرفھا بین کتفیہ۔

[2676] (صحیح مسلم باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام ج ۲ ص ۹۹۰ رقم الحدیث ۱۳۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۸ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۵۳۴۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۴۲ رقم الحدیث ۲۸۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شرح السنۃ ج ۶ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2677] (خلاصۃ البدر المنیر ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۷۷۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2678] (سنن النسائی (مجلد) کتاب الزینۃ باب ارخاء طرف العمامۃ بین الکتفین ص ۸۸۸ رقم الحدیث ۵۳۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت الطبعۃ الاولی ۲۰۰۱ء)

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ گویا میں اب بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے منبر پر دیکھ رہا ہوں اور اس کا شملہ مبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دو کندھوں کے درمیان لٹک رہا ہے۔[2679]

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

و عند مسلم من حدیث ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ ﷺ دخل یوم الفتح و علیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔

وقال وکیع عن مساور الورق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ قال خطب رسول اللہ ﷺ الناس و علیہ عمامۃ دسماء۔

ترجمہ: عمرو بن حریث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطبہ دیا۔
[2680]

غیر مقلد محمد عبد الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قولہ وعلیہ عمامۃ سوداء فیہ دلیل علی مشروعیۃ لبس السواد۔

[2679](سبل الهدی والرشاد ج۷ ص۲۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)
[2680](السیرۃ النبویۃ ج۴ ص۵۹۰۔۵۹۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ سیاہ عمامہ جائز (سنت) ہے۔[2681]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ خطب الناس و علیہ عصابۃ دسمآء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خطبہ دیا اور اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سیاہ عمامہ تھا۔[2682]

قال ابن عباس خرج النبی او علیہ عصابۃ دسماء۔

وعن انس ان النبی اعصب علی راسہ حاشیۃ بردوارادبالعصابۃ العمامۃ قولہ دسماء ای سوداء۔[2683]

وروی الامام احمد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطب رسول اللہ ﷺ الناس و علیہ عمامۃ دسمۃ۔

ترجمہ: حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطبہ دیا اور اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سیاہ عمامہ تھا۔[2684]

وروی البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ و علیہ عصابۃ دسماء۔[2685]

[2681](تحفۃ الاحوذی باب ماجاء فی بیا ع السوداء ج ۵ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2682](الشمائل المحمدیۃ والخصائل المصطفویۃ مع تحفۃ الاحوذی باب ۱۶ ماجآء فی عمامۃ النبیا ج ۱۰ ص ۵۰۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی و دار احیاء التراث العربی بیروت بتحقیق علی محمد معوض و عادل احمد عبد الموجود)

[2683](شرح السنۃ ج ۶ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2684](سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2685](سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وقال الکرمانی و دسماء قیل المراد بھا سوداء ویقال ثوب دسم ای وسخ وجزم ابن الاثیر ان دسماء سوداء۔[2686]

وعن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ ﷺ خطب علیه عمامة دسماء اخرجه الترمذی واراد بالدسماء السوداء لم یرد الملطخة بالدسم وھو الودک لانه لا یلیق بحاله ونظافته ﷺ۔[2687]

روی الخطابی وابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال رایت رسول اللہ ﷺ معتما بعمامة سوداء قد ارخی طرفھا بین یدیه۔[2688]

اخبرنا الفضل بن دکین اخبرنا عبدالعزیز بن ابی سلمة اخبرنی عمی الماجشون قال جاء جبریل علیه السلام الی رسول اللہ ﷺ یوم الاحزاب علی فرس علیه عمامة سوداء قد ارخاھا بین کتفیه الخ۔

ترجمہ: حضرت الماجشون سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام یوم احزاب (غزوہ خندق) میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس ایک گھوڑے پر آئے جو ایک سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔[2689]

اخبرنا ابو سعید بن ابی عمرو اخبرنا ابو عبداللہ الصفار حدثنا ابو سعید الحسن بن علی بن بحر البری حدثنا ابی حدثنا حکام بن سلم الرازی حدثنا سعید بن سابق عن سفیان عن عمار بن ابی معاویة عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ قال کانت عمامة رسول اللہ ﷺ سوداء یوم ثنیة الحنظل وذلک یوم الخندق۔

[2686] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۱ ص ۳۰۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2687] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۵۱۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2688] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2689] (طبقات الکبری ابن سعد غزوۃ بنی قریظة ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثنیہ الحنظل والے دن یعنی جنگ خندق والے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ مبارک سیاہ تھا۔[2690]

وعن ابی موسی ان جبریل نزل علی النبی ﷺ وعلیہ عمامۃ سوداء قدارخی ذوائبہ من ورائہ۔

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور اس پر سیاہ عمامہ تھا۔[2691]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا جریر عن یعقوب عن جعفر عن سعید بن جبیر قال کانت عمامۃ جبریل یوم غرق فرعون سوداء۔

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام جب فرعون کو غرق کرنے کے لئے آئے تھے تو ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[2692]

عن انس بن مالک انہ رای رسول اللہ ﷺ یعتم بعمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے دیکھا۔[2693]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان ابن ابی الفضل عن الحسن قال کانت عمامۃ النبی ﷺ سوداء۔

[2690] (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۳ رقم الحدیث ۶۲۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2691] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ماجاء فی العمائم ج ۵ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2692] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۱۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2693] (طبرانی الاوسط ج ۳ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۳۳۸۵ مطبوعہ دار الحرمین القاہرۃ)، (سبل الہدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۲ ص ۴۲۸)

ترجمہ: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ سیاہ تھا۔[2694]

اخبرنا وکیع بن الجراح وعفان بن مسلم عن حماد بن سلمۃ عن ابی الزبیر ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دخل مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت ابی الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مکے میں اس طرح داخل ہوئے کہ سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

اخبرنا وکیع بن الجراح عن مساور الوراق عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطب الناس وعلیہ عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس طرح خطبہ ارشاد فرمایا کہ سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

اخبرنا عتاب بن زیاد اخبرنا عبداللہ بن المبارک اخبرنا سفیان عن سمع الحسن یقول کانت رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوداء تسمی العقاب وعمامتہ سوداء۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ایک جھنڈا تھا جس کا نام عقاب تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ بھی سیاہ تھا۔[2695]

وروی ابن سعد عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت عمامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوداء۔

[2694] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2695] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۵-۴۵۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (اخلاق النبی وآدابہ ذکر عمامتہ ج ۲ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۳۰۸ الاسناد حسن مطبوعہ دار المسلم الریاض)

ترجمہ: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ سیاہ تھا۔[2696]

وروی ابن سعد عمن سمع الحسن یقول کانت رایۃ رسول اللہ ﷺ سوداء تسمی العقاب وعمامتہ سوداء۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ایک جھنڈا تھا جس کا نام عقاب تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ بھی سیاہ تھا۔

وروی ابن عدی عن جابر قال کان للنبی ﷺ عمامۃ سوداء یلبسھا فی العیدین۔

ترجمہ: امام ابن عدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ایک سیاہ عمامہ تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عیدین میں پہنتے تھے۔[2697]

عن ابی الزبیر عن جابر کان للنبی ﷺ عمامۃ سوداء یلبسھا فی العیدین ویرخیھا من خلفہ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ایک سیاہ عمامہ تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عیدین میں پہنتے تھے۔[2698]

[2696] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2697] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2698] (العلل المتناھیۃ ج ۲ ص ۶۸۳ رقم الحدیث ۱۱۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ابن اسحق فرماتے ہیں کہ ان سے معاذ بن رفاعہ زرقی اور ان کی قوم کے دوسرے اکثر لوگوں نے بیان کیا کہ جس رات کو سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی اسی رات جبرائیل علیہ السلام جن کے سر پر ابرق کی طرح چمکتا ہوا (سیاہ) عمامہ تھا۔[2699]

اتی جبریل علیه السلام النبی ﷺ معتجرا بعمامة ای سوداء من استبرق وھو نوع من الدیباج مرخیا منھا بین کتفیه وفی روایة علیه لامته ولا معارضة لانه یجوز ان یکون الاعتجار بالعمامة علی تلک اللامة وھو علی بغلة ای شھباء علیھا قطیفة وھی کساء له وبر من دیباج ای احمر۔[2700]

قال وبلغنی ان جبریل علیه السلام نزل فی جنازته معتجراً بعمامة من استبرق۔[2701]

عن ابی جعفر الانصاری قال رأیت علی علي عمامة سوداء۔

ترجمہ: جعفر الانصاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔[2702]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا الاعمش عن ثابت بن عبید عن ابی جعفر الانصاری قال رایت علی علی عمامة سوداء یوم قتل عثمان۔

ترجمہ: ابو جعفر انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے دیکھا۔[2703]

عن ثابت بن عبید عن ابی جعفر الانصاری قال لما قتل عثمان جئت علیا وھو جالس فی المسجد وعلیه عمامة سوداء۔

[2699] (البدایة والنھایة ج ۴ مطبوعه مکتبة المعارف بیروت)

[2700] (انسان العیون فی سیرة الامین المامون المعروفة بالسیرة الحلبیه باب غزوة بنی قریظة ج ۲ ص ۲۵۷۔۲۵۸ مطبوعه دار المعرفة بیروت)

[2701] (الاستیعاب ذکر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه ج ۲ ص ۲۰۴ برقم ۹۵۸ مطبوعه دار الجیل بیروت)

[2702] (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۹ مطبوعه دار صادر بیروت)

[2703] (مصنف ابن ابی شیبه ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۱ مطبوعه مکتبة الرشد الریاض)

ترجمہ: جس دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تھے اس دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تھے اور ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[2704]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا ابو العنبس عمرو بن مروان عن ابیہ قال رایت علی علی عمامۃ سوداء قد اخری طرفھا من خلفہ۔

ترجمہ: عمرو بن مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ دیکھا اس کے کنارے کو پیچھے لٹکائے ہوئے تھے۔[2705]

حدثنا عبداللہ قال حدثنی ابی نا وکیع عن شریک عن عاصم عن ابی رزین ثم قال خطبنا الحسن بن علی بعد وفاۃ علی وعلیہ عمامۃ سوداء فقال لقد فارقکم رجل لم یسبقہ الاولون بعلم ولا یدرکہ الآخرون۔

ترجمہ: ابو رزین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفات کے بعد ہمیں خطبہ دیا اور ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[2706]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا دینار ابو عمر قال رایت علی الحسن عمامۃ سوداء۔

ترجمہ: ابو عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔
[2707]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا شاذان قال حدثنا شریع عن عاصم عن ابی رزین قال خطبنا الحسین بن علی یوم الجمعۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

[2704] (البدایۃ والنہایۃ ج۷ ص ۱۹۳ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۵۷۷۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[2705] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2706] (فضائل صحابہ لابن حنبل ج۲ ص ۶۰۰ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2707] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: ابورزین بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں جمعہ کے دن خطبہ دیا اس حال میں کہ وہ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔[2708]

اخبرنا ابو علي الحسين بن محمد الروذباری ثنا ابو بکر محمد بن احمد بن محموية العسکری بالبصرة ثنا جعفر بن محمد القلانسی ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبة عن سماک بن حرب قال سمعت ملحان بن ثوبان يقول كان عمار بن ياسر علينا بالكوفة و كان يخطبنا كل جمعة وعليه عمامة سوداء۔

ترجمہ: ملحان بن ثوبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ ہر جمعہ کو ہمیں خطبہ دیتے اور ان پر سیاہ ہوتا تھا۔[2709]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا غندر عن شعبة عن سماک عن ملحان بن ثروان قال رايت على عمار عمامة سوداء۔

ترجمہ: ملحان بن ثروان بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[2710]

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا الحسن بن مکرم ثنا عثمان بن عمر انبا ابو لؤلؤة قال رايت على ابن عمر عمامة سوداء۔

ترجمہ: ابولولوہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[2711]

عن ابن اسحاق رأيت انس بن مالک عليه عمامة سوداء۔

[2708] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۷۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2709] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۵۷۷۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)
[2710] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2711] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۵۷۷۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ترجمہ: حضرت امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی۔ انہوں نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا۔[2712]

رای انس بن مالک وعلیہ عمامۃ سوداء والصبیان خلفہ یشتدون ویقولون ھذا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: (خطیب احمد بن علی بن ثابت نے اپنی تاریخ میں ابن اسحاق کا ذکر کیا ہے کہ:)

انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی۔ انہوں نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا بچے ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صحابی ہیں۔[2713]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا سلمۃ بن وردان قال رایت علی انس عمامۃ سوداءقلنسوۃوقداخرھامن خلفہنحوامن ذراع۔

ترجمہ: سلمہ بن وردان بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھابغیر ٹوپی کے پیچھے تقریباً ایک ذراع لٹکائے ہوئے تھے۔[2714]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا عثمان بن ابی ھند قال رایت علی ابی عبیدۃ عمامۃسوداء۔

ترجمہ: عثمان بن ابی ہند بیان کرتے ہیں میں نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[2715]

[2712](تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵مطبوعہدارالفکربیروت)

[2713](روض الانف مع سیرۃالنبویۃلاامام ابن ھشام ترجمۃابن اسحق ج ۱ ص ۱۹ ـ ۲۰ مطبوعہدارالکتب العلمیہ بیروت)، (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۱۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃبیروت)

[2714](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۵ مطبوعہمکتبۃالرشدالریاض)

[2715](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۵۶ مطبوعہمکتبۃالرشدالریاض)

حدثنا ابو بکر قال حدثنا البکراوی عن ابی عیسی عن ابیہ زیاد قال قدم شیخ یقال لہ سالم قال رایت علی ابی الدرداء عمامة سوداء۔

ترجمہ: سالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[2716]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ینعقد عن حسین بن یونس قال رایت علی عبدالرحمن بن عوف عمامة سوداء۔

ترجمہ: حسین بن یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[2717]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ینعقد حسین بن یونس قال رایت علی واثلة عمامة سوداء۔

ترجمہ: حسین بن یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[2718]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا الفضل بن دکین عن عبدالواحد بن ایمن قال رایت علی ابن الحنفیة عمامة سوداء۔

ترجمہ: عبد الواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیاہ عمامہ تھا۔[2719]

قال عبدالواحد بن ایمن رایت علی ابن الحنفیة عمامة سوداء۔

[2716](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۶۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2717](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۶۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2718](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۲۴۹۶۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2719](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۲۴۹۶۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ:عبدالواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں میں نے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان پر سیاہ عمامہ تھا۔[2720]

وکان علی الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا الی ظھورھم الا جبریل فانہ کان علیہ عمامۃ صفراء ای وقیل حمراء۔ قال بعضھم وکان بعضھم بعمائم خضر وبعضھم بعمائم صفر وبعضھم بعمائم حمرای وبعضھم بعمائم بیض وبعضھم بعمائم سود فلامنافاۃ وذکران عمامۃ جبریل علیہ السلام یوم اغرق فرعون کانت سوداء قال فی روایۃ سیماھم عمائم سود وعند ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم قد ارخوھا بین اکتافھم خضر وصفر وحمراای وبیض وسود وفی کلام بعضھم نزلت یوم بدر بعمائم صفر وروایۃ بیض وسود ضعیفۃ وفی کلام ابن اسحاق عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال کانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا علی ظھورھم الا جبریل فانہ کان علیہ عمامۃ صفراء من نورای۔ وکانوا یوم احد بعمائم حمر ویوم حنین کذلک فی الجامع الصغیر کانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم سود ویوم احد عمائم حمر وما ذکر لا ینافی ما قیل سیماھم ببدر عمائم صفر قد ارخوھا بین اکتافھم وما جاء کان علی الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ببدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا فقال ابی عبداللہ یعنی الزبیر لجواز ان یکون اکثرھم کان بعمائم ثم صفر۔[2721]

صحۃ العمامۃ سوداء ونزول اکثر الملائکۃ یوم بدر بھا۔

ترجمہ:اکثر فرشتے بدر کے دن سیاہ عمامے سمیت آئے تھے۔[2722]

سفید رنگ کا عمامہ شریف،زندہ اور مردہ کا لباس سفید ہونا چاہیے:

[2720](سیر اعلام النبلاء بقیۃ الطبقۃ الاولی کن کبراء التابعین ابن الحنیفۃ ج۴ ص ۱۲۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2721](انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ باب غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۴۲۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[2722](فیض القدیر ج ۱ ص ۵۵۶ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)

دلیل ۱) حدثنا محمد بن الصباح انباء عبداللہ بن رجاء الملکی عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خَیْرَ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضُ فَالْبَسُوْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیھَا مَوْتَاکُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تمہارے کپڑوں سے بہتر کپڑا سفید ہے، سفید کپڑے پہنو اور اپنے مُردوں کو سفید کفن دو۔[2723]

دلیل ۲) حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قَالَ رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْ ثیابَ الْبَیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت پاک اور بہت صاف ہوتے ہیں۔[2724]

دلیل ۳) اخبرنا عادم بن الفضل اخبرنا حماد بن زید و اخبرنا اسحق بن عیسیٰ اخبرنا حماد بن سلمۃ جمیعا عن ایوب بن ابی السختیانی عن ابی قلابۃ عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللہ ﷺ قَالَ عَلَیْکُمْ بِالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ ☐ فَیلْبِسْھَا اَحْیَائَ کُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مُوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تم پر سفید کپڑے لازمی ہے۔ تمہارے زندہ سفید کپڑے ہی پہنیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دو۔[2725]

[2723] (ابن ماجہ ص ۲۵۵، کنزل عمال جلد ۵، ص ۳۰۱)

[2724] (ابن ماجہ ص ۲۵۵)

[2725] (طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۲۱۹)

دلیل ۴) اخبرنا الفضل بن دُکین اخبرنا المسعودی عن الحکم و حبیب بن ابی ثابت وحدثنا سفیان الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلبِسُوْا لُثِّیَابَ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو بے شک وہ سفید کپڑا بہت اچھا ہے اور پسندیدہ ہے اور اسی سفید کپڑے میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[2726]

دلیل ۵) اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یحیی بن سعید قال سمعت سعید بن ابی عرر بہ یحدث عن ایوب عن ابی قلابۃ عن ابی المھلب عن سمرۃ عن النبیّ صلّی اللہ علیہ و سلّم قال اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے آپ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت صاف اور پاکیزہ ہیں اور میت کو کفن بھی سفید دو۔[2727]

دلیل ٦) اخبرنا الفضل بن دکین و یحیی بن عباقالا اخبرنا المسعودی عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبِیْضَ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سفید کپڑے پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[2728]

[2726] (طبقات ابن سعد جلد ا، ص ۴۴۹)
[2727] (نسائی شریف، جلد ۲، ص ۲۹۷)
[2728] (طبقات اب سعد، جلد ا، ص ۴۵۰)

دلیل ۷) اخبرنا الفضل بن دکین حدثنا ابو بکر الھذلی عن ابی قلابۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اِنَّ مَنْ اَحَبِّ ثِیَابِکُمْ اِلَی اللہِ الْبَیَاضُ فَصَلُّوْا فِیْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید کپڑا زیادہ محبوب ہے سفید کپڑے میں ہی نماز ادا کرو اوراسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[2729]

دلیل ۸) حدثنا محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مھدی نا سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ اِلْبِسُوْا الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا سفید لباس پہنو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور بہت اچھا ہے اوراسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔[2730]

دلیل ۹) حدثنا احمد بن یونس نا زھیر نا عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اِلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ یَجْلُوْا الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔ سفید کپڑے پہنو اسلئے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور بے شک تمہارے لئے بہتر سرمہ سرخ ہے آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔[2731]

[2729] (طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۱۹)
[2730] (ترمذی شریف، جلد ۲، ص ۱۰۴)
[2731] (ابو داود، جلد ۲، کتاب اللباس، ص ۵۶۲)

دلیل ۱۰) حدثنا علی بن حمشاذ العدل، ثنا اَبو الجماھر محمد بن عثمان الدمشقی، حدثنی الھیثم بن حمید، اخبرنی ابو معبد حفص بن غیلان، عن عطاء بن اب رباح قال: کنت مع عبداللہ بن عمر فاَتاہ فتًی یساَلُہ عن اسدال العمامۃ فقال ابن عمر: ساَخبرک عن ذلک بعلمٍ اِن شآء اللہ تعالٰی قال: کنت عاشِرَ عشرۃٍ فی مسجدِ رسول اللہ ﷺ: ابو بکر، و عمر، و عثمان، و علی، و ابن مسعود، و حذیفہ، و ابن عوف، و ابو سعید الخدری، فجاءَ فتیّ من الانصارِ فسلَم علی رسول اللہ ﷺ ثم جلس فقال: یا رسول اللہ، اَیُّ المومنین افضل؟ قال: احسنُھُم خُلقاً، قال: فاَیُّ المومنین اَکیس؟ قال: اکثرھم للموتِ ذکراً، واَحسنھم لہٗ استعداداً قبلَ ان ینزِلَ بھم اُولٰئک من الاکیاس، ثم سکت الفتی و اقبل علیہ النبیّ ﷺ فقال: یامعشر المھاجرین خمس ان ابتُلِیتُم بھنّ و نزل فیکم، اَعوذ باللہ ان تدرِکُوھُنَّ، لم تَظْھر الفاحشۃ فی قوم قطّ حتی یعملُوا بھا الا ظھر فیھم الطّاعونُ والاوجاعُ التی لم تکُن مضَت فی اسلافھم، و لم یُنْقِصُوْا المکیالَ والمیزان الا اُخِذوا بالسِّنین و شدّۃِ المومنۃ وجودِ السّلطان علیھم، و لم یمنعوا الزّکاۃ الٰ منعوا القطر من السمائِ، ولولا البَھَائِم لم یمطروا، و لم ینقضوا عھد اللہ و عھد الرّسول الا سلّط علیھم عدُوّ ھم من غیرھم، و اخذوا بعض ما کان فی ایدیھم، و مالم یحکم ائمّتھم بکتابِ اللہ الا القی اللہ باسَھُم بینَھُم، ثم امر عبدالرّحمٰن بن عوف یتجھزُ لسریّۃٍ بعثَہٗ علیھا، و اصبحَ عبدالرّحمٰن قد اعتمّ بِعمامۃ من کرابیس سوداء، فاَدناہ النبیّ ﷺ ثم نقضہ و عمّمَۃ بعمامۃٍ بیضاء، و ارسل من خھلفہ اربع اصابع او نحو ذلک، وقال: ھکذا یا ابن عوف اعتمّ فانہ اعرب و احسن، ثم امر النبی ﷺ بلال ان یدفع الیہ اللوائَ، فحمداللہ تعالٰی و صلّی علی النبیّ ﷺ ثم قال: خذ ابن عوفٍ فاغزوا جمیعاً فی سبیل اللہ، فقاتلوا من کفر باللہ، لاتغلوا، ولاتغدروا، ولاتمثلُوا، ولاتقتُلُوا ولیداً، فھذا عھداللہ وسیرۃ" النّبیّہٗ ﷺ۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ۔

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک نوجوان آیا اور آپ سے عمامہ کے شملے لٹکانے کے بارے میں پوچھنے لگا۔ تو

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں اس کے بارے میں یقینی خبر دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حضور میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا۔ وہ دس آدمی یہ ہیں، ۱)ابو بکر، ۲)عمر، ۳)عثمان، ۴)علی، ۵)ابن مسعود، ۶)حذیفہ، ۷)ابن عوف، ۸)ابو سعید خدری، (نواں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اور دسواں سرور کونین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہ انصار میں سے ایک جوان حاضر خدمت ہوا، اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کونسا مؤمن افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جو مؤمنوں میں سے اچھا اخلاق والا ہو۔ پھر عرض کیا کہ کون زیادہ عقلمند (ہوشیار) ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کیلئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند لوگ ہیں۔ یہ جوان چپ ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمانا شروع کیا کہ اے مھاجرین کے گروہ! اگر تم لوگ پانچ چیزوں سے آزمائے گئے اور وہ تم میں نازل ہو جائیں تو میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پانچ چیزوں کو پاؤ گے۔ ۱) قومِ نوح میں بدکاری اس وقت تک ظاھر نہیں ہوئی جب تک کہ انھوں نے بدکاری کا عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان میں طاعون پھیل گیا اور ایسی بیماریاں جو اِن کے اسلاف میں نہیں گزریں تھیں۔ ۲) جب انھوں نے ناپ تول میں کمی کر دی تو قحط سالی، سخت مصیبتوں اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ۳) جب زکوۃ دینا چھوڑ دیا تو اُن پر بارش برسنا بند ہو گئی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اُن پر بارش کبھی نہیں برستی۔ ۴) جب اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

وسلم کا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر دوسری قوموں سے دشمن مسلّط کر دیئے اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں تھاوہ چھین لیا۔۵)اور جب ان کے حکمرانوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا کہ سریّہ کیلیئے تیاری کریں جس کے لئے اُن کہ بھیجا جارہا تھا۔ عبد الرّحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایسی حالت میں پایا کہ کالے رنگ کے کھردرے کپڑے سے عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اُن کو اپنے قریب کیا اور وہ(کالے رنگ کا)عمامہ اُتار کر سفید رنگ کا عمامہ پہنایا ار پیچھے کی طرف چار انگلیوں یا اس کے اندازے سے شملہ لٹکایا اور فرمایا کو اے ابنِ عوف!(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)عمامہ باندھا کرو کہ یہ عربی ہونا اور خوبصورتی ہے۔ پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اِن کو جھنڈا دیں تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود بھیجا اور فرمایا اے ابنِ عوف! رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جھنڈا) پکڑو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں سے لڑتے رہو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچّوں کو قتل نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سیرت ہے۔[2732]

دلیل ۱۱) وَلَبِسَ النَّبِیُّ ﷺ اَلْعِمَامَةَالْبَیْضَاءَ وَ السَّوَادَوَالصَّفْرَاءَ وَالْاَکْثَرُ اَلْبَیْضَاءُ۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سفید، کالا، زرد عمامہ باندھا اور اکثر سفید عمامہ باندھا"[2733]

[2732] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیابوری، حدیث ۸۸۰۱، جلد ۵، ص ۲۶۳، مطبوعه قدیمی کتب خانه آرام باغ کراچی)

[2733] (الدعامه صفحه ۸۶)

دلیل ۱۲) أخبرنا محمد بن عمر، حدّثنا عبد الرحمٰن بن عبد العزیز عن عاصم بن عمر بن قتادہ عن محمود بن لبید عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم قال: خرج رسول اللّٰہ ﷺ والناس مستکفون تخبرون عنہ، فخرج مشتملاً قد طرح طرفی ثوبہ علی عاتقیہ عاصبا رأسہ بعصابۃ بیضاء فقام علی المنبر وثاب الناس الیہ امتلأ المسجد، قال فشھد رسول اللّٰہ ﷺ حتی اذا فرغ قال: یا أیھا الناس ان الأنصار عیبتی ونعلی وکرشی التی آکل فیھا فاحفظونی فیھم! اقیلوا من محسنھم وتجاوزوا عن مسیئھم۔[2734]

عین العلم (صفحہ ۲۴۵) میں ہے: ویختار الثوب الابیض فھو احب الالوان الیہ علیہ الصلوۃ والسلام۔ اور وہ سفید کپڑے پسند کرے کیونکہ سفید رنگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا پسندیدہ رنگ ہے۔

دلیل ۱۳) وَکَانَ مُحَمَّدُ رَحْمَۃُ اللّٰہِ یَتَعَمَّمُ بِا لْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ فَدَخَلَتْ عَلَیْہِ یَوْماً مَسْتُوْرَۃ" فَبَقِیَتْ تَنْظُرُ اِلٰی وَجْھِہٖ وَھِیَ مُتَحَیِّرَۃٌ فَقَالَ لَھَا مَاشَاْنُکِ فَقَالَتْ اَتَعَجَّبُ مِنْ بَیَاضِ وَجِھِکَ تَحْتَ سِوَادِ عِمَامَتِکَ فَوَضَعَھَا عَنْ رَاسِہٖ وَلَمْ یَتَعَمَّمْ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ بَعْدَ ذٰلِکَ۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ایک دفعہ ایک عورت آپ کی مجلس میں حاضر ہوئی تو آپ کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ عورت نے عرض کیا، میں آپ کے کالے عمامہ کے نیچے آپکے چہرے کی سفیدی سے تعجب کر رہی ہوں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سر سے (کالا عمامہ) اُتار دیا اور اسکے بعد کالا عمامہ نہیں باندھا۔[2735]

دلیل ۱۴) اِنَّ کُلَّ سُنَّۃٍ تَکُوْنُ شِعَارُ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ تَرْکُھَا اَوْلٰی۔

[2734] (الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۷۵)

[2735] ((۱) البحر الرائق جلد ۸، ص ۴۸۷، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔ (۲) تبیین الحقائق، جلد ۴ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ترجمہ: ہر طریقہ جو اہلِ بدعت کی شعار بن جائے، اس کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔ تفسیر روح البیان میں الشیخ اسمٰعیل الحقی البروسوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مِنْ سُنَّةِ السَّلَفِ الصَّالِحِيْنَ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ مَجَالِسِ اَهْلِ اللَّغْوِ وَ اللَّهْوِ وَ الْمُجَانَبَةُ عَنْ اِتْبَاعِ اَهْلِ الْهَوٰى وَ الْبِدَعِ۔

ترجمہ: سلف الصالحین کی سنت یہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت اور اہل لغو کی مجالس میں جانا چھوڑ دیتے تھے۔[2736]

وَ رُوِىَ اَنَّ اِبْنَ الْمُبَارَكِ رُئِىَ فِى الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ مَا فَعَلَ رَبُّكَ بِكَ فَقَالَ عَاتَبَنِىْ وَ اَوْ قَفَنِىْ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً بِسَبَبِ اِنِّىْ نَظَرْتُ بِاللُّطْفِ يَوْمًا اِلٰى مُبْتَدِعٍ فَقَالَ اِنَّكَ لَمْ تُعَادِ عَدُوِّىْ فِى الدِّيْنِ۔

ترجمہ: عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ جل شانہُ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ جلّ شانہُ نے مجھے عتاب دیا اور مجھے کھڑا کیا گیا تیس (۳۰) سال تک اس سبب کی وجہ سے کہ ایک دن میں نے اہلِ بدعت والے کے چہرے کو محبت سے دیکھا تو اللہ جلّ شانہُ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دشمن کے ساتھ دین میں دشمنی کیوں نہیں رکھتے ہو؟

دلیل ۱۵) امام عبد اللہ محمد بن ابی شیبہ فرماتے ہیں:

عن سليمان بن ابى عبدالله قال ادركت المهاجرين الاولين يعتمون بعمائم كرابيس سود وبيض وحمر وخضر وصفر۔

سلیمان ابن ابی عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مہاجرین اولین) کو پایا (اور دیکھا) کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، اور زرد عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔[2737]

[2736] (مرقاۃ جلد ۴، ص ۶۳)

[2737] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸ جلد ششم)

دلیل ۱۶) مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔ یہ عمل سفید عمامہ کے ثبوت پر ایک مضبوط دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ابن جوزی سفید عمامہ کی فضیلت میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

اخرج ابن الجوزی عن انس بن مالک عن النبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم ان للہ ملائکۃ وقوفا بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سفید عمامہ والے کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔[2738]

دلیل ۱۷) اخرج ابو بکر الھیثمی و عزاہ الی الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ ان اللہ و ملائکۃ یصلّون علی اصحاب العمائم البیض۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سفید عمامہ والے پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔[2739]

دلیل ۱۸) ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل سے سفید عمامہ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدثنا الحسن بن صالح عن ابیہ قال رایت علی سعید بن جبیر عمامۃ بیضاء۔

حضرت شعبی اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔[2740]

دلیل ۱۹) وقال الطحاوی فی فتاواہ رایت ما نسب لعائشۃ ان عمامۃ فی السفر بیضاء وفی الحضر سوداء وکل منھا سبعۃ اذرع۔

[2738] (بحوالہ حکم العمامۃ)

[2739] (مجمع الزوائد للھشی، ج ۲، ص ۱۷۲)

[2740] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲ جلد ششم)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے وہ روایت دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عمامہ شریف سفر میں سفید اور گھر میں سیاہ ہوا کرتا تھا۔[2741]

دلیل ۲۰)ھدایۃ الابرار صفحہ ۴۲ میں ہے کہ:

و فی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق ان النبی ﷺ قال البسوا الثیاب البیض فانّھا اطھر و اطیب و کفّنوا فیھا موتاکم احب الالوان البیاض فان الابیض لباس الانبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام و الصلحاء الخ۔[2742]

رنگوں میں محبوب ترین رنگ سفید ہے کیونکہ سفید رنگ انبیاء اور صلحاء کا لباس ہے۔

دلیل ۲۱)علامہ عینی لکھتے ہیں:

الثیاب البیض ھی من افضل الثیاب و ھی لباس الملائکۃ الذین نصروا رسول اللہ ﷺ یوم احد و غیرہ و کان ﷺ یلبس البیاض و یحض علی لباسہ۔

لباس میں افضل لباس سفید ہے اور سفید لباس ان فرشتوں کا لباس ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یوم اُحد وغیرہ میں مدد کی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خود سفید لباس پہنتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔[2743]

غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پسندیدہ لباس

دلیل ۲۲)غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"و افضل الوان الثیاب ما کان ابیض لقولہ ﷺ خیر ثیابکم البیاض۔[2744]

[2741](فتاوی دار العلوم دیوبند، ص ۹۵، جلد چھارم)
[2742](شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ القول الصریح ص ۵۹)
[2743](عینی علی البخاری ص ۳۶ جلد ۱۵)
[2744](الغنیہ ص ۲۹ جلد اول)

کپڑوں میں افضل رنگ سفید ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاتمہارے لباس میں محبوب لباس سفید ہے۔

دلیل ۲۳)مرقاۃ شریف میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بِاَنَّ الَّذِیْ وَاظَبَ عَلَیْہِ اَلنَّبِی ﷺ وَالْخُلَفَاءِالرَّاشِدُوْنَ اِنَّمَاھُوَ الْبَیَاضُ۔[2745]

ترجمہ: حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیشہ سفید عمامہ پہنے۔

مولاناروح اللہ نقشبندی صاحب نے اپنی کتاب عمامہ کے فضائل اور مسائل میں لکھاہے:

سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور جدید سائنسی تحقیق

سفید لباس بہترین سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اکثر سفید لباس ہی پہنا کرتے تھے، اس بارے میں چند احادیث پیش خدمت ہیں

۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:"سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ زیادہ صاف ستھرے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔"[2746]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:"اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے مسجدوں اور قبروں میں تمہارے لئے سب سے بہترین لباس سفید لباس ہے۔"[2747]

[2745](مرقاۃ جلد ۳، ص ۲۶۹)
[2746](شمائل ترمذی)
[2747](ابن ماجه)

مرد کے لئے سفید کے علاوہ دوسرے رنگ بھی جائز ہیں لیکن سرخ اور زعفرانی رنگ کے کپڑوں کی ممانعت آئی ہے، البتہ عورتوں کو اجازت ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرخ کپڑے پہنے بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔[2748]

حضرت عبد اللہ بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھ پر زعفرانی رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے، ان کپڑوں کو مت پہنا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ ان کو دھولیتا ہوں، فرمایا (نہیں) بلکہ ان کو جلادو۔[2749]

اس ضمن میں سفید لباس و رنگ کی افادیت پر ہم چند تحقیقات و مشاہدات پیش کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سفید لباس بلحاظ صحت

شفاخانوں اور ہسپتالوں میں سفید لباس کا عام رواج ہے، اسی طرح بیماریوں کے علاج میں دھوپ کی قدر و قیمت بھی مسلمہ ہے، اس لئے ہر ممکن ذریعہ سے مریض کو موقع دینا چاہیئے کہ وہ دھوپ کے منافع سے اچھی طرح متمتع ہو۔ سفید لباس سے روشنی اچھی طرح نفوذ کرتی ہے، جس کی وجہ سے جسم کو بخوبی نشو و نما کا موقع ملتا ہے، کمزور آدمیوں کو تاریک و تنگ کمروں میں نہ رہنا چاہیئے اور نہ انہیں اس بات کی اجازت دینی چاہیئے کہ وہ سایہ یا معمولی شیشہ والی کھڑکیوں کے نیچے رہیں، ایسے کمرہ میں سکونت رکھنا چاہیئے جہاں معمولی شیشہ میں سے روشنی آتی ہو بنفشی شعاعوں کے نقطہ

[2748] (ابو داؤد، ترمذی)

[2749] (مسلم شریف، مشکوۃ شریف)

نظر سے اسی طرح مضر صحت ہے جس طرح کسی اندھیری کوٹھڑی میں رہنا قوائے جسم کو برباد کر دیتا ہے، کیونکہ کھڑکی کے شیشے عام طور پر قوت اور مستعدی کے قیمتی جوہر کو جسم انسانی سے بالکل خارج کر دیتے ہیں، سفید کپڑوں میں ملبوس رہنے کے علاوہ کمزوروں کو دن کے بہت سے گھنٹے کھلے آسمان کے نیچے کھلی ہوا میں بسر کرنے چاہیئں سورج کی بے روک ٹوک سیدھی کرنیں صحت کے حق میں خاص طور پر مفید ہیں لیکن وہ روشنی جو آسمان سے بادلوں میں سے ہو کر پڑتی ہے، وہ بھی کم نفع بخش نہیں۔ اگر درخت یا دوسری سایہ دار جگہ کے نیچے سے آسمان کا کچھ حصہ نظر آتا ہو تو وہ بھی صحت کے حق میں بہت نفع رساں ہے۔ وہ بچے جن کے جسم کی بالیدگی ترقی پذیر ہو تو وہ ضرور ہی سفید پوش پوشاک میں ملبوس ہونے چاہیئں اور اگر ان کا لباس رنگ دار ہو تو وہ رنگ نہایت ہلکا ہونا بہتر رہے گا، جس طرح پودوں کی بالیدگی میں روشنی کی بے حد ضرورت ہے اسی طرح بچے بھی اپنی نشو و نما میں روشنی اور کھلی فضا کے محتاج ہیں، ظاہر ہے کہ جو پودے تاریکی میں نشو و نما پاتے ہیں وہ کمزور اور پست قامت رہتے ہیں اور جراثیم کا آسانی سے شکار بن جاتے ہیں اور انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ جلد ہی موت کے چنگل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی دو تہائی آبادی شہروں میں سکونت پذیر ہے اور قریب قریب ساری آبادی اسی محرومی میں مبتلا رہتی ہے کہ دھوپ ان کے جسم کو مس نہیں کرتی، معلوم ہوا کہ صرف چہرے اور ہاتھوں پر دھوپ پڑ جانا ہرگز کافی نہیں، چمڑے کا رقبہ قد کے لحاظ سے کم و بیش ہوتا ہے، بالغ آدمی کے جسم کا رقبہ اوسطاً پندرہ بیس مربع فیٹ ہے، حالانکہ ہاتھ اور چہرہ کا کل رقبہ جسم کے دسویں حصہ سے بھی کم ہے، اس سے معلوم ہو گا کہ حصول صحت کے لئے صرف دسویں حصہ پر دھوپ پڑ جانا ہرگز کفایت نہیں کرتا۔

ہمارے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ وہ لوگ جو وزنی اور سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں حقیقت میں بہت کم روشنی ان کے جسم کو مس کرتی ہے اگرچہ وہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ کھلی ہوا ہی میں کیوں نہ گزاریں، جہاں تک ممکن ہو موسم گرم میں چھوٹے بچوں کو بہت کم لباس پہنانا چاہیئے تاکہ ان کے جسموں کو کافی دھوپ اور ہوا لگ سکے، موسم گرم ہو خواہ سرد، افزائش صحت کے لئے سفید لباس اختیار کرنا ضروریات میں سے ہے۔

سفید رنگ اور جدید سائنسی تحقیقات

سفید رنگ محبت اور امن کی علامت ہے، فطری ماحول میں یہ رنگ چاند، چاندی، دودھ اوردودھ سے بنی ہوئی اشیاء میں نظر آتا ہے، سفید رنگ تمام رنگوں کا مرکب ہے، دواخانوں اور ہسپتالوں میں اکثر یہی رنگ نظر آتا ہے، اس رنگ کی خوبی یہ ہے کہ یہ بہترین پس منظر ثابت ہوتا ہے، سفید رنگ کے پس منظر میں جس رنگ کی چیز بھی ہو گی وہ زیادہ خوب صورت نظر آئے گی، جو لوگ سفید رنگ کو پسند کرتے ہیں وہ پاکیزہ خیالات کے مالک ہوتے ہیں، ان کے مزاج میں دھیما پن اور بردباری پائی جاتی ہے، فطری طور پر اس رنگ کو پسند کرنے والے افراد صلح جو، امن پسند دوسروں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں، یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ابتدا میں روضۂ اقدس کے گنبد کا رنگ بھی سفید تھا، جس کو بعد میں سلطان محمود نے سبز کرادیا تھا، چنانچہ اب اسی رنگ کی مناسبت سے یہ سبز گنبد یا گنبدِ خضراء کہلاتا ہے۔

رنگ اور روشنی کے ماہرین نے سفید لباس کو کینسر سے بچاؤ کا بہترین تریاق قرار دیا ہے، اس کے علاوہ جلدی گلینڈز کا ورم، پسینے کے مسامات کا بند ہو جانا، پھپھوندی کے امراض جیسی خطرناک بیماریاں نہیں ہوں گی۔ سفید لباس ہر قسم کے موسمی تغیرات کا مقابلہ کرتا ہے، سخت گرمی کے موسم میں

سفید لباس گرم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ گرمی کو جذب نہیں کرتا بلکہ رادع حرارت ہے، سخت سردی کے موسم میں سردی کی وجہ سے لباس ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

جلدی الرجی، ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو ہمیشہ سفید لباس پہننا چاہیئے، کروموپیتھی کے اصول کے مطابق سفید لباس دل، دماغ اور جلد کا محافظ ہے۔

فلڈیلفیا کی ایک فیکٹری پر سفید رنگ کا تجربہ

ذرا اپنے گردو پیش پر نظر ڈالئے، کمرے کی دیواروں اور چھت کی رنگت کیسی ہے، پردوں فرنیچر اور دوسری چیزوں کا رنگ کیا ہے، کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ دلہنوں کو سرخ جوڑا کیوں پہنایا جاتا ہے، کمروں کی دیواروں پر سفیدی کیوں کرتے ہیں یا خوابگاہ میں ہلکا نیلا یا آسمانی رنگ کیوں استعمال کیا جاتا ہے، ہم اندھیرے میں جانا پسند نہیں کرتے، صبح سورج کی کرنیں ہمارے اندر تازگی اور صحت مند جذبات پیدا کرتی ہیں، ہم گرمیوں میں سفید چادر اوڑھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ رنگ ذہن کے ساتھ ساتھ ہمارے جسموں پر بھی گہرے اثرات ڈالتے ہیں، بعض رنگ ہمیں بے چین اور مضطرب کردیتے ہیں اور بعض سکون، آرام اور خوشی بخشتے ہیں۔ اپنی بات کے ثبوت میں چند دلچسپ تجربات کا ذکر کرنا بے جا نہ ہو گا، جو امریکہ میں رنگوں پر تحقیقاتی کام کرنے والی ایک کمیٹی نے بیان کئے ہیں۔

فلاڈیلفیا کی ایک فیکٹری میں لوہے کا سامان تیار ہوتا تھا، جس عمارت میں مزدور کام کرتے تھے اس کی دیواریں دھوئیں کالک اور میل کچیل کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھیں، جن بڑی بڑی میزوں پر کھڑے ہو کر مزدور چھوٹے چھوٹے پرزوں کو جوڑ کر چیزیں تیار کرتے تھے، ان کا رنگ بھی سیاہ تھا، کمیٹی کے مشورے پر انتظامیہ نے دیواروں پر سفیدی کروادی، میزوں پر ہلکا سبز رنگ پھیر دیا، صرف

ایک ہفتے میں انتظامیہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ مزدوروں کی کارکردگی میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہوا ہے اور وہ پہلے کی نسبت زیادہ دیر تک کام کر سکتے ہیں۔اس سے پیشتر وہ بہت جلد تھک جاتے تھے۔

سفید اور سیاہ رنگ پر ماہرین سے سوال جواب

سوال: گرمیوں کے موسم میں سفید رنگ کی چھت سیاہ چھت کے مقابلے میں مکان کو زیادہ ٹھنڈا کیوں رکھتی ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید رنگ گرم شعاعوں کو جذب کرنے کے بجائے دھکیل کر پسپا کر دیتا ہے اس لئے سفید رنگ کی چھت نسبتاً کم گرمی جذب کرتی ہے، اس کے برعکس کالی چھت گرم شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے اور کہیں اور منعکس نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ سفید چھت والا مکان گرمیوں میں نسبتاً ٹھنڈا رہتا ہے۔

سفید رنگ کا اثر

اس بات سے تو سب واقف ہیں کہ جن علاقوں میں بہت زیادہ گرمی پڑتی ہے وہاں مکانات کی چھتوں پر سفید رنگ کرانے کا مشورہ دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ رنگ سورج کی کرنوں کو جذب کرنے کے بجائے منعکس کر دیتا ہے، لیکن سائنس دان یہ معلوم کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ سفید رنگ کس حد تک مکانات کو ٹھنڈا رکھنے میں کام آتا ہے، اس سلسلے میں فلوریڈا سلور انرجی سنٹر (Florida Silver Energy Center) کے صدر والکر (Walker) کہتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کے ذریعے یہ معلوم کر لیا ہے کہ مکانات کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے چھت کا روغن بہت اہمیت کا حامل ہے اگرچہ لوگ اسے اہمیت نہیں دیتے، انہوں نے تجربے کے بعد بتایا ہے کہ جن مکانات پر ٹیٹنم ڈائی آکسائیڈ (

(Titanium Dioxide) کا لچک دار روغن کیا جاتا ہے تو ایئر کنڈیشن کے استعمال میں ۲۱ فیصد کمی آجاتی ہے۔

گرمیوں میں سفید لباس پہننا دانشمندی کیوں ہے؟

سفید لباس حرارت کے معاملے میں بُرا جاذب اور اچھا عکاس ہے، یہ حرارت اور گرمی جذب نہیں کرتا، بلکہ دوسری چیزوں پر ڈال دیتا ہے یا ماحول میں واپس کر دیتا ہے، اس لئے ہمارے جسموں کو نسبتاً ٹھنڈا رکھتا ہے اور ہم رنگین کپڑوں پر سفید لباس کو ترجیح دیتے ہیں۔

گرمیوں میں لوگ سفید کپڑے پہننے کو کیوں ترجیح دیتے ہیں؟

رنگ دار کپڑوں کے برعکس سفید کپڑے گرمی یا حرارت کو جذب نہیں کرتے بلکہ وہ حرارت کو زیادہ مقدار میں منعکس کرتے ہیں یا دفع کرتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سفید کپڑے پہننے سے بدن کو سکون محسوس ہوتا ہے اور لوگ گرمیوں میں عام طور پر سفید ہی کپڑے پہنتے ہیں، اس کے برعکس سردی میں گہرے رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں چونکہ وہ سورج کی شعاعیں جذب کرکے بدن کو گرم رکھتے ہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ عمامہ شریف حضور سیدنا وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی محبوب وپسندیدہ سنت ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے عمامہ کو مسلمانوں کا تاج فرمایا ہے اور اس کو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان فرق قرار فرمایا ہے اور اس کے ترک کو ذریعۂ بے عزتی ارشاد فرمایا ہے۔ پس جو شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سچی محبت کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ بھی عمامہ باندھے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو محبوب ہے۔ سفید عمامہ پہننا افضل ہے کیونکہ یہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت ہے، اور سفید رنگ سب رنگوں میں بہترین رنگ ہے

صاحبِ تفسیرِ روح البیان فرماتے ہیں:

فمن ادعی محبة اللہ و خالف سنة نبیه فهو کذاب بنص کتاب اللہ تعالیٰ و انما کان کاذبا فی دعواہ لان من احب أخر یحب خواصه و المتصلین به من عبیده و غلمانه و بیته و بنیانه و محله و مکانه و جداره و کلبه و حماره و غیره ذٰلک فهذا هو قانون العشق و قاعدة المحبة و الی هذا المعنی اشار المجنون العامری حیث قال:

امر علی الدیار دیار لیلی　　اقبل اذا الجدار و ذا الجدارا

و ما حب الدیار شغفن قلبی　　و لکن حب من سکن الدیارا

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوٰی کرے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت کے خلاف کرے تو وہ بدلیل نص قطعی جھوٹا ہے اور وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا اس لئے ہے کہ قانوناً جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے محبوب کی جملہ علامات اور متعلقین مثلاً اس کے غلام وبچے، گھر، عمارت، محل، مکان، دیوار، کتے، اور گدھے وغیرہ سب سے محبت کرتا ہے اور یہی عشق کا قانون اور محبت کا قاعدہ ہے اور اسی معنیٰ کی طرف مجنون عامری نے اشارہ کیا ہے، جیسا کہ کہتا ہے: میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں تو اس کے گھروں کی دیواروں کو چومتا ہوں، مجھے ان گھروں کی محبت نے بے تاب نہیں کیا ہے بلکہ ان گھروں کے مالک کی محبت نے (بے تاب کیا ہے)[2750]

جب ثابت ہو گیا کہ عمامہ باندھنا سنت ہے اور خاص کر سفید عمامہ فضیلت کا حامل ہے، لہٰذا عمامہ کی سُنیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اس پر متفقہ فتویٰ ہے۔

[2750] (روح البیان (عربی)، صفحہ ۲۳، ج ۲)

خاتم الفقہاء والمفقہین حضرت علامہ سید ابن العابدین رد المحتار اور منحۃ الخالق علی بحر الرائق میں و جیز کردری سے نقل کرکے لکھتے ہیں:

لو لم یر السنۃ حقا کفر لانہ استخفاف۔

یعنی اگر کوئی (عمامہ شریف کی) سنت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اس لئے کہ عمامہ شریف کی سنت کا استخفاف واستحقار کفر ہے۔

اور یہ فقہاء امت کا اجماعی فیصلہ ہے۔

من ترک السنۃ استخفافا بہ او لقلۃ مبالاۃ یکفر بالاجماع۔

جس نے سنت کو استخفافا اور قلۃ مبالاۃ کی وجہ سے ترک کیا تو وہ اجماعاً کافر ہو جاتا ہے۔

اعلی حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں: عمامہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنتِ متواترہ ہے، جس کا تواتر یقیناً حد ضروریاتِ دین تک پہنچتا ہے۔

تو عمامہ کہ سنتِ لازمہ دائمہ ہے، یہاں تک کہ علماء نے خالی ٹوپی پہننے کو مشرکین کی وضع قرار دیا اور حدیث رکانۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر حمل کیا۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

لم یروا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لبس القلنسوۃ بغیر العمامۃ فیتعین ان یکون ھذا زی المشرکین۔

"یعنی اصلاً مروی نہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو، متعین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے۔"[2751]

[2751] (فتاویٰ رضویہ، ج۶، ص ۲۰۹)

داڑھی رکھنا اور عمامہ باندھنا مردوں کی علامت ہے، جیسا علامہ ابو عمر النسفی اپنی تفسیر میں اس آیتِ کریمہ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء:۳۴) کے تحت لکھتے ہیں: مرد عورت پر حاکم ہے، مردوں کی تعریف ایسے کرتے ہیں: وھم اصحاب اللحیٰ و العمائم۔ یعنی وہ داڑھی اور عمامہ والا ہو۔[2752]

سبز رنگ کا عمامہ شریف سبز لباس پہننا سنت اور جنتیوں کا لباس ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ (الکھف ۳۱)

ترجمہ: اور سبز کپڑے کریب اور قناویز کے پہنیں گے۔[2753]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ۔

"ان کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قناویز"[2754]

ما نصه الثياب الخضر من لباس اهل الجنة قال تعالى ويلبسون ثياباً خضراً من سندس واستبرق۔[2755]

ای لباس اهل الجنة۔[2756]

وآن از ثیاب جنت است۔[2757]

[2752](مجموعۃالتفاسیر، ج ۲ ص ۶۴)
[2753](تفسیر نور العرفان سورۃالکھف آیت نمبر ۳۱ ص ۴۵۷ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)
[2754](تفسیر نور العرفان سورۃالدھر آیت نمبر ۲۱ ص ۹۲۶ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)
[2755](شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۹ ص ۱۰۲)
[2756](تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۵۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)
[2757](اشعتہ اللمعات فارسی کتاب اللباس ج ۳ ص ۵۷۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

وخص الاخضر لانه الموافق للبصر لان البياض يبدد النظر ويولم والسواد يورم والخضرة لون بين السواد والبياض وتلک تجمع الشعاع۔

ترجمہ: سبز رنگ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ بصارت کے لیے موزوں اور اس کے لیے موافق و سازگار ہے کیونکہ سفید رنگ نظر کو متفرق و منتشر کرنے والا اور تکلیف والم دینے والا ہوتا ہے اور سیاہ رنگ غصہ پیدا کرتا ہے اور سبز رنگ سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی درمیانی اور اعتدالی کیفیت کا حامل رنگ ہے جس پر نظر ٹھہرتی ہے اور انتشار بصر کا موجب نہیں بنتا (اس لیے اس معتدل رنگ کو جنتیوں کے لباس کے لیے خاص کیا گیا ہے)۔[2758]

واللباس الاخضر هو لباس اهل الجنة كما فى جز ويدل عليه قوله تعالىٰ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا۔[2759]

غیر مقلد شوکانی لکھتے ہیں:

ويدل على استحباب لبس الاخضر لانه لباس اهل الجنة وهو ايضا من انفع الالوان للابصار ومن اجملها فى اعين الناظرين۔

ترجمہ: یہ سبز لباس کے استحبات پر دلیل ہے کیونکہ یہ جنتیوں کا لباس ہے اور آنکھوں کے لئے مفید رنگ ہے اور لوگوں کی نظر میں خوبصورت رنگ ہے۔[2760]

حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدى حدثنا عبيدالله بن اياط بن لقيط عن ابيه عن ابى رمثة قال رايت رسول الله ﷺ وعليه بردان اخضران۔ قال ابوعيسىٰ هذا حديث حسن غريب۔

[2758] (التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)، (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۰ ص ۳۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2759] (المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ للبیجوری ص ۵۷ فاروقی کتب خانہ ملتان)

[2760] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دو سبز چادریں پہنے ہوئے دیکھا۔[2761]

عن ابی رمثة قال رأيت رسول الله ﷺ وعليه بردان اخضران۔

ترجمہ: حضرت ابی رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دو سبز چادریں اوڑھے دیکھا۔[2762]

رواه ابو داود والترمذی باسناد صحيح۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہا اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2763]

ويدل على استحباب لبس الاخضر لانه لباس اهل الجنة وهو ايضاً من انفع الالوان للابصار ومن اجملها في اعين الناظرين۔

ترجمہ: یہ سبز لباس کے استحباب پر دلیل ہے کیونکہ یہ جنتیوں کا لباس ہے اور آنکھوں کے لئے مفید رنگ ہے اور لوگوں کی نظر میں خوبصورت رنگ ہے۔[2764]

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ النظر الى الخضرة يزيد في البصر . . .

[2761] (سنن الترمذی باب ماجاء فی الثوب الاخضر ج ۵ ص ۱۱۹ رقم الحدیث ۲۸۱۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۶۴ رقم الحدیث ۴۲۰۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۲ رقم الحدیث ۵۱۰۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

[2762] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[2763] (المجموع شرح المہذب للنووی ج ۴ ص ۳۹۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2764] (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۲ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں کہ سبز رنگ کو دیکھنے سے نظر میں اضافہ ہوتا ہے۔[2765]

اخبرنا مؤمل بن اسماعیل اخبرنا سفیان عن بن جریج عن عطاء او غیرہ عن یعلی عن ابیہ قال رایت النبی ﷺ یطوف بالبیت مضطبعا ببرد اخضر الصوف۔

ترجمہ: حضرت یعلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سبز چادر کو بغل کے نیچے سے اوڑھے ہوئے دیکھا۔[2766]

وروی ابو داود عن یعلی بن امیۃ قال رایت رسول اللہ ﷺ یطوف بالبیت مضطبعا ببرد اخضر۔

ترجمہ: امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سبز چادر میں طواف کرتے ہوئے دیکھا۔[2767]

وروی النسائی عن ابی راشد قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان اخضران

[2765] (مسند الشھاب ج ۱ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۲۸۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2766] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (زاد المعاد فصل فی ملابسہ ا ج ۱ ص ۱۴۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (اخلاق النبی وآدابہ ج ۲ ص ۱۸۴ رقم الحدیث ۲۹۹ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[2767] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابو راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف لائے آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔ [2768]

حدثنا موسی بن ھارون ثنا ابراھیم بن المنذر الحزامی نا ینعقد ابن عیسی ثنا سعید بن بشیر عن قتادۃ عن انس قال کان احب الالوان الی رسول اللہ ﷺ الخضرۃ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سبز رنگ بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ [2769]

وعن انس ان النبی ﷺ کان یحب الخضرۃ او قال کان احب الالوان الی رسول اللہ ﷺ رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط ورجال الطبرانی ثقات۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سبز رنگ بہت ہی زیادہ پسند تھا۔

اس حدیث مبارکہ کو امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے اور طبرانی اوسط کے رجال ثقہ ہیں۔ [2770]

فقال انس کنا نتحدث ان احب الالوان الی النبی ﷺ الخضرۃ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم لوگ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سب سے زیادہ پسندیدہ رنگ سبز رنگ ہوتا تھا۔ [2771]

[2768] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2769] (طبرانی الاوسط ج ۸ ص ۱۸ رقم الحدیث ۸۰۲۷ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۲ رقم الحدیث ۵۱۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2770] (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2771] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۶۳۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وعن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ کان یعجبه النظر الی الخضرة والی الحمام الاحمر اخرجهما ابو نعیم۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سبز رنگ کو دیکھنا اور سرخ کبوتر کو دیکھنا پسند فرماتے تھے۔[2772]

وروی ابن سعد عن عروة ان رسول اللہ ﷺ کان له ثوب اخضر یلبسه للوفود۔

ترجمہ: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وفد کے آنے کے وقت سبز کپڑے پہنتے تھے۔[2773]

فاذا کان لیلة القدر امر اللہ تعالی جبریل فیهبط فی کبکبة من الملائکة الی الارض ومعه لواء اخضر فیرکزه علی ظهر الکعبة۔

ترجمہ: لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرمائے گا تو وہ فرشتوں کی جماعت کے ساتھ زمین پر آئیں گے اور اس کے ساتھ سبز جھنڈا ہو گا جس کو کعبہ کی چھت پر گاڑیں گے۔[2774]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا جریر بن حازم عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المهاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر یضع احدهما یباع علی راسه ویضع القلنسوة فوقها ثم یدیر یباع هکذا یعنی علی کوره لا یخرجها من تحت ذقنه۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہاجرین اولین کو دیکھا ہے کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز یا زرد رنگ کے کھردرے کپڑوں کے عمامے باندھتے

[2772](غایة الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۵۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[2773](سبل الهدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)
[2774](جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۱۴۹ رقم الحدیث ۱۲۰۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تھے ان میں سے کوئی عمامہ اپنے سر پر رکھتا اور اس کے اوپر ٹوپی رکھتا ٹوپی کے گرد اس طرح عمامہ کو لپیٹ دیتے تھے۔[2775]

الحافظ الکبیر الحجۃ ابو بکر حدث عنہ احمد بن حنبل و البخاری و ابو القاسم البغوی و الناس و وثقہ الجماعۃ۔

ترجمہ: آپ حافظ کبیر اور حجت ہیں۔ امام بخاری اور احمد بن حنبل کے استاد ہیں اور محدثین کی ایک پوری جماعت نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔[2776]

وقال احمد: صدوق۔ امام احمد نے فرمایا ابو بکر بن ابی شیبہ صدوق ہے یعنی سچا ہے۔ وقال العجلی: ثقۃ وکان حافظا للحدیث۔ امام عجلی نے کہا آپ ثقہ ہیں اور آپ حدیث کے حافظ ہیں ۔ وقال ابو حاتم و ابن خراش: ثقۃ۔ امام ابو حاتم اور امام ابن خراش نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔

امام ابن معین نے کہا: ابو بکر عندنا صدوق۔ ترجمہ: کہ ہمارے نزدیک ابو بکر سچے راوی ہیں ۔ امام ابن حبان نے آپ کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ امام ابن قانع نے کہا آپ ثقہ ثبت ہیں۔ آخر میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے آپ سے تیس حدیثیں روایت کی ہیں جبکہ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث آپ سے روایت کی ہیں۔[2777]

وقال یعقوب بن شیبۃ ثنا سلیمان بن حرب وکان ثقۃ ثبتا صاحب حفظ وقال النسائی ثقۃ مامون وقال بن خراش کان ثقۃ قال البخاری قال سلیمان بن حرب ولدت سنۃ وقال حنبل بن اسحاق مات سنۃ اربع وعشرین ومائتین وقال بن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث ۔۔۔۔

[2775] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۲۴۹۸۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2776] (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۷۷ برقم ۴۲۹۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2777] (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۲۔۲۵۳ برقم ۴۰۴۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قلت و ذکرہ بن حبان فی الثقات و قال بن قانع ثقۃ مامون و قال صاحب الزہرۃ روی عنہ البخاری مائۃ و سبعۃ وعشرین حدیثا و قال بن عدی کان یغسل الموتی و کان خیرا فاضلاً۔ [2778]

و قال العجلی بصری ثقۃ و قال النسائی لیس بہ باس و قال ابو حاتم صدوق صالح و قال بن عدی و قد حدث عنہ ایوب السختیانی و اللیث بن سعد و لہ احادیث کثیرۃ عن مشائخہ و ھو مستقیم الحدیث۔ [2779]

قال احمد و ابن معین و ابوزرعۃ و النسائی ثقۃ و قال ابو حاتم لا باس بہ و قال یعقوب بن سفیان مستقیم الحدیث و قال بن خراش کان صدوقاً و ذکرہ بن حبان فی الثقات۔ [2780]

سلیمان بن ابی عبداللہ ادرک المہاجرین سمع منہ یعلی بن حکیم عن ابی ہریرۃ و سعد ۔ [2781]

سلیمان بن ابی عبداللہ مقبول من الثالثۃ۔ [2782]

سلیمان بن ابی عبداللہ روی عن سعد وصہیب و ابی ہریرۃ وادرک المہاجرین و الانصار روی عنہ یعلی بن حکیم سمعت ابی یقول ذلک حدثنا عبدالرحمن قال سئل ابی عن سلیمان بن ابی عبداللہ ھذا فقال لیس بالمشہور فیعتبر بحدیثہ۔ [2783]

اخبرنا وھب بن جریر حدثنی ابی عن یعلی بن حکیم عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ثم ادرکت المہاجرین یعتمون بعمائم کرابیس حمر و سود و خضر و صفر یضع احدھم طرف یباع علی راسہ ثم یضع القلنسوۃ علیھا ثم یدیرونھا علی رؤوسھم و لا یدخلونھا تحت

[2778] (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۵۸ برقم ۳۱۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (تقریب التہذیب ص ۲۵۰ برقم ۲۵۴۵ مطبوعہ دار الرشید سوریا)، (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۸ برقم ۱۷۸۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2779] (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹ برقم ۱۱۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2780] (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۵۲ برقم ۶۷۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2781] (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۲۳ برقم ۱۸۳۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2782] (تقریب التہذیب ص ۲۵۰ برقم ۲۵۴۵ مطبوعہ دار الرشید سوریا)، (الثقات ج ۴ ص ۳۱۴ برقم ۳۰۷۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2783] (الجرح و التعدیل ج ۴ ص ۱۲۷ برقم ۵۴۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اذقانهم قال اسحاق قال النضر و ذکر حدیث الزبیر انه کان معمما یوم بدر بعمامة صفراء فنزلت الملائکة وعلیهم عمائم بنو قال النضر لا یعرف الاعتجاز الا ان یلف بها علی راسه و لا یدخلها تحت ذقنه۔[2784]

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یزید بن عبد ربه قال حدثنی محمد بن حرب قال حدثنی الزبیدی عن الزهری عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک عن کعب بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال یبعث الناس یوم القیامة فاکون انا و امتی علی تل ویکسونی ربی تبارک و تعالی حلة خضراء ثم یوذن لی فاقول ماشاء اللہ ان اقول فذاک المقام المحمود۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگ اٹھائے جائیں گے مجھے میرا رب سبز جوڑا پہنائے گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہوگی یہ مقام محمود ہے۔[2785]

قال اعزب هلم الی قمیصی قال فلبسه و انه لا خضر من الاشنان۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یناق بن سلمان) فرمایا کہ جاؤ میرے پاس میرا قمیص لاؤ۔ پھر اسے انہوں نے پہن لیا جو گھاس سے زیادہ سبز تھا۔[2786]

عن ابن عون قال انبئت ان عمر اصیب و علیه ازار اخضر۔[2787]

حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابن اسحاق قال حدثنی الحارث بن فضیل الانصاری عن محمود بن لبید الانصاری عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الشهداء علی بارق نهر بباب الجنة فی قبة خضراء یخرج علیهم رزقهم من الجنة بکرة عشیا۔

[2784] (مسند اسحاق بن راهویه ج۳ ص ۸۸۲۔۸۸۳ رقم الحدیث ۱۵۵۶ مطبوعه مکتبة الایمان المدینة المنورة)

[2785] (مسند احمد ج۳ ص ۴۵۶ مطبوعه موسسة قرطبة مصر)

[2786] (طبقات الکبریٰ لابن سعد ج۳ ص ۳۳۰ مطبوعه دار صادر بیروت)

[2787] (مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه لابن جوزی الباب الثالث فی صفته وهیئته ص ۱۵ مطبوعه مکتبة دار العقیدة للتراث بتحقیق ابو انس مصری سلفی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا شہداء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ باب جنت پر موجود ایک نہر کے کنارے سبز رنگ کے خیمے میں رہتے ہیں جہاں صبح وشام جنت سے ان کے پاس رزق پہنچتا رہتا ہے۔[2788]

قال اخبرنا عارم بن الفضل قال اخبرنا حماد بن زيد عن ايوب قال رايت على القاسم بن محمد قلنسوة من خز خضراء ورداء سابرى له علم ملون مصبوغ بشئ من زعفران۔

ترجمہ: حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ پر سبز خز (ریشم) کی ٹوپی دیکھی اور سابری چادر دیکھی جس پر رنگین دھاریاں تھیں کسی قدر زعفران سے رنگی ہوئی تھیں۔[2789]

عن ايوب قال رايت على القاسم بن محمد قلنسوة من خز اخضر ورداء سابر له علم ملون مصبوغ بشئ من زعفران۔

ترجمہ: حضرت ایوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر سبز رنگ کی ریشمی ٹوپی اور نشان زدہ سابری چادر جو زعفران میں کسی حد تک رنگی گئی تھی دیکھی۔[2790]

الفقيه الورع الشفيق الضرع نجل الصديق ذو الحسب العتيق القاسم بن محمد بن ابى بكر الصديق كان لغوامض الاحكام فائقا والى محاسن الاخلاق سابقا۔

[2788](مسند احمد (مسند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) ج ۴ ص ۲۲۰ رقم الحدیث ۲۳۹۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الاولی ۱۹۹۸ء بتحقیق شعیب الارنووط وفی نسخۃ ج ۱ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۳۹۰ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)(تفسیر طبری ج ۲ ص ۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت الطبعۃ الاولی ۱۴۰۵ھ)

[2789](طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[2790](حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر ذکر قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: ان میں سے ایک فقیہ، پرہیز گار، شفیق، فروتنی وعاجزی کرنے والے، عمدہ واعلیٰ نسب والے قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ احکام کی باریکیوں پر فائق تھے محاسن اخلاق کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔[2791]

اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق اخبرنا ابو الحسن الطرائفی حدثنا عثمان بن سعید حدثنا القعنبی فیما قراء علی مالک عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ زوج النبی ا انہا کست عبداللہ بن الزبیر مطرف خز کانت عائشۃ تلبسہ قال القعنبی رایت علی مالک قلنسوۃ خز خضراء۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے والد سے اس نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کی کہ انہوں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوکھونٹی کی چادر بنائی تھی جو ریشم اور اون سے بنی ہوئی تھی (جس کے چاروں طرف باڈر ہوتا تھا) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کو پہنتی تھیں (واضح رہے کہ یہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے) قعنبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ٹوپی دیکھی جو سبز ریشم کی تھی۔[2792]

وقال معرف بن واصل رایت عمر بن عبدالعزیز قدم مکۃ وعلیہ ثوبان اخضران۔

ترجمہ: معرف بن واصل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جب وہ مکے میں داخل ہوئے ان پر دو سبز کپڑے تھے۔[2793]

[2791](حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر ذکر قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2792](شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۶۵ رقم الحدیث ۶۲۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2793](سیر اعلام النبلاء ذکر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ج ۵ ص ۱۳۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اخبرنا عبدالرزاق عن معمر قال اخبرنی الحکم عتیبۃ قال رایت علی شریح مطرفا من خز اخضر۔[2794]

وکان سیماء الملائکۃ عمائم قد ارخوھا بین اکتافھم خضر وصفر وحمر من نور۔

ترجمہ: ملائکہ کی علامت وہ عمامے تھے جن کے سرے وہ اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ اور سبز و سرخ نور کے تھے۔[2795]

امام محمد بن عمر واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

معاذ بن رفاعہ بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کے شملوں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا ان کے عمامے کا رنگ سبز زرد اور سرخ تھا اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھی۔[2796]

قال: ابن سعد وکانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم قد ارخوھا بین اکتافھم خضر وصفر وحمر من نور والصفوف من نواصی خیلھم فقال رسول اللہ ﷺ لاصحابہ: ان الملائکۃ قد سومت فسوموا فاعلموا بالصوف فی مغافرھم وقلانسھم وکانت الملائکۃ علی خیل بلق۔[2797]

فقال ﷺ انشدکم اللہ ھل رایتم فی میمنتکم صاحب الفرس الاغر المحجل والعمامۃ الخضراء بھا ذؤابتان مرخاتین علی کتفیہ بیدہ حربۃ قد حمل بھا علی المیمنۃ فازالھا قالوا نعم قال ھو جبریل علیہ الصلاۃ والسلام وانہ امرنی ان ادفع سھمہ لعلی۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے لشکر کے دائیں طرف سفید داغ والے گھوڑا سوار نہیں دیکھا کہ سبز عمامہ باندھے دو شملے

[2794] (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۷۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[2795] (طبقات الکبری ابن سعد ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[2796] (کتاب المغازی ج ۱ ص ۷۵۔۸۱ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[2797] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کاندھے پر لٹکائے ہوئے ہاتھ میں نیزہ تھا اور کافروں کے میمنہ پر حملہ کیا تو ختم کر دیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہاں دیکھا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور مجھ سے فرمایا کہ میرا نیزہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں۔[2798]

وفی بستان فقیه ابی اللیث یستحب البیض والخضر من الثیاب وفی الشرعة احب الالوان البیاض والنظر الی الخضر یزید فی البصر وقد لبس رسول اللہ ﷺ البرد الاخضر ولبس الاخضر سنة۔

ترجمہ: فقیہ ابو اللیث کی کتاب ''بستان'' میں ہے کہ سفید اور سبز مستحب ہے اور شرعۃ الاسلام میں ہے رنگوں میں پسندیدہ رنگ سفید ہے اور سبز رنگ بینائی کو زیادہ کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سبز چادر زیب تن فرمائی ہے اور سبز رنگ پہننا سنت ہے۔[2799]

وفی الشرعة وقد لبس النبی ﷺ عمامة سوداء ویرسل ذنبه بین کتفیه پس دربستن دستار سنت آنست که سفید باشد بے آمیزش رنگ دیگر ودستار مبارک آنحضرت ﷺ اوراکثر اوقات سفید بودو گاھے سیاہ واحیاناً سبز۔

ترجمہ: شرعۃ الاسلام میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیاہ عمامہ زیب سر فرمایا ہے اور اس کا شملہ اپنے دونوں کندھوں کے درمیان میں لٹکایا پس عمامہ باندھنے میں سنت یہ ہے کہ سفید ہو جس میں دوسرے کسی رنگ کی آمیزش نہ ہو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دستار مبارک اکثر اوقات سفید ہوا کرتی اور کبھی سیاہ اور کبھی سبز۔[2800]

[2798] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیہ ج۳ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[2799] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۲ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراچی)

[2800] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۳ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراچی)، (رسالہ ضیآء القلوب فی لباس المحبوب مع خلاصۃ الفتاویٰ للشیخ دہلوی ج۳ ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گفت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم را بر منبر دیدم کہ خطبہ میکرد و برد ھائے سبز پوشیدہ بود۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو منبر پر دیکھا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے اور سبز رنگ کی چادر آپ کے زیب تن تھی۔[2801]

نیز لکھتے ہیں:

وایں بیان واقع است نہ آنکہ سبز خالص پوشیدن حرام بود چنانکہ سرخ خالص زیرا کہ بہ تحقیق ثابت شدہ است کہ دوست تریں رنگھا نزد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بعد از بیاض خضرت بود۔

ترجمہ: یہ بیان واقع ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سبز دھاریوں والی چادر کو استعمال فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ خالص سبز لباس پہننا منع ہے جس طرح کہ سرخ خالص۔ اس لئے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سفید رنگ کے بعد خالص سبز رنگ بہت زیادہ پسند تھا۔[2802]

(ویستحب) الثوب (الابیض والاسود) لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام ان اللّٰہ یحب الثیاب البیض وانہ خلق الجنۃ بیضاء وقد روی علیہ السلام لبس الجبۃ السوداء والعمامۃ السوداء یوم فتح مکۃ ولا باس بالازرق وفی الشرعیۃ ولبس الاخضر سنۃ۔

[2801] (شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

[2802] (شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ترجمہ: سفید و سیاہ کپڑے مستحب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سفید کپڑوں کو محبوب رکھتا ہے اور جنت بھی سفید پیدا کی گئ ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فتح مکہ کے دن سیاہ جبہ اور عمامہ زیب تن فرمایا تھا اور شرعیہ میں ہے کہ سبز کپڑے سنت ہے۔[2803]

ولبس الاخضر سنة كمافي الشرعية۔

ترجمہ: سبز کپڑے پہننا سنت ہے جیسا کہ شرعیہ میں ہے۔[2804]

ويستحب الابيض وكذا الاسود لانه شعار بني العباس ودخل عليه الصلوة والسلام مكةوعلى راسه عمامةسوداءولبس الاخضر سنة كمافي الشرعةمن الملتقى وشرحه۔

ترجمہ: اور سفید لباس اچھا ہے اسی طرح سیاہ لباس بھی کیونکہ یہ قبیلہ بنو العباس کی علامت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مکہ شریف میں اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سر پر سیاہ عمامہ شریف تھا اور سبز لباس کا پہننا سنت ہے جیسا کہ کتاب شرعۃ میں ہے۔[2805]

يصبغ ثيابه كلها بالزعفران قميصه ورداءه وعمامته۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں ایک روز شاہ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہم غلاموں کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس دن زرد قمیص، زرد چادر اور عمامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔[2806]

[2803] (مجمع النهر في ملتقى الابحر كتاب الكراهية ج ٢ ص ٥٣٢ مطبوعه داراحياء التراث العربي بيروت)

[2804] (بدر المتقى في شرح الملتقى كتاب الكراهية ج ٢ ص ٥٣٢ مطبوعه داراحياء التراث العربي بيروت)

[2805] (ردالمحتار ج ٥ ص ٣٠٧)

[2806] (ضياء النبي ﷺ ج ٥ ص ٥٦٨ مطبوعه ضياء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

حدثنا عبداللہ بن جعفر بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام بمدینۃ الرسول ﷺ سنۃ ثلاث و ثمانین و مائتین حدثنا جدی مصعب بن عبداللہ حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت علی رسول اللہ ﷺ ثوبین اصفرین۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ جعفر اپنے والد رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دوزرد کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔[2807]

اخبرنا ابو القاسم عبدالواحد بن القاسم بن الفضل الصیدلانی باصبہان ان جعفر بن بن عبدالواحد بن محمد بن محمود الثقفی اخبرھم قراءۃ علیہ انبا محمد بن عبداللہ بن ریذۃ انبا سلیمان بن احمد الطبرانی ثنا عبداللہ بن جعفر بن مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام بمدینۃ الرسول ﷺ ثنا جدی مصعب بن عبداللہ قال حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رایت علی رسول اللہ ﷺ ثوبین اصفرین۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دوزرد کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔[2808]

عن انس قال کانت للنبی ملحفۃ مصبوغۃ بالورس والزعفران ان یدور بھا علی نسائہ...

[2807] (طبرانی صغیر ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (اخلاق النبی وآدابہ ج ۲ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۸۴ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[2808] (الاحادیث المختارۃ ج ۹ ص ۱۴۷۔۱۴۸ رقم الحدیث ۱۲۵ مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ الحدیثہ مکہ مکرمۃ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جو ورس زعفران میں رنگا ہوا تھا اور انہی کپڑوں میں ازواج کے پاس جاتے تھے۔[2809]

وروی الطبرانی من طریق نوفل بن اسماعیل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت لرسول اللہ ﷺ ملحفۃ مصبوغۃ بورس فکان یلبسھا فی بیتہ ویدور فیھا علی نسائہ ویصلی فیھا۔

وروی ابن سعد عن قیس بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتانا رسول اللہ ﷺ فوضعنا لہ غسلا فاغتسل ثم اتیناہ بملحفۃ ورسیۃ فاشتمل بھا فکانی انظر الی اثر الورس علی عنکہ۔[2810]

وروی ایضاً بسند ضعیف عن اسماعیل بن امیۃ قال رایت ملحفۃ رسول اللہ ﷺ مصبوغۃ بورس۔

وروی ایضاً بسند جید عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ رداء وعمامۃ مصبوغین بالعسیر قال مصعب والعسیر عندنا الزعفران۔[2811]

واخبرنا ابو المجد زاھر بن احمد الثقفی ان الحسین بن عبدالملک الادیب اخبرھم انبا ابراھیم سبط بحرویہ انبا ابوبکر محمد بن ابراھیم بن المقری انبا ابویعلی احمد بن علی الموصلی ثنا مصعب بن عبداللہ الزبیری قال حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ علیہ ثوبان مصبوغان بالزعفران رداء وعمامۃ۔

[2809] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۶۷۵ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2810] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2811] (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دو زرد کپڑے اور (زرد) عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[2812]

اخبرنا ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الاصبھانی ان فاطمة بنت عبداللہ الجوزدانية اخبرتھم ابنا محمد بن عبداللہ بن سلیمان بن احمد ثنا محمد بن الحسین الانماطی ثنا مصعب بن عبداللہ بن مصعب الزبیری حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت علی رسول اللہ ﷺ ثوبین مصبوغین بزعفران رداء عمامة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دو زرد کپڑے اور (زرد) عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[2813]

اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان مصبوغان بالزعفران رداء وعمامته۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دو زرد کپڑے اور (زرد) عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[2814]

اخبرنا بھلول نا مصعب بن عبداللہ الزبیری قال حدثنی ابی عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیہ ثوبان مصبوغان بالزعفران رداء وعمامة۔

[2812] (الاحادیث المختارۃ ج ۹ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۱۲۶ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثہ مکہ مکرمۃ)

[2813] (الاحادیث المختارۃ ج ۹ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۱۲۷ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثہ مکہ مکرمۃ)، (مستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2814] (المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ ج ۲ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۱۸۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے زعفران سے رنگے ہوئے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے ایک چادر اور ایک عمامہ۔[2815]

حدثنا عبد بن حمید اخبرنا عفان بن مسلم الصفار ابو عثمان اخبرنا عبداللہ بن حسان انه حدثته جدتاه صفية بنت علیبة او دحیبة بنت علیبة حدثتاه عن قبلة بنت مخرمة و کانتا ربیبتیها و قیلة جدة ابیها ام امه انها قالت قدمنا علی رسول اللہ ﷺ فذکرت الحدیث بطوله حتی جاء رجل و قد ارتفعت الشمس فقال السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ و علیک السلام و رحمة اللہ و علیه تعنی النبی ﷺ اسمال ملیتین کانتا بزعفران و قد نفضتا و معه عسیب نخلة۔

قال ابو عیسی حدیث قیلة لا نعرفه الا من حدیث عبداللہ بن حسان۔

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد طویل حدیث ذکر کی اور آخر میں فرمایا یہاں تک کہ ایک شخص آیا اس وقت سورج بلند ہو چکا تھا اس نے عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ" نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بدن مبارک پر زعفران سے رنگے ہوئے دو پرانے بے سلے کپڑے تھے جن کا رنگ ہلکا پڑ گیا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ہاتھ مبارک میں کھجور کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی۔

[2815] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ج ۲ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۸۳ مطبوعہ دار المسلم الریاض)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حدیث قیلہ کو ہم صرف عبد اللہ بن حسان کی روایت سے پہچانتے ہیں۔[2816]

اخبرنا الفضل بن دکین اخبرنا ھشام بن سعد عن یحیی بن عبداللہ بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ یصبغ ثیابہ بالزعفران قمیصہ وردآؤہ وعمامتہ۔

ترجمہ: یحیٰی بن عبد اللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کپڑے کرتہ، چادر اور عمامہ زعفران میں رنگے جاتے تھے۔

اخبرنا مصعب بن عبداللہ بن مصعب الزبیری قال سمعت ابی یخبر عن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر عن ابیہ قال رأیت علی رسول اللہ ﷺ رداء وعمامۃ۔ قال مصعب و العبیر عندنا زعفران۔

ترجمہ: اسماعیل بن عبد اللہ بن جعفر نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جسم پر چادر اور عمامہ عبیر یعنی زعفران کا رنگا ہوا دیکھا۔[2817]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن ھشام بن سعد عن یحیی بن عبداللہ بن مالک ان النبی ﷺ کان یصبغ ثیابہ بالزعفران حتی یبا ع۔

ترجمہ: یحیٰی بن عبد اللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے کپڑوں کو زعفران کے ساتھ رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی رنگتے تھے۔[2818]

[2816] (سنن الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی الثوب الاصفر ج ۵ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۸۱۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفیء والامارۃ باب فی اقطاع الارضین ج ۲ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۳۰۷۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2817] (طبقات الکبری ابن سعد ذکر لباس رسول اللہ ﷺ وماروی فی البیاض ج ۱ ص ۴۵۲ مطبوعہ دارصادر بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ)

[2818] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۴۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

اخبرنا خلاد بن يحيى اخبرنا عاصم بن محمد حدثنى ابى عن زيد بن اسلم قال كان رسول الله ﷺ يصبغ ثيابه كلها بالزعفران حتى يباع۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی زعفران میں رنگے جاتے تھے۔[2819]

اخبرنا يعقوب بن ابراهيم قال حدثنا الدراوردى عن زيد بن اسلم قال ثم رايت ابن عمر يصفر لحيته بالخلوق فقيل له يا ابا عبدالرحمن انک تصفر لحيتک بالخلوق قال انى رايت رسول الله ﷺ يصفر بها لحيته ولم يكن شئ من الصبغ احب اليه منها ولقد كان يصبغ بها ثيابه كلها حتى عمامته۔

ترجمہ: ابن اسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑوں پر بھی زرد رنگ لگ جاتا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو زرد رنگ سے رنگتے دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس سے زیادہ اور کوئی رنگ محبوب نہیں تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تمام کپڑوں کو اس رنگ میں رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی زرد رنگ میں رنگتے تھے۔[2820]

[2819] (طبقات الکبری ابن سعد ذکر لباس رسول اللہ ﷺ وماروی فی البیاض ج ۱ ص ۴۵۲ مطبوعہ دارصادربیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃبیروت)

[2820] (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۴۱۷ رقم الحدیث ۹۳۵۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن ابی داؤد باب فی المصبوغ بالصفرۃ ج ۴ ص ۵۲ رقم الحدیث ۴۰۶۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (غایۃالاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۱ رقم الحدیث ۵۱۰۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (زرقانی علی المواھب ج ۵ ص ۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃبیروت)، (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۳ مطبوعہ مصر)، (کشف الغمہ عن جمیع الائمۃ للشعرانی کتاب الصلاۃ ص ۱۹۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا اسحاق بن عیسی ثنا عبداللہ بن زید بن اسلم عن ابیہ عن ابن عمر انہ کان یصبغ ثیابہ و یدھن بالزعفران فقیل لہ لم تصبغ ثیابک و تدھن بالزعفران قال لانی رایتہ احب الاصباغ الی رسول اللہ ﷺ یدھن بہ و یصبغ بہ ثیابہ۔[2821]

حدثنی یحیی بن عبدالحمید ثنا سلیمان بن بلال عن زید بن اسلم عن بن عمر انہ کان یستحب الصفرۃ حتی فی یباع و زعم ان النبی ﷺ کان یستحب الصفرۃ۔[2822]

عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یلبس النعال السبتیۃ و یصفر لحیتہ بالورس و الزعفران و کان ابن عمر یفعل ذلک۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے اور اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا کرتے تھے۔

اس حدیث مبارکہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں کپڑے زعفران میں اس لئے رنگتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اسی طرح کرتے تھے۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام بہت بلند تھا۔[2823]

عن ابی جعفر محمد بن علی قال: لم یکن من اصحاب رسول اللہ ﷺ احدا اذا سمع من رسول اللہ ﷺ لا یزید و لا ینقص و لا مثل عبداللہ بن عمر۔

[2821] (مسند احمد ج ۲ ص ۷ ۹ رقم الحدیث ۷ ۱ ۷ ۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱ ۰ ۱ رقم الحدیث ۰ ۰ ۱ ۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2822] (مسند عبد بن حمید ص ۵ ۶ ۲ رقم الحدیث ۰ ۸۴ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)

[2823] (سنن ابو داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی خضاب الصفرۃ ج ۴ ص ۸۶ رقم الحدیث ۰ ۴۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۱ ص ۴۹۱ رقم الحدیث ۰ ۱۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ ج ۶ ص ۲۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۳۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: حضرت ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابہ میں وہ شخص تھے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کچھ سنتے تو نہ کم کرتے نہ زیادہ کرتے۔[2824]

وکان کثیر الاتباع لآثار رسول اللہ ﷺ حتی انہ ینزل منازلہ ویصلی فی کل مکان صلی فیہ وحتی ان النبی ﷺ نزل تحت شجرۃ فکان ابن عمر یتعاھدھا بالماء لئلا تیبس۔

ترجمہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے آثار کے اتباع کرنے والے تھے یہاں تک کہ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز پڑھی وہاں آپ نے نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک درخت کے نیچے اترے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درخت کو پانی ڈالتے تا کہ سوکھ نہ جائے۔[2825]

عن نافع، قال: لو نظرت الی ابن عمر اذا اتبع رسول اللہ، لقلت ھذا مجنون۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اتباع کو دیکھتا تو کہتا کہ یہ مجنون ہے۔[2826]

وروی عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ فی مرضہ الذی توفی فیہ وعلی راسہ عصابۃ صفراء فسلمت علیہ فقال یا فضل قلت لبیک یا رسول اللہ قال اشدد بھذہ العصابۃ راسی ففعلت ثم قعد فوضع کفہ علی منکبی قام فدخل المسجد الحدیث۔[2827]

[2824] (تاریخ دمشق الکبیر ج۷ ا جز ۳۳ ص ۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2825] (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج۳ ص ۳۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (جامع المسانید والسنن ج۲۸ ص ۲۲۳ ۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2826] (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج۲۸ ص ۲۲۳ ۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج۷ ا جز ۳۳ ص ۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2827] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن حمزۃ بن عبداللہ قال کان علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء معتجرا بھا و کانت علی الملائکۃ یومئذ عمائم بنو۔

ترجمہ: حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر زرد عمامہ تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھے اس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔[2828]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن ھشام بن عروۃ عن رجل من ولد الزبیر یقال لہ عباد بن حمزۃ ان الزبیر بن العوام کانت علیہ عمامۃ صفراء معتجرا بھا فنزلت الملائکۃ وعلیھم عمائم بنو۔

ترجمہ: حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر زرد عمامہ تھا جس کو وہ پہنے ہوئے تھے اس روز ملائکہ کے سروں پر بھی زرد عمامے تھے۔[2829]

وروی ابن سعد عن عباد بن حمزہ بن الزبیر قال: نزلت الملائکۃ یوم بدر علیھم عمائم صفر و کان علی الزبیر یوم بدر ریطۃ صفراء قد اعتجر بھا . . .

وروی ابن ابی شیبۃ و ابن جریر و ابن مردویہ عن عبداللہ بن الزبیر ان الزبیر کان علیہ یوم بدر عمامۃ صفراء معتجراً بھا فنزلت الملائکۃ علیھم عمائم صفر۔

وروی الطبرانی بسند صحیح عن عروۃ قال نزل جبریل یوم بدر علی سیما الزبیر و ھو معتجر بعمامۃ صفراء۔

[2828] (طبقات ابن سعد ج۳ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[2829] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

وروی ابن اسحاق حدثنی من لا اتھم عن مقسم مولی عبداللہ بن الحارث عن ابن عباس قال: کان سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا علی ظھورھم الا جبریل فانہ کانت علیہ عمامۃ صفراء۔[2830]

وشھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدرا وکانت علیہ یومئذ عمامۃ صفراء کان متعجرا بھا فیقال ان الملائکۃ یوم بدر علی سیما الزبیر وشھد الحدیبیۃ والمشاھد کلھا۔[2831]

عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنھما ان الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانت علیہ ملاءۃ صفراء یوم بدر فاعتم بھا فنزلت الملائکۃ معتمین بعمائم صفر۔[2832]

وقال ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال کانت علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء فنزل جبریل علی سیماء الزبیر۔[2833]

الزبیر بن بکار عن عقبۃ بن مکرم حدثنا مصعب بن سلام عن سعد ابن طریف عن ابی جعفر الباقر قال کانت علی الزبیر یوم بدر عمامۃ صفراء فنزلت الملائکۃ کذلک۔[2834]

حدثنا ابو یزید القراطیسی ثنا اسد بن موسی ثنا حماد بن سلمۃ عن ھشام بن عروۃ قال ثم نزل جبریل یوم بدر علی سیماء الزبیر بن العوام وھو معتجر بعمامۃ صفراء۔[2835]

حدثنا عبدان بن احمد ثنا ابو کامل الجحدری ثنا یوسف بن خالد السمتی ثنا الصلت بن دینار عن ابی الملیح عن ابیہ قال نزلت الملائکۃ یوم بدر وعلیھا العمائم وکانت علی الزبیر یومئذ عمامۃ صفراء۔[2836]

[2830](سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[2831](تخریج الدلالات السمعیۃ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)
[2832](جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۲۳۵ رقم الحدیث ۱۶۵۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[2833](سیر اعلام النبلاء ذکر زبیر بن عوام ج ۱ ص ۴۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)
[2834](سیر اعلام النبلاء ذکر زبیر بن عوام ج ۱ ص ۴۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)
[2835](المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۳۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)
[2836](المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۹۵ رقم الحدیث ۵۱۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

عن ھشام عن ابیه قال کانت علی الزبیر عمامة صفراء معتجرا بھا یوم بدر فقال النبی ﷺ ان الملائکة نزلت علی سیماء الزبیر۔[2837]

وروی ابو نعیم فی فضائل الصحابة وابن عساکر عن عباد بن عبداللہ بن الزبیر انه بلغه ان الملائکة نزلت یوم بدر وھم طیر بیض علیھم عمائم صفر وکان علی رأس الزبیر یومئذ عمامة صفراء من بین الناس فقال النبی ﷺ نزلت الملائکة علی سیما ابی عبداللہ وجاء رسول اللہ ﷺ وعلیه عمامة صفراء۔[2838]

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ زرد رنگ کا عمامہ پہننا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت مبارکہ ہے جن کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی ﷺ ان لکل نبی حواری وان حواری الزبیر بن العوام۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور بے شک میرا حواری زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔[2839]

دوم اس حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "فقال النبی ﷺ نزلت الملائکة علی سیما ابی عبداللہ وجاء رسول اللہ ﷺ وعلیه عمامة صفراء" سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زرد رنگ کا عمامہ شریف پہننا مستحب اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بھی سنت مبارکہ ہے۔

[2837] (الاصابة فی تمیز الصحابة زبیر بن عوام ص ج ۲ ص ۵۵۵ برقم ۲۷۹۱ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

[2838] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکة یوم بدر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2839] (صحیح البخاری کتاب المناقب ج ۱ ص ۵۲۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (تخریج الدلالات السمعیة ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)، (تاریخ خلیفة بن خیاط ص ۲۱۵ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (الثقات لابن حبان ثم غزرسول اللہ غزوۃ الخندق ج ۱ ص ۲۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

و ذکر ابن ھشام عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی سیماھم یوم بدر مثل ما قال ابن عباس الا جبریل فان فی حدیث علی انہ کانت علیہ عمامۃ صفراء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے روز فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے جو انہوں نے اپنی پیٹھوں پر لٹکائے ہوئے تھے مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام (کے سر) پر زرد عمامہ تھا۔[2840]

وروی الطبرانی بسند صحیح عن عروۃ قال نزل جبریل یوم بدر علی سیما الزبیر وھو معتجر بعمامۃ صفراء۔

وروی ابن اسحاق حدثنی من لا اتھم عن مقسم مولی عبداللہ بن الحارث عن ابن عباس قال: کان سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قد ارخوھا علی ظھورھم الا جبریل فانہ کانت علیہ عمامۃ صفراء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے روز فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے جو انہوں نے اپنی پیٹھوں پر لٹکائے ہوئے تھے مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام (کے سر) پر زرد عمامہ تھا۔[2841]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشخبری ہو! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[2842]

قال رسول اللہ ﷺ بشر یا ابا بکر ھذا جبریل معتجر بعمامۃ صفراء۔

[2840] (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ و الثلاثۃ الخلفاء غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[2841] (سبل الھدی والرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2842] (کتاب المغازی ج ۱ ص ۷۵-۸۱ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشخبری ہو! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں۔[2843]

حدثنا عبداللہ قثنا ابی قال ناعباد بن عباد عن هشام عن ابيه ثم ان الزبير كانت عليه عمامة صفراء يوم بدر فنزلت الملائكة عليها عمائم بنو۔

ترجمہ: ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک بدر کے روز حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زرد رنگ کا عمامہ تھا پس فرشتے بھی زرد رنگ کے عماموں کے ساتھ نازل ہوئے۔[2844]

عبدالرزاق قال انا معمر عن قتادة قال اخبرنی هشام بن عروة عن ابيه قال نزلت الملائكة يوم بدر على خيل بلق عليهم عمائم صفر وكان على الزبير يومئذ عمامة صفراء ۔[2845]

حدثنا سعيد قال نا عبداللہ بن المبارك عن هشام بن عروة عن عباد بن حمزة بن الزبير قال كان على الزبير يوم بدر ريطة صفراء قد اعتجر بها ونزلت الملائكة وعليهم عمائم بنو۔[2846]

شهد الزبير بدراً وكانت عليه يومئذ عمامة صفراء كان معتجراً بها فيقال انها نزلت الملائكة يوم بدر على سيماء الزبير۔

وروى ابو اسحاق الفزاری عن هشام بن عروة عن عباد بن حمزة ابن الزبير قال كانت على الزبير عمامة صفراء معتجراً بها يوم بدر ونزلت الملائكة عليها عمائم بنو۔[2847]

عن عمرو بن ميمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان عليه يوم اصيب ثوب اصفر۔

[2843](البدایۃ والنہایۃ غزوۃ بدر العظمی ج ۳ ص ۲۸۰ و ص ۲۸۴ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)
[2844](فضائل صحابہ لابن حنبل ج ۲ ص ۷۳۶ رقم الحدیث ۱۲۶۹ ـ ۱۲۶۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)
[2845](تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۱۳۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2846](کتاب السنن باب ما جاء فی الالویۃ والعمایم ج ۲ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۲۵۳۰ مطبوعہ الدار السلفیۃ الہند)
[2847](الاستیعاب ج ۲ ص ۵۱۳ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے انہوں نے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔[2848]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانه عمر۔

ترجمہ: تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔[2849]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اللّٰھم اعز الاسلام بعمر خاصة۔

ترجمہ: اے اللہ اسلام کو خاص کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے عزت عطا فرما۔[2850]

عصمہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لو کان بعدی نبی لکان عمر۔

[2848](مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2849](بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲۱ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۴ جزء ۴۷ ص ۹۶ رقم الحدیث ۱۰۴۶۷۔۱۰۴۶۸ ص ۹۷ رقم الحدیث ۱۰۴۷۰۔۱۰۴۷۱۔۱۰۴۷۲۔۱۰۴۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2850](المستدرک ج ۳ ص ۸۹ رقم الحدیث ۴۴۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ ص ۱۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)، (موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ج ۱ ص ۵۳۵ رقم الحدیث ۲۱۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۹ ص ۶۵ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)

ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوتے۔[2851]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن ادریس عن الاعمش عن ابی ظبیان قال رایت علی علی قمیصا و ازارا صفر۔

ترجمہ: ابو ظبیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زرد رنگ کی قمیص اور ازار (تہبند) پہنے ہوئے دیکھا۔[2852]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا فمن اراد العلم فلیأتہ من بابہ۔

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے دروازہ ہیں۔ جو علم کا ارادہ کرے تو دروازے سے آئے۔[2853]

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

علی عیبۃ علمی۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے علم کا خزانہ ہیں۔[2854]

[2851] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۹ ص ۷۱ مطبوعہ موسسۃ المعارف بیروت)، (الاستیعاب ج۳ ص ۱۱۴۷ برقم ۱۸۷۸ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ جز ۴۷ ص ۱۱۱ رقم الحدیث ۱۰۵۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

[2852] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۴۷۵۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2853] (جامع المسانید والسنن ج ۳۲ ص ۹۰۳۷ رقم الحدیث ۳۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (المعجم الکبیر امام طبرانی ج ۱۱ ص ۶۵ رقم الحدیث ۱۱۰۶۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۴۷۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2854] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۳۰ رقم الحدیث ۷۸۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۳ جز ۴۵ ص ۲۹۴ رقم الحدیث ۹۷۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایاہے کہ:

علی یقضی دینی۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینی امور کے معاملے میں قاضی منصف ہیں۔[2855]

عن عمران بن مسلم قال رایت علی انس بن مالک ازار اصفر رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔

ترجمہ: عمران بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کو زرد چادر پہنے ہوئے دیکھا اس کو امام طبرانی نے روایت کیاہے اور اس کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔[2856]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل مبارک جن کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا کی تھی۔

عن انس بن مالک، قال: انطلقت بی امی الی رسول اللہ ﷺ فقالت یارسول اللہ خویدمک فادع اللہ لہ، فقال: ((اللّٰھم اکثر مالہ وولدہ واطل عمرہ واغفر لہ)) قال فکثر مالی حتی صار یطعم فی السنۃ مرتین، وکثر ولدی حتی قد دفنت من صلبی اکثر من مائۃ، وطال عمری حتی قد استحیت من اھلی واشتقت لقاء ربی، واماالرابعۃ یعنی المغفرۃ۔ رواہ سلیمان بن حرب عن حماد فقال: وانا ارجو الرابعۃ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے میری والدہ بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں لے گئیں اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

[2855] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۳۱ رقم الحدیث ۷۸۵۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۲۱ ص ۹۵۹۵ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2856] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

وبارک وسلم آپ کا چھوٹا غلام حاضر ہے اس کے لئے دعا فرمایئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا یااللہ اس کے مال، اولاد اور عمر کو زیادہ فرما اور مغفرت فرما۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا مال اتنا زیادہ ہوا کہ سال میں دو دفعہ کھایا جاتا تھا اور اولاد اتنی زیادہ ہوئی کہ میرے صلبی ۱۰۰ بچے مرگئے اور میری عمر اتنی زیادہ ہوئی کہ اپنے اہل وعیال سے حیا کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کیا اور چوتھی بات تو اس کی امید رکھتا ہوں۔[2857]

حدثنا محمد بن عبداللہ الخضر، ثنا جبارة بن مغلس ثنا شبیب بن شیبة عن علی بن زید عن انس بن مالک قال خدمت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشر سنین۔

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے دس سال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت کی۔[2858]

حدثنا داود بن رشید ثنا ابو حیوة شریح بن یزید الحضرمی قال رایت عبداللہ بن بسر المازنی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہ عمامة صفراء اور داء اصفر۔

ترجمہ: ابو حیوہ شریح بن یزید حضرمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میں نے صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زرد رنگ کا عمامہ پہنے ہوئے دیکھا۔[2859]

[2857] (تاریخ دمشق الکبیر ج۵ جز ۹ ص ۲۶۰ رقم الحدیث ۲۳۴۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سیر اعلام النبلاء امام ذہبی ج۳ ص۳۹۸ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (دلائل النبوة امام اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبھانی ص ۸۵ رقم الحدیث ۷۶ مطبوعہ دار طیبة الریاض)

[2858] (المعجم الکبیر طبرانی ج ۱ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۷۰۷۔۷۰۸ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (السیرة النبویة لابن کثیر ج۴ ص ۵۴۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (تخریج الدلالات السمعیة لامام علی بن محمود الخزاعی ص ۲۸ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)

[2859] (مسند الحارث کتاب اللباس والزینة ج ۲ ص ۶۱۰ رقم الحدیث ۵۷۵ مطبوعہ المدینة المنورة)

حدثنا ابو بکر قال حدثنا عبیداللہ بن موسی عن عمرو بن عثمان عن موسی بن طلحة ان طلحة کان یلبس المعصفر۔

ترجمہ: موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زرد رنگ کے کپڑے پہنتے تھے۔[2860]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن علیة عن عبدالرحمن بن اسحاق قال حدثنی ابی قال رایت نافع بن جبیر بالعرج وعلیه معصفر۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو زرد کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔[2861]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو اسامة قال عن ابن عون عن محمد کان لا یری باسا بلبس الرجل الثوب المصبوغ بالعصفر و الزعفران۔

ترجمہ: امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ مرد کے لئے زرد رنگ کے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔[2862]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عمرو بن مروان قال رایت علی ابراهیم ازاراً اصفر۔

ترجمہ: عمرو بن مروان بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو زرد رنگ کی ازار پہنے ہوئے دیکھا۔[2863]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن نمیر عن مالک بن مغول قال رایت حماداً یصلی و علیه ازار اصفر۔

[2860] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2861] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2862] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2863] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۵۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ زرد رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔[2864]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا حسین بن علی قال رایت علی عبداللہ بن الحسین ملحفة صفرا یحتبی فی المسجد الحرام۔

ترجمہ: حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں زرد رنگ کا لحاف اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔[2865]

عن ایوب قال رایت علی القاسم بن محمد قلنسوة من خز اخضر ورداء سابر له علم ملون مصبوغ بشیٔ من زعفران۔

ترجمہ: حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر سبز رنگ کی ریشمی ٹوپی اور نشان زدہ سابری چادر جو زعفران میں کسی حد تک رنگی گئی تھی دیکھی۔[2866]

مَسْأَلَةٌ: ذَكَرَ بَعْضُهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ عِمَامَةً صَفْرَاءَ، فَهَلْ لِذَلِكَ أَصْلٌ؟.

الْجَوَابُ: نَعَمْ قَالَ الطَّبَرَانِيُّ: ثَنَا محمد بن الحسين الأنماطي البغدادي، ثَنَا مُصْعَبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُصْعَبٍ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ إسماعيل بن عبد الله بن جعفر، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: " «رَأَيْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَيْنِ مَصْبُوغَيْنِ بِزَعْفَرَانَ ; رِدَاءً وَعِمَامَةً» "، أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، وَقَالَ ابن سعد فِي الطَّبَقَاتِ، أَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ عَنْ هشام بن سعد، عَنْ يحيى بن عبد الله بن مالك قَالَ: " «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ ثِيَابَهُ بِالزَّعْفَرَانِ ; قَمِيصَهُ وَرِدَاءَهُ وَعِمَامَتَهُ» "، وَقَالَ: أَنَا هاشم بن القاسم، ثَنَا عاصم بن عمر، عَنْ

[2864] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2865] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۱ رقم الحدیث ۲۴۷۲۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2866] (حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ذکر ذکر قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

عمر بن محمد، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ: "«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ ثِيَابَهُ كُلَّهَا بِالزَّعْفَرَانِ حَتَّى الْعِمَامَةِ»"۔

وَأَخْرَجَ ابن عساكر فِي تَارِيخِهِ مِنْ طَرِيقِ سلمان بن أرقم، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "«خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَصْفَرُ وَرِدَاءٌ أَصْفَرُ وَعِمَامَةٌ صَفْرَاءُ»"، وَأَخْرَجَ ابن سعد عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: "«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفِّرُ ثِيَابَهُ»"، وَفِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِهِ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ».

وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: ثَنَا أسلم بن سهل، ثَنَا محمد بن الصباح، ثَنَا عبيد بن القاسم، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ ابن أبي أوفى قَالَ: "«كَانَ أَحَبُّ الصَّبْغِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّفْرَةَ»"، وَأَخْرَجَ ابن عساكر مِنْ طَرِيقِ عباد بن حمزة، «عَنْ عبد الله بن الزبير أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ نَزَلَتْ يَوْمَ بَدْرٍ، عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ، وَكَانَتْ عَلَى الزبير يَوْمَئِذٍ عِمَامَةٌ صَفْرَاءُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَزَلَتِ الْمَلَائِكَةُ الْيَوْمَ عَلَى سِيمَا أبي عبد الله، وَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ صَفْرَاءُ»". وَفِي ذَلِكَ يَقُولُ عامر بن صالح بن عبد الله بن عروة بن الزبير:

جَدِّي ابْنُ عَمَّةِ أَحْمَدَ وَوَزِيرُهُ ... عِنْدَ الْبَلَاءِ وَفَارِسُ الشَّعْوَاءِ
وَغَدَاةَ بَدْرٍ كَانَ أَوَّلَ فَارِسٍ ... شَهِدَ الْوَغَى فِي اللَّامَةِ الصَّفْرَاءِ
نَزَلَتْ بِسِيمَاهُ الْمَلَائِكُ نُصْرَةً ... بِالْحَوْضِ يَوْمَ تَأَلُّبِ الْأَعْدَاءِ[2867]

و قد اخبرنی الشیخ الصالح عطیۃ الابناسی و الشیخ الصالح قاسم المغربی المقیم فی تربۃ الامام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و القاضی زکریا الشافعی انھم سمعوا الشیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالی یقول: رأیت رسول اللہ ﷺ، فی الیقظۃ بضعا و سبعین مرۃ وقلت لہ فی مرۃ منھا: ھل انا من اھل الجنۃ یارسول اللہ؟ فقال: نعم! فقلت: من غیر عذاب یسبق، فقال: لک ذلک، قال الشیخ عطیۃ: وسألت الشیخ جلال الدین مرۃ أن یجتمع

[2867] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۰۴ ۱۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

بالسلطان الغوری فی ضرورۃ وقعت لی۔ فقال لی: یاعطیۃ أنا اجتمع بالنبی ﷺ یقظۃ وأخشی ان اجتمعت بالغوری ان یحتجب عنی۔

ترجمہ: اور مجھے شیخ صالح عطیہ الابناسی اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربت میں مقیم شیخ صالح قاسم المغربی اور قاضی زکریا الشافعی نے بتایا کہ انہوں نے شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بیداری میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کچھ اوپر ستر مرتبہ زیارت کی ہے۔ اور ان میں سے ایک دفعہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: پہلے کوئی سزا دیئے بغیر؟ فرمایا: تیرے لئے یہی ہے۔ شیخ عطیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ سلطان غوری کے پاس تشریف لے چلیں تو آپ نے مجھے فرمایا: اے عطیہ! میں بیداری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اگر غوری کے پاس چلا جاؤں تو کہیں حجاب لاحق ہو جائے۔[2868]

رایت ورقۃ بخط الشیخ جلال الدین السیوطی عند احد اصحابہ وھو الشیخ عبد القادر الشاذلی مراسلۃ لشخص سألہ فی شفاعۃ عند السلطان قأیتبای رحمہ اللہ تعالی اعلم یا اخی اننی قد اجتمعت برسول اللہ ﷺ الی وقتی ھذا خمس وسبعین مرۃ یقظۃ ومشافھۃ ولولا خوفی من احتجابہ اعنی بسبب دخولی للولاۃ لطلعت القلعۃ وشفعت فیک عند السلطان وانی رجل من خدام حدیثہ ا واحتاج الیہ فی تصحیح الاحادیث التی ضعفھا المحدثون من طریقھم ولا شک ان نفع ذلک ارجح من نفعک۔

[2868] (الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر ج ۱ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام سیوطی کے خط کا ایک ورقہ اس کے اصحاب میں سے ایک صاحب یعنی شیخ عبد القادر شاذلی کے پاس دیکھا جو مراسلہ تھا اس شخص کے لئے جس نے آپ سے بادشاہ قلیتبای کے پاس سفارش کا سوال کیا تھا (وہ مراسلہ جوابیہ بدیں مضمون تھا) جان لے اے بھائی کہ اس وقت تک میں ۷۵ مرتبہ عالم بیداری میں بالمشافہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت سے مستفیض ہوا۔ اگر حاکموں کے پاس جانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت کی محرومی کا خوف نہ ہوتا تو میں قلعہ شاہی میں داخل ہوتا اور بادشاہ کے ہاں تیرے حق میں سفارش کرتا اور میں خدّام حدیث سے ایک مرد ہوں۔ ان احادیث کی تصحیح کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا محتاج ہوں۔ جن کو محدثین نے اپنے طریقہ میں ضعیف کر دیا اور بے شک یہ نفع تیرے نفع سے بہت زیادہ ہے۔
[2869]

فرمایا کہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کی تائید وہ مشہور واقعہ بھی ہے کہ سیّدی محمد بن زین مدّاح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، سرکار کی بیداری میں بالمشافہ زیارت کرتے تھے۔ جب وہ حج کے لئے گئے تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبر کے اندر سے ان سے بات کی۔[2870]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں:

سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا کہ جن لوگوں کا ہمیں علم ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بیداری میں بالمشافہ ملاقات کرتے تھے، ان میں سے شیخ ابو مدین شیخ الجماعۃ،

[2869] (میزان الکبری ج ۱ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2870] (سعادۃ الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۲ ص ۴۶۷۔۴۶۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

شیخ عبدالرحیم قناوی، شیخ موسیٰ رولی، شیخ ابوالحسن شاذلی، شیخ ابوالعباس المرسی، شیخ ابوالسعود بن ابوالعشائر، سیدی ابراہیم المتبولی اور شیخ جلال الدین سیوطی ہیں۔ فرمایا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا اور بیداری میں کچھ اوپر ستّر مرتبہ ملاقات کی۔[2871]

نقل عن السیوطی رحمہ اللہ تعالی انہ رآہ اثنین وعشرین مرۃ وسألہ عن احادیث ثم صححہا بعد تصحیحہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ الخ۔

ترجمہ: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے بائیس مرتبہ جاگتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بہت سی حدیثوں کے متعلق پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یہ آپ کی حدیث ہے یا نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صحیح فرمانے کے بعد امام سیوطی نے ان احادیث کی تصحیح کی۔[2872]

نعیم اشرف نوراحمد دیوبندی لکھتے ہیں:

وھو مجدد المائۃ التاسعۃ خاتم الحفاظ جلال الدین عبدالرحمن بن کمال الدین السیوطی الشافعی، صاحب التصنیف التی سارت بہا الرکبان، وانتفع بہ الانس والجنان، وقد زادت علی خمسمائۃ وشہرۃ ذکرہ تغنی عن وصفہ۔

ترجمہ: آپ نویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ سے انس وجن نے فائدہ لیا۔[2873]

واختلف العلماء فی الثیاب المعصفرۃ وھی المصبوغۃ بعصفر فاباحہا جمہور العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وبہ قال الشافعی وابوحنیفۃ ومالک لکنہ قال غیرھا

[2871] (سعادۃ الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۲ ص ۷۰۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور)

[2872] (فیض الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2873] (حاشیہ الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ ۱۸۔۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

افضل منها وفى رواية عنه انه اجاز لبسها فى البيوت وافنية الدوروكرهه فى المحافل والاسواق ونحوها وقال جماعة من العلماء هو مكروه كراهة تنزيه وحملوا النهى على هذا لانه ثبت ان النبى البس حلة حمراء وفى الصحيحين عن ابن عمر رضى الله عنهما قال رايت النبىﷺ يصبغ بالصفرة۔

ترجمہ: زرد رنگ سے رنگے ہوئے کپڑوں کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ اور بعد کے لوگوں میں سے اہل علم نے اس کو جائز کہا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا پہننا افضل ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ ان کپڑوں کو گھر میں پہننا جائز ہے اور بازاروں اور مجالس میں اس کو پہننا مکروہ ہے علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور جن احادیث میں ممانعت ہے اس کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سرخ رنگ کا حلہ پہنا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو زرد رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا۔[2874]

النواوى الامام الحافظ الاوحد القدوة شيخ الاسلام علم الاولياء محى الدين ابوزكريا يحيى بن شرف بن مرى الحزامى الحورانى الشافعى صاحب التصانيف النافعة۔

ترجمہ: امام نووی، امام، حافظ، قدوہ، شیخ الاسلام، اولیاء کی نشانی، دین کو زندہ کرنے والے یحییٰ بن شرف مری الحزامی الحورانی الشافعی فائدہ دینے والی تصانیف کے مصنف ہیں۔[2875]

[2874] (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2875] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۰ برقم ۱۱۶۲ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

قال ابن العطار ذکر لی شیخنا رحمہ اللہ تعالٰی انہ کان لا یضیع لہ وقتا لا فی لیل و لا فی نہار الا فی اشتغال حتی فی الطریق و انہ دام علی ھذا ست سنین ثم اخذ فی التصنیف و الافادۃ و النصیحۃ و قال الحق۔

قلت مع ما ھو علیہ من المجاھدۃ بنفسہ و العمل بدقائق الورع و المراقبۃ و تصفیۃ النفس من الشوائب و محقھا من أغراضھا کان حافظ للحدیث و فنونہ و رجالہ و صحیحہ و علیلہ راسا فی معرفۃ المذھب۔

ترجمہ: ابن عطار کہتے ہیں ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے بجز پڑھنے پڑھانے کے دن اور رات میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی اسی شغل میں مصروف رہتے اور برابر چھ سال تک یہی معمول رہا پھر تعلیم وتصنیف عوام کی بھلائی اور احقاق حق کو اپنے پر لازم کر لیا اور عمر بھر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

میں کہتا ہوں روح کو معصیت کی آلائشوں اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کے لئے انتہائی تورع، مسلسل جہاد بالنفس اور لگاتار ریاضتوں میں مصروف رہنے کے باوجود آپ نامور حافظ حدیث اس کے جملہ فنون کے عالم فن رجال کے ماہر اور صحیح اور ضعیف کو خوب جاننے والے تھے تحقیق مذاہب میں تو آپ کا جواب نہیں تھا۔[2876]

امام نووی ساتویں صدی ہجری کے ایک بلند پایہ محدث وفقیہ بلکہ ان فنون کے امام اور نہایت عابد وزاہد بزرگ تھے۔ شیخ صلاح الدین سبکی نے ان کو شیخ الاسلام استاذ المتاخرین کے عنوان سے اور حافظ ذہبی نے امام، حافظ واجد، شیخ الاسلام، علم الاولیاء کے القاب سے یاد کیا ہے دنیا اور لذائذ دنیا سے بالکل کنارہ کش تھے۔[2877]

[2876] (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

[2877] (مقدمہ شرح اربعین نووی ص ۱۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ میں ان کے فضل وکمال اور علوشان کی تفصیل میں جانے کے بجائے اپنے والد کے دو شعر لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں۔ ان شعروں کا قصہ یہ ہے کہ جب ۷۴۲ھ میں دارالحدیث اشرفیہ کے ملحق مکانات میں میرے والد کی سکونت تھی اور وہ رات کو ایوان دارالحدیث میں تہجد پڑھنے جایا کرتے تھے تو دارالحدیث کے فرش پر اپنا منہ ملا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

وفی دار الحدیث لطیف معنی	الی بسط لها اصبو و اوی
عسی ادنی امس بحر وجهی	مکانا مسه قدم النواوی

حاصل ان شعروں کا یہ ہے کہ دارالحدیث اشرفیہ کے فرش میں ایک لطیف بات ہے جس کی وجہ سے مجھے اس سے شیفتگی ہے (میں اس کے فرش پر اپنا منہ اس لئے رگڑتا ہوں) کہ ممکن ہے کبھی میرا منہ اس مقام بھی پہنچ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں۔[2878]

شیخ الاسلام امام ابوزکریا محی الدین النووی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی شخصیت صاحب علم کے لئے پوشیدہ نہیں ہے۔ محدثین کرام کی جماعت میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کو امتیازی مقام حاصل ہے اور زہد وتقویٰ میں امام المتقین ہیں۔[2879]

ابن العطار کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت تعلیم میں مشغول رہتے رات ہو یا دن بازار ہو یا مدرسہ بہر صورت ان سے استفادہ کرنے والے موجود ہوتے۔ شیخ قطب یونینی رقمطراز ہیں کہ امام نووی علم، ورع، عبادت، کمخوری اور سادہ زندگی گزارنے میں منفرد حیثیت کے مالک تھے حافظ ابن کثیر البدایہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین امام نووی رحمہ اللہ

[2878] (مقدمہ شرح اربعین نووی ص ۱۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

[2879] (ریاض الصالحین اردو ج ۱ ص ۳ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور)

تعالیٰ اپنے دور کے بہت بڑے فقہاء میں شمار ہوتے تھے وہ کبھی روزہ نہیں چھوڑتے تھے اوران کے دستر خوان پر کبھی دو کھانے نہیں دیکھے گئے۔

ابو بکر بن ہبتہ اللہ حورانی طبقات الشافعیہ ص۸۷ میں لکھتے ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ عشاء کے بعد ایک بار کھانا تناول فرماتے اور صبح کے وقت ایک بار پانی پیتے۔ انہوں نے نکاح نہیں کیا دوبار حج کے لئے تشریف لئے گئے علماء کی مجلس میں باوقار شخصیت کے مالک تھے اگرچہ سرپر پگڑی معمولی قسم کی ہوتی تھی لیکن شان میں بہت بڑے تھے۔[2880]

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یعنی امام نووی) کورب ذوالجلال والاکرام نے تین چیزیں یکجا کر کے ودیعت کی تھیں ان میں (۱) علم اور اس پر صحیح عمل، (۲) کامل زہد، (۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے۔[2881]

وذھب جمھور العلماء من الصحابة و التابعین و من بعدھم و به قال الشافعی و ابو حنیفة و مالک الی الاباحة کذا قال ابن رسلان فی شرح السنن۔

ترجمہ: جمہور علماء صحابہ تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک زرد رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے اسی طرح امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بھی جائز ہے اور ابن ارسلان نے شرح السنن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔[2882]

حدیث ابن عمر نھی النبی ﷺ ان یلبس المحرم ثوباً مصبوغاً بورس او زعفران قال و من تقیید المحرم جواز لبس الثوب المزعفر للحلال قال ابن بطال اجاز مالک و جماعة لباس الثوب المزعفر للحلال و قالوا انما وقع النھی عنه للمحرم خاصة۔

[2880] (ریاض الصالحین اردو ج ۱ ص ۱۹ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور)

[2881] (نزھتہ المتقین ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ مکتبۃ العلم لاہور)

[2882] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۸۷ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے محرم کے لئے ورس زعفران سے رنگے ہوئے کپڑوں سے منع فرمایا محرم کی قید سے حلال کے لئے یہ جائز ہونا معلوم ہوتا ہے حلال کے لئے زعفرانی کپڑے جائز ہے نہی محرم کے لئے خاص ہے۔[2883]

سرخ رنگ کا عمامہ شریف، سرخ لباس پہننے کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف

سرخ لباس پہننے کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حنفی مذہب کے صحیح قول کے مطابق سرخ کپڑے پہننا جائز ہے۔

سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول، امام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف السمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وعن ابی حنیفۃ لاباس بالصبغ الاحمر والاسود والاصفر۔

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرخ اور سیاہ اور زرد رنگ میں کوئی حرج نہیں۔[2884]

وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی لاباس بالصبغ الاحمر والاسود۔

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرخ اور سیاہ رنگ میں کوئی حرج نہیں۔[2885]

واما الاحمر ومنہ المعصفر والمزعفر فاجاز مالک والشافعی وابو حنیفۃ۔

[2883] (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۲ مطبوعہ مصر)

[2884] (الملتقط فی الفتاوی الحنفیۃ کتاب الآداب ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2885] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ باب اللبس مایکرہ من ذلک الباب التاسع فی اللبس مایکرہ من ذلک ومالا یکرہ ج ۵ ص ۴۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: سرخ اور معصفر اور زعفرانی رنگ کو امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہم نے جائز فرمایا ہے۔[2886]

القول الاول الجواز مطلقاً وهو قول عدة من الصحابة وطائفة من التابعين منهم علي بن ابي طالب وابنه الحسن وطلحة وعبدالله بن جعفر والبراء ومن التابعين سعيد بن المسيب والنخعي والشعبي وابي قلابة وابي وائل ومن سواهم رضي الله تعالىٰ عنهم۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام ابو قلابہ، امام ابو وائل اور متعدد فقہاء سرخ رنگ کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔[2887]

باب الصلاة في الثوب الاحمر۔[2888]

حدثنا ابو الوليد حدثنا شعبة عن ابي اسحاق سمع البراء رضي الله تعالىٰ عنه يقول كان النبي ﷺ مربوعاً وقد رأيته في حلة حمراء ما رايت شيئا احسن منه۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قد مبارک متوسط تھا میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سرخ رنگ کے حلہ یعنی دو چادروں میں لپٹا ہوا دیکھا میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے زیادہ کسی کو حسین نہیں دیکھا۔[2889]

[2886] (شرح زرقانی علی المواهب ج ۵ ص ۲۳ مطبوعه دار المعرفة بیروت)

[2887] (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۷۷۔۳۷۸ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)، (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۲ مطبوعه دار الجیل بیروت)

[2888] (صحیح البخاری باب الثوب الاحمر ج ۱ ص ۱۴۷ مطبوعه دار ابن کثیر بیروت)

[2889] (صحیح البخاری کتاب اللباس باب الثوب الاحمر ج ۵ ص ۲۱۹۸ رقم الحدیث ۵۵۱۰ مطبوعه دار ابن کثیر بیروت)، (مسلم شریف کتاب الفضائل باب فی صفة النبی ﷺ وانه کان احسن الناس وجها ج ۴ ص ۱۸۱۸ رقم الحدیث ۲۳۳۷ مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدثنا ابوبکر قال حدثنا شریک عن ابی اسحاق عن البراء قال ما رایت اجمل من رسول اللہ ﷺ مترجلا فی حلۃ حمراء۔[2890]

ودلیل جواز الاحمر وغیرہ مع الاجماع حدیث البراء رایت رسول اللہ ﷺ فی حلۃ حمراء رواہ البخاری ومسلم وروی ایضاً مثلہ من روایۃ ابی جحیفۃ۔[2891]

حدثنا موسیٰ بن اسمعیل حدثنا قیس یعنی ابن الربیع وحدثنا محمد بن سلیمان الانباری حدثنا وکیع عن سفیان جمیعاً عن عون ابن ابی جحیفۃ عن ابیہ قال اتیت النبی ﷺ بمکۃ وھو فی قبۃ حمرآء من ادم فخرج بلال فاذن فکنت اتتبع فمہ ھبنا وھھنا قال ثم خرج رسول اللہ ﷺ وعلیہ حلۃ حمرآء وبرود یمانیۃ قطری۔

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ مکہ مکرمہ کے اندر ایک سرخ خیمے میں جلوہ افروز تھے۔ پس حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور اذان کہی میں دیکھ رہا تھا کہ انہوں نے اپنا منہ ادھر ادھر کیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اوپر سرخ حلہ تھا یمنی چادر کا گویا قطر کی بنی ہوئی ہے۔[2892]

عن ھلال بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ بمنی یخطب علی بغلۃ وعلیہ برد احمر وعلی امامہ یعبر عنہ۔

ترجمہ: حضرت ھلال بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو منیٰ کے مقام پر ایک خچر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور آپ صلی

[2890] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2891] (المجموع شرح المہذب للنووی ج ۴ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2892] (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۴۳ رقم الحدیث ۵۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الترمذی قال ابو عیسی حدیث ابی جحیفۃ حدیث حسن صحیح ج ۱ ص ۳۷۵۔۳۷۶ رقم الحدیث ۳۷۷ ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح البخاری باب الثوب الاحمر ج ۱ ص ۱۴۷ رقم الحدیث ۳۶۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اوپر ایک سرخ چادر تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے آگے کھڑے ہوئے آپ کے الفاظ (لوگوں تک) پہنچا رہے تھے۔[2893]

عن ھلال بن عامر عن ابیہ قال رایت النبی ابمنی یخطب علی بغلۃ وعلیہ برد احمر وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامہ یعبر عنہ۔

ترجمہ: حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم منیٰ میں ایک خچر پر خطبہ دے رہے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اوپر ایک سرخ چادر تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے آگے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے الفاظ آگے پہنچا رہے تھے۔[2894]

قال فی البدر المنیر و اسنادہ حسن۔

امام ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ نے البدر المنیر میں فرمایا کہ اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔

[2895]

وروی ابن ابی شیبۃ عن ابی رمثۃ قال حججت فقدمت المدینۃ ولم اکن رایت رسول اللہ ﷺ فخرج وعلیہ ثوبان بردان احمران۔

[2893] (سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الرخصۃ ذلک ج ۴ ص ۵۴ رقم الحدیث ۴۰۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2894] (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۳ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۵۷۷۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۳۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2895] (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی رمثہ صبیان کرتے ہیں کہ میں نے حج کیا اور مدینہ آیا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو نہیں دیکھا تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم باہر آئے آپ پر دو سرخ چادریں تھیں۔[2896]

عن طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ بسوق ذی المجاز فمر وعلیہ جبۃ لہ حمراء۔

ترجمہ: حضرت طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سرخ جبہ تھا۔[2897]

وروی مسدد والامام احمد عن الاشعت بن سلیمان عن بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہ رای رسول اللہ ﷺ فی سوق ذی المجاز وعلیہ احمران۔

وروی وکیع بن الجراح عن طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ بسوق ذی المجاز وعلیہ جبۃ حمراء۔

ترجمہ: حضرت طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر سرخ جبہ تھا۔[2898]

وروی ابن سعد عن شیخ من کنانۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ وعلیہ بردان احمران۔

[2896] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۲۔۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2897] (جامع الاحادیث الکبیر ج ۲۰ ص ۴۴ رقم الحدیث ۱۵۵۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السیرۃ النبویۃ لابن عساکر ج ۴ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2898] (سبل الھدی والرشاد ج۷ ص ۳۱۲۔۳۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: شیخ من کنانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ آپ پر دو سرخ چادریں تھیں۔[2899]

عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس بردہ الاحمر فی العید والجمعة۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جمعہ اور عیدین کو سرخ چادر پہنتے تھے۔[2900]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ھشیم قال انا الحجاج عن ابی جعفر ان رسول اللہ ﷺ کان یلبس بردہ الاحمر یوم الجمعة ویعتم یوم العیدین۔

ترجمہ: حضرت ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جمعہ اور عیدین کو سرخ چادر اور سرخ عمامہ باندھتے تھے۔[2901]

حدیث انہ ﷺ کان یتردی یوم الجمعة رواہ البیهقی من روایة جابر بلفظ کان لہ برد احمر یلبسه فی العیدین والجمعة و ابن خذیمة بلفظ کانت لہ جبة یلبسها فی العیدین والجمعة۔[2902]

ورواہ الطبرانی عن ابن عباس بلفظ کان یلبس یوم العید بردة حمراء قال الهیثمی ورجالہ ثقات۔

ترجمہ: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عید کے روز سرخ رنگ کی چادر پہنتے تھے۔

[2899](سبل الهدی والرشاد ج۷ص ۳۱۲-۳۱۳مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2900](سنن الکبری للبیهقی ج۳ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۵۷۷۸ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)، (نیل الاوطار ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (مختصر تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت)، (السیرة النبویة لابن عساکر ج ۴ ص ۱۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2901](مصنف ابن ابی شیبة ج ۱ ص ۴۸۱ رقم الحدیث ۵۵۴۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[2902](خلاصة البدر المنیر ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۷۷۳ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ کہ تمام راوی ثقہ ہیں۔[2903]

فقد روی الطبرانی من حدیث ابن عباس انه کان یلبس یوم العید بردة حمراء قال الهیثمی ورجاله ثقات فالصحیح جواز لبس الاحمر۔

ترجمہ: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عید کے روز سرخ رنگ کی چادر پہنتے تھے۔

اس حدیث مبارکہ سے سرخ لباس کا جائز ہونا بالکل صحیح ہے۔[2904]

حدثنا عبد بن حمید ثنا محمد بن الفضل حدثنا حماد بن سلمة عن حبیب بن الشهید عن الحسن عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج وهو متکئ علی اسامة بن زید علیه ثوب قطری قد توشح به فصلی بهم۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ٹیک لگائے باہر آئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر قطری (سرخ رنگ کا) کپڑا لپٹا ہوا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی امامت فرمائی۔[2905]

وفی روایة ثوب قطری اخرجهما الترمذی فی الشمائل قوله ثوب قطر هو ضرب من البرود فیه حمرة له اعلام فیه بعض الخشونة وقیل هی حلل جیاد تحمل من قبل البحرین قال الازهری فی اعراض البحرین قریة یقال لها قطر واحسب الثیاب القطریة تنسب الیها۔

[2903] (فیض القدیر ج ۵ ص مطبو ۲۴۶ مطبوعہ المکتبة التجاریة الکبری مصر)

[2904] (المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة للبیجوری ص ۷۲ فاروقی کتب خانہ ملتان)

[2905] (الشمائل المحمدیة والخصائل المصطفویة ص ۷۰ رقم الحدیث ۶۰ مطبوعہ موسسة الکتب الثقافیة بیروت)، (غایة الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۰ رقم الحدیث ۵۰۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنة للبغوی ج ۶ ص ۱۵۹ رقم الحدیث ۲۹۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

ترجمہ: قطری کپڑا ایک قسم کی نقش دار سرخ چادر تھی جو سخت تھی۔[2906]

عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ فی لیلۃ اضحیان و علیہ حلۃ حمرآء فجعلت انظر الیہ و الی القمر فلھو عندی احسن من القمر۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو چودھویں رات میں دھاری دار سرخ یمنی جوڑا پہنے ہوئے دیکھا میں (کبھی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندی کی طرف تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے نزدیک چاند سے یقیناً زیادہ حسین تھے۔[2907]

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اخبرنی یحیی بن منصور القاضی ثنا احمد بن سلمۃ ثنا اسحاق انبا المحاربی عن اشعث عن ابی اسحاق عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رسول اللہ ﷺ فی لیلۃ اضحیان و علیہ حلۃ حمراء فجعلت انظر الیہ و الی القمر فلھو احسن فی عینی من القمر۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو چودھویں رات میں دھاری دار سرخ یمنی جوڑا پہنے ہوئے دیکھا میں (کبھی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندی کی طرف تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے نزدیک چاند سے یقیناً زیادہ حسین تھے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔[2908]

[2906] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۰۰ رقم الحدیث ۵۰۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2907] (الشمائل المحمدیۃ و الخصائل المصطفویۃ مع تحفۃ الاحوذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ج ۱۰ ص ۹۰ رقم الحدیث ۱۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2908] (مستدرک قال المحقق قال فی التلخیص صحیح ج ۴ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۷۳۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وعن جابر بن سمرة قال رایت النبی ﷺ فی لیلة اضحیان و علیه حلة حمرا فکنت انظر الیه و الی القمر فهو کان فی عینی احسن من القمر۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو چودھویں رات میں دھاری دار سرخ یمنی جوڑا پہنے ہوئے دیکھا میں (کبھی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندی کی طرف تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے نزدیک چاند سے یقیناً زیادہ حسین تھے۔[2909]

حدثنا احمد قال حدثنا ابو عمیر بن النحاس قال حدثنا ایوب بن سوید عن سفیان الثوری عن محمد بن المنکدر عن جابر قال ما رایت احسن من رسول اللہ ﷺ فی حلة حمراء۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے زیادہ سرخ حلہ کسی پر سجتے ہوئے نہیں دیکھا۔[2910]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا زید بن حباب قال حدثنی حسین بن واقد قال حدثنی عبداللہ بن بریدة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ یخطبنا فاقبل الحسن و الحسین علیهما قمیصان احمران۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خطبے کے وقت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے۔[2911]

اخبرنا ابو الفضل الحسن بن یعقوب بن یوسف العدل حدثنا یحیی بن ابی طالب انبا زید بن الحباب انبا الحسین بن واقد حدثنی عبداللہ بن بریدة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ

[2909] (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۴۱)

[2910] (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۶۸۰ مطبوعه دار الحرمین القاهرة)، (مسند الطیالسی ص ۹۸ رقم الحدیث ۷۲۱ مطبوعه دار المعرفة بیروت)

[2911] (مصنف ابن ابی شیبه ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۹ مطبوعه مکتبة الرشد الریاض)

يخطب فاقبل الحسن والحسين عليهما قميصان احمران فجعلا يعثران ويقومان فنزل فاخذهما فوضعها بين يديه وقال صدق الله ورسوله انما اموالكم واولادكم فتنة رايت هذين فلم اصبر ثم اخذ في خطبته۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه۔

ترجمہ: یہ حدیث مبارکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے معیار کے مطابق صحیح ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔[2912]

قال المحقق وافقه الذهبي في التلخيص على شرط البخاري ومسلم۔[2913]

حدثنا احمد بن صالح ثنا ابن وهب حدثني معاوية بن صالح عن عبد العزيز بن مسلم عن ابي معقل عن انس بن مالك قال رايت رسول الله ﷺ يتوضا وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم ينقض العمامة۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو دیکھا کہ وضو فرمارہے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر قطری عمامہ تھا عمامہ مبارک کے نیچے ہاتھ مبارک داخل کرکے مسح فرمایا اور عمامہ مبارک کو نہیں کھولا۔[2914]

قوله (عمامة قطرية) هي ثياب حمر لها اعلام فيها بعض الخشونة۔ منسوبة الى قطر موضع بين عمان وسيف البحر۔

[2912] (مستدرک للحاکم کتاب اللباس ج ۵ ص ۱۴ ا رقم الحدیث ۷۴۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2913] (مستدرک للحاکم کتاب اللباس ج ۵ ص ۱۴ ا رقم الحدیث ۷۴۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2914] (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۶ رقم الحدیث ۱۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار المعرفة بیروت)

ترجمہ: قطری عمامہ سرخ نقش والا کپڑا جو سخت تھا قطر کی طرف منسوب جو عمان سیف البحر کے درمیان ہے۔[2915]

قطری بکسر القاف و سکون الطاء و قد تخفف و مع التخفیف هو ضرب من البرد فیه حمرة و لها اعلام فیها بعض الخشونة و فسره بعضهم بانه غلیظ من قطن۔

ترجمہ: قطری ایک قسم کی چادر تھی جس میں سرخ رنگ اور نقش تھے اور روئی کی سخت چادر تھی۔[2916]

استدل به علی التعمیم بالحمرة و هو استدلال صحیح لو فی الحدیث ضعف۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ میں سرخ عمامے کی دلیل ہے جو صحیح استدلال ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔[2917]

ثنا محمد ثنا الزبیر حدثنی محمد بن الحسن عن عبدالعزیز بن محمد عن عبیداللہ بن عمر عن سیار ابی الحکم عن عائشة انها قالت رایت جبریل علیه السلام علیه عمامة حمراء سادلها بین کتفیه۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے سرخ رنگ کا عمامہ باندھا تھا اور اس کا شملہ ان کی پشت پر لٹک رہا تھا۔[2918]

[2915] (شرح سنن ابی داؤد للعینی ج ۱ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار القرآن و الحدیث ملتان)، (المواھب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة للبیجوری ص ۲۹ فاروقی کتب خانہ ملتان)

[2916] (سبل الھدیٰ و الرشاد ج ۷ ص ۳۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2917] (عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2918] (المنتخب من کتاب ازواج النبی قصة تزوج عائشة رضی اللہ عنہا ص ۳۶ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت)، (سبل الھدی و الرشاد ج ۷ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

حدثنا محمد بن عبداللہ الحضرمی قال حدثنا اسماعیل بن بھرام قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد الدراوردی عن عبیداللہ بن عمر عن سیار ابی الحکم عن شھر بن حوشب عن عائشۃ قالت رایت جبریل علیہ السلام علیہ عمامۃ حمراء یرخیھا بین کتفیہ۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے سرخ رنگ کا عمامہ باندھا تھا اور اس کا شملہ ان کی پشت پر لٹک رہا تھا۔[2919]

قال ابن عباس و لم تقاتل فی یوم سواہ و کانوا یکونون فیما سواہ من الایام عددا و مددا لا یضربون و کانت سیماھم یوم بدر عمائم بیضاء قد ارسلوھا فی ظھورھم و یوم حنین عمائم حمرا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی نشانی بدر کے دن سفید عمامے تھے کہ شملہ پیچھے لٹکاتے تھے اور حنین کے دن سرخ عمامے تھے۔[2920]

وروی البیھقی عن ابن عباس قال: کان سیماء الملائکۃ یوم بدر عمائم بیض قد ارسلوھا علی ظھورھم و یوم خیبر عمائم حمراً۔

وروی الطبرانی و ابن مردویہ بسند ضعیف عن ابن عباس مرفوعاً فی قولہ تعالیٰ: (مسومین) قال: معلمین و کانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم سود و یوم احد عمائم حمر۔[2921]

وروی ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن ابی ھریرۃ فی قولہ: (مسومین) قال: بالعھن الاحمر۔[2922]

کانت سیما الملائکۃ یوم بدر عمائم سود و یوم احد عمائم حمر۔

[2919] (طبرانی الاوسط ج ۵ ص ۳۸۱ رقم الحدیث ۵۶۲۰ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2920] (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ و الثلاثۃ الخلفاء غزوۃ بدر الکبری ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[2921] (سبل الھدی و الرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2922] (سبل الھدی و الرشاد ذکر سیماء الملائکۃ یوم بدر ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: فرشتوں کی نشانی بدر کے دن سفید عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے تھے۔[2923]

عن یزید بن بلال حدثنی جدی حدثنا الحکم بن مروان حدثنا کیسان ابو عمر عن یزید بن بلال و کان من اصحاب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رایت رایۃ علی حمراء مکتوب فیھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: یزید بن بلال رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرخ جھنڈا دیکھا جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) لکھا ہوا تھا۔[2924]

حدثنا یحیی قال حدثنا وکیع عن موسی بن دھقان قال رایت ابن عمر جالسا علی سریر عروس علیہ ثیاب حمر۔

ترجمہ: موسیٰ بن دہقان فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سرخ کپڑوں میں دیکھا۔[2925]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا یزید بن ھارون عن العوام قال رایت علی ابراھیم التیمی وابراھیم النخعی علی کل واحد منھما ملحفۃ حمراء۔

ترجمہ: عوام رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم تیمی اور امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہما پر سرخ چادر دیکھی۔[2926]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عمرو بن عثمان قال رایت علی ابی جعفر ملحفۃ حمراء۔

[2923] (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۹۵ رقم الحدیث ۸۵۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2924] (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۱۳ برقم ۱۵۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (المسند الضعیف للعقیلی ص ۱۵۹ رقم الحدیث ۲۶۲ مطبوعہ نزار مصطفیٰ الباز المملکۃ العربیۃ)

[2925] (الادب المفرد ج ۱ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)

[2926] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۴۷۱۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

ترجمہ: عامر بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی بن ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ پر سرخ چادر دیکھی۔[2927]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن مالک بن مغول قال رایت علی الشعبی ملحفة حمراء۔

ترجمہ: مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ پر سرخ چادر دیکھی۔[2928]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن نصر بن اوس قال رایت علی علی بن الحسین ملحفة حمراء۔

ترجمہ: نصر بن اوس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما پر سرخ چادر دیکھی۔[2929]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سفید، سیاہ، سبز، سرخ، زرد عمامہ پہننا سنت ہے ان کے علاوہ ہر قسم کے رنگ کا عمامہ مباح ہے۔ سب سے افضل عمامہ سفید ہے اس کے بعد سیاہ عمامہ اس کے بعد سبز عمامہ اس کے بعد سرخ عمامہ اس کے بعد زرد رنگ کا عمامہ افضل ہے۔

ٹوپی کا ثبوت

ٹوپی پہننا بھی سنت ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ سے ٹوپی پہننا ثابت ہے۔ اور ہر قسم کی ٹوپی جناح کیپ وغیرہ سب پہننا جائز ہے جو ٹوپی کی کسی قسم کو ناجائز کہے تو وہ اس کے ناجائز ہونے پر

[2927] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۱۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2928] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2929] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۲۴۷۲۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

دلیل پیش کرے اپنے قیاس پیش نہ کرے۔ البتہ اگر کسی جگہ کسی قسم کی ٹوپی غیر مسلموں سے مشابہت رکھتی ہو تو اس جگہ اس خاص قسم کی ٹوپی پہننا ناجائز ہو گا اگرچہ وہ ٹوپی کسی قسم کی بھی ہو۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

ترجمہ: جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔[2930]

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کان علی موسی علیہ السلام یوم کلمہ ربہ کساء صوف وجبۃ صوف وکمہ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت۔ (والکمہ القلنسوۃ الصغیرۃ)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا اس دن انہوں نے ایک اون کی چادر اون کا جبہ اون کی ٹوپی اور اون کی شلوار پہنی ہوئی تھی اور مردہ دراز گوش کی کھال سے بنے جوتے پہنے ہوئے تھے۔[2931]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول الشھداء اربعۃ رجل مومن جید الایمان لقی العدو فصدق اللہ حتی قتل فذالک الذی یرفع الناس الیہ اعینھم یوم القیامۃ ھکذا ورفع راسہ حتی وقعت قلنسوتہ قال فما ادری اقلنسوۃ عمر اراد ام قلنسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔۔۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا شہداء کی چار اقسام ہیں وہ مومن شخص جس کا ایمان

[2930] (سنن ابو داؤد کتاب اللباس ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2931] (سنن الترمذی باب ماجاء فی لبس الصوف ج ۴ ص ۲۲۴ رقم الحدیث ۱۷۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مضبوط ہو وہ دشمن سے مقابلہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے یہی وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سر مبارک اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی گر گئی راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ٹوپی مراد ہے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[2932]

ورفع راسه حتی سقطت قلنسوة رسول اللہ ﷺ او قلنسوة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سر انور اتنا اوپر اٹھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ٹوپی مبارک گر گئی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[2933]

ورفع راسه حتی وقعت قلنسوته قال فلا ادری قلنسوة عمر ام قلنسوة النبی ﷺ۔۔۔۔

ترجمہ: آپ نے سر مبارک اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی گر گئی راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ٹوپی مراد ہے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[2934]

كان يلبس القلانس تحت العمائم و بغير العمائم ويلبس العمائم بغير قلانس و كان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضرية ويلبس ذوات الآذان في الحرب و كان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي و كان من خلفه ان يسمي سلاحه و دوابه و متاعه۔

[2932] (سنن الترمذی باب ماجاء فی لبس الصوف ج ۴ ص ۲۲۴ رقم الحدیث ۱۶۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2933] (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳ رقم الحدیث ۱۵۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[2934] (مسند ابی یعلی ج ۱ ص ۲۱۶ رقم الحدیث ۲۵۲ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامے کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے اور آپ یمنی ٹوپی پہنتے تھے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے بعض اوقات اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔[2935]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس وکان یلبس القلانس الیمانیة ذوات الآذان فی الحرب وکان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بین یدیه وهو یصلی۔۔۔۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے اور آپ یمنی ٹوپی پہنتے تھے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور بعض اوقات اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ بنا کر نماز ادا کرتے تھے۔[2936]

وکان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر عمامة وربما نزع قلنسوته من راسه فجعلها سترة بین یدیه ثم یصلی الیها وربما لم تکن العمامة فیشد العصابة علی راسه وعلی جبهته۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور بغیر عمامہ کے بھی (ٹوپی پہنتے تھے) کبھی ٹوپی سر سے اتار کر سامنے سترہ کے لئے رکھتے تھے پھر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے کبھی عمامہ نہ ہوتا تو کوئی کپڑا سر مبارک پر لپیٹتے۔[2937]

[2935] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۱۲۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2936] (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۳۶۷ دار الکتب العلمیة بیروت)، (کنز العمال ج ۷ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۱۸۲۸۶ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)

[2937] (اتحاف سادة المتقین کتاب آداب المعیشة واخلاق النبوة ج ۸ ص ۲۵۴ ـ ۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکان) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یلبس القلانس) جمع قلنسوۃ فضلوۃ بفتح العین وسکون النون (تحت العمائم) جمع عمامۃ (و) تارۃ یلبسھا (بغیر عمامۃ) والظاھر انہ کان یفعل ذلک فی بیت واما اذا ظھر للناس فالظاھر انہ کان لا یخرج الا بعمامۃ فوق القلنسوۃ (وربما نزل قلنسوتہ من راسہ فجعلھا سترۃ بین یدیہ ثم یصلی الیھا) الظاھر انہ کان یفعل ذلک عند عدم تیسر مایتستر بہ او بیاناً للجواز قال العراقی رواہ الطبرانی وابو الشیخ والبیھقی فی الشعب من حدیث ابن عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یلبس قلنسوۃ بیضاء ولابی الشیخ من حدیث ابن عباس کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاث قلانس قلنسوۃ بیضاء مضربۃ وقلنسوۃ برد حبرۃ وقلنسوۃ ذات آذان یلبسھا فی السفر وربما وضعھا بین یدیہ اذا صلی واسنادھما ضعیف۔[2938]

قلت وحدیث ابن عباس اخرجہ ایضاً الرویانی وابن عساکر بلفظ کان یلبس القلانس وکان یلبس القلانس الیمانیۃ وھی البیض المضربۃ ویلبس ذوات الآذان فی الحرب وکان ربما نزع قلنسوتہ فجعلھا سترتہ بین یدیہ وھو یصلی وحدیث ابن عمر الذی اوردہ اولاً تفرد بہ عبداللہ بن خراش وھو ضعیف وقال العراقی فی شرح الترمذی اجود اسناد فی القلانس ما رواہ ابو الشیخ عن عائشۃ کان یلبس القلانس فی السفر ذوات الآذان وفی الحضر المضمرۃ یعنی الشامیۃ۔

(وربما لم تکن العمامۃ فیشد العصابۃ علی راسہ وعلی جبھۃ) قال العراقی رواہ البخاری من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما صعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المنبر قد عصب راسہ بعصابۃ دسماء الحدیث (وکانت لہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (عمامۃ تسمی السحاب فوھبھا من علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فربما طلع علی فیھا فیقول اتاکم علی فی السحاب) قال العراقی رواہ ابن عدی وابو الشیخ من حدیث جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ وھو مرسل ضعیف جداً ولابی نعیم فی دلائل النبوۃ من حدیث عمر فی اثناء حدیث عمامتہ السحاب الحدیث اھ۔[2939]

[2938] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ واخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2939] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ واخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

روی ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن عطاء بن ابی رباح عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لرسول اللہ ﷺ قلنسوة شامیة بیضاء۔

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بواسطہ حضرت عطاء ابن ابی رباح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس ایک شامی سفید ٹوپی مبارک تھی۔[2940]

حدثنا محمد بن ابراھیم بن داود نا عبداللہ بن محمد بن ابی اسامة الحلبی نا الضحاک بن حجرة المنبجی نا عبداللہ بن واقد عن ابی حنیفة عن عطاء بن ابی رباح عن ابی ھریرة قال رأیت علی رأس رسول اللہ قلنسوة بیضاء شامیة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سر مبارک پر سفید شامی ٹوپی دیکھی۔[2941]

قال خالد بن یزید حدثنا عاصم بن سلیمان عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جده عن رسول اللہ ﷺ انه کان یلبس القلانس البیض والمزرورات وذوات الآذن۔[2942]

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان لرسول اللہ ﷺ قلنسوة بیضاء لاطئة یلبسها۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس سفید ٹوپی تھی جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک

[2940] (جامع المسانید مجموعة الاحادیث والآثار تضم ۱۵ مسانید الامام الافخم ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۱۹۸ مطبوعہ مجلس دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ھند)

[2941] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۳۱۳ مطبوعہ دار المسلم الریاض)

[2942] (تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام جدید ج ۱ ص ۵۹۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

وسلم پہنا کرتے تھے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سر اقدس پر جمی رہتی تھی۔[2943]

وکان ﷺ یلبس القلانس الیمانیة وھی البیض المضربة وکانت قلنسوته لاطیة۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یمنی اور لاطیہ ٹوپی پہنتے تھے۔[2944]

حدثنا ابراھیم بن محمد بن الحسن نا یحیی بن حمید بایذج نا عثمان بن عبداللہ القرشی نا بقیة عن الاوزاعی عن حریز بن عثمان قال لقیت عبداللہ بن بسر فقلت اخبرنی قال رأیت رسول اللہ وله قلنسوة طویلة وقلنسوة لها اذنان وقلنسوة لاطیة۔[2945]

اخبرنا ابو یعلی نا محمد بن عقبة نا عبداللہ بن خراش عن العوام بن حوشب عن ابراھیم التیمی عن ابن عمر قال کان رسول اللہ یلبس قلنسوة بیضاء۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[2946] یہ حدیث مبارکہ حسن ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو حسن کہا ہے۔[2947]

عن عائشة قالت کان لرسول اللہ ﷺ قلنسوة بیضاء۔

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سفید ٹوپی تھی۔[2948]

[2943] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۹۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (کنز العمال ج ۷ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۱۸۲۸۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2944] (کشف الغمہ عن جمیع الائمۃ کتاب الصلاۃ باب مایحل ویحرم من اللباس ص ۱۹۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2945] (اخلاق النبی ﷺ وآدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۳۱۶ مطبوعہ دارالمسلم الریاض)

[2946] (اخلاق النبی وآدابہ ذکر قلنسوتہ ج ۲ ص ۲۰۵ رقم الحدیث ۳۱۲ مطبوعہ دارالمسلم الریاض)

[2947] (السراج المنیر ج ۴ ص ۱۱۲)

[2948] (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ جز ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

وعن جعفر بن محمد عن ابیه عن جده عن رسول الله ﷺ انه كان يلبس القلانس البيض المزرورات وذوات الاردان وعن ابن عمر وعن انس ان النبی ا يلبس كمة بيضاء۔ وعن عائشة قالت كان لرسول الله ﷺ قلنسوة بيضاء لاطئه يلبسها۔ وعنها قالت كان رداء رسول الله ﷺ اربعة ازرع وشبراً في ذراع وشبر۔[2949]

كان يلبس قلنسوة بيضاء۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[2950]

كان يلبس قلنسوة بيضاء لاطئة۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سر مبارک پر جمی رہتی تھی۔[2951]

عن ابراهيم التيمی عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان يلبس قلنسوة بيضاء۔

ترجمہ: ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[2952]

قال العزيزی اسناده حسن۔

ترجمہ: امام عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔[2953]

وفي الجامع الصغير برواية الطبرانی عن ابن عمر قال كان يلبس قلنسوة بيضاء۔ قال العزيزی اسناده حسن۔[2954]

[2949](مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۲۲۴)

[2950](الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۶۶۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2951](الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۶۶۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2952](شعب الایمان للبیھقی ج ۵ ص ۱۷۵ رقم الحدیث ۶۲۵۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2953](تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2954](تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۱۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اخبرنا ابن الباغندی ابن مصفی نا محمد بن خالد عن مفضل بن فضالة عن هشام بن عروة عن ابیه عن خالته عائشة رضی الله عنها ان النبی ﷺ کان یلبس من القلانس فی السفر ذوات الآذان وفی الحضر المشمرة یعنی الشامیة۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفر میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں شامی ٹوپی پہنتے تھے۔[2955]

قال الحافظ العراقی فی شرح الترمذی واجود اسناد فی القلانس ما رواه ابو الشیخ عن عائشة کان یلبس القلانس فی السفر ذوات الآذان وفی الحضر المضمرة یعنی الشامیة وفیه ندب العمائم فوق القلانس۔

ترجمہ: حافظ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ ٹوپی کے بارے میں سب سے عمدہ اسناد وہ ہے جو ابو الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفر میں کان والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں تِلّی کی ہوئی یعنی شامی ٹوپی پہنتے تھے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمامہ ٹوپی کے اوپر باندھنا مستحب اور مندوب ہے۔[2956]

حدثنا محمد بن عمران بن الجنید نا احمد بن عیسی المقانعی وسلیمان بن داود السلال نا بشر بن یحیی المروزی نا سالم بن سالم عن العرزمی عن عطاء عن ابن عباس قال کان لرسول الله ثلاث قلانس قلنسوة بیضاء مصریة وقلنسوة برد حبرة وقلنسوة ذات الآذان یلبسها فی السفر وربما وضعها بین یدیه اذا صلی۔[2957]

وقال لی مسدد حدثنا معتمر قال سمعت ابی قال رایت علی انس برنسا اصفر من خز۔

[2955] (اخلاق النبی ﷺ وآدابه ذکر قلنسوته ج ۲ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۳۱۴ مطبوعه دار المسلم الریاض)

[2956] (فیض القدیر ج ۵ ص ۲۴۶ مطبوعه المکتبة التجاریة الکبری مصر)

[2957] (اخلاق النبی وآدابه ذکر قلنسوته ج ۲ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۳۱۵ مطبوعه دار المسلم الریاض)

ترجمہ: سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ریشم اور اون کی بنی ہوئی زرد رنگ کی مخصوص ٹوپی دیکھی۔[2958]

عبدالرزاق عن الثوری عن الاعمش عن سعید بن عبداللہ بن ضرار قال رایت انس بن مالک اتی الخلاء ثم خرج وعلیه قلنسوة بیضاء مزرورة فمسح علی القلنسوة وعلی جوربین له مرعزا اسودین ثم صلی قال الثوری والقلنسوة بمنزلة بیا ع۔

ترجمہ: سعید بن عبد اللہ بن ضرار سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ بیت الخلاء میں داخل ہوئے پھر نکلے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بٹن لگی ہوئی سفید ٹوپی تھی تو آپ نے اپنی ٹوپی پر مسح کیا۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ٹوپی بمنزلہ عمامہ ہے۔[2959]

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ مسح علی قلنسوة۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ ٹوپی پر مسح کرتے تھے۔

[2960]

عن اشعث عن ابیه ان ابا موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرج من الخلاء وعلیه قلنسوة فمسح علیها۔

ترجمہ: حضرت اشعث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت الخلاء سے باہر آئے اور انہوں نے ٹوپی پہنی ہوئی تھی پھر انہوں نے اس ٹوپی پر مسح کیا۔[2961]

[2958] (صحیح البخاری باب البرانس ج ۲ ص ۸۶۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2959] (مصنف عبدالرزاق باب المسح علی القلنسوة ج ۱ ص ۱۹۰ رقم الحدیث ۷۴۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[2960] (غایة الاحکام فی احادیث الاحکام ذکر المسح علی العمامة ج ۱ ص ۵۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2961] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۲۴۸۵۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

عن عبداللہ بن سعید قال رایت علی علی بن الحسین رضی اللہ عنہما قلنسوۃ بیضاء مصریۃ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو سفید مصری ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔[2962]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا معاویۃ عن ھشام قال رایت علی ابن الزبیر قلنسوۃ لھا رب کان یستظل بھا اذا طاف بالبیت۔

ترجمہ: حضرت ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک چھجے والی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا بسا اوقات وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت اس کا سایہ کر لیتے تھے۔[2963]

حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چند موئے مبارک تھے۔ ایک دفعہ دوران جہاد وہ ٹوپی گر پڑی وہ اس کو لینے کے لئے تیزی سے دوڑے جبکہ اس معرکے میں بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم شہید ہوئے؟ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لم افعلھا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمنتہ من شعرہ ا لئلا اسلب برکتھا وتقع فی ایدی المشرکین۔

ترجمہ: میں نے صرف ٹوپی کے حاصل کرنے کے لئے اتنی تگ ودو نہیں کی تھی بلکہ اس لئے کہ اس ٹوپی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے موئے مبارک تھے مجھے خوف ہوا

[2962] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)
[2963] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

کہ کہیں اس کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور دوسرا یہ کہ یہ کفار و مشرکین کے ہاتھ نہ لگ جائے۔
2964

وقد اتیتک بالقلنسوۃ المبارکۃ التی تنصر بھا علی اعدائک۔
ترجمہ: میں آپ کے پاس مبارک ٹوپی لایا جس کے وسیلے سے دشمن پر مدد طلب کی جاتی ہے۔
2965

امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:
فسبقتھم الی ناصیتہ فجعلتھا فی ھذہ قلنسوۃ فلم اھد قتالاً و ھی معی الا رزقت النضر۔
ترجمہ: یعنی میں نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی پیشانی مبارک کا ایک بال حاصل کر کے اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا۔[2966]
عن ابی حیان قال کانت قلنسوۃ علی لطیفۃ۔
ترجمہ: ابی حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی باریک تھی۔[2967]

عن یزید بن الحارث بن بلال الفزاری قال رأیت علی علی قلنسوۃ بیضاء مصریۃ۔
ترجمہ: یزید بن الحارث بن بلال الفزاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر مصری سفید ٹوپی دیکھی۔[2968]

[2964](الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص ۶۱۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[2965](فتوح الشام جبلۃ یحارب خالداً ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)
[2966](مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۹۹)
[2967](طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)
[2968](طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)

حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن عبداللہ بن سعید قال رأیت علی علی بن الحسین قلنسوة بیضاء مصریة۔

ترجمہ: یزید بن الحارث بن بلال الفزاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے سر پر مصری سفید ٹوپی دیکھی۔[2969]

القلنسوة من لباس الانبیاء والصالحین۔

ترجمہ: ٹوپی انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے لباس سے ہے۔[2970]

قال ابن العربی القلنسوة من لباس الانبیاء والصالحین السالکین تصون الراس وتمکن یباع وھی من السنة۔

"امام ابن العربی بیان کرتے ہیں کہ ٹوپی انبیاء اور صالحین کے لباس سے ہے سر کی حفاظت کرتی ہے اور عمامہ کو جماتی ہے جو سنت ہے"۔[2971]

ولا باس بلبس القلنسوة اللاطیة بالراس والمرتفعة المضربة وغیرھا تحت العمامة وبلاعمامة لان ذلک کلہ جاء عن المصطفی

ترجمہ: سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی اور بلند ٹوپی یا اس کے علاوہ کوئی اور ٹوپی عمامہ کے نیچے پہننے یا بغیر عمامہ کے پہننے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ سب حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہے۔[2972]

وقد لبسہ جماعة من الصحابة منھم ابوبکر الصدیق وابن عباس والتابعین منھم ابن ابی لیلیٰ وغیرہ۔

[2969] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۵ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[2970] (عارضة الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۷ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2971] (فیض القدیر ج ۵ ص ۲۴۷ مطبوعہ المکتبة التجاریة الکبری مصر)

[2972] (جمع الوسائل فی شرح الشمائل وبھامش شرح الشمائل للمناوی ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

ترجمہ: تحقیق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی ایک جماعت نے ٹوپی پہنی ہے جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے بھی یہ مخصوص ٹوپی پہنی ہے جن میں حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔[2973]

عن ابی حنیفة لا باس بلبس قلنسوة الثعالب۔

ترجمہ: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لومڑی کی کھال کی ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں۔[2974]

انه لا باس بلبس القلانیس فقد صح انه کان لرسول اللہ ﷺ قلانیس یلبسها۔

ترجمہ: ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ٹوپی پہنتے تھے۔[2975]

ولا باس بلبس القلانس لما روی ان النبی ﷺ کان له قلانس یلبسها وقد صح ذلک فی الذخیرة۔[2976]

ولا باس بلبس القلانس وقد صح انه ﷺ کان یلبسها کذا فی الوجیز للکردری۔

ترجمہ: ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ٹوپی پہنتے تھے علامہ کردری نے وجیز میں اسی طرح لکھا ہے۔[2977]

[2973] (ارشاد الساری ج ۸ ص ۴۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2974] (الملتقط فی الفتاوی الحنفیة کتاب الآداب ص ۲۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

[2975] (المحیط البرھانی کتاب الاستحسان و الکراھیة الفصل العاشر فی اللبس مایکرہ من ذلک و ما لا یکرہ ج ۶ جز ۱۱ ص ۷۴ مطبوعہ مطبوعہ المکتبة الغفاریة کانسی روڈ کوئٹہ)

[2976] (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مسائل شتیٰ ج ۶ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)، (البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2977] (فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیة باب اللبس مایکرہ من ذلک الباب التاسع فی اللبس مایکرہ من ذلک و ما لا یکرہ ج ۵ ص ۴۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وآں حضرت گاہے عمامہ بے کلاہ مے پوشد و گاہے باکلاہ کلاہ بے عمامہ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کبھی ٹوپی کے ساتھ اور کبھی بغیر ٹوپی کے عمامہ پہنتے تھے اور کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنتے تھے۔[2978]

ان احادیث و آثار صحابہ اور اقوال فقہاء سے معلوم ہوا کہ ٹوپی پہننا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت مبارکہ ہے عمامہ شریف کی فضیلت اور درجہ اپنی جگہ پر ہے لیکن صرف ٹوپی پہننے کو مشرکوں کا شعار اور خلاف سنت کہنا بالکل غلط ہے۔ بعض علماء نے ٹوپی پہننے کو خلاف سنت کہا ہے ہمارے نزدیک یہ درست نہیں۔

ولبس القلانس من دون العمائم من ذی المشرکین۔[2979]

لم یروا انہ ﷺ لبس القلنسوۃ بغیر العمامۃ فیتعین ان یکون ھذا ذی المشرکین۔

ترجمہ: یعنی ہر گز مروی نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو معین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے۔[2980]

ھذا کلہ یدل علی فضیلۃ العمامۃ مطلقاً نعم مع القلنسوۃ افضل ولبسھا وحدھا مخالف للسنۃ کیف وھی ذی الکفرۃ وکذا المبتدقہ فی بعض البلدان۔

ترجمہ: ان سب سے عمامہ کی فضیلت مطلقاً ثابت ہوئی (اگرچہ ٹوپی کے بغیر ہو) ہاں ٹوپی کے ساتھ افضل ہے اور صرف ٹوپی پہننا خلاف سنت ہے اور کیونکر نہ ہو کہ یہ کافروں اور بعض بلاد میں اہل بدعت کی وضع ہے۔[2981]

[2978] (شرح سفر السعادۃ ص ۴۳۶ مطبوعہ منشی نول الکشور لکھنؤ)

[2979] (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2980] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس ج ۸ ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[2981] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس ج ۸ ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

امام محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ ملا علی رحمۃ اللہ علیہ (ان کے علاوہ اور علماء نے بھی یہ فرمایا ہے) کا صرف ٹوپی پہننے کو مشرکوں کا شعار اور خلاف سنت کہنا بالکل غلط ہے اولاً تو امام محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اپنا قول ہے نہ یہ کوئی قرآن کی آیت ہے نہ حدیث نہ کوئی صحابی کا فرمان ہے دوم اگر یہ خلاف سنت ہے تو پھر سنت کس کو کہتے ہیں کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے فعل مبارک کو سنت نہیں کہتے اور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ٹوپی پہنتے تھے دیکھئے امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن خاله قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الشتاء فوجدتهم یصلون فی البرانس والاکسیه وایدیهم فیها رواه الطبرانی فی الکبیر وجاله موثقون۔

ترجمہ: کلیب کے والد اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بارگاہ اقدس میں سردیوں کے موسم میں حاضر ہوا۔ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں تھے۔ اس کو امام طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[2982]

قال الحسن کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة ویداه فی کمه۔

ترجمہ: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ قوم (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے۔[2983]

[2982] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۱ ۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2983] (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے تابعی اور جلیل القدر امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ٹوپی پہنتے تھے۔ قوم سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔

فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقال الحسن کان القوم ای الصحابة کما سیاتی بیانه۔

وضع ابو اسحاق قلنسوة فی الصلوة ورفعها۔

ترجمہ: ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں اپنی ٹوپی کو رکھا اور اٹھایا۔[2984]

اب بتائیں کیا یہ سب خلاف سنت کر رہے تھے اور اس کے بعد کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مشرکوں کا شعار ہے۔ اور جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ حدیث ضعیف ہے۔

حدثنا قتیبة بن سعید الثقفی ثنا محمد بن ربیعة ثنا ابو الحسن العسقلانی عن ابی جعفر بن محمد بن علی بن رکانة عن ابیه ان رکانة صارع النبی ﷺ فصرعه النبی ﷺ قال رکانة وسمعت النبی ﷺ یقول ثم فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس۔

ترجمہ: امام ابو جعفر محمد بن رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کشتی لڑی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انہیں پچھاڑ دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپیوں پر عمامے باندھنے کا فرق ہے۔ (یعنی مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں اور ہم ٹوپی پر)۔[2985]

امام محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ ترمذی اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

[2984] (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

[2985] (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۵ رقم الحدیث ۴۰۷۸ مطبوعه دار الفکر بیروت)، (مسند ابی یعلی ج ۳ ص ۵ رقم الحدیث ۱۴۱۲ مطبوعه دار المامون للتراث دمشق)

قال ابو عیسی هذا حدیث حسن غریب و اسناده لیس بالقائم و لا نعرف ابا الحسن العسقلانی و لا ابن رکانة۔

ترجمہ: یعنی اس حدیث کی اسناد قائم نہیں اور ہم ابو الحسن عسقلانی اور ابن رکانہ کو جو اس حدیث کے راوی ہیں پہچانتے نہیں۔[2986]

محمد بن رکانة القرشی اسناده مجهول لا یعرف سماع بعضه من بعض۔[2987]

لم یصح حدیث ابن رکانة انفرد به ابو الحسن شیخ لا یدری من هو؟ متنه فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس۔[2988]

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کئی صاحبان تشدد کرتے ہیں کہ نماز میں سر پر ٹوپی اور عمامہ دونوں ہونے ضروری ہیں صرف عمامہ یا صرف ٹوپی سے نماز پڑھنا سخت ناپسند جانتے ہیں بلکہ بعض تو جھگڑے اور فساد پر اتر آتے ہیں حالانکہ یہ خیال اور استدلال صحیح نہیں۔

اولاً یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف اور کافی کمزور ہے اس کے دو راوی مجہول ہیں ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اسناده لیس بالقائم و لا نعرف ابا الحسن العسقلانی و لا ابن رکانة۔

یعنی اس حدیث کی اسناد قائم نہیں اور ہم ابو الحسن عسقلانی اور ابن رکانہ کو جو اس حدیث کے راوی ہیں پہچانتے نہیں۔

وقد قرره الملا العلی القاری فی شرح الشمائل ص ۱۲۶ جلد ۱ ول زرقانی علی المواهب ص ۱۴ جلد ۵ و زادو من ثم قال السخاوی هو واه۔

یعنی امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے۔

[2986] (سنن الترمذی باب العمائم علی القلانس ج ۴ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۱۷۸۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2987] (التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۸۲ برقم ۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2988] (میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۶ ص ۱۴۵ برقم ۷۵۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

امام ذہبی میزان الاعتدال ص ۳۵۲ جلد ۳ میں ابن رکانہ اور ابوالحسن عسقلانی کو غیر معروف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا یعرف (ابن رکانة) تفرد عنه ابو الحسن العسقلانی فمن ابو الحسن الخ۔

تقریب التہذیب ص ۵۷۹ میں ہے ابو جعفر (د ت) بن محمد بن رکانۃ مجہول نیز ص ۵۸۲ میں ہے ابوالحسن (د ت) العسقلانی مجہول تو ایسی کمزور اسناد والی حدیث سے اکیلی ٹوپی یا عمامے کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ہاں ٹوپی پر عمامے کا مستحسن ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر ترک استحسان مستلزم کراہت نہیں۔

ثانیاً یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی اس میں نماز کا ذکر ہے بلکہ مطلقاً لباس کا بیان ہے لہٰذا ائمہ حدیث ترمذی ابوداؤد وغیرہما نے اسے عام لباس کے بیان میں ذکر فرمایا ہے تو خارج نماز کے لئے بھی یہ اہتمام ضروری سمجھا جاتا کہ ہر وقت سر پر عمامہ بمع ٹوپی رہے حالانکہ یوں نہیں تو معلوم ہوا کہ مستحسن ہے۔

ثالثاً ٹوپی پر عمامہ کا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق بنانا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اور کوئی فرق ہے ہی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہر علامت اسلام ہی فرق ہے تو اگر اکیلی ٹوپی بھی کسی زمانے میں علامت اسلام بن جائے تو وہ بھی فرق بن جائے گی چنانچہ کافی مدت سے قادری ٹوپی اور ترکی ٹوپی علامت اسلام ہیں اور موجودہ دور میں جناح کیپ تو ایسی ٹوپی کا پہننا جبکہ علامت اسلام ہے اور فرق ہے تو اس حدیث کے منشا کے مخالف کیسے ہو سکتا ہے ہاں گاندھی ٹوپی وغیرہ جو شعار کفار ہیں وہ چونکہ علامت کفر ہیں لہٰذا ممنوع ہیں۔

رابعاً فرق و علامت اسلام جو اس حدیث کا اصل مقصود ہیں اس کا ہر وقت ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ ترک مکروہ ہو کلمہ توحید جو بہت بڑا شعار اسلام ہے اس کا ہر وقت پڑھنا اور وہ بھی بلند آواز سے ضروری نہیں تو عمامہ بمع ٹوپی جیسا عمومی شعار ہر وقت قائم رکھنا کیونکر ضروری ہو اور جب ہر وقت ضروری نہیں تو نماز یا باہر نماز میں کیونکر ضروری ہو گا؟

خامساً خود نماز ہی اسلام کی ایسی زبر دست علامت ہے کہ نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو ہر ایک دیکھنے والا اسے مسلمان سمجھتا ہے۔

وذامما لایخفی بحکم القرآن والاحادیث الکریمة۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

اقیموا الصلوة ولاتکونوا من المشرکین۔

اور حدیث میں آیا:

بین العبدو بین الکفر ترک الصلوة۔

تو اگر نمازی کے سر پر ٹوپی و عمامہ بھی ہو تو تب بھی روز روشن کی طرح وہ فرق واضح ہو تا ہے تو اس لحاظ سے نماز کے باہر ٹوپی پر عمامے کا ہونا فرق کرنے کے لئے ہونا چاہئے کہ نماز تو خود ہی فرق ہے حالانکہ یہ نہیں کہتے۔

سادساً و سابعاً ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ عمامہ ٹوپی پر پہننے کو جائز سمجھنا فرق ہے تو صرف یہ جائز سمجھنا ہی کافی ہو گا بالفعل پہننے کی ضرورت نہیں ہو گی یا یہ مراد ہو کہ اس خاص زمانِ اقدس میں فرق ہے۔ اور جب بعد میں اکیلی ٹوپی بھی فرق بن گئی تو وہ بھی کافی ہو گا۔

کما قال مولانا علی القاری فی المرقاة ص ۲۳۷ جلد ۲ تحت حدیث خالفوا الیهود فانهم لایصلون فی نعالهم نصه او الادب فی زماننا عند عدم الیهود والنصاری او عدم

اعتیارھما الخلع ثم بسنح لی ان معنی الحدیث خالفوا الیھود فی تجویز الصلوۃ مع النعال والخفاف فانھم لایصلون ای لایجوزون الصلوۃ فیھما ولایلزم منہ الفعل۔

اوران وجوہ کی تائید ایک وجہ ثامن سے ہورہی ہے:فاستمع بقلب شھید۔

ثامناً جواب دوم میں روزروشن کی طرح واضح کیا گیاہے کہ محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اکیلا عمامہ شریف اور اکیلی ٹوپی شریف پہنا کرتے تھے تو یہ بھی سنت بنی حالانکہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی کوئی سنت بھی علامت کفر نہیں بن سکتی تو یہ کیسے علامت کفریاناجائز بن سکتے ہیں ہاں جو خاص ٹوپی یاکسی خاص شکل کا عمامہ شعار کفار بن جائے تو اس عارضے کے سبب اس کا استعمال ہمارے لئے ناجائز ہوگا جو اسی کے ساتھ خاص ہوگا لہٰذا ائمہ کرام وفقہائے عظام (جو معانی احادیث اچھی طرح سمجھتے ہیں اور آیات و احادیث سے ہی ہمارے لئے مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں) نے کسی کتاب میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اکیلی ٹوپی یا اکیلا عمامہ پہن کر نماز مکروہ ہے اور نہ ہی یہ فرمایا کہ نماز میں عمامہ بمع ٹوپی پہننا ضروری ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اگر یہ حدیث حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الواقع ثابت ہے تو اس کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں جو وہ صاحبان سمجھتے ہیں۔وذلک ممالاریب فیھا اصلاً

بلکہ ہمارے ائمہ ومشائخ عظام تصریح فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے کامل درجے کا مستحب لباس یہ ہے کہ مرد قمیص تہبند،عمامہ میں پڑھے جو تین کپڑے ہیں۔

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۷ جلد ا بدائع الصنائع ص ۲۱۹ جلد ا البحر الرائق ص ۲۵ جلد ۲ منیۃ المصلی اور غنیۃ المستملی ص ۳۴۷ فتاویٰ ہندیہ ص ۳۱ جلد ا طحطاوی علی الدر ص ۲۷۰ جلد ا میں بالفاظ متقاربہ ہے:

المستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ بدائع الصنائع میں اضافہ فرمایا کذا ذکرہ الفقیہ ابو جعفر الھندوانی فی غریب الروایۃ عن اصحابنا اور یہ تاویل

کہ عمامہ سے مراد ٹوپی پر عمامہ ہے محض غلط ہے کہ عمامہ کا معنی عمامہ بمع ٹوپی ہرگز نہیں نیز ٹوپی کے ساتھ کپڑے تین نہیں رہیں گے بلکہ چار بن جائیں گے تو واضح ہوا کہ اکیلے عمامہ کے ساتھ ستر سر کمال استحباب کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بھی اور وضاحت ہوتی ہے کہ اس حدیث سے متشددین حضرات کا وہ استدلال محض غلط ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ جب اکیلا عمامہ مکروہ نہیں تو اکیلی ٹوپی بھی مکروہ نہیں ہو سکتی۔ اذ لا فارق بینهما فی عدم کون العمامة علی القلنسوة بلکہ ننگے سر کی بہ نسبت افضل و مستحسن ہے کما مر التصریح بہ عن الدرر وغیرهما مگر چونکہ عمامہ میں زینت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے تو وہ کامل مستحب ہوا پھر جب اکیلے عمامہ سے استحباب کامل حاصل ہو جاتا ہے تو اگر عمامہ ٹوپی پر ہو تو بطریق اولیٰ حاصل ہوگا کہ اس میں زینت مطلوبہ میں کمی ہرگز نہیں ہوتی اور اس حدیث کے ظاہری معنے پر بھی عمل ہوگا نیز یہ بھی اظهر من الشمس ہے کہ کامل مستحب کی نفی سے مطلق مستحب کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہ مستحب کا انتفاء مستلزم کراہت نہیں کہ مکروہ تنزیہی کے لئے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے چہ جائیکہ تحریمی شامی ص ۶۱۱ جلد نمبر (۱) میں ہے:

لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة اذ لا بد لها من دلیل۔

خاص نیز وہیں ہے:

لان الکراهة حکم شرعی فلا بد له من دلیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه واله وصحبه وبارک وسلم۔[2989]

اعتراض: آپ نے جو ٹوپی کے ثبوت پر دلائل پیش کیے ہیں ان میں ٹوپی کا اثبات تو ہے مگر عمامہ کی نفی کا ذکر نہیں اس لئے ان دلائل سے صرف ٹوپی کا اثبات درست نہیں۔

[2989] (فتاویٰ نوریہ ج ۱ ص ۵۰۶ تا ۵۰۹ ناشر دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

جواب: یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ ہمارے پیش کردہ دلائل میں صرف ٹوپی کا ثبوت بھی موجود ہے، مختصراً چند دلائل دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

و کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر عمامۃ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور بغیر عمامہ کے بھی (ٹوپی پہنتے تھے)۔[2990]

کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم عمامے کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے۔[2991]

حدثنا ابو بکر قال حدثنا معاویۃ عن ھشام قال رایت علی ابن الزبیر قلنسوۃ لھا رب کان یستظل بھا اذا طاف بالبیت۔

ترجمہ: حضرت ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک چھجے والی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا بسا اوقات وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت اس کا سایہ کر لیتے تھے۔[2992]

و رفع راسہ حتی سقطت قلنسوۃ رسول اللہ ﷺ او قلنسوۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سر انور اتنا اوپر اٹھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ٹوپی مبارک گر گئی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[2993]

[2990] (اتحاف سادۃ المتقین کتاب آداب المعیشۃ و اخلاق النبوۃ ج ۸ ص ۲۵۴۔۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2991] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ ص ۴۴۰ رقم الحدیث ۷۱۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۶۵۔۳۶۶ رقم الحدیث ۹۵۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2992] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۲۴۸۵۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2993] (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳ رقم الحدیث ۱۵۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

وکان یلبسھا ویلبس تحتھا القلنسوۃ وکان یلبس القلنسوۃ بغیر عمامۃ ویلبس العمامۃ بغیر قلنسوۃ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کو (یعنی عمامہ کو) باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ بھی زیب تن سر فرماتے تھے۔[2994]

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن خالہ قال اتیت النبی ﷺ فی الشتاء فوجدتھم یصلون فی البرانس والاکسیہ وایدیھم فیھا رواہ الطبرانی فی الکبیر وجالہ موثقون۔

ترجمہ: کلیب کے والد اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی بارگاہ اقدس میں سردیوں کے موسم میں حاضر ہوا۔ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں تھے۔ اس کو امام طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہے۔[2995]

حدثنا ادم قال حدثنا ابن ابی ذئب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ و عن الزھری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ ان رجلاً سالہ ما یلبس المحرم؟ فقال لا یلبس القمیص ولا العمامۃ ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوباً مسہ الورس او الزعفران فان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ولیقطعھما حتی یکونا تحت الکعبین۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سوال کیا محرم کیا پہنے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا وہ قمیص نہ پہنے اور عمامہ نہ پہنے اور شلوار نہ پہنے اور نہ ٹوپی پہنے اور نہ ایسا کپڑا پہنے جس کو

[2994] (زادالمعاد فصل فی ملابسہ ﷺ ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۷ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2995] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

زعفران یا ورس سے رنگا ہوا ہو پس اگر اس کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔[2996]

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رجلا سال رسول اللہ ﷺ ما یلبس المحرم من الثیاب فقال رسول اللہ ﷺ لا تلبسوا القمیص و لا العمائم و لا السراویلات و لا البرانس۔۔۔۔[2997]

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ٹوپی پہنتے تھے اور ٹوپی پہننے کا رواج عام تھا اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے محرم کے لئے منع فرمایا۔ ان دلائل کے علاوہ اور بہت سے دلائل موجود ہیں اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عمامہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سنت متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً حد ضروریات دین تک پہنچا ہے۔[2998]

اس کا انکار کس درجہ اشد و اکبر ہو گا اس کا سنت ہونا متواتر ہے اور سنت متواترہ کا استخفاف کفر ہے۔ وجیز کردری پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

لَوْ لَمْ یَرَ السُّنَّۃَ حَقًّا کَفَرَ لِأَنَّہُ اسْتِخْفَافٌ۔[2999]

ترجمہ: اگر کوئی شخص سنت کو حق وسچ نہیں جانتا تو اس نے کفر کیا کیونکہ یہ اس کا استخفاف ہے۔

عمامہ کا باندھنا سنت مستمرہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ عمامہ باندھنا سنت ہے انہوں نے فرمایا ہاں سنت

[2996] (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۰۹، ج ۲ ص ۸۶۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳ رقم الحدیث ۵۳۰۸ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

[2997] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۳۴ رقم الحدیث ۱۱۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2998] (فتاویٰ رضویہ جدید ج ۶ ص ۲۰۸ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور)

[2999] البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۲۰، رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۷۴۔ النہر الفائق شرح کنز الدقائق۔ ج ۱ ص ۲۰۰،

ہے۔(عینی) ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ باندھا کرو عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔[3000]

(و الصاق البطن بالفخذ للرجال) اور مردوں کے لئے پیٹ کو رانوں کے ساتھ پیوست کرنا مکروہ ہے کیونکہ مردوں کے لئے پیٹ کو رانوں سے دور رکھنا سنت ہے اور رکوع و سجدے میں پیوست کرنے میں کیفیتِ مسنونہ کا ترک ہے اور قیدِ رجال (مردوں) کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کیونکہ عورتوں کے لئے پیٹ کو رانوں کے ساتھ پیوست کرنا سنت ہے اس وجہ سے کہ عورتوں کی بناء حال ستر پر ہے اور پیوست کرنے میں ستر ہے۔

(کذلک بسطھم العضدین) اور اسی طرح کہنیوں کا زمین پر بچھانا مکروہ ہے کیونکہ کہنیوں اور رانوں کو زمین سے دور رکھنا سنت ہے اور سجدے میں کہنیوں کو بچھانے میں کیفیتِ مسنونہ کا ترک ہے کیونکہ حضرت ابی زرر ضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

نھانی خلیلی عن ثلثۃ النقر کنقر الدیک و الاقعاء کاقعاء الکلب و الافتراش کافتراش الثعلب۔

اور قید رجال (مردوں) کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کہ عورتوں کے لئے کہنیاں بچھانا مستحب ہے اس لئے کہ عورتوں کے حال کی بناء ستر پر ہے۔

(و نزعھم القمیص) اور قمیص کا اتارنا مکروہ ہے (او القلنسوۃ) اور مردوں کے لئے ایک ہاتھ سے ٹوپی کو اتارنا مکروہ ہے اور قمیص سے مراد ہاتھ کو نکالنا ہے نہ کہ پوری قمیص کو نکالنا کیونکہ پوری قمیص کو نکالنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

[3000] (عینی) (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ﷺ ص ۸۸ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(**ولبسهم كذالك**) قمیص اور ٹوپی کا پہننا ان دونوں کے نکالنے کی طرح مکروہ ہے (**بعمل یسیر**) تھوڑے عمل کے ساتھ کہ ٹوپی اور قمیص کا ایک ہاتھ کے ساتھ پہننا اور نکالنا ہے ٹوپی میں تو ظاہر ہے لیکن قمیص ایک ہاتھ کے ساتھ نکالنے سے مراد یہ ہے کہ قمیص کا آستین کھلا ہو اور دوسرے ہاتھ کی امداد کے بغیر پہن اور نکال سکتا ہو اور اگر آستین تنگ تھے، بغیر دوسرے ہاتھ کی امداد کے نہیں نکال سکتا تھا تو پھر یہ عملِ کثیر ہو گا۔ ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں ہاتھوں سے، اور قمیص پہننے سے مراد ایک ہاتھ آستین میں داخل کرنا ہے نہ کہ قمیص کا پہننا حقیقتاً کیونکہ پوری قمیص کا پہننا نماز کو توڑنے والی ہے۔ اور قید مردوں کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا کیونکہ قمیص کا پہننا اور عورتوں کے لئے کشف ستر کو مستلزم ہے۔ اور کشفِ ستر نماز کا مفسد ہوتا ہے کیونکہ قمیص کا پہننا اور نکالنا اعمالِ نماز میں سے نہیں تو **یسیر** مکروہ ہوا اور کثیر نماز کا مفسد ہوا۔ عملِ کثیر کی مثال یہ ہے جیسا کہ دونوں ہاتھوں کا عمل ہو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

ان صلوتنا هذه لا يصلح فيها شيء من كلام الناس وانما هي تسبيح وتهليل وقراءة القرآن۔

ترجمہ: بے شک ہماری وہ نماز جس میں لوگوں کے ساتھ باتیں ہوں وہ درست نہیں اور بے شک نماز وہ ہے جس میں تسبیح و تہلیل اور قرآن کی قرأت ہو۔

قمیص کا پہننا اور نکالنا ان تینوں میں سے نہیں ہے۔

(**وتطويل الامام الصلوة على القدر المروى**) اور امام کی قرأت اور تسبیحاتِ نماز کو لمبا کرنا مکروہ ہے جتنی مقدار قرأت اور تسبیحاتِ رکوع اور سجدے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت ہے کہ صبح کی نماز میں چالیس، ساٹھ یا سو آیتیں ہیں اور ظہر عصر اور

عشاء کی نماز سے کم مقدار کی قرأت ہے اور مغریب کی نماز میں چھوٹی سورتیں ہیں اور تسبیحات پانچ ہیں۔

(**بحیث یثقل علی القوم**) تسبیحات یا قرأت کی جتنی مقدار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت ہے ان میں اس طرح طوالت کرنا کہ جس کی وجہ سے مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہو مکروہ ہے اور جتنی مقدار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت ہے اسے مقتدیوں کی وجہ سے نہ چھوڑے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

من ام قوما فلیصل بھم صلوۃ اضعفھم فان فیھم المریض و الکبیر و ذالحاجۃ۔

یعنی جو کوئی امام ہو تو وہ ان (مقتدیوں) کے ساتھ ضعیف شخص کی نماز پڑھے اس لئے کہ ان میں مریض، بوڑھے اور حاجت والے بھی ہوں گے۔ شیخین (حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ) اور صاحبین (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مذہب میں صبح کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں دوسری رکعت سے پہلی رکعت کو لمبا نہیں کرنا چاہیئے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے مذہب میں دوسری رکعت سے پہلی رکعت کو لمبا کرنا بہتر جانتے ہیں، یہ اختلاف حجت اور برہان کا نہیں بلکہ یہ زمانے کا اختلاف ہے کیونکہ خواب وغفلت کی وجہ سے صبح کی نماز میں جمع پانے پر لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کا سبب (علت) ہے اور لوگوں میں سستی کی وجہ سے اول وقت میں حاضر ہونے کی علت اعانت اب بھی موجود ہے۔

(**و تخفیفہ لھا**) اور امام کا نماز میں جلدی کرنا مکروہ ہے۔ تنزیہاقدر مستحبہ چھوڑنے کے ساتھ یا تحریما قدر مسنونہ کے ساتھ چھوڑنے سے (**لعجلتھم**) قوم کی جلدی کے لئے امام قدرِ مستحب پر راغبین کے ساتھ اضافہ نہ کرے اور کمزوروں کے ساتھ قدرِ مسنونہ سے کمی یعنی نقصان نہ کرے

لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے قدرِ مسنونہ میں کمی کرے بقدر **مایجوز بہ الصلوۃ** قرأت پڑھے۔ اور جب وقت کی تنگی نہ ہو تو پھر تسبیحاتِ رکوع و سجدہ میں قدرِ مسنونہ ترک کرنا یا تشہد کے بعد ادعیہ ماثورہ ترک کرنا مکروہ ہے۔ البتہ نمازِ تراویح میں قوم پر ثقالت کی وجہ سے ادعیہ ماثورہ چھوڑ سکتا ہے۔ تاکہ قوم کو متنفر کرنے کا سبب نہ بنے۔

(**والقیام خلف صف وجد فیہ فرجۃ**) اس صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ جس میں خالی جگہ موجود ہو اتنی جگہ کہ اس میں ایک آدمی سما سکتا ہو یعنی کھڑا ہو سکتا ہو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

ومن وجد فیہ فرجۃ فلیسدہ لان الشیطان یدخل فیہ۔

یعنی جس شخص نے صف میں خالی جگہ پائی تو وہ اسے پورا کر دے اس لئے کہ اس میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(**والجاء الامام**) جب امام قرأت میں پھنس جائے تو اس وقت اس (امام) کا مقتدیوں سے طمع کرنا مکروہ ہے (**القوم للفتح**) مقتدیوں سے فتح (لقمہ) لینے کی نیت سے امام کا خاموش رہنا یا تکرار کرنا مکروہ ہے (**اذا قرء مایجوز بہ الصلوۃ**) اس وقت جب امام اتنی قرأت پڑھ چکا ہو کہ جس پر نماز ادا ہوتی ہو تو رکوع کرے اور اگر اتنی مقدار میں قرأت نہیں کی تو دوسری آیت کو نقل کر جائے یا پھر مقتدی کو آگے کر دے اگر مقتدی نے فتح کر دی تو فتح دینے والے کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر امام نے فتح لی تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسا حکم اس فتح کا ہے کہ امام کا دوسری آیت کو نقل کے بعد ہو نہ فاتح کی نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ ہی امام کی نماز فاسد ہوتی ہے، **بناء بر صحیح مفتیٰ بہ** کے قول پر۔ لیکن

مقتدی امام کو فتح دینے میں جلدی نہ کرے، اپنے آپ کو اختلاف کی جگہ سے بچانے کی وجہ سے احتیاط اور غیر کا لقمہ دینا امام اور لقمہ دینے والے دونوں کی نماز کو فاسد کرتا ہے۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

الامام ضامن ای صلوۃ الامام متضمن لصلوۃ المقتدی صحۃ وفسادا۔

یعنی امام ضامن ہے یعنی اگر امام کی نماز صحیح ہو تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوگی اور اگر امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔

تو امام کی نماز میں فساد سے مقتدی کی نماز میں بھی فساد لازم ہوتا ہے اور غیر امام میں فاتح کے نماز کی اصلاح نہیں ہے کیونکہ نماز فاتح کے لئے غیر متضمن نہیں ہے اور جب فاتح فتح دیتا ہے تو فتح دینے کی نیت کرے قرأت کی نیت نہ کرے تاکہ قرأت خلف الامام لازم نہ ہو جائے کہ وہ منہی عنہ ہے۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

مالی انازع فی القرآن فقالوا ما المنازعۃ فی القرأن یا رسول اللہ (ﷺ) فقال ﷺ القراءۃ خلف الامام۔

یعنی قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) قرآن مجید میں کیا جھگڑا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا۔

(وجھر القراءۃ فی نوافل النھار) اور دن کی نوافل میں قرٔت کو جہر کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے،

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

صلوۃ النھار عجماء ای لیست فیھا قراءۃ مسموعۃ۔

یعنی دن کی نماز میں خفی ہے یعنی ان میں جہر کے ساتھ قرأت نہیں۔

اور قیدِ نہار کے ساتھ رات کے نوافل سے احتراز کیا کیونکہ رات کی نوافل میں جہر بہتر ہے لیکن جہر نفل جہرِ فرض سے کم ہے۔

(وقراءةالامامأيةلسجدةفيمايخافت) اور امام کا اس نماز میں آیت سجدہ کو پڑھنا مکروہ ہے کہ جس نماز میں خفی طریقے سے قرأت پڑھی جاتی ہو جیسا کہ ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ کیونکہ جب امام سجدہ سہو کرے گا تو لوگوں میں شک وشبہ پیدا ہو جائے گا کہ امام سہو ہو گیا ہو گا اور اگر امام سجدہ تلاوت نہیں کرتا تو امام اور مقتدیوں کے ذمہ واجب باقی رہ جائے گا۔ (الا الی أخر سورة) مگر آیت سجدہ سورت کے آخر میں رکوع کے ساتھ متصل پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ یہ رکوع میں چلا جائے گا تو یہ رکوع سجدہ اور رکوع دونوں کی جگہ قائم ہو جائے گا۔ اور مقتدیوں میں شک وشبہ پیدا نہیں ہو گا۔ سورۃ کو پڑھ لینا اور آیتِ سجدہ کو ترک کر لینا بھی مکروہ ہے کیونکہ آیتِ سجدہ کو چھوڑنا نفرت اور بھاگنے کے ساتھ مشابہ ہے اور یہ مؤمنوں کا اخلاق نہیں۔ تو حقیقت استنکاف کفر ہے اور اس کی تشبیہ مکروہ ہوئی۔ اور آیتِ سجدہ کو پڑھ کر باقی سورت کو چھوڑ دینا مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں سجدہ کے لئے جلدی جانا ہے اور امر استحبابی ہے۔

(وتکرار الآیۃِسرورًااوحزنًافی الفرائض) فرض اور واجب نماز میں کسی آیات کو سرور اور پریشانی کے لئے بار بار پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ رحمت اور عذاب کی آیات ہیں، (بلاعذرٍ) عذر کے بغیر اور عذر کے ساتھ مکروہ نہیں ہے۔ عذر کی مثال جیسا کہ نسیان یا اگلی آیت کا یاد نہ ہونا اور اگر خوشی اور پریشانی کے ساتھ تھی تو عذر ہوتا ہے کیونکہ عذر مطلقاً ایک چیز کو جائز کرنے والا ہے اور مباح میں اکتفا کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ اور آیات کا تکرار خوشی اور پریشانی کے لئے یاد کرنے کے ارادے سے

نہیں ہوتا بلکہ یاد کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ گو کہ اس کے یاد کرنے سے پریشانی اور خوشی بھی ہوتی ہے اور فرائض کے ارادے کے ساتھ نوافل سے احتراز کیا کیونکہ نوافل میں تکرار مکروہ نہیں ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: (**الا فی النوافل و السنن مطلقاً**) مگر نوافل اور سنتوں میں تکرار مکروہ نہیں ہے، مطلقاً۔ عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے ہو۔ مابعد یاد کرنے کے ساتھ ہو یا مابعد یاد کرنے کے بغیر ہو۔ امام ہو یا منفرد، کیونکہ علماء حق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کیونکہ یہ لوگ رحمت یا عذاب کی آیات کے تکرار کو امید اور روزِ قیامت کے ڈر کی وجہ سے محبوب سمجھتے ہیں۔

(**وتکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ**) اور ایک رکعت میں سورت کا تکرار کرنا مکروہ ہے۔ رکعتین سے احتراز کیا کیونکہ رکعتین میں تکرار مکروہ نہیں ہے (**فی الفرائض**) فرض نمازوں میں نفل سے احتراز کیا کیونکہ نفل کی ایک رکعت میں تکرار مکروہ نہیں ہے، (**بلا عذرٍ**) عذر کے بغیر کیونکہ فرض کی بناء تنگی پر ہے اور تنگی تکرار کا تقاضا نہیں کرتی، اور قیدِ عذر کے ساتھ حالتِ عذر سے احتراز کیا، کیونکہ سورۃ کا تکرار حالتِ عذر میں مکروہ نہیں ہے۔ مثال عذر کی جیسا کہ سورت کے آخر میں نسیان ہوا۔

(**و اداء الصلوۃ رافعاً کمیہ الی المرفقین للرجال**) اور مردوں کے لئے ایسے حال میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ دونوں آستینوں کو کہنیوں تک اٹھایا ہو، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: **اذا سجد المؤمن سجد معه کل عضو منه** (جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کے سب اعضاء اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں)۔ اور آستینوں کے اٹھانے میں استنکاف کے ساتھ سجدہ سے مشابہت ہے اور قید رجال (مردوں) کے ساتھ عورتوں سے احتراز کیا

کیونکہ آستین کے اٹھانے سے اعضاء مستورہ کے کشف کی وجہ سے عورتوں کی نماز ٹوٹتی ہے، بشرطیکہ آزاد عورت ہو نہ کہ باندی۔

(**وقول المقتدی عند أية الترغيب او الترهيب صدق الله تعالیٰ وبلغت رسله**) اور آیاتِ ترغیب یا اٰیتِ ترہیب کے وقت مقتدی کا یہ کہنا سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (اس کے احکام کو) اس کے رسولوں نے (ہم تک) پہنچایا۔ صالح لوگوں کے لئے آیتِ ترغیب جیسا یہ قولِ خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا (النساء ۵۷)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

یا امام کا کفار کے حق میں آیتِ عذاب پڑھنے کے وقت جیسا کہ یہ قولِ خداوندی ہے:

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدنٰھم عذاباً فوق العذاب بما کانوا یفسدون۔

ترجمہ: جنہوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا ہم نے عذاب پر عذاب بڑھایا بدلہ انکے فساد کا۔

یا منافقین کے حق میں آگ کے عذاب سے ڈرانے کیوجہ سے جیسا کہ یہ قول خداوندی ہے:

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔

ترجمہ: بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لئے اپنے وعدوں میں اور کفار کے لئے قیامت کے دن وعید میں سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اس کے بندوں تک پہنچایا اور ان احکامات کو پہنچانے میں خوف کی وجہ سے بندوں کا نقصان نہیں کیا۔

فان قیل۔ کہ مقتدی کا نصِ قطعی کے ساتھ خاموش رہنا فرض تھا اور خاموش رہنے کے لئے مقتدی کا یہ قول مخل ہے اور ہر وہ چیز جو فرض کو نقصان پہنچاتی ہو وہ حرام ہے تو مقتدی کا یہ قول حرام ہونا چاہیئے۔

قلنا۔ کہ آیتِ ترغیب یا آیتِ ترہیب کے آخر میں مقتدی سکوتِ امام کے وقت اتنی فراخی پالیتا کہ وہ لمبا وقفہ ہوتا ہے تو اس صورت میں مقتدی کا خاموش ہونا فوت نہیں ہوتا۔ کیونکہ انصات کے فوت ہونے کا خوف ثابت ہے تو مقتدی کا یہ قول کہ صدق اللہ تعالیٰ و بلغت رسلہ مکروہ ہوا۔

(**والاعتماد بحائط او اسطوانة بلاعذر**) اور ایک ہاتھ کی ہتھیلی سے کسی عذر کے بغیر دیوار یا ستون پر تکیہ کرنا مکروہ ہے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ تکیہ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، عذر کی مثال جیسا کہ ضعف یا کوئی مرض ہوا۔ بغیر عذر کے ساتھ حالتِ عذر سے احتراز کیا کہ عذر کی حالت میں تکیہ مکروہ نہیں ہے بلکہ مباح ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ضعف کی حالت میں دونوں ہاتھوں مبارک پر تکیہ کیا تھا اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ضعف کی حالت میں نہ ہوتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قدموں کے سینوں پر بیٹھے بغیر کھڑے ہوتے تھے۔

(**فی غیر النوافل**) غیر نوافل میں کہ فرائض، واجبات اور سنتِ مؤکدہ ہیں۔ نوافل سے احتراز کیا کیونکہ نوافل میں تکیہ کرنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ نفل کی بناء توسیع پر ہے۔

ملحقات

(**والتربع**)اور تربع کرنا یعنی چار زانوں بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو چار زانوں بیٹھنے سے منع کیا تھا۔

(**بلاعذرٍ**)عذر کے بغیر، عذر سے احتراز کیا کیونکہ عذر کی حالت میں تربع کرنا مکروہ نہیں ہے۔

لان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یتربع فی بعض احوالہ وھو الضعف والمرض وعامۃ جلوس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المسجد النبوی التربع۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ضعف اور بیماری کی حالات میں چار زانوں بیٹھتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں چار زانو بیٹھتے تھے یا پھر نماز پڑھتے تھے۔

(**وان یصلی علی حذاء الصورۃ**)اور تصویر کی برابر میں عبادت کرنے والے بت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے: **انا لا ندخل بیتا فیہ صورۃ او کلب** (ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو)۔ جیسا کہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ **ان جبرائیل استاذن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لہ کیف ادخل بیتاً فیہ تماثیل حیوان او رجال اما ان تقطع رأسھا او تجعل بساطاً توطأ وقال انا معاشر الملئکۃ لا ندخل بیتاً فیہ کلب او صورۃ غیر مقطع رأسھا۔**(حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے اجازت مانگی کہ میں اس گھر میں کس طرح داخل ہوں جس میں حیوانوں یا انسانوں کی تصاویر ہوں لیکن اس صورت میں کہ ان کے سر قطع ہوں یا ان سے فرش بنا ہوا ہو اور لوگ ان پر چلتے ہوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم فرشتوں کی جماعت اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو، اور ان کا سر کٹا ہوا نہ ہو۔

ایک ضروری تنبیہ

تصاویر کی حرمت اسلام میں ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوئی

تصاویر سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ارشادات کو معلوم کرنے سے پہلے یہ معلوم کرلینا مناسب ہے کہ تصاویر کی حرمت شریعتِ اسلامیہ محمدیہ کا مخصوص حکم ہے، پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں تصاویر ممنوع نہیں تھیں، جیساکہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ان کے حکم سے جنات کا تصاویر بنانا مذکور ہے:

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا ۱۳)

اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں اے داؤد والو شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔

اور ہجرت سے پہلے شریعتِ اسلام میں تصاویر کی حُرمت کا ثبوت نہیں ملتا، ہجرت کے بعد احکامِ حُرمت آئے ہیں۔ (کماذکرہ فی فتح الباری ومرقاۃ شرح المشکوٰۃ) ان احکام کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔

فوٹو گرافر کو ہر فوٹو کھینچنے پر علیحدہ عذاب

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسٌ فیعذبہ فی جھنم قال ابن عباس فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر ومالا روح فیہ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہر تصویر کش دوزخ میں جائے گا۔ اس کی ہر تصویر کے بدلے ایک

شخص بنایا جائے گا جس کو اس نے بنایا اور وہ شخص اس مصور کو دوزخ میں عذاب دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر تم نے تصویر بنانی ہی ہے تو درختوں اور غیر ذی روح (بے جان چیزوں) کی بناؤ۔ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔[3001]

تشریح: کل مصور: ہر تصویر بنانے والا۔

یجعل: مجہول کا صیغہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں اس کو فعل معلوم کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ **ای یجعل اللہ**۔ معلوم صیغہ کی بناء پر "نفس" کو نصب دینا تو ظاہر ہے۔

البتہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ المصابیح کے بعض نسخوں میں ہے جو کہ جامع صغیر کی روایت کے مطابق ہے اور "نفس" بالرفع تو ظاہر ہے۔

اکثر مجہول کے صیغہ کے ساتھ "نفساً" منصوب بھی ہے جو کہ جامع الاصول کی روایت کے مطابق ہے اور اکثر مصابیح کے نسخوں کے مطابق ہے، لیکن مشکل ہے۔ مگر اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کی اسناد جار مجرور کی طرف ہے۔

فتعذبہ: یہ صیغہ تانیث کے ساتھ ہے۔ ای تعذب تلک النفس اور فعل کی اسناد اس کی طرف مجازاً ہے۔ کیونکہ یہی اس کا سبب اور اس کی تعذیب کا باعث ہے اور بعض نسخوں میں بصیغہ تذکیر ہے۔

ای فیعذبہ اللہ اور ایک نسخہ میں "**فیعذب بہ**" مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ **ای بسبب تصویر تلک النفس**۔

[3001] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۴/۲۱۶ الحدیث رقم ۲۲۲۵، ومسلم فی ۳/۱۶۷۰ الحدیث رقم (۹۹-۲۱۱۰)، وأحمد فی المسند ۱/۳۰۸)

في جهنم: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہاں تک روایت کو احمد و مسلم نے ذکر کیا ہے۔ **قوله: قال ابن عباس: فان كنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر و مالا روح فيه:** خطاب اس کو ہے جس کا ذکر باب کی فصل ثالث کے آغاز میں آئے گا۔

قوله: متفق عليه: اور ممکن ہے کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بھی اس طرح ہوں، تو معنیٰ میں یہ حدیث "**متفق عليه**" کے قبیل سے ہو گی۔ لہٰذا یہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس اقتصار کے منافی نہیں جو انہوں نے اختیار کیا ہے کہ اس کو صرف بحوالہ مسلم ذکر کیا ہے۔ **فتأمل۔**[3002]

من صوّر صورة عُذِّب و كُلِّفَ ان ينفخ فيها و ليس بنافخ یعنی جو کوئی تصویر بنائے گا تو اس کو عذاب دیا جائے گا اور اسے اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے۔ وہ ڈال نہ سکے گا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔[3003]

تشريح: قوله: ومن صور صورةً: یعنی ذی روح کی تصویر بنائی، یا مطلق کوئی صورت بنائی۔ اور ذی روح کی تصویر کے بارے میں اس کو تغلیظاً حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے۔ **ان ينفخ:** ایک روایت میں **الروح** کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس کی نظیر "**من تحلم**" ہے۔

احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شیخین رحمہ اللہ تعالیٰ اور نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح روایت کیا ہے:

من صور صورة في الدنيا كلف ان ينفخ فيها الروح يوم القيامة و ليس بنافخ۔[3004]

قال رسول الله ﷺ كل مصور في النار يجعل الله بكل صورة صورها نفسا فتعذبه في جهنم۔

[3002] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۴-۵۲۳)

[3003] (أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۲/۴۲۷ الحديث رقم ۳۹۱۶، أبو داؤد فی السنن ۲۸۵/۴ الحديث رقم ۵۰۲۴، والترمذی فی السنن ۴/۲۰۳ الحديث رقم ۱۷۵۱)

[3004] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۶-۵۲۵)

ہر فوٹو گرافر جہنم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی تھی ایک مخلوق پیدا کرے گا کہ وہ اسے دوزخ میں عذاب دے۔[3005]

مسلمان بھائی! ہوش کر! یہ قول حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ہے مگر فی الحقیقت یہ قول اللہ کا ہے، یہ ذہن میں بٹھا کر سچے دل سے سن۔

فوٹو گرافر اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہے ہیں

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّ الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ، یقال لھم: احیوا ما خلقتم۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔[3006]

دوزخ میں سب سے بڑا گناہ فوٹو گرافر کو ہو گا

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان من أشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو دیا جائے گا۔[3007]

[3005] (بخاری مسلم)

[3006] (صحیح بخاری باب عذاب المصورین ج ۲ ص ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ)

[3007] (صحیح بخاری، و صحیح مسلم، المسوعۃ الفقھیہ ۱۳۴:۲، فتح الباری ۳۸۲:۱۰)

وعن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول اشدّ الناس عذاباً عند اللہ المصوّرون۔ (متفق علیه)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں جن کو سب سے سخت عذاب دیا جائے گا وہ تصویر بنانے والے ہیں۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔[3008]

تشریح: اشد الناس عذابا عند اللہ المصوّرون: بعض نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کو تہدید پر محمول کیا جائے کیونکہ "عند اللہ" سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ اس طرح ہونے کے مستحق ہیں، اگرچہ یہ محل عفو ہے۔

علامہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جو عبادت کے لئے بنائی گئی ہو، کہ اس کے لئے سخت ترین عذاب ہو گا کیونکہ وہ کافر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو اس کو اللہ تعالیٰ کی خلقت کی مشابہت کے ارادہ سے کرے اور اس کا اعتقاد رکھے تو وہ بھی کافر ہے اور اس کا عذاب سخت ہو گا۔ البتہ جو اس ارادے سے اس کو نہ بنائے تو وہ فاسق ہے۔ وہ کافر نہیں ہو گا، جیسا کہ دوسرے گناہ ہوتے ہیں
۔

البتہ جن چیزوں میں روح نہیں ہے مثلاً درخت وغیرہ تو اس کی تصویر بنانا کوئی حرام فعل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کمائی حرام ہے۔ یہ علماء کا مذہب مختار ہے سوائے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے کہ انہوں نے پھل دار درخت کی تصویر کو بھی مکروہ قرار دیا ہے اور (مجاہد نے) اس حدیث سے استدلال

[3008] (أخرجه البخاری فی صحیحه ١٠/٣٨٢ الحدیث رقم ٥٩٥٠، ومسلم فی ٣/١٦٧٠ الحدیث رقم ٢١٠٩-٩٨، والنسائی فی السنن ٨/٢١٦ الحدیث رقم ٥٣٦٤)

کیا ہے: ”ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی“ کہ اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ذرۃ کا ذکر کیا ہے جو کہ ذی روح ہے اور حنطہ وشعیر کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں جمادات میں سے ہیں اور اس پر سخت وعید سنائی ہے۔ اس طور پر کہ جملہ استفہام انکاری کے طور پر ہے اور ظلم کو تفضیل کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ ان کا استدلال بالکل ظاہر و جلی ہے۔اور فرمایا کہ جمہور علماء کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، احیوا ما خلقتم۔ میں کہتا ہوں ان کی دلیل یہ قول بھی ہے: ”لیخلقوا حبة“۔اور فرمایا خلق اللہ کے ساتھ مشابہت ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ علت مشترک ہے۔(امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اس کی تائید حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہوتی ہے: ”ان کنت لا بد فاعلاً فاصنع الشجر وما لا نفس له“ میں کہتا ہوں کہ اس کے باوجود کہ یہ مذہب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔اس لئے کہ اس میں ان کی رائے ہونے کا احتمال بھی ہے۔لہٰذا اس کو ضرورۃً جواز فعل پر محمول کیا جائے گا اور اس کا ارتکاب ”کراھة دون کراھة“ پر محمول ہو گا کیونکہ ضروریات محظورات کو مباح کر دیتی ہیں۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالنیات)

اور اس کی نظیر حدیث مرفوع میں یہ وارد ہے: ”ان کنت لا بد سائلا فاسأل الصالحین“ جیسا کہ اس کو ابوداؤد ونسائی نے الفراسی سے روایت کیا ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”مصور“ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو حیوانات کی شکلیں بناتا ہے اور وہ شخص جو درختوں کی شکلوں کا نقش لیتا ہو اور اس پر تداویر وخواتیم اور ان جیسے عمل کرتا ہو تو میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ اگرچہ من جملہ مکروہ ہے اور یہ لغو کام

میں داخل ہے، اور اشتغال بمالا یعنی ہے اور یہ جو تصویر میں اس قدر سخت عقوبت ہے سو اس لئے ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ جمہور نے ذی روح کی جو تخصیص کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں (یعنی ذی روح) کی خلقت کی نسبت مخلوق کی طرف جائز نہیں ہے نہ ہی حقیقۃً اور نہ ہی مجازاً۔ برخلاف باقی نباتات اور جمادات کے، کہ بسا اوقات اس کے فعل کو مجازاً لوگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: "انبت فلان ھذا الشجر، و صنع فلان ھذہ السفینۃ" اور ہر وہ چیز کہ جس کی عبادت کی جاتی ہو اگرچہ وہ جمادات میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ سورج اور چاند وغیرہ تو اس کی تصویر حرام ہونی چاہیئے۔ و اللہ اعلم۔

اشرف کہتا ہے کہ اس حدیث میں مشہور روایت رفع کے ساتھ ہے۔ ای "ان من اشد الناس عذاباً المصورون" اسی طرح ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح میں ذکر کی ہے اور رفع سے اعتذار کیا ہے۔ چنانچہ امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ "من" زائدہ ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ضمیر شان مقدر ہے۔ أی انہ من أشد الناس عذابا المصورون۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں بہت ساری روایات ذکر کی ہیں ان میں لفظ "ان" نہیں ہے۔ البتہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں "اشد الناس عذابا" بغیر "من" کے ہے اور جامع الصغیر میں ہے: "ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ المصورون" امام احمد اور مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "ان" کے ساتھ بغیر "من" کے روایت کیا ہے۔ شاید اشرف کی مراد شہرۃ سے علماء عربیت کے ہاں شہرت ہے اور شاید بعض نسخوں میں ان حضرات نے اس طرح پایا ہو۔

بعض محدثین کرام نے اس حدیث کی تاویل میں یہ معنی بیان کیا ہے کہ "ان من اشد الناس" ترکیب لفظی کی رعایت کے بغیر انہوں نے اس طرح نقل کیاہے اور حدیث میں اندراج کر دیاہے۔

حاصل یہ کہ غیر اہل کے ہاں اس کی شہرت اور عدم شہرت کا اعتبار نہیں کیاہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کیسے سید سند اور سعد اسعد کے درمیان اس حدیث کے معنیٰ میں تنازع ہوا: "حب الهرة من الایمان"۔ یہ حدیث باتفاق حفاظ حدیث موضوع ہے اور اسی لئے شیخ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المقاصد الحسنة فی الاحادیث المشتهرة علی الالسنة" تصنیف فرمائی اور اس کا خلاصہ ان کے شاگرد ابن الدیبع نے کیاہے۔ [3009]

عن مسلم قال: کنا مع مسروق فی دار یسار بن نمیر فرأی فی صفته تماثیل فقال: سمعت عبداللہ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ان أشد الناس عذاباً یوم القیامة المصوّرون۔

مسلم سے روایت ہے کہ ہم مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں تھے، مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چبوترہ میں کچھ تصاویر دیکھیں تو فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔ [3010]

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس تصویر کے متعلق مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ تھی کہ یہ کسریٰ کی تصویر ہے اور مسلم کا خیال یہ تھا کہ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر ہے، حضرت

[3009] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۳-۵۲۱)

[3010] (بخاری مع فتح الباری کتاب اللباس ج ۱۰ ص ۳۱۴)

مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجوسی کی بنائی ہوئی تصویر سمجھا اور مسلم نے کسی نصرانی کی (فتح الباری)۔

اس حدیث میں مصوّروں کے لئے "اشد العذاب" کا ذکر اس آیت کے منافی نہیں جس میں آلِ فرعون کو اشد العذاب میں داخل کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ مراد عذابِ اشد میں داخل ہونا ہے، اس میں مصوّر بھی ہوسکتے ہیں آلِ فرعون بھی اور دوسرے مجرم بھی جیسا کہ حافظ نے طحاوی کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

"أشد الناس عذاباً يوم القيامة رجل هجار جلا فهجا القبيلة باسرها۔"

مراد یہی ہے کہ ایسا کرنے والا عذابِ اشد میں آلِ فرعون وغیرہ کا شریک ہوگا۔[3011]

قال عليه السلام ان اشد اهل النار عذابا يوم القيمة من قتل نبيا او قتله نبى او امام جائر وهؤلآء المصورون۔

یعنی قیامت میں دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا کسی نبی نے اسے (جہاد میں) قتل کیا یا ظالم بادشاہ یا فوٹو گرافر۔[3012]

تشریح: قولہ: "ان اشد الناس عذابا يوم القيامة" قوله: أو قتله نبى: یہ "فى سبيل الله" کی قید کے ساتھ مقید ہے اس تقیید کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے: "يشتد غضب الله على رجل يقتله رسول الله" امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کی قید اصل میں احتراز ہے اس سے جس کو کوئی نبی حد یا قصاص میں قتل کرے۔ کیونکہ جس کو اللہ کے واسطے نبی قتل کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نبی کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔ اھ۔

[3011] (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۵)

[3012] (بیهقی فی شعب الایمان ۶/۱۹۷ الحدیث رقم ۷۸۸۸)

البتہ اس پر غلام خضر کی وجہ سے اشکال پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ صحیح قول کے مطابق نبی تھے۔ لیکن یہ اشکال "فی سبیل اللہ" کی قید سے رفع ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے اس کو ایک حکمت کی وجہ سے قتل کیا تھا جس کا ذکر اپنے موقع محل میں ہو چکا ہے۔ أو قتل أحد والديه یہاں "او" تنویع کے لئے ہے۔ والمصورون: اس کا عطف "من قتل" کے محل پر ہے اور اسی طرح "وعالم لم ينتفع بعلمه" بے عمل عالم کو عذاب اس کی اپنی بے عملی کی وجہ سے ہو گا۔[3013]

سب سے بڑا ظالم فوٹو گرافر ہے

قال أبو زرعة: دخلت مع أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه في دار مروان فرأى فيها التصاوير فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال الله عزّ وجلّ: ومن أظلم ممن ذهب يخلق خلقاً كخلقي فليخلقوا ذرّة وليخلقوا حبّة أو ليخلقوا شعيرة۔

حضرت ابو زرعۃ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا، انہوں نے اس گھر میں تصاویر دیکھیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو میرے پیدا کرنے کی طرح پیدا کرتا ہے پس اس کو تو چاہیئے کہ وہ ذرہ پیدا کر کے دکھائے اور دانہ پیدا کر کے دکھائے اور جَو پیدا کر کے دکھائے۔[3014]

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تصویریں بنانے والے کو اپنی پاک ذات سے مقابلہ کرنے والا گردانتا ہے، گویا اس کام کو اللہ تعالیٰ نے شرک کہا ہے۔

[3013] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۳۶-۵۳۵)
[3014] (صحیح بخاری، باب نقض الصور، مسلم)

روایاتِ مذکورہ میں تصویر بنانے والوں کو قیامت میں سخت عذاب ہونے کا بیان ہے اور اس ضمن میں تصاویر کے استعمال کی ممانعت اور برائی کا بھی بیان ہو گیا، کیونکہ جن حالات میں یہ ارشادات آئے ہیں وہ عموماً اس کے ہیں کہ کسی کے مکان یا کپڑے وغیرہ میں تصویر دیکھی تو اس پر مصوّروں کے عذاب کا ذکر فرمایا، جس میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ یہ عذاب کی چیز اپنے گھروں میں اور استعمال میں رکھنا بھی درست نہیں، جیسا کہ یہ مضمون صراحۃً بھی متعدد احادیث میں آ گے آرہا ہے۔

ایک تیسری چیز ان روایات میں یہ بھی ہے کہ تصویر سازی یا تصویر کے استعمال کو شریعتِ اسلام نے کیوں حرام قرار دیا؟ اس کی بہت سی وجوہ میں سے ایک وجہ کا بیان ان روایات میں یہ ہے کہ تصویر اور تخلیق اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی خاص صفات ہیں، جن میں کوئی غیر اللہ شریک نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ میں سے ایک خالق اور مصوّر بھی ہے، اور اس پر پوری اُمّت کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں اسم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، غیر اللہ پر ان الفاظ کا اطلاق بھی جائز نہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر ۲۴) اس میں خالق اور مصور ہونے کی صفت حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت قرار دی گئی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شریک نہیں ہو سکتا، تو جس شخص نے کسی جاندار کی تصویر بنائی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق و تصویر میں مداخلت اور شرکت کا عملی دعویٰ کیا، اسی لئے حدیث میں اس کا عذاب یہ ذکر فرمایا کہ قیامت کے روز تصویر سازوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ہماری صفتِ تخلیق و تصویر کی نقّالی کر کے عملی طور پر خالق ور مصور ہونے کا دعویٰ کیا ہے، تو اب تم اس دعویٰ کو پورا کر کے دکھاؤ کہ ان میں

روح بھی ڈالو، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بے جان میں جان ڈالنانہ دنیامیں کسی کی قدرت ہے نہ آخرت میں ہو گی، اس لئے وہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان نہ ڈال سکیں گے تو ان پر عذاب ہو گا۔

سب سے بڑا ظالم فوٹو گرافر!

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: قال اللہ تعالیٰ ومن أظلم ممن ذھب یخلق خلقاً کخلقی فلیخلقوا ذرّۃ ولیخلقوا حبّۃ أو شعیرۃ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرتا ہے پس اسے چاہیئے کہ وہ ایک چیونٹی یا دانہ یا جو پیدا کرے۔[3015]

یعنی میں نے جس طرح صورت بنائی اسی طرح کی صورت بنائے۔ یہ درحقیقت پیدا کرنا تو نہیں جس مواد سے اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ یہ صورت بنا کر یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے بنایا ہے۔ اگر یہاں دعویٰ پیدا کرنے کا رکھے تو اسے چاہیئے کہ وہ ایک چیونٹی یا دانہ یا جو پیدا کرے۔

قولہ: من اظلم: ای لا أحد أظلم "ذھب": (فعل شروع کے معنی میں ہے) أی اراد وطفق وشرع۔

"فلیخلقوا": (اس سے پہلے شرط محذوف ہے۔ ای فان زعموا ذلک فلیخلقوا۔ یہ امر برائے تعجیز ہے۔

ذرۃ: چھوٹی چیونٹی یا ہوا میں غبار بنادے یا ان جیسی ایسی کوئی چیز جس کو میں نے بغیر اسباب کے پیدا کیا ہے کوئی اور چیز۔

[3015] أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/٣٨٥ الحديث رقم ٥٩٥٣، ومسلم فی ٣/١٦٧١ الحديث رقم ٢١١١-١٠١، وأحمد فی المسند ٢/٢٣٢)

او یخلقوا: یہاں پر "او" تنویع کیلئے ہے اور اس میں تردید کا بھی احتمال ہے۔

حبة او شعیرة: "حبه" سے اشارہ عام دانہ کی طرف اور "شعیرة" سے خاص دانہ کی طرف اشارہ ہے۔ تو اس صورت میں "او" تقسیم کیلئے ہو گا۔

الجامع الصغیر میں ہے:

"قال اللہ تعالیٰ: و من اظلم ممن ذھب یخلق خلقا کخلقی فلیخلقوا حبۃ او یخلقوا ذرۃ او لیخلقوا شعیرۃ" رواہ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، و الشیخان رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[3016]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفر سے تشریف فرما ہوئے تھے میں نے ایک دروازہ پر تصویر دار پردہ لٹکا دیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم واپس تشریف لائے، اس کے ملاحظہ سے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا۔ اندر تشریف نہ لائے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! اتوب الی اللہ و الی رسولہ ماذا اذنبت۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیمۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔ بے شک یہ فوٹو گرافروں کو قیامت کے دن عذاب ہو گا (ان سے کہا جائے گا) کہ جو تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو۔[3017]

[3016] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۲۱)

[3017] (بخاری ص ۸۸۱، مسلم)

اے مسلمان بھائی! حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بے خبری کی بنا پر تصویر دار پردہ لٹکائے رکھا تھا اور وہ بھی صرف ایک بار۔ تم معلوم ہونے کے باوجود بار بار یہ گناہ کرتے ہو۔ تم خود سوچ لو کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا کتنا غیظ وغضب ہو گا۔ یہ تم خود اپنے دل سے پوچھو کہ تم ان کی شفاعت کے امیدوار ہو یا نہیں؟

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قدم رسول اللہ ﷺ من سفر و قد سترت سھوۃ لی بقرام فیہ تماثیل فلما راہ رسول اللہ ﷺ ھتکہ و قال: أشد الناس عذاباً یوم القیامۃ الذین یضاھؤن بخلق اللہ، قالت: فقطعناہ فجعلناہ وسادۃ او وسادتین۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفر سے تشریف لائے، میں نے روشندان پر ایک باریک پردہ ڈال دیا تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس پردے کو دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے عمل پیدائش کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے وہ پردہ کاٹ دیا اور اس سے ایک یا دو تکیے بنا لئے۔[3018]

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قال: قدم النبی ﷺ من سفر و علقت درنو کا فیہ تماثیل فأمرنی ان انزعہ، فنزعتہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سفر سے واپس تشریف لائے تو میں نے ایک چھوٹا کپڑا

3018 (صحیح بخاری، باب ما وطئی من التصاویر)

(دیوار پر)لٹکایا ہوا تھا جس میں تصاویر تھیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو ہٹادوں، تو میں نے اسے ہٹا دیا۔[3019]

تشریح: درنوک: بضمِ دال ایسے سوتی کپڑے کو کہا جاتا ہے جو فرش کے طور پر بچھایا جاسکے اور کبھی اس کو پردے کی طرح بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں اس حدیث کے اندر تصاویر کے ذکر کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ تصاویر ایسے گھوڑوں کی تھیں جن کے پَر لگے ہوئے تھے۔[3020]

وعنها انها كانت قداتخذت على سهوة لها سترا أفيه تماثيل فهتكه النبي ﷺ فاتخذت منه نمرقتين فكانتا في البيت يجلس عليها۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی خاص بیٹھنے کی جگہ پر پردہ لٹکایا جس پر تصاویر تھیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دو تکئے بنالئے وہ دونوں گھر میں تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان پر بیٹھتے تھے۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔(متفق علیہ)

تشریح: سهوة: سین مہملہ کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ دوگھروں کے درمیان کی کھڑکی کو کہتے ہیں۔ (ذكره في شرح السنه) اور الفائق میں ہے کہ گھر کے سامنے ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ رف یا طاق کے مشابہ ہوتا ہے جس میں چیزیں رکھی جاتی ہیں اور شاید اسی وجہ سے اسے "سهوة" کہا ہے کیونکہ یہ اپنے صغر و خفا کی وجہ سے نظروں سے غافل رہتا ہے۔ یہ لها (اس کا

[3019] (بخاری مع فتح الباری ۱۰:۳۱۸)
[3020] (فتح الباری)

متعلق محذوف ہے) **ای کائنة لعائشة مختصة بها فیه تماثیل:** یہ "**تمثال**" کی جمع ہے۔ **تمثال** "**شیئی مصور**" کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حیوان کی تصویر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی اس کو کاٹ دیا اور اس میں موجود تصویر کو تلف کر دیا۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر اس حدیث اور سابق حدیث کے درمیان تطبیق کیسے ہو گی؟ میں کہتا ہوں کہ تماثیل... کو تصاویر پر محمول کیا جائے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان تصویروں کے سر کاٹ کاٹ کر ان کو نمارق (تکیوں) میں استعمال کیا۔[3021]

تصویر کی وجہ سے چہرہ مبارک پر ناراضگی

وعنها (رضی اللہ عنها) انها اشترت نمرقة فیها تصاویر فلما راٰها رسول اللہ ﷺ قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجهه الكراهیة قالت فقلت یارسول اللہ ﷺ اتوب الی اللہ والیٰ رسوله ماذا اذنبت فقال رسول اللہ ﷺ مابال هٰذه النمرقة قالت قلت اشتریتها لک لتقعد علیها وتوسدها فقال رسول اللہ ﷺ ان اصحاب هٰذه الصور یعذبون یوم القیمة ویقال لهم احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیه الصورة لاتدخله الملائكة۔ (متفق علیه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ خریدا جس پر تصاویر تھیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جب اس کو دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دروازے پر ٹھہرے رہے گھر میں تشریف نہ لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[3021] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۹-۵۱۸)

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میں نے کیا غلطی کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم گھر میں تشریف نہیں لاتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اس تکیے، کا کیا معاملہ ہے اور تم اسے کہاں سے لائی ہو؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرنے لگیں کہ اس کو میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں یعنی جس طرح پسند ہو۔ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا اس چیز کو زندہ کرو جس کو تم نے بنایا تھا اور ارشاد فرمایا یقیناً وہ گھر جس میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں داخل ہوتے (یعنی اور نہ ہی انبیاء واولیاء اس میں داخل ہوتے ہیں) یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔[3022]

تشریح: نمرقة: نون اور راء کے ضمہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ القاموس میں ہے کہ "النمرقة" چھوٹے تکیہ والنمرقة مثلثه ہے، یا اس تکیہ کو کہا جاتا ہے جو کجاوے کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نون اور راء دونوں پر تینوں حرکتیں درست ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے "وسادة" کو کہتے ہیں ۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "النمرق" نون کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ، چھوٹے تکیہ کو کہتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ مرقعة کو کہتے ہیں۔

[3022] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۹۳ الحدیث رقم ۵۹۶۱، ومسلم فی ۳/۱۶۶۹ الحدیث رقم (۲۱۰۷-۹٦) وأحمد فی المسند ۶/۲۴۶)

فیھاتصاویر: "تصاویر" یہ "صور" کے معنی میں ہے۔یعنی اس میں تصویریں تھیں۔ گویا کہ انہوں نے گھر کے سامنے والے حصہ میں ڈال رکھا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو دیکھا تو وہیں پر ٹھہر گئے اور جلال کی وجہ سے گھر میں داخل نہ ہوئے۔

فعرفت: یہ متکلم کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ میں بصیغۂ تانیث ہے۔ اس صورت میں یہ قول راوی کا ہو گا۔ یعنی انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چہرۂ انور کے تاثرات اور عدم دخول کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ناراضگی معلوم کرلی۔

"الی" کے اعادۃ میں ان دونوں کی طرف استقلال رجوع پر دلالت ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسن ادب ہے، کہ گناہ پر مطلع ہوتے ہی توبہ کو مقدم کیا۔ جیسا کہ اللہ کا قول ہے: {عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ}التوبۃ:۴۳ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ تلطف اور رحم کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے عفو کو مقدم فرمایا۔ ذنب کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عفو سے ابتداء فرمائی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس گناہ پر کوئی اطلاع نہیں ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے توبہ کو معرفتِ ذنب پر مقدم کیا، گویا کہ آپ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی ناگواری ان تصاویر کی وجہ سے ہے بلکہ انہوں نے خیال کیا ہو گا کہ شاید کراہت اس کو بچھانے اور گھر کو سجانے کی وجہ سے ہے، اس لئے انہوں نے یہ کچھ کیا۔ قولہ: ان أصحاب ھذہ الصور یعذبون: اس کا عموم تصویر ساز اور تصویر استعمال کرنے والے دونوں کو شامل ہے البتہ پہلی بات کی تائید اگلے جملہ سے ہو رہی ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم ان میں روح پھونک

دو۔ان کی مزید توہین مقصود ہے۔کیونکہ خالق کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہے اور ان کو "احیوا" کا حکم دراصل ان کا عجز بتلانے کے لئے ہے۔جیسا کہ یہ آیت ہے:{فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ}البقرة:۲۳ تو اس سے معلوم ہوا کہ تصویر حرام ہے،اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ استعمال تصویر بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ اس کا سبب و باعث ہے۔مزید یہ کہ یہ دنیا کی زینت ہے۔ اگلا جملہ "ان البیت الذی فیه ۔۔۔" بھی اس کے امتناع اور سبب منع پر مشتمل ہے اور بظاہر اس حکم میں تمام گھروں کی تمام جگہوں کی تمام تصویریں شامل ہیں۔قوله: لا تدخله الملائکة: یعنی جس طرح ملائکہ داخل نہیں ہوتے اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبع بھی داخل نہیں ہوتے۔علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا دخول فی البیت سے ممتنع ہونا تصویر کی وجہ سے ہے چاہے صورۃ مباح ہو یا حرام ہو، جیسا کہ حدیث سابق میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: واللہ الموفق۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کے آخر حصہ کو روایت کیا ہے۔[3023]

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسنِ ادب

ادھر یہ بات قابلِ نظر ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو پہلے عرض کیا کہ میں توبہ کرتی ہوں! بعد میں پوچھا کہ میرا گناہ کیا ہے؟ ازواج کو ایک مقام ناز کا بھی حاصل ہوتا ہے، آج تو کوئی جاں نثار خادم بھی یہ ادب نہیں جانتا، پہلے الزام ثابت کرنے کو کہتا ہے!

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان قرام لعائشة سترت به جانب بیتها فقال لها النبی ﷺ: امیطی عنی فانه لا تزال تصاویره تعرض لی فی صلوٰتی۔

[3023] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۸-۵۱۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک پردہ تھا جس سے اپنے مکان کے ایک حصہ کو ڈھکا ہوا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اُن سے فرمایا کہ: میرے پاس سے دور کر دو کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں مخل ہوتی ہیں۔[3024]

مذکور الصدر احادیث سے ثابت ہوا کہ جاندار چیزوں کی تصویر کا جیسے بنانا حرام ہے، ویسے ہی ان کا اپنے گھروں میں زینت کے پردوں وغیرہ میں رکھنا بھی ناجائز ہے، اور یہ کہ جاندار چیزوں کی تصویر کے علاوہ بے جان چیزوں میں جن اشیاء کی پرستش عام طور پر کی جاتی ہو جیسے صلیب اس کا نقش اور تصویر بھی رکھنا جائز نہیں۔

اور بعض احادیث میں ایک مضمون تو وہی ہے کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت میں سخت عذاب دیا جائے گا اور یہ کہ اس عذاب کی وجہ ان کی یہ حرکت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صورتِ تخلیق میں اپنا حصہ لگانے کا دعویٰ عملاً کیا۔

دوسری بات اس میں یہ بھی ثابت ہو گئی کہ صرف تصویر کے بنانے والے ہی مستحقِ عذاب نہیں بلکہ ان کا استعمال کرنا بھی گناہ میں داخل ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ جس مکان میں تصاویر نمازی کے سامنے یا دائیں بائیں ہوں اس میں نماز بھی مکروہ ہے، کما صرح بہ الفقہاء۔

احادیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اختلافِ الفاظ

[3024] (بخاری مع فتح الباری ۱۰:۳۲۱)

پردہ میں تصویر کے متعلق حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چار احادیث آئی ہیں، ان میں دو میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سفر سے واپسی کا ذکر ہے، یہ بیہقی کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کا اور ابوداؤد ونسائی کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک یا خیبر کا سفر تھا۔

اور ان دونوں احادیث میں دیوار کے کسی حصہ میں ایک باتصویر پردہ لٹکانے کا ذکر ہے، ایک حدیث میں پردہ کو بلفظ "قرام" اور دوسری میں بلفظ "دُرنوک" بیان کیا گیا ہے۔

اوران دونوں روایتوں میں سے پہلی میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جب اس مصوّر پردہ کو دیکھا تو خود بدستِ مبارک اس کو چاک کر دیا، اور دوسری روایت میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے الگ کرنے کا حکم فرمایا۔ مگر مسندِ احمد میں اسی دوسری حدیث جس میں لفظ "دُرنوک" استعمال کیا گیا ہے، اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو اپنے دستِ مبارک سے پھاڑ دیا۔

اور دونوں ہی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ پھاڑنے کے بعد صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے دو گدّے یا تکئے بنالئے تھے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی استعمال فرماتے تھے۔ قرام والی حدیث میں تو اس کے دو تکیے بنالینا خود بخاری کے الفاظ میں بھی ہے، اور دُرنوک والی حدیث میں اس کے دو تکیے بنالینا مسندِ احمد کی روایت میں موجود ہے۔

ان دونوں روایات کا واقعہ اتنی چیزوں میں مشترک ہے جن کا اُوپر ذکر آیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں روایات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔

البتہ جس حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک مصوّر نمرقہ یعنی گدّا خریدنا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اس کو دیکھ کر غضبناک ہونا اور گھر میں داخل

ہونے سے رکنا مذکور ہے، یہ بظاہر دوسرا مستقل واقعہ ہے، اس میں کسی سفر سے واپسی کا بھی ذکر نہیں اور اپنے ہاتھ سے چاک کر دینے کا بھی ذکر نہیں ہے، بلکہ اظہار ناراضی کے لئے گھر کے اندر تشریف لانے سے رُکنا اور اس پر صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا متنبہ ہو کر توبہ کرنا منقول ہے، مسند احمد کی روایت میں اس نمرقہ کے بھی دو ٹکڑے کرکے دو تکئے بنا لینے کا ذکر ہے، مسند کے الفاظ میں نمرقہ کے بجائے نمط کا لفظ آیا ہے۔

اسی طرح حدیث بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں مصوّر پردہ کا ذکر ہے اس میں بہت نرم الفاظ آئے ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ اس پردہ میں تصاویر ہونا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو پہلے سے معلوم بھی تھا اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو گھر میں باقی رکھا، اور نہ صرف باقی رکھا بلکہ نماز بھی وہیں پڑھتے تھے، ایک روز یہ فرمایا کہ اس کو میری طرف سے ہٹادو کیونکہ اس کی تصویر میری نماز میں خلل انداز ہوتی ہے، جو سابقہ تینوں روایتوں سے بالکل مختلف ہے۔

خصوصاً مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

انها كانت لها ثوب فيه تصاوير ممدود الى سهوة و كان النبیﷺ يصلّی اليه فقال: اخريه عنی!۔

یعنی ”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کپڑا تھا جس میں تصاویر تھیں، یہ ایک طاق یا الماری کی طرف پھیلا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کی طرف نماز پڑھتے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اس کو میری طرف سے ہٹادو!“[3025]

[3025](فتح الباری ۱۰:۳۲۱)

اسکے متعلق حافظ نے فتح الباری میں فرمایا: کہ اس روایت اور روایاتِ سابقہ میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلی روایات کے واقعہ میں جانداروں کی تصاویر تھیں اور اس روایت میں تصاویر ذی روح کی نہ ہوں بلکہ درختوں، پھولوں کے نقش و نگار ہوں، اسی لئے اس پردہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قائم رکھا اور وہ فرشتوں کے داخلہ سے بھی مانع نہیں ہوا، اور نماز میں اس کی طرف رُخ کرنا بھی گوارا کیا گیا، مگر چونکہ نقش و نگار بعض اوقات انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اس لئے ازراہِ تقویٰ اس کو ہٹانے کا حکم فرمایا، اور یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض روایات میں دیوار پر غیر مصوّر پردہ ڈالنے سے بھی اس لئے روکا گیا کہ یہ زہد اور شانِ نبوّت کے خلاف ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر پردہ دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا واپس ہو جانا جو آگے حدیث میں آرہا ہے، اس کی بھی یہ توجیہ خود حدیث میں مذکور ہے کہ ہم اور ہمارے اہل بیت کو نقش و نگار سے کیا کام ہے، عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی روایات کی تطبیق اسی طرح نقل کی ہے۔[3026]

اور اگر اس میں ذی روح کی تصویریں ہوں تو پھر یہ حدیث تصاویر کی ممانعت سے پہلے ابتداء ہجرت کے وقت کی حدیث قرار دی جائے گی جیسا کہ بہت سے حضرات نے صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گُڑیوں کے متعلق ایسا فرمایا ہے۔

فرشتوں کی برکات سے محروم رکھنے والے "کتا اور تصاویر"

عن ابی طلحۃ قال قال النبی ﷺ لا تدخل الملٰئکۃ بیتاً فیه کلبٌ و لا تصاویر۔

[3026] (فتح الباری، ۷۴: ۲۲)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا اور تصاویر ہوں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔[3027]

تشریح:

لا تدخل الملائکة: یہ صیغہ تذکیر وتانیث دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ اس سے مراد ملائکہ رحمت ہیں نہ کہ حفاظت پر مامور اور موت والے ملائکہ اس میں ان کی کراہت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لیکن وہ ان کاموں پر مامور ہوتے ہیں اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔

بیتا فیه کلب: سے مراد رہائش کی جگہ ہے، اس سے شکار، کھیتی اور چوپاؤں کی حفاظت کے لئے رکھے جانے والے کتے مستثنیٰ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی مانع ہیں اگرچہ ان کا رکھنا حرام نہیں ہے۔ ولا تصاویر: یہ تمام انواع کی صورت کو شامل ہے۔ البتہ وہ چیزیں جن کو پاؤں کے ساتھ روندا جاتا ہو۔ ان میں رخصت ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دراصل ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں وہ کتے اور تصویریں ہوں جو حرام ہیں۔ البتہ جو کتے حرام نہیں ہیں، مثلاً کھیتی، شکار اور ماشیہ (جانوروں کی حفاظت) کیلئے رکھے گئے کتے اور وہ تصویریں جو حرام نہ ہوں، یعنی جو بستر اور تکیوں میں ہوں تو یہ دخول ملائکہ کیلئے مانع کی حیثیت نہیں رکھتے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ حکم کلب اور تصویر کے بارے میں عام ہے اور ان سب کی وجہ سے یہ ملائکہ گھر وغیرہ میں

[3027] (أخرج البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۰الحدیث رقم ۵۹۴۹ ومسلم فی ۳/۱۶۶۵ ۱ الحدیث رقم (۲۱۰۶-۸۳)، وأبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۴الحدیث رقم ۴۱۵۳، والترمذی فی ۵/۱۰۶ ۱ الحدیث رقم ۲۸۰۴، والنسائی فی ۸/۲۱۲ ۲الحدیث رقم ۵۳۴۷، وابن ماجه فی ۲/۱۲۰۳ ۱ الحدیث رقم ۳۶۴۹، وأحمد فی المسند ۴/۲۹، مشکوة شریف ص ۳۸۵باب التصاویر)

داخل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ احادیث مطلق ہیں اور اس لئے بھی نبی علیہ السلام کے گھر میں کتا چارپائی کے نیچے تھا، اس میں تو عذر ظاہر تھا کیونکہ نبی علیہ السلام کو اس کا علم نہیں تھا مگر اس کے باوجود جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے گھر میں داخل نہیں ہوئے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا تصویر والے گھر میں داخل نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ تصویر ان چیزوں میں سے ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے اور جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ کتا گندگی کھاتا ہے اور اس لئے بھی کہ ان میں سے بعض کو شیطان کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، اور ملائکہ شیطان کی ضد ہیں اور اس لئے بھی کہ کتوں سے قبیح قسم کی بو آتی ہے اور جو کوئی کتا رکھے گا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو محروم کر دیا جائے بایں طور کہ نہ ملائکہ اس کے گھر میں داخل ہوں اور نہ اس کے لئے دعائے رحمت و استغفار کریں۔ یہ فرشتے حفاظت کرنے والوں کے علاوہ ہیں، کیونکہ وہ مکلفین سے جدا نہیں ہوسکتے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حیوان کی تصویر بنانا شدید حرام ہے اور کبائر میں سے ہے، کیونکہ اس پر یہ شدید قسم کی وعید وارد ہوئی ہے۔ چاہے کپڑے پر بنائے یا بستر پر دراہم و دینار پر بنائے یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درختوں، کجاوہ اور پہاڑ اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ یہ نفس تصویر کا حکم ہے۔ البتہ اگر حیوان کی تصویر بنائے، تو اگر وہ دیوار پر معلق ہے چاہے اس تصویر کا سایہ ہو یا نہ ہو، کپڑے پر بنائے اور وہ کپڑا ملبوس ہو یا عمامہ یا اس طرح کی چیز ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ البتہ تکیہ اور اس جیسی وہ چیزیں جس کو روندا جاتا ہے تو ان پر تصویر حرام نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ بھی دخول ملائکہ کا مانع بنتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں البتہ وہ گڑیا جو بچیوں کے کھیل کے لئے کپڑوں سے بنائی جاتی ہے تو اس میں رخصت ہے۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کے لئے اس کے خریدنے کو مکروہ لکھا ہے اور بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے ساتھ بچیوں کے کھیلنے کی اباحت ان احادیث سے منسوخ ہو چکی ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

جامع صغیر میں ہے، کہ اس حدیث کو احمد، شیخین، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو طلحہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب و لا صورۃ۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، ترمذی، ابن حبان، نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ تماثیل او صورۃ۔

ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے:

ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ کلب و لا صورۃ۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "و لا تصاویر" کا عطف "کلب" پر ہے اور ظاہر کا حق یہ تھا کہ "لا" کی تکرار ہوتی اور یوں کہا جاتا: "لا کلب و لا تصاویر" لیکن سیاق نفی میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ جائز ہے۔

جیسا کہ یہ آیت ہے: {ما ادری مایفعل بی و لا بکم} اور اس میں تاکید ہے۔ اگر اس کو ذکر نہ کرتے تو اس میں یہ احتمال ہوتا کہ ان کے درمیان جمع کی نفی ہے۔ جیسا کہ یہ قول ہے: "ما کلمت

زیداً ولا عمرواً'' اگر اس کو حذف کرتے تو جائز تھا کہ ان میں سے کسی ایک کا تکلم ہوتا۔ کیونکہ ''واؤ'' جمع کے لئے ہے اور ''لا'' اعادۃ فعل کی طرح ہے۔''[3028]

عن أبی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ: لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔[3029]

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: وعد جبریل النبی ﷺ فراث علیہ حتی اشتد علی النبی ﷺ فخرج النبی ﷺ فلقیہ فشکا الیہ ما وجد فقال: انا لا ندخل بیتاً فیہ صورۃ ولا کلب۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں تاخیر کر دی، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر یہ بات شاق گزری، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم گھر سے باہر نکلے وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے انتظار کی وجہ سے جو تکلیف ہوئی اس کی شکایت فرمائی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ تماثیل أو تصاویر۔

[3028] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۳-۵۱۲)

[3029] (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، الموسوعۃ الفقھیہ ج۶ ص ۱۳۴، فتح الباری ۱۰ ص ۳۸۰، مطبوعہ السلفیۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مجسمے یا تصاویر ہوں۔[3030]

عن عبداللہ بن نجیّ الحضرمی عن أبیہ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی حدیث طویل عن رسول اللہ ﷺ أنہ ذکر عن جبریل علیہ السلام أنہ قال: انہا ثلاث لن یلج ملک ما داموا فیہا أبداً واحد منہا کلب او جنابۃ او صورۃ روح۔ أخرجہ احمد فی مسندہ کما فی فتح الباری ۲۷۹:۷، وأخرجہ أیضاً النسائی وابن ماجہ مختصراً وسندہ جید کما فی "الفتح الربانی"۔

حضرت عبد اللہ بن نجی الحضرمی اپنے والد سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ کسی جگہ پر ہوں، فرشتے اس جگہ داخل نہیں ہوتے، ان میں سے ایک کتا، دوسرے ناپاکی کی حالت والا، تیسرے جاندار کی تصویر۔

انہا ثلث لم یلج ملک ما دام فیہا واحد منہا کلب او جنابۃ او صورۃ روح۔

جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے عرض کی کہ کوئی فرشتہ رحمت وبرکت کا اس گھر میں داخل نہیں ہو گا جب تک اِن تین چیزوں میں ایک اس گھر میں ہو: کتا، جُنب، اور جاندار کی تصویر۔[3031]

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن میمونۃ ان رسول اللہ ﷺ اصبح یوما واجما وقال ان جبرئیل کان وعدنی ان یلقانی اللیلۃ فلم یلقنی اما واللہ ما اخلفنی ثم وقع فی نفسہ جرو کلب تحت فسطاط لہ فامر بہ فاخرج ثم اخذ بیدہ ماءً فنضح مکانہ فلما امسیٰ لقیہ جبرئیل فقال لقد کنت وعدتنی ان تلقانی البارحۃ قال اجل ولکنا لاندخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ

[3030] (صحیح مسلم)

[3031] (احمد،نسائی)

فاصبح رسول اللہ ﷺ یومئذ فامر بقتل الکلاب حتی انه یأمر بقتل کلب الحائط الصغیر ویترک کلب الحائط الکبیر۔[3032]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاموش اور غمگین تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے غمگین ہونے کا سبب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا کسی اور زوجہ محترمہ سے یا بطور تعجب اور حیرانی کے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دل میں یہ بات آئی کہ آج رات جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر اس نے ملاقات نہیں کی اللہ کی قسم جبرائیل علیہ السلام اپنے وعدے کی خلاف ورزی مجھ سے نہیں کرتے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دل میں خیال آیا کہ کتے کا بچہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے خیمہ (چارپائی) کے نیچے پڑا تھا جبرائیل علیہ السلام اس کی وجہ سے نہیں آئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کتے کے بچے کو نکال دیا جائے اسے نکال دیا گیا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تھوڑا سا پانی لے کر اس کی جگہ پر چھڑکا تو پھر جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے گزشتہ رات ملنے کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے کہا جی ہاں مگر ہم ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جہاں کُتا یا تصویر ہو، پس جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو بھی مارنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں

[3032] (رواہ مسلم)

حفاظت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بڑے باغوں کے کتوں کو چھوڑ دیا کیونکہ ان میں حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔[3033]

تشریح:عن میمونة "اصبح" یہ "اصباح" کے لئے ظرف ہے۔

واجماً: میم سے پہلے جیم ساکن ہے، یہ حال ہے۔أی ساکناً حزیناً من الوجوم۔ غم اور غصہ کی وجہ سے خاموش ہونے کو کہتے ہیں اور "النهاية" میں ہے: ای مهتماً "واجم" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کو غم خاموش کرادے اور اس پر سخت رنج غالب آجائے۔

ان یلقانی: یاء متکلم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن کرنا بھی جائز ہے اور وصل میں اس کا حذف بھی جائز ہے۔

الليلة: یہ "وعد" کیلئے ظرف ہے۔ "ام" ہمزہ کے فتحہ اور میم کے ساتھ۔ یہاں پر "ام" تنبیہ کے لئے ہے اور الف کو تخفیفا حذف کر دیا گیا ہے۔ "الجرو" جیم مکسور، راء ساکن اور پھر واؤ ہے۔ القاموس میں ہے کہ "الجرو" میں تینوں حرکات درست ہیں۔ کتے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں۔

فسطاط: فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ایک قسم کے خیمہ کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد چارپائی ہے۔ فأمر به: ای باخراج الجرو۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جس شخص کا وقت ضائع ہو جائے اور اس کا وظیفہ خراب ہو جائے تو اس کو اس کے سبب میں غور و فکر کرنا چاہیئے جیسا کہ یہاں نبی علیہ السلام نے کیا یہاں تک کہ اس کتے کو نکال دیا اور اس کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ دیا: {اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ} الاعراف: ۲۰۱ "جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف

[3033] (أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۶۴ الحدیث رقم (۲۱۰۵-۸۲) وأبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۷ الحدیث رقم ۴۱۵۷)

سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔"

أمسى: أي دخل المساء زوال کے بعد یا سورج کے غروب ہونے کے بعد کا وقت مراد ہے۔

"أجل": لام مخففہ کے سکون کے ساتھ بمعنی **"نعم"**۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے چھوٹے باغ کے کتوں کے قتل کرنے کا حکم کیا۔ کیونکہ ایسے باغوں کو حراست کی ضرورت نہیں تھی۔ جب کہ بڑے باغات کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ کتوں کے بغیر اس کی پہرہ داری مکمل نہیں تھی۔

حتی انه: "انّ بکسر الہمزہ ہے" اور ضمیر ضمیر شان ہے، یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف راجع ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **"یامر"** حکایت حال ماضیہ ہے۔ **"یترک"** یہ معطوف ہے۔ اس تقدیر پر کہ یہ **"لم یأمر بقتل کلب الحائط الکبیر"** کے معنیٰ میں ہے اور یہ **"حائط الکبیر"** کے وصف سے مستفاد ہوتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے دلیل ہے جو مفہوم مخالف پر عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ سائمہ غنم کی زکوۃ میں کہتا ہوں عمل بالقید اور عمل بالمفہوم میں فرق ہے اور حدیث مفہوم مخالف کے عدم اعتبار میں صریح ہے۔ ورنہ تو کلام میں واصل کا تکرار ہوتا اور تحصیل حاصل ہوتا۔ کیونکہ **"یآمر بقتل کلب الحائط الصغیر"** کا مفہوم یہ ہے **لم یأمر بقتل کلب الحائط الکبیر بل یترکه**۔ کہ آپ نے بڑے باغ کے کتوں کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کو چھوڑ دیا اور اسی طرح **"ویترک کلب الحائط الکبیر"** کا مفہوم یہ ہے **لم یترک کلب الحائط الصغیر بل یأمر بقتله** کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے چھوٹے باغ کے کتوں کو نہیں چھوڑا بلکہ اس کے قتل کا حکم دیا۔ **واللہ اعلم۔**[3034]

[3034](بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۴-۵۱۳)

فوٹو کی ہتک کے لئے جبرئیل علیہ السلام نے کیا فرمایا

قال علیه السلام أتانی جبریل فقال لی مر برأس التماثیل یقطع فتصیر کهیئة الشجرة وامر بالستر فیقطع فیجعل وسادتین منبوذتین توطئان۔

میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کی کہ حضور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حکم فرمائیں کہ فوٹو کا سر کاٹا جائے کہ پیڑ کی طرح رہ جائیں اور تصویر والے پردے کے لئے حکم فرمایئے کہ دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔[3035]

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ اتانی جبرئیل علیه السلام قال اتیتک البارحة فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انه کان علی الباب تماثیل وکان فی البیت قرامٌ سترٌ فیه تماثیل وکان فی البیت کلبٌ فمر برأس التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کهیئة الشّجرة ومر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطان ومر بالکلب فلیخرج ففعل رسول اللہ ﷺ۔

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف آئے اور کہنے لگے گزشتہ رات بھی آپ کے پاس آیا تھا، مجھے گھر میں داخلہ سے دروازہ کی تصاویر نے منع کر دیا اور گھر میں تصویر والا رنگین منقش پردہ تھا جس کو لٹکایا گیا تھا اور گھر میں کتا تھا۔ پس آپ ان تصاویر کے سر کاٹنے کا حکم فرمائیں جو دروازے پر لگی ہوں یعنی پردے کی تصاویر کے سر کاٹ دیئے جائیں جس سے وہ درخت کی شکل بن جائیں، ان کی ہیئت تصاویر والی باقی نہ رہے اور آپ یہ حکم دیں کہ پردے کو کاٹ کر دو تکئے بنالئے جائیں۔ تاکہ وہ روندنے میں آئیں اور گھر سے کُتا نکالنے کا حکم فرمائیں۔ آپ صلی اللہ

[3035](ترمذی، نسائی)

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ویسا ہی کیا جو جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا۔یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔"[3036]

تشریح:قال: یہ استئناف ہے،سوال مقدر کے جواب کے لئے بیان ہے۔**أن أکون:**(اس سے پہلے حرف جر مقدر ہے"**تاء**"کے فتح کے ساتھ"**تمثال**"بکسر الاول کی جمع ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حیوانات کی تصاویر ہیں۔

و کان:ماقبل "کان" حرفِ عطف ہے۔لہٰذا یہ بھی کلام جبرائیل علیہ السلام کا حصہ ہے۔

القرام: قاف کے کسرہ کے ساتھ منقش پردے کو کہتے ہیں ۔ اور القاموس میں ہے کہ "**القرام**"(ازروئے وزن)"کتاب"کی طرح ہے۔سرخ پردہ کو کہتے ہیں یاوہ رنگدار کپڑا جو اون سے بناہو جس میں نقش ونگار اور پھول بوٹے ہوں یاباریک پردے کو کہتے ہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے النہایہ سے نقل کیا ہے کہ قرام باریک پردہ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد رنگ برنگی اون سے بناہوا کپڑا ہے اور اس میں اضافت ایسی ہے کہ جیسی "**ثوب قمیص**"میں ہے اور بعض کے ہاں "**قرام**" سے مراد وہ باریک پردہ ہے جو موٹے پردے کے پیچھے لٹکایا جاتاہے اور اسی لئے اس کی اضافت ہے۔

یقطع: یہ مجہول کا صیغہ ہے، تخفیف کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں تشدید کے ساتھ ہے اور مرفوع ہے اور ایک نسخہ صحیح میں نصب کے ساتھ ہے اور ضمیر "**رأس التمثال**"کی طرف راجع ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جامع الاصول اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں رفع کے ساتھ

[3036](أخرجه أبو داؤد في السنن ۴/۳۸۸الحديث رقم ۴۱۵۸،والترمذي في السنن ۲۸۰۶،وأحمد في المسند ۲/۳۰۵)

ہے اس طور پر کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور بعض میں نصب کے ساتھ ہے جو اب امر ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ شارع کا امر امتثال کا سبب ہوتا ہے اور پہلا (ضبط) معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ لطیف ہے۔

فیصیر: اس میں بھی دونوں صورتیں ہیں۔ **ای یرجع التمثال المقطع رأسہ۔** اگر یہ کہا جائے۔ **کھیئۃ الشجرۃ:** کہ اس کے ذکر کا کیا فائدہ ہے؟ میں کہوں گا کہ یہ بتلانا تھا کہ قطع سے مراد اس کے سر کی جگہ کا مٹانا نہیں ہے بلکہ اس کو جدا کرنا مراد ہے کیونکہ یہ اس وقت تک شجر کی طرح نہیں ہوتا جب تک اس سے سر جدا نہ ہو۔ جب تک اس پر سر باقی رہے گا یا مٹا ہوا ہو گا تو وہ ھیئۃ شجرۃ نہیں ہو سکتا۔ (ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ) اور یہ معقول و منقول کے خلاف ہے۔ پہلی صورت میں جب سر مٹا دیا جائے گا اور چہرہ کی وہ صورت کہ جس سے امتیاز ہوتا ہے وہ بھی مٹا دی جائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ھیئۃ شجرہ کی طرح ہو جاتا ہے اور یہ امر مشاہد ہے اور دوسری صورت میں یہ خلاف مذہب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ مکروہ ہے کہ آدمی نماز پڑھے اور اس کے سامنے یا اس کے اوپر یا دائیں طرف یا بائیں طرف کپڑوں پر تصاویر ہوں اور "بساط" کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ بچھونے پر مکروہ نہیں ہے جب تک کہ تصاویر پر سجدہ نہ کرے فرمایا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب تصویر ناظرین کو بغیر تکلف کے نظر آتی ہو۔ اگر وہ تصویر چھوٹی ہو یا اس کا سر مٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ جب تصویر کی حقیقت متغیر ہو جائے اس طور پر کہ اس کے سر کو کاٹ دیا جائے، یا اس کے جوڑ جدا کر دیئے جائیں کہ صرف صورت کا اثر باقی رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ کہ جب تصویر کی جگہ کو توڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کے اوصال (اعضاء و جوڑ) کٹ جائیں تو پھر اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

توطان: یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے یعنی ان کو روندنے، ان پر بیٹھنے یا اس سے ٹیک لگانے سے اس کی اہانت کی جاتی ہو اور "**وطا**" اصل میں پاؤں کے ساتھ مارنے کو کہتے ہیں اور پردہ کو کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے دو تکیے بنائے جائیں۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔ اس سے تصویر دار چیز کے استعمال کا جواز نکلتا ہے جیسا کہ تکیہ بستر اور بساط۔

اور بعض نے کہا ہے کہ "**قطع**" سے مراد یہ ہے کہ تصویر کی کوئی جگہ باقی نہ رہے، یہ احتمال بعید ہے اور ممکن ہے کہ "ستر" سے مراد جنس ستر ہو و دروازہ وغیرہ پر لٹکے ہوئے پردے اور گھر میں موجود پردہ کو بھی شامل ہے اور "**قطع**" سے مراد برابر کر کے کاٹنا ہے۔ پھر اس کو سی کر دو تکیے بنالئے جائیں۔

فیخرج: یہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں "**فلیخرج**" ہے۔

ففعل رسول اللہ ﷺ: یعنی جو کچھ مذکور ہوا، وہ سب کچھ کر دیا، یا فعل کو بمنزلہ لازم کے کیا ہے۔ **ای امتثل۔ واللہ اعلم۔**[3037]

بعض حضرات کے نزدیک تصویر والے گھر میں داخل ہونے سے باز رہنا صرف ملائکہ وحی جبرائیل واسرفیل وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہے عام فرشتوں کا یہ حکم نہیں، اس قول پر یہ اعتراض تو صحیح نہیں کہ زمانۂ وحی یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد تصویر والے مکان میں داخل ہونا اور تصویر کا استعمال کرنا وغیرہ سب جائز ہو جانا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب وحی بند ہوئی تو ان فرشتوں کا زمین پر آنا بھی بند ہو گیا اور یہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد سلسلۂ وحی بند ہو جانے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ملائکہ وحی جبرائیل

[3037] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸، ص ۵۲۹-۵۲۷)

علیہ السلام وغیرہ زمین ہی پر نہ اُتریں، بلکہ بہت سی احادیثِ صریحہ سے ان کا قیامت تک ہر زمانہ میں زمین پر تشریف لانا ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ اکثر مفسرین کے نزدیک {تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ} میں روح سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں، ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بیہقی و ابن حبان وغیرہ نے بروایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور طبرانی نے بروایت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے بعبارات مختلفہ جبرائیل ومیکائیل واسرافیل وغیرہم کا ہر زمانہ میں زمین پر تشریف لانا نقل کیا ہے اور حدیث مشکوٰۃ دربارۂ نزولِ جبرائیل علیہ السلام "فی کبکبۃ من الملٰئکۃ"۔

اور یہ جو مشہور ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وفات کے بعد جبرائیل علیہ السلام زمین پر تشریف نہ لاویں گے، اس کو شیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "الاعلام بنزول عیسیٰ علیہ السلام" میں ردّ کر دیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

فوٹو گرافر کو ایک شرط پر عذاب سے تخفیف

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: سمعت محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: من صوّر صورۃ فی الدنیا کلّف یوم القیامۃ ان ینفخ الروح ولیس بنافخ۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی تصویر بنائے گا تو قیامت کے روز اس کو اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس کے اندر روح ڈالے اور وہ اس کے اندر روح نہیں ڈال سکے گا۔[3038]

[3038] (صحیح بخاری باب من صور صورۃ الخ)

غور کرکے دیکھو کس طرف جارہے ہو؟

عن سعيد بن أبي الحسن قال كنت عند ابن عباس اذ جاءه رجل فقال: يا ابن عباس! اني رجل انما معيشتي من صنعة يدي و اني اصنع هذه التصاوير، فقال: ابن عباس: لا أحدّثك الا ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سمعته يقول: من صوّر صورة فانّ الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها ابدا۔ فربا الرجل ربوة شديدة و اصفر وجهه، فقال: ويحك ان أبيت الا ان تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح۔

حضرت سعید بن أبي الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا، اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ اے ابن عباس! میری معیشت کا مدار میرے ہاتھ کی صنعت پر ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے وہ بات بیان کرتا ہوں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے میں نے سنی ہے، میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے والے ہیں یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں روح ڈال دے اور وہ کبھی بھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا، یہ سن کر اس شخص نے ایک لمبی سانس لی اور اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تم پر بڑا افسوس ہے کہ تو تمام پیشوں سے انکار اور صرف مصوری کو اختیار کرنے والا ہے، اگر بنانا ہی ہے تو درختوں اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہ ہو۔ [3039]

[3039] أخرجه البخاري في صحيحه ۴/۴۱۶، الحديث رقم ۲۲۲۵ واحمد في المسند ۱/۳۶۰۔

تشریح: یعنی میری معاش کا ذریعہ تو صرف تصاویر ہی ہے۔ لا احدث: "لا" نافیہ ہے۔ ای لا اخبرک فی جوابک۔ اور میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ نبی کی بات نفس میں زیادہ تاثیر رکھتی ہے۔ جس نے تصویر بنائی اور اس کو اپنا مشغلہ بنایا۔

قولہ: فان اللہ معذبہ: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ صحیحہ میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ "یعذبہ" ہے۔

حتی ینفخ فیہ: اور ایک نسخہ میں "فیھا" ہے۔ ای فی الصورۃ اور اس کی تائید اگلے جملہ سے ہوتی ہے: ولیس بنافخ فیھا ابدا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کا عذاب ہمیشہ ہوگا، یہ وعید شدید پر محمول ہے یا مستحل پر محمول ہے۔

قولہ: فربا الرجل ربوۃ شدیدۃ: یہ مصدریت (یعنی مفعول مطلق ہونے) کی بناء پر منصوب ہے۔ علامہ جوہری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ "الربو" نفس عالی (چڑھی ہوئی سانس) کو کہتے ہیں۔ "ربا یربو ربوا" اور القاموس میں ہے کہ "ربا الفرس ربوا" اس وقت کہا جاتا ہے جب دوڑنے سے اس کا سانس چڑھ جائے، یا خوف کی وجہ سے حاصل معنی یہ ہے کہ وہ خوف زدہ ہو گیا جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حدیث شریف نقل فرمائی اور لمبی سانس لینے لگا۔

ویحک: یہ کلمہ اس شخص کے لئے کہا جاتا ہے جو ایسی ہلاکت میں گر جائے، جس کا مستحق نہ ہو، تاکہ اس پر رحم کیا جائے اور اسی سے یہ خبر مرفوع بھی ہے: ویح عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ۔ اس کو ابو داؤد نے "الحلیۃ" میں حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ زیادتی پر نقل کیا: یدعوھم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار۔ برخلاف کلمۂ "ویل" کے چونکہ یہ مستحق ہلاکت شخص کے

لئے کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ} الاحقاف: ۱۷ اور القاموس میں ہے: "ویح لزید ویحاً له" کلمہ رحمت ہے اور اس کا رفع ابتداء کی وجہ سے ہے، اور اضمار فعل کی وجہ سے منصوب ہے اور "ویح زید ویحه" یہ دونوں (بھی اسی وجہ سے) منصوب ہیں۔

ان ابیت: یعنی اگر تم باقی صنعتوں سے انکاری ہو، اور صرف تصاویر ہی بنانا چاہتے ہو، تو پھر تم درختوں کی تصاویر بناؤ اور ان جیسی ان اشیاء کی تصویریں بناؤ۔ جو غیر ذی روح ہیں۔ جیسا کہ اس بات کو اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے: و کل شیء لیس فیه روح۔

"کل" جر کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں جر اس وجہ سے جائز ہے کہ یہ شجر کا بیان ہو گا کیونکہ جب ان کو تصویر سے منع کر دیا اور ان کی راہنمائی "جنس شجر" کی طرف کر دی تو انہوں نے اس کو "قصد" کے لئے وافی نہیں دیکھا تو اس کی وضاحت فرمادی، یہ "بدل" کے قریب ہے اور نصب تفسیر کی بناء پر ہے۔ یعنی "اعنی" مقدر ہے اور اظہر یہ ہے کہ "جر" کے ساتھ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کا نصب "نزع الخافض" کی بناء پر ہو اور اس پر دال کا وجود ہے۔

قیامت میں ایک خوفناک شئ فوٹو گرافر کے سر پر

وعن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ يخرج عنق من النار يوم القيمة لها عينان تبصران و اذنان تسمعان و لسان ينطق يقول انی و كلت بثلثة بكل جبّار عنيد و كل من دعا مع الله الهاً اٰخر و بالمصورين۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی (یعنی آگ کا ایک ٹکڑا گردن کی صورت میں نمایاں ہو گا) جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، دو کان ہوں گے

جس سے وہ سنے گی، اور زبان ہو گی جس سے وہ بولے گی، وہ کہے گی مجھے تین اشخاص کے لئے متعین کیا گیا ہے (یعنی ان کو دوزخ میں داخل کروں اور لوگوں کے سامنے رسوائی کا عذاب دوں): وہ جو حق سے تکبر اور عناد کرنے والے ہیں، ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرے اور تیسرا تصویر کھینچنے والوں کے لئے۔[3040]

تشریح: قولہ: یخرج عنق: اس سے مراد شخص قوی ہے اور بعض نے اس سے مراد ایک طائفہ لیا ہے (**ذکرہ بعض شراح**) اور القاموس میں ہے کہ "**العنق**" ضمہ کے ساتھ اور دو ضموں کے ساتھ جیسا کہ صرد بمعنی "**جیدد**" مؤنث ہے۔ لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں اور علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں "**یعنی طائفہ**"۔

عینان تبصران: اسی قسم کے اوصاف حجر اسود کے بارے میں وارد ہیں کہ جس نے اس کے ساتھ عہد وہ میثاق کو پورا کیا یہ قیامت کے روز اس کے لئے گواہی دے گا۔

عن أبی جحیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان النبی ﷺ نھیٰ عن ثمن الدم و ثمن الکلب و کسب البغی و لعن آکل الربا و موکلہ و الواشمۃ و المستوشمۃ و المصوّر۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خون کی قیمت لینے سے اور کتے کی قیمت لینے سے اور بدکاری کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور گودنے والی اور گدوانے والی اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[3041]

تخلیق الٰہی سے مشابہت کرنے والوں پر عذاب

[3040] (أخرجہ الترمذی فی السنن ۴/۶۰۴ الحدیث رقم ۲۵۷۴، وأحمد فی المسند ۲/۳۳۶)
[3041] (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من لعن المصور)

وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها عن رسول اللہ ﷺ قال اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یضاهؤن بخلق اللہ۔ (متفق علیه)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ان پر سخت عذاب ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔[3042]

تشریح: قولہ: اشد الناس عذاباًیوم القیمة الذین یضاهؤن:

یضاهؤن: یاء کے ضمہ اور واؤ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں ہاء کے کسرہ اور واؤ سے پہلے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں اور اس آیت میں یہ لفظ دونوں طرح پڑھا گیا ہے: **يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔التوبة:۳۰** لیکن پہلی لغت زیادہ مشہور اور اکثر ہے ۔ بمعنی "**یشابهون**" یعنی تصویر بنانے کے عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فعلِ خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی وہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ کے خلق یعنی اس کی مخلوق کے مشابہ ہیں، یا یہ کہ وہ اعتقاد رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا اور قباحت کفر کی زیادتی کی وجہ سے اس کے عذاب میں بھی اضافہ ہو گا۔ ورنہ یہ حدیث تہدید پر محمول ہے۔[3043]

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: نهی رسول اللہ ﷺ عن الصورة فی البیت ونهی أن یصنع ذلک۔

[3042] أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۶ رقم ۵۹۵۴، ومسلم فی ۳/۱۶۶۸ رقم ۲۱۰۷-۹۲، والنسائی فی السنن ۸/۲۱۴ رقم ۵۳۵۶، وأحمد فی المسند ۶/۳۶)

[3043] بحوالہ مرقاة شرح مشکوة ج۸ ص ۵۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فوٹو مٹانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا

عن علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال لأبی الھیاج الأسدی: ألا أبعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع صورۃ الا طمستھا و لا قبراً مشرفاً الا سویتہ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو الہیاج الاسدی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے کام کی ترغیب نہ دوں جس کی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے ترغیب دی، وہ یہ کہ کسی تصویر کو نہ چھوڑو مگر یہ کہ تم اس کو مٹادو اور کوئی بلند قبر نہ چھوڑو مگر یہ کہ تم اس کو برابر کر دو۔[3044]

صرف فوٹو کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت سے واپس لوٹ گئے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہوئے، پردے پر کچھ تصویریں بنی دیکھیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم واپس تشریف لے گئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس سبب سے آپ واپس ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ

[3044](مسلم کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃالقبور، ترمذی: کتاب الجنائز حدیث ۱۰۴۹، وابوداؤد: کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۱۸)

وبارک وسلم نے فرمایا: ان فی البیت سترا فیہ تصاویر و ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ تصاویر۔ گھر میں پردے پر تصویریں تھیں، اور ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔
3045

اے ایسے ویسے مسلمان! حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ناراض ہو کر ان کی دعوت کو رد فرما دیا، تو بے شک تجھ سے تصویر رکھنے کی صورت میں سارے تعلقات توڑ دیں گے!

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصویر کی وجہ سے ملک شام میں دعوت رد فرمائی۔
3046

تمام مشائخ کو چاہیئے کہ ایسی جگہوں میں دعوت پر نہ جائیں جہاں پر تصاویر موجود ہوں۔ بعض احمقان یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ تبرکاً رکھتے ہیں۔ جنابِ عالی! خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حکم سے ختم کیا گیا۔ رہا تبرک کا تصور، تو حرام میں تبرک کہاں؟ تدبر و لا تکن من الغٰفلین۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جس فوٹو کو دیکھتے توڑ دیتے

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی ﷺ لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصالیب الا نقضہ۔ (رواہ البخاری)

3045 (نسائی، ابن ماجہ)

3046 (کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۹، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم گھر میں جس چیز پر بھی تصویر ملاحظہ فرماتے اسے بغیر توڑے نہ چھوڑتے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔[3047]

تشریح: یعنی اس چیز کو زائل کر دیتے یا اس کو توڑ دیتے۔ اصل میں "نقض" عمارت کے اجزاء کے ابطال کو کہتے ہیں۔ ہمارے علماء میں سے علامہ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اصل میں راوی نے "تصالیب" کو تماثیل کی جگہ ذکر کیا ہے، حالانکہ اصل میں یہ دونوں چیزیں مختلف ہیں۔ کیونکہ "تصالیب" میں اصل یہ ہے کہ یہ "تصلیب" کی جمع ہے۔ "تصلیب" صلیب تصویر بنانے کو کہتے ہیں۔ صلیب ایک مثلث نما چیز ہوتی ہے جس کی عبادت نصاریٰ کرتے ہیں۔ پھر نفس "تصلیب" پر اس کا اطلاق کیا گیا۔ اور پھر جس چیز کی شکل وصورت تھی اس کو "تصلیب" کہنے لگے۔ "تسمیه بالمصدر" کے قبیل سے ہے۔ پھر اس کی جمع لائے۔ جیسا کہ "تصاویر" ہے اور یہاں پر "تصالیب" سے مراد صورتیں (یعنی تصاویر) ہیں۔

تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

كان لا يترك في بيته شيئاً فيه تصاليب الا قضبه۔ اى قطع موضع الصليب منه دون غيره والقضب القطع۔[3048]

اور "قضبه" کا معنی "قطعه" ہے (یعنی اس کو کاٹ دیتے)۔ احتمال ہے کہ اختلاف لفظین بعض رواۃ کی طرف سے واقع ہوا ہو۔ ابو داؤد کی حدیث زیادہ فصیح اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں نظر ہے، کیونکہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے رواۃ اوثق اور اضبط ہیں۔ بخاری کی روایت پر اعتماد اولیٰ واحریٰ ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے، کہ ابو داؤد کے الفاظ کے

[3047] (أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۸۵ الحدیث رقم ۵۹۵۲، وأبو داؤد فی السنن ۴/۳۸۳ الحدیث رقم ۴۱۵۱، وأحمد فی المسند ۶/۲۳۷)

[3048] (الموسوعة الفقهية، ۱۳۴:۶)

بارے میں شیخ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت کے الفاظ از روئے لغت زیادہ فصیح اور از روئے صناعت زیادہ قرین قیاس ہیں، یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ کتاب البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہاں روایت کے اعتبار سے اصح اور درایہ کے اعتبار سے افصح ہے۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ قراء سبعہ میں سے بعض قراء بعض اوقات کسی ایسی قراءت میں منفرد ہوتے ہیں جو تمام قراءت متواترہ سے افصح ہوتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کلامِ باری تعالیٰ میں فصیح اور افصح دونوں کا وقوع جائز ہے۔ اور اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے کلام میں بھی ہے۔ البتہ ان دونوں میں سے ایک کا بطریق اصح ہونا، یا اکثر سے مروی ہونا ایک جدا بات ہے۔ پھر علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اعلام السنن" میں ذکر کیا ہے، یہ بخاری کی شرح ہے۔ "وفی سائر الروایات" کے الفاظ اس بات کا پتہ دے رہے ہیں کہ یہ کتاب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کیونکہ "السائر" کا معنیٰ: "بقیۃ من الشیء"۔ اس طرح صاحب النہایۃ نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ یہ "سور" سے ماخوذ ہے۔

یہ ایک عجیب بحث اور ایک عجیب اعتراض ہے۔ اس لئے کہ "سائر" بمعنیٰ "جمیع" آتا ہے اور بمعنیٰ "الباقی" بھی آتا ہے۔ اکثر واظہر یہی ہے اور یہ معنیٰ اس مقام میں متعین ہے۔ لیکن علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد باقی روایات البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ خلاف ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ روایات بخاری کے تتبع کا محتاج بھی ہے۔ اور یہ معنیٰ اس مبنیٰ کے وجود پر مبنی ہونا ہے، اور اگر اس کی صحت فرض کر لی جائے، تو پھر یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ روایت ابو داؤد

میں بھی اس طرح ہے اور یہ بھی ممتنع نہیں ہے کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض روایات بخاری ہی کی بعض روایات سے افصح اور اقیس ہوں، روایۃً بھی اور درایۃً بھی۔ واللہ اعلم۔[3049]

فوٹو کے محب سے نبی علیہ السلام کی انتہائی بیزاری کا اظہار

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک جنازے میں تشریف لے گئے اور فرمایا: **ایکم ینطلق الی المدینۃ فلا یدع بھا وثنا الا کسرہ ولا قبرا الا سواہ ولا صورۃ الا لطخھا۔** تم میں کون ہے کہ مدینے شریف جا کر ہر بُت کو توڑ دے اور ہر قبر کو برابر کر دے اور ہر تصویر کو مٹا دے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ فرمایا تو پھر کیا دیر ہے جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا کر واپس آئے اور عرض کیا فرمان کی تعمیل کر لی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **من عاد الی صنعۃ شیء من ھذا فقد کفر بما انزل علی محمد۔** اب جو یہ سب چیزیں بنائے گا وہ کفر و انکار کرے گا اس چیز کے ساتھ جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر نازل ہوئی۔

مسلمان بنظر ایمان دیکھے تو صحیح اور صریح احادیث میں اس پر کتنی سخت وعیدیں فرمائی گئی ہیں، حتیٰ کہ تصاویر بنانے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام احادیث عام، شامل اور محیط کامل ہیں، جس میں کسی بھی تصویر کے کسی بھی طریقے کی تخصیص نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتنے بھی کامل ولی کی تصویر، خواہ کسی بھی طریقے سے بنائی جائے، ناجائز ہے۔[3050]

[3049] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۱۶-۵۱۵)
[3050] (رواہ احمد)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ کعبۃ اللہ شریف میں جو بُت نصب ہیں، ان کو باہر نکال کرنا معلوم جگہوں پر دفن کریں، چھپی ہوئی تصاویر کو دھو کر صاف کریں۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ ہم نے حکم کی تعمیل اور تکمیل کرلی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کعبۃ اللہ شریف میں پاؤں مبارک اندر کر کے دیکھا کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت بی بی مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصاویر ابھی صحیح سلامت ہیں۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاید احتراماً ان کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولی العزم رسول ہونے کے علاوہ سردار کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جدامجد بھی تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کعبۃ اللہ شریف کے اندر نہیں گئے اور واپس لوٹ آئے اور حکم فرمایا کہ ان تصویروں کو بھی جاکر مٹایا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زم زم شریف کا پانی بھر بھر کر کپڑے کے ساتھ رگڑ رگڑ کر ان تصاویر کو مٹادیا۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ کعبۃ اللہ شریف میں جو تصویریں تھیں، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کو مٹادو۔ حضرت عمر ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حکم کی تعمیل کے لئے سرگرم ہوئے۔ زم زم شریف ڈول کے ڈول بھر کر آتے اور کعبہ اندر باہر سے دھویا جاتا۔ کپڑے بھگو بھگو کر تصویریں مٹائی جاتیں یہاں تک کہ مشرکوں کے آثار سب دھو کر مٹا دیئے۔ جب سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے خبر پائی کہ اب کوئی نشان باقی نہ رہا، اس وقت کعبہ کے اندر رونق افروز ہوئے، اتفاق سے بعض تصاویر مثل تصویر حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا نشان رہ گیا تھا۔ پھر نظر فرمائی تو حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر بھی صاف نہ دھلی تھی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانی منگا کر بنفس نفیس کپڑا اتر کر کے ان کو مٹانے میں شرکت فرمائی اور ارشاد فرمایا: **قاتل اللہ قوما یصوّرون مالا یخلقون**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان پر جو تصویر بناتے ہیں۔

علمائے حق، مشائخ کرام وسالکین اس پر غور کریں کہ تیرے پیر سے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام بڑے پیر تھے اور خوش اعتقادی میں تیرے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تجھ سے بڑھ کر تھے، اس کے باوجود بھی تو نہیں مانتا تو پھر تیرے جیسا بد قسمت اور کوئی نہیں! لہٰذا اپنے مشائخ کی تصاویر کو اپنے گھروں سے، اپنے حجروں سے، اور اپنے دکانوں اور دفاتر سے ہٹانا چاہیئے۔

میں نے اپنے شیخ محترم، جامع المعقول والمنقول جگر گوشہ قیوم الزمان حضرت علامہ محمد سعید حیدری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی اپنے گھر پر دعوت کی۔ ہمارے گھر میں حضرت مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے والد صاحب جناب سید جمیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصاویر ساتھ ساتھ لٹکی ہوئی تھیں۔ جب حضرت حیدری صاحب مبارک نے انہیں دیکھا تو خود بنفس نفیس انہیں پھاڑ دیا۔ اور میرے تسکینِ دل کے لئے فرمایا: "شاہ صاحب! آپ ناراض نہ ہوں، میں نے اپنے والد صاحب کی تصویر بھی پھاڑ دی۔ آپ تو عالم بھی ہیں، سید بھی ہیں، اور آپ کو خود معلوم ہے کہ تصاویر گھروں میں رکھنا حرام ہے۔ اور آپ نے یہ حدیث شریف نہیں دیکھی: **لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ**۔ اور کیا آپ نے بخاری شریف کی یہ حدیث نہیں دیکھی: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: **لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر**۔ (حضور نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جس چیز میں بھی تصویر ملاحظہ فرماتے اسے بغیر توڑے نہ چھوڑتے)۔“

سلام ہو ایسے مشائخِ عظام پر جو اس طرح اپنے مریدین کی تربیت کرتے ہیں۔

اس طرح تمام سیفی حضرات سے عرض ہے کہ اپنے مرشد مبارک حضرت حیدری صاحب مبارک کی سنت کو زندہ کریں اور تمام تصاویر اپنے گھروں سے نکال دیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا: مَارِيَةُ، وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ، وَأُمّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَتَتَا أَرْضَ الحَبَشَةِ، فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرَ فِيهَا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: «أُولَئِكِ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَةَ أُولَئِكِ شِرَارُ الخَلْقِ عِنْدَ اللهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بیمار ہوئے تو بعض خواتین نے نصاریٰ کے کنیسہ کا تذکرہ کیا جس کو ”ماریہ“ کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دونوں حبشہ سے آئی تھیں، اس لئے ان دونوں نے اس کنیسہ کے حسن اور اس کے اندر جو تصاویر ہیں ان کا ذکر کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے ہیں اور پھر اس مسجد میں تصاویر بنا دیتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔[3051]

[3051] (اخرجہ البخاری فی صحیحہ ۷/۱۸۷، الحدیث رقم ۳۸۷۳، ومسلم فی ۱/۳۷۵ الحدیث رقم ۵۲۸-۱۶، وأحمد فی المسند ۶/۵۱، والنسائی)

مندرجہ بالا عبارات اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ تصاویر ممنوع ہیں اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ تصاویر جسم والی ہوں یا وہ تصاویر کپڑوں پر یا کاغذ وغیرہ پر بنائی گئی ہوں۔

تشریح: کنیسة: یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ "کنیشت" سے معرب ہے اور اس کنیسة کو ماریہ کہا جاتا تھا اور شاید ماریہ بھی معرب ہے "مارئی مثلها" سے۔

دونوں نے اس کو حبشہ میں دیکھا تھا اور اس پر تعجب کیا تھا دونوں نے آپ علیہ السلام کے سامنے "ماریہ" کی خوبصورت تصاویر حُسن کو بیان اور ذکر کیا تو نبی علیہ السلام نے کمال غیرت الٰہیہ کی وجہ سے سر اُٹھایا "اولئک" کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے مخاطب کوئی خاتون تھیں اور ان دونوں میں سے کسی کو خطاب فرمایا یا اپنی ازواج میں سے کسی عورت کو خطاب فرمایا۔ یا حضرت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا اور ایک نسخہ میں "اولئک" بفتح الکاف ہے اس صورت میں یہ خطاب عام ہے یا ان خواتین کو مردوں کے قائم مقام قرار دیا۔ مطلب یہ کہ ان اہل کتاب یا یہود و نصاریٰ کی جماعت میں سے کوئی نیک آدمی نبی یا ولی مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر سجدہ گاہ یعنی عبادت گاہ بنالیتے جس کو "کنیسة" کہتے ہیں۔ پھر انہوں نے اس میں ان صلحاء کی تصویریں بنائیں۔ ان کی یادگار کے طور پر یا اس لئے کہ ان کی وجہ سے عبادت میں ترغیب ہو گی۔ پھر ان کے بعد اور لوگ آئے، پس شیطان نے ان کو یہ اشکال مزین کر دکھائیں اور ان سے کہا کہ تمہارے اسلاف اس کی عبادت کیا کرتے تھے، تو وہ بُتوں کی پوجا میں جا پڑے۔[3052]

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

الرّجل الصّالح ای من نبیّ او ولیّ تلک الصور الصّلحاء تذکیرا بهم و ترغیبا فی العبادة لاجلهم۔

[3052] (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۸ ص ۵۳۵-۵۳۴)

یعنی مرد صالح سے مراد نبی یا ولی ہے تلک الصور سے مراد اولیاء کرام ہیں۔ تصاویر اس لئے کھینچتے ہیں کہ ان کو یاد کرکے اور ان کی عبادت کا تصور لا کر اپنی عبادت پیدا کریں۔

فائدہ: دیکھئے بعینہٖ یہی کیفیت آج کل کے پیر پرست بھائیوں کی ہے کہ کہتے ہیں ہم اپنے مشائخ یا بڑے مولویوں کی تصویریں اس لئے رکھتے ہیں تاکہ تصور شیخ یا ان کے کردار یاد کرکے عبادت میں نفع ہو۔ اگرچہ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ ایسے لوگ صرف نام ہی کے محب ہوتے ہیں، اعمال صالحہ کی بجائے برے اعمال میں منہمک ہوتے ہیں۔

تصویر بنانے والے اور بنوانے والے دونوں پر لعنت

لعن اللہ المصوّر و المصور لہ۔ یعنی جو تصویریں بناتا ہے اور جس کی تصویر بنائی جاتی ہے، دونوں پر اللہ پاک لعنت بھیجتا ہے۔

یعنی دنیا و آخرت میں وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہوگا جہنم کا ایندھن بنے گا۔ مگر جس کے دل میں ابلیس کے کئی آشیانے ہیں اور وہ اس کے دل کی یونین کونسل کا چیئرمین بنا بیٹھا ہے وہ کہے گا کہ یہ تو دو تین الفاظ ہیں، ان چند الفاظ سے کیا بنے گا، سب خیر ہے، اگر نہیں مانیں گے تو کون سا آسمان گر پڑے گا؟

تصاویر کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے اقوال اور ان کا تعامل

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور تابعین کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے بہت سے ایسے آثار وارد ہوئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حضرات بھی تصویر کو مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ ان آثار میں سے چند آثار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنہ قال للنصاری: انا لا ندخل کنا ئسکم من أجل التماثیل التی فیھا الصور۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصاری سے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں ان مجسموں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو کہ حقیقت میں تصاویر ہیں۔[3053]

عبد الرزاق نے اس اثر کو اسلم مولی عمر کے طریق سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

لمّا قدم عمر الشام صنع لہ رجل من النصاری طعاماً و کان من عظمائھم و قال: أحب أن تجیئنی و تکرمنی فقال لہ عمر: انا لا ندخل کنائسکم من أجل الصور التی فیھا یعنی التماثیل۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں تشریف لائے تو نصاریٰ کے ایک شخص نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کھانا تیار کیا، وہ شخص نصاریٰ کے بڑے لوگوں میں سے تھا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے یہاں تشریف لائیں اور مجھے عزت بخشیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں ان تصاویر یعنی مجسموں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو اس میں موجود ہوتی ہیں۔

۳۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنہ رأی صورۃ فی البیت فرجع۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے گھر میں تصویر دیکھی تو واپس چلے گئے۔[3054]

۴۔ عن أبی مسعود الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً صنع لہ طعاماً فدعاہ فقال: أفی البیت صورۃ؟ قال: نعم! فأبی أن یدخل حتی کسر الصورۃ ثم دخل۔

[3053] (ذکرہ البخاری تعلیقاً فی کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی البیعۃ)

[3054] (بخاری، کتاب النکاح، باب ھل یرجع اذا رأی منکراً)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان کے لئے کھانا تیار کیا اور پھر ان کو بلایا، انہوں نے پوچھا کہ کیا گھر میں کوئی تصویر ہے؟ داعی نے کہاہاں! آپ نے اس کے گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا حتی کہ اس شخص نے وہ تصویر توڑ دی پھر آپ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔[3055]

۵۔عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه رأی فرساً من رقاع فی يد جارية فقال: الا ترىٰ هذا؟ قال رسول اللہ ﷺ انما يعمل هذا من لا خلاق له يوم القيامة۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک بچی کے ہاتھ میں کپڑے کا بنا ہوا ایک گھوڑا دیکھا، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کو نہیں دیکھتی ہو؟ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد ہے کہ ایسی چیز وہی شخص بناتا ہے جس کا قیامت کے روز کوئی حصہ نہیں ہے۔[3056]

عن شعبة مولى ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما ان المسور ابن مخرمة دخل على عبد الله بن عباس يعوده، فرأى عليه ثوب استبرق، فقال: يا ابن عباس! ما هذا الثوب؟ قال ابن عباس: وما هو؟ قال: الاستبرق قال: انما كره ذلك لمن يتكبر فيه قال: ماهذه التصاوير فی الكانون؟ فقال: لا جرم، ألم تر كيف أحرقها بالنار؟ فلما خرج قال: انزعوا هذا الثوب عنى واقطعوا رءوس هذه التصاوير التى فی الكانون فقطعها۔

شعبہ مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے اوپر موٹا ریشمی کپڑا ہے، انہوں نے فرمایااے ابن عباس! یہ کپڑا کیا

[3055] (سنن بیہقی ۷:۲۶۸، کتاب النکاح، باب المدعو یریٰ صوراً)
[3056] (مسند احمد ۲:۲۸۹)

ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا یہ توریشمی کپڑا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لئے مکروہ ہے جو اس کو پہن کر تکبر کریں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ انگیٹھی میں تصاویر ہیں، وہ کیسی ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ان کو آگ نے کس طرح جلا دیا ہے۔ جب حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس تشریف لے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کپڑے کو میرے اوپر سے ہٹا دو اور انگیٹھی میں جو تصاویر ہیں ان کے سروں کو کاٹ دو۔ پس ان کو کاٹ دیا گیا۔[3057]

۷۔ عن قتادة أن كعباً رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: واما من آذى الله فالذين يعملون الصور فيقال لهم: أحيوا ما خلقتم۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، یہ وہ لوگ ہیں جو تصاویر بناتے ہیں، ان سے کہا جائے گا (قیامت کے دن) کہ جو تم نے بنا لیا ہے ان کو زندہ کرو۔"[3058]

۸۔ عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: يكره من التماثيل ما فيه الروح فأمّا الشجر فلا بأس به۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ تماثیل مکروہ ہیں جو ذی روح ہوں، اگر درخت کی تماثیل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[3059]

[3057] (سنن بیہقی ۲۷۰:۷، مسند احمد ۳۵۳:۱)
[3058] (مصنف عبدالرزاق ۴۰۰:۱۰، حدیث ۱۹۴۹۲)
[3059] (مصنف عبدالرزاق ج۱۰ ص ۴۰۰، حدیث ۱۹۴۹۳)

۹۔أخرج ابن سعد فی طبقاته أن سعید بن المسیب کان لا یأذن لابنته فی اللعب ببنات العاج۔

ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات میں فرمایا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹی کو ہاتھی دانت کی گڑیا سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[3060]

فقہاء کے مذاہب

مندرجہ بالا احادیث و آثار کی وجہ سے جمہور فقہاء تصاویر بنانے اور تصاویر کو گھروں میں لگانے کی حرمت کے قائل ہیں، چاہے وہ تصاویر مجسم اور سایہ دار ہوں یا غیر مجسم ہوں اور سایہ دار نہ ہوں ۔ چنانچہ حدیث نمبر ۴ جو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے،اس کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''شرح مسلم''میں فرماتے ہیں:

قال أصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر، لأنه متوعد علیه بهذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث، وسواء صنعه بما یمتهن أو بغیره فصنعته حرام بکل حال لأن فیه مضاهاة لخلق اللّٰہ تعالیٰ۔۔۔وأما اتخاذ المصور فیه صورة حیوان فان کان معلقاً علی حائط أو ثوبا ملبوسا أو عمامة ونحو ذلک مما لا یعد ممتهنا فهو حرام، وان کان فی بساط یداس ومخدة ووسادة ونحوها مما یمتهن فلیس بحرام، ولا فرق فی هذا کله بین ماله ظل ومالا ظل له۔ هذا تلخیص مذهبنا فی المسئلة۔ وبمعناه قال جماهیر العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وهو مذهب الثوری رحمه اللّٰہ تعالیٰ ومالک رحمه اللّٰہ تعالیٰ وأبی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ وغیرهم۔

یعنی ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حیوان کی تصویر بنانا انتہائی شدید حرام ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ اس عمل پر شدید وعید احادیث میں مذکور ہے، چاہے اس کو کسی حقیر

[3060] (طبقات ۵:۱۳۴)

چیز پر بنائے یا باعزت چیز پر بنائے، ہر حال میں اس کی صنعت حرام ہے، اس لئے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل پیدائش میں مشابہت اختیار کرنا ہے۔ جہاں تک کہ اس چیز کے رکھنے کا تعلق ہے جس پر کسی حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہے، تو اگر وہ تصویر کسی ایسی چیز پر بنی ہوئی ہے جو کسی دیوار پر لٹکی ہوئی ہے یا وہ کپڑا ہے جو جسم پر پہنا ہوا ہے، یا عمامہ پر ہے، یا اس طرح کی کسی چیز پر ہے جس کو حقیر نہیں سمجھا جاتا ہو تو ایسی چیز رکھنا حرام ہے، اور اگر وہ تصویر ایسے بچھونے پر بنی ہوئی ہے جو روندا جاتا ہے، یا کسی چھوٹے یا بڑے ایسے تکیوں پر بنی ہوئی ہے جس کو معمولی سمجھا جاتا ہے تو ان کو رکھنا حرام نہیں۔ البتہ اس لحاظ سے حلت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر سایہ دار ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں مندرجہ بالا تفصیل ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے، جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور جمہور تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے بعد کے جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔ امام ثوری، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[3061]

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے "عمدۃ القاری" میں اسی طرح کا قول نقل فرمایا ہے، دیکھئے جلد ۱۰، صفحہ ۳۰۹۔ اسی سے احناف اور شوافع کا مسلک بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے، چنانچہ علامہ مرداوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یحرم تصویر ما فیہ روح ولا یحرم تصویر الشجر ونحوہ والتمثال مما لا یشابہ ما فیہ روح، علی الصحیح من المذہب ۔۔۔ ویحرم تعلیق ما فیہ صورۃ حیوان وستر الجدار بہ وتصویرہ علی الصحیح من المذہب۔

صحیح مذہب کے مطابق ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے اور درخت وغیرہ کی تصویر بنانا اور ایسا مجسمہ بنانا جو کسی ذی روح کے مشابہ نہ ہو، حرام نہیں۔ اور صحیح مذہب کے مطابق ایسی چیز لٹکانا جس پر

[3061] (الارشاد الساری ج ۱۲ ص ۲۲۲)

حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہو اور اس چیز سے دیوار کا پردہ کرنا اور کسی حیوان کی تصویر بنانا حرام ہے۔[3062]

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں ص۷ج۷ کتاب الولیمہ میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

چونکہ تصویر کے مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف روایات ہیں اس وجہ سے علماء مالکیہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف پیش آیا ہے۔ البتہ مذہب مالکیہ کے تمام روایات واقوال کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مجسم تصویر جو سایہ دار ہو حرام ہے، البتہ وہ تصویر جو سایہ دار نہ ہو جیسے کاغذ یا کپڑے پر بنائی ہوئی تصویر، اس کی حرمت کے بارے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابیّ رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

واختلف فی تصویر مالا ظل لہ فکرھہ ابن شھاب فی أیّ شیء صور من حائط او ثوب أو غیرھما وأجاز ابن القاسم تصویرہ فی الثیاب لقولہ فی الحدیث الاتی "الا رقماً فی ثوب"۔

یعنی جو تصویر سایہ دار نہ ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے، علامہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں چاہے وہ دیوار پر ہو یا کپڑے پر ہو یا کسی اور چیز پر ہو، جبکہ علامہ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ صرف اس تصویر کو جائز قرار دیتے ہیں جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، اس لئے اس حدیث شریف کے الفاظ **'الا رقماً فی ثوب'** میں ایسی تصویر کی اجازت دی گئی ہے۔[3063]

اسی طرح علامہ موّاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم صرف ان تصاویر کے ساتھ ہے جو جسم دار ہوں۔[3064]

[3062] (الانصاف للمرداوی ۴۷۴:۱)
[3063] (شرح مسلم للابیّ ۴۹۴:۵)
[3064] (التاج والاکلیل ۴:۴)

علامہ دردیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والحاصل أن تصاوير الحيوانات تحرم اجماعاً ان كانت كاملة لها ظل مما يطول استمراره بخلاف ناقص عضو لا يعيش به لو كان حيوانا, وبخلاف مالا ظل له كنقش في ورق أو جدار, وفيما لا يطول استمراره (كما لو كانت من نحو قشر بطيخ) خلاف, والصحيح حرمته۔

یعنی خلاصہ یہ ہے کہ اگر حیوانات کی تصاویر کامل ہوں، سایہ دار ہوں اور دیرپا ہوں تو ایسی تصاویر بالاجماع حرام ہیں۔ بخلاف اس تصویر کے جو ایسے ناقص عضو والی ہوں کہ اگر وہ حقیقی حیوان ہوتا تو اس عضو کے ناقص ہونے کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور بخلاف ایسی تصویر کے جو سایہ دار نہ ہو جیسے کاغذ یا دیوار پر کسی حیوان کا نقش، البتہ وہ تصویر جو دیرپا نہ ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ ایسی تصویر حرام ہے۔[3065]

مذہب مالکیہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اکثر فقہاء مالکیہ تصویر کی کراہت کے قائل ہیں اگرچہ وہ سایہ دار نہ ہو، الا یہ کہ وہ تصویر ذلت والی جگہ پر بنائی گئی ہو۔ چنانچہ علامہ خرشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال في التوضيح: التمثال اذا كان لغير حيوان كالشجر جائز وان كان لحيوان فماله ظل ويقيم فهو حرام باجماع, وكذا يحرم وان لم يقم كالعجين خلافا لأصبغ ومالا ظل له ان كان غير ممتهن فهو مكروه وان كان ممتهناً فتركه أولى۔

یعنی علامہ خرشی رحمہ اللہ "توضیح" میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی غیر حیوان کا مجسمہ ہو مثلاً درخت کا تو وہ جائز ہے اور اگر حیوان کا مجسمہ ہو تو اگر وہ مجسمہ سایہ دار ہو اور پائیدار ہو تو وہ بالاجماع حرام ہے اور اگر پائیدار نہ ہو جیسے گوندا ہوا آٹا تو بھی حرام ہے خلافا لاصبغ۔ اور اگر وہ ایسا مجسمہ ہے جو

[3065] (حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، ۲:۵۰۱)

سایہ دار نہیں ہے تو اس صورت میں اگر وہ کسی حقیر اور ذلیل جگہ پر نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر کسی ذلیل اور حقیر جگہ پر ہو تو بھی اس کا ترک اولیٰ ہے۔ علامہ دردیر رحمہ اللہ نے شرح الکبیر میں بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[3066]

خلاصہ یہ ہے کہ جسم دار تصویر بنانا ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے اگر جسم دار نہ ہو تو بھی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک قول حرام ہونے کا ہے البتہ اکثر علماء مالکیہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ ایسی تصویر مکروہ ہے لیکن بعض علماء مالکیہ ایسی تصویر کے جواز کے قائل ہیں۔

جو حضرات فقہاء غیر مجسم تصویر کے جواز کے قائل ہیں وہ حضرت بسر بن سعید کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

أن بسر بن سعيد حدثه أن زيد بن خالد الجهني حدثه و مع بسر عبيد الله الخولانی، أن أبا طلحة حدثه أن رسول الله ﷺ قال: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه صورة، قال بسر: فمرض زيد بن خالد فعدناه فاذا نحن فی بيته بستر فيه تصاوير فقلت لعبيد الله الخولانی، ألم يحدثنا فی التصاوير؟ قال أنه قال: الا رقماً فی ثوب الم تسمعه؟ قلت: لا، قال: بلیٰ قد ذكر ذلك۔

حضرت بسر بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد جہنی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں اور حضرت بسر کے ساتھ عبید اللہ خولانی بھی تھے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ "فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔" حضرت بسر بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد الجہنی رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار ہوگئے، ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، ہم جس کمرے میں تھے اس میں پردہ تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں، میں نے حضرت عبید اللہ خولانی

[3066] (دسوقی ۲:۳۳۸، الزرقانی علی مختصر خلیل ۴:۵۳)

سے کہا کہ کیا انہوں نے تصاویر کے بارے میں حدیث بیان نہیں کی تھی؟ حضرت عبید اللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے یہ بھی تو فرمایا تھا "الا رقمافی ثوب" کیا تم نے یہ الفاظ نہیں سنے تھے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا کیوں نہیں سنا، انہوں نے یہ الفاظ بیان کئے تھے۔[3067]

ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے کہ:

عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أنه دخل على أبي طلحة الأنصاري يعوده, قال: فوجدت عنده سهل بن حنيف, قال: فدعا أبو طلحة انساناً ينزع نمطاً تحته فقال له سهل: لم تنزعه؟ قال: لأن فيه التصاوير وقد قال فيه النبي ﷺ ما قد علمت, قال سهل: أولم يقل: الا ما كان رقمافي ثوب فقال: بلىٰ ولكنه أطيب لنفسي۔

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عیادت کے لئے گئے، فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں حضرت سہل بن حنیف کو موجود پایا، فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بلایا تاکہ وہ ان کے نیچے سے چادر نکال لے، حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ اس کو کیوں نکال رہے ہیں؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس میں تصاویر ہیں اور تصاویر کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ نہیں فرمایا "الا رقما فی ثوب"؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ ضرور فرمایا ہے لیکن اس کا نکال دینا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔[3068]

[3067] (صحيح مسلم كتاب اللباس والزينة)

[3068] (ترمذی، كتاب اللباس، حديث ١٧٥٠)

غیر مجسّد تصویر کے جواز کے قائلین مندرجہ بالا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ وہ تصویر جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، وہ حرمت سے مستثنیٰ ہے لہٰذا ایسی تصویر جائز ہے۔

جمہور فقہاء ان احادیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "الرقم فی الثوب" سے مراد وہ تصویر ہے جو کسی درخت یا کسی غیر ذی روح کی تصویر ہو، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

دخل علیّ رسول اللہ ﷺ وقد سترت سہوۃ لی بقرام فیہ تماثیل، فلمّا رآہ ھتکہ وتلوّن وجھہ وقال یا عائشۃ! أشد الناس عذابا عند اللہ یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میرے پاس تشریف لائے، میں نے اپنے طاقچے کو ایک ایسے پردے سے ڈھانپا ہوا تھا جس پر تصاویر تھیں، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے وہ پردہ دیکھا تو آپ نے اس کو پھاڑ دیا اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے عمل سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ تصویر جو کسی کپڑے پر بنی ہوئی ہو، جائز ہوتی تو اس پردے پر بنی ہوئی تصویر پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نکیر نہ فرماتے جبکہ وہ پردہ کپڑے کا تھا۔ جہاں تک اس قصہ میں روایات کا اختلاف ہے، ان تمام روایات میں ایک ہی واقعہ مذکور ہے اور اس حدیث کو متعدد واقعات پر محمول کرنا بعید ہے۔

ہمارے زمانے کے بعض متجددین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تصویر کی حرمت ابتداء اسلام میں تھی، اس لئے کہ ابتداء اسلام کا زمانہ جاہلیت اور بت پرستی کے زمانے سے قریب تھا اور لوگوں کے دلوں میں توحید کا عقیدہ راسخ نہیں ہوا تھا، لہٰذا جب توحید کا عقیدہ ان کے اندر راسخ ہو گیا تو تصویر کی حرمت اٹھالی گئی۔ متجددین کے اس دعویٰ پر قرآن وحدیث میں کوئی دلیل موجود نہیں، اگر تصویر کی حرمت کا حکم منسوخ ہو جاتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم صراحۃً اس کا نسخ بیان فرماتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تصاویر سے منع نہ فرماتے۔ اور آپ نے دیکھا کہ فقہاء صحابہ ایسے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے جن میں تصاویر ہوتیں، یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد پیش آیا۔ یہ اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم اب بھی باقی ہے اور اس حکم کو کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا۔ اور یہ حکم کیسے منسوخ ہو سکتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تصویر کی حرمت کی علّت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے عمل سے مشابہت اختیار کرنا ہے، یہ علّت ایسی ہے جو کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ ایک زمانے میں پائی جائے اور دوسرے زمانے میں نہ پائی جائے۔

علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ "شرح العمدۃ" میں فرماتے ہیں:

ولقد أبعد غاية البعد من القال: ان ذلک محمول على الكراهة وأن التشديد كان في ذلک الزمان لقرب عهد الناس بعبادة الأوثان، وهذا الزمان حيث انتشر الاسلام وتمهدت قواعده فلا يساويه فى هذا التشديد ۔۔۔ وهذا القول عندنا باطل قطعاً لأنه قد ورد في الأحاديث والأخبار عن أمر الآخرة بعذاب المصورين، وانهم يقال لهم: احيوا ما خلقتم، وهذه علة مخالفة لما قاله هذا القائل۔ وقد صرّح بذلک فى قوله عليه السلام: المشبهون

بخلق اللہ، وھذہ علّۃ عامّۃ مستقلۃ مناسبۃ ولا تخص زماناً دون زمان، ولیس لنا أن نتصرف فی النصوص المتظاھرۃ المتضافرۃ بمعنی خیالیّ۔

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے انہوں نے نہایت دور کی بات کہی ہے کہ تصویر کی حرمت کراہت پر محمول ہے اور یہ تصاویر کی حرمت کی شدّت اسی زمانے میں تھی (جب اسلام نیا نیا تھا) کیونکہ لوگوں کا وہ زمانہ بتوں کی عبادت سے قریب کا زمانہ تھا، اب اس زمانہ میں چونکہ اسلام پھیل چکا ہے اور اسلام کے قواعد آسان ہوچکے ہیں، اس لئے اس حکم میں اب وہ شدّت باقی نہیں رہی۔ ہمارے نزدیک یہ قول قطعی طور پر باطل ہے اس لئے کہ احادیث اور اخبار میں تصویر بنانے والوں کو آخرت میں عذاب دیئے جانے کی وعید وارد ہوئی ہے اور قیامت کے روز تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔ لہٰذا یہ علّت ان متجددین کے قول کے بالکل مخالف ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس قول میں اس کی صراحت موجود ہے، وہ یہ کہ "المشبھون بخلق اللہ" یعنی یہ تصاویر بنانے والے اللہ تعالیٰ کے بنانے سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ یہ علّت عام، مستقل اور مناسب ہے، کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا ایک خیالی معنی کی وجہ سے ایسی نصوص میں تصرف کرنا جائز نہیں جو ظاہر ہیں اور جو ایک دوسرے کی تائید کررہی ہیں۔[3069]

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

ھذا ما قالہ ابن دقیق العید منذ أکثر من ٦٧٠ سنۃ، یرد علی قوم تلاعبوا بھذہ النصوص فی عصرہ أو قبل عصرہ، ثم یأتی ھؤلاء المفتون المضلون واتباعھم المقلدون الجاھلون او

[3069] (شرح العمدۃ ٢/ ١٧٢: ١، کتاب الجنائز، حدیث ١١)

الملحدون الهدّامون، يعيدونها جزعة ويلعبون بنصوص الاحاديث كما لعب اولٰئكم من قبل، ثم كان من اثر هذه الفتاوىٰ الجاهلة ان ملئت بلادنا بمظاهر الوثنية كاملةً فنصبت التماثيل وملئت بها البلاد تكريماً لذكرى من نسبت اليه وتعظيماً ۔۔۔ وكان من أثر هذه الفتاوىٰ الجاهلة ان صنعت الدولة وهي تزعم أنها دولة اسلامية في امّة اسلامية ماسمته مدرسة الفنون الجميلة أو كلية الفنون الجميلة صنعت معهداً للفجور الكامل الواضح! ويكفي للدلالة على ذلك ان يدخله الشبّان الماجنون من الذكور والاناث اباحيين مختلطين، لا يردعهم دين ولا عفاف ولا غيرة، يصورون فيه الفواجر من الغانيات اللائی لا يستحيين ان يقفن عرايا ويجلسن عرايا ويضطجعن عرايا ۔۔۔ ثم يقولون لنا: هذا فنّ، لعنهم الله ولعن من رضى هذا منهم او سكت عليه۔[3070]

ترجمہ: بعض متجددین تصویر کے جواز پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں نازل ہوئی ہے کہ {يَعْمَلُوْنَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيَاتٍ ط} (سبا:۱۳) ”وہ جنّات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے جو ان کو (منظور) ہوتا، بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیاں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔“ متجددین اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مورتیاں بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو نعمتوں کے بیان کے سیاق میں ذکر فرمایا ہے، لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ مورتیاں بنانا حرام نہیں۔

لیکن یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ لغت میں ”تمثال“ ہر اس تصویر کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری شیء کی صورت کے مطابق بنائی گئی ہو، جیسا کہ ”لسان العرب“ وغیرہ

[3070] (تعلیقات احمد شاکر علی مسند احمد ۱۵۱:۱۲، حدیث ۷۱۶۶)

میں اس کی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ وہ "تماثیل" جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بناتے تھے وہ غیر ذی روح کی تصاویر ہوں، چنانچہ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "کشّاف" میں مندرجہ بالا آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ویجوز أن یکون غیر صور الحیوان کصور الأشجار وغیرها لانّ التمثال کل ما صور علی مثل صورة غیره من حیوان أو غیر حیوان۔

یعنی یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات جو تماثیل بناتے تھے وہ غیر حیوان مثلا درخت وغیرہ کی تماثیل ہوں، کیونکہ "تمثال" ہر اس تصویر کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مثل بنائی جائے، چاہے وہ حیوان کی صورت ہو یا غیر حیوان کی ہو۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ توراۃ میں بھی ذی روح کی تصویر کی حرمت وارد ہوئی ہے، حتی کہ وہ محرف شدہ توراۃ جو آج ہمارے پاس ہے، اس میں بھی یہ حکم موجود ہے، چنانچہ "سفر الخروج" میں ہے:

لا تصنع لک تمثالاً منحوتاً ولا صورة ما مما فی السماء من فوق وما فی الارض من تحت ومافی الماء من تحت الارض۔

یعنی آپ کے لئے کوئی تراشیدہ صورت نہ بنائی جائے، نہ کسی ایسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان میں ہے یا جو نیچے زمین میں ہے یا جو زمین کے نیچے پانی میں ہے۔[3071]

"سفر التثنیة" میں یہ عبارت درج ہے:

[3071] (سفر الخروج، ۲۰:۲)

لئلاتفسدوا وتعملوا الأنفسکم تمثالاً منحوتاً صورة مثال ماشبه ذکر أو أنثی، شبه بهیمة ما ممّا علی الأرض، شبه طیر مّا ذی جناح ممّا یطیر فی السماء شبه دبیب مّا علی الأرض، شبه سمک ما مما فی الماء من تحت الارض۔ [3072]

ترجمہ: یعنی تاکہ تم فساد نہ کرو (اس طرح کہ) تم اپنے لئے ایسی تراشیدہ تصویر بناؤ جو کسی مذکر یا مؤنث کے مشابہ ہو، یا کسی ایسے چوپائے کے مشابہ ہو جو زمین پر ہے، یا کسی ایسے پرندے کے مشابہ ہو جو پروں والا ہو جس سے وہ آسمان پر اڑتا ہو، یا زمین پر رینگنے والے کے مشابہ ہو، یا زمین کے نیچے پانی میں تیرنے والی مچھلی کے مشابہ ہو۔

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام توراۃ کی پیروی کرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ ایسی تصاویر بنانے کا حکم دیں جس کو توراۃ نے حرام قرار دیا ہو۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ وہ تصاویر جو جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بنایا کرتے تھے، وہ غیر ذی روح کی تصاویر ہوتی تھیں جیسے درخت اور پھول اور کائنات کے قدرتی مناظر وغیرہ کی تصاویر۔

اس آیات سے استدلال درست نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ذی روح کی تصاویر بنانے کی اجازت دے رکھی تھی، تو بھی اصول یہ ہے کہ سابقہ شرائع کے ذریعہ ایسی چیز کے بارے میں استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ہماری شریعت میں اس کے معارض حکم موجود ہو۔ اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تصویروں کے بارے میں انتہائی تاکید سے ممانعت فرمائی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا منع فرمانا ہمارے لئے حجت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[3072] (سفر التثنیة ١٨٦:٤)

{لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً} (المائدہ:۴۸)

"تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی۔"

تصویر کھینچوانے والے کی امامت

استفتاء: آپ اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی امام یا خطیب تصویر کھینچوانے جیسا حرام فعل کرتا ہو تو اس کی امامت میں نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: قصداً تصویر کھینچوانا گناہ ہے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ہاں کوئی شخص تصویر کھینچنے کو منع کرتا اور ناجائز بتاتا ہے، پھر بھی اس کی تصویر کھینچ لی گئی تو وہ گناہ گار نہیں ہے، یا گورنمٹ نے جن جگہوں میں تصویر لگانا ضروری قرار دیا ہے، مثلاً پاسپورٹ شناختی کارڈ وغیرہ ان چیزوں کے لئے تصویر کھچوانا گناہ نہیں ہے۔ جس صورت میں تصویر کھچوانا ناجائز ہے اس صورت میں امامت بھی ناجائز ہے[3073]

بزرگانِ دین کی تصاویر بنانا اور تبرکاً لٹکانا

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی تصویر لگانے میں کسی قسم کی خیر وبرکت نہیں بلکہ معصیت ہے۔عام آدمی کی تصویر کے ساتھ برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس گھر یا دوکان میں عام آدمی یا کسی بزرگ کی تصویر ہو اس کے گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ لھٰذا مذکورہ بالا مقصد کے لئے کسی بزرگ کی تصویر لگانے سے اجتناب ضروری ہے۔

[3073] (وقار الفتاویٰ، کتاب الصلوۃ، جلد ۲ ص ۱۷۲)

لما ورد فی الحدیث: عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ وانا مشترة بقرام فیه صورة فتلون وجهه ثم تناول الستر فهتکه ثم قال ان اشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یشبهون بخلق اللہ۔[3074]

میرے مسلمان بھائی! اللہ تعالیٰ ہمیں بڑے اور سخت سے سخت تر عذاب سے پناہ میں رکھے اور ہمیں توبہ کی توفیق بخشے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد وقارالدین قادری نوّر اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ فرماتے ہیں: کسی جاندار کی تصویر بنانا یا اس کا بنوانا، تصویر کی تعظیم کرنا اور کسی تصویر کو باعث خیر وبرکت سمجھنا، سب حرام ہے۔ احادیث میں تصویر سازوں کے لئے سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے:

ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔[3075]

"یعنی بے شک اللہ کے یہاں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔"

دنیا میں شرک کی ابتداء ہی تصویروں سے ہوئی۔ صحاح ستہ کی احادیث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بزرگوں سے مسلمانوں کو عقیدت ہوتی ہے اس کی بناء پر وہ بزرگوں کی تصویروں کی بھی عزت کریں گے، یہ اور زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس لئے تمام تصویروں کے مقابلے میں بزرگوں کی تصویر بنانے کا گناہ زیادہ سخت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ حکومت سے سخت احتجاج اور مطالبہ کریں کہ اس ناجائز کام کو بند کیا جائے۔"[3076]

[3074] (صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۰۰) (بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۴۳۰)
[3075] (ج ۲، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ ص ۸۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)
[3076] (حوالہ وقار الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۵۱۳)

بعض فوٹو کھینچوانے کے شوقین حضرات کہتے ہیں کہ تصویر سے مراد وہ ہے جو مصور نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہو، اس سے فوٹو مراد نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نقش و نگار کے ذریعہ بنائی ہوئی تصاویر اور عکسی تصاویر کے درمیان جو تفریق ہے اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جو چیز اصلاً حرام اور غیر مشروع ہو، آلہ کے بدل جانے سے اس کا حکم نہیں بدلتا۔ مثلاً شراب حرام ہے، چاہے اس کو ہاتھ سے بنایا گیا ہو یا جدید مشینوں کے ذریعے تیار کیا گیا ہو۔ یا مثلاً قتل حرام ہے چاہے کوئی شخص چھری سے قتل کرے یا گولی چلا کر قتل کرے۔ یہی معاملہ تصویر کا ہے، شریعت نے تصویر بنانے اور رکھنے کو منع فرمایا ہے لہٰذا اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر مصور کے برش سے بنائی گئی ہے یا کیمرہ کے ذریعہ کھینچی گئی ہو۔ و اللہ سبحانہ اعلم۔[3077]

شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک علماء ازہر کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ کیمرے کی بنائی ہوئی تمام تصاویر اس لئے جائز ہیں کہ وہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتیں اور یہ کہ کیمرے کے ذریعہ صرف عکس کو مقید کر لیا جاتا ہے۔ دیکھئے پہلے شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی، اب مشینی عمل کے ذریعہ شراب بنائی جاتی ہے تو کیا اس فرق سے اب شراب جائز ہو جائے گی؟ پہلے ہاتھوں کی تراش خراش سے مجسمے بنائے جاتے تھے، اب مشینوں کے ذریعے پلاسٹک اور دوسری اجناس کے مجسمے ڈھال لئے جاتے ہیں تو کیا اب وہ جائز ہو جائیں گے؟ فوٹو کے متعلق اسلام کا منشاء یہ ہے کہ کسی بھی جاندار کی صورت اور شبیہ کو مستقل طور پر محفوظ کر لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہمیشہ جانداروں کی تصویریں شرک اور فتنہ کی موجب بنتی رہی ہیں۔ اب بھی ہندوستان اور بعض دوسرے ممالک میں تصویروں اور بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ ہندوستان

[3077] (بحوالہ فقہی مقالات، ص ۱۳۰)

میں گاندھی کی تصویر کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے، روس میں سٹالن کی تصویر کی تعظیم کی جاتی ہے، پاکستان کے تمام دفاتر، اسمبلیوں اور سفارت خانوں میں بڑے سائز کی قائد اعظم کی تصویر تعظیما اونچی جگہ پر آویزاں کی جاتی ہے۔ اس لئے اصل فتنہ صورت کے محفوظ کرنے میں ہے، خواہ صورت کو سنگ تراشی سے محفوظ کیا جائے، قلم کاری سے یا فوٹو گرافی سے، جس طریق سے بھی تصویر کو حاصل اور محفوظ کر لیا جائے گا اس سے حاصل شدہ تصویر ناجائز اور حرام ہو گی اور بت تراشی، مصوری اور فوٹو گرافی میں جواز اور عدم جواز کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔[3078]

مولوی محمد یوسف لدھیانوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "کیمرے کے اندر جو "چغد" بیٹھا ہوا ہے وہ مشین ہے، جو انسان کی تصویر کو محفوظ کر لیتی ہے۔ جو کام مصور کا قلم یا برش کرتا ہے وہی کام یہ مشین نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ کر دیتی ہے، اور اس مشین کو بھی انسان ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ منطق کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آتی کہ جو کام آدمی ہاتھ یا برش سے کرے تو وہ حرام ہو اور وہی کام اگر مشین سے کرنے لگے تو وہ حلال ہو جائے، اور پھر آنجناب فوٹو کے تصویر ہونے کا بھی انکار فرماتے ہیں، حالانکہ عرف عام میں بھی فوٹو کو تصویر ہی کہا جاتا ہے اور تصویر کا ہی ترجمہ "فوٹو" ہے۔ الغرض آپ نے ہاتھ کی بنائی ہوئی اور مشین کے ذریعہ اتاری ہوئی تصویر کے درمیان جو فرق کیا ہے، یہ صرف ذریعہ اور واسطہ کا فرق ہے۔ مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم: **المصورون اشدّ عذاباً یوم القیامۃ**۔ میں ہاتھ سے تصویر بنانے والے اگر شامل ہیں تو مشین کے ذریعہ بنانے والے بھی اس سے

[3078](بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۷۰)

باہر نہیں، اور جن کو "**اشد عذاباً**" فرمایا ہو وہ گناہ کبیرہ کے مترکب ہیں یا صغیرہ کے؟ اس کا فیصلہ آپ خود ہی فرماسکتے ہیں، میرے لکھنے کی ضرورت نہیں۔"

بعض مولوی صاحبان سے یہ الفاظ بھی سنے ہیں کہ فلاں زبردست مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ مولوی صاحبان کو یہ کہنا چاہیئے کہ اس بارے میں اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد مبارک یوں ہے۔ فقہہ شریف جو قرآن اور احادیث کے تمام مسائل کی ایک نہایت مستند مفصل فہرست اور قرآن و حدیث کا ماحصل ہے، اس فقہہ شریف میں یہ لکھا گیا ہے۔ باقی رہا زبردست عالم اور اس کا قول، تو اوّل تو وہ یوں کہے گا ہی نہیں، لیکن اگر قرآن و حدیث کے برعکس ایسی کوئی بات کہتا ہے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ ہے، مشت خاک لے کر اس کے منہ پر ماریں گے۔ کیا کسی زبردست عالم کو یہ اختیار ہے کہ جس کام کو اللہ نے حرام کیا ہو وہ اسے حلال کرے۔ ایسے عالم کو گریٹ نہیں بلکہ گڑبڑنگ کہا جائے گا۔

بعض علماء ومشائخ کہتے ہیں کہ لوگ زبردستی ہماری تصویر اُتارتے ہیں، ہم کیا کریں، ہم تو انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں کرتے۔ اے برادرِ عزیز! لوگ تیری زبان پر تالے تو نہیں لگاتے۔ کوئی عالم غیر شرعی کام دیکھ کر خاموش ہو جائے اور منہ پر چونے اور پتھر کا مضبوط پلستر لگا دے، اور چند الفاظ بھی حق گوئی کے ادا نہ کرے۔

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی　　　دہن بر چہرہ

زخم بود وبہ شد

امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

الساکت عن الحق شیطان اخرس۔

یعنی حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔[3079]

تم کہو کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں تپایا ہوا لال لگام اس کے منہ میں ڈالیں گے یا نہیں ؟ سوال یہ ہے کہ اگر حق بات کہنے سے تمہیں جان کا خطرہ ہے تو پھر ایسی سر تا پا گناہ و مغضوب علیہ مجلس سے اُٹھ تو سکتے ہو؟ جناب عالم صاحب، تم وہاں مضبوط ستون سے بندھے ہوئے تو نہیں بیٹھے ہو، کہ لوگ اس کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ تصویر سازی جائز ہے۔ کیونکہ ہم نے فلاں عالم صاحب کو اس مجلس میں خوشی کے ساتھ بیٹھے دیکھا جہاں تصویر بنائی جا رہی تھی۔ عام آدمی جب اتنے بڑے گناہ کو جائز تصور کرنے لگے تو تم ٹھنڈے دل اور ایمانداری سے فیصلہ کر کے بتاؤ کہ اس کا گناہ تمہارے سر پر ہوگا یا نہیں ؟

اے برادرِ عزیز! موت قریب ہے، جو نہی لپکے گی، بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ اللہ رب العزت کے آگے حاضر ہونا ہے۔ میرے مہربان بھائی، اس فانی دنیا کی گہما گہمی پر مست اور مگن مت ہو، کہ گویا تجھے آگے چلنا ہی نہیں۔ ذوالجلال والاکرام ربّ کے آگے پیش ہونا ہی نہیں۔ ملک الموت پہنچنے ہی والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے عمرِ دراز عطا فرمائے، لیکن سو سال بھی تو آخر گزر جائیں گے۔ وقتِ مقرر آ گیا تو ڈاکٹر حضرات کی انجکشن جسم میں پیوست ہی رہیں گے، گلوکوز اور خون کی تھیلیاں دھری کی دھری رہ جائیں گے، سانس اس طرح اکھڑ جائے گی کہ گویا اس کا اندازہ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآئَ لَا یُؤَ خَرُ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ یعنی اگر مقرر وقت آیا تو ایک منٹ بھی پیچھے نہ ہو گا۔

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا   الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

یہ سانپ جیسے پیچ و خم اس دنیا میں تو کارگر ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے کام نہ آئیں گے۔

[3079](نور الانوار صفحہ ۲۱۹، باب الاجماع)

إِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِيدٌ (البروج ۱۲)

اللہ کی پکڑ بڑی شدید ہے۔

اللہ آپ کو، ہمیں اور ہر مسلمان کو اپنی سخت پکڑ سے بچائے۔ ہمیں بھی تو چاہیئے کہ ہم اپنے بچاؤ کے راستے نکالیں۔ اے میرے دوست و مہربان! تم نے تو اپنے بچاؤ کے راستے بند کر دیئے ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ نہیں داخل ہو گا دوزخ میں مگر مارد اور متمرد۔ یعنی وہ شوخ اور سرکش جو کچھ بھی ہو جائے، وہ باز نہ آئے۔ اپنے شیطانی ضد سے ہرگز پیچھے نہ ہٹے۔ میرے بھائی تم رؤف اور رحیم، مشفق اور مہربان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جو تمہاری کوئی بھی تکلیف برداشت نہیں کرسکتے۔ بحکم: عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ (التوبة ۱۲۸) تمہاری تکلیف محبوبِ کریم کو تکلیف دیتی ہے۔ اس رحمت للعالمین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اتنی حدیثیں سننے کے باوجود اس کو نہیں مانتے۔ کچھ شرم کرو۔ پھر بھی باز نہیں آتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم محبوب کریم کی دامن سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔ پھر تم خود انصاف سے فیصلہ کرو کہ اس صورت میں تم مارد اور متمرد بن چکے ہو یا نہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِکَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِکَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف ۱۷۹)

ہم نے خاص جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں بہت سے جن اور انسان (ان کی نشانی یہ ہوگی کہ) ان کے دل ایسے ہوں گے جن سے کچھ نہیں سمجھیں گے اور ان کی آنکھیں ایسی ہوں گی جن سے کچھ بھی نہیں دیکھیں گے اور ان کے کان ایسے ہوں گے جن سے وہ نہیں سنیں گے۔ وہ جانوروں کی مانند ہیں، بلکہ گمراہ ہیں اور غافل ہیں۔

جو گناہ چوری سے، شراب سے، سود سے بلکہ ناحق خون سے بھی ہزاروں گنا بھاری ہے، والدین کے قتل سے بھی بھاری، بلکہ کسی پیغمبر پاک کے قتل کے برابر، حتیٰ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس منحوس گناہ کرنے والے کو کافر فرمایا ہے، ایسے ملعون گناہ کو سن اور سمجھ کر اور دیکھ کر نہ ڈرتے ہو اور نہ کوئی خوف اور ڈر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیات کے مصداق بننے سے بچائے تمہارے دل میں رب تعالیٰ فہم وادراک کوئی عقل یا نرمی، خدا ترسی، حق بینی، حق نیوشی عطا فرمائے۔ تم قیامت کے دن حضرت حبیب ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی امت میں سے اٹھائے جاؤ۔ تمہارا ہاتھ ان کے دامنِ رحمت سے نہ نکلے۔ تم خود بتاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کھلم کھلا کمربستہ بنے بیٹھے ہو یا نہیں۔ جی ہاں! تو پھر کان کھول کر سنو:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ (التوبۃ٦٣)

کیا وہ شخص نہیں جانتا جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مخالفت کی اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی ذلت ہے۔"

اے اہل سنت والجماعت کے علماء کرام و مشائخِ عظام! اگر اب بھی باز نہیں آتے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ آپ کی داڑھی مبارک جو آپ کے چہرہ اقدس پر جلوہ نمائی کر رہی ہے، وہ حضرت حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مثال، امر اور اتباع سنت نہیں، مگر گرو گوبند سنگ کی پیروی ہے۔ تم نے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منہ پھیر لیا ہے۔ کیا تم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دامنِ رحمت سے ہاتھ نکال لیا ہے۔ کیا تمہیں یہ علم ہے کہ محشر کے میدان میں شفیع المذنبین اور رحمت للعالمین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بھی تجھ سے روگردان ہوں گے؟ نادان! پھر تم کس کے سامنے جھولی پھیلا کر بھیک مانگو گے؟ پھر تمہارا کون مددگار ہوگا؟ پھر تو تم ذلیل ہو کر عذاب والے مقامات کی طرف گھسیٹے جاؤ گے۔ آج یہ فلم تباہ وبرباد ہو جائے آگ میں جل جائے اور پھر واپس نہ ہو۔ اس کی اور کیمرا کی اندھی چکاچوند نے تمہارے دل کو لُبھالیا ہے۔ تمہاری ان سے دل لگی ہوئی ہے۔ تمہارے دل میں ان کی لغار ہے۔ آج یہ تمہاری محبوبہ، جان نواز اور معشوقہ تندوطناز اور سراپا عشوہ، وناز ہے۔ اس کے دیکھنے کے لئے تمہاری آنکھیں ترستی ہیں۔ ان کے پلید پر تو دیکھنے کے لئے تمہارا دل حیران ہے، اور تم مرے جارہے ہو۔ حضرت حبیب ہاشمی کا یہ وسیع نہ تھمنے والا وبے شمار بیحد اور بے حساب نور جس میں سے ذرہ حاصل کر کے سورج، چاند اور ستاروں نے دنیا کو جگمگادیا ہے، جس کے نور سے کل کائنات روشن ہو رہی ہے۔ بھٹائی بادشاہ نے شاید اسی جمال جہان آرا کا نقشہ کھینچا ہے۔ چاند کا نور آٹھویں سے لے کر چودھویں تاریخ تک پورے سات دن بہت زیادہ اور اچھا اور بے حد محبوب ہوتا ہے۔ ہر مہینے میں سات دن تو پورے سال کے بارہ مہینوں میں بارہ ستے ۸۴۔ مطلب یہ ہے کہ پورے سال میں چوراسی چاند سب سے بڑھ کر روشن ہوتے ہیں اور پورے سال میں ۳۶۴ سورج طلوع ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پورے سال کے چوراسی چاند اور تین سو چونسٹھ سورج اگر بیک وقت طلوع ہوں تو روشنی کا اندازہ کیا ہوگا؟ مطلب یہ ہے کہ اس روشنی کی کوئی حد وانتہاء نہ ہوگی۔ مگر بھٹائی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہا ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جمال جہان آرا کی روشنی اس قدر لامتناہی، محیر العقل اور انسانی فکر کے پرواز کی حد سے زیادہ ہے، جو پورے سال کے شمس وقمر کی روشنی اس کے مقابلے میں گویا کہ اندھیرا ہے۔ جیسے روشنی ہے ہی نہیں۔ اس بڑے نور پر تمہاری نگاہ ہی نہیں پڑ رہی۔ ناہنجار ونابکار فلم کو دیکھ کر اپنا دل لبھا بیٹھے ہو۔ مہربانی

فرما کر یہ وصیت مت کرنا کہ مرنے کے بعد فلم کو میرے ساتھ قبر کی پہلو میں ہم آغوش کر کے پھر میری میت کو دفنانا۔

میرے پیارے بھائی! اگر تمہارے اندر ذرہ برابر بھی عقل موجود ہے تو پھر یہ کہنا کہ تصویروں کی صنعت آج کل بہت ترقی کی ہے، یہ برائی بڑھ چڑھ کر کمالیت کو پہنچی ہے۔ آج اس پر اللہ کی پھٹکار اور غضب بھی پہلے سے بڑھ کر ہو رہا ہے۔ یہ برائی بہت بڑھ چکی ہے۔ اس لئے ابھی اس میں کوئی قباحت نہیں ۔ سب ٹھیک ہے۔ یہ سوچ، یہ اندازِ فکر تم خود منصف ہو کر بتلاؤ کہ احمقانہ، سفیہانہ، جاہلانہ، وحشیانہ، ظالمانہ، بہیمانہ، غیر منصفانہ، باغیانہ، طاغیانہ، فاسقانہ، خر مغزانہ، مفسدانہ، معاندانہ، مجرمانہ، منافقانہ، مویشیانہ، آمرانہ، جابرانہ، ہٹلوانہ ہے یا نہیں۔

خدانخواستہ تمہاری یہ سوچ ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ تم بالکل گمراہ ہو، بالکل غلط ہو پھر تو تم زیرک، چالاک اور ذہین بالکل نہیں۔ پھر یہ کہا جائیگا کہ تم جیسا کند ذہن، تم جیسا عقل سے عاری، تم جیسا بیوقوف کہاں ملے گا؟ تو کہیں گے کہ ایک شاعر نے بھی تمہارا دیدار فرحت آثار کرنے کے بعد یہ شعر کہا ہے؟

یہ شک نہیں کہ حضرت ملا ہے خوب شخص — علامہ زمان و بڑا فیلسوف ہے
ذاتِ شریف ان کی ہے مجتمع الصفات — لیکن یہ بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہے

اے میرے پیارے اہل سنت والجماعت کے علماء کرام! میں تو ہر وقت بارگاہِ ایزدی کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ کرے تم ان علماء میں ہو جن کے لئے دریا کی مچھلیاں مغفرت کی دعا مانگتی ہیں۔ جن کی نیند بھی بفحوائے **نوم العلماء عبادة** عبادت ہو۔ جو جہاں پر قدم رکھتے ہیں، وہاں

فرشتے اپنے پاک پر بچھادیتے ہیں تا کہ تمہارے قدم ان کے پروں پر آئیں اور تمہارے قدم کی برکتوں اور سعادتوں سے وہ بہرہ ور ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ امتی پر ہے۔" اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ، فرشتے، زمین و آسمان کی مخلوق یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بلوں میں، مچھلی سمندروں میں ہر اس شخص پر رحمت کی دعا کرتے ہیں اور رحمت نازل فرماتا ہے جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔" خدا کرے تم ایسے علماء میں سے ہو جن کی شفاعت سے ستر دوزخ کے مستحقین کو بہشت کے مرصع تاج پہنائے جائیں۔ العلماء ورثۃ الانبیآء۔ کا سب سے بڑھ کر اعزاز خدا کرے تمہیں نصیب ہو اور تو ایسا عالم بنے جو کہ تمہاری رگ رگ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جسدِ اطہر کے ہر موئے مبارک پر سو سو جانیں قربان ہیں کی روح پر صدائیں بلند ہو رہی ہوں۔ خدا کرے تو ایسا عالم ہو کہ تمہارے وصال کے بعد رحمن کریم رب کی طرف سے یہ محبت بھرا پیغام پہنچے کہ:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر)

خدا کرے تو وہ عالم بنے کہ بہشت کی حوریں تمہیں دیکھ کر پھولوں کی طرح باغ و بہار بنیں اور فرطِ مسرت سے تمہارا والہانہ اور عاشقانہ استقبال کریں۔

مفتی محمد شفیع صاحب فتاویٰ دار العلوم دیوبند، امداد المفتیین، میں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: تصویر کشی کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: تصویر کشی شریعت اسلامیہ میں مطلقاً حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا بصورت فوٹو گرافی یا بصورت طباعت وپریس بشرطیکہ کسی جاندار کی تصویر ہو۔

حدیث میں ہے:

اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ رواہ البخاری ومسلم عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا مرفوعاً۔

اور بعض روایات میں اس جگہ لفظ مصورون بھی موجود ہے۔ کمارواہ بخاری ومسلم عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری ایک حدیث میں مروی ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللہ تعالیٰ من اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی بخاری و مسلم۔

اور ایک اور حدیث میں ہے:

یقال لھم احیوا ما خلقتم۔

یعنی مصوروں سے عذاب کے وقت تنبیہاً کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی صورت میں جان بھی ڈالو۔

ان روایات اور دوسری اس قسم کی احادیث سے ثابت ہوا کہ تصویر کشی مطلقاً حرام ہے۔ جس میں کسی قسم کا استثناء منقول نہیں۔

ایضاً۔ سوال: فوٹو تصویر ہے یا نہیں اور فوٹو گرافی تصویر کشی میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب: فوٹو بھی تصویر کی ایک قسم ہے جیسے پریس پر چھپی ہوئی تصویر ایک قسم ہے تصویر کی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دستی اور قلمی تصویروں میں قلم دوات کے ذریعہ سے تصویر کھینچی جاتی ہے اور

پریس میں سیاہی کے رول سے اور فوٹو میں عکس پر اس کے مسالہ اور آلات سے۔ آئینہ اور پانی سے عکس پر اس کو قیاس کرنا محض بے معنی اور لغو ہے کیونکہ اس عکس کو کسی مسالہ سے پائیدار اور قائم نہیں کیا جاتا اور اگر بالفرض آئینہ یا پانی میں بھی کسی مسالہ کے ذریعہ سے عکس کو قائم کر دیا جائے تو وہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہو جائے گا پھر وہ عکس نہ رہے گا کیونکہ عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک ذی عکس کے تابع ہو اس کے وجود سے جدا نہ ہوسکے اور یہ ظاہر ہے کہ فوٹو کا عکس ذی صورت کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ اوراس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فوٹو گرافی بھی تصویر کشی کے حکم میں ہے۔

سوال: جاندار کی وہ مکمل تصویر جو محض آرائش اور زیب و زینت کے لئے رکھی جاتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو تصویر محض آرائش کے لئے رکھی جاتی ہے اگر وہ کسی جاندار کی تصویر ہے تو اس کا رکھنا ناجائز ہے البتہ اگر اسی کو ذلت و امتہان کی جگہ میں ڈال دیا جائے جیسے جوتوں کے فرش میں یا اور کسی ایسی جگہ تو پھر جائز ہو جاتا ہے۔

کما فی حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عند احمد فی مسندہ وعند البخاری ومسلم۔

بعض روایات حدیث میں صراحۃً مذکور ہے:

فاما ان تقطع رؤسها او تجعل بساطاً موطا البدر العینی وبہ قال مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

سوال: وہ مکمل تصویر جو محض طبی معلومات یا نقشہ جات جنگ یا دوستوں سے خط ملاقات حاصل کرنے وغیرہا کے لئے ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: طبّی معلومات یا نقشہ جنگ وغیرہا کے لئے مکمل تصویر رکھنا جائز نہیں اول تو یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ ضرورت جس کو لوگ خواہ مخواہ ضرورت بنالیں شریعت اس کی اجازت بھی دے اور دوسرے اس جگہ تو یہ ضرورت اس طرح بھی رفع ہوسکتی ہے کہ ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ تصویریں رکھی جائیں بجز سر کے کہ اس کی تصویر تنہا رکھنا بھی جائز نہیں جیسا کہ آئندہ سوال میں ذکر کیا جائے گا۔

سوال: صرف چہرہ کی تصویر یا نصف اعلیٰ کی تصویر شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: صرف چہرہ کی تصویر یا نصف دھڑ کی یعنی نصف اعلی کی وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔

لما فی روایة الطحاوی عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه الصورة الرأس فکل شئ لیس له رأس فلیس بصورة معانی الاثار ص ۳۶۶ جلد اول۔

اور شرح احیاء العلوم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے:

کل شئ له رأس فهو صورة اتحاف السادہ صفحہ ۵۹ جلد ۷۔

اور تلقیح فهوم اهل الاثر لابن الجوزی ص ۲۰ میں ہے:

کان لرسول اللہ ﷺ ترس فیه تمثال رأس کبش فکرهه رسول اللہ ﷺ فاصبح یوماً وقد اذهبه اللہ عز وجل۔"[3080]

سوال: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ جدید فوٹو گرافی جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں ان میں آئینہ کی طرح عکس آتا ہے البتہ غیر مستقل اور مستقل طور پر صورت قائم ہوجانے کا فرق ہے پس ارشاد ہوا کہ بلا ضرورت شدیدہ مثلاً لازمی پاسپورٹ وغیرہ اس جدید

[3080] (امداد المفتیین، ج ۲ ص ۸۲۲ تا ۸۲۴)

طریقہ فوٹو گرافی سے جاندار کے پورے قد کی تصویر کھینچنا اور کھچوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ پس اگر جائز ہے تو کیوں اور اس میں کیا مصلحت ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو اس طرح سے تصویر کھینچنے والے اور کھچوانے والوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز میں اقتدا درست ہے اور کیا یہ لوگ فاسق کے حکم میں داخل ہیں؟ اور اس قسم کی تصویریں اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

جواب: کسی جاندار کی صورت بنانا خواہ مجسمہ کی صورت میں ہو یا نقش اور رنگ کی صورت میں اور پھر خواہ قلم سے اس کی نقاشی کی جائے یا پریس وغیرہ پر اس کو چھاپا جائے اور یا فوٹو کے ذریعے عکس کو قائم کیا جاوے یہ سب بلاشبہ تصاویر و تماثیل ہیں جن کی حرمت پر اس قدر احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں کہ اگر تواتر کا دعویٰ کیا جائے تو غالباً صحیح ہو گا۔ فوٹو کی تصویر کو یہ کہنا کہ یہ تصویر نہیں بداہت کا انکار ہے اور یہ شبہ کہ آئینہ اور پانی میں اپنا عکس دیکھنا ممنوع نہیں بالکل بے معنی اور بے اصل ہے کیونکہ فوٹو عکس نہیں بلکہ عکس کے ذریعے تصویر بنانا ہے، یعنی بجائے اس کے کہ تخمینہ اور نظر سے تصویر کھینچی جاتی، فوٹو میں عکس سے تصویر بنائی جاتی ہے مسالہ کے ذریعے عکس کو پائیدار بنانا یہی تصویر کشی ہے۔ عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک اس کو پائیدار نہ کیا جاوے اور جب اس کو فوٹو کے ذریعہ سے قائم کر لیا گیا تو وہ عکس کی حد سے نکل گیا اور تصویر کے مفہوم سے نکالنا نصوص شریعہ کی تحریف ہے، جو ایک مستقل دوسرا گناہ عظیم ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ فوٹو کے ذریعے تصویر بنانا اور قلم سے تصویر کھینچنا دونوں ایک ہی حکم میں ہیں تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ جاندار کا فوٹو کھچوانا دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔

حدیث صحیح البخاری و مسلم میں ارشاد ہے:

اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یصوررون ھذہ الصور (بخاری ومسلم) بطرق متعددہ والفاظ مختلفۃ۔

نیز بخاری و مسلم کی طویل حدیث میں ہے:

کل مصور فی النار۔

یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

وقال تعالیٰ: وَلَاتَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ الآیۃ۔

اور فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

قال اصحابنا وغیرھم تصویر صورۃ الحیوان حرام اشد التحریم وھو من الکبائر سواء منہ لما یمتھن او لغیرہ فحرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ تعالیٰ وسواء کان فی ثوب او بساط او دینار او درھم او فلس او حائط (الی قولہ) وبہ قال جماعۃ العلماء مالک والسفیان وابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتھی۔ وفی رد المحتار ویکرہ الدخول الی بیت فیہ صور علی سقفہ او حیطانہ او علی الستر والازر والوسائد العظام (الی قولہ) وکذالک نفس التعلیق لتلک الصور الخ۔[3081]

احادیث مذکورہ اور عبارات فقہاء سے یہ بھی ثابت ہے کہ فوٹو اور مطلقاً تصویر کھینچنا کھنچوانا اور ان کا استعمال کرنا اور ان کا اپنے پاس رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور کرنے والا ان افعال کا فاسق ہے اور نماز اس کے پیچھے جب کہ دوسرا صالح امام مل سکتا ہو مکروہ تحریمی ہے، کما صرح بہ فی رد المحتار وعامۃ کتب المذھب۔ واللہ وسبحانہ وتعالیٰ۔ اعلم۔[3082]

مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمن صاحب سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

[3081] (شامی مکرروھات الصلوۃ ومثلہ فی البدائع ۱۱۶:۱)

[3082] کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مدرس دار العلوم دیوبند، ۳ شعبان ۵۶ (امداد المفتیین ج ۲ ص ۸۲۵-۶)

سوال: ہمارے یہاں مدرسے میں سال بھر کے بعد ایک سالانہ رپورٹ چھپواتے ہیں، جس میں کچھ اساتذہ اور طلباء کی تصاویر ہوتی ہیں، ایسی تصویریں جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب: مدرسے کی سالانہ رپورٹ میں تصاویر کا شائع کرنا درست نہیں ہے، اس سے اجتناب بہتر ہے، کیونکہ یہ ایسی ضروریات میں سے نہیں ہے جن پر اس فقہی اصول کا اطلاق ہوتا ہے کہ:" الضرورۃ تبیح المحظورات یعنی ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔"[3083]

بعض خاص قسم کی تصاویر کی رُخصت و اجازت

ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ فی التماثیل رخص فیما کان یوطأ و کرہ ما کان منصوبا ألاوسط بضعف۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: جو تصاویر محلِ اہانت میں پامال ہوں ان کی اجازت ہے، اور جو کھڑی ہوں وہ ناجائز ہیں ۔

اور مسند احمد میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصوّر پردے کے قصہ میں جس میں پردہ کو پھاڑ کر دو گدّے بنا دینا مذکور ہے، یہ الفاظ بھی ہیں:

فکان فی البیت یجلس علیہ وفیہ صورۃ۔

یہ گدّا گھر میں رہا جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بیٹھتے تھے حالانکہ اس میں تصویر موجود تھیں۔

[3083] (تفہیم المسائل ج ۴ ص ۴۷۶)

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کھڑی ہوئی تصویروں کو ناجائز سمجھتے تھے اور پامال میں کوئی مضائقہ نہیں جانتے تھے۔[3084]

یہی مضمون فتح الباری میں بحوالہ ابن ابی شیبہ حضرت ابنِ سیرین اور سالم بن عبد اللہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔

عن اللیث قال: دخلت علیٰ سالم بن عبد اللہ وھو متکی علیٰ وسادۃ فیھا تماثیل طیر و وحش فقلت: الیس یکرہ ھذا؟ قال: لا! انما یکرہ ما نصب نصبا۔

حضرت لیث فرماتے ہیں: میں حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گیا تو وہ ایک تکیہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے جس میں پرندوں اور وحشی جانوروں کی تصویریں تھیں، میں نے عرض کیا کہ کیا ان کا استعمال مکروہ و ناجائز نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں! بلکہ ناجائز وہ تصویریں ہیں جو کھڑی ہیں۔[3085]

طبقات ابنِ سعد جزء تابعین ص ۱۳۶ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بٹن میں آدمیوں کے چہرہ کی تصویریں تھیں۔

اسد الغابہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ہے کہ ان کی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر غرّاں کی تصویر بنی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی میں جو نگینہ تھا اس میں دو مکھیوں کی تصویر بنی تھی۔

[3084] (فتح الباری بحوالہ ابن ابی شیبہ ۱۰:۳۴۶)
[3085] (مسند احمد مع فتح ربانی ۱۷:۲۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک انگوٹھی دستیاب ہوئی تھی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرت دانیال نبی علیہ السلام کی انگوٹھی ہے، اور اس کے نگینہ میں اک مرقع تھا کہ دو شیر دائیں بائیں تھے، بیچ میں ایک لڑکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی۔[3086]

ابو داؤد باب اللعب بالبنات میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بروایت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے:

قالت: کنت العب بالبنات فربما دخل عليّ رسول الله ﷺ وعندی الجواری فاذا دخل خرجن واذا خرج دخلن۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف لاتے اور میرے ساتھ کھیلنے والی لڑکیاں ہوتیں، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اندر آتے تو وہ باہر چلی جاتیں، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم باہر جاتے تو وہ پھر آجاتی تھیں۔[3087]

اور اسی باب میں بروایت ابی سلمہ بن عبد الرحمن اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قالت قدم رسول الله ﷺ من غزوة تبوک او خیبر وفی سهوتها ستر فهب الريح فشكفت ناحية الستر عن بنات لعائشة لعب فقال: ماهٰذا یاعائشة! قالت: بناتي! ورأى بينهن فرساً له جناحان من رقاع، فقال: ما هٰذا الذی اری فی وسطهن؟ قالت: فرس! قال: وما هٰذ الذی علیه؟ قلت: جناحان! قال: فرس له جناحان؟ قال: اما سمعت ان لسلیمان خیلا لها اجنحة! قالت: فضحک رسول الله ﷺ حتی رأیت نواجذه۔

[3086](منقول از معارف اعظم گڑھ)

[3087](از بذل المجهود ۵:۲۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس آئے تو میرے طاق پر پردہ پڑا ہوا تھا، اتفاقاً ہوا چلی، جس نے پردہ کا ایک حصہ کھول دیا جہاں سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ گڑیاں سامنے آگئیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے پوچھا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: میری گڑیاں ہیں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر کاغذ کے لگے ہوئے تھے، تو فرمایا: یہ کیا ہے جو میں ان کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا: گھوڑا ہے! پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اس کے اوپر کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ: دو بازو ہیں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تعجب سے فرمایا کہ: گھوڑے کے بازو ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کی: کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر لگے تھے! فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دندان مبارک دیکھے۔

اور **مشکوٰۃ کتاب النکاح باب الولی فی النکاح** میں صحیح مسلم کی یہ حدیث خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کی ہے:

ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت سبع سنین وزفّت الیه وهی بنت تسع سنین ولعبها معها ومات عنها وهی بنت ثمانی عشرة۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر سات سال کی تھی، اور رُخصتی ہوئی جبکہ

ان کی عمر نو سال کی ہوئی، رُخصتی کے وقت ان کی گڑیاں بھی ان کے ساتھ آئیں، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی وفات ہوگئی جبکہ ان کی عمر کل اٹھارہ سال کی تھی۔[3088]

احادیثِ رخصت سے فقہائے امّت نے کیا سمجھا

احادیثِ حرمت میں خود جبرائیل علیہ السلام کی تلقین سے معلوم ہوا کہ جن تصاویر کا سر کاٹ دیا جائے یا کسی رنگ روغن سے لتھیڑ دیا جائے، اس کا استعمال جائز ہے۔[3089]

اسی لئے سر کٹی ہوئی تصاویر کے جواز پر پوری اُمت کا اجماع ہے اس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خود ہی درختوں اور غیر ذی روح چیزوں کے حکم میں کر دیا ہے۔

دوسری رخصت وہ ہے جو احادیث میں مذکور ہے کہ تصاویر سالم ہی رہیں مگر ان کو محلِ اہانت و ذلّت میں مثلاً: پامال فرش یا گدّا وغیرہ جس کے اوپر بیٹھا جائے بنادیا جائے، ان کے جواز پر بھی اُمّت کا اجماع ہے۔

تیسری رُخصت سے یہ ثابت ہے کہ بہت چھوٹی تصویریں جیسے بٹن یا انگوٹھی کے نگینے پر یا روپیہ پیسہ پر اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ اس پر بھی تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

چوتھی رُخصت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں جن گڑیوں سے کھیلتی ہیں یہ کھلونے استعمال کرنا بھی جائز ہے، مگر اس میں حضراتِ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

اقوال فقہاء و محدّثین

[3088] (مرقاۃ جدید ۲۰۵:۶)

[3089] (کمافی حدیث رواہ النسائی وحدیث رواہ احمد فی مسندہ)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح بخاری میں "الا رقما فی ثوب" والی حدیث کے ذیل میں فرمایاہے:

وقالوا کرہ ما کان سترا أولم یکرہ مایداس علیہ ویوطاء۔ بھٰذا قال سعد بن ابی وقاص وسالم وعروۃ وابن سیرین وعطاء وعکرمۃ۔ قال عکرمۃ یوطاء من الصور ھو ذلّ لھا۔ وھٰذا اوسط المذاھب وبہ قال مالک والثوری وابو حنیفۃ والشافعی۔

حضراتِ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان تصاویر کو ناجائز قرار دیاہے جو پردہ کی صورت میں معلّق ہوں، اور ان تصاویر کو ناجائز نہیں کیا جو پامال ہوں اور ان پر بیٹھا لیٹا جائے۔ یہی قول ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کا اور حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ اور عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تصاویر پاؤں میں روندی جائیں یہ ان کی ذلّت ہے، یہی مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور سفیانِ ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔[3090]

مسئلہ تصویر کے بارے میں جمہور اُمّت کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا مذہب شرحِ بخاری عمدۃ القاری میں بالفاظ ذیل منقول ہے:

وفی التوضیح قال اصحابنا وغیرھم: تصویر صورۃ الحیوان حرام اشد التحریم وھو من الکبائر وسواء صنعہ لما یمتھن او لغیرہ فحرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ، وسواء کان فی ثوب او بساط او دینار او دراھم او فلس او اناء او حائط واما لیس فیہ صورۃ

[3090] (عمدۃ القاری طبع قدیم ۱۳:۳۱۰)

حیوان کالبحر ونحوہ فلیس بحرام، وسواء کان فی ھذا کلہ مالہ ظل وما لا ظل لہ، وبمعناہ قال جماعۃ العلماء مالک والسفیان وابو حنیفۃ وغیرھم انتھیٰ۔

توضیح میں ہے کہ ہمارے فقہاء وغیرہم نے فرمایا ہے کہ: جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے شدید الحرمت اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، خواہ ایسی تصویریں ہوں جن کو عادۃً ذلیل و ممتہن رکھا جاتا ہے یا ایسی نہ ہوں، پس وہ بہر حال حرام ہے، اس لئے کہ اس میں مشابہت خلق اللہ ہے، اور برابر ہے کہ وہ تصویر کپڑے میں ہو یا فرش میں، دینار، درہم اور پیسوں میں ہو یا برتنوں میں اور دیواروں میں، اور برابر ہے کہ وہ مجسّم مورت ہو جس کا سایہ پڑتا ہے یا محض نقش اور رنگ کی صورت میں ہو، یہی فرمایا ہے جماعتِ علماء امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم نے۔

اور شیخ الاسلام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں لکھا ہے اور حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اسی کو توثیق کی ہے۔[3091]

قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث وسواء صنعہ بما یمتھن او بغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ تعالیٰ وسواء ما کان فی ثوب او بساط او درھم او دینار او فلس او اناء او حائط او غیرھا واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذٰلک مما لیس فیہ صورۃ الحیوان فلیس بحرام وان کان فی بساط یداس ومخدۃ ووسادۃ ونحوھا مما یمتھن فلیس بحرام، ولا فرق فی ھٰذا کلہ بین مالہ ظل وما لا ظل لہ، ھٰذا تلخیص مذھبنا فی المسئلۃ وبمعناہ قال جماھیر العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھو مذھب الثوری ومالک وابی حنیفۃ وغیرھم۔[3092]

[3091](فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۵)
[3092](نووی مع مسلم ج ۲ ص ۱۹۹)

ترجمہ: ہمارے حضرات اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ: جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور وہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے کہ اس پر ایسی وعید شدید وارد ہے جو بہت سی احادیث میں مذکور ہے، اور اس میں برابر ہے کہ ایسی چیز کی بہر حال بنانا اس کا حرام ہے، اس لئے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صفتِ خلق کی نقل اتارنا ہے، اور یہ بھی برابر ہے کہ کپڑے میں ہو یا فرش میں، اور درہم و دینار یا پیسہ میں ہو یا برتن اور دیوار وغیرہ پر، لیکن درختوں، اُونٹ کے کجاوہ وغیرہ کی، ایسی چیزوں کی جو ذی روح نہیں تو اس کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے، یہ تو تصویر بنانے کا حکم ہے، لیکن ان چیزوں کا استعمال جن میں ذی روح کی تصویر بنی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ دیوار پر معلق یا پہنے ہوئے کپڑے یا عمامہ وغیرہ ایسی چیزوں میں ہو جو عادۃً ذلیل یا حقیر نہیں سمجھی جاتی تو ان کا استعمال حرام ہے، اور اگر پامالِ فرش یا کسی گدّے اور تکیہ وغیرہ میں ہو جو عادۃً ذلیل و پامال ہوتے ہیں تو یہ حرام نہیں ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ تصویر مجسّم ہو جس کا سایہ پڑتا ہے یا مجسمہ نہ ہو بلکہ محض نقش و رنگ ہو، یہ خلاصہ ہے ہمارے مذہب کا مسئلہ تصویر میں اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں سے اور یہی مذہب ہے امام ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیر ہم کا۔

کسی جاندار کی تصویر بنانا کسی طرح بھی ہو بہر حال ممنوع و ناجائز ہے۔ چاہے وہ ہاتھ سے ہو یا کیمرے سے یا جدید دور کی نئی ایجاد موبائل کے ذریعے ہو۔ خصوصاً غیر محرم خواتین کی تصاویر بنانا یا انہیں موبائل میں محفوظ رکھنا تو ایسا قبیح فعل ہے جس کی قباحت پر کوئی بھی عاقل و سمجھدار شخص تردّد نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ شادی بیاہ اور دیگر خوشی کے مواقع پر لوگ اپنے اہل خانہ اور رشتے دار خواتین کی تصاویر بڑے فخر و اصرار سے بنواتے ہیں اور انہیں سی ڈیز (CDs) وغیرہ اور

موبائل میں محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ وبا عام لوگوں میں ہی نہیں بلکہ بڑے سنجیدہ و ظاہراً دیندار لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔

ناجائز و ممنوع ہونے کے علاوہ اس میں یہ خطرہ بھی رہتا ہے کہ موبائل سے ایسی تصاویر کو چوری کرکے کوئی اجنبی یا دشمن ان میں ترمیم و قطع بُرید کرکے لوگوں کے سامنے لائے اور بلیک میل کرے جس سے اس خاندان کے لوگوں کی بے عزتی ہو اور انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ لہٰذا اپنی عزت کی حفاظت کرنا ضروری ہے جس کے لئے تصاویر سے پرہیز لازم ہے۔ موبائل فون کے ذریعے بھی تصویر کھینچنا اور محفوظ رکھنا حرام و ممنوع ہے۔ اس کا حکم بھی عام کیمرے کی تصویر کا حکم ہے۔

کسی نام نہاد مفتی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ موبائل سے تصویر بنانا جائز ہے کیونکہ یہ حقیقت میں تصویر نہیں ہے بلکہ عکس ہے، جیسے کہ ہم جب آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں تو ہمارا چہرہ (یعنی عکس) نظر آتا ہے سامنے سے ہٹ جائیں تو چہرہ (عکس) نظر نہیں آتا۔ یعنی مفتی مذکور نے موبائل کو آئینہ کے قائم مقام قرار دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو عام تصویروں کا حکم ہے وہی حکم موبائل کی تصویر کا بھی ہے۔ نام نہاد مفتی کا یہ کہنا کہ موبائل کی تصویر، تصویر نہیں عکس ہے، درست نہیں اور آئینے کی مثال دے کر مفتی نے اپنی تردید بھی خود کر دی۔ عکس اور تصویر میں فرق یہی ہے کہ جو مفتی مذکور نے بتایا کہ عکس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ سائے کی مانند دوسری چیز کا پرتو ہوتا ہے جب کہ تصویر خود سے قائم اور پائیدار ہوئی ہے۔ آئینہ کا عکس اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اصل چیز قائم ہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی عکس غائب اور معدوم ہو جاتا ہے۔ جبکہ موبائل کی تصویر محفوظ و پائیدار ہوتی ہے۔ اگر اسے خود ضائع نہ کریں تو سالوں تک محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ یہ تصویر نہیں بلکہ عکس ہے۔ پس موبائل فون کے ذریعہ تصویر کھینچنا

اور اسے محفوظ رکھنا پھر خود دیکھتے رہنا یا دوسروں کو دکھانا شرعاً جائز نہیں ہے اور اسی طرح دوسروں کو بھیجنا بھی ممنوع ہے، خصوصاً اجنبی عورت کی تصویر جس میں فتنہ و فساد بھی زیادہ ہے۔ (نجّانا اللہ منھا)۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہے:

انّ اشدّ الناس عذابا عند اللہ المصوّرون۔ (رواہ الشیخین)

یقیناً قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن آگ کا عذاب دیا جائے گا۔"

آج کل بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو خود ساختہ تقوی اپنا کر اپنی بڑائی جتاتے ہیں اور دوسروں کو حقیر اور غیر متقی تصور کرتے ہیں، بازار کی چیزوں مثلاً مرغی کا گوشت، مشروبات، اور دیگر اقسام کی مباح و جائز اشیاء جو بازار میں ملتی ہیں، اور مسلمان انہیں بیچتے ہیں، ان سے شدّت کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں بلکہ نفرت آمیز رویئے سے دیکھتے ہیں اور جو صاحبِ طریقت و شریعت حضرات ان مباح چیزوں کو استعمال کرتے ہیں تو ان پر یہ لوگ تنقید کرتے ہیں۔ اور اگر کسی دعوت میں چلے جائیں تو صاحبِ دعوت کو ان کے اس عمل سے شرمندگی اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے، حالانکہ بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو مشقت میں ڈالنا نہ صرف برائی ہے بلکہ حماقت بھی ہے۔ ایسے ہی خصوصاً متقی لوگوں کے پاس بھی کیمرے والا موبائل بڑی شان سے رکھا جاتا ہے جس میں تصویروں کا البم ہوتا ہے۔ حالانکہ تصویر بنانا حرام ہے تو اس حرام چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھنا اور اسے بنانا کیا خلافِ تقویٰ نہیں؟ وہی

کیمرے والا موبائل ان کے پاس ہوتا ہے جب کہ وہ نماز بھی پڑھاتے ہیں، پھر اپنے آپ کو پیر، مولانا و خلیفہ بھی کہلواتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ غلط چیز کہیں بھی ہو غلط ہی ہوتی ہے، چاہے پیر کرے، مولانا کرے، صدر کرے، وزیر اعظم کرے یا عام شخص کرے۔ جائز اور شرعاً مباح اشیاء کو استعمال کرنا خلافِ تقویٰ نہیں بلکہ حرام و مکروہ اشیاء کو ترک کرنا تقویٰ ہے۔ لہٰذا تصویر بنانا، چاہے موبائل کے ذریعے ہو، ممنوع و ناجائز ہے، اس سے بچنا تقویٰ کے زمرہ میں آئے گا۔

اسی طرح صاحب طریقت و شریعت مشائخ سے بد ظن ہونا بھی ممنوع ہے بلکہ ہلاکت کا سبب بھی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: "انّ بعض الظّنّ اثم" بے شک بعض گمان بھی گناہ ہیں ۔ عام تصویروں کے مقابلے میں موبائل کی تصویر زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ عام تصویریں عموماً چھپی رہتی ہیں، کبھی کبھی انہیں دیکھتے ہیں جبکہ موبائل تو ہر وقت پاس ہی ہوتا ہے۔ اور اکثر استعمال بھی ہوتا رہتا ہے تو تصاویر آسانی سے دیکھی اور بنائی جاسکتی ہیں یعنی ایک ممنوع کام جلدی اور آسانی سے ہوسکتا ہے، اس لئے یہ فتنہ زیادہ بڑا ہے۔ بعض لوگ تصاویر کو یادگار اور تبرک کے لئے بناتے اور محفوظ رکھتے ہیں (اس گمان سے) کہ شاید کہ اس سے کچھ فائدہ ملے گا۔ مگر یہ بات بھی انتہائی غلط ہے کیونکہ اگر تصویر میں برکت ہوتی تو سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مشائخِ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصاویر ہوتیں اور وہ خود بنوا کر اپنے پاس رکھتے اور دوسروں کو تلقین کرتے کہ یہ تصاویر رکھا کرو کہ ان سے برکت ملتی ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا، اور نہ ہے۔ اس لئے بھی کہ ایک حرام و ممنوع چیز میں تبرک کہاں سے ہوسکتا ہے؟ ہاں تبرک کا حصول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم اور بزرگانِ دین کے آثار، مثلاً کرتہ، قمیص، چادر، بال، ناخن، وغیرہا سے ثابت ہے اور امت کا تعامل بھی ہے۔ لہٰذا تصویر کو تبرکاً بھی بنانا یا محفوظ رکھنا خاص کر لٹکانا ممنوع اور ناجائز ہے۔ بلکہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں بت پرستی کا ایک ذریعہ تصاویر بنیں۔ وہ اپنے گزرے ہوئے نیک لوگوں کی تصاویر بناتے اور انہیں لٹکاتے تبرک کی نیت سے پھر آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کر دیتے اور ان کو خدا بنا لیتے۔ گویا تصویر کشی ایسی لعنت ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی جناب میں گستاخی کا مرتکب ہو سکتا ہے اور ایمان سے محرومیت کا سبب بھی بن سکتا ہے، لہٰذا اس ناجائز کام سے اجتناب ضروری ہے۔ اور یہ تصویر بنانے والا عمل بہر حال حرام اور کفر کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔ فلہٰذا جو کام حرام و کفر کی طرف جانے کا سبب ہو وہ بھی حرام و ممنوع ہوتا ہے۔

وفی الدر المختار او کانت صغیرةً لا تتبین تفاصیل اعضائها للناظر قائما وهی علی الارض۔ ذکره الحلبی وقال الشامی وهذا اضبط لما فی القهستانی (ومثله فی الطحطاوی علی الدر وشرح المنیه)۔

ترجمہ: اور در مختار میں ہے کہ اس تصویر کا استعمال بھی جائز ہے جو اتنی چھوٹی ہو کہ اگر اس کو زمین پر رکھ کر آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو اس کے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے۔

طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شرح منیہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

یہ مذہب حنفیہ کا نقل کیا گیا ہے، مالکیہ کا بھی یہی مذہب رسالہ "بلوغ القصد و المرام بما تنفر عنه الملٰئکة الکرام" میں شیخ الاسلام ابو جعفر کتانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے، شوافع اور حنابلہ سے بھی اس کے خلاف کوئی قول نظر سے نہیں گزرا، یہ تین قسم کی تصاویر کی رخصت تقریباً سب

فقہاء میں متفق علیہ ہے، البتہ چوتھی رخصت یعنی لڑکیوں کے کھیلنے کی گڑیاں، اس میں حضراتِ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ گڑیاں بھی عام تصاویر کی طرح حرام ہیں اور صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس زمانہ کی ہے جبکہ تصاویر کی حرمت کا حکم نہیں تھا۔ یہ قول محدث امام بیہقی، ابن جوزی، منذری، حلیمی، ابن بطّال اور محدث داؤدی رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے، اور ابوزید نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ نقل کیا ہے کہ آپ لڑکیوں کے لئے گڑیاں خریدنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا:

ثبت النهى عن اتخاذ الصور فنحمل علىٰ ان الرخصة لعائشة ذٰلک کانت قبل التحریم۔ وبه جزم ابن الجوزی۔ [3093]

ترجمہ: چونکہ تصاویر کے استعمال کی حرمت نصوص سے ثابت ہوچکی ہے، اس لئے حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس پر محمول کیا جاوے گا کہ یہ حرمتِ تصاویر سے پہلے کا واقعہ تھا جو منسوخ ہو گیا۔ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو قولِ فیصل قرار دیا ہے۔

اور مسندِ احمد کی ایک مرفوع روایت سے بھی اس کی تائید ہوئی:

عن رجل من قریش عن ابیه انه کان مع ابی هریرة فرأی ابو هریرة فرسا من رقاع فی ید جاریة فقال: الا تری هٰذا؟ قال رسول اللہ ﷺ: انما یعمل هٰذا من لا خلاق له۔

ترجمہ: ایک شخص حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، دیکھا کہ ایک لڑکی کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا گھوڑا تھا، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی

[3093] (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۳۷)

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ کام ان لوگوں کا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔[3094]

بعض نے فرمایا ہے کہ: اس سے صرف نابالغ لڑکیوں کے معاملہ میں مساہلت کا معاملہ ہوتا ہے، نابالغ لڑکیاں جو احکام کی ابھی مکلف نہیں، ان کو گڑیوں کے کھیل سے منع نہ کیا جاوے گا، صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ واقعہ بھی ان کی بالغی کے زمانے کا ہے، بالغوں کے لئے ان کا استعمال حسبِ عموم احادیث حرام ہوگا۔

بعض علماء نے مطلقاً گڑیوں کی تصاویر کو عام حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جیسا کہ پامال تصاویر مستثنیٰ کی گئی ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

المراد ھٰذا اللعب المسماۃ بالبنات التی تلعب بھا الجواری الصغار معناہ التنبیہ علیٰ صغر سنھا قال القاضی وفیہ جواز اتخاذ اللعب واباحۃ لعب الجواری بھن وقد جاء انہ علیہ الصلوۃ والسلام رأی ذٰلک لم ینکرہ، قالوا وسببہ تدریبھن لتربیۃ الاولاد واصلاح شانھن وبیوتھن۔ مراد لعب سے وہ ہیں جن کو گڑیاں کہا جاتا ہے جن سے چھوٹی لڑکیاں کھیلتی ہیں اور مطلب اس روایت کا اس پر متنبہ کرنا ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت بہت صغیر سن تھیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس روایت سے جواز ثابت ہوتا ہے گڑیاں رکھنے اور چھوٹی بچیوں کے ان سے کھیلنے کا کیونکہ اس حدیث میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

[3094] (مسند احمد مع فتح ربانی ۱۷:۲۷۸)

واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو دیکھا اور اس پر نکیر و اعتراض نہ فرمایا۔ علماء نے فرمایا کہ سبب اس کا لڑکیوں کو خانہ داری کا انتظام اور بچوں کی پرورش سکھانا ہے۔

اور شرح مشکوۃ میں ہے:

ویحتمل ان یکون مخصوصا من احادیث النھی من اتخاذ الصور لما ذکر من المصلحة ویحتمل ان یکون قضیة عائشة فی اوّل الھجرة قبل تحریم الصورة۔[3095]

ترجمہ: اور مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ گڑیوں کی حدیث عام حرمتِ تصاویر سے مستثنیٰ اور مخصوص ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ حرمتِ تصاویر سے پہلے کا ہو، اور بعد احادیث حرمت کے وہ منسوخ ہو گیا ہو۔

فی متفرقات البیوع من الدر المختار وفی أخر حظر المجتبی عن ابی یوسف یجوز بیع اللعبة وان یلعب بھا الصبیان انتھیٰ۔ قال الشامی: ونسبته الیٰ ابی یوسف لاتدل علی ان الامام یخالفه لاحتمال ان لایکون فی المسئلة قول۔

ترجمہ: اور درمختار کی کتاب البیوع کے متفرقات میں مجتبیٰ کے حوالہ سے ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: گڑیا کی بیع جائز ہے اور بچوں کا ان سے کھیلنا بھی جائز ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول کسی اختلاف کے بیان کے لئے نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں کوئی صریح قول منقول ہی نہ ہو۔[3096]

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی گڑیوں کے معاملہ میں فقہاء کے چار اقوال ہیں، ایک یہ کہ وہ بھی عام تصویر کی طرح حرام ہیں، اور جواز والی روایت حرمت سے پہلے کی ہے جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔ دوسرا قول اس کے بالمقابل قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اسی حدیث کی رو سے بچیوں کی

[3095] (مرقاۃ طبع جدید ملتان ۲۰۶: ۲)

[3096] (ردالمختار ۲۹۷: ۲ طبع استنبول، ومثله فی مکروهات الصلوۃ ۶۰۸: ۱)

گڑیاں حرمتِ تصویر سے مستثنیٰ کر دی گئی ہیں، وہ جائز ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نابالغ بچیوں کے لئے اجازت ہے، عام اجازت نہیں ہے، حنفیہ کا مسلک مذکورہ عبارت در مختار سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں جن گڑیوں کا ذکر ہے وہ مکمل تصویر نہیں تھیں اس لئے حرمتِ تصاویر کی روایات سے اس کا کوئی تعارض نہیں۔ لیکن پہلے اور تیسرے قول پر ابو داؤد کی روایت جو مسلم کے طریق سے منقول ہے اس میں اس واقعہ کی تاریخ غزوۂ خیبر یا غزوۂ تبوک سے واپسی بتلائی ہے جو ۷ھ یا ۹ھ میں ہیں اس وقت تک تصاویر کی حرمت کے احکام نہ ہونا یا حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نابالغ ہونا دونوں چیزیں نہایت بعید ہیں۔

جب اس روایت کے دوسرے طرق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گڑیوں کے واقعہ میں غزوۂ خیبر و تبوک کا ذکر کہیں بجز اس ایک طریق ابو داؤد کے اور کسی کتاب میں نہیں، یہ واقعہ صحیحین بخاری و مسلم میں بھی آیا ہے، اور مسندِ احمد وغیرہ میں بھی، ان میں سے کسی میں سفر خیبر و تبوک کا کوئی ذکر نہیں اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو داؤد کے اس طریق میں کسی راوی کو مغالطہ پیش آیا ہے کہ دراصل سفر تبوک یا خیبر کا حوالہ اس واقعہ میں آیا ہے، جو حضرت سیدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک مصوّر پردہ (قرام یا دُرنوک) اپنے گھر میں کسی طاق یا الماری پر ڈالا تھا، ان دونوں روایتوں میں صحیحین بخاری و مسلم کی روایت میں سفر کی واپسی کا ذکر ہے اور فتح الباری میں اس سفر کو بحوالہ بیہقی سفر تبوک اور بحوالہ ابو داؤد خیبر یا تبوک لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابو داؤد کی روایت میں غزوۂ خیبر یا تبوک لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابو داؤد کی روایت میں غزوۂ خیبر یا تبوک کا تعلق صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں کے واقعہ سے نہیں بلکہ مصور پردہ کے واقعہ سے ہے، راوی کو

مغالطہ کی وجہ سے شاید یہ پیش آئی ہو کہ قرام اور دُرنوک کے واقعہ میں صحیح مسلم کے الفاظ میں یہ بھی ہے کہ اس پر ایک پروں والے گھوڑے کی تصویر تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں میں بھی کوئی ایسی چیز تھی جس کو انہوں نے پروں والا گھوڑا اقرار دیا تھا، اس سے راوی کو یہ اشتباہ ہوجانا کچھ بعید نہیں اور خود ان دو واقعات کے الفاظ اور بیان کو دیکھئے تو وہ اس پر کھلی شہادت دیں گے کہ یہ گڑیوں کا واقعہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ابتدائی بچپن کے زمانہ کا ہے اور قرام اور دُرنوک کا واقعہ اس کے بعد کا ہے، صحیح مسلم کتاب النکاح کی حدیث میں صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بلوغ سے پہلے گڑیاں ہونا اور رخصتی کے وقت ان کا ساتھ آنا مذکور ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے بالکل ابتدائی زمانہ کا ہے۔

ان سب قرائنِ قویہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیوں کا واقعہ بالکل ابتداء ہجرت کے زمانے میں پیش آیا جبکہ تصاویر کی حرمت کے احکام نہ تھے، نیز حضرت صدیقہ صغیر السن لڑکی تھیں، اس لئے جن حضرات نے اس کو احادیثِ حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا، یا جنہوں نے اس کو صرف نابالغ لڑکیوں کی خصوصیت قرار دیا، ان کے کلام کی گنجائش بلا شبہ موجود ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان احادیثِ رخصت سے یہ نتائج نکالے ہیں:

تصویر کشی اور تصویر سازی کسی جاندار کی کسی حال میں جائز نہیں، صرف غیر ذی روح بے جان چیزوں کی تصاویر بنا سکتے ہیں۔

اور تصاویر کے استعمال میں مندرجہ ذیل قسم کی تصاویر کی اجازت دی ہے:

ا۔ سر کٹی ہوئی تصویر جو درخت کے مشابہ ہو جائے۔

۲۔ پامال تصاویر جو جوتے کے تلے یا فرش وغیرہ میں ہوں۔

۳۔ بہت چھوٹی تصویریں جیسے انگوٹھی اور بٹن کی تصویریں وہ بھی عام نقش و نگار کے حکم میں ہیں۔

۴۔ بچیوں کے کھیلنے کی گڑیاں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض حرام فرماتے ہیں بعض جائز اور بعض خاص شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں

لیکن اصل مسئلہ تصویر کی حرمت کا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ ان سے احادیثِ حرمت کو منسوخ قرار دے کر اصل تصویر ہی کو جائز کر ڈالا ہو، یا جائز تصویروں کی کوئی ایسی علّت ہو جس کی وسعت میں عام تصویریں بھی حلال ہو جائیں۔

مگر آج کل کے جدید مصنفین نے ان احادیثِ رخصت کو عام تصاویر کی حلت کا حیلہ بنالیا ہے، اور ایک نیا حیلہ تو ایسا ایجاد کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ تصاویر کی ساری ہی بحث ختم ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ آج کل جس طرح تمام مصنوعات جو پہلے زمانے میں دستی بنائی جاتی تھیں، اب مشینوں اور آلات کے ذریعہ بنائی جاتی ہیں، اسی طرح تصاویر سازی کے فن کو اس مشینی دور نے ترقی دے کر فوٹو گرافی اور عکّاسی کی صورت دے دی ہے، بعض علماء مصر نے پھر بعض علمائِ ہند نے بھی اس کے متعلق یہ فرمادیا کہ کیمرا کے ذریعہ جو تصویر لی جاتی ہے، وہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں، وہ تو ایک ظل اور

سایہ جیسے آئینہ اور پانی میں انسان کی شکل دیکھی جائے، اس کے حرام وناجائز ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اور یہ فتنہ ایسا عام ہوا کہ بہت سے علماء وصلحاء بھی کاغذی پراہنوں میں دنیا بھر میں چلتے پھرتے نظر آنے لگے، اور اربابِ عمائم وقبا کے فوٹو دنیا میں عام ہوگئے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض علماء کو اس فوٹو کے اسٹیج پر زبردستی ان کے علم وقصد کے خلاف لایا جاتا ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ بہت سے حضرات بالقصد اس میں شریک ہوتے ہیں۔

(وان یکون الامام علی الدکان) اور ایسا کرنا مکروہ کہ امام اونچی جگہ پر کھڑا ہو۔ یہ اونچائی انسان کے جتنی ہو یا ایک گز اونچی ہو اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے وضع کے ساتھ مشابہت ہے کہ ان کے امام کا ایک خاص مکان ہوتا ہے۔

(والقوم علی الارض او بالعکس) اور قوم زمین پر ہو یا اس کے برعکس ہو، یعنی امام زمین پر اور قوم اونچی جگہ پر ہو۔ تو اس طرح کرنے میں امام کی توہین ہے اور ہم سب امام کی تعظیم پر مامور ہیں اس کی توہین پر نہیں۔

(وقیام الامام فی الطاق) اور امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، بخلافِ سجدہ امام کے قبیل تخصیصِ امام سے ہے، یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار قدموں کی جگہ کے لئے ہے پیشانی کی جگہ کے لئے نہیں۔

(او یکون الحیوان فی ثوبہ او جبھۃ) اور اگر حیوان کی تصویر نمازی کے کپڑوں پر ہو یا سجدے والی جگہ پر یا اس کی پیشانی والی جگہ پر ہو تو ان تینوں صورتوں میں نماز مکروہ ہے، (غیر خلفہ وتحت) اور اگر پیچھے یا قدموں کے نیچے ہو تو پھر نماز مکروہ نہیں ہے۔ (لا ان صغر الحیوان جدا)

اور نماز اس شرط کے ساتھ مکروہ نہیں ہے کہ حیوان کی وہ تصویر بہت چھوٹی ہو۔ تو تین صورتوں میں عبادت گزار (نمازی) کی بت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے نماز مکروہ ہے اور آخری دو صورتوں میں عبادت گزار (نمازی) کی بت کے ساتھ مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ نہیں ہے۔

فان قیل۔ کہ حضرت جبرائیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کی حدیث مطلق ہے کہ آپ نے چھوٹے اور بڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں فرمایا تو آخری دو صورتوں میں بھی مکروہ ہونا چاہیئے اور حکم ایسے نہیں ہے۔ قلنا۔ کراہیت میں موئثر عبادت کرنا ہے اور چھوٹے کی عبادت نہیں کی جاتی۔

(والصلوۃ فی سراویل واحد) اور صرف شلوار میں نماز پڑھنا کہ اس کے ساتھ قمیص یا چادر نہ ہو مکروہ ہے۔

اثبات سراویل یعنی پاجامہ کا ثبوت

پاجامہ (شلوار) پہننا بھی سنت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

لبس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذا فی الغرائب۔

پاجامہ (شلوار) سنت ہے اور یہ مردوں اور عورتوں دونوں اصناف کیلئے زیادہ ستر پوش ہے۔ یونہی الغرائب میں مذکور ہے۔[3097]

حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنی امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کیلئے دعائے مغفرت کی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ

[3097] (فتاویٰ ھندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع ج ۵ ص ۳۳۳ نورانی کتب خانہ پشاور)

خود بھی پہنیں اور اپنی عورتوں کو بھی پہنائیں کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی حدیث روایت کی۔

رواہ الترمذی والعقیلی والضعفاء وابن عدی والدیلمی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ بلفظ اللھم اغفر للمتسرولات من امتی یایھا الناس اتخذوا السراویلات فانھا من استر ثیابکم وحصنوا بھا نساءکم اذا خرجن وفی الحدیث قصۃ وفی اسانیدہ مقال رضبی یتقوی بتعدد طرقہ خلافہ الصنیع ابی الفرج۔

ترمذی نے اس کو روایت کیا اور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن عدی اور دیلمی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی: اے اللہ! میری امت میں پاجامہ پہننے والی عورتوں کی بخشش فرما۔ اے لوگو، پاجامہ (یعنی شلوار) پہنا کرو کیونکہ یہ تمھارے لباس میں سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے شلوار سے اپنی عورتوں کو محفوظ کرو جب وہ باہر نکلیں۔ اور حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے اس کی سندوں میں اشکال پایا جاتا ہے۔ بسا اوقات متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے حدیث قوی ہو جاتی ہے لیکن اس میں علامہ ابو الفرج ابن جوزی کا اپنی کارکردگی کی وجہ سے اختلاف ہے۔[3098]

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے عرض کیا، حضور پاجامہ پہنتے ہیں؟ فرمایا:

اجل فی السفر والحضر وفی اللیل والنہار فانی امرت بالستر فلم اجد شیئا استر منہ۔
رواہ ابویعلی وابن حبان فی الضعفاء والطبرانی فی الاوسط والدارقطنی فی الافراد والعقیلی فی الضعفاء عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[3098] (کنز العمال بحوالہ البزار حدیث ۴۱۸۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/۴۶۳) (الکامل لابن عدی ترجمہ ابراھیم بن زکریا العلم الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۵۵) (الموضوعات لابن جوزی کتاب اللباس دار الفکر بیروت ۳/۴۶)

ہاں سفر و حضر میں شب وروز پہنتاہوں اس لئے کہ مجھے ستر کا حکم ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ ساتر کسی شیئ کو نہ پایا(اس کو ابو یعلی اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے الاوسط میں اورامام دارقطنی نے الافراد میں اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔[3099]

رواہ الترمذی واستقربہ والحاکم وصححہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان علی موسیٰ یوم کلمہ ربہ کساء صوف وکمہ صوف وجبۃ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت۔

اس کو امام ترمذی نے روایت کرتے ہوئے برقرار رکھا اور حاکم نے روایت کرکے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کی تصحیح فرمائی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تو اس دن وہ اون کی بنی ہوئی چادر اونی جبہ اونی ٹوپی اوراونی شلوار میں ملبوس تھے البتہ ان کے جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔[3100]

حدیث میں ہے کہ سب میں پہلے جس نے پاجامہ پہنا ابراھیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ ہیں:

رواہ ابو نعیم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول من لبس السراویل ابراھیم الخلیل۔

[3099] (مجمع الزوائد بحوالہ ابویعلٰی والمعجم الاوسط للطبرانی کتاب اللباس باب فی السراویل دارالکتب العربی بیروت ۱۲۲/۵)

[3100] (جامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی البص الصوف امین کمپنی کراچی ۱/۲۰۶۔۲۰۷)

ابو نعیم نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان وارشاد ہے کہ سب سے پہلے جس نے شلوار پہنی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔[3101]

امام اہلسنت امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہ مستحب بلکہ سنت ہے۔

بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہ مستحب بلکہ سنت ہے۔

ان لم یکن فعلا فقولا والا فلا اقل من السنتان تقریرا کما علمت۔

اگر فعلی سنت نہ بھی ہو تو قولی سنت ضرور ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو کم از کم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریری سنت تو لا محالہ ہے۔ جیسا کہ تم نے جان بھی لیا۔[3102]

شلوار پہننا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سنت مبارکہ ہے، اور سب سے پہلے شلوار حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے پہنی اور شلوار بیٹھ کر پہننا سنت ہے۔

الامام الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ دَخَلْتُ يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ إِلَى الْبَزَّازِ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنَّكَ لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ قَالَ أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَإِنِّي أُمِرْتُ بِالتَّسَتُّرِ وَفِيهِ يُونُسُ بْنُ زِيَادٍ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ قَالَ بن الْقَيِّمِ فِي الْهُدَى اشْتَرَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[3101] (تهذیب تاریخ ان عساکر ذکر ما کان من امر ابراهیم علیه السلام بعد ذلک دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۹) (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۸)

[3102] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۱۵۵)

السَّرَاوِيلَ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ إِنَّمَا اشْتَرَاهُ لِيَلْبَسَهُ ثُمَّ قَالَ وَرُوِيَ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ وَكَانُوا يَلْبَسُونَهُ فِي زَمَانِهِ وَبِإِذْنِهِ قُلْتُ وَتُؤْخَذُ أَدِلَّةُ ذَلِکَ کُلِّهِ مِمَّا ذَکَرْتُهُ۔[3103]

قال ابن القيّم في "الهدى": اشترى -صلى الله عليه وسلم- السّراويل، والظّاهر أنه إنّما اشتراه ليلبسه ثمّ قال: وروي في حديث أنّه لبس السّراويل، وكانوا يلبسونه في زمانه وبإذنه.[3104]

لُبسِ السَّرَاوِيلِ

حَدَّثنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ، عَنِ الأَغَرِّ بْنِ مُسْلِمٍ وَيُكَنَّى أَبَا مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: دَخَلْتُ يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ إِلَى الْبَزَّازِينَ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ. وَكَانَ لِأَهْلِ السُّوقِ وَزَّانٌ يَزِنُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اتَّزِنْ وَأَرْجِحْ فَقَالَ الْوَزَّانُ: إِنَّ هَذِهِ لَكَلِمَةٌ مَا سَمِعْتُهَا مِنْ أَحَدٍ. فَقَالَ أَبِي هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ لَهُ: كَفَى بِکَ مِنَ الرَّهَقِ وَالْجَفَاءِ فِي دِينِکَ أَنْ لَا تَعْرِفَ نَبِيَّکَ.

فَطَرَحَ الْمِيزَانَ وَوَثَبَ إِلَى يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ أَنْ يُقَبِّلَهَا فَحَذَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ: «مَا هَذَا؟! إِنَّمَا يَفْعَلُ هَذَا الْأَعَاجِمُ بِمُلُوكِهَا وَلَسْتُ بِمَلِکٍ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ» .فَوَزَنَ وَأَرْجَحَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّرَاوِيلَ. قَالَ أَبِي هُرَيْرَةَ: فَذَهَبْتُ لِأَحْمِلَهُ عَنْهُ فَقَالَ: «صَاحِبُ الشَّيْءِ أَحَقُّ بِشَيْئِهِ أَنْ يَحْمِلَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ ضَعِيفًا يَعْجَزُ عَنْهُ فَيُعِينُهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ» .قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّکَ لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ؟ قَالَ: «أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَبِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، فَإِنِّي أُمِرْتُ بِالسَّتْرِ فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا أَسْتَرَ مِنْهُ المقصد العلي في زوائد أبي يعلى الموصلي۔[3105]

العلامة محمود محمد خطاب السبكي لکھتے ہیں:

[3103](فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۰، صفحہ ۳۳۶، مکتبہ عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

[3104](فتح السلام شرح عمدة الأحكام، للحافظ ابن حجر العسقلاني مأخوذ من كتابه فتح الباري ج ۹ ۴۳۸)

[3105](ج۴ ص ۲۸۳ الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان)

(قال) وفی زاد المعاد: واشترى صلى الله عليه وعلى آله وسلم السراويل. والظاهر أنه إنما اشتراه ليلبسه (وقد) روى في غير حديث أنه صلى الله عليه وعلى آله وسلم لبس السراويل وكانوا يلبسون السراويلات في زمانه وبإذنه أهـ

العلامہ صہیب عبد الجبار لکھتے ہیں:

وَعَنْ عَائِشَةَ - رضي الله عنها - قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: ("إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا) ثُمَّ قَرَأَ: {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ، وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟) (فَقَالَ: " يَا عَائِشَةُ {لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ} (وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ") يُقال: إِنَّ الْحِكْمَةَ فِي خُصُوصِيَّةِ إِبْرَاهِيمَ بِذلِک , لِكَوْنِهِ أُلْقِيَ فِي النَّارِ عُرْيَانًا، وَقِيلَ: لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ۔[3106]

(بابُ السَّرَاوِيلِ)

أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855ھ-) لکھتے ہیں:

أَي: هَذَا بَاب يذكر فِيهِ السَّرَاوِيل، وَقَالَ الْجَوْهَرِي: السَّرَاوِيل مَعْرُوف يذكر وَيُؤَنث، وَالْجمع السراويلات، وَقَالَ سِيبَوَيْهٍ: سَرَاوِيل وَاحِدَة هِيَ عجمية عربت فَأَشْبَهت من كَلَامهم مَا لَا ينْصَرف فِي معرفَة وَلَا نكرَة، فَهِيَ مصروفة فِي النكرَة، وَمن النَّحْوِيين من لَا يصرفهُ أَيْضا فِي النكرَة، وَيَزْعُم أَنه جمع سروال وسروالة، وَقَالَ شَيخنَا زين الدّين، رَحمَه الله تَعَالَى: روينَا من حَدِيث أبي هُرَيْرَة مَرْفُوعا أَن أول من لبس السروايل إِبْرَاهِيم عَلَيْهِ السَّلَام رَوَاهُ أَبُو نعيم الْأَصْبَهَانِيّ، وَقيل: هَذَا هُوَ السَّبَب فِي كَون أول من يكسى يَوْم الْقِيَامَة، كَمَا ثَبت فِي (الصَّحِيحَيْنِ) من حَدِيث ابْن عَبَّاس، فَلَمَّا كَانَ أول من أتخذ هَذَا النَّوْع من اللبَاس الَّذِي هُوَ أستر للعورة من سَائِر الملابس جوزي بِأَن يكون أول من يكسى يَوْم الْقِيَامَة.

[3106] (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد ج۳ص ۴۵ فتح الباري شرح صحيح البخاري ج۶ ۳۹۰)

وَفِيه: اسْتِحْبَاب لبس السَّرَاوِيل, وَقد روى التِّرْمِذِيّ من حَدِيث سُوَيْد بن قيس قَالَ: جلبت أَنا ومخرفة الْعَبْدي بزاً من هجر, فجاءنا النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فساومنا بسراويل ... الحَدِيث, وَرَوَاهُ أَبُو يعلى فِي (مُسْنده) من حَدِيث أبي هُرَيْرَة مطولا. وَفِيه: إخْبَاره ﷺ[3107]

زکریا بن محمد بن أحمد بن زکریا الأنصاري، زین الدین أبو یحیی السنیکي المصري الشافعي (المتوفی: 926ھ-) لکھتے ہیں:

(وأول من يكسى يوم القيامة إبراهيم) خص بذلك؛ لأنه أول من كسى الكعبة, أو لأنه ألقي في النار عريانًا, أو لأنه أول من لبس السراويل مبالغة في الستر.[3108]

زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علي بن زین العابدین الحدادي ثم المناوي القاهري لکھتے ہیں:

(اتخذوا) خذوا أخذ معتن بالشيء مجتهد فيه والأمر للندب المؤكد (السراويلات) التي ليست بواسعة ولا طويلة جمع ص:110 سراويل أعجمي عرب جاء بلفظ الجمع وهو مفرد يذكر ويؤنث والسراوين بنون والشراويل بشين معجمة لغة (فإنها من أستر ثيابكم) أي أكثرها سترا ومن مزيدة لسترها للعورة التي يسيء صاحبها كشفها وفيه ندب لبس السراويل لكن إذا لم تكن واسعة ولا طويلة فإنها مكروهة كما جاء في خبر آخر وفي تفسير ابن وكيع أن إبراهيم أول من تسرول قال الداراني: لما اتخذ الله إبراهيم خليلا أوحى إليه أن وار عورتك من الأرض فكان لا يتخذ من كل شيء إلا واحدا سوى السراويل فيتخذ اثنين فإذا غسل أحدهما لبس الآخر حتى لا يأتي عليه حال إلا وعورته مستورة به۔[3109]

[3107] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ٢١ ص ٣٠٦ الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[3108] (منحة الباري بشرح صحيح البخاري المسمى «تحفة الباري ج ٦ ص ٤٣٣ الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض - المملكة العربية السعودية)

[3109] (فيض القدير شرح الجامع الصغير ج ١ ص ١٠٩)

(فائدة) أول من لبس السراويل سيدنا ابراهيم عليه الصلاة و السلام، كان كثير الحياء حتى كان يستحى من أن ترى الأرض مذاكيره، فاشتكى إلى الله تعالى فهبط عليه جبريل بخرقة من الجنة ففصلها جبريل سراويل و قال ادفعها الى سارة تخيطه. فلما خاطئة و لبسه ابراهيم قال ما أحسن هذا و أستره فإنه نعم الستر للمؤمن. ذكره في غذاء الألباب۔[3110]

شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي (المتوفى: 1188ھ۔) لکھتے ہیں:

مَطْلَبٌ: فِي أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَبِسَ السَّرَاوِيلَ أَمْ لَا؟۔

(الثَّانِي): اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلْ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمْ لَا؟ قَالَ فِي الْآدَابِ الْكُبْرَى: قَدْ رُوِيَ عَنْ إبْرَاهِيمَ وَمُوسَى - عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - أَنَّهُمَا لَبِسَاهُ وَلَبِسَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -.

وَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ كَسَلْمَانَ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أَمَرَ بِهِ.

وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي كِتَابِهِ الْوَفِيِّ وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ عَنْ بُرَيْدَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: «إنَّ النَّجَاشِيَّ كَتَبَ إلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إنِّي قَدْ زَوَّجْتُك امْرَأَةً مِنْ قَوْمِك وَهِيَ عَلَى دِينِك أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَهْدَيْتُ لَك هَدِيَّةً جَامِعَةً قَمِيصًا وَسَرَاوِيلَ وَعِطَافًا وَخُفَّيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا» قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُد أَحَدُ رُوَاةِ الْحَدِيثِ: قُلْت لِلْهَيْثَمِ بْنِ عَدِيٍّ مَا الْعِطَافُ؟ قَالَ: الطَّيْلَسَانُ.

وَأَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ عَنْ «سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: جَلَبْت أَنَا وَمَخْرَمَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ إلَى مَكَّةَ فَأَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ، وَثَمَّ وَزَّانٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ، فَقَالَ: إذَا زِنْت فَأَرْجِحْ» وَأَخْرَجَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ مَالِك بْنِ عُمَيْرَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ «قَدِمْت قَبْلَ مُهَاجَرِ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَاشْتَرَى مِنِّي سَرَاوِيلَ فَأَرْجَحَ لِي» قَالَ فِي الْفَتْحِ وَمَا كَانَ لِيَشْتَرِيَهُ عَبَثًا وَإِنْ كَانَ غَالِبُ لُبْسِهِ الْإِزَارَ.

[3110] (الدين الخالص أو إرشاد الخلق إلى دين الحق (و المجلد التاسع طبع باسم: إرشاد الناسك إلى أعمال المناسك ج ص ۱۵۸)

وَأَخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ «دَخَلْت يَوْمًا السُّوقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَجَلَسَ إلَى الْبَزَّازِينَ فَاشْتَرَى سَرَاوِيلَ بِأَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ» الْحَدِيث وَفِيهِ «فَقُلْت: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّك لَتَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ؟ قَالَ: أَجَلْ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَإِنِّي أُمِرْت بِالتَّسَتُّرِ» وَفِيهِ يُوسُفُ بْنُ زِيَادٍ الْبَصْرِيُّ ضَعِيفٌ.

قَالَ فِي الْهَدْيِ: اشْتَرَى - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - السَّرَاوِيلَ وَالظَّاهِرُ إنَّمَا اشْتَرَاهُ لِيَلْبَسَهُ. ثُمَّ قَالَ: وَرُوِيَ فِي حَدِيثٍ أَنَّهُ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ وَكَانُوا يَلْبَسُونَهُ فِي زَمَانِهِ وَبِإِذْنِهِ۔[3111]

أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساکر لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله الفراوي وأبو محمد عبد الجبار بن محمد بن أحمد الخواري (1) قالا أنا أبو بكر البيهقي أنا أبو علي الحسين بن أحمد بن إبراهيم بن شاذان البغدادي بها أخبرنا عبد الله بن جعفر نا يعقوب بن سفيان نا أبو إسحاق إبراهيم بن زكريا البجلي نا همام عن قتادة عن قدامة بن وبرة عن الأصبغ بن نباتة عن علي قال كنت قاعدا عند النبي (صلى الله عليه وسلم) بالبقيع في يوم دجن مطر فمرت امرأة على حمار معها مكار فهوت يد الحمار في وهدة من الأرض فسقطت المرأة فأعرض النبي (صلى الله عليه وسلم) عنها بوجهه فقالوا يا رسول الله إنها متسرولة فقال اللهم اغفر للمتسرولات من أمتي ثلاثا يا أيها الناس اتخذوا السراويلات فإنها من أستر ثيابكم وخصوا بها نساءكم إذا خرجن۔[3112]

قال العلامة محمد بن يوسف الصالحی الشامی قال الشيخ برهان الدين الباجي حافظ الشام في كتابه قلائد العقيان فيما يورث الفقر والنسيان إن التعمم قاعدا والتسرول قائما يورثان الفقر والنسيان۔[3113]

قالا من تعمم قاعداً او تسرول قائماً ابتلاہ اللّٰہ تعالیٰ ببلاء لا دواء له۔[3114]

[3111](غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب ج۲ ص ۲۴۱ الناشر: مؤسسة قرطبة-مصر)

[3112](تاريخ دمشق ج۳ ص ۲۰۶ ج۸ ص ۲۲۲ الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

[3113](سبل الهدى والرشاد ج۷ ص ۲۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3114](کشف الالتباس فی استحباب اللباس فارسی اردو ص ۱۰۶ مطبوعہ دار احیاء العلوم کراتشی)

ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار میں ہے:

ولبس السراویل سنة وهو من استر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه خليل الله عليه السلام ليكون حائلاًبين عضوه وبين الارض وأمر أن يغسل فيه ويكفن فوقه وكان الحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهما يتغاطون فى الماء وعليهم سراويلات تسترّا عن سكّان الماء ـ[3115]

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

(ولبس السراويل سنة)الانبياء عليهم السلام (وهو من استر الثياب للرجال والنساء واول من لبسه ابراهيم خليل الله عليهم السلام ليكون حائلاًبين عضوه)المعهود(وبين الارض)روى عن ابى سليمان رحمه الله انه قال لما اتخذ الله تعالىٰ ابراهيم خليلا اوحى اليه ان استر عورتك من الارض وكان النبى صلى الله عليه وآله وسلم يتخذ من كل لباس واحدا الا السراويل فانه كان يتخذ سراويلين فاذا غسل احدهما كان يلبس الآخرـ[3116]

صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی شلوار پہنا ہے۔

أبو السَّرِي هَنَّاد بن السَّرِي بن مصعب بن أبي بكر بن شبر بن صعفوق بن عمرو بن زرارة بن عدس بن زيد التميمي الدارمي الكوفي (المتوفى:243ھـ) لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي مَرْزُوقٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ: " رَأَيْتُ سَلْمَانَ الْفَارِسِيَّ فِي سَرِيَّةٍ وَهُوَ أَمِيرُهَا عَلَى حِمَارٍ وَعَلَيْهِ سَرَاوِيلُ وَخَدَمَتَاهُ تَذَبْذَبَانِ, وَالْجُنْدُ يَقُولُونَ: قَدْ جَاءَ الْأَمِيرُ, فَقَالَ سَلْمَانُ: «إِنَّمَا الْخَيْرُ وَالشَّرُّ بَعْدَ الْيَوْمِـ[3117]

[3115](ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار ص ۳۷)

[3116](شرح شرعۃ الاسلام ص ۲۸۳)

[3117](الزهد ج ۲ ص ۴۱۸ الناشر: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي - الكويت)

(**والاعتجار**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا کہ سر کا درمیانہ حصہ ننگا ہو، مکروہ ہے اور اعتجار اس کو کہا جاتا ہے کہ سر کے ارد گرد پگڑی باندھ لے اور درمیان فاسقوں کی طرح خالی چھوڑ دے نہ کہ علماء وصالحین کی طرح۔ اور علماء وصالحین کی پگڑی کے درمیان خالی جگہ رہنے میں کوئی مذائقہ نہیں ہے کیونکہ علماء وصالحین کے فعل میں کوئی تکبر نہیں ہوتا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ عمامہ میں ٹوپی کو پوری طرح چھپانا چاہیئے اور ٹوپی کو ظاہر کرنے کو مکروہِ تحریمی قرار دیتے ہیں اور اسے اعتجار کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اعتجار کو نہیں سمجھتے۔ میں اعتجار کی پوری وضاحت کروں گا تاکہ قارئین کرام پر حق واضح ہو جائے۔

پہلی تعریف: امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ کاسانی فرماتے ہیں:

اختلف فی تفسیر الاعتجار قیل ھو ان یشد حول رأسہ بالمندیل ویترک ھامتہ بوجہ تشبہ اھل الکتاب۔

اعتجار کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ رومال وغیرہ سر کے گرد باندھا جائے اور درمیان میں چھوڑ دیا جائے کہ اس طرح اہل کتاب سے مشابہت ہوتی ہے۔

دوسری تعریف:

ھو ان یلف شعرہ علی رأسہ بمندیل فیصیر کالعاقص شعرہ والعقص مکروہ لماذکرنا۔

اپنے بال سر پر رومال کے ساتھ لپیٹ لئے جائیں تو وہ بال مجتمع کرنے والے کی مانند ہو جائے اور بالوں کو لپیٹنا مکروہ ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

تیسری تعریف:

عن محمد رحمتہ اللہ انہ قال لا یکون الاعتجار الا بالتنقب وھو ان یلف بعض العمامۃ علی رأسہ ویجعل طرفا منھا علی وجھہ کمعتجر النساء اما لأجل الحر والبرد او التکبر۔

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں نقاب بنائے بغیر اعتجار نہیں ہوتا وہ اس طرح کہ پگڑی کو سر پر لپیٹا جائے اور اس کے کچھ حصہ سے منہ چھپا لیا جائے۔ عورتوں کے نقاب کی طرح سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے یا تکبر کی وجہ سے۔[3118]

امام اجل شیخ فقیہ ابن نجیم رقمطراز ہیں:

وفی المغرب وھو ان یلف العمامۃ علی رأسہ ویبدی الھامتہ۔

مغرب میں ہے کہ اعتجار یہ ہے دستار کو سر پر لپیٹا جائے اور کھوپڑی ننگی رکھی جائے یہ تعریف زیادہ اقرب ہے۔

اعتجار معجر المرءۃ سے ماخوذ ہے۔ معجر اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت اپنے سر پر گولائی میں باندھتی ہے امام ولوالجی نے اس کی وجہ کراہت یہ بیان کی ہے کہ اس میں اہلِ کتاب سے مشابہت آتی ہے جب کہ یہ نماز کے علاوہ بھی مکروہ ہے تو نماز میں بطریق اولی مکروہ ہے۔[3119]

شیخ اجل امام طاہر بن عبد الرشید نے اعتجار کی تعریف یوں کی ہے:

وھو ان یشد العمامتہ ویدع الھامتہ کما یفعلہ الشطار۔

ترجمہ: دستار کو سر پر اس طرح باندھا جائے کہ درمیان میں کھوپڑی کو چھوڑ دے جیسے شطاری کرتے ہیں۔[3120]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وھو ان یکور عمامتہ ویترک وسط رأسہ مکشوفا کذا فی التبیین۔

[3118] (بدائع الصنائع ص ۲۱۶ ج ۱)
[3119] (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۴)
[3120] (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۷)

یعنی سر پر عمامہ باندھا جائے اور درمیان میں سر ننگا رہے اسی طرح تبیین میں ہے۔[3121]

مراقی الفلاح میں بھی بدائع الصنائع والی پہلی دو تعریفیں درج ہیں۔[3122]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی بھی یہی تعریف کرتے ہیں کہ:

لف العمامته علی الرأس وترک وسطه مکشوفا۔

دستار سر پر باندھنا اور میانہ حصہ سر کا ننگا رکھنا۔[3123]

مذکورہ بالا فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ وجہ کراہت یا تو اہل کتاب سے مشابہت ہے جیسا کہ امام ولوالجی نے بیان کیا۔ ہمیں جہاں تک ہو سکے ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ درمیان سے سر ننگا رکھتے تھے اور ہمیں ننگا نہیں رکھنا چاہیئے یا پھر شریر لوگوں کی عادات سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور اپنے منہ تکبر کی بناء پر چھپا کر رکھتے ہیں یا سردی و گرمی سے بچنے کے لئے شملے سے منہ اور ناک کو ڈھانپ کر دوسری طرف اڑس لیتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے متعلق بھی ہے۔

چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

عذبہ یعنی شملہ کی تحنیک بھی مروی ہے۔ تحنیک یہ ہے کہ شملہ کو بائیں جانب سے تالو اور تھوڑی کے نیچے سے نکال کر داہنی جانب عمامہ میں اڑس لینا۔"

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق بھی تحنیک کے بغیر اعتجار ہوتا نہیں۔

[3121](عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۶)

[3122](مراقی الفلاح ص ۲۸۴)

[3123](الفقه الاسلامی ص ۵۹۵ ج ۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی روایت و قول فقیہ میں موجود نہیں کہ اوپر ٹوپی کو بھی ڈھانپا جائے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے متعلق حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس طرح دستار باندھتے تھے تو فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سر پر گولائی میں دستار باندھتے دو کندھوں کے درمیان شملہ رکھتے اور دوسرے سرے کو سر کی پچھلی جانب دستار میں اڑستے تھے۔

استاذ الاساتذہ حجۃ الاسلام فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اعتجار کے متعلق سوال کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

"اعتجار کی دو تعریفیں کتب فقہ میں ہیں فتاویٰ عالمگیریہ ج ا ص ۵۵ میں ہے: هو ان يكور عمامة ويترك وسط رأسه مكشوفا كذا في التبيين۔ یعنی درمیان سے سر ننگا چھوڑ دے، زیادہ کتابوں میں یہی تعریف ہے، مراقی الفلاح ص ۲۱۰ طبع مع الطحطاویہ میں "قیل" کے ساتھ ہے: ان ينقب بعمامته فيخطي انفيه۔ مگر یہ کہیں کسی تعریف میں نہیں دیکھا کہ وسط میں ایک پیچ اعتجار سے بچنے کے لئے ضروری ہے حالانکہ پیچ کے علاوہ بھی عمامہ سے سر کا درمیانہ حصہ چھپ سکتا ہے اور نہ یہ کہیں دیکھا ہے کہ ٹوپی کا چھپانا بھی ضروری ہے اور وہ بھی عمامہ سے ہی ہو اور نہ یہ کہیں دیکھا کہ ٹوپی سے وسط سر کا چھپانا کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الطیف صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ (دار الافتاء جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ لاہور) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "علماء کرام نے کتابوں میں علیحدہ علیحدہ تعریفیں نقل کی ہیں۔ چنانچہ:

۱) حضرت علامہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بہارِ شریعت حصہ سوم ص ۱۳۷ (مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی) پر فرماتے ہیں: "اعتجار یعنی پگڑی اس طرح باندھنا کہ بیچ میں سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ نماز کے علاوہ بھی اس طرح عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔"[3124]

۲) حضرت صدر الشریعہ اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور زمانہ فتاوی امجدیہ جلد اول ص ۱۹۹ (مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی) پر فرماتے ہیں:

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ ٹوپی کے کنارے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں اور پوری ٹوپی کھلی رہتی ہے، یہ اعتجار ہے۔ اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

ویکرہ الاعتجار وھو شد الرأس بالمندیل او تکویر عمامته علی رأسه ترک وسطھا مکشوفا۔ اس کے تحت طحطاوی میں ہے: ای نصا العمامته حول الرأس و ابداء العمامته فقوله "وترک وسطھا" راجع الی تفسیر الشرح ایضا المراد انه مکشوف عن العمامته لا مکشوف اصلا لانه فعل مالا یفعل و اللہ معانی اعلم۔

۳) لیکن اسی فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۲۹۹ پر راقم فتاویٰ نے اعتجار کی تعریف یوں فرمائی: اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ٹوپی پہنے رہنے کی حالت میں اعجار ہو رہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتجار اسی صورت میں ہے کہ عمامہ کے نیچے کوئی چیز سر کو چھپانے والی نہ ہو۔

اس مسئلے کے حاشیہ میں مولانا شریف الحق امجدی صاحب فرماتے ہیں:

اختار مافی الظھیریة و اما ما قال العلامته السید الطحطاوی فی حاشیه المراقی المراد انه مکشوف عن العمامته لا مکشوف اصلا لانه فعل مالا یفعل ففیه نظر ظاهر لان کثیرا من

[3124] (بحوالہ درمختار ص ۲۱۰، ۲۱۱، ج ا عالمگیری ص ۱۰۶، ۱۰۷، ج ۱)

جفاة الاعراب يلفون المنديل و العمامته حول الرأس مكشوف العمامته تعبير قلنسوة فليحرر امجدی۔

حضرت مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت اور فتاویٰ امجدیہ میں اعتجار کے بارے میں جو صراحت کی ہے اس میں کسی تاویل اور نظر کی گنجائش نہیں (پگڑی اس طرح باندھنا کہ بیچ میں سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے بہار شریعت کی اس عبارت میں سر پر کہا گیا، بیچ میں ٹوپی پر نہیں کہا گیا۔ اس طرح فتاویٰ امجدیہ کی عبارت (اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹوپی پہنے رہنے کی حالت میں اعتجار ہوتا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتجار اس صورت میں ہوتا ہے کہ عمامہ کے نیچے کوئی چیز سر کو چھپانے والی نہ ہو، اس عبارت میں کتنی صراحت ہے اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

(**والصلوۃ عاریا منکبیه**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا کہ کسی عذر کے بغیر کندھے ننگے ہوں مکروہ ہے کیونکہ اس میں نمازی کی بے ادبی ہے۔

(**او فوق رأسه او بیمینه او یساره صورة حیوان**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا کہ (نمازی کے) سر کے اوپر یا دائیں یا بائیں جانب کسی حیوان کی تصویر ہو، مکروہ ہے۔ (**او بین یدیه**) اور ایسے حال میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ سامنے زمین پر حیوان کی تصویر پڑی ہو۔

(**والاکتفاء بأیة او آیتین بعد الفاتحة**) اور فاتحہ کے بعد نمازی کا ایک یا دو آیتوں پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے کیونکہ قدرِ مسنونہ باقی رہ گیا جو کہ تین آیات ہیں۔

(**والصلوۃ اخذ غائط او بول او ریح**) اور ایسی حالت میں نماز پڑھنا کہ نمازی کو پاخانے یا پیشاب یا ہوا کی حاجت ہو، مکروہ ہے کیونکہ ابو داؤد میں ذکر کیا گیا ہے: **الاول التخلی ثم المصلی** (پہلے اپنے آپ کو خالی کرنا ہے اور پھر نماز پڑھنی ہے)۔ تو شغلِ دل کی وجہ سے کراہیت متحقق ہوتی ہے اور اگر شغل دل نہ ہو تو کراہیت نہیں ہے۔

(**اویجعل رداءہ تحت ابطہ الایمن ویلقی علی کتفہ الایسر**) اور ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لاکر بائیں بازو کے اوپر ڈال لیا جائے اور دوسرے بازو کو کھلا رہنے دیا جائے۔

(**والصلوۃ بارض مزروعۃ بغیر اذن صاحبہ**) ولی کی اجازت کے بغیر کاشت کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ بیگانی فصل خراب نہ ہو جائے اور اگر زمین پر کچھ کاشت نہ کیا ہو پھر مکروہ نہیں ہے۔

(**والصلوۃ الی دکان او تنور فیہ نار موقودۃ**) ایسی دکان یا تنور جس میں آگ جل رہی ہے، کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں آگ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، بخلاف شمع لالٹین یا دیا، یعنی چراغ کے۔ کیونکہ ان تینوں سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

(**والصلوۃ بقرب النجاسۃ**) اور پلیدی کے قریب نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں نماز کی بے ادبی ہے۔

(**والصلوۃ بقلنسوۃ بلا عمامۃ**) اور بغیر پگڑی یا چادر کے صرف ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اور بعض مکروہات مصنف علیہ الرحمۃ نے ذکر نہیں کیے کیونکہ مذکور مصنف علیہ الرحمۃ کی نماز میں مصنف علیہ الرحمۃ کے قول کی دلالت کے ساتھ داخل تھے، **وقد توجد الاربعۃ الاخیرۃ فیھا طبعاً**۔ اور غیر مذکور نماز سے باہر ہیں۔

(و افتتاح الصلوۃ بالتھلیل و التسبیح و نحوھما) اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم کے ساتھ شروع مکروہ ہے بغیر اللہ اکبر کے، جیسا کہ لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ ہے۔ کیونکہ اس میں واجب کا ترک ہے۔

(و الصلوۃ حاسر رأسہ) اور ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں نماز کی تعظیم کا ترک ہے چاہے سستی کی وجہ سے ہو یا گرمی کی وجہ سے ہو البتہ خشوع کی نیت سے درست ہے اور وہ بھی رات کے نوافل میں۔

نماز کے مکروہات تحریمیہ

یعنی وہ کام جو حالت نماز میں کرنا منع ہیں اور جن کے کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔

جو نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اس کا اعادہ واجب ہے یعنی اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

جن کاموں کے قصداً کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، سجدہ سہو کرنے سے بھی نماز درست نہیں ہو گی بلکہ نماز کا اعادہ واجب ہے۔

کراہت تحریمی سجدہ سہو سے زائل نہیں ہو گی۔ ہر مکروہ تحریمی گناہ و معصیت صغیرہ ہے۔

ہمارے مومن بھائی ناواقفیت کی وجہ سے حالت نماز میں ایسے کام کر لیتے ہیں جن کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے لیکن ان کو گمان تک بھی نہیں ہوتا کہ میں نے نماز میں ایسا کام کر لیا ہے جس کی وجہ سے میری نماز ایسی مکروہ ہوئی ہے کہ اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ لہذا ہر مومن بھائی ان مسائل کی طرف توجہ فرمائیں اور اپنی نمازیں خراب ہونے سے بچائیں۔

نماز میں افعال کرنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

مسئلہ: مکروہ تحریمی مرتبہ واجب میں ہے۔اس کا ہلکا جاننا گمراہی وضلالت ہے۔[3125]

مسئلہ: کپڑے یاداڑھی یابدن کے ساتھ کھیلنایعنی لغواور بے معنی حرکت کرنا۔[3126]

مسئلہ: کپڑا اسمیٹنامثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یاپیچھے سے دامن یادوسرا کوئی کپڑا اٹھانایاپاجامہ کودونوں ہاتھ سے کھینچنا۔[3127]

مسئلہ: رومال یاشال یارضائی یاچادر کے کنارے دونوں مونڈھوں سے لٹکتے ہوں، یہ ممنوع و مکروہ تحریمی ہے اور ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پرڈال دیااور دوسرالٹک رہاہے توحرج نہیں اور اگر ایک ہی مونڈھے پرڈالا اس طرح کہ ایک کنارہ پیٹھ پر لٹک رہاہے دوسرا پیٹ پر، جیسے عموماًاس زمانہ میں مونڈھوں پر رومال رکھنے کا طریقہ ہے، تو یہ بھی مکروہ ہے۔[3128]

مسئلہ: کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی، یادامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یانماز میں چڑھائی۔[3129]

مسئلہ: نماز میں آستین اوپر کواس طرح چڑھاناکہ ہاتھوں کی کہنی کھل جائے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔اگر پھر سے دوبارہ نہ پڑھی توگناہگار ہو گا۔[3130]

3125 (فتاویٰ رضویہ ج۶ص۱۱۹)

3126 (عامۂ کتب۔بہار شریعت، جلد۳، ص۱۶۵)

3127 (بہار شریعت، جلد۳، ص۱۶۵)

3128 ("الدرالمختار"و"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ...إلخ، مطلب في الکراہۃ التحریمیۃ والتنزیہیۃ، ج۲، ص۴۸۸)(درمختار، ردالمحتار)

3129 ("الدرالمختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج۲، ص۴۸۸.'الدرالمختار"و"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ...إلخ، مطلب في الکراہۃ التحریمیۃ والتنزیہیۃ، ج۲، ص۴۸۸.۔المرجع السابق، ص۴۹۰، و"الفتاوی الرضویۃ"، کتاب الصلاۃ، ج۷، ص۳۸۵.)(درمختار)

3130 (فتح القدیر، بحرالرائق، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۱۶-۴۲۳)

مسئلہ: شدت کا پاخانہ پیشاب معلوم ہوتے وقت، یا غلبہ ریاح کے وقت نماز پڑھنا، مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ہے، "جب جماعت قائم کی جائے اور کسی کو بیت الخلا جانا ہو، تو پہلے بیت الخلا کو جائے۔" اس حدیث کو ترمذی نے عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور ابو داود و نَسائی و مالک نے بھی اس کے مثل روایت کی ہے۔[3131]

مسئلہ: نماز شروع کرنے سے پیشتر اگر ان چیزوں کا غلبہ ہو تو وقت میں وسعت ہوتے ہوئے شروع ہی ممنوع و گناہ ہے، قضائے حاجت مقدم ہے، اگرچہ جماعت جاتی رہنے کا اندیشہ ہو اور اگر دیکھتا ہے کہ قضائے حاجت اور وضو کے بعد وقت جاتا رہے گا تو وقت کی رعایت مقدم ہے، نماز پڑھ لے اور اگر اثنائے نماز میں یہ حالت پیدا ہو جائے اور وقت میں گنجائش ہو تو توڑ دینا واجب اور اگر اسی طرح پڑھ لی، تو گناہ گار ہوا۔[3132]

مسئلہ: جوڑا باندھے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور نماز میں جوڑا باندھا، تو فاسد ہو گئی۔[3133]

مسئلہ: صرف پاجامہ یا تہبند پہن کر نماز پڑھی اور کُرتا یا چادر موجود ہے، تو نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو دوسرا کپڑا نہیں، تو معافی ہے۔[3134]

3131 ("الدرالمختار" و "ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، مطلب في الخشوع، ج۲، ص۴۹۲. "جامع الترمذي"، أبواب الطھارۃ، باب ماجاء إذا أقیمت الصلاۃ... إلخ، الحدیث:۱۴۲، ج۱، ص۱۹۲.)

3132 ("ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، مطلب في الخشوع، ج۲، ص۴۹۲.)

3133 ("الدرالمختار" و "ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج۲، ص۴۹۲.)

3134 ("ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، مطلب إذاتردد الحکم... إلخ، ج۲، ص۵۰۴.)(عالمگیری، غنیہ)

حدیث: ابو داود اور حاکم نے مستدرک میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) نے اس سے منع فرمایا کہ "مرد صرف پاجامہ پہن کر نماز پڑھے اور چادر نہ اوڑھے۔"[3135]

حدیث: صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) فرماتے ہیں: "تم میں کوئی ایک کپڑا پہن کر اس طرح ہرگز نماز نہ پڑھے کہ مونڈھوں پر کچھ نہ ہو۔"[3136]

عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کی، کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نافع کو دو کپڑے پہننے کو دیے اور یہ اس وقت لڑکے تھے اس کے بعد مسجد میں گئے اور ان کو ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا، اس پر فرمایا: "کیا تمھارے پاس دو کپڑے نہیں کہ انھیں پہنتے؟ عرض کی، ہاں ہیں۔ تو فرمایا: بتاؤ اگر مکان سے باہر تمہیں بھیجوں تو دونوں پہنو گے؟ عرض کی، ہاں۔ فرمایا: تو کیا اللہ عزوجل کے دربار کے لیے زینت زیادہ مناسب ہے یا آدمیوں کے لیے؟ عرض کی، اللہ (عزوجل) کے لئے۔"[3137]

مسئلہ: کنکریاں ہٹانا مکروہ تحریمی ہے، مگر جس وقت کہ پورے طور پر بروجہ سُنت سجدہ ادا نہ ہوتا ہو، تو ایک بار کی اجازت ہے اور بچنا بہتر ہے اور اگر بغیر ہٹائے واجب ادا نہ ہوتا ہو تو ہٹانا واجب ہے، اگرچہ ایک بار سے زیادہ کی حاجت پڑے۔[3138]

3135 ("سنن أبي داود"، کتاب الصلاۃ، باب إذا کان الثوب ضیقا یتزر بہ، الحدیث: ٦٣٦، ج١، ص٢٥٧.)

3136 ("صحیح البخاري"، کتاب الصلاۃ، باب إذا صلی في الثوب الواحد، الحدیث: ٣٥٩، ج١، ص١٤٥.)

3137 ("المصنف" لعبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب مایکفي الرجل من الثیاب، الحدیث: ١٣٩٢، ج١، ص٢٧٤.)

3138 ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب في الخشوع، ج٢، ص٤٩٣.) (در مختار، رد المحتار)

مسئلہ: اُنگلیاں چٹکانا، انگلیوں کی قینچی باندھنا یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا، مکروہ تحریمی ہے۔[3139]

مسئلہ: کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، نماز کے علاوہ بھی کمر پر ہاتھ رکھنا نہ چاہیے۔[3140]

مسئلہ: اِدھر اُدھر مونھ پھیر کر دیکھنا مکروہ تحریمی ہے، کل چہرہ پھر گیا ہو یا بعض اور اگر مونھ نہ پھیرے، صرف کنکھیوں سے اِدھر اُدھر بلا حاجت دیکھے، تو کراہت تنزیہی ہے اور نادراً کسی غرض صحیح سے ہو تو اصلاً حرج نہیں، نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔[3141]

مسئلہ: تشہد یا سجدوں کے درمیان میں کُتّے کی طرح بیٹھنا، یعنی گھٹنوں کو سینہ سے ملا کر دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر سرین کے بل بیٹھنا، مرد کا سجدہ میں کلائیوں کو بچھانا، کسی شخص کے مونھ کے سامنے نماز پڑھنا، مکروہ تحریمی ہے۔ یوہیں دوسرے شخص کو مصلّی کی طرف مونھ کرنا بھی ناجائز و گناہ ہے، یعنی اگر مصلّی کی جانب سے ہو تو کراہت مصلّی پر ہے، ورنہ اس پر۔[3142]

مسئلہ: اگر مصلّی اور اس شخص کے درمیان جس کا مونھ مصلّی کی طرف ہے، فاصلہ ہو جب بھی کراہت ہے، مگر جب کہ کوئی شے درمیان میں حائل ہو کہ قیام میں بھی سامنا نہ ہوتا ہو تو حرج نہیں اور اگر قیام میں مواجہہ ہو قعود میں نہ ہو، مثلاً دونوں کے درمیان میں ایک شخص مصلّی کی طرف پیٹھ

3139 ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، ج۲، ص۴۹۳، وغیرہ.)(در مختار وغیرہ)

3140 (المرجع السابق، ص۴۹۴.)(در مختار)

3141 (بہار شریعت ج۳ ص۱۶۷، فتاویٰ رضویہ ج۱ ص۱۷۱)

3142 ("الدر المختار" و "رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ... إلخ، مطلب إذا تردد الحکم... إلخ، ج۲، ص۴۹۵-۴۹۷.)(در مختار)

کر کے بیٹھ گیا کہ اس صورت میں قعود میں مواجہہ نہ ہو گا، مگر قیام میں ہو گا، تو اب بھی کراہت ہے۔[3143]

مسئلہ: قبر کا سامنے ہونا، اگر مصلّی و قبر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔[3144]

مسئلہ: کفار کے عبادت خانوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ وہ شیاطین کی جگہ ہیں اور ظاہر کراہت تحریم۔(بحر) بلکہ ان میں جانا بھی ممنوع ہے۔[3145]

مسئلہ: بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ بھی باہر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔(بہار شریعت) البتہ اس طرح کپڑا اوڑھنا کہ ہاتھ باہر نہ ہو جائز ہے۔

مسئلہ: اُلٹا کپڑا پہن کر یا اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ظاہر تحریم۔ یوہیں انگرکھے کے بند نہ باندھنا اور اچکن وغیرہ کے بٹن نہ لگانا، اگر اس کے نیچے کرتا وغیرہ نہیں اور سینہ کھلا رہا تو ظاہر کراہت تحریم ہے اور نیچے کرتا وغیرہ ہے تو مکروہ تنزیہی۔ یہاں تک تو وہ مکروہات بیان ہوئے جن کا مکروہ تحریمی ہونا کتب معتبرہ میں مذکور ہے، بلکہ اسی پر اعتماد کیا ہے، اب بعض دیگر مکروہات بیان کیے جاتے ہیں کہ ان میں اکثر کا مکروہ تنزیہی ہونا مصرح ہے اور بعض میں اختلاف ہے، مگر راجح تنزیہی ہے۔ سجدہ یا رکوع میں بلا ضرورت تین تسبیح سے کم کہنا، حدیث میں اسی کو مرغ کی سی ٹھونگ مارنا فرمایا، ہاں تنگی وقت یا ریل چلے جانے کے خوف سے ہو تو حرج نہیں اور اگر مقتدی تین تسبیحیں نہ کہنے پایا تھا کہ امام نے سر اٹھالیا تو امام کا ساتھ دے۔[3146]

[3143] ("ردالمحتار"، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم...إلخ، ج ٢، ص ٤٩٧.)(ردالمحتار)

[3144] ("الدر المختار"، کتاب الصلاۃ، ج۲، ص ۵۴.)(در مختار، عالمگیری)

[3145] ("البحر الرائق"، کتاب الدعوی، ج۷، ص ۳۶۴. "ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، مطلب تکرہ الصلاۃ في الکنیسۃ، ج۲، ص ۵۳.)

[3146] (بہار شریعت ج۳ص ۱۷۰)

مسئلہ: چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔[3147]

مسئلہ: دھوبی کو کپڑے دھونے کیلئے دیئے اور دھوبی کپڑا بدل کر لایا یعنی کسی اور کے کپڑے لے آیا، توان کپڑوں کو پہننا مرد وعورت سب کو حرام اور وہ کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔[3148]

مسئلہ: جس کپڑے پر جاندار کی تصویر بنی ہو اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ نماز کے علاوہ بھی ایسے کپڑے پہننا جائز نہیں۔ اسی طرح نمازی کے سر پر یعنی چھت یا دیوار میں منقش ہے تو بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔[3149]

مسئلہ: تصویر والا کپڑا پہنے ہوئے ہے اور اس پر دوسرا کپڑا پہن لیا کہ تصویر چھپ گئی تو اب نماز مکروہ نہ ہوگی۔[3150]

مسئلہ: جس جگہ سجدہ کیا جائے اس جگہ فرش پر اگر تصویر بنی ہوئی ہے یا مصلیٰ یا قالین پر تصویر چھپی ہوئی ہے اور تصویر کی جگہ پر سجدہ واقع ہو تو بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔[3151]

مسئلہ: اگر تصویر ذلت کی جگہ ہو، مثلاً جوتیاں اُتارنے کی جگہ یا اور کسی جگہ فرش پر کہ لوگ اسے روندتے ہوں یا تکیے پر کہ زانو وغیرہ کے نیچے رکھا جاتا ہو، تو ایسی تصویر مکان میں ہونے سے کراہت نہیں، نہ اس سے نماز میں کراہت آئے، جب کہ سجدہ اس پر نہ ہو۔[3152]

3147 (فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۵۱)

3148 (فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۱۷)

3149 (عامہ کتب، بہار شریعت ج۳ص۱۶۸، فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۴۴۸)

3150 (ردالمحتار، بہار شریعت ج۳ص۱۶۹)

3151 (بہار شریعت ج۳ص۱۶۸، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۴۸)

3152 ('الدر المختار''، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، ج۲، ص۵۰۳، وغیرہ.)(درمختار وغیرہ)

مسئلہ: اگر عینک کا حلقہ اور قیمیں سونے یا چاندی کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے۔ ایسی عینک پہن کر نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے اور اگر عینک کا حلقہ اور قیمیں تانبے یا دھات کی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت اس عینک کو اتار دے، ورنہ نماز خلاف اولیٰ اور کراہت سے خالی نہیں۔[3153]

مسئلہ: امام کا مقتدیوں سے تین گرہ جتنا بلند مقام پر تنہا کھڑا ہونے سے بھی نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔[3154]

مسئلہ: مقتدی نے جماعت ہونے کی جلدی میں صف کے پیچھے ہی "اللہ اکبر" کہہ کر پھر صف میں داخل ہوا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوئی۔[3155]

مسئلہ: نماز میں بالقصد جماہی لینا مکروہ تحریمی ہے اور اگر خود بخود جماہی آئی تو حرج نہیں مگر حتی الامکان جماہی روکے۔ جماہی روکنا مستحب ہے۔[3156]

مسئلہ: نماز کی حالت میں ناک اور منہ کو چھپانا یعنی ناک اور چہرہ کو کسی کپڑے یا کسی چیز سے چھپانا کہ ناک اور چہرہ نظر نہ آئے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔[3157]

مسئلہ: اُلٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے، مثلاً رکوع و سجود میں پیٹھ سیدھی نہ کرنا، یوہیں قومہ اور جلسہ میں سیدھے ہونے سے پہلے سجدہ کو چلا جانا، قیام کے علاوہ اور کسی

3153 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۴۲۷)

3154 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۴۱۵)

3155 (عالمگیری، بہار شریعت ج۳ ص۱۷۰)

3156 (مراقی الفلاح، بہار شریعت ج۳ ص۱۶۳)

3157 (درمختار، عالمگیری، بہار شریعت ص۱۶۷، مومن کی نماز ص۱۷۴)

موقع پر قرآن مجید پڑھنا، یار کوع میں قراءت ختم کرنا، امام سے پہلے مقتدی کا رکوع و سجود وغیرہ میں جانا یا اس سے پہلے سر اٹھانا۔[3158]

مسئلہ: قیام کے علاوہ اور کسی موقع پر قرآن مجید پڑھنا یا رکوع میں قراءت ختم کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔[3159]

مسئلہ: مقتدی کا امام سے رکوع یا سجدہ میں جانا یا امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھانا مکروہ تحریمی ہے۔[3160]

مسئلہ: مرد کا سجدہ میں ہاتھ کلائیوں کو زمین پر بچھانا مکروہ تحریمی ہے۔[3161]

مسئلہ: جن چیزوں کا پہننا شرعاً ناجائز ہے ان کو پہن کو نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے مثلاً مرد کو چاندی کی صرف ایک انگشتری (انگوٹھی) جو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی اور صرف ایک نگ کی جائز ہے۔ اگر کسی مرد نے چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی ، یا ایک سے زیادہ نگ کی، اس طرح سونے کی انگوٹھی یا سونے یا چاندی کی زنجیر پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ اس طرح مرد نے زنانی وضع کی یا عورت نے مردانہ وضع کے کپڑے پہن کر نماز پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مذہب صحیح پر ناجائز کپڑا پہن کر نماز مکروہ تحریمی کہ اسے اتار کر پھر اعادہ کیا جائے۔[3162]

3158 (غنیہ، عالمگیری، بہار شریعت ج۳ ص ۱۷۰، مومن کی نماز ص ۱۷۴)

3159 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۱۳۴)

3160 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۱۳۴)

3161 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص ۱۳۴)

3162 (فتاویٰ رضویہ ج۹، ص ۵۶ جز اول)

مسئلہ: جماعت سے نماز پڑھتے وقت امام کے برابر (تین) مقتدیوں کے کھڑے ہونے سے امام اور مقتدیوں سب کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی۔[3163]

الباب السابع فی بیان المباحات

نماز کے آٹھ ابواب میں سے یہ ساتواں باب ہے (فی بیان المباحات) جو (نماز کے) مباحات کے بیان میں ہے۔ مباح اسے کہا جاتا ہے جس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو (و ھی احدعشر) اور یہ گیارہ ہیں۔ ان مباحات میں بعض عام ہیں اور بعض خاص۔ (العام ثمانیة) جو مباحات عام ہیں ان کی تعداد آٹھ ہے (نظرۃ بموق عینیه) نمازی کا آنکھوں کے گوشوں کے ساتھ دیکھنا مباح ہے نہ کہ پوری آنکھوں سے کیونکہ پوری آنکھ سے دیکھنا بغیر چہرہ پھیرے متصور نہیں ہوتا اور بعض (تھوڑا) چہرہ پھیرنے سے دیکھنا مکروہ ہے نہ کہ مباح۔

واؤ کے ساتھ مُوق اس طرف کو کہا جاتا ہے جو ناک کی طرف ہو اور میم کے بعد ھمزۃ کے ساتھ مؤق اس طرف کو کہا جاتا ہے جو کان کی جانب ہو۔ (بلاتحویل وجھه) پورا یا تھوڑا سا چہرہ پھیرنے کے بغیر نظر کرنا مباح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم دائیں بائیں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف گردن پھیرے بغیر نظر فرماتے تھے اور چہرے کو تھوڑا سا پھیرتے ہوئے نظر مکروہ ہے اور پورا چہرہ پھیرتے ہوئے نظر کرنا حرام ہے۔

3163 (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۳۲۳)

(وتسویۃ موضع سجودہ) اور نمازی کے لئے سجدے کی جگہ کو ایک ہاتھ کے ساتھ برابر کرنا مباح ہے چاہے سجدے کی جگہ ہو یا گھٹنوں کی جگہ ہو، یا قدموں کی جگہ۔

(مرأۃ او مرّتین) ایک دفعہ برابر کی جائے یا دو دفعہ روایت، مغنی اور کافی میں کہا گیا ہے کہ جائے مذکورہ کو صرف ایک دفعہ برابر کیا جائے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: یا ابا ذر فسویہ مرۃ و الافذر ای (اے ابو ذر (رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ برابر کرو اور پھر چھوڑ دو) چھوڑ دے اور دوسرے راوی نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ: یا ابا ذر فسویہ مرۃ او مرتین و الافذر۔

(للعذر) اور یہ برابر کرنا عذر کی وجہ سے مباح ہے جیسے چھوٹی کنکریوں کی وجہ سے سجدے پر قادر نہ ہو یا اس طرح کی کوئی دوسری چیز سجدے کی جگہ پر پڑی ہو، یہ مکروہ اس لئے نہیں کہ اس میں نماز کی اصلاح ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ایک ہاتھ کے ساتھ برابر کرنا مباح ہے تو یہ اس لئے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ برابر کرنا مفسدِ نماز ہے۔

(وقتل الحیۃ المطلقۃ) اور نمازی کو نماز کی حالت میں مطلق سانپ کو مارنا مباح ہے چاہے سیاہ ہو یا سفید، زرد ہو یا سرخ، یا اس کے علاوہ کسی اور رنگ کا ہو سیدھا چلتا ہو یا ٹیڑھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اقتلوا الاسویدین ولو کنتم فی الصلوۃ۔ (مارو ان دو کالی چیزوں کو کہ ان میں سے ایک بچھو ہے اور دوسرا سانپ، اگرچہ تم نماز میں ہو)۔ اور اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہے یہ حدیث مدینہ منورہ میں بیان فرمائی گئی کیونکہ مدینہ منورہ کے سانپ اور بچھو سیاہ ہوتے تھے، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسودین فرمایا اور

مطلق کی قید سے قول فقیہ ابو جعفر علیہ الرحمۃ سے احتراز ہوا کیونکہ ان کے نزدیک جنی سانپ کا قتل مباح نہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ: **ایاکم عن قتل الحیة البیضا من الجنیة۔** (اپنے آپ کو سفید سانپ کے قتل کرنے سے بچاؤ اس لئے کہ یہ جنیات میں سے ہے) اس میں نماز یا غیر نماز کا فرق نہیں کیا گیا، لہذا نہ نماز کے اندر مارا جاسکتا ہے اور نہ ہی نماز کے باہر، مگر ڈرانے کے وقت جو اسے کہا جاتا ہے کہ **خل طریق المسلمین** (مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ دو) تو اگر سانپ نے راستہ نہ چھوڑا تو قتل کر دیا جائے اور اسی طرح قولِ قیل سے احتراز ہوا کہ سانپ اور بچھو کے مارنے کی عدم کراہیت ایک ایک وار کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بچھو کے مارنے میں ایسا کیا تھا اور ایک رکن میں بہت سے وار کرنا نماز کو توڑ دیتا ہے کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔ قبلہ کی طرف پیٹھ آئے یا نہ آئے اور لاٹھی یا پتھر کی ضرورت پڑے یا نہ پڑے۔ **قلنا** (ہم کہتے ہیں) کہ حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ جنی اور غیر جنی سانپ میں فرق فاسد ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے جنیات سے پکے وعدے لئے ہیں کہ آپ (جنات) میری امت کے لئے سانپوں کی شکل میں ظاہر نہیں ہوں گے اور ان کے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے، تو جب جنات نے اپنا وعدہ توڑا تو ان کا قتل جائز ہوا۔ اور نص مطلق ہے قبلے کی طرف پیٹھ کرنے یا منہ کرنے یا ایک یا کئی وار کرنے میں فرق نہیں کیا ہے پس سانپ اور بچھو کے مارنے میں رخصت ہے جیسا کہ نماز میں وضو ٹوٹ جانے سے اگر جا کر دوبارہ وضو کیا جائے تو رخصت ہے (**مطلقاً**) سانپ اور بچھو کو مارنا مباح ہے چاہے ایک وار کے ساتھ ہو یا بہت سے واروں کے ساتھ اور اس میں منہ قبلے کی طرف ہو یا پھر جائے۔

اثمارالہدایہ میں ہے کہ نماز میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے قول کی وجہ سے کہ اسودین یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کرو۔

تشریح: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سانپ اور بچھو کو قتل کرو، اس حدیث کی وجہ یہ ثابت کیا کہ اگر نماز میں کسی موذی جانور سے **ولان فیہ ازالۃ الشغل فاشبہ درء المارّ ویستوی جمیع انواع الحیات ھو الصحیح لاطلاق ماروینا** تکلیف کا خطرہ ہو تو نماز میں ہی اسکو قتل کر سکتا ہے۔ وجہ: سانپ یا بچھو سامنے ہو تو آدمی کا دل اسکی طرف مشغول رہتا ہے اور خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے، اور اسکو مار دیا جائے تو خشوع خضوع باقی رہے گا اسلئے اسکو نماز میں بھی مارنا جائز ہے۔ حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ اقتلوا الاسودین فی الصلوۃ: الحیۃ و العقرب۔[3164]

اس حدیث میں ہے کہ نماز میں بھی سانپ اور بچھو کو مار سکتے ہو۔ اس حدیث میں بھی اسکا ثبوت ہے۔

قالت حفصۃ قال رسول اللہ ﷺ: خمس من الدواب لا حرج علی من قتلھن: الغراب، و الحدأ، و الفأرۃ، و العقرب، و الکلب العقور۔[3165]

اس حدیث میں ہے کہ ان پانچ جانوروں کو حرم میں بھی مارنا جائز ہے، اس لئے نماز میں بھی مارنا جائز ہوگا۔

[3164] (ابو داود شریف، باب العمل فی الصلوۃ، ص ۱۴۱، نمبر ۹۲۱ ترمذی شریف، باب ما جاء فی قتل الاسودین فی الصلوۃ، ص ۱۰۴، نمبر ۳۹۰)

[3165] (بخاری شریف، باب مایقتل المحرم من الدواب، ص ۲۹۵، نمبر ۱۸۲۸ مسلم شریف، باب باب مایندب للمحرم و غیرہ قتلہ من الدواب فی الحل و الحرم، ص ۴۹۸، نمبر ۲۸۶۱۱۱۹۸)

نوٹ: بعض حضرات نے فرمایا کہ مارنے میں عمل کثیر ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی اسلئے نماز دہرانی ہوگی، اور اگر عمل کثیر نہیں ہوا تو بغیر کراہیت کے نماز ہو جائے گی۔ اور اس لئے کہ سانپ کے موجود رہنے میں مشغولیت ختم ہو جائے گی، اسلئے گزرنے والے کے دور کرنے کے مشابہ ہو گیا۔
تشریح: یہ سانپ کے مارنے کی دلیل عقلی ہے، سانپ مارنے میں نماز کے علاوہ کام کرنا ہے پھر بھی وہ جائز اس لئے ہے کہ جس طرح سامنے سے کوئی گزر رہا ہو تو نمازی کا دل اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسلئے حکم یہ ہے کہ اسکو اشارہ کر کے سجدے کی جگہ سے دور کرے اسی پر قیاس کر کے سانپ بچھو سامنے ہو تو اسکو مارے اور دور کرے تاکہ نمازی کا دل اسکی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس بارے میں تمام سانپ برابر ہیں یہی صحیح ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔ حدیث میں مطلق سانپ مارنے کا حکم ہے اسلئے چاہے سفید سانپ ہو چاہے کالا سب کو نماز میں مارنا جائز ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سفید سانپ جو پتلا ہوتا ہے اور گھروں میں رہتا ہے وہ اصل میں جنات ہے۔ اسلئے اسکو نماز میں مارنا جائز نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث مطلق ہے اسلئے تمام سانپوں کو مارنا جائز ہے۔

(وان احتاج الی المعالجة) اگرچہ کہ سانپ کو مارنے کے لئے نمازی کسی چیز کا محتاج ہو جیسے لاٹھی یا پتھر کو اٹھانا یا تین قدم لینا یا تین وار کرنا وغیرہ اور یہ نص کے اطلاق کی وجہ سے ہے۔

سانپوں کی اقسام کا بیان: ابن خالویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سانپوں کی دو سو اقسام ہیں ان میں سے بعض کا نام یہ ہے۔

ا۔شجاع:یہ بہت بڑاسانپ جوکہ دم پہ کھڑاہوتاہےاورانسان پرچھلانگ لگاتاہے۔وربمابلغت رأس الفارس یعنی کئی دفعہ سوار شخص کے سر تک پہنچ جاتاہے۔اور حدیث پاک میں اس سانپ کاذکر آچکاہے۔

جیساکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

مامن رجل لایؤدی زکوۃ مالہ الامثل لہ یوم القیامۃ شجاعااقرع لہ زبیبتان یفرمنہ وھویتبعہ حتیٰ یطوقہ فی عنقہ۔

اوراس سانپ کامنہ جھاگ سے بھراہوتاہے۔اوراس کاسر گنجاہوتاہے۔اور جھاگ کازیادہ ہونا زہر کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

۲۔عاصہ:یہ ایک ایسی قسم کاسانپ ہے جب یہ انسان کوکاٹتاہے تواس کاکوئی دم علاج وغیرہ بھی نہیں ہے اوروہ انسان مر جاتاہے۔

۳۔تنین:ھوحیۃ طویلۃ احمرالعینین مثل الدم واسع الفم والجوف یبتلع کثیرامن الحیوان واذاتحرک فی البحریموج البحر لشدۃقوتہ۔

یعنی یہ ایساسانپ ہے جوبہت لمباہےاوراس کی آنکھیں خون کی طرح لال ہوتی ہیں کشادہ منہ اورکشادہ پیٹ والاہوتاہےاوربہت سے حیوانات کونگل لیتاہےاورجب یہ سمندرمیں حرکت کرتاہےتوسمندراس کی زیادہ قوت کے باعث موجیں مارتاہے۔اوراس تنین سانپ کاذکرحدیث مبارکہ میں بھی آچکاہے۔

روی عن ابی شیبۃ عن ابی سعیدالخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ قال یسلط اللہ تعالیٰ علی الکافرفی قبرہ تسعۃ وتسعین تنیناتنھشہ وتلدغہ حتی تقوم الساعۃ لوان تنینامنھانفخ علی الارض مانبت خضراء۔

۴۔ملکہ:یہ مچھلی کی شکل میں ہوتا ہے اور ایک بالشت لمباہوتا ہے اور اس کے سر پر تاج کی طرح سفید سفید نشان ہوتا ہے اور یہ سانپ جس جگہ سے گزر جاتا ہے اس پر سبزہ نہیں اگتا۔اور اگر ہوامیں کوئی پرندہ اس کے سر کے اوپر سے گرز جائے تو وہ مر جاتا ہے۔

۵۔رقشاء:اوراس سانپ پر کالے اور سفید نشان ہوتے ہیں اور یہ بہت خطرناک قسم کاسانپ ہوتا ہے۔

٦۔ازب:یہ بہت زہریلا قسم کاسانپ ہوتا ہے اوراس پر بال بھی ہوتے ہیں۔

۷۔عربد:یہ بہت بڑاسانپ ہے اوراس کی خوراک باقی سانپوں کو کھاناہے۔

۸۔اصلہ:حية وجهه كوجه الانسان وهوعظيم جداويقال انهاتصيركذلك اذامرعليهاالف سنةمن العمر۔

یعنی یہ ایساسانپ ہے جس کامنہ انسانی شکل کی طرح ہوتاہے اور یہ بہت بڑاسانپ ہوتاہے اور علماء فرماتے ہیں کہ اس کی یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کی عمر ہزار سال سے اوپر ہو جائے۔

۹۔فاعوس:یہ بہت خطرناک قسم کاسانپ ہوتا ہے۔

۱۰۔موذی:یہ بہت بڑاسانپ ہے اگر اس کی آواز انسان سن لے تو انسان مر جاتا ہے۔

۱۱۔مکلۃ:یہ ایساسانپ ہے کہ جس جگہ سے یہ گزر جاتا ہے وہاں سبزہ نہیں اگتااور سبز پوداخشک ہو جاتاہے۔جب بھی کوئی پرندہ اس کے سر کے برابر ہو جائے تو وہ گر جاتاہے۔جب اس کی نظر کسی جاندار پر پڑتی ہے تو وہ جاندار مر جاتاہے۔دریائے چین میں ایک جزیرہ ہے جس میں بہت بڑے بڑے سانپ ہیں ۔ربماتبتلع الجاموس والفیل۔کئی دفعہ بھینس اور ہاتھی کو نگل لیتاہے اوراس

کے بعد درخت سے گولائی میں لپٹ جاتاہے اوراپنے پیٹ میں وجو دہاتھی اور بھینس کی ہڈیوں کوتوڑتاہے یہاں تک کہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

۱۲۔ناظرہ:اس سانپ کوناظرہ اس لیے کہاجاتاہے جب یہ کسی جاندار کودیکھ لیتاہے تووہ جاندار مر جاتاہے۔

۱۳۔سالخ:اس کوسالخ اس لئے کہاجاتاہے کہ یہ ہر سال اپنی کھال بدلتاہے۔

۱۴۔رقش:امام قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتےہیں کہ یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے اوراس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔جب بھی یہ سانپ سوتاہے تواس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور جب یہ اندھاہو جائے توخود بخود ٹھیک ہو جاتاہے اور یہ سردی کے چارماہ زمین میں گزارتاہے۔

۱۵۔ہاریہ:یہ بہت زہریلا قسم کاسانپ ہے اوراس کا کوئی دم نہیں ہے کیونکہ جب بھی یہ کسی کوکاٹتاہے توفوراًموت واقع ہوجاتی ہے۔جیسے کہ عرب لوگ کہتےہیں **ھی التی یموت لدیغھامن ساعتہ۔**

۱۶۔ایم:یہ ایک ایساسانپ ہے جس کے حالات مجھے معلوم نہیں۔

۱۷۔سرکلو:یہ بہت ظالم قسم کاسانپ ہےجب بھی یہ انسان وغیرہ کوپھونک مارتاہے تواسے آگ لگ جاتی ہے اوروہ جل جاتاہے۔

۱۸۔لال کلو:یہ بہت خطرناک قسم کاسانپ ہوتاہے۔

۱۹۔آفی مار:یہ بہت خطرناک قسم کاسانپ ہے۔

۲۰۔دافی:۲۱۔تورمار:۲۲۔تیرمار:۲۳۔شاہ مار:۲۴۔لال گیر:۲۵۔دربستم مار۔

۲۶۔ کیمچ مار: یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے۔ جس کا سر غصے کے وقت چوڑا ہوتا ہے جب بھی انسان وغیرہ کو کاٹ لے تو وہ مر جاتا ہے الا ماشاء اللہ۔

۲۷۔ افعیٰ مار: یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے۔اس کی گردن پتلی اور سر چوڑا ہوتا ہے اور اکثر یہ کالے رنگ کا ہوتا ہے اور یہ اکثر انسان وغیرہ پر چھلانگ لگاتا ہے۔اور سانپوں کی اس قسم میں مزید خطرناک قسم کے سانپ ہوتے ہیں اور وہ سجستان کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔

۲۸۔ ثعبان: یہ انسان کو زندہ نگل لیتا ہے۔

۲۹۔ جان: یہ چھوٹا سفید رنگ کا سانپ ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تین نام ذکر فرمائے ہیں۔

جیسے کہ ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا۔النمل ۱۰۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ فی موضع اخر فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى۔طه ۲۰

وقال اللّٰہ تعالیٰ فی موضع اخر فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ۔اعراف ۱۰۷

الحاصل:

فلما القی موسیٰ العصا صارت جانا فی الابتداء۔ جان چھوٹا اور تیز سانپ ہوتا ہے۔

ثم صارت ثعبانا فی الانتهاء ویقال وصف اللّٰہ تعالیٰ العصا بثلثة اوصاف بالحية و الجان و الثعبان لانها كانت كالحية لعدوها و كالثعبان لابتلاء و كالجان لتحركها و سرعتها۔

۳۰۔ سلیم: یہ ایسا سانپ ہے کہ جس کا کوئی دم بھی نہیں ہے۔

۳۱۔ابتر:ھو قصیر الذنب۔نضربن شمیل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی دم چھوٹی اورآنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب بھی یہ سانپ کسی حاملہ خاتون کو دیکھتاہے تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔

۳۲۔پالن مار۔۳۳۔بوسہ مار ۔ ۳۴۔ لعلوسرمار۔ ۳۵۔سارغسرمار ۔ ۳۶۔ہرچندمار۔ ۳۷۔برچندمار۔ ۳۸۔نکامار۔ ۳۹۔کادھین مار۔۴۰۔موشا مار۔۴۱۔پشامار۔۴۲۔چھمہ مار۔۴۳۔ کمچین مار۔۴۴۔خامادین مار۔۴۵۔تیرسنے مار۔۴۶۔خاک مار ۔ ۴۷۔خاکین مار۔۴۸۔بادمار۔۴۹۔بادین مار۔۵۰۔خودمار۔۵۱۔خودیامار۔۵۲۔مادی بادشاہ مار۔۵۳۔مادی وزیرمار۔۵۴۔زندہ سرمار۔

۵۵۔الحبوت۔اسم لحیۃ خبیثۃ۔یہ بہت خطرناک قسم کا سانپ ہے۔

۵۶۔الحضب:حیۃ دقیقۃ ۔وقیل ابیض من الحیات۔یعنی یہ باریک قسم کا سانپ ہوتا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ یہ سفید رنگ کا سانپ ہوتا ہے۔

۵۷۔الحنش:یہ بھی عجیب وغریب قسم کا سانپ ہوتا ہے۔

۵۸۔الحریس:یہ بھی ایک قسم کا سانپ ہے۔

۵۹۔الحباب:یہ بھی ایک سانپ کا نام ہے۔

۶۰۔قترہ:یہ بھی ایک قسم کا سانپ ہے جس کو کاٹ لے وہ زندہ نہیں بچتا۔

۶۱۔ارقم:الحیۃالتی فیھابیاض وسوادوقیل الارقم الحیۃالتی فیھاحمرۃوسواد۔

یہ ایسا سانپ ہے جو کہ کالا اور سفید ہوتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ سرخ اور کالا ہوتا ہے۔

۶۲۔ثعبان: حیۃ عظیم الھیئۃ ذو شکل حائل و منظر محاب۔

ابن سینا فرماتے ہیں کہ اس میں سب سے چھوٹا سانپ پانچ گز لمبا اور سب سے بڑا سانپ تیس گز لمبا ہوتا ہے اور اس کی آنکھیں بہت بڑی ہوتی ہیں اور ٹھوڑی کے نیچے بال ہوتے ہیں۔

(و امساکہ فی فمہ دراھم او دنانیر) اور نمازی کا اپنے منہ میں درہم (یعنی روپے) یا اشرفیوں کا یا ان کی مثل کسی چیز کا رکھنا مباح ہے۔

(بحیث لا یمنعہ عن سنۃ القراءۃ) ان درہم اور دینار کا اس طرح رکھنا مباح ہے کہ وہ قرأت مسنونہ (ترتیل قرأت) میں رکاوٹ نہ بنیں اور طریقۂ مسنونہ کی قرأت سے منع کرنے کی وجہ سے قید لا یمنعہ کے ساتھ امساک سے احتراز کیا اور قرأت مسنونہ کے طریقہ میں رکاوٹ ڈالے تو ایسا امساک مکروہ ہے اور امتناع نفس نماز سے نماز کا مقصود ہے۔ (او فی یدہ مالا یمنع عن سنۃ الاعتماد) یا کوئی ایسی چیز ہاتھوں میں اس طرح رکھنا کہ وہ طریقہ مسنونہ کے ساتھ ہاتھوں کے باندھنے کانوں تک اٹھانے رکوع سجود اور قاعدے میں رکاوٹ نہ بنے تو اس طرح مباح ہے جیسا کہ سنتوں اور مستحبات کے باب میں گزر چکا ہے۔ (و قراءۃ القرآن تالیف) اور لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق قرآن عظیم الشان کا پڑھنا مباح ہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الحمد سے والناس تک اسی ترتیب کے ساتھ قرآن عظیم الشان کو مدون کیا ہے تو الحمد کے بعد نمازی کی مرضی ہے کہ اس الحمد کے ساتھ سورہ بقرہ کو پیوست کرتا ہے یا کوئی دوسری سورت ضم کرتا ہے اور تالیف الف ممدوہ کے ساتھ واؤ مقصورہ کے ساتھ قرآن عظیم الشان کا اس ترتیب کے ساتھ پڑھنا ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ قرآن عظیم الشان ہے کہ نماز میں ابتدائے قرآن کے ساتھ شروع کرے کچھ ایک نماز میں پڑھے اور کچھ دوسری نماز میں آخر تک اس

عبارت میں مصنف علیہ الرحمۃ کا وہم کو دفع کی طرف اشارہ ہے وہم یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صالحین اور حفاظ تو فرائض میں قرأت اس ترتیب کے ساتھ کرتے تھے کہ بعض ایک وقت کے فرائض میں اور بعض دوسرے وقت کے فرائض میں آخر تک۔ اس میں باقی قرآن عظیم الشان کے چھوڑنے سے احتراز ہے تو قرآن کا تالیف کے ساتھ پڑھنا واجب ہونا چاہیئے جبکہ حکم ایسا نہیں ہے تو مصنف علیہ الرحمہ نے اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ قراءة القرآن علی التالیف۔ ترجمہ: قرأت قرآن ترتیب کے ساتھ۔

فان قیل۔ جب قرآن عظیم کا پڑھنا علی التالیف مباح ہے تو بعد والی سورت کی تقدیم مکروہ نہیں ہونی چاہیے۔ قلنا۔ بعدوالی سورت کو مقدم کرنے میں قرآن عظیم الشان کا عکس لازم ہوتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے کہ من قرء القرآن معکوسا القی فی النار معکوسا۔ ترجمہ: جو شخص قرآن عظیم الشان کو الٹا پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو الٹا دوزخ میں ڈالے گا۔

(ونفض الثوب کیلا یلصق بجسدہ فی الرکوع) اور رکوع سے اٹھتے ہوئے کپڑوں کا جھاڑنا مباح ہے اس لئے تاکہ رکوع یا سجدے سے اٹھنے پر کپڑے جسم کے ساتھ چپک نہ جائیں چاہے کپڑے گیلے ہوں یا خشک رکوع میں ہوں یا کہ دیگر احوال نماز میں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پسینہ مبارک بہتا رہتا تھا اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سجدے سے اٹھتے تو کپڑوں کو جھاڑ لیتے۔ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے رکوع کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ الصاق غالباً رکوع میں متحقق ہوتا ہے۔ (وقراءة اخر سورة فی رکعة) اور پہلی رکعت میں ایک سورت کا آخری یا درمیانی حصہ پڑھنا مباح ہے۔ (وآخر اخری فی اخری) اور دوسری

رکعت میں دوسری سورت کا آخری یادرمیانی حصہ پڑھنامباح ہے۔ (علی الصحیح) یہ صحیح روایت ہے جیسے محیط ،جامع الصغیر،خانی اور خلاصۃ الفتاویٰ میں روایت ہےاور بعض مشائخ کی روایت سے احتراز کیا گیاہے۔ یہ حضرات فرماتےہیں کہ دو رکعتوں میں دوسورتوں کے آخری حصوں کوپڑھنامکروہ ہے کیونکہ اس میں نظم قرآن کا تغیر ہےاور فرائض کی ایک رکعت میں پوری سورت کے پڑھنے سے اختلاف سے بچ جاتاہےاورجب ایک سورت شروع کرلی توپھر دوسری سورتوں کو شروع کرناامر مرجح ہوا۔ لہذامشروع فیہ کوترک کرنابہتر نہیں تاکہ اعراض وترجیح لازم نہ ہوالبتہ عذر کی حالت میں مکروہ نہیں ہے۔ (والخاص ثلثة) اورخاص مباحات تین ہیں۔(تکرارالسورة فی رکعة واحدة فی التطوع) سنتوں اورنوافل کی ایک رکعت یادونوں رکعت میں سورت کا تکرار کرنامباح ہے قید تطوع سے فرائض اورواجب سے احتراز کیاگیاہے کیونکہ فرائض اورواجب میں سورت کا تکرار کرنا مکروہ ہےاور نوافل میں رعایت ہےاورروایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک آیت صبح تک باربارپڑھتے تھےاوردورکعتوں میں تکرار کرنا مکروہ نہیں ہے چاہے نفل ہوں یافرض۔(والاعتمادبحائط)اوردیوارکے ساتھ جسم یاہاتھوں سے تکیہ لگانامباح ہےاوربعض نسخوں میں ہے کہ (وان یکون معتمداحائطا)اوریہ کہ دیوارکے ساتھ تکیہ لگاہو۔نصب معتمداً کی بناءہے خبریت یکون پر۔اورنصب حائطاً کی بناء ہے نزع خافظ کے ساتھ جوکہ علی کاکلمہ ہے۔(اواسطوانة)یاستون کے ساتھ۔ بضم الهمزة وسکون السین وضم الطاء المهملة وفتح الواو وبعده الف وبعده نون مفتوح وتاءمکسورة ۔عمود شروع کے بعد قعدے کی طرح اس لئے تکیہ طرح اس لئے تکیہ مکروہ نہیں ہے۔(فی التطوع)نوافل میں مطلقاًعذرکے ساتھ یابغیر عذر کے ساری نمازوں میں اور عذر کی حالت میں فرض نمازمیں بھی بغیر کراہیت کے اجماع کے ساتھ تکیہ لگاناجائز ہے۔

"کافی" میں اس پر تصریح کی گئی ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول۔
(بلاعذر) عذر کے بغیر۔ جواب سوال ہے تقدیر اس کی یہ ہے۔
فان قیل۔ نفل میں تکیہ کی اباحت صرف عذر کے ساتھ ہو گی اور عذر کے بغیر مکروہ ہو گی جبکہ حکم ایسے نہیں ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے ولو بلا عذر کے ساتھ جواب دیا حاصلِ جواب یہ ہے کہ نفل میں تکیہ مطلقاً مباح ہے عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے۔ اور فرض میں فقط عذر کے ساتھ مباح ہے۔
(و لحظة الامام)۔ اور امام کا دیکھنا جوابِ سوال ہے اور تقدیر کی یہ ہے کہ۔ فان قیل۔ تخصیص روایات میں نفی کے ساتھ ماعدیٰ کے حکم میں دلالت کرتی ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول کا و النظر بموق عینیه کہ آنکھوں کے کناروں سے دیکھنا مکروہ ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ و لحظة الامام کہ امام کا دیکھنا مباح ہے۔
(الی من خلفه) اس شخص کو جو امام کے پیچھے کھڑا ہو اس سے مراد مقتدی ہے۔ (شاکًّا) حال کون میں کہ امام کو اپنی نماز میں شک ہو کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری یا چوتھی، یا سجدے کے درمیان کہ یہ پہلا سجدہ ہے یا دوسرا سجدہ۔ (لیقوم ان قام هو) میں اٹھوں بشرطیکہ وہ پیچھے کھڑا شخص اٹھ جائے (و نحوہ) یا میں بیٹھتا ہوں اگر میرا مقتدی بیٹھ جائے۔
اور مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول و النظر بموق عینیه قیدِ اتفاقی ہے نہ کہ احترازی تو جب آنکھوں کے کونوں سے دیکھنا مباح ہوا تو اسی طرح دوسری طرح سے بھی مباح ہے اور قیدِ امام کے ساتھ غیر سے احتراز کیا کہ مسبوقین اور منفردین ہیں تو اگر مسبوقین سلام کے بعد قضاء ماسبق کے لئے اٹھ گئے اور احدہما کو رکعتوں کے شمار میں شک پیدا ہو گیا یا دو منفردین کو نماز کی قدر میں شک ہو

گیا اور شک کرنے والے نے اپنی نماز کی بناء دوسرے کی نماز پر کی تو شک کرنے والے کی نماز فاسد ہوئی۔

الباب الثامن فی بیان المفسدات

یہ آٹھ بابوں میں سے آٹھواں باب ہے۔(في بيان المفسدات) جو نماز کے مفسدات[3166] کے بیان میں ثابت ہے۔(وهي) یہ مفسدات نماز میں جو ہیں (في التحقيق) تحقیق میں نفس الامر میں مفسدات سے رجوع کے بعد جزئیات کے اعتبار سے ہر کُلی سے اپنے کلیات کی طرف (خمسة على العموم) عام نمازیوں پر کل مفسدات پانچ ہیں کہ یہ (عام نمازی) امام، مقتدی، مذکر اور مؤنث ہیں اور عام نمازوں میں کہ یہ (عام نمازیں) فرض، نفل، جہری اور خفی ہیں۔(و الحكم بكلام الناس مطلقا) اور لوگوں کی باتوں کی اس طرح باتیں کرنا مطلقاً نماز کو فاسد کرتا ہے اور کلام اس کو کہا جاتا ہے کہ دو یا تین سے زیادہ حروف کا مرکب ہو یا حروف مبانیہ یا معانیہ سے ایک حرف ہو اگرچہ حرفِ اصل ہو یا حرفِ زائدہ۔ اور مشہور عرف اہلِ لغات میں کلام اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ دو یا اس سے زیادہ حروف کا مرکب ہو جیسا کہ "جلالی" کے مصنف علیہ الرحمۃ نے اس طرح فرمایا ہے کہ: ان ادنى ما يقع عليه اسم لكلام المركب من الحرفين۔(ادنیٰ وہ ہے کہ جسے کلام کہا جاتا ہے وہ مرکبِ کلمہ ہے جو دو حروف سے بنا ہو) اور اسی طرح "کرمانی" میں مذکور ہے کہ: ان تاؤه بحرفين لا

[3166] اور مفسد وہ ہوتا ہے جو اس عمل کو فاسد کرتا ہے جو کہ شروع کیا گیا ہو۔ اور مفسد پر قصداً عمل کرنے سے عذاب کا حکم ہے۔ خطاء اور بھول کی وجہ سے عمل کرنے پر عذاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالی گئی ہے۔ خطاء اور نسیان کے رفع سے رفعِ حکم مراد ہے نہ کہ رفعِ حقیقت۔ اگر رفع سے مراد حقیقتِ رفع خطاء ونسیان کی ہو تو پھر خطاء ونسیان کسی سے واقع نہ ہوتا جبکہ حال یہ ہے کہ لوگوں سے خطاء ونسیان واقع ہوتا ہے لہذا یہ حقیقت سے مجاز کی طرف تجاوز ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولیس علیکم جناح فیما احطاتم بہ۔ یعنی اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا۔ اگر نماز میں قصداً قہقہہ لگایا جائے تو عذاب دیا جائے گا اور اگر سہواً قہقہہ نکل گیا تو عذاب واجب نہیں ہوتا۔

یفسد الصلوۃ عند ابی یوسف علیہ الرحمۃ و ان تاؤہ بثلثۃ احرف یفسد الصلوۃ اتفاقا و الاول ان کان لامر الاخرۃ لا تفسد الصلوۃ و ان کان لامر الدنیا تفسد الصلوۃ۔ (اگر دو حروف کے ساتھ آہ کی جائے تو حضرت امام یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی اور اگر تین حروف سے آہ کی جائے تو نماز اتفاق کے ساتھ فاسد ہو جاتی ہے وہ آہ جو دو حروف کے ساتھ ہو اگر آخرت کے خوف کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر دنیا کے غم کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے)

پہلے قول میں جزع اور وجع کی دلالت کا اظہار ہے اور دوسرے قول میں خشوع کی زیادت ہے۔

اور دلیل عمل میں صریح کی طرح ہے اور صریح، جزع اور فزع نماز کو توڑتی ہے اور جو چیز ان پر دلالت کرتی ہو وہ بھی نماز کو توڑتی ہے۔ ”محیط“ میں کہا گیا ہے کہ کلام صوت (آواز) اور حروف کا مرکب ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ایک دوسرے کے بغیر کلام پر مسمی نہیں کیا جاسکتا۔ کرخی علیہ الرحمۃ اور شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے مذہب میں حصولِ کلام میں صوت شرط نہیں ہے اگر تصحیح حروف موجود ہو اور صوت موجود نہ ہو تو کرخی علیہ الرحمہ اور شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے مذہب میں نماز فاسد ہے اور جمہور فقہاء کے مذہب میں نماز فاسد نہیں اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب میں اگر کلام دو یا تین حروف سے مرکب ہو تو یہ نماز کو توڑ دیتی ہے۔ اور اگر دو حروفِ زائدہ سے یا ایک حرفِ زائدہ اور ایک حرفِ اصلی سے کلام مرکب ہو تو نماز مطلقا فاسد نہیں ہوتی ضرورت کے وقت ہو یا غیر ضرورت، سویا ہو یا جاگتا ہو، قصدا ہو یا سہوا، تھوڑا ہو یا زیادہ، ضرورت کی مثال یہ ہے کہ مقتدی کا اپنے امام کو یہ قول امام کی تیسری یا پانچویں رکعت میں کھڑا ہونے کے وقت کہ **اقعد**۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ خطا اور نسیان میں اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے: **رفع عن امتی الخطاء**

والنسيان و ما اكرهه عليه ولنا قوله عليه الصلوة والسلام إنَّ صلاتَنا هذِهِ لا يصلحُ فيها شيءٌ من كلامِ النّاسِ۔[3167]

یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالی گئی ہے اور وہ کام جو اس پر زبردستی کرایا جائے اور ہمارے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا یہ قول ہے، بتحقیق ہماری نماز بات چیت کا محل ومقام نہیں ہے۔

اور ماروی حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم اخروی پر محمول ہے۔

(**حقيقةً**) کلام حقیقی ہو جیسا کہ زیدٌ کو نمازی کا یہ قول "اِضرِب الباب" یہ ظاہر ہے اور (**او حكماً**) یا کلامِ حکمی، جیسا کہ ایک نمازی کسی موسیٰ نامی شخص کو کہے **وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَامُوسَى (طه ۱۷)** یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، یا یحییٰ نامی شخص کے سامنے ایک کتاب پڑی ہو اور نمازی اس (شخص) کو نماز میں کہے **يَايَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (مريم ۱۲)**، اے یحیٰ کتاب مضبوط تھام" یا جیسے خوشی کی خبر کے وقت "**الحمدلله**" کہنا، یا تعجب کی خبر کے جواب میں "**سبحان الله**" کہنا یا غم کی خبر کے وقت "**انا لله وانا اليه راجعون**" کہنا، یا ایک شخص کشتی میں نماز پڑھ رہا ہو اور اس کا بیٹا زمین پر بیٹھا ہوا ہو اور یہ شخص نماز میں یہ آیت پڑھ لے "**يا بني اركب معنا**" یعنی اے میرے بچے میرے ساتھ سوار ہو جا، یا جیسا کہ ایک شخص کسی نمازی سے پوچھے "**هل مع الله الها اٰخر**" آیا اللہ کے ساتھ دوسرا اللہ ہے؟ اور یہ (جواب میں) کہے "**لا اله الا الله**"، اس طرح سے اور آیتیں اور دعائیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہوں جن میں کسی کو خطاب ہو یا کسی کے ساتھ سوال یا جواب ہو، یا ایک فتح چاہنے والے کو فتح دینے کا ارادہ کرلے۔ فتح میں باتوں کے معنی یہ ہیں کہ

[3167] العيني (۸۵۵هـ)، نخب الافكار ۷/۳۳• البيهقي (۴۵۸هـ)، السنن الصغير للبيهقي ۱/۳۱٦• صحيح•

اگر ایک فتح چاہنے والا یہ کہے کہ اس آیت کے بعد کون سی آیت ہے، تو فاتح اس سے کہے جب تم اس آیت کو پہنچ جاؤ تو اس کے بعد فلاں آیت ہے، اضطراب اور حیرانگی مت کرو، چونکہ صریح کلام مفسدِ نماز ہے۔ تو دلالتِ کلام بھی نماز توڑتی ہے چونکہ فتح تعلیم و تعلم ہے، اور یہ نماز کے منافی ہے، اور وہ جو مکروہات کے باب میں کہا گیا ہے کہ فاتح اور مستفتح کی نماز فاسد نہیں ہوتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس تو کہتا ہے کہ نماز ٹوٹ جائے گی لیکن قیاس کو یہاں چھوڑا گیا ہے کیونکہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے صبح کی نماز میں سورۃ المؤمن پڑھی لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ایک کلمہ رہ گیا، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سلام پھیرا تو پوچھا کہ تم میں ابھی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جی حاضر ہوں! تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ تم نے مجھے فتح کیوں نہیں دیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے یہ گمان گزرا کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اگر یہ آیت منسوخ ہوتی تو میں تم کو بیان کر دیتا اور یہ دوسرا قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے: **اذا استطعمک الامام فاطعمہ ای اذا استفتحک فافتحہ** (اگر امام آپ سے طعام طلب کرے تو طعام دے دو، یعنی اگر امام فتح طلب کرے تو فتح دے دو)۔ تو فتح خلاف القیاس نص کے ساتھ امام اور مقتدی کی نماز کا مفسد نہ ہوا، غیر مقتدی اور امام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور جب یہ نماز امام اور مقتدی کے درمیان مشترک تھی تو ہر ایک اپنی جگہ نماز کی اصلاح کو محتاج ہوا، تو فتح حکماً اعمالِ نماز سے ہوا۔ اگر نماز کے ساتھ حقیقتاً منافی تھا اور اعمالِ نماز سے اس لئے ہوا کہ اگر یہ مقتدی فتح نہ دے تو ہو سکتا ہے کہ امام کی زبان پر ایک ایسا لفظ آ جائے کہ جس سے نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی

فاسد ہو جائے گی کیونکہ امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا **الامام ضامن** مخالف منفرد کے انفراد کی حالت میں ۔(**والضحک**)ہنسنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، ضحک اس ہنسنے کو کہا جاتا ہے کہ صرف یہ خود سنے اور اس کا ہمسایہ نمازی نہ سنے۔ یہ اس لئے کہ ضحک کلام ہے اور کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اور اگر اس کے ہمسائے نے بھی سنا تو اس قہقہہ سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: **الا من ضحک منکم قهقهة فی الصلوۃ فلیعد الوضوء والصلوۃ جمیعاً۔** یعنی خبر دار آپ میں سے جس نے نماز میں قہقہہ لگایا تو وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے یعنی دہرائے۔ اور اگر یہ ہنسنا نہ تو اس نے خود سنا اور نہ کسی اور نے تو اسے تبسم کہا جاتا ہے۔اس سے نہ وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی نماز۔ اور جب ہنسنا ضحک نماز کو توڑ دیتا ہے تو قہقہہ کرنے سے نماز بطریقِ اولیٰ ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ضحک کے ساتھ تبسم سے احتراز کیا کہ یہ (تبسم) نماز کو نہیں توڑتا (**والعمل الکثیر**) نماز میں عملِ کثیر کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، عمل قلیل سے احتراز کیا کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، پس عمل کثیر کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عرفاً وعادتاً دونوں ہاتھوں کا عمل ہے یعنی جو کام عرف اور عادت میں دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے کرے تو بھی عملِ کثیر ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ایک ہاتھ کے ساتھ پگڑی یا ازار بند (ناڑا) باندھے تو احتیاطاً نماز فاسد ہے اور اگر پگڑی یا ازار بند و دونوں ہاتھوں کے ساتھ کھول دیا تو شرعاً نماز فاسد نہیں ہوتی مگر تکرارِ عمل کے ساتھ اتفاقاً فاسد ہوتی ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اعتبار عمل کے لئے ہے نہ کہ عرف اور عادت کے لئے پہلے میں فساد نہیں اور دوسرے میں فساد ہے **کذافی الخزانة** اور یہ مختار امام فضلی

رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کذا فی الخلاصة۔ اور دونوں پاوں کا بعض عمل دونوں ہاتھوں کے عمل پر معتبر ہوتا ہے تو دونوں پاوں کی حرکت نماز کو توڑتی ہے اور ایک پاؤں کی حرکت ایک رکن میں بغیر تین بار کے نماز کو نہیں توڑتی اور کسی نے کہاہے کہ دونوں پاؤں کا تھوڑا عمل نماز نہیں توڑتا۔ کذا فی الذخیرۃ۔ اور بعض نے کہاہے کہ عملِ کثیر وہ عمل ہے جو نمازیوں کو اپنے نفس میں زیادہ نظر آئے یہ عام مشائخ کا مختار ہے۔

کذا فی الخلاصة و فی الصغیری و هو المختار و فی المضمرات و هو الصحیح و هذه علامات الفتویٰ اور بعض علماء نے کہاہے کہ عملِ کثیر وہ عمل ہے جو نمازیوں کو اپنے نفس میں زیادہ نظر آئے یہ عام مشائخ کا مختار ہے۔

کذا فی الخلاصة و فی الصغیری و هو المختار و فی المضمرات و هو الصحیح و هذه علامات الفتویٰ اور بعض علماء نے کہاہے کہ عملِ کثیر وہ عمل ہے کہ دیکھنے والا یہ گمان کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا کسی نے کہاہے یقین معتبر ہے نماز پر نمازی کا شک اور وہم نماز کی نماز نہیں توڑتا اور اگر نمازی نے نماز میں کسی کو چوم لیا تو نمازی کی نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر ایک رکن میں اپنے آپ کو تین مرتبہ کھجایا تو نماز فاسد ہوگئی اور اگر ایک بار ہو یا دو بار ہاتھ اٹھانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور اگر ہاتھ نہیں اٹھایا تو نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ یہ ایک بار کھجاناہے۔ (بلا اصلاح) کہ یہ عمل کثیر بغیر نماز کی اصلاح سے ہو اور اگر بقصد نماز کی اصلاح سے ہو تو مفسد نہیں ہوتا عملِ کثیر بقصدِ اصلاح نماز معاف ہے۔ جیساکہ امام بے وضو ہو جائے اور دوسرے کو خلیفہ کر دے اور یہ قبلے سے منہ پھیر لے اور جاکر وضو کرے، یا جیساکہ سانپ اور بچھو کو مارنا اور اپنے امام کو لقمہ دینا۔

(والسلام عمدا) اور دوسرا مفسدِ نماز قصداً سلام پھیرنا ہے سلام کے لئے دو شبہے ہیں ایک ذکر کا شبہ اور دوسرا باتوں کا شبہ۔ تو قصداً کلام سے عمل کی وجہ سے مفسدِ نماز ہے، اور نسیان کی حالت میں

ذکر کے شبہ کی وجہ سے مفسد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (وردہ) اور ردِ سلام نماز کو توڑتا ہے چاہے قصداً ہو یا سہواً کیونکہ رد سلام کلام ہے اور کلام مفسدِ نماز ہے۔

(وترک فرض من الفرائض) اور فرائض میں سے کسی فرض کو چھوڑ دینا نماز کو فاسد کرتا ہے چاہے یہ فرض رکن ہو چاہے شرط۔ جیسے کہ قبلے کو منہ کرنا اور ترک کے ساتھ زیادتی سے احتراز کیا گیا اور ایک رکعت سے کم زیادتی پر نماز نہیں ٹوٹتی (بلاعذر) شرط یہ ہے کہ فرض کا ترک بلا عذر ہو اور اگر عذر کی وجہ سے ترک کرے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ عذر کی مثال یہ ہے کہ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کو مرض کی وجہ سے یا مرض کے بڑھنے کے خوف سے ترک کر دے یا جیسے گونگے اور اُمی کا قرأت ترک کرنا یا جیسے خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف رخ کرنے کو ترک کرنا۔(ولو طریءفواته بدون اختیارہ) اگر اس کے اختیار کے بغیر فرض پہلے فوت ہوا ہو جوابِ سوال ہے تقدیر اس کی یہ ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ فرائض کا ترک حالتِ اختیار میں مفسد نماز ہو جائے گا اور غیر اختیاری میں نہیں ہو گا، تو یہ عدم اختیار عذر ہو گا اور حکم ایسے نہیں ہے۔ تو مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ ولو طرء اگر اس کے اختیار کے بغیر فرض پہلے فوت ہوا ہو جیسا کہ نماز میں اس کے اختیار کے بغیر کشفِ عورت ہوا یا جیسے نیند، بے ہوشی، جنوں اور نشہ کے ساتھ وضو ٹوٹ جائے یا جیسے سہو، نسیان اور نیند کی وجہ سے قرأت باقی رہ جائے۔ فان قیل۔ کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول ولو طری الخ فرائض کا ترک ہے تو عبارت میں تکرار لازم ہوا۔ قلنا۔ عدمِ اختیار میں وہم اور عذر کا احتمال تھا تو مصنف علیہ الرحمۃ نے ولو طری الخ کہا حاصلِ جواب یہ ہے کہ عدمِ اختیار عذر نہیں ہے کیونکہ عذر وجودی ہے اور عدمِ اختیار عدمی ہے۔(وتعمد الحدث) اور آخری مفسدِ نماز اپنے آپ کو قصداً قعدہ اخیرہ سے پہلے بے وضو کرنا ہے بقدر تشھد۔ چاہے سبق کے بعد حدث سے ہو، اپنے آپ کو قعدہ اخیرہ میں بے

وضو کرنے سے احتراز کیا قدرِ تشہد کے بعد۔ اور اپنے آپ کو قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد بے وضو کرنا نماز کو پورا کرتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتک ای اذا قلت التشهد و انت قاعد او فعلت هذا ای قعدت قدر التشهد و لم تقل فیها التشهد فقد تمت صلوتک ای فقد قاربت الصلوة الی الاتمام۔

یعنی اگر تم نے یہ کہا یا یہ کیا پس تمہاری نماز پوری ہو گئی یعنی جب آپ نے تشہد کہی اور حال یہ ہے کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور یا آپ نے یہ کیا یعنی آپ تشہد کی مقدار بیٹھے اور آپ نے اس میں تشہد نہیں پڑھی پس آپ کی نماز پوری ہو گئی یعنی آپ کی نماز ختم ہونے کے قریب ہے (ختم نہیں ہوئی کیونکہ نمازی کی صنع باقی ہے اور صنع کے بغیر نماز فاسد ہو جاتی ہے)۔ اور عین اتمام نہیں آیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نماز کا اتمام تشہد کے یا قعدہ کے ساتھ متعلق کیا ہے تو دونوں کا وجود شرط نہ ہوا اور قعدہ اخیرہ اجماع کے ساتھ شرط ہوا تو اجماع کے ساتھ یہ نماز کو پورا کرنے والا ہوا اور تشہد شرط نہیں ہے۔ تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ تشہد کا پڑھنا بغیر قعدہ اخیرہ کے اتمامِ نماز کے لئے اجماع کے ساتھ کافی نہیں ہوتا۔ اور تشہد کے بعد بے وضو ہونا نماز کے پورا کرنے کو واجب نہیں کرتا بلکہ وضو کرے گا اور اپنی نماز کو شروع کرے گا اور دوبارہ پڑھنا بہتر ہے اور امام دوسرے شخص کو اپنی جگہ پر کھینچ کر کھڑا کر دے گا اور یہ خود وضو کرے گا اور اپنی نماز کو شروع کرے گا اور اگر اس کے وضو کرنے بعد اس کا خلیفہ نماز سے فارغ ہو چکا تھا تو پھر اس کی مرضی ہے کہ اپنی پرانی جگہ پر جاتا ہے یا یہیں پر نماز پڑھتا ہے اور اگر فارغ نہیں ہوا تھا تو پہلی والی جگہ پر جائے گا جیسا کہ مقتدی بھی ایسا کرے گا یہ مختار شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور پہلا مختار بعض کا ہے **کذافی المحیط۔**

لیکن جب یہ اپنی جگہ پر آجائے تو پہلے قضاء مافات کرے پھر اپنے خلیفہ کے ساتھ باقی نماز پڑھے کیونکہ یہ لاحق ہے بقدر امام قیام، رکوع اور سجدہ کرے اور امام کا زیادت (اضافہ) اور نقصان کرنا نماز کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کہتا ہے کہ اپنے آپ کو بے وضو کرنا تو بعینہ ترکِ فرض ہے تو تکرار لازم ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس میں وہم کے دفع کی طرف اشارہ اور صبی (یعنی بچے) کا **تعمدِ حدث** یعنی جان بوجھ کر بے وضو ہونا نماز کا مفسد نہیں کیونکہ صبی کے حق میں فرض کا ترک متحقق نہیں ہوتا۔**فان قیل۔** کہ جب صبی کے حق میں وضو کا فرق متحقق نہ ہوا تو صبی کی نماز بغیر وضو کے جائز ہونی چاہیئے، جبکہ حکم ایسا نہیں ہے۔**قلنا۔** کہ وضو نماز کا حق ہے نہ کہ صبی پر اللہ تعالیٰ کا حق، اور صبی کا بغیر وضو کے نماز پڑھنے سے نماز کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

مفسدات نماز کی پہیلیاں

۱۔ کس صورت میں آمین کہنے سے نماز ٹوٹ جائے گی؟

۲۔ آیتِ کریمہ پڑھنے سے نماز خراب ہو جاتی ہے۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۳۔ وہ کون سی نماز ہے کہ جس کے سبب پڑھی ہوئی نمازیں پھر سے پڑھنے پڑیں گی؟

۴۔ فرض نماز پڑھنے کے بعد نمازی نے کون سا ایسا کام کیا کہ اس کی پڑھی ہوئی فرض نماز بے کار ہو گئی؟

۵۔ ایک شخص نے نماز پڑھی اور حقیقت میں نماز کے سارے شرائط و فرائض پائے گئے، مگر اس کے باوجود اس شخص کی نماز بالکل نہیں ہوئی اس کی کیا صورت ہے؟

۶۔ کس صورت میں امام کے ساتھ سلام پھیرنے سے نماز جاتی رہے گی؟

۷۔ کپڑا پاک و صاف ہے مگر اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۸۔ کس صورت میں کھنکھارنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

۹۔ کس صورت میں کھجلانے سے نماز جاتی رہتی ہے؟

۱۰۔ کس صورت میں لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

۱۱۔ کس صورت میں **الحمدللہ** کہنے سے نماز جاتی رہتی ہے؟

۱۲۔ کس طرح سجدہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی؟

۱۳۔ کس طرح سجدہ کرنے سے نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؟

۱۴۔ کس صورت میں عینک لگا کر نماز پڑھنا جائز نہیں؟

۱۵۔ کس طرح تکبیر تحریمہ کہنے سے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی؟

۱۶۔ کس طرح **اللہ اکبر** کہہ کر نماز شروع کرنے سے نماز نہیں ہوتی؟

۱۷۔ کس قسم کی دعا پڑھنے سے نماز خراب ہوتی ہے؟

۱۸۔ کس طرح **اللہ اکبر** کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

۱۹۔ کس صورت میں درود شریف پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

۲۰۔ وہ کون سی صورت ہے کہ مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا تو اس کی نماز بیکار ہو گئی؟

۲۱۔ حالتِ نماز میں سجدۂ تلاوت واجب ہوا مگر سجدہ کرنے سے نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۲۔ امام نے سجدہ کیا تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۳۔ وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی نے چار رکعت فرض کی نیت باندھی اور دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا تو سجدۂ سہو کرنے کے باوجود اس کی فرض نماز نہیں ہوتی؟

۲۴۔ وہ شخص آواز کے ساتھ اس طرح روئے کہ حروف پیدا ہوئے جس کے سبب ایک کی نماز فاسد ہو گئی اور دوسرے کی نہیں ہوئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۵۔ زید قرأت کرتے ہوئے رک گیا آگے نہیں بڑھ سکا تو نماز پڑھانے کے لئے دوسرے کو خلیفہ بنایا اس کی نماز ہو گئی اور بکر نے ایسا ہونے پر دوسرے کو خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۶۔ امام نے غلط پڑھا اور مقتدی نے لقمہ صحیح دیا اور اس کے باوجود مقتدی کی نماز فاسد ہو گئی اور جب امام نے لقمہ لے لیا تو امام اور سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۷۔ کس طرح کلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی؟

۲۸۔ نماز کے اندر ہاں کہا اور نماز نہیں فاسد ہوئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۲۹۔ وہ کون سی صورت ہے کہ امام کو قعدۂ اولیٰ کے کرنے کا خیال نہ رہا مگر مقتدی لقمہ دے گا تو اس کی نماز برباد ہو جائے گی اور جب امام لقمہ لے لے گا تو امام اور مقتدی سب کی نماز خراب ہو جائے گی۔

۳۰۔ وہ کون سی باجماعت نماز ہے کہ عورت اس میں مرد کے محاذ ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ اگرچہ امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو۔

۳۱۔ وہ کون سا مقتدی ہے کہ جس کی اقتداء کے سبب امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

۳۲۔ ایک شخص وضو مکمل غسل اور کپڑے وغیرہ کی طہارت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا مگر اس نے پانی دیکھا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

۳۳۔ قرآن کی آیتِ کریمہ پڑھی مگر کسی کے جواب میں یا غلط لقمہ دینے کے لئے نہیں پڑھی۔ اس کے باوجود نماز فاسد ہو گئی۔ اس کی صورت کیا ہے؟

{جوابات} مفسدات نماز کی پہیلیاں

۱۔ نماز پڑھنے والے کو چھینک آئی تو دوسرے نے **یرحمک اللہ** کہا اس پر چھینکنے والے نے آمین کہا: تو اس صورت میں آمین کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

غنیۃ: ص:۴۱۷: میں ہے:

لو عطس رجل فی الصلوٰۃ فقال لہ اخر یرحمک اللہ فقال المصلی العاطس امین تفسد صلاتہ۔

۲۔ کسی نے پوچھا تیرے پاس کیا کیا مال ہیں؟ تو نماز پڑھنے والے نے جواب میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی: **الخیل و البغال و الحمیر۔** یعنی گھوڑے خچر اور گدھے۔ یا کسی نے پوچھا آپ کہاں سے آئے؟ تو جواب میں اس نے یہ آیت کریمہ پڑھی: **وبئر معطلۃ و قصر مشید۔** یعنی بہت سے کنوئیں جو بیکار پڑے ہیں اور بہت سے محل جو گچ کئے ہوئے ہیں۔ تو اس طرح ان آیات کے پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۱۷: میں ہے:

یفسدھا کل ما قصد بہ الجواب کان قیل ما مالک فقال الخیل و البغال و الحمیر۔ او من این جئت فقال وبئر معطلۃ و قصر مشید۔

۳۔ صاحبِ ترتیب نے اگر قضا نماز کے یاد ہونے اور وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود قضا نہیں پڑھی اور وقتی نمازیں پڑھتا رہا پھر پانچویں نماز پڑھنے سے پہلے قضا پڑھ لی تو اس نماز کے سبب قضا کے بعد پڑھی ہوئی نمازیں پھر سے پڑھنی پڑیں گی۔

ردالمحتار: جلد اول: ص:۴۹۱: میں ہے:

إذا فَاتَتْهُ صلَاةٌ وَلَوْ وِتْرًا فكُلَّمَا صلّى بَعْدَهَا وَقْتِيَةً وَهُوَ ذَاكِرٌ لِتِلْكَ الْفَائِتَةِ فَسَدَتْ تِلْكَ الْوَقْتِيَةُ فَسَادًا مَوْقُوفًا عَلَى قَضَاءِ تِلْكَ الْفَائِتَةِ، فَإِنْ قَضَاهَا قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَهَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ صَارَ الْفَسَادُ بَاتًّا وَانْقَلَبَتْ الصَّلَوَاتُ الَّتِي صَلَّاهَا قَبْلَ قَضَاءِ الْمَقْضِيَّةِ نَفْلًا۔

۴۔ شہر میں کسی نے جمعہ کی نماز ہونے سے پہلے بلا عذر شرعی ظہر کی فرض نماز پڑھ لی تو اگر چہ وہ گنہگار ہوا مگر اس کی نماز ہو گئی۔

جیسا کہ غنیۃ: ص:۵۲۱: میں ہے:

من صلی الظھر یوم الجمعة قبل صلٰوة الامام الجمعة ولا عذر له صحت ظھرہ عندنا وان کان عاصیا ثم اذا بدا له ان یصلی الجمعة بعد ذلک فتوجه الیھا قبل الفراغ منھا بطلت ظھرہ التی صلاھا بمجرد السعی سواء ادرک الجمعة او لم یدرک عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

۵۔ نمازی نے یہ گمان کیا کہ فلاں شرط نہیں پائی جارہی ہے اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ شرط پائی جارہی تھی تو اس صورت میں اس کی نماز بالکل نہ ہوئی جیسا کہ بہارِ شریعت: حصہ سوئم: ص: میں ہے: ’’کسی شخص نے اپنے کو بے وضو گمان کیا اور اسی حالت میں نماز پڑھ لی بعد کو ظاہر ہوا کہ بے وضو نہ تھا نماز نہ ہوئی‘‘ اور ردالمحتار: جلد اول: ص:۲۹۳: میں ہے:

لَوْ صَلّى وَعِنْدَهُ أَنَّهُ مُحْدِثٌ أَوْ أَنَّ ثَوْبَهُ نَجِسٌ أَوْ أَنَّ الْوَقْتَ لَمْ يَدْخُلْ فَبَانَ بِخِلَافِ ذَلِكَ لَا يَجْزِيهِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ لِأَنَّ عِنْدَهُ أَنَّ مَا فَعَلَهُ غَيْرُ جَائِزٍ اھ۔

۶۔ مسبوق یعنی جس کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہیں وہ اگر امام کے ساتھ قصداً سلام پھیرے تو اس کی نماز جاتی رہے گی۔[3168]

[3168](بہارِ شریعت: حصہ چہارم: ص:۵۴)

۷۔ چرایا ہوا کپڑا یا دھوبی وغیرہ کے یہاں بدلا ہوا کپڑا اگر چہ پاک وصاف مگر اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔[3169]

۸۔ کھنکھارنے میں جب کہ دو حرف ظاہر ہوں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے بشرطیکہ کوئی عذر ہو اور نہ کوئی صحیح غرض۔ لہٰذا اگر عذر سے ہو مثلاً طبیعت کا تقاضا ہو یا کسی صحیح غرض کے لئے ہو جیسے آواز صاف کرنے کے لئے امام سے کوئی غلطی ہوگئی ہے اس کے لئے کھنکھارتا ہے کہ درست کرلے یا اس لئے کھنکھارتا ہے کہ دوسرے شخص کو اس کا نماز میں ہونا معلوم ہو جائے تو ان صورتوں میں نماز نہیں ٹوٹے گی۔

جیسا کہ درمختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۱۵: باب مایفسد الصلاۃ میں ہے:

التنحنح بحرفين بلا عذر أَمَّا بِهِ بِأَنْ نَشَأَ مِنْ طَبْعِهِ فَلَا (أَوْ) بِلَا (غَرَضٍ صَحِيحٍ) فَلَوْ لِتَحْسِينِ صَوْتِهِ أَوْ لِيَهْتَدِيَ إمَامُهُ أَوْ لِلْإِعْلَامِ أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ فَلَا فَسَادَ عَلَى الصَّحِيحِ۔

۹۔ ایک رکن میں تین بار کھجلانے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ یعنی اس طرح کہ کھجا کر ہاتھ ہٹا لیا پھر کھجایا پھر ہٹایا اسی طرح تین بار کیا اور اگر ایک مرتبہ ہاتھ رکھ کر کئی بار حرکت دی تو یہ ایک ہی مرتبہ کھجانا کہا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۷) میں ہے:

إذَا حَكَّ ثَلَاثًا فِي رُكْنٍ وَاحِدٍ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ هَذَا إذَا رَفَعَ يَدَهُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَمَّا إذَا لَمْ يَرْفَعْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ فَلَا تَفْسُدُ وَلَوْ كَانَ الْحَكُّ مَرَّةً وَاحِدَةً يُكْرَهُ. كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔

۱۰۔ غلط لقمہ دینے سے لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر امام نے ایسا لقمہ لے لیا تو امام کی اور اسکے ساتھ سب کی نماز خراب ہو جاتی ہے۔[3170]

[3169](فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

[3170](فتاویٰ رضویہ: جلد سوم: ص:۴۱۳)

۱۱۔ خوشی کی خبر سن کر الحمد للہ کہنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۳: میں ہے:

أُخْبِرَ بِمَا يَسُوءُهُ فَاسْتَرْجَعَ أَوْ بِمَا يَسُرُّهُ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالَى وَأَرَادَ بِهِ جَوَابَهُ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ اھ۔ تلخیصا۔

۱۲۔ اس طرح سجدہ کرنا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہیں نماز نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ سجدہ میں کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا فرض ہے۔[3171]

اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۰۰: میں ہے:

وَضْعَ إِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا شَرط۔

۱۳۔ سجدہ کرنے میں اگر ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہیں لگا یا ناک کی ہڈی تک نہ دبی تو ان صورتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔[3172]

۱۴۔ اگر عینک کا فریم سونا چاندی کا ہو یا اس کے سبب سجدہ میں ناک ہڈی تک نہ دبتی ہو تو ان صورتوں میں عینک لگا کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۱۵۔ مقتدی نے اگر تکبیر تحریمہ میں لفظ اللہ امام کے ساتھ کہا اور اکبر کو امام سے پہلے ختم کر دیا تو نماز نہیں ہوگی۔

جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۳۲۲: میں ہے:

لَوْ قَالَ اللّٰهُ مَعَ الْإِمَامِ وَأَكْبَرُ قَبْلَهُ لَمْ يَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ اھ۔ تلخیصا۔

۱۶۔ اگر بطور تعجب اللہ اکبر کہا یا مؤذن کے جواب میں کہا اور اسی تکبیر سے نماز شروع کر دی تو اس طرح اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے سے نماز نہیں ہوتی ہے۔

[3171] (فتاویٰ رضویہ: جلد اول: ص:۵۵۶)

[3172] (فتاویٰ رضویہ: جلد اول: ص:۵۵۶۔ بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:۷۱)

ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:٦٧: پر ہے اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:٣٢٣: میں ہے:

لَوْ أَرَادَ بِتَكْبِيرِهِ التَّعَجُّبَ أَوْ مُتَابَعَةَ الْمُؤَذِّنِ لَمْ يَصِرْ شَارِعًا۔

١٧۔ ایسی دعا کہ جس کا سوال بندوں سے کیا جاسکتا ہے مثلاً: اللهم اطعمنی یا اللهم زوجنی۔ تو اس قسم کی دعا پڑھنے سے نماز خراب ہو جاتی ہے۔

ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:١٥٠: میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:٩٤: میں ہے:

لَوْ دَعَا بِمَا لَا يَسْتَحِيلُ سُؤَالُهُ مِنَ الْعِبَادِ مِثْلِ قَوْلِهِ اللَّهُمَّ أَطْعِمْنِي أَوْ اقْضِ دَيْنِي أَوْ زَوِّجْنِي فَإِنَّهُ يَفْسُدُ۔

١٨۔ لفظ اللہ کو اٰللہ یا اکبر کو اکبار کہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے بلکہ ان کے معانی فاسدہ سمجھ کر قصداً کہنا کفر ہے۔

ایسا ہی بہارِ شریعت: حصہ سوم: ص:٦٧: میں ہے اور در مختار مع شامی: جلد اول: ص:٣٢٣: میں ہے:

إِذْ مَدُّ أَحَدِ الْهَمْزَتَيْنِ مُفْسِدٌ، وَتَعَمُّدُهُ كُفْرٌ وَكَذَا الْبَاءُ فِي الْأَصَحِّ۔

١٩۔ کسی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا مبارک نام سنے تو اس کے جواب میں درود شریف پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول مصری: ص:٩٣: میں ہے:

إِنْ سَمِعَ اسْمَ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَالَ جَوَابًا لَهُ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ۔

۲۰۔امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرنے سے مسبوق کی نماز کے بیکار ہونے کی صورت یہ ہے کہ امام پر سجدۂ سہو واجب تھا مگر اسے سہو ہونا یاد نہ تھا اور اس لئے نماز ختم کرنے کی نیت سے دونوں طرف سلام پھیر دیا اب مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا یہاں تک کہ اس نے سجدہ بھی کر لیا اس کے بعد امام کو سہو ہونا یاد آیا اور ابھی تک اس نے کلام وغیرہ کوئی فعل منافی نماز نہ کیا تھا تو اس نے سجدۂ سہو کیا اور مسبوق اپنی نماز چھوڑ کر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہو گیا تو اس کی نماز بیکار ہو گئی۔

جیسا کہ نور الایضاح و مراقی الفلاح:باب مایفسد الصلوٰۃ میں ہے:

يفسدها متابعة الامام فی سجود السهو لمسبوق اذا تاكد انفراده بان قام بعد سلام الامام وقيد ركعة بسجدة فتذكر الامام سجود سهو فتابعه فسدت صلوته اهـ ملخصا۔

۲۱۔اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص جو نماز میں نہیں تھا اس نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدۂ تلاوت کیا تو ایک نمازی نے اس سے آیت سجدۂ سنی اور تلاوت کرنے والے کے ساتھ بہ نیت اتباع سجدہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔[3173]

۲۲۔امام پر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا مگر اس نے سجدہ کیا اور سب مقتدی نے اس کی اتباع کی تو مسبوق یعنی جن لوگوں کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں ان مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی۔

جیسا کہ فتاویٰ رضویہ:جلد سوم:ص:۶۳۴:میں ہے کہ:

”اگر سجدۂ سہو میں مسبوق اتباع امام کرے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی“۔

اور طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ:ص:۲۵۳:میں ہے:

[3173](بهارِ شريعت:حصه چهارم:ص:۲٦:بحواله غنية وعالمگيری)

لو تابعه المسبوق ثم تبين أن لا سهو عليه إن علم أن لا سهو على إمامه فسدت وإن لم يعلم أنه لم يكن عليه فلا تفسد وهو المختار كذا في المحيط۔

۲۳۔ مسافر جس کو دو رکعت پڑھنا ضروری تھا اس نے چار رکعت فرض کی نیت باندھی اور دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا تو سجدۂ سہو کرنے کے باوجود اس کی فرض نماز نہیں ہوئی۔

جوہرہ نیرہ: جلد اول: ص:۸۶: میں ہے:

ان صلی اربعا ولم یقعد فی الثانیة قدر التشهد بطلت صلٰوته اه تلخیصا۔

۲۴۔ ایک شخص درد اور مصیبت کی وجہ سے رویا اس کی نماز فاسد ہو گئی اور دوسرا جنت یا جہنم کے ذکر سے رویا اس لئے اس کی نماز نہیں فاسد ہوئی۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری: جلد اول: ص:۹۴: میں ہے:

أَوْ بَكَى فَارْتَفَعَ بُكَاؤُهُ فَحَصَلَ لَهُ حُرُوفٌ فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْجَنَّةِ أَوْ النَّارِ فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ فَسَدَتْ صَلَاتُه۔

۲۵۔ زید بقدر واجب قرأت نہیں کر سکا تھا اس حال میں دوسرے کو خلیفہ بنایا تو اس کی نماز ہو گی اور بکر نے سورۂ فاتحہ اور تین چھوٹی آیت کی مقدار پڑھنے کے بعد خلیفہ بنایا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

ایسا ہی شرح وقایہ: جلد اول مجیدی: ص:۱۶۱: میں ہے۔

۲۶۔ جب کہ مقتدی نے دیوار وغیرہ پر لکھے ہوئے قرآن کو دیکھ کر لقمہ دیا تو اس صورت میں صحیح لقمہ دینے کے باوجود اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایسا لقمہ امام نے لیا تو سب کی نماز خراب ہو جائے گی۔

جیسا کہ عمدۃ الرعایہ: حاشیہ شرح وقایہ: جلد اول: ص:۱۶۴: میں ہے:

لو فتح المقتدی امامه آخذا عن المصحف تفسد صلوته و صلوة الامام ایضا ان اخذ فتحه اھ۔

۲۷۔ سر یا ہاتھ کے اشارہ سے کلام کرنے پر نماز نہیں ٹوٹتی ہے۔

جیسا کہ در مختار مع شامی: جلد اول: ص:۴۳۳: پر ہے:

لَا بَأْسَ بِتَكْلِيمِ الْمُصَلِّي وَإِجَابَتِهِ بِرَأْسِهِ كَمَا لَوْ طُلِبَ مِنْهُ شَيْءٌ أَوْ أُرِيَ دِرْهَمًا وَقِيلَ أَجَيِّدٌ فَأَوْمَأَ بِنَعَمْ أَوْ لَا أَوْ قِيلَ كَمْ صَلَّيْتُمْ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنَّهُمْ صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ۔

۲۸۔ جب کہ امام کو سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے مقتدی لقمہ دے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد بیٹھنا گناہ ہے اور گناہ کرنے کے لئے لقمہ دینے سے نماز برباد ہو جاتی ہے۔ پھر امام اگر مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ جائے گا تو کسی کی نماز نہیں ہو گی اس لئے کہ امام اس مقتدی کے بتانے سے لوٹا جو نماز سے خارج ہو گیا تو امام کی نماز باطل ہو جائے گی اور امام کی نماز باطل ہونے کے سبب مقتدیوں کی نماز بھی خراب ہو جائے گی۔

(۱) در مختار شامی: جلد اول: ص:۵۰۰: میں ہے:

إنْ اسْتَقَامَ قَائِمًا (لَا) يَعُودُ لِاشْتِغَالِهِ بِفَرْضِ الْقِيَامِ (وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ) لِتَرْكِ الْوَاجِبِ (فَلَوْ عَادَ إلَى الْقُعُودِ) بَعْدَ ذَلِكَ (تَفْسُدُ صَلَاتُهُ) لِرَفْضِ الْفَرْضِ لِمَا لَيْسَ بِفَرْضٍ وَصَحَّحَهُ الزَّيْلَعِيُّ (وَقِيلَ لَا) تَفْسُدُ لَكِنَّهُ يَكُونُ مُسِيئًا وَيَسْجُدُ لِتَأْخِيرِ الْوَاجِبِ (وَهُوَ الْأَشْبَهُ) كَمَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ وَهُوَ الْحَقُّ بَحْرٌ، اھ۔ ملخصا۔ شامی میں ہے: (قَوْلُهُ لَكِنَّهُ يَكُونُ مُسِيئًا) أَيْ وَيَأْثَمُ كَمَا فِي الْفَتْحِ۔

۳۰۔ وہ نمازِ جنازہ ہے کہ جس میں عورت مرد کے محاذی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی اگرچہ امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو۔

ایسا ہی بہارِ شریعت حصہ چہارم صفحہ:۱۵۶۔ میں ہے، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۵۳ میں ہے:

وَتَفسُدُ صَلَاةُ الْجِنَازَةِ بِمَا تَفسُدُ بِهِ سَائِرُ الصَّلَوَاتِ إِلَّا مُحَاذَاةَ الْمَرْأَةِ كَذَا فِي الزَّاهِدِيِّ۔

۳۱۔ قاری یعنی جو ما یجوز به الصلوٰة قرأت کرتا ہے اگر وہ اقتداء کرے امی کی یعنی جو ما یجوز الصلوٰة قرأت نہیں کرتا تو ایسے مقتدی کی اقتداء کے سبب امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ الاشباہ والنظائر صفحہ ۱٦۸ پر ہے:

اقْتَدٰی قَارِئٌ بِأُمِّيٍّ فَصَلَاتُهُمَا فَاسِدَةٌ۔

۳۲۔ وہ شخص تیمم کرنے والے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس صورت میں جب اس نے پانی دیکھا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

جیسا کہ الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۹۵ میں ہے:

فَقُلْ الْمُقْتَدِي بِإِمَامٍ مُتَيَمِّمٍ إِذَا رَآهُ دُونَ إِمَامِهِ۔

۳۳۔ نماز میں ایسا حدث لاحق ہوا جس سے بنا کر سکتا تھا مگر مسجد سے نکلتے ہوئے اس نے قرآن کی تلاوت کی تو اس صورت میں اگرچہ اس نے کسی کے جواب میں یا غلط لقمہ دینے کے لئے آیتِ کریمہ نہیں پڑھی مگر اس کے باوجود نماز فاسد ہو گئی اب بنا نہیں کر سکتا۔

الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۸۴ میں ہے:

أَيُّ مُصَلٍّ تَفسُدُ صَلَاتُهُ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ؟ فَقُلْ مَنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ. فَقَرَأَ فِي ذَهَابِهِ۔ (بحوالۂ عجائب الفقه)

مسئلہ ضاد وظاد کی تحقیق

ضاد کو ظاء یا مشابہ ظاء کر کے پڑھنا غلط ہے اور اس طرح پڑھنے سے نماز ٹوٹ جائے گی ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے جو نماز پڑھی ہیں اس کا اعادہ واجب ہے۔ قرآن

کریم کے حروف کے ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروی ہے اور تمام حروف کے مخارج جدا جدا معین ہیں۔

عن حذیفۃ قال رسول اللہ ﷺ اقرؤ وا القرآن بلحون العرب۔۔۔[3174]

ایک حرف کو دوسرے حرف کی طرح پڑھنا ناجائز ہے۔ ض اور ظاء دونوں حرف جدا جدا ہیں۔ ان کے مخارج بھی جدا ہیں۔ لہذا جو شخص قصداً یہ جان کر ض کو ظاء پڑھتا ہے کہ قرآن کریم میں اس جگہ یہ حرف اس طرح ہے کافر ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد اجمع المسلمون۔۔۔ من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زاد فیه حرفاً مما لم یشتمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه و اجمع علی انه لیس من القرآن عامداً لکل هذا انه کافر۔

ترجمہ: بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے... کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔[3175]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی المحیط سئل الامام الفضلی ممن یقراء الظآء المعجمة او یقرء اصحاب الجنة مکان اصحاب النار او علی العکس فقال لا تجوز امامة ولو تعمد یکفر۔

[3174] (الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3175] (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: اور محیط میں ہے کہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظاء یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔[3176]

جامع الفصولین میں ہے:

یقراء الظآء الضاد و یقراء کیف شاء اصحاب الجنۃ مکان اصحاب النار لم تجز امامتہ ولو تعمد یکفر۔

ترجمہ: جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔[3177]

منیۃ المصلی میں ہے:

اما اذا قرأ مکان الذال ظاء او مکان الضاد ظاء او علی القلب تفسد الصلوۃ و علیہ اکثر الائمۃ۔

ترجمہ: بہر حال جب ذال کی ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اسی پر اکثر ائمہ کا مسلک ہے۔[3178]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولو قال ولا الضآلین بالظاء بطلت صلاتہ ارجع الوجھین الا ان یعجز عن الضاد بعد التعلم فیعذرہ۔

[3176] (شرح فقہ اکبر ص ۱۶۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
[3177] (جامع الفصولین کلمات کفریہ ص ۳۱۶)
[3178] (منیۃ المصلی ص ۱۱۸)

ترجمہ: جو ولا الضالین کو ظاء کے ساتھ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی زیادہ راجع کی وجہ پر، مگر اس صورت میں کہ تعلیم کے باوجود ضاد کو صحیح ادا کرنے سے عاجز ہے تو پھر معذور سمجھا جائے گا۔[3179]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ولو قرء والعدیت ظبحاً بالظاء تفسد صلاته۔

ترجمہ: اور اگر کوئی وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا (العادیات ۱) کی بجائے ظبحاً ظاء سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔[3180]

نیز اسی فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وکذا لو قرء غیر المغظوب بالظاء او بالذال تفسد صلاته۔

ترجمہ: اور اسی طرح اگر غیر المغضوب کی بجائے غیر المغظوب ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔[3181]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قال القاضی الامام ابو الحسن و القاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فسدت۔

ترجمہ: قاضی امام ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی امام ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر عمداً ضاد کو ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3182]

[3179] (الاذکار المنتخبة من کلام سید الابرار ص ۴۶ مطبوعہ بیروت)
[3180] (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۱)، (کبیری ص ۴۴۹)
[3181] (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۲)، (کبیری ص ۴۴۹)
[3182] (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۹)، (فتاویٰ عالمگیری مترجم امیر علی دیوبندی ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)، (فتاوی بزازیہ ج ۱ ص ۴۲)

مولوی قطب الدین اپنی تفسیر میں تحت آیت وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (التکویر ۲۴) میں لکھتے ہیں:

کہ حرمین شریفین غیرہما اکثر ممالک میں تو سب (ضاد کو) دال مفخم کی طرح پڑھتے ہیں اور دہلی وغیرہ یا اکثر ہند کے ممالک میں بھی پہلے اسی طرح پڑھتے تھے مگر اب ان ایام میں بعض دنیا سازوں نے ظاء کے طور پڑھنے کا فتویٰ دیا جو کہ سراسر غلط ہے ایک مجلس میں بھی اس کی تحقیق کے لئے منعقد ہوئی اکثر وکل قراء کی رائے بطور سابق کے ضاد پڑھنے پر غالب رہی۔[3183]

یہ وہی مولوی ہیں جنہوں نے مظاہر حق لکھی ہے اس پر دیوبندیوں کو اعتماد ہے کیونکہ مولوی محمد اسحاق کے شاگرد ہیں ان سے یہ پتہ چلا کہ اکابر دیوبند بھی ظاء نہیں پڑھتے تھے۔

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:

سوال: خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کوہ لنڈھورہ پرگنینہ ضلع بجبور کا رہنا والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظاء پڑھ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مذین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے۔

جواب: جناب من جیسے بے کی جائے اور دال کی جگہ ذال اور جا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مقام میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر کوئی اسی کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات کہدیتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی

[3183] (جامع التفاسیر ص ۳۶۱)

بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتووں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا اور فتووں کا لکھنا ہر کسی کو نہیں آتا۔[3184]

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

سوال: ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہیئے اور اکثر فقہاء کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

جواب: . . . **فی الجزریة والضاد من حافته اذا لی الاضراس من اسیر ولیناھا۔** جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے اب اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں جیسا بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے اور بعض نے فقہا کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا رہا قاضی خان کی اس جزئی سے **لو قرأ الضالین لا تفسد صلواة ظاء** پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہے۔

وھی ھذا ولو قرأ والعادیات ظبحاً بالظاء تفسد صلواتہ اھ وکذا لو قرا غیر المغضوب علیھم بالظاء اور بالذال تفسد صلواتہ وامثال ذلک من الفروع المتعددۃ۔ واللہ اعلم۔[3185]

رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

یہ قول قاری صاحب کا درست ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گنہگار بھی ہے اور اگر دوسرا لفظ بدل جانے سے معنی بدل گئے تو نماز بھی نہ ہو گی اور اگر

[3184] (تصفیۃ العقائد ص ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[3185] (فتاویٰ امدادیہ ج ۱ ص ۱۲۷ ربیع الاول باب تجوید ۱۳۲۲ھ)

باوجود کوشش سعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا تو معذور ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے اور جو شخص خود صحیح پڑھنے پر قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر جو شخص قصداً دال یا ظاء پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ ہو گی فقط۔[3186]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اصل حرف ضاد ہے اس کو اصل مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی الجواب صحیح عزیز الرحمن۔ خلیل احمد، عنایت الٰہی، محمود، اشرف علی، غلام رسول۔[3187]

عوام جو مخارج اور صفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت کے حرف ضاد کے بجاء ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے مگر جان بوجھ کر باوجود قادر بالفعل ہونے کے ایسا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہمارے زمانہ میں اکثر دیوبندی خصوصاً پنجپیری قصداً ضاد کے بجائے ظاء پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جھگڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔ ان پنجپیری دیوبندیوں کو اپنے مستند عالم مفتی زرولی خان کے اس قول پر عمل کرنا چاہیے۔ مفتی زرولی خان دیوبندی سی ڈی کیسٹ آپ کے مسائل اور ان کا حل میں کہتے ہیں۔

اے قاریو! (جو نماز میں ظاد پڑھتے ہیں) دوسروں کی نمازیں خراب نہ کرو (یعنی اپنی نماز تو ہے ہی خراب مگر دوسری کی نمازیں تو خراب نہ کرو) عرب ظاد کو جانتے تک نہیں۔ اس کے بعد محیط برہانی والی عبارت بیان فرمائی ہے اور ظاد کو بالکل غلط ثابت کیا ہے۔

[3186](فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷)
[3187](فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۱)

ہم بھی ان ضاد کے بجائے ظاد پڑھنے والوں کو یہی کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فساد نہ پھیلاؤ اور مسلمانوں کی نمازیں خراب نہ کرو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھر تم کیوں وضوء، ضرورت، فضل الرحمن، ضیاء الدین، حضور وغیرہ الفاظ کہتے ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہیں اور قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یوسف ۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو۔

یہ عجمی الفاظ ہیں اور اردو زبان میں اس کو ظاء پڑھا جاتا ہے جب کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے لہذا اس کو عجمی طریقہ اور تلفظ کے ساتھ نہیں بلکہ عربی تلفظ اور عربی مخارج کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

آٹھویں باب مفسدات نماز کا لب لباب:

مسئلہ: نماز کی حالت میں کلام (بات) کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ پھر چاہے وہ کلام کرنا عمداً ہو یا خطاً یا سہواً ہو۔ عمداً کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ پھر بھی اس نے جان بوجھ کر کلام کیا۔ خطاً کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو یہ مسئلہ معلوم ہی نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا قرأت وغیرہ اذکار نماز کہنا چاہتا تھا اور غلطی سے زبان سے کوئی جملہ (بات) نکل گیا اور سہواً کلام کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو اپنا نماز میں ہونا یاد نہ رہا ہو اور منہ سے کوئی بات نکال دے۔ الغرض! عمداً، خطاً اور سہواً کسی طرح بھی نماز میں کلام کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3188]

[3188] (در مختار، مومن کی نماز ص ۱۶۰)

مسئلہ: کلام کرنے سے زیادہ یا کم بولنے کا فرق نہیں اور یہ فرق بھی نہیں کہ اس کا کلام بیرون نماز کے امور سے متعلق ہو یا نماز کے متعلق یعنی نماز کی اصلاح کے متعلق ہو۔ مثلاً امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھنا بھول گیا اور تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے امام کو بتانے کی غرض سے کہا "بیٹھ جاؤ" یا صرف "ہو" ہی کہا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو گئی۔[3189]

مسئلہ: نماز میں کسی کو سلام کیا یا کسی کے سلام کا جواب دیا یعنی "**السلام علیکم**" یا "**وعلیکم السلام**" کہا یا صرف "سلام" ہی کہا یا سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو گئی۔[3190]

مسئلہ: چار رکعت والی نماز پڑھ رہا تھا اور دو رکعت والی نماز پڑھ رہا ہوں یہ سمجھ کر دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گئی۔ اس پر بنا بھی جائز ہے۔ از سر نو پڑھے۔[3191]

مسئلہ: کسی کو چھینک آئی اور نمازی نے اس کو جواب دیتے ہوئے "**یرحمک اللہ**" کہا تو نماز فاسد ہو گئی۔[3192]

مسئلہ: نمازی کو حالت نماز میں چھینک آئی تو سکوت کرے۔ اگر "**الحمد للہ**" کہہ لیا تو نماز میں حرج نہیں لیکن حالت نماز میں "**الحمدللہ**" نہ کہے بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حمد کرے۔[3193]

3189 (در مختار، عالمگیری)

3190 (عالمگیری، در مختار)

3191 (عالمگیری، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۴۹)

3192 (عالمگیری، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۴۹)

3193 (عالمگیری)

مسئلہ: خوشی کی خبر سن کر "**الحمدللہ**" کہا یا بری خبر سن کر "**إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرة ۱۵۶)**" کہا تو نماز فاسد ہو گئی۔[3194]

مسئلہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام ذات "**اللہ**" یا دوسرا کوئی صفاتی نام سن کر "**جل جلالہ**" کہا یا حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا اسم شریف سن کر "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم" کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3195]

مسئلہ: نماز میں زبان پر "**نعم**" یا "ارے" یا "ہاں" جاری ہو گیا تو نماز فاسد ہو گئی۔[3196]

مسئلہ: نمازی نے اپنے امام کے سوا کسی دوسرے کو لقمہ دیا تو نماز فاسد ہو گئی اور جس کو لقمہ دیا وہ نماز میں ہو یا نہ ہو یعنی وہ نماز میں قرآن پڑھتا ہو یا بیرون نماز قرآن پڑھتا ہو مثلاً قریب میں بیٹھ کر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور تلاوت میں غلطی کی اور اس کی اس غلطی پر نمازی نے اس کو لقمہ دیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو گئی۔ علاوہ ازیں وہ غلط پڑھنے والا نماز میں چاہے منفرد ہو یا مقتدی ہو یا کسی دوسرے کا امام ہو۔[3197]

مسئلہ: اس طرح مقتدی کے سوا کسی دوسرے کا لقمہ لینا بھی مفسد نماز ہے مثلاً امام نے قراءت میں غلطی کی، یا منفرد نے قراءت میں غلطی کی یا امام نے ارکان نماز میں غلطی کی۔ مثال

3194 (عالمگیری، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۳۰)

3195 (در مختار، ردالمحتار، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰، فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۴۹)

3196 (در مختار)

3197 (در مختار، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۲۶)

کے طور پر ایک رکعت کے بعد قعدہ کرلیا اور اس کی غلطی پر ایسے شخص نے لقمہ دیا جو شریک جماعت نہیں اور امام نے اس کا لقمہ قبول کرلیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3198]

مسئلہ: "آہ"، "اوہ"، "اف"، "تف"، "ہائے" یہ الفاظ درد یا مصیبت و تکلیف کی وجہ سے منہ سے نکلیں یا آواز سے رویا اور رونے میں حروف پیدا ہوئے تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر رونے میں صرف آنسو نکلے اور آواز و حروف نہ نکلے تو حرج نہیں۔ اور اگر خدائے تعالیٰ کے خوف سے رویا اور آواز نکلی تو نماز فاسد نہ ہو گی۔[3199]

"فان أن فيها أو تأوه أو بكى فارتفع بكاؤه فإن كان من ذكر الجنة أو النار لم يقطعها" لأنه يدل على زيادة الخشوع "وإن كان من وجع أو مصيبة قطعها" لأن فيه إظهار الجزع والتأسف فكان من كلام الناس۔[3200]

اگر نماز میں ایک شخص آہ یا اوہ یا ھو کرتا ہے یا روتا ہے اور اس کا رونا بلند ہوتا ہے یعنی حروف خارج یا حاصل ہوتے ہیں اور اگر یہ رونا جنت یا جہنم کی یاد سے حاصل ہوا ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی اس لئے کہ یہ عاجزی اور انکساری کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

"فتاویٰ امجدیہ میں مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں" ذکر جنت و نار پر اگر گریہ طاری ہو اور آہ اُف وغیرہما الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا جب بھی حرج نہیں (در مختار میں ہے):

3198 (در مختار، رد المحتار، فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۲۲۶)

3199 (در مختار)

3200 (الهداية ج ا ص ١٢٠)

"لالذکر جنۃ او نار" (رد المحتار میں ہے) "لان الانین ونحوہ اذا کان بذکرھما صار کانہ قالہ اللّھم انی اسئلک الجنۃ واعوذبک من النار ولو صرح بہ لاتفسد صلوتہ"۔[3201]

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انوار قدسیہ میں آداب الذکر میں فرماتے ہیں:

اما مسلوب الاختیار فھو مع ما یرد علیہ من الاسرار فقد یجری علی لسانہ: اللہ، اللہ، اللہ، او، ھو، ھو، او لا، لا، لا، او آہ، آہ، آہ او عا، عا، عا او آ، آ، آ او ھا، ھا، ھا او صوت بغیر حرف او تخبیط وادبہ عند ذالک التسلیم للوارد فاذا انقضی الوارد فادبہ السکون من غیر تقول۔

(جو کچھ مسلوب الاختیار سالک ہے اپنے اسرار جو ان پر وارد ہوتے ہیں اسے معذور سمجھا جائے گا۔ جب اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جائیں اللہ، اللہ، اللہ کبھی ھو، ھو، ھو کبھی لا، لا، لا کبھی آ، آ، آ کبھی عا، عا، عا کبھی ھا، ھا، ھا اور کبھی بغیر حروف بامعنی کے آواز نکالنا اور کبھی غیر معنی الفاظ کا اس کے زبان سے ادا ہونا۔ تو اس وقت سالک کیلئے ادب یہ ہے کہ اس کا یہ وارد تسلیم کر لیا جائے اور جب وارد ختم ہو جائے پھر اس کے لئے ادب یہ ہے کہ سکون سے اس سے کسی متعلق سوال نہ کیا جائے ۔[3202]

(صاحب فقہ علی مذاھب اربعہ علامہ عبدالرحمن جزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۱ ص ۲۷۱ دارالکتب العلمیۃ) نے (تافیف) یعنی اُف، اُف کرنا باقی کی طرح شمار کیا ہے۔)

اور وجد کبھی ہنسنے کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ امام بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صحیح سند کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے دعا فرمائی:

[3201] (فتاوی امجدیہ: ج: ۱ :ص: ۱۸۱)

[3202] (انوار قدسیہ ج ۲ ص ۳۹)

فَضَحِكَتْ عَائِشَةُ حَتَّى سَقَطَ رَأْسُهَا فِي حِجْرِهَا مِنَ الضَّحِكِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: "أَيَسُرُّكِ دُعَائِي؟" فَقَالَتْ: وَمَا لِي لَا يَسُرُّنِي دُعَاؤُكَ؟ فَقَالَ: "وَاللهِ إِنَّهَا لَدَعْوَتِي لِأُمَّتِي فِي كُلِّ صَلَاةٍ۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی دعائے مبارکہ سے اس قدر تبسم فرمایا کہ آپ کا سر مبارک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دامن اقدس سے مس ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ آپ کو میری دعا سے اس قدر خوشی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جی ہاں! کیوں نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: میں ہر امتی کے لئے ہر نماز کے بعد یہی دعا کرتا ہوں۔[3203]

اس کی مزید تفصیل کیلئے "تحفة الاحباء فی اثبات الوجد والتواجد والرقص والغشی والبکاء" اور اسی طرح "العطایا السیفیة فی الفتاویٰ النقشبندیة" ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: چھینک، کھانسی، جماہی اور ڈکارنے میں جتنے حروف نکلتے ہیں وہ مجبوراً نکلتے ہیں اور مجبوراً نکلنے کی وجہ سے معاف ہیں۔ نماز فاسد نہیں ہوتی۔[3204]

3203 (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج۹ ص ۲۴۳، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج۱۱ ص ۱۷۲، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج۴ ص ۳۹۱)

3204 (درمختار، ردالمحتار، بہار شریعت حصہ ۳ ص ۱۵۰)

مسئلہ: پھونکنے میں اگر آواز پیدا نہ ہو تو وہ مثل سانس کے ہے کہ نماز فاسد نہ ہو گی مگر قصداً پھونکنا مکروہ ہے اور اگر پھونکنے میں دو حروف پیدا ہوئے۔ مثلاً ''اف'' یا ''ہوف'' یا ''تف'' یا ''ہوش'' تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3205]

مسئلہ: کھنکارنے میں اگر دو حروف ظاہر ہوں جیسے ''اح'' یا ''اخ'' یا ''اُح'' تو اگر کوئی عذر نہیں تو عبث کھنکارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر صحیح غرض اور عذر کی وجہ سے کھنکارا مثلاً گلے میں کچھ پھنس گیا ہے یا بلغم آگیا ہے یا آواز صاف کرنے کیلئے یا امام کی غلطی پر اسے متنبہ کرنے کیلئے کھنکارا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔[3206]

مسئلہ: نماز میں دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔[3207]

مسئلہ: مقتدی امام سے آگے کھڑا ہو گیا یا مقتدی نے امام سے پہلے کوئی رکن نماز ادا کر لیا اور پورا رکن امام سے پہلے ادا کر لیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔[3208]

مسئلہ: نماز کی حالت میں دو صف جتنا چلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔[3209]

3205 (غنیہ)

3206 (در مختار، بہار شریعت ج۳ص ۱۵۲، فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۱۰۲)

3207 (در مختار)

3208 (در مختار، ردالمحتار)

3209 (در مختار، بہار شریعت ج۳ص ۱۵۴)

مسئلہ: نماز میں قہقہہ لگانا یعنی اتنی آواز سے ہنسنا کہ قریب والا سن سکے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔[3210]

مسئلہ: اگر نماز میں اتنی پست آواز سے ہنسا کہ خود سنا اور قریب والا نہیں سن سکا تو بھی نماز فاسد ہو گئی البتہ اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔[3211]

مسئلہ: نماز کی حالت میں کھانا پینا مطلقاً نماز فاسد کر دیتا ہے۔ قصداً ہو یا بھول کر۔ تھوڑا ہو یا زیادہ یہاں تک کہ اگر ایک تل بھی بغیر چبائے نگل لیا یا کوئی قطرہ چاہے وہ پانی کا ہی قطرہ ہو، اس کے منہ میں گیا اور اس نے نگل لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3212]

مسئلہ: دانتوں کے اندر کھانے کی کوئی چیز رہ گئی تھی اور حالت نماز میں اس کو نگل گیا تو اگر وہ چیز چنے کی مقدار سے کم ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی البتہ مکروہ ضرور ہو گی اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3213]

مسئلہ: دانتوں سے خون نکلا اور حالت نماز میں اسے نگل لیا تو اگر تھوک غالب ہے تو نگلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی اور اگر خون غالب ہے تو نگلنے سے نماز فاسد نہ ہو گی اور اگر خون غالب

3210 (درمختار، فتاویٰ رضویہ ج ۱ص ۹۲)

3211 (بہار شریعت ج ۳ص ۲۵)

3212 (درمختار، ردالمحتار)

3213 (درمختار، عالمگیری)

ہے تو نگلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ غلبہ کی علامت یہ ہے کہ حلق میں خون کا مزہ محسوس ہو۔ نماز اور روزہ توڑنے میں مزہ کا اعتبار ہے اور وضو توڑنے میں رنگ کا اعتبار ہے۔[3214]

مسئلہ: ایک رکن ادا کرنے کے وقت کی مقدار تک یا تین تسبیح کہنے کے وقت کی مقدار تک ستر عورت کھولے ہوئے یابقدر مانع نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ بلا قصد ہو اور اگر قصداً ستر کھولا تو فوراً نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر چہ فوراً ڈھانک لے۔ اس میں وقفہ کی بھی حاجت نہیں بلکہ ستر کے کھلتے ہی فوراً نماز فاسد ہو جائے گی۔[3215]

مسئلہ: ایسا باریک کپڑا یا تہبند باندھ کر نماز پڑھنا کہ اس سے بدن کی سرخی چمکے (بدن کا رنگ جھلکے) یا اگر اس باریک کپڑے سے ستر کا کوئی عضو اس ہیئت سے نظر آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح عورتوں کا وہ دوپٹہ کہ جس سے سر کے بالوں کی سیاہی چمکے مفسد نماز ہے۔[3216]

مسئلہ: حالت نماز میں تین کلمے (الفاظ) اس طرح لکھے کہ حروف ظاہر ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً ریت یا مٹی پر لکھے اور اگر حروف ظاہر نہ ہوں تو فاسد نہ ہو گی۔ مثلاً پانی پر یا ہوا میں لکھا تو عبث ہے اور نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔[3217]

3214 (در مختار، عالمگیری، فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۳۲ و ۵۲۲)

3215 (در مختار، بہار شریعت ج ۳ ص ۱۵۳، فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۱)

3216 (ردالمحتار، فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۱)

3217 (غنیہ، بہار شریعت ج ۳ ص ۱۵۵)

مسئلہ: سینہ کو قبلہ سے پھیرنا مفسد نماز ہے یعنی سینہ خانہ کعبہ کی خاص جہت سے پینتالیس (۴۵) درجہ ہٹ جائے۔[3218]

مسئلہ: ناپاک جگہ پر بغیر حائل سجدہ کیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ اسی طرح ہاتھ یا گھٹنے سجدہ میں ناپاک جگہ پر رکھے تو نماز فاسد ہوگئی۔[3219]

مسئلہ: تکبیرا ت انتقال میں "**اللہ اکبر**" کے الف کو دراز کیا یعنی "**آللہ اکبر**" یا "**اللہ آکبر**" کہا یا "ب" کے بعد "الف" بڑھایا یعنی "**اللہ اکبار**" کہا یا "**اللہ اکبر**" کی "ر" کو "دال" پڑھا یعنی "**اللہ اکبد**" کہا تو نماز فاسد ہوگئی اور اگر تکبیر تحریمہ کے وقت ایسی غلطی ہوئی تو نماز شروع ہی نہ ہوئی۔[3220]

مسئلہ: نماز میں قرآن مجید پڑھنے میں ایسی غلطی کرنا کہ جس کی وجہ سے فساد معنی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[3221]

مسئلہ: نماز میں عمل کثیر کرنا مفسد نماز ہے عملِ کثیر کہ نہ اعمال نماز سے ہو نہ نماز کی اصلاح کے لیے کیا گیا ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے، عملِ قلیل مفسد نہیں، جس کام کے کرنے والے کو دُور سے

3218 (در مختار، بہار شریعت ج۳ص۱۵۴، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۱۶)

3219 (در مختار، ردالمحتار)

3220 (در مختار، بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۱۲۱و۱۳۶)

3221 (فتاویٰ رضویہ ج۳ص۱۳۵)

دیکھ کر اس کے نماز میں نہ ہونے کا شک نہ رہے، بلکہ گمان غالب ہو کہ نماز میں نہیں تو وہ عملِ کثیر ہے اور اگر دُور سے دیکھنے والے کو شبہہ و شک ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو عملِ قلیل ہے۔[3222]

مسئلہ: حالت نماز میں کرتا یا پاجامہ پہنا یا تہبند باندھا، نماز جاتی رہی۔[3223]

مسئلہ: عملِ قلیل کرنے سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔ عمل قلیل سے مراد یہ ہے کہ ایسا کوئی کام کرنا جو اعمال نماز سے یا نماز کی اصلاح کیلئے نہ ہو اور اس کام کے کرنے والے نمازی کو دیکھ کر دیکھنے والے کو گمان غالب نہ ہو کہ یہ آدمی نماز میں نہیں ہے بلکہ شک وشبہ ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو ایسا کام عمل قلیل ہے۔[3224]

نوٹ: بعض لوگ حالت نماز میں سجدہ میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ اوپر کی طرف کھینچتے ہیں یا قعدہ میں بیٹھتے وقت کرتا یا قمیص کا دامن دونوں ہاتھوں سے سیدھا کر کے بچھاتے ہیں۔ اس حرکت سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ فعل دونوں ہاتھو ں سے کیا جاتا ہے اور عمل کثیر میں شمار ہونے کا امکان ہے لہذا اس سے بچنا لازمی اور ضروری ہے کیونکہ نماز مکروہ تحریمی تو ضرور ہوتی ہے اور جو نماز مکروہ تحریمی ہو اس کا اعادہ لازم ہے۔[3225]

3222 (''الدر المختار''، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج ۲، ص ۴۶۴، وغیرہ.) (درمختار وغیرہ)

3223 (''غنیۃ المتملي''،کتاب الصلاۃ، مفسدات الصلاۃ، ص ۴۵۲.) (غنیہ)

3224 (درمختار)

3225 (ماخوذ از: فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۱۶)

مسئلہ: ایک رکن میں تین بار کھجانے سے نماز جاتی رہتی ہے، یعنی یوں کہ کھجا کر ہاتھ ہٹا لیا پھر کھجایا پھر ہاتھ ہٹالیا وعلیٰ ہذا اور اگر ایک بار ہاتھ رکھ کر چند مرتبہ حرکت دی تو ایک ہی مرتبہ کھجانا کہا جائے گا۔[3226]

مسئلہ: اگر حالت نماز میں بدن کے کسی مقام پر کھجلی آئے تو بہتر یہ ہے کہ ضبط کرے اور اگر ضبط نہ ہو سکے اور اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجالے مگر ایک رکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین مرتبہ نہ کھجاوے۔ صرف دو مرتبہ تک کھجانے کی اجازت ہے۔[3227]

مسئلہ: سانپ بچھو مارنے سے نماز نہیں جاتی جب کہ نہ تین قدم چلنا پڑے نہ تین ضرب کی حاجت ہو، ورنہ جاتی رہے گی، مگر مارنے کی اجازت ہے اگرچہ نماز فاسد ہو جائے۔[3228]

مسئلہ: پے در پے تین بال اکھیڑے یا تین جوئیں ماریں یا ایک ہی جوں کو تین بار میں مارا نماز جاتی رہی اور پے در پے نہ ہو، تو نماز فاسد نہ ہو گی مگر مکروہ ہے۔[3229]

3226 (المرجع السابق، ص ۱۰۴، و"غنیۃ المتملي"، مفسدات الصلاۃ، ص ۴۴۸.)(عالمگیری، غنیہ)

3227 (فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۴۴۶)

3228 ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ، النوع الثاني، ج۱، ص ۱۰۳.)(عالمگیری، غنیہ)

3229 (المرجع السابق، و"غنیۃ المتملي"، مفسدات الصلاۃ، ص ۴۴۸.)(عالمگیری، غنیہ)

مسئلہ: اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے چار گرہ سے زیادہ اونچی ہو تو سرے سے نماز ہی نہیں ہو گی اور اگر چار گرہ یا کم بلندی ممتاز ہوئی تو کراہت سے خالی نہیں۔ یعنی پاؤں رکھنے کی جگہ سے سجدہ کرنے کی جگہ ایک بالشت بھر اونچی ہو تو نماز ہی نہ ہو گی۔[3230]

نوٹ: ایک گرہ = تین انگل چوڑائی۔[3231]

تین انگل چوڑائی = دو انچ، چار گرہ = بارہ انگل چوڑائی = ۸۔ انچ = ایک بالشت

مسئلہ: ایسی دعا جس کا سوال بندے سے نہیں کیا جا سکتا جائز ہے، مثلاً اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اور جس کا سوال بندوں سے کیا جا سکتا ہے، مفسد نماز ہے، مثلاً اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْنِیْ یا اَللّٰھُمَّ زَوِّجْنِیْ۔[3232]

مسئلہ: موت و جنون و بے ہوشی سے نماز جاتی رہتی ہے، اگر وقت میں افاقہ ہوا تو ادا کرے، ورنہ قضا بشرطیکہ ایک دن رات سے متجاوز نہ ہو۔[3233]

مسئلہ: نماز میں اُنگلیوں پر آیتوں اور سورتوں اور تسبیحات کا گننا مکروہ ہے، نماز فرض ہو خواہ نفل اور دل میں شمار رکھنا یا پوروں کو دبانے سے تعداد محفوظ رکھنا اور سب اُنگلیاں بطورِ مسنون اپنی

3230 (در مختار، فتاویٰ رضویہ ج۳ص ۴۲۲ ص ۴۳۷)

3231 (فیروز اللغات)

3232 ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، الفصل الأول، ج۱، ص ۱۰۰.)(عالمگیری)

3233 ("الدر المختار" و"رد المحتار"، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب في المشي في الصلاۃ، ج۲، ص ۴۷۲.)(در مختار، ردالمحتار)

جگہ پر ہوں، اس میں کچھ حرج نہیں، مگر خلافِ اَولیٰ ہے کہ دل دوسری طرف متوجہ ہو گا اور زبان سے گننا مفسد نماز ہے۔[3234]

مسئلہ: مسبوق نے یہ خیال کر کے کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنا چاہیے سلام پھیر دیا، نماز فاسد ہو گئی۔[3235]

مسئلہ: اللہ عزوجل کا نام مبارک سُن کر جل جلالہ کہا، یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سُن کر درود پڑھا، یا امام کی قراءت سُن کر صَدَقَ اللهُ وَصَدَقَ رَسُوْلُـه کہا، تو ان سب صورتوں میں نماز جاتی رہی، جب کہ بقصد جواب کہا ہو اور اگر جواب میں نہ کہا تو حرج نہیں۔ یونہی اگر اذان کا جواب دیا، نماز فاسد ہو جائے گی۔[3236]

مسئلہ: کوئی شخص نماز میں التحیات پڑھ رہا تھا۔ جب کلمہ تشہد کے قریب پہنچا تو مؤذن نے اذان میں ”شہادتین“ یعنی دو شہادتیں کہیں۔ اس نے التحیات کی قرأت کے بجائے اذان کا جواب دینے کی نیت سے ” اشهدان لاالہ الااللہ واشهدان محمداًعبده ورسوله“ کہا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔[3237]

3234 ("الدرالمختار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ...إلخ، مطلب إذاتردد الحکم ...إلخ، ج۲، ص۵۰۷، وغیرہ.)(در مختار وغیرہ)

3235 ("الفتاوی الھندیۃ"، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیمایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، الفصل الأول، ج۱، ص۹۸.)(عالمگیری)

3236 ("الدرالمختار" و"ردالمحتار"، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ...إلخ، ج۲، ص۴۶۰.)(در مختار، ردالمحتار)

3237 (در مختار، فتاویٰ رضویہ ج۳ص۴۰۶)

مسئلہ: بے سبب نیت توڑ دینا یعنی نماز شروع کرنے کے بعد بلا کسی وجہ شرعی نماز توڑ دینا حرام ہے۔[3238]

وتمت بالخیر آج بمورخہ ۲۰ جولائی ۲۰۲۰ء کو مکمل ہو چکی ہے۔ تمام قارئین و متعلقین کو التماس ہے کہ میری والدہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے ۳۰ جولائی کو وصال فرمایا تھا۔ اس لئے ان کیلئے بہت دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وببرکۃ مرشدنا خواجہ سیف الرحمن نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید ضیاء الحق شاہ

عرف بادشاہ صاحب۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

الجواب ھو الموفق للصواب

3238 (درمختار، فتاویٰ رضویہ ج۳ ص۴۱۴)

دعاعبادت الٰہی ہےماموربہ عن الشارع ہےاس کی کسی ہیئت (خواہ اجتماعی ہویاانفرادی)پراز جانب شارع منع وارد نہیں اوراس کاثبوت قرآن کریم وسنت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اوراقوال فقہائے کرام اورخود علمائے دیوبند سے بھی موجود ہے۔

مثلاً ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔(الغافر ۶۰) ''مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔''اس حکم ربانی میں وہ خاص فرد بھی داخل ہے جوہیئت اجتماعی ہےاوربعد سنت ہو جیسے باقی افراداورعام سے خاص پراستدلال مسلم اجماعی ہے جیسے توضیح تلویح میں مصرّح ہے دوسرااللہ تعالیٰ کاارشاد: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۷) وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ (الانشراح۸) ''توجب تم نماز سے فارغ ہو دعا میں محنت کرواوراپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔''کے تحت تفسیر ابن کثیر ج۴ص۵۲۶اور تفسیر روح المعانی ج۲ص۱۹۸۔میں ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے ملاحظہ ہو: واخرج ابن جریر وغیرہ من طرق عن ابن عباس انه قال إِذَا فَرَغْتَ من الصلوة فَانْصَبْ فی الدعاوروی نحوہ عن الضحاک وقتادہ اور فتح القدیر کی عبارات سے معلوم ہو گا کہ صلوۃ سے فراغت اس وقت ہوئی جب کہ سنت رواتب ادا کر دی جائیں گی کیونکہ یہ فرائض کیلئے مکملات ہیں لہذااس آیت میں حکم بعد اداالرواتب ہے اور دعاہیئت اجتماع اقرب الی الاجابت ہے۔

تفسیر فتح العزیز ج۱ص۳۹۔میں سورہ فاتحہ کی تفسیر فرماتے ہوئے شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں:

''وایراد صیغہ جمع درآیت برائے ہماں نکتہ است کہ در نعبد مذکور شد علی الخصوص کہ دریںجا مقام دعااست ودعائے جماعت مسلمین اقرب باجابت است لہذابعد السنت وبہیئت اجتماعی دعا''۔

ان مفسرین کرام کے اقوال کی روشنی میں ثابت ہو گئی کیونکہ ہر قید شرعاً جائز و ثابت ہو تو مجموع بھی ثابت ہو جائے گا۔

مزید بر آں فقہائے کرام حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر ج ۲ ص ۸۹ کے قول وَالسُّنَّةُ فِي الْأَدْعِيَةِ تَأْخِيرُهَا عَنْ الصَّلَاةِ کے تحت قام فرمایا اور يَسْتَقْبِلُ الْقَوْمَ بِوَجْهِهِ وَدَعَا وَيُؤَمِّنُونَ۔ جس میں بالکل بہیئت اجتماع کی تنصیص ہے۔

نیز ابن ہمام وبقالی و دیگر علمائے کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہوں اوران فرائض کے صرف اللهم انت السلام الخ۔ فصل بين الفرائض والسنن کرناچاہیئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے لہذا جملہ اوراد ووظائف وادعیہ جو احادیث میں مروی ہیں رواتب کے بعد پڑھنا چاہیئے چنانچہ ملاحظہ ہو:

وَمُقْتَضَى الْعِبَارَةِ حِينَئِذٍ أَنَّ السُّنَّةَ أَنْ يَفْصِلَ بِذِكْرٍ قَدْرِ ذَلِكَ وَذَلِكَ يَكُونُ تَقْرِيبًا، فَقَدْ يَزِيدُ قَلِيلًا وَقَدْ يَنْقُصُ قَلِيلًا، وَقَدْ يُدْرِجُ وَقَدْ يُرَتِّلُ فَأَمَّا مَا يَكُونُ زِيَادَةً غَيْرَ مُقَارِبَةٍ مِثْلَ الْعَدَدِ السَّابِقِ مِنْ التَّسْبِيحَاتِ وَالتَّحْمِيدَاتِ وَالتَّكْبِيرَاتِ فَيَنْبَغِي اسْتِنَانُ تَأْخِيرِهِ عَنْ السُّنَّةِ أَلْبَتَّةَ۔ [3239]

لہذا فرائض وسنن کے درمیان اللهم انت السلام الخ ۔کے اندازہ سے زیادہ فصل یعنی اوراد پڑھنا یا دعائیں مانگنا خلاف سنت ہے اور جتنی دعائیں احادیث میں مروی ہیں احناف کے نزدیک یہ سب سنن رواتب کے بعد پڑھنا چاہیئے نیز ملاحظہ ہو شامی:

[3239] (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۰)

وَأَمَّا مَا وَرَدَ مِنْ الْأَحَادِيثِ فِي الْأَذْكَارِ عَقِيبَ الصَّلَاةِ فَلَا دَلَالَةَ فِيهِ عَلَى الْإِتْيَانِ بِهَا قَبْلَ السُّنَّةِ، بَلْ يُحْمَلُ عَلَى الْإِتْيَانِ بِهَا بَعْدَهَا، لِأَنَّ السُّنَّةَ مِنْ لَوَاحِقِ الْفَرِيضَةِ وَتَوَابِعِهَا وَمُكَمِّلَاتِهَا فَلَمْ تَكُنْ أَجْنَبِيَّةً عَنْهَا، فَمَا يُفْعَلُ بَعْدَهَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ أَنَّهُ عَقِيبَ الْفَرِيضَةِ۔ [3240]

اورصاحب ہدایہ کا قول پہلے نقل کیاجاچکاہے کہ تمام ادعیہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد ہولہٰذا مراد سنت مؤکدہ کے بعد ہوا لہٰذا واضح ہوا کہ قرآن کریم اور سنت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور مذہب حنفی یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ ہے ان سنتوں کے بعد دعامانگی جائے اور سنتوں سے پہلے دعامانگنا خلاف سنت ہے اوراقوال علمائے احناف کے خلاف ہے۔ آخر میں فقہ حنفی کی مستند کتاب نورالایضاح اوراس کی شرح مراقی الفلاح اور حاشیۃ طحطاوی نے دعابعد السنۃ بہیئت اجتماعی کو جس انداز سے ذکر فرمایاہے ملاحظہ ہو:

ويستحب للإمام بعد سلامه:

1-أن يتحول إلى يساره لتطوع بعد الفرض۔

2-وأن يستقبل بعده الناس۔

3-ويستغفرون الله ثلاثا۔

4-ويقرءون "آية الكرسي" و"المعوذات"۔

5-ويسبحون الله ثلاثا وثلاثين ويحمدونه كذلک ويكبرونه كذلک۔

6- ثم يقولون: "لا إله إلا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شيء قدير"۔

7 - ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين رافعي أيديهم ثم يمسحون بها وجوههم في آخره۔ [3241]

3240 (شامی ج ۱ ص ۴۹۴)

3241 (نور الإيضاح ونجاة الأرواح في الفقه الحنفي ص ۷۶ فصل، الأذكار الواردة بعد الفرض)

ترجمہ: امام کیلئے سلام کے بعد درج ذیل سات چیزیں مستحب ہیں:

۱۔ بائیں طرف پھرے سنن کیلئے جو کہ فرض کے بعد ہو۔

۲۔ پھر سنتوں کے بعد قوم کی طرف منہ کرے۔

۳۔ تین بار استغفار شریف پڑھے۔

۴۔ آیت الکرسی اور معوذات پڑھے۔

۵۔ سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھے۔

۶۔ پھر "لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير" پڑھے

۷۔ پھر اپنے لئے دعا مانگے اور مسلمانوں کیلئے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہو اور آخر میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرے۔"

نورالایضاح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام اور قوم سنتوں کے بعد دعا مانگے اور یہ دعا مانگنا مستحب ہے۔ اب سنتوں کے بعد دعا کو بدعت کہنا بدعت ہے۔

مراقی الفلاح میں بھی یہی لکھا ہے:

ويدعون لأنفسهم وللمسلمين۔

"اپنے لئے دعا مانگے اور مسلمانوں کیلئے۔"

سنن مؤکدہ کے بعد بہیئت اجتماعی دعا مذہب حنفی کے مستند فتاویٰ جات سے ثابت ہوا اور طریقہ بھی بتایا کہ سنن کے بعد امام قوم کی طرف منہ کرے اور استغفار تین مرتبہ وغیرہ کے بعد امام اور قوم مل کر اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے ہاتھ اونچا کر کے دعا مانگے اور آخر میں ہاتھ منہ پر پھیر دے۔ مولوی اشرف علی تھانوی امداد الفتاویٰ میں تحریر کرتے ہیں۔

فتحصل من ھذا کلہ ان الدعاء دبر الصلوات مسنون و مشروع فی المذاھب الاربعۃ لم ینکرہ الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل ھواہ و وسوس لہ الشیطان فاغواہ۔[3242] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

راقم الحروف

۔سید احمد علی شاہ حنفی

ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم

حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

بانی و مہتمم جامعہ

امام ربانی مجدد الف ثانی

رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی

ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

[3242] (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۵۷۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ؟

۲۔ کیا تکرار دعا بھی مستحب ہے یا نہ؟

۳۔ اس سے انکار کرنے والوں کیلئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی : سید اظہار الحق

شاہ ترمذی حنفی سیفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب

حمدلک اللھم یا عظیم صل علی نبیک الکریم و آلہ و صحبہ اولی التکریم۔

۱۔ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی جائز بلکہ مستحب ہے۔

۲۔ تکرار دعا بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

۳۔ دعا سے روکنا بے دینوں کا کام ہے۔

دعا کرنا بعد از فراغتِ عبادت

ارشاد خداوندی ہے:

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ الآیۃ۔

میرے محبوب! جب تم نماز سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعامیں کوشش کرو۔

تفسیر ابن جریر، خازن، جلالین وغیرہ آیت مقدسہ سے معلوم ہوا کہ نیک عمل کے بعد دعا مانگنا چاہیئے تو نماز بھی نیک عمل ہے فراغت کے بعد دعا کرنا چاہیئے۔

۲۔ سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد دعا کی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ (البقرۃ ۱۲۷)

۳۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان بعد الصلوۃ دعاء۔[3243]

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک باب باندھا الدعاء بعد الصلوۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فراغت نماز کے بعد دعا کرنا چاہیئے نماز فرض وسنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم انت السلام الخ۔ اس سے زیادہ دعا اوراد مکروہ ہے دعا اوراد بعد فراغت صلوۃ کرنا چاہیئے فرض سنت کے درمیان دعا اوراد مکروہ ہے۔[3244]

نماز کسوف خسوف جو کہ سنت ہیں وہاں اجتماعی دعا ہے تراویح بھی سنت ہیں، تراویح کے بعد بھی تو دعا اجتماعی ہوتی ہے جو کہ خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔

۲۔ تکرار دعا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے بخاری شریف باب تکرار دعا ج ۲ ص ۹۶۵ حصن حصین شریف باب آداب الدعاء وان یکرر الدعاء واقله التثلیث ۔ تین بار دعا سے روکنا بے دینوں کا کام ہے جو نیک عمل سے روکے وہ بھی مناع الخیر میں داخل ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

[3243] (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۳۷)

[3244] (شامی شریف ج ۱ ص ۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰، فتاویٰ برہنہ وغیرہ)

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (الفرقان ۷۷)

تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو تو تم نے تو جھٹلایا تو اب ہو گا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا۔

آیت مقدسہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کو بخشیں گے اور دعا کو بدعت کہنے والوں اور نہ کرنے والوں کو عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہو گا۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ۶۰)

میرے حبیب! اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بیشک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے ہیں عنقریب جہنّم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

آیت مقدسہ میں مومنوں کو دعا مانگنے کا اور دعا کو قبول کرنے کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور دعا سے روکنے والوں کیلئے سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ۶۰) فرمایا گیا جو لوگ دعا کرنے سے روکتے ہیں وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچ لیں۔

قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (۱۰۸) إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (۱۰۹) فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا (المومنون ۱۱۰)

رب فرمائے گا دُھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو بیشک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا۔

جولوگ دعاسے روکتے ہیں وہ اس آیت کریمہ کوبار بار پڑھ کرسوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعاسے روکنے والوں کو جہنمی فرمایا۔ نیز آقا ومولیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَا یَدْعُو اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ۔

جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے۔

جو خود دعا نہ کرے اس پر تو قہر خداوندی نازل ہو گا جو دعا کرنے سے روکے ان کا انجام کیا ہو گا۔

هذا القدر کاف من له طبع۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف :

سید احمد علی شاہ حنفی

ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم

حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

بانی و مہتمم جامعہ

امام ربانی مجدد الف ثانی

رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی ،اورنگی

ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

ماقال المجیب
فھو فیہ مصیب۔
حررہ: مفتی خادم
الحدیث
والتفسیر سید عبدالحق شاہ
حنفی ترمذی سیفی مدظلہ
العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ

؟بینوا توجروا۔

المستفتی: سید سیف الحق

شاہ ترمذی حنفی سیفی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب

حمدلک اللھم یاعظیم صل علی نبیک الکریم و آلہ و صحبہ اولی التکریم

ان مطلق الدعاء فرض من القرآن و الاحادیث۔

دلیل ۱ :ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (الغافر ۶۰) مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

دلیل ۲ :ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (الاعراف ۵۵)

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اُسے پسند نہیں۔

دلیل ۳: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرۃ ۱۸۶)

"اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہئے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔"

دلیل ۴: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الحجرات ۱)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔"

حضرت سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا کرنا جائز نہیں۔

دلیل ۵: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللَّهِ بِالدُّعَاءِ»[3245]

3245 (تفسیر ابن کثیر وحقانی)

ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک دعا نفع دیتی ہے اس بلاو مصیبت سے جو نازل ہو چکی ہے اور اس سے جو ابھی نازل نہیں ہوئی پس اے بندگان خدا تمہارے ذمہ ہر حال میں دعا کرنا ضروری ہے۔[3246]

فائدہ:اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ دعا ہر وقت کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں عام حکم ہوا ہے نہ کہ خاص۔

دوسرا یہ کہ حدیث میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو کہ لفظ **فعلیکم** ہے۔تو تم یہ کہاں سے ثابت کرتے ہو کہ سنت پڑھنے کے بعد دعا نہیں ہے۔پس معلوم ہوا کہ دعا ہر وقت جائز اور حسن ہے۔

دلیل ٦ :عن عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «سَلُوا اللَّهَ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا، فَإِذَا فَرَغْتُمْ، فَامْسَحُوا بِهَا وُجُوهَكُمْ»

ترجمہ:عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حاجت مانگو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے اور مت مانگو ہتھیلیوں کی پشت سے جب تم فارغ ہو جاؤ تو مسح کر ڈالو ہتھیلیوں سے اپنے چہروں کو۔"

فائدہ:اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ دعا جمع کے ساتھ ضروری ہے کیونکہ **والإجابة في الجمع أرجى**۔یعنی جمع کے ساتھ دعا کرنے میں قبولیت کی امید ہے۔[3247]

3246 (ترمذی ج۵ص۵۵۲)

3247 (ہدایۃ ج۱ص۱۲۴)

دلیل۷: روی انه کان للحسن بصری رحمه الله تعالیٰ جاریحتطب علی ظهره فکان اذاسلم الامام خرج سریعافقال له الحسن یو ما یاهذا لم تجلس ساعةان لم تکن لک حاجة فی الآخرة افلاحاجة لک فی الدنیا۔قف بعد الصلاة و ادعو الله و اسئله۔

ترجمہ: روایت کی گئی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک پڑوسی لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لایا کرتا تھا پس جب کہ امام سلام پھیرتا تو یہ آدمی فوراً نکل جاتا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرمایا کہ اے آدمی کیا تم نہیں بیٹھتے کچھ وقت اگر تمہیں آخرت کی کوئی حاجت نہیں تو دنیا حاصل کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ٹھہر جا نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ۔[3248]

فائدۃ: اس روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ دعا کیلئے بیٹھنا چاہیے اس لئے تو اپنے پڑوسی کو ڈانٹا اور متنبہ کیا کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز آجا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔

اس طرح دوسری حدیث میں عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم بارش مانگنے کیلئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ کو نماز پڑھنے کیلئے نکلے دو رکعت نفل نماز پڑھائی اور اس میں جہر کیا (یعنی قرأت بلند آواز سے پڑھی) پھر دعا کی (اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

3248 (شرح شرعۃ الاسلام ص ۱۱۲)

)کے ہاتھ مبارک اٹھے ہوئے تھے اوراپنی رداء مبارک کو پھیرا (اس حال میں) کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا چہرہ قبلہ شریف کی طرف تھا۔[3249]

اور صاحب تسہیل المشکواۃ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فثبت بهذاالحديث الدعاءبالجمع مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ [3250]

اس حدیث شریف سے دعا جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ثابت ہوئی۔

دلیل ۸: تفسیر مدارک شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ جہاد سے لابدُی ہے تو وہ جماعت کے ساتھ دعا کرتے:

يدعون الله يقولون ای ربنا انصرنا الخ۔ [3251]

یہاں بھی **يدعون، يقولون** جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔

دلیل ۹: والدعاءبالجمع مستحبة۔ اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[3252]

دلیل ۱۰: عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الحُيَّضَ يَوْمَ العِيدَيْنِ، وَذَوَاتِ الخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ، وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: «لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔

3249 (مشکاۃ شریف ص ۱۲۳)

3250 (تسہیل المشکوۃ ص ۱۲۰)

3251 (مدارک ص ۹۶ ج ۲)

3252 (السعایا)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (عورتوں کو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم دیا (یہ کہ عیدین کے دن حیض والی عورتیں اور پردہ دار خواتین (عیدگاہوں کی جانب) نکلیں اور مسلمانوں کے اجتماع اور دعاؤ ں میں حاضر ہوں (البتہ) حیض والی عورتیں نماز نہ پڑھیں، ایک خاتون نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہم میں سے (ایسی غریب خواتین بھی ہیں) جن کے پاس بالاپوش نہیں، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ (کوئی حرج نہیں جن خواتین کے پاس بالاپوش نہ ہو تو) اس کے ساتھ والی اپنے بالاپوش سے اسے ڈھانپ لے۔"

وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا خواتین کو حکم دینا کہ (اگر نماز نہیں پڑھ سکتیں بوجہ عذر ماہواری کے تو کوئی حرج نہیں مگر) وہ ان دعاؤں میں شریک ہو جائیں جو دعائیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہیئت اجتماعیہ مانگتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کرتے تھے حتی کہ مسلمان خواتین بھی ان دعاؤں میں شریک ہوتی تھیں۔

دلیل ۱۱: لاریبَ أن الأدعیةَ دُبُر الصلوات قد تواترت تواترًا لا یُنْکَرُ۔

ترجمہ:اس میں شک نہیں کہ نمازوں کے بعد دعائیں (حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانۂ مبارکہ سے لے کر آج تک اس)تواتر سے کی جارہی ہیں کہ اس کاانکار نہیں کیا جاسکتا۔[3253]

سنن نماز کے بعد دعا کو علمائے خراسان نے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

تسہیل الترمذی میں مولانا عبدالہادی دیوبندی شاہ منصوری کہتے ہیں:

وافتیٰ علماء خراسان ولواحقه باستحبابها۔

یعنی علمائے خراسان اور خراسان کے ساتھ والوں نے دعا بعد سنن بہیئت اجتماعی کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔[3254]

کل صلاة بعدها سنة یکره القعود بعدها والدعاء بل یشتغل بالسنة کیلا یفصل بین السنةوالمکتوبة۔[3255]

ترجمہ: جو نماز جس کے بعد سنت ہے تو نمازی کیلئے بیٹھنا مکروہ ہے بلکہ فوراً سنت پڑھنے کیلئے مشغول ہو تاکہ سنت وفرض میں اتصال رہے۔

فائدہ:اس سے معلوم ہوا کہ سنن تابع فراض ہے اور ذکر اور دعا سے فصل لازم آجائے گا۔لہٰذا سنت کے بعد دعا کرنا بدعت نہیں بلکہ ضروری ہے۔

[3253] (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج۶ ص ۲۲۵)

[3254] (تسہیل الترمذی ص۳۱۵)

[3255](حاشیةالطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نورالإیضاح،مراقي الفلاح شرح متن نور الإیضاح ج۱ص۱۱۸)

دلیل ۱۲: والمختار عندالحنفیۃ ان یشتغل بعد اداءالمکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاءو التسبیح۔[3256]

ترجمہ: مختار عندالحنفیۃ یہ ہے کہ ادائے فرائض کے بعد مصلی سنت پڑھے اور مکروہ ہے کہ مصلی فرائض کے بعد دعااور تسبیح سے مشغول ہو جائے۔

فائدہ: یہ دلیل متمم ہے بارہ دلیل کیلئے قریب قریب دونوں دلائل سے ثابت ہوا کہ سنت موکدہ فرائض کے مکمل اور تابع اورالفرائض ہے لہذاسنت کے بعد دعاکابدعت ہوناجیساکہ عقائدپنجپیری میں ہے لغو اور بیہودہ کلام ہے۔لہذاسنتوں کے بعد دعابہیئت اجتماعیہ مستحب ہے۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ ﷺ اعلم۔

هذاالقدر کاف من له طبع۔واللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف: سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی

سیفی

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجددالف ثانی

رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی ،اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

ماقال المجیب فهو فیه مصیب۔

[3256] (عقائدالسنیۃ بحث الدعاءوالقسطلانی ج ۲ ص ۴۳۶)

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ ؟اور تکرار دعا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: گلاب خان سیفی

صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیمِ

الجواب ھو الموفق للصواب

سنتوں کے بعد دعا جو تمام شہروں میں زمانۂ قدیم سے آج تک معمول وجاری وساری ہے جو قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ اور کتبِ فقہ سے ثابت ہے۔

فاما الدلیل من کتاب اللہ تعالیٰ (قرآن کی دلیل یہ ہے کہ فرمان الٰہی ہے):

فَإِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ (۷) {فَإِذَا فَرَغۡتَ} مِنَ الصَّلَاةِ {فَانۡصَبۡ} اِتۡعَبۡ فِي الدعاء۔

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعاء میں خوب کوشش کریں۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔[3257]

ترجمہ: آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

فرمان الٰہی ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرة ۱۸۶)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ فرمادیں کہ میں قریب ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے مانگنا چاہے، کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں یقیناً وہ ہدایت پالیں گے۔(بقرہ:۱۸۵)

فکلمة اذا العموم الزمان وشموله فدخل فيه الادعية المعمولة بعد السنة ايضاً۔

(اس آیت میں اذا کا کلمہ عموم زمانہ کے لئے ہے تو اس میں وہ دعا بھی شامل ہے جو سنتوں کے بعد کی جاتی ہے)۔

اور فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (77)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ میرا رب تم لوگوں کا کچھ پرواہ نہیں کرتا اگر تم لوگ دعاء نہیں کرو گے۔

هذا زجر فی ترک الدعاء وتوبیخ ومثل ذٰلک کثیر من الایات۔

اس آیت میں زجر و تنبیہ ہے دعا نہ کرنے پر۔ اور اس طرح کی آیتیں بہت ہیں۔

3257 (سورۃ غافر ۶۰)

والاحاديث عن أبي أمامة الباهلي: قِيلَ يا رسولَ اللهِ: أيُّ الدعاءِ أسمَعُ قال جَوفَ الليلِ الآخِرِ ودُبُرَ الصلواتِ المكتوباتِ۔

(رہی احادیث تو): (۱) حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ہے کہ **قیل یا رسول اللہ** ﷺ (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے پوچھا گیا):

ای الدعاء اسمع (یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کون سی دعاء جلدی قبول ہوتی ہے)؟ **قال جوف اللیل الاخر** (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں کی گئی دعاء) **ودبر الصلوٰت المکتوبات** (اور فرض نماز کے بعد کی گئی دعاء)۔[3258]

(۲) عن فضالة بن عبيد: بَينا رسولُ اللهِ ﷺ قاعدٌ إذ دخلَ رجلٌ فصلّى فقالَ: اللّهمَّ اغفِرلي وارحَمني، فقالَ رسولُ اللهِ ﷺ: عَجِلتَ أيُّها المصلِّي، إذا صلَّيتَ فقعَدتَ فاحْمَدِ اللهَ بما هوَ أَهلُهُ، وصلِّ عليَّ ثمَّ ادعُهُ۔[3259]

فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس نے جلدی کی: اے نمازی تم نے جلدی کیوں کی؟ جب تم نماز سے

[3258] (مشكوة باب الذكر ، باب الصلوة ص ٨٨، كذا ٨٢) الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٣٤٩٩ •حسن •أخرجه الترمذي (٣٤٩٩)، والنسائي في «السنن الكبرى» (٩٩٣٦) •المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٣٩٦/٢ [إسناده صحيح أو حسن أو ماقاربهما] •محمد المناوي (٨٠٣هـ)، تخريج أحاديث المصابيح ٣٩١ •ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ٤٧/٢ •ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، الفتوحات الربانية ٢٧/٣•

[3259] الترمذي (٢٧٩هـ)، سنن الترمذي ٣٤٧٦ •حسن •أخرجه أبو داود (١٤٨١)، والترمذي (٣٤٧٦) واللفظ له، والنسائي (١٢٨٤)، وأحمد (٢٣٩٨٢) •المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب والترهيب ٣٩٥/٢ [إسناده صحيح أو حسن أو ماقاربهما] •ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)، تخريج مشكاة المصابيح ٤١٨/١ [حسن كما قال في المقدمة] •السخاوي (٩٠٢هـ)، القول البديع ٢٥٨ •رجاله ثقات لكن فيهم رشدين بن سعد، وحديثه مقبول في الرقائق •الهيثمي (٨٠٧هـ)، مجمع الزوائد ١٥٨/١٠•

فارغ ہو جاؤ تو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو، جیسا کہ وہ اس کا اہل و مستحق ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو پھر اس کے بعد دعاء کرو۔

فھذاامر من الشارع بعد الصلوۃ۔

(تو یہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے نماز کے بعد دعاء کرنے کا حکم ہے)۔

(۳) وقال فی البخاری جلد ۲ ص ۹۳۷، باب الدعاء بعد الصلوۃ قال فی حاشیہ نمبر ۱ ایک المکتوبۃ، وفی ھذہ الترجمۃ رد علی ذعم ان الدعاء بعد الصلوۃ لا یشرع۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۷ پر باب باندھا "نماز کے بعد دعاء کرنا"۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد اور اس باب میں رد ہے ان لوگوں کا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ نماز کے بعد دعاء جائز و مشروع نہیں۔

(۴) واما تکریرہ قال فی البخاری جلد ۴ ص ۹۴۵، قال فی حاشیۃ الباب ان فی تکرارہ اظھار لموضع الفقر والحاجۃ الی اللہ عزوجل۔ ولتذلل والخضوع لہ۔

رہی بات بار بار دعاء کرنے کی تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۵ پر باب باندھا، اس کے حاشیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بار بار دعاء کرنے سے اپنی حاجت و فقر کا اظہار کرنا ہے، اور اپنی عاجزی و انکساری کو ظاہر کرنا ہے۔

(۵) فقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث۔ عن عبداللہ بن مسعود کان یُعجبُہ أن یدعوَ ثلاثًا ویستغفرَ ثلاثًا۔[3260]

[3260] أبو داود (٢٧٥هـ)، سنن أبي داود ١٥٢٤• الوادعي (١٤٢٢هـ)، الصحيح المسند ٨٨٢• صحيح، رجاله رجال الصحيح۔ شعيب الأرنؤوط (١٤٣٨هـ)، تخريج سنن أبي داود ١٥٢٤• إسناده صحيح۔ ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ٩٢٣• أخرجه في صحيحه۔ أحمد شاكر (١٣٧٧ هـ)، مسند أحمد ٥/٢٩٠• إسناده صحيح۔ السيوطي (٩١١هـ)، الجامع الصغير ٧٠٧٨• حسن۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو تین بار دعاء کرنا اور تین بار استغفار کرنا پسند تھا۔

(۶) واخرجه ابن حبان ومعنی التكرار ان يفعل فعلة ثم بعد فراغة يعود اليه۔[3261]

ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کی کہ تکرار کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی کام کرنے کے بعد دوبارہ وہی کام کرے۔

(۷) قَالَ: يَا رَبِّ فَإِنَّا نَكُونُ عَلَى حَالَةٍ نجلّك أَنْ نَذْكُرَكَ عَلَيْهَا مِنْ جَنَابَةٍ وَغَائِطٍ، قَالَ: يَا مُوسَى اذْكُرْنِي عَلَى كُلِّ حَالٍ۔[3262]

موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا اللہ اے میرے رب! ہم کبھی ایسے حالات میں ہوتے ہیں کہ اس وقت ہم پر حالتِ جنابت یا قضاء حاجت طاری رہتی ہے تو ہم تیرا ذکر نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! مجھے ہر حال میں یاد کرو۔

(۸) وقال فی ص ۲۰۲ وَعَلَى هَذَا جَرَتِ السُّنَّةُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلَاةِ بِالدَّعَوَاتِ الْكَثِيرَةِ فَمَنْ أَبْطَلَ الدُّعَاءَ فَقَدْ أَنْكَرَ الْقُرْآنَ۔[3263]

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعائیں مانگنے پر سنت جاری ہے، پس جس نے دعاء کو باطل (ناجائز) قرار دیا اس نے قرآن کا انکار کیا۔

[3261](فصول الشاشی ص ۲۰۸، ۱۵۰، کذا مولوی شرح حسامی ص ۱۰۷، وکذا تلویح ص ۳۴۵)

[3262](تفسیر کبیر ص ۱۰۳، ج۵)

[3263](تفسیر کبیر، ص ۱۰۹، ج۵)

(۹) واما الاجتماع الدعاء فقال فی تفسیر الکبیر الجذء السابع انہ تعالیٰ حَکَی عَنِ الْمُؤْمِنِينَ هَذِهِ الْأَدْعِيَةَ بِصِيغَةِ الْجَمْعِ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَا تُؤاخِذْنا إِنْ نَسِينا أَوْ أَخْطَأْنا ...وَلا تَحْمِلْ عَلَيْنا إِصْراً كَما حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنا ...وَلا تُحَمِّلْنا ما لا طاقَةَ لَنا بِهِ۔فَمَا الْفَائِدَةُ فِي هَذِهِ الْجَمْعِيَّةِ وَقْتَ الدُّعَاءِ؟ وَالْجَوَابُ: الْمَقْصُودُ مِنْهُ بَيَانُ أَنَّ قَبُولَ الدُّعَاءِ عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ أَكْمَلُ۔
[3264]

رہی بات اجتماعی طور پر دعاء کرنے کی تو تفسیرِ کبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی اجتماعی طور پر دعاء کرنے کی حکایت کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا کہ مؤمن (اجتماعی طور پر) کہتے ہیں کہ یااللہ اگر ہم بھول جائیں تو ہماری گرفت نہ فرمایا ہم سے خطاء و غلطی ہو جائے تو بھی ہماری گرفت نہ فرمانا۔

دعاء کے وقت اجتماعیت کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجتماعی دعاء سے قبولیت مقصود ہوتی ہے، جو اکمل ہے۔

(۱۰) تفسیرِ بیضاوی کے حاشیہ پر شیخ زادہ لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعاء کی برکت سے یہ امید قوی ہے کہ عبادت قبول ہو جائے اور تمام لوگوں کی دعاء قبول ہو جائے کیونکہ تمام لوگوں کی دعاء رد ہونا بعید ہے کیونکہ ان میں سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی عبادت اور دعاء رد نہیں کی جاتی۔ اور اجتماعیت میں بعض کی دعاء کو قبول کرنا اور بعض کی دعاء کو رد کرنا اللہ تعالیٰ کریم ورحیم کی شان کے لائق نہیں۔

(۱۱) ہدایہ کتاب الحج میں ہے: اجتماعی دعاء میں قبولیت کی امید زیادہ ہے۔

[3264] (تفسیر کبیر ص ۱۴۰ ج۷)

(۱۲) طحطاوی میں ہے: مستحب ہے امام کے لئے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد اپنے بائیں طرف ہو کر سنن و نوافل ادا کرے اور پھر سنتوں کی ادائیگی کے بعد مستحب ہے کہ وہ لوگوں کی طرف چہرہ کرے اور تمام لوگ (اجتماعی طور پر) اپنے ہاتھ اٹھائیں اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کریں اور آخر میں اپنے چہروں پر ہاتھ پھیر لیں، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اور یہ کہ دعاء تین بار مانگیں۔

(۱۳) ہدایہ میں ہے: عموم و تعمیم کی ضرورت میں سے بار بار دعا کرنا ہے۔

(۱۴) سنن کی ادائیگی دعاء سے پہلے ہو گی، بخاری میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ سنتیں پڑھتے تھے جہاں وہ فرض پڑھتے تھے۔ اسی طرح قاسم بن محمد بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کرتے تھے۔ یعنی یہ دونوں فرض پڑھتے تھے پھر اپنی اسی جگہ سنتیں بھی پڑھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اپنے فرائض کی جگہ پر سنت ادا کر سکتے ہیں۔

(۱۵) توضیح میں ہے: جب امام ارادہ کرے کہ وہ محراب میں نفل اور سنتیں پڑھے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے ذکر اور دعاء کرے تو جائز ہے کہ وہ جیسے بھی نفل ادا کرے۔

فان قیل: اگر کوئی اعتراض کرے کہ شارع علیہ السلام سے جتنی روایتیں دعاء کے بارے میں منقول ہیں وہ فرض نماز کے بعد دعاء کرنے کے بارے میں ہیں نہ کہ سنت ادا کرنے کے بعد۔

قلنا: ہم جواب دیں گے کہ سنت فرائض کے لواحق اور توابع میں سے ہے اور فرض کو مکمل کرنے والے ہیں نہ کہ فرائض کے ساتھ معارض اور اجنبی ہے۔ تو جو عمل سنت کے بعد ہو گا وہ فرائض کے بعد ہی ہو گا۔[3265]

(۱۶) طحطاوی میں ہے کہ ہر وہ نماز کہ جس کے بعد سنتیں ہوں تو اس کے بعد بیٹھنا اور دعاء کرنا مکروہ ہے اور وہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے تو فرض کے ساتھ اتصال کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ یہ دعائیں سنت کے بعد ہوں گی۔

ھذاالقدر کاف من لہ طبع۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف : سید احمد علی شاہ حنفی

ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف

ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

3265 (شامی، ص ۳۵، جلد اول)

ماقال المجیب فهو فیه مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از سنن والنوافل بہیئت اجتماعی مستحب ہے یا نہ

؟بینوا توجروا۔

المستفتی: سید ضیاء الحق شاہ

عرف بادشاہ صاحب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب هو الموفق للصواب

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

کقولہ تعالیٰ: وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ط الآیۃ (سورۃ مومن، پ ۲۴، آیت ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں ادعوا اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔

اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی تو دعا بعد السنن جائز ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَافَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ الاٰیۃ (الانشراح، پ ۳۰، آیت ۷)

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا:

فاذافرغت من الصلوۃ فاجتھدفی الدعاء۔[3266]

یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّہٗ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ (پ ۱۸، المومنون، آیت ۱۰۹)

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلاً یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

3266 (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے:

کقولہ تعالی: وَ الَّذِینَ جَآءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِإِخْوَانِنَا الخ الآیۃ (سورۃ الحشر)۔

ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔

اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ إِذَا سَأَلَکَ عِبَادِی عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الآیۃ (البقرۃ پ ۲، آیت ۱۸۶)

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ الخ الآیۃ (الفرقان پ ۱۹، آیت ۷۷)

تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔

علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوٰۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں:

فاعلموا ایها الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب عند العلماء۔

دوسری جگہ فرمایاہے:

فمن قال ان الدعاء بعد السنة بدعة فهو ضال مضل اجتنبه ص ۱۵ ۔

مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں:

ان الدعاء بعد السنن والنوافل مستحب صرح به فقهائنا ومن انكره فهو ضال مضل۔[3267]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ "لا يجتمع قوم فيدعو ابعضهم ويؤمن بعضهم الا اجابهم الله "[3268] جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔

علامہ شامی نے فرمایاہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة فى المسجد۔[3269]

متقدمین ومتأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایاہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ:

"اجمع العلماء سلفا و خلفا على عدم استحباب ذكر الجماعة فى المسجد"۔

نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے:

3267 (دعابعداز سنن ونوافل ص ۳۷)

3268 (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

3269 (شامی ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد)

”ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تکن بعدہ نافلۃ الناس ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین بالادعیۃ الماثورۃ الجامعۃ رافعی ایدیھم حذاء الصدر وبطونھما مما یلی الوجہ بخشوع وسکون ثم یختمون بقولہ تعالیٰ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الاٰیۃ ثم یمسحون بھا ای بایدیھم وجوھھم فی اٰخرہ واقرہ الطحطاوی“۔

مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ الخ کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔ طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے۔ احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔

استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غور غشتوی دیوبندی کا فتویٰ ”دعا بعد السنن بھیئۃ اجتماعیۃ“ ارشادات نصیری میں موجود ہے۔ دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ ”مسئلۃ التوسل والدعاء“ میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱)

مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔

3270

اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں:

"الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب"۔[3271]

وفی الهداية والسنة فی الادعية تاخيرها عن الصلوة الخ۔[3272]

یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

"الاجابة فی الجمع ارجی"۔[3273]

کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

"الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمين"۔[3274]

دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں: نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الہدایٰ، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظہر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمد اللہ مردان صوابي۔ تسہیل المشکوٰۃ،

3270 (بحوالہ تسہیل الترمذی، ص ۳۱۵)

3271 (تسهيل الترمذی)

3272 (هداية كسوف ص ۲۲۵)

3273 (الهداية ج ۲، ص ۱۴۴)

3274 (خزينة الاسرار، ص ۱۴۰)

ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت اللہ صوابی۔ الحجج البینات لمولانا شائستہ گل علیہ الرحمہ۔ المسائل المنتخبہ، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پر مولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۶۲، لمفتی سید احمد شاہ اخون کلی سوات المعروف بہ قاضی بابا قدس سرہ۔ الرسائل الستہ، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامہ عبد المتین علیہ الرحمہ شموزی سوات۔

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریبا باون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "عقائد المسلمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "اطفاء الفتن فی مسئلۃ الدعا بعد السنن" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔

فالحاصل الدعا بعد السنن و النوافل بھیئۃ الاجتماع مستحب و الفاعل ماجور عند اللہ تعالی و المانع محروم عن اللہ تعالی من الاجر العظیم۔

الدعاء فی اللغۃ حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقیقۃ الدعاء استدعاء العبد ربہ جل جلالہ العنایۃ و استمدادہ ایاہ المعونۃ۔[3275]

قال العلامۃ غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وھذا ھو المراد بقولھم الدعاء حاجت خواستن۔[3276]

و الدعاء اظھار العبودیۃ و الذلۃ و الانکسار و الرجوع الی اللہ تعالی۔[3277]

[3275] (تفسیر کبیر، ج۵، ص ۱۰۶)

[3276] (منھاج الحقائق، ص ۳)

[3277] (کبیر ص ۱۳۶، ج ۲)

وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما ھو اظھار العبودیۃ والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک۔[3278]

وفی قسطلانی مع ما فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظھار الافتقار الی اللہ تعالی۔[3279]

وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظھار الافتقار۔[3280]

وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظھار الافتقار الی اللہ تعالی۔[3281]

وفی تفسیر الخازن الدعاء ھو السوال وھو نوع من نوع العبادۃ۔[3282]

اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت فرمایا ہے:

کقولہ تعالی إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي الخ۔(سورۃ مومن، پ ۲۴، اٰیت ۶۰)

قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انکر القراٰن۔[3283]

قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی۔[3284]

وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویۃ والاخرویۃ الجلیلۃ والحقیرۃ (صاوی) وقولہ تعالی عن عبادتی الخ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ وقرء ھذہ الاٰیۃ ﷺ (مدارک) وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل

3278 (روح البیان ص ۴۳، ج ۲)

3279 (قسطلانی ص ۱۵۸، ج ۹)

3280 (فتح الباری ج ۱۱، ص ۳۴)

3281 (طحطاوی ص ۱۷۳)(تنویر الایمان، ص ۱۵۵)

3282 (الخازن ج ۲، ص ۱۰۳)

3283 (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۰۹)

3284 (تفسیر ابن جریر، ج ۲۴، ص ۵۲، نزھۃ المجالس، ج ۱، ص ۶۷، ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۶)

وجوھا کثیرۃ ان یکون المراد من الدعاء العبادۃ قال علیہ السلام الدعاء ھو العبادۃ ومما یدل علیہ قولہ تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔[3285]

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ "جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[3286]

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے۔

"کقولہ علیہ السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء ھو العبادۃ"۔[3287]

قال القرطبی فدل ھذا ان الدعاء ھو العبادۃ۔[3288]

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدعاء مخ العبادۃ۔[3289]

وقال الرازی لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ۔[3290]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فان السنۃ تابعۃ للفرض ومکملۃ لھا وقت العرض۔[3291]

3285 (کبیر، ج۲، ص۱۳۷)

3286 (روضۃ الطالبین ص ۳۳)

3287 (تفسیر خازن، ج۴، ص ۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج۱۵، ص ۳۲۶، ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص ۵۱، ابن کثیر، ج۴، ص ۸۵، مشکوۃ ج ۱، ص ۲۱۱، کتاب الدعوۃ)

3288 (قرطبی، ج۱۵، ص ۳۲۶)

3289 (ترمذی، ج۲، ص ۱۹۵، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۱، البصائر، ص ۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین، ص ۳۳، نفائس مطلوبہ، ص ۱۴)

3290 (کبیر، ج۴، ص ۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

3291 (مرقات، ج۲، ص ۱۱۹، طبع ملتان)

قال عبدالرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیة عنها۔[3292]

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے:

عن تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اول مایحاسب بہ العبد یوم القیامة الصلوة فان کان اکملها کتبت له کاملة وان لم یکن اکملها قال للملائکة انظروا اهل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بها ماضیع من فریضة ثم الزکوة ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔[3293]

وفی ردالمحتار ان السنن من لواحق الفریضة وتوابعها ومکملاتها فلم تکن اجنبیة عنها فمایفعل بعدها یطلق علیه انه عقیب الفریضة۔[3294]

وهذا هو السند علی کون الدعاء عبادة وهذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوة او لا وان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقه فی الصفات ویراد منه الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین۔[3295]

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ عنهما فی تفسیره فاذا فرغت فانصب من الصلوة المکتوبة لا من الصلوة المطلقة قلنا قال ابن عباس فی تفسیره بصیغة الاطلاق ای قال ابن عباس وقتادة فاذا فرغت من صلوتک۔[3296]

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلا صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری،

3292 (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰)
3293 (مسنداحمد، ج۴، ص ۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱۱، ص ۴۱)
3294 (ردالمحتار، ص ۳۹۱) وایضا فی الکبیری، ص ۳۵۵)
3295 (البصائر، ص ۱۲۲ لمولانا احمداللہ دیوبندی مظاهری)
3296 (تفسیر قرطبی، ج ۲۰، ص ۱۰۸، درمنثور، ج ۶، ص ۳۶۵، مظهری، ج ۱۰، ص ۲۹۴، ابن جریر، ج ۳۰، ص ۱۵۱، روح المعانی، ج ۳۰، ص ۱۹۸، بیضاوی، ج ۲، ص ۵۶۵، جلالین، ص ۵۶۵، مدارک، ص ۳۹۰)

صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۴۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا(ص ۷۴۲) ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔[3297]

مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد دعا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعترض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا **کما لا یخفی علی من یعلم الخ** تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب و عناد و حسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔

[3297] (مخزن الدلائل ص ۷۷)

مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے:

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهیئة اجماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوة المکتوبة ولم یثبت ذالک فی عهده ﷺ ولا اخص بالمواظبة۔ نعم ثبتت ادعیة کثیرة بالتواتر بعد المکتوبة ولکنها من غیر رفع الایدی ومن غیر هیئة اجتماعیة۔ نعم ثبت دعاءه ﷺ برفع الیدین باجتماع بعد النافلة فی واقعتین احدهما واقعة بیت ام سلیم حین صلی فیه السبحة ودعا لانس رضی اللہ عنهما۔[3298]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ثم ان الدعاء بعد الصلوة بهیئة اجتماعیة برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلة فی اللاستسقاء وفی قصة الصلوة فی بیت ام سلیم۔[3299]

شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیة ونرفع لها الایدی لثبوته عن عقیب النافلة وان لم یثبت بعد المکتوبة فاذا ثبت جنسه لم تکن بدعة اصلا۔[3300]

وهذا امر مسلم ان الصلوة لاستسقاء سنة کما فمتی احتاج الناس الی الماء فانه یسن ان یصلوا صلوة الاستسقاء۔[3301]

وقال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء۔[3302]

3298 (معارف السنن، ج۳، ص ۴۰۹)

3299 (معارف السنن، ج۴، ص ۴۲)

3300 (فیض الباری، ج۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج۴، ص ۴۱۷، طبع)

3301 (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۲۳۱)

3302 (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۴۴۸)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج یوما رسول اللہ ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلااذان و اقامۃ ثم خطبنا و دعا۔[3303]

مندرجہ بالا حدیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے دعا فرمائی:

"عن انس قال دخل النبی ﷺ وماھو الا انا و امی و ام حرام خالتی فقال قوموا فاصلی لکم فی غیر وقت صلوۃ فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منہ قال جعلہ علی یمینہ ثم دعالنا اھل البیت بکل خیر من الدنیا و الاٰخرۃ فقال امی یا رسول اللہ ﷺ خویدمک ادع اللہ لہ قال فدعالی بکل خیر و کان فی اٰخر مادعالی بہ اللھم اکثر مالہ و ولدہ و بارک لہ فیہ۔[3304]

قال العلامۃ عبدالھادی الشاہ منصوری فی کتابہ عن عبداللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بھم رکعتین و جھر فیھما بالقراءۃ و استقبل القبلۃ یدعو و رفع یدیہ و حول رداءہ حین استقبل القبلۃ انتھی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع المسلمین و کذا رواہ ابن ماجۃ۔[3305]

قال العلامۃ سبحان الدین کوکاروی فی کتابہ فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "وعن سعد ان رسول اللہ ﷺ مر بمسجد بنی معویۃ دخل فرکع فیہ رکعتین و صلینا معہ و دعا ربہ طویلا الخ۔[3306]

3303 (ابن ماجہ، ص ۹۱)

3304 (مسلم، ج ۱، ص ۲۳۴، ج ۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ بیھقی، ج ۶، ص ۱۹۵)

3305 (تسھیل الترمذی، ص ۳۱۴)

3306 (مشکوۃ، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبہ، ص ۳۵)

وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ ایة الکرسی والمعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا وثلاثین ویهلل تمام المأة بان یقول لا الٰه الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعوا ویختم بقولہ سبحان ربک رب العزة عما یصفون۔[3307]

وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لاکن عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ۔[3308]

وفی شرح شرعة الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبة قبل السنة علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول والحنفی فی الفروع) من انہ قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنة وبعد السنن والا واراد علی ما روی عن غرہ وهو المشهور المعمول فی زماننا فانہ مستجاب بالحدیث۔[3309]

وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابہ وان یستقبل بعدہ الناس ویستغفرون اللہ ویقرؤن أیة الکرسی والمعوذتین ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونہ کذالک ویکبرونہ کذالک ثم یقولون لا الٰه الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحوا وجوههم فی أخرہ۔[3310]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہوگا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی

3307 (الفقہ علی مذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰، درمختار، ج ۱، ص ۵۱)

3308 (بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)

3309 (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۲۹۱، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)

3310 (نور الایضاح، ص ۸۰)

طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: **بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضۃ۔** کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع و مرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔

اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا:

کقولہ بعدہ ای بعد التطوع وعقیب الفرض اذا لم یکن بعدہ نافلۃ۔[3311]

وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعدہ ای بعد التطوع الخ۔[3312]

وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ۔[3313]

وایضا فی ذریعۃ النجاح حاشیۃ نور الایضاح ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ الخ۔[3314]

وفی سنن الھدی والجمھور علی ان الاولی الاشتغال بالسنۃ ثم بالدعاء وعلیہ عمل اھل الحرمین وسائر دیار العرب۔[3315]

وقال اشرف علی التھانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ ان یستقبل الناس الخ۔[3316]

[3311] (طحطاوی، ص ۱۷۱)

[3312] (البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمداللہ دیوبندی)

[3313] (منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

[3314] (ذریعۃ النجاح حاشیۃ نور الایضاح ص ۷۹ لمولانا عبدالرزاق بتھر الوی)

[3315] (سنن الھدی، ص ۴۸، بحوالہ دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاہر شاہ قادری)

[3316] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثورہ لمولوی تھانوی دیوبندی)

وقال ایضا فتحصل من هذا کله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل هواه ووسوس له الشیطان فاغواه[3317]

قال العلامة حمد الله الدیوبندی السهارنفوری وعلم من الادلة المذکورة ان الدعاء بعد العبادات قاعدة متقررة فی الشرع ونجعلها کبری ونضم معها الصغری سهلة الحصول۔ الصلوة عبادة وکل عبادة فالدعاء بعدها مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوة فالدعاء بعدها مستحب اما الصغری فظاهر لان الصلوة اهم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانها من الاصول الموضوعة المسلمة عند الفقهاء المستنبطة من النصوص علا انه ورد الامر بالدعاء بعد الصلوة علی طریق الخصوص قال اللّٰہ تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیره من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوة فاتعب فی الدعاء روی هذا التفسیر عن قتادة وضحاک وغیرهما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوة، ج ۲، ص ۹۳۷۔[3318]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوة الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة الخ۔[3319]

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے:

[3317] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۷۱۵ اشرف علی تھانوی دیوبندی)
[3318] (البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)
[3319] (الرسائل الستہ، ص ۶۹)

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اجتمع ثلاثۃ بدعوۃ قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدیھم۔[3320]

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔[3321]

تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔

حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے:

کقولہ باب تکریر الدعاء۔[3322]

علامہ عینی فرماتے ہیں:

[3320] (حلیۃ الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)
[3321] (رسائل ومسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)
[3322] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)

هذا باب فی بیان تکریر الدعاء وهو ان یدعو به مرة بعد اخری لان فی تکرره اظهار الموضع الفقر والحاجة الی الله عز وجل والتذلل والخضوع له وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجه ابن حبان فی صحیحه۔[3323]

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے:

کقوله علیه السلام "عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز وجل الجنة ثلاثا الا قالت الجنة اللهم ادخله الجنة ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللهم اجره من النار۔[3324]

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل ثلاثا۔[3325]

مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرة برفع الیدین ومن حدیث عائشة عند مسلم وهذا کله واضح معروف فی محله لامساغ لانکارها۔[3326]

قال النووی فی شرحه فیه استحباب اطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین۔[3327]

وقال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء ویکرره ثلاثا۔[3328]

[3323] (عینی حاشیه بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)
[3324] (مسند احمد، ج ۳، ص ۱۵۵)
[3325] (التعلیق علی الترغیب الترهیب، ج ۲، ص ۴۸۴ لعلامه مصطفی عماره، مخزن الدلائل، ص ۵۵، مشکوٰۃ، ص ۲۲۳)
[3326] (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)
[3327] (شرح مسلم للنووی، ج ۱، ص ۳۱۳)
[3328] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے منقول ہے:

عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا وقال النووی فیہ استحباب تکریر الدعاء ثلاثا۔[3329]

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: ”**کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ۔** (مشکوٰۃ ص ۳۳) کے تحت فرمایا:

”در لفظ کان محدثان را سخن است مقرر ومشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام واستمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد وعادت شریف این بود الخ۔[3330]

وقال الرازی فی تفسیرہ فقال بعض الجھال الدعاء شیء عدیم الفائدۃ واحتجوا علیہ من وجوہ وقال جمھور من العقلاء ان الدعاء اھم مقامات العبودیۃ ویدل علیہ وجوہ من العقل والنقل الخ۔[3331]

وقال العلامۃ الشیخ السید احمد شاہ فی کتابہ ومنھا ای من أداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ ثم قال اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اغثنا قال الامام النووی ھکذا ھو مکرر ففیہ استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔[3332]

[3329] (مسلم ج۲، ص ۱۰۸)
[3330] (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص ۴۵)
[3331] (کبیر ج۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)
[3332] (ج ۱، ص ۲۹۳) (تنویر الایمان ص ۲۱۴)

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔[3333]

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکررہ ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔[3334]

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومن آداب الدعاء ان یکررہ ثلاثا۔[3335]

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعا میں تکرار چاہیئے۔[3336]

اعلی حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ شرح میں فرماتے ہیں: "قال الرضا تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: **من لم یسئل اللہ یغضب علیہ۔** بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔
3337

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی فرماتے ہیں:

3333 (شرح صحیح مسلم ج۷، ص۴۳۷)
3334 (کنز العباد ص۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص۲۹)
3335 (حصن حصین ص۱۴ وشرحہ ص۲ ثم طحطاوی ص۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص۱۴۳، احیاء العلوم) (اثبات الاغراض، ص۱۴۳)
3336 (احسن الوعاء لآداب الدعاء ص۲۲)
3337 (ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص۲۳، ۲۲)

وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرره ثلاثا وقال فی الهدایة ومن ضرورة التعمیم التکرار۔[3338]

مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العلامة الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة اخری وقتا بعد وقت وان یکرره ثلاثا۔[3339]

وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرة برفع الیدین من حدیث عائشة عند مسلم وهذا کله واضح معروف فی محله لا مساغ لانکارها واخرج الطبرانی عن ابی هبیرة عن حبیب ابن مسلمة الفهری وکان مستجابا انه امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم ویؤمن بعضهم الا اجابهم الله تعالی وهو دلیل للدعاء بهیئة اجتماعیة۔[3340]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازمی الحنفی لکھتے ہیں:

بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے: "باب تکریر الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵)" اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[3341]

اس کی شرح میں مولانا عبد الہادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں:

[3338] (ج ۲، ص ۳۶۶) (تنبیہ الاخوان، ص ۳)

[3339] (طحطاوی، ص ۱۷۳)

[3340] (معارف السنن لبنوری، ج ۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۷، حیاۃ الصحابۃ، ج ۳، ص ۳۳۵) الاصابة فی تمییز الصحابة، ص ۳۰۹ بحوالہ منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی۔

[3341] (مقالات غازی ص ۱۶)

وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلها التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاھل بالسنة النبویة والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی به جامع الکمالات وھو المحقق۔[3342]

قال العلامة الشیخ سید احمد شاہ فی کتابه "وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء واقله التثلیث ویلح فیه بالمداومة والمواظبة فی الحالات ولا یکفی بمرة ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔

تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے:

"وتکراره ای الفعل وقوعه مرة بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلة فی اوقات متعددة"۔[3343]

قال العلامة الشیخ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری الداجوی "ومن أداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقله التثلیث۔

آگے فرماتے ہیں:

وذکر الامام مسلم (ج ۱، ص ۳۱۳) فی واقعة بقیع الغرقد انه علیه السلام رفع یدیه ثلاثا قال الامام النووی فیه استحباب اطالة الدعاء وتکرر رفع الیدین۔[3344]

قال العلامة عبد الرزاق بتھرالوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔[3345]

3342 (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱٦)

3343 (تلویح ص ۱۵۷) (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)

3344 (البصائر ص ۱۲۴)

3345 (ذریعة النجاح حاشیه نور الایضاح ص ۷۹)

مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا لحدیث مسلم و ابی داؤد ان رسول اللہ ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ۔[3346]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

ویلح الداعی فی الدعاء ویکررہ ثلاثا لانہ نوع من الالحاح ۔[3347]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکررہ ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وھو ادناہ واوسطہ خمسا واکملہ سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراۃ وفی حق احمس عشر مراۃ رواہ ابو داؤد ص ۸۰ ۔[3348]

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا ۔[3349]

دعا کے آداب: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا:

کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء ۔[3350]

[3346] (مقالات ص ۱۶)

[3347] (امداد الفتاوی مسائل المنثورہ ص ۵۷۰، جلد اول)

[3348] (الرسائل السنتہ ص ۴۷)

[3349] (رواہ الطبرانی فی الاوسط، کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) (مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)

[3350] (مقالات فریدی ص ۱۵)

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔[3351]

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔[3352]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں:

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا:

کما فی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[3353]

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں:

ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸) وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین

3351 (امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

3352 (احسان الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)

3353 (مقالات غازی ص ۱۴)

رافعی ایدیھم وذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک أہ۔[3354]

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔[3355]

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[3356]

عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ ودعا۔[3357]

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں:

ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنۃ۔[3358]

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[3359]

علامہ مولانا سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲، ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ:

3354 (ص ۱۷۳ (البصائر ص ۱۲۴)
3355 (ابوداؤد، ص ۲۰۹، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۱۳)
3356 (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)
3357 (معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)
3358 (روح البیان، ج ۳، ص ۱۶۴)
3359 (دعا بعد السنن والنوافل، ص ۳۲)

وقداخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔[3360]

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وکذا رفع الیدین ومسح الوجہ بعد الفراغ کذا فی منہج العمال والعقائد السنیۃ کذا فی التحفۃ المرغوبۃ۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی:

لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین ولما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوهما وفی السعایۃ لما ندب فی مطلق الدعاء استحبہ العلماء فی ھذا الدعاء ایضا۔[3361]

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعۃ ما زاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ھذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۸۸، المسئلۃ ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادۃ فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیہ ای الاکف الی المدعو لہ اولا ثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں:

فالمؤمن یرفع یدیہ الی ربہ خمسین مرۃ مثلا اتراہ تردھما خائبتین الخ۔[3362]

3360 (نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)
3361 (صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)
3362 (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں: دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے (ترمذی، ابو داؤد)

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے۔ (معجم طبرانی)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

ومنها ای من آداب الدعاء تقديم الحمد و الصلٰوة على الدعاء و الصلوة و الثناء على الله اولا و أخرا۔[3363]

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ويبدأ الدعاء بالحمد لله و الثناء عليه ويختم به ويصلى على النبى ﷺ اوله و أخره و وسطه۔[3364]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں: دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔

(احسن الوعاء ص ۱۵)

اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

[3363] (البصائر ص ۱۲۴)

[3364] (امدادالفتاوی، ج ۱، ص ۵۲۹)

بیہقی وابوالشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں:

الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد و اھل بیتہ۔

(ذیل المدعا ص ۱۶)

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ و صل علی ثم ادعہ۔

(مقالات ص ۱۶)

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں:

منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳، و قال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لید ع بعد ما شاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶۔

(تنویر الایمان، ص ۲۱۲)

آگے لکھتے ہیں کہ:

و لان الثناء و الصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات و الرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء۔

(ھدایہ ص ۲۲۲، ھکذا فی المستخلص ص ۲۳۲، اعلام المؤمنین، ص ۴۱)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

و من آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصلحین۔

(البصائر ص ۱۲۴)

قطب الارشاد میں ہے:

و یتوسل الیہ تعالی بانبیائہ و الصالحین من عبادہ من العلماء و الشھداء و الاولیاء۔

(قطب الارشاد، ص ۲۴)

وینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ والاولیاء الصالحین۔

(روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۱)

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔

(احسن الوعاء، ص۱۸)

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالاعبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالی وابتغوا الیہ الوسیلۃ وقال تعالی یدعون یبتغون الی ربہم الوسیلۃ وایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی وایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاسقنا۔

(ذیل المدعا، ص ۱۸)

اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

ھذا القدر کاف من لہ طبع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راقم الحروف: سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بانی ومہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیبہ

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق
شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

ماقال ھذہ المسائل صحیحۃ۔

حررہ : مولوی مفتی محمد یوسف اکبری مدظلہ العالی ابن علامہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت عبد الاکبر عرف لالاجی۔

ماحررہ مولانا فھو عین مذھب الحنفیۃ فعلینا و علی سائر الاحناف اتباعہ۔

حررہ : مفتی سید سراج الحق شاہ حنفی
ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

و ذلک کذلک و انی مصدق بذلک۔

حررہ: مفتی استاذ العلماء خادم الحدیث والتفسیر محمد مہرداد سلطانی حنفی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیم

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور نگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ حیلہ اسقاط اور اس میں قرآن رکھنا جیسے ہمارے علاقوں میں رائج ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید عبد الاحد شاہ صاحب۔ کالا کلے سوات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیمِ

الجواب هو الموفق للصواب۔ حیلہ کی مشروعیت شریعت میں ضرورت کے وقت جائزہے بشرطیکہ وہ حیلہ ادلۂ شریعہ کے خلاف نہ ہو حیلہ شریعہ کا ثبوت قرآن کریم واحادیث واقوال فقہائے کرام اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی اہلیہ کو سو کوڑے ماروں گا تو اللہ تعالیٰ نے قسم نہ توڑنے کیلئے آیت نازل فرمائی۔ **وَخُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ (ص ۴۴)** اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے ماردے اور قسم نہ توڑ۔"

جواز حیلہ میں قرآن مجید ومفسرین حضرات کی تصریحات

صاحب تفسیر مدارک اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَاضۡرِبۡ بِهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ (ص ۴۴) وكان حلف في مرضه ليضربن امرأته مائة جلدة إذا برأ فحلل الله يمينه بأهون شيء عليه وعليها لحسن خدمتها إياه وهذه الرخصة باقية ويجب أن يصيب المضروب كل واحدة من المائة والسبب في يمينه أنها أبطأت عليه ذاهبة في حاجة فخرج صدره وقيل باعت ذؤابتيها برغيفين وكانتا متعلق أيوب عليه السلام۔

(تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل ج ۲ ص ۱۸۱)

ترجمہ: مارو اس پر اور حانث نہ ہو جاؤ اور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی کہ حالت بیماری میں اپنی عورت کو سو (۱۰۰) درے ماروں گا جب صحیح ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ ان کو حلف سے آسان چیز کے ساتھ حلال وبری کیا ان پر یہ مہربانی کی اور ان کی بیوی پر بھی کیونکہ وہ ان کی اچھی خدمت کرتی تھی اور یہ رخصت باقی ہے لیکن واجب ہے کہ مضروب کو ہر ایک ان سو (۱۰۰) سے پہنچ جائے اور ایوب

علیہ السلام کے حلف کی وجہ یہ تھی کہ ایک کیلئے ان کی بیوی چلی گئی تھی لیکن آنے میں کچھ دیر ہوئی تھی تو ایوب علیہ السلام کا سینہ تنگ ہو گیا تو اسی وجہ سے حلف کیا اور بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ بیوی نے اپنے دوذوائب دوروٹیوں کے عوض فروخت کی تھیں اور ایوب علیہ السلام جب اٹھتے تھے تو ان سے سہارا لیتے تھے۔

اور علامہ آلوسی حنفی المذہب اس مقام پر بحث کرتے ہیں:

فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ (ص ۴۴) فان البر يتحقق به۔

ترجمہ: اس پر مارو اپنی زوجہ کو اور یمین میں حانث نہ ہو جاؤ کیونکہ خلاصی از حلف اس کے ساتھ متحقق و ثابت ہوتا ہے۔

ولقد شرع الله تعالى ذلک رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها إياه ورضاه عنها وهي رخصة باقية في الحدود في شريعتنا وفي غيرها أيضا لكن غير الحدود يعلم منها بالطريق الأولى۔فقد أخرج عبد الرزاق الخ۔ وسعيد بن منصور وابن جرير وابن المنذر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال حملت وليدة في بني ساعدة من زنا فقيل لها: ممن حملک؟ قالت: من فلان المقعد فسئل المقعد فقال: صدقت فرفع ذلک إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلم فقال: خذوا عثكولا فيه مائة شمراخ فاضربوه به ضربة واحدة ففعلوا، وأخرج عبد الرزاق وعبد بن حميد عن محمد بن عبد الرحمن عن ثوبان أن رجلا أصاب فاحشة على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلم وهو مريض على شفا موت فأخبر أهله بما صنع فأمر النبي صلّى الله عليه وسلم بقنو فيه مائة شمراخ فضرب به ضربة واحدة، وأخرج الطبراني عن سهل بن سعد أن النبي عليه الصلاة والسلام أتى بشيخ قد ظهرت عروقه قد زنى بامرأة فضربه بضغث فيه مائة شمراخ ضربة واحدة، ولا دلالة في هذه الأخبار على عموم الحكم من يطيق الجلد المتعارف لكن القائل ببقاء حكم الآية قائل بالعموم لكن شرطوا في ذلک أن يصيب المضروب كل واحدة من المائة إما بأطرافها قائمة أو بأعراضها مبسوطة على هيئة الضرب. وقال الخفاجي:

إنهم شرطوا فيه الإيلام أما مع عدمه بالكلية فلا فلو ضرب بسوط واحد له شعبتان خمسين مرة من حلف على ضربه مائة بر إذا تألم فإن لم يتألم لا يبر ولو ضربه مائة لأن الضرب وضع لفعل مؤلم بالبدن بآلة التأديب، وقيل: يحنث بكل حال كما فصل في شروح الهداية وغيرها انتهى. وأخرج ابن عساكر عن ابن عباس لا يجوز ذلک لأحد بعد أيوب إلا الأنبياء عليهم السلام، وفي أحكام القرآن العظيم للجلال السيوطي عن مجاهد قال: كانت هذه لأيوب خاصة، وقال الكيا: ذهب الشافعي وأبو حنيفة وزفر إلى أن من فعل ذلک فقد بر في يمينه، وخالف مالک ورأه خاصا بأيوب عليه السلام، وقال بعضهم: إن الحكم كان عاما ثم نسخ والصحيح بقاء الحكم، واستدل بالآية على أن للزوج ضرب زوجته وأن يحلف ولا يستثني وعلى أن الاستثناء شرطه الاتصال إذ لو لم يشترط لأمره سبحانه وتعالى بالاستثناء ولم يحتج إلى الضرب بالضغث. واستدل عطار بها على مسألة أخرج فأخرج سعيد بن منصور بسند صحيح عنه أن رجلا قال له: إني حلفت أن لا أكسو امرأتي درعا حتى تقف بعرفة فقال: احملها على حمار ثم اذهب فقف بها بعرفة فقال: إنما عنيت يوم عرفة فقال عطاء: أيوب حين حلف ليجلدن امرأته مائة جلدة أنوى أن يضربها بالضغث إنما أمره الله تعالى أن يأخذ ضغثا فيضربها به ثم قال: إنما القرآن عبر إنما القرآن عبر. وللبحث في ذلک مجال، وكثير من الناس استدل بها على جواز الحيل وجعلها أصلا لصحتها، وعندي أن كل حيلة أوجبت إبطال حكمة شرعية لا تقبل كحيلة سقوط الزكاة وحيلة سقوط الاستبراء وهذا كالتوسط في المسألة فإن من العلماء من يجوز الحيلة مطلقا ومنهم من لا يجوزها مطلقا، وقد أطال الكلام في ذلک العلامة ابن تيمية۔ (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج٢٣ ص١٩٠)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ جائز کیا از روئے رحمت ایوب علیہ السلام پر اور ان کی بیوی پر کہ وہ ان کی اچھی خدمت کرتی تھی اور یہ رخصت ہماری شریعت میں حدود وغیر حدود میں بھی باقی ہے لیکن غیر حدود بطریق اولیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں تخریج کیا الخ۔

احکام قرآن مصنفہ مولاناجلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ یہ ایوب علیہ السلام کیلئے تھا اور ''کیا'' (ایک عالم کانام ہے) نے کہاہے کہ امام ابو حنیفہ وشافعی وزفر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہی ہے کہ اگر کسی آدمی نے ایساحلف اٹھایا(یعنی حلف ایوب علیہ السلام کی طرح)اور پھراس طرح کام کیا۔تویمین سے بری ہو گیا،اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاف کیاکہ اس نے ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص کیاہے اور بعض علماءنے یہی کہاہے کہ یہ حکم پہلے عام تھااب منسوخ ہوگیا۔علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم باقی ہے الخ۔اور بہت سے لوگ حیلوں کے جواز میں اس آیت کو دلیل کے طورپر پیش کرتے ہیں اور یہ اصل بناتے ہیں حیلہ کی صحت پر لیکن میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جو حیلہ حکمت شرعی کو باطل کرتاہے وہ ہر گز قبول نہ ہوگی۔ جیساکہ حیلہ برائے سقوط زکاۃ یاحیلہ سقوط استہزاء کیلئے اورہماری رائے اس مسئلہ میں توسط کادرجہ رکھتی ہے کیونکہ بعض علماءمطلقاًحیلہ کوجائز قرار کرتے ہیں ۔اگرچہ اس میں ابطال حق ہواور بعض مطلقاًناجائز قرار کرتے ہیں۔اگرچہ اس میں ابطال حق ہو اور بعض مطلقاًناجائز قرار کرتے ہیں اوراس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے بہت طویل سے بحث کی ہے۔

اور علامہ زمحشری تفسیر کشاف میں اسی مقام پر لکھتے ہیں:

وھذہ الرخصة باقية۔

اور یہ رخصت باقی یعنی منسوخ نہیں ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر اسی محل میں لکھتے ہیں:

فَأَفْتَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَأْخُذَ ضِغْثًا -وَهُوَ: الشِّمرا خ- فِيهِ مِائَةُ قَضِيبٍ فَيَضْرِبُهَا بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً وَقَدْ بَرّت يَمِينُهُ وَخَرَجَ مِنْ حِنْثِهِ وَوَفى بِنَذْرِهِ وَهَذَا مِنَ الْفَرَجِ وَالْمَخْرَجِ لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ

وَأَنَابَ إِلَيْهِ الخ۔وَقَدِ اسْتَدَلَّ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ بِهَذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ عَلَى مَسَائِلَ فِي الْأَيْمَانِ وَغَيْرِهَا وَأَخَذُوهَا بِمُقْتَضَاهَا واللہ اعلم بالصواب۔

(تفسیر ابن کثیر ج۴ص۴۰)

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ایک ضغث جو بمعنی شمراح ہے یعنی ایک شاخ کہ اس میں سو(۱۰۰) قضیب ہوں تو اس کو (عورت کو) ایک بار مارو تو قسم سے بری ہو جاؤ گے اور اس کی حنث سے نکلو گے اور اپنی نظر پر وفا پاؤ گے اور یہ حیلہ یا اس کی مانند حیلے ان لوگوں کیلئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسے حیلے اور تدابیر تجویز کرتا ہے) بہت سے فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال پکڑا ہے۔ قسموں وغیرہ کے مسائل میں اور انہوں نے اپنی مقتضیات میں اس آیت پر عمل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ عالم ہے حق صواب بات پر۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ روح البیان میں لکھتے ہیں:

فقد شرع الله هذه الرحمة رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها إياه ورضاه عنها وهى رخصة باقية فى الحدود ديجب ان يصيب المضروب كل واحد من المائة اما بأطرافها قائمة او باعراضها مبسوطة على هيئة الضرب اى بشرط ان توجد صورة الضرب ويعمل بالحيل الشرعية بالاتفاق-روى-ان الليث بن سعد حلف ان يضرب أبا حنيفة بالسيف ثم ندم من هذه المقالة وطلب المخرج من يمينه فقال ابو حنيفة رحمه الله خذ السيف واضربنى بعرضه فتخرج عن يمينک کمافی مناقب الامام رضی اللہ عنه۔

(تفسیر روح البیان ص ۵۶۳ ج ۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت جائز کی ایوب علیہ السلام پر از روئے رحمت اور ان کی بیوی پر کیونکہ وہ ایوب علیہ السلام کی اچھی طرح خدمت کرتی تھیں اور وہ ان سے راضی تھے اور یہ رخصت حدود میں باقی ہے اور واجب ہے کہ مضروب کو ہر ایک درہ ان سو(۱۰۰) میں سے پہنچ

جائے برابر بات ہے کہ اطراف سے ہو حالت قیام میں یا عرض سے ہو حالت بسط میں لیکن صورۃ ضرب پر یعنی اس شرط سے کہ مارنے کی صورت پیدا ہو جائے۔

اتفاق علمائے کرام اس بات پر ہے کہ شرعی حیلوں پر عمل کیا جائے روایت ہے کہ قیس بن سعد نے قسم کھائی کہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلوار سے ماروں گا پھر اپنے اس قول پر پریشان ونادم ہو گیا اور امام صاحب سے اپنے اس قول کا حیلہ طلب کیا تو امام صاحب نے کہا کہ تلوار لے لو اور مجھے اس کے عرض سے مارو پس تم اپنی حلف سے نجات پاؤ گے جیسا کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں ذکر ہوا ہے۔لہذا حیلہ شرعی قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اقوال فقہائے کرام سے ثابت ہے اور اس سے انکار کرنے والا پکا کافر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھے اور راز بھی ظاہر نہ ہونے پائے تو اللہ تعالیٰ نے حیلہ ارشاد فرمایا جس کا مفصل بیان سورہ یوسف میں موجود ہے۔ایک بار حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسم کھائی کہ میں اگر قابو پاؤں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی عضو قطع کروں گی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صلح کرادو تو حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو گی کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کان چیر دیں۔

فی فتاویٰ املح جاء الصحابی ای النبی ﷺ فقال هلکت و اهلکت فقال کیف قال جامعت امرئتی فی نهار رمضان فقال فعلیک اعتاق رقبة فقال رقبتی هذه ولیس لی غیرها فقال ﷺ شهرین متتابعین فقال لیس لی طاقة صوم و احد جامعت مع امرئتی فکیف اصوم شهرین لیس لی طاقة فقال فاعط طعام ستین مسکینا فقال لیس لی طاقة انا بنفسه مسکین فقال اعطنی صاعا من تمر لافک به رقبتک فقال و اللہ لیس عندی صاع تمر فقال

یاعثمان اعط لذلک الرجل صاعامن تمرففعل عثمان بن عفان کماامررسول اللہ ﷺفاعطی لذلک الرجل فقال له النبی ﷺ اعطنی هذه الصاع من التمر من فدية صوم واحدففعل وقبل النبی ﷺثم اعطی له فقال اعطنی ثانیاففعل وقبل النبی ﷺ ففعل ککٔ ستین مرة بالایجاب والقبول فقال علیه السلام قدفک رقبتک بهذه الحیلة واعط الصاع المسکین فقال واللہ لیس المسکین افضل منی فتبسم النبی ﷺ واعطی له صاع التمرانتهی۔ وایضاً عمررضی اللہ تعالیٰ عنه فعل دورة الاسقاط کماجاءفی الدررللامام الغزالی قال الشارح السمرقندی حدثناعباس بن سفیان عن ابی حیلة عن بن عون عن محمدبن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنهم) انه قال قال عمر ایهاالمؤمنون اجعلواالقرآن وسیلة النجات الموتیٰ فتحلقواوقولوااللهم اغفرلهذاالمیت بجزءمن القرآن وتنالواابایدیکم متناولتابدوران جزءالقرآن لحیلةالاسقاط۔

(تحریر المسائل الخمسة) (تسهیل المشکوة ص۱۱۷-۱۱۵)

ترجمہ: فتاویٰ املح میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں ہلاک ہوا۔ میں ہلاک ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ کیسے؟ عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے ماہ رمضان کے یوم میں مجامعت کرلی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تم پر غلام کا آزاد کرنا ہے۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں سوائے اپنی گردن کے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا یکے بعد دیگرے (یعنی متواتر) دو مہینے کے روزے رکھو۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے ایک روزہ رکھنے کی طاقت نہیں کہ میں نے تو بیوی سے جماع کیا تو کیسے لگاتار روزے رکھوں۔ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے کوئی طاقت نہیں، میں خود مسکین ہوں، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ دیجئے مجھے ایک صاع کھجوریں تاکہ میں تیری طرف سے رقبہ کو آزاد کرلوں۔ پس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں ہے میرے پاس کھجور کا صاع۔ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان بن عفان دیجئے اس آدمی کو ایک صاع کھجور سے۔ پس عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ویسا ہی کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم دیا تھا پس دے دیا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کھجوروں کا ایک صاع۔

پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی کو دیجئے مجھے یہ صاع کھجور کا ایک روزے کے فدیہ سے پس اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبول فرمایا اور پھر وہی صاع اس کو دیا۔ پھر فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مجھے دوبارہ دیجئے پس اس نے ایسا کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبول فرمایا۔ اسی طرح یہ طریقہ ساٹھ مرتبہ ایجاب وقبول سے ہوتا رہا۔ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ بے شک آپ کا رقبہ اس حیلہ سے آزاد ہوا۔

فائدہ: فتاویٰ املح کی اس روایت سے صاف طور پر دورہ اسقاط مع ایجاب وقبول ثابت ہوا۔

اسی طرح دارالتصنیف امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے بسند شارح سمرقندی بیان فرمایا۔ حضرت عباس بن سفیان نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ اے ایمان دارو بناؤ قرآن پاک کو وسیلہ نجات موتیٰ کیلئے کہ حلقے بناؤ اور کہو کہ اے اللہ بخش دیجئے اس میت کو وسیلہ اس قرآن حاضر کے اور لگاؤ اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے قرآن کے دوران سے برائے حیلہ اسقاط۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حیلہ اسقاط بذیعہ قرآن درست اور جائز ہے۔

اذا مات الرجل و علیہ صلوات فائتۃ فاوصی بان یعطی کفارۃ صلواتہ فیعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر و لصوم یوم نصف صاع من ثلث مالہ و ان لم یترک مالا یستقرض ورثتہ نصف صاع و یدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثتہ ثم و ثم و ثم حتی یتم لکل صلوۃ انتہی۔ و فی البحر الرائق فی باب قضاء الفوائت اذا مات الرجل و علیہ صلوۃ فائتۃ و اوصی بازیعطی کفارۃ صلواتہ یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر و للوتر نصف صاع و لصوم یوم نصف صاع و انما یعطی من ثلث مالہ و ان لم یترک مالا تستقرض ورثتہ نصف صاع و یدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض الورثۃ ثم و ثم و ثم حتی یتم لکل صلوۃ انتہی۔ و بالتفصیل الکامل فی منحۃ الخالق علی البحر الرائق الی ان قال ثم طریق اسقاط الصلوۃ الذی یفعلہ الائمۃ فی زماننا ان یجمع الوارث عشرۃ رجال مثلا گیس فیھم غنی لقولہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء و المساکین آہ۔

(شامی ص ۴۸۶ ج ۱، البحر الرائق ص ۹۱، و جامع الرموز ص ۱۶۱، عالمگیری، فتاویٰ حمادیۃ، مراقی الفلاح ص ۲۶۳، نور الایضاح ص ۴۴، طحطاوی ص ۳۴۱، و المنھاج الواضح ص ۴۶۴، خلاصۃ ص ۱۵۳، جواھر النفیس ص ۳۰، المقاصد السنیۃ)

جب وفات پانے لگے کوئی آدمی اور اس کے ذمہ فوت شدہ نمازیں ہوں تو اس کو چاہیے کہ وصیت کرے کفارہ دینے کیلئے نصف صاع گندم میں سے بعوض ہر نماز اور ہر ایک

روزے کیلئے اپنے ثلث مال میں سے اگر اس نے کوئی مال نہ چھوڑا تو اس کے ورثاء قرض لیں گے اور ایک مسکین کو دیں گے پھر یہ مسکین صدقہ کر دے اس کے بعض ورثاء پر اس طرح یہی سلسلہ جاری رہے یہاں تک کہ تمام نمازوں کا فدیہ اور روزوں کا ادا ہو جائے اور اسی طرح ظاہر مذہب میں ہے کہ میت کے وارث دس آدمیوں کو جمع کریں جس میں کوئی غنی نہ ہو اور نہ غلام اور نہ نابالغ اور نہ دیوانہ ہو۔

ولا عبد ولا صبی ولا مجنون لان هبتهم لاتصح ثم يأخذ الوارث من مال اليتيم وجوبا ان اوصى واستحبابا ان لم يوص ثم يرده اويأخذ الاجنبى من مال نفسه تبرعا فيدوره بنفسه اويوكل غيره الى أن يتم فدية فواته ثم يهبونه الى الوارث مثلا فيتصدقه على الفقراء العشرة ماشاء ولا يجب تقسيم المال المذكور جميعا على الفقراء يعنى يصح بعد الحيلة تقسيم مطلقا على الغنى والفقير والاولىٰ به الفقير كما هو الظاهر انتهى۔ ملخصا وفى قاضى خان رجل مات وعليه صلوات واوصى بان يطعمو الصلواته اتفق المشائخ على انه يجب هذه الوصية من ثلث ماله يعطى لكل مكتوبة نصف صاع من الحنطة وللوتر كذلك انتهى۔ وحاصله ان تنفيذ وصيته واجب بطريق الدوران ولاجل شهرة الدوران ماذكره المصنف كما هو دابه وفى الكبيرى فى فصل قضاء الفوائت ومن مات وعليه صلوات فاوصى بمال معين ليعطى لكفارة صلواته لزم على الورثة اعطائه ويعطى لكل صلوة كالفطرة وللوتر كذلك وكذا الصوم كل يوم وانما يلزم تنفيذه من الثلث وان لم يوص وتبرع به الورثة جاز وان كانت الصلوات كثيرة والحنطة قليلة يعطى ثلاثة اصوم من صلوات يوم وليلة مع الوتر مثلاً الفقير ثم يدفعها الفقير الى الوارث ثم يدفعها الوارث اليه وهكذا يفعله مرارا حتى يستوعب الصلوات ويجوز اعطائها الفقير واحد دفعة بخلاف كفارة اليمين والظهار والافطار بلا عذر انتهى۔ وفى الدر المختار (وَلَوْ مَاتَ الرجل وَعَلَيْهِ صَلَوَاتٌ فَائِتَةٌ وَأَوْصَى بِالْكَفَّارَةِ يُعْطَى لِكُلِّ صَلَاةٍ نِصْفَ

صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) كَالْفِطْرَةِ (وَكَذَا حُكْمُ الْوِتْرِ) وَالصَّوْمِ, وَإِنَّمَا يُعْطِي (مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَارِثُهُ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتَّى يَتِمَّ. وفى الدر المنتقى اذا ارادوا الاخراج عن الميت يخرجوا عنه بقدر صلواته ان كان عندهم مايكفى والاتدفع مرارا انتهى۔ وفى الطحطاوى ولابدمن تكرار القبض والدفع حتى تتم الهبة انتهى۔ اعلم ان الحيلة فى اللغة هل هيئة الدافعة للثقل وفى الاصطلاح وجود الهيئة المسهلة لحصول المراد وهى قسمان حقانية وشيطانية الاولىٰ ماجوزه الشرع والثانية مايمتنعوه الشرع وامثال الاولىٰ ماوجدمن ايوب عليه السلام ويوسف وابراهيم عليهما السلام واما الفقهاء جوزوها فى الدفع الشفعة والدفع حقوق الله تعالىٰ عن ذمة الميت كيف ماكانت فى ديارنا من الكابل والقندهار والصوبة السرحدية واكتفيت بماحررت بمثل مشت نمونه خروار بعون الله الغفار واصلى فى اتمامها على رسولنا محمد صلى الله عليه وآله وسلم سيد الابرار وعلىٰ اله الاخيار۔ آمين۔

(تسهيل المشكوة ص ١١٧-١١٥)

نماز اور روزوں کا میت کے ذمہ سے ساقط کرنے کا بیان

اگر کسی میت کے ذمہ میں نماز اور روزہ قضا باقی ہو اور اس نے ان کی تمام کا فدیہ دینے کی وصیت کی ہو تو فدیہ دینا واجب ہے اور اگر وصیت نہ کی ہو اور اس میت کا ولی یا کوئی رشتہ دار اس کا فدیہ دیتا ہے تو بھی صحیح اور جائز ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے جلد اول میں اس پر بحث کی ہے۔

اسی طرح طحطاوی علی المراقی، عالمگیری، فتاوی قاضی خان ص ۲۸۶ جلد دوم میں کفارہ یمین کے موضوع میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے:

رجل مات وعليه صلوة شهرا ونحو ذلك ولم يترك مالا فاستفرض ورثة قفيز حنطة وتصدقوا على المسكين ثم المسكين تصدق بذلك على بعض ورثة ثم دفع الوارث الى

المسکین عن صلوۃ المیت فلم یزل یفعل ذلک حتی تم لکل یوم قفیز حنطۃ جاز۔ وقال فی صفحہ ۴۱۵ واجمعوا علی انما لا یبطل حق الغیر یکرہ فیہ استعمال الحیلۃ و الا الحیلۃ و کذا قال فی البخاری جلد اول صفحہ ۲۶۲ حاشیہ نمبر اول: وحجۃ اصحابنا الحنفیۃ ما رواہ النسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال لا یصلی احد عن احد و لکن یطعم عنہ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ ﷺ من مات و علیہ صوم شہر فالیطعم عنہ ما کان کل یوم مسکین قال القرطبی فی شرح الموتیٰ اسنادہ حسن و کذا فیہ بروایۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ترجمہ: اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس پر مثلاً ایک مہینے کی نمازیں قضا ہوں اور اس کے فدیے کے لئے اس نے مال نہیں چھوڑا تو اس کے وارث کسی سے ایک قفیز (مثلاً ۴ کلو) گندم قرض لے کر کسی فقیر کو اس کے دو نمازوں کے فدیہ میں دیدے، پھر وہ فقیر اس کو قبول کر کے میت کے وارث کو اپنی طرف سے ہبہ (ہدیہ) کر دے، وہ وارث اس کو قبول کر کے دوبارہ اس فقیر کو میت کی دو نمازوں کے فدیہ میں دیدے اور وہ فقیر اس کو قبول کر کے دوبارہ اس وارث کو ہبہ کر دے، اس طرح کئی بار کرتا رہے تا کہ میت کے ذمہ جتنی نمازیں ہیں وہ اس سے ساقط ہو کر میت کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز ادا کرے اور اس کی طرف سے کھانا کھلائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس میت پر مثلا ایک مہینے کے روزے ہوں تو اس کا وارث اس کی

طرف سے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلاتا رہے، ایک ایک روزے کے بدل میں۔ قرطبی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

شرعاً یہ ثابت ہوا کہ نماز اور روزوں کے بدلے مال دینا فدیہ میں جائز ہے۔ اگر کسی نے حیلہ اسقاط کے عمل میں قرآن مجید رکھا تو یہ قرآن کی توہین نہیں ہے بلکہ کسی شخص کا ذاتی ملکیتی قرآن بھی مال ہے، اور وہ بھی فدیہ میں دے سکتا ہے کیونکہ قرآن کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ کسی کے لئے اس کی وصیت بھی جائز ہے اور میراث میں وارث کو بھی مل سکتا ہے، تو یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مال ہے تو دیگر مال کے ساتھ قرآن کو بھی اگر فدیہ میں رکھ دیا جائے تو جائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور جو لوگ قرآن پر ہاتھ رکھتے ہیں دورۂ اسقاط میں تو وہ بھی جائز ہے، کیونکہ سب لوگ باوضو ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کو بیت الخلاء لے جانا، ناپاک جگہ پر رکھنا، دار الحرب (میدانِ جنگ) میں لے جانا منع ہے، تو اے مسلمانوں ہمارا ملک نہ دار الحرب ہے، نہ حیلہ اسقاط میں قرآن کو ناپاک جگہ پر رکھا جاتا ہے، اور نہ بے وضو لوگ اس کو ہاتھ لگاتے ہیں، تو کیسے منع اور ناجائز ہوا، اے وہابی اور پنج پیری کے بچے۔

بس کنم خود زیرا کاں را ایں بس است

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

راقم الحروف۔ سید احمد علی شاہ حنفی

ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف

ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مد ظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ دعا بعد از جنازہ مستحب ہے یانہ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنازے کے بعد دعاء کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ ممنوع وبدعت ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید اظہار الحق

شاہ ترمذی حنفی سیفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب

جنازے کے بعد دعا کرنا مستحب ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنازے کے بعد دعاء کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ ممنوع ہے، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ جنازہ سے مراد چار تکبیریں ادا کرنی ہیں،

فقط۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے نماز جنازہ کے بعد سلام پھیرنا ثابت نہیں ہے، نہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں اور نہ کسی اور جنازہ میں، بلکہ سلام پھیرنا نمازِ جنازہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے تو یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے جیسے کہ بدر العینی صفحہ ۲۳، جز ۸ میں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جنازہ سے مراد چار تکبیریں ہیں فقط۔ دعاء کرنا سلام سے پہلے اور چار تکبیروں کے بعد ممنوع ہے نہ کہ بعد میں۔

قال فی فتاویٰ قاضی خان وعن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: اذا لم یکبر حتی کبر الامام اربعاً فاتتہ الصلوۃ الجنازۃ۔

ترجمہ: فتاویٰ قاضی خان میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر مقتدی نے امام کی چوتھی تکبیر تک تکبیر نہیں پڑھی تو اس شخص سے نماز جنازہ فوت ہو گیا۔

قال فی طحطاوی وارکانھا التکبیرات والقیام۔[3365]

ترجمہ: طحطاوی میں ہے کہ جنازہ کے ارکان تکبیرات اور قیام ہیں۔

وقال فی الشامی جلداول ورکنھا التکبیرات الاربع والقیام۔[3366]

کذاقال وھی اربع تکبیراتٍ۔[3367]

ترجمہ: اور شامی میں لکھاہے جنازہ کے رکن چار تکبیر اور قیام ہیں، اور یہ جنازہ چار تکبیر ہے۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ صرف چار تکبیریں ہیں، تو دعاء کرنا چار تکبیروں کے بعد اور سلام سے پہلے ممنوع ہے نہ کہ سلام کے بعد۔ جیسے کہ شامی میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعاء

3365 (طحطاوی ص ۳۱۸) حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ۱ ص ۵۸۱۔

3366 (شامی ص ۵۸۳)

3367 (شامی صفحہ ۵۸۵)

کئے بغیر سلام پھیرنا ہے۔ طحطاوی میں بھی ایسا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعاء کے سلام پھیرنا ہے۔ یہ ظاہر الروایت میں ہے، تو یہ دعاء جو ممنوع ہے، یہ چار تکبیروں کے بعد، سلام سے پہلے والی دعاء ہے، نہ کے سلام کے بعد والی دعاء۔

وقال فی فتاویٰ عالمگیری جلد اول : وَلَيۡسَ بَعۡدَ التَّكۡبِيرَةِ الرَّابِعَةِ قَبۡلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ هَكَذَافِي شَرۡحِ الۡجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانۡ.

وَهُوَ ظَاهِرُ الۡمَذۡهَبِ، هَكَذَافِي الۡكَافِي۔[3368]

فتاوی عالمگیری جلد اول میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعاء نہیں ہے، اسی طرح جامع الصغیر، قاضی خان میں بھی ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ ہے، اور مذہب بھی یہی ہے۔

الحاصل یہ کہ جن کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لئے کھڑا نہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعاء ثابت نہیں ہے، سلام سے پہلے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سلام کے بعد دعاء ثابت اور جائز نہیں اور یہ دعاء ممنوع ہے۔ کیونکہ بعدیت (نماز کے بعد) کا وقت تو غیر متناہی ہے، پھر تو مانعین کے نزدیک قیامت تک مردوں کے لئے دعاء کرنا ممنوع قرار دیا جائے گا، حالانکہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو جآء بعدما کبر الامام الرابعۃ قبل ان یسلم فقد فاتتہ صلوۃ الجنازۃ۔[3369]

ترجمہ: اگر کوئی شخص امام کی چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے آیا تو اس سے نمازِ جنازہ فوت ہو گیا۔

3368 (عالمگیری صفحہ ۱۳۱)

3369 (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۳)

اور اسی طرح قاضی خان ۹۱، عالمگیری ۱۳۱ جلد اول میں ہے، اور کہا یہ ظاہر الروایۃ ہے۔

طحطاوی ۳۲۱و۳۲۶، شامی ۵۸۵ ج اول میں ہے:

سلام پھیرنا نمازِ جنازہ میں شامل و داخل نہیں ہے۔ جیسے امام عینی لکھتے ہیں۔ شرح بخاری ۲۳، جلد ۸:

وَقَالَ ابْن التِّين: وَسَأَلَ أَشهب مَالِكًا: أتكره السَّلَام فِي صَلَاة الْجنَائِز؟ قَالَ: لَا، وَقد كَانَ ابْن عمر يسلم. قَالَ: فاستناد مَالك إِلَى فعل ابْن عمر دَلِيل على أَنه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لم يسلم فِي صلَاته على النَّجَاشِيّ وَلَا على غَيره۔

ترجمہ: ابن تین نے کہا اشہب نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟ کہا نہیں، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سلام پھیرتے تھے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے دلیل لینے سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حضرت نجاشی یا کسی اور کے جنازہ میں سلام نہیں پھیرا۔

تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سلام نہیں ہے، تو فقہاء کے قول سے معلوم ہوا کہ چار تکبیروں کے بعد دعاء نہیں ہے نہ کہ سلام کے بعد۔

اے میرے بھائیو! یہ طریقہ جو تمام شہروں یا ملکوں میں معروف اور جاری ہے کہ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد دعاء ہوتی ہے تو مشروع اور مسنون ہے۔ شرح الوقایہ حاشیہ مفتی عبد الرحیم صفحہ ۲۲۰ میں عبارت "یقوم المصلی بحذاء صدر المیت":

من صلی صلوۃ الجنازۃ ولم یقرء الدعاء لا یجوز جنازتہ لان الدعاء شرط بعد الصلوۃ وقال المعتزلۃ لا یفید الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لان الصلوۃ دعاء من وجہ قلت امر رسول اللہ ﷺ بدعاء بمکۃ حین سئل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ ﷺ ای فائدۃ بدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ فقال رسول اللہ ﷺ ھذا امر منھی فی حق الکافرین کذا فی الدرر۔

ترجمہ: جس نے نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد دعا نہ کی تو اس کی نماز جنازہ درست نہیں اس لئے کہ دعا بعد نماز جنازہ شرط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کوئی فائدہ نہیں دیتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی ایک وجہ سے دعاء ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے امر فرمایا مکہ مکرمہ میں دعاء کے ساتھ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کوئی فائدہ دیتی ہے کہ نہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ یہ امر ممنوع ہے کفار کے حق میں (یعنی کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہے، نہ کہ مسلمانوں کے لئے)۔

اور حاشیہ شرح الوقایہ لمفتی محمد داؤد پشاوری ج ا ص ۲۲۴ پر بھی اس طرح ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں منھیّ فی حقّ الکافرین پر اگر غور کیا جائے تو اس سے پوری وضاحت سامنے آجائے گی۔ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے لفظِ حقّ مصدر مضاف ہے اور الکافرین مضاف الیہ ہے۔ اب اگر یہ حقّ مصدر بمعنی فاعل کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو کافر ممنوع قرار دیتے ہیں اور اگر حقّ مصدر بمعنی مفعول کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز کے بعد کی دعا کافروں کے لئے ممنوع ہے۔ تو بنا بر تقدیرِ اوّل مانعین کافر ہو جاتے ہیں اور بنا بر تقدیرِ ثانی مردے کافر ہو جاتے ہیں۔ تو مانعینِ دعا یا تو خود کافر ہیں اور یا مردوں کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے دعا نہیں کرتے۔

اور بحر الرائق کی عبارت میں ہے: "لانہ لا یدعو بعد التسلیمتین"۔ تو یہ عبارت مذکورہ تمام عبارت کے ساتھ مخالف اور متناقض ہے اور مانعین کے لئے بہترین اور مضبوط دلیل ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ عبارت مذکورہ عباراتِ فقہاء کے ساتھ موافق ہے نہ کہ مخالف۔ اصل میں یہ کاتب سے غلطی ہوئی ہے جیسے کہ قرآن مجید کی آیات و حرکات و سکنات میں کبھی کبھی کاتب یا اشاعتی ادارے کی طرف سے سہو و غلطی ہوتی ہے، پھر قرآن مجید کے حفاظ و قراء اس کی تصحیح کر دیتے ہیں۔ اس بنا پر اصل عبارت یوں ہے: لانہ لا یدعوا بعد التسلیمتین اس کا معنی یہ ہوا کہ نمازی چوتھی تکبیر کے بعد دو طرفہ سلام کو ترک نہیں کرے گا۔ تو "لا یدعو" میں کاتب سے سہو اور غلطی ہوئی ہے اور بعد کا لفظ اسماء ظروف میں سے ہے جو مقطوع الاضافت ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے جو تکبیر رابع ہے اور لفظ "تسلیمتین" لا یدعو کے لئے مفعول بہ ہے، صرف "لا یدعو" کا واؤ سہو اور غلطی ہے کاتب کی طرف سے، تو بحر الرائق کی عبارت تمام فقہاء کی عبارات کے موافق ہو گئی۔

هذاالقدر کاف
من له طبع۔واللہ اعلم
بالصواب۔

راقم الحروف: سید احمد علی شاہ حنفی
ترمذی سیفی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی

رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ میت کے اہل خانہ کی طرف سے پہلے سات دنوں میں صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید احتشام الحق شاہ ترمذی حنفی سیفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔

میت کی پہلی رات سے لے کر سات دن تک خیرات وصدقہ کرنا مستحب ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ يَقُولُ: «أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ» فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِي امْرَأَتِهِ فَأَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يلوک لُقْمَةً فِي فَمِهِ ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرَى لِي شَاةٌ فَلَمْ تُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً أَنْ أَرْسِلْ إِلَيَّ بِهَا بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ الْأَسْرَى»۔[3370]

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے باپ اوروہ انصار کا یک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ جنازہ کیلئے نکلے۔ پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کودیکھااس حال میں کہ قبر کے پاس آکر کھودنے والے کووصیت فرمائی کہ میت کی قبر کوپاؤں کی طرف سے اور سرہانے کی طرف سے کشادہ کیجئے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سامنے اس میت کی عورت بلارہی تھی پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبول فرمایااور ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ تھے۔پس وہ عورت کھانالائی اورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سامنے رکھااور پھر قوم کے سامنے پس سب نے کھایاپس ہم نے دیکھارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف کہ فم مبارک میں لقمہ الٹ پلٹ رہے ہیں اور فرمایامیں نے بھیڑ (یا بکری) کے گوشت سے معلوم کیاہے کہ بغیر اجازت مالک حاصل کی گئی ہے الخ۔

[3370] (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ص ٤٧٣ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔ مشكاة المصابيح ص ٥٤٤)

فائدہ: اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ جائز ہے۔ مرقات میں امرأته کی امرأة المیت اور ابوداؤد میں امرأة آیا ہے۔ یہاں تنوین عوض ہے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی دوسرا جواب یہ ہے کہ امرأة لفظ اگر عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی اور کوئی اور تھی جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا۔ (اذاجآء الاحتمال بطلت الاستدلال) پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں کو شامل ہے اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ (فقط واللہ تعالیٰ بالصواب)

وهكذاالشيخ المحدث عبدالغنى الدهلوى شارح ابن ماجه حيث قال اماصنعته الطعام من اهل الميت اذاكان للفقراء فلابأس به لان النبى ﷺ قبل دعوة امرأة الميت التى مات زوجها كمافى سنن ابى داؤد ص ٤٧٣۔

ترجمہ: حضرت شیخ المحدث شاہ عبدالغنی صاحب الدہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا میت کے ورثاء اگر فقراء کیلئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے میت کی عورت کی طرف سے دعوت قبول فرمائی تھی جیسا کہ ابوداؤد ص ٤٧٣۔

فائدہ: اس سے ظاہر ہوا کہ میت کے ورثاء اگر بخوشی فقراء کو کھانا کھلائیں تو کوئی حرج نہیں۔

وهكذاقال المحدث عبدالحق الدهلوى والمستحب ان يتصدق من الميت بعدذهابه من الدنياالى سبعةايام۔[3371]

اسی طرح حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ میت کے دنیا سے چل بسنے کے بعد سات دن تصدق بالطعام مستحب ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے تصدق درست ہے۔

[3371] (اشعۃاللمعات ج ۱ ص ۷۶۴)

وان اتخذطعاماللفقراء کان حسناً۔ [3372]

ترجمہ: اگر کھانا فقراء کیلئے تیار کیا جائے تو اچھا ہے۔

والسنة ان یتصدق ولی المیت قبل مضر اللیلة الاولیٰ بشئی مماتیسرله فان لم یجدشیئافلیصل رکعتین۔ [3373]

ترجمہ: طریقہ مسنون یہ ہے کہ میت کے ورثاء تصدق کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کیلئے آسان ہو اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر میت کی روح کیلئے ان کا ثواب بخشیں۔

فائدہ: ثابت ہوا کہ صدقہ میت کیلئے پہلی ہی رات گزرنے سے پہلے پہلے بہت مفید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ شرح الصدور صفحہ ۵۷ پہ لکھتے ہیں:

عَنْ سفیان قَالَ: قَالَ طَاوُسٌ: إِنَّ الْمَوْتَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ سَبْعًا، فَكَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطْعَمَ عَنْهُمْ تِلْكَ الْأَيَّامَ۔ [3374]

ترجمہ: امام احمد رحمہ اللہ نے الزہد اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے حلیہ میں طاؤس سے روایت کی کہ مردوں کو قبروں میں سات دن تک آزمایا جاتا ہے تو علماء نے ۷ دن تک ان کے لئے صدقہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

[3372] (شامی ج ۱ ص ۲۳۶)

[3373] (شرح شرعة الاسلام ص ۵۲۸، طحطاوی ص ۳۳۹، برھنه ج ۱ ص ۳۶۳)

[3374] (الحاوی للفتاویٰ، باب طلوع الثریا باظهار ما کان خفیا، ج ۲، ص ۲۱۶)

والسنة أن يتصدق ولي الميت له قبل مضي الليلة الأولى بشيء مما تيسر له فإن لم يجد شيئا فليصل ركعتين ثم يهد ثوابهما له قال ويستحب أن يتصدق على الميت بعد الدفن إلى سبعة أيام كل يوم بشيء مما تيسر اهـ[3375]

طحطاوی میں ہے: کہ سنت یہ ہے کہ میت کا وارث میت کی طرف سے پہلی رات گزرنے سے پہلے صدقہ دیدے جو بھی اس کو میسر اور آسان ہو۔ اگر صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ پائے تو اس کے لئے دو رکعات نماز پڑھ کر اس کا ثواب اس کو بخش دے اور یہ مستحب ہے کہ جو بھی حسبِ استطاعت میسر ہو تو سات دن تک میت کے لئے صدقہ دیدے۔

وقال فی النسائی (۱) جلد اول صفحه ۱۵ حاشیه نمبر ۲، (۲) وقال فی النسائی جلد ثانی صفحه ۲۴۱: لعن رسول اللہ ﷺ علی أكل الرباء و موكله و كاتبه و مانع الصدقة۔ وقال فی الحاوی للفتاویٰ جلد ثانی ایضاً صفحه ۱۷۸۔

ترجمہ: نسائی شریف کے حاشیہ میں ہے اور ۲۴۱ میں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے لعن فرمائی ہے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور صدقہ کو منع کرنے والے پر۔ الحاوی للفتاویٰ میں ص ۱۷۸ جلد ثانی میں بھی ایسا ہے۔

علامہ عبد الرشید صاحب رشید البیان میں لکھتے ہیں: اموات کے لئے صدقہ و خیرات کا ثواب پہنچتا ہے اور جو کہتا ہے کہ ایصال ثواب نہیں ہوتا تو وہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

بس کنم خود زیرا کاں را ایں بس است

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

[3375] (حاشیة طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور، فصل فی حملها و دفنها، ج ۱ ص ۶۱۷)

راقم الحروف :سید احمد علی شاہ حنفی

ترمذی سیفی

فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجددالف

ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

ماقال المجیب فھو فیہ مصیب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فتویٰ جامعہ امام ربانی مجددالف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنگی ٹاؤن کراچی سندھ

مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسئلہ میں کہ کیا قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کو کھانا کھلانا، تحفہ تحائف دینا اور اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید سمیع الحق شاہ

ترمذی حنفی سیفی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب ھو الموفق للصواب۔

قرآن خوانی کرنے والے علماء و طلباء کو یہ چیزیں دینا دو قسم پر ہے، یا تو ان کے ساتھ اجارا (مزدوری) کی بات کی ہوگی یا بغیر اجارے کے ان سے قرآن خوانی کروارہے ہیں۔ اگر بغیر اجارے کے ہے تو قرآن پڑھنے والوں کے لئے اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے، اس کی دلیل قرآن و حدیث میں ہے۔

قرآن مجید میں فرمانِ خداوندی ہے:

هَلۡ جَزَاءُ الۡإِحۡسَانِ إِلَّا الۡإِحۡسَانُ (الرحمن ٦٠)

ترجمہ: احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔

رہی بات اجارے کے طور پر قرآن خوانی کرنا تو اس میں اختلاف ہے۔

بخاری میں ص ۳۴۰ ج ا میں ہے:

فقالعَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذۡتُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا كِتَابُ اللّٰہِ۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ سب کاموں سے زیادہ اجرت لینے کے لائق اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) ہے)۔

اس عبارت کے حاشیہ نمبر ۸ میں ہے:

وفیہ جواز الرقیۃ وبہ قالت الائمۃ الاربعۃ وفیہ جواز اخذ الاجرۃ۔

یعنی اس حدیث میں دم کرنے کا جواز ہے اور یہ ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور دم کرنے پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے۔

وفی الحدیث ان حسین بن علی بعث ابنه علی بن الحسین زین العابدین الی عبدالرحمن السلمی لیعلمه القرآن فعلمه فاتحة الکتاب فقرأها بین یدی ابیه الحسین فارسل الیه بعشر بدرات (جمع بدرة) ای بعشرة الاف درهم بعشرة افراس و بعشرة نخوت من الثیاب، فقیل؟بم استحق هذا قال له لانه علم ابنی فاتحة الکتاب وهی التی لم تنزل علی احدمن لدن آدم الی محمدعلیهما الصلوة والسلام ولم تنزل علی جدی سورة افضل منها فهذا الذی انقدت الیه حقه کذافی تفسیر حقی۔

ترجمہ: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فرزند زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ کو حضرت عبدالرحمن سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے تا کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قرآن پاک پڑھادیں پس حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورۃ فاتحہ سکھادی، پھر حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سورۃ فاتحہ پڑھی (سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے جب سورۃ فاتحہ سنی تو) حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دس ہزار (۱۰۰۰۰) دراہم اور دس گھوڑے اور دس جوڑے (کپڑوں کے) بھیج دیئے۔ تو (ایک سائل نے سوال کیا حضرت، جناب عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کس سبب سے (اتنے سارے مال کے) مستحق ہوئے؟ تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (اے سائل) جناب عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے صاحبزادے کو سورۃ فاتحہ پڑھائی ہے (یہ اس کا عوض ہے)

(اور سنو) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے ناناجان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تک کسی (نبی علیہ السلام) پر میرے ناناجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے سوا سورۃ فاتحہ نازل نہیں ہوئی (یہ اعزاز صرف اور صرف میرے ناناجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو حاصل ہے مزید بر آں) میرے ناناجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اس سے افضل کوئی سورت نازل نہیں ہوئی۔ (اے سائل میں نے عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگر کچھ دیا ہے تو) یہ اس کا حق ہے۔" ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔[3376]

فی عمدۃ الحکام من ملتقط الناصری سلم ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ابنہ حماداالی معلم فلما علمہ الحمدللہ او صلہ بخمس مائۃ درھم فاستکثرہ المعلم فغضب ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وحبس ابنہ وقال لیس للقرآن عندہ قدر انتھیٰ۔

عمدۃ الاحکام سے ملتقط ناصری میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے حماد کو معلم کے پاس بعوض تعلیم سپرد کیا جب انہوں نے سورۃ فاتحہ (الحمد للہ) سیکھ لی تو امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور ہدیہ پانچ سو درہم استاذ کیلئے بھیجے تو استاذ صاحب نے زیادہ سمجھا امام صاحب مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبارک بہت غصہ ہوئے اور اپنے بیٹے (حماد) کو ان کے پاس جانے سے روک دیا اور فرمایا کہ اس کے پاس قرآن کی قدر نہیں۔[3377]

[3376] (المقاصد السنیۃ ۴۷۰، خزینۃ الاسرار ص ۶۷)

[3377] (المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ باب فضل القرآن وقرآءتہ وآدابہ ص ۶۲۹)

واما الحدیث التی جاء فی مشکوۃ عَن بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عظم لَيْسَ عَلَيْهِ لحم» . رَوَاهُ الْبَيْهَقِيّ فِي شعب الْإِيمَان۔

فالمراد به السؤال من الناس کما فی الحدیث السابق عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ابن حصین للاجارۃ مشکوۃ ص ۱۹۳۔

ترجمہ: رہی وہ حدیث جو مشکوۃ شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھ کر اس پر کھانا کھالے تو قیامت کے دن اس کے چہرہ پر صرف ہڈی ہوگی، گوشت نہیں ہوگا، تو اس سے مراد لوگوں سے مانگنا ہے جیسا کہ سابق حدیث سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

قال فی الفتاویٰ عالمگیری (جلد ۳ ص ۴۷۹، فی باب السادس عشرۃ) وَعِنْدَ عَدَمِ الِاسْتِئْجَارِ أَصْلًا أَوْ عِنْدَ الِاسْتِئْجَارِ بِدُونِ الْمُدَّةِ أَفْتَوْا بِوُجُوبِ أَجْرِ الْمِثْلِ. كَذَا فِي الْمُحِيطِ۔ وَكَانَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ يَقُولُ يُجْبَرُ الْمُسْتَأْجِرُ عَلَى دَفْعِ الْأُجْرَةِ وَيُحْبَسُ بِهَا قَالَ: وَبِهِ يُفْتَى۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ صاحبِ خانہ (جنہوں نے اجرت پر لوگوں کو بلایا) زبردستی اجرت اٹھا کر (قرآن خوانی کرنے والوں) کام کرنے والوں کو دے گا اور اس پر فتویٰ ہے۔

عقل لوگوں ذرا سوچ لیں کہ قرآن پڑھنے والے طالب العلم وغیرہ لوگ اپنی مرضی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی دوستی اور تعلقات کی بنا پر آکر قرآن خوانی کرتے ہیں اور صاحبِ خانہ ان کو جو کچھ عطا کرتا ہے تو یہ اس آیت کا مصداق ہے:

هَلۡ جَزَاۗءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ (الرحمن ٦٠)

کہ احسان کا بدلا احسان ہی ہے۔

هذا القدر كاف
من له طبع۔ والله اعلم
بالصواب۔

راقم الحروف :سید احمد علی شاہ حنفی

ترمذی سیفی

فاضل دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

بانی و مہتمم جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی

رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی

نمبر ۴۱

ماقال المجيب فهو فيه مصيب۔

حررہ: مفتی خادم الحدیث والتفسیر سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی مدظلہ العالی۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا عرس منانا اور ان کے مزارات پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اسی طرح مزار شریف کو چومنا کیسا ہے؟

(۳) اس کے علاوہ قبر شریف کے ارد گرد گھومنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۴) نیز میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا کیسا ہے؟

(۵) عورتوں کے لئے مزارات پر حاضری کا کیا حکم ہے؟

(۶) اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر ماننا اور مزارات پر شکرانہ ڈالنا کیسا ہے؟

(۷) کیا ختم القرآن الشریف کے وقت اپنے اہل و عیال اور دوست و احباب کو جمع کرنے اور اجتماعی دعا کرنے کا ثبوت ہے؟

(۸) غیر صحابہ کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کا استعمال کرنا کیسا ہے؟۔

(۹) **ذکر بالجھر** (یعنی اونچی آواز) سے ذکر کرنا بعد از نماز جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے بدعت اور گمراہی کہتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۰) سفید لباس اور عمامہ شریف کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفید عمامہ شریف کا ثبوت نہیں ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟

بینوا اجوابات ھذہ المسائل من کتب الشرعیۃ و توجروا۔

المستفتی: سید سراج الحق شاہ سیفی ترمذی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ الذی رفع اھل الحق و وضع اھل الباطل و احق الحق و ابطل الباطل و الصلٰوۃ و السلام علی نبینا و سیّدنا و سندنا و وسیلتنا فی الدارین محمّد النبی المکمل الاکمل و علٰی آلہٖ و اصحابہٖ جاھدوا لاحقاق الحق و ابطال الباطل و رفعوا الحق و وضعوا الباطل و علٰی التابعین الذین ناظروا لاظھار الحق و اخفاء الباطل و علٰی تبعھم الذین لا یخافون لومۃ لائم فی

احقاق الراسخ و ابطال الباطل الزائل اللّٰھمّ انا نسئلک الفتح و الغلبۃ فی المناظرات مع اھل الباطل بجاہ الرسول الاکمل امابعد!

الجواب و منہ الصدق و الصواب:

(۱) اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کا عرس منانا اور ان کے مزارات پر گنبد وغیرہ بنانا

کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار قرآن و سنت پر ہے۔ لوگوں کی تہذیب و تمدن پر نہیں۔ مثلاً حج، اسلام کا عظیم الشان رکن ہے۔ اگر کوئی شخص دروان حج فحش گوئی کرے یا لوگوں کو ایذاء پہنچائے تو ان قبیح امور کی بناء پر حج میں نکتہ چینی کرنا یا اس رکن کو ناجائز و حرام قرار دینا، عقل و خرد کے مطابق نہیں، ہاں حج کی عظمت کو پامال کرنے والا شخص ضرور قابلِ مذمت ہے۔ اور یہی حال دیگر امور شرعیہ کا ہے۔ ان میں خرابیاں پیدا کرنے والا قابلِ مذمت ہے۔

اسی طرح بزرگانِ دین رحمھم اللہ تعالیٰ کا عرس منانا، فاتحہ، قرآن خوانی، ایصال ثواب کرنا اور اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر حاضری دینا جبکہ اس کا جواز قرآن مجید اور صحیح احادیث مبارکہ میں وارد ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے روکا تھا، لیکن اب تم ان کی زیارت کیا کرو''۔

اس حکم کے بعد بھی اگر کوئی شخص قبروں کی زیارت سے اس بناء پر روکتا ہے، کہ وہاں قبروں کا تقدس پامال ہوتا ہے یا لوگ غیر شرعی امور کا مظاہرہ کرتے ہیں، جیسے سجدہ کرنا، یا وہاں عورتوں اور مردوں کا اس طرح اختلاط کہ احکامِ شرعیہ کا پاس نہ رہے، اگرچہ یہ امور ناجائز اور حرام ہیں، لیکن ان لغویات کی بناء پر مزارات کی زیارت کو ناجائز قرار دینا کہیں کا انصاف نہیں۔ نہ تو یہ عقل کے مطابق ہے اور نہ ہی شرع کے۔ اس بات سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ حرم مکہ ہو یا عام شہر، مزارات ہوں یا

مسجدیں، جہاں کہیں بھی امور شرعیہ کا خلاف ہورہاہے،اس کی روک تھام کے لئے پوری قوت صرف کردینی چاہیے، اور مذہب و دین کی راہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ طوفان مزارات کے خلاف ہی کیوں؟

آج کل کچھ لوگوں کو توحیدی اور موحد کہلانے کا بڑا شوق ہے اور اسی آڑ میں وہ کہتے ہیں کہ مزارات شرک کی جڑ ہیں۔ یہ تو بالکل اسی طرح ہے کہ کوئی شخص حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر تل جائے اور معاذ اللہ، ان کی شان میں گستاخی کے کلمات اس بناءپر کہے کہ عیسائی ان کی پرستش کرتے ہیں تو اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ اس مشرکانہ عقیدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کسی قسم کا دخل نہیں، بلکہ قصور اس کا ہے، جوانہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

بالکل اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مزارات اور قبروں پر جاکر ناجائز کام کرتا ہے، تو اسی کے خلاف مہم سازی ہونی چاہیے چہ جائیکہ قبروں پر جانے کی بندش کردی جائے جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کی اجازت اور حکم دیا ہے۔ اگر مکھی ناک پر بیٹھے تو مکھی کو اڑانا چاہیے، نہ کہ ناک ہی کو کاٹ کر اس کا صفایا کردیا جائے۔

عرس کے لغوی معنیٰ "شادی" کے ہیں اور مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں اولیائے کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ، علمائے صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ اور بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے یومِ وصال کو عرس کہتے ہیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے۔ شافعِ روزِ محشر حبیب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومنین صالحین جب اپنی قبروں میں

نکیرین علیہما السلام کے سوال کے جواب میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو فرشتے ان کی قبر میں جنتی کھڑکی کھول کر جنتی لباس میں ملبوس کرکے جنتی بچھونے پر لٹا کر کو یوں کہتے ہیں:

"نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ"۔

یعنی تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے اور محب کے کوئی دوسرا نہیں جگاتا، تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا اور ان اللہ والوں کا یومِ وصال ان کے لئے عروس یعنی دلہن بننے کا دن ہوتا ہے اس لئے وہ دن یوم العروس یعنی شادی کا دن کہلاتا ہے یا اس لئے کہ وہ ساقیٔ کوثر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے جمالِ جہاں آراء کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونے کا دن ہے۔ کیونکہ وہ سارے عالم کے دولہا ہیں۔

عرس پاک کی حقیقت اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں کی زیارت کرنی، تلاوت قرآن، وظائف و اذکار پڑھ کر اور صدقات و خیرات کرکے ان کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (پ:۱۶ مریم ۱۵)

یعنی اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے۔

اس آیت کے تحت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ عند اللہ ایسے وجیہہ و مکرم تھے کہ ان کے حق میں من جانب اللہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس دن

کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ انتقال کریں گے اور جس دن قیامت میں زندہ ہو کر اٹھائے جاویں گے"۔[3378]

مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: "اللہ جو بندہ پر سلام بھیجے، محض تشریف وعزت افزائی کے لئے ہے، جس کے معنٰی یہ ہیں کہ اسپر کچھ گرفت نہیں، یہاں وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۱۵) سے غرض تعمیم اوقات واحوال ہے۔یعنی ولادت سے لیکر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں، خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون ومصون ہے"۔[3379]

سید امیر علی ملیح آبادی، اپنی تفسیر مواھب الرحمٰن میں لکھتے ہیں:

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۱۵)

سلام ازلی اس کی روح پر جب کہ اس کا ظہور ہوا تھا، نور کاف ونون سے کہ یہ دونوں صفات حق عزوجل کی تجلی سے ہیں۔ اور یہ سلام اسی کا سلام ہے۔ جمالِ حق نے روحِ یحییٰ علیہ السلام کے واسطے اول امر میں تجلی فرمائی۔ پس جب برکتِ سلامِ الٰہی مع نور وجود کے اس کی روح کو پہنچی تو صفت عصمت کے ساتھ اس کو روزِ خروج سے احاطہ کرلیا۔ پھر جب اس میں کمال کو پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے زیادہ کشفِ جمال سے مراعات فرمائی، اور وہ خطاب وسلام بوقت انتقال ہے کہ جب دارِ فناء سے دارِ

[3378] (تفسیر بیان القرآن حاشیہ ۵، ص ۲۷۶)

[3379] (تفسیر عثمانی حاشیہ ۷، ص ۴۰۸)

بقاء کو انتقال فرمایا تا کہ اس کو خوفِ عافیت سے وحشت نہ ہو۔ اور دو سلام اور دو مشاھدہ کے درمیان رہے۔ یہاں تک کہ عرض اکبر یعنی قیامت کی پیشی کا وقت آوے۔ الخ۔[3380]

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے متعلق ارشاد ہے:

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۱۵)

یعنی اور مجھ پر اللہ کی جانب سے سلام ہے، جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں قیامت میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا۔[3381]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کا قرآن میں ذکر کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے والوں کی اگرچہ گھڑی اور ہر ساعت سلامتی والی ہوتی ہے لیکن خاص طور پر ان کی پیدائش مقدسہ اور وصالِ معظمہ کا دن خاص اہمیت کا حامل ہے جبھی تو پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خاص طور پر اپنی پیدائش اور وصال کے دن خود ہی خود پر سلامتی بھیجتے ہیں اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے میلاد ووصال کے دنوں پر تو اللہ تعالیٰ سلام بھیجتا ہے۔ ان دونوں آیات سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے کہ ولادت اور وصال کے دن کا ذکر کرنا ان مقررہ ایام میں عرس اور برسی کا تعین کرکے سلام بھیجنا اور سلامتی چاہنا قطعی طور پر جائز ہے۔

احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شہدائے احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پر ہر سال مقررہ ایام میں تشریف لاتے تھے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے:

[3380] (تفسیر مواھب الرحمٰن، ج۵، ص ۸۲، پ ۱۶)

[3381] (تفسیر بیان القرآن، ص ۲۷۷، سورہ مریم)

كان النبی ﷺ یأتی قبور الشهداء علی رأس كل حول فیقول السلام علیكم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابو بكر رضی الله تعالیٰ عنه و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی الله تعالیٰ عنه ...الخ۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے صبر کیا، پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبورِ شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر جایا کرتے تھے۔[3382]

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہر سال شہیدوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں پر جانا ثابت ہوا کہ جو عرس کی اصل ہے۔

فخر الملت والدین امام فخر الدین رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حدیث کو تفسیر کبیر میں نقل کرتے ہیں:

عن رسول الله ﷺ انه كان یأتی قبور الشهداء رضی الله تعالیٰ عنه علی رأس كل حول فیقول السلام علیكم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعة رضی الله تعالیٰ عنه هكذا كانوا یفعلون۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے

[3382] (تفسیر ابن جریر، ج ۱۳، ص ۹۲)

صبر کیا پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبور شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جایا کرتے تھے۔[3383]

مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تشریف لے جاتے اور فرماتے:

"سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"۔

یہی طرزِ عمل ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رہا۔[3384]

مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فتاوٰی میں اس حدیث کو عرس کے ثبوت و جواز میں بطور اصل کے پیش کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشھدآء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعۃ رضی اللہ عنہم ھکذا کانوا یفعلون۔[3385]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لیجانا اور پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا ور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے اپنے زمانے میں اس سنتِ مصطفی

[3383] (تفسیر کبیر ج ۱۹، ص ۴۵، تفسیر درمنثور، ج ۴، ص ۵۸، تفسیر قرطبی، ج ۹، ص ۳۱۲)
[3384] (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۲، ص ۳۳۴)
[3385] (فتاوٰی عزیزی ج ۱، ص ۴۹)

پر عمل پیرا رہنا عرس بزرگانِ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتنی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کسی صورت میں نہ تو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کر دینے کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ ہر سال عرس اور برسی منانے کو شرک وبدعت وغیرہ کہنے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے، کہ سنتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمسخر واستہزاء کی نظر سے دیکھنا اور دین سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اس قدر سنگین مذاق کا شکار بنانا انہیں کس طرف لے جارہاہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ میں بھی عرس کے جواز پر تصریح موجود ہے۔[3386]

قرآن کریم کی آیات کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کے حوالہ جات کے بعد اب ہم علماء ومحدثین کرام کے فتاویٰ پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے اور مخالفین پر حجت تمام ہو جائے۔

مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایں طعن مبنی است بر جہل باحوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمیداند۔ آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بامداد ثواب و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام وشیرینی امور مستحسن وخوب است باجماع علماء وتعین روز عرس برائے آنست کہ آں روزِ مذکور انتقال ایشاں می باشد از دارالعمل بدار الثواب، والا ہر روزیکہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح ونجات است"۔[3387]

3386 (۱)تفسیر ابن کثیر ج۲، ص ۵۱۱، (۲)تفسیر کشاف(ج۲، ص۵۲۷)(۳)روح المعانی ج۷، ص ۱۴۵۔(۴) شرح الصدور ص۸۷، (۵)ارشاد الساری لملاعلی قاری، ص۳۴۷(۶)البدایہ والنہایۃ(ج۳، ص ۸۹)

3387 (فتاوٰی عزیزی ج ۱، ص ۴۹)

ترجمہ: یہ طعن لوگوں کے حالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے کہ کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کسی چیز کو فرض نہیں جانتا۔ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لیناثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی وطعام سے ان کی مدد کرنا باجماع علماء اچھا ہے۔ عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی عرس کے متعلق لکھتا ہے: "جب منکر نکیر قبر میں آتے ہیں تو مقبولانِ الٰہی سے کہتے ہیں "نم کنومة العروس" عرس کہ رائج ہے، اسی سے ماخوذ ہے، اگر کوئی اس دن کا خیال رکھے اور اس میں عرس کرے تو کونسا گناہ لازم ہوا"۔ [3388]

مولوی اشرف علی تھانوی دوسری کتاب میں لکھتا ہے: "فرمایا کہ یہاں تھانہ بھون میں ایک شاہ ولایت صاحب کا مزار ہے۔ یہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء میں سے تھے اور اہلِ وجدان سے معلوم ہوا، کہ بہت بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں۔ ان کے مزار پر عرس بھی ہوتا ہے۔ عرس کے موقع پر والد صاحب مرحوم بڑے اہتمام سے التزاما کھانا پکوا کر وہاں بھجوایا کرتے تھے"۔ [3389]

مولوی اسماعیل دہلوی قتیل نے اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں لکھا ہے:

[3388] (امدادالمشتاق ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

[3389] (اشرف السوانح، ج ۴، ص ۴۴) مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

"پس در خوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحہا و اعراس و نذر و نیاز اموات شک و شبہ نیست"۔[3390]

ترجمہ: پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک وشبہ نہیں۔[3391]

دیوبندیوں کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فیصلہ ہفت مسئلہ "میں لکھاہے کہ "ایجادِ رسمِ عرس سے مقصد یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں، باہم ملاقات ہو جائے، اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے، تعین یوم میں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، ان کا اظہار ضروری نہیں"۔[3392]

ایک دوسرے مقام پر اپنا عمل یوں بیان کرتے ہیں: "مشرب فقیر اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔ اول قرآن خوانی ہوتی ہے، اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوتی، موائد پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلا دیا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے"۔[3393]

[3390] (فارسی ۵۵)

[3391] (صراط مستقیم (اردو) ص ۱۱۰، مطبوعہ لاھور)

[3392] (فیصلہ ھفت مسئلہ ص ۱۸، مطبوعہ مسلم کتابوی لاھور)

[3393] (فیصلہ ھفت مسئلہ ص ۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ازیں جا است حفظِ اعراسِ مشائخ ومواظبت زیارتِ قبور ایشاں والتزامِ فاتحہ خواندن وصدقہ دادن...الخ"۔[3394]

ترجمہ: اسی پر مبنی ہے مشائخ کے ایامِ عرس کی حفاظت کرنا اور ان کی زیارت کے لئے ان کے مزارات پر ہمیشہ حاضری دینا اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کو لازم سمجھنا"۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب بیان کرتے ہیں: "ایک دفعہ میرا دہلی جانا ہوا۔ وہاں عبد اللہ مسند نشین درگار حضرت صابر بخش نے تقریبِ عرس میں مجھ کو بلوایا، اور کسی مرید کا ہاتھی سواری کو بھیجا، جب میں ان کے مکان پر پہنچا، تو دیکھا کہ لوگ بڑی شان و شوکت سے جمع ہیں۔ میں فقیرانہ حالت سے گیا تھا۔ مجھ کو دیکھتے ہی تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور دست بوسی کرکے مسندِ صدور پر بٹھایا"۔[3395]

ان تمام مذکورہ بالا تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ عرس منانا اور اس میں ایصال ثواب کے لئے صدقہ و خیرات کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث خیر وبرکت ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عرس کے لئے دن مقرر کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک تعین یوم ضروری نہیں، لیکن جائز ضرور ہے۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ محافلِ عرس مختلف مقامات میں مختلف تواریخ پر ہوتی ہیں۔ اگر قرآن و حدیث میں غور و فکر کیا جائے تو

[3394] (ھمعات از شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ص ۱۶)

[3395] (شمائم امدادیہ ص ۸۲)

معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دنوں میں برکتیں رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ۔ یعنی اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ (پ ۱۳، سورۃ ابراھیم آیت ۵)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ۔ یعنی اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں۔ (پ ۲، بقرۃ آیت ۲۰۳)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ یہود، بوجہ نجاتِ موسیٰ علیہ السلام اور غرقِ فرعون، عاشورہ کے دن کے روزہ رکھتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو معلوم ہوا، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "فنحن احق و اولیٰ بموسیٰ منکم فصامہ رسول اللہ ﷺ و امر بصیامہ۔ یعنی ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم سے زیادہ حق دار ہیں اور اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور اپنے اصحاب کو بھی یہی حکم فرمایا۔[3396]

اگر مخالفین یہ اعتراض کریں کہ اس میں تو یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور یہودیوں سے مشابہت اختیار کرنا ممنوع و ناجائز ہے۔ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ اس میں یہودیوں سے مشابہت نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ حدیث میں یہ عبارت ہے " فنحن احق و اولیٰ بموسیٰ منکم" یعنی ہم مشابہت موسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں۔ جو کہ بلا شک وشبہ جائز اور مستحسن امر ہے۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"کان النبی ﷺ یأتی مسجد قباء کل سبت ماشیا و راکبا و یصلی فیہ رکعتین۔[3397]

[3396] (مشکوٰۃ باب، صیام التطوع ص ۱۸۰)

[3397] (مسلم شریف ص ۴۴۸)

یعنی حضور علیہ السلام ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء کبھی پیدل اور کبھی سواری پر تشریف لاتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ خرج یوم الخمیس فی غزوۃ تبوک و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔[3398]

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جمعرات کے دن غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جمعرات کے دن نکلنا پسند فرماتے تھے۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یأمرنی ان اصوم ثلٰثۃ ایام من کل شھر اولھا الاثنین و الخمیس۔[3399]

یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام مجھے امر فرماتے تھے کہ میں ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھوں۔ جس میں پہلا دن پیر اور جمعرات ہو۔

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

[3398] (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۸، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۷۱، مرقات شریف ص ۳۲۶، کنز العمال، ج ۳، ص ۴۷، مطبوعہ بیروت)

[3399] (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۰، اشعۃ اللمعات، فارسی، ص ۱۰۵، ج ۲، مرقات شریف، ج ۴، ص ۳۰۰، ابو داؤد ج ۱، ص ۲۴۴، نسائی شریف)

"اذا صمت من الشھر ثلٰثة ایام فصم عشرة و اربعة عشرة و خمس عشرة۔[3400]
یعنی جب تم مہینے میں تین دن روزہ رکھو تو دس تاریخ اور چودہ اور پندرہ، تاریخوں کے روزے رکھو۔

۲) بزرگانِ دین، سادات کرام اور علماء عظام کی قبروں پر قبے بنانا نہ حرام ہے نہ مکروہ ہے بلکہ جائز ہے اور بنانے والے کیلئے اجرِ عظیم ہے اور جن روایات سے قبروں پر آبادی بنانا منع ثابت ہے اس سے مراد سکونت کے لئے آبادی بنانا ہے۔ جس طرح آج کل کے لوگ مقبروں میں قبروں کو ویران کر کے ان پر رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ مکانات تعمیر کرنا حرام ہے۔ لیکن جو حضرات بزرگانِ دین کی قبروں پر قبے بنانے کے حرام ہونے اور عدمِ جواز کے فتوے دیتے ہیں لیکن پھر وہ رہائش کیلئے قبروں پر مکانات تعمیر کرنے پر کوئی فتویٰ عدمِ جواز کا کیوں نہیں دیتے بلکہ ان کے اس فعل پر خوش ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی دشمنی صرف اور صرف ساداتِ کرام اور علماء کرام کے ساتھ ہے۔

مفتی اعظم حضرت مظہر اللہ دہلوی مجددی فتاوی مظہری میں لکھتے ہیں۔ قبروں پر قبے وغیرہ بنانا علی الاطلاق حرام نہیں حرمت کیلئے نص (آیت) قطعی درکار ہے۔ اور یہاں کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے جس سے اس کی حرمت ثابت ہو۔[3401]

حضرت مولانا حافظ کفایت اللہ صاحب فاضل جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ نے اپنی کتاب "تنبیہ اللاحقین بمعمولات السابقین" میں لکھا ہے "جاننا چاہئے کہ عام قبروں پر قبے اور گنبد بنانا

[3400] (مشکوٰۃ ص ۱۸۰، جامع ترمذی، ج ۱، ص ۹۵)
[3401] (فتاویٰ مظہری ص ۴۱۳)

بے فائدہ چیز ہے جبکہ علماء کرام ، سادات کرام اور بزرگان دین کی قبروں پر قبے بنانا نہ صرف شرعاً جائز بلکہ سنتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔[3402]

توضیح العقائد میں حضرت علامہ محمد حامد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: قبور کی تعمیر اور ان پر قبہ بنانے کا سبب یہ ہے کہ وہ باقی رہیں اور زائرین اہل قبور کی زیارت کر سکیں اور قبوں کے سایہ میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کریم اور اذکار کو جاری رکھ سکیں اگر قبور کا نشان نہ ہو گا تو مزارات کی زیارت کس طرح ہو گی۔ ان ہی اغراض کے ماتحت علماء متقدمین و محققین نے قبور کے پختہ کرنے اور ان پر قبوں کا بنانا جائز ٹھہرایا اور ان کا یہ فعل اختراع یا بدعت نہ تھا بلکہ اس کی اصل پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم یہاں نہایت اختصار سے اس بحث کا ذکر کرتے ہیں۔

"عصابہ فی احوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ" میں ہے:

"مات الحکم بن ابی العاص فی خلافة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه فضرب علی قبرہ فسطاس فی یوم صالیف فتکلم الناس فی ذالک فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه قد ضرب فی عهد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه علی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنه بنت جحشٍ فسطاس فهل رأیتم عاب ذالک۔[3403]

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے زمانے میں حکم بن ابی العاص کا انتقال ہوا ان کی قبر پر گرمی میں خیمہ قائم کیا گیا تو لوگوں نے اس کے متعلق کچھ کلام کیا حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضرت زینب بن جحش رضی

[3402] (ص ۵۸)

[3403] (توضیح العقائد ص ۱۵۰)

اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر خیمہ قائم کیا گیا تھا تو کیا تم نے کسی کو دیکھا تھا کہ اس پر اعتراض کیا یا کسی عیب لگانے والے نے اس پر عیب لگایا"۔

منتقی شرح موطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

و ضربه عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه علی قبر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنه بنت جحش و ضربته عائشة رضی اللہ عنہا علی قبر اخیها عبد الرحمٰن و ضربه محمد رضی اللہ تعالیٰ عنه ابن الحنفیة علی قبر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه و انما کرهه لمن ضربه علی وجه السمعة و المباهاة۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت جحش کی قبر پر قبہ بنایا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پر قبہ بنایا اور محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن علی) نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا تو جس نے قبر پر قبہ بنانے کو مکروہ کہا ہے تو اس لئے کہا کہ جو اس کو فخر اور ریاء کے لئے بنائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے مزارات پر قبہ اور گنبد وغیرہ بنانا سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرنا ماسوائے زندیقیت کے اور کچھ نہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

روی ان ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه لما مات بطائف صلی علیه محمد ابن الحنفیة و جعل قبره مسنماً و ضرب علیه فسطاطاً۔[3404]

[3404] (ص ۳۲۰، ج ۱)

جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔

قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ یوں بیان فرماتے ہوئے کہا:

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا (الکھف ۲۱)

ترجمہ: وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔[3405]

میں اس آیت میں "بنیاناً" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند **لا یعلم احد تربتهم و تکون محفوظة من تطرق الناس کما حفظت تربة رسول الله ﷺ بالحظيرة۔** یعنی انہوں نے کہا کہ اصحابِ کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاوے جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نہ منظور ہوئی تب مسجد بنائی۔

"**مسجداً**" کے تحت روح البیان شریف میں ہے کہ **یصلی فیه المسلمون و یتبرکون بمکانهم۔** لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ اور **شرائع من قبلنا** کے متعلق کتب اصول میں مرقوم ہے۔ **شرائع قبلنا فهو یلزمنا** کہ ہم سے پہلے جو باتیں جائز تھیں وہ ہم پر لازم ہیں۔

بخاری شریف کتاب الجنائز باب ما جآء فی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبد الملک کے زمانے میں روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی

3405 (روح البیان شریف ج۵، ص ۲۳۲، مطبوعہ بیروت)

ایک دیوار گر گئی تو "اخذوا فی بنائہ" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تعمیر میں مشغول ہوئے تو ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں "الا قدم عمر رضی اللہ عنہ" یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تابعین کے زمانہ میں جو روضہ انور سے دیوار گری تو انہوں نے دیوار کو بنایا اور ان کے عقیدہ میں بھی انبیاء پر قبے بنانا جائز تھا۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہی قبہ بنایا تھا اور جو بنانے والے تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

مولانا افتخار احمد حبیبی نے اپنے رسالے "عرس کی شرعی حیثیت" میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر قبہ بنانا تاکہ لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی کریں اور فاتحہ پڑھیں تو صاحب قبر کی عظمت کے اظہار کے لئے بالکل جائز ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے:

فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء و وضع الستور والعمائم و الثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا اصاحب ھذا القبر۔[3406]

[3406] (تفسیر روح البیان ج۳ک، ص ۴۰۰، مطبوعہ احیاء تراث العربی بیروت)

یعنی علماء، اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان کی قبروں پر چادر چڑھانا، عمامہ اور کپڑا رکھنا یہ جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر قبہ بنانے کے متعلق فرماتے ہیں:

وقد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ و العلماء المشهورين ليزورهم الناس و يستريحوا بالجلوس فيه...الخ۔[3407]

ترجمہ: علماء سلف نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔

علامہ شامی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ مزاراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر قبہ بنانے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

وقيل لا يكره اذا كان الميت من المشائخ و العلماء و السادات۔[3408]

اگر میت مشائخ، علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں۔

علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قبر پر عمارت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ولا يرفع عليه بناء وقيل لا بأس به وهو المختار"۔

[3407] (مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۴، ص ۱۷۸، مکتبہ رشیدیہ)

[3408] (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱، ص ۶۰۱، باب دفن المیت)

اور اس پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے اس (قبر) پر عمارت بنانا جائز ہے اور یہی مختار ہے۔[3409]

شیخ الحدیث محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، "مسائل اہل سنت بجواب مسائل نجدیت" میں لکھتے ہیں "اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر اس نیت سے گنبد بنانا کہ ایصالِ ثواب کے لئے آنے والے دھوپ اور بارش سے محفوظ رہیں گے اور لوگوں کی نظر میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہو گی، بلاشبہ امر مستحسن ہے"۔

دیارِ مصر کے مفتی شیخ عبد القادر رافعی حنفی فرماتے ہیں:

فی روح البیان عند قولہٖ تعالیٰ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلاۃ وآتی الزکاۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولٰئک ان یکونوا من المھتدین من سورۃ التوبۃ ما نصہ قال الشیخ عبد الغنی النابلسی "فی کشف النور عن اصحاب القبور" ما خلاصتہ ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمّٰی سنۃ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد فیھا حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم ومحبۃ فیھم جائز ایضا لا ینبغی النھی عنہ۔[3410]

[3409] (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۳۵)

[3410] (التحریر المختار لرد المحتار ص ۱۲۳)

ترجمہ: روح البیان میں آیہ مبارکہ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (التوبة ١٨) کے تحت فرمایا کہ علامہ عبد الغنی نابلسی "کشف النور" میں فرماتے ہیں کہ بدعت حسنہ جو مقصود شریعت کے مطابق ہو اسے سنت کہا جاتا ہے لہذا علماء اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر قبے بنانا، چادر وغیرہ چڑھانا جبکہ اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہو تاکہ وہ صاحبِ قبر کو حقیر نہ جانیں، جائز ہے اسی طرح دیئے اور موم بتی وغیرہ اولیاء و صلحاء کی قبروں کے پاس جلانا ان کی تعظیم و تکریم ہے اس میں مقصد حسن ہے تیل اور موم بتی کی جو اولیاء کے لئے نذر مانی جاتی ہے تاکہ تعظیم و محبت کے طور پر ان کی قبروں کے پاس روشنی کی جائے، جائز ہے، اس سے روکنا نہیں چاہیئے۔

اسی عبارت کا کچھ حصہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار ج ۵، ص ۲۵٦ میں نقل کرکے اسے برقرار رکھا اور فرمایا:

"كذافي كشف النورعن اصحاب القبور للاستاذعبدالغنی نابلسی قدس سره"۔

اسی طرح استاذ عبد الغنی نابلسی کی کتاب "کشف النور" میں ہے:

حضرت سیدی علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وكان سيدى على واخى افضل الدين يكرهان بناء القبة على القبر ووضع التابوتِ الخشب والستر عليه ونحو ذالک لاحادالناس ويقولان هذا لايليق الا بالانبياء ومن داناهم من الاولياء والاكابر۔[3411]

[3411] (لواقح الانوار لقدسيه في بيان العهود المجدية ص ۲۴۲)

ترجمہ: سیدی علی خواص اور افضل الدین عوام کی قبروں پر قبے بنانے، لکڑی کے تابوت رکھنے اور چادر چڑھانے کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔

کیا علامہ اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان، علامہ طحطاوی اور علامہ شامی کے استاذ علامہ عبد الغنی نابلسی، شیخ عبد القادر رافعی حنفی، علامہ عبد الوہاب شعرانی، حضرت علی خواص اور افضل الدین وغیر ہم حضرات بدعات سیئہ کی تائید و توثیق کر رہے ہیں۔ (حاشا و کلا)[3412]

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم اور توقیر کی توفیق عطا فرمائے اور بد مذھبی سے بچائے۔ (آمین)

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی الحنفی مقالات غازی ص ۱۱۹ میں لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ انبیاء اولیاء کرام اور علماء مشہورین کی قبروں پر قبے بنانا جائز ہے"۔

خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ یہ حدیث مبارک عدمِ جواز پر پیش کرتے ہیں۔ مسلم شریف ابو ھیاج اسدی سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: **الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ (مسلم شریف)** کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں کہ جس کام پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تو کسی تصویر کو بھی بے مٹائے نہ چھوڑے نہ کسی قبر بلند کو مگر اس کو برابر کر دو۔

[3412] (مسائل اھل سنت ص ۴۳)

اس حدیث کو منکرین آڑ بنا کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہوئی ہو تو اسے گرا دینا واجب ہے سعودی عرب میں بھی اسی حدیث کو مان کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اھل بیتِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات گرا کر ہموار کر دیئے ہیں۔ اب فقیر آپ کے سامنے اس حدیث کی تشریح کرتا ہے امید ہے کہ اصل مسئلہ ذہن میں آجائے گا۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ زمانے تین ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل، ماضی گزرے ہوئے زمانے کو کہا جاتا ہے۔ حال موجودہ زمانے کو اور مستقبل آنے والے زمانے کو کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں زمانے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منسلک تھے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مستقبل تو آنے والے زمانے کو کہا جاتا ہے تو زمانہ موجود نہ تھا تو اس زمانے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبور کس طرح گرائی ہم بھی اس زمانے میں نہ تھے کہ منکرین کے نزدیک تو بزرگانِ دین کی قبروں پر قبے بنانے والے کو مشرک یا بدعتی کہتے۔ تو جب آنے والے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو حضرت نے کن لوگوں کی قبریں مسمار کیں؟ تو مستقبل زمانہ مراد نہیں ہو سکتا ۔

باقی دو زمانے رہ گئے ایک حال دوسرا ماضی۔ حال زمانہ حضرت امیر المومنین کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا۔ اور صحابہ کا زمانہ سنہری زمانہ تھا ان کا فعل بھی حجت ہے اگر کوئی صحابی قبر بنائے تو فرمانِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہ: "**اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم**" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

توایک صحابی قبر کو بنائے گا اور دوسرے صحابی گرادیں اور صحابہ میں سے جو بھی فوت ہوتا تو اس کی نماز جنازہ خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی موجودگی میں ان کو دفن کیا جاتا۔ تو کونسی ایسی غیر شرعی قبور تھیں جن کو امیر المؤمنین نے مسمار کیا۔ تو معلوم ہوا کہ زمانہ حال بھی مراد نہیں ہو سکتا۔

اب رہا ماضی کا زمانہ تو حضرت امیر المؤمنین سے پہلے کا زمانہ مشرکین اور کفار کا تھا اور جس طرح زندگی میں مشرک وکافر کی تعظیم ناجائز اور حرام ہے تو بعد موت کے تعظیم اشد حرام ہے۔ ان کی قبریں لمبی لمبی اور بلند تھیں اس لئے آپ کو یہ حکم دیا گیا اور یہ قبریں مسلمانوں کی نہیں تھیں۔

بخاری شریف میں مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے:

امر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت۔[3413]

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس وہ اکھاڑ دی گئیں۔ بخاری شریف کی اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ مشرکین کی قبریں ڈھانا چاہیئے۔ اور اب یہ کہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمانوں کی قبروں کیلئے یہ حکم تھا (مشرکین کا حکم مسلمانوں پر چسپاں کیا جاتا ہے)۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر

[3413] (بخاری شریف ص ۶۱، ج ۱)

نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اس کو بھر دی پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنایا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ روزہ مطہرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بنوایا تھا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیت ہے تو کہا جائے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوۃ باب البکا علی المیت میں ہے حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

ضربت امراتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ۔

ترجمہ: تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔[3414]

یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں پھر گھر واپس چلی آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں: در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر وترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز ہا افزدون تا آنجا ہیبت وشوکت اہل اسلام واہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ وترویج

[3414] (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ۱ ص ۲ ۴ ۴ مطبوعہ ابن کثیر بیروت و فی نسخہ ج ۱ ص ۷۷ ۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

واعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است وبسیار اعمال واضاع کہ درزمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔ ترجمہ: آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کردی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کی ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔[3415]

الحاصل علماء وسادات کی قبروں پر گنبد بنانا، ان پر چادریں چڑھانا، عمامے وغیرہ رکھنا جائز ہے۔ اور اس کو بدعت یا حرام کہنا یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض کرنا سوائے زندیقیت کے اور کچھ نہیں۔ اور مزارات پر گنبد بنانا اور قبے بنانا مندرجہ ذیل کتابوں میں لکھاہے۔[3416]

(۲) مزار شریف کو چومنا

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ قبور کی دو قسمیں ہیں ایک عام مسلمانوں کی قبور جن کا شریعت و طریقت سے کوئی نسبت نہیں، دوم وہ قبور جو والدین، مشائخ، علماء، سادات کی ہیں تو پہلی قسم قبور کو

3415 (سفر السعادت باب زیارۃ القبور ص ۲۷۲ مطبوعہ نوریہ رضویہ)

3416 (مرقات شرح مشکوٰۃ، ص ۶۹، ج ۲ ⋆ طحطاوی ص ۳۳۵، ⋆ در المختار ج ۲، ص ۲۳۷ ⋆ شامی ص ۲۳۳، ج ۲ ⋆ فتاوی تنقیع الحامدیہ ص ۱۶۵ ⋆ تفسیر روح البیان ص ۴۰۰، ج ۳ ⋆ مقالات کوثری ص ۳۷ ⋆ کشف النور عن اصحاب القبور، ص ۱۴ ⋆ ردالمحتار علی الدر المختار ص ۲۳۲ ج ۵)

بوسہ دینے کو فقہاء نے مکروہ، اور دوسری قسم قبور کو بوسہ دینے کو مستحسن، مستحب اور جائز قرار دیا ہے۔

نور الصراط فی اثبات جواز الحیل و دور الاسقاط مصنفہ شیخ القرآن و الحدیث مفتی نور الدین نور اللہ مرقدہ کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے:

بوسہ د ادن قبر و الدین را جسمی د اشباحی یا اشباہی باشند یا روحی مثل اساتذہ ومشائخ علامہ علی القاری در مرقات شرح مشکوٰۃ تحت حدیث **مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم** آوردہ کہ **وقال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین انتھی ودر طوالع الانوار شرح در المختار آوردہ کہ والتقبیل لغیر المصحف کقبور الانبیاء ومن یتبرک بھم فللعلماء فیہ کلام کرھہ بعضھم و استحسنہ بعضھم حتی ان الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اباحہ مطلقا اذا کان للتبرک۔** وآوردہ۔ **واعتمدہ جماعۃ منھم الحافظ العینی الحنفی الشارح للبخاری والمقری المالکی صاحب فتح المتعال والسعنھوری الشافعی ولا منافات بین الکراھۃ والاستحسان بانہ مقید بنیۃ التبرک والاعمال بالنیات والامور بمقاصدھا ولکل امرئٍ بما نوی ونیۃ المؤمن خیر من عملہ قال السعھنوری نقل الطیب التاثری من المحب الطبری یجوز تقبیل القبر ومسہ، قال وعلیہ عامۃ الصالحین انتھی وفی مطالب المؤمنین ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ لما فی کفایۃ الشعبی ان رجلاً جاء الیٰ النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ والحور العین فامرہ النبی ﷺ ان یقبل رجل الام وجبھۃ الاب ویروی انہ قال یا رسول اللہ ﷺ ان لم یکن لی ابوان فقال قبّل قبرھما قال فان لم اعرف قبرھما قال خط خطین والزبان احدھما قبر الام والاٰخر قبر الاب فقبلھما فلا تحنث فی یمینک کذا فی مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور۔**

ترجمہ: والدین خواہ جسمی ہو یعنی جن سے پیدا ہو، یا علم ظاہر کے والدین یا طریقت کے والدین یعنی اساتذہ و مشائخ کی قبور کو بوسہ دینا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مدینہ منورہ کی قبور کے پاس سے گزرے'' کے تحت فرمایا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ والدین کی قبور کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

طوالع الانوار شرح الدر المختار میں ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر متبرک قبور کو بوسہ دینے میں علماء کی کئی رائے ہیں بعض نے مکروہ اور بعض نے اچھا قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبرک کے لئے مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر علماء کی ایک جماعت نے اعتماد فرمایا جن میں حافظ عینی حنفی شارح بخاری اور مقری مالکی مصنف فتح المتعال اور سعنھوری شافعی بھی ہیں۔ کراہت اور جواز کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قبر کو بوسہ دینا نیت پر منحصر ہے اور تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے اور مؤمن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔

سعنھوری نے کہا کہ طیب التاثری نے محب طبری سے نقل کیا ہے کہ قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور یہ عام صلحاء کا طریقہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے جیسا کہ کفایۃ الشعبی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جنت کی چوکھٹ اور حور کو بوسہ دوں گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کو حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور والد کے چہرے کو بوسہ دو۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس شخص نے کہا یا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اگر میرے والدین نہ ہوں تو؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایاان کی قبروں کو بوسہ دو۔ کہا اگر میں ان کی قبریں نہیں جانتا تو؟ فرمایادو لکیریں کھینچ کر یہ نیت کرو کہ یہ ایک میری ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی اور ان کو بوسہ دو تو حانث نہ ہو گا۔ جیسا کہ مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور میں ہے۔"

صدرالافاضل فخر الاماثل محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ روایت مخالفین کے مقبول و مسلم پیشوا مولوی عبد الحیٔ صاحب کے والد ماجد مولوی عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کر کے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے۔[3417]

عمدۃ القاری شرح بخاری (ص ۲۴۱ جلد ۹، مطبوعہ بیروت لبنان) میں ہے:

واماتقبیل الاماکن الشریفۃعلی قصدالتبرک۔۔۔فھو حسن محمود۔

ترجمہ: مبارک جگہوں کا بوسہ اچھا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مزار اور دیگر مزارات کے چومنے کا سوال ہوا تو فرمایااس میں کوئی حرج نہیں۔[3418]

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کو لکھا:

واذرأی قبور الصالحین قبلھا۔

[3417] (فتاویٰ صدر الافاضل ص ۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

[3418] (خلاصہ الوفاء محبوب مدینہ ص ۴۶)

ترجمہ: جب بزرگوں کے مزارات دیکھتے تو انہیں چومتے۔[3419]

شرح الالیاس جلد ثالث صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے:

قوله وكره تقبيل فم الرجل الخ قال الفقيه ابو الليث القبلة على خمسة اوجه قبلة تحية وهي قبلة على اليد وقبلة رحمة وهي قبلة الابوين للولد على الخد وقبلة شفقة وهي قبلة الولد للابوين وفي الحديث الجنة تحت اقدام امهاتكم روىٰ ان رجلا جاء الى النبي ﷺ وقال انا حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة وحور العين فامر النبي ﷺ ان تقبل رجل الام وجبهة الاب او يروى انه قال يا رسول الله ﷺ ليس لي ابوان فقال قبل قبرهما ثم قال لم اعرف قبرهما قال خط خطين احدهما قبر الاب و الأخر قبر الام وقبلة المودة وهي قبلة الاخ للاخ و الاخت على الجبهة وقبلة الشهوة وهي قبلة الرجل للزوجة، ابو المكارم۔

فتاویٰ عالمگیری، جلد ۵، صفحہ ۳۵۱، (الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور و قرأة القرآن فی المقابر) پر لکھا ہے:

ولا بأس بتقبيل قبر والديه۔

وکیل الاحناف ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الجنائز، الفصل الثانی، مطبعہ مکتبہ رشیدیہ صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں:

لا بأس بتقبيل قبر والديه۔

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، صاحب قمر الاقمار شرح نور الانوار، نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں لکھا ہے:

[3419] (مزارات کو چومنا، ص ۸-۷، مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی، بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق، ص ۶۷۵، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی)

والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے۔ مجمع البرکات میں بھی ہدایہ کی شرح ''عینی'' سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔ ''مطالب المؤمنین'' میں ہے کہ اپنے والدین کی قبروں کا بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس کی وجہ ''کفایۃ الشعبیٰ' میں منقول یہ روایت ہے: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! میں نے جنت کے دروازہ کی چوکھٹ اور حسین آنکھوں والی حور کا بوسہ لینے کی قسم کھائی ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ اپنی والدہ کے پاؤں اور اپنے والد کی پیشانی کا بوسہ لے لے۔ اور مروی ہے کہ اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! اگر میرے والدین موجود نہ ہوں تو؟ ارشاد فرمایا: ان کی قبر کا بوسہ لے لو۔ اس نے کہا اگر ان کی قبر کی شناخت مجھ سے نہ ہو سکے تو؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: تم دو لکیریں کھینچ لو اور نیت کرلو کہ ان میں سے ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی قبر، اور پھر چوم لو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ (مغفرۃ الذنوب فی زیارۃ القبور)۔

شفا شریف جلد ۲، صفحہ ۷۰ میں ہے:

کان ابن عمر یضع یدہ علی الممبر الذی یجلس علیہ رسول اللہ علیہ السلام فی الخطبۃ ثم یضعھا علی وجھہ استنبط بعضھم من مشروعیۃ تقبیل الارکان جواز تقبیل کل من یستحق العظمۃ من ادمی وغیرہ نقل عن الامام احمد انہ سئل عن تقبیل منبر النبی علیہ السلام وتقبیل قبرہ قال فلم یر بہ باسا ونقل عن ابن ابی الصنف الیمانی احد علماء مکۃ من الشافعیۃ جواز تقبیل المصحف واجزاء الحدیث وقبور الصٰلحین ملخصاً۔

ترجمہ: جس منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔ ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابي الصنف یمانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں، منقول ہے: قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

استنبط بعض العارفین من تقبیل الحجر الاسود تقبیل قبور الصٰلحین۔

ترجمہ: حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

مزارات کو چومنا نہ شرک ہے، نہ حرام ہے، نہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ مزارات کو تبرک کی نیت سے چومنا جائز ہے اور اس کے بارے میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ چند دلائل یہاں درج کئے جاتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الملک بن عمرو ثنا کثیر بن زید عن داود بن ابی صالح قال ثم اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فقال اتدری ما تصنع فاقبل علیه

فاذا ھو ابو ایوب فقال نعم جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتبکوا علی الدین اذا ولیہ اھلہ ولٰکن ابکوا علیہ اذا ولیہ غیر اھلہ۔

ترجمہ: حضرت داؤد بن ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک آدمی کو قبرِ انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نااہل ہو۔[3420]

امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں:

فوجد رجلا واضعا وجھہ علی القبر فاخذ برقبتہ وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل علیہ فاذا ھو ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتبکوا علی الدین اذا ولیہ اھلہ ولکن ابکوا علیہ اذا ولیہ غیر اھلہ۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی کو (حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس

[3420] (مسند احمد ج۵ ص ۴۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶۳۳ مطبوعہ موسسہ قرطبۃ مصر) (تاریخ مدینۃ دمشق ج۵۷ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نا اہل ہو۔[3421]

امام علی بن ابی بکر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں:

فَوَجَدَ رَجلا واضعا وجهه على القبر فقال اتدری ما تصنع فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب فقال نعم جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی کو (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔[3422]

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

رواه احمد بسند حسن۔[3423]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبد الله بن احمد رايت ابی ياخذ شعره من شعر النبی ﷺ فيضعها على فيه يقبلها واحسب انی رايته يضعها على عينه ويغمسها فی الماء ويشربه يستشفی به ورايته اخذ قصعة

[3421] (المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم ج۵ ص ۸۱۴ رقم الحدیث ۸۵۷۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)، (طبرانی کبیر ج۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۹۹۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱۰ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۹۳۶۶ مطبوعہ دار الحرمین القاہرۃ مصر)۔

[3422] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ولایۃ اہلہا ج۵ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[3423] (وفاء الوفاء ج۴ ص ۱۳۵۶، مطبوعہ بیروت)

النبی ﷺ فغسلها فی جب الماء ثم شرب فیها و رایته یشرب من ماء زم زم یستشفی به ویمسح به یدیه و وجهه۔قلت این المتنطع المنکر علی احمد و قد ثبت ان عبد اللہ سال اباه عمن یمس رمانة منبر النبی ﷺ ویمس الحجرة النبویة فقال لا اری بذلک باسا اعاذنا اللہ وایاکم من رای الخوارج و من البدع۔

ترجمہ: امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے موئے مبارک سے ایک مو(بال) لے کر اپنے منہ پر رکھتے ہیں اور اسے چومتے ہیں اور میرا گمان ہے کہ میں نے موئے مبارک اپنی انکھوں پر رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور شفا حاصل کرنے کے لئے وہ موئے اقدس پانی میں ڈبوتے اور اسے پی لیتے۔ اور میں نے اپنے ابا جان کو دیکھا کہ آپ نے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پیالہ مبارکہ کو پکڑا اور اسے پانی کے مٹکے کے اندر دھویا پھر اس میں پانی پیا اور میں نے اپنے والد گرامی کو شفاء حاصل کرنے کے لئے آب زم زم پیتے دیکھا اور آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور چہرہ کا مسح کرتے دیکھا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے کلام کو منع کرنے والا ہے؟ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو منبر و حجرہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو چھوئے و مس کرے تو جواباً امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خارجیوں کی سوچ سے پناہ میں رکھے اور بدعتوں سے۔ (آمین)۔[3424]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان بلالاً رأى النبي ﷺ في منامه وهو يقول ماهذه الجفوه يابلال اما آن لک ان تزورني فانتبه حزينا وركب راحلته وقصد المدينة فاتى قبر النبي ﷺ فجعل يبكى عنده ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما۔۔۔

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اے بلال یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ تو جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے تو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو سینہ سے لگایا اور دونوں کو بوسہ دیا۔[3425]

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فاتى قبر النبي ﷺ فجعل يبكى عنده ويمرغ وجهه عليه۔

[3424] (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[3425] (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) (شفاء السقلام فی زیارت خیر الانام ص ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن بھارت)، (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی قبر انور پر آئے پھر روتے بھی جاتے تھے اور قبر انور پر چہرہ بھی ملتے تھے۔[3426]

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید مروی ہے۔[3427]

امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس کو بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے اور میرے جد محمد بن ابی بکر روایت کرتے ہیں محمد بن ابی صیف رحمۃ اللہ علیہ سے کہ بعض حضرات جب مصاحف کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔[3428]

مجموعۃ الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت جلد اول صفحہ ۲۲۹ (از افادات مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ، مناظرِ اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ

[3426] (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)
[3427] (الجوھر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم اردو، ص ۱۰۴، مطبوعہ مرکز تحقیقات اسلامیہ، لاہور)
[3428] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۲۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

روڈ، فیصل آباد) میں لکھاہے: قبروں پر قبہ بنانا، پھول چڑھانا، بوسہ لینااور غلاف قبر پر ڈالنایہ سب جائز ہے۔

چنانچہ سنن ابن داؤد میں قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”قال دخلت علیٰ عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فکشف لی ثلثۃ قبور۔۔۔الحدیث“۔

یعنی قاسم بن محمد اکابر تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ طیبہ علی صاحبہ التحیۃ والسلام صحابہ سے ہیں چنانچہ طبقات میں ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ کھولو ہمارے سردار سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو مزار اقدس کو اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دونوں یاروں کی قبر منور کو پس حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہانے تینوں قبروں کو کھولا پس ان پر پردہ (یعنی غلاف) پڑاہوا تھا۔ان کو اٹھایا۔

اور طوالع انوار کے حاشیہ پر یوں لکھاہے:

وتقبیل بغیر المصحف کقبور الانبیاء ومن یتبرک بھم فللعلماء فیہ کلام کرھہ بعضھم واستحسنہ بعضھم حتی ان الشافعی اباحہ مطلقاً“۔

اور فتاویٰ سندی صفحہ ۱۳۷ میں لکھاہے کہ علمائے اربعہ کا فتویٰ اس کی عدم کراہت پر ہے۔

اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ذیل اس حدیث کے یوں لکھاہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ وقال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین“۔

نہایہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک شخص کو اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی کیونکہ اس نے نذر مانی ہوئی تھی۔ فقط اصل الالفاظ حدیث شریف سلطان الفقہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

علماء دیوبند کا معتبر شیخ الحدیث علامۃ العصر مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری میں حجر اسود کے بارے میں لکھتا ہے:

ان تقبیلہ ثابت شرعاً، فلیکن أصلا لتقبیل تبرکات الصالحین، وقبل عمر بن عبد العزیز المصحف، وأباح أحمد تقبیل الروضۃ المطھرۃ، وتحیر منہ الحافظ ابن تیمیۃ، فانہ لا یجوز عندہ۔

حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لئے صالحین کی تبرکات کو بوسہ دینے کی اصل ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مصحف کو بوسہ دیا۔ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ مطہرہ کو بوسہ دینے کو جائز کہا۔ حافظ ابن تیمیہ اس سے حیران ہوا کیونکہ یہ اس کے نزدیک جائز نہیں۔[3429]

امام سلیمان بن عمر البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۲۲۱ھ لکھتے ہیں:

ان قصد بتقبیل اضرحتھم ای واعتابھم التبرک لم یکرہ۔

ترجمہ: اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔[3430]

3429 (فیض الباری، ج۳ ص ۹۶، کتاب المناسک، باب ماذکر فی الحجر الاسود)

3430 (حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب ج ۱ ص ۶-۵۹۴ المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی)

علامہ عبدالحمید شروانی شافعی متوفیٰ ۱۳۰۱ھ لکھتے ہیں:

ان قصد بتقبیل اضر حتھم التبرک لم یکرہ۔

ترجمہ: اولیاء کی قبور کو حصول برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔[3431]

مشارق الانوار میں ہے:

ولا یقبل الاعتاب الا لقصد التبرک فلا بأس بہ کما قال القطب الشعرانی۔

ترجمہ: اور چوکھٹوں کو نہ چوما جائے مگر برکت کے حصول کے ارادہ سے۔ ایسے ہی قطب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔[3432]

حضرت عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرماتے ہیں:

واما تقبیل توابیت الاولیاء واعتابھم فلا خلاف فی جوازہ بل ولا کراھۃ فی تقبیل اعتابھم علی قصد التبرک کما افتیٰ بہ شیخنا الرملی۔ ا(الیٰ اخرہ) قالہ الشیخ الامام العلامۃ محمد الشوبری المصری الشافعی ثم الشیخ عبدالغنی النابلسی فی کتابہ جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار ثم شواھد الحق۔[3433]

ترجمہ: رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور انکی چوکھٹوں کو بوسہ دینا، تو اس کے جواز میں اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ بطورِ تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے، جیسے کہ شیخ رملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شوبری رحمۃ اللہ علیہ اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں، یہ امر بالکل واضح و ظاہر ہے اور محتاجِ دلیل نہیں ہے۔

[3431] (حواشی الشروانی علی تحفت المنهاج بشرح المنهاج، ج۳، ص ۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3432] (مشارق الانوار ص ۱۰۴، مطبوعہ مصر)، (شواھد الحق، ص ۹۲، المقاصد السنیۃ ص ۴۴۴)

[3433] (ص ۹۲)

کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہو سکتی ہے یا مکر و معاند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحثہ شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔[3434]

زاد الفقیہ میں صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے:

ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ، کذافی الغرائب۔

یعنی کوئی حرج نہیں کہ والدین کی قبر کو چوما جائے۔

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ونقل عن ابی الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمٰعیل الیمنی قال کان ابن المنکدر یصیبہ الصمات فکان یقوم فیضع خدہ علی قبر النبی ﷺ فعوتب فی ذٰلک فقال انہ یستشفی بقبر النبی ﷺ۔

ترجمہ: علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہما اللہ تعالیٰ سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہو جاتا اور وہ بولنے سے قاصر ہو جاتے تو آکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مزار اقدس پر اپنا رخسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفاء یابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ مخالف جس نیک کام کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نیک کام اور زیادہ اہتمام سے ہونے لگتا ہے۔ مخالفین نے مزارات کو جانا شرک اور انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور کو

[3434] (مقاصد السنیۃ ص ۴۳۷)

چومنا حرام کہا ہے، لہٰذا عاشقانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مزارات پر جانے اور قبور کو تبرکاً چومنے کا خوب اہتمام کیا۔ ویسے بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قاعدہ وضع کیا ہے کہ جس نیک کام کی کوئی مخالفت کرے تو اس کام کو خوب اہتمام سے کیا جائے اور منکرین کو جلایا جائے۔ مثلاً جس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود ہوں، ادھر گائے کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے ہندو کو جلانے کے لئے۔

اور جیسا کہ فتاوی در مختار کتاب الطھارۃ میں ہے:

والتوضی من الحوض افضل من رغما للمعتزلہ۔

ترجمہ: اور نہر کی بنسبت حوض سے وضو کرنا زیادہ بہتر ہے گمراہ فرقہ معتزلہ کو جلانے کے طور پر۔[3435]

اس قول کی وضاحت فتاویٰ شامی میں اس طرح ہے:

أی لأن المعتزلة لا یجیزونه من الحیاض فنرغمهم بالوضوء منها۔

ترجمہ: چونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کرنا جائز نہیں جانتے تو ہم انہیں حوضوں سے وضو کرکے جلائیں گے۔[3436]

فتاویٰ بزازیہ للکردری میں ہے:

والتوضی من الحوض افضل من التوضی بالجاری رغما للمعتزلة۔

[3435] (فتاویٰ درمختار ج ۱، ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

[3436] (فتاویٰ درمختار ج ۱، ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)۔

ترجمہ: اور حوض سے وضو کرنا جاری پانی سے وضو کرنے کی نسبت افضل ہے معتزلہ فرقہ کو جلانے کے طریقہ پر۔[3437]

معلوم ہوا کہ جن شرعی امور سے بدمذھب خوارج کلاب النار زنادقہ مرجیہ جبریہ منع کریں ان امور کو زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہمارا رسالہ تحفۃ الابرار فی تقبیل المزار کو رجوع کرے۔

(۳) قبر شریف کے ارد گرد گھومنا

طواف کرنا بہ نیت تقرب و تعبد، یہ خاصہ ہے بیت اللہ شریف کا۔ مذکورہ نیت کے بغیر کسی اور چیز کا طواف کرنا یا اس کے ارد گرد گھومنا جائز ہے۔ اگر نیت تقرب اور تعبد (یعنی عبادت کرنے) کی نہ ہو بلکہ معائنہ کرنا مقصود ہو، یا اس سے برکت حاصل کرنا یا اس میں برکت ڈالنا مقصود ہو تو پھر جائز ہے اور شرع میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"انما الاعمال بالنیات"۔[3438]

ایک اور حدیث شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"طاف حول اعظمها بیدر أثلث مرات"۔[3439]

[3437] (الفتاویٰ البزازیہ ج ۱، بھامش من الفتاوی الھندیۃ الجزء الرابع ص ۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)
[3438] (بخاری، ج ۱، ص ۱۰۴)
[3439] (مشکوٰۃ، ص ۵۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کھجوروں کے بڑے ڈھیر کے ارد گرد تین چکر لگائے۔ اسی روایت کو بخاری شریف ج ا صفحہ ۳۹۰ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

"فجعل الناس یطوفون بہ ویتعجبون لہ اھ"۔[3440]

"فجعل یطوف بالجمل اھ"۔[3441]

"فطاف بالنخل ودعا بثمرھا اھ"۔[3442]

"حدیث (طاف حول اعظمھا۔۔۔الخ)۔

طیبی شرح مشکوٰۃ شریف ج ۱۱، ص ۱۳۶ باب فی المعجزات اور مظاھر حق ج ۵ ص ۲۴، اوراشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۸۷ پر بھی ہے۔

یدور بیدر ابیدر اا ھ نسائی للمجتبیٰ۔[3443]

(۴) میت کے لئے چالیسویں اور برسی وغیرہ میں خیرات کرنا

میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا بالکل درست، جائز اور رواء ہے اور اس کا ثواب بھی میت تک پہنچتا ہے۔ اور اس کا مخالف معتزلہ ہے۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن الرجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ فرأیت رسول اللہ ﷺ: وھو علی القبر یوصی الحافر ویقول اوسع من قبل رجلیہ اوسع من قبل رأسہ فلما رجع استقبلہ: داعی امرأتہ، فاجاب ونحن معہ وجیئ بالطعام ووضع یدہ

[3440] (بخاری ج ا، ص ۵۰۱)

[3441] (بخاری ج ا، ص ۴۰۱)

[3442] (بخاری ج ا، ص ۳۲۲، ایضا بخاری ج ا، ص ۳۵۴)

[3443] (ج ۲، ص ۱۳۰)

ثم وضع القوم: فاکلوا فنظرنا الیٰ رسول اللہ ﷺ یلوک لقمة فی فیه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها: فارسلت المرأة تقول یا رسول اللہ ﷺ انی ارسلت الی النقیع وهو موضع یباع فیه الغنم لیشتری لی شاة فلم تجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاة ان یرسل بها الیّ بثمنها فلم یوجد فارسلت الیٰ امرأة فارسلت الیّ بها فقال رسول اللہ ﷺ اطعمی هذا الطعام الاسریٰ رواه ابو داؤد والبیهقی فی دلائل النبوة۔[3444]

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ جنازے میں گئے میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قبر پر گورکن سے فرمارہے ہیں کہ اس قبر کو سر اور پاؤں کی طرف سے کشادہ کردو۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو مرحوم کی بیوی کی طرف سے ایک آدمی جو آپ کو بلانے کیلئے آیا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے ملا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اس آدمی کے گھر پہنچے تو کھانا لایا گیا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھانا لوگوں نے کھایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے منہ میں لقمہ چبانے لگے پھر فرمایا مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑا گیا ہے، اس عورت نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں نے بکری کی خریداری کے لئے بکری کی طرف ایک آدمی بھیجا تھا لیکن مجھے وہاں سے بکری نہ ملی پھر میں نے اپنے پڑوسی کو کہلا بھیجا کو جو بکری آپ خرید کر

3444 (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۴)

لائے ہیں وہ مجھے قیمتاً دے دیں مگر وہ آدمی نہ ملا پھر میں نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا تو اس عورت نے مجھے بکری بھجوادی، فرمایا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دو۔

اس حدیث میں واضح طور پر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو میت کے گھر والوں نے بلایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کی دعوت قبول فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ کھانا بھی کھایا اور وہ لقمہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے منہ میں ڈالا تھا اسے باہر نہیں گرایا۔ مرقات میں امرأۃ کی جگہ امرأۃ المیت اور ابو داؤد میں امرأۃ آیا ہے۔ ابو داؤد میں جو لفظ امرأۃ آیا ہے یہاں تنوین عوض کی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر امرأۃ لفظ عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی بلکہ اور کوئی تھی۔ جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا اذا جآء الاحتمال بطلت الاستدلال۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں شامل ہیں اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ کرنا جائز ہے۔

وهكذا الشيخ المحدث عبد الغنى الدهلوى شارح ابن ماجه حيث قال اما صنعة الطعام من اهل الميت اذا كان للفقراء فلا بأس به لان النبى ﷺ قبل دعوة امرأة الميت التى مات زوجها كما فى سنن ابى داؤد ص ٤٧٣۔[3445]

”حضرت شیخ محمد شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا اگر میت کے ورثاء فقراء کے لئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں اس میں تحقیق دعوت قبول فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

[3445] (انجاح الحاجة شرح ابن ماجه شريف مولفهٔ عبد الغنى ص ١١٧)

واصحابہ وبارک وسلم نے اس عورت کی جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا۔ یہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ اگر میت کے ورثاء بخوشی کھانا کھلائیں تو کوئی حرج نہیں۔

وهكذا قال عبد الحق المحدث الدهلوی والمستحب ان يتصدق عن الميت بعد ذهابه من الدنيا الى سبعة ايام۔[3446]

والسنة ان يتصدق ولى الميت قبل مضى الليلة الاولىٰ بشئ ممّا تيسّر له فان لم يجد شيئاً فليصل ركعتين۔[3447]

طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ میت کے ورثاء تصدق کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کے لئے آسان ہو۔ اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر اس کی روح کو بخش دیں۔ ثابت ہوا کہ صدقہ میت کی پہلے رات گزرنے سے پہلے نہایت مفید ہے۔

حالانکہ یہ آج کل کا مسئلہ نہیں بلکہ مذہبی کتابوں میں یہ درج ہے شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاویٰ (ص ۱۷۸ تا ۱۹۴، جلد ۲) میں بعنوان **طلوع الثریاء باظهار ما کان خفیا** کے تحت تقریباً ۲۰ صفحات اس مسئلہ پر خوب تحقیق کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک مردوں کے لئے تصدق ۷ دنوں تک یہ رائج ہے جو کہ بہتر ہے۔ امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بھی تصدق والے روایت کو نقل کیا ہے۔ تفسیر الدر منصور فی التفسیر القرآن بالماثور میں بھی مردوں کے لئے تصدق والی روایت نقل کی ہے۔

3446 (اشعۃاللمعات ص ۶۳۴، ج ۱)

3447 (طحطاوی ۳۳۸، برھنہ ۳۶۳، ج ۱، شرح شرعۃالاسلام وشرحھا ص ۵۶۸)

قال الامام أحمد بن حنبل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی کتاب الزھد لہ: حدثنا ھاشم بن القاسم قال: ثنا الاشجعی عن سفیان قال: قال طاوس: ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعا فکانوا یستحبون أن یطعموا عنھم تلک الأیام۔

تسھیل المشکوٰۃ (ص ۱۱۷) میں مولوی عبد الھادی شاہ منصوری دیوبندی لکھتا ہے:

واما التصدق فی بیت المیت فی اول الایام فجائز لحدیث النبی ﷺ فی الکتاب المختار ومطالع الانوار عن النبی ﷺ لا یاتی علی المیت اشد من اللیلۃ الاولیٰ فارحموا موتاکم بالصدقۃ فمن لم یجد فلیصل رکعتین یقرأ فیھما فاتحۃ الکتاب وایۃ الکرسی والھاکم التکاثر وقل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ انتھی فیبعث اللہ الی القبر الف ملک مع کل ملک نور وھدیۃ ویعطی اللہ المصلی حسنات بقدر ما طلعت علیہ الشمس ویرفع لہ اربعین الف درجۃ واربعین الف حجۃ وعمرۃ ویعطی ثواب الف شھید فینبغی ان یصلی ھذہ الصلوٰۃ کل لیلۃ لاموات المسلمین۔

ترجمہ: میت کے گھر وفات کے ابتدائی دنوں میں صدقہ کرنا جائز ہے جیسا کہ کتاب المختار اور مطالع الانوار میں حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میت پر پہلی رات جیسی سخت رات یا دن نہیں آتا۔ اس لئے صدقہ کی صورت میں اپنی میت پر رحم کرو۔ اور جو صدقہ دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۃ تکاثر، گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ ایک ہزار فرشتے ارسال فرمائے گا ہر فرشتے کے ساتھ نور اور تحفہ ہو گا اور اس مذکورہ نماز پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس تمام مخلوق کہ جس پر سورج طلوع ہوتا ہے کے برابر نیکی دے گا۔ اور اس کے لئے چالیس ہزار درجہ بلندی عطا فرمائے گا۔ اور

چالیس ہزار حج و عمرہ کا ثواب دے گا اور ہزار شہیدوں جتنا ثواب دے گا تو چاہیئے کہ مُردوں کے لئے ہر رات یہ نماز پڑھنی چاہیئے۔

البدایۃ والنہایۃ[3448] میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کو غسل دینے اور دفنانے کے بعد، ان کے گھر پر جمع ہوئے اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہتعالیٰ عنہ کے گھر والوں نے جو بکرا ذبح کر کے پکایا تھا، اس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تناول فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کے گھر پر کھانا پکانا جائز ہے، یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی رائج تھا۔ میت کے گھر میں ضیافت ممنوع ہے، تصدق جائز ہے۔

(۵) عورتوں کے لئے مزارات پر حاضری

عورتوں کا قبرستان میں جانا پردے کے ساتھ احادیث مبارکہ اور مذہب کی کتب سے ثابت ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ ﷺ و انی واضع ثوبی و اقول انما ھو زوجی و ابی فلما دفن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معھم فو اللہ ما دخلتہ الا و انا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رواہ احمد ثم مشکوۃ زیارۃ القبور۔[3449]

اور روایت ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے کہ میں داخل ہوتی اپنے گھر میں، کہ اس میں مدفون تھے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یعنی اور ابو بکر رضی اللہ

[3448] (صفحہ ۱۵۵، ج۷، مطبوعہ بیروت لبنان)

[3449] (ص ۱۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی)

تعالیٰ عنہ بھی مدفون تھے اس حالت میں کہ تحقیق میں رکھتی یعنی اتارتی بدن سے کپڑا اپنا یعنی چادر اور کہتی میں یعنی اپنے دل میں سوائے اس کے نہیں شان یہ ہے کہ مدفون ہیں خاوند میرے یعنی حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور باپ میرے یعنی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس جب کہ دفن کئے گئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ انکے یعنی اس مکان میں پس قسم ہے اللہ کی نہیں داخل ہوئی میں گھر میں مگر میں باندھے ہوئے ہوتی اپنے پر کپڑے اپنے واسطے حیاء کے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ وہ اجنبی تھے۔روایت کی یہ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے۔[3450]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعی بدعوی الجاھلیۃ متفق علیہ ثم۔[3451]

اور روایت ہے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہیں اہل طریقہ ہمارے سے وہ شخص کہ پیٹے رخسارے اور پھاڑے گریبان اور پکارے پکارنا جاہلیت کا (یعنی وقت رونے کے وہ چیز کہے کہ نہیں جائز شرعاً، مانند نوحہ اور واویلا کرنیکے)۔

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر النبی ﷺ بامرأۃ تبکی عند قبر فقال اتقی اللہ واصبری قالت الیک عنی فانک لم تصب بمصیبتی ولم تعرفہ فقیل لھا انہ النبی ﷺ فاتت بابہ فلم تجد عندہ بوّابین فقالت لم اعرفک فقال انما الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ متفق علیہ ثم المشکوۃ۔[3452]

[3450] (ترجمہ مظاھر حق ص ۸۵)

[3451] (المشکوۃ ص ۱۵۰، باب البکاء علی المیت)

[3452] (ص ۱۵۰)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو کہ قبر کے پاس رو رہی تھی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ تو اس عورت نے جواب میں کہا کہ ایک طرف ہو جا مجھ سے، تو میری مصیبت میں گرفتار نہیں ہے، اس عورت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو نہ پہچانا۔ تو کہا گیا اس عورت سے کہ یہ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تھے تو یہ عورت آئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دروازے پر اور وہاں دربانوں کو نہیں پایا (جیسے کہ بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر ہوتے ہیں) تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (اصل) صبر وہی ہے جو مصیبت کے اول وقت میں کیا جائے۔

قد اجمع المؤمنون علی استحباب زیارۃ القبور اہ مشارق الانوار۔[3453]

مؤمنین کا اجماع ہے اس بات پر کہ قبروں کی زیارت مستحب ہے۔

وعلی الاصح من مذہبنا وھو قول الکرخی وغیرہ من ان الرخصۃ فی زیارۃ القبور ثابتۃ للرجال والنساء جمیعا۔ شامی (ج ا، ص۷۵۲) والبدر العینی فی شرح البخاری ثم الطحطاوی (ص۳۷۶)۔ ونور الایضاح والطحطاوی جنائز (ص۳۷۶) البخاری ومن السراج الوھاج والدر المختار (ص۲۰۴،ج ا)۔ والبحر والرملی چثم الشامی (ص۲۰۴،ج ا) وجامع الرموز (ص۱۲۸،ج ا) جنائز و شمس الائمۃ السرخسی ثم

3453 (ص۵۸)

الاشربۃ ثم خزانۃ الفتاوی ثم عالمگیری (ص ۲۳۳، ج ۶) کراھیت باب ۱۶ ثم شرح فتاویٰ وما لا بدمنہ۔ (ص ۵۷)

اور ہمارے مذہب کا صحیح قول یہ ہے جو کہ امام کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے، کہ زیارت قبور میں رخصت ثابت ہے مردوں اور عورتوں کے لئے۔ یعنی مرد اور عورت دونوں قبروں کی زیارت کے لئے جاسکتے ہیں۔

ولا بأس (ای ندب کمامر) بزیارۃ القبور وھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وظاھر قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یقتضی الجواز للنساء ایضا لانہ لم یخص الرجال وفی الاشربۃ اختلف المشائخ (ای المتأخرون) فی زیارۃ القبور للنساء قال السرخسی الاصح انہ لا بأس بھا اہ کذافی خزانۃ الفتاوی اہ عالمگیری ص ۲۳۳، ج ۶، کراھیت باب ۱۶۔

اور کوئی مسئلہ نہیں یعنی زیارتِ قبور ایک مستحب عمل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ظاہر قول تقاضہ کرتا ہے کہ عورتوں کے لئے قبروں پر جانا جائز ہے اور مرد کے لئے خاص نہیں ہے۔ اور (اشربہ) میں ہے کہ متاخرین مشائخ نے اختلاف کیا ہے کہ عورتیں قبروں پر جاسکتی ہیں یا نہیں۔ اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی مسئلہ نہیں، عورتیں قبروں پر جاسکتی ہیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا انھا کانت تزور قبر اخیھا عبد الرحمٰن بمکۃ رواہ الترمذی (ص ۱۲۴) والبدر العینیثم الطحطاوی جنائز۔[3454]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں اپنے بھائی کی قبر پر جاتی تھیں۔

[3454] (ص ۳۷۶) وشامی جنائز (ص ۴۰۲، ج ۱)

عن عبد اللہ بن ملیکة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال توفی عبد الرحمان ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما بالحبشیٰ فحمل الی مکة فدفن فیھا فلما قدمت عائشة رضی اللہ عنہا اتت قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہا۔[3455]

حضرت عبد اللہ بن ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ عبد الرحمن وفات پاگئے حبشہ میں تو ان کو مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں پر ان کی تدفین ہوئی۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو ان کی قبر پر آئیں۔

قال عبد اللہ بن ابی ملیکة رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقبلت عائشة رضی اللہ عنہا ذات یوم عن المقابر فقلت لھا الیس کان رسول اللہ ﷺ ینھی عن زیارة القبور قالت نعم کان نھی عن زیارة القبور ثم امر بھا اہ۔[3456]

عبد اللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین، کہاں سے آپ تشریف لائیں ہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبور کی زیارت سے منع نہیں فرمایا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہاں، پہلے منع فرمایا تھا پھر قبور کی زیارت کا حکم جاری فرمادیا تھا۔

یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل، جو امت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سب سے افقہ ہیں اور انہی کا ارشاد ہے کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

[3455] رواہ الترمذی (ص ۲۳۳، ج ۱) وطحطاوی (ص ۳۷۶) وشامی (۶۰۴، ج ۱ جنائز)

[3456] طحطاوی (ص ۳۷۶، جنائز) والشامی (ص ۶۰۴، ج ۱ جنائز) المستدرک (ص ۴۸۵، ج ۱، حدیث ۱۴۲۳)

واصحابہ وبارک وسلم نے پہلے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی، قبور کی زیارت کے لئے عورتوں کو جانے کا حکم دے دیا، میں نے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے آخری حکم پر عمل کیا ہے خلاف نہیں کیا۔

اب اگر کوئی عورتوں کے قبور کی زیارت پر جانے کو بدعت کہتا ہے یا شرک کہتا ہے تو وہ خود سوچ لے کہ یہ فتویٰ کس پر لگایا ہے۔

العیاذ باللہ!

(مستدرک (ص۴۸۶، ج۱، حدیث نمبر ۱۴۲۷، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی) میں ہے:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اپنے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے ہر جمعہ تشریف لے جاتیں پھر وہاں قبر کے پاس نماز پڑھتیں اور روتیں۔ اس حدیث کے تمام رواۃ صحیح ہیں اور قبروں کی زیارۃ کے لئے لوگوں کو رغبت دلانے کے لئے مجھے یقین ہو گیا اور تا کہ گنہگار کو اپنے گناہوں کا علم ہو جائے کہ قبروں پر جانا سنت ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد و اٰلہٖ اجمعین۔[3457]

یہ ہے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی محبوب صاحبزادی کا اپنا عمل۔ کیا وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حکم پر عمل نہ کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ

[3457] (بحوالہ مقیاس الوھابیۃ، ص ۳۰۶)

الزہرا رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل ہے مسافت طے کر کے تشریف لے جاتیں اور وہاں فرض نمازیں اور نوافل قبر کے پاس ادا فرماتیں جس سے ثابت ہوا کہ:

(۱) قبروں کے پاس نماز پڑھی جائے۔ان کی طرف سجدہ نہ ہو تو ثواب ہے۔

(۲) عورتوں کا سفر قبور کی زیارۃ کے لئے جائز ہے پردہ کے ساتھ۔

(۳) قبور کے پاس رونا خشوع و خضوع جائز ثابت ہوا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

والاصح ان الرخصة ثابتة للرجال والنساء لان السيدة فاطمة رضى الله عنها كانت تزور قبر حمزة رضى الله تعالىٰ عنه كل جمعة اه۔ طحطاوی (ص ۳۷۶ جنائز) و شامی جنائز۔[3458]

اور صحیح قول یہ ہے کہ رخصت قبروں کی زیارت میں مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر انوار پر ہر جمعہ کو جاتی تھیں۔

قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه كان رسول الله ﷺ ينهى عن زيارة القبور ثم رخص للرجال دون النساء ثم رخص فيها مطلقاً قال كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فانها تذكر الأخرة ولا تقولوا فحشا۔ اه۔ كشف الغمه۔[3459]

[3458] (۶۰۴، ج ۱)

[3459] (ص ۱۷۷، ج ۱ زیارت)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قبروں کی زیارت سے منع فرماتے تھے، بعد میں مردوں کو رخصت دیا گیا نہ کہ عورتوں کو۔ پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبروں کی زیارت میں رخصت عام کی اور پھر فرمایا کہ میں آپ کو منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے لیکن اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے اور بری باتیں نہ کیا کرو۔

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا وتذکر الاٰخرۃ رواہ ابن ماجۃ اہ مشکوۃ۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے لیکن اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت یاد دلاتی ہے۔

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا رواہ مسلم اہ مشکوۃ۔[3460]

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے، اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

پس زیارات القبور بکنید وآن حکم اول منسوخ دانید۔ اشعۃ اللمعات (ج ۱، ص ۱۴۶) یعنی پس زیارتِ قبور پر جایا کرو اور یہ جان لو کہ حکمِ اول منسوخ ہے۔

[3460] (ص ۱۴۶)

عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ انی نهيتكم عن زيارة القبور فانه قد أذن لمحمد ﷺ في زيارة قبر امه فزوروها تذكركم الاخرة۔[3461]

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں منع کرتا تھا زیارت القبور سے، تحقیق کے ساتھ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اجازت دی گئی ہے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی۔ پس قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ بعض احادیث ایسی بھی موجود ہیں کہ جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی زیارت کیلئے جاتی ہیں۔ اب دونوں احادیث کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی۔ حنفی مشکوۃ شریف زجاجۃ المصابیح مع اردو ترجمہ نور المصابیح، جلد اول، صفحہ ۵۰۴ تا ۵۱۴ میں اس کی تطبیق بیان کی ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وفی رواية لمسلم ان النبی ﷺ قال نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر، اور قبروں کے اوپر چراغ لگانے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔(ابو داؤد، ترمذی اور نسائی اور مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا

[3461] (مسلم شریف ص ۳۱۴، ج ۱ وابوداؤد ص ۱۰۵، ج ۲)

کہ میں نے تم کو(خواہ مرد ہوں یا عورتیں)زیارت قبور سے منع کیا تھا،اب میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو،(کیوں کہ قبروں کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے)۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تین چیزوں کو مستحق لعنت قرار دیاہے۔

(۱) قبروں کی زیارت کرنے والی عورتیں

(۲) قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے

(۳) قبروں کے اوپر چراغ لگانے والے

واضح ہو کہ اس حدیث میں عورتوں کے لئے زیارت قبور سے جو ممانعت ثابت ہو رہی ہے وہ مسلم کی اس حدیث سے منسوخ ہے:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا لانھاتذکر الآخرۃ۔

میں نے تم کو(خوہ مرد ہوں یا عورتیں)قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب میں تم کو(مرد ہو کہ عورتیں)اجازت دیتاہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔اس لئے کہ قبروں کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عورتوں کے لئے زیارت کے جواز میں حدیث "لعن اللہ زائرات القبور"کی روایت کے بعد فرماتے ہیں:

"قد رأی بعض اھل العلم ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی ﷺ فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی رخصتہ الرجال والنساء"۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے زیارت قبور سے مرد و عورت ہر دو کو منع فرمادیا تھا، اور جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے زیارت قبور کی اجازت دے دی تو یہ اجازت مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی حاصل ہوگئی ہے کیونکہ شریعت کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اوامر و نواہی بالعموم مردوں کو دیئے جاتے ہیں اور چونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں اس حیثیت سے سارے احکام عورتوں سے بھی متعلق ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

واحتج من اباح زیارۃ القبور للنساء بحدیث عآئشۃ رضی اللہ عنھا رواہ فی التمھید من روایۃ بسطام بن مسلم عن ابی التیاح عن عبد اللہ بن ملیکۃ انّ عآئشۃ رضی اللہ عنھا اقبلت ذات یوم من المقابر فقلت لھا یا ام المؤمنین من این اقبلت قالت من قبر اخی عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقلت لھا الیس کان رسول اللہ ﷺ ینھی عن زیارۃ القبور قالت نعم کان ینھی عن زیارتھا ثم امر بزیارتھا۔

جن حضرات نے عورتوں کے لئے زیارت قبور کے جواز کو ثابت کیا ہے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو تمہید میں مروی ہے۔ بسطام بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو التیاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے عبد اللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن قبرستان سے تشریف لا رہی تھیں۔ ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین

رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے بھائی عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کر کے آ رہی ہوں، میں نے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم زیارت قبور سے منع نہیں فرماتے تھے؟ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔ ہاں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے (ابتداء اسلام میں) قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا پھر بعد میں آپ نے (مردوں اور عورتوں) دونوں کو اجازت دے دی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتداء اسلام میں زیارت قبور کی ممانعت کے اسباب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

النھی عن زیارۃ القبور انما کان فی اول الاسلام عند قربھم بعبادۃ الاوثان واتخاذ القبور مساجد فلما استحکم الاسلام وقوی فی قلوب الناس وامنت عبادۃ القبور والصلوۃ الیھا نسخ النھی عن زیارتھا لانھا تذکر الأخرۃ وتزھد فی الدنیا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں زیارت قبور سے ممانعت محض اسلئے تھی کہ عربوں کو بتوں کی پوجا اور قبروں کی پرستش کو (ترک کئے ہوئے) بہت تھوڑا زمانہ گزرا تھا لیکن جب دین کا استحکام ہو گیا اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت قوی ہو گئی اور قبروں کی پرستش اور قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا اندیشہ دور ہو گیا تو قبروں کی زیارت سے ممانعت منسوخ کر دی گئی اس لئے کہ زیارت قبور آخرت کی یاد اور دنیا سے بے رغبتی کا سبب ہے۔

حضرت شاہ عبد الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں کہ زیارت قبور مستحب ہے کیونکہ اس سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے، موت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور فناء دنیا کا خاکہ سامنے

آجاتا ہے۔ میت کے لئے دعا اور استغفار کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ جمع مشائخ، صوفیاء کرام اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اہل کشف اور کاملین کے نزدیک یہ ایک محقق بات ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بے شمار حضرات کو ارواح مقدسہ سے فیض حاصل ہوا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "باب الامر بالاستغفار للمؤمنین" میں ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک طویل حدیث کے آخر میں روایت کرتے ہیں کہ:

فامرنی ان اتی البقیع فاستغفر لھم قلت کیف اقول یا رسول اللہ ﷺ قال قولی السلام علی اھل الدیار من المؤمنین و المسلمین فیرحم اللہ المستقدمین و المستاخرین و انا انشاء اللہ بکم للاحقون رواہ مسلم مشکوۃ زیارۃ القبور (ص ۳۱۴) نووی (ص ۳۱۴) فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارۃ القبور اھ۔ نووی زیارۃ القبور (ص ۳۱۴، ج ۱) و اشعۃ اللمعات زیارۃ القبور۔ (ص ۲۳۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حکم دیا کہ میں بقیع (یعنی مدینہ منورہ کے قبرستان کو) جاؤں اور اہل بقیع کے لئے دعا کروں۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم میں کس طرح دعا کروں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم یہ کہو "سلام ہو تم پر اے مسلمانوں کے قبور والو اور نزول رحمت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پیش رؤوں پر اور ہمارے پس ماندوں پر اور بلاشبہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اہل بقیع کی زیارت کا حکم دیا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں دعا اور استغفار کے لئے قبروں کی زیارت کر سکتی ہیں۔

در مختار اور رد مختار ہر دو کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ حدیث "کنت نھیتکم" کے پیش نظر عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اھ۔ بلکہ عورتوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کریں اس کو بحر میں مجتبیٰ کے حوالہ سے لکھنے کے بعد واضح کیا ہے کہ یہ حدیث "کنت نھیتکم" الخ کے حکم صریح کی بناء پر ہے۔ علاوہ ازیں امداد میں بھی یہی مذکور ہے۔ علامہ شامی رد المحتار میں مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ بعض اوقات اولیاء کرام کی قبروں کے پاس بعض غیر مشروع امور ہوا کرتے ہیں، مثلاً مردوں اور عورتوں کا ہجوم کی وجہ سے خلط ملط ہو جانا وغیرہ تو ایسے غیر مشروع امور کی وجہ سے زیارت قبور ترک نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ زیارت قبور جیسے نیک کام کو بعض غیر مشرع امور کی وجہ سے چھوڑ دینا نا مناسب ہے بلکہ انسان کو چاہئے کہ قبروں کی زیارت کرے اور بدعات پر تنبیہ کرے اور اگر قدرت ہو تو ان غیر مشروع امور کو زائل کر دے۔

دوسرے اس حدیث میں جن کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مستحق لعنت قرار دیا ہے وہ "قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے" ہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں جو وعید مذکور ہے وہ اس صورت میں صادق آئے گی جب یہ یہود و نصاریٰ کی طرح قبر کو بت بنا کر سجدہ کیا جائے یا قبروں کو حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر نماز میں

قبروں کی طرف رخ کیا جائے۔اس کے بر خلاف کسی ولی کے مزار کے قرب مسجد بنائی جائے اور اس میں بغیر تبرک نماز پڑھی جائے تو یہ عمل اس وعید میں داخل نہ ہو گا۔

چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

لما کانت الیھود و النصاریٰ یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانھم ویجعلونھا قبلة یتوجھون فی الصلوة نحوھا واتخذوھا اوثانا لعنھم النبی ﷺ ومنع المسلمین عن مثل ذلک فامامن اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التھرک بالقرب منه لا للتعظیم له ولا للتوجه الیه فلایدخل فی الوعید المذکور۔

علامہ عینی فرماتے ہیں جب یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کے خیال سے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ کرنے لگے اور قبروں کو قبلہ بنا کر نماز میں قبروں کی طرف رخ کرنے لگے اور قبروں کو بت بنا کر پوجنا شروع کیا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو بھی ان افعال سے منع فرمایا لیکن جو اصحاب کسی ولی صالح کے قرب وجوار میں مسجد بنائیں اور ان صاحب قبر سے تقرب کا قصد کریں، بشر طیکہ نفس قبر کی تعظیم مقصود نہ ہو اور قبر کی طرف نمازیں رخ نہ کیا جائے تو ایسے حضرات اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔

مرقات اور مجمع البحار میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ بالا شرح کے بعد مزید یہ اضافہ ہے

الا تریٰ ان مرقد اسمٰعیل علیه السلام فی المسجد الحرام عند الحطیم ثم ان ذلک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاته۔

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مزار اقدس مسجد حرام میں حطیم میں واقع ہے اور اس جگہ مسجد حرام کے ان سارے مقامات میں فضیلت حاصل ہے جہاں نمازی کو نماز پڑھنا چاہیئے)۔اولیاء اللہ کے مزارات کے قرب و جوار میں مسجدیں بنانے کے جواز پر تفصیلی بحث حدیث نمبر ۹۵۴۔۱۳ کے فائدے میں گزر چکی ہے۔

تیسرے جن کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مستحق لعنت قرار دیا ہے وہ جو قبروں کے اوپر چراغ جلانے والے ہیں۔

واضح ہو کہ حدیث میں قبروں کے اوپر چراغ جلانے والوں کی وعید میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ یہ ہیں "المتخذین علیھا السرج" جن کے حقیقی معنی یہ ہیں قبروں کے اوپر چراغ جلانے والے مستحق لعنت ہیں نہ یہ کہ قبروں کے پاس چراغ جلانے والے حرف "علیٰ" کو جس کے معنی (اوپر) کے ہیں "عند" یعنی نزدیک کے معنوں میں استعمال کرنا مجاز ہے اور کسی لفظ کے معنی مجازی اسی وقت مراد لئے جاسکتے ہیں جب کہ اس لفظ کے حقیقی معنی نہ بن سکتے ہوں، چونکہ یہاں حقیقی معنی بن سکتے ہیں اس لئے "المتخذین علیھا السرج" کی وعید میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین داخل ہوں گے جو قبروں کے اوپر چراغ جلایا کرتے ہیں اور چونکہ مسلمانوں کو ان گمراہوں کی مشابہت اور اس عمل سے باز رکھنا مقصود تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اس ارشاد میں مسلمانوں کو یہ تاکید ہے کہ ان اعمال سے باز رہیں اور ان کی مشابہت نہ کریں۔

"المتخذین علیھا السرج" کے جو معنی اختیار کئے گئے ہیں ان کی تائید علامہ سید عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف انیف حدیقۃ ندیّہ شرح طریقۃ محمدیۃ سے ہوتی ہے کیونکہ علامہ

موصوف اس حدیث کے اس ٹکڑے کی شرح میں فرماتے ہیں "والسرج "ای الذی ھن یوقدون السرج علی القبور عتبا من غیر فائدۃ۔ یعنی قبروں پر چراغ جلانے کی وعید ان لوگوں پر صادق آئے گی جو قبروں کے اوپر بلاضرورت بے فائدہ چراغ روشن کرتے ہوں۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ حدیث شریف کے الفاظ "المتخذین علیھا السرج" کے حقیقی معنی بن سکتے ہیں تو وعید میں صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جو قبروں کے اوپر چراغ روشن کرتے ہیں اور وہ حضرات جو قبروں کے پاس چراغ روشن کرتے ہوں اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔

واضح ہو کہ قبروں کے پاس چراغ لگانے کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ایک ضرورتاً اور دوسرے بلا ضرورت، قبروں کے پاس بلاضرورت چراغ کے روشن کرنا اسراف ہے اور اسراف بے شک ممنوع ہے۔ نیز چراغ کے روشن کرنے سے قبر کی تعظیم یا قبر کی زینت مقصود ہے تو ان صورتوں میں بھی قبروں کے پاس چراغ روشن کرنا ممنوع ہو گا کیونکہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں، البتہ صاحب قبر اور اولیاء کرام کی تعظیم مقصود ہو تو اس نیت سے قبروں کے پاس چراغ روشن کرنا اسراف نہ ہو گا، بلکہ ی شرعاً محبوب اور مطلوب ہے۔

قبروں کے پاس ضرورتاً چراغ روشن کرنے کے جواز میں آیت وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (الملک ۵) کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر روح البیان اس طرح ناطق ہے:

وکذا یقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیآء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد منھا مقصد حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم ومحبۃ فیھم جائز ایضا لاینبغی النھی عنه۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اولیاء اور صلاح کے مزارات کے پاس قنادیل اور فانوس روشن کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی تعظیم اور بزرگی کا سبب ہے۔ اس لئے یہ عمدہ مقصد ہے، اسی طرح روغن زیتون اور موم بتی مزارات کے قریب جلانا اس سے بھی اولیاء اللہ کی تعظیم اور محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے ان چیزوں سے منع کرنا مناسب نہیں۔

علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ فعل مباح پر بھی حسن نیت سے ثواب ملتا ہے، چنانچہ فتح الباری، شرح صحیح البخاری میں مذکور ہے:

”ان المباح قدیر تفع بانیۃ الی درجہ مایثاب علیہ“۔

کسی امر مباح کو اچھی نیت سے انجام دیا جائے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔

اس طرح ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم کی غرض سے ان کی قبروں کے پاس چراغوں کو روشن کرنا حصول ثواب کا ذریعہ ہے۔

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اخراج الشموع الی القبور بدعۃ واتلاف المال کذا وفی البزازیۃ ھذا کلہ اذا خلا عن فائدۃ واما اذا کان موضع القبور مسجداً علی الطریق او کان ھناک احد جالسا او کان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعضیما لروحہ المشرفۃ علی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلام للناس انہ ولی یتبرکوا بہ ویدعو اللہ عندہ الشمس علی الارض اعلام للناس انہ ولی یتبرکوا بہ ویدعو اللہ عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لا منع فیہ وانما الاعمال بالنیات۔

بزازیہ میں مذکور ہے کہ قبروں کی طرف موم بتیوں کا لے جانا بدعت ہے اور مال کا ضائع کرنا ہے جب کہ چراغوں کا روشن کرنا کسی فائدے سے خالی ہو اور اگر وہاں قبرستان میں مسجد ہو یا قبرستان سر راہ واقع ہو اور قبر کے پاس کوئی شخص بیٹھا ہو یا کسی ولی یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا مزار ہے تو ان صورتوں میں چراغوں کا روشن کرنا جائز ہو گا۔ کیونکہ یہ ان کی روح مبارک کی تعظیم کا سبب ہے جو اپنے بدن کی خاک پر اس طرح تجلی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر، اور وہاں چراغ کے روشن کرنے سے لوگ واقف ہو سکیں گے کہ ان کی دعا قبول ہو جائے تو یہ ایسا امر جائز ہے جس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اس لئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

مجمع البحار میں "المتخذین علیها السرج" کی شرح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے جس کا ذکر نسائی کے حاشیہ پر بھی ہے:

"وان کان ثم مسجدا وغیره ینتفع فیه للتلاوة والذکر فلابأس بالسراج فیه"۔

یعنی اگر قبر کے پاس مسجد ہو اور کوئی ایسی جگہ ہو جہاں قرآن کی تلاوت اور ذکر کیا جاتا ہے تو اس جگہ چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

"اندا ختن غلاف بر قبر شریف وافروختن چراغ ہا وغیر ہا تکلفات کہ بر مزار ہائے اولیاء اللہ جملہ از مستحسنات اند"۔

یعنی قبر شریف پر غلاف ڈالنا اور اولیاء اللہ کے مزارات کے پاس چراغوں کا روشن کرنا اور ایسے ہی تکلفات کا استعمال مستحسن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کاارشاد ہے:

"لاتجتمع امتی علی الضلالة"۔

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے:

من سن فی الاسلام سنة فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ینقص امن اجور هم شیء۔

جو کوئی اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو جاری کرے کہ اس کے بعد اس طریقہ پر عمل ہورہاہو تو اس شخص کو بعد کے عمل کرنے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے ثواب میں بھی کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی۔

ان دونوں احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علماء وصلحاء کا فعل دلیل ہے اور ہر بدعت گمراہی نہیں۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح باجماعت کا اہتمام کرکے ارشاد فرمایا "نعمة البدعة هذه" (کیا اچھی بدت ہے) اس لئے ہر بدعت کو گمراہی سمجھنا نادانی کی بات ہے۔

امام اجل علامہ سید ابوالحسن علی نور الدین بن عبد اللہ المدنی قدس سرہ اپنی کتاب "خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں۔ روضہ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی روشنی کاسامان سونے اور چاندی اور اس کے مثل اور قیمتی چیزوں کی قندیلیں جو روضہ مطہرہ کے گرد آویزاں کی جاتی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی ابتداء کب سے ہے۔ ہاں امام حافظ الحدیث محمد بن محمد نجار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "الدرة الثمینة فی اخبار المدینة" میں فرمایاہے کہ سقف مسجد کریم کے اتنے حصہ میں جو دیوار قبلہ سے حجرہ مقدسہ تک ہے چالیس سے زیادہ قندیلیں

آویزاں ہیں ایک سونے کی اور دو بلور کی اور چھوٹی بڑی نقروی قندیلیں منقش اور سادہ ہیں جن کو سلاطین اور امراء اپنی حکومت کی طرف سے حاضر کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روشنی خاص روضہ انور علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لئے ہوتی تھی اور صدہا سال سے اس کا رواج تھا یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ساتھ حجرہ مقدسہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آرام فرما ہیں اور روضہ کے گرد صدہا سال سے روشنی کی جاتی ہے، جس سے تلاوت قرآن اور ذکر وغیرہ میں فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک یہاں چراغوں کے روشن کرنے پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبد الکافی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام "منزل السکینۃ علیٰ قنادیل المدینۃ" ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ مزار مبارک کے آس پاس روشنی ہوتی ہے اور اس پر رحمتِ الٰہی کا سکینہ اترتا ہے۔

بعض حضرات قبور کے پاس چراغ روشن کرنے کو اس لئے ناجائز قرار دیتے ہیں کہ قبروں کے پاس آگ کا لے جانا آثار جہنم سے ہے حالانکہ اگر رات کے وقت تدفین عمل میں آرہی ہے تو قبر کے پاس چراغ لے جاسکتے ہیں چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح بخاری میں ضرورتاً قبر کے پاس چراغ لے جانے کے جواز میں کئی روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ بطور نمونہ ایک حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے:

روىٰ ابو داؤد من حديث جابر بن عبدالله قال راى ناس نارًا فى المقبرة فأتوها فاذًا رسول الله ﷺ فى القبر و اذًا هو يقول فأتونى صاحبكم فاذاهم الرجل الذى كان يرفع صوته بالذكر ورواه الحاكم وصححه وقال النووى وسنده على شرط الشيخين۔

ابو داؤد نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ چند لوگوں کو قبرستان میں آگ نظر آئی تو وہاں پہنچے انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قبر کے اندر ہیں اور ارشاد فرمارہے ہیں کہ اپنے دوست کو مجھے دے دو (کہ میں اس کو قبر میں اتار دوں) اور وہ وہی صحابی تھے جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔(اس کی روایت حاکم نے کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق ہے)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبرستان میں ضرورتاً چراغ لے جاسکتے ہیں، اس لئے وہ حضرات جو قبروں کے پاس مطلقاً چراغ لے جانے کو آثار جہنم بتاکر ناجائز قرار دیتے ہیں ان کا استدلال بے جا ہے۔

علاوہ ازیں اگر آگ کو آچار جہنم کی وجہ سے مردہ اور قبر کے پاس لے جانا حرام قرار دیا جاتا تو میت کو گرم پانی سے غسل دینا بھی آثارِ جہنم ہے۔

قال الله تعالیٰ "يصب من فوق رؤسهم الحميم"۔

دوزخیوں کے سروں پر سے گرم پانی بہایا جائے گا۔

حالانکہ وہ مردہ کو گرم پانی سے غسل دینا شرعاً مطلوب ہے، چنانچہ در مختار میں مذکور ہے:

"يصب عليه مآء مغلى بسدر ان يتسر وءالا فماء خالص"۔

غسل میت کے لئے اگر بیری کے پتوں کا گرم شدہ پانی مل جائے تو بہتر ہے ورنہ خالص گرم پانی کافی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ گرم پانی کے آثار جہنم کے ہونیکے باوجود مردے کے لئے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ مامور بہ ہے۔ اس طرح قبروں کے پاس چراغ جلانا بھی جائز ہوگا، اور آثار جہنم کی توجیہہ کرکے قبروں کے پاس چراغ جلانے کی ممانعت کو ثابت کرنا غیر صحیح ہوگا۔

امام اہلسنت حامی دین مجدد ملت اعلی حضرت امام احمد رضا خان قندھاری افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "بریق المنار بشموع المزار" میں بالتفصیل دلائل کے ساتھ مزارات اولیاء اللہ پر روشنی کرنے کو بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بالجملہ! حاصل حکم یہ ہے کہ قبور عامۂ ناس پر روشنی جب کہ خارج سے کوئی مصلحت مذکورہ کے امثال سے نہ ہو (اس کی تفصیل رسالہ مذکورہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے) ضرور اسراف ہے۔ اور اسراف بے شک ممنوع ہے۔ فقہاء اس کو منع فرماتے ہیں کہ یہی علت منع بناتے ہیں۔ اور اگر زینت قبر مطلوب ہو تو قبر محل زینت نہیں۔ اب بھی اسراف ہوا۔ بلکہ کچھ زائد یوں ہی اگر تعظیم قبر مقصود ہو کہ یہاں تعظیم نسبت نہیں۔ رہے مزارات محبوبان اللہ۔ ان میں اگر زینت قبر یا تعظیم نفس قبر کی ہو تو یہاں بھی وہی ممانعت رہے گی کہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں اور اگر ان کی روح کریم کی تعظیم و تکریم مقصود ہو۔ اب نہ اسراف ہے کہ نیت صالحہ موجود ہے۔ نہ تعظیم قبر بلکہ تعظیم روح محبوب۔ اور وہ شرعاً بلا شبہ مطلوب۔

امام اجل تقی الدین سبکی، وامام نور الدین سمہودی، وامام عبد الغنی نابلسی رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کو جائز بناتے ہیں اور کسی کے قلب پر حکم لگانا کہ اسے تعظیم قبر ہی مقصود ہے، نہ تعظیم روح ولی، محض جزاف وبد گمانی وحرام بنص قرآنی ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْم "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً۔

ترجمہ: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہونا ہے۔[3462]

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اَنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم"۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔[3463]

وقال رسول اللہ ﷺ افلا شققت عن قلبه، قال رسول اللہ ﷺ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا بد گمانی سے بچو بے شک بد گمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

تعظیم روح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ عارف نابلسی کا ارشاد گزرا۔

امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لیس القصد تعظیم بقعة القبر لعینها بل من حل فیها۔

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسند شریف میں بسند حسن روایت فرماتے ہیں:

[3462] (پ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۶)

[3463] (پ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت ۱۲)

اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال هل تدری ما تصنع، فاقبل علیه فقال نعم انی لم أت الحجر انما جئت رسول الله ﷺ ولم أت الحجر، سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیه اھله ولکن تبکوا علی الدین اذا ولیه غیر اھله۔

ترجمہ: یعنی مروان نے اپنے زمانہ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبر اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں۔ مروان نے ان کی گردن مبارک پکڑ کر کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو۔ اس پر ان صاحب نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہاں میں سنگ وگل کے پاس نہیں آیا ہوں، میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں۔ میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو فرماتے سنا ہے دین پر نہ روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں! اس وقت دین پر روؤ جبکہ نا اہل والی ہو۔

یہ صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ تو تعظیم قبر وروح مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت ہے اور اسی کے ترکہ سے وہابیہ کو پہنچی۔ تعظیم قبر سے جدا ہو کر تعظیم روح کی برکت لینا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ہے اور اہل سنت کو ان کی میراث ملی ہے۔

اور اہل اللہ کی قبر پر جو چراغاں وروشنی کی جاتی ہے وہ ان کی تعظیم روح اور لوگوں کی توجہ کے لئے ہے کیونکہ مومن اہل قبر کی طرف متوجہ ہو کر دعا گو ہوتا ہے۔ ذکر اذکار، تلاوت قرآن اور درود پاک اور نوافل پڑھتا ہے جس کا فائدہ دونوں کو پہنچتا ہے۔ ویسے بھی قبور اہل اللہ میں شعائر اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم اور ہر مسلمان کے اوپر لازم وضروری ہے۔

وَمَنۡ یُعَظِّمۡ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَإِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوبِ (الحج ۳۲)

ترجمہ: جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

وَمَنۡ یُعَظِّمۡ حُرُمَاتِ اللّٰہِ فَهُوَ خَیۡرٌ لَهُ عِنۡدَ رَبِّهِ (الحج ۳۰)

ترجمہ: جو اللہ کی آداب کی چیزوں کی تعظیم کرے تو اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتری ہے۔

الغرض ان سارے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں کے پاس چراغوں کو روشن کرنا حسب ذیل اغراض کی بناء پر جائز ہے۔

(۱) وہاں مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہو گا اور مسجد میں بھی روشنی ہو گی۔

(۲) مقابر سر راہ ہوں کہ روشنی کرنے سے راہرو کو بھی نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابر پر مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے، قرآن پڑھیں گے، دعا کریں گے، اور ثواب پہنچائیں گے، گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات کو نفع پہنچے گا، اگر اموات کی قوت زائد ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(۳) مزارات اولیاء کرام کے پاس روشنی تو ان کی ارواح طیبہ کی تعظیم کا سبب ہے جو موجب خیر وبرکت ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ لعن زورات القبور رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح اھ ترمذی جنائز (ص ۱۳۳) ومشکوۃ جنائز (ص ۱۴۶)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کے لئے جاتی ہیں۔اب یہ حدیث مبارکہ بھی عورتوں کے زیارت القبور پر نہ جانے کے اوپر دلالت کرتی ہے۔توہم جواب دیتے ہیں،اول یہ کہ یہ حدیث مبارک منسوخ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے لعنت فرمائی ہے

رأى بعض اهل العلم ان حديث اللعن كان قبل ان يرخص النبی ﷺ فی زيارة القبور فلما رخص دخل فی رخصة الرجال و النساء اه ترمذی جنائز (ص ۱۳۳، ج ۱) ومشكوة (۱۴۶) ولطيبی علی حاشية الترمذی (ص ۱۳۳) و اشعة اللمعات جنائز (ص ۹۳۵، ج ۱) و شرح مالابدمنه (ص ۸۷)۔

اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک جو لعنت کی ہے، زیارت القبور میں رخصت دینے سے پہلے ہے۔جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے زیارت القبور میں رخصت دی تو اس میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہو گئے۔

قال ابن حجر فی فتاواہ ولا تترک الزيارة لما يحص لعندها من منكرات فاسدة كاحتلاط للرجال بالنساء وغير ذلک لان القربات لا تترک لمثل ذلک بل علی الانسان فعلها وانكار البدع بازالتها ان امكن اه۔ شامی (ص ۶۰۴) مذاهب اربعة (۴۲۵) احياء العلوم، مرقاة بر حاشية مشكوة۔

اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ زیارت القبور کو نہیں چھوڑا جائے گا جیسے کہ وہاں پر منکرات اور مفاسد کام ہوتے ہیں، مثلاً مرد اور عورتوں کا اختلاط ہونا، اور اس

کے علاوہ منکرات۔ اس لئے کہ نیک کام نہیں چھوڑے جائیں گے ان منکرات کی وجہ سے۔ بلکہ انسان کے اوپر واجب ہے کہ بدعت کا انکار کرے اور ان منکرات کام کا ازالہ کرے، جہاں تک ممکن ہو۔

كان من العادات النبوية ﷺ زيارة القبور و الدعاء و الاستغفار لهم و مثل هذه الزيارة مستحب۔ سفر السعادت (ص ١٨١) شامي (٦٠٥)، بحر الرائق (٢٣٥، ج٨)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ زیارت القبور پر جایا کرتے تھے اور ان کے لئے دعا اور استغفار کیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح زیارت القبور پر جانا مستحب ہے۔

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

كان نهى عنها لانها تفتح باب العبادة لها فلما استقرت الاصول الاسلامية و اطمَأنت نفوسهم على تحريم العبادة لغير الله اذن فيها و علل التجويز بأن فائدته عظمة و هى انها تذكر الموت۔

ترجمہ: اسلام کی ابتداء میں زیارت القبور پہ جانے سے منع کیا گیا اس لئے کہ اگر منع نہ کرتے تو لوگ عدم علم کی وجہ سے قبروں کی عبادت شروع کر دیتے۔ تو جب اسلام کے قواعد مظبوط اور قائم ہو گئے اور لوگوں کو حرام و حلال کی پہچان ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت حرام ہے تو اجازت دے دی گئی زیارت القبور کے لئے اور جائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ زیارت القبور میں فائدہ عظیمہ ہے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

جامع الرموز کے مصنف عورتوں کا مزارات پہ جانے پر لکھتے ہیں: زيارة القبور مستحبة للرجال وكذاللنساءعلى الاصح۔[3464]

یعنی مرد اور عورتوں کے لئے مزارات پر جانا مستحب ہے اور صحیح قول یہی ہے۔

اور مراقی الفلاح صفحہ ۳۴۰ میں لکھا ہے:

ندب زيارتها من غير ان يطأ القبور للرجال والنساء وقيل تحرم على النساء والاصح ان الرخصة ثابتة للرجال والنساء فتندب لهن ايضاً على الاصح۔

یعنی قبروں پر جانا مستحب ہے بغیر نقصان پہنچائے ہوئے کسی قبر کو، مردوں اور عورتوں کے لئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتوں کے لئے حرام ہے لیکن ہمارے مذہب کا اصح قول یہ ہے کہ رخصت مرد اور عورت دونوں کے لئے ثابت ہے۔ تو جس طرح مردوں کے لئے جائز ہے اسی طرح عورتوں کے لئے مزارات پر جانا مستحب ہے۔

اور فتح القدیر کتاب الحج جلد ۲، صفحہ ۳۳۸ میں ہے:

وندب زيارت القبور للرجال والنساء على الاصح۔

یعنی مرد اور عورتوں کے لئے مزارات پر جانا مستحب ہے۔

تو حاصل جواب یہ ہوا کہ عورتوں کا مزارات پر جانا پردہ میں یہ امر جائز ہے اور اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی ہے۔

(۶) اولیاء اللہ کے مزارات پہ نذرانہ اور شکرانہ ڈالنا

3464 (جامع الرموز، ج ا، ص ۱۲۸)

الدر المختار رد المحتار جلد ۲، ص ۱۷۵ میں ہے: "اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر مانناس حیثیت کے ساتھ کہ نذر خدا کے لئے ہو، اور ثواب اس ولی کی روح کے لئے ہو، یا نذر اللہ کے لئے ہو اور مصرف اس کے خادمین اور فقیر ہوں اس ولی اللہ کے دربار کے۔ تو اس قسم کی نذر جائز ہے۔"

فتاویٰ عزیزی جلد ۲، ص ۳۶ میں ہے:

"و نذر و نیاز ہر روز کہ در درگاہ ولی مے آید بقدر حاجت در اولاد و خدام صرف باید نمود و متولی جمع و تقسیم را یک کس امین باید ساخت و تقسیم بر رؤس احیاء از اولاد و خدام باید نمود"۔

یعنی نذر و نیاز ہر روز ولی کی درگاہ میں بقدر حاجت ان کی اولاد اور خادمین پر صرف کرنا چاہیئے اور متولی کو چاہیئے کہ جمع اور تقسیم کے لئے ایک امین شخص کو مقرر کر دے اور اس نذر و نیاز کو اس ولی کی اولاد اور خادمین پر صرف کرے۔

اور تفسیر احمدی صفحہ ۲۹ میں ہے:

ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب الخ۔

یعنی اور گائے جیسا حلال جانور نذر کرنا اولیاء اللہ کے مزارات پر، جیسا کہ یہ ہمارے زمانہ میں ایک رسم ہے، تو اس کا کھانا حلال اور اچھا ہے۔

اور فتاویٰ شامی قبیل کتاب الآبق ج ۳، ص ۳۳۴ میں ہے:

ومن القیٰ شیئًا علیٰ القبر ولا یکون لذالک القبر مجاوراً خاصا معینا فیجوز الاخذ لمن اخذ ھذا الشیء غنیاً کان أو فقیرا۔

یعنی اگر کسی شخص نے قبر پر کوئی چیز ڈالی اور اس قبر کا کوئی خاص خادم نہ ہو تو یہ چیز جو کوئی بھی اٹھالے، چاہے وہ غنی ہو یا فقیر ہو، تو اس کے لئے لینا جائز ہے۔

اور اسی طرح مولانا حافظ کفایت اللہ اپنی کتاب التشریح الوحید شرح درۃ الفرید کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں:

وایضا الوضع فی الصندوق علیٰ طیرق التصدق علیٰ الولی وعلیٰ مجاورہٖ جائز وعلیٰ طریق النذر باسم غیر اللہ لایجوز۔ کمافی البحر والدر المختار والفتاویٰ الفرائد بنقل حاشیہ تجھیز الجنائز۔

یعنی اسی طرح مزارات کے ساتھ جو شکرانہ کے صندوق ہوتے ہیں، تصدق کی نیت سے اس میں ڈالنا یا اس کے خادم کو دینا یہ جائز ہے۔

اما النذر الذی ینذرہ العوام کان یکون لہ حاجۃ کالمریض وغیرہ فیأتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ ویقول یاسیدی فلان ان رد غائبی اوعوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذااو من الشمع کذافھذاباطل لان النذر عبادۃ وھی لاتجوز لغیر اللہ وان قال یا اللہ ان شفیت مریضی الی قولہٖ ولک کذا فھذا النذر صحیح ویقول اطعم بباب الولی الفلانی آہ۔(ھکذافی الفتاویٰ عزیزیہ بالفاظ مختلفۃ بحوالہ المقاصد السنیۃ ص ٦٧٣)

اور عوام الناس کی نذر جب ان کی حاجت ہو یا کوئی بیماری آجائے تو وہ اللہ کے بعض اولیاء کے مزارات پر چلے جاتے ہیں اور اس کی کوئی چیز اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا سید فلاں (ان کو نام سے پکارتے ہیں یا آداب کے کوئی اور الفاظ) اور کہتے ہیں اگر میری غائب چیز کو واپس کر دو، یا میرے بیمار کو صحیح کر دو یا میری حاجت کو پوری کر دو، اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز ہو جائے تو تجھے اتنا اتنا سونا ہے یا اتنا اتنا چراغ ہے تو اس طرح نذر ماننا یہ باطل ہے اسلئے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت جائز ہی نہیں۔ ہاں اگر یہ کہے کہ یا اللہ تو میرے مرض کو شفا بخش ان کے وسیلہ سے تو

میں ایسا ایسا کروں گا، تو یہ نذر صحیح ہے۔ یا یہ کہے کہ میں فلانے ولی کے دروازے پر طعام تقسیم کروں گا، تو یہ بھی صحیح ہے۔

فھذا جائز لان ھذا باسم اللہ و لا یجوز الاخذ لخادم الشیخ ان کان غنیا لان مصرف الزکوۃ و النذر واحد وقال فی آخر ھذا العبارۃ الا ان یقصد بھذا المال التصدق بالفقراء فجائز آہ۔ فعلم ان التصدق بالفقیر الخاص جائز ۔ وایضا فی التفسیر الاحمدی۔ البقرۃ المنذورۃ للمیت حلال طیب۔

یعنی جو پہلے عبارت میں گزرا تو ایسا نذر ماننا جائز ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کے نام پر ہے۔ اور خادم اگر غنی ہو تو پھر اس کو لینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ اور نذر کا حکم ایک ہے۔ اور اس عبارت کے آخر میں یہ کہا ہے کہ اگر اس مال کو فقراء پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خاص فقیر کے اوپر تصدق کرنا یہ بھی جائز ہے اور تفسیر احمدی میں ہے کہ گائے جیسے حلال جانور کو نذر کرنا میت کے لئے، تو یہ حلال ہے اور پاک ہے۔

اور یہاں تک کہ شاہ عبد الرفیع اپنے رسالہ میں المسماۃ بر سالۃ النذور میں لکھتے ہیں:

ان ذکر اسم الولی فایضا جائز لانہ نذر المحبۃ انتھی۔ یعنی ذکر اسم الولی من نفس المحبۃ وفی الحقیقۃ النذر باسم اللہ تعالیٰ۔

یعنی کسی نذر پر ولی کا نام لینا یہ بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ محبت کی نذر ہے یعنی ولی کا نام جو اس نے ذکر کیا ہے یہ خاص محبت کی وجہ سے ہے، لیکن حقیقت میں یہ نذر اللہ کے لئے ہے۔

تو اللہ جل شانہ کے اولیاء کے مزارات پر نذرانہ اور شکرانہ ڈالنا، یہ تمام امور جائز ہیں۔ جبکہ یہی نذرانہ اور شکرانہ لنگر خانہ میں صرف ہوتے ہیں اور فقرا اور عوام الناس میں تقسیم ہوتے ہیں۔

تو ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کا عرس منانا، ان کے مزارات پر گنبد بنانا، ان کی زیارت کے لئے جانا، قبر کے ارد گرد گھومنا، پہلے سے ساتویں دن، چالیسویں دن اور برسی وغیرہ پر خیرات کرنا، اور عورتوں کا مزارات پر جانا، اور اولیاء اللہ کے مزارات پر شکرانہ اور نذرانہ ڈالنا، یہ تمام کے تمام امور جائز ہیں۔ اور ان کو ناجائز اور حرام کہنا حق کو چھپانا ہے اور سراسر گمراہی ہے۔

(۷) ختم القرآن الشریف کے وقت اجتماعی دعا کرنا

ختمِ شریف کے وقت اھل وعیال کو جمع کرنا برادری کا اجتماع اور اکٹھا کرنا قرآء و صلحاء کا جمع ہونا صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس کے بارہ میں بے شمار دلائل موجود ہیں اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

مع کل ختمة دعوة مستجابة۔

ترجمہ: ہر ختم قرآن کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔[3465]

حضرت ابن مسعود اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

من ختم القرآن فله دعوة مستجابة۔

[3465] (۱) شعب الایمان ج ۲، ص ۳۸۴، رقم الحدیث ص ۲۰۸۶، (۲) الجامع الصغیر، رقم الحدیث ص ۸/۸۳، (۳) النشر القرأة العشر، ج ۲، ص ۴۵۲۔

ترجمہ: جس نے قرآن کریم کا ختم کیا تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔[3466]

حضرت حمید الاعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر دعا مانگے تو چار ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔[3467]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن کریم کی تلاوت کی یہاں تک کہ اسے ختم کر دیا تو اس کے لئے پوری یا ذخیرہ کی ہوئی ایک مقبول دعا ہے۔

(التذکار، ص ۱۱۶)

اس حدیث کی توضیع حسب ذیل حدیث سے ہوئی: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

ان لقاری القرآن دعوۃ مستجابۃ فان شاء صاحبہا عجلہا فی الدنیا و ان شاء أخرہا الی الاخرۃ۔

یعنی بیشک قرآن کریم پڑھنے والے کے لئے ایک مقبول دعا ہے پس اگر وہ چاہے تو دنیا میں ہی جلد مانگ لے اور اگر چاہے تو آخرت تک مؤخر رکھے۔[3468]

قیام اللیل میں لکھا ہے:

[3466] (۱) المعجم الکبیر، ج۱۸، ص ۲۵۹، (۲) فضائل القرآن لابی عبید ص ۴۸، (۳) الاتقان، (۴) مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۱۱۷۱۲، (۵) جلاء الافہام، ص ۲۳۲، (۶) نتائج الافکار، ج۳، ص ۱۷۴، (۷) مختصر منہاج القاصدین ص۷۷، (۸) النشر للجوزوری، ج۲، ص ۴۵۵ (۹) انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۰۔

[3467] (۱) سنن دارمی، رقم الحدیث ص ۳۴۸۱، (۲) الاذکار للنووی ص ۱۳۶، (۳) نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳، ص ۱۷۴-۱۷۷، (۴) غیث النفع للصفاقسی ص ۳۳۴۔

[3468] (۱) جامع الصغیر، رقم الحدیث ۲۴۰۲، (۲) النشر للامام الجزری، جلد ۲، ص ۴۵۲

حدثنا یحییٰ اخبرنا صالح المری عن ایوب عن ابی قلابہ فی حدیث کان یرفعہ من شھد فتحاً فی سبیل اللہ و من شھد خاتمتۃ حین یختم کان کمن شھد الغنائم۔ حین قسمت و کان انس اذا ختم القران جمع ولدہ و اھل بیتہٖ فدعاء لھم۔ و کان رجل یقراء القرآن من اولہ الی أخرہ فی مسجد رسول اللہ ﷺ (القیام الیل ص ۱۸۸ مولفہ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ھ

یحییٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں صالح المری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اس نے ابی قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا جس سے وہ مرفوع بیان کرتا ہے کہ جو کوئی حاضر ہوا فاتحہ القرآن میں یعنی وقت شروع کرنے قرآن مجید کے یہ ایسے ہیں جیسے کوئی حاضر ہوا فتح سبیل اللہ میں اور جو اس کے ختم پر حاضر ہوا اسکی حیثیت اس شخص کی ہے جو تقسیمِ غنائم کے وقت حاضر ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ختم القرآن کرتے جمع کرتے اپنی اولاد کو اور اہل بیت کو پس دعا فرماتے ان کے (ساتھ)۔ اور تھا ایک شخص قرآن ختم کرتا اول سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مسجد میں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین و فی روایۃ الدعاء مستجاب فی مجالس الذکر و عند ختم القرآن کذا فی الحصن الحصین۔[3469]

[3469] (خزینہ الاسرار، ص ۱۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے اجتماع میں کی گئی دعاء مقبول ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذکر کی مجالس اور ختم قرآن کے وقت دعا مقبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی آیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مسلم شریف کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں:

وروینا فی مسند درامی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان یجعل یراقب رجلاً یقراء القرآن فاذا اراد ان یختم اعلم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیشھد ذالک۔ وروی ابن ابی داؤد باسنادین صحیحین عن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ التابعی الجلیل صاحب انس رضی اللہ عنہ۔ قال! انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اذا ختم القرآن جمع اھلہ ودعالہ۔ وروی باسناد صحیحۃ عن الحکم بن عتیبۃ التابعی رضی اللہ عنہ الجلیل الامام قال: ارسل الی مجاھد وعبادہ بن ابی لبابہ فقال! انا ارسلنا الیک لانّاأردنا ان نختم القرآن۔ والدعاء یستجاب عند ختم القرآن وفی بعض روایۃ الصحیحۃ وانہ کان یقال ان الرحمۃ تنزل عند خاتمۃ القرآن۔ وروی باسناد الصحیح عن مجاھد قال کانو یجتمعون عند ختم القرآن یقولون تنزل الرحمۃ ویستجب الدعاء عند ختم القران۔

ترجمہ: مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا کرتے تھے اس آدمی کا جو قرآن پڑھتا تھا۔ پس جب وہ ختم کا ارادہ کرتا تو آپ (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو پتہ چل جاتا تو آپ اس محفل میں شرکت فرماتے۔ ابن ابی داؤد سے صحیح دو سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ تابعی جلیل صحابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف ختم کرتے تو اپنے اھل و عیال کو اکٹھا کرتے اور دعا مانگتے۔ تابعی جلیل امام حکم بن عتیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند سے

مروی ہے کہ بھیجا میری طرف عبادہ اور ابی لبابہ کو پس کہا بے شک ہم نے بھیجا تمہاری طرف اس لئے کہ تحقیق ہم قرآن پاک کے ختم کا ارادہ رکھتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے ختم کے وقت۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ختم شریف کے وقت اجتماع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم شریف کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور ختم کے وقت دعا مستجب ہے۔

ویستجب الدعاء عند الختم استجاباً متا کدا شدید الماقدمناہ و روینا فی مسند دارمی عن حمید الاعرج رحمہ اللہ تعالیٰ قال! من قرأ القرآن ثمّ دعا امن علی دعائہ اربعة الاف ملک۔ و ینبغی ان یلح فی الدعاء و ان یدعوا بالامور المھمةو الکلمات الجامعة و ان یکون معظم ذالک أو کلہ فی امورالاخرة و امور المسلمین و صلاح سلطانھم و سائر ولاۃ امورھم۔ و فی توفیقھم للطاعات و عصمتھم من المخالفات و تعاونھم علی البرّ و التقویٰ و قیامھم بالحق و اجتماعھم علیہ و ظھورھم علی أعداء الدین و سائر المخالفین۔ اذا فرغ من الختمة فالمستجب ان یشرع أخری متصلاً بالختم فقد استحبہ السلف و احتجوا فیہ بحدیث۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال خیر الاعمال الحل و الرحلة۔ قیل و ماھما؟ قال افتتاح القرآن و ختمہ۔[3470]

ترجمہ: ختم قران کے وقت دعا کے مستجاب ہونے کے متعلق شدید تاکید پائی جاتی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ہم نے مسند دارمی میں حمید اعرجؒ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھنے کے بعد دعا کرے اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ وہ دعا میں الحاح سے کام لے اوراہم امور اور جامع کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا کا اکثر حصہ یا ساری

[3470] (کتاب الاذکار مطبوعہ مصر، صفحہ ۹۸)

دعا ہی امور آخرت، امور مسلمین، بادشاہ اور اس کے دیگر حکموں کی درستگی، طاعات کیلئے ان کی توفیق، مخالف امور سے ان کی حفاظت نیکی اور تقوی پر ان کے تعاون متفقہ طور پر حق پر ان کے قیام اور مخالفین اور دشمنانِ دین پر ان کے غلبہ کے لئے ہو۔ اور جب وہ ختمِ قرآن سے فارغ ہو تو مستحب امر یہ ہے کہ ختم کے ساتھ یہ دوبارہ تلاوت شروع کر دے۔ سلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مستحب سمجھا ہے اور اس بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا بہترین عمل حل او رحلت ہے۔ دریافت کیا گیا یہ دونوں کیا ہیں؟ تو فرمایا قرآن کا شروع اور اس کا ختم کرنا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "عمل الیوم واللیلۃ" مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے:

ویسنّ صوم یوم الختم و ان یحضر اھلہ و اصدقاءہٗ لانّ الرحمۃ تنزل عندہ والدعا مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔ و کان انبی ﷺ اذا ختم فقراء قل أعوذ برب الناس و افتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الی اولئک ھم المفلحون۔ ثم دعا بعدھا الختمۃ۔

ترجمہ: اور ختم کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور حاضر ہونا اھل و عیال کا اور دعا کرنا ہر ختم کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام جب ختم شریف فرماتے تھے پس پڑھتے تھے قل اعوذ برب الناس اور شروع فرماتے تھے الحمد شریف اور پھر پڑھتے تھے سورۃ بقرہ شریف "اولئک ھم المفلحون" تک پھر دعائے ختم شریف فرماتے۔

النشر فی قرأۃ العشر (مطبوعہ دمشق جلد ۲، صفحہ ۳۴۰، مولفہ: امام ابن جوزی متوفی ۸۳۳ھ) میں لکھا ہے: ویقول عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

من ختم القرآن له دعوة مستجابة عن مجاهد تنزل الرحمة عند ختم القرآن و عنه ايضاً ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن عن قتاده قال كان بالمدينة رجل يقراء القرآن من اوله الى آخره على اصحاب له فكان ابن عباس رضی اللہ عنہ يضع عليه الرقباء فاذا كان عند الختم جآء ابن عباس رضی اللہ عنہ فشهده قال الامام النووی علیہ الرحمۃ يستجب الدعاء بعد قرأة القران استجاباً يتاُكد تاكيدا شديداً فينبغي ان يلح فی الدعاء و نص الامام احمد علیہ الرحمۃ على استجاب الدعاء عند الختم و كذا جماعة من السلف و كان بعض شيوخنا يختار ان القارئ عليه اذا ختم هو الذی يدعوا لظاهر هذا الحديث وهذا سهل اذا الداعی و المؤمن واحد قال اللّٰه تعالیٰ قد اجيبت دعوتكما قالا ابو العالية و ابو الصالح و عكرمة و محمد بن كعب القرظی و الربيع بن انس رضی اللہ عنہ دعا موسیٰ و آمن هارون عليهم السلام فالداعی و المؤمن واحد و ا كان انس بن مالک رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يجمع اهله و جيرانه عند الختم رجاءً بركة الختم و حضوره و روينا عنه فی حديث مرفوع و لفظه ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان اذا ختم القرآن جمع اهله قال البيهقی رفعه وهم و الصحيح عن انس رضی اللہ عنہ موقوفاً و كانوا يستحبّون جمع اهل الصلاح و اهل العلم فقد روينا عن شعبة عن الحكم قال انما ارسلنا اليک انا نريد ان نختم القرآن و كان يقول ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن فلما فرغوا من ختم القرآن دعا بدعوات و كان كثيراً من السلف يستحبّ الختم يوم الاثنين و ليلة الجمعة۔ (النشر فی قرأۃ العشر)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہر ختم قرآن پر دعا قبول ہوتی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا مقبول ہو گی۔ حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ختم شریف کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی اپنے دوستوں کو ابتداء سے آخر تک قرآن پاک سنایا کرتا

تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس پر نگران مقرر فرما دیا کرتے تھے۔ جب وہ شخص ختم قرآن کے نزدیک پہنچتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لا کر اس مجلس میں شمولیت اختیار فرماتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرأتِ قرآن پاک کے بعد دعا کی شدید تاکید پائی جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ انسان دعا میں الحاح سے کام لے اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم قرآن پر دعا کے مستحب ہونے پر نص بیان کی ہے، ایسے ہی سلف کی ایک جماعت اور ہمارے بعض شیوخ ایک قاری کی خدمات حاصل کر لیتے تھے جب وہ قرآن پاک ختم کرتا تو اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق دعا کرتا جب داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی شخص ہو تو یہ امر سہل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ ابو العالیہ، ابو صالح، عکرمہ، محمد بن کعب القرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنھم نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ھارون علیہ السلام نے آمین کہی، پس داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ختم قرآن کے وقت دعائے ختم اور اس میں حاضری کی برکت کی امید پر اپنے اہل و عیال اور اپنے ہمسایوں کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔ اور ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم جب ختم قرآن کرتے تو اپنے اہل و عیال کو اکٹھا کرتے۔ اور بیہقی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ موقوف ہے کہ وہ اہل صلاح اور اہل علم کو اکٹھا کرتے تھے اور ہم نے شعبہ سے، انہوں نے حکم سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا اور آپ کے پاس عبادہ بن ابی

لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ ہم ختم قرآن کروانا چاہتے ہیں اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ سلف میں سے بہت سے لوگ سوموار (پیر) کے دن اور جمعہ کی شب کو ختم قرآن کو مستحب خیال کرتے تھے۔

(جلاء الافہام مطبوعہ دمشق۔ بیروت۔ صفحہ ۳۵۵)[3471]

لابن قیّم الجوزیۃ میں لکھا ہے کہ:

فقال فی روایۃ ابی الحارث: کان انس اذا ختم القران جمع اھلہ وولدہ، و قال فی روایۃ یوسف بن موسیٰ، و قد سئل عن الرجل یختم القرآن، فیجتمع الیه قوم فیدعون؟ قال نعم، رأیت معمر أیفعلهُ اِذا ختم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن کا ختم فرماتے تو اپنے اھل و عیال کو جمع فرمالیتے تھے۔ یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ ختم قران کے وقت برادری کو جمع کرلیتا ہے؟ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" (یعنی صحیح ہے) میں نے معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

انوار العرفان فی اسماء القرآن صفحہ ۹۰۱ (مولفہ: قاری ظہور احمد فیضی) پر ہے:

ددد ط حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ معظمہ میں ایک شخص تھا جو از اول تا آخر قرآن کریم پڑھتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض ساتھیوں کے ذمے

[3471] (کتاب الاذکار مطبوعہ مصر، صفحہ ۹۸)

لگا رکھا تھا کہ وہ آپ کو اس کے ختم قرآن کی اطلاع کریں پس جب ختم کا وقت آتا تو آپ اپنی مجلس کے حاضرین کو فرماتے:

قوموا بنا حتی نحضر الختمۃ۔

اٹھو تا کہ ختم قرآن میں شمولیت اختیار کریں۔[3472]

فرید ص ۹۰۲ پر ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن پاک ختم کرے تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ختم قرآن فرماتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے پھر آپ دعا مانگتے اور وہ آمین کہتے۔ مذکورہ بالا دلائل سے جس طرح ختم قرآن کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہوا اسی طرح نماز جنازہ کے بعد اور سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری نے روایت بیان فرمائی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم ویؤمن سائرھم الا اجابھم اللہ۔

یعنی نہیں کوئی گروہ اکٹھا ہوتا پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔[3473]

مولوی محمد یوسف بنوری دیوبندی نے معارف السنن جلد ۳، صفحہ ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ اجتماعی دعا کرنا ثاب ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ:

[3472] (التذکار للقرطبی، ص ۱۱۰ وغیرھا)

[3473] (المعجم الکبیر جلد ۳، ص ۲۶، ھکذا فی المستدرک للحاکم المنح المطلوبۃ ص ۱۰۷، الدرۃ المکنھنۃ، ص ۴۵)

"لا یجتمع قوم فیدعوا بعضھم و یؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ"۔[3474]

یعنی جب لوگ جمع ہوکر بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اجتمع ثلاثۃ بدعوۃ قط الّا کان حقاً علی اللہ ان لا یرد ایدیھم۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی کبھی دعا پر جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔

و فی الھدایہ الاجابۃ فی الجمع ارجیٰ۔[3475]

یعنی: اجتماعی دعا میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں اصولِ تفسیر کی کتب خصوصاً الاتقان القرآن لجلال الدین سیوطی ج ۱، ص ۱۱۱، ۱۱۰۔

فالحاصل ان الدعاء بعد ختم القرآن و کذا بعد السنن و النوافل و بعد صلاۃ الجنازۃ بھیئۃ الاجتماعیۃ مستحب و الفاعل ماجور عند اللہ تعالیٰ و المانع محروم عن اللہ من الاجر العظیم و فی تسھیل المشکوٰۃ ص ۱۲۴، نکیر الدعاء بعد نفل و سنۃ لمنکر دین ذاک و اللہ جاحد۔

ایضاً قال:

[3474] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)
[3475] (ج ۱، ص ۱۴۴)

قداجیبت دعوۃ داعٍ مطلق القول حجۃ الانبیاء

(۸) غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا اور لکھنا

غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (سورۃ التوبہ، ۱۰۰)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ان کی ”اتباع بالاحسان“ کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا (یعنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اعزاز سے نوازا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ {جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ} (سورۃ البیّنہ، ۸-۷)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہی کل مخلوق میں بہتر ہیں، ان کا ثواب ان کے رب کے پاس (ہمیشہ) رہنے کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ کے اعزاز و اکرامِ ربانی کا مصداق عام مومنین صالحین بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ ط لَھُمْ جَنّٰت "تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَداً ط رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ} (سورۃ المائدۃ، ۱۱۹)

ترجمہ: (روز قیامت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، ان کے لئے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ادب تک رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ رضاء الٰہی کا انعام اور بندے کا تقدیر الٰہی پر راضی برضائے رب اور صابر و شاکر ہونا "صادقین" کا وصف ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرفِ صحابیت کے ساتھ ساتھ "حاملینِ ایمان و عمل اور خیر البریہ" اور "صادقینِ کاملین" کا مصداق "اَولٰی" و "اُولٰی" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں اور ان کے اتباع میں امت کے دیگر اولیاء، صلحاء، علماء وکاملین "مخلِصین فی اللہ" و "مخلصین من اللہ" ہیں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

(ویستحب الترضی للصحابة) و کذا من اختلف فی نبوته کذی القرنین ولقمان، وقیل: یقال صلی اللہ علی الانبیاء و علیه وسلم کما فی شرح المقدمة للقرمانی (والترحم للتابعین ومن بعدھم من العلماء والعباد و سائر الاخیار، وکذایجوز عکسه) الترحم للصحابة والترضی للتابعین و من بعدھم (علی الراجح) ذکرہ القرمانی۔ وقال "الزیلعی": الاولی ان یدعو للصحابة بالترضی و للتابعین بالرحمة ولمن بعدھم بالمغفرة والتجاوز۔

ترجمہ: اور صحابہ کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہنا مستحب ہے، اور اسی طرح ان شخصیات کیلئے جن کی نبوت میں اختلاف ہے، جیسے ذوالقرنین و لقمان (یعنی چوں کہ ان کی نبوت کا تذکرہ قرآن یا کسی حدیث صریح میں نہیں ہے، اس لئے بعض نے انہیں انبیاء میں شمار کیا ہے اور بعض نے حکماء و صلحاء میں) اور ایک قول کے مطابق "صلی اللہ علی الانبیاء و علیہ و سلم" کہا جائے، جیسا کہ قرمانی کے شرح مقدمہ میں ہے، اور (اسی طرح) راجح قول کے مطابق "رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" تابعین اور بعد کے علماء، عباد (صالحین) اور بقیہ اہلِ خیر کے لے مستحب ہے، اور اسی طرح اس کا عکس بھی جائز ہے۔ (یعنی کسی صحابی کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" بھی کہہ سکتے ہیں اور کسی تابعی یا بعد کے عبدِ صالح کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" بھی کہہ سکتے ہیں) اسے قرمانی نے ذکر کیا ہے۔ "زیلعی" نے کہا: بہتر یہ ہے کہ صحابہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تابعین کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور بعد والوں کے لئے "غفر اللہ لھم" اور "عفا اللہ عنھم" کہا جائے۔[3476]

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد سوم صفحہ ۵۰۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

ویذکر من سواھم ای من سوی الانبیاء من الائمۃ و غیرھم بالغفران و الرضی فیقال غفر اللہ تعالیٰ لھم و رضی عنھم۔ اھ مخلصاً۔

یعنی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ائمہ وغیرہ علماء و مشائخ کو غفران و رضا سے یاد کیا جائے۔ تو غفر اللہ تعالیٰ لھم و رضی اللہ تعالیٰ عنھم کہا جائے۔

[3476] (ردالمختار علی در المختار، جلد ۵، ص ۴۸۰، مطبوعہ بیروت، تفہیم المسائل، ص ۳۵)

لہٰذا زید کا قول صحیح ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بڑے بڑے علماء اور بزرگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ اور بکر کا یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی دینی پیشوا خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر صحابی نہ ہو تو اسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز نہیں۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ حضرت اویس قرنی کو اس لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں لکھا جاتا کہ وہ صحابی نہیں تھے۔ اس لئے کہ محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو کتب خانہ رحیمیہ دیوبند نے اخبار الاخیار شریف کے ٹائٹل پیج پر سید المحققین اور برگزیدہ جناب باری لکھا ہے۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب اشعۃ اللمعات میں جلد چہارم صفحہ ۷۴۳ پر حضرت اویس قرنی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تابعی ہیں کہ جن کی ملاقات بہت سے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہوئی اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے تابعی ہیں جن کی ملاقات صرف چند صحابہ سے ہوئی ہے۔ ان کو خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند صفحہ ۳۵، ۳۶، ۳۷ اور صفحہ ۴۲ پر کل چھ جگہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

اور انہی حضرت علامہ شامی نے اپنی اسی کتاب اسی جلد مطبوعہ دیوبند صفحات ۳۸، ۳۵، ۴۱ اور صفحہ ۴۳ پر کل سات جگہ حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور صفحہ ۳۷ پر حضرت سہل بن عبد اللہ تستری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی بھی نہ تھے کہ امام شافعی کی پیدائش ۱۵۰ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا اور حضرت تستری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ۲۸۳ھ میں ہوا۔

اور حضرت علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور کتاب در مختار مع رد المختار جلد اول مطبوعہ دیوبند صفحہ ۴۵ پر حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا اور صفحہ ۴۳ پر حضرت عبد اللہ بن مبارک کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا اور یہ بھی تابعی نہ تھے کہ ان کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔[3477]

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یترضی ویترحم علی سائر العلماء و الاخیار ویکتب کل ھذا۔

ترجمہ: تمام علماء دین اور صالحین کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمہ اللہ کہنا اور لکھنا چاہیئے۔[3478]

حضرت مفسر القرآن والحدیث علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمام علما اور صالحین کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے اور لکھنے کا جواز لکھا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمررازی متوفی ۶۰۶ھ کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی ائمہ مجتہدین کا ذکر کرتے ہیں ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

قال ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا مات فی الماء دابۃ لیس لھا نفس سائلۃ لم یفسد الماء و للشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قولان فی الماء القلیل۔

[3477] ("بزرگوں کے عقیدے"، صفحہ ۴۱۰، ۴۱۱)

[3478] (علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شرح مسلم جلد ۱، ص ۲۰، بحوالہ شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، جلد اول صفحہ ۲۷۷)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب پانی میں ایسا جانور مر جائے جس کا بہنے والا خون نہ ہو تو وہ پانی کو نجس نہیں کرتا، اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کم پانی میں دو قول ہیں۔

اور:

قال ابو حنیفہ و اصحابہ رضی اللہ عنھم اعضاء المحدث نجسة حکمیة۔

ترجمہ: ''امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بے وضو کے اعضاء حکمی طور پر نجس ہیں''۔[3479]

حضرت مفتی جلال الدین امجدی اپنی کتاب ''بزرگوں کے عقیدے'' میں صفحہ ۴۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

''اور حضرت علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۳۸۶ پر حضرت امام ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳ پر حضرت امام اعظم اور حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور سید العلما حضرت سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مشہور تصنیف طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۱۱ پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور حضرت علامہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۷ پر حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کو رضی اللہ عنہما لکھا ہے۔ اور شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۸ پر امام بخاری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جن کی

[3479] (تفسیر کبیر، جلد ۲، صفحہ ۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پیدائش ۱۹۴ھ میں ہیئی اور انہی علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی کتاب کے مقدمہ صفحہ ۲۱ پر حضرت امام شافعی کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا۔

اور شارح صحیح مسلم حضرت ابوزکریا امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ شرح مسلم شریف صفحہ ۱۱ پر حضرت امام مالک کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جن کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ اور محدث کبیر حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۱۶ پر حضرت امام شافعی کو رضی اللہ تعالی عنہ لکھا ہے اور اسی کتاب، اسی جلد کے صفحہ ۹ پر حضرت شیخ نے امام بخاری کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے مصنف حضرت شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ صفحہ ۱۱ پر صاحب مصابیح حضرت علامہ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا۔ اور انہی علامہ بغوی کو تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲ پر بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا گیا ہے جو تبع تابعی بھی نہ تھے کہ ان کا انتقال چھٹی صدی ہجری میں ہوا۔

اور حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف نسیم الریاض جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۵ پر حضرت علامہ قاضی عیاض کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور یہ بھی تبع تابعی نہ تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے عالم تھے کہ ان کا انتقال ۵۵۴ھ میں ہوا۔ اور سید المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۱۷ پر اور اخبار الاخیار مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند کے صفحات ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، کل پندرہ مقامات پر حضرت غوث پاک شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی کو رضی اللہ

تعالیٰ عنہ لکھا ہے جن کی ولادت ۷۰۱ھ میں اور بقول بعض ۷۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل صفحہ ۲۷ پر حضرت عبد اللہ بن مبارک، حضرت لیث بن سعد، حضرت امام مالک بن انس، حضرت داؤد طائی، حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت فضیل بن عیاض وغیرہم کو رضی اللہ عنہم اجمعین لکھا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے۔

اور عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر صاوی جلد اول صفحہ ۳ پر حضرت علامہ شیخ سلیمان جمل، علامہ شیخ احمد درد، علامہ شیخ امیر، علامہ شمس الدین محمد بن سالم حفناوی، امام ابوالحسن شیخ علی صعیدی عدوی، علامہ محمد بن بدیری دسیاطی، علامہ نورالدین علی شبر املسی، علامہ حلبی صاحب السیرۃ، علامہ علی اجھوری، علامہ برہان علقمی، علامہ شمس الدین محمد علقمی، علامہ امام زیادی، علامہ شیخ رملی، شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری، علامہ جلال الدین محلّی اور علامہ جلال الدین سیوطی، ان تمام علماء کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے جن میں سے کوئی بھی صحابی نہیں۔ اور علامہ ابوالحسن نور الملّۃ والدین علی بن یوسف شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف بہجۃ الاسرار میں غیر صحابہ کو بے شمار مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے اور ہدایہ میں صاحب ہدایہ کو ان کے شاگرد نے کئی مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر یہ لفظ ان کے ساتھ خاص ہوتا یعنی غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے محققین جو اپنے زمانے میں علم کے آفتاب وماہتاب تھے، یہ لوگ غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر گز نہیں لکھتے۔

امیر اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی افغانوی قندھاری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی کے نام کے ساتھ کئی مقامات پر "رضی اللہ عنہ" لکھا ہے۔[3480]

شیخ التفسیر استاذ العلماء علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی قادری رضوی فتاویٰ اویسیہ میں بہت مقامات پر غیر صحابہ کو "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا پڑھنا صحابہ سے خاص نہیں فلہذا غیر صحابہ کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ در مختار مع شامی جلد ۵ ص ۴۸۰ میں موجود ہے"۔[3481]

اور صحیح مسلم کے شروع میں ہے:

قال الامام ابو الحسین مسلم بن الحجاج رضی اللہ عنہ: بعون اللہ نبتدی و ایاہ نستکفی وماتوفیقنا الا باللہ جل جلالہ۔[3482]

امام مسلم نہ تو صحابی تھے اور نہ تابعی، اسی طرح غوث الاعظم بھی دورِ صحابیت، تابعیت و تبع تابعیت سے بہت موخر ہیں۔

استاذ العلماء بقیۃ السلف مناظرِ اہل سنت والجماعت شیخ التفسیر والحدیث جناب مولانا امین اللہ الحنفی الماتریدی الباجوری رحمۃ اللہ علیہ احقاق المعالی میں اپنے شیخ کے بارے میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جگہ استعمال کیا۔

[3480] (فتویٰ رضویہ، جلد ۲۶، صفحات ۵۹۷، ۵۲۹ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور)
[3481] (فتاویٰ اویسیہ، جلد اوّل، صفحہ ۴۰۳)
[3482] (صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۶۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

آخر میں لکھتے ہیں:

حررہ الفقیر الی اللہ امین اللہ السیفی الحنفی الماتریدی النقشبندی المجددی الچشتی القادری السہروردی الباجوری غفر اللہ تعالیٰ لہ بفضلہٖ و کرمہٖ و بطفیل حبیبہٖ المعظم ﷺ وبحرمۃ مشائخہ العظام رضی اللہ عنہم۔[3483]

حضرت جامع الشریعۃ والطریقۃ عالم باعمل مرشد اکمل جناب فقیر سراج الحق نقشبندی عرف صاحب الحق اپنی کتاب "**اثبات البیعت مع مجموعۃ السلوک**" میں اپنے پیر مبارک کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے:

یہاں تک کہ عام دیوبند وہابی جو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں اور غیر صحابہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے پر لڑتے جھگڑتے ہیں ان کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو بھی رضی اللہ عنہما لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۲۸ پر ہے: "مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رضی اللہ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخرت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا"۔ اور کتب خانہ رشیدیہ دہلی نے بخاری شریف کی دونوں جلدوں کے ٹائٹل اور سرورق پر حضرت امام بخاری کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

شیخ القرآن والحدیث عبد المتین دیوبندی، وحدت کالونی، حیدرآباد، اپنے سلسلہ مبارکہ خاندانِ نقشبندیہ مجددیہ کے شجرہ میں صفحہ ۶ پر پیر عبد المالک، جو کہ صوبہ سرحد کے اکثر دیوبندیوں کا پیر و مرشد ہے، کے نام کے ساتھ لکھتے ہیں "الٰہی بحرمت عاشق الرحمن ولرّسول قطب آوان حضرت مولانا

[3483] (احقاق المعالی جلد ۲، صفحہ ۲۹۲)

خواجہ محمّد عبدالمالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ "۔اس کے علاوہ، شجرہ میں اپنے تمام مشائخ کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہ "لکھا ہے۔

تحفۂ شاہجہانی یعنی مجموعہ شرح رسالہ آداب مطالعہ، علیم اللہ عبدالرّزاق، مقدمہ شرح تہذیب میں صفحہ ۴ پر لکھا ہے:

"امام المفسرین سند المحدثین، شیخ المتصوفین والمتزهدین مقبول الاوانی والاعالی حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ"۔

فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ میں کئی مقامات میں ناکت نے ماتن کے قول قال کے بعد کئی مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ جس طرح صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز ہے تو اسی طرح غیر صحابی کے نام کے ساتھ بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا جائز ہے۔

ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد الطالبین کے صفحہ ۲۱ پر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ "رضی اللہ تعالی عنہ "لکھا ہے۔اور اسی طرح اصولِ فقہ کی مشہور کتاب اصول شاشی میں مولانا نظام الدین شاشی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۲۸ اور ۳۴ پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ "لکھا ہے۔

اور فقہ کی مشہور کتاب نور الایضاح کے مقدمہ پر امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا ہے، عبارت اس طرح ہے:

"الدّرس الثالث فی نبذۃٍ من مناقب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔

اور نور الایضاح کے صفحہ ۳۹ میں امام شافعی اور امام مالک کو ”رضی اللہ تعالیٰ عنہما“ کہا ہے۔

عبارت اس طرح ہے:

”لانهما سنتان عند الامامين مالک و الشافعی رضی الله عنهما“۔

اور نور الایضاح ہی کے صفحہ ۴۴ پر عبارت ہے:

وَيُصَلِّيْ بِالتَّيَمُّمِ الْوَاحِدِ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَ النَّوَافِلِ۔

اس عبارت کے حاشیہ ۴ میں امام شافعی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا ہے۔

حیاۃ الحیوان الکبریٰ کے صفحہ ۲۸۹ پر امام حسن بصری اور امام شافعی کو ”رضی اللہ تعالیٰ عنہما“ لکھا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

احتج ابو حنیفه رضی الله عنه، الخ (عینی، ص ۳۹۳، ج ۲) وهو احدی الروایتین عن ابی حنیفه رضی الله عنه (عینی ص ۳۹۵، ج ۲) قال احمد بن حنبل رضی الله تعالی عنه۔[3484]

حضرت علامہ غوث محمد صاحب نے اپنی کتاب سراج لعارفین میں سلسلہ قادریہ، چشتیہ، اور سہروردیہ کے تمام مشائخ کے اسماء مبارکہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔[3485]

قرآن کریم سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے:

[3484] (عینی ص ۴۰۰، ج ۲، مطبوعہ دار الحدیث بوھڑ گیٹ، ملتان)

[3485] (سراج العارفین، ص ۴۵، تا ۵۱)

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ط ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ۔ یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈریں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک جلد چہارم مصری ص ۳۷۱ میں ہے (ذلک) ای الرضا لمن خشی ربه۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رضا یعنی رضی اللہ عنہم و رضو عنه ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل میں رب کی خشیت ہو۔ اور رب کی خشیت علماء کی کا خاصہ ہے۔

جیسا کہ علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کریمہ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

هٰذا الأیة اذا ضم الیها أیة اخرٰی صار المجموع دلیلا علیٰ فضل العلم و العلماء و ذٰلک لانّه تعالیٰ قال اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا فدلت هذهِ الایة علی ان لعالم یکون صاحب الخشیة۔

یعنی اس آیت کریمہ کو دوسری آیت سے ملانے پر علم اور علماء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف اس کے بندے علماء ہی کو خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے تو اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ خشیت الٰہی علماء کا خاصہ ہے۔ (تفسیر کبیر کلد ہشتم ص ۴۶۰)

اور اسی طرح تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۱ اور ۲۴ پر امام شافعی صاحب کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔ اور تفسیر روح البیان جلد دہم ص ۴۹۱ میں اس آیت کریمہ (ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ) کے تحت ہے:

ذٰلِکَ الخشیة التی من خصائص العلماء بشؤن اللّٰہ تعالیٰ لجمیع الکمالات العلمیه و العملیة المستتبعة اللسعادات الدینیة و الدنیویة قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا۔

یعنی خشیت الٰہی جو خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کا خاصہ ہے۔ اسی پر تمام کمالات علمیہ وعملیہ کا دارومدار ہے۔ کہ جن سے دینی اور دنیوی سعادتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ رضی اللہ عنھم و رضو عنہ اس کے لئے ہے جسے خشیت الٰہی ہو۔ اور خشیت الٰہی خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کے لئے ہے لہذا ثابت ہوا کہ رضی اللہ عنہم ورضو عنہ خدائے تعالیٰ کے امور واحوال جاننے والوں کے لئے ہے یعنی جلیل القدر علماء ومشائخ کے لئے نہ کہ بے عمل علماء کے لئے کہ جب وہ بے عمل ہیں تو ان کو خشیت الٰہی حاصل نہیں ہے۔ اور جب خشیت الٰہی نہیں ہے تو وہ صرف نام کے عالم ہیں حقیقت میں عالم نہیں ہیں۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل جلد پنجم صفحہ ۳۰۲ میں ہے:

قال الشعبی انّما العالم من خَشِیَ اللہَ عز و جل۔

یعنی امام شعبی نے فرمایا کہ عالم صرف وہ شخص ہے جسے خدائے عزوجل کی خشیت حاصل ہو۔

اور تفسیر خازن کے اسی صفحہ پر ہے:

قال الربیع بن انس من لم یخش اللہ فلیس بعالم۔

یعنی امام ربیع بن انس نے فرمایا کہ جسے خشیت الٰہی حاصل نہ ہو وہ عالم نہیں۔

ثابت ہوا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف باعمل علماء ومشائخ کے لئے ہے۔ مگر یہ لفظ چونکہ عرف میں بڑا مؤقر ہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ اسے صحابہ کرام ہی کے لئے خاص سمجھتے ہیں لہٰذا اسے ہر ایک کے لئے نہ استعمال کیا جائے بلکہ اسے بڑے بڑے علماء ومشائخ ہی کے لئے استعمال کیا جائے جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا ہے۔

هذا ما ظهر لی و العلم بالحق عند اللہ تعالیٰ جل شانہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم

(۹) نماز کے بعد ذکر بالجہر

نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

سیّدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اور صحابہ کرام کے زمانہ میں تھا۔[3486]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حدیث شریف کے تحت لکھا ہے کہ:

"فیہ دلیل علی جواز الجھر بالذکر عقب الصلوٰۃ"۔[3487]

یعنی "یہ حدیث نماز کے بعد ذکر جہر کرنے کی دلیل ہے۔"

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (ص۱۲٦،ج٦) میں لکھا ہے:

"استدلّ بہ بعض السلف علی استجاب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبۃ"۔

یعنی اس حدیث شریف سے بعض سلفِ صالحین نے فرض نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنے پر استدلال کیا ہے اور اسے مستحب جانا ہے۔

[3486] (صحیح بخاری شریف ص ۱۱٦ ج ۱، صحیح مسلم شریف ص ۲۱۷، ج ۱)

[3487] (ص ۳۳۵، ج ۲)

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے فتاویٰ ''امداد الفتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے ذکر بالجھر ثابت ہے۔[3488]

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهد النبی ﷺ و قال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفو ابذالک اذا سمعته۔[3489]

یعنی عہد رسالت میں معمول تھا کہ لوگ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر بالجھر کو سنکر جان لیتا تھا کہ جماعت ہو چکی ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رجلا کان یرفع صوته بالذکر فقال رجل لو ان هذا خفض من صوته فقال رسول اللہ ﷺ فانه آواه قال فمات فرای رجل نارا فی قبره فاتاه فاذا رسول اللہ ﷺ فیه وهو یقول هلموا الی صاحبکم فاذا هو الرجل الذی کان یرفع صوته بالذکر۔[3490]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، ایک آدمی نے کہا: اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا) حضور علیہ السلام نے فرمایا: وہ مست ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال کر گیا۔ پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وہاں (پہلے سے) موجود

3488 (ص ۴۳-۴۴، ج ۴)

3489 (ص ۱۱۶، ج ۱)

3490 (حاکم، المستدرک: ج ۱ ص ۵۲۲، رقم ۱۳۶۱، بیہقی شعب الایمان ج ۱، ص ۴۱۸، رقم ۵۸۵، مناوی فیض القدیر ج ۱، ص ۴۵۷)

تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ ﷺ فی القبر واذاھو یقول ناولونی صاحبکم واذاھو الرجل الاَواہ الذی یرفع صوتہ بالذکر۔[3491]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ لوگوں نے قبر میں آگ دیکھی اور اس کے قریب آئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم قبر میں (پہلے سے) موجود تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اپنا ساتھی مجھے پکڑا دو اور یہ وہ مست آدمی تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔

عن جابر بن عبد اللہ قال رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ ﷺ فی القبر واذاھو یقول ناولونی صاحبکم فاذاھو الرجل الذی یرفع صوتہ بالذکر۔[3492]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے قبرستان میں روشنی دیکھی تو وہاں گئے۔ دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ایک قبر میں کھڑے فرمارہے تھے: مجھے اپنا ساتھی پکڑاؤ، وہ ایسا شخص تھا جو بلند آواز سے ذکرِ الٰہی کیا کرتا تھا۔

[3491] (حاکم المستدرک ج۲، ص۳۷۵، بیہقی السنن الکبریٰ ج۴، ص۵۳، بیہقی شعب الایمان ج۱، ص۴۱۸)

[3492] (ابو داوئد، السنن ج۳ ص۲۰۱، بیہقی، السنن الکبریٰ ج۴ ص۳۱، طبرانی المعجم الکبیر ج۲ ص۱۸۲، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء ج۳ ص۳۵۱، زیلعی نصب الرایۃ ج۲ ص۳۰۷، اندلسی تحفۃ المحتاج ج۲ ص۲۸، شوکانی نیل الاوطار ج۴ ص۱۳۷، مبارکپوری تحفۃ الاحوذی ج۴ ص۱۲۵، ۱۳۹)

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الرجل، یقال لہ ذو البجادین: انہ أواہ، و ذالک انہ کان رجلا کثیرا الذکر اللہ عز و جل فی القرآن، و یرفع صوتہ فی الدعاء۔[3493]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک شخص کے بارے میں بتایا جسے ذوالبجادین کہا جاتا تھا، کہ "وہ مست ہے کیونکہ وہ تلاوتِ قرآن کی صورت میں کثرت سے اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والا ہے اور دعا میں اپنی آواز بلند کرتا ہے۔"

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يسير فی طريق مكة فمر علی جبل يقال له: جمدان فقال: سيروا هذا جمدان سبق المفردون قالوا وما المفردون يا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: "اَلْذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيرًا وَّ الْذَّاكِرَات"۔[3494]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مکہ کے راستے پر تشریف لے جارہے تھے کہ آپ کا گزر جمدان نامی پہاڑ سے ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: چلے چلو! یہ جمدان ہے، مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم مفردون کون ہیں؟ فرمایا: اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

عن عبد الرحمن بن ابزی عن ابیہ قال کان یقول اذا سلم سبحان الملک القدوس ثلاثا یرفع صوتہ بالثالثة۔[3495]

[3493] (احمد بن حنبل، المسند ج ۹ ص ۱۵۹، طبرانی، المعجم الکبیر ج ۱۷، ص ۲۹۵، بیہقی، شعب الایمان ج ۱، ص ۴۱۶، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۱، ص ۵۲)

[3494] (مسلم الصحیح، ج ۴ ص ۲۶، ابن حبان، الصحیح ج ۳ ص ۱۴۰، بیہقی، شعب الایمان ج ۱، ص ۳۸۹)

[3495] (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۱۱)

ترجمہ: ”عبدالرحمن بن البزی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سلام پھیرنے کے بعد تین بار ”سبحان الملک القدوس“ فرماتے اور تیسری مرتبہ آواز بلند کرتے“۔ اس کے تحت شیخ محقق محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دریں حدیث دلیل است بر مشروعیت جہر بذکر و آں ثابت است بے شبہ[3496] یعنی اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے اور وہ بلاشبہ ثابت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

جمع عظیم یرفعون اصواتھم بالتسبیح والتھلیل جُملۃ لا بأس بہ۔[3497]

یعنی: ”جماعتِ عظیم کے مل کر (لا الہ الا اللہ) اور (سبحان اللہ) کو بلند آواز سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے“۔ اور آدابِ مسجد میں ہے: ان لا یرفع الصوت من غیر ذکر اللہ۔[3498] یعنی ”مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کے سوا آواز بلند نہ کی جائے“۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: أکثروا ذکر اللہ تعالیٰ، حتی یقولوا مجنون۔

3496 (اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۵۳۷)
3497 (ج ۴ ص ۹۰)
3498 (عالمگیری ج ۴، ص ۹۴)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمھیں دیوانہ کہیں“۔[3499]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکراً یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمھیں ریاکار کہیں“۔[3500]

عن ابی جوزا رحمۃ اللہ علیہ قال رسول اللہ ﷺ اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

ترجمہ: حضرت ابی جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمھیں ریاکار کہیں“۔[3501]

[3499] (الکنز الثمین فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۳، امام احمد بن حنبل ”المسند“ ج۳ ص ۶۸، ۷۱، ابن حبان الصحیح ج۳ ص ۹۹، ابو یعلیٰ المسند ج۲ ص ۵۲۱، عبد بن حمید المسند ج ا ص ۲۸۹، دھلی الفردوس بماثور الخطاب ج ا ص ۷۲، ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ا ص ۴۴۴، حاکم المستدرک ج ا ص ۶۷۷، بیہقی شعب الایمان ج ا ص ۳۹۷، منذری الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۲۵۶، مزی تہذیب الکمال ج۸ ص ۴۷۹، قزوینی التدوین اخبار قزوین ج ۲ ص ۱۹۷، ابن معین التاریخ ج۴ ص ۴۱۳، ھیشمی مجمع الزوائد ۱۰، ص ۷۵، عجلونی کشف الخفاء ج ا، ص ۱۸۷، قرطبی الجامع الاحکام القرآن ج ۱۴، ص ۱۹۷، تبلیغی نصاب باب فضائل ذکر، حدیث ۱۵ لمولوی زکریا، ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ج۳، ص ۴۹۶)

[3500] (الکنز الشمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۴، طبرانی المعجم الکبیر ج ۱۲، ص ۱۶۹، ابو نعیم حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج۳، ص ۸۱، ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ا، ص ۴۴۴، ص ۴۴۸، ابن کثیر ج۴۹۶، ۳، مناوی فیض القدیر ج ا، ص ۴۵۶)

[3501] (الکنز الشمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۴، بیہقی شعب الایمان ج ا، ص ۳۹۷، مناوی فیض القدیر ج ۲، ص ۸۵، عجلونی کشف الخفاء ج ا، ص ۱۸۷)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکراً یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار خیال کریں"۔[3502]

مولوی زکریا نے تبلیغی نصاب فضائل ذکر ص۵۵ پر اس آیتِ کریمہ "**وَاذْکُرُوا اللہ ذِکْراً کَثِیْراً**" کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو۔ رات میں، دن میں ، جنگل میں، دریا میں، سفر میں، حضر میں، فقر میں، تونگری میں، بیماری میں، صحت میں، آہستہ اور پکار کر ہر حال میں۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ پکار کر ذکر کرنے کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولوی عبد الحیٰ صاحب نے ایک رسالہ "سباحۃ الفکر" اس مسئلے میں تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں جس سے ذکر پکار کر ثابت ہوتا ہے۔[3503]

علامہ ابن عابدین شامی نے رد المختار ج۱، ص؟، مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے فتاویٰ امدادیہ ج۴، ص۴۵، پر اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم ج۲، ص۱۷۲ میں لکھا ہے:

"اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاری"۔

[3502] (ہیثمی المجمع الزوائد ج۱۰، ص۷۹، منذری الترغیب والترھیب ج۲، ص۲۵۶، الکنز الشمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص۹۴)

[3503] (ص۵۷)

ترجمہ: ”تمام متقدمین اور متأخرین علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر مساجد وغیرہ میں مستحب ہے الّایہ کہ ان کے جہر سے کسی کی نیند قرأت یا نماز میں خلل ہو“۔

اور اجماع کی مخالفت کفر ہے جیسا کہ ”مولوی شرح خیالی“ میں ذکر کیا گیا ہے:

مخالفة الاجماع کفر۔[3504]

مخالفت کرنا اجماع کی کفر ہے۔

اور نبراس میں بھی ہے کہ اجماع حجت قطعیہ ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

الانتقام الحقیق میں ذکر کیا ہے کہ اجماع اور قیاس کا انکار کرنا عین قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا انکار کرنا ہے۔ اور ”اشباہ“ میں ہے کہ مخالفة الاجماع سبب دخول النار۔ یعنی اجماع کی مخالفت کرنا دخولِ نار کا سبب ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح لازم ہے۔

کما فی النبراس و من صدر عنه ما یوجب الکفر حبطت حسناته و وجب اعادة الحج وتجدید النکاح بعد تجدید الایمان و لا یکفیه الایمان بکلمة الشهادة علی حسب العادة مالم یقصد تجدید الایمان۔[3505]

وقال صاحب المضمرات نقلاً عن الذخیرة یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذالک وتجدید النکاح بینه و بین امرأته۔[3506]

واللہ تعالیٰ ورسوله اعلم۔

3504 (ص ۲۲٦)

3505 (ص ۵۷۱)

3506 (ص ۵۷۱)

(۱۰)سفید لباس اور عمامہ

زندہ اور مردہ کا لباس سفید ہونا چاہیے

دلیل ۱) حدثنا محمد بن الصباح انباء عبداللہ بن رجاء الملکی عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم خَیْرَ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضُ فَالْبَسُوْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیھَا مَوْتَاکُمْ۔[3507]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روائت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے تمہارے کپڑوں سے بہتر کپڑا سفید ہے، سفید کپڑے پہنو اور اپنے مُردوں کو سفید کفن دو۔

دلیل ۲) حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قَالَ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم اَلْبِسُوْ ثِیَابَ الْبَیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ۔[3508]

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت پاک اور بہت صاف ہوتے ہیں۔

تم پر سفید لباس لازم ہے

دلیل ۳) اخبرنا عادم بن الفضل اخبرنا حماد بن زید و اخبرنا اسحق بن عیسیٰ اخبرنا حماد بن سلمۃ جمیعا عن ایوب بن ابی السختیانی عن ابی قلابۃ عن سمرۃ بن جندب اَنَّ

[3507] (ابن ماجہ ص ۲۵۵، کنزل عمال جلد ۵، ص ۳۰۱)

[3508] (ابن ماجہ ص ۲۵۵)

رَسُوْلَ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قَالَ عَلَیْکُمْ بِاالْبَیَاضِ مِنَ الثِّیَابِ فَیَلْبِسْھَا اَحْیَاءَ کُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مُوْتَا کُمْ۔[3509]

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تم پر سفید کپڑے لازمی ہے۔ تمہارے زندہ سفید کپڑے ہی پہنیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دو۔

سفید لباس ماموربہ ہے

دلیل ۴) اخبرنا الفضل بن دُکین اخبرنا المسعودی عن الحکم و حبیب بن ابی ثابت و حدثنا سفیان الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَا کُمْ۔[3510]

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو بے شک وہ سفید کپڑا بہت اچھا ہے اور پسندیدہ ہے اور اسی سفید کپڑے میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۵) اخبرنا عمرو بن علی قال ثنا یحیی بن سعید قال سمعت سعید بن ابی عرر بہ یحدث عن ایوب عن ابی قلابۃ عن ابی المھلب عن سمرۃ عن النبیّ صلّی اللہ علیہ و سلّم قال اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَا کُمْ۔[3511]

[3509] (طبقات ابن سعد جلد ا، ص ۲۱۹)
[3510] (طبقات ابن سعد جلد ا، ص ۴۴۹)
[3511] (نسائی شریف، جلد ۲، ص ۲۹۷)

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے آپ نے فرمایا سفید کپڑے پہنو، سفید کپڑے بہت صاف اور پاکیزہ ہیں اور میت کو کفن بھی سفید دو۔

دلیل ۶) اخبرنا الفضل بن دکین و یحیی بن عباقالا اخبرنا المسعودی عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم اَلْبِسُوْا الثِّیَابَ الْبَیْضَ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَامَوْتَاکُم۔[3512]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سفید کپڑے پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

سفید لباس اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس میں نماز پڑھنی چاہیئے

دلیل ۷) اخبرنا الفضل بن دکین حدثنا ابو بکر الھذلی عن ابی قلابۃ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم اِنَّ مَنْ اَحَبِّ ثِیَابِکُمْ اِلَی اللہِ الْبَیَاضُ فَصَلُّوْا فِیْھَا وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔[3513]

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید کپڑا زیادہ محبوب ہے سفید کپڑے میں ہی نماز ادا کرو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۸) حدثنا محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مھدی نا سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن میمون بن ابی شبیب عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم اَلْبِسُوْا الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔[3514]

3512 (طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۴۵۰)

3513 (طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۲۱۹)

3514 (ترمذی شریف، جلد ۲، ص ۱۰۴)

سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا سفید لباس پہنو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور بہت اچھا ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔

دلیل ۹) حدثنا احمد بن یونس نا زهیر نا عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیْضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمْ اَلْاِثْمِدُ یَجْلُوْا الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ۔[3515]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا۔ سفید کپڑے پہنو اسلئے کہ وہ تمہارا بہتر لباس ہے اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور بے شک تمہارے لئے بہتر سرمہ سرخ ہے آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا عبد الرّحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کالا عمامہ اتروانا اور سفید عمامہ پہنانا

دلیل ۱۰) حدثنا علی بن حمشاذ العدل، ثنا اَبو الجماھر محمد بن عثمان الدمشقی، حدثنی الھیثم بن حمید، اخبرنی ابو معبد حفص بن غیلان، عن عطاء بن اب رباح قال: کنت مع عبداللہ بن عمر فاَتاہ فتَی یسأَلُہ عن اسدال العمامة فقال ابن عمر: ساَخبرک عن ذلک بعلمٍ اِن شآئَ اللہ تعالٰی قال: کنت عاشِرَ عشرۃٍ فی مسجدِ رسول اللہ ﷺ: ابو بکر، و عمر، و عثمان، و علی، و ابن مسعود، و حذیفه، و ابن عوف، و ابو سعید الخدری، فجائَ فتیّ من

[3515] (ابو داود، جلد ۲، کتاب اللباس، ص ۵۶۲)

الانصارِ فسلَم علی رسول اللہ ﷺ ثم جلس فقال: یا رسول اللّٰہ، اَیُّ المومنین افضل؟ قال: احسنُهم خُلقاً، قال: فاَیُّ المومنین اَکیس؟ قال: اکثرهم للموتِ ذکراً، واَحسنهم لهٗ استعداداً قبلَ ان ینزِلَ بهم اُولٰئِک من الاکیاس، ثم سکت الفتی و اقبل علیه النبیّ ﷺ فقال: یامعشر المهاجرین خمس ان ابتُلِیتُم بهنَّ و نزل فیکم، اَعوذ باللہ ان تدرِکُوهُنَّ، لم تَظْهر الفاحشة فی قوم قطُّ حتی یعملُوا بها الا ظهر فیهم الطّاعُونُ والاوجاعُ التی لم تکُن مضَت فی اسلافهم، ولم یُنْقِصُوْا المکیالَ والمیزان الا اُخِذوا بالسِّنین و شدَّةِ المومنة وجودِ السّلطان علیهم، ولم یمنعوا الزَّکاةال منعوا القطر من السماءِ، ولو لا البَهَائِهم لم یمطروا، ولم ینقضوا عهد اللہ و عهد الرَّسوله الا سلَّط علیهم عدُوَّهم من غیرهم، واخذوا بعض ما کان فی ایدیهم، ومالم یحکم ائمَّتهم بکتابِ اللہ الا القی اللہ باسَهُم بینَهُم، ثم امر عبد الرَّحمٰن بن عوف یتجهزُ لسریَّةٍ بعثَهُ علیها، واصبحَ عبدالرَّحمٰن قد اعتمَّ بِعمامة من کرابیس سوداء، فاَدناه النبیّ ﷺ ثم نقضه وعمَّمَة بعمامةٍ بیضاء، وارسل من خهلفه اربع اصابع او نحو ذلک، وقال: هکذا یا ابن عوف اعتمَّ فانه اعرب و احسن، ثم امر النبی ﷺ بلال ان یدفع الیه اللواءَ، فحمداللہ تعالٰی واصلّٰی علی النبیّ ﷺ ثم قال: خذ ابن عوفٍ فاغزوا جمیعاً فی سبیل اللہ، فقاتلوا من کفر باللہ، لا تغلوا، ولا تغدروا، ولا تمثلُوا، ولا تقتُلُوا ولیداً، فهذا عهد اللہ وسیرة النّبیّهُ ﷺ۔ هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔"

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ایک نوجوان آیا اور آپ سے عمامہ کے شملے لٹکانے کے بارے میں پوچھنے لگا۔ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں اس کے بارے میں یقینی خبر دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حضور میں دس آدمیوں میں سے ایک تھا۔ وہ دس

آدمی یہ ہیں، ۱)ابو بکر، ۲)عمر، ۳)عثمان، ۴)علی، ۵)ابن مسعود، ۶)حذیفہ، ۷)ابن عوف، ۸)ابو سعید خدری، (نواں عبداللہ بن عمر خود اور دسواں سرور کونین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کہ انصار میں سے ایک جوان حاضر خدمت ہوا، اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم! کونسا مؤمن افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جو مؤمنوں میں سے اچھے اخلاق والا ہو۔ پھر عرض کیا کہ کون زیادہ عقلمند (ہوشیار) ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے آنے سے پہلے پہلے موت کیلئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند لوگ ہیں۔ یہ جوان چپ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمانا شروع کیا کہ اے مہاجرین کے گروہ! اگر تم لوگ پانچ چیزوں سے آزمائے گئے اور وہ تم میں نازل ہو جائیں تو میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم پانچ چیزوں کو پاؤ گے۔ ۱) قومِ نوح میں بدکاری اس وقت تک ظاہر نہیں ہوئی جب تک کہ انھوں نے بدکاری کا عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان میں طاعون پھیل گیا اور ایسی بیماریاں جو اِن کے اسلاف میں نہیں گزریں تھیں۔ ۲) جب انھوں نے ناپ تول میں کمی کر دی تو قحط سالی، سخت مصیبتوں اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ۳) جب زکوۃ دینا چھوڑ دیا تو اُن پر بارش برسنا بند ہو گئی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اُن پر بارش کبھی نہیں برستی۔ ۴) جب اللہ و رسول کا عہد توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر دوسری قوموں سے دشمن مسلّط کر دیئے اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں تھا وہ چھین لیا۔ ۵) اور جب ان کے حکمرانوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے

ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ سریّہ کیلئے تیاری کریں جس کے لئے اُن کو بھیجا جا رہا تھا۔ عبد الرّحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی حالت میں پایا کہ کالے رنگ کے کھر درے کپڑے سے عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اُن کو اپنے قریب کیا اور وہ (کالے رنگ کا) عمامہ اُتار کر سفید رنگ کا عمامہ پہنایا اور پیچھے کی طرف چار انگلیوں یا اس کے اندازے سے شملہ لٹکایا اور فرمایا کہ اے ابنِ عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! عمامہ باندھا کرو کہ یہ عربی ہونا اور خوبصورتی ہے۔ پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اِن کو جھنڈا دیں تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر درود بھیجا اور فرمایا اے ابنِ عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! (جھنڈا) پکڑو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں کافروں سے لڑتے رہو اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچّوں کو قتل نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی سیرت ہے۔[3516]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۱) وَلَبِسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعِمَامَۃَالْبَیْضَاءَ وَ السَّوَادَوَالصَّفْرَاءَ وَالْاَکْثَرُ اَلْبَیْضَاءُ۔[3517]

[3516] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیابوری، حدیث ۸۸۰۱، جلد ۵، ص ۲۴۶۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

[3517] (الدعامہ صفحہ ۸۶)

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے سفید، کالا، زرد عمامہ باندھا اور اکثر سفید عمامہ باندھا"۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کالا عمامہ اتار کر دوبارہ نہ پہننا

دلیل ۱۲) وَکَانَ مُحَمَّدُ رَحمَۃُ اللّٰہِ یَتعَمَّمُ بِا لْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَاءِ فَدَخلَتْ عَلَیْہِ یَوْماً مَسْتُوْرَۃ" فَبَقِیَتْ تَنْظُرُ اَلٰی وَجْھِہٖ وَھِیَ مُتحَیِّرَۃٌ فقَالَ لَھَا مَاشَاْنُکِ فَقَالَتْ اَتَعَجَّبُ مِنْ بَیَاضِ وَجْھِکَ تَحْتَ سِوَادِ عِمَامَتِکَ فَوَضَعَھَا عَنْ رَاْسِہٖ وَلَمْ یَتَعَمَّمْ بِالْعِمَامَۃِ اَلسَّوْدَآءِ بَعْدَ ذٰلِکَ۔[3518]

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کالے رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت آپ کی مجلس میں حاضر ہوئی تو آپ کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں؟ عورت نے عرض کیا، میں آپ کے کالے عمامہ کے نیچے آپکے چہرے کی سفیدی سے تعجب کر رہی ہوں۔ تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سر سے (کالا عمامہ) اُتار دیا اور اسکے بعد کالا عمامہ نہیں باندھا۔

شعارِ اہلِ بدعت سے بچنا چاہئے

دلیل ۱۳) اِنّ کُلّ سُنَّۃٍ تَکُوْنُ شِعَارُ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ تِرْکُھَا اَوْلٰی۔[3519]

ترجمہ: ہر طریقہ جو اہلِ بدعت کی شعار بن جائے، اس کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔

تفسیر روح البیان میں الشیخ اسمٰعیل الحقی البروسوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[3518] ((۱)البحر الرائق جلد ۸، ص ۴۸۷، مکتبہ رشیدیہ سر کی روڈ کوئٹہ، پاکستان۔ (۲)تبیین الحقائق، جلد ۴ ص ۲۲۹ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

[3519] (مرقاۃ جلد ۴، ص ۲۳)

وَ مِنْ سُنَّةِ السَّلَفِ الصَّالِحِيْنَ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ مَجَالِسِ اَهْلِ اللَّغْوِ وَ اللَّهْوِ وَ الْمُجَانَبَةُ عَنْ اِتْبَاعِ اَهْلِ الْهَوٰى وَ الْبِدَعِ۔

ترجمہ: سلف الصالحین کی سنت یہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت اور اہل لغو کی مجالس میں جانا چھوڑ دیتے تھے۔

وَ رُوِیَ اَنَّ اِبْنَ الْمُبَارَکِ رُئِیَ فِی الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ مَا فَعَلَ رَبُّکَ بِکَ فَقَالَ عَاتَبَنِیْ وَ اَوْقَفَنِیْ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً بِسَبَبِ اِنِّی نَظَرْتُ بِاللُّطْفِ يَوْمًا اِلٰی مُبْتَدِعٍ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تُعَادِ عَدُوِّیْ فِی الدِّيْنِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ جل شانہُ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ جلّ شانہُ نے مجھے عتاب دیا اور مجھے کھڑا کیا گیا تیس (۳۰) سال تک اس سبب کی وجہ سے کہ ایک دن میں نے اہلِ بدعت والے کے چہرے کو محبت سے دیکھا تو اللہ جلّ شانہُ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے دشمن کے ساتھ دین میں دشمنی کیوں نہیں رکھتے ہو؟

اولین مہاجرین کا سفید عمامہ باندھنا

دلیل ۱۴) امام عبداللہ محمد بن ابی شیبہ المتوفٰی ۲۳۵ھ فرماتے ہیں:

عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال ادرکت المھاجرین الاولین یعتمون بعمائم کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر۔[3520]

سلیمان ابن ابی عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام (مہاجرین اولین) کو پایا (اور دیکھا) کہ وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، اور زرد عمامہ استعمال کیا کرتے تھے۔

[3520] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸ جلد ششم)

ملائکہ کا سفید عمامہ والے کیلئے دعا مانگنا

دلیل ۱۵) مصنف اب ابی شیبہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔ یہ عمل سفید عمامہ کے ثبوت پر ایک مضبوط دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ابن جوزی سفید عمامہ کی فضیلت میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

اخرج ابن الجوزی عن انس بن مالک عن النّبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و سلّم ان للہ ملائکۃ وقوفا بباب المسجد یستغفرون لاصحاب العمائم البیض۔[3521]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سفید عمامہ والے کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ملائکہ کا سفید عمامہ والوں پر درود بھجنا

دلیل ۱۶) اخرج ابوبکر الھیثمی وعزاہ الی الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ و سلم ان اللہ و ملائکۃ یصلّون علی اصحاب العمائم البیض۔[3522]

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سفید عمامہ والے پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

[3521] (بحوالہ حکم العمامۃ)

[3522] (مجمع الزوائد للھشی، ج ۲، ص ۱۷۲)

صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور سفید عمامہ

دلیل ۱۷) ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل سے سفید عمامہ کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدثنا الحسن بن صالح عن ابیہ قال رایت علی سعید بن جبیر عمامۃ بیضاء۔[3523]

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفید عمامہ باندھا کرتے تھے۔

سفر میں کالا عمامہ

دلیل ۱۸) وقال الطحاوی فی فتاواہ رایت ما نسب لعائشۃ ان عمامۃ فی السفر بیضاء وفی الحضر سوداء وکل منہا سبعۃ اذرع۔[3524]

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے وہ روایت دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ شریف سفر میں سفید اور گھر میں سیاہ ہوا کرتا تھا۔

انبیاء اور ملائکہ کا لباس سفید ہے

دلیل ۱۹) ھدایۃ الابرار صفحہ ۴۲ میں ہے کہ:

[3523] (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲ جلد ششم)

[3524] (فتاوی دار العلوم دیوبند، ص ۹۵، جلد چہارم)

و فی شرح المشکوٰۃ لعبد الحق ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم قال البسوا الثیاب البیض فانّھا اطھر و اطیب و کفّنوا فیھا موتاکم احب الالوان البیاض فان الابیض لباس الانبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام و الصلحاء الخ۔[3525]

رنگوں میں محبوب ترین رنگ سفید ہے کیونکہ سفید رنگ انبیاء اور صلحاء کا لباس ہے۔

غزوہ احد کے موقع پر ملائکہ کا لباس سفید تھا

دلیل ۲۰) علامہ عینی لکھتے ہیں:

الثیاب البیض ھی من افضل الثیاب و ھی لباس الملائکۃ الذین نصروا رسول اللّٰہ ﷺ یوم احد وغیرہ و کان ﷺ یلبس البیاض و یحض علی لباسہ۔[3526]

لباس میں افضل لباس سفید ہے اور سفید لباس ان فرشتوں کا لباس ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی یوم اُحد وغیرہ میں مدد کی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم خود سفید لباس پہنتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے۔

غوث الثقلین رحمہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ لباس

دلیل ۲۱) غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”و افضل الوان الثیاب ما کان ابیض لقولہ ﷺ خیر ثیابکم البیاض۔[3527]

یعنی کپڑوں میں افضل رنگ سفید ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا تمہارے لباس میں محبوب لباس سفید ہے۔

[3525] (شرح شرعۃ الاسلام بحوالہ القول الصریح ص ۵۹)
[3526] (عینی علی البخاری ص ۳۶ جلد ۱۵)
[3527] (الغنیہ ص ۲۹ جلد اول)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سفید عمامہ پر دوام

دلیل ۲۲) مرقاۃ شریف میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بِاَنَّ الَّذِیْ وَاظَبَ عَلَیْہِ النَّبِیُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدُوْنَ اِنَّمَا ھُوَ الْبَیَاضُ۔[3528]

ترجمہ: حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیشہ سفید عمامہ پہنے۔

تمام سالکین سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پائجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خداوندی سے محروم ہوگا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو کھلے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔

شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا شرعی حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرا تہبند کچھ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا، آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

[3528] (مرقاۃ جلد ۳، ص ۲۶۹)

وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا اگر تم عبد اللہ ہو تو اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، یہاں تک کہ نصف پنڈلی تک آگیا، پھر میں نے اپنا یہی دستور عمل رکھا۔[3529]

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ازار ٹخنوں سے نیچی لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ، چنانچہ وہ شخص گیا اور وضو کر کے حاضر ہوا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: جاؤ وضو کر کے آؤ! وہ شخص گیا اور وضو کر کے آیا، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا وہ اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے ہو۔[3530]

ازار کا ٹخنوں کے نیچے والا حصہ جہنم میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہو گا۔[3531]

3529 (احمد بسند رویۃ ثقات از زواج، گناہ بے لذت، ص ۳۲)

3530 (ابو داؤد، ص ۹۳، ۱۷۰، باب الاسبال فی الصلوٰۃ)

3531 (مشکوٰۃ، مسلم، بخاری ص ۳۷۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کی ازار نصف پنڈلی تک ہے اور اس سے نیچے دونوں ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو کوئی حرج نہیں اور ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا، وہ جہنم میں ہو گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (نظر رحمت سے) اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار تکبر سے لٹکائے۔

فائدہ: مردوں کے لئے ازار وغیرہ سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ افضل صورت یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ اگر اس سے نیچے ہو تو بیش از بیش ٹخنوں سے اوپر تک ہو، ازراہ کبر ٹخنوں سے نیچے لباس پہننا سخت حرام ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے محرومی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) اس شخص پر نہیں کرے گا جو اپنی ازار ازراہ تکبر ٹخنوں سے نیچے دراز کرے (یعنی لٹکائے)۔[3532]

[3532] (مشکوۃ شریف: ص ۳۷۳)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی ازار تکبر سے نیچے کھینچے (یعنی ٹخنوں سے نیچے لٹکائے) اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر (رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔[3533]

تہبند لٹکانے والے کو زمین میں دھنسا دیا گیا

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص تکبر کی وجہ سے تہبند (ازار) کو لٹکا کر زمین سے کھینچ کر چلا کرتا تھا، اس کو دھنسا دیا گیا، وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف ۳۷۲)

پائجامے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا منافق کی علامت اپنے پاجامے کو لمبا کرنا ہے تو جس شخص نے اپنے پاجامے کو لمبا کیا حتیٰ کہ قدموں کے نیچے گھسٹتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نافرمانی کی تو اس کے لئے دوزخ ہے۔[3534]

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والوں کے لئے دردناک عذاب

[3533] (مشکوٰۃ شریف: ص ۳۷۳)

[3534] (کنز العمال ج ۱۵، ص ۳۱۷، حدیث نمبر ۴۱۱۹۸)

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا تین قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن (رحمت کی) نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو یقیناناکام ہوگئے اور خسارہ میں پڑگئے، آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا، میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام ہوگئے اور خسران میں پڑگئے! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا(۱)ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا،(۲)احسان جتلانے والا،(۳) جھوٹی قسم کھا کر اپناسامان بیچنے والا۔

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا مغفرت سے محروم

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ لیلۃ براٗت (شب براٗت، نصف شعبان کی رات) میں بھی ایسا شخص اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہتا ہے، چنانچہ مظاہر حق میں حدیث نقل کی ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں سب بخشے جاتے ہیں مگر (۱) والدین کی نافرمانی کرنے والا،(۲) ہمیشہ شراب پینے والا،(۳) ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا نہیں بخشا جاتا۔[3535]

[3535] (مظاهر حق: ص ۵۹۴، ج ۳، کتاب اللباس)

الجواہر الزواہر ترجمہ: البصائر میں ہے اور (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے) فرمایا آج کی شب بنو کلب کی بکریوں کے صوف اور بالوں کی مقدار خدا کی رہائی دیئے دوزخی چھوٹیں گے، البتہ جو مشرک ہو گا اور جو کینہ ور ہو گا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور جو ٹخنہ سے نیچے کپڑا الٹکا ہوا پہنے گا اور جو والدین کا نافرمان ہو گا اور شراب خوری کا خوگر ہو گا اس کی طرف نگاہ رحمت نہ فرمائے گا۔[3536]

مسئلہ: جو شخص فخر و تکبر سے اپنے تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچا رکھتا ہے وہ باتفاق سخت گناہ کبیر کا مرتکب ہے۔ جو بلا خیال تکبر کے ویسے ہی عادت پڑ گئی ہے جب بھی گناہ سے خالی نہیں (عالمگیری، اشباہ وغیرہ) ہاں کسی شخص کا تہبند یا پاجامہ بے اختیار کسی وقت لٹک جائے وہ اس میں داخل نہیں، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے سوال کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ان کو معذور قرار دیا۔

(گناہ بے لذت: مفتی شفیع عثمانی)

تنبیہ: کتنی ذرا سی بات ہے جس کے لئے سید الاولین والآخرین اپنی امت کو سخت تاکید فرماتے ہیں مگر امت ہے کہ اپنی اتنی سی بے فائدہ اور لغو خواہش کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو راضی کرنے کے لئے نہیں چھوڑتی۔

[3536] (الجواھر الزواھر، ص ۲۵۱، فتاویٰ رحیمیہ: ص ۲۸۶، ج۷)

مذکورہ روایات میں غور کیجئے ٹخنوں سے نیچے ازار، پاجامہ لٹکانے پر کتنی سخت وعید ہے، ان روایات کے پیش نظر کوئی طالب علم اس بات کی ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور یہ فعل عموماً ازراہ کبر اور غیروں کے ساتھ تشبہ سے ہوتا ہے جب شرعی حکم یہ ہے کہ لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو اس میں غفلت اور لا پرواہی نہ ہونی چاہئے۔

پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے کو منع کرنا چاہئے

زید ابن اسلم فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اسی اثنا میں عبد اللہ ابن واقد ادھر سے گزرے ان کے جسم پر نیا لباس تھا۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے فرمایا اے بیٹا اپنا پاجامہ اوپر کر لو اس لئے کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زبان مبارک سے یہ وعید سنی ہے کہ جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے اسے اللہ قیامت کے دن نہ دیکھے گا۔

ٹخنوں سے نیچے والا پاجامہ کاٹ دینا چاہئے

حضرت خرشہ بن حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کی لنگی ٹخنوں سے نیچے جارہی تھی، بلکہ وہ اس کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے جارہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بلا کر فرمایا کیا تمہیں حیض آتا ہے؟ اس نے کہا کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر تمہیں کیا ہوا کہ تم نے لنگی قدموں سے نیچے لٹکا رکھی ہے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھری منگوائی اور اس

کی لنگی کا کنارہ پکڑ کر ٹخنوں سے نیچے سے کاٹ دیا، حضرت خرشہ کہتے ہیں اب بھی وہ منظر میرے سامنے ہے اور مجھے اس کی ایڑیوں پر دھاگے نظر آرہے ہیں۔[3537]

آج بھی اگر کوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس زندہ مثال کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہمارے مرشد گرامی قیوم زمان مجدد عصر حاضر حضرت اخندزادہ سیف الرحمن پیر ارچی خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانہ عالیہ میں آکر دیکھ سکتا ہے۔

اقوال فقہائے کرام

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: مردوں کے لئے شلوار لمبی کرنا کہ جس سے پائنچے پاؤں کو مس کریں، مکروہ ہے۔[3538]

علامہ زین الدین ابن نجیم نے بھی یہی لکھا ہے۔[3539]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کپڑوں میں تقصیر سنت ہے اور ازار و قمیص میں اسبال بدعت ہے۔ مردوں کے لئے نصف پنڈلی تک سراویل وازار وغیرہ ہونی چاہیئے۔[3540]

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں بطور تکبر دامن کو لمبا کرنے سے بعض میں منع فرمایا اور بعض میں مطلقاً منع فرمایا ہے۔ اور فقہائے کرام نے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے فرمایا صرف تکبر سے دامن لمبا کرنا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے۔

[3537] (حیاۃالصحابہ: ج۲)
[3538] (ردالمختار ص ۳۵۱، ج۶)
[3539] (بحرالرائق، ص ۱۹۰، ج۸)
[3540] (فتاویٰ عالمگیری)

صوفیائے کرام خصوصاً حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ بدعات کی جگہ سنن پر عمل خواہ غیر مؤکدہ ہو اور سنن عادیہ ہی کیوں نہ ہوں، عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ جو عمل رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے کیا ہو خواہ زندگی میں ایک بار ہی کیا ہو، اس پر عمل کرنا ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے اس مباح عمل سے جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے نہ کیا ہو بشرطیکہ بعد میں اس کا عکس ثابت نہ ہو یا ممانعت نہ آئی ہو۔ تکبر چونکہ غیر محسوس صفت رزیلہ ہے، جب تک مؤمن کا نفس نفس مطمئنہ نہ ہو جائے تکبر کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے۔ اس لئے نفس مطمئنہ ہونے سے قبل انسان کا کہنا کہ میں تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے شلوار نہیں رکھتا، دعوی بلا دلیل ہے۔

نیز صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے پاس اگر کوئی ایسا شخص آتا جس کی شلوار یا تہبند ٹخنوں سے نیچے ہوتی تو اسے اوپر کرنے کی ہدایت فرماتے بلکہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے قبول نہ فرمایا۔

حضرت اشعت بن سلیم کے دادا کو فرمانا کہ کیا میرا طریقہ تجھے پسند نہیں؟ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے رکھنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو بہت ناپسند تھا۔ تو جو چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت ناگوار ہو، اس کو اختیار کرنے سے مسلمان کو گریز کرنا چاہئے نہ کہ اس پر اصرار کیا جائے۔ اور بالخصوص علمائے کرام، مشائخ عظام اور سالکین کو تو عملی نمونہ پیش کرنا چاہئے۔

شیخ المشائخ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جو آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ولی الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کئے ہیں، ان سے نقل کیا جاتا ہے کہ تا کہ واضح ہو جائے کہ صوفیائے کرام کس قدر اس کا اہتمام کرتے تھے۔

شلوار کے پائنچے دراز کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ شلوار کا پائنچہ دراز کرنا منافقوں کی علامت ہے۔ اور جو شخص شلوار کا پائنچہ دراز کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے تک لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا نافرمان ہے۔ پھر فرمایا جو شخص شلوار کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہے۔ نیز حضرت ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے اور دو چیزوں کے بدلے عذاب ہوگا۔ کفن کی زیادتی، دوسرا پائنچا دراز کرنے سے۔[3541]

اگر کوئی اس بارے میں زیادہ تحقیق کرنا چاہے تو ہمارے مجموعہ رسائل حصہ دوئم صفحہ ۱۰۰۱ کا مطالعہ کرلے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے تمام شکوک وشبہات رفع ہو جائیں گے۔ اگر حضور صلی اللہ

3541 (بحوالہ جزء الاسبال، تالیف شیخ القرآن والحدیث مفتی احمد الدین سیفی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا سچا عاشق ہے تو کبھی ایسا عمل نہیں کرے گا کہ اپنا پائنچا ٹخنے سے نیچے لٹکائے۔ عاقل کے لئے صرف اشارہ کافی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائِ حق اہلِ سنت وجماعت اس مسئلے میں کہ نعت خوانی کے ساتھ ذِکر کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

مستفتی: سید سراج الحق شاہ ترمذی سیفی

الجواب و منہ الصدق و الصواب:

شرع مطہرہ سے اس کے عدمِ جواز پر دلیل نہ ہونا خود دلیلِ جواز ہے کہ سکوتِ شارع موجبِ اباحت ہے نہ کہ موجبِ حُرمت۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ مائدہ پارہ:۷: پر ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔ (المائدۃ ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو جن پر قرآن خاموش ہے کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں۔ (تمہیں بُری لگیں) اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کروگے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر یعنی متعین کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا اور اللہ بڑا بخشنے والا بُردبار ہے۔

تفسیر خازن شریف میں آیات کریمہ کے تحت حدیث نقل فرمائی ہے:

"عن سلمان رضی اللہ تعالی عنہ قال سئل رسول اللہ ﷺ عن اشیاء فقال الحلال ما احلّ اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرّمہ اللہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما قد عفا عنہ فلا تتکلّفوا"۔[3542]

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کچھ چیزوں کا سوال کیا گیا تو فرمایا کہ حلال وہ ہے جو خداوند قدوس نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جو رب نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا۔ اور جس سے سکوت فرمایا وہ ان میں سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا تو تکلّف سے سوال مت کرو۔

دار قطنی میں ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں:

"ان اللہ تعالی فرض فرائض فلاتضیعوھا و حرّم حرمات فلاتنتھکوھا و حد حدودا فلاتعتدوھا و سکت عن اشیاء من غیر نسیان فلاتبحثوا عنھا"۔[3543]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا ان میں کاوش نہ کر۔

سید المفسرین سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے چچازاد بھائی ارشاد فرماتے ہیں:

"و بعث اللہ نبیہ و انزل کتابہ و حلّ حلالہ و حرّم حرامہ فما احلّ فھو حلال و ما حرّم فھو حرام و ما سکت عنہ فھو عفو"۔

[3542] (تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل مطبوعہ بیروت: ج ۱: ص ۴۹۸)

[3543] (سنن دارقطنی: ۴/۱۸۴، تفسیر خازن: ج ۱: ص ۴۹۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کو مبعوث فرمایا اور قدیم کتاب قرآن حکیم نازل فرمایا اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا تو جو چیز حلال کی گئی وہ حلال ہے جو حرام فرمائی گئی وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔[3544]

ایک بار جب حضور اکرم ﷺ سے گھی، پنیر اور دوسری اشیائے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ" (جامع ترمذی: ۲۰۶:۱)

ترجمہ: وہ چیز حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ رہیں وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت فرمایا تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔ "وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ" کے الفاظ بتارہے ہیں کہ شارع نے جن کا ذکر نہیں کیا وہ مباح اور جائز ہیں لہٰذا محض "ترکِ ذکر" سے کسی چیز پر حرمت کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ اللہ رب العزت نے قرآن میں ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جو اپنی طرف سے چیزوں پر حلت و حرمت کے فتوے صادر کرتے ہیں لہٰذا ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل ۱۱۶)

ترجمہ: اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ اس طرح کہ تم اللہ پر بہتان باندھو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

[3544] (مشکوٰۃ شریف باب ما یحلّ اکلہٗ: صفحہ: ۳۶۰)

بناءعلیہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

"ان الفقهاء كثيرا مايلهجون بان الاصل الاباحة"۔

یعنی اکثر فقہاء کرام کی نوکِ زبان پر ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔[3545]

حضرت امام علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

"وصريح فى التحرير بان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية"۔[3546]

تحریر میں صراحتًا فرمایا کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فهو داخل تحت قاعدة الاصل فى الاشياء الاباحة"۔[3547]

اسی جلد میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"وليس الاحتياط فى الافتراء على الله باثبات الحرمة او الكراهة الذين لابدلهما من دليل بل فى القول بالاباحة التى هى الاصل"۔[3548]

ترجمہ: حرمت وکراہت کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے میں احتیاط نہیں کہ اس کے لئے دلیل ضروری ہے بلکہ احتیاط اباحت کہنے میں ہے کہ وہی اصل ہے۔

[3545] (درمختار، کتاب الطہارۃ:جلد:۱:صفحہ:۹۸)

[3546] (شامی:مطبوعہ مصر:جلد:۱:صفحہ:۹۸، مکتبہ حقانیہ فشاور:صفحہ:۷۸)

[3547] (شامی کتاب الاشربہ:ج:۵:ص۲۹۶، مکتبہ حقانیہ فشاور:ص۳۲۷:وفی ج:۵:ص۳۲۶)

[3548] (صفحہ۳۲۶)

شریعتِ اسلامیہ کا معروف قاعدہ اور متفقہ اصول ہے کہ "الاصل فی الاشیاء اباحۃ" یعنی ہر چیز کی اصل اباحت ہے۔ فی نفسہٖ کوئی کام بھی از رُوئے شرع بُرا نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس میں قرآن وسنت کی رو سے بُرائی کا کوئی عنصر واضح طور پر نہ پایا جائے۔ اس لحاظ سے ہم ہر اس کام کو جو عہدِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا قرآن وسنت پر پیش کریں گے، اگر اس کے ساتھ قرآن وسنت کا کسی اعتبار سے بھی اعتبار سے تعارض آجائے گا تو وہ بلا شبہ ناجائز، حرام اور گمراہی تصور ہو گا اور اگر اس کا قرآن وسنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد یا تعارض واقع نہیں ہوتا تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمتِ دین کے منافی اور اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال وحرام سے انحراف برتنے اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہو گا۔

حضرت حکیم الامت مولانا مفتی الحاج احمد یار خان نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "جآء الحق" صفحہ:۲۳۶: پر تحریر فرماتے ہیں: جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنیٰ کریں گے کہ: "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہو گی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ واقوالِ فقہاء سے ثابت ہے اور غالبًا کوئی مقلد کہلانے والا تو اس سے اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا (المائدۃ ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بُری لگیں اور اگر ان کو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اُتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ ان کو معاف کر چُکا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَاءَذٰلِكُمْ۔

ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

نیز فرمایا:

وَقَدْفَصَّلَ لَكُمْ مَاحَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔

تم سے تفصیل دار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں۔

یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتادی ان کے سوا سب حلال۔

مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے:

"الحلال ما احلّ اللہ فی کتابه و الحرام ما حرّم اللہ فی کتابه و ما سکت عنه فهو مما عفٰی عنه"

ترجمہ: حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتًا قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جن کی حرمت صراحتًا آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے۔

شامی: جلد:ا: کتاب الطہارۃ بحث تعریف سنت میں ہے:

"المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمہور من الحنفیۃ و الشافعیۃ"۔

ترجمہ: جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔

اس کی تفسیر خازن وروح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہلِ سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین یا تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کب کیا تھا یہ محض دھوکہ ہے۔ اہلِ سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (المائدۃ ۱۴۵) نیز فرماتا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الاعراف ۳۲)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی۔ یہ حضرات اس سے حُرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے۔ اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر، مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی فتاویٰ نوریہ میں لکھا ہے:

اھل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یعنی جب تک دلیل حرمت و کراہت نہ آئے کوئی چیز حرام مکروہ نہیں ہو سکتی۔ اس مدعا پر دلائل واضحہ آیات و احادیث سے صرف چند اختصاراً اقتصاد کیا جاتا ہے۔ سنئے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔ (المائدة ۱۰۱)

اے ایمان والوں ایسی چیزیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگے اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے جب قرآن اتر رہا ہو تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ عزوجل بخشنے والا حلم والا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی چیزیں جن کو حرمت کسی نص سے ثابت نہیں وہ معاف ہیں، یہی ہمارا مدعا ہے۔

تفسیر خازن صفحہ ۸۲ جلد ۲ میں ہے:

عن سلمان قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أشياء فقال «الحلال ما أحل الله في كتابه والحرام ما حرمه الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما قد عفا عنه فلا تتكلفوا» وعن أبي ثعلبة الخشني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال «إن الله تعالى فرض فرائض فلا تضيعوها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم أشياء فلا تقربوها وترك أشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها» هذان الحديثان أخرجهما في جامع الأصول ولم يعزهما إلى الكتب الستة۔[3549]

ابن ماجہ ص ۲۴۹، میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث اول بایں نظم ہے۔

الحلال ما احل الله فی کتابه والحرام ما حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه وروی نحوه الترمذی عنه مرفوعا ایضاً۔

مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲ میں ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے:

قال کان اهل الجاهلية یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث الله نبيه وانزل کتابه واحل حلاله وحرم حرامه فما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو وتلا قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة الاٰية۔[3550]

وکان عبید بن عمر یقول ان الله احل و حرم فما احل فاستحلوه و ما حرم فاجتنبوه و ترک اشیاء لم یحللها و لم یحرمها فذالک عفو من الله تعالیٰ ثم یتلوا هٰذا الآية و قال ابو ثعلبة الخشنی ان الله تعالیٰ فرض الحدیث نحو مامر من المشکوٰة و الخازن و نحوه۔[3551]

[3549] (خازن، ج ا ص ۵۳۱، مطبوعہ دار الکتب، پشاور)

[3550] (تفسیر کبیر صفحہ ۴۵۹)

[3551] (معالم ص ۸۲)

ان تمام احادیث اور عباراتِ تفسیر کا ماحاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآن کریم میں حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسے حرام فرمایا وہ حرام ہے اور جن چیزوں کا بیان نہ فرمایا وہ معاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے تو ان کو ضائع نہ کرو اور کئی چیزوں کو حرام کیا ہے تو ان کے قریب نہ جاؤ اور حدود مقرر فرمائے ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں کے بیان کو ترک کیا تو ان سے بحث نہ کرو یعنی اس لئے کہ وہ معاف ہیں ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

بدلالة هٰذه الاحادیث وما فی معناها کثیراً۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا بیان، بیان الٰہی اور تفسیر قرآن کریم ہے:

کما نص علیه الائمة۔

نیز ارشادِ رؤف الرحیم ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (التوبة ١١٥)

ترجمہ: اور شانِ الٰہی نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ فرمائے اور ان پر گمراہی کا حکم لگائے پیچھے ھدایت فرمائے ان کے یہاں تک کہ بیان فرمائے ان کے لئے ان چیزوں کو جن سے بچنا ضروری ہے ان پر، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

تو بین طور پر ثابت ہوا کہ جس چیز کا عدم جواز شرعِ مطہرہ سے ثابت نہیں وہ ممنوع نہیں ہے، جائز ہے۔ اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ وہاں فلاں حادثہ فلاں صورت زمانہ نزول قرآن میں نہ تھی لہٰذا اس کا حکم بیان نہ فرمایا کہ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (التوبة ١١٥) بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے

والاہے۔ واقعات و حوادث آئندہ تمام کے تمام اسے معلوم ہیں اور سہو و بھول کو اس کی بارگاہِ اقدس تک ہرگز ہرگز رسائی و نسبت نہیں ہو سکتی، تو جس چیز سے منع نہیں فرمایا اسے جائز اور مباح قرار دیا۔

تفسیر کبیر ص ۵۱۳، جلد ۴، میں ہے:

و بین انه تعالیٰ لا یواخذهم بعمل الا بعد ان یبین لهم انه یجب علیهم ان یتقوه و یحترزوا عنه و نحوه فی الخازن ص ۲۸۸ جلد ۲ [3552]

نیز خازن ص ۲۲۸ جلد ۲ میں ہے:

و هو ان یقدم الیهم النهی عن ذلک الفعل فاما قبل النهی فلا حرج علیهم فی فعلهٖ و مثله فی معالم التنزیل۔ صاوی علی الجلالین ص ۱۴۶، جلد ۲ میں ہے۔ فبین الله تعالیٰ انه لہ یواخذ احدا بذنب الا بعد ان یبین حکم فیه۔

خداوند قدوس کا فرمان تو سن چکے کہ وہ معاف فرما چکا ہے گرفت نہیں فرماتا گمراہی کا حکم نہیں لگاتا جب تک نہی نہ آئے مگر عجیب کہ وہابیہ خوارج اتنے دلیر ہیں کہ بات بات پر مسلمانوں کو گمراہ بلکہ مشرک و کافر کہہ دیتے ہیں۔ اور ہر چیز میں یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا جواز دکھاؤ حالانکہ جس سے منع کرتے ہیں اس چیز کے منع ہونے کا اثبات ان پر لازم جب تک نہی ثابت نہ ہو منع نہیں ہو سکتا کہ شرع میں غیر منہی عنہ جائز ہے۔

ایسے کا حق میں قرآن کریم کا یہ فتویٰ ہے:

[3552] (دار الکتب العربیۃ قصہ خوانی پشاور)

وَلَاتَقُولُوالِمَاتَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَاحَلَالٌ وَهَذَاحَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (۱۱۶) مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔(النحل ۱۱۷)

نیز جس طرح جواز بدونِ اجازتِ شرع جائز نہیں اس طرح منع بھی بدون شرع منع نہیں۔ تو یہ ان کی بے انصافی ہے کہ اپنی دلیل بیان نہیں کرتے الٹا مطالبہ ہم سے کرتے ہیں۔ شرع مطہرہ سے اباحتِ اصلیہ کا ثبوت نہایت خوش اسلوبی سے ہم نے پیش کر دیا۔ مانع پر لازم ہے کہ دلیلِ منع بیان کرے۔ اب میں وھابیوں دیوبندیوں اور متعصب لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس کے منع کرنے پر کوئی دلیل پیش کرو کہ ذکر کے ساتھ نعت خوانی کرنا ناجائز ہے۔ پھر ہم تسلیم کر لیں گے۔

فتاویٰ نوریہ میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ "اشیاء میں اصل اباحت ہے"۔ یعنی جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شئی کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو، حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے۔ استعمال کرنے والے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں کہ وہ معاف ہے۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔(آل عمران ۱۵۵)(ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماچکا ہے) اور قرآن کی آیات میں سے ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے۔ اللہ نے حرام نہیں کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے حرام نہیں کیا تو تم کون ہوتے ہو کہ اسے منع کرتے ہو؟

امامِ اھلِ سنت والجماعت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان الافغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اور رسالوں میں اس قاعدہ مبارکہ کی توضیح وتصریح فرمائی ہے۔

مثلاً فتاویٰ افریقیہ ص۷۸ میں فرمایا:

”جواز کو یہی کافی ہے کہ شرعاً کوئی ممانعت نہیں، جس چیز کو اللہ اور رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں، اسے منع کرنا خود شارع بننا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔“

پھر کافی دلائل کے بعد ص ۹۰ میں فرمایا:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ تو معلوم ہوا کہ جس کا نہ حکم دیا نہ منع کیا وہ نہ واجب نہ گناہ اور اللہ تعالیٰ عزّوجلّ فرماتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (المائدة ۱۰۱)

یہ آیتِ کریمہ ان تمام حدیثوں کی تصدیق اور صاف ارشاد ہے کہ شریعت نے جس بات کا ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہے۔ جب تک کلام مجید اتر رہا تھا احتمال تھا کہ معافی پر شاکر نہ ہو کر کوئی پوچھتا تو اس کے سوال کی شامت سے منع فرمادی جاتی۔ اب کہ قرآن مجید اُتر چکا، دین کامل ہوگیا، اب کوئی حکم نیا آنے کو نہ رہا، جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا نہ منع کیا، ان کی معافی مقرر ہو چکی جس میں اب تبدیلی نہ ہوگی۔ وہابی جو کہ اللہ تعالیٰ کی معافی پر اعتراض کرتے ہیں، مردود ہیں۔ وللہ الحمد۔

مردِ مجاھد، سایۂ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مظہر نعمان غیظ المنافقین، محسن المسلمین امام الفقہا والمحدثین، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان قندھاری بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکامِ شریعت میں بھی فرمایا، ”اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے“۔

قال اللہ تعالیٰ ”خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“ (البقرۃ ۲۹)

جب تک کسی عارض سے اصل کا زوال ثابت نہ ہو وہ کم اصل ہی رہے گا۔

محرر المذھب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بہ نأخذ مالم نعرف شیأً حراما بعینہٖ"۔

فقیہ اعظم محمد نور اللہ نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے "بلا دلیل خاص شرعی کسی شیء کو مکروہ اور حرام کہنا جھوٹ اور حرام ہے۔ اور حضرت رب العالمین جلّ و علا پر اعتراض ہے۔ **(العیاذ باللہ تعالیٰ!)**[3553]

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ای لا تفتشوا عن تلک الاشیاء دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحة کقولہٖ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً۔[3554]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا ارشاد "باقی چیزوں سے بحث نہ کرو" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔[3555]

مفتی اعظمِ پاکستان، پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب، تفہیم المسائل جلد سوم صفحہ ۱۱۸ پر ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

3553 (فتاویٰ نوریہ، جلد ۱، ص ۳۷۲)

3554 (مرقات ج ۱، ص ۲۶۳)

3555 (اشعۃ اللمعات، جلد ۳، ص ۴۷۹ اور ص ۵۰۶)

"اس سوال کا براہ راست جواب سننے سے پہلے ایک دو اصولی باتیں سمجھیں۔ اسلام اور دنیا کے ہر نظامِ قانون اور اصولِ قانون کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اشیاء امور میں اصل اباحت (یعنی جائز ہونا) ہے، لہٰذا کہیں بھی قوانین کی تشکیل میں مباحات (جائز امور) کا احاطہ نہیں کیا جاتا بلکہ ہر شعبے کے محرمات، ممنوعات اور مکروہات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر امور جائز ہیں، مثلاً جن خواتین سے نکاح شرعاً حرام ہے، قرآن نے ان کو سورۃ النسآء آیات ۲۲ تا ۲۵ میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا ہے اور پھر فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَاءَذَلِكُم (النساء: ۲۴)

ترجمہ: اور ان (مذکورہ محرمات) کے علاوہ باقی سب عورتوں کے ساتھ تمہارا نکاح جائز ہے۔

اسی طرح قرآن نے سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۷۳ اور سورۃ النحل آیت نمبر ۱۱۵ میں ماکولات میں سے محرمات (مردار، ذبح کے وقت بہنے والا خون، خنزیر، اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے) کا ذکر فرمایا، احادیث میں اس پر درندے، شکاری پرندے اور گدھے کا اضافہ فرمایا گیا، بعض دیگر جانوروں کو قیاس و اجتہاد کے ذریعے فقہاء امت نے مکروہ تحریمی قرار دیا، ان کے علاوہ دیگر لاتعداد جانور جو حلال ہیں، کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین نے ان کا تفصیل سے احاطہ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کرنا عملاً ممکن ہے، ہماری عملی زندگی میں اس کی مثال یہ ہے کہ جس سڑک پر دائیں یا بائیں مڑنا منع ہو، یا جس گلی یا سڑک پر گاڑی چلانا منع ہو ٹریفک کا عملہ وہاں مخصوص ممانعت کا نشان لگا دیتا ہے، باقی جس جس گلی یا سڑک پر گاڑی چلانا ممنوع نہیں ہے، وہاں کوئی مخصوص نشان نہیں لگایا جاتا،

ممانعت کا نشان نہ ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس گلی یا سڑک پر گاڑی چلانے کی عام اجازت ہے بعینہٖ یہی اصول احکام شریعت کا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان قال: سئل رسول اللہ ﷺ عن اشیاء فقال: الحلال ما احل اللہ فی کتابه والحرام ماحرمه اللہ فی کتابه وماسکت عنه فهو مما قدعفیٰ عنه فلاتتکلفوا۔

ترجمہ: "حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بعض اشیاء (کی حلت و حرمت) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے (شرعی حکم) دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دے دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دے دیا ہے اور جس کے بارے میں (کتاب و سنت میں) سکوت فرمایا گیا ہے تو وہ معاف ہے (یعنی جائز و حلال ہے)، لہٰذا خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالو"۔[3556]

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ **قدفصّل لکم ماحرم علیکم** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مسئلہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام چیزوں کا ذکر مفصل ہوتا ہے اور ثبوتِ حرمت کے لئے حکمِ حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو وہ مباح ہے۔[3557]

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

[3556] (سنن ابن ماجه، ص ۲۴۹، سنن ترمذی، ص ۲۱۹)

[3557] (بحوالۂ توضیح البیان ص ۴۲۹)

واعلم ان قوله كلوا واشربوا مطلق الاوقات والاحوال ويتناول جميع المطعومات والمشروبات فوجب ان يكون الاصل فيها هو الحل فى كل الاوقات وفى كل المطعومات والمشروبات الا ما خصه الدليل المنفصل والعقل ايضا مولد له لان الاصل فى المنافع الحل والاباحه۔[3558]

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قول کلوا واشربوا (کھاؤ پیو) مطلق ہے۔ جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہے اور اسی طرح تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے پس چاہئے کہ تمام چیزوں کو ہر وقت اور ہر حال میں کھانا جائز ہو مگر جس کو کسی دلیلِ شرعی نے حرام کر دیا ہو اور عقل بھی اس کی مؤید ہے کیونکہ اصل تمام منافع میں حلت اور اباحت ہے۔

علامہ بیضاوی قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الاعراف ۳۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وفيه دليل على ان الاصل فالمطاعم والملابس وانواع التجمّلات الاباحة"۔

اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے۔

احناف اہلسنت کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔(تفسیر احمدی ص ۱۳) اور تفسیر احمدی میں اس بارے میں کافی بحث موجود ہے۔

شیخ القرآن والحدیث پیر طریقت رہبر شریعت مولانا حبیب الرحمن گبول طاہری اپنی کتاب "راہِ حقیقت" میں صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں:

[3558] (تفسیر کبیر ج۴، ص ۲۰۱)

"جمہور علماء و فقہاء متقدمین و متاخرین کے یہاں یہ مسلہ قاعدہ کلیہ ہے کہ تمام امور و اشیاء میں اصل (اباحہ، جائز ہونا) ناجائز اور حرام قرار دیئے جانے کے لئے ہی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت، خَلَقَ لَکُمْ مَا فِیْ الْاَرْضِ جَمِیْعاً (تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے) کے تحت اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کے ماہر حضرت ملا احمد علیہ الرحمہ نے لکھاہے:

"فَفِی الْاٰیَۃِ دَلِیْل" عَلٰی کَوْنِ الْاِبَاحَۃِ اَصْلاً فِی الْاَشْیَاءِ صَرَّحَ بِہٖ صَاحِبُ الْکَشَّافِ وَ قَدْ صَرَّحَ بِہٖ صَاحِبُ الْمَدَارِکِ"۔

یعنی اشیاء میں اصل اباحہ (جائز) ہونے کے لئے یہ آیت دلیل ہے۔

صاحب تفسیر کشاف اور صاحب تفسیر مدارک نے اس کی تصریح کی ہے:

"وَ قَالَ الْعَلَّامَۃُ الْفَھَّامَۃُ الشَّامِیُّ اَقُوْلُ وَ صَرَّحَ فِی التَّحْرِیْرِ بِاَنَّ الْمُخْتَارَ اَنَّ الْاَصْلَ الْاِبَاحَۃُ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ مِنَ الْحَنَفِیَّۃِ وَ الشَّافِعِیَّۃِ فَجَعَلَ الْاِبَاحَۃَ اَصْلاً وَ الْحُرْمَۃَ بِعَارِضِ النَّھْیِ"۔

یعنی "حضرت علامہ شامی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جمہور علماء حنفی ہوں خواہ شافعی انکا مختار مذہب یہ ہے کہ اصل اباحہ (جائز ہونا) ہے، جبکہ حرمت (کسی چیز کو حرام قرار دینے) کے لئے منع کے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے"۔

یعنی کسی شی یا کسی کام کو حلال و جائز کہنے کے لئے دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی دلیل سے اس کی حرمت ثابت ہو جائے تو اس کو ترک کرنا لازم و واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے:

"اِنَّ جَمِیعَ الْاَشْیَاءِ عَلَی الْاِبَاحَۃِ حَتّٰی یَثْبُتَ الْمَنْعُ مِنْ قِبَلِ الشَّارِعِ"۔

یعنی تمام چیزیں جائز و مباح ہیں جب تک کسی چیز کے لئے مشارع علیہ السلام سے منع ثابت نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ جس بات سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے منع نہیں فرمایا وہ جائز و مباح ہے۔ اسے ناجائز و بدعۃ کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ حرام، ناجائز یا بدعۃ صرف وہی چیزیں اور وہی کام کہلائیں گے جن کے لئے شریعت مطہرہ نے صراحۃً وضاحت کی ہے۔

اس اہم مسئلہ کی وضاحت ایک عام فہم مثال سے ہوتی ہے۔ مثلاً ملک بھر میں ہزاروں سڑکیں موجود ہیں ان میں سے انتہائی قلیل شاہراہوں پر یہ عبارت تحریر ہوتی ہے۔ "یہ شاہراہ عام نہیں ہے۔ متعلقہ محکمہ کے علاوہ دوسروں کا داخلہ ممنوع ہے"۔ وغیرہ۔ جبکہ دوسری شاہراہوں پر کوئی ایسا بورڈ نہیں ہوتا، اور ایسے بورڈ کا نہ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ یہاں آمد ورفت کی عام اجازت ہے۔ اسی طرح دین اسلام میں بھی جو باتیں ممنوع یا ناجائز ہیں ان کا اظہار فرمادیا گیا ہے۔ شریعت میں کسی چیز کے لئے ممانعت کا وارد نہ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ جائز و مباح ہے۔[3559]

مشہور محدث حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث "اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلَیْکُمْ فَرَائِضَ فَلَاتُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَاتَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْداً فَلَاتَعْتَدُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَاتَبْحَثُوْا عَنْھَا" (اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر کئی چیزیں فرض کی ہیں ان کو ضائع نہ

3559 (مفیدالواعظین، ص ۲۳۹)

کرو اور کچھ حرام کی ہیں ان سے آگے نہ گزرو، اور حدیں مقرر کی ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور بعض چیزوں سے خاموشی اختیار کی جان بوجھ کر سو ان میں بحث نہ کرو) کے تحت تحریر فرمایا:

فَلَاتَبْحَثُوْ عَنْهَا اَیْ لَا تُفَتِّشُوْا عَنْ تِلْکَ الْاَشْیَاءِ دَلَّ عَلٰی اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَۃُ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً۔[3560]

(ان کے متعلق بحث نہ کرو یعنی ان چیزوں کی تفتیش نہ کرو، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اشیاء میں اصل جواز اباحہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے۔)

مفتی محمد فرید دیوبندی "منہاج السنن شرح جامع السنن" میں لکھتے ہیں:

"جنازہ کے بعد دعا جائز ہے" **لحدیثٍ "مَا سَکَتَ عَنْهُ فَهُوَ عفُو" رَوَاہُ اَبُو دَاوٗد و من ھٰھُنا قالو االاصلُ فِیْ الْاَشْیَاءِ اَلْاِبَاحَۃ"۔**[3561]

مولانا احمد نبی صاحب نے "**اوضح البیان فی جواز حیلۃ الاسقاط مع دوران القرآن**" میں لکھاہے:

"یہ جمہور حنفیہ وشافعیہ کا مذھب ہے کہ اصل اشیامیں اباحت ہے"۔

کماقال اللہ تعالی هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ ۲۹)۔ و الفقھاء استدلّوا بہٖ ان الاصل فی الاشیاء الاباحات۔[3562]

[3560] (مرقاۃ المفاتیح، ص ۲٦۳)
[3561] (منھاج السنن، ص ٦)
[3562] (تفسیر کبیر)

لہٰذا ان تمام مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر کے ساتھ نعت خوانی کرنا بالکل جائز ہے۔

اور اس سے منع کرنے والے اس آیت کا مصداق بن رہے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا (النساء، ۱۵۰)

اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو جدا کردیں۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (الفرقان ۴۳)

اور اگر کوئی مزید وضاحت کا طلبگار ہو تو اسے چاہئے کہ ہمارا رسالہ "تحقیق الدقیق فی ردّ فتویٰ المجازفة غیر حقیق" کا مطالعہ کرلے تو اس کے تمام شکوک وشبہات رفع ہوجائیں گے۔ (ان شاءاللہ تعالیٰ)

واللہ ورسولہ اعلم

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله وصحبه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ